بسم اللہ الرحمن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

جلد اوّل

فاتحہ — تا — انعام

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ ○ لاہور

کتابت ______ خوشی محمد ناصر قادری خوش رقم بنک کالونی سمن آباد لاہور
تعداد ______ تین ہزار (۳۰۰)
تاریخ طباعت ______ ۱۹۹۵
ناشر ______ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

طبعِ جدید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بتوفیقہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الذی بجاھہ تقبل الطاعات وتمحی السیئات وعلی الہ معادن السعادات واصحابہ منابع البرکات ومن احبہ واتبعہ باحسان الی یوم الدین۔

۱۳۸۴ھ ہجری ۱۹۶۵ء میں ضیاء القرآن کی پہلی جلد کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا ۱۹۷۰ء میں دُوسری جلد طبع ہُوئی۔ ان دونوں جلدوں کی کتابت اور طباعت اتنی غیر معیاری تھی کہ ان کا مطالعہ قارئین کے ذوقِ لطیف پر ایک ناخوشگوار بوجھ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بازار میں دستیاب بھی نہیں ہوتی تھی جس سے شائقین کو گوناگوں دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ ساری باتیں میرے لیے بڑی تکلیف کا باعث تھیں لیکن اس سے رُستگاری کی کوئی صُورت نظر نہ آرہی تھی۔

آخر کار اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا کہ متوکلاً علی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت واشاعت کی ذمہ داری خود سنبھالی جائے چنانچہ مخلص احباب کے مشورہ اور تعاون سے شبِ معراج ۱۳۹۴ھ میں ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔ اُسی کی زیرِ نگرانی ضیاء القرآن طبع ہو کر اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

- تمام تفسیر کی کتابت ازسرِ نو کرائی گئی ہے اور ملک کے بہترین خوشنویسوں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔
- ضیاء القرآن کو تین جلدوں میں شائع کرنے کے بجائے پانچ جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ کیونکہ مواد زیادہ تھا اسے تین جلدوں میں سمونا مشکل تھا۔
- تفسیر کو حاشیہ پر لکھنے کا اسلوب ترک کر کے موجُودہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔
- مطبوعہ جلدوں میں بھی متعدد مقامات پر اضافے کیے گئے ہیں جن سے آیات کا مطلب سمجھنے میں آسانی ہوگی۔
- مُناسب مقامات پر مضامینِ قرآن کی توضیح کے لیے نقشوں کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔
- ہر جلد کی فہرستِ مطالب ازسرِ نو اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ قارئین کے لیے اس سے استفادہ آسان ہو جائے۔
- پانچویں جلد کے آخر میں مفتاح القرآن نامی ایک رسالہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس سے قارئین کو مطلوبہ آیت کی تلاش میں مدد ملے گی۔
- پہلی طباعت بلاکس پر تھی۔ اب فوٹو آفسٹ کا طریقہ اپنایا گیا ہے۔
- قرآن کریم کے نور کو ہر مُسلم گھر میں پہنچانے کی غرض سے ضیاء القرآن دو قسموں میں آپ کے سامنے ہے۔ اعلیٰ قسم اور

ارزاں قیمت۔ تاکہ ہر شخص اپنے ذوق اور مقدرت کے مطابق اسے حاصل کر سکے۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل نوجوان عزیزم مولانا محمد سعید اسعد نے دس گیارہ سال بڑی محنت اور دلی لگن سے شب و روز میرے ساتھ کام کیا۔ اپنے آرام و آسائش کی کبھی پرواہ نہ کی۔ ان کی ذہانت، پرجوش ذوق اور خلوص کا مجھے اعتراف ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس مخلصانہ رفاقت اور مسلسل محنت کو شرف قبول بخشے اور انہیں اپنے دین حنیف کی خدمات جلیلہ سرانجام دینے کی توفیقات ارزانی فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ان کے علاوہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کے فاضل عزیزم مولانا عبدالرسول ارشد ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) کا میں ممنون ہوں جنہوں نے میری گزارش پر سرکاری ملازمت سے استعفاء دے کر ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا کام سنبھالا۔ انہی کی ان تھک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ضیاء القرآن کو اس دیدہ زیب صورت میں آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد معراج الاسلام صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ اور جناب عابد نظامی مدیر معاون ماہنامہ "ضیائے حرم" میرے خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ان کے مفید مشوروں سے میں نے استفادہ کیا۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے اراکین کے بھرپور تعاون کے بغیر اس عظیم منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جذبہ خدمت اسلام کو ہمیشہ سلامت رکھے اور انہیں مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائے۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ و علیٰ والدیّ و ان اعمل صالحا ترضاه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔

یارب صل وسلم دائما ابدا
علیٰ حبیبك خیر الخلق کلھم

دوشنبہ
۲۱۔ محرم الحرام ۱۳۹۸ھ
۲۔ جنوری ۱۹۷۸ء

خاک راہ صاحبدلاں
محمد کرم شاہ
سجادہ نشین بھیرہ ضلع سرگودھا

ضِیَاءُ الْقُرْآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العلمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين وازكى الصلوات واطيب التسليمات واسنى التحيات على حبيبه المعظم ونبيه المكرم سيد ولد آدم مولانا محمد المبعوث رحمة للعالمين قائد الغر المحجلين وعلى آله الطيبين واصحابه المكرمين اللهم اياك نعبد واياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين امين بحق طٰه ويٰس۔

رحمٰن ورحیم پروردگار نے اپنے بندوں کی رہنمائی اور اُن کی حقیقی فلاح وکامرانی کے لیے جو صحیفہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ منیر پر نازل فرمایا اسے ہم قرآن مجید کے نام سے جانتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک کتاب ہے اور کتابیں اَن گنت ہیں۔ بڑی ضخیم، بڑی ادق، بڑی دل آویز لیکن اس کتاب کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ صحیفہ بیک وقت کتاب بھی ہے اور علم ومعرفت کا آفتاب جہاں تاب بھی جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نور دونوں یکجا ہیں۔ اس کا حُسن وجمال قلب ونگاہ کو یکساں متاثر کرتا ہے۔ اس کی تجلیات سے دُنیا وعقبیٰ دونوں جگمگا رہے ہیں۔ اس کا فیض ہر پیاسے کو اُس کی پیاس کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اس کا پیغام اگر عقل وخرد کو لذتِ جستجو بخشتا ہے تو قلب ورُوح کو بھی شوقِ فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کی تعلیم نے انسان کو خود شناس بھی بنایا اور خدا شناس بھی۔

یہ کتابِ مقدس ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے۔ اس کا ہر پہلو اتنا دلربا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔ اسی لیے جب سے اس کا نزول ہوا اس نے اپنی فطری جاذبیت سے نوعِ انسان کے ہر طبقہ سے سنجیدہ اور ذہین افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اس میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ قرآن حکیم کے متعلق جتنا کچھ لکھا گیا ہے اتنا کسی کتاب یا کسی موضوع پر نہیں لکھا گیا۔ لکھنے والوں میں اپنے بھی تھے اور بیگانے بھی محقق بھی تھے اور متعصب بھی۔ ادیب بھی تھے اور فلسفی بھی۔ عربی بھی تھے اور عجمی بھی۔ شمعِ علم کے پروانے بھی تھے اور میخانۂ عرفان کے متوالے بھی۔ سب ہی نے تو اس کی خدمت کی بلکہ سب ہی سے اس نے اپنی خدمت لی اور ہر ایک نے اس

چاکری کو اپنے لیے باعثِ عزّت و سعادت سمجھا۔

اس بحرِ بے پیدا کنار میں غوّاصی کرنے والوں نے غوّاصی کا حق ادا کیا۔ ہر ایک نے اپنی ہمّت کے مُطابق انمول موتیوں سے اپنی جھولیاں بھریں لیکن اس کے معارف کے خزینے بھرے کے بھرے ہی رہے۔ اس کے اسرار و رُموز کے گنجینوں میں کمی نہ ہوئی جنھوں نے اس گلستانِ معنی میں گُل چینی کرتے کرتے عُمریں گزار دیں۔ اُنھوں نے بھی یہ تو نہیں کہا کہ ہم نے سب پھُول چُن لیے ہیں بلکہ سب نے بے تامّل یہ اعتراف کیا ؎

دامانِ نگاہ تنگ و گُلِ حُسنِ تو بسیار
گُل چینِ تو از تنگیِ داماں گلہ دارد

اور اُن کا یہ اعترافِ عجز، ازراہِ تواضع و انکسار نہ تھا بلکہ حقیقت کا اظہار تھا اور وُہ مجبُور تھے کہ اس روشن حقیقت کا اظہار کریں۔

جس میدان میں ابن جریر اور ابن کثیر جیسے محدّث اور مؤرخ، زمخشری اور ابن حیان اُندلسی جیسے ادیب اور نکتہ سنج، رازی اور بیضاوی جیسے متکلّم اور فلسفی، ابُو بکر جصاص اور ابُو عبد اللہ القرطبی جیسے فقیہ اور مقنّن (علیہم الرحمۃ) قرآن کی عظمت و جلال کے سامنے دم بخود اور سرِ بگریباں کھڑے ہوں میرے جیسے ہیچمدان، بے تمیز کا ادھر رُخ کرنا یقیناً محلِّ تعجّب و حیرت ہے۔

خُدا شاہد ہے کبھی بھُولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے یا مَیں یہ کام کرنے کی اہلیت رکھتا ہُوں یا اپنے فہم و ادراک کے ناخن سے کسی پیچیدہ گرہ کو کھول سکتا ہُوں۔ یا میرے قلم میں اتنا زور ہے کہ میری نگارشات قرآن فہمی کے راستے سے ساری رُکاوٹیں دُور کر سکتی ہیں۔ اِن تمام کوتاہیوں کا پُورا احساس ہوتے ہوئے یہ کیونکر ہو گیا۔ اس کی توجیہ میرے پاس اِس کے علاوہ کچھ نہیں کہ میں یہ کہوں کہ اللہ ربّ العزّت نے چاہا اور یہ ہو گیا۔ اسی مسبّب الاسباب نے اسباب فراہم کیے۔ اسی کی توفیق نے دستگیری فرمائی۔ اسی کی عنایاتِ پیہم کے سہارے قدم اُٹھتے رہے۔ اسی کی تائید مسلسل سے مَیں یہاں تک پہنچا اور اسی کی بارگاہِ بیکس پناہ میں دامنِ طلب پھیلائے بصد عجز و نیاز فریاد کناں ہُوں کہ اے ذرّوں کو رشکِ آفتاب بنانے والے! اے قطروں کو سمندر کی وُسعتیں بخشنے والے! اے گداؤں کو ہفت اقلیم کی سُلطانی کا تاج پہنانے والے! اے دلوں کے ظلمت کدوں میں اپنی معرفت کا چراغ روشن کرنے والے! اِس ذرّۂ ناچیز کو اِس قطرۂ حقیر کو، اِس بے نوا فقیر کو، اِس سیاہ رُو اور سیاہ دِل کو اپنے محبُوبِ مکرّم رسُولِ معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل اپنی عنایاتِ خسروانہ سے، اپنے الطافِ شاہانہ سے، اپنی نوازشاتِ کریمانہ سے ہمیشہ ہمیشہ سرفراز فرمائے رکھنا۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التي انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضاه
واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔ (۴۶ : ۱۵)

فاران کی وادیوں سے قرآن کا چشمۂ فیض کیا پھُوٹا کہ اس سے علُوم و فنون کے دریا بہہ نکلے جنھوں نے جزیرۂ عرب کے پیاسے ریگزاروں کو سیراب کیا اور اُنھیں حکمت و دانش کی جلوہ گاہ بنا دیا۔ اِس ایک کتابِ مجید نے جہاں پہلے علُوم کو حیاتِ نَو بخشی وہاں اِس نئے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کر دیا۔ علُومِ تفسیر، لغت و فقہ اللغۃ، فقہ و اصُولِ فقہ، معانی و بلاغۃ و بدیع، صرف و نحو، قرأت و تجوید، وعظ و خطابت، قصص و اخبار، امثال و حکایات ان کے علاوہ اور کئی علُوم ہیں جنھوں نے قرآنِ کریم کے سایۂ عاطفت میں جنم لیا اور اسی کے آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے اِس طرح قرآن حکیم کے فیض سے دُنیا کی سب سے زیادہ جاہل قوم علم و حکمت کے عظیم خزانوں کی مالک بلکہ خالق بن گئی۔

ہر عہد میں ملت اسلامیہ کے ذہین و فطین افراد نے جو روشن دماغ بھی تھے اور روشن ضمیر بھی، اپنی ذاتی استطاعت، ذاتی صلاحیت و استعداد اور اپنے مخصوص ماحول کی ضروریات اور تقاضوں کے پیش نظر قرآن مجید کے ان خادم علوم میں سے کسی ایک کو اپنے لیے منتخب کیا اور خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ اور اپنے اپنے موضوع پر ایسی زندۂ جاوید تالیفات و تصنیفات کا گراں بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی روشنی سے دنیا بھر کے کتب خانے اور دانش گاہیں آج بھی چمک رہی ہیں لیکن اس ناچیز کے نزدیک قرآن کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ کتاب ہدایت ہے اس کے نازل فرمانے والے نے بار بار اس کا تعارف اس قسم کے کلمات سے کرایا ہے :۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ (۳ : ۱۳۸)

آج ہمیں قرآن مجید کے اسی پہلو پر زیادہ سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے لیکن شومئی تقدیر ملاحظہ ہو آج قرآن کا یہی پہلو متروک اور مہجور ہے۔ قرآن حکیم کا مقصد اولین انسان کی اصلاح ہے۔ تربیت پیہم سے اس کے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ بنانا ہے، ہوا و ہوس کے غبار سے آئینۂ دل کو صاف کر کے اسے انوار ربانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے۔ انانیت و غرور، تمرد و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالک حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خوگر کرنا ہے یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن و خوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے زندۂ جاوید حقیقت اور ناقابل انکار حقیقت کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آیۂ رحمت بن گیا۔ غور فرمایئے حکمت الٰہی نے نزول قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا وہ عرب کا خطہ تھا۔ وہاں بسنے والے لوگ شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن انسانیت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کفر و شرک، فسق و فجور، ظلم و ستم، وحشت و بربریت، جہالت اور اجڈ پن اس پر فقر و افلاس مستزاد، غرضیکہ کونسا عیب تھا یا کونسی گمراہی تھی جو ان میں بدرجۂ اتم موجود نہ تھی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ قرآن حکیم کی تاثیر اور صاحب قرآن کی برکت سے وہ کیا سے کیا بن گئے۔ اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعث عزو شرف بنا سکتا ہے۔ اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے بزم علم و دانش کا صدر نشین بنا سکتا ہے اگر حرم کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفت الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے تو ہمارے نہاں خانۂ تصورات کے لات و ہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ظلمت خانۂ حیات کو اس کی کرنیں کیوں منور نہیں کر سکتیں۔ بخدا ہو سکتا ہے سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں اور ہمارا کاروان حیات اس شاہراہ ہدایت پر گامزن ہو جائے جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

اے درماندۂ راہ قوم! قرآن تمہیں عظمت و عزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کر لو۔

اے اپنی قسمت برگشتہ پر آہ و فغاں کرنے والے نوجوانو! دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے۔ تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو ——— قرآن تمہیں واپس دلا سکتا ہے اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو۔

زندگی کی یہ ساری چہل پہل تقسیم کار کے باعث ہے۔ ایک ہی ملت کے مختلف افراد مختلف کام سرانجام دیتے ہیں کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باگ ڈور ہے۔ کوئی مجالس مشاورت کا رکن رکین ہے۔ کوئی تجارت و صنعت کو چار چاند لگا رہا ہے۔ کوئی شکم زمین سے رزق کے

سربمہر خزانے نکال کر اُن کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ کوئی وعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے۔ کوئی تعلیم و تدریس کی مسند کو رونق بخشتے ہے اور کوئی سجادۂ فقر و درویشی پر تشریف فرما ہے۔ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اُسی وقت کہا جاسکتا ہے جب کہ اُس کے تمام عناصر حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہوں اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں قرآن مجید کی ہدایت پر کاربند ہوں اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری دیانت داری سے مصروف کار ہوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر ایک عنصر بھی جادۂ حق سے برگشتہ ہو جائے تو دوسرے عناصر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انہیں اس کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرت ناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ ان برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انہیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خدانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا کہ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

میں نے ہر ایسے موقع پر کوشش کی ہے کہ مطالعہ کرنے والے کے وجدان کو جھنجھوڑوں اور اُسے اپنا محاسبہ کرنے کی رغبت دلاؤں تاکہ وُہ اپنی جنسِ عمل کو اسلام اور قرآن کے مقرر کیے ہوئے ترازو میں تولے اور اسی کی کسوٹی پر پرکھے تاکہ اسے اپنے متعلق کوئی غلط فہمی یا اشتباہ نہ رہے۔ اور اگر اس کا قدم جادۂ حق سے پھسل گیا ہے تو وُہ سنبھلنے کی بروقت کوشش کرے۔

قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطۂ حیات (شریعت) بھی عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے؟ اگر وُہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اگر وُہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وُہ دولت مند ہے تو اس کا طرز عمل کیسا ہو اور اگر وُہ فقیر و محتاج ہو تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعت کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود ہے۔ اسی لیے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظامِ اخلاق وغیرہ تمام اُمور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ مباحث آئے ہیں میں نے کوشش کی ہے کہ اُن کو اس واضح اسلوب میں پیش کیا جائے جسے عصرِ حاضر کا انسان سمجھ بھی سکے اور قبول بھی کر سکے۔

یہ ایک بڑی دلخراش اور رُوح فرسا حقیقت ہے کہ مرورِ زمانہ سے اِس اُمّت میں بھی افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا جسے واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ اُمّت بھی بعض خود غرض اور بدخواہ لوگوں کی ریشہ دوانیوں سے متنازع گروہوں میں بٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور جذبات میں آئے دن کشیدگی اور تلخی بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ اس پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنے کا یہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ انہیں قرآن حکیم کی طرف بلایا جائے اور اس کی تعلیمات کو نہایت شائستہ اور دلنشین پیرایہ میں پیش کیا جائے۔ پھر ان کی عقلِ سلیم کو اس میں غور و فکر کی دعوت دی جائے۔ ہمارا اتنا ہی فرض ہے اور ہمیں یہ فرض بڑی دل سوزی سے ادا کرنا چاہیے۔ اس کے

بعد معاملہ خدائے برتر کے سپرد کر دیں۔ وُہ حی وقیّوم چاہے تو انھیں ان شبہات اور غلط فہمیوں کی دلدل سے نکال کر راہِ ہدایت پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ وما ذٰلك على الله بعزيز۔

اس باہمی اور داخلی انتشار کا سبب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعت کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انھیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریاتِ دین میں کلی موافقت ہے لیکن بسا اوقات طرز تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سُوء ظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے۔ اگر تقریر و تحریر میں احتیاط و اعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور اس بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے۔ اور اگر چند اُمور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصرِ حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے آستینیں چڑھائے الٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا جسم پہلے ہی اغیار کے چرکوں سے چھلنی ہو چکا ہے۔ ہمارا کام تو ان خونچکاں زخموں پر مرہم رکھنا ہے۔ ان رِستے ہوئے ناسُوروں کو مندمل کرنا ہے۔ اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو واپس لانا ہے۔ یہ کہاں کی دانشمندی اور عقیدت مندی ہے کہ ان زخموں پر نمک پاشی کرتے رہیں۔ ان ناسوروں کو اور اذیت ناک اور تکلیف دِہ بناتے رہیں۔

میں نے پُورے خلوص سے کوشش کی ہے کہ ایسے مقامات پر افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اپنے مسلک کی صحیح ترجمانی کر دوں جو قرآن کریم کی آیاتِ بیّنات، احادیثِ صحیحہ یا اُمت کے علماء حق کے ارشادات سے ماخوذ ہے تاکہ نادان دوستوں کی غلط آمیزیوں یا اہل غرض کی بہتان تراشیوں کے باعث حقیقت پر جو پردے پڑ گئے ہیں وُہ اُٹھ جائیں اور حقیقت آشکارا ہو جائے بفضلہ تعالیٰ اس طرح بہت سے الزامات کا خود بخود ازالہ ہو جائے گا۔ اور ان لوگوں کے دلوں سے یہ غلط فہمی دُور ہو جائے گی جو غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ واقعی ملّت کا ایک حصّہ شرک سے آلودہ ہے یا ان کے اعمال اور مشرکین کے اعمال میں مماثلت پائی جاتی ہے العیاذ باللہ۔

خداوند کریم ہمارے حالِ زار پر رحم فرمادے اور دلوں کو حسد اور نفرت کے جذبات سے پاک کر کے ان میں محبّت و اُلفت پیدا فرمادے وهو على كل شىء قدير۔

قرآن حمید عربی زبان میں نازل ہُوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے۔ اس کے اپنے مجازات استعارات اور امثال ہیں مفردات کے اشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں، اس کا دامن الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعدِ اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دُنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس کتابِ مقدس کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقفیت بہم پہنچائیں اس کے ادب اور اسلوبِ انشاء کی خصوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آبگینوں میں حقیقت کی جو شرابِ طہور چھلک رہی ہے اس سے لُطف اندوز ہو سکیں۔

جہاں کہیں کوئی نحوی یا صرفی اُلجھن معلوم ہُوتی یا لغوی پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ ائمہ فن کے مستند اقوال

سے اس کا حل پیش کروں تاکہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے۔

ہر سُورۃ سے پہلے میں نے اس کا تعارف لکھا ہے جس میں سُورۃ کا زمانہ نزُول، اس کا ماحول، اس کے اہم اغراض و مطالب، اس کے مضامین کا خلاصہ۔ اور اگر اس میں کسی سیاسی یا تاریخی واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا پس منظر بیان کیا ہے۔ تاکہ قارئین جب پہلے اس تعارف کو پڑھ لیں گے تو سُورۃ کا مطالعہ کرتے وقت وُہ ان اُمورِ خصُوصی پر زیادہ توجہ مبذول کر سکیں گے۔

قرآن کریم کے اُردُو تراجم جو میری نظر سے گزرے ہیں وُہ عموماً دو طرح کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے لیکن ان میں وُہ زورِ بیان مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرّۂ امتیاز بلکہ اس کی رُوح رواں ہے۔ دُوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ ان میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ میں جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں اس کا تعلق کس کلمہ یا جُملہ سے ہے۔

میں نے سعی کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دُوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے زورِ بیان میں بھی (حتی الامکان) فرق نہ آنے پائے اور ہر کلمہ کا ترجمہ اس کے نیچے بھی مرقوم ہو۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہُوا ہُوں اس کا فیصلہ تو قارئین کرام ہی کریں گے۔ بہرحال اگر مجھے اس میں کامیابی ہُوئی ہے (پُوری نہ سہی ادھوری سہی) تو یہ میرے مولائے کریم کا اپنے اس ناچیز بندے پر ایک مزید احسانِ عظیم ہے جس کی شکرگزاری سے یہ ہیچمدان کبھی عُہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

اب مجھے قرآن حکیم کی جمع و تدوین اور اس کی موجُودہ ترتیب کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے تاکہ ان اُمور کے متعلق اگر کسی کو کوئی غلط فہمی ہو تو اس کا ازالہ ہو جائے۔

جمعِ قرآنِ مجید

حضُور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہؓ کی ایک جماعت کو قرآنِ کریم کی کتابت کے لیے متعین فرمایا ہُوا تھا جنھیں کاتبانِ وحی کہا جاتا تھا۔ جب بھی کوئی آیت یا مجمُوعہ آیات یا سُورہ نازل ہوتی تو ارشادِ نبوی ؐ کے مُطابق کاتبانِ وحی اسے ضبطِ تحریر میں لے آتے حضورؐ ہر آیت کے متعلق یہ تصریح فرماتے کہ یہ آیت فلاں سُورۃ میں فلاں مقام پر لکھی جائے اس طرح جُوں جُوں قرآن نازل ہوتا رہا رسُولِ مکرمؐ کی نگرانی میں حضُورؐ کی ہدایات کے مُطابق تحریر کیا جاتا رہا لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدوّن نہیں تھیں بلکہ کاغذوں، ہڈی کے ٹکڑوں، کھجُور کے چھلکوں، پتھر کی سلوں وغیرہ اشیاء پر لکھی جاتی رہیں۔

حفاظتِ قرآن کا سب سے اہم ذریعہ حفظِ قرآن مجید تھا۔ حضُورؐ اپنے صحابہؓ کو اسے یاد کرنے کا شوق دلاتے۔ قیامت کے روز حفّاظِ قرآن کو مقاماتِ رفیعہ اور مدارجِ سنیّہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے۔ نمازیں بھی اس کی تلاوت کو فرض کر دیا گیا۔ اس لیے ہر مُسلمان کے لیے قرآن کا کچھ نہ کچھ حصّہ حفظ کرنا ضروری ہو گیا۔ اور کئی صحابہؓ ایسے تھے جنھیں تمام کا تمام قرآن حکیم یاد تھا۔

رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد جب ارتداد کا فتنہ اُٹھا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کو کچلنے کے لیے صحابہؓ کے لشکر روانہ کیے تو مسیلمہ کذاب سے یمامہ کے مقام پر مسلمانوں کی جو خونریز جنگ ہُوئی اس میں اگرچہ مسیلمہ اور اس کی جھُوٹی

نبوت کا تو خاتمہ ہو گیا لیکن ختمِ رسالت کے فداکاروں کا بھی بے اندازہ جانی نقصان ہوا جس میں سات سو کے قریب صرف حفاظِ قرآن نے جامِ شہادت نوش کیا۔ (القرطبی)

اس سانحہ نے حضرت فاروق اعظمؓ کو بہت پریشان کر دیا۔ بارگاہِ خلافت میں حاضر ہو کر انھوں نے عرض کی کہ اے صدیقؓ! باطل سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے وہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر حفاظِ قرآن کے قتل کی یہی رفتار رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے محروم نہ ہو جائیں اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کتابی شکل میں یکجا جمع کر دیا جائے حضرت صدیقؓ نے کہا اے عمرؓ میں وہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا لیکن حضرت فاروقؓ کے پیہم اصرار کے باعث آپ کو بھی اس کام کی اہمیت کا احساس ہو گیا۔ آپؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو طلب کیا اور انھیں قرآن کریم کو یکجا جمع کرنے کی ہدایت فرمائی حضرت زیدؓ کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا شاق نہ گزرتا جتنی اس حکم کی تعمیل شاق گزری۔

پہلے آپؓ نے بھی ایسا کام کرنے سے انکار کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کیا گیا تھا لیکن خلیفۂ اول کی فہمائش سے انھیں بھی انشراحِ صدر حاصل ہو گیا۔ اور اس کام کی اہمیت کا انھیں بھی احساس ہو گیا۔ بڑی جانفشانی محنت تجسس اور جستجو سے قرآن حکیم کا پہلا نسخہ مدون کیا گیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں یہ نسخہ آپؓ کے پاس رہا۔ آپؓ کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس رہا۔ اور ان کے بعد امّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس محفوظ رکھ دیا گیا۔ اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جاتا۔

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہل عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں، تلفظِ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بیّن تفاوت تھا۔ یہ صورت حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اردو بولی جاتی ہے وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے ابتداء میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیش نظر انھیں اُن کے مخصوص انداز کے مطابق قراءت قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی۔ کیونکہ سب اہل زبان تھے اس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دوسرے ممالک بھی قلمروِ اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے لفظ اسی لہجہ اور تلفظ کو صحیح یقین کیا جو اُسے اُس کے استاد نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد ان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ و فساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہؓ کے سامنے پیش آیا جس نے آپؓ کو حیران و سراسیمہ کر دیا حضرت حذیفہؓ جنگ ارمینیہ میں شریک تھے۔ عراق اور شام کے نومسلم بھی اس جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قراءت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرّفِ قرآن کہا حضرت حذیفہؓ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انھیں سخت فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ ادرک ھذہ الامۃ قبل ان تھلک: اس اُمت کی چارہ سازی کیجئے اس سے پیشتر کہ یہ ہلاک ہو جائے اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا انی اخشی علیھم ان یختلفوا فی کتابھم کما اختلف

الیھود والنصاریٰ یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

قرآن کریم کا نزول لغت قریش کے مطابق ہوا تھا محض آسانی اور سہولت کے پیش نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب و لہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دہ اور مضر تھا چنانچہ صحابہ کرام کے مشورہ سے حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت کو حکم دیا کہ قرآن کریم کا ایک نسخہ صرف لغت قریش کے مطابق لکھیں چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ کا سدباب ہو گیا۔

امت اسلامیہ حضرت عثمانؓ کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے ہی آپ کو جامع آیات القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب و لہجہ کے تفاوت اور قرأتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تاکہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے۔ چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا مثلاً قریش حتّٰی (رجب تک) کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ عَتّٰی کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروف "اتین" کو مکسور پڑھا کرتے جیسے تِعْلَمُوْنَ۔ اور قریش کی لغت میں حروف "اتین" مفتوح ہیں تَعْلَمُوْنَ۔ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروف "اتین" کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ماءٍ غیر آسن ہے۔ لیکن بنی تمیم اسے ماءٍ غیر یاسن پڑھتے۔

ان امثلہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا۔ لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ وہی قرآن جو عرش عظیم کے رب نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا اور جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا ایک صحیفہ میں مدون فرمایا وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ ردّ و بدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اور اس کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۰۸ جلد ۱۳ میں بھی یہ تصریح موجود ہے۔

"THIS RECENSION OF 'UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY"

ترتیب قرآن

یہ تو واضح ہے کہ قرآن کریم کی سورتوں اور سورتوں کی آیات کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جس ترتیب سے ان کا نزول ہوا تھا۔ پھر اس موجودہ ترتیب کا ماخذ کیا ہے؟ اور کس نے یہ ترتیب دی ہے؟ اکثر عیسائی مستشرقین نے اس پر بڑی لے دے کی ہے اور یہ ثابت کرنے کے لیے بڑے جتن کیے ہیں کہ موجودہ ترتیب زمانۂ نبوت میں نہیں دی گئی بلکہ اس کے بعد صحابہؓ نے اس کو یوں مرتب

کیا ہے۔ آیئے حقائق کی روشنی میں ان کے اس مفروضہ کا جائزہ لیں۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن کی سورتوں اور سورتوں کی آیتوں کو مرتب فرمایا۔ اور یہ موجودہ ترتیب وہی ترتیب ہے۔ اس کے لیے متعدد دلائل ہیں جن میں سے چند ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

ا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ علینا جمعه وقرآنه ۝ فاذا قرأناه فاتبع قرانه (۷۵: ۱۷، ۱۸) یعنی قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ اور جب ہم پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔ اب آپ سوچیں کہ کیا ترتیب کے بغیر جمع قرآن کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ کیا کسی مخصوص ترتیب کے بغیر اس کی تلاوت ممکن ہے؟ جب جمع کرنے اور پڑھنے کے لیے اس کا مرتب ہونا ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ جس ذات پاک کے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے اسی نے اس کو مرتب فرمایا ہے۔

ب۔ تاریخی لحاظ سے آپ سوچیے عہد رسالت میں صحابہ کرام کو قرآن کریم یاد تھا۔ بعض کو کچھ سورتیں اور بعض کو سارا قرآن صحابہ کرامؓ نمازوں میں اور اس کے باہر اس کی تلاوت کیا کرتے۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود بھی نماز تہجد میں، دوسری نمازوں میں، عام خطبات میں کثرت سے قرآن کریم کی قرأت فرماتے اور حضورؐ کی قرأت و ترتیب اور صحابہؓ کی قرأت و ترتیب میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اگر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حکم الٰہی سے مرتب نہیں فرما دیا تھا تو صحابہؓ کیسے اس کو حفظ کرسکتے تھے۔ کیسے اس کی تلاوت ان کے لیے ممکن تھی۔ اور اگر حضورؐ کی مقررہ ترتیب نہیں تھی تو ہر ایک کی قرأت دوسرے سے مختلف ہونی چاہیئے تھی حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم عہد رسالت میں مکمل طور پر مرتب فرما دیا گیا تھا اور تمام صحابہؓ اسی کی پیروی اور پابندی کیا کرتے تھے۔ اس لیے عیسائی متعصبین کا یہ شور و غوغا قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔ وَلِلّٰہِ الحجۃ البالغۃ۔

قرآن مجید کی تلاوت کے آداب

قرآن حکیم کتاب ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت کا مقصد دل بہلانا اور وقت گزارنا نہیں بلکہ اس کا مقصد اولین تعمیر انسانیت اور تشکیل سیرت ہے اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہوسکتا ہے جب پڑھنے والے کو اس کتاب عزیز سے دلی لگاؤ اور طبعی ربط پیدا ہو جائے۔ اس لگاؤ اور ربط کو پیدا کرنے کے لیے علماء اسلام نے چند آداب اور شرائط بتائے ہیں جن کی پابندی کرنے سے قرآن کریم سے فیضیاب ہونے کے دروازے کھل جاتے ہیں میں انھیں قارئین کرام کے فائدہ کے لیے العارف الکامل حجۃ الاسلام الامام محمد بن محمد بن محمد بن احمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شہرۂ آفاق کتاب احیاء علوم الدین سے استفادہ کرتے ہوئے مختصراً قلمبند کرتا ہوں۔

۱۔ **قاری** کے لیے ضروری ہے کہ باوضو ہو قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بڑے ادب و سکون کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرے۔

۲۔ **مقدار قرأت**: بعض لوگ دن رات میں ایک مرتبہ، بعض دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ بھی قرآن ختم کرتے ہیں اور بعض ایک ماہ میں ایک مرتبہ اور بعض ہفتہ میں ایک بار کیونکہ قرأت قرآن کا مدعا اس کو صحیح طور پر سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے اور

ایک دن میں اسے ختم کرنے سے یہ مدعا پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کو مکروہ کہا گیا ہے الختم فی یوم ولیلۃ قد کرھہ جماعۃ (احیاء) حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی ہے من قرأ القرآن فی اقل من ثلاث لم یفقھہ یعنی جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا اس نے اسے سمجھا ہی نہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ارشادِ نبوی یہی تھا کہ وُہ ہفتہ میں قرآن ختم کیا کریں۔ چنانچہ حضرات عثمان، زید بن ثابت، ابن مسعود اور ابی ابن کعب رضی اللہ عنہم کا یہی معمول تھا۔

۳۔ **ترتیل** ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھنا کیونکہ اسی صورت میں ہی انسان آیات پر غور و فکر کر سکتا ہے۔

۴۔ **رحمت عالم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اتلوا القرآن وابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ قرآن کریم پڑھو اور روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو بہ تکلف رونے کی کوشش کرو۔ گریہ وزاری سے ہی رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

۵۔ **جو آیت پڑھے** اس کا حق ادا کرے یعنی آیت تسبیح و تکبیر پڑھے تو خود بھی سبحان اللہ اور اللہ اکبر کہے۔ اگر دُعا و استغفار کی آیت تلاوت کرے تو اپنے لیے بھی دُعا مانگے اور مغفرت طلب کرے اگر کسی آیت میں انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے تو ان کے لیے دستِ سوال دراز کرے۔ اگر کہیں عذاب و مصیبت کا تذکرہ آئے تو اپنے لیے پناہ مانگے۔ اگر آیت سجدہ پڑھے یا سُنے تو سجدہ کرے۔ غرضیکہ جس مضمون کی آیت پڑھے اسی قسم کے تاثر کا اظہار کرے۔

۶۔ **تلاوت** شروع کرتے وقت یہ پڑھے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔ اور جب تلاوت ختم کرنے لگے تو یہ کہے صَدَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَبَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِہٖ وَبَارِكْ لَنَا فِیْہِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْحَیَّ الْقَیُّوْمَ۔

۷۔ پڑھتے وقت آواز اتنا بلند کرے کہ کم از کم خود سُن سکے۔ اس سے زیادہ بلند آواز سے قرأت اگر کسی دوسرے شخص کے لیے تکلیف دِہ نہ ہو تو محبوب ہے ورنہ مکروہ۔

۸۔ **حضور کریم** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ زینوا القرآن باصواتکم یعنی خوش آوازی سے قرآن کو مزین آراستہ کرو۔ دوسری حدیث شریف میں ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم لیس منا من لم یتغن بالقرآن۔ یعنی حضور نے فرمایا جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وُہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اس لیے تکلف و تصنع کے بغیر جتنا ممکن ہو خوش الحانی سے پڑھے تاکہ خود بھی اور سُننے والے بھی اس کی قرأت سے لطف اندوز ہوں۔

اِن کے علاوہ چند باطنی آداب و شرائط ہیں جن کا التزام باعث ہزار برکت و سعادت ہے۔

۱۔ پڑھنے والے کا دل و دماغ اس کتاب مقدس کی عظمت اور اس کے نازل فرمانے والے کی عظمت سے لبریز ہو۔ اُسے یہ احساس ہو کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔ اس کو کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا بلکہ یہ خالق جن و بشر، مالک بحر و بر، رب السموات والارض احکم الحاکمین کا کلام معجز نظام ہے جو اس نے ازراہِ عنایت بندہ پروری اپنے بندوں کی ہدایت پذیری

کے لیے اپنے محبوب و برگزیدہ بندے خاتم الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلب منیر پر نازل فرمایا ہے۔

ب۔ دل کو تمام وسوسوں اور اندیشوں سے پاک کر کے بڑی یکسوئی اور حضورِ قلب سے اس کی تلاوت میں مشغول ہو۔

ج۔ فکر و تدبر کی جملہ صلاحیتوں کو اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائے تاکہ رحمتِ الٰہی اس کے شوق و طلب کی بے قراریوں پر رحم فرماتے ہوئے اس کے لیے فیوضِ قرآنی کے دروازے کھول دے۔

د۔ نفس اور نفس کی پیدا کردہ خواہشیں اور مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے جگہ پکڑے ہوئے نظریات اور اعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کے حیات بخش چشمہ تک پہنچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک رکاوٹ کو پیوندِ خاک کرے اور مردانہ وار آگے بڑھتا چلا جائے۔ قرآن کے سحابِ کرم سے عرفان کے جو قطرے اس کی کشتِ ایمان پر ٹپکنے لگیں۔ ان کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دے۔

ہ۔ قرآن فہمی کے لیے صرف اپنے فہم و ذکا، اور علم و دانش پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید پر اعتماد کرے اور قدم قدم پر اس کی رہنمائی اور دستگیری کے لیے بصد عجز و نیاز التجا کرتا رہے وما یتذکر الا من ینیب (المومن) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہی (اس صحیفۂ رشد و ہدایت سے) نصیحت قبول کرتا ہے تبصرۃ وذکریٰ لکل عبد منیب (ق) اپنے رب کی طرف مائل ہونے والے ہر بندے کے لیے یہ کتاب بصیرت افروز اور نصیحت ہے۔

رموزِ اوقاف قرآن حکیم

قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے جانتے ہیں کہ آیات کے آخر میں یا وسط میں مختلف علامات و اشارات بنے ہوتے ہیں کہیں چھوٹا سا گول دائرہ بنا ہوتا ہے تو کہیں م یا ص یا ز وغیرہ حروف لکھے ہوتے ہیں۔ یہ علامات و اشارات حقیقت میں رموزِ اوقاف (PUNCTUATION) ہیں۔ آیت کے مطلب کو صحیح سمجھنے کا انحصار کافی حد تک ان رموز کی حقیقت کو سمجھنے پر ہے۔ ان کی اس اہمیت کے پیشِ نظر ان کا تفصیلی بیان درج ذیل ہے:۔

○ یہ چھوٹا سا گول دائرہ وقف تام کی علامت ہے یعنی آیت ختم ہو گئی ہے۔ آپ کو یہاں ٹھہرنا چاہیے۔ یہ حقیقت میں گول ۃ تھی لیکن اب گول دائرہ کی شکل میں لکھی جاتی ہے۔

م۔ یہ وقف لازم کی علامت ہے یعنی یہاں ٹھہرنا ضروری ہے۔ ورنہ کلام کے مفہوم کے خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

ط۔ یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہاں آپ کو ٹھہرنا چاہیے لیکن سلسلۂ کلام ابھی جاری ہے۔ کہنے والے کا مطلب ابھی پورا نہیں ہوا۔

ج۔ وقف جائز کی نشانی ہے۔ یہاں ٹھہریں تو بہتر نہ ٹھہریں تو حرج نہیں۔

ز۔ وقف مجوز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہریں تو درست ہے لیکن نہ ٹھہرنا بہتر ہے۔

ص ۔ وقفِ مرخّص کی نشانی ہے۔ یہاں ملاکر پڑھنا چاہیئے لیکن اگر کوئی تھک کر ٹھیر جائے تو رُخصت ہے۔

صلے ۔ یہ الوصل اولیٰ کا مخفف ہے یعنی ملاکر پڑھنا بہتر ہے۔

ق ۔ قیل علیہ الوقف کا اِختصار ہے۔ یہاں نہیں ٹھیرنا چاہیئے۔

صل ۔ قد یوصل کا مخفّف ہے۔ یہاں ٹھیرنا اور نہ ٹھیرنا دونوں جائز ہیں لیکن ٹھیرنا بہتر ہے۔

قف ۔ اِس کا معنی ہے ٹھیر جاؤ۔ اور یہ علامت وہاں لکھّی جاتی ہے جہاں یہ احتمال ہوتا ہے کہ پڑھنے والا اسے ملاکر پڑھے گا۔

س یا سکتہ ۔ یہاں ٹھیرنا چاہیئے لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے۔

وقفہ ۔ لمبے سکتے کی علامت ہے لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹنا چاہیئے۔

لا ۔ لا کے معنی نہیں کے ہیں۔ یہ علامت کبھی آیت کے اختتام پر لکھی جاتی ہے اور کہیں آیت کے اندر۔ آیت کے اندر ہو تو ہرگز نہیں ٹھیرنا چاہیئے۔ آیت کے اختتام پر (۝ لا) ہو تو بعض کے نزدیک ٹھیرنا چاہیئے اور بعض کے نزدیک نہیں دونوں صُورتوں میں آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ك ۔ کذٰلک کا مخفف ہے یعنی جو علامت پہلے ہے وُہی یہاں سمجھی جائے۔

آخر میں میں اپنے اُن احباب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہُوں جنھوں نے اِس اہم اور عظیم کام کی تکمیل میں میری اعانت کی اور مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے مُستفید فرمایا۔ اِس سلسلہ میں عزیزی مولوی محمد رفیق صاحب متعلّم دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ نے میری بڑی خدمت کی ہے۔ اپنے آرام و آسائش کو قربان کرکے مجھے آرام پہنچایا ہے۔ سفر و حضر میں میرے رفیق رہے ہیں۔ مولا کریم اِس مخلصانہ خدمت پر انھیں اجرِ جزیل عطا فرماوے۔ آمین!

متوکلاً علی اللہ العلی العظیم یہ نحیف و ناتواں راہرو جس منزل کی طرف یکم رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ بروز دوشنبہ ۲۹ فروری ۱۹۶۰ء جادہ پیما ہُوا تھا۔ آج بفضلہٖ تعالیٰ اِس کٹھن اور طویل رہگزر کا ایک حصہ طے ہوا چاہتا ہے۔ رات کا ایک بج چکا ہے۔ ابھی ابھی ۱۹۶۴ء ختم ہوا ہے۔ اور ابھی ابھی مطلعِ حیات پر ۱۹۶۵ء کا ظہُور ہوا ہے۔ وقت کی برق رفتاری اِنسان اور اس کی زندگی کی بے ثباتی کو عیاں کر رہی ہے لیکن وُہ لمحے جو اس کی یاد اور اس کے ذکر میں گزرتے ہیں۔ اور وُہ راتیں جو اس کی مقدس کتاب کی خدمت میں کٹتی ہیں اور جو ساعتیں اس کے محبُوب مکرم حبیب معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ثنا گستری کی نذر ہوتی ہیں وُہ فنا نہیں ہوتیں وُہ باقی ہیں۔ وُہ ابدی اور سرمدی ہیں۔ وُہی حاصلِ حیات ہیں۔ وُہی مقصدِ زیست ہیں ؎

اوقات ہماں بُود کہ با یار بسر شد　　باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بُود

اَے میرے کریم! اِس بندۂ حقیر کے دِل میں کبھی یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ تُو اسے اپنی اس کتابِ مُنیر کی خدمت کی سعادت بخشے گا۔ یہ ناکارۂ خلائق اِس قابل کب تھا؟ اِس بے علم اور نادان میں یہ اہلیت کہاں تھی؟ اَے میرے بندہ نواز! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں۔

اَے میرے رحیم! آج میرا قلبِ حزیں جذباتِ مسرّت سے سرشار ہے۔ یہ اِس لیے کہ تیری شانِ رحمت نے اسے اپنے

الطافِ بے پایاں سے نوازا ہے کسی استحقاق کے بغیر یہ نوازشاتِ خسروانہ! انہیں محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں اے میرے رحمٰن! مجھ بے نوا اور بے کس کے پاس نہ تو دامن تھا اور نہ حوصلۂ طلب تیری ہی شانِ رحمانیت نے مجھے دامن بھی بخشا اور حوصلۂ طلب بھی۔ اِس بے نوا اور اِس بے کس پر یہ عنایت! اسے محض تیرا کرم نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ اے میرے رحمٰن! میرے رحیم! میرے کریم! اِس ناکارۂ خلائق کی ایک اور التجا ہے پہلے کی طرح بغیر کسی استحقاق کے بغیر کسی وجہ کے، محض اپنے کرم سے اسے بھی شرفِ پذیرائی بخش۔ وُہ یہ کہ "بھلا نہ دیا جاؤں"۔

تیری محبت سے میری شمعِ حیات روشن رہے۔ تیری بندگی کا نشان میری جبین پر ہمیشہ تابندہ رہے۔

تیرے پیارے حبیب کے عشق سے میرا حریمِ دل منور رہے تیرے رسُولِ مکرّم کی غلامی کا طوق زیبِ گلو رہے۔

ے ہوائے خلعتِ شاہی ندارم ... بگردن حلقۂ طوقِ غلامی

آخر میں تیری عنایاتِ بے پایاں پر، تیری نوازشاتِ بیکراں پر، تیرے لُطفِ عمیم پر تیرے ہی بتائے ہُوئے کلماتِ طیّبات سے تیری بارگاہِ بے کس پناہ میں ہدیۂ تشکّر و امتنان پیش کرتا ہُوں اسے قبُول فرمالے۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انّی تبت الیك وانی من المسلمین فاطر السمٰوات والارض انت ولیّ فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصّالحین رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔ ربّنا تقبّل منّا انك انت السمیع العلیم۔ بحرمۃ حبیبك المصطفٰی ونبیك المجتبٰی ورسولك المرتضٰی سیّدی ومولائی وشفیعی وحبیبی محمّدٍ وآلہ بدورالدجٰی وصحبہ نجوم الھدٰی۔ اللّٰھم صلّ وسلّم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الٰی یوم الدین یارب العالمین۔

خاکِ راہِ صاحبدلاں

ابُوالحسنات **محمّد کرم شاہ**

من علماءِ الازھر الشریف

خادم آستانۂ عالیہ امیر السالکین حضرت قبلہ پیر امیر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ہاشمی، اسدی، چشتی نظامی، بیالوی نور اللہ مرقدہٗ

بھیرہ۔ ضلع سرگودھا (مغربی پاکستان)

شبِ جُمعہ ۲۷ شعبان المعظّم ۱۳۸۴ھ

یکم جنوری ۱۹۶۵ء

سُورۂ فاتحہ

یہ وُہ مختصر لیکن حقائق اور معانی سے لبریز، دل نشین و دل آویز جلیل القدر سُورت ہے جس سے اِس مقدس آسمانی کتاب کا آغاز ہوتا ہے جس نے تاریخ اِنسانی کا رُخ موڑ دیا۔ جس نے فکر و نظر میں انقلاب پیدا کر دیا۔ جس نے قلب و رُوح کو نئی زندگی بخش دی۔ اِس پاک سُورت کی گوناں گوں برکات کو کیوں کر قلمبند کیا جا سکتا ہے۔ وُہ متعدد نام جن سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اِس سُورت کو یاد فرمایا حقیقت شناس نگاہوں کو ان فیوض و برکات سے آشنا کر دیں گے جو اِس میں بڑی خوبصورتی سے سمو دیئے گئے ہیں۔ اِن ناموں سے چند یہ ہیں:۔

الفَاتِحَہ : رحمت و حکمت کے خزانے کھولنے والی۔
فاتحۃ الکتاب : قرآن حکیم کے سربستہ رازوں کی کلید۔
اُمّ القُرآن : حقائق قرآنی کا ماخذ و منبع۔
السَّبعِ المثانی : بار بار دُہرائی جانے والی سات آیتیں۔
الشِّفَآء : جسمانی اور رُوحانی بیماریوں کا تریاق۔

یہ سُورۂ پاک مکہ مکرمہ میں نازل ہُوئی۔ اِس کا ایک رکُوع ہے۔ سات آیتیں ہیں۔ اِس کے الفاظ کی تعداد پچیس ہے اور حرُوف کی تعداد ۱۲۳ ہے۔

سُورَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	وَهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ
سُورۃ فاتحہ مکی	اللہ کے نام سے [1] شروع کرتا ہوں [2] جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے [3]	ایک رکوع سات آیتیں

[1] اسلامی آداب معاشرت میں بسم اللہ الخ کو اہم مقام حاصل ہے ہمیں ہمارے ہادی و مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سبق دیا ہے کہ ہر کام بسم اللہ الخ سے شروع کرو بلکہ یہاں تک فرمایا اغلق بابك واذكر اسم الله واطفئ مصباحك واذكر اسم الله وخمر اناءك واذكر اسم الله واوك سقاءك واذكر اسم الله (تفسیر القرطبی) دروازہ بند کرو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ دیا بجھاؤ تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنے برتن ڈھانپو تو اللہ کا نام لیا کرو۔ اپنی مشک کا منہ باندھو تو اللہ کا نام لیا کرو۔" مقصد یہ ہے کہ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا کرتے وقت انسان اپنے کارساز حقیقی کا نام لینے کا خوگر ہو جائے تاکہ اس کی برکت سے مشکلیں آسان ہوں۔ اس کی تائید و نصرت پر اس کا توکل پختہ ہو جائے۔ نیز جب اسے ہر کام شروع کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی عادت ہو جائے گی تو وہ ہر ایسا کام کرنے سے رُک جائے گا جس میں اس کے رب تعالیٰ کی ناراضگی ہو۔ امام قرطبی نے صحیح سند سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے مشرف با سلام ہوا ہوں جسم میں درد رہتا ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بسم اللہ الخ پڑھو اور سات بار یہ جملہ کہو اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

[2] اللہ معبود حقیقی کا علم ذاتی ہے۔ ذات باری کے علاوہ کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔

[3] یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ ان کا ماخذ رحمت ہے۔ اور رحمت الٰہی سے مراد اس کا وہ انعام و اکرام ہے جس سے وہ اپنی مخلوق کو سرفراز فرماتا رہتا ہے۔ وجود، زندگی، علم، حکمت، قوت، عزت اور عمل صالح کی توفیق سب اس کی رحمت کے مظاہر ہیں یہ اس کی بے پایاں رحمت ہی تو ہے جس نے کسی استحقاق کے بغیر انسان کی جسمانی اور روحانی بالیدگی کے سب سامان فراہم فرما دیئے۔ یہ اس کی بے حد و بے حساب رحمت ہی تو ہے کہ ہماری لگاتار ناشکریوں اور نافرمانیوں کے باوجود وہ اپنے لطف و کرم کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جس صفت کا سب سے پہلے ذکر کرتا ہے وہ صفت قہاریت و جباریت نہیں بلکہ صفت رحمانیت و رحیمیت ہے۔ یہ اس لیے کہ بندہ کا جو تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اس کا دارومدار خوف وہراس اور رعب و دبدبہ پر نہ ہو۔ بلکہ رحمت و محبت پر ہو۔ کیونکہ یہی وہ اکسیر ہے جس سے انسان کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور پنہاں توانائیاں آشکار۔ اور یہی معراج انسانیت ہے کہ انسان اپنے آپ کو عیاں دیکھ لے بعض حق ناشناس کہتے ہیں کہ اسلام کا خدا خونی ہے اور اپنے ماننے والوں کو خونخواری سکھاتا ہے۔ کاش وہ اسلام کی مقدس کتاب کے پہلے صفحہ کی پہلی آیت ہی پڑھ لیتے تو انھیں پتہ چل جاتا کہ اسلام کا خدا خونخوار نہیں، الرحمٰن ہے اس کی رحمت کا وسیع دامن کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے آغوش لطف و کرم میں لیے ہے اسلام کا خدا سفاک نہیں بلکہ الرحیم ہے اس کی رحمت کا بادل ہر وقت برستا ہی رہتا ہے۔

جیسے پہلے عرض کیا یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ ان کا معنی صرف رحمت کرنے والا نہیں بلکہ بہت اور ہر وقت رحمت کرنے والا ہے لیکن الرحمٰن میں الرحیم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے یعنی بہت ہی رحم فرمانے والا اتنی رحمت فرمانے والا جس سے زیادہ کا تصور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَۙ ① الرَّحْمٰنِ

سب تعریفیں [۷] اللہ کے لیے جو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے [۸] سارے جہانوں کا [۹] بہت ہی مہربان

ہی نہیں کیا جا سکتا۔ معناہ المنعم الحقیقی البالغ فی الرحمۃ غایتھا وذالک لایصدق علی غیرہ (بیضاوی) اسی لیے الرحمٰن کا اطلاق بجز ذاتِ الٰہی کے کسی پر نہیں ہوتا۔ **مسئلہ** بسم اللہ الخ کلام الٰہی ہے۔ دو سورتوں کو الگ کرنے کے لیے اس کا نزول ہوا۔ یہ نہ سورۂ فاتحہ کی آیت ہے نہ کسی اور سورت کی۔ ہاں سورۃ النمل کی ایک آیت کا جزو ہے۔ اس لیے احناف و مالکیہ کے نزدیک سورۂ فاتحہ کی طرح نماز میں اسے بلند آواز سے پڑھنا منع ہے۔

[۷] ہر خوبی و کمال جس کا ظہور اختیار اور ارادہ سے ہو اس کی ستائش و ثنا کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ تو اس لفظ حمد نے اس حقیقت کو بے حجاب کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا صفاتِ کمال سے متصف ہونا اضطراری اور غیر اختیاری نہیں بلکہ اس کی اپنی مرضی اور ارادہ کی جلوہ نمائی ہے۔ کمال کہیں بھی ہو جمال کسی رُوپ میں ہو اسی کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی کی با اختیار تدبیر کا اعجاز ہے تو ستائش و تعریف کسی کی بھی کی جائے حقیقت میں اسی ذات بے ہمتا کی ہے جس کی قدرت و اختیار سے اس عالمِ رنگ و بُو کی ساری رنگینیاں اور رعنائیاں رونما ہیں۔ اسی لیے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔

سورۂ فاتحہ کا آغاز الحمد سے کیا۔ اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سالک جب راہِ طلب میں قدم رکھے تو پہلے اپنے رب کی حمد کرے جس نے اس راہ پر گامزن ہونے کی اسے توفیق بخشی جس نے منزلِ مقصود کی لگن اس کے دل میں پیدا کی کیونکہ ؎

میری طلب بھی انھیں کے کرم کا صدقہ ہے　　　قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اُٹھائے جاتے ہیں

نیز اس سورۃ میں دُعا بھی ہے اور دُعا کے آداب سے یہ بھی ہے کہ مولائے کریم جس کے سامنے وُہ دامنِ طلب پھیلا رہا ہے اس کی بخشش بے انداز اور اس کی عنایت جہاں پرور کا اعتراف کرے۔

[۸] رب مصدر ہے اس کا معنی ہے تربیت۔ اور تربیت عربی میں کہتے ہیں تبلیغ الشئ الی کمالہ بحسب استعدادہ الازلی شیئا فشیئا (روح المعانی) کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد و فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں سے منعم علیہ کے اعتبار سے اعلیٰ ترین نعمت تربیت ہے۔ اس لیے حمد کے فوراً بعد اس کا ذکر فرما کر حامد کو یاد دلایا کہ جس کی تو حمد کر رہا ہے وُہی ہر حمد کے لائق ہے کیونکہ اسی نے تجھے ضعف و ناتوانی، جہالت و بے بسی کی حالت سے نکال کر اس منزل تک پہنچایا۔

[۹] عالمین عالم کی جمع ہے۔ اور یہ ماخوذ ہے عَلَم بمعنی علامت و نشانی سے کیونکہ ہر چیز اپنے پیدا کرنے والے کا پتہ دیتی ہے نیز اس میں اس لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا خُدا کسی خاص قوم، نسل اور وطن کا خدا نہیں تاکہ اس کی نوازشات کسی خاص قوم و نسل کے ساتھ ہی مخصوص ہوں بلکہ اس کی ربوبیت کا رشتہ کائنات کی ہر شے کے ساتھ یکساں ہے۔ اور اسی لیے اس کے لُطف و احسان کے سب مُساوی طور پر حق دار ہیں بشرطیکہ وُہ اس کے احکام کی بجا آوری سے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کر دیں۔

الرَّحِيمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ ۝٣ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ

ہمیشہ رحم فرمانے والا ۔ مالک ہے ۷ روزِ جزا کا ۸ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں ۹ اور

۷ مالک کہتے ہیں المتصرف فی الاعیان المملوکۃ کیف شاء (بیضاوی) وُہ ہستی جو اپنے ملک میں جو چاہے کر سکے اس لفظ سے اِن عقائدِ باطلہ کی تردید ہوگئی جن میں ہندوستان کے مشرک اور کئی دُوسری قومیں مبتلا تھیں یعنی خدا ہر مجرم کو سزا دینے پر مجبور ہے اسے معاف کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ۔ قرآن نے فرمایا وُہ مالک و مختار ہے اور ہر چیز جنّ و انس سب اس کی ملکیت ہیں ۔ جیسے چاہے ان سے سلوک فرمائے ۔ اگر مجرم کو سزا دینا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا اور اگر بخشنا چاہے تو اسے کوئی ٹوک نہیں سکتا ۔

۸ دین کا معنی ہے حساب اور جزا ۔ لبید کہتا ہے حصادک یوما ما زرعت وانما ۔ یدان الفتی یوما کما ھو دائن ثواب و عذاب کی تعبیر لفظ "دین" سے کی تاکہ پتہ چلے کہ یہ ثواب و عذاب بلا وجہ نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال کا طبعی ثمر ہے جس سے مفر نہیں مقصد یہ ہے کہ انسان گناہوں کی لذّت میں کھو کر ان بُرے نتائج سے بے خبر نہ ہو جائے جو رُونما ہو کر رہیں گے اپنی عمرِ ناپائیدار اور اس کی فنا پذیر راحتوں اور عزّتوں پر مغرور ہو کر اس دن کو نہ بھول بیٹھے جب کہ انصاف کے ترازو میں اس کا ہر چھوٹا بڑا نیک و بد عمل تولا جائے گا ۔ اس میں شک نہیں کہ وُہ رب ہے اس میں کلام نہیں کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے لیکن اس کی یہ صفت کمال بھی ہر وقت پیشِ نظر رہے کہ وُہ عادل ہے ۔ حق تو یہ ہے کہ عدل کے بغیر اس کی صفاتِ ربوبیّت و رحمت کا کامل ظہور ہو ہی نہیں سکتا ۔ کان کھول کر سُن تو وُہ دن آنے والا ہے جب سطوت و جبروت کے سب موہُوم پیکر مٹ جائیں گے ۔ اکڑی ہُوئی سب گردنیں جُھک جائیں گی ۔ ظاہر و باطن میں اسی کی فرمانروائی ہوگی جو حقیقی فرماں روا ہے ۔

کتنی افسوسناک حقیقت ہے کہ وُہ اُمت جس کے دین کے بُنیادی عقائد میں روزِ جزا پر ایمان لانا ہے میدانِ عمل میں اس کی غالب اکثریت میں اس ایمان کا کوئی اثر محسوس نہیں کیا جاتا ۔ وُہ روزِ حساب اور مکافاتِ عمل کے قانون سے یوں غافل ہیں گویا کسی نے انھیں یہ بات بتائی ہی نہیں

۹ عبادت کیا ہے ؟ آپ کو لغت و تفسیر کی ساری کتابوں میں اس کا یہ معنی ملے گا اقصی غایۃ الخضوع والتذلل یعنی حد درجہ کی عاجزی اور انکسار ۔ مفسّرین اس کی مثال سجدہ سے دیتے ہیں ۔ حالانکہ صرف سجدہ ہی عبادت نہیں بلکہ حالتِ نماز میں تمام حرکات و سکنات عبادت ہیں ۔ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا ، رکُوع اور رکُوع کے بعد ہاتھ چھوڑ کر کھڑے ہونا ، سجدہ اور اس کے بعد حالت التحیات میں دو زانو بیٹھنا ، سلام کیلئے دائیں بائیں مُنہ پھیرنا ۔ یہ سب عبادت ہیں ۔ اگر عبادت صرف تذلّل و انکسار کے آخری مرتبہ کا نام ہے اور یہ آخری مرتبہ سجدہ ہی ہے تو کیا یہ باقی چیزیں عبادت نہیں ۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ اور اگر یہ ساری چیزیں مطلقاً عبادت ہیں تو اگر کوئی شاگرد اپنے استاد کے سامنے اور بیٹا اپنے باپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھتا ہے یا ان کی آمد پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ اُس نے اپنے اُستاد یا باپ کی عبادت کی اور اُن کو اپنا معبُود بنا لیا ۔ حاشا وکلّا ۔ پھر وُہ کونسی چیز ہے جو ان حرکات و سکنات کو اگر نماز میں ہوں تو عبادت بنا دیتی ہے اور یُوں کھڑے ہونے کو (ہاتھ باندھے یا کھولے ہُوئے) اور اس طرح بیٹھنے کو اور دائیں بائیں منہ پھیرنے کو تذلّل و انکسار کے آخری مرتبہ پر پہنچا دیتی ہے اور اگر یہی امُور نماز سے خارج ہوں تو نہ ان میں غایۃ خضُوع ہے اور نہ یہ عبادت متصوّر ہوتے ہیں

اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾

تجھی سے مدد چاہتے ہیں نلے | چلا ہم کو نلے | سیدھے | راستہ | پر

تو اس کا تمیز ایک ہی ہے اَور وُہ یہ کہ جس ذات کے لیے اَور جس کے سامنے آپ یہ افعال کر رہے ہیں اس کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے اگر آپ اُس کو اللہ اَور معبُود یقین کرتے ہیں تو یہ سب اعمال عبادت ہیں اَور سب میں نہایت تذلّل وخضوع پایا جاتا ہے لیکن اگر آپ اس کو عبد اَور بندہ سمجھتے ہیں نہ خُدا، نہ خدا کا بیٹا، نہ اس کی بیوی، نہ اس کا اَوتار تو یہ اعمال عبادت نہیں کہلائیں گے۔ ہاں آپ ان کو احترام، اجلال اَور تعظیم کہہ سکتے ہیں البتہ شریعتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا اجمل الصلاۃ واطیب السّلام میں غیر خدا کے لیے سجدۂ تعظیمی بھی ممنُوع ہے۔ یہ سمجھ لینے کے بعد اَب یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے بغیر کوئی دُوسری چیز ایسی نہیں جس کی عبادت شرعاً یا عقلاً دُرست ہو۔ سب سے بالاتر اَور قوی تر وُہ، سب کا خالق اَور سب کو اپنی تربیت سے مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا وُہ لطف وکرم کا مینہ برسانے والا وُہ، بندہ ہزار خطائیں کرے لاکھوں جُرم کرے اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا وُہ، اَور قیامت کے دن ہر نیک وبد کی قسمت کا فیصلہ فرمانے والا وُہ، تو اُسے چھوڑ کر انسان کسی غیر کی عبادت کرے تو آخر کیوں؟ بلکہ اس کے بغیر اَور ہے ہی کون جو معبُود اَور اللہ ہو اَور اس کی پرستش کی جائے؟ اسی لیے قرآن نے ہمیں صرف یہی تعلیم نہیں دی کہ نعبدك کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اَور تیرے ساتھ اَوروں کی بھی۔ بلکہ یہ سبق سکھایا کہ اِيَّاكَ نَعبد صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اَور کسی کی نہیں کرتے۔ مفسّرین کرام نے اِيَّاكَ کو مقدم کرنے میں حصر وتخصیص کے علاوہ دیگر لطائف کا بھی ذکر فرمایا ہے فرماتے ہیں یہاں تین چیزیں ہیں۔ عابد، عبادت اَور معبُود۔ عارف کو چاہیے کہ اس مقام پر اپنے آپ کو بھی بھول جائے۔ عبادت کو بھی مقصود نہ بنائے بلکہ اس کی نگاہ ہو تو صرف اپنے معبُودِ حقیقی پر تاکہ اس کے انوارِ جمال وجلال کے مشاہدہ میں استغراق کی نعمت سے سرفراز کیا جائے اس لیے فرمایا اِيَّاكَ نعبد۔ عابد واحد ہے لیکن صیغہ جمع کا استعمال کر رہا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اپنی ناقص عبادت کو مقربین بارگاہِ صمدیت کی اخلاص ونیاز میں ڈوبی ہوئی عبادت کے ساتھ پیش کرے تاکہ ان کی برکت سے اس کی عبادت کو بھی شرفِ پذیرائی نصیب ہو۔

نلے یعنی جیسے ہم عبادت صرف تیری ہی کرتے ہیں اُسی طرح مدد بھی صرف تجھی سے طلب کرتے ہیں تو ہی کارسازِ حقیقی ہے تو ہی مالکِ حقیقی ہے ہر کام میں ہر حاجت میں تیرے سامنے ہی دستِ سوال دراز کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس عالمِ اسباب میں اسباب سے قطع نظر کر لی جائے بیمار ہُوئے تو علاج سے کنارہ کش، تلاشِ رزق کے وقت وسائلِ معاش سے دست بردار، حصُولِ علم کے لیے صحبتِ اُستاد سے بیزار۔ اس طریقہ کا نہ اسلام اَور توحید کو کوئی سروکار نہیں کیونکہ وُہ جو شافی، رزّاق اَور حکیم ہے اسی نے ان نتائج کو ان اسباب سے وابستہ کر دیا ہے۔ اسی نے ان اسباب میں تاثیر رکھی ہے اَب ان اسباب کی طرف رجُوع استعانت بالغیر نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان جُملہ اسباب میں سب سے قوی تر اَور اثر آفریں سبب دُعا ہے۔ حضُور علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا الدعاء یرد القضاء کہ دُعا تو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے اَور اس میں بھی کلام نہیں کہ محبُوبانِ خُدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وُہ ان کی عاجزانہ اَور نیازمندانہ التجاؤں کو ضرور شرفِ قبُول بخشے گا۔ چنانچہ حدیثِ قُدسی جسے امام بخاریؒ اَور دیگر محدّثین نے روایت کیا ہے میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ وَلَئِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهٗ

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ

راستہ اُن کا جن پر تو نے انعام فرمایا ۱۲ نہ اُن کا جن پر غضب

وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَاُعِيْذَنَّهٗ۔ اگر میرا مقبول بندہ مجھ سے مانگے گا تو میں ضرور اُس کا سوال پورا کروں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا۔ تو اب اگر کوئی شخص ان محبوبانِ الٰہی کی جناب میں خصوصاً حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کے حضور میں کسی نعمت کے حصول یا کسی مشکل کی کشود کے لیے التماسِ دُعا کرتا ہے تو یہ بھی استعانت بالغیر اور شرک نہیں بلکہ عین اسلام اور عین توحید ہے۔ ہاں اگر کسی ولی، شہید یا نبی کے متعلق کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ مستقل بالذات ہے اور خدا نہ چاہے تب بھی یہ کر سکتا ہے تو یہ شرک ہے اور ایسا کرنے والا مشرک ہے۔ اس حقیقت کو حضرت شاہ عبد العزیز نے نہایت بسط کے ساتھ اپنی تفسیر میں رقم فرمایا ہے۔ اور اس کا ماحصل مولانا محمود الحسن صاحب نے اپنے حاشیۂ قرآن میں ان جامع الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر کسی مقبول بندہ کو محض واسطۂ رحمتِ الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانتِ ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔"

اور اس طرح کی استعانت تو پاکانِ اُمت کا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ جنابِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کرتے ہیں ؎ وانت مجیری من ھجوم ملمۃ اذا انشبت فی القلب شر المخالب

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ! حضور مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں ٹوٹ پڑیں اور دل میں اپنے بے رحم پنجے گاڑ دیں۔

بانیٔ دار العلوم دیوبند عرض کرتے ہیں ؎ مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامیِ کار

۱۲ لغت میں ہدایت کا معنی ہے لطف و عنایت سے کسی کو منزلِ مقصود تک پہنچا دینا۔ الھدایۃ دلالۃ بلطف (لغت)۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے بیان کے بعد، اس کے مسلسل انعامات کے اعتراف کے بعد، اپنی عبودیت اور ناتوانی کا اعلان کرنے کے بعد انسان اب اپنے رحمٰن و رحیم رب کے حضور میں دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا کر گویا عرض کرتا ہے۔ میں کمزور ہوں نفس کی فریب کاریاں اور شیطان کی وسوسہ اندازیاں بہت شدید ہیں۔ خود تو میری دستگیری فرما اپنے لطف و کرم سے مجھے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہنے کی توفیق بخش اور اپنی رضا کی منزل تک پہنچا۔ قرب و وصالِ الٰہی کے اس مقام پر پہنچ کر مومن تنہا اپنی ذات کے لیے ہدایت طلب نہیں کرتا بلکہ ساری اُمتِ محمدیہ کے لیے ہدایت کا طلب گار ہے۔ کہتا ہے اھدنا ہم سب کو ہدایت دے۔ کیونکہ اگر ہدایتِ اسلام چند افراد تک محدود رہے گی تو اس کی عالمگیر برکات و فیوض کا اظہار کیونکر ہو گا۔ شرق و غرب میں انسان جن گمراہیوں میں ٹھوکریں کھا رہا ہے اُن سے کیونکر چھٹکارا پا سکے گا اور کنتم خیر امۃ اخرجت للناس کی تعبیر کیسے ہو گی۔ ہدایت کے بے شمار مدارج ہیں ایک سے ایک بلند ایک سے ایک اعلیٰ مومن جب یہ دُعا مانگتا ہے تو اس کا

عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷ ع

ہوا اور نہ گمراہوں کا ۱۳ے

مقصد یہ ہوتا ہے کہ اُسے اُس کے موجودہ مقامِ قُرب و ہدایت سے ارفع اور اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا جاوے۔ یا شیطان کی وسوسہ اندازی اور نفس کی کمزوری کے باعث قدم کے پھسل جانے کا جو ہر لحظہ خطرہ ہے اُس سے اُسے محفوظ رکھا جائے۔ اور اُسے اس راہ پر ثبات نصیب ہو۔ اور وُہ دمِ واپسیں تک شیطان کے ہر دامِ فریب کو تار تار کرتا ہوا راہِ ہدایت پر بڑھتا چلا جائے۔ وهذا الدعاء من المؤمنين ومن النبى صلى الله عليه وسلم كونهم على الهداية نطلب التثبت او طلب مزيد الهداية فان الالطاف والهدايات من الله تعالىٰ لاتتناهى۔ (مظہری)

۱۲ے ان الفاظ سے راہِ حق کی ایسی نشاندہی فرما دی تاکہ تعصّب اور ضِد سے بلند ہو کر جو اس کا متلاشی ہو وُہ اسے پہچان سکے فرمایا جن لوگوں پر میں نے انعام و اکرام فرمایا ہے جس راستہ پر وُہ چل رہے ہیں وُہی سیدھا راستہ ہے۔ اور اُن لوگوں کے متعلق بھی تصریح فرما دی من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين کہ میرا انعام نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک بندوں پر ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کس راہ پر ان نفوسِ قدسیہ کے نقوش پا ہیں حضرت صدیق و فاروق و عثمان و حیدر، صحابہ کرام، اہلِ بیت عظام کس جماعت کے پیشوا ہیں۔ اور اولیاء کرام کا سلسلہ اُس وقت سے لے کر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

۱۳ے جمہور علماء کے نزدیک مغضوب سے مُراد یہودی ہیں اور ضالین سے مُراد عیسائی اور ارشادِ نبوی سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

مسئلہ:- جب انسان سُورۃ فاتحہ پڑھے تو سُنّت یہ ہے کہ آمین کہے۔ اس کا معنیٰ ہے استجب یعنی آخر میں پھر التماس کرے کہ اے مولائے کریم! جو دُعائیں نے کی ہے اسے قبول فرما۔

تعارف سُورۃ البقرۃ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے تو یہ سُورۃ نازل ہوئی۔ یہاں اسلامی دعوت کے جو مخاطب تھے وُہ مکّہ کے باشندوں سے مذہبی، ذہنی اور عمرانی اعتبار سے مختلف تھے۔ خود دعوتِ اسلامی جس مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی اُس کی ضروریات اور تقاضے بھی بالکل نئے تھے۔ اِس لیے ہمیں اِس سُورت میں جو چالیس رکوع اور دو سو چھیاسی آیتوں پر مشتمل ہے جس کے الفاظ چھ ہزار اکتیس اور حرُوف کی تعداد بیس ہزار ہے۔ مکّی سُورتوں کے اعتبار سے بیّن اور صاف فرق معلوم ہوتا ہے۔

اہلِ مکّہ مشرک و بُت پرست تھے۔ وحی، نبوّت، قیامت وغیرہ کا کوئی تصوّر اُن کے ذہن میں نہ تھا۔ قتل و غارت اور لُوٹ مار میں وُہ فخر اور لذّت محسُوس کرتے تھے۔ اِس لیے مکّہ میں جو سُورتیں نازل ہوئیں ان میں انھیں عقائدِ باطلہ اور اعمالِ فاسدہ کی اصلاح پیشِ نظر تھی۔ یثرب کے اصلی باشندے گو انصار تھے لیکن قوّت و اقتدار یہود کے ہاتھ میں تھا۔ اور انصار مذہبی اور ذہنی طور پر یہود سے بہت متاثر تھے یہود کیونکہ اہلِ کتاب تھے اِس لیے وحی، رسالت، قیامت، جنّت، دوزخ وغیرہ پر اُن کا ایمان تھا لیکن بدقسمتی سے وُہ اپنی قومی برتری کے نشہ میں اِس حد تک مست تھے کہ وُہ یہ تصوّر ہی نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے علاوہ نبوّت کسی اور کو بھی عطا کی جا سکتی ہے۔ عملی اعتبار سے اُن کی پستی کی یہ حالت تھی کہ وُہ معمولی سے دُنیاوی فائدہ کے لیے تورات کی واضح آیتوں کا انکار بلکہ ان میں تحریف کرنے میں ذرا جھجک محسُوس نہ کرتے۔ تجارت کی منڈیوں پر اُن کا قبضہ تھا۔ یثرب کی زرخیز زمینیں اور شاداب باغات ان کی ملکیت میں آ چکے تھے۔ علم و دانش میں انصار کو اُن سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ آئینی طور پر نہ سہی لیکن عملی طور پر حکومت یہود کی تھی۔

یہ حالات تھے جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم نے مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا اور یہود و انصار کو اِسلام کی دعوت دی۔ یہود تو تلملا گئے۔ اُنھیں اپنی عظمت و جلال کے محلّات مسمار ہوتے دِکھائی دینے لگے۔ کہاں ان کی خود بینی اور خود پرستی اور کہاں ایک نئے دین کے قبُول اور ایک نئے رسُول کی اطاعت کی دعوت۔ یہود کیسے اِس دین کو قبول کر لیتے۔ ان کے سامنے تو رکاوٹوں کے کئی پہاڑ تھے۔ ایک سے ایک بلند اور ایک سے ایک کٹھن۔ اب قرآن کا کام یہ تھا کہ ان رکاوٹوں کو دُور کرے اور ان فلک بوس چوٹیوں کو پیوندِ خاک۔ اسی لیے مدینہ طیبہ میں جو پہلی سُورت نازل ہوئی اس کے کئی رکوع یہود کی

اِصلاح کے لیے وقف ہیں۔

دُوسری نئی صُورتِ حال جس سے مدینہ میں اِسلام کو واسطہ پڑا وُہ یہ تھی کہ انصار کی اکثریت کے اسلام قبُول کر لینے کے بعد اَور مکّہ سے مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اسلام متفرق اَور منتشر افراد کا مذہب نہیں رہا تھا بلکہ ایک جماعت اَور ایک قوم کا دِین بن گیا تھا اَور قوم بھی ایسی جس میں ترقی اَور برتری کی بے پناہ صلاحیتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ اَب ضرورت اِس بات کی تھی کہ ایسے مضبُوط خطُوط پر اِن کی تنظیم کر دی جائے کہ کثرت وحدت میں کھو جائے۔ اَور کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس میں بدنظمی اپنے قدم جما سکے۔ اسے اَب ضرورت تھی ایسے قانون کی جو اُن کے دیوانی اَور فوجداری مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ایسے اقتصادی نظام کی جو عدل و انصاف پر مبنی ہوتے ہُوئے معاشی خوشحالی کا ضامن ہو سیرت و اخلاق کے ایسے قالب کی جس میں مِلّت کا ہر فرد اپنے کردار کو ڈھالے تاکہ اس کی خوبیاں اَور نیکیاں اجتماعی رنگ اِختیار کر لیں۔ اُسے ضرُورت تھی ایک ایسے آئین کی جس پر اِن کی عالمگیر سیاست کی بُنیاد رکھی جائے۔ اِن اہم ضروریات کے پیشِ نظر اِس سُورت میں قانون، اخلاق، آئین اَور سیاست کے بیشتر قواعد وضوابط بیان فرما دیے گئے ہیں۔

ایک اَور چیز بھی غور طلب ہے مکّی زندگی میں تو مُسلمان کُفّار کے ظُلم وستم سہتے اَور چُپ ہو جاتے۔ مدینہ طیّبہ میں جب مُسلمان اکٹھے ہو گئے تو کفّار نے اپنی اجتماعی طاقت سے اِسلام کو مٹانے کا عزم کر لیا۔ اُدھر اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو کفر سے ٹکّر لینے کی اجازت دے دی اَور انھیں یہ بتایا کہ اپنی بے کسی اَور بے بسی اَور مخالف کی قوّت وسطوت سے مت گھبراؤ۔ فتحیاب تو وُہی ہوتا ہے جس کے شاملِ حال میری تائید اَور نصرت ہوتی ہے۔ اَور وُہ تمہارے ساتھ ہے یقیناً تمھیں غالب و منصُور ہو۔

مِلّتِ اِسلامیہ کے لیے قبلہ کا تعیّن بھی فرما دیا تاکہ اُن کی توجّہات کا ظاہری مرکز بھی ایک ہی ہو جائے اَور اُن کی جماعتیں اِنتشار کا شکار ہو کر اپنا اجتماعی حُسن نہ کھو دیں۔

اگر اِن اُمُور کو ملحُوظِ خاطر رکھتے ہُوئے آپ سُورۃ بقرہ کا مطالعہ کریں گے تو شاید زیادہ مفید ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَانِ وَسِتٌّ وَثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا اَرْبَعُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ بقرہ مدنی	۲۸۶ آیتیں	۴۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ هُدًى

الف لام میم ۱؎ یہ ذی شان کتاب ۲؎ ذرا شک نہیں اس میں ۳؎ یہ ہدایت ہے

۱؎ الف۔ لام۔ میم مفسرین کرام نے ان حروف کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال تحریر فرمائے ہیں میرے نزدیک احسن قول یہ ہے کہ الٓمّٓ اور دیگر حروف مقطعات سِرٌّ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ یہ وہ راز ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے درمیان ہیں۔ صاحب رُوح المعانی کی یہ عبارت ملاحظہ ہو۔ فلا یعرفه بعد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم الا الاولیاء الورثة فهو یعرفونه من تلك الحضرة وقد تنطق لهم الحروف کما کانت تنطق لمن سبح فی کفه الحصی یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریمؐ جانتے ہیں اور اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہِ رسالت سے عطا ہوتا ہے بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے یہ حروف اس ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جس کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔

۲؎ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ ذٰلِكَ اگرچہ عام طور پر اس مشارٌ الیہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جو دور ہو لیکن ایسے مشارٌ الیہ کے لیے بھی یہ استعمال ہوتا ہے جو حساً تو نزدیک ہو لیکن اپنی شان اور رُتبہ کے اعتبار سے بہت بلند اور دسترس سے دور ہو۔ اس لیے ترجمہ میں قربِ حسی اور بُعدِ رتبی دونوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے "یہ ذی شان کتاب"۔

۳؎ یہ نہیں فرمایا کہ لَا رَيْبَ فِيْهِ کہ اس میں شک نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اس پر شک و شبہ کی گرد اڑانے والوں کی تعداد کب کمی تھی اب ہے بلکہ فرمایا لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی اس کے واضح دلائل، اس کی روشن تعلیمات، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات اور اس کی پیشین گوئیاں حق و صداقت کے وہ بلند مینار ہیں جہاں شک و شبہ کا غبار نہیں پہنچ سکتا۔ اگر کوئی شبہ کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج فہمی اور کور ذوقی ہے۔ اگر یرقان کے بیمار کو ہر چیز زرد دکھائی دے تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے۔ ہر چیز تو زرد نہیں۔

لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ

پرہیزگاروں کے لیے ؎۴ وہ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر ؎۵ اور

؎۴ اگرچہ قرآن کریم ھدی للناس یعنی سارے انسانوں کے لیے پیغامِ ہدایت ہے لیکن اس کی ہدایت سے فائدہ کیونکہ پرہیزگار ہی اٹھاتے ہیں اس لیے یہاں اس لحاظ سے تخصیص کر دی۔ اور ایسا استعمال ہر زبان میں عام ہے تقویٰ کا لغت میں تو یہ معنی ہے جعل النفس فی وقایۃ مما یخاف یعنی نفس کو ہر ایسی چیز سے محفوظ کرنا جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ عرف شرع میں تقویٰ کہتے ہیں ہر گناہ سے اپنے آپ کو بچانا۔ اس کے درجے مختلف ہیں۔ ہر شخص نے اپنے درجہ کے مطابق اس کی تعبیر فرمائی ہے۔ میرے نزدیک سب سے مؤثر اور آسان تعبیر یہ ہے۔ التقوٰی ان لا یراك الله حیث نهاك ولا یفقدك حیث امرك یعنی تیرا رب تجھے وہاں نہ دیکھے جہاں جانے سے اس نے تجھے روکا ہے اور اس مقام سے تجھے غیر حاضر نہ پائے جہاں حاضر ہونے کا اس نے تجھے حکم دیا ہے۔

؎۵ یہاں سے المفلحون تک ان متقین کی علامات بیان کی گئی ہیں جو قرآن کی ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ ایمان کا معنی ہے محکم یقین۔ اور غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو ظاہری حواس کی رسائی سے بلند اور عقل کی سمجھ سے بالاتر ہو۔ مثلاً وحی، فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ اور خود ذاتِ الٰہی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو نہ آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہیں اور نہ عقل سے سمجھی جا سکتی ہیں۔ ان کے جاننے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ اور وہ نبی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس کی زبانِ حق ترجمان سے جو کچھ نکلے اس پر انسان محکم یقین رکھے۔ اس لیے ایمان بالغیب کو تقویٰ کی اوّلین شرط قرار دیا گیا ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ شریعتِ اسلامیہ کے وہ احکام جن کی حکمتوں کے سمجھنے سے انسانی عقل (ابتداءً ہی) قاصر رہتی ہے یا وہ ارشادات جو اس کے ذاتی مفاد یا اس کے گروہی اور محدود وطنی منافع کے خلاف ہوتے ہیں تو ایسے حکموں کو تسلیم کرنا بھی ایمان بالغیب میں داخل ہے یعنی نبی کی بتائی ہوئی ہر چیز کو سچا جانے اور نبی کے ارشادات کے مفید اور نفع مند ہونے پر اسے اس درجہ یقین ہو کہ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود وہ ان کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہو۔ اعتماد اور اطاعت کا یہ مقام جب تک کسی کو میسر نہیں ہوتا وہ قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بلکہ بے یقینی اور تذبذب کی یہ کیفیت اس کے تمام اعمال کو بے نتیجہ کر دیتی ہے ؎

سُن اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی

تو معلوم ہوا کہ متقی کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بتائی ہوئی تمام چیزوں پر محکم یقین رکھتا ہے۔

يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ۝٣

صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز ؎۱ اور اس سے جو ہم نے انہیں روزی دی خرچ کرتے ہیں ؎۲

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

اور وہ جو ایمان لاتے ہیں ؎۳ اس پر (اے حبیب) جو اُتارا گیا ہے آپ پر اور جو

؎۱ یہ متقین کی دوسری علامت ہے۔ قرآن میں یہ حکم کہیں نہیں کہ نماز پڑھا کرو بلکہ جب بھی فرمایا تو یہی کہ نماز قائم کرو۔ اور اقامة الشیٔ توفیة حقه (راغب) نماز قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز کو تمام حقوق ظاہری اور باطنی کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سنّتِ نبویؐ کے مطابق تمام ارکان بجا لائے جائیں۔ اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو خضوع وخشوع میں ڈوبا ہوا ہو اور احسان کی کیفیت طاری ہو یعنی تو محسوس کر رہا ہو کہ کانك تراه گویا تو اپنے معبود کو دیکھ رہا ہے۔ ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ فانه يراك کہ تیرا رب تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق وشوق سے ادا کی ہوئی نماز ہی وہ نماز ہے جسے دین کا ستون اور مومن کی معراج فرمایا گیا ہے۔ ورنہ ؏

میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

؎۲ الرزق في اللغة النصيب والعطاء ويطلق على الحسي والمعنوي (المنار) لغت میں رزق کہتے ہیں حصہ اور بخشش کو خواہ حسی ہو یا معنوی۔ مال، اولاد، علم ومعرفت اس لحاظ سے سب رزق ہیں۔ اور یہاں بھی رزق کا یہی لغوی معنی مراد ہے۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ جو کچھ کسی کے پاس ہے مال وجاہ ہو، علم وعرفان ہو کسی کا اپنا نہیں بلکہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس میں ہے کہ وہ اس میں بخل نہ کرے۔ بلکہ جو ان نعمتوں سے محروم ہیں ان میں تقسیم کرتا رہے۔ دولت مند اپنی دولت سے، عالم اپنے علم سے اور عارف اپنے روحانی فیوضات سے مستحقین کو مالا مال کرے۔ یہ فیضِ عام متقین کی تیسری علامت ہے۔

؎۳ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ لوگ جو انسانی رشد وہدایت کے لیے آسمانی وحی کے قائل ہی نہیں بلکہ اپنی عقل کو ہی اپنی رہنمائی کے لیے کافی سمجھتے ہیں یا وحی کے قائل تو ہیں لیکن بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں۔ وہ قرآنی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ یہ چوتھی علامت ہے۔ نیز اس آیت میں حضور علیہ الصلوٰة والسلام کی ختمِ نبوت کی بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ وحی جس پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یا تو حضور کریمؐ پر نازل ہوئی یا حضورؐ سے پہلے۔ اگر نبوت کا سلسلہ جاری ہوتا تو حضور کریمؐ کے بعد بھی وحی نازل ہوتی اور اس پر ایمان لانا ضروری ہوتا۔ اس صورت میں آیت یوں ہوتی وما انزل

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿٤﴾

اُتارا گیا آپ سے پہلے اور آخرت پر بھی وُہ یقین رکھتے ہیں ۹

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ

وُہی لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب (کی توفیق) سے اور وُہی دونوں جہان میں کامیاب ہیں ۱۰ بے شک جنھوں نے

كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ

کفر اختیار کر لیا ہے یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ اُنھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ۱۱ وُہ ایمان نہیں لائیں گے مُہر لگا دی

من قبلك وما ينزل من بعدك۔

۹ اس آخرت کی زندگی کو صرف تسلیم کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایقان ضروری ہے۔ ایقان کہتے ہیں اتقان العلم بانتفاء الشك والشبهة عنه یعنی علم کی وُہ پختگی جس میں شک وشبہ کا گزر نہ ہو۔ اور جب کسی چیز یا حقیقت کا علم اتنا پختہ ہو جاتا ہے تو وُہ عقل، دل اور ارادہ کو مسخر کر لیتا ہے۔ انسان اس کے خلاف نہ کچھ سوچ سکتا ہے اور نہ کچھ کر سکتا ہے جب روزِ جزا کے ساتھ کسی کا علم ویقین اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ پر ہر قدم اُٹھانے سے پہلے وُہ ان نتائج کا اندازہ لگا لیا کرتا ہے جو اس پر مرتب ہونے والے ہیں ہمیں اپنے قول وعمل میں جو افسوسناک تضاد دکھائی دے رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت پر وُہ ایقان نہیں جو اپنی قوت سے ہمارے عمل کو ہمارے قول سے ہم آہنگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں روزِ جزا پر یقین بخشے تاکہ قول وعمل کی یہ کشمکش ختم ہو جس نے ہمیں ذلت کی پستیوں میں دھکیل دیا ہے اور ہمارا تماشہ دیکھنے والوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

۱۰ ان اوصاف سے جو متصف ہیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وُہی فلاح پانے والے ہیں۔ فلاح کسی ادھوری اور جزوی کامیابی کو نہیں کہتے بلکہ فلاح اس مکمل کامیابی کو کہا جاتا ہے جس کے دامن میں دُنیا وآخرت کی ساری سعادتیں اور برکتیں سمٹ آئی ہوں۔ ليس فى كلام العرب كله اجمع من لفظة الفلاح لخيرى الدنيا والأخرة كما قاله ائمة اللغة (تاج العروس) ائمہ لغت نے تصریح کی ہے کہ عربی زبان میں فلاح کے لفظ سے زیادہ اور کوئی جامع لفظ نہیں جو دُنیا وآخرت دونوں کی خیرات وبرکات پر دلالت کرتا ہو۔ اب آپ اولئك هم المفلحون کے مژدہ پر پھر غور کریں۔

۱۱ دعوتِ حق قبول کرنے والے خوش نصیبوں کے ذکر کے بعد اب اُن بدنصیبوں کا حال بیان ہوتا ہے جنھوں نے حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر بعض لوگ بلاوجہ جبر وقدر کی بحث چھیڑ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ان بے چاروں کا کیا قصور۔

اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دِلوں پر اور ان کے کانوں پر ١٢؎ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لیے

جب اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے تو وُہ ایمان کیونکر لا سکتے ہیں۔ اور جب خُود خُدا نے اُن کو ایمان لانے سے باز رکھا تو اُنھیں سزا کیوں دی جائے اور ملامت کیوں کی جائے۔ کاش اتنی بڑی جرأت سے پہلے وُہ جبر کی حقیقت پر ہی غور کر لیتے۔ جبر کیا ہے؟ انسان کی بےبسی کی وُہ حالت جس میں وُہ کسی ایک بات کے کرنے پر مجبُور ہو اور اُسے چھوڑ کر کوئی دُوسری چیز اختیار کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف نہ لاتے۔ واضح دلائل اور روشن معجزات سے حق کو نکھار کر نہ رکھ دیتے اور قرآن کی دِل ہلا دینے والی آیتیں سُنا سُنا کر ہدایت اور گمراہی کی راہوں کو الگ الگ نہ فرما دیتے اور کوئی انسان ورثہ میں ملے ہُوئے کفر وشرک میں سرگرداں رہتا تو جبر کی کوئی بات بھی تھی۔ لیکن اب جب کہ کتابِ الٰہی کی روشنی نے حق اور باطل کو بالکل مُمتاز کر دیا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ اپنے مُعجزات اور اپنے دلائل سے غلط فہمی کا شائبہ تک باقی نہ چھوڑا۔ اس کے بعد بھی جو باطل کو چھوڑ کر ہدایت کو قبُول کرنے پر آمادہ نہ ہُوا اور گمراہ ہی رہا تو وُہ باطل سے چمٹے رہنے پر مجبُور نہ تھا بلکہ سب کُچھ سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر اس نے حق کو قبول نہیں کیا اور باطل سے مُنہ نہیں موڑا۔ ایسے لوگوں کو مزید سمجھانا واقعی بےسُود ہے۔ کیونکہ سمجھایا تو اُسے جائے جو سمجھتا نہ ہو۔ اور جو سمجھ چُکا ہو اور پھر کفر پر بضد ہو وُہ لاعلاج مریض ہے۔ وُہ شفایاب نہیں ہو سکتا۔ اِس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت کا تجزیہ کیا ہے جو محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ کُفر کی راہ پر دوڑے چلے جا رہے تھے یہاں جبر وقہر کا احتمال ہی نہیں تاکہ اس بحث میں اُلجھا جائے۔

١٢؎ یہاں بھی بعض لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں اور کانوں پر مُہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے ڈال دیئے تو غریب کیونکر ایمان لاتے۔ اُن کی خدمت میں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ انسان کے اعمال پر کوئی نتیجہ اور اثر مرتب ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر انسان جسمانی صحت کے اصولوں کو لگاتار توڑتا رہے تو اس کا بلانوش معدہ جو ہر چیز ہضم کر لیا کرتا تھا کیا غذا ہضم کرنے سے معذُور نہیں ہو جاتا؟ کیا اس کا جگر خُون پیدا کرنا چھوڑ نہیں دیتا؟ اگر ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو رُوحانی صحت کے بھی چند اصُول ہیں جن کی پابندی سے رُوحانی قوتیں نشو ونما پاتی ہیں۔ اور جن کی پیہم خلاف ورزیوں سے وُہ قوتیں ناکارہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ دِل سے حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت سلب ہو جاتی ہے۔ آنکھیں دیکھتی تو ہیں لیکن عبرت حاصل نہیں کرتیں۔ کان سُنتے تو ہیں لیکن نصیحت قبُول نہیں کرتے۔ بس اِسی کیفیت کا اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں ذِکر فرمایا ہے۔ ان کفّار کی پیہم نافرمانیوں سے، حق سمجھ لینے کے باوجُود اس سے مسلسل انکار کرنے کی وجہ سے ان کے دِل ودماغ اور دیدہ وگوش کی ساری قوتیں ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ تو ان کی یہ محرُومیاں نتیجہ ہیں ان مسلسل نافرمانیوں کا۔ اور طبعی اثر ہے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصّب کا۔ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پہلے ہی انھیں ہوش وفہم

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ

بڑا عذاب ہے اور کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۱۳ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَمَا

قیامت پر حالانکہ وُہ مومن نہیں ۱۴ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو ۱۵ اور

يَخْدَعُونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ

(حقیقت میں) نہیں فریب دے رہے مگر اپنے آپ کو اور (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے ان کے دِلوں میں بیماری ہے

سے محروم کر دیا گیا تھا تاکہ وُہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں۔ اس حقیقت کو قرآن کریم نے متعدّد موقعوں پر اس قدر واضح فرمایا ہے کہ غلط فہمی کی گنجائش تک باقی نہیں چھوڑی۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد ہے بل طبع الله عليها بكفرهم۔ یعنی ان کے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی۔ یعنی پہلے سے ان کے دِل مُہر شدہ نہ تھے بلکہ ان کے کفر و انکار اور اس پر ان کے شدید اصرار کی پاداش میں انھیں اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون یعنی جو کرتوت وُہ کیا کرتے تھے ان کا میل اُن کے دِلوں پر جم گیا ہے اور ان کے دلوں کا روشن آئینہ اس قدر مکدر ہو گیا ہے کہ آفتاب ہدایت کی روشن کرنیں اس میں چمک پیدا نہیں کر سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حُسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

۱۳ یہاں سے منافقوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ مُنافق اُس کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے لیکن دِل سے مُنکر ہو۔ اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر دُنیاوی فوائد حاصل کرنے کیلیے کئی موقع شناس اپنے آپ کو مُسلمان بتانے لگے تھے۔ نیز وُہ بد باطن حاسد جو کھلے طور پر اِسلام کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے وُہ مُسلمانوں میں شامل ہو کر سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا جال بچھا کر مُسلمانوں کو پریشان کرنا چاہتے۔ ہجرت سے پہلے مُنافقین کا نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ اس وقت مُسلمان ہونا ہر قسم کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بننا تھا۔ اس لیے کسے کیا پڑی تھی کہ ایسے دین کے لیے مُصیبتوں کو دعوت دے جس پر اُس کا ایمان ہی نہیں۔ وہاں تو صرف وُہ لوگ ہی اِسلام قبول کرتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول پاک کے لیے جان، مال، اولاد غرضیکہ سب کچھ قربان کرنا اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مُسلمان وُہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دل سے تصدیق بھی کرے۔ اور جو دل سے تصدیق نہ کرے وُہ مومن نہیں ہو سکتا۔ خواہ ایمان و اسلام کے دعویٰ میں وُہ کتنا ہی چرب زبان ہو۔

۱۵ وُہ یہ فریب اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کے رسُولؐ سے کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بتا دیا کہ جو اللہ کے رسُولؐ کے ساتھ فریب کرتے ہیں وُہ خُود اللہ تعالیٰ کے ساتھ فریب کرتے ہیں۔ اور اس دھوکہ بازی کا وبال اُن پر ہی

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾

پھر بڑھا دی ١٦؎ اللہ نے ان کی بیماری اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾

اور جب کہا جاتے اُنھیں کہ مت فساد پھیلاؤ زمین میں ١٧؎ تو کہتے ہیں ہم ہی تو سنوارنے والے ہیں

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

ہوشیار! وُہی فسادی ہیں لیکن سمجھتے نہیں اور جب کہا جاتے اُنھیں

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ

ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے (اور) لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف خبردار! بیشک

پڑے گا۔ وُہ اسلام اور اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کا کچھ بگاڑ نہیں سکیں گے کیونکہ یہ وُہ نُور ہے جس کو ہمیشہ تاباں ودرخشاں رکھنے کا ذمہ دار خُود اللہ تعالیٰ ہے۔

١٦؎ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے خلاف منافقین کے دل میں عداوت کے جو جذبات پرورش پا رہے تھے اور حسد اور غصہ کی جو چنگاریاں چٹخ رہی تھیں ان کو قرآن نے مرض سے تعبیر فرمایا ہے۔ جب وُہ حضور کریمؐ اور اسلام کی روز افزوں عزت اور ترقی کو دیکھتے تو حسد وعناد کے شعلے بھڑک اُٹھتے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں تنبیہ فرماتا ہے کہ اگر اُنھوں نے اس مرض کو یُونہی بڑھنے دیا اور اس کا علاج نہ کیا تو جس طرح جسمانی بیماریاں جسمانی موت کا باعث بنتی ہیں اسی طرح ان کا یہ مرض ان کے قلب ورُوح کا گلا گھونٹ کر رکھ دے گا۔

١٧؎ اس آیت میں ان کے دلوں کے بیمار ہونے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ وُہ دن رات فتنہ وفساد پھیلانے میں اور حق کی شمع بجھانے میں مصروف ہیں اور اگر ان کی فتنہ پردازیوں کی طرف توجہ دلا کر انھیں باز رہنے کو کہا جاتا ہے تو اُلٹا گھورتے ہیں اور کہتے ہیں آپ ہمیں فسادی کہتے ہیں۔ ہم ہی تو امن واصلاح کے لیے ہر وقت کوشش کر رہے ہیں۔ اب جو شخص فساد پھیلانے اور حق کا چراغ گل کرنے کو اصلاح کہنے پر مُصر ہو اس کے قلب ونظر کو اگر بیمار نہ کہا جاتے تو کیا کہا جاتے۔ اب آپ اپنے گردوپیش پر نگاہ ڈالیے۔ جتنے نئے فرقے، نئے مذہب جنم لے رہے ہیں اُن کے بانی بھی دین کی اصلاح اور قوم کی فلاح کا دعویٰ ہی کرتے ہیں لیکن ان کی فتنہ پردازیاں آئے دن جو گل کھلا رہی ہیں ان کے باعث تو قوم کا ذہنی اتحاد بھی پاش پاش ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان نادان دوستوں یا دانا دُشمنوں کے مکروفریب سے اُمت کو بچائے اور ہمیں توفیق بخشے

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا

وُہی احمق ہیں مگر وُہ جانتے نہیں ۱۸؎ اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب اکیلے ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ان کا مذاق اُڑا رہے تھے ۱۹؎

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

اللہ سزا دے رہا ہے اُنھیں اِس مذاق کی ۲۰؎ اور ڈھیل دیتا ہے اُنھیں تاکہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (یہ) وُہ

کہ ہم ان کو پہچان سکیں۔ آمین۔

۱۸؎ وُہ لوگ جن کے نزدیک نفع و نقصان اور سُود و زیاں جانچنے کی کسوٹی صرف دُنیا کا عیش و آرام اور عزّت وجاہ ہے اُن کے نزدیک وُہ ہستیاں عقل و دانش سے محرُوم ہیں جو اپنے دین و ایمان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیتی ہیں لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ دانا اور کون ہے جنھوں نے فانی دے کر باقی کو لے لیا جنھوں نے جان دے کر اپنے مالک کی رضا حاصل کر لی۔ "ورضوان من اللہ اکبر" اور ان سے بڑھ کر احمق کون ہے جنھوں نے چند روزہ زندگی کی راحتوں کے عوض اپنے آپ کو ابدی راحتوں بلکہ اپنے ربِ کریم کی خوشنودی سے محروم کر دیا۔ اِس لیے قرآن نے فرمایا الا انھم ھم السفھاء۔

۱۹؎ منافقین کا رویّہ یہ تھا کہ مسلمانوں سے ملتے تو اُنھیں کہتے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ اور کفّار کے سرغنوں کے پاس تنہائی میں جا جا کر اُنھیں یقین دلاتے کہ ہم اپنے مذہب پر قائم ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ ہماری بات چیت اور اُٹھنا بیٹھنا اس وجہ سے ہرگز نہیں کہ ہم اُن کا دین قبول کر چکے ہیں بلکہ ہم تو اس طرح اُن کو بے وقوف بناتے ہیں اور اُن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔

۲۰؎ علامہ قرطبیؒ نے لفظ استہزاء کی لغوی تحقیق کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ اصل الاستھزاء الانتقام۔ استہزاء کا معنی انتقام لینا ہے۔ سند کے طور پر یہ شعر بھی لکھا ہے ؎

قد استھزؤا منھم بالفی مدجج　　　سراتھم وسط الضحاضح جُثّم

اس تحقیق کے مطابق اللہ یستھزئُ بھم کا معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اُن سے اُن کی شرارتوں کا انتقام لیتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف استہزاء کی نسبت میں کوئی قباحت نہیں نیز اہل عرب میں یہ عام محاورہ ہے کہ جب کوئی کام کسی فعل کی سزا دینے کے لیے کیا جائے تو اس کی تعبیر بھی اسی لفظ سے کر دیتے ہیں جس لفظ سے اس فعل کی تعبیر کی گئی ہو جس پر سزا یا عتاب کیا جا رہا ہے۔ مثلاً جزاء سیئة سیئةٌ مثلھا۔ یعنی بُرے فعل کی جزا بھی اسی طرح بُری ہُوا کرتی ہے۔ حالانکہ سزا جو عدل و انصاف کا عین تقاضا ہوتا ہے بُری نہیں ہوتی۔ یا نسوا اللہ فانسٰھم۔ اُنھوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے اُن کو بھلا دیا۔

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

لوگ ہیں جنھوں نے خرید لی ۲۱؎ گمراہی ہدایت کے بدلے مگر نفع بخش نہ ہوئی اُن کی یہ تجارت ۲۲؎ اور وہ

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

صحیح راہ نہ جانتے تھے ۲۳؎ ان کی مثال اس شخص ۲۴؎ کی سی ہے جس نے آگ روشن کی ۲۵؎ پھر جب جگمگا اُٹھا

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

اُس کا آس پاس تو لے گیا اللہ اُن کا نُور اور چھوڑ دیا اُنھیں گھُپ اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے۔

حالانکہ خُدا کی ذات بھُول سے پاک ہے لیکن ان کے بھُلانے پر جو سزا دی گئی اُس کو بھُلانے سے تعبیر کیا گیا۔ اسی طرح استہزاء پر مُنافقین کو جو سزا دی گئی اُس کو بھی استہزاء سے بیان کر دیا۔ کیونکہ یہ استعمال محاورہ عرب کے عین مُطابق تھا۔ اِس لیے کفّار جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے کسی ادنیٰ سے بہانے کے متلاشی رہتے تھے اِس استعمال پر کوئی اعتراض نہ کر سکے۔

۲۱؎ اشتراء کا معنی ہے خریدنا، قیمت ادا کر کے کوئی چیز لینا۔ یہاں اشتراء کا یہ معنی تب درست ہو سکتا تھا جب کہ منافقوں کے پاس دولتِ ایمان ہوتی اور اُسے دے کر وُہ کُفر خریدتے۔ وہاں تو پہلے بھی کفر ہی کفر تھا۔ اِس لیے علّامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہاں اشتروا بمعنی استحبوا ہے یعنی اُنھوں نے کفر کو پسند کر لیا اور حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فرماتے ہیں لغتِ عرب میں شراء کا لفظ ایک چیز کو دُوسری چیز سے بدل لینے کے معنی میں عام مستعمل ہے۔ والمعنی استحبوا الکفر علی الایمان .... وانما اخرجه بلفظ الشراء توسعا....... والعرب تستعمل ذلك فی كل من استبدل شیئًا بشیءٍ (القرطبی)

۲۲؎ اُنھوں نے مُنافقت کا نقاب تو اِس لیے ڈالا تھا کہ وُہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر دُنیاوی فوائد حاصل کریں گے۔ مالِ غنیمت سے اُنھیں حصّہ ملے گا اور اُن کی چودھراہٹ قائم رہے گی لیکن ان کی کوئی اُمید بر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا پردہ چاک کر دیا۔ حضُور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے سرِ محفل ایک ایک کا نام لے کر اسے مسجد سے نکال دیا۔

۲۳؎ نفع کمانا تو کجا ان احمقوں نے تو اپنا سرمایہ (فطرتِ سلیمہ) ہی تباہ کر دیا۔ وهم ضیعوا راس المال وهی الفطرة وما حصلوا الفضل بادراك الحق ونيل الكمال (مظہری)

۲۴؎ مَثَلٌ، مِثْلٌ اور مَثِيْلٌ تینوں کا معنی نظیر ہے لیکن اس کا عام استعمال ضرب المثل (اُردو) کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور بطور استعارہ ایسی حالت کے بیان کو بھی مثل کہتے ہیں جس میں نُدرت اور اوپرا پن ہو۔ یہاں یہ لفظ اِسی مفہوم میں مذکور ہوا ہے۔ یعنی اِن مُنافقوں کی عجیب و غریب حالت ایسی ہے جیسے اُن لوگوں کی جن کا ذکر اِس آیت میں ہے۔

۲۵؎ مُنافقوں کے دو گروہ تھے ایک وُہ جو دل سے کفر پر جمے ہُوئے تھے اور صرف زبان سے اپنے آپ کو مُسلمان کہتے دُوسرا

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ

یہ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں [۲۵] سو وہ نہیں پھریں گے — یا پھر جیسے زور کا مینہ برس رہا ہو بادل سے [۲۶]

فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ

جس میں اندھیرے ہوں اور گرج اور چمک ہو — ٹھونستے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌۢ بِالْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

کڑک کے باعث موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا

قریب ہے کہ بجلی اُچک لے جائے ان کی بینائی جب چمکتی ہے ان کے لیے تو چلنے لگتے ہیں

وُہ جو ایمان تو قبول کرتے لیکن مصائب و مشکلات سے گھبرا کر پھر اسلام سے دست بردار ہو جاتے۔ پہلے گروہ کی مثال اس آیت میں بیان کی گئی ہے اور دُوسرے گروہ کی اوکصیب الخ میں۔

[۲۶] اِس مثال میں جن لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے ان کی وضاحت حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرہٗ نے خُوب کی ہے۔ فرماتے ہیں "جنھوں نے اظہارِ ایمان کیا اور دِل میں کفر رکھ کر اقرار کی روشنی کو ضائع کر دیا۔ اور وُہ بھی جو مومن ہونے کے بعد مُرتد ہو گئے اور وُہ بھی جنھیں فطرتِ سلیمہ عطا ہوئی اور دلائل کی روشنی نے حق واضح کر دیا مگر انھوں نے فائدہ نہ اُٹھایا اور گمراہی اختیار کی۔ اور جب حق سُننے، ماننے، کہنے اور راہِ حق دیکھنے سے محروم ہوتے تو کان، زبان، آنکھ سب بے کار ہیں۔" (خزائن العرفان)

[۲۷] اِس آیت میں کئی چیزوں کا ذکر آیا ہے۔ بارش، اندھیرے، بادل کی کڑک اور بجلی کی روشنی اور ایسے سمے میں سفر کرنے والا شخص۔ یہ سب مشبّہ بہا ہیں۔ جب تک ان کے مشبّہات (یعنی یہ کن چیزوں کی تشبیہیں ہیں) کا تعیّن نہ کر لیا جائے اس مثال کا حُسن نکھر کر سامنے نہیں آتا۔ بارش سے مُراد اِسلام، اندھیروں اور بادل کی کڑک سے مُراد وُہ مصائب اور مشکلات ہیں جنھوں نے چاروں طرف سے اِسلام کو گھیر لیا تھا۔ اور بجلی کی روشنی سے مُراد وُہ فتوحات وغیرہ ہیں جو ان ناسازگار حالات میں اِسلام کو حاصل ہوتی رہیں جس طرح بارش مُردہ زمینوں کو نئی زندگی بخش دیتی ہے اُسی طرح اِسلام مُردہ دِلوں کو نئی زندگی مرحمت فرماتا ہے۔ جیسے بارش برستے وقت گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور تاریکی پھیل جاتی ہے۔ بادل کی خوفناک کڑک سے دِل دہلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اِسلام کا مینہ برستے وقت کھلی عداوتوں اور پوشیدہ سازشوں کا ایک

فِيْهِ ۚ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ

اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے

بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ؀ (٢٠)

ان کے سننے کی قوت اور ان کی بینائی بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ٢٨

۲ ع ۳ ۲

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو! ٢٩ عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمھیں ٣٠ اور جو تم سے

ہنگامہ برپا ہوگیا۔ فضا یکسر مکدر ہوگئی مصیبتوں کے بادل گرجنے لگے۔ جو سچے دل سے ایمان لا چکے تھے نہ اندھیروں سے انھیں وحشت تھی نہ بادل کی کڑک سے وہ ہراساں تھے مصائب کے ہجوم میں بھی وہ چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ لیکن وہ لوگ جو مذبذب تھے ان کی حالت عجیب ڈانواں ڈول تھی وہ اسلام کے حیات بخش چھینٹوں سے سیراب بھی ہونا چاہتے تھے۔ لیکن مصائب کی تاریک گھٹائیں دیکھ کر مشکلات کی کڑک سن کر ان کے دل ڈوب ڈوب جایا کرتے تھے اور اسلام کا دامن چھوڑنے میں ہی انھیں اپنی سلامتی نظر آتی تھی۔ پھر اگر اسلام کو کوئی کامیابی نصیب ہوتی تو وہ اسلام کی طرف لپکنے کی تیاری کرتے ایسے میں اگر مصائب کا کوئی تند و تیز جھونکا آجاتا تو وہ بد دل ہو کر رہ جاتے۔

٢٨ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہندی، مصری اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کے اختیارات محدود نہیں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا تابع فرمان ہے۔ بلندیاں اور پستیاں سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

٢٩ ان آیات میں اسلام کے بنیادی مقاصد یعنی توحید، صداقتِ قرآن اور حقانیتِ نبوت وغیرہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے۔ اسلام کیونکہ کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں بلکہ تمام بنی نوعِ انسان کا تا قیامِ قیامت دین ہے اس لیے عام خطاب سے دعوت دی جارہی ہے یا ایھا الناس اے تمام انسانو!

٣٠ توحیدِ ربوبیت سے توحیدِ الوہیت پر استدلال قائم کیا جارہا ہے۔ نعمتِ ایجاد اور بقاء کا ذکر فرما کر ثابت کیا کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ کیونکہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا۔ اگر وہ کرم نہ فرماتا تو تم فنا کی دنیا سے وجود کی دنیا میں کیسے آسکتے۔ پھر اس نے مزید کرم یہ فرمایا کہ تمھیں پیدا کر کے تمھارے آرام و آسائش اور حیات و بقا کے سارے سامان خود فراہم کر دیے۔ اگر وہ تمھیں صرف پیدا کر کے چھوڑ دیتا اور اپنے لطف و عنایت سے تمھارے رزق اور آسائش کا انتظام نہ فرماتا تو تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے۔ اب جب کہ تمھارا وجود بھی اسی کے کرم کا صدقہ ہے اور تمھاری زندگی اور بقا بھی اسی کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں جب ایجاد و

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ وُہ جس نے بنایا تمھارے لیے زمین کو بچھونا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

اور آسمان کو عمارت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ

الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھل تمھارے کھانے کے لیے پس نہ ٹھیراؤ اللہ کے لیے مدِمقابل ۱؎ اور تم جانتے ہو

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ

اور اگر تمھیں شک ہو اس میں جو ہم نے نازل کیا اپنے (برگزیدہ) بندے پر تو لے آؤ ایک سُورۃ اس

رُبُوبیّت میں وُہ وحدہٗ لاشریک ہے تو اُلُوہیّت میں کون اس کا شریک ہوسکتا ہے۔ جب لاخالق الا اللہ اور لارب الا اللہ کو تسلیم کرنے میں انکار کی گنجائش نہیں تو لا محالہ لا الٰہ الا اللہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور جب اس پر ایمان محکم ہوگیا تو لامعبود الا اللہ پر بھی یقین راسخ ہوجائے گا۔ تو ثابت ہوا کہ عبادت کے لائق صرف وُہی ذات پاک ہے جو ہر لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہے۔ توحید کے نازک اور پیچیدہ مسئلہ پر قرآن کا استدلال آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ کتنا فطری، کتنا سادہ ہے اس کے باوجود کتنا مؤثر اور یقین پرور ہے۔ ایک ان پڑھ عامی، ایک عالم، ایک محقق اور اسرار کائنات کے سمندر کا ماہر غواص سب یکساں طور پر اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں فلسفہ وحکمت کے صحائف میں توحید کے دلائل پڑھیئے فنی مُوشگافیوں، پیچیدہ اصطلاحات، مقدمات کی ترتیب کا پریشان کن چکر آپ کو مرعُوب تو کردے گا لیکن یقین کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہی رہے گا۔ یہی قرآن کا اعجاز ہے جس نے چودہ صدیوں سے دانشورانِ عالم کو حیرت واستعجاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔

۳۱؎ اِس کا مُفرد "نِدٌّ" ہے جس کا معنی ہے المثل المنادی یعنی وُہ شخص جو کسی جیسا بھی ہو اور مخالف بھی ہو۔ مُشرکین کے بُتوں کو انداد کیوں کہا گیا؟ اس کی وجہ علامہ بیضاوی تحریر فرماتے ہیں۔ لانهم لما تركوا عبادته الى عبادتها وسموها الهة: کیونکہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دی تھی اور صرف ان بُتوں کی عبادت ہی کرتے تھے اور ان کو اِلٰہ (خُدا) بھی کہتے تھے۔

مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

جیسی ۳۲ اور بُلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور خوشخبری ۳۳ دیجئے انھیں جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور کیے نیک عمل (کہ) یقیناً ان کے لیے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا

جب کھلایا جائے گا انھیں ان باغوں سے کوئی پھل (تو صورت دیکھ کر) کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے

۳۲؎ یہ دلیل ہے قرآن کریم کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کی۔ یہ چیلنج صرف عرب کے شعراء اور بلغاء کے لیے نہیں بلکہ عرب و عجم کے سب منکرین کو دیا جا رہا ہے۔ اسلام کے دشمنوں کے لیے یہ کتنا آسان طریقہ تھا کہ تین آیت کی ایک سورت بنا کر قرآن کے اس چیلنج کا جواب دے دیتے۔ اور اس طرح قرآن، نبوت اور اسلام کی صداقت اور عظمت کو یک دم ختم کر کے بیک کرشمہ دو کار کا منظر دکھا دیتے۔ لیکن چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ اور شرق و غرب کے بدخواہ اپنی بے چین خواہشوں، لگاتار کوششوں اور جاں گسل کاوشوں کے باوجود اس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دے سکے۔ اور نہ قیامت تک دے سکیں گے جیسے قرآن نے پیشین گوئی کر دی ہے تو اب کسی انصاف پسند ذی ہوش کے لیے یہ ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور جس عبد مقرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول ہے۔ اس ایک آیت میں قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول ہونے کی ایسی دلیل پیش فرما دی جس کے سامنے بڑے بڑے سرکش مخالفوں کی گردنیں جھک گئیں۔

۳۳؎ حق واضح ہو جانے کے بعد حق کا انکار کرنے والوں کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کے ذکر کے بعد ان لوگوں کو جو ایمان اور نیک اعمال سے متصف ہیں اللہ تعالیٰ کی سرمدی نعمتوں کے مژدہ سے خورسند کیا جا رہا ہے۔

مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

کھلایا گیا تھا ۳۴؎ اور دیا گیا انھیں پھل (صورت میں) ملتا جلتا اور ان کے لیے جنت میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی ۳۵؎

وَّهُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿٢٥﴾ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ أَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا

اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۳۶؎ بے شک اللہ حیا نہیں فرماتا ۳۷؎ اس سے کہ ذکر کرے کوئی

مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ

مثال مچھر کی ہو یا اس سے بھی حقیر چیز کی تو جو ایمان لائے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ

الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللّٰهُ

مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے (اتری ہے) اور جنھوں نے کفر کیا سو وہ کہتے ہیں کیا قصد کیا اللہ نے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهٖ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ

اس مثال کے ذکر سے گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور نہیں گمراہ کرتا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عمل صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں ہوں۔ علم، نیت، صبر اور اخلاص (مظہری) نیز اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنت کی ابدی نعمتوں کا حقیقی مستحق وہ ہے جو ایمان اور عمل صالح دونوں سے متصف ہو۔

۳۴؎ یعنی جنت کے میووں کی شکل تو ایسی ہوگی جس سے وہ پہلے سے آشنا ہیں لیکن ان کا ذائقہ اور خوشبو بالکل نرالی ہوگی۔

۳۵؎ یعنی بالکل پاک وصاف۔ نہ جسمانی آلائشوں کا وہاں گزر ہوگا اور نہ اخلاقی عیوب سے اُن کی سیرت کا دامن داغدار ہوگا۔

۳۶؎ اُن انعامات کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ عارضی نہیں ہوں گے۔ بلکہ اہل جنت ہمیشہ ہمیشہ اُن سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

۳۷؎ علامہ قرطبی فرماتے ہیں لا یستحی ای لا یخشی وقیل لا یترك وقیل لا یمتنع مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اگر مکھی، مکڑی، مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے ایسی مثال کو ترک نہیں فرماتا۔ سلیم الطبع لوگ تو مثال کے مفید ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہو چکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے۔

بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

اس سے مگر نافرمانوں کو[۳۸] وہ جو توڑتے رہتے ہیں عہدِ خداوندی کو اسے پختہ

مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

باندھنے کے بعد اور کاٹتے رہتے ہیں اسے حکم فرمایا اللہ نے جس کے جوڑنے کا اور فساد مچاتے رہتے

فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

ہیں زمین میں وُہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا[۳۹]

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

حالانکہ تم مُردہ تھے اُس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں مارے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم پلٹائے جاؤ گے[۴۰]

[۳۸] الضلال اصله الهلاك (قرطبی) ضلال کا اصلی معنی ہلاک ہونا ہے اور فسق عُرفِ شرع میں کہتے ہیں۔ الخروج من طاعة الله عزوجل (القرطبی) اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے نکل جانا۔ ان کی نافرمانی کی نوعیت اگلی آیت میں تفصیلاً بیان فرمادی۔ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرکے توڑ دینا، وہ رشتے اور تعلقات انفرادی اور اجتماعی جن کو محفوظ رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے اُن کو قطع کرتے رہنا۔ اپنے جاہ و منصب کے لیے ظُلم و ستم اور فتنہ و فساد برپا کرتے رہنا۔ یہ ان کے کرتوت تھے۔ اور جن کے یہ کرتوت ہوں اُن کو ہلاکت و تباہی سے کیونکر بچایا جاسکتا ہے۔ عارفِ رُومیؒ فرماتے ہیں ؎ نقضِ میثاق و شکستِ توبہا   موجبِ لعنت شود در انتہا

[۳۹] ازراہِ حیرت و تعجب کفار سے پُوچھا جارہا ہے کہ اتنی آفاقی اور انفسی ظاہری اور باطنی دلیلوں کے باوجود وُہ کُفر کی جرأت کیسے کررہے ہیں۔

[۴۰] یہاں دو چیزیں قابلِ غور ہیں۔ پہلی یہ کہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کا بیان مقصُود ہے تو پھر موت کا ذکر کیوں کیا۔ اس کا جواب تو یہ ہے کہ کیونکہ یہ موت اِنسان کو فانی زندگی سے نکال کر ابدی اور دائمی زندگی کی طرف لے جاتی ہے۔ تو یہ موت ہزار نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ دُوسری قابلِ غور چیز یہ ہے کہ یہاں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی اور یہ آیت کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثم يحييكم سے قبر کی زندگی مُراد ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے ثم اليه ترجعون۔ پھر تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہاں ثم کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو تعقیب اور تاخیر کے لیے آتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى

وُہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمھارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ۴۱ پھر توجہ فرمائی اُوپر

السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع وَاِذْ

کی طرف تو ٹھیک ٹھیک بنا دیا اُنھیں سات آسمان ۴۲ اور وُہ سب کچھ خوب جانتا ہے اور یاد کرو ۴۳

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف لَوٹنا اس زندہ ہونے کے بعد ہوگا لیکن اس کے بعد فوراً نہیں بلکہ دیر کے بعد۔ اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب کہ قبر کی زندگی کو تسلیم کیا جائے۔ اگر کہا جائے کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ سے مُراد حشر کی زندگی ہے تو پھر ثُمَّ کے استعمال کا محل معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب قبروں سے اہلِ قبور اُٹھائے جائیں گے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں پہنچیں گے۔ کسی کو ٹال مٹول یا تاخیر کی اجازت نہیں ہوگی۔

یہ سب بحث اس وقت ہے جب کہ یہاں زندگی اور موت کے عدد کا حصر مقصُود ہو حالانکہ علامہ قرطبیؒ اور دیگر محققین نے تصریح کی ہے کہ حصر مقصُود نہیں کیونکہ احادیثِ صحیحہ میں چار پانچ دفعہ تک موت و حیات کا تکرار ثابت ہے بہرحال اس آیت سے کسی طرح حیاتِ قبر کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔ تمام اہلِ سنّت کا یہی مذہب ہے کہ قبر کی زندگی حق ہے اور متعدّد احادیثِ صحیحہ جو حدِ تواتر کو پہنچی ہُوئی ہیں حیاتِ قبر کو ثابت کرتی ہیں۔

۴۱ے آئندہ رکُوع میں انسان کی پیدائش اور اس کو خلیفۃ اللہ کا منصب عطا کیے جانے کا ذکر آرہا ہے اس لیے اس سے پہلے اس کے شرف اور اس کی عظمت کا بیان فرمایا کہ زمین اور اس کے شکم میں پنہاں بے پایاں اور بیش قیمت خزینے لہلہاتے ہُوئے کھیت اور رسیلے اور رنگیلے پھلوں سے لدے ہُوئے سرسبز باغات، اُونچے پہاڑ اور گہرے دریا، رنگ برنگ پرندے اور گوناں گوں چوپائے یہ سب کچھ اسی کی خدمت گزاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسے چاہیئے کہ ہر چیز کو اپنے تصرّف میں لائے۔ اس سے فائدہ اُٹھائے اور اپنی خدمت لے۔ لیکن جادۂ حق سے بھٹکے ہُوئے انسان کی پستی کا کیا کہنا کہ اس نے مخدُوم ہوتے ہُوئے اپنے چاکروں کو اپنا مطلوب بنایا بلکہ بعض نے تو انھیں خُدائی کے تخت پر بٹھایا اور ان کو اپنا مخدُوم اور مطاع بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوگئے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی بے انصافی کا تصوّر کیا جاسکتا ہے آیت کے اس حصہ نے انسان کو اپنے بلند مقام سے آگاہ کیا اور اس خُود فراموش کو جھنجھوڑا تاکہ وُہ اپنے چہرہ سے ذِلّت و رُسوائی کی گرد صاف کرے۔

۴۲ے استوی کا صلہ جب الیٰ ہو تو اس کا معنی قصد کرنا، متوجہ ہونا ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زمین کی تخلیق کے بعد ارادۂ خُداوندی آسمان کی آفرینش کی طرف متوجہ ہُوا اور اس نے اپنی قُدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے اسے ایسے دُرست فرمایا کہ اس میں کوئی کمی اور کجی باقی نہ رہنے دی۔ ان آیات سے علمِ تخلیقِ کائنات (COSMOGENY) کی تفصیلات

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

جب فرمایا تمہارے رب نے ۴۳ فرشتوں ۴۵ سے میں مقرر کرنے والا ہوں زمین میں ایک نائب ۴۶ کہنے لگے

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

کیا تو مقرر کرتا ہے زمین میں جو فساد برپا کرے گا اس میں اور خونریزیاں کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں

اور جزئیات کا بیان مقصود نہیں۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ انسان کائنات سماوی و ارضی میں غور کرے اور اس کو نیست سے ہست کرنے والے کی قدرت کا اعتراف کرے اور رب قدیر نے اس کی بقاء اور آسائش کے لیے جتنے مکمل انتظامات کیے ہیں ان سے جائز فائدہ اٹھاتے اور اس کی ان عنایات بے پایاں کا شکریہ ادا کرے۔

۴۳ اس رکوع میں ایک اور عظیم الشان احسان کا ذکر ہے۔ یہ ہے حضرت انسان کی پیدائش کا تذکرہ۔ خالق کائنات نے جس اہتمام سے اس پیکر خاکی کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اس اہتمام سے کسی دوسری مخلوق کا ذکر نہیں فرمایا۔

۴۴ اس مقام پر رب مضاف ہے ك ضمیر کی طرف جس کا مرجع ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس اضافت میں جو لطف ہے اس کا صحیح ادراک صرف اہل محبت و عرفان کا خاصہ ہے۔ علامہ الوسی فرماتے ہیں کان ...... رمزا الی ان المقبل علیه بالخطاب له الحظ الاعظم فهو صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم علی الحقیقة الخلیفة الاعظم ولولاه ما خلق آدم ولا ولا (روح المعانی) یعنی حضور کریم کی ذات مقدس ہی حقیقت میں خلیفہ اعظم ہے۔ اور اگر یہ ذات گرامی نہ ہوتی تو آدم ہی پیدا نہ ہوتے بلکہ کچھ بھی نہ ہوتا۔

۴۵ اس کا واحد مَلَكٌ ہے۔ اس کا ماخذ اشتقاق اَلُوْكَةٌ ہے جس کا معنی ہے "پیغام رسانی" کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے مقبول بندوں تک پہنچانے کے لیے مامور ہیں اس لیے انھیں اس نام سے موسوم کیا گیا۔ ملائکہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اتنے مختلف اقوال ہیں کہ ان کا احاطہ یہاں آسان نہیں۔ علماء اسلام کے نزدیک ان کی حقیقت یہ ہے انها اجسام لطیفة قادرة علی التشکل باشکال مختلفة۔ یہ وہ لطیف اور نورانی جسم ہیں جو مختلف شکلیں بدل سکتے ہیں۔ لا یراهم ما هم علیه الا ارباب النفوس القدسیة۔ اور ان کو ان کی اصل شکل میں صرف اولیاء کاملین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ہونا بھی یونہی چاہیے کیونکہ مختلف اشیاء کا شعور و ادراک ایک ہی قوت سے نہیں ہوتا۔ بلکہ مختلف قوتیں مختلف چیزوں کا شعور و ادراک کرتی ہیں۔ رنگت کا ادراک آنکھ سے اور حرارت کا چھونے سے ہوتا ہے۔ نابینا اگر سرخ و سفید کو نہ سمجھ سکے تو وہ معذور ضرور ہے لیکن اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرخ و سفید کا انکار ہی کر دے۔ اسی طرح ملائکہ جن کا تعلق عالم روح سے ہے اگر ظاہری حواس انھیں نہ پا سکیں تو وہ معذور ہیں۔ اور وہ آنکھ جو عالم روح کے اسرار و لطائف کو دیکھ سکتی ہے۔ وہ تو اس وقت روشن ہوتی ہے۔ جب ریاضت اور مجاہدات

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَعَلَّمَ

تیری حمد کے ساتھ اور پاکی بیان کرتے ہیں تیرے لیے فرمایا بے شک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اللہ نے

سے تزکیۂ نفس ہوا اور دل کا آئینہ چمکنے لگے۔ جو لوگ ساری عمر لذّات و خواہشات کے درپے رہتے ہیں جنھوں نے تزکیۂ نفس کی اہمیت کا کبھی احساس نہیں کیا۔ وُہ اگر اس نورانی اور لطیف مخلوق کو نہ دیکھ سکیں تو معذور ہیں لیکن انھیں کسی طرح یہ زیبا نہیں کہ وُہ ان نفوسِ قدسیہ کے مشاہدات کا انکار کریں جن کی چشمِ دل بیدار بھی ہے اور بینا بھی۔ اس لیے جن لوگوں نے فرشتوں کے وجُود کا انکار کیا ہے۔ اور مختلف دُور از کار اور رکیک تاویلیں کی ہیں ان کا انکار بھی علمی نہیں اور ان کی یہ تاویلیں بھی کسی ستائش کی مستحق نہیں۔

۴۶ے یہاں فرشتوں سے نہ مشورہ لیا جارہا ہے اور نہ اذن طلب کیا جارہا ہے بلکہ ربُّ العزّت اپنے ارادۂ عالیہ سے انھیں آگاہ فرمارہا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ (۱) خلیفہ کسے کہتے ہیں؟ (۲) انسان کو منصبِ خلافت کیوں تفویض کیا گیا؟ خلیفہ وُہ ہے جو کسی کے مُلک میں اس کے نائب کی حیثیت سے اس کے احکام کے مُطابق عمل کرائے۔ اس منصب کے لیے انسان کے انتخاب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے اُس کی استعداد، علم اور اس کا دائرہ عمل محدود ہے۔ اور جس کی محدودیت کا یہ عالم ہو وُہ اس ذات پاک کا خلیفہ نہیں بن سکتا جس کا علم، ارادہ، احکام اور تصرف غیر محدود ہے لیکن انسان جو ابتداء میں ضعیف بھی ہے اور جہول بھی اس میں وُہ پایاں ناپذیر استعداد رکھ دی گئی ہے۔ اور عقل و فہم کی وُہ قوتیں ودیعت فرما دی گئی ہیں جن کے تصرّفات کی حد نہیں۔ اس لیے جملہ مخلوقات سے صرف یہی ایک مخلوق ہے جو منصبِ خلافت کی اہلیت رکھتی ہے۔ علماء ربانیین نے اس مشتِ خاک میں پنہاں توانائیوں سے جیسے پردہ اُٹھایا ہے اس کی گرد راہ کو بھی نفسیاتِ انسانی کے ماہرین نہیں پہنچ سکے۔ عارفِ کامل اسمٰعیل حقّی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

ان فی الانسان صورۃ من عالم الشھادۃ المحسوسۃ و روحا من عالم الغیب الملکوتی غیر المحسوس وسرا مستعد القبول فیض الانوار الالٰھیۃ فبالتربیۃ یترقی من عالم الشھادۃ الی عالم الغیب و بسر المتابعۃ یترقی من عالم الملکوت الی عالم الجبروت والعظموت ویشاھد بنور اللہ المستفاد من سر المتابعۃ انوار الجمال والجلال الخ یعنی انسان مختلف عناصر سے مرکب ہے۔ اس کی صورت کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور اس کی رُوح کا تعلق عالمِ غیب ملکوتی سے ہے صُورت و رُوح کے علاوہ اس میں ایک پوشیدہ قوت ہے جو انوارِ ربانی کے فیض کو قبول کرنے کی استعداد رکھتی ہے۔ اچھی تربیت سے وُہ عالمِ محسوس سے ترقی کر کے عالمِ غیب تک رسائی حاصل کرتا ہے اور رسالتمآب کی سچّی پیروی سے اس پر عالم جبرُوت و عظموت کی راہیں کھلتی ہیں۔ وُہ الٰہی نور جو اس اطاعت و پیروی کی برکت سے اسے حاصل ہوتا ہے اس سے وُہ جمال و جلال کے انوار و تجلّیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ فسبحان اللہ احسن الخالقین۔ انسان کو جو صرف خاک کا پتلا سمجھتے ہیں کاش اس کی حقیقت پر غور

اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ

سکھا دیئے آدم کو تمام اشیاء کے نام ٤٧ پھر پیش کیا انھیں فرشتوں کے سامنے اور فرمایا بتاؤ تو مجھے

بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿٣١﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ

نام ان چیزوں کے اگر تم (اپنے اس خیال میں) سچے ہو عرض کرنے لگے ہر عیب سے پاک تو ہی ہے کچھ علم نہیں ہمیں

اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ

مگر جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے فرمایا اے آدم! بتا دو انھیں ان

بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ

چیزوں کے نام پھر جب آدم نے بتا دیئے فرشتوں کو ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ میں

اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ

خوب جانتا ہوں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

چھپاتے تھے اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ٤٨ تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

کریں تاکہ ان میں اپنے بلند مقام پر پہنچنے کی تڑپ پیدا ہو۔ یہ وُہ ذرّہ ہے جس کے سامنے آسمان کی رفعتیں سرنگوں ہیں اور یہ وُہ قطرہ ہے جس میں سمندروں کی گہرائیاں ہیں۔

٤٧ حضرت ابن عبّاس، عکرمہ، قتادہ اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم نے اس آیت کی تفسیر یُوں بیان فرمائی ہے علّمہ اسماء جمیع الاشیاء کلھا جلیلھا وحقیرھا (القرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کو چھوٹی بڑی تمام اشیا کے سب نام سکھا دیئے اور خلافت کے منصب کا تقاضا بھی یہی تھا کہ انھیں ان تمام چیزوں کا علم عطا فرمایا جاتا۔ جب آدم علیہ السّلام کے علم کی یہ کیفیّت ہے تو سیّد بنی آدم خلیفۃ اللہ فی العالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علوم و معارف کا کیا کہنا۔

٤٨ جب فرشتوں نے آدم علیہ السّلام کی وُسعتِ علم اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو پروردگارِ عالم نے اُنھیں حُکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ سجدہ کا لغوی معنی ہے تذلّل اور خضوع اور شریعت میں اس کا معنی ہے وضع الجبھۃ علی الارض پیشانی کا زمین پر

أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ

اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور (داخل) ہو گیا وہ کفار (کے ٹولہ) میں اور ہم نے فرمایا اے آدم! رہو تم

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور تمہاری بیوی اس جنت میں اور دونوں کھاؤ اس سے جتنا چاہو جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس

رکھنا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں سجدہ کا لغوی معنی مراد ہے۔ کہ فرشتوں کو ادب و احترام کرنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک شرعی معنی مراد ہے یعنی فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیشانی رکھ دیں۔ اب اس سجدہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیشانی جھکانے والا یہ اعتقاد کرے کہ جس کے سامنے میں پیشانی جھکا رہا ہوں وہ خدا ہے تو یہ عبادت ہے اور یہ خاص ہے اسی وحدہٗ لاشریک کے ساتھ جو خالق و مالک ہے ساری کائنات کا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کبھی بھی کسی نبی کی شریعت میں جائز نہیں۔ بلکہ انبیاء کی بعثت کا مقصدِ اوّلین تھا ہی یہی کہ وہ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور دوسروں کی عبادت سے منع کریں۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ جس چیز سے روکنے کے لیے انبیاء تشریف لائے اس فعل کا ارتکاب خود کریں یا کسی کو اجازت دیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جس کے سامنے سجدہ کیا جا رہا ہے اس کی عزت و احترام کے لیے ہو عبادت کے لیے نہ ہو تو اس کو سجدہ تحیۃ کہتے ہیں۔ یہ پہلے انبیاء کرام کی شریعتوں میں جائز تھا لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے بھی منع فرما دیا۔ اب تعظیمی سجدہ بھی ہماری شریعت میں حرام ہے۔ یہ عزت و سرفرازی جو آدم علیہ السلام کو نصیب ہوئی اس کا سبب علم تکوینی یعنی اشیاء اور ان کی خاصیات اور ان کے اثرات کا علم ہے وہ امت جس کی آسمانی کتاب میں آدم کی برتری اور افضلیت کا راز یہ بتایا گیا ہو کہ وہ کائنات کے اسرارِ سربستہ سے آگاہ کیا گیا تھا وہ امت اگر علم سے محروم ہو۔ سائنس اور حکمت سے ناآشنا ہو تو یہ اس کی اپنی بدبختی ہے۔ اس کے دین نے تو اس کے سمندِ شوق کو مہمیز لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جو دنیا میں جتنے مذہبی صحائف موجود ہیں کسی میں اتنی وضاحت اور اتنے اہتمام سے مقامِ آدم کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے۔ اب ہم اپنی شورہ بختی کے علاوہ کس کو ملامت کریں کہ ہماری غالب اکثریت تو ابجد خواں بھی نہیں۔ اور جو علم سے آشنا ہیں وہ علم کو تن پروری کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ دن کب طلوع ہو گا جب مومن اپنے مقام کو پہچانے گا۔ پھر کب اس آسودۂ خوابِ راحت کو رومی کا سوز اور رازی کا پیچ و تاب نصیب ہو گا۔ ہمارے مطالعہ کی میزیں تو تہ در تہ گرد جمی ہوئی ہے اور ہمارے عشرت کدوں میں نور و نکہت کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ ہماری رصد گاہیں اب ان تھک تیز نگاہوں سے محروم ہیں جو ستاروں کی معمولی سی جنبش کا تعاقب کیا کرتی تھیں۔ ہماری تجربہ گاہیں اب ایسے علماء کو ترس گئی ہیں جو دنیا کی لذات سے کنارہ کش ہو کر نشترِ تحقیق سے کائنات کی ہر چیز کا دل چیرا کرتے اور ان میں پوشیدہ اثرات اور قوتوں کا کھوج لگایا کرتے اور اس سے بھی بڑھ کر قابلِ حیرت بلکہ لائقِ نفرت وہ آواز ہے جو بعض حلقوں سے توحید کے نام پر اٹھائی

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا

درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے اپنا حق تلف کرنے والوں سے پھر پھسلا دیا انھیں شیطان نے ۴۹ اس درخت کے باعث اور نکلوا دیا

مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

ان دونوں کو وہاں سے جہاں وہ تھے اور ہم نے فرمایا اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور (اب) تمہارا

جا رہی ہے کہ نبی کو تشریعی علم دیا جاتا ہے تکوینی علم سے اُسے کیا سروکار۔ اور اس طرح اس ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے علم کی بیکراں وسعتوں کو تنگ سے تنگ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا سارا زور صرف کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرماوے ہمارے حالِ زار پر اور بخشے ہماری کوتاہ اندیشیوں کو۔ انه هو التواب الرحيم۔

۴۹ اس مقام پر بے ساختہ یہ خیال پریشان کرنے لگتا ہے کہ کیا انبیاء سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس لیے اجمال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سلسلہ کے متعلق کچھ عرض کرنا نہایت ضروری ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے بڑی عمدگی سے اس مشکل کو حل کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر اجمعها۔ یعنی مالکی حنفی اور شافعی مسلک کے جمہور فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی اطاعت بھی لازم آئے گی۔ جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں جابجا انبیاء کی طرف ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے۔ ایسے میں مطلق عصمت کا قول کیونکر ممکن ہے۔ اس شبہ کے ازالہ کے لیے ایک چیز کو ہمیشہ ذہن نشین رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ کوئی فعل گناہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ کسی حکم کی نافرمانی کا عزم اور قصد پایا جائے۔ اور اگر عزم اور قصد مفقود ہے بلکہ بے ارادہ بھول چوک سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو بظاہر کسی حکم کے خلاف ہے تو اُسے گناہ نہیں کہتے۔ اور ایسے امور کا صدور عصمتِ انبیاء کے منافی نہیں۔ اب آپ اسی ایک واقعہ پر غور کریں۔ قرآن حکیم کی تعبیر میں اس مسئلہ کی نزاکت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہاں فرمایا ہے۔ فازلهما۔ اب آپ "زلة" کی لغوی تحقیق پر غور کیجئے۔ الزلة في الاصل استرسال الرجل من غير قصد، بلا ارادہ پاؤں کا پھسل جانا۔ دوسرے مقام پر قرآن نے بالکل اس حقیقت کو واضح الفاظ میں بیان فرما دیا فنسي ولم نجد له عزما یعنی آدم سے یہ حرکت بھول سے ہوئی اس کا عزم و ارادہ ہرگز نہ تھا۔ جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا لیکن ؎

بود آدم دیدۂ نورِ قدیم موئے در دیدہ بود کوہِ عظیم (رُومیؒ)

یعنی آدم علیہ السلام تو نورِ قدیم کی آنکھ تھے۔ اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اس کو برداشت نہیں

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ

زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اُٹھانا ہے وقتِ مقرر تک ؎۵۰ پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے ؎۵۱

فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ

تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی ؎۵۲ بے شک وُہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہم نے حکم دیا اُتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب ؎۵۳

کر سکتی بلکہ وُہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بھی بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

؎۵۰ اس آیت میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے کہ اس دُنیا میں تمھارا قیام ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے ان فرصت کے لمحوں میں تمھیں اپنی ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہنا چاہیے۔

؎۵۱ آدم علیہ السلام بھُولے سے یہ خطا کر تو بیٹھے لیکن پھر فرطِ ندامت سے روئے اور اتنا روئے کہ آنسوؤں کے دریا بہا دیئے۔ ان کے دردانگیز نالوں سے پتھروں کے دل پھٹ جاتے تھے۔ دن رات آہ و فغاں سے کام تھا۔ ہر وقت بارگاہِ الٰہی میں اس کی رحمت کے لیے ملتجی رہتے۔ سالہا سال اسی طرح بیت گئے لیکن مغفرت کی خوشخبری نہ ملی۔ آخر ایک روز ایسے کلمات زبان سے نکلے کہ رحمتِ خداوندی کو ترس آگیا اور چشمِ عنایت مائل بکرم ہوگئی۔ وُہ کون سے کلمات تھے۔ اس کے متعلق میں حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کی تفسیر فتح العزیز کی عبارت نقل کرتا ہوں تاکہ ہر خوش نصیب کی طمانیتِ قلب کا باعث ہو۔ "اور طبرانی نے معجم صغیر میں اور حاکم اور ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین عمرؓ بن خطاب سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت آدمؑ سے یہ گناہ سرزد ہُوا اور ان پر عتابِ الٰہی نازل ہُوا تو یہ قبول ہونے میں حیران تھے کہ اتنے میں ان کو یاد آیا کہ مجھ کو جس وقت خدائے تعالیٰ نے پیدا کیا تھا اور رُوحِ خاص میرے اندر پھُونکی تھی اُس وقت میں نے اپنے سر کو عرش کی طرف اُٹھایا تھا اس جگہ لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ قدر کسی شخص کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر اس شخص کے نہیں کہ نام اس کا اپنے نام کے برابر لکھا ہے۔ تدبیر یہ ہے کہ بحق اسی شخص کے سوال مغفرت کا کروں پس دُعا میں کہا۔ اسئلک بحق محمد ان غفرت لی (اے مولا! میں تجھ سے محمد مصطفےٰ کے صدقے سے التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے) حق تعالیٰ نے ان کی بخشش کی اور وحی بھیجی کہ محمدؐ کو کہاں سے جانا تو نے اُنھوں نے تمام ماجرا عرض کیا۔ حکم پہنچا کہ اے آدمؑ! محمدؐ سب پیغمبروں سے پچھلا پیغمبر ہے اولاد تیری میں سے اور اگر وُہ نہ ہوتا تجھ کو نہ پیدا کرتا۔" (صفحہ ۱۱۶ ج ۱ تفسیر عزیزی ترجمہ اُردو مطبوعہ حلیمی پریس دہلی ۱۹۳۲ء)

؎۵۲ توبہ کا لغوی معنی رجُوع کرنا ہے اور جب کہا جائے تاب العبد (کہ بندے نے توبہ کی) تو اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ رجع الی طاعۃ ربہ۔ سرکشی چھوڑ کر وُہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بن گیا اور اگر تاب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو پھر معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نادم اور شرمسار بندے کی طرف نظرِ رحمت فرمائی اور اس کا قصور معاف فرما دیا۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

پھر اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے (پیغام) ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی انھیں نہ تو کوئی خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٣٨ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو) وہ دوزخی

النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٣٩ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ

ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے اولادِ یعقوب ۵۴؎ یاد کرو میرا وہ احسان جو

۵۳؎ نیچے اُترنے کا حکم دو بار ہوا۔ پہلے لغزش کے صادر ہونے کے بعد، پھر قبولِ توبہ کے بعد۔ پہلے حکم سے ناراضگی کا اظہار مقصود تھا۔ اور دوسری بار منصبِ خلافت سنبھالنے کے لیے۔ دونوں حکموں کی غرض و غایت الگ الگ ہے اس لیے یہاں تکرار نہیں۔

۵۴؎ تیسرے رکوع میں تمام اولادِ آدم کو دعوتِ اسلام دی گئی اور توحید و رسالت کے دلائل پیش کیے گئے۔ چوتھے رکوع میں انسان کی پیدائش، اسے زیورِ علم سے آراستہ کرنے اور منصبِ خلافت پر فائز کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک بنی اسرائیل کی اصلاح و ہدایت کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہود کو خصوصی خطاب کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ تمام اقوامِ عالم خصوصاً جزیرۂ عرب کے باشندوں میں یہود کو ایک اہم مقام حاصل تھا۔ چار ہزار سال تک سلسلۂ نبوّت ان میں جاری رہا۔ ہزاروں نبی ان میں پیدا ہوئے۔ جن کے باعث علم و حکمت میں کوئی قوم ان کی برابری کا دعوےٰ نہیں کرسکتی تھی۔ ان کے گرد و نواح میں بسنے والے قبائل ان کی علمی برتری سے بہت مرعوب تھے۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ اگر یہودنے (جو اہلِ علم و کتاب ہیں) اسلام قبول کیا تو وہ بھی قبول کرلیں گے۔ اس لیے قرآنِ حکیم نے یہود کو خاص طور پر اسلام کی طرف بُلایا تاکہ اُن کے اسلام لانے سے دوسرے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہوجائے۔ اور اگر وہ اسلام کو قبول نہ کریں تو اُن کی ہٹ دھرمی کا پردہ چاک ہوجائے اور دُنیا کو پتہ چل جائے کہ یہ صرف دُنیاوی اقتدار اور دولت و ثروت کے باعث اسلام کی مخالفت کررہے ہیں۔ اس تفصیل کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کو درسِ عبرت دیا جائے کہ بنی اسرائیل کی داستانِ عروج و زوال تمھارے سامنے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت کرتے رہو گے تو عزّت و حکومت تمھاری خانہ زاد لونڈی ہوگی۔ اور اگر سرکشی اختیار کی تو تمھاری بدعملیاں کسی بخت نصر کا لباس پہن کر نمودار ہوں گی اور تمھیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں گی۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔

أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ

کیا میں نے تم پر ۵۵ اور پورا کرو تم میرے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو میں پورا کروں گا تمھارے (ساتھ کیے ہوئے) وعدہ کو ۵۶

فَارْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ

اور صرف مجھی سے ڈرا کرو ۵۷ اور ایمان لاؤ اس (کتاب) پر جو نازل کی ہے میں نے یہ سچا ثابت کرنے والی ہے اس کو جو تمھارے پاس ہے ۵۸

كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا

اور نہ بن جاؤ تم سب سے پہلے انکار کرنے والے اس کے اور نہ خرید و تم میری آیتوں کے عوض تھوڑی سی قیمت ۵۹ اور صرف مجھی سے ڈرا کرو اور مت ملایا کرو

الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

حق کو باطل کے ساتھ ۶۰ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم (اسے) جانتے ہو اور صحیح ادا کرو نماز

۵۵ حضرت سیدنا ابراہیم (۲۱۶۰ تا ۱۹۸۵ ق م) کے فرزند حضرت اسحاق جو حضرت سارہ عراقیہ کے بطن سے تھے ان کے فرزند حضرت یعقوب علیہم السلام کا لقب اسرائیل ہے۔ اس کا معنی ہے عبد اللہ۔ اللہ کا بندہ۔

۵۶ اس عہد کی تفصیل اسی پارہ کے دسویں رکوع میں (اور دوسرے مقامات پر) مذکور ہے۔ تورات کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ "تو نے آج کے دن اقرار کیا ہے کہ خداوند تیرا خدا ہے اور تو اس کی راہوں پر چلے گا اور اس کے آئین اور فرمان اور احکام کو مانے گا اور اس کی بات سنے گا۔ (استثناء ۲۶ : ۱۷)

۵۷ علماء بنی اسرائیل کے اسلام قبول کرنے کے راستہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ بھی تھی کہ وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ اگر انھوں نے اپنے پرانے دین کو چھوڑ دیا اور اس نئے دین کو اختیار کر لیا تو ان کے عقیدت مندوں کا یہ ہجوم منتشر ہو جائے گا اور مالی منفعت جو اب انھیں اپنے ماننے والوں سے حاصل ہو رہی ہے بند ہو جائے گی اللہ تعالیٰ انھیں متنبہ فرماتا ہے کہ ایسی باتوں سے ہراساں مت ہو۔ ڈرنا ہے تو اپنے اللہ سے ڈرو جس کے قبضہ قدرت میں رزق کے خزانے ہیں اور جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۵۸ قرآن حکیم تو تمھاری کتاب کی تائید اور تصدیق کرتا ہے۔ تمھارے دین کی حقانیت کا علم بردار ہے۔ تمھارے انبیاء کی شان بلند کرتا ہے تو پھر تم اس سے کیوں بدکتے ہو۔

۵۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تھوڑے داموں فروخت نہ کرو اور اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ کسی قیمت پر حق کو مت بیچو کیونکہ ساری دنیا کے خزانے بھی اس کے مقابلہ میں حقیر ترین معاوضہ ہیں۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ

اور دیا کرو زکوٰۃ اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ کیا تم حکم کرتے ہو (دوسرے) لوگوں کو نیکی کا اور

تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا

بھلا دیتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب ۱۱؎ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور مدد لو

بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ

صبر اور نماز سے ۱۲؎ اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر عاجزی کرنے والوں پر (بھاری نہیں) جو

۱۰؎ تورات کے صفحات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات وصفات اور علامات کے ذکر سے مزیّن تھے علماء بنی اسرائیل ان کو چھپانے کی کوشش میں لگے رہتے۔ تاکہ لوگ ان پر مطلع ہو کر حضورؐ پر ایمان نہ لے آئیں۔ اور اگر کسی کی نظر سے ایسی کوئی آیت گزر جاتی تو وہ اس کی ایسی تاویلیں گھڑ کر اسے بتاتے کہ وہ بے چارہ طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس مذموم حرکت سے منع فرماتے ہیں۔ لبس کے دو معنے ہیں ڈھانپ لینا اور خلط ملط کر دینا اس سے ہر طرح کی تحریف لفظی ہو یا معنوی سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ حکم صرف بنی اسرائیل کے علماء کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ملتِ اسلامیہ سے نسبت رکھنے والے علماء کو بھی شامل ہے۔

۱۱؎ علماء یہود لوگوں کو تو یہ حکم دیتے کہ تورات اللہ کی کتاب ہے اور اس کے ہر فرمان کی تعمیل کرو لیکن اپنا یہ حال تھا کہ ذرا سے ذاتی فائدے کے لیے تورات کے صریح احکام کو پس پشت ڈال دیتے۔ تورات کی بیان کردہ علامات حضورؐ میں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی دو رُخی پالیسی سے منع فرماتے ہیں۔ یہ زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لیے ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دے اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو۔ خواہ وہ یہودی کہلائے یا مسلمان۔ قرآن حکیم نے جابجا قول و عمل کے اختلاف سے روکا ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے جبرئیلؑ سے ان کے متعلق دریافت کیا تو جبرئیل نے بتایا۔ هؤلاء الخطباء من اهل الدنيا (وفي رواية من امتك) يامرون الناس بالبر وينسون انفسهم وهم يتلون الكتاب افلا يعقلون۔ (ترجمہ)۔ یہ دنیا کے خطیب ہیں۔ (ایک روایت میں ہے آپؐ کی اُمّت کے خطیب ہیں) جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیا کرتے اور اپنے نفسوں کو بھلائے رکھتے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت بھی کرتے۔ تنسون انفسكم کی تعبیر کتنی اثر آفرین ہے یعنی تم ایسا کر کے اپنی بہتری نہیں کر رہے بلکہ تم تو وہ زیاں کار اور سود فراموش ہو جن کی نظروں سے اپنی بہتری اوجھل ہو چکی ہے۔

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

یقین کرتے ہیں کہ وُہ مُلاقات کرنے والے ہیں اپنے ربّ سے اَور وُہ اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ۳؎ اے اولادِ یعقوبؑ!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

یاد کرو میرا وُہ اِحسان جو میں نے تم پر کیا اَور (یہ کہ) میں نے فضیلت دی تھی تمھیں سارے جہان والوں پر ۴؎

وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا

اَور ڈرو اُس دن سے جب نہ بدلہ دے سکے گا کوئی شخص کسی کا کچھ بھی اَور نہ قبول کی جائے گی اس کے لیے

۲؎ کیونکہ بنی اِسرائیل صدیوں سے اِن اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھے اَور ایک حد تک ان کے عادی ہو گئے تھے یک لخت ان کا اِن عادتوں سے دست بردار ہوجانا بہت مشکل تھا۔ اِس لیے اب اُنھیں اِن پستیوں سے نکل آنے کا راستہ بتایا جارہا ہے یعنی تم صبر اَور نماز سے اِن خامیوں کا علاج کر سکتے ہو۔

"صبر کے لغوی معنی روکنے اَور باندھنے کے ہیں۔ اَور اِس سے مُراد اِرادے کی وُہ مضبوطی، عزم کی وُہ پختگی اَور خواہشات نفس کا وُہ اِنضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اَور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کیے ہُوئے راستہ پر لگاتار بڑھتا چلا جائے"۔ (تفہیم القرآن) اگر انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا کرلے اَور اس کے ساتھ ساتھ وُہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتۂ عبدیت اپنے ربّ حقیقی سے محکم کرلے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ حضور کریمؐ کی یہ عادت مُبارک تھی کہ جب کوئی مشکل کام آپڑتا تو فوراً نماز پڑھنے لگتے۔ نیز رحمتِ عالمؐ نے فرمایا کہ اگر کسی کو حاجت ہو اللہ تعالیٰ سے یا کسی اِنسان سے تو اُسے چاہیے کہ بڑی احتیاط سے وضو کرے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اِس کے بعد دُرود شریف کثرت سے پڑھے اَور اس کے بعد ان الفاظ سے دُعا مانگے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔ (رواہ الترمذی)

۳؎ عُلمأ لُغت کے نزدیک ظن اُن الفاظ سے ہے جو مختلف اَور متضاد معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ ظن کا معنی شک بھی ہے اَور یقین بھی۔ اَور اس آیت میں ظن بمعنی یقین مستعمل ہُوا ہے۔

۴؎ دُنیا کی ساری قومیں، خاندان اَور ان کے افراد اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے میں اَور آدمؑ کی اَولاد ہونے میں سب برابر ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک برتری اَور بزرگی کا دار ومدار وُہ عُمدہ صفات اَور خُوبیاں ہیں جن سے کوئی قوم یا فرد متصف ہوتا ہے۔

شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٤٨﴾ وَاِذْ

سفارش ۶۵ اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی معاوضہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے اور یاد کرو جب

نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ

نجات بخشی ہم نے تمھیں فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمھیں سخت عذاب (یعنی) ذبح کرتے تھے ۶۶

صرف کسی خاندان کا فرد ہونا یا کسی نسل سے ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ہدایت، علم و حکمت اور حکومت یہ تین ایسی چیزیں تھیں جو مجموعی طور پر اس وقت بنی اسرائیل کے علاوہ کسی قوم میں نہیں پائی جاتی تھیں اس لیے ان کی بزرگی اور فضیلت مسلّم تھی لیکن جب ضد اور تعصب کی وجہ سے اُنھوں نے پیغام ہدایت کو ٹھکرا دیا اور اپنی خواہشات کی تسکین کے لیے علم و حکمت کے آسمانی صحیفوں میں تحریف اور بگاڑ شروع کر دیا اور انبیاء کرام کی توہین اور بے ادبی کو اپنا پیشہ بنا لیا اور بعض کو قتل بھی کر دیا تو ان کرتوتوں کے باعث ان پر ذلت و مسکنت کی لعنت مسلّط کر دی گئی۔ گویا اُنھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی فضیلت کا گلا گھونٹ دیا اور اپنی بزرگی کا جنازہ نکال دیا۔ اب چونکہ ان فضائل و اوصاف کی وارث اُمّتِ مسلمہ تھی اس لیے فضیلت و کرامت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا گیا اور اسے کنتم خیر امۃ کا مژدہ سُنا دیا گیا۔ اس لیے اُمّتِ مسلمہ پر بنی اسرائیل کی فضیلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۶۵ دُنیا میں "مجرم" کی رہائی کے جتنے طریقے ہیں سب کی نفی کر دی کہ قیامت کے دن ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کام نہیں آئے گا۔ معتزلہ نے اس آیت سے گنہگار مومن کے لیے شفاعت کا بھی انکار کیا ہے جو غلط ہے۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔ اجمع المفسرون علی ان المراد بھذہ الاٰیۃ النفس الکافرۃ لا کل نفس۔ تمام مفسّرین کا اجماع ہے کہ نفس سے مُراد کافر ہے نہ ہر نفس۔ علامہ بیضاویؒ معتزلہ کا رَدّ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت کفّار کے لیے مخصوص ہے کیونکہ گنہگار مومن کے لیے شفاعت پر کئی آیات اور احادیث (جو حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں) دلالت کرتی ہیں۔ نیز آیت کا نزول یہود کے اس غلط عقیدہ کے ابطال کے لیے ہوا وہ سمجھتے تھے ان کے اعمال اور عقاید کیسے ہی ہوں ان کی نجات یقینی ہے۔

۶۶ بچّوں کے قتل کی وجہ کیا تھی؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔ البتّہ عام مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ نجومیوں نے فرعون کو بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جو تیری حکومت کا تختہ اُلٹ دے گا۔ احتیاطی تدابیر کے طور پر اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں تاکہ بڑی ہو کر ان کی لونڈیاں بنیں۔ اس وقت کی توہّم پرست مصری ذہنیت سے یہ کچھ بعید بھی نہ تھا۔ لیکن شیخ محمد عبدہ نے ایک اور وجہ بیان کی ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل اس تیزی اور کثرت سے بڑھنے لگی تھی کہ فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اگر

أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ

تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رہنے دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی

عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ

طرف سے ۶۷؎ اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھر ہم نے بچالیا تم کو اور ڈبو دیا فرعونیوں کو

وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾ وَإِذْ وَٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ

اور تم (کنارے پر کھڑے) دیکھ رہے تھے ۶۸؎ اور یاد کرو جب ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰؑ سے چالیس رات کا پھر

ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم

بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) ان کے بعد اور تم سخت ظالم تھے پھر بھی درگزر فرمایا ہم نے تم سے

ان کی پیدائش کی رفتار یہی رہی تو بنی اسرائیل کی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور اپنی غالب اکثریت کی بنا پر یہ کوئی انقلاب برپا کر دیں گے۔ اس خدشہ کے پیش نظر اس نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کا یہ ظالمانہ حکم دیا۔

۶۷؎ مصیبت اور نعمت دونوں میں آزمائش ہے۔ پہلی میں صبر و ثبات کی، دوسری میں شکر و سپاس کی۔ ذٰلکم کا مشارٌ الیہ یہ دونوں چیزیں ہیں قتل اولاد کی مصیبت اور اس سے نجات کی نعمت۔

۶۸؎ سالہا سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے۔ صبح ہوئی تو فرعون اپنے لشکر جرار سمیت موسیٰؑ کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ جب سمندر (بحر قلزم) کے کنارہ پر پہنچ رہا تھا تو پیچھے سے فرعون کے لشکر کی گرد و غبار اڑتی نظر آئی تو گھبرا گئے۔ سمجھے کہ اب نجات کے سارے راستے یکسر بند ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی۔ سمندر کا پانی سمٹ گیا۔ درمیان میں سے راستہ نمودار ہو گیا۔ جس پر چل کر بنی اسرائیل بخیر و عافیت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے بھی اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ جب سب سمندری راستے میں اتر چکے تو پہاڑوں کی طرح تھمی ہوئی موجوں میں جنبش ہوئی۔ اور چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رہ گیا۔ یہ سب منظر بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

سمندر نے کیونکر راستہ چھوڑ دیا؟ کیا چیز تھی جس نے سمندر کے پانی سے روانی چھین لی اور اس کی محو رقص و خرام لہروں کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں؟ اور جب کلیم کنارے پر پہنچ گئے تو پھر سمندر اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا؟ جب ہماری عقل ان سوالات کا جواب نہیں دے سکتی تو ہم یا تو سرے سے ایسے واقعات کا انکار کر دیتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

اس (ظلم عظیم) کے بعد شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ۔ اور جب عطا فرمائی ہم نے موسیٰ کو کتاب

وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿٥٣﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ

اور حق و باطل میں تمیز کی قوت تا کہ تم سیدھی راہ پر چلنے لگو اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام نے) اپنی قوم سے

اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ

اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہیئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ

سو قتل کرو اپنوں کو (جنھوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمھارے لیے تمھارے خالق کے نزدیک پھر حق تعالیٰ نے تمھاری توبہ

تو ایسی بھونڈی تاویلیں کرتے ہیں جن سے واقعہ کا سارا حسن بھی خاک میں مل جاتا ہے اور دل بھی مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے علم کی انتہا کو علم و حکمت کی آخری سرحد یقین کر بیٹھتا ہے اور اپنی تجربہ گاہ میں علت و معلول، سبب اور مسبّب کی جو زنجیر وہ تیار کرتا ہے اس کے علاوہ وہ سبب و علت کے کسی دوسرے سلسلہ کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز آمادہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کے تجربے بھی ناکمل ہیں۔ نیوٹن نے بہت کھلے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ وہ کہتا ہے "میری مثال اس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحر زخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا کوئی علم ابھی نہیں ہوا۔" (HEROES OF CIVILIZATION) جب علم انسانی کی نارسائیوں کا یہ عالم ہے تو ایسے واقعات جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے ان کو بیان فرمایا ہے تو ہمارے لیے سلامتی اور حقیقت شناسی کا راستہ یہ ہے کہ ہم ان کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔

۶۹ جب بنی اسرائیل غلامی کی لعنت سے نجات حاصل کر کے آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے گئے تو حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ انھیں ایک کتاب عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ بے راہروی سے بچتے رہیں۔ اس لیے موسیٰ کو طور پر چالیس روز تک چلہ کشی کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ کا غیر حاضر ہونا تھا کہ سامری کا داؤ چل گیا اور اس کے بہکانے سے بنی اسرائیل اپنے وحدہٗ لاشریک پروردگار کو چھوڑ کر ایک بچھڑے کی پوجا کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ اتنے احسانات کے بعد تم شرک جلی کے مرتکب ہوتے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور تمھیں نیست و نابود

إنه هو التواب الرحيم ﴿٥٤﴾ وإذ قلتم يموسى لن نؤمن لك

قبول کرلی بے شک وہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

حتى نرى الله جهرة فأخذتكم الصعقة وأنتم تنظرون ﴿٥٥﴾

تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر ۷۲ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے

ثم بعثنكم من بعد موتكم لعلكم تشكرون ﴿٥٦﴾ وظللنا

پھر ہم نے جلا اٹھایا تمھیں تمھارے مرجانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو اور ہم نے سایہ کر دیا

عليكم الغمام وأنزلنا عليكم المن والسلوى كلوا من

تم پر بادل کا ۷۳ اور اتارا تم پر منّ و سلویٰ ۷۴ کھاؤ پاکیزہ

کر دیا جاتا لیکن ہم نے پھر بھی اپنا دَرِ رحمت کھلا رکھا اور تمھاری توبہ کو شرفِ قبول بخشا۔

۷۰ کتاب سے مراد تورات اور فرقان سے مراد وہ معجزات ہیں جن کے ذریعہ حق کا بول بالا ہوا اور باطل سرنگوں اور شرمسار ہوا۔

۷۱ موسیٰ علیہ السلام کے طور سے واپس آنے پر بچھڑے کے پجاریوں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو لگے توبہ کرنے اللہ تعالیٰ نے توبہ کی قبولیت کی شرط یہ فرمائی کہ جنھوں نے شرک نہیں کیا وہ بچھڑے کے پجاریوں کو قتل کریں۔ اور ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تہ تیغ کرے۔ کئی لوگوں نے حکمِ قتل کی کئی ایک تاویلیں کی ہیں اور لکھا ہے کہ اس قتل سے مراد ریاضات اور مجاہدات ہیں جو نفس کشی کا باعث بنتے ہیں۔ شاید اس احساس نے کہ یہ سزا بہت سنگین ہے انھیں اس آیت کی تاویل کرنے پر مجبور کیا۔ حالانکہ اگر جرم کی نوعیت پر غور کرتے تو یہ خدشہ پیدا ہی نہ ہوتا۔ یہ جرم صرف مذہبی قسم کا نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت سیاسی بغاوت کی تھی۔ کیونکہ مصر سے ہجرت کے بعد فلسطین میں ان کی نوخیز حکومت جس بنیاد پر استوار کی جارہی تھی وہ عقیدۂ توحید تھا اور توحید کا انکار حقیقت میں اس ریاست کا انکار تھا جو کھلی بغاوت اور صریح غدر تھا۔ جس طرح آج کوئی حکومت خواہ وہ اپنے نظریات اور طریقۂ کار میں بڑی آزاد منش ہو یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی رعایا کا کوئی فرد اس کی بنیادکو اکھیڑ پھینکے اور جو فرد ایسا کرے اُس کو باغی قرار دیا جاتا ہے اور اُسے تختۂ دار پر کھینچ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس جرم کی نوعیت تھی۔ اور وہ مجرم اسی سزا کے مستحق تھے جو انھیں دی گئی۔

۷۲ اُن کی ہٹ دھرمی اور اُن سے عفو و درگزر کا ایک واقعہ ذکر فرمایا۔

۷۳ بنی اسرائیل کا اصلی وطن شام تھا۔ یوسف علیہ السلام کے عہد میں یہ مصر چلے گئے تھے تو عمالقہ نے شام پر قبضہ کر لیا۔

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

چیزوں سے جو ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں اور اُنھوں نے ہم پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وُہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے

يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ

رہتے تھے ۵۵ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا داخل ہو جاؤ اس بستی میں ۵۶ پھر کھاؤ اس میں جہاں سے

جب دوبارہ اپنے وطن لَوٹے تو اُنھیں حکم مِلا کہ عمالقہ سے جہاد کر کے اپنا وطن آزاد کرائیں اور اس میں آزادی اور عزّت کی زندگی بسر کریں۔ لیکن اُنھوں نے جہاد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں چالیس سال تک تیہ کے ریگستان کی خاک چھانتے پھرے۔ اِس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات ان پر سایہ افگن رہیں۔ اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے۔ دُھوپ سے بچانے کے لیے بادلوں کا سائبان تان دیا۔ پانی کے چشمے بہا دیئے اور منّ وسلویٰ ان کی خوراک کے لیے مہیا کر دیا۔ اس طرح ان کی زیست اور راحت کے جُملہ سامان اس چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ ریگستان میں فراہم کر دیئے اور اُنھیں پھر موقع دیا کہ وُہ دِل سے اللہ تعالیٰ کے حضُور میں جھک جائیں۔

۵۴ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اکثر مفسّرین کے نزدیک منّ سے مُراد ترنجبین ہے اور ترنجبین ایک قسم کی قدرتی شکر ہے جو اُونٹ کٹارے (یا اس قسم کی دُوسری بُوٹیوں) کے کانٹوں پہ شبنم کی طرح گر کر جم جاتی ہے اور سلویٰ بٹیر کو کہتے ہیں جو وادیٔ سینا کا خاص پرندہ ہے کیونکہ یہ رزقِ لذیذ ان کو محنت ومشقّت کے بغیر میسّر آجاتا تھا اس لیے اسے منّ (احسان) فرمایا گیا اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسُردہ دِلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان بھی تھا اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

۵۵ ایک اہم حقیقت کا بیان ہے یعنی احکامِ الٰہی کی نافرمانی کرنے والے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اپنی دُنیا وآخرت ہی برباد کرتے ہیں۔

۵۶ اس میں اختلاف ہے کہ وُہ بستی کون سی تھی اور کس زمانے میں بنی اسرائیل نے اسے فتح کیا۔ بائیبل کی تصریح یہ ہے "اس شہر کو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ کی زندگی کے اخیر زمانہ میں فتح کیا اور وہاں بڑی بدکاریاں کیں۔ جن کے نتیجہ میں خدا نے ان پر وبا بھیجی اور ۲۴ ہزار آدمی ہلاک کر دیئے"۔ (گنتی باب ۲۵ آیت ۱-۸) ایک چیز قرآن کا مطالعہ کرتے وقت ہمیشہ پیشِ نظر رہنی چاہیئے وُہ یہ کہ قرآن جن واقعات کا ذکر کرتا ہے اس سے مقصود صرف عبرت وموعظت ہوتی ہے اس سے اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کا بیان مطلوب نہیں ہوتا اس لیے قرآن ان واقعات کے صرف ان پہلوؤں کو بیان کرتا ہے جن میں درسِ عبرت ہو عموماً غیر ضروری تفصیلات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو ملحوظ نہیں رکھتے وُہ قصصِ قرآنی میں تاریخی کُتب کی طرح تفصیلات کا تسلسل اور زمان ومکان کا تعین نہیں پاتے تو وُہ طرح طرح کے شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ

چاہو اور جتنا چاہو اور داخل ہونا دروازہ سے سر جھکائے ہوئے ٥٧ اور کہتے جانا بخش دے (ہمیں) ہم بخش

خَطٰيٰكُمۡ ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝٥٨ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا

دیں گے تمھاری خطائیں اور ہم زیادہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو پس بدل ڈالا ان ظالموں نے اور بات سے

غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ

جو کہا گیا تھا انھیں تو ہم نے اُتارا ان ستم پیشہ لوگوں پر عذاب آسمان

السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۝٥٩ ۧ وَاِذِ اسۡتَسۡقٰى مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ ع ٦

سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ٥٨ اور یاد کرو جب پانی کی دعا مانگی موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے

فَقُلۡنَا اضۡرِبْ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ

تو ہم نے فرمایا مارو اپنا عصا فلاں چٹان پر تو فوراً بہہ نکلے اس چٹان سے بارہ

عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ اللّٰهِ

چشمے ٥٩ پہچان لیا ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ ہم کھاؤ اور پیو اللہ کے دیے ہوئے رزق سے

وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ۝٦٠ وَاِذۡ قُلۡتُمۡ يٰمُوۡسٰى لَنۡ

اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ!

٥٧ انھیں ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جب فاتحانہ طور پر شہر میں داخل ہونے لگیں تو دوسرے فاتحین کی طرح سرکش و مغرور ہو کر داخل نہ ہوں بلکہ دل میں عجز و تواضع اور زبان پر (حطة) طلب مغفرت کی دعائیں ہوں۔ یہاں سجدہ کا لغوی معنی یعنی تذلل اور انکسار مراد ہے۔

٥٨ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب کسی قوم پر بلاوجہ نہیں آتا بلکہ اُن کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

٥٩ جب تیہ کے ریگستان میں بنی اسرائیل پیاس سے تڑپنے لگے تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں پانی کے لیے

نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

ہم صبر نہیں کر سکتے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو آپ دعا کیجیے ہمارے لیے اپنے پروردگار سے کہ نکالے ہمارے لیے

الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

وہ جن کو زمین اُگاتی ہے (مثلاً) ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

موسیٰ نے کہا کیا تم لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو عمدہ ہے (اچھا) جا رہو

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

کسی شہر میں تمہیں مل جائے گا جو تم نے مانگا اور مسلط کر دی گئی اُن پر ذلت اور غربت ۸۰

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ

اور مستحق ہو گئے غضبِ الٰہی کے یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ انکار کرتے رہتے تھے اللہ کی آیتوں کا

عرض کی حکم ہوا فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو۔ حضرت موسیٰ نے یونہی کیا اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور پانی کی قلت دُور ہو گئی وہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے۔ پادری ڈین اسٹینلے (DEAN STANLEY) نے اُنیسویں صدی کے وسط میں بائیبل کے مقامات مقدسہ کی جغرافیائی تحقیق کے لیے خود فلسطین کی سیاحت کی اور اپنے مشاہدات و تحقیقات کو (SINAI PALESTINE) کے نام سے شائع کیا۔ اس میں اس چٹان کا ذکر کرکے لکھتے ہیں "یہ چٹان دس اور پندرہ فٹ کے درمیان بلند ہے آگے کی طرف ذرا خمیدہ ہے اور راس سفسفہ کے قریب لیجا کی وسیع وادی میں واقع ہے۔" سب سے پہلے قرآن ہی نے حتمی طور پر بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشموں کی تعداد بیان کی ہے یہ اشارہ انھیں شگافوں کی طرف ہے صـ۳۷-۳۸ (تفسیر ماجدی)

۸۰ یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکتا ہے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فقر و تنگدستی مسلط کر دی۔ حالانکہ اُن کا شمار دُنیا کی امیر ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ اس شبہ کو دُور کرنے کے لیے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے مندرجہ ذیل فقرات ملاحظہ فرمائیے۔ "گو یہود کا تموّل ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس مُلک میں آباد ہیں۔ وہاں کی آبادی میں اُنھیں کے مُفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے (جلد ۱۰ صـ۱۵۱)

اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا

اور قتل کرتے تھے انبیاء کو ناحق ۸۱؎ یہ (سب کچھ) اس وجہ سے تھا کہ وہ نافرمان تھے اور

يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَ

حد سے بڑھ جایا کرتے تھے یقین کرو ۸۲؎ اسلام کے پیروکار ہوں یا یہودی یا عیسائی ہوں یا

الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ

صابی ۸۳؎ جو کوئی بھی ایمان لاتے اللہ پر اور دن قیامت پر اور نیک عمل کرے تو ان کے لیے

عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زائد دولت مند ہیں۔
(جلد ا صـــ۱۲۱ تفسیر ماجدی)

۸۱؎ یہاں پھر اس امر کی وضاحت کر دی کہ بنی اسرائیل پر ذلت و افلاس کا جو عذاب مسلط کیا گیا تھا وہ بلا وجہ نہ تھا بلکہ ان کی اپنی نافرمانیوں اور کرتوتوں کی سزا تھی۔

اس قسم کے جرائم سے بنی اسرائیل کی تاریخ بھری پڑی ہے مثلاً "تب خدا کی روح ..... زکریاہ پر نازل ہوئی سو وہ لوگوں سے بلند جگہ پر کھڑا ہو کر کہنے لگا ..... چونکہ تم نے خداوند کو چھوڑا ہے اس نے بھی تم کو چھوڑ دیا۔ تب انھوں نے اس کے خلاف سازش کی اور بادشاہ کے حکم سے خداوند کے گھر کے صحن میں اسے سنگسار کر دیا" ۲۔ تواریخ ۲۴ : ۲۰ ، ۲۱)

اسی طرح مرقس کے باب ۶ کی آیات ۱۷ تا ۲۹ میں حضرت یوحنا (یحییٰ علیہ السّلام) کے متعلق مذکور ہے کہ جب آپ نے ہیرودیس بادشاہ کو اس پر ٹوکا کہ اس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے تو بادشاہ نے پہلے انھیں قید کر دیا۔ بعد میں اپنی داشتہ کی فرمائش پر آپ کا سر کاٹا اور ایک تھال میں رکھ کر اس کی خدمت میں پیش کیا۔

۸۲؎ اس آیت میں اس امر کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ نجات کا دارومدار نسب اور قومیت پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل پر ہے۔ یہود اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان کا عقیدہ کتنا بگڑا ہوا کیوں نہ ہو اور اُن کے اعمال کتنے خراب کیوں نہ ہوں جنت ان کی ہے اور ان کے علاوہ جتنی قومیں ہیں وہ کتنی پاکباز کیوں نہ ہوں سب دوزخ کا ایندھن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو نہایت صاف الفاظ سے دور کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ مخاطب مسلمانوں، یہودیوں، نصرانیوں اور صابیوں سب کو بنایا اور مسلمانوں کا ذکر پہلے کر کے انھیں تنبیہ فرما دی کہ مبادا تم بھی کہیں اپنی قومیت پر نازاں ہو کر ایمان و عمل سے غفلت برتنے لگو۔ نجات و فلاح ایمان و عمل کے بغیر حاصل نہیں ہو سکے گی۔

۸۳؎ جو شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اُسے صابی کہتے ہیں اور اصطلاح میں ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے

أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے ہاں اور نہیں کوئی اندیشہ ان کے لیے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم

اور یاد کرو جب ہم نے لیا تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تم پر طُور کو (اور حکم دیا) پکڑ لو جو ہم نے تم کو دیا

بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن

مضبوطی سے اور یاد رکھنا وُہ (احکام) جو اس میں درج ہیں شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ پھر مُنہ موڑ لیا تم نے پختہ وعدہ

بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ

کرنے کے بعد تو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور ہو جاتے نقصان

الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ

اُٹھانے والوں میں اور تم خوب جانتے ہو ۸۴؎ اُنھیں جنھوں نے نافرمانی کی تھی تم میں سے سبت ۸۵؎ کے قانون کی

جو شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور رسالت کے قائل تھے۔ حضرت عُمر اور ابن عبّاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُنھیں اہلِ کتاب سے شمار کرتے تھے اور اُن کے ذبیحہ کو حلال فرماتے تھے

۸۴؎ یہاں سے ایک ایسے واقعہ کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کا مشہور و معرُوف واقعہ ہے لفظ علمتم پر قد اور قد پر لام، تاکید بالائے تاکید پر دلالت کرتا ہے یعنی بلاشک و شبہ یقیناً تم اس واقعہ کو جانتے ہو

۸۵؎ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سنیچر کا دن عبادت کے لیے مخصُوص فرما دیا تھا۔ اس روز ان کے لیے کھیتی باڑی، کاروبار، شکار وغیرہ تک ممنُوع تھا اور یہ حکم اتنا سخت تھا کہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قتل کی سزا مقرر تھی۔ بنی اسرائیل نے رفتہ رفتہ اس حکم کو بے اثر بنانے کے لیے حیلہ و فریب سے کام لینا شروع کر دیا تھا۔ دریا کے کنارے گڑھے کھود رکھے تھے، اور چھوٹی چھوٹی نالیوں کے ذریعہ اُنھیں دریا سے ملا رکھا تھا۔ سنیچر کو (جب کہ مچھلیاں شکاری کی آمد سے نڈر ہو کر سطحِ آب پر کثرت سے نمودار ہوتیں) ان نالیوں کے دہانے کھول دیتے اور مچھلیاں کثیر تعداد میں پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں چلی جاتیں پھر ان کے دہانے بند کر دیتے اور اتوار کے روز آ کر مچھلیاں پکڑ لیتے۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کے احکامِ شریعت کو حیلوں اور بہانوں سے معطّل و بے اثر کر دیا جائے۔ اس لیے ان پر وُہ عذاب مسلّط

فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ

تو ہم نے حکم دیا انھیں کہ بن جاؤ بندر پھٹکارے ہوئے ۸۶؎ پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لیے

یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی

جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (اسے) نصیحت بنا دیا پرہیزگاروں کے لیے اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے

لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تمھیں کہ تم ذبح کرو ایک گائے ۸۷؎ وہ بولے کیا آپ ہمارا مذاق

کیا جس نے اُن کو رسوائی و خواری کے ساتھ نیست و نابود کر دیا۔ اگر موسوی شریعت میں اس قسم کے حیلے برداشت نہیں کیے جاتے تھے تو آپ خود فیصلہ کریں کہ خاتم النبیین کی شریعت جس کے بعد اور کوئی آسمانی قانون انسانی اصلاح کے لیے آنے والا نہیں ہے کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور غیرت کسی قسم کی تحریف اور حیلہ سازی کو گوارا کر سکتی ہے؟ نہیں بخدا ہرگز نہیں! وہ لوگ جن کو حکومت اور قانون سازی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے وہ ان آیات کو بار بار پڑھیں۔ اس واقعہ کا ذکر پروردگار نے صرف ہماری عبرت پذیری کے لیے کیا ہے۔ داستان سرائی قرآن کا مقصود نہیں۔

۸۶؎ مجاہد کا قول یہ ہے کہ یہ مسخ معنوی تھا یعنی ان کی صورتیں تو انسانوں کی ہی رہیں لیکن ان کا ذہن اور فکر مسخ ہو گیا اور بندروں کی سی قبیح اور مذموم عادتیں اُن میں پیدا ہو گئیں۔ انسانی شکل ہو اور کرتوت بندروں کی طرح ذلیل! پناہ بخدا! کتنا ہولناک ہے یہ عذاب! لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ اُن کی شکلیں بھی بندروں کی سی ہو گئی تھیں۔ اور وہ چند روز کے بعد ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ اور یہ کوئی امرِ محال نہیں۔ جو بدبخت اس کے تشریعی قانون کو مسلسل توڑتے رہے ہوں اگر اللہ تعالیٰ اپنے تکوینی قانون میں ان کو سزا دینے کے لیے تھوڑی سی تبدیلی کر دے تو اس میں کیا استحالہ ہے؟ نیز جو تخلیق آدم کے بارے میں ڈاردن کے نظریۂ ارتقاء پر ایمان لا چکے ہیں ان کے لیے تو سرے سے اس میں اچنبھے کی کوئی بات ہی نہیں۔ یہ بھی تو سلسلۂ ارتقاء کی ایک کڑی ہے۔ ارتقاء مستقیم نہ سہی ارتقاء معکوس سہی۔ بہرحال ہے تو ارتقاء ہی۔

۸۷؎ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ اس بوڑھے کے بھتیجوں نے اس کے لڑکے کو قتل کر دیا تاکہ اس کی وراثت بھی انھیں ملے اور اس کی لاش کو اٹھا کر دور شہر کے دروازہ پر پھینک آئے۔ صبح ہوئی تو خود ہی مدعی بن بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت کا ایک روشن نشان دکھانے کے لیے انھیں ایک گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس ذبح شدہ گائے کا ایک ٹکڑا مقتول پر مارو۔ دیکھو وہ میری قدرت سے کیسے زندہ ہوتا ہے اور کس طرح حقیقت حال سے پردہ اٹھاتا ہے۔ خاص گائے کے ذبح کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل مدتوں

هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ

اُڑاتے ہیں ۸۸؎ آپ نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں خدا سے کہ میں شامل ہو جاؤں جاہلوں (کے گروہ) میں ۸۹؎ بولے دعا کیجیے

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بتائے ہمیں کیسی ہے وہ گائے ۹۰؎ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ہے جو نہ

فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾

بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچی (بلکہ) درمیانی عمر کی ہو تو بجا لاؤ جو تمہیں حکم دیا جا رہا ہے

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا

کہنے لگے دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے کہ بتائے ہمیں کیسا رنگ ہو اس کا موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ایسی

بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

گائے جس کی رنگت خوب گہری زرد ہو جو فرحت بخشے دیکھنے والوں کو کہنے لگے پوچھو ہمارے لیے

رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ

اپنے رب سے کہ کھول کر بیان کرے ہمارے لیے کہ گائے کیسی ہو بے شک گائے مشتبہ ہو گئی ہے ہم پر اور ہم اگر

مصر میں رہے جہاں گائے کی پرستش ہوتی تھی۔ ان کے ڈھلمل یقین مزاج سے کچھ بعید نہ تھا کہ وہ بھی گائے کو مقدس سمجھنے لگ گئے ہوں۔ اس لیے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تاکہ یہ خیال بھی اُن کے دلوں سے مٹا دیا جائے۔

مسئلہ: وراثت کا لالچ قتل کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ اسلام نے یہ حکم دے کر کہ قاتل مقتول کے ورثہ سے محروم ہو جاتا ہے قتل کے ایک بڑے محرک کو ختم کر دیا۔

۸۸؎ وہ آئے تھے قاتل کا پتہ لگانے اور حکم ملا گائے ذبح کرنے کا کیونکہ دونوں چیزوں میں کوئی مناسبت نہ تھی اس لیے یہ سوال کر دیا۔

۸۹؎ حکم خداوندی بتاتے وقت مذاق کرنا جاہلوں کا شیوہ ہے اور نبی کا مقام تو بہت بلند ہے۔ اس سے ایسے وقت میں مذاق کا تصور کیونکر ہو سکتا ہے۔

۹۰؎ کیونکہ اُن کا مفاد تو اس میں تھا کہ قاتل کا سراغ نہ ملے اس لیے طرح طرح کی حجت بازیاں کرنے اور بال کی کھال اتارنے لگے

شَاۤءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ

اللہ نے چاہا تو ضرور اس کو تلاش کرلیں گے ۔ موسیٰ بولے اللہ فرماتا ہے وہ گائے جس سے خدمت نہ لی گئی ہو

تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا

کہ ہل چلاتے زمین میں اور نہ پانی دے کھیتی کو بے عیب بے داغ (عاجز ہوکر) کہنے لگے

الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ ع

اب آپ لائے صحیح پتہ پھر انھوں نے ذبح کیا اُسے اور وہ ذبح کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے ۱۹؎ اور یاد کرو

قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

جب قتل کرڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر تم ایک دوسرے پر قتل کا الزام لگانے لگے اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم

تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ

چھپا رہے تھے تو ہم نے فرمایا کہ مارو اس مقتول کو گائے کے کسی ٹکڑے سے (دیکھا) یُوں زندہ کرتا ہے اللہ تعالےٰ

الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

مُردوں کو اور دکھاتا ہے تمھیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں شاید تم سمجھ جاؤ پھر سخت ہوگئے تمھارے دل

۱۹؎ مفسرین نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نیکوکار آدمی تھا۔ اُس کا ایک معصوم بچہ تھا اور اس کے پاس ایک بچھیا تھی۔ جب مرنے لگا تو اس نے دُعا کی کہ اے بارِ الٰہا! اس ننھے بچّے کے لیے میں یہ بچھیا تیرے پاس امانت رکھتا ہُوں اور اس بچے کو تیرے سپرد کرتا ہُوں۔ پھر اس بچھیا کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نیک بندے کی عرض کو قبول فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں وُہ پلتی رہی۔ اور جب یہ بچّہ جوان ہو گیا تو اُس جنگل میں گیا جہاں وُہ گائے چرا کرتی تھی۔ اپنے مالک کی آواز سُنتے ہی وُہ گائے اس کے پاس آگئی۔ جب بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہُوئے مخصُوص حُلیہ والی گائے کی تلاش شروع کی تو اُن تمام صفات سے متّصف صرف وُہی گائے ملی جو اس نیک بندے کے لڑکے کے پاس تھی۔ بنی اسرائیل نے اُسے مُنہ مانگی قیمت ادا کی اور گائے خرید لی۔ اس قصّہ سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جو چیز اللہ تعالےٰ کے حوالے ہو اُسے کوئی چیز گزند نہیں پہنچا سکتی اور جس چیز کا تعلّق بندگانِ خُدا سے ہوتا ہے، اس کی

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ

یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وُہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ۹۲ (کیونکہ) کئی

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ

پتھر ایسے بھی ہیں جن سے پُھوٹ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے

مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا

پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوف الٰہی سے اور اللہ

اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٧٤ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ

بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو (اے مسلمانو!) کیا تم یہ اُمید رکھتے ہو کہ (یہ یہودی) ایمان لائیں گے

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ

تمہارے کہنے سے حالانکہ ایک گروہ ان میں ایسا تھا جو سُنتا تھا کلام الٰہی کو پھر بدل دیتے تھے اسے

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خوب سمجھ لینے کے بعد جان بُوجھ کر ۹۳ اور جب ملتے ہیں ایمان والوں سے

قدر و قیمت کا اندازہ اُن کی ہم شکل چیزوں سے نہیں لگایا جاسکتا۔

۹۲ انسان جب سنورتا ہے تو فرشتوں کا قبلہ بن جاتا ہے اور جب بگڑتا ہے تو بے حِسی اور سنگ دلی میں پتھروں کو بھی مات کر دیتا ہے۔ کیونکہ پتھر تو خدا کے خوف سے لرزتے بھی ہیں اور اپنے حال کے مطابق اُس کی حمد و ثنا بھی کرتے رہتے ہیں اور یہ مُورکھ اپنے رب سے غافل نافرمانی کے میدان میں ہوا و ہوس کے گھوڑے سرپٹ دوڑاتا چلا جاتا ہے۔

۹۳ مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ ان کا انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں۔ یہ جانتے ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسولؐ ہیں۔ ان کی صفات کے ذکر اور کمالات کے بیان سے اُن کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ وُہ جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ایمان لانے کی اُمید رکھنا بے کار ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حق پوشی اور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کو چھپانا اور آپ کے کمالات کا انکار کرنا

قَالُوٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ

تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں ۹۴ اور جب تنہا ملتے ہیں ایک دوسرے سے تو کہتے ہیں (ارے) کیا بیان کرتے ہو ان سے

بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا

جو کھولا ہے اللہ نے تم پر یوں تو وہ دلیل قائم کریں گے تم پر ان باتوں سے تمہارے رب کے سامنے کیا تم

تَعْقِلُوْنَ ۝ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

اتنا بھی نہیں سمجھتے کیا وہ (یہ) نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ

يُعْلِنُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

ظاہر کرتے ہیں اور ان میں کچھ ان پڑھ ہیں جو نہیں جانتے کتاب کو بجز جھوٹی امیدوں کے

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اور وہ تو محض وہم و گمان ہی کرتے رہتے ہیں ۹۵ پس ہلاکت ہو ان کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب

یہود کا شیوہ تھا۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کو زیب نہیں دیتا کہ اپنے محبوب اور کریم رسولؐ کے کمالات بیان کرنے سے اُن کی زبان میں لکنت ہو اور فضائل سننے سے دل میں گھٹن ہو۔ رفعت شانِ مصطفےٰ حبیب خدا علیہ وعلیٰ آلہ الطیب التحیۃ واحسن الثنا کسی کے گھٹانے سے نہ گھٹے گی۔

۹۴؎ یہاں سے یہودی منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ یعنی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو بطور خوشامد یہ ظاہر کر بیٹھتے ہیں کہ ہم تو سچے دل سے اس رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ نبی برحق کی جو نشانیاں ہماری کتاب میں مذکور ہیں وہ سب حضورؐ میں پائی جاتی ہیں۔ ان کی ایسی باتوں پر دوسرے یہودی ان کو ملامت کرتے کہ تم مسلمانوں کو ایسی باتیں بتا کر اپنا راز افشا کر رہے ہو۔ تمہارے انہیں اقوال سے وہ تمہارے مذہب کی تردید کریں گے اور تورات کی وہ آیات جن کا تم ان سے ذکر کرتے ہو انہیں آیات سے وہ تم پر حجت قائم کر دیں گے۔ لیحاجوکم بہ عند ربکم کی تفسیر جس کو علامہ زمخشری اور علامہ بیضاوی نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ عند ربکم کا معنی ہے ما فی کتاب ربکم یعنی تمہارے رب کی کتاب کی آیتوں سے تم پر دلیل قائم کریں گے اور عند اللہ کا معنی عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ فی کتاب اللہ جیسے کہا جاتا ہے کہ عند اللہ اس کا یہ حکم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس مسئلہ کا یہ حکم ہے۔

المنصف

بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ

خود اپنے ہاتھوں سے ۹۶ پھر کہتے ہیں یہ نوشتہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ حاصل کرلیں اس کے عوض

ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ

تھوڑے سے دام سو ہلاکت ہو ان کے لیے بوجہ اس کے جو لکھا اُن کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہو ان کے لیے

مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾ وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً ۚ

بوجہ اس مال کے جو وہ (یوں) کماتے ہیں اور انھوں نے کہا ہرگز نہ چھوئے گی ہمیں (دوزخ کی) آگ بجز گنتی کے چند دن کے ۹۷

۹۵ پہلے ان کے عالموں کا ذکر ہوا۔ اب اُن کے اَن پڑھ عوام کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ اَمانی کا مفرد ہے اُمنیۃ جس کا اصل مَنی ہے۔ اس کا معنی ہے فرض کرنا یا وہ اِنعام جس کا اِنسان اپنے آپ کو حق دار اور اہل ثابت نہ کرتے ہوئے خواہش رکھتا ہو۔ اس خواہش کو عربی میں اُمنیۃ کہتے ہیں۔ یعنی بنی اسرائیل کے عوام کا کل سرمایہ نجات کے متعلق ان کے مَن گھڑت خیالات اور جھوٹی آرزوئیں ہیں۔ قومیں اپنے زوال و انحطاط کے دور میں انھیں بے بنیاد خیالات سے اپنی نجات کی آس لگائے رہتی ہیں اور عملِ صالح سے آنکھیں بند کرلیتی ہیں۔ کاش ہم بھی اپنی حالت پر غور کریں اور احکامِ شرعی سے کھلی بغاوت کے باوجود اپنی نجات کے جو سنہرے سپنے ہم دیکھ رہے ہیں ان سے چونکیں۔ اگر ہم اپنے اسلاف کی طرح احکامِ الٰہی کی اطاعت کرتے تو ان کی مادی اور روحانی برکات سے خود بھی مالا مال ہوتے اور دوسری گم کردہ راہ قوموں کے لیے بھی مشعلِ راہ ثابت ہوتے۔ ہم وارثانِ اسلام اور مدعیانِ شریعت کی محرومیوں اور حالِ زار کو دیکھ کر دوسری قومیں اسلام کو دور ہی سے سات سلام کردیتی ہیں۔

۹۶ یہودی علماء کی مزید کارستانیاں ملاحظہ ہوں۔ بتایا جارہا ہے کہ وہ کتاب جس کے وہ امین بنائے گئے تھے۔ جس کی حفاظت اور اُس پر عمل کرنے کا انھیں حکم دیا گیا تھا اُنھوں نے صرف اسی پر بس نہیں کی کہ خود عمل ترک کردیا ہو بلکہ اُنھوں نے آیاتِ الٰہی کو سرے سے ہی بدل ڈالا اور اپنی طرف سے طرح طرح کے اضافے کردیئے۔ اور اس طرح ان ظالموں نے آئندہ نسلوں میں سے بھی کسی سلیم الطبع کے لیے یہ گنجائش نہ چھوڑی کہ وہ آیاتِ الٰہی میں خود غور و فکر کرکے حقیقت تک رسائی حاصل کرسکے۔ یہود و نصاریٰ اب تک تو تحریف کے قائل نہ تھے لیکن اب ان کے محققین نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ اُن کی کتب تحریف و تغیّر سے محفوظ نہیں ہیں۔

۹۷ بنی اسرائیل کہا کرتے تھے کہ ہم خدا کے لاڈلے اور محبوب ہیں۔ دوزخ کی آگ ہمیں جلا نہیں سکتی جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔ آتشِ دوزخ گنہگارانِ قومِ یہود کو چھوئے گی بھی نہیں۔ اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

آپ فرمایئے کیا لے رکھا ہے تم نے اللہ سے کوئی وعدہ تب تو خلاف ورزی نہ کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٠﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

کی یا (یونہی) بہتان باندھتے ہو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں ہاں (ہمارا قانون یہ ہے) جس نے جان کر برائی کی

وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

اور گھیر لیا اُس کو اُس کی خطاء نے تو وُہی دوزخی ہیں وُہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وُہی

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ ع ٩ / ٩

جنتی ہیں ۹۵ وُہ اس جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور یاد کرو جب لیا تھا ہم نے پختہ وعدہ

کریں گے اور خدا کے پاس واپس آجائیں گے۔ (جلد ۵ صفحہ ۵۸۳) (ماجدی) بعض یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ انھیں صرف چالیس روز عذاب ہوگا۔ یہ وُہ مدت ہے جس میں بنو اسرائیل نے بچھڑے کی پُوجا کی تھی۔ خُدا کے متعلق ان کا تصور بڑا نرالا تھا۔ ایک طرف تو اُس کے جبر و قہر کا یہ عالم کہ جو گناہ ان کے آباؤ اجداد سے سرزد ہوا اُس کی سزا صرف اُن مجرموں تک محدود نہیں رکھتا بلکہ ان کی نسل سے قیامت تک جو اولاد ہوگی وُہ اس ناکردہ گناہ کی سزا بھگتے گی۔ اور دُوسری طرف اُس کے عفو و درگزر کی یہ کیفیت کہ کسی سنگین سے سنگین گناہ کے بارے میں اس کے اصلی مجرم سے بھی بازپُرس نہیں۔ افراط و تفریط کا یہ ہوش رُبا چکّر ہوش و خرد کے لیے ناقابلِ حل معمّہ ہے۔

۹۵ قرآن حکیم یہاں نجات و بخشش کا اصل الاصول بیان فرما رہا ہے۔ نجات کا دار و مدار کسی قوم و نسب سے وابستگی پر نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ اسلام سے پہلے انسانیت کی تقسیم رنگ اور نسل اور وطن کی بُنیادوں پر ہوتی تھی۔ ہر سفید رنگ والا خواہ اس کا نامۂ عمل کتنا سیاہ ہو ہر کالی رنگت والے سے برتر ہے خواہ اس کی سیرت مہر و ماہ سے تابندہ تر ہو۔ ہر برہمن وُہ کتنا جاہل اور کندۂ ناتراش ہی کیوں نہ ہو افضل ہے ہر فاضل اور کامل سے جسے کسی برہمن ماں نے جنم نہیں دیا۔ جرمنی کی حدود میں پیدا ہونے والا خواہ وُہ کتنا خونخوار اور زیاں کار کیوں نہ ہو اپنی نجابت میں لاجواب ہے۔ یہ

بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

بنی اسرائیل سے (اس بات کا) کہ نہ عبادت کرنا بجز اللہ کے ۹۹ اور ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا

وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا

نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں سے بھی (مہربانی کرنا) اور کہنا لوگوں سے اچھی باتیں

وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ

اور صحیح ادا کرنا نماز اور دیتے رہنا زکوٰۃ پھر منہ موڑ لیا تم نے مگر چند آدمی تم سے (ثابت قدم رہے)

وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ

اور تم رُوگردانی کرنے والے ہو اور یاد کرو جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ کہ تم اپنوں کا خون نہیں بہاؤ گے

وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ

اور نہیں نکالو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے (اس وعدہ پر ثابت رہنے کا) اقرار بھی کیا اور

تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

تم خود اس کے گواہ ہو پھر تم وُہی ہو نا (جنھوں نے یہ وعدے کیے) کہ اب قتل کر رہے ہو اپنوں کو اور نکال باہر کرتے ہو

شرف اسلام کو حاصل ہے جس نے ان فاسد بنیادوں کو اکھیڑ پھینکا اور انسانیت کی تقسیم مومن اور کافر، صالح اور فاسق، نیک اور بد کی اساس پر کی۔ اور اس طرح بلاوجہ اترانے والوں سے فخر و مباہات کے سب جھوٹے اسباب چھین لیے اور نیکی اور تقوےٰ کے میدان میں سبقت لے جانے والوں کے راستہ میں حائل ہونے والی سب چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا فللّٰہ ورسولہ الحجۃ البالغۃ۔

۹۹ انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے جن عقائد پر ایمان لانے، معاملات اور عبادات کے جن احکام پر کاربند ہونے اور اخلاق کے جن اصولوں کو اپنانے کا پختہ وعدہ لیا تھا اللہ تعالےٰ نے انھیں اسی کی یاد دہانی کرائی اور ساتھ ہی ہر بار اُن کی وعدہ شکنی کا بیان فرما دیا شاید وُہ ایسی غلطیوں سے آئندہ پرہیز کریں اور احکام الٰہی کی تعمیل کرنے لگیں۔

فَرِيقًا مِّنكُم مِّن دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ

اپنے گروہ کو ان کے وطن سے (نیز) مدد دیتے ہو ان کے خلاف (دشمنوں کو) گناہ اور ظلم سے

وَإِن يَأْتُوكُمْ أُسَارَىٰ تُفَادُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ؕ

اور اگر آئیں تمھارے پاس قیدی بن کر (تو بڑے پاکباز بن کر) اُن کا فدیہ ادا کرتے ہو حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر ان کا گھروں سے نکالنا

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ

تو کیا تم ایمان لاتے ہو کتاب کے کچھ حصہ پر اور انکار کرتے ہو کچھ حصہ کا تو (تم خود ہی کہو) کیا سزا ہے

مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ

ایسے نابکار کی تم میں سے سوائے اس کے کہ رُسوائی ہے دُنیا کی زندگی میں اور قیامت

الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٨٥﴾

کے دن تو انھیں پھینک دیا جائے گا سخت ترین عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ

یہ ہیں وُہ لوگ جنھوں نے مول لے لی ہے دُنیا کی زندگی آخرت کے عوض تو نہ ہلکا کیا جائے گا

ﷺ۔ یثرب کے رہنے والوں میں مُشرک بھی تھے اور یہودی بھی۔ یثرب کی مُشرک آبادی دو قبیلوں اوس اور خزرج میں بٹی ہوئی تھی جو آپس میں لڑتے رہتے اور یہودی آبادی بھی دو قبیلوں بنو قریظہ اور بنی نضیر پر مشتمل تھی جب اوس و خزرج برسرِ پیکار ہوتے تو بنی قریظہ اوس کے حلیف بن جاتے اور بنی نضیر خزرج کے اور اس طرح یہ یہودی آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹتے۔ اور جب جنگ ختم ہو جاتی اور مغلوب فریق کے اسیرانِ جنگ کو فدیہ ادا کرکے آزاد کرانے کا مرحلہ درپیش ہوتا تو اُس وقت یہ یہود تورات کی ورق گردانی کرتے اور اس کی آیات سے فدیہ دینے اور فدیہ لینے کے جواز پر استدلال کرتے۔ قرآن حکیم انھیں کہتا ہے کہ تورات تو تمھیں قتل و غارت کرنے سے اور کسی کو جلاوطن کرنے سے بھی روکتی ہے۔ وُہ حکم تو تمھیں یاد نہ رہا اور جب روپیہ کے لین دین کا سوال پیدا ہوا تو تمھیں تورات پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا۔ بھلا یہ بھی کوئی ایمان ہے کہ کتاب کے بعض حصّے جو اپنی طبیعت کے موافق ہوئے ان پر تو عمل کر لیا اور کتاب کا

عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿٨٦﴾ ع ۱۰ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ

اُن سے عذاب اور نہ ہی اُن کی مدد کی جائے گی اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰؑ کو کتاب

وَقَفَّيۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ

اور ہم نے پے در پے اُن کے پیچھے پیغمبر بھیجے اور دیں ہم نے عیسیٰؑ بن مریمؑ کو روشن نشانیاں ۱۰۱ ؎

وَاَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى

اور ہم نے تقویت دی انھیں جبریل ؑ سے ۱۰۲ ؎ تو کیا جب کبھی لے آیا تمھارے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم جسے تمھارے نفس

اَنۡفُسُكُمُ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿٨٧﴾ وَ

پسند نہ کرتے تو تم اکڑ گئے بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کرنے لگے اور

قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا غُلۡفٌؕ بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٨٨﴾

یہودی بولے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہیں ۱۰۳ ؎ نہیں بلکہ پھٹکار دیا ہے انھیں اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے وہ بہت ہی کم ایمان رکھتے

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡۙ وَ

ہیں اور جب آئی ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) جو تصدیق کرتی تھی اس (کتاب) کی جو اُن کے پاس تھی اور

وہ حصہ جس پر عمل کرنا نفس پر گراں معلوم ہوا یا جس پر عمل کرنے سے مادی نقصان کا اندیشہ ہوا اُسے چھوڑ دیا۔ ہم قرآن پر ایمان رکھنے والوں کے لیے بھی اس میں درس عبرت ہے۔

۱۰۱ ؎ روشن معجزات جیسے مادر زاد اندھے کو بینا کر دینا، کوڑھے کو شفا بخشنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور غیب کی خبریں دینا وغیرہ

۱۰۲ ؎ اس سے مُراد جبریل امین علیہ السّلام ہیں۔ بعض مفسرین نے اس سے اللہ تعالیٰ کا وُہ اِسمِ اعظم مُراد لیا ہے جس کی برکت سے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔

۱۰۳ ؎ یہودی بڑے فخر سے کہتے ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہُوئے ہیں اس لیے ہمارے عقائد محفوظ ہیں۔ کسی کا سحرِ بیان، کسی کی قوتِ استدلال، کسی کے معجزات ہمیں اپنے عقائد سے متزلزل نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یُوں نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمھاری مسلسل نافرمانیوں کے باعث تمھیں رحمتِ الٰہی سے محروم کر دیا گیا ہے

كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ

وُہ اس سے پہلے فتح مانگتے تھے کافروں پر (اس نبی کے وسیلہ سے) ۱۴۲ تو جب تشریف فرما ہُوا ان

مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ

کے پاس وُہ نبی جسے وُہ جانتے تھے تو انکار کردیا اُس کے ماننے سے سو پھٹکار ہو اللہ کی (دانستہ) کفر کرنے والوں پر بہت بُری چیز ہے

اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

جس کے بدلے سودا چکایا انھوں نے اپنی جانوں کا وُہ یہ کہ کفر کرتے ہیں اس (کتاب) کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی حسد ۱۴۳ سے کہ اُتارے کر

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ

نازل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا فضل (وحی) جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے سو وُہ حق دار ہو گئے مسلسل ناراضگی کے

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ

اور کافروں کے لیے ذلیل و رُسوا کرنے والا عذاب ہے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ایمان لے آؤ اس پر جسے اللہ نے اُتارا ہے

اَب تم اِس قابل ہی نہیں رہے کہ نُورِ ایمان سے تمھارے دلوں کے ظُلمت کدے روشن ہوں۔

۱۴۲ یہود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان فرمائی جارہی ہے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پیشتر یہود کا شعار تھا کہ جب کبھی کفّار و مشرکین سے اُن کی جنگ ہوتی اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہو چکتے تو اُس وقت تورات کو سامنے رکھتے اور وُہ مقام کھول کر جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی صفات و کمالات کا ذِکر ہوتا وہاں ہاتھ رکھتے اور ان الفاظ سے دُعا کرتے۔ اللّٰھم انا نسئلک بحق نبیك الذی وعدتنا ان تبعثه فی آخرالزمان ان تنصرنا الیوم علی عدونا فینصرون۔ (رُوح المعانی۔ القرطبی وغیرہ)
اے اللہ ہم تجھے تیرے اُس نبی کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں جس کی بعثت کا تُو نے ہم سے وعدہ کیا ہے آج ہمیں اپنے دُشمنوں پر فتح دے تو حضورِ پُر نور کے صدقے اللہ تعالیٰ انھیں فتح دیتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ آج تک تم جس کا نام لے کر جیتتے رہے اور جس کی برکت سے فتحیاب ہوتے رہے جب میرا وُہ رسُول اور محبُوب اور تمھارا منجات دہندہ تشریف فرما ہُوا تو اُس پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تف ہے ایسے تعصّب پر! حیف ہے ایسی حُبِّ جاہ و مال پر!

۱۴۳ یعنی اُن کی سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ صرف یہ حسد اُنھیں جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام

اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ

تو کہتے ہیں ہم تو (صرف) اس پر ایمان لائے ہیں جو نازل کی گئی ہم پر اور کفر کرتے ہیں اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) کے ساتھ

الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ

حالانکہ وہ بھی حق ہے تصدیق کرتا ہے اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے آپ فرمائیے پھر تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ کے پیغمبروں کو

قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اس سے پہلے اگر تم (اپنی کتاب پر ہی) ایمان رکھتے تھے ۱۵۲ اور بے شک آئے تمہارے پاس موسیٰ روشن دلیلیں لے کر پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا

تم نے بنا لیا بچھڑے کو (اپنا معبود) اس کے بعد اور تم (تو عادی) جفا کار ہو ۱۵۳ اور یاد کرو جب ہم نے لیا

مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ

تم سے پختہ وعدہ اور بلند کیا تمہارے سروں پر کوہ طور (اور تمہیں حکم دیا) کہ پکڑو جو ہم نے تمہیں دیا مضبوطی سے اور (غور سے) سنو

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ

اُنھوں نے (زبان سے) کہا ہم نے سُن لیا اور (دل میں) کہا نہیں مانا سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے بوجہ ان کے انکار کی

کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں چُنا گیا لیکن یہ تو اللہ تعالیٰ کی اپنی مرضی ہے جس پر چاہے اپنا فضل و کرم فرما دے۔

۱۵۲ جب انھیں قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس وحی پر ہی ایمان لائیں گے جو ہمارے انبیاء پر اُتری۔ اس کے علاوہ کسی دُوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا تو اپنے انبیاء پر نازل شدہ وحی پر بھی ایمان نہیں ورنہ وُہ اپنے انبیاء کو قتل کرنے کی جرأت کر سکتے ؟ ان کا ایسا کرنا ان کے عدم ایمان کی واضح دلیل ہے۔

۱۵۳ ان کی نافرمانیوں کی طویل فہرست سے چند واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کر کے ان کے اس دعویٰ کے بطلان کو واضح کیا جا رہا ہے کہ وُہ اپنے انبیاء پر صدقِ دل سے ایمان لا چکے تھے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٩٣ قُلْ اِنْ

تُو آپ فرمائیے بہت بُرا ہے جس کا حکم کرتا ہے تمھیں (یہ) تمھارا (عجیب و غریب) ایمان اگر تم ایمان دار ہو ف۸۰ آپ فرمائیے اگر

كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

تمھارے لیے ہی دارِ آخرت (کی راحتیں) اللہ کے ہاں مخصوص ہیں تمام لوگوں کو چھوڑ کر

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٩٤ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ

تو بھلا آرزو تو کرو موت کی اگر تم سچ کہتے ہو ف۸۱ اور وہ ہرگز کبھی بھی اس کی تمنا نہ کریں گے اپنی کارستانیوں

اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝٩٥ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ

کے خوف سے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو اور آپ یقیناً پائیں گے انھیں سب لوگوں سے زیادہ ہوس

عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

رکھنے والے زندگی کی حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی (زیادہ جینے پر حریص ہیں) چاہتا ہے ہر ایک ان میں سے کہ زندہ رہنے دیا جائے ہزار

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ

سال اور نہیں بچا سکتا اس کو عذاب سے (اتنی مدت) جیتے رہنا اور اللہ ہر وقت دیکھ رہا

ف۸۰ اگر ایسے قبیح جرائم اور ہر حکمِ الٰہی سے کھلی بغاوت کے باوجود تمھیں ایمان کا دعویٰ ہے تو عجیب ہے تمھارا یہ ایمان جو تمھیں برائی پر اکساتا ہے اور نیکیوں سے باز رکھتا ہے۔ یہ ہے قرآن کریم کا دل ہلا دینے والا اندازِ بیان! دعوتِ حق کا حق ادا کر دیا لیکن جن کے دل مردہ ہو چکے تھے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

ف۸۱ جس چیز نے انھیں انکارِ حق پر محکم کر دیا تھا وہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی نجات یقینی ہے اور جنت کو صرف انھیں کی خاطر دلہن کی طرح سجایا جا رہا ہے۔ قرآن حکیم ان کے اس حجاب کو بھی تار تار کرتا ہے۔ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو تو ذرا اپنے مرنے کی دعا تو کرو تاکہ اس دارالمحن سے نکل کر جنت کی ابدی نعمتوں سے شادکام ہو! اللہ تعالیٰ پیشین گوئی فرماتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور واقعی وہ ایسا نہ کر سکے۔ ان کے لیے کتنا آسان تھا کہ مرنے کی آرزو کر کے قرآن کے اس اعلان کو جھٹلا دیتے لیکن وہ دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ یہ کھیل نہیں۔ اگر انھوں نے تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لمحہ

ع ۱۱ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى

ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں آپ فرمایئے جو دشمن ہو جبریل کا (اسے معلوم ہونا چاہیئے) کہ اس نے اتارا قرآن

قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

آپ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ؎ (یہ) تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے گزریں ؎ اور سراپا ہدایت اور خوشخبری

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ

ہے ایمان والوں کے لیے جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل

وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ

و میکائیل کا تو اللہ بھی دشمن ہے (ان) کافروں کا اور یقیناً ہم نے اتارے ہیں آپ پر روشن

بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

نشان اور کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ان کا بجز نافرمانوں کے کیا (یوں نہیں) کہ جب کبھی انھوں نے وعدہ کیا

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ

تو پھر توڑ پھینکا اسے انھیں میں سے ایک گروہ نے بلکہ ان کی اکثریت تو سرے سے ایمان ہی نہیں لاتی اور جب آیا ان کے پاس

بجھا دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر یہود اس وقت مرنے کی تمنا کرتے تو ایک بھی زندہ نہ بچتا۔

؎ یہود کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آپ کے پاس آتا ہے۔ حضور نے فرمایا جبریل امین۔ ابن صوریا کہنے لگا کہ وہ تو ہمارا پرانا دشمن ہے ہمیشہ غضب و عذاب ہی لے کر ہم پر اترتا رہا ہم اس کی لائی ہوئی وحی پر ایمان لانے سے معذور ہیں۔ اس آیت میں اس کا رد فرمایا جارہا ہے کہ جبریل اپنی طرف سے تو کچھ نہیں کرتا۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر مقرر ہے۔ اگر جبریل سے تمھیں دشمنی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تمھارا دشمن ہے۔

؎ ان الفاظ سے تنبیہ فرمادی کہ یہ عجیب لوگ ہیں جو وحی لے کر اب جبریل اتر رہا ہے اس سے تو تورات اور جملہ انبیاء بنی اسرائیل کی تصدیق ہو رہی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ دوڑ کر اس پر ایمان لاتے لیکن یہ الٹی کھوپڑی والے اپنے دست اور

رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

رسُول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے تو پھینک دیا ایک

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

جماعت نے اہل کتاب سے ۲۱۲ اللہ کی کتاب کو اپنی پشتوں کے پیچھے جیسے وُہ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ

کچھ جانتے ہی نہیں اور پیروی کرنے لگے اس کی جو پڑھا کرتے تھے شیطان ۲۱۳ سلیمانؑ کے عہدِ حکومت میں ۲۱۴

دُشمن کو بھی نہیں پہچانتے۔

۲۱۲ جب سیّدنا محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما ہُوئے اور حضُورؐ کے اَوصاف وکمالات جو تورات اور زبُور میں موجُود تھے اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے ذاتِ پاکِ مُصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں مشاہدہ کر لیے تو بجائے اس کے کہ ایمان لاتے ان ظالموں نے اپنی مقدّس کتابوں کی ان تصریحات کو ہی پسِ پُشت ڈال دیا۔ اور ان کو بھی ماننے سے انکار کر دیا۔ جس قوم کی ہٹ دھرمی کا یہ حال ہو اس سے بھلا ہدایت کی کوئی توقع کی جاسکتی ہے!

۲۱۳ اِس طویل آیت میں یہُود کی تاریخ کا ایک تاریک صفحہ پیش کیا جارہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں اپنے عرُوج کے زمانہ میں ہمّت محنت اور جانفشانی سے اپنے لیے بلند مقام پیدا کر تی ہیں۔ اور انحطاط کے دَور میں بھی اپنے اسلاف کے حاصل کردہ بلند مقامات سے چمٹے رہنے کی آرزو تو ان کے دِلوں میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے لیکن ان کی پست ہمتیں اور شکستہ حوصلے کسی ایثار و قربانی کے لیے اُنھیں آمادہ نہیں کرسکتے۔ اس وقت وُہ جادُو اور منتر کا سہارا لینے لگتی ہیں تاکہ اپنے بزرگوں کی عظمت کا تاج بھی ان کے زیبِ سر رہے اور اُنھیں کرنا بھی کچھ نہ پڑے۔ یہُود کا بھی دَورِ انحطاط شرُوع ہوا تو سچّی عزت اور عظمت کی بلندیوں تک لے جانے والا سیدھا راستہ جس کی نشان دہی تورات نے کی اس پر چلنا تو ان کے لیے دُشوار ہو گیا اور اپنے جھُوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے اُنھوں نے جادُو وغیرہ کا سہارا لینا شرُوع کر دیا۔ اِس آیت میں ان کی اسی بے راہروی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ تتلوا اگر تلاوۃ سے مشتق ہے تو اس کا معنی پڑھنا ہے۔ اگر تلو سے ماخوذ ہے تو اس کا معنی پیروی کرنا ہے۔ اس کا ایک معنی بُہتان باندھنا بھی ہے۔ اس صُورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ یہُود پیروی کرنے لگے اس چیز (سحر) کی جس کا شیطان حضرت سُلیمانؑ پر بہتان باندھا کرتے تھے۔

۲۱۴ علیٰ بمعنی فی ہے یعنی حضرت سلیمان علیہ السّلام کے عہدِ حکُومت میں۔ اور علیٰ اور فی ایک دُوسرے کے معنی میں بکثرت استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

حالانکہ سلیمانؑ نے کوئی کفر نہیں کیا ۱۱۵ بلکہ شیطانوں نے ہی کفر کیا سکھایا کرتے تھے ۱۱۶ لوگوں کو

۱۱۵ بہتر ہے کہ آیت کی مزید تشریح سے پہلے سحر کی حقیقت بیان کر دی جائے۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں :۔
واصل السحر صرف الشيء عن حقيقته الى غيره فكان الساحر لما ارى الباطل في صورة الحق وخيل الشيء على غير حقيقته فقد سحر الشيء عن وجهه اي صرفه (تاج)

سحر کا اصلی معنی ہے کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا گویا جب ساحر جھوٹ کو سچ کر کے دکھاتا ہے یا چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگتی ہے تو گویا اس نے اس شئ کی حقیقت کو بدل دیا۔ یہ تو ہے سحر کی لغوی تحقیق۔ اب اس کے اصطلاحی معنی پر غور فرمایئے۔ ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے اور کرنے کو سحر کہا جاتا ہے جن سے اِنسان کو شیاطین کا تقرب حاصل ہو جاتا ہے اور وُہ اس کے فرمانبردار بن جاتے ہیں۔ اور ان اعمال و الفاظ کے اثر سے کانوں اور آنکھوں پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے آواز ہوتی کچھ ہے اور سُنائی کچھ دیتی ہے۔ اور چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف دکھائی دینے لگتی ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ چیزیں اپنی حقیقت کے خلاف صرف دِکھائی ہی نہیں دیتیں بلکہ ان کی حقیقت بھی بدل جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت امام اعظم ابُوحنیفہؒ کے نزدیک ساحر کی سزا یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے اور اُس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔
"والمشهور عنه ان الساحر يقتل مطلقا..... ولا يقبل قوله اتوب عنه (رُوح المعانی)

۱۱۶ یہُود و نصاریٰ ایک طرف تو حضرت سُلیمانؑ کی رسالت کو تسلیم کرتے اور بحر و بر پر اُن کی فرمانروائی کا ذکر بڑے فخر سے کرتے اور دُوسری طرف یہ بھی کہتے کہ آخری عمر میں سُلیمانؑ نے توحید کو چھوڑ دیا اور اپنی مُشرک بیویوں کے باطل خداؤں کی پرستش کرنے لگا۔ چنانچہ بائیبل میں اس کی تصریح موجود ہے۔" اور سُلیمانؑ بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے .... محبّت کرنے لگا .... سُلیمانؑ ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ...... اور اس کی بیویوں نے اس کے دِل کو پھیر دیا کیونکہ جب سُلیمانؑ بڈھا ہو گیا تو اُس کی بیویوں نے اس کے دِل کو غیر معبُودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دِل خداوند اپنے خُدا کے ساتھ کامل نہ رہا .... اور سُلیمانؑ نے خُداوند کے آگے بدی کی .... اور خُداوند سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دِل خداوند اسرائیل کے خُدا سے پھر گیا تھا (باب ۱۱ آیات ۱ تا ۹ سلاطین) نعوذ باللہ من ذلك. سُلیمانؑ پر اُنھوں نے شرک صریح کا یہ الزام لگایا اور دُنیا آپ کو یُونہی سمجھتی رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کا حبیب اور سارے انبیاء و رُسل کی عزّت و ناموس کا نگہبان محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لایا اور اپنے رب کا یہ فرمان دُنیا کو سُنایا وما كفر سليمان۔ یعنی سلیمانؑ تو جلیل القدر پیغمبر تھا اُسے کُفر و شرک سے کیا واسطہ! پنیدر گوش یہود و نصاریٰ نے ازراہِ تعصّب اُس وقت بھی اس حقیقت کو تسلیم نہ کیا لیکن ۱۳ صدیاں گزرنے کے بعد انھیں آخر کار

السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ

جادُو نیز وُہ بھی جو اُتارا گیا دو فرشتوں پر (شہر) بابل میں (جن کے نام) ہاروت اور ماروت تھے ۱۷۰

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ

اور کچھ نہ سکھاتے تھے وُہ دونوں کسی کو جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نِری آزمائش ہیں (ان پر عمل کرکے) کفر مت کرنا

وُہی تسلیم کرنا پڑا جو خُدائے برحق نے اپنے نبی برحق کی زبانِ حقیقت ترجمان سے کہلوایا تھا۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۲ صفحہ ۹۵۲ پر محققین کے قلم کو یہ لکھنا پڑا "سُلیمانؑ خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے"۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ مسیحی دُنیا کے فضلاء نے انسائیکلو پیڈیا ببلیکا میں انجیل کی ان آیات کے متعلق صراحۃً لکھ دیا کہ یہ غلط ہیں اور بعد میں لوگوں نے ملائی ہیں۔ اور حضرت سُلیمانؑ تہمت شرک سے مبرا تھے۔ کالم (۴۶۸۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن اور حامل قرآن کی اس صفت کا بار بار اعلان فرمایا ہے کہ وُہ پہلے انبیاء و رسل اور آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے کے لیے آیا ہے اور ان تہمتوں اور بہتانوں سے ان کی برأت کرنے کے لیے آیا ہے جو صرف غیروں نے ہی نہیں بلکہ ان کے اپنے ماننے والوں نے ان پر چسپاں کر رکھی تھیں۔ سبحان من لا الٰہ الا ھو۔

۱۷۰ اس آیت میں دو احتمال ہیں۔ پہلا یہ کہ ما نافیہ ہے اور جملہ معترضہ ہے۔ اس صُورت میں اس کا مطلب یہ ہو گا کہ یہُود کا یہ کہنا کہ جادُو بھی آسمان سے فرشتوں پر نازل ہوا اور فرشتوں نے ہی ہمیں یہ سکھایا اس لیے یہ بھی صحائفِ آسمانی کی طرح آسمانی چیز ہے اور مقدس ہے۔ یہُود کا یہ کہنا سراسر باطل ہے وما انزل علی الملکین فرشتوں پر ہرگز کوئی جادُو نازل نہیں کیا گیا۔ ہاروت اور ماروت بدل البعض ہو گا شیاطین سے یعنی شیاطین جن کے دو سرگروہوں کے نام ہاروت اور ماروت ہیں وُہ جادُو سکھایا کرتے تھے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے۔ ھذا اولی ما حملت علیہ الآیۃ من التاویل و اصح ما قیل فیھا ولا یلتفت الی سواہ یعنی آیت کی یہی تاویل کرنا چاہیے۔ یہی سب سے زیادہ صحیح قول ہے اور اس کے علاوہ کسی قول کی طرف التفات نہ کرنا چاہیے۔ واقعی اس تاویل سے کئی شبہات کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ما انزل میں ما موصولہ ہے اور اس کا عطف اتبعوا کے تحت ہے یعنی یہودی جو فلسطین میں مروّج جادُو پر بھی عمل پیرا تھے اور جب بخت نصر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے بعد بنی اسرائیل کو جنگی قیدی بنا کر بابل میں لے گیا تو بجائے اس کے کہ اس کفر و الحاد کی دُنیا میں وُہ توحید کی تبلیغ کرتے اُلٹا وہاں کے لوگوں سے بھی اُنھوں نے جادُو سیکھا اور اس پر بھی عمل پیرا ہوتے۔ اب یہاں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ ہاروت و ماروت جو معصوم فرشتے تھے اُنھیں کیونکر جادُو کی تعلیم دینے کے لیے بابل میں اُتارا گیا۔ تو اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس وقت ساری دُنیا میں خصوصاً بابل کی مملکت میں جادُو کا بہت رواج تھا۔ جادُو کے زور سے لوگ طرح طرح کے کرشمے دکھاتے جس سے

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُمْ

(اس کے باوجود) لوگ سیکھتے تھے ان دونوں سے وہ منتر ۱۱۸ جس سے جدائی ڈالتے تھے خاوند اور اس کی بیوی میں اور وہ

بِضَآرِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

ضرر نہیں پہنچا سکتے اپنے جادو منتر سے کسی کو بغیر اللہ کے ارادہ کے ۱۱۹ اور وہ سیکھتے ہیں وہ چیز جو ضرر رساں ہے ان کے لیے

سادہ لوح دنگ رہ جاتے۔ ان کے نزدیک جادو اور معجزہ میں کوئی فرق نہیں رہ گیا تھا۔ بلکہ وہ جادو کو علم کی ایک مفید ترین شاخ تصور کرنے لگے تھے اور جادوگروں کو مقدس ماننے لگے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے نازل کیے جو لوگوں کو جادو کی اصلیت سے آگاہ کریں تاکہ وہ آسانی سے جادو کی فریب کاری اور معجزہ کی حقیقت میں تمیز کر سکیں اور اگر انھوں نے جادو سیکھ کر اس پر عمل کرنا شروع کر دیا تو یہ ان کی اپنی غلطی تھی۔ فرشتے تو انھیں صاف طور پر بتا دیتے کہ ہمیں تو فقط تمھارے آزمانے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ اگر تم نے جادو پر عمل شروع کر دیا تو خوب سن لو کہ ایمان رخصت ہو جائے گا اور کافر ہو جاؤ گے۔

بعض مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ یعلمان کا مقصد یہ نہیں کہ وہ باقاعدہ سحر کے اصول وقواعد کا درس دیا کرتے اور اس کی جزئیات انھیں ازبر کرایا کرتے بلکہ یہاں یُعَلِّمَان بمعنی یُعْلِمَان ہے جس کا مصدر اعلام ہے (قرطبی) اس کا مفہوم ہے بتانا۔ آگاہ کرنا۔ یعنی وہ جادو کے مفاسد اور مضرات سے انھیں آگاہ کرتے تاکہ وہ اس سے پرہیز کر سکیں۔

۱۱۸ سحر و جادو کا جو منتر ان میں بہت مقبولیت حاصل کر چکا تھا وہ تھا جس سے میاں بیوی میں ناچاقی پیدا ہو تاکہ یہ اس پر ڈورے ڈال کر اپنے عشق کے جال میں پھانس لیں۔ اس طرح وہ حرام کاری کا بازار گرم رکھتے۔ قرآن کا اعجاز ملاحظہ ہو کہ ان کے کردار کے چہرہ پر جس بدنما داغ کی نشاندہی چودہ صدیاں پہلے قرآن نے کی اس کو آج وہ خود اپنی تحقیق کے آئینہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ جیوش انسائیکلو پیڈیا کی یہ عبارت پڑھیے۔ سحر کی سب سے زیادہ عام متداول صورت اس افسوں کی تھی جو عشق و محبت کے لیے دیا جاتا تھا۔ خاص کر وہ نقش جو ناجائز آشنائیوں کے لیے لکھا جاتا تھا۔

(جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ صفحہ ۲۵۵) (تفسیر ماجدی)

۱۱۹ آیت کے اس حصہ میں بتایا جا رہا ہے کہ سحر اور اس پر مرتب ہونے والے آثار کا باہمی تعلق ایسا ہی ہے جیسے سبب و مسبب کا۔ اور سبب جب ہی اپنا اثر دکھاتا ہے جب اذن الٰہی ہو۔ اور اگر اذن نہ ہو تو سبب معطل ہو جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سحر ایسی چیز نہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر بھی غالب ہو۔ اور اگر وہ نہ چاہے تب بھی جادو کا اثر ہو کر رہے ہر قسم کا اختیار رکھنے والی تو وہ ذات ہے جس کے اذن و اجازت پر ہر چیز کے وجود و عدم کا دار و مدار ہے۔ سحر پر بھی اگر آثار مرتب ہوتے ہیں تو خود بخود نہیں بلکہ اذن الٰہی ملنے کے بعد۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سحر حرام ہے تو پھر اس پر آثار

وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

اور نہیں نفع پہنچا سکتی انھیں اور وُہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس نے اس کا سودا کیا اس کے لیے آخرت میں (رحمت الٰہی سے)

خَلَاقٍ ڛ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ١٠٢

کوئی حصّہ نہیں اور بہت بُری ہے وُہ چیز بیچا ہے اُنھوں نے جس کے عوض اپنی جانوں (کی فلاح کو) کاش! وُہ کچھ جانتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا

اور اگر وُہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو (اس کا) ثواب اللہ کے ہاں بہت اچھا ہوتا کاش! وُہ کچھ

يَعْلَمُوْنَ ١٠٣ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ع ١٢ ٧ ١٢

جانتے اے ایمان والو! (میرے حبیب سے کلام کرتے وقت) مت کہا کرو "راعنا" نمبر ۱۲۰ بلکہ کہو "انظرنا"

مرتب ہونے کا اللہ تعالیٰ اذن ہی کیوں دیتا ہے؟ اس کے لیے ایک چیز ہمیشہ مدِّنظر رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیّت اور اس کے حکم و رضا میں بڑا فرق ہے۔ وُہ کسی بُری چیز کا حکم نہیں دیتا اور نہ اس کے کرنے سے خوش ہوتا ہے ہاں تکوینی مصلحتوں کے باعث ان اشیاء سے اُس کی مشیّت متعلق ہوتی رہتی ہے۔ اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ کسی سوتے ہُوئے بے گناہ کا سر قلم کر دو لیکن اس کے اذن کے بغیر نہ سر کٹتا ہے نہ موت آتی ہے۔ اسی طرح مقربین بارگاہِ الٰہی کو اذیت دینا اور اُنھیں قتل کرنا اُسی کی مشیّت سے وقوع پذیر ہوتا ہے لیکن اس نے نہ اس کا حکم دیا ہے نہ وُہ ایسے جرائم سے خوش ہوتا ہے اس اذن و مشیّت میں وُہ مصلحتیں اور اسرار ہوتے ہیں جن کو بیان کرنے سے زبانِ قلم عاجز ہوتی ہے۔ اس سرِّ نہاں کے رُخ سے ذرا سا پردہ حضرت خضرؑ نے سرکایا تھا تو حضرت کلیمؑ تاب نہ لا سکے۔ ما و شُما کس شمار میں ہیں۔

باقی رہی وُہ روایت کہ زُہرہ نامی بدکارہ نے ان دونوں فرشتوں ہارُوت و مارُوت کو اپنے دامِ عشق میں گرفتار کر لیا اور اس کے کہنے پر دونوں نے شراب پی اور بدکاری کی اور اب وُہ بابل کے کسی کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہُوئے ہیں یہ روایت عُلما محققین کے نزدیک مردُود اور غیر مقبول ہے (رازی) اور صاحب رُوح البیان بصد حسرت لکھتے ہیں کہ کاش! ایسی بیہُودہ روایات سے اہلِ اسلام کی تصنیفات پاک ہوتیں۔

نمبر ۱۲۰ "راعنا" ذُو معنی لفظ ہے۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہماری رعایت فرمائیے اور صحابہ کرامؓ بارگاہِ رسالتؐ میں جب حاضر ہوتے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے کسی ارشادِ گرامی کو اچھی طرح سمجھ نہ سکتے تو عرض کرتے راعنا اے حبیب اللہ ہم پُوری طرح سمجھ نہیں سکے ہماری رعایت فرماتے ہُوئے دوبارہ سمجھا دیجیے لیکن یہُود کی عبرانی زبان میں

وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور (ان کی بات پہلے ہی) غور سے سُنا کرو [۱۲۱] اور کافروں کے لیئے دردناک عذاب ہے نہیں پسند کرتے وہ لوگ جو کافر ہیں

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ

اہل کتاب سے اور نہ مشرک کہ اُتاری جائے تم پر کچھ بھلائی تمہارے

رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ

رب کی طرف سے [۱۲۲] اور اللہ خاص فرما لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑا فضل

الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ

(فرمانے) والا ہے جو آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو لاتے ہیں (دوسری) بہتر اس سے یا

یہی لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہوتا جس میں گستاخی اور بے ادبی پائی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی عزت و تکریم و تعظیم کا یہاں تک پاس ہے کہ ایسے لفظ کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا جس میں گستاخی کا شائبہ تک بھی ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے تصریح کی ہے فیھا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیھا التعریض للتنقیص والغض (قرطبی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہِ رسالت میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔ امام مالکؒ نے تو ایسے شخص کو حدِّ قذف لگانے کا حکم دیا ہے۔

[۱۲۱] راعنا کی جگہ انظرنا (یعنی ہماری طرف نگاہِ لطف فرمائیے) کہا کرو۔ کیونکہ یہ لفظ ہر طرح کے احتمالات فاسدہ سے پاک ہے۔ واسمعوا کا حکم دے کر یہ تنبیہ فرما دی کہ جب میرا رسول ؑ تمہیں کچھ سُنا رہا ہو تو ہمہ تن گوش ہو کر سُنو۔ تاکہ انظرنا کہنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ کیونکہ یہ بھی تو شانِ نبوت کے مناسب نہیں کہ ایک ایک بات تم بار بار پوچھتے رہو۔ یہ کمال ادب اور انتہائے تعظیم ہے جس کی تعلیم عرش و فرش کے مالک نے غلامانِ مصطفےٰ علیہ السلام کو دی۔ اب جو لوگ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بڑے بھائی کی سی حیثیت دیتے ہیں یا اپنے جیسا بشر ثابت کرنے میں اپنی ساری قابلیتیں صرف کر دیتے ہیں وُہ اپنے انجام پر خود ہی غور کر لیں ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ مے آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

[۱۲۲] یہود کو یہ رنج تھا کہ نبوت جو اُن کی وراثت تھی بنی اسمٰعیل کو کیوں ملی اور مشرکین کو یہ صدمہ تھا کہ نبی کا انتخاب مکہ وطائف کے رئیسوں میں سے کیوں نہیں کیا گیا عبدالمطلب کے یتیم پوتے کا انتخاب اُن کی ظاہر بین نگاہوں میں ہرگز

مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

(کم ازکم) اس جیسی ۱۲۳ کیا تجھے علم نہیں کہ اللہ تعالےٰ سب کچھ کر سکتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور تمہارا اللہ کے سوا

مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْــَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ

کوئی یار و مددگار نہیں کیا تم (یہ) چاہتے ہو کہ پُوچھو اپنے رسُول سے

كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِیْمَانِ

(ایسے سوال) جیسے پُوچھے گئے مُوسیٰ سے اس سے پہلے ۱۲۴ اور جو بدل لیتا ہے کُفر کو ایمان سے

موزُوں نہ تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا اپنا فضل و کرم ہے جس کو چاہُوں سرفراز کرُوں تمہارے مشورہ کی یہاں ضرورت ہے نہ گنجائش

۱۲۳ یہُود سادہ لوح مُسلمانوں کے ایمان کو متزلزل کرنے کے لیے طرح طرح کے شُبہات پیش کرتے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ قرآن آج ایک حکم دیتا ہے کل اسے بدل دیا جاتا ہے اور ایک دُوسرے حُکم پر عمل کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں۔ اس لیے قرآن خُدا کی کتاب ہی نہیں۔ اس شُبہ کے ردّ میں یہ آیت نازل ہُوئی۔ نسخ اصُولِ فقہ کی خاص اصطلاح ہے جس کا معنی ہے "بیان محض لانتہاء الحکم الاول" یعنی اللہ تعالیٰ نے جو حکم پہلے نازل فرمایا تھا وُہ ہمیشہ کے لیے نہیں تھا بلکہ ایک خاص وقت کے لیے تھا۔ جب اس کا وقت ختم ہو گیا تو دُوسرا حکم نافذ کر کے پہلے حُکم کی مقررہ میعاد کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس میں کسی قسم کی قباحت نہیں بلکہ یہ عین حکمت ہے کیونکہ عرب جیسی آوارہ منش قوم کو قانون و آئین کا پابند کرنے کے لیے جن تدریجی اقدامات کی ضرورت تھی وُہ پوشیدہ نہیں اس لیے اگر چند ابتدائی احکام جو محض وقتی مصلحت کے لیے نافذ کیے گئے تھے بعد میں منسُوخ کر دیے گئے اور ان کی جگہ دُوسرے احکام جو اب اُن کی تربیت یافتہ ذہنیت کے مُطابق ہیں نافذ کر دیے گئے تو یہ بالکل دُرست ہے۔ آیت کا یہ ٹکڑا "نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَا" اسی بات کی طرف واضح اشارہ ہے۔ آخر میں سب معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے یہ بھی فرمایا کہ میں قادرِ مطلق ہُوں جو چاہُوں کرُوں تمہیں اعتراض کا کیا حق ہے؟ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو احقر کی تالیف سُنّتِ خیرالانام علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں نسخ کی بحث)

۱۲۴ یہُود مُسلمانوں کو طرح طرح کے سوالات کرنے پر اُکساتے اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا۔

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ

وُہ (قسمت کا مارا) تو بھٹک گیا سیدھے راستہ سے دِل سے چاہتے ہیں بہت سے اہلِ کتاب کہ کسی طرح پھر بنا دیں تمھیں

مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

ایمان لانے کے بعد کافر ۱۲۵ (ان کی یہ آرزو) بوجہ اس حسد کے ہے جو اُن کے دِلوں میں ہے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

(یہ سب کچھ) اس کے بعد جبکہ خوب واضح ہو چکا ہے اُن پر حق پس (اے غلامانِ مصطفےٰ) مُعاف کرتے رہو اور درگزر کرتے رہو

بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

یہاں تک کہ بھیج دے اللہ (ان کے بارے میں) اپنا حکم بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور صحیح ادا کرو نماز اور

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

دیا کرو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے اپنے لیے نیکیوں سے ضرور پاؤ گے اس کا ثمر اللہ کے

اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ

ہاں ۱۲۶ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو خوب دیکھ رہا ہے اور اُنھوں نے کہا نہیں داخل ہوگا جنت میں (کوئی بھی)

کہ میرے حبیب سے یہودیوں کی طرح قیل وقال نہ کیا کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے جن اُمور کے کرنے کا حکم دیا جائے ان کو کرو جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو۔ اور جن اُمور کے متعلق اللہ اور اس کے رسُول نے سکوت اختیار فرمایا ہے انھیں مت چھیڑو اسی میں تمھاری سلامتی ہے۔

۱۲۵ یہود ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث خود بھی دولتِ ایمان سے محرُوم رہے اَب حسد کے مارے چاہتے ہیں کہ کوئی اور بھی دولتِ ایمان سے مالا مال نہ ہو ہر وقت مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے سازشیں کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ تم ان کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے درگزر کرتے رہو۔ بات بات پر ان سے اُلجھنے کی ضرورت نہیں جب مناسب ہوگا ان کا قلع قمع کرنے کا تمھیں حکم دے دیا جائے گا۔

۱۲۶ چھوٹی یا بڑی جو نیکی کرو گے وُہ بُھلا نہیں دی جائے گی بلکہ اس کا پُورا پُورا ثواب تمھیں عطا کیا جائے گا۔

إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

بجز ان کے جو یہودی ہیں یا عیسائی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں آپ (انھیں) فرمایئے لاؤ اپنی کوئی دلیل

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ

اگر تم سچے ہو ہاں جس نے بھی جھکا دیا اپنے آپ کو اللہ کے لیے اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

مخلص بھی ہو تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اپنے رب کے پاس [١٢٧] نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ ہی وہ

يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَ

غمگین ہوں گے اور کہتے ہیں یہودی کہ نہیں ہیں عیسائی سیدھی راہ پر اور

قَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ

کہتے ہیں عیسائی نہیں ہیں یہودی سیدھی راہ پر [١٢٨] حالانکہ وہ سب پڑھتے ہیں

الْكِتَابَ ۗ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ

(آسمانی) کتاب اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو کچھ نہیں جانتے ان کی سی بات [١٢٩] تو (اب)

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١١٣﴾ وَ

اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ جھگڑتے رہتے تھے اور

[١٢٧] یہ سب دعوے باطل ہیں۔ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح جس نے اپنی ذات، اپنی خواہشات کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے جھکا دیا وہی بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوگا۔ رومی و زنگی اعرابی و عجمی کی کوئی قید نہیں۔

[١٢٨] نجران کے عیسائی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو ان کی آمد کی خبر سن کر علماء یہود بھی وہاں پہنچ گئے۔ فریقین میں گفتگو شروع ہوگئی۔ اثناء کلام میں یہود نے کہہ دیا کہ نصاریٰ کا مذہب بالکل باطل ہے اور نصاریٰ نے بھی جواباً کہہ دیا کہ یہود کا حق و صداقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی غلطی کا اظہار فرماتے ہیں کہ جب تورات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور ان کی

مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ

کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روک دے اللہ کی مسجدوں سے ۱۳۰؎ کہ ذکر کیا جائے ان میں اس کے نام (پاک) کا

وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ

اور کوشاں ہو ان کی ویرانی میں انھیں مناسب نہیں تھا کہ داخل ہوتے مسجدوں میں

اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

مگر ڈرتے ڈرتے ان کے لیے دنیا میں (بھی بڑی) ذلت ہے ۱۳۱؎ اور ان کے لیے آخرت میں (بھی) بڑا

عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۗ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب ہے اور مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی ۱۳۲؎ سو جدھر بھی تم رخ کرو وہیں ذات

رسالت کا ذکر موجود ہے تو تورات پر ایمان کا دعوے کرنے والے یہود کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کا انکار کریں اور انجیل میں جب حضرت موسٰی علیہ السلام کی نبوت کی ان گنت شہادتیں موجود ہیں تو آپ نصارٰی کس منہ سے موسٰے علیہ السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ غرضیکہ راستی کا دامن دونوں کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ دونوں اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں

۱۲۹؎ بتوں کے پجاری آگ اور ستاروں کے پرستار بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں وہ بھی اپنے سوا سب کو گم کردہ راہ یقین کرتے ہیں۔

۱۳۰؎ یعنی صرف زبانی دعووں کو رہنے دو۔ اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ روم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ طیطس (TITUS) کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا۔ اور اس کی پرشکوہ عمارت کو کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔ بھلا جس کا عمل یہ ہو کیا اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار کہے۔ کفار مکہ نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے مدتوں روکے رکھا۔ کیا ان مشرکین کو زیب دیتا ہے کہ ہدایت پر ہونے کا دعوٰی کریں۔ مقصد یہ ہوا کہ وہ دعوٰی جس کے ثبوت کے لیے عمل صالح کی گواہی نہ ہو وہ توجہ کے قابل نہیں۔ یہ حکم عام ہے۔ جو ایسا کرے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ کسی زمانہ یا کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔

۱۳۱؎ دنیا میں ان کی ذلت و رسوائی تو چند سالوں میں ظاہر ہو گئی۔ کفار مکہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہود جلاوطن کر دیئے گئے اور عیسائی مملکتوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور آخرت کا عذاب بھی عنقریب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

۱۳۲؎ منتشر افراد تب قوم بنتے ہیں جب ان میں یکجہتی ہو۔ اور یکجہتی تب پیدا ہوتی ہے جب ان کا کوئی مخصوص مرکز ہو

اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

خداوندی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ فراخ رحمت والا خوب جاننے والا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) ایک بیٹا پاک ہے وہ (اس تہمت سے) ۱۴۳ـہ

بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ

بلکہ اُسی کی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور زمین میں سب اُسی کے فرمانبردار ہیں موجد ہے ۱۴۴ـہ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

آسمانوں اور زمین کا اور جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو صرف اتنا حکم دیتا ہے اُسے کہ ہو جا تو وہ

فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ

ہو جاتا ہے اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کہ کیوں نہیں کلام کرتا ہمارے ساتھ (خود) اللہ یا کیوں نہیں آتی

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ایک خاص قبلہ مقرر فرما دیا۔ رفتہ رفتہ قوموں میں یہ خیال جڑ پکڑتا گیا کہ یہ سمت کسی اپنی ذاتی خصوصیت اور خوبی کے باعث قبلہ بنائی گئی۔ اس آیت میں اُن کی اس غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے کہ جہتیں اور سمتیں سب اللہ کی ہیں مشرق ہو یا مغرب جنوب ہو یا شمال سب اس کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر نگیں ہیں اگر کوئی جہت قبلہ بنائی جاتی ہے تو کسی ذاتی خصوصیت کی بنا پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبلہ بنائی جاتی ہے پورب پچھم سے تمہیں کیا سروکار تم اس کے حکم کے بندے ہو نیز اگر مشرک قومیں سورج کی پرستش کرتی تھیں اور مشرق اس کے طلوع کی سمت ہے اس لیے خصوصی طور پر اس کے تقدس کی قائل تھیں اور بعض فرقے مغرب کو مقدس مانتے تھے اللہ تعالیٰ نے جہت پرستی کے اس صنم کو بھی پاش پاش کر دیا اور فرمایا یہ جہت از خود کچھ بھی نہیں۔ ان کی حقیقت بس اتنی کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا اور اسی کا حکم ان میں جاری ساری ہے۔

۱۴۳ـہ یہود حضرت عزیر کو عیسائی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یقین کرتے (نعوذ باللہ) اس آیت میں ان عقائد فاسدہ کی تردید ہے۔ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں جو چیز ہے نوری ہو یا ناری خاکی ہو یا افلاکی، بے جان ہو یا جاندار، حقیر ہو یا عزیز، سب پر اس کی مملوک ہونے کی مُہر لگی ہے۔ اور ہر چیز بلا استثناء اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہے۔

۱۴۴ـہ نیست سے ہست کرنے، عدم محض سے موجود کرنے کو عربی میں ابداع کہتے ہیں یعنی نہ پہلے اس کا کوئی مادہ ہو نہ نمونہ اور نہ بنانے کے آلات موجود ہوں۔ اس ایک لفظ سے ردّ ہو گیا ان لوگوں کا (مثلاً آریہ سماجی وغیرہ) جو کہتے ہیں کہ رُوح بھی ہمیشہ سے موجود ہے اور مادہ بھی۔ اللہ تعالیٰ نے زیادہ سے زیادہ صرف یہ کیا کہ ایک ماہر کاریگر کی طرح مادے کے مختلف اجزاء کو

اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

ہمارے پاس کوئی نشانی۔ اسی طرح کہی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے (گزرے) تھے ان کی سی (بے سروپا) بات ۱۳۵؎ ملتے جلتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

ان سب کے دل۔ بے شک ہم نے صاف صاف بیان کر دی ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۱۳۶؎ بے شک ہم نے بھیجا ہے ۱۳۷؎

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ

آپ کو (اے حبیب) حق کے ساتھ (رحمت کی) خوشخبری دینے والا (عذاب سے) ڈرانے والا اور آپ سے بازپرس نہیں ہوگی ان دوزخیوں کے متعلق اور ہرگز خوش

تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ

نہیں ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی ۱۳۸؎ یہاں تک کہ آپ پیروی کرنے لگیں ان کے دین کی آپ (انھیں)

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

کہہ دیجئے کہ اللہ کا بتایا ہوا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے اور اگر (بالفرض محال) آپ پیروی کریں ان کی خواہشوں کی اس علم کے بعد بھی

ایک خاص تناسب سے باہم ملا دیا اور رنگا رنگ چیزیں نمودار ہوگئیں۔ قرآن اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف صانع ہی نہیں بلکہ بدیع ہے۔ اُس نے آسمان اور زمین کو محض اپنے ارادہ سے بغیر کسی سابق مادہ کے پیدا فرمایا۔

۱۳۵؎ یہاں سے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی مقصود ہے کہ اگر یہ کافر روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کوئی نئی بات نہیں جس سے آپ دلگیر ہوں بلکہ یہ تو ہمیشہ سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔

۱۳۶؎ اس آیت کے پہلے حصہ میں ان ناوانوں کے دو مطالبوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ خدا خود اُن سے کلام کرے یا انھیں کوئی ایسی نشانی دکھائے جس کے بعد شک کی گنجائش نہ رہے پہلی بات تو توجہ کے لائق ہی نہ تھی اس لیے اس کا تو جواب ٹال دیا۔ دُوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تم تو صرف ایک نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو اور ہم نے تمھیں بے شمار فیصلہ کن نشانات دکھائے ہیں اور پھر بھی تم باطل پر اڑے ہوئے ہو۔ ان کھلی نشانیوں کے بعد تمھیں اور کس نشان کا انتظار ہے جسے دیکھنے کے بعد تم ایمان لاؤ گے۔

۱۳۷؎ ساتھ ہی فرمایا کہ اسلام کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کی ذات ہے جو آپ کی ہمہ صفت موصوف اور باکمال ہستی کو دیکھ کر ہدایت قبول نہیں کرتے انھیں کوئی اور معجزہ یا دلیل کیونکر راہ ہدایت دکھا سکتی ہے۔

الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ﴿۱۲۰﴾

جو آپ کے پاس آچکا ہے (تو پھر) نہیں ہوگا آپ کے لیے اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ۱۳۹

الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ

جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان لاتے ہیں اس کے

بِهٖ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

ساتھ اور جو کوئی انکار کرتا ہے اس کا تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں اے بنی اسرائیل!

اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی

یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر فرمائی اور (خصوصاً یہ کہ) میں نے تم کو فضیلت دی (اس زمانے کے)

الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ

سب لوگوں پر ۱۴۰ اور ڈرو اس ۱۴۱ دن سے کہ نہ پکڑا جائے گا کوئی آدمی کسی کے عوض اور نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓی

اس سے مالی تاوان اور نہ نفع دے گی اسے کوئی سفارش اور نہ ہی ان کی امداد کی جائے گی اور یاد کرو جب ۱۴۲ آزمایا

۱۳۸ یہ جو معجزات اور آیات دکھانے کی طرح طرح کی فرمائشیں کر رہے ہیں اس سے اُن کا مقصد قبولِ ایمان نہیں۔ یہ تو صرف حجت بازیاں ہیں۔ وہ تو صرف اس کو پسند کرتے ہیں کہ آپ اپنا دین چھوڑ کر ان کے باطل کو قبول کر لیں جو ناممکن ہے۔

۱۳۹ یہ خطاب اُمّتِ محمدیہ کو ہے کہ جب تم نے جان لیا کہ سیّدِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پاس حق و ہدایت لائے تو تم ہرگز کفار کی خواہشات کا اتّباع نہ کرنا۔ اگر ایسا کیا تو تمھیں کوئی عذابِ الٰہی سے بچانے والا نہیں۔ (خزائن العرفان)

۱۴۰ بنی اسرائیل کی فضیلت کی وجہ پر مفصّل بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۶ حاشیہ ۶۴

۱۴۱ اس کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۵۷ حاشیہ ۶۵

۱۴۲ یہ آزمائش اس لیے نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی حقیقت کا علم نہ تھا۔ وہ تو علیم و خبیر ہے۔ بلکہ اپنے مقبول بندے کے جذبۂ صدق و اخلاص سے لوگوں کو آگاہ کرنا مطلوب تھا۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بے خبر لوگ کہیں یہ نہ

وقف منزل ع ۱۴

إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ

ابراہیم کو ۲۴۳؎ اس کے رب نے چند باتوں سے تو انھیں پُورے طور پر بجا لایا ۲۴۴؎ اللہ نے فرمایا بے شک میں بنانے والا ہوں تمھیں تمام انسانوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۲۴ وَاِذْ

کا پیشوا ۲۴۵؎ عرض کی میری اولاد سے بھی؟ ۲۴۶؎ فرمایا نہیں پہنچتا میرا وعدہ ظالموں تک اور یاد کرو

کہنے لگیں کہ ان پر جو فضل و کرم ہو رہا ہے یُونہی ہو رہا ہے اس کی کوئی خاص وجہ نہیں۔ بلکہ اُنھیں علم ہو جائے کہ وُہ اس لطفِ عمیم کے ہر طرح مستحق ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ ہر بُوالہوس ان مقاماتِ رفیعہ کی طرف للچائی ہُوئی نظروں سے نہ دیکھے بلکہ اُسے معلوم ہو کہ آزمائش و ابتلاء کا آتشیں سمندر موجزن ہے اور ان بلندیوں کی طرف جانے والا راستہ اس میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

۲۴۳؎ ابُو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ وعلی نبینا افضل الصلوٰۃ والسلام کے اسمِ گرامی سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا اس لیے قرآن حکیم نے پہلی دفعہ ہی کسی تمہید و تعارف کے بغیر ان کا ذکر فرمایا۔ توراۃ میں آپ کا نام ابرام اور ابراہم دونوں طرح آیا ہے۔ جدید ترین اثری تحقیقات کے مُطابق آپ کا سالِ پیدائش ۲۱۶۰ ق م ہے۔ توراۃ میں عمر شریف ۱۷۵ سال درج ہے۔ آپ کا آبائی وطن بابل ہے جسے آج کل عراق کہتے ہیں۔ جس شہر میں آپ کی ولادت ہُوئی اُس کا نام توراۃ میں "اُور" (UR) ہے۔ مدّتوں یہ شہر نقشہ سے غائب رہا۔ اب از سرِ نو نمودار ہو گیا ہے۔ کھُدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۴ء میں ہی پڑ گئی تھی۔ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرینِ اثریات کی ایک مشترکہ تحقیقاتی مہم عراق کو روانہ ہُوئی اور کھُدائی کا کام پُورے سات سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ پُورا شہر نمودار ہو گیا۔ موجُودہ محرّف بائیبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے اُکتا کر بعض محققین نے اُنیسویں صدی کے آخر میں یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نامی کوئی تاریخی شخصیت گزری ہی نہیں۔ بلکہ یہ محض ایک نوعی نام تھا۔ یا ہر قبیلہ کے شیخ کا لقب تھا لیکن اب پھر تحقیق کا رُخ بدلا اور بیسویں صدی کے آغاز میں ہی پھر (یورپ) کو آپ کی تاریخی شخصیّت کا پُوری طرح قائل ہونا پڑا۔

(ماخوذ از تفسیر ماجدی)

۲۴۴؎ وُہ امتحانات جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا گیا تھا کیا تھے؟ ذبحِ اسمٰعیل، آتشِ نمرود اور عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں اپنی زوجہ اور اپنے ننھے بچے کو حکمِ الٰہی کے مُطابق چھوڑ آنا اور ان کے علاوہ تمام احکامِ شریعت پر کاربند ہونا ہے جس میں ناخنوں کے تراشنے، دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج و زکوٰۃ کے جُملہ مناسک داخل ہیں۔

۲۴۵؎ امام کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے یعنی تمام انبیاء اور اُن کی اُمّتیں آپ کی پیروی اور اتباع کریں گی۔ یہاں تک کہ سیّدِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والثناء کو بھی حکم ملا۔ اتبع ملّۃ ابراھیم حنیفا۔

جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ

جب ہم نے بنایا اس گھر (خانہ کعبہ) کو مرکز ۱۴۷ لوگوں کے لیے اور امن کی جگہ اور (انھیں حکم دیا کہ) بنالو ابراہیمؑ کے کھڑے

اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا

ہونے کی جگہ کو جائے نماز ۱۴۸ اور ہم نے تاکید کردی ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو کہ خوب صاف ستھرا رکھنا میرا گھر ۱۴۹

بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝۱۲۵ وَاِذْ قَالَ

طواف کرنے والوں، اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے اور یاد کرو جب عرض

۱۴۶ اپنی اولاد کے لیے حضرت ابراہیمؑ کا دُعا کرنا ایک طبعی چیز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کے لیے نہیں۔ ہاں جو نیک اور اطاعت گزار ہوں گے ان میں سے بعض کو شرفِ نبوت سے سرفراز کیا جائے گا لیکن ظالم اور بدکار اس نعمت کے حقدار نہیں۔ اس آیت سے علماء نے انبیاء کرام کی عصمت پر استدلال کیا ہے نیز صدرِ مملکت میں جن صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ ان کے متعلق علماء اسلام نے تصریح کی ہے "ان الامام یکون اهل العدل والاحسان والفضل مع القوة علی القیام بذلك وهو الذی امر النبی صلی اللہ علیه وسلم الا ینازعوا الامر اهله واما اهل الفسوق والجور فلیسوا له باهل (قرطبی) یعنی امام وہ ہوتا ہے جس کا دامن کبیرہ گناہوں سے داغدار نہ ہو، احسان و فضل کی صفات سے متصف ہو اس کے ساتھ اس میں حکومت کی ذمہ داریوں کو بجا لانے کی قوت بھی ہو۔ ان خوبیوں والے خلیفہ (یا صدرِ مملکت) کے متعلق ہی حضور علیہ السّلام نے فرمایا کہ ان سے مت جھگڑو۔ لیکن جو فاسق و فاجر ہوں وہ خلافت و صدارت کے اہل نہیں۔

۱۴۷ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہزارہا انقلابوں کے باوجود جس طرح پورا ہو رہا ہے دوست دشمن سب اس کا مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں اور تا قیامت مشاہدہ کرتے چلے جائیں گے۔

۱۴۸ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کعبہ کی تعمیر کرتے رہے اس کو مقامِ ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ہر ادا اور ان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بے جان حقیر پتھر جسے حضرت خلیلؑ کے پاؤں سے چھو جانے کا شرف حاصل ہوا وہ قدرت کی نگاہ میں اتنا عزیز اور ذیشان ہے کہ امّتِ مصطفویؐ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اسے اپنی جائے نماز بنائیں۔

۱۴۹ اب کعبہ کی آبادی اور رونق افزائی کا اہتمام فرمایا جا رہا ہے۔ حکم ہے اے ابراہیمؑ اے اسمٰعیلؑ ہر آلائش سے ہر آلودگی سے اسے پاک صاف رکھو۔ اس کا فرش غبار سے، اس کی دیواریں بدنما دھبوں سے اور اس کی چھتیں مکڑی کے جالوں سے نہ اَٹی رہیں بلکہ اُجلا فرش، شفاف آئینہ دار دیواریں اور پاک و صاف چھتیں ہوں۔ تاکہ عبادت کرنے والوں کو دلجمعی نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں۔ جب ظاہری پاکیزگی کا اتنا اہتمام ہو رہا ہے تو کفر و شرک کی غلاظت و عفونت سے اسے

اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

کی ابراہیم نے اے میرے رب! بنادے اس شہر کو ۱۵۰ امن والا اور روزی دے اس کے باشندوں کو طرح طرح کے پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

یعنی جو ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور روز قیامت پر اللہ نے فرمایا (ان میں سے) جس نے کفر بھی کیا اسے بھی

قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَ

فائدہ اٹھانے دوں گا چند روز پھر مجبور کروں گا اسے دوزخ کے عذاب کی طرف اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے اور

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

یاد کرو جب اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) بنیادیں ۱۵۱ خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی۔ اے ہمارے پروردگار قبول فرما

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ

ہم سے (یہ عمل) بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے اے ہمارے رب! بنادے ہم کو فرماں بردار اپنا

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ

اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو اور بتادے ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ

پاک رکھنا کتنا اہم ہوگا۔ اسی دلیل سے ہر مسجد کو پاک و صاف رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۱۵۰ حضرت خلیل نے عرض کی۔ اے رب کریم! اس شہر کو امن کا گہوارہ بنادے اور اس کے ایماندار شہریوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں التجائیں قبول فرمائیں۔ امامت کے سلسلہ میں چونکہ یہ ہدایت کی گئی تھی کہ یہ صرف فرمانبرداروں کا حصہ ہے اس سے سبق لیتے ہوئے حضرت خلیل نے رزق طیب کا سوال کیا تو صرف اہل ایمان کے لیے لیکن پروردگار عالم نے فرمایا کہ رزق تو مومن اور کافر سب کو دوں گا لیکن کفار چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد اپنے کفر و سرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں گے۔

۱۵۱ خود کعبہ کی دیواریں چن رہے ہیں۔ بلند اقبال فرزند پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہا ہے نسیم رحمت کے جھونکوں سے دلوں کے غنچے شگفتہ ہو رہے ہیں۔ کیف و سرور کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہے۔ اس وقت اللہ کے یہ دونوں مقبول بندے

عَلَيْنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ

فرما ہم پر (اپنی رحمت سے) بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ۱۵۲ بھیج ان میں ایک برگزیدہ

رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

رسُول انھیں میں سے تاکہ پڑھ کر سُنائے ۱۵۳ انھیں تیری آیتیں اور سکھائے انھیں یہ کتاب اور دانائی کی باتیں

اپنے ربِ کریم سے مانگ رہے ہیں اور وُہ دیئے چلا جارہا ہے۔ دامنِ طلب پھیلا ہوا ہے اور دستِ کرم مصروفِ جُود و عطا ہے۔ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اتنا ہی مانگا کہ لذّتِ نیاز اور ملے۔ لُطفِ عبادت میں اور اضافہ ہو۔ مسلمین لک اور امۃ مسلمۃ لک کہہ کر گویا سب کچھ ہی تو مانگ لیا۔

۱۵۲ اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دُعا مانگنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے ایک ایسے جلیل القدر رسُول کی بعثت کے لیے التجا کی جارہی ہے جس کا دامنِ رحمت اتنا کُشادہ اور خوانِ کرم اتنا وسیع ہو کہ ہر خاص و عام اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس دُعا کا مصداق کون ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کرنے سے حقیقت کھُل جاتی ہے۔ وابعث فیھم اور رسولا منھم پر غور فرمائیے۔ ھُمْ کی ضمیر کا مرجع یا امۃ مسلمۃ ہے یا ذریتنا ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اور لفظ نہیں جو کسی تاویل سے بھی ھُمْ کا مرجع بنایا جاسکتا ہو۔ ان دونوں لفظوں میں سے کسی ایک کو آپ مرجع بنائیے تو پہلی صُورت میں معنی یہ ہوگا کہ اُمّتِ مُسلمہ میں سے جو ہماری (ابراہیم و اسمٰعیل کیونکہ یہی دونوں دُعا کرنے والے ہیں تیسرا اور کوئی نہیں) اولاد میں سے ہو۔ رسُول مبعُوث فرما۔ دُوسری صُورت میں یہ معنی ہوگا کہ ہماری اولاد میں سے ایک رسُول مبعُوث فرما۔ دونوں صُورتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس دُعا کا وُہی مصداق ہے جو ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السّلام دونوں کی نسل سے ہو۔ اور جو حضرت ابراہیم کی نسل سے تو ہیں لیکن اسمٰعیل کی نسل سے نہیں (مثلاً اولادِ اسحاق علیہ السّلام) وُہ اس دُعا کا مصداق نہیں بن سکتے اور لُطفِ ایزدی مُلاحظہ ہو کہ ان دو حضرات کی نسل سے حضور کریم مُحمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے علاوہ کوئی رسُول مبعُوث نہیں ہوا۔ بلکہ کسی کو جھُوٹا دعویٰ نبوت کرنے کی توفیق بھی نہیں ہُوئی۔ تاکہ یہ حقیقت ہر شک و شبہ سے بالاتر رہے کہ وُہ ذاتِ مُصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثنا تھی جس کے لیے خلیل و ذبیح دُعائیں کرتے رہے۔ رسُولاً مفرد اور نکرہ منوّن استعمال ہوا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ ہوگا بھی ایک اور ہوگا بے مثال صاحبِ شانِ عظیم۔ الحمد للہ الذی جعلنا من اُمتہ۔ حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خود بھی فرمایا کہ انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہُوں۔

۱۵۳ اس رسُول کے تین فرائض گنوائے جارہے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وُہ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سُنائے۔ دُوسرا یہ کہ کتاب و حکمت سکھائے۔ تیسرا یہ کہ اپنے تصرّفِ رُوحانی سے دِلوں کے آئینوں کو جلا دے اور روشن کرے تاکہ حقائق و معارف

وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ وَمَن يَرْغَبُ عَن مِّلَّةِ

اور پاک صاف کر دے انھیں۔ بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے اور کون رُوگردانی کر سکتا ہے دینِ ابراہیمؑ سے ۱۵۴ف

إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ

بجز اس کے جس نے احمق بنا دیا ہو اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے چُن لیا ابراہیمؑ کو دُنیا میں

وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ

اور بلاشبہ وہ قیامت کے دن نیکوکاروں میں ہوں گے اور یاد کرو جب فرمایا اس کو اس کے رب نے ۱۵۵ف اے ابراہیمؑ

قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ

گردن جھکا دو عرض کی میں نے اپنی گردن جھکا دی سارے جہانوں کے پروردگار کے سامنے ۱۵۶ف اور وصیت کی اسی دین کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو

ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔

حکمت سے کیا مُراد ہے؟ اس کے سمجھنے سے ایک بہت بڑے فتنے کا اصولی رد ہو جائے گا۔ حکمت کہتے ہیں وضع الاشیاء علیٰ مواضعہا۔ ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ یہاں الحکمۃ کا لفظ جو مذکور ہے اس سے مراد احکامِ قرآنی کی ایسی تفصیل اور ان کا ایسا بیان ہے جسے جاننے کے بعد انسان ان احکام کی ایسی تعمیل کر سکے جیسے قرآن نازل کرنے والے خُدا کا منشا ہے۔ اور نبی کے فرائض میں صرف یہی نہیں کہ قرآن سکھا دے بلکہ اس کا صحیح بیان اور تفصیل بھی سکھاتے تاکہ قرآن پر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق عمل ہو سکے۔ اور اسی حکمت یعنی بیانِ قرآن کو سُنّتِ نبوی کہا جاتا ہے۔ دُوسری متعدد آیات میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ حکمتِ قرآن یعنی اس کا بیان نبی کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے مثلاً ارشاد ہے وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر (اے نبیؐ) کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جیسے قرآن کی اطاعت فرض ہے اُسی طرح صاحبِ قرآن کی سُنّت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو گیا جو سُنّت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی رائے خیال کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنا ضروری یقین نہیں کرتے (حکمت اور سُنّت پر مفصل بحث احقر کی تالیف سنتِ خیر الانام میں ملاحظہ فرمائیں)

۱۵۴ف ملّت سے مُراد دین اور شریعت ہے کیونکہ ملّتِ ابراہیمی دینِ فطرت ہے اس لیے ہر سلیم الطبع اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ ہاں جن کی طبیعتیں مسخ ہو چکی ہوں اور سمجھ بگڑ چکی ہو وہ اسے قبول نہیں کرتے۔

۱۵۵ف اسلام کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن رکھ دینا یعنی اپنی راحت اور تکلیف، اپنے نفع اور نقصان، اپنی

وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ

اور یعقوب ؑ نے اَے میرے بچو! بے شک اللہ نے پسند فرمایا ہے تمھارے لیے یہی دین سو تم ہرگز نہ مرنا

اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝١٣٢ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ

مگر اِس حال میں کہ تم مسلمان ہو بھلا کیا تم (اس وقت) موجود تھے جب آ پہنچی یعقوبؑ کو

الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ

موت جب کہ پوچھا اُس نے اپنے بیٹوں سے کہ تم کس کی عبادت کروگے میرے (انتقال کرجانے کے) بعد انھوں نے عرض کی ہم

اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا

عبادت کریں گے آپ کے خدا کی اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کے خدا کی جو خدا ہے وحدہٗ لاشریک

وَّاحِدًا ښ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝١٣٣ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا

اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی انھیں فائدہ دے گا جو

ہے

رائے یا خواہش کو بالکل نظر انداز کردے اور بغیر کسی حیل وحجت کے اپنے ربّ کریم کے احکام کی تعمیل پر کمربستہ ہوجائے۔ یہ ہے اسلام کا حقیقی مفہوم ـ
۱۵۶؎ یہی وعدہ حضرت سیّدنا ابراہیمؑ نے اپنے ربّ سے کیا۔ اور دُنیا شاہد ہے کہ اُس مردِ پاکباز نے کیسے اس عہد کو نبھایا۔ اِن کی زندگی میں مشکل سے مشکل امتحان آئے لیکن اُس ذاتِ قدسی صفات نے جس عزم وثبات اور تسلیم ورضا کا ثبوت دیا۔ اُس نے فرشتوں کو بھی تصویرِ حیرت بنادیا جب منجنیق میں رکھ کر نمرود کی بھڑکائی ہوئی آگ میں آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبرائیل امین نے حاضر ہوکر عرض کی۔ ھل لك حاجة؟ کوئی کارِ خدمت؟ کوئی ضرورت؟ فرمایا اما الیك فلا۔ تجھ سے کوئی حاجت نہیں۔ جبرئیلؑ نے پھر گزارش کی فاسأل ربك اپنے رب سے تو سوال کرو کہ آپ کو اس آگ کے شعلوں سے بچالے۔ جواب دیا حسبی من سوالی علمه بحالی یعنی جب وُہ جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت۔

۱۵۷؎ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السّلام نے اپنی اولاد کو دینِ اسلام پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرماتے ہُوئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے زیادہ مختصر اور زوردار الفاظ مل نہیں سکتے۔ لا تموتن الا وانتم مسلمون یعنی مرنا تو اسلام پر مرنا۔ کیونکہ موت نے ضرور آنا ہے لیکن اس کے آنے کا وقت ہمیں معلوم نہیں۔ اِس لیے ایسی اٹل اور اچانک آجانے والی چیز کے لیے انسان کو ہر لمحہ مستعد رہنا ضروری ہے مطلب یہ ہوا کہ اسلام کا دامن ہر وقت مضبوطی

كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٤﴾ وَ

(نیک عمل) اُنھوں نے کمایا اور تمھیں نفع دیں گے جو (نیک اعمال) تم نے کمائے اور نہ پوچھے جاؤ گے تم اس سے جو وُہ کیا کرتے تھے اور (یہودی)

قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ

کہتے ہیں یہودی بن جاؤ (عیسائی کہتے ہیں) عیسائی بن جاؤ (تب) ہدایت پاؤ گے آپ فرمائیے میرا دین تو دینِ ابراہیمؑ ہے جو باطل سے منہ

حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٣٥﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ

موڑنے والا حق پسند تھا اور وُہ نہیں تھا شرک کرنے والوں سے ۱۵۵؎ کہہ دو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو

اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو اُتارا گیا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ

وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ

اور اُن کی اولاد کی طرف اور جو عطا کیا گیا موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور جو عنایت کیا گیا دُوسرے نبیوں کو ان کے

سے پکڑے رہو۔ اور ایک آن کے لیے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ پڑے۔ مبادا وُہی آن تمھارے یہاں سے کُوچ کرنے کی ہو اگر غفلت کی حالت میں موت کا پیغام آگیا تو اپنے کریم رب کے حضور میں کیا مُنہ لے کر حاضر ہوگے۔ زندگی کی یہ بازی جیتنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہر وقت انسان چوکنا رہے۔ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ نہ ہونے دے۔ نافرمانی اور سرکشی تو کُجا غفلت کی گرد سے بھی اپنے دِل کے آئینہ کو مکدّر نہ کرے۔

۱۵۵؎ یہودیوں اور نصرانیوں کو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے پر بڑا ناز تھا۔ ہر محفل اور مجلس میں اس نسبت پر فخر کیا کرتے تھے۔ اور اپنی صداقت کی یہی دلیل پیش کرتے کہ ہم دینِ ابراہیمیؑ کے پیروکار ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ان کے بتائے ہُوئے راستہ پر گامزن ہوتے اُنھوں نے اُلٹا حضرت خلیلؑ کو یہودی اور عیسائی ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فریب کا پردہ چاک کرتے ہُوئے ان کی غلط بیانی کی تردید کرتے ہیں کہ تمھاری اس شرک آلود یہودیّت اور نصرانیّت سے اس موحدِ اعظمؑ کا کیا واسطہ۔ ان کا دامنِ عصمت تو ان تمام بدنما دھبّوں سے پاک اور منزّہ تھا۔

رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

رب کی طرف سے ہم فرق نہیں کرتے ان میں کسی پر ایمان لانے میں اور ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں ۱۵۹

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا

تو اگر یہ بھی ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو جب تو وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں تو معلوم ہو گیا کہ

هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

وہی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو کافی ہو جائے گا آپ کو اُن کے مقابلے میں اللہ اور وہ سب کچھ سُننے والا سب کچھ جاننے والا ہے

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

(ہم پر) اللہ کا رنگ (چڑھا ہے) اور کس کا رنگ خوبصورت ہے اللہ کے رنگ سے ۱۶۰ ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَ

آپ فرمائیے کیا تم جھگڑتے ہو ہمارے ساتھ اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک۔ اور ہمیں ہمارے اعمال اور

لَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾ أَمْ تَقُولُونَ

تمہیں تمہارے اعمال فائدہ پہنچائیں گے ہم تو اُسی کی اخلاص سے عبادت کرتے ہیں کیا تم کہتے ہو

۱۵۹ یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصب کے ذکر کے بعد اب مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم اس تنگ نظری کا شکار نہ ہونا بلکہ تمہارا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ اُن تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ تمام ان انبیاء کی تصدیق کرو جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔ اگرچہ ان کتابوں کے ماننے کا دعوے کرنے والے تمہارے قرآن کو نہ مانیں اور اُن انبیاء کی اُمت کہلانے والے تمہارے نبی مکرّم پر ایمان نہ لائیں بلکہ طرح طرح کی شر انگیزیوں سے اذیت پہنچائیں تب بھی تمہارا رویّہ ایسا ہی ہونا چاہیے کیونکہ تم خدا کے بندے اور اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہو۔

۱۶۰ یہود کی رسم تھی کہ جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اسے رنگدار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا۔ اور جب کوئی بچّہ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اُسے غسل دیتے (جسے اصطباغ یا بپتسمہ کہا جاتا ہے) اور پھر یہ سمجھتے کہ اب اس پر یہودیت اور عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ رنگ

إِنَّ إِبْرٰهٖمَ وَ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ الْأَسْبَاطَ

کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ اور ان کے بیٹے

كَانُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ

یہودی تھے یا عیسائی فرمایئے کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون

أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ

زیادہ ظالم ہے اُس سے جو چھپاتا ہے گواہی جو اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہے اور اللہ بے خبر نہیں ہے جو

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

تم کررہے ہو وہ ایک اُمت تھی جو گزر چکی اُسے ملے گا جو اُس نے کمایا

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ ع

اور تمھیں ملے گا جو تم نے کمایا اور تم سے نہ پوچھا جائے گا اُس سے جو وہ کیا کرتے تھے

چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دُھلے نہ دُھوپ سے اُڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اِترا رہے ہو۔ اور اللہ کا رنگ یہی توحیدِ خالص کا رنگ ہے جس کو چڑھانے والا سیّدِ اِنس وجاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ

اب کہیں گے بے وقوف لوگ ۱۶۱ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو اپنے قبلہ سے جس

كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ

پر وُہ اب تک تھے آپ فرمائیے اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا

سیدھے راستہ کی طرف اور اسی ۱۶۲ طرح ہم نے بنا دیا تمہیں (اے مسلمانو!) بہترین اُمّت تاکہ تم

۱۶۱؎ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم جب مکّہ مکرّمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ تشریف فرما ہُوئے تو بیت المقدّس کی طرف جو اہلِ کتاب کا قبلہ تھا رُخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ سولہ سترہ ماہ اسی پر عمل رہا۔ لیکن حضورؐ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ جسے حضرت خلیل علیہ السّلام نے تعمیر کیا اُمّتِ مُسلمہ کا قبلہ بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی آرزُو کو پُورا کرنے سے پہلے معترضین کے اعتراضات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ جب وُہ اعتراضات کی بوچھاڑ کریں تو مسلمان کسی تذبذب کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ تمام قیل وقال سے بے نیاز ہو کر نہایت اطمینان سے اپنے مالک کے فرمان کی تعمیل کریں۔ پہلے بتا دیا کہ قبلہ کی تبدیلی پر اعتراض صرف سطحی قسم کے لوگ ہی کریں گے جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ بیت المقدس کی سمت میں کوئی ذاتی خصوصیّت ہے جس کی وجہ سے اسے قبلہ بنایا گیا تھا اور وُہ خصُوصیّت کسی اور سمت میں نہیں اس لیے بیت المقدس کے بغیر کوئی اور قبلہ بن ہی نہیں سکتا حالانکہ سمت ہونے میں تمام سمتیں یکساں ہیں۔ آج تک اگر یہ سمت قبلہ بنی رہی تو اس کی صرف یہی ایک وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے اسے قبلہ مقرر فرما دیا۔ کسی کو اعتراض کا کیا حق۔ جو لوگ اتنی آسان سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے وُہ نادان اور بے سمجھ نہیں تو اور کیا ہیں۔

۱۶۲؎ یعنی جیسے ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہیں راہِ راست اختیار کرنے کی توفیق بخشی اسی طرح ہر معاملہ میں تمہیں اُمّتِ وسط بنایا۔ وسط کا لفظ قابلِ غور ہے۔ اس کا معنی ہے درمیان۔ ہر چیز کا درمیانی حصّہ ہی اس کا عُمدہ ترین حصّہ ہوا کرتا ہے۔ انسان کی زندگی کا درمیانی عرصہ "عہدِ شباب" اس کی زندگی کا بہترین وقت ہے۔ دن کے درمیانی حصّہ دوپہر میں روشنی اپنے نقطۂ عرُوج پر ہوتی ہے۔ اسی طرح اخلاق میں میانہ روی قابلِ تعریف ہوتی ہے۔ افراط وتفریط دونوں پہلو مذموم۔ بُخل اور فضُول خرچی کی درمیانی حالت کو سخاوت، بُزدلی اور طیش کے درمیانی حال کو شجاعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُمّتِ محمّدیہ کو اس عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا۔ ان کے عقائد، ان کی شریعت، ان کے نظامِ اخلاق، سیاست

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا

گواہ بنو لوگوں پر ۱۶۳؎ اور (ہمارا) رسولؐ تم پر گواہ ہو اور نہیں

جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ

مقرر کیا ۱۶۴؎ ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لیے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسولؐ کی

اور اقتصاد میں افراط و تفریط کا گزر نہیں۔ یہاں اعتدال ہے توازن ہے موزونیت ہے۔ جب مسلمانوں کو اپنے اس عظیم منصب کا پاس تھا اس وقت اُن کا ہر قول اور ہر فعل آئینہ تھا اس ارشادِ ربانی کا لیکن آج تو ہم یوں بگڑ چکے کہ قرآن میں جن اُمّت کے محاسن بیان کیے گئے ہیں ہم پہچان ہی نہیں سکتے کہ وُہ ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حالِ زار پر رحم فرماوے۔ آمین۔

۱۶۳؎ اُمّتِ محمدیہ گواہ ہے دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں اس کی گواہی اسلام کی صداقت پر ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی وُہ زندہ تصویر ہے۔ دُنیا میں اس کا ہر قول ہر فعل اس کی انفرادی اور اجتماعی خوشحالی، اس کی سیرت کی پختگی اور اس کے اخلاق کی بلندی ہر چیز اسلام کی صداقت پر گواہی دے رہی ہے۔ اور قیامت کے روز جب اگلے پیغمبروں کی اُمّتیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کریں گی کہ ہمیں کسی نے تیرا پیغام ہدایت نہیں پہنچایا تو اُس وقت اُمّتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم گواہی دے گی کہ یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں تیرے پیغمبروں نے تو تیرا پیغام حرف بحرف پہنچا دیا تھا اور جب اُن پر اعتراض ہوگا کہ تم اُس وقت موجود ہی نہ تھے تم گواہ کیسے بن گئے تو یہ جواب دیں گے کہ اے اللہ! تیرے حبیب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں بتایا کہ تیرے رسُولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنی اُمّت کی صداقت و عدالت کی گواہی دیں گے۔ کیونکہ حضورؐ اپنے اُمتیوں کے حالات سے پُورے واقف ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اپنی تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرماتے ہیں:۔

باشد رسُولؐ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنُورِ نبوّت بر رُتبہ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ در دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمانِ او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او مے شناسد گناہانِ شما را و درجاتِ ایمانِ شما را و اعمالِ نیک و بدِ شما را و اخلاص و نفاق شما را۔

ترجمہ:۔ تمہارا رسُولؐ تم پر گواہی دے گا۔ کیونکہ وُہ جانتے ہیں اپنی نبوّت کے نُور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رُتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے۔ اور وُہ کونسا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رُکی ہُوئی ہے۔ پس وُہ تمھارے گناہوں کو بھی پہچانتے ہیں۔ تمھارے ایمان کے درجوں کو، تمھارے نیک اور بد سارے اعمال کو اور تمھارے اخلاص اور نفاق کو بھی خُوب پہچانتے ہیں۔

۱۶۴؎ سولہ سترہ ماہ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے اور پھر کعبہ کو حسب سابق قبلہ بنا دینے کی ایک حکمت بیان

مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى

(اور) کون مُڑتا ہے اُلٹے پاؤں بے شک یہ (حکم) بہت بھاری ہے مگر اُن پر

الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

(بھاری نہیں) جنھیں اللہ نے ہدایت فرمائی اور نہیں اللہ کی یہ شان کہ ضائع کر دے تمھارا ایمان ۱۶۵ بے شک اللہ تعالیٰ

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ

لوگوں پر بہت ہی مہربان (اور) رحم فرمانے والا ہے ہم دیکھ رہے ہیں ۱۶۶ بار بار آپ کا مُنہ کرنا آسمان کی طرف

فرمائی جارہی ہے کہ وُہ جو نبی ؐ کی بے چُون وچرا اطاعت کرتے ہیں اُن لوگوں سے ممتاز اور علیحدہ ہو جائیں جو بات بات پر اعتراض کرتے اور اپنی عقل کی سند حاصل کرنے کے خوگر ہیں۔ لنعلم کا عام معنی تو یہ ہے "تاکہ ہم جان لیں" اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ پہلے ان کو نہیں جانتا۔ اس لیے علامہ قرطبیؒ نے سید الفصحاء وامام البلغاء حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لِنَعْلَمَ کا معنی لِنَرٰی نقل کیا ہے یعنی جو چیز ہمارے علم ازلی میں قدیم سے ہے اُسے وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھ لیا جائے۔ والعرب تضع العلم مکان الرؤیۃ والرؤیۃ مکان العلم یعنی اہل عرب لفظ علم رؤیت (یعنی دیکھنے) کے معنی میں اور رؤیت علم کے معنی میں عام استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے اب کوئی اشکال نہ رہا۔

مطیع اور معترض کی پہچان کے سوا تحویل قبلہ میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے اس امر کا اعلان مقصود ہے کہ اب سیادت اور نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر اولادِ اسمٰعیل میں آگئی اسی لیے کعبہ کو قبلہ بنا دیا گیا۔

۱۶۵ بعض صحابہؓ کو یہ خیال گزرا کہ جو مسلمان بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے اور تحویل قبلہ سے پہلے انتقال کر گئے اُن کی نمازیں تو ضائع ہو گئیں۔ اُن کی تسکین کے لیے فرمایا کہ اُن کی نمازیں ضائع نہیں ہوئیں۔ وُہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے اس لیے ضائع ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۱۶۶ کعبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے جدِّ امجد حضرت خلیلؑ کا قبلہ تھا۔ نیز اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ تھا۔ یہ اور ان کے علاوہ کئی دیگر وجوہات بھی تھیں جنھیں نگاہِ نبوّت دیکھ رہی تھی جن کے باعث حضورؐ کی دلی تمنّا تھی کہ کعبہ کو قبلہ بنایا جاتے۔ اور چشم اُمّید درِ رحمت کی طرف بار بار اُٹھتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبؐ کی یہ ادا اتنی پیاری اور اس کی خوشنودیِ خاطر اتنی مطلوب تھی کہ اسی آیت میں اعلان فرما دیا کہ اے محبوبؐ! جو قبلہ تمھیں پسند وُہی ہمیں پسند اور تیری خوشی کے لیے ہم کعبہ کو قبلہ مقرر فرماتے ہیں۔ قد نریٰ تقلّب وجھک (بصیغہ مضارع) فرمایا قد رأینا (ماضی) نہیں فرمایا۔ جیسے ظاہر حال کا تقاضا ہے اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تیرے رُخِ انور کا بار بار آسمان

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

تو ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اُس قبلہ کی طرف جسے آپ پسند کرتے ہیں (لو) اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف ۱۶۷؎

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

(اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف اور بے شک وہ جنھیں کتاب

الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

دی گئی ۱۶۸؎ ضرور جانتے ہیں کہ یہ حکم برحق ہے ان کے رب کی طرف سے اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ

اور اگر آپ لے آئیں اہل کتاب کے پاس ہر ایک دلیل (پھر بھی) نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلہ کی اور نہ

اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ

آپ پیروی کرنے والے ہیں اُن کے قبلہ کی اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر (بالفرض محال)

کی طرف اُٹھنا ایسی چیز نہیں جسے قصہ ماضی بنا کر بیان کیا جائے۔ بلکہ چشم قدرت اس منظر رُوح پرور کا اب بھی یونہی مشاہدہ فرما رہی ہے۔ فرمایا ہم دیکھ رہے ہیں تیرا بار بار آسمان کی طرف اپنے رُخ جہاں افروز کا اُٹھانا۔ کیا شانِ محبوبیت ہے سبحان اللہ!

۱۶۷؎ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ اپنے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز با جماعت پڑھ رہے تھے۔ دو رکعتیں ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اُسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ صحابۂ کرامؓ نے بھی اپنے رُخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ مدینہ کی دوسری مسجدوں میں بھی جہاں جہاں جماعت ہو رہی تھی جب یہ حکم پہنچا تو اُسی لمحہ تمام صحابۂ کرامؓ نے اپنے رُخ پھیر لیے اور دُنیا کو تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دِکھایا۔ صحابۂ کرامؓ کی محیرّ العقول ترقی کا راز اپنے نبی اور اپنے قائد کی اسی بے چون و چرا اطاعت میں مضمر تھا۔

۱۶۸؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو تسلّی دیتے ہیں کہ آپؐ یہود کے اعتراضات سے پریشان نہ ہوں۔ ان کی کتاب میں تحویل قبلہ کا ذکر موجود ہے۔ انھیں خُوب معلوم ہے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب محض تعصّب اور ہٹ دھرمی کر رہے ہیں۔ اِس لیے ان کے سامنے جتنے دلائل پیش کیے جائیں انھیں ہدایت نہ ہو گی۔

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ

آپ پیروی کریں ۱۶۹ ان کی خواہشوں کی اس کے بعد کہ آچکا آپ کے پاس علم تو یقیناً آپ اس وقت

الظّٰلِمِيْنَ ۝١٤٥ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ

ظالموں میں (شمار) ہوں گے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ پہچانتے ہیں انھیں جیسے وہ پہچانتے ہیں

اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝١٤٦

اپنے بیٹوں کو ۱۷۰ اور بے شک ایک گروہ ان میں سے چھپاتا ہے حق کو جان بوجھ کر

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝١٤٧ ۧ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ ع ۱۷

یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تو ہرگز نہ بن جانا شک کرنے والوں سے اور ہر قوم کے لیے ۱۷۱ ایک سمت (مقرر) ہے

۱۶۹ اس آیت میں بظاہر خطاب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مُراد اُمت ہے۔ کیونکہ اُمت سے تو اپنے نفس کی خواہشات کی تابعداری ممکن ہے لیکن نبی کی ذات جو صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے اس سے تو نا ممکن ہے کہ ایسا جُرم سرزد ہو مضمون کی اہمیت کے باعث حضورؐ کی طرف نسبت کی گئی۔ فهو محمول علی ارادة امته لعصمة النبی صلی الله علیه وسلم وخوطب علیه السلام تعظیما للامر (قرطبی)

۱۷۰ یعنی اہلِ کتاب اپنے بیٹوں کی طرح حضور نبی کریم کو خوب پہچانتے ہیں۔ اُن کی آسمانی کتابوں میں حضورؐ کا حُلیہ، اوصاف اور معجزات یُوں صاف صاف لکھے ہیں کہ شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

۱۷۱ تحویلِ کعبہ کے بعد یہُود اور مُنافقین نے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی اور سادہ لوح مُسلمانوں کو طرح طرح کے مکروفریب سے اسلام سے برگشتہ کرنا اپنا مشغلہ بنا لیا۔ قرآن نے ان کے سب شور و شغب کا ایک ہی مسکت جواب دیا۔ کہ اس میں اعتراض کی کیا بات ہے مُسلمانوں سے پہلے جتنی اُمتیں گزری ہیں سب کے لیے ایک ایک سمت عبادت کرنے کے لیے مقرر کر دی گئی۔ اگر پیغمبرِ اسلام نے اپنے رب کے حکم کے مُطابق کعبہ کو اپنی اُمت کا قبلہ مقرر فرما دیا تو اس میں کیا انوکھی بات ہے کہ تم یُوں سیخ پا ہو گئے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کعبہ جسے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے مقدس ہاتھوں نے تعمیر کیا ملتِ ابراہیمیؑ کے علمبردار اور نسلِ اسمٰعیلؑ کے نبیؐ کا قبلہ بنایا جائے۔

هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

وُہ اسی کی طرف منہ کرتی ہے پس آگے بڑھ جاؤ ۱۷۱ دُوسروں سے نیکیوں میں تم کہیں ہو لے آئے گا اللہ تعالیٰ

جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

تم سب کو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جہاں سے بھی آپ (باہر) نکلیں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ

تو موڑ لیا کریں (نماز کے وقت) اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف اور بے شک یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

اور نہیں اللہ تعالیٰ بے خبر جو کچھ تم کرتے ہو اور جہاں سے آپ (باہر) نکلیں تو موڑ لیا کریں

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ

اپنا رُخ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف اور (اے مسلمانو!) جہاں کہیں تم ہو تو پھیر لیا کرو اپنے مُنہ

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۙ

اس کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم پر اعتراض (کی گنجائش) ۱۷۲ بجز ان لوگوں کے جو ناانصافی کریں ان سے

۱۷۱۔ یہ معمولی سی بات جسے تم یُوں اُچھال رہے ہو موضوعِ سخن بنانے کے لائق نہیں۔ بات تو یہ ہے کہ وُہ خیرات یعنی ازلی ابدی نیکیاں جن پر سب ادیان متفق ہیں ان کو عملی جامہ پہنانے میں ایک دُوسرے سے سبقت لے جانے کا جذبہ پیدا کرو۔ لیکن یہ کام تو مشکل ہے۔ اس میں نفس کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی خواہشات کا خُون کرنا پڑتا ہے اور وُہ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اس لیے تم ان حقیقی اُمور سے رُوگردانی کیے ہُوئے ہو۔ اور فروعی اور غیر اہم چیزوں کو یُوں اہمیّت دے رہے ہو گویا دین کا اصل الاصول بس یہی ایک چیز ہے۔

۱۷۲۔ بتا دیا کہ سفر ہو یا حضر، دُور ہو یا نزدیک حالتِ نماز میں تمہارا رُخ کعبہ کی طرف ہی ہونا چاہیے ورنہ اہلِ کتاب اور مُشرکین تم پر اعتراض کریں گے اور وُہ اعتراض بجا ہوگا۔ کیونکہ اہلِ کتاب نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان کا قبلہ کعبہ ہوگا اور تم کعبہ رُخ ہو کر نماز نہیں پڑھو گے تو وُہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ وُہ نبی نہیں جس کی بشارت

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾

سو نہ ڈرو تم اُن سے (بلکہ صرف) مجھ سے ڈرا کرو تاکہ میں پُورا کر دوں اپنا انعام تم پر ۱۷۴ اور تاکہ تم راہِ راست پر ثابت قدم رہو

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جیسا کہ بھیجا ۱۷۵ ہم نے تمہارے پاس رسُول تم میں سے پڑھ کر سُناتا ہے تمہیں ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٥١﴾

اور سکھاتا ہے تمہیں کتاب اور حکمت اور تعلیم دیتا ہے تمہیں ۱۷۶ ایسی باتوں کی جنہیں تم جانتے ہی نہیں تھے

ہماری کتابوں میں دی گئی ہے۔ اور مُشرک کہیں گے کہ دعویٰ تو کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی ہونے کا اور ان کے قبلہ کو قبلہ بھی نہیں سمجھتے۔ اور بعض ناحق شناس جواب بھی گونا گوں آرائی کر رہے ہیں وُہ التفات کے لائق ہی نہیں۔

۱۷۴ کعبہ کا قبلہ متعین کیا جانا خود بہت بڑی نعمت ہے۔ کیونکہ اس طرح ملّتِ اسلامیہ کو ایک مخصُوص اور محسُوس مرکز عطا فرما دیا گیا جو اُن کی توجہات اور عبادات کا مرجع ہو۔ تاکہ رنگ و زبان، قومیّت اور وطن کے سب اختلافات کے باوجُود اسے دیکھنے والے یقین کرلیں کہ یہ ایک قوم ہے، اس کا مرکزِ توجّہات ایک ہے، اس کا مقصدِ حیات ایک ہے نیز تحویلِ قبلہ میں اِس بات کی طرف بھی صاف اِشارہ ہے کہ اَب دُنیا کی قیادت بنی اِسرائیل سے منتقل ہو کر اسمٰعیل علیہ السّلام کی اَولاد میں آ گئی ہے۔ یہ سرفرازی اور یہ شرف بذاتِ خوُد ایک نعمتِ عظمٰے ہے۔

۱۷۵ تعمیرِ کعبہ کے وقت جو دُعا حضرات ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے کی کہ ان میں ان صفات والا رسُول مبعُوث فرمایا جائے اَب بتایا جا رہا ہے کہ وُہ دُعا مقبُول ہُوئی۔ اور وُہ رسُولِ کریم ان تمام صفات سے متّصف ہو کر تشریف فرما ہو گیا۔

۱۷۶ امامِ وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیرِ مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:۔ تكرار الفعل يدل على ان هذا التعليم من جنس آخر ولعل المراد به العلوم اللدنية الماخوذة من بطون القرآن ومن مشكاة صدر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا سبيل الى دركه الا الانعكاس۔ ترجمہ: یعلّم کا فعل دوبارہ ذِکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم پہلی تعلیمِ کتاب و حکمت سے الگ نوعیّت کی ہے اور شاید اس سے مُراد علمِ لدُنّی ہے جو قرآن کے باطن اور نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے منوّر و روشن سینہ سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے حصُول کا ذریعہ یہ مروّجہ تعلیم و تعلّم نہیں بلکہ انعکاس ہے یعنی آفتابِ قرآن کی کرنیں اور ماہتابِ نبوّت کی شعاعیں دِل کے آئینہ پر منعکس ہوتی ہیں (اس عارفِ ربّانی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے چاہیئے کہ ملاحظہ کیا جائے) اور اولیائے کاملین جو انوارِ نبوّت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وُہ بھی اپنے مُریدانِ باصفا پر اسی قسم کے علوم و معارف کا القا اور فیضان فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم مسکینوں

فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ

سو تم مجھے یاد کیا کرو ۲۷۷ میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور شکر ادا کیا کرو میرا اور میری ناشکری نہ کیا کرو ۲۷۸ اے ایمان والو!

آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَوٰةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٣﴾

مدد طلب کیا کرو صبر ۲۷۹ اور نماز (کے ذریعہ) سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۲۸۰

پر بھی اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ انعام فرما دے آمین ثم آمین!

۲۷۷ یہاں بھی عارف باللہ قاضی ثناء اللہ کے الفاظ ہی قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ ولما کان طریق تحصیل تلک المعارف منحصرا فی الالقاء والانعکاس وکان کثرۃ الذکر والمراقبۃ یفید للقلب والنفس صلاحیۃ الانعکاس من مشکاۃ صدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بلا واسطۃ او بوسائط عقب اللہ سبحانہ بقولہ فاذکرونی

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل ہونے کا طریقہ صرف القاء اور انعکاس ہے اور ذکر الٰہی اور مراقبہ سے ہی دل میں یہ استعداد پیدا ہوتی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرنور سینہ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیضان و القاء قبول کر سکے اس لیے حکم دیا کہ میرا ذکر کیا کرو۔ کثرت ذکر سے ہی تم اس مقام پر فائز کیے جاؤ گے۔ جہاں انوار و تجلیات کی بے محابا بارش ہوتی ہے اور دوری کے حجاب یکسر الٹ دیئے جاتے ہیں۔

تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی بندہ کی کوئی عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ اس کا مالک و خالق اس کو اپنی یاد سے سرفراز فرما دے۔ ایک حدیث قدسی بھی ملاحظہ ہو تا کہ اپنے رب کریم کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہو سکے۔

انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملأ خیر منھم وان تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا وان تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا وان اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ (متفق علیہ)

ترجمہ: میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان رکھتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک ہاتھ میرے نزدیک ہو تو میں ایک قدم اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

۲۷۸ جو انعام میں نے تم پر فرمائے مثلاً رسول بھیجے، ہدایت کی توفیق بخشی، شوق و محبت کا جذبہ عطا فرمایا اس پر شکر ادا کرو۔ نعمتوں کا انکار، رسول کی نافرمانی اور غفلت میں وقت ضائع کر کے ناشکری نہ کرو۔

۲۷۹ دنیا کی امامت کا جو شرف تمہیں بخشا گیا ہے اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ مشکلات سے گھبراؤ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کر کے قدم بڑھاتے چلو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور نہ کہا کرو اُنھیں جو قتل کیے جاتے ہیں ۱۸۱ اللہ کی راہ میں کہ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں

اور نماز سے اپنی بندگی کے تعلق کو پختہ بناتے رہو یقیناً کامیابی تمھارے قدم چُومے گی (اِس کی وضاحت پہلے بھی گزر چکی ہے)

۱۸۰ یہاں معیّت سے خصُوصی معیّت مُراد ہے یعنی تائید اور نصرت کی معیّت۔ اور صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں۔ قلت بل معیة غیر متکیفة یتضح علی العارفین یعنی اِس سنگت سے وُہ خاص سنگت مُراد ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہوسکتی۔ صرف عارف ہی اِس کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۸۱ جب میدانِ بدر میں کئی مسلمان شہید ہوئے تو لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں مرگیا وُہ اپنی زندگی کی لذّتوں سے محروم ہوگیا۔ غیرتِ الٰہی اس کو برداشت نہ کرسکی کہ جن لوگوں نے اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنی جانیں قربان کیں اُنھیں مُردہ کہا جائے۔ اِس لیے یہ آیت نازل فرما کر اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مُردہ کہنے سے سختی سے روک دیا۔ بلکہ بتایا کہ وُہ زندہ ہیں۔ شہداء کی زندگی کس قسم کی ہے؟ اس پر گفتگو کرتے ہوئے صاحب رُوح المعانی تصریح کرتے ہیں:۔ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقیة بالروح والجسد وذھب البعض الی انھا روحانیة والمشھور ترجیح الاول۔

ترجمہ:۔ یعنی سلف صالحین کی اکثریّت کا یہی مذہب ہے کہ شہداء کی زندگی رُوحانی اور جسمانی دونوں طرح کی زندگی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ صرف رُوحانی زندگی ہوتی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری بیان فرماتے ہیں یعنی ان اللہ تعالی یعطی لارواحھم قوة الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنة حیث یشاؤن وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم ان شاءاللہ تعالی۔

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ ان کے رُوحوں کو جسموں کی قوّت دیتا ہے۔ وُہ زمین، آسمان اور جنّت میں جہاں چاہیں جاتے ہیں اور وُہ (شہداء) اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں اور اپنے دُشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

جب شہداء کی زندگی کا یہ حال ہے تو انبیاء اور صدیقین اُمّت جو شہیدوں سے مرتبہ و شان میں بالاتفاق اعلیٰ اور برتر ہیں اُن کی زندگی میں کیوں کر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی زندگی کی وجہ سے ان کے جسمِ خاکی بھی صحیح وسلامت رہتے ہیں چنانچہ امام مالکؒ نے روایت فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمرو بن جموح اور حضرت عبداللہ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) سیلاب کی وجہ سے جب کُھل گئی تو ان کے اجسادِ طاہرہ یُوں تر و تازہ اور شگفتہ و شاداب پائے گئے جیسے اُنھیں کل ہی دفن کیا گیا ہو۔ (موطا) اِس بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہ بن جابرؓ اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل نزدیک پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار پُرانوار کے جوار میں منتقل کرنا چاہا تو ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح وسلامت پائے گئے۔ ہزارہا

وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

لیکن تم (اسے) سمجھ نہیں سکتے ۱۸۲؎ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمھیں کسی ایک چیز کے ساتھ یعنی خوف ۱۸۳؎

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَ

اور بھوک اور کمی کرنے سے (تمھارے) مالوں اور جانوں اور پھلوں میں اور

بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِيْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا

خوشخبری سنائیے ان صبر کرنے والوں کو جو کہ جب پہنچتی ہے انھیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بے شک ہم

لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ

صرف اللہ ہی کے ہیں اور یقیناً ہم اُسی کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ (خوش نصیب) ہیں جن پر ان کے رب کی طرح طرح کی نوازشیں

مخلوق نے اسلام کا یہ معجزہ اور قرآن کی اس آیت کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ ومن اصدق من اللہ قیلا۔

۱۸۲؎ یعنی اس زندگی کی ماہیت وحقیقت تم اپنے عقل وحواس سے نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمھاری عقل نہ سمجھ سکے تو تم انکار کی جرأت نہ کرنا۔

۱۸۳؎ جب تک انسان اس دنیا میں ہے رنج وغم اور مصیبت والم سے اُسے کم وبیش دوچار ہونا ہی پڑتا ہے۔ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لینے سے وہ اب ہر طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچ گئے۔ البتہ قرآن نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی جس سے وہ مصائب وحوادثات کے بے رحم حملوں سے اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ اُنھیں ایک ایسا عقیدہ دے دیا جو ان کے سکون وقرار کو نازک ترین لمحوں میں بھی سلامت رکھ سکتا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اس میں مقابلہ کی ہمت ختم ہو جاتی ہے اور مصیبتیں اسے خس وخاشاک کی طرح بہا لے جاتی ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے مصائب کے سامنے ڈٹا رہے تو یہ کالے بادل خود بخود چھٹ جاتے ہیں۔ نیز جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ میں بھی اور میرا سب کچھ میرا اپنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہے وہ کسی کے مرنے یا کھیتی باڑی اور کاروبار میں نقصان واقع ہونے سے اتنا دلگیر ہی کیوں ہوگا کہ اس کا حوصلہ ہی ٹوٹ جائے بلکہ وہ نئی جدوجہد کے لیے اپنے آپ کو تازہ دم پائے گا۔ اسی لیے قرآن نے رنجیدہ واقعات کی طویل فہرست ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ وہ گُر بھی بتا دیا جس پر عمل کر کے وہ ان نازک مرحلوں میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ

اور رحمت ہے ١٨٤ اور یہی لوگ سیدھی راہ پر ثابت قدم ہیں بے شک صفا اور مروہ ١٨٥

مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو حج کرے اس گھر کا یا عمرہ کرے تو کچھ حرج نہیں

عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ

اسے کہ چکّر لگائے ان دونوں کے درمیان اور جو کوئی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ بڑا

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ

قدردان خُوب جاننے والا ہے بے شک جو لوگ ١٨٦ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں روشن دلیلوں

وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ

اور ہدایت سے اس کے بعد بھی کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انھیں لوگوں کے واسطے (اپنی) کتاب میں یہی وہ لوگ ہیں

١٨٤ اللہ تعالیٰ ان باہمت اور عالی حوصلہ لوگوں کو یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان پر ان کے پروردگار کی طرح طرح کی برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور سیدھی راہ پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق مرحمت کی جاتی ہے۔

١٨٥ شعائر جمع ہے شعیرۃ کی اس کا معنی علامت ہے۔ احناف کے نزدیک صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا حج و عمرہ میں واجب ہے اور اس تعبیر کی وجہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر نائلہ کے بت نصب تھے۔ اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس جگہ سعی کرنا ناگوار گزرا جہاں پہلے بت رکھے ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تمھیں تو حضرت ہاجرہ کی پیروی میں دوڑنا ہے۔ تمھیں مناسب نہیں کہ تم بتوں کی وجہ سے اسمٰعیل علیہ السّلام کی والدہ مکرمہ کی سُنّت کو ترک کر دو۔ مسلمانوں کے دل میں جو نفرت تھی اس کو اس حکیمانہ انداز سے دُور فرما دیا یعنی کوئی حرج نہیں بیشک صفا و مروہ میں دوڑ لگا لیا کرو۔ اور اس کا واجب ہونا حدیث پاک سے ثابت ہوا۔

١٨٦ اس آیت میں بنی اسرائیل کے ان علماءِ سُوء کا ذکر ہے جو اپنے دُنیاوی فائدہ کے لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کمالات کو چھپاتے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی منشاء اور خواہش کے مطابق توڑ موڑ دیا کرتے۔ اب بھی کوئی عالم اگر حضُور کے کمالات کے اظہار میں بخل کرے اور احکامِ شریعت میں تحریف کرے تو اس کا یہی حکم ہے۔

يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا

کہ دُور کرتا ہے انھیں اللہ تعالیٰ (اپنی رحمت سے) اور لعنت کرتے ہیں انھیں لعنت کرنے والے البتہ جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں

وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ

اور ظاہر کردیں (جو اب تک چھپاتے رہے) تو ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہوں بیشک

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مرے اس حال پر کہ وہ کافر تھے یہی وہ لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ

اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

ان سے عذاب اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی اور تمھارا خدا ایک خدا ہے ۱۸۷

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

نہیں کوئی خدا بجز اس کے بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے بے شک ۱۸۸ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں

۱۸۷ یہ آیت قرآن حکیم کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ اس کے پہلے ٹکڑے میں توحید کا ثبوت، دُوسرے میں شرک کی نفی اور تیسرے میں دونوں کی دلیل ہے۔ یعنی جب اسی کی وسیع رحمت پر تمھارے وجُود، تمھاری بقا اور نشو ونما اور تمھارے آرام و راحت کا دارومدار ہے تو اس کے علاوہ اور کون ہے جو اِلٰہ یا معبُود بننے کا حقدار ہو۔

۱۸۸ اس آیت میں توحید کے دلائل شرح و بسط سے بیان کیے گئے ہیں۔ اس اہم ترین اور مشکل ترین مسئلہ کے اثبات کے لیے قرآن کا طرزِ استدلال فلسفیوں کے طرزِ استدلال سے بالکل الگ ہے۔ قرآن فکر و نظر کے گھڑے ہُوئے دلائل پیش نہیں کرتا جو پیچیدہ اصطلاحات سے بوجھل ہوں۔ جن کو سمجھنے کے لیے خاص ذہنی اور علمی استعداد کی ضرورت ہو اور سمجھ آبھی جائیں تو ان میں وہ زور نہیں ہوتا کہ وُہ انسان کو شک اور گمان کی دلدل سے باہر کھینچ لیں اور یقین کی منزل تک پہنچا دیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم دلائل کو پیش کرتا ہے جو کائنات کے کھُلے صفحات پر جلی قلم سے لکھے ہُوئے ہیں جو روشن اور واضح اتنے ہیں کہ ہر شخص

وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ

اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وُہ چیزیں

بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

اُٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اُتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪

پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور

وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے

انھیں اپنی قابلیت کے مُطابق سمجھ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ گہرے اور پیچیدہ اتنے کہ ماہر غوطہ زن بھی ان کی تہ تک پہنچنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ عقل گرہ کشا جتنی گرہیں کھولتی جاتی ہے اس سے زیادہ عقدہ ہائے لاینحل اس کو چیلنج کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے نمودار ہوتے رہتے ہیں۔ ان دلائل میں جو شخص سنجیدگی سے غور کرے گا وُہ یقین و تصدیق کی دولت سے مالا مال ہوگا۔ یہی ہے قرآن کے طرزِ استدلال کا طرۂ امتیاز اور وجہِ اعجاز۔ اب آپ اس آیت کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ آسمان کی نیلی وسیع چھت اس میں لٹکے ہوئے اَن گنت ستارے، چاند اور سُورج، پھر ان کا مقررہ وقت پر طلوع و غروب جن میں ایک سیکنڈ کے برابر بھی کبھی فرق نہیں ہوتا، اُن کی گردش کے متعین راستے جن سے سرِ مُو کبھی انحراف نہیں ہوا۔ زمین کا یہ کشادہ صحن، اس میں رواں دواں ندیاں اور دریا، رات دن کی پیہم گردش، ان کا گھٹنا بڑھنا، بیکراں سمندروں کے سینوں پر مُسافروں سے لدی اور سامان سے بھری ہُوئی کشتیوں اور جہازوں کا خراماں خراماں آنا جانا، گھنگھور گھٹائیں اور اُن کا مُوسلا دھار برسنا، پھر مُردہ زمین کا دیکھتے دیکھتے سرسبز و شاداب ہو جانا، کرۂ ہوا میں بادلوں کا منڈلاتے پھرنا، کبھی برسنا اور کبھی ترساتے ترساتے آنِ واحد میں ناپید ہو جانا ایسی چیزیں نہیں جنھیں عالم تو جانتے ہوں اور بے علم نہ جانتے ہوں، جنھیں دانشمند سمجھ سکتے ہوں اور کم عقل کی سمجھ سے بالاتر ہوں بلکہ کائنات کی کتاب کا ہر ورق ہر کہ و مہ کے لیے یکساں طور پر روشنی کا مینار ہے۔ اور اس کے باوجود لُطف یہ ہے کہ اتنا واضح ہونے کے باوجُود اتنا سطحی بھی نہیں کہ اہلِ فکر و دانش کے لیے اس میں دلچسپی کا کوئی سامان نہ ہو بلکہ انھیں دعوت ہے کہ اپنے نشترِ تحقیق سے ذرّے ذرّے کا دل چیریں اور دیکھیں کہ ان میں اسرار و رُموز اور قوت و طاقت کے وُہ سمندر موجزن ہیں جن کا انھیں تصوّر تک نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر لحظہ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں کا ذکر فرمانے کے بعد قرآن نے بار بار افلا تتفکرون افلا تتدبرون

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ

(ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں ۱۸۹؎ جو بناتے ہیں اوروں کو

اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا

اللہ کا مدِ مقابل محبت کرتے ہیں ان سے جیسے اللہ سے محبت کرنا چاہیے اور جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت کرتے

لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ

ہیں اللہ سے ۱۹۰؎ اور کاش! (اب) جان لیتے جنھوں نے ظلم کیا (جو وہ اس وقت جانیں گے) جب (آنکھوں سے) دیکھ لیں گے عذاب

لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

کہ ساری قوتوں کا مالک اللہ ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (خیال کرو) جب بیزار ہو جائیں گے وہ

کے جملے کہ کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا تم تدبر نہیں کرتے؟ اور ان چبھتے ہوئے فقروں سے دانش و خرد کو للکارا ہے کاش یہ الفاظ اِس اُمت کے نوجوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کر دیں جن کی آسمانی کتاب نے انھیں واضح طور پر بتا دیا تھا۔ هو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کی ہر چیز صرف تمھارے لیے پیدا کی ہے۔

اِن روزمرہ دکھائی دینے والی چیزوں میں اگر آپ غور کریں گے تو آپ یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ تنوّع میں یکسانیت، اختلاف میں توافق، کثرت میں وحدت اور یہ بے مثال نظم و ضبط بغیر کسی علیم حکیم اور قدرت والے خالق کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ روشن دلیلیں صرف ان کو فائدہ دیتی ہیں جن کی عقل کی آنکھ بینا ہے اور جو اس سے کام لینا پسند کرتے ہیں۔

۱۸۹؎ اس کے بعد ان نادانوں کا ذکر ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے اور ان واضح دلائل پر غور نہیں کرتے اور اپنے رب کو چھوڑ کر اپنے بتوں یا جھوٹے سرداروں کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔

۱۹۰؎ یہ الفاظ غور طلب ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور کسی سے محبت نہیں کرتے بلکہ فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں یعنی عزیز و اقارب، فرزند و زن، مال و جاہ سے ان کو محبت ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے جو اُن کو محبت ہے وہ سب محبتوں سے بڑھ کر ہے اور اس کا پتہ اُس وقت چلتا ہے جب یہ محبتیں کچھ کہتی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی محبت کچھ کہتی ہو۔ تو اُس وقت اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے گردن خم کر دی تو وہ سچا ورنہ جھوٹا۔ صوفیاء کرام نے "انداد" کی تفسیر یہ فرمائی ہے۔ کل ما کان مشغلا عن الله مانعا عن امتثال امرہ۔ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دے اور اس کے احکام کی تعمیل سے

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ

جن کی تابعداری کی گئی ان سے جو تابعداری کرتے تھے اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور ٹوٹ جائیں گے ان کے

الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ

تعلقات اور کہیں گے تابعداری کرنے والے کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا (دُنیا میں) تو ہم بھی بیزار ہو جاتے

مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ان سے جیسے وُہ (آج) بیزار ہو گئے ہیں ہم سے یُونہی دکھائے گا انھیں اللہ تعالیٰ ان کے (بُرے) اعمال کو باعث پشیمانی

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا

ہوں گے ان کے لیے اور وُہ (کسی صُورت میں) نہ نکل پائیں گے آگ (کے عذاب) سے اے اِنسانو! کھاؤ

مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اس سے جو زمین میں ہے حلال (اور) پاکیزہ (چیزیں) ۱۹۱ اور شیطان کے قدموں پر قدم نہ رکھو

رول دے وُہ "انداد" سے ہے۔ خواہ وُہ بُت ہوں، گمراہ رئیس ہوں، مال و دولت ہو، فرزند و زن ہوں یا علم و فن ہر چیز جو اللہ تعالیٰ سے دُور کرنے والی ہو وُہ "ند" ہے اور پاش پاش کر دینے کے لائق۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم سے ہمیں جو عشق و عقیدت ہے اور اولیاء کرام سے ہمیں جو محبت ہے وُہ صرف اس لیے ہی تو ہے کہ وُہ محبُوبانِ خُدا ہیں اور محبُوب کا محبُوب بھی محبُوب ہُوا کرتا ہے۔ جو اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبُوب رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لیے محبّت محسُوس نہیں کرتا وُہ یہ سمجھ لے کہ اُسے اللہ تعالیٰ سے بھی محبت نہیں۔

۱۹۱ے آج کی ترقی یافتہ دُنیا میں کھانے اور استعمال کی چیزوں میں صفائی کا اہتمام کیا جانے لگا ہے لیکن حلال و حرام کی تمیز اب بھی نہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو دونوں باتوں کے اہتمام کا حکم دیا۔ یعنی ظاہری طور پر بھی غلیظ اور گندی نہ ہوں تاکہ جسمانی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اور باطنی طور پر بھی نجس اور پلید نہ ہوں تاکہ ضمیرِ انسانی دم نہ توڑ دے۔ ظاہری صفائی کو قرآن نے طیّب کے لفظ سے اور حقیقی پاکیزگی کو حلال کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور حلال اُس چیز کو کہتے ہیں کہ نہ تو ذاتی طور پر حرام ہو جیسے حرام جانور، مُردار، شراب وغیرہ اور نہ ایسے طریقوں سے حاصل کی گئی ہو جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً چوری، جوا خواہ وُہ کلبوں میں ہو۔ رشوت، سُود وغیرہ وغیرہ

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٦٨﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَ

بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں فقط بُرائی اور بے حیائی کا اور

أَن تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا

یہ کہ بہتان باندھو اللہ پر جو تم جانتے ہی نہیں [۱۹۱] ۔ اور جب کہا جاتا ہے [۱۹۲] ان سے پیروی

مَآ أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ ءَابَآءَنَآ ۗ أَوَلَوْ

کرو اس کی جو نازل فرمایا ہے اللہ نے تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو اسکی پیروی کریں گے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ۔ اگرچہ

كَانَ ءَابَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْـًٔا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ

ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھ سکتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں ۔ اور مثال ان کی [۱۹۳]

اسلامی نظامِ معاشیات کا یہ ایک بنیادی اصول ہے۔ کسبِ معاش کے لیے کھلی چھٹی نہیں بلکہ تمام وہ راستے بند کر دیئے ہیں جن میں کسی کی کمزوری، مجبوری اور ناداری سے ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔ آپ خود سوچیں جب سود، جوا، رشوت اور بلیک مارکیٹنگ وغیرہ کے چور دروازے بند ہو جائیں تو کیا دولت سکڑ کر صرف چند افراد کے ہاتھ میں جمع ہو جائے گی! دولت کی ناجائز تقسیم بلکہ لوٹ کھسوٹ جن معاشی، اخلاقی اور سیاسی خرابیوں کو جنم دیتی ہے وہ اہلِ علم سے پوشیدہ نہیں۔ کاش ہم اس الٰہی نظام کو خود سمجھتے۔ سنجیدگی سے اس پر عمل کر کے دکھاتے تاکہ دوسری قوموں کو سمجھا سکتے۔

[۱۹۱] شیطان تمہیں بدکاری اور بدمعاشی کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تمہارے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈال کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا ہے۔ اگر تم اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کرنے کا قصد کرو تو وہ تمہیں معاشی بدحالی اور بین الاقوامی بدنامی کے موہوم خطرات سے ڈراتا ہے۔ ایسے بدخواہ کے چکروں میں آکر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو۔

[۱۹۲] جو لوگ اللہ تعالیٰ کی واضح آیات چھوڑ کر اپنے گمراہ باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں ان پر حسرت و افسوس کا اظہار ہے۔ اور اگر آباؤ اجداد سراپا رشد و ہدایت ہوں تو ان کا اتباع عین مقصود ہے اور انبیاء کی یہی سنت ہے۔ یوسف صدیق علیہ السلام نے مصر کے قید خانہ میں یہی فرمایا تھا۔ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآئِیْ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔

[۱۹۳] کفار کی مثال ان جانوروں کی سی ہے جنہیں ہانکا جائے تو وہ ہانکنے والے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں۔

كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ط

جنہوں نے کفر (اختیار) کیا۔ ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا

یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے ایمان والو! کھاؤ

مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١٧٢﴾

پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں اور شکر ادا کیا کرو اللہ تعالیٰ کا اگر تم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

اُس نے حرام کیا ہے [۱۹۵] تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور بلند کیا گیا ہو

بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط

جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام [۱۹۶] لیکن جو مجبور [۱۹۷] ہو جائے اور (کھالے) بشرطیکہ وہ نہ سرکش ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (بقدر ضرورت کھالینے میں) کوئی گناہ نہیں

[۱۹۵] اس میں چار چیزوں کا ذکر ہے جو حرام ہیں (۱) مُردار۔ وہ جانور جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اس کی کسی چیز کا استعمال درست نہیں۔ اور ابوبکر الجصاص نے تصریح کی ہے کہ شکاری کُتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی منع ہے۔ ہاں چمڑا دباغت (رنگنے) کے بعد پاک ہو جاتا ہے۔ (۲) خونِ جاری (۳) خنزیر (۴) مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ۔

[۱۹۶] میں نے اسکا ترجمہ کیا ہے " اور وہ جانور جس پر بلند کیا گیا ہو ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام " مَیں نے اس ترجمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے فارسی ترجمہ کا اتباع کیا ہے۔ قرآن کریم میں یہ آیت چار بار آئی ہے اور ہر جگہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہی ترجمہ کیا ہے اور مَا اُهِلَّ کے لفظی ترجمہ میں " وقتِ ذبح " کی قید کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ مثلاً آپ نے اس آیت کا ترجمہ " وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا " کے الفاظ سے کیا ہے (فتح الرحمٰن) اور تمام مفسرین کرام نے اس آیت کا یہی معنی بیان فرمایا ہے۔ میں امام ابوبکر جصاص کی عبارت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں " وَلَا خِلَافَ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الذَّبِيْحَةُ اِذَا اُهِلَّ بِهَا لِغَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ الذَّبْحِ " یعنی سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے (مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہوں تفاسیر قرطبی، مظہری، بیضاوی، رُوح المعانی ابن کثیر و کبیر وغیرہا) بعض لوگ ان چیزوں کو بھی حرام کہہ دیتے ہیں جن پر کسی وَلی یا نبی کا نام لے دیا جائے خواہ ذبح کے وقت اللہ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے کیونکہ اس طرح مشرکین کے مشرکانہ عمل سے تشبیہ

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ

بے شک اللہ تو بہت گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم کرنیوالا ہے۔ بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں ۱۹۵ اللہ کی نازل کی ہوئی

الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي

کتاب اور خرید لیتے ہیں اس کے بدلے حقیر سا معاوضہ۔ سو وہ نہیں کھا رہے اپنے

بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ

پیٹوں میں سوائے آگ کے اور بات تک نہ کریگا ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ۱۹۶ اور نہ انکے گناہ بخش کر انہیں

ہو جاتی ہے کیونکہ وہ بھی اپنے بتوں کے نام لے دیا کرتے تھے۔ لیکن اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو مسلمانوں کے اس عمل کو مشرکین کے عمل سے ظاہری یا باطنی، صوری یا معنوی کسی قسم کی بھی مشابہت نہیں۔ کفار جب ایسے جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اپنے بتوں کا نام لے کر ان کے گلے پر چھری پھیرتے وہ کہتے باسم اللات والعزیٰ۔ لات اور عزیٰ کے نام سے ہم ذبح کرتے ہیں۔ اور مسلمان ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کے سوا کسی کا نام لینا گوارا ہی نہیں کرتے۔ اس لیے ظاہری مشابہت نہ ہوئی۔ نیز کفار ان جانوروں کو ذبح کرتے تو ان بتوں کی عبادت کی نیت سے انکی جان تلف کرتے، کسی کو ثواب پہنچانا مقصود نہ ہوتا۔ اور مسلمان کسی غیر خدا کی عبادت کی نیت سے یا کسی کی خاطر ان کی جان تلف نہیں کرتے بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس جانور کو اللہ کے نام سے ذبح کرنے کے بعد یا یہ کھانا پکانے کے بعد فقرا اور عام مسلمان کھائیں گے۔ اور اس کا جو ثواب ہوگا وہ فلاں صاحب کی روح کو پہنچے۔ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے عمل اور مشرکین کے طریقہ میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق ہے۔ ہاں اگر کوئی ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لے یا کسی غیر خدا کی عبادت کے لیے کسی جانور کی جان تلف کرے تو اس چیز کے حرام ہونے اور ایسا کرنے والے کے مشرک و مرتد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگر مقصد صرف ایصال ثواب ہو جیسے ہر گھر کا مقصد ہوا کرتا ہے تو اس کو طرح طرح کی تاویلات سے حرام کہنا اور مسلمانوں پر شرک کا فتویٰ دیتے چلے جانا کسی عالم کو زیب نہیں دیتا۔ مفصل بحث سورہ النحل کی آیت ۱۱۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۹۴ یعنی اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اس کی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدر ضرورت استعمال کر سکتا ہے

۱۹۵ یہود احکام الٰہی کو چھپاتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و اوصاف جو تورات میں لکھے تھے ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے اور چند ٹکوں کے لالچ میں اپنی خواہش کے مطابق شریعت میں رد و بدل بھی کر لیتے تھے۔ خود بھی چشمہ ہدایت سے سیراب نہ ہوتے اور دوسروں کو بھی سیراب نہ ہونے دیتے تھے۔ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کے دروازے بند رکھے۔ یہ جرم کیونکہ بہت سنگین تھا اس لیے اس کی سزا بھی اتنی سخت رکھی گئی۔ فرمایا کہ یہ لذیذ لقمے جو رشوت لے کر تم اپنے حلق سے نیچے اتار رہے ہو یہ آگ کے نہ بجھنے والے انگارے ہیں ان کی سوزش کبھی ختم نہ ہوگی۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ

پاک کریگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے عوض ،

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ

اور عذاب کو نجات کے بدلے (تعجب ہے) کس چیز نے اتنا صابر بنا دیا ہے انہیں آگ (کے عذاب) پر۔ یہ سزا اس وجہ سے ہوگی

اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ

کہ اللہ نے تو اُتاری کتاب حق کے ساتھ اور بیشک جو لوگ اختلاف ڈال رہے ہیں کتاب میں

لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾ ۞ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ

وہ دُور دراز کے جھگڑوں میں پھنسے ہیں نیکی (بس یہی) نہیں کہ (نماز میں) تم پھیر لو اپنے رُخ مشرق کی

۱۹۹؎ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے ایسے لوگوں سے بات تک نہ کرے گا۔ ہر وہ شخص جس نے کبھی اخلاص محبت کا نام بھی سُنا ہو یہ سرزنش برداشت نہیں کرسکتا۔ مالکِ حقیقی، محبوبِ حقیقی ہمیشہ مہربانی فرمانے والا ہر وقت بے انداز عنایتیں فرمانے والا اپنی نگاہِ رحمت پھیر لے، اپنے کرم کا رُخ موڑ لے، اپنے خطابِ جاں پرور سے محروم کردے اور پھر دل برداشت کرلے۔ وہ دل نہ ہوا پتھر ہوا بلکہ پتھر سے بھی سخت تر اور فروتر۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مصطفےٰ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے طفیل اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ ناراضگی سے بھی بچائے۔ آمین ۔ تیسری سزا یہ ہے کہ ان کے چہروں پر کتمانِ حق کی نجاست جیسپاں بنے دی جائے گی آبِ رحمت سے اسے دھویا نہیں جائے گا۔

۲۰۰؎ ہر دین میں بعض ظاہری اعمال ہوتے ہیں اور بعض حقیقی مقاصد کیونکہ ان ظاہری اعمال سے انسان دین کے حقیقی مقاصد تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے اس لیے ان ظاہری اعمال کی بجاآوری نہایت ضروری ہوتی ہے۔ جب تک قوم دین کا دامن مضبوطی سے تھامے رہتی ہے ۔ وہ ان ظاہری اعمال اور حقیقی مقاصد دونوں کو پیشِ نظر رکھتی ہے اور دونوں کو یکساں اہمیت دیتی ہے لیکن جب دین کا ولولہ سرد پڑ جاتا ہے تو آہستہ آہستہ حقیقی مقاصد آنکھوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں اور قوم صرف ظاہری اعمال کی ادائیگی کو کافی سمجھنے لگتی ہے اور ان ظاہری اعمال میں حقیقی مقاصد تک پہنچنے کا جذبہ دم توڑ چکا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اعمال بے جان رسُوم ہو کر رہ جاتے ہیں اور غلط اندیش قوم انہیں رسُوم کی بجاآوری کو ہی سب سے بڑی نیکی شمار کرنے لگتی ہے اور حقیقی مقاصد سے یکسر غافل ہوجاتی ہے۔ مثلاً نماز اور روزہ اسلام کی بنیادی عبادات میں سے ہیں لیکن حضور رحمت للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے نماز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ جو نماز نمازی کو بدکاری سے باز نہ رکھ سکے فَلَمْ تَزِدْهُ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا بُعْدًا (اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ) وہ نماز اسے خدا سے اور زیادہ دُور کردیگی۔ روزہ سے متعلق ارشاد ہے مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ

الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

طرف اور مغرب کی طرف بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان لائے اللہ پر اور روز

الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور سب نبیوں پر اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ

اور (خرچ کرے) غلام آزاد کرنے میں اور صحیح صحیح ادا کیا کرے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے وعدوں کو

حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ ۔ روزے دار اگر جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے باز نہ آئے تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ اس آیت کریمہ میں اسی حقیقت کو کھول کر بیان فرمایا گیا ہے تاکہ اُمّتِ مُسلمہ پہلی امتوں کی طرح چند ظاہری اعمال پر ہی قانع نہ ہوجائے اور نیکی اور طاعت کو انہی میں منحصر نہ سمجھ بیٹھے ۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ لیس البر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقررہ سمت کی طرف مُنہ کرنا نیکی اور طاعت ہے ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی صرف اسی میں منحصر نہیں یہ بھی نیکی ہے اور اس کے علاوہ اور بھی نیکی اور اطاعت کے کام ہیں جو حقیقی مقاصد ہیں اور تمہاری توجہ کے زیادہ مستحق ہیں

ملتے ۲ سابقہ غلط فہمی کو دُور کرنے کے بعد بڑی وضاحت اور خاص ترتیب سے اسلام کے جملہ حقیقی مقاصد بیان فرمائے جا رہے ہیں ۔ اسلام کی ساری تعلیم ان چار عنوانوں کے نیچے درج کی جاسکتی ہے ۔ ۱۔ عقائد ۲۔ معاملات ۔ ۳۔ عبادات ۔ ۴۔ اخلاق من آمن سے لیکر والنبیین تک عقائد اسلامیہ کا ذکر فرمایا آتی المال سے وفی الرقاب تک معاملات کا بیان ہوا ۔ اقام الصلوٰۃ و آتی الزکوٰۃ سے اسلامی نظامِ عبادات کے دو اہم ترین رکن نماز و زکوٰۃ بتائے گئے ۔ اس کے بعد اسلام جس ضابطہ اخلاق کی پابندی کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے اس کی وضاحت کردی گئی ۔ کاش ایسا مکمل اور لاثانی دستورِ حیات رکھنے والی اُمّت اس پر عمل کرنے کی ضرورت کو بھی محسوس کرے تو وہ اپنے آپ میں اور اپنے گردوپیش میں ایک واضح انقلاب محسوس کرنے لگے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ✽ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود (اقبالؒ)

إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ

جب کسی سے وعدہ کرتے ہیں اور کمال نیک ہیں ٢٢٠ جو صبر کرتے ہیں مصیبت میں اور سختی میں اور جہاد کے وقت

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

یہی لوگ ہیں جو راستباز ہیں اور یہی لوگ حقیقی پرہیزگار ہیں ۔ اے ایمان والو

آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

فرض کیا گیا ہے تم پر قصاص ٢٢١ جو (ناحق) مارے جائیں ۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے

بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ

بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت ۔ پس جس کو ٢٢٢ معاف کی جائے اسکے بھائی ٢٢٣ (مقتول کے وارث) کیطرف سے

٢٢٠ قاعدہ کے مطابق والصّابرون ہونا چاہیے لیکن خلیل امام نحو نے کہا کہ یہاں الصّابرین منصوب علی المدح ہے اور ایسے اس معنی مدح کو جو قرآن کا مدلول ہے ترجمہ میں ظاہر کرنا ازحد ضروری ہے اسی لیے میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ واللہ الموفق

٢٢١ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ اگر طاقتور قبیلے کا کوئی شخص قتل کر دیا جاتا تو وہ صرف قاتل کے قتل پر اکتفا نہ کرتے بلکہ قاتل کے قبیلے کے دس دس بیس بیس آدمی قتل کرنا اپنا حق سمجھتے۔ اگر کسی آزاد کو غلام قتل کر دیتا تو غلام کے بدلے غیر قاتل آزاد کا سر قلم کیا جاتا اور اگر عورت قتل کرتی تو مرد قتل کیا جاتا۔ اسی ظالمانہ اور غیر اسلامی دستور پر صدیوں عمل ہوتا رہا۔ اور عرب اپنی نسلی نخوت اور قبائلی برتری کی تسکین بے گناہوں کا خون بہا بہا کر کرتے رہے۔ قرآن کریم نے اس دستور کو یک قلم منسوخ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ مقتول کا قاتل ہی قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔ یہ رواج صرف عرب میں ہی نہ تھا بلکہ دوسری قوموں میں بھی تھا بلکہ آج تک یورپ کی حکمران قومیں بھی اس پر عمل پیرا رہی ہیں۔ جنوبی افریقہ کے حبشی، آسٹریلیا کے اصلی باشندے اور امریکہ کے ریڈ انڈین آج بھی اس پر شاہد ہیں۔ یہ فخر اسلام کو ہی حاصل ہے کہ اس نے جھوٹے امتیازات کے بت مدت ہوئی پاش پاش کر دیئے اور انسانی مساوات کا صرف قانون ہی پیش نہیں کیا بلکہ عمل کر کے دکھا دیا۔

٢٢٢ قانون قصاص میں ایک اور اہم تبدیلی کی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ اگر مقتول کے وارث قاتل سے صلح کرنا چاہیں تو وہ خوں بہا لے کر صلح کر سکتے ہیں۔ آج کل کے قانون میں قتل کا جرم صلح کے قابل نہیں جس سے بہت خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسلام نے ان خرابیوں کا احساس کرتے ہوئے صلح کی اجازت دیدی۔

٢٢٣ ۔ مِنْ أَخِيهِ کا لفظ بڑی شان رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں جبکہ قاتل قتل کا ارتکاب کر چکا ہے۔ محبت، پیار، رحم

فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ

کچھ چیز تو چاہیے ۲۰۶ کہ طلب کرے (مقتول کا وارث خون بہا دستور کے مطابق اور قاتل کو چاہیے) کہ اسے ادا کرے اچھی طرح ۔ یہ رعایت ہے ۲۰۷

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ

تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے ۔ تو جس نے زیادتی کی ۲۰۸ اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب

اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ

ہے ۔ اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل مندو ۲۰۹ تاکہ تم (قتل کرنے سے)

اور شفقت کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں ۔ عداوت اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگی ہے ۔ قرآن مقتول کے غضبناک وارثوں کو یاد دلاتا ہے کہ قاتل مجرم ہے ، قصور وار ہے اور تمہارا غصہ بے جا بھی نہیں ۔ تاہم تمہارا اسلامی بھائی تو ہے ۔ اگر بخش دو معاف کر دو تو کوئی بڑی بات نہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے دل پھر جڑ جائیں ۔ اور اسلامی معاشرے کے دامن میں جو چاک پڑ گیا ہے اسے پھر سے سی دیا جائے ۔ اللہ تعالیٰ کی پاک کلام کی یہی لطافتیں تھیں جنہوں نے عرب کے سرکشوں کو مطیع بنا دیا تھا ۔

۲۰۶ مقتول کے وارثوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ جس بھائی پر تم نے اتنا احسان کیا اب اس سے خون بہا اس حسن طریقہ سے طلب کرو کہ اسے تکلیف نہ ہو ۔ اور قاتل کو ہدایت فرمائی کہ وہ احسان فراموش نہ بنے بلکہ خوشی خوشی جلدی جلدی خون بہا ادا کرے ۔

۲۰۷ قتل کی سزا قتل ہی تو مقرر نہیں فرمائی بلکہ خون بہا ادا کرنے کی بھی گنجائش رکھی ہے ۔ یہ محض تمہارے رب کا تم پر احسان ہے ۔

۲۰۸ تصفیہ کے بعد بھی جو زیادتی کرے گا ۔ قاتل ہو یا مقتول کے رشتہ دار اسے دردناک سزا دی جائے گی ۔ ہر ایک کو قانون کا احترام اور اس کی پابندی کرنا چاہیے ۔ اسی لیے شریعت اسلامیہ نے قصاص لینے ، حدود قائم کرنے اور تعزیرات لگانے کا حق افراد کو نہیں دیا بلکہ صرف حکومت وقت کو دیا ہے کیونکہ عدل و انصاف قائم رکھنے کی صرف یہی صورت ہے ۔ اگر افراد کو یہ حق مل جائے تو وہ افراتفری پیدا ہو کہ الامان !

۲۰۹ ۔ اس آیت کریمہ میں قانون قصاص کی علت اور حکمت بیان کی جا رہی ہے ۔ یعنی اگر بے گناہ قتل کرنے والے کو سزا نہیں دی جائے گی تو اس کا حوصلہ بڑھے گا ۔ اور مجرمانہ ذہنیت کے دوسرے لوگ بھی نڈر ہو کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے ۔ لیکن اگر قاتل کو اس کے جرم کے بدلے قتل کر دیا گیا تو دوسرے مجرم بھی اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائیں گے ۔ اور اس طرح ایک قاتل کے قتل کرنے سے بے شمار معصوم جانیں قتل و غارت سے بچ جائیں گی ۔ آج بعض ملکوں میں قتل کی سزا منسوخ کر دی گئی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سزا ظالمانہ اور بہیمانہ ہے ۔ مقتول تو قتل ہو چکا ، اب اس کے عوض ایک دوسرے آدمی کو تختہ دار پر لٹکا دینا بے رحمی نہیں تو کیا ہے ۔ آپ خوفناک حقائق کو دلکش عبارتوں سے حسین بنا سکتے ہیں ۔ لیکن نہ آپ ان کی حقیقت کو بدل سکتے ہیں اور نہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ

پرہیزگار بنو۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جب قریب آجائے تم میں سے کسی کے موت۔ بشرطیکہ چھوڑے

خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا

کچھ مال ۳۲۲۔ کہ وصیت کرے اپنے ماں باپ کے لیے اور قریبی رشتہ داروں کے لیے انصاف کے ساتھ ایسا کرنا

عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ

ضروری ہے پرہیزگاروں پر۔ پھر جو بدل ڈالے اس وصیت کو سن لینے کے بعد تو اس کا گناہ انہیں

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ

بدلنے والوں پر ہوگا - بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور جسے اندیشہ ہو

ان کے بُرے نتائج کو رُونما ہونے سے روک سکتے ہیں۔ جس مُلک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پُرنم ہوجائیں وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ، وہ اپنے آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز و نعم سے پال رہا ہے جو اس کے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دینِ فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل و انصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدّعی ہے اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا نازبرداری کی توقع عبث ہے۔

۳۲۲ ان آیاتِ کریمہ سے عرب کے ایک اور جاہلانہ رواج میں اصلاح فرمائی۔ اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرتے وقت اپنے مال کی وصیّت ایسے لوگوں کے نام کر جاتے جن سے ان کا دُور کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ اور اپنے زعمِ باطل میں اسے سخاوت سے تعبیر کرتے۔ اور اگر کوئی وصیت کیے بغیر مرجاتا تو وراثت صرف اولاد اور بیوی میں بٹ جاتی۔ والدین اور دُوسرے رشتہ دار بالکل محروم رہتے۔ یہ دونوں صُورتیں کیونکہ ظلمِ صریح تھیں اس لیے قرآنِ حکیم نے اس کی اصلاح فرما دی لیکن یک لخت سارے سابقہ نظام کو درہم برہم نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح فرمائی تاکہ طبیعتوں میں بے چینی بھی پیدا نہ ہو اور اصلاح کا مقصد پورا ہوجائے اس لیے اس سے پہلے کہ وراثت کی تقسیم کا منظم و مکمل قانون نافذ کیا جاتا انہیں اِن آیات میں وصیّت کا حکم دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیّت کریں اور ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصّہ دیدیں۔ لیکن اتنے اہم کام کو عوام کی مرضی اور صرف ان کے رحم و کرم پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا اس لیے کچھ مدت کے بعد سُورہ النساء میں وراثت کے احکام بالتفصیل بیان فرما دیئے۔ حضُور کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے احکامِ وصیّت اور احکامِ وراثت کی وضاحت فرماتے ہُوئے دو قاعدے بیان کیے۔ پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ ان رشتہ داروں کے لیے وصیت کی ممانعت کردی جو وراثت میں حصّہ دار ہیں۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ وصیّت

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ

وصیت کرنے والے سے کسی طرفداری یا گناہ کا پس وہ صلح کرا دے ان کے درمیان تو کچھ گناہ نہیں اس پر

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ

بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو! فرض کیے گئے ہیں تم پر

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

روزے

روزے[۲۱۱] جیسے فرض کیے گئے تھے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے کہ کہیں تم پرہیزگار بن جاؤ[۲۱۲]

کہ مالِ متروکہ کے تیسرے حصے تک محدود فرما دیا۔ ⅓ حصے تک اپنے غیر وارث رشتہ داروں یا دوسرے مستحق لوگوں یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کر سکتا ہے۔ اسلام کا یہ وہ حکیمانہ اور متوازن نظام ہے جس پر مسلمانوں کو بجا طور پر نازاں ہونا چاہیے۔ بعض لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عائد کردہ ان پابندیوں کو اپنی کم فہمی سے خلافِ قرآن کہتے ہوئے ماننے سے انکار کرنے لگے ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرا تامل کریں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ اگر یہ پابندیاں اٹھا دی جائیں تو آپ کا نظامِ وراثت بازیچۂ طفلاں بن کر رہ جائے۔
(مزید تحقیق کے لیے احقر کی تالیف سنتِ خیر الانام (صفحہ ۲۵۰ تا ۲۷۳) ملاحظہ ہو۔ تمام شکوک و شبہات کا مفصل جواب درج ہے)

[۲۱۱] صیام جمع ہے۔ اس کا مفرد ہے صوم۔ لغت میں صوم کا معنی ہے الامساک عما تنازع الیہ النفس۔ اس چیز سے باز رہنا جس کی طرف نفس کشش محسوس کرتا ہو۔ اور شریعت میں صوم کہتے ہیں کہ انسان عبادت کی نیت سے صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے رکا رہے۔ یہ حکم ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوا۔ پہلی امتوں پر بھی روزے فرض تھے۔ مگر ان کی تعداد اور کیفیت الگ تھی۔

[۲۱۲] روزے کا مقصدِ اعلیٰ اور اس سخت ریاضت کا پھل یہ ہے کہ تم متقی اور پاکباز بن جاؤ۔ روزے کا مقصد صرف یہ نہیں کہ ان تینوں باتوں سے پرہیز کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمام اخلاقِ رذیلہ اور اعمالِ بد سے انسان مکمل طور پر دستکش ہو جائے۔ تم پیاس سے تڑپ رہے ہو۔ تم بھوک سے بیتاب ہو رہے ہو۔ تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا۔ ٹھنڈے پانی کی صراحی اور لذیذ کھانا پاس رکھا ہے لیکن تم ہاتھ بڑھانا تو بجا آنکھ اٹھا کر اُدھر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ تمہارے رب کا یہ حکم ہے! اب جب حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے تم نے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جن کو تمہارے رب نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا ہے (چوری، رشوت، بددیانتی وغیرہ) اگر یہ مراقبہ پختہ ہو جائے تو کیا تم ان کا ارتکاب کر سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ مہینہ بھر کی اس مشق کا مقصد یہی ہے کہ تم سال کے باقی گیارہ ماہ بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یونہی گزار دو۔ جو لوگ روزہ تو رکھ لیتے ہیں لیکن جھوٹ، غیبت، نظربازی وغیرہ سے باز نہیں آتے۔ ان کے متعلق حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح الفاظ میں فرما دیا۔ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ

أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ

یہ گنتی کے چند روز ہیں ۔ پھر جو تم میں سے بیمار ہو ۲۱۳ یا سفر میں ہو تو اتنے

فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ

روزے اور دنوں میں رکھ لے ۔ اور جو لوگ ۲۱۴ اسے بہت مشکل سے ادا کر سکیں ان کے ذمہ فدیہ ہے

مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ ۚ وَأَن تَصُومُوا۟ خَيْرٌ

ایک مسکین کا کھانا ۔ اور جو خوشی سے زیادہ نیکی کرے تو وہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے ۔ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی بہتر ہے

لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ

تمہارے لیے اگر تم جانتے ہو ۔ ماہِ رمضان المبارک جس میں اُتارا گیا

والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ ۔ یعنی جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑا اگر اس نے کھانا پینا ترک کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قدر نہیں ۔

۲۱۳ مریض اور مسافر کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ۔ مریض سے مُراد وہ شخص ہے کہ اگر روزہ رکھے تو اس کی ہلاکت یا اس کے مرض کے بڑھ جانے کا خطرہ ہو ۔ اور سفر سے مراد احناف کے نزدیک ۳ روز کا سفر ہے جس کا اندازہ ۳۶ کوس یا ۴۸ میل ہے ۔ خواہ آپ اتنی مسافت آج ایک گھنٹہ میں طے کریں آپ کو افطار کی اجازت ہے ۔ بیماری اور سفر سے جتنے روزے آپ نہ رکھ سکیں تو صحتیاب ہونے اور سفر سے واپس آنے پر اُن کی قضا دینا ہوگی ۔ مریض اور مُسافر کو افطار کی اجازت ہے لیکن روزہ رکھنا افضل ہے ۔ حضورِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا اور کبھی نہیں رکھا لیکن سفرِ جہاد میں روزے کے افطار کا حکم ہے ۔ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ نے صحابہ کرام کو حکم دیا انہ یوم قتال فافطروا ۔ آج جنگ کا دن ہے روزے افطار کرو ۔

۲۱۴ اس آیت میں علماءِ تفسیر کا اختلاف ہے ۔ اکثر کی رائے تو یہ ہے کہ ابتدا میں جب روزے رکھنے کا حکم دیا گیا تو لوگوں کی آسانی کے پیشِ نظر یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کوئی روزے نہ رکھے تو وہ فدیہ ادا کر دے ۔ بعد میں جب لوگ روزے کی لذت و برکت سے آشنا ہوگئے تو یہ رعایت واپس لے لی گئی ۔ اور عام حکم دے دیا گیا ۔ فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ۔ نفاذِ شریعت میں جس تدریج کو ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ یہ قول اس کے عین مطابق ہے ۔ لیکن بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یطیقون کا معنی ہے کہ جو لوگ بڑی ہی مشکل سے روزہ رکھ سکتے ہوں وہ فدیہ ادا کریں ۔ مثلاً بوڑھا ، دائم المریض ۔ حاملہ عورت ، دُودھ پلانے والی ۔ ان کے لیے یہ رعایت دی گئی ہے ۔ اور یہ رعایت آج بھی بحال ہے ۔

الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ

قرآن ۲۱۵ اس حال میں کہ یہ راہِ حق دکھاتا ہے لوگوں کو اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی سو جو

شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

کوئی پائے ۲۱۶ تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ یہ مہینہ روزے رکھے۔ اور جو کوئی ۲۱۷ بیمار ہو، یا

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ

سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تمہارے لیے سہولت اور نہیں چاہتا ۲۱۸

۲۱۵ پہلی آیت میں روزہ رکھنے کی حکمت بیان کی گئی تھی۔ کہ تم متقی بن جاؤ۔ اب اس بات کی حکمت بیان کی جارہی ہے کہ ماہِ رمضان اس عبادت کے لیے کیوں مخصوص کیا گیا۔ بتایا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ وہ قرآن جو کسی خاص قوم یا ملک کے لیے نہیں بلکہ ھدی للناس تمام اولادِ آدم کے لیے ہادی و مرشد ہے۔ اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی کھلی ہے کہ حق و باطل بالکل ممتاز ہو جاتے ہیں۔ جس ماہ میں اتنی بڑی نعمت سے سرفراز کیا گیا ہو وہ ماہ اس قابل ہے کہ اس کا ہر لمحہ ہر لحظہ اپنے محسن حقیقی کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے۔ اور اس نعمت کی شکر گزاری کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے۔ رات کو قرآن پڑھا اور سنا جائے تاکہ اس ماہ میں نفس کی ایسی تربیت ہو جائے کہ وہ اس بارِ امانت کو اچھی طرح اٹھا سکے۔ اس آیت کا آخری حصہ لعلکم تشکرون اغلباً اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

۲۱۶ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فزالت الرخصۃ الا لمن عجز منہم پہلے حکم میں روزہ کی بجائے فدیہ دینے کی جو رعایت دی گئی تھی وہ اس آیت سے ختم ہو گئی۔ شہود سے دیکھنا اور جاننا دونوں مراد ہیں۔ یعنی خواہ وہ خود دیکھے یا صحیح طریقے سے اس کا دیکھا جانا معلوم ہو جائے تو روزہ رکھنا فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف مطالع ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس لیے فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر دور دراز علاقہ میں چاند دیکھا جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ ان البلاد اذا تباعدت کتباعد الشام من الحجاز فالواجب علی اھل کل بلد ان تعمل علی رؤیتہ دون رویۃ غیرہ۔ (قرطبی) قمری سال کا مہینہ مقرر فرمایا کیونکہ یہ سال کے مختلف موسموں میں پھرتا رہتا ہے۔ تاکہ مسلمان سردی گرمی سب موسموں میں بھوک پیاس کی شدت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔

۲۱۷ کیونکہ فدیہ کی رعایت واپس لے لی گئی تھی اس سے گمان ہو سکتا تھا کہ مریض اور مسافر کے لیے افطار کی جو اجازت دی گئی تھی شاید وہ بھی ساقط کر دی گئی ہو۔ اس لیے اس کو واضح کیا کہ نہیں وہ رخصت بحال ہے۔

۲۱۸ یعنی احکامِ شرعیہ تعزیری احکام نہیں جن سے کسی کو تنگ کرنا اور تکلیف دینا مقصود ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشا ان سے تمہاری آسانی اور اصلاح کرنا ہے۔ اس فقرے میں گویا احکامِ شرعیہ کی روحِ رواں کا ذکر فرما دیا۔

بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

تمہارے لیے دشواری اور (چاہتا ہے کہ) تم گنتی پوری کر لیا کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بیان کیا کرو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ

دی اور تاکہ تم شکر گزاری کیا کرو۔ اور جب پوچھیں ۲۴۱ آپ سے اے حبیب! میرے بندے میرے متعلق تو (انہیں بتاؤ کہ) میں (ان کے) بالکل نزدیک

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ

ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا ۲۴۲ دعا کرنے والے کی جب وہ دعا مانگتا ہے مجھ سے پس انہیں چاہیے کہ میرے حکم مانیں اور ایمان لائیں مجھ پر

۲۴۱ کتنی پیاری آیت ہے، ہجوم بلا میں، طوفان مصائب میں، گرداب ہلاکت میں گھرے ہوئے شکستہ دل اور پریشان انسان کے لیے ان چند لفظوں میں اطمینان و سکون کا کیا روح پرور پیغام ہے۔ آپ غور فرمائیے۔ اِنِّیْ قَرِیْبٌ کے دو لفظوں میں راحت و اطمینان کی ایک دنیا سمیٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ کسی فصل بہار کی نسیم سحر میں، کسی ابر نیساں کے حیات بخش قطروں میں وہ اثر کہاں جو اثر ان دو لفظوں میں ہے! دکھ درد کا مارا جب یہ سنتا ہے کہ میرا مالک، میرا خالق مجھ سے الگ تھلگ کہیں دور نہیں کہ اسے میرے حال کا علم نہ ہو، رنج و الم کی خبر نہ ہو بلکہ وہ قریب ہے، بالکل قریب، نزدیک ہے، رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک تو اسے کتنا قرار آجاتا ہے۔ تمہاری زبان پر آئی ہوئی بات تو کیا تمہارے دل میں منہ چھپائے ہوئے اسرار جو قوت گویائی کو اپنا چہرہ دکھانے سے شرماتے ہیں۔ افکار اور اندیشوں کے وہ نازک و لطیف آبگینے جو ہوائی صوتی لہروں کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ان سب کو وہ جانتا ہے۔ وہ قادر بھی ہے رحمن و رحیم بھی تم دست دعا دراز تو کرو۔ تم دامن طلب پھیلا کر تو دیکھو تم دل کے ہاتھوں سے اس کے در رحمت پر دستک تو دو، وہ سنے گا تمہاری زاریہ، وہ قبول کریگا تمہاری دعا۔ وہ بدل دے گا تمہاری بگڑی ہوئی قسمت۔ لیکن جب وہ کرم فرمائے تو سرکش نہ بن جانا۔ اسی طرح سر نیاز اس کے در اقدس پر جھکائے رکھنا۔ اسلام قبول کرنے پر جو ذمہ داریاں تم نے قبول کی تھیں۔ جو عہد تم نے باندھا تھا اس کو نباہتے رہنا۔ رشد و ہدایت پا جاؤ گے کامیاب و کامران ہو جاؤ گے۔

۲۴۲ ممکن ہے یہاں پر کسی کو شک گزرے کہ بسا اوقات دعا کرتے کرتے سالہا سال گزر جاتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی۔ اس کی ایک بڑی وجہ رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔ اِنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ يَمُدُّ يَدَهُ إِلَى السَّمَاءِ يَارَبِّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ (رواہ مسلم) حضور نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ وہ دور دراز کا سفر کرتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے۔ بال اس کے پریشان، جسم اس کا گرد آلود۔ اس کا کھانا لباس سب حرام کمائی سے ہے۔ اس کے پیٹ میں جو غذا ہے وہ بھی حرام ہے۔ (تو وہ لاکھ پکارے اور دعائیں کرے) ایسے حرام خور کی دعا کب قبول ہونے کے لائق ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو فرمایا تھا

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾ أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

تاکہ وہ کہیں ہدایت پا جائیں۔ حلال ۲۲۱ کر دیا گیا ہے تمہارے لیے رمضان کی راتوں میں اپنی

نِسَآئِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ

عورتوں کے پاس جانا۔ وہ ۲۲۲ تمہارے لیے پردہ، زینت و آرام ہیں اور تم ان کے لیے پردہ، زینت و آرام ہو۔ جانتا ہے اللہ تعالیٰ

أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

کہ تم خیانت کیا کرتے تھے اپنے آپ سے پس اس نے نظر کرم فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں،

فَالْـَٔانَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا

سو اب تم ان سے ملو ملاؤ اور طلب کرو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے (قسمت میں)، اور کھاؤ اور پیو

کہ اگر چاہتے ہو کہ تمہاری ہر دعا قبول ہو تو رزق حلال کھایا کرو۔ دعا کی قبولیت کی ان شرائط کو ہم نے فراموش کر دیا۔ بلکہ ہم نے تو حلال و حرام میں فرق کرنے کی زحمت بھی کبھی گوارا نہیں کی۔ اگر ہماری دعائیں قبول نہ ہوں تو جائے تعجب نہیں بلکہ تعجب و حیرت تو اس کی رحمت بے پایاں پر ہے کہ پھر بھی وہ فریادیں سن لیتا ہے۔

۲۲۱ ابتدا میں دن کی طرح رات کو بھی عورتوں سے علیحدہ رہنے کا حکم تھا۔ لیکن بعد میں تخفیف کر دی گئی اور رات کو مقاربت کی اجازت دے دی گئی۔ ان گنت سلام اور بے شمار درود اس ذات پاک پر جو رحمت بن کر آیا تھا۔ رحمت لے کر آیا تھا۔ رفث ایک جامع لفظ ہے جو میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کے سارے درجوں کو شامل ہے۔ قال الزجاج الرفث کلمة جامعة لكل ما يريد الرجل من امرأته (قرطبی)

۲۲۲ آیت کا یہ حصہ خاص توجہ طلب ہے۔ مرد اور عورت کے باہمی تعلقات کو انتہائی خوش اسلوبی سے بیان فرمایا گیا ہے یعنی جیسے وہ تمہارے لیے لباس ہیں ویسے ہی تم ان کے لیے لباس ہو۔ اس لحاظ سے دونوں کے حقوق اور فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے۔ ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے حسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے سردی و گرمی سے بچاتا ہے۔ کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لیے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لیے پردہ، زینت اور راحت نہیں؟ یقیناً ہے۔ جس ملت کے ہر گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصور اور اعلیٰ معیار ہو اس کے لیے یہ دنیا جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ اسلام پر یہ اعتراض کرنے والے کہ اس نے عورت کے حقوق کو پامال کر دیا ہے۔ اگر آیت کے اسی حصہ پر نظر ڈالیں تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ ہاں اسلام نے ملت ابراہیمی کی بیٹیوں کے چہروں سے شرم و حیا کا نقاب نوچنے کا حکم نہیں دیا۔ اس نے عورت کو محفل رقص و سرود کی زینت بننے کی

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لیے سفید ڈورا — سیاہ ڈورے — سے ۲۲۳ صبح کے

الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

وقت — پھر پورا کرو ۲۲۴ روزہ کو — رات تک — اور نہ مباشرت کرو ان سے ۲۲۵ جب کہ

عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ

تم اعتکاف بیٹھے ہو مسجدوں میں — یہ اللہ کی حدیں ہیں — ان (کو توڑنے) کے ۲۲۶ قریب بھی نہ جانا — اسی طرح

اجازت نہیں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ایک مستقل دین ہے۔ اس کا اپنا نظام، اپنا قانون اور اپنا ضابطۂ حیات ہے اور اس کے استقلال کی یہی علامت ہے کہ وہ ہر حالت میں اسی ضابطے کا پابند رہے۔ کسی کو پسند آئے یہ بات یا نہ۔ کوئی خوش ہو یا ناخوش۔ اسلام کو ہر دلعزیز بنانے اور اسے تہذیبِ مغرب سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اس کے سادہ لوح بہی خواہوں نے اس کے فطری خد و خال میں جس وقت قطع و بُرید گوارا کر لی اُس دن اسلام بحیثیت ایک مستقل ضابطۂ حیات کے ہم سے چھین جائیگا۔ اللہ تعالیٰ اس روزِ بد سے بچائے۔

۲۲۳ اس سے مراد صبحِ صادق کا طلوع ہے یعنی وہ روشنی جو دائیں بائیں پھیلتی ہے قال الجمهور ذالك الفجر المعترض فى الافق يمنةً ويسرةً (قرطبی)۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! کیا خیطِ ابیض اور خیطِ اسود سے سفید اور سیاہ دو تاگے مراد ہیں۔ حضور نے فرمایا: لا بل هو سواد الليل وبياض النهار نہیں بلکہ اس سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے۔ اور لغتِ عرب میں خیط کا لفظ لون کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ والخيط فى كلامهم عبارة عن اللون۔ (قرطبی)

۲۲۴ پہلے روزے کی ابتدا کا وقت بتایا اب اس کے اختتام کا وقت بتایا جا رہا ہے۔ صبح صادق سے لے کر رات آنے تک روزہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے وضاحت فرما دی اذا ادبر النهار من ههنا واقبل الليل من ههنا جب اِدھر (مغرب) سے دن پیٹھ پھیر دے اور اُدھر (مشرق) سے رات آجائے وہ وقت ہے افطار کا۔ بعض لوگ روزہ کے افطار میں اتنی جلدی کرنے لگے ہیں کہ سورج بھی صحیح طور پر غروب نہیں ہوتا کہ وہ افطار کا نقارہ بجا دیتے ہیں۔

۲۲۵ اگر کوئی معتکف ہو تو اسے رات کو بھی اپنی بیوی سے مقاربت جائز نہیں۔

۲۲۶ یعنی اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جانے کا تو خیال ہی مت کرو۔ تمہاری سلامتی اور بھلائی اسی میں ہے ان کے نزدیک تک مت جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ مشتعل جذبات کی رو تمہارے قدم حدود کے پاس جمنے ہی نہ دے اور تم بے بس اور بے اختیار

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ اختیار کرلیں - اور نہ کھاؤ ایک دُوسرے کا مال

بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ

آپس میں ۲۲۷ ناجائز طریقہ سے اور نہ ۲۲۸ رسائی حاصل کرو اس مال سے (رشوت دیکر) حاکموں تک تاکہ یوں کھاؤ کچھ حصہ

ہوکر بہتے ہوئے چلے جاؤ۔ اس لیے تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

۲۲۷ اسلامی نظامِ معاشیات کا ایک اور قاعدہ بیان ہورہا ہے۔ یعنی ناجائز طریقہ سے لوگوں کے مال نہ کھاؤ۔ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں من اخذ مال غیرہ لاعلی وجہ اذن الشرع فقد اکل بالباطل۔ وہ شخص جس نے ایسے طریقے سے مال حاصل کیا جس کی شریعت نے اجازت نہیں دی تو اس نے باطل ذریعہ سے کھایا۔ فیدخل فیہ القمار والخداع والغصوب وجحد الحقوق و مالا تطیب بہ نفس مالکہ: ترجمہ۔ اس میں جوا، دھوکہ دہی، زبردستی چھین لینا کسی کے حقوق کا انکار اور وہ مال جسے اس کے مالک نے خوشی سے نہیں دیا۔ سب اکل باطل میں شامل ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے یہ تصریح بھی کی ہے، اگر کوئی شخص رشوت دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں دلوا کر اپنے حق میں فیصلہ کرالے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرسکتا۔ فالحرام لا یصیر حلالا بقضاء القاضی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے۔ انکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو مما اسمع فمن قطعت لہ من حق اخیہ شیئا فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من نار۔ (قرطبیؒ) ترجمہ: تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لیے آتے ہو۔ ممکن ہے تم میں سے ایک فریق زیادہ چرب زبان ہو اور میں (بفرض محال) اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق دیدوں تو وہ ہرگز نہ لے بے شک وہ اس کے حق میں آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔

اگر ہمارا باہمی لین دین قرآن کے اس حکم اور حضورؐ کے اس واضح ارشاد کے مطابق ہوجائے تو کتنی مقدمہ بازیاں ختم ہوجائیں ان کی پیروی پر جو بے محابا روپیہ اور بے اندازہ وقت ضائع ہوتا ہے وہ بچ جائے۔ ان مقدمہ بازیوں کا ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ قریبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ باہمی محبت اور اخلاص کی جگہ نفرت اور دشمنی پیدا ہوجاتی ہے۔ اگر ہم قرآن کے اس حکم کو سچے دل سے مان لیں تو اسلامی معاشرہ ان سب خرابیوں سے پاک ہوجائے گا۔ اور اس کا ماحول اتنا پاکیزہ اور خوشگوار بن جائے گا جس کا ہم اس وقت تصور بھی نہیں کرسکتے۔ کاش! قرآن کو سینے سے لگانے والا مسلمان اس پر عمل کرنے کی اہمیت کا بھی احساس کرے

۲۲۸ دوسروں کے مال ناجائز طور پر کھانے کا یہ بھی ایک مروج اور مؤثر طریقہ تھا جو اب بھی ہے کہ حکام کو رشوت دیکر ان سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیا جائے۔ اس ناپاک طریقہ کی ممانعت کو الگ ذکر فرمایا۔ لفظ تدلوا ماخوذ ہے ادلاء سے۔ اس کا معنی ہے رسی

اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ

لوگوں کے مال کا ظلم سے حالانکہ تم جانتے ہو (کہ اللہ نے یہ حرام کیا ہے)۔ دریافت کرتے ہیں آپ سے ۲۳۰ نئے چاند کے متعلق

قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا

(کہ یہ کیونکر گھٹتے بڑھتے ہیں) فرمائیے یہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں کے لیے اور حج کیلئے اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم داخل ہو

کوکنوئیں میں پانی نکالنے کے لیے لٹکانا ۔ اس سے مراد ہے کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا ۔ استعیر للتوصّل الی شیٔ (مفردات) ۔

۲۲۹ : فریق کا معنی گروہ بھی ہے ۔ اور کسی چیز کے حصّہ اور جُزو کو بھی فریق کہتے ہیں ۔ یہاں یہی معنی مُراد ہے ۔ فریقا ای قطعۃ وجُزأً (قرطبی) ۔

۲۳۰ : قدرت کی کرشمہ سازی ملاحظہ ہو ۔ ایک طرف مظاہر فطرت کو اتنا حسین بنا دیا کہ دل بے ساختہ ان کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں ۔ دُوسری طرف ان میں اتنا غموض رکھ دیا کہ لاکھ سر پٹخئے ان کی دلکشی اور حُسن کا راز معلوم نہیں ہوتا ۔ اور اس پر ستم ظریفی یہ فرمائی کہ کھوج لگانے کی تڑپ اور سُراغرسانی کی بے تابیاں مضمر کر دیں ۔ کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کیوں ؟ اس لیے کہ اس کے بغیر نہ تو عروسِ کائنات کے حُسن پر نکھار آسکتا تھا اور نہ ان صلاحیتوں کا اظہار ہو سکتا تھا جو کمال حکمت سے آدم خاکی میں سمو دی گئی تھیں ۔ ایک وقت ایسا آیا کہ انسان جب اس غموض سے پردہ نہ اُٹھا سکا تو ہیبت حُسن اور جلال دلربائی کے سامنے سر بسجُود ہو گیا ۔ پھر کیا تھا کائنات پر جمود طاری ہو گیا ۔ ہر چیز افسردہ ہر نظارہ پژمردہ نظر آنے لگا ۔ کیونکہ وہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا تھا جو گیسوئے کائنات کی مشاطگی کے لیے پیدا ہوا تھا اور طبیع فتنہ طراز وجلوہ پرور کو پابجولاں کر دیا گیا تھا ۔ عقل و نظر کے سب چراغ بجھا دیئے گئے تھے ۔ رونق آتی تو کہاں سے ' بارونق ہوتی تو کیا چیز ؟ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا جس نے آکر انسان کی آنکھ سے جہالت کی پٹی کھولی ۔ اس کی چندھیائی ہُوئی آنکھوں کو تازہ بینائی مرحمت فرمائی اور اسے بتایا کہ یہ مہر و ماہ ، ارض و سما ، کوہ و دمن ، دریا و صحرا تیرے مسجُود نہیں تیرے معبُود نہیں ، بلکہ تیرے غلام ہیں تو قدم شوق اُٹھا تو سہی ان کی ساری نخوتیں تیری راہ میں پامال ہونے کے لیے بے چین ہیں تو چشم جہاں بیں کھول کر تو دیکھ ان کی ساری رعنائیاں اپنے نقاب اُلٹنے کے لیے بے تاب ہیں ۔ اور تو ان سے ڈر کر ، مرعوب ہو کر دُور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور جب بھاگ نہیں سکتا تو غش کھا کر سجدہ کناں انکے قدموں پر گر پڑتا ہے ۔ فاران کی چوٹیوں سے ایک مسیحا نے انسان کی خوابیدہ قوتوں بلکہ انسان کے خوابیدہ بخت کو جھنجوڑا ؎

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذنِ اللہ
وُہی زمیں وہی گردُوں ہے قُم باذنِ اللہ

الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰىۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

گھروں میں انکے پچھواڑے سے ہاں نیکی تو یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ اور آیا کرو گھروں میں ۲۳۱

کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے ✤ تیری رگوں میں وُہی خون ہے قُم باذن اللہ

جہاں تک انسان کی فکری غلطی کا تعلق تھا اس کی اصلاح کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ کائنات کی بڑی سے بڑی کوئی چیز معبود نہیں بلکہ تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے۔ تمہارا اور کائنات کی ہر چیز کا خالق اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور اس حقیقت کو اتنا واضح کر دیا کہ شک وشُبہ کا شائبہ تک نہ چھوڑا۔ لیکن اس کے بعد؟ وہی کائنات کی دلکشی تھی۔ وہی اس کا غموض تھا اور وُہی جذبہ جستجو کی چبھن بھی۔ جب وہ اس اُلجھن کو حل نہ کر پاتے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا حل طلب کرتے اس اُمید پر کہ جس نے ہمیں اتنی بڑی فکری اُفتاد سے بچایا ہے وُہی اس مشکل کو آسان کر دے گا۔ ان کی یہ توقع نہ بے محل تھی اور نہ بے جا۔ لیکن اس اُستادِ کامل کی شفقت ان کی یہ خواہش پُوری کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ کیونکہ اس میں ان کا سراسر نقصان تھا۔ آپ شاید پوچھیں یہ کیسے؟ تو سُنیئے اگر کوئی اُستاد ریاضی کے سب سوال خود حل کر کے دے دیا کرے اور اپنے طلبہ کو اپنا دماغ استعمال کرنے کا موقع ہی نہ دے تو کیا وہ ریاضی میں مہارت پیدا کر سکیں گے؟ کبھی ان میں خود اعتمادی کا جوہر چمکے گا؟ اور کمال شفقت کا تقاضا یہی ہے کہ شاگرد اپنی عقل سے اس گرہ کو کھولے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام ایسے سوالات کا جواب دینے سے اس لیے دانستہ اعراض فرمایا کہ حضور کی اُمت اپنی ذہنی اور رُوحانی توانائیوں کو بروئے کار لا کر ان چیزوں کو مسخر اور فرمانبردار بنائے۔ اگر حضور فلکیات وطبعیات وغیرہا کے اسرار سے خود نقاب اُٹھا دیتے تو اُمت کی عقلیں بانجھ ہو کر رہ جاتیں۔ اور افلا تعقلون افلا تتفکرون اور افلا تتدبرون کی بانگ شوق افروز پر کیونکر لبیک کہی جا سکتی۔ اسی قسم کا یہ سوال ہے اور اس کا جواب۔ چاند کا نمودار ہونا ایک انداز سے اس کا بڑھنا، پھر گھٹنا اور پھر غائب ہو جانا۔ ایک عجیب بات تھی جس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے رہ رہ کر دل میں شوق پیدا ہوتا۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ دریافت کی تو اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب دیا۔ کیونکہ اس کا جواب ہمیں خود تلاش کرنا تھا۔ بلکہ چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فوائد بتا دیئے کہ اس سے تم اپنی عبادات، لین دین وغیرہ کے وقت مقرر کر سکتے ہو۔ اور یہ کھلی ہُوئی جنتری ہے جس سے ہر شخص پڑھا ہُوا ہو یا اَن پڑھ۔ شہری ہو یا دیہاتی، وقت معلوم کر سکتا ہے۔ حضورؐ کے اس سکوت سے جو عین مصلحت اور سراسر شفقت ورحمت کا مظہر ہے۔ بعض کج فہم یہ نتیجہ اخذ کرنے لگے ہیں کہ حضور کو نعوذ باللہ ان امُور کا علم نہ تھا۔ اور خاموشی لاعلمی کی وجہ سے تھی۔ لیکن یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ نبی کو اتنا علم بھی نہ ہو جتنا مڈل یا میٹرک کے ایک طالب علم کو ہُوا کرتا ہے۔ کتنی غیر مناسب ہے یہ بات ✤

۲۳۱ امام بخاریؒ نے روایت کی ہے کہ عرب کے لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب احرام باندھ لیا کرتے اور انہیں گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پیچھے سے دیوار میں سُوراخ کر کے داخل ہُوا کرتے اور اس کو نیکی سمجھتے۔ اس لایعنی حرکت سے ان کو روک دیا گیا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کام صحیح طریقہ سے کیا جائے تو عرب کہتے اِءْتَا

مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

ان کے دروازوں سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اس اُمید پر کہ کامیاب ہو جاؤ اور لڑو اللہ کی راہ میں ۲۳۲؎

اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا

اتی البیت من بابہا۔ یعنی اس نے صحیح طریقہ سے یہ کام کیا۔ اور اگر غلط طریقہ سے کوئی کام کرے تو کہتے انہ لویات البیت من بابہا۔ یہاں بھی سائلین کو بتایا گیا کہ ان چیزوں کے دریافت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ اٹھے اور نبی سے پوچھ لیا۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنی سعی بچار، مشاہدات اور تجربات سے ان سوالات کا حل تلاش کیا جائے۔ واللہ علم

۲۳۲؎ ان آیات میں ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت دی جارہی ہے جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے۔ اور تسلیم و رضا کے یہ مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔ قرآن کے حکم جہاد کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان تین چیزوں کو خوب ذہن نشین کر لیا جائے۔ ا۔ کس مقصد کے لیے ۲۔ کس کے ساتھ ۳۔ اور کن شرائط اور قیود کے ساتھ قرآن نے جہاد کی اجازت دی ہے۔ ان آیتوں میں تینوں امور کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ مقصد جہاد کے متعلق تو فرمایا: فی سبیل اللہ۔ حق کی سربلندی کے لیے۔ لوٹ مار، تجارتی و صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس قسم کے سفلی مقاصد مومن کی جنگ کے پیش نظر نہیں ہوتے۔ صرف اُن لوگوں کے ساتھ الذین یقاتلونکم، جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ جو تم پر یلغار کرنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ اور اس شرط کے ساتھ "لا تعتدوا" کہ جب جذبات پر قابو نہیں رہتا۔ آتش انتقام بھڑک رہی ہوتی ہے۔ خبردار۔ اُس وقت بھی کسی پر زیادتی مت کرو۔ کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ عورتوں معصوم بچوں، اپاہجوں، بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں اور راہبوں پر ہاتھ اٹھانے سے اسلام نے منع فرمایا ہے (بشرطیکہ یہ لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں)۔ حضرت صدیق اکبرؓ جب اپنے ایک سپہ سالار یزید بن ابی سفیان کو الوداع کہنے کے لیے پاپیادہ ان کے ساتھ گئے تو رخصت کرتے وقت انہیں پھلدار درختوں کے کاٹنے، اُونٹوں اور شیر دار جانوروں کو بلا ضرورت ہلاک کرنے سے منع فرمایا۔ مستشرقین حضرات جو اسلام کے نظریہ جہاد پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں وہی انصاف سے بتائیں کہ دُنیا میں کوئی قوم ایسی گزری ہے یا آج کی مہذب و متمدن دُنیا میں کوئی قوم ایسی موجود ہے جس کے جنگی قانون میں عدل و انصاف کا یوں لحاظ رکھا گیا ہو۔ آج تو جنگ شروع ہوتی ہے تو پُرامن شہریوں اور آباد بستیوں کو ایٹم بموں سے اُڑا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ عورتیں معصوم بچوں، بوڑھوں بیماروں، کسی سے درگذر نہیں کی جاتی۔ ہسپتالوں، درسگاہوں، عبادت خانوں سب کا احترام بھی پس پُشت ڈال دیا جاتا ہے۔

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ

زیادتی کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو انہیں جہاں بھی انہیں پاؤ ۲۳۲ اور نکال دو انہیں

مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ انگیزی تو ۲۳۳ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ جنگ کرو ان سے

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ

مسجد حرام کے قریب یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں۔ سو اگر وہ لڑیں تم سے

فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩١﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

تو پھر قتل کرو انہیں۔ یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں (تو جان لو کہ) اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٢﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ

بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (و فساد) ۲۳۴ اور ہو جائے

۲۳۲ جب صلح حدیبیہ کے بعد معاہدہ کے مطابق مسلمان زیارت کعبہ کو جانے لگے تو ان کے دل میں رہ رہ کر خیال پیدا ہونے لگا کہ اگر کفار نے غدر کر کے حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدود حرم میں ان سے کیونکر جنگ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ آمادہ جنگ ہوں تو پھر کعبہ کا مالک انہیں اجازت دیتا ہے کہ تم اپنے دشمن کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

۲۳۳ فتنہ کیا ہے۔ جب سنار میل نکالنے کے لیے سونے کو پگھلاتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ فَتَنَ الصَّائِغُ الذَّهَبَ اور کسوٹی کو فتانہ کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اب اس کا استعمال سخت آزمائش کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور سب آزمائشوں سے سخت ترین آزمائش وہ ہے جو دین کے لیے ہو یا دین سے برگشتہ کرنے کے لیے ہو۔ کفار مکہ غریب مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے سخت ترین سزائیں دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں قتل بھی بڑا بھیانک جرم ہے لیکن کسی کو اس کے پسندیدہ عقائد سے باز رکھنا جن کی صداقت اور سچائی پر وہ صدق دل سے یقین رکھتا ہو قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔

۲۳۴ پہلے جنگ کی وجہ بیان فرمائی۔ اب اس کی انتہا کا ذکر ہے۔ یعنی مخالفین جب اطاعت قبول کر لیں اور دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے دین حق کو قبول کر سکے تو اس وقت جنگ بند کر دینے کا حکم ہے۔

الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

دین صرف اللہ کے لیے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ

حرمت والا مہینہ ۲۳۶ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور ساری حرمتوں میں (فریقین کے رویہ میں) برابری چاہیے

اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ص

تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِيْ

اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور جان لو یقیناً اللہ (کی نصرت) پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور خرچ کیا کرو

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۛ ۚ مع

اللہ کی راہ میں ۲۳۷ اور نہ پھینکو اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں ۲۳۸ اور اچھے کام کیا کرو

۲۳۶ عرب ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہا کرتے تھے لیکن ان کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ سال میں چار ماہ، محرم، رجب، ذلقعدہ اور ذی الحجہ میں جنگ بند کر دی جاتی تھی۔ لیکن جب مسلمان ماہ ذلقعدہ ۶ھ میں عمرہ کے لیے گئے تو کفار نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور اپنے دیرینہ دستور کو بھی نظرانداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فرماتا ہے کہ اگر وہ اس ماہ حرام کا پاس نہیں کرتے تو تم بھی نہ کرو۔ اور اگر وہ جنگ کریں تو تم بھی مدافعت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔

۲۳۷ پہلے جانی جہاد کا حکم دیا اب مالی جہاد کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۲۳۸ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اِنَّ الْاِلْقَاءَ بِالْيَدِ اِلَى التَّهْلُكَةِ هُوَ تَرْكُ الْجِهَادِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کے راستے میں جہاد چھوڑ دے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ روایت کرتے ہیں کہ اسلم ابی عمران سے مروی ہے کہ جب ہم نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو رومیوں کا ایک لشکر جرار ہمارے مقابلہ میں صف آرا ہوا۔ مسلمانوں کی فوج بھی ان کے مقابلے میں ڈٹ گئی۔ ایک مسلمان سپاہی نے تنہا لشکر روم پر حملہ کر دیا اور ان کی صف میں گھس گیا۔ لوگ چلائے سبحان اللہ! اس نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ حضرت ابو ایوب کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔ اے لوگو! تم نے اس آیت کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ آؤ میں تمہیں اس کا شان نزول بتاؤں جب اسلام کو غلبہ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ

بے شک اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنیوالوں سے۔ اور پورا کرو ۲۳۲ حج اور عمرہ اللہ کی رضا کے لیے

أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ

پھر اگر تم گھر جاؤ ۲۳۲ تو قربانی کا جانور جو آسانی سے مل جائے (وہ بھیجدو) اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ بِهِ

پہنچ جائے قربانی کا جانور اپنے ٹھکانے پر۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسے

أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

کچھ تکلیف ہو سر میں (اور وہ سر منڈا لے) تو وہ فدیہ دیدے روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔

حاصل ہوگیا اور مسلمان مجاہدوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی تو ہم انصار نے خفیہ مشورہ کیا۔ کہ اب جانبازوں کی کمی بھی نہیں رہی اور اسلام کو عزت وعظمت بھی حاصل ہوگئی ہے اور مسلسل کئی سال تک ہم اپنی کھیتی باڑی اور کاروبار کی طرف کوئی توجہ نہیں دے سکے۔ اب ہمیں اپنی مالی حالت درست کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کرنی چاہئیں۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں یہ تصریح تھی کہ اے انصار اگر تم جہاد کو چھوڑ کر زراعت وتجارت میں کھو کر رہ گئے تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ حضرت ابو ایوب لڑتے رہے یہاں تک کہ جام شہادت نوش کیا اور قسطنطنیہ میں ہی ان کا مزار پُرانوار ہے جو حال مست اور قال مست مسلمان کو آج بھی اس جدّ وجہد کی دُنیا میں عزت کے مقام کا صحیح راستہ بتا رہا ہے۔

۲۳۱ عرب قدیم زمانہ سے حج کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کے نزدیک حج ایک میلہ یا تجارتی منڈی بن کر رہ گیا تھا۔ عبادت کا پہلو تو بالکل ختم ہوگیا تھا یا اتنا غیر اہم ہو کر رہ گیا تھا کہ اس کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔ لوگ آتے سیر وتفریح کر جاتے شاعر اپنے قصائد اور خطیب اپنے آتشیں خطبے سُنا کر لوگوں کے دلوں پر اپنی فصاحت وبلاغت کا سکہ جماتے اور چلے جاتے۔ چند روز تجارت کا بازار بھی خوب گرم رہتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حج وعمرہ کرو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا جوئی کے لیے۔ یعنی پورے آداب وشرائط کے ساتھ۔ پورے اخلاص وحُسنِ نیت کے ساتھ۔

۲۳۲ اگر تم احرام باندھ چکے ہو اور رستہ میں بیمار ہوگئے یا دشمن نے راستہ بند کر دیا۔ اور تم حج کے ایام میں وہاں نہیں پہنچ سکتے۔ تو اب احرام سے نکلنے کی یہ صورت ہے کہ قربانی کا جو جانور تم گھر سے لے آئے ہو وہ کسی کے ہاتھ بھیجدو یا اس کی قیمت روانہ کردو اور انہیں یہ کہو کہ حرم میں پہنچ کر تمہاری طرف سے جانور ذبح کردیں۔ جب تم یہ خیال کرو کہ وہ حرم میں پہنچ گئے ہوں گے اور

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۝ قف فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ

اور جب تم امن میں ہو جاؤ (اور حج سے پہلے مکہ پہنچ جاؤ) تو جو فائدہ اٹھانا چاہے عمرہ کا ۲۴۱ حج کے ساتھ تو جو اسے میسر ہو

مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَ

قربانی دے پھر جسے قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے حج کے وقت اور

سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ

سات جب تم گھر لوٹ آؤ یہ پورے دس (روزے) ہوئے - یہ رعایت اس کے لیے

اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

ہے ۲۴۲ جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں - اور ڈرا کرو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ

جانور ذبح کر دیا ہو گا تو تم سر منڈا کر یا بال کٹوا کر احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو سکتے ہو۔ لیکن اگر بیماری کی وجہ سے جلد سر منڈانے کی ضرورت پڑ جائے تو فدیہ کے طور پر روزے رکھ لو۔ صدقہ دے دو یا جانور ذبح کر دو۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کو ۲-۲ سیر گندم یا ۴-۴ سیر جَو (صدقہ فطر کے اندازے کے مطابق) دے یا کم سے کم بکری ذبح کر دے اور حجامت بنوا لے۔

۲۴۱ حج کی تین صورتیں ہیں: ۱- افراد یعنی حج کے دنوں میں صرف حج کیا اس میں قربانی واجب نہیں۔ ۲- تمتع - ایک سفر میں ایام حج میں پہلے عمرہ کا احرام باندھا طواف وسعی کے بعد حلق کر کے اس احرام سے فارغ ہو گیا پھر وقت آیا تو حج کا احرام باندھا کیونکہ ایک ہی وقت میں دو عبادتیں جمع کر لیں اور دوہرا فائدہ اُٹھا لیا تو اسے تمتع کہتے ہیں۔ ۳- قِران - ایک ساتھ ہی حج و عمرہ کا احرام باندھا۔ پہلے عمرہ کے ارکان ادا کیے لیکن احرام بستور رہا۔ یہاں تک کہ ایام حج میں حج کے ارکان ادا کیے حلق کرایا اور احرام سے فارغ ہوا۔ پچھلی دونوں صورتوں میں ایک سفر میں دو عبادتیں جمع کر لیں۔ اس لیے اس پر قربانی لازمی قرار دے دی گئی۔

۲۴۲ ایک سفر میں حج و عمرہ جمع کرنے کی اجازت صرف ان لوگوں کو ہے جو مکہ کے رہنے والے نہیں بلکہ دُور دراز کی مسافتیں طے کر کے آتے ہیں۔ مکہ کے باشندوں اور حدودِ میقات کے اندر رہنے والوں کا ایک ہی حکم ہے۔ مسئلہ: میقات اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں باہر سے قصدِ حرم کرنے والا جب پہنچے تو اسے حکم ہے کہ بغیر احرام باندھے آگے نہ بڑھے۔ مختلف اطراف کے لیے مختلف مقامات میقات ہیں۔ اہلِ مدینہ اور اس طرف والوں کے لیے ذوالحلیفہ - اہلِ عراق اور اس طرف والوں کے لیے ذات عرق۔ اہلِ شام اور ان اطراف کے لیے جحفہ - اہلِ نجد کے لیے قرن - اہلِ یمن اور اس طرف سے آنے والوں کے لیے یلملم - پاکستان کے حاجی جو بحری راستے سے جاتے ہیں ان کا میقات بھی یلملم ہے - جب ان کا جہاز بحیرہ احمر میں داخل ہوا اور یلملم

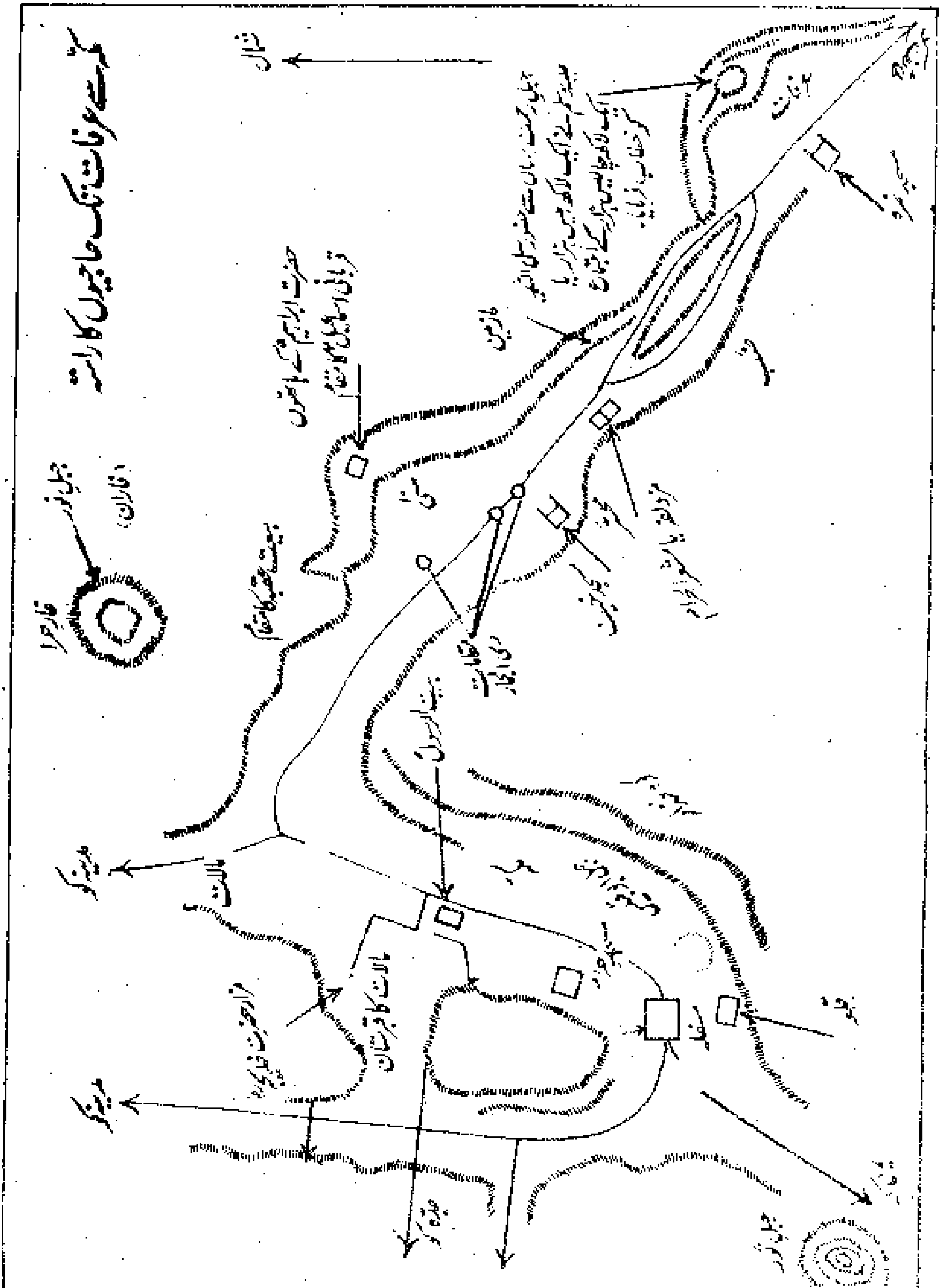
نقشہ مکہ سے عرفات تک حاجیوں کا راستہ
شمال

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ

سخت سزا دینے والا ہے ۔ حج کے چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۲۴۳ پس جو نیت کرے ان میں

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا

حج کی تو اسے جائز نہیں بے حیائی کی بات اور نہ نافرمانی اور نہ جھگڑا ۲۴۴ حج کے دنوں میں اور جو تم نیک کام کرو گے ۲۴۵

مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَ

اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے ، اور سفر کا توشہ ساتھ ۲۴۶ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے اور

اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا

ڈرتے رہو مجھ سے اے عقلمندو ! نہیں ہے تم پر ۲۴۷ کوئی حرج (اگر حج کے ساتھ ساتھ) تم تلاش کرو

کے مقابل سے گزرے تو وہاں ان حاجیوں کو احرام باندھنا ہوتا ہے -

۲۴۳ یعنی شوال ، ذیقعد ، اور ذی الحجہ کے دس دن -

۲۴۴ رفث کہتے ہیں الجماع والافحاش للمرأة بالکلام - جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا - فسوق : جمیع المعاصی لکھا - تمام گناہ - چھوٹے بڑے ظاہر پوشیدہ - جدال ، جھگڑا - ان تمام چیزوں سے روک دیا گیا تاکہ حج کا حقیقی مقصد یعنی تربیت نفس ضائع نہ ہو جائے -

۲۴۵ یعنی جو نیک کام تم کرتے ہو جسے کوئی اور نہیں دیکھتا یا جن مشتعل جذبات کو تم سختی سے روکے ہوئے ہو جس کا اندازہ دوسرے نہیں کر سکتے - اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل کو دیکھ رہا ہے - اور اپنے نفس سے تمہاری کشمکش کی نوعیت کو بھی خوب جانتا ہے وہ ضرور اس کا اجر عظیم عطا فرمائے گا -

۲۴۶ عرب کے اکثر لوگ خصوصاً اہل یمن کا دستور تھا کہ جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور رستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے مسلمانوں کو اس غیر انسانی طریقہ کار سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زاد راہ لے کر چلا کرو - کسی کی خدمت نہ کر سکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو - ساتھ ہی فرما دیا بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے -

۲۴۷ امام رازیؒ لکھتے ہیں نزلت ردا علی من یقول لاحج للتجار والاجراء والجمالین - یہ آیت ان لوگوں کے رد میں نازل ہوئی جو یہ کہتے تھے کہ تاجروں ، مزدوروں اور ساربانوں کا کوئی حج نہیں بلکہ اجازت دی کہ تم بے شک نفع کماؤ لیکن ایسا نہ ہو کہ تم نفع کمانے میں ہی لگے رہو - اور یہی تمہارا مقصد اولین ہو کر رہ جائے - اور حقیقی مدعا یعنی ذکر الٰہی بھول جائے -

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اپنے رب کا فضل (رزق)۔ پھر جب واپس آؤ عرفات سے ۲۴۵ تو ذکر کرو اللہ کا

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس اور ذکر کرو اس کا جس طرح اس نے تمہیں سکھایا اور اگرچہ تم اس سے

قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پہلے گمراہوں میں سے تھے۔ پھر تم بھی ۲۴۶ (اے مغروران قریش) وہاں تک (جاکر) واپس آؤ جہاں جاکر دوسرے لوگ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ

واپس آتے ہیں اور معافی مانگو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔ پھر جب تم پورے کر چکو

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاۗءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ

حج کے ارکان تو اللہ کو یاد کرو جس طرح ۲۵۰ اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر الٰہی کرو۔ اور کچھ

۲۴۵ حکم ہوتا ہے جب عرفات میں حاضری کا فرض ادا کر کے وہاں سے چلو تو مزدلفہ میں اللہ کا ذکر کرو اس کی تسبیح وتہلیل میں وقت صرف کرو۔ حاجی دسویں کی رات یہاں بسر کرتے ہیں مشعر حرام اس مسجد کو کہتے ہیں جو وادی مزدلفہ کے ایک پہاڑ قزح پر ہے جہاں امام قیام کرتا ہے۔ اگرچہ سارا مزدلفہ (ماسوا وادی محسر) موقف ہے لیکن مشعر حرام اور اس کے قرب میں وقوف زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

۲۴۶ قریش اپنے لیے یہ ہتک سمجھتے تھے کہ دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی عرفات کے میدان میں وقوف کریں اس لیے وہ مزدلفہ ہی میں ٹھہرتے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے نحن اهل الله وقطان حرمه (یعنی ہم اہل اللہ ہیں اور اس کے حرم کے باشندے ہیں) اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ غرور اور استکباری اور انہیں حکم دیا کہ جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں وہاں سے ہی تم لوٹو حج تو ہے ہی سب باطل امتیازات مٹانے کے لیے سب جھوٹے تفاخر ختم کرنے کے لیے۔ اگر آج بھی تم اپنی برتری کے نشے میں مست رہو گے تو مساوات انسانی کا صحیح مظاہرہ کب ہو گا اور تم یہ اہم سبق کیونکر یاد کرو گے۔

۲۵۰ ان کی ایک اور جاہلانہ رسم کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو بیت اللہ کے پاس مجلسیں منعقد کرتے جن میں وہ اپنے باپ دادا کی تعریفوں کے پل باندھا کرتے۔ حکم ہوتا ہے اپنے رب کریم کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو ذوق شوق سے یاد کیا کرتے۔ اَوْ اختیار کے لیے نہیں بلکہ ترقی کے لیے ہے اور بَلْ کا ہم معنی ہے۔ یعنی بلکہ ان سے بھی

النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

لوگ ہیں جو کہتے ہیں ۲۵۱؎ اے ہمارے رب دیدے ہمیں دُنیا میں ہی (سب کچھ) نہیں ہے اس کے لیے آخرت میں

خَلَاقٍ ۝٢٠٠ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

کوئی حصہ اور بعض لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی اور

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝٢٠١ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

آخرت میں بھی بھلائی ۲۵۲؎ اور بچالے ہمیں آگ کے عذاب سے۔ انہی لوگوں کو بڑا حصہ ملیگا (دونوں جہانوں میں) بسبب

كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝٢٠٢ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ

انکی (نیک) کمائی کے اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے۔ اور (خوب) یاد کرلو اللہ تعالیٰ کو ان دنوں میں جو معدودے چند ہیں ۲۵۳؎

زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔

۲۵۱؎ مشرکین کو آخرت کی زندگی پر ایمان نہ تھا۔ وہ اسی زندگی کو سب کچھ سمجھتے۔ اس لیے حج کرتے وقت اور دوسرے خاص اوقات میں دُنیا کے متعلق ہی سوال کیا کرتے۔

۲۵۲؎ ان کے برعکس مومن صرف دُنیاوی منافع اور مقاصد پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ دُنیا و آخرت دونوں کے لیے وسیع دامن پھیلاتا ہے۔ حَسَنَةً سے مُراد کوئی خاص چیز نہیں بلکہ ہر اچھائی مراد ہے فان حسنة نكرة في سياق الدعاء فهو محتمل لكل حسنة (قرطبی) ایک شخص کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا کہ چوزے کی طرح دُبلا ہو گیا ہے۔ حضورؐ نے دریافت کیا، اللہ تعالیٰ سے کوئی دُعا مانگا کرتا ہے۔ عرض کرنے لگا ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں یہ دُعا کیا کرتا ہوں کہ اے مالک جو عذاب تو مجھے قیامت کے دن دینا چاہتا ہے وہ اس دُنیا میں ہی دیدے۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں خدا کا عذاب برداشت کرنے کی قوت کہاں، تم یہ دُعا کیوں نہیں مانگا کرتے۔ رَبَّنَا آتِنَا الخ

۲۵۳؎ دسویں رات تو گزری مزدلفہ میں۔ صبح سویرے مُنہ اندھیرے فجر کی نماز ادا کی اور وہاں سے منیٰ میں آکر قیام کیا۔ یہاں آکر ہی سر مُنڈایا یا بال کٹوائے، قربانی دی، احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوئے اور کپڑے بدلے۔ ان امور کے علاوہ چند مخصوص مقامات پر پتھر بھی مارنے پڑتے ہیں اور ذی الحجہ کی ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ تاریخ تک وہاں ہی قیام رہتا ہے۔ بارھویں کے دن پتھر مارنے کے بعد انسان اگر مکہ واپس آجائے تو بھی درست ہے اور اگر تیرھویں کی رات وہاں قیام کرے اور دن کو رمی جمار کے بعد لوٹے تو بھی جائز ہے۔ لیکن حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک افضل دُوسری صورت ہے۔ منیٰ میں جتنے

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ

اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا تو اس پر بھی کوئی

عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

گناہ نہیں (بشرطیکہ) وہ ڈرتا رہا ہو۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو تحقیق اسی کی بارگاہ میں اکٹھا کیا جائے گا ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ

اور (اے سننے والے) لوگوں سے ۲۵۳ وہ بھی ہے کہ پسند آتی ہے تجھے اس کی گفتگو دنیاوی زندگی کے بارے میں اور وہ گواہ بناتا رہتا ہے

اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى

اللہ کو اس پر جو اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ (حق کا) سخت ترین ۲۵۵ دشمن ہے۔ اور جب وہ حاکم بن جاتا ہے ۲۵۶ تو سر توڑ کوشش

فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا

کرتا ہے کہ ملک میں فساد برپا کر دے اور تباہ کر دے کھیتوں کو اور نسل انسانی کو اور اللہ تعالیٰ

روز قیام کرے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثنا میں لگا رہے اور اپنے باطن کی اصلاح کی طرف پوری پوری توجہ دے۔

۲۵۳ یہاں سے منافقوں کے احوال کا بیان ہے کہ جب سامنے آتے ہیں تو بڑی میٹھی باتیں کرتے ہیں۔ اپنے مسلمان ہونے کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔ اور اس پر اللہ کی قسمیں بھی کھاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے جھگڑالو دشمن یہی ہیں۔ جب یہ تمہارے پاس سے واپس آتے ہیں یا ان کو کچھ اقتدار ملتا ہے تو ان کی شر پسند طبیعت گل کھلاتی ہے اور فتنہ و فساد اور قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن اس کا حکم عام ہے۔ سب منافقین کی یہی عادت ہے، یہی ان کا طریق کار اور یہی انجام ہے۔

۲۵۵ بہت سخت عداوت رکھنے والے جھگڑالو کو اَلَدّ کہتے ہیں۔ خصام یا تو مصدر ہے بمعنی مخاصمۃ یا خصم کی جمع ہے۔

۲۵۶ تولّی کے دو معنی ہیں، والی بننا اور پیٹھ پھیرنا۔ قاضی بیضاوی اس کی تفسیر فرماتے ہیں اذ بر و انصرف عنك وقيل اذا غلب وصار واليا۔ یہاں دونوں معنے مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اگر اسے اقتدار ملتا ہے تو فتنہ و فساد برپا کرتا ہے اور لوٹ کھسوٹ شروع کر دیتا ہے یا جب مسلمانوں کے پاس سے اٹھ کر چلا آتا ہے تو پھر وہی منافقت ظاہر کرنے لگتا ہے۔

يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ

فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب کہا جائے اسے کہ (ہماں) خدا سے تو ڈرو تو اور اکساتا ہے اسے غرور گناہ پر ۲۵۷

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي

پس اس کے لیے جہنم کافی ہے اور وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے۔ اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو ۲۵۸ بیچ ڈالتا ہے

نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾ يَا أَيُّهَا

اپنی جان (عزیز) بھی اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے کے لیے اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔ اے

الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ

ایمان والو ۲۵۹ داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور نہ چلو شیطان کے

۲۵۷ اخنس اور اس کے سارے ہم مشربوں کا ایک ہی ڈھنگ ہے۔ جب انہیں انکی فتنہ پردازیوں سے روکنے کے لیے اللہ کا خوف دلایا جاتا ہے تو غصہ سے انکے نتھنے پھول جاتے ہیں۔ اور اسے وہ اپنے ذاتی وقار اور شخصی عزت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ اس وقت نہ انہیں خدا کا خوف رہتا ہے اور نہ اس کے دردناک عذاب کا، وہ اپنی ساری طاقتیں اپنے جھوٹے وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ چلو وہ گئے مر گئے۔ اپنا کیا حال ہے۔ کیا ہم تو حق کے سامنے سر جھکانے کو عار نہیں سمجھتے۔ اور اپنی ناحق بات پر اڑے رہنے میں اپنی عزت تصور نہیں کرتے:

آپ ہی اپنے ذرا طرزِ عمل کو دیکھیں ✤ میں اگر عرض کروں گا تو شکایت ہوگی

۲۵۸ منافقوں اور منافق مشرب لوگوں کی اخلاقی پستی کا ذکر کرنے کے بعد اب ان بندگانِ خاص کا ذکر ہے جو اپنا تن من دھن اپنے مولا کریم کی رضاجوئی کے لیے قربان کرنے پر آمادہ و مستعد بیٹھے ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادہ سے مکہ سے نکلے تھے۔ کفار نے آگھیرا۔ آپ نے انہیں فرمایا، میرا سارا سامان لے لو اور مجھے مدینہ جانے سے نہ روکو۔ کافر اس پر رضامند ہو گئے اور یہ مردِ حق پرست جب اپنی زندگی کا سارا اندوختہ لٹا کر محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو جبریل امین یہ آیت لے کر پہنچے۔ کتنے خوش نصیب تھے صہیب رضی اللہ عنہ اور کتنے بلند اقبال ہیں اس کی راہ پر چلنے والے۔

۲۵۹ سِلْم اور سَلْم دونوں قرأتیں ہیں۔ دونوں کا معنی سرِ تسلیم خم کرنا غیر مشروط اطاعت اختیار کر لینا ہے۔ السلم بالكسر والفتح الاستسلام والطاعة (بیضاوی مظہری) یہاں اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ آیت ہمیں اسلام کے مزاج سے آگاہ کر رہی ہے کہ یہ دین مستقل ضابطۂ حیات اور مکمل دستورِ زندگی ہے۔ اس کے اپنے عقاید ہیں۔ اس کا اپنا

الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا

نقشِ قدم پر بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۲۶۰ اور اگر تم پھسلنے لگو اس کے بعد کہ

جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ

آ چکیں ہیں تمہارے پاس روشن دلیلیں تو جان لو ۲۶۱ کہ اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے کیا وہ اس بات کا انتظار کر

اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ

رہے ہیں کہ ۲۶۲ آئے انکے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں اور فرشتے اور (انکا)

دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اس کے اپنے نظریات ہیں۔ اور یہ انسان کی ذہنی روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہو سکتی ہیں جب کہ اسے ماننے والے اسے پورے کا پورا اپنا لیں اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہو جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اسے بتمام قبول کریں اس کا کوئی گوشہ ترک نہ ہو اور ملت اسلامیہ کا کوئی فرد اس کو اپنانے سے گریز نہ کرے۔ کآفّۃ کا لفظ ان دونوں باتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کافۃ حال ہے اس کا ذوالحال ادخلوا میں ضمیر مستتر انتم بھی ہو سکتی ہے اور السلم بھی۔

۲۶۰ یعنی حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ۔ اس طرح حق کا حسن داغدار ہو جائے گا اور اس کا سرچشمہ مکدر ہو جائے گا۔ آج ہماری کیا حالت ہے۔ کس طرح اسلام کے نام پر شہر آباد کیے جاتے ہیں۔ پھر اسی کی شاہراہوں پر اسلام کے نام اور اس کے نظام کو رسوا کیا جاتا ہے۔ اسلام کے نام پر مملکتیں معرضِ وجود میں لائی جاتی ہیں۔ لیکن اسلام کے قانون ضابطۂ اخلاق اور اس کی مقدس قدروں کو سرد خانوں میں منتقل کر دیا جاتا ہے۔ یہ خدا فریبی بھی ہے اور خود فریبی بھی۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اپنے ساتھ مذاق کرنا چھوڑ دیں۔

۲۶۱ یعنی اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے انتقام لے گا۔ وہ عزیز ہے۔ سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے حکم کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ لیکن اسکا ہر فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ اس سرکش کو ابھی ڈھیل دینا چاہیے تو اسے فوراً پکڑ نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اسی لیے عزیز کے ساتھ حکیم کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲۶۲ اس آیت میں بظاہر آنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جا رہی ہے۔ لیکن آنا جانا جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی صفتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کے متعلق علماء سلف کی متفقہ رائے یہ ہے کہ ایسی تمام آیتیں متشابہات سے ہیں۔ اور انکا حقیقی مفہوم اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں ہمیں اس کے متعلق سکوت اختیار کرنا چاہیے۔ قال سفیان بن عیینہ کل ما وصف اللہ بہ نفسہ ..... لیس لاحد ان یفسرہٗ الا اللہ و رسولہ ربہ قال ابو حنیفہ رحمۃ اللہ (مظہری) لیکن علماء متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ ان آیات کی ایسی تاویل کرنا جو انکی شایانِ شان ہو درست ہے چنانچہ علامہ بیضاوی

قُضِیَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ

فیصلہ ہی کر دیا جائے اور (آخر کار) اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ آپ پوچھیے بنی اسرائیل سے ۲۶۲

كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

کہ ہم نے انہیں کتنی روشن دلیلیں عنایت فرمائیں اور جو (قوم) بدل ڈالے اللہ کی نعمت کو اس کے مل جانے

مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا

کے بعد۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ (اس قوم کو) سخت عذاب دینے والا ہے۔ آراستہ کر دی گئی ہے کافروں کے لیے ۲۶۳

الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ یَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

دنیا کی (فانی) زندگی اور مذاق اڑاتے ہیں یہ ایمان والوں کا، حالانکہ پرہیزگاروں کی شان

اور دوسرے مفسرین نے یہاں آیت میں مضاف محذوف مانا ہے۔ یعنی اصل عبارت یوں تھی۔ ان یاتیھم امر اللہ وباسہ (بیضاوی) اور لغتِ عرب میں مضاف کا حذف عام مستعمل ہے۔ میں نے ترجمہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

۲۶۲ مسلمانوں کو جو عزت اور امانت سونپی جا رہی تھی، وہ ان سے پہلے بھی کئی قوموں کو دی گئی تھی۔ لیکن جب انہوں نے اس کی قدر نہ کی اور اس کا غلط استعمال شروع کر دیا تو دنیاوی عزت ان سے چھین لی گئی اور دینِ حق کی امانت ان سے واپس لے لی گئی اور انہیں ذلیل و رسوا کر دیا گیا۔

مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے بھی اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا اس کا صحیح استعمال کر کے اپنے لیے اور دوسروں کے لیے ہدایت کی راہ ہموار اور روشن نہ کر دی تو یاد رکھو تمہارا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ اگر مثال دیکھنا چاہو تو تمہیں قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور پرانے کھنڈرات میں سالہا سال سرگرداں ہو کر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں یہ جو تمہارے پڑوس میں قوم بنی اسرائیل بس رہی ہے اس سے پوچھ لو۔ وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتی۔

۲۶۳ کافر سے مراد یہاں صرف اللہ و رسول کا منکر نہیں بلکہ انکارِ نعمت اور احسان فراموشی کرنے والا بھی مراد ہے۔ یعنی جب انہوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو ان کی نظروں سے حقیقت سے پھر کر دنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ الٹا ان لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنہیں تم حقیر سمجھتے تھے مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

گے بلند ہوں گے ان سے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ روزی تو جسے چاہے ۲۶۴ بے حساب دے دیتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ

ابتدا میں سب لوگ ایک ہی دین پر تھے ۲۶۵ (پھر جب ان میں اختلاف پیدا ہو گیا) تو بھیجے اللہ نے انبیا خوشخبری سناتے ہوئے

وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

اور ڈرانے والے ۲۶۶ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب برحق تاکہ فیصلہ کر دے لوگوں کے درمیان

عزت و کرامت کے مستحق ہیں۔

۲۶۴ وہ لوگ اپنی وافر دولت، ساز و سامان جاہ و جلال کو دیکھ کر دل میں یہ سوچنے لگتے ہیں کہ ہم پر ہی اللہ کی نظرِ عنایت ہے ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو اس نے اپنے فضل و کرم کے لیے چن لیا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ دولت کی کثرت، مقبولیت اور قربِ خداوندی کی دلیل نہیں۔ رزق کی کمی بیشی گمراہی و ہدایت کا معیار نہیں۔ اپنے دل کی گہرائیوں میں نظر ڈالو۔ اپنے اعمال کا جائزہ لو تمہیں حقیقت روزِ روشن کی طرح دکھائی دینے لگے گی۔

۲۶۵ دین کی تاریخ لکھنے والے اس کے آغاز، اس کی نشوونما اور اس کے عروج کی داستان قلمبند کرنے والے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے مدتوں سرگرداں رہے کہ دین کی ابتدا کیوں کر ہوئی اور ان کی طویل تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ انسان ابتدا میں مشرک تھا اور عقیدہ توحید تک اس کی رسائی آہستہ آہستہ سینکڑوں صدیاں ٹھوکریں کھانے کے بعد ہوئی۔ قرآن بتاتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ انسانِ اوّل (آدم علیہ السلام) موحد تھا۔ شرک سے اسکا کوئی سروکار نہ تھا اور عرصہ دراز تک اس کی اولاد عقیدۂ توحید پر ثابت قدم رہی قرآن نے اس سوال کا جواب جو صدیوں پہلے دیا تھا اور جس کو تسلیم کرنے کے لیے یورپ کے محقق کل تک تیار نہ تھے آج مجبوراً تسلیم کر رہے ہیں۔ چنانچہ آثارِ قدیمہ کے ماہرین انسانیات اور اجتماعیات کے علما سر چارلس مارسٹن، پروفیسر لنگڈن اور پروفیسر شمڈٹ کا یہی فیصلہ ہے کہ انسان کا دینِ اوّلین دینِ توحید تھا (تفسیر ماجدی)

۲۶۶ یہاں اُمَّةً وَّاحِدَةً اور فَبَعَثَ اللّٰهُ کے درمیان ایک چھوٹا سا جملہ فَاخْتَلَفُوْا محذوف ہے جس پر فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ کے الفاظ صراحۃً دلالت کر رہے ہیں۔ اب آیت کا مطلب بالکل صاف ہو گیا کہ پہلے مدتِ دراز تک ایک ہی اُمت بنے رہے بعد میں جب نسلِ انسانی بڑھی تو لوگ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں جھگڑنے لگے اور اولادِ آدم مختلف ٹولیوں اور گروہوں میں بٹ گئی۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لانے کے لیے اختلاف کی آگ کو بجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام مبعوث فرمائے اور ان کو آسمانی کتابیں عطا فرمائیں۔ انبیاء کرام نے اپنے وعظ و نصیحت

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ

جن باتوں میں وہ جھگڑنے لگے تھے اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اس میں ٢٦٨ بجز اُن لوگوں کے جنہیں کتاب

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ

دی گئی تھی بعد ازاں کہ آگئی تھیں اُن کے پاس روشن دلیلیں (اس کی وجہ) ایک دوسرے سے حسد تھا۔ پس اللہ نے ہدایت بخشی

الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي

اُنھیں جو ایمان لاتے تھے ان سچی باتوں پر جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے ٢٦٩ اور اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا

جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ کیا تم خیال کر رہے ہو ٢٧٠ کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے

سے ان کو جھگڑا بازی اور فرقہ بندی سے نکالنے کی کوششیں کیں تاکہ منتشر انسانوں کی یہ ٹکڑیاں پھر ایک قوم بن جائیں۔

٢٦٨ ان الفاظ سے تاریخ انسانی کے ایک بہت بڑے المیے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور وہ المیہ یہ ہے کہ وہ کتاب جو اتحاد پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی تھی، اس کو جاننے اور سمجھنے والوں نے اس کتاب کے ذریعہ "اس کو ماننے والی اُمّت" کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ان کا باہمی اختلاف اور فرقہ بندی حسن نیت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ حسد اور عناد اور سرکشی کا جذبہ تھا جس نے ملت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

٢٦٩ یعنی کتاب سے ہدایت انہیں لوگوں کو مل سکتی ہے جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو کتاب کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں، اور جو لوگ اپنے من گھڑت معنوں کا لباس اللہ کی آیات بیّنات کو زبردستی پہنا دینے کو اپنے علم وکمال کا کرشمہ سمجھتے ہیں وہ اس سے ہدایت نہیں پا سکتے۔

٢٧٠ مسلمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ تم اس اختلاف اور فرقہ بندی سے اپنا دامن بچانا۔ جن حالات سے پہلی اُمتوں کو واسطہ پڑا تمہیں بھی انکا سامنا کرنا ہوگا، ایسے فتنہ باز تم میں بھی پیدا ہوں گے جو اپنے ذاتی وقار اور اپنی ناموری کے لیے قرآن کے نام پر ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کریں گے تم ان کے جال میں نہ پھنسنا۔ اگر تم اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ اسلام میں داخل ہو جانے کے بعد اب تم پر جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو اس خام خیالی سے باز آجاؤ۔ خوب کان کھول کر سن لو، ہوش رُبا مصیبتیں، کڑی آزمائشیں اور لرزہ خیز امتحانات تمہاری راہ دیکھ رہے ہیں۔ اس وقت اگر تم ثابت قدم رہے اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا تو اللہ کی مدد تمہاری دستگیری کو یقیناً آئے گی۔

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ

جنت میں حالانکہ نہیں گذرے تم پر وہ حالات جو گذرے ان لوگوں پر جو تم سے پہلے ہو گئے ہیں ، پہنچی انھیں

الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

سختی اور مصیبت اور وہ لرز اٹھے یہاں تک کہ کہہ اٹھا (اس زمانہ کا) رسول اور جو ایمان لے آئے

مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْأَلُونَكَ

تھے اسکے ساتھ کب آئیگی اللہ کی مدد ؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہے ، آپ سے پوچھتے ہیں کہ

مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَ

وہ کیا خرچ کریں ۲۱۵؎ ، آپ فرمایئے جو کچھ خرچ کرو (اپنے) مال سے تو اس کے مستحق تمہارے ماں باپ ہیں ، اور

الْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا

قریبی رشتہ دار ہیں اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں اور جو نیکی تم کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ

تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے خوب جانتا ہے۔ فرض کیا گیا ہے تم پر جہاد اور وہ ناپسند ہے

۲۱۵؎ دو باتوں کے متعلق پوچھا گیا تھا۔ کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں۔ دونوں کا جواب دیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے سوال کا جواب ضمناً ہے اور دوسرے کا صراحتہً اور تفصیلاً کیا خرچ کریں کے متعلق تو فرمایا 'مِنْ خَيْرٍ' یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے تو حلال اور پاک مال خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات حرام اور ناپاک مال کو قبول نہیں فرماتی۔ دُوسرے سوال کا جواب اپنی اہمیت کے پیشِ نظر تفصیل طلب تھا اس کی وضاحت کردی۔ حکم دیا جاتا ہے کہ خرچ کرنے کا آغاز اپنے گھر سے کرو اور گھر میں بھی اپنے حقوق کے لحاظ سے سب سے مقدم ماں باپ ہیں۔ انکی خدمت اور دلداری تمہارا فرضِ اوّلیں ہے۔ ان کے بعد دُوسرے عزیز و رشتہ دار ہیں ، اولاد ، بہن بھائی ، چچا ، پھوپھی ، ماموں اور خالہ وغیرہ سب کے ساتھ احسان و مروّت از حد اہم ہے۔ اسکے بعد باری ہے قوم کے یتیم بچوں کی ، مسکینوں اور بے وطن مسافروں کی ، امداد و اعانت کا کتنا مناسب اور فطری طریقہ ہے۔ ایسا نہیں کہ اپنے تو بھوک سے بلک رہے ہوں اور بیگانوں پر آپ کی سخاوت کا مینہ برس رہا ہو۔

لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰٓ أَن تُحِبُّوا۟

تمہیں ؎۲۷۱ اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہوسکتا ہے کہ تم پسند کرو

شَيْـًٔا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَسْـَٔلُونَكَ

۲۶ ع ۱۰

کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور (حقیقتِ حال) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؎۲۷۲ وہ پوچھتے ہیں آپ سے

عَنِ ٱلشَّهْرِ ٱلْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ

کہ ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے ؎۲۷۳ آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا

؎۲۷۱ بعض مستشرقین نے اسلامی جہاد کو عجیب رنگ میں پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان طبعاً لوٹ مار اور جنگ وجدال کے رسیا تھے۔ ہر وقت تلواریں سونتے پُر امن بستیوں کو برباد کرنے اور لُوٹنے کے لیے آ دھمکتے تھے۔ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے دین میں داخل کیا کرتے تھے۔ کہنے کو انسان جو جی چاہے کہے لکھنے کو جو دل میں آئے لکھ دے لیکن اس طرح حقیقت تو بدل نہیں جاتی، واقعات تو مسخ نہیں ہو جاتے۔ تاریخ کے صفحات اور قرآن کی یہ آیت ان کے سارے افسانوں کی تردید کے لیے کافی ہے۔ کوئی قوم اگر طاقت کے نشہ میں مست ہو۔ اس کے پاس وسائل کی بہتات ہو اور اس کا مقابل کمزور ہو اور دین اور اخلاق کا کوئی ضابطہ بھی اس کو روکنے والا نہ ہو تو مانا جا سکتا ہے کہ ایسی قوم جنگ کا اعلان کر دے تاکہ کمزور دشمن کو نیست و نابود کر کے اپنی حکومت کو وسعت دے، اپنے خدمت گاروں کی صفوں میں اضافہ کرے اور ان کی دولت و ثروت کو ہڑپ کر لے۔ لیکن تاریخ ہمیں ایسی ایک بھی مثال نہیں بتا سکتی کہ کسی کمزور، تعداد میں کم، سامانِ جنگ سے یکسر محروم قوم نے شوقیہ اپنے سے طاقتور، کثیر التعداد، ہر قسم کے اسلحہ سے لیس قوم کو جنگ کے لیے للکارا ہو۔ اب خود فیصلہ فرمائیے کہ مستشرقین کا یہ خیال کہاں تک درست ہے کہ جنگ مسلمانوں کا مشغلہ تھا۔ کیا مسلمان ان حالات میں پہل کرنے کی پوزیشن میں تھے؟ ہرگز نہیں۔ آپ قرآنِ حکیم کے ان الفاظ پر غور فرمائیے وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ کہ تم پر جہاد فرض کیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناپسند ہے۔ اگر مسلمان طبعی طور پر جنگجو ہوتے اور ان کا دین انہیں لُوٹ مار کا سبق دیتا تو کیا وہ جنگ کو ناپسند کرتے بلکہ وہ تو بہانے تلاش کرتے کہ کوئی موقعہ ہاتھ آئے تاکہ لُوٹ مار تاخت و تاراج کی حسرت پُوری ہو سکے۔

؎۲۷۲ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے تمہاری پسند اور ناپسند کو دخل نہیں۔ تمہارا فرض ہے اپنے رب کا ہر حکم مانتے چلے جاؤ۔ کیونکہ وہی جانتا ہے کہ تمہارے لیے کونسی چیز مفید ہے اور کونسی نقصان دِہ ہے۔

؎۲۷۳ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمادی الثانی کی آخری تاریخوں میں عبد اللہ بن جحش کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ کفار کی نقل و حرکت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ ان کی مٹھ بھیڑ مشرکین کے ایک قافلہ سے ہوگئی۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ

اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روکنا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو

مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ

اس سے، اس سے بھی بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک اور فتنہ (وفساد) قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ اور ہمیشہ ۲۷۵

يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ

لڑتے رہیں گے تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے اور جو

يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جائے حالت کفر پہ تو یہی وہ (بدنصیب) ہیں کہ ضائع

مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا اور تین آدمیوں کو سازوسامان سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ جس روز یہ واقعہ ہوا مسلمان اس خیال میں تھے کہ رجب کا چاند دکھائی نہیں دیا اور جمادی الثانی کی تیسویں تاریخ ہے اور حقیقت یہ تھی کہ رات کو رجب کا چاند ہو گیا تھا۔ اس واقعہ سے کفار مکہ اور یہود و منافقین مدینہ کو مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک سنہری موقعہ ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے تو اودھم مچانا شروع کر دیا کہ ذرا دیکھو ان مسلمانوں کو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود ماہ حرام (رجب) میں قتل کرنے سے بھی باز نہیں آتے مسلمانوں کی اس نادانستہ غلطی کو لے کر انہوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ ان آیات میں ننگے پروپیگنڈے کا منہ توڑ جواب دیا گیا کہ ٹھیک ہے ماہ رجب کی بڑی عزت و حرمت ہے اور اس میں قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اپنے کرتوتوں کو بھی تو ملاحظہ کرو۔ وہ راستہ جو بندے کو مولا تک پہنچاتا ہے وہ تم روکے کھڑے ہو۔ مسجد حرام میں کسی حق پرست کو تم داخل ہونے نہیں دیتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ امن و سلامتی کے اس شہر سے اس کے اصلی باشندوں کو جلاوطن کرنے سے تم باز نہیں آتے اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ جو دعوت اسلام قبول کر لیتا ہے اسے طرح طرح کے عذاب دیکر، اس کے دل میں شکوک و شبہات ابھار کر دین حق سے دور کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہو۔ ان سنگین جرائم کا تو تمہیں خیال تک بھی نہیں، بلکہ ان کو تم جرم سمجھتے ہی نہیں اور اس معمولی واقعہ کو جو محض غلطی سے سرزد ہو گیا اسے یوں اچھال رہے ہو گویا یہ تمہارے جرموں سے قبیح ترین ہے

۲۷۵ مسلمانوں کو کفار کی دلی آرزو سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ ہوشیار رہیں۔

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

ہو گئے ان کے عمل دُنیا و آخرت میں اور یہی دوزخی ہیں، وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ

اللہ کی راہ میں، (تو) یہی لوگ اُمید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی، اور اللہ بڑا بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

بہت رحم فرمانے والا ہے۔ وہ پوچھتے ہیں آپ سے ۲۷۶؎ شراب اور جوئے کی بابت، آپ فرمائیے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے

۲۷۶؎ شراب کی حُرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے بھی بعض سلیم طبیعتیں اس کو گوارا نہیں کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ اور حضرت معاذؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ہمیں شراب کے متعلق حکم دیجئے۔ فانہا مذھبۃ للعقل ومسلبۃ للمال۔ یہ عقل زائل کرنے والی اور مال ضائع کرنے والی ہے تو یہ آیت نازل ہُوئی۔ اس پر بعض نے شراب ترک کر دی اور بعض پیتے رہے۔ کیوں کہ اس میں صراحتہً روکا نہیں گیا تھا۔ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بعض احباب کو بلایا اور انہیں شراب پیش کی۔ جب وہ پی کر مست ہو گئے تو شام کی نماز کا وقت ہو گیا۔ انہیں میں سے ایک صاحب نے امامت کرائی اور سُورہ الکافرون کی تلاوت شروع کی اور بجائے لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (میں اُنکی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کیا کرتے ہو) کی جگہ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (میں بھی اُنکی عبادت کرتا ہُوں جن کی تم کرتے ہو) پڑھ گئے۔ تو اس وقت حکم ہوا۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى کہ نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو۔ پھر ایک محفل میں جس کا اہتمام عتبان بن مالک نے کیا تھا۔ جب جام شراب گردش میں تھا اور حاضرین کو خمار چڑھنا شروع ہوا تو لگے اپنے اپنے قبیلوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے۔ کسی صاحب نے انصار کی ہجو میں شعر کہہ دیا۔ ایک انصاری نے اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی ان کے سر پر دے ماری اور سر پھوڑ دیا۔ بارگاہِ رسالت میں شکایت کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے التجا کی اے اللہ! شراب کے بارے میں واضح حکم نازل فرما۔ تو یہ آیت نازل ہُوئی۔ انما الخمر۔ الی۔ فھل انتم منتھون۔ یہ شراب کی حرمت کا آخری حکم تھا۔ اس کی تفصیل اپنے موقع پہ آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ وَيَسۡـئَلُوۡنَكَ

اور کچھ فائدے بھی ہیں لوگوں کے لیے اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ۲۷۷ ان کے فائدے سے اور پوچھتے ہیں آپ سے

مَاذَا يُنۡفِقُوۡنَ ؕ قُلِ الۡعَفۡوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ

کیا خرچ کریں فرمائیے جو ضرورت سے زیادہ ہو ۲۷۸ اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے حکموں کو

۲۷۷ یعنی یہ درست ہے کہ شراب سے عارضی سرور بھی حاصل ہوتا ہے اور جوئے سے بغیر محنت و مشقت کے دولت بھی مل جاتی ہے لیکن انکے نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ انکے سامنے اس نفع قلیل کی کوئی اہمیت نہیں رہتی (مزید وضاحت کے لیے سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۹۰-۹۱ ملاحظہ فرمائیے)۔

۲۷۸ جو تمہاری ضروریات سے زیادہ ہو اور جس کا خرچ کرنا تمہاری طبیعتوں پر بوجھ نہ ہو العفو ما سهل وتيسر و فضل ولم يشق على القلب اخراجه (قرطبی) ایک شخص سونے کا انڈا لیے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میری طرف سے یہ صدقہ قبول فرمائیے۔ حضورؐ نے منہ پھیر لیا۔ وہ بار بار اصرار کرتا رہا اور حضورؐ اعراض فرماتے رہے۔ جب وہ باز نہ آیا تو حضورؐ نے وہ انڈا اس سے لے کر غصے سے دور پھینک دیا۔ اور اگر وہ اسے لگ جاتا تو اس کا سر پھوڑ دیتا۔ پھر اس حکیم و شفیق استاد اور مربی نے فرمایا ياتی احدكم بماله كله يتصدق به و يجلس يتكفف الناس انما الصدقة عن ظهر غنى (تم میں سے کوئی آتا ہے اور اپنا سارا مال خیرات کر دیتا ہے اور پھر لوگوں سے بھیک مانگنے لگتا ہے۔ صدقہ تو تب ہے جب احتیاج نہ ہو) نیز اس لفظ میں ان لوگوں کے لیے بھی درس عبرت ہے جن کے پاس بے حساب دولت ہے اور ان کے گرد و نواح اور پڑوس میں کئی غریب مسکین اور محتاج زندگی کی اہم ضروریات کے لیے بھی ترس رہے ہوتے ہیں وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ زکوٰۃ ادا کر کے اب وہ ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں بلکہ ان کی ضرورت سے زیادہ جو سرمایہ ہے اس سے وہ اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔
بعض کا خیال ہے کہ زکوٰۃ سے پہلے یہ حکم تھا کہ ضرورت سے زیادہ مال صدقہ کر دیا کرو لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ یہ رائے درست نہیں کیونکہ آیت زکوٰۃ جو سورۂ بقرہ کی ابتدا میں ہے اس آیت سے پہلے نازل ہوئی اس لیے وہ اس آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی قلت و هذا ليس بسديد فان انزال الحكم بالزكوة فى صدر سورة البقرة ... (فهى) مقدمة منه ولا على هذه الاية (مظہری) نیز یہاں نسخ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اور یہ آیت نفل صدقات کے بارے میں ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ

تاکہ تم غور و فکر کرو ۲۷۹ دُنیا اور آخرت (کے کاموں) میں ۔ اور پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں

الْيَتَامَىٰ ۖ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَإِن تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ

کے بارے میں ۲۸۰ فرمائیے (ان سے الگ تھلگ رہنے سے) انکی بھلائی کرنا بہتر ہے اور اگر (کاروبار میں) تم انہیں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ ۚ

اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے ۲۸۱ اور اگر چاہتا اللہ تو مشکل میں ڈال دیتا تمہیں

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾ وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ

بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا حکمت والا ہے ۔ اور نہ نکاح کرو ۲۸۲ مشرک عورتوں کے ساتھ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں

۲۷۹ یعنی دُنیا و آخرت دونوں کو بہتر بنانے کے لیے غور و فکر کرو ۔ یہ ہے مومن کامل کا طریق کار ۔

۲۸۰ بعض لوگ تو یتیموں کے اموال کو خُرد بُرد کرنے کے لیے انکے ساتھ شراکت کرتے ۔ لیکن کئی ایسے بھی تھے جو ازراہِ ہمدردی ان کو اپنے کاروبار میں شریک کر لیتے ۔ اور دیانتداری سے انکے حصّہ کا نفع ان کو ادا کرتے اور ان کی سہولت کے پیشِ نظر انکے کھانے پینے کا انتظام اپنے ساتھ کر لیتے ۔ جب قرآن حکیم نے یتیموں کے اموال میں بددیانتی کرنے سے سختی سے روکا بلکہ انکے مال کے نزدیک تک جانے سے منع کر دیا تو اس سے ان لوگوں کو بھی بڑی پریشانی ہوئی جو یتیموں کی بہتری اور فائدہ کے لیے ان کو اپنے ساتھ شریک کیے ہوئے تھے ۔ اس لیے فرمایا کہ اگر تم یتیموں کا روپیہ کاروبار میں لگاؤ تاکہ اس سے انہیں نفع پہنچے تو یہ اچھی بات ہے ۔ منع تو اس امر سے کیا گیا ہے کہ تم ان کے مال ہضم کر جاؤ ۔

۲۸۱ وہ ہر ایک کی نیّت اور ارادے سے واقف ہے ۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ۔

۲۸۲ اسلام کے ابتدائی دَور میں مُسلمان کفّار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے ۔ لیکن اب انہیں اس بات سے روک دیا گیا اور انہیں بتا دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت ، حسن و جمال اور اپنے فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نُور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دُوسری جُملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مُشرک مرد کا ہے ۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقاید بالکل متضاد ہوں گے ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بُتوں کا پرستار ہو گا تو ان کی کب نبھ سکے گی ۔ لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی ۔ نیز وہ دو

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا

اور بے شک مسلمان لونڈی بہتر ہے (آزاد) مشرک عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند آئے تمہیں۔ اور نہ نکاح کر دیا کرو

الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ

(اپنی عورتوں کا) مشرکوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور بے شک مومن غلام بہتر ہے (آزاد) مشرک سے (

وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

اگرچہ وہ پسند آئے تمہیں وہ لوگ تو بلاتے ہیں ۲۸۳؎ دوزخ کی طرف اور اللہ تعالیٰ بُلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

جنّت اور مغفرت کی طرف اپنی توفیق سے اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے حکم لوگوں کے لیے تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ۧ وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ

نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے حیض کے متعلق ۲۸۴؎ فرمائیے وہ تکلیف دہ ہے

قومیں جو ایک دوسرے سے برسرِپیکار ہیں ان کے افراد کو ایک دوسرے پر اعتماد کب ہوگا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو۔ جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں وہ زیادہ دیرپا نہیں ہوسکتی اس لیے تم جذبات کی رَو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

اہلِ کتاب کی عورتوں کے ساتھ شادی کرنے کا حکم اپنے موقع پر آئے گا۔

۲۸۳؎ سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جارہی ہے۔ یعنی اگر مشرک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اسلام سے رُوگرداں کردے اور عورت کے دامِ فریب میں تو بڑے بڑے سُورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے۔ اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھا دے۔ خود سوچو یہ کتنا ناقابلِ برداشت خسارہ ہے۔

۲۸۴؎ یہود ایامِ حیض میں عورت سے بالکل قطع تعلق کر لیا کرتے تھے۔ ایک ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تو کجا اس کے ساتھ کھانا پینا بھی بند کر دیا جاتا۔ بلکہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی ناپاک خیال کیا جاتا تھا اور مشرکینِ عرب کا رویہ بھی تقریباً ایسا ہی تھا۔ لیکن نصاریٰ ان دنوں میں کسی قسم کا پرہیز نہیں کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بستری سے بھی باز نہ آتے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى

پس الگ رہا کرو عورتوں سے حیض کی حالت میں اور نہ نزدیک جایا کرو ان کے یہاں تک کہ

یَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

وہ پاک ہوجائیں۔ پھر جب وہ پاک ہوجائیں ۲۸۵ تو جاؤ ان کے پاس جیسے حکم دیا ہے تمہیں اللہ نے

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ (۲۲۲) نِسَآؤُكُمْ

بے شک اللہ دوست رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرا رہنے والوں کو۔ تمہاری بیویاں

حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ

تمہاری کھیتی ہیں ۲۸۶ سو تم آؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو ۲۸۷ اور پہلے پہلے کرلو اپنی بھلائی کے کام ۲۸۸

کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط بلکہ اسلام کی روایتی میانہ روی اور اعتدال جلوہ فرما ہے۔ صحبت سے منع کردیا کیونکہ مرد و عورت دونوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ عورت کی طبیعت ان دنوں نڈھال ہوتی ہے اور یہ عمل اس کے لیے بھی ناگوار خاطر ہوتا ہے۔ نیز خون جو بہرحال غلیظ اور نجس ہے ایسے حال میں مقاربت کو کوئی سلیم الطبع انسان پسند نہیں کرتا بلکہ ایسا کرنے سے بسا اوقات ایسی نفرت پیدا ہو جاتی ہے کہ پھر اس کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے کو اسلام نے جائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۲۸۵ یہاں طہارت میں مبالغہ مطلوب ہے۔ یعنی خون کے بند ہونے کے بعد غسل کرلے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے یا خون دس دن گزرنے پر بند ہوا ہو تو پھر مقاربت کی اجازت ہے۔ یہ قید اس لیے بڑھائی گئی ہے تاکہ خون بند ہونے کا پورا یقین ہوجائے۔

۲۸۶ "یعنی فطرۃ اللہ نے عورتوں کو مردوں کے لیے سیرگاہ نہیں بنایا بلکہ ان دونوں کے درمیان کھیت اور کسان کا سا تعلق ہے" (تفہیم القرآن) ایک نازک ترین حقیقت کو کیسے احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ جبین حیا پر شکن بھی نہیں پڑتی اور مقصد بھی کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو اسلامی ازدواج کا سارا فلسفہ سمیٹ کر ان دو لفظوں میں رکھ دیا گیا ہے۔ شادی کا مقصد صرف لذت طلبی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے۔ اس لیے اپنے لیے بیوی ایسی منتخب کرو جو نیک اور پاکباز ہو۔ کیونکہ اگر ردی زمین میں تخم ریزی کرو گے تو اچھی کھیتی کی توقع عبث ہے۔ نیز جس طرح کسان کی ظاہری خوشحالی بلکہ بقا کا انحصار اس کے کھیت کی حفاظت و نگہداشت اور خدمت پر ہے اور اس کے لیے دلی وابستگی ضروری ہے۔ اسی طرح تمہارا تعلق اپنی رفیقہ حیات سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو کہ تم ملنے والے ہو اس سے اور (اے حبیب) خوشخبری دو مومنوں کو

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ

اور نہ بناؤ اللہ (کے نام) کو رکاوٹ ۲۸۹ اس کی قسم کھا کر کہ نیکی نہ کرو گے اور پرہیزگاری نہ کرو گے اور

دل وابستگی کا ہونا چاہیے۔ غرضیکہ آپ جتنا غور کرتے جائیں گے شادی کے مقاصد اور فرائض نکھر نکھر کر سامنے آتے جائیں گے۔

۲۸۷ اَنّٰى بمعنی کیف ہے۔ یعنی مقاربت کی کوئی ایک ہیئت متعین نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ صرف ایک شرط ملحوظ رہے کہ تخم ریزی وہاں ہو جو جگہ اس کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے دو غلط کاریوں کا رد کر دیا گیا ہے۔ یہود نے مقاربت کے لیے صرف ایک شکل مخصوص کر رکھی تھی۔ فرمایا کسی خاص ہیئت کی پابندی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تمہیں پسند ہو۔ اور بعض گندے مذاق کے لوگ عورتوں کے ساتھ لواطت کیا کرتے تھے۔ اس سے منع فرمایا کہ وہ تخم ریزی کی جگہ نہیں۔ اس سے شادی کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اور عورت کے طبعی حقوق بھی پامال ہوتے ہیں

۲۸۸ بڑا جامع فقرہ ہے اور بڑے وسیع مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی ان لذتوں میں ہی نہ کھو جاؤ بلکہ اپنی آنے والی زندگی کے لیے نیک اعمال کا توشہ جمع کرتے رہو۔ نیز شادی سے اولاد طلب کرو تاکہ اس کی وجہ سے تمہارا نام باقی رہے اور ان کے اعمال صالحہ سے تمہارے مر جانے کے بعد بھی تمہارے اعمال نامہ میں نیکیوں کا اضافہ ہوتا رہے۔ اگر تم لذت طلبی میں ہی عمر برباد کر کے دنیا سے چل دیئے تو تمہارا نام تک مٹ جائے گا۔ اور اگر اولاد ہوئی اور اس کی تم نے صحیح تربیت نہ کی۔ ان کے اخلاق اور سیرت کو اسلامی سانچے میں نہ ڈھالا۔ وہ جاہل، بدعمل، بدکار بن گئے تو تمہیں یاد تو کیا جائے گا لیکن ایسی برائی کے ساتھ کہ اس سے تمہیں اگر یاد نہ کیا جاتا تو ہزار بار بہتر تھا۔ نیز نیک اولاد کی خواہش ہے تو پہلے ایسی نیک بیوی تلاش کرو جو نیک اور سعادتمند بچوں کی ماں بن سکے۔ یہ سارے مطالب قدموا لانفسکم میں بیان فرما دیئے گئے ہیں۔

۲۸۹ عرضۃ ای حاجز (بیضاوی) یعنی رکاوٹ۔ بعض نادان قسم اٹھا لیا کرتے تھے کہ وہ ماں باپ کے ساتھ نہیں بولیں گے یا اپنے بھائی وغیرہ سے قطع تعلق کر لیں گے اور جھوٹی گواہی ضرور دیں گے اور پھر اپنی قسموں کی وجہ سے اپنے آپ کو نیکی نہ کرنے کا پابند سمجھتے تھے (اور آجکل بھی یہ عام رواج ہے) اس آیت میں بتایا گیا کہ نیکی نہ کرنے پر اللہ کے نام کی قسمیں مت اٹھاؤ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے اذا حلفت علی یمین فرایت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینک۔ یعنی اگر تم کسی کام کی قسم اٹھا لو اور پھر اس سے دوسرا کام نیک معلوم ہو تو وہ نیک کام کر لو اور قسم کا کفارہ ادا کر دو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام پاک نیک کام نہ کرنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا کپڑے دینا یا تین روزے رکھنا۔

تُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٤﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ

صلح نہ کراؤ گے لوگوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے نہیں پکڑے گا تمہیں

اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہاری لا یعنی قسموں پر ۲۹۰ لیکن پکڑے گا تمہیں ان قسموں پر جن کا ارادہ تمہارے

قُلُوبُكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٢٥﴾ لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ

دلوں نے کیا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔ ان کے لیے جو قسم اٹھاتے ہیں کہ وہ ۲۹۱ اپنی بیویوں کے

تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾

قریب نہ جائیں گے مہلت ہے چار ماہ کی پھر اگر رجوع کر لیں (اس مدت میں) تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے۔

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾ وَالْمُطَلَّقَاتُ

اور اگر پکا ارادہ کر لیں طلاق دینے کا تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اور طلاق دی ہوئی عورتیں

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ

روکے رکھیں اپنے آپ کو تین حیضوں تک ۲۹۲ اور جائز نہیں ان کے لیے کہ چھپائیں ۲۹۳

۲۹۰ یعنی اگر ارادہ اور قصد کے بغیر قسمیہ الفاظ زبان پر جاری ہونے کی عادت ہو گئی ہے تو ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

۲۹۱ بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لیے قسم اٹھا لیا کرتے کہ وہ ان سے ہم بستری نہ کریں گے۔ اس طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہو جاتی۔ قرآن نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ اور فرمایا کہ اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی تمہیں صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم عورت کو اپنے نکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو۔ ہاں اگر اپنی خوشی سے پھر اس خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔

۲۹۲ اگر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو بیوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہاں سے اٹھے اور جھٹ دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچا لے، جیسا یہود کے ہاں قاعدہ تھا۔ بلکہ اسے حکم ہے کہ تین حیض گزرنے کی مدت تک صبر کرے۔ اس کے بعد اسے نکاح کرنے

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

جو پیدا کیا ہے اللہ نے ان کے رحموں میں اگر وہ ایمان رکھتی ہوں اللہ پر اور روزِ

الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ

آخرت پر اور ان کے خاوند زیادہ حقدار ہیں ان کو لوٹانے کے اس مدت میں اگر وہ ارادہ کریں صلاح کا ۲۹۴

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ

اور ان کے بھی حقوق ہیں (مردوں پر) جیسے مردوں کے حقوق ہیں ان پر دستور کے مطابق البتہ مردوں کو عورتوں پر

دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ ع ۲۸ ۱۲

فضیلت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے۔ طلاق دو بار ہے ۲۹۵ پھر یا تو روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ

کی اجازت ہے۔ اس مدت انتظار کو شریعت میں عدت کہتے ہیں۔ اس میں بڑی مصلحتیں ہیں۔ اس مدت میں خاوند چاہے تو رجوع بھی کر سکتا ہے (بشرطیکہ اس نے تیسری بار طلاق نہ دے دی ہو) نیز اس عرصہ میں اگر عورت حاملہ ہے تو بھی پتہ چل جائیگا اور یہ چیز خاوند کو رجوع کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔ اس سے بڑھ کر شریعت کو ابھی پیدا ہونے والے بچے کے حقوق کا پاس ہے۔ کہ اس کی نسبت مشکوک اور مخلوط نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ طلاق کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں جس کا کوئی اثر نہ ہو۔ یہ تو ایک المناک حادثہ ہے۔ لیکن عدت کی یہ مدت اس عورت کے لیے ہے جو مدخول بہا ہو اور بڑھاپے کی وجہ سے اس کا حیض بھی بند نہ ہو گیا ہو۔ اور حاملہ بھی نہ ہو۔ اس قسم کی عورتوں کی عدت کا بیان دوسری آیات میں مذکور ہے۔

۲۹۳ عورت پر ضروری ہے کہ وہ اپنی صحیح اندرونی کیفیت بتا دے کہ آیا وہ حاملہ ہے یا نہیں تاکہ عدت کے قواعد مرتب ہو سکیں۔

۲۹۴ ان کے خاوند اگر اصلاح کر لیں اور آباد کرنے کی نیت سے دوبارہ انہیں اپنے گھر میں بسا لیں تو یہ بہت بہتر ہے بشرطیکہ انہوں نے تیسری بار طلاق نہ دیدی ہو۔

۲۹۵ عرب میں یہ رواج تھا کہ خاوند اپنی بیوی کو ان گنت بار طلاق دے سکتا تھا۔ چنانچہ مفسر کبیر ابن جریر لکھتے ہیں کہ مرد جتنی بار چاہتا اپنی بیوی کو طلاق دیتا کوئی پابندی نہ تھی اور ہر بار عدت گزرنے سے پہلے وہ رجوع کر سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے اپنی بیوی کو دھمکی دی لا اقربک ولا تحلین منی، کہ نہ تو میں تمہارے نزدیک جاؤں گا اور نہ تو

أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ

یا چھوڑ دینا ہے احسان کے ساتھ اور جائز نہیں تمہارے لیے کہ لو تم ۲۹۶ اس سے جو تم نے دیا ہے انہیں

مجھ سے آزاد ہو سکے گی۔ اس کی بیوی نے اس سے پوچھا یہ کیسے؟ تو وہ بولا کہ میں تمہیں طلاق دیا کروں گا۔ اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کروں گا۔ وہ اپنے تاریک مستقبل کا تصور کر کے لرز گئی اور شکوہ کناں بارگاہِ رسالتمآب رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئی اور اپنی مظلومیت کی داستان عرض کی۔ پروردگارِ عالم نے اپنے حبیبِ مکرم پر یہ آیت نازل فرمائی۔ جس نے عورت کے بیشتر مصائب کا خاتمہ کر دیا۔ خاوند کے حق طلاق کو تین بار تک محدود کر دیا۔ ایک بار طلاق دینے کے بعد اسی طرح دوسری بار طلاق دینے کے بعد وہ اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو اب اس کا تعلق اس عورت سے بالکل منقطع ہو گیا۔ اب اسے رجوع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

طلاق دینے کا قاعدہ : اگر قطع تعلق کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو تو مرد اپنی بیوی کو جب وہ حیض سے فارغ ہو صحبت کرنے سے پہلے ایک طلاق دے۔ پھر دوسرے ماہ جب وہ حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے دوسری بار طلاق دے۔ ابھی تک وہ رجوع کر سکتا ہے۔ پھر تیسرے ماہ جب عورت حیض سے پاک ہو تو صحبت سے پہلے تیسری طلاق دے۔ اب نکاح کا تعلق ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا ہے۔ مرد کو اتنی مہلت جو دی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اس فیصلہ پر ایک بار نہیں بار بار غور کرے۔ اور اگر اپنے اس فیصلے کو وہ واپس لینا چاہے تو دو بار تک واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر اس نے تیسری بار بھی طلاق دے دی تو گویا اس نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ اس عورت کو کسی قیمت پر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا۔ اس کے بعد اسے یہ حق نہیں کہ پھر رجوع کرتا پھرے اور عورت کو اپنی خواہشات کا کھلونا بنائے رکھے۔

یہ اسلام کا قانونِ طلاق ہے۔ اب اس کا موازنہ کریں۔ ایک طرف عرب کے جاہلانہ طریقے سے جس میں مرد جب چاہتا طلاق دیتا رہتا اور دوسری طرف ہندوؤں، یہودیوں اور نصاریٰ کے قانون سے کہ جو ایک بار نکاح کی زنجیر میں جکڑ دیا گیا، اب حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ کیوں نہ ہو جائیں چھٹکارا کی کوئی صورت نہیں۔ اسلام کی شریعت کی میانہ روی اور اعتدال وہ امتیاز ہے جس کا مقابلہ دنیا کے قدیم و جدید کا کوئی نظام قانون نہیں کر سکتا۔ کاش ہم سمجھتے! کاش اس کے مطابق عمل کرتے۔

۲۹۶ مرد کیونکہ فطری طور پر عورت سے نسبتۃً زیادہ مدبر، دوراندیش اور جذبات کی رو میں بہ جانے کی بجائے عقل و ہوش سے زیادہ کام لینے والا ہے۔ نیز ازدواجی زندگی کی ساری ذمہ داریاں بھی اسی کے کندھوں پر ہیں اس لیے شریعتِ مطہرہ نے طلاق دینے کا حق مرد کو تفویض کیا ہے۔ اور اس حق کو استعمال کرنے کا حکیمانہ طریقہ بھی تعلیم کر دیا۔ اور اسے اس آیت میں یہ بھی ہدایت کر دی کہ جو چیز اس نے آج تک اپنی اس بیوی کو تحفہ یا ہدیہ کے طور پر دی تھیں وہ واپس نہ لے بلکہ تسریح باحسان کے الفاظ تو بتاتے ہیں کہ اس افسوسناک حادثہ پر اس کی مزید خدمت کر دے تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ دلجوئی ہو جائے۔

شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا

کچھ بھی بجز اس کے کہ دونوں اندیشہ ہو کہ وہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ

حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ

سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو کوئی حرج نہیں ان پر ۴۹۱؎ کہ عورت کچھ فدیہ دیکر جان چھڑا لے - یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

حدیں ہیں اللہ کی سو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھتا ہے اللہ کی حدوں سے سو وہی لوگ

۴۹۱؎ اگر خاوند عورت کو مارتا پیٹتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا یا عورت کو اپنے خاوند سے ایسی نفرت ہو گئی ہے کہ اب ان کی صلح کی کوئی توقع نہیں اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ اگر یہ نکاح کے بندھن میں بندھے رہے تو یہ طرح طرح کی معصیتوں میں مبتلا ہو جائینگے تو اب کیا کیا جائے؟ اس مشکل کا حل آیت کے اس حصہ میں بیان فرمایا گیا ہے جسے فقہاء کی اصطلاح میں خلع کہا جاتا ہے - یعنی اگر مندرجہ بالا صورت پیدا ہو جائے تو عورت حاکم وقت کے پاس خلع کا مطالبہ کرے - اور حاکم پہلے ان کی مصالحت کی کوشش کریگا اگر کامیابی نہ ہو تو خاوند نے عورت کو مہر میں جو کچھ دیا تھا حاکم اسے لے کر خاوند کو واپس کر دے - اور ان کے درمیان تفریق کر دے - یہ خلع ہے اور اس کا حکم طلاق بائن کا ہے -

فقہاء احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر زیادتی خاوند کی طرف سے ہے تو اسے خلع کرتے وقت بیوی سے کچھ لینا مناسب نہیں اور اگر زیادتی بیوی کی ہے تو جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا اتنا لینا اسے مباح ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور بعض دیگر علماء نے کہا ہے کہ زیادہ بھی لے سکتا ہے۔ مخلوعہ کی عدت بھی تین حیض ہے - اس حکم کے نزول کی وجہ محدثین کرام نے یہ لکھی ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ نے جو ثابت بن قیس کے نکاح میں تھی، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی لا انا ولا ثابت لا یجمع راسی و راسہ شیئ - میں اور ثابت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے - میرا سر اور اس کا سر ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتا (اس نفرت کی بجز اس کے کوئی وجہ نہ تھی کہ انکو ان کی شکل پسند نہ تھی) حضور ؐ نے فرمایا کیا تم وہ باغ واپس کرنے کے لیے تیار ہو جو ثابت نے تم کو مہر میں دیا تھا۔ جمیلہ نے کہا ہاں وہ بھی اور کچھ اور بھی دینے کو تیار ہوں - حضور علیہ السلام نے وہ باغ حضرت ثابت کو واپس کر دیا اور ان میں تفریق کر دی - (خلع کے تفصیلی احکام کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے)

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى

ظالم ہیں (دو بار طلاق دینے کے بعد) ۲۹۸؎ پھر اگر وہ طلاق دے اپنی بیوی کو تو وہ حلال نہ ہوگی اس پر اس کے بعد یہاں تک

تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ

کہ نکاح کرے کسی اور خاوند کے ساتھ۔ پس اگر وہ (دوسرا) طلاق دے اسے تو کوئی حرج نہیں ان دونوں پر کہ رجوع کر لیں بشرطیکہ

اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا

انہیں خیال ہو کہ وہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان فرماتا ہے انہیں ان

لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٠﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور جب تم طلاق دیدو عورتوں کو اور وہ پوری کر لیں اپنی عدت ۲۹۹؎

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ

پس یا تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا چھوڑ دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور نہ روکو انہیں

۲۹۸؎ یہاں سے تیسری طلاق اور اس کے حکم کا بیان ہے۔ یعنی اگر تیسری طلاق بھی اس نے دے دی تو اب جب تک وہ کسی دُوسرے خاوند سے بالکل اسی طرح بسنے کی نیت سے نکاح نہ کرے جیسے اس نے پہلے خاوند کے ساتھ کیا تھا اور پھر وہ دوسرا خاوند ہم بستری کرنے کے بعد کچھ مدت گزرنے پر اپنی مرضی سے اسے طلاق نہ دے دے اس وقت تک وہ پہلے خاوند کے نکاح میں نہیں جا سکتی۔ یہ ہے قرآن کریم کا واضح ارشاد جس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ آجکل اس کا حل حلالہ کی باعث صد نفرین صُورت میں تلاش کر لیا گیا ہے۔ اس کے متعلق حضور نبی کریمؐ کا یہ حکم پیش نظر ہے۔ لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہٗ۔
ترجمہ: حلالہ کرنے والے پر بھی اللہ کی پھٹکار اور جس (بے غیرت) کے لیے حلالہ کیا جا رہا ہے اس پر بھی اللہ کی پھٹکار۔ رکوع کے آخر تک جتنی آیتیں ہیں ان میں مکرر سہ کرر تاکید کی جا رہی ہے کہ کسی عورت کے ساتھ نکاح اسے ستانے اور دُکھ دینے کے لیے نہ کرو بلکہ انہیں آباد کرنے کے لیے کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ مذاق کر رہا ہے۔ کیا کسی مومن کے لیے اس سے بھی کوئی سنگین سرزنش ہو سکتی ہے۔

۲۹۹؎ طلاق سے یہاں مُراد طلاق رجعی ہے۔ یعنی جب تک تم نے طلاق مغلظ نہیں دی اُس وقت تک تمہیں اختیار ہے چاہے تو رجوع کر لو اور اسے اپنے گھر بسالو اور اسکے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے

ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا

تکلیف دینے کی غرض سے تاکہ زیادتی کرو۔ اور جو کوئی کرے گا اس طرح تو وہ ظلم کریگا اپنی ہی جان پر اور نہ

تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

بنالو اللہ کی آیتوں کو مذاق ۴۱۳ اور یاد کرو ۴۱۴ اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور (یاد کرو) جو اس نے نازل

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

فرمایا تم پر قرآن اور حکمت وہ نصیحت فرماتا ہے تمہیں اس سے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور خوب جان لو

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ

کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پوری کر چکیں

اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا

اپنی عدت تو نہ منع کرو انہیں ۴۱۵ کہ نکاح کرلیں اپنے خاوندوں سے جبکہ رضامند ہوجائیں

علیحدہ کردو۔ جو صورت بھی اختیار کرو اسمیں نیک نیتی ملحوظ ہو۔ عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہرگز مقصود نہیں ہونا چاہیئے۔

۴۱۲ گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیش نظر ان قوانین کو غلط استعمال کرنے والوں کو تنبیہہ کی جارہی ہے کہ اگر تم نے ان قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا کیونکہ تم آیات خداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو۔ اور یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔

۴۱۳ پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت وشفقت سے ان قوانین کے اتباع کی ترغیب دی جارہی ہے۔ کہ دیکھو قرآن ایسی کتاب ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے۔ تمہیں اس نعمت عظمیٰ کا ہمیشہ پاس رہنا چاہیئے۔ تبھی تو تم اس احسان عظیم کی شکرگزاری کا حق ادا کرسکتے ہو۔ ترغیب وترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔

۴۱۴ یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدت پوری کرلے اور اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی

بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ

آپس میں مناسب طریقہ سے یہ فرمان (الٰہی) (اسے) نصیحت کی جاتی ہے اسکے ذریعے اسکو جو تم میں سے یقین رکھتا ہو

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اللہ پر اور قیامت پر یہ بہت پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور بہت صاف اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٢﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ

اور تم نہیں جانتے ۔ اور مائیں دُودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو

كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ

سال ؂ (یہ مدت) اس کے لیے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت ۔ اور جس کا بچہ ہے اس کے ذمہ ہے

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

کھانا ان ماؤں کا اور ان کا لباس مناسب طریقہ سے ۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی شخص کو مگر اسکی حیثیت کے مطابق

دُوسرا بھی اس سے نکاح نہ کرے ۔

؂ یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیرخوار بچہ ہو تو اس جُدائی کے بعد اس کی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا ۔ اس لیے ضرُوری تھا کہ بچہ کی پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرمادیا جائے ۔ لہٰذا یہاں اِن مسائل کا بیان ہُوا ۔

مسئلہ : ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دُودھ پلانا واجب ہے بشرطیکہ باپ کو اُجرت پر دُودھ پلانے کی قدرت و استطاعت نہ ہو یا کوئی دُودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا اور کسی کا دُودھ قبول نہ کرے ۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچہ کی پرورش خاص ماں کے دُودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دُودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے ۔ (منقول از حاشیہ صدر الافاضل مُرادآبادی)

مسئلہ : اگر کسی شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور عدت گزر چکی تو وہ اس بچہ کے دُودھ پلانے کی اُجرت لے سکتی ہے ۔ (حاشیہ صدرالافاضل)

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى

نہ ضرر پہنچایا جائے کسی ماں کو اسکے لڑکے کے باعث اور نہ کسی باپ کو (ضرر پہنچایا جائے) اسکے لڑکے کے باعث اور وارث

الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ

پر بھی اسی قسم کی ذمہ داری ہے۔ پس اگر دونوں ارادہ کرلیں دُودھ چھڑانے کا اپنی مرضی اور

تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا

مشورہ سے تو کوئی گناہ نہیں دونوں پر اور اگر تم چاہو کہ دُودھ پلواؤ (دایہ سے) اپنی

اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ

اولاد کو پھر کوئی گناہ نہیں تم پر جبکہ تم ادا کردو جو دینا ٹھہرایا تھا تم نے مناسب طریقے سے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿﴾ وَالَّذِيْنَ

اور ڈرتے رہو اللہ سے اور (خوب) جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اسے دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ

يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

فوت ہو جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو وہ بیویاں انتظار کریں چار

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

مہینے اور دس دن اور جب پہنچ جائیں اپنی (اس) مدت کو تو کوئی گناہ نہیں تم پر اس میں جو

۳۲۳ یہاں ان عورتوں کی عدت کا بیان ہے جن کے خاوند فوت ہو جائیں اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے یعنی جس وقت وہ بچہ جنے گی اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ اس کی تصریح آگے آئے گی۔

۳۲۴ اس کا صرف یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مدت میں نکاح نہ کرے بلکہ احادیث صحیحہ کے مطابق کئی دوسری چیزوں سے بھی پرہیز لازمی ہے۔ یعنی عدت کے اندر وہ رنگین اور ریشمی لباس نہ پہنے۔ خوشبو نہ لگائے۔ مہندی اور دیگر آرائش سے اجتناب کرے۔ اپنے متوفی خاوند کے ہی گھر ٹھہرے۔ ہاں ضروری کام کی غرض سے دن کو گھر سے نکل سکتی ہے رات کو

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿٢٣٤﴾

کریں وہ اپنی ذات کے بارے میں مناسب طریقہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب واقف ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ

اور کوئی گناہ نہیں تم پر اس بات میں کہ اشارہ سے پیغام نکاح دو ان عورتوں کو

اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ

یا جو چھپا رکھے ہو تم اپنے دلوں میں (تو) جانتا ہے اللہ تعالیٰ کہ تم ضرور ان کا ذکر کرو گے البتہ

لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا

نہ وعدہ لینا ان سے خفیہ طور پر بھی مگر یہ کہ کہو (ان سے) شریعت کے مطابق کوئی بات اور نہ پکا کر لو

عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

نکاح کی گرہ یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہا کو اور جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے

٣٠ ع ١٤ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾

جو تمہارے دلوں میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا حلم والا ہے۔

پھر اسی مکان میں شب باشی کرے۔ نیز نئے نکاح کے لیے بھی بات چیت نہ کرے۔

۳۳۵ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت سے صراحۃً نکاح کرنے کا تذکرہ نہ کریں۔ غم واندوہ کی ان گھڑیوں میں جبکہ ایک گھر بے چراغ ہو چکا ہے تمہارا جشنِ شادی منانے کی طرح ڈالنا کتنا معیوب ہے اور اس مرحوم کے ساتھ کتنی بے انصافی ہے کہ ابھی اسکا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور تم اسکی بیوی کو شادی کا پیغام بھیجنے لگے ہو۔ ہاں پردہ داری سے اگر تم اپنے ارادہ کا اظہار کر دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ یہ بات تمہارے دلوں میں ہی رہے اور زبان پر نہ آنے پائے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ

کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم طلاق دے دو ان عورتوں کو جن کو تم نے چھوا بھی نہیں ش۳۰ اور نہیں

تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ

مقرر کیا تم نے ان کا مہر اور خرچہ دو انہیں مقدور والے پر اسکی حیثیت کے مطابق

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾

اور تنگدست پر اس کی حیثیت کے مطابق یہ خرچہ مناسب طریقہ پر ہونا چاہیئے یہ فرض ہے نیکوکاروں پر۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ

اور اگر تم طلاق دو انہیں ش۳۱ اس سے پہلے کہ تم انہیں ہاتھ لگاؤ اور مقرر کر چکے تھے

لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا

ان کے لیے مہر تو نصف مہر (ادا کرو) جو تم نے مقرر کیا ہے مگر یہ کہ وہ (اپنا حق) معاف کردیں یا معاف

ش۳۰ یہاں اس عورت کی طلاق کا حکم بیان ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح تو ہو گیا لیکن مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہوئی اور مرد نے اس کے ساتھ صحبت اور خلوت صحیحہ بھی نہیں کی۔ بتایا کہ ایسی عورت کو طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ لیکن ایسی عورت کو خرچہ کے لیے کچھ دیدو تا کہ اس کی دلجوئی ہو جائے۔ فقہاء نے تین کپڑوں کا جوڑا مراد لیا ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ خاوند اس میں تنگدلی سے بھی کام نہ لے اور فضول خرچی بھی نہ کرے بلکہ اپنی حیثیت کے مطابق جو دینا چاہے دے۔ حقًّا سے یہ وضاحت کر دی کہ دینا ضروری ہے۔

ش۳۱ یہاں اس عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ نکاح کے وقت جس کا مہر تو مقرر ہو چکا تھا لیکن صحبت اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دے دی گئی۔ فرمایا اس صورت میں خاوند نصف مہر عورت کو دے۔ ہاں اگر عورت اپنی مرضی سے وہ بھی بخش دے یا خاوند پورا مہر دینے کو تیار ہو جائے اور نصف مہر نہ دینے کی جو رعایت اسے دی گئی تھی اس رعایت کو وہ معاف کر دے تو پھر اور بات ہے۔ الذی بیدہ عقدۃ النکاح سے مراد خاوند ہے۔ کیونکہ نکاح کی گرہ کے باندھنے اور کھولنے کا حق اسے ہی دیا گیا ہے۔ اور اَن تعفوا سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ عفو اور فراخ دلی کے زیادہ مستحق مرد ہیں۔

الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی ؕ وَ

کردے وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے ۔ اور (اے مردو) اگر تم معاف کردو تو یہ بہت قریب ہے تقویٰ سے اور

لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۲۳۷﴾

نہ بھلایا کرو ؎۳۰۹ احسان کو آپس (کے لین دین) میں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾

پابندی کرو سب نمازوں کی ؎۳۱۰ اور (خصوصاً) درمیانی نماز کی ؎۳۱۱ اور کھڑے رہا کرو اللہ کیلئے عاجزی کرتے ہوئے

؎۳۰۹ اس وقت احسان و مروّت کی ہدایت کی جارہی ہے جبکہ حالات اس قدر کشیدہ ہو چکے ہیں کہ طلاق دینے کی نوبت آچکی ہے۔ لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کو تلقین کرتا ہے کہ ان بگڑے ہوئے حالات میں بھی حسنِ خلق کا مظاہرہ کرو۔ اور اگر دوسرا فریق تمہارے اس حسنِ سلوک اور مہربانی کا اعتراف اور قدر نہ بھی کرے تو کیا ہوا، تمہارا رب تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اگر وہ راضی ہو گیا تو پھر تمہیں اور کیا چاہیے۔

؎۳۱۰ ذکرِ الٰہی اسلام کی رُوح ہے۔ یہی وہ قوت ہے جس سے انسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے۔ اس لیے قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں قوانین و احکام کا بیان ہوا وہاں ساتھ ہی ذکرِ الٰہی کی طرف دلوں کو راغب کر دیا تاکہ وہ اِن احکام کی پابندی آسانی سے کر سکیں۔ یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلق احکام طلاق، خلع، عدت وغیرہ بیان کر کے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ نماز ہی ذکرِ الٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے۔ اسمیں جسم و روح، دل و دماغ سب مصروفِ عبادت و مناجات ہوتے ہیں۔ یہاں قرآن کے الفاظ غور طلب ہیں۔ حافظوا علی الصلوات فرمایا احفظوھا نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مفاعلہ کا صلہ علیٰ آجائے تو اس وقت اس کے معنی بار بار اور علی الدوام کرنے کے ہوتے ہیں (المنار) یہاں بھی مقصد یہی بتانا ہے کہ بار بار ہمیشہ نماز ادا کرتے رہو۔ یہ نہیں کہ ایک بار نماز ادا کر لی اور ہفتہ بھر کے لیے چھٹی مل گئی۔ اسلام میں نماز کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ قرآنِ کریم میں اسکا حکم سو دفعہ کے قریب ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دین کا ستون فرمایا ہے۔ اور ہم مسلمان ہو کر نماز کے معاملہ میں جتنی سُستی کرتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔ حضور اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں۔ ممکن ہے اس سے کوئی خوش نصیب ہدایت پاجائے۔ من حافظ علیہا کانت له نورا و برھانا و نجاة یوم القیامة ومن لم یحافظ علیہا لم تکن له نورا و برھانا و نجاة وکان یوم القیامة مع قارون و فرعون و ھامان و ابی بن خلف (رواہ احمد و الطبرانی) ترجمہ: حضورؐ نے فرمایا کہ جو نماز پابندی سے

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا

پھر اگر تم کو ڈر ہو (دشمن وغیرہ کا) تو پیادہ یا سوار (جیسے بن پڑے) ۳۱۲ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو یاد کرو اللہ تعالیٰ کو جس طرح

عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَ

اس نے سکھایا ہے تمہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ اور جو لوگ فوت ہو جاتے ہیں تم میں سے ۳۱۳ اور

يَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ

چھوڑ جاتے ہیں بیویاں (انہیں چاہیے کہ) وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے لیے کہ انہیں خرچ دیا جائے ایک سال تک (اور) نہ نکالا جائے (انہیں گھر سے)

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن

پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو کوئی گناہ نہیں تم پر جو کچھ وہ کریں۔ اپنے معاملہ میں مناسب

ادا کرے گا قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہو گی۔ اس کے ایمان کی واضح دلیل ہو گی۔ اور اس کی نجات کا باعث ہو گی۔ اور جس نے نماز کی پابندی نہ کی تو اس کے پاس نہ نور ہو گا نہ اپنے ایمان کی کوئی دلیل اور نہ بخشش کا کوئی وسیلہ اور اس کا حشر قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہو گا۔ اے اللہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیدار کر اور اپنی عبادت اور اپنے محبوب کی اطاعت کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔ بجاہِ حبیبك الكريم عليه افضل الصلوٰة والسلام۔

۳۱۱: درمیانی نماز سے کونسی نماز مراد ہے۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں لیکن راجح قول یہ ہے کہ یہ نمازِ عصر ہے۔ حضرت علی۔ ابن مسعود و عائشہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے جنگ خندق میں عصر کی نماز قضا ہو گئی تھی تو حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کی قبروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز پڑھنے سے مصروف رکھا۔ ملأ الله بيوتهم وقبورهم نارًا كما شغلونا عن الصلوٰة الوسطىٰ حتى غابت الشمس۔ متفق علیہ

۳۱۲: یہ آیت نماز کی انتہائی اہمیت پر دلالت کرتی ہے کہ یہ عبادت اتنی اہم ہے کہ اس وقت بھی معاف نہیں ہوتی جب تمہیں دشمن کے حملہ کا اندیشہ ہو۔ ہاں اتنی آسانی کر دی گئی ہے کہ پیدل چلتے چلتے یا اپنی سواریوں پر بیٹھے بیٹھے جدھر بھی رخ ہو نماز ادا کرتے جاؤ۔

۳۱۳: ابتدائے اسلام میں بیوہ کی عدت ایک سال تھی اور ایک سال کامل وہ شوہر کے ہاں رہ کر نان نفقہ پانے کی مستحق ہوتی تھی پھر ایک سال کی عدت تو آیۂ يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا سے منسوخ ہوئی جس میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر فرمائی گئی اور سال کا نفقہ آیت میراث سے منسوخ ہوا (حاشیہ صدر الافاضل)

مَّعۡرُوفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا

طور پر ۲۱۴ ۔ اور اللہ بہت زبردست بڑا دانا ہے ۔ اور (اسی طرح) جن کو طلاق دی گئی انکو خرچ دینا چاہیے مناسب طور پر ۔ یہ

عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾ اَلَمۡ ع ٣١ ٧ ١٥

واجب ہے پرہیزگاروں پر ۲۱۵ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ جاؤ ۔ کیا نہیں

تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۪ فَقَالَ

دیکھا تو نے ان لوگوں کی طرف جو نکلے تھے ۲۱۶ اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے ۲۱۷ تو فرمایا

لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ۟ ثُمَّ اَحۡیَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَ

انھیں اللہ تعالیٰ نے کہ مر جاؤ پھر زندہ فرمایا انھیں بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے لوگوں پر

۲۱۴ یعنی عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد اگر وہ اپنے سابقہ خاوند کے گھر میں نہ رہنا چاہیں تو انہیں مجبور نہیں کیا جائیگا۔ بشرطیکہ وہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جو شریعت کے کسی قانون کے خلاف ہو یا اخلاق سے گرا ہوا ہو جس سے انکی ناموس داغدار ہو یا ان کے فوت شدہ خاوند کی بدنامی اور رسوائی کا باعث ہو مِن معروف کی قید بڑھا کر انہیں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ ۲۱۵ شریعت نے مطلقہ عورت کے لیے عدت مقرر کی ہے اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حاملہ تو نہیں ۔ اس میں سراسر خاوند کے نسب کی حفاظت ملحوظ ہے گویا عورت ابھی اسی کے حقوق کی نگہداشت کے لیے محبوس ہے اس لیے اس کے اخراجات کی ذمہ داری خاوند کو سونپی گئی ۔ اور یہی عین انصاف ہے ۔

۲۱۶ کئی مفسرین نے کوشش کی ہے کہ جس قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اس کا تعین کریں کہ وہ کونسی قوم تھی ۔ لیکن علامہ قرطبی نے ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ سب قصے ناقابلِ اعتماد ہیں آیت کا مقصد مسلمانوں کو کسی گزشتہ قوم کے (جس کی تعیین مقصود نہیں) عمل سے عبرت دلانا ہے جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ موت جس سے وہ بھاگے تھے ان پر مسلط کر دی ۔ پھر کچھ عرصہ بعد انھیں نئی زندگی عطا فرمائی ۔ اور اس طرح مار نے اور جلانے سے مدعا ان کو یہ سمجھانا تھا کہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرنا بے سود ہے ۔ نہ تم اپنی سعی و کوشش سے اپنی موت کو ٹال سکتے ہو اور نہ زندگی بڑھا سکتے ہو ۔ اور اس واقعہ کے ذکر کرنے سے امتِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ایسا مت کرنا ۔ وہ کون تھے ؟ کہاں سے بھاگے تھے ؟ کیوں بھاگے تھے ؟ یہ ایسی تفصیلات ہیں جن میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے قرآن نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ ۲۱۷ جمہور کا قول یہ ہے کہ اُلُوفٌ جمع ہے اَلْفٌ کی جس کا معنی ہزار ہے یعنی وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے ۔ اور بعض ائمہ لغت

لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا

لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور لڑائی کرو اللہ کی راہ میں ۳۱۸ اور جان لو

اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

کہ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن ۳۱۹

(ابن زید) سے یہی منقول ہے کہ اُلُوْفٌ اَلِفٌ یا اِلْفٌ کی جمع ہے۔ اب معنی ہو گا کہ وُہ ایسی حالت میں اپنے گھروں سے نکلے کہ وُہ ایک دُوسرے کے ساتھ پیار و محبت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس آیت سے علماء کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پھُوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیماروں کی تیمارداری کون کرے گا۔ نیز اس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نیز اگر متعدّی مرض ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے اور اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین، اسلام کے پیش نظر ہے وُہ یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا دُوسرے اسباب کو وُہ محیی و ممیت سمجھنے لگیں گے۔ جس طرح اسلام نے وبا زدہ علاقہ سے بھاگنے سے منع فرمایا اُسی طرح اُس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فمن سمع به بارض فلا يقدمنّ عليه ومن كان بارض وقع بها فلا يخرج فرارا منه۔ (بخاری)

۳۱۸ یہ سبق خُوب ذہن نشین کر لینے کے بعد کہ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں کوئی اپنے حیلہ سے موت کو ٹال نہیں سکتا اور نہ زندگی کو بڑھا سکتا ہے۔ اب مُسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے جہاد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

۳۱۹ لُغتِ عرب میں قرض کا یہ مفہُوم نہیں جو ہم اُردُو میں اس سے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دُوسرے سے اُدھار لے کر پوُری کر لی کیونکہ اللہ تعالیٰ جو غنی حمید ہے ضرورت کے تصوّر سے بھی پاک ہے بلکہ القرض اسم لكل ما يلتمس عليه الجزاء (قرطبی) یعنی قرض ہر وُہ چیز یا عمل ہے جس پر جزاء اور بدلہ طلب کیا جائے۔ اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہ ہو گا۔ پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اس حسنِ بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے شوق دلایا جا رہا ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ ہو گئی تو پھر واپس نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالیٰ اس کا تمھیں کئی گنا معاوضہ دے گا۔ قرض اگر بمعنی مفعول ہو تو حسن کی صفت سے یہ مُراد ہو گا کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو وُہ حلال اور پاک ہو۔ اور اگر قرض اپنے مصدری معنی میں ہی استعمال ہُوا ہو تو پھر حسن سے مُراد یہ ہو گا کہ قرض دو تو خلوص سے دو۔ خوشی خوشی دو۔ منصوب على المفعولية اى مقرضا حلالا طيبا او على المصدرية اى قرضا مقرونا بالاخلاص وطيب النفس (مظہری)

فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ

تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لیے کئی گنا اور اللہ تعالیٰ تنگ کرتا ہے (رزق کو) اور فراخ کرتا ہے ۳۲۰ اور اسی

تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى

کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے کیا نہیں دیکھا تم نے اس گروہ کو ۳۲۱ بنی اسرائیل سے (جو) موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد ہوا

اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

جب کہا انھوں نے اپنے نبی سے کہ مقرر کر دو ہمارے لیے ایک امیر ۳۲۲ تاکہ لڑائی کریں ہم اللہ کی راہ میں نبی نے کہا

۳۲۰ اور یہ بھی خوب ذہن نشین کر لو کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ قادر کریم کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ اپنی رحمت کے خزانوں کے منہ کھول دے گا۔ اور اگر بخل کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ناراض ہو جائے اور تمھیں محتاج و مفلس بنا دے۔

۳۲۱ مَلَأٌ سے مراد قوم کے رؤسا اور شرفا ہیں۔ ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً تین سو سال بعد اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے ہزار گیارہ سو سال پہلے کا ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے جس کا مختصر حال یہ ہے کہ عمالقہ فلسطین کے اکثر حصوں پر قابض ہو گئے تھے اور بنی اسرائیل رامہ کے علاقہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ اس وقت جو اُن کے نبی اور حکمران تھے ان کا نام سموئیل تھا۔ وہ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ عمالقہ کی ایذا رسانیاں اور زیادتیاں دن بدن بڑھ رہی تھیں۔ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ عمالقہ کی سرکوبی کریں اور اپنا کھویا ہوا اقتدار اور حکومت واپس لیں۔ اس لیے اُنھوں نے بار بار اپنے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے ایک ملک (سردار) کا سوال کریں۔ حضرت سموئیل ان کی عادات سے خوب واقف تھے کہ یہ دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں لیکن عمل کے وقت ان کا سارا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ اس لیے آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے منہ موڑ جاؤ۔ کہنے لگے حضرت جی! کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم جہاد نہ کریں حالانکہ ہمیں گھروں سے نکالا گیا اور اپنے بچوں سے جدا کر دیا گیا۔ ہم تو صرف اذنِ ربانی کے منتظر ہیں لیکن جب اُنھیں اجازت مل گئی تو گنتی کے چند آدمیوں کے سوا سب نے جہاد کرنے سے انکار کر دیا۔

۳۲۲ بعض لوگ جب قرآن کی ان آیتوں میں ملک کا لفظ پڑھتے ہیں تو انھیں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اسلام ملوکیت کا حامی ہے۔ اور سیاسی طور پر شاہی نظام کا علمبردار ہے۔ اس لیے ہمیں ملک کے لفظ کی تحقیق کر لینا ضروری ہے۔ اکثر مفسرین جن میں بیضاوی بھی ہیں نے ابعث لنا ملکا کا معنیٰ کیا ہے اقم لنا امیرا ننهض معه للقتال یدبر امره۔

هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا

کہیں ایسا نہ ہو کہ فرض کر دیا جائے تم پر جہاد تو تم جہاد نہ کرو وُہ کہنے لگے (کوئی وجہ) نہیں

لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہمارے لیے کہ ہم جہاد نہ کریں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم نکالے گئے اپنے گھروں سے اور

أَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَ

اپنے فرزندوں سے مگر جب فرض کر دیا گیا ان پر جہاد تو مُنہ پھیر لیا اُنھوں نے بجز چند کے ان میں سے اور

اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا اُنھیں اُن کے نبی نے بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے

یعنی ہمیں ایک امیر اور قائد عطا فرما جس کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہو کر ہم جہاد کریں اور جنگ کا سارا انتظام اس کی نگرانی میں ہو تو اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ یہاں ملک سے مُراد سپہ سالار ہے اور عربی زبان میں لفظ ملک رئیس اور امیر کے معنی میں عام مستعمل ہوتا ہے۔ نیز ایک بات یہاں اور بھی غور طلب ہے کہ مُلوکیت یا شاہی نظامِ حکومت کا مفہوم یہ ہے کہ رئیس حکومت مُطلق العنان بادشاہ ہوا کرتا ہے۔ قانون سازی، انتظامِ مملکت، حکومت کے سارے خزانے اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ سب اس کے سامنے جواب دِہ ہوتے ہیں۔ اور وُہ کسی کے سامنے اپنے کسی فعل کے لیے جواب دِہ نہیں ہوتا۔ یہاں جب حضرت سموئیل نبی موجود ہیں تو قانون وُہی ہوگا جو ان کی شریعت کا ہے۔ اقتدارِ اعلیٰ انھیں کے پاس ہوگا۔ ان کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کے تقرر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جو مُطلق العنان اور مُختارِ کُل ہو۔ اس لیے صرف لفظ ملک سے اسلام پر نظامِ مُلوکیت کا الزام لگانا سراسر حقیقت کے خلاف ہے۔ دُوسرے یہ واقعہ تو بنی اسرائیل کا ہے۔ اور جو کچھ اُنھوں نے کہا قرآن نے اُسے بیان کر دیا۔ اس سے یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ قرآن نے اُن کے اس مطالبہ کو پسند کیا۔ اور مُسلمانوں کو شاہی نظام اختیار کرنے کا حکم دیا۔ بلکہ بائبل کے باب سموئیل اوّل میں جو آیات ہیں وُہ وضاحت کرتی ہیں کہ ان کے اس مطالبہ کو نہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور نہ اللہ کے نبی نے۔

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ

تمہارے لیے طالوت کو امیر ٣٢٣ بولے کیونکر ہو سکتا ہے اسے حکومت کا حق ہم پر حالانکہ ہم زیادہ حقدار ہیں

بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ

حکومت کے اس سے اور نہیں دی گئی اسے فراخی مال و دولت میں نبی نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے

عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ

اسے تمہارے مقابلہ میں اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم میں اور جسم میں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے اپنا ملک

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے اور کہا انھیں اُن کے نبی نے کہ اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے

اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ

کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق اس میں تسلی (کا سامان) ہوگا تمہارے رب کی طرف سے اور (اس میں) بچی ہوئی چیزیں ہوں گی

اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ

جنھیں چھوڑ گئی ہے اولادِ موسیٰ اور اولادِ ہارون اُٹھا لائیں گے اس صندوق کو فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لیے

٣٢٣ ان کی خواہش اور اصرار کے باعث اللہ تعالیٰ نے طالوت کو جب اُن کا سردار اور سپہ سالار مقرر فرما دیا تو لگے اعتراض کرنے کہ یہ شخص نہ لاوی بن یعقوب کی اولاد سے ہے جس میں نبوت نسلاً بعد نسل چلی آتی ہے اور نہ یہودا ابن یعقوب کی اولاد سے ہے جن میں حکومت و سلطنت پُشت در پُشت چلی آرہی ہے) تو یہ نادار اور قلاش کب سردارِ قوم اور سالارِ لشکر بن سکتا ہے۔ امامت کے حقدار تو ہم ہیں۔ جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے حضرت سموئیل علیہ السلام نے اُنھیں بتایا کہ حکومت کے لیے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے۔ اور ان دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔ بائبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا۔ اس کی قامت کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بن یامین کی نسل سے تھا حضرت سموئیل نے اُنھیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ ربّ العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لیے منتخب فرمایا ہے تمھیں اس کی عطا و بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٤٨﴾ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ ۳۲ ع ۱۶

اگر تم ایمان دار ہو ۳۲۴ پھر جب روانہ ہوا طالوت ۳۲۵ اپنی فوجوں کے ساتھ اس نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ

مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ

آزمانے والا ہے تمھیں ایک نہر سے سو جس نے پانی پی لیا اس سے وہ نہیں میرے ساتھیوں سے اور جس نے نہ پیا

فَإِنَّهٗ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا

وہ یقیناً میرے ساتھیوں میں سے ہے مگر جس نے بھر لیا ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس سب نے پیا اس سے مگر چند آدمیوں نے

۳۲۴ بنی اسرائیل بھلا کب آسانی سے اپنی ضد سے باز آنے والے تھے فوراً مطالبہ کیا کہ آپ دلیل پیش کیجیے کہ طالوت کا انتخاب واقعی اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔ اُس وقت اُن کے نبی نے اُنھیں فرمایا کہ اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق جس میں تمھاری تسکین و طمانیت کا سامان ہے اور جس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے اور جو عمالقہ تم سے چھین کر لے گئے تھے وہ تمھیں فرشتے واپس کر دیں گے۔ اور اگر تم میں ایمان ہے تو اس سے بڑھ کر تمھیں کسی مزید نشانی کی ضرورت نہیں رہے گی۔ جب فرشتے اس صندوق کو اُٹھائے ہوئے یا اس بیل گاڑی کو ہانکتے ہوئے جس پر تابوت رکھا تھا بنی اسرائیل کے پاس لے آئے تو اب انھیں طالوت کے ملک بننے کے متعلق اطمینان ہو گیا۔ نیز انھیں ڈھارس بندھ گئی کہ اب وہ یقیناً فتحیاب ہوں گے کیونکہ انبیائے کرام کے تبرکات والا صندوق جس میں حضرت موسیٰ کا عصا اور پارچات اور حضرت ہارون کا عمامہ تھا اُنھیں واپس مل گیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ اشیاء جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے ہوتا ہے ان کی برکت سے دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور دُشمنوں پر غلبہ نصیب ہوتا ہے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ناخن، بال مبارک تبرک کے طور پر پاس رکھا کرتے۔ حضرت خالد کے سر پر ایک کپڑے کی ٹوپی تھی جس میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک بال شریف رکھا ہوا تھا۔ حضرت خالد فرماتے ہیں کہ جس معرکہ میں میں یہ ٹوپی سر پر رکھ کر جاتا ہوں اللہ تعالیٰ اس بال کی برکت سے مجھے کامیاب و کامران کرتا ہے۔

۳۲۵ جب طالوت عمالقہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے تو ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کا ایک انبوہ کثیر تھا۔ راستہ میں ایک نہر (ممکن ہے دریائے اُردن ہی ہو) پر سے گزر ہوا تو اُنھیں حکم ملا کہ اب تمھارا امتحان لیا جائے گا اور وہ امتحان یہ ہے کہ اس نہر سے پانی پینے کی اجازت نہیں۔ جس نے پانی پیا وہ میرا سپاہی نہیں۔ ہاں اگر پیاس کی شدت ہو تو ایک چلو بھر کر پی لو اس سے زیادہ نہیں۔ اب کیا تھا سب ٹوٹ پڑے اور خوب سیر ہو کر پانی پیا سوائے چند مخلصین کے جو اس امتحان میں کامیاب رہے اور جن کی تعداد صحیح روایت کے مطابق ۳۱۳ تھی۔ باقی جتنے لوگ ہزاروں کی تعداد میں تھے انھوں نے لشکر سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔

مِنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

ان سے (نہیں پیا) پھر جب ۳۲۶ عبور کیا اسے طالوت نے اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اس کے ساتھ کہنے لگے کچھ طاقت

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا

نہیں ہم میں آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی (اگر) کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے کہ وہ ضرور ملاقات کرنے والے ہیں

اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ

اللہ سے کہ بارہا چھوٹی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے اِذن سے اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جب سامنے آگئے جالوت ۳۲۷ کے اور اس کی فوجوں کے تو بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے اے ہمارے رب!

صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ ؕ فَهَزَمُوْهُمْ

اُتار ہم پر صبر اور جمائے رکھ ہمارے قدموں کو اور فتح دے ہمیں قوم کفار پر پس اُنھوں نے شکست دی جالوت کے لشکر کو

۳۲۶ اب طالوت اپنے مٹھی بھر جانباز سپاہیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھے لیکن جب اُنھوں نے جالُوت کا لشکرِ جرار دیکھا تو سہم سے گئے اور کہنے لگے کہ جالوت کے اتنے بڑے لشکر کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت ہم میں کہاں لیکن انھیں کے چند مخلص ترین ساتھیوں نے ان کی ہمت بندھائی اور انھیں بتایا کہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے پہلے بھی بارہا ایسے واقعات ہو گزرے ہیں جب کہ اس کی نصرت اور تائید سے چھوٹی سی جماعت نے بڑی بڑی فوجوں کو شکست فاش دی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان لوگوں کے ضرور شریکِ حال ہوتی ہے جو حق و صداقت کے لیے صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں۔

۳۲۷ جب وُہ جانباز سر ہتھیلیوں پر رکھے میدان میں نکلے تو بارگاہِ رب العزت میں دُعا کے لیے ہاتھ پھیلائے اور اپنے لیے صبر و استقامت کی دُعا کی اور پھر دُشمن کی شکست کا سوال کیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فتح و نصرت حاصل کرنے کے لیے صبر اور ثابت قدمی شرطِ اوّلیں ہیں۔ جو قوم یا فرد میدانِ جہاد یا میدانِ عمل میں شدائد اور تکالیف کے سامنے صبر و استقامت سے کام لیتا ہے وُہی کامیاب ہوتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہُوا کہ مومن کے پاس سب سے زیادہ مؤثر ہتھیار دُعا ہے جس کا اس کے دُشمن کے پاس کوئی جواب نہیں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سُنّتِ طاہرہ بھی یہی تھی۔

بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَقَتَلَ دَاوُۥدُ جَالُوتَ وَءَاتَىٰهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ

اللہ کے اِذن سے ۳۲۸ اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو ۳۲۹ اور عطا فرمائی داؤد کو اللہ نے حکومت اور دانائی اور

عَلَّمَهُۥ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

سکھا دیا اس کو جو چاہا اور اگر نہ بچاؤ کرتا اللہ تعالیٰ ۳۳۰ بعض لوگوں کا بعض کے ذریعہ تو

لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ﴿٢٥١﴾

برباد ہو جاتی زمین لیکن اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمانے والا ہے سارے جہانوں پر

تِلْكَ ءَايَٰتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں انھیں آپ پر (اے حبیب) ٹھیک ٹھیک اور یقیناً آپ رسولوں میں سے ہیں

۳۲۸ ان مُٹھی بھر مجاہدین نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے دشمن کے لشکر جرّار کو شکستِ فاش دے دی۔

۳۲۹ عمالقہ کے سپہ سالار جالوت کو جو بڑا بہادر اور کہنہ مشق جرنیل تھا حضرت داؤد علیہ السلام نے پتھر مار کر ہلاک کر دیا حالانکہ حضرت داؤد اُس وقت بالکل کم سن تھے۔ زرد رُو اور لاغر و بیمار تھے۔

۳۳۰ اللہ تعالیٰ کی یہ سُنّت ہے کہ جب کوئی ظالم ظلم و ستم پر کمربستہ ہوتا ہے تو اس کی ہلاکت انگیزیوں کی روک تھام کے لیے ایک اور قوم پیدا کر دی جاتی ہے جو اس کے مظالم کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنی حکمت اور قدرت سے طاقت کا توازن یُوں قائم نہ رکھے تو سرکش افراد اور قومیں آبادیوں کو کھنڈرات میں اور بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کر دیں اور زمین کے کسی گوشہ میں انسان کو امن کا سانس لینا نصیب نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر یہ بڑا احسان ہے کہ ہر فرعون کی سرکوبی کے لیے وُہ مُوسیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ

یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر ٣٣١ ان میں سے کسی سے

كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ

کھلی نشانیاں اور مدد فرمائی ہم نے ان کی پاکیزہ رُوح سے ٣٣٢ اور اگر چاہتا ٣٣٣ اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے) وہ لوگ

٣٣١ ۔ اللہ تعالیٰ کے سب رسول نفس رسالت میں اور جملہ انبیا نفس نبوت میں برابر ہیں لیکن فضائل و کمالات، مراتب و مقامات، معجزات و کرامات میں ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ کسی کو ایک کمال سے متصف فرمایا کسی کو دوسرے شرف سے مشرف فرمایا لیکن ایک ذاتِ پاک مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہے جو مظہر اتم ہے تمام کمالاتِ جلالیہ و جمالیہ کی جو مراتب و کمالات دیگر انبیا اور رسل کو ایک ایک کر کے عنایت کیے گئے تھے وہ سب اپنی اعلیٰ ترین اور اکمل ترین صورت میں حضور کریم کو عطا فرمائے گئے اور ان کے علاوہ ایسے بے شمار مراتب اور ان گنت معجزات بخشے جن میں کوئی نبی کوئی رسول ہمسری تو کیا محض شرکت کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا۔ حضور کو ساری نوعِ انسانی بلکہ ساری کائنات زمینی اور آسمانی کیلئے نبی بنایا گیا محدود وقت کے لیے نہیں بلکہ ابد تک کے لیے قرآن جیسی کتاب ابدی ازلی فرمائی رحمۃ للعلمین کے خطاب سے نوازا ختم نبوت و رسالت کا تاج زیب فرمایا کسی کو صفی، کسی کو خلیل، کسی کو کلیم اور کسی کو روح فرمایا لیکن کائنات کے اس آخری سہارے کو صفوت، خلت، کلام وغیرہ کے علاوہ محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ بخشی۔ مفسرین کرام نے تصریح کی ہے کہ رفع بعضھم درجٰت سے حضور کریم محمد رسول اللہ علیہ الصلاۃ والسلام مراد ہیں لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔ قال النحاس بعضھم ھنا علی قول ابن عباس والشعبی ومجاھد محمد صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی وغیرہ)

٣٣٢ ۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کی تصریح فرما دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ جلیل القدر رسول اپنوں اور بیگانوں کی افراط و تفریط کا نشانہ بن کر رہ گیا تھا۔ نصاریٰ نے انہیں خدا کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ اور یہود انہیں ایک شریف انسان بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے ان کا نام لیا۔ اور ابن مریم یعنی مریم کا بیٹا کہہ کر ان کی الوہیت کا بطلان کر دیا اور ایدناہ بروح القدس فرما کر یہود کی الزام تراشیوں کا رد کر دیا کہ وہ تو صاحب آیات بینات نبی ہے جس کی تائید کے لیے ہم نے روح القدس (جبریل امین) کو مقرر کیا ہے۔

٣٣٣ ۔ اگر انسان اس آیت میں کما حقہ تامل نہ کرے تو وہ آسانی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے اس کے اپنے بس میں کچھ نہیں ایک غیر مرئی قوت (اسے تقدیر کہہ لیجیے) کے ہاتھ میں یہ ایک کھلونا ہے اس کا کوئی اچھا یا برا فعل اس کی ہر شائستہ اور ناشائستہ حرکت اس کے اپنے ارادہ سے سرزد نہیں ہوتی بلکہ اس سے جبراً کرائی جاتی ہے لیکن اگر آپ ذرا غور و فکر کی زحمت گوارا کریں گے تو آیت کے الفاظ ہی آپ کی اس غلط فہمی کو دور کر دیں گے۔ اختلفوا (وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) فمنھم من اٰمن (ان میں سے بعض نے

مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا

جو ان (رسولوں) کے پیچھے آئے بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں لیکن انھوں نے اختلاف کیا

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ

ان میں سے کوئی ایمان پر (ثابت) رہا اور ان میں سے کوئی کافر ہو گیا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو نہ لڑتے (جھگڑتے)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا

لیکن اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اے ایمان والو! ۳۴۳ خرچ کر لو اس

ایمان قبول کیا) ومنھم من کفر (اور ان میں سے بعض نے کفر اختیار کیا) یہ تینوں فعل بغیر فاعل کے ارادہ اور اختیار کے صادر نہیں ہوسکتے کیونکہ ان سب کا تعلق ظاہری اعضا سے نہیں جن پر جبر کا قانون چل سکتا ہے بلکہ ان کا تعلق ذہن اور قلب سے ہے۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و فکر کی صلاحیت بخشی اور عمل کی قوت عطا فرمائی پھر انبیاء کے ذریعہ اس پر ہدایت کا راستہ روشن اور واضح کر دیا لیکن اسے صرف سیدھے راستہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں فرمایا بلکہ اسے اتنا اختیار دیا کہ وہ ہدایت کی راہ پر چلے یا گمراہی کی راہ پر۔ بعض لوگوں نے عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے اپنی مرضی سے راہِ راست اختیار کی اور بعض نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر اپنی خوشی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کر دیا۔ ولو شاء اللہ ما اقتتلوا سے یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرتِ خداوندی سے باہر نہیں نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جس طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسے صرف راہِ راست پر چلنے کے لیے مجبور کر سکتا ہے۔ اور اس طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے لیکن مصلحتِ عامہ اور حکمتِ بالغہ کا تقاضا یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے۔ ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔

۳۴۳ سابقہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حق و باطل کی جنگ جاری رہے گی اور اس جنگ میں حق کو مظفر و منصور کرنے کیلئے اہلِ حق کو جانی قربانیوں کے ساتھ ساتھ مالی قربانیاں بھی دینا ہوں گی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے کہ یہ مال و دولت جو تمھیں تمھارے رب نے عطا فرمایا ہے اور جس طرح چاہو اس کو خرچ کرنے کی تمھیں مہلت دی ہے یاد رکھو۔ یہ مہلت صرف اس وقت تک کے لیے ہے جب تک تمھاری زندگی کا یہ چراغ ٹمٹما رہا ہے۔ جس دن یہ بجھ گیا مہلت ختم۔ جس نے اس اختیار اور مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا قیامت کے دن وہ حرماں نصیب کیا کرے گا۔ اس روز نہ تو خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ وہاں کوئی دنیاوی بھائی چارہ کام آئے گا اور نہ کسی کی (بغیر اذنِ الٰہی) سفارش ہو گی۔ اس آیت سے بعض لوگ جلد بازی سے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء کرام کی شفاعت اور ان کی محبت اور غلامی کی برکات کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہے۔ الاخلاء

رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ

(مال) سے جو ہم نے دیا ہے تم کو اس سے پہلے کہ آجائے وُہ دن جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ (کفار کے لیے)

لَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

دوستی ہوگی اور نہ (ان کے لیے) شفاعت ہوگی اور جو کافر ہیں وُہی ظالم ہیں اللہ ۳۳۵ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے ۳۳۶

اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

زندہ ہے ۳۳۷ سب کو قائم رکھنے والا ہے ۳۳۸ نہ اس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۳۳۹ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے ۳۴۰

یومئذٍ بعضھم لبعضٍ عدو الا المتقین سب دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر متقی یعنی ان مردانِ خدا کی دوستی اس روز بھی قائم رہے گی اور کام آئے گی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا شفیع المذنبین ہونا تو قرآن کی متعدد آیات اور کثیر احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے اور عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا میں تو رحمۃ للعالمین کو مقام محمود (یعنی شفاعت کبریٰ) پر سرفراز ہونے کی بشارت دی جارہی ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جس سے دوسری آیتوں کی تغلیط ہوتی ہو کسی ایماندار کے شایانِ شان نہیں۔

۳۳۵ے اس آیت کو آیۃ الکرسی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی کا واضح اور روشن ترین بیان ہے اس لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان اعظم آیۃ فی القرآن آیۃ الکرسی قرآن کی سب سے عظیم الشان آیت آیۃ الکرسی ہے احادیث میں اس کے بڑے فضائل مذکور ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک فرمان سن لیجیے من قرأ آیۃ الکرسی فی دبر کل صلوۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا الموت جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اس کے فوت ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اب اس عظیم الشان آیت کی مختصر سی توضیح ملاحظہ ہو۔

۳۳۶ے اللہ ذاتِ باری کا علم (نام) ہے اور یہ لفظ ان تمام صفات کا جامع ہے جو متعدد صفاتی ناموں میں الگ الگ پائی جاتی ہیں فرمایا کہ وہ ذات پاک جس کا نام اللہ ہے صرف وُہی معبودِ برحق ہے اس کے بغیر اور کوئی نہیں جو عبادت کیے جانے کے لائق ہو۔

۳۳۷ے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا موت اور فنا کے نقص سے بہت پاک اور نہایت بلند ہے۔

۳۳۸ے القیوم یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اصل میں قیووم تھا صرفی تعلیل سے قیوم بن گیا اس کا مصدر قیام ہے اس کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مختلف تعبیریں اختیار کی گئی ہیں لیکن حضرت قتادہ سے جو عبارت منقول ہے وُہ زیادہ جامع معلوم ہوتی ہے۔ القیوم القائم بتدبیر خلقہ من انشائھم ابتداء وایصال ارزاقھم الیھم۔ یعنی وُہ ہستی جو کائنات کی ہر چیز کی تخلیق، نشوونما اور بقاء کی تدبیر فرمانے والی ہے۔

۳۳۹ے پہلے اس کی صفاتِ کمال کا بیان تھا اب جملہ نقائص سے اس کی پاکی بیان کی جارہی ہے کہ اس کی قیومیت کا تعلق ہر چیز سے ہر وقت ایک طرح کا ہے۔ یہ اونگھتا نہیں کہ اس وقت اس کی قیومیت کا تعلق کمزور ہو جائے وُہ سوتا نہیں کہ یہ تعلق منقطع ہو جائے۔

۳۴۰ے یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز نوری ہو یا خاکی قیمتی ہو یا حقیر سب کے گلے میں بلا استثناء اس کی بندگی کا طوق پڑا ہے پھر کون ہے جو اس کی

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ إِلَّا بِإِذْنِهٖ ۗ يَعْلَمُ

اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے جانتا ہے ۳۴۱

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ

جو ان سے پہلے (ہو چکا) ہے اور جو ان کے بعد (ہونے والا) ہے اور وہ نہیں گھیر سکتے کسی چیز کو اس کے

عِلْمِهٖٓ إِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ ۚ وَ

علم سے مگر جتنا وہ چاہے سما رکھا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو ۳۴۲ اور

لَا يَـُٔودُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿٢٥٥﴾ لَآ إِكْرَاهَ فِي

نہیں تھکاتی اسے زمین و آسمان کی حفاظت اور وہی ہے سب سے بلند عظمت والا کوئی زبردستی نہیں ہے

ہمسری کا دعویٰ کرے یا کسی کو اس کا ہمسر خیال کرے وہی ایک اللہ ہے باقی سب اس کے بندے، اس کے مملوک اور تابع فرمان ہیں۔

۳۴۱ یہاں ایک قاعدہ بیان فرما دیا کہ ہر شخص کو بارگاہ ذوالجلال میں لب کشائی اور شفاعت کی طاقت نہ ہوگی صرف وہی شفاعت کرے گا جس کو پروردگار عالم نے اذن فرمایا۔ بتانا یہ ہے کہ اے مشرکین و کفار! قیامت کے دن تو وہی شفاعت کرے گا جسے اجازت ہوگی اور تمہارے ان بتوں کو تو کوئی اجازت نہیں پھر ان سے یہ توقع عبث کیوں لگائے بیٹھے ہو اور الا باذنہ سے یہ واضح فرمایا کہ وہ محبوب و مقبول بندگان خدا ضرور شفاعت کریں گے جن کو ان کے رب نے اجازت مرحمت فرمائی ہوگی جب سے پہلے شفاعت کرنے والا اللہ کا محبوب و حبیب محمد مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء ہوں گے جو اس روز مقام محمود کے منصب رفیع پر متمکن ہوں گے۔ اے اللہ کریم! ہم گناہ گاروں کو اپنے رسول صاحب مقام محمود کی شفاعت نصیب فرما اور اس کی برکات و توجہات سے ہمیں دنیا و آخرت میں سرفراز رکھ (آمین ثم آمین)

۳۴۲ مفسرین کرام نے الکرسی کی تفسیر میں متعدد اقوال نقل کیے ہیں اور ان اقوال سے علامہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا یہ قول پسند کیا ہے۔ قال ابن عباس کرسیہ علمہ ورجحہ الطبری قال منہ الکراسۃ التی تضم العلم وقیل للعلماء الکراسی (قرطبی) ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کرسیہ سے مراد اس کا علم ہے ابن جریر طبری نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور کہا ہے کہ اسی سے کراسۃ ماخوذ ہے جس کے معنی اس دفتر کے ہیں جس میں علم منضبط کیا جاتا ہے۔ اور عربی میں علماء کو کراسی بھی کہا جاتا ہے علامہ قرطبی نے اس کی سند کے طور پر ایک شعر بھی نقل کیا ہے لیکن حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے یا ابا ذر ما السموات السبع مع الکرسی الا کحلقۃ ملقاۃ فی ارض فلاۃ۔ کہ کرسی کی وسعت و فراخی کے سامنے سات آسمان یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ایک وسیع صحرا میں ایک مندری پڑی ہو۔ بعض لوگ مخلوقات خداوندی کی وسعت و عظمت کا تصور جب اپنے ذہنوں میں نہیں کر پاتے تو بڑی

الدِّيْنِ ۚ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

دین میں ۳۴۳ بے شک خوب واضح ہو گئی ہے ہدایت گمراہی سے تو جو انکار کرے شیطان کا ۳۴۴

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ

اور ایمان لائے اللہ کے ساتھ تو اُس نے پکڑ لیا مضبوط حلقہ جو ٹوٹنے والا

حیرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اتنی بڑی چیز کے وجود سے ہی انکار کر دیتے ہیں اور اپنی قابلیت ان آیات کی بعید از کار تاویلات کرنے میں ضائع کر دیتے ہیں۔

۳۴۳ اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ یہ تو ہوا اس بہتان کا نظری تجزیہ اب آپ عملی پہلو پر نگاہ ڈال لیجئے۔ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج ہند و پاک کے میدانوں میں، مراکش کے صحراؤں میں، ہمالہ کی چوٹیوں اور بحر اوقیانوس کے دور افتادہ جزیروں میں، یورپ کے ہنگامہ زا شہروں میں اور ایشیا کے بیشتر ممالک میں ہر روز پانچ دفعہ اذان کی آواز گونج رہی ہے۔ کیا جس دین کو ظلم و ستم کے خوف سے قبول کیا گیا ہو اس سے لوگوں کی عقیدت کا یہ عالم ہوا کرتا ہے۔ بلکہ یہاں تو اسلام کے متوالوں کو ستایا گیا۔ ان پر ظلم توڑے گئے انہیں تختہ دار پر سر راہ لٹکایا گیا، پروپیگنڈے کے طوفان اُمڈ اُمڈ کر آئے لیکن اپنا سر پٹخ پٹخ کر رہ گئے۔ ان اللہ کے بندوں کو جو عقیدت اپنے رب سے تھی، جو عشق اپنے محبوب اور پیارے رسول سے تھا، جو شیفتگی اپنے اس دین برحق سے تھی اس میں کمی نہ ہوئی لیکن ایک اور چیز بھی پیش نظر رہے اسلام جس طرح یہ گوارا نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے۔ اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اسلام اس وقت اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں اور یہی اسلام کا نظریۂ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چین جہاد کو اکراہ فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنانِ دین و ایمان کے جور و ستم کا تختہ مشق بننے کی اجازت نہیں دے گا۔

۳۴۴ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ قال الجوھری والطاغوت الکاھن والشیطان وکل راس فی الضلال (قرطبی) یعنی طاغوت کاہنوں کو بھی کہا جاتا ہے جو غیب دانی کے جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو اپنے دام فریب میں پھنسایا کرتے ہیں۔ اس کا اطلاق

لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ

نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے اللہ مددگار ہے ۳۴۵ ایمان والوں کا نکال لے جاتا ہے انھیں

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ

اندھیروں سے نور کی طرف اور جنھوں نے کفر کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں

يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ

نکال لے جاتے ہیں انھیں نور سے اندھیروں کی طرف یہی لوگ دوزخی ہیں وہ

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ ۳۴ ع ۲

اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں کیا نہ دیکھا آپ نے (اے حبیب!) اسے جس نے جھگڑا کیا ۳۴۶ ابراہیم سے ان کے رب کے بارے میں اس

اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ

وجہ سے کہ دی تھی اسے اللہ نے بادشاہی جب کہ کہا ابراہیم (علیہ السلام) نے (اسے) کہ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے

شیطان پر بھی ہوتا ہے اور وہ شخص بھی طاغوت ہے جو کسی گمراہ مذہب، غلط نظریہ اور مضر عمل کا بانی اور کرتا دھرتا ہو۔ لیکن قرآن کی اس آیت کو آپ پڑھیے۔ یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ۔ اس سے آپ کو طاغوت کی اور قسم بھی معلوم ہوگی یعنی وہ بھی طاغوت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف اپنے وضع کردہ قوانین کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلے کرے۔ طاغوت واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

۳۴۵ قال الخطابی الولی الناصر ینصر عبادہ المؤمنین یعنی اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار ہے انھیں وہ اپنی توفیق اور لطف سے ہر قسم کی گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں پہنچاتا ہے کیونکہ گمراہیاں طرح طرح کی ہیں اس لیے لفظ جمع ظلمات سے تعبیر کیا اور ہدایت کیونکہ ایک ہی ہے اس لیے وہاں واحد کا لفظ استعمال فرمایا۔

۳۴۶ وہ شخص جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مکالمہ ہوا وہ نمرود تھا جو عراق کا بادشاہ تھا اور جس کی حکومت دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت واقتدار کے نشہ میں اس نے اپنے مالک حقیقی کو بھلا دیا اور خود خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شرک والحاد کے خلاف جہاد شروع کیا اور اس مٹی کے ناچیز پتلے کو رب ماننے سے صاف انکار کر دیا تو نمرود نے سر مجلس آپ سے آپ کے رب کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا میرا رب تو وہ ہے جو ہر چیز کو زندہ کرنے والا اور مارنے والا

حضرت ابراہیم کا اُر سے کنعان تک سفر

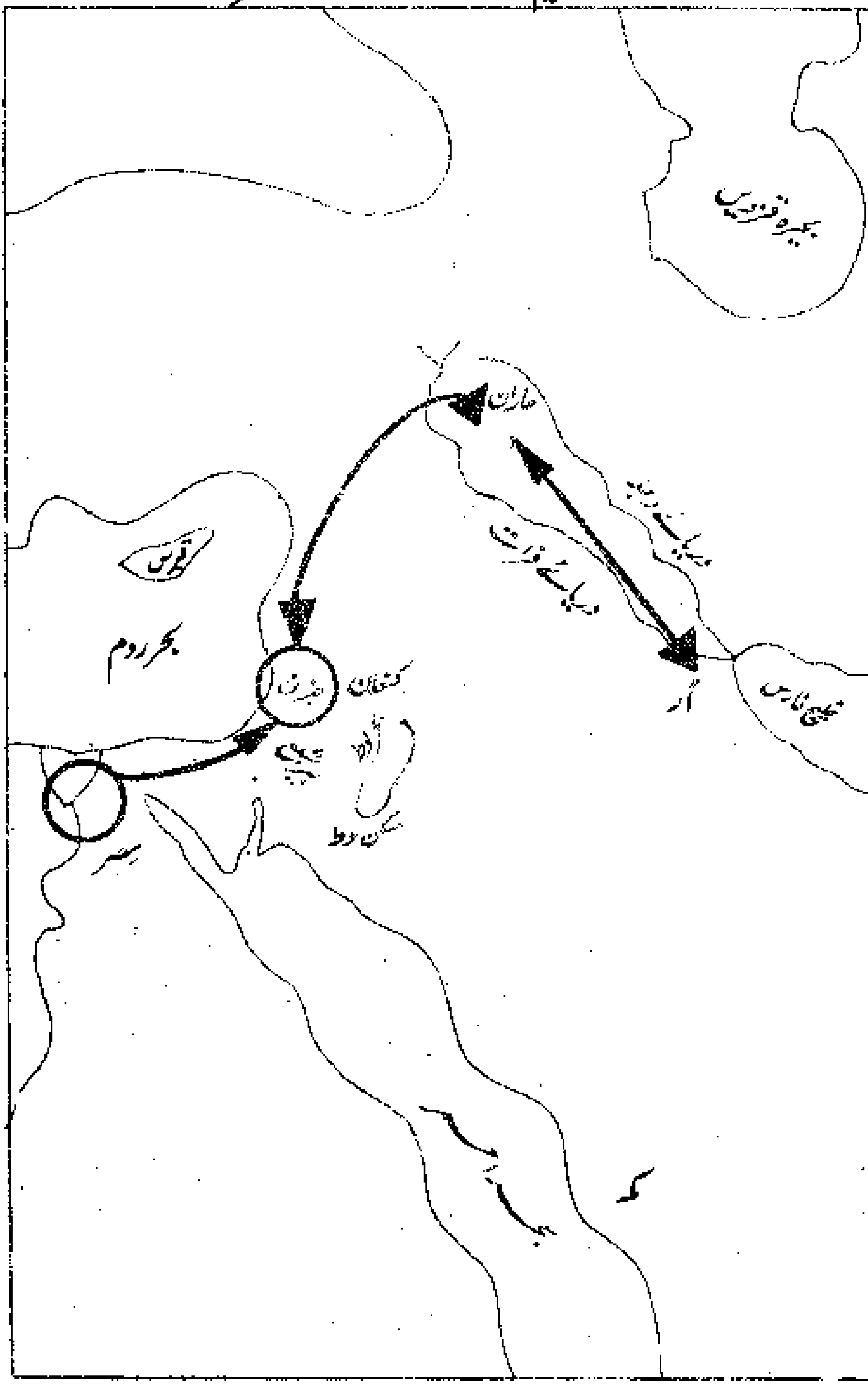

نقشہ متعلقہ آیات ۲۵۸، البقرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اُر کے مقام پر ہوئی جو عراق کا ایک قدیم شہر ہے۔ یہیں آتشکدہ نمرود کا واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد آپ نے اُر سے ہجرت اختیار کی۔ پہلے حاران تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد فلسطین کا رخ کیا۔ بیت ایل، حبرون اور بیر شبع کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔ پھر حضرت لوط کو جو آپ کے بھتیجے تھے، بحر لوط کے مشرق میں متعین کیا۔ وہاں سے آپ نے مصر کا قصد فرمایا جو اس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا۔ حکم الٰہی کے بعد وہاں سے مکہ تشریف لے گئے اور کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو وہاں اپنا جانشین مقرر کیا۔ پھر فلسطین واپس آ گئے۔ حبرون میں اقامت اختیار کی۔ یہیں آپ نے رحلت فرمائی اور دوسرے فرزند حضرت اسحٰق علیہ السلام یہاں آپ کے جانشین ہوئے۔

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ

اس نے کہا میں بھی جلا سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نکالتا ہے سورج کو

مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَؕ

مشرق سے تو تو نکال لا اسے مغرب سے (یہ سن کر) ہوش اڑ گئے اس کافر کے

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (۲۵۸) اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم قوم کو یا (کیا نہ دیکھا) اس شخص کو ۴۴۳ جو گزرا ایک بستی پر

وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَاۚ قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ

درآں حال کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں کے بل کہنے لگا کیونکر زندہ کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اس کے ہلاک

ہے۔ نمرود نے کہا کہ یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے دو آدمی بلائے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس کے قتل کرنے کا حکم صادر ہو چکا تھا اور دوسرا بے گناہ تھا۔ اس نے بے گناہ کو قتل کردیا اور اس واجب القتل کو رہا کر دیا۔ اور اس طرح حقیقت ناشناسوں کے سامنے اپنی جھوٹی خدائی کی لاج رکھ لی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اور بھرپور وار کیا حضرت صدر الافاضل مراد آبادی کے الفاظ یہاں بہت جامع ہیں۔ "لیکن چونکہ نمرود کے جواب میں شانِ دعویٰ پیدا ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر مناظرانہ گرفت فرمائی کہ موت و حیات کا پیدا کرنا تو تیرے مقدور میں نہیں اے ربوبیت کے جھوٹے مدعی تو اس سے سہل کام ہی کر دکھا جو ایک متحرک جسم کی حرکت کو بدلنا ہے۔ یہ بھی نہ کرسکے تو پھر ربوبیت کا دعویٰ کس منہ سے کرتا ہے۔

۴۴۳ وہ کون تھا جس کا قصہ اس آیت میں بیان ہو رہا ہے؟ اس کی تعیین نہ قرآن نے کی ہے نہ حدیث نے۔ اس لیے علماء مفسرین سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ کافر تھا جسے قیامت پر ایمان نہ تھا۔ بعض نے ارمیا نبی کا اور اکثر نے حضرت عزیر علیہ السلام کا نام لیا۔ لیکن زیادہ بہتر یہی ہے کہ جس کو اللہ اور رسول نے معین نہیں فرمایا اسے معین نہ کیا جائے۔ اسی طرح اس قریہ میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر کا یہ خیال ہے کہ وہ بیت المقدس تھا جسے بخت نصر نے سنہ ۵۸۶ ق م میں تباہ و برباد کیا تھا۔ اس کے اکثر باشندوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور بقایا کو قید کر کے اپنے پایہ تخت بابل میں لے گیا تھا۔ جب اجڑے ہوئے شہر پر ان کا گزر ہوا تو ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس برباد اور اجڑے ہوئے شہر کو اللہ تعالیٰ کیونکر از سر نو آباد فرمائے گا۔

مَوۡتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ

ہونے کے بعد۔ سو مُردہ رکھا اسے اللہ تعالیٰ نے سو سال تک پھر زندہ کیا اُسے ۳۴۸؎ فرمایا کتنی مدت تو یہاں ٹھیرا رہا

قَالَ لَبِثۡتُ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ

اُس نے عرض کی میں ٹھیرا ہُوں گا ایک دن یا دن کا کچھ حصّہ اللہ نے فرمایا نہیں بلکہ ٹھیرا رہا ہے تو سو سال

فَانۡظُرۡ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ يَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰى حِمَارِكَ

اَب (ذرا) دیکھ اپنے کھانے اور اپنے پینے (کے سامان) کی طرف یہ باسی نہیں ہُوا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجۡعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَى الۡعِظَامِ كَيۡفَ نُنۡشِزُهَا

اور یہ سب اِس لیے کہ ہم بنائیں تجھے نشان لوگوں کے لیے اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انھیں

ثُمَّ نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انھیں گوشت پھر جب حقیقت روشن ہوگئی اس کے لیے (تو) اس نے کہا میں جان گیا ہُوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ

شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ

ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یاد کرو جب ۳۴۹؎ عرض کی ابراہیمؑ نے اے میرے پروردگار دکھا مجھے کہ تو ۳۵۰؎ کیسے زندہ فرماتا ہے مُردوں کو

۳۴۸؎ اللہ تعالیٰ نے اپنی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے انھیں موت کی نیند سُلا دیا اور اس حالت میں پُورے سو سال گزر گئے۔ اس کے بعد انھیں زندہ کیا گیا اور اُن سے پُوچھا گیا کہ آپ کتنی مدت اس حالت میں رہے تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ انھیں بتایا گیا کہ نہیں تم تو پُوری ایک صدی یہیں رہے اور دیکھئے میری قُدرت کہ آپ کا کھانا جو عام طور پر چند گھنٹے گزر جانے کے بعد بدبُودار ہوجاتا ہے جُوں کا تُوں ہے اور گدھے کا گوشت پوست گل سڑ گیا ہے اور اس کی ہڈیاں بکھری پڑی ہیں اَب دیکھئے یہ بکھرا ہوا ڈھانچہ کیسے جُڑتا ہے اور گوشت پوست کیسے آن واحد میں اس پر نمودار ہوجاتا ہے جب ان تمام اُمُور کا اُنھوں نے بچشم خود مشاہدہ کر لیا تو کہنے لگے میں نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے علم یہاں بھی رویت کے معنی میں ہے۔

۳۴۹؎ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرماتے ہیں۔

۳۵۰؎ اس سوال سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اس بات میں متردّد تھے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہاں سوال

قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ

فرمایا اے ابراہیم کیا تم اس پر یقین نہیں رکھتے عرض کی ایمان تو ہے ۳۵۱ لیکن (یہ سوال) اس لیے ہے تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل ۳۵۲ فرمایا تو پکڑ لے

اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ

چار پرندے ۳۵۳ پھر مانوس کر لے انھیں اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر

مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ

اُن کا ایک ایک ٹکڑا پھر بلا اُنھیں چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے ہوئے اور جان لے یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب

کیف سے ہو رہا ہے۔ اور کیف سے سوال اُس چیز کی حالت دریافت کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جس کے موجود ہونے کا یقین ہو۔ وذلك ان الاستفهام بكيف انما هو سؤال عن حالة شيء موجود متقرر الوجود عند السائل والمسئول (قرطبی)

۳۵۱ یہاں آپ کی زبان سے کہلوا دیا بلیٰ کہ مجھے پورا ایمان ہے۔ یہ اس لیے تاکہ کسی کو شک کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

۳۵۲ تو جب ایمان و یقین پہلے سے حاصل ہے تو پھر اس سوال کا کیا مطلب؟ اس کی وجہ بتائی کہ پہلے مجھے علم الیقین تو ہے لیکن اگر تو مجھے اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دے تو مجھے عین الیقین کا مرتبہ نصیب ہو جائے گا۔ ای سالتك ليطمئن قلبي بحصول الفرق بين المعلوم برهانا والمعلوم عيانا (قرطبی) اس سوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اطمینانِ خاطر کے لیے اس قسم کے سوالات اپنے اُستاد اور مُرشدِ کامل سے پُوچھ لینا جائز ہیں۔

۳۵۳ اللہ تعالیٰ نے اپنی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کرانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ چار پرندے لیں انھیں ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کریں اور پھر اُنھیں آپس میں ملا دیں۔ پھر ان ملی جُلی بوٹیوں کے چار حصے کر لیں اور ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑی پر رکھیں۔ پھر ان پرندوں کو اپنی طرف بُلائیں اور اپنے رب کی قُدرتِ کاملہ کا مشاہدہ کریں۔ جب حضرت خلیل ؑ نے ایسا کر کے ان کو بُلایا تو آنکھوں نے اپنی آنکھوں سے مُشاہدہ کیا کہ وُہ متفرق بوٹیاں اکٹھی ہُوئیں بکھرے ہُوئے پر جمع ہو گئے اور وُہ پرندے پھڑپھڑاتے ہُوئے جلدی جلدی حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ فصرهن کے دو معنے ہیں۔ ایک اس کا معنی ہے مائل اور مانوس کرنا اور ترجمہ میں یہی معنی لیا گیا ہے۔ لیکن اس کا دُوسرا معنی قطعهن ہے یعنی ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرو۔ حضرت ابنِ عباس اور ابن الانباری وغیرہما سے یہی منقول ہے۔ يقال صار الشيء يصوره ای قطعه (قرطبی) بعض لوگوں نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم چار پرندوں کو اپنے ساتھ مانوس کر لو۔ پھر ایک ایک پرندہ الگ الگ پہاڑیوں پر بٹھا دو اور اُنھیں اپنی طرف بُلاؤ وُہ فوراً تمھاری طرف چلے آئیں گے۔ تو جیسے تم نے ان کو مانوس کیا اور وُہ تمھاری آواز پر دوڑے چلے آتے اسی طرح جب کائنات کا رب ان منتشر اجزاء کو قیامت کے روز

حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ

بڑا دانا ہے مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں ٣٥٤ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے

حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ

ایک دانہ ٣٥٥ جو اُگاتا ہے سات بالیں (اور) ہر بال میں سو دانہ ہو

ہلائے گا تو یہ اجزاء اکٹھے ہوجائیں گے لیکن یہ تاویل کچھ مناسب حال معلوم نہیں ہوتی۔ سوال یہ ہے کہ پراگندہ اور منتشر اجزا اکٹھے کیونکر ہوں گے اور ان میں رُوح کیونکر پھونکی جائے گی۔ کم ازکم جواب ایسا تو ہونا چاہیئے جو سوال کے اہم گوشوں کی وضاحت کردے۔ اس تاویل کے مطابق نہ تو منتشر اجزاء کا اجتماع ہے اور نہ ہی مُردہ کو ازسرِنو زندہ کرنے کا وقوع ہے۔ پھر اس میں کونسی ایسی چیز ہے جو قلب کے اطمینان کا باعث ہو۔

٣٥٤ اس آیتِ کریمہ کے الفاظ تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی فضیلت کی مثال بیان کرتے ہیں لیکن اس کے ضمن میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب بھی دلائی جارہی ہے۔ یعنی جب یہ یقین ہو کہ یہاں ایک درہم خرچ کرنے سے سات سو درہم ملیں گے تو کونسا عقل مند ایسا ہوگا جو بصد خوشی اپنا سارا سرمایہ اس سودے میں نہیں لگا دے گا۔ اللہ جو غنی وحمید ہے اپنی راہ میں خرچ کرنے والوں کو وہ داتا یُونہی دیا کرتا ہے لیکن اللہ کریم کے خزانوں کو تقسیم فرمانے والا نبی ؐ جسے اپنے مالک کے بے پایاں خزانوں کا بھی علم ہے اور اس کی شانِ کریمی کو بھی جانتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو عرض کرتا ہے رب زد اُمّتی۔ اے میرے پروردگار میری اُمت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا من ذا الذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا فیضاعفہ لہ اضعافا کثیرۃ جو اللہ کو قرض دیتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے کئی کئی گنا زیادہ دیتا ہے۔ لبِ مصطفےٰ کو پھر جنبش ہوئی اور عرض کی۔ رب زد اُمّتی۔ میرے کریم! میری اُمت کو اس سے بھی زیادہ عطا فرما تو جواب ملا انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ صبر کرنے والوں کو بے حد وحساب اجر دیا جائے گا۔ (قرطبی) اَن گنت حمد وثناء اُس مولائے کریم کے لیے اور بے شمار دُرود وسلام اُس کے محبوبِ کریم پر۔

٣٥٥ علامہ قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زراعت کا پیشہ تمام پیشوں سے اعلیٰ ہے اور روزی کمانے کے ذرائع میں سے بہت باعزت ذریعہ ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم التمسوا الرزق فی خبایا الارض اخرجہ الترمذی یعنی حضور ؐ نے فرمایا کہ زمین کی تہوں سے اپنا رزق تلاش کرو۔ اور زراعت فرضِ کفایہ ہے۔ اگر لوگ اس کی طرف سے غفلت برتیں تو امامِ وقت کو چاہیئے کہ لوگوں کو جبراً کاشتکاری کی طرف راغب کرے اور باغات اور درخت لگانے کا حکم دے (معہٗ قرطبی) نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر پوری کوشش کی جائے تو جتنا بیج ڈالا جائے سات سو گُنا تک فصل برداشت کیا جاسکتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ (اس سے بھی) بڑھا دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اور اللہ وسیع بخشش والا جاننے والا ہے جو لوگ

يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا

خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں پھر[۳۵۶] جو خرچ کیا اس کے پیچھے

مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے ہیں انھیں کے لیے ثواب ہے اُن کا اُن کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے اُن پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اچھی بات کرنا[۳۵۷] اور (غلطی) معاف کر دینا بہتر ہے اس

صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

صدقہ سے جس کے پیچھے دُکھ پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے بڑے حلم والا ہے اے ایمان والو!

دُوسری قومیں اس میدان میں گوئے سبقت لیے جا رہی ہیں اور ہم اتنا کچھ کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ خلیفہ معتضد نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی اور حضرت نے اُسے مساحۃ پکڑایا اور فرمایا خذ ھا فانھا مفاتیح خزائن الارض اسے پکڑ لو کیونکہ یہی زمین کے خزانوں کی کُنجیاں ہیں۔

[۳۵۶] یعنی خرچ بھی اللہ کے راستہ میں ہو اور اسی کے لیے ہو تب اجر کی توقع ہے۔ اور اگر خرچ کے بعد احسان جتانا یا ستانا شروع کر دیا تو اللہ کے نزدیک اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ جنگ تبوک کے موقعہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار لے کر حاضر ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیئے۔ رحمتِ دو عالم کی زبانِ پاک سے حضرت عثمانؓ کے حق میں ایسی دُعا نکلی جس پر حضرت عثمانؓ جتنا ناز کریں بجا ہے اور جتنا شکر کریں کم ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ما ضر عثمان ما عمل بعد الیوم اللھم لا تنس ھذا الیوم لعثمان۔ اب عثمان جو کچھ کرتا رہے اس کو نقصان نہیں دے گا۔ اے اللہ! عثمانؓ کے آج کے دن کی قربانی فراموش نہ کرنا۔

[۳۵۷] بعض کم ظرف لوگ اگر چند کوڑیاں کسی نیک کام میں خرچ کر بیٹھتے ہیں تو پھر احسان جتلاتے ہیں۔ طرح طرح سے اذیت پہنچاتے ہیں مُسلمانوں کو ایسی کمینہ حرکت سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے اور اُنھیں بتایا جا رہا ہے کہ ایسے خرچ کرنے سے تو

اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ

مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دُکھ پہنچا کر اُس آدمی کی ۳۵۸ طرح جو خرچ

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ

کرتا ہے اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور یقین نہیں رکھتا اللہ پر اور دن قیامت پر اس کی مثال ایسی ہے

كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ

جیسے کوئی چکنی چٹان ہو جس پر مٹی پڑی ہو پھر برسے اُس پر زور کی بارش اور چھوڑ جائے اُسے چٹیل صاف پتھر

لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

(ریاکار) حاصل نہ کر سکیں گے کچھ بھی اُس سے جو اُنھوں نے کمایا اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کفر اختیار

الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۶۴﴾ وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ

کرنے والوں کو اور مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال ۳۵۹ اللہ کی خوشنودیاں حاصل کرنے

خندہ پیشانی سے بات کرنا اور کسی کی سخت کلامی وغیرہ سے درگزر کرنا بہت بہتر ہے۔ دین کا مقصد تو یہ ہے کہ تمھاری سیرت سنور جائے۔ اگر چند ٹکے دے کر تم میں نخوت پیدا ہوگئی ہے تو اس طرح تو سیرت اور بگڑ گئی۔ قال صلی اللّٰہ علیه وسلم الكلمة الطيبة صدقة وان من المعروف ان تلقى اخاك بوجه طلق حضورؐ نے فرمایا پاکیزہ بات بھی صدقہ ہے۔ اور اسلام میں یہ بھی بڑی نیکی ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملاقات کرے۔

۳۵۸ یہ منافق اور ریاکار کے عمل کی مثال ہے کہ جس طرح پتھر پر مٹی نظر آتی ہے لیکن جب بارش برستی ہے تو اس مٹی کو بہا کر لے جاتی ہے اور پتھر پھر چٹیل کا چٹیل رہ جاتا ہے۔ اسی طرح منافق کے اعمالِ خیر کی حالت ہے کہ بظاہر دیکھنے میں تو بہت کچھ دکھائی دیتے ہیں لیکن قیامت کے روز وہ یوں ناپید ہو جائیں گے جیسے بارش کے بعد پتھر سے مٹی ناپید ہو جاتی ہے۔

۳۵۹ اس آیت میں مومن مخلص کے اعمال کی مثال بیان فرمائی کہ جس طرح بلند خطّہ کی بہترین زمین کا باغ ہر حال میں خوب پھلتا ہے خواہ بارش کم ہو۔ ایسے ہی بااخلاص مومن کا صدقہ اور انفاق کم ہو یا زیادہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب بڑھاتا ہے۔ ربوہ اس خطّہ زمین کو کہتے ہیں جو نسبتہً دوسری زمین سے بلند ہو اور اس کی مٹی زیادہ زرخیز ہو۔ الربوة: المكان المرتفع ارتفاعا يسيرا معه في الاغلب كثافة تراب (قرطبی)

اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ

کے لیے اور اس لیے تاکہ پختہ ہو جائیں ان کے دل ۳۶۰؎ ان کی مثال اُس باغ جیسی ہے جو ایک بلند زمین پر ہو برسا ہو اس پر

فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا

زور کا مینہ تو لایا ہو وہ باغ دوگنا پھل اور اگر نہ برسے اس پر بارش تو شبنم ہی کافی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ جو تم

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ

کر رہے ہو سب دیکھ رہا ہے کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے ۳۶۱؎ کہ ہو اُس کا ایک باغ

نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ

کھجوروں اور انگوروں کا بہتی ہوں اُس کے نیچے ندیاں (کھجور و انگور کے علاوہ) اس کے لیے اس میں

كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖ فَاَصَابَهَآ

ہر قسم کے اور پھل بھی ہوں اور آ لیا ہو اُسے بڑھاپے نے اور اس کی اولاد بھی کمزور ہو (تو کیا وہ پسند کرتا ہے کہ) پہنچے اس کے باغ کو

۳۶۰؎ یہ الفاظ بڑے غور طلب ہیں۔ مال خرچ کرنے سے اللہ کے مخلص اور پاکباز بندوں کی ایک غرض تو یہ ہوتی ہے کہ اُن کا ربِّ کریم اُن پر راضی ہو جائے۔ اور اس کے علاوہ دُوسری غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ دلوں میں اللہ کی راہ میں مال و جان قربان کرنے کی استعداد پختہ اور ملکہ راسخ ہو جائے۔ مال بڑی پیاری چیز ہے۔ اس کا خرچ کرنا ابتدا میں بے شک گراں گزرتا ہے لیکن جب اِنسان خرچ کرنا شروع کر دیتا ہے تو دل آہستہ آہستہ اس کا خوگر اور اس کی لذتوں سے آشنا ہو جاتا ہے اور راہِ خُدا میں سب کچھ لُٹانے کی استعداد پختہ ہو جاتی ہے۔ پھر مال تو مال رہا وُہ اپنی جانِ عزیز تک نثار کرنے کو سب سے بڑی سعادت یقین کرنے لگتا ہے۔

۳۶۱؎ اخلاصِ نیّت کی اہمیّت کو ایک مثال ذکر کر کے یُوں واضح کیا گیا ہے کہ کوئی باہوش آدمی اِس میں غفلت نہیں برت سکتا۔ ایک آدمی ایک باغ لگاتا ہے۔ اُس کی شبانہ روز محنت اور کثیر روپیہ خرچ کرنے کے بعد اس میں گوناگوں پھل دار درخت اُگ آتے ہیں۔ میٹھے اور شفاف پانی کی ندیاں ان درختوں کی قطاروں میں بہ رہی ہیں۔ بڑھاپے نے اسے آلیا ہے۔ اس کی قوت رفتہ رفتہ جواب دے رہی ہے۔ اس کے بچّے ابھی چھوٹے ہیں۔ وُہ مطمئن ہے کہ اب وُہ اپنی زندگی بھر کی محنت کا ثمر کھائے گا۔ اس کے پھل دار باغ کی آمدنی سے اس کی پیری کے دن آرام سے کٹیں گے اور اسے اپنے بال بچّے کی روزی کے لیے اب کوئی

اِعۡصَارٌ فِیۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰیٰتِ

بگولہ جس میں آگ ہو پھر وہ باغ جل بھن جائے ایسے ہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنی) آیتیں

لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ ع ۳۶

تاکہ تم غور و فکر کرو اے ایمان والو! خرچ کیا کرو عمدہ چیزوں سے

مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۪ وَلَا تَیَمَّمُوا

جو تم نے کمائی ہیں ۳۶۲ اور اس سے جو نکالا ہے ہم نے تمہارے لیے زمین سے اور نہ ارادہ کرو ۳۶۳

الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا

ردّی چیز کا اپنی کمائی سے کہ تم اسے خرچ کرو حالانکہ اگر تمہیں کوئی ردّی چیز دے تو تم نہ لو اسے بجز اس کے کہ چشم پوشی کر لو

تردد نہیں ہوگا۔ تم خود سوچو ایسا بوڑھا آدمی ایسی حالت میں کبھی یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی آتشیں بگولہ آئے اور اس کی عمر بھر کی کمائی کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دے۔ بس بالکل یونہی سمجھ لو اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کو۔ قیامت کے دن جب تم خود کچھ کما نہیں سکتے، اور دوسرا تمہاری کوئی امداد کر نہیں سکتا اس روز تمہیں اپنی زندگی بھر کے نیک اعمال کی کتنی شدید حاجت ہوگی۔ اگر ریاکاری کے بگولہ سے تم نے ان کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تو قیامت کے دن تمہاری حسرت، ندامت اور دل سوزی کا کیا عالم ہوگا۔ اگر تم اس اندوہناک صورتِ حال سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو اپنے اعمال کو ریا اور دکھلاوے سے بچاؤ۔ سبحان اللہ! کیا اثر آفریں اور دل نشین ہے یہ مثال۔

۳۶۲؎ طیبات سے وہ چیزیں مراد ہیں جو عمدہ بھی ہوں، حلال بھی ہوں اور حلال طریقہ سے کمائی بھی گئی ہوں۔ کیونکہ اس طرح خرچ کرنے کے تین مقاصد ہیں۔ غریب کا فائدہ، اپنے نفس کی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا۔ اور یہ مقاصد تب ہی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ عمدہ اور پاکیزہ چیز خرچ کی جائے۔ اگر ردی چیز خرچ کی تو نہ غریب کو کچھ فائدہ پہنچا، نہ بخل کی آلودگی سے نفس کی صفائی ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ ذات جو اپنے بہتر سے بہتر انعامات کی تم پر بارش فرما رہی ہے جب اس کے نام پر دینے کا وقت آیا تو سب سے ناکارہ چیز تم نے اس کی راہ میں دے دی تو وہ کیونکر تم سے راضی ہوگا۔

۳۶۳؎ کیونکہ جب ردی چیز تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ردی چیزوں کو کب پسند فرمائے گا۔

فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۲۶۷ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ

اس میں اور (خوب) جان لو کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے ہر تعریف کے لائق ہے شیطان ۳۶۴ے ڈراتا ہے تمھیں

الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

تنگ دستی سے اور حکم کرتا ہے تم کو بے حیائی کا اور اللہ تعالیٰ وعدہ ۳۶۵ے فرماتا ہے تم سے اپنی بخشش کا

وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۸ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ

اور فضل (وکرم) کا اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے عطا فرماتا ہے دانائی ۳۶۶ے جسے چاہتا ہے

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

اور جسے عطا کی گئی دانائی تو یقیناً اُسے دے دی گئی بہت بھلائی اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر

۳۶۴ے شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ اگر یہ خرچ کر دیا تو خود کیا کھاؤ گے۔ بچوں کا پیٹ کیسے بھرو گے۔ ورنہ در در کی بھیک مانگنے کی ذلّت اُٹھانی پڑے گی۔ اور بخل کو کفایت شعاری دُور اندیشی وغیرہ کے رنگین عنوانوں سے پیش کرتا ہے۔ یہ چیز غور طلب ہے کہ قرآن نے بخل کو فحشاء (سخت بے حیائی) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اس سے بڑھ کر بے حیائی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ انسان خود عیش کر رہا ہو اور کسی غریب بھائی کی امداد کا اُسے کبھی خیال ہی نہ آتا ہو۔

۳۶۵ے لیکن اللہ تعالیٰ تمھیں نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دلاتا ہے کہ ایسا کرنے سے تمھارے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے اور غریبوں اور تنگ دستوں کی امداد کرنے سے تم پر رزق اور نعمت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔

۳۶۶ے حکمت سے مُراد وُہ علم صحیح ہے جو اتنا پختہ اور طاقت ور ہو کہ وُہ انسانی ارادہ کو حکماً عملِ خیر کی طرف متوجہ کر دے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وُہ احسان ہے جسے قرآن نے خیرِ کثیر فرمایا ہے۔ اور دُنیا و ما فیہا کو متاعِ قلیل کہا ہے۔ اب اگر کوئی صاحبِ علم اُمراء و اغنیاء سے اپنے آپ کو کمتر اور کہتر سمجھے تو یہ اس کی اپنی کم نگاہی ہے۔ ورنہ جو نعمت اور دولت اسے عطا فرمائی گئی ہے اُس کے سامنے دولتِ قارُون اور جاہِ فریدُون کی وقعت ہی کیا ہے۔

أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن

عقل مند ۔ اور جو تم خرچ کرتے ہو یا منت مانتے ہو ٣٦٧

نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٢٧٠﴾ إِن

تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار اگر

تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۖ وَإِن تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ

ظاہر کرو (اپنی) خیرات ٣٦٨ تو بہت اچھی بات ہے اور اگر پوشیدہ رکھو صدقوں کو اور دو اُنھیں فقیروں کو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّئَاتِكُمْ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

تو یہ بہت بہتر ہے تمھارے لیے اور (صدقہ کی برکت سے) مٹا دے گا تم سے تمھارے بعض گناہ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو

٣٦٧ یعنی جو کچھ تم خرچ کرو اور جہاں کہیں خرچ کرو اور جیسی نذر مانو اور جس کے لیے مانو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ اور تمھاری نیت کے مطابق تمھیں ثواب و عذاب دیا جائے گا۔ نذر کی تعریف یہ ہے ھو ما اوجبہ المکلف علی نفسہ من عبادات لو لم یوجبہ لم یلزمہ (قرطبی) نذر کسی ایسی عبادت کو اپنے اُوپر لازم کر لینے کو کہتے ہیں کہ اگر وہ عبادت یہ خود اپنے اُوپر واجب نہ کرے تو وہ عبادت اس پر لازم نہیں ہوتی۔ حضرت صدر الافاضل حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں نذر خاص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ اللہ کے لیے نذر کرے اور کسی ولی کے آستانہ کے فقراء کو خرچ کرنے کا محل مقرر کرے مثلاً کسی نے یہ کہا کہ یا رب میں نے نذر مانی کہ اگر تو میرا فلاں مقصد پورا کر دے یا فلاں بیمار کو شفا دے دے تو میں فلاں ولی کے آستانہ کے فقراء کو کھانا کھلاؤں یا وہاں کے خدام کو روپیہ پیسہ دوں یا ان کی مسجد کے لیے تیل یا بوریا حاضر کروں تو یہ نذر جائز ہے (رد المحتار)

٣٦٨ مفسرین کی یہی رائے ہے کہ فرضی صدقات ظاہر کر کے دینے افضل ہیں اور نفلی صدقات چھپا کر دینے افضل ہیں۔ قال الحسن اظہار الزکاۃ احسن واخفاء التطوع افضل۔ اور کیا حکمت آموز قول ہے جو حضرت عباس بن عبد المطلب سے منقول ہے۔ لا یتم المعروف الا بثلاث خصال تعجیلہ وتصغیرہ وسترہ فاذا عجلتہ ھنأتہ واذا صغرتہ عظمتہ واذا سترتہ اتممتہ۔ ترجمہ: نیکی تین خصلتوں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ نیکی کرنے میں جلدی کرے، اسے حقیر سمجھے اور اسے پوشیدہ رکھے جب تم نے نیکی کرنے میں جلدی کی تو اُسے خوشگوار بنا یا جب اسے حقیر سمجھا تو اس کی قدر کو بڑھایا اور جب اسے پوشیدہ رکھا تو اسے مکمل کر دیا۔

خَبِيرٌ ﴿٢٧١﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ

خبردار ہے نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ٣٦٩ ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے

وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ

اور جو کچھ تم خرچ کرو (اپنے) مال سے تو (اس میں) تمھارا اپنا فائدہ ہے اور تم تو خرچ ہی نہیں کرتے بجز اللہ کی

وَجْهِ اللَّهِ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٢﴾

رضا طلبی کے اور جتنا کچھ تم خرچ کروگے (اپنے) مال سے پورا پورا دیا جائے گا تمھیں اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا (خیرات)

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

ان فقیروں کے لیے ہے جو ٣٧٠ روکے گئے ہیں اللہ کی راہ میں نہیں فرصت ملتی انھیں (روزی کمانے کے لیے)

٣٦٩ انصار کے کئی رشتہ دار اسلام نہیں لاتے تھے اور انصار ان کی امداد کرنا چاہتے لیکن اس خیال سے نہ کرتے کہ وہ مسلمان نہیں۔ اور خود حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مسلمان فقراء کو ہی اپنے صدقات دیا کریں۔ اس آیت کریمہ سے حکم ملا کہ نہیں ان کے کفر کی وجہ سے ان کو بھوکا مرتے دیکھتے رہنا آپ کی رحمت کے خلاف ہے۔ چنانچہ اس کے بعد مسلمان غیر مسلموں کو بھی صدقات دینے لگے۔ لیکن خیال رہے کہ یہ نفلی صدقات وخیرات کا حکم ہے۔ فرض اور واجب صدقات مثلاً زکوٰۃ اور صدقہ فطر صرف مسلمان فقراء کو ہی دیے جاسکتے ہیں۔

٣٧٠ پہلی آیت میں بتایا کہ اگر غیر مسلم فقراء کو بھی اپنے خیرات وصدقات دو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت میں بتایا کہ صدقات کے صحیح مستحق یہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں خدمت دین کے لیے وقف کردی ہیں اور انھیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ اپنی معاش کا بھی فکر کریں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں تین چار سو کے قریب ایسے مہاجر تھے جن کے پاس نہ مال تھا، نہ اہل اور نہ سر چھپانے کے لیے جھونپڑا۔ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر رہتے اور جس کام کے لیے حکم ملتا اس کی تعمیل کرتے۔ جب کہیں سرایا بھیجنے کی ضرورت ہوتی یہ بے تامل حاضر ہوتے اور جب فارغ ہوتے تو قرآن یاد کرتے اور سنت نبوی کو حفظ کرتے۔ ان کی رہائش کے لیے مسجد میں ہی حضور نے ایک چھپر بنوا دیا تھا۔ فقر وتنگدستی کے باوجود عزت نفس اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا تو یہ گویا جانتے ہی نہ تھے جیسے گزرتی خاموشی اور صبر سے گزار دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کرائی لیکن یہ حکم انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اب بھی جو حضرات اس خدمت میں مشغول رہتے ہیں اور کسب معاش کے لیے وقت نہیں نکال سکتے ان کے متعلق یہی حکم ہے۔

ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ

چلنے پھرنے کی زمین میں خیال کرتا ہے اُنھیں ناواقف (کہ یہ) مالدار (ہیں) بوجہ ان کے سوال نہ کرنے کے

تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنفِقُوا

(اے حبیب!) آپ پہچانتے ہیں انھیں ان کی صورت سے یہ نہیں مانگا کرتے لوگوں سے لپٹ کر ۳۷۱ اور جو کچھ تم خرچ کرو گے

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝٢٧٣ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُم

(اپنے) مال سے پس یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے جو لوگ خرچ کیا کرتے ہیں اپنے مال

بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ ۚ

رات میں اور دن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لیے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٢٧٤ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا

اور نہ انھیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو لوگ کھایا کرتے ہیں سُود ۳۷۲

۳۷۱ اسلام نے بھیک مانگنے کی سخت مذمت کی ہے۔ حضرت ابُوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالمؐ نے فرمایا۔ لان یغدُ احدکم فیحتطب علی ظھرہٖ فیتصدق منه ویستغنی به عن الناس خیرله من ان یسال رجلا اعطاہ او منعه۔ کہ اگر کوئی شخص ہر صبح لکڑیاں چن کر پیٹھ پر اُٹھا لائے اور اس کی قیمت سے جو ملے اس سے صدقہ بھی کرے اور خود بھی کھائے یہ اس سے بہت بہتر ہے کہ لوگوں سے مانگتا پھرے کسی کا دل چاہے تو کچھ دے دے اور چاہے تو انکار کر دے۔ حضور علیہ السّلام کا ایک اور ارشاد ہے من سال الناس اموالھم تکثرا فانما یسال جمرا فلیستقل منه او لیستکثر۔ ترجمہ۔ جو آدمی لوگوں سے مال جمع کرنے کیلیے بھیک مانگتا ہے وُہ انگارے جمع کر رہا ہے۔ تھوڑے انگارے جمع کرے یا زیادہ یہ اس کی اپنی مرضی۔

۳۷۲ پہلے سخی اور کریم الطبع لوگوں کا ذکر فرمایا جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے لوگوں کی اِمداد کرتے ہیں اور کسی معاوضہ بلکہ شکریہ کی بھی توقع نہیں رکھتے۔ اب اُن لوگوں کا ذِکر ہے جو دولتمند ہونے کے باوجُود اتنے تنگ دِل بلکہ سنگ دِل ہیں کہ اپنے مجبُور اور معذُور بھائی کی ویسے اِمداد تو کجا، قرض بھی دیتے ہیں تو سُود کا مطالبہ پہلے کرتے ہیں۔ اِن آیات میں ربا (سُود) کو حرام کر دیا گیا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کس چیز کو ربا کہا کرتے تھے اور اس کی کیا کیا شکلیں رائج تھیں

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ

وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے

الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ

چھو کر ۵۳۷ یہ حالت اس لیے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ سوداگری بھی سُود کی مانند ہے حالانکہ حلال فرمایا

لُغتِ عرب میں ربا کا معنی زیادتی ہے اِصطلاح میں اس مقررہ زیادتی کو ربا کہا جاتا تھا جو کسی رقم کی ادائگی میں دیر کرنے پر ادا کی جاتی تھی۔ اس کی مروّجہ شکلیں یہ تھیں کہ کسی نے کوئی چیز خریدی قیمت اگر وُہ نقد ادا نہ کرسکتا تو ایک میعاد مقرر کی جاتی اگر وُہ اس میعاد پر بھی قیمت ادا نہ کرسکتا تو میعاد بھی لمبی کردی جاتی اور قیمت میں بھی اضافہ کردیا جاتا۔ مثلاً دس روپیہ کی کوئی چیز لی۔ اور ایک ماہ کے بعد قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ مہینہ گزرنے کے بعد اگر اسے دس روپے میسّر نہ آتے تو وُہ ایک ماہ کی مزید مہلت طلب کرتا اور دس کی بجائے بارہ روپیہ ادا کرنے کا اقرار کرتا۔ ایک شکل یہ بھی تھی کہ کسی سے سو روپیہ مثلاً قرض لیا اور طے یہ پایا کہ مقروض ہر سال سو کے ساتھ دس روپیہ زائد ادا کرے گا۔ ان دونوں شکلوں کو اس وقت ربا کہا جاتا یہاں ایک چیز اور تحقیق طلب ہے کیا اس وقت کے لوگ صرف نجی ضروریات کے لیے ہی سُودی قرض لیا کرتے تھے یا کاروبار کرنے کے لیے بھی سُودی قرض کا اُس وقت عام رواج تھا۔ بعض لوگ جنھیں عرب کے حالات اور رسم و رواج کے تفصیلی مطالعہ کی فرصت نہیں ملی کہتے ہیں کہ اس وقت صرف ذاتی ضروریات کے لیے ہی قرض لیا جاتا تھا اور کاروبار کے لیے قرض لینے کا اس قدیم غیر متمدّن معاشرہ میں کوئی تصوّر نہ تھا۔ لیکن اگر وُہ دُنیا کا نقشہ ملاحظہ فرمائیں تو اُنھیں معلوم ہوجائے گا کہ اس وقت جب کہ نہر سویز نہیں کھُدی تھی جب کہ بڑے بڑے بحری جہاز معرضِ وجُود میں نہیں آئے تھے مشرق و مغرب کی تجارت خشکی کے راستہ سے ہوتی تھی۔ اس وقت تجارتی کاروانوں کی راہ گزر جزیرہ عرب تھا۔ عرب کے لوگ عموماً اور اہلِ مکّہ خصوصاً تجارت میں خوب حصّہ لیتے تھے۔ اور اس امر کا تذکرہ تو خود قرآن حکیم میں ہے کہ اہلِ مکّہ کے تجارتی قافلے سردیوں میں یمن و فارس کی طرف اور گرمیوں میں شام و رُوم کی طرف باقاعدگی سے جاتے تھے اور یہی اُن کا ذریعہ معاش تھا اور تاریخ اس پر اٹل شاہد ہے کہ جو قافلہ شام سے ابُوسفیان کی قیادت میں مکّہ واپس جارہا تھا جس کا مسلمانوں نے مدینہ طیّبہ سے نکل کر محاصرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا اس میں تمام اہلِ مکّہ کا سرمایہ تھا۔ مکّہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس نے اس میں اپنا حصّہ نہ ڈالا ہو۔ اور حصّہ کی دونوں مختلف شکلیں رائج تھیں۔ یا تو سرمایہ دینے والا نفع میں شریک ہوتا تھا یا وُہ اپنا مقررہ حصّہ مقرر لیا کرتا خواہ قرض لینے والے کو نفع ہو یا نقصان۔ ان تاریخی حقائق کی موجُودگی میں یہ فرض کرلینا کب روا ہے کہ اس وقت کے اہلِ عرب کاروبار کے لیے سُودی قرض نہیں لیا کرتے تھے۔ قرآن نے ہر ربا کو حرام کیا کہیں آپ کاروباری سود لینے کی اجازت نہیں دے سکتے

۵۳۷ ان کلمات میں سُودخوار کی کیفیّت بیان کی جارہی ہے۔ فرمایا جیسے آسیب زدہ اور پاگل آدمی عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے جنھیں دیکھ کر انسان ہنسی ضبط نہیں کرسکتا اسی طرح یہ سُودخور اپنی حشمت و جاہ و دولت کی محبّت میں یُوں مارے مارے پھرتے ہیں

اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۚ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

اللہ تعالیٰ نے تجارت کو اور حرام کیا سُود کو ۴۷۶ پس جس کے پاس آئی نصیحت اپنے رب کی طرف سے

اور اُن سے ایسی نامعقول باتیں اور ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے کہ شاید ان پر کسی جِن نے تسلط جما رکھا ہے۔ ان کی دُنیاوی زندگی بھی یُونہی گزرے گی اور قیامت کے روز بھی ان کا یُونہی حشر ہو گا۔

۴۷۶ سُود کے جواز کے لیے جو دلیل آج پیش کی جاتی ہے بعینہٖ یہی اِستدلال چودہ صدیاں پیشتر غیر متمدّن عرب کے سُود خوار پیش کیا کرتے تھے یعنی جب دُوسری اجناس کے لین دین میں نفع حاصل کرنا درست ہے تو روپیہ جو ایک جنس ہی ہے اس کے لین دین میں اگر نفع لیا جائے تو اسے حرام کیوں قرار دیا جائے۔ اِس کا جواب قرآنِ حکیم نے یہ دیا کہ دونوں میں بڑا فرق ہے بیع کو اللہ تعالیٰ نے اس کے فوائد کی وجہ سے حلال کر دیا ہے اور سُود کو اس کے نقصانات کی وجہ سے حرام کیا ہے۔ اِس لیے ان دو چیزوں کو یکساں کیسے تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ سُود کی حُرمت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن جو فاضلانہ بحث حُجّۃ الاسلام الامام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس کا جواب نہیں۔ بحث کی اہمیّت کا تقاضا تو یہ ہے کہ غزالی کے کلام کا پُورا ترجمہ نقل کیا جائے لیکن مقام کی تنگ دامانی اس کی متحمّل نہیں۔ اِس لیے نہایت اِختصار سے اِس بحث کا ماحصل ہدیۂ قارئین ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

فرض کرو تمھارے پاس زعفران ہے اور ایک دُوسرے شخص کے پاس اُونٹ ہے۔ تم اُونٹ لینا چاہتے ہو لیکن اُونٹ والے کو زعفران کی ضرورت نہیں۔ اب تم اُونٹ کیونکر حاصل کر سکتے ہو۔ یا تمھارے پاس کپڑے ہیں اور دُوسرے شخص کے پاس کھانا ہے تمھیں بھُوک لگی ہے تمھیں کھانا چاہیئے لیکن کھانے والے کو کپڑوں کی ضرورت نہیں۔ اب تم کھانا کیونکر خریدو گے اس لیے قدرت نے ایک ایسی جنس (سونا چاندی) کی تخلیق فرما دی جس کے ذریعہ ہر شخص اپنی ضرورت کی چیز خرید سکے۔ اگر آپ ذرا سا تأمّل فرمائیں تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ سونے چاندی کی تخلیق اس حکیم و دانا رب نے اسی مقصد کے لیے فرمائی ہے۔ اور ان کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ ایک تو یہ کمیاب ہیں دُوسرا ان میں وُہ صلابت اور سختی نہیں جو لوہے اور تانبہ وغیرہ میں ہے تاکہ اُن کی جگہ استعمال ہو سکیں۔ اب اگر روپیہ پر سُود لینے کی اجازت دی جائے تو روپیہ پھر صرف تبادلۂ اشیاء کا ذریعہ نہیں رہے گا بلکہ اس کی اپنی ذات کا سبب اور نفع خیز بن جائے گی اور لوگ دُوسرے سامانِ تجارت کی طرح اس کی ذخیرہ اندوزی شروع کر دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بازار میں سے یہ غائب ہوتا چلا جائے گا۔ اور جب روپیہ بازار سے غائب ہونا شروع ہو گیا تو صنعتی ترقی رُک جائے گی تجارتی سرگرمی ختم ہو جائے گی اور دُوسری اشیاء کی قیمتوں میں وُہ اُتار چڑھاؤ شروع ہو گا جس سے سارا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ شریعتِ اسلامیہ نے اِن مفاسد کے سدِّباب کے لیے سُود کو حرام کر دیا۔ (اِختصار کلامِ غزالیؒ)

افلاطون نے بھی اپنی کتاب "السیاسۃ" میں یہی لکھا ہے کہ روپیہ کُڑک مُرغی ہے جو انڈے نہیں دیتی۔

سُود کی حُرمت کی حقیقی وجہ سمجھ لینے کے بعد اب ہمیں یہ بھی سمجھنا ہے کہ تجارت اور سُود میں کیا فرق ہے جس کی طرف

فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ

تو وُہ (سُود سے) رُک گیا تو جائز ہے اُس کے لیے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو شخص پھر سُود کھانے لگے تو وُہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي

دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مٹاتا ہے [۳۷۵] اللہ تعالیٰ سُود کو اور بڑھاتا ہے

الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

خیرات کو [۳۷۶] اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ہر ناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

اور کرتے رہے اچھے عمل اور ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہے نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ کو ان کے لیے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس نہ کوئی خوف ہے انھیں اور نہ وُہ غمگین ہوں گے

قرآن نے اشارہ فرمایا ہے۔ یہ بالکل واضح فرق ہے کہ تجارت میں انسان روپیہ لگاتا ہے۔ پھر محنت کرتا ہے۔ اپنی ساری ذہنی قابلیتیں صرف کرتا ہے اور وقت خرچ کرتا ہے۔ اس کے باوجود نفع یقینی نہیں۔ اسے نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی لیکن سُود خور جو صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا ہے۔ نہ وقت، نہ محنت نہ کاوش، وُہ یقینی نفع کا خواستگار کیوں ہو۔ اسلام نے سرمایہ دار کے لیے دو ہی راستے تجویز کیے ہیں یا تو اپنے بھائی کو اپنا زائد از ضرورت روپیہ بطور قرض حسنہ دے ورنہ کاروبار میں شریک ہو جائے اور نفع و نقصان میں حصہ دار بنے۔ اس کے لیے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

[۳۷۵] المحق هو الشيء والذهاب به كمحاق القمر۔ کسی چیز کے مٹ جانے اور غائب ہونے کو محق کہتے ہیں۔ چاند کی آخری دو تاریخوں کو محاق کہا جاتا ہے کیونکہ چاند ان راتوں میں بالکل رُوپوش ہو جاتا ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ مقرر فرما رکھا ہے کہ سُود خور کو برکت نہیں ہوگی اور مال سے اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ نہ اُس کی سوسائٹی میں کچھ عزت ہوگی نہ اس کو قلبی سکون نصیب ہوگا۔ یہ اس کی حالت دُنیا میں ہوگی اور آخرت میں وُہ ثواب و رضائے خُداوندی سے محروم ہوگا۔

[۳۷۶] سُود خور کے برعکس صدقہ و خیرات کرنے والا دُنیا میں بھی باعزت زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ

اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٧٨﴾ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ

تم (سچے دل سے) ایمان دار ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اعلان جنگ سن لو[٤٧٧] اللہ اور اس کے

وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ

رسول کی طرف سے اور اگر تم توبہ کر لو تو تمھیں (مل جائیں گے) اصل مال نہ تم ظلم کیا کرو

وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿٢٧٩﴾ وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ

اور نہ تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو[٤٧٨] تو مہلت دو اسے خوشحال ہونے تک

وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا

اور بخش دینا اسے (قرض) بہت بہتر ہے تمھارے لیے اگر تم جانتے ہو اور ڈرتے رہو اس دن سے

تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ۖ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَ

لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف پھر پورا پورا دے دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے اور

٤٧٧ سود کے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی ناقابل تلافی نقصانات کے باعث اس کی حرمت کو اتنے شدید پیرایہ میں بیان کیا گیا جس کی مثال نہیں۔ ارشاد ہے جو ان احکام کے بعد بھی سود لینے کی جرأت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اعلان جنگ ہے۔

٤٧٨ مکارم اخلاق کا ایک اور درس ہے۔ جو قوم ایسے ضابطۂ اخلاق کی پابند ہو اس کے غریب و امیر افراد میں حسد و عناد کی آگ نہیں بھڑک سکتی۔ اور یہ خونی انقلاب رونما نہیں ہو سکتے جن سے آج ساری دنیا لرزہ براندام ہے۔ کاش مسلمان اپنے فرض کو پہچانیں اور ان اخلاقی اصولوں کو اپنانے کی کوشش کریں۔

هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ

ان پر زیادتی نہ کی جائے گی ۔ اے ایمان والو! جب تم ایک دوسرے کو قرض دو ۳۷۹

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪

مدت مقررہ تک تو لکھ لیا کرو اسے اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان لکھنے والا ۳۸۰ عدل و انصاف سے

وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

اور نہ انکار کرے لکھنے والا ۳۸۱ لکھنے سے جیسے سکھایا ہے اس کو اللہ نے پس وہ بھی لکھ دے اور لکھواتے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ

وہ شخص جس کے ذمہ حق (قرضہ) ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے اور نہ کمی کرے اس سے ذرہ بھر

۳۷۹؎ قرآن کریم کی یہ سب سے لمبی آیت ہے اور اس میں معاملات کے بہت سے احکام شرح و بسط سے بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ پہلا حکم تو یہ ہے کہ جب اُدھار کا لین دین کرو تو ضرور لکھ لیا کرو کیونکہ بسا اوقات انسان پہلے لکھنے سے شرماتا ہے لیکن بعد میں طرح طرح کی غلط فہمیاں اور رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں اور نوبت لڑائی جھگڑے اور مقدمات تک پہنچتی ہے اور آپس کے تعلقات ہمیشہ کے لیے کشیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر معاملہ کی ساری تفصیلات یعنی مقدار قسم اور ادائیگی کا مقررہ وقت لکھ لیا جائے تو پھر ان مفاسد سے نجات مل جاتی ہے۔ فقہی اصطلاح میں اگرچہ اسے واجب نہ کہا جائے لیکن اس کی اہمیت اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص تحریر نہیں کرتا اور اس کا حق ضائع ہو جائے تو اُسے کوئی اجر نہ ملے گا اور اگر اس نے اپنا حق غصب کرنے والے کے لیے بد دُعا کی تو وہ بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے اس واضح ارشاد کی تعمیل نہیں کی۔ (احکام القرآن)

۳۸۰؎ یعنی جو شخص تحریر کا فرض انجام دے اسے ایسی تحریر لکھنی چاہیئے جو ہر طرح کے ابہام اور مغالطہ سے مبرا ہو۔ ذو معنی الفاظ کے استعمال سے اجتناب کرے اور ان تمام شرائط کا پورا لحاظ رکھے جو شریعت نے اس عقد کی صحت کے لیے مقرر کی ہیں اس لیے فقہاء نے فرمایا ہے کہ وثیقہ نویس ایسا شخص ہونا چاہیئے جسے ان شرائط و قواعد کا پورا پورا علم ہو تاکہ فریقین کے مقصد کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

۳۸۱؎ اگر ایک شخص کے سوا کوئی دوسرا آدمی وثیقہ نویسی کا اہل نہ ہو تو اس شخص پر ضروری ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وثیقہ نویس کو اجرت لینے کی شرعاً اجازت ہے۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ

پھر اگر وُہ شخص جس پر قرض ہے بے وقوف ہو یا کمزور ہو یا اس کی طاقت نہ رکھتا ہو

أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا

کہ خود لکھا سکے تو لکھائے اس کا ولی (سرپرست) انصاف سے اور بنا لیا کرو ۳۸۲؎

شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ

دو گواہ اپنے مردوں سے اور اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد

وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

اور دو عورتیں اُن لوگوں میں سے جن کو پسند کرتے ہو تم (اپنے لیے) گواہ تاکہ اگر بھول جائے ایک عورت

فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ

تو یاد کرا دے (وُہ) ایک دُوسری کو اور نہ انکار کریں گواہ جب وُہ بُلائے جائیں

وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ

اور نہ اُکتایا کرو اسے لکھنے سے خواہ (رقم قرضہ) تھوڑی ہو یا زیادہ اس کی میعاد تک یہ تحریر عدل قائم

أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا

کرنے کے لیے بہت مفید ہے اللہ کے نزدیک اور بہت محفوظ رکھنے والی ہے گواہی کو اور آسان طریقہ ہے تمھیں شک سے بچانے کا مگر

أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ

یہ کہ سودا دست بدستی ہو جس کا تم لین دین آپس میں کرو (اس صورت میں) نہیں تم پر

۳۸۲؎ تحریر کے ساتھ گواہ مقرر کرنے کا بھی حکم دیا تاکہ معاملہ میں کسی وقت بھی گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ شہادت کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں۔

جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَ اَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَ لَا يُضَآرَّ

کچھ حرج اگر نہ بھی لکھو اسے اور گواہ ضرور بنا لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اور ضرر نہ پہنچایا جائے

كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا

لکھنے والے کو اور نہ گواہ کو ۳۸۳ اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ نافرمانی ہوگی تمھاری اور ڈرا کرو

اللّٰهَ ؕ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ سے اور سکھاتا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ (آدابِ معاشرت) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور اگر تم

عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ

سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو کوئی چیز گروی رکھ لیا کرو اور اس کا ۳۸۴ قبضہ دے دیا کرو پھر اگر اعتبار

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَ لْيَتَّقِ اللّٰهَ

کرلے کوئی تم میں سے دوسرے پر بس چاہیے کہ ادا کردے وہ جس پر اعتبار کیا گیا ہے اپنی امانت کو اور ضرور ڈرتا رہے

رَبَّهٗ ؕ وَ لَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَ مَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ

اللہ سے جو اس کا رب ہے، اور مت چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص چھپاتا ہے اسے تو یقیناً گنہگار ہے اس کا ضمیر

۳۸۳ لا یضار کی راء اگر مفتوح ہو (یعنی مضارع مجہول) تو اس کا مطلب ہوگا کہ فریقین سے کوئی کاتب کو غلط لکھنے اور گواہ کو جھوٹی گواہی دینے پر مجبور نہ کرے اور ان کا وقت بے کار ضائع نہ کرے۔ اور اگر لا یضارِ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ کاتب غلط لکھ کر اور گواہ جھوٹی گواہی دے کر کسی کو ضرر نہ پہنچائے اور حق تلفی نہ کرے۔

۳۸۴ اور اگر تم حالت سفر میں ہو۔ وہاں کوئی وثیقہ نویس بھی نہیں اور گواہ بھی موجود نہیں اور تم ادھار پر کوئی لین دین کرنا چاہتے ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ خریدنے والا قیمت کی جگہ اپنی کوئی چیز بیچنے والے کے پاس گروی رکھ دے۔ جب قیمت ادا کرے تو اپنی گروی شدہ چیز واپس لے لے۔ یہاں حالتِ سفر میں گروی رکھنے کا ذکر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سفر کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں بلکہ اغلباً یہ صورت کہ نہ وثیقہ نویس ہے اور نہ گواہ سفر میں ہی پیش آتی ہے اس لیے سفر کا ذکر کیا، ورنہ حضر میں بھی رہن رکھنا درست ہے۔ لیکن گروی رکھی ہوئی چیز سے کوئی فائدہ اٹھانا شرعاً ممنوع ہے۔

ع ٣٩ / ٧

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٣﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ

میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو ۳۸۵ جو کچھ ۳۸۶ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اسے چھپائے ہو حساب لے گا تم سے اس کا

اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

اللہ تعالیٰ پھر بخش دے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اور اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٨٤﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

ہر چیز پر قادر ہے ایمان لایا یہ رسول (کریم) اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے رب کی طرف سے

۳۸۵ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بے چین و بے قرار ہو گئے۔ مغموم و افسردہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر عرض پرداز ہوئے کہ اے اللہ کے پیارے رسول! آج تک جو احکام (نماز، روزہ، حج، جہاد) نازل ہوئے اُن پر ہم عمل کر سکتے تھے لیکن اس آیت پر عمل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً گرتے ہوؤں کو سہارا دیا اور پھسلتے ہوؤں کو تھام لیا۔ فرمایا تم یہود و نصاریٰ کی طرح یہ مت کہو سمعنا وعصینا ہم نے حکم سن تو لیا لیکن مانا نہیں بلکہ شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرتے ہوئے بارگاہِ ربّ العزّت میں بے چون و چرا عرض کرو سمعنا واطعنا غفرانك ربنا واليك المصير۔ صحابہ کرام نے اپنے آقا و مولا ہادی و مرشد کا ارشادِ گرامی سن کر فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور زبان پر جاری ہو گیا سمعنا واطعنا الخ جب غلامانِ مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء نے یہ عرض کی تو اس سبّوح و قدوس نے آمن الرسول الخ فرما کر ان کے ایمان کی تصدیق فرما دی۔ سبحان اللّٰه العظيم والصلوٰة والسلام على رسوله الكريم۔

۳۸۶ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے یہاں خوب تحریر فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:۔ انسان کے دل میں دو طرح کے خیال آتے ہیں۔ ایک بطور وسوسہ کے اُن سے دل کا خالی کرنا انسان کی مقدرت میں نہیں لیکن وہ ان کو بُرا جانتا ہے اور عمل میں لانے کا ارادہ نہیں کرتا۔ ان کو حدیثِ نفس اور وسوسہ کہتے ہیں اس پر مواخذہ نہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے۔ سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمّت کے دلوں میں جو وسوسے گزرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے تجاوز فرماتا ہے۔ جب تک کہ وہ اُنھیں عمل میں نہ لائیں یا ان کے ساتھ کلام نہ کریں۔ یہ وسوسے اس آیت میں داخل نہیں۔ دُوسرے وہ خیالات جن کو انسان اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور ان کو عمل میں لانے کا قصد و ارادہ کرتا ہے ان پر مواخذہ ہوگا اور اُنھیں کا بیان اس آیت میں ہے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟

اور ایمان لائے، مومن یہ سب ایمان لائے ۳۸۷ سے مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو اور اُس کے رسولوں کو

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا

(نیز کہتے ہیں) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اُس کے رسولوں سے اور انھوں نے کہا ہم نے سُنا اور ہم نے طاعت کی

غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا

ہم طالب ہیں تیری بخشش کے اے ہمارے رب! اور تیری طرف ہی ہمیں لوٹنا ہے ذمہ داری نہیں ڈالتا اللہ تعالیٰ کسی شخص پر مگر

وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ

جتنی طاقت ہو اس کی۔ اُس کو اجر ملے گا جو (نیک عمل) اس نے کیا اور اس پر وبال ہوگا جو (بُرا عمل) اس نے کمایا اے ہمارے رب! پکڑ ہم کو ۳۸۸ نہ

اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں اے ہمارے رب! نہ ڈال ہم پر بھاری بوجھ جیسے

حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ

تو نے ڈالا تھا اُن پر جو ہم سے پہلے گزرے ہیں اے ہمارے پروردگار! نہ ڈال ہم پر وہ بوجھ جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت

۳۸۷ اس آیت میں ایمان کا اجمالی تذکرہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک ماننا، فرشتوں کو نوری اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار مخلوق تسلیم کرنا، تمام آسمانی کتابوں کو صحیح ماننا، تمام رسولوں کی رسالت پر بلا استثنا ایمان لانا اور یوم قیامت پر یقین رکھنا یہ ہے ایمان۔

۳۸۸ یہ پیارے پیارے دلنشیں اور اثر آفریں کلمات دعائیہ جملے ہیں۔ کریم و بندہ پرور اور ذرّہ نواز مولا تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کو خود سکھاتا ہے کہ مجھ سے یہ مانگا کرو اور یوں مانگا کرو۔ میرے درِ رحمت پر دستک دینے کا یہ طریقہ ہے اور جب کریم اور بہت کریم، سخی اور نہایت سخی گدائے بے نوا کو کہے کہ آ مجھ سے مانگ تو جب وہ گداتے بے نوا اخلاص و نیاز اور سوز و گداز سے عرض کرے گا تو ضرور وہ عرض قبول ہوگی۔ اس دعا میں جسمانی و روحانی، انفرادی اور اجتماعی، دینی و دنیاوی ہر قسم کی سعادتوں، نعمتوں اور سرفرازیوں کے لیے التجا ہے اسی لیے تو حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا

نہیں | اور درگزر فرما ہم سے | اور بخش دے ہم کو | اور رحم فرما ہم پر | تو ہی ہمارا دوست (اور مددگار) ہے تو مدد فرما

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾

ہماری ، قوم | کفار | پر

وعلی آلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا :-

اوتیت ھذہ الآیات من آخر سورۃ البقرۃ من کنز تحت العرش لم یؤتھن نبی قبلی ۔

سورۃ بقرہ کی یہ آخری آیتیں مجھے عرش عظیم کے نیچے جو (رحمتوں اور برکتوں کا ربانی) خزانہ ہے اس سے عطا فرمائی گئی ہیں۔ اور یہ وہ انعام عظیم ہے جو اور کسی نبی کو نہیں دیا گیا۔

تعارف سُورۃ آلِ عمران

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام ۔ اِس سُورۃ پاک کا نام آلِ عمران ہے ۔ یہ باتفاق علماء مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی ۔ اِس کے بیس ۲۰ رکُوع ہیں ۔ دوسو آیتیں ۔ ۳۵۴۲ ۔ الفاظ اور ۱۵۳۲۶ حرُوف ہیں ۔

مضامین } ۱ ۔ اِس سُورۃ میں بڑے واضح انداز سے اِس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے اس کے خالق نے جو ضابطہ عطا فرمایا وُہ ایک ہی ہے اَور اُس کا نام ہے دینِ اسلام ۔ اس دین کے اساسی عقائد اَور بُنیادی اصول زمان و مکان کے اختلاف و تعدد کے باوجُود ازلی و ابدی ہیں ۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دین انسانی عقل و خرد کی اختراع کردہ چیز نہیں بلکہ اللہ کا دین ہے جو حق ہے اَور حق ایک ہی ہُوا کرتا ہے ہر زمانہ میں ہر حال میں ۔ اِسلام کے نام سے بدکنے والے اہلِ کتاب کو صاف صاف بتا دیا کہ جن انبیاء کرام کے نام پر تم اپنے الگ الگ مذہبوں کی بُنیادیں استوار کر رہے ہو ۔ اُن سب کا دین تو اسلام تھا ۔ تمھارے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السّلام بھی دینِ اسلام کے علمبردار تھے ۔

اِس طرح قرآن حکیم نے دین و مذہب کے نام پر انسانیّت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے محرّکات پر ضربِ کاری لگائی اَور وحدتِ انسانیّت کے لیے ایک ایسی محکم اساس مہیّا کر دی کہ جب بھی انسان اپنی ذاتی، وطنی اَور قومی خود غرضیوں سے رہائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو وُہ اتحاد و محبّت کے رشتہ میں منسلک ہو جائے گا ۔

کیونکہ تمام انبیاء ایک ہی دین کے داعی اَور مبلّغ تھے ۔ اِس لیے ہر نبی نے اپنے سے پہلے گزرے ہُوئے انبیاء و رُسل کی تصدیق کی اَور اپنی اپنی اُمّتوں کو بعد میں آنے والے انبیاء پر ایمان لانے کی ہدایت کی ۔ اِسی سُنّت پر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلّم نے عمل فرمایا اَور تمام انبیاء و رُسل سابقین کی تصدیق کی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے بعد کیونکہ کوئی اَور نبی مبعُوث ہونے والا نہیں تھا ۔ اِس لیے کسی نئے نبی پر ایمان لانے کا حکم نہیں دیا ۔ ختمِ نبوّت کی یہ بھی بڑی واضح دلیل ہے ۔

وُہ ختم الرُّسل مولائے کُل جس کی ذات قدسی صفات کو مشیّتِ الٰہی نے انسانیّت کے بکھرے ہُوئے اَور منتشر اَوراق کی شیرازہ بندی کے لیے تجویز فرمایا تھا اس کے متعلق تمام انبیاء کو حکم دیا کہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت و تائید کا پختہ عہد کریں تاکہ ان کی اُمّتوں

کو مجالِ انکار نہ رہے۔

اس سُورت میں اِن تمام اُمُور کا ذِکر کر کے یہ بتا دیا کہ انسانوں کی ان برسرِ پیکار جماعتوں کا اِتحاد و اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو صرف اِسلام کے جھنڈے کے نیچے اور حضورِ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قیادت میں ہی ہو سکتا ہے۔

۲۔ سُورۃ بقرہ میں یہُود کی اِصلاح کی بھرپُور کوشش کی گئی تھی کیونکہ یہُود مدینہ کے باشندے تھے اور ہر صُبح و شام مسلمانوں کو ان سے سابقہ پڑتا تھا۔ اِس سُورہ میں عیسائیوں کے عقاید کی درستی کی طرف خاص توجہ فرمائی گئی ہے اور اُن کے عقیدۂ تثلیث کا ایسا سخت محاسبہ کیا گیا ہے جس کا جواب مسیح کے پرستاروں کے پاس تب تھا نہ اَب ہے۔ اِس سُورۃ کا بہت سا حصہ اس وقت نازل ہوا جب نجران کے عیسائیوں کے علماء و رؤسا کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہُوا اور اپنے عقائد کے متعلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے مناظرہ شروع کیا۔

۳۔ سُورۂ بقرہ میں مسلمانوں کو کفار سے جہاد کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ اس کے بعد کفر و اسلام کی جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی جس میں مٹھی بھر مسلمانوں نے اپنی بے سر و سامانی کے باوجُود کفار کو شکست فاش دی۔ لیکن اس شکست نے کفار کو آتش زیر پا کر دیا۔ انتقام کے شعلے بھڑک اُٹھے یہُود نے بھی اپنی سازشوں کو تیز تر کر دیا۔ ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ پُورے ساز و سامان کے ساتھ مشرکین مکہ نے مدینہ پر چڑھائی کر دی۔ احد کے پہاڑ کے دامن میں مقابلہ ہُوا۔ ابتدا میں مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبُور کر دیا لیکن چند نوجوانوں کی جلد بازی نے جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ جس سے مسلمانوں کو سخت جانی نقصان ہُوا۔ اِس سُورۃ میں دُشمنوں (یہُود اور منافقین) کی سازشوں کا پردہ چاک کیا گیا اور مُسلمانوں کو ان کی اپنی فروگزاشتوں پر تنبیہ فرما کر اُن سے آئندہ بچنے کی تلقین کی گئی۔ اسی تربیّت الٰہی اور تادیب خداوندی کا نتیجہ تھا کہ مُسلمانوں کا یہ مختصر سا لشکر قیصر و کسریٰ کی فوجوں کو روندتا ہُوا الٹتا ہُوا گزر گیا۔

۴۔ اِس سُورۃ میں مسلمانوں کو اپنے مقامِ بلند اور فرضِ منصبی سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تم خیرالاُمم ہو اور تمھاری خیرات و برکات صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے ہی نہیں بلکہ سب کائنات کے لیے ساری نوعِ اِنسانی کے لیے ہیں اور یہ منصب جتنا عظیم اور بلند ہے اُتنا ہی کٹھن اور دُشوار ہے۔ اِس لیے تمھیں باہمی اتفاق و محبّت کی ضرورت ہے تمھیں بہا لے جانے کے لیے حسد و عناد کے طُوفان اُمڈ اُمڈ کر آئیں گے۔ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبُوطی سے نہ پکڑے رکھا اور اخوتِ اسلامی کے جذبہ سے سرشار نہ رہے اور آپس میں سر پھٹول شروع کر دی تو نہ صرف یہ کہ تم اپنے منصب رفیع کی ذمّہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکو گے بلکہ تمھاری اپنی نامُوس اور بقا خطرہ میں پڑ جائے گی۔

۵۔ معاشی ناہمواریاں قوم کی صفوں کو درہم برہم کر دیتی ہیں۔ اور ان کی موجودگی میں کوئی پند و موعظت مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ اور ان کی ایک بہت بڑی وجہ سُود خوری کا ظالمانہ نظام ہے۔ اِس لیے اس کی حرمت کو یہاں پھر دُہرایا گیا تاکہ ملّت ایسے عوامل سے بچی رہے جو اس کی صفوں میں انتشار اور ذہنوں میں اضطراب پیدا کرنے کا سبب بن سکتے ہیں۔

۶۔ آخر میں ایک اور امر جس کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضرُوری سمجھتا ہُوں وُہ یہ ہے کہ حضرت سیدنا عیسٰی

ابن مریم علیہ السّلام کو لوگوں نے خُدا کا بیٹا کہا ثالث ثلاثۃ (تین خُداؤں سے ایک) کہا۔ اُن کی والدہ کو خُدا کی جورُو کہا۔ جو سراسر توحید و تنزیہہ باری کے خلاف ہے۔ قرآن جو توحید کا سب سے بڑا مبلغ اور داعی ہے۔ اُس نے ان کے اس باطل عقیدہ کی تکذیب کی۔ اور اس کے بطلان کو آشکارا کر دیا لیکن کس طرح؟ کیا حضرت مسیح کی تنقیص کر کے، کیا اُن کی شان گھٹا کر، کیا ان کے معجزات کا انکار کر کے، یا کیا احترامِ نبوت کو پس پشت ڈال کر؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ ان کے تقدس کا ذکر فرمایا۔ ان کی خرقِ عادت پیدائش کو بیان کیا۔ ان کے محیر العقول معجزات کو بڑی شان سے پیش کیا کہ وُہ باذن الٰہی مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں رکھی ہُوئی چیزوں کو جانتے ہیں۔ اور جو کچھ وُہ کہیں بیٹھ کر کھاتے ہیں انھیں ان کا علم ہے۔ غرضیکہ توحید کے اثبات کے وقت بھی پیغمبر کے منصب رفیع کو گھٹایا نہیں۔ تو اب وُہ لوگ جو اپنے زعم باطل کے مطابق مُسلمانوں کو مُشرک تصوّر کرتے ہُوئے انھیں توحید کا درس دیتے وقت حضور فخر موجودات، مصدر کمالات، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رفیع میں بے باکیاں کرتے ہیں اور حضورؐ کی ذاتِ اقدس واطہر کے کمالاتِ علمی اور عملی کو گھٹانا اپنے فنِ خطابت کی معراج خیال کرتے ہیں وُہ خود سمجھ لیں کہ کیا وُہ قرآن کا اتباع کر رہے ہیں یا اس کے اسلوب سے سراسر انحراف کر رہے ہیں۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُورۃ آلِ عمران مدنی ہے اس کی آیتیں دو سو اور رکوع بیس ہیں
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

الف لام میم [۱] اللہ وہ ہے کہ کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے [۲] زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے [۳] نازل فرمائی اس نے آپ پر یہ کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾

حق کے ساتھ [۳] تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے (اتری) ہیں اور اُتاری اس نے تورات اور انجیل

[۱] یہ حروف مقطعات ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ لا یعلمہ بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الا الاولیاء یعنی ان کا صحیح مفہوم حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد صرف اولیائے اُمت کو معلوم ہے۔ مزید تفصیل کے لیے سورۃ بقرہ کا حاشیہ [۱] ملاحظہ ہو۔

[۲] مفسرین نے فرمایا ہے کہ آل عمران کی پہلی اسیّ سے کچھ زیادہ آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد اپنے عقائد کے متعلق حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کر رہا تھا۔ اس لیے موقع کی مناسبت کے لحاظ سے اس سورۃ پاک کا آغاز بیان توحید سے کیا گیا۔ لا الٰہ الا ھو دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی (معبود) عبادت کے لائق نہیں اور الحی القیوم اس کی دلیل ہے یعنی معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو (الحی) ہمیشہ سے زندہ ہو اور ہمیشہ تک زندہ رہنے والا ہو جو القیوم ہو یعنی ہر چیز اپنے وجود، بقاء اور اپنی نشوونما میں اس کی محتاج ہو۔ اور یہ صفات اللہ ہی کی ذات میں پائی جاتی ہیں۔ اس لیے صرف وہی معبود ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہا کرتے تھے۔ ان مختصر الفاظ سے ان کی تردید کر دی گئی کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات نہیں پائی جاتیں تو ان کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ عیسائیوں کی تردید کے ساتھ تمام مشرک قوموں کے عقیدہ کا بطلان بھی ہو گیا جو کسی مخلوق کو الٰہ بنائے ہوئے ہیں۔

[۳] حق سے کیا مراد ہے۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی الحجۃ الغالبۃ لکھا ہے یعنی اس کتاب میں ایسی دلیلیں پیش کی گئی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں لیکن حق کا جو مفہوم علامہ راغب اصفہانی نے بیان کیا ہے وہ بہت جامع اور لطیف ہے۔ لکھتے ہیں۔ الحق للفعل والقول: الواقع بحسب ما یجب وقدر ما یجب وفی الوقت الذی یجب (مفردات) یعنی کوئی قول اور فعل اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیے اس انداز سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو۔ اور اس وقت پایا جائے جب کہ اس کی ضرورت ہو۔ قرآن کو بالحق کی صفت سے متصف کر کے اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ قرآن آیا اور ایسی آن بان سے آیا جو اس کی شایان شان تھی۔ ایسے دلائل و براہین سے مزین ہو کر آیا جن کو عقل سلیم ماننے

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ

اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور اُتارا فرقان کو[4] بے شک وہ لوگ جنھوں نے

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو

کفر کیا[5] اللہ کی آیتوں کے ساتھ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے

انْتِقَامٍ ۝۴ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا

والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پوشیدہ رہتی اس پر کوئی چیز[6] زمین میں اور نہ

پر مجبور تھی اَور عین اُس وقت آیا جب ہر طرف گھپ اندھیرا چھا چکا تھا اَور انسانیت کا کارواں دشت حیرت وضلالت میں بھٹک رہا تھا۔ اَور اُس وقت کے تقاضوں کو پُورا کرنے کے لیے آیا جب عقل انسانی اپنی طفولیت کی سرحد عبور کر کے فکر ونظر کی وادی میں قدم رکھ چکی تھی اَور انسان کے حواس کو مرعوب کرنے والے معجزات سے کہیں زیادہ عقل وخرد کو مطمئن کرنے والی آیات بیّنات کی ضرورت تھی۔ سُبحان اللہ! کیا اعجاز ہے بالحق کے ایک لفظ میں معانی کا سمندر بند کر کے رکھ دیا ہے۔

[4] لفظ فرقان کا معنی صرف الگ الگ کرنا نہیں جو لفظ "فرق" کا مفہوم ہے۔ بلکہ حق اَور باطل کو الگ الگ کرنے کو فرقان کہا جاتا ہے۔ یہاں اِس لفظ سے کونسی چیز مُراد ہے؟ علماء سے متعدد اقوال منقول ہیں لیکن امام ابن جریر طبری نے کہا ہے کہ ان کے نزدیک بہترین قول یہ ہے۔ "الفصل بين الحق والباطل" یعنی حق وباطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہا جاتا ہے۔ امام رازیؒ کے نزدیک وُہ معجزات ہیں۔ اَور بعض متاخرین نے کہا ہے کہ اس سے مُراد عقل ہے۔ کیونکہ اس سے بھی حق وباطل میں تمیز ہو سکتی ہے۔

پہلی آیت میں توحید کی دلیل تھی۔ اِس میں نبوت محمدی کا اثبات ہے۔ اَور رُوئے سخن نجران کے نصاریٰ کی طرف ہے کہ جب تم توراۃ وانجیل کو کلامِ الٰہی مانتے ہو اَور اپنے ایمان کی دلیل یہ ٹھیراتے ہو کہ جن پر یہ کتب نازل ہُوئیں وُہ صاحب معجزات تھے جن کے باعث تم ان کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہو تو قرآن کو کیوں کلام اللہ یقین نہیں کرتے۔ حالانکہ جس ذات پاک پر یہ کتاب نازل ہُوئی ہے۔ اُس نے تو وُہ معجزات دکھلائے ہیں جن کی مثال ہی نہیں۔

[5] عقل سلیم کو مطمئن کرنے کے لیے دلائل پیش کیے۔ اب ہٹ دھرموں کو عذاب الیم اَور انتقام شدید کی دھمکی دی جا رہی ہے۔

[6] حضرت عیسٰی علیہ السلام کی اُلوہیت کے بطلان کی اَور دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وُہ ہے جس کا علم اتنا وسیع اَور محیط ہے کہ کوئی چیز کسی وقت اس سے مخفی نہیں اَور اس کا یہ علم ذاتی ہے کسی کا دیا ہُوا نہیں۔ اَور عیسٰی علیہ السلام کا علم نہ یوں محیط ہے اَور نہ اُن کا علم ذاتی۔ بلکہ جتنا ہے وُہ اللہ جل مجدہٗ کا عطا فرمایا ہُوا ہے تو وُہ خُدا کیسے ہو سکتے ہیں؟

فِي السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ

آسمان میں وُہی ہے جو تمھاری (ماؤں کے) رحموں میں جس طرح چاہتا ہے تصویریں بناتا ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

کوئی معبود نہیں بغیر اس کے (وُہی) غالب ہے حکمت والا ہے وُہی ہے جس نے نازل فرمائی آپ پر کتاب

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں ؎ وُہی کتاب کی اصل ہیں اور دُوسری آیتیں متشابہ ہیں

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

پس وُہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے سو وُہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا

سے (اُن کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور نہیں جانتا ؎ اس کے صحیح معنی کو بغیر

؎ محکم کی تعریف امام راغب نے یہ کی ہے۔ فالمحکم ما لا یعرض فیه شبهة من حیث اللفظ ولا من حیث المعنی (مفردات) محکم آیت وُہ ہے جس کا مفہوم واضح اور یقینی ہو اس کے لفظ یا معنی کے اعتبار سے اس پر کسی قسم کا شبہ نہ وارد ہو سکتا ہو اور المتشابه ما اشکل تفسیره اما من حیث اللفظ او من حیث المعنی یعنی جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیات بالکل واضح اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ اور یہی ساری کتاب کی اصل اور مرجع ہیں۔ اور بعض آیتیں ایسی ہیں جن کا مفہوم واضح نہیں ہوتا اور ان میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ جن کے دل حق سے منحرف ہوتے ہیں وُہ دُوسرے سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جو محکم آیات کے منافی ہوتی ہیں اور اس طرح ان کے دلوں میں قرآن و اسلام کے متعلق طرح طرح کے شکوک اور وسوسے پیدا کر کے انھیں اپنے دین سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ تھا کہ متشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی اور اُن کی روشنی میں ان کا مفہوم بتایا جاتا۔ لیکن کیونکہ نیت فاسد ہوتی ہے اس لیے وُہ راہ راست کو چھوڑ کر پیچ در پیچ راہ اختیار کرتے ہیں۔

؎ بعض علماء نے والراسخون کا عطف اللہ پر کیا ہے۔ اس قول کے مطابق معنی یہ ہو گا کہ متشابہات کی حقیقی غرض اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ

اللہ تعالیٰ کے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے سب ہمارے رب کے

رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ

پاس سے ہے اور نہیں نصیحت قبول کرتے مگر عقل مند اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھے کر ہمارے دل بعد اس کے

اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸

کہ تو نے ہدایت دی ہمیں اور عطا فرما ہمیں اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی سب کچھ بہت زیادہ دینے والا ہے

اور علمائے راسخین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا لیکن دُوسرے علماء نے اِلَّا اللّٰہ پر وقف کیا ہے اور والرّاسخون الخ کو مستقل جملہ قرار دیا ہے۔ ان کے قول کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ متشابہات کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور علمائے راسخین نہ جاننے کے باوجود ان آیات کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ اب یہ شبہ وارد ہوتا ہے۔ کہ کیا قرآن کریم میں ایسی آیات بھی ہیں جن کا مفہوم کسی کو معلوم نہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر ان کے نازل کرنے کا کیا فائدہ جب ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا اور ان سے ہدایت نہیں حاصل کی جا سکتی۔ مفسرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ جو علماء الا اللّٰہ پر وقف کرتے ہیں وُہ متشابہات کا عام معنی مُراد نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک متشابہات سے مُراد وُہ اُمور ہیں "ما استأثرہ اللّٰہ تعالٰی بعلمہ کقیام الساعۃ والحروف المقطعۃ فی اوائل السور" جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے خاص کیا ہوا ہے جیسے قیامت کا وقت، سُورتوں سے پہلے حروفِ مقطّعات وغیرہ۔ اب یہاں یہ چیز کھٹکتی ہے کہ کیا ان امُور کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔ تو اس کا نہایت واضح جواب علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

لعل القائل بکون المتشابہ مما استأثر اللّٰہ بعلمہ لا یمنع تعلیمہ للنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم بواسطۃ الوحی مثلًا ولا القاءہ فی روع الولی الکامل مفصلًا لکن لا یصل الی درجۃ الاحاطۃ۔ کعلم اللّٰہ تعالٰی۔ ومنع ھذا وذالک مما لا یکاد یقول بہ من یعرف رتبۃ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ورتبۃ اولیاء امتہ الکاملین وانما المنع من الاحاطۃ ومن معرفتہ علی سبیل النظر والفکر الخ (روح المعانی) یعنی جن علماء کے نزدیک متشابہات سے مُراد وُہ اُمور ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص فرمایا ہے۔ وُہ علماء بھی اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اُمور کا علم بذریعہ وحی اپنے رسُول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیا، یا اولیائے کاملین کے قلوب میں القاء فرمایا ہے۔ کیونکہ جو شخص حضُور کے مقامِ رفیع اور حضور کی اُمت کے اولیائے کاملین کے مرتبہ کو پہچانتا ہے وُہ اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ نفی علمِ محیط کی ہے اور اس علم کی جو انسان اپنی عقل وفکر سے حاصل کرتا ہے

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ

اے ہمارے پروردگار! بے شک تو جمع کرنے والا ہے سب لوگوں کو اس دن کے لیے نہیں کوئی شبہ جس (کے آنے) میں بے شک اللہ تعالیٰ

الْمِيْعَادَ ۝۹ ع اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ

نہیں پھرتا اپنے وعدہ سے بے شک وہ لوگ ۹ جنھوں نے کفر اختیار کیا نہ بچا سکیں گے انھیں اُن کے مال اور

لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝۱۰ۙ

نہ اُن کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی اور وہی (بدبخت) ایندھن ہیں آگ کا

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

(اُن کا طریقہ) مثل طریقہ آلِ فرعون کے اور اُن لوگوں کے تھا جو اُن سے پہلے تھے اُنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۱ قُلْ

پس پکڑ لیا انھیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے گناہوں کی وجہ سے ؎۱۰ اور اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے (اے میرے رسول!) فرما دو

؎۸ اُس علم کی جو اللہ اپنے نبی کو بذریعہ وحی یا کسی ولی کو بذریعہ الہام عطا فرماتا ہے۔

؎۹ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مال اور اولاد کی کثرت انسان میں ایک قسم کا غرور اور خود سری پیدا کر دیتی ہے جو اسے اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے اختیار کردہ باطل عقائد کو ترک کر کے حق و صداقت کی دعوت کو قبول کرے۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ مال و دولت اور اہل و عیال اُنھیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔ اور اگلی آیت میں مثال دے کر واضح کیا گیا کہ ذرا فرعون اور فرعونیوں کی جاہ و حشمت پر نگاہ ڈالو جب اللہ کا عذاب آیا تو کوئی چیز اُنھیں بچا نہ سکی۔ اگر فرعون جیسا زبردست فرماں روا قہرِ خداوندی کی تاب نہ لا سکا تو تمھاری کیا حقیقت ہے۔

؎۱۰ اس حقیقت کو قرآن بار بار واضح کرتا ہے کہ کسی قوم پر غضبِ الٰہی بلا وجہ نازل نہیں ہوتا بلکہ اُن کی تباہی اور بربادی ان کے اعمالِ بد کا طبعی نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ جو قوم اپنے اعمال اور کردار سے اپنے آپ کو عزت و عظمت کا مستحق ثابت نہیں کر سکتی اُسے اس نعمت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ

اُن لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب کیے جاؤ گے اور ہانکے جاؤ گے جہنّم کی طرف ۱۱ اور وہ بہت بُرا

الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ

ٹھکانا ہے بے شک تھا تمھارے لیے (عبرت کا) نشان ۱۲ (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدانِ بدر میں) ایک گروہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ

لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں ۱۳ اور دُوسرا کافر تھا دیکھ رہے تھے (مسلمان) اُنھیں اپنے سے دو چند (اپنی) آنکھوں سے ۱۴

۱۱ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بدر میں فتح یاب ہونے کے بعد یہود کو دعوتِ اسلام دی اور اُنھیں فرمایا کہ اگر تم اسلام نہ لائے تو تمھارا انجام بھی قریش مکہ کی طرح ہوگا۔ اس پر یہود غصّہ سے لال پیلے ہو کر کہنے لگے کہ آپ نے چند ناتجربہ کار لوگوں کو شکست دی ہے اگر ہم سے ٹکر لی تو پتہ چلے گا کہ جنگجو ایسے ہوتے ہیں۔ ان کی اس گستاخانہ گفتگو کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ وہ یہود کی شکست اور رُسوائی کا اعلان فرما دیں۔

۱۲ یہاں جنگِ بدر کا ذکر ہے جس میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں صرف چھ زرہ پوش تھے۔ ساز و سامان کا یہ عالم تھا کہ ساری فوج میں دو گھوڑے، ستر اُونٹ اور آٹھ تلواریں تھیں۔ ان کے مقابلہ میں کفار کا لشکر ۹۵۰ افراد پر مشتمل تھا جو ہر طرح کے اسلحہ سے پوری طرح مسلّح تھا سواری کے لیے اُن کے پاس سو گھوڑے اور سات سو اُونٹ تھے۔ اور رسد کا یہ حال تھا کہ ہر روز اُونٹ ذبح ہو رہے تھے۔ اتنی کثیر التعداد فوج کا اتنی قلیل اور غیر مسلّح فوج سے شکست کھانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کھلی نشانی ہے۔

۱۳ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ دو گروہوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ لیکن جب یہ بتانے کا وقت آیا کہ وہ دو گروہ کون کون تھے تو پہلے گروہ کا تعارف ان الفاظ سے کرایا فئة تقاتل في سبيل الله اور دُوسرے گروہ کا واخرى كافرة سے۔ یہ اسلوبِ بیان کیوں اختیار کیا اور یوں کیوں نہ فرمایا کہ فئة مسلمة واخرى كافرة کہ ایک گروہ مسلمان تھا اور دُوسرا کافر۔ میرے خیال میں تو غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمال للّٰہیت اور خلوص کا ذکر مقصود ہے کہ ان کی جنگ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھی۔ اور اس سے انفرادی یا اپنی جماعتی یا قومی برتری مقصود نہ تھی۔

۱۴ کون کس کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا، اس میں مفسرین کے متعدد قول ہیں لیکن علامہ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے کہ يرون کا فاعل مسلمان ہیں اور هم ضمیر کا مرجع کفار ہیں۔ یعنی مسلمان کفار کو اپنے سے دوگنا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن پھر بھی وہ ثابت قدم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے کفار کو شکستِ فاش دی جس میں ان کے ستر سردار مارے

وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي

اور اللہ مدد کرتا ہے اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے ۱۵؎ یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے آنکھ

الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ

والوں کے لیے آراستہ کی گئی لوگوں کے لیے ۱۶؎ ان خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے

وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

اور خزانے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۭ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

اور چوپائے اور کھیتی یہ سب کچھ سامان ہے دُنیوی زندگی کا اور اللہ ہے جس کے

حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پاس اچھا ٹھکانا ہے (اے میرے رسُولؐ) آپ فرمایئے کیا بتادوں میں تمھیں اس سے بہتر چیز ان کے لیے جو متقی بنے

عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ

ان کے رب کے ہاں باغات ہیں رواں ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے (متقی) ان میں اور ان کے لیے

گئے جن میں ابُوجہل بھی تھا اور ستر قیدی بنائے گئے۔

۱۵؎ یعنی فتح وکامیابی فوج کی تعداد اور ساز وسامان کی کثرت پر موقوف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت پر موقوف ہے۔

۱۶؎ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے انسان کے دل میں ان اشیاء کے ساتھ طبعی لگاؤ اور رغبت پیدا فرمادی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شادی کی تلخ ذمہ داریوں کو کون اُٹھاتا۔ نا توان اولاد کے لیے کون لمبی راتیں جاگ کر گزارتا۔ اور ان کی پرورش کے لیے اپنی راحت وآسائش کو ترک کرتا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نسلِ انسانی کی بقا کیسے ممکن ہوتی اسی طرح سونے چاندی عمدہ گھوڑوں مویشیوں اور کھیتی باڑی کے ساتھ میلانِ طبع نہ ہوتا تو دُنیا کی ساری رونقیں ختم ہو کر رہ جاتیں لیکن یہ سب کچھ اس لیے نہیں کہ انسان ان کے پیچھے رات دن بھاگتا رہے اور ان کی چاہت میں یُوں گُم ہوجائے کہ اپنے مولا تبارک وتعالیٰ کو ہی بھول جائے بلکہ یہ تو چند روزہ زندگی کا سامان ہے۔ ان کو استعمال کرو لیکن اپنے مالک سے غافل نہ ہو جاؤ۔

أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿١٥﴾

پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور حاصل ہو گی انہیں خوشنودی اللہ کی ؁ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ إِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! یقیناً ہم ایمان لائے تو معاف فرما دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور بچا لے ہمیں آگ

النَّارِ ۚ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَ

کے عذاب سے (نیز مصیبتوں میں) صبر کرنے والے ہیں ؁ اور (ہر حالت میں) سچ بولنے والے ہیں اور (عبادت میں) عاجزی کرنے والے ہیں اور (اللہ

الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْأَسْحَارِ ﴿١٧﴾ شَهِدَ اللّٰهُ أَنَّهٗ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۙ

کی راہ میں) خرچ کرنے والے ہیں اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت ؁ شہادت دی اللہ تعالیٰ نے (اس بات کی) کہ بیشک نہیں کوئی خدا سوائے اس

؁ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی انعام ہے جس کی انسان آرزو بھی کر سکے۔ حقیقت شناس دلوں کے لیے یہی حاصلِ زیست ہے۔ یہی مدعائے حیات ہے۔ انسانی ارتقاء کا یہی وہ بلند ترین مقام ہے جس سے بلند تر کسی اور چیز کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

؁ متقی لوگ جن کے لیے جنت اپنی تمام زیب و زینت اور دل آویزیوں کے ساتھ چشم براہ ہے۔ جن پر رضائے الٰہی سایہ فگن ہے۔ ان کے چند اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ تقویٰ کا قرآنی مفہوم واضح ہو جائے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان پر یہ انعام و اکرام بلا وجہ نہیں۔

؁ دنیا کی سب سے بڑی اور اہم شہادت توحید کی شہادت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی وحدانیت کا سب سے بڑا گواہ ہے اس کے علاوہ اس کی معصوم مخلوق فرشتے اور اہلِ علم اس واضح سچائی کے گواہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اپنی توحید پر شہادت کے متعلق علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ بيّن وحدانيته بنصب الدلائل الدالة عليها وانزال الآيات الناطقة بها۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کائنات کی کتاب کے ہر صفحہ پر اپنی توحید کے ایسے روشن اور اٹل دلائل ثبت فرما دیے ہیں جن سے کوئی صاحبِ عقلِ سلیم انکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کے علاوہ اس نے اپنی کتابوں میں توحید کے مسئلہ کو یوں مدلل بیان فرمایا ہے کہ شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم ہر مناسب موقع پر علم کی عظمت اور اہلِ علم کی شان بیان کر کے اپنے ماننے والوں کو علم حاصل کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔ یہاں بھی توحید کے گواہوں میں اہلِ علم کا شمار کر کے ان کی عزت افزائی فرما دی۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ

اور (یہی گواہی دی) فرشتوں نے اور اہل علم نے (اور ان سب نے یہ بھی گواہی دی کہ وہ) قائم فرمانے والا ہے عدل وانصاف کو ؎۲۰ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے زبردست

الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

حکمت والا ہے بے شک دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے ؎۲۱ اور نہیں جھگڑا کیا ؎۲۲ جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

دی گئی تھی کتاب مگر بعد اس کے کہ آ گیا تھا ان کے پاس صحیح علم (اور یہ جھگڑا) باہمی حسد کی وجہ سے تھا

؎۲۰ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ" کی ایک ترکیب یہ ہے کہ یہ حال ہے اور لفظ اللہ ذوالحال اور دوسری ترکیب یہ ہے کہ لا الٰہ الا ھو میں ھو ضمیر اس کا ذوالحال ہے اور یہ حال معنٰی اس کی صفت ہے۔ اس صورت میں یہ مشہود بہ میں داخل ہو گا یعنی ان سب گواہوں نے اس کی وحدانیت کی بھی گواہی دی اور اس کے ساتھ اس کے عدل وانصاف کی بھی شہادت دی۔ ابو حیان کی ترجمہ اسی دوسری ترکیب کے مطابق کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف کسی ایک چیز کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ کائنات کی تخلیق، فطرت کے قواعد کلیہ، عقائد اور شریعت کے قوانین غرضیکہ ہر وہ چیز جس کو اس سے نسبت ہے وہ اس کے عدل وانصاف کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ تبارك الله احسن الخالقين۔

؎۲۱ علامہ ابن کثیر نے اسلام کے مفہوم کو بڑے آسان اور واضح الفاظ میں یوں بیان فرمایا ہے ھو اتباع الرسل فيما بعثهم الله به في كل حين حتى ختموا بمحمد صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم الذي سد جميع الطرق اليه الا من جهة محمد صلى الله عليه وسلم ہر زمانہ کے نبی پر اللہ تعالیٰ نے جو نازل فرمایا اس کی اطاعت واتباع کو اسلام کہتے ہیں یہاں تک کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اسلام نام ہو گیا اتباع محمدی کا۔ اس ذات اقدس کو چھوڑ کر کوئی شخص اگر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا تو وہ گمراہی کا راستہ ہو گا۔ اس آیت سے تاریخ ادیان کے طالب علم کے لیے قرآن نے ایک بڑی الجھی ہوئی گرہ کھول دی۔ اس نے بتا دیا کہ مختلف انبیاء مختلف زمانوں میں الگ الگ دین لے کر نہیں آئے بلکہ سب نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی دعوت دی اور ایک ہی دین کی تبلیغ کی۔ کیونکہ وہ سب حق کے پیغامبر تھے۔ حق کی طرف بلانے والے تھے حق کے ساتھ مبعوث کیے گئے تھے اور حق ایک ہی ہے۔ اس لیے سب ایک ہی دین کے مبلغ بن کر آئے تھے آپ خاتم الانبیاء بھی اسی دین کے داعی بن کر آئے ہیں۔ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے اس لیے اب حضور کا دین ہی دین اسلام ہے۔ حضور کی غلامی کو چھوڑ کر جو شخص بھی کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں ہو گا۔

؎۲۲ اب یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر دین ایک ہی ہے تو دین کے نام پر یہ جو ان گنت فرقے نمودار ہو گئے ہیں اور ان

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾ فَاِنْ

اور جو انکار کرتا ہے اللہ کی آیتوں کا تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے پھر اگر (اب بھی)

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

جھگڑا کریں آپ سے تو آپ ۲۳ کہہ دیجئے کہ میں نے جھکا دیا ہے اپنا سر اللہ کے سامنے اور جنھوں نے میری پیروی کی اور کہیے

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی اور اَن پڑھوں سے کہ کیا تم اسلام لائے پس اگر وہ اسلام لے آئیں جب تو

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾ ع ۲ ۱۰

ہدایت پا گئے ۲۴ اور اگر منہ پھیر لیں تو آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے (جو آپ نے پہنچا دیا) اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو

کے باہمی اختلاف کی آگ بارہا خرمن امن کو جلا کر خاکستر بنا چکی ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ اختلاف کسی نیک نیتی یا غلط فہمی پر مبنی نہیں بلکہ اس کی وجہ حسد و عناد ہے۔ (اس کی تفصیل پہلے سورۃ البقرہ، آیت ۲۱۳ میں گزر چکی ہے)

۲۳ اگر حق سمجھ لینے کے بعد حسد کی وجہ سے وہ حق کا انکار کریں اور آپ سے جھگڑیں تو ایسے لوگوں سے لفظی بحث میں اُلجھ کر آپ اپنا قیمتی وقت کیوں ضائع کریں۔ بلکہ ان کی پسند اور ناپسند سے بے نیاز ہو کر اپنے اور اپنے غلاموں کے محکم عقیدہ کا کھلے الفاظ میں اعلان کر دیں۔ اس کا ان پر نفسیاتی اثر پڑے گا کیونکہ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے ہزاروں حیلے اور لاکھوں فریب بے اثر ثابت ہو گئے ہیں اور ان کے باوجود حق کے پرستاروں کے پاؤں نہیں ڈگمگائے۔ بلکہ ان کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور اسلام کی مخالفت میں ان کی گرمجوشی سرد پڑ جائے گی۔

۲۴ یہاں ایک اور اعلان کا حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ ان پر یہ بھی واضح کر دیں کہ ہم تم کو اسلام کی جو بار بار دعوت دے رہے ہیں اس کی یہ وجہ نہیں کہ ہم تمہاری سنگت سے اپنی تقویت کا قصد کر رہے ہیں۔ اور در پردہ اپنی مصلحت کے لیے کوشاں ہیں بلکہ اسلام کی دعوت قبول کر لینے میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اور اگر ضد پر اڑے رہے اور اس کو قبول نہ کیا تو تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے بلکہ اپنی دنیا و آخرت کا ستیاناس کر دو گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق ۵۱

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم

اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں عدل و انصاف کا لوگوں میں سے تو خوشخبری دو انھیں

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

دردناک عذاب کی یہ ہیں وہ (بدنصیب) اکارت گئے جن کے اعمال دُنیا میں

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

اور آخرت میں اور نہیں ہے ان کے لیے کوئی مددگار کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا

نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کچھ حصہ کتاب کا (جب) بلائے جاتے ہیں کتابِ الٰہی کی طرف تاکہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو

يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَن

پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآنحالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں اس (بیباکی) کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ بالکل نہ

تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِم مَّا كَانُوا

چھوئے گی ہمیں دوزخ کی آگ مگر چند دن گنے ہوئے اور فریب میں مبتلا رکھا انھیں ان کے دین کے معاملہ میں ان باتوں نے جو وہ

۵۱ آیات ۲۱ تا ۲۵ میں یہود کی بدعنوانیوں، سرکشیوں اور حق سے وابستہ انکار اور اہلِ حق پر ظلم و ستم توڑنے ان کو بے رحمی سے قتل کر دینے کی دیرینہ عادت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اور اس پر انھیں قیامت کے دن کی سختیوں کی یاد دلا کر تنبیہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ اپنی اس روش سے باز آجائیں۔ نیز ان کی اس غلط فہمی کا رد بھی کر دیا جس میں وہ بُری طرح مبتلا تھے کہ وہ خواہ کچھ بھی کرتے رہیں ان کو یا تو عذاب ہوگا ہی نہیں اور اگر ہوا بھی تو گنتی کے چند روز۔ انھیں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمھاری من گھڑت باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ تم سے تمھاری ہر بدکاری کی سخت بازپرس ہوگی اور تمھیں تمھاری کارستانیوں کی پوری سزا دی جائے گی۔ تقریباً یہی مضمون پہلے سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ

جو وہ گھڑا کرتے تھے سو کیا حال ہوگا اُن کا جب ہم جمع کریں گے انھیں اُس روز جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور پُورا پُورا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا (اے حبیب ﷺ یُوں) عرض کرو کہ اے اللہ! اے مالک

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ

سب ملکوں کے! تو بخش دیتا ہے مُلک جسے چاہتا ہے اور چھین لیتا ہے مُلک جس سے چاہتا ہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے ساری بھلائی بے شک تو ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ

قادر ہے تُو داخل کرتا ہے رات (کا حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے تُو دن (کا حصہ) رات میں

۲۶؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اور حضور کی وساطت سے ساری اُمت کو ایسے پاکیزہ کلمات کی تعلیم دے رہا ہے جس میں نہایت مؤثر اور دلکش اسلوب میں اس کی توحید اور اس کی عظیم قدرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ حکومت دینے والا بھی وُہی ہے اور چھیننے والا بھی وُہی۔ وُہی جس کو چاہتا ہے دین و دُنیا کی عزتوں سے سرفراز کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے خوار و ذلیل کر دیتا ہے۔ کسی فرد یا قوم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وُہ حکومت اور عزت کو اپنا پیدائشی حق سمجھنے لگے۔ اور اس فریب میں مبتلا رہے کہ اس کے اعمال کتنے سیاہ کیوں نہ ہوں اس کا کردار کتنا پست اور اس کی سیرت کتنی داغدار کیوں نہ ہو نہ اس سے حکومت چھینی جا سکتی ہے اور نہ اسے عزت سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ سب کچھ اس مالکِ حقیقی کے دستِ قدرت میں ہے۔ وُہ ربِّ قدیر جس کی شانِ صمدیت و قدوسیت اور جس کی صفتِ علم و حکمت کے ساتھ رحمت و عدل کی ساری قدریں قائم اور باقی ہیں۔ اُس کی سُنّت یہ ہے کہ وُہ جب کسی فرد یا قوم میں رحمت و عدل کے تقاضے پُورا کرنے کی صلاحیت دیکھتا ہے تو اُسے حکومت و عزت سے سرفراز فرما دیتا ہے اور جو فرد یا قوم اپنے عمل سے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت کر دیتی ہے تو اسے ذلت و خواری کے گڑھے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کی لاف زنیوں کا رد بھی کر دیا گیا۔ اور یہ بھی صاف صاف بتا دیا گیا کہ ان کی مسلسل نافرمانیوں کے باعث عزت و کرامت کا تاج ان سے چھین کر اب عرب کے بادیہ نشینوں کے سر پر رکھ دیا جائے گا جنھوں نے سچے دل سے اسلام کی تعلیمات کو

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ

اور نکالتا ہے تو زندہ کو مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے

تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

جسے چاہتا ہے بے حساب ٤٧ نہ بنائیں مومن کافروں کو اپنا دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ

مومنوں کو چھوڑ کر ٤٨ اور جس نے کیا یہ کام پس نہ رہا (اس کا) اللہ سے کوئی

قبول کرلیا ہے۔

٤٧ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے دو اور ثبوت بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان آیات کے ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک دفعہ نماز جمعہ میں شریک نہ ہوسکا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وجہ دریافت فرمائی تو میں نے گزارش کی کہ میں نے یوحنا بن باریا یہودی کا کچھ قرض دینا تھا وُہ میرے دروازہ پر تاڑ لگائے بیٹھا تھا کہ میں باہر نکلوں اور وُہ مجھے اپنی حراست میں لے لے اور حضور کی خدمت میں حاضر ہونے سے روک دے۔ اس لیے میں باہر نہ نکل سکا۔ اور نماز جمعہ کی شرکت سے محروم رہا۔ حضور کریم نے فرمایا اَے معاذ! کیا تم پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا قرض ادا فرما دے۔ میں نے عرض کی۔ ہاں یارسُول اللہ! تو حضور نے فرمایا ہر روز یہ پڑھا کرو۔ قل اللّٰھم مالك الملك "تا بغیر حساب۔ رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ وَتَمْنَعُ مِنْهُمَا مَنْ تَشَآءُ اِقْضِ عَنِّيْ دَيْنِيْ۔ اگر تجھ پر زمین کے برابر سونا قرض ہوگا تو اللہ تعالیٰ ادا فرمادے گا۔ (خرجہ ابُونعیم الحافظ)

٤٨ یہ آیت وُہ ستون ہے جس پر اسلامی حکومت کی خارجہ پالیسی کا دارومدار ہے۔ اپنی اس اہمیت کے پیشِ نظر یہ بہت غور و تدبّر کی مستحق ہے۔ تاکہ ہم اس اہم حکم کی تعمیل میں اسے صحیح نہ سمجھنے کے باعث کسی غلطی کا شکار نہ ہوجائیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے لفظ "اولیاء" کا مفہوم ذہن نشین کرنا چاہیئے۔ "اولیاء" جمع ہے ولی کی اور ولی مشتق ہے وِلایۃ یا وَلایۃ سے۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الوِلایۃ النصرۃ والوَلایۃ تولی الامر وقیل الوِلایۃ والوَلایۃ واحدۃ۔ یعنی وِلایۃ (جب کہ واؤ کے نیچے زیر ہو) کا معنی مدد کرنا ہے۔ اور وَلایۃ (جب کہ واؤ کے اُوپر زبر ہو) کا معنی کسی کام کا ذمہ دار اور انچارج بننا ہے اور بعض علمائے لغت کے نزدیک دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔ ذرا اور سُنیئے۔ علامہ قرطبی نے اس آیت کی تفسیر اسی سُورۃ کی آیت نمبر ١١٨ سے کی ہے۔ لاتتخذ وابطانۃ من دونکم اور اس آیت کا انھوں نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ یفاوضوھم فی الآراء ویسندون الیھم امورھم کہ اپنے اہم امُور کے متعلق انھیں کفار سے مشورہ کیا جائے اور اپنے تمام کام انھیں کے سپرد کردیئے

شَیْءٍ اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَ یُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ

تعلق مگر اس حالت میں کہ تم کرنا چاہو ان سے اپنا بچاؤ ۴۹ے اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے (یعنی غضب سے) اور

جائیں اس سے واضح ہو گیا کہ کفار کے ساتھ ایسے دوستانہ مراسم کہ انھیں اپنے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا جائے اور ہر بات میں انھیں کے مشورہ پر اعتماد کیا جائے۔ اسے قرآن حکیم نے قطعاً ممنوع قرار دے دیا ہے۔ ایسا رویہ اختیار کرنا کسی آزاد قوم اور آزاد حکومت کے شایانِ شان نہیں بلکہ حقیقت میں ذہنی غلامی کا یہ دوسرا نام ہے جسے غیرتِ اسلام برداشت نہیں کر سکتی۔ نیز اگر ایک اسلامی مملکت دوسری اسلامی مملکت کے خلاف کسی غیر مسلم حکومت کی امداد کرنے لگے تو کیا ملی وحدت کا جنازہ نہ نکل جائے گا؟ اگر ہم اپنے ایک مسلمان بھائی کے خلاف کسی کافر کی اعانت کر کے اسے شکست دے دیتے ہیں تو حقیقت میں ہم اپنے آپ کو کمزور کر رہے ہیں اور اپنے دشمن کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔ جو آج تو اپنے اغراض و مقاصد کے پیشِ نظر ہماری خوشامد بھی کر رہا ہے اور طرح طرح کے سبز باغ بھی دکھا رہا ہے لیکن کل جب اس کی اغراض ہمارے مفاد سے ٹکرائیں گی تو وہ ہمارا قلع قمع کرنے میں دریغ نہیں کریگا اور اس وقت اسے یاد بھی نہ رہے گا کہ ہم اس کے وہ مخلص دوست ہیں جنھوں نے اس کی خاطر اپنے دینی بھائیوں کا خون بہانے میں ذرا تامل نہ کیا تھا۔ جو لوگ اندلس کے زوال اور بربادی کی خونچکاں داستان سے واقف ہیں یا جنھوں نے سلطنتِ مغلیہ کے انحطاط کے دور میں بنگال اور جنوبی ہند کے مسلمان نوابوں کی غلط کاریوں کا جائزہ لیا ہے انھیں قدم قدم پر قرآن حکیم کے اس حکم کی اہمیت اور صداقت کے واضح ثبوت ملیں گے۔ تفسیر المدارک کی یہ عبارت بہت جامع ہے۔ فالممنوع منها ما یکون فیه تخلل فی دینك وایذاء لاهله او اضاعة لمصالحهم۔ یعنی کفار کے ساتھ ایسی دوستی ممنوع ہے جس سے تیرے دین کی رسوائی ہو، یا تیرے دینی بھائیوں کو اذیت پہنچے یا ان کے وقار اور مفاد کو نقصان پہنچے۔

لیکن غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ تجارت کرنا یا عام انسانی فلاح و بہبود کے کاموں میں ان کے ساتھ تعاون کرنا، عالمی امن و سلامتی کی بقاء کے لیے مل کر کوشش کرنا یا ایک مشترکہ دشمن کے مقابلہ کے لیے ان کے ساتھ فوجی پیکٹ کرنا یا عام میل جول اور معاشرت میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آنا قطعاً ممنوع نہیں۔ اس کا ثبوت قرآن حکیم کی متعدد آیتوں اور اسوۂ حسنہ سے ملتا ہے۔ جس کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

۴۹ے یعنی اگر مسلمان کفار کے نرغہ میں آجائے اور اسے اپنے قتل ہو جانے، مال چھن جانے اور ناموس لٹ جانے کا قوی اندیشہ ہو تو اس بے بسی کے عالم میں اسلام نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ ایسی بات کہہ لے جس سے وہ کفار کے شر سے محفوظ رہے۔ لیکن علمائے اہلِ سنت نے تصریح کی ہے کہ فاما ما یرجع ضررہ الی الغیر کالقتل والزنا وغصب الاموال والشهادة بالزور وقذف المحصنات واطلاع الکفار علی عورات المسلمین فذلك غیر جائز البتة۔ (امام رازی)

یعنی اس عالمِ خوف و خطر میں اسے یہ اجازت ہرگز نہیں کہ وہ ایسا فعل کرے یا ایسی بات کہے جس سے دوسرے مسلمان کو ضرر پہنچے۔ مثلاً اگر کفار اسے کسی مسلمان کو قتل کرنے، زنا کرنے، مال غصب کرنے، جھوٹی گواہی دینے، کسی پاکدامن عورت پر جھوٹا

اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

اللہ ہی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ جو کچھ تمھارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اُسے،

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى

جانتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

چیز پر قادر ہے جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اُس نے نیکی

مُّحْضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ

اپنے سامنے اور جو کچھ کی تھی اس نے بُرائی تمنّا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اُس (دن) کے درمیان اجاتل

بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع قُلْ

ہوتی، مدت دراز اور ڈراتا ہے تمھیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر (اے محبوب!) آپ فرمائیے انھیں کہ

ربع

بہتان لگانے یا کفار کو مسلمانوں کے راز بتانے پر مجبور کریں تو اُس مسلمان کو اس امر کی ہرگز اجازت نہیں کہ وُہ اپنے بچاؤ کے لیے ان کاموں میں سے کوئی کام کرے۔

اگر وُہ اپنی جان بچانے کے لیے زبان پر کلمۂ کفر لائے اور اس کا دل مطمئن ہو تو اسے ایسا کرنے کی رُخصت تو ہے لیکن اُس کا ایمان پر ڈٹے رہنا اور اپنی جان دے دینا بہت افضل ہے۔

اس چیز کو اُس تقیّہ سے دُور کا واسطہ بھی نہیں جو مذہبِ شیعہ کا اصلِ عظیم ہے اور بڑا کارِ ثواب ہے جس کی فضیلت بیان کرتے ہُوئے وُہ یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ اگرچہ خلفائے ثلاثہ نے قرآن کی تحریف کر دی، احکامِ شریعت کو بدل ڈالا۔ سُنّتِ رسُول کو مٹا دیا لیکن حضرت علی نے تقیّہ پر عمل کیا اور خاموش رہے بلکہ کاروبارِ حکومت میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ ان کے مالِ غنیمت سے اپنا حصّہ قبول کرتے رہے۔ ان کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے۔ استغفر اللہ۔ شاہِ مرداں شیرِ یزداں علیہ وآلہٖ افضل الثناء واکمل الرضوان کی ذاتِ مقدس پر یہ کتنا ناپاک بہتان ہے۔ ایسی بہتان تراشی پر ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ؕ

اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے ٣٠ تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ

وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ

اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے آپ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی ٣١ پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً

٣٠ جب یہود کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انھوں نے یہ کہہ کر اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم تو پہلے ہی محبتِ الٰہی سے سرشار ہیں اور اس کے لاڈلے فرزند ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ کسی نئے نبی کی امت میں داخل ہونے کی زحمت گوارا کریں سابقہ آیات میں قرآن نے اُن کے بُرے اعمال اور رذیل عادات کا ذکر فرمایا۔ ایسی ناپسندیدہ حرکات کے باوجود وہ خدا کی دوستی کا دم بھرا کرتے۔ ان آیات میں انھیں تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ محبتِ الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابلِ التفات نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل و جان سے اس رسول کریم کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کر لیا جائے گا۔ اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کیے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوبِ الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا کیا کہنا۔ جس کی غلامی یہود ایسی راندۂ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے۔ اور اُس کے گھناؤنے کرتوتوں کی بخشش کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر امتِ مسلمہ اتباعِ حبیبِ خدا کو اپنا شعار بنالے اور سنتِ سرورِ کائنات کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ حیاء کا سر ندامت کے بوجھ سے اُٹھ نہیں سکتا جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دنیا میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے انحراف کیے ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے کسی شاعر نے

لو کان حبك صادقا لاطعته　　　ان المحب لمن يحب مطيع

یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تُو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا۔ کیونکہ محب تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے۔

٣١ اس آیت میں بھی دعوتِ اسلام قبول کرنے والوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ آج کل بعض لوگ اس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کا اتباع کرنا چاہیے۔ سنتِ نبوی کی پیروی کی ضرورت نہیں حیرت ہوتی ہے کہ قرآن کے احکام کا اتباع کرنے کے دعویٰ کے ساتھ وہ انکارِ سنت کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ کیا قرآن نے ہی بے شمار مقامات پر نہایت واضح اور زور دار انداز میں یہ حکم نہیں دیا کہ اللہ تعالیٰ کے اس رسولِ برحق کی اطاعت کرو۔ اُس کا حکم مانو اور اُس کے اسوۂ حسنہ کو اپناؤ۔ تو گویا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں۔ بلکہ قرآن ہی کی بے شمار آیات کی تعمیل ہے۔ اگر آپ سنتِ نبوی کی پیروی سے انکار کریں گے تو آپ نے صرف سنت

اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ

اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو بے شک اللہ تعالیٰ نے چُن لیا ۵۳؎ آدم اور نوح اور ابراہیم

اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ

کے گھرانے کو اور عمران کے گھرانے کو سارے جہان والوں پر یہ ایک نسل ہے بعض ان میں سے بعض کی اولاد ہیں

کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ قرآن کی بے شمار آیات کا انکار کر دیا۔ اتّباعِ رسُول اور اطاعتِ رسُول کسے کہتے ہیں؟ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے تاکہ کوئی لفظی ابہام راہِ راست سے منحرف کرنے کا باعث نہ بنے۔ امام ابُو الحسن آمدی نے "اتباع" کی وضاحت کرتے ہُوئے لکھا ہے۔ الاتباع فی الفعل هو التأسی بعینه والتأسی ان تفعل مثل فعله علی وجهه من اجله: کسی کے فعل کے اتباع کا یہ معنی ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وُہ کرتا ہے اور اس لیے کیا جائے کیونکہ وُہ کرتا ہے۔ اور امام آمدی اطاعت کے مفہوم کی توضیح کرتے ہُوئے لکھتے ہیں ومن اتی بمثل فعل الغیر علی قصد اعظامه فهو مطیع له: جب کوئی شخص کسی دُوسرے کی عزّت و احترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو وُہ اس کا مطیع کہلاتا ہے اتباع و اطاعت رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متعلق جو حکم قرآن نے ہم کو دیا ہے (جس کی اطاعت وُہ بھی فرض سمجھتے ہیں) اس کی تعمیل کی صرف یہی صُورت ہے کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افعال کو بالکل اسی طرح ادا کریں جیسے حضور نے ادا فرمائے اور صرف اس لیے ادا کریں کہ یہ افعال اس ذاتِ اطہر و اقدس سے ظہور پذیر ہُوئے ہیں جو جمال و کمال کا وُہ پیکر ہے جس سے حسین تر اور جمیل تر چیز کا تصوّر تک ممکن نہیں۔ کاش ہم قرآن کے الفاظ کو اپنی من گھڑت تاویلات کا اکھاڑہ بنانے سے باز رہیں اور اس آیت کے آخر میں اتباع و اطاعتِ رسُول سے رُوگردانی کرنے والوں کو جن الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اس پر غور کریں (اس موضوع پر احقر کی تالیف سُنّتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مطالعہ شاید مفید ثابت ہو)

۵۳؎ قرطبی نے زجاج سے اصطفاء کا یہ مفہُوم نقل کیا ہے کہ انھیں نعمتِ نبوّت کے لیے سارے جہان سے چُن لیا۔ اس کے بعد قرطبی لکھتے ہیں کہ حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا مقام درجہ اصطفاء سے بہت بلند ہے۔ حضُور تو حبیب اور رحمت ہیں۔ دوسرے انبیا رحمت کے لیے پیدا کیے گئے اور سرورِ عالم کو سراپا رحمت پیدا کیا گیا اور حضُور کی تشریف آوری سے خلقِ خدا کو امان مل گئی اسی لیے حضُور نے فرمایا میں اللہ کی طرف سے رحمت کا تحفہ ہوں۔ فاما محمد صلی اللّٰه علیه وسلم فقد جازت مرتبته الاصطفاء لانه حبیب ورحمة فالرسل خلقوا للرحمة وهو خلق بنفسه رحمة فلذلك صار اماناً للخلق لذلك قال علیه السلام انا رحمة مهداة (القرطبی) آلِ عمران میں عمران سے مراد حضرت مریم کے والدِ محترم عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کی نسل سے تھے حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام کے پدرِ بزرگوار کا نام بھی عمران تھا لیکن مفسّرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہاں اوّل الذکر مُراد ہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ

اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے جب عرض کی ۳۳؎ عمران کی بیوی نے اے میرے رب! میں نذر مانتی

لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۚ إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۵﴾

ہوں تیرے لیے جو میرے شکم میں ہے (سب کاموں سے) آزاد کر کے سو قبول فرما لے (یہ نذرانہ) مجھ سے بے شک تو ہی (دعائیں) سننے والا (نیتوں کو)

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثٰى ۖ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

جاننے والا ہے پھر جب اس نے جنا اسے (توحیرت و حسرت سے) بولی اے رب! میں نے تو جنم دیا ایک لڑکی کو ۳۴؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْ ۖ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثٰى ۚ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَ

جو اس نے جنا اور نہیں تھا لڑکا (جس کا وہ سوال کرتی تھی) مانند اس لڑکی کے ۳۵؎ اور (ماں نے کہا) میں نے نام رکھا ہے اس کا مریم اور

۳۳؎ یہ کہنے والی عمران کی زوجہ اور حضرت مریم کی والدہ ہیں۔ ہمارے مفسرین نے علمائے بنی اسرائیل کے حوالہ سے ان کا نام حنّہ بتایا ہے۔ اس پاکباز خاتون نے جب حمل کی گرانی محسوس کی تو اپنی عبدیت اور نیازمندی کا اظہار کرنے کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگیں کہ اے میرے خالق! میرے شکم میں جو بچہ ہے اس کے متعلق میں نذر مانتی ہوں کہ اس سے میں اپنی خدمت یا گھر کا کام کاج نہیں لوں گی۔ وہ دنیا کے سارے بندھنوں سے آزاد ہو کر عمر بھر تیرے گھر (بیت المقدس) کی جاروب کشی اور خدمت میں لگا رہے گا۔ تو میری اس نیازمندانہ نذر کو اپنے فضل و کرم سے شرفِ قبول بخش۔ تو میرے دل کی پکار کو سننے والا اور میرے جذباتِ پنہاں کو جاننے والا ہے۔

۳۴؎ انھیں تو یہ امید تھی کہ لڑکا ہوگا۔ اور اسی امید پر انھوں نے اسے بیت المقدس کی چاکری کے لیے وقف بھی کر دیا تھا۔ اب جب لڑکی پیدا ہوئی تو بصد حسرت و یاس کہنے لگیں۔ اے رب! میں نے تو بچی جنی ہے۔ اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں گی۔ کیونکہ اس وقت لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کی اجازت نہ تھی۔

۳۵؎ یہ ارشادِ باری ہے جو بطور جملہ معترضہ حضرت حنّہ کے کلام کے درمیان میں لایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس بچی کی ولادت مقامِ افسوس نہیں ہے جس لڑکے کی آرزو تم کیا کرتی تھیں وہ اس بچی کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی ہے۔ اس کی ذات سے برکت و رحمت اور ہدایت کی جو کرنیں پھوٹیں گی وہ تو ایک عالم کو منوّر کر دیں گی۔ اس جملہ کے بعد پھر حضرت حنّہ کا کلام ہے۔

إِنِّيٓ أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا

میں تیری پناہ میں دیتی ہُوں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے پھر قبول ۳۶؎ فرمایا اسے

رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّأَنۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ

اُس کے رب نے بڑی ہی اچھی قبولیت کے ساتھ اور پروان چڑھایا اسے اچھا پروان چڑھانا اور نگران بنا دیا اس کا زکریا کو

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ

جب بھی جاتے ۳۷؎ مریم کے پاس زکریا (اس کی) عبادت گاہ میں (تو) موجود پاتے اس کے پاس کھانے کی چیزیں ۳۸؎ (ایک بار)

يٰمَرْيَمُ أَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِندِ اللّٰهِ ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ

بولے اے مریم! کہاں سے تمہارے لیے آتا ہے یہ (رزق) مریم بولیں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے

۳۶؎ حضرت حنّہ کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ حضرت مریم کے مقبول ہونے کی ظاہری علامت یہ مقرر فرما دی کہ ان کی تربیت وقت کے نبی حضرت زکریا علیہ السّلام کے سپرد فرما دی۔ اگر کامل مرشد اور مربّی مل جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے ؎

اگر کوئی شعیب آئے میسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

۳۷؎ محراب کا لغوی معنی ہے اکرم موضع فی المجلس "مجلس میں جو سب سے باعزت جگہ ہو اس کو محراب کہتے ہیں عموماً اُس حجرۂ عبادت کو محراب کہا جاتا ہے۔ جو سطح زمین سے کچھ بلند بنایا جاتا ہے اور جس میں جانے کے لیے سیڑھیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہیکل سلیمانی کے ارد گرد ہیکل کے خادموں اور چلّہ کشوں کے لیے جو کمرے بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک میں حضرت مریم مشغول عبادت رہا کرتی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کیونکہ ان کے سرپرست تھے اس لیے اکثر ان کی خبر گیری کے لیے ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

۳۸؎ جب بھی حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس جاتے تو ان کے ہاں طرح طرح کے پھل رکھے پاتے۔ گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں۔ اس سے علمائے اہل سُنّت نے اولیاء کرام کی کرامتوں کا برحق ہونا ثابت کیا ہے کیونکہ حضرت مریم نبی نہ تھیں۔ بے موسم کے پھلوں کا آپ کے پاس پایا جانا آپ کی کرامت تھی۔ صرف معتزلیوں نے کرامات اولیاء کا انکار کیا ہے۔ اور آج بھی کئی اُن کے ہم نوا اہل سنّت ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود کرامات کا انکار کرنا اپنے علم کا کمال سمجھتے ہیں۔

مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ

جسے چاہتا ہے بے حساب وہیں دُعا مانگی زکریا نے اپنے رب سے ٣٩ عرض کی اے میرے رب!

هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ

عطا فرما مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو ہی سننے والا ہے دعا کا پھر آواز دی اُن کو

الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ

فرشتوں نے ٤٠ جب کہ وُہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے (اپنی) عبادت گاہ میں کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتا ہے آپ کو

بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا

یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرمان کی اور سردار ہوگا اور ہمیشہ عورتوں سے بچنے والا ہوگا اور نبی ہوگا

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

صالحین سے زکریا کہنے لگے اے رب! کیونکر ہوگا میرے ہاں لڑکا حالانکہ آلیا ہے مجھے

٣٩ ؎ حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن اولاد نہ تھی۔ حضرت مریم کے شب و روز بڑے اخلاص سے محو عبادت رہنے کے باعث انکے دل میں بھی اولاد کی آرزو بیدار ہو گئی اور عرض کرنے لگے۔ اے رب! اگرچہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ اور اولاد پیدا ہونے کا عام وقت گزر چکا ہے لیکن تُو وُہ کریم اور قادر ہے جو اس مقفل حجرے میں مریم کو بے موسم کے پھل عطا فرماتا ہے تیرے کرم سے کیا بعید ہے اگر تُو مجھے بھی نیک بخت اور پاک اولاد عطا فرما دے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیک اولاد کے لیے دُعا کرنا انبیائے کرام کی سُنّت ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مُبارک مکان میں مُبارک وقت میں کسی اللہ کے محبوب کے پاس کھڑے ہو کر جو دُعا کی جاتی ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے منظور فرمایا کرتا ہے۔

٤٠ ؎ فرشتوں کے ذریعہ سے حضرت زکریا کو ان کی دُعا کی مقبولیت کی خوشخبری دے دی گئی۔ بچے کا نام اور اس کی عزّت و پاکبازی کی اطلاع بھی دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرما دیا گیا کہ وُہ نبی ہو گا۔ "کلمۃ من اللّٰہ" سے مُراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ ان کی بن باپ پیدائش ان کے متعلق طرح طرح کے الزامات تراشنے کا سبب بننے والی تھی۔ اس لیے ان کی پاکدامنی اور تقدس کو بیان کرنے کے لیے قدرت نے پہلے ہی حضرت یحییٰ کو مقرر فرما دیا۔ جن کی بزرگی پاکبازی اور نبوت کا ساری قوم کو اعتراف تھا انجیل میں حضرت یحییٰ کو یوحنا کہا جاتا ہے اور انگریزی میں (JOHN)

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝٤٠ قَالَ

بڑھاپے نے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا بات اسی طرح ہے (جیسی تم نے کہی) لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے عرض کی

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

اے میرے رب! مقرر فرما دے میرے لیے کوئی نشانی ۴۱ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بات کر سکو گے لوگوں سے تین دن

اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝٤١ ع ۱۱/۱۲

مگر اشارہ سے اور یاد کرو اپنے پروردگار کو بہت اور پاکی بیان کرو (اس کی) شام اور صبح

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے چن لیا ہے تمہیں ۴۲ اور خوب پاک کر دیا ہے

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰي نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٢ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ

تمہیں اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے اے مریم! اخلاص سے عبادت کرتی رہ اپنے رب کی ۴۳ اور

۴۱ ؎ یہ گزارش کسی شک کی وجہ سے نہ تھی بلکہ لیتلقی تلك النعمة بالشكر حين حصولها (روح المعانی) اس لیے تھی کہ جس وقت اس نعمت کا حصول ہو اُسی وقت سرِ نیاز سجدۂ شکر ادا کرنے لگ جائے۔ اور حمل قرار پانے کی علامت یہ مقرر کی گئی کہ اس وقت ان کی زبان ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں تو محو رہے گی لیکن لوگوں کے ساتھ گفتگو کرنے کی استعداد اس میں باقی نہ رہے گی۔

۴۲ ؎ یعنی قدرت کی نگاہِ انتخاب نے بچپن میں ہی مریم کو چن لیا کہ حضرت زکریا کی سرپرستی عطا فرمائی۔ دل میں اپنی یاد کی لگن پیدا کر دی۔ غیب سے طرح طرح کے پھل مہیا ہونے لگے۔ اور فرشتے ان سے گفتگو کرنے لگے۔ اور جب آپ سنِ شباب کو پہنچیں تو رحمتِ الٰہی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کی ماں بنانے کے لیے منتخب فرما لیا۔ اس لیے اصطفاء کا ذکر دوبارہ آیا۔ اور نساء العلمین سے مراد ان کے اپنے زمانہ کی عورتیں ہیں۔

۴۳ ؎ جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ان انعامات پر اس کا شکریہ بھی ادا کرے۔ سجدہ کا حکم پہلے اور رکوع کا بعد میں ہوا۔ حالانکہ رکوع سجدہ سے پہلے ہوا کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واؤ عاطفہ ترتیب پر دلالت نہیں کرتی یعنی اس سے معطوف علیہ کا معطوف پر مقدم ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

اسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ یہ (واقعات) غیب کی خبروں میں سے ہیں ۴۴

نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ

ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب پھینک رہے تھے وہ (مجاور) اپنی قلمیں (یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ)

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ

کون ان میں سے سرپرستی کرے مریم کی اور نہ تھے آپ ان کے پاس جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے جب کہا

الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

فرشتوں نے اے مریم! اللہ تعالیٰ بشارت دیتا ہے تجھے ایک حکم کی ۴۵ اپنے پاس سے اس کا نام ۴۶ مسیح

۴۴ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے نبی غیب کے علوم کو جانتا ہے اور یہی اس کی نبوت کی قوی دلیل ہوتی ہے۔

۴۵ ویسے تو کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کُن (یعنی ہو جا) کی جلوہ گری ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے دوسری اشیاء کو سبب اور مسبب، علت اور معلول کے رشتہ میں پرو دیا ہے۔ اس لیے ان کے ظہور اور ان کی تخلیق میں عام نگاہیں سبب اور علت کے حجاب میں اٹک کر رہ جاتی ہیں لیکن یہاں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا سبب عادی (باپ) موجود نہیں اس لیے یہاں وہ حجاب درمیان میں نہیں اور کلمہ کُن کی جلوہ گری اور کرشمہ آفرینی بہت واضح اور نمایاں ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کَلِمَةٍ مِّنْهُ فرما دیا۔ امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں:-

انه خلق بكلمة الله وهو قوله كن من غير واسطة الاب فلما كان تكوينه بمحض قول الله كن وبمحض تكوينه وتخليقه من غير واسطة الاب والبذر لاجرم سمى كلمة يسمى المخلوق خلقا والمقدور قدرة والمرجو رجاء وهذا باب مشهور فى اللغة۔

۴۶ اسم کا لغوی معنی ہے السمة والعلامة المميزة یعنی وہ نشان اور علامت جو کسی چیز کو دوسروں سے ممتاز کر دے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے ان کا لقب مسیح، ان کا نام (علم) عیسیٰ اور ان کی کنیت ابن مریم ذکر فرما دیں تاکہ وہ اپنے تمام اوصاف اور خصوصی امتیازات کے ساتھ ممتاز ہو جائیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آپ کو مسیح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ جس بیمار پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے وہ بالکل صحت یاب ہو جایا کرتا تھا اور مسیح کا معنی مبارک بھی ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سمی مسیحا لانه كان مسيح الارض یعنی آپ کو مسیح کے لقب سے اس لیے ملقب کیا گیا کہ آپ نے

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

عیسیٰ ابن مریم ۴۷؎ ہوگا معزز ہوگا دُنیا اور آخرت میں ۴۸؎ اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ

اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی ۴۹؎ اور نیکو کاروں میں سے ہوگا ۵۰؎ مریم بولیں اے میرے پروردگار!

کہیں مستقل رہائش اختیار نہیں فرمائی تھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں میں آج یہاں کل وہاں سفر پر رہتے۔ یار لوگ اتنی سی بات کو لے اُڑے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سیّاح وجہاں گشت تصور کر لیا۔ بلکہ قرآن کی تصریحات، احادیث نبوی کے واضح بیانات اور تاریخ کے مسلّمہ حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے انھیں اپنے توہّم کے گھوڑے پر سوار کیا اور مُلک مُلک کی سیر اور شہر شہر کی سیاحت کراتے ہوئے انھیں کشمیر میں پہنچا کر دم لیا۔ اور صرف اسی پر اکتفا کرتے اُن کے دُشمن، انھوں نے تو ناخن تحقیق سے کشمیر کا چپہ چپہ کُرید ڈالا اور آخر کار سری نگر کے ایک محلہ میں اُن کی قبر کا سُراغ بھی لگا لیا۔ اور پھر اپنے لیے نبوت کا قصر رفیع تیار کر لیا۔ کہاں کی لکڑی کہاں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ جس نبوت کی بُنیاد ایسے دُور از حق اور بعید از عقل توہّمات اور مفروضات پر ہو وُہ کس قسم کی نبوت ہوگی۔ ذرا غور فرمائیے۔

۴۷؎ عیسیٰ عبرانی لفظ ایشوع کا معرّب ہے اس کا معنی ہے سیّد اور سردار۔ یہاں اس فرزند کا تعارف کسی غیر سے نہیں کرایا جا رہا تاکہ اس کی ولدیت وغیرہ کا ذکر کر کے اسے دُوسروں سے ممتاز کرنا مقصود ہو۔ بلکہ ان کی ماں کو ان کا نام بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کے لیے اگر اسمہ عیسیٰ کہہ دیا جاتا تو کافی تھا۔ لیکن المسیح عیسیٰ بن مریم فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ باپ نہ ہونے کے باعث ان کی نسبت ان کی والدہ مکرمہ کی طرف کی جائے گی اور قیامت تک اسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔

۴۸؎ ممکن تھا کہ حضرت مریم علیہا السلام کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوتا کہ بچہ جو اس انوکھی طرح پیدا ہوگا تو لوگ اس پر طرح طرح کے الزام لگائیں گے اور اُسے عزت کی نگاہ سے نہ دیکھیں گے۔ اس کے متعلق پہلے انھیں اطمینان دلا دیا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وُہ بڑا باعزت و با احترام ہوگا۔

۴۹؎ یعنی گہوارے میں بھی وُہ جو گفتگو کرے گا وُہ بے معنی نہیں ہوگی بلکہ اس میں بھی نبوت کا وقار اور رسالت کی سنجیدگی پائی جائے گی اس وقت بھی جو الفاظ ان کی زبان سے نکلیں گے وُہ حقائق سے لبریز ہوں گے۔ اس معصومیت کے زمانہ میں بھی وُہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اپنی رسالت کا ایسا زبردست اعلان کرے گا کہ کسی کو انکار کی مجال نہ رہے گی۔ (اس کا ذکر سُورۃ مریم میں تفصیلاً آئے گا) اور یہی وُہ معجزانہ پہلو ہے جس کی طرف قرآن اشارہ کر رہا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہر صحت مند بچہ پنگھوڑے میں باتیں کرنے لگتا ہے۔ لیکن انصاف کے ساتھ یہ کتنا ستم ہوگا اگر بچوں کی غوں غاں اور ان کے بے جوڑ اور بے معنی الفاظ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس کلام معجز نظام سے تشبیہ دی جائے۔ امام رازیؒ نے یہاں سے ایک اور لطیف نکتہ نکالا ہے۔ کہ

اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ؟ ۵۹ حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھے کسی انسان نے۔ فرمایا بات یُونہی ہے (جیسے تم کہتی ہو لیکن)

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اللہ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۶۰ جب فیصلہ فرماتا ہے کسی کام (کے کرنے) کا تو بس اتنا ہی کہتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا ہے

اس سے یہ بتلانا بھی مقصود ہے کہ حضرت عیسٰی بایں ہمہ کمالات و معجزات خدا نہیں۔ ورنہ زندگی کی مختلف منزلوں میں وہ ان تبدیلیوں اور تغیّرات سے دوچار نہ ہوتے۔

۵۸ پہلی آیت میں ومن المقربین فرمایا۔ ان الفاظ سے ایک طرف اگر یہود کے طعنوں کا ردّ ہے تو دُوسری طرف نصاریٰ کے اس خیالِ باطل کی تردید ہے کہ وُہ خدا تھے یا خُدا کے بیٹے تھے (نعوذ باللہ) بلکہ بتایا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے مقرب اور نیکوکار بندوں میں سے ایک بندے تھے۔

۵۹ حضرت مریم علیہا السلام کو جب ایسے بچے کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں ششدر ہو کر پُوچھنے لگیں میرے ربّا میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ مجھے آج تک کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ولادت باپ کے بغیر ہُوئی۔ کیونکہ یہاں تو صرف پیشین گوئی کی جارہی ہے کہ تمہارا بچہ ہوگا یعنی شادی کے بعد۔ ان کی خدمتِ اقدس میں بصد ادب صرف اتنی گزارش ہے کہ اگر مقصد یہی تھا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی۔ لوگ شادی کیا کرتے ہیں۔ بچے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ تو مناسب تھا کہ حضرت مریم اس بشارت پر کلماتِ شکر زبان پر لے آتیں لیکن آپ کا تصویرِ حیرت و استعجاب بن کر انّٰی یکون لی ولد الخ کہنے کا کوئی محل نہ تھا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت مریم نے صحیح بات نہیں سمجھی تھی اُنھیں یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ شاید ابھی بچہ پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ ابھی تو صرف اس کی ولادت کی اطلاع دی جارہی تھی پیدا تو اسے شادی کے بعد ہونا تھا۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے استعجاب کا جو جواب دیا وُہ موزونیت سے عاری نظر آتا ہے۔ سیدھا جواب یہ تھا کہ مریم گھبراؤ نہیں جب تم شادی کرو گی بچہ اس کے بعد پیدا ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی بات کو صحیح صحیح بیان کرنے کی قدرت رکھتا ہے یا الفاظ اور اسلوبِ بیان کا کوئی وزن ہوتا ہے تو پھر یہ تاویل بلکہ تحریف لائقِ التفات نہیں۔

۶۰ ایک چیز یہاں اور قابلِ غور ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی حیرانی کے موقعہ پر فرمایا یفعل اللہ ما یشاء اور حضرت مریم کے تعجب کو دُور کرنے کے لیے فرمایا۔ یخلق ما یشاء۔ جواب میں یہ تفاوت کیوں؟ اس تفاوت کی وجہ سمجھنے کے لیے فعل اور خلق کا معنوی فرق ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔ لفظ الفعل یستعمل کثیرا فیما یجری علی قانون الاسباب المعروفۃ ولفظ الخلق یستعمل فی الابداع والایجاد (المنار) یعنی ایسے واقعات جو اپنے اسباب کے پائے جانے سے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ تعالیٰ سکھائے گا اُسے کتاب و حکمت اور تورات و انجیل اور (بھیجے گا اُسے) رسول بنا کر

اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ

بنی اسرائیل کی طرف ۵۳ (وہ انھیں آکر کہے گا کہ) میں آگیا ہوں تمھارے پاس ایک معجزہ لے کر تمھارے رب کی طرف سے ۵۴

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

(وہ معجزہ یہ ہے کہ) میں بنا دیتا ہوں تمھارے لیے گیچڑ سے پرندے کی سی صُورت پھر پھُونکتا ہوں اس (بے جان صورت) میں تو وہ فوراً ہو جاتی ہے

وقُوع پذیر ہوتے ہیں اُنھیں عام طور پر لفظ فعل سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو واقعات ظاہری اسباب کے بغیر رُونما ہوتے ہیں اُن کی تعبیر عام طور پر لفظ خلق سے کی جاتی ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کیونکہ ماں باپ دونوں کی وجہ سے تھی۔ اور یہی ولادت کا سبب عادی ہے اس لیے وہاں فرمایا یفعل اللّٰہ اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت صرف ماں سے ہُوئی اور والد جو سبب عادی ہے مفقُود تھا اس لیے لفظ خلق سے بیان کیا۔

۵۳ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ آپ کی رسالت سارے عالم انسانیت کے لیے نہیں تھی۔ قرآن حکیم کے اس فرمان کی تصدیق خود انجیل کی متعدد آیتوں سے ہوتی ہے "ان بارہ کو یسُوع نے بھیجا اور ان کو حکم دے کر کہا کہ غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہُوئی بھیڑوں کے پاس جانا اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آگئی ہے۔" متی باب ۱۰ آیات ۵ تا ۸۔ اسی مضمون کی تائید میں دُوسرا حوالہ مُلاحظہ ہو۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہُوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ متی باب ۱۵: ۲۵۔

جب مسیح علیہ السلام نے خود اعتراف کیا ہے کہ میری نبوّت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدُود ہے تو پھر عیسائی مبلغین کا بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو دعوت عیسائیت دینا یسُوع مسیح کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی ہے۔

۵۴ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت غیر معروف طریقہ پر ہُوئی تھی جس سے معاندین کو اعتراضات کے کافی مواقع فراہم ہوگئے تھے اور آپ جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے وُہ کٹ حجتی میں اپنی مثال آپ تھی اس لیے انھیں ایسے کھلے معجزات عطا فرمائے گئے جنھیں دیکھ کر کسی عقلمند کے لیے انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ قرآن کریم ان معجزات کو بڑی وضاحت سے بیان فرما رہا ہے اور ان کو لفظ آیت سے تعبیر کیا ہے۔ اور آیت کہتے ہیں العلامة الظاهرة "جو کسی کو پہچاننے کی کھُلی نشانی ہو جس کے بعد شک شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ یہ معجزات پانچ قسموں پر مشتمل ہیں۔ (۱) مٹّی سے پرندے کی تصویر بنا کر اس میں پھُونک مار کر زندہ کر دیا کرتے

طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی

پرندہ اللہ کے حکم سے اور میں تندرست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور (لا علاج) کوڑھی کو اور میں زندہ کرتا ہوں مُردے کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ

اللہ کے حکم سے اور بتلاتا ہوں تمہیں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ تم جمع کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ﴿۴۹﴾ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا

بے شک ان معجزوں میں (میری صداقت کی) بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو ۵۵ اور میں تصدیق کرنے والا ہوں

(۲) مادرزاد اندھے کو بینا کر دیتے (۳) کوڑھی کو تندرست کر دیتے (۴) اور مُردہ کو از سرِ نو زندہ کر دیا کرتے۔ یہ چار قسمیں عملی معجزات کی تھیں۔ اور پانچویں قسم علمی معجزہ کی تھی یعنی غیب کی خبریں دینا۔ آپ بتایا کرتے تھے کہ تم نے آج یہ یہ چیزیں کھائی ہیں اور یہ یہ چیزیں تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کر آئے ہو۔ کیونکہ یہ تمام امور انسانی قدرت سے باہر تھے اس لیے قوی اندیشہ تھا کہ شاید لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا ماننے لگیں اس لیے ساتھ ساتھ باذن اللہ کی قید لگا دی کہ یہ سب کچھ اگرچہ مجھ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے لیکن اس کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان افعال کو اپنی طرف منسوب کرنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر ایسے افعال کی نسبت یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے ان کے ظاہری اسباب کی طرف کر دی جائے تو یہ جائز ہے شرک نہیں۔ جیسے حضرت امام اعظم حضور سرورِ کائنات علیہ الصلوٰت والتحیات کی جناب میں عرض کرتے ہیں ؎

وشفیت ذا العاھات من امراضھم　　وملأت کل الارض من جدواک

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ آپ نے بیماروں کو ان کی بیماریوں سے صحت عطا فرما دی ہے اور روئے زمین کو اپنے جود و کرم سے لبریز کر دیا ہے۔

۵۵ ہر کام چھوٹا ہو یا بڑا اس کا کرنے والا وُہ خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ جو چاہے جس وقت چاہے اور جیسے چاہے کر سکتا ہے اس نے اپنی حکمتِ کاملہ سے تمام کاموں اور تمام چیزوں کو کسی نہ کسی سبب سے متعلق کر دیا ہے۔ ان میں سے بعض اسباب وُہ ہیں جن کو ہم نے سمجھ لیا ہے اور بعض اسباب ایسے ہیں جن کا سُراغ لگانے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ ایسے افعال جن کی ہم کوئی ظاہری توجیہ نہیں کر سکتے ہو سکتا ہے کہ ان کے ظہور پذیر ہونے کا سبب کوئی ایسا امر ہو جس تک ہماری عقل کی رسائی ابھی تک نہ ہوئی ہو جب تک ہم تمام اسباب وعلل کا کامل احاطہ نہ کر لیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسے واقعات کا صرف اس وجہ سے انکار کر دیں کہ عقل ان کے واقع ہونے کو جائز نہیں سمجھتی۔ اور اس سلسلۂ اسباب وعلل کے احاطہ کا دعوےٰ تو آج تک کسی سائنسدان نے بھی نہیں کیا۔ اس لیے محض اس وجہ سے کسی واقعہ کا انکار کر دینا کہ یہ ہماری دانش کی کسوٹی پر

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اپنے سے پہلے آئی ہوئی کتاب تورات کی اور تاکہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو (پہلے) حرام کی گئی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

تھیں تم پر ۵۶ اور لایا ہوں تمہارے پاس ایک نشانی تمہارے رب کی طرف سے سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو

پورا نہیں اُترتا اپنے حدود سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے۔ نیوٹن کہتا ہے :۔

"میری مثال اُس بچے کی سی ہے جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہو۔ مجھے اپنے ساتھیوں کی نسبت کوئی زیادہ خوبصورت سنگریزہ یا گھونگا مل جاتا ہے لیکن ابھی حقیقت بحرِ ذخار کی طرح میرے سامنے ہے جس کا ابھی کوئی علم نہیں ہوا۔"

HEROES OF CIVILIZATION BY JOSEPH AND HAYM

جب حقیقت یہ ہے تو قرآن کے بیان کردہ معجزات کو تسلیم کرنے سے انکار کرنا یا ان کی ایسی تاویلیں کرنا جن کو عربی زبان اور قرآن کا فصیح و بلیغ اسلوب بیان قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو نہ علم کی خدمت ہے نہ قرآن کی۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ سلسلۂ اسباب وعلل کی ساری کڑیاں ہمارے علم کی گرفت میں آچکی ہیں اور ان کا ہم نے کلیتًہ احاطہ کرلیا ہے تو پھر بھی معجزات کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ قادرِ مطلق خدا جس نے اپنی حکمت کاملہ سے ایک چیز کو ایک علت سے وابستہ کردیا ہے، وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ اس چیز کی تخلیق و آفرینش کو اس کے علاوہ کسی اور علت سے وابستہ کردے۔ اور معجزات کے ظہور پذیر ہونے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاندین اور منکرین حق کے سامنے اپنے نبی کی صداقت کی ناقابلِ انکار دلیل پیش کردی جائے اور اُن پر یہ واضح کردیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اُن کے شاملِ حال ہے اسی لیے تو یہ محیر العقول واقعات ان کے اشاروں پر واقع ہورہے ہیں۔ اور عام طور پر ہر نبی کو اس کے زمانہ کی ضروریات کے مطابق معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں۔

معجزہ پر تفصیلی بحث سُورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

۵۶ یہاں آپ اپنے منصبِ رسالت کی ذمہ داریوں کا اظہار فرمارہے ہیں کہ جو پابندیاں اور قیود تمہارے علماء نے اپنی طرف سے تم پر عائد کررکھی ہیں اُن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے میں آیا ہوں۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۗ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّا

بے شک اللہ تعالیٰ مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے مجھے اور مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تمہیں سو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے ۵۷ پھر جب

أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ

محسوس کیا عیسیٰ (علیہ السلام) نے اُن سے کفر (و انکار) (تو) آپ نے کہا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں؟ (یہ سن کر) کہا

الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

حواریوں نے کہ ہم مدد کرنے والے ہیں اللہ (کے دین) کی ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور (اے نبی!) آپ گواہ ہو جائیے کہ ہم (حکم الٰہی کے سامنے) سر

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾ وَ

جھکائے ہوئے ہیں۔ اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابعداری کی رسول کی تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ اور

مَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٥٤﴾ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ إِنِّي

یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی ۵۸ اور اللہ سب سے بہتر (اور مؤثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے یاد کرو جب فرمایا اللہ نے

۵۷ اتنے حیران کن معجزات دکھانے کے بعد آپ صراحۃً اعلان فرما رہے ہیں کہ بے شک تم نے مجھے مُردوں کو زندہ کرتے، اندھوں کو بینا کرتے اور لاعلاج مریضوں کو تندرست کرتے دیکھا ہے لیکن یاد رکھو میں خدا نہیں ہوں بلکہ اس کا بندہ ہوں جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔ وہی عبادت و پرستش کے لائق ہے۔ اور کوئی صاحب کمال اس قابل نہیں کہ اسے معبود بنایا جائے۔ اس لیے تم اسی کی عبادت کرو۔ اس لیے رب العالمین کو اللہ وحدہٗ لاشریک یقین کرنا اور اسی کی عبادت کرنا یہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور جو کوئی بھی اس شاہراہِ رشد و ہدایت سے سرِمو منحرف ہوا وہ گمراہ ہو گیا۔

۵۸ تقریباً ہر زبان میں بلا استثناء ایسے مشترک الفاظ پائے جاتے ہیں جو متعدد معانی پر دلالت کرتے ہیں اور اہل زبان ان الفاظ کو بلا تأمل ان کے مختلف معنوں میں استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن جب وہی لفظ کسی دوسری زبان میں استعمال ہونے لگتا ہے تو وہ اپنے اصلی مختلف معنوں میں سے کسی ایک معنی میں مشہور ہو جاتا ہے۔ اب جب ہم اسے اس کی اصلی زبان میں مستعمل ہوتے ہوئے پاتے ہیں تو اس کا وہی ایک معنی جو ہمارے ذہن نشین ہو چکا ہوتا ہے چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ چسپاں نہیں ہوتا تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال لفظ مکر ہے۔ اس کا معنی حیلہ سازی بھی ہے اور یہی لفظ عربی میں صرف تدبیر کرنے اور کسی کی پنہاں سازش کو خفیہ طریقہ سے ناکام بنا دینے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اردو میں ہم اس

مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ

اے عیسیٰ! یقیناً میں پوری عمر تک پہنچاؤں گا تمہیں ۹۵ اور اٹھانے والا ہوں تمہیں اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تمہیں ۹۶ ان لوگوں کی تہمتوں سے جنہوں نے تیرا انکار کیا اور

لفظ "مکر" کو صرف دھوکہ دہی اور فریب کاری کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اور جب اس فعل کی نسبت ذاتِ باری کی طرف ہوتی ہے تو ہمارا ذہن بلاوجہ طرح طرح کے شکوک وشبہات کی آماجگاہ بن جاتا ہے حالانکہ جب اس کا فاعل وہ ذاتِ مقدس ہو جو ہر عیب، ہر نقص اور نازیبا فعل سے پاک ہے تو ہم لفظ "مکر" کا معنی صرف تدبیر یا وہ خفیہ طریقہ جس سے دشمنانِ حق کے شیطانی منصوبوں کو خاک میں ملانا مقصود ہوتا ہے کریں گے۔ اب کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا۔ قال المفضل ودبر واودبر الله والمكر لطف التدبير (بحر محیط)

اور اگر ان لغوی تحقیقات کے لیے انسان کے پاس وقت نہ ہو تو کم از کم علم بدیع کے قاعدہ مشاکلت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ وہ یہ ہے کہ عربی میں کسی برے اور ناپسندیدہ فعل پر جو سزا دی جاتی ہے اسے اسی لفظ سے تعبیر کر دیتے ہیں اگرچہ وہ سزا کتنی مناسب اور قرینِ انصاف کیوں نہ ہو۔ مثلاً جزاء سيئة سيئة مثلها یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے اسی طرح حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی بلکہ عین انصاف ہوا کرتی ہے یا مثلاً فمن اعتدى عليكم فاعتدوا عليه یعنی جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو۔ حالانکہ زیادتی اور تعدی کی روک تھام کرنا زیادتی اور ظلم نہیں بلکہ دین اور اخلاق کے تمام ضابطے اس کے درست ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کرنے کی جو مکارانہ سازش ان یہودیوں نے کر رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ناکام بنانے کی جو تدبیر کی گئی اسے مکر سے تعبیر فرما دیا اور اس میں کوئی نقص نہیں۔

۹۵؎ علم معانی کا یہ مسلّمہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی لفظ کا ایک حقیقی معنی ہو اور دوسرا مجازی تو حقیقی معنی کو مجازی معنی پر ترجیح دی جائے گی۔ ہاں اگر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جس کے ہوتے ہوئے حقیقی معنی متعذر ہو تو اس وقت معنی حقیقی کو ترک کر کے معنی مجازی مراد لیا جائے گا لیکن اگر ایسے قوی قرائن موجود ہوں جو حقیقی معنی مراد لینے کے ہی مؤید ہوں تو اس حالت میں حقیقی معنی کو ترک کر کے مجازی معنی مراد لینے پر اصرار کرنا تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ اب آپ لفظ "توفی" کے معنی پر غور فرمائیے۔ تاج العروس میں لفظ "وفی" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں وتوفاه اى لم يدع منه شيئا یعنی پورے کا پورا لے لیا اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں رہنے دی۔ امام ابی عبداللہ القرطبی الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں۔ توفيت مالى من فلان اى قبضته یعنی میں نے اس سے سارا مال واپس لے لیا یہ تو ہے لفظ توفی کا حقیقی معنی۔ ہاں یہ موت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ اس کا مجازی معنی ہے جیسے صاحب تاج العروس نے لکھا ہے۔ ومن المجاز ادركته الوفاة اى الموت والمنية وتوفى فلان اذ مات وتوفاه الله عزّوجل اذا قبض روحه۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایک لفظ کا حقیقی معنی ترک کر کے بغیر قرینہ کے اس سے مجازی معنی اخذ کرنے پر اصرار کرنا اس لفظ کے ساتھ کتنی بے جا زیادتی ہے۔ اور یہاں صرف اتنا ہی نہیں کہ مجازی معنی لینے کا کوئی قرینہ موجود نہیں بلکہ ایسے قوی قرائن موجود ہیں جو اس لفظ کے حقیقی معنی لیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔ آپ پوچھیں گے۔ کہ وہ

جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

بنانے والا ہوں اُن کو جنھوں نے تیری پیروی کی ۱۶۱ غالب کفر کرنے والوں پر قیامت تک ۱۶۲

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر میری طرف ہی لَوٹ کر آنا ہے تم نے پس (اس وقت) میں فیصلہ کروں گا تمھارے درمیان (ان امور کا) جن میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے

کون سے ایسے قرائن ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ایک تو اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کا قوی قرینہ ہے یہاں گفتگو نجران کے عیسائیوں سے ہو رہی ہے جو حضرت مسیح کی الوہیت کے قائل تھے مقصدِ کلام ہے اثباتِ توحیدِ باری اور ابطالِ الوہیتِ مسیح۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام مر چکے ہوتے تو کتنی صاف بات تھی کہ نجران کے عیسائیوں سے کہہ دیا جاتا کہ جن کو تم خدا مانتے ہو وہ تو مر چکے ہیں۔ اور جو مر جاتے کیا وہ بھی کہیں خدا بن سکتا ہے لیکن قرآن کا اس اسلوب کو اختیار نہ کرنا بلکہ اس انداز کو اپنانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن کی اس آیت کا مدعٰی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت کو بیان کرنا نہیں۔ دوسرا واضح قرینہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشادِ گرامی ہے۔ قال الحسن قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وآله وسلم لليهود ان عيسىٰ لم يمت وانه راجع اليكم قبل يوم القيامة۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو فرمایا کہ عیسٰی مرے نہیں اور قیامت سے پہلے وہ تمھاری طرف لَوٹ کر آئیں گے۔ ان تصریحات کی موجودگی میں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے جمہور مفسرین اس حقیقی معنی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

متوفيك اى مستوفى اجلك ومؤخرك الى اجلك المسمى عاصما اياك من قتلهم (بیضاوی) رحمہ اللہ تعالیٰ

تمھیں اپنی مقررہ مدت تک زندہ رکھے گا اور تمھیں قتل سے بچائے گا۔

متوفيك اى مستوفى اجلك معناه انى عاصمك من ان يقتلك الكفار (کشاف) امام ابن جریر لکھتے ہیں:۔

اولى الاقوال بالصحة عندنا قول من قال معنى ذالك انى قابضك من الارض ورافعك الىّ لتواتر الاخبار من رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالى عليه وآله وسلم۔ یعنی میرے نزدیک صحیح ترین قول یہ ہے کہ اے عیسٰی میں تجھے زمین سے قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیثِ متواترہ سے یہی چیز ثابت ہے کہ آپ کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا۔ (مزید وضاحت کے لیے سورہ نساء کی آیت ۱۵۶ کا حاشیہ ملاحظہ ہو)

۱۶۰ یہود حضرت عیسٰی علیہ السلام کی رسالت کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچایا کرتے اور مزید برآں آپ پر اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہما السلام پر گندے الزامات اور بہتان لگایا کرتے۔ اللہ تعالیٰ عیسٰی علیہ السلام کو فرما رہے ہیں کہ تیرا دامن ان الزامات سے صاف کر دیا جائے گا۔ تیری پاکیزگی اور معاندین کی بدباطنی کا ساری دنیا مشاہدہ کرے گی۔

۱۶۱ جو آپ کی نبوت اور رسالت کے قائل ہوں۔ ۱۶۲ جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں اور اپنے دلوں میں آپ کی عداوت رکھتے ہیں یعنی یہود۔ اور اس فوقیت اور برتری سے مراد سیاسی برتری بھی ہے اور دلائل کی برتری بھی۔

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا

تو وہ جنھوں نے کفر کیا ہیں عذاب دوں گا انھیں سخت عذاب دنیا میں

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کے لیے کوئی مددگار اور وہ جو ایمان لائے اور کیے نیک

الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾

کام تو اللہ پورے پورے دے گا انھیں اُن کے اجر اور اللہ تعالیٰ نہیں محبت کرتا ظلم کرنے والوں سے

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ

یہ جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو آیتیں ہیں اور نصیحت حکمت والی بے شک مثال عیسیٰ (علیہ السلام) کی

عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی مانند ہے ٦٣ بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ

(اے سننے والے) یہ حقیقت (کہ عیسیٰ انسان ہیں) تیرے رب کی طرف سے (بیان کی گئی) ہے پس تو نہ ہو جا شک کرنے والوں سے ٦٤ پھر جو شخص جھگڑا کرے آپ سے اس بارے میں

٦٣ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو اس بات کی دلیل بناتے تھے کہ آپ خدا یا خدا کے بیٹے ہیں۔ قرآن کریم ان کی واضح تردید فرماتا ہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کی یہی دلیل ہے تو پھر آدم علیہ السلام کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ ان کا تو نہ کوئی باپ تھا اور نہ کوئی ماں۔ اگر ان کو تم انسان مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو کیوں خدا یا خدا کا بیٹا بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے آدم اور عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش یکساں ہے وہ بھی اس کی قدرت کی جلوہ گری ہے اور یہ بھی۔ اس کی مشیت کی کرشمہ نمائی۔ نہ خدائی کا دم بھرنے کا اسے حق پہنچتا ہے نہ اسے۔ سب اس کے بندہ ہونے پر اور اسے اپنا رب پہچاننے پر شکر کناں ہیں۔ عیسائیوں میں بھی کئی ایسے فرقے گزرے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بندہ یقین کرتے تھے۔ اور اُن کو نہ خدا مانتے تھے نہ خدا کا بیٹا۔

٦٤ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت یہود کی افترا بازیوں، بہتان تراشیوں اور نصاریٰ کی مبالغہ آرائیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ قرآن نے یہ سارے پردے ہٹا دیئے۔ اُن کی اور اُن کی والدہ کی طہارت و پاکیزگی، ان کی عجیب و غریب پیدائش،

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ

اس کے بعد کہ آ گیا آپ کے پاس (یقینی) علم تو آپ کہہ دیجئے کہ آ جاؤ[۶۵] ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی

وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی[۶۶] اپنے آپ کو بھی اور تم کو بھی[۶۷] پھر بڑی عاجزی سے (اللہ کے حضور) التجا کریں پھر بھیجیں

اُن کے حیران کُن معجزات بھی بیان کر دیئے اور اُن کا بندہ ہونا بھی ثابت کر دیا۔ اب اس پر یہ کہہ کر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی کہ الحق من ربك یہ وُہ سچی حقیقت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اِس لیے اِس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں فلا تکونن میں خطاب یا تو قرآن کے ہر پڑھنے سُننے والے کو ہے یا خطاب حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو ہے اور مُراد حضُور کی اُمّت ہے کیونکہ حضُور کی اپنی ذات شک وشبہ سے بالاتر تھی الخطاب للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم والمراد امتہ لانہ صلی اللہ علیہ وسلّم لم یکن شاکا فی امر عیسٰی علیہ السلام۔ (القرطبی)

[۶۵] بنی نجران کے وفد کے تمام شکوک اور شبہات کا قرآنِ حکیم نے تحقیقی جواب دے دیا اور ایسے واضح اور روشن دلائل پیش فرمائے جن کے بعد کسی طالبِ حق کے لیے انکار کی گنجائش نہ رہی لیکن جب انھوں نے پھر بھی دعوتِ توحید کو قبول نہ کیا اور اپنے عقیدۂ تثلیث پر اڑے رہے تو ان معاندین پر حجت قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُول کو ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ مباہلہ کہتے ہیں کہ فریقین نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہ دُعا کریں کہ ان میں سے جو جھُوٹا ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم حضرت امام حسینؓ کو اٹھائے حضرت حسنؓ کو اُنگلی سے پکڑے تشریف لائے اور حضورؐ کے پیچھے پیچھے خاتونِ جنت اور ان کے پیچھے حیدرِ کرار آ رہے تھے۔ اور حضُورؐ نے وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ جب اُنھوں نے یہ نُورانی چہرے دیکھے تو ان کے اسقف (لاٹ پادری) نے کہا کہ اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو یاد رکھو تمہارا نام ونشان تک مِٹ جائے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے صلاح مشورہ کے لیے مُہلت طلب کی اور دُوسرے روز مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور صلح کر لی۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰ھ میں ہوا۔ جو حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت اور اسلام کی صداقت اور عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کے بطلان کی ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ اگر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنی نبوت کے متعلق ادنیٰ سا بھی شک ہوتا تو بذاتِ خود ان بزرگ اور عزیز ہستیوں کی معیت میں مباہلہ کے میدان میں کیوں تشریف فرما ہوتے۔ اور اگر نصرانیوں کو اپنے عقیدہ کی سچائی کا یقین ہوتا تو وُہ کبھی مباہلہ کرنے سے باز نہ آتے۔

[۶۶] بعض لوگوں نے یہاں یہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی صرف ایک صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی تھیں۔ ورنہ دوسری صاحبزادیاں بھی اس روز مباہلہ میں شرکت کرتیں۔ تو ان کی خدمت میں گزارش ہے۔ تاریخ کی تمام معتبر کتابوں (ناسخ التواریخ اور کافی وغیرہ) میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی چار

لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَ

اللہ تعالیٰ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہی ہے واقعہ سچا ۶۸ اور

مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا

نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی غالب ہے (اور) حکمت والا ہے پھر اگر وہ منہ پھیریں

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى

تو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے فساد برپا کرنے والوں کو (میرے نبی!) آپ کہیئے اے اہل کتاب آؤ ۶۹ اس

صاحبزادیاں تھیں اور اس روز خاتون جنت کا اکیلے تشریف لانا اس لیے تھا کہ باقی صاحبزادیاں انتقال فرما چکی تھیں حضرت رقیہ نے ۲ھ میں حضرت زینب نے ۸ھ میں اور حضرت ام کلثوم نے ۹ھ میں انتقال فرمایا۔ علی ابیھن و علیھن افضل الصلوات واطیب التسلیمات۔ اور یہ واقعہ ۱۰ھ کا ہے۔

۶۷ اس لفظ سے بعض لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت بلافصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ انفسنا سے مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آپ نفس رسول ہیں۔ گویا آپ رسول جیسے ہیں۔ تو جب آپ حضور کریم کے مساوی ہو گئے تو پھر آپ سے زیادہ خلافت کا حقدار اور کون ہو سکتا ہے۔ تو اس کے متعلق التماس ہے کہ حضرت علی کا شمار ابناءنا میں ہے کیونکہ آپ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے داماد تھے۔ اور داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے۔ اور اگر انفسنا میں ہی شمار کریں تو عینیت اور مساوات کہاں سے ثابت ہوئی کیونکہ یہ لفظ تو ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو قریبی رشتہ دار یا دینی اور قومی بھائی ہوں جیسے یخرجون انفسھم من دیارھم (وہ اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو ان کے وطن سے نکال رہے ہیں) ولا تخرجون انفسکم من دیارکم (اپنے وطن سے اپنے نفسوں کو یعنی اپنے قومی بھائیوں کو نہ نکالنا) ثم انتم ھؤلاء تقتلون انفسکم۔ ان سب آیات میں ان کے علاوہ متعدد دیگر آیات میں النفس کا لفظ دینی اور قومی بھائیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

۶۸ ان حکایات اور تفصیلات کے بعد اس آیت میں ان سب کا حاصل بیان فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا اور معبود نہیں جو کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا بیٹا تسلیم کرتا ہے وہ راہ راست سے بھٹک گیا ہے۔

۶۹ کلمہ سے مراد یہاں لفظ مفرد نہیں بلکہ جملہ مفیدہ ہے یعنی الا نعبد الا اللہ الخ اور یہ استعمال عام ہے۔ والکلمۃ تطلق علی الجملۃ المفیدۃ (ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ حضور سراپا نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کوئی نئی دعوت، کوئی نرالا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ حضور بھی اسی توحید کے داعی بن کر تشریف لاتے تھے جس کی دعوت ہر نبی نے دی۔ نیز اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ انسانیت جو آج مختلف اور مخالف گروہوں میں بٹ کر رہ گئی ہے جس کے باعث گلشن ہستی جہنم زار بن گیا ہے اس کے اتحاد کی

كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ

بات کی طرف جو یکساں ہے ہمارے اور تمہارے درمیان (وہ یہ) کہ ہم عبادت کریں (کسی کی) سوائے اللہ کے اور نہ شریک ٹھہرائیں اس کے

شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا

ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنا لے کوئی ہم میں سے کسی کو رب اللہ کے سوا نے پھر اگر وہ رُوگردانی کریں

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

(اس سے) تو تم کہہ دو گواہ رہنا (اے اہل کتاب) کہ ہم مسلمان ہیں لے اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم

فِیْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ

ابراہیم کے بارے میں حالانکہ نہیں اُتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد لے

حقیقی اور محکم بنیاد عقیدۂ توحید ہی ہے جو دُنیا کی ساری حقیقتوں سے واضح تر اور روشن ترین حقیقت ہے! اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی پلیٹ فارم پر جمع ہونے کے لیے اہل کتاب کو دعوت دی۔

نے امام ترمذی نے حضرت عدی بن حاتم سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم ان کی عبادت تو نہیں کیا کرتے تھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ کیا ایسا نہیں تھا کہ وہ جس حلال چیز کو چاہتے حرام کر دیتے اور جس حرام چیز کو چاہتے حلال کر دیتے اور تم ان کے ہر حکم کی پیروی کیا کرتے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں ایسا تو ہم کیا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ھو ذالک یعنی اللہ کے حکم کے بغیر کسی کو حلال و حرام کرنے کے کلی اختیارات سونپ دینا ہی تو اس کی عبادت کرنا اور اس کو رب بنانا ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ شریعت کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال کر سکتا ہے تو وہ بھی اسی توبیخ کا مستحق ہے۔

لے اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اُٹھانے کی ایک عجیب اور لطیف اسلوب میں کوشش کی گئی ہے انسان جب کسی دُوسرے کو حق و صداقت کے میدان میں سبقت لے جاتے ہوئے دیکھتا ہے تو یہ جذبہ قدرتاً اس کے اندر بھی بیدار ہونے لگتا ہے کہ جب اور لوگ تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے حق کی طرف بے تابانہ لپک رہے ہیں تو میں کسی سے پیچھے کیوں رہوں مسلمانوں کے اس اعلان سے یہود و نصاریٰ کے دل میں بھی یہی جذبہ بیدار کرنا مقصود ہے۔

ئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل و کمالات کے سب معترف تھے۔ اور سب اس پر متفق تھے کہ آپ کا دین ہی سچا دین ہے اور آپ کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے یہودی یہ دعویٰ کیا کرتے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے اور

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ

کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھ سکتے سنتے ہو! تم وہ لوگ ہو جو جھگڑتے رہے ہو (اب تک) ان باتوں میں جن کا تمھیں کچھ نہ کچھ علم تھا پس (اب)

تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

کیوں جھگڑنے لگے ہو ان باتوں میں نہیں ہے تمھیں جن کا کچھ علم اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا

نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی بلکہ وہ ہر گمراہی سے الگ رہنے والے

مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ

مسلمان تھے۱۱۳ اور نہ ہی وہ شرک کرنے والوں میں سے تھے بے شک نزدیک تر لوگ۱۱۴ ابراہیم (علیہ السلام) سے

عیسائی دعویٰ کیا کرتے کہ آپ عیسائی تھے۔ ان کے اس غلط دعویٰ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ یہودیت اور عیسائیت بعد کی پیداوار ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ تو صدیوں پہلے کا ہے جب یہودیت و نصرانیت کا وجود ہی نہ تھا۔ اس لیے ان کو یہودی یا عیسائی کہنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

۱۱۳ گمراہی سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہونے کو عربی میں الحنف کہتے ہیں اور حق سے روگردانی کر کے گمراہی کی طرف مائل ہونے کو الجنف کہتے ہیں (مفردات) تو حنیف کا معنی ہوا ہر باطل و گمراہی سے منہ موڑ کر ہمہ تن حق و صداقت کی طرف متوجہ ہونے والا۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو صرف اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے قائل تھے اور اسی ایک کی عبادت میں سرگرم تھے۔ نہ وہ عزیر کو خدا کا بیٹا اور نہ مسیح کو اس کا فرزند کہتے تھے۔ نہ صلیب کے پرستار تھے اور نہ مشرکین عرب کی طرح کسی پتھر کی مورتی کے پجاری تھے۔ ان کی توحید خالص سے تمھاری اس شرک آلود یہودیت و نصرانیت کو کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

۱۱۴ اہل حق سے تعلق اور تقرب کا انحصار اس پر نہیں کہ آپ ان سے اپنی وابستگی کے طویل وعریض دعوے کریں۔ بلکہ اس کا دارومدار ان کی سچی پیروی پر ہے۔ جس نے ان کے پیغام کو دل سے قبول کیا اور زندگی بھر اس پر کاربند رہا وہی ان سے قریب ہے۔ وہی ان کا دوست ہے۔ اس لیے قرآن حکیم نے تصریح کر دی کہ حضرت ابراہیم سے تقرب کا شرف یا ان لوگوں کو حاصل ہے۔ جو ان پر ایمان لائے۔ اور ان کی پیروی کی یا اس نبی امی (فداہ ابی وامی) کو جس نے دین ابراہیمی کو نئی زندگی اور تازہ قوت بخشی اور یا اس کے جانباز غلاموں کو جو ابراہیمی مشن کو سربلند کرنے کے لیے ہر قربانی دینے کے لیے آمادہ ہیں۔ تمھیں کیا واسطہ اللہ کے خلیل سے جو دنیا کی محبت اور اقتدار کی ہوس میں یوں کھوئے ہوئے ہو کہ حق کو پہچانتے ہوئے حق کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہو۔

لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ

وُہ تھے جنھوں نے ان کی پیروی کی نیز یہ نبی (کریم) اور جو (اس نبی پر) ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ مددگار ہے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ۭ

مومنوں کا دل سے چاہتا ہے ایک گروہ ۹۸ اہل کتاب سے کہ کسی طرح گمراہ کر دیں تمھیں

وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ

اور نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے آپ کو اور وُہ (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے اے اہل کتاب!

لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ

کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم خود گواہ ہو ۹۹ اے اہل کتاب!

لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ

کیوں ملاتے ہو حق کو باطل کے ساتھ ۱۰۰ اور (کیوں) چھپاتے ہو حق کو حالانکہ تم

۹۸ چاہیے تو یہ تھا کہ اہل کتاب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لاتے لیکن ایمان لانا تو کجا اُن کی ضد اور عناد کی یہ حالت ہے کہ جو راہِ راست پر چل رہے ہیں ان کے متعلق بھی ان کی آرزو یہ ہے کہ وُہ بھٹک جائیں۔ اگر وُہ اُن کا مذہب قبول نہیں کرتے، تو کم از کم مسلمان تو نہ رہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو اسلام سے بدظن اور برگشتہ کرنے کے لیے سارے جتن کرتے۔ ان کے سامنے طرح طرح کے شبہات پیش کرتے۔ گوناگوں الزامات تراشتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وُہ اس ناپاک مقصد میں تو کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے البتہ وُہ اپنے نامۂ اعمال کی سیاہی میں ضرور اضافہ کر رہے ہیں اور بے خبری میں اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں پھینک رہے ہیں و مایضلون کا معنی و مایھلکون ہے۔

۹۹ اسلام کی صداقت وحقانیت کے دلائل اس قدر واضح اور روشن ہیں گویا وُہ اسلام کی صداقت کا اپنی ان آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں لیکن یوں عیاں دیکھ لینے کے باوجود بھی ان کا اسلام کو قبول نہ کرنا کتنی عجیب بات ہے۔

۱۰۰ لبس کا معنی ڈھانپ دینا یا کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ غلط ملط کر دینا ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات وعلامات جو ان کی آسمانی کتابوں کے صفحہ صفحہ پر ثبت تھے ان کو چھپا دیا کرتے یا اللہ تعالیٰ کے ان احکام میں تحریف کر دیا کرتے تھے۔ جن پر عمل کرنا ان کی طبع نازک پر گراں ہوتا۔

ع ۸ ۱۵

تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ

جانتے ہو کہا ایک گروہ نے ۵ اہل کتاب سے کہ ایمان لے آؤ اس (کتاب) پر

اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ

جو اتاری گئی ایمان والوں پر صبح کے وقت اور انکار کر دو اس کا سر شام شاید (اس طرح) وہ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ

(اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں (ایک دوسرے کو تاکید کرتے ہیں) ۹ کہ مت تو کسی کی بات سنا ئے اُن لوگوں کے جو پیروی کرتے ہیں تمھارے دین کی فرمایئے

۵ دلائل کے میدان میں شکست کھانے کے بعد یہود کے مذہبی رؤسا نے لوگوں کو دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک گہری سازش سے کام لینا چاہا۔ اُنھوں نے سوچا کہ اور کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی اب یُوں کریں کہ اپنے چند خاص چیلے مسلمانوں کے پاس بھیجیں جو وہاں جا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں۔ کچھ وقت گزر نے کے بعد وُہ مرتد ہو جائیں اور اس کا خوب چرچا کریں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ہمیں اسلام اور پیغمبرِ اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور ان کے ایسے عیوب اور کوتاہیاں ہم پر آشکارا ہوتی ہیں کہ ہم اس دین کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جس کو ہم نے کچھ عرصہ پہلے بڑے شوق اور بڑی محبت سے قبول کیا تھا۔ اس کا اثر یہ ہوگا۔ کہ وُہ لوگ جو آج دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں ٹھٹک کر رہ جائیں گے۔ اور وُہ ایک بار پھر یہ سوچنے لگیں گے کہ جس دین کو اس کے ماننے والے ایک ایک کر کے چھوڑ رہے ہیں وُہ سچا دین نہیں۔ یہُود کی یہ سازش بڑی خطرناک تھی۔ اور نفسیاتی طور پر اس کا بڑا بُرا نتیجہ نکلتا۔ لیکن دانا و بینا خُدا نے اُن کے اس دامِ ہمرنگِ زمین کو پہلے ہی نمایاں کر کے مسلمانوں کو ہشیار کر دیا اور اس طرح یہُود کی یہ گہری چال ناکام ہو کر رہ گئی۔

۹ مفسرین کرام نے اس آیت کو مشکل ترین آیت شمار کیا ہے۔ اور اس میں جو متعدد جُملے ہیں ان کے باہمی تعلق پر بڑی طویل بحثیں کی ہیں لیکن خدا رحم فرمائے امام ابُو عبد اللہ القرطبی پر جنھوں نے اس آیت کو بالکل آسان بنا دیا ہے۔ فرماتے ہیں اس آیت میں قل ان الھدی ھدی اللّٰہ جملہ معترضہ ہے اور دُوسرے سب جُملوں کا تعلق لاتؤمنوا سے ہے اس صُورت میں اس کا مفہوم یُوں ہوگا:۔

المعنی ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم ولا تؤمنوا ان یوتی احد مثل ما اوتیتم ولا تصدقوا ان یحاجوکم (تفسیر قرطبی)

یعنی رؤسا یہُود اپنے ان چیلوں کو جنھیں اُنھوں نے اس سازش کے لیے تیار کیا تھا یہ تین باتیں بڑی مہارت سے ذہن نشین کراتے تھے پہلی بات تو یہ تھی کہ اپنے دین کے ماننے والوں کے بغیر کسی کی بات مت ماننا۔ دُوسرا یہ یقین کرنا کہ جن انعامات خُداوندی سے تمھیں سرفراز کیا گیا ہے وُہ کسی دُوسری قوم کو مرحمت نہیں کیے گئے۔ تیسرا یہ کہ بالکل مطمئن رہو۔ قیامت کے دن بھی تم پر کوئی حجت قائم کر کے تمھیں شرمسار نہ کر سکے گا۔ یہ باتیں ان کے ذہن نشین کرنے کے بعد ان کو اس خطرناک سازش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا اہم فریضہ سونپا جاتا۔

إِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ أَنْ يُّؤْتٰٓى أَحَدٌ مِّثْلَ مَآ أُوْتِيْتُمْ

ہدایت تو وُہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہو (اور یہ بھی نہ مانا کہ) دیا جا سکتا ہے کسی کو جیسے تمھیں دیا گیا

أَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ

یا کوئی حجت لا سکتا ہے تم پر تمھارے رب کے پاس (اے حبیب!) فرما دیجیے کہ فضل (وکرم) تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ۙۚ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

جسے چاہتا ہے ۸۰؎ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ إِنْ

اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے اور اہل کتاب سے بعض ایسے (دیانتدار) ہیں کہ اگر تو

علم نفسیات کے ماہرین کی وسعتِ نظر کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہود کو یہ اندیشہ تھا اور وہ بے جا بھی نہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بھی اُن کے پاس جا کر انھیں کے بن کر رہ جائیں جیسے اُن کا بارہا کا مشاہدہ تھا۔ اور دُوسروں کو اسلام سے برگشتہ کرتے کرتے کہیں اپنوں سے ہی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ اس اندیشہ کی پیش بندی اُنھوں نے بڑی سُوجھ بُوجھ سے کی۔ اور ان کے دل و دماغ کو ایسے قالب میں ڈھالنے کی ماہرانہ سعی کی جس کے بعد اس قسم کے خطرات کا امکان ہی ختم ہو جاتا ہے۔ پہلے ان کی مذہبی عصبیت کو ہوشیار کیا اور اُنھیں یہ نہ ماننے کا سبق ازبر کرا دیا۔ اس کے بعد ان کی قومی نخوت اور نسلی برتری کے احساس کو ہوا دی گئی کہ خُدا کی ساری مخلوق میں تمھیں اس کے پیارے اور لاڈلے ہو۔ جو انعامات تم پر کیے گئے ہیں کسی دُوسری قوم پر نہیں کیے گئے۔ اس لیے جب تم تمام اقوامِ عالم سے افضل و اعلیٰ ہو تو تم کیوں کسی دُوسری قوم کی دعوت قبول کرو جو تم سے فروتر ہیں۔ اب بھی ایک گوشہ باقی تھا جس طرف سے اُن کی ہٹ دھرمی اور تعصب پر یورش ہو سکتی تھی اور وُہ روزِ قیامت کی بازپُرس کا خوف۔ اس کو یہ کہہ کر محفوظ کر دیا کہ یقین مانو قیامت کے دن بھی تم ہی سُرخرو ہو گے اور کوئی ایسی بات نہیں جس کے باعث تمھیں قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔ اس طرح انھیں ذہنی اور رُوحانی طور پر بھی اسلام کے خلاف اس گھناؤنے جُرم کے ارتکاب کے لیے مستعد کر دیا۔ علامہ قرطبی کی اس تفسیر کے بعد آیت کا مفہوم اتنا واضح ہے کہ ان پُرپیچ تاویلات کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔

۸۰؎ نبوت کسی کی ذاتی جاگیر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وُہ حکیم و علیم جس کو اس بارِ امانت کے اُٹھانے کا اہل دیکھتا ہے اس کو اس سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس سے یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ نبوت اولادِ اسحٰق علیہ السلام کی میراث ہے بنی اسمٰعیل سے کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَأْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ

امانت رکھے اس کے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو وہ ادا کر دے اسے تمہاری طرف اور ان میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ اگر تو امانت رکھے اس کے پاس ایک اشرفی

لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا

تو واپس نہ کرے گا اسے بھی تیری طرف مگر جب تک تو اس کے سر پر کھڑا رہے اس (بددیانتی) کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں

لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہ نہیں ہے ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گرفت ۸۱؎ اور یہ لوگ کہتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ

حالانکہ وہ جانتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے پورا کیا اپنا وعدہ اور پرہیزگار بنا تو بے شک اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ

محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے بے شک جو لوگ ۸۲؎ خریدتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض

۸۱؎ سبیل کا معنی راستہ ہے۔ اور کبھی کبھی یہ حجت اور دلیل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ویعبر بہ عن الحجۃ (مفردات) یہاں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہودی آپس میں جب لین دین، عہد و پیمان اور خرید و فروخت کرتے تو اس وقت احکام خداوندی پر کم و بیش عمل کرتے۔ لیکن اہل عرب خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا برتاؤ عجیب قسم کا تھا۔ ان سے خرید و فروخت کرتے وقت دھوکہ کرتے، وعدہ کر کے پھر جاتے۔ امانتوں میں خیانت سے باز نہ آتے۔ غرضیکہ ان کے ساتھ معاشرت میں اخلاق اور دین کے کسی ضابطہ کی پابندی نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اس خیانت، عہد شکنی اور بدمعاملگی پر ملامت کی جاتی تو بجائے نادم ہونے کے یہ جواب دیتے کہ ہمیں اپنی کتاب نے عرب کے ان پڑھوں کے مال خُرد بُرد کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کا یہ کہنا تورات اور حضرت کلیم پر بہتان عظیم ہے۔ خداوند کریم تو انہیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو ہر کسی سے معاملہ کرتے وقت دیانتداری، ایفائے عہد اور سچ بولنے کے اصولوں پر کاربند رہیں۔ اس سے ہمیں بھی یہ سبق مل گیا کہ ہم جس کسی سے معاملہ کریں خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، نیک ہو یا بد، اپنا ہو یا بیگانہ، اس سے دیانتداری اور راست بازی کا معاملہ کریں۔ کسی کا کفر یا فسق اس کے ساتھ فریب دھوکہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی وجہ جواز نہیں۔

۸۲؎ کبیرہ گناہوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن ان میں سے عہد شکنی اور وعدہ خلافی پر جو سزا مقرر کی گئی ہے وہ کسی دوسرے گناہ

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰٓئِكَ لَا خَلَٰقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ

تھوڑی سی قیمت یہ وُہ (بدنصیب) ہیں کہ کچھ حصّہ نہیں ان کے لیے آخرت میں اور بات تک نہ کرے گا ان سے

اللَّهُ وَلَا يَنظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ اور دیکھے گا بھی نہیں ان کی طرف قیامت کے روز اور نہ پاک کرے گا انھیں اور ان کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُۥنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَٰبِ

درد ناک عذاب ہے اور بے شک ان میں ایک فریق وُہ ہے جو مروڑتے ہیں ۸۳؎ اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ

کے لیے تجویز نہیں کی گئی۔ عہد شکنی کے لیے پانچ سزاؤں کا یہاں ذکر ہے۔ (۱) وُہ آخرت کی نعمتوں سے یکسر محرُوم کر دیا جائے گا (۲) رحمٰن ورحیم خُدا اُس سے بات تک نہ فرمائے گا (۳) اُس کی نظرِ لطف ورحمت سے بھی وُہ محرُوم رہے گا (۴) گناہ کی آلائشوں سے بھی اُسے پاک نہیں کیا جائے گا اور (۵) اس کے علاوہ اُسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

کوئی ہے ایسا دِل گُردے والا جو ان سزاؤں میں سے کسی ایک کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اگر اس پُرہیبت و پُرجلال آیت کے بعد بھی اپنے وعدہ کی پابند نہیں بنے گی تو کب بنے گی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی بھی سُن لیجیے :-

آیۃ المنافق ثلاث وان صام وصلی وزعم انہ مسلم اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان۔

ترجمہ:- منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ وُہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مُسلمان خیال کرے۔ جب وُہ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے تو ایفا نہ کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ آیت میں دو وعدوں کا ذکر ہے۔ ایک وُہ وعدہ جو بندہ اپنے رب کے ساتھ اس کی بندگی اور فرمانبرداری کے متعلق کرتا ہے اور دُوسرا وُہ جو لوگ آپس میں ایک دُوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ دونوں کی خلاف ورزی پر یہ وعید ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص گناہ کے ارتکاب کی قسم اُٹھاتا ہے یعنی اس نے قسم اُٹھائی کہ وُہ نماز نہیں پڑھے گا یا شراب پیئے گا۔ یا ماں باپ کو اذیت پہنچائے گا تو اُس وقت اُس قسم کا توڑنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے۔ کیونکہ اللہ کا نام پاک نیکی پر برانگیختہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ بُرائی اور گناہ پر اُکسانے کے لیے۔

۸۳؎ یلوون کا اصل لَیٌّ ہے جس کا معنی ہے جھکانا، مائل کرنا۔ کہا جاتا ہے لوی بیدہ اس نے اپنا ہاتھ جھکایا۔ لوی براسہ اس نے اپنا سر جھکایا۔ یعنی اُس کی اصلی اور فطری وضع میں تبدیلی کر دی۔ اِس لیے اب اس کا استعمال کسی کلام کے الفاظ یا اعراب میں ایسا ردّو بدل کر دینا جس سے اِس کلام کا اصلی مفہوم بدل جائے یا اس کی ایسی من گھڑت تشریح کرنا جس کا اِس کلام سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو کے معنی میں ہونے لگا ہے لوی لسانہ بکذا کنایۃ عن الکذب وتخرص الحدیث (مفردات) عربی محاورہ میں جھوٹ

لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ

تاکہ تم خیال کرنے لگو (ان کی) اس (اُلٹ پھیر) کو بھی اصل کتاب سے حالانکہ وُہ کتاب سے نہیں ہے اور وُہ کہتے ہیں یہ بھی

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

اللہ کی طرف سے (اُترا) ہے حالانکہ وُہ نہیں ہے اللہ کے پاس سے اور وُہ کہتے ہیں اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٨ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ

جھُوٹ جان بُوجھ کر نہیں ہے مُناسب کسی انسان کے لیے کہ (جب) عطا فرما دے اسے اللہ تعالیٰ کتاب

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

اور حکومت اور نبوت ٨٤ تو پھر وُہ کہنے لگے لوگوں سے کہ بن جاؤ میرے بندے اللہ کو

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

چھوڑ کر (وُہ تو یہ کہے گا کہ) بن جاؤ اللہ والے اس لیے کہ تم دُوسروں کو تعلیم دیتے رہتے تھے کتاب کی

بولنے اور من گھڑت بات بنانے کو لوی لسانہ بکذا کہتے ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے والمعنی یحرفون الکلم ویعدلون به عن القصد۔ بعض علماء یہود کا یہ شیوہ تھا کہ تورات کی جن آیات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک ہوتا یا تو ایسے لب ولہجہ سے انہیں پڑھتے کہ مطلب بگڑ جاتا یا الفاظ و اعراب میں ردّ و بدل کر دیتے یا ان آیات کا غلط مطلب لوگوں کو بتایا کرتے۔ اس آیت میں ان کی اس مذموم حرکت کا بیان ہے۔

٨٤ یعنی جسے ان انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے وُہ کسی کو اپنی پرستش اور عبادت کی دعوت نہیں دے گا بلکہ وُہ تو سب کو یہی تلقین کرے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ ربانیین جمع ہے ربّانی کی جو رب کی طرف منسُوب ہے اس نسبت کی وجہ سے اسے رَبّی ہونا چاہیے لیکن بسا اوقات مبالغہ کے لیے الف نون کا اضافہ کر دیا کرتے ہیں مثلاً جس کی بڑی گھنی ڈاڑھی ہو اُسے باضافہ الف نون لحیانی اور جس کی گردن بہت فربہ ہو اُسے باضافہ الف نون رقبانی کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کا معنی ہوگا بالکل اللہ والا۔ مبرد نے اس کا ایک دُوسرا ماخذ بتایا ہے۔ وُہ کہتے ہیں کہ یہ ربّان کی جمع ہے جو ربه یربه فهو ربان سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے تربیت نفوس، اصلاح احوال اور تدبیر امُور کرنے والا۔ اب ربانیون کا معنی ہوگا نوع انسانی کی صحیح تربیت اور ان کی اصلاح کرنے والے۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو نبی تھے۔ وُہ اپنے آپ کو خدا یا خدا کا فرزند کیونکر کہہ سکتے تھے۔

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَلَا يَأْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

اور نہ اس کے کہ تم خود بھی اسے پڑھتے تھے ۸۵ اور وہ (مقبول بندہ) نہیں حکم دے گا تمھیں اس بات کا کہ بنا لو فرشتوں

وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع

اور پیغمبروں کو خدا (تم خود سوچو) کیا وہ حکم دے سکتا ہے تمھیں کفر کرنے کا بعد اس کے کہ تم مسلمان بن چکے ہو

ع ٩ ١٦

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ ۸۶ کہ قسم ہے تمھیں اس کی جو دوں میں تم کو کتاب اور حکمت سے

اُنھوں نے تو تمھیں محض اللہ والا بننے کی دعوت دی ہے۔

۸۵ مقصد یہ ہے کہ اے اہل کتاب تمھیں تو بطریقِ اولیٰ ربانی بننا چاہیے۔ کیونکہ تمھارے پاس تو رُشد وہدایت کا آسمانی صحیفہ موجود ہے۔ جس کے معانی اور مطالب سے تم خوب واقف ہو۔ تم خود بھی اسے پڑھتے ہو اور دوسروں کو بھی اس کا درس دیتے ہو اور اگر تم نے خود اس سے ہدایت حاصل نہ کی اور توحید کی خالص نعمت سے محروم رہے تو پھر درس و تدریس کی ہنگامہ آرائیوں سے کیا حاصل؟

۸۶ حضرت سیدنا علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا کہ اگر اس کی موجودگی میں سرورِ عالم وعالمیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اس نبی پر لازم ہے کہ وہ حضور کی رسالت پر ایمان لا کر آپ کی اُمت میں شمولیت کا شرف حاصل کرے اور ہر طرح حضور کے دین کی تائید ونصرت کرے اور تمام انبیاء نے یہی عہد اپنی اپنی اُمتوں سے لیا۔ السید المحقق محمود الالوسی صاحب روح المعانی تحریر فرماتے ہیں۔ ومن هنا ذهب العارفون الى انه صلى الله تعالى عليه وآله وسلم هو النبي المطلق والرسول الحقيقي والمشرع الاستقلالي وان من سواه من الانبياء عليهم الصلوٰة والسلام في حكم التبعية له صلى الله عليه وسلم۔ یعنی اسی لیے عارفین نے فرمایا ہے کہ نبی مطلق رسول حقیقی اور مستقل شریعت کے لانے والے حضور نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور جملہ دیگر انبیاء حضور علیہ السلام کے تابع ہیں (روح المعانی)

شبِ معراج تمام انبیاء کرام کا بیت المقدس میں مجتمع ہو کر حضور فخرِ کائنات کی امامت میں حضور کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا اسی بلند مرتبت عہد کی عملی توثیق تھی۔ اور امام الانبیاء والمرسلین کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا صحیح اندازہ قیامت کے روز ہوگا جب ساری مخلوقِ خدا خوفِ خدا سے لرزہ براندام ہوگی اور مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء لواءِ حمد ہاتھ میں لیے مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔ اللّٰھم صل علی حبیبک وصفیک صاحب لواء الحمد والمقام المحمود وبارک وسلم واحشرنا

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

پھر تشریف لائے تمہارے پاس وُہ رسول جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ

اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى

(اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں (بھی) تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہُوں پھر جو کوئی پھرے اس

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ

(پختہ عہد) کے بعد تو وُہی لوگ فاسق ہیں کیا اللہ کے دین کے سوا (کوئی اور دین) تلاش

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ

کرتے ہیں ۵۴؎ حالانکہ اسی کے حضور سر جھکا دیا ہے ہر چیز نے جو آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یا مجبوری سے اور اسی کی طرف وُہ

يُرْجَعُوْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ

(سب) لوٹائے جائیں گے آپ فرمائیے ہم ایمان لائے اللہ پر ۵۵؎ اور اُس پر جو اُتارا گیا ہم پر اور جو اُتارا گیا

فی زمرتہ وتحت لوائہ وارزقنا شفاعتہ وادخلنا معہ فی الجنۃ انک سمیع الدعاء۔

۵۴؎ جس مالکِ ارض و سما کے حکم کے سامنے کائنات کی ہر چیز سرافگندہ ہے۔ خوشی یا ناخوشی سے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر اس کے ہر تکوینی فرمان کی تعمیل کر رہی ہے۔ اور جس کی طرف ہر چیز پلٹ کر جانے والی ہے کیا اس قادر و توانا خدا کے دین کے بغیر وُہ کسی اور دین، کسی دُوسرے ضابطۂ حیات کے متلاشی ہیں۔ وہ کتنے غلط کار ہیں اور فریبِ نفس کے کتنے مُہلک مرض میں وُہ مبتلا ہیں۔

۵۵؎ اپنے حبیبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ پاک سے اس حقیقتِ عظمیٰ کا پھر اعلان کروایا جا رہا ہے کہ دینِ الٰہی اسلام ہی ہے سب انبیاء و رُسل اپنے اپنے زمانہ میں اسی کی تبلیغ فرماتے رہے اور میں بھی اسی دین کا داعی اور مبلغ بن کر آیا ہوں اس لیے وُہ تمام مقدس ہستیاں جن کو بارگاہِ الٰہی سے نبوت کا شرف بخشا گیا اور ان پر جو کتابیں نازل ہوئیں ہیں اور میرے ماننے

عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ

ابراہیم ، اسمٰعیل ، اسحٰق ، یعقوب اور ان کے بیٹوں پر

وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ

اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ ، عیسیٰ اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے نہیں فرق کرتے ہم

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

کسی کے درمیان ان میں سے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں اور جو تلاش کرے گا

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ

اسلام کے بغیر کوئی (اور) دین تو وہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اس سے [89] اور وہ قیامت کو زیاں کاروں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

میں سے ہوگا کیسے ہوسکتا ہے کہ ہدایت دے اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو جنھوں نے کفر اختیار کر لیا ایمان لے آنے کے بعد [90]

والے اُن سب کی صداقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ہمارا یہ شیوہ نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں۔ یہ ہے دینِ محمدی کی وُہ وسعت اور گیرائی جو ہر حق کو اپنے دامن میں سمیٹے ہُوئے ہے۔ جہاں کسی قومی، وطنی اور نسلی عصبیت کی گنجائش نہیں۔ اس دینِ قیّم کی رُوح تمام اُن عناصر سے پاک ہے جو انسان کو انسان سے ملنے نہیں دیتے۔ یہ کسی خاندان یا نسل کے خُدا کا دین نہیں بلکہ ربّ العٰلمین کا دین ہے۔ اور اس کا داعی صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو جمع کرنے کے لیے بھیجا نہیں گیا بلکہ وُہ رحمت للعٰلمین ہے جو سارے عالمِ انسانیت کی شیرازہ بندی کے لیے مطلعِ وجُود پر جلوہ نما ہُوا۔ اس لیے صرف یہی دین انسانی اتحاد کے لیے اساسِ محکم ثابت ہوسکتا ہے۔

[89] دینِ اسلام جو سب انبیاء کا دین ہے اور جس کو لے کر اَب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم تشریف لائے ہیں اب اگر کوئی شخص اس دین کو قبول نہیں کرتا اور کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو اس کا وُہ دین اللہ تعالیٰ کی جناب میں مردُود ہے۔

[90] وُہ گمراہ جو جہالت کی وجہ سے قبولِ حق سے انکار کرتے ہیں ان کے ہدایت پانے کی توقع ہوسکتی ہے کہ جب جہالت کا پردہ اُٹھ جائے گا اور حقیقت کا روشن چہرہ انھیں دکھائی دے گا تو وُہ اسے پہچان کر پروانہ وار اس پر قربان ہونے لگیں گے لیکن جو حق کو پہچانتے ہیں اور اپنی خاص محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ اور پھر دُشمنی پر کمر بستہ ہیں اُن کے

وَشَهِدُوٓا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۗ وَاللّٰهُ لَا

اور وہ (پہلے خود) گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور آچکی تھیں ان کے پاس کھلی نشانیاں اور اللہ تعالیٰ

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ

ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو ایسوں کی سزا یہ ہے ۹۱ کہ ان پر

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

پھٹکار پڑتی رہے اللہ کی فرشتوں کی اور سب انسانوں کی ہمیشہ رہیں اسی پھٹکار میں

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا

نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی مگر وہ لوگ جنھوں نے (سچے دل سے) توبہ

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْا ۟ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٨٩﴾ إِنَّ

کرلی اس کے بعد ۹۲ اور اپنی اصلاح کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے (انھیں بخش دے گا) یقیناً

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ

وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے چلے گئے کفر میں ہرگز نہ قبول کی جائے گی

تَوْبَتُهُمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَ

ان کی توبہ اور یہی لوگ ہیں جو گمراہ ہیں جن لوگوں نے کفر کیا اور مرگئے کفر ہی

راہ پانے کی توقع عبث ہے۔

۹۱ یعنی وہ بدنصیب جنھوں نے اپنی فطرت سلیمہ کو بگاڑ دیا اور خداداد صلاحیتوں کو مسخ کر دیا۔

۹۲ اسلام نے رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانے کی سخت مذمت کی ہے۔ اور سب گمراہوں کو واضح طور پر بتا دیا ہے کہ جب وہ سچے دل سے اپنے گناہوں پر نادم ہوں تو آئیں اور اس کے در رحمت پر دستک دیں۔ ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور انھیں ایک اور زریں موقع مل جائے گا کہ وہ ایک پاکیزہ زندگی کا از سر نو آغاز کر سکیں۔

هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّ لَوِ

کی حالت میں تو ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا اگرچہ وہ (اپنی نجات کیلیے)

اِفْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

عوضانہ دے اتنا سونا ایسے لوگوں کے لیے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار

ع ۹ / ۱۷

۹۴؎ البتہ وہ لوگ جو زندگی بھر کفر وطغیان کے راستہ پر گامزن رہے اور باز آنے اور نادم ہونے کے لیے جو مہلت اُنھیں دی گئی تھی اُس سے اُنھوں نے فائدہ نہیں اُٹھایا۔ یہاں تک کہ موت کے جھونکے نے اُن کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا۔ اُن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔ اگر وہ بے انداز سونا بھی فدیہ کے طور ادا کرنا چاہیں گے تو رد کر دیا جائے گا۔ اور کوئی ان کی شفاعت بھی نہ کرے گا کیونکہ شفاعت گنہگار مومن کے لیے ہوا کرتی ہے اور کافر اور مشرک شفاعت کا مستحق نہیں ہوا کرتا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ پاسکو گے تم ۹۴ کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) اُن چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرتے

مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۞ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا

ہو ۹۵ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اُسے جانتا ہے سب کھانے کی چیزیں ۹۶ حلال تھیں

لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ

بنی اسرائیل کے لیے مگر وُہ جسے حرام کیا اسرائیل نے اپنے آپ پر اس

۹۴ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔ لن تبلغوا حقیقة البر الذی ھو کمال الخیر یعنی اپنی محبوب اور عزیز چیزوں کو راہِ خدا میں خرچ کیے بغیر تم نیکی کی حقیقت تک جو خیر و احسان کا درجۂ کمال ہے رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔ البر سے مُراد بِرُّاللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے مستحق نہیں بن سکتے۔ محبوب اشیاء میں مال و متاع، جسم و جان اور جاہ و منصب سب داخل ہیں۔ ان میں سے جو پیاری چیز ہو اُسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کرنے سے ہی نیکی میں درجۂ کمال حاصل ہو سکتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو حضرت ابو طلحہؓ حاضر ہُوئے اور عرض کی اے اللہ کے پیارے رسُولؐ! مجھے سب سے زیادہ عزیز اپنا باغ بیرحاء ہے فضعھا حیث اراك اللہ۔ حضور جہاں مناسب خیال فرماتے ہیں اسے خرچ فرمایئے۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا اور حکم دیا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو۔ ایسی متعدد مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

۹۵ نیکی میں درجۂ کمال تو ملے گا عزیز ترین چیز خرچ کرنے سے۔ لیکن اگر اس کے علاوہ اس سے کم تر کوئی چیز خرچ کرو گے تو بھی اکارت نہیں جائے گی بلکہ اس کے مناسب تمھیں اس کا معاوضہ دیا جائے گا۔ نیز اس آیت کے پہلے حصّہ میں راہِ خدا میں اچھی اور پسندیدہ چیز دینے کا ذکر فرمایا۔ پچھلے حصّہ میں اخلاصِ نیّت کی طرف توجہ دلائی یعنی اللہ تعالیٰ تمھاری نیّتوں کو جاننے والا ہے۔ اگر تم نے ریا اور نمود کے لیے خرچ کیا تو وُہ اکارت جائے گا۔

۹۶ یہود نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر ایک اور اعتراض کرنا شروع کیا کہ آپ دعویٰ تو کرتے ہیں ملّتِ ابراہیمی کا حالانکہ اُونٹ کا گوشت اور دُودھ جو شریعت ابراہیمی میں حرام تھا اسے آپ حلال جانتے ہیں۔ اس آیت میں ان کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ تمھارا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ چیزیں شریعت ابراہیمی میں حرام تھیں۔ نہیں بلکہ انھیں تو حضرت اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) نے بعض طبیبوں کے مشورہ سے استعمال کرنا ترک کیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت یعقوب کو عرق النساء کی تکلیف تھی۔ اس لیے بطور پرہیز اُنھوں نے اُونٹ کا گوشت اور دُودھ چھوڑ دیا تھا۔ اگر تم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تو تورات لے آؤ۔ اس سے حقیقتِ حال روشن ہو جائے گی لیکن اُنھیں ہمت نہ ہوئی کہ کتاب لاتے۔

قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ

سے پہلے کہ نازل کی گئی تورات آپ فرمائیے لاؤ تورات پھر پڑھو اسے اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٩٣ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ

تم سچے ہو پس جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اس کے

ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩٤ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا

بعد تو وُہی ظالم ہیں آپ کہہ دیجیے سچ فرمایا ہے اللہ نے ۹۷ پس پیروی کرو

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝٩٥ اِنَّ

تم ملتِ ابراہیم کی جو ہر باطل سے الگ تھلگ تھے اور (بالکل) نہ تھے وُہ شرک کرنے والوں سے بے شک

اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى

پہلا (عبادت) خانہ ۹۸ جو بنایا گیا لوگوں کے لیے وہی ہے جو مکہ میں ہے ۹۹ بڑا برکت والا ۱۰۰ ہدایت (کا سرچشمہ) ہے

وقف جبرئیل علیہ السلام

۹۷ یعنی اللہ کا فرمان سچا ہے۔ تمہاری تحریف کا سکہ نہیں چل سکتا۔

۹۸ حضرت ابُوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے دریافت کیا کہ زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی تو حضورؐ نے فرمایا مسجدِ حرام۔ میں نے عرض کی اس کے بعد، تو فرمایا مسجدِ اقصیٰ۔ میں نے پھر پُوچھا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا۔ تو فرمایا چالیس سال۔ اس سے معلوم ہُوا کہ مسجدِ حرام کے پہلے معمار حضرت آدمؑ اور مسجدِ اقصیٰ کے پہلے معمار آپ کے کوئی فرزند تھے۔ طوفانِ نوح کے بعد جب یہ عمارت منہدم ہو گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجدِ اقصیٰ کی۔ بیت سے مُراد مطلق گھر نہیں بلکہ خانۂ عبادت ہے۔

۹۹ بعض علماء نے لکھا ہے کہ مکّہ میں ایک لغت بکہ بھی آئی ہے۔ مجاہد نے کہا کہ مکّہ اور بکہ ایک شہر کے ہی دو نام ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا خانہ کعبہ کی جگہ کو بکہ اور سارے شہر کو مکہ کہتے ہیں۔ محمد ابن شہاب سے مروی ہے کہ صرف خانہ کعبہ کو نہیں بلکہ ساری مسجدِ حرام کو بکّہ کہا جاتا ہے اور دُوسرے سارے شہر کو مکّہ۔

۱۰۰ اس کی برکتوں کا کیا کہنا۔ اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ ایک ختم قرآن کیا جائے تو لاکھ ختم کا

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

سب[۱۰۰] جہانوں کے لیے اس میں روشن نشانیاں ہیں[۱۰۱] (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم ہے اور جو بھی داخل ہوا اس میں ہو جاتا

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

ہے (ہر خطرہ سے) محفوظ اور اللہ کے لیے فرض ہے لوگوں پر حج اس گھر کا[۱۰۲] جو طاقت رکھتا ہو وہاں

اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

تک پہنچنے کی اور جو شخص (اس کے باوجود) انکار کرے تو بے شک اللہ بے نیاز ہے سارے جہان سے

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ

آپ فرمائیے اے اہلِ کتاب! کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا[۱۰۳] اور اللہ دیکھ رہا ہے

ثواب ملتا ہے۔ نیز اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں، اس کے گرد طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔

[۱۰۰] کیونکہ یہ اُس نبی کا کعبہ ہے جو رحمۃ للعلمین ہے۔ اس لیے اس کا کعبہ بھی سارے جہان کا قبلہ سارے عالم بشریت کی عبادت گاہ ہے اور اس سے جو پیغام دُنیا کو سُنایا گیا اس میں سب کے لیے رُشد و ہدایت کی روشنی ہے۔

[۱۰۱] کعبہ کے بیت اللہ ہونے کی روشن نشانیاں ہیں۔ مثلاً آج تک جس ظالم نے اس گھر کی توہین کرنے کا قصد کیا قہرِ الٰہی نے اُسے نیست و نابود کر دیا۔ چند سال پیشتر ابرہہ کا جو ہولناک انجام ہوا تھا وہ عرب کے بچہ بچہ کو معلوم تھا۔ دورِ جہالت میں جب ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم تھا اور کسی کو کہیں گوشۂ عافیت میسر نہیں تھا اُس وقت بھی حرمِ کعبہ کی حدود میں جو داخل ہو جاتا ہر قسم کی بالادستی اور گرفت سے محفوظ ہو جاتا۔ ایک اور نشانی وُہ مقدس پتھر تھا جس پر معمارِ حرم ابراہیم علیہ السّلام کے نقوشِ پا ثبت تھے۔

[۱۰۲] حج کی فرضیت کے متعلق سُورۂ بقرہ میں حاشیہ گزر چکا ہے۔ استطاعتِ سبیل سے مُراد یہ ہے کہ زادِ سفر بھی ہو راہ بھی پُر امن ہو اور صحت سفر کی مشقتیں بھی برداشت کر سکتی ہو۔

[۱۰۳] آیات سے مُراد وُہ عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے اسلام کی حقانیت اور حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو چکی تھی (بیضاوی) اس میں حضورؐ کے معجزات، قرآن حکیم، خُلقِ عظیم اور شریعتِ اسلامیہ کی پاکیزگی اور برتری اور ان کے علاوہ تورات و انجیل کی کھلی تصریحات سب داخل ہیں۔ ازراہِ تعجب اہلِ کتاب سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ تم اِن روشن دلائل کو جانتے پہچانتے ہُوئے ان کا انکار کر دو، تم اپنی تحریف اور عیاری سے چند لوگوں کو تو فریب دے

عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ یٰۤاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ

جو کچھ تم کرتے ہو آپ فرمایئے اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو ۱۵۵ اللہ

سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ

کی راہ سے اُسے جو ایمان لا چکا۔ تم چاہتے ہو کہ اس راہِ (راست) کو ٹیڑھا بنا دو حالانکہ تم خود (اس کی راستی کے)

مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوْا

گواہ ہو ۱۵۶ اور نہیں ہے اللہ بے خبر ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو اے ایمان والو! ۱۵۷ اگر تم کہا مانو گے

سکتے ہو۔ لیکن دانا و بینا خُدا کو کیا جواب دو گے۔ وُہ تو تمہارے ظاہر و باطن کو یکساں دیکھ رہا ہے۔

۱۵۵ اہل کتاب نہ صرف یہ کہ خود اسلام قبول کرنے سے مُنہ موڑے ہُوئے تھے بلکہ دُوسروں کو بھی اس دینِ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے سارے پاپڑ بیلا کرتے تھے۔ ان کی اس مذمُوم اور ذلیل حرکت پر ملامت کرنے کے لیے ان کو دوبارہ خطاب کیا جا رہا ہے۔ تبغونھا عوجا میں ھا ضمیر کا مرجع سبیل ہے۔ آیت کے ان الفاظ سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ وُہ لوگوں کو کیونکر اسلام سے متنفر کیا کرتے تھے یعنی یا تو وُہ اس راہِ حق میں طرح طرح کے عیُوب نکالتے یا اس کو اس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے کہ سُننے والا یہ گمان کرنے لگتا کہ یہ شاہراہِ ہدایت نہیں بلکہ گمراہی کا راستہ ہے۔

۱۵۶ شہداء کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اسلام کی حقانیت اور حضُور سرورِ عالم کی صداقت کے تم خود گواہ ہو۔ لیکن علامہ قرطبیؒ نے شہداء کا معنی عقلاء بھی کیا ہے یعنی تم تو بڑے دانشمند ہو۔ بھلا کوئی تمہارے جیسا زیرک و دانا بھی ایسی حرکتیں کر سکتا ہے جن کا انجام دُنیا میں ذِلّت اور آخرت میں رُسوائی و شرمساری ہو۔

۱۵۷ یثرب کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں عرصۂ قدیم سے دُشمنی چلی آتی تھی۔ بارہا یہ ایک دُوسرے سے جنگ کر چکے تھے جن میں وُہ ایک دُوسرے کو بڑی بے دردی سے قتل کیا کرتے تھے۔ حضُور سراپا نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یثرب کی سرزمین کو اپنے مُبارک قدموں سے نوازا تو حضُورؐ کی تعلیم کی برکت سے ان کی دیرینہ عداوت اور خاندانی دُشمنی اخوّت و محبت میں بدل گئی۔ وُہ دل جن کے رفو ہونے کا امکان نہ تھا۔ وُہ گہرے زخم جن کے مندمل ہونے کی کوئی صُورت نہ تھی حضُورؐ کی محبت کی اکسیر نے ان سب کا درماں کر دیا۔ اوس و خزرج کی باہمی مصالحت اور دوستی یہود کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ ایک روز شاس بن قیس یہُودی کا گزر ایک ایسی مجلس پر ہُوا جس میں اوس و خزرج محبّت و پیار کے جذبات سے سرشار ہو کر مصرُوفِ گفتگو تھے۔ وُہ تو جل بُھن کر رہ گیا۔ اس کی انگیخت پر ایک دُوسرا یہُودی اس مجلس میں گیا اور ایسے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جن میں ان کی پُرانی جنگوں کا ذکر تھا۔ اس کی یہ چال کامیاب ثابت ہُوئی اور اوس و خزرج میں تُرش کلامی شروع ہو گئی جس نے بڑھتے بڑھتے

فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

ایک گروہ کا اہلِ کتاب سے (تو نتیجہ یہ ہوگا کہ) لوٹا کر چھوڑیں گے تمھیں تمھارے ایمان قبول کرنے کے بعد

كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ

کافروں میں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم (اب پھر) کفر کرنے لگو حالانکہ تم وہ ہو کہ پڑھی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور

فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ

تم میں اللہ کا رسول بھی تشریف فرما ہے اور جو مضبوطی سے پکڑتا ہے اللہ (کے دامن) کو تو ضرور پہنچایا جاتا ہے اُسے سیدھی

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا

راہ تک اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے حق ہے اُس سے ڈرنے کا ۱۸۰ اور (خبردار)

جنگ کی شکل اختیار کرلی۔ تلواریں سونت لی گئیں۔ نیزے سنبھال لیے گئے اور صفیں درست کرلی گئیں۔ اسی اثنا میں اس کی اطلاع نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو پہنچی۔ حضور اپنے صحابہ کی معیت میں اس مقام پر پہنچے اور خود دونوں صفوں کے درمیان کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ اے اوس و خزرج انھیں کیا ہوگیا۔ میری موجودگی میں تم عہدِ جاہلیت کی رسم کو تازہ کر رہے ہو۔ وہ عداوت اور دشمنی جس کے شعلوں کو اسلام کے ابرِ رحمت نے بجھا دیا۔ کیا تم پھر اُنھیں بھڑکانا چاہتے ہو۔ یہ شیطان کی وسوسہ اندازی ہے اور تمھارے دشمن کی سازش ہے۔ حضور کا یہ فرمان سن کر اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ یکدم اُنھوں نے ہتھیار زمین پر پھینک دیئے اور وہ آنکھیں جن سے ایک لمحہ پہلے غصہ و غضب کے انگارے برس رہے تھے اب اشکبار تھیں۔ اور وہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے کو گلے لگا رہے تھے۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت میں وہ ابدی حقیقت پیش کی گئی ہے جس پر زمانہ کی ہر کروٹ نے مُہرِ تصدیق ثبت کی ہے۔ اُنیسویں صدی پر ہی نگاہ ڈال لیجئے برِّ اعظم پاک و ہند میں ملتِ اسلامیہ پر کیا گزری۔ یورپ کے عیسائیوں نے مسلمان حکمرانوں کو کس طرح ایک دوسرے کے خلاف اُکسا کر اسلامی مملکت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مشرقِ اوسط کے مسلمان فرمانرواؤں نے کس کی انگیخت پر خلافتِ عثمانیہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اور کس طرح اپنے وقار کا جنازہ نکالا۔ مسلمانوں نے جب بھی اغیار پر یوں اندھا اعتماد کیا انھیں ان روح فرسا حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اسلام نے کسی کے ساتھ کارِ خیر میں تعاون سے منع نہیں کیا لیکن اس نے دوسروں سے فریب اور دھوکا کھانے سے ضرور روکا ہے۔

۱۸۰ ان کلمات کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ نے رحمتِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بایں الفاظ نقل کی ہے ان يطاع فلا يعصى و ان يذكر فلا ينسى و ان يشكر فلا يكفر یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی اطاعت کی جائے کہ اس میں نافرمانی کا شائبہ تک

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا

نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۱۰۹؎ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی ۱۱۰؎ سب مل کر

وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً

اور جُدا جُدا نہ ہونا ۱۱۱؎ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی وُہ نعمت (جو اس نے تم پر فرمائی) جب کہ تم تھے آپس میں دُشمن

اُس کو ایسا یاد کیا جائے کہ غفلت طاری نہ ہو۔ اور اس کا یُوں شکریہ ادا کیا جائے کہ اس میں ناشکری کی آمیزش نہ ہو۔ دُوسری آیت نے اس آیت کو بالکل واضح کر دیا فاتقوا اللہ ما استطعتم کہ تم اپنی طرف سے تقویٰ کا حق ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھو۔

۱۰۹؎ تمھیں موت آئے تو اس حال میں آئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جُھکائے ہُوئے ہو۔ اور کیونکہ موت کا مقررہ وقت ہمیں معلوم نہیں اس لیے ہمیں ہر لمحہ اس کے لیے مستعد رہنا چاہیے۔ کسی لمحہ میں بھی نافرمانی کی جرأت نہ کی جائے مبادا ہماری موت کے لیے یہی لمحہ مقرر ہو۔

۱۱۰؎ حبل کا لغوی معنی ہے السبب الذی یوصل بہ الی البغیۃ (القرطبی) یعنی وُہ چیز جو مقصد تک پہنچنے کا سبب ہو لیکن اس کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ وُہ پٹھہ جو گردن کو کندھوں سے ملاتا ہے اسے بھی حبل کہتے ہیں۔ والحبل الرسن والحبل العھد حبل کا معنی رسی بھی ہے اور عہد بھی۔ حضرات سیدنا علیؓ و ابن مسعودؓ و ابو سعید الخدریؓ نے رسُول کریم علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت فرمائی ہے حبل اللّٰہ القرآن۔ اللہ کی رسی سے مُراد قرآن ہے۔ اسلاف سے حبل اللہ کی تفسیر میں جو متعدد اقوال منقُول ہیں ان میں تضاد نہیں بلکہ وُہ ایک دُوسرے کے مؤید اور موافق ہیں۔

۱۱۱؎ زندگی کی اس رزم گاہ میں جہاں شکست وریخت، تعمیر وتخریب اور فنا و بقاء کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے کوئی قوم عزت و وقار سے زندہ وسلامت نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد میں اتفاق و اتحاد نہ ہو۔ اور کوئی اتحاد پائندہ و پائدار نہیں ہو سکتا جب تک محکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت نہ تعمیر کی گئی ہو۔ اُمتِ مُسلمہ جو کہ دولتِ رُشد و ہدایت کی امین اور رحمتِ خداوندی کی قاسم بنا کر بھیجی گئی ہے۔ جسے ہر باطل سے ٹکرانا ہے اور ٹکرا کر اُسے پاش پاش کرنا ہے۔ جسے قلب ونظر کے سارے صنم کدے مسمار کرنے ہیں۔ جسے ہر دِل کو بیت اللہ اور ہر نگاہ کو اُس کا شناسا بنانا ہے۔ اس قوم کے لیے ضروری ہے کہ اپنے لیے نہ سہی اپنے بلند اور پاکیزہ مقاصد کے لیے زندہ رہے اور عزت و وقار سے زندہ رہے تاکہ اُس کی آواز سُنی جائے اور مانی جائے۔ اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد و اتفاق ہو۔ اور وُہ اتحاد و اتفاق سطحی نہ ہو جسے کوئی تُند و تیز لہر بہا کر لے جا سکے بلکہ حقیقی اور پائدار ہو۔ اس لیے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مُسلمانوں کو متحد ہونے کا بھی حکم دیا اور ان کے لیے وُہ مستحکم بنیاد مقرر فرمائی جس سے محکم تر کوئی اور بنیاد نہیں ہو سکتی۔ وُہ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم پر عمل کرنے کے لیے اس کا صحیح سمجھنا ضروری ہے۔ اور اس کی صحیح سمجھ اس ذاتِ اقدس واطہر کے بیان اور تفسیر کے بغیر ناممکن ہے جسے قرآن نازل

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنتُمْ

پس اُس نے اُلفت پیدا کر دی تمھارے دلوں میں تو بن گئے تم اس کے احسان سے بھائی بھائی[۱۲۱] اور تم (کھڑے) تھے

کرنے والے خُدا نے بھیجا ہی قرآن کو صحیح صحیح سمجھانے کے لیے تھا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا اور خوب فرمایا۔ امر اللّٰہ تعالٰی بالاجتماع علی الاعتصام بالکتاب والسنۃ اعتقادا وعملا وذلک سبب اتفاق الکلمۃ وانتظام الشتات الذی یتم بہ مصالح الدنیا والدین یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اعتقاداً اور عملاً کتاب وسنّت کی رسّی مضبوطی سے پکڑلیں۔ ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتفاق واتحاد کی نعمت میسّر آسکتی ہے جس سے ہمارے دین ودُنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔

[۱۲۱] رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی۔ وُہ آپس میں اُنس ومحبّت اور شفقت ورحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہِ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لمحہ بغض وعناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دُور دُور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہو جایا کرتی تھیں۔ ہر قبیلہ دُوسرے قبیلے سے برسرِ پیکار تھا۔ ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزما تھا۔ جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں۔ ایک بار اگر جنگ کی آگ سُلگ پڑتی تھی تو صدیوں تک اُس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ اوس وخزرج میں لڑائی کا سلسلہ ایک سو بیس[۱۲] سال تک جاری رہا۔ کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہ تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا اور رحمتِ خداوندی بن کر برسا حضور سراپا نور وسرور کا ظہور ہوا تو عرب کے اُجڑے دیار میں بہار آگئی۔ عداوت کی جگہ محبّت نے، وحشت کی جگہ اُنس نے، انتقام کی جگہ عفو نے، خودغرضی کی جگہ اخلاص وایثار نے اور غرور وتکبّر کی جگہ تواضع وانکسار نے لے لی۔ یہ وُہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ دی۔ جس کی برکت سے عرب کے صحرانشینوں نے تاریخِ عالم کا رُخ موڑ دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اسی احسانِ عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی برکت اور فیضِ نگاہ سے تمھارے ٹوٹے ہُوئے دل جوڑ دیئے اور تمھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور ذلّت ورُسوائی کی پستیوں سے نکال کر ترقی وعزّت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی اور تم اس گڑھے میں گر پڑتے۔ لیکن رحمتِ الٰہی نے تمھاری دستگیری کی اور تمھیں آتشِ جہنّم میں گرنے سے بچا لیا۔ ان احسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو۔ اور اسلام کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ نہ دو۔ اس آیت کے اوّلین مخاطب صحابہ کرام ہیں۔ اور ان کے متعلق ہی خُدائے بصیر وخبیر فرما رہا ہے کہ میں نے ان کے دل جوڑ دیئے۔ اُنھیں بھائی بھائی بنا دیا۔ اُن کو دوزخ سے نکال لیا۔ اب جو لوگ ان نفوسِ قدسیہ پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ ان کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں وُہ خُود ہی ذرا انصاف کریں اور بتائیں کہ وُہ کون لوگ تھے جن کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے شیر وشکر کیا تھا۔ وُہ کون تھے جن کو دوزخ کے کنارے سے ہٹا کر جنّت میں پہنچایا تھا۔ حقیقت میں صحابہ کرام پر اعتراض کرنا ان پر اعتراض نہیں بلکہ قرآن پر، اسلام پر اور پیغمبرِ اسلام پر براہِ راست

عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچا لیا تمہیں اس (میں گرنے) سے یونہی بیان کرتا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پر ثابت رہو ضرور ہونی چاہیئے ۱۱۳ تم میں ایک جماعت

اعتراض ہے۔ اور جن کے ذہن فتنہ زا نے ان شکوک کو جنم دیا تھا اُن کے پیشِ نظر صحابہ کو مطعون کرنا نہیں تھا بلکہ چابکدستی سے اسلام اور پیغمبر اسلام کی عظمت کو داغدار کرنا تھا کہ یہ ہیں تمہارے اس نبی کے اوّلین شاگرد جس کی قصیدہ خوانی سے تم رات دن آسمان سر پر اُٹھائے رکھتے ہو۔ ان اعتراضات کرنے والوں پر تو ہمیں حیرت نہیں، افسوس ہمیں ان مسلمانوں پر ہے جو دشمن کے اس دامِ فریب میں پھنس جاتے ہیں اور ان مقدس ہستیوں کے متعلق بے باکی کی جرأت کرتے ہیں جن کے دفترِ حیات کی ہر سطر آفتاب و مہتاب سے تابندہ تر ہے ؎

عاشقاں اوز خوباں خوب تر خوش تر و زیبا تر و محبوب تر (اقبالؒ)

۱۱۳؎ یہ دینِ قیم جس نے عالمِ بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ و اشاعت ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغامِ رحمت کو دُنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالمگیر پیغامِ ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہ اس پیغام سے بھی ناانصافی ہو گی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہو گا جو گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں۔ جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملت جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اُس کے آئینۂ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے۔ اُن کی گرمیٔ عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اِردگرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی وُہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا، ان کی گرمیٔ عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قوم میں راہ پا سکتی ہیں جو اس دین کی علمبردار ہے۔ یہ دونوں کام یعنی ملتِ اسلامیہ کو شاہراہِ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغامِ رُشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں اس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسُولِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہرِ کامل ہو۔ ان میں علومِ اسلامیہ میں مہارتِ تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی، اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور رُوحانی تربیت کی ضرورت ہے وُہ پُوری ہونی چاہیئے۔ اگر ملت اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی وُہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کے لیے جواب دِہ ہو گی۔ تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشنِ اسلام میں فصلِ بہار رہی

يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

جو بلایا کرے نیکی کی طرف اور حکم دیا کرے بھلائی کا اور روکا کرے بدی

الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ

سے اور یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں اور نہ ہو جانا اُن لوگوں کی طرح جو

تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلاف کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں ۱۱۴ اور ان لوگوں

لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ ۙ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ

کے لیے عذاب ہے بہت بڑا ۱۱۵ اُس دن (جب کہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ ۱۱۶

جب تک مدارس اسلامیہ غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہیں رومی، ہجویری، اجمیری، زکریا ملتانی، شیخ سرہندی رضی اللہ عنہم وعن مشائخہم وخلفائہم وامثالہم ایسی فخر روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں۔ کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی لیکن اب؟ ندیم جیں حالم مپرس۔ میرا چہرہ دیکھ لو۔ اس پر میری حرماں نصیبیوں کی داستان کا ہر حرف کندہ ہے۔ میرا حال تو پوچھو نہیں۔ یہ اتنا درد انگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔ اے اللہ! ہم پر رحم فرما۔ اے گنبد خضراء کے مکین چارہ سازی کر!

۱۱۴ مسلمانوں کو گروہ بندی اور اختلاف سے منع کیا جا رہا ہے۔ اب ان کے سامنے گروہ بندی اور اختلاف کی لعنت میں گرفتار قوموں کی خونچکاں داستان اور عبرتناک کہانی بیان کی جا رہی ہے تاکہ مسلمان اسے سنیں اور نصیحت پکڑیں۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور فروعی اور جزوی مسائل کو انھوں نے اتنی اہمیت دے رکھی تھی کہ انھیں کی وجہ سے کفر کے فتوے لگائے جاتے اور ملت کی وحدت کو اس طرح انتہائی بے دردی سے پارہ پارہ کر دیا جاتا۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب اور ایک کعبہ رکھنے والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علماء سوء نے ان کے درمیان نفرت و عداوت کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ذات پاک مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے فضائل و کمالات پر جب بحث ہونے لگی اور مناظروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی تو اب وہ کونسی چیز ہے جو ہمیں اکٹھا رکھ سکتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قوی ہے۔ وہ چاہے تو چشم زدن میں ہماری آنکھوں سے پردے ہٹا دے۔

۱۱۵ واولئک لھم عذاب عظیم۔ اس عذاب عظیم کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ الحاد و دہریت کے طوفانوں

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ

تو وہ جو سیاہ رُو ہوں گے (انھیں کہا جائے گا) کہ کیا تم نے کفر اختیار کر لیا تھا ایمان لانے کے بعد

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ١٠٦ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

تو اب چکھو عذاب (کی اذیتیں) بوجہ اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے اور وہ (خوش نصیب) لوگ

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ١٠٧

روشن ہوں گے جن کے چہرے تو وہ رحمت الٰہی (کے سائے) میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک اور نہیں ارادہ رکھتا اللہ ظلم کرنے کا

نے ہمارے بنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیئے ہیں اخلاقی انحطاط اور اباحیت نے ہمارے معاشرہ کا حُلیہ بگاڑ دیا ہے اشتراکیت وشیوعیت کا سیلاب اُمڈا چلا آرہا ہے۔ہم یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ان اسلام دُشمن تحریکوں کے مہلک اثرات کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے لیکن ہم کچھ نہیں کر سکتے۔بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ہم خوب جانتے ہیں کہ بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہا اسلامی مراکز کا رُوسی کمیونزم نے کیا حشر کیا۔عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں۔وہاں کی مسجدیں سجدوں کے لیے، فلک بوس مینارے صدائے اذان کے لیے، مدارس قرآن وسنت کے لیے اور خانقاہوں کے در و دیوار ذکر الٰہی کے لیے ترس رہے ہیں۔سارے چراغ گُل ہو گئے۔سارے چشمے خشک ہو گئے اشتراکیت کے گماشتے یہاں بھی اِسی المیہ کو دوہرانے کے لیے شب و روز مصروف کار ہیں۔لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اور مفادات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی نظریات کا چمن اُجڑتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔یہی عذاب عظیم ہے۔کسی قوم کے لیے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔کاش ہم نے ذاتِ پاک حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء کو تو ہدفِ تنقید نہ بنایا ہوتا۔کاش یار لوگوں کی زبانیں بارگاہِ رسالت میں گستاخی سے تو باز رہتیں ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

١٠٦ قیامت کے روز دل کی کیفیت چہروں پر عیاں ہوگی۔جن کے دل نور سے منوّر ہیں قیامت کے دن اُن کے چہرے آفتاب کی طرح روشن ہوں گے۔اور جن کے باطن میں گمراہی کی تاریکی چھی ہوئی ہے اُس روز ان کے چہرے سیاہ ہوں گے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ

دُنیا والوں پر ۱۱۷ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۱۱۸ اور اللہ کی طرف ہی

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ

لوٹائے جائیں گے سارے کام ہو تم بہترین اُمّت ۱۱۹ جو ظاہر کی گئی ہے لوگوں (کی ہدایت و بھلائی) کے لیے تم حکم

الربع

بعض علما نے فرمایا ہے کہ کامیابی اور نجات پر فرحت و سرور کی کیفیت جو چہروں پر نمایاں ہوگی اس کو بیاض وجہ یعنی چہرہ کی سفیدی سے اور کفار و فساق رحمتِ الٰہی سے محرومی کے باعث جس اندوہ والم کا شکار ہوں گے اور جس کے اثرات چہروں پر بالکل واضح ہوں گے اسے سواد وجہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہرحال مومن و کافر ہر ایک اپنی اپنی شکل سے پہچانا جائے گا۔ اب حضورِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے متعلق یہ گمان کرنا کہ حضورؐ بعض کافروں کو نہیں پہچان سکیں گے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مقبولوں کی محبت اور رفاقت نصیب فرما دے جن کے چہروں کی درخشانیوں کے سامنے مہر نیمروز شرمندہ ہوگا۔ آمین ثم آمین

۱۱۷ یعنی قیامت کے دن بعض پر انعام و اکرام کی بارش اور بعض پر غضب و ناراضگی کی بجلیاں کا رِبلا وجہ نہیں ہوگی بلکہ ہر ایک کے اپنے اعمال کا یہ نتیجہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک اس سے بلند اور پاک ہے کہ وہ کسی پر زیادتی کرے یا کسی کے اعمال کو ضائع کر دے وہ تو کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ ہاں لوگ خود جان بوجھ کر اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور اپنے اعمالِ بد سے اپنے نامۂ عمل کی سیاہی میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

۱۱۸ یہ آیت پہلی آیت کے مضمون کی دلیل بھی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جو مالک و خالق ہے زمین و آسمان کی ہر چیز کا۔ اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی پر ظلم کرے اور کسی کی حق تلفی کرے۔ نیز سابقہ تمام آیات کا یہ حاصل اور نتیجہ بھی ہے۔

۱۱۹ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کو خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سرفراز کیا جا رہا ہے۔ کہ جتنی بھی اُمتیں آج تک صفحۂ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بہت بلند ہے۔ تم اس لیے پیدا ہوا اور اس لیے کوشاں ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے۔ گمراہی کی ظلمت کافور ہو۔ باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاقِ حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔ وہ حیوانی رسم و رواج جنھوں نے طاقتور کو ظالم اور چیرہ دست اور کمزور کو مظلوم و فاقہ مست بنا رکھا ہے مٹ جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی صداقت (یعنی توحید) پر تم خود بھی ایمان لا چکے ہو اور دوسروں کو بھی اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہو۔ اگرچہ پہلی اُمتیں بھی امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ سے مشرف تھیں۔ لیکن جو شان تمہارے امر بالمعروف کی ہے۔ جو جلال تمہارے نہی عن المنکر میں ہے اور جو گہرائی، گیرائی اور کمال تمہارے ایمان باللہ میں ہے وہ تم سے پہلے کسی اُمت کو نصیب نہیں ہوا۔ نیز جس ہمت، خلوص اور سرفروشی سے تم نے اس بارِ امانت کو اُٹھایا ہے یوں آج تک کوئی نہ اُٹھا سکا۔ اس لیے تم اس کے جائز مستحق ہو کہ اقوامِ عالم کی بھری محفل میں تمہارے سر پر افضلیت کا تاج رکھا جائے۔ ان وجوہات

بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ

دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر ۱۲۰ اور اگر ایمان لاتے

اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ

اہل کتاب ۱۲۱ تو یہ بہتر ہوتا ان کے لیے بعض ان میں سے مومن ہیں اور زیادہ ان میں سے

کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اُمت کے خیر الامم ہونے کی ایک اور وجہ بھی ہے جو اس آیت میں ہی مذکور ہے یعنی دُوسری قوموں کے فیضانِ ہدایت سے ایک محدود علاقہ، ایک مخصوص قوم، وُہ بھی ایک مقررہ وقت تک مستفیض ہو سکتی تھی لیکن تمہارا ابرِ کرم بحر و بر، نشیب و فراز، سیاہ و سپید، نزدیک و دُور ہر خطّہ پر برسے گا۔ اور ہر خطّے کے پیاسوں کی پیاس بُجھائے گا۔ تمہاری برکتیں صرف اپنے لیے اور صرف اپنوں کے لیے نہیں بلکہ سب کے لیے ہیں۔ اور یہ وُہ شرف ہے جو کسی کو پہلے حاصل نہیں ہوا۔ یہ وُہ جُود و سخا ہے جس سے پہلے دُنیا متعارف نہیں "اخرجت للناس" میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۱۲۰ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وُہ لوگ جو اس اعزاز سے سب سے پہلے مشرف کیے گئے وُہ تو خود غاصب تھے۔ جبر و تشدد اُن کا شیوہ تھا معصوموں کے اموال ضبط کرنا اُن کا دستور تھا۔ اور جو غاصب نہیں تھے بلکہ دُوسروں کے جبر و تشدد کا شکار تھے وُہ جراَت و شجاعت سے محروم تھے۔ وُہ یُوں سہمے سہمے اور ڈرے ڈرے رہتے تھے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آیاتِ قرآنی بدل دی گئیں بلکہ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر قرآن میں بڑھا دی گئیں۔ احکامِ شرعی میں من مانی تبدیلیاں کر دی گئیں لیکن یہ حضرات ٹس سے مس نہ ہُوئے۔ کیا ایسی اُمت جس کا ایک طبقہ غاصب اور جابر ہو اور دُوسرا طبقہ ڈرپوک اور بے حِس ہو کیا وُہ اُمت اس قابل ہے کہ اُسے ایک شریف قوم بھی کہا جائے۔ چہ جائیکہ اُسے خیر الامم کے منصب پر فائز کیا جائے۔ اس صُورت میں یا تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ خُدا کو ان کے باطن کا یا ان کے مستقبل کا علم نہ تھا اور نادانستگی اور بے علمی کی وجہ سے ان کو یہ اعزاز بخشا جو اس کے قطعاً اہل نہ تھے۔ اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ جانتا تو تھا لیکن ان کی خوشامد کر کے کام نکالنا چاہتا تھا (نعوذ باللہ) اور اگر یہ دونوں احتمال غلط ہیں اور یقیناً غلط ہیں تو یہ یقین کرنا پڑے گا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ کرام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی جاتی ہے وُہ جھوٹ ہے اور محض جھوٹ ہے اور اسلام کے دشمنوں کی اسلام کے خلاف ایک گہری سازش ہے۔

۱۲۱ یہود و نصاریٰ کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو ان کی سیادت اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی اور مالی لحاظ سے بھی انھیں سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا۔ اسی لیے جاننے پہچاننے کے باوجود بھی وُہ انکار پر مُصر تھے۔ اللہ جل مجدہٗ فرماتے ہیں کہ یہ صرف اُن کی غلط اندیشیاں ہیں۔ اُن کی بہتری اور سعادتِ دارین تو اس میں تھی کہ وُہ حق کو قبول کر لیتے۔ دُنیا میں بھی عزت و وقار نصیب ہوتا اور آخرت میں بھی دوہرا اجر پاتے۔ لیکن اس روشن حقیقت کو بجز قلیل تعداد کے کسی نے نہ سمجھا کہ سچی اور دائمی عزت حق کو تسلیم کرنے میں ہی ہے۔

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ

نافرمان ہیں۔ ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا سوائے ستانے کے ۱۲۲؎ اور اگر لڑیں گے تمہارے ساتھ تو پھیر دیں گے تمہاری طرف اپنی پیٹھیں

الْاَدْبَارَ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا

(اور بھاگ جائیں گے) پھر اُن کی امداد نہ کی جائے گی۔ مسلط کر دی گئی ہے اُن پر ذلّت اور رسوائی ۱۲۳؎ جہاں کہیں بھی پائے گئے

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ

بجز اس کے کہ اللہ کے عہد سے ۱۲۴؎ یا لوگوں کے عہد سے (کہیں پناہ مل جائے) اور یہ مستحق ہو گئے ہیں غضبِ الٰہی کے

۱۲۲؎ یثرب کے یہودی بڑے اثر و نفوذ کے مالک تھے۔ ان کے پاس نہ دولت کی کمی تھی نہ سامانِ جنگ کی۔ ان میں بڑے جنگ آزما بہادر بھی تھے۔ اُنھوں نے یثرب اور اس کے اردگرد دُور دُور تک قلعے اور گڑھیاں بھی بنا رکھی تھیں۔ یہاں تک کہ خیبر کی دُور دراز آبادی میں بھی ان کے کئی مستحکم قلعے تھے۔ نیز ان کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو بھی یہی تھی کہ وُہ غریب الوطن، بے سر و سامان، مٹھی بھر مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام کو واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ یہود باایں ہمہ قوّت و سطوت کبھی تم پر غالب نہیں آ سکتے۔ زیادہ سے زیادہ وُہ یہ کر سکتے ہیں کہ زبان درازی، فتنہ طرازی اور بہتان تراشی سے تمہارے دلوں کو دُکھ پہنچا لیا کریں۔ اور اگر اُنھوں نے دل کڑا کر کے میدانِ جنگ میں آنے کی کبھی ہمت کی تو پھر شکست کھا کر پاؤں سر پر رکھ کر بھاگیں گے۔ دُنیا نے دیکھا کہ اگرچہ ظاہری حالات ناموافق تھے۔ لیکن قرآن نے جو پیشین گوئی فرمائی وُہ پُوری ہو کر رہی۔

۱۲۳؎ اس پر مفصّل حاشیہ سُورۃ بقرہ کی آیت ۶۱ میں گزر چکا ہے۔ یہاں ذِلّت اور مسکنت کے الفاظ کی ذرا توضیح مقصود ہے۔ بسا اوقات انسان اس قدر شکستہ خاطر اور افسردہ دِل ہو جاتا ہے کہ وُہ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور فرو تر سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اُس کی عزّتِ نفس دم توڑ دیتی ہے۔ وُہ دولت کی کثرت کے باوجود اپنے کو فقیر اور جاہ و منصب کے ہوتے ہُوئے اپنے کو حقیر سمجھتا ہے۔ اِس حالت کو عربی میں مسکنت کہتے ہیں۔ ان المسکنة حالة للشخص منشؤها استصغاره لنفسه حتّٰی لا یدعی له حقا۔ اور اگر کوئی جابر کسی کی دولت چھین لے اور اسے ذلیل و رُسوا کر دے تو اُسے ذِلّت کہتے ہیں۔ والذلة حالة تعتری الشخص من سلب غیره بحقه (المنار) یہود کو ان کے گناہوں کی پاداش میں دو قسم کی سزائیں دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ اُن کو عزّتِ نفس سے محروم کر دیا گیا۔ وُہ کروڑپتی ہوتے ہُوئے بھی ایک ایک پائی کے لیے جان دے دیتے ہیں۔ اور ایسی رذیل و حقیر حرکتیں خوشی خوشی کرتے ہیں جن کو کوئی باغیرت و باحمیّت انسان دیکھنا تک گوارا نہیں کر سکتا۔ اور جہاں بھی رہے بحیثیت قوم ذلیل و مقہور ہو کر رہے۔

۱۲۴؎ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فی الکلام اختصار والمعنی الا ان یعتصموا بحبل من اللّٰه الخ یعنی اس کلام میں ان

اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

اور مسلط کر دی گئی ہے ان پر محتاجی یہ اس لیے کہ وُہ کفر کیا کرتے تھے ۱۲۵؎

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ

اللہ کی آیتوں سے اور قتل کیا کرتے تھے انبیاء کو ناحق یہ (رُسوائی) اس لیے تھی کہ وُہ نافرمانی کرتے

كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾ لَيْسُوْا سَوَاۗءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ

تھے اور سرکشی کیا کرتے تھے سب یکساں نہیں ۱۲۶؎ اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے

يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿١١٣﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وُہ سجدے کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر

یعتصموا محذوف ہے۔ اب آیت کا معنی واضح ہو گیا۔ کہ ویسے توان کے مقدر کی پیشانی پر ذلّت ومسکنت کی مُہر لگا دی گئی ہے ہاں دو صورتوں میں اُنھیں امن و سکون میسّر ہو سکتا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ اللہ کے عہد میں داخل ہو جائیں۔ اس کی ایک تفسیر تو یہ کی گئی ہے کہ اسلام قبول کرلیں۔ اور دُوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ مملکتِ اسلامیہ کے پُرامن شہری بن جائیں۔ پھر ان کے حقوق، ان کی عزّت وناموس، ان کے جان ومال کی پوری حفاظت کی جائے گی اور وُہ تمام رعائتیں جو ایک مسلمان کو حاصل ہیں وُہ اُن کو بھی حاصل ہوں گی۔ اور حبل من الناس سے یہ مُراد لی گئی ہے کہ کوئی دُوسری طاقت ان کی پشت پناہی کرے تو اس کے سہارے انھیں طمانیّتِ خاطر نصیب ہو سکتی ہے۔ اہلِ نظر سے مخفی نہیں کہ قلبِ اسلام میں اسرائیلی حکومت کا قیام یہود کا اپنا کارنامہ نہیں بلکہ مغربی سیاست کی ایک سازش ہے جو مسلمانوں سے زیادہ اسلام کے خلاف کی گئی ہے۔ اسرائیلی حکومت کی بقاء کا انحصار یورپ و امریکہ کی امداد پر ہے۔ اگر وُہ دست کش ہو جائیں تو یہ ریاست اپنی موت آپ مر جائے۔ یہ ایک غم انگیز اور ہوش رُبا حقیقت ہے کہ اگر شرقِ اوسط کے مسلمان فرماں روا باہمی رقابت کا شکار نہ ہوتے اور مجاہدینِ اسلام سے غدر نہ کرتے۔ تو یہ ریاست دُنیا کے نقشہ پر موجود ہی نہ ہوتی لیکن اب شرقِ اوسط کے سیاسی مطلع پر ایسے مردانِ کار رُونما ہو چکے ہیں جن سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وُہ بتوفیقہ تعالیٰ اس زقوم کے درخت کو ایک روز جڑ سے اُکھیڑ پھینکیں گے۔

۱۲۵؎ اس حقیقت کو پھر دُہرایا جا رہا ہے کہ یہ پھٹکار اُن پر بلاوجہ نہیں پڑی بلکہ ان کے یہ یہ جرم تھے جن کی یہ سزا ہے۔

۱۲۶؎ یعنی سارے اہلِ کتاب کا یہ حال نہیں بعض ان میں سے بڑی خوبیوں کے مالک تھے لیکن ان کی تعداد بہت قلیل تھی اور نافرمان کثیر تعداد میں تھے۔

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور روزِ آخرت پر اور حکم دیتے ہیں بھلائی کا اور منع کرتے ہیں بُرائی سے اور

يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

جلدی کرتے ہیں نیکیوں میں اور یہ لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں اور جو یہ کریں گے

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

نیک کاموں سے تو ہرگز اِنکار نہ کیا جائے گا اس کا (بخیر کا) اور اللہ جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو بے شک جن لوگوں نے

كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ

کفر اختیار کیا ہرگز نہ بچا سکیں گے اُنھیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے

شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

ذرہ بھر اور وُہ دوزخی ہیں وُہ اس میں ہمیشہ رہیں گے مثال اس کی جو وُہ

يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ

خرچ کرتے ہیں ۱۲۷؎ اس دُنیوی زندگی میں ایسی ہے جیسے ہوا ہو اس میں سخت ٹھنڈک ہو (اور) لگے وُہ

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَھُمُ اللّٰهُ وَ

ایک قوم کے کھیت کو جنھوں نے ظلم کیا ہو اپنے نفسوں پر پھر فنا کر دے اس کھیت کو۔ نہیں ظلم کیا اُن پر اللہ تعالیٰ نے۔

۱۲۷؎ الصر: البرد الشدید۔ جلا دینے والی سخت ٹھنڈ کو صر کہتے ہیں۔ ایمان لائے بغیر ریا و نمود کے لیے پانی کی طرح روپیہ بہانے والوں کے حسرت ناک انجام کی کتنی بہترین اور اثر آفرین مثال ہے۔

لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿١١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا

لیکن وُہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اے ایمان والو! ۱۲۸ نہ بنا ؤ

بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ

اپنا راز دار غیروں کو وُہ کسر نہ اُٹھا رکھیں گے تمھیں خرابی پہنچانے میں وُہ پسند کرتے ہیں جو چیز تمھیں ضرر دے۔

بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ

ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مُونہوں (یعنی زبانوں) سے اور جو چھپا رکھا ہے ان کے سینوں نے وُہ اس سے بھی بڑا

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١١٨﴾ ھٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ

ہے ہم نے صاف بیان کر دیں تمھارے لیے اپنی آیتیں اگر تم سمجھ دار ہو سُنو! تم تو وُہ (پاک دل) ہو ۱۲۹ کہ محبت کرتے ہو ان سے

۱۲۸ اس آیت کے چند الفاظ وضاحت طلب ہیں۔ کپڑے کا وُہ طرف جو اندر کی جانب ہوتا ہے اور جسم سے ملا ہوتا ہے۔ اس کو بطانۃ الثوب کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس دوست کو بطانۃ کہتے ہیں جس پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہو۔ اور ہمراز ہو۔ ھو الذی یعرفہ الرجل اسرارہ ثقۃ بہ (بیضاوی) لایالونکم الالو فی الامر قصور ابطا کا معنی ہے کسی امر میں کسر اُٹھا رکھنا کوتاہی کرنا عملی جسمانی اور عقلی خرابی اور فساد کو خبال اور خبل کہتے ہیں (قرطبی) اب آیت کے مفہوم پر غور فرمائیے۔ اسلام سے پہلے یثرب کے یہودیوں کے ساتھ اوس و خزرج کے بڑے گہرے مراسم و تعلقات تھے۔ افراد کی آپس میں دوستیاں تھیں اور قبیلوں کے بھی آپس میں معاہدے تھے۔ ہر کام میں ایک دُوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے کسی سے کوئی بات چھپا کر نہیں رکھا کرتے تھے۔ لیکن اوس و خزرج کے اسلام قبول کرنے کے بعد ان تعلقات میں یکسر انقلاب آگیا۔ اس بات کا احتمال تھا کہ مسلمان اپنی صاف دلی کی بنا پر اسلام کے بھید بھی حسبِ سابق کہیں یہود سے نہ کہہ دیا کریں جس سے مسلمانوں کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا کہ وُہ اپنے اور اسلام کے دُشمنوں کو اپنا راز دار بنائیں۔ اس آیت کا نزُول اگرچہ اس خاص موقع پر ہوا لیکن اس کا حکم عام ہے۔ وُہ غیر مسلم جن کی اسلام دُشمنی ان کے اقوال اور افعال سے واضح ہو چکی ہو اُن پر یُوں اعتماد اور بھروسہ کرنا کہ ہر راز کی بات اُن سے کہہ دی جائے کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو ایسی سادہ لوحی سے منع فرمایا ہے مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کیسے ہونے چاہئیں؟ اس پر تفصیلی بحث اسی سُورۃ کی آیت نمبر اٹھائیس کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۱۲۹ ھا تنبیہ کے لیے ہے انتم مبتدا، اور اولاء خبر ہے (کشاف) اسلام کو نفرت و عداوت کا دین کہنے والے اگر اس آیت کو غور سے پڑھیں تو ان پر اپنی غلطی آشکارا ہو جائے مسلمان تو وُہ صاف دل قوم ہے جو اپنی دُشمن قوموں کے لیے بھی اپنے دل میں

وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

اور وہ (ذرا) محبت نہیں کرتے تم سے اور مانتے ہو تم سب کتابوں کو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

ہم ایمان لائے ہیں اور جب وہ تنہا ہوتے ہیں تو چباتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے (اے حبیب!) آپ فرمایئے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹ اِنْ

مرجاؤ اپنے غصہ (کی آگ میں جل کر) ۱۳۰ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کا (ان کا حال تو یہ ہے کہ) اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ

پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے انہیں اور اگر پہنچے تمہیں کوئی تکلیف تو بڑے خوش ہوتے ہیں اس سے

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

اور اگر تم صبر کرو ۱۳۱ اور اللہ سے ڈرتے رہو تو نہ نقصان پہنچائے گا تمہیں ان کا فریب کچھ بھی بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ

محبت ورحمت کے جذبات موجزن پاتی ہے۔ وہ دین جس کے ماننے والے اپنے بدخواہوں کے متعلق بھی ایسے جذبات رکھتے ہوں کیا اس دین کو نفرت وعداوت کا دین کہنا قرین انصاف ہے؟ اس آیت میں مسلمانوں کے ان پاکیزہ انسانی احساسات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں دشمنوں کی خطرناک چالوں سے محتاط اور چوکنا رہنے کی تنبیہ کی جارہی ہے کہ ان کے متعلق تمہارے دل تو صاف ہیں۔ اور تم اُن کی مقدس کتابوں پر بھی سچے دل سے ایمان رکھتے ہو لیکن ان کی حالت یہ نہیں۔ وہ تمہارے روبرو تو ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن جب وہ تم سے الگ ہوتے ہیں تو مارے حسد کے انگلیاں چباتے ہیں۔ تمہاری ترقی اور اسلام کی روزافزوں کامیابی ان کے لیے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔

۱۳۰ شیخ سعدیؒ نے شاید اسی آیت کی ترجمانی اپنے اس شعر میں فرمائی ہے ؎

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست   کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

یعنی حاسد کا علاج صرف ایک ہی ہے کہ وہ حسد کی آگ میں جل کر خاکستر ہوجائے۔

۱۳۱ زندگی کی اس امتحان گاہ میں یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مخالفت کے طوفان نہ اُمڈیں مصائب کے سیاہ بادل گھر کر نہ آئیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا لیکن ایسے حوادثات کے باوجود اگر تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو گے اور اللہ تعالیٰ

يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ ع ۱۲/۱۱/۲

وُہ کرتے ہیں (اس کا) احاطہ کیے ہوئے ہے اور یاد کرو اے محبوب! ۱۳۲؎ جب صبح سویرے رُخصت ہُوئے آپ اپنے گھر والوں سے اور میدانِ اُحد میں بٹھا رہے تھے مومنوں کو

کے بتائے ہُوئے سیدھے راستہ پر ثابت قدمی سے چلتے رہو گے تو دُشمن کا مکروفریب تمھیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ گویا اس رزم گاہِ حیات میں کامیابی کا سہرا اُسی کے سر باندھا جاتا ہے جو صابر اور متقی ہو۔ مشکلات سے ہراساں ہونے والا اور اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرنے والا کبھی فلاح نہیں پا سکتا۔

۱۳۲؎ ابوسفیان بدر کے مقتولوں کا بدلہ لینے اور اپنی شکست کا بدنما داغ مٹانے کے لیے تین ہزار مسلح جنگ آزماؤں کا لشکرِ جرّار لے کر مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ اس دفعہ آتشِ انتقام کو بھڑکانے اور جوشِ حمیّت کو تیز تر کرنے کے لیے وُہ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے جن کی قیادت ابوسفیان کی بیوی ہندہ کر رہی تھی۔ وُہ اشعار گا گا کر، دف بجا کر اُن کو اشتعال دلا رہی تھی۔ جب وُہ اُحد کے میدان میں خیمہ زن ہو گئے تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مجلسِ مشاورت طلب فرمائی۔ حضور کی اور اکابر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر اُن کا مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی جسے پہلی بار مشورہ کے لیے دعوت دی گئی تھی اُس نے بھی اس کی تائید کی۔ لیکن نوجوان طبقہ جو شوقِ شہادت سے بے تاب ہو رہا تھا اس بات پر مصر تھا کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ کثرتِ رائے کے پیشِ نظر حضورؐ نے یہی فیصلہ فرما دیا۔ اور خود زرہ پہن کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ ۷ شوال بروز سنیچر ۳ھ مدینہ طیبہ سے اُحد کی طرف روانہ ہُوئے۔ راستہ میں ہی عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ الگ ہو گیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد کفار کی تعداد سے چوتھائی سے بھی کم ہو گئی۔ پہاڑ کی جانب پشت کر کے صفیں آراستہ کی گئیں۔ پہاڑ کی وُہ گھاٹی جہاں سے دُشمن کے اچانک حملہ آور ہونے کا خدشہ تھا وہاں عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس سپاہیوں کے ساتھ متعین فرمایا۔ اور اُنھیں تاکیدی حکم دیا کہ ہمیں خواہ فتح ہو یا شکست تمھیں ہر حالت میں یہاں ٹھیرے رہنا ہو گا۔ مصعبؓ بن عمیر کو پرچم مرحمت ہوا۔ لشکر کے ایک بازو پر حضرت زبیرؓ کو اور دُوسرے پر حضرت منذرؓ بن عمرو کو مقرر فرمایا۔ اور اپنی تلوار خوش نصیب ابودجانہؓ کو عنایت فرمائی۔ پہلے حملہ میں ہی کفار کے قدم اُکھڑ گئے اور اُنھوں نے مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہونا شروع کر دیا۔ گھاٹی پر متعینہ دستہ نے جب دیکھا کہ اب کفار کو شکست ہو چکی ہے تو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے وُہ وہاں سے دوڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت سمجھایا لیکن چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی بات پر کان نہ دھرے۔ خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے رسالہ کے کماندار تھے جب اس گھاٹی کو خالی دیکھا تو پہاڑ کا چکر کاٹ کر مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ اب کیا تھا لشکرِ اسلام میں انتشار پڑ گیا۔ نظم و ضبط قائم نہ رہ سکا۔ عبداللہ بن قمہ اور عتبہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم پر حملہ کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ پیشانیٔ اقدس اور رُوئے انور زخمی ہو گیا۔ اور یہ افواہ بھی اُڑ گئی کہ حضورؐ شہید ہو گئے۔ جس نے صحابہ کے رہے سہے ہوش بھی اُڑا دیے لیکن جاں نثار غلاموں کا ایک گروہ اُس وقت بھی پروانہ وار نثار ہو رہا تھا۔ حضرت مصعبؓ علمبردار نے حضورؐ کے سامنے شہادت پائی۔ ان کے بعد پرچم حضرت سیدنا علی مرتضٰیؓ نے لے لیا۔ حضرت

مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ

مورچوں پر جنگ کے لیے اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے ۱۳۳؎

مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ

تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا اس لیے اس نے اس لغزش سے بچا لیا اور ۱۳۴؎ صرف اللہ پر توکل کرنا چاہیے

ابو دجانہؓ نے اپنے آپ کو حضورؐ پر ڈھال بنا رکھا تھا۔ ہر تیر اپنی پشت پر روکتے۔ حضرت طلحہؓ تلوار کا ہر وار اپنے بازو پر روکتے۔ حضرات ابوبکر صدیقؓ، علی مرتضیٰؓ، ابو عبیدہؓ، مالکؓ بن سنان وغیرہم نے دشمن کے زبردست ریلے کو پیچھے ہٹایا۔ جب ادھر ادھر میدانِ جنگ میں کفار سے مصروفِ پیکار مسلمانوں کو حضورؐ کی سلامتی کی اطلاع ہوئی تو سب دوڑ کر حضورؐ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور کفار پھر اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ درست ہے کہ اس کو کفارِ مکہ کی فتح نہیں کہا جا سکتا لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ اور ستر سے زیادہ جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے جن میں حضرت سیدنا حمزہؓ اسد اللہ و رسولہ بھی تھے جن کو حبشی نے پیچھے سے نیزہ مارا تھا مسلمانوں کو جو یہ زک اٹھانی پڑی۔ اس کی ایک ہی بڑی وجہ تھی کہ انھوں نے اپنے رسولؐ اور قائد کے حکم کی اطاعت میں تساہل کیا۔ اگر وہ دستہ گھاٹی پر جما رہتا تو یہ المناک حالات رونما نہ ہوتے۔

۱۳۳؎ جب عین وقت پر عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو سپاہیوں کے ساتھ الگ ہو گیا تو مسلمانوں کی تعداد میں مزید کمی ہو گئی تو قبیلہ اوس کے بنی حارثہ اور خزرج کے بنی سلمہ کے دل میں بھی میدانِ جنگ سے واپسی کا خیال پیدا ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور اس لغزش کے ارتکاب سے انھیں بچا لیا۔ حضرت جابرؓ فرمایا کرتے کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی اور ہم اس کے نزول سے بڑے خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ایک طرف ہمارے پھسل جانے کے خیال کا ذکر ہے تو ساتھ ہی "واللہ ولیہما" کی نوید جاں پرور بھی ہے۔ سچے مومن سے اگر کسی بشری کمزوری کے باعث کوئی غلطی سرزد ہونے لگتی ہے تو رحمتِ الٰہی اسے سنبھال لیتی ہے۔ شانِ کریمی یہ گوارا نہ کر سکی کہ اس کے محبوب کے سچے غلام ایسی لغزش کر بیٹھیں۔

۱۳۴؎ توکل کیا ہے؟ محققین صوفیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے۔ ان التوکل علی اللہ ھو الثقۃ باللہ والایقان بان قضاءہ ماض واتباع سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی السعی فیما لابد منہ من الاسباب (القرطبی) اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور یقینِ محکم کہ اس کا حکم اٹل ہے۔ اس کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت پر عمل کہ ضروری اسباب کے مہیا کرنے میں بھی پوری جد و جہد کرنے کو توکل کہتے ہیں۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ جو شخص ترکِ اسباب کو توکل کہتا ہے وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر اعتراض کرتا ہے۔

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا

مومنوں کو اور بے شک مدد کی تھی تمہاری ۱۳۵ے اللہ تعالیٰ نے (میدان) بدر میں ۱۳۶ے حالانکہ تم بالکل کمزور تھے پس ڈرتے

اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ

رہا کرو اللہ سے تاکہ تم (اس وقت امداد کا) شکر ادا کر سکو (عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے ۱۳۷ے کیا تمہیں یہ کافی نہیں

اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ ط

کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اُتارے گئے ہیں

۱۳۵ے لشکرِ اسلام کی حوصلہ افزائی اور تسکین کے لیے اُحد کے جانکاہ حادثہ کے بعد بدر کی فتح مبین کا ذکر فرمایا اور انھیں یاد دلایا کہ کس طرح تمہاری قلیل اور بے سروسامان سی جمعیت کو دشمن کے مسلح لشکرِ جرار پر فتح عطا فرمائی۔ اس لیے اُحد کے نقصانات سے غمگین نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہے۔ ہاں جو غلطی تم سے ہوئی اور جس کی وجہ سے تمہیں یہ زک اُٹھانی پڑی اس سے اجتناب کرنا۔

۱۳۶ے مدینہ طیبہ سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کا نام بدر ہے۔ اسی مقام پر اسلام اور کفر کی پہلی ٹکر ہوئی۔ ہجرت کا دوسرا سال تھا جمعہ کا دن اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی مسلمانوں کی تعداد تین سو دس سے کچھ اوپر تھی۔ اور کفار کا لشکر ہزار کے قریب تھا۔ جب لشکر آمنے سامنے ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب نے طلب نصرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ پھیلائے اور عرض کی۔ اللّٰھم انجزلی ما وعدتنی اللّٰھم اٰت ما وعدتنی اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض۔ (اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔ اگر مسلمانوں کا یہ مختصر گروہ ہلاک ہو گیا تو روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی) محویت کا یہ عالم تھا کہ دوشِ مبارک سے چادر گر پڑی۔ حضرت صدیقؓ نے پیچھے سے اپنے آقا کو گلے لگا لیا اور عرض کی۔ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا فرمائے گا۔ ادب و نیاز میں ڈوبی ہوئی دعا قبول ہوئی۔ اور دنیا نے دیکھا کہ چند سر بکف مجاہدوں نے بدر کے میدان میں کفر کو ایسی شکست دی جس کے بعد وہ سنبھل نہ سکا۔

۱۳۷ے اپنی قلت اور بے سروسامانی کے باوجود مسلمان بڑی بے جگری سے میدان بدر میں لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ کرز بن جابر المحاربی کمک لے کر کفار کی مدد کو آ رہا ہے۔ اس سے مسلمانوں کو کچھ تشویش ہوئی۔ اس وقت حضور سرورِ عالم نے فرمایا کہ کیا ہوا اگر کرز اپنی جمعیت لے کر آ رہا ہے۔ تمہاری امداد کے لیے بھی تین ہزار فرشتے آسمان سے اُتر رہے ہیں۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ اختیار کیے رکھا تو یہ تعداد بڑھا کر پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ حضورؐ کے فرمانے سے صحابہ کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ فرشتوں کی آمد کس غرض کے لیے تھی؟ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ انھوں نے بالفعل جنگ میں حصہ لیا۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اُن کی آمد سے مسلمانوں کو روحانی تقویت حاصل ہو گئی۔ اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے جم کر لڑنا شروع کر دیا۔ انما حضروا للّٰہ عاعد

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں کافی ہے بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور اگر آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ

تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں اور نہیں بنایا فرشتوں ۱۳۸ کے

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور حقیقت تو یہ ہے کہ نہیں ہے

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے (یہ مدد اس لیے تھی) تاکہ کاٹ دے ایک حصہ کافروں

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ

سے یا ذلیل کر دے ان کو پس لوٹ جائیں نامراد ہو کر نہیں ہے آپ کا اس معاملہ میں کوئی

شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ

دخل ۱۳۹ چاہے تو اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے اور چاہے تو عذاب دے انہیں پس بے شک وہ ظالم ہیں اور

بالتثبیت والاول اکثر (قرطبی) اس کی مفصل بحث سورۂ انفال میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱۳۸ یعنی ملائکہ کا نزول کامیابی کے دیگر اسباب کی طرح ایک سبب ہے حقیقت میں فتح و کامرانی بخشنے والا رب العلمین ہے۔ اس آیت میں یہ سبق دیا گیا کہ اعتماد اور توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی ہونا چاہیے۔ وہی فاعل حقیقی ہے۔ ہر چیز اسی کے دست قدرت میں ہے۔

۱۳۹ احد کے دن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دندان مبارک شہید کیے گئے۔ رخ انور زخمی کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ قوم کیونکر نجات پا سکتی ہے جس نے اپنے اس نبی کے سر کو مجروح کیا اور دانت شہید کیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ وقیل استاذن فی ان یدعو فی استئصالھم فلما نزلت ھذہ الآیۃ علم ان منھم من سیسلم وقد آمن کثیر منھم خالد بن ولید (قرطبی) یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہو گیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور

یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲۹﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ ۱۳ ع ۵

سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

نہ کھاؤ سُود دوگنا چوگنا کر کے ۱۴۰ اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم

چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی۔ انھیں میں حضرت خالد بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم کے یہ کلمات کتنے حقیقت افروز اور ایمان پرور ہیں۔ بابی انت وامی یارسول اللہ لقد دعا نوح علی قومه فقال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ولو دعوت علینا مثلها لهلکنا من عند آخرنا فلقد وطئ ظهرك وادمی وجهك وکسرت رباعیتك فابیت ان تقول الا خیرا فقلت رب اغفر لقومی فانهم لا یعلمون (القرطبی)

ترجمہ "اے اللہ کے پیارے رسول! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے بددعا کی۔ کہ اے رب زمین پر کسی کافر کو سلامت نہ رہنے دے۔ اگر حضور بھی ہمارے لیے بددعا کرتے تو ہم سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ لیکن (اے سراپا کرم) آپ کی پُشتِ پاک پر قدم رکھے گئے۔ رُخِ پُرنور زخمی کیا گیا۔ دندان مبارک توڑے گئے۔ باایں ہمہ آپ نے دعائے خیر ہی فرمائی۔ اور یہی عرض کی کہ اے رب! میری قوم بے علمی سے یہ کر رہی ہے تو اس کو معاف فرما دے"

اس آیت کریمہ کا یہ مدعا نہیں کہ حضور کی دعا یا بددعا کا اللہ کی جناب میں کوئی وزن نہیں۔ اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں کہ ہر کوہ ہر حقیر و عزیز سب کچھ بلا استثناء اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ نہ چاہے تو کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اسی طرح اس میں بھی ذرہ بھر شک نہیں کہ مصطفےٰ کا ہاتھ اُٹھے تو اُجڑے دیار میں بہار آجاتی ہے۔ انگلی کا اشارہ ہو تو چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس کی نظر کرم ہو تو کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیاں جگمگانے لگتی ہیں۔ ولسوف یعطیك ربك فترضی اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ اور خواہ کسی کی جبین پر بل پڑیں وہ پورا کر کے رہتا ہے ؎

وُہی ہے طُور جہاں پڑ گئی نگاہ تری ۔۔۔ وُہی چمن ہے جہاں مُسکرا دیا تُو نے

۱۴۰ سُود اور سُود کی حرمت پر مفصل بحث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ نزول کے اعتبار سے یہ آیت سورۂ بقرہ کی آیات سے مقدم ہے۔ یہاں اس سُودی نظام کو حرام کیا جا رہا ہے جس کا اس وقت عام رواج تھا۔ رواج یہ تھا کہ کسی نے ایک مدت مقررہ تک قرض لیا۔ جب وہ مدت ختم ہوئی اور قرض خواہ نے رقم کا مطالبہ کیا تو مقروض کہا کرتا کہ تم میعاد بڑھا دو میں رقم میں اضافہ کر دیتا ہوں

تُفْلِحُونَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ

فلاح پا جاؤ ۱۴۱ اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے اور اطاعت کرو اللہ کی

وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوٓا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ

اور رسول (کریم) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور دوڑو ۱۴۲ بخشش کی طرف جو تمھارے رب کی طرف سے ہے

وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِينَ

اور (دوڑو) جنّت کی طرف جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے ۱۴۳ جو تیار کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے وہ (پرہیزگار)

یہ سلسلہ مدّت تک جاری رہتا یہاں تک کہ اصل رقم کئی گُنا بڑھ جاتی۔ جسے سُود در سُود یا سُود مرکب کہا جاتا ہے۔ اس ظالمانہ نظام کو اسلام نے ختم کردیا کیونکہ اس سے اگر ایک طبقہ میں تن آسانی، حرام خوری، حرص و بُخل کے جذبات پرورش پاتے ہیں تو قوم کے دُوسرے طبقہ میں حسد و عناد اور منافرت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ وُہ اُمّت جسے دُنیا میں تبلیغِ توحید و ہدایت کا ایک عظیم المرتبت مشن سرانجام دینا ہو اُس میں ایسے عناصر کو کب برداشت کیا جاسکتا ہے جو ملّی وحدت کو پارہ پارہ کردیں۔ اس لیے اگلی آیتوں میں یہاں تک فرمادیا کہ اگر تم نے اس سُودی کاروبار کو نہ چھوڑا تو اس عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے جو کفّار کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

۱۴۱؎ بیشتر افراد اور قومیں اپنی فلاح و کامرانی کو دولت کی فراوانی میں مضمر سمجھتی ہیں اور اس کے حصُول کے لیے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر کوشاں رہتی ہیں مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ دُوسروں کی طرح تم بھی اس فریب میں مبتلا نہ ہوجانا۔ حقیقی فلاح متقی بننے سے نصیب ہوتی ہے۔

۱۴۲؎ یعنی ان اعمال کی بجاآوری میں تیزی کرو جو مغفرت کے حصُول کے اسباب ہیں۔ ان میں سابقہ گناہوں سے توبہ، آئندہ گناہوں سے اجتناب کا عزم، ہر قسم کے نیک کاموں کا بجالانا سب داخل ہیں۔

۱۴۳؎ بعض کا ارشاد ہے کہ جنّت کی چوڑائی فی الواقع اتنی ہے جتنا آسمانوں اور زمین کا مجموعی رقبہ ہے۔ اور چوڑائی کی فراخی اور وسعت کا یہ عالم ہے تو اُس کی لمبائی کا کیا کہنا۔ لیکن عُلمائے لُغت و ادب کی رائے ہے کہ لم تقصد الاٰیۃ تحدید العرض ولکن اراد بذلك انها اوسع شيئ رایتموہ۔ یعنی یہاں جنّت کے عرض کی مساحت کو آسمانوں اور زمینوں کی مساحت کے برابر ثابت کرنا مقصُود نہیں بلکہ بطریقِ استعارہ یہ بتانا مقصُود ہے کہ جتنی وُسعت کا تم تصوّر کرسکتے ہو جنّت اس سے بھی وسیع تر ہے۔

يُنۡفِقُوۡنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡكٰظِمِيۡنَ الۡغَيۡظَ وَالۡعَافِيۡنَ

جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی اور تنگدستی میں ۱۴۴ے اور ضبط کرنے والے ہیں غصّہ کو ۱۴۵ے اور درگزر کرنے والے ہیں

عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۚ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيۡنَ اِذَا فَعَلُوۡا

لوگوں سے ۱۴۶ے اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے احسان کرنے والوں سے ۱۴۷ے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کر بیٹھیں کوئی

فَاحِشَةً اَوۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ قف

بُرا کام یا ظلم کریں اپنے آپ پر (تو فوراً) ذکر کرنے لگتے ہیں اللہ کا اور معافی مانگنے لگتے ہیں اپنے گناہوں کی ۱۴۸ے

وَمَنۡ يَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰهُ ۖ قف وَلَمۡ يُصِرُّوۡا عَلٰى مَا فَعَلُوۡا وَ

اور کون بخشتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا اور نہیں اصرار کرتے اس پر جو اُن سے سرزد ہوا اس حال میں کہ

۱۴۴ے یہاں متقین کی صفات بیان کی جارہی ہیں جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں۔ ان کی پہلی صفت یہ ہے کہ وُہ خوش حالی میں اور تنگ دستی وافلاس میں اپنا عزیز مال اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ایسا کرنا کمال تقویٰ کی واضح علامت ہے۔ اس صفت کو سب سے پہلے ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اس سے پہلے سُود کا ذکر تھا جس میں دُوسروں کا مال بغیر حق کے کھایا جاتا ہے اور اس میں صدقہ کا ذکر ہے جس میں اپنا مال بغیر کسی ظاہری استحقاق کے غیر کو دیا جاتا ہے۔

۱۴۵ے کظم غیظ ان کی دُوسری صفت ہے۔ غیظ شدتِ غضب کو اور کظم بھری ہُوئی مشک کے مُنہ باندھنے کو کہتے ہیں بعض اوقات ایسی ناپسندیدہ حرکات اور ضرر رساں اُمور رُونما ہوتے ہیں جن سے انسان برافروختہ ہوجاتا ہے اور جذبۂ انتقام سے اُس کا دِل لبریز ہوجاتا ہے۔ ایسے حال میں اپنے غصّہ کو پی جانا بے شک بڑی ہمّت کا کام ہے۔

۱۴۶ے اس کی تیسری صفت عفو ہے عفو کہتے ہیں باوجود قدرت کے انسان کسی کی خطا اور ضرر رسانی پر صرف خاموش ہی نہ رہے بلکہ دِل سے اسے معاف بھی کردے۔ ھو التجافی عن ذنب المذنب مع المقدرۃ علیہ۔ یہ چیز کظم غیظ سے اعلیٰ ہے۔

۱۴۷ے ان کی چوتھی صفت احسان ہے۔ یہ مرتبہ تمام پہلے مراتب سے بلند تر ہے کہ انسان دُشمن سے انتقام بھی نہ لے اسے دِل سے معاف بھی کردے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس پر لطف واحسان بھی کرے۔ اس کی جلالتِ شان کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اسلوبِ کلام بدل دیا۔ اور یہ بھی بتادیا کہ ان کو محبُوبیت کا شرف بخشا جاتا ہے۔

۱۴۸ے ان کی پانچویں صفت طلبِ مغفرت ہے۔ انسان مجمُوعہ خطا ونسیان ہے۔ یعنی اُن سے جُرم سرزد ہوجاتے تو فوراً احساسِ ندامت اُنھیں آلیتا ہے۔ اور یہ جانتے ہُوئے کہ گناہوں کو بخشنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے اُس کے حضور میں نہایت عاجزی سے گناہوں

هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ

وہ جانتے ہیں یہ وہ (نیک بخت) ہیں جن کا بدلہ بخشش ہے اپنے رب کی طرف سے اور جنت ۱۴۹ ہے

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں کیا ہی اچھا بدلہ ہے کام کرنے والوں کا

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

گزر چکے ہیں تم سے پہلے (قوموں کے عروج و زوال کے) قاعدے ۱۵۰ پس سیر کرو زمین میں اور (اپنی آنکھوں سے) دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى

کیسا انجام ہوا (دعوتِ حق کو) جھٹلانے والوں کا یہ ایک بیان ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اور ہدایت

کی معافی کی درخواست کرتے ہیں۔ اُن کی یہ توبہ حقیقی توبہ ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ان کی زبان تو استغفر اللہ کے ورد میں مصروف ہو اور وہ اپنے عمل سے اس استغفار کا تمسخر اُڑا رہے ہوں۔ فاحشۃ سے مُراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر دُوسروں تک پہنچے۔ اور ظلموا سے مُراد وہ گناہ ہیں جن کا اثر اُن کی اپنی ذات تک محدود ہو۔ (بیضاوی)

۱۴۹؎ آپ خود اندازہ لگائیے کہ جس شخص میں یہ خصائلِ حمیدہ ہوں کیا وہ اپنے شہر، اپنی قوم اور اپنے مُلک کے لیے باعثِ ہزار خیر و برکت نہیں ہوتا بلکہ یُوں کہیے کہ وہ سارے نوعِ انسانی کے لیے رحمتِ الٰہی ثابت ہوتا ہے اور وہ اِس کا جائز مستحق ہے کہ اسے اولٰئك الخ کا مژدہ سُنایا جائے۔ یہ ہے اخلاق کا وہ کامل معیار جس پر مسلمان کو پُورا اُترنا چاہیے۔ آخر وہ رحمۃ للعالمین کا غلام اور اُمّتی ہے وہ کیوں نہ اپنے آقا کی رحمت کا آئینہ ہو۔ لیکن ؎

وائے محرومیِ متاع کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

۱۵۰؎ سُنن جمع ہے سُنّت کی۔ اور سُنّت وہ راستہ ہے جو شاہراہِ عام ہو۔ وہ طرزِ زندگی ہے جس کا ہمیشہ التزام اور پابندی کی جائے غزوۂ اُحد کی تکلیفات، بدر کی فتحِ مبین، سُود خوری کے نقصانِ عظیم اور مردِ مومن کی صفات کا ذکر فرمانے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ زمین کے اس کھلے ہوئے صفحہ پر تم سے پہلے گزری ہوئی اقوام کے حالات جلی قلم سے مرقوم ہیں۔ تم انھیں پڑھ لو۔ فتح و سُرخروئی کی عزّت انھیں دی گئی جو ان صفات کے مالک تھے اور ناکامی و ذلّت انھیں کے حصہ میں آئی جو ان سے محروم تھے۔ قدرت کے قوانین یکساں اور اٹل ہیں۔ کسی کے لیے انھیں توڑا نہیں جاتا۔

وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ

اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے واسطے اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو ؁۱۵۱ اور تمھیں

الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ

سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو (اُحد میں) اگر لگی ہے تمھیں چوٹ تو (بدر میں)

مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ

لگ چکی ہے (تمھاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھیرتے رہتے ہیں انھیں لوگوں میں

؁۱۵۱ عمل اور رائے میں کمزوری کو وہن کہتے ہیں۔ اور کسی عزیز اور پیاری چیز سے محرومی پر جو دل میں الم پیدا ہوتا ہے اُسے حُزن کہا جاتا ہے۔ اُحد میں پیش آنے والے ہوش رُبا حادثات ممکن تھا کہ مسلمانوں کی کمرِ ہمت توڑ دیتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں تم ہی غالب و منصور ہو گے اگر تم سچے ایمان دار ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ مبارک میں اور اس کے بعد جب بھی باطل سے صحابہ کرام کی جنگ ہوئی صحابہ ہی فتح یاب ہوئے۔ حتیٰ کہ ہر وُہ لشکر جس میں ایک صحابی بھی شامل ہوا اُس نے کبھی شکست نہیں کھائی۔ اور یہ صحابہ کرام کے مومن کامل ہونے کی واضح دلیل ہے۔ نیز مولا تبارک نے انھیں ایسے الفاظ سے خطاب فرمایا جن سے انبیاء کو مخاطب فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا انك انت الاعلى اور غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مژدہ دیا انتم الاعلون سبحان اللہ! کیا شان ہے غلامانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والسلام کی۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایمان کی قوت دُنیا کی ساری مادی قوتوں سے زیادہ توانا ہے جس قوم کے افراد کے دلوں میں ایمان اور یقین کی شمع روشن ہوتی ہے دُنیا کی کوئی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ مادی وسائل بھی اسی وقت کارگر ثابت ہوتے ہیں جب ان کو استعمال کرنے والا اپنے مقصدِ حیات پر محکم یقین رکھتا ہو۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دہکتے انگاروں پر لیٹ کر، خبابؓ نے پھانسی کے تختے پر مسکرا کر، سمیہؓ نے نیزہ سے اپنا جسم گھائل کرا کر اور یاسرؓ نے دو اُونٹوں سے اپنا بدن چِروا کر جو عظیم فتح حاصل کی وُہ فقط اُن کے نورِ ایمان اور اُن کی قوتِ یقین کا فیضان تھا۔ جب تک اُمتِ مسلمہ ایمان و ایقان سے بہرہ ور رہی ہر میدان میں کامیابی بڑھ کر اس کے قدم چومتی رہی۔ ہر معرکہ نے اس ارشادِ باری پر مُہرِ تصدیق ثبت کی وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔ بدر، خندق، حنین کے غزوات، یمامہ، قادسیہ اور نہاوند کے معرکے، محمد بن قاسم، طارق، غزنوی اور غوری کی فتوحات اور اولیاء کرام کی تبلیغی سرگرمیاں اور محیر العقول کامیابیاں عالمِ واقعہ میں وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کی کتنی حسین اور دلکش تفسیریں ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا

اور یہ اس لیے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے ۱۵۲؎ اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید ۱۵۳؎ اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ

دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لیے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ اُنھیں جو ایمان لائے اور مٹا دے

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ

کافروں کو کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنّت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے

الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

ان لوگوں کو جنھوں نے جہاد کیا تم میں سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو اور تم تو آرزو کرتے تھے

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

موت کی اس سے پہلے کہ تم اس سے ملاقات کرو سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو اور تم (آنکھوں سے) مشاہدہ کر رہے ہو

ع ۱۴ / ۵

۱۵۲؎ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ہر شخص کے ظاہر و باطن کا تفصیلی اور یقینی علم ازل سے حاصل ہے تو پھر یہاں ولیعلم اللہ (تاکہ اللہ جان لے) سے کیا مُراد ہے؟ علمائے کرام نے بڑی شرح و بسط سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے بعض نے یہ فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے مقصد ہے ولیعلم اولیاء اللہ یعنی تاکہ اللہ کے دوست مومن اور کافر کو جان لیں بعض نے کہا کہ یعلم بمعنی یمیز و یُعلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ دُوسروں کو جتا دے لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم دو طرح کا ہے۔ ایک تو یہ کہ مستقبل میں یوں واقع ہوگا۔ یہ علم تو ازل سے حاصل ہے۔ اس علم پر کوئی جزا یا سزا، مدح یا ذم مرتب نہیں ہوتی۔ لیکن جب کوئی معلوم چیز علم باری کے مُطابق خارج میں موجود ہو جاتی ہے تو اس وقت یہ علم حاصل ہوتا ہے کہ اب یہ چیز عدم سے وجود میں آگئی اور اسی علم پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے۔ یہاں آیت میں علم کا یہی معنی مُراد ہے جسے علم ظہور کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قول الجمھور ان المراد بالعلم علم الظھور (المنار)

۱۵۳؎ شہداء سے مُراد شہیدانِ جہاد ہیں۔ اُنھیں کے خُون سے قوم و ملت کی تاریخ کو رنگینی اور رعنائی نصیب ہوتی ہے۔ اور شہداء سے وُہ کاملینِ اُمت بھی مُراد لیے جا سکتے ہیں جن کا عمل اور سیرت اس دُنیا میں اسلام کی حقانیت پر شاہد عدل ہے اور جن کا علم اور بصیرت قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوگا۔ جن کا ذکر لتکونوا شھداء علی الناس میں گزر چکا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ أَفَإِن مَّاتَ

اور نہیں محمد (مصطفٰے) مگر (اللہ کے) رسول ۱۵۴ گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول ۱۵۵ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں

أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم اُلٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے اُلٹے پاؤں

۱۵۴ے جنگ اُحد میں جب خالد نے درہ کو خالی پا کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اس ناگہانی حملہ سے خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ ابن قمیہ نے پتھر مار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شدید زخمی کر دیا تو یہ افواہ اُڑ گئی کہ حضور شہید کر دیئے گئے۔ بس اس خبر کا مشہور ہونا تھا کہ مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ بعض کمزور دل مسلموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کاش عبد اللہ بن ابی ہمارے لیے ابوسفیان سے امان طلب کرے۔ بعض منافقوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نبی ہوتے تو شہید کیسے کیے جاتے۔ آؤ اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ جائیں۔ لیکن بعض ایسے جانباز بھی تھے کہ اس مشکل وقت میں بھی ثابت قدم رہے۔ حضرت انس بن نضر للکار رہے تھے کہ آؤ جس مقصد کے لیے ہمارے آقا نے جان دی اسی کے لیے ہم بھی اپنا سر قربان کر دیں حضور کے بعد زندہ رہنے میں کیا لطف؟ اگر رسول اللہ شہید ہو گئے تو کیا ہوا اُن کا رب تو زندہ ہے۔ یہ کہہ کر کفار پر حملہ کر دیا۔ اور لڑتے لڑتے جام شہادت نوش کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعض نو مسلموں نے حضور کی شہادت کی خبر سن کر جو کمزوری دکھائی اُس پر اُنھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم رسول ہیں خدا نہیں۔ اس دُنیا میں حضور کے قیام کی مدت مقرر ہے۔ جب وہ فانی دُنیا کو چھوڑ کر رفیق اعلیٰ کی طرف انتقال فرمائیں تو کیا تم ان کا دین چھوڑ دو گے۔ اور اسلام کی خاطر لڑنا بند کر دو گے۔ ایسا کیا تو خود ہی نقصان اُٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو تمہارے اس رویّہ سے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

۱۵۵ے اس آیت سے بعض سینہ زوروں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن فرماتا ہے کہ آپ سے پہلے جتنے رسول تھے فوت ہو چکے ہیں اس لیے عیسٰی علیہ السلام بھی زندہ نہیں۔ لیکن ان کا مدعا تو تب ثابت ہوتا کہ آیت کے الفاظ یوں ہوتے۔ قد ماتت من قبله الرسل یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ وفات پا چکے۔ حالانکہ قرآن کے الفاظ ہیں قد خلت من قبله الرسل اور خلا یخلو کا معنی الگ ہو جانا علیحدہ ہو جانا ہے نہ کہ مر جانا۔ ابھی ایک آیت گزری ہے جس میں منافقین یہود کا ذکر ہے واذا خلوا عضوا علیکم الانامل اس میں خلوا کا یہ معنی نہیں کہ جب وہ مر جاتے ہیں بلکہ جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصہ سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ قرآن کے واضح الفاظ کے واضح معنوں کی ایسی تحریف سے خدا بچائے۔

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ

تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو ۱۵۶ اور نہیں ممکن کہ

لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ

کوئی شخص مرے ۱۵۷ بغیر اللہ کی اجازت کے لکھا ہوا ہے (موت کا) مقرر وقت۔ اور جو شخص چاہتا ہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ

دُنیا کا فائدہ ہم دیتے ہیں اس کو اس سے اور جو شخص چاہتا ہے آخرت کا فائدہ ہم دیتے ہیں اُسے

مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ

اس میں سے اور ہم جلدی اجر دیں گے اپنے شکر گزار بندوں کو اور کتنے ہی ۱۵۸ نبی گزرے ہیں کہ جہاد کیا ان کے ہمراہ

رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا

بہت سے اللہ والوں نے سو نہ ہمت ہاری اُنھوں نے بوجہ اُن تکلیفوں کے جو پہنچیں اُنھیں اللہ کی راہ میں اور نہ

ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا

کمزور ہوئے اور نہ اُنھوں نے ہار مانی اور اللہ تعالیٰ پیار کرتا ہے (تکلیفوں میں) صبر کرنے والوں سے اور نہیں

۱۵۶ یہی شکر گزار بندے ہیں جنھوں نے نعمتِ اسلام کو پہچانا، اس کی قدر کی اور اس کے لیے اپنی جان دے کر اس بے مثل نعمت کے شکریہ کا حق ادا کر دیا۔

۱۵۷ یعنی موت کا ایک دن معین ہے۔ بزدلی سے زندگی بڑھ نہیں سکتی اور شجاعت و دلیری سے گھٹ نہیں سکتی پھر جہاد سے جی چرانے سے کیا حاصل؟

۱۵۸ کاین "کم خبریہ" کے معنی میں ہے۔ اصل میں ای تھا۔ اس پر کاف تشبیہ کا داخل کر کے نون تنوین کو نون کی شکل میں لکھ دیا۔ "کاین"۔ اس میں مشہور لغت کائن بھی ہے۔ ربیون کی را پر تینوں حرکتیں آ سکتی ہیں۔ زمخشری نے تو اس کا معنی رب والے ہی کیا ہے۔ والربیون، الربانیون (کشاف) لیکن علامہ قرطبی نے اس کا دوسرا معنی ابن کثیر بھی لکھا ہے الربیون الجماعة الکثیرة۔ اس صورت میں اس کا واحد رِبّی ہے اور ربّة بمعنی جماعت کی طرف منسوب ہے۔ اس آیت میں

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا

یعنی ان کی گفتگو بغیر اس کے کہ کہا انھوں نے اے ہمارے رب! بخش دے ہمارے گناہ ۱۵۹ اور جو زیادتیاں کیں ہم نے

فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اپنے کام میں ۱۶۰ اور ثابت قدم رکھ ہمیں اور فتح دے ہم کو قوم کفار پر

بھی اُن لوگوں کو سرزنش کی جارہی ہے جن کے قدم اُحد میں ڈگمگا گئے۔ کہ پہلے بھی انبیائے کرام اپنے صحابہ سمیت کفر سے جنگ آزما ہُوئے لیکن وُہ مصائب و شدائد میں گھبرائے نہیں۔ اور تم تو خیر الامم ہو اور سیّد الانبیاء کے غلام ہو۔ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ مُصیبت کے لمحوں میں ثابت قدم نہ رہو۔

۱۵۹ کتنی پاکیزہ دُعا ہے۔ اور اس کے سارے جُملے کتنے معنی خیز، دلکش اور پُر تاثیر ہیں۔ ابتدا میں اُن اُمُور سے پناہ مانگی جارہی ہے جو شکست کا باعث بنتے ہیں۔ قوم اپنے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کے لُطف و کرم سے محروم ہوجاتی ہے۔ دُشمن جب اس پر حملہ بولتا ہے تو تائیدِ ربانی اس کی پشت پناہی نہیں کرتی اور وُہ قوم شکست کھا جاتی ہے۔ اس لیے عرض کی کہ الٰہی ہم سے جو گناہ اور قصُور سرزد ہُوئے ہیں وُہ معاف فرمادے اور ہم پر راضی ہوجا۔ نیز بسا اوقات دُشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس قسم کی تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اس میں کوتاہی ہوجاتی ہے۔ فوج کی عسکری تربیت میں خامی رہ جاتی ہے۔ جدید اسلحہ کی ساخت اور فراہمی کا بندوبست نہیں ہوپاتا۔ جنگ کا منصُوبہ پُوری محنت اور ہوشمندی سے تیار نہیں کیا جاتا۔ یہ چیزیں بھی ناکامی کا باعث بن جایا کرتی ہیں۔ ان کوتاہیوں اور غفلتوں سے بھی عفو و درگذر کی التجا کی جارہی ہے۔ اس کے بعد فتح کے لیے دامن پھیلایا جارہا ہے۔ لیکن پہلے میدانِ جنگ میں صبر و استقامت کی توفیق مانگی جارہی ہے جو کامیابی کی شرطِ اوّل ہے۔

یہ جُملہ دُعا بھی ہے اور ایک عملی ہدایت نامہ بھی۔ جس اُمّت کے پاس ایسی کتاب ہو جو نہ خود حقائق سے اغماض کرتی ہو اور نہ اپنے ماننے والوں کو اس غلط راستہ پر چلنے کی اجازت دیتی ہو۔ وُہ اُمّت اگر طفل تسلّیوں میں مُبتلا رہے اور جھُوٹی اُمیدوں کی بُنیادوں پر ہوائی قلعے تعمیر کرتی رہے تو اس سے زیادہ المناک سانحہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

۱۶۰ واسرافنا فی امرنا سے یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ اس خاص مہم کے لیے تیار ہونے میں جو غفلت اور تساہل ہوگیا جس کی وجہ سے فتح و کامرانی کے ظاہری اسباب کی تکمیل میں کمی رہ گئی اُس سے عفو و درگزر کی التجا کی جارہی ہے۔ کیونکہ ہمیں توکل کے ساتھ ساتھ ظاہری اسباب مہیا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ

تو دے دیا ان کو [۱۶۱] اللہ تعالیٰ نے دُنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور عُمدہ ثوابِ آخرت کا (یعنی نعیمِ جنّت اور لذّتِ وصل) اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ ع ۱۵

محبت کرتا ہے نیکو کاروں سے اے ایمان والو [۱۶۲] اگر پیروی کرو گے تم

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ

کافروں کی تو وُہ پھیر دیں گے تمھیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) تو تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہُوئے بلکہ اللہ

مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ

حامی ہے تمھارا اور وُہ سب سے بہتر مدد فرمانے والا ہے ابھی ہم ڈال دیں گے کافروں کے دلوں

كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ

میں [۱۶۳] رُعب اس لیے کہ اُنھوں نے شریک بنایا اللہ کے ساتھ اُس کو جس کے لیے نہیں اُتاری اللہ نے کوئی دلیل اور

[۱۶۱] ثوابِ دُنیا سے مُراد فتح وظفر، رُعب و دبدبہ اور تحسین و آفرین ہے۔ اور ثوابِ آخرت سے مقصود جنّت، رضائے الٰہی اور لذّتِ وصل ہے۔

[۱۶۲] پہلی آیت میں انبیائے سابقین کے انصار و اعوان کی اقتدار کا حکم دیا گیا۔ اس آیت میں کفّار کی اطاعت سے روکا گیا۔ کیونکہ ان کی اطاعت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دین کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ یا کم از کم ہماری گرفت ڈھیلی پڑ جائے گی۔

[۱۶۳] اس کا مظاہرہ جنگِ اُحد میں ہی ہو گیا۔ کفّار نے پلٹ کر عقب سے حملہ کر کے مسلمانوں کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ ان کی صفیں درہم برہم ہو گئی تھیں۔ ان کی کثیر تعداد شہید اور فوج کا بیشتر حصّہ بُری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اگر وُہ اُس وقت مدینہ پر یلغار کرتے تو ظاہری حالات ایسے تھے کہ شاید انھیں کسی قابلِ ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں کو اتنا مرعُوب اور خوفزدہ کر دیا کہ اُنھوں نے وُہ مہم جس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے وُہ پُورے طمطراق سے آئے تھے اور اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لاتے تھے اس کو نامکمل چھوڑ کر واپس ہونے میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ راستہ میں اُنھیں اپنی اس غلطی کا احساس بھی ہوا کہ وُہ اپنے کام کو ادھورا چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے واپسی کا قصد بھی کیا لیکن ہمّت نے جواب دے دیا۔

مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ

اُن کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور بہت بُری جگہ ہے ظالموں کی اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے

اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ

اللہ نے اپنا وعدہ ۱۶۴ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور

تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

جھگڑنے لگے (رسول کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے

اُلٹا زخم خوردہ مسلمانوں نے اپنے نبی کی قیادت میں مدینہ سے آٹھ میل دُور حمراء الاسد تک اُن کا تعاقب کیا۔ رُعب بھی فتحیابی کا بہت بڑا سبب ہے۔ بسا اوقات دُشمن لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ دُشمن ایک ماہ کی مسافت پر ہراساں رہتا تھا۔

۱۶۴ امام بخاری نے براء بن عازب سے جنگ اُحد کا چشم دید حال روایت کیا ہے جس سے اس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

براء بن عازب فرماتے ہیں۔ اُحد کے دن جب ہمارا مقابلہ مشرکین سے ہوا تو حضورؐ نے تیر اندازوں کے ایک دستہ کو عبداللہ بن جبیر کی امارت میں درّہ پر متعین فرمایا اور اُنھیں حکم دیا کہ چاہے ہمیں فتح ہو یا شکست تم کسی صورت میں اس جگہ کو نہ چھوڑنا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کفار کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ہم نے اُن کی عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ میں اِدھر اُدھر حواس باختہ ہو کر بھاگ رہی ہیں۔ اُنھوں نے پائنچے اُوپر چڑھائے ہوئے ہیں۔ اُن کی پنڈلیاں برہنہ ہو رہی ہیں اور اُن کی پازیبیں نظر آ رہی ہیں۔ جنگ کی یہ حالت تھی اور مسلمانوں نے غنیمت غنیمت کہنا شروع کر دیا۔ تیر اندازوں کے دستہ نے بھی غنیمت جمع کرنے میں شریک ہونا چاہا۔ عبداللہ بن جبیر نے اُنھیں کہا کہ ٹھیرو! کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمھیں حکم نہیں دیا تھا کہ یہاں سے ہرگز نہ ہٹنا۔ لیکن وہ وہاں نہ ٹھیرے۔ کفار نے پیچھے سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے۔ براءؓ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے اُونچی جگہ کھڑے ہو کر حضورؐ کا نام پاک لے کر پوچھا۔ کیا تم میں محمدؐ (فداہ امی وابی) ہیں؟ حضورؐ نے جواب دینے سے منع فرما دیا۔ اس نے یہ سوال تین بار دُہرایا۔ پھر اُس نے تین بار پوچھا کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہیں؟ پھر بھی جواب دینے سے حضورؐ نے روک دیا۔ پھر اُس نے تین بار پوچھا۔ کیا تم میں عمرؓ ہیں؟ پھر بھی جواب کی اجازت نہ ملی۔ ابوسفیان نے اپنے احباب کی طرف متوجہ ہو کر (خوشی سے) کہا کہ یہ تینوں تو قتل ہو گئے۔ اب حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دُشمن! تم جھوٹ بکتے ہو۔ تجھے ذلیل و رُسوا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں باقی رکھا ہے۔ پھر اُس نے نعرہ مارا اعل ھبل۔ ھبل کی جے! حضورؐ نے فرمایا۔ تم کہو

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

بعض تم میں سے ۱۶۵؎ طلبگار ہیں دُنیا کے اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ

پیچھے ہٹا دیا تمھیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمھیں اور بے شک اُس نے معاف فرما دیا تم کو ۱۶۶؎ اور اللہ تعالیٰ بہت

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى

فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر یاد کرو جب تم دُور بھاگے جا رہے تھے ۱۶۷؎ اور مڑ کر دیکھتے بھی

اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ

نہ تھے کسی کو اور رسول کریم ۱۶۸؎ بلا رہے تھے تمھیں پیچھے سے پس اللہ نے پہنچایا تمھیں غم کے بدلے غم ۱۶۹؎

اللہ اعلیٰ و اجل۔ اللہ بلند اور بزرگ ہے۔ پھر ابوسفیان نے ازراہِ غرور کہا لنا عزی ولا عزی لکم ہمارا عزی ہے اور تمھارا کوئی عزی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تم کہو اللہ مولانا ولا مولا لکم اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمھارا کوئی مددگار نہیں۔" اب یہ آیت مزید کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

۱۶۵؎ اس سے مراد وہ تیر انداز ہیں جو مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے اپنا مورچہ چھوڑ گئے اور منکم من یرید الآخرۃ سے مراد حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے وہ دس ساتھی ہیں جو اپنی جگہ پر جمے رہے اور شہید ہوئے۔

۱۶۶؎ زبردست سرزنش کرنے کے بعد اب ان کو یہ مژدہ سنایا جا رہا ہے کہ تمھاری اس خطا کو تمھارے مولا کریم نے معاف فرما دیا ہے بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ جن سے یہ لغزش ہوئی وہ مومن تھے۔ اب جب اللہ تعالیٰ انھیں مومن کہے اور ان کی لغزش کو معاف کر دے تو آج کون ہے جسے یہ حق پہنچتا ہو کہ ان نفوسِ قدسیہ کے ایمان میں شک کرے یا ان پر زبانِ طعن دراز کرے۔

۱۶۷؎ زمین میں دُور تک دوڑے چلے جانے کو اصعاد کہتے ہیں۔ الاصعاد الذھاب والابعاد فی الارض (بیضاوی) ابوحاتم نے کہا کہ بلندی پر چڑھنے کو صعود اور ہموار زمین اور وادیوں میں چلنے کو اصعاد کہتے ہیں (قرطبی) اُحد میں مسلمانوں کی افراتفری کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

۱۶۸؎ دشمن کے ناگہانی دوطرفہ حملے سے جو دہشت اور خوف پھیل گیا تھا اس میں بڑے بڑے بہادروں کی کمرِ ہمت ٹوٹ گئی۔ پاؤں ڈگمگا گئے۔ اور جان بچانے کی فکر میں اِدھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اللہ کا پیارا محبوب اور سچا رسول پہاڑ کی طرح

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ

تاکہ تم نہ غمگین ہو ؀۱۶۹ اس چیز پر جو کھو گئی ہے تم سے اور نہ اس مصیبت پر جو پہنچی ہے تمھیں اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

جو کچھ تم کر رہے ہو پھر اُتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر ؀۱۷۰ غم و اندوہ کے بعد راحت (یعنی)

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ

غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف)

اپنی جگہ پہ جما رہا۔ نہ دل میں ہراس، نہ چہرہ پر مایوسی، نہ زبان پر شکوہ اور نہ حرکات میں بے ضابطگی۔ شجاعتِ رسالت اور وقارِ نبوت کا صحیح مظاہرہ اسی روز ہوا۔ صرف بارہ جان نثار پاس ہیں اور دشمن کا ٹڈی دل لشکر چاروں طرف سے اُمڈا چلا آ رہا ہے لیکن یہاں پیشانی پر بل تک نہیں۔ اس وقت بھی زبان پاک سے الیّ عباد اللّٰہ الیّ عباد اللّٰہ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو میری طرف آؤ کے الفاظ نکل رہے ہیں۔

؀۱۶۹ یعنی تم نے حکم نبوی سے سرتابی کر کے حضورؐ کو رنج پہنچایا۔ اس کے بدلے تمھیں بھی غم سے دوچار ہونا پڑا جیتا ہوا میدان ہاتھ سے نکل گیا۔ تعداد کثیر شہید ہو گئی اور حضورؐ کی شہادت کی خبرِ وحشت اثر نے تو دنیا ہی تاریک کر دی۔

؀۱۷۰ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ یہ غم پر غم، رنج پر رنج اس لیے دیا کہ تم ان کے خوگر ہو جاؤ اور آئندہ کبھی ایسی صورت پیش آئے تو صبر و استقامت سے کام لو۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ جملہ لقد عفا عنکم سے متعلق ہے یعنی اس لغزش کے باوجود تمھیں معاف اس لیے کر دیا کہ غلطی کا احساس تمھیں ہمیشہ حزین و غمگین نہ بنائے رکھے۔ احساسِ خطا کے اس تکلیف دہ زخم پر اللہ تعالیٰ نے عفو و کرم کا مرہم لگا دیا۔ علامہ قرطبی نے اسی کو پسند کیا ہے۔

؀۱۷۱ اُحد میں جب جسم زخموں سے چُور چُور ہو رہے تھے۔ تھکن سے جوڑ جوڑ ٹوٹ رہا تھا۔ عزیز احباب کے لاشے خاک و خون میں تڑپ رہے تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے مخلص مومنوں پر غنودگی طاری کر دی جس سے پھر یہ تھکا ماندہ لشکر تازہ دم ہو گیا۔ حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ ہم اُونگھنے لگے۔ یہاں تک کہ کئی بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹی اور میں نے اسے سنبھالا۔ ایسی حالت میں نیند کا آنا واقعی ایک بڑی نعمت ہے۔

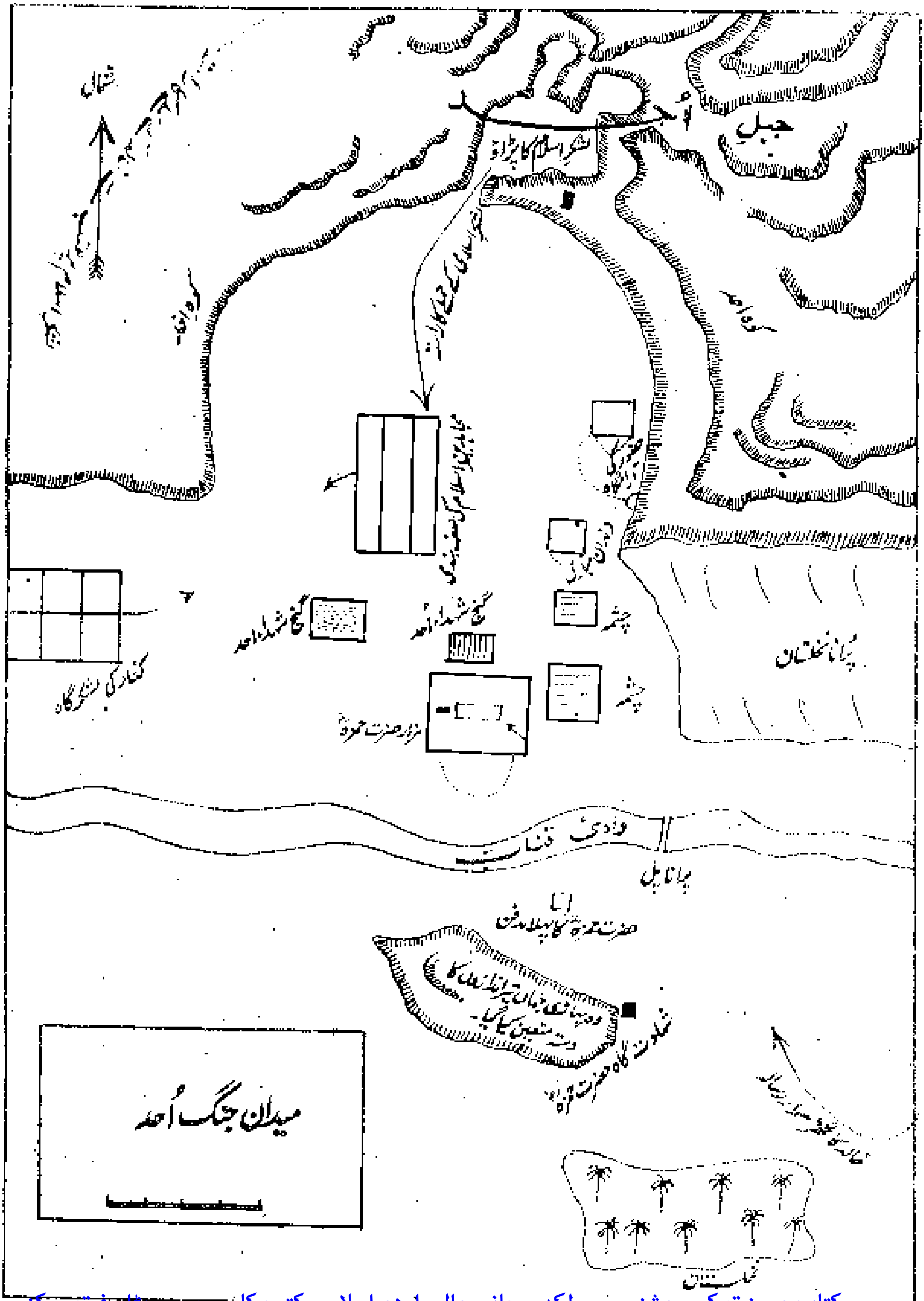

جبل
لشکر اسلام کا پڑاؤ
گنج شہدائے اُحد
چشمہ
چشمہ
کفار کی لشکرگاہ
مزار حضرت حمزہ
پرانا نخلستان
وادی قناة
پرانا پل
نخلستان
میدان جنگ اُحد

أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ

اپنی جانوں کا ۱۷۲ بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے

هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ

کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے آپ فرمائیے اختیار تو سارا اللہ کا ہے

يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ

چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں) اگر ہوتا

لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي

ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمائیے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے ۱۷۳

بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ

اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے

وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ

مصائب اس لیے تھے) تاکہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کر دے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا

۱۷۲۔ منافقین کی تین سو کی نفری تو ابن ابی کے ساتھ راستہ سے ہی لوٹ گئی تھی۔ لیکن ایک مختصر سی جماعت (معتب بن قشیر اور اس کی پارٹی) ساتھ تھی۔ انھیں نیند کے لطف سے محروم رکھا گیا۔ کیونکہ انھیں نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سلامتی کا فکر تھا اور نہ کامیابی کا خیال۔ انھیں صرف اپنی پڑی تھی کہ وہ کہیں زندہ و سلامت گھر پہنچیں۔ لیکن جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا تو ان کا چھپا ہوا نفاق اور اسلام دشمنی ان کی زبان سے ظاہر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور جو کچھ بے سروپا باتیں انھوں نے کیں۔ ان کو قرآن نے وضاحت سے ذکر کر دیا۔

۱۷۳۔ یعنی جب موت کا وقت معین آجاتا ہے تو انسان اپنی قتل گاہ کی طرف خود بخود کھچا چلا آتا ہے۔ وہ لاکھ کترائے لیکن تقدیر اسے پابجولاں لے ہی آتی ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا ۲۲۴ بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے ۲۲۵

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ

اُس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا اُنھیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے

وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے اے ایمان والو!

۲۲۴ اب پھر خطاب مومنین صادقین سے ہے کہ ان مصیبتوں کی بھٹی میں تمھیں اس لیے ڈالا گیا کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے اور لغزش کا میل کچیل دُھل جائے۔

۲۲۵ اس افراتفری میں جو لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے انھیں پہلے مژدہ سنایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی غلطی معاف فرما دی ان کی مزید تسکین خاطر کے لیے اسی خوشخبری کو دہرایا جا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما میں کسی بات پر تیز کلامی ہوگئی۔ تو حضرت عبد الرحمٰن نے حضرت عثمان سے کہا کہ تمھیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ مجھے بُرا بھلا کہو کیونکہ میں بدر میں شریک تھا اور تم غیر حاضر تھے میں نے بیعت رضوان کی اور آپ نے نہیں کی۔ اور میں اُحد میں ثابت قدم رہا اور تم نہ رہے۔ تو حضرت عثمان نے جواب میں فرمایا کہ غزوۂ بدر میں میری غیر حاضری کی خاص وجہ تھی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی (ان کی زوجہ محترمہ) بیمار تھیں اور میں ان کی تیمارداری اور خدمت گزاری میں رہا اور حضور کریم نے مجھے مجاہدین بدر کے سے اجر کی خوشخبری بھی دی اور مال غنیمت سے مجھے ان کے برابر حصہ بھی دیا بیعت رضوان کے وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سفیر بن کر کفار مکہ کے پاس گیا ہوا تھا اور جب تم لوگ بیعت کر چکے تو حضورؐ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ھذہ لعثمان یہ ہاتھ عثمان کی طرف سے ہے فیمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشمالہ خیرلی من یمینی وشمالی۔ میرے دائیں اور بائیں ہاتھ سے سرور عالم کا دایاں اور بایاں ہاتھ میرے لیے ہزار درجہ بہتر ہے۔ باقی رہا غزوۂ اُحد کا حادثہ تو اس کے متعلق خود اللہ کریم نے فرما دیا لقد عفا اللہ عنھم کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بخش دیا۔ یہ مسکت جواب سن کر حضرت عبد الرحمٰن کو خاموش ہونا پڑا۔

اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

اے ۱۷۶ نہ ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح جنھوں نے کفر اختیار کیا اور جو کہتے تھے اپنے بھائیوں کو جب وُہ سفر کرتے

فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ

کسی علاقہ میں یا ہوتے تھے جہاد کرنے والے کہ اگر وُہ ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ

تاکہ بنائے ۱۷۷ اللہ تعالیٰ اس (خیالِ باطل) کو حسرت (کا باعث) ان کے دلوں میں اور در حقیقت اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے اور واقعی اگر تم قتل کیے جاؤ ۱۷۸ راہ خُدا میں

۱۷۶ مُنافقین جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے اور مسلمانوں کے ساتھ بھائی چارے کا دعویٰ کیا کرتے وُہ اپنی بُزدلی اور نامردی کو حزم و احتیاط اور مسلمانوں کے جذبہ جہاد اور شوقِ سرفروشی کو دیوانگی سمجھا کرتے۔ اور جب کوئی مسلمان جہاد میں جامِ شہادت نوش کرتا تو رونی صُورت بنا کر خیر خواہی کے انداز میں کہا کرتے کہ کاش یہ ہمارے بھائی جو جنگوں میں کٹ کٹ کر مر رہے ہیں ہماری طرح آرام سے گھروں میں ٹھیرتے تو کاہے کو یہ مُصیبت آتی۔ بچے یتیم ہوئے۔ بیگم کا سہاگ اُجڑا۔ ماں کی دُنیا تاریک ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو ہوشیار فرما رہے ہیں کہ ان مکاروں کے فریب میں نہ آنا۔ موت و حیات میرے قبضۂ قدرت میں ہے۔ میں چاہُوں تو گھر میں رُوح قبض کر لُوں اور چاہُوں تو گھمسان کے رن میں جہاں گولیاں برس رہی ہوتی ہیں۔ توپیں دھاڑ رہی ہوتی ہیں اور طیارے بموں کی بارش کر رہے ہوتے ہیں بچا لُوں۔

۱۷۷ حسرت یہ تھی کہ مُسلمان ان کی باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ باپ شہید ہو چکا ہے اور بیٹا کفن باندھے میدانِ جہاد کا رُخ کر رہا ہے۔ بھائی سر کٹا چکا ہے اور دُوسرا بھائی خونِ شہادت سے سُرخرُو ہونے کی دُعائیں مانگ رہا ہے۔ ماں اپنے ایک شہید بیٹے کو سپُردِ خاک کرنے کے بعد دُوسرے بیٹے کو اپنے دُودھ کی لاج رکھنے کی نصیحت کر کے سر پر خود اور ہاتھ میں تلوار دے رہی ہے۔ ان منافقین کے لیے اس سے زیادہ حسرت آمیز اور الم انگیز کیا چیز ہو سکتی ہے۔

۱۷۸ پہلے تو یہ ضروری نہیں کہ جو گھر پر رہے گا وُہ مرے گا نہیں اور جو جہاد کے لیے جاتے گا وُہ ضرور مرے گا۔ اور اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ سودا بڑا سُود مند ہے۔ اس حیاتِ فانی کے عوض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت میسّر آ جائے تو پھر اور کیا چاہیے۔

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۱۵۷ وَ

یا تم مر جاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت (تو تمہیں نصیب ہوگی) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور

لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۵۸ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ

اگر تم مرگئے یا مارے گئے تو اللہ کے حضور جمع کیے جاؤ گے ۱۷۹ پس (صرف) اللہ کی رحمت سے ۱۸۰

اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

آپ نرم ہو گئے ہیں ان کے لیے اور اگر ہوتے آپ تند مزاج سخت دل تو یہ لوگ منتشر ہو جاتے

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى

آپ کے آس پاس سے تو آپ درگزر فرمایئے ان سے اور بخشش طلب کیجئے ان کے لیے ۱۸۱ اور (خاص خاص) مشورہ کیجئے ان سے اس

۱۷۹ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ سے کہیں دُور ہیں اور قیامت کے روز ہمیں اُس میدان میں کھڑا کیا جائے گا۔ جہاں ہم خُدا کے رُوبرو ہوں گے۔ ہم تو اب بھی اُس سے دُور نہیں۔ اور وُہ اب بھی ہماری شہ رگ سے قریب تر ہے لیکن آج ہم طرح طرح کی مشغولیتوں میں ایسے کھوئے ہُوئے ہیں کہ ہمیں اس قُرب کا احساس نہیں رہا۔ اِس طرح ہم اس سے گویا بہت دُور ہیں لیکن قیامت کے روز سارے مشاغل ختم ہو جائیں گے۔ اور قُربِ الٰہی کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں گے اور ہم اعتراف کریں گے کہ اب ہم اس کے رُوبرو کھڑے کر دیئے گئے ہیں۔

۱۸۰ ما موصولہ ہے اور تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ اسی لیے معنی میں "صرف" کا لفظ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ان قصورواروں کو جن کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہوگئی سزا تو کجا سرزنش تک بھی نہ کرنا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لطف و محبت سے پیش آنا محض اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جلوہ نمائی ہی تو تھی جس سے اس نے اپنے محبوب کو متصف فرمایا تھا۔ اگر حضورؐ کا حوصلہ اتنا وسیع، رحمت اتنی عام اور عفو و حلم اتنا بے پایاں نہ ہوتا تو حق کے متلاشیوں کا اتنا جمگھٹا کیسے ہوتا۔ لوگوں سے قصور ہو جاتا تو بعض شرم کے مارے اور بعض سزا کے خوف سے دُور بھاگ جاتے۔

۱۸۱ "حق تعالیٰ نے نہایت عجیب و غریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی"۔ (شیخ الہند) فاعف عنهم واستغفر لهم میں اپنے رسولؐ کو فرمایا کہ ان سے جو غلطی ہو گئی ہے اسے خود بھی معاف کر دیجئے اور میری جناب میں بھی شفاعت کیجئے کہ میں بھی ان سے راضی ہو جاؤں۔ سُبحان اللہ کیا شان ہے صحابہ کرام کی اور کتنا بلند مقام ہے ان کے نبی مکرمؐ کا۔ اور کیا کہنے مولا کریم کی رحمت کے جو اس نے اپنے محبوب اور اس کے ذریعہ اپنی سب مخلوق پر کی۔ اس آیت میں بالکل واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم گنہگاروں

الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

کام میں ۱۸۲؎ اور جب آپ ارادہ کرلیں ۱۸۳؎ (کسی بات کا) تو پھر توکل کرو اللہ پر بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ

اگر مدد فرمائے تمھاری اللہ تعالیٰ تو کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر اور اگر وہ (ساتھ) چھوڑ دے تمھارا تو کون ہے جو

يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا

مدد کرے گا تمھاری اس کے بعد اور صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو اور نہیں ہے

کے گناہ بخشنے کے لیے ہمارے دُکھ درد دُور کرنے کے لیے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دُعا کو واسطہ اور وسیلہ بنایا حضورؐ کو وسیلہ سمجھنا اور حضورؐ کی بارگاہ میں شفاعت کے لیے التجا کرنا شرک نہیں عین اسلام ہے اور قرآن کی تعلیم ہے۔

۱۸۲؎ امام ابی عبداللہ القرطبیؒ نے اس مقام پر خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ قال ابن عطیة والشوری من قواعد الشریعة وعزائم الاحکام ومن لا یستشیر اھل العلم والدین فعزله واجب مشورہ شریعت کے مسلّم اصولوں اور اہم ترین احکام سے ہے۔ اور جو حاکم اہلِ علم و دین سے مشورہ نہیں کرتا بلکہ خود رائی سے کام لیتا ہے اُسے معزول کردینا لازمی ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ خلفاء اور حکام پر واجب ہے کہ دینی معاملات میں علماء سے جنگی امور میں قائدین لشکر اور ماہرین حرب سے، عام فلاح و بہبود کے کاموں میں سرداران قبائل سے اور ملک کی ترقی اور آبادی کے متعلق عقلمند وزراء اور تجربکار عہدہ داروں سے مشورہ کریں۔" اور نبی اکرمؐ کو مشورہ کرنے کے حکم کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں ما امر اللہ نبیه بالمشاورۃ لحاجة منه الی رأیهم وانما اراد ان یعلمهم ما فی المشاورۃ من الفضل ولتقتدی به امته من بعده یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس لیے مشورہ کرنے کا حکم نہیں دیا کہ حضورؐ کو ان کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ اس میں حکمت یہ تھی کہ انھیں مشاورت کی شان کا پتہ چل جائے۔ نیز یہ کہ مشورہ سُنّتِ نبویؐ بن جائے اور اُمّتِ مسلمہ اس کی اقتداء اور اتباع کرے۔ اس کی ایک اور وجہ بھی لکھی ہے کہ تطییباً لنفوسهم ورفعاً لاقدارهم صحابہ کے دِلوں کو خوش کرنا اور ان کی قدر و منزلت کو بڑھانا بھی مقصود تھا۔

۱۸۳؎ خُوب غور و فکر، بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ کیا جائے اُس کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کرلینے کو عزم کہتے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کام کے کرنے میں لگ جانا عزم نہیں ہے۔ اسی لیے بعض علماء نے لغت نے لکھا ہے العزم والحزم واحد توکل کا اسلامی مفہوم پہلے بیان ہوچکا ہے مقصد یہ ہے کہ ایک بات طے کرلینے کے بعد پھر تذبذب کا شکار ہوجانا پیغمبر کی شایانِ شان نہیں اور نہ مومن کو ایسا کرنا زیبا ہے۔ کیونکہ اس سے دل میں کمزوری اور مزاج میں تلوّن پیدا ہوجاتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ خیانت کرے ۱۸۴؎ اور جو کوئی خیانت کرے گا تو لے آئے گا اپنے ہمراہ (خیانت کی ہوئی چیز کو) قیامت کے دن

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ

پھر پُورا پُورا بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا تو کیا جس نے

اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ

پیروی کی رضائے الٰہی کی اس کی طرح ہو سکتا ہے جو حقدار بن گیا ہے اللہ کی ناراضگی کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے لوگ درجہ بدرجہ ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے جو وہ

۱۸۴؎ اُحد کے دَرّہ پر متعین تیر اندازوں نے جب دُوسرے مسلمانوں کو مالِ غنیمت اکٹھا کرتے دیکھا تو اُن کے دل میں یہ خیال گزرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور فرما دیں من اخذ شیئا فھولہ جس نے جو چیز لے لی اُسی کی ہو گئی اور ہم بالکل محروم رہیں۔ یہ خیال کرکے اپنی جگہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے وجہ دریافت فرمائی تو وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکے۔ اس وقت نبی کریمؐ نے ان کے دل کی بات کہہ دی اظننتم انا نغل ولا نقسم لکم کیا تم یہ خیال کرتے تھے کہ ہم خیانت کریں گے اور تمہیں کچھ نہ دیں گے۔ اور اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ غُلّ کہتے ہیں مالِ غنیمت سے اس کی تقسیم سے پہلے کوئی چیز چھپا کر لے لینا۔ اس آیت میں اس جُرم کی قباحت اور اس کی سزا بیان کرکے اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب خیبر پر حضور کریمؐ نے حملہ کیا تو ان دنوں میں ایک شخص (جس کا نام نہیں لیا گیا) فوت ہو گیا۔ حضورؐ کی خدمت میں جنازہ کے لیے عرض کی گئی۔ تو رحمتِ عالمؐ نے فرمایا "صلوا علی صاحبکم" جاؤ تم اس کی نمازِ جنازہ پڑھ دو۔ صحابہ کرام کے چہروں کی رنگت بدل گئی تو حضورؐ نے فرمایا "ان صاحبکم غل فی اللّٰہ" کہ تمہارے اس ہمراہی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے۔ ہم حیران ہو گئے۔ اور جب اس کے مال کی تلاشی لی فوجدنا خرزا من خرز یھود لا یساوی درھمین تو ہمیں اس کے سامان سے یہودیوں کے چند منکے ملے جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی (ابوداؤد) اس سے معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں معمولی سی خیانت بھی اتنا بڑا جُرم ہے کہ حضورؐ جیسے رحم دل نبیؐ نے بھی اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ نگاہِ نبوت سے اتنی سی بات بھی پوشیدہ نہ تھی۔

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا

کرتے ہیں یقیناً بڑا احسان فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر ۱۸۵ جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

انھیں میں سے پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُنھیں اور سکھاتا ہے اُنھیں قرآن

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ

اور سنّت اگرچہ وُہ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں تھے کیا جب

اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ

پہنچی تمھیں ۱۸۶ کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو دشمن کو اس سے دُگنی تو تم کہنے لگے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت؟ فرمایئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ

یہ تمھاری طرف سے ہی آئی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وُہ مصیبت

۱۸۵ درندہ صفت انسان کیونکر فرشتہ سیرت بن گئے۔ جنھیں کوئی اپنا غلام بنانا بھی پسند نہیں کرتا تھا کیونکر آئینِ جہانبانی میں دُنیا بھر کے اُستاد ہو گئے۔ جن کی گھٹی میں شراب تھی۔ ظلم و ستم جن کا شعار تھا۔ کفر و شرک اور فسق و فجور کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے صدیاں گزر چکی تھیں۔ ان میں یہ مکمل تبدیلی اور ہمہ گیر انقلاب کیونکر آیا۔ جنھوں نے کبھی ان حقائق پر غور کیا ہے وُہی اس نبی معظم کی شانِ رفیع کو جان سکتے ہیں۔ تلاوتِ آیات، تعلیمِ کتاب و حکمت کے علاوہ تزکیہ نفس اور تربیتِ صالحہ سے یہ مبارک انقلاب رُونما پذیر ہوا۔ ان الفاظ پر حاشیہ سُورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

۱۸۶ واؤ عطف کے لیے ہے اور ہمزہ استفہام کے لیے۔ اُحد کے میدان میں مُسلمان ازراہِ تعجب کہنے لگے عجیب بات ہے ہم حق پر ہیں۔ راہِ خُدا میں جہاد کرنے نکلے ہیں اور رسُولِ خُدا بھی ہم میں موجُود ہیں۔ اور ہمیں اُن لوگوں کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانا پڑی جو کافر و مشرک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کیا ہُوا اگر تمھیں آج تکلیف پہنچی۔ اس سے پہلے تم ان پر دوگنی ضرب لگا چکے ہو۔ تم نے بدر میں ان کے ستّر سردار قتل کیے اور ستّر کو قیدی بنا لیا تھا۔ اور اس پسپائی کے اسباب کے متعلق زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم میں سے بعض نے ہمارے رسُول کے حکم سے سرتابی کی اور تم سب کو اس کا مزا چکھنا پڑا۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ حق کے ماننے والے ظاہری اسباب کے مہیا کرنے اور تدبر سے کام لینے میں سُستی کرتے ہیں۔ اور یہ سمجھ کر کہ ہم اہلِ حق ہیں اپنی کامیابی

أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

جو پہنچی تھی تمھیں اُس روز جب مقابلہ کو نکلے تھے دونوں لشکر تو وُہ اللہ کے حکم سے ۱۸۷؎ پہنچی تھی اور (مقصد یہ تھا کہ) دیکھ لے اللہ تعالیٰ مومنوں کو ۱۸۸؎

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور دیکھ لے جو نفاق کرتے تھے اور کہا گیا ان سے آؤ لڑو اللہ کی راہ

اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوْا ۖ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ

میں یا بچاؤ کرو (اپنے شہر کا) بولے ۱۸۹؎ اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمھاری پیروی کرتے۔ وُہ کفر سے

يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

اُس روز زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے کہتے ہیں اپنے مُنہ سے (ایسی باتیں) جو نہیں ہیں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ الَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ

اُن کے دِلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب ۱۹۰؎ جانتا ہے جسے وُہ چھپاتے ہیں جنھوں نے ۱۹۱؎ کہا اپنے بھائیوں کے بارے میں

کا یقین کر لیتے ہیں اور ظاہری قواعد و ضوابط کی پابندی کو اِتنی اہمیت نہیں دیتے اُنھیں اِس آیت پر مکرّر غور کرنا چاہیے کہ جب صحابہ کی مقدس اور حق کی علمبردار جماعت سے معمولی سی فروگزاشت ہوگئی تو انجام کیا ہوا۔ بلکہ اہل حق کو تو بہت محتاط ہونا چاہیے کیونکہ ان کی کامیابی صرف ان کی کامیابی ہی نہیں بلکہ حق کی کامیابی بھی ہے اور ان کی شکست صرف ان کی شکست نہیں بلکہ حق کی شکست ہے

۱۸۷؎ اِذن سے مُراد "بقضائه وقدره" (قرطبی) اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر ہے۔

۱۸۸؎ علم کا مفہوم ہے تمیز کرنا یا جتا دینا یا ظاہر میں واقع ہونا۔ اِس کی وضاحت ابھی گزری ہے۔

۱۸۹؎ جب منافقین کو شرکت کی دعوت دی گئی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اپنے سے چار گنا مسلح اور ہر ساز و سامان سے لیس لشکر کے ساتھ کھلے میدان میں نکل کر ٹکر لینا لڑائی نہیں بلکہ خودکشی ہے ہم جنگ میں تو تمھارا ساتھ دینے کے لیے آمادہ ہیں لیکن جان بُوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانے کے لیے تیار نہیں۔ ولكن ما انتم عليه ليس بقتال بل القاء بالنفس الى التهلكة۔ (بیضاوی)

۱۹۰؎ مُسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت سے پہلوتہی کی اصلی وجہ ان کا نفاق تھا جسے وُہ اپنے دِل میں چھپائے ہُوئے تھے دُوسری باتیں تو ملمع سازی کے لیے تھیں۔

۱۹۱؎ اُن کے نفاق کی دُوسری کھُلی علامت اُن کا یہ قول ہے۔

وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ

حالانکہ وُہ خود (گھر) بیٹھے تھے کہ اگر وُہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے آپ فرمائیے ذرا دُور تو کر دکھاؤ ١٩٢ اپنے آپ سے

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ

موت کو اگر تم سچے ہو اور ہرگز یہ خیال نہ کرو ١٩٣ کہ وُہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ

کی راہ میں ١٩٤ وُہ مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں ١٩٥ اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیے جاتے ہیں شاد ہیں

١٩٢ یعنی اگر تم اتنے زیرک اور دانا ہو کہ اپنے ناوک تدبیر سے عقابِ تقدیر کو گھائل کر سکتے ہو تو ذرا خُود کو موت کے آہنی پنجہ سے چھڑا کر دکھاؤ۔

١٩٣ ولا تحسبن الخ سُورہ البقرہ کی آیت ١٥٤ میں تو یہ فرمایا کہ زبان سے مت کہو کہ شہید مُردہ ہیں بلکہ وُہ زندہ ہیں۔ یہاں یہ تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ تمھارے دل میں بھی یہ گمان نہ گزرے کہ راہِ خُدا میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے والے مُردہ ہیں۔ بلکہ وُہ زندہ ہیں اور انھیں اپنے رب کی جناب سے رزق بھی دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے جس خصوصی لُطف و احسان سے اُنھیں نوازا ہے اس پر وُہ خوشی سے پھُولے نہیں سماتے۔

البتہ اس زندگی کی حقیقت ہمارے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ اور کسی چیز کا ہمارے فہم کی رسائی سے بالاتر ہونا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ رُوح کی ماہیت آج تک سرِّ مکتوم ہے۔ اس کو نہ سمجھ سکنا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ ہم شہداء کو زندہ یقین کرتے ہیں کیونکہ ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ وُہ زندہ ہیں۔ ہم اُن کو مُردہ نہیں کہتے ہم انھیں مُردہ خیال بھی نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمارے رب نے اُنھیں مُردہ کہنے اور اُنھیں مُردہ خیال کرنے سے تاکیداً منع کیا ہے ہمارے رب کا ہر ارشاد حق ہے اور اُس کا ہر فرمان سچّا ہے اور واجب الاذعان ہے۔ ہم عقل کے غلام نہیں کہ عقل جس کو تسلیم کرے اس کو مان لیں اور جس کو تسلیم نہ کرے اُس کا انکار کر دیں۔ ہم تو اللہ کے بندے اور اس کے رسُولؐ کے غلام ہیں اور اس پر نازل ہونے والی وحی کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔

١٩٤ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب تمھارے بھائی اُحد میں شہید ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی ارواح کو سبز پرندوں کے قالب عطا فرمائے۔ وُہ جنّتی نہروں پر سیر کرتے پھرتے ہیں جنّتی میوے کھاتے ہیں طلائی قندیلیں جو زیرِ عرش معلّق ہیں اُن میں رہتے ہیں۔ جب اُنھوں نے کھانے پینے رہنے کے پاکیزہ عیش پائے تو کہا کہ ہمارے بھائیوں کو کون خبر دے کہ ہم جنّت میں زندہ ہیں تاکہ وُہ جنّت سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے بیٹھ نہ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں

بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا

ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انھیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے ۱۹۵ اور خوش ہو رہے ہیں ۱۹۶ بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آملے

بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ

خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

ع ۱۷ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ

اجر ایمان والوں کا جنھوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر ۱۹۸ اس کے بعد کہ

انھیں تمہاری خبر پہنچاؤں گا۔" (خزائن العرفان) اللہ کے رسول کی یہ حدیث بھی صحیح ہے اور اللہ کی کتاب کی یہ آیت بھی سچی ہے جنت میں رہتے ہوئے شہداء کی روحوں کا تعلق اپنے بدنوں سے قائم ہے اور وہ اپنے بدنوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ اسی حیات کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر سال شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جایا کرتے تھے اور انھیں اپنی دعاؤں اور تسلیمات سے محظوظ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے جمال جہاں افروز کے دیدار سے بھی انھیں شاد کام فرمایا کرتے۔

۱۹۵ علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حیاة الشهداء محققة۔ شہداء کا زندہ ہونا ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ وان الارض لا تاكل اجساد الانبياء والشهداء والعلماء والمؤذنين المحتسبين وحملة القرآن یعنی زمین انبیاء کرام، شہیدوں، علمائے ربانیین، ثواب کے لیے اذان دینے والوں اور قرآن کے حافظوں کے جسم نہیں کھاتی۔

۱۹۶ یعنی شہادت کا شرف، ابدی زندگی، قرب الٰہی اور نعیم جنت سے لطف اندوزی۔ (بیضاوی)

۱۹۷ شہداء جب اللہ تعالیٰ کی شان بندہ پروری اور ذرہ نوازی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں کہ اپنے پیچھے جن مسلمانوں کو وہ چھوڑ آئے ہیں وہ بھی راہِ خدا میں جان دینے کے بعد انہی عنایات اور نوازشات سے بہرہ ور کیے جائیں گے (حیاتِ شہداء کے متعلق تفصیلی بحث سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیہ آیت ۱۵۴)

۱۹۸ جب ابوسفیان اپنے لشکر سمیت روحاء کے مقام پر پہنچا تو اپنی مہم کو ادھورا چھوڑنے پر سب کو سخت ندامت ہوئی اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ واپس جا کر تھکے ماندے زخموں سے چور مسلمانوں پر حملہ کر کے ان کا قصہ پاک کر دیں جب یہ خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تو حضور نے بھی اپنے صحابہ کو دشمن کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اس مہم میں صرف وہی لوگ ہمارے

أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾

لگ چکا تھا انھیں (گہرا) زخم ان کے لیے جنھوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انھیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے ١٩٩ جمع کر رکھا ہے تمھارے لیے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے

فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۖ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٧٣﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ

تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوشِ) ایمان کو اور انھوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ)

مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ

واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ ٢٠٠ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٧٤﴾ إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ

اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمھیں)

ساتھ جا سکتے ہیں جو کل اُحد کے میدان میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور کریمؐ کا حکم سُن کر صحابہ کرام اپنے مجروح جسموں کے ساتھ لبیک کہتے ہُوئے حاضر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی اس اطاعت کاملہ پر اُن کی توصیف فرما رہا ہے۔

١٩٩؎ ابوسفیان اُحد سے لوٹتے وقت مسلمانوں کو چیلنج دے گیا تھا کہ اب آئندہ سال میدان بدر میں ہم تمھارے ساتھ جنگ کریں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے اس چیلنج کو قبول فرما لیا تھا۔ جب وقت مقرر آیا تو ابوسفیان دو ہزار پیدل اور پچاس سوار اُن سمیت بدر کے میدان کی طرف روانہ ہوا۔ لیکن دل اتنا مرعوب ہوا کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہُوئی۔ اور نعیم ثقفی جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا اُس سے وعدہ کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو مدینہ سے باہر نکلنے سے باز رکھے تو وہ اسے دس اونٹ انعام دے گا۔ جب نعیم مدینہ پہنچا تو اُس نے پُرزور پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ ابوسفیان نے بڑے کرّوفر سے اس دفعہ بدر کی طرف کُوچ کیا ہے اگر تم نے بدر کا رُخ کیا تو یاد رکھو تمھاری خیر نہیں۔ تم سے زندہ بچ کر گھر کوئی نہیں آئے گا لیکن مسلمانوں نے اُس کے اس طلسم کو یہ کہہ کر توڑ دیا کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

٢٠٠؎ جب مسلمان اپنے رب پر بھروسہ کر کے اپنے رسولؐ کی قیادت میں بدر کی طرف روانہ ہُوئے تو دشمن ان کی روانگی کی خبر سُن کر راستہ سے ہی واپس مکّہ لوٹ گیا۔ مسلمان چند روز تک بدر میں ٹھیرے رہے۔ تجارت سے خُوب نفع کمایا اور شادان و

أَوْلِيَاءَهُ ۖ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۵﴾

اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے ۲۰۰ بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا

اور (اے جانِ عالم) نہ غمزدہ کریں آپ کو جو جلدی سے ۲۰۱ کفر میں داخل ہوتے ہیں بے شک یہ لوگ نہیں نقصان پہنچا سکتے

اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ

اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ نہ رکھے ان کے لیے ذرا حصہ آخرت (کی نعمتوں) سے ۲۰۳ اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ

عذاب عظیم ہے بے شک جنھوں نے خرید لیا کفر کو ایمان کے عوض میں ۲۰۴ ہرگز

فرحاں صحیح وسلامت مدینہ طیبہ کو مراجعت فرما ہوئے۔

۲۰۰ مسلمانوں کو سبق دیا جا رہا ہے کہ تم دشمن سے نہ ڈرا کرو بلکہ اپنے رب سے ڈرا کرو۔ اور جو اپنے رب سے ڈرتا ہے ساری دُنیا اس سے لرزہ براندام رہتی ہے۔ جب سے مسلمانوں نے یہ سبق فراموش کر دیا اُس وقت سے مسلمانوں کے قدم پیچھے ہٹنے شروع ہو گئے ہیں۔

۲۰۱ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی اس سے کئی منافق کھلے طور پر اپنے کفر کا اعلان کرنے لگے۔ اور اسلام کا ظاہری نقاب جو اُنھوں نے اپنے عقیدہ پر ڈال رکھا تھا اُسے بھی اُٹھا دیا۔ نیز حضورؐ کی دُعاؤں، انتہائی کوشش اور جان سوزی کے باوجود کفار اپنے کفر سے چمٹے رہنے پر مُصر تھے جس سے نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دل بہت حزین رہتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیبؐ کو تسلّی دے رہے ہیں کہ آپ غمناک کیوں ہوں۔ آپ نے تو سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے۔ اگر اس کے باوجود وہ کفر کو نہیں چھوڑتے تو یہ ان کی اپنی شامتِ اعمال اور بدنصیبی ہے۔ یہ لاکھ جتن کریں اللہ کے دین کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

۲۰۳ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہیں کہ اُنھیں آخرت کی ابدی نعمتوں سے کچھ حصہ ملے اُنھوں نے اُس کے محبوبؐ کو بے حد ستایا ہے۔ اُنھوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا ہے اور راہِ راست کو چھوڑ کر گمراہی کا راستہ اپنے لیے پسند کیا ہے۔ یہ اس لائق ہی نہیں کہ انھیں نورِ ایمان سے بہرہ ور کیا جائے۔

۲۰۴ انھیں دولتِ ایمان سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن مسلمانوں کو اُحد میں جو زک پہنچی اُن لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام کا مستقبل مخدوش ہے۔ اس کا سورج آن کی آن میں ڈوبا چاہتا ہے۔ اب سلامتی اسی میں ہے کہ کفر کی طرف لوٹ چلیں اور کفار سے اپنے دیرینہ تعلقات

يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

نقصان نہ پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور نہ خیال کریں ۲۰۵ جو کفر

كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

کر رہے ہیں کہ ہم جو مہلت دے رہے ہیں انھیں یہ بہتر ہے ان کے لیے صرف اس لیے ہم تو انھیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور زیادہ کرلیں گناہ اور ان کے لیے عذاب ہے ذلیل و خوار کرنے والا نہیں ہے اللہ کی شان کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو ۲۰۶

کو از سر نو بحال کریں جن کو جلد بازی سے انھوں نے توڑ دیا تھا۔ اس طرح ان دُون ہمت اور کوتاہ نظر لوگوں نے نقد ایمان دے کر کفر کا دوبارہ سودا کر لیا۔ وہ یقین رکھیں اُن کی یہ حرکت ان کو تو عذاب الیم میں مبتلا کرنے کا باعث ضرور بنے گی لیکن اللہ کے دین کی ترقی میں رکاوٹ ہرگز نہ بن سکے گی۔

۲۰۵ الاملاء طول العمر و رغد العیش۔ درازیٔ عمر اور اس کو عیش و عشرت کے ساتھ بسر کرنے کی مہلت کو املاء کہتے ہیں لیکن کفار اس پر مغرور نہ ہوں۔ اُنھیں جتنی ڈھیل دی جارہی ہے گناہوں کا بوجھ زیادہ ہورہا ہے۔ اور اس طرح ان کی سزا اور عذاب میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ "سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا گیا کون شخص اچھا ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل اچھے ہوں۔ عرض کیا گیا بدترین کون ہے فرمایا جس کی عمر دراز اور عمل خراب"۔ (خزائن العرفان)

۲۰۶ ابتداء میں کئی لوگ زبان سے اسلام کا اقرار کر کے مسلمانوں میں داخل ہوجایا کرتے اور مسلمان اُن سے بالکل اپنے بھائیوں کا سا سلوک کرتے لیکن ہر نازک مرحلہ پر یہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس، ان کی صفوں میں انتشار اور ان کے رازوں کو افشا کر کے انتہائی اذیّت و تکلیف پہنچاتے۔ اس لیے زیادہ دیر تک اُن کا مسلمانوں میں ملے جُلے رہنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حکمتِ الٰہی اِس بات کی روادار نہیں کہ مخلص و منافق آپس میں ملے جُلے رہیں بلکہ ان کو الگ الگ کرنا ضروری ہے۔ ان کو کیونکر الگ الگ کیا گیا۔ اِس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ابتلاء و آزمائش سے، اِسلام کو کامیاب اور باطل کو سرنگوں کرنے سے یا بذریعہ وحی اپنے نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو منافقوں کا علم عطا فرمانے سے۔ چنانچہ علامہ بیضاوی نے یہ روایت نقل کی ہے۔ انه علیه السلام قال عرضت علی امتی واعلمت من یؤمن بی ومن یکفر فقال المنافقون انه یزعم انه یعرف من یؤمن ومن یکفر ونحن معه ولا یعرفنا فنزلت (بیضاوی) حضورؐ نے فرمایا کہ میری اُمّت (دعوت) میرے سامنے پیش کی گئی۔ اور مجھے علم دیا گیا کہ کون میرے ساتھ ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا۔ اِس وسعتِ علمی پر کسی مومن نے اعتراض نہیں کیا بلکہ منافقین نے ازراہِ مذاق کہا کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ میں ہر مومن اور ہر کافر کو جانتا ہوں اور حالت

عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ

اس حال پر جس پر تم اب ہو جب تک الگ نہ کر دے پلید کو پاک سے اور نہیں ہے

اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ

اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر لیکن البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے

یہ ہے کہ ہم ہر وقت آٹھوں پہر ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ہمارا تو علم نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقوں کا علم تھا۔ نیز یہ بھی پتہ چلا کہ علم کا ظاہر نہ کرنا علم کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ اور صحابہ کرام تو اپنے نبی پاک کے علم کی وسعت کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے البتہ منافق لوگ تسلیم نہ کرتے اور چیں بجبیں ہو کر اعتراض کرتے۔

تفسیر خازن اور معالم التنزیل میں اس روایت کو تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ مندرجہ عبارت کے بعد لکھتے ہیں :- فبلغ ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام علی المنبر فحمد اللہ تعالیٰ واثنی علیہ ثم قال مابال اقوام طعنوا فی علمی لاتسئلونی عن شیٔ فیما بینی وبین الساعۃ الا نبأتکم بہ فقام عبد اللہ بن حذافہ فقال من ابی یارسول اللہ فقال حذافۃ فقام عمر فقال یارسول اللہ رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبالقرآن اماما وبک نبیا فاعف عنا عفا اللہ عنک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھل انتم منتھون فھل انتم منتھون ثم نزل عن المنبر فانزل اللہ ھذہ الایۃ۔

ترجمہ: منافقین کا یہ قول حضور کو پہنچا تو حضور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔ اس قوم کا کیا حال ہوگا جو میرے علم پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس وقت سے لے کر قیامت تک ہونے والی کوئی بات پوچھو میں یہاں کھڑے کھڑے تمہیں اس کا جواب دوں گا۔ عبد اللہ بن حذافہ اُٹھے (ان کی نسب پر طعن کیا جاتا تھا) یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا حذافہ۔ حضرت عمرؓ نے معذرت طلب کی۔ حضورؐ نے دو بار فرمایا کہ کیا میرے علم پر اعتراض کرنے سے باز آؤ گے یا نہیں؟ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منبر سے اُترے۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

ٹ۔ کیونکہ منافقین کی پہچان بذریعہ وحی حضور اکرمؐ کو ہی کرائی گئی تھی۔ اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ غیب پر مطلع ہونا ہر کسی کے اختیار کی بات نہیں اور نہ ہر ایک میں اس کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ عام لوگوں کا ذریعۂ علم تو دلائل اور ظاہری علامات ہیں اور غیب پر صرف رسولوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کیونکہ ان میں ہی غیب پر مطلع ہونے کی استعداد پائی جاتی ہے۔ اور اولیائے کرام کو یہ نعمت حضور فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی سے میسر ہوتی ہے اور حضورؐ کے وسیلہ کے بغیر یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔ (روح المعانی) اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ جتنا چاہتا ہے اپنے رسولوں کو سکھا دیتا ہے اور اس ذات کریم نے اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کو جتنا چاہا دیا۔ یہ جتنا اللہ تعالیٰ کے علم غیر متناہی کا بعض ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ

جسے چاہتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لیے

اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ

اجر عظیم ہے اور ہرگز نہ گمان کریں جو بخل کرتے ہیں ۲۰۲ اس میں جو دے رکھا ہے انھیں

مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے لیے بلکہ یہ بخل بہت بُرا ہے ان کے لیے۔ طوق پہنایا جائے گا انھیں

مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

وُہ مال جس میں اُنھوں نے بخل کیا قیامت کے دن اور اللہ کے لیے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی

لیکن مخلوق کے علم کے مقابل ایک بیکراں سمندر ہے جس کی حدود وقیود وہم انسان مقرر نہیں کر سکتے۔ جو لوگ اس "عطا" کو یہاں تک تنگ کر دیتے ہیں کہ حضورؐ کو اور تو اور اپنے انجام کا بھی علم نہ تھا کہ آپ کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ ان کی اپنی تنگ دلی اور تنگ نظری مستحق ہزار تاسف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کرم وعطا وبخشش (کریم معطی۔ وہاب) کے انکار کا نام توحید رکھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مصطفےٰ کے قلب منوّر کو علوم غیبیہ سے بھرپور فرمایا لیکن حضورؐ کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی طرح ذاتی ہے نہ غیر متناہی۔ بلکہ وُہ محض عطائے الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط وتفصیلی کے ساتھ اس کی نسبت ذرّہ اور صحرا، قطرہ اور دریا کی بھی نہیں۔ لیکن علوم خلائق کے مقابلہ میں وُہ بحر ذخار ہے جس کی گہرائی کو کوئی غواص آج تک نہ پا سکا اور جس کے کنارہ تک کوئی شناور آج تک نہ پہنچ سکا۔

۲۰۲ لغت میں بُخل کہتے ہیں اس چیز کا روک لینا جس کا ادا کرنا اس پر واجب ہو۔ والبخل فی اللغۃ ان یمنع الانسان الحق الواجب علیہ (القرطبی) اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو مالی حقوق کو ادا کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حدیث صحیح میں اس آیت کی تفسیر یوں کی گئی ہے کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی وُہ مال سانپ بن کر اس کو طوق کی طرح لپٹے گا اور یہ کہہ کر ڈستا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔" (خزائن العرفان)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا ع ۱۸ ۹

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے خبردار ہے ۔ بے شک سنا ۲۰۹؎ اللہ نے قول ان (گستاخوں) کا جنھوں نے کہا

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ

کہ اللہ مفلس ہے حالانکہ ہم غنی ہیں ہم لکھ لیں گے ۲۱۰؎ جو انھوں نے کہا نیز قتل کرنا ان کا

الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ

انبیاء کو ناحق (بھی لکھ لیا جائے گا) اور ہم کہیں گے کہ (اب) چکھو آگ کے عذاب (کا مزہ) یہ

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ ج

بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے ۲۱۱؎ اور یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کہا کہ تحقیق اللہ نے اقرار لیا ہے ہم سے کہ ۲۱۲؎ ہم نہ ایمان لائیں کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ

۲۰۹؎ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کو یہود کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس اپنا مکتوب گرامی دے کر بھیجا جس میں اُن کو دعوتِ اسلام دی گئی تھی۔ نماز اور زکوٰۃ کے متعلق تاکید کی گئی تھی۔ اور یہ بھی تحریر تھا کہ "ان یقرض اللّٰہ قرضا حسنا" یعنی اللہ تعالیٰ کو قرضہ حسنہ دیں (نیکی کے کاموں میں اپنی دولت خرچ کریں) اس پر ان کے ایک منہ پھٹ فنحاص بن عازوراء نے ازراہِ تمسخر کہا کہ اللہ مفلس و نادار ہے اسی لیے تو ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ حلیم الطبع ابوبکرؓ اس گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور اُس کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔ اور فرمایا اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو تمہارا سر قلم کر دیتا۔ اس نے حضورؐ کے پاس حضرت صدیق کی شکایت کی اور اپنے الفاظ سے بالکل مکر گیا۔ اُس وقت رب العزت نے یہ آیت نازل فرمائی۔

۲۱۰؎ ہم یہ الفاظ ان کے نامۂ عمل میں لکھ لیں گے۔ کلامِ الٰہی کے ساتھ مذاق اتنا بڑا جرم ہے کہ قتلِ انبیاء کے ساتھ اسے لکھا گیا۔

۲۱۱؎ یعنی یہود کو یہ عذابِ شدید بلا وجہ نہیں دیا گیا بلکہ اُن کی بدکرداریوں کا طبعی ثمر اور عادلانہ سزا ہے۔

۲۱۲؎ یہود نے جو فنِ حیلہ سازی کے امام تھے حضورؐ پر ایمان نہ لانے کا ایک اور عذر تراشا۔ کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو نبی نہیں مان سکتے۔ کیونکہ ہمارے رب نے ہم سے یہ پختہ وعدہ لیا ہے کہ کسی ایسے شخص کو نبی نہ ماننا جو تمہیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ وہ قربانی کرے اور آسمانی آگ آکر اُسے جلا کر راکھ کر دے۔ اور آپ نے تو یہ معجزہ دکھایا نہیں اس لیے ہم آپ کی رسالت تسلیم کرنے سے معذور ہیں۔ قرآن نے

يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ

لائے ہمارے پاس ایک قربانی کھالے اس کو آگ آپ فرمائیے آچکے تمھارے پاس رسول مجھ سے

قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ

پہلے بھی دلیلوں کے ساتھ اور اس معجزہ کے ساتھ بھی جو تم کہہ رہے ہو تو کیوں قتل کیا تھا تم نے انھیں اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝۱۸۳ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

سچے ہو اگر یہ جھٹلاتے ہیں ۲۱۳ آپ کو تو یہ کوئی نئی بات نہیں) بے شک جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے

جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝۱۸۴ كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ

جو لائے تھے معجزات اور صحیفے اور روشن کتاب ہر نفس چکھنے والا ہے

الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ

موت کو ۲۱۴ اور پوری پوری مل کر رہے گی تمھیں تمھاری مزدوری قیامت کے دن پس جو شخص بچا لیا گیا آتش

اُن کے اس عُذر کو بھی باطل کر دیا۔ تمھاری مقدس کتابوں میں یہ تو ہے کہ بعض انبیاء نے یہ معجزہ دکھایا کہ ان کی دُعا سے آسمان سے آگ اُتری اور اُن کی قربانی کو جلا گئی۔ لیکن یہ تصریح نام کو بھی نہیں کہ جو نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس پر ایمان نہ لانا۔ اگرچہ اس کی صداقت کی اور واضح دلیلیں موجود ہوں۔ اور اگر ایک لمحہ کے لیے یہ فرض بھی کر لیا جائے تو تم نے اس کا پہلے کب پاس رکھا۔ وُہ انبیاء جن سے یہ معجزہ ظاہر ہوا اُن کے ساتھ بھی تم نے کفر کیا۔ اور صرف زبانی کفر پر ہی بس نہیں کی بلکہ ان کو قتل تک کر دیا۔ تمھیں جن کا دامن معصوم انبیاء کے پاک خُون سے داغدار ہے ایسی بے سروپا باتیں کہتے ہُوئے حیا نہیں آتی۔

۲۱۳ بیّنات سے مُراد معجزات اور عقلی دلائل ہیں۔ زبر جمع ہے زبُور کی۔ اِس کا معنی وعظ و نصیحت ہے۔ اور کتاب سے مُراد وُہ صحیفہ ہے جس میں شریعت کے احکام درج ہوں مولا تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلّی دے رہا ہے کہ منکرینِ حق کا یہ پُرانا شیوہ ہے کہ اُنھوں نے ہر اُس نبی کو جھٹلایا جو اپنی سچائی کی روشن اور ناقابلِ تردید دلیلیں لے کر آیا۔

۲۱۴ اِس میں یہود اور منکرین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ وُہ دِن آنے والا ہے جب تمھیں موت کا پیالہ پینا پڑے گا اور اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اور اس میں اُن مسلمانوں کے لیے تسلّی بھی ہے جو قبولِ اسلام کے بعد اپنوں اور بیگانوں کے مظالم کا ہدف بنے ہُوئے تھے کہ گھبراؤ نہیں حق کے لیے اپنی زندگی کے چار روز جیسے گزرتے ہیں گزار لو۔ اور وُہ دِن آنے والا ہے جب تمھیں اس کا

النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ

دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں یہ دُنیوی زندگی مگر ساز و سامان

الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ۟ وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ

دھوکہ میں ڈالنے والا۔ یقیناً ۲۱۵ تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے اور یقیناً تم سنو گے ان سے

الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا اَذًی

جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا اذیت دینے والی

كَثِیْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

بہت باتیں اور اگر تم (ان دل آزاریوں پر) صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ ۲۱۶ اُن لوگوں سے جنھیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور کھول کر بیان کرنا اسے لوگوں سے

وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا

اور نہ چھپانا اس کو تو (اُلٹا) اُنھوں نے پھینک دیا اس وعدہ کو اپنی پشتوں کے پیچھے اور اُنھوں نے خرید لی اس کے عوض تھوڑی

اجرِ عظیم عطا فرمایا جائے گا۔

۲۱۵ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو پہلے ہی بتا رہے ہیں کہ مدینہ کی غیر مسلم آبادی مشرک اور اہل کتاب سے اچھے سلوک کی توقع مت رکھو وہ تمھارے مال و جان کو گزند پہنچائیں گے۔ تمھیں کوسا جائے گا۔ تمھارے خلاف پروپیگنڈا کی خطرناک مہم چلائی جائے گی تمھیں طرح طرح سے مطعون کیا جائے گا اور تمھارے محبوب رسول کی شان میں زبان درازی کی جائے گی ایسی حالت میں عام طور پر جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ زبان اور ہاتھ پر قابو نہیں رہتا اور انسان ہر طرح کی جوابی کارروائی کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور اور ہر جائز اور ناجائز حربہ استعمال کرنے کے لیے معذور پاتا ہے۔ اگر ایسے نازک حالات میں بھی تم نے صبر و استقامت کا دامن نہ چھوڑا اور اپنے بلند کردار پر جمے رہے تو تمھاری عظمت و رفعت پر انسانیت فخر کرے گی اور ایسا کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

۲۱۶ اس میں علماء اہل کتاب کی اخلاقی پستی اور علمی خیانت کا حال بیان کیا جا رہا ہے اور مقصد یہ ہے کہ علماء اسلام ان کے رویّے سے

قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ

سی قیمت سو بہت بُری ہے وُہ چیز جو وُہ خرید رہے ہیں ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں

بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم

اپنی کارستانیوں پر اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے ایسے کاموں سے جو اُنھوں نے کیے ہی نہیں تو ان کے متعلق یہ گمان

بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ

نہ کرو کہ وُہ امن میں ہیں عذاب سے ان کے لیے ہی تو دردناک عذاب ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی

ع ۱۹ / ۱۰ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾ إِنَّ فِي

آسمانوں اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پُوری طرح قادر ہے بے شک

عبرت حاصل کریں۔

۱۸۸ منافقین ہر دفعہ جہاد میں شرکت نہ کرتے اور اس محرومی پر اُنھیں افسوس اور ندامت نہ ہُوا کرتی بلکہ اسے اپنی عقلمندی کا کرشمہ سمجھتے اور خوش ہوتے۔ نیز اگرچہ ان کی زندگی کی کتاب شجاعت و ایثار، اخلاص اور تقویٰ کے کارناموں سے یکسر خالی تھی لیکن وُہ اس بات کو دل سے پسند کرتے کہ اُنھیں شجاع، ایثار پیشہ، مخلص اور متقی کہا جائے۔ اُن کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ ایسا مریض جس کی قوتِ عملیہ مفلوج ہو چکی ہو۔ اور جس کا ذہن خودستائی اور خودپسندی کی بیماری میں مبتلا ہو اُس کے تندرست ہونے کی بہت کم توقع ہُوا کرتی ہے۔ وُہ اپنی ان کوتاہیوں کے انجامِ بد سے ضرور دوچار ہو کر رہے گا۔ اگرچہ یہ آیت یہود اور منافقین کی کمزوریوں کو آشکارا کرنے کے لیے نازل ہُوئی لیکن یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس میں ہمارے لیے کوئی سبق نہیں۔ میدانِ عمل سے فرار اور اس پر بھی اپنی ستائش و تعریف سُننے کی خواہش دو ایسی کمزوریاں ہیں کہ جو شخص ان کا شکار ہو جاتا ہے اس کا وُہی انجام ہوتا ہے جو قرآن نے واضح الفاظ میں بیان فرما دیا۔ کتنے نامور باپوں کے فرزند، کتنے علم و عرفان کے خانوادوں کے چشم و چراغ اور ثروت و سطوت کے وارث اِن خرابیوں کے باعث اپنے اسلاف کی عظمت کو خاک میں ملا چکے ہیں۔ کیونکہ ان کو بڑی آسانی سے ایک بنا بنایا حلقہ دستیاب ہو جاتا ہے جو اُن کی ہر حرکت کو مستحسن اور ان کی تمام کوتاہیوں کے باوجود اُن کو مجمع صفاتِ کمال سمجھتا یا کہتا ہے۔ ہر باپ کا یہ فرض ہے کہ وُہ اپنی اولاد کو، اُستاد اپنے شاگردوں کو اور مُرشد اپنے عقیدت مندوں کو اس گرداب ہلاکت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔ ان کی ایسی تربیت کی جائے کہ وُہ حقیقت پسند ہوں اور اپنی سخت کوشی سے تلخ زندگانی کو انگبین بنانے میں لذت محسوس کریں۔

خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

آسمانوں ۲۱۸ اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں (بڑی) نشانیاں ہیں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ

اہل عقل کے لیے وہ عقل مند جو یاد کرتے رہتے ہیں ۲۱۹ اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور

عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اور غور کرتے رہتے ہیں ۲۲۰ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور تسلیم کرتے ہیں) ۲۲۱

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

اے ہمارے مالک! نہیں پیدا فرمایا تو نے یہ (کارخانۂ حیات) بے کار۔ پاک ہے تو (ہر عیب سے) بچا لے ہمیں آگ کے عذاب سے

۲۱۸ اس سورۂ پاک کا اختتام ان آیات سے کیا اور اہل علم کو ان میں فکر و نظر کی دعوت دی۔ کیونکہ کارخانۂ قدرت کی نیرنگیوں میں وہ جتنا غور و فکر کریں گے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم محیط اور حکمت کاملہ پر ان کا ایمان پختہ ہو گا۔ اور یہ پختگی تقلیدی نہیں ہو گی بلکہ تحقیقی ہو گی۔

۲۱۹ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر کسی وقت اور کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حالت میں بندہ اپنے خالق کی یاد میں محو رہے۔

۲۲۰ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں وھو افضل العبادات کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لاعبادۃ کالتفکر۔ مظاہر کائنات میں غور و تدبر کرتے رہنا سب عبادتوں سے افضل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم کا ارشاد گرامی ہے کہ تفکر و تدبر کے ہم پایہ کوئی عبادت نہیں لیکن آج ہم اس افضل ترین عبادت سے کیسے اعراض کیے ہوئے ہیں اور کس طرح ہم نے اس کو صدیوں سے بالکل بھلا رکھا ہے محتاج بیان نہیں۔

۲۲۱ آج اگرچہ کائنات کے ہر پہلو پر غور و فکر ہو رہا ہے۔ اور وسعت کا یہ عالم ہے کہ ہر مظہر فطرت کے لیے ایک مستقل فن کی بنیاد پڑ چکی ہے لیکن مومن اور غیر مومن کی تحقیق و تفحص میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مومن جب کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز پر غور کرتا ہے اور اس کی حیران کن تاثیرات اور اس میں مضمر ایک بدیع نظام پر اس کی نگاہ پڑتی ہے تو وہ اس کی حیران کن تاثیرات اور بدیع مضمرات میں کھو کر نہیں رہ جاتا بلکہ اسی وقت اس کی نگاہ اس کے بنانے والے کی طرف بے تابانہ وار دوڑتی ہے اور اس کی زبان سے بے ساختہ یہ کلمات نکلتے ہیں ربنا ما خلقت ھذا باطلا الخ لیکن ایک غیر مومن کی نگاہ ان مشاہدات کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر رہ جاتی ہے اور اس کے بنانے والے کی عظمت و جلالت اعلم و قدرت اور مشیت و حکمت کی طرف

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اے ہمارے رب! بے شک تُو نے جسے داخل کر دیا آگ میں تو رُسوا کر دیا تُو نے اُسے اور نہیں ہے ظالموں کا

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ

کوئی مددگار اے ہمارے رب! بے شک سُنا ہم نے مُنادی کرنے والے کو کہ بُلند آواز سے بُلاتا تھا ایمان کی طرف

اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا

(اور کہتا تھا) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر تو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے مالک! پس بخش دے ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری بُرائیاں

وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَ

اور (اپنے کرم سے) موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ ۲۲۲ اے ہمارے رب! عطا فرما ہمیں جو وعدہ کیا تُو نے ہمارے ساتھ اپنے رسُولوں کے ذریعہ اور

لَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ

نہ رُسوا کر ہمیں قیامت کے دن بے شک تُو وعدہ خلافی نہیں کرتا تو قبول ۲۲۳ فرما لی

لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

اُن کی اِلتجا اُن کے پروردگار نے (اور فرمایا) کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم سے خواہ مرد ہو یا

اُس کی توجہ مبذول نہیں ہوتی۔ بے شک وُہ اُن کی تسخیر سے اپنی مادی ترقی کو تو معراجِ کمال تک پہنچا دیتا ہے لیکن یقین کا چراغ روشن نہیں ہوتا۔ اور اُس کے دل کی دُنیا پھر بھی تاریک کی تاریک ہی رہتی ہے۔ کاش مسلمان طلبہ قرآن کی اس آیت کی روشنی میں سائنس اور طبعیات کے علوم کا مطالعہ کریں تاکہ اگر ان کی کاوشوں سے ان کی ملت کا ظاہر رشکِ مہتاب بن جائے تو اُس کا باطن رشکِ صد آفتاب ہو جائے۔

۲۲۲ جب غور و فکر اور پیہم عبادت و ذکر سے ان کا آئینۂ دل جگمگانے لگتا ہے تو وُہ اپنے مولا تبارک و تعالیٰ کی جنابِ پاک میں دامن پھیلا کر یُوں گزارش کرتے ہیں۔ دُعا کے یہ جُملے اپنے اندر جو مٹھاس اور تاثیر رکھتے ہیں وُہ محتاجِ بیان نہیں۔

۲۲۳ انعاماتِ خُداوندی کے وُہ طلبگار جنھوں نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت کر دیا ہے جب وُہ ادب و نیاز سے دُعا کرتے ہیں تو اُن کے دل سے نکلی ہُوئی دُعائیں قبول کر لی جاتی ہیں۔

أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

عورت بعض تمہارا جزء ہے بعض کی تو وہ جنھوں نے ہجرت کی ۲۲۴ اور نکالے گئے اپنے

دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ

وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور (دین کے لیے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹادوں گا ان (کے

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

نامۂ عمل) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انھیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

(یہ) جزا ہے (ان کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ۭ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۣ وقف

(اے سننے والے!) نہ دھوکہ میں ڈالے تجھے چلنا پھرنا ان کا جنھوں نے کفر کیا ملکوں میں ۲۲۵ یہ لطف اندوزی تھوڑی مدت کے لیے ہے

ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ بہت بُری ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن وہ جو ۲۲۶ ڈرتے رہے

۲۲۴ اب اُن پاکبازوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے اعمال ضائع نہیں کیے جاتے۔ اور اگر ان سے بمقتضائے بشریت کوئی غلطی سرزد ہو بھی جائے تو ان کی خوبیوں اور نیکیوں کے باعث معاف کر دی جاتی ہے لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ کا معنی علامہ بیضاوی نے "لامحونہا" کیا ہے یعنی مٹا دوں گا محو کر دوں گا میں اُن کے گناہ۔

۲۲۵ کفار کی ظاہری آن بان دیکھ کر بعض کمزور دلوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نافرمان ہوتے تو کیا وہ یوں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے۔ اس خیال کا بھی ازالہ کر دیا کہ یہ ساری دھوم دھام عارضی ہے اس کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم ہے اس لیے تم ان کی اس چند روزہ کرّوفر کو ان کے حق پر ہونے کی دلیل مت سمجھو ان کے انجام پر غور کرو کہ یہ کتنا ہولناک ہے۔

۲۲۶ ان کے برعکس وہ لوگ جن کے پاس عیش و عشرت کا سامان نہیں لیکن ان کا دل تقویٰ کے نور سے منور ہے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اُن کا بڑا بلند مقام ہے جنت الفردوس میں یہ مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا میزبان ہو گا۔

رَبِّهِمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

اپنے رب سے اُن کے لیے باغ ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے ندیاں (وُہ متقی) ہمیشہ رہیں گے ان میں

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ

یہ تو مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو (ابدی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وُہ بہت بہتر ہیں نیکوں کے لیے اور بے شک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

بعض اہل کتاب ایسے ہیں ۲۲۷؎ جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اُس پر جو اُتارا گیا تمہاری طرف

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور جو اُتارا گیا اُن کی طرف عاجزی (اور نیازمندی) کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں سودا کرتے اللہ کی آیتوں کا

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

حقیر قیمت پر یہ وُہ ہیں جن کا ثواب اُن کے رب کے پاس ہے بے شک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ قف

حساب لینے والا ہے اے ایمان والو! ۲۲۸؎ صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمربستہ رہو (خدمت دین کے لیے)

۲۲۷؎ قبل ازیں اہل کتاب اور اُن کے علماء کے عیوب و نقائص بیان کیے گئے تھے۔ جس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید سب اہل کتاب اور اُن کے سارے علماء ایک ہی قماش کے ہیں۔ قرآن حکیم نے اس غلط فہمی کو بھی دُور فرما دیا کہ سب ایک جیسے نہیں۔ ان میں سے کئی ایک بڑے پاک دل، نیک فطرت اور سلیم الطبع ہیں۔

۲۲۸؎ یہ اس جلیل القدر اور عظیم المرتبت سورۃ کی آخری آیت ہے۔ اور اس میں نہایت مختصر اور بہت ہی جامع الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ ان چار باتوں میں دُنیوی اور اُخروی فلاح و کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ صبر، مصابرہ، رباط اور تقویٰ۔ صبر کا معنی ہے نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا۔ مصابرہ کا معنی ہے مصابرۃ الاعداء یعنی دشمن کے پے در پے حملوں کے سامنے فولاد بن کر کھڑے رہنا اور رباط کا معنی ہے الرباط حمل النفس علی النیۃ الحسنۃ والجسم علی فعل الطاعۃ ومن اعظمہ ارتباط الخیل فی سبیل اللہ وارتباط النفس علی الصلوٰۃ۔ یعنی

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٢٠٠﴾ ع ٢٠ ١١

اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ

رباط کہتے ہیں نفس کو نیت حسنہ پر آمادہ رکھنا اور جسم کو عبادت پر کاربند رکھنا۔ اس کا اعلیٰ مقام یہ ہے کہ انسان جہاد فی سبیل اللہ کے لیے کمربستہ رہے اور گھوڑا تیار رکھے اور نفس کو نماز کا خوگر بنائے۔ اور تقویٰ کی تفسیر جا بجا گزر چکی ہے۔ جب کسی فرد یا قوم میں یہ صفات پائی جاتی ہیں تو رحمتِ الٰہی اور نصرتِ خداوندی اس کی پاسبان ہوتی ہے۔ مشکلات کے پہاڑ از خود راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ دُنیا میں بھی عزت نصیب ہوتی ہے اور آخرت میں بھی سرخروئی۔

تعارف سورۃ النساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِس سُورۃ پاک کا نام النّساء ہے۔ باتفاق عُلماء مدینہ طیّبہ میں نازل ہُوئی۔ اِس کی آیتوں کی تعداد ۱۷۶ ہے۔ الفاظ تین ہزار پینتیس اور حرُوف ۱۶۰۳۰ ہیں۔ اور ۲۴ رکوع ہیں۔ اور

یہ سُورۃ پاک بڑی اہم اور دُور رس اِصلاحات پر مشتمل ہے۔ جنہیں اگر دینِ اِسلام کا طُرّہ اِمتیاز کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہوگا۔

گھریلو زندگی۔ اِس سُورۃ میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجّہ گھریلو زندگی کو خوشگوار بنانے پر دی گئی ہے کیونکہ گھر ہی قوم کی خشتِ اوّل ہے۔ گھر ہی وُہ گہوارہ ہے جہاں قوم کے مستقبل کے معمار پرورش پاتے ہیں۔ گھر ہی وُہ مدرسہ ہے جہاں اخلاق وکردار کی جو قدریں اچھی یا بُری، بلند یا پست لوحِ قلب پر لکھ دی جاتی ہیں ان کے نقوش کبھی مدّھم نہیں پڑتے۔ صرف جذبات کتنے پاکیزہ اور معصُوم کیوں نہ ہوں حقائق کا مقابلہ کرنے کی تاب نہیں لا سکتے۔ قرآن حقائق کو حقائق کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ اس لیے گھر کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مُبہم نصیحتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے لیے واضح اور غیر مبہم قاعدے اور ضابطے متعیّن فرما دیئے۔

ا۔ یتیم بچے۔ جس گھر میں یتیم بچّوں پر زیادتیاں کی جائیں اور ان کے سرپرست ان کی دولت کو خُرد بُرد کرنے کے لیے سازش و فریب کے جال بُنتے رہیں اس گھر کی فضا کبھی صحت مند نہیں ہو سکتی اور اس خاندان کے افراد کبھی سچّی مسرّت کی لذّتوں سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ اِس لیے قرآن حکیم نے اپنے ماننے والوں کو صاف الفاظ میں حکم فرمایا کہ وُہ یتیم بچّوں اور بچیوں کے ساتھ اچھّا سلوک کریں۔ ان کے حقوق کی نگہبانی اور ان کے اموال کی حفاظت کریں بلکہ ان کے احساسات تک کا پاس رکھیں۔ اور جو بھی ان بیکسوں کے ورثہ میں ناجائز تصرّف کرے گا وُہ خُوب جان لے کہ وُہ آتشِ جہنّم سے اپنے پیٹ کو بھر رہا ہے

ب۔ عورت کا مقام۔ عرصہ ہائے دراز سے یہ صنفِ نازک ظلم وستم کا نشانہ بنی ہوئی تھی۔ قدرت نے اگرچہ اسے مرد کی طرح ذِی رُوح اور ذِی شعُور بنایا تھا لیکن اِس کے ساتھ برتاؤ مٹی کی بے جان مُورتیوں کا سا کیا جاتا تھا۔ جو ایں و آں پر اسے لگایا جا سکتا تھا۔ خاوند کی لاش کے ساتھ قانوناً اسے جل کر راکھ ہونا پڑتا تھا۔ کہیں اسے تمام بُرائیوں کی جڑ اور اِنسان کی ساری بدبختیوں کا سرچشمہ یقین کیا جاتا تھا اور کہیں چوٹی کے نامور فلسفی اس کے اِنسان ہونے کو بھی مشکوک

نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس کو ملکیت کے حقوق حاصل نہ تھے۔ اسے ازدواجی بندھنوں میں مقید کرنے سے پہلے اس سے کوئی رائے لینے کا تصور تک نہ تھا۔ یہ بلکہ اس سے بھی بدتر حالات تھے جن میں اسلام سے پہلے یہ صنفِ نازک گرفتار رہتی۔ جہاں کنبہ کے نصف افراد کی بے بسی کا یہ عالم ہو وہاں خوشی اور مسرّت کا گزر کہاں ؟ قرآن نے پہلی مرتبہ اعلان کیا کہ جس طرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسی طرح عورت کے حقوق بھی مرد پر ہیں۔ اس کی رائے ہے اور قانون اس کی رائے کا احترام کرتا ہے۔ اس کو اپنے والدین، اپنے خاوند، اپنی اولاد کا وارث تسلیم کیا گیا۔ اس کو ملکیت کے حقوق تفویض کیے گئے۔

کیونکہ مرد اور عورت کا اوّلین رشتہ ازدواج کا رشتہ ہے اس لیے اس میں جو بے راہ رویاں پائی جاتی تھیں ان کی اصلاح کی۔ تعدّدِ ازواج پر پابندیاں لگائیں۔ اور اس کی اجازت دی تو بڑی شروط و قیود کے ساتھ۔ مرد کو بیوی کے ساتھ حُسنِ سلوک کا حکم دیا اور اگر اس کی کوئی چیز پسندِ خاطر نہ ہو تو اس پر صبر کرنے کی ہدایت کی۔ اگر باہمی تعلّقات کشیدہ ہو جائیں تو اصلاحِ حال کی تدبیر بتائی۔ لیکن عورت کو یہ تمام حقوق دینے کے بعد گھر کی سرداری اور نظم و نسق کی ذمہ داری مرد کو سونپی۔ کیونکہ اسی کی فطری صلاحیتیں اس بارِ گراں کو اُٹھا سکتی ہیں اور یہی حقایق کی نگہداری اور ہر بات میں میانہ روی اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کلامِ الٰہی ہے۔ کیونکہ اس میں تفریط کا گزر نہیں تو افراط کا بھی نشان نہیں۔

ج ۔ تیسری چیز جو گھر کے ماحول کو خوشگوار رکھنے کے لیے بڑی اہمیّت رکھتی ہے وُہ مالی حقوق کی مُنصفانہ تقسیم ہے ۔ اس میں معمولی سی کوتاہی بھائی کو بھائی سے جُدا کر دیتی ہے۔ اس لیے تقسیمِ میراث کا مفصل قانون نازل فرمایا۔ اسلام کے نظامِ میراث کی جو امتیازی خصوصیات ہیں ان کا جائزہ تو اپنے اپنے مقام پر لیا جائے گا لیکن ایک بے مثل تبدیلی یہ کی کہ عورت (ماں۔ بیٹی بیوی) کو بھی مرد کی طرح وارث قرار دیا۔

۲۔ حق و باطل کی جنگ جس کا آغاز بدر سے ہوا تھا ابھی جاری تھی۔ اُحد میں مُسلمانوں کی کثیر تعداد کے شہید ہونے کے باعث مُنافق، یہودی اور مُشرک قبائل کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ اس سُورۃ میں بھی مُسلمانوں کو حق کی حفاظت کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگانے کا حکم دیا گیا اور ان کے حوصلوں کو بلند کیا گیا اور منافقوں کے مختلف گروہوں کے ساتھ ہر ایک کے مناسبِ حال رویّہ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی۔

۳۔ اِنفرادی کردار کی تعمیر کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے اور اُن قوموں کی اقتدا سے روکا گیا ہے جو عمل سے جی چُراتی ہیں حق کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی کے لیے آمادہ نہیں ہوتیں اور اس کے باوجُود اپنے آپ کو انعاماتِ خداوندی کا واحد حقدار سمجھتی ہیں۔ اُمّتِ مُصطفویہ کو صاف صاف بتا دیا گیا کہ اس رزم گاہِ حیات میں جیت اسی کی ہوگی جو اپنے پیہم اور نتیجہ خیز عمل سے اپنی فوقیّت اور برتری ثابت کر دے۔ خیالی پلاؤ پکانے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ مُسلمانوں کے باہمی برتاؤ کا دار و مدار احسان اور مہربانی پر ہونا چاہیے جتنی قرابت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کے ساتھ مہربانی اور احسان زیادہ ہونا چاہیے۔

۴۔ اطاعتِ رسُول: اِس سُورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کرم رسُول معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیر مشرُوط اطاعت کا حکم دیا ہے اور فلا وربک (اے محبُوب تیرے رب کی قسم) کے پُرجلال الفاظ سے قسم اُٹھا کر بتایا کہ کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وُہ میرے رسُول کے ہر فیصلہ کو خواہ وُہ اس کے خلاف بھی ہو دل و جان سے بخوشی قبول نہ کرے۔

۵۔ زمانۂ نزول: علماء محققین کی رائے میں اس سُورۃ کے نزُول کا آغاز جنگِ اُحد (شوال ۳ھ) کے بعد ہوا جب کہ ستر مسلمانوں کی شہادت کے بعد یتیموں کی کفالت اور وِرثہ کی تقسیم کے مسئلہ نے بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی نمازِ خوف غزوۂ ذات الرقاع میں پڑھی گئی اور یہ غزوہ ۴ھ میں ہوا۔ اور تیمم کی اجازت غزوۂ بنی مصطلق میں دی گئی اور یہ غزوہ ۵ھ میں پیش آیا۔ اِن واقعات اور سنین سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اِس سُورۃ کا آغاز اُحد کے بعد ہوا تو اس کا سلسلۂ نزُول ۵ھ کے اوائل تک جاری رہا۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ سَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّ اَرْبَعَةٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ النسآء مدنی ۔ ۱۷۶ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے آیتیں ۲۴ رکوع

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو! لے ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمھیں ایک

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا لے اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور

نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

عورتیں (کثیر تعداد میں) اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے لے وہ اللہ مانگتے ہو تم ایک دوسرے سے (اپنے حقوق) جس کے واسطے سے اور (ڈرو) رحموں کے قطع کرنے سے، بیشک اللہ تعالیٰ

لے معاشرہ زندگی کی مسرتوں سے تب لطف اندوز ہو سکتا ہے جب ہر خاندان کے افراد میں باہمی محبت و پیار ہو۔ اس کے لیے صلہ رحمی، رواداری اور حُسنِ سلوک کی اہمیت محتاجِ بیان نہیں۔ اسی کے متعلق اس سُورۃ میں واضح احکام اور روشن ہدایات دی گئیں لیکن ان احکام و ہدایات کے ذکر سے پہلے دو باتوں کی طرف خصوصی توجہ دلائی۔ ایک تو یہ کہ سب انسانوں کا پیدا کرنے والا ایک ہی خُدا ہے دُوسرا یہ کہ سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں۔ جب سب ایک خُدا کی مخلوق ہیں تو سب کو اس کے ہر حکم کی تعمیل اور اس کی نافرمانی سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور جب ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو انھیں آپس میں محبت و پیار کرنا چاہیے نیز اس ارشاد سے انسانی مساوات کا درس دیا اور انسانی برادری میں طرح طرح کے امتیازات پر ضربِ کاری لگائی جن کے باعث انسان اعلیٰ و ادنیٰ میں منقسم کر دیا گیا ہے۔

لے ابُو مسلم اصفہانی وغیرہ نے یہاں مضاف محذُوف مانا ہے ان کے نزدیک اصل عبارت یُوں ہے خلق من جنسها زوجها یعنی آدم کی جنس سے اس کا جوڑا تخلیق کیا۔ لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ مضاف محذُوف ماننا تکلف سے خالی نہیں نیز تمام بنی نوعِ انسان کا نفسِ واحدہ سے پیدا کیا جانا تب ہی دُرست ہو سکتا ہے جب تمام افراد کا اصل الاصول ایک آدم ہی ہوں۔ اگر حوّا کی تخلیق آدم سے تسلیم نہ کی جائے تو پھر افرادِ بشری کی تخلیق دو نفسوں آدم و حوّا سے ہوگی نہ کہ ایک نفس سے، جیسا کہ قرآن کریم کا منشا ہے۔ لو كانت حوا مخلوقة ابتداء لكان الناس مخلوقين من نفسين لا من نفس واحدة (بحر محیط)

لے تقویٰ کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کا دوبارہ حکم دیا گیا لیکن پہلی دفعہ وجہ یہ بیان فرمائی کہ وُہ تمھارا خالق ہے اور دوبارہ تقویٰ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ روزمرّہ کی زندگی میں تم اسی کے نام سے لین دین کرتے ہو۔ اسی کا واسطہ دے کر تم اپنے حقُوق کا مطالبہ کرتے ہو۔ اسی کے نام کی قسم اُٹھا کر تم اپنے عہد و پیمان کو قابلِ اعتماد بناتے ہو۔ جب اس کے نام کے بغیر تمھاری زندگی کا کاروان

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ۝١ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا

تم پر ہر وقت نگران ہے ۔ اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو

الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

(اپنی) ردی چیز کو اُن کی عمدہ چیز سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر ۔ واقعی یہ

حُوْبًا كَبِيْرًا ۝٢ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا

بہت بڑا گناہ ہے ۔ اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم بچیوں کے معاملہ میں[6] تو اُن سے نکاح نہ کرو (اور) نکاح کرو

ایک قدم بھی نہیں چل سکتا تو پھر کیا تمہیں زیب دیتا ہے کہ اس کی نافرمانی کرو۔

[4] یہ منصوب ہے اور اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے۔ رحم ہر قسم کے رشتہ دار کو کہا جاتا ہے۔ الرحم اسم لکافۃ الاقارب (قرطبی) آیت کے اس حصہ میں صلہ رحمی کا حکم اور قطع رحمی سے منع فرمایا گیا ہے۔ اسلام نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بار بار حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ حضورؐ کے ارشادات اس بارے میں اتنے واضح ہیں کہ کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتے۔ ایک فرمانِ گرامی سُن لیجئے۔ الرحم معلقۃ بالعرش تقول الا من وصلنی وصلہ اللّٰہ ومن قطعنی قطعہ اللّٰہ یعنی رحم عرشِ الٰہی سے آویزاں ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہوشیار! جس نے مجھے جوڑا خدا اُسے جوڑے رکھے اور جس نے مجھے قطع کیا اُسے اللہ پارہ پارہ کرے۔

[5] وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى الخ یتیموں پر طرح طرح کے ظلم کیے جاتے۔ جب کسی کا والد فوت ہو جاتا اور یتیم بچے چھوڑ جاتا تو اس کے چچے یا بڑے بھائی سارے مال پر قبضہ کر لیتے اور یتیم کے بالغ ہونے پر بھی اس کا مال اُسے واپس نہ کرتے یا یتیم کے اعلیٰ نسل کے فربہ جانور خود رکھ لیتے اور گنتی پوری کرنے کے لیے اُس کو ردی نسل کے دُبلے اور لاغر جانور دے دیتے اور یُوں بری الذمہ ہو جاتے تیسری صُورت یہ ہوتی کہ یتیموں کے اموال کو اپنے اموال میں خلط ملط کر دیتے اور حفاظت کے بہانے سے سب آہستہ آہستہ ہڑپ کر جاتے۔ ان تمام صُورتوں کو تفصیل سے ذکر کر دیا اور ایسا کرنے سے سختی سے روک دیا اور بتا دیا کہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور اس کی سزا بہت سخت ہے۔ الحوب: الاثم گناہ۔

[6] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہُوئے فرمایا کہ یتیم بچیاں جو اپنے سرپرستوں کی نگرانی میں ہُوا کرتی تھیں ان کے سرپرست ان کے مال اور جمال کی وجہ سے ان کو اپنی زوجیت میں لے لیتے۔ اور باپ کا سایہ اُٹھ جانے کے بعد کیونکہ ان کے حقوق کا محافظ اور ان کے دُکھ درد میں ان سے ہمدردی کرنے والا کوئی نہ ہوتا اس لیے عام طور پر نہ تو ان یتیم بچیوں کے ساتھ نکاح کرتے وقت اُن کو اُن کی حیثیت کے مطابق مہر دیا جاتا اور نہ نکاح کے بعد اُن

مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ

جو پسند آئیں تمہیں (ان کے علاوہ دُوسری) عورتوں سے دو دو تین تین اور چار چار ےاور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو

کے حقوق ادا کیے جاتے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ جب تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان بے سہارا بچیوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کر سکو گے تو اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو بلکہ ان کے علاوہ دُوسری عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں چار تک نکاح کر سکتے ہو۔

ے اسلام کے ناقدین خصوصاً اہلِ مغرب نے تعدّدِ ازدواج کے مسئلہ پر بڑی لے دے کی ہے اور وُہ مُسلمان بھی اس کے متعلق بہت پریشان رہتے ہیں جن کے نزدیک خیر و شر اور حُسن و قبح کا صرف وُہی معیار قابلِ قبول ہے جو اُن کے ذہنی مربیوں نے مقرر کر رکھا ہے۔ اِس لیے اِس کے متعلق اختصار کو ملحُوظ رکھتے ہُوئے چند حقائق پیش کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا:۔

۱۔ یہ حکم نہیں جس کی پابندی پیروانِ اسلام پر لازمی ہو بلکہ یہ ایک رُخصت ہے۔

۲۔ رُخصت بھی بے قید و شرط نہیں بلکہ سخت قیود سے مقید اور سنگین شرائط سے مشروط۔

۳۔ طبِ جدید و قدیم اِس پر متفق ہے کہ مرد کی جبلی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے جُدا گانہ ہے۔

۴۔ مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ جس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدت دراز تک مختلف نازک سے نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ استقرارِ حمل، وضع حمل، رضاعت اور ننھے بچے کی تربیت یہ سلسلے مرحلے اُسے یُوں مشغول رکھتے ہیں کہ اس میں کوئی طلب کم ہی رُو نما ہوتی ہے لیکن مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے۔

۵۔ اکثر ممالک میں عورت کی شرحِ پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جنگ آزما قوموں کے مرد ہی ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں جنگ کے شعلوں کی نذر ہوتے ہیں۔ اِس لیے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

۶۔ تاریخِ انسانی جب سے مرتب کی گئی ہے اس کے ہر اس قانونی نظام میں جس میں تعدّدِ ازواج قانوناً ممنوع ہے زنا کی کھلی اجازت ہے اور یہ فعل شنیع اپنی اَن گنت خرابیوں کے باوجود جُرم ہی تصور نہیں کیا جاتا۔

۷۔ کیا بیوی اور اس کے بچوں کے لیے اس کے خاوند کی دُوسری بیوی قابلِ برداشت ہے یا اس کی داشتہ، ذہنی، رُوحانی، مادی اور جسمانی صحت کے جُملہ پہلوؤں پر غور فرمایئے۔

۸۔ کیا کسی باحمیت و باغیرت عورت کے لیے یہ مُناسب ہے کہ وُہ گھر کی مالکہ بن کے رہے۔ اس کا خاوند اس کے آرام کا ذمہ دار، اس کی ناموس کا محافظ ہو۔ اس کی اولاد جائز اولاد متصور ہو اور سوسائٹی میں اسے باعزت مقام حاصل ہو یا ایسی عورت بن کر رہے جس کا حُسن و شباب ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بنا رہے لیکن نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ کوئی دُوسری ذمہ داری لینے کے لیے تیار ہو۔

أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا

کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی یا کنیزیں جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ۔ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ایک

تَعُولُوا ﴿۳﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ

طرف ہی نہ جھک جاؤ ؏ اور دیا کرو (اپنی) عورتوں کو ان کے مہر ؏ خوشی خوشی پھر اگر وہ بخش دیں تمہیں

۹۔ کیا یورپ اور امریکہ اپنی تمام سائنسی ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہوش رُبا اضافہ کے باعث پریشان نہیں۔ (یو۔ این۔ او کی رپورٹ کے مطابق بعض یورپین ممالک میں ناجائز ولادتوں کا اوسط ساٹھ فیصدی تک پہنچ گیا ہے۔

یہ حقائق ہیں جن کو تسلیم کرتے ہوئے یہی مشکلات ہیں جن کا حل پیش کرتے ہوئے اسلام نے جو دین فطرت ہے) ضرورت کے وقت ایک سے زائد بیوی سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ خود مغرب کے کئی مفکر اپنے معاشرہ کی اخلاقی پستی اور اس میں ایسی عورتوں اور ناجائز بچوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر چیخ اُٹھے ہیں اور برملا کہنے لگے ہیں کہ قرآن کے قانون پر عمل کیے بغیر اب کوئی چارہ کار نہیں۔

ف لیکن اگر ہم ذرا حقیقت پسندی سے کام لیں تو ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے اس رخصت کا اکثر ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے۔ ہمارے ہاں گنتی کے چند افراد کے سوا جو لوگ بھی دوسری شادی کرتے ہیں ہوس رانی اور لذت طلبی کے بغیر ان کے پیش نظر کوئی چیز نہیں ہوتی نیز نئی نویلی دلہن کے حضور میں یوں متاع ہوش لٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی کے جملہ حقوق فراموش کر دیئے جاتے ہیں شریفانہ برتاؤ تک نہیں کیا جاتا۔ اُس کے شکم سے جو اولاد ہوتی ہے وہ بھی اپنے ہوش باختہ باپ کی شفقت سے یکسر محروم ہو جاتی ہے۔ ہم بھی تو ذرا انصاف کریں کہ کیا خدائے بزرگ و برتر کا، اس کے رسول معظم کا ہمیں یہی حکم ہے دین اسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے۔ وہاں تو یہ تصریح ہے کہ اگر تم دونوں بیویوں میں عدل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو ایک صرف ایک بیوی کی اجازت ہے۔ کاش مسلمان اپنی بدعملیوں سے اپنے پاکیزہ دین کو داغدار نہ کریں اور اپنے حسن عمل سے اسلام کی تعلیمات کی صداقت کو نمایاں کرنے کے بجائے اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے باعث طالبان حق اور متلاشیان ہدایت کو اس دین برحق سے متنفر کرنے کا سبب نہ بنیں۔

۹ے لفظ تعولوا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی حضرت ابن عباس اور مجاہد سے نقل کرتے ہیں یقال عال الرجل یعول اذا جار ومال ومنه قولهم عال السهم عن الهدف اذا مال عنه یعنی عال کا معنی ہے ظلم کرنا ایک طرف جھک جانا۔ جب تیر نشانہ سے ہٹ جائے تو کہتے ہیں عال السهم لیکن اس کا ایک اور معنی امام شافعیؒ سے منقول ہے الا تعولوا ای لا تکثر عیالکم کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہو جائیں یعنی اگر تم ایک بیوی پر اکتفا کرو گے تو کثرت اولاد تمہیں پریشان نہیں کرے گی۔

عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ④ وَلَا تُؤْتُوا

کچھ اس سے خوش دلی سے تو کھاؤ اُسے لذّت حاصل کرتے ہوئے خوشگوار سمجھتے ہوئے اور نہ دے دو ؎۱۰

السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

نادانوں کو اپنے مال ؎۱۲ جنھیں بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمھاری (زندگی کے) لیے سہارا اور کھلاؤ انھیں

؎۱۰ اس آیت سے مہر کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور جب تک عورت خوشی سے سارا مہر یا اس کا کوئی جزء معاف نہ کر دے وُہ مرد کے ذمّہ واجب الاداء رہتا ہے۔ نحلۃ اس عطیّہ کو کہتے ہیں جو خوشی خوشی کسی معاوضہ کے لالچ کے سوا دیا جائے۔ نحلۃ عطیۃ اذا اعطاہ ایاہ عن طیب نفس بلا توقع عوض (بیضاوی)

؎۱۱ یتیم بچّوں اور بچّیوں کے مال ضائع ہونے کی ایک صُورت یہ بھی تھی کہ ان کے اموال اس وقت ان کے سپُرد کر دیئے جائیں جب کہ مال کے صحیح انتظام اسے نفع بخش کاروبار میں لگانے کی قابلیّت ان میں مفقُود ہو۔ اس حالت میں ان کے سرپرست ان کے مال اگر ان کے سپُرد کر دیں گے تو وُہ چند دنوں میں اسے اُڑا کے رکھ دیں گے۔ اور جب ان کی چشم ہوش وا ہوگی تو وُہ اپنے آپ کو فقر و افلاس کی زنجیروں میں بندھا ہُوا پائیں گے۔ اس لیے اس آیت میں یہ فرمایا کہ اگر وُہ باشعُور نہیں تو ان کا مال حفاظت سے اپنے پاس رکھو اور ان کے خُورد و نوش اور لباس کا اہتمام کرو اور اُن کو خوش اسلوبی سے بتاتے رہو کہ یہ مال و متاع تمھارا ہی ہے اور ہم نے تمھاری بہتری کے لیے اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھا ہُوا ہے۔ اور جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو ہر چیز تمھارے حوالہ کر دی جائے گی۔

؎۱۲ اس آیت میں دو لفظ آپ کی خصُوصی توجّہ کے مستحق ہیں۔ اموالھم (ان کے مال) کی بجائے اموالکم فرمایا کہ یتیموں کا مال اگرچہ انھیں کا ہے لیکن کیونکہ وُہ اور تم سب ایک ملّت کے فرد ہو اس لیے گویا وُہ تمھارا ہی ہے۔ اس کی حفاظت اور نگہداشت بالکل یُوں کرو جیسے اپنے مال کی کرتے ہو۔ وحدتِ ملّی اور تکافلِ اجتماعی کا یہ وُہ محبّت آفریں سبق ہے جس کی طرف قرآن ہر مُناسب موقع پر ہماری توجّہ مبذُول کراتا ہے۔ دُوسرا امر جو غور طلب ہے وُہ آیت کا یہ حصّہ ہے التی جعل اللہ لکم قیاما یعنی مال جس کو اللہ تعالیٰ نے تمھاری زندگی کا سہارا بنایا ہے۔ ان الفاظ سے مال کی اہمیّت اور قدر و قیمت کا اظہار مقصُود ہے۔ یعنی مال فضُول اور قابلِ نفرت چیز نہیں بلکہ یہ تو تمھاری معاشی خُوشحالی اور ترقی کا ستُون ہے اگر تم اس کو بے جا خرچ کر دیا کرو گے تو تمھیں معاشی اور اقتصادی فارغ البالی نصیب نہیں ہو سکے گی۔ اسے سنبھال کر رکھو اور سمجھ کر خرچ کرو۔

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

اس مال سے اور پہناؤ انھیں اور کہو ان سے بھلائی کی بات اور آزماتے رہو ۱۳ یتیموں کو

حَتّٰى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

یہاں تک کہ وہ پہنچ جائیں نکاح (کی عمر) کو پس اگر محسوس کرو تم ان میں دانائی تو لوٹا دو

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْكُلُوهَآ إِسْرَافًا وَّبِدَارًا أَنْ يَّكْبَرُوا ؕ

انھیں ان کے مال اور نہ کھاؤ انھیں فضول خرچی سے اور جلدی جلدی اس خوف سے کہ وہ بڑے ہوجائیں گے

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ

اور جو سرپرست غنی ہو تو اسے چاہیے کہ (یتیموں کے مال سے) پرہیز کرے اور جو سرپرست فقیر ہو ۱۴ تو وہ کھا لے

۱۳ سابقہ آیت میں حکم فرمایا کہ یتیموں کے مال انھیں واپس کردو۔ اس آیت میں مال کی واپسی کا وقت اور اس کی شرائط کا ذکر ہے جب یہ دو چیزیں بلوغ اور رُشد اُن میں پائی جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کردو۔ رُشد سے مُراد مالی انتظام اور کاروبار کی سُوجھ بُوجھ ہے یتیموں کی صلاحیت اور قابلیت کو آزمانے کا ایک تو یہ طریقہ ہے کہ ابتدا میں انھیں ان کے مال کی قلیل سی مقدار دے دی جائے۔ اگر اس میں تصرف سے ان کی ہونہاری کے آثار نمایاں ہوں تو سارا مال اُن کے سپرد کردو۔ اور دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُن سے وقتاً فوقتاً کاروبار اور نظم ونسق کے سلسلہ میں مشورہ طلب کیا جائے اور ان کی رائے میں سنجیدگی اور عقلمندی پائی جائے تو ان کی چیز ان کے حوالہ کردو۔ کورٹ آف وارڈز (COURT OF WARDS) کا قانون انھیں آیات سے ماخوذ ہے۔

ان آیات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اسلام اگرچہ انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے ناجائز استعمال کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر کوئی شخص اپنی دولت کو یُوں خرچ کرنا شروع کردے جس سے اس کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اور قوم کا نظامِ اخلاق اس کی بے راہ روی سے داغدار ہورہا ہو تو حکومت کو حق پہنچتا ہے بلکہ حکومت پر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کی مُطلق العنانی کو مقید کردے۔

۱۴ یتیم کا سرپرست جو اس کی تربیت اور اس کے مال کا نظم ونسق کرتا ہے کیا وُہ کسی اُجرت کا مُستحق ہے؟ اس کے متعلق بتایا کہ سرپرست اگر غنی ہے تو اُسے یتیم کے مال سے کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہیے اور یہ سب خدمت حسبةً للہ کرنی چاہیے اور اگر وُہ تنگدست ہے پھر اسے اپنی جائز ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) مُناسب طریق سے پُوری کرنے کی اجازت ہے لیکن اکثر

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا

مُناسب مقدار سے پھر جب لوٹاؤ تم ان کی طرف ان کے مال تو گواہ بنا لو

عَلَيْهِمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ

ان پر ۵ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا ۶ مردوں کے لیے حصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۷ اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۷ وَاِذَا

اور قریبی رشتہ دار اس ترکہ سے خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصّہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مقرر ہے اور جب

عُلماء نے بطورِ احتیاط یہ حکم دیا ہے کہ اس حالت میں بھی قرضۂ حسنہ کی نیّت سے لے اور یہ ارادہ کرے کہ جب مولیٰ تعالیٰ نے اسے خوشحال کیا تو وُہ یہ قرض ادا کر دے گا۔ حضرت فارُوقِ اعظمؓ کا یہی مسلک تھا۔ بالمعروف کا یہ معنی ہے کہ اگر اس خرچ کو کسی غیر جانبدار آدمی کے سامنے پیش کیا جائے تو وُہ اسے ناجائز قرار نہ دے۔

۵ ایک واضح ارشاد فرمایا کہ جب مالِ یتیم کو واپس کرنے لگو تو چپکے چپکے پوشیدہ طور پر واپس نہ کرو بلکہ گواہوں کی موجُودگی میں ایک ایک چیز انھیں لوٹا دو۔ اِس طرح کسی قسم کی غلط فہمی بھی پیدا نہیں ہوگی اور آئندہ کسی جھگڑے کا خدشہ بھی ختم ہو جائے گا۔

۶ آخر میں تنبیہ فرمادی کہ تم لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ سے تمھارا کوئی فعل پوشیدہ نہیں اگر تم نے ان کے مال میں خیانت کی تو یاد رکھو اس کے حضُور پائی پائی کے لیے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

۷ عرب میں میراث کی تقسیم کا یہ قاعدہ تھا کہ عورتیں اور چھوٹے بچے اپنے مرنے والے باپ اور خاوند وغیرہ کی وراثت سے یکسر محرُوم کر دیئے جاتے تھے اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی کہ جو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینے کے قابل نہیں وُہ میراث پانے کا بھی حقدار نہیں۔ بھارت میں بھی عورت وارث شمار نہیں کی جاتی تھی۔ اور یورپ میں تو گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ صرف بڑا لڑکا وارث بنتا دُوسرے لڑکے بھی محرُوم رہ جاتے۔ یہ حالت تھی جب قرآن کی یہ انقلاب آفرین آیت نازل ہوئی جس نے عورتوں کو مردوں کی طرح وارث قرار دیا۔ بڑے لڑکے کی تخصیص ختم کر کے سب لڑکوں کو اپنے متوفی باپ کی وراثت میں برابر کا شریک بنایا۔ چھوٹی اور بڑی تمام جائیدادوں میں ورثاء کو حسبِ حصّہ حقدار تسلیم کیا۔

حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

حاضر ہوں (ورثہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم بچے اور مسکین ٨ے تو دو انھیں بھی

مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

اس سے اور کہو ان سے اچھی بات اور چاہیے کہ ڈریں جو یتیموں کے سرپرست ہیں (اور سوچیں) کہ اگر چھوڑ

مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ

جاتے وُہ اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے کمزور بچے ٩ے تو وہ کتنے فکرمند ہوتے ان کے متعلق پس چاہیے کہ وُہ ڈریں اللہ سے

وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى

اور کہیں ایسی بات جو بالکل درست ہو بے شک وُہ لوگ جو کھاتے ہیں یتیموں کے مال

ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾ ع ١٠/١٢

ظلم سے وُہ تو بس کھا رہے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ اور وُہ عنقریب جھونکے جائیں گے بھڑکتی آگ میں

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

حکم دیتا ہے تمھیں ١١ے اللہ تمھاری اولاد (کی میراث) کے بارے میں ایک مرد (لڑکے) کا حصّہ برابر ہے ١٢ے دو عورتوں (لڑکیوں) کے حصّہ کے

نصیبا مفروضا کے الفاظ سے واضح کر دیا کہ یہ حصّے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ ہیں اس میں ردّوبدل کا کسی کو اختیار نہیں۔

٨ے قانون میراث کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے ایک اخلاقی ضابطہ کا ذکر بھی کر دیا کہ متروکہ جائیداد کے وارث تو وُہی ہیں جن کا ذکر تفصیلاً آگے آ رہا ہے لیکن اگر تقسیم کے وقت غیر وارث رشتہ دار، محلّہ کے یتیم بچے، بستی کے غریب لوگ جمع ہو جائیں تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور ترش لب ولہجہ میں ان سے گفتگو نہ کرو جس سے ان کی دل شکنی ہو۔

٩ے کتنا موثر اور دلنشیں انداز نصیحت ہے۔

١١ے اسلام نے صحت مند معاشرہ کو معرض وجود میں لانے کے لیے کُنبہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور اس کے افراد کے مفاد کو یُوں ایک دُوسرے سے وابستہ کر دیا ہے کہ محبت وقرابت کا باہمی رشتہ کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔ اس کے لیے جو وسائل اختیار کیے ہیں انھیں میں سے ایک نظام میراث ہے۔ زندگی میں اگر کنبہ کا کوئی فرد افلاس وغربت کا شکار ہو جائے تو دُوسرے افراد پر

فَإِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ

پھر اگر ہوں صرف لڑکیاں دو سے زائد تو ان کے لیے دو تہائی ہے جو میت نے چھوڑا اور اگر ہو

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

ایک ہی لڑکی تو اس کے لیے نصف ہے اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو

اس کے نفقہ کو فرض قرار دیا۔ اسی طرح موت کے بعد متوفّی کے قریبی رشتہ داروں میں اس کی جائیداد کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تاکہ زندگی اور موت میں کُنبہ کا مفاد یوں باہم پیوستہ رہے کہ جُدائی کا خیال ہی ان میں راہ نہ پا سکے۔ کُنبہ کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لیے نظامِ وراثت میں **قرابت** کا اصول پیشِ نظر رکھا گیا۔ میراث میں حصّہ کے ملنے یا نہ ملنے اور حصّہ کے کم یا زیادہ ہونے میں رشتہ کی نزدیکی اور دُوری کو بہت بڑا دخل ہے۔ دُوسرا اصول **ضرورت** ہے یعنی قریبی رشتہ داروں میں حصّہ کی کمی بیشی کا مدار ضرورت کو قرار دیا۔ جتنی کسی کی ضروریات زیادہ اور ذمّہ داریاں کثیر ہوں گی اسی لحاظ سے اس کا حصّہ مقرر کیا جائے گا۔ مثلاً متوفّی کے والدین اور اس کی اولاد کی قرابت بالکل مُساوی نوعیّت کی ہے لیکن اولاد جو زندگی کے سفر کا اب آغاز کر رہی ہے اس کی ضروریات والدین کی ضرُوریات سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں جو اس طویل سفر کی آخری منزل میں قدم رکھ چکے ہیں نیز والدین کے پاس تو زندگی بھر کا کچھ نہ کچھ اندوختہ ہوتا ہی ہے اور اولاد بالکل خالی ہاتھ ہے۔ یہی فرق لڑکی اور لڑکے میں ہے۔ لڑکی پر کسی قسم کی ذمّہ داری نہیں۔ شادی سے پہلے اس کے والدین اس کی تمام ضروریات کے کفیل ہیں اور شادی کے بعد اس کی رہائش، لباس، خورد و نوش کی تمام تر ذمّہ داری خاوند پر ہے۔ اس کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے جُملہ مصارف بھی اس کے خاوند کے ذمّہ ہیں۔ مزید برآں عملی زندگی کی سرگرمیاں جس سرمایہ کی محتاج ہیں اس کا مہیا کرنا بھی مرد کی ذمّہ داری ہے۔ یہ حقائق ہیں جن کے پیشِ نظر اسلام نے والدین اور اولاد، عورت اور مرد کے حصّوں میں فرق کیا ہے اور یہ فرق ہی عینِ عدل ہے۔ اِن امتیازات کی موجُودگی میں ان کے حصّوں کو مساوی رکھنا مُساوات تو ہوگی لیکن کھُلی اور ظالمانہ، اور اسلام صرف اس مساوات کا علمبردار ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو۔ تیسرا اصول **تقسیمِ دولت** ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں جمع نہ ہو جائے اور وراثت کی تقسیم میں بھی اس اصول کو ملحُوظ رکھا۔ اس لیے صرف بڑے لڑکے یا صرف لڑکوں کو ہی وارث تسلیم نہیں کیا بلکہ تمام اولاد لڑکے اور لڑکیاں اور ان کے علاوہ کئی اور رشتہ داروں کو وارث قرار دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد میں یہ دولت تقسیم ہو۔ یہ وُہ تین اصول ہیں (قرابت، ضرُورت، تقسیمِ دولت) جن پر اسلام کا یہ بے نظیر نظامِ وراثت قائم ہے۔ (ان سطُور میں مَیں نے اپنے اُستاد اور مصر کے شہرۂ آفاق عالم شیخ محمد ابو زہرہ کے مقالہ "شریعۃ القرآن" کا حاصل پیش کیا ہے جو ماہنامہ "المسلمون" رجب ۱۳۷۷ھ میں شائع ہوا تھا۔ اب حضرت الاستاذ کا انتقال ہو گیا ہے اللہ کریم انھیں جنّت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین۔

۱۲ اولاد کے وارث ہونے کی چار صُورتیں ہیں: (۱) لڑکے بھی ہوں اور لڑکیاں بھی اس صُورت میں لڑکے کو دو حصّے اور

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ

چھٹا حصہ ملے گا ۲۲؎ اس سے جو میّت نے چھوڑا بشرطیکہ میّت کی اولاد ہو اور اگر نہ ہو اس کی اولاد

وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ

اور اس کے وارث صرف ماں باپ ہی ہوں تو اس کی ماں کا تیسرا حصہ ہے (باقی سب باپ کا) اور اگر میّت کے بہن بھائی بھی ہوں تو ماں کا

السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ

چھٹا حصہ ہے (اور یہ تقسیم) اس وصیّت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو میّت نے کی اور قرض ادا کرنے کے بعد۔ تمہارے باپ اور

اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ

تمہارے بیٹے ۲۳؎ تم نہیں جانتے کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تمہیں نفع پہنچانے میں یہ حصے مقرر ہیں اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ

طرف سے بے شک اللہ تعالیٰ (تمہاری مصلحتوں کو) جاننے والا ہے بڑا دانا ہے اور تمہارے لیے نصف ہے جو چھوڑ جائیں

لڑکی کو ایک حصّہ ملے گا۔ (۲) صرف ایک لڑکی ہو۔ اس صورت میں لڑکی نصف جائیداد کی وارث ہوگی۔ (۳) صرف دو لڑکیاں ہوں۔ (۴) یا دو سے زائد اور لڑکا کوئی نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں لڑکیوں کو جائیداد کا دو تہائی حصّہ ملے گا۔

۲۲؎ والدین کے وارث بننے کی تین مختلف صورتیں ہیں۔ (۱) ماں باپ بھی موجود ہوں اور اولاد بھی ہو خواہ لڑکا یا لڑکی ایک یا زیادہ، اس صورت میں ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصّہ ملے گا اور بقایا ۴/۶ اولاد میں حسبِ قاعدہ تقسیم ہوگا۔ (۲) صرف ماں باپ وارث ہوں میّت کی اولاد بھی نہ ہو اور بہن بھائی بھی نہ ہوں اس صورت میں ماں کا ۱/۳، اور بقیہ دو تہائی باپ کا۔ یہاں بہن بھائی کے نہ ہونے کی تصریح نہیں کی کیونکہ تیسری صورت میں اس کی وضاحت آرہی ہے۔ (۳) میّت کی اولاد تو نہ ہو لیکن اس کے بھائی یا بہن ہوں اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ اور بقیہ ۵/۶ باپ کو۔ بھائی بہن خواہ عینی ہوں یعنی ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہوں خواہ علاتی یعنی باپ ایک مائیں الگ الگ یا اخیافی یعنی ماں ایک باپ الگ الگ۔ ان سب حالتوں میں ایک ہی حکم ہے۔ باپ کے باعث بھائی بہنوں کو حصّہ نہ ملے گا۔

۲۳؎ سابقہ حصص بیان کرنے کے بعد یہ وضاحت فرما دی کہ ان حصص کو خدائے علیم و خبیر نے اپنی حکمتِ کاملہ سے مقرر فرمایا ہے تمہیں یہ اختیار نہیں کہ ان میں ردّ و بدل کرو! اور اگر یہ بات تمہاری صوابدید پر چھوڑ دی جاتی تو تم اپنی عارضی اور وقتی مصلحتو

أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ

تمھاری بیویاں [۲۴] بشرطیکہ نہ ہو ان کی اولاد اور اگر ہو ان کی اولاد تو تمھارے لیے

الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۚ

چوتھائی ہے اس سے جو وہ چھوڑ جائیں (یہ تقسیم) اس وصیت کے پورا کرنے کے بعد ہے جو وہ کر جائیں اور قرض ادا کرنے کے بعد

وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ

اور تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے اس سے جو تم چھوڑو بشرطیکہ نہ ہو [۲۵] تمھاری اولاد اور اگر ہو

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

تمھاری اولاد تو ان کا آٹھواں حصہ ہے اس سے جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ (یہ تقسیم) اس وصیت کو پورا کرنے کے بعد ہے جو

تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ

تم نے کی ہو اور (تمھارا) قرض ادا کرنے کے بعد۔ اور اگر ہو وہ شخص جس کی میراث تقسیم کی جانے والی ہے کلالہ [۲۶] وہ

اور مفاد کے زیر اثر معلوم نہیں کیا کیا ترمیمیں کرتے رہتے۔

[۲۴] بیوی کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں :-

۱۔ متوفیہ بیوی کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکی نہ لڑکا نہ تم سے اور نہ کسی دوسرے خاوند سے۔ اس صورت میں نصف خاوند کو ملے گا اور بقیہ نصف دوسرے وارثوں میں حسب قاعدہ شرعی تقسیم ہوگا۔

۲۔ اس کی کوئی اولاد ہو تو اس صورت میں چوتھائی خاوند کو ملے گی اور بقیہ دوسرے وارثوں کو۔

[۲۵] خاوند کی وراثت تقسیم کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) خاوند کی کوئی اولاد نہ ہو نہ لڑکا نہ لڑکی نہ موجودہ بیوی سے نہ کسی دوسری بیوی سے تو چوتھائی بیوی کو ملے گا خواہ ایک ہو یا زیادہ اور اگر خاوند کی اولاد ہو (بہ تفصیل سابق) تو بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا۔ ایک ہو یا زیادہ۔ بقیہ دیگر وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

[۲۶] کلالہ اس مرد یا عورت کو کہا جاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ اس کے والدین زندہ ہوں۔ اگر اس کے وارث عینی یا علاتی بہن بھائی ہوں تو ان کا ذکر آخر سورہ میں آئے گا اور اگر اس کے اخیافی (یعنی ماں کی طرف سے سگے) بہن بھائی ہوں تو ان کا حکم یہاں ذکر فرمایا۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو ایک بھائی یا ایک بہن وارث ہو گی تو اس صورت میں اس کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اَمْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ

مرد ہو یا عورت اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصّہ ہے اور اگر

كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ

وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب شریک ہیں تہائی میں (یہ تقسیم) وصیت پوری کرنے کے

وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ

بعد ہے جو کی گئی ہے[۲۷] اور قرض ادا کرنے کے بعد بشرطیکہ اس سے[۲۸] نقصان پہنچایا گیا ہو۔ (یہ نظامِ وراثت) حکم ہے اللہ کی طرف سے

اور اگر وُہ ایک سے زائد ہوں تو سب کو تہائی حصہ ملے گا اور سب میں برابر تقسیم ہوگا۔

[۲۷] شریعتِ اسلامیہ کا یہ حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو تجہیز و تکفین کے بعد سب سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے بعد ازاں اس کی وصیت پر عمل کیا جائے اور اس کے بعد بقیہ ترکہ حسب احکامِ قرآنی وارثوں میں تقسیم کیا جائے۔ قرض کی ادائیگی کا مقدم ہونا تو عین انصاف ہے۔ وصیت کے بارے میں شریعت نے چند ایک قیود عائد کی ہیں۔ اور اسلام سے پہلے وصیت کے بارے میں جو طریقہ رائج تھا اس میں اصلاح کر دی تاکہ اس طریقہ میں جو بے راہ روی رُونما ہو چکی تھی اس کا سدِ باب کر دیا جائے اہلِ عرب کا یہ دستور تھا کہ مرنے والا اپنی جائیداد کی ایسے لوگوں کے نام وصیت کر جاتا جن سے اس کا دُور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا تھا اور اپنی اولاد کو محروم کر دیتا اور اس فعل کو شرافت و سخاوت کا کمال شمار کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے راہ روی کے انسداد کے لیے احکامِ وراثت نازل فرمائے اور تمام رشتہ داروں کے حصّے مقرر کر دیئے اور ان میں ردّ و بدل اور کمی بیشی کرنے سے صاف الفاظ میں منع فرما دیا لیکن بسا اوقات کوئی اجنبی یا غیر وارث رشتہ دار وارثوں سے کہیں بڑھ کر کسی کی خدمت کرتا ہے اور وُہ شخص اس کا معاوضہ اسے دینا چاہتا ہے یا کسی کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتا ہے تو اس سے بھی اسے محرُوم نہیں کیا گیا بلکہ جائیداد کے ⅓ حصہ میں اسے وصیت کرنے کا حق دیا۔ قرآن حکیم نے وصیت کے لیے "غیر مضار" کی قید لگائی اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی حد ⅓ مقرر فرما دی اور وصیت کی اجازت صرف ان لوگوں کے لیے دی گئی ہے جو وارث نہیں ہیں کیونکہ اگر وارث کے لیے بھی وصیت جائز رکھی جاتی تو پھر قواعدِ میراث بالکل معطل ہو کر رہ جاتے۔ اس لیے حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ان الله اعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حصہ عطا فرما دیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے لیے وصیت کی اجازت نہیں بعض لوگ وارث کو وصیت سے محرُوم کرنے اور وصیت کو ⅓ تک محدُود کرنے پر بڑے برافروختہ ہوتے ہیں کاش وُہ اسلام کے حکیمانہ نظام میں غور کریں۔ (اس پر سیر حاصل بحث میری تالیف سُنّتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ملاحظہ فرمائیں)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بُردبار ہے یہ حدیں ۲۹ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) ہیں اور جو شخص فرمانبرداری کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی

يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ

داخل فرمائے گا اسے اللہ تعالیٰ باغوں میں بہتی ہوں گی جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

یہی ہے بڑی کامیابی اور جو نافرمانی کرے گا اللہ کی اور اس کے رسول کی اور تجاوز کرے گا

۲ ع ۱۳ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

اللہ کی (مقررہ) حدوں سے داخل کرے گا اُسے اللہ آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے ذلیل کرنے والا

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَاۗىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ

اور جو کوئی ارتکاب کرے بدکاری کا ۳۰ تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ طلب کرو (تہمت لگانے والے سے) ان پر

۲۸ اگرچہ یہ قید تمام سابقہ آیات میں بھی ملحوظ ہے لیکن یہاں تصریح کی اس لیے زیادہ ضرورت ہوئی کہ جب انسان کی اولاد یا والدین نہیں ہوتے تو وہ اپنے دوسرے وارثوں کو محروم کرنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتا ہے کسی کو بلاوجہ وصیت کر دی، کسی کا فرضی قرضہ اپنے اُوپر تسلیم کر لیا تاکہ اس کی جائیداد بٹ جائے اور اس کے وارثوں کو نہ ملے اس لیے یہاں مضار کے الفاظ صراحۃً ذکر فرما دیئے۔

۲۹ ان دو آیات سے نظامِ وراثت کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی، اس پر عمل پیرا ہونے کا تاکیدی حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی اور اپنے رسولِ کریم کی کامل اطاعت کی توفیق بخشے اور اپنی اور اپنے رسول کی نافرمانی سے محفوظ رکھے۔ آمین

۳۰ دوسری بُرائیوں کی طرح زنا بھی جاہلیت میں عام تھا پیشہ ور عورتیں اپنے مکانوں پر مخصوص پرچم لہرایا کرتیں۔ اس فعل شنیع کے ارتکاب کو (چند ذی شرف خاندانوں کی مستورات کے علاوہ) چنداں معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس فعلِ بد کی روک تھام کے لیے صرف وعظ و نصیحت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سزا اور سزا بھی سنگین مقرر کی لیکن ابتداء ہی میں اس سنگین سزا کا نفاذ نہیں فرمایا بلکہ آہستہ آہستہ اور تدریجاً۔ ان دو آیتوں میں ابتدائی زمانہ میں جو سزا مقرر ہوئی اس کا ذکر ہے۔ سدی، قتادہ اور کئی دوسرے ائمہ تفسیر کے نزدیک پہلی آیت شادی شدہ عورتوں کے متعلق ہے کہ اگر وہ اس جرم کا ارتکاب

أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند کردو اُن عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ

يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا

پُورا کر دے ان (کی زندگی) کو موت یا بنا دے اللہ تعالیٰ ان (کی رہائی) کے لیے کوئی رستہ اور جو مرد و عورت ارتکاب کریں

مِنكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ

بدکاری کا تم میں سے تو خوب اذیت دو انھیں پھر اگر دونوں توبہ کرلیں اور (اپنی) اصلاح کرلیں تو چھوڑ دو انھیں بے شک اللہ تعالیٰ

كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

بہت توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔ توبہ [۳۱] جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے ان کی توبہ ہے جو کر بیٹھتے ہیں

کریں تو انھیں اُن کے گھروں میں بطورِ سزا بحکم حاکم نظربند کر دیا جائے یہاں تک کہ اُن کی زندگی ختم ہو جائے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی دُوسرا حکم نازل فرمائے۔ (یہ آخری کلمات اِس بات کا صاف پتہ دیتے ہیں کہ یہ عمر قید کی سزا عارضی سزا ہے اور اس کے بعد کوئی دُوسری سزا تجویز ہونے والی ہے) اور دُوسری آیت میں غیر شادی شدہ مرد و عورت کی سزا کا ذکر ہے لیکن یہ سزا تب دی جائے گی جب جُرم ثابت ہو جائے اور اس جُرم کا تعلق کیونکہ عزّت و آبرو سے ہے اِس لیے اِس کے اثبات کے لیے دو نہیں چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ چاروں گواہ مسلمان ہوں، مرد ہوں، عاقل ہوں اور آزاد ہوں۔ کچھ عرصہ بعد سُورۃ نُور کی آیت (الزانیۃ والزانی) نازل ہُوئی جس میں غیر شادی شدہ زناکار عورت اور مرد کی سزا بیان کی گئی اور سُنّتِ صحیحہ نے شادی شدہ عورت مرد کی سزا رجم مقرر فرمائی۔ (اِس کا تفصیلی بیان سُورۃ نُور میں آئے گا اِنشاء اللہ تعالیٰ)

[۳۱] توبہ کا لغوی معنی رجُوع کرنا اور لوٹ آنا ہے یعنی جس سمت میں آپ چلے جا رہے ہیں اُدھر سے مُنہ پھیر کر دُوسری سمت میں چل پڑیں۔ توبہ شرعی میں بھی یہی معنی ملحُوظ ہے کہ انسان گناہ و معصیت کی جس راہ پر اپنی کم عقلی اور کج فہمی کے باعث بھاگا چلا جا رہا ہے اس سے رُخ موڑ کر نیکی اور تقویٰ کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے۔ اسی لیے محققین نے توبہ کی قبُولیت کے لیے متعدّد شرُوط بیان فرمائی ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں۔ (۱) ندامت (۲) اس گناہ سے اسی وقت باز آجانا (۳) دوبارہ یہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ (۴) وان یکون ذلک حیاء من اللہ تعالیٰ لا من غیرہ یعنی یہ سب کچھ اللہ جل مجدہ سے شرمسار ہو کر کرے۔ ایسی توبہ کو قبول فرمانے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ جھالۃ کا معنی نہ جاننا ہے اور اس سے مُراد وُہ کیفیت ہے کہ جب انسان رذیل خواہش ہوائے نفس اور غصّہ سے یُوں مغلوب ہو جائے کہ اپنے اعمال کے نتائج اس سے پوشیدہ ہو جائیں۔

السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

گناہ بے سمجھی سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے ۳۲ پس یہی لوگ ہیں (نظرِ رحمت سے) توجہ فرماتا ہے اللہ ان پر

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ

اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑی حکمت والا اور نہیں یہ توبہ جس کے قبول کرنے کا وعدہ ہے ان لوگوں کے لیے جو کرتے رہتے ہیں برائیاں (ساری عمر)

حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ

یہاں تک کہ جب آجائے کسی ایک کو ان میں سے موت (تو) کہے بے شک میں توبہ کرتا ہوں اب اور نہ ان لوگوں کی توبہ

يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۭ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا

جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہیں انھیں کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دردناک ۳۳ اے

۳۲ وقت قریب سے مُراد یہ ہے کہ وُہ جذبات جن سے مغلوب ہو کر اس نے یہ فعل بد کیا جب ان کی تیزی ختم ہو جاتے تو فوراً بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر توبہ کرے۔ لیکن شریعت نے موت کے آثار ظاہر ہونے سے پہلے توبہ کرنے کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ ضحاک سے مروی ہے کہ کل ما کان قبل الموت فھو قریب۔ لیکن انسان اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ ابھی توبہ کی کیا جلدی ہے موت سے پہلے توبہ کر لوں گا۔ کیا پتہ کہ موت اچانک ہی آجائے۔ کیا خبر کہ پیہم نافرمانیوں کی نحوست احساسِ گناہ کا گلا ہی گھونٹ دے اور توبہ کی توفیق سے ہی محروم کر دے۔ ایک چیز یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات برتر و اعلیٰ ہے اس چیز سے کہ اس پر کوئی چیز واجب ہو۔ ہاں جسے وُہ خود محض اپنے فضل و کرم سے اپنے اُوپر واجب کرے۔ اسی طرح ایسی توبہ کے قبول کرنے کا اس نے محض اپنی مہربانی اور رحمت سے وعدہ فرمایا ہے۔

۳۳ یعنی جو لوگ انجام سے بے خبر اور خوفِ الٰہی سے بے فکر ہو کر روز و شب گناہوں میں مشغول رہتے ہیں یہاں تک کہ موت کا فرشتہ اُن کا گلا دبوچ لیتا ہے اور زندگی سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور توبہ توبہ کہنے لگتے ہیں اس کو توبۃ الیاس کہتے ہیں یعنی مایوسی کی توبہ اور ایسی توبہ قبول نہیں ہوتی نیز وُہ بدبخت جو کفر پر مرتا ہے ان دونوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے المناک عذاب تیار کر رکھا ہے ان کی بخشش کی کوئی صورت نہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۭ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے ایمان والو! نہیں حلال تمھارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی ۳۴ اور نہ روکے رکھو انھیں ۳۵

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

تاکہ لے جاؤ کچھ حصہ اس (مہر وغیرہ) کا جو تم نے دیا ہے انھیں بجز اس صورت کے کہ ارتکاب کریں کھلی بدکاری کا

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـــًٔا

اور زندگی بسر کرو اپنی بیویوں کے ساتھ عمدگی سے ۳۶ پھر اگر تم ناپسند کرو انھیں تو (صبر کرو) شاید تم ناپسند کرو ۳۷ کسی چیز کو

۳۴ عرب میں یہ طریقہ صدیوں سے رائج تھا کہ خاوند کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا اپنے باپ کی جائیداد کی طرح اس کی بیوی (اپنی سوتیلی ماں) کا بھی وارث ہوتا۔ چاہتا تو اس کو جبراً بغیر مہر ادا کیے اپنے نکاح میں لے آتا۔ چاہتا تو اپنی مرضی سے کسی دوسرے آدمی سے اس کی شادی کر دیتا اور مہر خود وصول کرتا اور چاہتا تو اسے ساری عمر یونہی بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیتا اور اس کے مرنے کے بعد اس کی میراث کا تنہا وارث بن جاتا۔ مدت دراز سے یہ ظالمانہ رسم نہ صرف عرب میں بلکہ یونان و روم میں بھی رائج تھی۔ قرآن حکیم نے مظلوم عورت کی فریاد رسی کی اور مردوں کو اس کی آزادی میں مداخلت کرنے سے سختی سے روک دیا۔

۳۵ اس آیت سے ایک اور قبیح رسم کا قلع قمع کرنا مطلوب ہے۔ بعض مرد اپنی مالدار بیویوں کو طبعی منافرت کی وجہ سے آباد بھی نہ کرتے اور طلاق بھی نہ دیتے تاکہ وہ یا تو اسی حالت میں مر جائیں اور یہ ان کے وارث بنیں اور یا وہ انھیں کچھ دے کر طلاق لینے پر مجبور ہو جائیں یا اس شرط پر طلاق دیتے کہ وہ کسی سے شادی نہیں کرے گی۔ ان تمام چیزوں سے بھی قرآن نے منع فرما دیا ہاں اگر عورت فاحشہ مبینہ کی مرتکب ہو تو پھر خلع کی اجازت ہے۔ فاحشہ مبینہ سے مراد اکثر مفسرین نے زنا لیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے بغض اور نافرمانی بھی منقول ہے۔ الفاحشة المبينة في هذه الآية البغض والنشوز۔ مقصد یہ ہے کہ اگر عورت کی طرف سے ایسی بات رونما ہو جس کے باعث ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے تو پھر مرد کو اجازت ہے کہ جو مہر اس نے بیوی کو دیا ہے وہ اس سے لے کر اسے طلاق دے دے۔

۳۶ کتنی واضح ہدایت ہے بلکہ کتنا کھلا حکم ہے۔ حضور سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کا ارشاد بھی سن لیجیے خيركم خيركم لاهله تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرتا ہو۔ کاش ہم سمجھیں اور اس پر عمل کریں وہ گھر جس میں میاں بیوی میں ان بن ہو وہ کبھی سچی مسرتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ترقی کر سکتا ہے۔

۳۷ خوابوں کی دنیا اور حقائق کی دنیا میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر تمھاری رفیقۂ حیات کا معیار جمال اتنا اونچا نہیں جس کا تم تصور کیے ہوئے تھے۔ یا اس کے اطوار و اخلاق اتنے مثالی نہیں جن کے تم متمنی تھے تو دل برداشتہ ہو کر ازدواج کے اس رشتہ

وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ

اور رکھ دی ہو اللہ تعالیٰ نے اس میں (تمہارے لیے) خیر کثیر اور اگر تم ارادہ کر لو ۳۸ کہ بدلو ایک بیوی کو پہلی

زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو تم اسے ڈھیروں مال تو نہ لو اس مال سے کوئی چیز کیا تم لینا چاہتے ہو اپنا مال

بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى

(زمانہ جاہلیت کی طرح) بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کر کے اور کیونکر (واپس) لیتے ہو تم مال کو حالانکہ مل جل چکے ہو تم (تنہائی میں) ایک دوسرے

بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

سے ۳۹ اور وہ لے چکی ہیں تم سے پختہ وعدہ اور نہ نکاح کرو جن سے نکاح کر چکے تھے باپ دادا ۴۰

کو توڑ نہ دو بلکہ ان کوتاہیوں اور خامیوں پر صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ تمہیں اس بیوی سے ایسی نجیب و سعید اولاد عطا فرما دے جو تمہارے نام کو روشن کر دے۔ یا جب زندگی کا کارواں آزمائش و ابتلاء کی سنگلاخ وادی میں قدم رکھے تو تمہاری یہ بیوی تمہارے عزم و حوصلہ کو بلند رکھنے میں اس گل رعنا سے زیادہ مفید ثابت ہو جس کی بُوئے وفا اور رنگِ صفا کو بادِ سَموم کا ایک ہی جھونکا مرجھا کر رکھ دے۔ انسانی حُسن و جمال کا آئینہ صرف نگاہ ہی تو نہیں اس کے علاوہ اور بھی کئی آئینے ہیں۔

۳۸ پہلے ذکر فرمایا کہ اگر عورت کی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے طلاق ناگزیر ہو گئی ہو تو خاوند کو اپنا مہر واپس لینے کا حق ہے لیکن اگر عورت کا کوئی قصور نہ ہو اور پھر بھی تم اسے چھوڑ کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہو تو تمہیں یہ حق حاصل نہیں کہ جو تم پہلے خوشی سے عورت کو دے چکے ہو خواہ اس کی مقدار بہت زیادہ ہو واپس لو۔ امام رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ زمانہ جہالت کی ایک رسم یہ تھی کہ جب کوئی آدمی دوسری شادی کرنا چاہتا تو وہ پہلی بیوی پر زنا کی تہمت لگاتا۔ اس طرح اس کو مجبور کر دیتا کہ وہ اس کو مال دے کر طلاق حاصل کرے۔ اس سے بھی مسلمانوں کو روکا گیا (لیکن) آج بھی وہی کر رہا ہے جو اسلام سے پہلے جاہل عرب کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت خواہ نئی ہو یا پرانی اس کا مزاج ایک ہی ہے۔

۳۹ افضی افضاء سے ہے۔ فراء امام لغت نے اس کا معنی کیا ہے مرد و عورت کا تنہائی میں ملنا خواہ صحبت کے بغیر ہو۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ اس سے سارا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

۴۰ جیسے ایک سابقہ آیت میں گزرا ہے کہ زمانہ جہالت میں باپ کے مرنے کے بعد لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے جبراً شادی کر لیا کرتا تھا۔ اس آیت کے نزول سے جبراً شادی تو بند ہو گئی لیکن جانبین کی رضامندی سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس آیت میں

مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًا ؕ وَ سَآءَ

مگر جو ہوچکا (اس سے پہلے سو وُہ مُعاف ہے) بے شک یہ فعل بہت بے حیائی اور نفرت کا فعل تھا اور بہت بُرا

سَبِیْلًا ﴿۲۲﴾ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ

طریقہ تھا حرام کردی گئیں تم پر[۴۱] تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں

وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری مائیں[۴۲] جنھوں نے تمھیں دُودھ پلایا اور تمھاری بہنیں

الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ

رضاعت سے اور مائیں[۴۳] تمھاری بیویوں کی اور تمھاری بیویوں کی بیٹیاں جو تمھاری گودوں میں (زیر پرورش) ہیں ان بیویوں سے

بالکل ممانعت کردی گئی۔ علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں بہت سے لوگوں کے نام گنوائے ہیں جنھوں نے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کیے اور ان سے ان کی اولاد بھی ہوئی۔

[۴۱] یہاں سے اُن عورتوں کا تفصیلاً ذکر ہوتا ہے جن سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یہ حُرمت تین طرح کی ہے حُرمتِ نسب، حرمتِ رضاعت اور حُرمتِ مصاہرت۔ پہلے ان عورتوں کا ذکر ہے جن کی حُرمت کا سبب نسب ہے ان کی تعداد سات ہے:۔

۱۔ ماں (اس میں دادی، نانی اور اس سے اُوپر سب داخل ہیں)

۲۔ بیٹی (اس میں پوتی۔ نواسی نیچے تک سب داخل ہیں)

۳۔ بہن (سگی اور سوتیلی) (۴) پھوپھی (۵) خالہ (۶) بھتیجی (۷) بھانجی

[۴۲] یہاں سے اُن محرّمات کا ذکر ہے جو رضاع کی وجہ سے حرام ہیں۔ ساتوں رشتے جو نسب سے حرام تھے وُہی رضاع سے حرام ہیں۔ حضور کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے "یحرم من الرضاع مایحرم من النسب"۔

[۴۳] اب اُن عورتوں کا ذکر ہے جو علاقۂ نکاح کی وجہ سے حرام ہوجاتی ہیں۔ ان میں سے بعض وُہ ہیں جو ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہیں۔ بعض وُہ ہیں جن کے ساتھ اُس وقت تک نکاح حرام ہے جب تک اس کی بیوی اس کے نکاح میں ہے پہلی قسم بیوی کی ماں اور اس بیوی کی بیٹی جس سے صحبت کی جاچکی ہو لیکن اگر صحبت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیٹی سے نکاح درست ہوگا اور بیٹوں کی بیویاں بھی ہمیشہ کے لیے حرام ہوجاتی ہیں یہی حکم پوتوں اور نواسوں کی بیویوں کا ہے دُوسری قسم بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی ہیں جب تک بیوی زندہ ہے یا نکاح میں ہے اُس وقت تک ان سے نکاح درست

الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ ۫

جن سے تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے صحبت نہ کی ہو ان بیویوں سے تو کوئی حرج نہیں تم پر (ان کی بیٹیوں سے نکاح

وَ حَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ

کرنے میں) اور حرام کی گئیں بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہاری پشتوں سے ہیں ۴۴ اور (یہ بھی حرام ہے) کہ جمع کرو تم دو

الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۟ۙ ﴿۲۳﴾

بہنوں کو ۴۵ مگر جو گزر چکا (سو وُہ معاف ہے) یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے

نہیں۔ اور اگر بیوی مرجائے یا اُسے طلاق دے دے تو پھر ان سے نکاح کرنا درست ہے۔

۴۴ یعنی ان بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری پُشت سے ہوں۔ یہ قید اہل عرب کی ایک غلط رسم کو مٹانے کے لیے بڑھائی گئی ہے کہ وُہ جن کو متبنّٰی بنایا کرتے اُن کی بیویوں کے بیوہ یا مطلقہ ہونے کے بعد بھی ان سے نکاح کرنا حرام خیال کرتے۔

۴۵ دو بہنوں کو خواہ وُہ حقیقی ہوں یا رضاعی ایک نکاح میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔ اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے پھوپھی اور بھتیجی، خالہ اور بھانجی کا ایک عقد میں جمع کرنا ممنوع فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ رشتے محبت و پیار کے رشتے ہیں اگر یہ ایک دُوسرے کی سوکنیں بن جائیں گی تو محبت واُنس کی جگہ حسد و عناد جو عام طور پر سوکنوں میں پایا جاتا ہے رُونما ہو جائے گا۔ انکم اذا فعلتم ذٰلک قطعتم ارحامکم (قرطبی)

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ

اور (حرام ہیں) خاوندوں والی عورتیں مگر (کافروں کی وہ عورتیں) ۴۶ جو تمہارے ملک میں آجائیں فرض کیا ہے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ

اللہ نے (ان احکام کو) تم پر اور حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے ماسوا ان کے تاکہ تم طلب کرو (ان کو) اپنے مالوں کے ذریعہ

مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ

پاکدامن بنتے ہوئے نہ زناکار بنتے ہوئے ۴۷ پس جو تم نے لطف اُٹھایا ہے ان سے ۴۸

۴۶ یعنی جو عورتیں میدانِ جنگ میں پکڑی جائیں اور ان کے خاوند دارالحرب میں رہ جائیں تو اُن کا سابقہ نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور حکومت اسلامیہ اس عورت کو جس سپاہی کے حصّہ میں دے وُہ اس سے ہم بستری کرسکتا ہے۔ جنگی قیدیوں کا مسئلہ ہمیشہ سے حکومتوں کے لیے دردِ سر کا سبب بنا رہا ہے۔ اسلام نے اپنی فطری سادگی سے اس کا حل پیش کیا ہے کہ اگر جنگ میں دشمن قوم کے مرد اور عورتیں اسیر بن کر آئیں تو حکومتِ اسلامیہ کو اختیار ہے چاہے تو انھیں آزاد کر دے۔ چاہے تو ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ چاہے تو مسلمان قیدیوں کے ساتھ اُن کا تبادلہ کرلے اور اگر مصلحتِ عامہ کا تقاضا یہ ہو کہ انھیں اسیر ہی رکھا جائے تو پھر اس کی اجازت ہے لیکن کیسے؟ جاپان، جرمنی اور رُوس کے قیدی کیمپوں کا یہاں کوئی وجُود نہیں جہاں انھیں بھُوکا پیاسا رکھا جاتا ہو۔ انھیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی جاتی ہوں اور ان سے رات دن جبری مزدوری لی جاتی ہو بلکہ اس کی صُورت یہ ہے کہ انھیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہر سپاہی اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھے۔ جو اسیر عورت کسی کے حصّہ میں آئے وُہ ایک ماہواری گزرنے کے بعد اس سے صُحبت کرسکتا ہے۔ اگر اس کے شکم سے اَولاد پیدا ہُوئی تو اس کے حقوق بالکل ویسے ہی ہوں گے جیسے دُوسری اَولاد کے۔ اب وُہ اِس لونڈی کو فروخت بھی نہیں کرسکتا اور اس کے مرنے کے بعد وُہ خود بخود آزاد بھی ہو جائے گی۔

۴۷ علامہ قرطبیؒ نے محصنین کا معنی متعففین عن الزنا کیا ہے یعنی پاکباز بنتے ہُوئے اَور غیر مسافحین کا معنی غیر زانین۔ اِن کلمات سے نکاح کی غرض وغایت کی طرف اِشارہ فرمایا۔

۴۸ اگر بیوی کے ساتھ مباشرت یا خلوتِ صحیحہ ہو جائے تو سارا مہر ادا کرنا لازم ہو جاتا ہے اور اگر اس سے پیشتر ہی جُدائی ہو جائے تو پھر صرف نصف مہر ہی ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس آیت سے متعہ روافض پر استدلال کرنا سراسر باطل ہے کیونکہ محصنین غیر مسافحین کے الفاظ اس کی صراحتہً تردید کرتے ہیں نیز حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حجۃ الوداع کے موقع پر قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا۔ تفصیلی بحث سُورہ المومنون میں ملاحظہ فرمائیے۔

فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ

تو دو ان کو ان کے مہر جو مقرر ہیں اور کوئی گناہ نہیں تم پر جس چیز پر تم آپس میں راضی ہو

بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ

جاؤ ۴۹ مقرر کیے ہوئے مہر کے بعد بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے اور جو

لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

نہ رکھتا ہو ۵۰ تم میں سے اس کی طاقت کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو وہ

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۚ

نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہیں تمہاری کنیزیں جو مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تمہارے ایمان (کی کیفیت) کو

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ

بعض تمہارا ۵۱ بعض (کی جنس) سے ہے تو نکاح کر لو ان سے ان کے سرپرستوں کی اجازت سے اور دو ان کو

اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

مہر ان کے دستور کے موافق (تاکہ نکاح سے) وہ پاکدامن بن جائیں نہ (اعلانیہ) زنا کار اور نہ بنانے والی ہوں

۴۹ ہاں اگر بیوی اپنی خوشی سے سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ بخش دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

۵۰ عام طور پر آزاد عورت کا مہر اور اس کا نفقہ کنیزوں کے مہر اور نفقہ سے کہیں زیادہ ہوا کرتا ہے بعض اوقات ایک شخص آزاد عورت کے اخراجات برداشت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اس کو یارائے صبر بھی نہیں۔ اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو اس صورت میں قرآن حکیم نے اسے اجازت دی ہے کہ وہ کسی کی کنیز سے نکاح کرلے۔ امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک اس کنیز کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ طول کا معنی ہے السعة والغنٰى (القرطبی)

۵۱ عرب میں باندیوں کے ساتھ نکاح کرنا بہت معیوب سمجھا جاتا اور ان کے شکم سے جو اولاد ہوتی اس کو "ھجین" کہا جاتا۔ یہ بتا کر کہ تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اس خیال کی تردید کردی۔

أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ

پوشیدہ یار[۵۲] اور جب وُہ نکاح سے محفوظ ہو جائیں پھر اگر وُہ ارتکاب کریں بدکاری کا تو ان پر[۵۳]

نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں کے لیے ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کی اجازت)

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۵﴾

اس کے لیے ہے جسے خطرہ ہو بدکاری میں مبتلا ہونے کا تم سے اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

[۵۲] اخدان جمع ہے اس کا واحد خِدْنٌ اور خدین ہے۔ خدن اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ پوشیدہ بُرے تعلقات ہوں اس آیت میں کھلے اور چوری چھپے زنا دونوں سے منع کر دیا۔

[۵۳] ان دو تین آیتوں میں محصنات اور محصنین کے الفاظ کا کئی بار تکرار ہوا ہے لیکن کسی جگہ اس کا معنی شادی شدہ کہیں پاکباز کہیں آزاد اور کہیں کنوارا کیا گیا ہے جس سے اگر کسی نو آموز کے ذہن میں تردد پیدا ہو جائے تو کچھ بعید نہیں کہ ایک لفظ ہے اور قدم قدم پر اس کے معانی بدلتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لیے اس تردد کے ازالہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان الفاظ کی تحقیق کی جائے ان الفاظ کا ماخذ احصان ہے۔ اس کا لغوی معنی روکنا اور حفاظت کرنا ہے اسی لیے قلعہ کو حصن کہتے ہیں کیونکہ وُہ دشمن کے حملہ سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور مضبوط زرہ کو درع حصینۃ کہا جاتا ہے کیونکہ وُہ بھی حریف کے وار سے جسم کی حفاظت کرتی ہے اسی مناسبت سے جو مرد یا عورت بدکاری سے اپنی حفاظت کرے اُسے بھی محصن اور محصنۃ کہتے ہیں۔ اس حفاظت کے متعدد اسباب ہیں اسلام، آزادی، طبعی عفت، بکارت اور زواج۔ ان میں سے ہر ایک چیز انسان کو بدکاری سے روکنے والی ہے۔ اس لیے موقع اور محل کی مناسبت سے اس لفظ کا معنی متعین کیا جائے گا خصوصاً معنی کا وُہ تعین جو رسول اللہ نے فرمایا ہے وُہ قطعی ہوگا اس میں ردّ و بدل کی گنجائش نہیں۔ یہاں محصنات کا معنی آزاد باکرہ لڑکیاں ہیں اور یہاں محصنات کا یہ معنی حضور کریم کا متعین کردہ ہے کیونکہ سنت نبوی کے مطابق انھیں کی سزا سو دُرّے ہے جس کا نصف پچاس دُرّے مسلمان لونڈی کی سزا ہے دُوسرے قوانین میں مراعات اور گنجائشیں ان لوگوں کے لیے مخصوص ہیں جو صاحب جاہ و ثروت ہوں اور سوسائٹی میں کوئی بلند مقام رکھتے ہوں لیکن اس دین فطرت میں ان مراتب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا بلکہ انسان کی فطری کمزوریوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ جہاں پھسلنے کے امکانات زیادہ اور بچنے کے وسائل کم ہیں۔ وہاں سزائیں تخفیف کر دی گئی۔ غلاموں، باندیوں، غیر شادی شدہ اور شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی سزاؤں میں کمی بیشی کا یہی راز ہے (رجم زنا کی سزا پر تفصیلی بحث سورہ النور میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ)

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ۵۴ کہ کھول کر بیان کردے (اپنے احکام) تمہارے لیے اور چلائے تم کو ان (کامیاب لوگوں) کی راہوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے

وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللّٰهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ

اور (اپنی رحمت سے) توجہ فرمائے تم پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ (اپنی رحمت سے) توجہ فرمائے

عَلَيْكُمْ ۚ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا

تم پر اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کر رہے ہیں اپنی خواہشوں کی کہ تم (حق سے) بالکل منہ

عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللّٰهُ أَن يُخَفِّفَ عَنكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ

موڑ لو ۵۵ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہلکا کرے ۵۶ تم سے (پابندیوں کا بوجھ) اور پیدا کیا گیا ہے انسان

۵۴ سابقہ آیات میں کثیر التعداد احکام بیان کیے گئے جن کی پابندی ان لوگوں کے لیے بڑی دشوار تھی اس لیے تاکیدی طور پر یہ فرمایا کہ ہم نے ان احکام کی پابندی تم پر بلاوجہ فرض نہیں کی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہیں وہ راستہ دکھا دیں جن پر تم سے پہلے انبیاء و صلحاء گامزن رہے اور دارین کی سعادتوں سے بہرہ اندوز ہوئے اس لیے ان احکام کی پیروی میں تمہاری اپنی سعادت اور بھلائی ہے۔

۵۵ ان گوناگوں اصلاحات نے عرب کے پرانے طرز تمدن و معاشرت میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اب لڑکیوں کو بھی اپنے بھائیوں کی طرح ورثہ ملنے لگا تھا۔ عورت اپنے خاوند کے مرجانے کے بعد اپنے سوتیلے بیٹے کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دی گئی تھی بلکہ عدت گزرنے کے بعد اُسے اختیار تھا کہ جس سے چاہے نکاح کرے سوتیلی ماں سے نکاح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ زنا کو جرم قرار دے دیا گیا تھا اور اس کے لیے سنگین سزا مقرر کر دی گئی تھی۔ اسی طرح متعدد ایسے قوانین نافذ کر دیے گئے تھے جو ان کے قدیم رسم و رواج کے سراسر خلاف تھے۔ ایک طبقہ اپنی دیرینہ جہالت سے اندھی عقیدت کے باعث ان اصلاحات پر آتش زیر پا ہو گیا۔ اور وہ لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے ان قوانین کا سہارا لینے لگا۔ اس کے علاوہ یہودی بھی یہ گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے نافذ کردہ من گھڑت قوانین ہی کسی قسم کا ردوبدل کیا جائے کیونکہ اس میں ان کی علمی برتری کی ہتک تھی اور منافقین کا تو محبوب مشغلہ ہی یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کی تعلیمات کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کو احکام الٰہی سے برگشتہ کرنے کے لیے اپنے اپنے مخصوص حیلے اختیار کرتے اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے مکروفریب سے ہوشیار رہنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔

۵۶ علیم و حکیم خدا جو تمہارا اور تمہاری صلاحیتوں کا پیدا کرنے والا ہے اسے تمہاری فطری کمزوریوں کا خوب علم ہے اس لیے احکام شرعیہ میں ایسی سختی نہیں رکھی گئی جس کو تم برداشت نہ کر سکو۔ یہ بات کسی ایک قانون سے مختص نہیں بلکہ شریعت اسلامیہ کا ہر

ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم

کمزور — اے — ایمان — والو — نہ کھاؤ — اپنے — مال — آپس — میں

بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَ

ناجائز طریقہ سے ۵۴ — مگر — یہ — کہ — تجارت — ہو — تمھاری — باہمی — رضامندی — سے — اور

لَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَن يَفْعَلْ

نہ ہلاک کرو — اپنے آپ — کو ۵۵ — بے شک اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا ہے — اور جو شخص — کرے گا

ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ

یوں ، سرکشی — اور — ظلم — سے — تو ڈال دیں گے ہم اُسے آگ میں — اور — یہ

قانون اس حقیقت کا آئینہ دار ہے۔

۵۴ کسب حلال پر قرآن نے جتنا زور دیا ہے وُہ محتاج بیان نہیں۔ ایسے موقعوں پر قرآن کا انداز بیان بڑا اثر انگیز ہوا کرتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ دُوسروں کے مال ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ بلکہ فرمایا اپنے مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ۔ اس سے یہ حقیقت واضح کرنا مطلوب ہے کہ اُمّت کے کسی فرد کا مال پرایا مال نہیں بلکہ اپنا ہی مال ہے۔ اس میں ناجائز تصرف کرنا دھوکا فریب سے اس کو ہڑپ کرنا اپنے آپ سے ہی دھوکہ کرنا ہے۔ ہاں اگر تم آپس میں تجارت کرو اور تجارت میں کسی کی سادہ لوحی یا مجبوری سے ناروا فائدہ نہ اُٹھایا گیا ہو بلکہ فریقین نے راضی خوشی سے لین دین کیا ہو۔ اور اس طرح تمھیں نفع حاصل ہو تو یہ نفع حلال ہے۔ عَنْ تَرَاضٍ کے کلمات پر مزید غور فرمایئے۔ اسلام جس صاف ستھری تجارت کی اجازت دیتا ہے اس کے خدّوخال آپ پر واضح ہو جائیں گے۔

۵۵ اس آیت میں خودکشی کی ممانعت بھی آگئی اور کسی مسلمان بھائی کو بلاوجہ قتل کرنے سے بھی روک دیا گیا۔ انفسکم کہہ کر بتا دیا کہ اگر تم کسی مسلمان بھائی کو قتل کرو گے تو اس کا نقصان تمھیں ہی پہنچے گا۔ تمھاری ہی ایک مومن بہن بیوہ ہوگی۔ تمھاری ہی ملّت کے معصوم بچے یتیم ہوں گے۔ تمھارے مسلم معاشرہ کا ہی ایک گھر غم و اندوہ کے اندھیروں میں ڈوب جائے گا۔ علامہ بیضاوی علیہ الرحمۃ نے اس کا ایک اور لطیف معنی بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ لاتقتلوا انفسکم باقتراف مایذلها ویردیها فانه القتل الحقیقی للنفس یعنی ایسی مذموم حرکتیں اور ذلیل اعمال مت کرو جو لوگوں کی نگاہ میں تمھیں ذلیل و رُسوا کر دیں۔ کیونکہ یہ ذلّت و رُسوائی ہی تو نفس کی حقیقی ہلاکت و تباہی ہے۔ سبحان اللہ! کیا لطیف بات کہی ہے۔

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اللہ پر بالکل آسان ہے ۔ اگر تم بچتے ۵۹؎ رہو گے ان بڑے بڑے کاموں سے روکا گیا ہے تمہیں جن سے تو ہم محو کر دیں گے

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا

تمہارے (نامۂ اعمال) سے تمہاری بُرائیاں اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت کی جگہ میں ۔ اور نہ آرزو کرو اس چیز کی،

۵۹؎ یہاں تین چیزیں غور طلب ہیں :۔

ا۔ اجتناب کا کیا معنی ہے؟

ب۔ گناہِ کبیرہ کسے کہتے ہیں؟۔

ج۔ تکفیرِ سیئات کا کیا مطلب ہے؟

ا۔ کسی ایسے کام کو جس کے دواعی اور اسباب موجود ہوں اسے اپنے ارادہ اور مرضی سے نہ کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے۔

ب۔ گناہِ کبیرہ کے متعلق علماء سے کئی اقوال منقول ہیں لیکن علامہ بیضاوی کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ہر وُہ فعل جس کے لیے شارع نے کوئی حد مقرر کی ہو یا اس پر عذاب کی دھمکی دی ہو وُہ گناہِ کبیرہ ہے۔ والاقرب ان الکبیرۃ کل ذنب رتب الشارع علیہ حدا او صرح بالوعید فیہ۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے مندرجہ ذیل گناہوں کو کبیرہ شمار کیا ہے :۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھیرانا۔ (۲) قتل بے گناہ (۳) پاکباز عورت پر بہتان (۴) یتیم کا مال کھانا۔ (۵) زنا (۶) میدانِ جہاد سے فرار (۷) اور والدین کی نافرمانی۔ اس شمار سے مقصود حصر نہیں ہے احادیث میں ان کے علاوہ کئی اور امور کو بھی کبیرہ کہا گیا ہے۔

ج۔ اب رہا تکفیرِ سیئات کا مسئلہ۔ اس کے متعلق عام مفسرین نے تو یہی فرمایا ہے کہ نکفر کا معنی نمحو (مٹا دینا) اور نغفر (بخش دینا) ہے لیکن حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے اس کی پاکیزہ اور معصوم فطرت متاثر ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ گناہوں سے اس کی نفرت ان سے اُنس میں تبدیل ہو جاتی ہے لیکن جب کوئی شخص بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے اور ساری آسانیوں بلکہ اشتعال انگیزیوں کے باوجود وُہ اپنا دامن بچانے کی سعی کرتا ہے تو اس کشمکش سے اس کے دِل کے آئینہ سے زنگار دُور ہونے لگتا ہے طبیعت پھر اپنی کھوئی ہوئی صحت واپس لے لیتی ہے گناہوں سے پھر اس کو نفرت ہونے لگتی ہے اسی حالت کو "تکفیرِ سیئات" کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (المنار)

مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

بزرگی دی ہے اللہ نے جس سے تمہارے بعض کو بعض پر ؁۶۰ مردوں کے لیے حصّہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَ سْـَٔلُوا اللّٰهَ

اُس سے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصّہ ہے اس سے جو انھوں نے کمایا اور مانگتے رہو اللہ تعالےٰ سے ؁۶۱

؁۶۰ بعض انسان دُوسرے انسانوں سے باعتبارِ صحت، شکل وصُورت، قوّت وتوانائی، ذہانت وفطانت، حسب ونسب اور جاہ ومنزلت برتر اور افضل ہُوا کرتے ہیں اس لیے اُن جیسا بننے کی حسرت سے اپنی زندگی کو تلخ نہ بنالو۔ یہ اُمور نہ تو انسان کے لیے حقیقی شرف وعزت کا معیار ہیں اور نہ انھیں قربِ الٰہی میں کچھ دخل ہے۔ عزت وشرف کا حقیقی معیار اور قربِ الٰہی کا صحیح راستہ تو تمہاری ذاتی جدوجہد میں مضمر ہے۔ اگر آپ نیک عمل کریں گے تو تمھیں قربِ الٰہی نصیب ہو گا قطع نظر اس سے کہ تمہاری رنگت کیا ہے۔ تمہاری جسمانی قوت اور ذہانت کا معیار کیا ہے اور تم کس خاندان کے چشم وچراغ ہو تم مرد ہو یا عورت اور تمہارے چہرے کی دلکشی تمہارے حسب ونسب کی برتری یا کوئی دُوسری خوبی تمھیں خالق ومخلوق کی نگاہوں میں کوئی عزت نہیں بخش سکے گی اس لیے کرنے کا کام تو یہ ہے کہ اپنے حسنِ عمل سے اپنی برتری ثابت کرو۔ دُوسروں کے کمالات دیکھ کر ان جیسا بننے کے فقط خواب دیکھتے رہنا تو ایک مومن کے شایانِ شان نہیں۔ یہ عادت تو انسان میں حسد اور عناد کے جذبات کو اُبھارتی ہے۔ علامہ بیضاویؒ نے کیا خوب لکھا ہے ای لکل من الرجال والنساء فضل ونصیب بسبب ما اکتسب ومن اجلہ فاطلبوا الفضل بالعمل لا بالحسد والتمنی یعنی ہر مرد اور ہر عورت کو بلا امتیاز اس کی جدوجہد کا ثمر ملے گا۔ اس لیے اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے طلبگار رہو تو عمل سے طلب کرو کسی سے حسد کرنا یا صرف اس جیسا بننے کی خواہش ہی کرتے رہنے سے کیا حاصل۔ عورتوں کے دِلوں میں عام طور پر یہ حسرت ہوتی ہے کہ کاش وُہ مرد ہوتیں۔ اس کا بھی ازالہ فرما دیا کہ تکوینی مصلحتوں کے پیشِ نظر کسی کو مرد اور کسی کو عورت ضرور ہونا تھا اس لیے اِس خیالِ خام کو اپنے دِلوں سے نکال دو حصُولِ کمال اور قُربِ الٰہی کے دروازے تمہارے لیے بھی کھُلے ہُوئے ہیں آگے بڑھو اور اپنے حسنِ کردار اور خوبیٔ عمل سے بلند سے بلند مقام حاصل کرلو۔

نیز اِس آیت سے یہ بھی بتا دیا کہ دولت کمانے کا حق جس طرح مرد کو ہے اسی طرح عورت کو بھی ہے۔ مرد بھی اپنی کمائی ہوئی دولت کا مالک ہوتا ہے اس میں اپنی مرضی سے تصرّف کر سکتا ہے اور اس سے اِستفادہ کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حقُوق حاصل ہیں۔ اِس اِرشادِ گرامی سے مرد وزن میں جو بے جا تفریق صدیوں سے قائم تھی اس کا قلع قمع کر دیا۔

؁۶۱ صرف خیالی پلاؤ پکانے اور حسد کرنے کی عادت کو ترک کر دو اور اللہ تعالیٰ کے حضُور میں دامن پھیلا دو۔ وُہ اپنی جُود وسخا سے تمھیں سب کچھ عطا فرمانے پر قادر ہے اس کے خزانے ختم ہونے والے نہیں۔ وُہ کثرتِ سوال سے اُکتا نہیں جاتا بلکہ خوش ہوتا ہے

مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۝۳۲ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

اس کے فضل (وکرم) کو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور ہر ایک کیلیے بنا دیئے ہیں

مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ

ہم نے وارث اس مال سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریبی رشتہ دار ۶۲ اور وہ لوگ جن سے بندھ چکا ہے تمہارا عہد و پیمان

فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا ۝۳۳ ع

تو دو انھیں ان کا حصہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرمانے والا ہے

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی

مرد محافظ و نگران ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے مردوں کو

بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ

عورتوں پر ۶۳ اور اس وجہ سے کہ مرد خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں سے (عورتوں کی ضرورت و آرام کیلیے) تو نیک عورتیں ۶۴ اطاعت گزار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے سلوا اللّٰہ من فضلہ فانہ یحب ان یسأل وافضل العبادۃ انتظار الفرج یعنی اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کیا کرو وہ اس کو دوست رکھتا ہے اور بہترین عبادت مصیبت کے دور ہونے کے لیے منتظر رہنا ہے۔

۶۲ ؎ عہد جاہلیت کی ایک رسم یہ بھی تھی کہ جن لوگوں کی آپس میں دوستی ہوتی تھی یا جس کو وہ اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا کرتے وہ بھی ان کی وراثت میں حصہ دار بن جاتا۔ اس آیت میں وضاحت فرما دی کہ وراثت کے حقدار تو وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وارث ٹھیرایا ہے۔ جن کے ساتھ ان کا معاہدہ ہوا کرتا ان کو پہلے ۱/۶ حصہ دیا جاتا۔ بعد میں اولوالارحام کی آیت سے یہ بھی منسوخ ہو گیا۔

۶۳ ؎ کسی چیز کی ضروریات کو مہیا کرنے والے، اس کی نگہبانی اور حفاظت کرنے والے اور اس کی اصلاح و درستگی کے ذمہ دار کو عربی میں قَوَّام کہا جاتا ہے۔ جیسے ہر فوج کا ایک کمانڈر اور ہر مملکت کا ایک فرماں روا ہونا ضروری ہے جو نظام قائم رکھے اور فوج اور رعایا اس کے حکم کی تعمیل کرے۔ اسی طرح گھر کی ریاست کا بھی ایک حاکم اعلیٰ ہونا چاہیے جو گھر کی تمام ضروریات کا کفیل اور اس کی خوشحالی کا ذمہ دار ہو اور اس کے احکام کی اطاعت کی جائے۔ ورنہ گھر کی یہ مختصر مگر اہم ریاست کا سکون و اطمینان برباد ہو کر رہ جائے گا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ ذمہ داری کس کو سونپی جائے اور اس بار گراں کو اٹھانے کی بہترین صلاحیت کس

لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ

(مردوں کی) غیر حاضری میں اللہ کی حفاظت سے	اور وہ عورتیں ۶۵ اندیشہ ہو تمھیں جن کی نافرمانی کا	تو (پہلے نرمی سے) انھیں سمجھاؤ			

میں ہے اس لئے وہی اُمیدوار ہیں ماں اور باپ قرآن حکیم نے باپ کو اس ذمّہ داری کا اہل قرار دیا ہے اور ساتھ ہی وجہ بھی بتادی ہے کہ اس میں دو خوبیاں ہیں ایک وہبی ہے اور دُوسری کسبی۔ انھیں کے باعث وُہ گھر کی مملکت کا رئیس مقرر کیا گیا ہے۔ پہلی خوبی تو یہ ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مرد اپنی جسمانی قوّت، ذہنی برتری، معاملہ فہمی اور دُور اندیشی میں بلاشبہ عورت سے بڑھا ہوا ہے۔ اس چیز کو قرآن نے یُوں اپنے مختصر الفاظ میں بیان فرمایا بما فضل اللہ بعضهم علی بعض۔ اور مرد کی دُوسری خوبی یہ ہے کہ بیوی بچے کے جُملہ اخراجات اور ان کے آرام وآسائش اور ان کی حفاظت وصیانت کی تمام تر ذمّہ داری اس پر عائد ہے۔ اس کا قرآن کریم نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا۔ وبما انفقوا من اموالهم۔ اس لیے اپنی فطری اور کسبی برتری کے باعث مرد ہی اس امر کا مستحق ہے کہ وُہ گھر کی ریاست کا امیر ہو۔ کوئی کج فہم یہ نہ سمجھے کہ عورت کے گلے میں مرد کی غلامی کا طوق ڈالا جا رہا ہے نہیں ان انتظامی امور کے علاوہ عورت کے اپنے حقوق ہیں جو مرد پر ایسے ہی واجب ہیں جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمّہ واجب ہیں۔ ولهن مثل الذی علیهن۔ اور قُربِ الٰہی کے دروازے دونوں صنفوں کے لیے برابر کُشادہ ہیں اس لیے یہاں عورت کی غلامی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کو جو مقام اسلام نے معاشرہ میں بخشا ہے اس کی نظیر نہیں ویسے کوئی آنکھیں بند رکھنے پر ہی اُدھار کھائے بیٹھا ہو تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

۶۴؎ یہاں سے نیک عورتوں کی صفات کا بیان ہے۔ اس ارشادِ ربّانی کی مزید وضاحت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اس فرمان سے ہوتی ہے خیر النساء امرأة اذا نظرت الیها سرتك واذا امرتها اطاعتك واذا غبت عنها حفظتك فی نفسها ومالك یعنی بہترین بیوی وُہ ہے جسے جب تو دیکھے تو تُو مسرُور ہوجائے۔ اُسے حکم کرے تو وُہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو کہیں باہر جائے تو وُہ تیری غیر حاضری میں اپنی عصمت کی اور تیرے مال کی حفاظت کرے۔ (ابن جریر عن ابی ہریرہ)۔ ایک مُسلمان خاتون کو جن خُوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیئے اور جن پاکیزہ صفات سے متّصف ہونا چاہیئے ان کا ذکر کتنے دلنشین کلمات میں کیا گیا ہے۔ بیوی کا اس سے بلند معیار تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ خود سوچیے اسلام ایک بیوی سے کیا توقع رکھتا ہے اور اس طرح اس کے مقام کو کتنا بلند کر دیتا ہے۔ اور اس مرد سے بھی زیادہ کوئی خوش نصیب ہوسکتا ہے جس کی رفیقۂ حیات ان خوبیوں کی مالک ہو۔

۶۵؎ لیکن پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہوا کرتیں اچھی خواتین کے ساتھ ساتھ ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو تُند مزاج اور کج سرشت ہُوا کرتی ہیں۔ ان کی اصلاح کا طریقہ تعلیم کیا جارہا ہے۔ عورت کے ازراہِ غرُور و نفرت خاوند کی اطاعت سے سرتابی کرنے کو "نشوز" کہتے ہیں۔ خوف سے مُراد وہم وگمان نہیں بلکہ علم ویقین ہے (قرطبی) یعنی اگر تمھیں ان کی نافرمانی کا پُورا علم ہوجائے تو پہلے ہی غصّہ سے بے قابو ہوکر انتہائی اقدام نہ کرو۔ بلکہ پہلے انھیں نرمی سے سمجھاؤ۔ اور اگر فہمائش مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان سے الگ رات بسر کیا

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا

اور (پھر) الگ کر دو انھیں خواب گاہوں سے اور (پھر بھی باز نہ آئیں تو) مارو انھیں پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تمھاری تو نہ تلاش کرو

عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ

ان پر (ظلم کرنے کی) راہ ۶۶؎ یقیناً اللہ تعالیٰ (عظمت و کبریائی میں) سب سے بالا سب سے بڑا ہے اور اگر خوف کرو تم ناچاقی کا

بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ

ان کے درمیان ۶۷؎ تو مقرر کرو ایک پنچ مرد کے کنبہ سے اور ایک پنچ عورت کے کنبہ سے اگر وہ

يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٣٥﴾

دونوں (پنچ) ارادہ کریں گے صلح کرانے کا تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر بات سے خبردار ہے

کرو اور محبت بھری باتیں کرنا ترک کر دو۔ وہ عورت جس میں شرافت کی حس ابھی زندہ ہے وہ اس سرزنش سے ضرور اپنی اصلاح کر لے گی۔ لیکن اگر یہ طریقہ کار بھی مفید ثابت نہ ہو تو پھر تم اس کو مار بھی سکتے ہو لیکن مار ایسی سخت نہ ہو جس سے جسم پر چوٹ آجائے۔ والضرب فی ھذہ الاٰیۃ ضرب الادب غیر المبرح (قرطبی) اور حضرت ابن عباس سے تو یہ تصریح مروی ہے کہ اگر مارنے کی نوبت آئے تو مسواک یا اس قسم کی کسی ہلکی پھلکی چیز سے مارے۔ آج کل جہلاء اپنی بیویوں کو بھینسوں کی طرح پیٹتے ہیں اس کی اجازت قطعاً اسلام نے نہیں دی۔

۶۶؎ اگر عورت اپنی سرکشی سے باز آجائے اور اپنے شوہر کی فرمانبردار بن جائے تو پھر شوہر پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے رویہ کو یکسر بدل دے اور اس پر دست درازی سے کلیۃً باز آجائے۔ یہ حکم اس خدا کا ہے جو سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے اور اس کے حکم کی سرتابی کے نتائج بڑے المناک ہیں۔

۶۷؎ لیکن اگر آپس کی کوششیں اصلاح حال کے لیے مفید ثابت نہ ہوں اور ایسے آثار رونما ہونے لگیں کہ اگر صورت حال پر قابو نہ پایا گیا تو معاملہ طلاق پر جا ختم ہوگا تو اس وقت یا تو میاں بیوی اپنی اپنی طرف سے ایک ایک ثالث مقرر کریں جو ان کی شکایات سن کر ان کا باہمی تصفیہ کر دیں یا دونوں کے خاندان ثالث مقرر کریں اور اگر معاملہ عدالت تک پہنچ گیا ہو تو پھر حاکم کو چاہیے کہ جلد بازی سے ان میں تفریق نہ کر دے بلکہ حکم کے ذریعہ ان کی مصالحت کی بھرپور کوشش کرے اور اگر ان حکموں نے خلوص نیت سے اصلاح کی کوشش کی تو توفیق الٰہی ضرور ان کے شامل حال ہوگی بعض مفسرین کے نزدیک ان یریدا اصلاحا کے فاعل میاں بیوی ہیں۔ یعنی اگر ان کے دلوں میں مصالحت کی خواہش ہوئی تو اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا فرما دے گا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی ۶۸ے اور نہ شریک بناؤ اس کے ساتھ کسی کو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو

وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى

نیز رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور پڑوسی جو رشتہ دار ہے

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اور پڑوسی جو رشتہ دار نہیں اور ہم مجلس اور مسافر اور جو (لونڈی غلام)

اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴿۳۶﴾ ۙ الَّذِيْنَ

تمہارے قبضہ میں ہیں (ان سب سے حسن سلوک کرو) بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس کو جو مغرور ہو فخر کرنے والا ہو ۶۹ے جو خود بھی

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ

بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بھی بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں ۷۰ے جو عطا فرمایا ہے انھیں

۶۸ے پہلے میاں بیوی کے حقوق کا ذکر ہوا۔ آپس میں حسن سلوک اور حسن معاشرت کی تاکیدیں ہوئیں۔ اصلاح حال کی تدبیریں بتائی گئیں۔ اب مخاطب کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ تیرا تعلق صرف گھر اور گھر والی سے ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ تیرا رشتہ اپنے خالق سے بھی ہے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ ان کے حقوق کی ادائیگی بھی تم پر لازم ہے۔ اپنے خالق کا حق تو تجھ پر یہ ہے کہ اس کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی عبادت میں سرشار رہے اور کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس کا شریک نہ بنائے نہ ذات میں نہ صفات میں۔ اور اس کی مخلوق کا تجھ پر یہ حق ہے کہ سب کے ساتھ احسان اور مروّت کا برتاؤ کرے کسی کو ضرر اور دکھ پہنچانے کا تو خیال تک بھی تیرے دل میں نہ گزرے۔ ترتیب بیان مراتب کی ترتیب پر دلالت کرتی ہے۔ کاش ہم تعلیمات قرآنی پر عمل کرنے کی سعی کریں۔

۶۹ے مختال مغرور و متکبر کو کہتے ہیں اور فخور اس کو کہتے ہیں جو اپنی تعریف و ثنا میں ہی رطب اللسان رہے اور اپنی خوبیاں اور کمالات ہی بیان کرتا رہے۔ آخر آیت میں ان دو صفات کا ذکر اس لیے فرمایا ہے کہ ایسا انسان ہی کسی کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آنے میں اپنی کسر شان سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر نیاز خم کرنے کے شوق سے محروم رہتا ہے۔

۷۰ے اس میں خدا کے دیئے ہوئے مال کو بھی اہل ضرورت سے پوشیدہ رکھنے کی مذمت ہے نیز وہ صاحب علم جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے اور وہ لوگوں کو فیض نہیں پہنچاتا اور ان کے کانوں تک پیغام حق پہنچانے میں بخل سے کام لیتا ہے

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۳۷

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (وکرم) سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب

وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور وُہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے اور نہیں ایمان رکھتے

بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

اللہ پر اور نہ روزِ قیامت پر اور وُہ (بدقسمت) ہو جائے شیطان جس کا ساتھی ایسے

فَسَآءَ قَرِيْنًا ۳۸ وَ مَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ

پس وُہ بہت بُرا ساتھی ہے اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر

وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۳۹ اِنَّ اللّٰهَ

اور خرچ کرتے اس سے جو دیا ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اللہ تعالیٰ اُن سے خُوب واقف ہے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ

ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے

اس کا بھی یہی حال ہے۔

یہاں ان بدنصیبوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا۔ بلاشبہ جو لوگ غرور و فخر کی بیماری میں مُبتلا ہوں جن کو دولت اتنی پیاری ہو کہ وُہ ایک دمڑی تک راہِ خُدا میں خرچ کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور دُوسرے لوگوں کو بھی راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے روکیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی نعمتوں کو چھپائے رکھیں وُہ اس قابل کہاں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے۔ وُہ رُسوا کُن عذاب کے مستحق ہیں جو ان کے لیے بالکل تیار ہے۔

۳۸ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے میں بُخل سے کام لیتے ہیں وُہ اپنی نام و نمود کے لیے حکامِ وقت کو خوش کرنے کے لیے اور لوگوں کے دلوں پر اپنی فیاضی کا سکہ بٹھانے کے لیے بے دریغ دولت خرچ کرتے ہیں حقیقت میں نہ اللہ پر ان کا ایمان ہوتا ہے اور نہ قیامت پر انھیں یقین ہوتا ہے۔ اُن کا دوست اور ساتھی شیطان ہوتا ہے

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝٤٠ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ

اپنے پاس سے اجر عظیم ١١٢ تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے

بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝٤١ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ

ایک گواہ ١١٣ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ اس روز تمنا کریں گے وہ جنھوں نے

كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی ١١٤ کہ کاش! (انھیں ہلاک کر کے) ہموار کر دی جاتی ان پر زمین اور نہ چھپا سکیں گے

وقف النبی علیہ السلام

جو اس ازلی بدخواہ کو اپنا اصلاح کار بنالے اس سے زیادہ بدقسمت کون ہوسکتا ہے شیطان تو اسے ہر نیک کام سے روکے گا اس سے بدترین ساتھی اور ہم سفر کوئی نہیں ہوسکتا۔

١١٢ یہ غفلت شعار، کوتاہ اندیش اگر اپنے خدا پر ایمان لے آتے اور قیامت پر یقین کرتے تو راہ حق میں مال خرچ کرنے میں ہرگز بخل نہ کرتے بلکہ بڑی دریا دلی سے غریبوں مسکینوں کی امداد کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال میں برکت دیتا۔ جتنا خرچ کرتے اس سے کئی گنا اس دنیا میں وہ انھیں عطا فرماتا اور اس کے علاوہ وہ جو اجر عظیم انھیں بارگاہِ الٰہی سے ملتا اس کا تو وہ اندازہ بھی نہیں کرسکتے لیکن شیطان کی سنگت نے انھیں سود فراموش اور زیاں کار بنا دیا ہے۔

١١٣ قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے احوال و اعمال پر شہادت دیں گے اور حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انبیائے کرام کی شہادت کے درست ہونے کی گواہی دیں گے۔ اور ھٰؤلاء کا مشارٌ الیہ امت مصطفویہ کو بھی قرار دیا گیا ہے یعنی حضور علیہ السلام اپنی امت کے احوال پر گواہی دیں گے۔ وقیل الاشارۃ الی جمیع امتہ۔ علامہ قرطبی نے اس قول کی تائید کے لیے حضرت سعید بن مسیب کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم فلذالک یشھد علیھم (القرطبی) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہر صبح و شام حضور کی امت پیش کی جاتی ہے۔ حضور اپنے ہر امتی کا چہرہ اور اس کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی علم کامل کے باعث حضور قیامت کے روز سب کے گواہ ہوں گے۔ یہ مضمون دوسرے سیپارہ کی دوسری آیت کے ضمن میں مفصل گزرا ہے۔ ملاحظہ فرمادیں۔

١١٤ کاش اس آیت کو وہ لوگ بھی پڑھیں جو بڑے طمطراق سے اطاعت رسول کا انکار کرتے ہیں تو انھیں پتہ چلے کہ رسول کے نافرمانوں اور اس کی سنت سے سرکشی کرنے والوں کی قیامت کے دن کیا حالت ہوگی۔

اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٤٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ

اللہ سے کوئی بات اے ایمان والو! ۵ نہ قریب جاؤ نماز کے جب کہ تم

سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَ لَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ

نشہ کی حالت میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو (زبان سے) کہتے ہو ۶ اور نہ جنابت ۷ کی حالت میں مگر یہ کہ تم سفر ۸ کر رہے ہو

۵ عرب میں شراب کا استعمال عام تھا اگر اسے یک لخت حرام کر دیا جاتا تو مسلمان بڑی مشکل میں مبتلا ہو جاتے اس لیے حکیم و علیم خدا نے اس کی حرمت کے احکام تدریجاً نازل فرمائے ابتدا میں تو صرف اتنا اشارہ کر دیا کہ یہ مضر اور نقصان دہ چیز ہے۔ اس سے بعض لطیف طبائع نے شراب چھوڑ دی۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اوقاتِ نماز میں شراب کی ممانعت کر دی گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ دن میں شراب کا استعمال بند ہو گیا عشاء کی نماز کے بعد ہی لوگ اس سے شوق کرتے کچھ مدت بعد شراب کی قطعی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے ہاں کئی صحابہ مدعو تھے۔ کھانے کے بعد دور شراب چلا جب وہ اس کے نشہ سے جھوم رہے تھے تو مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ ایک صاحب امامت کے لیے آگے بڑھے اور اتفاق سے سورۃ الکافرون پڑھنا شروع کر دی۔ اور بے ہوشی میں لا اعبد ما تعبدون کی جگہ اعبد ما تعبدون پڑھ گئے۔ جس سے معنی بالکل بدل گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور نشہ کی حالت میں نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس سے پہلی آیت میں قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں حاضری کا ذکر گزرا اس آیت میں بارگاہِ الٰہی میں حاضری کے آداب سکھائے جا رہے ہیں تاکہ قیامت کی حاضری آسان ہو۔ بتایا کہ باادب و ہوشیار ہو کر اس احکم الحاکمین کی خدمت میں حاضر ہو۔ مدہوشی کی حالت میں حاضری آدابِ شاہانہ کے خلاف ہے۔ آیت کے دوسرے حصہ میں بتایا کہ دل کے حضور کے ساتھ ساتھ جسم کی طہارت و نظافت بھی لازمی ہے۔

۶ حدیث پاک میں ہے کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اگر نماز پڑھتے وقت تم پر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نماز چھوڑ دو اور جا کر سو رہو۔ اور نیند پوری کرنے کے بعد جب ہوش و حواس درست ہو جائیں تو نماز ادا کرو۔ اذا نعس احدکم وھو یصلی فلینصرف فلینم حتی یعلم ما یقول (بخاری عن انس)

۷ بیوی سے صحبت کرنے سے یا حالتِ نیند میں انزال ہو جانے سے انسان جنبی ہو جاتا ہے۔ اس کی طہارت صرف وضو سے نہیں ہوتی بلکہ غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس حالت میں انسان کے جسم کے سارے اعصاب پر ایک درماندگی اور افسردگی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جس سے کسی کام میں جی نہیں لگتا۔ لیکن جب پانی کے ٹھنڈے چھینٹے پڑتے ہیں تو نشاط و سرور کی رو سارے جسم میں دوڑ جاتی ہے اور افسردگی اور درماندگی شگفتگی سے بدل جاتی ہے۔ انسان ایک نئی تازگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ نماز سے پہلے غسل کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں یہ حاضری ایسی

حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ

یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر ہو تم بیمار ۹؎ یا سفر میں یا آئے کوئی

مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً

تم میں سے قضائے حاجت سے یا ہاتھ لگایا ہو تم نے (اپنی) عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم پانی تو (اس صورت میں)

فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ

تیمم کر لو ۱۰؎ پاک مٹی سے اور (اس کا طریقہ یہ ہے کہ) ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے بازوؤں پر بے شک

حالت میں ہو جب تم تر و تازہ اور شگفتہ خاطر ہو۔

۸؎ ان الفاظ کا معنی سمجھنے کے لیے ہمیں لفظ الصلوٰۃ پر جو ابتدائے آیت میں گزرا از سر نو غور کرنا چاہیے کہ بعض علماء کے نزدیک جن میں امام شافعیؒ بھی ہیں الصلوٰۃ سے مُراد مسجد ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہو گا کہ جنابت کی حالت میں مسجدوں میں نہ جاؤ۔ ہاں اگر مجبوراً گزرنا پڑے اور دوسرا کوئی راستہ نہ ہو تو صرف گزرنے کی اجازت ہے لیکن وہاں ٹھیرو نہیں۔ اور بعض علماء نے صلوٰۃ سے مُراد نماز ہی لی ہے۔ تو اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ سفر کی حالت میں جنبی کو اجازت ہے کہ وہ تیمم کر کے غسل کے بغیر نماز پڑھ لے جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

۹؎ اس آیت میں ان صورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں تیمم کی اجازت ہے۔ پہلی صورت بیماری۔ اگر انسان بیمار ہو اور اُسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر میں نے غسل کیا یا وضو کیا تو میری بیماری میں اضافہ ہو جائے گا تو تیمم کر لے۔ دوسری صورت سفر۔ اگر مُسافر ہے اور غسل کی ضرورت پڑ گئی اور پانی کا ملنا دُشوار ہے تو تیمم کر لے۔ یہ تیمم کی اجازت دونوں حالتوں میں ہے وضو کے لیے بھی اور غسل کے لیے بھی۔ قضائے حاجت کے لیے جاء من الغائط کے الفاظ اور صحبت کے لیے لمستم النسآء کے کلمات کتنے لطیف ہیں۔ نازک سے نازک طبع پر بھی گراں نہیں گزرتے۔ یہی حُسنِ تعبیر تو اِس کلامِ خداوندی کا اعجاز ہے۔

۱۰؎ اب یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ تیمم کس چیز سے ہو سکتا ہے اور اس کی صُورت کیا ہے۔ دونوں چیزیں اس آیت میں مذکور ہیں۔ پہلی چیز کے متعلق تو فرمایا کہ صعید طیب سے کرو۔ صعید کا معنی ہے وجہ الارض کان علیہ التراب اولم یکن "زمین کی بالائی سطح خواہ اس پر گرد ہو یا نہ ہو۔ امام صاحبؒ کے نزدیک مٹی اور مٹی کی جنس کی سب چیزوں مثلاً پتھر، ریت وغیرہ سے بھی تیمم جائز ہے بشرطیکہ وہ پاک ہوں۔ وضو اور غسل کا بدل تیمم کیونکر ہوا۔ اور مٹی کے ساتھ تیمم کرنے کا حکم دینے میں کیا حکمتیں ہیں اس پر حکمائے اسلام نے سیر حاصل بحث کی ہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں (اس کے لیے المنار ملاحظہ ہو) تیمم کرنے

اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اللہ تعالیٰ ۸۱؎ معاف فرمانے والا بڑا بخشنے والا ہے کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصّہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا

کتاب سے وُہ مول لے رہے ہیں گمراہی کو اور (یہ بھی) چاہتے ہیں کہ بھٹک جاؤ تم بھی

السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّ

راہِ راست سے ۸۲؎ اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے تمھارے دشمنوں کو اور کافی ہے (تمھارے لیے) اللہ حمایتی اور

كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

کافی ہے (تمھارے لیے) اللہ تعالیٰ مددگار کچھ لوگ جو یہودی ہیں ۸۳؎ پھیر دیتے ہیں اللہ کے کلام کو

کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تیمم کی نیت کرے اس کے بعد دونوں ہاتھ زمین پر مارے اگر ان کے ساتھ غبار بہت لگ گیا ہو تو پھونک سے کم کر دے اس کے بعد اپنے چہرہ پر ملے دوبارہ پھر اسی طرح زمین پر دونوں ہاتھ مار کر دونوں بازوؤں کی کہنیوں تک ملے۔ تیمم سے بھی ایسی کامل طہارت ہوتی ہے جیسے وضو سے۔ اگر امام نے تیمم کیا ہو تو وضو کرنے والے مقتدی کی نماز اس کے پیچھے دُرست ہے۔ تیمم سے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے تفصیلی احکام کے لیے کُتبِ فقہ کا مطالعہ فرمائیے۔

۸۱؎ حکمِ تیمم سے بندوں کے ساتھ جو نرمی کی گئی ہے وُہ ان دو صفات کا بہترین مظہر ہے۔

۸۲؎ یہود و نصاریٰ کو آسمانی کُتب سے بہرہ ور کیا گیا تھا لیکن اُنھوں نے اِس نعمت کی قدر نہ کی اور مال و جاہ حاصل کرنے کی خاطر احکامِ الٰہیہ کو نظرانداز کر دیا جو اُن کی سعادت و فلاح کے ضامن تھے لیکن وُہ اِسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ تمھیں بھی گمراہ کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ بظاہر تمھارے خیر خواہ اور دوست بنے ہُوئے ہیں درحقیقت یہ تمھارے بدترین دُشمن ہیں جو تمھیں راہِ حق سے بہکا دینا چاہتے ہیں ان سے خبردار رہو۔ ان کے دامِ فریب میں پھنس کر خداوند کریم کے نافرمان نہ بنو۔ اسی کو اپنا دوست اور مددگار بناؤ۔ اس کے احکام کی پیروی کرو۔ اگر تمھیں اس کی دوستی اور نصرت نصیب ہو گئی تو پھر کوئی دُشمن تمھیں گزند نہیں پہنچا سکے گا۔

۸۳؎ بیباکی اور گستاخی، تصنّع اور تملّق اور کلامِ الٰہی میں اپنی مرضی کے مُطابق کاٹ چھانٹ اور احکامِ خداوندی کی من مانی تاویلیں یہود کی خصوصیات بن کر رہ گئی تھیں۔ جنابِ رسالت مآب کی تعریف و توصیف جس سے تورات کے صفحات مزیّن تھے جان بوجھ کر وُہ ان کا انکار کرتے اور ان کے من گھڑت معانی بیان کرتے گفتگو کے وقت بارگاہِ نبوّت میں بڑی دریدہ دہنی سے کام لیتے۔

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ

اس کی اصلی جگہوں سے اور کہتے ہیں ہم نے سُنا اور ہم نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں) سُنو تم نہ

مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ

سُنائے جاؤ اور (کہتے ہیں) "رَاعِنَا" بل دیتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ زنی کرتے ہوئے دین میں اور اگر

اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

وُہ (یوں) کہتے ہم نے (آپ کا ارشاد) سُنا اور (اسے) مان لیا اور (ہماری عرض) سُنئے اور نگاہ (کرم) فرمائیے ہم پر تو ہوتا بہت بہتر

لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

ان کے لیے اور بہت درست لیکن (اپنی رحمت سے) دُور کر دیا ۵۴ انھیں اللہ نے بوجہ ان کے کفر کے پس نہیں ایمان لائیں گے

اِلَّا قَلِيْلًا ۝٤٦ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا

مگر تھوڑے سے اے وُہ لوگو جنھیں دی گئی کتاب! ایمان لاؤ اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہم نے تاکہ تصدیق کرے

طبعی خِسّت کے باعث ذُومعنی کلمات استعمال کرتے جن میں مدح و ذم کے دونوں پہلو ہوتے اور اپنی زبانوں کو بل دے کر ان کا ایسا تلفّظ کرتے جس سے ذم کا پہلو زیادہ نمایاں ہوتا۔ اور اگر ٹوکا جاتا تو فوراً کہہ دیتے کہ نہیں صاحب ہمارا مدعا یہ تھا۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ اگر کوئی حکم فرماتے تو سمعنا بلند آواز سے کہتے اور اسی سانس میں چپکے سے وعصینا بھی کہہ جاتے۔ غیر مسمع کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ دُعا کے لیے بھی یعنی کوئی ناگوار بات آپ کو نہ سُننی پڑے اور بددُعا کے لیے بھی کہ آپ کچھ نہ سُن سکیں اور وُہ یہ کلمہ بولتے وقت دُوسرا معنی مُراد لیتے۔ راعنا کہتے وقت زبان کو لچک دیتے تاکہ راعینا ہو جائے۔ اِس لفظ کے متعلق پہلے ذِکر گزر چکا ہے۔ یہ ان کے اطوار تھے۔ یہ اُن کا رویّہ تھا اُس فخرِ عالم و عالمیاں کے ساتھ جس کے دربار میں فرشتے بھی حاضر ہوتے تو تصویرِ ادب بن کر۔

۵۴ بارگاہِ رسالت میں بے باکی کرنے والوں کی سزا ہی یہ ہے کہ وُہ درِ رحمت سے دُور کر دیئے جاتے ہیں۔ ہدایت کی توفیق اُن کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ حق شناسی کی قوّت اُن سے چھین لی جاتی ہے۔ یہی سزا یہُود کو دی گئی۔ اور قیامت تک ایسے بے باکوں کو یہی سزا دی جائے گی۔

لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ

اس کتاب کی جو تمھارے پاس ہے (ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم مسخ کر دیں چہرے ۵۵ پھر پھیر دیں انھیں پشتوں کی طرف

اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷

یا لعنت کریں اُن پر جس طرح ہم نے لعنت کی سبت والوں پر اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ

بے شک اللہ تعالیٰ ۵۶ نہیں بخشتا اس بات کو کہ شرک کیا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے جو اس کے علاوہ ہے جس کو

يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸ اَلَمْ

چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیراتا ہے اللہ کے ساتھ تو وُہ ارتکاب کرتا ہے گناہِ عظیم کا کیا نہیں

۵۵ کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینے کو عربی میں طمس کہتے ہیں۔ اور چہرہ کا حُلیہ بگاڑ دینا اس کے نقش و نگار کو خراب کر دینا "طمس الوجہ" کہلاتا ہے۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے۔ اور اہلِ زبان صلاحیتوں کے مسخ ہو جانے کے لیے بھی طمس کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ بیضاوی، قرطبی اور دُوسرے جلیل القدر مفسّرین نے اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے یعنی یہودجن پر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی صداقت روزِ روشن کی طرح عیاں تھی اور پھر بھی وُہ انکار پر مُصر تھے اُنھیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ باز آجاؤ۔ یہ ضد اچھی نہیں۔ اور اگر تم حق کے سامنے جُھک نہ گئے۔ تو یاد رکھو حق پذیری کی صلاحیت سے ہی محروم کر دیئے جاؤ گے تمھاری آنکھیں دیکھ تو رہی ہوں گی لیکن حق کو پہچان نہیں سکیں گی۔ تمھارے کان سُن تو رہے ہوں گے لیکن حق بات کو نہیں سُنیں گے بیضاوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ من قبل ان نطمس وجوھا بان نعمی الابصار عن الاعتبار ونصم الآذان عن الاصغاء الی الحق بالطبع ونردھا من الھدایۃ الی الضلالۃ۔ بعض علماء نے وجُوہ کا معنی چہروں کی بجائے رؤساء کیا ہے یعنی ہم تمھارے سرداروں کے چہرے بگاڑ دیں گے یعنی اب اُن کے چہروں پر جو رونق اور ترو تازگی ہے وُہ چھین لی جائے گی۔ ان کے چہرے بے نُور اور بے رونق ہو کر رہ جائیں گے جس پر نامرادی اور ناکامی کی گرد پڑ رہی ہوگی۔ اور نردھا کا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اُنھیں مدینہ طیّبہ سے جلا وطن کر کے پھر سینا کے بے آب و گیاہ صحرا میں لَوٹا دیا جائے گا۔

۵۶ علّامہ ابُوعبد اللہ الانصاری القرطبی نے اپنی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں شرک کے متعلق بہترین بحث کی ہے جس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ شرک کے تین مرتبے ہیں اور تینوں حرام ہیں:۔ (۱) اصلہ اعتقاد

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَ

دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو پاکباز بتلاتے ہیں اپنے آپ کو ۸۵ بلکہ (یہ تو) اللہ (کی شان) ہے کہ پاکباز بنا دے جسے چاہے اور

شریك لله فی الوهیته وهو الشرك الاعظم وهو شرك الجاهلیة یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی انسان، جن، شجر و حجر کو الٰہ یقین کرنا یہی شرک اعظم ہے اور عہد جاہلیت کے مشرکین یہی شرک کیا کرتے تھے (جیسے سورۃ الصّٰفّٰت میں ان کے متعلق ہے واذا قیل لهم لا اله الا الله یستکبرون ویقولون ائنا لتارکوا الهتنا لشاعر مجنون جب انہیں یہ بتایا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خدا نہیں تو تکبر کرتے اور کہتے کیا اس شاعر دیوانہ کے کہنے پر ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں) (۲) ویلیه فی الرتبة اعتقاد شریك لله تعالیٰ فی الفعل وهو من قال ان موجودا ما غیر الله تعالیٰ یستقل باحداث فعل وایجاده وان لم یعتقد کونه الٰها یعنی شرک کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ مستقل طور پر اور بالذات اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی کام کر سکتا ہے اگرچہ اس شخص کو الٰہ نہ مانتا ہو۔ (۳) ویلی هذه الرتبة الشرك فی العبادة وهو الریاء (۵: ۱۸۱) یعنی کسی کو عبادت میں شریک کرنا اور ریا ہے اور یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے اب آپ انصاف فرمائیے کہ کوئی مسلمان کسی کے متعلق خواہ ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء ہی ہو یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وہ صاحبان جو مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور وہ تمام آیات جو مشرکین مکہ اور کفار عرب کے حق میں نازل ہوئیں جن کے شرک کی کیفیت اوپر مذکور ہوئی سمجھے بے سمجھے مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں کیا انہیں خدا کا خوف نہیں۔ وہ ڈریں کہیں ان کا شمار یحرفون الکلم عن مواضعه کے زمرہ میں نہ ہو۔

شرک کی حقیقت سمجھ لینے کے بعد اب اس پر غور فرمائیے کہ شرک کیوں ظلم عظیم ہے اور کیوں اس جرم کی بخشش نہیں ہوگی۔ شرک اس قادر مطلق اور شہنشاہ کائنات کے خلاف بغاوت ہے اس کی بادشاہی اور فرمانروائی میں کسی کو شریک کرنا اس کو حاکم اعلیٰ اور آمر مطلق تسلیم کرنے کے منافی ہے۔ ظاہری حکومتیں سنگین سے سنگین جرم کرنے والے کے لیے عفو و درگزر کا دروازہ کھلا رکھتی ہیں لیکن علم بغاوت بلند کرنے والا گردن زدنی ہوا کرتا ہے۔ اگر کسی دنیوی حکمران کی حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار اتنا بڑا جرم ہے تو آپ خود اندازہ لگائیں کہ اس حقیقی بادشاہ جو مالک بھی ہے اور خالق بھی، میرا بھی اور تیرا بھی، بلندی کا بھی اور پستی کا بھی، اس کی الوہیت کا جو انکار کرے یا اس جیسا کسی کو سمجھے اس سے بڑا جرم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ اس وقت جب اسی حالت کفر و شرک پر موت آجائے۔ اور اگر وہ شرک سے تائب ہو جائے اور توحید کو دل و جان سے تسلیم کر لے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مومن جو اپنے گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر جائے اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی رحمت سے اس کو بھی بخش دے۔

۸۵ یہود اپنی اعتقادی، اخلاقی اور عملی گوناگوں خرابیوں کے باوجود اپنے آپ کو مقدس اور پاکباز یقین کیا کرتے اور کہا کرتے کہ نحن ابناؤ الله واحباؤه۔ ہم اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں جنت ہماری جاگیر ہے جو جی میں آئے کرتے رہیں ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یونہی شیخی بگھارنے اور اپنے تقدس و پاکبازی کے قصیدے پڑھنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ پاک

لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

وُہ نہیں ظلم کیے جائیں گے کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ دیکھئے کیسے گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ

وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا

اور کافی ہے (انھیں رُسوا کرنے کے لیے) یہ کھلا گناہ کیا نہیں دیکھا تم نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں دیا گیا حصّہ

مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ

کتاب سے وُہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر ۸۸؎ اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنھوں نے

كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ

کفر کیا کہ یہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں ۸۹؎ یہی وُہ (بدنصیب) ہیں

ع ۷

مقدس تو وُہ ہے جو بارگاہِ خداوندی میں مقدس ہے۔ فتیلا: مایکون فی شق النواۃ... یضرب بہ المثل فی الشئ الحقیر (مفردات)

۸۸؎ جبت لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بیکار محض ہو الذی لاخیر فیہ۔ اس کا اطلاق جادو، جادوگر، جوتش، رمل اور فال گری وغیرہ خرافات پر ہوتا ہے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے "الطرق والطیرۃ والعیافۃ من الجبت" (قرطبی عن ابی داؤد)

کنکریاں پھینک کر فال پکڑنے کو طرق کہتے ہیں اور الطیرۃ کا معنی بدشگونی ہے اور العیافۃ پرندوں کے ناموں، آوازوں اور ان کے گزرنے سے فال پکڑنے کو کہا جاتا ہے (حاشیہ قرطبی) یہ سب اوہام پرستی کی اقسام ہیں صاحب المنار لکھتے ہیں فالمعنی الجامع للجبت ھو الدجل والاوھام والخرافات یعنی مکروفریب، وہم پرستی اور خرافات کو جبت کہا جاتا ہے اور طاغوت کی تعریف ادب ولغت کے امام جوہری نے یہ کی ہے۔ والطاغوت الکاھن والشیطان وکل راس فی الضلال یعنی طاغوت کا اطلاق کاہن اور شیطان پر بھی ہوتا ہے اور اس شخص کو بھی طاغوت کہتے ہیں جو کسی گمراہی کا سرغنہ ہو مزید وضاحت سُورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۶ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے)

۸۹؎ جنگِ اُحد کے بعد یہود کے دو سرغنے کعب بن اشرف اور حُیَیّ بن اخطب چند اور یہودیوں کے ہمراہ مکّہ گئے تاکہ کفّار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اُکسائیں۔ ابُوسفیان نے اُن سے پُوچھا کہ ہم تو اَن پڑھ ہیں اور آپ لوگ اہل علم اور صاحب کتاب ہیں ہمیں یہ تو بتاؤ کہ راستی پر کون ہے ہم یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جانتے ہوئے کہ شرک محض کو توحید خالص سے کیا نسبت ہو سکتی ہے پُوری بے باکی سے کفارِ مکّہ کو خوش کرنے کے لیے جواب دیا کہ اُن سے کہیں زیادہ تم ہدایت پر ہو۔ جانتے بُوجھتے سفید جھُوٹ!

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ۭ

جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۝۵۳ۙ

کیا ۹۰ ان کے لیے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰي مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

کیا حسد کرتے ہیں ۹۱ لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (تو) حسد کی

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰھُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝۵۴

آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیمؑ کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انھیں عظیم الشان سلطنت

فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْھُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ

تو اُن سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انھیں جلانے کے لیے)

سَعِيْرًا ۝۵۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا

جہنم کی دہکتی ہوئی آگ۔ بے شک جنھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا ہم ڈال دیں گے اُنھیں آگ میں جب کبھی

اخلاقی پستی مُلاحظہ ہو ایسوں پر لعنت نہ برسے گی تو کیا رحمت کے پھول برسیں گے۔

۹۰ یہ تو خیر ہوئی کہ اُنھیں اختیار و اقتدار میسّر نہیں۔ اگر کوئی خطۂ زمین اُن کے زیرِ نگیں ہوتا تو فرطِ بُخل سے یہ کسی کو پھوٹی کوڑی بھی نہ دیتے۔

۹۱ حسد کی تعریف یہ کی گئی ہے الحسد تمنی زوال النعمۃ عن صاحبہا المستحق بہا یعنی ایسے شخص سے نعمت کے زوال کی آرزو جو اس نعمت کا صحیح مستحق ہو۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کی یہ اسلام دشمنی محض حسد کی وجہ سے تھی ورنہ یہ مرقعِ حُسن وخوبی بھی تو خاندانِ ابراہیمی کا چشم وچراغ ہے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کو تو اس کے رب نے نبوت کتاب حکمت اور وسیع سلطنت سے سرفراز فرمایا۔ اگر اس کے ایک فرزند کو یہ نعمتیں پھر بخشی گئی ہیں تو حیرت و افسوس کیوں ہو۔ نقیر وہ۔ کھجور کی گٹھلی پر باریک سا جو نقطہ ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں مُراد ہے حقیر ترین چیز۔

نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ

پک جائیں گی ان کی کھالیں تو بدل کر دیتے رہیں گے ہم انھیں کھالیں دُوسری تاکہ وُہ (مسلسل) چکھتے رہیں عذاب کو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ

عنقریب ہم داخل کریں گے انھیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں

اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

تا ابد۔ اُن کے لیے ان باغوں میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور ہم داخل کریں گے انھیں گھنے سایہ میں

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے تمھیں کہ (اُن کے) سپرد کرو ۹۲ امانتوں کو جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی فیصلہ کرو ۹۳

۹۲ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھذہ الاٰیۃ من امھات الاحکام تضمنت جمیع الدین والشرع یعنی یہ آیت قرآن کریم کے اہم ترین احکام سے ہے اس کے ضمن میں دین اور شریعت کی تمام تفصیلات سمیٹ کر رکھ دی گئی ہیں اور قرطبی کا یہ کہنا بالکل بجا ہے۔ کیونکہ ادائے امانت سے مُراد یہاں صرف یہی نہیں کہ آپ کسی شخص کے پاس کوئی چیز رکھیں اور وُہ آپ کو جُوں کی تُوں واپس کردے بلکہ اس کا مفہوم وسیع تر ہے۔ عبادات بھی امانت ہیں ان کو صحیح وقت پر اخلاصِ نیت سے شرائط و قیود کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا اس امر کی تعمیل ہے۔ اگر آپ کو اقتدار و حکومت حاصل ہے تو غریب و امیر، قوی و ضعیف میں مساوات قائم کرنا، عدل کے ترازو کو تمام تعلقات مختلف رجحانات کے باوجود برابر رکھنا حکومت کے عہدوں پر تقرر کے لیے کنبہ پروری اور دوست نوازی کی بجائے صرف اہلیت و قابلیت کو معیار قرار دینا بھی اس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ والاظھر فی الاٰیۃ انھا عامۃ فی جمیع الناس فھی تتناول الولاۃ فیما الیھم من الامانات فی قسمۃ الاموال ورد الظلامات والعدل فی الحکومات۔

۹۳ عام لوگوں کے علاوہ اس حکم کے خصوصی مخاطب اُمرا اور حکام ہیں۔ اور اگر نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد پیش نظر ہو تو پھر ہر شخص اس آیت کا خصوصی مخاطب ہے۔ ارشاد ہے۔ کلکم راع وھو مسئول عن رعیتہ فالامام راع وھو مسئول عن رعیتہ والرجل راع علی اھلہ وھو مسئول عنھم والمرأۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھی مسئولۃ عنھا تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کرو انصاف سے بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے تمھیں

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝۵۸ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے اے ایمان والو ! ۹۴؎ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ

اور اطاعت کرو (اپنے ذی شان) رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی

شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹ اَلَمْ تَرَ اِلَى

اور روزِ قیامت پر یہی بہتر ہے اور بہت اچھا ہے اس کا انجام کیا نہیں دیکھا آپ نے ان کی طرف

ع ۵

کے لحاظ سے پاسبان ہے اور جوابدہ ہے امام اور خلیفہ بھی راعی ہے اس سے اس کی رعیّت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے۔ اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے ہر ایک سے اس کی حیثیت کے مطابق سوال کیا جائے گا۔

۹۴؎ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرّم کی اطاعت کے علاوہ مسلمان امراء اور حکّام کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دارِ فانی میں زیادہ دیر اقامت گزیں نہیں ہونا تھا اور حضورؐ کے بعد امورِ مملکت کی ذمہ داری خلفاء اور امراء نے سنبھالنی تھی اس لیے ان کی اطاعت کرنے کے متعلق بھی تاکید فرمائی۔ لیکن اطاعتِ رسولؐ اور اطاعتِ امیر میں ایک بیّن فرق ہے۔ نبی معصوم ہوتا ہے۔ جملہ امور میں خصوصاً احکامِ شرعی کی تبلیغ میں اس سے خطا نہیں ہو سکتی اس لیے اس کی اطاعت کا جہاں حکم دیا غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ مثلاً ما آتٰکم الرسول فخذوه وما نهٰكم عنه فانتهوا۔ جو کچھ تمھیں رسولؐ دے لے لو اور جس سے روکے رُک جاؤ۔ رسول کا ہر حکم واجب التسلیم اور اٹل ہے اس میں کسی کو مجالِ قیل وقال نہیں خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری نہیں۔ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اس لیے اس کی مشروط اطاعت کا حکم دیا کہ اس کے حکم کو خدا اور رسول کے فرمان کی روشنی میں پرکھو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ وہ قابلِ عمل نہیں۔ حضور کریمؐ کا ارشاد ہے۔ لا طاعة للمخلوق فی معصية الله۔ اس لیے حاکمِ وقت کی

الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ

جو ۹۵ دعوی تو کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس (کتاب) کے ساتھ جو اتاری گئی آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ

قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا

سے پہلے (اس کے باوجود) چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرانے کے لیے (اپنے مقدمات) طاغوت ۹۶ کے پاس لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا

اطاعت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر تمہارے درمیان تنازع رونما ہو جائے تو اسے لوٹا دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف یعنی اس حکم کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کرو ورنہ تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں۔

۹۵ ان آیات کے شانِ نزول کے متعلق علما تفسیر و حدیث نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا کرتا تھا تنازعہ ہو گیا۔ یہودی حق پر تھا۔ اس نے اس بظاہر مسلمان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کہا۔ اس منافق کے دل میں چور تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہاں تو نہ سفارش چلے گی اور نہ رشوت سے کام بنے گا۔ اس لیے اس نے کہا کہ تمہارے عالم کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ یہودی اس بات پر رضامند نہ ہوا۔ چنانچہ چار و ناچار حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی حق پر تھا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہوا۔ منافق کو پسند نہ آیا تو وہ یہودی کو لے کر حضرت صدیق کے پاس گیا۔ وہاں سے بھی وہی حکم ملا لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ آخر دل میں سوچا کہ میں بظاہر تو مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے عمرؓ کے پاس چلیں وہ یقیناً میرے اسلام کا پاس کرتے ہوئے میرے حق میں فیصلہ دیں گے چنانچہ اس نے یہودی کو بھی اس پر رضامند کر لیا۔ جب وہاں پہنچے تو یہودی نے عرض کی کہ پہلے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ اس مقدمہ کا فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ رویدکما حتی اخرج الیکما میرے واپس آنے تک ٹھہرو۔ چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے تلوار بے نیام کیے واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا ھکذا اقضی علی من لم یرض بقضاء اللہ وقضاء رسولہ ونزلت الاٰیۃ وقال رسول اللہ انت الفاروق (قرطبی) یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا میں اس کا یوں فیصلہ کیا کرتا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور نے اس دن حضرت عمرؓ کو الفاروق (حق و باطل میں فرق کرنے والا) کے لقب سے سرفراز فرمایا۔

۹۶ طاغوت پر حاشیہ گزر چکا۔ یہاں طاغوت سے مراد وہ حاکم اور عدالت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کیا کرے۔

أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾

تاکہ انکار کریں طاغوت کا اور چاہتا ہے شیطان کہ بہکا دے انھیں بہت دور تک

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ

اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ آؤ ۹۶ اس (کتاب) کی طرف جو اُتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) رسُولؐ (پاک) کی طرف تو آپ

الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ

دیکھیں گے منافقوں کو کہ منہ موڑ لیتے ہیں آپ سے رُوگردانی کرتے ہُوئے پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انھیں

مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

مصیبت ۹۸ بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے پھر حاضر ہوتے ہیں آپ کے پاس قسمیں اُٹھاتے ہوئے اللہ کی (کہتے ہیں کہ)

إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا

نہیں قصد کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور باہمی مصالحت کا یہ لوگ ہیں خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ ۹۹ جو کچھ

۹۷ اس سے معلوم ہُوا کہ مُنافقین کی یہ عادت تھی کہ جس مقدمہ کے متعلق انھیں یقین ہوتا کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہوگا اس کے تصفیہ کے لیے تو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے اور جس کے متعلق یہ خیال ہوتا کہ ہم جھوٹے ہیں اس کے لیے ایسے حاکم کے پاس جاتے جہاں اُنھیں معلوم ہوتا کہ ہم اپنے اثر و رسُوخ یا رشوت سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیں گے۔ آج بھی بعض لوگ ایسے اُمور میں تو شریعت کے مُطابق فیصلہ کرانے پر بڑے مُصر ہوتے ہیں جہاں انھیں فائدہ کی توقع ہو اور جہاں یہ خیال ہو کہ شریعت کا قانون ان کے خلاف ہے تو اس وقت دُوسرے قوانین اور رسم و رواج وغیرہ کی آڑ لیتے ہیں اور شریعت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ آپ خود سوچیں کہ اُن کے درمیان اور عہدِ رسالت کے مُنافقین کے درمیان پھر کیا فرق ہُوا۔

۹۸ یعنی جب ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو پھر جھُوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے مُسلمان ہونے کا یقین دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو فلاں شخص کے پاس اس لیے گئے تھے کہ وُہ ہمارے درمیان مصالحت کرا دے ورنہ فیصلہ تو وہی ہم نے تسلیم کر لیا تھا جو اللہ کے رسُول مقبول نے فرمایا تھا۔

۹۹ وُہ لاکھ جھُوٹی قسمیں کھائیں اللہ تعالیٰ اُن کے دِلوں میں جو پوشیدہ ہے اُس سے خُوب واقف ہے۔

فِيْٓ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

ان کے دلوں میں ہے (اے حبیب!) چشم پوشی فرمایئے ان سے اور نصیحت کرتے رہیے انھیں اور کہیے انھیں ٩٩ تنہائی میں

قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

ایسی بات جو مؤثر ہو — اور نہیں بھیجا ہم نے ١٠٠ کوئی رسول مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن سے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ

اور اگر یہ لوگ ١٠١ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے

٩٩ اس صریح سرکشی کے بعد بھی مولائے کریم اپنے محبوب کریم کو ان سے مواخذہ نہ کرنے اور ان کی اصلاح وہدایت کے لیے کوشاں رہنے کی تلقین فرما رہا ہے۔ اسی کے متعلق تو حضور نے فرمایا اَدَّبَنِیْ رَبِّی فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ میرے رب نے مجھے آدابِ اخلاق کی تعلیم دی ہے اور خوب دی ہے۔

١٠٠ چند لفظوں میں ایک طویل بحث کو سمو کر رکھ دیا۔ اللہ کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے۔ اور اللہ کی اطاعت یہ بھی ہے کہ اس کا یہ حکم بھی مانا جائے کہ میرے رسول کی بھی اطاعت کرو۔ جو رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہے اس نے گویا اللہ کے حکم سے سرتابی کی۔ تو رسول کی نافرمانی کر کے اس نے صرف رسول کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اللہ کی بھی نافرمانی کی ہے جس کا یہ حکم اس نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ وہ فرقہ جو حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کو غیر ضروری بلکہ امت کے لیے مضر اور نقصان دہ سمجھتا ہے وہ اس آیت کو کیوں نہیں پڑھتا اور اگر پڑھتا ہے تو اسے کیوں واجب الاتباع یقین نہیں کرتا۔

١٠١ یعنی اے رحمتِ مجسّم! اگر یہ دنیا بھر کے قصور کر کے اور اپنی جانوں پر طرح طرح کے ظلم توڑنے کے بعد بھی نادم و تائب ہو کر تیرے حضور میں حاضر ہوں تو ان پر اپنا دامنِ کرم بائندھ کہ جب ان کی شفاعت و بخشش و دستگاری کے لیے تیرا ہاتھ میری بارگاہِ جود وعطا میں اٹھے گا تو خواہ وہ کتنے گنہگار رُوسیاہ اور بدکار کیوں نہ ہوں تیرے رب کی رحمت ان کو مایوس نہیں کرے گی بلکہ ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور ان بیگانوں کو اپنا بنا لیا جائے گا۔ حضورِ اکرم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ برکت حضور کی ظاہری زندگی تک محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ اہلِ دل اور اہلِ نظر ہر لمحہ اور ہر آن اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے تین روز بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا اور فرطِ رنج و غم سے مزارِ پُرانوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا، جو آپ نے اپنے رب سے سیکھا وہ ہم نے آپ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی تھی وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا الخ میں نے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا

نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا نہایت رحم کرنے والا پس

وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

(اے مصطفےٰ) تیرے رب کی قسم یہ ۱۰۳ لوگ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ حاکم بنائیں آپ کو ہر اس جھگڑے میں جو پھوٹ پڑا ان کے درمیان

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا

پھر نہ پائیں ۱۰۴ اپنے نفسوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ آپ نے کیا اور تسلیم کر لیں

تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ

دل و جان سے اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر ۱۰۵ کہ قتل کرو اپنے آپ کو یا

اپنی جان پر بڑے بڑے ستم کیے ہیں اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اے سراپا شفقت و رحمت! میری مغفرت کے لیے دُعا فرما دیجیے فنودی من القبر انه قد غفرلك (القرطبی) تو مرقد منور سے آواز آئی تجھے بخش دیا گیا۔

۱۰۳ رسول کریم کی غیر مشروط اطاعت و اتباع کو پھر نہایت واضح، مؤکد اور مؤثر پیرایہ میں بیان فرمایا جا رہا ہے واؤ قسم کے لیے ہے نفی ایمان پر دلالت کرنے کے لیے لا نفی کو دوبارہ ذکر کیا ہے۔ ایک بار قسم سے پہلے اور دوسری مرتبہ قسم کے بعد۔ یعنی تیرے رب جلیل کی قسم وہ ہرگز ہرگز ایماندار نہیں ہو سکتے۔ اگر ایک لا نفی پر اکتفا کیا جاتا تو عبارت لغوی لحاظ سے تو درست ہوتی لیکن یہ زور بیان مفقود ہوتا۔ امام ابن جریر وغیرہ کا قول ہے کہ اس آیت کا تعلق بھی اسی سابقہ واقعہ سے ہے اور یہ حکم بھی حضور کی ظاہری حیات تک نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ ہر شخص کے لیے ہے اور یہی ایمان کی اساس ہے۔ جو شخص اطاعت رسول سے سرتابی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قسم سے مؤکد کر کے اپنا فیصلہ یہ دیتا ہے کہ وہ مومن نہیں وہاں تو وہی اطاعت قبول ہے جو اس کے رسول کی اتباع و پیروی میں ہو اور وہی مطیع مطیع ہوگا جو مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی غلامی کا طوق زیب گلو کیے حاضر ہوگا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۱۰۴ اس جملہ نے تو یہاں تک تصریح کر دی کہ ظاہری انقیاد و تسلیم کافی نہیں بلکہ مومن وہ ہوگا جو دل کی گہرائیوں میں بھی فرمان رسول کے خلاف کوئی گرانی اور گھٹن محسوس نہ کرے۔

۱۰۵ علیھم کی ضمیر کا مرجع منافقین ہیں (ابن عباس) جن کا ذکر سابقہ آیات میں چلا آ رہا ہے یعنی جب معمولی سی آزمائش آتی ہے تو ان کے ایمان کی قلعی کھل جاتی ہے اگر ان کا شدید قسم کا امتحان لیا جاتا تو گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب فیل ہو جاتے

اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ

نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ بجا لاتے اس کو مگر چند آدمی ان میں سے اور اگر وُہ کرتے

فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۟ۙ ﴿۶۶﴾

۱۱۵ جس کی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہوتا بہتر اُن کے لیے اور (اس طرح سختی سے (اللہ کے احکام پر) ثابت قدم ہو

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا

جاتے تو اس وقت ہم بھی عطا فرماتے انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم اور ضرور پہنچاتے انھیں سیدھے

مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ

راستہ تک ۱۱۶ اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسُول کی تو وُہ ۱۱۷ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب یہ آیت سُنی تو بول اُٹھے لو فعل ربنا لفعلنا اگر ہمارے رب نے ہمیں یہ حکم دیا تو ہم تعمیل حکم کریں گے۔ حضورؐ نے جب اپنے صحابہ کا یہ جواب سُنا تو اس کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا الایمان اثبت فی قلوب اھلہ من الجبال الرواسی اہل ایمان کے دلوں میں ایمان مستحکم پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبُوطی سے جاگزیں ہے۔

۱۱۶ منافقین کو نصیحت کی جارہی ہے کہ تمھارے لیے یہ کتنا بہتر ہوتا کہ تم یکسُوئی سے میرے رسُولؐ کا دامن پکڑ لیتے۔ تمھاری دُنیا بھی سنور جاتی اور آخرت بھی۔ اور اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ تذبذب کی یہ کیفیت جس سے تم دوچار ہو، کبھی اسلام کی طرف لپکتے ہو اور کبھی کفر کے ساتھ چمٹتے ہو یہ ختم ہو جاتی۔ تمھارے دلوں کی بے یقینی یقین سے اور تمھارے رُوحوں کی بےچینی اطمینان سے بدل جاتی اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شخص کے کرب والم کی کیا کیفیت ہوتی ہے جو تذبذب و بےیقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہا ہو اور اس کے سفینۂ حیات کی کوئی متعین منزل نہ ہو۔ واشد تثبیتا کیا پیمانہ اور پیارا جملہ ہے۔

۱۱۷ کیا خوب لکھا ہے علّامہ بیضاوی نے۔ فرماتے ہیں۔ یصلون بسلوکہ جناب القدس ویفتح علیھم ابواب الغیب قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم۔ یعنی اطاعتِ رسُولؐ کی برکت سے انھیں وُہ رستہ مل جائے گا جو انھیں حریم قدس تک پہنچا دے گا اور ان پر غیب کے دروازے کھل جائیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے جو اپنے علم کے مُطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے وُہ علوم القا کرتا ہے جن کو وُہ نہیں جانتا۔

۱۱۸ پہلے مذبذب لوگوں کو اطاعت کی ترغیب دی گئی۔ اب ان خوش نصیبوں کی خوش بختی کا ذکر کیا جا رہا ہے جنھیں اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کا شرف نصیب ہوا۔ صِدّیق۔ فِعِّیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا لغوی معنی

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ

اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء

المبالغ فی الصدق نہایت راست باز اور راست گفتار ہے۔ اور مقاماتِ قُربِ الٰہی میں سے ایک مقام کا نام بھی ہے۔ الشیخ محمد عبدہٗ لکھتے ہیں ہم الذین زکت فطرتھم واعتدلت امزجتھم وصفت سرائرھم حتی انھم یمیزون بین الحق والباطل والخیر والشر بمجرد عرضہ یعنی صدیقین وُہ لوگ ہیں جن کی فطرت اور جن کا باطن ہر گرد وغبار سے یُوں پاک صاف ہوتا ہے کہ جب ان پر حق پیش کیا جاتا ہے تو بے ساختہ اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ خیر و شر کے درمیان انھیں التباس نہیں ہوتا بلکہ جیسے نگاہ سیاہ و سپید کے درمیان بے تکلف امتیاز کر لیتی ہے اسی طرح وُہ حق و باطل اور خیر و شر میں امتیاز کر لیتے ہیں۔ یہ صدیقیت کا مرتبہ حضورؐ کے کئی جلیل القدر صحابہ کو حاصل تھا۔ اور صدیق اکبر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جن کی زندگی کا ہر لمحہ اسی صدیقیتِ کبریٰ کا مظہر اتم ہے۔ ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو ادنیٰ جھجک کے بغیر اسے قبول کیا۔ معراج کی خبر سُنی تو دل و جان سے اسے حق تسلیم کیا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط پر ایک یہ ہستی تھی جسے کوئی تردّد نہ تھا اور خلافت کے اڑھائی سال کے عرصہ میں تو سُبحان اللہ! صدیقیت کی نُور افشانیاں اور ضیا پاشیاں عین شباب پر تھیں۔ جو قدم اٹھایا اکابر صحابہ بھی پریشان ہو گئے لیکن ہر قدم دُرست نکلا۔ ہر تدبیر تقدیر ہم آہنگ تقدیر ثابت ہوئی۔ ایک ایک واقعہ کو دیکھیے بخدا یُوں محسُوس ہوتا ہے کہ صدیقیت کا نور تمام حجابات کو چیر کر بطن غیب کے حالات کو بے حجاب دیکھ رہا ہے۔

الشھداء: امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ الشھید فعیل بمعنی الفاعل وھو الذی یشھد بصحۃ دین اللہ تارۃ بالحجۃ والبیان واخری بالسیف والسنان ویقال للمقتول فی سبیل اللہ شھید من حیث انہ بذل نفسہ فی دین اللہ وشھادتہ لہ بانہ الحق وما سواہ الباطل (کبیر)

شہید کا وزن فعیل بمعنی فاعل ہے۔ وُہ شخص جو کبھی نورِ بُرہان اور قوتِ بیان سے اور کبھی شمشیر و سنان سے دینِ الٰہی کی حقانیت کی شہادت دے وُہ شہید کہلاتا ہے اور راہِ خُدا میں قتل ہونے والے کو اسی مناسبت سے شہید کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جان قربان کر کے دین کی حقانیت کی گواہی دی۔ اس کے معاً بعد امام رازی لکھتے ہیں کہ وُہی افراد جو دُنیا میں دین کی صداقت کے شاہد رہے وُہی قیامت کے روز لتکونوا شھداء علی الناس کے مصداق ہوں گے۔ اللھم اجعلنا منھم۔

الصالحون: امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ والصالح ھو الذی یکون صالحا فی اعتقادہ وفی عملہ جو عقائد و اعمال دونوں کے لحاظ سے صالح ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت کا یہ کتنا شیریں ثمر ہے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ

اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی ۹۰ٖلے یہ (محض) فضل ہے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ۹ ع ۱۱

کا ۱۰۰ٖلے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ جاننے والا اے ایمان والو! ہوشیار رہو ۱۰۱ٖلے

۹۰ٖلے حَسُنَ بمعنی مَآ اَحْسَنَ تعجب کے لیے ہے بظاہر حسن اولٰئک رفقاء چاہیے لیکن عُلمائے اس کے دو جواب دیے ہیں ایک تو یہ ہے کہ تقدیر کلام یہ ہے حسن کل واحد منھم رفیقا اور دوسرا جواب جو زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ رفیق بریز وغیرہ الفاظ واحد، جمع اور جنس سب معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں اس لیے یہاں رفیق بمعنی رفقاء ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے عاشقِ زار حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو ان کا چہرہ اُترا ہوا اور رنگ اُڑا ہوا دیکھ کر حضورؐ نے وجہ پوچھی تو دردمند عاشق نے عرض کی یا رسُول اللہؐ! نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد ہے۔ بات یہ ہے کہ رُخِ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو دل بے تاب ہوجاتا ہے۔ فوراً زیارت سے اس کو تسلی دیتا ہوں۔ اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ جنّت میں حضورؐ کا مقام بلند کہاں ہوگا اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔ اگر رُوئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لیے جنّت کی ساری لذتیں ختم ہوجائیں گی۔ فراق و ہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اس دلِ ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔ حضور یہ ماجرا سُن کر خاموش ہوگئے یہاں تک کہ جبریلِ امین ؑ یہ مژدہ لے کر تشریف لائے کہ ہم اطاعت گزار عشّاق کو جنّت میں جُدائی کا صدمہ نہیں پہنچائیں گے بلکہ ان کو اپنے محبوب کی معیّت و وصال میسّر ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ عشقِ مصطفوی میں صرف ثوبان کی یہ کیفیت نہ تھی بلکہ سب کا تقریباً یہی حال تھا۔ چنانچہ علّامہ قرطبی اور دیگر مفسرین جنھوں نے یہ روایت لکھی ہے انھوں نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ جملہ صحابہ کے شکوہ فراق پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللھم ارزقنا حبك و حب حبیبك المصطفٰی وانت ذوالفضل العظیم۔

۱۰۰ٖلے اعمالِ صالحہ پر اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے جو یقیناً پُورا ہوگا۔ جنّت، جنّت کی بے پایاں نعمتیں، کیف بار اور سرُور آگیں لذّتیں حُور و قصُور، ان کے علاوہ دیگر بے شمار انعام و اکرام ان اعمالِ صالحہ کا اجر ہوں گے لیکن اپنے محبوب بندوں کی معیّت خصوصاً اپنے حبیبِ مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی بارگاہِ اقدس میں شرفِ باریابی کی سعادت بطورِ اجر و ثواب نہیں ہوگی بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور شانِ جُود و عطا کی جلوہ گری ہوگی۔ اس کی لطافتوں سے وُہی بہرہ ور ہوسکتے ہیں جن کو دردِ محبّت اور سوزِ عشق کے انعام سے سرفراز کیا گیا ہے۔

۱۰۱ٖلے حِذْرٌ و حَذَرٌ ایک ہی معنی ہے۔ یقال اخذ حذرہ اذا تیقظ واحترز من المخوف۔ کسی خوفناک چیز سے ہوشیار اور چوکنّا ہوجانا۔ مُسلمانوں کو پہلے اطاعتِ خُدا اور رسُولؐ کا حکم دیا اب دینِ حق کی سربلندی کے لیے جہاد کی تلقین کی جارہی

فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ

پھر (وقت آجائے تو) نکلو ٹولیاں بن کر یا نکلو سب مل کر اور بیشک تم میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو ضرور ۱۲۱ دیر

فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ

لگائیں گے پھر اگر پہنچے تمھیں کوئی مصیبت تو وہ کہے احسان فرمایا ہے اللہ نے مجھ پر کہ میں نہیں

اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ

تھا ان کے ہمراہ (جنگ میں) حاضر اور اگر ملے تمھیں فضل (فتح اور مالِ غنیمت) اللہ کی مہربانی سے

لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ

تو ضرور کہے جیسے نہیں تھی تمھارے درمیان اور اس کے درمیان کوئی دوستی کاش میں بھی ہوتا ان

مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

کے ہمراہ تو حاصل کرتا بڑی کامیابی پس چاہیے کہ لڑا کریں اللہ کی راہ میں (صرف) وہ لوگ جنھوں نے

ہے۔ اور پوری طرح تیاری کرنے اور دشمن کی عیارانہ چالوں سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ہدایت کی جارہی ہے۔ ثبات کا واحد ثُبَةٌ ہے اس کا معنی گروہ ہے۔

۱۲۱ منافقوں کا مسلمانوں کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کا ذکر کیا جارہا ہے کہ مسلمان میدانِ جہاد کا رخ کریں تو یہ مختلف حیلوں بہانوں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اگر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کو مصیبت یعنی تکلیف اور شکست ہو تو بغلیں بجاتے ہیں اور اپنے پیچھے رہ جانے کو اللہ کا فضل شمار کرتے ہیں حالانکہ یہ عین اس کی ناراضگی کا نتیجہ ہے کہ انھیں شہادت کی سعادت اور جہاد کے ثواب سے محروم رکھا۔ اور اگر مسلمانوں کو فتح ہو تو انھیں سانپ سونگھ جاتا ہے اور ان کے دلوں میں حسرت وپشیمانی کی آگ سلگنے لگتی ہے۔ یہ پشیمانی اگر ثواب جہاد سے محرومی کے باعث ہوتی تو کوئی بات بھی تھی لیکن ان کی ندامت وپشیمانی تو فقط اس لیے ہے کہ انھیں اب مالِ غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا۔ کان لم تکن کا جملہ ان کی ذہنیت کو خوب واضح کر رہا ہے۔

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

بیچ دی ہے دُنیا کی زندگی ۱۳۴؎ آخرت کے عوض اور جو شخص لڑے ۱۳۵؎ اللہ کی راہ

اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَ

میں پھر (خواہ) مارا جائے یا غالب آئے تو (دونوں حالتوں میں) ہم دیں گے اسے اجر عظیم اور

مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

کیا ہو گیا ہے تمھیں کہ جنگ نہیں کرتے ہو ۱۳۶؎ راہِ خدا میں حالانکہ کئی بے بس

۱۳۴؎ شرا خریدنے اور بیچنے دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں دُوسرے معنی میں مستعمل ہوا ہے مقصد یہ ہے کہ اس فدائیت اور جاں نثاری کے میدان میں وُہی قدم رکھے جو پہلے اپنی زندگی اور اس کی دل بستگیوں کا سودا اپنے رب کے ساتھ کر چکا ہو۔ وُہ لوگ جو دُنیا اور دُنیاوی جاہ و جلال کے متلاشی ہیں وُہ کسی اور منڈی کا رُخ کریں مسلمانوں کی صفوں میں اور اسلام کے پرچم کے نیچے ایسے دُوں ہمت اور دُنیا طلب لوگوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۱۳۵؎ نیت میں اخلاص ہو مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی سربلندی ہو تو پھر کامیابی کا یہ معیار نہیں کہ خیر و عافیت سے مالِ غنیمت کے انبار سمیٹتے ہوئے واپس آئے تو کامیاب ورنہ ناکام نہیں وُہ شخص ہر حالت میں کامیاب ہے سلامتی سے گھر واپس آئے تو، جامِ شہادت نوش کرے تو، علامہ مرحوم نے کیا خوب ترجمانی کی ہے ؎

برتر از اندیشۂ سُود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

۱۳۶؎ مکہ میں کئی مرد، عورتیں اور بچے ایسے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کُفارِ مکہ نے اُن کا ناک میں دم کیا ہوا تھا۔ نہ وُہ ہجرت کر سکتے اور نہ انھیں امن و سلامتی میسر تھی۔ وُہ خدا ناترسوں کے مظالم برداشت کرتے اور اللہ کے حضور میں دعائیں مانگتے کہ اے غریبوں کے فریادرس اور بےکسوں کے حامی! ہم ناتوانوں پر رحم فرما اور ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے چھڑا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے مظلوم بھائیوں بہنوں کی امداد کی ترغیب دے رہا ہے۔ چنانچہ وُہ دن آیا جب نبی رحمت اپنے ہمراہ دس ہزار مسلمانوں کو لیے مکہ پر حملہ آور ہوا۔ اُس روز مکہ نے اپنے بند دروازے کھول دیئے اور اس کے مغرور و متکبر سرداروں نے اپنی گردنیں خم کر دیں اور ان مظلوموں نے آزادی کا سانس لیا۔ یہ حکم اب بھی بدستور ہے جس خطۂ زمین میں مسلمانوں پر کفار مظالم توڑ رہے ہوں تو دُوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وُہ ان کو نجات دلائیں۔ وَمَا لَكُمْ میں استفہام تحریض کے لیے ہے یعنی جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لیے۔

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

مرد اور عورتیں اور بچّے ایسے بھی ہیں جو (ظلم سے تنگ آکر) عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ

ہمیں اس بستی سے ظالم ہیں جس کے رہنے والے اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی دوست

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝٧٥ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ

اور بنا دے ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار جو ایمان لائے ہیں وُہ جنگ کرتے ہیں ١٦٤

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ

اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وُہ جنگ کرتے ہیں طاغوت کی راہ میں

فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝٧٦ ع

تو (اے ایمان والو) لڑو شیطان کے حامیوں سے بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے ١٦٥

١٦٤ ایک عمل ایک ہی ہوتا ہے لیکن مقاصد کے اختلاف کے باعث وُہ لائقِ تحسین یا قابلِ نفرین ہوجاتا ہے۔ جنگ کی اجازت اسلام نے بھی دی۔ اور دُوسری قومیں بھی لڑائی کیا کرتی ہیں۔ دونوں جنگوں میں خون کے دریا بہتے ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگتے ہیں زخمیوں کی چیخ و پکار سے فضا سوگوار ہوجاتی ہے لیکن پھر بھی اسلام کی جنگ اور دُوسری جنگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے مومن کی جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے، عدل و انصاف، مساوات و حرّیت، نیکی و تقویٰ کی اقدار کو زندہ کرنے کے لیے ہوتی ہے اور غیر مومن کی جنگ کے پس پردہ صرف مادی فوائد کارفرما ہوتے ہیں کسی ملک پر قبضہ، کسی قوم کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا، اپنے لیے تجارت کی منڈیاں قائم کرنا، مفتوحہ ممالک کی معدنیات اور قدرتی ذخائر سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے۔ ان تمام چیزوں کو طاغوت (یعنی باطل) کے ایک لفظ سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ ان مقاصد کے لیے جو جنگ لڑی جائے گی خواہ لڑنے والوں کے سر پر ہلالی پرچم لہرا رہا ہو اور غلغلہ ہائے تکبیر سے ساری فضا تھرا رہی ہو وُہ جنگ فی سبیل اللہ نہیں ہوگی۔

١٦٥ اے اہلِ ایمان! باطل کو نیست و نابود کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ تم حق کے علمبردار ہو۔ حق کو فتح اور غلبہ نصیب ہوگا تو انسانیت کے چمن میں بہار آجائے گی۔ اعلیٰ اخلاقی قدروں کی بالادستی قائم ہوگی۔ نیکی کی روشنی اور مہک ہر سُو پھیل جائے گی۔ امن و عافیت کا دور دورہ ہوگا۔ باطل کے سربراہوں کی فتنہ سامانیوں سے خوفزدہ اور دل گرفتہ ہونے

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے اُن لوگوں کی طرف جنھیں جب کہا گیا ۱۵۸ کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز

وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اور ادا کرو زکوٰۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا

ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے ہمارے

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ

پروردگار کیوں فرض کر دیا تُو نے ہم پر جہاد (اور) کیوں نہ مہلت دی تُو نے ہمیں تھوڑی مدت تک

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَ

(اے ترجمانِ حقیقت انھیں) کہو دُنیا کا سامان ۱۵۹ بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لیے جو تقویٰ اختیار کیے ہے اور

کی قطعاً ضرورت نہیں تمھارے نعرۂ اللہ اکبر سے اہلِ طاغوت کے قلعے لرز جائیں گے۔ تمھارے ایک حملہ کی دیر ہے ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا شیطان کا مکروفریب بہت کمزور ہے۔

۱۵۸ علامہ قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہ آیت منافقین کے حق میں نازل ہوئی کہ جب تک نماز و روزہ کا حکم تھا اس وقت تک تو پکے مومن بنے رہے۔ اب جب اسلام کی سربلندی کے لیے سر کٹانے کا موقع آیا تو اوسان خطا ہونے لگے۔ قلت وھذا اشبہ بسیاق الآیۃ۔ علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ ربنا لم کتبت الخ کا جُملہ صحابہ کرام کی زبان سے نہیں نکل سکتا۔ وُہ تو اس دارِ فنا کو الوداع کہہ کر آخرت کی ابدی نعمتوں سے ہمکنار ہونے کے لیے ہر وقت بے تاب رہا کرتے تھے ومعاذ اللہ ان یصدر ھذا القول من صحابی کریم الخ (قرطبی) پناہ بخدا کسی پاکباز صحابی کی زبان سے یہ جملہ صادر نہیں ہو سکتا۔

۱۵۹ یعنی اِس ناپائیدار زندگی اور اس کی فنا پذیر آسائشوں کے لیے ابدی زندگی اور اس کے لازوال انعامات کو کیوں نظرانداز کرتے ہو حضور کریم کا ارشاد ہے مثلی ومثل الدنیا کراکب قال قیلولۃ تحت شجرۃ ثم راح وترکھا۔ یعنی میری اور اس دُنیا کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی سوار راستے میں کسی درخت کے نیچے دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لیے ٹھہرتا ہے

لَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧٧﴾ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے آ لے گی تمھیں موت ۱۲۰ے اگرچہ (پناہ گزیں) ہو

فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ ۗ وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ

تم مضبوط قلعوں میں اور اگر پہنچے انھیں کوئی بھلائی تو کہتے ہیں ۱۲۱ے یہ اللہ کی

عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ۚ

طرف سے ہے اور اگر پہنچے انھیں کوئی تکلیف تو کہتے ہیں یہ آپ کی طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ فَمَالِ هَٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ

(اے میرے رسول) آپ فرمایئے سب اللہ کی طرف سے ہے تو کیا ہو گیا ہے اس قوم کو بات سمجھنے کے

اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔

۱۲۰ے بُروج کا واحد بُرج ہے۔ وہ بلند عمارت جو دُور سے نمایاں ہو یعنی قلعہ یا قصر۔ مشیّدہ کا معنی مضبوط بھی ہے اور بلند بھی۔ بتانا یہ ہے کہ موت سے خوفزدہ ہو کر نامردی اور بُزدلی دکھانا عقلمندی نہیں۔ تم اپنے بچاؤ کے ہزاروں سامان کر لو موت آ کر رہے گی۔

۱۲۱ے مُنافقین ہی کا ذکر چلا آ رہا ہے یعنی اُن کا شیوہ یہ ہے کہ اگر جنگ میں فتح ہو یا عام حالات خوشگوار ہوں تو کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر اُن کی اپنی کمزوری سے پسپائی ہو یا غلّہ گراں ہو جاتے یا باغات اچھی طرح نہ پھلیں تو اس وقت سارا اِلزام اللہ کے رسُول پر دھرتے ہیں کہ ان کی بے تدبیری کی وجہ سے پسپائی ہوئی ہے یا ان کے اور ان کے صحابہ کے ایسے سبز قدم آئے ہیں کہ ہر چیز سے برکت ہی اُٹھ گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں اے عقل کے اندھو! ہر کام کا فاعل حقیقی اور مسبّب الاسباب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تم میرے محبُوب پر کیوں اِلزام لگاتے ہو۔ مولینا دریا آبادی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ منافقین کا یہ من عند اللہ کہنا بھی بطور عقیدہ نہ تھا بلکہ بطور محاورہ زبان تھا جیسے اُردو میں لوگ کہہ اُٹھتے ہیں کہ یہ تو تقدیری امور ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاۤ

قریب ہی نہیں جاتے جو پہنچے آپ کو ۱۲۲؎ بھلائی سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو

اَصَابَكَ مِنۡ سَيِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ وَاَرۡسَلۡنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوۡلًا ؕ

پہنچے آپ کو تکلیف سو وہ آپ کی طرف سے ہے اور بھیجا ہے ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف ۱۲۳؎ رسول بنا کر

۱۲۲؎ یہاں خطاب نوعِ انسانی کے ہر فرد کو ہے یا خطاب حضور نبی کریم کو ہے اور مُراد آپ کی اُمت ہے پہلی آیت میں فرمایا کل من عند اللہ یعنی ہر چیز سُکھ اور دُکھ، آرام اور تکلیف، خوشحالی اور تنگی سب اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں یہ ارشاد ہے کہ سُکھ آرام اور خوشحالی تو محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور دُکھ، تکلیف اور تنگی وغیرہ انسان کی اپنی طرف سے ہے۔ بظاہر ان آیتوں میں تضاد کا گمان ہوتا ہے اس لیے دو مختصر سے فقروں میں علامہ بیضاوی نے اس کا جواب دے دیا فرماتے ہیں۔ کل من عند اللہ ایجادا و ایصالا غیران الحسنۃ احسان و امتحان والسیئۃ مجازاۃ و انتقام۔ یعنی ہر کام کا مُوجد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن آرام و خوشحالی کا باعث اُس کا اِحسان ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے بندہ کا اِمتحان بھی لیا جائے کہ وُہ اِس اِنعام پر کیسے شکر ادا کرتا ہے۔ اور تکلیف و رنج کا باعث اِنسان کی اپنی کوتاہیاں اور غفلتیں ہُوا کرتی ہیں۔ اس کی واضح مثال آپ کو غزوۂ اُحد میں ملے گی۔ جس ہزیمت سے مُسلمانوں کو دوچار ہونا پڑا اگرچہ اس کا مُوجد تو رب تعالیٰ ہی تھا لیکن پہاڑی درہ پر متعین دستہ کی جلد بازی اس کا سبب بنی تھی۔ دُوسرے بیجوں کی طرح اِنسان کے اعمال بھی اپنے مخصُوص برگ و بار رکھتے ہیں۔ اِنسان کو ہر کام کرتے وقت اس کے مآل و انجام پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔

۱۲۳؎ للناس پر الف لام استغراق کے لیے ہے یعنی ہم نے آپ کو تمام اِنسانوں کے لیے اور ہر زمانہ کے اِنسانوں کے لیے رسُول بنا کر بھیجا ہے۔ کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیّت اور کوئی وطن اس سے مستثنےٰ نہیں۔ سب کے لیے آپ ہی ہادی اور مُرشد ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضُور سب کے رسُول ہیں۔ اور رسُول کی تشریف آوری کی غایت ابھی بتائی جا چکی ہے کہ الا لیطاع باذن اللہ کہ اس کی اطاعت کی جائے تو اب کون ہے جو حضور کو اپنا رسُول تو تسلیم کرے اور آپ کی اطاعت سے منحرف ہو۔ اور آیاتِ بیّنات میں دُور از کار تاویلات کرتا رہے۔ یہ تو یہُود کا شیوہ تھا کہ بعض آیات تورات جو اُن کی ہوائے نفس کے مطابق ہوتی تھیں انھیں مان لیا کرتے اور دُوسری آیات کا حسب منشا مطلب گھڑ لیتے۔ بہر حال یہ امر واضح ہے کہ قرآن نے سنتِ مُصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ اسنی الصلوات واحسن التحیات کی بے چُون وچرا اطاعت کو بار بار اتنا دُہرایا ہے کہ قرآن کو اللہ کی کتاب یقین کرنے والے کے لیے سُنّتِ نبوی سے انحراف کے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

اور کافی ہے ۱۲۴ اللہ تعالیٰ (آپ کی رسالت کا) گواہ جس نے اطاعت کی رسول کی ۱۲۵ تو یقیناً اس نے اطاعت کی اللہ کی

وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ

اور جس نے منہ پھیرا تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو اُن کا پاسبان بنا کر اور کہتے ہیں ہم نے حکم مان لیا ۱۲۶

فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ

اور جب باہر نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو رات بھر مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس کے برعکس جو آپ نے

تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى

فرمایا اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ راتوں کو سوچا کرتے ہیں پس رُخ (انور) موڑ لیجیے ان سے اور بھروسہ کیجیے

اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ

اللہ پر اور کافی ہے ۱۲۷ اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں؟ ۱۲۸ اور (اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ) اگر

۱۲۴ اے حبیب! اس حقیقت کی صداقت پر خود خدا گواہ ہے کہ تو اُس کی ساری کائنات کا ہادی و مرشد ہے۔ اور ایسے گواہ کی شہادت کے بعد دُنیا بھر کے منکرین کا انکار پرِکاہ کی وقعت نہیں رکھتا۔ ناگفتہ بہ حالات میں اسلام کا غالب آنا اور دُشمنانِ اسلام کا ہی کچھ مدت بعد اس کی ناموس و عظمت کے لیے اپنی جانیں قربان کرنا اللہ کے گواہ ہونے کی سب سے روشن دلیل ہے۔

۱۲۵ کتنا کھول کر بتا دیا کہ اللہ کا مطیع وہی ہے جو اس کے رسول کا مطیع ہو۔ لاکھ کوئی دعویٰ کرے اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ قرآن کا وہ جھوٹا ہے جب تک اللہ کے رسولِ کریم کی سُنّت کا پابند نہ ہو۔

۱۲۶ منافقوں کا رویّہ یہ تھا کہ بظاہر تو اطاعت و تسلیم کا اقرار کرتے اور در پردہ سازشوں کے جال بُنا کرتے۔

۱۲۷ اللہ تعالیٰ کی کارسازی کا کرشمہ دُنیا بھر نے دیکھا کہ دُشمنوں کی ساری سازشیں تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ثابت ہوئیں اور جو فتنہ اور شورش اُنھوں نے رسولِ کریمؐ کو ناکام کرنے کے لیے برپا کی وُہ خود اُن کی ہلاکت و رُسوائی کا باعث بنی۔

۱۲۸ مُنافق جن کے طرزِ عمل اور دو رُخی پالیسی کا ذکر چلا آرہا ہے نہ وُہ سچّے دل سے حضورؐ کی رسالت کے قائل تھے اور نہ ہی قرآن کو کتاب اللہ یقین کرتے تھے۔ اِسی لیے تو وُہ اِس مخمصہ میں گرفتار تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر انھوں نے قرآن میں غور و فکر کیا ہوتا تو ان پر عیاں ہو جاتا کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ ربّ العزّت کا کلام ہے۔ اِس طرح وُہ اِس تذبذب سے

مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَآءَهُمْ

اگر وُہ غیر اللہ کی طرف سے (بھیجا گیا) ہوتا تو ضرور پاتے اس میں اختلاف کثیر ۱۲۹ اور جب آتی ہے ان کے

اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ

پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی ۱۳۰ تو چرچا کرنے لگتے ہیں اس کا۔ اور اگر لَوٹا دیتے اُسے رسُول (کریم) کی طرف

نجات حاصل کر لیتے۔

۱۲۹ یہ کتاب جو تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ دراز میں نازل ہُوئی اِس میں تضاد و اختلاف کی بُو تک نہیں۔ یہ وُہ ہنگامہ خیز اور پُر آشوب عرصہ ہے جس میں داعیِ اسلام، اس کے ماننے والوں اور خود اس دعوت کو شدید قسم کے مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ ظلم و ستم کے پہاڑ بھی توڑے گئے۔ اور عقیدت و محبّت کے پھُول بھی برسائے گئے۔ ایسے حالات بھی رُونما ہُوئے کہ ظاہر بیں نگاہوں کو یقین ہونے لگا کہ چراغِ حق ابھی بُجھا چاہتا ہے۔ اور ایسا دَور بھی آیا کہ اِس چراغ کو پھُونکیں مار مار کر بُجھانے والے پروانہ وار اس پر تصدّق ہونے لگے۔ صُلح بھی اور جنگ بھی، فتح بھی اور پسپائی بھی، خوف بھی اور امن بھی ہر قسم کے حالات رُونپذیر ہُوتے۔ ان گوناگوں اور بُوقلموں اَدوار میں ایک کتاب نازل ہوتی ہے اور اس میں ایک ایسی آیت کی بھی نشان دہی نہیں کی جاسکتی جس سے اِسلام کے اصولوں میں تضاد کا شائبہ تک ہو۔ علّامہ بیضاوی ؒ نے ایک جُملہ میں سب کچھ بیان کر کے رکھ دیا۔ من تناقض المعنی وتفاوت النظم یعنی اس کی کوئی آیت نہ معنوی لحاظ سے دُوسری آیت کے خلاف ہے اور نہ فصاحت و بلاغت کے اِعتبار سے کوئی حصّہ دُوسرے حصّہ سے فروتر ہے۔ معانی و حقائق کا سمندر ہے جس کی لہروں میں آویزش نہیں۔ جس کی ہر موج اور ہر قطرہ گُل کا رنگ و بُو لیے ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے کی اَور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔

۱۳۰ مُسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے تو کفّار کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ شرُوع ہوگیا۔ ایک جنگ کے بعد دُوسری جنگ کی تیاری، ایک یورش کے بعد دُوسری یورش کا اندیشہ تھا۔ مسلمان مسلسل ایسے حالات میں زندگی بسر کر رہے تھے جنھیں بجا طور پر زمانۂ جنگ کہا جاسکتا ہے۔ ہر دن ہر لحظہ حملہ ہوسکتا تھا۔ ایسے ہنگامی حالات میں غلط افواہوں اور بے بُنیاد خبروں کا پھیلنا ایک قدرتی امر ہُوا کرتا ہے۔ اگر ان افواہوں کو روکا نہ جاتا تو صُورتِ حال بڑی سنگین ہوسکتی ہے۔ مُسلمان معاشرہ میں بھی کئی ایسے کمزور دل اور بعض بیمار دل افراد تھے کہ کوئی بات کانوں تک پہنچی اور اُسے سارے شہر میں مشہُور کر دیا جس سے طرح طرح کے نقصانات کا اندیشہ تھا۔ اس لیے اس سے روک دیا گیا اور ہدایت کر دی گئی کہ اگر ایسی کوئی بات ہو تو بارگاہِ رسالت میں عرض کر دیا تم میں جو صاحبِ عقل و دانش ہیں وُہ اس کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کے متعلق مناسب اقدام کریں۔ جب عام دُنیوی اور سیاسی اُمُور میں عوام کو ان چیزوں میں دخل اندازی اور خود سری سے روک دیا گیا ہے تو آپ خود

وَ اِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ

اور با اقتدار لوگوں کی طرف اپنی جماعت سے تو جان لیتے اس خبر (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور (نہ ہوتی) اس کی رحمت تو ضرور تم اتباع کرنے لگتے شیطان کا سوائے

قَلِيْلًا ۝۸۳ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَ حَرِّضِ

چند آدمیوں کے تو (اے محبوب!) جہاد کرو[۱۳۱] اللہ کی راہ میں نہ تکلیف دی جائے گی آپ کو سوائے اپنی ذات کے اور ابھاریں آپ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ اللّٰهُ

ایمان والوں کو (جہاد پر) عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ روک دے زور ان لوگوں کا جو کفر کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝۸۴ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ

کی گرفت بہت سخت ہے تیز وہ سزا دینے میں بہت سخت ہے جو کرے گا سفارش اچھی [۱۳۲] ہوگا

سوچیں کہ امورِ دینیہ میں یہ بدنظمی کب برداشت کی جا سکتی ہے کہ ہر کہ ومہ مفتی بنا پھرے اور قرآن و سنت کو اپنی رائے سے ہم آہنگ کرتا رہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ حرص و ہوی کے بندوں کی تقلید نہ شروع کر دیا کریں اور دینی امور میں فقط ان علماء کی طرف متوجہ ہوں جن کا علم و فضل، زہد و تقویٰ اور دینی بصیرت مسلّمہ اور جن کی سیرت بے داغ ہو۔

۱۳۱؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریمؐ کو حکم دے رہے ہیں کہ جب باطل حق سے برسرِ پیکار ہو تو آگے بڑھو خواہ آپ تنہا ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ حضور کریمؐ کے یہ الفاظ اسی حکم کی تعمیل معلوم ہوتے ہیں۔ واللّٰہ لاقاتلنھم حتی تنفرد سالفتی۔ یعنی بخدا میں کفار سے ضرور لڑوں گا خواہ میری گردن جدا ہی ہو جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی کارِ خیر میں اس کا کوئی معاون بھی نہ ہو تو اسے اکیلے اس کام کو شروع کر دینا چاہیئے۔ ساتھیوں کا نہ ہونا کوئی عذر نہیں ہے۔

۱۳۲؎ امام راغب یہاں شفاعت کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای من انضم الی غیرہ وعاونہ وصار شفیعا فی الخیر والشر فعاونہ وقواہ وشارکہ فی نفعہ وضرہ۔ یعنی کسی اچھے یا برے کام میں کسی کے ساتھ اس طرح شریک ہو جانا کہ اس کی اعانت اور تقویت پر اپنا پورا زور صرف کر دے اور اس کام کے نتائج میں بھی اپنے آپ کو برابر شریک سمجھے۔ اس توضیح کے پیشِ نظر آیت کا یہ مفہوم ہوگا کہ جو شخص حق و صداقت کے علم بردار کے ساتھ اپنی قسمت

لَّهُ نَصِيبٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُن لَّهُ كِفْلٌ

اس کا حصّہ اس میں سے اور جو کرے گا سفارش بُری تو ہوگا اس کے لیے بوجھ

مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيتًا ﴿٨٥﴾ وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا

اس سے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دُعا سے۳۳۱ تو سلام دو

بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾

تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم ازکم) دہرا دو وہی لفظ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ

اللہ، نہیں کوئی معبود بغیر اس کے وُہ ضرور جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن نہیں ذرا شک اس (کے آنے) میں

وابستہ کر دیتا ہے اور اپنا تن من دھن اس مقصد کو کامیاب کرنے کے لیے وقف کر دیتا ہے وُہ ضرور اپنے قائد کی طرح اجرِ عظیم کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح جس نے اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو باطل کے سرغنوں کے حوالہ کر دیا اور فسق و فجور کو فروغ دینے میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا تو وُہ بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہوگا۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کسی مشکل میں کسی بھائی کی امداد کرنا اس کے حقوق کی بازیابی کی سعی کرنا، اس کو نفع پہنچانا اور اس سے کسی تکلیف کو دُور کرنے میں کوشاں ہونا بشرطیکہ اس سے کسی غیر کی حق تلفی نہ ہو تو یہ اچھی سفارش ہے اور اس پر سفارش کرنے والے کو اجر ملے گا۔ اور اگر ایسی سفارش کی جس سے کسی کی حق تلفی ہوتی یا کسی پر ظلم ہوا تو یہ بُری سفارش ہے اور سفارش کرنے والا گنہگار ہوگا۔

۳۳۱؎ تحیۃ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصلی معنی زندگی کی درازی کی دُعا دینا ہے۔ واصل التحیۃ الدعاء بالحیاۃ (قرطبی) اور اس کا معنی ملک بھی ہے التحیات للہ میں یہی معنی ملحوظ ہے۔ جمہور مفسّرین کے نزدیک یہاں تحیۃ سے مراد سلام کہنا ہے۔ سلام دینا حضور کریم کی پسندیدہ سنّت ہے لیکن اس کا جواب دینا فرض ہے۔ سلام کا جواب دینے کے قرآن حکیم نے دو طریقے سکھائے ہیں یا تو وہی الفاظ دُہرا دو جن سے تمہیں سلام کہا گیا ہے یا ایسے الفاظ کا اضافہ کرو جو محبت و تکریم پر دلالت کرتے ہوں۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ اگر کوئی السلام علیکم کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہو اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو تم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے جواب دو۔ باہمی محبت و پیار کے جذبات کو تر و تازہ کرنے کا یہ بڑا ہی مؤثر طریقہ ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشادِ گرامی ہے لا تدخلون الجنۃ حتی تؤمنوا ولا تؤمنون حتی تحابوا اولا ادلکم علی شیء اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم ۔ جب تک ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہ

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ

اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کہنے میں سو کیا ہوگیا ہے تمھیں کہ منافقوں کے بارے میں ۱۳۴

فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ

(تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انھیں بوجہ اُن کرتوتوں کے جو انھوں نے کیے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اُسے راہ دکھاؤ

أَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾ وَدُّوْا

جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے (ہدایت کا) راستہ وہ دوست رکھتے ہیں

لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ

اگر تم بھی کفر کرنے لگو جیسے انھوں نے کفر کیا تاکہ تم سب یکساں ہو جاؤ ۱۳۵ پس نہ بناؤ تم ان سے

ہو سکو گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے تو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز بتاؤں جس پر عمل کرو تو آپس میں محبت و پیار پیدا ہو جائے؟ (خود ہی فرمایا) ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کرو"۔ دنیا میں جتنے آداب ملاقات رائج ہیں سب کو دیکھو ملاقات کا وہ طریقہ جو آپ کو قرآن نے سکھایا ہے اس کا جواب نظر نہ آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر غیر مسلم سلام دے تو اس کے وہی الفاظ جواب میں دہرا دو۔ ردوھا مثل ما سلموعلیکم علی غیر اھل دینکم (تفسیر مظہری)

۱۳۴ بعض لوگ اسلام تو قبول کر لیتے لیکن بال بچوں کی محبت، مال و جائداد کا پیار اور وطن کی کشش انھیں ہجرت کرنے کی اجازت نہ دیتی اور اس طرح قبول اسلام کے بعد بھی انھیں مشرکوں کی معاندانہ سرگرمیوں میں شریک ہونا پڑتا اور بعض جو ہجرت کر کے مدینہ آ بھی جاتے لیکن وہاں کا نظام حیات، اخلاقی پابندیاں اور ان پر دشمن کے حملوں کا خطرہ انھیں وہاں قیام نہ کرنے دیتا اور وہ آب ہوا کی ناموافقت کا عذر کر کے واپس لوٹ آتے۔ اس قسم کے لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی آراء مختلف تھیں بعض انھیں مسلمان اور دوسرے انھیں خارج از اسلام خیال کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم ان کے متعلق مختلف الرائے کیوں ہو یہ تو اپنی بدعمالیوں کے باعث جدھر سے آئے تھے اُدھر ہی لوٹا دیئے گئے۔ ارکس اور انکس دونوں ہم معنی ہیں۔ کسائی کہتے ہیں الرکس والنکس قلب الشیئ علی راسه والمرکوس المنکوس (القرطبی) رکس اور نکس دونوں کا معنی کسی چیز کو سر کے بل اوندھا گرا دینا ہے۔ ارکس کا یہ لفظ یہاں کتنا موزوں ہے۔ بما کسبوا نے واضح کر دیا کہ ان کا جادۂ حق سے منحرف ہونا ان کی اپنی غلط کاریوں کا طبعی ثمر ہے۔

۱۳۵ یعنی تم تو ان کے مسلمان ہونے کے متعلق آپس میں بحث کر رہے ہو اور ان کے کفر و فسق کا یہ حال ہے کہ وہ تمھیں بھی

ع ۱۱

أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَإِن تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ

اپنے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں پس اگر وہ (ہجرت سے) منہ موڑیں تو پکڑلو انھیں

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَ

اور قتل کرو انھیں جہاں کہیں پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان سے (کسی کو) اپنا دوست اور

لَا نَصِيرًا ۝٨٩ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم

نہ مددگار مگر ان کو (قتل نہ کرو) جو تعلق رکھتے ہیں اس قوم سے کہ تمھارے درمیان اور ان کے درمیان

مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا

معاہدہ ہے ۱۳۶ یا آگئے ہوں تمھارے پاس اس حال میں کہ تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں

قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ

اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو مسلط کر دیتا انھیں تم پر تو وہ ضرور لڑتے تم سے پھر اگر

اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ

وہ کنارہ کر لیں تم سے اور نہ جنگ کریں تمھارے ساتھ اور بھیجیں تمھاری طرف صلح (کا پیغام) تو نہیں بنائی

دولتِ ایمان سے محروم کر کے اپنے ساتھ ملانے کی تدبیر سوچ رہے ہیں۔ اس لیے جب تک ہجرت کر کے تمھارے ہاں قیام نہ کریں اور اپنی قسمت تمھارے ساتھ وابستہ نہ کر دیں اس وقت تک تم ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم نہ کرو۔

۱۳۶ یہ لوگ جو تمھارے اُن دشمنوں سے جا ملے ہیں جن کے ساتھ تمھاری جنگ شروع ہے تو اُن کو مت جانے دو جہاں ملیں قتل کر ڈالو لیکن اگر وہ کسی ایسے قبیلے کی پناہ اختیار کر لیں جن کے ساتھ تمھارا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اُنھیں کچھ نہ کہو اور اگر وہ تمھارے پاس حاضر ہو کر یقین دلا دیں کہ نہ وہ تمھارے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ تمھارے معاون بن کر اپنی قوم کے خلاف لڑیں گے تو بھی ان سے تعرض نہ کرو۔ اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ آیتِ سابقہ میں ان کے قتل کرنے کا حکم صرف اس وقت ہے جب وہ ہمارے خلاف لڑ رہے ہوں۔ اور جب وہ جنگ سے باز آجائیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ تم بھی ان کے قتل سے ہاتھ روک لو۔

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُونَ اٰخَرِينَ يُرِيدُونَ اَنْ

اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان پر (زیادتی کرنے کی) راہ[۱۳۷] تم پاؤ گے چند اور لوگ جو چاہتے ہیں کہ

يَّاْمَنُوكُمْ وَيَاْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۗ كُلَّمَا رُدُّوٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوا فِيهَا ۚ

امن میں رہیں تم سے بھی اور امن میں رہیں اپنی قوم سے (لیکن) جب کبھی پھیرے جاتے ہیں فتنہ کی طرف تو منہ کے بل گر پڑتے ہیں اس میں[۱۳۸]

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا اَيْدِيَهُمْ

سو اگر نہ کنارہ کریں تم سے یا نہ بھیجیں تمھاری طرف صلح (کا پیغام) اور نہ روک لیں اپنے ہاتھ

فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ

تو پکڑ لو انھیں اور قتل کرو انھیں جہاں تم پاؤ انھیں اور یہی لوگ ہیں کہ دیا ہے ہم نے تمھیں

عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۹۱﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا ع

ان پر کھلا اختیار[۱۳۹] اور نہیں (جائز) کسی مومن کے لیے کہ قتل کرے[۱۴۰] کسی مومن کو مگر

[۱۳۷] اس آیت نے مزید وضاحت کر دی کہ قابلِ گردن زدنی وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔

[۱۳۸] یعنی غیر جانبداری کے ان بلند بانگ دعووں کے باوجود جب کبھی موقع ملے اور ان کی قوم انھیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے کہے تو پھر انھیں اپنی غیر جانبداری کا خیال نہیں رہتا اور فوراً مسلح ہو کر کفار کی صفوں میں آکھڑے ہوتے ہیں۔

[۱۳۹] اگر وہ اپنی امن پسندی کا کوئی ثبوت بہم نہ پہنچائیں۔ تمھارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کش بھی نہ ہوں۔ تمھیں صلح کا پیغام بھی نہ بھیجیں اور جب موقع ملے تم پر دستِ تعدی دراز کرنے سے باز بھی نہ آئیں تو پھر تم بھی ان کا ذرا لحاظ نہ کرو اور جہاں قابو میں آئیں بلا تامل ان کو موت کے گھاٹ اتار دو۔

[۱۴۰] مفسرین نے ماکان لمومن کا معنی کیا ہے ماصح لمومن ولیس من شانہ۔ مومن کے لیے یہ درست اور جائز نہیں اور مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اس فعلِ شنیع کا بسلامتی ہوش و حواس ارتکاب کرے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ بے ارادہ اور نادانستہ اس سے یہ جرم سرزد ہو۔ اس اسلوبِ بیان سے واضح ہو گیا کہ یہ جرم معمولی قسم کا نہیں بلکہ نہایت سنگین اور بہت ہی گھناؤنا ہے کسی ایماندار سے اس کا صدور صد درجہ قبیح ہے۔

اَلْخَطَاءُ اِذَا لَمْ يُصْنَعْ عَنْ تَعَمُّدٍ یعنی اگر قصد و ارادہ کے بغیر کوئی کام ہو جائے تو اسے خطا کہتے ہیں اس کی مختلف

خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

غلطی سے اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو غلطی سے تو (اس کی سزا یہ ہے کہ) آزاد کرے مسلمان غلام اور خوں بہا

مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟ ۚ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ

ادا کرے مقتول کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وُہ خود ہی (خوں بہا) معاف کر دیں پھر اگر ہو (مقتول)[۱۴۱] اس قوم سے جو دشمن ہے

لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ

تمھاری لیکن وُہ (مقتول) خود مومن ہو تو (قاتل) آزاد کرے ایک مسلمان غلام اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ ہو چکا ہے

صُورتیں ہیں۔ کفّار کے ساتھ جنگ جاری تھی۔ گولیاں برس رہی تھیں۔ اتفاقاً اس کی گولی سے کوئی مسلمان مارا گیا۔ یا نشانہ لگایا تھا شکار کو اور جا لگا کسی انسان کو، یہ سب قتل خطا کی صورتیں ہیں۔ یربطہا عدم القصد۔ تمام میں قدر مشترک قصد کا نہ ہونا ہے۔ اس آیت کریمہ میں قتل خطا کی تین صورتیں اور ان کے احکام بتائے گئے ہیں۔ پہلی صورت تو یہ ہے کہ مقتول مسلمان ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ قاتل ایک مسلمان غلام کو آزاد کرے اور اس کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ اس کی مقدار اللہ کے رسول ؐ نے سَو اُونٹ مقرر فرمائی ہے اور یہی مقدار ہر زمانہ کے لیے ہے۔ دیۃ الحر المسلم مائۃ ابل فی کل زمان (قرطبی) ہاں اگر کوئی شخص اُونٹ نہ ادا کر سکتا ہو تو ہر زمانہ میں سو اُونٹوں کی قیمت کے برابر نقد روپیہ دے سکتا ہے اونٹوں کی قیمتوں میں کمی بیشی سے روپیہ میں کمی بیشی ہو سکتی ہے بہر حال دیت سو اُونٹ ہی ہوگی۔ البتہ اگر مقتول کے وارث دیت بخش دیں تو وُہ بخش سکتے ہیں شریعت اسلامیہ نے دیت کے لیے روپیہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی۔ کیونکہ روپیہ کی قیمت یعنی قوت خرید گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ اگر روپیہ کی قوت خرید گھٹ جائے تو انسانی جان کی قدر و منزلت بھی گر جائے گی جو کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں۔ اس لیے شریعت نے خوں بہا ایک سو اُونٹ مقرر کیے ہیں تاکہ انسانی جان کی قدر و منزلت گرنے نہ پائے اور تمام حالات میں انصاف کے تقاضے پُورے ہوتے رہیں۔ یہی حکمتیں ہیں جو ہر حکم شرعی میں جلوہ نما ہیں۔ اور اہل نظر کو بتا رہی ہوتی ہیں کہ یہ شریعت انسانی عقل کی تراشیدہ نہیں بلکہ علیم و حکیم رب کی فرستادہ ہے۔

[۱۴۱] قتل خطا کی دُوسری صُورت یہ ہے کہ مقتول ہو تو مسلمان لیکن اس کی بُود و باش کفار میں ہو۔ اس صُورت میں صرف ایک مسلمان غلام آزاد کر دے۔ اس پر دیت لازم نہ ہوگی۔ اور وُہ اس لیے کہ اس کے سب وارث کافر ہیں اور مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں۔ ان کو دیت ادا کرنا تو ان کو تقویت دینا ہے جو کسی طرح قرین عقل نہیں۔

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان معاہدہ تو (قاتل) خون بہا دے دے [۱۴۲] اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرے

رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۟

ایک مسلمان غلام تو جو شخص غلام نہ پا سکے [۱۴۳] تو روزے رکھے دو ماہ لگاتار (اس گناہ کی)

تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا

توبہ اللہ کی طرف سے (یہی مقرر ہے) اور ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اور جو شخص قتل کرے کسی مومن کو

مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

جان بوجھ کر [۱۴۴] تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں اور غضبناک ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر اور

۱۴۲؎ اگر مقتول اُس قوم کا فرد ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے خواہ وُہ مُسلمان ہو یا کافر۔ اس صُورت میں قاتل مسلمان غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کرے۔ ذمی یعنی اسلامی حکومت کی غیر مُسلم رعایا کا بھی یہی حکم ہے مسلم، کافر، مجوسی وغیرہ سب کی دیت یکساں ہے یعنی سو اُونٹ وبه قال ابو حنيفة رحمة الله عليه۔

۱۴۳؎ اگر کوئی شخص غلام خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو یا غلام دستیاب ہی نہ ہو سکتے ہوں تو پھر دو ماہ لگاتار روزے رکھے اگر اس نے عذر شرعی مثلاً حیض، بیماری کے سوا ناغہ کیا تو پھر از سرِ نو شروع کرنے ہوں گے۔ احناف کے نزدیک بیماری عُذر نہیں ہے۔

۱۴۴؎ پہلے قتل خطا کا ذکر تھا اب قتل عمد کا بیان ہے۔ قرآن حکیم اور ارشادات نبویہ اس جُرم کے عظیم ترین ہونے پر شاہد ہیں قرآن کریم کی یہی آیت انسان غور سے پڑھے اور اس میں قاتل کی جو سزا بیان کی گئی ہے اس پر نگاہ ڈالے تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ قتل المومن اعظم عند الله من زوال الدنيا کہ دُنیا کے فنا ہونے سے بھی بے گناہ مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک شدید ترین ہے۔ معتزلہ کے نزدیک قاتل عمد کی توبہ قابل قبول نہیں لیکن اہل سنت کی یہ رائے ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے والے کی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ اور یہ وعید ان کے لیے ہے جو توبہ نہیں کرتے۔ اور حضرت ابن عباس رضؓ سے قتل عمد کی جو تفسیر منقول ہے اس کے پیش نظر تو یہ اُلجھن پیدا ہی نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا متعمدا مستحلا مقتله یعنی جو دانستہ اور مسلمان کے قتل کو حلال سمجھتے ہوئے قتل کرتا ہے اس کی یہ سزا ہے۔ والله تعالیٰ اعلم بالصواب۔

لَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ

اپنی رحمت سے دُور کر دے گا اسے اور تیار کر رکھا ہے اس نے اس کے لیے عذابِ عظیم اے اہلِ ایمان جب تم سفر پر نکلو ۱۴۵؎

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ

اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) تو خوب تحقیق کر لو اور نہ کہو اسے جو بھیجتا ہے تم پر سلام

لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ

کہ تم مومن نہیں ہو تم تلاش کرتے ہو سامان دُنیوی زندگی کا پس اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں

كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ

(وُہ تمھیں غنی کر دے گا) ایسے ہی (کافر) تم بھی تھے ۱۴۶؎ اس سے پہلے پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر تو خوب تحقیق کر لیا کرو یقیناً

اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ

اللہ تعالیٰ اس سے جو کچھ تم کرتے ہو خبردار ہے نہیں برابر ہو سکتے (گھروں میں) بیٹھنے والے

۱۴۵؎ واقعہ یُوں ہُوا کہ حضرت اسامہؓ کی قیادت میں حضورؐ نے ایک سریہ روانہ فرمایا۔ کفّار کو جب لشکرِ اسلام کی آمد کی خبر ملی تو وُہ بھاگ گئے لیکن مرداس نامی ایک شخص جو مسلمان ہو چکا تھا وُہ اپنے مال مویشی کے ساتھ ٹھیرا رہا جب مسلمان وہاں پہنچے اور نعرہ تکبیر بلند کیا تو اس نے بھی جواب میں اللہ اکبر کہا اور کلمہ شہادت پڑھتا ہوا نیچے اُتر آیا اور انھیں السلام علیکم کہا لیکن حضرت اسامہؓ نے اس کی پرواہ نہ کی اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ ہانک کر مدینہ طیبہ لے آئے اور بارگاہِ رسالت میں سارا ماجرا بیان کیا حضورؐ بہت رنجیدہ خاطر ہُوئے اس وقت یہ آیت نازل ہُوئی۔ آیتِ سابقہ میں مسلمانوں کو حالتِ امن میں مسلمان اور غیر مسلمان کو قتل کرنے سے منع کیا اس آیت میں حالتِ جنگ میں بھی بلا وجہ قتل و غارت سے روک دیا جب تک تمھیں یقین نہ ہو جائے کہ یہ محارب کافر ہے اس وقت تک ہاتھ نہ اُٹھاؤ اور اگر کوئی عین اس وقت بھی اظہارِ اسلام کرے تو مالِ غنیمت کے حصُول کے لیے اس کی شہادت رد نہ کر دو۔ اس فنا پذیر دولت کی خاطر تم ایک مومن کی شہادت ایمان رد کر رہے ہو۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ رزق کی کُنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اگر تم اس کے حکم کی تعمیل کرو گے تو وُہ دُوسرے ذریعہ سے تم پر رزق کے دروازے کھول دے گا۔

۱۴۶؎ یعنی ابتدا میں تمھاری بھی زبانی شہادتِ اسلام پر اعتبار کر لیا گیا تھا اب تم دُوسروں کی زبانی شہادت کو کیوں صحیح تسلیم نہیں کرتے "فتبینوا" کا لفظ آیت میں دوبار آیا ہے جو قتل میں انتہائی احتیاط برتنے کی تاکید کر رہا ہے۔

الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

مسلمان سوائے معذوروں کے ۱۴۷؎ اور جہاد کرنے والے اللہ کی راہ میں

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بزرگی دی ہے اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے مالوں اور

اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

اپنی جانوں سے (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں پر درجہ میں اور سب سے وعدہ فرمایا ہے اللہ نے بھلائی کا لیکن

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ۝۹۵ دَرَجٰتٍ

فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے (ان کے لیے) بلند درجے ہیں

مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۠۝۹۶ اِنَّ الَّذِيْنَ ع ۱۳ ۱۰

اللہ (کی جناب) سے اور (نوید) بخشش اور رحمت ہے اور ہے اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا بے شک وہ لوگ کہ

تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا

قبض کیا اُن (کی روحوں) کو فرشتوں نے ۱۴۸؎ اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر فرشتوں نے انہیں کہا تم کس شغل میں تھے معذرت کرتے ہوئے انہوں نے

۱۴۷؎ اِس سے مُراد وُہ لوگ ہیں جو بیماری یا کسی حقیقی مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت سے قاصر ہیں۔ قال العلماء: اھل الضرر اھل الاعذار اور یہ چیز محتاجِ بیان نہیں کہ جو لوگ ہر وقت سر کفِ اللہ و رسولؐ کے نام پر قربان ہونے کے لیے تیار رسول اللہ تعالیٰ کے قُرب میں ان کا وُہ لوگ مقابلہ کیونکر کر سکتے ہیں جو اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوں اور اپنے دُنیاوی کاروبار میں ہر وقت مشغول ہوں۔

۱۴۸؎ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب ہجرت کر کے مدینہ طیّبہ تشریف فرما ہُوئے تو بعض مُسلمان اپنے عزیز و اقارب اور مال و جائداد وغیرہ کی وجہ سے مکّہ ہی میں رہ گئے۔ اور اس وقت جب کہ ہجرت فرض تھی ہجرت نہ کی۔ مرتے وقت فرشتوں سے جو اُن کا مکالمہ ہوگا اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت ہجرت کے فرض ہونے کے دو سبب تھے۔ ایک تو مکّہ کی فضا ایسی ناسازگار تھی کہ کھُلم کھُلا شرک ہو رہا تھا۔ فسق و فجور کا بازار گرم تھا۔ عقیدۂ اسلامی کا اظہار اور عبادات کی بجا آوری از حد مشکل تھی ان حالات

مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً

کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ

فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۹۷﴾

تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بہت بُری پلٹ کر آنے کی جگہ ہے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ۱۴۹ جو نہیں کر سکتے تھے

حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ

ہجرت کی کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے (وہاں سے نکلنے کا) کوئی راستہ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اُمید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر

عَنْهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں

يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ

پائے گا زمین میں پناہ کے لیے ۱۵۰ بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے

میں ایمان کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ تھا اس لیے ضروری تھا کہ جسے اپنا ایمان عزیز ہے وُہ وہاں سے ہجرت کر جائے۔ اس کے علاوہ مدینہ طیبہ پر کفار ہر وقت حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ وہاں کے مسلمانوں کو شدید ضرورت تھی کہ ان کے دینی بھائی ان کے ساتھ آملیں اور ایسے مشکل اور نازک وقت میں ان کی تقویت کا باعث بنیں۔

۱۴۹ سابقہ آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنھوں نے طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کی اور کفار کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنے پر رضامند ہو گئے اب اُن لوگوں کا ذکر ہے جو حقیقتاً معذور تھے۔

۱۵۰ صاحب کشاف نے مراغم کا معنی یہ بیان کیا ہے۔ مراغما: مهاجرا وطريقا يراغم بسلوكه قومه اى يفارقهم على رغم انوفهم۔ (کشاف) یعنی مراغم کا معنی ہجرت گاہ یا ہجرت کا راستہ ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کافر جو ہجرت کرنے سے اسے بزور روک رہے تھے ان کی ناک کو خاک میں ملا کر اُس نے ہجرت کی۔ اپنا وطن، اپنے احباب وغیرہ چھوڑ کر غریب الوطنی

مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ

ہجرت کرکے اللہ کی طرف اور اس کے رسولؐ کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ع ۱۴

اللہ کے ذمّہ [۱۵۱] اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور جب تم سفر کرو [۱۵۲] زمین میں

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ

تو نہیں تم پر کچھ حرج اگر تم قصر کرو نماز میں اگر ڈرو تم

اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾

اس بات سے کہ تکلیف پہنچائیں گے تمھیں کافر بے شک کافر تو تمھارے کھلے دشمن ہیں

کی تکلیفوں کو قبول کرنا بڑی مشکل بات تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں گھربار چھوڑنے والوں کو خوشخبری دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں تمھیں بہترین رہنے کی جگہ اور فراخ روزی دیں گے۔

۱۵۱؎ بعض صحابہ ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے راستہ میں ہی موت کا پیغام آگیا۔ ان کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔

۱۵۲؎ اس آیت کریمہ میں نماز کے قصر کرنے کا ذکر ہے۔ قصر کے یہ معنی ہیں کہ جن نمازوں میں فرضوں کی چار رکعت پڑھی جاتی ہیں ان میں بجائے چار کے دو رکعت پڑھنا۔ اس آیت میں اس کی اجازت دی جارہی ہے۔ اگرچہ آیت میں قصر کے لیے خوفِ کفّار بطور شرط مذکور ہے لیکن خوفِ کفّار کا ذکر بطور حقیقتِ حال کے تھا یعنی اس وقت مسلمانوں کے تمام سفر کفّار کے خوف سے گھرے ہوتے تھے۔ ورنہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے تمام سفروں میں قصر فرمایا۔ یعلی بن امیّہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم تو امن میں ہیں پھر ہم قصر کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا اس کا مجھے بھی تعجب ہوا تھا تو میں نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا "تلك صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته" تمھارے لیے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے تم اس کا صدقہ قبول کرو۔

مسئلہ۔ جس سفر میں قصر کیا جاتا ہے اس کی ادنیٰ مقدار اتنی ہے جتنی تین رات دن میں پیدل یا اونٹ کی متوسط رفتار سے طے کی جاسکتی ہے۔ اس کی مقدار خشکی اور دریا اور پہاڑوں میں مختلف ہوجاتی ہے۔ اکثر فقہاء نے میدانی علاقہ کے لیے چھتیس کوس یا چوّن میل مقرر فرمائی ہے دورانِ سفر اگر کسی جگہ چودہ روز تک قیام کرنا ہو تو قصر کرتا ہے اس سے زیادہ ٹھیرے تو پھر پوری نماز ادا کرے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (اے حبیب!) جب آپ ان میں موجود ہوں اور قائم کریں آپ ان کے لیے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان سے ۱۵۳

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠

آپ کے ساتھ اور وہ پکڑ رکھیں اپنے ہتھیار پس جب سجدہ کرچکیں تو وہ ہو جائیں تمہارے پیچھے

وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

اور آ جائے دوسرا گروہ جس نے (ابھی) نماز نہیں پڑھی پس (اب) وہ نماز پڑھیں آپ کے ساتھ اور لیے رہیں

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار تمنا کرتے ہیں کافر اگر تم غافل ہو جاؤ

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَ

اپنے اسلحہ سے اور اپنے ساز و سامان سے تو وہ ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور

۱۵۳؎ نمازِ خوف کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پوری کرکے دشمن کے مقابل جاتے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابل کھڑی تھی وہ آکر امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے پھر فقط امام سلام پھیرے اور پہلی جماعت آکر دوسری رکعت بغیر قرأت کے پڑھے اور سلام پھیرے اور دشمن کے مقابل چلی جائے۔ پھر دوسری جماعت اپنی جگہ آکر ایک رکعت جو باقی رہی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پورا کرکے سلام پھیرے کیونکہ یہ لوگ مسبوق ہیں اور پہلی لاحق۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح نمازِ خوف ادا فرمانا مروی ہے حضور کے بعد بھی صحابہ نمازِ خوف پڑھتے رہے ہیں حالتِ خوف میں دشمن کے مقابل اس اہتمام سے نماز ادا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کس قدر ضروری ہے (خزائن العرفان) حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ) یہ اہتمام اس وقت ضروری ہے جب ساری فوج ایک ہی امام کی اقتدا میں نماز ادا کرنا چاہتی ہو جیسے عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اور جہاں ایسا نہ ہو اور لوگ الگ الگ اماموں کے پیچھے نماز ادا کرنے پر معترض نہ ہوں تو پھر ایک جماعت اپنے امام کے پیچھے پوری نماز ادا کرلے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل ڈٹی رہے جب پہلی جماعت فارغ ہوکر مورچے سنبھال لے تو پھر دوسری جماعت آکر اپنے امام کی اقتدا میں نماز ادا کرے نیز یہ حکم اس وقت کا ہے جب صفیں تو آراستہ ہوں اور لڑائی شروع نہ ہوئی ہو۔ اگر معرکۂ جنگ جاری ہے اور مسلمان دشمنوں سے گتھم گتھا ہو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى

نہیں کوئی حرج تم پر اگر ہو تمھیں تکلیف بارش کی وجہ سے یا ہو تم بیمار

اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ

تو اُتار دو اپنے ہتھیار مگر (دشمن کی نقل و حرکت سے) ہوشیار رہو بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا

عذاب رُسوا کرنے والا جب تم ادا کر چکو نماز ۱۵۴ تو ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے

وَّعَلٰي جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) پھر جب ۱۵۵ مطمئن ہو جاؤ (دشمن کی طرف سے) تو ادا کرو نماز (حسبِ دستور) بے شک نماز

كَانَتْ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ

۱۵۶ مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اپنے اپنے مقررہ وقت پر اور نہ کمزوری دکھاؤ (دشمن) قوم کی تلاش میں ۱۵۷

چکے ہیں تو اُس وقت جماعت کا اہتمام ضروری نہیں۔ جیسے بن آئے خواہ فقط اشاروں سے ہی نماز ادا کر لیں اور اگر اتنی بھی فرصت نہ ہو تو بے شک اس وقت نماز کو ملتوی کر دیں اور جب فراغت ہو تو ادا کریں جیسے غزوہ خندق کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے چار نمازیں بعد میں ادا فرمائی تھیں۔

۱۵۴ نمازِ خوف کا طریقہ تعلیم کرنے کے ساتھ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ خوف کی حالت میں تم نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مطابق سکون و طمانیت سے ادا نہیں کر سکتے تو اپنی زبان و دل کو تم جس حالت میں بھی ہو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھو۔ تاکہ اس کی یاد میں غفلت نہ آنے پائے۔ اور جنگ کی حالت میں کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کی تاکید تو دوسری متعدد آیتوں میں آتی ہے مثلاً اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا۔ جب دُشمن سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

۱۵۵ اور جب خوف دُور ہو جائے تو پھر نماز کو اس کی اصلی ہیئت کے مطابق ادا کرو۔

۱۵۶ نماز کے متعلق یہاں دو خصوصیتوں کا ذکر فرمایا کتابا اور موقوتا۔ کتاب کا مطلب تو یہ ہے کہ نماز کی ادائیگی تم پر فرض ہے تمھاری مرضی پر اس کا انحصار نہیں کہ موج میں آئے تو ادا کر لی اور موج میں نہ ہوئے تو چھوڑ دی۔ بلکہ مالک الملک شہنشاہِ دو جہاں کا تاکیدی حکم ہے اور اس کی ادائیگی تم پر فرض ہے موقوتا کا معنی ہے کہ اس کی ادائیگی کے لیے اوقات

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ

اگر تمھیں دُکھ پہنچتا ہے تو انھیں بھی دُکھ پہنچتا ہے جیسے تمھیں دُکھ پہنچتا ہے اور تم تو اُمید رکھتے ہو

اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۰۴﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

اللہ تعالیٰ سے اس (ثواب) کی جس کی وُہ اُمید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بے شک ہم نے نازل کی ہے آپ کی طرف

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ

یہ کتاب ۱۵۸؎ حق کے ساتھ تاکہ فیصلہ کریں آپ لوگوں میں اس کے مطابق جو دکھا دیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے اور نہ بنیے ۱۵۹؎

ع۱۵
۱۲

مقرر ہیں۔ والمعنی عند اھل اللغۃ مفروض لوقتہ بعینہ یقال وَقَتَه فھو موقوت و وقّتہ فھو موقّتٌ (قرطبی) اس لیے ہر نماز کو اپنے وقت پر ادا کرنا فرض ہے یہ نہیں کہ جب جی چاہا اُٹھ کھڑے ہُوئے اور دو تین ایک ساتھ پڑھ ڈالیں۔ ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو ظہر اور عصر کی نماز اور مغرب اور عشاء کی نماز ہمیشہ مِلا کر پڑھتا ہے۔ پہلی دو نمازوں کا نام ظہرین اور دُوسری دو نمازوں کا نام مغربین رکھ دیا ہے۔ اُنھیں چاہیے کہ خُدا سے ڈریں۔ اس آیت میں غور کریں اور ہر نماز کو اللہ تعالےٰ کے رسُول ؐ کے مقرر کردہ اوقات میں ادا کیا کریں۔ اِتنے اہم فریضہ کی ادائیگی میں اپنی مرضی اور منشاء سے کام لینا ان کے لیے روزِ قیامت پشیمانی کا باعث ہو گا۔

۱۵۷؎ دُشمن کے تعاقب میں سُستی نہ کرو۔ مانا کہ تمھیں اس سے بڑی تکلیف ہوتی ہے لیکن تمھارے دُشمن جو کُفر و شرک کو سر بلند کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں انھیں بھی تو اسی طرح تکلیف و اذیت پہنچتی ہے۔ اگر وُہ باطل کے لیے تمام سختیاں خوشی سے برداشت کر رہے ہیں تو تم حق کو فتحیاب کرنے کے لیے ان سے پیچھے کیوں رہتے ہو۔ تمھیں تو یہ اُمید ہے کہ اس جدّوجہد سے اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو گا اور ان کے پیشِ نظر کوئی ایسا اعلیٰ اور پاکیزہ مقصد بھی نہیں۔ تو پھر تمھارا سُست و کاہل ہونا بہت تعجب خیز اور حیرت افزا ہے۔

۱۵۸؎ یہ چند آیات ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جو عہدِ رسالت میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ انصار کے بنی ظفر قبیلہ کے ایک شخص مسمّی طعمہ بن اُبیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ ؓ بن نعمان کے مکان میں نقب لگا کر کچھ زرہیں اور آٹا کی بوری چُرائی اور ایک یہُودی زید بن سمین کے ہاں جا کر رکھ آیا۔ صبح ہوئی اور حضرت قتادہ کو جب چوری کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے پڑوسی طعمہ سے دریافت کیا اس نے صاف اِنکار کر دیا اور قسم اُٹھائی کہ مجھے اس کے متعلق علم تک نہیں۔ اِتفاق یہ ہوا کہ آٹے کی بوری میں سُوراخ تھا جس سے آٹا گرتا گیا۔ اُنھوں نے اس گرتے ہُوئے آٹے کے نشانات کا پیچھا کیا۔ چنانچہ وُہ یہُودی کے مکان تک پہنچ گئے۔ تلاش کرنے پر مال مسرُوقہ برآمد ہو گیا۔ اُس یہُودی نے کہا کہ میں چور نہیں بلکہ میرے پاس طعمہ یہ چیزیں رکھ گیا ہے

لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا

بد دیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے ۱۶۰ اور مغفرت طلب کیجئے اللہ سے ۱۶۱ بے شک اللہ تعالیٰ غفور

کئی یہودیوں نے اس کی تصدیق کی طعمہ کے قبیلہ والوں نے کہا چلو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چلیں۔ چنانچہ سب حاضر ہوئے۔ بنو ظفر کو اب علم ہو چکا تھا کہ چور یہودی نہیں بلکہ طعمہ ہے لیکن اپنی بدنامی کے خوف سے وُہ طعمہ کو ہر طریقہ سے بری ثابت کرنا چاہتے تھے اس لیے اس کی حمایت میں بڑی سرگرمی دکھانے لگے۔ حتیٰ کہ حضور کی جناب میں بھی عرض کرنے لگے کہ اگر فیصلہ طعمہ کے خلاف ہوا تو بے چارا ہلاک ہو جائے گا اور ذلّت و رُسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ اور یہودی جو اللہ اور اس کے رسُول کا دُشمن ہے وُہ صاف بری ہو جائے گا۔ حضورؐ کو بھی خیال گزرا کہ بنو ظفر جو مسلمان ہیں سچے ہوں گے۔ چنانچہ کوئی فیصلہ صادر ہونے سے پہلے وحی الٰہی پہنچ گئی جس سے حقیقتِ حال آشکارا ہو گئی۔ ارشادِ ربّانی ہوا ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ اُتاری ہے تاکہ آپ اس علمِ یقینی کے مُطابق فیصلہ صادر فرمایا کریں جو آپ کو اپنے رب کی طرف سے عطا فرمایا گیا ہے چنانچہ الشیخ رشید رضا لکھتے ہیں وتسمیۃ اعلامہ تعالیٰ لنبیہ بالاحکام اراءۃ یشعر بان علمہ علیہ السلام بھا یقینی کالعلم بما یراہ بعینہ فی الجلاء والوضوح (المنار) یعنی احکام کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عطا فرمایا اس کی تعبیر اراءۃ (دکھا دینا) سے کی ہے تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ اس علم میں ظن و گمان کا احتمال نہیں رہا بلکہ ایسا یقینی اور قطعی ہے جیسے کسی چیز کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا جاتا ہے۔ اب آپ خود انصاف فرما دیں کہ جس ذاتِ قدسی صفات کے سامنے آنے والے ہر حجاب کو اُٹھانے والا اللہ تعالیٰ ہو اُس کے علم وسیع پر ہم ایسوں کو زیب دیتا ہے کہ اعتراض کرتے پھریں۔

۱۵۹ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منع فرمایا جا رہا ہے کہ آپ خائنوں کی طرفداری نہ کیا کریں۔ کیونکہ آپ کی ذات سے عدل و انصاف کی ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ انصاف کرتے وقت یہ دیکھنا کہ مسلمان کون ہے اور یہودی کون ہے آپ کی شان سے بہت فروتر ہے لیکن اس نہی سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ معاذ اللہ حضورؐ نے خائنوں کی طرفداری کی تھی اس لیے آپ کو منع کیا گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ نے طرفداری نہیں کی ویسے آئندہ بھی طرفداری نہ کریں چنانچہ مولانا تھانوی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں "پس آپ کی حالت اور نہی کے مجموعہ سے حاصل یہ ہوگا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے۔ اور یہ انتظامات بھی مکمل عصمتِ نبویہ کے ہیں" (بیان القرآن)

۱۶۰ اگرچہ خائن اور چور ایک تھا لیکن کیونکہ اس کا قبیلہ بنو ظفر اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا تھا اس لیے سارے قبیلہ کو خائن کہا گیا معلوم ہوا کہ خائن کی اعانت سے بھی آدمی کا شمار خائنوں میں ہو جاتا ہے۔ طعمہ کا انجام یہ ہوا کہ وُہ وہاں سے بھاگ کر مکہ آگیا۔ ایک رات وہاں بھی نقب لگا رہا تھا کہ دیوار گر پڑی اور وُہ اس کے نیچے دب کر ہلاک ہو گیا۔

۱۶۱ کس کے لیے استغفار کرنے کا حکم ہو رہا ہے؟ امام رازیؒ نے یہاں تین وجُوہات بیان فرمائی ہیں:۔

(۱) طعمہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کی نصرت کا جو (ہلکا سا) خیال خاطر مبارک میں گزرا تھا اس سے طلب مغفرت کا

رَّحِيْمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

رحیم ہے ۔ اور مت جھگڑیں آپ اُن کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے ۱۶۲؎ بیشک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿١٠٧﴾ ښ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ

نہیں دوست رکھتا اسے جو بڑا بد دیانت (اور) بدکار ہے ۔ وُہ چھپا سکتے ہیں (اپنے ارادے) لوگوں سے ۱۶۳؎ لیکن

لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى

نہیں چھپا سکتے اللہ تعالیٰ سے اور وُہ تو (اس وقت بھی) ان کے ۱۶۴؎ ساتھ ہوتا ہے جب راتوں کو مشورہ کرتے ہیں ایسی باتوں کا

حکم مل رہا ہے ۔ (۲) طعمہ کی قوم بنی ظفر کی شہادت کے باعث یہُودی کو مجُرم ٹھیرانے کا جو واہمہ سا ہُوا تھا اس کے متعلق استغفا کا حکم ہُوا ۔ امام فرماتے ہیں کہ اگر یہ دُو باتیں ہوں تو آپ کا یہ خیال حسنات الابرار سیئات المقربین کی قسم سے ہے کہ آپ کا مقام اتنا ارفع اور اتنا بلند ہے کہ ایسا واہمہ بھی اس کو زیبا نہیں اور تیسری وجہ امام رازیؒ نے یہ ذکر کی ہے استغفر لاولئك الذين يذبون عن طعمة ويريدون ان يظهروا براءته کہ آپ ان لوگوں کے لیے مغفرت طلب کیجیے جن سے طعمہ کی اعانت سرزد ہُوئی ہے آخر وُہ بھی مُسلمان ہیں اور آپ کے غُلام !

۱۶۲؎ صاحب کشاف لکھتے ہیں جعلت معصية العصاة خيانة منهم لانفسهم لان الضرر راجع اليهم یعنی کیونکہ ان کی خیانت کا وبال انھیں پر لوٹ کر پڑنے والا ہے ۔ اس لیے گویا وُہ کسی دُوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کر رہے بلکہ اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں ۔ مولینا مودُودی نے یہاں ایک نہایت لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے ۔ لکھتے ہیں جو شخص دُوسرے کے ساتھ خیانت کرتا ہے وُہ دراصل سب سے پہلے خود اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرتا ہے کیونکہ دل اور دماغ کی جو قوتیں اس کے پاس بطور امانت ہیں ان پر بیجا تصرّف کر کے وُہ انھیں مجبُور کرتا ہے کہ خیانت میں اس کا ساتھ دیں ۔ اور اپنے ضمیر کو جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے اخلاق کا محافظ بنایا تھا اس حد تک دبا دیتا ہے کہ وُہ اس خیانت کاری میں سدّراہ بننے کے قابل نہیں رہتا جب انسان اپنے اندر اس ظالمانہ دست بُرد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا لیتا ہے تب کہیں باہر اس سے خیانت ومعصیت کے افعال صادر ہوتے ہیں ۔ (تفہیم القرآن)

۱۶۳؎ اس میں بنو ظفر کو سرزنش کی جا رہی ہے ۔

۱۶۴؎ اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ذات وہاں موجُود ہوتی ہے کیونکہ کسی مکان میں پایا جانا جسم کی صفت ہے اور ذاتِ الٰہی اس سے منزّہ اور پاک ہے ۔ اہل سُنّت کے نزدیک معیّت کا معنی ہے ای بالعلم والرؤية والسمع یعنی اپنے علم سے وُہ اپنے بندے کے ساتھ ہے اُس کو اور اُس کی ہر حرکت کو دیکھتا ہے

مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

جو پسند نہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ وُہ کرتے ہیں اسے گھیرے ہُوئے ہے سُنتے ہو!

هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا قف فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ

تم وُہ لوگ ہو کہ جھگڑتے ہو ان کی طرف سے دُنیا کی زندگی میں ۱۶۵ پس کون جھگڑے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ

عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہوگا (اس روز) ان کا وکیل اور جو شخص کر بیٹھے

اوراس کی ہر بات کو سُنتا ہے۔ صاحب کشاف لکھتے ہیں "یہ آیت ان لوگوں کو اپنا ماتم کرنے کے لیے کافی ہے جو یہ ایمان رکھتے ہُوئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہیں اس کے درمیان اور ہمارے درمیان کوئی حجاب بھی نہیں اور وُہ ہمارے کسی عمل سے غافل بھی نہیں اور پھر وُہ اس سے نہیں شرماتے۔ اور نہ اس سے ڈرتے ہیں" اگر ہم کسی آدمی کی موجودگی میں کوئی بُری حرکت کرنے کی جرأت نہیں کرتے تو کیا یہ وقاحت و بے حیائی کی حد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم بے جھجک گناہ پر گناہ اور قصور پر قصور کرتے چلے جائیں۔

۱۶۵ قرابت یا دوستانہ تعلقات کی بنا پر لوگ مجرم کی اعانت کرنے سے باز نہیں آتے بلکہ بسا اوقات وُہ اسے اپنی ذاتی یا قبیلہ کی عزّت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔ ہر ممکن حیلہ سے اسے بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس طرح بنو ظفر کا طرزِ عمل آپ سُن چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اس دُنیا میں تو تم جھوٹی قسمیں کھا کر اور جھوٹی گواہیاں دے کر ان کو بے گناہ ثابت کر لوگے ذرا یہ تو بتاؤ کہ قیامت کے روز ان کی صفائی کس منہ سے پیش کروگے۔ اس مجرم دوست اور گنہ گار رشتہ دار کو خداوند ذوالجلال کی گرفت سے کیونکر بچاؤ گے۔ کس میں یہ دم خم ہے کہ اس کا وکیل بن کر بارگاہِ الٰہی میں پیش ہو اور اس کو رہا کرا سکے۔

اِن آیات میں اُمّتِ مُسلمہ کی تربیت کی جارہی ہے اور ان کو یہ سبق ذہن نشین کرایا جارہا ہے کہ وُہ گناہ اور گنہگار کے خلاف متحدہ محاذ قائم کریں تاکہ اِسلامی معاشرہ گناہوں کی آلائش و عفونت اور گنہگاروں کی فساد انگیزیوں سے پاک ہو جائے۔ جرم کسی سے سرزد ہو اس کو اس کی سزا بھگتنے دی جائے سچی بات تو یہ ہے کہ اگر لوگ مجرموں کی پشت پناہی کرنا ترک کر دیں اور قانون کی تنفیذ میں آڑے نہ آئیں تو جرائم کا اِستیصال کرنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا تمام مُسلمان جو یوم الحساب پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے تو کسی حالت میں جائز نہیں کہ وُہ گناہوں کے خلاف جہاد کرنے کے بجائے گنہگار کی اعانت کرنے لگیں اور اس طرح بُرائیوں کے فروغ کا باعث بنیں۔

سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾

بُرا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ۱۶۶

وَ مَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا

اور جو کمائے گناہ کو تو وہ کماتا ہے اُسے اپنے لیے ۱۶۷ اور اللہ تعالیٰ علیم (و)

حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَ مَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓــًٔا فَقَدِ

حکیم ہے اور جو شخص کمائے کوئی خطا ۱۶۸ یا گناہ پھر تہمت لگائے اس سے کسی بے گناہ کو تو اس نے

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾ ۧ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ وَ رَحْمَتُهٗ

اُٹھا لیا (بوجھ) بہتان کا اور کھلے گناہ کا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل آپ پر ۱۶۹ اور اس کی رحمت

۱۶۶ گناہ کا سرزد ہو جانا بعید از امکان نہیں۔ بسا اوقات انسان جذبات سے مغلوب ہو کر یا نادانی اور ناسمجھی سے غلطی کر بیٹھتا ہے اب اس کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش شروع کر دے۔ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنے غفور و رحیم خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے قصور کا اعتراف کرے۔ اس پر صدقِ دل سے ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے اور پختہ وعدہ کرے کہ آئندہ وہ ایسی ناشائستہ حرکت ہرگز نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دامنِ رحمت میں پناہ دے گا اور اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔

۱۶۷ بدکار مجرم درحقیقت اپنا ستیاناس کر رہا ہے دوسروں کو تو اذیت یا نقصان بعد میں پہنچے گا اس کی تباہی و بربادی کا سامان پہلے ہو جائے گا۔ جس شخص کو اپنا مفاد عزیز ہو اور جو اپنی سلامتی کا خواہاں ہو اسے تو گناہوں کے قریب بھی نہیں پھٹکنا چاہیے۔

۱۶۸ گناہ سرزد ہونے کے بعد چاہیے تو یہ کہ انسان اس پر نادم و شرمسار ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں مغفرت کا طالب ہو لیکن جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس پر نادم ہونے کے بجائے اپنی برأت ثابت کرنے کے لیے اس گناہ کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپتا ہے تو اس سے بڑھ کر کمینہ اور دوں فطرت کون ہو سکتا ہے ایسے شخص نے اپنے آپ کو دوہرے گناہ کا مجرم بنا دیا ہے ایک گناہ دوسرا بہتان۔ اسے سزا بھی اب دوہری ملے گی۔

۱۶۹ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پر اپنے فضل و کرم اور عنایاتِ پیہم کا ذکر فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب بندے! اس خاص واقعہ میں اگر ہمیشہ کی طرح اللہ کا فضل و احسان تیرے شاملِ حال نہ ہوتا تو انہوں نے تو ایک غلط فیصلہ آپ سے کرانے کا ارادہ

منزل ۱

لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

توتہیّہ کر لیا تھا ایک گروہ نے اُن سے کہ غلطی میں ڈال دیں آپ کو اور نہیں غلطی میں ڈال رہے مگر اپنے آپ کو

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

اور نہیں ضرر پہنچا سکتے آپ کو کچھ بھی اور اُتاری ہے اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نیز

کر ہی لیا تھا لیکن جب فضلِ خُداوندی تجھ پر سایہ فگن اُور عصمتِ ربّانی تیری دستگیر ہے تو وُہ تجھے کیسے غلط راہ پر ڈال سکتے ہیں ہاں اُنھوں نے ایسا خیال کرکے اپنا ہی کچھ بگاڑا ہے۔

نـ۱۷ـلے عنایاتِ ربّانی میں سے خاص خاص عنایات کا ذِکر فرما دیا کہ آپ کو کتاب وحکمت دی اور آپ کو جُملہ اُن اُمُور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا۔ آیت کے اِس حصّہ کی جو تفسیر اِمام المفسّرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اسی کے لکھنے پر اِکتفا کرتا ہُوں۔ فرماتے ہیں: ومن فضل اللّٰہ علیک یا محمّد مع سائر ما تفضل بہ علیک من نعمہ انہ انزل علیک الکتاب وھو القرآن الذی فیہ بیان کل شیئ وھدی وموعظۃ والحکمۃ یعنی وانزل علیک مع الکتاب الحکمۃ وھی ماکان فی الکتاب مجملا ذکرہ من حلالہ وحرامہ وامرہ ونھیہ واحکامہ ووعدہ ووعیدہ وعلمک مالم تکن تعلم من خبر الاولین والآخرین وما کان وما ھو کائن (تفسیر ابن جریر صـ۱۷۵ـ) یعنی اَے مصطفےٰ اللہ تعالےٰ نے اپنے بے پایاں احسانات سے آپ پر یہ بھی خاص احسان فرمایا کہ آپ کو قرآن جیسی کتاب سے نوازا جس میں ہر چیز کا بیان ہے نیز اس میں ہدایت کا نُور بھی ہے اور پند ونصیحت بھی ایسی جامع کتاب کے ساتھ حکمت یعنی قرآن کے حلال وحرام، اوامر ونواہی وغیرہ کے اجمال کی تفصیل بھی نازل کی۔ نیز آپ کو ان اُمُور کا علم عطا فرمایا جن کا پہلے آپ کو علم نہ تھا یعنی گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں کی خبروں کا علم جو کچھ ہو چکا (ما کان) اور جو کچھ ہونے والا (وما ھو کائن) ہے اس کا علم بھی عنایت فرمایا۔ امام ابن جریر کے یہ الفاظ کہ اللہ نے اپنے نبی کریم کو علم ما کان وما ھو کائن عطا فرمایا تھا۔ بعینہٖ یہی الفاظ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوزید عمرو بن اخطب سے روایت کیے ہیں۔ پوری حدیث بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے:-

حدثنی ابوزید قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظھر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فَاَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَاَعْلَمُنَا اَحْفَظُنَا۔

ترجمہ۔ ابُوزید (عمرو بن اخطب) فرماتے ہیں کہ حضُور نبی کریمؐ نے صُبح کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما ہُوئے اور ہمیں خُطبہ ارشاد فرماتے رہے یہاں تک کہ نمازِ ظُہر کا وقت ہو گیا۔ حضُورؐ منبر سے اُترے، نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف فرما

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

اور سکھا دیا آپ کو جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے ۱۷۱؎

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

نہیں کوئی بھلائی ان کی اکثر سرگوشیوں میں ۱۷۲؎ بجز ان لوگوں کے جو حکم دیں صدقہ دینے کا یا نیک کام کا

ہو کر خطبہ شروع کیا یہاں تک کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا حضورؐ نیچے تشریف لائے اور عصر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر جلوہ فرما ہو کر اپنا خطبہ جاری فرمایا اور یہ خطبہ غروب آفتاب تک جاری رہا۔ اس طویل خطبہ میں (جو صبح سے شام تک جاری رہا) حضورؐ نے ہمیں (ماکان) جو کچھ پہلے گزر چکا تھا کی بھی خبر دی اور (ماھو کائن) جو کچھ ہونے والا تھا اس کی بھی خبر دی ہم میں سے بڑا عالم وہ ہے جسے یہ خطبہ زیادہ یاد ہے۔ (مسلم صفحہ ۳۹۰ جلد ۲ مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

اس کے علاوہ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن سے حضور پرنور کے علم وسیع کا پتہ چلتا ہے۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے شاعرانہ مبالغہ سے کام نہیں لیا تھا بلکہ حقیقت کا اظہار فرمایا تھا جب انہوں نے اپنے مشہور قصیدہ میں بارگاہ رسالت میں عرض کی تھی

وان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

(اے نبی رحمتؐ! دنیا اور آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے۔ اور لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے بحر بیکراں کا ایک حصہ ہے)

اللہ تعالیٰ کا علم، ماکان وما یکون کے علم میں منحصر نہیں تاکہ مساوات کا شبہ ہو۔ بلکہ اس علم کو تو علم الٰہی سے اتنی نسبت بھی نہیں جو قطرے کو سمندر سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حبیب معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن بے پایاں علوم سے نوازا اور اسرار و معارف کے جن خزانوں سے آپ کے سینہ کو لبریز فرمایا ان کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آپ کو ملے گا۔ جن کے پڑھنے اور سمجھنے سے آپ کے دل کو اطمینان نصیب ہوگا۔ خصوصاً سورہ النمل کی آیت ۶۵ ضیاء القرآن جلد سوم اور سورہ الم نشرح کی پہلی آیت ضیاء القرآن جلد پنجم کا مطالعہ فرمائیے۔

۱۷۱؎ کتنا پیارا جملہ ہے۔ جس ذات اقدس واطہر پر اللہ کا فضل ہو اور فضل بھی تھوڑا سا نہیں محدود سا نہیں بلکہ فضل عظیم ہو تو اس کے علوم و معارف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

۱۷۲؎ علامہ قرطبی لفظ نجویٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ لفظ نجوت الشيئ انجوه سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو خالص اور منفرد کر لینا۔ اسی مناسبت سے دو آدمی جو دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر باتیں کرتے ہیں اس کو نجویٰ کہتے ہیں۔ یہ مصدر ہے اور سرگوشی کرنے والی جماعت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (واذ هم نجوىٰ)

أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

یا صلح کرانے کا لوگوں میں اور جو شخص کرے یہ کام ۱۷۳ اللہ تعالیٰ کی رضامندیاں

اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن

حاصل کرنے کے لیے تو ہم عطا فرمائیں گے اسے اجرِ عظیم اور جو شخص مخالفت کرے ۱۷۴ (اللہ کے) رسول کی اس کے

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ

بعد کہ روشن ہو گئی اس کے لیے ہدایت کی راہ اور چلے اس راہ پر جو الگ ہے مسلمانوں کی راہ سے تو ہم پھیرنے دیں گے

مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ ع ۱۷

اسے جدھر وہ خود پھرا ہے ۱۷۵ اور ڈال دیں گے اسے جہنم میں اور یہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرمِ عظیم) کو

اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے جو اکثر خفیہ اجلاس ہوتے رہتے ہیں اور ان میں بڑی رازدارانہ باتیں ہوتی ہیں یہ سب تضیعِ اوقات ہے۔ باہمی گفتگو تو وہ اچھی ہے جس میں ان معاملات پر غور کیا جائے کہ کسی ضرورت مند کی کیسے حاجت روائی کی جائے۔ اصلاحی منصوبوں اور نیکی کے کاموں کو کیسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ لوگوں میں فتنہ و فساد کی جو آگ بھڑک رہی ہے اُسے کیسے فرو کیا جائے معروف کا لفظ ہر نیکی کو شامل ہے۔ دو ناراض آدمیوں میں صلح کرانا اگرچہ معروف کے ضمن میں بھی آ گیا تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو مستقلاً علیحدہ ذکر فرمایا۔

۱۷۳ یعنی اس ساری تگ و دو کے پیشِ نظر دُنیاوی عزّت و جاہ اور جو دھراہٹ کا حصُول نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو۔ تو اسے اجرِ عظیم کی بشارت ہے۔

۱۷۴ المشاقۃ: المعاداۃ (قرطبی) مشاقت کا معنی عداوت و مخالفت ہے۔ یہ دو آیتیں بھی سابقہ چور طعمہ بن اُبیرق کے متعلق ہی نازل ہوئیں لیکن ان کا مفہوم عام ہے۔ طعمہ کا انجام آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔

۱۷۵ علامہ بیضاوی اس جملہ کا معنی لکھتے ہیں۔ نجعله والیا لما تولی من الضلال ونخلی بینه وبین ما اختاره۔ جس کفر و گمراہی کی طرف وہ وابستہ ہو گیا ہے ہم اس میں حائل نہ ہوں گے اور اسے اُدھر ہی پھرنے دیں گے یہی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے۔ اس بدنصیب کا کیا حال ہو گا رحمت و توفیقِ الٰہی نے جس کی دستگیری چھوڑ دی ہو۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور اجماعِ اُمّت کی مخالفت سے انسان توفیقِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے اور شیطان کے ہاتھ میں محض ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے اور وہ جیسے چاہتا ہے اُسے تگنی کا ناچ نچاتا ہے۔

اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

کہ ۱۷۶ شریک ٹھیرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرم ہوں جس کے لیے چاہتا ہے اور جو شریک ٹھیراتا ہے کسی کو

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ

اللہ کے ساتھ تو وہ گمراہ ہوا اور گمراہی میں دُور نکل گیا نہیں عبادت کرتے یہ مشرک اللہ کے سوا

اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ

مگر دیویوں کی ۱۷۷ اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی ۱۷۸ لعنت کی ہے اس پر اللہ نے اور اس نے کہا تھا

۱۷۶ اس کے لیے آیت نمبر ۴۸ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۷۷ پہلے شرک کے متعلق مکرّر تصریح کی کہ یہ جرم قابل عفو نہیں۔ اب مشرکین کی حماقت اور سفاہت کا بیان ہو رہا ہے کہ وُہ اگر خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں تو کس کو؟ ان لکڑی اور پتھر کے بنے ہُوئے بُتوں کو۔ ان کے معبُودوں کو اناث (عورتیں) کہا گیا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کے بیشتر معبُودوں کے نام عورتوں کے سے تھے جیسے لات، منات، عزیٰ وغیرہ۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ جس بُت کی پرستش کیا کرتا تھا اسے انثٰی بنی فلاں کہا جاتا تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کیونکہ وُہ بے جان مُورتیاں تھیں اس لیے انھیں اناث سے تعبیر کیا گیا۔ کیونکہ مؤنّث بھی انفعال پذیر ہوا کرتی ہے یعنی دُوسرے کا اثر قبول کرتی ہے اور کسی میں اثر نہیں کرتی اسی طرح یہ لکڑی پتھر وغیرہ بھی مؤنّث کی طرح صرف منفعل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں فاعل نہیں ہوتے اس لیے انھیں اناث کہا گیا۔ (بیضاوی) لفظ یدعون کا معنی ابن جریر، زمخشری، بیضاوی، قرطبی وغیرہم نے یعبدون (عبادت کرتے ہیں) کیا ہے اور مولٰنا تھانوی نے اس آیت کا ترجمہ یُوں کیا ہے "یہ لوگ خدا تعالےٰ کو چھوڑ کر صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں" (بیان القرآن) تفہیم القرآن میں اس کا ترجمہ یُوں درج ہے "وُہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو معبُود بناتے ہیں وہ اس باغی شیطان کو معبُود بناتے ہیں"

۱۷۸ المرید العاتی المتمرّد یعنی نافرمان اور سرکش کو مرید کہتے ہیں مشرکین شیطان کی بلاواسطہ تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن جب اُنھوں نے شیطان کے بہلانے پھسلانے سے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت چھوڑ کر ان دیویوں کی عبادت شروع کر دی تو گویا اُنھوں نے اپنے نفسوں کی باگ ڈور شیطان کے ہاتھ میں دے دی اور اس کی اطاعت کاملہ پر راضی ہو گئے تھے اس لیے گویا وُہ دُوسرے معنوں میں شیطان ہی کی پُوجا کیا کرتے تھے۔ دیکھیے اوّل تو اللہ تعالےٰ کے سوا کسی کو معبُود بنانا، اس سے بڑھ کر ضلالت کیا ہو سکتی ہے پھر بنایا تو کن کو؟ پتھروں کو جن میں کسی قسم کی حس و حرکت بھی نہیں اور عورتوں کے نام سے موسُوم ہیں۔ اور کس کے بتلانے سے؟ شیطان مردُود و ملعُون خداوندی کے بہکانے سے۔ کیا اس ضلالت

لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَ

کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے (اپنا) حصہ مقرر ۱۷۹؎ اور میں ضرور انھیں گمراہ کروں گا اور

لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ

میں ضرور انھیں ۱۸۰؎ جھوٹی اُمیدوں میں رکھوں گا اور میں ضرور حکم دوں گا انھیں ۱۸۱؎ پس وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں

فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ

انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور بدل ڈالیں گے اللہ کی مخلوق کو ۱۸۲؎ اور جو شخص بنا لے شیطان کو (اپنا) دوست اللہ کو چھوڑ کر

اور جہالت کی نظیر مل سکتی ہے (حاشیہ محمود الحسن صاحب)

۱۷۹؎ جب آدم کو سجدہ نہ کرنے کے باعث شیطان راندۂ درگاہِ رحمت ہو گیا تو اُس نے اُسی وقت دل میں اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی اور صاف صاف اس کا اظہار بھی کر دیا جس کا بیان اس آیت میں موجود ہے۔

۱۸۰؎ امنیۃ۔ جھوٹی اُمید کو کہا جاتا ہے شیطان متاعِ ایمان کو لوٹنے کے لیے انسان کے سامنے کس طرح اُمیدوں کے محلات تعمیر کرتا ہے کس طرح وہ خواہشات کی حسین و جمیل دُنیا آنکھوں کے سامنے لا کھڑی کرتا ہے۔ کس طرح جاہ و منصب کے زرتار جال بُن کر طائرِ عقل کو پھنساتا ہے یہ بات کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ اور اس کی مہارت کی داد دیجئے کہ وہ امیدوں اور توقعات کے سُنہرے جال ایک ہی شکل کے تیار نہیں کرتا بلکہ جس اُمید سے وہ کسی کو زیادہ فریب دے سکتا ہے اس کے لیے اسی قسم کا جال بُنتا ہے۔ وادعو کلا منهم الى مايميل طبعه اليه فاصده بذالك عن الطاعة (روح) یعنی میں ہر شخص کو اس کی دعوت دوں گا جس کی طرف اس کی طبیعت مائل ہوتی ہے اس طرح میں اُسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے روک دوں گا۔

۱۸۱؎ کفارِ عرب اس اُونٹنی کو جو پانچ بچے جنتی اور پانچواں نر ہوتا اُس کے کان چھید کر بُتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیتے۔

۱۸۲؎ تغییرِ خلق سے مُراد کسی جانور کے کان کاٹ دینا، کسی مرد کو خصی کر دینا، عورتوں کا بال کٹا کر اپنی انوثیت کو بگاڑ کر مردوں کی مشابہت اختیار کرنا، مردوں کا داڑھی منڈانا وغیرہ اعمال ہیں بعض علمائے کرام نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جس مقصد کے لیے کسی چیز کی تخلیق اس کے خالق نے فرمائی ہے اس کے خلاف اس کو استعمال کرنا مثلاً سورج، دریا اور پتھر وغیرہ جو انسان کی خدمت گذاری کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کو اپنا معبود بنا لینا بھی تغییرِ خلق میں داخل ہے صاحب کشاف نے اس کی تشریح کی "فطرة الله التى هى دين الاسلام" یعنی تغییرِ خلق سے مراد دینِ اسلام جو دینِ فطرت

اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا

تو نقصان اٹھایا اس نے کھلا نقصان شیطان (جھوٹے) وعدے ۱۸۳ے کرتا ہے اُن سے اور غلط اُمیدیں

يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا

دلاتا ہے انھیں اور نہیں وعدہ کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ۱۸۴ے اور نہ

يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پائیں گے اس سے بچ نکلنے کی جگہ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے

سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

داخل کریں گے ہم انھیں ان باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے ندیاں ہمیشہ ہمیشہ اس میں

اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ

رہیں گے (یہ) اللہ کا سچا وعدہ ہے ۱۸۵ے اور کون زیادہ سچا ہے اللہ تعالیٰ سے بات کرنے میں (نجات کا انحصار) نہ

ہے اس میں ردّوبدل اور کانٹ چھانٹ کرنا اور اس کا حلیہ کچھ سے کچھ کر دینا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآن حکیم کا یہ لفظ ان تمام معانی پر مشتمل ہے۔ ہر ایک نے اپنی فکر کے مطابق اس سے استفادہ کیا ہے۔

۱۸۳ے یعنی شیطان کا تو کام ہی صرف وعدے کرنا اور اُمیدوں کے سبز باغ دکھانا ہے۔ اس کے بازار کی ساری رونقیں اور اس کی جنس عصیاں کی بڑھتی ہوئی مانگ کا سارا دارومدار انھیں کبھی نہ پورے ہونے والے وعدوں اور کبھی نہ بر آنے والی اُمیدوں پر ہے۔ ان آیات کے نزول کا مقصد بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کی جو صلاحیتیں تم میں موجود ہیں ان کو خواب غفلت سے جھنجھوڑا جائے اور تمہیں غیرت دلائی جائے کہ یہ شیطان آنکھیں بند کیے جس کی ہر بات مانتے چلے جا رہے ہو یہ وہی تو ہے جو تمہارا روزِ ازل کا دشمن ہے اور اس نے تمہیں اسی دن اپنا نخچیر زبوں بنانے کا اعلان کیا تھا۔ وہ تمہاری متاع عقل و دیں لوٹتا چلا جا رہا ہے اور تم ہو کہ اپنے رب کریم کی طرف سے منہ موڑ کر اپنے اس کھلے دشمن کے پیچھے سرپٹ دوڑتے چلے جا رہے ہو اور یہ دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ وہ خلد بریں سے نکال کر تمھیں سراب وہم و گمان کی طرف لیے جا رہا ہے۔ اگر انسان کا ذوقِ سلیم بے حس نہ ہو چکا ہو تو خیر و تقویٰ کے جذبات کو سرگرم عمل کرنے کا یہ کتنا مؤثر اسلوب ہے۔

۱۸۴ے جو ایسی دل ہلا دینے والی تنبیہات کے باوجود بھی شیطان کے چنگل سے رہائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے ان کا انجام ملاحظہ ہو۔

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَ

تمہاری جھوٹی اُمیدوں پر ہے اور نہ ۱۸۶ اہل کتاب کی جھوٹی اُمیدوں پر (بلکہ) جو عمل کرے گا بُرے اُسے سزا ملے گی اس کی اور

لَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ

نہ پائے گا اپنے لیے اللہ کے بغیر کوئی دوست اور نہ مددگار اور جس نے عمل کیے

مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ

اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وُہ مومن ہو ۱۸۷ سو وُہی لوگ داخل ہوں گے

۱۸۵ے شیطان کے سارے وعدے تو جھُوٹے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا ہے وُہ یقیناً اُسے پُورا فرمائے گا۔

۱۸۶ے یعنی اللہ کی جانب سے جس اجرِ عظیم اور جنت الخلد کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے تم اس طرح مستحق نہیں بن سکتے کہ کرو کچھ نہیں اور سمجھو یہ کہ سب کچھ ہمارے لیے وقف ہے۔ ایسا نہیں بلکہ یہ تو اس کو ملے گا جو سچا مومن بھی ہو اور اس کے اعمال بھی اچھے ہوں۔ کیا صاف صاف بتا دیا تاکہ کوئی کسی دھوکہ میں مبتلا ہو کر ان فرصت کے لمحات کو ضائع ہی نہ کردے۔ اب بھی اگر کوئی عمل صالح کی اہمیت کا اعتراف نہیں کرتا تو اسے خود فریب نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ مسلمانوں کے ساتھ اہلِ کتاب کے ذکر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کے سامنے ایک ایسی قوم کی زندہ مثال پیش کی جارہی ہے جو صرف توقعات اور امیدوں کی آغوش کی پروردہ تھی۔ یہی ڈینگیں مارتے رہے کہ نحن ابناؤ اللّٰه و احباءہ اور ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی اور ہم افضل ترین امم ہیں اور زندگی کے وہ سنہری لمحات ضائع کر دیئے یعنی حضور رحمۃ للعالمین کے حلقۂ غلامی کے شرف سے محروم رہ گئے۔ آفتاب ہدایت طلوع ہوا زمین کے دُور افتادہ تاریک ترین گوشے بھی جگمگا اُٹھے لیکن ان بیہوشوں کو ہوش نہ آیا اپنی برتری کے نشہ میں آنکھیں بند ہی رہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزت و عظمت کے تخت سے نیچے پھینک دیئے گئے۔ غلامانِ مصطفےٰ علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کو بھی بتایا جارہا ہے کہ تم ان کے نقشِ قدم پر نہ چلنا تمہارا بھی کہیں یہی حسرت ناک انجام نہ ہو۔ کاش اپنے آپ کو عاشقانِ رسُول کہلانے والے اس آیت کو بار بار پڑھیں۔ دعویٰ عشق و محبت اور محبوب کی اطاعت میں سُستی اور کاہلی! ذرا غور کرو کتنی بے جوڑسی بات ہے۔

۱۸۷ے یہاں اس بات کو واضح کر دیا کہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان کا ہونا شرطِ اوّلین ہے۔ آپ خود دیکھئے ایک آدمی ایک قطعۂ زمین کو ہموار کرتا ہے۔ اس سے جڑی بُوٹی اُکھاڑ کر باہر پھینکتا ہے۔ پھر اس کی آبپاشی کرتا ہے اور رات دن اس کی نگرانی میں مصروف رہتا ہے لیکن اس میں بیج نہیں ڈالتا۔ تو کیا اس کی طویل محنت و مشقت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوگا جب بیج ہی نہیں تو ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ اسی طرح اگر ایمان کا تخم نہیں تو دُنیا جہان کی ساری نیکیاں بے ثمر ہوں گی۔ اور

الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ

جنت میں اور نہ ظلم کیے جائیں گے تِل بھر اور کون بہتر ہے دینی لحاظ سے اس شخص سے جس نے جھکا دیا ہو

وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ

اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور وہ ۱۸۸ احسان کرنے والا ہو اور پیروی کی ملّتِ ابراہیمؑ کی اس حال میں کہ وہ ہر باطل سے منہ موڑنے والے تھے اور بنا لیا ہے

اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو خلیل ۱۸۹ اور اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

ع ۱۸ ۱۵

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاۗءِ ۭ قُلِ

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو گھیرے میں لینے والا ہے اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں آپ فرمائیے

اگر ذرا دقّتِ نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ عمل صالح ہو ہی نہیں سکتا جب تک عامل میں صفتِ ایمان موجود نہ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر ہر عمل کے پیچھے کوئی پست جذبہ کارفرما ہوگا مثلاً دنیاوی منفعت، شہرت، ذکرِ دوام وغیرہ وغیرہ۔ تو جس عمل کا محرک ایسی پست چیز ہو وہ عمل صالح نہیں کہلا سکتا۔ صرف ایمان ہی وہ قوت ہے جو ہر عمل کا رخ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف موڑ دیتی ہے۔ اسی نسبت کی برکت سے انسان کا ہر عمل عمل صالح بن جاتا ہے۔ اس پر جو نتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے عامل کی زندگی کو بھی چار چاند لگ جاتے ہیں اور اس کی قوم اور ملک کو بھی عزّت و ناموری حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۸ جو سراپا اطاعت ہی اطاعت ہو۔ اور محسن کا مطلب یہ ہے آتٍ بالحسنات تارك للسيئات یعنی اس سے نیکی ہی نیکی صادر ہو برائی کا اس سے ظہور نہ ہو۔ حنیف ہر طرف سے منہ موڑ کر جو اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے والا ہو۔ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

۱۸۹ لفظ خلیل کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب المنار لکھتے ہیں۔ يطلق الخليل بمعنى الحبيب او المحب لمن يحبه اذا كانت هذه المحبة خالصة من كل شائبة بحيث لم تدع في قلب صاحبها موضعا لحب آخر وهو من الخلة اي المحبة والمودة التي تتخلل النفس وتمازجها كما قال الشاعر:

قد تخللت مسلك الروح مني … وبه سمي الخليل خليلا

یعنی خلیل کا لفظ اس حبیب اور محبّ پر بولا جاتا ہے جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبّت یوں بس جائے کہ کسی غیر کی محبّت کی گنجائش تک نہ رہے۔ خلّۃ اس محبّت کو کہتے ہیں جو نفس میں رچ جائے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔ اے محبوب!

اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى

اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمھیں ان کے بارے میں ۱۹۰ اور وہ آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں تم پر اس کتاب (قرآن) میں (ان میں احکام ہیں) ان یتیم

النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ

بچیوں کے متعلق جنھیں تم نہیں دیتے ہو جو (حق) مقرر کیا گیا ہے ان کے لیے اور خواہش کرتے ہو ۱۹۱ کہ خود

تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا

نکاح کر لو ان کے ساتھ (ان کا مال ہڑپ کرنے کے لیے) اور (قرآن میں احکام ہیں) کمزور بچوں کے متعلق اور (وہ یہ) کہ قائم رہو

جہاں جہاں میری رُوح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔ صاحب رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ محبت کا جو مقام محبوبِ ربّ العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل کا طائرِ آرزو بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔ وان من مراتب المحبة مالم تبلغه امنية الخليل عليه السلام وهي المرتبة الثابتة له صلى الله تعالى عليه وآله وسلم (رُوح المعانی)

۱۹۰ عرب عورتوں اور یتیم بچوں کے ساتھ جو سلوک کرتے تھے یعنی نہ میراث میں حصّہ، نہ اپنی شادی کے معاملہ میں کچھ اختیار اور شادی کرنے کے بعد ان کے حقوق سے سراسر تجاہل وغیرہ اور اسلام نے اس صُورتِ حال میں جو اصلاحات کیں ان کا ذکر اس سُورۃ کی ابتدا میں بھی ہو چکا ہے۔ انھی کے متعلق لوگ طرح طرح کے سوالات کرتے۔ اب مزید انھیں تاکید کی جا رہی ہے کہ جو تمھیں اللہ کی طرف سے حکم ملا ہے اس کی بلا چون وچرا تعمیل کرو۔ اور ان کے جو حقوق مقرر کیے گئے ہیں ان کی ادائیگی میں سُستی نہ کرو۔

۱۹۱ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ زمانہ جہالت میں اگر کوئی بچی یتیم رہ جاتی تو اگر وہ صاحبِ حُسن و مال ہوتی تو اس کا ولی اس کے ساتھ خود نکاح کر لیتا لیکن اس کے حقوق کی ادائیگی کا خیال تک نہ کیا جاتا۔ اور اگر وہ صاحبِ مال تو ہوتی لیکن قبول صُورت نہ ہوتی تو پھر سرے سے اس کی کسی سے شادی ہی نہ کی جاتی تاکہ اس کے حقُوق کا مطالبہ کرنے والا ہی کوئی نہ ہو اور وہ خود ہی اس کے مال کو ہضم کر جائے۔ اور اگر وہ نہ خوبصُورت ہوتی اور نہ مالدار تو پھر اس کو اپنی مرضی سے کسی کے پلّے باندھ دیا جاتا اور اس کا مہر وغیرہ ولی خود وصُول کر لیتا۔ ان تمام چیزوں کی ممانعت کر دی گئی۔ ترغبون کا کوئی صلہ عن یا الی ذکر نہ کرنے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ عبارت تمام صورتوں پر حاوی رہے اور حسبِ حال صلہ مقدّر مان لیا جائے۔ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ یتیم بچیوں کے جن حقُوق کا پہلے ذکر ہو چکا ہے وہ ہر وقت اور ہر حالت میں مدِّنظر رہیں۔

لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ

یتیموں کے معاملہ میں انصاف پر ۱۹۲ اور جو کرو گے بھلائی (کے کاموں) سے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو خوب

عَلِيْمًا ۝۱۲۷ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا

جاننے والا ہے ۱۹۳ اور اگر کوئی عورت خوف کرے ۱۹۴ اپنے خاوند سے (اس کی) زیادتی یا روگردانی کی وجہ سے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ

تو نہیں کوئی حرج ان دونوں پر کہ صلح کر لیں آپس میں اور صلح ہی (دونوں کے لیے) بہتر ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ

اور موجود رکھا گیا ہے نفسوں میں بخل ۱۹۵ اور اگر تم احسان کرو اور متقی بنو ۱۹۶ تو بے شک اللہ تعالیٰ

۱۹۲ یتیم بچیوں کی طرح یتیم بچوں کے ساتھ بھی بے انصافی نہ کرو۔ ان کو ضعیف و کمزور سمجھ کر ان کے اموال غصب نہ کر لو اور ان کے حقوق تلف مت کرو۔ وہ بے چارے تو تمہارے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کرنے سے بھی قاصر ہیں لیکن ان کا خدا تو قادر و توانا ہے اس کی گرفت اور عذاب سے تمہیں کون بچائے گا۔

۱۹۳ آخر میں فرما دیا کہ اگر تم یتیم بچوں اور بچیوں کے ساتھ حسن سلوک کرو گے۔ اُن کے اموال اور حقوق کی حفاظت کرو گے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرو گے تو وہ اگرچہ تمہیں ان احسانات کا بدلہ دینے سے قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔ وہ تمہارے جملہ احسانات کو خوب جانتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ تمہیں ان نیک خدمات کا اپنے شایان شان صلہ نہ دے۔

۱۹۴ بعض اوقات بیوی دائم المریض یا بانجھ ہوتی ہے، اس کی شکل و صورت غیر پسندیدہ یا اس کا مزاج تند و تیز ہوتا ہے یا کبر سنی کی وجہ سے مرغوب خاطر نہیں رہتی اور مرد چاہتا ہے کہ اسے طلاق دے دے اور کسی دوسری عورت سے شادی کر لے یا کسی کی دو بیویاں ہیں ان میں سے ایک مذکورہ بالا وجوہات کے باعث اب اس کے لیے وبال جان بن گئی ہے اور وہ اسے طلاق دینے کا ارادہ کر رہا ہے تو ایسے موقعوں کے لیے عورت کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کو اس کی جدائی پر ترجیح دیتی ہے تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنا مہر معاف یا کم کر کے، اپنے حقوق زوجیت سے دوسری بیوی کے حق میں دست بردار ہو کر یا اپنے نفقہ کے بار کو ہلکا کر کے خاوند کے ساتھ مصالحت کر لے تاکہ وہ اسے طلاق نہ دے قرآن فرماتا ہے کہ جدائی اور افتراق سے بہر حال صلح ہی بہتر ہے۔

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ

جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ پورا پورا انصاف کرو اپنی بیویوں

النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا

کے درمیان اگرچہ تم اس کے بڑے خواہشمند بھی ہو [۱۹۶] تو یہ نہ کرو کہ جھک جاؤ (ایک بیوی کی طرف) بالکل اور چھوڑ دو دوسری کو جیسے

كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾

وہ (درمیان میں) لٹک رہی ہو۔ اور اگر تم درست کرلو (اپنا رویہ) اور پرہیزگار بن جاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا

اور اگر دونوں (میاں بیوی) جدا ہو جائیں تو غنی کر دے گا اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی وسیع بخشش سے۔ اور اللہ تعالیٰ وسیع بخشش والا

حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

حکمت والا ہے [۱۹۸] اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک ہم نے حکم دیا

۱۹۵؎ یعنی ہر شخص مرد ہو یا عورت اپنے فائدے سے دست بردار ہونے میں بہت بخیل ہے وہ اس کو بخوشی گوارا کرنے کے لیے بہت کم ہی آمادہ ہوا کرتا ہے۔

۱۹۶؎ مردوں کو ہی ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ احسان اور عالی ظرفی سے کام لیں اور اپنی نامرغوب بیوی کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک کریں اور اس کے حقوق کی پاسداری میں اللہ سے ڈرتے رہیں

۱۹۷؎ یعنی جب بیویاں ایک سے زائد ہوں تو وہ ہر حیثیت سے آپس میں مساوی نہیں ہوا کرتیں شکل و صورت صحت و بیماری خوش خلقی و بدخلقی کئی قسم کا باہمی تفاوت پایا جاتا ہے۔ جن کی وجہ سے دلی محبت و انس یکساں نہیں ہوتا اس فطری چیز کا اعتراف کرتے ہوئے جو انسان کے بس سے باہر ہے اسے حکم دیا کہ ایسا نہ کرے کہ ایک بیوی میں ہی کھو کر رہ جائے اور دوسری کے تمام حقوق نظر انداز کر دے اور اُسے معلق بنا کر رکھ دے بلکہ اس کی باری کے دن اور نفقہ وغیرہ میں مساوات ملحوظ رکھے کیونکہ اگر دل کا میلان تمہارے اختیار میں نہیں تو یہ امور تو تمہارے اختیار میں ہیں۔

۱۹۸؎ اگر صلح کی ہر تدبیر ناکام ثابت ہو اور طلاق ناگزیر ہو جائے تو پھر زیادہ غمگین ہونے کی کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے۔ وہ ایسی صورت پیدا کر دے گا جس میں دونوں کی طمانیت اور خوشحالی کا سامان مہیا ہو جائے گا۔ خاوند کو ایسی بیوی

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ

ان لوگوں کو جنھیں دی گئی کتاب ۱۹۹؎ تم سے پہلے اور حکم دیا تمھیں بھی کہ ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور اگر

تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

کفر کرو ۲۰۰؎ تو بے شک اللہ کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور

غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۱۳۱ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى

ہر تعریف کا مستحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے

دے دے گا جو اس کے لیے قرۃ العین ہوگی اور اس مطلّقہ عورت کو ایسا خاوند عطا فرمائے گا جو اس سے محبت کرے گا اور اس کے آرام کا خیال رکھے گا۔

۱۹۹؎ جو کتابیں مختلف زمانوں میں انبیاء و رُسل پر نازل ہوئیں اور یہ کتاب جو تمھاری ہدایت کے لیے اُتاری گئی ہے، ان سب میں تمام اُمتوں کو تقویٰ کا ہی حکم دیا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں شک ہی نہیں رہتا کہ دینِ الٰہی کا دارومدار ہی تقویٰ پر ہے۔ دل میں خوفِ خدا پیدا ہوگیا تو انسان کا ظاہر و باطن سنور گیا اور اگر دل خوفِ خدا سے ہی آشنا نہیں تو پھر زبان سے پارسائی کے ہزاروں دعوے کیے جائیں نفس اصلاح پذیر نہیں ہوسکتا ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل ۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

وقال بعض العارفين هذه الاٰية رحى اٰى القراٰن لان جميعه يدور عليها (قرطبی) یعنی کاملینِ اُمت نے اس آیت کو سارے قرآن کا محور قرار دیا ہے۔

۲۰۰؎ اہلِ عرب مدت ہائے دراز سے جن رسم و رواج کے پابند چلے آتے تھے ان سے کنارہ کش ہوجانا اور بالکل نئے قواعد و ضوابط کا پابند ہوجانا کوئی آسان کام نہ تھا اس لیے اللہ تعالیٰ بار بار اپنے مالک الملک ہونے، زمین و آسمان کی ہر چیز پر قدرتِ کاملہ رکھنے اور کسی کا محتاج نہ ہونے کا ذکر فرما کر انھیں تنبیہ فرما رہے ہیں کہ ان قواعد و ضوابط کی پابندی میں تمھارا ہی دُنیا و دین کا فائدہ ہے اگر تم ان سے سرتابی کرکے اپنی جاہلانہ رسوم کی پابندی کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ پادری صاحبان بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ اسلام نے انسان کی اصلاح کے لیے دوزخ کی آگ اور عذاب کا سہارا لیا ہے جب کہ عیسائیت کا انحصار محض محبتِ الٰہی پر ہے۔ افسوس! بائبل ان کے اس دعویٰ کی تصدیق نہیں کرتی۔ ملاحظہ ہو "جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور روح کو قتل نہیں کرسکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ اسی سے ڈرو جو رُوح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کرسکتا ہے۔ (متی ۱۰ : ۲۸) اس سے ڈرو جس کو اختیار ہے کہ قتل کرنے کے بعد جہنم میں ڈالے۔ ہاں میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی سے ڈرو۔ (لوقا ۱۲ : ۵)

بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ

اللہ تعالیٰ کارساز اگر چاہے تو لے جائے تمھیں ۲۰۱؎ اے لوگو اور لے آئے دُوسروں کو

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پُوری قدرت رکھتا ہے جو شخص ارادہ کرتا ہو صرف ثوابِ دُنیا کا (تو یہ اس کی اپنی کم نظری ہے ۲۰۲؎)

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ع ۸ ۱۶

اللہ کے پاس تو دُنیا و آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بات سُننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ

اے ایمان والو! ۲۰۳؎ ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے محض اللہ کے لیے

۲۰۱؎ یہ خیال تم اپنے دل سے نکال دو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو اگر تم نے چھوڑ دیا تو یہ ختم ہو جائے گا یا بزمِ ہستی کی ساری رونقیں تمھارے دم قدم سے ہیں۔ اگر تم نہ رہے تو یہ بزم بے رونق ہو جائے گی نہیں۔ اگر تم نے اس زرّیں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اور اللہ کے دین کی رسّی کو مضبوطی سے نہ پکڑا اور اس کے رسُول کے دامن کو نہ تھاما تو وہ تمھیں اس مقامِ شرف سے ہٹا کر کسی دُوسری قوم کو اپنی نوازشات کے لیے منتخب کر لے گا۔ کیا تمھیں خبر نہیں کہ تم سے پہلے بھی کئی اُمتوں نے سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ دیا گیا ان کے مٹ جانے سے اللہ کی بادشاہی میں کیا کوئی زوال آیا؟ اسی طرح اگر تم بھی نظرِ رحمت سے گرا دیئے گئے تو کوئی اور آگے بڑھ کر اس تاجِ کرامت کو اپنے سر پر رکھ لے گا۔

۲۰۲؎ انسان کی اپنی کوتاہ نظری اور کم ہمّتی ہے کہ وُہ بارگاہِ ربّ العٰلمین سے صرف دولت، شہرت، عزّت، وجاہت کا ہی سوال کر کے رہ جاتے۔ ورنہ اس کریم، رحیم اور وہاب کی جناب سے تو جو مانگا جائے وُہ ملتا ہے۔ انسان فقط فنا ہونے والی نعمتوں کے سوال پر کیوں اکتفا کرے کیوں نہ اس کی محبت کا جامِ رنگیں مانگے اور اس کی رضا کے لیے دامنِ طلب پھیلائے جب دینے والا بخیل نہیں تو مانگنے والا مانگنے میں کیوں بخل کرے ؎

تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی تھا

۲۰۳؎ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد کثرتِ عددی نہیں بلکہ اس سے ثبات اور استحکام فی الشہادۃ کی تاکید مقصود ہے یعنی جب شہادت دو تو خوب مستحکم ہو کر۔ پہلے زوجین، یتیم بچّوں بچیوں کے حقوق کا ذکر چلا آیا ہے اس میں کبھی عدالت تک جانے کی نوبت آجاتی ہے۔ وہاں فیصلہ گواہوں کی گواہی سے کیا جاتا ہے۔ اگر گواہ سچّی گواہی نہ دے تو حق دار کی

وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا

چاہے گواہی دینا پڑے تمھیں اپنے نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف ۔ جس کے خلاف گواہی دی جا رہی ہے

اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ

وُہ دولت مند ہو یا فقیر پس اللہ زیادہ خیرخواہ ہے دونوں کا ۔ تو نہ پیروی کرو خواہش نفس کی انصاف کرنے میں

وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اور اگر تم ہیر پھیر کرو ۲۰۴ یا منہ موڑو تو بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ

اَے ایمان والو! ۲۰۵ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسُولؐ پر اور اس کتاب پر جو

حق تلفی ہو جاتی ہے اور ظلم جس کے انسداد کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا ہے اس کو اُلٹا قانون کا سہارا مل جاتا ہے اس لیے گواہوں کو سچی سچی گواہی دینے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان تمام اُمور کو جو سچی گواہی دینے سے انسان کو روکتے ہیں مثلاً اپنا ذاتی فائدہ، ماں باپ کا پاس، قریبی رشتہ داروں کی رعایت وغیرہ کو ذکر کر کے ان کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید کی جا رہی ہے مندرجہ بالا موانع کے علاوہ کبھی یہ خیال انسان کو حق کے اظہار سے روک دیتا ہے کہ جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہُوں وُہ امیر کبیر ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ کسی مسکین کی مسکنت اور غربت کا احساس انسان کے دل میں رحم و شفقت کے جذبات اُبھار دیتا ہے اور اس غریب کے خلاف سچی بات کہنے سے اس لیے ہچکچاتا ہے کہ اس سے اس غریب کو نقصان نہ پہنچے انسانی نفسیات کا کتنا دقیق محاسبہ ہے ۔ فرمایا عدالت میں کھڑے ہو کر ان احساسات کو بالکل دِل سے نکال دو اور بڑی سچائی کے ساتھ گواہی دو۔ "فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا" کتنا پیارا جملہ ہے یعنی تم کسی کی خیرخواہی بھلا کیا کرو گے ۔ تم اپنے رب کا حکم مانو تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ خود ان (غریب و امیر) کا خیرخواہ ہے اس آیت کی ابتدا میں دو لفظ "شُهَدَاۤءَ لِلّٰهِ" کتنے پُرشکوہ اور اثر آفرین ہیں یعنی یہ نہ سمجھو کہ تم کسی انسان کے لیے گواہی دے رہے ہو اور جو تمھارے دِل میں آئے کہہ دیا تو کوئی تمھارا کیا لگا ڑلے گا ۔ نہیں یہ گواہی کسی انسان کے لیے نہیں بلکہ اللہ ذوالمجد والعلیٰ کے لیے ہے ۔ اب سوچ لو کیا تم اس کو ناراض کرنے کی ہمت رکھتے ہو ۔ سُبحان اللہ کیا جلال و شکوہ ہے کلام احکم الحاکمین میں ۔

۲۰۴ یعنی سچی گواہی دیتے دیتے ہیر پھیر کر دیا جو بات غیر اہم تھی اس پر بڑا زور دیا اور جو اہم بات ہُوئی اس کو پی گئے ۔

۲۰۵ یعنی اَے ایمان والو! اپنے ایمان پر ثابت قدم رہو ۔ ومعنی آمنوا اثبتوا علی الایمان ودوموا علیه (کشاف)

نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ

نازل فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی اس سے پہلے اور جو

یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ

کفر کرے اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کے ساتھ تو وہ

ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۱۳۶ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

گمراہ ہُوا اور گمراہی میں دُور نکل گیا بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے ۲۰۶ پھر

اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ

ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر بڑھتے گئے کفر میں نہیں ہے سنتِ الٰہی ان کے متعلق کہ بخش دے انھیں

وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ۱۳۷ ؕ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور نہ یہ کہ پہنچائے انھیں راہِ (راست) تک خوشخبری سُنادو منافقوں کو ۲۰۷ کہ بلاشبہ ان کے لیے دردناک عذاب

اسلام قبول کرنے کے بعد بھی انسان کو کتنے ہی کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مومن تو وہی ہے جو بڑی پامردی سے کسی خطرہ، کسی وسوسہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جادۂ زیست پر قدم بڑھاتا چلا جائے۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے اے ایمان کا دعوے کرنے والو! اپنے حُسنِ عمل سے اس کی تصدیق کرو۔

۲۰۶ جو لوگ اتنے ڈھلمل یقین ہوں کہ اسلام کی کوئی کامیابی دیکھی تو مسلمان ہو گئے ذرا شدت کا زمانہ آیا تو جھٹ کفر اختیار کر لیا۔ پھر کوئی معجزہ دیکھا یا مسلمانوں کے غالب آنے کے آثار نمایاں ہوئے تو پھر اسلام قبول کر لیا پھر کسی شیطان نے وسوسہ ڈالا یا مسلمان کسی آزمائش میں مبتلا ہو گئے تو اسلام سے رشتہ توڑ کر کفر سے ناطہ جوڑ لیا۔ ایسے مجرم ناقابلِ عفو ہیں اور توفیقِ خداوندی ان لوگوں کی دستگیری کرنے کے لیے بے چین نہیں جو گمراہی کے گڑھے میں گرنے کی قسم کھائے بیٹھے ہوں۔ روی عن ابن عباس ان الاٰیة فی المرتدین (بحر)

۲۰۷ بشارت کا عام استعمال تو خوشخبری کے معنی میں ہوتا ہے اور اس عذابِ الیم کی خبر کو بشارت سے تعبیر کرنا بطورِ طنز ہے اور علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ہر اس اچھی یا بُری خبر کو بشارت کہتے ہیں جس کے سننے کے بعد اس کے اثرات چہرہ پر نمایاں ہو جائیں۔ التبشیر الاخبار بما یظھر اثرہ علی البشرة (قرطبی)

اَلِيۡمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيۡنَ يَتَّخِذُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

ہے۔ وُہ منافق جو بناتے ہیں کافروں کو (اپنا) دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَيَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَهُمُ الۡعِزَّةَ فَاِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدۡ نَزَّلَ

کیا وُہ تلاش کرتے ہیں ان کے پاس عزّت؟ تو (وہ سُن لیں) عزّت تو صرف اللہ کے لیے ہے سب کی سب ۲۰۸؎ اور تحقیق اتارا

عَلَيۡكُمۡ فِى الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ

ہے اللہ تعالیٰ نے تم پر (یہ حکم) کتاب میں کہ جب تم سُنو اللہ کی آیتوں کو کہ انکار کیا جارہا ہے ان کا ۲۰۹؎ اور مذاق اڑایا

بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖۤ ‌

جارہا ہے ان کا تو مت بیٹھو ان (کفر و استہزا کرنے والوں) کے ساتھ یہاں تک کہ وُہ مشغول ہوجائیں کسی دُوسری بات میں

اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ‌ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِىۡ جَهَنَّمَ

ورنہ تم بھی انھیں کی طرح ہو گے بے شک اللہ تعالیٰ اکٹھا کرنے والا ہے سب منافقوں اور سب کافروں کو جہنّم میں

۲۰۸؎ مُنافقین کفّار کے ساتھ محبت کی پینگیں اس لیے بڑھاتے تھے کہ وُہ دیکھتے تھے کہ ان مسلمانوں کے پاس کیا رکھا ہے۔ نہ دولت، نہ شوکت اور ہر لمحہ دُشمن کے حملوں کے سیلاب میں بہ جانے کا خدشہ اور کافروں کے پاس دولت و ثروت کے علاوہ قوّت و شوکت بھی ہے۔ اُن سے روابط پیدا کر کے ہم عزّت حاصل کر سکتے ہیں۔ انھیں بتایا جارہا ہے کہ یہ سب تمھاری خام خیالیاں ہیں۔ عزّت عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ربّ العزّت ہے ابھی چند دنوں میں تمھیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا آفتاب اقبال دُنیا بھر کو منوّر کرتا ہے اور کن کے قدموں میں دولت لونڈی بن کر حاضر ہوتی ہے۔

۲۰۹؎ ایسی مجالس میں جن میں کتاب الٰہی کا انکار کیا جائے اور اس کی آیتوں کا مذاق اُڑایا جائے شرکت کرنے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اسی حکم کی یاد تازہ کرائی جارہی ہے کہ جو شخص ایسی مجلسوں میں شرکت کرتا ہے وُہ بھی گناہ میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ تمام گمراہ فرقوں کی مجلسوں اور جلسوں میں جا کر بیٹھنے کا یہی حکم ہے کیونکہ صحبت کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ

وُہ جو ۲۱۰ انتظار کرتے رہتے ہیں تمہارے (انجام) کا۔ تو اگر ہو جائے تمہیں فتح اللہ کی طرف سے

قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ

(تو) کہتے ہیں کیا نہیں تھے ہم بھی تمہارے ساتھ اور اگر ہو کافروں کے لیے کچھ حصّہ (کامیابی سے) کہتے ہیں کیا نہیں

نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

غالب آگئے تھے ہم تم پر اور (اس کے باوجود) کیا نہیں بچایا تھا ہم نے تم کو مومنوں سے پس (اے اہلِ نفاق!) اللہ فیصلہ کرے گا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾ ع ۱۷

تمہارے درمیان قیامت کے دن۔ اور ہرگز نہیں بنائے گا ۲۱۱ اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کا) راستہ

۲۱۰ منافقین کی دورُخی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے یعنی اُن کا کوئی دین نہیں کوئی عقیدہ نہیں جس کے لیے جینے اور مرنے کی تڑپ ان کے دلوں میں موجود ہو۔ ان کا دین، ان کا کعبۂ مقصود صرف عروسِ دولت ہے۔ اپنا عہد و پیمان توڑنا پڑے، اپنے ضمیر کو کچلنا پڑے پرواہ نہیں دولت مل جائے۔ حق و باطل میں جو کشمکش جاری ہے اس میں وُہ کسی ایک کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ نہیں کرتے بلکہ اس تاڑ میں رہتے ہیں کہ پلّہ کس کا بھاری رہتا ہے اور مالِ غنیمت پر قابض کون ہوتا ہے۔ میدانِ جنگ کسی کے ہاتھ رہے وُہ اسی کے پاس جا کر اپنی دوستی کا حق جتلا کر مالِ غنیمت میں اپنے حصّہ کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔ شاید دُنیا کے پرستاروں کا ازل سے یہی شیوہ ہے اور ابد تک یہی شیوہ رہے گا مسلمان ہونے میں ترقی کے امکانات دکھائی دیئے تو حضرت پکّے مسلمان ہیں۔ اور اگر وزارتیں اور عہدے، خطابات اور جاگیریں کفر کے تصرّف میں دیکھیں تو تسبیح و سجّادہ کو دُور سے سلام کیا، قشقہ لگایا، زُنّار پہنا اور باطل و کفر کی خدمت میں جاں نثار اور وفادار غلاموں کی طرح حاضر ہو گئے۔

۲۱۱ اس کے متعلق علامہ قرطبی نے تفصیلی بحث کی ہے اور سب سے پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر مسلمان اللہ کی نافرمانی کر کے اور سُننِ الٰہیہ سے آنکھیں بند کر کے اپنی شکست کے اسباب خود مہیا نہ کر لیں تو کوئی طاغوتی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی۔ جہاں کہیں اور جب کبھی بھی مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی ہے اپنے ہاتھوں ہوئی ہے۔ اگر وُہ احکامِ الٰہی کے صحیح معنوں میں پابند ہوں۔ دُشمن سے نبرد آزما ہونے کے لیے جس اتفاق و اتحاد کا انھیں حکم دیا گیا ہے اور تمام ممکن وسائل سے جنگ کے لیے مستعد ہونے کا ارشاد ہوا ہے۔ اگر وُہ اس کو ملحوظ رکھیں تو دُنیا کی کوئی

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى

بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انھیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ

کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف ۲۱۲ تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ بھی عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور

إِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى

نہیں فکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر۔ ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں کفر و ایمان کے درمیان نہ ادھر کے اور نہ اُدھر

هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾ يٰٓأَيُّهَا

کے ۲۱۳ اور جس کو گمراہ کر دے ۲۱۴ اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لیے ہدایت کا راستہ اے

طاقت انھیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ ان اللہ سبحانہ لایجعل للکفرین علی المومنین سبیلا الا ان یتواصوا بالباطل ولا یتناھوا عن المنکر ویتقاعدوا عن التوبۃ فیکون تسلیط العدو من قبلھم۔ قال ابن العربی ھذا نفیس جدا (القرطبی) بعض علماء نے سبیل سے مراد دلیل لی ہے یعنی دلیل و برہان کے میدان میں کافر کبھی مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔

۲۱۲ بیچارے منافقوں کی جان عجیب عذاب میں گرفتار تھی۔ جب دل ایمان سے خالی ہو تو نماز کون پڑھے۔ لیکن انھیں مجبوری یہ تھی کہ اسلام کا یہ ظاہری لباس جو انھوں نے پہن رکھا تھا اگر وہ نماز نہیں ادا کرتے اور جماعت میں شریک نہیں ہوتے تو تار تار ہو جاتا ہے۔ اور ان کا نفاق بالکل عیاں ہو جاتا ہے اس لیے انھیں با دل نخواستہ جماعت میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ اور اس میں بھی للّٰہیت کی بو تک نہ تھی بس لوگوں کو بتانے کے لیے کہ وہ مسلمان ہیں انھوں نے یہ سوانگ رچا رکھا تھا۔ اور وہ جذب و کیف اور ذوق و شوق جو مسلمانوں کو یاد الٰہی میں نصیب تھا ان کو تو اس کی ہوا تک بھی نہ لگی تھی۔ امام نے سلام پھیرا اور یہ جوتیاں ہاتھ میں لیے مسجد سے بھاگے۔ معلوم ہوا نماز سے فارغ ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول رہنا، کلمہ شریف و درود شریف پڑھنا، تلاوت قرآن مجید کرنا یہ وہ چیزیں تھیں جو مسلمانوں کو منافقوں سے ممتاز کرتی تھیں۔ ہمارے ہاں چشم بد دور اب ایسوں کی کمی نہیں جو نماز کے بعد کلمہ یا درود شریف پڑھنے والوں پر بدعتی ہونے کا الزام لگانے میں کسی نرمی کے روادار نہیں۔ اللہ سمجھ دے۔

۲۱۳ یعنی نہ زمرہ مومنین میں اور نہ گروہ کفار میں۔ کہیں کے بھی نہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

ایمان والو! نہ بناؤ ۲۱۵ کافروں کو اپنا دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ

کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ بنا دو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے خلاف واضح دلیل ۲۱۶ بے شک منافق

فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے ۲۱۷ اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنھوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کا دامن (رحمت) اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کے لیے تو یہ لوگ

۲۱۴ ومن یضلل الخ کا یہی معنی ہے کہ جب اُنھوں نے ہدایت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ ایک بار نہیں بلکہ بار بار اور کفر و ضلالت کی راہ اپنے لیے منتخب کر لی تو سنتِ الٰہی کے مطابق ایجاد ضلالت کر دی گئی۔

۲۱۵ اولیاء ولی کی جمع ہے ولی کا معنی ہے دوست، ہمراز، مددگار۔ ای لا تجعلوا الکافرین خاصتکم وبطانتکم (قرطبی) اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

۲۱۶ یعنی کفار کے ساتھ اس قسم کے قریبی مراسم اور پختہ تعلقات منافقت کی کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ اس کے بعد اگر تم پر اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے تو تم کو شکوہ کا موقع نہ رہے گا کہ ابھی ہم تو مسلمان تھے کیونکہ تم نے کفار کے ساتھ دوستی قائم کر کے اپنے منافق ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت مہیا کر دیا ہے۔

۲۱۷ الدَّرْك اور الدَّرَك دونوں لغتیں ہیں۔ بلندی کی طرف جو یکے بعد دیگرے درجے ہوتے ہیں انھیں اہلِ عرب درجات کہتے ہیں۔ اور پستی کی طرف یکے بعد دیگرے جو درجے ہوتے ہیں انھیں درکات کہتے ہیں۔ جہنم کے مختلف طبقات کے علیٰ سبیل التنزل یہ نام ہیں۔ ۱۔ جہنم۔ ۲۔ لظی۔ ۳۔ حطمہ۔ ۴۔ سعیر۔ ۵۔ سقر۔ ۶۔ جحیم۔ ۷۔ ہاویہ سب سے نیچے۔ منافقوں کا یہی ٹھکانا ہے۔ (قرطبی) اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے طفیل دوزخ کی لُو سے بھی ہر مسلمان کو محفوظ رکھے۔

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا

ایمان والوں کے ساتھ ہیں ۲۱۸؎ اور عطا فرمائے گا اللہ تعالیٰ مومنوں کو اجر عظیم کیا

يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

کرے گا اللہ تعالیٰ تمھیں عذاب دے کر اگر تم شکر کرنے لگو اور ایمان لے آؤ ۲۱۹؎ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدردان سب کچھ جاننے والا ہے

۲۱۸؎ سبحان اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس کے عفو و درگزر کا، کیا حد ہے اس کے جود و کرم کی۔ منافقین نے انتہا کر دی اللہ کے حبیب کو اذیت پہنچانے، شمع اسلام کو بجھانے، کفر کو غالب و منصور کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے میں۔ اور اس طرح اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کے افق کو تیرہ و تار کر دیا۔ اس کے باوجود کریم و رحیم خدا، محمد رحمۃ للعالمین کا خدا انھیں بتا رہا ہے کہ دیکھو ادھر دیکھو! توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ سچے دل سے تائب ہو جاؤ۔ معاف کر دیئے جائیں گے تمھارے گناہ اور تمھیں ابوبکرؓ و عمرؓ اور حمزہؓ و علیؓ کی معیت و سنگت نصیب ہو گی۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔ واقعی اسلام کا خدا رب العالمین ہے اور اس کا پیغمبر رحمۃ للعالمین ہے اور یہ دین۔ دینِ انسانیت ہے۔

۲۱۹؎ اگر تم راہِ راست اختیار کر لو اور ضلالت و گمراہی سے باز آ جاؤ تو اللہ کو کیا پڑی ہے کہ تمھیں خواہ مخواہ عذاب دیتا رہے وہ ایسا نہیں بلکہ وہ شاکر ہے۔ جو بندہ حسنِ نیت سے نیک عمل کرتا ہے وہ اپنے غایت کرم سے اسے قبول فرماتا ہے اس سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ

نہیں پسند کرتا اللہ تعالیٰ کہ برملا کہی جائے بُری بات مگر (اس سے) جس پر ظلم ہوا ۲۲۰؎ اور

كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ

اللہ تعالیٰ خوب سُننے والا خوب جاننے والا ہے ۲۲۱؎ اگر تم ظاہر کرو کوئی نیکی یا پوشیدہ رکھو اسے یا

تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

درگزر کرو (کسی کی) بُرائی سے تو بے شک اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا قدرت والا ہے ۲۲۲؎ بے شک جو لوگ

۲۲۰؎ بعض لوگوں کا مشغلہ ہی دُوسروں کی عیب جوئی ہوتا ہے کسی کے حقیقی یا فرضی عیُوب کو اُچھالنے اور اُن کی تشہیر کرنے میں اُنھیں خاص لُطف آتا ہے۔ اور بعض مُنہ پھٹ ایسے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے کسی کی پگڑی اچھال دی۔ دو چار بے نقط سُنا کر اپنی بڑائی کی تسکین کر لی۔ ایسے لوگ جس دل آزاری کا باعث بنتے ہیں اور باہمی محبت و پیار کو جتنا نقصان پہنچاتے ہیں اس کا اندازہ ہر اس شخص کو اچھی طرح ہے جس کو اس قماش کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہو۔ اسلام جو مُسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان دیکھنا چاہتا ہے وُہ ان یاوہ گوئیوں کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اِس لیے اس آیت میں واضح ہدایت فرما دی کہ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں ان سے باز آجاؤ۔ کسی کی پس پُشت غیبت کسی کی منہ پر توہین اور ہتک عزت سب کی ممانعت کر دی گئی۔ ہاں وُہ شخص جس پر واقعی ظلم ہوا ہو اس کی حق تلفی کی گئی ہو اُسے رُخصت ہے کہ وُہ ظالم کے ظلم کا برملا اظہار کرے اور اپنی مظلومیت کی داستان بے دھڑک سُنائے۔

۲۲۱؎ اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظالم و مظلوم دونوں کو احساس دلایا جا رہا ہے۔ ظالم یہ نہ سمجھے کہ اس کے مظالم کا کسی کو علم ہی نہیں یا دُنیا کی کوئی طاقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ظالم کے کرتوتوں سے واقف ہے۔ اور اگر دُنیا کی کوئی عدالت اسے سزا نہیں دے سکتی تو اللہ تعالیٰ کی عدالت سے اسے سزا مل کر رہے گی۔ اور مظلوم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ اگر کوئی دُوسرا تمھاری دادرسی نہیں کرتا تو صبر کرو اللہ تعالیٰ تیرا فریادرس ہے تیری مظلومیت اور بے کسی کا اُسے خوب علم ہے

۲۲۲؎ بُرائی کے اظہار سے منع کیا اور نیکی کے متعلق اجازت دی کہ چاہے اُسے ظاہر کرو یا پنہاں رکھو۔ آخر میں مظلوم کو فرمایا کہ تمھارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم بھی زیادتی کرنے والے انسان سے درگزر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ کے باوجود غلط کاروں اور مجرموں کو معاف کر دیا کرتا ہے۔ تو بھی اگر اپنے آپ کو صفاتِ الٰہی اور اخلاقِ ربّانی سے متّصف کرنے کے لیے یہ غصہ پی جائے تو تیرے لیے بہت مناسب ہے۔ پہلا حکم رُخصت ہے اور عوام کے لیے ہے جن کی اخلاقی حالت اتنی بلند نہیں ہوتی کہ وُہ اس وقت ضبط سے کام لے سکیں جب کہ جذبات مشتعل ہوتے ہیں اور دوسرا حکم عزیمت ہے اور خواص کے لیے ہے

يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ

کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ۲۲۳ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں ۲۲۴ اللہ اور اس کے

رُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ

رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں بعض رسولوں پر اور ہم کفر کرتے ہیں بعض کے ساتھ اور چاہتے ہیں ۲۲۵

۲۲۳ مشرکین و منافقین کی خصلتوں کے ذکر کے بعد اب کفار کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ کفار کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کو مانتے ہیں لیکن نبوت و رسالت کے قائل نہیں۔ ایک وہ جو بعض انبیاء کی نبوت کو مانتے ہیں اور بعض کی رسالت کا انکار کرتے ہیں مثلاً یہودی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتے تھے لیکن حضرت مسیح اور خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ اسی طرح عیسائی۔ ان سب کے متعلق فرمایا کہ وہ پکے کافر ہیں۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور انبیاء کے ساتھ کفر کرتا ہے اسے پکا کافر کیوں کہا گیا؟ اس لیے کہ جو سلسلۂ وحی و نبوت کو تسلیم نہیں کرتا نہ اسے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کا صحیح علم ہوتا ہے اور نہ اُسے عبادت کا وہ طریقہ معلوم ہو سکتا ہے جو قربِ الٰہی کا باعث ہو۔ جب اللہ تعالیٰ کی صفاتِ تقدس و کمال کو نہ پہچانا اور اس کی عبادت کے صحیح طریقوں کو نہ جانا تو اللہ کو کیا پہچانا۔ آپ ان قوموں کے رسومِ عبادت کو دیکھئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن کسی نبی کے پیروکار نہیں۔ آپ حیران ہو کر رہ جائیں گے۔ اسی طرح فلاسفہ قدیم و جدید نے جن صفاتِ الٰہیہ کا اثبات کیا ہے وہ بھی انسان کے لیے کچھ کم پریشان کُن نہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو بعض انبیاء کی نبوت کو تسلیم کرتے ہیں اور جن دلائل و براہین اور معجزات کی وجہ سے انھوں نے ان بعض کی نبوت کا اقرار کیا۔ اب جب ان سے بھی محکم تر دلائل و براہین اور روشن تر معجزات ایک دوسری ہستی میں پائے جاتے ہیں تو وہ اس کی نبوت پر کیوں ایمان نہیں لاتے۔ ان کا یہ ایمان نہ لانا پہلے انبیاء کے انکار کے مترادف ہے اور خصوصاً ذاتِ پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا جن کی آمد کی بشارت اور ان پر ایمان لانے کی تاکید ہر زمانے کے نبی نے فرمائی صرف آپ کا انکار نہیں بلکہ تمام سابقہ انبیاء و مرسلین کی تکذیب ہے۔

۲۲۴ اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو ایمان لے آئے اور وحی و رسالت کا سرے سے انکار کر دیا۔ اس انکار میں ان کی انانیت اور خود بینی جھلک رہی ہوتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاء کی تعلیمات تو ناقص و ناکافی ہیں۔ اس لیے ان کی عقلی موشگافیوں کی ضرورت ہے۔ اب وہ لوگ جو اللہ کی اطاعت کے تو قائل ہیں لیکن اللہ کے رسول کی اطاعت سے گریزاں ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم بھی دیا ہے وہ ذرا غور کریں کہ وہ بھی کہیں اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔

۲۲۵ اسلام اور کفر کی معجون مرکب بنانے کا خیال بہت پرانا ہے ان لوگوں کے علاوہ جن کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے

أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

کہ اختیار کرلیں کفر وایمان کے درمیان کوئی (تیسری) راہ یہی لوگ کافر ہیں

حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ

حقیقت میں اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا اور جو لوگ ایمان لائے ۲۲۶ اللہ تعالیٰ

وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ

اور اس کے (تمام) رسولوں کے ساتھ اور نہیں فرق کیا انھوں نے کسی میں ان سے یہی لوگ ہیں دے گا انھیں اللہ تعالیٰ

أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾ يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ ع ۲۱/۱

ان کے اجر اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب

أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ ۚ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ

کہ آپ اتروا دیں ان پر کتاب آسمان سے ۲۲۷ سو وہ تو سوال کرچکے ہیں موسیٰ (علیہ السلام) سے اس سے

مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

بھی بڑی بات کا انھوں نے کہا تھا (اے موسیٰ!) دکھا دو ہمیں اللہ کھلم کھلا تو پکڑ لیا تھا انھیں بجلی کی کڑک نے بسبب ان کے ظلم کے

ہماری اپنی تاریخ بھی ان نوادر روزگار ہستیوں سے خالی نہیں۔ اکبر اور دارا شکوہ کے بعد آج بھی تو کئی افراد موجود ہیں۔

۲۲۶ یعنی جو لوگ اللہ پر اس کی تمام صفات تقدس وکمال پر اور بلا استثنا اس کے تمام رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ان کے اجر عظیم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور سوف تاکید مضمون کے لیے ہے۔

۲۲۷ کعب بن اشرف چند اور یہودیوں کو ہمراہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور آ کر کہنے لگا کہ ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں بس آپ ہماری ایک چھوٹی سی شرط پوری کر دیجئے۔ جیسے ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام پر لکھی لکھائی تورات آسمان سے اتری تھی آپ ایسی ہی کوئی کتاب اتروا دیں تو ہم آج ہی کلمہ پڑھ لیں گے۔ یہود کا یہ مطالبہ محض حجت بازی کے لیے تھا۔ جس کے وہ عرصہ دراز سے خوگر تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے تعجب کو دور کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ آپ اس پر حیران ہیں یہ اپنے پیغمبر سے تو اس سے بھی بڑی اور انوکھی فرمائش کر چکے ہیں ان سے تو انھوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ

پھر بنا لیا اُنھوں نے بچھڑے کو (اپنا معبود) ۲۲۸ اس کے بعد کہ آچکی تھیں ان کے پاس کھلی دلیلیں پھر بھی ہم نے بخش دیا ان

ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ

کا یہ (سنگین) جرم ۲۲۹ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو واضح غلبہ ۲۳۰ اور ہم نے بلند کیا ان کے اُوپر طُور کو

بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ

ان سے پختہ وعدہ لینے کے لیے اور ہم نے فرمایا انھیں کہ داخل ہو جاؤ اس دروازے سے سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے فرمایا انھیں

لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا

کہ حد سے نہ بڑھنا سبت میں اور ہم نے لیا تھا اُن سے پختہ وعدہ (ان پر پھٹکار کی)

نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

وجہ یہ تھی کہ انھوں نے توڑ دیا اپنے وعدہ کو ۲۳۱ اور انھوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور انھوں نے قتل کیا انبیاء کو ناحق

ہمیں خُدا کا بے پردہ دیدار کرا دو تب ایمان لائیں گے اِس گستاخی کی سزا انھیں یہ دی گئی کہ بجلی کی کڑک نے انھیں آلیا۔

۲۲۸ ان کے ہٹ دھرم ہونے کا دُوسرا واقعہ بیان فرمایا کہ مُوسیٰ علیہ السّلام کی صداقت کے روشن معجزات آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد جب سامری نے بچھڑا بنا کر انھیں کہا کہ تمھارا اصلی خُدا تو یہ ہے عقل کے دشمن اس مُورت کی پرستش میں لگ گئے اور انھیں اتنا بھی یاد نہ رہا کہ کس ذات نے ان کے لیے سمندر میں خشک راستے بنا کر انھیں فرعون کی گرفت سے بچالیا اور ان کے دُشمن کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا جو اتنے کودن ہوں وُہ اگر ایسے نامعقول مطالبات کریں تو اس میں حیرت کیا ہے۔ نیز جو تورات لکھی لکھائی ان پر اُتاری گئی تھی اس کو انھوں نے کب مانا تھا کہ اب اگر کوئی ایسا صحیفہ آسمان سے اُتارا جاتا تو ان کے ایمان لانے کی توقع کی جاتی۔

۲۲۹ یعنی اس شرک قبیح کے بعد بھی ہم نے ان کو معاف فرما دیا۔

۲۳۰ روشن معجزات اور واضح دلائل یا رُعب و دبدبہ۔

۲۳۱ با سببیت کے معنی پر دلالت کرتا ہے ما زائدہ ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور تقدیر عبارت یوں ہے فبنقضھم میثاقھم لعنّاھم (قرطبی) یعنی انھوں نے پختہ وعدہ کیا کہ ہماری اطاعت و فرماں برداری کریں گے لیکن اس کے بعد

حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ

اور اُنھوں نے یہ (گستاخانہ) بات کہی کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہیں (یوں نہیں) بلکہ مُہر لگا دی اللہ نے اُن کے دلوں پر ٢٣٢

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۠ ١٥٥ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا

بوجہ ان کے کفر کے سو وُہ ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی سی تعداد۔ اور ان کے کفر کے باعث اور ٢٣٣ مریمؑ پر بُہتان عظیم

عَظِيْمًا ۙ ١٥٦ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ

باندھنے کے باعث اور ان کے اس قول سے کہ ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسٰیؑ فرزند مریم کو جو اللہ کا رسُول

اس کو توڑ دیا۔ اِس وجہ سے ہم نے اُن پر پھٹکار کی اور انھیں اپنے درِ رحمت سے دُور کر دیا۔

٢٣٢ پہلے کی طرح یہاں بھی اس امر کی تصریح کر دی کہ انسان جب پے در پے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا آئینۂ دل زنگار آلود ہو جاتا ہے اُس کی نگاہِ حق بین بے نُور ہو جاتی ہے اور اس میں حق قبول کرنے کی استعداد دم توڑ دیتی ہے یہُود کے فردِ جرم کی اس طویل فہرست پر حواشی سورۃ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔

٢٣٣ یہُودیوں کے جرائم کا تذکرہ پہلے سُورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ یہاں ان جرائم کے علاوہ چند ایسے شدید قسم کے جرائم کا اضافہ کیا جا رہا ہے جن کا ذکر پہلے نہیں آیا۔ (١) حضرت مریم پر بہتان: جب حضرت مریم کو حضرت مسیح کی بشارت دی گئی تو آپ کنواری تھیں۔ وضع کا وقت قریب آیا تو آپ باہر ویرانے میں چلی گئیں۔ بچہ پیدا ہوا تو وُہ لوگوں کے طعنوں کا خیال کر کے گھبرائیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ جب کوئی تم پر زبانِ طعن دراز کرے تو خود چُپ رہنا اور اس بچے کی طرف اشارہ کر دینا۔ چنانچہ جب آپ واپس یروشلم پہنچیں لوگوں نے ان کی گود میں بچّہ دیکھ کر انھیں مطعون کرنا شروع کیا۔ ایک کنواری لڑکی کی گود میں بچہ دیکھنے سے اس کے اخلاق کے متعلق شکوک کا پیدا ہو جانا ایک طبعی امر تھا۔ حضرت مریم نے حسبِ ارشادِ الٰہی بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کہ اس سے دریافت کرو۔ کہنے لگے۔ کیف نکلم من کان فی المھد صبیا۔ ہم کیوں کر اس بچے سے بات کر سکتے ہیں جو ابھی پنگھوڑے میں ہے۔ اس وقت وُہ معصوم بچہ جس کی عُمر چند گھنٹوں سے زیادہ نہ تھی فصیح زبان میں گویا ہوا۔ قال انی عبد اللّٰہ آتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہُوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اس روشن معجزہ اور ناقابلِ تردید دلیل کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لینے کے بعد انھیں حضرت مریم کی طہارت کا یقین آنا چاہیے تھا۔ آخر وُہ اہلِ کتاب تھے اور نبوت، وحی اور معجزات پر ان کا ایمان تھا لیکن یوں جان لینے کے بعد پھر ان کا اس تقدس مآب خاتون پر یہ تہمت لگانا بُہتانِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ والبھتان العظیم رمیھم مریم بالزنا مع رؤیتھم الآیۃ فی کلام عیسٰی علیہ السلام فی المھد ووصف بالعظیم لانھم تمادوا علیہ بعد ظہور

اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ

ہے ۲۳۴؂ حالانکہ نہ انھوں نے قتل کیا اور نہ اُسے سُولی چڑھا سکے ۲۳۵؂ بلکہ مشتبہ ہو گیا ان کے لیے (حقیقت) ۲۳۶؂ اور یقیناً

الآیۃ وقیام المعجزۃ بالبراءۃ (بحر)

۲۳۴؂ دُوسرا جرم جس کا یہاں پہلی دفعہ ذکر ہو رہا ہے ان کا یہ دعویٰ کہ ہم نے اللہ کے رسُول مسیح کو قتل کر دیا۔ مفسّرین کرام نے لکھا ہے کہ جب وُہ آپ کو رسُول مانتے تھے تو پھر قتل کیوں کیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ (۱) انھوں نے یہ الفاظ بطور تمسخر پڑھائے تھے۔ وُہ آپ کو رسُول مانتے نہیں تھے یا یہ کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان و توقیر بیان کرنے کے لیے بڑھائے ہیں۔ لیکن اگر یہود کی گزشتہ تاریخ کو دیکھا جاتے تو یہ کچھ بعید بھی معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کو رسُول اللہ مانتے ہوتے انھوں نے آپ کو قتل کرنے کی ٹھانی ہو۔ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السّلام کو نبی مانتے تھے لیکن جب ان بزرگواروں نے انھیں ان کی بد اخلاقیوں پر ٹوکا تو انھیں اپنے ہاتھوں شہید کر دیا۔ بہرحال اُن کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا (اگرچہ اس کی تغلیط آگے آ رہی ہے) اور پھر اس پر ان کا اِترانا اور فخر کرنا اس سے بڑھ کر ان کے کفر کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

۲۳۵؂ عجیب بات ہے کہ حضرت مسیح کے دُشمن یہود بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو قتل کر دیا اور سُولی دے دیا اور آپ کے ماننے والے اور پرستار بھی یہی یقین رکھتے ہیں کہ یہود نے حضرت مسیح کو سُولی دے دیا۔ گویا بیٹا سُولی پر لٹکتے ہوئے ایلی! ایلی! تم نے مجھے کیوں چھوڑ دیا فریاد کرتا رہا اور باپ نے اس کی کچھ مدد نہ کی۔ جب دُشمن اور دوست سب اس بات پر متفق ہو چکے تھے تو قرآن نے آ کر حضرت مسیح کی عظمت و جلالتِ شان سے پردہ اُٹھایا اور صاف الفاظ میں اعلان کیا کہ یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جس اللہ کے رسُول کو اپنے اللہ کا پیغام سُنانے کے باعث اُنھوں نے قتل کرنے کی سر توڑ کوشش کی اللہ ربُّ العزّت نے اُن کی اس ناپاک سازش کو ناکام بنا دیا۔ اور اپنے رسُول کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیا۔ دونوں چیزوں کی نفی کر دی یعنی یہودی نہ آپ کو قتل کر سکے اور نہ سُولی پر چڑھا کر تذلیل کر سکے۔ جیسے مختلف انجیلوں میں مذکور ہے۔ مرزائیوں کی لاہوری پارٹی کے امیر مولوی محمد علی نے اپنے انگریزی ترجمۂ قرآن میں اس جگہ توضیحی نوٹ لکھا ہے اس میں اس بات کی بڑی زحمت اُٹھائی ہے کہ آیاتِ قرآن کو انجیلوں میں بیان کردہ حکایت پر منطبق کریں۔ چنانچہ وہ ان تمام تفصیلات کو جو انجیلوں میں موجود ہیں بڑی فراخدلی سے تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں کہ حضرت مسیح کو سُولی دیا گیا۔ چنانچہ وُہ نیم جان ہو کر دُوسرے دو مجرموں کی طرح نیچے گر پڑے۔ آپ کے پہلو میں ضربیں لگا لگا کر چھلنی کر دیا گیا اور خون کے فوارے بہ نکلے وغیرہ۔ پھر آخر میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن ان چیزوں کا انکار نہیں کرتا کیونکہ قرآن نے بھی سُولی پر مرنے کی نفی کی ہے لیکن اگر وُہ ذرا سا تأمّل کرتے تو قرآن کا ایک لفظ ہی ان کو اس زحمتِ لاطائل سے بچا لیتا۔ وہاں دونوں چیزوں کی نفی ہے مرنے کی بھی اور سُولی پر چڑھائے جانے کی بھی۔ کیونکہ صَلَبَ کا معنی ہے الصلب ھو

الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِیۡهِ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ ؕ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ

جنھوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں وُہ بھی شک و شبہ میں ہیں ان کے متعلق[۲۴۳] نہیں ان کے پاس اس امر کا کوئی صحیح علم

تعلیق الانسان للقتل کسی انسان کو لٹکا دینا تاکہ وُہ مر جائے ۔ مر جانا صلب کے معنی موضوع لہ میں داخل نہیں بلکہ اس فعل کا مقصد ہے ۔ اور مقصد و غایت مفہوم کو مستلزم ہو تو ہو لیکن معنی میں داخل نہیں ہوا کرتا ۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ یہود اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ۔ آپ کو پکڑا بھی گیا ۔ آپ کے منہ پر تھوکا بھی گیا ۔ کانٹوں کا تاج بھی پہنایا گیا اور پھر سُولی بھی چڑھا دیا گیا ۔ گویا اپنی طرف سے اُنھوں نے اس منحوس منصوبہ کو عملی جامہ پہنا دیا ۔ اب یہ اور بات ہے کہ مسیح توقع سے زیادہ سخت جان ثابت ہُوئے اور بچ گئے ۔ یہُود کا مقصد تو پُورا ہو گیا ۔ اُنھوں نے آپ کی تذلیل و تحقیر اور اذیّت رسانی کے سارے ارمان پُورے کر لیے ۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہُود کی ناپاک سازشوں کو ناکام کر دیا اور اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسُول کی توہین کرنے کا انھیں قطعاً موقع نہیں دیا اور یہی قرآن کا واضح اعلان ہے ۔

۲۴۲ تفاسیر میں اگرچہ ایسی روایات کثرت سے مندرج ہیں جن میں حضرت مسیح علیہ السّلام کو گرفتار کرنے اور آپ کے بچ جانے اور کسی دُوسرے انسان کو سُولی چڑھائے جانے کی تفصیلات موجُود ہیں لیکن محقّق عُلمائے تفسیر نے صراحت کر دی ہے کہ کوئی روایت بھی یقینی نہیں ۔ اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم سے اس کے متعلق کوئی صحیح حدیث مروی نہیں ۔ واختلف الرواة فی کیفیة القتل والصلب ولم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک شیٔ (بحر المحیط) بہرحال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہُودیوں نے فلسطین کے رُومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں آپ کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور آپ پر یہ الزام لگایا کہ آپ دین مُوسوی میں تحریف کرتے ہیں اور جھُوٹی شہادتیں پیش کر کے اسے مجبُور کیا کہ آپ کو پھانسی کی سزا دے ۔ اور جب اسے پس و پیش کرتے دیکھا تو اس کو فتنہ و بغاوت کی دھمکی دی انجیل کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے " جب پیلاطس نے دیکھا کہ کچھ نہیں بن پڑتا بلکہ اُلٹا بلوہ ہُوا جاتا ہے تو پانی لے لے کر لوگوں کے رُوبرُو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا میں راست باز کے خُون سے بری ہُوں تم جانو ! سب لوگوں نے کہا اس کا خُون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر " انجیل متی ۔ تو جب پیلاطس نے ان کے دباؤ کے زیر اثر آپ کو بے گناہ اور معصُوم یقین کرتے ہُوئے سُولی دینے کا حکم دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت غالبہ اور حکمت کاملہ سے عیسٰی علیہ السّلام کو تو بچا لیا اور ایک منافق کی شکل کو آپ کے مشابہ کر دیا اور یہُودی اسی کو مسیح سمجھ کر پکڑ لے گئے اور اُسے پھانسی دے دیا ۔ اغلباً وُہ منافق یہوداہ تھا جو آپ کا حواری تھا ۔ اور جب یہُودیوں نے اسے تیس روپیہ کا لالچ دیا تو اس نے اپنے پیغمبر کی مخبری کی اور آپ کو گرفتار کرانے کی کوشش میں یہود کا ساتھ دیا ۔"

۲۴۳ اس بارے میں نصاریٰ کے مختلف اقوال کی تو حد ہی نہیں ۔ امام رازیؒ نے تین مشہُور فرقوں کی آرا نقل کی ہیں

إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ

بجز اس کے کہ وُہ پیروی کرتے ہیں گمان کی اور نہیں قتل کیا اُنھوں نے اُسے یقیناً ۲۳۸ بلکہ اُٹھا لیا ہے اُسے اللہ نے اپنی طرف ۲۳۹

نسطوریہ۔ ۲۔ ملکانیہ۔ ۳۔ یعقوبیہ۔ نسطوریہ فرقہ کا یہ قول ہے کہ مسیح کا ناسُوت تو مصلُوب ہوا لیکن ان کا لاہوت مصلُوب نہیں ہوا۔ ملکانیہ کا خیال ہے کہ لاہُوت بھی مصلوب ہوا لیکن بالذّات نہیں بلکہ بواسطۂ ناسُوت اور یعقوبیہ کا نظریہ یہ ہے کہ ناسُوت اور لاہُوت دونوں کو سُولی دی گئی۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ آرا کسی دلیل پر مبنی نہیں بلکہ سب کچھ ظن وگمان کی نقش آرائیاں ہیں۔

۲۳۸ے مسیح کے نام سے واقف جتنی قومیں جہاں کہیں بستی تھیں سب اس غلط فہمی کا شکار تھیں کہ آپ کو سُولی دیا گیا۔ اس عالمی غلط فہمی کا ازالہ اور حضرت مسیح علیہ السّلام کی عظمت کا اعلان اگر قرآن حکیم نہ کرتا تو اور کون کرتا۔ اس لیے بار بار اس حقیقت کو دُہرایا جارہا ہے۔

۲۳۹ے حضرت مسیح کے بارے میں پھیلے ہُوئے تمام نظریات کا بطلان کرکے اب قرآن خود بتاتا ہے کہ وُہ کہاں گئے۔ فرمایا اُنھیں اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف اُٹھا لیا۔ اب قدرۃً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں اُٹھا لیا۔ کہیں وُہ خود بیٹھا تو ہے نہیں کہ وہاں بُلا لیا ہو تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ آسمان پر۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی حدیثِ معراج میں اس کی تصریح موجُود ہے کیونکہ رفع کا معنی بلند کرنا ہے۔ اگر کسی چیز کو نیچی جگہ سے اُٹھا کر بلند جگہ پر رکھ دیا جائے یا کسی کا مرتبہ اور شان بلند کردی جائے تو وہاں رفع کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اور اگر دونوں چیزیں اکٹھی ہوجائیں یعنی بلندیٔ مقام اور بلندیٔ شان تو رفع کا استعمال کیوں دل میں کھٹکے۔ بات اتنی سی تھی۔ بالکل مختصر اور دو ٹوک۔ کہ یہُودیوں کا دعویٰ اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ حضرت مسیح کو سُولی دے دیا گیا دونوں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اپنی طرف اُٹھا لیا اور حدیثِ رسُول ؐ نے بتا دیا کہ آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا لیکن انسان کی کج بحثی یا ندرت آفرینی کا کیا علاج جب تک سیدھی اور صاف بات میں اپنی پیچ نہ لگا لے حضرت کو قرار نہیں آتا۔ جناب مرزا صاحب آنجہانی تشریف لاتے اور اپنے نبی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے وفاتِ مسیح کو بطور اساس قرار دیا حالانکہ ختمِ نبوّت کے مسئلہ کو حیاتِ مسیح کے ساتھ دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر بفرضِ محال حیاتِ مسیح ثابت نہ ہوسکے تو بھی حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد کسی کا کسی قسم کی نبوّت کا دعویٰ کرنا آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کا صریح انکار اور کفر ہے۔ مزید برآں مرزا صاحب کا مسیح موعُود ہونے کا دعویٰ اور استدلال بھی کچھ کم دلچسپ نہیں۔ آپ مسیح کیوں ہیں؟ اس لیے کہ احادیث میں موجُود ہے کہ حضرت مسیح آئیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا کوئی فرمان غلط نہیں ہوسکتا۔ اور اگر پوچھا جائے کہ جناب! جن احادیث میں مسیح کی آمد کا ذکر ہے ان میں تو مسیح کا نام، ولدیت، محلِ نزُول اور جو جو کارہائے نمایاں آپ انجام دیں گے ان سب کا تفصیلی ذکر ہے اور حُسنِ اتفاق کہ آپ میں ان تفصیلات میں سے کوئی ایک چیز بھی تو نہیں پائی جاتی تو پھر آپ وُہ مسیح کیوں کر ہُوئے

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا

اور ہے اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا۔ اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر ۲۴۰

جس کی آمد کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ (ان احادیث کثیرہ میں سے ایک حدیث کا ذکر ابھی آرہا ہے) تو پھر انھیں احادیث پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور جب اس میں بھی کامیابی نظر نہیں آتی تو پھر تاویلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اگر بنی اسرائیل کے دانشوروں نے بچھڑے کو خدا مان لیا تھا تو آج اگر کوئی مرزا صاحب کو نبی یا مسیح موعود مان لے تو کیا تعجب ہے؟ حیات مسیح علیہ السلام کی تفصیلی بحث سورہ الاحزاب کی اکتالیسویں آیت کی تشریح میں ملاحظہ فرمائیے۔ ضیاء القرآن جلد چہارم

۲۴۰ قبل موتہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ بعض نے کہا اس کا مرجع کتابی ہے یعنی ہر اہل کتاب پر مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ کا مقام نبوت و عبدیت منکشف ہو جاتا ہے اور وہ اس پر ایمان لے آتا ہے کہ آپ اللہ کے رسول اور اس کے بندے ہیں۔ لیکن امام المفسرین ابن جریر۔ امام ابن حیان الاندلسی اور علامہ ابی عبد اللہ القرطبی اپنی تفاسیر میں اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے یعنی آپ وفات سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور اس زمانہ میں جتنے اہل کتاب ہوں گے آپ پر ایمان لا کر دین اسلام میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ ابن حیان کی عبارت ہے۔ والظاهر ان الضميرين فی به وموته عائد ان علی عیسٰی وهو سياق الكلام (بحر محیط) اور امام ابن جریر فرماتے ہیں: واولی الاقوال بالصحة والصواب قول من قال تاویل ذلك ان من اهل الكتاب الا ليؤمنن بعيسٰی قبل موت عیسٰی۔

ترجمہ۔ تمام اقوال سے زیادہ صحیح اور درست قول یہ ہے کہ بہ اور موتہ کی ضمیروں کا مرجع عیسیٰ ہے یعنی تمام کتابی عیسیٰ کے مرنے سے پہلے عیسیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔

اور علامہ قرطبی یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں وقاله قتادة وابن زيد وغيرهما واختاره الطبری و نحوه عن الضحاك وعن سعيد بن جبير۔ ترجمہ۔ کہ حضرات قتادہ، ابن زید وغیرہما کا یہی قول ہے ضحاک، سعید بن جبیر اور امام طبری نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اور اس قول کی وجہ ترجیح یہ حدیث بیان کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عن النبی صلی الله عليه وسلم انه قال لينزلن ابن مريم حكما عدلا فليقتلن الدجال وليقتلن الخنزير وليكسرن الصليب وتكون السجدة واحدة لله رب العلمين ثم قال ابو هريرة اقرؤا ان شئتم وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته قال ابو هريرة قبل موت عيسٰی عليه السلام يعيدها ثلاث مرات۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن مریم ایک عادل حاکم کی حیثیت سے تم میں ضرور

لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ

وُہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وُہ ہوں گے ان پر

شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ۲۴۱ سو بوجہ ظلم ڈھانے یہود کے ۲۴۲ ہم نے حرام کر دیں اُن پر

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾

وُہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لیے اور بوجہ روکنے یہود کے ۲۴۳ اللہ کے راستے سے بہت لوگوں کو

اُتریں گے وُہ دجّال اور خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے اور سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کو کیا جائے گا جو پروردگارِ عالم ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ اگر دلیل کی ضرورت ہو تو یہ آیت پڑھو۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا موتہ کی ضمیر عیسٰی علیہ السّلام کی طرف لوٹتی ہے۔ آپ نے یہ بات تین بار کہی"۔ یہ حدیث ان کثیر التعداد احادیث میں سے ایک ہے جن میں آنے والے مسیح کی ولدیت، ان کی صفات اور ان کے کارہائے نمایاں کا تذکرہ ہے۔ انصاف سے کہیئے کیا جناب مرزا صاحب میں ان میں سے کوئی ایک بات بھی پائی جاتی ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر وُہ مسیح موعود (یعنی وُہ مسیح جس کی آمد کا وعدہ کیا گیا ہے) کیوں کر بن سکتے ہیں؟

۲۴۱ یعنی آپ یہودیوں اور عیسائیوں کی بداعمالیوں پر شہادت دیں گے۔

۲۴۲ فبما نقضهم کا بدل ہے۔ ابھی ذکر یہود کی نافرمانیوں کا چلا آرہا ہے انھیں عصیاں شعاریوں کے باعث اللہ تعالیٰ نے کئی ایک حلال و پاکیزہ اشیاء کو بطورِ سزا اُن پر حرام فرمایا۔ جن کا تفصیلی ذکر آگے آتے گا۔

۲۴۳ یہ کوئی معمولی جُرم نہیں کہ انسان خود اطاعتِ خداوندی سے محرُوم رہے لیکن جو شخص دُوسروں کے لیے ہدایت کا راستہ بند کرتا ہے اور دعوتِ حق قبُول کرنے سے روکتا ہے اس سے بڑھ کر اور کون مجُرم ہوگا۔ دین سے روکنے کی ایک صُورت تو یہ ہے کہ انسان زبان اور قوت سے لوگوں کو سچا دین قبول کرنے سے روکے۔ اس کے علاوہ ایک دُوسری صُورت بھی ہے جو زیادہ خطرناک ہے وُہ یہ کہ انسان دینِ حق کو قبول تو کرلے لیکن اس کے احکام، اس کے ضابطۂ اخلاق اور اس کے قواعدِ معاشرت وغیرہ پر عمل کر کے اپنی حالت کو نہ سنوارے تو دُوسری قومیں خود بخود اس دین سے متنفر ہو جائیں گی کہ جب اس کے قدیم ماننے والے کسی حیثیت سے بھی دُوسری قوموں سے بلند اور بہتر نہیں تو پھر اس دین کو کیوں قبول کیا جائے۔ کیا ہم مسلمان کہلانے والے اپنی زشتیٔ اعمال سے دُوسری قوموں کے لیے اسلام قبول کرنے میں حجاب اور رُکاوٹ تو نہیں؟ یہ غور طلب مسئلہ ہے۔

وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

اور بوجہ ان کے سُود لینے کے ۲۴۴ حالانکہ منع کیے گئے تھے اس سے اور بوجہ ان کے کھانے کے لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ ؕ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ

ناحق اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے لیے ان میں سے عذاب دردناک لیکن

الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ

جو پختہ ہیں ۲۴۵ علم میں ان سے (وُہ بھی) اور (جو) مسلمان ہیں ایمان لاتے ہیں اس پر جو اُتارا گیا

اِلَيْكَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ

آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے اور صحیح ادا کرنے والے ۲۴۶ نماز کے اور دینے والے

الزَّكٰوةَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ

زکوٰۃ کے اور ایمان لانے والے اللہ اور روزِ آخرت کے ساتھ یہی ہیں جنھیں عنقریب ہم دیں گے

۲۴۴ اگرچہ آج یہود دُنیا میں سب سے بڑی سُود خور قوم ہے اور دولت جمع کرنے میں ہر حیلہ و فریب سے کام لینے میں ضرب المثل ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے دین نے ان کو ایسے قبائح کی اجازت دی۔ اس لیے قرآن نے بتایا کہ ان باتوں سے انھیں منع کیا گیا تھا لیکن باز نہ آئے۔ ان کی تورات میں اب بھی ایسی واضح آیات موجود ہیں جن میں انھیں سُود لینے سے روکا گیا ہے "اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرضخواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سُود لینا۔ (خروج ۲۲ : ۲۵)

۲۴۵ یہود کی کثرتِ غالبہ اگرچہ ہدایت آسمانی کو عملی طور پر چھوڑ چکی تھی لیکن ان میں بھی خال خال ایسے علماء موجود تھے جن کی معلومات اپنے دین کے متعلق سطحی قسم کی نہ تھیں بلکہ ٹھوس قابلیت کے مالک تھے جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ اور اپنے علم کے مطابق عمل پیرا تھے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ قرآن حکیم ان نفوس قدسیہ کا ذکر نہ فرماتا۔

۲۴۶ اس کا عطف المومنون پر ہے۔ نحوی قاعدہ کے مطابق المقیمون ہونا چاہیئے اسے اپنے معطوف علیہ کے خلاف اعراب کیوں دیا گیا؟ اس کے متعلق علماء نے متعدد جواب دیئے لیکن سب سے بہتر توجیہ وُہ ہے جو سیبویہ نے کی۔ قال سیبویہ هذا باب ماينصب على التعظيم: کہ مقیمین پر نصب تعظیم کی وجہ سے ہے وهذا اصح ما قيل فيه (قرطبی)

ع ٢٢

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ

اجر عظیم بے شک ہم نے وحی بھیجی آپ کی طرف [٢٤٧] جیسے وحی بھیجی ہم نے نوحؑ کی طرف

وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ

اور ان نبیوں کی طرف جو نوحؑ کے بعد آئے اور (جیسے) وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ،

اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ

اسحٰقؑ، یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں اور عیسٰیؑ، ایوبؑ، یونسؑ،

هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ

ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف اور ہم نے عطا فرمائی داؤدؑ کو زبور اور (جیسے وحی بھیجی) دوسرے رسولوں پر جن کا حال بیان کر دیا ہے

[٢٤٧] لغت عربی میں وحی کا معنی اشارہ کرنا ہے جیسے فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا حضرت زکریا نے انھیں اشارہ کیا کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کیا کریں اور اس کا اطلاق مختلف مفہوموں پر ہوتا رہتا ہے بطریقِ الہام کسی چیز کو دل میں ڈال دینے کو بھی وحی کہتے ہیں جیسے واوحینا الی ام موسیٰ نیز اپنے طبعی اور غریزی فرائض کی انجام دہی کے لیے جو ہدایت کسی کو فطری طور پر اپنے خالق کی طرف سے ہوتی ہے اُسے بھی وحی کہا جاتا ہے جیسے واوحٰی ربك الی النحل۔ اور کسی کو پُراسرار طریقہ سے کسی امر کی تعلیم دینے کو بھی وحی کہتے ہیں۔ جیسے شیاطین الانس والجن یوحی بعضہم الی بعض۔ اور انبیاء کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو وحی کی جاتی ہے اس کا مفہوم یہ ہے وحی اللّٰه الی انبیائه هو ما یلقیه الیهم من العلم الضروری الذی یخفیه عن غیرهم بعد ان یکون اعد ارواحهم لیلقیه بواسطة الملك او بغیر واسطة (المنار)
ترجمہ۔ اس علم یقینی اور قطعی کو وحی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ دُوسرے لوگوں سے پنہاں اپنے انبیاء کے دلوں میں القاء فرماتا ہے۔ جن کے ارواحِ طیبہ کو اُس نے پہلے سے اس علم کو قبول کرنے کے لیے تیار کیا ہوتا ہے۔ یہ القاء کبھی فرشتہ کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی بلاواسطہ براہِ راست۔ وحی کی حقیقت ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت پر غور فرمائیے۔ حضور نبی کریمؐ کی نبوت کو یہود بڑے شک کی نگاہ سے دیکھتے اور بہت حیران ہوتے تھے کہ یہ کیونکر نبی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے اور انبیاء بھی مبعوث ہوتے اور اُن پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے اور جب وہ ان کی نبوت اور ان پر نزولِ وحی کو تسلیم کرتے ہیں تو آپ کو کیوں نبی نہیں مانتے۔ چند انبیاء کے اسماءِ گرامی ذکر کر دیئے تاکہ انھیں مجالِ انکار نہ رہے۔

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ

ہم نے آپ سے اس سے پہلے اور ان رسُولوں پر بھی جن کا ذکر ہم نے اب تک آپ سے نہیں کیا ۲۴۸؎ اور کلام فرمایا اللہ نے

مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝۱۶۴ۚ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

مُوسیٰ سے خاص کلام ۲۴۹؎ (بھیجے ہم نے یہ سارے) رسُول خوشخبری دینے کے لیے اور ڈرانے کے لیے تاکہ نہ رہے

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۶۵

لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عُذر رسُولوں کے (آنے کے) بعد ۲۵۰؎ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے (کوئی تسلیم کرے تو اس کی مرضی)

۲۴۸؎ یہاں سے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے کہ انبیاء صرف اتنے ہی ہوئے ہیں جن کے نام قرآن مجید میں موجود ہیں اس لیے فرمایا کہ بعض ایسے انبیاء بھی ہیں جن کا نام قرآن حکیم میں نہیں آیا۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ دُوسرے انبیاء کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی علم نہ تھا۔ علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کو سب انبیاء کا علم تھا۔ یہاں نفی زمانہ گزشتہ کی ہو رہی ہے۔ یہ اس کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی نہ بتایا ہو۔ لان نفی قصهم من قبل لا يستلزم نفي قصهم مطلقا۔ (رُوح المعانی)

۲۴۹؎ مصدر کا ذکر تاکید اور رفع احتمال مجاز کے لیے ہے یعنی کوئی یہ نہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی گفتگو مُوسیٰ علیہ السّلام سے بھی بذریعہ فرشتہ ہوئی اور کلام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ بلکہ حقیقۃً اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے بغیر کلام فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ جس بندے کو اپنے خاص فضل سے ممتاز کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ بے واسطہ گفتگو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ہوئی لیکن موسیٰؑ سے وادیٔ ایمن میں اور مصطفےٰؐ سے بالا تر عرش۔ بس وُہی فرق جو کلیم اور حبیب میں ہے۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو جو معجزہ عطا ہوا وُہ معجزہ اللہ تعالیٰ نے بمعہ زیادتی اپنے محبوب کو بھی مرحمت فرمایا۔

بل ما من ذرة نور شعت في العٰلمين الا تصدقت بها شمس ذاته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولله سبحانه در البوصيري حيث يقول ؎

وكل آي اتى الرسل الكرام بها ۔ فانما اتصلت من نوره بهم (رُوح المعانی)

یعنی سارے جہانوں میں نُور کی کوئی کرن جو کہیں چمک رہی ہے وُہ آفتاب محمّدی کا صدقہ ہے۔ اور علّامہ بوصیریؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ اللہ کے معزز و مکرم رسولوں کو جو معجزہ بھی ملا ہے وُہ درحقیقت آپ کے نُور کا فیضان ہے۔

۲۵۰؎ یعنی ہم نے کثیر تعداد میں مختلف علاقوں اور مختلف وقتوں میں اس لیے نبی اور رسُول مبعوث فرمائے تاکہ لوگوں کو اللہ کی معرفت اور اس تک پہنچنے کا راستہ بتائیں اور یوم حشر جب وُہ ہماری جناب میں پیش ہوں تو یہ عُذر نہ پیش کر سکیں کہ ہمیں ہماری گمراہی پر کیوں سزا دی جا رہی ہے۔ کیا کوئی ایسا پیغمبر آیا جس نے ہمیں حق کی دعوت دی اور ہم نے قبول نہ کی جب ہمیں

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ

لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اُسے اتارا ہے اپنے علم سے اور فرشتے بھی ۲۵۱

يَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ (۱۶۶) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا

گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ تعالیٰ بطور گواہ بے شک وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اور روکا (دُوسروں کو)

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (۱۶۷) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ کی راہ سے ۲۵۲ وہ گمراہ ہوئے اور گمراہی میں بہت دُور نکل گئے بے شک جنھوں نے کفر کیا

وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۙ (۱۶۸)

اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ بخش دے انھیں اور نہ یہ کہ دکھائے ۲۵۳ انھیں (سیدھی) راہ

اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

بجز جہنم کی راہ کے ہمیشہ رہیں گے اس میں ابد تک اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے

حق کی طرف بُلانے والا آپ نے بھیجا ہی نہیں تو پھر ہمیں آج کیوں عذاب دیا جا رہا ہے۔ ان کے اس عُذر کو دُور کرنے کے لیے انبیاء و رُسل مبعوث کیے گئے۔

۲۵۱ جس ذات پاک نے آپ سے پہلے آنے والے پیغمبروں پر وحی نازل کی۔ اسی نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے دُوسرے لوگوں کی شہادت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ خود اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ اس کی سچائی کی گواہی دے رہا ہے کہ اسی نے اپنے کمالِ علم و حکمت سے اسے اُتارا ہے۔ اس کتاب کی ہر آیت بر محل بلکہ ہر کلمہ اللہ تعالیٰ کے کمالِ علم کی جلوہ گاہ ہے۔ جو شخص تعصّب سے بالاتر ہو کر اس کا مطالعہ کرے گا وُہ بے ساختہ کہہ اُٹھے گا کہ یہ کتاب اللہ کی نازل کردہ ہے۔

۲۵۲ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اوصاف و کمالات جو تورات میں موجود تھے ان کا انکار کر کے انھوں نے دُوسرے لوگوں کو بھی اسلام قبول کرنے سے روک دیا۔ ای دین الاسلام بانکارھم نعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم۔

۲۵۳ کیونکہ انھوں نے خود قبولِ حق کی استعداد کو ضائع کر دیا ہے اور اپنے اعمالِ سیّئہ سے اپنے آپ کو جہنّم کی سزا کا مستحق بنا دیا ہے۔

يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ ٱلرَّسُولُ بِٱلْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ

بالکل آسان ہے اے لوگو! تحقیق آگیا ہے تمہارے پاس رسُول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے

فَـَٔامِنُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا۟ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ

پس تم ایمان لاؤ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم انکار کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَٱلْأَرْضِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟

اور زمین میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا اے اہل کتاب نہ غلو کرو ۲۵۴

فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ إِنَّمَا ٱلْمَسِيحُ عِيسَى

اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ تعالیٰ کے متعلق مگر سچی بات بے شک مسیح عیسیٰ

ٱبْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ

پسر مریم تو صرف اللہ کے رسُول ہیں اور اس کا کلمہ ۲۵۵ جسے اللہ نے پہنچایا تھا مریم کی طرف اور ایک رُوح تھی

۲۵۴ اِس سے پہلے یہُود کا ذکر تھا جنھوں نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے مقامِ بلند کو نہ پہچانا اور آپ کو نبی ماننا تو کجا ایک شریف آدمی بھی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ کی ذات مقدسہ اور آپ کی والدہ طاہرہ پر گندے سے گندے بہتان لگائے یہاں تک کہ آپ کو قتل کرنے کی بھی مذموم کوشش کی جس میں وُہ ناکام رہے۔ ان کی تردید کے بعد رُوئے سخن دُوسری قوم کی طرف ہوتا ہے جنھوں نے حضرت مسیح کو یُوں بڑھایا کہ انھیں خُدا یا خُدا کا بیٹا ماننا شروع کر دیا۔ اب انھیں اس غلو سے روکا جا رہا ہے اور انھیں بتایا جا رہا ہے کہ وُہ خُدا نہیں، خُدا کے بیٹے نہیں بلکہ خُدا کے برگزیدہ رسُول اور مقبول بندے ہیں۔ غلو کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا الغلو التجاوز فی الحد (قرطبی) قرآن کریم میں حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے ذکر کے ساتھ کلمہ اور رُوح کے الفاظ کا ذکر اکثر ملتا ہے اس لیے ان کا صحیح مفہُوم ذہن نشین کرنا از حد ضروری ہے تاکہ کسی کی وسوسہ اندازی سے انسان متاثر نہ ہو۔

۲۵۵ کلمہ کا لغوی معنی تو ہے وما ینطق بہ الانسان جس کے ساتھ نطق کیا جائے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ عیسٰی علیہ السّلام پر اس کا اطلاق حقیقی معنی میں نہیں بلکہ مجازاً ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ مجاز کیا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام پر کلمہ کے اطلاق کی وجہ یہ ہے کہ ہر مولُود کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کی تخلیق سے

مِّنۡهُ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوۡلُوۡا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنۡتَهُوۡا خَيۡرًا

اس کی طرف سے ۲۵۶ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور نہ کہو کہ ۲۵۷ تین (خدا) ہیں، باز آجاؤ (ایسا کہنے سے) یہ بہتر ہے

متعلق ہوا اور وہ اپنی زبانِ قدرت سے "کُن" فرما کر اسے اذنِ ظہور دے دُوسرا سبب یہ ہے کہ مادہ منویہ شکمِ مادر میں قرار پکڑے اور وقتِ معین گزرنے کے بعد اس کی ولادت ہو۔ پہلا سبب اگرچہ حقیقی ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے اس لیے اسے سببِ بعید کہہ لیجئے اور دُوسرا سبب کیونکہ عادی اور عام ہے اور اسے ہر ایک جانتا ہے مومن ہو یا غیر مومن اس لیے اسے سببِ قریب کہہ لیجئے۔ اب یہاں دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے کہ سببِ قریب یعنی مادہ منویہ موجود نہیں اس لیے ان پر سببِ بعید یعنی کلمہ "کُن" کا اطلاق کر دیا اور آپ کو کلمۃ اللہ یا کلمۃ منہ کہہ دیا۔ اور عربی لغت میں سبب کا اطلاق مسبّب پر عام ہوتا رہتا ہے۔ جیسے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے متعلق فرمایا۔ انا دعوۃ ابی ابراھیم یعنی میں اپنے پدرِ بزرگوار ابراہیم کی دعا ہوں حالانکہ آپ دُعا نہ تھے بلکہ دُعا کا جواب تھے۔ دُعاء ابراہیمی کیونکہ آپ کی تشریف آوری کا سبب بنی تھی اس لیے آپ پر دُعا کا اطلاق کر دیا۔ نیز کلمہ کا لفظ بشارت اور آیت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا رہتا ہے اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ آپ وہ بشارت ہیں جو حضرت مریم کو دی گئی یا آپ اللہ کی قدرت کی آیت (نشانیوں میں سے ایک روشن نشانی) ہیں۔

۲۵۶ رُوح کا معنی ہے ما بہ الحیاۃ جس کے ساتھ زندگی قائم ہو۔ اور زندگی دو قسم کی ہوتی ہے حِسّی اور معنوی۔ حِسّی زندگی وُہ ہے جس کے ذریعے چلنا پھرنا، بولنا، سُننا اور سمجھنا اور یاد کرنا وغیرہ قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں اور معنوی وُہ ہے جس سے مکارمِ اخلاق رحم، سخاوت، محبت وغیرہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن حکیم کو بھی کئی بار رُوح کہا گیا ہے کیونکہ وُہ حیاتِ معنوی کا سبب ہے وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا۔ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے آپ پر رُوح یعنی قرآن نازل فرمایا۔ اور حضرت مسیح کیونکہ حیاتِ حِسّی اور معنوی دونوں کے مظہرِ اتم تھے اس لیے آپ کو بطورِ مبالغہ رُوح یعنی سراپا رُوح کہہ دیا جیسے ہم کسی بہت خوب صورت انسان کو "حُسنِ مجسّم" کہہ دیتے ہیں۔

منہ ۔ رُوح کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جزئیت کی نہیں بلکہ تشریف و تفضیل کی ہے اور یہ اضافت قرآن اور کلامِ عرب میں عام ہے مثلاً اللہ تعالیٰ شیطان کو فرماتے ہیں ان عبادی لیس لک علیھم سلطان یعنی میرے بندوں پر تُو قابو نہیں پا سکتا۔ بندے تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں مومن ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔ لیکن اطاعت شعار بندوں کی اضافت اپنی طرف کی اور اُن کو اپنا مخصوص اور مخلص بندہ ہونے کا شرف و عزّت بخشی۔ یہاں بھی روح منہ یا روح اللہ کہہ کر اس خصوصی شرف و مقبولیت کا اظہار مقصود ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بارگاہِ الٰہی میں حاصل ہے منہ کے لفظ سے یہ کہنا کہ قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اللہ کی جُزء ہیں بالکل ناحق ہے۔ کیونکہ آپ اس طرح جزئیت ثابت کرنے پر بضد ہوں تو پھر اس میں حضرت عیسیٰ کی خصوصیت باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ قرآن میں حضرت

لَكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا

تمہارے لیے بے شک اللہ تو معبود واحد ہی ہے پاک ہے وہ اس سے کہ ہو اس کا کوئی لڑکا اسی کا ہے

آدم علیہ السلام کے متعلق صاف موجود ہے کہ نفخت فیہ من روحی کہ میں نے اپنی رُوح آدم میں پھونک دی۔ صرف آدم نہیں بلکہ تمام اولادِ آدم کے متعلق ارشاد ہے ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر بچہ آدم کو مادہ منویہ سے تخلیق کر کے اور اس کے اعضاء کو درست کر کے اس میں اپنی رُوح پھونکی۔ صرف آدم وبنی آدم ہی نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کا جزو ماننا پڑے گا وسخر لکم مافی السموات ومافی الارض جمیعا منہ۔ اگر من روحی اور من روحہ اور منہ کے الفاظ سے کسی چیز کی جزئیت ثابت نہیں ہوتی تو پھر اگر وہی لفظ حضرت مسیح کے لیے استعمال ہوں تو ان سے جزئیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ انجیل میں اب بھی ایسی آیات موجود ہیں جن سے قرآن کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ رُوح الامین کے پھونک مارنے سے آپ کی ولادت ہوئی۔ ملاحظہ ہو۔ اما ولادۃ یسوع المسیح فکانت ھکذا: لما کانت مریم امہ مخطوبۃ لیوسف قبل ان یجتمعا وجدت حبلی من الروح القدس۔ اس عربی عبارت کا ترجمہ اُردو میں ملاحظہ ہو:۔

"اب یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔" (انجیل متی ۱: ۱۸)

۲۵۷ے قرآن حکیم نے حضرت مسیح کی ہستی کے متعلق جو صدیوں سے ایک معمہ بن کر رہ گئی تھی صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ وہ مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول ہیں اور بن باپ اس کے کلمۂ کُن سے ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی مقرب رُوحوں میں سے ایک مقدس رُوح ہیں۔ اب ان الفاظ سے عیسائیوں کو ان کے غلط عقیدہ سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے اور اس کے کلام الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل ہے کہ ثلثۃ جو خبر ہے اس کو ذکر کیا اور اس کی مبتداء کو محذوف کر دیا۔ کیونکہ تثلیث میں تو عیسائیوں کے تقریباً تمام فرقے متحد ہیں لیکن ان کی تفصیل میں ان کا باہمی اتنا اختلاف اور تضاد ہے کہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک بھی ایک چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی ایک مبتداء بیان کر دی جاتی تو تثلیث کی ایک صورت تو ممنوع ہو جاتی اور تثلیث کی دوسری اقسام کا حکم معلوم نہ ہو سکتا۔ اس لیے خبر کے ذکر پر اکتفا کیا تاکہ موقع اور محل کے مطابق مبتداء مقدر مان لی جائے۔ یہاں یہ تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کے تمام فرقوں کا تثلیث کے بارے میں جو جو عقیدہ ہے ان سب کو بیان کروں لیکن ان کے چند اہم فرقوں کے نظریات بیان کرنے کی ضرور جسارت کروں گا۔

اس بات پر تو تقریباً سب عیسائی فرقے متفق الرائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بحیثیت جوہر ہونے کے واحد ہے۔ اور

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز

بحیثیت اقانیم تین ہے۔ وجود، علم اور حیات کو اقانیم کہتے ہیں (اقانیم کا واحد اقنوم ہے جس کا معنی شخص اور اصل ہے۔ الاقنوم: الشخص، الاصل ج اقانیم والکلمۃ من الدخیل (المنجد) وجود کو باپ، علم کو بیٹا اور حیات کو رُوح القدس کہتے ہیں۔ ان کا اختلاف اس میں ہے کہ ان تین اقانیم کا تعلق جوہر (یعنی اللہ) سے کیسا ہے۔

١۔ ایک فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ تین اقانیم اور جوہر قدیم الگ الگ ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا ہے۔ اور اقنوم ثانی (یعنی علم) حضرت مسیح کے جسم سے متحد ہو گیا جیسے شراب اور پانی ملنے کے بعد یک جان ہو جاتے ہیں اور مسیح بھی ازلی قدیم ہے۔ اور مریم نے ازلی قدیم کو جنا ہے۔

٢۔ ایک اور فرقہ یہ کہتا ہے کہ بیٹا یعنی مسیح کی دو حیثیتیں ہیں ایک لاہوتی اور ایک ناسوتی۔ اس حیثیت سے کہ وُہ خُدا کا بیٹا ہے۔ وُہ خدائے کامل ہے اور اس حیثیت سے کہ اس کا ظہور اس جسدِ عنصری میں ہوا انسان کامل ہے اس لیے یہ قدیم بھی ہے اور حادث بھی۔ اور قدیم و حادث کا یہ اتحاد نہ قدیم کی قدامت کو متاثر کرتا ہے اور نہ حادث کے حدوث کو۔

٣۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ کلمہ یعنی اقنوم ثانی گوشت اور خون میں بدل گیا اور خُدا مسیح کی شکل میں رُونما ہوا۔

٤۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ الٰہ قدیم کے جوہر اور انسان حادث کے جوہر میں یُوں امتزاج ہوا جیسے نفسِ ناطقہ کا جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور وُہ دونوں ایک چیز بن جاتے ہیں۔ اسی طرح جوہر قدیم اور جوہر حادث کے مجموعہ کا نام مسیح ہے اور وُہی خدا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگرچہ خُدا انسان نہ بن سکا لیکن انسان خُدا بن گیا۔ جیسے اگر آگ کوئلہ نہیں بن سکتی تو کوئلہ تو آگ بن جاتا ہے۔

اس سلسلہ کو کہاں تک طول دیں مُشتے نمونہ از خروارے بس ست۔ ان میں سے کوئی بات ایسی نہیں جسے عقل سمجھ سکے۔ بہرحال ایک چیز واضح ہو گئی کہ ان تمام اختلافات کے باوجود تثلیث کے عقیدہ پر سب متفق ہیں۔ گو عنوان جُدا جُدا ہیں لیکن معنون ایک ہی ہے۔ اور یہ ایک ایسا معمہ ہے جس کو حل کرنے کے لیے عیسائیت کے بڑے بڑے مدبّر دِل اور دانشوروں نے سر توڑ کوشش کی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ آخر ایک ہی چیز کو قدیم اور حادث، خُدا اور بندہ اور لاہوت و ناسوت کا مجموعہ کیسے تصور کر لیا جائے۔ اگر تاریخ مذاہب عالم کا مطالعہ کیا جائے تو تثلیث کا عقیدہ تمام مُشرکانہ مذاہب میں مُشترک نظر آتا ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں "تری مورتی" یعنی برہما، وشنو اور شیو کی عبادت کی جاتی ہے۔ جن کے لیے وُہ ان تین حروف (ا۔و۔م) کو بطور رمز استعمال کرتے ہیں۔ چین میں "تاؤ" ایک ایسا خُدا ہے جس کی تین اقانیم ہیں۔ مصر قدیم میں معبد منفیس کے قسیس ثالوث مقدس کی تعلیم دیتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ پہلے نے دُوسرے کو اور دونوں

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

ہرگز عار نہ سمجھے گا مسیح (علیہ السلام) کہ وُہ ۲۵۸ بندہ ہو اللہ کا اور نہ ہی مقرب فرشتے

الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

(اس کو عار سمجھیں گے) اور جسے عار ہو اس کی بندگی سے اور وُہ تکبر کرے تو اللہ جلد ہی جمع کرے گا

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

ان سب کو اپنے ہاں پھر جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ پُورا پُورا دے گا انھیں

نے مل کر تیسرے کو پیدا کیا۔ اُن کے اعتقاد میں اقنوم ثانی کو کلمہ، نیز دُوسرا خُدا اور اللہ کا پلوٹھی کا بیٹا کہا جاتا (بالکل ویسے جیسے اب عیسائی کلمہ کو ابن اللہ اور الٰہ مانتے ہیں) اور فارس میں بھی ایک ایسے الٰہ کی پرستش کی جاتی تھی جو مثلث الاقانیم تھا جن کے نام یہ تھے ازمرد، متراث اور اہرمن۔ متراث کو وُہ بھی ابن اللہ کہا کرتے۔ اور خود یورپ میں مسیحیت سے پہلے تثلیث کا عقیدہ رائج تھا۔ چنانچہ یُونانی ایک ایسے خُدا کے قائل تھے جس کی تین اقانیم تھیں۔ اور رُوم کے قدیم بُت پرست بھی تثلیث کے قائل تھے۔ اور اللہ، کلمہ اور رُوح پر ایمان رکھتے تھے۔ اس مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ جب عیسائیت مشرقِ اوسط سے یورپ میں پہنچی اور قسطنطین شاہِ رُوم نے اسے قبُول کیا تو وُہی تثلیث جو اہلِ یورپ کے عقیدہ میں غیر معلوم زمانہ سے چلی آ رہی تھی منتقل ہو کر ایک ایسے دین میں آ گئی جو سراسر توحیدِ خالص کا علم بردار تھا! انجیل مقدس کی یہ آیت اب بھی اعلان کر رہی ہے کہ اس دینِ حق کا اور اس کے پیغمبر کا دامن شرک کی ان آلودگیوں سے پاک ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

هذه هي الحياة الابدية ان يعرفوك انت الاله الحقيقي وحدك ويسوع المسيح الذي ارسلته۔ (انجیل یوحنا)

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وُہ تجھ خُدائے واحد اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔"

(انجیل یوحنا باب ۱۷ : ۳)

۲۵۸ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف اور اپنے بندہ ہونے کا اعتراف باعثِ ہزار فخر و نازش ہے وُہ بھلا کیوں اس کو عار سمجھیں۔ اور حقیقتہً یہی انسان کی سب سے بڑی سعادت ہے کہ اپنے معبُودِ حقیقی کو پہچان لے اور اپنے گلے میں اس کی بندگی کا طوق ڈال کر اس کی جناب میں حاضر ہو۔ حضور رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام جب معراج کی رات مقامِ قرب کی انتہا تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے پُوچھا بما اشرفك يا محمد۔ اے سراپا ستائش و خوبی! میں آج

أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا

اُن کے اجر اور زیادہ بھی دے گا انھیں اپنے فضل (وکرم) سے۔ لیکن جنھوں نے عار سمجھا (بندہ بننے کو)

وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ ﴿۱۷۳﴾ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

اور تکبّر کیا تو عذاب دے گا انھیں دردناک عذاب اور نہ پائیں گے اپنے لیے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۴﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار اے لوگو! آ چکی ہے تمھارے

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

پاس ایک (روشن) دلیل تمھارے پروردگار کی طرف سے اور ہم نے اُتارا ہے تمھاری طرف نُور درخشاں تو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ

ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ (کی رسّی) کو تو عنقریب داخل کرے گا انھیں اپنی رحمت

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۶﴾ ط يَسْتَفْتُوْنَكَ ط

اور فضل میں اور پہنچائے گا انھیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی راہ پر (اے میرے رسول) فتویٰ پوچھتے ہیں

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ط اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ

آپ سے۔ آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تمھیں کلالہ (کی میراث) کے بارے میں ۲۵۹؎ اگر کوئی ایسا آدمی فوت ہو جائے نہ ہو جس کی کوئی اولاد

تجھے کس اعزاز سے مشرّف کروں تو حضورؐ نے عرض کی بنسبتی الیک بالعبودیة مجھے اپنا بندہ ہونے کا شرف عطا فرما۔ شاید یہی حکمت ہے کہ جس آیت میں معراج کا ذکر ہے وہاں حضور کے متعلق عبدہ کا لفظ مذکور ہے۔ استنکف الرجل: استکبر واستنکف من کذا: امتنع انفة وحمیة واستکبارا (المنجد) یعنی تکبّر کرنا، ازراہِ نخوت وغرور کسی چیز سے رُک جانا۔

۲۵۹؎ کلالۃ اسے کہتے ہیں جس کے والدین بھی زندہ نہ ہوں اور اولاد لڑکی یا لڑکا بھی کوئی نہ ہو۔

وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ

اور اس کی ایک بہن ہو تو بہن کا نصف حصّہ ہے اس کے ترکہ سے ۲۶۰؎ اور وُہ وارث ہو گا اپنی بہن کا اگر نہ ہو اس بہن

لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ

کی کوئی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں ۲۶۱؎ تو ان دونوں کو دو تہائی ملے گا اس سے جو اس نے چھوڑا اور اگر

كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ

وارث ہوں بہن بھائی مرد بھی اور عورتیں بھی ۲۶۲؎ تو مرد (بھائی) کا حصّہ دو عورتوں (بہنوں) کے حصّہ کے برابر ہے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ١٧٦ ع

صاف صاف بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام ۲۶۳؎ تاکہ گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲۶۴؎

۲۶۰؎ وُہ بہن جو صرف ماں کی طرف سے ہو اس کا حکم پہلے گزر چکا۔ یہاں بہن سے مراد سگی اور باپ کی طرف سے جو بہن ہو اُس کا ذکر ہو رہا ہے ایسی بہن کو نصف ترکہ ملے گا۔ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو یعنی چچا، چچازاد بھائی وغیرہ تو ان کو ملے گا۔ ورنہ یہ نصف بھی بہن کی طرف لوٹ آئے گا۔

۲۶۱؎ اور بقیہ ثلث عصبہ کو ملے گا اور اگر عصبہ کوئی نہ ہو تو پھر یہ بھی ان کو ملے گا۔ دو یا دو سے زائد بہنوں کا یہی حکم ہے۔

۲۶۲؎ اگر کلالہ کے وارثوں میں بھائی اور بہن دونوں ہوں تو بھائی کو دو حصّے اور بہن کو ایک حصّہ ملے گا۔

۲۶۳؎ احکامِ میراث کو اتنی وضاحت اور تفصیل سے بیان کرنے کی غرض بتا دی کہ تم اپنی خود ساختہ مصلحتوں کو ملحوظ رکھتے ہُوئے کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ۔

۲۶۴؎ یہ نظام کسی ایسے قانون ساز کی تخلیق نہیں جس کی معلومات ادُھوری اور ناقص ہوں۔ بلکہ اُس قادر و توانا ربّ العزّت کا مقرر فرمُودہ ہے جو ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تعارف سورۃ المائدہ

اس سورۃ پاک کا نام "المائدۃ" ہے اور یہ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں خواہ وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ طیبہ سے باہر حالت سفر میں یا حج و عمرہ کے ایام میں خاص مکہ مکرمہ میں سب کو مدنی کہا جاتا ہے۔ اس کی ایک سو بیس آیات اور سولہ رکوع ہیں۔ اس کے حروف کی تعداد ۱۲۴۶۴ ہے۔

اس سورۃ کی فقط ایک آیت اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ الخ کے متعلق تو یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں ۹۔ ذی الحجہ ۱۰ھ کو نازل ہوئی۔ باقی آیات کی تاریخ نزول کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن مختلف روایات میں غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ اس کا نزول صلح حدیبیہ کے وقت سے شروع ہوا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس کا اختتام ہوا۔

یہ چند سال اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ مدینہ کے افق پر خطرات کے جو سیاہ بادل ہر وقت منڈلایا کرتے تھے وہ آہستہ آہستہ ناپید ہو رہے تھے۔ کفار پر یہ حقیقت عیاں ہو چکی تھی کہ اسلام ایک قوت ہے اس کو مٹانا اب ان کے بس کی بات نہیں۔ یہودیوں کا زور بھی اب ٹوٹ چکا تھا۔ مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں ان کی سب بستیاں گڑھیاں اور قلعے مسلمانوں کے تصرف میں تھے بغرضیکہ مظلومیت کی طویل اور تاریک رات اب ختم ہو رہی تھی اور آفتاب اقبال طلوع ہو رہا تھا۔ ان بدلتے ہوئے حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو کیا ہدایات فرمائیں۔

۱۔ اس سورۃ کا آغاز تربیت اخلاق سے ہو رہا ہے اس لیے پہلے اسی عنوان پر غور کریں۔ اس سورۃ میں مختلف اقسام کے اخلاقی سبق دیئے گئے ہیں جن کا تعلق جس طرح ایک قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے ہے اسی طرح ان کا تعلق بین الاقوامی معاملات اور تعلقات سے بھی ہے۔ سب سے پہلے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو وعدہ کرو اس کو پورا کرو۔ خواہ یہ وعدہ نجی کاروبار کے متعلق ہو اپنے حلیفوں سے ہو یا حریفوں سے ہو اور خواہ اپنے رب ذوالمجد والعلیٰ سے ہو۔ آج کل کی متمدن قومیں یہ درست ہے کہ اپنے انفرادی وعدوں کی کسی حد تک پابندی کرتی ہیں لیکن سیاسی زندگی میں اپنے وعدوں کی جو مٹی پلید کرتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں مسلمانوں کا رب انہیں حکم دیتا ہے کہ جو وعدہ کرو اسے

پُورا کرو خواہ وُہ وعدہ حدیبیہ کے میدان میں دُشمنانِ اِسلام سے ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔

اَب جب قوّت و اقتدار مُسلمانوں کے پاس آرہا ہے تو ان کو صاف صاف اور کئی کئی بار حکم دیا کہ جب قضا کی کُرسی پر بیٹھو تو یاد رہے عدل و انصاف تمہارا شعار ہو۔ فریقِ مقدمہ تمہارا دُشمن ذاتی نہیں بلکہ دینی دُشمن ہی کیوں نہ ہو عدل کا دامن تمہارے ہاتھوں سے چھُوٹنے نہ پائے۔ نیز فرمایا کہ اقوامِ عالم سے تمہارے تعلّقات کی بُنیاد یہ ہو کہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں اُنھیں تمہاری معاونت حاصل ہو اور گناہ اور ظلم کے کسی کام میں تم اُن سے اشتراک نہ کرو۔ فرزندانِ آدم کا قصّہ بیان کر کے بتایا کہ حسد بہت بُری چیز ہے اس نے بھائی کو بھائی کا قاتل بنا دیا تم اِس مذموم خصلت سے احتراز کرنا۔

۲۔ **آسمانی کتابیں**:۔ دُوسری اہم چیز جس کا ذکر اِس سُورۃ میں کیا گیا ہے وُہ یہ ہے کہ تورات انجیل اور قرآن الگ الگ نظریات کے عَلَم بردار نہیں بلکہ یہ تینوں نہریں ایک ہی سرچشمۂ فیض سے پھُوٹی ہیں۔ تورات کے متعلق فرمایا کہ فیها هدى و نور۔ انجیل کے متعلق بھی بعینہٖ یہی الفاظ فرمائے کہ فيه هدى و نور اور قرآن کے متعلق تو بار بار یہی فرمایا گیا۔ معلُوم ہُوا سب میں ہدایت ہے سب میں نُور ہے۔ اور ہر ایک کتاب میں اپنے زمانہ کے مُطابق شریعت کا مکمّل ترین نظام اور اخلاقیات و معاملات کا واضح ضابطہ موجود تھا۔ اور ان سب کا جامع اور ان تمام بلند اخلاقی قدروں کا نقیب، محافظ اور نگہبان قرآن مجید ہے۔

۳۔ حاملانِ قرآن کو تنبیہ فرما دی کہ دیکھو! ہدایت و نور یہُود کے پاس بھی آیا اور نصاریٰ کے پاس بھی لیکن اُنھوں نے اس سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ اَے غلامانِ مصطفٰےؐ! اب وُہی ہدایت و نور اپنی پُوری آب و تاب اور شوکت و جلال سے تمہارے مطلعِ حیات پر نمُودار ہو رہا ہے۔ اور تمھیں اس سے اِستفادہ کا موقع دیا جا رہا ہے کہیں تم بھی اپنے پیش روؤں کی طرح اپنی خواہشات اور خود ساختہ مصلحتوں کی قربان گاہ پر اسے بھینٹ نہ چڑھا دینا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کی پُوری پُوری تعمیل کرنا۔ کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کے مطابق فیصلے کرتا ہے وُہ منکرِ حق ہے۔ وُہ نافرمان ہے وُہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے۔ نیز فرمایا کہ یہُود و نصاریٰ خود تو بھٹکے ہُوئے ہیں۔ وُہ تمھیں بھی جادۂ حق سے ہٹانے پھسلانے کی انتہائی کوشش کریں گے۔ خبردار! ہوشیار! ان کے دامِ فریب میں نہ پھنس جانا۔ واحذرهم ان يفتنوك عن بعض ما انزل الله اليك ۔

معلوم ہوتا ہے اہلِ حق کو حق سے برگشتہ کرنے کی جو کوشش اس وقت شروع ہوئی تھی وُہ بدستور جاری ہے اور پہلے کی نسبت زیادہ تندی اور تیزی سے۔ اور اسی تحریک کے پیدا کردہ وُہ وسوسے ہیں جن کی وجہ سے اسلامی ملکتوں کے سربراہ اِسلامی قانون کو اپنانے سے ہراساں ہیں۔ بات تو صرف اتنی ہے کہ جس طرح پوری یک جہتی کے ساتھ ایک بار اللہ اکبر کہہ کر ہم نے ان فرنگی آقاؤں کی ظاہری غلامی کے زنجیر توڑے ہیں۔ بس ایک بار اور جی کڑا کر کے اللہ اکبر کہیں اور ذہنی غلامی کا طلسم بھی توڑ کر رکھ دیں۔ قوتِ یقین اور ذوقِ عمل کا ایک معجزہ چند سال ہُوئے ہم نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا ہے اور اقوامِ عالم کو دکھایا ہے۔ فقط ایک اور معجزہ نمائی کی ضرورت ہے۔ وادیٔ ایمن سے تو اب بھی یہ آواز دمادم آرہی ہے۔ لاتخف انک انت الاعلیٰ۔ گھبراؤ نہیں تو ہی سرفراز و کامیاب ہے اور والق ما فی یمینک کا حکم مل رہا ہے لیکن ہم ہیں کہ ساحرِ فرنگ کی شعبدہ بازیوں سے دم بخود ہوئے بیٹھے ہیں۔

افحکم الجاهلیة یبغون (کیا تم جاہلیت کے قانون پر عمل کرنا چاہتے ہو؟) کی توبیخ سے یہ بتایا کہ اگر تمہاری غفلت کے باعث حق کا چراغ گل ہو گیا تو پھر "جاہلیت" کا اندھیرا چھا جائے گا۔ اور "جاہلیت" خواہ اس کے چہرہ کو علم و فن کی مشاطگی نے کسی دل آرام کی طرح بہت ہی دلکش و دلفریب بنا دیا ہو۔ اس کی روح ظالم ہے اس کی فطرت بے رحم ہے وہ تمہاری ساری عزیز قدروں اور عقائد کو کچل دے گی روند ڈالے گی بلکہ خود تم سے روندوا ڈالے گی۔

۴۔ قرآن جو شریعت لے کر آیا اس کی کئی جزئیات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ حج کے آداب۔ شعائر اللہ کی تعظیم، شراب اور جوا کی قطعی ممانعت، وضو و تیمم کے احکام، حلال و حرام اشیاء کا ذکر، پُرامن راستوں پر ڈاکہ زنی کرنے والوں اور چوری کرنے والوں کے لیے عبرتناک سزائیں وغیرہ۔ جن کا تفصیلی تذکرہ اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔

۵۔ لات و ہبل کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ان کے اپنے ماننے والے ان سے بدظن ہو چکے تھے۔ اب صرف اتنی ہی دیر تھی کہ کوئی دھکا دے اور وہ دھڑام سے منہ کے بل زمین پر گر پڑیں۔ لیکن شرک کی ایک اور قسم دنیا کے ایک وسیع حصہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی یعنی عیسائیوں کا عقیدۂ تثلیث۔ جس کی اشاعت کے لیے شاہی خزانوں کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ جس کی حفاظت کے لیے بے شمار تلواریں بے نیام تھیں۔ اور جب کبھی کسی فکری بحران نے اسے دُود چراغِ محفل بنانا چاہا تو علماءِ فلسفۂ یونان و روما کا حجابِ اکبر تان کر کھڑے ہو جاتے۔ قرآن نے اس عقیدہ کا پہلے بھی محاسبہ کیا ہے۔ اور یہاں بھی بڑی بے تکلفی اور فطری سادگی سے اس کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ عیسیٰ خدا نہیں ہو سکتا۔ جو ماں کے شکم سے پیدا ہو۔ جو اپنی بقا کے لیے کھانے پینے کا محتاج ہو وہ بندہ ہو سکتا ہے مقبول ترین بندہ، محبوب ترین بندہ، لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ اور روزِ قیامت پیش آنے والے واقعات کو بیان کرتے ہوئے حضرت مسیح کی زبانی توحیدِ خالص کا اعلان کرا دیا۔

۶۔ اس سورۃ کا طرۂ امتیاز وہ آیت کریمہ ہے جو بتاریخ ۹۔ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ میدانِ عرفات میں رحمتِ عالمیان، پیکرِ ہدایت، نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ دین کی تکمیل کا اعلان! اتمامِ نعمت کا مژدہ! اللہ اللہ! بلال رضی اللہ عنہ کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی ہوں گی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جبینِ نیاز سجدہ میں جھک گئی ہو گی۔ عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے چہرے فرطِ مسرت سے رشکِ مہِ تاباں بن گئے ہوں گے اور حمزہ رضی اللہ عنہ، یاسر رضی اللہ عنہ، سمیہ رضی اللہ عنہا اور خباب رضی اللہ عنہ اپنے اپنے مزاراتِ پُر انوار میں ربِ ذوالجلال کی حمد و ثنا معلوم نہیں کوثر و سلسبیل سے دُھلے ہوئے کن نورانی کلمات سے کرنے لگے ہوں گے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کائنات کا ذرہ ذرہ جھوم اٹھا

ہوگا۔ اللہ رب السموات والارض کی ساری نوری مخلوقات اس کے حبیب، اس کے رسول، اس کے صفی اور اس کے عبدہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کے پھول نثار کر رہی ہوگی۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین بجاہ سیدی ومولائی وحبیبی محمد الامین وآلہ الطیبین آمین آمین یارب العالمین۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(سورۂ مائدہ مدنی ہے اس کی) اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیتیں ۱۲۰ اور رکوع ۱۶ ہیں)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۭ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ

اے ایمان والو! پورا کرو (اپنے) عہدوں کو[1] حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے بے زبان

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ

جانور[2] سوائے ان کے جن کا حکم پڑھ کر سُنایا جائے گا تمہیں نہ حلال سمجھو شکار کو جب کہ تم احرام باندھے ہو[3]

[1] جس طرح وعدہ کیا گیا ہو اُسی کے مُطابق اس کو پُورا کرنے کو وفاء اور ایفاء کہتے ہیں۔ عقود عقد کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی گرہ لگانا ہے۔ اب اس کا اطلاق اس پختہ وعدہ پر ہوتا ہے جو دو شخصوں کے درمیان طے پائے۔ یہاں عقود سے مُراد ہر قسم کے معاہدے ہیں خواہ وُہ انسان اور اس کے خالق کے درمیان ہوں یا انسان اور انسان کے درمیان ہوں۔ ان کا تعلق دینی احکام سے ہو یا دُنیوی معاملات سے سب اس میں درج ہیں۔ اور سب کی پابندی کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے البتہ وُہ وعدہ جس کے پُورا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اُس کا پُورا نہ کرنا ضروری ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے عہد شکنی کو منافقت کی علامت قرار دیا ہے۔ اخلاق کا کتنا بہترین درس ان دو لفظوں میں دیا گیا۔ کاش ہم سمجھیں اور عمل کریں۔

[2] احکامِ الٰہی کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن کی تعمیل کا وعدہ ہر مُسلمان اسلام قبول کرتے وقت اپنے ربّ سے کیا کرتا ہے۔ پہلا حکم یہ ہے کہ ان جانوروں کے علاوہ جن کا ذکر آگے آ رہا ہے دُوسرے مویشی تمہارے لیے حلال ہیں مشرکین عرب نے اپنے باطل عقائد اور فاسد خیالات کی وجہ سے کئی مویشی اپنے اُوپر حرام کر رکھے تھے مثلاً بحیرہ وغیرہ۔ نیز کئی مویشی بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کر دیئے گئے تھے مُسلمانوں کو حکم دیا کہ یہ جانور تمہارے لیے حلال ہیں۔ بھیمۃ کا معنی علامہ راغب نے کیا ہے مالانطق له یعنی بے زبان۔ ترجمہ میں مَیں نے یہی معنی اختیار کیا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ہر چوپائے کو بہیمہ کہا جاتا ہے اسو لکل ذی اربع اس صورت میں اس کی اضافت انعام کی طرف اضافتِ بیانیہ ہوگی۔ بعض دیگر اہلِ علم کا خیال ہے کہ بہیمہ سے مُراد چرنے والے شکاری جانور ہیں مثلاً ہرن۔ نیل گائے وغیرہ۔

[3] دُوسرا حکم یہ دیا گیا کہ جب تم نے حج و عُمرہ کے لیے احرام باندھ لیا ہو تو پھر تمہارے لیے خشکی کا شکار ممنوع ہے

إِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝١ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَآئِرَ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے ۴ اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو اللہ کی نشانیوں

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّينَ

کی ۵ اور نہ عزت والے مہینہ کی اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی قربانیوں کی اور نہ جن کے گلے میں پٹے ڈالے گئے ہیں اور نہ (بے حرمتی کرو) جو

۴ بیشتر احکام جو اس وقت نازل ہو رہے تھے وہ عرب کے دیرینہ رسم و رواج اور ان کے آبائی عقائد کے بالکل خلاف تھے۔ اس لیے احتمال تھا کہ سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتے کہ ایسا حکم کیوں دیا گیا۔ اسے کیوں حرام اور اسے کیوں حلال کیا گیا وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ فرما کر ان تمام چہ میگوئیوں کا دروازہ ہی بند کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔ جب تم نے اس کا بندہ ہونے کا اعتراف کر لیا۔ اس کو علیم و حکیم تسلیم کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کا وعدہ کر لیا تو اب قیل و قال کیسی یقین محکم سے ہر ارشاد کی پیروی کرتے جاؤ۔

۵ امام ابن جریرؒ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرہ بروزن فعیلہ کی جمع ہے اس کا معنی ہے وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وشعائرہ التی جعلہا امارات بین الحق والباطل یعنی جن سے حق و باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا طرۂ امتیاز مقرر فرمایا ہے ان کی پابندی کرو۔ جن حدوں کو قائم کیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو۔ جن چیزوں کے استعمال سے روکا ہے ان کے قریب مت جاؤ۔ ھَدْیٌ اس قربانی کے جانور کو کہا جاتا ہے جو حرم شریف کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لے جاتے۔ قلائد یعنی ذوات قلائد: قربانی کے ان جانوروں کو کہا جاتا جو حرم کی حدود میں ذبح کرنے کے لیے کوئی اپنے ہمراہ لیے جا رہا ہو اور ان کے گلے میں پٹے ڈال دیئے گئے ہوں۔ آمّین: قصد کرنے والے ارادہ کرنے والے لفظی تحقیق کے بعد اب اس آیت کا شانِ نزول ملاحظہ ہو۔ حطمہ بن ہند البکری بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضورؐ سے اسلام کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا۔ حضورؐ نے اسلام کی حقیقت اس کے سامنے پیش فرمائی۔ سن کر کہنے لگا مجھے سوچنے کا موقع دیجئے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مشورہ بھی کر لوں۔ امید ہے کہ ہم سب آپ کا دین قبول کر لیں گے۔ اس کے حاضر خدمت ہونے سے پہلے ہی حضورؐ نے اپنے صحابہ کو بتا دیا تھا کہ آج تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک ایسا آدمی آ رہا ہے جو شیطان کی زبان سے گفتگو کرے گا۔ اور جب وہ جانے لگا تو حضورؐ نے فرمایا لقد دخل بوجہ کافر وخرج بعقب غادر: جب آیا تھا تو اس کے چہرے پر کفر کی نحوست برس رہی تھی اور اب جا رہا ہے تو اس کی پشت پر غداری کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ راستہ میں ایک جگہ مسلمانوں کے مویشی چر رہے تھے ان کو بھگا کر لے گیا۔ دوسرے سال قربانی کے لیے وہی مسلمانوں کے چرائے ہوئے مویشی لے کر ان کے گلے میں قلادے ڈال کر حج کے ارادہ سے روانہ ہوا۔

الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

قصد کیے ہُوئے ہیں بیتِ حرام کا طلب کرتے ہیں اپنے رب کا فضل اور (اس کی) رضا اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

احرام کھول چکو تو شکار کر سکتے ہو اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں ۲؎ کسی قوم کا بغض بوجہ اس کے کہ انھوں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

نے روکا تھا تمھیں مسجدِ حرام سے اس پر کہ تم زیادتی کرو اور ایک دُوسرے کی مدد کرو ۳؎ نیکی اور

وقف لازم

مُسلمانوں کو علم ہُوا تو اُنھوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا تو فوراً یہ آیت نازل ہوئی یعنی اگرچہ وُہ کافر ہے اور تمھارا مُجرم بھی ہے۔ لیکن اب نکلا ہے میرے گھر کی نیت سے۔ قربانی کے جانوروں کے گلوں میں پٹے ڈال کر۔ اس سے تعرض نہ کرو (ابن جریر قرطبی) خُدا پرستی کی کیا عُمدہ تعلیم ہے۔ کوئی کسی رُوپ میں ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو کر نکلے تو اُس پر دست درازی نہ کرو۔ اس کی اب ہر چیز شعائر اللہ ہے۔

۲؎ جَرَم کا معنی برانگیختہ کرنا، کسی کام پر اُکسانا ہے۔ شَنَاٰن کے معنی بُغض اور دُشمنی کے ہیں۔ قریش مکّہ کا دستُور تھا کہ حج وعمرہ کے لیے کسی پر پابندی نہ تھی۔ جانی دُشمن بھی حرم کا مہمان بن کر کیوں نہ آجاتے اس کا احترام کیا جاتا اس کی خدمت کی جاتی۔ لیکن جب ۶ھ میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے آئے تو کفّارِ مکّہ نے داخل ہونے سے روک دیا اور ان تمام سابقہ روایات کو بالائے طاق رکھ دیا جو زائرین کعبہ کے لیے ان کے ہاں مروّج تھیں مُسلمانوں کو کتنا صدمہ پہنچا ہوگا اور ان کے غُصّہ کی کیا کیفیت ہوگی اس کا اندازہ آپ آسانی سے لگا سکتے ہیں۔ عین ممکن تھا کہ مُسلمان جوابی کاروائی کرتے اور ان مُشرک قبائل کو مکّہ آنے سے روک دیتے جن کے راستے مُسلمانوں کے مقبوضہ علاقہ سے گزرتے تھے اس لیے ربّ جلیل نے انھیں حکم دیا کہ کفّارِ مکّہ کا اتنا شدید جرم بھی تمھیں کسی پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے تمھیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم کسی پر ظلم و تعدّی کرو۔ تمھاری شان سے یہ حرکت بہت فروتر ہے۔ یہ قرآن کی تعلیم ہے جہاں تصنّع نہیں ریا نہیں۔ دیکھئے قرآن اپنے ماننے والوں کی اخلاقی تربیت کن بلند اصولوں پر کر رہا ہے۔ یہاں ہوا کا رُخ دیکھ کر بات نہیں کی جاتی بلکہ ایسی بات کی جاتی ہے جو ہوا کا رُخ موڑ دے۔ عین اُس وقت مُسلمانوں کو دُشمن پر دست درازی سے منع فرمایا جب غصّہ کی چنگاریاں چٹخ رہی تھیں اور انتقام کے شعلے بھڑک رہے تھے

۳؎ زندگی کا ایک اور زرّیں اصُول سکھایا جا رہا ہے کہ تمھارے آپس کے تعلقات کی بُنیاد اور اقوامِ عالم سے تمھارے تعلقات کی اساس یہ ہونی چاہیے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں اُنھیں تمھاری اعانت اور تعاون حاصل ہو اور ہر

التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

تقویٰ (کے کاموں) میں اور باہم مدد نہ کرو گناہ اور زیادتی پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۲ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَ

اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے حرام کیے گئے ہیں تم پر شے مُردار ، خُون ،

لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

سُور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے اور گلا گھُونٹنے سے مرا ہوا چوٹ سے مرا ہُوا

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۫ وَ

اُوپر سے نیچے گر کر مرا ہُوا ، سینگ لگنے سے مرا ہُوا اور جسے کھایا ہو کسی درندے نے سوائے اس کے جسے تم ذبح کرلو اور (حرام ہے)

بُرائی اور گناہ کی تحریک میں تم ان سے الگ رہو۔ قرآن کا ہر حکم دل نواز، اس کی ہر آیت انسانیت پرور اور اس کا ہر فرمان گمراہوں کے لیے روشنی کا مینار ہے لیکن ان کی برکات کا ظہور تو تب ہو جب ان کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ اور اس کو کلام الٰہی ماننے والی قوم ہی جب عملی طور پر اس سے رُوگرداں ہو تو اس کی مضمر خوبیاں اور فائدے کیوں کر عیاں ہوں۔

شے یہاں سے ان جانوروں کا ذکر ہو رہا ہے جو حرام ہیں۔ (۱) میتہ : مُردار (۲) دم مسفوح : وُہ خون جو ذبح کے وقت بہتا ہے (۳) خنزیر (۴) ما اھل بہ : وُہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے۔ جیسے مُشرکین کا طریقہ تھا کہ جانور ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے کی بجائے باسم اللّات والعزّیٰ ، لات اور عزیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہُوں کہا کرتے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔ ای رفع الصوت لغیر اللہ بہ لقولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ۔ اس پر تفصیلی حاشیہ سُورۃ بقرہ کی آیت ۱۷۳ کے نیچے مُلاحظہ فرمادیں۔ (۵) منخنقۃ۔ وُہ جانور جو گلا گھُونٹنے سے مرجاتے۔ (۶) موقوذۃ۔ جسے پتھر یا لاٹھی کی پیہم ضربوں سے مار دیا گیا ہو (۷) متردیۃ۔ جو بلندی سے نیچے گر کر مرجاتے۔ (۸) نطیحۃ۔ جو جانور کسی جانور کے سینگ مارنے سے مرجاتے۔ (۹) جسے کوئی درندہ پھاڑ ڈالے الا ماذکیتم یعنی سابقہ جانور اگر زندہ ہوں اور انھیں ذبح کرلیا جائے تو پھر اُن کا کھانا حلال ہے (۱۰) وما ذبح علی النصب امام ابن جریر نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ نصب وُہ پتھر ہیں جن کی زمانۂ جاہلیت میں پُوجا کی جاتی تھی اور ان کے لیے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ والنصب الحجارۃ کان اھل الجاھلیۃ یعبدونھا ویذبحون لھا (ابن جریر) اور اس سے مُراد ہر ایسی جگہ ہوسکتی ہے جو مشرکانہ رسُوم کی ادائیگی کے لیے مخصوص ہو۔

مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

جو ذبح کیا گیا ہو تھانوں پر اور (یہ بھی حرام ہے) کہ تم تقسیم کرو جوئے کے تیروں سے یہ سب نافرمانی کے کام ہیں ۹

۹ مشرکین کی یہ بھی ایک عادت تھی کہ جب کوئی کام کرنے لگتے تو کسی کپڑے وغیرہ میں تین تیر (جو اس مقصد کے لیے پہلے تیار رکھے ہوتے) ڈالتے۔ ایک پر لکھا ہوتا امرنی ربی (میرے رب نے مجھے اس کا حکم دیا ہے) دُوسرے پر لکھا ہوتا منعنی ربی (مجھے میرے رب نے اس سے منع کیا ہے) اور تیسرا خالی ہوتا۔ آنکھیں بند کر کے ہاتھ ڈال کر نکالتے اور جو تیر نکلتا اس کے مطابق عمل کرتے۔ اس فعل سے اُنھیں روکا جا رہا ہے۔ کیونکہ جب کسی چیز کے کرنے نہ کرنے کا فیصلہ کرنا ہو تو ان کو عقلِ خداداد سے کام لینا چاہیئے اور اس کے فوائد و نقصانات کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کرنا چاہیئے۔ فہم و دانش کی نعمت جو ہمیں عطا کی گئی ہے اس کی یہ کتنی توہین ہے کہ ہم ایسے موقعوں پر اس سے کام نہ لیں بلکہ اتفاقات پر اپنے اعمال کی بُنیاد رکھیں۔ چنانچہ تستقسموا کا معنی علامہ بیضاوی نے یہی کیا ہے۔ طلب معرفۃ ماقسم لھم دون مالم یقسم لھم بالازلام۔ اہلِ عرب کی دُوسری عادت یہ تھی کہ وُہ تیروں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے۔ ان تیروں کی تعداد دس ہوا کرتی۔ سات پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا اور تین خالی ہوتے۔ اس فعلِ بد کو بھی ممنوع کیا گیا۔ کیونکہ انسان اس طرح بھی دولت کمانے کے ایسے راستے تلاش کرنے کا خوگر ہو جاتا ہے جن میں نہ ذہنی کاوش کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ جسمانی مشقّت کا۔ اس میں ہارنے والے کا مال بغیر اس کی رضامندی کے جیتنے والے کے پاس چلا جاتا ہے اور یہ ناجائز ذرائع سے دُوسروں کا مال ہڑپ کرنے کی ایک واضح صورت ہے جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ چشم زدن میں امیر کبیر بن جانے کی ہوس میں لوگوں کو گھروں کی اینٹیں بیچتے دیکھا گیا ہے کئی خوشحال کنبے چند دنوں میں غربت اور افلاس کے گڑھے میں گرتے ہُوئے دیکھے گئے ہیں۔ جو چیز اتنی خرابیوں کا باعث ہو اسلام اُس کو کیسے گوارا کر سکتا ہے۔ ایک بات اور یہاں غور طلب ہے۔ اس وقت بھی کئی لوگ جوا میں جیتی ہُوئی رقم کو اپنے اُوپر خرچ نہ کرتے بلکہ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی اس سے اعانت کیا کرتے۔ لیکن قرآن نے جوا کو ممنوع کرتے وقت اس صُورت کو مستثنےٰ نہیں کیا بلکہ جوا کی دیگر صُورتوں کی طرح اسے بھی حرام کر دیا۔ آج کل ہمارے ہاں جو یہ رسم قبولِ عام حاصل کر رہی ہے کہ کہیں طوفان یا سیلاب آیا یا کوئی دُوسری مُصیبت ٹوٹی تو مُصیبت زدگان کی امداد کے لیے چندہ فراہم کرنے کے لیے کہیں رقص و سرود کی محفلیں سجائی جاتی ہیں اور کہیں فلم ایکٹرسوں کے میچ کرائے جاتے ہیں ان کا حکم بھی اس آیت سے واضح ہے۔ بجائے اس کے کہ قوم کے انسانی اور اسلامی جذبات کو بیدار کیا جائے ہم ان کے شہوانی جذبات کو اُکسا کر دولت اکٹھی کرتے ہیں۔ خود سوچیے ہم قوم کو کس پستی کی طرف دھکیل رہے ہیں نیز اللہ تعالےٰ کے غضب کا مقابلہ اس کی نافرمانی اور اس کی حدُود کو توڑ کر کرنا کیا ایک کلمہ گو کو زیب دیتا ہے؟

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ

آج مایوس ہو گئے ہیں جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا تمھارے دین سے [10] سو نہ ڈرو تم اُن سے اور

اخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

ڈرو مجھ سے آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمھارے لیے تمھارا دین [11] اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت [12]

وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ

اور میں نے پسند کر لیا ہے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین [13] پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں درآں حالیکہ نہ

[10] الیوم سے مُراد یا تو ۹ ذی الحجہ کا خاص دن ہے اور یا الیوم زمانہ پر دلالت کرنے کے لیے ہے۔ یعنی اب کفّار کی قوت ٹوٹ چکی ہے انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ وُہ اب تم کو نہیں مٹا سکتے۔ اب اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو اور اس کے کسی حکم کی تعمیل میں پس و پیش نہ کیا کرو۔

[11] جیسے پہلے عرض کیا جا چکا ہے یہ آیت ۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰ھ بمقام عرفات بروز جمعہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم پر نازل ہوئی۔ اس میں بتایا گیا کہ جس دین کا داعی بنا کر آپ کو بھیجا گیا تھا آج وُہ ظاہری اور باطنی، صُوری اور معنوی ہر لحاظ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس دین کے غلبہ اور فتح مندی کا جو وعدہ آپ سے کیا گیا تھا آج آپ نے اپنے غلاموں سمیت مشاہدہ کر لیا کہ وُہ پورا کر دیا گیا۔ نیز وُہ عقائد جن پر تمھاری نجات کا انحصار ہے وُہ مکمل طور پر تمھیں سکھا دیے گئے۔ شریعت و قانون کے وُہ بنیادی قواعد تفصیلاً یا اصولاً تم کو بتا دیے گئے جو ہر زمانہ اور تمام حالات میں تمھارے لیے روشنی کا مینار ثابت ہوں گے۔ تمھیں ایسے اصولوں کی تعلیم بھی دے دی جن کی مدد سے تم ہر نئی مشکل کا حل اور ہر جدید مسئلہ کا جواب معلوم کر سکو گے۔

[12] یعنی قرآن جیسی کتابِ ہدایت محمد مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء جیسا رسُول اور ہادی عطا فرمایا۔ ہدایت کی راہ تم پر روشن کر دی اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ مکہ جہاں کفر و شرک کی حکومت تھی وہاں آج اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ جہاں لات و ہُبل کی پُوجا ہوا کرتی تھی وہاں اللہ وحدہٗ لاشریک کے حضور میں پیشانیاں محوِ سجُود ہیں۔

[13] دینِ اسلام جو تمام سابقہ انبیاء اور رُسل کا دین تھا وُہی دین اپنی کامل صُورت میں تمھارے لیے پسند کر لیا گیا ہے اب اس میں اضافہ اور تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یہ آیت حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کے خاتم الانبیاء ہونے کی واضح دلیل ہے۔ کیونکہ جب دین مکمل ہو چکا اس کے احکام میں ردّ و بدل کی گنجائش نہ رہی تو پھر کسی دُوسرے نبی کے آنے کی بھی ضرُورت نہ رہی۔

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ

جھکنے والا ہو گناہ کی طرف ۱۴ تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا

اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ

حلال کیا گیا ہے ان کے لیے ۱۵ آپ فرمائیے حلال کی گئی ہیں تمہارے لیے پاک چیزیں اور (شکار) ان کا سکھایا ہے تم نے جنھیں ۱۶

مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ

شکاری جانوروں سے شکار پکڑنے کی تعلیم دیتے ہوئے تم سکھاتے ہو انھیں (وہ طریقہ) جو سکھایا ہے تمھیں اللہ نے تو کھاؤ اس میں سے جسے

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

پکڑ رکھیں تمھارے لیے اور لیا کرو اللہ کا نام اس جانور پر ۱۷ اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ

۱۴ مندرجہ بالا چیزوں کو حرام کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ اسے کھانے کے لیے ان چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس نے اگر اپنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت ان میں سے کوئی چیز کھالی تو اس سے بازپرس نہ ہوگی۔

۱۵ جب حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا تو بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ تو ہوئیں حرام چیزیں اب یہ فرمائیے کہ حلال کون کون سی چیزیں ہیں۔ تو جواب دیا گیا کہ سب طیب اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں کیونکہ حلال کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ان کو نام بنام ذکر کرنے میں دشواری تھی اس لیے ایک لفظ سے انھیں بیان فرما دیا۔ اب رہا یہ کہ طیبات کس کو کہتے ہیں تو اس کے متعلق علماء نے فرمایا جسے طبع سلیم پسند کرے اور حضورؐ کی حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہوگئی۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر یعنی حضورؐ نے ہر داڑھ والے درندہ اور ہر پنجہ سے پکڑ کر کھانے والے پرندہ کو حرام فرمایا۔

۱۶ عدی بن حاتم اور زید الخیر نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کتے اور باز کے ذریعہ شکار کرتے ہیں کیا یہ ہمارے لیے حلال ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ شکاری درندوں اور شکاری پرندوں کا ایک ہی حکم ہے۔

۱۷ آیت سے جو مستفاد ہوتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے کتا یا شکرہ وغیرہ کوئی شکاری جانور شکار پر چھوڑا تو اس کا شکار چند شرطوں سے حلال ہے:۔

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

بہت تیز ہے حساب لینے میں آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا اُن لوگوں کا جنھیں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ

دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے ۱۸ اور تمہارا کھانا حلال ہے ان کے لیے اور (حلال ہیں) پاک دامن

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مومن عورتیں ۱۹ اور پاک دامن عورتیں اُن لوگوں کی جنھیں دی گئی کتاب تم سے

۱۔ شکاری جانور مسلمان کا ہو اور سکھایا ہوا ہو۔
۲۔ اس نے شکار کو زخم لگا کر مارا ہو۔
۳۔ شکاری جانور بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔
۴۔ اگر شکاری کے پاس شکار زندہ پہنچا ہو تو اسے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو حلال نہ ہوگا۔

مسئلہ۔ تیر سے شکار کرنے کا بھی یہی حکم ہے (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل مُراد آبادی قدس سرہ العزیز)

۱۸ یہاں طعام سے مُراد وُہ جانور ہیں جنھیں ذبح کیا جاتا ہے۔ یعنی وُہ جانور جسے کسی یہودی اور نصرانی نے ذبح کیا ہو اُس کا کھانا مسلمان کے لیے حلال ہے اگر ذبح کے وقت انھوں نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو پھر تو سب ائمہ اس کے حلال ہونے پر متفق ہیں لیکن اگر وُہ عزیر اور مسیح علیہما السلام کا نام لے کر ذبح کریں تو پھر کیا حکم ہے۔ اس کے متعلق بہترین قول وُہ ہے جسے صاحب رُوح المعانی نے حسن سے نقل کیا ہے کہ اگر تو خود سُنے کہ اس نے غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو اُسے نہ کھا اور اگر تو نے خود نہیں سُنا تو پھر حلال ہے۔ وقال الحسن اذا ذبح الیھودی والنصرانی فذکر اسم غیر اللہ تعالیٰ وانت تسمع فلا تاکل فاذا غاب عنك فکل فقد احل اللہ لك (روح المعانی) وقالت طائفۃ اذا سمعت الکتابی یسمی غیر اسم اللہ عزوجل فلا تاکل وقال بھذا من الصحابۃ علی وعائشۃ وابن عمر وھو قول طاؤس والحسن (قرطبی)

۱۹ محصنٰت کا معنی ہے پاک دامن۔ یہاں مسلمانوں کو ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہو تو حسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت و پاکدامنی کے زیور سے جو مزین ہو اس کے ساتھ شادی کرو۔ یہی ایک ایسی محکم بنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اُٹھائی جائے گی وُہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

قَبْلِكُمْ إِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ

پہلے ۲۰ جب دے دو تم انھیں مہر اُن کے پاکباز بنتے ہوئے نہ بدکاری کرتے ہوئے

وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

اور نہ چوری چھپے آشنا بناتے ہوئے ۲۱ اور جو انکار کرتا ہے ایمان کا ۲۲ تو بس ضائع ہوگیا

عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ع ۵

اس کا عمل اور وُہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں سے ہوگا اَے ایمان والو!

۲۰ پہلے یہ بتایا کہ اہلِ کتاب کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو۔ بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہوں۔ دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں۔ احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی خواہ وُہ مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہُودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں۔ لیکن اگر اس کی وجہ سے اَور خرابیاں رُونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر حرمت لغیرہٖ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وُہی طرزِ معاشرت داخل ہوگئی۔ وُہی بے پردگی، وُہی غیر مردوں سے عام اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے تعلقی اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ یہُودی و نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مُسلمانوں کو سخت نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس لیے اگر ان وجُوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے۔

۲۱ عورت اور مرد کے باہمی تعلق کی صرف ایک صُورت کو ہی اسلام نے جائز رکھا ہے وُہ یہ کہ اس کی بنیاد نکاحِ صحیح پر ہو۔ اس کے علاوہ محض شہوت رانی کے لیے جو تعلقات قائم کیے جائیں گے خواہ وُہ کھلم کھلا ہوں یا چوری چھپے وُہ قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔

۲۲ غیر عورتوں سے شادی کرنے میں یہ خدشہ تھا کہ کہیں اُن کے دامِ محبت میں پھنس کر مسلمان اپنا ایمان، اسلامی احکام اور اخلاقی قدروں کو پسِ پشت نہ ڈال دیں۔ اس کے متعلق سرزنش فرمادی۔

إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ إِلَى

جب تم اُٹھو۲۳ نماز ادا کرنے کے لیے تو (پہلے) دھولو۲۴ اپنے چہرے اور اپنے بازو کہنیوں

۲۳؎ اس سے پہلے کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کے احکام بتائے جو حدث اصغر (بے وضو ہونا) اور حدث اکبر (جنابت) کا باعث ہوتے ہیں۔ اب یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کر چکو اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آنا چاہو تو اس کے آداب کیا ہیں۔ حدث اصغر کے لیے وضو اور حدث اکبر کے لیے غسل کا حکم دیا۔ یہاں قمتم بمعنی اردتم ہے یعنی جب تم نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو۔ اختصار کے لیے ارادہ جو سبب ہے اس کو ذکر نہیں کیا اور قیام جو مسبّب ہے اس کو ذکر کر دیا اور یہ استعمال عام ہے جیسے اذا قرأت القران فاستعذ باللہ۔ اس کا معنی بھی یہی ہے کہ جب تم قرآن کی تلاوت کا ارادہ کرو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھ لیا کرو۔ بظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کا عام معمول یہی تھا لیکن حضور علیہ الصلوٰة والسلام نے کئی بار ایک وضو سے متعدد نمازیں ادا فرمائی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ افضل تو یہی ہے کہ ہر نماز تازہ وضو سے ادا کی جائے لیکن کئی نمازوں کا ایک وضو سے ادا کرنا جائز ہے۔ فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانچوں نمازیں ایک وضو سے ادا فرمائیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آج تو حضورؐ نے ایسا کام کیا ہے جو حضورؐ نے پہلے کبھی نہیں کیا۔ جواب ملا عمدًا فعلته۔ اے عمرؓ میں نے یہ کام (یعنی ایک وضو سے پانچ نمازیں) جان بوجھ کر کیا ہے تاکہ اُمّت کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے کہ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا درست ہے۔

۲۴؎ وضو کے فرائض چار ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں: (۱) مُنہ کا دھونا (۲) ہاتھوں کا کہنیوں سمیت دھونا۔ (۳) سر کا مسح کرنا (۴) اور ٹخنوں تک پاؤں کا دھونا۔ اس کے علاوہ وضو سے پہلے نیّت کرنا، بسم اللہ پڑھنا، پہلے ہاتھ صاف کرنا، کلّی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، مسح کے علاوہ ہر کام کو تین تین مرتبہ کرنا دائیں طرف سے شروع ہونا، کان کا مسح کرنا۔ یہ سب اعمال حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے معمول سے ثابت ہیں۔ فقہاء نے ان سے بعض کو سنّت اور بعض کو مستحب فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے وضو کی کیفیت اکثر صحابہ کرام سے مروی ہے۔ یہاں وہ تفصیل جو حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے بیان کی ہے اسی کے لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ابو حیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وضو کرتے دیکھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھوں کو خوب پاک صاف کیا۔ پھر تین مرتبہ کلّی کی۔ پھر تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا۔ پھر تین مرتبہ چہرہ مبارک دھویا پھر بازوؤں کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے اور اس کے بعد فرمایا احببت ان اريكم كيف كان طهور رسول الله صلى الله عليه وسلم (ترمذی وابن ماجہ) کہ میں چاہتا تھا کہ تمہیں دکھاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وضو کا کیا طریقہ تھا۔

الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ وَإِنْ

تک ۲۵ اور مسح کرو اپنے سروں پر ۲۶ اور دھو لو اپنے پاؤں ٹخنوں تک ۲۷ اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ

ہو تم جنبی تو (سارا بدن) پاک کر لو ۲۸ اور اگر ہو تم بیمار ۲۹ یا سفر پر یا

۲۵ الی بمعنی مع ہے یعنی ہاتھوں کو کہنیوں کے سمیت دھوؤ۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب وضوء فرماتے تو کہنیوں کو بھی دھوتے عن جابران النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا توضأ ادار الماء علی مرفقیہ (دارقطنی)

۲۶ مسح کہتے ہیں ہاتھ پانی سے تر کر کے پھیرنا۔ تمام سر کا مسح مستحب ہے اور سر کے چوتھے حصہ کے برابر مسح کرنا فرض ہے سُنّتِ نبوی ؐ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

۲۷ اس کا عطف ایدیکم پر ہے اور اس کا معنی ہے واغسلوا ارجلکم کہ اپنے پاؤں کو بھی دھوؤ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اپنے صحابہ کو پاؤں اچھی طرح دھونے کا حکم فرمایا کرتے حضور ؐ نے ایک قوم کو دیکھا کہ ان کی ایڑیاں خشک ہیں تو حضور ؐ نے بلند آواز سے فرمایا۔ ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔ خشک رہ جانے والی ایڑیوں کو آگ جلائے گی۔ وضو عُمدہ طریق سے کیا کرو تاکہ کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔ حاشیہ ۲۴ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ؐ کے وضو کی کیفیت جو بیان کی گئی ہے اُس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حضور پاؤں مُبارک دھویا کرتے تھے۔ سیّد شریف رضی نے امیرالمؤمنین سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے وضو کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے بھی پاؤں کا دھونا ثابت ہے (نہج البلاغہ) اس کے بعد جھگڑے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ (مزید تحقیق کے لیے رُوح المعانی کا مطالعہ فرمائیں)

کتبِ شیعہ میں پاؤں دھونے کی متعدد روایات ائمہ سے منقول ہیں حضرت امام مُوسیٰ کاظم علیہ السّلام کے ایک عقیدتمند ابن یقطین نے وضو کی ترکیب کے متعلق استفسار کیا تو حضرت نے یہ جواب تحریر فرمایا۔ والذی اٰمرک بہ فی ذالک ان تتمضمض ثلاثاً وتستنشق ثلاثاً وتغسل وجھک ثلاثاً وتخلل شعر لحیتک وتغسل یدیک الی المرفقین وتمسح رأسک کلہ وتمسح ظاھر اذنیک وباطنھا وتغسل رجلیک الی الکعبین ثلاثاً ولا تخالف ذالک الی غیرہ۔ ترجمہ: اس بارے میں میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ اپنے چہرہ کو دھوؤ، اپنی ڈاڑھی کے بالوں کا خلال کرو، دونوں بازوؤں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھوؤ، اپنے پُورے سر کا مسح کرو، کانوں کے ظاہر و باطن کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھوؤ آخر میں فرمایا اس حکم کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ (کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ ایران)

۲۸ پہلے حدثِ اصغر سے طہارت کا طریقہ بتایا اب حدثِ اکبر سے طہارت کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے یعنی جب انسان جنبی ہو جائے تو اس وقت غسل کرے۔ اس کے متعلق حاشیہ سُورہ النساء میں گزر چکا ہے۔ آیت ۴۳

۲۹ اس کے متعلق حواشی بھی سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں۔ آیت ۴۳

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

آئے کوئی تم میں سے قضاء حاجت کے بعد یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے یعنی مسح کرلو اپنے چہروں اور اپنے بازوؤں پر

مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اس سے نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ کہ رکھے تم پر کچھ تنگی ۳۰ بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦ وَ

کہ خوب پاک صاف کردے تمہیں اور پوری کردے اپنی نعمت تم پر ۳۱ تاکہ تم شکریہ ادا کرتے رہو اور

۳۰ فقہ قرآنی کا یہ ایک بنیادی اصول ہے جس پر اسلامی شریعت کا قصر رفیع تعمیر ہوا ہے۔ ان احکام پر پھر نگاہ ڈالیئے۔ حدث اصغر (وضو کا ٹوٹنا) کے لیے غسل فرض نہیں کیا کیونکہ اس کا وقوع عام ہے اور اس میں دشواری ہے۔ جنابت جو کبھی کبھی لاحق ہوتی ہے اس کے لیے غسل کو فرض فرمایا کیونکہ ظاہری صفائی اور اعصاب کی افسردگی اور طبیعت کی درماندگی کا اس سے بہتر اور آسان کوئی علاج نہیں۔ اس پر بھی پانی نہ ملے یا پانی کے استعمال سے بیماری کے بڑھنے کا خدشہ ہو تو تیمم کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناتوان بندوں کے لیے رعایت پر رعایت، آسانی پر آسانی کو ہر حکم میں پیش نظر رکھا ہے۔ فقہاء کرام نے اس آیت کریمہ سے جتنے مزید قواعد اور جزئیات کا استنباط فرمایا ہے وہ فقہ اسلامی کے نکتہ دانوں سے مخفی نہیں۔

۳۱ احکام اسلامیہ کی اصلی روح تو عبادت ہے یعنی ہم ان کو اس لیے بجالاتے ہیں کہ یہ احکام خداوندی ہیں اور خداوند عالم کے ہر حکم کی اطاعت ہم پر فرض ہے۔ لیکن قرآن کریم جابجا ان کے ظاہری فوائد اور روحانی منافع کو بیان فرما کر اس طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرادیتا ہے کہ ان احکام میں سراسر تمہاری بہبودی اور بہتری کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ یہاں بھی اشارہ فرمادیا کہ وضو اور غسل و تیمم سے مقصود تمہاری پاکیزگی اور طہارت ہے۔ اسلام نے روحانی طہارت کے لیے جسمانی پاکیزگی کو جتنا ضروری قرار دیا ہے وہ ظاہر ہے یہ الگ بات ہے کہ آج ہمارے صوفی اور امام گندگی میں اپنی مثال آپ ہوں۔

اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ

یاد رکھو اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اور اس کے وعدہ کو جو اُس نے پختہ لیا تھا تم سے ۳۲

اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جب کہا تھا تم نے ہم نے سُن لیا اور مان لیا اور ڈرتے رہو اللہ سے بےشک اللہ تعالیٰ خُوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں

الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ

میں ہے اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے قائم رہنے والے اللہ کے لیے گواہی دینے والے

بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ

انصاف کے ساتھ ۳۳ اور ہرگز نہ اُکسائے تمھیں کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو

۳۲؎ ہر مسلمان جب دینِ اسلام کو قبول کرتا ہے تو وُہ پہلے اقرار کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول کریم کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ اور اسلام کی سربلندی کے لیے کسی جانی اور مالی قربانی سے دریغ نہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یاد کرا رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنا احسان فرمایا۔ تمھیں ہدایت کا راستہ دکھایا اور اس پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ اس نعمت کو اور کامل اطاعت کے وعدہ کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اور اس یقین کو پختہ سے پختہ تر کرتے رہو کہ تمھاری کوئی بات تمھارے ہمہ بیں اور ہمہ داں رب سے پوشیدہ نہیں۔

۳۳؎ بعینہٖ یہی الفاظ سُورہ النساء میں گزر چکے ہیں اور ان کی لغوی تحقیق وہاں ملاحظہ فرمائی جائے (سُورہ النساء آیت ۱۳۵) اس کے دوبارہ نزول کی وجہ یہ ہے کہ مکہ فتح ہونے والا ہے مسلمانوں کے جان و ایمان کے نہایت ظالم اور بے رحم دشمن ان کے سامنے پیش ہونے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اسلام کے علم بردار جوشِ غضب میں ان پر زیادتی کرنے لگیں۔ اس لیے اُنھیں وقت سے پہلے ہی تنبیہ فرما دی کہ احکامِ الٰہی کی اطاعت میں تساہل نہ برتیں بلکہ قوامین للہ یعنی اللہ کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے مضبوطی سے کھڑے رہنے والے بن جائیں۔ کفار مسلمانوں کے شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کر دیا کرتے تھے مسلمان عورتوں اور بچوں کے قتل سے بھی نہیں شرماتے تھے۔ مسلمانوں کو ایسی تمام باتوں سے روک دیا گیا۔

اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

عدل کیا کرو ۳۴ یہی زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے ۳۵ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

جو کچھ تم کرتے ہو وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

کہ ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

وُہی لوگ دوزخی ہیں اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

نعمت جو تم پر ہوئی ۳۶ جب پختہ ارادہ کر لیا تھا ایک قوم نے کہ بڑھائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھ تو اللہ نے روک دیا

۳۴ اب کیونکہ قوت واقتدار مسلمانوں کے پاس آرہا تھا اس لیے انھیں نہایت واضح طور پر حکم دیا کہ خبردار! کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اور حق یہ ہے کہ کوئی قوم حکومت وسلطنت کے تخت کی مستحق اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک وُہ صفتِ عدل سے متصف ہو۔ جس قوم نے ظلم پر کمر باندھ لی وُہ آج نہیں تو کل ضرور اس نعمت سے محروم کر دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو بھلا کیوں نہ واضح طور پر اور پُرزور طریقہ سے عدل کرنے کی ہدایت فرماتا۔

۳۵ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے بچنے کا قریبی راستہ یہ ہے کہ انسان عدل وانصاف کو اپنا شعار بنائے رکھے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جب کفّار کے ساتھ عدل کرنے کا یہ تاکیدی حکم ہے تو مسلمانوں کے ساتھ عدل کرنے کی اہمیّت محتاجِ بیان نہیں۔

۳۶ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ کے ہمراہ یہُود بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور اُنھیں فرمایا کہ ہمارے ایک آدمی نے دو آدمیوں کو غلط فہمی سے قتل کر دیا ہے اُن کے وارث دِیت کا مطالبہ کرتے ہیں اس لیے تم لوگ حسبِ معاہدہ ان کی دِیت میں اپنا حِصّہ دو۔ اُنھوں نے کہا آپ بیٹھیں کچھ کھا پی لیں پھر تعمیلِ حکم کریں گے۔ حضورؐ کو

أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾

ان کے ہاتھوں کو تم سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ

اور یقیناً لیا تھا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے مقرر کیے ان میں سے

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ

بارہ سردار اور فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم صحیح صحیح ادا کرتے رہے نماز

وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ

اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لاتے میرے رسولوں پر اور مدد کرتے رہے ان کی اور قرض دیتے رہے

بٹھا کر انھوں نے یہ سازش کی کہ دیوار کے اُوپر سے ایک بھاری پتھر لڑھکا کر آپ کو شہید کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے ناپاک ارادہ کی اطلاع دے دی اور حضورؐ فوراً اُٹھ کر تشریف لے گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سلامتی کا احسان قیامت تک آنے والے سب غلامانِ مصطفےٰ پر ہے۔ اس لیے یہ آیت صرف صحابہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر مسلمان اس کا مخاطب ہے اور اس نعمتِ عظمےٰ کا عملی اعترافِ مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے۔

ثلہ نقیب اُس شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے صحیح حالات سے پُوری طرح باخبر ہو اور ان کی بہتری اور برتری کا ذمہ دار ہو۔ القائم بامورھم الذی ینقب عنھا وعن مصالحھم (قرطبی) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ایک آدمی مقرر کیا جو اُن کے احوال پر آگاہ ہو اور ان کو اطاعتِ الٰہی کی ترغیب دیتا رہے۔ لیلۃ العقبہ میں جب مدینہ کے ستر مردوں اور دو عورتوں نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر اسلام کی بیعت کی تو حضورؐ نے بھی ان میں سے بارہ آدمی منتخب فرمائے اور انھیں نقیب کا خطاب عطا فرمایا۔ عزرتمو تعزیر کا معنی ہے النصرۃ مع التعظیم (مفردات) عزّت و احترام کی وجہ سے کسی کی امداد کرنا۔ مخلص اور جانباز کارکنوں کے لیے اس آیت میں تین انعامات کا مژدہ جانفزا ہے۔ سب سے پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی معیّت ان کے شاملِ حال ہوتی ہے وُہ انسان کتنا خوش بخت ہے جسے یہ سعادت نصیب ہو اور اس کی کامیابی کتنی یقینی ہے جس کے ہر کام میں امدادِ الٰہی شریک ہو۔ دُوسری بشارت یہ دی گئی کہ بشری تقاضوں اور طبعی کمزوریوں کی وجہ سے جو غلطیاں اس سے سرزد ہو جاتی ہیں ان کا اثر اس کے دل سے اور ان کا ذکر اس کے نامۂ اعمال سے محو کر دیا جاتا ہے۔ اور تیسری یہ کہ اس کی دائمی قرارگاہ

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اللہ کو قرض حسن تو میں ضرور دُور کر دوں گا تم سے تمھارے گناہ اور میں داخل کروں گا تمھیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں تو جس نے کفر کیا اس کے بعد تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٢﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

تو یقیناً وہ بھٹک گیا سیدھی راہ سے تو بوجہ ان کی عہد شکنی کے ہم نے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

(اپنی رحمت سے) انھیں دُور کر دیا اور کر دیا ان کے دلوں کو سخت ۳۸ وہ بدل دیتے ہیں (اللہ کے) کلام کو اپنی اصلی

جنت ہوگی جہاں بہار بے خزاں ہے۔ جہاں راحت و شادمانی ہے رنج و غم کا گزر نہیں۔ کسی مخلص کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

۳۸ با سببیت کے لیے ہے اور ما لفظاً زائدہ اور معناً کلام میں قوت و زور پیدا کرنے کے لیے ہے۔ لعنت کا معنی ہے درِ رحمت سے دُور ہٹا دینا۔ واللعن الابعاد والطرد من الرحمة۔ اس حقیقت کو قرآن نے بار بار واضح فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر پھٹکار اور ذلت و رسوائی کا عذاب بلاوجہ نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کی اپنی کوتاہیاں اور نافرمانیاں اس کا سبب ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی لیکن مسلسل سرتابی اور پیہم نافرمانی کی سزا جو اس دُنیا میں ہی ملتی ہے وہ بھی کچھ کم اہم نہیں۔ اس کی اچھی صلاحیتیں اور عمدہ قابلیتیں بے کار اور معطل ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس حقیقت کو بار بار منکشف کرنے سے بنی اسرائیل کی تذلیل ہی مطلوب نہیں بلکہ حاملانِ قرآن کو عبرت دلانا بھی مقصود ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شامتِ اعمال سے تم بھی اپنی صلاحیتیں ضائع کر بیٹھو۔ تمھارے کان بھی حق سُننے سے بہرے ہو جائیں۔ تمھاری آنکھیں بھی ہدایت کی روشنی دیکھنے سے اندھی ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی مسلسل نافرمانیوں کے باعث درگاہِ رحمت سے دُور ہٹا دیے جاؤ اور تمھارے دل بھی ایسے سخت ہو جائیں کہ کوئی پند و موعظت اور کوئی سرزنش سُود مند ثابت نہ ہو بلکہ قرآن جیسی دل ہلا دینے والی کتاب بھی تمھارے دلوں میں خوفِ الٰہی کا جذبہ پیدا نہ کر سکے۔ غور کیجیے کہیں خدانخواستہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر اس گرداب میں تو پھنسے ہوئے نہیں ہیں۔

مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

جگہوں سے ۳۹؎ اور انھوں نے بھلا دیا بڑا حصہ ۴۰؎ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی اور ہمیشہ آپ آگاہ ہوتے

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ

رہیں گے ان کی خیانت پر ۴۱؎ بجز چند آدمیوں کے ان سے ۴۲؎ تو معاف فرماتے رہیے ان کو اور درگزر ۴۳؎ فرمایئے

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا ہم نصرانی ہیں ۴۴؎

۳۹؎ تحریف دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ الفاظ میں ہی ردّ و بدل کر دیا۔ اصل عبارت کچھ تھی اس کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ دُوسری یہ کہ الفاظ میں تو قطع و بُرید نہ کی لیکن اس کا مفہُوم غلط بیان کر دیا۔ یہُود اپنی آسمانی کتاب میں دونوں طرح کی تحریف سے باز نہیں آتے تھے۔

۴۰؎ حظّاً کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی اپنی کتاب کا بہت اہم حصہ فراموش کر دیا۔ ان کے انبیاء نے حضُور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے کا جو بار بار انھیں حکم دیا تھا انھوں نے اُسے بھلا دیا۔ حضُور کی تعریف و توصیف سے اُن کی کتابوں کے صفحات مزیّن تھے ان کو بھی فراموش کر دیا۔

۴۱؎ خائنۃ خیانت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور لغت میں اسم فاعل بمعنی مصدر استعمال ہوتا رہتا ہے والخائنۃ الخیانۃ وھذا جائز فی اللغۃ (قرطبی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صفت ہو۔ اور اس کا موصُوف طائفۃ محذُوف ہو مقصد یہ ہے کہ خیانت اور غدر ان کی پُرانی عادت ہے۔ آپ کے ساتھ انھوں نے دوستی کے جو معاہدے کیے ہُوئے ہیں ان میں بھی وُہ مخلص نہیں اور آپ ان کی غداری اور خیانت پر آگاہ ہوتے رہیں گے۔

۴۲؎ یعنی ان کا بیشتر حصہ تو خیانت سے باز نہیں آئے گا لیکن ان میں مخلصین کی ایسی جماعت بھی ہے جو سچے دل سے ایمان لے آئے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ

۴۳؎ یعنی وُہ ستاتے رہیں آپ معاف کرتے رہیں۔ وُہ آپ کے خلاف خطرناک سازشوں کے جال بُنتے رہیں آپ نظر انداز کرتے رہیں۔ وُہ اپنا کام کریں اور اے مجمُوعۂ ہر خُوبی و دلبری آپ اپنا کام کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب پاک کو مکارمِ اخلاق کی کتنی بے نظیر تعلیم دی ہے۔ اسی لیے تو حضُور نے فرمایا ادّبنی ربی فاحسن تادیبی یعنی میری تادیب و تربیت میرے ربّ نے فرمائی اور خُوب فرمائی۔

۴۴؎ جس طرح یہُود نے کامل اطاعت کا وعدہ کر کے توڑ دیا اسی طرح جنھوں نے اپنے نبی کی دعوت پر خوشی سے

أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ ان سے بھی۔ سو انھوں نے بھی بھلا دیا بڑا حصہ جس کے ساتھ انھیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھڑکا دی

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

ان کے درمیان عداوت اور بغض (کی آگ) روزِ قیامت تک ۴۵ اور آگاہ کر دے گا انھیں

نحن انصاراللّٰہ کہہ کر دینِ الٰہی کی نصرت و تائید کا پُرجوش وعدہ کیا تھا وُہ بھی ثابت قدم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے بجائے تثلیث کے من گھڑت عقیدہ کو اپنا لیا۔ حضرت مسیح نے حضورِ خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کی بشارت دی تھی اور آپ پر ایمان لانے کی بار بار دعوت دی تھی اسے بھی یکسر فراموش کر دیا۔ حضرت مسیح دنیا سے رُخصت ہونے سے پہلے اپنے شاگردوں کو تسلّی دیتے ہُوئے فرماتے ہیں "اگر تم مجھ سے محبّت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وُہ تمھیں دُوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا" (یوحنا ۱۴ : ۱۶)،
اب یہ ابد تک ساتھ رہنے والا مددگار بجُز خاتم النبیّین کے اَور کون ہے؟ اسی کی تاکید ایک بار پھر حضرت مسیح کی زبان سے مُلاحظہ ہو:۔
"میں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وُہ مددگار (وکیل یا شفیع) تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر میں جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دُوں گا اور وُہ آکر دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارہ میں قصوروار ٹھیرائے گا" (یوحنا ۱۶ : ۷، ۸)
"لیکن جب وُہ سچّائی کا رُوح آئے گا تو تم کو تمام سچّائی کی راہ دِکھائے گا اس لیے کہ وُہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وُہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا (یوحنا ۱۶ : ۱۳) انجیل کی یہ آیت تو اس آیت کا بالکل ترجمہ معلوم ہوتی ہے۔ وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحي يوحىٰ۔

۴۵ اغرا کہتے ہیں کسی چیز کو کسی پر چسپاں کرنا مسلّط کر دینا۔ الاغراء بالشيء الالصاق به من جهة التسليط عليه (قرطبی) یعنی جب اُنھوں نے ہدایت کی سیدھی راہ چھوڑ دی اور نفسانی خواہشات کی بھُول بھلیوں میں پھنس گئے اور گمراہی کا اندھیرا چھا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کی یکجہتی اور اتحاد ختم ہو گیا۔ باہمی محبّت و پیار کی جگہ بغض و عناد نے لے لی اور وُہ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ایک دین کے ماننے والے مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے۔ ہر فرقہ دُوسرے فرقہ کو کافر اور ملحد کہنے لگ گیا اور سیاسی طور پر ان کی رقابتوں نے انسانی خون کے دریا بہا دیئے۔ ان کے سیاسی اختلافات، رقابتوں اور عداوتوں کی شدّت کا اس سے بڑھ کر اَور کیا ثبوت پیش کیا جائے کہ اس ترقی یافتہ دَور میں بیس سال کی قلیل مدّت میں اُنھوں نے ساری دُنیا کو دو عالمی جنگوں میں جھونک دیا۔ کروڑوں

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اے اہلِ کتاب! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

ہمارا رسول ۴۶ کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت سی ایسی چیزیں جنھیں تم چھپایا کرتے تھے کتاب سے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور درگزر فرماتا ہے بہت سی باتوں سے بے شک تشریف لایا ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور ۴۷ اور ایک کتاب ظاہر کرنے والی

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

دکھاتا ہے اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انھیں جو پیروی کرتے ہیں اس کی خوشنودی کی سلامتی کی راہیں ۴۸ اور نکالتا ہے انھیں

کی تعداد میں لوگ مارے گئے آبادیاں ویرانوں میں تبدیل ہوگئیں۔

۴۶ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور علم کامل کی دلیل ہے۔ باوجود امّی ہونے کے آپ تورات اور انجیل کے ایسے مسائل اور احکام ظاہر فرمادیتے جنھیں علماء یہود و نصاریٰ ہمیشہ سے چھپاتے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا رسول تمہاری ساری چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر نہیں فرماتا بلکہ صرف انھیں امور کا ذکر کرتا ہے جن کے اظہار میں کوئی دینی فائدہ یا مصلحتِ عامہ ہو لیے تمہاری دوسری خباثتیں جن کے اظہار سے بجز تمھیں رسوا کرنے کے اور کوئی فائدہ نہیں اُن سے اغماض فرماتا ہے۔

۴۷ امام المفسرین ابن جریر لکھتے ہیں یعنی بالنور محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم الذی انار اللہ به الحق واظهر به الاسلام ومحق به الشرك فهو نور لمن استنار به (تفسیر ابن جریر) یعنی نور سے مراد یہاں ذاتِ پاک محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء ہے جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کردیا۔ اسلام کو ظاہر فرمایا شرک کو نیست و نابود کیا حضور نور ہیں مگر اس کے لیے جو اس نور سے دل کی آنکھوں کو روشن کرنا چاہے۔ اللہ تعالیٰ اس نورِ مجسم کی تابانیوں اور درخشانیوں سے ہمارے آئینۂ دل کو منور فرمائے اور اپنے محبوب کی غلامی اور محبت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نور فرمارہا ہے تو کسی کو کیا اعتراض؟ کتابِ مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ یہ کہنا کہ نور سے بھی قرآن کریم مراد ہے درست نہیں کیونکہ واو عاطفہ تغایر پر دلالت کرتی ہے۔

۴۸ من اتبع رضوانه سے اخلاص نیت کی اہمیت کو واضح فرمایا یعنی نورِ محمدی اور کتابِ مبین سے اللہ تعالیٰ

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

تاریکیوں سے ۴۹ اُجالے کی طرف اپنی توفیق سے اور دکھاتا ہے انھیں راہ

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

راست یقیناً کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تو مسیح ابن

انھیں کی دستگیری اور رہنمائی فرماتا ہے جن کے دلوں میں اس کی رضا کی سچی طلب ہو "سبل السلام" کا معنی اکثر علماء نے "سلامتی کے راستے" ہی بتایا ہے جن پر چلنے سے انسان دُنیا و آخرت میں ناکامی سے بچ جاتا ہے اور لغزش اور بھٹک جانے کا خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن صراطِ مستقیم جس کا ذکر آیت کے آخر میں آرہا ہے وُہ بھی تو سلامتی کا راستہ ہی ہے ایک چیز کو مکرّر ذکر کرنے کا کیا فائدہ۔ اس لیے مجھے تو سبل السّلام کا وہی معنی زیادہ پسند ہے جو قرطبی نے امام حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ السلام: اللہ عزوجل اور علامہ بیضاویؒ نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اوسبل اللّٰہ (بیضاوی) یعنی معرفتِ الٰہی کے وُہ خاص راستے جن پر چلنے سے قربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ جو اپنے دل سے تمام خواہشات کو باہر نکال پھینکتا ہے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لیے شب و روز تڑپتا رہتا ہے تو آفتاب محمّدی ؐ کی شعاعیں اس کے لیے ان راہوں کو منوّر و روشن کر دیتی ہیں جن پر چلنے سے اسے قُربِ حق نصیب ہوتا ہے اور دُوری کے حجاب اُٹھا دیئے جاتے ہیں۔ اولیاء کاملین جن کو اس کا ذاتی تجربہ ہے اُن سے پوچھو وُہ تمھیں بتائیں گے کہ مصطفٰے کی رہنمائی کے بغیر اللہ تک پہنچانے والی راہ کا سراغ نہیں ملتا۔ لفظ السّلام سے مقصُود اگر وُہی ہو جو حسن بصریؒ کا خیال ہے تو پھر سبل السلام اگرچہ سالک کی آخری منزل ہے لیکن اسے سب سے پہلے اس لیے ذکر کیا تاکہ سالک کی آرزوؤں کا کعبہ اور اُمیدوں کا قبلہ ہر وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور اس سے کم درجہ پر قناعت نہ اختیار کرے۔

۴۹ تاریکیاں اور اندھیرے کئی قسم کے ہیں۔ شرک و کُفر کا اندھیرا، گناہ و سرکشی کا اندھیرا، نفس پرستی اور بدعت کی تاریکی غفلت اور سُستی کی ظُلمت اس لیے ظلمات جمع کا لفظ ذکر کیا۔ لیکن نُور صرف ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ ہی استعمال فرمایا۔ صراطِ مستقیم یعنی شریعت محمّدی ؐ کی اطاعت کی برکت سے اِنسان مختلف قسم کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آتا ہے۔

مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مریم ہی ہے [۵۰] (اے حبیب!) آپ فرمائیے کون قدرت رکھتا ہے [۵۱] اللہ کے حکم میں سے کوئی چیز روکنے کی (یعنی) اگر وہ ارادہ فرمائے کہ ہلاک

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ

کر دے مسیح بن مریم کو اور اس کی ماں کو اور جو کوئی بھی زمین میں ہے سب کو (تو اسے کون روک سکتا ہے) اور اللہ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے [۵۲] اور اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اور کہا یہود اور نصاریٰ نے کہ ہم

[۵۰] عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث پر مفصل بحث سورہ النساء میں گزر چکی ہے۔ تثلیث کے عنوان پر انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی یہ عبارت مختصر بھی ہے اور جامع بھی۔

"THE CHRISTIAN DOCTRINE OF THE TRINITY CAN BE BEST EXPRESSED IN THE WORDS, THE FATHER IS GOD. THE SON IS GOD AND THE HOLY GHOST IS GOD, AND YET THEY ARE NOT THREE GODS BUT ONE GOD"

ENCY: BRITTANICA 479 VOLUME 22

"مسیحیت کے عقیدۂ تثلیث کو نہایت عمدگی سے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے: باپ بھی خدا ہے بیٹا بھی خدا ہے اور روح القدس بھی خدا ہے۔ بایں ہمہ وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔" یہ معمہ نہ سمجھنے کا نہ سمجھانے کا۔

[۵۱] یہاں سے حضرت عیسیٰؑ کے اِلٰہ (خدا) ہونے کے عقیدہ کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے کہ اگر وہ حضرت مسیحؑ، ان کی والدہ بلکہ سب مخلوق کو آنِ واحد میں موت کی نیند سلانا چاہے تو کوئی دم نہ مار سکے۔ حضرت مسیحؑ تو اپنی اور اپنی والدہ کی جان نہ بچا سکے اور جب ان کا مقررہ وقت آئے گا تو وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے موت کے پیغام کو قبول کر لیں گے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ یملك کا معنی قدرت رکھنا ہے یملك بمعنی یقدر من قولهم ملكت على فلان امره ای اقتدرت علیه (قرطبی)

[۵۲] ماں باپ کے ذریعے، ماں باپ دونوں کے بغیر اور باپ کے بغیر یہ سب اُسی کی قدرت بے پایاں کی

أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبّٰٓؤُهٗ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ

اللہ کے بیٹے ہیں ۵۳؎ اور اس کے پیارے ہیں آپ فرمائیے (اگر تم سچے ہو) تو پھر کیوں عذاب دیتا ہے تمہیں تمہارے گناہوں پر بلکہ ۵۴؎ تم

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلِلّٰهِ

بشر ہو اس کی مخلوق سے بخش دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹ کر جانا ہے

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ

اے اہل کتاب! بے شک آگیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول صاف بیان کرتا ہے تمہارے لیے (احکام الٰہی) بعد

اعجاز نمایاں ہیں۔ کوئی چیز اس کے لیے مشکل نہیں۔ کوئی صورت اس کے لیے دشوار نہیں۔

۵۳؎ عربی میں بیٹے کے لیے عام طور پر دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ولد اور ابن لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ ولد تو صرف اس لڑکے کو کہتے ہیں جو صلب سے پیدا ہوا ہو اور ابن صلبی بیٹے کے لیے بھی مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز کا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق ہو اس کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے مسافر کو ابن السبیل اور جنگجو کو ابن الحرب وغیرہ۔ یہود اور عیسائی اس معنی میں اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے نہیں کہا کرتے تھے کہ وہ اس کی صلبی اولاد ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اس کے مقرب اور لاڈلے ہیں اور ان پر اللہ کی رحمت و شفقت اس طرح ہے جیسے باپ کی بچوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں ان لفظ الابن كما يطلق على ابن الصلب فقد يطلق ايضا على من يتخذ ابنا بمعنى تخصيصه بمزيد الشفقة والمحبة فالقوم ادعوا ان عناية الله بهم اشد واكمل من عناية بكل ماسواهم (كبير) یہود و نصاریٰ کو جب اسلام کی دعوت دی جاتی تو وہ ازراہِ غرور کہا کرتے ہمیں اس دین کو قبول کرنے اور اس کے نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہم تو اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ یہ کہہ کر فرما دیا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم پر عذابِ الٰہی کے بادل کیوں ہر وقت منڈلایا کرتے ہیں۔ کبھی دوستوں اور پیاروں کو بھی یوں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے جیسے تمہیں کیا جا رہا ہے۔

۵۴؎ فرما دیا کہ تم بھی دوسرے انسانوں کی طرح انسان ہو۔ رحمت اور عذاب کا جو قاعدہ ان کے لیے مقرر ہے وہی تم پر بھی کارفرما ہے۔ جو ایمان و اخلاص سے اپنے آپ کو اس کی مغفرت کا اہل ثابت کرے گا وہ بخشا جاتے گا۔ اور جو اپنی

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ٘

اس کے کہ ۵۵؎ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا تھا تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا تھا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اب تو آ گیا ہے تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے

قَدِيْرٌ ۝۱۹ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

ع ۴ / ۷

والا ہے اور جب کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے ۵۶؎ اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ

جو تم پر ہوا جب بنائے اس نے تم میں سے انبیاء اور بنایا تمہیں حکمران ۵۷؎ اور عطا فرمایا تمہیں

برتری کے نشہ میں مست رہا اور خاتم الانبیاء کی اطاعت اختیار نہ کی وہ پکڑا جائے گا۔

۵۵؎ جب کوئی چیز چلتے چلتے رُک جاتی ہے تو کہتے ہیں فتر الشیئ اور اگر کوئی کام پہلے بڑی سرگرمی سے ہو رہا ہو اور پھر وہ بند ہو جائے تو اس کے لیے بھی فتر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ دو نبیوں کے درمیانی زمانہ کو فترۃ کہا جاتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہورِ قدسی ۵۷۰ء اور اعلانِ نبوت ۶۱۰ء میں ہوا۔ گویا حضور کی تشریف آوری اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درمیانی عرصہ چھ سو سال کے قریب ہوا۔ اہلِ کتاب کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ نبی تشریف فرما ہو گیا جس کا تمہیں انتظار تھا۔ اب اگر اس کی اطاعت نہ کرو اور اس پر ایمان لا کر اپنی نجات کا سامان نہ کرو تو تمہاری مرضی۔ کل تمہارا یہ عذر نہ سنا جائے گا کہ اے رب! ہم کیا کرتے ہمیں تو راہ دکھانے والا کوئی آیا ہی نہیں۔

۵۶؎ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو بتا رہے ہیں کہ ان کی یہ ضد اور ہٹ دھرمی اور کج بحثی صرف آپ کے ساتھ مخصوص نہیں یہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی یونہی پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ان کی تاریخ قدیم کا ایک اہم واقعہ بیان فرمایا۔

۵۷؎ یہاں مُلُوک کا لفظ بادشاہ کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ آزاد اور خود مختار کے معنی میں مذکور ہوا ہے۔ مقصد انہیں یہ جتانا ہے کہ پہلے تم فرعون کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اب وہ کاٹ دی گئیں اور تمہیں آزادی اور حریت کی نعمت سے سرفراز فرما دیا گیا۔ مفسرین کرام ابن جریر، رازی، قرطبی وغیرہم نے اسی معنی کو پسند فرمایا ہے۔ قرطبی کے الفاظ ہیں۔ وجعلکم ملوکا ای تملکون امرکم لا یغلبکم علیہ غالب بعد ان کنتم مملوکین لفرعون مقهورين۔

مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ

جو نہیں عطا فرمایا تھا کسی کو سارے جہانوں میں ۵۸ اے میری قوم! داخل ہو جاؤ اس پاک

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰى أَدْبَارِكُمْ

زمین میں ۵۹ جسے لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ پیچھے ہٹو پیٹھ پھیرتے ہوئے

حضرت زید بن اسلم نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ ارشاد بھی روایت فرمایا ہے جس کے پاس رہنے کے لیے گھر اور خدمت کے لیے خادم ہو وہ ملک ہے۔ (ابن جریر)

۵۸ عقیدۂ توحید، نبوّت، حریّت و آزادی، حکومت، یہ ساری نعمتیں ایسی تھیں جو اس زمانہ میں بنی اسرائیل کے سوا کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھیں۔

۵۹ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے ہجرت کی اور سمندر کو بخیریت عبور کر لیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت غرق ہو گیا۔ تو آپ وادیٔ سینا میں فروکش ہو گئے۔ ایک سال وہیں قیام فرمایا اسی اثنا میں آپ کو تورات عطا ہوئی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی قوم کو اپنے آبائی وطن شام کی طرف جانے کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لیے بارہ نقیب روانہ کیے جو چالیس روز تک وہاں کے حالات کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جب واپس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انھیں فرمایا کہ قوم کے سامنے برملا ایسی کوئی بات نہ کہنا جس سے اُن کے حوصلے پست ہوں لیکن بارہ میں سے دس نے تو وہاں کے لوگوں کی قوت و جبروت، ان کے قد و قامت، ان کے قلعوں کی مضبوطی کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بنی اسرائیل چلّا اُٹھے۔ اور انتہائی بے باکی سے اپنے پیغمبر کو کہہ دیا کہ ہم ایسی جابر قوم سے ٹکر لے کر اپنے بچّوں کو یتیم اور اپنی بیویوں کو بیوہ کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ اور آپ کا خدا پہلے ان سے جا کر لڑیں۔ ان سے ملک کو پاک کریں تو پھر ہم اپنے آبائی وطن کا رُخ کریں گے۔ انھوں نے کہا ہم شام کی زرخیز زمینوں، ٹھنڈے پانی کے اُبلتے ہوئے چشموں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغات اور وہاں کی عزت کی زندگی سے باز آئے۔ ہم تو واپس مصر جاتے ہیں۔ وہاں اگرچہ غلامی کی ذلّت ہے لیکن موت کا تو اندیشہ نہیں۔ دوسرے دو نقیبوں حضرت یوشع بن نون اور کالب نے بہت سمجھایا کہ نامرد نہ ہو، ذرا ہمت کر کے دُشمن پر حملہ تو کر و پھر دیکھو نصرتِ الٰہی کس طرح تمھارے دُشمنوں کو کچل کر رکھ دیتی ہے لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ ان کی اس بُزدلی اور پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے اس ملک کا داخلہ ان پر بند کر دیا گیا۔ چالیس برس تک مختلف بیابانوں اور صحراؤں کی خاک چھانتے پھرے جب اس مدّت میں غلامی کی گود میں پلے ہُوئے اسرائیلی لقمۂ اجل بن گئے اور آزادی کی فضا میں پیدا ہونے والے بچّے پروان چڑھے تو انھوں نے شام پر حملہ کر کے اُسے فتح کیا۔ اس سے یہاں بھی یہ حقیقت بتا دی گئی کہ آزادی کی نعمت

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ

ورنہ تم لوٹو گے نقصان اُٹھاتے ہوئے کہنے لگے اے موسیٰ! اس زمین میں تو بڑی جابر قوم (آباد) ہے

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور ہم ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں جب تک وہ نکل نہ جائیں وہاں سے اور اگر وہ نکل جائیں اس سے

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

تو پھر ہم ضرور داخل ہوں گے (اس وقت) کہا دو آدمیوں نے جو (اللہ سے) ڈرنے والوں سے تھے انعام فرمایا تھا اللہ نے

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

جن پر کہ (بے دھڑک) داخل ہو جاؤ ان پر دروازہ سے اور جب تم داخل ہو گے دروازہ سے تو یقیناً تم

غٰلِبُوْنَ ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا

غالب آجاؤ گے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان دار کہنے لگے

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

اے موسیٰ! ہم تو ہرگز داخل نہ ہوں گے اس میں قیامت تک جب تک وہ وہاں ہیں پس جاؤ تم

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ

اور تمہارا رب اور دونوں لڑو ان سے، ہم تو یہاں ہی بیٹھیں گے موسیٰ نے عرض کی اے میرے رب! میں مالک نہیں ہوں

اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

بجز اپنی ذات کے اور اپنے بھائی کے پس جدائی ڈال دے ہمارے درمیان اور اس نافرمان قوم کے درمیان

اُسی قوم کو عطا فرمائی جاتی ہے جو اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے لیے تیار ہو۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي

اللہ نے فرمایا تو یہ سرزمین حرام کردی گئی ہے ان پر چالیس سال تک سرگرداں پھریں گے زمین

الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ

میں سو نہ غمگین ہوں آپ اِس نافرمان قوم (کے انجام) پر اور آپ پڑھ سنائیے انھیں نے

نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

خبر دو فرزندانِ آدم کی ٹھیک ٹھیک جب دونوں نے قربانی دی الاکے تو قبول کی گئی ایک سے

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے (اس دوسرے نے) کہا قسم ہے میں تمھیں قتل کر ڈالوں گا۔ (پہلے نے) کہا تو بلاوجہ ناراض ہوتا ہے)

نے نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی واضح دلیلیں اور روشن معجزات دیکھ کر بھی یہود ہدایت قبول کرنے سے انکار کر دیا کرتے جس سے حضور کو رنج ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنا کر اپنے حبیب کو بتاتے ہیں کہ جیسے قابیل نے محض حسد کی بنا پر اپنے بے گناہ اور پاکباز بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ یہ بھی اسی حسد کے شکار ہیں۔ انھیں رنج یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی اولاد سے کسی کو کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا صرف اِس لیے یہ لوگ آپ کی اور آپ کے لائے ہوئے دین کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے کیوں حسد کرتا تھا۔ اس کے جواب میں مفسرین نے بہت کچھ لکھا ہے لیکن کوئی یقینی چیز نہیں جسے پیش کرتے وقت دل میں خلش محسوس نہ ہو۔ اس لیے اس سے قطع نظر کر کے صرف وہی کچھ عرض کرنا عبرت پذیری کے لیے کافی ہے جو قرآن حکیم نے بتایا ہے۔ بالحق کے لفظ نے یہ واضح کر دیا کہ یہ قصہ محض تفریح طبع اور دل بہلانے کے لیے نہیں سنایا جا رہا ہے بلکہ سچ سچ بے کم وکاست سنایا جا رہا ہے۔ تاکہ حق واضح ہو اور نصیحت حاصل ہو۔

الٰے قربان سے مراد کوئی جانور نہیں جو ذبح کیا گیا ہو بلکہ محض نذرِ خداوندی مراد ہے۔ خواہ وہ جنس کی شکل میں ہو یا کسی جانور کی قربانی کی صورت میں۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں (قابیل اور ہابیل) نے بارگاہ رب العزت میں نذرانۂ عبودیت پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک (ہابیل) کی قربانی کو شرفِ قبول بخشا اور دوسرے (قابیل) کا نذرانہ نامنظور فرمایا۔ قابیل حسد کے مارے تڑپ اٹھا اور اس میں اپنی تحقیر اور تذلیل سمجھی کہ اس کی قربانی منظور ہو گئی اور میری مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ہابیل! میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اب تیری جان لیے بغیر

بنی اسرائیل کی مصر سے ہجرت اور صحرائے سینا میں صحرا نوردی

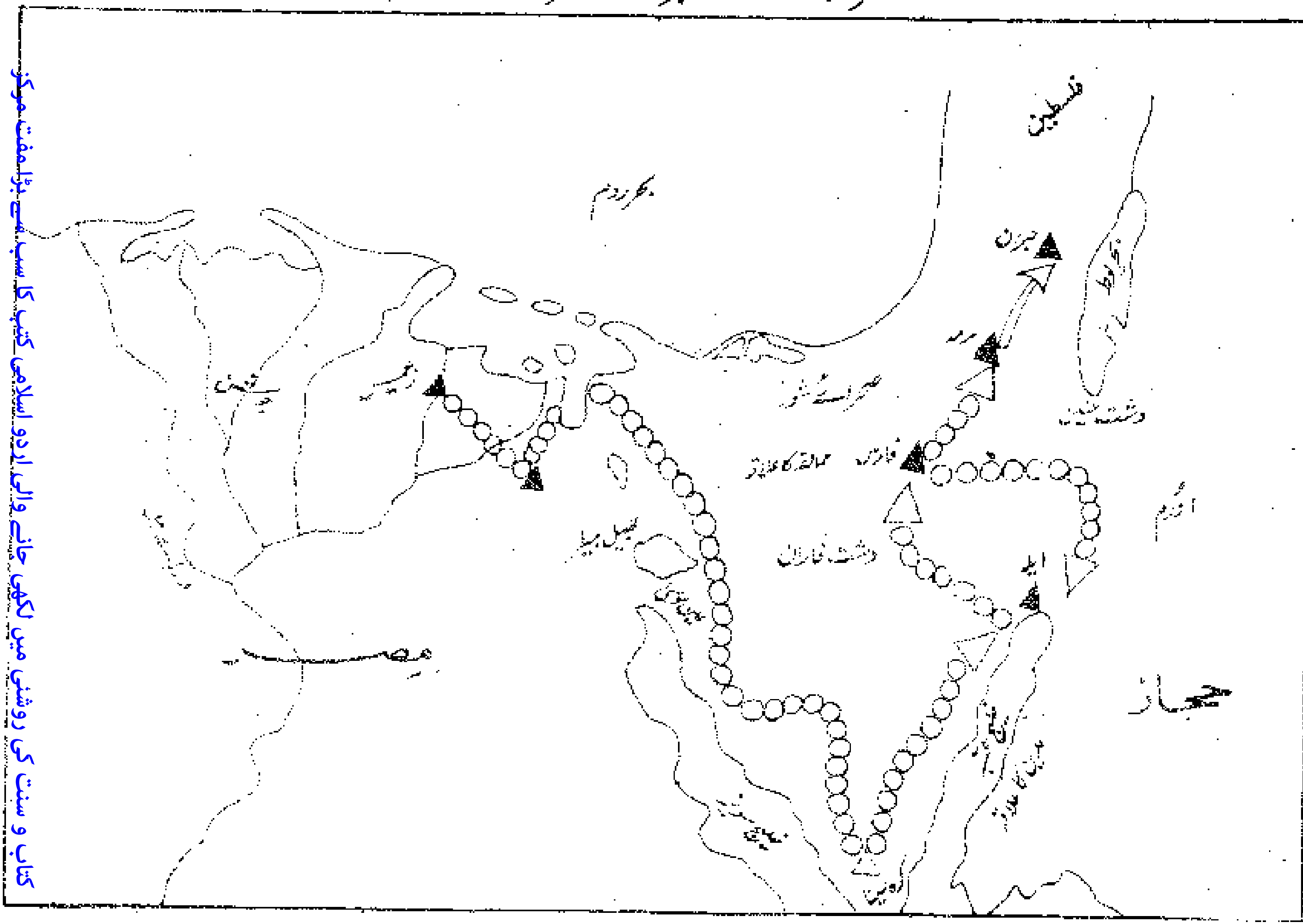

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ

قبول فرماتا ہے اللہ صرف پرہیزگاروں سے ۶۲ اگر تو بڑھائے ۶۳ میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو قتل کرے مجھے (جب بھی)

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں نہیں بڑھانے والا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ میں قتل کروں تجھے میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو مالک ہے

الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

سارے جہانوں کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ تو اٹھالے میرا گناہ ۶۴ اور اپنا گناہ تاکہ تو ہو جائے

مجھے تسکین نہیں ہو سکتی۔

۶۲ ہابیل نے قابیل کی دھمکی کا جواب دیا کہ بھائی اس میں میری کیا خطا ہے۔ اللہ کے ہاں تو اسی کا نذرانہ قبول کیا جاتا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو۔ گویا ہابیل نے اُسے بتادیا کہ اگر تم اپنی سابقہ زندگی میں اپنے رب کے نافرمان اور سرکش بنے رہے ہو جس کے باعث تمہیں یہ دن دیکھنا پڑا تو اب گزشتہ کرتوتوں پر اشک ندامت بہاؤ اور سچے دل سے توبہ کرلو اور آئندہ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو۔ رحمت خداوندی تمہاری قربانی بھی قبول کرلے گی لیکن انسان کی یہ دیرینہ عادت ہے کہ وہ ایک غلطی پر دوسری شدید غلطی سے پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ ایک گناہ کو چھپانے کے لیے اس سے بھی سنگین گناہ کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ قابیل کے لیے آسان اور سلامتی کا راستہ تو وہی تھا جس کی طرف اس کے بھائی نے اس کی رہنمائی کی تھی لیکن وہ اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔

۶۳ ہابیل نے جب دیکھا کہ قابیل میرے قتل کا عزم کرچکا ہے اور کسی طرح باز نہیں آتا تو اس نے کہا قابیل! اگر تم مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کروگے تو بھی میں تمہیں قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قابیل جب قتل کرنے آیا ہابیل مظلوم اور بے بس بھیڑ کی طرح سر جھکا کر کھڑے ہوگئے اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کیا۔ نہیں بلکہ ہابیل کا یہ مقصد ہے کہ اگرچہ مجھے یقین ہے کہ تم میرے قتل کرنے پر تلے ہوئے ہو پھر بھی میں پہل نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہی معنی مروی ہے۔ قال ابن عباس ان المعنى فى الآية لئن بسطت الى يدك على سبيل الظلم والابتداء لتقتلني ما انا بباسط يدى اليك على وجه الظلم والابتداء (روح المعانی) شریعت میں اپنے بچاؤ کے لیے حملہ آور کا مقابلہ کرنا واجب ہے۔ والاصح وجوب ذلك لما فيه من النهى عن المنكر۔ (قرطبی) یعنی صحیح بات یہ ہے کہ اپنا بچاؤ اور دفاع فرض ہے کیونکہ نہی عن المنکر کے حکم کی تعمیل کی یہی صورت ہے۔

۶۴ باثمی کا معنی ہے باثم قتلی یعنی جو گناہ تو نے پہلے کیے ہیں ان کا بار تو تیرے سر پر ہے ہی اب میرے خون ناحق

أَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

دوزخیوں سے اور یہی سزا ہے ظلم کرنے والوں کی پس آسان بنا دیا اس کے لیے ۶۵

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اس کے نفس نے اپنے بھائی کا قتل سو قتل کر دیا اُسے اور ہو گیا سخت نقصان اُٹھانے والوں سے پھر بھیجا اللہ نے

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

ایک کوا کھودتا تھا زمین کو تاکہ دکھائے اُسے کہ کس طرح چھپائے لاش اپنے بھائی کی

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ

کہنے لگا ہائے افسوس! ۶۶ کیا قاصر رہا میں کہ ہوتا اس کوے کی مانند تو چھپا دیتا

کا گناہ بھی تیرے سر پر لادا جائے گا۔ اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن ظالم اور مظلوم جب بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ مظلوم کی دادرسی کے لیے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو عطا فرمائیں گے اور اگر اس سے بھی دادرسی میں کسر رہ جائے گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ بانمی سے اس بات کی طرف اشارہ ہو۔

۶۵ طوّع کا معنی ہے آسان بنا دینا (قرطبی)، سگے بھائی کا قتل کوئی آسان بات نہ تھی جب قابیل کو اس کا پہلے خیال آیا ہوگا تو بھائی کی محبت، اس کی نیکی اور پاکیزگی، باپ کی ناراضگی اور اللہ کا غضب یہ سب چیزیں راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو گئی ہوں گی۔ نہ معلوم قتل کرنے کی خواہش میں اور ان عوامل میں کتنی دیر کشمکش جاری رہی ہو گی لیکن آخر حسد کا جذبہ غالب آگیا اور اس نے بھائی کے قتل کو عین مصلحت بنا کر پیش کیا۔ اور قابیل اس کو خوشی سے کرنے پر آمادہ ہو گیا پہلے جس کے تصور سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہوں گے۔ ہر مجرم جرم کرنے سے پہلے ایسی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے۔ اگر نیکی کی قوت غالب آگئی تو جرم کرنے سے باز آگیا اور گناہ سے بچ گیا۔ اور اگر خدانخواستہ شر کو غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر حضرت انسان باہمہ جُبّہ و دستار بہمہ علم و فراست چاروں شانے چت زمین پر آگرتا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اس موقع پر شیطان زوردار قہقہہ لگا کر نعرہ بلند کرتا ہو مجھو و ملاتک زندہ باد!

۶۶ اصل میں یا ویلتی ہے لیکن ندا کے وقت یا کو الف سے بدل دیا اور اس کے ماقبل کو فتح دے دیا۔ ویل کا معنی ہلاکت ہے۔ جب انسان ہلاک ہونے لگے تو اس وقت کہا جاتا ہے یا ویلتی ہائے میں برباد ہو گیا۔

سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ

لاش اپنے بھائی کی ٦٧ غرض وُہ ہو گیا سخت پچھتانے والوں سے اسی وجہ سے ٦٨

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

(حکم) لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جس نے قتل کیا کسی انسان کو ٦٩ سوائے قصاص کے

اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا

اور زمین میں فساد برپا کرنے کے تو گویا اس نے قتل کر دیا تمام انسانوں کو اور جس نے بچا لیا

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ

کسی جان کو تو گویا بچا لیا اس نے تمام لوگوں کو اور بے شک آئے ٧٠ ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ

٦٧ سوأۃ۔ شرمگاہ چھپانے کی چیز یعنی لاش۔ کہتے ہیں کہ ہابیل پہلا شخص ہے جس نے موت کا جام پیا۔ اس لیے قابیل حیران ہو گیا کہ میں اب اس کی لاش کو کدھر کروں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوّے کے ذریعے اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔

٦٨ یعنی جب قابیل نے اپنے بے گناہ بھائی کو جان سے مار کر قتل کا بند دروازہ کھول دیا اور ایک خطرناک رسم کی ابتدا کر دی اور اب دُوسرے لوگ بھی قتل کرنے لگے اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو گیا تو بنی اسرائیل پر جو کتاب نازل ہوئی اس میں اس کی صراحۃً ممانعت کر دی گئی۔

٦٩ یہ تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قتل سے زیادہ آدمیوں کا قتل زیادہ سنگین ہے اور اس کا گناہ بہت زیادہ ہے تو پھر اس کا مطلب کیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو تہِ تیغ کر دیا۔ علّامہ بیضاوی اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ جس نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا اُس نے خونِ انسانی کی بے حرمتی اور توہین کی نیز اس نے قتل کی رسم کا ازسرِ نو آغاز کیا اور دُوسرے لوگوں کو بھی اس جُرم کے ارتکاب کی جرأت دلائی۔ من حيث انه هتك حرمة الدماء وسن القتل وجرأ الناس عليه (بیضاوی)

٧٠ تورات میں انھیں قتلِ ناحق سے باز رکھنے کے لیے احکامِ قطعیّہ نازل ہوئے۔ ان کو یہ احکام یاد دلانے کے لیے ایسے رسُولوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جن کے معجزات دیکھ کر ان کی صداقت کا انھیں اعتراف کرنا پڑا۔ لیکن ان کی مسخ شدہ فطرت اور بگڑے ہُوئے مزاج کی اصلاح نہ ہوئی۔ یہ برابر آمادہ قتل و فساد رہے۔ جن پیغمبروں پر وُہ ایمان لا چکے تھے ان کو بھی تختہ دار پر لٹکانے اور ان کے سر پر آرہ چلانے سے باز نہ آتے۔ تو اُن سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿٣٢﴾ اِنَّمَا

پھر بھی بہت سے لوگ ان میں سے اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرنے والے ہیں بلاشبہ

جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

سزا ان لوگوں کی جو جنگ کرتے ہیں ؎۱ اللہ سے اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں ؎۲ زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد برپا کرنے کی یہ ہے کہ انھیں چن چن کر قتل کیا جائے یا سولی دیا جائے یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا

مختلف طرفوں سے یا جلاوطن کر دیئے جائیں ؎۳ یہ تو ان کے لیے رسوائی ہے دنیا میں

کی اذیت رسانی اور آپ کے خلاف ناپاک سازشیں کرنے سے باز آئیں گے۔

؎۱ مملکتِ اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں امن قائم کرنے، راستوں کو محفوظ بنانے اور فتنہ و فساد کی جڑ کاٹنے کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ معظم نے دیا ہے۔ جو اس حکم کی خلاف ورزی کر کے قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتا ہے وہ گویا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر رہا ہے اس لیے قرآن کریم نے مملکتِ اسلامیہ کے کسی باشندے پر خواہ وہ مسلمان ہو یا ذمی دست درازی کرنے کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

؎۲ واو تفسیریہ ہے۔ پہلے جملہ میں جس محاربہ کا ذکر ہوا اس کی وضاحت فرما دی۔

؎۳ محاربین جن کی سزائیں یہاں بیان کی گئی ہیں وہ کون ہیں؟ ان کے متعلق فقہاء کرام نے کہا ہے کہ جن میں یہ تین شرطیں پائی جائیں وہ محارب ہیں۔ (۱) وہ بندوق، تلوار، نیزہ وغیرہ ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔ (۲) آبادی سے باہر راستہ یا صحرا میں وہ رہزنی اور ڈاکہ کا ارتکاب کریں لیکن امام شافعی، اوزاعی اور لیث رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہر میں ڈاکہ ڈالنے والے بھی محارب کہلائیں گے اور انھیں سزاؤں کے مستحق ہوں گے (۳) وہ چھپ کر نہیں بلکہ برملا حملہ آور ہو کر لوٹ مار کریں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآن نے چار سزائیں مقرر کی ہیں۔ (۱) انھیں قتل کر دیا جائے باب تفعیل تقتیل تشدید اور مبالغہ کے لیے ہے یعنی مقتول کے وارث اگر معاف بھی کر دیں تو بھی انھیں قتل کیا جائے گا کیونکہ مدعی حکومت ہے جو عوام کی نمائندہ ہے۔ یہ مقتول کے وارثوں کا نجی معاملہ نہیں رہا (۲) انھیں سولی دے دیا جائے۔ (۳) ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ (۴) یا انھیں قید کر دیا جائے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ ان فقروں کے درمیان او (یا) کا کلمہ تخییر

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ

اور ان کے لیے آخرت میں (اس سے بھی) بڑی سزا ہے ۷۴ مگر وہ جنھوں نے توبہ کر لی ۷۵ اس سے پہلے

أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

کہ تم قابو پا لو ان پر (ان کو معاف کر دیا جائے گا) اور خوب جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے اے ایمان والو!

ع ۵

کے لیے ہے یعنی امام وقت کو اختیار ہے کہ ان سزاؤں میں سے جو سزا مناسب سمجھے دے۔ وھو قول سعید ابن المسیب وعمر بن عبدالعزیز ومالک والنخعی کلھم قال الامام مخیر فی الحکم علی المحاربین وھو مروی عن ابن عباس (قرطبی) لیکن جمہور علماء کا یہ خیال ہے کہ سزا جرم کے مطابق ہوگی۔ جتنا جرم سنگین ہوگا اتنی ہی سزا سخت ہوگی چنانچہ احناف نے اس کی تفصیل یوں بیان کی ہے کہ اگر انھوں نے قتل کیا تو انھیں قتل کیا جائے گا اور مقتول کے وارثوں کے بخش دینے سے بھی معاف نہ ہوگا۔ اور اگر قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا تو پھر انھیں سولی دے دیا جائے گا اور لوگوں کی عبرت پذیری کے لیے شارع عام پر سولی دے دی جائے اور ان کی لاشیں لٹکی رہیں اور اگر انھوں نے قتل نہ کیا صرف مال لوٹا تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر انھوں نے نہ قتل کیا نہ مال لوٹا صرف لوگوں کو دہشت زدہ اور ہراساں کیا تو پھر انھیں قید کیا جائے گا۔ (روح المعانی)

۷۴ کون نہیں جانتا کہ ملک کی ترقی اور خوشحالی کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ وہاں امن وامان ہو۔ راستے محفوظ ہوں۔ تجارتی قافلوں اور سامان کے لٹ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ لوگ طلب معاش اور اپنی دوسری ضروریات کے لیے بے دھڑک جہاں چاہیں جا سکیں اور جو فسادی عنصر ملک کے امن کو برباد کر رہا ہو۔ عام شاہراہوں پر بسوں اور موٹروں کو لوٹنا، ریل گاڑی کی پٹڑی کو اکھیڑ دینا، بجلی یا ٹیلیگراف کی تاروں کو کاٹ دینا، راہ چلتے نہتے مسافروں کو مار ڈالنا اپنا مشغلہ بنا لے وہ کسی رحم اور نرم دلی کا مستحق نہیں اس کو جتنی عبرت ناک سزا دی جائے اتنا ہی مفید ہے۔ ایسے ہی فتنہ پرداز لوگوں کے لیے یہ سزائیں قرآن نے مقرر کی ہیں۔ اگر کوئی چیں بجبیں ہوتا ہے تو اس کی مرضی لیکن کسی سے آفرین لینے کے لیے اسلام ایسے افراد کو اپنی سوسائٹی میں برداشت نہیں کر سکتا اور ان کو ان کے ظلم و تشدد کی سزا دینے کا اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے۔ ممکن ہے سفاکوں اور رہزنوں کے ساتھ نرمی کرنا ہی کسی کے نزدیک رحم ہو لیکن اسلام کے نزدیک ظالم کے ہاتھ سے ظلم کی تلوار چھین لینا اور اس کے ظالم ہاتھ کو کاٹ پھینکنا رحمت ہے۔ نظریات کے اتنے بین تفاوت کی موجودگی میں عمل اور طریق کار میں تفاوت حیرت انگیز چیز نہیں۔

۷۵ اگر وہ گروہ گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے اور اپنے آپ کو حکومت کے حوالہ کر دے پھر حقوق اللہ معاف ہو جائیں گے لیکن اگر انھوں نے کسی کا مال لوٹا ہے تو وہ واپس کرنا ہوگا۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کا قصاص یا دیت

اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ [۱۶۷] اور جدوجہد کرو اس کی راہ میں [۱۶۸] تاکہ تم

ادا کرنی ہوگی کسی کو زخمی کیا ہے تو اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔

[۱۶۷] ابن منظور لفظ وسیلہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الوسيلة في الاصل ما يتوصل به الى الشيئ و يتقرب به اليه (لسان العرب) یعنی جس چیز کے ذریعہ کسی تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل ہوئے وسیلہ کہتے ہیں۔ والوسيلة كل ما يتقرب به (کشاف)۔ ایمان، نیک اعمال، عبادات، پیروئ سنت اور گناہوں سے بچنا یہ سب اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں اور مرشد کامل جو اپنی رُوحانی توجہ سے اپنے مُرید کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دے۔ دل میں یادِ الٰہی کی تڑپ پیدا کر دے اس کے وسیلہ ہونے میں کون شبہ کر سکتا ہے۔ کاملینِ اُمّت نے ایسے مُرشد کی تلاش میں سینکڑوں، ہزاروں کوس کی مُسافت کو پاپیادہ طے کیا ہے۔ اور ان کی رہنمائی اور دستگیری سے آسمانِ معرفت وحکمت پر مہر و ماہ بن کر چمکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اس آیت میں وسیلہ سے مُراد بیعتِ مُرشد ہے (قول جمیل) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے شاہ اسمٰعیل صاحب دہلوی کو بھی لکھنا پڑا۔ "اہل سلوک ایں آیت را اشارت بسلوک مے فہمند و وسیلہ مرشد را مے دانند پس تلاشِ مُرشد بنا بر فلاحِ حقیقی و فوزِ تحقیقی پیش از مجاہدہ ضروری ست و سُنّت اللہ بریں منوال جاری ست لہٰذا بدُون مُرشد راہ یابی نادر است" (صراطِ مستقیم) یعنی سالکانِ راہِ حقیقت نے وسیلہ سے مُراد مُرشد لیا ہے پس حقیقی کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کے لیے مجاہدہ و ریاضت سے پہلے تلاشِ مُرشد ازبس ضرُوری ہے اور اللہ تعالیٰ نے سالکانِ راہِ حقیقت کے لیے یہی قاعدہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لیے مُرشد کی رہنمائی کے بغیر اس کا ملنا شاذ و نادر ہے۔

مولوی ہرگز نشُد مولائے رُوم — تا غلامِ شمس تبریزی نشُد (رُومیؒ)

دمِ عارف نسیمِ صُبحدم ہے — اِسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسّر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبالؒ)

[۱۶۸] اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے تقویٰ اختیار کرنے، وسیلہ تلاش کرنے کے علاوہ ہر دم مصروفِ جہاد رہنا بھی ضرُوری ہے جہادِ اصغر بھی اور جہادِ اکبر بھی۔ کفّار سے بھی اور نفسِ امّارہ سے بھی۔ اور ان تمام نظریات اور افکار سے بھی جو کسی حیثیّت سے اسلامی عقائد اور مسلّمات سے ٹکراتے ہیں۔ تب جا کر فلاح و کامرانی نصیب ہوگی ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را (اقبالؒ)

تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

فلاح پاؤ — بے شک وہ جنھوں نے ۵۸ کفر اختیار کیا اگر انہی کی ملکیت ہیں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب

وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ

اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تاکہ بطور فدیہ دیں اسے (اور نجات پائیں) عذاب سے روزِ قیامت — نہ قبول کیا جائے گا

مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۳۶﴾ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ

اُن سے — اور ان کے لیے عذاب دردناک ہوگا — بہت چاہیں گے کہ نکلیں اس آگ سے

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ

اور وہ نہیں نکل سکیں گے اس سے — اور ان کے لیے عذاب ہوگا ہمیشہ رہنے والا — اور چوری کرنے والے ۵۹

۵۸ یعنی کفار کا یہ خیال غلط ہے کہ ہم وہاں بھی روپیہ وغیرہ سے کام چلا لیں گے۔ وہاں تو نجات کا ذریعہ ایمان ہے دُنیا بھر کی دولت بھی اگر وُہ دے کر جان چھوڑانا چاہیں گے تو ان کے منہ پر مار دی جائے گی۔

۵۹ اس سے پہلے ہتھیار بند ڈاکوؤں اور رہزنوں کی سزائیں بتائی گئیں۔ اب چوروں کی سزا بیان کی جا رہی ہے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ اہلِ عرب کے نزدیک جن کی زبان اور محاورات کے مطابق قرآنِ حکیم نازل ہوا۔ سارق (چور) کس کو کہتے ہیں۔ السارق عند العرب هو من جاء مستترا الی حرز فاخذ منه ما لیس له (قرطبی) یعنی اہلِ عرب سارق اس کو کہتے ہیں جو پوشیدہ طور پر کسی محفوظ جگہ میں آئے اور وہاں سے ایسا مال لے جائے جو اس کا اپنا نہیں۔ اس وضاحت کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ فقہاءِ اسلام نے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے وُہ ان کا اپنا اضافہ نہیں بلکہ لفظ سارق کے لغوی مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ مختصراً ان شرائط کا ذکر کرتا ہوں قطعِ ید کے لیے جن کا پایا جانا چور، چوری شدہ مال اور چوری ہونے کی جگہ میں ضروری ہے۔ چور کے متعلق تو یہ شرطیں ہیں:۔
(۱) بالغ ہو نابالغ نہ ہو۔ (۲) عاقل ہو پاگل اور دیوانہ نہ ہو۔ (۳) مالِ مسروقہ کا مالک نہ ہو سارے کا نہ اُس کے کسی حصہ کا۔ مالِ مسروقہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم سے کم نہ ہو۔ اور جہاں سے چوری کی گئی ہے وُہ محفوظ جگہ ہو گھر ہو، دُکان ہو کوٹھی اور مکان ہو۔ یا اس مال کی حفاظت کے لیے کوئی پہرے دار مقرر ہو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تفصیلات ہیں جن کے لیے کتبِ فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

اور چوری کرنے والی (کی سزا یہ ہے) کہ کاٹو ان کے ہاتھ بدلہ دینے کے لیے جو انھوں نے کیا[۸۰] (اور) عبرتناک سزا

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے[۸۱] پھر جس نے توبہ کرلی اپنے (اس) ظلم کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا

[۸۰] چور کی یہ سزا مقرر کرنے کی دو وجہیں بتائیں۔ ایک تو یہ کہ جزاء بما کسبا یہ اس کے اپنے کیے کی سزا ہے اب وہ اسے بھگتے۔ دوسری وجہ نکالا من اللہ نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کے لیے عبرت کا باعث ہو اور یہ دونوں مقصد اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں جیسے قرآن نے حکم دیا۔ آج کئی لوگ ان سزاؤں کو بہت شدید اور سخت خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس غیر مہذب اور غیر متمدن سوسائٹی کے لیے تھیں جن میں قرآن نازل ہوا۔ اس زمانہ کے بعض مترجمین اور حاشیہ نویسوں نے اس پر بڑا زورِ قلم صرف کیا ہے کہ یہ سزا صرف عادی مجرموں کے لیے ہے جنھیں قید و بند کی سختیاں بھی درست نہ کر سکیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے جس پاکیزہ معاشرہ کا سنگِ بنیاد رکھا ہے جس طرح قوم کے تمام افراد کے حقوق و فرائض کا توازن قائم کیا ہے۔ رعایا کے ہر فرد کی جان۔ مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری حکومتِ اسلامیہ پر عائد کی ہے ان تمام امور کو پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ سزائیں سخت اور شدید سہی لیکن عین حکمت ہیں۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کی شفقت کا زیادہ مستحق کون ہے۔ وہ بیوہ، وہ یتیم، وہ پُرامن شہری جس کی عمر بھر کا اندوختہ راتوں رات لوٹ لیا گیا یا بٹا کٹا چور جب سے مظلوم سے زیادہ ظالم۔ لٹنے والے سے زیادہ لوٹنے والا شفقت و عنایت کا مستحق سمجھا جانے لگا ہے اس وقت سے جرموں اور مجرموں میں ہوش رُبا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہم اپنے ہاں ہی دیکھیں۔ پولیس ہے مجسٹریٹ ہیں جیل خانے کھچا کھچ بھرے ہوتے ہیں لیکن جرائم میں زیادتی ہی ہو رہی ہے۔ جس علاج سے بیماری گھٹنے کے بجائے بڑھتی چلی جا رہی ہو وہ علاج ناکام ہے۔ اگر ہم مریض کو واصل بحق کرنے کا ہی عزمِ مصمم کر چکے ہیں تو یہ اور بات ہے۔ ورنہ مریض اور اس کے سارے کنبہ کی خیرخواہی کا تقاضا تو یہی ہے کہ دوسرا علاج کیا جائے۔ بنی امیہ کے ایک خلیفہ ہشام کو بھی تہذیب و شائستگی کا دورہ پڑا تھا اور اس نے بھی ہاتھ کاٹنے کی سزا منسوخ کر دی تھی۔ لیکن جب چوری کی وارداتیں آئے دن بڑھنے لگیں اور کوئی دوسرا حیلہ کارگر نہ ہو سکا تو دو سال کے عرصہ کے بعد پھر اسے قرآنی سزا نافذ کرنا پڑی۔ اس نے تو پھر اپنی غلطی کو بھانپ لیا اور دو سال کے بعد ہی اس کا ازالہ کر دیا لیکن ہم تو حالات کی انتہائی نزاکت کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اگر ملک بھر میں دس بیس چلو پچاس ہی چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں اور آپ کا ملک چوری کی لعنت سے نجات حاصل کر لے اور آپ کی نئی پود میں یہ مجرمانہ خیالات سر ہی نہ اٹھائیں تو میرے ناقص خیال میں تہذیب و شائستگی کا یہ مظاہرہ اس مظاہرہ سے بدرجہا بہتر ہوگا کہ ہمارے ملک میں کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ ہماری جیلوں میں سوسائٹی کے ان کرم فرماؤں (چوروں) کے لیے

فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ

تو بے شک اللہ تعالیٰ توجہ فرمائے گا ۸۲؎ اس کی طرف بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے کیا تو نہیں جانتا کہ بلا شبہ

اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَغْفِرُ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور بخش دیتا ہے

لِمَن يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ

جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے اے رسول ۸۳؎

لَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا

نہ غمگین کریں آپ کو وہ جو تیز رفتار ہیں کفر میں ان لوگوں سے جنھوں نے کہا

آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ

ہم ایمان لائے (صرف) اپنے منہ سے حالانکہ نہیں ایمان لائے تھے ان کے دل اور ان لوگوں سے جو یہودی ہیں

قورمہ اور پلاؤ پک رہا ہو۔

۸۱؎ یعنی جس خدا نے چور کی یہ سزا تجویز کی ہے وہ عزیز بھی ہے یعنی سب پر غالب ہے اور حکیم بھی ہے یعنی اس کا ہر حکم سینکڑوں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوا کرتا ہے۔ ان دو صفات کے ذکر کرنے سے معترضین کے تمام شکوک کا جواب بھی آ گیا۔

۸۲؎ امام شافعیؒ اور چند اور علماء کا خیال ہے کہ اگر چور بھی گرفتار ہونے سے پہلے تائب ہو جائے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی لیکن جمہور علماء اور احناف کا یہی مذہب ہے کہ چوری کے بعد حد تو ضرور لگے گی لیکن اگر اس نے توبہ کی تو قیامت کا عذاب معاف کر دیا جائے گا۔ اور توبہ کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کے پاس چوری کا مال موجود ہو تو اس کے مالک کو واپس کر دے نہیں تو اس کی قیمت ادا کرے اور اگر یہ دونوں نہیں کر سکتا تو پھر مالک سے معاف کرا لے۔

۸۳؎ یہود کی خباثتوں سے حضور کریمؐ کا دل آزردہ ہوتا تھا۔ حضورؐ ان کو قدم قدم پر اسلام کی حقانیت کے ثبوت مہیا فرماتے لیکن وہ برابر کفر سے چمٹے رہنے پر مصر رہتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ افسردہ نہ ہوں۔ یہ نہ آپ کو کوئی گزند پہنچا سکتے ہیں اور نہ اسلام کی ترقی کو روکنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہیں ان کے دل اسی پرانے کفر میں مبتلا ہیں۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ

جاسوسی ۸۴ کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لیے وُہ جاسوس ہیں دُوسری ۸۵ قوم کے جو نہیں آئی آپ کے پاس بدل دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

اللہ کی باتوں کو اس کے صحیح موقعوں سے کہتے ہیں اگر تمھیں دیا جائے یہ حکم تو مان لو اُسے

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ

اور اگر نہ دیا جائے تمھیں یہ حکم تو بچو ۸۶ اور جس کو ارادہ فرمالے اللہ تعالیٰ فتنہ میں ڈالنے کا تو نہیں طاقت

۸۴ سمع کے دو معنی ہیں (۱) سُننا (۲) قبول کرنا۔ سماع مبالغہ کا صیغہ ہے۔ علامہ زمخشری اور بیضاوی نے دُوسرا معنی پسند کیا ہے قابلون لمایفتریہ الاحبار ومنہ سمع اللہ لمن حمدہ (کشاف) یعنی اپنی باطنی خباثت کی وجہ سے انھیں اپنے پادریوں کی جھوٹی باتیں بڑی پسند ہیں اُنھیں وُہ فوراً قبول کر لیتے ہیں۔

۸۵ یہاں بھی سماع کے دونوں معنے مُراد ہو سکتے ہیں یعنی وُہ آپ کی مجلس میں محض جاسُوسی کے لیے آتے ہیں کہ کوئی راز کی بات سُنیں اور اُسے اپنی قوم کے سرداروں کو جا کر بتائیں۔ دُوسرا یہ کہ آپ کی سچّی باتوں کو تو قبول نہیں کرتے لیکن فریب کار احبار و علماء کی جھُوٹی باتوں کو دل میں جما لیتے ہیں۔

۸۶ یہاں ایک خاص واقعہ کی طرف اِشارہ فرمایا جا رہا ہے جس کو تفسیر کشاف سے نقل کرتا ہُوں خیبر کے ایک شادی شُدہ یہُودی مرد اور عورت نے زنا کیا۔ دونوں اعلیٰ خاندان کے افراد تھے اس لیے علماءِ یہُود نے ان کو رجم کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اُنھوں نے ان دونوں کو ایک وفد کے ہمراہ بنی قریظہ کے پاس مدینہ طیبہ روانہ کیا تاکہ رسُول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے مسئلہ دریافت کریں نیز انھوں نے یہ ہدایت کی کہ اگر وُرّے لگانے اور منہ کالا کرنے کا حکم دیں تو مان لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو اِنکار کر دینا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے رجم کا ہی حکم فرمایا۔ اُنھوں نے اِنکار کر دیا۔ حضرت جبریلؑ کے کہنے پر حضورؐ نے انھیں فرمایا کہ کیا تم نوجوان ابن صوریا کو پہچانتے ہو؟ کہنے لگے جی ہاں رُوئے زمین پر یہُود میں اس کا ہم پلّہ کوئی عالم نہیں۔ چنانچہ اسے حکم مقرر کیا گیا۔ جب وُہ آیا تو حضورؐ نے فرمایا تمھیں اس خدا کا واسطہ دے کر پُوچھتا ہُوں جس نے مُوسیٰ علیہ السّلام کے لیے دریا کو شق کیا اور تمھیں نجات دی اور فرعون کو غرق کیا اور جس نے تم پر تورات نازل فرمائی تم یہ بتاؤ کہ شادی شدہ زانی کے لیے تورات میں رجم کا حکم ہے یا نہیں؟ وُہ اِنکار نہ کر سکا اور صاف کہہ دیا کہ بے شک ایسا ہی ہے یہُود اس پر اُچھل پڑے لیکن اس نے کہا کہ اگر میں اس نبی برحق کے سامنے جھُوٹ بولتا تو مجھے عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کا اندیشہ تھا چنانچہ مسجد کے دروازہ کے سامنے انھیں رجم کیا گیا۔ (کشاف)

تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

رکھتا تو اس کے لیے اللہ سے کسی چیز کی یہ وُہی لوگ ہیں ٨٣ کہ نہیں ارادہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ پاک کرے

قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖۚ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے دِلوں کو ان کے لیے دُنیا میں ذِلّت ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب

عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ

ہے قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو بڑے حرام خور ہیں ٨٤ تو اگر وُہ آئیں آپ کے پاس

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

تو چاہے فیصلہ فرمایئے ان کے درمیان یا منہ پھیر لیجئے اُن سے (آپ کو اختیار ہے) اور اگر آپ مُنہ پھیر لیں اُن سے تو نہ

٨٣ اس کی وجہ ان کی اپنی عاقبت نااندیشی تھی جس قوم کی ہدایت کے لیے ایسا مکرم رسُول مبعوث کیا جائے، قرآن جیسی روشن اور مدلل کتاب نازل کی جائے۔ ہر لمحہ ان کو اسلام کی حقانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جاتے اور ان کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی جائے لیکن وُہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، باطل سے حق کی طرف آنے سے انکار کرتی رہے تو اس قوم کا بجز اس کے کیا علاج ہے کہ اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وُہ باطل عقائد کی غلاظت اور غلط اعمال کی عفونت سے آلودہ رہے اور اسی حالت میں دم توڑ دے۔ اللہ تعالےٰ جس طرح کسی کو بُرائی پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح وُہ کسی سے جبراً نیکی بھی نہیں کراتا۔ یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اور انسان کو جو شرف تمام کائنات پر عطا فرمایا گیا ہے اُس کے بھی منافی ہے۔

٨٤ "سُحت" کا لغوی معنی ہلاکت و بربادی ہے۔ مالِ حرام کو اس لیے سُحت کہا جاتا ہے کہ وُہ نیکیوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتا ہے مسلمانوں کو بھی حرام کھانے سے بارہا منع کیا گیا۔ چنانچہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کل لحم نبت بالسحت فالنار اولی به قالوا یارسول الله وما السحت ؟ قال الرشوة فی الحکم: جو گوشت سُحت سے پیدا ہو اُسے آگ ہی جلائے گی۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسُول! سُحت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا فیصلہ کرتے وقت رشوت لینا۔ امام ابُو حنیفہؒ فرماتے ہیں اذا ارتشی الحاکم انعزل فی الوقت وان لم یعزل کہ حاکم رشوت لیتے ہی معزُول ہو جاتا ہے خواہ اسے بظاہر معزُول نہ بھی کیا جائے۔ رشوت اس مال کو کہتے ہیں جو کسی کا حق ضائع کرنے کے لیے اور ناحق کوئی چیز خود لینے کے لیے کسی حاکم کو دیا جائے۔ فاما ان ترشی لتدفع عن دینك ودمك ومالك فلیس بحرام۔ لیکن اپنے

يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ

نقصان پہنچا سکیں گے آپ کو کچھ بھی ٨٩ اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے ان میں انصاف سے ٩٠ بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ

اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے اور کیسے منصف بناتے ہیں آپ کو حالانکہ ان کے پاس

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ

تورات ہے اس میں اللہ کا حکم ہے ٩١ پھر وہ منہ پھیرتے ہیں (اس سے) اس کے بعد بھی اور نہیں ہیں

دین، جان اور مال کی حفاظت کے لیے دی جاتے تو حرام نہیں۔ یہاں لینے والا گنہگار ہوگا)

٨٩ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ پہلے حضورؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہیں تو اہلِ کتاب کے تنازعات کا فیصلہ فرما دیں اور چاہیں تو انکار کر دیں۔ لیکن بعد میں جب یہ آیت نازل ہوئی "ان احکم بینھم بما انزل الخ" تو یہ اختیار نہ رہا۔ اور ان کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا حضورؐ پر لازمی ہو گیا۔ لیکن دوسرے علماء نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جھگڑا مسلم اور ذمی (یعنی مسلمانوں کی غیر مسلم رعایا) کے درمیان ہو تو مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا۔ اور اگر ذمیوں کا آپس میں تنازع ہو تو پھر دیکھیں گے کہ امورِ متنازعہ کا تعلق ان کی شخصی اور مذہبی زندگی سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، زنا وغیرہ تو ہم ان کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرائیں۔ وہ ان معاملات میں اپنے علماء کی طرف رجوع کریں۔ واما الحکم فیما یختص بہ دینھم من الطلاق والزنی وغیرھا فلیس یلزمھم ان یتدینوا بدیننا وفی الحکم بینھم واضرار بحکامھم وتغییر ملتھم (قرطبی) لیکن ایسے امور جن کا تعلق ملک کے داخلی امن و امان یا خارجی سلامتی کے ساتھ ہے تو ایسے معاملات میں مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا کیونکہ اگر معاملات میں تساہل اور غفلت روا رکھی جائے تو فتنہ و فساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہے (قرطبی)

٩٠ یعنی جب فیصلہ کیا جائے تو عدل و انصاف کو پیشِ نظر رکھا جائے کسی کا یہودی یا منافق اور دشمنِ دین ہونا اس پر ظلم کرنے اور اس کا حق ضائع کرنے کے لیے وجہِ جواز نہیں بن سکتا۔

٩١ اظہارِ تعجب کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کے پاس دوڑ کر کیوں آتے ہیں۔ اگر آپ سے فرمانِ خداوندی کے مطابق ہی فیصلہ کرانا مقصود ہے تو پھر یہاں آنے کی زحمت کیوں اٹھاتے ہیں ان کے پاس تورات ہے۔ اس میں احکامِ الٰہی موجود ہیں۔ اس کے مطابق فیصلہ کر لیا کریں۔

أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ

وُہ ایمان دار ۹۲ بے شک اُتاری ہم نے تورات اس میں ہدایت اور نور ہے ۹۳

يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ

حکم دیتے رہے اس کے مطابق انبیاء ۹۴ جو (ہمارے) فرماں بردار تھے یہودیوں کو اور (اسی کے مطابق حکم دیتے رہے) اللہ والے

وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ

اور علماء اس واسطے کہ محافظ ٹھیرائے گئے تھے اللہ کی کتاب کے اور وُہ تھے اس پر گواہ

۹۲ ؎ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جیسے وُہ قرآن کو نہیں مانتے ایسے ہی تورات پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ صرف اپنی قوم کو دھوکہ دینے کے لیے وُہ تورات کا سہارا لیے ہوتے ہیں۔

۹۳ ؎ اس رکوع میں دو چیزوں کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔ ایک یہ کہ تورات، انجیل اور قرآن مختلف اور متضاد اور ایک دُوسرے کی تردید اور تکذیب کرنے والی کتابیں نہیں اور نہ یہ کہ جب تک دو کا انکار نہ کیا جائے تیسری پر ایمان درُست نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سب ایک سرچشمۂ فیض کی نہریں ہیں۔ ہر ایک میں نُور ہے جو گمراہی کے اندھیروں کے لیے پیغامِ موت ہے۔ ہر ایک میں ہدایت ہے جو طالبانِ مولا کی دستگیری کر کے شاہدِ مقصُود تک پہنچا دینے والی ہے۔ دُوسری چیز یہ کہ یہُود نے تورات اور نصاریٰ نے انجیل سے فائدہ نہ اُٹھایا اور احکامِ الٰہی کی جگہ اپنی ہوا و ہوس کے پرستار بن کر رہ گئے۔ اے حاملانِ قرآن! وُہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کریں گے کہ تمھیں بھی اپنی کتاب سے دُور کر دیں۔ خبردار! کہیں تم بھی ان کے دامِ فریب میں پھنس کر اس سُنہری موقع کو ضائع نہ کر دینا۔

۹۴ ؎ یہُود کو تورات جس میں نُور و ہدایت تھی عطا کی گئی تھی۔ مدّت دراز تک ان کے انبیاء، ان کے اولیاء اور ان کے عُلماء اس کے مُطابق فیصلے کرتے رہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری جو ان پر عائد کی گئی تھی اس کو ادا کرتے رہے لیکن بعد میں جب یہ ہدایت و نُور کا صحیفہ دُنیا پرست علماء اور نفس پرور زاہدوں کے قبضہ میں آ گیا تو انھوں نے نہ اس پر عمل کیا اور نہ اُس کی حفاظت کی۔ استحفظوا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات کی حفاظت کی ذمّہ داری اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اولیاء اور عُلماء کے سپرد کی تھی۔ جب تک وُہ اس ذمہ داری کو بجا لاتے رہے تورات ہر تحریف اور ردّ و بدل سے محفوظ رہی۔ جب عبادت گزاروں اور علم والوں میں اخلاص اور للّٰہیت نہ رہی بلکہ جاہ طلبی اور دُنیا طلبی کا غلبہ ہو گیا تو یہ ہدایت و نُور کا صحیفہ رہبان و احبار کی جاہ طلبی اور دُنیا پرستی کی نذر ہو کر رہ گیا۔ اُنھوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے اس میں ردّ و بدل کر دیا۔

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا

پس نہ ڈرا کرو لوگوں سے اور ڈرا کرو مجھ سے اور نہ بیچا کرو میری آیتوں کو تھوڑی سی

قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

قیمت سے ۹۵؎ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے نازل فرمایا اللہ نے تو وُہی لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَ

کافر ہیں ۹۶؎ اور ہم نے لکھ دیا تھا یہود کے لیے تورات میں (یہ حکم) کہ جان کے بدلے جان

۹۵؎ اس میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہو رہی ہے کہ علماء یہود کی طرح بادشاہوں اور امیروں سے ڈر کر تم بھی قرآن کے معانی میں ہیر پھیر نہ شروع کر دینا بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا جس نے اگر پکڑ لیا تو کوئی چھوڑا نہ سکے گا۔ اگر اس کی نگاہِ لطف وکرم سے محروم کر دیئے گئے تو دُنیا تنگ ہو جائے گی اور کہیں گوشۂ عافیت نہ ملے گا۔

۹۶؎ یہاں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وُہ کافر ہیں۔ اسی رکوع کی آیت نمبر ۴۵ میں ایسے لوگوں کو ظالم کہا گیا اور آیت نمبر ۴۷ میں ایسے لوگوں کو فاسق کہا گیا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ آیات صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئیں لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ کسی خاص شخص کے متعلق کسی آیت کے نازل ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وُہ آیت بس اسی سے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ اس کا حکم اب کسی دُوسرے شخص پر نافذ نہیں ہوگا۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ اسے یہود کے ساتھ مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اس کا مفہوم عام رکھا جائے۔ چنانچہ علماء اہلِ سنّت نے من لم یحکم بما انزل اللہ مستھینا بہ منکرا لہ یعنی جو شخص اللہ کے حکم کی توہین اور تحقیر کرتے ہُوئے اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وُہ کافر ہوگا۔ کیونکہ احکامِ شرعیہ کی توہین اور تحقیر کی صرف وہی جراٴت کر سکتا ہے جس کا دِل ایمان ویقین کے نور سے خالی ہو۔ علامہ بیضاوی ؒ نے ایسے شخص کو کافر، ظالم اور فاسق کہنے کی بڑی لطیف وجہ بیان کی ہے فرماتے ہیں فکفرھم لانکارہ وظلمھم بالحکم بخلافہ وفسقھم بالخروج عنہ یعنی اس وجہ سے کہ انھوں نے احکامِ الٰہیہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا وُہ کافر ٹھیرے۔ اور اس وجہ سے کہ انھوں نے اس قانون کو چھوڑ دیا جو عین عدل و انصاف تھا وُہ ظلم کے مرتکب ہُوئے اور اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑا وُہ فاسق کہلائے۔ اس کے بعد بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تینوں لفظ کفر، ظلم اور فسق احکامِ الٰہیہ سے سرتابی کرنے والوں کے مختلف حالات کے پیشِ نظر کہے گئے ہوں یعنی اگر اس نے یہ سرتابی ازراہِ تمرد وتحقیر کی تو وُہ کافر ہے اور اگر دِل میں انکار تو نہیں بلکہ ویسے حکم عدولی ہو گئی تو وُہ ظالم وفاسق ہوگا۔ ویجوز ان یکون کل واحدۃ من الصفات الثلاث باعتبار حال

الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَ

آنکھ کے بدلے آنکھ ٩٧ ، ناک کے بدلے ناک ، کان کے بدلے کان اور

السِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ

دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے لیے قصاص تو جو شخص ٩٨ معاف کر دے بدلا تو یہ معافی کفارہ

كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

بن جائے گی اس کے گناہوں کا ۔ اور جو فیصلہ نہ کرے اس (کتاب) کے مطابق جسے اُتارا اللہ نے تو وُہی لوگ ظالم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ہیں اور ہم نے پیچھے بھیجا ان کے نقشِ قدم پر عیسٰی بن مریم کو ٩٩

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ

تصدیق کرنے والا جو اس کے سامنے موجود تھا یعنی تورات اور ہم نے دی اسے انجیل

انضمت الی الامتناع عن الحکم بہ ملازمۃ لہا (بیضاوی) سچ تو یہ ہے کہ ان آیات کے بعد کسی مسلمان کے لیے کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ وُہ اپنے لیے، اپنی قوم اور اپنی رعایا کے لیے ایسے قوانین تجویز کرے جو احکامِ خداوندی کے خلاف ہوں۔

٩٧ تورات میں طرح طرح کے ردّ و بدل کے باوجود آج بھی یہ حکم موجود ہے جو قرآن کی حقانیت کی تصدیق کرتا ہے "اگر وُہ اس صدمہ سے ہلاک ہو جائے تو تو جان کے بدلہ میں جان لے اور آنکھ کے بدلہ آنکھ، دانت کے بدلہ دانت اور ہاتھ کے بدلہ ہاتھ، پاؤں کے بدلہ پاؤں، جلانے کے بدلہ جلانا، زخم کے بدلہ زخم اور چوٹ کے بدلہ چوٹ (خروج ۲۱: ۲۳-۲۵)

٩٨ ظالم کے لیے عبرت ناک سزا تجویز فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ مظلوم کو عفو و درگزر کی تلقین کی۔ عدل و انصاف اور رحم و کرم کا کتنا حسین امتزاج ہے۔

٩٩ حضرت موسٰی علیہ السلام کے بعد سلسلۂ نبوت جاری رہا۔ مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ ان کے پیچھے اور ان کے نقشِ قدم پر حضرت عیسٰیؑ تشریف لے آئے انھوں نے تورات کی تصدیق کی۔ انھیں انجیل دی گئی۔ وُہ بھی تورات کی طرح سراپا ہدایت و نور تھی۔

فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۙ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس میں ہدایت اور نور تھا اور تصدیق کرنے والی تھی جو اس سے پہلے تھا یعنی تورات

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ

اور (یہ انجیل) ہدایت اور نصیحت تھی پرہیزگاروں کے لیے اور ضرور فیصلہ کیا کریں انجیل والے اس کے مطابق

بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولٰٓئِكَ

جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس میں۔ اور جو فیصلہ نہ کریں اس کے مطابق جسے اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو وہی لوگ

هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٤٧﴾ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

فاسق ہیں اور (اے حبیب!) اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب (قرآن) سچائی کے ساتھ تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم

جو اس سے پہلے (آسمانی) کتاب ہے ١٥٢ اور (یہ قرآن) محافظ ہے اس پر تو آپ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان

١٥٢ تورات وانجیل کے بعد قرآن اور اس کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس کا نزول حق کے ساتھ ہوا ہے۔ لفظ حق کی پوری تشریح آل عمران کے حاشیہ نمبر ٣ میں گزر چکی ہے۔ علامہ راغب کے اس قول کا اعادہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ کوئی فعل یا قول اس وقت حق کہلاتا ہے جب کہ وہ اس طرح پایا جائے جیسے چاہیئے۔ اس اندازے سے پایا جائے جتنا مناسب اور موزوں ہو اور اس وقت پایا جائے جب اس کی ضرورت ہو (مفردات) اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب آپ بالحق کے لفظ کو پڑھیں تو قرآن کی جلالت شان واضح ہوگی۔ اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور تیسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن ان کتب پر مہیمن بن کر آیا ہے۔ مہیمن متعدد معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ محافظ، نگہبان، نگران، شاہد اور امین۔ یہاں مہیمن کے یہ سارے معانی لیے جا سکتے ہیں یعنی دین کے وہ عقائد اور اصول جو سابقہ آسمانی کتب میں بیان کیے گئے تھے جن میں سے بعض فراموش کر دیئے گئے اور بعض میں ردّ و بدل کر کے انھیں کچھ کا کچھ بنا دیا گیا قرآن اُن کا محافظ ہے ان کو صحیح رنگ میں پیش کرتا ہے۔ اور اپنے صفحات میں ان کی ایسی حفاظت و نگہبانی کر رہا ہے کہ اب وہاں کسی محرف کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا قرآن آسمانی کتب کا رقیب و نگران بھی ہے۔ کیونکہ قرآن ہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ موجودہ تحریف شدہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ

اس سے جو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے ۹۹ اور آپ نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی ۱۰۰ اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آیا ہے

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

ہر ایک کے لیے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ ۱۰۱ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا تم (سب کو)

آسمانی کتابوں میں حق کی کتنی مقدار جوں کی توں موجود ہے۔ قرآن اِس بات پر گواہ بھی ہے کہ یہ کتابیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رُسل پر نازل فرمائی تھیں۔ قرآن امین بھی ہے۔ گزشتہ انبیاء کی تعلیمات کو جوں کا توں پیش کرتا ہے۔ ان میں کسی قسم کا تصرّف اور کمی بیشی نہیں کرتا۔

۹۹ تورات کے نزول کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یحکم بہا النبیون اور انجیل کے نزول کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ولیحکم اھل الانجیل اور قرآن حکیم کے نازل کرنے کا مدعا بھی یہی بتایا فاحکم بما انزل الخ ان تمام الفاظ سے یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کتابوں کے نازل کرنے کا مقصدِ اعلیٰ یہ ہے کہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اپنے تمدنی اور معاشرتی مسائل میں اپنی سیاسی اور اقتصادی مشکلات میں ان کی روشنی سے ہدایت حاصل کی جائے اور ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلا جائے تب ہی تو وہ فرق معلوم ہو سکتا ہے جو قانونِ الٰہی اور انسان کے بنائے ہوئے ناقص قانون میں ہے۔ اور اگر اس پر عمل نہ کیا جائے اور اس کی واضح ہدایات اور احکام کے ہوتے ہوئے اپنی خواہشات کی ہی پیروی کی جائے تو پھر ان کے نزول کا اصلی مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور انسان ان برکتوں سے محروم ہو جاتا ہے جو ان احکام میں مضمر ہیں۔

۱۰۰ کسی بات سے اگر منع کیا جائے تو اس کا ہمیشہ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ مخاطب اس کا ارتکاب کرنے والا تھا اور اسے روک دیا گیا بلکہ کبھی منع اس لیے بھی کیا جاتا ہے کہ مخاطب جیسے پہلے اِس کام سے مجتنب اور محترز چلا آ رہا ہے اُسی طرح آئندہ بھی مجتنب رہے۔ یہاں حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی سے روکنے کا مقصد یہ نہیں کہ معاذ اللہ آپ ان کی پیروی کا خیال کرنے لگے تھے اِس لیے روکنا پڑا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جیسے پہلے آپ احکامِ الٰہیہ کی پیروی کرتے چلے جا رہے ہیں اور ان کی نفسانی خواہشات کی اِتباع کا واہمہ تک بھی خاطر عاطر میں نہیں گزرتا اِسی طرح آئندہ بھی ہمّت و استقلال سے احکامِ ربّانی کی اطاعت کرتے جائیے۔

۱۰۱ شرعۃ اور شریعۃ ہم معنی ہیں شریعت لغت میں اس راستے کو کہا جاتا ہے جو پانی کی طرف لے جاتا ہو الشریعۃ فی اللغۃ : الطریق الذی یتوصل منه الی الماء۔ اِسی مناسبت سے شرعہ اور شریعۃ اس راستہ کو کہا جاتا ہے جو نجاتِ دارین کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ والشریعۃ : ماشرع اللّٰہ لعبادہ من الدین اور منہاج کہتے ہیں واضح اور

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

ایک ہی اُمّت [۱۰۴] لیکن آزمانا چاہتا ہے تمھیں اس چیز میں جو اس نے دی ہے تم کو۔ تو آگے بڑھنے کی کوشش کرو نیکیوں میں [۱۰۵]

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ ﴿٤٨﴾

اللہ کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تم سب نے [۱۰۶] پھر وہ آگاہ کرے گا تمھیں جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے۔

روشن راستہ کو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وُہ عقائد اور کلیات جن پر انسان کی نجات کا انحصار ہے وُہ تو تمام آسمانی کتابوں میں یکساں ہیں لیکن شریعت کے احکام اور ان کی تفصیلات، عبادات اور ان کی شکل وصُورت، حلت وحُرمت کے قواعد ان میں اختلاف ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف انبیاء کی اُمتوں کی ذہنی سطح، اُن کا مخصُوص ماحول، ان کے معاشرہ کے تقاضے، ان کی سیاسی اور اقتصادی ضروریات کیونکہ مختلف تھیں اس لیے ان فروعات میں اختلاف ناگزیر تھا۔

۱۰۴؎ یہاں اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اگر اصُول وکلّیات کی طرح فروعات میں بھی اختلاف نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا۔ دین کے نام پر یہ مختلف قسم کی گروہ بندیاں ختم ہو جاتیں۔ اس کا ایک جواب تو وُہی ہے جو لکل جعلنا کے ضمن میں دیا جا چکا ہے کہ بُنیادی عقائد وکلیات میں یکسانیت کے باوجود فروعات میں یہ اختلاف عین حکمت ہے۔ اور اس کا دُوسرا جواب یہ دیا کہ ان کا امتحان بھی مقصُود تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مقصد تو یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا جاتے۔ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنے کا حکم ہو تو کعبہ کو چھوڑ کر ادھر رُخ کر لیا جاتے۔ اور اگر اسے چھوڑ کر کعبہ کی سمت منہ کرنے کا فرمان صادر ہو تو وُہ نماز پڑھتے ہُوئے ہی کعبہ کی طرف منہ کر لے اور دل میں کسی قسم کا تردّد نہ ہو۔ علامہ بیضاویؒ نے اس کا یہ مفہُوم بھی بیان کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جبراً ہر ایک کو اسلام کا پابند کر دیتا اور کسی کے لیے مجالِ انکار ہی نہ رہتی۔ لیکن یُوں اس لیے نہیں کیا گیا تاکہ لوگوں کی آزمائش ہو جائے کہ کون اپنے اختیار سے اس دین حق کو قبول کرتا ہے اور کون جان بوجھ کر اعتراض کرتا ہے۔

۱۰۵؎ اس مقام پر یہ جملہ کتنا معنی خیز ہے کہ ان جھگڑوں میں پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کرو بلکہ اللہ کے اس آخری دین، آخری کتاب اور آخری رسُولؐ پر ایمان لے آؤ اور دُوسرے لوگوں سے نیکی کے میدان میں بازی لے جانے کی سر توڑ کوشش کرو۔ اہلِ کتاب کو غیرت دلائی جا رہی ہے کہ عرب کے مُشرک اور جاہل لوگ تو دھڑا دھڑ اس دین کو قبول کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں راہِ راست پر تیزی سے قدم بڑھاتے چلے جا رہے ہیں اور تم صاحب علم ودانش اور اہلِ کتاب ہو کر فضُول بحثوں اور بے کار حجت بازیوں میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو چھوڑ دو ان لایعنی باتوں کو اور ایمان وعمل کی سیدھی راہ پر چل پڑو۔

۱۰۶؎ یہ دُنیا جس کی دلچسپیوں میں تم کھو کر رہ گئے ہو، یہ تمھاری عارضی قیام گاہ ہے۔ تمھیں ایک دن یہاں سے رختِ سفر

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَ

اور یہ کہ فیصلہ فرمائیں آپ ان کے درمیان اس کے مطابق جو نازل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کریں ان کی خواہشات کی اور

احۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ؕ فَاِنۡ

آپ ہوشیار رہیں ان سے کہ کہیں برگشتہ نہ کر دیں آپ کو اس کے کچھ حصہ سے جو اُتارا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف تئلے اور اگر وہ

باندھنا ہے اور اپنے علیم وخبیر رب کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اپنی بدعملی اور گمراہی پر اب تو تم طرح طرح کے خوبصورت پردے ڈال کر لوگوں کی آنکھوں میں خاک ڈال سکتے ہو لیکن اس روز کیا کرو گے جب سب پردے اُٹھا دیئے جائیں گے۔ اور حقیقت بے نقاب ہو جائے گی۔

۱۷۱۔ مسلمانوں کو آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب خود تو احکام الٰہیہ سے مُنہ موڑ چکے تھے اور اپنی کتابوں سے رشتہ توڑ چکے تھے لیکن اب وہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتے کہ تم ہدایت کی راہ پر چلو اس لیے وہ طرح طرح کے شبہات، قسم قسم کے اعتراضات اور گوناگوں وسوسوں سے تمہیں بھی اپنے دین سے برگشتہ کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے۔ خبردار! ان کے جال میں پھنس کر اللہ کے دینِ قیم کی رسّی چھوڑ نہ دینا۔ آج بھی گم کردہ راہ لوگ متاعِ ایمان لوٹنے کے لیے اپنی تمام کوششیں صرف کر رہے ہیں۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا جا رہا ہے۔ فتنوں اور سازشوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سیلاب اسلامی اقدار کو بہالے جانے کے لیے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ کاش ہم قرآن کی اس تنبیہ پر کان دھریں اور ہوشیار ہو جائیں۔ چور نہیں بلکہ وہ مالک قابلِ ملامت ہے جو اپنے قیمتی سامان کی حفاظت نہیں کرتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان فرمایا ہے کہ چند یہود علماء نے جن میں ابن صوریا، کعب بن اسد اور ابن صلوبا ان کے اکابر بھی تھے یہ مشورہ کیا کہ آؤ چلیں محمد (فداہ امی وابی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اور انہیں کسی حیلہ سے اپنے دین سے برگشتہ کریں فانما ھو بشر وہ بشر ہی تو ہے اسے دھوکا دینا کیا مشکل ہے۔ بڑی سوچ بچار سے ایک منصوبہ تجویز کیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہم یہود کے احبار (علماء) ہیں اور اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے۔ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمارا بعض لوگوں کے ساتھ کچھ تنازعہ ہے۔ ہم اس کے تصفیہ کے لیے آپ کے پاس آئیں گے۔ اگر آپ نے اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کیا تو ہم سب مسلمان ہو جائیں گے اور ہمارے ایمان لانے سے سارے یہودی اسلام قبول کر لیں گے۔ بہت ہی خطرناک تھی یہ سازش! انہیں اچھی طرح علم تھا کہ کسی کے اسلام قبول کرنے سے جو مسرت حضور کو ہوتی ہے وہ اور کسی چیز سے نہیں ہوتی۔ وہ عقل کے اندھے سمجھ رہے تھے کہ بشر ہی تو ہے ہمارے جال میں پھنس جائے گا لیکن حقائقِ عالم کو بے حجاب دیکھنے والا، اسرارِ کائنات کے رُخ سے ہر نقاب اُلٹ دینے والا، دینِ اسلام کا سچا داعی یہ رشوت کب قبول کر سکتا تھا جس کی فراست نورِ خداوندی

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ

منہ پھیرلیں تو جان لو کہ بے شک ارادہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ سزا دے انھیں ان کے بعض گناہوں کی ۱۰۸؎

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

اور بے شک بہت سے لوگ نافرمان ہیں تو کیا وہ جاہلیت کے زمانہ کے فیصلے چاہتے ہیں ۱۰۹؎

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۵۰ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے اس قوم کے نزدیک جو یقین رکھتی ہے اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ؕ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

والو! نہ بناؤ یہود اور نصاریٰ کو (اپنا) دوست (و مددگار) وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست

سے روشن تھی اس سے ان کی چال کیوں کر مخفی رہ سکتی تھی۔ فابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (قرطبی) حضورؐ نے صاف انکار کر دیا۔ فنزلت ھذہ الایۃ (قرطبی) تو یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ بیچارے ساری عمر اسی غلط فہمی کا شکار رہے کہ یہ بھی ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ان کی نگاہیں مقام محمدی کی رفعتوں کو نہ دیکھ سکیں۔ آفتاب مصطفوی کی جلوہ سامانیوں کو نہ پا سکیں۔ آج بھی توحید کی آڑ لے کر شانِ رسالت کی عظمتوں کا انکار کرنے والے بعینہٖ یہی الفاظ دہراتے سنائی دیتے ہیں۔ اس یہودی ذہنیت کو مسلمان کہلانے والوں نے کیوں اور کیسے قبول کر لیا بڑی حیرت اور افسوس کا مقام ہے۔

۱۰۸؎ بار بار فہمائش کے باوجود وہ اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس سزا کے لیے بہت بیتاب ہیں جو ایسے سرکش مجرموں کے لیے مقرر ہے۔ چنانچہ وہ وقت آیا جب مدینے کی پاک سرزمین سے ان کو جلا وطن کر دیا گیا۔ کئی قتل کر دیے گئے۔ باقی جزیہ دینے پر مجبور ہو گئے۔

۱۰۹؎ جاہلیت اس نظامِ حیات کو کہتے ہیں جہاں قانون سازی کا کامل اختیار خالقِ کائنات کو نہ ہو بلکہ انسانی اغراض اور خواہشات کے ہاتھ میں ہو۔ جہاں اقتدار و حکومت کی مسند پر وحی الٰہی کے بجائے انسان کا ناقص اور ناتمام علم قابض ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم ان آسمانی کتابوں کی اطاعت کو گراں سمجھ رہے ہو۔ جن میں ہدایت ہی ہدایت، نور ہی نور ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دورِ جہالت کے اس ظالمانہ نظام کو اپنانا چاہتے ہو جس میں غریب و امیر، کمزور اور طاقتور، حاکم اور محکوم کے لیے الگ الگ قانون تھے۔ ذرا سوچو! اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے احکام جو عین عدل و

بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی

ہیں اور جس نے دوست بنایا انھیں تم میں سے سو وُہ انھیں میں سے ہے ۵۱ بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵۱ فَتَرَى الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ

ظالم قوم کو سو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے کہ وُہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں

فِیْهِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِیْبَنَا دَآىِٕرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَ

یہود و نصاریٰ کی طرف۔ کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم پر کوئی گردش نہ آجائے ۵۲ تو وہ وقت دور نہیں جب اللہ تعالیٰ انھیں دے دے

انصاف اور مجسّم رحم و کرم ہیں وُہ بہتر ہیں یا تمھارا یہ ظالمانہ نظام جہاں خواہشات نفسانی کی سروری ہے۔

۵۱ دشمنانِ دین کو اپنا ہمراز اور صلاح کار بنانے اور ان پر کامل اعتماد کرنے کی ممانعت ہو رہی ہے جس کی توضیح کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں ابھی کئی منافق تھے جو مسلمانوں سے بھی روابط قائم رکھنا چاہتے تھے اور اس کے ساتھ یہود کی طرف بھی دلی میلان رکھتے تھے۔ اور مسلمانوں کے راز وقتاً فوقتاً ان کو بتایا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی سرگرمیاں کیونکہ بہت خطرناک تھیں اس لیے مسلمانوں کو بتا دیا گیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ جو ایسے دلی تعلقات قائم کرے وُہ زمرۂ مسلمین سے نہیں۔

۵۲ پہلے تو یہ عام حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ایسے گہرے یارانے نہ گانٹھو ورنہ تمھارا شمار انھیں میں سے ہوگا۔ اب منافقین کے ایک خاص گروہ کی روش کو بے نقاب کیا جا رہا ہے جو دونوں کشتیوں میں بیک وقت سوار رہنے کے لیے کوشاں تھے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر وُہ دل سے تو ایمان لائے ہوئے نہ تھے تاکہ وُہ اپنی قسمت کو کلیۃً اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے اور مشکلات اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر اسلام کو غالب و منصور کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ وُہ تو مصلحت کے پرستار تھے۔ وُہ یہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام اور کفر میں کشمکش شروع ہے ہو سکتا ہے مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفر کو غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان غیر یقینی حالات میں ان کی عقلِ مصلحت بین کا فیصلہ یہی تھا کہ کسی ایک فریق کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دینا نادانی بلکہ دیوانگی ہے۔ اس لیے تم مسلمانوں سے بھی راہ و رسم رکھو اور کفار کے ساتھ بھی تمھارے تعلقات دوستانہ رہیں۔ اگر مسلمانوں کو شکست ہو (جس کے وُہ دل سے خواہاں تھے) تو اس وقت تم بے یار و مددگار ہو کر نہ رہ جاؤ۔ ان کی اس غلط اندیشی پر انھیں سرزنش ہو رہی ہے کہ تم کس اُدھیڑبُن میں ہو۔ اللہ تعالیٰ تو عنقریب اپنے دین کو فتحِ مبین عطا فرمانے ۵۳ والا ہے اور مسلمانوں کی تقویت اور دین کی اشاعت کے دُوسرے وسائل بہم پہنچانے والا ہے۔ اس وقت تمھاری

بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

فتح کامل یا (ظاہر کر دے کامیابی کی) کوئی بات اپنی طرف سے تو پھر ہو جائیں گے اس پر جو انھوں نے چھپا رکھا تھا اپنے دلوں میں

نٰدِمِيْنَ ۝۵۲ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا

نادم اور (اُس وقت) کہیں گے ایمان والے ۱۲؎ کہ کیا یہی وُہ لوگ ہیں جنھوں نے قسمیں اٹھائی تھیں

بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا

اللہ کی سخت سے سخت کہ وُہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں اکارت گئے ان کے اعمال اور ہو گئے وُہ (سراسر)

خٰسِرِيْنَ ۝۵۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ

نقصان اُٹھانے والے ۱۳؎ اے ایمان والو! جو پھر گیا تم میں سے ۱۴؎ اپنے دین سے

یہ دوغلی پالیسی تمھارے کام نہیں آئے گی۔ دائرۃ گردشِ زمانہ کو کہتے ہیں۔ نخشٰی ان تصیبنا دائرۃ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب مسلمان ان کو ٹوکتے کہ اللہ تعالیٰ کے بار بار منع فرمانے کے باوجود تم یہود سے قطع تعلق کیوں نہیں کرتے تو وُہ منافق ان کو جواب دیتے کہ یہود بڑے متموّل اور سرمایہ دار ہیں۔ ہم تو فقط اس لیے ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں کہ مبادا کہیں قحط پڑ جائے یا کوئی اور ناگہانی مصیبت آجائے تو اُس وقت ہم اُن سے روپیہ پیسہ یا غلّہ وغیرہ کی اِمداد لے سکیں۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غلبہ دے گا۔ دولت و ثروت مسلمانوں کی لونڈی بنے گی۔ یہ یہودی مہاجن اَور ساہوکار یہاں سے جلاوطن کر دیے جائیں گے۔ اس وقت حسرت و ندامت کے بغیر تمھارے لیے کوئی چارۂ کار نہ رہے گا۔ اِس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے اِسلام کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔ اور اس کے دُشمنوں سے اپنے تعلّقات منقطع کر لو۔

۱۲؎ مُسلمان آپس میں کہا کرتے کہ کیا یہ وُہ لوگ ہیں جو بڑے جوش و خروش سے قسمیں کھا کر ہمیں اپنی اعانت کا یقین دلایا کرتے اَور اُن کا حال یہ ہے کہ جب دیکھو کسی دُشمنِ دین کی گود میں بیٹھے اس سے سرگوشیاں کر رہے ہیں۔ یہ عجیب لوگ ہیں۔

۱۳؎ ان کی کافر دوستی اَور مُسلم دُشمنی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو نیکیاں بظاہر اُنھوں نے کی تھیں وُہ اکارت ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے نفاق کا پردہ چاک کر کے اُنھیں رُسوا کر دیا اور قیامت کے روز اُنھیں اپنی بدنصیبی کا صحیح احساس ہو گا۔

۱۴؎ اِس آیتِ کریمہ میں مُخلص مسلمانوں کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ تمھاری صفوں میں چھپے ہوئے مُنافق اگر اعلانیہ کُفر اختیار کر لیں تو بھی اِسلام کا چراغ روشن رہے گا۔ اُن کی جگہ اُن سے بہتر، ذہین، فہیم اور مخلص لوگ اِسلام کو قبول کریں گے اَور

فَسَوۡفَ يَأۡتِي ٱللَّهُ بِقَوۡمٖ يُحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ

(تو اس کی بدنصیبی) سو عنقریب لے آئے گا ١٥ اللہ تعالیٰ ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے ١٦ اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کیلیے

اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیںگے۔ نیز اس آیت میں ایک بہت بڑے واقعہ کے متعلق پیشین گوئی بھی کی گئی ہے کہ بعض بدنصیب اس دین سے برگشتہ ہو جائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اسلام کو ایسے جانباز سپاہی اور جواں ہمّت مجاہد عطا فرمائے گا جو ان مُرتدین کا قلع قمع کرکے مملکتِ اسلامیہ کی بُنیادوں کو ایسا مضبوط اور مستحکم بنادیں گے کہ پھر صدیوں تک اس میں لچک پیدا نہ ہوگی۔ چنانچہ قرآن نے جو فرمایا وُہ ہو کر رہا۔ حضور سرورِ کائنات علیہ اجمل التّحیّات واحسن التسلیمات کے آخری ایّام میں اسود عنسی نے یمن میں نبوّت کا دعویٰ کر دیا لیکن فیروز دیلمی نے اس رات اس کا کام تمام کر دیا جس کی صبح کو حضورؐ اس دُنیا سے تشریف لے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُسی وقت صحابہؓ کو اس کی اطلاع بھی دے دی جس سے صحابہؓ کو بڑی فرحت ہُوئی (بیضاوی) قبیلہ بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذّاب نے، بنواسد میں طلیحہ نے اپنے اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ حضورِ پُرنورؐ کے انتقال کے بعد حالات اور نازک ہو گئے۔ کئی قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ غرضیکہ ارتداد کی آندھی اس زور سے چلی کہ عرب کے بادیہ نشین قبائل میں سے شاذونادر ہی کوئی اپنے ایمان کی شمع روشن رکھ سکا۔ لیکن صد آفرین حضرت صدیقؓ کے ایمان و یقین پر، ان کے عزم و استقلال اور ان کے تدبّر و فراست پر اور اُن جانباز اور سرفروش مسلمان مجاہدین پر جنھوں نے اس تند و تیز طوفان کا مُنہ پھیر دیا اور دو سال سے کم عرصہ میں سارے جزیرہ عرب پر پھر توحید کا پرچم لہرانے لگ گیا۔

١٥ وُہ قوم کون تھی؟ حضرت صدیقؓ، ان کے رُفقاءِ کار، ان کے لشکروں کے جانباز سپاہی، یمن کے قبائل، عرب کے دُوسرے لوگ جنھوں نے بڑی بے جگری سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

١٦ ہر فتو اور نتھو کا کام نہیں کہ وُہ حوادثات کے مُنہ زور ریلے کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو جائے اور فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہُوئے شعلوں میں کُود کر اُنھیں گلزارِ خلیل بنا دے۔ اس لیے فرمایا کہ اس نازک وقت میں اسلام کی امداد کے لیے سر بکف نکلنے والے صرف وُہی لوگ ہوں گے جو ان صفات سے متّصف ہوں گے وُہ اللہ کے پیارے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا محبوب ہوگا۔ اہلِ ایمان کے لیے وُہ نرم، مشفق اور سراپا لُطف و عنایت ہوں گے اور کافروں کے لیے فولاد کی چٹان کی طرح سخت ؎

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وُہ شبنم
دریاؤں کے دِل جس سے دہل جائیں وُہ طوفان

ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ اس والہانہ سرفروشی اور تن فراموشی کے پس پردہ کوئی مادی منفعت کارفرما نہیں ہوتی بلکہ ان کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے اُٹھتا ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وُہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے متاثر نہیں ہوتے۔

آپ نے غور فرمایا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اُن کے جانباز مجاہدوں کو قرآن کریم کن الفاظ سے خراجِ تحسین

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

بہت سخت ہوں گے کافروں پر جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے یہ (محض) ٥٦ اللہ کا فضل (وکرم) ہے نوازتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادہ رحمت

عَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

والا سب کچھ جاننے والا ہے تمہارا مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول (پاک) ہے ٥٧ اور ایمان والے ہیں جو صحیح صحیح نماز ادا

پیش کر رہا ہے۔ جس کے سپاہیوں کی یہ شان ہو، جس کے لشکری ان اوصافِ حمیدہ سے متّصف ہوں، جنھیں زبانِ قدرت ان پاکیزہ جملوں سے سرفراز فرما رہی ہو اس خلیفہ برحق کی شان کتنی رفیع اور اُس کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ ایسے خلیفہ کی خلافت کی حقانیت کے بارے میں کسی ایسے شخص کو تو کوئی شبہ نہیں ہو سکتا جو قرآن کو خدا کا کلام اور اپنے خدا کو علیمٌ بذات الصدور یقین کرتا ہو۔

٥٦ مالکِ حقیقی جسے چاہتا ہے اُسے اپنے انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔ اس کا فضل وکرم بے پایاں ہے۔ اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ وُہ خوب جانتا ہے کہ کس ذرّہ ناچیز کو اپنی رحمت سے رشکِ مہرِ درخشاں بناتا ہے۔

٥٧ پہلے دُشمنانِ اسلام سے دوستی اور محبّت کرنے سے روکا گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مسلمان کس سے محبّت و پیار کریں کسے اپنا ناصر اور مددگار بنائیں۔ فرمایا تمہارا دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ، اُس کا رسولؐ اور وُہ مومن ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں لیکن دُنیا کو دکھانے کے لیے نہیں بلکہ وھم راکعون یعنی نہایت خشوع و خضوع سے عبادتِ الٰہی میں مشغول و منہمک رہتے ہیں۔ رکع بمعنی خشع کثیر الاستعمال ہے مثلاً ؎

لَا تُهِيْنَ الْفَقِيْرَ عَلَّكَ اَنْ ۔۔۔ تَرْكَعَ يَوْمًا وَالدَّهْرُ قَدْ رَفَعَه

یعنی کسی فقیر کو حقارت کی نظر سے مت دیکھ۔ ہو سکتا ہے کہ تو ذلیل ہو جائے اور زمانہ اُس کو سربلند کر دے۔ اسی طرح وارکعی مع الراکعین میں بھی رکوع سے عاجزی اور انکساری ہی مُراد ہے۔ کیونکہ یہ رکوع جو ہم نماز میں کرتے ہیں وُہ پہلی اُمتوں میں نہیں تھا۔ اس صُورت میں یہ جُملہ حال ہوگا۔ اور نماز پڑھنے والے، زکاۃ دینے والے ایماندار ذوالحال ہوں گے بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ آیت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں نازل ہوئی جو اِیوں کہ ایک سائل نے آ کر سوال کیا۔ آپ اُس وقت حالتِ رکوع میں تھے آپ نے اپنی انگوٹھی اُتار کر اُسے دے دی بعض صاحبان نے اس آیت سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافتِ بلا فصل پر استدلال کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیا کرتے ہیں اور (ہر حال میں) وُہ بارگاہِ الٰہی میں جھکنے والے ہیں اور (یاد رکھو) جس نے مددگار بنایا

وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع

ع ۸ / ۱۲

اللہ کو اور اس کے رسولِ کریم کو اور ایمان والوں کو (تو وُہ اللہ کے گروہ سے ہیں اور) بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے

لفظ ولی سے مُراد یہاں متصرّف فی الاُمور یعنی امام اور خلیفہ ہے اور انما حصر کا کلمہ ہے تو آیت کا مطلب ہُوا کہ تمہارے اُمور میں تصرّف کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ، اس کا رسُولِ پاک اور وُہ مومن ہیں جنھوں نے رکوع کی حالت میں خیرات دی ہو۔ اور یہ کام کیونکہ صرف حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے کیا اس حصر کے پیشِ نظر صرف آپ ہی خلیفہ ہو سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجُوہ سے توجّہ کے لائق نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ ولی کا معنی یہاں متصرّف فی الاُمور (خلیفہ اور امام) نہیں بلکہ ناصر اور مددگار ہے۔ کیونکہ بعینہٖ یہی لفظ اس آیت میں مذکور ہے۔ یاایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء (اے ایمان والو! یہُود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ) اور یہ واضح ہے کہ کوئی بھی انھیں خلیفہ نہیں بناتا تھا بلکہ بعض مُنافق انھیں اپنا ناصر اور مددگار سمجھتے تھے۔ اس آیت کے بعد والی آیت میں بھی ولی بمعنی ناصر ہے تو جس چیز کی نفی ہو رہی ہے اسی کا ہی اثبات ہو رہا ہے یعنی یہُودی وغیرہ تمھارے دوست نہیں بلکہ اللہ اور اس کا رسولؐ اور مومن تمھارے دوست ہیں۔ دُوسری عرض یہ ہے کہ ولایت عامہ اور خلافتِ کبریٰ اگر صرف ان لوگوں میں ہی محصُور ہو جن میں وھم راکعون کی صفت پائی جاتی ہو تو پھر حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ بلکہ جُملہ گیارہ ائمہ اہلِ بیت کی امامت کا ان صاحبان کو بھی انکار کرنا پڑے گا کیونکہ ان میں سے کسی نے حالتِ رکُوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ اور امام صرف وُہی ہو سکتا ہے جو حالتِ رکُوع میں زکوٰۃ دے اس لیے ان کے اپنے قائم کردہ قاعدہ کے مُطابق ان حضرات میں سے کوئی بھی امام نہیں ہو گا اور شاید اس بات کے لیے تو وُہ بھی تیار نہ ہوں تیسری کھُلی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ آیت حضرت سیّدنا علیؓ کی امامت بلافصل کی دلیل ہوتی تو آنحضرتؐ اسے ضرور پیش فرماتے۔ اور ان وجُوہات کے پیشِ نظر ان صاحبان کا استدلال قابلِ التفات نہیں۔

نیز یہ روایت بھی توجہ طلب ہے۔ نماز میں سائل کے سوال کی طرف توجّہ کرنا، پھر ایک ہاتھ کی اُنگلی میں جو انگوٹھی ہے اُس کو دُوسرے ہاتھ سے اُتارنا، پھر ہاتھ بڑھا کر سائل کو دینا یہ عملِ کثیر اور توجّہ الی الغیر حضرت علی مرتضیٰؓ کی شان سے بہت بعید ہے جن کی حالتِ استغراق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ نماز ادا کرتے ہوئے دُنیا و مافیہا بلکہ اپنے جسم تک کی خبر نہ رہتی تھی۔ ایک بار جناب کے جسم کو چیر کر تیر نکالا گیا لیکن نہ آپ کو درد ہوُا اور نہ تیر نکالنے کا علم ہوُا۔ ایسی محویّت سے نماز ادا کرنے والا حالتِ نماز میں کسی غیر کی طرف متوجہ ہو یہ کیسے ممکن ہے۔

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ وُہ انگوٹھی سونے کی تو ہرگز نہ تھی کیونکہ سونا مردوں پر حرام ہے یقیناً چاندی کی ہوگی زیادہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُوا۟ دِينَكُمْ هُزُوًا وَ

اے ایمان والو! ١١٩ مت بناؤ اُن لوگوں کو جنھوں نے بنا رکھا ہے تمھارے دین کو ہنسی اور

لَعِبًا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَٱلْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ

کھیل اُن سے جنھیں دی گئی کتاب تم سے پہلے اور کفّار سے (اپنے) دوست

وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اگر ہو تم ایمان دار اور جب تم بلاتے ہو نماز کی طرف (یعنی اذان دیتے ہو)

ٱتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿٥٨﴾ قُلْ

تو وہ بناتے ہیں اسے مذاق اور تماشہ ١٢٠ یہ (حماقت) اِس لیے ہے کہ وُہ ایسی قوم ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے آپ فرمایئے

سے زیادہ اس کا وزن ایک تولہ ہوگا جس کی قیمت اس وقت ایک روپیہ سے بھی کم تھی۔ اگر ایک روپیہ صدقہ کرنے سے خلافت کا حق ثابت ہوجاتا ہے تو جنھوں نے ہزاروں اشرفیاں ایک بار ہی نہیں کئی کئی بار بارگاہِ رسالتؐ میں پیش کیں اور جب بھی اسلام کے لیے ضرورت پڑی سونے اور چاندی کے سکّوں سے بھری ہوئی جھولیاں قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیں اُن کی خلافت کا کیسے اِنکار کیا جاسکتا ہے۔

١١٩ یہود اسلامی عبادات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور کفّار کا تو مشغلہ ہی یہ تھا کہ اسلام کی ہر چیز سے تمسخر کیا کرتے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے محبت و دوستی کے تعلقات قائم کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ وُہ دین کا مذاق اُڑائیں اور آپ اُن سے دوستی رکھیں۔ ایسے کفر نواز اسلام کی اللہ کو ضرورت نہیں۔

١٢٠ اذان کے متعلق یہود کہا کرتے کہ یہ کیا نئی رسم نکالی ہے جس کا پہلے دینوں میں نام و نشان تک نہیں۔ یہ شور و غل ناقابلِ برداشت ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنے گھنٹوں اور ناقوسوں کی بے معنی چیخ و پکار کے مقابلہ میں اذان کے پیارے پیارے اور معنی خیز جملوں کی قدر کرتے وُہ اُلٹا تمسخر اُڑاتے۔ یہ اُن کی حماقت اور نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔ علّامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا جب مؤذّن اشهد ان محمدا رسول الله کے دلنواز الفاظ کہتا تو وُہ بدبخت کہا کرتا حرق الكاذب کہ جھوٹا جلایا جائے۔ چنانچہ ایک رات وُہ سو رہا تھا کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی جس میں وُہ اور سارا کنبہ جل کر راکھ ہوگیا۔ گویا اس کو جلا کر اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ جھوٹا کون ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

اے اہل کتاب! تم کیا ناپسند کرتے ہو [۱۲۱] ہم سے بجز اس کے کہ ہم ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور جو اُتارا گیا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور جو اُتارا گیا اس سے پہلے اور بلاشبہ بہت سے تم میں سے فاسق ہیں آپ (انھیں) فرمائیے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ

میں آگاہ کروں تمھیں کہ کون بُرا ہے ان سے [۱۲۲] باعتبار جزا کے اللہ کے نزدیک وہ لوگ (بُرے ہیں) جن پر لعنت کی اللہ نے اور

غَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

غضب فرمایا ان پر اور بنایا ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سؤر اور (وہ بُرے ہیں) جنھوں نے پُوجا کی شیطان کی

[۱۲۱] نقم کہتے ہیں ناپسند کرنے مکروہ و معیوب سمجھنے کو اور انتقم کا معنی بدلہ لینا، انتقام لینا ہے۔ یقال نقم منه کذا اذا انکره وانتقم اذا کافاه (بیضاوی) حکم ہو رہا ہے کہ یہود سے دریافت کرو کہ تم ہم سے ناراض اور کھچے کھچے کیوں رہتے ہو۔ چور ہم نہیں جھوٹ ہم نہیں بولتے کسی پر ظلم و تعدی ہم نہیں کرتے۔ کسی کے دین کی توہین کرنا ہمارا شیوہ نہیں۔ پھر اس غصہ و غضب کی آخر کیا وجہ ہے؟ ہاں ہم میں ایک چیز ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا سمجھتے ہیں، اس کی جو کتاب ہم پر نازل ہوئی یا جو کتابیں ہم سے پہلے انبیاء سابقین پر نازل ہوئیں ان سب پر ایمان لاتے ہوئے ہیں شاید اس وجہ سے تم ہمیں بُرا سمجھتے ہو۔ اگر یہی وجہ ہے اس بغض و عناد کی تو پھر خود ہی انصاف کرو خطا کس کی ہے ہماری یا تمھاری؟

[۱۲۲] چند یہودی جن میں ابو یاسر بن اخطب اور رافع بن ابی رافع بھی تھے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کن کن رسولوں کو مانتے ہیں۔ حضور ؐ نے جواب میں یہ آیت مبارک پڑھی نؤمن باللّٰه وما انزل الینا الی قوله تعالٰی ونحن له مسلمون ان انبیاء کے اسماء میں جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نام لیا گیا تو یہودیوں نے ان کی نبوت کا انکار کرتے ہوئے کہا واللّٰه لانعلم دینا شرا من دینکم: بخدا ہم تمھارے دین سے بُرا کوئی اور دین نہیں جانتے۔ ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں اور انھیں بتا دیا گیا کہ بُرے اور شریر وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہِ رحمت سے دُور کر دیا۔ جن پر اس کا غضب ہوا اور جن کو ان کی بدکرداریوں کی پاداش میں مسخ کر کے بندر اور خنزیر بنا دیا گیا۔ اور جنھوں نے شیطان کی بندگی کا پھندا اپنے گلے میں ڈال رکھا ہے۔ اے یہود! اگر اپنے اعمال کے آئینے میں غور سے دیکھنے کی تم نے زحمت اٹھائی تو تم پر عیاں ہو جائے گا کہ چشم بد دُور! وہ آپ ہی ہیں۔

أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ

وُہی لوگ بدترین ہیں بلحاظ درجہ کے اور دُوسروں سے زیادہ بھٹکنے والے ہیں راہِ راست سے اور جب آتے ہیں تمھارے

قَالُوا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے حالانکہ وُہ (یہاں) داخل بھی ہوئے کفر کے ساتھ اور وُہ نکلے بھی کفر کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ

جانتا ہے جسے وُہ چھپا رہے تھے اور آپ دیکھتے ہیں بہتوں کو ان میں سے کہ بڑے تیز رفتار ہیں گناہ

وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا

اور زیادتی کرنے میں ۱۲۳؎ اور حرام خوری میں بے شک یہ بہت ہی بُرے کام کرتے رہے ہیں کیوں نہیں

يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ

منع کرتے انھیں ۱۲۴؎ ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے

۱۲۳؎ یہ آیت مُنافقین یہُود کے بارے میں نازل ہُوئی۔ اثم: گناہ۔ عدوان: سرکشی بعض عُلماء نے ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو انسان کی اپنی ذات تک محدُود ہو اور عدوان اس کو جس کا ضرر دُوسروں تک پہنچے (بیضاوی)

۱۲۴؎ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ لولا اگر ماضی پر داخل ہو تو زجر و توبیخ کے لیے ہوتا ہے یعنی انھوں نے کیوں ایسا نہ کیا۔ کیوں اپنے فرض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو تو کسی کام پر برانگیخت کرنے اور اُکسانے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں مضارع پر داخل ہے اور مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب کے عُلماء اپنا فرض منصبی ادا کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ لوگوں کو حرام کاری اور حرام خوری سے منع کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ھی اشد آیۃ فی القرآن (کشاف) یہ قرآن کریم کی سخت ترین آیت ہے۔ اور ضحاک کہتے ہیں ما فی القرآن اخوف عندی منہا (کشاف) میرے نزدیک قرآن میں اس سے زیادہ خوف دلانے والی کوئی آیت نہیں اس میں علماء اسلام کو بھی امر بالمعرُوف اور نہی عن المنکر کی تاکید بلیغ ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک فرشتہ کو حکم دیا گیا کہ فلاں گاؤں کو برباد کر دو۔ اس نے عرض کی کہ اس میں تو فلاں عبادت گزار رہتا ہے حکم ہُوا کہ ہلاکت کی

السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

بے شک بہت بُرے ہیں وُہ کرتوت جو وُہ کیا کرتے تھے اور کہا ۱۲۵ یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ

مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ

جکڑا ہوا ہے جکڑے جائیں ان کے ہاتھ اور پھٹکار ہو ان پر بوجہ اس گستاخانہ قول کے ۱۲۶ بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

ہوئے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے ۱۲۷ اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف

ابتدا اسی سے کرو۔ کیونکہ اس کی آنکھوں کے سامنے شریعت کے احکام کی خلاف ورزیاں ہوتی رہیں اور کبھی اس کے چہرے کا رنگ تک بھی میلا نہ ہوا۔

۱۲۵ پہلے تو یہ بتایا کہ یہود اسلامی عبادات، اذان وغیرہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اس آیت میں یہ بتایا کہ اب ان کی بیباکی اور جسارت کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عزت وجلال میں بھی گستاخانہ کلمات زبان پر لانے سے نہیں شرماتے۔ جب یہود نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے غلاموں کو دیکھا کہ زندگی فقر وفاقہ سے کٹ رہی ہے افلاس وتنگ دستی کا دور دورہ ہے اور قرآن کی یہ آیت بھی انھوں نے سُنی من یقرض اللہ قرضا حسنا تو بڑی بے حیائی سے کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا فقیر ہے اور بخیل ہے۔ اسی لیے تو مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اگر اس کے پاس کچھ ہوتا یا وُہ سخی ہوتا تو مسلمانوں کا افلاس اور غربت کے مارے یہ حال ہوتا!

۱۲۶ شدتِ غضب وناراضگی سے بطور بددعا انھیں کہا جا رہا ہے کہ تمھارے ہاتھوں میں بیڑیاں لگیں اور اس گستاخی اور بدزبانی کی پھٹکار تم پر پڑے۔ زمین وآسمان کے مالک کے خزانے بھی کبھی ختم ہو سکتے ہیں اور اس کا دستِ جود وسخا بھی کبھی بند ہو سکتا ہے۔ معاذ اللہ۔

۱۲۷ بلکہ اس کے ہاتھ تو کشادہ ہیں اور مصروفِ جود وسخا ہیں۔ جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ وُہ کسی کی اجازت کا محتاج نہیں۔ یہود نے اور ساری دُنیا نے دیکھا کہ اس کا ابرِ کرم اُس کے محبوب پر اور اس کے طفیل اُس کے غلاموں پر جب برسا تو ساری کائنات میں فصلِ بہار آگئی۔ جہاں جہالت ووحشت کے اندھیرے خیمہ زن تھے وہاں علم وعرفان کے چراغ روشن ہو گئے۔ چند سال بھی نہ گزرنے پاتے تھے کہ قیصر وکسریٰ کے خزانے ان فقیروں کی مسجدوں میں بانٹے جانے لگے۔ یہ کس کی ذرہ پروری تھی۔ یہ کس کی بےکس نوازی تھی؟ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان، عرش وفرش کے خالق ومالک کی۔ اور کس کے طفیل؟ اس کے طفیل جس کو ردائے رحمۃ للعلمین اوڑھائی گئی تھی۔ جس کے

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ

آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں ۔ اور ہم نے ڈال دی ہے ان میں ؎۱۲۸ دشمنی اور بغض

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ

روز قیامت تک جب کبھی وہ بھڑکاتے ہیں آگ لڑائی کی بجھا دیتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ ؎۱۲۹

وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۶۴

اور یہ کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد برپا کرنے کی ۔ اور اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو ہم ضرور دُور کر دیتے ان سے ان کی بُرائیاں

ہر وقت سجدۂ نیاز و بندگی میں جھکے ہُوئے سر پر محبوبیت کا تاج رکھا گیا تھا۔ اور جس کے قلبِ منوّر کو اس کتابِ مُبین کا حامل بنا دیا گیا جس کے ہر لفظ میں علم و حکمت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں ؎

اُمّئے بُود کہ ما از اثرِ حکمتِ اُو — واقف از سِرِّ نہاں خانۂ تقدیر شُدیم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلّم کما یحب ربنا ویرضیٰ ۔

عربی محاورہ میں بخیل کو مغلول الید اور سخی کو باسط الید کہا جاتا ہے۔ اور اسی معنی میں یہ الفاظ یہاں مستعمل ہُوئے ہیں۔

؎۱۲۸ ہدایت قبول کرنے سے انکار اور گمراہی سے چمٹے رہنے پر اصرار کا یہ طبعی نتیجہ تھا کہ ان میں اتفاق و محبت کی جگہ نااتفاقی اور عداوت رُونما ہو جائے۔ چنانچہ مذہبی طور پر بھی وہ اَن گنت فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور ایک دُوسرے کی تکفیر اور تضلیل میں لگ گئے۔ اور سیاسی طور پر بھی ایک دُوسرے کے دُشمن اور ایک دُوسرے کے خُون کے پیاسے بن گئے۔

؎۱۲۹ اور جب کبھی بھی انھوں نے اسلام اور نبی اسلام کے خلاف فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی ناکام ہوئے اور ہمیشہ اسلام کو ہی غلبہ نصیب ہوا۔ بعض مفسّرین نے کُلَّمَا (ہر بار) کو زمانۂ نبوّت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ اس کو ان کی ساری تاریخ سے متعلق کیا ہے۔ جب کبھی انھوں نے کچھ ہوش سنبھالا اور آمادۂ فساد ہُوئے تو ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا جابر اور قاہر دُشمن مسلط کیا جس نے ان کو پیس کر رکھ دیا۔ چنانچہ پہلے بخت نصر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ پھر جب کچھ سنبھلے اور شرارتیں شروع کیں تو فطرس (پطرس) رُومی نے آکر ان کی سرکوبی کی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب کچھ شوکت و قوّت حاصل کی اور دنگا فساد شروع کر دیا تو مجوس نے آکر کچومر نکال دیا۔ یہاں تک کہ اسلام نے آکر ہمیشہ کے لیے

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ

اور ہم ضرور داخل کرتے انھیں نعمت کے باغوں میں — اور اگر وُہ ۱۳۰ قائم کرتے تورات

وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انھیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے

وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ

اُوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ۱۳۱ — ان میں ایک جماعت اعتدال پسند بھی ہے ۱۳۲ — اور اکثر

ان کی خوابوں کی دُنیا پریشان کر دی اور اُن کی جھُوٹی اُمیدوں کے چراغ گُل کر دیئے (قرطبی و بیضاوی)

۱۳۰ تورات اور انجیل کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے احکام کے مُطابق عمل کیا جائے اور اپنی خواہشات کے مُطابق ان میں ردّ و بدل کر کے ان کو بگاڑ نہ دیا جائے۔ اقامة التوراة والانجيل العمل بمقتضاهما وعدم تحريفهما۔

۱۳۱ اظہارِ مبالغہ کے لیے ہے یعنی تورات وانجیل کی اتباع کی برکت سے انھیں کشادہ، حلال اور پاکیزہ روزی دی جاتی اسی طرح دُوسری آیت ہے۔ ولو ان اهل القرىٰ آمنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء والارض۔ اگر ان گاؤں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان وزمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ اور اس کا یہ مفہُوم بھی ہو سکتا ہے کہ ہم آسمان سے ان کے قلب و رُوح کے لیے رحمتوں اور برکتوں کی غذا نازل کرتے اور ان کے جسم کے لیے زمین میں چھپے ہُوئے رزق کے خزانوں کے منہ کھول دیتے۔ کیونکہ انسان کو جس طرح جسمانی خوراک کی ضرورت ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ رُوحانی غذا کی ضرورت ہے۔ اس آیت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی سے فقر و تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی اور وُسعت ہوتی ہے ومن يتق الله يجعل له مخرجا ويرزقه من حيث لا يحتسب۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ بنا دیتا ہے اور اسے ایسے ذرائع سے رزق دیتا ہے جن کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

۱۳۲ سب ایک جیسے نہیں۔ بلکہ ان میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو اعتدال و انصاف سے کام لیتی ہے اور قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر اس پر ایمان بھی لے آتی ہے۔

مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ع ۱۰ / ۱۴

ان میں سے بہت بُرا ہے جو کر رہے ہیں ۔ اے رسول ! ۱۳۳ پہنچا دیجئے جو اُتارا گیا ہے آپ کی طرف

۱۳۳ ۔ جس قوم کی اصلاح اور ہدایت کے لیے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا ان کی کوئی بات بھی تو درست نہ تھی۔ سیاسی طور پر وہ بدنظمی اور انتشار کا شکار تھے۔ معاشی طور پر ان کی بدحالی کی مثال نہ تھی۔ اخلاقی لحاظ سے ان کے ہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی۔ شراب نوشی، جوا بازی اور بدکاری، سرداری اور دولت مندی کی علامات تھیں۔ ظلم و قتل کو شجاعت، معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے کو تقاضائے حمیّت و غیرت اور اسراف و فضول خرچی کو سخاوت کہا نہیں جاتا تھا بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ دینی لحاظ سے تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ گھر جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا ہو رہی تھی۔ اور یہ ان کا دین تھا۔ ان کا عقیدہ تھا۔ انھیں اس پر کامل یقین بھی تھا اور اس سے والہانہ محبت بھی تھی۔ اب جو ہستی ایک ہمہ گیر انقلاب کی داعی بن کر آئی تھی اور جسے زندگی کے ہر شعبہ میں ہر خرابی کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا گیا تھا۔ اس کا فرض تھا کہ سیاسی انتشار کے جو محرکات تھے ان پر بھی ضرب کاری لگائے۔ وہ عناصر جن کی دھاندلیاں وہاں کی معاشی زندگی کو درہم برہم کر رہی تھیں ان کے منہ میں بھی لگام دے۔ وہ غلیظ عادتیں اور وحشیانہ افعال جن پر اخلاقِ عالیہ کے دلکش غلاف چڑھے ہوئے تھے ان کو بھی بے نقاب کرے اور اخلاقِ فاضلہ کا صحیح مفہوم بھی ان کے ذہن نشین کرائے اور ان کی عقیدت کے صنم کدوں میں جتنے بت تھے پتھر کے، تانبے کے، پیتل کے، اپنی خواہشات کے، اپنے نفس کے، ذاتی اور قبائلی عصبیتوں کے ان سارے بتوں کو اِلَّا اللہ کی ضرب سے ریزہ ریزہ کرے۔ اس کارِ عظیم کے لیے قدرت کی نظرِ انتخاب پڑی تو اس پر جس کا کوئی بھائی نہیں، جس کے سر پر باپ اور دادا کا سایہ نہیں۔ دولت نہیں۔ خُدّام نہیں۔ اس کے پاس صرف اللہ کا نام ہے۔ یہی اس کی ساری قوتوں کا سرچشمہ ہے اور یہی اس کی ساری توانائیوں کا منبع ہے۔ اس نازک اور مشکل ترین خدمت کے لیے اسے متعین فرما کر اس کا رب اسے فرماتا ہے کہ آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور رسول کا کام یہ ہے کہ اپنے بھیجنے والے کا پیغام بے خوف و خطر کسی ردّ و بدل کے بغیر پہنچا دے۔ اس لیے اپنے منصبِ رسالت کا پاس رکھتے ہوئے اپنے ربِ کریم کا جو حکم آپ کو ملے اس کو اس کی مخلوق تک پہنچا دو۔ اور اگر کسی حکم کے پہنچانے میں پس و پیش کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے اپنا فرضِ منصبی پورا کرنے میں غفلت برتی ہے اور اس کا ذرا حق ادا نہیں کیا۔ باقی رہی دشمنوں کی قوت، کفار کے حملے، منافقین کی سازشیں اور یہود وغیرہ کی ریشہ دوانیاں تو سُن لو اللہ تعالیٰ خود آپ کا نگہبان ہے۔ کوئی آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ اس صریح اور پُرجلال حکم کے بعد کوئی یہ باور کر سکتا ہے کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو کسی کی پاسداری کے لیے یا کسی کے خوف سے چھپایا ہو۔ مولانا عثمانی کے یہ الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :۔

"نوعِ انسانی کے عوام و خواص میں سے جو بات جس طبقہ کے لائق اور جس کی استعداد کے مطابق تھی آپ نے

مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ

آپ کے پروردگار کی جانب سے۔ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو

مِنَ النَّاسِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿٦٧﴾ قُلْ يٰٓأَهْلَ

لوگوں (کے شر) سے یقیناً اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو آپ فرمائیے اے

الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ وَ

اہل کتاب! نہیں ہو تم کسی چیز پر (ہدایت سے) یہاں تک کہ (عمل سے) قائم کرو تورات اور انجیل کو اور

مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ

جو اُتارا گیا تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اور ضرور بڑھا دے گا ۱۳۴؎ اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿٦٨﴾ إِنَّ

طرف آپ کے رب کی جانب سے سرکشی اور انکار میں پس آپ نہ افسوس کریں ۱۳۵؎ قوم کفار پر بے شک

الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

جو لوگ ایمان لائے ۱۳۶؎ اور جو یہودی بنے اور صابی اور نصرانی جو بھی (ان میں سے)

بلا کم و کاست اور بے خوف و خطر پہنچا کر خدا کی حجت بندوں پر تمام کر دی"۔

۱۳۴؎ یعنی جوں جوں آیاتِ قرآنی کا نزول ہوتا ہے ان کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا ہے اور ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۳۵؎ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اے میرے حبیب! آپ کا دل کیوں رنجیدہ ہو۔ اگر یہ گمراہی پر جمے ہوئے ہیں تو جلد ہی اپنے کیے کی سزا پائیں گے۔ اسی یاسی اسیً اذا حزن (قرطبی)

۱۳۶؎ اس آیت کی وضاحت سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۲ میں گزر چکی ہے۔ اور ایمان باللہ سے مراد اس کی ذات، اس کی صفاتِ کمال، اس کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا ہے کیونکہ جو کوئی کسی رسول پر ایمان نہیں لاتا وہ گویا اس کے بھیجنے والے کا انکار کر رہا ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے لیکن اس کے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ

ایمان لایا اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور نیک عمل کیے تو نہ کوئی خوف ہے ان پر اور

لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَ اَرْسَلْنَآ

نہ وہ غمگین ہوں گے بے شک ہم نے لیا تھا پختہ وعدہ بنی اسرائیل سے اور ہم نے بھیجے تھے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

ان کی طرف رسول جب کبھی آیا اُن کے پاس کوئی رسول وہ حکم لے کر جسے ناپسند کیا ان کے نفسوں نے ۱۳۷

كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

تو (انبیاء کے) ایک گروہ کو تو انھوں نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ نہیں ہوگا (انھیں) عذاب ۱۳۸ تو اندھے

وَ صَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ

بن گئے اور بہرے بن گئے ۱۳۹ پھر نظرِ رحمت فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان پر ۱۴۰ پھر وہ اندھے بن گئے اور بہرے بن گئے بہت ان میں سے ۱۴۱

مقرر کیے ہوئے حکام کا انکار کرتا ہے وہ یقیناً اس بادشاہ کے حکم کے خلاف عَلَمِ بغاوت بلند کر رہا ہے اس لیے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کہ رسولوں پر ایمان لائے بغیر بھی نجات ممکن ہے۔

۱۳۷ جب کبھی اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کو ان کی عہد شکنیوں اور غلط کاریوں پر ملامت کی اور انھیں کوئی ایسی بات کہی جو اُن کی طبیعتوں پر ناگوار گزری تو وہ بپھر گئے۔ نبوت کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیا اور انبیاء کی برملا تکذیب شروع کر دی اور زبانی انکار پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ بعض انبیاء کو قتل کر دیا۔ (ان تمام امور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

۱۳۸ فتنہ سے مراد آزمائش اور ابتلا ہے یعنی وہ یہ گمان کیے ہوئے تھے کہ ہم انبیاء کی جو ہتک کر رہے ہیں اور بعض کو شہید کر دیا ہے اس کے متعلق ہم سے بازپرس نہ ہوگی اور ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے گا چنانچہ علامہ قرطبیؒ نے یہی لکھا ہے۔ ابتلاء واختبار بالشدائد لیکن علامہ زمخشری اور بیضاوی نے فتنہ کا معنی عذاب کیا ہے یعنی وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرزند اور چہیتے ہیں اس لیے وہ خواہ کچھ کرتے رہیں انھیں عذاب ہرگز نہیں ہوگا۔ فتنہ بمعنی عذاب قرآن میں اور جگہ بھی آیا ہے مثلاً ذوقوا فتنتکم ای عذابکم۔

۱۳۹ یعنی ہر طرح کی گرفت اور بازپرس سے بالکل مطمئن ہو کر ہدایت کا نور دیکھنے سے اور حق کا پیغام سننے سے اپنی آنکھیں

وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں — بے شک کافر ہو گئے وہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ ۱۴۲

الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ‌ؕ وَقَالَ الۡمَسِيۡحُ يٰبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اعۡبُدُوا

مسیح بن مریم ہی تو ہے — حالانکہ کہا تھا خود مسیح نے — اے بنی اسرائیل! عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّىۡ وَرَبَّكُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ یقیناً جو بھی شریک بنائے گا اللہ کے ساتھ تو حرام کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے

اور کان بند کر کے اندھے اور بہرے بن کر رہ گئے۔

۱۴۰؎ اس سے مراد حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے ان مدہوشوں کو ہوشیار کرنے کے لیے اپنا رسول بھیجا پھر بھی گنتی کے چند لوگوں کے سوا یہ اندھے اور بہرے ہی بنے رہے۔

۱۴۱؎ یہاں ایک چیز حل طلب ہے۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل ظاہر ہو تو خواہ وہ جمع ہی کیوں نہ ہو فعل واحد ذکر کیا جاتا ہے یہاں کثیر فاعل ظاہر ہے۔ اس کے باوجود عموا اور صموا فعل جمع کیوں ذکر کیا گیا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ کثیر فاعل نہیں بلکہ "واو" علامتِ جمع اور ضمیر فاعل ہے اور کثیر اس کا بدل ہے۔ فارتفع کثیر علی البدل من الواو (قرطبی) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ عرب کی ایک لغت میں ایسے موقع پر بھی فعل کا جمع کا صیغہ مستعمل ہوتا رہتا ہے جیسے اکلونی البراغیث یا جیسے فرزدق کا شعر ہے ؎

ولکن دیافیّ ابوہ وامہ — بحوران یعصرن السلیط اقاربہ (قرطبی)

یہاں اقارب فاعل ہے پھر بھی یعصرن جمع مؤنث ذکر ہوا۔

۱۴۲؎ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو "الٰہ" مانتے ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ ان کے دعویٰ کا بطلان حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے کرایا جا رہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کون اللہ جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ رب کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی چیز کو اس کی استعداد کے مطابق نقص سے کمال کی طرف، کمزوری سے قوت کی طرف پہنچانے والا۔ تو جب وہ مجھے مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے تو پھر میں خدا کیسے ہو سکتا ہوں۔ خدا تو وہ ہے جو ہر نقص اور کمی سے پہلے ہی پاک اور منزہ ہو۔ وہ کسی کے پاک کرنے اور منزہ کرنے کا محتاج نہیں ہوتا۔

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ظالموں کا کوئی مددگار ۱۴۳

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

بے شک کافر ہو گئے وُہ جنھوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے ۱۴۴ تین (خداؤں) سے ۔ اور نہیں ہے کوئی خدا

۱۴۳ ۔ یعنی اگر تم مجھے خدا سمجھو گے تو شرک کا ارتکاب کرو گے اور جو شرک کرتا ہے وُہ ظلم عظیم کرتا ہے اور اس روز ظالم کی امداد نہیں کی جائے گی ۔ اور میں بھی تم سے دست بردار ہو جاؤں گا ۔

۱۴۴ ۔ عقیدۂ تثلیث کی حقیقت کیا ہے ؟ عیسائیوں نے اِسے کب اور کیوں اختیار کیا ؟ کیا حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے کسی قول سے اس کی تائید ہوتی ہے ؟ کیا پہلی تین انجیلوں میں یہ عقیدہ موجود ہے ؟ جب تک ان سوالات کا تحقیقی جواب نہ دیا جائے نہ ہم قرآن حکیم کی ان آیات کو پُوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ علی وجہ البصیرت مسیحی عقائد کے متعلق گفتگو کر سکتے ہیں ۔ آئیے نہایت صبر و سکون اور متانت و سنجیدگی سے اِن امور کی تحقیق کریں ۔

اس وقت میرے پیشِ نظر بائیبل کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا (مطبوعہ ۱۹۶۲ء) ہے ۔ جو دُنیا بھر کے فضلاء اور محققین کی کاوشوں کا مجموعہ ہے ۔ اور جسے تمام علمی حلقوں میں مستند ترین کتاب تسلیم کیا جاتا ہے مسیحیت کے متعلق میں نے اس میں عیسائی علماء کے مضامین کا مطالعہ کیا ہے ان کے مطالعہ سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں وُہ ہدیۂ ناظرین ہیں ۔

مسیحیت (CHRISTIANITY) کے موضوع پر جارج ولیم ناکس (G.W.KNOX) اور سڈنی ہربرٹ میلون (S.H.MELLONE) نے مل کر جو محققانہ مقالہ لکھا ہے اس میں وُہ رقمطراز ہیں :-

"مسیح نے خود بھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ ان کی اصل کوئی مافوق الفطرت چیز ہے بلکہ وُہ اس پر مطمئن تھے کہ انھیں مریم اور جوزف کے بیٹے کی حیثیت سے پہچانا جاتے" ۔ (انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۵ ، صفحہ ۶۳۲)

اس خیال کی تائید میں انھوں نے مرقس کی انجیل باب ششم کی آیات نمبر ۳ ، ۴ کا حوالہ دیا ہے "کیا یہ وُہی بڑھئی نہیں جو مریم کا بیٹا اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ اور شمعون کا بھائی ہے ؟ اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے ہاں نہیں ؟ پس انھوں نے اس کے سبب ٹھوکر کھائی ۔ یسُوع نے ان سے کہا نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا ۔

یوحنا کی یہ آیت بھی زیر نظر ہے ۔ "پھر ان دو دنوں کے بعد وُہ وہاں سے روانہ ہو کر گلیل کو گیا کیونکہ یسوع نے خود گواہی دی کہ نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا (۴ : ۴۳ ، ۴۴) لوقا کی یہ آیت بھی توجہ طلب ہے

"مگر مجھے آج اور کل اور پرسوں اپنی راہ پر چلنا ضرور ہے کیونکہ ممکن نہیں کہ نبی یروشلم سے باہر ہلاک ہو" (۱۳ : ۳۳)

اناجیل کی ان آیات اور سابقہ تصریح سے یہ امر واضح ہوگیا کہ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ہمیشہ اپنے آپ کو مریم کا بیٹا کہلوایا اور اپنے نبی ہونے کا بار بار اعلان کیا اور کبھی بھی اپنے آپ کو خُدا یا خُدا کا بیٹا نہیں کہا۔

(ان تصریحات سے اسی سُورہ کی آیت نمبر ۱۱۶ کی تصدیق بھی ہوگئی)

جب حقیقت یہ ہے تو پھر تثلیث (تین خدا) اور ابنیت کا نظریہ اس دین میں کیونکر گھس آیا۔ اس کے متعلق بھی مذکورہ بالا فاضلوں کی یہ عبارت ملاحظہ فرمایئے :۔

"باپ، بیٹا اور رُوح القدس کی اصطلاحات کو یہُودی ذرائع نے مہیّا کیا۔ یسُوع نے شاذ و نادر ہی آخری اصطلاح استعمال کی ہو۔ (سینٹ) پال کے متعلق بھی یہ واضح نہیں کہ اس نے اسے استعمال کیا۔ چنانچہ تثلیث کا مواد یہُودی ہے جسے یُونانی (فلسفہ کے) اثر و رسُوخ نے اس قالب میں ڈھالا ہے"۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا جلد ۵ صفحہ ۲۴۳۔

دین مسیحی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے وقت جو چیز بڑی عجیب و غریب اور انوکھی معلوم ہوتی ہے وُہ یہ ہے کہ اس دین کے بُنیادی عقائد وُہ نہیں جو اس دین کے بانی حضرت مسیح علیہ السّلام نے بتائے ہیں یا جو انجیلوں میں مذکور ہیں بلکہ اس کے بنیادی عقائد وُہ ہیں جو پادریوں کی کونسلیں مختلف حالات میں مقرر کرتی رہی ہیں۔ اور یہ کونسلیں اس امر کی مجاز ہیں کہ حضرت مسیح پر ایمان رکھنے والے اگر ان کے منظور کردہ عقائد سے انحراف کریں تو وُہ انھیں مُرتد قرار دے کر اس دین سے خارج کر دیں۔ ان کونسلوں کی داستان بڑی دلچسپ اور معلُومات افزا ہے۔

مجھے اب آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ جب تثلیث کا کوئی سراغ بھی یسُوع مسیح کے کلام میں نہیں ملتا اور انجیلوں کی آیات بھی مسیح کی ابنیت (بیٹا ہونا) کی بجائے ان کی نبوّت ثابت کر رہی ہیں تو پھر یہ مشرکانہ نظریہ کیسے اور کب نمودار ہوا۔ اس کے متعلق بھی انسائیکلوپیڈیا کے حوالہ سے حقیقت حال پیش کرتا ہوں۔

قسطنطین کے تخت نشین ہونے سے پہلے عیسائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے جاتے تھے اور حکومت روم کی نگاہوں میں بھی یہ معتوب تھے لیکن یہ مذہب آہستہ آہستہ پھیلتا رہا اور تقویّت پکڑتا رہا۔ قسطنطین جب رومن ایمپائر کا فرمانروا بنا تو اس نے ۳۱۳ء میں میلان کے فرمان شاہی کے ذریعہ مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اپنی سیاسی اغراض کی وجہ سے عیسائیوں پر عنایات خسروانہ کی بارش شروع کر دی تاکہ ان کی کثیر آبادی کی ہمدردیاں اور وفاداریاں حاصل کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کرلے۔ اور ۳۳۷ء میں جب وُہ بستر مرگ پر دم توڑ رہا تھا تو اس نے عیسائی مذہب قبول کیا اور اُسے بپتسمہ دیا گیا۔

یہ تو ان کے سیاسی حالات تھے لیکن اس سے پہلے تین صدیوں میں ان کے عقائد میں کیا کیا تبدیلیاں رُونما ہو چکی تھیں۔ اور قسطنطین کی سرپرستی میں ان میں کیا قطع و برید کی گئی۔ اس کے متعلق تاریخ کلیسا (CHURCH HISTORY) کے عنوان پر چار مسیحی فضلاء نے جو لکھا ہے اس کا اقتباس پیش خدمت ہے :۔

"تیسری صدی کے ختم ہونے سے پہلے یسُوع کو کلامِ الٰہی (LOGOS) کا مجسمہ تسلیم کر لیا گیا تھا لیکن اس کی الُوہیت کا عام طور پر انکار کیا جاتا تھا۔ اس اثناء میں ایریس (ARIUS) کے تنازعہ نے چوتھی صدی کے کلیسا کو جس اضطراب و حیرت میں مبتلا

کر دیا تھا اُس نے لوگوں کی توجہ کو اِس مسئلہ کی طرف مبذول کیا۔ نیقیا (NICAEA) کی کونسل جو ۳۲۳ء میں منعقد ہوئی اس میں سرکاری طور پر یسُوع کی الوُہیت کو تسلیم کر لیا گیا جسے باضابطہ طور پر مرتب کرنے کے بعد (NICENE CREED) کا نام دیا گیا۔ تنازعہ کچھ عرصہ جاری رہا لیکن آخر کار مشرق و مغرب کے عیسائیوں نے اِسی عقیدہ کو صحیح مسیحی عقیدہ مان لیا۔ بیٹے کی الوُہیت کے ساتھ رُوح القدس کی الوُہیت بھی تسلیم کر لی گئی۔ نیقیا کے عقیدہ کی فتح نے تثلیث کو عیسائی مذہب کے صحیح عقائد کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ بیٹے کی الوُہیت کا مظہر یسوع کو قرار دینے سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو گئی جو چوتھی صدی اور اس کے بعد عرصہ تک مابہ النزاع بنی رہی۔ وُہ یہ کہ یسُوع میں الوُہیت اور انسانیت کا باہمی تعلق کیا ہے؟ کالسیڈن (CHALCEDON) کی کونسل جو ۴۵۱ء میں منعقد ہُوئی اس میں یہ قرار پایا کہ مسیح کی ذات میں الوُہیّت اور انسانیت دونوں یکساں طور پر مجتمع ہیں اور باہمی اِمتزاج کے باوجُود دونوں کی خصوصیات جُوں کی توں قائم ہیں قسطنطنیہ کی تیسری کونسل جو ۶۸۰ء میں منعقد ہوئی اس میں اس پر مزید اضافہ کیا گیا کہ ان دو ماہیتوں کی الگ الگ مرضی اور مشیّت ہے مسیح دونوں مشیّتوں کا مالک ہے۔ مغربی کلیسا نے نیقیا، کالسیڈن اور قسطنطنیہ کے فیصلوں کو قبول کر لیا اور اِس طرح تثلیث اور مسیح کے اندر دو مشیّتوں اِخُدائی اور اِنسانی کے وجُود کے نظریات کو مشرق و مغرب کے کلیساؤں نے بحیثیت پختہ اور صحیح عقیدہ کے مان لیا۔" (انسائیکلو پیڈیا جلد ۵ صفحہ ۶۷۸-۶۷۷)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ تثلیث و ابنیّت کے عقائد خُدا اور اس کے نبی کے بتائے ہُوئے عقائد نہیں ہیں بلکہ سینکڑوں سال بعد انعقاد پذیر ہونے والی کونسلوں نے انھیں گھڑا اور عیسائیوں کے لیے ان پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ قرآن کریم نے بار ہا علماء اہلِ کتاب کے متعلق جو یہ اعلان فرمایا کہ وُہ اپنی طرف سے باتیں گھڑتے ہیں اور پھر اسے خُدا کی طرف اور اس کے پیغمبروں کی طرف منسُوب کر دیتے ہیں اس کا کتنا واضح ثبُوت ان کی اپنی تاریخ نے فراہم کر دیا۔

لیکن یہ بحث تشنۂ تکمیل رہے گی اگر یہ نہ بتایا جائے کہ نیقیا کی کونسل میں مسیح کی الوُہیت کا جو افتراء باندھا گیا اس کے محرکات کیا تھے؟ اور کیا اس کونسل میں شرکت کرنے والے سارے بشپ اِس عقیدہ کو دل و جان سے تسلیم کرتے تھے یا نہیں؟

یہ بات سمجھنے کے لیے اس کے پس منظر کا سمجھنا لازمی ہے قسطنطین کی حمایت و سرپرستی میں عیسائیت کو امن و سکون نصیب ہُوا تو ان میں نظریاتی خانہ جنگی شروع ہو گئی جس کے باعث ان کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی اور ان کی سیاسی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اِس طرح قسطنطین نے جس خیال سے ان کی حمایت شروع کی تھی وُہ خواب پریشان ثابت ہونے لگا۔ چنانچہ اس داخلی انتشار کو دُور کرنے کے لیے اس نے نیقیا میں تمام عیسائی علماء کی کونسل طلب کی جس کے اجلاس ۲۰ مئی سے ۲۵ جولائی ۳۲۳ء تک جاری رہے سب سے اہم مسئلہ جو زیر بحث آیا وُہ یہ تھا کہ یسُوع کا تعلق خدا سے کس نوعیّت کا ہے؟

یہ بھی یاد رہے کہ اس کونسل کا داعی بھی قسطنطین تھا۔ اس کے جملہ مصارف بھی اس نے اپنی گرہ سے ادا کیے اور اس کے کئی اجلاسوں میں شرکت بھی کی اور ان کے فیصلوں کو اپنے شاہی اختیارات سے نافذ کیا اور جس نے ماننے سے انکار کیا اس کو سزائیں دیں۔ (انسائیکلوپیڈیا جلد ۶ صفحہ ۵۸۸)

اس کونسل کے انعقاد کے محرکات اور پس منظر کو سمجھ لینے کے بعد مسیح کی الوہیت کے متعلق جو قرارداد پاس کی گئی اب اس کے متعلق مسیحی فاضلوں کی آراء سنیئے:۔

"یہ درست ہے کہ کثرت آراء سے نیقیا کی کونسل میں اسکندریہ کے عقیدہ کو منظور کیا گیا لیکن یہ اتفاق قلبی یقین و ایمان سے رونپذیر نہیں ہوا تھا بلکہ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ شرکت کرنے والے پادریوں کی اکثریت غیر جانبدار تھی۔ انھیں اس سے کوئی ذاتی دلچسپی نہ تھی۔ دوسری وجہ شاہی اختیارات اور ان کا دباؤ تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے ہمارے پاس تاریخی شہادت موجود ہے وہ یہ کہ ایریس (ARIUS) کے خلاف یہ فیصلہ اگر پورے غور و فکر کے بعد کامل ایمان و یقین سے کیا گیا ہوتا تو پھر اس عقیدہ کے حق میں رائے دینے والے ایریس سے کبھی نرم برتاؤ نہ کرتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ یہ حقیقت ہے کہ یہ عقیدہ فقط ان لوگوں کی طرف سے مسلط کیا گیا تھا جو اس کونسل کے بانی تھے (یعنی قسطنطین اور اس کے اعیان حکومت) ان حالات میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہیں کہ یہ کثرت آراء قطعاً اس بات کا معیار نہیں کہ مسیح کی الوہیت کا جو عقیدہ اس کونسل میں منظور ہوا اس میں کونسل کے ارکان کا قلبی یقین بھی کارفرما تھا۔"

فاضل مقالہ نگار مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ نیقیا کی کونسل کے متعلق اپنی نگارشات کا اختتام کرتا ہے:۔

"اس مصنوعی اور بناوٹی اتحاد سے جو عقیدہ گھڑا گیا تھا وہ امن برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ اس نے ایسے جھگڑوں کے لیے راہ ہموار کر دی جن کے باعث مملکت کی بنیادیں لرز گئیں۔ نیقیا کے اس عقیدہ کے اعلان کے بعد لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ اور یہ عقیدہ جو کلیسا نے فکر و تدبر کے بغیر اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا اس کی تشریح و توضیح کرتے وقت کلیسا کو ایسی مذہبی بحثوں میں الجھنا پڑا جن کا راستہ بڑا دشوار اور پرخار تھا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۴۱۰)

ان تاریخی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ان آیات لقد کفر الذین قالوا الخ کو غور سے پڑھو آفتاب حقانیت کی تابانیاں آپ کی چشم خرد کو روشن کر دیں گی اور اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ کی آیت نمبر ۴۸ میں قرآن کو سابقہ آسمانی کتب کے نگہبان (مھیمنا علیہ) کا جو لقب عطا فرمایا ہے اس کی صداقت آشکارا ہو جائے گی۔

خدارا بتایئے کیا اس دین کو دین الٰہی کہنا بجا ہے جس کے بنیادی عقائد چند آدمیوں نے سیاسی دباؤ اور سیاسی اغراض کی خاطر صدہا سال بعد خود وضع کیے ہوں اور ان میں اپنے پیغمبر کے ارشادات سے واضح انحراف کیا گیا ہو۔ مسیحیت کو اس کی اپنی تاریخ کے آئینہ میں آپ نے دیکھ لیا۔ اس کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجائش نہیں۔

إِلَّآ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

مگر ایک اللہ ۱۴۵ اور اگر باز نہ آئے اس (قولِ باطل) سے جو وُہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنھوں نے

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ

کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے نہیں مسیح بن مریم ۱۴۶ مگر ایک رسول۔ گزر چکے ہیں

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ

اس سے پہلے بھی کئی رسول اور ان کی ماں بڑی راست باز تھیں دونوں کھایا کرتے تھے کھانا دیکھو!

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

کیسے ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ان کے لیے دلیلیں پھر دیکھو وُہ کیسے اُلٹے پھر رہے ہیں ۱۴۷ آپ فرمائیے

۱۴۵ یعنی اور کوئی خُدا ہے ہی نہیں سوائے اس کے جو صفتِ وحدانیت سے متّصف ہے۔ اس جملہ میں "ما" استغراق نفی کا فائدہ دیتا ہے یعنی کسی قسم کا تعدّد نہیں نہ ذات میں نہ اعتبار میں۔ صرف وُہی خدا ہے جو ہر طرح کی کامل وحدانیت اور یکتائی سے متّصف ہے۔

۱۴۶ حضرت مسیح کی اُلوہیت کی نفی کرنے کے بعد بتایا کہ وُہ ہیں کون؟ فرمایا وُہ اللہ کے رسُول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسُول آچکے ہیں۔ وُہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور انسان تھے۔ نہ پہلے رسُولوں میں سے کوئی خدا تھا نہ مسیح خُدا ہیں اور اُن کی والدہ محترمہ مریم اللہ تعالیٰ کی ایک راست باز بندی ہیں۔ وُہ دونوں ماں بیٹا اپنی زندگی کی بقا کے لیے دُوسرے انسانوں کی طرح طعام کھایا کرتے تھے۔ جب اُنھیں کھانے کی ضرورت محسُوس ہوتی تھی تو وُہ بندے ہُوئے خُدا تو نہ ہوئے۔ اِس آیت میں یہودیوں کی بھی تردید ہوگئی اور عیسائیوں کا بھی رد آگیا۔

۱۴۷ اے ناظرِ مُنصف! ان کے عقیدہ کے بطلان پر کتنے زبردست دلائل پیش کیے گئے ہیں لیکن وُہ پھر بھی اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید سے باز نہیں آتے۔ اب اس ہٹ دھرمی کا کیا علاج!

أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ

کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا اس کی جو نہیں مالک تمہارے نقصان کا اور نہ نفع کا ۱۴۸ اور اللہ تعالیٰ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے آپ فرمائیے اے اہل کتاب! نہ حد سے بڑھو اپنے دین میں

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَ

ناحق اور نہ پیروی کرو ۱۴۹ اس قوم کی خواہشوں کی جو گمراہ ہو چکی ہے پہلے سے اور

أَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ع ۱۰ ۱۴

گمراہ کر چکے ہیں بہت سے لوگوں کو اور بھٹک چکے ہیں راہِ راست سے لعنت کیے گئے وہ جنھوں نے کفر کیا

مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا

بنی اسرائیل سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ پسر مریم کی زبان پر یہ بوجہ اس کے کہ

۱۴۸ حضرت صدر الافاضل مرادآبادیؒ رقمطراز ہیں "یہ ابطال شرک کی ایک اور دلیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الٰہ (مستحقِ عبادت) وہی ہو سکتا ہے جو نفع و ضرر وغیرہ ہر چیز پر ذاتی قدرت و اختیار رکھتا ہو جو ایسا نہ ہو وہ الٰہ (مستحقِ عبادت) نہیں ہو سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفع و ضرر کے بالذات مالک نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مالک کرنے سے مالک ہوئے۔ تو ان کی نسبت الوہیت کا اعتقاد باطل ہے۔" (خزائن العرفان)

۱۴۹ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ عیسائیوں کو فرماتے ہیں کہ افراط و تفریط سے کام لینا چھوڑ دو اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات پر اپنے عقائد کی بنیاد رکھو تمہارے عقیدۂ تثلیث کو حضرت مسیح کی تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ بلکہ تم نے دوسری گم کردہ راہ قوموں کے مشرکانہ نظریات کو اپنانا شروع کر دیا ہے اپنے صاف سادہ عقیدۂ توحید کو یونانی اور رومی فلسفہ کی بھینٹ چڑھا کر اس کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا چھوڑ دو اس خود ساختہ عقیدہ کو۔ اور حضرت مسیح کے سچے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔

عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ

وُہ نافرمانی کیا کرتے اور زیادتیاں کیا کرتے تھے نہیں منع کیا کرتے تھے ایک دُوسرے کو اس بُرائی سے جو وُہ کرتے تھے ۱۵۰

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

بہت بُرا تھا جو وُہ کیا کرتے تھے آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے ۱۵۱ کہ وُہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے

لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

بہت ہی بُرا ہے جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے یہ کہ ناراض ہو گیا اللہ تعالیٰ ان پر اور عذاب

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

میں وُہ ہمیشہ رہیں گے اور اگر وُہ ۱۵۲ ایمان لاتے ہوتے اللہ پہ اور نبی پر اور جو

۱۵۰ تناہی کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ تناہی بمعنی انتہی باز آجانا۔ رُک جانا یعنی جو اعمالِ بد وُہ کیا کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ لاکھ سمجھاؤ سرکش گھوڑے کی طرح نافرمانی کی راہ پر سرپٹ دوڑے چلے جاتے تھے۔ ۲۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ وُہ ایک دُوسرے کو بُرائی سے نہیں روکتے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کا یہ ارشادِ گرامی بھی سُن لیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ یہودیوں میں بے دینی کی ابتدا یُوں ہُوئی کہ جب کوئی آدمی کسی بدکار سے ملتا تو پہلے اُسے اللہ سے ڈراتا اور اس گناہ سے باز آجانے کی ترغیب دیتا۔ پھر دُوسرے روز اسی کے ساتھ بلا تأمل کھاتا پیتا بیٹھتا اُٹھتا جب انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا تو اُن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ٹکرا دیا۔ پھر حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ لعن الذین الخ اس کے بعد فرمایا کلا واللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یدی الظالم ولتاطرنّہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصرا اولیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ولیلعنتکم کما لعنھم (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ۔ بخدا یا تو تم نیکی کا حکم دوگے، بُرائی سے منع کروگے اور ظالم کے ہاتھ پکڑ لوگے اسے حق و انصاف کی طرف زبردستی لوٹا دوگے اور اسے عدل کا جبرًا پابند کروگے ورنہ تمہارے دِلوں کو بھی اللہ تعالیٰ آپس میں ٹکرا دے گا۔ اور تم پر بھی ایسی پھٹکار ڈالے گا جیسے پہلے ان لوگوں پر ڈالی گئی۔

۱۵۱ یعنی عجیب و غریب ہیں یہ لوگ۔ خدا کی توحید کے مدعی اور انبیاء و رُسل کے پیروکار اور دوستی اُن سے جو کھلے بُت پرست ہیں۔

۱۵۲ اگر وُہ اپنے دعوئ ایمان میں سچے ہوتے تو بھلا یہ ممکن تھا کہ وُہ مخلص اہلِ توحید کے خلاف مشرکوں اور بُت پرستوں

أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨١﴾

اتارا گیا اس پر تو نہ بناتے ان کو (اپنا) دوست لیکن اکثر ان میں سے فاسق ہیں

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا

ضرور پائیں گے آپ سب لوگوں سے زیادہ دشمنی رکھنے والے مومنوں سے یہود کو اور مشرکوں کو

وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ

اور پائیں گے آپ ١٥٣ سب سے زیادہ قریب دوستی میں ایمان والوں سے انھیں جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں

ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

یہ اس لیے کہ ان میں عالم ١٥٤ اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے

سے یارانے گانٹھتے۔

١٥٣ یہود و مشرکین کی اذیّت رسانیوں اور اسلام دشمنیوں کے مقابلہ میں نصاریٰ کا رویّہ بہتر ہے۔ امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان عیسائیوں سے مراد عام عیسائی نہیں بلکہ اُن کا وُہ مختصر گروہ مراد ہے جو ان عقائد کا پابند تھا جو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے انھیں سکھائے تھے۔ أُنَاسٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ كَانُوا عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ مِمَّا جَاءَ بِهِ عِيسَىٰ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَنْتَهُونَ إِلَيْهِ۔ (تفسیر ابن جریر) انھیں میں حق قبول کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ ان کی نگاہوں میں ہی نورِ ہدایت کو دیکھنے کی قوت تھی۔

١٥٤ قسیسین کا واحد قسّ اور قسیس ہے وَ اَصْلُهُ مِنْ قَسَّ إِذَا تَتَبَّعَ الشَّيْءَ فَطَلَبَهُ۔ جب کوئی کسی چیز کا متلاشی ہو اور اس کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا ہو تو کہتے ہیں قس الشی۔ یہاں قسیسین سے مراد ان کے علما ہیں ممکن ہے کہ یہ لفظ رُومی زبان کا ہو اور تعریب کے بعد لغتِ عرب میں استعمال کیا جانے لگا ہو۔ رھبان راھب کی جمع ہے۔ راہب اس عبادت گزار کو کہتے ہیں جو دُنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ خانقاہوں اور حجروں میں مصروف ذکر و فکر رہتا ہو۔ اَلرُّهْبَانِيَّةُ وَالتَّرَهُّبُ اَلتَّعَبُّدُ فِي صَوْمَعَةٍ۔ (قرطبی)

وَإِذَا سَمِعُوا مَآ أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰٓ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ

اور جب سُنتے ہیں (قرآن) جو اتارا گیا رسُول کی طرف تو تُو دیکھے گا ان کی آنکھوں کو کہ چھلک رہی ہوتی ہیں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَآ ءَامَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں سے ۱۵۵ اس لیے کہ پہچان لیا انھوں نے حق کو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ۱۵۶ پس

مَعَ الشَّٰهِدِينَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

تو لکھ لے ہمیں (اسلام کی صداقت کی) گواہی دینے والوں میں اور کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور جو آچکا ہے ہمارے پاس

الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّٰلِحِينَ ﴿٨٤﴾

حق حالانکہ ہم امید کرتے ہیں کہ داخل فرمائے ہمیں ہمارا رب نیک گروہ میں ۱۵۷

فَأَثَٰبَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ

تو عطا فرمائے اُنھیں اللہ تعالیٰ نے بعوض اِس قول کے باغات رواں ہیں ان کے نیچے نہریں

خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

وُہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی معاوضہ ہے نیکی کرنے والوں کا اور جنھوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بِـَٔايَٰتِنَآ أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا ع ۱۱

اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو وُہی دوزخی ہیں اے ایمان والو!

۱۵۵ جب آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو کر چھلک پڑیں تو عرب کہتے ہیں فَاضَتِ الْعَيْنُ۔ اسی سے تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ ماخوذ ہے۔

۱۵۶ شاہدین سے مُراد اُمتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم ہے اِس آیت سے ابنِ جریر کے قول کی مزید تائید ہوتی ہے کہ یہاں نصاریٰ سے مُراد وُہ مخصوص گروہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے دین کا پابند تھا۔ اور عبادت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا۔ اور جب حق اور ہدایت کی روشنی حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میں دیکھی تو فوراً ایمان لے آیا۔

لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

نہ حرام کرو ۱۵۸ پاکیزہ چیزوں کو جنھیں حلال فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠

نہیں دوست رکھتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو اور کھاؤ اس سے جو ۱۵۹ رزق دیا ہے تمھیں اللہ تعالیٰ نے حلال (اور) پاکیزہ

۱۵۷ معلوم ہوا کہ نیک اور صالح لوگوں کی سنگت بھی بہت بڑی نعمت ہے۔

۱۵۸ چند جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت صدیق و علی رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے حضرت عثمان بن مظعون کے گھر میں جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ وُہ ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے، ساری رات عبادت میں گزاریں گے بستروں پر نہیں سوئیں گے، گوشت گھی وغیرہ نہیں کھائیں گے۔ عورتوں اور خوشبو سے بالکل اجتناب کریں گے اُونی لباس پہنیں گے اور دُنیا سے قطع تعلق کرلیں گے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو حضورؐ نے انھیں بلا کر حقیقت افروز ارشاد فرمایا۔ مجھے ان باتوں کا حکم نہیں دیا گیا۔ اِنَّ لِاَنْفُسِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا فَصُوْمُوْا وَاَفْطِرُوْا وَقُوْمُوْا وَنَامُوْا فَاِنِّيْ اَقُوْمُ وَاَنَامُ وَاَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاٰكُلُ اللَّحْمَ وَالدَّسَمَ وَاٰتِي النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (کشاف وغیرہ)

اَے میرے صحابہ! تمھارے نفسوں کا بھی تم پر حق ہے اس لیے روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ راتوں میں جاگ کر عبادت بھی کرو اور آرام سے سو بھی۔ کیونکہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ گوشت اور گھی بھی کھاتا ہوں۔ اور اپنی ازواج سے بھی مقاربت کرتا ہوں یہ میرا طریق کار اور سنت ہے جس نے میری سُنّت سے مُنہ موڑا وُہ میری جماعت سے نہیں۔ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو یہودیوں کی طرح لذّاتِ دُنیا میں کھو جاؤ اور نہ مسیحی راہبوں کی طرح دُنیا کی حلال لذّتوں کو اپنے اُوپر حرام کر دو بلکہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو۔ یہی دینِ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس آیت میں لا تحرموا کا معنی یہ ہے کہ نہ تو یہ اعتقاد رکھو کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور نہ زبان سے ایسا کہو اور نہ ان کے استعمال کو اس طرح ترک کرو جیسے حرام چیز کو ترک کیا جاتا ہے۔ اولیاء کرام نفسِ سرکش کی سرکوبی کے لیے بعض حلال چیزوں کو استعمال نہیں کرتے تو وُہ ان کی حرمت کے قائل نہیں ہوتے۔ بلکہ جس طرح جسمانی طبیب بعض اشیاء کو صحتِ جسمانی کے لیے مضر خیال کر کے مریض کو ان کے استعمال سے روک دیتا ہے اسی طرح یہ رُوحانی معالج بعض رُوحانی مفاسد کے پیشِ نظر بعض چیزوں سے وقتی طور پر اجتناب کرتے ہیں لیکن اگر کوئی جاہل اللہ تعالیٰ کی کسی حلال کردہ چیز کو اعتقادی یا قولی طور پر حرام جانے تو یہ باطل ہے اور گمراہی ہے۔

۱۵۹ اکل سے مُراد کھانا ہی نہیں بلکہ اکل بمعنی تمتع ہے یعنی فائدہ اٹھانا، استعمال کرنا خواہ کھانے پینے، پہننے کی صُورت

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا یُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

اور ڈرتے رہو اللہ سے جس پر تم ایمان لاتے ہو نہ بازپرس کرے گا تم سے اللہ تعالیٰ

بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ۚ

تمھاری فضول قسموں پر ۱۶۰ لیکن بازپرس کرے گا تم سے اُن قسموں پر جن کو تم پختہ کر چکے ہو

فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

تو اس (کے توڑنے) کا ۱۶۱ کفارہ یہ ہے کہ کھلایا جائے دس مسکینوں کو درمیانی قسم کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے

اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ

گھر والوں کو یا کپڑے پہنائے جائیں انھیں یا آزاد کیا جائے غلام اور جو نہ پائے (ان میں سے کوئی چیز) تو وہ روزے

ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا

رکھے تین دن یہ کفارہ ہے تمھاری قسموں کا جب تم قسم اُٹھاؤ اور حفاظت کیا کرو

میں ہو یا سواری وغیرہ کرنے کی شکل میں۔ اَلْاَكْلُ فِیْ هٰذِهِ الْاٰیَةِ عِبَارَةٌ عَنِ التَّمَتُّعِ بِالْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاللِّبَاسِ وَالرُّكُوْبِ وَغَیْرِ ذٰلِكَ۔

۱۶۰ ایمان جمع ہے یمین کی۔ اور یمین بمعنی برکت سے ماخوذ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ قسم سے بھی حقوق محفوظ ہوتے ہیں معاہدے پورے کیے جاتے ہیں اس لیے اسے یمین (برکت والی چیز) کہہ دیا گیا یمین لغو وہ ہے جس میں قسم اٹھانے کی نیت نہیں ہوتی بلکہ اثنائے کلام میں واللہ باللہ کے الفاظ بلا سوچے سمجھے منہ سے نکل جاتے ہیں۔ ایسی قسم کا کوئی کفارہ نہیں لیکن وہ قسمیں جو نیت اور ارادہ سے اُٹھائی گئی ہوں اور پھر انھیں پورا نہ کیا جائے تو اس قسم کو توڑنے پر بازپرس ہوگی اور کفارہ دینا پڑے گا۔

۱۶۱ کفارہ کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) دس آدمیوں کو کھانا کھلا دے (۲) یا اُنھیں کپڑے پہنا دے جن سے ان کے جسم کا اکثر حصہ ڈھک جائے مثلاً چادر اور کرتہ یا چادر اور صافہ (۳) یا غلام آزاد کرے۔ اور اگر ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک پر بھی قدرت نہیں رکھتا تو پھر تین دن لگاتار روزہ رکھے۔

أَيْمَانِكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

اپنی قسموں کی ۱۶۲؎ اسی طرح کھول کر بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکریہ ادا کرو ۱۶۳؎

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ

اے ایمان والو! ۱۶۴؎ یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر ۱۶۵؎

۱۶۲؎ یعنی اپنی قسموں کو مذاق نہ بنالو کہ ادھر قسم اٹھائی ادھر توڑ دی۔ بلکہ جب قسم اٹھاؤ تو اس کی پوری طرح پابندی کرو اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ زیادہ قسمیں نہ اٹھایا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ان کی پابندی نہ کر سکو اور ان کو توڑنے پر مجبور ہو جاؤ۔

۱۶۳؎ پاک اور حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ کا آسان طریقہ بتایا۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ظاہری اور باطنی انعامات اور احسانات کا غیر منقطع سلسلہ جاری ہے جس پر شکر بجا لانا ہم پر واجب ہے۔

۱۶۴؎ عرب میں شراب کا عام رواج تھا۔ گنتی کے چند آدمیوں کے علاوہ سب اس کے متوالے تھے شراب جو ان گنت جسمانی اور روحانی بیماریوں کا سبب، اخلاقی اور معاشی خرابیوں کی جڑ اور فتنہ و فساد کی علت ہے اسلام کے پاکیزہ نظام حیات میں اس کی کیوں کر گنجائش ہو سکتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے قطعی حرام کر دیا لیکن حرمت کا حکم آہستہ آہستہ اور تدریجاً نازل ہوا تاکہ لوگوں کو اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں تو اتنا کہنے پر اکتفا کیا گیا کہ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ۔ کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو۔ یہ آیات اس آخری حکم کا پیش خیمہ تھیں۔ اگرچہ شراب کی حرمت کا صراحتہً ان میں ذکر نہ تھا لیکن کئی سلیم طبیعتوں نے اس وقت ہی شراب چھوڑ دی تھی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بارگاہ الٰہی میں اس کی قطعی حرمت کے لیے التجائیں کیا کرتے۔ عرض کرتے۔ اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا۔ اس اثنا میں چند ایسے واقعات بھی رونما ہوئے جس سے شراب پینے کے مفاسد اور نقصانات کا صحابہ کرام کو زیادہ سے زیادہ احساس ہونے لگا۔ جب ایمان پختہ ہو گئے تعلیمات اسلامیہ قلب و روح کی گہرائیوں میں بس گئیں اور اللہ اور اس کے رسول کے ہر حکم کے سامنے تسلیم خم کرنے کی عادت فطرت بن گئی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خادم کو حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کر بلند آواز سے ان آیات کا اعلان کرے۔ جب وہ منادی کرنے والا اعلان کرنے نکلا تو کئی جگہ شراب کی محفلیں آراستہ تھیں۔ میخوار جمع تھے۔ پیمانے گردش میں تھے۔ جونہی کان میں هَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ کی آواز پہنچی ہاتھوں پر رکھے ہوئے پیالے زمین پر پٹخ دیئے گئے۔ ہونٹوں سے لگے ہوئے جام خودبخود

الگ ہوگئے۔ جام وسبو توڑ دیئے گئے مشکوں اور مٹکوں میں بھری ہوئی مئے ناب انڈیل دی گئی۔ وہ چیز جو انہیں از حد عزیز تھی اب گندے پانی کی طرح گلیوں میں بہہ رہی تھی۔ حیرت یہ ہے کہ اس کے بعد کسی صحابی نے شراب پینے کی خواہش کا اظہار تک نہ کیا۔ قرآن کی اثر آفرینی، حضورؐ کے فیض تربیت، صحابہ کرام کی کامل ترین اطاعت وفرمانبرداری اور اسلام کی انقلاب آفرین قوت کا یہ وہ عدیم النظیر مظاہرہ ہے جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ شراب کے زہریلے اثرات دیکھ کر یورپ وامریکہ کے ڈاکٹر اور دانشور لرزہ براندام ہیں۔ اس مصیبت سے اپنی قوم کو چھٹکارا دلانے کے لیے بڑی بڑی مخلصانہ اور حکیمانہ کوششیں کی جارہی ہیں۔ حکومتِ امریکہ نے پورے چودہ سال تک شراب کے خلاف زور شور سے جہاد جاری رکھا۔ اور اس جہاد میں نشر واشاعت اور پروپیگنڈے کے جدید ترین اور قوی ترین وسائل اختیار کیے اخبارات، رسالے، لیکچرز، تصاویر اور فلمیں سبھی شراب سے نفرت دلانے کے لیے برسرپیکار رہے۔ اس عظیم مہم پر حکومت نے تقریباً چھ کروڑ ڈالر (ساٹھ کروڑ روپیہ) خرچ کیا۔ پچیس کروڑ پونڈ کا خسارہ برداشت کیا۔ تین سو افراد کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا۔ پانچ لاکھ سے زیادہ اشخاص کو قید وبند کی سزائیں دیں۔ بھاری جرمانے کیے۔ بڑی بڑی جائدادیں ضبط کی گئیں لیکن یہ ساری چیزیں بیکار ثابت ہوئیں۔ آخرکار حکومت کو اپنی شکست فاش کا اعتراف کرنا پڑا اور اس نے شراب نوشی جس کے خلاف عرصہ دراز تک وہ معرکہ آرا رہی تھی کو ۱۹۳۳ء میں قانوناً جائز قرار دے دیا۔ (ماخوذ از ماذا خسر العالم)

والمیسر الخ۔ اسی طرح برطانیہ میں جو اس پر برائے نام پابندی تھی اسے بھی ۱۹۶۱ء میں واپس لے لیا گیا۔ اور اس کی بیخ کنی کے لیے ساری مساعی کے ناکام ہو جانے کے بعد اسے بھی قانونی طور پر سندِ جواز مل گئی۔ (ریڈرز ڈائجسٹ مئی ۱۹۶۴ء)

لیکن سب بے فائدہ، سب بے اثر! یہ اسلام کی قوتِ قاہرہ تھی جس نے اپنے ایک فرمان سے ساری قوم کو اس بلائے بے درماں سے رہائی دلادی۔

۱۶۵؎ یہاں چار چیزوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ خمر، میسر، انصاب اور ازلام۔ اگرچہ ان کے متعلق توضیحی نوٹ گزر چکے ہیں لیکن مختصراً یہاں بھی کچھ عرض کرنا مناسب ہے۔ خمر: كُلُّ شَرَابٍ مُسْكِرٍ وَهٰذِهِ التَّسْمِيَةُ لُغَوِيَّةٌ وَّشَرْعِيَّةٌ ہر مدہوش کر دینے والی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ عصیر عنب سے اس کی تخصیص تعسف ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں جو شراب استعمال ہوتی تھی وہ انگور، گندم، جو، کھجور اور شہد سے کشید ہوا کرتی تھی۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کسی صحابی نے بھی یہ نہیں سمجھا کہ صرف انگوری شراب ہی حرام ہے حالانکہ وہ اہلِ زبان تھے۔ میسر: مطلقاً جوا کو کہتے ہیں خواہ اس کی صورت کیسی ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اَلشِّطْرَنْجُ مِنَ الْمَيْسِرِ کہ شطرنج بھی جوا ہے۔ انصاب: ان پتھروں کو انصاب کہا جاتا تھا جو حرم میں کعبہ کے ارد گرد نصب تھے اور کفار ان کے لیے جانور ذبح کرتے اور ان کا خون ان پتھروں پر مل دیتے۔ ازلام: وہ تیر جن کے ذریعہ فالیں نکالی جاتی تھیں نیز وہ تیر جن کے ساتھ جوا

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا

سب ناپاک ہیں ۱۶۶ شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ یہی تو

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

چاہتا ہے شیطان ۱۶۷ کہ ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب

کھیلا جاتا تھا۔ اس آیت میں مقصود تو شراب اور جوا کی حُرمت قطعی بیان کرنا ہے لیکن انصاب اور ازلام کو ان کے ساتھ ذکر کر کے ان کی قباحت کو اور زیادہ عیاں کر دیا۔ چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اے شراب! تیرا ذکر تو جوئے اور انصاب و ازلام کے ساتھ ملا کر کیا گیا ہے بُعْدًا لَّكِ وَسُحْقًا! تیرا ستیاناس ہو۔ تیرا خانہ خراب ہو۔

۱۶۶ بدبودار، غلیظ اور گندی چیز کو رجس کہتے ہیں۔ يُقَالُ لِلنَّتْنِ وَالْعَذِرَةِ وَالْاَقْذَارِ رِجْسٌ (قرطبی)۔ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اتنی غلیظ اور ناپاک ہیں کہ کوئی سلیم الفطرت انسان از خود ان کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ صرف شیطان کی وسوسہ اندازی ہی اسے ان قبیح حرکات کے ارتکاب کی رغبت دلا سکتی ہے۔

۱۶۷ شراب اور جوا کو حرام کرنے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اگرچہ ان کی خرابیاں بے حد و بے شمار ہیں اور وہ قومیں جو اس کو شیر مادر سمجھ کر پیا کرتی ہیں وہ بھی اگرچہ اس کو چھوڑ دینے سے عاجز ہیں لیکن ان خرابیوں اور نقصانات کا برملا اعتراف کرتی ہیں۔ قرآن کریم نے مختصر سے الفاظ میں ان کی دو مضر ترین خرابیوں کا ذکر کر کے ان کی قباحت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیا۔ بتایا کہ شراب اور جوا کی حرمت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس سے عداوت اور دشمنی کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ گہرے دوست ایک دوسرے کے خون کے پیاسے، سگے بھائی ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان نماز اور یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی اور محرومی کیا ہو سکتی ہے کہ مؤذن اللہ کے حضور میں شرف باریابی حاصل کرنے کی دعوت دے رہا ہو اور کوئی اس وقت شراب کے نشہ میں مدہوش پڑا ہو یا جوا کی بازی جیتنے میں یوں کھویا ہوا ہو کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ رحمت کی گھڑی آئی بھی اور گزر بھی گئی۔ اور جب شراب اور جوا کی حرمت کی یہ وجہ ہے کہ وہ یاد خدا سے غفلت کا سبب بنتے ہیں تو شطرنج اور تاش وغیرہ جب اپنے کھیلنے والوں کو اتنا منہمک کر دیں کہ نماز کی ہوش تک نہ رہے تو یہ کیوں حرام نہ ہوں گے فَاِنْ كَانَتِ الْخَمْرُ اِنَّمَا حُرِّمَتْ لِاَنَّهَا تُسْكِرُ فَتَصُدُّ بِالْاِسْكَارِ عَنِ الصَّلٰوةِ فَلْيُحَرَّمِ النَّرْدُ وَالشِّطْرَنْجُ لِاَنَّهُ يُغْفِلُ وَيُلْهِي فَيَصُدُّ بِذٰلِكَ عَنِ الصَّلٰوةِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (قرطبی)

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یادِ الٰہی سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی ۱۶۸ اور محتاط رہو اور اگر تم نے رُوگردانی کی تو خوب جان لو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

کہ ہمارے رسول کا فرض تو بس پہنچا دینا ہے کھول کر (ہمارے احکام کو)۔ نہیں ان لوگوں پر ۱۶۹ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَ

نیک عمل کیے کوئی گناہ جو (اس حکم سے پہلے) وُہ کھا پی چکے جب کہ وُہ پہلے بھی ڈرتے تھے اور ایمان رکھتے تھے اور

۱۶۸ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسُولِ محترم کی اطاعت کی پھر تاکید کر دی گئی اور نافرمانی سے روک دیا گیا تاکہ کوئی شخص کسی تاویل سے اس کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکے۔

۱۶۹ جب شراب وجوا کی حُرمت کے احکام نازل ہُوئے تو بعض صحابہ نے عرض کی۔ یارسُول اللہ! ہمارے وُہ مُسلمان بھائی جو اِس حکم سے پہلے اِنتقال کر گئے اور مختلف جنگوں میں شہادت پائی حالانکہ وُہ شراب پیا کرتے تھے ان کا کیا بنے گا؟ تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیت میں اِتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا۔ اِتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا۔ اور اِتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا کے الفاظ کا تکرار بہت غور طلب اور معنی خیز ہے۔ علامہ بیضاوی ؒ فرماتے ہیں کہ ان مکرّر الفاظ سے صحابہ کرام کی تین حالتوں یا ان کے تین مقامات کا ذِکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اِتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا سے ان کے تقویٰ و ایمان کی اس حالت کا بیان ہے جس کا تعلق ان کے اپنے قلب و رُوح کے ساتھ ہے۔ دُوسرے وَّاتَّقَوْا وَّ اٰمَنُوْا سے اُن کے تقویٰ و ایمان کی اُس کیفیّت کا ذِکر ہے جو اُن کے اور دُوسرے لوگوں کے درمیان تھی۔ اور آخری اِتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا سے تقویٰ و اِحسان کی اُس حالت کی طرف اِشارہ ہے جو اُن کے اور ان کے رب کے درمیان تھی۔ یا پہلے ان کے اِبتدائی مقام کی طرف اِشارہ ہے۔ پھر ان کی درمیانی حالت کی طرف اور آخر میں ان کی اعلیٰ ترین کیفیّت کی طرف جب کہ عابد و معبود، ساجد و مسجود میں دُوری کے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور نعمتِ مشاہدہ سے دل کی آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اِسی لیے آخر میں وَّاتَّقَوْا وَّ اَحْسَنُوْا فرمایا جب کہ اِنسان مقامِ احسان پر فائز ہوتا ہے۔ اور احسان کا مفہوم حضوؐر نے فرمایا۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ۔ یعنی احسان اس کیفیّت کو کہتے ہیں جب کہ تو

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ

نیک عمل کیا کرتے تھے پھر (ان احکام کے بعد بھی) ڈرتے رہیں اور (جو اترا) اس پر ایمان رکھتے ہیں پھر بھی ڈرتے رہیں اور اچھے کام کرتے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ

رہیں اور اللہ محبت کرتا ہے ۱۷۰ اچھے کام کرنے والوں سے۔ اے ایمان والو! ضرور آزمائے گا تمھیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ

ع ۱۲

الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ

شکار سے ۱۷۱ پہنچ سکتے ہیں جس تک تمھارے ہاتھ اور تمھارے نیزے ۱۷۲ تاکہ پہچان کرادے اللہ تعالیٰ اس کی جو ڈرتا ہے اس سے

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بن دیکھے پس جو شخص حد سے بڑھے گا اس (تنبیہ) کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

نہ مارو شکار کو جبکہ تم احرام باندھے ہوئے ہو اور جو قتل کرے شکار کو تم میں سے جان بوجھ کر ۱۷۳

اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے یا حالتِ عبادت میں تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

۱۷۰ یعنی وہ صحابہ کرام تقویٰ اور ایمان کی منزلیں طے کرتے کرتے جب مقامِ احسان پر فائز ہو گئے تو وہ خداوندِ عالم کے محبوب بن گئے اب اُن سے ایسی چیزوں کی پرسش نہ ہوگی جن کی حرمت کا حکم اس وقت تک نازل نہ ہوا تھا۔

۱۷۱ عرب کے بادیہ نشین جانوروں اور پرندوں کا شکار کر کے گزر اوقات کیا کرتے تھے! احرام کی حالت میں ان کا شکار سے باز رہنا کچھ کم صبر آزما نہ تھا۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ قدم قدم پر ہرنوں کی ٹولیاں اور پرندوں کے جھرمٹ دلوں کو للچا رہے ہوں۔ اس کی حقیقت کسی شکاری سے پوچھیے جس کے سامنے سے ہرنوں اور نیل گاؤں کا غول گزر رہا ہو اور وہ انھیں آسانی سے نشانہ بھی بنا سکتا ہو اور اس وقت اسے شکار کرنے سے روک دیا جائے تو اس کی کیا حالت ہوتی ہے اس حکم سے مسلمانوں کا امتحان لیا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھ لو تو کسی جانور یا پرندے کو شکار نہ کرو۔

۱۷۲ اس میں رسیاں، جال، تیر، بندوق، شکاری کتے غرضیکہ شکار کا ہر ذریعہ داخل ہے۔

۱۷۳ اگر کسی نے شکار پکڑ لیا تو اسے چھوڑ دے اور اگر اسے مار ڈالا تو پھر اس کی سزا یہ ہے کہ اس طرح کا ایک جانور جس کی قیمت دو معتبر آدمیوں کے فیصلہ کے مطابق اس شکار کردہ جانور کے برابر ہو خریدے اور مکہ میں لا کر اسے ذبح کرے

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ

تو اُس کی جزا یہ ہے کہ اسی قسم کا جانور دے جو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں اس کا دو معتبر آدمی تم میں سے

هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا

درآں حالیکہ یہ قربانی کعبہ میں پہنچنے والی ہو یا کفارہ ادا کرے وہ یہ کہ چند مسکینوں کو کھانا دے یا اس کے برابر روزے رکھے

لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ

تاکہ چکھے سزا اپنے کام کی۔ معاف فرما دیا اللہ تعالیٰ نے جو گزر چکا اور جو (اب) پھر گیا تو انتقام لے گا

اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ

اللہ تعالیٰ اس سے اور اللہ تعالیٰ غالب ہے بدلہ لینے والا ہے حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے دریائی شکار اور اس کا کھانا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

فائدہ اٹھاؤ تم اور دوسرے قافلے اور حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار جب تک تم

حُرُمًا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ

احرام باندھے ہوئے ہو اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کے پاس تم اکٹھے کیے جاؤ گے بنایا ہے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو ۱۴۷ے

یا اس جانور کی قیمت کا غلہ لے کر غریبوں میں تقسیم کر دے یا جتنے غریبوں میں صدقۂ فطر کی مقدار سے وہ غلہ تقسیم ہو سکتا ہے اتنے روزے رکھے۔ احناف کے نزدیک قیمت میں مماثلت کافی ہے اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک شکل و صورت اور قد و قامت میں بھی مماثلت ضروری ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سانپ، بچھو، چوہا، کوّا اور حداۃ کو مارنے کی اجازت فرمائی ہے۔

۱۴۷ے مکعب نما ہونے کی وجہ سے اس گھر کو کعبہ کہا گیا۔ حدود حرم میں شکار کی ممانعت کرنے کے بعد اب بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح کعبہ اور اس کی حدود جانوروں کے لیے امن گاہ ہیں اسی طرح کعبہ انسانوں کے حفظ و بقا کا بھی سبب ہے۔ قیام اصل میں قوام تھا واؤ کا ماقبل مکسور تھا اس لیے اسے یاء سے بدل دیا گیا۔ وَالْمُرَادُ بِهٖ مَا يَقُوْمُ بِهٖ اَمْرُ النَّاسِ (المنار) کعبہ مقدسہ تکوینی اور تشریعی دونوں لحاظ سے لوگوں کے حفظ و بقا کا ذریعہ ہے۔ تکوینی لحاظ سے تو اس طرح کہ

الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

جو عزت والا گھر ہے بقا کا باعث لوگوں کے لیے نیز حرمت والے مہینوں کو ۲۵۵ اور حرم کی قربانی اور گلے میں پٹے پڑے

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

ہوئے جانوروں کو تاکہ تم خوب جان لو ۲۵۶ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور یقیناً

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا (بھی) ہے اور

اللہ تعالیٰ نے اس گھر کی عزت وعظمت لوگوں کے دلوں میں ایسی مستحکم کر دی ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ جزیرۂ عرب میں کوئی حکومت نہ تھی، کوئی قانون نہ تھا، کوئی دین نہ تھا اور قتل وغارت کی گرم بازاری تھی اس وقت بھی یہاں کوئی کسی کو چھیڑتا نہیں تھا۔ باپ کا قاتل بھی اگر وہاں آجاتا تو اس کی طرف بھی بری نظر سے نہ دیکھا جاتا۔ باوجود اس کے کہ گرد ونواح کا علاقہ سب صحرا اور ریگستان تھا لیکن تجارتی قافلوں کی یہی منڈی تھی۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ یہاں ہی جمع ہوتے اور کاروبار کرتے۔ یہ گویا حضرت ابراہیم کی اس دعا کی برکت تھی۔ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ۔ اور تشریعی طور پر اس طرح کہ حج وعمرہ کی عبادات یہاں ہی ادا کی جاتی ہیں۔ ہر مسلمان دنیا کے کسی گوشہ میں جو نماز کے وقت کعبہ کی طرف ہی رخ کر کے کھڑا ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر دنیا کے کونہ کونہ سے کلمہ گو کھچے چلے آتے ہیں۔ علامہ عثمانی نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الٰہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسانی کے لیے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھوٹے گا اور مصلح اعظم اور سید کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مولد ومسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔"

۲۵۵ حرمت والے مہینے بھی لوگوں کے حفظ وبقا کا سبب تھے۔ کیونکہ انہیں چار مہینوں میں تجارتی قافلے بے خوف وخطر ادھر ادھر جا سکتے تھے۔ لوگ مطمئن ہو کر اپنے مقاصد کے لیے دور دراز کے سفر کر سکتے تھے۔ خوف وہراس کے بادل جو ہر وقت افق پر منڈلاتے رہتے تھے وہ بھی ان مہینوں میں چھٹ جاتے تھے۔ انہیں دنوں میں لوگ حج وعمرہ کی سعادت سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے۔ انہی وجوہ کے پیش نظر ان حرمت والے مہینوں کو بھی قِيٰمًا لِّلنَّاسِ فرمایا گیا۔

۲۵۶ ان چیزوں کو لوگوں کی حفظ وبقا کا باعث بنا دینا اللہ تعالیٰ کے علم محیط کی دلیل ہے۔ کیونکہ عرب لوٹ مار کے عادی تھے۔ حکومت اور قانون وہاں موجود نہ تھا۔ اگر کعبہ اور حرمت والے مہینے بھی نہ ہوتے تو وہاں کی حالت اور خستہ ہوتی

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم (بھی) ہے ۔ نہیں (ہمارے) رسول پر ۱۷۷ کوئی ذمہ داری سوائے پیغام پہنچانے کے اور اللہ جانتا ہے

وَ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَ الطَّيِّبُ وَ لَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو چھپا رہے ہو۔ آپ فرما دیجئے نہیں برابر ہو سکتا ناپاک اور پاک ۱۷۸ اگرچہ حیرت میں ڈال دے تجھے

الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا ۱۳ ع ۷ ۲

ناپاک کی کثرت سو ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے اے عقل والو! تاکہ تم نجات پا جاؤ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَ اِنْ

ایمان والو! ۱۷۹ مت پوچھا کرو ایسی باتیں کہ اگر ظاہر کی جائیں تمہارے لیے تو بُری لگیں تمہیں اور اگر

۱۷۷ یعنی میرے رسول کا کام یہ ہے کہ تمہیں میرے احکام پہنچا دے اور خوب کھول کر سمجھا دے اور وہ فرض اس نے بہ ہزار حسن و خوبی انجام دے دیا۔ اب اگر تم ان کی تعمیل میں کوتاہی کرو گے تو اس کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔

۱۷۸ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اپنی اُمت کو بتا دیجئے کہ کفار کی جاہ و حشمت، مال و دولت اور تعداد کی کثرت اور اپنی غربت اور کمزوری کو دیکھ کر پریشان نہ ہوا کریں کیونکہ خبیث اور طیب ایک ایسے نہیں ہو سکتے وُہ پلید ہیں تم پاک ہو۔ خبیث اور طیب سے مُراد حرام اور حلال، کافر اور مومن، عاصی اور مطیع سب ہو سکتے ہیں۔

۱۷۹ بعض لوگ حضور کریمؐ سے عجیب و غریب قسم کے سوالات پوچھا کرتے تھے۔ جن میں کوئی دینی اور دُنیوی فائدہ نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضور ان سوالات سے کبیدہ خاطر ہوئے اور ایک روز منبر پر تشریف فرما ہو کر ارشاد فرمایا۔ لَا تَسْأَلُوْنِي الْيَوْمَ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا بَيَّنْتُهُ لَكُمْ۔ آج تم جس چیز کے متعلق مجھ سے دریافت کرو گے وُہ میں تمہیں بتاؤں گا۔ سب صحابہ کرام کے سر جھکے ہُوئے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے اور کسی میں ہمت نہ تھی کہ کوئی بات کر سکے اس وقت حضرت عبداللہ بن حذافہ جن کی نسب کے متعلق لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے اُٹھے اور عرض کی مَنْ اَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ میرا باپ کون ہے۔ حضورؐ نے یہ نہیں کہا کہ مجھے کیا پتہ۔ مجھ سے تو کوئی فقہ کا مسئلہ دریافت کرو بلکہ اپنے خداداد وسیع علم کا اظہار فرماتے ہُوئے جواب دیا کہ اَبُوْكَ حُذَافَةُ۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ ان کی والدہ اپنے لڑکے کے اس سوال پر کانپ اُٹھیں اور کہنے لگیں۔ اے عبداللہ! تجھ سے زیادہ نافرمان بھی کسی کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ تُو تو مجھے بر سر مجلس رُسوا کرنا چاہتا تھا۔ حضرت عبداللہ کو اپنے محبوب نبیؐ کے علم خداداد پر اتنا اعتماد تھا کہ فرمایا۔ اگر حضورؐ مجھے

تَسۡـَٔلُوۡا عَنۡهَا حِيۡنَ يُنَزَّلُ الۡقُرۡاٰنُ تُبۡدَ لَـكُمۡ‌ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنۡهَا‌ ؕ وَاللّٰهُ

پوچھو گے ان کے متعلق جب کہ اُتر رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی تمہارے لیے معاف کر دیا ہے اللہ نے ان کو۔ اور اللہ

غَفُوۡرٌ حَلِيۡمٌ‏ ﴿۱۰۱﴾ قَدۡ سَاَلَهَا قَوۡمٌ مِّنۡ قَبۡلِكُمۡ ثُمَّ اَصۡبَحُوۡا بِهَا

بہت بخشنے والا بڑے علم والا ہے تحقیق پُوچھا تھا ان کے متعلق ایک قوم نے تم سے پہلے پھر وہ ہو گئے ان احکام کا

كٰفِرِيۡنَ‏ ﴿۱۰۲﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِيۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيۡلَةٍ وَّ

انکار کرنے والے نہیں مقرر کیا اللہ تعالیٰ نے ۱۸۰؎ بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور

کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو مجھے انکار نہ ہوتا۔ اسی طرح بعض لوگ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے۔ حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص نے عرض کی یا رسُولَ اللہِ! کیا ہر سال حضورؐ خاموش رہے۔ اس نے مکرّر سہ کرر اپنا سوال دُہرایا۔ حضورؐ نے فرمایا، نہیں۔ اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ کیونکہ اس قسم کے سوالات مفید ہونے کے بجائے تکلیف اور مشقّت کا باعث بن سکتے تھے اس لیے ان سے منع فرما دیا۔ حضورؐ کا یہ ارشادِ گرامی بھی پیشِ نظر رہے۔ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرض مقرر کیے ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔ بعض چیزوں کو حرام کر دیا ہے ان کی پردہ دری نہ کرو۔ اور بعض حدیں مقرر کر دی ہیں اُن کو مت توڑو۔ اور بعض چیزوں کے متعلق دانستہ سکُوت فرمایا ہے ان کے متعلق بحث نہ کرو۔

۱۸۰؎ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے اِذن سے اس کے رسُولؐ کو۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسُولؐ کی حلال کی ہُوئی چیز کو حرام اور حرام کی ہُوئی چیز کو حلال کرتا ہے تو وُہ تشریع اور قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لے رہا ہے اور حقوقِ ربّانی میں مداخلت کرنے کا مجرم بن رہا ہے۔ اِس آیت میں کفّار کی ایسی مداخلت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ جن جانوروں کا گوشت اور دُودھ اللہ تعالیٰ نے حلال کیا، اُن سے خدمت لینے، ان پر سواری کرنے، بوجھ لادنے کی اجازت بخشی، یہ کفّار اپنی من گھڑت تجویزوں سے ان کو اپنے اُوپر حرام کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حالانکہ یہ سراسر جھُوٹ اور بہتان ہوتا ہے۔ جن جانوروں کو مُشرکین اپنے اُوپر مختلف طریقوں سے حرام کر دیا کرتے تھے اُن کے نام مع تشریح درج ذیل ہیں:۔

۱۔ بحیرہ۔ اِس کا لغوی معنی ہے کان چِرا۔ وُہ اُونٹنی جو پانچ بچّے جنتی اور آخری بچّہ نر ہوتا تو کان چیر کر اُسے چھوڑ دیتے۔ اس پر سواری کرنا، اس کا گوشت سب اپنے اُوپر حرام خیال کر لیتے۔

لَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ

نہ حام لیکن جنھوں نے کفر کیا وُہ تہمت لگاتے ہیں ۱۸۱؎ اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں اور جب کہا جاتا ہے انھیں کہ آؤ اس کی طرف جو نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اور آؤ رسُول

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کی طرف کہتے ہیں کافی ہے ہمیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو ۱۸۲؎ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں ۱۸۳؎

۲۔ سائبۃ۔ اگر کوئی آدمی سفر پر جاتا یا بیمار ہوتا تو وُہ نذر مانتا کہ اگر میں خیریت سے گھر پہنچ گیا یا اس بیماری سے صحتیاب ہوگیا تو میری یہ اُونٹنی سائبہ ہوگی۔ اور اس کا دُودھ، گوشت اور اس پر سواری بھی بحیرہ کی طرح حرام تصوّر کرتے۔

۳۔ وصیلۃ۔ ان کی بکری اگر بچی جنتی تو اُسے اپنے لیے رکھ لیتے اور بچہ جنتی تو وُہ ان کے بتوں کا ہوتا۔ اور اگر ایک شکم سے بچی بچہ دونوں جنتی تو پھر بھی بچی کو بچہ کے ساتھ ملا کر بتوں کی نذر کر دیتے۔ یہ بچی جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر بتوں کی نذر ہوتی اس کو وصیلۃ کہتے۔ وَصَلَتِ الْاُنْثٰی اَخَاھَا۔

۴۔ حام۔ وُہ اُونٹ جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہوتے اس کی سواری وغیرہ بھی اپنے اُوپر حرام کر دیتے اور اُسے حام کہا جاتا۔ (بیضاوی) یہ سارے جانور وُہ اپنے بتوں کے لیے نذر کرتے اور ان سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اپنے اُوپر حرام کر دیتے۔

۱۸۱؎ یہ رسُومِ بد تو ان کی من گھڑت ہیں لیکن نسبت ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہرگز حکم نہیں دیا۔ بلکہ اس نے تو ان جانوروں کو پیدا ہی اس لیے فرمایا ہے کہ انسان انھیں کھائے۔ اُن کا دُودھ پیے۔ اُن پر سواری کرے اور اُن پر اپنا سامان وغیرہ لادے۔

۱۸۲؎ اگر ان لوگوں کو ان بیہودہ رسموں سے باز آنے اور قرآن و سُنّت کی اطاعت کے لیے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں تمھاری رہنمائی کی ضرورت نہیں ہم تو صرف اسی راہ پر گامزن رہیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلا کرتے تھے۔

۱۸۳؎ اگرچہ ان کے باپ دادا جاہل اور گمراہ ہی کیوں نہ ہوں یہ ان کی ہی تقلید کریں گے۔ معلوم ہوا کہ ایسے باپ دادا کی پیروی سے روکا جا رہا ہے جو جاہل اور گمراہ ہوں۔ اس آیت سے ائمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین کی تقلید کی ممانعت نہیں۔ اور اس کی کھلی وجہ یہ ہے کہ ان کی تقلید عین اللہ اور اس کے رسُول کی اطاعت ہے کیونکہ ان کی زندگیاں اسی اطاعتِ کاملہ کی زندہ تصویر ہوا کرتی ہیں۔

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

اور نہ ہدایت یافتہ ہوں (کیا پھر بھی وُہ انھیں کی پیروی کریں گے) اے ایمان والو! تم پر ۱۸۴؎ اپنی جانوں کا فکر لازمی ہے نہیں نقصان پہنچا سکے گا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تمھیں جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے تم سب نے پھر وُہ آگاہ کرے گا

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ

تمھیں جو تم (اس دُنیا میں) کیا کرتے تھے اے ایمان والو! آپس میں تمھاری گواہی ۱۸۵؎ جب آ جائے

۱۸۴؎ کفّار کا عناد اور کفر پر ان کا اصرار دیکھ کر صحابہ کرام بہت رنجیدہ خاطر رہا کرتے تھے۔ ان کی تسلّی کے لیے یہ آیت نازل ہُوئی کہ تم اپنی اِصلاح اور سلامت روی کے ذمہ دار ہو۔ اگر تم راہِ راست پر ثابت قدم رہے تو کسی کی گمراہی تمھیں ضرر نہیں پہنچائے گی۔ ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا بھگتے گا لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ جب ہم خود نیکوکار اور صالح ہیں تو کسی کو نیکی کا حکم کرنا اور بُرائی سے روکنا ہم پر لازم نہیں۔ یہ خیال سراسر غلط ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اِس غلط فہمی کا پہلے ہی ازالہ فرما دیا تھا۔ آپ ایک روز خطبہ کے لیے کھڑے ہُوئے۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا: تم یہ آیت عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ پڑھتے ہو اور اس کا غلط مفہوم ذہن میں رکھتے ہو۔ میں نے حضور کریم کو یہ فرماتے ہُوئے سُنا: اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوُا الْمُنْكَرَ وَلَمْ يُغَيِّرُوْهُ يُوْشِكُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَنْ يَعُمَّهُمْ بِعِقَابِهٖ (سُنن اربعہ)؛ لوگ جس وقت بُرائی کو دیکھیں اور پھر اس کو درست نہ کریں تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔

۱۸۵؎ اِن تین آیتوں کو اعراب معنی اور حکم کے اعتبار سے مشکل ترین آیات شمار کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان سفر میں ہو اور اس کی موت کا وقت قریب آ جائے تو دو معتبر مسلمانوں کو بُلا کر اپنے مال کی وصیت کرے اور اگر اس وقت مسلمان نہ مل سکیں تو دو غیر مسلموں کو بُلا کر ہی اس کی وصیت کر دے۔ اور جب وُہ وصی اس کے گھر پہنچیں اور وارثوں کو شک پڑ جائے کہ اُنھوں نے صحیح حالات نہیں بتائے تو نمازِ عصر کے بعد جب لوگ نماز سے فارغ ہو جائیں تو ان وصیوں کو بُلا کر قسم لی جائے کہ اُنھوں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اور وصیت کو صحیح طور پر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ وارث اس صورت میں مدعی تھے لیکن ان کے پاس اِن وصیوں کے خلاف گواہ موجود نہ تھے۔ اس لیے وصی جو منکر تھے ان سے قسم لی گئی لیکن اگر بعد میں ان کی خیانت پکڑی جائے اور ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو پھر وارثوں میں سے دو آدمی قسم اُٹھائیں کہ پہلے وصیوں کا بیان غلط تھا اور جو ہم کہہ رہے ہیں وُہ زیادہ صحیح ہے۔ پھر ان وارثوں کی قسم کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ وُہ خاص واقعہ جس کے بارے میں یہ احکام نازل ہُوئے اس کے ذکر سے مزید وضاحت ہو جائے گی اس لیے

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ

کسی کو تم سے موت وصیّت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور ۱۸۶

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ

غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمھیں موت کی مصیبت

الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ إِنِ

روکو ان دو گواہوں کو ۱۸۷ نماز پڑھنے کے بعد تو وُہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمھیں

اس کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بدیل نامی ایک مُسلمان دو عیسائیوں تمیم الداری اور عدی کے ہمراہ ملک شام میں تجارت کی غرض سے گئے۔ جب بدیل شام پہنچے تو اچانک بیمار ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنے سامان کی فہرست لکھ کر سامان میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اس کی اِطلاع نہ دی جب ان کی حالت نازک ہو گئی تو انھوں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو بلا کر وصیّت کی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ چنانچہ ان کا انتقال ہو گیا۔ تمیم اور عدی نے ان کا سامان سنبھالا۔ اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سنہری نقش و نگار تھے۔ وُہ ان کو پسند آیا اور اسے نکال لیا۔ مدینہ واپس پہنچ کر بدیل کا سامان ان کے گھر پہنچا دیا۔ گھر والوں کو سامان کی وُہ فہرست مِل گئی۔ جب سامان کو اس فہرست کے مطابق کیا گیا تو پیالہ مفقود تھا۔ ان سے دریافت کیا انھوں نے بے خبری کا اظہار کیا۔ چنانچہ بارگاہِ رسالت میں عرض کی گئی۔ حضورؐ نے عصر کی نماز کے بعد ان دونوں کو بلایا اور ان سے قسم لی۔ وہاں بھی انھوں نے قسم اُٹھالی۔ کچھ عرصہ بعد وُہ پیالہ مکّہ کے ایک سُنار کے پاس پایا گیا۔ اس نے بتایا کہ میں نے تو یہ پیالہ تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے۔ چنانچہ پھر مقدمہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوا۔ اس آیت کے مطابق اِس دفعہ بدیل کے وارثوں سے قسم لی گئی کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اُس نے فروخت نہیں کیا بلکہ عدی اور تمیم نے خیانت کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں کے خلاف فیصلہ صادر ہوا۔ اور ان سے ہزار درہم لے کر بدیل کے وارثوں کو دیا گیا۔

۱۸۶ اس سے بعض فقہاء نے بوقتِ ضرورت غیر مُسلم کی شہادت مسلمان کے لیے جائز رکھی ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ذمی ذمی کے لیے شہادت دے سکتا ہے لیکن مسلمان کے لیے نہیں دے سکتا۔ آیت سے یہ مفہوم واضح طور پر مستفاد نہیں ہوتا۔

۱۸۷ ویسے تو ہر نماز کے بعد جائز ہے لیکن ظہر اور عصر کی نماز کے بعد بہتر ہے۔ کیونکہ اس وقت لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے۔

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ

شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) ۱۸۸ کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ

اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا

کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔" پھر اگر پتہ چلے کہ وہ دونوں گواہ سزاوار ہوئے ہیں کسی گناہ کے

فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ

تو دو اور کھڑے ہو جائیں ان کی جگہ ان میں سے جن کا حق ضائع کیا ہے پہلے گواہوں نے اور ایسے

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ

دو گواہ قسم اٹھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا

اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٧﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى

(اگر ہم ایسا کریں تو) بے شک اس وقت ہم ظالموں میں شمار ہوں گے۔ یہ طریقہ زیادہ قریب ہے کہ گواہ دیا کریں گواہی ۱۸۹ جیسا کہ

وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

چاہیئے یا خوف کریں اس بات کا کہ لوٹائی جائیں گی قسمیں (میت کے وارثوں کی طرف) ان کی قسموں کے بعد اور ڈرتے رہو

١٤ ع ٨ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٨﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ

اللہ سے اور سنو اس کا حکم اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا فاسق قوم کو جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ

۱۸۸ شہادت لینے کی ضرورت تب ہو گی جب وارثوں کو شک ہو۔ ورنہ نہ مقدمہ ہو گا نہ شہادت وقسم کی ضرورت ہو گی۔

۱۸۹ یوں نماز کے بعد مجمع عام میں جب قسم لینے کا قانون ہو گا تو وصی بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب کریں گے اور وارث بھی اللہ کے گھر میں اللہ کی مخلوق کے سامنے ناجائز مطالبہ نہیں کریں گے، دونوں کو علم ہو گا کہ یہیں قسم اٹھانا ہے۔

الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ

تمام رسولوں کو پھر پوچھے گا (ان سے) کیا جواب ملا تمھیں؟ ١٩٠؎ عرض کریں گے کوئی علم نہیں ہمیں۔ بے شک تو ہی خوب

الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ

جاننے والا ہے سب غیبوں کا۔ جب فرمائے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن مریم! ١٩١؎ یاد کرو میرا انعام اپنے پر اور

عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۫ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي

اپنی والدہ پر جب میں نے مدد فرمائی تمھاری رُوح القدس سے ١٩٢؎ باتیں کرتا تھا تو لوگوں سے (جبکہ

الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

تو ابھی) پنگوڑے میں تھا اور جب بڑی عمر کو پہنچا۔ اور جب سکھائی میں نے تمھیں کتاب اور حکمت اور تورات

١٩٠؎ بظاہر یہ شبہ گزرتا ہے کہ انبیاء نے جب دینِ حق کی دعوت دی تو بعض لوگوں نے اُسے قبول کیا بعض نے اُسے ردّ کر دیا اور اس کی مخالفت پر کمر باندھی۔ ان تمام واقعات کا انبیاء نے بچشمِ خود مشاہدہ کیا تھا۔ پھر ان کے اس جواب کا کیا مطلب کہ انھیں تو کچھ خبر نہیں کہ ان کی اُمتوں نے اُنھیں کیا جواب دیا۔ امام المفسرین ابن جریرؒ نے اسی توجیہ کو صحیح اور بہترین فرمایا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انبیاء نے اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط اور کامل کے سامنے اپنے علم کو ہیچ سمجھتے ہوئے ازراہِ ادب وتعظیم اپنے علم کی سرے سے نفی کر دی۔ وَاَوْلَى الْاَقْوَالِ بِالصَّوَابِ قَوْلُ مَنْ قَالَ مَعْنَاهُ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا عِلْمٌ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنَّا لَا اَنَّهُمْ نَفَوْا اَنْ يَّكُوْنُوْا عَلِمُوْا مَا شَاهَدُوْا كَيْفَ يَجُوْزُ ذٰلِكَ وَهُوَ تَعَالٰى ذِكْرُهٗ يُخْبِرُ اَنَّهُمْ سَيَشْهَدُوْنَ عَلٰى تَبْلِيْغِهِمُ الرِّسَالَةَ۔ (ابن جریر صفحہ ۸۴ جلد ۷)

١٩١؎ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ رسولوں سے دریافت فرمائے گا کہ ان کی امتوں نے انھیں کیا جواب دیا۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص ذکر کر کے ان کی اُمّت کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس دن کے طلوع ہونے سے پہلے تم اپنی اصلاح کر لو اور اس گستاخی سے تائب ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ کے لیے جورُو اور بیٹا مان کر تم نے کی۔

١٩٢؎ اللہ تعالیٰ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ پر اپنے خاص احسانات اور انعامات کا ذکر فرما رہے ہیں۔ خطاب ابن مریم کے لفظ سے کیا تاکہ عیسائیوں کے اس عقیدہ کی جڑ کٹے جو آپ کو ابن اللہ مانتے ہیں۔ ان کی والدہ پر تو احسان یہ ہے کہ بچپن میں ہی حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی اور تربیت کی نعمت سے سرفراز ہوئیں

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اور انجیل اور جب تو بناتا تھا ۱۹۳ کیچڑ سے پرندے کی سی صورت میرے اذن سے پھر پھونک مارتا تھا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

اس میں تو وہ (مٹی کا بے جان پتلہ) بن جاتا تھا پرندہ میرے اذن سے اور (جب) تو تندرست کر دیا کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

میرے اذن سے اور جب تو (زندہ کرکے) نکالا کرتا تھا مُردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے روک دیا تھا ۱۹۴ بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

تو آیا تھا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو کہا جنھوں نے کفر کیا تھا ان سے کہ یہ سب (معجزات) نہیں ہیں مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ

کھلا ہوا جادو ۱۹۵ اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا ۱۹۶ کہ ایمان لاؤ میرے ساتھ اور

عبادت کے لیے وقف ہو گئیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انھیں عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا۔ ان کے علاوہ اور بے شمار عنایات سے حضرت مریم کو ممتاز کیا گیا۔

۱۹۳ یہاں سے اُن احسانات اور انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرمائے گئے۔ ان تمام کے متعلق حواشی سورہ آلِ عمران میں گزر چکے ہیں (ملاحظہ ہو آیت ۴۹ آلِ عمران)

۱۹۴ بارہا یہود نے کوشش کی کہ حضرت مسیح کو قتل کر ڈالیں لیکن ہر بار اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آخری مرتبہ جب اُنھوں نے رُومی حاکم سے آپ کو سُولی دے دینے کے احکام بھی لے لیے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا اور اپنی طرف آسمان پر اُٹھا لیا جس کی تفصیلات سورہ النساء میں گزر چکی ہیں۔ (ملاحظہ ہوں آیات نمبر ۱۵۵ تا ۱۵۹۔ النساء)

۱۹۵ یہودی آپ کے روشن معجزات دیکھ کر ایمان لانے کے بجائے اُلٹا آپ کو جادوگر اور شعبدہ باز کہنے لگے۔

۱۹۶ وحی کے مختلف معانی کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ اگر یہ حواری انبیاء تھے جیسے بعض علماء کا خیال ہے تو وحی سے مراد وہ وحی ہو گی جو اللہ تعالیٰ انبیاء پر نازل فرماتا ہے اور اگر یہ نبی نہ ہوں تو وحی سے مُراد الہام اور القاء ہو گا۔ حواریون

بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

میرے رسول کے ساتھ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور (اے مولا!) تو گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں ۱۹۷؎ جب کہا تھا

الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ

حواریوں نے اے عیسیٰ بن مریم کیا یہ کرسکتا ہے ۱۹۸؎ تیرا رب کہ اُتار دے

عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہم پر ایک خوان آسمان سے (ان کی اس تجویز پر) عیسیٰ نے کہا ڈرو اللہ سے اگر تم مومن ہو ۱۹۹؎

قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

حواریوں نے کہا ہم تو (بس) یہ چاہتے ہیں کہ ہم کھائیں اس سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور ہم جان لیں کہ آپ نے

جمع حواری کی اس کا لغوی معنی سفید و براق رنگ والا ہے۔ ظاہر اور باطن میں جو مخلص دوست ہو اُس کو بھی حواری کہتے ہیں بخصوصاً انبیاء کے جانباز اور جانثار دوستوں اور اطاعت گزاروں کو حواری کہا جاتا ہے۔ اَلْحَوَارِیُّ مَعْنَاهُ فِی اللُّغَةِ الْاَبْیَضُ النَّقِیُّ اللَّوْنِ وَیُقَالُ مَنْ اَخْلَصَ سِرًّا وَّجَهْرًا فِیْ مَوَدَّتِكَ قَالَ الزَّجَّاجُ الْحَوَارِیُّوْنَ خُلَصَانُ الْاَنْبِیَاءِ وَصَفْوَتُهُمْ۔

۱۹۷؎ اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا دین جس کی وُہ دعوت دیا کرتے تھے وُہ اسلام ہی تھا۔ یہ کوئی نیا دین نہیں ہے جو پہلے دینوں سے الگ ہو بلکہ انھیں کی ایک کامل، توانا اور حسین صورت ہے۔

۱۹۸؎ کیونکہ وُہ مسلمان تھے اس لیے انھیں اس میں تو شک نہ تھا کہ مائدہ نازل کرنے کی اللہ تعالیٰ قدرت رکھتا ہے یا نہیں۔ بلکہ وُہ دریافت یہ کر رہے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وُہ ہم پر مائدہ اُتارے یعنی کوئی حکمت مائدہ کے نزول میں مانع تو نہیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یَسْتَطِیْعُ بمعنی یُطِیْعُ ہے یعنی اگر آپ مائدہ کے نزول کی دُعا کریں تو کیا اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دُعا قبول فرمائے گا۔

۱۹۹؎ عیسیٰ علیہ السّلام کے ماننے والے بنی اسرائیل کے چشم و چراغ تھے۔ نئی نئی تجویزیں پیش کرنا اور انھیں منوانا ان کا آبائی شعار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ان کو فرماتے ہیں کہ چھوڑو ان حجّت بازیوں کو اور اپنے آپ کو امتحان میں نہ ڈالو۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے بڑوں کی طرح تم بھی شکرِ نعمت سے قاصر رہو اور اس سزا کے مستحق ٹھیرو جو ناشکروں کے لیے مقرر ہے۔

صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

ہم سے سچ کہا تھا اور ہم ہو جائیں اس پر ۲۰۰ گواہی دینے والوں سے عرض کی عیسیٰ بن مریم نے

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا

اے اللہ ہم سب کے پالنے والے اُتار ہم پر خوان ۲۰۱ آسمان سے بن جائے ہم سب کے لیے خوشی کا دن

لِّأَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿۱۱۴﴾

(یعنی) ہمارے اگلوں کے لیے بھی اور پچھلوں کے لیے بھی اور ہو جائے (ایک) نشانی تیری طرف سے ۲۰۲ اور رزق دے ہمیں اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

۲۰۰ اپنے اس مطالبہ کی تائید میں جو وجوہات انھوں نے بیان کیں ان کا ذکر اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے۔ وہ وجوہات یہ ہیں (۱) تاکہ ہم اس سے اپنی بھوک کا علاج کریں۔ (۲) اس معجزہ کے مشاہدہ کے بعد ہمارے دلوں کو اطمینان نصیب ہوگا (۳) نیز ہمیں آپ کی صداقت کی بھی قوی دلیل مل جائے گی (۴) جب ہم ایسا معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو ہم اور لوگوں کو بھی بتائیں گے شاید ان سے بھی کوئی ہدایت قبول کرے۔

۲۰۱ اَللّٰهُمَّ اصل میں یَا اَللّٰهُ ہے۔ حرفِ ندا کی جگہ دو میم آخر میں بڑھا دیئے۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک اسمِ ذاتی اور دوسرا اسمِ صفاتی ذکر کیا کیونکہ لفظ اللہ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ رحمت، بخشش، مغفرت سب اس کے ضمن میں آ گئے۔ اور رَبَّنَا سے صفتِ ربوبیت کو مؤکد کیا گیا کیونکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے اس کا اس صفت سے خصوصی تعلق ہے۔ مَآئِدَة اس دسترخوان کو کہتے ہیں جس پر کھانا چنا ہوا ہو۔ اَلْمَآئِدَةُ الْخِوَانُ الَّذِيْ عَلَيْهِ الطَّعَامُ (قرطبی) عید مطلق خوشی اور سرور کے دن کو کہتے ہیں۔ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا سے مراد یہ ہے کہ جو اس مائدہ کے نازل ہونے سے پہلے ایمان لا چکے اور جو بعد میں ایمان لائیں گے یہ سب کے لیے فرحت و شادمانی کا دن ہوگا۔ حضرت صدر الافاضل مرادآبادی قدس سرہٗ نے یہاں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں: اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس روز کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا، شکرِ الٰہی بجا لانا طریقہ صالحین ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے۔ اس لیے حضورؐ کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجا لانا اور اظہارِ فرح و سرور کرنا مستحسن و محمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ (خزائن العرفان)

۲۰۲ تیری قدرت کی اور میری نبوّت کی۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بلاشبہ میں اتارنے والا ہوں اسے تم پر ۱۴۳ پھر جس نے کفر اختیار کیا اس کے بعد تم سے تو بے شک میں عذاب

عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ ع ۱۵ ۵

دوں گا اسے ایسا عذاب کہ نہیں دوں گا کسی کو بھی اہلِ جہان سے ۔ اور جب پوچھے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ بن

مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ

مریم ۱۴۴ کیا تو نے کہا تھا لوگوں سے ۱۴۵ کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو ۱۴۶ دو خدا اللہ کے

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

سوا ۔ وہ عرض کریں گے پاک ہے تو ہر شریک سے ۱۴۷ کیا مجال تھی میری کہ میں کہوں ایسی بات جس کا نہیں ہے مجھے کوئی حق ۔ اگر میں نے

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴۳ بعض جلیل القدر تابعین ، مجاہد اور حسن کی رائے تو یہ ہے کہ جب انھوں نے ناشکری پر سخت ترین عذاب کی دھمکی سنی تو اپنا مطالبہ واپس لے لیا لیکن جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ مائدہ بالفعل نازل ہوا ۔ اس میں کون کون سے کھانے تھے ؟ اس کی تفصیل کا نہ یقینی علم ہے اور نہ اس کے جاننے کی ضرورت ۔ وَالْمَقْطُوْعُ بِهٖ اَنَّهَا نَزَلَتْ وَكَانَ عَلَیْهَا الطَّعَامُ یُؤْكَلُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِتَعْیِیْنِهٖ ۔ (قرطبی)

۱۴۴ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ سوال جواب قیامت کے دن ہو گا ۔ اس سے پہلی آیت یوم یجمع الخ اور بعد کی آیت یوم ینفع الخ اس کی مؤید ہیں ۔

۱۴۵ سوال ہمیشہ اسی لیے نہیں کیا جاتا کہ سائل کو اس چیز کا علم نہیں اور وہ اس سوال سے غیر معلوم چیز کو جاننا چاہتا ہے بلکہ سوال دوسرے فوائد کے لیے بھی ہو سکتا ہے ۔ یہاں اس استفسار سے مقصود یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے ان کروڑوں آدمیوں کو اپنی فحش غلطی پر آگاہ کیا جائے جس میں وہ مبتلا ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا شریکِ خدا یا فرزندِ خدا بنائے ہوئے ہیں ۔

۱۴۶ مسیحی دنیا میں حضرت مریمؑ کی پرستش کوئی پوشیدہ امر نہیں ۔ وہ ان کے قدِ آدم مجسمے بنا کر اپنے گرجاؤں کی محرابوں میں رکھتے ہیں اور تمام رسوم پرستش بجا لاتے ہیں ۔

۱۴۷ حضرت مسیحؑ کا جواب قابلِ غور ہے الزام آپ پر لگ رہا ہے کہ کیا آپ نے ایسا کہا ۔ اللہ تعالیٰ کا مقبول بندہ اپنی صفائی میں لب کشائی نہیں کرتا بلکہ اپنے رب کی عظمت و پاکی کا اعلان کرتا ہے اور اپنی صفائی اپنے سب کچھ جاننے والے

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ

کہی ہوتی ایسی بات تو تو ضرور جانتا اس کو۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ

بے شک تو ہی خوب جاننے والا ہے تمام غیبوں کا میں نے نہیں کہا انہیں ؎۱ مگر وہی کچھ جس کا تو نے حکم دیا مجھے کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے اور تھا میں ان پر ؎۲ گواہ جب تک میں رہا ان میں

خدا کے سپرد کر دیتا ہے یعنی اے میرے رب! تجھ سے کوئی بات مخفی نہیں۔ زمین و آسمان کے سب چھپے ہوئے اسرار تجھے معلوم ہیں میں کیا اپنی صفائی پیش کروں۔ تو جانتا ہے کہ میں نے یہ الفاظ ہرگز نہیں کہے۔ اور تیرا یہ بندہ جس پر ہر لحظہ تیرے کرم کی بارش ہو رہی ہے کیا اتنا ناشکر گزار بن سکتا ہے اور یہ جرأت کر سکتا ہے کہ ایسی بات کا مدعی بنے جس کا اسے کوئی حق نہیں سبحان اللہ! کیا شان ہے بارگاہِ خداوندی میں ادب و تعظیم کی۔

؎۱ یعنی میں نے تو انہیں وہی کچھ کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم فرمایا۔ میں نے تو انہیں صاف صاف اور بار بار کہا تھا کہ تم صرف اس رب العزت کی عبادت کرنا جو میرا بھی مالک اور پروردگار ہے اور تمہارا بھی۔

؎۲ جب تک میں ان میں رہا اس وقت تک میں ان کی نگہبانی کرتا رہا اور جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔ یہاں بعض لوگوں نے تَوَفَّیْتَنِیْ کے لفظ سے حضرت عیسٰیؑ کی موت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ توفی کا حقیقی معنی مارنا نہیں بلکہ کسی چیز کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا ہے۔ اَلتَّوَفِّیْ اَخْذُ الشَّیْءِ وَافِیًا: کسی چیز کو کامل طور پر اپنے قبضہ میں لے لینا۔ (بیضاوی) وَتَوَفَّاهُ اَیْ لَمْ یَدَعْ مِنْهُ شَیْئًا (تاج العروس) اور یہ لفظ موت کے معنی میں بطریق مجاز استعمال ہوتا ہے وَمِنَ الْمَجَازِ اَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ اَیِ الْمَوْتُ (تاج العروس) چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ وفات قرآن میں تین طرح استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ وفات موت۔ ۲۔ وفات نوم ۳۔ وفات رفع پہلی وجہ کی مثال اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا یعنی اللہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے۔ دوسری وجہ کی مثال وَهُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّیْلِ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو رات کو نیند کے وقت تمہارے نفسوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے۔ تیسری وجہ کی مثال یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ۔ اے عیسٰیؑ میں تمہیں زمین سے اٹھا کر اپنے قبضہ اور حفاظت میں لے لوں گا۔ قَالَ الْحَسَنُ اَلْوَفَاةُ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ وَفَاةُ الْمَوْتِ وَوَفَاةُ النَّوْمِ وَوَفَاةُ الرَّفْعِ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى اَللّٰهُ یَتَوَفّٰى

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ

پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی نگران تھا ان پر اور تو ہر چیز کا مشاہدہ

شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

کرنے والا ہے اگر تو عذاب دے انھیں تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے ان کو

فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾ قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ

تو بلاشبہ تو ہی سب پر غالب ہے (اور) بڑا دانا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ہے وہ دن جس میں فائدہ پہنچائے گا سچوں کو

صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

اُن کا سچ ان کے لیے باغات ہیں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں

الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ (قرطبی)

اب جب یہ لفظ ان متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے تو اس بات کا یقین کرنے کے لیے کہ کسی موقع پر ان متعدد معانی سے کونسا معنی مُراد ہے دُوسرے قرائن کو دیکھنا ہوگا۔ اور اگر حدیث صحیح سے کوئی معنی متعین ہو جائے تو پھر دوسرے معانی کا احتمال ختم ہو جائے گا اور صرف وُہی معنی لیا جائے گا جو حضورؐ نے مقرر فرما دیا ہے۔ کیونکہ کتاب کے بیان کا حق اللہ تعالیٰ نے اپنے رسُولؐ کو تفویض فرمایا ہے اس کے بعد کسی قیل و قال کی گنجائش نہیں رہتی۔ جب احادیثِ نبویہ میں یہ صراحت موجُود ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو زندہ آسمان پر اُٹھا لیا گیا تو اب آیاتِ قرآنی کو اپنے اغراض و اہواء کا لباس پہنانا سراسر بے دینی اور بے باکی ہے۔

۱۱۸ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ نے یہ آیت پڑھی۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اے میرے رب! جس نے میری فرمانبرداری کی وُہ میرے گروہ سے ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو تو ہی عزت و حکمت والا ہے) اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الخ پھر حضورؐ زار و قطار رو پڑے اور عرض کی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو حکم دیا کہ میرے محبُوبؐ کے پاس جاؤ اور اس سے رونے کی وجہ پُوچھو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ جبریلؑ حاضر ہوئے دریافت کیا تو رحمتِ عالمؐ نے اپنی اُمّت کی بخشش کے متعلق اندیشہ ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر جبریلؑ کو یہ پیغام دے کر اپنے محبُوبؐ کے پاس بھیجا فَقَالَ اللّٰهُ يَا

أَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١١٩﴾ لِلّٰهِ

رہیں گے راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ سے یہی ہے بڑی کامیابی ٢١١ اللہ ہی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ۭ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٢٠﴾

بادشاہی سب آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر ٢١٢ پوری قدرت رکھنے والا ہے

جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيْكَ فِيْ اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ (صحیح مسلم) کہ اے مصطفٰے آپ رنجیدہ نہ ہوں، یقیناً ہم آپ کی اُمّت سے ایسا رحمت کا سلوک کریں گے جس سے آپ خوش ہو جائیں گے اور ان سے ایسا معاملہ نہ ہو گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔ الحمد للہ جس نے ہم سیاہ کاروں کو ایسے کریم اور بےکسں پرور نبی کی اُمّت ہونے کا شرف بخشا۔ صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم۔

٢١١ ابن حیان فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا ہی سب سے بڑی کامیابی ہے کیونکہ اس نعمتِ عظمٰی کے سامنے جنّت اور نعیمِ جنّت کی کیا وقعت ہے لِاَنَّ الْجَنَّةَ بِمَا فِيْهَا كَالْعَدَمِ بِالنِّسْبَةِ اِلٰى رِضْوَانِ اللّٰهِ۔ (بحر)

٢١٢ یہ آخری آیت گویا اس سُورۂ کریمہ کے سرِ پُرزّیں تاج ہے۔ سب شبہات کا ازالہ، سب گمراہیوں کا رد اور سب حقائق کا حاصل اور نچوڑ اس میں بیان فرما دیا۔ فرمایا زمین اور آسمان اور ان میں خاکی، ناری اور نوری، بےجان اور جاندار، بےشعور اور باشعور جو کچھ بھی ہے سب اللہ وحدہٗ لاشریک کی ملکیت ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں کوئی خدائی میں شریک نہیں۔ کوئی اس کا بیٹا نہیں۔ سب اس کے بندے اور اس کے حکم کے پابند ہیں۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اگر کسی کو کوئی چیز نہ دے یا دے کر چھین لے تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ اور اپنے محبوبوں کو خصوصاً اپنے محبوب ترین بندے سیّد المرسلین ؑ کو جو دینا چاہے وہ دے دیتا ہے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔

تعارف سُورۃ الانعام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سُورۃ پاک کا نام الانعام ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ اور رکوعوں کی تعداد بیس ۲۰ ہے۔ کیونکہ اس میں انعام (مویشیوں) کی حلّت و حُرمت کے متعلق کفار کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید کی گئی ہے۔ اس لیے سُورۃ کا نام الانعام رکھا گیا۔ اس کے کلمات کی تعداد تین ہزار ایک سو اور حرُوف بارہ ہزار نو سو پینتیس ہیں۔

حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے بسندِ صحیح ثابت ہے کہ یہ سُورۃ باستثناء چند آیات بیک وقت مکہ مکرّمہ میں نازل ہُوئی۔

اس کے سالِ نزُول کا تعیّن مشکل ہے لیکن مختلف قرائن اور شواہد کے پیشِ نظر بعض محقّقین کا یہ خیال ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مکّی زندگی کے آخری حصّہ میں ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے یہ سُورت نازل ہوئی۔ مدینہ طیّبہ میں اسلام کو یہودیّت اور عیسائیت سے واسطہ پڑا تھا۔ اس لیے مدنی سُورتوں میں ان کے عقائد کی تردید ان کے اطوار کا محاسبہ اور ان کی اصلاح پر زیادہ توجّہ دی گئی لیکن مکّہ کا ماحول بالکل انوکھا تھا۔ یہاں کے لوگ نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے یکسر جُدا تھے۔ یہاں کی زندگی کی مشکلات اور مسائل نرالی قسم کے تھے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی پر جو وحی نازل ہوئی اس میں اُنھیں مشکلات کا حل اور انھیں مسائل کا جواب پیش کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سورۃ کریمہ کے مطالعہ سے پہلے اس سورۃ کریمہ کی مندرجہ ذیل خصُوصیات کا ذہن نشین کر لینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ مکّہ کی تقریباً تمام تر آبادی مُشرک اور بُت پرست تھی۔ ان پتھر کے بُتوں اور مٹی کی مُورتیوں کے متعلّق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ وُہ بھی اِلٰہ (خُدا) ہیں۔ اس بے سروپا بات کے اظہار میں انھیں ذرا تامّل نہ تھا۔ بلکہ جب حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انھیں بتایا کہ یہ بے جان اور بے زبان مجسّمے خدا نہیں۔ خدا تو وُہ ذاتِ والاصفات ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کے علم سے کائنات کا کوئی ذرّہ بھی مخفی نہیں۔ تاریک غار میں اندھیری رات میں ننھی سی چیونٹی کے رینگنے کی آواز کو بھی سُنتا ہے۔ تو یہ سُن کر وُہ حیران و ششدر ہو گئے اور مارے حیرت کے کہہ اُٹھے أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ یہ تو بڑی عجیب

غریب بات ہے جب وُہ ان کو خُدا مانتے تھے تو ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ خُدا سمجھتے ہُوئے اپنی مشکلات اور تکالیف میں انھیں کی طرف رجُوع بھی کیا کرتے۔ اپنی ضرُوریات اور حاجات کے لیے انھیں کے سامنے دستِ سوال بھی دراز کیا کرتے۔ وُہی ان کے مینہ برسانے والے، وُہی ان کو صحت دینے والے، وُہی اُن کو دُشمنوں پر غالب کرنے والے تھے۔ اِس سُورۃ پاک میں ان کے اِس مُشرکانہ عقیدہ کی تردید کی گئی ہے انھیں بتایا گیا کہ پتھر کے یہ بُت جو شکل وصُورت میں کسی سنگ تراش کے مرہُونِ منّت ہیں وُہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ خُدا تو وُہ ذات ہے جس نے کُنْ (ہو جا) فرمایا تو یہ عالم رنگ وبُو اپنی تمام دلآویزیوں اور عظمتوں کے ساتھ موجُود ہو گیا۔ جس کا علم اتنا ہمہ گیر ہے کہ ظاہر و باطن سب اس پر عیاں ہے۔ جس کے اختیارات غیر محدُود ہیں۔ وُہ جو چاہے، جتنا چاہے، جسے چاہے عطا فرما دے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ اور جو چاہے جس وقت چاہے جس سے چاہے چھین لے کوئی دم نہیں مار سکتا۔ ساری کائنات نوری و ناری، آبی اور خاکی سب کی سب بلا استثنا اپنے وجُود، اپنی بقا، اپنی نشوونما، اپنے تمام شئُونِ حیات میں ہر لحظہ، ہر لمحہ اس کی نظرِ رحمت کی محتاج ہے اور اسے کسی کی حاجت نہیں۔ اِس طرح اِس سُورۃ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ کمال کا ذکر کر کے ان کے مشرکانہ عقیدہ کی بے سروپائی کو طشت از بام کر دیا اور اس کی بُنیادوں کو اِس طرح لرزا دیا کہ اگر بے جا ضد، بانیِ اسلام سے بلا وجہ حسد اور عناد کے جذبات اِس عمارت کو کچھ وقت تک سہارا نہ دیتے رہتے تو وُہ اُسی وقت پیوندِ خاک ہو جاتی۔

۲۔ **دلائلِ توحید**۔ قرآن اپنے پڑھنے اور سُننے والے کو فلسفہ کی بھُول بھلیوں میں جو اس باختہ اور اس کی ثقیل اور غیر مانوس اصطلاحوں سے مرعُوب نہیں کرتا بلکہ کائنات کی اِس کھُلی ہُوئی کتاب میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ یہ سُورج، یہ چاند کس کی کبریائی کے شاہکار ہیں۔ زمین کی سطح پر لہلہاتے ہُوئے شاداب کھیت، رنگا رنگ پھُول، قِسم قِسم کے پھل کس کی قدرت کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ گھنگھور گھٹائیں اور ان سے ٹپکنے والے حیات بخش قطرے کس کی رحمت کا مظہر ہیں؟ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کے۔ کون انکار کر سکتا ہے ان حقائق کا۔ یہی وُہ نُورِ تاباں تھا جس کی تجلیوں کے سامنے کُفر و شرک کی ظلمتوں کو کہیں پناہ نہ ملی۔

۳۔ **مُشرکین کا رویّہ**۔ اسلام، قرآن اور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے مشرکین کی مخالفت کسی سنجیدگی اور متانت پر مبنی نہ تھی اور نہ قرآنی دلائل کے جواب میں ان کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل تھی جس سے وُہ اپنے باطل عقائد کی حفاظت کر سکتے۔ ان کا سارا سرمایہ مذاق، تمسخر اور طرح طرح کی حجّت بازیاں تھیں۔ فرشتہ جو وحی لاتا ہے وُہ ہمیں نظر کیوں نہیں آتا۔ قرآن ایک مرتّب کتاب کی صُورت میں کیوں نازل نہیں ہُوا۔ اس یتیم اور بے یار و مددگار کو رسالت و نبوّت کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔ لو اور سُنو موت کے بعد نئی زندگی کا پرچار ہو رہا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی ماننے کی بات ہے بس اِس قِسم کے اُن کے اعتراضات تھے جنھیں وُہ بڑی شدّ و مد

پیش کیا کرتے۔ اس سُورۃ میں ان کا رد کیا گیا ہے۔

۴۔ تسلی و اطمینان۔ ایک طرف انتہائی خلوص، للہیت اور خیر اندیشی کے جذبات کے ساتھ نورِ حق کی طرف رہنمائی کی جا رہی ہے۔ دُوسری طرف سے ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہادیٔ برحق کا دلِ رحیم بہت رنجیدہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو بار بار تسلی دیتے ہیں کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء آئے۔ اُنھیں ستایا گیا۔ اذیتیں پہنچائی گئیں لیکن اُنھوں نے صبر کیا۔ یہی سُنّتِ الٰہی ہے۔ آپ کو بھی صبر سے اس سرد مہری اور دل آزاری کا سامنا کرنا ہوگا۔ حق و باطل کی آویزش، نور و ظلمت کی کشمکش کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قُدرت سے بعید نہیں کہ وُہ چشم زدن میں سب کو اسلام لانے پر مجبور کر دے لیکن یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ ورنہ ابراہیمؑ اور نمرُود کی پہچان کیسے ہو۔ حسینؓ و یزید کا امتیاز کیونکر ہو۔

۵۔ مُشرکانہ رسُوم۔ سُورۃ کے آخری حصّہ میں مُشرکین کی ان جاہلانہ رسموں کی تردید کی گئی ہے جو اُنھوں نے جانوروں کی حلّت و حُرمت وغیرہ کے متعلق مقرر کر رکھی تھیں۔ اور واضح طور پر بتا دیا کہ یہ تمھاری من گھڑت باتیں ہیں اللہ تعالےٰ کا یہ حکم نہیں۔

۶۔ رکوع ۱۹ میں مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اخلاقِ رذیلہ سے اپنے حکیمانہ انداز میں منع کیا گیا ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے اس سُورۃ کے آخری رکوع میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو حکم فرمایا ہے کہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ تا وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کا اعلان کریں۔ ان دونوں آیتوں کا ترجمہ آپ بار بار پڑھیں اور غور کریں۔ آپ کا دل پکار اُٹھے گا کہ بخدا یہی حاصلِ اسلام ہے، یہی رُوحِ توحید ہے۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَخَمْسٌ وَسِتُّونَ آيَةً	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	وَعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا
سورۃ انعام مکی ہے اس کی آیتیں ۱۶۵ اور رکوع ۲۰ ہیں	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے	

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں [1] جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو

وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

اور نور کو پھر بھی [2] جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھیرا رہے ہیں [3] اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا

[1] ہر طرف گمراہی کا بھیانک اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ انسان کا رشتہ اپنے خالق و پروردگار سے بالکل کٹ چکا تھا۔ کوئی سورج کا پجاری، کوئی ستاروں کا پرستار، کوئی پہاڑوں کی بلند چوٹیوں، بڑے بڑے دریاؤں اور اونچے اونچے درختوں کا عبادت گزار تھا۔ ہندوستان میں تینتیس کروڑ خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ایران کے لالہ زاروں میں آتش کدے روشن تھے۔ رستم و سہراب کی سرزمین کے بہادر اور نڈر فرزند آگ کے شعلوں کی جناب میں سجدہ ریز تھے۔ مسیحی دنیا میں ایک خدائے برتر و دانا کی جگہ باپ، بیٹا اور روح القدس تین خداؤں کی پرستش ہو رہی تھی۔ اور جزیرہ نمائے عرب کی تو حالت ہی نہ پوچھیے۔ راہ چلتے کوئی پتھر پسند آگیا۔ اس کی تراش خراش کی اور اسے اپنی محراب عبادت کی زینت بنا دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اعلان کیا کہ آسمان (عالم علوی) اور زمین (عالم سفلی) اندھیرا اور نور یہ سب مخلوق ہیں۔ اور اپنے وجود، اپنی حیات، اپنی نشوونما اور اپنی بقا میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ اے شرف انسانیت کے پاسبانو! اے بحر علم و دانش کے غواصو! تم خود ہی بتاؤ کیا تمھیں یہ زیب دیتا ہے کہ اپنے خالق سے منہ موڑ کر مخلوق کے بندے بن جاؤ۔ غنی اور صمد کی جگہ محتاج اور بے بس کی عبادت کرنے لگو۔ یہ ہر چیز حسین و جمیل سہی، پرہیبت و پرجلال سہی، مفید اور نفع بخش سہی لیکن یہ حسن و جمال، یہ ہیبت و جلال، یہ افادیت اور نفع رسانی ان میں آئی کہاں سے؟ یہ اسی ذات برتر و اعلیٰ کے فضل و کرم کی جلوہ طرازی ہے جس نے انھیں نیست سے ہست کیا۔ عدم سے موجود کیا تو حمد و ستائش اسی کو ہونی چاہیے۔ ہر تعریف و توصیف کا وہی مستحق ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر اس سورۃ پاک کا آغاز اس آیت کریمہ سے فرمایا گیا۔ ذرا غور کیجیے انداز بیان کتنا ناصحانہ اور مشفقانہ ہے کسی کی کج روی کا ذکر کیے بغیر کسی کا نام تک لیے بغیر۔ اس مختصر سے جملے سے شرک کی لاتعداد قسموں کا بطلان کر کے رکھ دیا جو مختلف اقوام میں رائج تھیں۔

[2] "ثم" حرف عطف ہے لیکن کوئی دوسرا حرف عطف اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ معنی عطف پر دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ کفار کی نادانی اور ان کے عقیدہ کی قباحت کو بھی عیاں کر رہا ہے۔ "ثم" دالة علی قبح فعل الکافرین

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

تمھیں مٹی سے پھر مقرر کی ایک میعاد ۳؎ اور ایک میعاد مقرر ہے اللہ کے نزدیک ۵؎ پھر بھی تم

تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَ

شک کرتے ہو ۶؎ اور وُہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں ۷؎ وُہ جانتا ہے تمھارے بھید بھی اور

(قرطبی) مقصد یہ ہے کہ یہ جانتے کے باوجود کہ کائنات کی ہر بڑی اور چھوٹی چیز اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہُوئی ہے۔ پھر بھی یہ مخلوق اور محتاج چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھ رہے ہیں۔ کتنے نادان اور کتنے زیاں کار ہیں یہ لوگ۔

۲؎ اس کا معنی ہے اَیْ یَجْعَلُوْنَ لَہٗ عَدِیْلًا (مفردات) یعنی اپنے معبودانِ باطل کو خداوند تعالیٰ کا ہمسر اور اس کے برابر بنائے ہُوئے ہیں۔ وُہ کس طرح اُنھیں برابر و ہمسر بناتے تھے۔ اس کی وضاحت امام ابن جریرؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔ یعدلون: یجعلون لہ شریکا فی عبادتھم ایاہ فیعبدون معہ الالھۃ والانداد یعنی وُہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے باطل خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر اور ہمسر یقین کیا جا رہا ہے۔

۳؎ یعنی جس کی قدرت نے ان خاک کے ذرّوں کو زندہ کیا اس کی حکمت جب متقاضی ہوگی تو عناصر کی یہ ہم آہنگی ختم ہو جائے گی اور یہ اعتدال درہم برہم ہو جائے گا اور موت کی بادِ سموم اس چراغِ زیست کو بجھا دے گی۔ اور اس کے علمِ ازلی میں یہ وقت مقرر ہو چکا ہے۔

۵؎ موت کا وقت مقرر کرنے کے علاوہ اس نے ایک اور میعاد بھی متعین فرما دی ہے یعنی قیامت کا دن۔ اور اس کا یقینی علم اسی کے پاس ہے کوئی دُوسرا اس کے بتائے بغیر اپنی عقل و فراست سے یا قیاس آرائیوں سے اس کو نہیں جان سکتا۔

۶؎ لفظ "ثُمَّ" یہاں بھی بعینہٖ اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے جو پہلی آیت میں ادا کیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے بے شمار دلائل دیکھنے کے بعد بھی تمھیں قیامت کا یقین نہیں۔ انسان اپنی غذا ہی کو دیکھے کس طرح وُہ زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ کس طرح وُہ معدہ میں پہنچ کر ہضم کی مختلف کیفیات سے گزر کر جزوِ بدن بنتی ہے۔ اسی کا ایک حصّہ آنکھ کا نور، کانوں کی سماعت، زبان کی گویائی اور ایک حصّہ ہڈیوں کی سختی، اعصاب کی نرمی، دماغ کا ادراک، ہاتھوں کی گرفت وغیرہ بن جاتا ہے۔ جو ہستی اس باریک نظام کو چلا رہی ہے اس کے لیے خاک کے منتشر ذرّوں کو جمع کرنا کوئی مشکل نہیں۔ اس کی قدرت کے بے شمار دلائل کا مشاہدہ کرنے کے بعد پھر قیامت کا انکار کرنا کتنی نادانی اور کتنی قباحت ہے۔

۷؎ اس کی ترکیب غور طلب ہے۔ ابوعلی نے اس کی ترکیب یہ کی ہے کہ ھو ضمیر شان اللّٰہ مبتدا اور فی السمٰوٰت والارض اپنے متعلق کے ساتھ مل کر خبر ہے (بحر)

جَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

تمھاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو ؏ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں سے

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ

مگر وُہ ہو جاتے ہیں اس سے مُنہ پھیرنے والے ؎ بے شک انھوں نے جھٹلایا حق کو جب وُہ آیا اُن کے پاس

اور زجاج کی رائے یہ ہے کہ ھو مبتدا اللہ خبر اور فِي السَّمٰوٰتِ الخ اللہ سے متعلق ہے۔ یہاں بتلانا یہ مقصود ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق، مالک، زندہ کرنے والا، مارنے والا، رزق دینے والا، تمام شؤون حیات اور اُمورِ کائنات کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر کوئی ایک صفت ذکر کی جاتی تو دوسری صفات نگاہوں سے اوجھل رہتیں۔ اس لیے کسی اِسم صفت کے ذکر کی بجائے اللہ جو علم ذاتی ہے اور تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے ذکر کیا تاکہ قاری جب یہ آیت پڑھے تو لفظ اللہ جب اس کی زبان سے نکلے تو تمام صفاتِ الٰہیہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجائیں۔ اور ہر صفت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وُہ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عَلَم (اللہ) ظرف اور مجرور کا متعلق بن سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عَلَم جن معانی کو متضمن ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے وُہ متعلق بن سکتا ہے۔ وان کان لفظ الله علما لان الظرف و المجرور قد يعمل فيهما العلم بما تضمنه من المعنى (بحر)

ابن عطیہ نے اِس توجیہ کو بہت پسند کیا ہے۔ قال ابن عطیه وهذا عندي افضل الاقوال واكثرها احرازا لفصاحة اللفظ وجزالة المعنى (بحر) یعنی ابن عطیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ بہترین قول ہے لفظ کی فصاحت اور معنی کی عمدگی دونوں کا جامع ہے۔

؏ و ۔ پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان تھا۔ اس آیت میں اس کے علم محیط کا ذکر ہو رہا ہے یعنی وُہ اتنا ہمہ دان اور ہمہ بین ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ ہمارے دلوں کے پوشیدہ احساسات ہماری زبانوں سے نکلتے ہوئے کلمات اور ہمارے سب چھوٹے بڑے نیک و بد عمل اس کے احاطۂ علم میں ہیں۔ مشرک اقوام کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تو وُہ ہے جس کی قدرت بے پایاں اور جس کا علم محیط ہو۔ تمھارے معبود نہ تو قادر و توانا ہیں نہ علیم و دانا۔ تو اے عقل کے دشمنو! وُہ معبود اور خدا کیونکر ہو سکتے ہیں۔

؎ ہر قسم کے حسّی اور معنوی معجزات جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اسلام کی صداقت کے لیے ظاہر فرماتے ان میں وُہ غور و فکر نہیں کیا کرتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ وُہ ان معجزات کی اثر آفرین قوت سے ہراساں تھے۔ انھیں یہ پسند نہ تھا کہ جس تاریکی سے اُن کی آنکھیں مانوس ہو چکی ہیں وُہ اُجالے سے بدل جائے۔ ان میں یہ سکت بھی نہ تھی کہ ان دلائل کا

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَؤُا مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٥﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

سو اَب آیا چاہتی ہیں ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کے ساتھ وُہ مذاق کیا کرتے تھے[۹] کیا نہیں دیکھا[۱۰]

أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

اُنھوں نے کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں جنھیں ہم نے (ایسا) تسلط دیا تھا زمین میں جو ہم نے تمھیں نہیں

لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي

دیا اور ہم نے بھیجے بادل ان پر مُوسلا دھار برسنے والے اور ہم نے بنا دیں نہریں جو بہتی تھیں

مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

ان کے (گھروں اور باغوں کے) نیچے سے پھر ہم نے ہلاک کر دیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کر دی ہم نے ان کے بعد ایک

جواب پیش کر سکیں اب ان کے پاس باطل سے چمٹے رہنے کا اس کے بغیر اَور کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وُہ غور و تامّل سے پہلوتہی کیا کریں۔

[۹] حق سے مُراد قرآن حکیم یا ذات پاک مُصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء ہے یعنی القرآن وقیل محمّد علیہ السّلام (قرطبی)۔ انباء جمع ہے نبأ کی۔ اس کا معنی ہے اہم اَور اثر انگیز خبر النبأ المخبر الذی یعظم وقعہ (بحر) یہاں اس سے مُراد عذاب ہے۔ وُہ عذاب جو پے در پے شکستوں اَور ناکامیوں کی صُورت میں دیا گیا اَور وُہ عذاب جو آخرت میں انھیں دیا جائے گا۔ علّامہ ابی حیان الأندلسی نے خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں یہاں کفّار کے تین مدارج کا ذکر ہے۔ جب آیات پیش کی گئیں تو اُنھوں نے منہ پھیر لیا۔ اِسی پر اکتفا نہ کی بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس پر بھی بس نہ کی بلکہ ان کا مذاق اڑانے لگ گئے۔

[۱۰] اہلِ مکّہ کے باشندے تجارت پیشہ تھے۔ ان کے تجارتی کارواں دُور دراز ملکوں میں جایا کرتے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر کئی اُجڑی ہُوئی بستیوں، ویران کھنڈروں اور غیر آباد کنوؤں اور نہروں پر ہوتا تھا جب اُنھوں نے دلائل توحید میں غور و فکر کرنے کے بجائے اُن کا مذاق اڑانا شروع کر دیا تو پہلی گمراہ قوموں کے ہولناک انجام کا ذکر کر کے انھیں متنبّہ کیا جا رہا ہے کہ یہ عاد و ثمود کی ویران بستیاں جن کو تم بارہا دیکھ چکے ہو یہاں کے بسنے والے تم سے زیادہ خوشحال تھے۔ مال و دولت کی فراوانی تھی۔ وسیع و عریض خطّہ زمین ان کے زیرِ نگیں تھا۔ ان کے مُلک میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہروں کا جال بچھا ہُوا تھا۔ ان کے کھیت سونا اُگل رہے تھے اور ان کے گھر رشکِ اِرم بنے ہُوئے تھے۔ لیکن جب انھوں نے بےراہ روی

اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ

اور قوم ۱۱ؔ۔ اور اگر ہم اُتار دیتے ۱۲ؔ۔ آپ پر کتاب (لکھی ہوئی) کاغذ پر اور وُہ چھو بھی لیتے اس کو اپنے ہاتھوں سے

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

تب بھی کہتے جنہوں نے کفر اختیار کیا ہے کہ نہیں ہے یہ مگر جادُو کھلا ہوا اور بولے کیوں نہ اُتارا گیا ۱۳ؔ۔

عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِىَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾ وَ

ان پر فرشتہ اور اگر ہم اُتارتے فرشتہ تو فیصلہ ہو گیا ہوتا ہر بات کا پھر نہ مہلت دی جاتی انہیں اور

اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو توڑنا شروع کر دیا تو قانون مکافات حرکت میں آیا اور وُہ اپنے گناہوں کی پاداش میں ایسے عذاب میں مُبتلا کر دیئے گئے جس نے ان کو نیست ونابُود کر دیا۔

۱۱ؔ۔ لیکن ان کی تباہی وبربادی سے بزم کائنات کی رونق میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ ان کا جانشین ہم نے دُوسری قوم کو بنا دیا جس نے اپنی راست بازی اور محنت وخلوص سے بازارِ ہستی کی رونق میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔ اس میں ہمارے لیے بھی درس عبرت ہے جب تک ہم احکامِ الٰہیہ کے پابند رہیں گے۔ جب تک ہماری تعمیری صلاحیتیں خدمت خلق میں مصروف رہیں گی۔ عزت واقتدار کی مسند کے ہم مالک ہوں گے اور جب ہم بھی طاؤس ورباب کے دلدادہ بن گئے تو پژمردہ پھُولوں کی طرح ہمیں بھی باغ سے باہر پھینک دیا جائے گا۔

۱۲ؔ۔ کفار کی ہٹ دھرمی اور عناد کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر وُہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں کہ قرآن کاغذ میں لکھا لکھایا آسمان سے اُتر رہا ہے اور پھر وُہ اسے اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر تسلی بھی کر لیں تب بھی وُہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے انکار کے لیے اگر انہیں کوئی اور بہانہ نہ مل سکا تو یہی کہنے لگیں گے کہ یہ تو جادُو ہے۔ اللہ تعالیٰ دل کی آنکھ کو بے نُور نہ کرے۔ ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی فہمائش اثر نہیں کرتی۔ خُوئے بد را بہانہ ہا بسیار۔

۱۳ؔ۔ کفار کی ایک اور فرمائش ملاحظہ ہو۔ کہنے لگے کہ ہم اس شرط پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں کہ آسمان سے ایک فرشتہ اُترے اور وُہ ہمیں بتائے کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے رسُول ہیں۔ اس کا جواب فرمایا کہ اگر تمہاری یہ شرط پُوری کر دی جائے تو تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔ فرشتہ اگر اپنی اصلی صُورت میں نمودار ہو تو اس کی ہیبت وجلال سے تمہارا دم نکل جائے۔ نیز اگر تمہاری یہ فرمائش پُوری کر دی گئی۔ اور یہ کھُلی دلیل دیکھ کر بھی تم نے ایمان لانے میں پس وپیش کی تو تم پر ایسا عذاب مسلط کیا جائے گا جو تمہاری جڑوں کو بھی اُکھیڑ کر رکھ دے گا۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ تمہاری اس فرمائش کو پُورا نہ کیا جائے تاکہ مہلت کی ان گھڑیوں میں تمہیں غور وفکر کا بیش از بیش موقع مل سکے۔

لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتہ کو تو بناتے اس کو انسان (کی شکل میں) تو (یوں) ہم مشتبہ کر دیتے ان پر جس شبہ میں وُہ اب ہیں ۱۴ ؎

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

اور بلاشبہ مذاق اُڑایا گیا رسُولوں کا آپ سے پہلے ۱۵ ؎ پھر گھیر لیا اُنھیں جو مذاق اُڑاتے تھے رسولوں کا

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا ع ۱

اس چیز نے جس کے ساتھ مذاق اڑایا کرتے تھے آپ فرمایئے سیر کرو زمین میں ۱۶ ؎ پھر دیکھو

۱۴ ؎ مُنکرینِ حق کی نگاہیں فقط حضُور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بشریّت تک ہی محدُود تھیں۔ وُہ نبوّت کے اس آفتاب کو دیکھنے سے قاصر تھے جو دلِ انور کے مطلع پر ضوفشاں تھا۔ اِس لیے اُنھوں نے اپنے جیسا بشر سمجھ کر حضُورؐ کی نبوّت کو تسلیم کرنے سے اِنکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر فرشتہ کو نبی بنا کر تمھاری ہدایت کے لیے بھیجا جاتا تو اس کی دو صُورتیں تھیں۔ یا تو وُہ اپنی مَلکی شکل میں مبعُوث ہوتا یا انسانی لباس میں۔ پہلی صُورت میں اس کی ہیبت وجلال کی وجہ سے اس سے اِستفادہ ناممکن ہوتا۔ دُوسری صُورت میں پھر وہ انھیں شبہات میں مبتلا ہو جاتے جن میں اب مُبتلا ہیں۔

۱۵ ؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلّی دے رہے ہیں کہ یہ عناد، یہ اِنکار اور یہ مذاق وتمسخر جس سے آپ کو واسطہ پڑ رہا ہے کوئی نئی چیز نہیں۔ آپ سے پہلے بھی انبیا کے ساتھ منکرینِ حق کا یہی سلوک رہا ہے۔ وُہ بھی اِن گُستاخیوں اور بے ادبیوں کے باعث برباد کر دیئے گئے اور ان کا انجام بھی سُنّتِ الٰہیہ کے مطابق یہی ہوگا کہ نیست ونابُود کر دیئے جائیں گے۔

۱۶ ؎ قرآنِ حکیم نے بارہا زمین میں سیر وسیاحت کا حکم دیا ہے لیکن صرف تفریحِ طبع کے لیے نہیں بلکہ عبرت پذیری کے لیے۔ لہو ولعب کے لیے نہیں بلکہ علمی مقاصد اور تاریخی نتائج اخذ کرنے کے لیے تاکہ گزری ہوئی قوموں کے مسمار شدہ محلات، باغات، قلعوں اور شہروں کو دیکھ کر ہم اپنی اِصلاح کریں اور ہمیں وُہ روزِ بد نہ دیکھنا پڑے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی سزا میں اُنھیں دیکھنا پڑا تھا۔ اِس نیت سے سیر وسیاحت کرنا باعثِ ثواب اور مُوجبِ رضاءِ الٰہی ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی نے صراحت کی ہے کہ ایسا سفر مستحب ہے جو گزری ہُوئی اُمّتوں اور اُجڑے ہُوئے شہروں کے آثار اور کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ هٰذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار بآثار من خلا من الامم واهل الديار (القرطبی) یہاں بھی کفّار کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم حق کو قبول کرنے سے اِنکار کر رہے ہو اور روشن دلائل کے باوجُود تم باطل سے چمٹے رہنے پر مُصر ہو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ ان قوموں کا کتنا دردناک انجام

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ⑪ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیسا ہوا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا آپ (ان سے) پوچھیے کس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے ؟ ١٧

قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

آپ (ہی انھیں) بتائیے (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے اس نے لازم کر لیا ہے اپنے آپ پر رحمت فرمانا ١٨ یقیناً جمع کرے گا تمھیں قیامت کے دن

لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ

ذرا شک نہیں اس میں (مگر) جنھوں نے نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے ١٩ اور اسی کا ہے

جو ان جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جھٹلایا۔

١٧ قاعدہ یہ ہے کہ جب سوال کا جواب ایک ہی ہو اور جس سے سوال کیا جا رہا ہے اُس کو بھی اس سے انکار نہ ہو تو سائل خود ہی جواب دے دیا کرتا ہے۔ اس سوال کے جواب میں کفار کو بھی اختلاف نہ تھا اس لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانِ مبارک سے جواب دلا دیا گیا۔

١٨ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ایسے نابکار لوگوں کو زندہ کیوں رہنے دیا جاتا ہے انھیں فوراً نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا جاتا۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنے فضل و کرم سے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ لوگ کتنی ہی نافرمانیاں کریں۔ اس کے ساتھ شریک ٹھیرائیں، اس کی ہستی کا ہی انکار کر دیں اُس کی رحمت کا وسیع دامن ان پر سایہ فگن رہتا ہے اور ان کی زندگی کی جو میعاد مقرر کی گئی ہے اُس وقت تک انھیں زندہ رہنے کے وسائل بہم پہنچاتے جاتے ہیں۔ سورج، بارش، ہوا وغیرہ مومن و کافر، متقی و فاسق سب کے لیے ایک ہی حیات آفریں تاثیر رکھتے ہیں۔ ان الفاظ سے کفار کو ایمان لانے کی ترغیب دلانا بھی مقصود ہے یعنی اپنی سابقہ بداعمالیوں کی وجہ سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر اب بھی تم سچے دل سے توبہ کر لو تو تمھیں دامنِ رحمت میں پناہ مل جائے گی۔

١٩ یہاں خسارہ سے مراد اس قیمتی استعداد کو ضائع کرنا ہے جو حق اور باطل میں فرق کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے۔ کفار جاننے بوجھنے کے باوجود حق کو قبول کرنے سے گریزاں تھے جس سے ان کی وہ استعداد ضائع ہو گئی۔ اس کے بعد ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔

مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ

جو بس رہا ہے رات میں اور دن میں [۲۰] اور وُہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ آپ فرمائیے کیا [۲۱] بغیر

اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ۭ

اللہ تعالیٰ کے کسی کو (اپنا) معبود بناؤں (وُہ اللہ جو) پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور وُہ (سب کو) کھلاتا ہے اور خود نہیں کھلایا جاتا [۲۲]

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

فرمائیے بے شک [۲۳] مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں سب سے پہلے سر جھکانے والا [۲۴] (نیز یہ حکم دیا گیا ہے کہ) ہرگز نہ بننا

[۲۰] زمین اور آسمان ظرفِ مکان ہیں اور رات اور دن ظرفِ زمان۔ پہلے بتایا کہ بلندی اور پستی میں جو کچھ ہے وُہ سب اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اب بتایا کہ زمانے کے پیمانے میں جو کچھ ہے وُہ بھی اسی کی ملکیت ہے۔ تو جب سب زمانیات اور مکانیات اسی کی پیدا کردہ ہیں اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو پھر ان میں سے کوئی اِنسان، کوئی پتھر یا کوئی اور چیز کیونکر معبود بن سکتی ہے۔

[۲۱] کفار حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ ہیں نادار اور تنگ دست۔ مال و دولت جمع کرنے کے لیے آپ نے نبوت کا سلسلہ چلا رکھا ہے جس سے ہر گھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اُٹھی ہے۔ اس لیے آپ جتنی دولت مانگیں ہم آپ کے قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ اپنے نئے دین کی تبلیغ بند کر دیجئے اور جس طرح ہمارے اسلاف ان بتوں کی پُوجا کرتے چلے آئے ہیں آپ بھی انھیں کی پرستش کیا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ لُغتِ عرب میں "ولی" کے بے شمار معنی ہیں۔ یہاں اس سے مُراد معبُود ہے۔ والمراد بالولی المعبود (بیضاوی) ولی سے مُراد یہاں معبُود ہے جس کی عبادت کی جائے۔ والمراد بالولی المعبود لانہ رد لمن دعاہ صلی اللہ علیہ وسلم (رُوح المعانی)

[۲۲] یعنی معبُود تو وُہ ہو سکتا ہے جو کسی کا محتاج نہ ہو اور ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ تمھارے یہ بنائے ہُوئے معبُود اور خُدا تو سراپا احتیاج ہی احتیاج ہیں۔ ہاں میرا معبُود جو زمین و آسمان کا خالق ہے وُہی وُہ معبُودِ برحق ہے جو ہر محتاج کی حاجت روائی فرماتا ہے ہر چیز کو رزق پہنچاتا ہے۔ اور خود کسی چیز کا محتاج نہیں۔ نہ کھانے کا نہ پینے کا۔ نہ کسی اور چیز کا۔ اب تم خود انصاف کرو کہ معبُودِ حقیقی کون ہے؟

[۲۳] اے کفّار! تم مجھے کیا لالچ دینے آئے ہو۔ مجھے تو اپنے رب کا یہ حکم ہے کہ میں سب سے پہلے اُس کی اُلوہیت، اُس کی کبریائی اور اُس کی عظمت و جلال کے سامنے سرِ تسلیم خم کروں اور شرک کی آلودگیوں سے اپنا دامن بچانے کی مجھے تاکید

الْمُشْرِكِيْنَ ۝١٤ قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ

شرک کرنے والوں سے آپ فرمایئے میں ڈرتا ہوں ۲۵؎ اگر میں نافرمانی کروں اپنے رب کی بڑے دن کے

عَظِیْمٍ ۝١٥ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ یَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ

عذاب سے وہ شخص ٹال دیا گیا عذاب ۲۶؎ جس سے اس روز تو یقیناً رحم فرمایا اللہ نے اس پر اور یہی کھلی کامیابی

کی گئی ہے۔ اس لیے میں اپنے رب کے حکم سے سرتابی کر کے کیونکر تمہارے کہنے سے ان باطل خداؤں کی پرستش شروع کر سکتا ہوں۔

۲۴؎ جس دین کی دعوت دینے کے لیے حضورؐ مبعوث ہوئے تھے اس کو سب سے پہلے قبول کرنے والے بھی حضورؐ ہی تھے اس لیے فرمایا کہ تمام امت سے پہلے مجھے اپنے رب کی وحدانیت اور الوہیت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں صاحب روح المعانی کا ایک روح پرور اور ایمان افروز اقتباس بمعہ ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:۔

فاول روح رکعت فی میدان الخضوع والانقیاد والمحبة روح نبینا صلی اللہ علیه وسلم وقد اسلم نفسه لمولاه بلا واسطة وکل اخوانه الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام فی عالم الارواح انما اسلموا انفسهم بواسطته علیه الصلوٰة والسلام فهو صلی اللہ علیه وسلم المرسل الی الانبیاء والمرسلین علیهم الصلوٰة والسلام فی عالم الارواح وکلهم امته (روح المعانی)

ترجمہ:۔ عاجزی، فرمانبرداری اور محبت کے میدان میں سب سے پہلے جو روح سجدہ ریز ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک تھی۔ اور حضورؐ نے بلا واسطہ اپنے مولائے کریم کے سامنے سر عبودیت جھکایا۔ اور تمام نبیوں اور رسولوں نے حضورؐ کے واسطہ سے۔ پس حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تمام انبیاء و رسل کے بھی رسول ہیں اور سب حضورؐ کے امتی ہیں۔

۲۵؎ اگر میں سرِمُو بھی حکم خداوندی سے انحراف کروں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔

۲۶؎ یعنی مجھے دولت کی آرزو نہیں اور نہ دولت و عزت میرے نزدیک کامیابی کا کوئی معیار ہے۔ کامیاب و کامران تو وہ ہے جس کو قیامت کے دن عذاب الٰہی سے نجات مل گئی۔ حضورؐ کی امت کو بھی یہ حقیقت ہر لحظہ پیش نظر رکھنی چاہیئے اور قیامت کی کامیابی کے لیے کوشاں رہنا چاہیئے۔

الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَ

اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی دُکھ تو نہیں کوئی دُور کرنے والا اس دُکھ کو سوائے اس کے لیے اور ہے

اِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

اگر پہنچائے تجھے کوئی بھلائی (اس کو کوئی روک نہیں سکتا) وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور وہ غالب ہے

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

اپنے بندوں پر ۲۸ے اور وہ بڑا دانا، ہر چیز سے خبردار ہے آپ پوچھئے کون سی چیز بڑی (معتبر) ہے گواہی کے لحاظ سے ۲۹ے

۲۷ے تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت، ناکامی اور کامیابی، ذلّت اور عزّت سب اللہ تعالیٰ وحدہٗ کے دستِ قدرت میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو فقر، مرض یا قرض میں مبتلا کر دے تو کسی کے بس میں نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور مرضی کے بغیر ان مصائب سے اسے نجات دے دے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنا فضل و کرم فرمائے اور اسے اپنے انعامات سے سرفراز فرمادے تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس سے چھین لے۔ وہی مالکِ حقیقی ہے۔ وہی قادرِ مطلق ہے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی پتّہ، کوئی ذرّہ اور کوئی قطرہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ مشرک قوموں نے نیکی، بدی، بارش، فتح، دولت اور علم وغیرہ کے لیے الگ الگ خدا بنائے ہوئے تھے ان سب کے خیالاتِ فاسدہ کی تردید فرما دی۔

۲۸ے قہر کا معنی غلبہ ہے یعنی وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو اس پر غالب ہو اور اس کی مرضی کے خلاف جو چاہے کرتا پھرے۔ سب بندے اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ ای هو غلبت تسخیرہ لا فوقیۃ مکان (القرطبی) فوقیت سے فوقیتِ مکانی مراد نہیں بلکہ کسی پر غالب آنا، غلبہ پانا۔

۲۹ے کفّارِ مکّہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سے دریافت کیا کہ آپ جو نبوّت کا دعویٰ کر رہے ہیں اسے کیونکر تسلیم کیا جائے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہی تھا تو اسے آپ کے بغیر کوئی دُوسرا نہ مل سکا۔ آپ اپنے دعوئے کی صداقت پر کوئی گواہ پیش کیجئے۔ ہم نے تو یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کی نبوّت کے متعلق دریافت کیا ہے اور اُنھوں نے واضح الفاظ میں ہمیں بتایا ہے کہ ان کی آسمانی کتابوں میں آپ کی نبوّت کا ذکر تک نہیں۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو فرمایا گیا کہ آپ اُنھیں کہیئے کہ میری نبوّت کا گواہ خود رب العالمین ہے۔ کیا اس سے سچا اور زیادہ معتبر کوئی اور گواہ بھی ہو سکتا ہے جب خود اللہ تعالیٰ میری نبوّت اور صداقت کا گواہ ہے تو مجھے کسی اور گواہ کی ضرورت کیا ہے؟

قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِيۡدٌۢ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ۟ وَاُوۡحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ لِاُنۡذِرَكُمۡ

آپ ہی بتائیے اللہ وہی گواہ ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن ۳۰ تاکہ میں ڈراؤں تمہیں

بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ ؕ اَٮِٕنَّكُمۡ لَتَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخۡرٰى ؕ قُلۡ

اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا اور بھی ہیں؟ ۳۱ آپ فرمائیے

لَّاۤ اَشۡهَدُ ۚ قُلۡ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۘ ﴿۱۹﴾

میں تو ایسی جھوٹی گواہی نہیں دیتا آپ فرمائیے وہ تو صرف ایک خدا ہی ہے اور بے شک میں بیزار ہوں ان (بتوں) سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

اَلَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا يَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمُ ۘ اَلَّذِيۡنَ

جنہیں ہم نے دی ہے کتاب وہ پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو ۳۲ جنہوں نے

۳۰ اصل میں ہے مَنۡۢ بَلَغَهُ الۡقُرۡاٰنُ۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی نبوّت ورسالت صرف اس زمانہ کے لوگوں تک محدود نہ تھی بلکہ جب تک اور جہاں تک قرآن کی آواز پہنچے گی حضورؐ سب کے نبی ہیں۔ سب پر فرض ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں۔

۳۱ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کے خدا اور معبود بننے کی گواہی دو تو میں ایسی لچر اور بے ہودہ بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ خدا تو وہی ایک ذات ہے جس کی قدرت، علم، کبریائی، بے نیازی اور غلبہ کا ذکر تم اتنی دیر سے سن رہے ہو۔ میں تو صرف اسی ایک خدا کو اپنا معبود اور الٰہ یقین کرتا ہوں۔ باقی رہے تمہارے بے بس، محتاج اور بے مقدر دیوی دیوتا۔ تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ کان کھول کر سن لو میں ان سے بری ہوں۔

۳۲ اوپر گزرا ہے کہ اہل مکہ نے اہل کتاب سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے آپ کے متعلق اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس آیت میں ان کا ردّ ہے کہ ان کا انکار لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے ہے ورنہ وہ ہمارے نبی کو یوں پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ ہجرت کے بعد حضرت عمرؓ نے اس آیت کے متعلق حضرت عبداللہ بن سلام سے پوچھا کہ تم حضورؐ کو کیسے پہچانتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کے اوصاف وکمالات اور علامات ونشانات اتنی وضاحت سے ہماری کتابوں میں مرقوم ہیں کہ جب ہم نے حضورؐ کو دیکھا تو یوں پہچان لیا جیسے ہم اپنے بچوں کو پہچان لیتے ہیں۔ آخر میں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بخدا میں تو اپنے بچے سے بھی زیادہ حضورؐ کو پہچانتا ہوں۔ کیونکہ مجھے اپنے بچے کی ماں پر اتنا اعتماد نہیں جتنا اللہ کی بتائی ہوئی علامات پر ہے۔

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

نقصان میں ڈال دیا ہے اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لائیں گے — اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ

لگایا اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو ۳۳ بے شک فلاح نہیں پائیں گے ظلم کرنے والے اور (یاد کرو) وہ

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ

دن ۳۴ جب ہم جمع کریں گے سب کو پھر ہم کہیں گے انھیں جو شرک کیا کرتے تھے کہ کہاں ہیں تمہارے شریک جن کے (خدا

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا

ہونے کا) تم دعویٰ کیا کرتے تھے — پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ — کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے

مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿٢٣﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

نہ تھے ہم شرک کرنے والے ۳۵ دیکھو کیسا جھوٹ باندھا انھوں نے اپنے نفسوں پر اور گم ہوگئیں ان سے

وابوالله انا بمحمد اشد معرفة منی بابنی لانی لا ادری ما احدث امه (روح المعانی)

۳۳ یہاں کفار کی دوسری غلطی کا اظہار کیا جارہا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ بے سرو پا باتیں جن کے متعلق ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ان پر تو انھیں محکم یقین ہے مثلاً اپنے بتوں اور معبودوں کو خدا کا شریک ماننا۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تسلیم کرنا۔ مادہ روح کو قدیم یقین کرنا۔ زندگی کے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوی دیوتا تصور کرنا اور جن چیزوں کے متعلق قطعی اور یقینی روشن دلائل موجود ہیں ان کا انکار اور اس انکار پر اصرار۔ مثلاً توحید، قرآن کریم، رحمت عالم، قیامت وغیرہ۔

۳۴ قیامت کے دن ان کی ذلت اور رسوائی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ ان سب منکروں، مشرکوں اور سرکشوں کو ہم اپنے دربار میں لاکھڑا کریں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم خدا کا شریک بنایا کرتے تھے۔ آج ان کو بلاؤ تاکہ وہ ہمارے عذاب سے تمھیں نجات دلائیں۔

۳۵ فتنہ کا لغوی معنی پرکھنا اور آزمائش کرنا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ یہاں فتنہ سے مراد عذر اور بہانہ ہے مقصد یہ ہے کہ جب میدان حشر میں اس مالک حقیقی کے دربار میں انھیں پیش کیا جائے گا اور وہ غضب خداوندی کا مشاہدہ کریں گے

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ

جو افترا بازیاں کیا کرتے تھے ۴۵ اور کچھ ان میں سے ۴۶ ایسے ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور ہم نے ڈال

قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ

دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ نہ سمجھیں وہ اسے اور اُن کے کانوں میں گرانی ہے اور اگر وہ دیکھ لیں ۴۸ ہر ایک

اور ان کے بتوں معبودوں اور دیوی دیوتاؤں کا کہیں نام تک نہ ہوگا۔ تو جب ان سے سابقہ سوال پوچھا جائے گا تو مارے حیرت و درماندگی کے کوئی جواب نہ بن آئے گا۔ اس وقت وہ انکار اور جھوٹ کا سہارا لیں گے اور صاف کہہ دیں گے کہ اے ہمارے معبودِ برحق! اے ہمارے پالنہار! ہمیں تیری کبریائی کی قسم ہم نے تو کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ ہم تو تیرے بغیر کسی اور خدا کو جانتے ہی نہیں۔

۴۵ اے میرے رسول! ملاحظہ ہو ان کی بےبسی کا عالم! ساری عمر جن کو پوجتے رہے، جن کی جے بولتے رہے جن کی وجہ سے آپ کو ستایا۔ اذیتیں پہنچائیں آج اُن سے دست بردار ہو رہے ہیں۔ اُن کی خدائی کا انکار کر رہے ہیں۔ قیامت میں پیش آنے والے واقعات اور ان کے حسرتناک انجام کے ذکر سے مطلوب یہ ہے کہ کفّار آج ہی ان کمینہ حرکات سے باز آجائیں۔ آج ہی شرک سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید کا دل و جان سے اعتراف کرلیں۔ ورنہ قیامت کے دن پشیمان ہوئے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا۔

۴۷ جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ جب انسان کسی چیز کو حق سمجھنے کے باوجود اس کو تسلیم نہیں کرتا اور دانستہ اس سے اعراض کرتا رہتا ہے تو اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (بطور سزا) نورِ حق کو دیکھنے والی آنکھ بےنور ہو جاتی ہے آوازِ حق کو سننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اور حق کو سمجھنے کی قوّت سے دل محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ یہاں فرمایا کہ ہم نے ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ان چیزوں کو اپنی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس محرومی کا سبب تو ان کا اعراض اور انکار ہے لیکن سبب پر مسبّب کا مؤثر پر اثر کا مترتب کرنا اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اسی کا فعل ہے۔ اس لیے سبب اور مؤثر کی بجائے ان کو خود ذاتِ باری کی طرف منسوب کر دیا اور کیونکہ دوسرے متعدد مقامات پر اس کی تصریح ہے اس لیے التباس کا شبہ نہیں۔

۴۸ یہ پہلی بات کی توضیح ہے کہ اے حبیب! آپ انھیں لاکھ معجزے دکھائیں۔ روزِ روشن کی طرح حق نمایاں کر دیں یہ ایمان لانے کے نہیں۔ انھوں نے تو اس صلاحیت کو ہی ضائع کر دیا۔ وہ استعداد ہی کھو دی جو حق کو قبول کرنے والی ہوتی ہے۔

ءَايَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰٓ إِذَا جَآءُوكَ يُجَٰدِلُونَكَ يَقُولُ ٱلَّذِينَ

نشانی بھی تو نہیں ایمان لائیں گے اس کے ساتھ۔ یہاں تک کہ جب حاضر ہوں ۵۹ آپ کے پاس جھگڑتے ہوئے آپ سے تو کہتے ہیں وہ لوگ

كَفَرُوٓا۟ إِنْ هَٰذَآ إِلَّآ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ

جنھوں نے کفر کیا کہ نہیں یہ (قرآن) مگر جھوٹے قصے پہلے لوگوں کے اور وہ روکتے ہیں ۶۰ اس سے اور

يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ

دُور بھاگتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے نفسوں کو اور وہ (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور اگر

تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا۟ عَلَى ٱلنَّارِ فَقَالُوا۟ يَٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِـَٔايَٰتِ

آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے

۵۹ نضر نامی ایک شخص نے ایران کی سیاحت کی۔ وہاں سے رُستم و اسفندیار کے افسانوں اور قصّوں کی کتابیں اپنے ہمراہ لایا اور قریش کی مجلسوں میں بیٹھ کر بڑے مزے لے لے کر انھیں پڑھ کر سُنایا کرتا تھا۔ اسے بڑا جہاندیدہ خیال کرتے ہوئے ابُوجہل اور ابُوسفیان اس کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور قرآن سُننے کی خواہش کی۔ حضورِ سرورِ عالم ؐنے پڑھ کر سُنایا۔ ابُوسفیان اور ابوجہل نے نضر سے پُوچھا کیسا پایا؟ وُہ نا سمجھ کہنے لگا کہ بس یُونہی ہونٹ ہلاتے رہتے ہیں۔ یہ ایسے ہی افسانے ہیں جیسے میں تمھیں سُنایا کرتا تھا۔ چند الفاظ:۔ اَكِنَّةً اس کا واحد کنان ہے اس کا معنی پردہ ہے وقر بمعنی ثقل یعنی سماعت کی گرانی۔ اساطیر جمع ہے لیکن اس میں بہت اختلاف ہے کہ اس کا واحد کیا ہے زجاج نے اس کا واحد اَسطار۔ ابوعبیدہ نے اِسطار، اخفش نے اسطورۃ بتایا ہے۔ اور بعض ائمہ لغت کی رائے یہ ہے کہ یہ ایسی جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ جیسے مذاکیر، ابابیل وغیرہ (قرطبی)

۶۰ نہی کا معنی ہے روکنا اور نأی کا معنی ہے دُور کرنا۔ النهى الزجر والنأى البعد یعنی کفّار کی یہ حالت ہے کہ خود بھی دعوتِ حق قبول نہیں کرتے اور دُوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔ اس طریق کار سے وُہ اپنی دُنیا و آخرت ہی برباد کر رہے ہیں دین کی ترقی کو نہیں روک سکتے۔

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہوجائیں گے ایمانداروں سے ۔ بلکہ عیاں ہوگیا ان پر [۱] جسے چھپایا کرتے تھے

مِنْ قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٢٨﴾

پہلے ۔ اور اگر اُنھیں واپس بھیجا جائے (جیسے اُن کی خواہش ہے) تو پھر بھی وُہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَوْ

جھوٹے ہیں ۔ اور کہتے ہیں [۲] نہیں کوئی زندگی بجز ہماری اس دُنیاوی زندگی کے اور ہم نہیں اٹھائے جائیں گے (قبروں سے) اور اگر

تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَ

آپ [۳] دیکھیں جب وہ کھڑے کیے جائیں گے اللہ کے حضور میں اللہ فرمائے گا کیا یہ (قبروں سے اُٹھنا) حق نہیں ؟ کہیں گے بے شک (حق ہے)

[۱] پہلی آیت میں بتایا کہ کفار کو جب جہنم کے کنارے کھڑا کیا جائے گا اور اس کے دہکتے ہوئے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں پر ان کی نظر پڑے گی تو اوسان خطا ہوجائیں گے اور ساری نخوت اور غرور کافور ہوجائے گا تو انتہائی حسرت سے یہ آرزو کریں گے کہ کاش ! اُنھیں دُنیا میں جانے کا ایک بار موقع ملے تو پھر اللہ کے رسُول کی ہرگز تکذیب نہ کریں بلکہ سچے دل سے اُس پر ایمان لے آئیں ۔ اِس آیت میں دِلوں کے اسرارِ نہاں جاننے والا خُدا فرماتا ہے کہ یہ سب جھُوٹ اور فریب کاری کی باتیں ہیں ۔ ان کی فطرت ایسی مسخ ہوچکی ہے کہ اگر انھیں بفرضِ محال پھر دُنیا میں بھیجا جائے تب بھی وُہی کرتوت کریں گے جو وُہ پہلے کرتے رہے ۔ اب یہ جو اتنے بھلے مانس بنے ہُوئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اُن کے راز افشاء کردیئے گئے ۔ ان کی جھُوٹی قسموں کی حقیقت بھی کھل گئی اب اس کے علاوہ انھیں کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا ۔

[۲] ان کی کجروی اور غلط کاری کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ انھیں قیامت ، جزاء و سزا اور جنت و دوزخ پر ایمان نہ تھا ۔ ان کا یہی عقیدہ تھا کہ زندگی بس یہی دُنیوی زندگی ہے ۔ اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں جس میں اپنے اعمال کے نتائج سے دوچار ہونا پڑے اِس لیے وُہ بالکل بے فکر ہوکر اپنی گمراہیوں میں منہمک تھے ۔

[۳] آج تو بے شمار دلائل سُننے اور سمجھنے کے باوجود یہ کافر قیامت کا انکار کررہے ہیں ۔ غور کیجئے وُہ منظر ان کے لیے کتنا ہولناک ہوگا جب وُہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرمائے گا کہ اب بتاؤ قیامت کے برپا ہونے کی جو خبر میرے رسُولوں نے تمھیں دی تھی سچی تھی یا نہیں ۔ اس وقت تسلیم کریں گے لیکن اس روز کا تسلیم کرنا کچھ مفید نہ ہوگا ۔ اس وقت ان کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے ۔

رَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ہمارے رب کی قسم اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اب چکھو عذاب بسبب اس کفر کے جو تم کیا کرتے تھے بے شک خسارہ میں رہے ۴۴

كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

وہ جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے ملاقات (کی خبر) کو۔ یہاں تک کہ جب آگئی ان پر قیامت اچانک بولے ہائے افسوس ۴۵

عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا

اس کوتاہی پر جو ہم سے ہوئی اس زندگی میں ۴۶ اور وہ اُٹھائے ہوئے ہیں اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر ۴۷ ارے

۴۴ ایک فرض ناشناس طالب علم جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ اور اپنا سارا تعلیمی سال کھیل کود اور عیش و عشرت کی نذر کر دے۔ اچانک جب اسے بتایا جائے کہ میاں صاحبزادے! کل آپ کا امتحان ہے تیار ہو جاؤ۔ تو یہ خبر اس کے خرمنِ ہوش پر بجلی بن کر کوندے گی۔ اور وہ سال بھر کی غفلتوں پر اپنے آپ کو کوسنے لگے گا۔ اسی سے آپ اندازہ کر لیجیے اس سراسیمگی اور پریشانی کا جس سے ایسا شخص دوچار ہو گا۔ جو یہ سمجھتے ہوئے ساری عمر دادِ عیش دیتا رہے کہ قیامت کا دن آنے کا ہی نہیں اور پھر اُسے اچانک پکڑ کر اپنے گزشتہ اعمال کی حساب دہی کے لیے بارگاہِ رب العزت میں کھڑا کر دیا جائے۔

۴۵ حسرت منادیٰ حقیقی نہیں صرف کثرتِ حسرت کے اظہار کے لیے اسے منادیٰ بنایا گیا جیسے یا للعجب یا للرخاء (قرطبی)

۴۶ عرب کہتے ہیں فرط فلان الی الماء: فلاں شخص پانی کے گھاٹ یا چشمے کی طرف سب سے پہلے چلا گیا۔ اسی سے ہے اَنَا فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ: میں تم سے پہلے حوضِ کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔ (حدیثِ نبوی) فَرَّطَ اسی سے بابِ تفعیل اور متعدی ہے۔ اس کا معنی ہے دُوسرے کو آگے کر دینا اور خود پیچھے رہ جانا۔ اسی مناسبت سے فَرَّطْنَا کا مفہوم یہ ہو گا کہ رضاءِ الٰہی کے حصول میں ہم نے دُوسروں کو آگے بڑھنے دیا اور خود پیچھے رہ گئے۔ اسی لیے یہ لفظ تقصیر اور کوتاہی کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

۴۷ گناہوں کا بوجھ ان کی پیٹھ پر لادنے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن گناہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہوں گے اور انھیں گنہگاروں کی پیٹھ پر لاد دیا جائے گا۔ یا یہ بطور مجاز و تشبیہ کہا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ احساسِ گناہ اور ندامت ان پر مسلّط ہو گا اور فرطِ ندامت سے ان کی یہ حالت ہو گی جیسے کوئی بھاری بھرکم بوجھ ان پر لاد دیا گیا ہو اور وہ اس کی گرانی کے نیچے دبے چلے جا رہے ہوں۔

سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٣١﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۖ وَلَلدَّارُ

کتنا بُرا بوجھ ہے جسے وُہ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور نہیں ہے دُنیا کی زندگی ۴۸ مگر کھیل اور تماشا اور بے شک آخرت

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٣٢﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ

کا گھر بہتر ہے اُن کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں تو کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے (اے حبیب!) ہم جانتے ہیں کہ رنجیدہ کرتی

الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ہے آپ کو وُہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وُہ نہیں جھٹلاتے آپ کو بلکہ یہ ظالم (دراصل) اللہ کی آیتوں کا انکار

يَجْحَدُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا

کرتے ہیں ۴۹ اور بے شک جھٹلائے گئے رسُول آپ سے پہلے ۵۰ تو انھوں نے صبر کیا اس

۴۸ زندہ دونوں رہتے ہیں مومن بھی اور کافر بھی لیکن ان کی زندگیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اسے بڑی عمدگی سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے: هذه حياة الكافر لانه يزجيها في غرور وباطل فاما حياة المومن فتنطوي على اعمال صالحة فلا تكون لهوا ولعبا "لہو و لعب کافر کی زندگی کا نچوڑ ہے کیونکہ وُہ یہ قیمتی لمحے غرور و نخوت اور باطل میں ضائع کر دیتا ہے لیکن مومن کی زندگی اعمالِ صالحہ سے لبریز ہوتی ہے۔ اس لیے وُہ لہو و لعب نہیں" یہ اور بات ہے کہ آج ایمان کے بیشتر دعوے داروں کو اس فرق کا احساس ہی نہ ہو۔

۴۹ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذاتِ خود کچھ نہیں کہا کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسُول اور نبی ہونے کی حیثیت سے ہی ان کو تبلیغ کرتے تھے۔ اس لیے حضورؐ کی رسالت کا انکار اور تکذیب گویا آیاتِ الٰہی کا انکار اور تکذیب ہی تھی۔ دُوسرا مطلب یہ ہے کہ وُہ حضورؐ کو تو صادق اور راست گفتار یقین کرتے تھے۔ جیسے ابُوجہل نے ایک دفعہ حضورؐ سے کہا کہ ہم آپ کو تو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کی صداقت ہمارے نزدیک مُسلّم ہے لیکن یہ پیغام جو لے کر آپ آتے ہیں ہم اسے سچا تسلیم نہیں کرتے۔ وكان ابوجهل يقول: ما نكذبك لانك عندنا صادق وانما نكذب ما جئتنا به (کشاف)

۵۰ سُنتِ الٰہی یہی ہے کہ حق و باطل کی کشمکش جاری رہے مصائب کے پہاڑ حق کے علمبرداروں پر ٹوٹتے رہیں اور وُہ صبر و اُولو العزمی سے ان کو برداشت کرتے رہیں۔ حوادثات کے طوفانوں میں بھی شمعِ توحید کو ہر قیمت پر وُہ روشن رکھیں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کفّار کے کفر و عناد سے بڑی تکلیف ہوتی تھی اور آپ کے رحیم و شفیق دل کو

كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھٹلائے جانے پر اور ستائے جانے پر یہاں تک کہ آپہنچی انھیں ہماری مدد ۵۱؎ اور نہیں کوئی بدلنے والا اللہ کی باتوں کو

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

اور آہی چکی ہیں آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں اور اگر گراں ہے آپ پر ان کا (حق سے)

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

رُوگردانی کرنا ۵۲؎ تو اگر آپ سے ہو سکے تو تلاش کرلو کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

آسمان میں (تو اس پر چڑھ جاؤ) پھر لے آؤ ان کے پاس کوئی معجزہ (تو بھی وُہ ایمان نہیں لائیں گے) اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو جمع کر دیتا انھیں ہدایت پر

گوارا نہ تھا کہ کوئی بھی کفر و گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ سے پہلے بھی انبیاء مبعوث کیے گئے۔ کفار نے اُن کو بھی ستایا اور اُنھوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ آپ بھی کفار کی اذیت رسانیوں پر صبر و تحمل سے کام لیا کریں۔

۵۱؎ جب انبیاء کرام نے تبلیغ اور صبر کا حق ادا کر دیا اور کفار کی اذیت رسانیوں اور تعصب کی حد ہو گئی تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آئی جس نے باطل کو سرنگوں اور ذلیل کر دیا اور حق کا بول بالا ہو گیا۔ اور کفر کا سارا ترک و احتشام خدا کی نصرت کے وعدہ کو پورا ہونے سے نہ روک سکا۔ اسی طرح اے میرے حبیب! میں نے آپ سے اسلام کو سربلند کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وُہ پُورا ہو کر رہے گا۔

۵۲؎ اس آیت میں دو اہم باتوں کا ذکر ہے۔ ایک تو یہ کہ میرا محبوب ان گم کردہ راہوں کے ہدایت پانے پر اتنا حریص ہے کہ وُہ ہر کوشش کے لیے تیار ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کا بس چلے تو جس معجزہ کا وُہ مطالبہ کریں وُہ پیش کر دے۔ خواہ اس کے لیے زمین میں سُرنگ لگانی پڑے یا آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنا پڑے۔ والمراد بیان حرصه علی اسلام قومه وانه لو استطاع ان یاتی بآیة من تحت الارض او من فوق السماء لاتی بها رجاء ایمانهم (نیشاپوری کشاف وغیرہ)

دُوسری بات یہ بتائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا نہیں کہ کسی کو اتنا مجبور و مقہور کر دیا جائے کہ اسلام کو تسلیم کیے بغیر اس کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ کیونکہ دین صرف چند رسُوم کی ادائیگی اور چند کلمات کے تلفظ

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ

تو آپ نہ ہو جائیں ان سے جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے ۵۳؎ صرف وُہی قبول کرتے ہیں ۵۴؎ جو سُنتے ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

اور اُن مُردہ (دلوں) کو اُٹھائے گا اللہ تعالیٰ پھر وُہ اُسی کی طرف لَوٹائے جائیں گے ۵۵؎ اور بولے کیوں نہیں اُتاری گئی

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّ

ان پر کوئی نشانی ان کے ربّ کی طرف سے ۵۶؎ آپ فرمائیے بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اِس بات پر کہ اُتارے کوئی نشانی

کا نام نہیں بلکہ یہ وُہ ہمہ گیر انقلاب ہے جو رُوح، قلب اور شعور و احساس کی پُرانی دُنیا کو زیر و زبر کرکے نئی دُنیا تعمیر کرتا ہے اور یہ انقلاب فقط اُسی وقت رُونما پذیر ہو سکتا ہے جب کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے خوب سوچ سمجھ کر اِس نظریۂ حیات کو قبول کرے۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اِنسان کو کوئی خاص دین اختیار کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبؐ کو فرماتے ہیں کہ ہماری قدرت تو اتنی وسیع ہے کہ اگر ہم چاہیں تو سب بُوذرؓ و بلالؓ بن جائیں لیکن ایسا کیا نہیں جاتا۔

۵۳؎ بعض کے نزدیک اِس آیت کے مخاطب حضُور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں لیکن نہی کا مدعی یہ نہیں کہ حضُور ایسا کر رہے تھے اور آپ کو منع کر دیا گیا۔ بلکہ کسی چیز سے اجتناب اور پرہیز کی تاکید کے لیے یہ اسلوبِ کلام اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ علّامہ نظام الدّین نیشاپوری رقم طراز ہیں۔ فهذا النهي لا يقتضي اقدامه على مثل هذه الحالة لكنه يفيد التغليظ (نیشاپوری) اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں خطاب اُمّت کے ہر فرد کو ہے اور علامہ ابو حیانؒ نے اِسی قول کو اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ والذی اختاره ان هذا الخطاب ليس للرسول فانما ذلك للسامع فالخطاب والنهي في فلا تكونن للسامع دون الرسول (بحرِ محیط) یعنی میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ یہاں خطاب حضُور علیہ السّلام کو نہیں بلکہ ہر سُننے والا مخاطب ہے۔

۵۴؎ اب ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وُہ حق کو قبول تو اس وقت کریں جب وُہ حق کی آواز کو سُنیں لیکن اُنھوں نے لگاتار اِنکار سے ان کانوں کو ہی بہرہ کر دیا ہے جو حق کی آواز سُن سکتے ہیں تو وُہ اِس حالت میں ایمان کیونکر لائیں۔

۵۵؎ کیونکہ ان کے دِل مُردہ تھے اِس لیے اُن کو مُردہ کہا گیا۔

۵۶؎ کفّار طرح طرح کی فرمائشیں کیا کرتے تھے یعنی اِس ریگزار میں دریا بہنے لگیں چشم زدن میں یہاں سرسبز و شاداب باغات

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ

لیکن اکثر ان میں سے کچھ نہیں جانتے اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ

يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

جو اُڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وُہ اُمتیں ہیں تمہاری مانند ٥٥ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ

پھر اپنے رب کی طرف اُٹھائے جائیں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو (تو وُہ) بہرے اور گونگے ہیں

فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ

اندھیروں میں (سرگرداں ہیں) جسے چاہے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے اور جسے چاہے لگا دے اُسے سیدھے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

راستہ پر آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو ٥٦ اگر آئے تم پر اللہ کا عذاب یا آجائے تم پر قیامت کیا اس وقت

لہلہانے لگیں اور ان میں ندیاں رواں ہوں۔ آپ سچے نبی ہیں تو آپ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ مطالبے قبولِ حق کے لیے نہ تھے۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو کچھ بعید نہیں کہ جو تمھارا مطالبہ ہو اسے پورا کر دیا جائے لیکن اس کی حکمت کے خلاف ہے۔

٥٥ اے منکرینِ حق! تم اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علمِ وسیع کا کیا اندازہ کر سکتے ہو۔ اُس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ اُس نے تمام جانوروں اور پرندوں کو مختلف اُمتوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی پیدائش اور موت کے لیے الگ الگ قانون بنا دیئے ہیں۔ ان کے مزاج کے موافق ان کی غذا کا انتظام فرما دیا ہے۔ ان کی ضروریات کے مُطابق انھیں مختلف قسم کے اعضاء مرحمت فرما دیئے ہیں جس خطۂ زمین میں اور جس آب و ہوا میں انھیں زندگی بسر کرنا ہے ان کی کھال، ان کے بال، ان کے جسم کی ساخت میں ان کی کمال رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ پھر ہر ایک کے فرائض کے مطابق اسے شعور اور سمجھ عطا کی گئی ہے۔

٥٦ ارایتکم کا لفظ تحقیق طلب ہے جمہور علماء لغت کے نزدیک اس کا معنی ہے اخبرونی (مجھے بتا دو) اور اس کی ترکیب میں متعدد اقوال منقول ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک قول ہی نقل کروں گا جو واضح ترین ہے اور اکثر علمائے لغت

اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ

اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ ع ١١ ١٠

تو دُور کر دے گا وُہ تکلیف پکارا تھا تم نے جس کے لیے اگر وُہ چاہے گا اور تم بھلا دوگے انھیں جنھیں تم نے شریک بنا رکھا تھا اور بے شک

نے اسے پسند فرمایا ہے۔ تَ ضمیر فاعل ہے اس کے بعد جو كَ ہے وُہ حرفِ خطاب ہے اور محض ضمیر فاعل کی تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ فاعل کے واحد، تثنیہ اور جمع ہونے کی صُورت میں كَ کی شکل بدلتی رہے گی یعنی واحد کے لیے صرف "كَ" تثنیہ کے لیے "كُمَا" اور جمع کے لیے "كُمْ" ہو جائے گا۔ اور تَ جو ضمیر فاعل ہے وُہ تینوں حالتوں میں مفتوح رہے گی اس میں تغیّر نہ ہوگا۔

یہ ترکیب ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کے مفہوم میں غور فرمائیے۔ ارشاد ہے کہ جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی تم پُوجا کیا کرتے ہو اور جنھیں تم نے خُدا یقین کیا ہوا ہے اگر یہ واقعی نفع رساں ہیں اور مصیبتوں کو ٹالنے والے ہیں تو ذرا اس وقت بھی ان کو پکارا کرو جب اللہ تعالیٰ کا عذاب تمھیں اپنی گرفت میں لے لے۔ نا اُمیدی کا گھُپ اندھیرا چھا جائے۔ اور نجات کے تمام ظاہری راستے بند ہو جائیں۔ اُس وقت تو تمھاری آنکھوں سے غفلت کی پٹی کھل جاتی ہے اور جہالت کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے۔ اور تم بھی اسی مولائے حقیقی کو پکارتے ہو اور اسی کی بارگاہ میں نجات کے لیے عرض کرتے ہو۔ تو جب مُصیبت کے ان سنگین لمحوں میں باطل خداؤں کی خدائی کا طلسم ٹوٹ کر رہ جاتا ہے اور دل بے ساختہ اسی قبلۂ حاجات کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور فقط اسی کے دامنِ کرم میں پناہ ڈھونڈتا ہے تو پھر اس سچے اور حقیقی خداوند تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا اور اس کو خُدا تسلیم کرنا کہاں کا انصاف اور کہاں کی عقلمندی ہے۔ چنانچہ امام المفسرین ابن جریرؒ فرماتے ہیں :-

وتاویل الکلام قل یا محمدؐ لھؤلاء العادلین باللّٰہ الاوثان والاصنام اخبرونی ان جاءکم ایھا القوم عذاب اللّٰہ۔ او جاءتکم الساعۃ اغیر اللّٰہ ھنالک تدعون او الی غیرہ من الھتکم تضرعون۔

ترجمہ :- آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے مصطفےٰ! آپ ان لوگوں سے پُوچھیے جو بتوں کو اللہ کے برابر یقین کرتے ہیں کہ اے قوم مجھے بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا اچانک قیامت قائم ہو جائے تو کیا اللہ کے سوا کسی کو پکارو گے اور اپنے خداؤں کی طرف گھبرا کر نجات کے لیے دوڑو گے؟

علّامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ آیت مشرکین کو لاجواب کرنے کے لیے نازل ہُوئی جو ویسے تو بتوں کی عبادت کیا کرتے اور جب عذاب چاروں طرف سے گھیر لیتا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں عذاب ٹالنے کے لیے دُعائیں کرنے لگتے۔ (القرطبی)

أَرْسَلْنَآ إِلَىٰٓ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَٰهُم بِٱلْبَأْسَآءِ وَٱلضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

بھیجے ہم نے رسول ۵۹؎ اُمتوں کی طرف آپ سے پہلے (جب اُنھوں نے سرکشی کی) تو ہم نے پکڑ لیا انھیں سختی اور تکلیف سے

يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا۟ وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ

تاکہ وُہ گڑگڑائیں تو کیوں ایسا نہ ہُوا کہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب تو وُہ (توبہ کرتے اور) گڑگڑاتے لیکن سخت ہوگئے ان کے دل

وَزَيَّنَ لَهُمُ ٱلشَّيْطَٰنُ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوا۟ مَا ذُكِّرُوا۟ بِهِۦ

اور آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے جو وُہ کیا کرتے تھے پھر جب انھوں نے بُھلا دیں وُہ نصیحتیں جو انھیں

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَٰبَ كُلِّ شَىْءٍ حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا۟ بِمَآ أُوتُوٓا۟

کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وُہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انھیں

۵۹؎ ان تین آیات میں قوموں کی تربیت اور ان کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر صراطِ مستقیم پر لا کھڑا کرنے کے مختلف طریقوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور ساتھ ہی بتایا گیا کہ جو قوم کسی طرح قبولِ حق کے لیے آمادہ نہ ہو اس کا کیا انجام ہوتا ہے۔ ہدایت کا سب سے پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ انھیں آیاتِ الٰہی سُنائی جائیں اور دلائل و براہین سے ان کو راہِ راست پر لایا جائے سلیم الطبع لوگوں کے لیے اتنا ہی کافی ہوتا ہے اور جو لوگ اس سے ہدایت پذیر نہیں ہوتے انھیں مصائب اور تکالیف سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس طرح ان کے دل نرم ہو جائیں اور نافرمانی اور سرکشی سے تائب ہو جائیں۔ اور اگر اس طرح بھی وُہ باز نہ آئیں تو ان کے لیے رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ ہر چیز کی فراوانی ہو جاتی ہے اور وُہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ عیش و عشرت کا یہ دَور کبھی ختم نہ ہوگا۔ بجائے اس کے کہ وُہ اپنے مالکِ حقیقی کے شکر گزار بندے بن جائیں جس نے ان کی تنگی کو فراخی سے بدل دیا اور ان بے آب و گیاہ ریگزاروں کو سبزہ زاروں میں تبدیل کر دیا وُہ اُلٹا اکڑنے لگتے ہیں۔ اور اس ناپائیدار سرُور و نشاط میں وُہ سب کچھ بھُول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غضبِ خداوندی کی بجلی گرتی ہے جو اُنھیں اور اُن کے سارے متاعِ حیات کو دم بھر میں جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

أَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا اُنھیں اچانک اَب وُہ نااُمید ہو کر رہ گئے تو کاٹ کر رکھ دی گئی جڑ اس قوم کی ۶۰ جس نے

ظَلَمُوْا ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٥﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللّٰهُ

ظلم کیا تھا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہان والوں کا آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تعالیٰ

سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ إِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں اور مُہر لگا دے تمھارے دِلوں پر تو کوئی خُدا ہے اللہ کے سوا

يَأْتِيْكُمْ بِهٖ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾

جو لادے تمھیں یہ چیزیں؟ ۶۱ مُلاحظہ ہو کس کس رنگ سے ۶۲ ہم بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلیں پھر بھی وُہ مُنہ پھیر لیتے ہیں ۶۳

۶۰ ظالم قومیں جن کی چیرہ دستیوں سے اللہ کی مخلوق تنگ آچکی ہوتی ہے جب تباہ و برباد کر دی جاتی ہیں تو ہر طرف اطمینان اور آرام کا سانس لیا جاتا ہے۔ اور واقعی وُہ لمحہ اس قابل ہے کہ مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ اپنے ربِّ کریم کی حمد و ثنا کے گیت گائیں جس نے ان کی بےکسی اور بےبسی پر ترس کھا کر ان کو ان جابر ظالموں کی قیدِ غلامی سے نجات بخشی۔

۶۱ اللہ تعالیٰ مُشرکین کے عقیدہ کی بےسروپائی کو ایک اور طریقہ سے واضح فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسُول ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ان بےوقوفوں سے دریافت فرمائیے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں اندھا اور بہرہ کر دے اور تمھارے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دے اور سمجھنے اور سوچنے کی قوّت سلب کر لے تو بھلا بتاؤ تمھارے یہ خُدا جن کی تم پُوجا کیا کرتے ہو ان میں سے کسی میں ہمّت ہے کہ وُہ تمھیں یہ چیزیں عطا کر دے۔ اور اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر معبُودِ حقیقی کو چھوڑ کر ان باطل اور عاجز چیزوں کی عبادت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے کتنی واضح اور مضبُوط دلیل ہے جس سے ہر ادنیٰ اور اعلیٰ، عامی اور عارف یکساں طور پر ہدایت کی روشنی حاصل کر سکتا ہے۔

۶۲ قرآن کا اسلوبِ استدلال اُکتا دینے والا نہیں بلکہ اس میں وُہ رنگینی اور تنوّع ہے کہ طبیعت ہر بار ایک نیا لُطف محسُوس کرتی ہے اور ایک نئی لذّت سے سرشار ہوتی ہے کبھی عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں کبھی تاریخی شواہد مذکور ہوتے ہیں کبھی اپنی رحمت کا مژدہ سُنایا جاتا ہے اور کبھی اپنی ناراضگی اور غضب کے انجام سے ڈرایا جاتا ہے۔ وتصريف الآيات الاتيان بها على جهات من اعذار وانذار وترغيب وترهيب ونحو ذلك (قرطبی)

۶۳ صدف کا معنی ہے اعراض کرنا مُنہ پھیر لینا۔ ثمّ یہاں بھی استبعاد کے لیے ہے یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ اس طرح کے

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

آپ فرمائیے یہ تو بتاؤ اگر آ جائے تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا تو کون

يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ہلاک کیا جائے گا بغیر ظالم لوگوں کے اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو ٦٤ مگر

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

خوش خبری سنانے کے لیے اور (عذاب جہنم سے) ڈرانے کے لیے۔ تو جو ایمان ٦٥ لائے اور اپنے آپ کو سنوار لیا تو کوئی خوف نہیں ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

انھیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو تو پہنچے گا انھیں عذاب

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

بوجہ اس کے کہ وہ حکم عدولی کیا کرتے تھے آپ فرمائیے۔ کہ میں ٦٦ نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

روشن دلائل سے متاثر ہو کر وہ دینِ حق قبول کرتے مگر یہ تو اُلٹا اُس سے منہ پھیر رہے ہیں اور روگردانی کر رہے ہیں۔ کیا اُلٹی سمجھ کے ہیں یہ لوگ۔

٦٤ انبیاء کرام کی تشریف آوری کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ وہ نت نئے عجائبات کا مظاہرہ کرتے رہیں اور جیسی کچھ کسی نے فرمائش کی اس کی بجا آوری میں لگے رہیں۔ بلکہ ان کی آمد کا اصلی مقصد یہ ہے کہ نیکوکاروں کو رحمتِ الٰہی کا مژدہ سنائیں اور بدکاروں اور روسیاہوں کو اس کے عذابِ الیم سے ڈرائیں۔ تاکہ نیک اور نیک ہو جائیں اور بدکار اپنی بدی اور گمراہی سے باز آ جائیں۔

٦٥ ایمان کا تعلق دل سے ہے اور اصلاح کا تعلق اعمال سے یعنی جس کا عقیدہ بھی صحیح ہے اور اعمال بھی نیک ہیں۔ ان کو اندیشہ ہائے سود و زیاں سے نجات دے دی گئی ہے۔ نہ گزرے ہوئے وقت پر وہ ملول و غمگین ہوں گے اور نہ آنے والے حالات کے بارے میں انھیں کچھ تشویش ہوگی۔

٦٦ کفارِ مکہ کے نزدیک زندگی فقط یہی دُنیوی زندگی تھی۔ ان کی ساری کدوکاوش اور دوڑ دھوپ کا مدعا دولت، عزت اور وقار کا حصول تھا۔ وہ اسی اُدھیڑ بُن میں اپنے دن گزارتے کہ وہ زیادہ سے زیادہ دولت مند کیسے بن جائیں۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اور نہ یہ کہوں کہ خود جان لیتا ہوں غیب کو اور نہ یہ کہتا ہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا میں مگر وحی کی جو بھیجی جاتی ہے

ان کی راتیں اسی پیچ وتاب کی نذر ہوتیں کہ وُہ کس طرح اپنے حریف کی عزّت کو خاک میں ملا کر اپنے جاہ وجلال کا پرچم لہرائیں
علاوہ ازیں شرفِ انسانی کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں موجود نہ تھا۔ وُہ خود اور ان کے اردگرد بسنے والے انسان جن سے
ان کو عمر بھر کا واسطہ پڑا تھا کسی طرح بھی وحشی درندوں سے بہتر نہ تھے۔ بھلا وُہ انسان جس کے ہاتھ غریبوں اور مسکینوں
کو لوٹتے وقت نہ لرزیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو قتل کرتے وقت نہ کانپیں۔ جن کے کان زندہ درگور ہونے والی بچیوں کی
جگر دوز آہ وفغاں سُن رہے ہوں اور ان کے دِل ٹس سے مس نہ ہوں۔ رہزنی اور غارت گری جن کا پیشہ ہو اور جوا بازی
اور شراب خوری جن کی تفریحِ طبع کا سامان ہو۔ بدکاری اور بدمعاشی جن کا روز کا مشغلہ ہو وُہ کوئی شریف چیز نہیں ہو سکتا۔
انسان کے متعلق ایسا تصوّر قائم کرتے میں وُہ معذور بھی تھے۔ کیونکہ انسان نام کا جو جانور انھیں اِدھر اُدھر دکھائی دے رہا
تھا وُہ انھیں لغویات اور خرافات کا مجسّمہ تھا۔ اس لیے ان کو یہ بات سمجھانا آسان نہ تھا کہ انسان بھی منصبِ رسالت
پر فائز ہو سکتا ہے۔ یہ ان کی ذہنیت تھی۔ اور اس سے بلند تر فضا میں پرواز کرنے کی اُن کے مُرغِ فکر میں ہمّت ہی نہ تھی۔
جب رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما ہُوئے اور دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو یہ لوگ نادان بچّوں کی طرح
اپنے ایمان لانے کے لیے ایسی شرطیں لگانے لگے جس سے ان کی مالی حالت بہتر ہو جاتے۔ کہا کرتے، یہ ہمارے تپتے
ہُوئے صحرا گلشن وگلزار بنا دیجیے۔ ان میں ندّیاں بہنے لگیں اور چشمے اُبلنے لگیں اور سر سبز وشاداب کھیت لہلہانے لگیں تو
ہم جانیں کہ آپ سچّے نبی ہیں اور آپ پر ایمان لانے سے ہمیں فائدہ ہوا اور اگر ہماری معاشی بدحالی جُوں کی توں ہی رہے تو
پھر آپ کو نبی ماننے سے ہمیں کیا فائدہ؟ اور اگر یہ نہیں کرتے تو اتنا ضرور کیجیے کہ ہمیں بتا دیا کرو کہ اس سال فلاں جنس کا بھاؤ
چڑھ جائے گا تاکہ ہم اس کا ذخیرہ کر لیا کریں اور جب نرخ تیز ہو جائے تو اس کو بیچ کر نفع کمائیں۔ یا ہماری چوری ہو جائے
تو چور کا سُراغ بتائیں لیکن یہ چیزیں بھی آپ نہیں کرتے تو پھر ہم خواہ مخواہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر کیوں اپنے آپ کو بدنام اور
بے آرام کریں۔ جب وُہ دیکھتے کہ یہ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ کاروبار بھی کرتے ہیں۔ بال بچے دار بھی ہیں۔ تو وُہ کہتے کہ یہ انسان
ہیں۔ اور انسان (جس قسم کے انسان سے وُہ واقف تھے) نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ کفّار کی اس بگڑی ہوئی اور پست ذہنیت
کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی زبانِ پاک سے یہ اعلان کرایا کہ میں اس
بات کا مدّعی بن کر نہیں آیا کہ میں تمھارے ان ریتیلے ٹیلوں کو ہموار کر کے رشکِ ارم بنا دُوں گا۔ خشک زمینوں میں دریا بہا
دُوں گا۔ اور ہر چٹان سے چشمے اُبلنے لگیں گے بیں تمھاری مادی خواہشات کی تکمیل کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ میں تو تمھیں اللہ
سے ملانے آیا ہُوں۔ تمھارے ویران دلوں کو بسانے آیا ہُوں میں تو تمھارے گلستانِ حیات میں نیکی، تقویٰ، پاکیزگی اور
خوش اخلاقی کے سدا بہار پھُول کھلانے آیا ہُوں۔ مجھے اس لیے تو مبعوث نہیں کیا گیا کہ میں تمھیں چنے اور جَو، کھجُور اور

إِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۚ أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٠﴾ وَ ع ۵

میری طرف۔ آپ فرمائیے کیا (کبھی) برابر ہو سکتا ہے اندھا اور دیکھنے والا۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے اور

انگور کے بھاؤ بتاؤں بلکہ مجھے تو اعمالِ حسنہ کی جنس سے تمہیں آشنا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔ جن کی قدر و قیمت بازارِ محشر میں اتنی زیادہ ہوگی جس کا تم اب تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ یہ افکار کی لطافت، ارادوں کی پختگی اور حوصلوں کی بلندی، یہ اعمال کا حسن کردار کی رعنائی اور اخلاق کی پاکیزگی، یہ علمی کمالات اور دُوسرے معجزات جن کا تم مجھ میں مشاہدہ کر رہے ہو ان سب کے باوجود میں انسان ہُوں فرشتہ نہیں۔ فرشتہ تو انسانِ کامل کی گردِ راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ تمہارے ذہنوں میں انسان کا جو گھٹیا تصوّر ہے وُہ انسانِ کامل کا نہیں بلکہ بھٹکے ہُوئے انسان کا تصوّر ہے جو نفس اور شیطان کے دامِ فریب میں گرفتار ہو کر اور مدّت دراز تک اس کا گرفتار رہ کر اپنی مسندِ شرف و عزّت سے محرُوم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے تم انسان کو اتنا حقیر نہ جانو۔ اپنی قدر پہچانو۔ اور اپنے شرفِ خُداداد کا احترام کرتے ہُوئے شیطان کے جال سے رُستگاری حاصل کرنے کے لیے کوشش کرو۔ نیز اس آیت سے اس شُبہ کا ازالہ بھی کر دیا جس میں اکثر ضعیف العقل لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ذرا کسی میں کمال دیکھا جھٹ اس کے خُدا ہونے کا یقین کر لیا۔ وُہ ذاتِ پاک اعلان فرما رہی ہے جس کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوا۔ اور ڈوبا ہوا سُورج پھر لوٹ آیا کہ میں خُدا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سارے خزانے میرے قبضہ میں ہیں۔ خود بخود جیسے چاہُوں ان میں تصرّف کروں یا مجھے غیب کا خود بخود علم ہو جاتا ہے اور بغیر اللہ کے بتلائے اور سکھلائے میں ہر غیب کو جانتا ہُوں۔ میرا یہ دعویٰ نہیں۔ میرا اگر کوئی دعویٰ ہے تو فقط یہ کہ ان اتبع الا ما یوحی الی: جو کچھ میری طرف وحی کیا جاتا ہے میں اس کی پیروی کرتا ہُوں۔ قول اور فعل میں، علم اور عمل میں۔ والمعنی لا ادعی ان هاتیك الخزائن مفوضة الی التصرف فیها کیف اشاء استقلالا واستدعاء (رُوح المعانی) ولست اقول انی الرب الذی له خزائن السموات والارض (ابن جریر) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ یہ سارے خزانے میرے تصرّف میں ہیں اور میں خود مُستقلاً ان میں جیسے چاہُوں تصرّف کر سکتا ہُوں خط کشیدہ دو لفظ خصُوصی توجّہ کے مستحق ہیں۔ (رُوح المعانی) یعنی میں یہ نہیں کہتا کہ میں خُدا ہُوں جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کے سارے خزانے ہیں۔ (ابن جریر)

اس آیت میں ایک اور نہایت اہم اور بُنیادی چیز کی طرف بھی رہنمائی کی گئی ہے کہ اسلام کی اشاعت کا انحصار لالچ اور شعبدہ بازی پر نہیں بلکہ معرفتِ حق اور قبولِ حق پر ہے یعنی کوئی اس لالچ میں ایمان نہ لائے کہ اسے فلاں جاگیر مل جائے گی زمین میں چھپا ہُوا کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فقط وہی ایمان مقبول ہوگا جو حق کو حق سمجھ کر صرف اس لیے کہ وُہ حق ہے قبُول کیا جائے۔

کے بعض پریشان خیال لوگ اس آیت کریمہ میں غور کیے بغیر اس وہم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ حضور فخرِ موجودات علیہ

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

ڈرائیے ۴۸ اس (قرآن) سے انھیں جو ڈرتے ہوں اس سے کہ اُٹھایا جائے گا انھیں ان کے رب کی طرف اس حالت میں کہ نہیں

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

ہوگا ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی ۴۹ (انھیں ڈرائیے) تاکہ یہ کامل پرہیزگار ہو جائیں اور نہ دُور ہٹاؤ انھیں جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ

جو پکارتے رہتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ۵۰ طلبگار ہیں (فقط) اس کی رضا کے۔ نہیں آپ پر

افضل التحیات والتسلیمات علیہم ہیں، انبیاء ہیں، بشری کمزوریوں میں عام انسانوں کی طرح ہیں۔ کاش! وہ اس آیت کے ان مختصر الفاظ میں بھی تدبر کرتے۔ قدرت نے پہلے ہی ان کا ازالہ فرما دیا ہے اور بتا دیا کہ تم میں اور میرے محبوب میں اتنا فرق ہے جتنا اندھے اور بینا میں ہوتا ہے۔ اب خود سمجھ لو کہ جس کی آنکھیں اللہ تعالیٰ کے نور سے روشن ہوں اور جو تہ در تہ اندھیروں میں بھٹک رہا ہو کیا برابر ہو سکتے ہیں جس کی چشم مازاغ مقام دنیٰ پر محو مشاہدہ ہو۔ کیا اس کی ہمسری وہ لوگ کر سکتے ہیں جو دُوری کے حجابوں کے پیچھے سر بزنج رہے ہوں۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ کے الفاظ سے یہ بتایا کہ اس آیت میں جتنا کوئی زیادہ غور و فکر کرے گا اتنی ہی اس کو سمجھ دی جائے گی اور جو غور و تامل نہیں کرے گا وہ محروم رہے گا۔

۴۸ وہ لوگ جو محض تعصب و ہٹ دھرمی سے آپ کی مخالفت کر رہے ہیں اور انھیں قیامت کے قائم ہونے کا خیال تک نہیں۔ انھیں اپنے حال پر چھوڑیے اور آپ ان لوگوں کی طرف اپنی توجہ زیادہ مبذول کیجیے جو قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں۔ بہ کا مرجع قرآن حکیم ہے۔ اگر وہ پہلے سے مسلمان ہے تو اس کے ڈرانے کا یہ فائدہ ہوگا کہ وہ اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر اسلام قبول کرلے گا۔ فان کان مسلما انذر لیترک المعاصی وان کان من اهل الکتب انذر لیتبع الحق۔

۴۹ شفاعت کا بہت غلط تصوّر لوگوں میں رائج تھا بت پرست یہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ بھی ہو تو اُن کے بُت انھیں چھڑا لیں گے اور جس کو چاہیں گے بخشوا لیں گے اور یہود و نصاریٰ اس زعم میں مبتلا تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ہم تو اللہ کے فرزند اور اس کے لاڈلے ہیں۔ ہمارے اعمال کیسے ہی ہوں ہم بخشے جائیں گے۔ تو اس غلط تصوّر کی نفی کر دی۔ اس سے انبیاء کرام کی شفاعت کی نفی نہیں کیونکہ وہ اذنِ الٰہی سے ہوگی۔ تو گویا حقیقۃً اللہ تعالیٰ ہی شفیع ہوگا۔ شفاعة الرسول لهم تكون باذن الله فهو الشفيع حقيقة اذن (قرطبی)

۵۰ حضرات بلال، یاسر، خبیب وغیرہ غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر وقت شمع رسالت پر پروانہ وار نثار

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہ آپ کے حساب سے ان پر کوئی چیز ہے

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

تو پھر بھی اگر آپ دُور ہٹائیں انھیں تو ہو جائیں گے آپ بے انصافی کرنے والوں سے اور اسی طرح ہم نے ایک آزمائش میں ڈال دیا

لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (امراء کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہی ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے کیا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ ۵۴ شکر

ہوتے رہتے تھے۔ کفار جو نسلی برتری کے قائل تھے انھیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ وہ ان غریبوں کے پاس بیٹھیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک دفعہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں کہلا بھیجا کہ ہم آپ کے پاس حاضر ہونا تو چاہتے ہیں لیکن آپ کے گرد گنواروں اور ناداروں کا ہجوم ہوتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں ہماری ہتک ہوتی ہے۔ اگر آپ ان کو اپنی مجلس سے اُٹھا دیں تو ہم حاضر ہو سکتے ہیں۔ حضورؐ کے خاطرِ مبارک میں خیال گزرا ہی تھا کہ فوراً جبریلؑ یہ حکم لے کر حاضر ہو گئے۔ اور ساری دُنیا کو یہ بتا دیا کہ یہی وہ بارگاہِ بےکس پناہ ہے جہاں حاضر ہونے والوں کی قدر و قیمت کا اندازہ ان کے زرق برق لباس اور ان کی دولت و ثروت کی بنا پر نہیں لگایا جاتا بلکہ ایمان و تقویٰ کی بنا پر لگایا جاتا ہے۔ فتکون من الظالمین کے الفاظ سے قیامت تک آنے والی اُمت کو بھی اس طرزِ عمل پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کر دی گئی۔ فان فعلت کنت ظالما وحاشا من وقوع ذلك منه وانما هذا بيان للاحكام ولئلا يقع مثل ذلك من غيره من اهل الاسلام (القرطبی) اگر آپ ایسا کریں تو آپ ظلم کا ارتکاب کریں گے۔ پناہ بخدا! کہ ایسا فعل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر ہو۔ یہ تو محض احکامِ الٰہی کا بیان ہے تاکہ حضورؐ کے علاوہ کسی فرزندِ اسلام سے بھی ایسی حرکت صادر نہ ہو۔

۵۳ ابتدا میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والوں میں غریبوں اور فقیروں کی کثرت تھی تو دولتمند کفار دل میں یہ سوچنے لگے کہ اگر اسلام واقعی کوئی نعمتِ عظمیٰ ہے تو کیا اس کے لیے نظرِ انتخاب انھیں بدحالوں اور فاقہ مستوں پر ہی پڑی۔ کیا ہم موجود نہ تھے۔ شکل و صورت، حسب و نسب، مال و جاہ غرضیکہ ہم ہر لحاظ سے ان لوگوں سے بہتر تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ شرف ہمیں بخشا جاتا۔ اس لیے یہ کوئی شرف کی چیز نہیں ورنہ ان ناداروں کو عطا نہ کی جاتی۔

۵۴ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے شکر گزار بندوں کو خوب جانتا ہوں اور مجھے خوب معلوم ہے کہ نعمتِ ایمان سے کس کو سرفراز کرنا ہے۔

بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ

اپنے شکر گزار (بندوں) کو اور جب آئیں ۷۳ آپ کی خدمت میں وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر تو (ان سے) فرمائیے سلام ہو

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

تم پر لازم کر لیا ہے تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے آپ پر رحمت فرمانا تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے

سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

بُرائی نادانی سے پھر توبہ کر لے اس کے بعد اور سنوار لے (اپنے آپ کو) تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ اور اسی طرح ہم کھول کر بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ ظاہر ہو جائے راستہ گنہگاروں کا

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ

آپ فرمائیے مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں پوجوں انھیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا ۷۴ آپ فرمائیے میں

منزل ۲

۷۳ وہ مقدس گروہ جن کے شب و روز کا ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف ہوتا ہے اور ان کے دل نورِ ایمان سے لبریز ہیں ان کی مزید عزت افزائی کا سامان ہو رہا ہے یعنی کیا ہوا کہ وہ پھٹے پرانے لباس میں ملبوس ہیں اور نانِ جویں کے علاوہ اور کوئی چیز کھانے کو میسر نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی شان یہ ہے کہ اے محبوب! جب وہ تیری خدمت میں حاضر ہوں تو آپ پہلے انھیں سلام فرمائیے اور انھیں یہ دعا دیجیے کہ تمہارا دین، تمہاری دنیا ہر قسم کے مصائب و آلام سے محفوظ رہے۔ چنانچہ حضورؐ کا ارشاد ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ اَمَرَنِيْ اَنْ اَبْدَاَهُمْ بِالسَّلَامِ (قرطبی) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا فرمائے ہیں جنھیں پہلے سلام کہنے کا مجھے حکم فرمایا گیا ہے۔ نیز یہ وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی بھول سے غلطی کر بیٹھتا ہے اور پھر نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اپنے کردار کو درست کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اور اس پر رحمت فرماتا ہے۔

۷۴ نادان کفار اس کوشش میں سرگرداں رہا کرتے کہ دینِ توحید کا علم بردار اللہ تعالیٰ کا رسول برحق بھی ان معبودانِ باطل کی پرستش کرنے لگے جن کے سامنے یہ سجدہ ریز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کو حکم دیا کہ آپ کھلے الفاظ میں اعلان

لَآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾

نہیں پیروی کرتا تمھاری خواہشوں کی ایسا کروں تو گمراہ ہو گیا میں اور نہ رہا میں ہدایت پانے والوں سے

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا

آپ فرمایئے بے شک میں قائم ہوں ایک روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلا دیا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس ۵۸ جس

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ

کی تم جلدی مچا رہے ہو نہیں ہے حکم ۵۹ (کسی کا) سوائے اللہ کے وہی بتاتا ہے حق اور وہ سب سے بہتر

کردیں کہ میں تمھارے جھوٹے خداؤں کی عبادت ہرگز نہیں کروں گا اس خیالِ خام کو ہمیشہ کے لیے اپنے ذہنوں سے نکال دو۔ کیونکہ نہ عقل سلیم اس کی اجازت دیتی ہے کہ خالقِ دوجہان کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ توحید کی روشن دلیلوں نے اس لغویت کے لیے کوئی گنجائش چھوڑی ہے۔ اس لیے عقل و نقل کے خلاف ایک صریح باطل کو کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے۔ آیت میں تدعون کا معنی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ترجمہ میں یہ فرمایا ہے تدعون من دون اللہ شما پرستید بجز خدا یعنی خدا کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ آپ کے علاوہ قرطبی، رُوح المعانی، کشاف، نیشاپوری وغیرہم نے تدعون کا معنی تعبدون کیا ہے۔ دُعا کی حقیقت کیا ہے؟ کونسی دُعا عبادت اور شرک ہے؟ اور کونسی دُعا عبادت نہیں۔ اس کی تحقیق کسی مناسب مقام پر کی جائے گی۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

۵۸ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ حضورؐ انھیں ڈرایا کرتے کہ اگر تم نے شرک کو نہ چھوڑا تو عذابِ الٰہی آئے گا اور تمھیں نیست و نابود کر دے گا۔ وہ بطور مذاق کہتے کہ ہم آپ کا دین قبول نہیں کرتے پھر اتار دیجئے ہم پر عذاب۔ جلدی کیجئے دیر کیوں لگا رہے ہیں۔ بلکہ وہ تو یہ دُعا بھی مانگا کرتے کہ اے خدا! اگر یہ دین سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اللہ تعالیٰ ان کی ہرزہ سرائی کے رد میں اپنے محبوب کو یہ جواب دینے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ اے کفار جس عذاب کے لیے تم جلد بازی کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے جب چاہے گا اُتارے گا اور اُس وقت اس کے غضب سے تمھیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

۵۹ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے ہر کام کے لیے اس نے اپنے علمِ ازلی میں وقت مقرر کر رکھا ہے جو وقت تم پر عذاب نازل کرنے کا اس نے متعین کر دیا ہے۔ اس سے پہلے یا پیچھے کوئی نہیں کر سکتا۔

الْفٰصِلِيْنَ ۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ

فیصلہ کرنے والا ہے آپ فرمائیے اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا

بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۵۸ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

اس بات کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی

لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ وَ مَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

نہیں جانتا انھیں سوائے اس کے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی میں اور سمندر میں ہے اور نہیں گرتا کوئی پتہ

مَفْتَح کا معنی خزانہ ہے اور مِفْتَح کا معنی کنجی ہے۔ اگر مفاتح کو مَفْتَح کی جمع تسلیم کیا جائے تو آیت کا معنی ہوگا اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب کے خزانے ہیں اور اگر مِفْتَح کی جمع کہا جاوے تو پھر آیت کا مفہوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہی غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں پہلی آیت میں بتایا کہ ہر قسم کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ اس آیت میں تصریح فرمائی کہ علم کامل اور محیط سے بھی فقط وہی متصف ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا صرف وہی ہو سکتا ہے جو بے پایاں قدرت اور بیکراں علم کا مالک ہو۔ لیکن اس آیت سے یہ سمجھنا کسی طرح درست نہیں کہ وہ کسی کو علم غیب سکھاتا بھی نہیں بلکہ وہ جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ کوئی بخیل اس کی بخشش و عطا کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ اور جو کچھ اس نے سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عنایت فرمایا ہے اس کا اندازہ لگانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں۔ فاللّٰه تعالیٰ عنده علم الغیب وبیده الطرق الموصلة الیه لا یملکها الا هو فمن شاء اطلاعه علیها اطلعه ومن شاء حجبه عنها حجبه ولا یکون ذلك من افاضة الا علی رسله: یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور علم غیب تک پہنچنے کے ذریعے بھی اسی کے دست قدرت میں ہیں کوئی ان کا مالک نہیں پس اللہ تعالیٰ جس کو غیب کا علم دینا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس کو محروم رکھنا چاہتا ہے اسے محروم کر دیتا ہے۔ اور امور غیب پر آگاہی صرف رسولوں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے جن پر علوم غیب کا فیضان فرمایا جاتا ہے۔

پہلے تو مطلقاً فرمایا کہ غیب کے خزانوں کی کنجیاں اسی کے قبضہ میں ہیں۔ اس کے بعد مزید وضاحت سے اپنے علم وسیع و محیط کو بیان فرمایا کہ یہ کائنات جس کے کروڑویں حصے کا بھی تمہیں علم نہیں لیکن جتنا کچھ بھی تم جانتے ہو اس میں سب سے بڑی چیزیں خشکی اور تری ہیں۔ ان میں رنگا رنگ ان گنت مخلوق چھوٹی اور بڑی سانس لے رہی ہے ان سب کو بھی وہ جانتا ہے۔ اس کے علم کی ہمہ گیری کی یہ کیفیت ہے کہ روئے زمین پر بے شمار جنگلات کے بے حساب درختوں کے ان گنت پتوں میں سے اگر کوئی پتہ بھی گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا بھی علم ہے۔ اور سنو! تخم زمین کے اندھیروں میں جہاں تمہارے

اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ

مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک چیز ۹۹ مگر وہ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٥٩﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

لکھی ہوئی ہے روشن کتاب ۱۰۰ میں۔ اور وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمھیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

دن کو پھر اُٹھاتا ہے تمھیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمھاری عمر کی) میعادِ مقرر ۱۰۱ پھر اسی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے

تیز بین برقی آلات بھاری بھرکم اشیاء کا سراغ لگانے سے بھی عاجز ہیں۔ ان اندھیروں میں سرسوں کے بیج سے بھی باریک دانہ جہاں کہیں جس حالت میں پڑا ہے اللہ تعالیٰ اُس کو بھی جانتا ہے۔ تو جس کی ہمہ دانی کی یہ کیفیت ہو اُس کے احاطۂ علم سے بھی کوئی چیز خارج ہو سکتی ہے؟

۹۹ ان جزئیات کا ذکر کرکے اب پھر عمومی رنگ میں اللہ تعالیٰ کے علم کی ہمہ گیری کا ذکر ہو رہا ہے۔

۱۰۰ اس سے مُراد لوحِ محفوظ ہے جس میں علمِ الٰہی متشکل صُورت میں موجود ہے۔ جس پر ملائکہ آگاہ ہوتے رہتے ہیں ای فی اللوح المحفوظ لتعتبر الملائکۃ بذلك (القرطبی)

۱۰۱ نیند اور بیداری کا یہ تسلسل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ زندگی کا سفینہ وقت کے سمندر میں موجوں سے کھیلتا، طوفانوں سے اُلجھتا، بھنوروں سے بچتا موت کے ساحل پر لنگر انداز ہو جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔ حال کے ہنگامے ماضی کی گود میں دم توڑ دیتے ہیں۔ ساری وابستگیاں اور دلبستگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ ایک اور زندگی کی صبح طلوع ہوتی ہے۔ انسان اپنے مالک وخالق کے حضور میں جواب دہی کے لیے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہاں "توفی" کا لفظ نیند کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا حقیقی معنی ہے کسی چیز کو پُورا پُورا لے لینا۔ استیفاء الشیئ (قرطبی) کیونکہ نیند کے وقت انسان کا عقل وشعور معطل ہو جاتا ہے۔ چلنے پھرنے، دیکھنے سننے وغیرہ کی قوتیں بے کار ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اس کے لیے توفّی کا لفظ استعمال ہوا۔ اور موت کے وقت بھی مرنے والا کیونکہ اپنے مقررہ رات دن پورے گزار چکا ہوتا ہے اس لیے وہاں بھی توفی کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ توفی المیت استوفی عدد ایام عمرہ والذی ینام کانہ استوفی حرکاتہ (قرطبی) توفی کا یہ مفہوم خوب ذہن نشین رہے۔ تاکہ کوئی یہ بتا کر کہ توفی کا معنی موت ہے آپ کو حیاتِ حضرت مسیح علیہ السّلام سے منحرف نہ کر دے۔

ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ

پھر وُہ بتائے گا تمھیں جو تم کیا کرتے تھے اور وُہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور

يُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ

بھیجتا ہے تم پر نگہبان ٨٢؎ یہاں تک کہ جب آجاتی ہے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں

رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا

اُس کی رُوح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وُہ کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو اُن کا حقیقی مالک ہے سنتے ہو

لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحَاسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ

اسی کا حکم ہے اور وُہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے آپ فرمائیے ٨٣؎ کون نجات دیتا ہے تمھیں

٨٢؎ حفظۃ جمع ہے حافظ کی۔ مقصد یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اعمال سے بے خبر ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو ایسے فرشتے مقرر فرما دیئے ہیں کہ ہر لفظ جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اور ہر حرکت جو اس سے سرزد ہوتی ہے وُہ اس کو ریکارڈ کر رہے ہیں۔ اور قیامت کے دن مجرم جب اپنے جرموں کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو اُس کی زندگی کا صحیفہ اُس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ گراموفون کے ریکارڈ کی طرح اُسی کی زبان ہوگی اور اعتراف جُرم ہوگا۔

٨٣؎ اپنے مولائے برحق کی نافرمانی میں سرکش گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑے چلے جانے والے اِنسان سے پُوچھا جارہا ہے کہ حضرت جی! یہ تو فرماؤ کہ جب تمھیں خشکی یا تری میں مصائب کے بادل گھیر لیتے ہیں۔ نجات کے راستے مسدُود ہو جاتے ہیں۔ اندھیری رات ہے۔ کالی گھٹا چھا رہی ہے۔ طُوفان اُمڈ کر آرہا ہے۔ کشتی ہچکولے کھا رہی ہے اور گمان یہ ہے کہ ابھی ٹوٹی ابھی ڈُوبی، اُس وقت تم کس کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہو۔ کس کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کرتے ہو۔ دِل کی گہرائیوں سے کس سے پختہ عہد باندھتے ہو کہ اب معاف کر دے پھر نافرمانی نہیں کریں گے اور عمر بھر تیرے اس اِحسان کے مرہُون رہیں گے۔ اور وُہ مولائے کریم جب اس وقت بھی تم پر اپنا فضل وکرم فرما کر تمھیں اِن مصائب اور مایُوسی کے اندھیروں سے نکال دیتا ہے تو تم پھر اس کو بھُول جاتے ہو۔ اور اس وحدہٗ لاشریک کے ساتھ بُتوں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہو۔ کیا یہی تمھاری اِنسانیت ہے اور یہی تمھاری شرافت؟ کچھ سوچو تو۔ کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو۔ ظلمات سے مُراد مصائب اور مشکلات ہیں۔ اہلِ عرب تکلیف کے دِن کو یوم مظلم کہتے ہیں۔ کرب کا معنی ہے شدید غم۔

ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ

خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں جسے تم پکارتے ہو گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آہستہ (اور کہتے ہو) اگر نجات دی اللہ نے ہمیں

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ

اس (مصیبت) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے اس کے شکر گزار (بندے) فرمائیے اللہ ہی نجات دیتا ہے تمھیں اس سے اور ہر

كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ

مصیبت سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو فرمائیے وہ قادر ہے اس پر کہ ٨٤ بھیجے تم

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

پر عذاب تمھارے اوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے اور خلط ملط کر دے

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

تمھیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو شدت دوسروں کی دیکھو کیونکر ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی)

٨٤ے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے سرتابی کر کے انسان امن و عافیت کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ کبھی اوپر سے بجلی کڑک رہی ہے۔ موسلا دھار بارشیں سیلاب کی صورت اختیار کر کے قیامت ڈھا رہی ہیں۔ توپیں آگ اگل رہی ہیں بلند پرواز طیارے اور راکٹ، بم اور ایٹم بم برسا رہے ہیں۔ کبھی نیچے سے بارودی سرنگیں پھٹ رہی ہیں۔ آبدوز کشتیاں سمندر کی گہرائیوں سے ابھر کر بھاری بھرکم جہازوں کو اڑا رہی ہیں کہیں زلزلے آباد شہروں کو کھنڈرات میں بدل رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سخت تر عذاب یہ ہے کہ آپس میں انتشار اور بے اتفاقی کی وبا پھوٹ پڑتی ہے۔ ایک قوم کے فرزند، ایک ملت کے افراد مختلف ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ کہیں مذہب وجہ فساد بن جاتا ہے اور کہیں سیاست باعث انتشار۔ اپنوں کی عزت کو اپنے ہاتھوں خاک میں ملا دینا بڑا کارنامہ تصور کیا جاتا ہے۔ اوروں کو رہنے دیجئے۔ اپنے گھر کا حال دیکھئے جب سے ہم نے صراط مستقیم سے انحراف کیا ہے ہم کن پستیوں میں دھکیل دیئے گئے ہیں۔ ایک خدا۔ ایک رسول۔ ایک کتاب اور ایک کعبہ پر ایمان رکھنے والے کس نفاق اور انتشار کا شکار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرما دے آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ فوق اور تحت کے جو لفظ آیت میں ہیں ان کی ایک اور تفسیر بھی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ فوق سے مراد ظالم حکمران اور تحت سے مراد کمینے اور بدکار اہل کار ہیں۔ من فوقکم یعنی

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ

دلیلوں کو تاکہ یہ لوگ (حقیقت کو) سمجھ لیں اور جھٹلایا اسے آپ کی قوم نے حالانکہ یہ حق ہے فرمایئے

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

نہیں ہوں میں تمہارا ذمہ دار ہر ایک خبر (کے ظہور) کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان لوگے ۸۵

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي

اور (اے سننے والے) ۸٦ جب تو دیکھے انھیں کہ بیہودہ بحثیں کر رہے ہیں ہماری آیتوں میں تو منہ پھیر لے اُن سے یہاں تک کہ

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

وہ اُلجھنے لگیں کسی اور بات میں اور اگر (کبھی) بھلا دے تجھے شیطان تو مت بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس اور نہیں ہے ان پر جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے

الامراء الظلمة ومن تحت يعني السفلة وعبيد السوء (القرطبی)

۸۵ کفار خیال کیا کرتے کہ عذاب کی جو دھمکیاں ہمیں دی جارہی ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض ڈراوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم یونہی جلدی کر رہے ہو۔ میرے علم ازلی میں ہر چیز کے لیے وقت مقرر ہے اور ہر چیز اپنے وقت پر ظہور پذیر ہو جائے گی اور تم اُس وقت خود بخود جان لوگے۔

۸٦ صحبت کا اثر مسلّم ہے۔ انسان اپنے ہم نشین کی عادات، اخلاق اور عقائد سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے سختی سے منع کیا ہے جن کا رات دن کا مشغلہ اسلام، پیغمبر اسلام اور قرآن حکیم پر طعن و تشنیع کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے پرہیز ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا دل بھی ان کی باتوں سے متاثر ہونے لگے۔ آج کل کی عام گمراہی کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ اِس حکم پر عمل نہیں کرتے اور ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھنے میں کوئی ضرر نہیں سمجھتے۔ نتیجہ وہی نکلتا ہے کہ متعدی مرض کے مریض کے پاس بیٹھنے والا بھی اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٦٩ وَذَرِ

ان کافروں کے حساب سے کچھ بوجھ ٨٧ البتہ پرہیزگاروں پر نصیحت کرنا فرض ہے شاید وُہ باز آجائیں اور چھوڑ

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ

دے جنھوں نے ٨٨ بنالیا ہے اپنا دین کھیل اور دل لگی اور دھوکہ میں ڈال دیا ہے اُنھیں دُنیوی زندگی نے اور

ذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نصیحت کرو ٨٩ قرآن سے تاکہ ہلاک نہ ہوجائے کوئی آدمی اپنے عملوں کی وجہ سے نہیں ہے اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ

حمایتی اور نہ سفارشی اور اگر وُہ معاوضہ میں دے ہر بدلہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے یہی وُہ لوگ

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ

ہیں جو ہلاک کیے گئے ہیں بوجہ اپنے کرتوتوں کے اُن کے لیے پینے کو کھولتا ہوا پانی ہے اور دردناک عذاب ہے

٨٧ پہلے دُشمنانِ دین کی صحبت وہم نشینی سے روکا گیا۔ اب فرمایا جاتا ہے کہ اگر مجبوراً تمھیں ان کے پاس بیٹھنا پڑے تو ان کے بکواسات اور لغوگوئی کا محاسبہ تم سے نہیں ہوگا وُہ خود ہی اس کے ذمہ دار اور اس کے لیے جوابدہ ہوں گے۔ ہاں تمھیں چاہیئے کہ شائستگی اور سلیقہ سے اُنھیں دعوتِ اسلام دیتے رہو۔ ممکن ہے ان کی راہ یابی کی صُورت نکل آئے۔

٨٨ وُہ بدنصیب لوگ جنھوں نے دین کو کھیل اور دل لگی بنا رکھا ہے اور سنجیدگی اور متانت سے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ طلبِ حق کا شوق ہی دل میں نہیں رکھتے بلکہ اُلٹا مذاق کرتے ہیں اُنھیں اپنے حال پر رہنے دو۔ زندگی کی عیش وعشرت اور ساز و سامان نے اُنھیں بدمست و مدہوش کر دیا ہے۔ اُن سے یہ توقع نہیں کہ یہ دعوتِ اسلام قبول کریں گے

٨٩ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھیں سمجھانا اور نصیحت کرنا ہی ترک کر دیا جائے بلکہ انھیں قرآنِ حکیم کی آیات پڑھ پڑھ کر سُناتیے۔ شاید عذابِ الٰہی سے بچنے کی کوئی صُورت نکل آئے۔ اور جس نے چشمِ ہوش نہ کھولی اور باطل کی حمایت میں سرگرم رہا تو قیامت کے دن اس کی نجات کی کوئی شکل نہ ہوگی۔ نہ تو اسے کوئی ایسا حمایتی ملے گا جو زبردستی اسے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچالے اور نہ سفارشی۔ اور نہ اس سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔ الابسال تسلیم المرء للھلاك (قرطبی)
اپنے آپ کو ہلاکت کے حوالے کر دینے کو ابسال کہتے ہیں۔

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝٧٠ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَ

بوجہ اس کفر کے جو وُہ کرتے رہے تھے ۔ آپ فرمائیے کیا ہم پوجیں ۹۰؎ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کو جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے ہمیں اور

لَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ

نہ ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے اور (کیا) ہم پھر جائیں اُلٹے پاؤں اس کے بعد کہ ہدایت دی ہے ہمیں اللہ نے؟ مثل اس شخص کے کہ

الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى

بھٹکا دیا ہو اسے جنوں نے زمین میں اور وُہ حیران و پریشان ہو ۔ اُس کے ساتھی ہوں جو اُسے بُلا رہے ہوں ہدایت کی

الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

طرف کہ ہمارے پاس آجا ۔ آپ فرمائیے اللہ کی رہنمائی ہی حقیقی رہنمائی ہے ۔ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گردن

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٧١ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ

جھکا دیں سارے جہانوں کے رب کے سامنے اور یہ کہ صحیح صحیح ادا کرو نماز اور ڈرو اس سے ۔ اور وُہی ہے جس کی طرف

۹۰؎ کفار اس بات میں بڑے کوشاں رہا کرتے تھے کہ مسلمان اسلام کو چھوڑ کر اپنے باپ دادا کا مذہب پھر اختیار کرلیں اللہ تعالےٰ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ انہیں فرمائیے کہ یہ خیالِ خام اپنے دِل سے نکال دیں کیا یہ ممکن ہے کہ وُہ شاہراہِ ہدایت پالینے کے بعد جس پر نُور ہی نُور ہے ۔ ہم شرک و کفر، فسق و فجور کے بھیانک اندھیروں کی طرف لوٹ جائیں ۔ ہرگز نہیں ۔ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ہماری حالت اُس شخص سے مختلف نہ ہوگی جو اپنی منزلِ مقصود کی طرف ایسے ساتھیوں کی رفاقت میں بڑھا چلا جا رہا ہے ۔ جو راہ کے پیچ و خم اور نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہیں ۔ اور پھر راستہ میں کوئی شیطان اسے بہکا دے اور وُہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اس کے پیچھے ہولے ۔ اس کے ہمراہی اس کو پیچھے سے آواز دیں کہ کدھر بھٹک کر جا رہے ہو ۔ سیدھی راہ تو اِدھر ہے ۔ اور وُہ ششدر و در ماندہ تصویرِ حیرت بنا کھڑا ہو اور کچھ فیصلہ نہ کر سکے کہ اُسے کدھر جانا ہے ۔ اے کفار تمہاری یہ توقع عبث ہے کہ ہم دولتِ یقین سے مالا مال ہونے کے بعد شک و گمان کے بھنوروں میں کُود پڑیں گے ۔ آیت میں استھوتہ کا لفظ ہے اس کا مفہوم ہے زین له الشيطان هواه (قرطبی) یعنی شیطان نے جس کی نفسانی خواہش کو مزین و آراستہ کر دیا ہو اور وُہ اس پر فریفتہ ہو چکا ہو اور حق کا دامن چھوڑ کر باطل کی پیروی میں مگن ہو گیا ہو ۔

تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَیَوْمَ

تم جمع کیے جاؤ گے ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۹۱ ؎ اور جس روز

۹۱ ؎ عبادت کے لائق تمہارے بےبس اور بےکس معبودان باطل نہیں بلکہ وہ ذات یکتا و بےہمتا عبادت کے لائق ہے جو ان صفات کی مالک ہے جن کا ذکر ان آیات میں موجود ہے۔ اس کا کوئی کام عبث و فضول نہیں۔ اس کی کوئی تخلیق بےمقصد نہیں۔ اس وسیع و عریض کائنات کی کسی حقیر سی حقیر چیز پر غور کرو، اس کی افادیت کا آپ کو احساس ہونے لگے گا۔ یہ بےڈھنگا اور بدوضع پرند جسے ہم گدھ کہتے ہیں نوع انسانی کا کتنا بڑا خدمت گزار ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دنیا بھر کی میونسپل کمیٹیاں اور صحت کے ادارے ان مردہ جانوروں کو ٹھکانے لگانے سے عاجز آجاتے۔ اور ان کی گلی سڑی بدبودار لاشوں سے زندگی تلخ ہوجاتی۔ غرضیکہ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ممولے سے لے کر عقاب تک جدھر بھی آپ فکر کی نگاہ ڈالیں آپ کو حکمت ربانی کے جلوے نظر آئیں گے۔ یہاں میں نیویارک سائنس اکیڈیمی کے پریذیڈنٹ اے۔ سی موریسن کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے بالحق کا مفہوم نہایت واضح ہوجائے گا۔

"زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو بھون کر رکھ دیتی۔ اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کرکے رکھ دیتی۔ سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ ہے۔ لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اتنا قدر ہی پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے۔ لیکن اگر سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری کے بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرہ زمین برف کے نیچے دب جاتا۔ اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہوجاتی زمین کا جھکاؤ ۲۳ درجہ کا زاویہ بناتا ہے اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری زمین سے اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مدوجزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا۔ اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جانور زندہ نہ رہتا۔ اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صرف ہوجاتی اور روئے زمین پر کوئی سبز پتہ نظر نہ آتا۔ اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ ہستی اتفاقاً معرض وجود میں نہیں آگیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ہے ورنہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا (READER'S. DIGEST OCT, 1960) یہ اقتباس پڑھ لینے کے بعد اب اس آیت کو دوبارہ پڑھیے اور اس کے نازل کرنے والے مولا تے برحق کے حضور میں سربسجود ہوجائیے۔ اور جس

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٧٣﴾ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ

وُہ کہے گا کہ تو ہو جا تو بس وُہ ہو جاتا ہے گا اُسی کا فرمان حق ہے اور اسی کی حکومت ہو گی جس دن پھُونکا جائے گا صُور ۹۲

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٤﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيْمُ

جاننے والا ہے ہر چھپی چیز کا اور ہر ظاہر چیز کا اور وُہی ہے حکمت والا سب کچھ جاننے والا اور یاد کرو جب کہا ۹۳ ابراہیم

لِأَبِيْهِ اٰزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ إِنِّيْ أَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ

نے اپنے باپ ۹۴ آزر سے کیا تم بناتے ہو بُتوں کو خُدا بے شک میں دیکھتا ہُوں تجھیں اور تمھاری قوم کو کھُلی گمراہی

ذاتِ قُدس صفات نے اُمّی ہوتے ہُوئے اس حقیقتِ پنہاں کے رُخ سے نقاب اُٹھا ہے اس پر زبانِ دل و رُوح سے صلوٰۃ و سلام عرض کیجیے ۔ اُمّیے بُود کہ ما از اثرِ حکمت او واقف از سرِ نہاں خانۂ تقدیر شدیم (اقبالؒ)

۹۲ بعض لوگوں نے صُوَر کو صورۃ کی جمع تصوّر کیا ہے اور معنی یہ کیا ہے کہ صُورتوں میں جب پھُونکا جائے گا تو وُہ حقائق میں تبدیل ہو جائیں گی یا بے جان مجسّموں میں پھُونک مارنے سے وُہ زندہ ہو جائیں گے لیکن یہ معنی دُوسری آیتوں اور احادیثِ نبویہ سے تطبیق نہیں کھاتا۔ حدیث شریف میں یہی ہے کہ حضرت اسرافیلؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلی بار صُور پھُونکیں گے تو سب زندہ اشیاء موت کی نیند سو جائیں گی۔ اور جب دُوسری بار پھُونکیں گے تو ہر چیز زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو جائے گی۔ اس صُور کی حقیقت کیا ہے۔ اس کی شکل و صُورت اور طول و عرض کتنا ہے۔ اس کے متعلق نہ قرآن نے بتایا نہ صاحبِ قرآن نے اور نہ اس کے جاننے کی کوئی ضرورت ہے۔ اس لیے اس بارے میں سکُوت ہی اولیٰ ہے۔

۹۳ عرب کے مُشرک یہُودی اور عیسائی سب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی عظمت و جلالتِ شان اور رسالت کے معترف تھے۔ اور اہلِ عرب کو اس پر ناز تھا کہ وُہ اس مقدّس ہستی کی اولاد ہیں اس لیے حضرت خلیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حالات پیش کر کے انھیں بتایا جا رہا ہے کہ تم عجب ستم ظریف ہو کہ جس کے نام سے تمھیں یہ ساری عزّت اور سروری نصیب ہے۔ جس کی نسل سے ہونے کو تم اپنے لیے وجہِ عزّت و افتخار سمجھتے ہو۔ اس کے دین اور اس کے مقصدِ حیات سے تم بالکل بیگانگی اختیار کر چکے ہو بلکہ اس گمراہی کو تم اپنا دین بنا چکے ہو جس کو مٹانے کے لیے اُنھوں نے عُمر بھر جہاد کیا۔ جن بُتوں کو ریزہ ریزہ کر کے اُنھوں نے بھڑکتے ہُوئے آتش کدہ میں کُودنا گوارا کیا تم پھر اُنھیں بُتوں کی پُوجا میں سرگرم ہو اور ان کے دینِ حنیف کی طرف تمھیں دعوت دی جاتی ہے تو خشم گین اور غضب ناک ہو کر رسُولِ برحق سے لڑنے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہو عجیب اُلٹی کھوپڑی کے لوگ ہو تم۔

۹۴ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے والد کا نام آزر تھا یا چچا کا؟ حضرت خلیلؑ کے والد مُسلمان تھے یا کافر؟ اس مقام

مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ

میں ٭ اور اِسی طرح ہم نے دکھا دی ۹۵؎ ابراہیمؑ کو ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ۹۶؎ تاکہ وُہ ہو جائیں

پر علّامہ آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر رُوح المعانی میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خُلاصہ ہدیۂ ناظرین کرتا ہُوں اور اس نزاع کا فیصلہ انھیں پر چھوڑتا ہُوں۔ علّامہ مذکور رقم طراز ہیں۔ علماء اہل سنّت میں سے ایک جمِّ غفیر کی رائے یہ ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے والد نہ تھے۔ کیوں کہ حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے آباؤ اجداد میں کوئی بھی کافر نہ تھا۔ حضُورؐ کا اِرشاد ہے "لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاهِرِيْنَ اِلٰى اَرْحَامِ الطَّاهِرَاتِ وَالْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" کہ میں ابتداء سے آخر تک پاک لوگوں کی پُشتوں سے پاک خواتین کے رحموں میں منتقل ہوتا چلا آیا ہُوں اور مشرک نجس ہیں۔ اس کے بعد آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ امام رازیؒ کا یہ کہنا کہ یہ شیعہ کا مذہب ہے درست نہیں۔ امام رازیؒ نے اچھی طرح چھان بین نہیں کی اس لیے یہ غلطی ہوگئی۔ علماء اہل سُنّت کی اکثریت کا یہ قول ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے چچا کا نام ہے اور اَبْ کا لفظ چچا کے معنی میں عام استعمال ہوتا ہے۔ اپنے اِس مسلک کی تائید میں علّامہ مذکور نے کئی آثار نقل کیے ہیں لیکن یہاں صرف ایک چیز پیش کی جاتی ہے۔ یہ تو ایک واضح امر ہے کہ جس کی موت کفر و شرک پر ہو اس کے لیے مغفرت نہیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے والد کی وفات کے سالہا سال بعد جب بابل سے ہجرت کر کے مصر گئے۔ وہاں سے حضرت ہاجرہ رضی اللّٰہ عنہا کے ساتھ نکاح کر کے شام آئے اور مدت دراز کے بعد اسمٰعیل علیہ السّلام کی ولادت ہوئی اور حکمِ ربّانی سے آپ ننھے اسمٰعیلؑ اور اُن کی والدہ ہاجرہؓ کو اس لق و دق صحرا میں چھوڑ آئے جہاں کعبہ کی تعمیر ہونی تھی۔ اِس واقعہ کے برسوں بعد جب اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہوئے اور کعبہ کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اُس وقت یہ دُعا آپ نے مانگی۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اے ربّ! مجھے بھی بخش دے اور میرے والدین اور مُسلمانوں کو بھی بخش دے۔ اگر حضرت کے والدین کافر ہوتے تو ایک پیغمبر یہ جانتے ہُوئے کہ کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی کبھی اُن کی مغفرت کے لیے دُعا نہ کرتے۔ (رُوح المعانی) لیکن وُہ عُلماء جن کی تحقیق یہ ہے کہ آزر حضرت کے والد ہی تھے وُہ بھی اِس بات سے سختی سے منع کرتے ہیں کہ عام مجالس میں ان کے متعلق باتیں کی جائیں۔

حضرت صدرُ الافاضلؒ یہاں لکھتے ہیں "قاموس میں ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے چچا کا نام ہے۔ علّامہ جلال الدینؒ سیوطی نے مسالک الحنفاء میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ چچا کو باپ کہنا تمام ممالک میں معمُول ہے بالخصُوص عرب میں۔ قرآن کریم میں بھی ہے۔ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا۔ اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کو حضرت یعقوبؑ کے آبا میں ذکر کیا گیا ہے باوجودیکہ آپ عم ہیں۔ حدیث شریف میں بھی حضُور صلی اللّٰہ علیہ وسلّم نے حضرت عباسؓ کو اَب (باپ) فرمایا۔ چنانچہ ارشاد کیا رُدُّوْا عَلَيَّ اَبِيْ۔ یہاں ابی سے حضرت عبّاسؓ مُراد ہیں۔ (خزائن العرفان)

۹۵؎ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جلالِ خداوندی کے انوار و تجلّیات ہر لحظہ ضَوفشاں ہیں لیکن انسانی رُوح کسی نہ کسی حجاب

مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ

کامل یقین کرنے والوں میں پھر جب چھا گئی ان پر رات ۹۷ (تو) دیکھا انھوں نے ایک ستارا، بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟

کے باعث ان کے مشاہدہ سے محروم رہتی ہے۔ جیسے جیسے حجاب ہٹتا اور سرکتا جاتا ہے ویسے ہی انوار کا مشاہدہ شروع ہوجاتا ہے حضرت خلیل نے جب تمام حجابات کو تار تار کر دیا اور انوار الٰہی کے مشاہدہ میں کوئی آڑ باقی نہ رہی تو زمین و آسمان کی بے کراں وسعتوں میں قدرت خداوندی کے جو اسرار تھے سب ظاہر ہوگئے اور نگاہ ابراہیمی پر ہر چیز منکشف کر دی گئی فلما ازال ذلک الحجاب لاجرم تجلی له ملکوت السموات بالتمام (تفسیر کبیر)

۹۶ ملکوت میں رحموت اور رہبوت کی طرح ت مبالغہ کے لیے ہے یعنی ملک عظیم اور سلطنت وسیع۔ نری معناه ارینا ه (قرطبی) ہم نے دکھا دی۔ یہ رؤیت بصر سے تھی یا بصیرت سے؟ یعنی صرف آنکھوں نے دیکھا تھا یا دل کو بھی اس کا علم و عرفان نصیب ہوا تھا۔ بعض کا خیال ہے کہ پردہ اٹھ گیا تھا اور عرش سے تحت الثریٰ تک ہر چیز نظر آنے لگی تھی۔ اور بعض نے فرمایا کہ آسمان اور زمین کی تمام اشیاء کی حقیقت پر آگاہی بخش دی گئی تھی تاکہ کائنات کی ان مختلف چیزوں پر مطلع ہو کر وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، علم، قدرت اور حکمت کے بارے میں عین الیقین کے مرتبہ علیا پر فائز ہو جائیں۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ عام انسان بھی کائنات کے بعض اسرار پر آگاہ ہوتے ہیں لیکن اس عالم خلق کی ہر چیز میں خواہ وہ جنس ہو یا نوع یا صنف ہو یا شخص حکمت الٰہی کے جو آثار پائے جاتے ہیں ان سے جس طرح اکابر انبیاء آگاہ ہوتے ہیں وہ آگاہی کسی اور کو نصیب نہیں ہوتی۔ وان کان جمیع الموحدین یعرفون اصل هذا الدلیل الا ان الاطلاع علی آثار حکمة الله فی کل واحد من مخلوقات هذا العالم بحسب اجناسها وانواعها واصنافها واشخاصها واحوالها لا یحصل الا لاکابر من الانبیاء علیهم السلام (کبیر) جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حقائق اشیاء کا اتنا علم ارزانی فرمایا گیا تھا تو تعجب ہے ان لوگوں کی کم نگاہی پر جو نبی الانبیاء کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ نر کھجور سے مادہ کھجور کس طرح باردار ہوتی ہے۔

۹۷ جس شہر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس کا نام اُر تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں آثار قدیمہ کے ماہرین نے کھدائی کر کے اس کو دریافت کر لیا ہے۔ اور اس سے جو تحریریں اور دوسری اشیاء دستیاب ہوئی ہیں ان سے آپ کے زمانہ کے لوگوں کے مذہبی، تمدنی اور معاشی حالات پر روشنی پڑتی ہے سر لیونارڈ وولی (SIR LEONARD WOOLLY) نے اپنی کتاب (ABRAHAM) میں جو لندن میں سنہ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی ہے ماہرین آثار قدیمہ کے جو تاثرات قلم بند کیے ہیں ذیل میں ان کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

"اندازہ کیا گیا ہے کہ سنہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں شہر "اُر" کی آبادی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی اور بعید نہیں کہ پانچ لاکھ ہو۔ بڑا صنعتی اور

فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

پھر جب وُہ ڈُوب گیا (تو) بولے میں نہیں پسند کرتا ڈُوب جانے والوں کو۔ پھر جب دیکھا چاند کو چمکتے ہوئے تو کہا (کیا) یہ

تجارتی مرکز تھا جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کے حدُود موجُودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھے۔ مُلک کی بیشتر آبادی صنعت و تجارت پیشہ تھی۔ اِس عہد کی جو تحریرات آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں سے دستیاب ہوئی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطۂ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا۔ دولت کمانا اور زیادہ سے زیادہ آسائش فراہم کرنا اُن کا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا۔ سُود خوری کثرت سے پھیلی ہُوئی تھی۔ آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوا کرتی تھیں۔ آبادی تین طبقوں پر مشتمل تھی۔ (۱) عمیلو: یہ اُونچے طبقہ کے لوگ تھے۔ جن میں پُجاری، حکومت کے عہدہ دار اور فوجی افسر وغیرہ شامل تھے۔ اِس طبقہ کو خاص اِمتیازات حاصل تھے۔ ان کے فوجداری اور دیوانی حقُوق دُوسروں سے مختلف تھے۔ اور ان کے جان و مال کی قیمت دُوسروں سے بڑھ کر تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے خاندان کا اسی طبقہ میں شمار ہوتا تھا۔ (۲) مشکینو: یہ تجّار، اہلِ صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔ (۳) اَرْدُو یعنی غلام، مزدور پیشہ۔

اُر کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خُداؤں کے نام ملتے ہیں۔ مُلک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خُدا تھے ہر شہر کا ایک خاص محافظ خُدا ہوتا تھا جو ربّ البلد یا مہا دیو سمجھا جاتا تھا۔ اُر کا ربّ البلد "نَنّار" (چاند دیوتا) تھا۔ دُوسرا بڑا شہر "لرسہ" تھا۔ اس کا ربّ البلد "شماش" (سُورج دیوتا) تھا۔ اِن بڑے خُداؤں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خُدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی تاروں اور سیّاروں میں سے تھے۔ ان دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہیں بُتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادت انہی کے آگے بجا لائے جاتے تھے۔

نَنّار کا بُت اُر میں سب سے اُونچی پہاڑی پر ایک عالی شان عمارت میں نصب تھا۔ مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف تھیں اور ان کی حیثیت دیوداسیوں (RELIGIOUS PROSTITUTES) کی تھی۔ وُہ عورت بڑی معزّز خیال کی جاتی تھی جو خُدا کے نام پر اپنی بکارت قربان کر دے۔ کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو "راہِ خُدا" میں کسی اجنبی کے حوالہ کرنا عورت کے لیے ذریعۂ نجات خیال کیا جاتا تھا۔

نَنّار محض دیوتا ہی نہ تھا بکثرت باغ، مکانات اور زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں۔ بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔

اُر کا شاہی خاندان جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے زمانہ میں حکمران تھا اس کے بانیِ اوّل کا نام اُرنَمُّو تھا جس نے ۲۳۰۰ برس قبل مسیح میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی تھی۔ اسی سے اس خاندان کو نَمّو کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرُود ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور اس قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی۔ پہلے عیلامیوں نے اُر کو تباہ کیا اور نمرُود کو ننّار کے بُت سمیت پکڑ کر لے گئے۔ پھر لرسہ میں ایک عیلامی حکومت قائم ہوئی جس کے تحت اُر

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ

میرا رب ہے ۹۵ (؟) پھر جب وُہ (بھی) غروب ہو گیا تو آپ نے کہا اگر نہ ہدایت دیتا مجھے میرا رب تو ضرور ہو جاتا میں بھی اس گمراہ

الضَّآلِّيْنَ ۝٧٨ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ

قوم سے پھر جب دیکھا سورج کو جگمگاتے ہوئے (تو بولے (کیا) یہ میرا رب ہے؟ (؟) یہ تو ان سب سے بڑا ہے لیکن جب وُہ بھی

اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝٧٩ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ

ڈوب گیا (تو) آپ نے فرمایا۔ اے میری قوم! میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو بے شک میں نے پھیر لیا ہے اپنا رُخ

کا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا۔ ان تباہیوں نے ننّار کے ساتھ اُر کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ہم وطن ستاروں، چاند اور سورج کے پرستار تھے۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ ان کے معبودوں کے حالات سے ہی ان کی خدائی پر ضرب کاری لگا رہے ہیں کہ جن کے یہ حالات ہوں۔ جن کو ایک جگہ قرار نصیب نہ ہو۔ جو کبھی طلوع ہو رہے ہیں اور کبھی غروب ہو رہے ہیں۔ جن کے طلوع و غروب کا وقت بھی ان کے اختیار میں نہ ہو۔ اور اُن کی گردش کا جو راستہ مقرر ہے اس سے بھی بال برابر اِدھر اُدھر نہ ہو سکتے ہوں۔ جو ایک بے اختیار غلام کی طرح انقیاد و اطاعت کا پٹہ گلے میں ڈالے صبح و شام تعمیل حکم میں سرگرداں نظر آتے ہوں اُنھیں معبود بنانا، ان کو خدا سمجھنا کتنی نادانی اور بے سمجھی ہے۔

۹۵ یہ اصل میں اھذا ربی استفہام انکاریہ ہے۔ یعنی اے میری قوم کیا یہ میرا رب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ خیال کرنا کہ اُس وقت حضرت ابراہیمؑ کو عرفانِ توحید حاصل نہ تھا اس لیے وُہ ایک ٹمٹماتے ہوئے تارے کو اپنا رب سمجھنے لگے سخت غلطی ہے۔ پیغمبر کا دامن نبوّت سے پہلے بھی کفر و شرک سے پاک ہوتا ہے۔ چاند کے متعلق بھی آپ نے یہی فرمایا تھا کہ ھٰذا ربی اور جب وُہ بھی ڈوب گیا تو آپ فرماتے ہیں لئن لم یھدنی ربی اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ فرماتا تو جس گمراہی میں میری ساری قوم گرفتار تھی میں بھی اس سے نہ بچ سکتا۔ ان الفاظ سے اس امر کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپ کا دلِ ربی" (میرا ربّ) کے یقین اور ایمان سے منوّر اور روشن تھا۔ ورنہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابھی تک حقیقی ربّ کا کوئی تصوّر ان کے ذہن میں نہ تھا اور چاند کو آپ نے رب مان لیا تھا تو جب اس کے ڈوب جانے سے اس کی خدائی کا طلسم بھی ٹوٹ گیا تو آپ کو حیرت کا اظہار کرنا چاہیئے تھا کہ تو جسے خدا سمجھ رہے تھے وُہ تو فانی نکلا۔ اب کسے خدا مانا جائے۔ آپ نے اظہارِ حیرت نہیں کیا بلکہ چاند کے غروب ہونے پر آپ نے اپنی قوم کے باطل عقیدہ کو غلط ثابت کرنے کے بعد فوراً فرمایا۔ لئن لم یھدنی ربی یعنی وُہ رب نہیں جسے تم نے رب سمجھ رکھا ہے بلکہ حقیقی رب تو وُہ ہے جو میرا

لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿٨٠﴾ وَ

اس ذات کی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ، یکسو ہو کر ٩٩ اور نہیں ہوں میں مشرکوں میں سے ۔ اور

حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ

جھگڑنے لگی ان سے ان کی قوم ١٠٠ آپ نے کہا کیا تم جھگڑتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ اس نے ہدایت دے دی ہے مجھے اور نہیں ڈرتا

مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ

میں ان سے جنہیں تم شریک بناتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا ہی پروردگار کوئی تکلیف پہنچانا گھیرے ہوئے ہے میرا رب ہر چیز کو (اپنے) علم سے ۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨١﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ

تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے اور کیسے ڈروں میں ١٠١ (ان سے) جنہیں تم نے شریک ٹھیرا رکھا ہے حالانکہ تم نہیں ڈرتے (اس سے) کہ

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ

تم نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اللہ نے اس کے متعلق تم پر کوئی دلیل تو (تم ہی بتاؤ) دونوں فریقوں سے

پروردگار ہے جو مجھے ہر باطل سے بچا کر راہ حق پر چلا رہا ہے ۔

٩٩ سورج ، چاند ، تارے خدا نہیں تو پھر کون خدا ہے ؟ اس کا جواب دیا کہ خدا وہ قدرت والا اور حکمت والا ہے جو ہر چیز پر غالب ہے کسی سے مغلوب نہیں جو ہر کا داتا ہے کسی کا محتاج نہیں ۔ وہ قدرت والا جس نے آسمانوں کو بھی پیدا فرمایا اور زمین کو بھی میں تو ہر باطل سے منہ موڑ کر یکسوئی سے اسی کی طرف دل و جان سے متوجہ ہوں اور کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی اس کا شریک خیال نہیں کرتا ۔

١٠٠ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کے سامنے وہ لاجواب ہو گئے تو پھر آپ سے جھگڑنے لگے اور کہنے لگے اے ابراہیم تم خداؤں کی ہتک سے باز آجاؤ ورنہ ان کے غضب کا شکار ہو جاؤ گے اور پھر رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئے گی ۔ آپ فرماتے ہیں مجھے ایسی دھمکیاں کیوں دیتے ہو اپنے خداؤں کو کہہ دو کہ میرا جو بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں ۔ مجھے ان سے ذرا اندیشہ نہیں ۔ ہاں اگر میرا رب مجھے کسی آزمائش میں مبتلا کر دے تو مجھے مجال دم زدن نہیں ۔

١٠١ سلسلۂ تقریر شروع ہے کہ ڈرنا تو تمہیں چاہیئے جو معبود برحق سے منہ موڑ کر باطل خداؤں کی چوکھٹ پر سر افگندہ ہو میں کیوں ڈروں جو سیدھے راستہ پر چل رہا ہوں ۔

أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۚ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا

کون زیادہ حقدار ہے امن (وسلامتی) کا؟ اگر تم (کچھ) جانتے ہو ۔ وُہ جو ایمان لائے اور نہ ملایا ۱۰۲؎ اُنھوں نے

إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٨٢﴾ وَتِلْكَ

ع ٩ ١٥

اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے اُنھیں کے لیے ہی امن ہے اور وُہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ

حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ ۗ إِنَّ

ہماری دلیل تھی ۱۰۳؎ جو ہم نے دی تھی ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں ہم بلند کرتے ہیں ۱۰۴؎ درجے جس کے چاہتے ہیں بے شک

رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٨٣﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اور ہم نے عطا فرمائے اُنھیں اِسحاق اور یعقوب ۱۰۵؎ ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی

۱۰۲؎ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ ایّنا لم یظلم نفسہ؟ ہم میں سے کون ہے جس نے اپنے آپ پر ظلم نہ کیا ہو۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ نہیں بلکہ شرک ہے۔ لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ یا بنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم (قرطبی)

۱۰۳؎ کیا لطف ہے اس آیت میں۔ ہماری دلیل تھی اور ہم ہی نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھی۔ وُہ دلیل جسے اللہ تعالیٰ اپنی فرما رہے ہیں اس کی عظمت وجلالت کا کیا کہنا! کفر وشرک کی اس اندھیر نگری میں جس ہستی کو اس دلیل سے سرفراز فرمایا گیا اس کی رفعتِ شان کی کیا حد! اس مقام پر رب کو کاف خطاب کی طرف مضاف کرنے میں جو لطف ہے اس سے اہلِ دل ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اے مصطفےٰ! تیرا رب ہے تو وُہ سارے جہان کا ربّ لیکن اس کی ربوبیّت کا جو تعلق مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء سے ہے وُہ کسی سے نہیں۔

۱۰۴؎ یعنی ان کفار کی بستی سے جو ہزار ہا ہزار خداؤں کے پجاری تھے وُہ گمراہی کی پستیوں میں گرے پڑے تھے۔ ان میں سے حضرت ابراہیمؑ کو توحید کا علمبردار بنا دینا اور اس کے سینے کو علم وفہم اور دلیل کی روشنی سے منور کرکے دُنیا وآخرت میں اس کا نام اور اس کی شان بلند کر دینا یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت اور طاقت ہے ای بالعلم والفھم والامامۃ والملک (القرطبی)

۱۰۵؎ ہم نے ابراہیمؑ پر مزید کرم یہ فرمایا کہ اُنھیں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوبؑ جیسا پوتا مرحمت فرمایا جس کی نسل سے ہزاروں انبیاء اور لاکھوں صلحاء پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ نیک اولاد بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نوازشات میں سے ہے۔

وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ

اور نوحؑ کو ہدایت دی تھی ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں ۱۶۰ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ

وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَزَكَرِيَّا

اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (راہ راست دکھائی) اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو اور (ہم نے

وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

ہدایت دی) زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے اور (ہدایت دی) اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

اور یونسؑ اور لوطؑ کو اور ان سب کو ہم نے ۱۶۱ فضیلت دی سارے جہان والوں پر اور ہدایت دی ان کے کچھ باپ دادوں اور

ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۸﴾

ان کی اولاد اور ان کے بھائیوں کو اور ہم نے چن لیا ان (سب) کو اور ہدایت دی ان (سب) کو راہ راست کی

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

یہ ۱۶۲ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ساتھ جس کی چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور اگر وہ شرک کرتے

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے یہ وہ لوگ تھے ہم نے عطا کی تھی جنھیں کتاب

۱۶۰۔ بعض نے کہا ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ حضرت نوح ای من ذریۃ ابراھیم وقیل ومن ذریۃ نوح (القرطبی)

۱۶۱۔ کلا ھدینا، کل من الصالحین اور کلا فضلنا کے پیارے پیارے جملے پڑھ کر احساس ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں اور برگزیدہ رسولوں کا ذکر آتے ہی رحمت الٰہی کے سمندر میں جوش آرہا ہے۔

۱۶۲۔ یہ ہدایت محض فضل ایزدی کی جلوہ طرازی ہے اور جس پر اس کی نگاہ لطف وکرم پڑ گئی وہ ہدایت یافتہ ہو گیا۔

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

اور حکمت اور نبوت تو اگر انکار کریں ف۹۰ اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لیے

لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِينَ ﴿۹۰﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ

ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں یہی وہ لوگ ہیں جنھیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انھیں کے ف۱۰۰

ع ۱۰ ۸ ۲ اقْتَدِهْ ۗ قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِينَ ﴿۹۱﴾

طریقہ کی پیروی کرو آپ فرمایئے ف۱۰۱ میں نہیں مانگتا تم سے اس (تبلیغ قرآن) پر کوئی اُجرت نہیں ہے وہ ف۱۰۲ (قرآن) مگر نصیحت سارے جہانوں کے لیے

ف۹۰ اگر کفارِ مکہ ہماری آیات کو نہ مانیں اور دعوتِ اسلام کو قبول نہ کریں تو وہ اپنا ہی زیاں کریں گے اسلام کو تو کوئی نقصان نہ پہنچے گا کیونکہ اس دینِ حق کو قبول کرنے کے لیے اس کا پیغام دُنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اور اس کے پرچم کو ہر قیمت پر سربلند رکھنے کے لیے ہم نے ایک قوم (یعنی انصار، مہاجرین اور دوسرے لوگ جنھیں توفیق ایمان نصیب ہوئی) مقرر کر دی ہے۔

ف۱۰۰ اقتدار کا معنی ہے کسی کے کام کے موافق کوئی کام کرنا۔ علامہ قطب الدین رازیؒ کشاف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ یہاں اقتدار سے مقصود صرف اخلاقِ فاضلہ اور صفاتِ کمال میں ان جلیل القدر انبیاء کی موافقت کرنا ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ خوبی اور کمال جو دوسرے انبیاء میں متفرق طور پر پایا جاتا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سب کمالات کے جامع ہیں۔ اس لیے سب سے افضل و اکمل ہیں۔ (روح المعانی) ؎

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ف۱۰۱ بعض کفار اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ نبوت کا دعویٰ صرف مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اعلان کر دیجئے کہ دعوتِ اسلام میرا پیشہ نہیں بلکہ مقصدِ حیات ہے۔ میں اس کے ذریعہ سے دولت جمع نہیں کرنا چاہتا بلکہ میرا مدعا تو فقط یہ ہے کہ تم گمراہی کی دلدل سے نکل کر شاہراہِ ہدایت پر آجاؤ۔ تمھارے رب سے تمھارا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جوڑ دیا جائے۔

ف۱۰۲ جو کتاب میں تمھیں پڑھ کر سناتا اور سمجھاتا ہوں اس سے میری ذاتی اغراض وابستہ نہیں۔ یہ تو ہر قسم کی اغراض سے بالاتر ہے یہ تو ایک آفاقی دعوتِ رُشد اور ایک عالمی پیغامِ ہدایت ہے۔ اس کے پیشِ نظر کسی شخص، کسی قوم اور کسی ملک کی برتری دوسروں پر قائم کرنا نہیں بلکہ سب کو ایک سطح پر ایک صف میں کھڑا کرنا اور امن و سلامتی کی راہ پر گامزن کرنا ہے۔ عرب اپنی قومی اور لسانی برتری پر محکم یقین رکھتے تھے۔ ان کی عرب قومیت کے جذبات کو مشتعل کر کے اور اُن کے

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور نہ قدر پہچانی ۱۱۳ انھوں نے اللہ کی جیسے حق تھا اس کی قدر ۱۱۴ پہچاننے کا جب کہا اُنھوں نے کہ نہیں اُتاری اللہ نے کسی آدمی پر

دلوں میں دُوسرے ممالک پر عربی غلبہ و اقتدار کی ہوس بیدار کر کے اپنی طرف مائل کرنا بہت آسان تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنی مشکلات سے بھی دوچار نہ ہونا پڑتا۔ لیکن یہ کامیابی عارضی اور وقتی ہوتی۔ اگر ایسا کیا جاتا تو ایک عالمی دین قوم و وطن کی تنگ حدُود میں بند ہو کر رہ جاتا۔ اس لیے جہاں کہیں بھی قرآن کا ذکر کیا گیا ہے کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ یہ عرب کے لیے ہے بلکہ فرمایا ان ھو الا ذکری للعلمین سب جہانوں کے لیے ہے۔ سب شرقی و غربی، رُومی و حبشی، عربی اور عجمی کے لیے اس کا پیغام ہدایت ہے۔

۱۱۳ قدر کا کیا معنی ہے؟ صاحبِ رُوح المعانی لکھتے ہیں کہ قدر کا اصل معنی تو کسی چیز کی مقدار کو جاننا ہے لیکن اب اس کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سے پہچاننے پر ہوتا ہے۔ اب کثرتِ استعمال سے یہی اس کا معنی حقیقی ہو گیا ہے۔ واصل القدر معرفة المقدار بالسبر ثم استعمل في معرفة الشيء على اتم الوجوه حتى صار حقيقة فيه (روح) اخفش کہتے ہیں کہ وُہ لوگ جن کی زبان سے اگلا جملہ نکل رہا ہے اُنھوں نے گویا اللہ تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا ہی نہیں اس کی حکمت اور رحمت کا صحیح اندازہ نہیں لگایا۔

۱۱۴ یہ کہنے والے کون تھے؟ بعض نے کہا ہے کہ مشرکینِ مکہ نے یہ بات کہی تھی۔ کیونکہ وُہ سرے سے ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وحی اور نبوت کے ہی قائل نہ تھے لیکن اس پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ ان کے نظریہ کی تردید حضرت موسیٰ پر نزولِ تورات سے درست نہیں۔ کیوں کہ وُہ تو موسیٰ کی نبوت کے بھی قائل نہ تھے۔ اور جمہور کا یہ خیال ہے کہ یہ بات یہود نے کہی تھی۔ لیکن اس پر شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ یہود یہ کیوں کر کہہ سکتے تھے کہ کوئی انسان نبی نہیں ہو سکتا۔ حالاں کہ وُہ حضرت موسیٰ اور صد ہا دُوسرے انبیا کی نبوت کو تسلیم کرتے تھے۔ نیز یہ سُورۃ مکی ہے اور مکہ میں یہود موجُود ہی نہ تھے۔ تو ان سے یہ مکالمہ کیسے ہوا۔ اس لیے اس آیت کی وضاحت ضروری ہے۔ حقیقت یُوں معلوم ہوتی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت اور نزولِ وحی کا دعویٰ کیا تو اہلِ مکہ کے لیے یہ بالکل انوکھی چیز تھی۔ وُہ اس بات کے قائل ہی نہ تھے کہ کوئی نبی بھی خُدا کی طرف سے مبعُوث ہوتا ہے اور اس پر خدا کی طرف سے وحی بھی آتی ہے۔ پہلے پہل تو اُنھوں نے صاف انکار ہی کر دیا۔ لیکن جب آیاتِ قرآنی کا جمال ان کے دلوں کو لبھانے لگا اور حضور کی رُوح پرور سیرت انھیں اپنی طرف مائل کرنے لگی تو وُہ اب مسئلہ کو سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اُنھوں نے یہودِ یثرب کی طرف رجُوع کیا۔ ان کوتاہ اندیشوں کو حضور کی نبوت میں اپنی محرومی اور ذلت نظر آ رہی تھی۔ اُنھیں اپنے ہاتھوں اپنا تاج اُتار کر دُوسرے کے سر پر رکھنا کب گوارا تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے ازراہِ عناد و حسد اپنے مسلّمات اور نظریات کے خلاف اُنھیں کہلا بھیجا کہ اے اہلِ حرم! تم اس شخص کو ہرگز نبی نہ ماننا۔ ہم اپنے علم کی بنا پر تمھیں بتاتے ہیں کہ خُدا نے آج تک کسی انسان پر وحی نہیں بھیجی تو یہ انسان ہو کر کیسے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وُہ نبی ہیں اور وحی

شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ

کوئی چیز (یعنی وحی) آپ پُوچھیے کس نے اُتاری تھی وُہ کتاب جسے لے آئے تھے مُوسیٰؑ (جو سراسر) نُور تھی اور (سراپا)

هُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ

ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم نے بنا لیا ہے اسے الگ الگ کاغذ ۱۵۵ ظاہر کرتے ہو اسے اور چھپا لیتے ہو (اس کا) بہت سا (حصّہ)

وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ

اور تمھیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا آپ فرما دیجیے اللہ پھر چھوڑ دیجیے انھیں ۱۵۶

خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ

تا کہ وُہ اپنی بیہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے ہم نے اُتارا ہے اس کو ۱۵۷ بابرکت ہے تصدیق کرنے والی ہے

سے مشرف ہیں۔ ان یہود کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمھارا یہ قول درست ہے تو پھر مُوسیٰ علیہ السّلام بھی تو انسان تھے ان پر وحی کیسے نازل ہوئی۔ اور تورات کون لایا؟ جب مُوسیٰ علیہ السّلام پر تورات نازل ہُوئی حالانکہ وُہ انسان تھے تو حضور پُرنور محمد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن کے نازل ہونے میں کیا شک ہے۔

۱۵۵ یہود کے اس قول کی تکذیب کرنے کے بعد ان کی مزید مذمت کی جا رہی ہے کہ تم تو وُہ ناشکرے اور احسان فراموش ہو کہ تورات جیسی سراپا نُور و ہدایت کتاب کو تم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ جس حصّہ کو اپنی خواہشات اور اغراض کے مطابق پایا اسے اپنا لیا اور جس حصّہ کو اپنے دُنیاوی مقاصد سے متصادم محسُوس کیا اسے چھپا دیا۔ کیا وحی الٰہی کے امینوں اور رسالتِ مُوسوی کے وارثوں کو یہ بات زیب دیتی ہے؟

۱۵۶ اے حبیبؐ! ان سے زیادہ بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے۔ تمھارے انکار سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ یہ کہہ کر انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے اللہ تعالیٰ ان کو کیفرِ کردار تک پہنچائے گا۔

۱۵۷ اس کتاب کی متعدد صفات اور خصُوصیات بیان ہو رہی ہیں جس کے بارے میں اہلِ مکّہ اس کشمکش میں مبتلا تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں۔ فرمایا یہ مبارک ہے یعنی برکت والی ہے۔ برکت کا معنی ہے الزیادۃ والنماء کسی تھوڑی چیز کا زیادہ ہو جانا۔ کسی چھوٹی چیز کا بڑا ہو جانا۔ اُمّتِ اسلامیہ کی ساری تاریخ قرآن کی اس ایک صفت کی جلوہ گاہ ہے۔ عرب کے اَن پڑھ ساربان وسیع ملکوں اور عظیم قوموں کی زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں اور ساری دُنیا عدل و انصاف اور پاکیزگی اور تقویٰ کے نُور سے جگمگا اُٹھتی ہے۔ وُہ ایک ایک کوڑی کے لیے انسانی جان ضائع کرنے والا

بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

اس (وحی) کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی اور اس لیے تاکہ ڈرائیں آپ مکّہ (والوں) کو اور جو اس کے اردگرد ہیں اور جو ایمان لاتے ہیں

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَمَنْ

آخرت کے ساتھ وہ ایمان رکھتے ہیں اس پر (بھی) اور وہ اپنی نماز کی پابندی کرتے ہیں اور کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

زیادہ ظالم ہے ۱۶۸؎ اس سے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا یا کہے کہ وحی کی گئی ہے میری طرف حالانکہ نہیں وحی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰى اِذِ

کی گئی اُس کی طرف کچھ بھی اور (کون زیادہ ظالم ہے اس سے) جو کہے کہ میں (بھی) نازل کروں گا ایسا ہی (کلام) جیسے نازل کیا ہے اللہ نے کاش تم دیکھو جب

بھوکا بدّو اتنا سیر چشم اور دل کا غنی ہو جاتا ہے کہ کسریٰ کے محلّات کی ثروت اور بیش قیمت ساز و سامان اس کی حفاظت میں مدینہ طیبہ بھیجا جاتا ہے اور اس میں ایک سُوئی کی خیانت بھی نہیں ہوتی۔ سنگدل اعرابی اس کتاب کے اثر سے اتنا رحیم و کریم ہو جاتا ہے کہ وہ اس خیمہ کو اُکھاڑنا بھی گوارا نہیں کرتا جس میں ایک فاختہ نے انڈے دے رکھے ہیں۔ اس کتاب کی دُوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سابقہ کتابوں اور انبیاء کی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں کے ماننے والوں اور مخالفین کے ہاتھوں ان میں جو ردّ و بدل ہو گیا ہے اس کا پتہ بتاتی ہے۔ اور اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ اہل مکّہ اور اس کے شرق و غرب اور جنوب و شمال میں پھیلی ہوئی ساری انسانی دُنیا کو خدا کے عذاب سے اور بدکاریوں کے طبعی نتائج سے ڈراتی ہے۔ اے مکّہ کے دانشورو! تم خود سوچو جو کتاب ان خوبیوں کی حامل ہو۔ اور جس کے پیش نظر سارے عالم انسانیت کی اصلاح ہو اور جس کے اثر سے ان وحشیوں اور درندہ صفت بدّوؤں سے ایک ایسی جماعت بھی تیار ہو چکی ہو جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل میں سرگرم ہو کیا یہ کسی انسان کی بنائی ہوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو اس نے اپنی ساری مخلوق کی ہدایت کے لیے اپنے مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء پر نازل فرمائی ہے۔

۱۶۸؎ واقعی اس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم اور نوعِ انسانی کا دشمن ہو سکتا ہے جو اپنی من گھڑت باتوں کو وحی الٰہی کہہ کر لوگوں کے سامنے پیش کرے اور ان پر ایمان لانے کی دعوت دے یا یہ دعوے کرے کہ کلامِ الٰہی کی طرح میں کلام نازل کر سکتا ہوں۔ جو بدنصیب ایسے گستاخوں کے جال میں پھنس جاتے ہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور بعض دُوسرے لوگ ان کے کلام کی لغویت اور بے ہودگی سے متنفر ہو کر وحی الٰہی سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ یہ کتنا بڑا نقصان اور خسارہ ہے۔

الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْۚ اَخْرِجُوْٓا

ظالم ١١٩ موت کی سختیوں میں (گرفتار) ہوں اور فرشتے بڑھا رہے ہوں (ان کی طرف) اپنے ہاتھ (اور انھیں کہیں کہ) ١٢٠ نکالو

اَنْفُسَكُمْؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى

اپنی جانوں کو۔ آج تمھیں دیا جائے گا ذِلّت کا عذاب اس وجہ سے کہ تم بہتان لگاتے تھے اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

پر ناحق اور تم اس کی آیتوں (کے ماننے) سے تکبّر کیا کرتے تھے اور بے شک آگئے ہو تم ہمارے پاس ١٢١ اکیلے

فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْۚ

اکیلے جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمھیں پہلی دفعہ اور تم چھوڑ آئے ہو جو ہم نے عطا فرمایا تھا تمھیں اپنے پیچھے

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُاؕ

اور ہم نہیں دیکھتے تمھارے ساتھ ان سفارشیوں کو جن کے متعلق تم خیال کرتے تھے کہ وُہ تمھارے معاملہ میں (ہمارے) شریک ہیں

١١٩ ان گستاخوں اور بیباکوں کے حسرت ناک انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔ غمرات کا واحد غمرۃ ہے۔ غمرۃ اس کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو ڈبو دے اور اس کو ڈھانپ لے ومنه غمرة الماء۔ یہاں غمرات سے مقصود موت کی سختیاں اور تکلیفیں ہیں۔

١٢٠ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مرتے وقت کافر کی رُوح کو کہا جائے گا اس کے بدن سے نکلو اس حال میں کہ تم خود بھی اس مفارقت پر ناراض ہو اور خدا بھی تم پر ناراض ہے۔ نکلو عذاب الٰہی کی سختیوں کی طرف۔ ایتها النفس الخبیثة اخرجی ساخطة مسخوطة علیكِ الی عذاب الله۔ اگرچہ جسم سے رُوح کو ملک الموت نکالے گا لیکن زجرو توبیخ کے لیے انھیں یہ کہا جائے گا۔

١٢١ فرادی کا واحد فردان ہے جیسے سکاری کا سکران۔ اور بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ اس کا واحد فرد ہے۔ اس کا معنی ہے اکیلے اکیلے (قرطبی) خوّلنا ای اعطینا۔ وُہ ظالم جو خود نبوّت کا جھُوٹا دعویٰ کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ایسی وحی تو ہم بھی اُتار سکتے ہیں ان کی حالت ذرا قیامت کے دن دیکھنے کے قابل ہوگی۔ تن تنہا بے یارومددگار بارگاہِ ربّ ذوالجلال میں پیش کیے جائیں گے۔ اور وُہ جھُوٹے خدا جن کی وُہ عمر بھر پرستش کرتے رہے ان کا وہاں نام ونشان تک نہ ہوگا وُہ گھرے تعلقات اور بڑی بڑی توقعات سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ شفعاءکم سے مُراد

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۵﴾ إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ ع ۱۱ ۱۷

بے شک ٹوٹ گئے تمھارے سارے رشتے اور کھو گئے تم سے جو تم دعوے کیا کرتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ ہی ۱۲۲

الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ

پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو نکالتا ہے زندہ کو مُردہ سے اور نکالنے والا ہے مُردہ کو زندہ سے ۱۲۳

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۶﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا

یہ ہے اللہ ۱۲۴ پس کدھر تم بہکے چلے جا رہے ہو وہ نکالنے والا ہے صبح کو رات کی تاریکی سے ۱۲۵ اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لیے

وُہ بُت ہیں جن کی وُہ عبادت کیا کرتے تھے اور انھیں خدا کا شریک بناتے تھے۔ یریداالاصنام وکان المشرکون یقولون الاصنام شرکاء اللہ وشفعاء نا عندہ (القرطبی) مُراد بُت ہیں۔ مشرک کہا کرتے کہ ان کے بُت اللہ کے شریک اور ان کے شفیع ہیں۔

۱۲۲ الفلق الشق فلق کا معنی ہے چیرنا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے وُہ کرشمے جن کا ہم ہر وقت مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ذکر کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے اور پُوچھا جا رہا ہے کہ اے عقل کے دُشمنو! یہ بتاؤ کہ عبادت کے لائق وُہ ذاتِ والا صفات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں کہ وُہ خشک دانے اور سخت گٹھلی کو چیر کر اس سے سرسبز پودے اور بلند و بالا درخت اُگاتا ہے۔ یا وُہ بے بس اور بے جان پتھر وغیرہ کے بُت جنھیں اپنی بھی خبر نہیں۔ گندم کے دانے کا دل چیر کر کس طرح گندم کا پودا نکلتا ہے جس کی کئی بالیں ہوتی ہیں اور ہر بال پر الگ الگ خوشہ ہوتا ہے جس میں سینکڑوں دانے مضبوط غلافوں میں لپٹے ہُوئے ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس چھوٹے سے دانے میں سے کیونکر نکلا۔ اور اب تک اس میں کیونکر سمٹا رہا۔ آم کی چھوٹی سی گٹھلی سے اتنا بڑا درخت کیسے پیدا ہو گیا۔ اگر انسان اسی میں تامل کرے تو حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔

۱۲۳ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دُوسرا اعجاز۔ بے جان انڈے سے جاندار مُرغی اور قطرۂ آب سے زندہ انسان۔ یا بد سے نیک اور نیک سے بد۔

۱۲۴ ذٰلکم مبتدا۔ اللہ خبر ہے یعنی اللہ اور معبودِ برحق تو وُہ ذات ہے جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں تعجب ہے تم پر اگر اس کے بعد بھی تم دُوسروں کو خدا سمجھتے رہو۔

۱۲۵ صبح، صباح اور اصباح تینوں ہم معنی ہیں (قرطبی) سکنًا کا معنی ہے آرام اور راحت کا وقت۔ ای محلاً للسکون (قرطبی) حسبانًا ای بحساب یتعلق بہ مصالح العباد (قرطبی) یعنی اس حساب اور اندازے سے سُورج اور چاند کی حرکت مقرر فرما دی ہے جس سے دن، مہینے اور سال بنتے ہیں۔ جس سے گرمی، سردی، بہار اور خزاں کے موسم

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ

اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لیے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست، سب کچھ جاننے والے کا اور وہی ہے

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ

جس نے بنایا ہے تمہارے لیے ستاروں کو تاکہ سیدھی راہ معلوم کرسکو اُن سے خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٨﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

بے شک ١٢٦ ہم نے کھول کر بیان کر دیئے ہیں دلائل ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں اور وُہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

جان سے ١٢٧ پھر (تمہارے لیے) ایک ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک امانت رکھے جانے کی بے شک ہم نے تفصیل سے بیان کر

ظہور پذیر ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہر طرح مستفید ہوتی ہے۔ پہلی آیت میں دانہ اور گٹھلی جو بظاہر معمولی چیزیں ہیں ان کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں نظامِ شمسی کے دو اہم ستاروں سورج اور چاند کا ذکر ہو رہا ہے۔ بتانا یہ ہے کہ کارخانۂ ہستی کی ہر چھوٹی بڑی چیز اسی کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے۔ اسی کی حکمت اور علم نے ان کے لیے ایسے اندازے اور ضابطے مقرر کر دیئے ہیں جن کے وُہ پابند ہیں اور سب اُس کے حکم کی تعمیل اور اس کے فرمان کی بجا آوری میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اور زندگی کی یہ ہما ہمی موجود ہے۔

١٢٦ یعنی اہلِ علم و دانش کے لیے کائناتِ ہستی کی ہر چیز میں توحید کی دلیلیں موجود ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی آپ کوئی چیز لیں اس کی وضع و قطع کی موزونیت، اس کی خصوصیات، اس کے ان گنت فوائد اور پھر سارے نظامِ عالم کے ساتھ اس کی وابستگی کو دیکھ کر انسان مجبوراً کہہ اُٹھتا ہے کہ اس کے بنانے والی ذات بڑی قدرت، علم اور حکمت کی مالک ہے۔ جتنا علم زیادہ ہوگا اسی مناسبت سے عرفانِ توحید زیادہ ہوگا۔

١٢٧ زمین و آسمان کی مختلف اشیاء کے ذکر کے بعد قدرت اپنے شاہکار حضرتِ انسان کا ذکر کر رہی ہے کہ ان سب کا اصل الاصول اور جدّاً امجد ایک آدم ہے علیہ السلام۔ مستقر کا معنی ہے قرار پکڑنے کی جگہ۔ مستودع کہتے ہیں اُس جگہ کو جہاں کوئی چیز بطورِ امانت رکھی جاتی ہے۔ آیت میں ان الفاظ سے کیا مُراد ہے۔ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں بعض نے کہا کہ مستقر سے مُراد ماں کا شکم ہے اور مستودع سے باپ کی پیٹھ۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد زمین ہے جہاں انسان دُنیوی زندگی بسر کرتا ہے اور مستودع سے مُراد قبر ہے جہاں مرنے کے بعد حشر تک کا درمیانی عرصہ گزارنا ہوتا ہے۔

يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ

دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو (حقیقت کو) سمجھتے ہیں اور وہی ہے ۱۲۸ جس نے اتارا بادل سے پانی تو ہم نے نکالی اس کے ذریعے اُگنے

كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَ

والی ہر چیز پھر ہم نے نکالیں اُس سے ہری ہری بالیں نکالتے ہیں اس سے (خوشے جن میں) دانے ایک دوسرے پر چڑھے ہوتے ہیں اور

مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

(نکالتے ہیں) کھجور سے یعنی اس کے گابھے سے گچھے نیچے جھکے ہوئے اور (ہم نے پیدا کیے) باغات انگور اور

وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ

زیتون اور انار کے بعض (شکل و ذائقہ میں) ایک جیسے ہیں اور بعض الگ الگ دیکھو ہر درخت کے پھل کی طرف

اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا

جب وہ پھل دار ہو اور (دیکھو) اس کے پکنے کو ۱۲۹ بے شک ان میں ۱۳۰ نشانیاں ہیں (اس کی قدرت کاملہ کی) اس قوم کے لیے جو ایمان لے آئے اور بنا لیا

۱۲۸ اللہ تعالیٰ کی قُدرتِ کاملہ کی اعجاز آفرینیوں کے ذکر کا سلسلہ جاری ہے۔ یہاں انسانی بقا کے لیے اس کی خوراک کا جو انتظام فرمایا گیا ہے اس کا بیان ہو رہا ہے۔ خضر بمعنی الخضر یعنی سرسبز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گندم، جو، مکی اور چاول کے پودے ہیں جن پر خوشے لگتے ہیں۔ قال ابن عباس یرید القمح والشعیر والسلت والذرۃ والارز وسائر الحبوب (قرطبی) قِنْوَان جمع ہے قِنْو یا قُنْو کی اس کا معنی ہے گچھہ۔

۱۲۹ یہاں دیکھنے سے مُراد سرسری دیکھنا نہیں بلکہ غور و تدبر سے دیکھنا ہے تاکہ قدرت کی کرشمہ سازی اور اس کی حکمت کی پختہ کاری کے جلوے نظر آنے لگیں۔ یَنْعِهٖ مصدر مضاف ہے ضمیر کی طرف اس کا معنی ہے پھل کا پکنا۔ قال الجوھری ینع الثمر یَیْنَعُ وَ یَیْنِعُ یَنْعًا و یُنْعًا و یُنُوعًا ای نضج (القرطبی)

۱۳۰ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرا پہچاننا مشکل نہیں۔ تمھارے اُوپر اور نیچے، تمھارے دائیں اور بائیں میری مصنوعات اور تخلیقات کا جو بازار سجا ہوا ہے اسی میں غور کرو۔ ہر چیز یہ پکارتی ہوئی سنائی دے گی کہ وہ اپنی نیرنگیوں اور بوقلمونیوں سمیت خود بخود موجود نہیں ہو گئی بلکہ اس کا ایک بنانے والا ہے جو سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ ذرا دیکھو بیج کا دانہ شق ہو رہا ہے۔ اس میں سے ایک نرم و نازک بال نکل آئی ہے۔ اسے آپ کمزور نہ سمجھئے یہ تو مٹی کی کئی

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ

اُنھوں نے ۱۳۱ اللہ کا شریک جنّوں کو حالانکہ اللہ نے پیدا کیا ہے انھیں اور گھڑ لیے ہیں اُنھوں نے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں محض جہالت سے

سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۟۱۰۱ؒ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَنّٰى

پاک ہے وُہ اور برتر ہے اس سے جو وُہ بیان کرتے ہیں ۔ مُوجد ہے ۱۳۲ آسمانوں اور زمین کا ۔ کیوں کر

اِنج موٹی تہ کو چیر کر نکلی ہے ۔ یہ بڑھتی ہی چلی جارہی ہے ۔ وُہ بال اَب ایک ننھے سے تنے میں تبدیل ہو رہی ہے ۔ ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت کرنے کے لیے مناسب فاصلوں پر اس میں گرہیں ڈالی جارہی ہیں ۔ اب اس کے سر پر ایک خوشہ سا نمودار ہوگیا ہے ۔ اس کی جیبیں اَب دانوں سے بھر گئی ہیں ۔ یہ پودا جو پہلے ہرا بھرا اور نرم و نازک تھا اب اپنا رنگ تبدیل کر رہا ہے ۔ غور کرنے والی آنکھ خود فیصلہ کرلے کہ کیا یہ اندھے مادے کی کاریگری ہے یا علیم و حکیم پروردگار کی صنعت کا اعجاز ہے ۔ پھل لگنے سے لے کر پکنے تک اس کی مقدار، اس کی بُو اور اس کے ذائقہ میں آہستہ آہستہ موقع بموقع جو تبدیلیاں رُونما ہوتی رہتی ہیں اسی پر انسان غور کرے تو حقیقت واضح ہوجائے گی ۔ اس آیت میں "انظر" کے معنی سرسری دیکھنے کے نہیں بلکہ غور و فکر سے دیکھنے کے ہیں ۔ ای نظر اعتبار لا نظر الابصار المجرد عن التفکر (قرطبی) میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ جس قوم کی آسمانی کتاب نے اُسے کائنات کی ہر چیز میں فکر و تدبر کرنے کی ترغیب دلائی وُہی قوم اس میدان میں سب سے پیچھے نظر آرہی ہے ۔ کیا ملّتِ اسلامیہ کے نوجوان اپنا مقام پہچانیں گے اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے کمرِ ہمت باندھیں گے ۔ اپنے اولوالعزم اسلاف کی طرح لگاتار محنت مسلسل جدوجہد کو اپنا شعار بنائیں گے ۔ اس طرح صرف وُہ خود ہی شہرت کے آسمان پر مہرو ماہ بن کر نہیں چمکیں گے بلکہ اپنی ملت کا نام بھی روشن کردیں گے اور انسانیت کی قیادت ایک بار پھر ان ہاتھوں میں آجائے گی جنھیں کنتم خیر امۃ کا اعزاز بخشا گیا ہے ۔

۱۳۱؎ ان مشرکین کی حماقت کی کوئی حد ہے کہ اُنھوں نے جنّوں کو جو اُن جیسی مخلوق ہیں خدا کا شریک بنایا ہوا ہے مزید برآں اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لی ہیں ۔ یہ ایسی خرافات تھیں جن میں اہلِ عرب کے علاوہ اور قومیں بھی مبتلا تھیں ۔ عیسائی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو اور بعض یہود حضرت عزیر علیہ السّلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ تعالٰی کی بیٹیاں یقین کرتے تھے ۔ نعوذ باللہ ۔

۱۳۲؎ بدیع اُس پیدا کرنے والے کو کہا جاتا ہے جس نے کوئی نمونہ سامنے رکھے بغیر کسی چیز کو پیدا کیا ہو ۔ اور یہ اللہ تعالٰی کی صفت ہے کیونکہ اسی نے آسمان اور زمین کو بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے تخلیق فرمایا ۔ وُہ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اس کی مخلوق ہے ۔ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف معبودیت اور بندگی کا ہی رشتہ ہے ۔ فرزندی یا قرابت کا کوئی رشتہ نہیں کیوں کہ جس نے محض اپنی قدرت سے زمین اور آسمان کو پیدا کردیا اسے اب بیٹوں اور دوسرے رشتہ داروں اور سہاروں کی

يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ

ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی۔ اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وُہ

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ

ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے یہ اللہ ہے (جو) تمہارا پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے۔ پیدا کرنے والا ہے ہر

شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ

چیز کا پس عبادت کرو اس کی اور وُہ ہر چیز پر نگہبان ہے نہیں گھیر سکتیں اسے ۱۳۳؎

ضرُورت نہیں۔ اور اگر تم اپنے اُجڈ پنے سے اُس کی اولاد بنانے پر مُصر ہو تو پہلے یہ بتاؤ کہ اس کی بیوی کون ہے جس کے بطن سے اس کی یہ اولاد ہُوئی۔ اور جب اس کی بیوی ہی نہیں تو اولاد کہاں سے آگئی۔

۱۳۳؎ ادراک کا معنی ہے کسی چیز کو گھیر لینا اس کا احاطہ کر لینا۔ الادراك بمعنی الاحاطة والتحدید (قرطبی) اور یہ ظاہر ہے کہ احاطہ صرف اس چیز کا کیا جا سکتا ہے جو محدُود ہو اور کسی خاص سمت میں پائی جاتی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات نہ تو محدُود ہے اور نہ کسی خاص جہت میں موجُود۔ اس لیے اس کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ ہاں دُنیا کی اور ہر چیز کتنی بڑی سے بڑی کیوں نہ ہو اس کا کوئی گوشہ اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط سے باہر نہیں ہو سکتا۔ معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں اور آخرت میں ناممکن ہے۔ لیکن ان کا یہ استنباط غلط ہے کیونکہ قرآن کی دُوسری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ قیامت کے دن مومنین کو دیدارِ الٰہی ہوگا۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (بعض چہرے اس روز شگفتہ ہوں گے اور اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) اور اگر یہ محال عقلی ہو تو حضرت موسٰی علیہ السلام کبھی دیدار کا سوال نہ کرتے۔ کیونکہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ ایسی بات کا سوال کرے جو محال ہو۔ نیز احادیثِ صحیحہ اور جلیل القدر صحابہؓ اور عُلماء اُمّت کے اقوال سے ثابت ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو اپنے دیدار سے مشرّف فرمایا۔ مروان نے حضرت ابُوہریرہؓ سے پُوچھا ھل رای محمّد ربه؟ کیا مصطفٰے علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا فقال نعم۔ تو حضرت ابُوہریرہؓ نے جواب دیا ہاں۔ حضرت ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت احمدؒ بن حنبل سے اس کے متعلق پُوچھا گیا تو فرمایا۔ انا اقول بحدیث ابن عباس، بعینه راٰہ راٰہ حتی انقطع نفسه۔ میرا تو وُہی قول ہے جو ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ لفظ امام احمدؒ نے اتنی بار دُہرایا کہ آپ کا سانس ٹوٹ گیا۔ وکان الحسن یحلف باللّٰه الذی لا اله الا هو لقد رای محمّد ربه۔ حضرت حسن بصریؒ فرمایا کرتے تھے اس خدا کی قسم جس کے بغیر کوئی خُدا نہیں حضُور علیہ السّلام نے اپنے ربّ

الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿١٠٣﴾ قَدْ

نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو اور وہ بڑا باریک بین (اور) پوری طرح باخبر ہے بے شک

جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ أَبْصَرَ فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ عَمِيَ

آئیں تمھارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں اپنے رب کی طرف سے ۱۳۴ تو جس نے آنکھوں سے دیکھا تو اس نے اپنا فائدہ کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿١٠٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ وَ

تو اس نے اپنا نقصان کیا اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان اور اسی طرح ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں (توحید کی) دلیلوں کو

لِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١٠٥﴾ اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ

اور تاکہ بول اٹھیں یہ لوگ کہ آپ نے خوب پڑھ سنایا ہے ۱۳۵ اور تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو اس قوم کیلئے جو علم رکھتی ہے پیروی کیجئے آپ اس کی جو وحی کی جاتی ہے

کا دیدار کیا ہے اگر کوئی شخص مُصر ہو کہ آیت میں ادراک کا معنی دیکھنا ہی ہے تو اس کا جواب بھی علماء کرام نے دیا ہے کہ عام نگاہیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے شرفِ دیدار سے مشرف کرنا چاہتا ہے تو اس میں ایسی قوت پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ دیدار کر سکتا ہے۔ جیسے حضور کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المعنی لا تدرکه الابصار المخلوقة فی الدنیا لکنه یخلق لمن یرید کرامته بصرا وادراکا یراہ به کمحمد علیه السلام (القرطبی)

؎ موسیٰ ز ہوش رفت زیک جلوہ صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

۱۳۴ بصائر بصیرت کی جمع ہے جس طرح جسم کے لیے بصر (بینائی) ہے اسی طرح نفس و روح کے لیے بصیرت ہے۔ وھی للنفس کالبصر للبدن (بیضاوی) اور یہاں اس سے مراد روشن دلیلیں ہیں یعنی بالبصیرۃ الحجة البینة الظاهرة (القرطبی) اس آیت کا مقصد یہ ہوا کہ تمھاری ہدایت اور رہنمائی کے لیے روشن دلیلیں آگئی ہیں۔ اگر تم ان کی روشنی میں چلو گے تو اس میں تمھارا ذاتی فائدہ ہے کیوں کہ اس طرح دین اور دنیا کی عزتوں سے سرفراز کیے جاؤ گے۔ اور اگر آنکھیں بند رکھو گے تو خود ہی ہلاکت کے گڑھے میں گرو گے کسی کا کیا بگڑے گا۔

۱۳۵ درس یہ دراسة سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی کو پڑھ کر سنانا (القرآۃ علی الغیر) مقصد یہ ہے کہ اگر ہم اپنی توحید کی دلیلوں کو صرف ایک ہی بار بیان کرتے تو کوئی سنتا کوئی نہ سنتا، کوئی سمجھتا اور کوئی نہ سمجھتا۔ اور اگر ایک ہی آیت کا بار بار تکرار ہوتا تو شاید کوئی اُکتا جاتا۔ اس لیے ہم ان دلائل کو مختلف رنگوں اور متعدد اسلوبوں سے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کے مخاطب یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں کہ واقعی آپ نے پوری طرح دلیلیں ہمیں پڑھ کر سنائی ہیں اور سمجھانے کا حق ادا کر

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَ

آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے[۱۳۶] اور منہ پھیر لو مشرکوں کی طرف سے اور

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو وہ شرک نہ کرتے اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان اور نہیں ہیں

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

آپ ان کے ذمہ دار اور تم نہ بُرا بھلا کہو[۱۳۷] انھیں جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠

(ایسا نہ ہو) کہ وہ بھی بُرا بھلا کہنے لگیں اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت سے۔ یونہی آراستہ کر دیا ہے ہم نے ہر اُمّت کے لیے ان کا عمل

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَ

پھر اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر آنا ہے اُنھوں نے پھر وہ اُنھیں بتائے گا جو وہ کیا کرتے تھے اور

دیا ہے۔ آیت کے اور مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن یہ قول سب سے عمدہ ہے۔ قال النحاس قول حسن (قرطبی)

[۱۳۶] آپ کفار کی گمراہی پر ملول اور غمگین نہ ہوں۔ آپ نے فہمائش کا حق ادا کر دیا۔ آپ زیادہ توجہ احکامِ الٰہی کی بجا آوری کی طرف دیا کریں۔ ای لا تشتغل قلبك وخاطرك بهم بل اشتغل بعبادة الله (قرطبی)

[۱۳۷] مبلغ اگر صحیح تربیت یافتہ نہ ہو تو اپنے نظریات اور عقائد کی تبلیغ و اشاعت کے جوش میں وہ حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا ہے اور معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے نظریات اور عقائد کے متعلق اس کے سامعین کے دلوں میں نفرت اور تعصب پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات نوبت گالی گلوچ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس آیت سے مبلغین اسلام کی تربیت مقصود ہے تاکہ وہ اسلام کی دعوت کو پوری شائستگی اور متانت سے پہنچانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ اُنھیں حکم دیا کہ مشرکین کے باطل خداؤں کو بُرا بھلا نہ کہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مشتعل ہو کر تمھارے معبودِ برحق کی جناب میں گستاخی کرنے لگیں۔ اس انداز سے اُنھیں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور اُن کے عقائدِ باطلہ کی تردید کرو کہ اُنھیں تمھاری دعوت قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ رہے۔ عدوا ای جهلا واعتداء جہالت اور زیادتی سے۔ علماء اصول نے اس آیت سے سدِ ذرائع کا قاعدہ اخذ کیا ہے جس کا مختصر مطلب یہ ہے کہ ہر مباح کام جب کبھی معصیت کا سبب بن جائے تو اس کو ترک کر دیا جائے گا۔

أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ

وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی ۱۳۸ پوری کوشش سے کہ اگر آگئی ان کے پاس کوئی نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے

بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ

اس کے ساتھ۔ آپ فرمائیے کہ نشانیاں تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمھیں کیا خبر کہ جب یہ نشانی آجائے گی تو

لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١١٠﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

(تب بھی) یہ ایمان نہیں لائیں گے اور ہم پھیر دیں گے ۱۳۹ ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں

يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١١﴾ ع

ایمان لاتے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انھیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

ع ۱۹ ۔ ۳

۱۳۸ کفار قریش نے ایک بار حضور نبی کریم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں بتلاتے ہیں کہ موسیٰ اپنا عصا مار کر پتھر سے پانی کے چشمے جاری کر دیا کرتے تھے۔ عیسیٰ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے۔ اور ثمود کے پاس ایک اونٹنی تھی۔ آپ بھی ہمیں کوئی نشانی دکھائیے تاکہ ہم آپ کی تصدیق کریں۔ حضورؐ نے فرمایا کون سی نشانی چاہتے ہو۔ کہنے لگے کہ اگر یہ صفا کی پہاڑی سونا بن جائے تو ہم ایمان لائیں گے۔ حضورؐ نے دعا کی تو جبریلؑ حاضر ہوئے اور آکر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو صفا کی پہاڑی ابھی سونا بن جاتے۔ لیکن جس نے اس کے بعد بھی انکار کیا اُسے اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے گا۔ یا آپ انھیں اپنے حال پر رہنے دیں تاکہ جس وقت کوئی چاہے تائب ہو جائے اور اسلام قبول کرے تو حضورؐ نے فرمایا بل یتوب تائبھم یعنی مجھے دوسری صورت پسند ہے۔

۱۳۹ یعنی ان کا یہ کہنا درست نہیں کہ آج تک ہمیں کوئی نشانی اور معجزہ نہیں دکھایا گیا اس لیے ہم ایمان نہیں لاتے بلکہ پیش ازیں بھی اُنھوں نے قدرتِ خداوندی کی نشانیاں اور معجزات دیکھے لیکن محض ہٹ دھرمی اور عناد کی وجہ سے اُنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا۔ اب بھی اگر کوئی معجزہ انھیں دکھایا جائے گا تو یہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق قبولِ حق کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اور ہم بطور سزا ان کے دلوں کو حق کی طرف سے پھیر دیں گے اور ان کی آنکھوں سے دیکھنے کی قوت چھین لی جائے گی۔ پھر وہ گمراہی اور ضلالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھریں گے۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَآ إِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اور اگر ہم ۱۴۰؎ اُتارتے اُن کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگتے اُن سے مُردے (قبروں سے اُٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے

عَلَيْهِمْ كُلَّ شَىْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوٓا إِلَّآ أَن يَشَآءَ اللّٰهُ

ہر چیز کو ان کے رُوبرو تب بھی وُہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ ۱۴۱؎

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِىٍّ عَدُوًّا

لیکن اکثر ان میں سے (بالکل) جاہل ہیں اور اسی طرح بنا دیئے ۱۴۲؎ ہم نے ہر نبی کے لیے دُشمن

۱۴۰؎ کفارنت نئے معجزہ کی فرمائش کرتے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان سب کی فرمائشیں پُوری کر بھی دی جائیں فرشتے آسمان سے اُتر کر ان کے پاس آکھڑے ہوں مُردے قبروں سے نکل کر ان سے باتیں کرنے لگیں۔ اور ہر چیز ان کے سامنے آموجود ہو تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کے دِلوں میں تلاشِ حق کا جذبہ ہی نہیں۔ ہدایت کی طلب ہی نہیں ایسے لوگوں کا راہِ راست پر آنا ممکن نہیں۔

۱۴۱؎ ہاں ان کے ایمان لانے کی ایک صُورت ہے کہ اُن سے اختیار اور ارادہ کی قوّت سلب کر لی جائے اور انھیں مجبورِ محض بنا کر ایمان لانے کا حکم دیا جائے لیکن ایسا کرنا منظور نہیں کیونکہ حکمت الٰہی کا یہ منشا نہیں کہ انسان بھی دوسرے حیوانوں کی طرح عقل وخرد، سوچ بچار، ارادہ و اختیار سے یکسر محروم ہو کر پابندِ احکام بن جائے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے ناواقف ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ انھیں کوئی ایسا معجزہ دِکھایا جائے جس کو دیکھنے کے بعد وُہ بے اختیار ہو کر اسلام کو قبول کر لیں۔

۱۴۲؎ شیاطین سے مُراد ہر سرکش اور نافرمان خواہ انسان ہو یا جن۔ والشیطان کل عات متمرد من الانس والجن وھذا قول ابن عباسؓ (کبیر) سرکش انسانوں اور جنّوں کی باہمی وسوسہ اندازی کو وحی کے لفظ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ یہ سب باتیں بڑی رازداری سے ہوتی ہیں وسمی وحیا لانه انما یکون خفیة (قرطبی) زخرف القول کا معنی ہے ملمع شدہ باتیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ لیکن ظاہر اتنا دِلکش اور نظر فریب ہو کہ انسان خود بخود اس کی طرف کھچا چلا جائے۔ عدوّ (واحد) اعداء (جمع) کے معنی میں ہے۔ اس کی متعدد نظیریں قرآن کریم میں نیز فصحاء عرب کے کلام میں ملتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔ او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء یہاں طفل، جمع کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اسی طرح ابن الانباری نے ایک شعر پڑھا ہے

اذا انا لم انفع صدیقی بوده فان عدوی لن یضرھم بغضی (رازی)

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

(یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

(لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لیے اور اگر چاہتا آپ کا رب تو وہ یہ نہ کرتے سو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وہ بہتان

يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

باندھتے ہیں اور (چھوڑ دیجئے) تاکہ مائل ہو جائیں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ

آخرت پر ۱۴۳ اور تاکہ پسند کریں اسے اور کرتے رہیں جو گناہ وہ اب کر رہے ہیں (آپ ان سے پوچھئے) کیا

اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

اللہ کے سوا ۱۴۴ میں تلاش کروں کوئی اور منصف حالانکہ وہی ہے جس نے اُتاری ہے تمھاری طرف کتاب مفصّل

یہاں عدو بمعنی اعداء استعمال ہوا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عدوا شیاطین الانس والجن کی ترکیب کیا ہے بعض نے عدوا کو مبدل منہ بنایا ہے شیاطین الخ کو بدل۔ اور بعض علماء کے نزدیک شیاطین الخ جعلنا کا مفعول اوّل ہے اور عدوا مفعول ثانی ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ اے حبیب! یہ نابکار جو آپ کو تنگ کرتے ہیں بات بات پر اعتراض۔ قدم قدم پر شرارت اور اسلام کو زک پہنچانے کے لیے ہر وقت آپس میں صلاح مشورے کرتے رہتے ہیں اور آپ کی مخالفت پر ایک دوسرے کو اُکساتے رہتے ہیں یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ قدیم سے یہی دستور چلا آ رہا ہے اس لیے آپ ان سازشوں کو خاطر میں نہ لائیے اور ان سازشوں کے متعلق فکر نہ کیجئے۔

۱۴۳؎ یہ جملہ یُوحی کے ساتھ متعلق ہے یعنی باطل کے سربراہ باطل نظریات کو جس دلفریب اور پُرکشش انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ جنھیں قیامت پر ایمان نہیں وہ ان کے دامِ فریب میں پھنس جائیں اور وہ غلط راستہ جو اُنھوں نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اس پر دوڑتے چلے جائیں۔

۱۴۴؎ کفار مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں ایسی نشانیاں دکھاؤ جس سے ہم فیصلہ کر سکیں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ حضور کریم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بھی کوئی سچا فیصلہ کرنے والا ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اگر

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب وُہ (اچھی طرح) جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُتارا گیا ہے آپ کے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا

حق کے ساتھ۔ تو (اے سننے والے) ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی

وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۶﴾ وَاِنْ

اور عدل سے ۱۴۵ نہیں کوئی بدلنے والا اس کی باتوں کا اور وُہی ہے سب کچھ سننے والا جاننے والا اور (اے سننے والے) ۱۴۶ اگر

تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ

تو اطاعت کرے اکثر لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وُہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے وُہ نہیں

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

پیروی کرتے سوائے گمان کے اور نہیں ہیں وُہ مگر محض تخمینے لگاتے ہیں بے شک آپ کا رب خوب

اللہ کا فیصلہ صحیح تسلیم کرتے ہو تو اُس نے تو قرآن جیسی معجز نما کتاب نازل کر کے میری صداقت کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو یہود و نصاریٰ سے دریافت کر لو۔ ان کے پاس جو آسمانی کتابیں ہیں ان میں جگہ جگہ میری نبوت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی شہادتیں موجود ہیں حَكَمٌ اور حاکم کا ایک ہی معنی ہے فیصلہ کرنے والا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ حاکم ہر فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں صحیح کرے یا غلط۔ لیکن حَکَم صرف صحیح فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

۱۴۵ کلمہ سے مُراد یہاں قرآن حکیم ہے۔ کیونکہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ وُہ کلمات کثیرہ جو ایک مقصد سے متعلق ہوں۔ ان کو بسا اوقات کلمہ (واحد) کہہ دیا جاتا ہے جس طرح زہیر کا قصیدہ جو کثیر اشعار کا مجموعہ ہے اسے کلمہ زہیر بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں قرآن حکیم کی چند صفات بیان کی گئی ہیں وُہ تام یعنی مکمل ہے۔ اپنے لانے والے کی نبوّت کی مکمل دلیل ہے جو زندگی کا ضابطہ اس نے پیش کیا ہے اس کا کوئی پہلو نا تمام نہیں۔ دُوسری صفت یہ ہے کہ وُہ سراپا حق و صداقت ہے جو کچھ اس نے بتایا ہے وُہ سچ ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ جو شرعی احکام اوامر و نواہی قرآن میں ہیں وُہ سرتاپا عدل و انصاف ہیں۔ اور آخری صفت یہ بیان فرمائی کہ اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا۔

۱۴۶ باطل نظریات کے علمبردار خود نورِ یقین سے محروم ہیں۔ ان کا سارا دار و مدار قیاس و گمان پر ہے۔ ان کے پاس

أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٨﴾ فَكُلُوا

جانتا ہے کہ کون بھٹکتا ہے اس کی راہ سے اور وُہ خُوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ تو کھاؤ

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٩﴾ وَمَا

اس میں سے لیا گیا ہے نام خُدا جس پر اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان لانے والے ہو ۱۴۷؎ اور کیا ہوا

لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

تمھیں کہ نہیں کھاتے ہو تم اس جانور کو لیا گیا ہے اللہ کا نام جس پر ۱۴۸؎ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مفصل بیان کر دیا ہے

مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ

تمھارے لیے جو اس نے حرام کیا تم پر مگر وُہ چیز کہ تم مجبور ہو جاؤ اس کی طرف اور بے شک بہت سے لوگ گمراہ کرتے ہیں

بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١٢٠﴾

اپنی خواہشوں سے بے علمی کے باعث بے شک آپ کا رب خُوب جانتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو ۱۴۹؎

کوئی ٹھوس اور علمی دلیل نہیں۔ اگر تم ان کے بہکانے سے بہک گئے اور قرآن کی ان یقینی براہین و دلائل کو نظر انداز کر دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

۱۴۷؎ کفار مسلمانوں پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں جس چیز کو اللہ مار دے اسے تو حرام سمجھتے ہیں اور جسے یہ خود ذبح کریں اُسے حلال جانتے ہیں اس کے متعلق فرمایا کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہی سرے سے غلط ہے کہ جو چیز خود مرے اُس کو خدا نے مارا اور جس کو ذبح کیا جائے اس کو ذبح کرنے والے نے مارا۔ ہر چیز کا مارنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس طرح تو پھر کوئی چیز بھی حرام نہ ہونی چاہیئے ایسا نہیں بلکہ حلال و حرام کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی لازمی ہے۔ اپنے ڈھکوسلوں اور قیاس آرائیوں سے کام لینا ایمان کے خلاف ہے جس حلال جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وُہ حلال ہے اُسے بلا تأمل کھاؤ۔

۱۴۸؎ جو چیزیں حرام تھیں ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آگاہ کر دیا اب یہ کتنی جہالت اور حماقت ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا اسے حرام سمجھا جائے اور جس جانور کو کلمہ گو اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرے اس کو نہ کھایا جائے۔

۱۴۹؎ اس آیت میں وُہ لوگ غور کریں جو اس جانور کو حرام کہتے ہیں جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے اور اس وقت

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

اور ترک کردو ظاہری گناہ کو اور چھپے ہوئے کو[۱۵۰] بے شک وُہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ (تو) جلدی ہی

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ

سزا دی جائے گی انھیں (اس گناہ کی) جس کا وُہ ارتکاب کیا کرتے تھے[۱۵۱] اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ۭ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اللہ کا نام اس پر[۱۵۲] اور اس کا کھانا نافرمانی ہے اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے

کسی غیر کا نام نہیں لیا جاتا اور اس سے مقصد محض کسی بزرگ کو ایصالِ ثواب ہوتا ہے وُہ غور کریں کہ کہیں وُہ تو اس آیت کا مصداق نہیں؟

[۱۵۰] ہر قسم کے گناہوں سے باز آنے کا حکم دیا جا رہا ہے خواہ اُن کا تعلق اعضاء جسمانی سے ہو یا دل سے، خواہ اُن کا ارتکاب مجمع عام میں کیا جاتے یا لوگوں سے چھُپ کر۔ کیونکہ گناہ اپنی ذات یا سوسائٹی کے حقوق کو پامال کرنے کا نام ہے۔ اور اسلام کسی صُورت میں بھی نہ اس کی اجازت دے سکتا ہے اور نہ اسے برداشت کر سکتا ہے۔ ایک پاک معاشرہ تب ہی معرضِ وجُود میں آ سکتا ہے جب اس کے افراد کے ظاہری اعضاء بھی کسی پر زیادتی نہ کریں اور اُن کے دل بھی بُرے خیالات سے پاک ہوں۔ اُن کی جلوت اور خلوت دونوں یکساں طور پر پاکیزہ ہوں۔ زمانۂ جاہلیّت کے عرب چھپ کر زنا کرنے کو حلال سمجھتے تھے۔ آج بھی یورپ کا جاہلی تمدن گناہ کی اس تفریق کا قانونی طور پر معترف ہے۔ اسلام جس معاشرہ کی تشکیل کے لیے کوشاں ہے وہاں گناہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جلوت و خلوت یکساں طاہر، ظاہر و باطن دونوں پاک۔

[۱۵۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح بے اختیار و بے ارادہ نہیں۔ بلکہ اس کے افعال اس کے اختیار و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں۔ اسی لیے اس کے اعمال کے متعلق اس سے بازپُرس ہوگی۔ لیکن اس کا یہ اختیار اور ارادہ اسے اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں کر دیتا۔ یہ ارادہ اسی کا عطا فرمُودہ ہے۔

[۱۵۲] پہلی آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہُوئی چیزوں کو حرام مت کہو۔ اس آیت میں حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہُوئی چیزوں کو حلال مت سمجھو۔ وُہ جانور جو خود مر گیا وُہ بھی حرام ہے اور جسے ذبح کیا گیا لیکن دانستہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یا اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لے دیا گیا تو وُہ بھی حرام ہے۔

أَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۚ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲۱﴾ ع ۱۴

دوستوں کے دلوں میں (اعتراضات) تاکہ وہ تم سے جھگڑیں۔ اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا تو تم مشرک ہو جاؤ گے ۱۵۳

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى

کیا وہ جو (پہلے) مُردہ تھا ۱۵۴ پھر زندہ کیا ہم نے اُسے اور بنا دیا اس کے لیے نُور چلتا ہے جس کے اُجالے میں لوگوں

ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ

کے درمیان وہ اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے۔ یُونہی

زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِى كُلِّ

آراستہ کر دیئے گئے کافروں کے لیے وہ اعمال جو وہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح ہم نے بنایا ۱۵۵ ہر بستی

قَرْيَةٍ أَكَٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا۟ فِيهَا ۖ وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ

میں اس کے بڑے لوگوں کو وہاں کے مجرم تاکہ وہ مکر و فریب کیا کریں اس میں۔ اور نہیں فریب دیتے مگر اپنے آپ کو

۱۵۳ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال یقین کرتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے فدلت الآیة علی ان من استحل شیئا مما حرم اللہ تعالیٰ صار به مشرکا (قرطبی) حضرت صدر الافاضل رقم طراز ہیں "کیونکہ دین الٰہی میں حکم الٰہی کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اور اللہ کے سوا دوسرے کو حاکم قرار دینا شرک ہے۔" (خزائن العرفان)

۱۵۴ اس آیت میں موت سے مراد کفر و جہالت ہے اور زندگی سے مراد ہدایت اور علم ہے اور نور سے مراد قرآن حکیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ انسان جو پہلے کفر و جہالت کی موت مر چکا ہو اسے اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے ہدایت اور علم کی زندگی مرحمت فرمائے اور دنیا کے اس ظلمت کدہ میں اس کے پاس قرآن کی روشن شمع ہو جس کی روشنی میں وہ اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھا چلا جا رہا ہو۔ کیا اس خوش نصیب کے ساتھ وہ بد نصیب برابری کا دعویٰ کر سکتا ہے جو گمراہی کی تہ در تہ ظلمتوں میں حیران و سرگردان ہو اور ان سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ اسے نہ مل رہا ہو۔

۱۵۵ مجرمیها مفعول اول ہے جعلنا کا اور اکابر مفعول ثانی ہے۔ مکہ کے رئیس اور سردار حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نت نئی شرارت اٹھاتے۔ کبھی کوئی الزام کبھی کوئی بہتان مقصد یہ ہوتا کہ لوگ آپ سے متنفر رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفےٰ علیہ التحیة والثناء کو فرماتے ہیں کہ ہمیشہ سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ شہر کے چودھری اور رئیس اپنے اثر و رسوخ کو

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى

اور وُہ (اس بات کو) نہیں سمجھتے اور جب آئے ان کے پاس ۱۵۶؎ کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک

نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسُولوں کو ۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وُہ رکھتا ہے

رِسٰلَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

اپنی رسالت کو عنقریب پہنچے گی جنھوں نے جُرم کیے ذِلّت ۱۵۷؎ اللہ کے ہاں اور عذاب

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

سخت بوجہ ان مکروں کے جو وُہ کیا کرتے تھے اور جس (خوش نصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اُسے تو کشادہ کر دیتا ہے

بحال رکھنے کے لیے پیغمبروں کے خلاف الزامات لگاتے چلے آتے ہیں اور لوگوں کو انبیاء سے دُور رکھنے کے لیے سارے جتن کرتے رہتے ہیں ۔ اور وہ اپنی نادانی کے باعث اس چیز کو نہ سمجھ سکے کہ وُہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنی عاقبت برباد کر رہے ہیں ۔

۱۵۶؎ جب حضُور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نبوّت کا دعویٰ فرمایا تو مکہ کا رئیس ولید بن مغیرہ کہنے لگا ۔ لَوْ كَانَتِ النُّبُوَّةُ حَقًّا لَكُنْتُ اَوْلٰى بِهَا مِنْكَ لِاَنِّىْ اَكْبَرُ مِنْكَ سِنًّا وَّ اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا (قرطبی) یعنی اگر نبوّت کی کچھ حقیقت ہوتی تو میں آپ سے نبوّت کا زیادہ مستحق تھا ۔ میں عمر میں آپ سے بڑا ہوں اور مالدار بھی آپ سے زیادہ ہوں اور ابُوجہل وغیرہ متکبّر کہتے کہ ہم سُنی سنائی بات پر ایمان لانے والے نہیں ہم تو تب مانیں گے کہ جس طرح ان پر وحی نازل ہوتی ہے اُسی طرح وحی ہم پر بھی نازل ہو ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ردّ میں فرماتا ہے کہ میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ کونسا دل اس نورِ نبوّت کو برداشت کر سکتا ہے اور کس میں اس بارِ گراں کے اُٹھانے کی ہمّت ہے ۔ مال و دولت اور جاہ و منزلت اور کبر سنی نبی بننے کا کوئی معیار نہیں ۔

۱۵۷؎ تاریخ شاہد ہے کہ جن مغرُوروں نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مخالفت سے توبہ نہ کی ان کی ساری عظمت خاک میں مل گئی اور وُہ ذلیل و خوار ہو گئے ۔ اور قیامت کے دن جو عذاب انھیں دیا جائے گا اس کا تو ابھی وُہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے ۔

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا

اس کا سینہ اسلام کے لیے ۱۵۸ اور جس (بدنصیب) کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو

حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

تنگ بہت تنگ ۱۵۹ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف اسی طرح ڈال دیتا ہے اللہ تعالیٰ ناپاکی

عَلَى الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِیْمًا ؕ قَدْ

ان پر جو ایمان نہیں لاتے ۱۶۰ اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا (بالکل) سیدھا ہم نے

۱۵۸ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو ہدایت عطا فرمائے تو اس کے سینہ کو قبولِ حق کے لیے کشادہ کر دیتا ہے وہ اپنے دل میں حق کی طرف رغبت اور آمادگی محسوس کرتا ہے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا کیف الشرح یا رسول اللہ! شرح صدر کی کیا کیفیت ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا اَلْاِنَابَةُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِیْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ لِقَاءِ الْمَوْتِ۔ انسان آخرت کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا سے اس کا دل متنفر ہو جاتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے وہ موت کے لیے مکمل تیاری کر لیتا ہے۔ (روح)

۱۵۹ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لفظ "حرج" کی تحقیق کے لیے بنی کنانہ کے ایک شخص کو بلایا اور اس سے پوچھا اے جوان حَرَجَة کس کو کہتے ہیں۔ قَالَ اَلْحَرَجَةُ فِیْنَا الشَّجَرَةُ تَكُوْنُ بَیْنَ الْاَشْجَارِ الَّتِیْ لَا تَصِلُ اِلَیْهَا رَاعِیَةٌ وَّلَا وَحْشِیَّةٌ وَّلَا شَیْءٌ۔ اس نے کہا حرجة ہمارے ہاں اس درخت کو کہتے ہیں جو گھنے درختوں کے جھنڈ میں ہوتا ہے جہاں کوئی چیز نہیں پہنچ سکتی۔ یہ سن کر حضرت فاروقؓ نے فرمایا۔ كَذٰلِكَ قَلْبُ الْمُنَافِقِ لَا یَصِلُ اِلَیْهِ شَیْءٌ مِّنَ الْخَیْرِ۔ منافق کا دل بھی ایسا ہی ہوتا ہے وہاں کوئی بھلائی نہیں پہنچ سکتی (روح) "حرجا" کا معنی ہے بہت تنگ قال الزجاج اضیق الضیق مقصد یہ ہے کہ جب کسی کی پیہم سرکشیوں کے باعث اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت اس کی طرف سے پھر جاتی ہے تو قبولِ حق سے اس کا دل بہت تنگ ہو جاتا ہے۔ حق کو تسلیم کرنے کا تصور کرتے ہی اس کی حالت ایسی ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے جیسے کسی انسان کو آسمان کی طرف چڑھنے پر مجبور کیا جائے جس طرح اس کا سانس پھول جاتا ہے۔ اوسان خطا ہو جاتے ہیں اور ایک بے بسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اسی طرح اس بدنصیب کا حال ہوتا ہے۔

۱۶۰ رجس۔ پلیدی اور ناپاکی۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے بطور سزا ان پر ناپاکی مسلط کر دی جاتی ہے۔

فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

کھول کر بیان کر دی ہیں دلیلیں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت قبول کرتے ہیں اُن کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے ربّ کے ہاں

وَهُوَ وَلِیُّهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ۚ

اور وہی ان کا دوست ہے بسبب ان نیک اعمال کے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو (اور فرمائے گا)

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِیٰٓؤُهُمْ

اے جنوں کے گروہ! بہت گمراہ کیا تم نے انسانوں کو اور کہیں گے ان کے دوست

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ

انسانوں میں سے اے ہمارے رب! ؁۱۶۱ فائدہ اُٹھایا ہم نے ایک دوسرے سے اور پہنچ گئے ہم اپنی اس میعاد کو جو

اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی اللہ فرمائے گا ؁۱۶۲ آگ تمھارا ٹھکانا ہے ہمیشہ رہو گے اس میں مگر جسے اللہ تعالیٰ ؁۱۶۳ (نجات دینا) چاہے

؁۱۶۱ جب مجرموں کو اپنے جرائم کے انکار کی مجال نہ رہے گی تو وہ اعترافِ جرم کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم (جن و انس) ایک دوسرے سے خوب لطف اندوز ہوئے اور ساری عمر غفلت و نافرمانی میں برباد کر کے اب تیری جناب میں حاضر ہوئے ہیں۔ جنوں نے تو انسانوں سے یہ لطف اٹھایا کہ یہ انھیں بہکاتے گئے اور انسان بھٹکتے گئے۔ وہ دام بچھاتے گئے یہ اس میں پھنستے گئے۔ اور انسانوں نے جنوں سے یہ لطف اُٹھایا کہ زنا، شراب، قتل و غارت وغیرہ سب گھناؤنے گناہ ان کی نگاہ میں بہت دلکش بن گئے اور انھوں نے متاعِ عقل و خرد کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔ ہر پند و موعظت سے کان بہرے کر دیئے اور خوب داد عیش دی۔

؁۱۶۲ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے مہلت کے قیمتی لمحے میری نافرمانی میں ضائع کر دیئے۔ اب دوزخ تمھارے لیے تیار ہے تمھیں اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔

؁۱۶۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ استثناء اہل ایمان کے لیے ہے اور ما بمعنی مَن ہے وقال ابن عباس الاستثناء لاهل الایمان فما علی هذا بمعنی مَن"۔ (قرطبی)

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٩﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ

بے شک آپ کا رب بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے اور یونہی ۱۶۴ ہم مسلط کرتے ہیں بعض ظالموں کو

بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٣٠﴾ ع يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ

بعض پر بوجہ ان (کرتوتوں) کے جو وہ کرتے رہتے تھے اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں

يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ

آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے سناتے تھے تمہیں ہماری آیتیں اور ڈراتے تھے تمہیں تمہاری

لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ

اس دن کی ملاقات سے ۱۶۵ کہیں گے ہم گواہی دیتے ہیں اپنے خلاف اور دھوکہ میں مبتلا کیا تھا انہیں دنیوی

ع ۱۵ ۸ ۲

۱۶۴ بعض نے "نُوَلِّی" کا یہ معنی کیا ہے کہ دوزخ میں ظالموں کو اپنے اپنے گناہوں کی مناسبت سے دوزخ کے ایک درجہ میں اکٹھا کر دیں گے۔ لیکن علامہ قرطبی نے "نولی" کا معنی "نسلط" کیا ہے۔ یہاں دھمکی دی جارہی ہے کہ اگر ظالم تائب نہ ہوئے اور ظلم و تعدی سے باز نہ آئے تو ان پر اور ظالم مسلط کر دیئے جائیں گے جو ان کو ذلیل و خوار اور تباہ و برباد کر دیں گے۔ نسلّط بعض الظلمة علی بعض فیهلکه و یذله۔ (قرطبی)

حضرت فضیل بن عیاض فرماتے ہیں کہ جب تو ایک ظالم کو دوسرے ظالم سے انتقام لیتا ہوا دیکھے تو پھر ٹھیر جا اور تعجب سے یہ تماشا دیکھ۔ حضرت عباس رض فرماتے ہیں اِذَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْ قَوْمٍ وَلّٰی اَمْرَھُمْ خِیَارَھُمْ وَاِذَا سَخِطَ اللّٰہُ عَلٰی قَوْمٍ وَلّٰی اَمْرَھُمْ شِرَارَھُمْ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر خوش ہوتا ہے تو نیک آدمیوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اور جب کسی قوم پر ناراض ہوتا ہے تو برے لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو ظالم کی اعانت کرے گا اللہ تعالیٰ اسی ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔ مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا سَلَّطَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔

۱۶۵ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا اور اس میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ جب کفار مومنین کے انعام و اکرام اور عزت و منزلت دیکھیں گے تو اپنے کفر و شرک سے منکر ہو جائیں گے۔ اور اس خیال سے کہ شاید مکر جانے سے کچھ کام بنے یہ کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین یعنی خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس وقت ان کے مونہوں پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ان کے اعضاء ان کے کفر و شرک کی گواہی دیں گے۔ اسی کی نسبت اس آیت میں ارشاد ہوا وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین (خزائن العرفان)

الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿١٣٠﴾ ذَٰلِكَ

زندگی نے اور گواہی دیں گے اپنے خلاف کہ وُہ کفر کرتے رہے تھے یہ اس لیے

أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿١٣١﴾

کہ نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم سے[١٦٦] اس حال میں کہ ان کے باشندے بے خبر ہوں

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾

اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں اُن کے عمل کے مطابق اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو وُہ کرتے ہیں

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِن

اور آپ کا پروردگار غنی ہے رحمت والا ہے[١٦٧] اگر چاہے تو لے جائے (تباہ کر دے) تمھیں اور تمھاری جگہ لے آئے

[١٦٦] جب کوئی بستی گمراہ ہو جاتی ہے اور فسق و فجور میں منہمک ہو جاتی ہے تو اچانک اس پر عذاب نازل نہیں کیا جاتا بلکہ سُنّتِ الٰہی یہ ہے پہلے ان کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنانے والے بھیجے جاتے ہیں جو ان کو سمجھاتے ہیں۔ اور اس گمراہی اور بدکاری سے باز آجانے کی نصیحت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وُہ گمراہی اور کجروی پر بضد رہیں تو عذاب نازل ہوتا ہے جو اُنھیں نیست و نابود کر دیتا ہے۔

[١٦٧] شاید کوئی کم فہم اس غلطی میں مُبتلا ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ جو ہمیں اپنی طرف اتنی کوشش سے بُلا رہا ہے رسُول بھیجے جا رہے ہیں۔ کتابیں نازل کی جا رہی ہیں معجزات کا سلسلہ جاری ہے تو شاید اس کی کبریائی کا دارومدار اور اس کی خُدائی اور بادشاہی کا انحصار ہم پر ہے۔ اگر ہم نے اسے اپنا رب تسلیم کر لیا تو اُس کی خدائی قائم رہے گی۔ اور اگر اس کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس کی عظمت و کبریائی میں فرق آجائے گا چنانچہ اس کا ازالہ کر دیا کہ وُہ غنی ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں۔ ہر چیز اُس کی محتاج ہے۔ ہاں اُس کی رحمت بے پایاں اور اس کی شفقت بے نہایت ہے اس کا تقاضا ہے کہ تمھیں ہلاکت کے گڑھے سے بچایا جائے اور تم میں جو صلاحیتیں ہیں اُن کی نشو و نما کے لیے ایسی شریعت عطا کی جائے جس پر عمل پیرا ہونے سے انسان اپنا اصلی مقام پہچان سکے۔

بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا

تمھارے بعد جسے چاہے ۱۶۸؎ جیسے پیدا کیا تمھیں دُوسری قوم کی اولاد سے بے شک جس کا

تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۱۶۹؎ ضرور آنے والا ہے اور نہیں ہو تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے۔ آپ فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرنے والا ہوں ۱۷۰؎ تو تم جان لوگے کہ کس کے لیے ہوتا ہے اچھا انجام اس

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

دُنیا کے گھر کا بے شک فلاح نہیں پاتے ظلم کرنے والے اور انھوں نے بنا رکھا ہے ۱۷۱؎ اللہ کے لیے اس سے

۱۶۸؎ اور اگر وُہ چاہے تو تمھیں مٹا ڈالے اور تمھارا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ اور جس طرح تمھارے باپ دادا کے یہاں سے رُخصت ہونے کے بعد تمھیں ان کا قائم مقام کر دیا اور دُنیا کے سارے کاروبار جُوں کے تُوں چلتے رہے اسی طرح وُہ قادرِ مطلق تمھارا جانشین کسی اور قوم کو بنا دے گا اور دُنیا کی رونق میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

۱۶۹؎ یعنی قیامت آکر رہے گی۔

۱۷۰؎ آپ فرمائیے اے کفّار! اگر تم دینِ اسلام قبول نہیں کرتے اور اپنے شرک وکفر سے چمٹے رہنے پر بضد ہو تو تمھاری مرضی۔ تم اپنا کام کرتے رہو میں اپنا فرض ادا کرتا رہوں گا اور موت کے تلخ گھونٹ سے جب تمھارا یہ خمار اُترے گا تو تمھیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ کس کی دُنیوی زندگی کا اچھا نتیجہ برآمد ہوا اور کس کا بُرا۔ عاقبۃ الدار کی وضاحت کرتے ہُوئے علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ تقدیرِ کلام یُوں ہے العاقبة الحسنی التی خلق اللہ تعالیٰ ھذہ الدار لھا۔ (کشاف) اور لفظ دار سے مُراد دارِ دُنیا ہے نہ دارِ آخرت۔ والمراد بالدار الدنیا لا دار السلام (روح)

۱۷۱؎ یہاں مُشرکینِ عرب کی حماقت اور جہالت کا ایک اور بیّن ثبوت پیش کیا جا رہا ہے کہ وُہ کھیت جن کو اللہ تعالیٰ نے اُگایا ہے اور وُہ مویشی جن کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ان میں سے کچھ حصّہ اللہ کے نام پر نکال لیتے۔ اور اسے غریبوں، مسکینوں اور مہمانوں کے لیے خرچ کرتے اور کچھ بُتوں کے نام کا حصّہ نکالتے تھے اور اسے ان کے پُجاریوں پر صرف کرتے تھے۔ یہ بھی کچھ کم حماقت نہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے حصّہ کی طرح جو ہر چیز کا خالق ہے ان بے جان بُتوں کا بھی حصّہ نکالا جاتے لیکن اس سے بھی بڑھ کر حماقت یہ تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حصّہ کا پھل زیادہ ہوتا یا جانور موٹا تازہ ہوتا تو اُسے بُتوں

مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَ

جو پیدا فرماتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقررہ حصّہ اور کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ان کے خیال میں اور

هٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ

یہ ہمارے شریکوں کے لیے۔ تو وُہ (حصّہ) جو ہوا ان کے شریکوں کے لیے تو وُہ نہیں پہنچتا اللہ تعالیٰ کو اور

مَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

جو (حصّہ) ہو اللہ تعالیٰ کے لیے تو وُہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کو۔ کیا ہی بُرا فیصلہ کرتے ہیں

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور یونہی خوش نما بنا دیا ہے بہت سے مشرکوں کے لیے اپنی اولاد کے قتل کرنے کو ان کے شریکوں نے

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا

تاکہ ہلاک کر دیں انھیں اور مشتبہ کر دیں اُن پر اُن کا دین ۲۷۱؎ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ایسا

کے نام منتقل کر دیتے۔ اور اگر بُتوں کا حصّہ اچھا ہوتا تو اُسے اللہ تعالیٰ کے نام منتقل نہ کرتے۔ ساء ما یحکمون سے یہ بتایا کہ ان کی جہالت اور حماقت کا کیا ٹھکانا کہ جو مالک اور خالق ہے اس کے حصّہ میں تو آتے ردّی چیز اور جن کا کوئی عمل دخل نہیں اُن کو ملے عُمدہ اور بہترین چیز۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی ہے۔

۲۷۱؎ یہاں شریکوں سے مُراد وُہ شیاطین (جنّ و انس) ہیں جن کی اطاعت کے شوق میں مشرکین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی معصیت گوارا کرتے تھے اور ایسے قبیح افعال اور جاہلانہ اعمال کے مُرتکب ہوتے تھے جن کو عقلِ صحیح کبھی گوارا نہ کر سکے اور جن کی قباحت میں ادنیٰ درجہ کے آدمی کو بھی تردّد نہ ہو۔ بُت پرستی کی شامت سے وُہ ایسے فسادِ عقل میں مُبتلا ہُوئے کہ حیوانوں سے بدتر ہو گئے۔ اور اولاد جس کے ساتھ ہر جاندار کو فطرۃً محبّت ہوتی ہے۔ شیاطین کے اتباع میں اس کا بے گناہ خون کرنا اُنھوں نے گوارا کیا اور اس کو اچھا سمجھنے لگے۔ (خزائن العرفان حضرت صدر الافاضل)

فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّ

ایسا نہ کرتے ۱۶۳ تو چھوڑ دیجئے انھیں اور جو وُہ بہتان باندھتے ہیں اور بولے ۱۶۴ یہ مویشی اور

حَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ

کھیتی رُکی ہوئی ہے کوئی نہیں کھا سکتا انھیں سوائے اس کے جسے ہم چاہیں (یہ بات) اپنے گمان سے (کہتے ہیں) اور بعض مویشی

ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ

ہیں حرام ہیں جن کی پشتیں سواری کے لیے اور بعض مویشی ہیں کہ نہیں ذکر کرتے نام خدا ان (کی ذبح) پر (یہ سب محض) افترا ہے اللہ پر

سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ

عنقریب سزا دے گا انھیں جو وُہ بہتان باندھا کرتے تھے اور بولے ۱۶۵ جو ان مویشیوں کے شکموں

الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ

میں ہے وُہ نِرا ہمارے مردوں کے لیے ہے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر اور اگر وُہ

۱۶۳ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو راہِ راست پر چلنے کے لیے مجبُور کر دیتا۔ لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے حق کو قبُول کرے یا اسے رد کرے۔ اسے مجبُورِ محض بنا کر انسانیت کی مسندِ رفیع سے جمادات کی پستی میں پھینک نہ دیا جائے۔

۱۶۴ مشرکین اپنی طرف سے باتیں گھڑتے اور پھر اُنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسُوب کر دیتے اور ان من گھڑت باتوں پر عمل اس طرح کرتے جیسے یہ کوئی بڑا کارِ ثواب ہو۔ مثلاً وُہ کہتے کہ یہ حصّہ جو بُتوں کے لیے مخصُوص ہے اس کا عام استعمال حرام ہے۔ اسے صرف وُہی استعمال کر سکتا ہے جسے ہم اجازت دیں۔ مثلاً یہ کہ بُت خانہ کے پُجاری یا مرد ہی اسے کھا سکتے ہیں اور دوں پر اس کا کھانا حرام ہے۔ اور جو جانور انھوں نے بُتوں کے نام پر چھوڑ رکھے تھے ان پر سوار ہونے کو حرام سمجھتے۔ اور جن جانوروں کو وُہ بُتوں کے نام پر ذبح کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لینا جائز نہ سمجھتے۔ اور ان من گھڑت خرافات کے متعلق دعویٰ یہ کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے۔

۱۶۵ کفار کی منجملہ جہالتوں میں سے ایک مروّجہ جہالت یہ بھی تھی کہ بعض جانوروں (سائبہ اور بحیرہ) کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کے پیٹ میں (دُودھ یا بچّہ) جو کچھ ہے اس کا استعمال مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے

مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ

مرا ہوا (پیدا) ہو تو پھر وہ سب (مرد وزن) اس میں حصہ دار ہیں۔ اللہ جلدی بدلہ دے گا انھیں ان کے اس بیان کا۔ بے شک وہ حکمت والا

عَلِيْمٌ ۝١٤٠ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

علم والا ہے یقیناً نقصان اُٹھایا جنھوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو حماقت سے بغیر جانے ١٧٢

وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا

اور حرام کر دیا جو رزق دیا تھا انھیں اللہ نے بہتان باندھ کر اللہ تعالیٰ پر بے شک وہ گمراہ ہو گئے اور نہ تھے وہ

مُهْتَدِيْنَ ۝١٤١ ع وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ ع ١٦/٣

ہدایت پانے والے اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیے ہیں ١٧٣ باغات کچھ چھپروں پر چڑھائے ہوئے اور کچھ بغیر اس کے

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی الگ الگ ہیں کھانے کی چیزیں ان کی اور زیتون اور انار (جو شکل میں) ایک جیسے

حرام اور اگر اسی جانور کے شکم سے مُردہ بچہ پیدا ہو تو وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عنقریب انھیں ان خرافات کی سزا دی جائے گی۔

١٧٢ اس آیت سے صاف واضح ہو گیا کہ اپنے وہم وگمان سے قانون بنانا اور اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنا انسان کے لیے تباہی و بربادی کا باعث ہے۔

١٧٣ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ کا اندازہ لگانا چاہو تو عالم نباتات میں ہی غور کرو۔ یہ مختلف قسم کے لذیذ پھل، یہ اونچے اونچے کھجور کے درخت، یہ لہلہاتے ہوئے کھیت جن کی اقسام کا شمار نہیں ہو سکتا جو کہیں رنگ اور شکل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں تو بُو اور ذائقہ میں الگ الگ ہیں۔ ایک انار کو لیجیے۔ غلاف کے اندر متعدد خانے ہیں جنھیں ابریشم سے بھی نرم پردوں سے الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ ہر خانہ میں عقیق سے بھی زیادہ چمک والے دانے بڑی احتیاط سے لپیٹ کر رکھ دیے گئے ہیں۔ ہر دانہ اپنے رنگ، ذائقہ میں ایک مکمل وحدت ہے۔ یہ سب کچھ غیر مبہم انداز میں بیان کر رہا ہے کہ ان کو رنگ و بُو اور ذائقہ اور لذت عطا فرمانے والا بہت بڑا حکیم اور قادرِ مطلق ہے۔

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

اور (ذائقہ میں) مختلف۔ کھاؤ اس کے پھل سے جب وہ پھلدار ہو اور ادا کرو اس کا حق ۱۷۸ جس دن

حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (۱۴۲) وَمِنَ الْاَنْعَامِ

وہ کٹے اور فضول خرچی نہ کرو ۱۷۹ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ اور (پیدا فرمائے) بعض مویشی ۱۸۰

حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

بوجھ اُٹھانے والے اور بعض زمین پر لٹا کر ذبح کرنے کے لیے۔ کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے اور نہ پیروی کرو

۱۷۸؎ بعض عُلماء کا خیال ہے کہ اس سے مُراد عشر ہے یعنی جو کھیتی وغیرہ بارش سے سیراب ہو اُس کا دسواں حصہ اور جس کی نہر یا کنوئیں وغیرہ سے آبپاشی ہو اُس کا بیسواں حصہ (جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) اور بعض نے یہ فرمایا کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس لیے اس آیت سے نفلی صدقہ مُراد ہے۔ ويريد به ما كان يتصدق به يوم الحصاد لا الزكوة المقدرة لانها فرضت بالمدينه والاية مكية وقيل الزكاة والاية مدنية (بیضاوی)

۱۷۹؎ اسراف اور فضول خرچی ہر طرح کی ممنوع ہے۔ چنانچہ عُلماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ فقراء اور مساکین کو دیتے وقت بھی میانہ روی کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ایسا نہ کرے کہ ہر چیز لٹا کر خود دوسروں کا دست نگر ہو جائے۔ تو جب اسلام نے کارِ خیر میں فضول خرچی سے منع کیا ہے تو دُوسرے کاموں میں فضول خرچی کو کب برداشت کیا جائے گا۔

۱۸۰؎ عالمِ نباتات میں اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی آیاتِ بیّنات کا ملاحظہ کرانے کے بعد اب حق کے متلاشی کی توجہ مختلف حیوانات کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ حمولۃ سے مُراد وُہ بڑے بڑے جانور ہیں جو سواری اور بوجھ لادنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہاتھی، گھوڑے، اُونٹ وغیرہ اور فرش سے مُراد وُہ جانور ہیں جنھیں فرش پر لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے اور ان کا گوشت کھایا جاتا ہے یا دُودھ دوہا جاتا ہے۔ وقال ابن زيد الحمولة ما يركب والفرش ما يؤكل لحمه ويحلب (قرطبی) ہر جانور کی شکل وصُورت، قد و قامت، خوراک اور عادات بالکل جُدا جُدا ہیں۔ اپنی بے پناہ قوت اور اُجڈپن کے باوجُود انھیں انسان کا مطیع بنا دیا گیا ہے تاکہ وُہ اس کا سامان اُٹھا کر دُور دراز کی مُسافتوں تک لے جائیں۔ اور اس کی ہر طرح کی خدمت بجا لائیں۔

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝١٤٢ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

شیطان کے قدموں کی بیشک وُہ تمہارا کھلا دُشمن ہے (پیدا فرمائے) ۱۸۱؎ آٹھ جوڑے بھیڑ سے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پُوچھئے کیا دونوں نر ۱۸۲؎ حرام کیے ہیں یا دونوں مادائیں

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

یا جسے لیے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ۝١٤٣ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ

سچے اور اُونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پُوچھئے

ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لیے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں

۱۸۱؎ فعل مُضمر انشا کا مفعُول ہے اور اخفش کے نزدیک یہ حمولۃ کا بدل ہے اور اس لیے منصُوب ہے اور بعض نے کلوا مُضمر کا اسے مفعول بنایا ہے (قرطبی) ضان بھیڑ کو کہتے ہیں جن پر اُون ہوتی ہے۔ ذوات الصوف من الغنم یہ جمع ہے اور اس کا واحد ضائن ہے اور مؤنث ضائنۃ ہے اور بعض کے نزدیک الضان ایسی جمع ہے جس کا کوئی واحد نہیں اور معز بکری وھی ذوات الاشعار من الغنم۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد ماعز ہے۔ اور اس کا مؤنث ماعزۃ ہے۔ (قرطبی)

۱۸۲؎ جانوروں کی حِلّت وحُرمت کے متعلق کفارِ عرب میں جو جاہلانہ طریقہ رائج تھا اس کا بطلان کیا جا رہا ہے اور ان سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے ان میں حُرمت آئی کہاں سے؟ کیا اس لیے انھیں حرام سمجھتے ہو کہ وُہ نر ہیں یا اس لیے کہ وُہ مادہ ہیں۔ اگر یہ وجہ ہے تو پھر تمام نر یا تمام مادائیں حرام ہونی چاہئیں۔ بعض نروں کو حلال اور بعض کو حرام، بعض ماداؤں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دینا کہاں کی عقلمندی ہے اور یا ان کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ وُہ ماؤں کے شکموں میں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو پھر نر اور مادہ کی تخصیص بھی بیکار ہوئی۔ پھر تو ہر جانور حرام ہونا چاہیے خواہ نر ہو یا مادہ۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک شکم مادر میں رہا ہے۔ اور اگر ان کو حرام کرنے کی کوئی دلیل تمہارے

الْأُنثَيَيْنِ ۖ أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا ۚ فَمَنْ أَظْلَمُ

کے رحم ۔ کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم

مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ

کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ

ع ١٧ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٤﴾ قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے آپ فرمائیے میں نہیں پاتا ١٨٣ اس (کتاب) میں جو وحی کی گئی

مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا

ہے میری طرف کوئی چیز حرام کھانے والے پر جو کھاتا ہے اسے مگر یہ کہ مُردار ہو یا (رگوں کا) بہتا ہوا خون

پاس نہیں تو پھر یہ کتنا ظلم ہے کہ جن جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے حلال بنایا ہے تم بغیر کسی دلیل کے ان کو حرام بناتے ہو۔

١٨٣ اس آیت کا مضمون بارہا پہلے گزر چکا۔ اس لیے قارئین مزید وضاحت کے لیے سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ١٧٣ کے حاشیہ کی طرف رجوع کریں۔ البتہ یہاں ایک چیز وضاحت طلب ہے۔ وہ یہ کہ بظاہر آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار چیزوں کو حرام فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز حرام نہیں۔ حالانکہ ان کے علاوہ کثیر التعداد ایسی چیزیں ہیں جو حرام ہیں مثلاً شراب، درندے وغیرہ۔ اس ضمن میں مفسرین کرام نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ یہ آیت جمہور کے نزدیک مکی ہے اور دوسری اشیاء کی حرمت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تک جو وحی ہوئی ہے اس میں صرف ان چار چیزوں کی حرمت کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری رہا اور مناسب اوقات پر حکم الٰہی سے اور چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر داڑھ سے چیر کر کھانے والے جانور اور پنجوں سے نوچ کر کھانے والے پرندے کو حرام کر دیا۔ واکل کل ذی ناب من السباع حرام (حدیث) ونھی عن اکل کل ذی مخلب من الطیر (مسلم) چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے منجملہ دوسرے اقوال کے یہ بھی لکھتے ہیں: ای لا اجد فی ما اوحی ای فی ھذہ الحال حال الوحی ووقت نزوله ثم لا یمتنع حدوث وحی بعد ذلك بتحریم اشیاء اخر۔ (قرطبی)

أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ

یا سؤر کا گوشت کیونکہ وُہ سخت گندہ ہے یا جو نافرمانی کا باعث ہو (یعنی) وُہ جانور جس پر ذبح کے وقت بلند کیا جائے غیر خدا کا نام ١٨٤ پھر جو

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى

شخص لاچار ہو جائے نہ نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو حد ضرورت سے تو بے شک آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے اور

الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

ان لوگوں پر جو یہودی بنے تھے ہم نے حرام کر دیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری سے ہم نے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا

حرام کی ان پر دونوں (گائے بکری) کی چربی مگر جو اُٹھا رکھی ہو ان کی پشتوں نے یا آنتوں نے

أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿١٤٦﴾

یا جو ملی ہوئی ہو ہڈی کے ساتھ یہ ہم نے سزا دی تھی انھیں بسبب ان کی سرکشی کے ١٨٥ اور یقیناً ہم سچے ہیں

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

پھر اگر وُہ جھٹلائیں آپ کو ١٨٦ تو آپ فرمائیے تمہارا پروردگار کتنا وہ رحمت والا ہے اور نہیں ٹالا جا سکتا اس کا عذاب

١٨٤ آیت کے اِس حصّہ کی مکمّل تشریح کے لیے مُلاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سُورہ النحل کی آیت ١١٥

١٨٥ کسی چیز کو حرام کرنے کی دو وجہیں ہوتی ہیں۔ یا تو یہ کہ وُہ چیز جسمانی یا رُوحانی طور پر مُضر ہوتی ہے اور لوگوں کو اس کے اثراتِ بد سے بچانے کے لیے اِس کا استعمال ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے جس طرح وُہ چیزیں جن کا ذکر پہلی آیت میں گزرا یا بطور سزا کسی شخص یا قوم کو ایک چیز کے استعمال سے روک دیا جاتا ہے یہاں اِسی قسم کی چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے جو یہود پر بطور سزا حرام کر دی گئی تھیں۔ چنانچہ آیت کے یہ کلمات "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ" صراحۃً بتا رہے ہیں

١٨٦ جب نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور متعدد معجزات اور آیاتِ بیّنات سے اپنی صداقت کو روزِ روشن کی طرح ان پر عیاں کر دیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے بعد جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب پر ایمان نہ لاتا اسے فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کے طفیل یہ اب تک محفوظ چلے آتے ہیں اگر انھوں

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

اس قوم سے جو جرائم پیشہ ہو۔ اب کہیں گے جنھوں نے شرک کیا اگر چاہتا اللہ تعالےٰ

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے کسی چیز کو ۱۸۵؎ ایسا ہی جھٹلایا تھا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

اُنھوں نے جو اُن سے پہلے تھے۔ یہاں تک کہ چکھا اُنھوں نے ہمارا عذاب۔ آپ فرمائیے کیا تمھارے پاس کوئی

نے ان مُہلت کے لمحوں سے بھی فائدہ نہ اُٹھایا اور کجروی سے باز نہ آئے تو انجام کار اللہ تعالیٰ کی گرفت ان کو ہلاک کر کے رکھ دے گی۔ اس وقت کوئی ان کو عذابِ خُداوندی سے بچا نہ سکے گا۔

۱۸۵؎ سابقہ آیات میں کفّار کے عقائدِ باطلہ کی تردید کی گئی۔ نیز اشیاء کی حِلّت و حُرمت کے متعلق ان کی جاہلانہ رسموں کی خرابیوں کو ظاہر فرمایا گیا۔ اب اِن آیات میں ان کے ایک شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وُہ شبہ یہ تھا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد مدّت ہائے دراز سے شرک کرتے چلے آتے ہیں۔ اور جانوروں کی حِلّت و حُرمت کے متعلق اس قانون کے پابند رہے ہیں۔ اگر یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوتیں تو وُہ کبھی ایسا نہ کر سکتے۔ ان کا یُوں کرتے رہنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شرک وغیرہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ چنانچہ دُوسری آیت میں ان کا یہ شُبہ بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے واذا فعلوا فاحشۃ قالوا وجدنا علیہا اٰباءنا واللہ امرنا بہا قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء تقولون علی اللہ ما لا تعلمون (۷: ۲۸) اللہ تعالیٰ شبہ کا ازالہ یُوں فعل سے کرتے ہیں کہ اگر تمھاری یہ بات درست ہوتی کہ تمھارے شرک اور تحلیل و تحریم کے اِس رواج کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی سند حاصل ہے تو چاہیئے یہ تھا کہ ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا پیہم لطف و کرم ہوتا۔ حالانکہ تم سے پہلے جنھوں نے اس گمراہی کو اپنایا ان پر غضبِ الٰہی ہوا اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ تم خود غور کرو۔ ایسی سنگین سزا مجرموں اور نافرمانوں کو دی جاتی ہے یا اطاعت شعاروں اور فرماں برداروں کو۔ بعض علماء نے کفّار کے اِس شبہ کی تقریر دُوسری طرح کی ہے یعنی کفّار کہیں گے کہ ہم تو بے اختیار اور مجبُور تھے۔ اللہ کی مشیّت ہی یہی تھی کہ ہم کفر و شرک کے مرتکب ہوں۔ ہماری کیا مجال تھی کہ اس کی مشیّت کی خلاف ورزی کرتے۔ چنانچہ سُورہ النحل میں اُنھوں نے اپنے مجبورِ محض ہونے کا صراحتًہ اعتراف بھی کیا ہے وقال الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما عبدنا من دونہ من شیء (۱۶: ۳۵) اور سورۃ الزخرف میں ہے وقالوا لو شاء الرحمٰن ما عبدناھم۔

عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

علم ہے تو نکالو اسے ہمارے لیے ۱۸۸؎ تم نہیں پیروی کرتے مگر نرے گمان کی اور نہیں ہو تم مگر

تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَاۗءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٥٠﴾

اٹکلیں مارتے ہو آپ فرمائیے اللہ ہی کے لیے کامل دلیل ہے ۱۸۹؎ سو اگر وہ چاہتا تو ہدایت فرما دیتا تم سب کو ۱۹۰؎

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ فرمائیے لاؤ اپنے گواہ جو گواہی دیں ۱۹۱؎ کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اسے

۱۸۸؎ اے میرے رسول! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اس کے متعلق اگر تمہارے پاس کوئی علمی دلیل یا قابلِ اعتماد سند ہے تو پیش کرو۔ باری تعالیٰ خود ہی فرماتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل اور سند نہیں جو ان کے خرافات کی اساس ہو۔ ان کے عقائد کا یہ ڈھانچہ صرف وہم و گمان اور ظن و تخمین کی پیداوار ہے۔

۱۸۹؎ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں قبولِ حق کے لیے مجبور نہیں کرتا بلکہ دلیل و حجت سے تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم حق اور صداقت کو قبول کرو اور اس نے تمہیں اختیار دیا ہے کہ تم اپنی مرضی سے چاہے تو حق کو قبول کرو چاہے باطل کو اپنا لو۔

۱۹۰؎ یعنی اس کی قدرت سے کیا بعید تھا کہ وہ تم میں برائی اور گمراہی کی استعداد ہی نہ رکھتا۔ تم اپنی سرشت کے لحاظ سے فرشتوں کی طرح صرف عبادت اور اطاعت ہی کرتے۔ یا تم ارادہ اور شعور سے محروم پیدا کیے جاتے اور بلا ارادہ اور غیر شعوری طور پر تم سے نیکیاں سرزد ہوتیں لیکن حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ انسان شجر و حجر کی طرح مجبورِ محض بھی نہ ہو اور فرشتوں کی طرح فطری اعتبار سے فقط نیک اور پاکباز ہی نہ ہو بلکہ تمام سابقہ تخلیقات سے ایک انوکھی چیز ہو۔ استعداد اور صلاحیت کے لحاظ سے نیکی اور برائی دونوں اس سے سرزد ہو سکتی ہوں اور شعور و ارادہ کے اعتبار سے اسے مکمل آزادی ہو کہ جو راستہ چاہے اسے منتخب کر لے۔

۱۹۱؎ اے حبیب! انہیں فرماؤ کہ اگر تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کرنے کا کوئی گواہ ہے تو اسے میدان میں لے آؤ۔ جب تمہارے پاس کوئی گواہ ہی نہیں ہے تو پھر ان بے سروپا خرافات سے چمٹے رہنے پر کیوں بے جا ضد کر رہے ہو۔ ہلم کا لفظ اہلِ حجاز کے نزدیک واحد، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ویستوی فیہ الواحد والجماعۃ والذکر والانثی عند اھل الحجاز (قرطبی)

فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا

پھر اگر وہ (جھوٹی) گواہی دے بھی دیں ۱۹۲؎ تو آپ گواہی دیجئے ان کے ساتھ اور نہ تم پیروی کرنا اُن کی خواہشوں کی جنھوں نے جھٹلایا

بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾

ہماری آیتوں کو اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھیراتے ہیں۔

ع ۵

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَ

آپ فرمائیے آؤ ۱۹۳؎ میں پڑھ سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تمھارے رب نے تم پر (وہ یہ) کہ نہ شریک بناؤ اُس کے ساتھ کسی چیز کو اور

بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ

ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی (کے خوف) سے۔ ہم

نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

رزق دیتے ہیں تمھیں بھی اور انھیں بھی اور مت نزدیک جاؤ بے حیائی کی باتوں کے ۱۹۴؎ جو ظاہر ہوں ان سے اور جو

۱۹۲؎ یعنی اُن سے شہادت اس لیے طلب نہیں کی جارہی کہ اگر وہ شہادت دے دیں تو اُس کو تسلیم کرلیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے دانش مند اور دیانت دار طبقہ کو ان کی جاہلانہ رسموں کی بے ہودگی پر آگاہ کیا جائے۔ کیونکہ جب ان سے ان رسوم کی صداقت کے لیے شہادت طلب کی جائے گی تو شہادت دینے سے پہلے احساسِ ذمہ داری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ ان امور میں بڑی سنجیدگی سے غور وفکر کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان پر ان چیزوں کی بے ہودگی آشکار ہوجائے گی اور وہ ان سے خود بخود باز آجائیں گے لیکن اگر انھوں نے شرافت و دیانت سے اپنا رشتہ توڑ ہی لیا ہے اور ایک غلط اور باطل چیز کی جان بوجھ کر شہادت دینے پر تُلے ہوئے ہیں تو اُن کی شہادت آپ کے لیے حجت نہیں۔

۱۹۳؎ ان آیات کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات محکمات ہیں اور ان میں آسمانی ہدایت کے وہ اصول بیان کیے گئے ہیں جو تمام شریعتوں میں مشترک ہیں۔ تمام انبیاء نے ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا اپنی اُمتوں کو حکم دیا۔ اس آیت میں مندرجہ ذیل امور کو حرام کیا گیا ہے۔ (۱) شرک (۲) ماں باپ سے بدسلوکی (۳) فقر و تنگدستی کی وجہ سے اولاد کو قتل کردینا (۴) ہر قسم کی بے حیائی کے کام خواہ لوگوں کے سامنے کیے جائیں یا چھپ کر (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا۔

۱۹۴؎ فواحش اُن اعمال اور اقوال کو کہتے ہیں جو حد درجہ قبیح ہوں۔ الفاحشة ما عظم قبحه من الافعال والاقوال (مفردات)

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ

چھپی ہوئی ہوں اور نہ قتل کرو اس جان کو جسے حرام کر دیا ہے اللہ نے سوائے حق کے یہ ہیں وہ باتیں

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

حکم دیا ہے تمہیں ۱۹۵؎ اللہ نے جن کا۔ تاکہ تم (حقیقت کو) سمجھو۔ اور مت قریب جاؤ ۱۹۶؎ یتیم کے مال کے مگر

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو۔ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور پورا کرو ۱۹۷؎ ناپ اور تول

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ

انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر۔ اور جب کبھی بات کہو تو انصاف کی کہو

یہاں کسی ایک بُرائی سے منع نہیں کیا گیا بلکہ فواحش جمع کا لفظ ذکر کر کے ہر قسم کی قولی اور فعلی بُرائیوں کے ارتکاب سے نہیں بلکہ ان کے قریب تک پھٹکنے سے منع کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ماظہر منہا وما بطن کے کلمات سے اس حکم کو اور وسیع کر دیا کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن، جلوت اور خلوت میں ممنوع ہے۔

۱۹۵؎ مذکورہ بالا احکام کی اہمیت کو جتانے کے لیے فرمایا کہ یہ وہ مہتم بالشان قوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم مہربان اور رحیم رب نے تمہیں دیا ہے۔

۱۹۶؎ ابھی احکامات کا سلسلہ شروع ہے۔ اس آیت میں یتیموں کے مال خُرد بُرد کرنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ اُن کو اس طرح کاروبار میں لگاؤ جس سے یتیم کو فائدہ ہو اور ان کا اس طرح نظم و نسق کرو کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں۔ اور جب وہ صاحب عقل و فہم ہو جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالہ کر دو۔ "اشد" سے مراد صرف بلوغ نہیں بلکہ بلوغ اور مال کو صحیح استعمال کرنے کی سُوجھ بُوجھ دونوں مُراد ہیں۔ کیونکہ اگر بالغ ہوتے ہی اس کا مال اس کے حوالہ کر دیا تو وہ اپنی ناسمجھی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے اس کو برباد کر دے گا۔ فلو مكن اليتيم من ماله قبل حصول المعرفة وبعد حصول القوة لاذهبه في شهواته ويبقى صعلوكا لا مال له (قرطبی) اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اس کی حد پچیس سال ہے۔

۱۹۷؎ کاروبار میں انتہائی دیانت داری اور راست بازی کا حکم دیا جا رہا ہے۔

لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ ہو (معاملہ) رشتہ دار کا ۱۹۸؎ اور اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو پورا کرو ۱۹۹؎ یہ ہیں وہ باتیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے تمھیں تاکہ

تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۵۲ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

تم نصیحت قبول کرو اور بے شک یہ ہے میرا راستہ سیدھا ۲۰۰؎ سو اس کی پیروی کرو اور نہ پیروی کرو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اور راستوں کی (ورنہ) وہ جدا کر دیں گے تمھیں اللہ کے راستہ سے۔ یہ ہیں وہ باتیں حکم دیا ہے تمھیں جن کا تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ۝۱۵۳ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ

متقی بن جاؤ پھر ۲۰۱؎ عطا فرمائی ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب تاکہ پوری کر دیں نعمت ان پر جو نیک عمل کرتے ہیں

۱۹۸؎ عدل و انصاف کی تاکید بلیغ کی جا رہی ہے کہ خواہ تمہارے قریبی رشتہ داروں کا معاملہ ہی کیوں نہ ہو میزانِ عدل میں جھکاؤ رُونما نہ ہو۔

۱۹۹؎ اسلام قبول کرتے وقت انسان جس کامل اطاعت خداوندی کا پختہ وعدہ کرتا ہے اس کو پوری طرح نباہنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ مذکورہ بالا دو آیتوں میں زندگی بسر کرنے کے جو لازوال اصول بیان ہوئے ہیں مسلمانوں نے جب تک ان اصولوں کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا اور سچے دل سے اُن پر کاربند رہے تو ان کی سروری کا ڈنکہ چار دانگ عالم میں بجتا رہا۔ اور جب سے ہم نے ان حیات بخش اصولوں سے بے اعتنائی برتنی شروع کی اس وقت سے زوال و ادبار کا چکر شروع ہوا۔ خدا معلوم کب ہماری چشم ہوش کھلے گی۔ اور وہ روزِ سعید کب طلوع ہوگا جب ہم قرآنی ہدایت پر عمل پیرا ہوکر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہوں گے۔

۲۰۰؎ حضور کریمؐ کا راستہ ہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریمؐ کی فرماں برداری ہی وہ اساس محکم ہے جس پر اتحادِ ملّت کا ایوان تعمیر ہوسکتا ہے اور جب بھی یہ اساس متزلزل ہوگئی۔ اس کے بعد ملّت کے انتشار کو دُور کرنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہے گی۔ ذرا غور فرمائیے ملّت کے وہ بہی خواہ اور خیر اندیش جن کی ساری علمی قوتیں اور عملی کاوشیں سنّتِ نبویؐ کو مٹانے پر صرف ہو رہی ہیں وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ملّت کی کتنی بڑی بدخواہی کر رہے ہیں۔

۲۰۱؎ ثم عاطفہ ہے اور اس کا عطف وصاکم پر ہے کیونکہ ان امور کی وصیت ہر اُمت کو اس کے نبی کے ذریعہ کی گئی ہے اس لیے یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ وصیت تو اب کی جا رہی ہے۔ اور تورات کو نازل ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ حالانکہ ثم تراخی کے لیے ہوتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے اولادِ آدم! پہلے تمھیں ان ہدایات پر عمل پیرا ہونے

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ

اور تاکہ تفصیل ہو جائے ہر چیز کی اور (یہ کتاب) باعثِ ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾ وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ

پر ایمان لائیں ۲۰۲؎ اور یہ (قرآن) کتاب ہے ۲۰۳؎ ہم نے اتارا ہے اسے، بابرکت ہے سو پیروی کرو اس کی اور ڈرو (اللہ سے) تاکہ

تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾ أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَابُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن

تم پر رحم کیا جائے (ہم نے اسے اُتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اُتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے

قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿١٥٦﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا

پہلے ۲۰۴؎ اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو ۲۰۵؎ کہ اگر

کی نصیحت کی گئی اور اس پر مزید کرم یہ فرمایا کہ تورات جیسی مفصل کتاب نازل کی تاکہ جادۂ حق پر چلنے کا شوق رکھنے والوں پر اپنی نعمت کا اتمام کریں۔

۲۰۲؎ تورات نازل کرنے کا مقصدِ اعلیٰ یہ تھا کہ لوگوں کا یہ عقیدہ اور پختہ ہو جائے کہ ہمیں ایک روز اس سارے ساز و سامان کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے جہاں ہم سے ہمارے تمام اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۲۰۳؎ اس سے مُراد قرآنِ حکیم ہے۔

۲۰۴؎ یہاں خطاب مشرکینِ عرب سے ہے۔ انھیں فرمایا جارہا ہے کہ تمھاری ہدایت کے لیے یہ بے نظیر کتاب نازل کی گئی ہے تاکہ قیامت کے روز تم اپنی گمراہی اور ضلالت کے لیے یہ عُذر نہ پیش کرو کہ ہمارے لیے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب نازل ہی نہیں کی گئی تھی جسے پڑھ کر ہم شرک و کفر سے تائب ہوتے اور توحید کو قبول کرتے۔ اور یہود و نصاریٰ پر بے شک کتابیں نازل ہوئیں لیکن ہم ان کو پڑھنے سے قاصر تھے اس لیے اگر ہم ایمان نہیں لائے تو ہم معذور تھے۔ طائفتین سے مُراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

۲۰۵؎ اس کا عطف سابقہ جملہ پر ہے یعنی اگر قرآنِ حکیم تمھاری طرف نازل نہ کیا جاتا تو تم بڑی شیخی بگھارتے اور کہتے جس طرح یہود و نصاریٰ کو کتابیں دی گئیں اسی طرح اگر ہمیں بھی کوئی کتاب دی جاتی تو دُنیا دیکھتی کہ ہم اس کو کس طرح سینہ سے لگاتے۔ کس طرح اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرتے۔ لو اب وہ کتاب آگئی ہے جو روشن دلائل پر مشتمل ہے۔ جو سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے۔ اب اس پر عمل کر دکھاؤ۔

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

اُتاری گئی ہوتی ہم پر کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے بے شک آگئی ہے تمھارے پاس روشن

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے ٢٠٦ جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انھیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿١٥٧﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

بُرے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے کس کی انتظار کر رہے ہیں ٢٠٧ بجز اس کے کہ

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ

آئیں ان کے پاس فرشتے یا خود آئے آپ کا رب یا آئے کوئی نشانی آپ کے رب کی (لیکن) جس روز

٢٠٦ تمھاری صرف یہی کوتاہی نہیں کہ تم خود اس کتاب پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اُلٹا تم دُوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے ہو۔ تم خود ہی بتاؤ تم سے بڑا ظالم اور زیاں کار اور کون ہے ؟

٢٠٧ ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اور گمراہی کے ظلمت کدہ سے باہر نکالنے کے لیے اللہ تعالےٰ نے اپنا جلیل القدر رسُولؐ مبعُوث فرمایا۔ اس پر قرآن جیسی بے مثل کتاب نازل کی۔ طرح طرح کے معجزات سے اس کی صداقت کو آشکارا کیا۔ اس کے باوجُود اگر وُہ اِسلام نہیں لاتے اور حق کو قبول نہیں کرتے تو کیا وُہ اس انتظار میں ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی رُوح قبض کر لے۔ یا قیامت قائم ہو جائے اور خود اللہ تعالیٰ کرسیٔ عدالت پر تشریف فرما ہو یا کوئی ایسی نشانی ظاہر ہو جس کے بعد وُہ ایمان لانے پر مجبُور ہو جائیں۔ اگر واقعی اِن چیزوں میں سے کسی کا انتظار کر رہے ہیں تو ان کا یہ انتظار لغو ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کے ظہُور کے بعد وُہ ایمان لے بھی آتے تو وُہ قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ پھر اگر اُنھوں نے توبہ کی بھی تو وُہ منظور نہ ہو گی۔ کیونکہ ایمان تو وُہ مقبُول ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسُولؐ کی زبان پر یقین کرتے ہوئے لایا جاتے جب سب پردے اُٹھ جائیں گے اور غیب شہادت میں بدل جائے گا تو اُس وقت کا ایمان معتبر نہ ہو گا۔ کیونکہ اُس نے اپنی آنکھ اور کان پر تو اعتماد کیا اور اللہ کے رسُولؐ کا ارشاد نہ مانا۔

يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ

آئے گی کوئی نشانی آپ کے رب کی تو نہ نفع دے گا کسی کو اس کا ایمان لانا جو نہیں ایمان لا

اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ

چکا تھا اس سے پہلے یا نہ کی تھی اپنے ایمان کے ساتھ کوئی نیکی۔ آپ (انھیں)

انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ

فرمائیے تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں بے شک وہ جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں ۲۰۸ اور

كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى

ہو گئے کئی گروہ (اے محبوب!) نہیں ہے آپ کا ان سے کوئی علاقہ۔ ان کا معاملہ صرف اللہ ہی کے

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

حوالے ہے پھر وہ بتائے گا انھیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے جو کوئی لائے گا ایک نیکی ۲۰۹

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

تو اس کے لیے دس ہوں گی اس کی مانند اور جو کوئی کرے گا ایک برائی تو نہ بدلہ ملے گا اسے مگر اس (ایک برائی)

۲۰۸ اس سے پہلے دین کے غیر متبدل اصولوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ اس کی پیروی کرو۔ اور اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ورنہ تمھاری یکجہتی ختم ہو جائے گی تمھارا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ اب اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے جو اپنی خود پسندی کے باعث دین کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کوشاں ہیں۔ انھیں صاف صاف بتا دیا کہ ان سے اللہ کا رسول بری ہے اور اس کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اور جن کے ساتھ اللہ کے رسول کا کوئی تعلق نہ ہو ان کا اسلام سے کیا تعلق باقی رہے گا۔

۲۰۹ کیا شانِ بندہ پروری ہے!

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْۤ اِلٰى

کے برابر اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ آپ فرمایئے بے شک مجھے پہنچا دیا ہے میرے رب نے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَ

سیدھی راہ تک ۲۱۰ یعنی دین مستحکم (جو) ملت ابراہیم ہے جو باطل سے ہٹ کر صرف حق کی طرف مائل تھے

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَ

اور نہیں تھے وہ مشرکوں سے آپ فرمایئے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں ۲۱۱ اور

مَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَ

میرا جینا اور میرا مرنا (سب) اللہ کے لیے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ نہیں کوئی شریک اس کا اور

بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ۲۱۲ آپ فرمایئے کیا اللہ کے سوا

۲۱۰ اے عرب کے بت پرستو! تم چاہو کسی کو اپنا معبود بناؤ۔ اللہ کی زمین میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاؤ اور فسق و فجور کا بازار گرم کرو۔ میرا تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو ثابت قدمی سے توحید اور پاکبازی کی اسی راہ پر گامزن رہوں گا جو مجھے میرے مالک نے دکھا دی ہے۔ اور یہ کوئی نئی راہ نہیں ہے بلکہ اسی موحد اعظم حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ ہے جس کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو جس کے بنائے ہوئے کعبہ کی خدمت گذاری سے تمہاری ساری عظمتیں وابستہ ہیں۔ وہ شرک سے بیزار اور توحید کے پرستار تھے۔ تو میں توحید کو چھوڑ کر شرک کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔

۲۱۱ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا حاصل اور توحید کا سب سے اونچا مرتبہ یہ ہے جہاں انسان کھڑا ہو کر یہ اعلان کرتا ہے کہ میری سجدہ ریزیوں کا مقصد اور میری ہر طرح کی نیاز مندیوں اور عبادتوں کا مدعا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ میری زندگی اور میری موت صرف اسی کی رضا جوئی کے لیے ہے۔ میں اس کے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں اور اس کے ہر فیصلہ پر راضی۔ اس کا کوئی شریک نہیں نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں۔ النسك فی هذه الآية جميع اعمال الطاعات (قرطبی) آیت میں لفظ نسک سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں۔ قربانی بھی اس میں داخل ہے۔

۲۱۲ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے پہلے مسلم ہونے کا یا تو یہ مطلب ہے کہ اپنی امت میں سب سے پہلے

أَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

میں تلاش کروں کوئی اَور ربّ۔ حالانکہ وُہ ربّ ہے ہر چیز کا ۲۱۳ اَور نہیں کماتا کوئی شخص (کوئی چیز) مگر وُہ اسی

إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم

کے ذمّہ ہوتی ہے اَور نہ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دُوسرے کا بوجھ پھر اپنے ربّ کی طرف ہی تمھیں

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ

لَوٹ کر جانا ہے تو وُہ بتائے گا تمھیں جس میں تم اِختلاف کیا کرتے تھے اَور وُہی ہے

آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے اَور آپ کے بعد آپ کی اُمّت آپ کی دعوت سے اِس شرف سے مشرّف ہُوئی۔ اَور یا اوّلیّت سے مُراد اوّلیّتِ حقیقیہ ہے کہ سب مخلُوقات سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفانِ اتم ہمارے آقا و مولا محمّد رسُول اللہ کو ہُوا۔ کیونکہ ہر چیز سے پہلے حضورؐ کے نُور کی تخلیق ہُوئی اَور سب سے پہلے حضورؐ نے ہی اپنے ربّ کی توحید کی شہادت دی۔ قال قتادہ: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کنت اول الانبیاء فی الخلق و آخرھم فی البعث (قرطبی) یعنی قتادہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اِرشاد فرمایا کہ میری تخلیق تمام انبیاء سے پہلے ہوئی اور بعثت سب کے بعد۔ انہ اول الخلق اجمع (قرطبی) یعنی حضورؐ کی پیدائش سب مخلُوق سے پہلے ہُوئی۔ اَور مولانا عثمانی نے بھی اِسی قول کو پسند فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں "عموماً مفسّرین وانا اول المسلمین کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اس اُمّتِ محمّدیہ کے اِعتبار سے آپ اوّل المسلمین ہیں لیکن جب جامع ترمذی کی حدیث کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد (میں اُس وقت بھی نبی تھا جب آدم ابھی رُوح و جسد کی درمیانی منزلیں طے کر رہے تھے) کے موافق آپ اوّل الانبیاء ہیں تو اوّل المسلمین ہونے میں کیا شُبہ ہو سکتا ہے (حاشیہ)

۲۱۳ کفارِ مکّہ حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے بار بار کہا کرتے کہ آپ ہمارا دین قبول کر لیجئے اَور ہمارے خداؤں کی پرستش شرُوع کر دیجئے۔ اَور اگر دُنیا و آخرت میں آپ کو کوئی گزند پہنچے تو ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبُوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو اِرشاد فرماتے ہیں کہ آپ ان احمقوں سے کہیئے تم کتنے بے وقوف ہو۔ کیا میں اس پروردگار کو چھوڑ کر جو میرا بھی ربّ ہے اَور کائنات کی ہر چیز کا بھی خالق و مالک ہے کسی اَور کو اپنا ربّ بنا لوں۔ تمھارا یہ خیال کتنا احمقانہ ہے اَور تمھارا یہ کہنا بھی لغو ہے کہ تم میرا بوجھ اُٹھا لو گے۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اُٹھانا پڑے گا۔ کسی کے بدلے دُوسرا نہیں پکڑا جائے گا۔

الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

جس نے ۱۴۲؎ بنایا تمھیں (اپنا) خلیفہ زمین میں اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر

دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ

درجوں میں تاکہ آزمائے تمھیں اس چیز میں جو اُس نے تمھیں عطا فرمائی ہے بے شک آپ کا رب بہت جلد سزا دینے والا ہے

وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور بے شک وُہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

۱۴۲؎ جس رب کے حضور میں سجدہ ریز ہوں وُہی وُہ مولائے برحق ہے جس نے تمھیں گزری ہوئی اُمتوں کا قائم مقام بنایا۔ قوّت، علم، دولت اور دُوسری باتوں میں بعض کو بعض پر فوقیت دی۔ اور ان ساری سرفرازیوں کا مقصد یہ ہے کہ تمھاری آزمائش کی جائے کہ تم اپنے منعمِ حقیقی کی کس طرح شکرگزاری کرتے ہو۔ اور جو قوت، عزت، دولت اور صحت و جوانی اس نے تمھیں عطا فرمائی ہے اس کو کس طرح استعمال کرتے ہو۔ اگر وُہ چاہے تو چشم زدن میں تم کو عذاب میں گرفتار کر دے لیکن اس کی رحمت اور مغفرت بھی بے اندازہ ہے۔ اگر تم عمر بھر نافرمانی اور سرکشی کرنے کے بعد پشیمان اور نادم ہو کر اس کے درِ رحمت پر حاضر ہو جاؤ تو وُہ تمھارے عمر بھر کے قصور بخش دے گا اور اپنی رحمت سے تمھیں مالا مال کر دے گا۔

سرٹیفکیٹ

میں نے اِس قرآنِ مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اُور امعان نظر سے پڑھا ہے اُور میں تصدیق کرتا ہُوں کہ اِس کے متن میں کوئی کمی بیشی اُور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابُوالفیض مُحمّد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخُوپُورہ

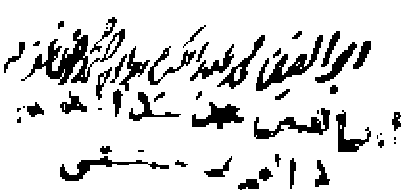

تحقیقاتِ لُغویہ

لفظ	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
حُيّيتم	۱۳۳	۴
حام	۱۸۰	۵
حواريّون	۱۹۶	۵
حكماً	۱۴۴	۶
حرجاً	۱۵۹	۶
حسبان	۱۲۵	۶
حمولة	۱۸۰	۶
خ		
خبالا	۱۲۸	۳
اخدان	۵۲	۴
مختال	۶۹	۴
خطأً	۱۳۰	۴
خليلاً	۱۸۹	۴
مُنخنقه	۸	۵
خائنه	۴۱	۵
خضرا	۱۲۸	۶
د		
الدين	۸	۱
تُدلوا	۲۲۸	۲
الدرك	۲۱۷	۴
تدعون	۱۷۷	۴
دائرة	۱۱۱	۵
تدرك	۱۳۳	۶
ذ		
الذلّة	۱۲۳	۳

لفظ	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
ر		
الرحمن الرحيم	۳	۱
رب	۵	۱
رزقنا	۷	۲
راعنا	۱۲۰	۲
رفث	۲۳۰	۲
ربانيّون	۸۴	۳
ربوه	۳۵۹	۲
ربيّون	۱۵۸	۳
رابطوا	۲۲۸	۳
أركس	۱۳۴	۴
مراغما	۱۵۰	۴
روع	۲۵۶	۴
رهبان	۱۵۴	۵
مترديه	۸	۵
ز		
ازلهما	۴۹	۲
الزبر	۲۱۳	۳
ازلام	۹	۵
زخرف القول	۱۴۲	۶
س		
استوى	۴۲	۲
اسجدوا	۴۸	۲
سلوى	۷۴	۲
المسكنة	۱۲۳	۳

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
سنن	۱۵۰	۳
اسلام	۲۱	۳
سوأة	۶۷	۵
سمّاعون	۸۸	۵
سُحت	۸۸	۹
سائبہ	۱۸۰	۵
ش———		
اشتدوا	۲۱	۲
شعائر	۱۸۵	۲
متشابہ	۷	۳
مشیدۃ	۱۲۰	۴
شنآن	۶	۵
شرعة	۱۰۳	۵
شیاطین	۱۴۲	۶
شیعا	۲	۶
ص———		
الصبر	۶۲	۲
الصابئین	۸۳	۲
الصیام	۲۱۱	۲
فصُرھن	۳۵۳	۲
تُصعِدون	۱۶۷	۳
اصبروا	۲۲۸	۳
صابروا	۲۲۸	۳
اصباح	۱۲۵	۶

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
ض———		
یُضل	۳۸	۲
الضأن	۱۸۱	۶
ط———		
یطیقون	۲۱۴	۲
طاغوت	۳۴۴	۲
" "	۸۸	۴
اطیعوا	۳۱	۳
نطمس	۸۵	۴
طوّعت	۶۵	۵
ظ———		
یظنون	۶۳	۲
ع———		
عالمین	۶	۱
نعبد	۹	۱
لنعلم	۱۶۴	۲
عیسٰی	۴۷	۳
العافین	۱۴۶	۳
ولیعلم	۱۵۲	۳
عزمت	۱۸۳	۳
عدوا	۱۴۲	۴
تعولوا	۹	۴
عقود	۱	۵
عزرتموھم	۳۷	۵

	حاشیہ نمبر	سُورت نمبر
غ		
غیب	۵	۲
لاتغلوا	۲۵۴	۴
اغرینا	۴۵	۵
غمرات	۱۱۹	۶
ف		
مفلحون	۱۰	۲
فریقاً	۲۳۹	۲
الفتنة	۱۳۸	۵
" "	۲۳۴	۲
الفرقان	۴	۳
فاحشه	۱۴۸	۳
فخور	۴۹	۴
فترہ	۵۵	۵
فرطنا	۴۶	۶
فالق	۱۲۲	۶
فرشا	۱۸۰	۶
فواحش	۱۹۴	۶
فرادیٰ	۱۲۱	۶
ق		
یقیمون	۶	۲
قرضاً	۳۱۹	۲
قیوم	۳۳۸	۲
قلائد	۵	۵
قوّامون	۲۰۳	۴
قسیس	۱۵۴	۵
قدروا	۱۱۳	۶
مستقر	۱۲۷	۶
قنوان	۱۲۸	۶
ک		
کرسیّه	۳۴۲	۲
کاظمین	۱۴۵	۳
کلمة	۱۴۵	۶
" "	۲۵۵	۴
کلالة	۲۵۹	۴
اکنّة	۳۹	۶
ل		
تلبسون	۵۹	۲
یلوٗون	۸۳	۳
م		
مالک	۸	۱
مثل	۲۳	۲
ملائکه	۳۵	۲
من وسلویٰ	۴۴	۲
مسیح	۴۷	۳
مکروا	۵۸	۳
معز	۱۸۱	۶
نُملی	۲۰۵	۳
مریض	۱۷۸	۴

التحقیقات النحویہ

	حاشیہ نمبر	سورت نمبر
ومانزل علی الملکین ببابل هاروت وماروت	۱۱۷	۲
الموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی البأساء	۲۰۲	۲
یرونهم مثلیهم رأی العین	۱۳	۳
قائما بالقسط	۲۰	۳
تبغونها عوجا	۱۰۵	۳
الا بحبل من الله	۱۲۳	۳
هاأنتم اولاء	۱۲۹	۳
کأیّن من نبیّ	۱۵۸	۳
فبما رحمة من الله	۱۸۰	۳
اولمّا اصابتکم مصیبة	۱۸۶	۳
فلا وربك لا یؤمنون	۱۴۳	۴
حسن اولئك رفیقا	۱۰۹	۴
والمقیمین الصلوٰة والمؤتون الزکٰوة	۲۴۵	۴
عموا وصمّوا کثیر منهم	۱۳۱	۵
وهو الله فی السموات والارض	۷	۶
أرأیتکم	۵۸	۶
عدوا شیاطین الانس والجن	۱۳۲	۶
أکابر مجرمیها	۱۵۵	۶
ثمانیة ازواج	۱۸۱	۶
قل هلمّ شهداءکم	۱۹۱	۶

فہرستِ مطالب

اللہ جلّ مجدہٗ

۱۔ توحید

ب۔ دلائلِ توحید

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
دلائل توحید	۳	۲ مع حاشیہ
وفدِ نجران کو دعوتِ مباہلہ	۳	۶۱
تکوینی دلائل مظاہرِ فطرت میں دعوتِ غور و فکر	۳	۱۹۰، ۱۹۱ حاشیہ
مظاہرِ فطرت میں غور و فکر افضل عبادت ہے	۳	۱۹۱ حاشیہ
مسلمان مفکرین کا طرۂ امتیاز	۳	۱۹۱
شب و روز میں قرار پذیر ہر چیز اس کی ہے	۶	۱۳ مع حاشیہ
رات کی نیند	۶	۶۰
تکوینی دلائل زمین و آسمان کو حق سے پیدا کرنے کی تشریح	۶	۷۲ مع حاشیہ
تکوینی دلائل (دانہ، گٹھلی، صبح، شام، ستارے وغیرہ)	۶	۹۵ تا ۹۹
تکوینی دلائل باغات، حیوانات	۶	۱۴۱، ۱۴۲ حاشیہ

ج۔ صفاتِ الٰہی

(۱) علمِ الٰہی

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ہر چیز کو جاننے والا	۲	۲۹
آسمان و زمین کی سب چھپی چیزوں کو جانتا ہے	۲	۳۳
ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے	۲	۳۳، ۷۷
اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے	۲	۱۱۰
وُہ سمیع و علیم ہے	۲	۱۲۷، ۲۴۴
وُہ شاکر علیم ہے	۲	۱۵۸
وُہ ہر چیز جاننے والا ہے	۲	۲۳۱
وُہ تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے	۲	۲۳۳، ۲۳۷
وُہ ہر چیز سے خبردار ہے	۲	۲۳۵
واسع علیم ہے	۲	۲۴۷، ۲۶۱، ۲۶۸
هو بكل شيء عليم	۲	۲۸۲، ۲۸۳
" " " "	۴	۳۲
وُہ تمھارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۲	۲۸۴
اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں	۳	۵
تمھارے دلوں کے چھپے حالات کو جانتا ہے	۳	۲۹
سميع عليم	۳	۳۴
" "	۴	۱۴۸
السميع العليم	۳	۳۵
وُہ تمھارا نگران ہے	۴	۱
علیم حکیم ہے	۴	۱۱، ۱۷، ۲۶،
" "	"	۱۰۴، ۱۱۱
عليم حليم	۴	۱۲
كفى بالله عليما	۴	۷۰
عليم خبير	۴	۹۴
عليم بذات الصدور	۵	۷
خبير بما تعملون	۵	۸
علام الغيوب	۵	۱۱۶
وُہ تمھارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶	۳
اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں	۶	۵۹
غیب و شہادت کا جاننے والا	۶	۷۳
سميع عليم	۶	۱۱۵
وُہ بہتر جانتا ہے جو رسالت کا اہل ہے	۶	۱۲۴

(۲) ہر چیز کا خالق و مالک

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مالکِ یوم الدین ہے	۱	۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
زمین کی ہر چیز اور سات آسمانوں کا خالق	۲	۲۹
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۲	۱۰۷
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵	۱۱۷، ۱۲۰
مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کا ہے	۲	۱۱۵، ۱۴۲
زمین آسمان کی ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے	۲	۱۱۶
آسمانوں اور زمین کا موجد ہے	۲	۱۱۷
غنی حمید ہے	۲	۲۶۷
آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے	۲	۲۸۴
وہی ہر چیز کا مالک ہے	۳	۶، ۲۶، ۱۰۹
〃 〃 〃 〃 〃	〃	۸۳، ۱۸۹
زمین و آسمان، نور و ظلمت کا خالق	۶	۱
فاطر السموات والارض	۶	۱۴
زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا گیا (بالحق کی تشریح)	۶	۷۳
دانے اور گٹھلی کو چیرنے والا، زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا	۶	۹۵
صبح کو پیدا کرنے والا، رات، سورج اور قمر کو ذریعہ حساب بنانے والا	۶	۹۶
ستاروں کو بحر و بر میں ہدایت کا باعث بنانے والا	۶	۹۷، ۹۸
زمین و آسمان کا خالق بدیع	۶	۱۰۱
ہر چیز کا خالق	۶	۱۰۲

(۳) ہر چیز پر قادر ہے

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
حکم الٰہی اور رضائے الٰہی میں اور ارادہ و مشیت الٰہی میں فرق ہے	۲	۱۰۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ ہر چیز پر قادر ہے	۲	۱۰۶
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۱۰۹
〃 〃 〃 〃 〃	۲	۱۴۸
کن فیکون	۲	۱۱۷
و عزیز حکیم	۲	۱۲۹
〃 〃	۲	۲۰۹
ساری قوت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے	۲	۱۶۵
رزق کی تنگی اور فراخی اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۲	۲۴۵
اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرماتا ہے	۲	۲۴۷
تابوت سکینہ	۲	۲۴۸
جو چاہتا ہے کرتا ہے	۲	۲۵۳
اللہ کے اذن سے بسا اوقات چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے	۲	۲۴۹
ہر چیز پر قادر ہے	۲	۲۵۹
عزیز حکیم ہے	۲	۲۶۰
جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے الخ	۳	۲۶، ۲۷
ہر چیز پر قادر ہے	۳	۲۹
جو چاہتا ہے کرتا ہے	۳	۴۰
〃 〃 〃 〃 کن فیکون	۳	۴۷
مدد اسی کی طرف سے ہے	۳	۱۲۶
وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۳	۱۵۶
اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا	۳	۱۶۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ہر چیز پر قادر ہے	۳	۱۶۵
اللہ کفار کا شر تم سے روک لے گا	۴	۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۴	۱۳۳
وُہ ہر چیز پر قادر ہے	۶	۱۲ تا ۱۸
وُہ ہر چیز پر غالب ہے	۶	۶۰ تا ۶۵
قُدرتِ الٰہی کے نمُونے	۶	۹۵، ۹۶ تا ۹۹
وُہ غنی ہے وُہ چاہے تو تمھیں تباہ کر دے اور تمھاری جگہ کسی اَور کو کھڑا کر دے۔	۶	۱۳۴
جس کو چاہے ہدایت دے دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے	۶	۱۳۳
مُردوں کو زندہ کرنے کے بارے میں حضرت خلیل ؑ کا سوال اَور اس کا جواب	۲	۲۶۰
جس کو چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے جسے حکمت ملی اُسے خیر کثیر ملی	۲	۲۶۹
جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے	۲	۲۸۴
ہر چیز پر قادر ہے	۲	۲۸۴
وُہ شکم مادر میں جیسے چاہتا ہے تصویر بناتا ہے	۳	۶
جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے	۵	۱
ہر چیز پر قادر ہے	۵	۱۷

رحمتِ الٰہی

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وُہ رحمٰن و رحیم ہے	۱	
〃 〃 〃 〃	۱	۲
〃 〃 〃 〃	۲	۱۶۳
وُہ التواب الرحیم ہے	۲	۵۴
جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ وُہ فضل عظیم کا مالک ہے	۲	۱۰۵
وُہ التواب الرحیم ہے	۲	۱۲۸
رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
غفور رحیم ہے	۲	۱۷۳
〃 〃 〃	۲	۲۱۸
〃 〃 〃	۳	۳۱
〃 〃 〃	۴	۱۲۹، ۱۵۲
وُہ لوگوں کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۲	۱۴۳
اُس سے مغفرت طلب کرو بیشک وُہ غفور رحیم ہے	۲	۱۹۹
رؤف بالعباد	۲	۲۰۷
غفور حلیم ہے	۲	۲۳۵
اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے	۲	۲۴۳
وُہ سارے جہان والوں پر فضل و احسان کرنے والا ہے		
ذو فضلٍ علی العالمین	۲	۲۵۱
وُہ تمھارے گناہ بخش دے گا وُہ غفور رحیم ہے۔	۳	۳۰، ۳۱
وُہ غفور رحیم ہے	۳	۸۹
اللہ کی مغفرت اَور رحمت ہمارے مال سے بہتر ہے	۳	۱۵۷
وُہ فضل عظیم کا مالک ہے	۳	۱۷۴
جس کو چاہتا ہے بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے وُہ غفور رحیم ہے	۳	۱۲۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
غفور رحیم ہے	۴	۲۵،۲۳
ولو انهم اذ ظلموا الخ	۴	۶۴
غفور رحیم ہے	۴	۹۶
" " "	۴	۱۰۰
" " "	۴	۱۰۶
" " "	۴	۱۱۰
" " "	۴	۱۱۹
" " "	۴	۱۵۲
وہ عفوًّا قدیرًا ہے	۴	۱۴۹
اُس نے اپنے اُوپر رحمت لازم کی ہے	۶	۱۲
تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے	۶	۱۴۷
وہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں دیتا ہے	۶	۱۶۰
تنزیہ باری		
کسی کو اُس کا نِدّ نہ بناؤ	۲	۲۲
مچھر کی مثال دینے سے وہ حیا نہیں کرتا	۲	۲۶
اللہ اپنے بندوں کے اعمال سے غافل نہیں	۲	۱۴۴
اللہ تعالیٰ ظالم نہیں	۳	۱۸۲،۱۰۸
کسی کا عمل ضائع نہیں کرتا	۳	۱۹۵
اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں دیا	۴	۱۴۱ مع حاشیہ
اگر تم شکر کرو تو اللہ تعالیٰ عذاب نہیں دے گا	۴	۱۴۰
آنکھیں اُس کا احاطہ نہیں کر سکتیں (دیدار الٰہی)	۶	۱۰۳
اللہ تعالیٰ کس سے محبت کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے		
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۲	۲۷۲،۱۴۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
تواب رحیم ہے	۲	۱۵۹
وہ محسنین سے محبت کرتا ہے	۲	۱۹۵
" " " " " "	۳	۱۳۴،۱۴۸
" " " " " "	۵	۹۳
وہ توابین سے محبت کرتا ہے	۲	۲۲۲
وہ پاکیزہ لوگوں سے محبت کرتا ہے	۲	۲۲۲
اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے	۲	۲۴۹
" " " " " " " "	۳	۱۴۶
وہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۳	۱۵۹
وہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے	۳	۷۶
جو اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے اسے ہدایت دی جاتی ہے	۳	۱۰۱
وہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۵	۴۲
اللہ تعالیٰ کس سے محبت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا		
وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶
فاسق کون ہیں	۲	۲۷
وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا	۲،۵	۱۹۰،۸۷
اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا	۲	۲۰۵
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۳	۸۶
" " " " " " "	۲	۲۵۸
وہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا	۲	۲۶۴
وہ ناشکرے بدکار سے محبت نہیں کرتا	۲	۲۷۶
وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا	۳	۳۲
وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا	۳	۵۷،۱۴۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
وُہ مغرور اور فخر کرنے والے سے محبّت نہیں کرتا	۴	۳۶
وُہ بدکار بددیانت سے محبّت نہیں کرتا	۴	۱۰۷
بُری بات برملا کہنے کو پسند نہیں کرتا	۴	۱۴۸
وُہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا	۶	۱۴۱
ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا	۶	۱۴۴

متفرّق

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ کا رنگ سب سے زیادہ حسین ہے	۲	۱۳۸
وُہ اپنے احکام سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے	۲	۱۴۳
وُہ اپنے بندوں کا ایمان ضائع نہیں کرتا	۲	۱۴۳
تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا	۲	۱۵۲
ذِکر کی برکت اور ترغیب	۲	۱۵۲ حاشیہ
اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے	۲	۱۵۳
اللہ تعالیٰ مغفرت و فضل کا وعدہ کرتا ہے	۲	۲۶۸
وُہ سریع الحساب ہے	۳	۱۹
رزق کی کمی بیشی اسی کے اختیار میں ہے	۳	۲۷
جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے	۳	۱۳، ۱۲۶، ۱۵۱، ۱۶۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو اُس کا دامن پکڑے وُہی ہدایت پاتا ہے	۳	۱۰۱
شکر گزار بندوں کو جزا دیتا ہے	۳	۱۴۵
دُعا مانگنے کی ترغیب	۴	۳۲ حاشیہ
اللہ تعالیٰ سب سے سچّا ہے	۴	۱۲۲
اس کے پاس دُنیا و آخرت کا ثواب ہے	۴	۱۳۴ حاشیہ
وُہی ہر قسم کی عزّت کا حقدار ہے	۴	۱۲۹
جو اللہ تعالےٰ کی رضا کا طالب ہے اُسے ہی سبل السّلام اور نُورِ ہدایت سے نوازا جاتا ہے	۵	۱۶ حاشیہ
اللہ تعالیٰ سب سے بڑا گواہ ہے	۶	۱۹
اللہ تعالیٰ کی راہنمائی سے ہدایت ملتی ہے	۶	۷۱
وُہی بدیع ہے	۶	۱۰۱
وُہ جس کو ہدایت دیتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے	۶	۱۲۵
وُہ جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے تنگ کرتا ہے	۶	۱۲۵
اللہ کی دلیل ہی سب سے قوی ہے	۶	۱۴۹

سیّدنا و مولانا محمّد رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

اِسلام

انبیاء علیہم السلام

انسان اور اُس کی عظمت کا قرآنی تصوّر

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
زمین کی ہر چیز تمھارے لیے پیدا فرمائی	۲	۲۹
انسان زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے	۲، ۶	۳۰، ۱۹۵
فرشتوں کو حکم کہ آدم کو سجدہ کرو	۲	۳۴
انسان کو منصبِ خلافت پر فائز کرنے کی وجہ	۲	۳۰حاشیہ
آدم کے علوم کے سامنے فرشتوں نے بھی اعترافِ عجز کیا	۲	۳۲
نجات کا انحصار نسب اور قومیت پر نہیں بلکہ ایمان اور عملِ صالح پر ہے	۲	۶۲، ۸۱
نیک انسان کی صفات	۲	۱۷۷
سارے انسان ایک اُمت تھے باہمی حسد کے باعث گروہوں میں بٹ گئے	۲	۲۱۳
آزمائش و تکلیف کے بعد اللہ تعالیٰ کی مدد	۲	۲۱۴
اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے عورتوں بچوں اور مال و اسباب کی محبت کو آراستہ کر دیا ہے	۳	۱۴
انسان کی حقیقی منزل رضاء الٰہی ہے	۳	۱۵
علماء کو توحید کا گواہ بنا کر اُن کی عزت افزائی	۳	۱۸
ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے	۲	۱۳۹، ۱۴۰
" " " " " " "	۶	۱۶۴
سارے انسان ایک باپ کی اولاد ہیں	۴	۱
انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔	۴	۲۸

اَوَامر

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اپنے رب کی عبادت کرو	۲	۲۱
تم میرا وعدہ پُورا کرو میں تمہارا وعدہ پُورا کرُوں گا	۲	۴۰
صرف مجھ سے ڈرو	۲	۴۰
صبر اَور نماز سے اِستعانت کا حکم	۲	۴۵، ۱۵۳
عفوو درگزر کا حکم	۲	۱۰۹
نیکیوں میں سبقت لے جاؤ	۲، ۳	۱۲۸، ۱۳۳
〃 〃 〃 〃	۵	۴۸
لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو	۲	۱۵۰
تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا	۲	۱۵۲
پاکیزہ رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو	۲	۱۷۲
بھلائی کرو	۲	۱۹۵
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد رکھو	۲	۲۳۱
اللہ تعالیٰ سے ڈرو	۲	۲۳۱، ۲۳۳
اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بن جاؤ	۲	۲۳۸
نماز کی پابندی کرو	۲	۲۳۸
مصائب میں صبر اَور تقویٰ	۳	۱۲۰، ۱۲۵ مع حواشی
تقویٰ اِختیار کرنے کا حکم	۳، ۴	۱۰۲، ۱۳۱
〃 〃 〃 〃	۵	۷، ۳۵
اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبُوط پکڑ لو اَور اِختلاف نہ کرو	۳	۱۰۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
دعوت وارشاد کے لیے تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے	۳	۱۰۴
اللہ تعالیٰ کی مغفرت اَور وسیع جنّت کی طرف جلدی کرو	۳	۱۳۳
صبر اَور تقویٰ بڑے حوصلے کا کام ہے	۳	۱۸۶
اِسلام میں پُورے کے پُورے داخل ہوجاؤ	۲	۲۰۸
اموالِ یتامیٰ میں گڑبڑ نہ کرو	۴	۲
عبادتِ اِلٰہی کا حکم	۴	۳۶ مع حاشیہ
حقُوق اللہ اَور حقُوق العباد کا مفصّل ذکر	۴	۳۶ حاشیہ
عدل کرو	۴	۵۸، ۱۳۵
اچھی سفارش اَور بُری سفارش	۴	۸۵ مع حاشیہ
سلام دینے کا حکم اَور طریقہ	۴	۸۶
سرگوشی صرف مفید باتوں میں ہونی چاہیے	۴	۱۱۴
اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو اَور مجاہدہ کرو	۵	۳۵
پیرومرشد وسیلہ ہے	۵	۳۵ حاشیہ
سیاحت کا حکم اَور اس کا مقصد	۶	۱۱ حاشیہ
بُری صحبت سے اِجتناب کا حکم	۶	۶۸
دین کو لہو ولعب سمجھنے والوں سے قطع تعلق کا حکم	۶	۷۰
ظاہری باطنی گناہ ترک کرنے کا حکم	۶	۱۲۰

بنی اسرائیل

ان پر انعاماتِ خداوندی

	سورت نمبر	آیت نمبر
بنی اسرائیل کا اعتراض	۲	۲۴۷
تابوتِ سکینہ کا عطیہ	۲	۲۴۸
اس میں کیا کیا تھا	۲	۲۴۸ حاشیہ
تورات کی حفاظت کے ذمہ داران کے انبیاء وعلماء بنائے گئے	۵	۴۴
اگر یہ تورات وانجیل پر عمل کرتے تو خزانوں کے منہ ان کے لیے کھول دیے جاتے	۵	۶۶
اطاعتِ الٰہی سے تنگ دستی نہیں بلکہ فراخی آتی ہے	۵	حاشیہ آیت بالا

ان کا دفترِ عمل

	سورت نمبر	آیت نمبر
لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود نیکی سے دور بھاگتے	۲	۴۴
انبیاء کو ناحق قتل کرتے	۲	۶۱ حاشیہ ۹۱، ۹۲ حواشی
〃 〃 〃 〃 〃		
من وسلویٰ کے بجائے ترکاری، گندم، پیاز کا مطالبہ	۲	۶۱
ان پر ذلّت ومسکنت مسلط کردی گئی	۲	۶۱
ان کی وعدہ شکنی (یومِ سبت کی خلاف ورزی)	۲	۶۳، ۶۴،
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃		۶۵، ۶۶
ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت	۲	۷۴
وہ بعض کتاب کو مانتے اور بعض کو نہیں مانتے	۲	۸۵
انھوں نے آخرت کو دنیا کے عوض فروخت کردیا	۲	۸۶
رسولوں کی جو بات پسند نہ آئی رد کردی	۲	۸۷
بعض کو جھٹلایا بعض کو قتل کیا	۲	۸۷
وہ کہتے ہم صرف اپنی کتاب پر ایمان لائیں گے دوسری آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے	۲	۹۱
دیدارِ الٰہی کا مطالبہ اور اس کا انجام	۲	۵۵، ۵۶
ان کا یہ زعم کہ آخرت صرف ان کی ہے اور اس کا رد	۲	۹۴، ۹۵، ۹۶
بعض اہلِ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیتے	۲	۱۰۱
وہ سحر کی پیروی کرتے ہیں	۲	۱۰۲
اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو بہتر ثواب پاتے	۲	۱۰۳
اہلِ کتاب ازراہِ حسد تمھیں مرتد کرنے کے خواہاں ہیں	۲	۱۰۹
ان کا زعم کہ یہود ونصاریٰ کے بغیر جنّت میں کوئی داخل نہ ہوگا اس کی تردید	۲	۱۱۱
نصاریٰ اور یہود ایک دوسرے کو گمراہ کہتے	۲	۱۱۳
وہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں	۲	۱۱۶
یہود ونصاریٰ تم سے کبھی خوش نہ ہونگے	۲	۱۲۰
جو ان کی خواہشات کا اتباع کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرے گا۔	۲	۱۲۰
وہ کہتے ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السّلام سب یہودی تھے یا نصاریٰ	۲، ۳	۱۴۰، ۶۵ تا ۶۷
آپ دلیلوں کے انبار لگادیں یہ نہیں مانیں گے	۲	۱۴۵

اُن کے علماء اور اُن کا طریقہ کار

اِسلام کے خلاف اُن کی سازشیں اور اِسلام کو قبول نہ کرنے کی وجوہات

جبر وقدر

جہاد

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مُسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کا حکم	۴	۷۵
کِن کفّار سے جنگ کرنا منع ہے	۴	۹۰، ۹۱
ہجرت کرنے والوں کے لیے کشادہ روزی اور اجرِ عظیم کا وعدہ	۴	۱۰۰
اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیاری چیز خرچ کرو	۳	۹۲
پاکیزہ چیزیں خرچ کرنے کا حکم	۲	۲۶۷
شہداء زندہ ہیں	۲	۱۵۴
" " "	۳	۱۶۹
" " "	۳	۱۷۲
راہِ خُدا میں مرنے سے مغفرت و رحمت ملتی ہے	۲	۱۵۷
اگر مُسلمان کفّار کے نرغے میں آجائیں تو کیا کریں اور کیا نہ کریں	۳	۲۸ حاشیہ
بدر		
جنگِ بدر	۳	۱۳، ۱۲۳
دو گروہوں کے احوال اور مُسلمانوں کی فتح	۳	۷۴
تمہاری فریاد، ہماری امداد، فرشتوں کا نزول	۳	۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶
فرشتوں کی آمد محض بشارت تھی، فتح اللہ نے دی تھی	۳	۱۲۶، ۱۲۷

اُحُد

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
جنگِ اُحُد	۳	۱۲۱
ہزیمت کی وجہ	۳	حاشیہ آیت بالا
اُحد میں کفّار کی مرعُوبیت	۳	۱۵۱ حاشیہ
پہلے فتح اور پھر شکست	۳	۱۵۲
جنگِ اُحد کا چشم دید حال	۳	۱۵۲ حاشیہ
اُحد کا ایک اور منظر	۳	۱۵۳
اُحد میں مُنافقین کا حال	۳	۱۵۴ حاشیہ
یہ ہزیمت آزمائش تھی تاکہ مومن اور کافر کی تمیز ہو سکے	۳	۱۴۰، ۱۴۱، ۱۶۶، ۱۶۷
مومنوں سے درگزر	۳	۱۵۲، ۱۵۵
غم و اندوہ کے بعد اطمینان و تسکین کی کیفیت	۳	۱۵۴
کمزور ایمان والوں کے افکارِ پریشان	۳	۱۵۴
مومنین کا ان حالات میں بھی ثبات و استقلال	۳	۱۷۲ تا ۱۷۵
خطاکاروں سے حضور کا مشفقانہ برتاؤ اور عفو و درگزر	۳	۱۵۹

دُعائیں

سیاست

شرک کا بُطلان

شریعت

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ہر اُمت کے لیے ایک شریعت مقرر کی گئی۔ اس کی وجہ	۵	۴۸
جو کتابِ الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے	۵	۴۴
جو کتابِ الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے	۵	۴۵
جو کتابِ الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ فاسق ہے	۵	۴۷
ز۔ شریعتِ اسلامیہ کی خصوصیات		
اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے تکلیف کا نہیں	۲	۱۸۵
قاضی کے فیصلے سے حرام حلال نہیں ہو جاتا	۲	۱۸۸ حاشیہ
گھریلو معاملات میں فضل و احسان کی تلقین	۲	۲۳۷
اللہ تخفیف کا ارادہ رکھتے ہیں	۴	۲۸
احکامِ شرعی میں حرج کی نفی	۵	۶
احکامِ شرعی سے مقصود اتمامِ نعمت ہے	۵	۶
کیا تم احکامِ الٰہی سے سرتابی کر کے جاہلیت کے قوانین پر عمل کرنا چاہتے ہو	۵	۵۰ مع حاشیہ
شریعت کے مسلّمہ اصول (عدل و انصاف)	۵	۴۲
" " " "	۶	۱۵۰، ۱۵۲
ذمیوں کے تنازعات کا فیصلہ کون کرے	۵	۴۲ حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ب۔ عبادات		
عبادت سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے	۲	۲۱
نماز		
غیر خدا کو سجدہ کرنے کا حکم	۲	۳۴
نماز ڈرنے والوں کے علاوہ سب پر بھاری ہے	۲	۴۵
اقامتِ نماز کا حکم	۲	۱۱۰
ساری نمازیں پابندی سے ادا کرو خصوصاً صلوٰۃ وسطیٰ	۲	۲۳۸
حالتِ خوف میں نماز ادا کرنے کا طریقہ	۲	۲۳۹
نماز میں قبلہ رُو ہونے کا حکم	۲	۱۴۴
نماز اپنے اوقات پر ادا کرو	۴	۱۰۳
نماز کے بعد ذکرِ الٰہی کا حکم	۴	۱۰۳
نمازِ قصر، سفرِ قصر کی مقدار	۴	۱۰۱ مع حاشیہ
وضو		
وضو کے احکام	۵	۶
غسلِ جنابت	۴	۴۳
"	۵	۶
تیمم		
احکامِ تیمم	۵	۶ مع حاشیہ
"	۴	۴۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
روزہ		
روزے کی فرضیت کا حکم	۲	۱۸۳
اس کی حکمت	۲	۱۸۴
مریض اور مسافر کا حکم	۲	۱۸۴
ماہِ رمضان کی تخصیص میں حکمت	۲	۱۸۵
رمضان کی رات میں مقاربت جائز ہے	۲	۱۸۷
سحری کھانے کا وقت	۲	۱۸۷
حالتِ اعتکاف میں رات کو بھی مقاربت منع ہے	۲	۱۸۷
حج		
صفا اور مروہ کے درمیان سعی	۲	۱۵۸
حج و عمرہ پورا کرو اور ان کے احکام	۲	۱۹۶
حج تمتع	۲	۱۹۶
حج کے لیے زادِ راہ تیار کرنے کا حکم	۲	۱۹۷ مع حاشیہ
ایامِ حج میں تجارت کی اجازت	۲	۱۹۸
کفارِ قریش کو عرفات میں وقوف کا حکم	۲	۱۹۹
ایامِ حج میں کثرت سے ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم	۲	۱۹۸-۱۹۹
" " " " " " "		۲۰۰ تا ۲۰۳
محرم اگر محصور ہو جائے تو کیا کرے	۲	۱۹۶
میقات کی تفصیل	۲	۱۹۶ حاشیہ
حج کی فرضیت	۳	۹۷
حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت	۵	۱، ۹۴
شکاری جانوروں کو قتل کرنے کا کفارہ	۵	۹۵
دریائی شکار کی اجازت	۵	۹۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
زکوٰۃ و صدقات		
زکوٰۃ ادا کرو	۲	۱۱۰
خرچ کرنے کی ابتدا اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرو	۲	۲۱۵
صدقاتِ فرضیہ اور نافلہ اور ان کے آداب	۲	۲۷۰، ۲۷۱
اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب فضائل، شرائط اور آداب	۲	۲۶۰ تا ۲۷۲
ایسے لوگوں کی امداد جو دستِ سوال دراز نہیں کرتے	۲	۲۷۳
جو لوگ دن رات ظاہر و پوشیدہ مال خرچ کرتے ہیں	۲	۲۷۴
زکوٰۃ دینے والے متقی ہیں	۲	۱۷۷
پاکیزہ چیزیں راہ خدا میں خرچ کرو	۲	۲۱۵
اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور اذیت دے کر ضائع نہ کرو	۲	۲۶۴
کمال نیکی تب حاصل ہوگی جب پیاری چیزیں خرچ کروگے	۳	۹۲
فراخی اور تنگی میں خرچ کرنے کی ترغیب	۳	۱۳۴
رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کا اجر	۲	۲۶۵، ۲۷۲ ۲۷۶
جو خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں	۲	۲۷۰
صدقات کو ظاہراً اور پوشیدہ دینا	۲	۲۷۱
موت سے پہلے راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تلقین	۲	۲۵۴

جرائم وعقوبات

معاملات

	سورت نمبر	آیت نمبر
نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، عدت حیض وغیرہ زیرِ عنوان "عورت" ملاحظہ ہوں۔		
میراث اور وصیت کی تفصیلات "معاشیات" کے تحت ملاحظہ ہوں۔		
رضاعت		
رضاعت کس کی ذمہ داری ہے	۲	۲۳۳ مع حواشی
مدتِ رضاعت		
مرضعہ کے اخراجات		
بچے کی وجہ سے ماں کو تنگ نہ کیا جائے نہ باپ کو		
کسی دایہ کو مرضعہ مقرر کرنے کا حکم	۲	۲۳۴
گواہی		
گواہی کا نصاب اور اس کے دیگر احکام	۲	۲۸۲،۲۸۳
گواہی چھپانا منع ہے	۲	۲۸۳
یتیموں کو ان کے اموال واپس کرتے وقت گواہ بنا لیا کرو	۴	۶
گواہی عدل کے ساتھ دیا کرو خواہ اپنے اور اپنوں کے خلاف ہی ہو	۴	۱۳۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
اگر حالتِ سفر میں کسی کی موت آجائے تو وہ کیسے گواہ بنائے اور ان گواہوں کی سچائی کیسے معلوم ہو	۵	۱۰۶تا۱۰۸
غیر مسلم کی گواہی	۵	۱۰۶حاشیہ
قسمیں		
اپنی قسموں کو نیکی سے رکاوٹ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
لغو قسم کا اعتبار نہیں	۲	۲۲۵
	۵	۸۹
لیکن صحیح قسم کا اعتبار ہوگا	۵	۸۹
اچھے کام سے باز رہنے کے لیے اللہ کے نام کو آڑ نہ بناؤ	۲	۲۲۴
نذر	۲	۲۷۰
یمینِ لغو کا حکم	۵	۸۹
قسم توڑنے کا کفارہ	۵	۸۹
اپنی قسموں کی حفاظت کرو	۵	۸۹
رہن		
اس کا حکم (معاشیات کے عنوان کے تحت)	۲	۲۸۳
حلال و حرام		
پاکیزہ رزق کھاؤ	۲	۱۷۲
حرام چیزوں کا بیان	۲	۱۷۳

صحابہ کرام اور اُمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء

	سورت نمبر	آیت نمبر
الفاروق کا لقب کب ملا	۴	٦٠ حاشیہ
حضرت ثوبان کا عشق اور اس کی پذیرائی (وحسن اولئك رفيقا)	۴	٧٠
فتنہ ارتداد میں صحابہ کی پامردی کی پیشین گوئی	۵	۵۴ حاشیہ
وهم راكعون سے حضرت شیرِ خدا کی فضیلت	۵	۵۵
شیرِ خدا کی خلافتِ بلافصل پر استدلال اور اس کا جواب	۵	۵۵ حاشیہ
مباہلہ کا واقعہ	۳	٦١ حاشیہ
صحابہ کرامؓ کو سلام دینے میں پہل کرنے کا حکم	٦	۵۴

عملِ صالح

	سورت نمبر	آیت نمبر
وہ اعمالِ صالحہ جو اسلام کے نزدیک بہت اہم ہیں	۲	١٧٧
پچھواڑے سے گھروں میں داخل ہونا کوئی نیکی نہیں لكن البر من اتقى	۲	١٨٩
عملِ صالح کے ساتھ ایمان کی شرط بھی ہے	۴	١٢۴ مع حاشیہ
عملِ صالح والوں کو تین خوشخبریاں	۵	١٢ حاشیہ
جسے اللہ تعالیٰ روحِ ہدایت سے زندہ کر دے کیا گمراہ اس کے برابر ہو سکتے ہیں	٦	١٢٢

عورت

عورت کے حقوق

	سورت نمبر	آیت نمبر
وہ تمہارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو	۲	١٨٧
مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو، نہ مشرک مردوں کے ساتھ اگرچہ تمہیں وہ بہت پسند ہوں	۲	٢٢١
وہ تمہاری کھیتیاں ہیں	۲	٢٢٣
اسلام کا فلسفہ ازدواج	۲	٢٢٣
جیسے تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں ویسے ہی ان کے حقوق تم پر ہیں	۲	٢٢٨

	سورت نمبر	آیت نمبر
مردوں کا درجہ عورت سے بلند ہے	۲	٢٢٨
" " " " " " " "	۴	٣۴ حاشیہ
تعددِ ازواج کا فلسفہ	۴	٣
وراثت میں عورت بھی مرد کی طرح حصہ دار ہے	۴	٧
عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم	۴	١٩ حاشیہ
ان کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت	۴	١٩
زمانۂ جہالت کے ایک ظلم کا انسداد	۴	١٩ حاشیہ
اگر بیوی معیار کے مطابق نہیں تب بھی صبر کرو اس کی حکمت	۴	١٩ حاشیہ

فاسقین

قبلہ

قرآن مجید

کفّار و مُشرکین

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ان کی ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ یہ رسولوں کے ساتھ استہزاء کیا کرتے تھے	۶	۱۰
قیامت کے دن ان کا شرک سے انکار	۶	۲۳، ۲۴
ان کے دلوں پر پردے اور کانوں میں بہرا پن	۶	۲۵
اپنے اعمال کی وجہ سے انھیں ہلاک کیا جائے گا اور کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا	۶	۷۰
کفار کے اعمال شیطان بڑے آراستہ کر کے انھیں دکھاتا ہے	۶	۱۲۲
قیامت کے روز کفار کا کفِ افسوس ملنا	۶	۲۷، ۲۸
کہ کاش انھیں دنیا میں لوٹا دیا جائے		۳۰، ۳۱
(ب) ان کا عقیدہ		
وہ بتوں کو انداد (اللہ کا ہمسر) یقین کرتے	۲	۲۲
کفار کی جنت میں توسیع	۲	۲۵
ان کی نظروں میں دنیا بڑی حسین ہے	۲	۲۱۲
مشرکین کس کی عبادت کرتے ہیں	۴	۱۱۷ حاشیہ
خدا اور رسولوں میں فرق کرنے والے پکے کافر ہیں	۴	۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱
وہ اپنے معبودوں کو خدا کے برابر تسلیم کرتے (بعض لوگ)	۶	۱، ۱۵۰
یہ قرآن کو اساطیر کہتے ہیں	۶	۲۵ مع حاشیہ
قیامت کا انکار	۶	۲۹
یہ دنیوی زندگی لہو و لعب کی زندگی ہے	۶	۳۲
شفاعت کے متعلق کفار کا غلط عقیدہ	۶	۵۱ حاشیہ
جنوں کو وہ خدا کا شریک بناتے ہیں	۶	۱۰۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
خدا کے بیٹے اور بیٹیاں بناتے	۶	۱۰۰
کفار کے عقیدہ کا بطلان	۶	۴۰-۴۱ حاشیہ
جھوٹے مدعیانِ نبوت کی محشر میں رسوائی	۶	۹۴ حاشیہ
کفار اپنے کفر کی خود شہادت دیں گے	۶	۱۳۰
ان کی نجات نہیں		
کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے	۲	۳۹
کفار کے لیے بخشش نہیں	۲	۱۶۱، ۱۶۲
〃 〃 〃 〃 〃	۴	۴۸، ۱۱۶
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۲	۲۵۴
〃 〃 〃 〃 〃	۶	۵۱
ہم ان کو جو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کے لیے عذاب الیم کا سبب بنے گی	۳	۱۷۸
کفار کو مال اور اولاد فائدہ نہیں دے گی	۳	۱۰
شرک کی تحقیق	۴	۴۸ حاشیہ
جو ہر وقت دین بدلتے رہتے ہیں ان کے لیے نجات نہیں	۴	۱۳۷
جنھوں نے کفر اور ظلم کیا انھیں ہدایت نہیں ملے گی	۴	۱۶۸، ۱۶۹
ان کے لیے نہ نجات ہے نہ فدیہ	۳	۹۰، ۹۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۵	۳۶، ۳۷
مرتد کا عمل برباد	۲	۲۱۷
ان کے اطوار		
مساجد سے روکنا بڑا ظلم ہے	۲	۱۱۴

گُناہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
کن لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے اور کن کی نہیں	۴	۱۸،۱۷
اگر کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے	۴	۳۱
تو دُوسری غلطیاں معاف کر دی جاتی ہیں		
کبیرہ گناہ کیا ہے تکفیر سیّئات کا مطلب	۴	۳۱حاشیہ
گناہ دراصل اپنے نفس سے خیانت ہے	۴	۱۰۷احاشیہ

متقین و مومنین

	سورت نمبر	آیت نمبر
متقین کی صفات :-		
وُہ غیب پر ایمان لاتے ہیں	۲	۳
نماز قائم کرتے ہیں	۳	۱۳۶تا۱۳۴
مال خرچ کرتے ہیں	〃	〃
آسمانی کتب پر ایمان، آخرت پر یقینِ محکم	۲	۴
انھیں ہدایت و فلاح کی بشارت	۲	۵
اہلِ ایمان کو جنّت اور دیگر انعامات کی بشارت	۲	۲۵
نہ انھیں خوف نہ حُزن	۲	۳۸
اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبّت کرتے ہیں۔ رسُولؐ سے محبّت اللہ سے محبّت ہے	۲	۱۶۵ احاشیہ
شفاعتِ اولیاء	۲	۲۵۴حاشیہ
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا مددگار ہے۔ وُہ انھیں اندھیروں سے نُور کی طرف لاتا ہے	۲	۲۵۷
جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے انھیں نہ خوف نہ حزن	۲	۲۷۷
اہلِ ایمان سب رسولوں کو مانتے ہیں اور ان میں تفریق نہیں کرتے	۲	۲۸۵
اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کے لیے مومن کی تربیت	۲	۱۵۴،۱۵۳ ۱۵۷،۱۵۶،۱۵۵
شہداء زندہ ہیں	۲	۱۵۴
ان کی زندگی کی کیفیت اور ان کا اپنے دوستوں کی مدد کرنا	۲	۱۵۴احاشیہ
مومن مصائب میں صبر کرتا ہے اور راضی برضا رہتا ہے	۲	۱۵۶،۱۵۵ حواشی
رضائے الٰہی کے لیے جان تک بھی بیچ دیتے ہیں	۲	۲۰۷
مسلمانوں کو اسلام میں مکمل طور پر داخل ہونے کا حکم	۲	۲۰۸
مومنین کی صفات، کراماتِ اولیاء	۳	۱۷
〃 〃 〃 〃	۳	۳۷حاشیہ
اہلِ کتب کی اطاعت کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے	۳	۱۰۱-۱۰۰
پوری طرح تقویٰ اختیار کرو اور مرنا ہے تو اسلام پر مرو۔	۳	۱۰۲
تقویٰ کی تعریف	۳	۱۰۲احاشیہ
اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا اور ناراض کرنے والا برابر نہیں ہو سکتا	۳	۱۶۲
انتم الاعلون اگر تم مومن ہو	۳	۱۳۹
رب والے راہِ حق میں پیش آمدہ مصائب سے دل برداشتہ نہیں ہوتے	۳	۱۴۶
اللہ اہلِ ایمان کا بہترین مددگار ہے	۳	۱۵۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مومنین پر احسان ہے	۳	۱۶۴

معاشیات

معجزات

منافقین

نواہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وننزل من القرآن ما هو شفاء ورحمة للمؤمنين

ضیاء القرآن

جلد دوم

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلیکیشنز

گنج بخش روڈ ○ لاہور

طبع ——— تخلیق مرکز پرنٹرز، عمرفون 7229416

کتابت ——— خوش نویس محمد ناصر، محمد صدیق، محمد اللہ صدیق

متن ——— بشکریہ تاج کمپنی کراچی

تعداد ——— تین ہزار (۳۰۰۰)

تاریخ طباعت ——— جمادی الثانی سنہ ۱۴۲۳ھ

ناشر ——— ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تعارف سورۃ الاعراف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۂ پاک کا نام الاعراف ہے۔ یہ ۲۰۶ آیتوں اور چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کے الفاظ کی تعداد ۳۳۲۵ ہے۔

یہ سورۃ بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کی پانچ یا آٹھ آیتیں مدنی ہیں (و اسأل اهل القریۃ الخ) لیکن محققین کا مختار قول یہ ہے کہ اس کی تمام آیتیں بلا استثناء مکی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بسند صحیح یہی مروی ہے۔

سورہ الانعام اور الاعراف کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکی دور کے آخری سالوں میں اس کا نزول ہوا۔

اس سورۃ میں بھی خطاب انھیں لوگوں سے ہے جو سورہ الانعام میں مخاطب تھے یعنی مشرکین عرب۔ اس لیے انھیں کے عقائد باطلہ کی تردید۔ انھیں کے اوہام فاسدہ کا ابطال، انھیں کی غلط کاریوں کا ازالہ اور انھیں کی کج فہمیوں کی اصلاح پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ فرق صرف اجمال اور تفصیل کا ہے۔ سابقہ سورت میں جو مسائل اجمالاً مذکور ہوئے تھے یہاں انھیں تفصیلاً بیان کر دیا گیا ہے۔ پہلے بھی بتایا گیا تھا کہ انبیاء کرام نے جب اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی اور اس کے لیے ناقابل تردید دلائل پیش کیے تو ان میں غور و فکر کرنے کے بجائے ان کی قوموں نے ان کا مذاق اڑایا۔ ان کی تکذیب کی۔ اور انھیں اذیت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اس سورۃ میں متعدد انبیاء کرام نوح، ہود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام کا نام لے کر ان کے احوال بیان فرمائے اور ان کی قوموں نے جو نا روا سلوک اور معاندانہ برتاؤ اپنے محسنوں، پیارے رہنماؤں کے ساتھ کیا اس کا ذکر کیا اور اس حقیقت کو بڑی فصاحت سے آشکارا کیا کہ جب مزاج بگڑ جاتا ہے اور فطرت سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے تو اس وقت حق پذیری کی استعداد بے کار اور مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ صداقت کا آفتاب اپنی تمام تابنا کیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے لیکن آنکھیں اس کے نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ دلائل کی زبان اعلان حق کر رہی ہوتی ہے لیکن کان اسے سن ہی نہیں سکتے۔ اور دل و دماغ حق سمجھنے کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں۔ افہام و تفہیم، ترغیب و ترہیب کوئی چیز کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

مختلف رسولوں کے احوال بیان کرنے کے بعد کئی رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیلاً بیان فرمائے آپ کو دو قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا تھا۔ ایک فرعون اور اس کے حواری اور دوسرے آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل۔ پہلا طبقہ حکمران تھا جسے بے پناہ اختیارات اور مراعات حاصل تھیں۔ ملک کی ساری دولت و ثروت ان کی ملکیت تھی۔ عیش و عشرت کے سب سامان انہیں میسر تھے۔ وہ کسی قیمت پر ان سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ حتیٰ کہ جب ان کے مقرر کیے ہوئے معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا۔ اور ان کے بلائے ہوئے جادوگر معجزاتِ نبوت کے سامنے اپنے طلسم فریب سحر کی بے سروپائی کا اعتراف کر کے باطل سے تائب ہو گئے۔ اور حضرت کلیم پر صدق دل سے ایمان لے آئے۔ تب بھی فرعونی ذہنیت نے قبولِ حق سے گریز اختیار کیا۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محروم ہو جائیں۔ ان کی لوٹ کھسوٹ پر پابندیاں لگا دی جائیں۔ اور ان کی عیش و نشاط کی بساط الٹ دی جائے۔ اور وہ اس کے لیے کسی طرح آمادہ نہ تھے۔

دوسرا طبقہ جس سے آپ کو واسطہ پڑا تھا وہ آپ کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھی جو مدت دراز سے غلامی کی زندگی گزار رہی تھی۔ ان کی ہمتیں پست اور ولولے سرد ہو چکے تھے۔ ذلت کی پستیوں میں پڑے رہنے میں وہ بڑی لذت محسوس کرتے تھے۔ ان کی تن آسانی کا یہ عالم تھا کہ عزت کی بلندیوں تک پہنچنے کے لیے وہ کسی جدوجہد کے لیے آمادہ نہ تھے وہ چاہتے تھے کہ لڑے بغیر فتوحات کے دروازے ان پر کھول دیے جائیں۔ اور تو اور انہیں کھانے پینے کے لیے بھی ہاتھ پاؤں ہلانے نہ پڑیں۔ بلکہ آسمان سے پکا پکایا کھانا ان کے دسترخوانوں پر چن دیا جائے۔ ان کی تعمیری قوتیں اتنی فرسودہ اور افسردہ ہو چکی تھیں کہ جدتِ فکر اور ندرتِ عمل کا ان کے ہاں تصور تک نہ تھا۔ دوسروں کی تقلید اور پیروی کے لیے وہ ہر وقت آمادہ رہتے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے وہ فرعون کی غلامی سے آزاد ہو کر وادیٔ سینا میں پہنچے اور وہاں کے بت پرستوں کو دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اپنے لیے ایسا ہی بت بنانے کی فرمائشیں شروع کر دیں اور آپ کی سرزنش پر بظاہر تو خاموش ہو گئے لیکن جب آپ چلہ کشی کے لیے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو توحید و تنزیہ و تقدیس کو چھوڑ کر فوراً سامری کے بنائے ہوئے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔

ان تمام واقعات سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ احکامِ الٰہی سے وابستہ اور صریح سرکشی، بے پناہ قوت و اختیار کا نشہ اور ایسے ہی غلامانہ زندگی افراد و اقوام کے ذہنوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ اور انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ان بگڑی ہوئی ذہنیتوں کی اصلاح کی جائے تاکہ ایک ایسا معاشرہ معرضِ وجود میں آ جائے جو طاقتور ہونے کے باوجود انصاف پرست ہو۔ نظم و ضبط کا پابند ہونے کے باوجود غلامانہ بے بسی کا شکار نہ ہو۔ اور اس میں حقوق اور فرائض کے ترازو کے دونوں پلڑے برابر ہوں۔ لیکن جو بدنصیب اللہ کے پیغمبروں کی مشفقانہ پند و موعظت کو قبول نہیں کرتا اور اپنی گمراہی پر بضد رہتا ہے تو مکافاتِ عمل کا قانون اسے پیس کر رکھ دیتا ہے اور اس کا نام و نشان تک صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے۔

نوعِ انسانی کے عہدِ طفولیت میں ہر قوم کی طرف الگ الگ نبی مبعوث ہوتے جو وقتی اور مقامی ضروریات کے پیشِ نظر اصلاحِ احوال کے لیے کوشاں رہے لیکن آخر میں وہ نبی محترم اور رسول معظم تشریف لایا جس کی دعوت زمان و مکان کی حدبندیوں سے ناآشنا تھی۔ وہ تمام انسانوں کا قیامت تک کے لیے ہادی و مرشد بن کر جلوہ افروز ہوا تھا۔ اس لیے اس نے کھلے الفاظ میں یہ اعلان فرما دیا۔ یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ اے لوگو! میں تم تمام کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اس مقام پر ان عظیم مقاصد کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے جن کی تکمیل کے لیے اس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔

سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۲۰۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

سورۃ الاعراف مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | آیتیں ۲۰۶ اور رکوع ۲۴ ہیں

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ

الف لام میم صاد۔ یہ کتاب نازل کی گئی ہے آپ کی طرف پس نہ ہونی چاہیے آپ کے سینہ میں کچھ تنگی [1]

مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ

اس (کی تبلیغ) سے (یہ نازل کی گئی ہے) تاکہ آپ ڈرائیں اس کے ذریعہ [2] اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے [3] (اے لوگو!) پیروی کرو جو اتارا گیا

[1] یہ سورت ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے نازل ہوئی۔ اس وقت کفار و مشرکین کی اسلام دشمنی حد کمال تک پہنچ چکی تھی۔ آیات الٰہی کی تکذیب، احکام شرعی کا مذاق، مسلمانوں پر جور و جفا اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ظلم و ستم ان کا مقصد حیات بن کر رہ گیا تھا۔ انہیں راہ راست پر لانے کی ساری کوششیں بظاہر بے اثر معلوم ہو رہی تھیں۔ جس سے حضور علیہ السلام کے دل نازک کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن اس کے باوجود فرمان خداوندی یہ تھا کہ دعوت حق دیتے چلو۔ پیغام حق سناتے چلو۔ راہ راست کی طرف بلاتے رہو۔ اسی لیے اس سورت کے آغاز میں اپنے محبوب کریم کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ آپ ان کفار کے معاندانہ رویہ سے تنگ دل نہ ہوں بلکہ اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں۔ اور اس کتاب مقدس کی تبلیغ میں سرگرم رہیں۔ لفظ حرج۔ حرجۃ سے ماخوذ ہے۔ اور حرجہ گھنے درختوں کے اس جھنڈ کو کہتے ہیں جن کی شاخیں آپس میں اتنی الجھی ہوئی ہوں کہ ان میں سے کوئی گزر نہیں سکتا۔ اور گزرنے والا وہاں پہنچ کر حیران و ششدر ہو جاتا ہے۔ حرج من الحرجۃ التی ھی مجتمع الشجر المشتبک الملتف الذی لا یصل الیہ فیہ سبیل و اصحابہ یخف منہ دلذانہ) اسی مناسبت سے تنگئ دل کو بھی حرج کہتے ہیں کیونکہ مخالفت کی آندھیوں میں انسان پریشان ہو کر گھبرا جاتا ہے۔ اس لیے مفسرین کرام نے اس کا معنی تنگئ دل سے کیا ہے۔ حرج ای ضیق ای لا یضیق صدرک بالابلاغ (قرطبی)

[2] آیت کے اس حصہ میں نزول قرآن کا مقصد بیان ہو رہا ہے کہ کفار اور منکرین کے لیے تو یہ انذار (ڈرانے) کا کام دیتا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہارا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔ اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرتا ہے اور انہیں ہر آن وہ عہد یاد دلاتا ہے جو انہوں نے اسلام قبول کرتے وقت اپنے رب سے باندھا تھا۔ ذکر کا معنی ہے صرف یاد کرانا۔ لیکن ذکری کا معنی بہت زیادہ اور بار بار یاد کرانا ہے۔ والذکری کثرۃ الذکر وھو ابلغ من الذکر (مفردات راغب)

[3] آیت سابقہ میں اپنے رسول کو حکم دیا کہ اس کتاب کی تبلیغ میں کسی قسم کی کوتاہی روا نہ رکھیں آپ اپنے بندوں کو ارشاد

اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا

تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اور نہ پیروی کرو اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی۔ بہت ہی کم تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ

قبول کرتے ہو ٥ اور کتنی بستیاں تھیں جنہیں برباد کر دیا ہم نے انہیں، پس آیا ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت یا

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے رسول اکرم کے ذریعہ ان کی طرف جو شریعت، جو احکام نازل کیے ہیں اس کی تعمیل سے منہ نہ پھیریں اور انہیں چھوڑ کر کسی اور نظام قانون کا اتباع نہ کرنے لگیں۔ علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ جس طرح احکام قرآنی منزل من اللہ ہیں اسی طرح وہ احکام جن کو زبانِ رسالت نے بیان کیا ہے وہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی رائے نہیں بلکہ وحی الٰہی ہی ہیں یعنی الکتاب والسنۃ (القرطبی) دیعوالقرآن والسنۃ لقولہ تعالیٰ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (بیضاوی) علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ ان سے مراد کتاب و سنت دونوں ہیں کیونکہ سنتِ نبوی بھی منزل من اللہ ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ میرا محبوب اپنی ذاتی خواہش سے تو بولتا بھی نہیں۔ جو بذریعہ وحی اسے حکم ملتا ہے وہی اس کی زبان پر آتا ہے۔

ک اس سے واضح ہوا کہ قرآن و سنت کی نصوص صریحہ کو چھوڑ کر منکرینِ حق اور مدعیانِ باطل کی آراء و افکار کی پیروی مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔ آج ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جہاں کہیں ہم احکامِ الٰہی اور ارشاداتِ نبوی کو اپنے مفاد اور آسائش سے مزاحم پاتے ہیں اس وقت مصلحتِ وقت کا بہانہ کر کے قرآن و سنت پر اپنی اھواء اور آراء کو ترجیح دے دیتے ہیں۔

شہ یعنی جب تمہیں نصیحت کی جاتی ہے تو تم کچھ دیر تو اسے یاد رکھتے ہو لیکن قلیل عرصہ کے بعد اسے پھر بالکل فراموش کر دیتے ہو۔ ما قلیلاً زائدہ ہے اور معنی مفہوم قلت کی تاکید کرتا ہے۔ ای تذکرون تذکرًا قلیلاً (بیضاوی)

ل بسا اوقات انسان اپنی معاشی خوشحالی اور دنیاوی عزو جاہ کی وجہ سے یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ زندگی کا جو رستہ اس نے اختیار کر رکھا ہے وہی راہِ راست ہے اور اس کا آفتابِ اقبال اسی طرح ہمیشہ درخشاں رہے گا اس لیے وہ کسی رہنما کی دعوت کو غور سے سننا ہی گوارا نہیں کرتا۔ یہی حالت مکہ کے سرداروں اور دولت مندوں کی تھی۔ وہ اپنے جاہ و جلال اور عزت و وقار پر اتنے مطمئن تھے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغام کی طرف متوجہ ہونا ہی غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں ان کی چشمِ ہوش سے غفلت کا پردہ اٹھانے کے لیے سابقہ قوموں کے عبرتناک انجام کا ذکر فرماتے ہیں کہ تمہاری طرح وہ بھی دنیا کی فنا پذیر لذتوں میں مست تھے اور ہمارے انبیاء کی دعوت پر غور و فکر کرنا اپنے لیے کسرِ شان سمجھتے تھے لیکن جب انہوں نے ہدایت قبول کرنے سے پیہم انکار کیا تو ایسے لمحوں میں اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔

هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿٤﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَآ إِلَّآ أَنْ

جب وُہ دوپہر کو سو رہے تھے پس نہ تھی ان کی (چیخ و) پکار جب آیا ان پر ہمارا عذاب بجز اس کے

قَالُوْٓا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَ

انھوں نے کہا بے شک ہم ہی ظالم تھے ۷ سو ہم ضرور پوچھیں گے ان سے ۸ جن کی طرف بھیجے گئے رسول اور

لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٦﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا

ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے پھر ہم ضرور بیان کریں گے ۹ ان کے سامنے (ان کا احوال) اپنے علم سے اور نہ تھے ہم

جب کہ وُہ خوابِ راحت کے مزے لُوٹ رہے تھے۔ ان کو خبر تک نہ ہوئی اور ان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ اس لیے اُسے اہلِ مکہ! اس ڈھیل پر بہت مغرور نہ ہو۔ مہلت کی گھڑیوں کو غنیمت جانو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی ایسے ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑے۔ کم خبریہ ہے اور کثرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ فجاءھا میں فاء ترتیب کے لیے نہیں بلکہ محض عطف کے لیے ہے۔ فقال الفراء الفاء بمعنی الواو فلا یلزم الترتیب (قرطبی) اور علامہ بیضاوی نے اھلکنا کا معنی کیا ہے اردنا اھلاکھا یعنی جب ہم نے ان کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر عذاب بھیجا۔ اس حالت میں فاء اپنے معنی پر رہے گی اور بعض علماء نے اسے فاء تفصیلیہ بتایا ہے یعنی ہلاکت کی تفصیل کا بیان ہے کہ بعض قوموں پر رات کو عذاب نازل ہوا جیسے قومِ لوط اور بعض پر دوپہر کے وقت جب وُہ قیلولہ کر رہے تھے جیسے حضرت شعیب کی قوم پر۔ قیلولہ کہتے ہیں دوپہر کے وقت سونا یا صرف آرام کرنا۔ وھی نوم نصف النھار وقیل الاستراحۃ نصف النھار اذا اشتد الحر وان لم یکن معھا نوم۔ (قرطبی)

۷ یعنی جب عذابِ الٰہی نے انھیں آ پکڑا تو لگے چیخنے پکارنے اور اعترافِ جرم کرنے لیکن اس وقت ان کی یہ چیخ و پکار اور اظہارِ ندامت ان کے کسی کام نہ آیا اور وُہ تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ آج بھی ہر قوم اور ہر فرد کے لیے ان آیات میں درسِ عبرت موجود ہے۔

۸ اُمتوں سے بھی بازپرس ہوگی اور انبیاء و رُسل سے بھی پُوچھا جائے گا۔

۹ اس آیت میں شبہ کا ازالہ کر دیا گیا جو شاید کسی کو ذہن کے دل میں پیدا ہو کہ کیا اللہ تعالیٰ کو ان باتوں کا علم نہ تھا کہ ان کے متعلق پُوچھنا شروع کر دیا۔ بتایا کہ ہمارے علم سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور ہمارا علم محیط ہر لمحہ ان کو اپنے احاطہ میں لیے ہُوئے تھا۔ اس پرسش میں حکمت یہ ہے کہ خود ان کی زبان سے ان باتوں کو منوا لیا جائے۔

غَآئِبِيْنَ ﴿٧﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ࣙالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ

ان سے غائب | اور (اعمال کا) تولنا اس دن برحق ہے 9 | پس جن کے بھاری ہوں گے ترازو

؎ اعمال کے وزن سے کیا مراد ہے؟ میزان کی شکل و صورت کیسی ہوگی؟ کس چیز کا وزن کیا جائے گا، اعمال کا یا ان صحائف کا جن میں اعمال مرقوم ہوں گے؟ ان سوالات کے متعلق کتب تفسیر میں لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں۔ فرقہ معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ اعمال اعراض ہیں۔ ان کے مادی اور محسوس اجسام نہیں ہیں۔ اس لیے ان کا وزن کیا جانا ناممکن ہے۔ نیز جب اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اچھے اور برے اعمال پر خوب آگاہ ہے تو پھر انہیں ترازو میں رکھ کر تولنا اور یہ دیکھنا کہ نیکی کا پلڑا جھکتا ہے یا برائی کا۔ یہ سب تکلف محض ہے۔ اس لیے وزن اعمال کا جہاں جہاں ذکر ہوا ہے معتزلہ کے نزدیک اس کا مطلب عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا ہے لیکن علماء اہل السنت والجماعت نے ان کی اس رائے کو غلط اور فاسد قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر اس طرح تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر ہر چیز میں تاویل ہو سکتی ہے۔ شیاطین اور جنات سے مراد اخلاق مذمومہ وغیرہ اور ملائکہ سے مراد صفات محمودہ اور صراط سے مراد دین حق لیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین، صحابہ کرام اور تابعین نے اس قسم کی تاویلات کو ہرگز اختیار نہیں کیا۔ نیز اعمال کے تولنے کی غرض و غایت یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کی نیکیاں اتنی ہیں اور برائیاں اتنی۔ جیسے معتزلہ نے سمجھا ہے۔ بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حقائق جو اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں ان کو آشکارا کر دیا جائے۔ اور ہر خاص و عام کو اپنے اعمال کی حقیقت پر مطلع کر دیا جائے۔ ایسی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عالم غیب کی جن حقیقتوں سے ہم کو آگاہ کیا گیا ہے اور قریب فہم کے لیے ان کو بعض ایسے عنوانوں سے تعبیر کیا گیا ہے جن سے ہم مانوس ہیں۔ تو ہم اپنے ذہنوں کی تنگ دامانی کے پیش نظر عالم غیب کے ان حقائق کو بھی ان محسوس قالبوں میں ڈھالنے لگتے ہیں جن کے ہم عادی ہیں۔ اور اس طرح قسم قسم کی الجھنوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان امور کو صحیح طور پر سمجھنے کا یہی محفوظ طریقہ ہے کہ جتنا کچھ اس مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے صدق دل سے اس پر ایمان لے آئیں اور اس کی تفصیلات میں جانے کی کوشش نہ کریں۔ قرآن نے بتایا کہ اعمال کا وزن ہوگا اور اس کے لیے ترازو رکھا جائے گا۔ اور سنت صحیحہ نے بتایا کہ اس میزان کے دو پلڑے ہوں گے۔ ہم اس پر بے چون و چرا ایمان لاتے ہیں۔ وہ ترازو کیسا ہوگا۔ اس کے پلڑوں کی نوعیت کیا ہوگی۔ اور اعمال جو مجردات ہیں ان کو کیونکر تولا جائے گا اس کے علم کو اللہ اور اس کے رسول مکرم کی طرف تفویض کر دیں اور ان کی تفصیلات متعین کرنے میں اپنا وقت ضائع اور ذہن پریشان نہ کریں۔ اگر انسانی عقل نے آج حرارت اور روشنی کے درجات کو ناپنے، ہوا اور پانی کے دباؤ کا اندازہ کرنے کے لیے مقیاس اور آلات ایجاد کر لیے ہیں تو اس خالق مطلق کی قدرت کاملہ سے کیا بعید ہے کہ وہ ایسا ترازو پیدا فرما دے جس میں اعمال نیک و بد کو تولا جا سکے۔ والوزن یومئذ الحق کی ترکیب میں علماء کے دو قول ہیں۔ الوزن موصوف الحق صفت مبتدا اور یومئذ خبر۔ یا الوزن مبتدا اور الحق خبر۔ میں نے ترجمہ میں اس دوسرے قول کو ہی اختیار کیا ہے۔

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ

تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں اور جن کے ہلکے ہوئے ترازو تو یہی لوگ ہیں

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ﴿٩﴾ وَ

جنھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو بوجہ اس کے کہ ہماری آیتوں کے ساتھ بے انصافی کیا کرتے تھے۔[11] اور

لَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا

یقیناً ہم نے ہی آباد کیا تمھیں زمین میں[12] اور مہیا کر دیے تمھارے لیے اس میں زندہ رہنے کے اسباب بہت ہی کم

مَّا تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا

تم شکر ادا کرتے ہو اور بے شک ہم نے پیدا کیا تمھیں[13] پھر (خاص) شکل و صورت بنائی تمھاری پھر حکم دیا ہم نے

[11] آیاتِ الٰہی سے بے انصافی اور ظلم کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ ان آیات میں غور و فکر نہ کرتے۔ ہدایت کی جو روشنی ان میں موجود تھی اس سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ بلکہ ضد اور عناد کے باعث ان آیات سے منہ موڑے رہتے۔

[12] اپنے احسانات کا ذکر فرما کر اپنے بندوں کو شکر گزاری کی ترغیب دی جا رہی ہے یعنی وہ ذات پاک جس نے تمھیں اس کرۂ ارضی پر آباد کیا۔ اور مزید برآں اس میں رہنے سہنے کی وہ صلاحیتیں ودیعت فرما دیں کہ ضرورت کی ساری چیزیں اس سے اُگتی ہیں۔ جا بجا پانی کے چشمے اُبل رہے ہیں۔ اس کے ان احسانات عظیمہ کے پیش نظر تو تم پر واجب تھا کہ تم اس کے احکام کی تعمیل میں ذرا سستی نہ کرتے لیکن یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ تم پھر بھی ناشکری کرتے ہو۔

[13] پہلے ان احسانات کا ذکر فرمایا جن سے ہماری زندگی وابستہ تھی۔ اب ہمیں اپنی تخلیق اور ان نوازشات کی طرف متوجہ کیا جن سے ہمیں اور ہمارے باپ ابو البشر آدم علیہ السلام کو سرفراز فرمایا گیا تھا۔ کلام میں ایک عقدہ حل طلب ہے۔ ارشاد ہے کہ ہم نے تمھیں پیدا فرمایا پھر تمھیں دلفریب صورت بخشی (ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ) پھر ہم نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا حالانکہ ہماری تخلیق اور تصویر سے پہلے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعدد جوابات دیے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی سب سے پسندیدہ جواب یہ ہے کہ ولقد خلقنٰکم کا معنی ہے ولقد خلقنا اباکم وصورنا کوای صورنا آدم ثم قلنا للملٰئکۃ الخ یعنی ہم نے تمھارے باپ آدم کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کرو۔ اور یہ اسلوب بیان قرآن میں عام ہے کہ خطاب حاضرین کو ہوتا ہے لیکن اس سے مراد ان کے اسلاف ہوتے ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم عصر یہودیوں کو فرمایا گیا واذ انجینٰکم من

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ

فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو ۱۴ے تو انھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ۱۵ے نہ تھا وہ سجدہ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ

کرنے والوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کس چیز نے روکا ۱۶ے تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب میں نے حکم دیا تجھے۔ ابلیس نے کہا

مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ

میں بہتر ہوں اس سے تو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تو نے پیدا کیا اسے کیچڑ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اتر جاؤ

آلِ فرعون یا واذ قتلتم نفسا۔ حالانکہ نجات ان کے آباؤ اجداد کو دی گئی تھی اور قتل بھی اس زمانہ کے بنی اسرائیل نے کیا تھا۔

۱۴ے پیدائش انسان کا اسلامی نظریہ اس نظریہ سے بالکل مختلف ہے جسے ڈارون اور اس کے پیروکاروں نے پیش کیا ہے ان کے نزدیک انسان سلسلۂ ارتقاء حیات کی ایک آخری کڑی ہے۔ دوسرے الفاظ میں انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے اس میں کوئی ذاتی شرف نہیں۔ اپنے نظریہ کی حمایت میں دلائل کا انبار لگانے والے اس گرہ کو آج تک نہ کھول سکے کہ کس طرح حیوان انسان بن گیا۔ اس کے برعکس قرآن کے نزدیک انسان ایک عظیم المرتبت اور جلیل القدر مستقل بالذات مخلوق ہے اس کا ظہور نائب خداوندی کی حیثیت سے ہوا ہے۔ اس کے علم کا سمندر ساحل آشنا نہیں۔ اس کی تخلیق تو میں نے مانا ہیں یہ تسلیم کہ اس کا خمیر خاک کے ذروں سے اٹھایا لیکن نفخت فیہ من روحی (میں نے اپنی روح اس میں پھونک دی) کی آمیزش سے یہ ذرے رشکِ مہر و ماہ بن گئے۔ یہاں تک کہ نوری کائنات کو از راہِ تعظیم ان کے سامنے سربسجود ہونا پڑا۔ وہ انسان جو حیوان کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے اس انسان سے کتنا پست اور فروتر ہے جو سطحِ زمین پر اللہ کے نائب کی حیثیت سے جلوہ نما ہوا جس کے علوم کی وسعت نے عالمِ بالا کے مکینوں کو سراسیمہ کر دیا۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ انسانی عظمت و شرافت کا علمبردار اسلام ہے یا ڈارون اور اس کے پرستار۔

۱۵ے اس کے متعلق تفسیری نوٹ سورۂ بقرہ میں گزر چکے ہیں۔ ملاحظہ ضیاء القرآن جلد اول آیت ۳۴، البقرہ

۱۶ے بسا اوقات کسی چیز کی قدر و قیمت کا اندازہ لگاتے وقت اس کی ظاہری شکل و صورت کو ہی پیشِ نظر رکھا جاتا ہے اور اس کے جوہر ذاتی سے قطع نظر کر لی جاتی ہے۔ ابلیس کو فقط یہی یاد رہا کہ آدم کی تخلیق خاک سے ہے اور اس کی آگ سے ہوئی ہے اور آگ افضل ہے خاک سے۔ اس لیے افضل کو یہ کب زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے سے کمتر کو سجدہ کرے۔ اس نادان کو یہ سمجھ نہ آئی کہ آدم کے سر پر تو خلافتِ الٰہی کا تاج ہے۔ اس کا دل وہ آئینہ ہے جس میں آفتابِ حقیقت کی کرنیں نور افشاں ہیں

مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ

یہاں سے ۱۶ مناسب نہیں ہے تجھے یہ کہ تو غرور کرے یہاں رہتے ہوئے پس نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں

الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝۱۴ قَالَ إِنَّكَ

سے ہے ۱۸ بولا مہلت دے مجھے اس دن تک جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۱۹ اللہ نے فرمایا بے شک تو

نفخت فیہ من روحی کا سِر نہاں اُس سے اوجھل رہا۔ آسے یہی نہ سُوجھی کہ جب نُورِ سجدہ کناں ہے تو نار کو سجدہ کرنے میں تامل کیوں ہو۔ بعض لوگ حضور رحمۃ للعالمین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ کی ظاہری بشریت میں یوں کھو کر رہ جاتے ہیں کہ حقیقتِ محمدیہ کی جلوہ سامانیوں کو ان کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی ؎

دل بینا بھی کر خدا سے طلب ؛ آنکھ کا نُور دل کا نُور نہیں

اور یہ بھی اُس کی سراسر غلط فہمی تھی کہ آگ خاک سے افضل ہے۔ حالانکہ اپنی صفات و خاصیات کے اعتبار سے جو رفعت خاک کو حاصل ہے وہ آگ کو نصیب نہیں۔ متانت و وقار، حلم و صبر خاک کے خواص ہیں۔ اس کے برعکس طیش و تیزی غرور اور ارتفاع آگ کے لوازم ہیں۔ اسی وجہ سے آدم سے لغزش ہوئی تو فوراً نادم ہو کر تائب ہوئے اور مقامِ قرب پر فائز ہوئے ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدیٰ۔ اور ابلیس سے نافرمانی ہوئی تو وہ اس پر اکڑ گیا اور ابدی شقاوت کا شکار ہو گیا۔

۱۷ نکل جاؤ! ہماری بارگاہِ قرب و رحمت میں صرف ان کے لیے جگہ ہے جو ہمارے ہر حکم کے سامنے سرافگندہ ہوں اکڑی ہوئی گردن والوں کا یہاں کیا کام۔ حضرت ابنِ مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ لا یدخل الجنۃ احد فی قلبہ مثقال ذرۃ من خردل من کبر (مسلم) یعنی جس کے دل میں رائی کے دانہ جتنا غرور ہو گا اس پر جنت کے دروازے بند ہوں گے۔

۱۸ صاغر اس ذلیل و حقیر کو کہتے ہیں جو اپنی ذلت اور پستی پر خوش ہو۔ الصاغر الراضی بالمنزلۃ الدنیۃ (راغب) اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ شیطان کس مقامِ عزت پر فائز تھا۔ اور جب حکمِ الٰہی سے سرتابی کی تو ذلت و رسوائی کی پستیوں میں پھینک دیا گیا۔

۱۹ حکمتِ الٰہی کا تقاضا یہی تھا کہ اسے مہلت دی جائے اور جب تک یہ دُنیا موجود ہے اس وقت تک حق و باطل کی آویزش جاری رہے۔ اس لیے اس کی درخواست قبول کر لی گئی۔

مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٥﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ

مہلت دیئے گیوں میں سے ہے۔ کہنے لگا اس وجہ سے کہ تو نے مجھے (اپنی رحمت سے) مایوس کر دیا ہے میں ضرور تاک میں بیٹھوں گا ان (کو گمراہ کرنے)

ئے کوئی ٹھوکر کھا کر سنبھل جائے تو اس کی خوش نصیبی، اور جو ٹھوکر کھا کر سنبھلنا تو درکنار، جان بوجھ کر ٹھوکر پر ٹھوکر کھاتے چلے جانا ہی اپنا شیوہ بنا لے تو اُسے ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے کیوں بچایا جائے۔ شیطان نے ایک حکم عدولی کی۔ اس پر نادم اور تائب ہونے کے بجائے اَور اکڑتا چلا گیا اور آدم کے حسد نے اسے یوں حواس باختہ اور گستاخ کر دیا کہ ربّ العزت کو چیلنج دے دیا کہ جس انسان کی تو نے اتنی تکریم کی ہے اور جس کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں تو نے مجھے اپنی درگاہ رحمت سے دھتکار دیا ہے۔ ان کو میں اپنے مکر و فریب کے شکنجہ میں یوں کسوں گا کہ وہ تیرے نافرمان اور میرے فرماں بردار بن جائیں گے۔ لغوی تشریح: باسببیہ ہے۔ اغواء کا استعمال مختلف معنوں میں ہوتا ہے۔ کسی کو راہ راست سے بھٹکا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ کسی کو ایسا حکم دینا جس کی نافرمانی اس کی گمراہی کا باعث بن جائے اس کو بھی اغواء کہا جاتا ہے۔ نیز کسی کو اس کی گمراہی کی سزا دینے کو بھی اغواء کہتے ہیں۔ جیسے ان کان الله یرید ان یغویکم یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہاری گمراہی کی تمہیں سزا دے۔ اس آیت میں آخری دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو سجدہ نہ کرنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن کیونکہ اس حکم سے سرتابی شیطان کی گمراہی کا سبب بن گئی اس لیے اغویتنی کے لفظ سے تعبیر کیا جو لفظ اغواء کا دوسرا معنی ہے۔ یا آدم کو سجدہ نہ کرنے کی سزا میں اسے جنت سے نکال دیا گیا تھا اس لیے یہ لفظ استعمال کیا جو اس کا تیسرا معنی ہے۔ یہ شیطان کی دوسری بے سمجھی تھی کہ وہ اس بات پر پیچ و تاب کھا رہا تھا کہ اسے ایسا حکم ہی کیوں دیا گیا جس کی تعمیل کے لیے وہ تیار نہ تھا۔ حالانکہ اس کا کام حکم الٰہی کے سامنے بے چون و چرا سر جھکا دینا تھا نہ کہ اس بحث میں الجھنا کہ ایسا حکم کیوں دیا اور ایسا کیوں نہ دیا۔ واغواه فهو غوی ومنه قوله تعالیٰ حكاية عن ابليس فبما اغويتني اي اضللتني و قيل فبما دعوتني الى شيء غويت به واما قوله تعالیٰ ان كان الله يريد ان يغويكم فقيل معناه ان يعاقبكم على الغي وقيل يحكم عليكم بغيكم (تاج العروس) علامہ قرطبیؒ نے اغواء کے دو مزید معنے مایوس کرنا اور ہلاک کرنا بھی بیان کیے ہیں۔ وقيل خيبتني من رحمتك وقيل المعنى فبما اهلكتني بهلاكي والاغواء الاهلاك (قرطبی) ترجمہ میں میں نے علامہ قرطبیؒ کے بیان کردہ پہلے معنی کو ہی اختیار کیا ہے۔ ابلیس کی بے باکی اور گستاخی سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ اپنی غلطی کا الزام اللہ تعالیٰ پر لگا رہا ہو کہ تو نے مجھے گمراہ کیا جیسے شریر مجرموں کا دستور ہے۔

الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

کے بیٹھ تیرے سیدھے راستہ پر پھر میں ضرور آؤں گا ان کے پاس ۱۱ (بہکانے کے لیے) ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے

وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾

اور ان کے دائیں اور ان کے بائیں سے اور تو نہ پائے گا ان میں سے اکثر کو شکرگزار

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ

فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل (اور) راندہ ہوا ۱۲ جو کوئی تیری پیروی کرے گا ان میں سے تو یقیناً میں بھر دوں گا

جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

جہنم کو تم سب سے۔ اور اے آدم! رہو ۱۳ تم اور تمہاری بیوی جنت میں

۱۱ یعنی میں اولاد آدم کو راہ راست سے بھٹکانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ انھیں ہر سمت سے اپنے گھیرے میں لے لوں گا۔ شکوک و شبہات کے کانٹے بچھوؤں گا۔ ان کے سامنے نیکی کے راستہ میں سد سکندری بن کر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور اگر یہ کوئی نیکی کر بیٹھیں گے تو اس میں ریا کی زہر گھولنے کی سعی کروں گا۔ غرضیکہ اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کروں گا۔
اي لاصدنهم عن الحق وارغبهم في الدنيا واشككهم في الآخرة (قرطبی)

۱۲ مذءوم اور مذموم دونوں ہم معنی ہیں۔ قال ابن زيد مذءوما ومذموما بمعنى سواء (قرطبی)

۱۳ آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے جرم میں ابلیس جنت سے نکال دیا گیا۔ اور آدم و حوا کو نعیم جنت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن یہ گل و ریحان کی وادی جہاں کیف و سرور اور نکہت و نور کی نسیم خوش خرام ناز بھی، ایک ایسے راہرو کی آخری منزل نہیں ہو سکتی جس کے ناصبور دل اور سیمابی فطرت کی قسمت میں کانٹوں کو پھول اور ریگستان کو گلستان اور ظلمت کدوں کو بقعۂ نور بنانا لکھا جا چکا تھا۔ کوثر و سلسبیل کی زمزمہ خیز موجیں اس دل کو نہ بہلا سکیں جس کو اس کے خالق نے طوفان خیز سمندروں کو زیر نگیں کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ اب اس کو گوشۂ عافیت سے نکال کر عمل کے میدان میں لا کھڑا کرنے کی دو صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ تسبیح و تہلیل کرتے ہوئے فرشتوں کا ایک جلوس ہمراہ ہوتا اور آدم کی سواری جنت سے روانہ ہو کر اس خاکدان ارضی میں آ اترتی۔ دوسری صورت وہ تھی جو اختیار کی گئی۔ بظاہر پہلی صورت شان آدم کے زیادہ شایاں معلوم ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کی مقتضی نہ ہوئی۔ اس طرح بے شک آپ ناز و نعمت اور عزت و جاہ کے مظہر بن کر تو ظاہر ہوتے لیکن سوز عشق، درد فراق، آتش شوق، نیازمندی اور نالہ و زاری کے جذبۂ لطیف

فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا

اور کھاؤ جہاں سے چاہو اور مت نزدیک جانا اس (خاص) درخت کے ورنہ تم دونوں ہو جاؤ گے

مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا

اپنا نقصان کرنے والوں سے ۲۴ پھر وسوسہ ڈالا ۲۵ ان کے دلوں میں شیطان نے تاکہ بے پردہ کردے ان کے لیے

اور پاکیزہ جذبات سے آپ کے دل کی دنیا نا آشنا رہتی اور قرب و رضا کا وہ مقام جو محض عجز و انکساری، گریہ و زاری، دل کی بے چینی اور روح کی بے قراری کے عوض بخشا جاتا ہے وہاں تک آپ کی رسائی نہ ہوتی۔ اس لیے قصد و نیت کے بغیر اس شجر ممنوعہ کو چکھ بیٹھے۔ غیرت الٰہی اتنا بھی برداشت نہ کرسکی۔ زیر عتاب آگئے جنت سے نکال دیا۔ نگاہ لطف و کرم کے برگشتہ ہونے سے غم و اندوہ کے بادل گھر آئے۔ شور و فغاں کی بجلیاں کڑکنے لگیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی جس نے شجر محبت کی آبیاری کی۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے ہوئے دل کے سوز و گداز نے اسے زندگی کی حرارت بخشی۔ یہاں تک کہ آپ کی وہ ساری کی ساری صلاحیتیں بیدار ہو گئیں جن کا خلافت الٰہی کے تخت پر متمکن ہونے سے پہلے بیدار ہونا ضروری تھا۔ فظهر سر الخلافة والمحبة والمحنة والتحقق بمظاهر الجمال والجلال كالتواب والغفور والعفو والقهار والستار (روح البیان) ترجمہ: یوں گریہ پیہم کی برکت سے خلافت کا راز آشکارا ہوا۔ محبت اور محنت کی حقیقت پر آگاہی حاصل ہوئی۔ اور جمال و جلال خداوندی کے آپ مظہر بنے۔ مختلف اسماء حسنیٰ تواب، غفار، قہار اور ستار کی جلوہ نمائی ہوئی۔

۲۴ صاحب تاج العروس نے لفظ ظلم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظلم کا لغوی معنی نقصان اور خسارہ ہے۔ اسی تحقیق کے مطابق اس آیت کا وہ معنی ہو گا جو میں نے کیا ہے۔ نقل شيخنا عن بعض ائمة الاشتقاق ان الظلم في اصل اللغة النقص (تاج العروس) اور بطور استشہاد یہ آیت پیش کی ہے۔ كلتا الجنتين آتت اكلها ولم تظلم منه شيئا اي ولم تنقص۔ نیز لفظ ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے خواہ وہ تجاوز زیادہ ہو یا تھوڑا۔ اسی وجہ سے کفر، شرک اور گناہ کبیرہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور گناہ صغیرہ پر بھی۔ اسی لیے شیطان کو بھی ظالم کہا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو بھی۔ اگرچہ ان دونوں کے ظالم ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ والظلم يقال في مجاوزة الحق الذي يجري مجرى نقطة الدائرة ويقال فيما يكثر ويقل من التجاوز ولهذا يستعمل في الذنب الكبير وفي الذنب الصغير ولذلك قيل في آدم في تعديه ظالم وفي ابليس ظالم وان كان بين الظالمين بون بعيد (مفردات)

۲۵ علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے وسوسہ کے دو معنی لکھے ہیں۔ ۱۔ الصوت الخفی، دھیمی دھیمی آواز۔ (۲) حدیث النفس

وُرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ

جو چھپایا گیا تھا ان کی شرم گاہوں سے ۲۶ اور (ابلیس) کہا کہ نہیں منع کیا تمہیں تمہارے رب نے اس

الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَ

درخت سے مگر اس لیے کہ کہیں بن جاؤ تم ۲۷ دونوں فرشتے یا کہیں تم ہو جاؤ ہمیشہ زندہ رہنے والوں سے اور

دل کے خیالات شیطان نے کس طرح آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا؟ بعض نے تو یہ کہا ہے کہ آدم علیہ السلام جنت کے دروازے پر آئے اور شیطان نے چھپکے سے ان کو یہ بات کہہ دی بعض کی رائے یہ ہے کہ وہ سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں گیا اور آدم کو بہکایا وغیرہ وغیرہ لیکن زیادہ صحیح رائے حضرت حسن بصری کی ہے کہ شیطان کو یہ قوت دی گئی تھی کہ وہ زمین پر رہتے ہوئے آدم وحوا کے قلوب میں وسوسہ ڈال سکے۔ قال الحسن کان یوسوس من الارض الی السماء والی الجنة بالقوة الفوقیة التی جعلها الله تعالیٰ له (رازی) وقیل من خارج السلطنة التی جعلت له (قرطبی) صوفیاء کرام کے نزدیک تو دور سے توجہ باطنی کا اثر مسلمات سے ہے لیکن آج کل کے فلاسفر بھی اس کے منکر نہیں۔ قدیم فلاسفہ اشراقیین دور دراز سے محض اپنی قلبی توجہ سے اپنے شاگردوں کی اصلاح و تربیت کیا کرتے تھے۔ مسمریزم میں بھی عامل محض اپنی توجہ سے معمول کو بے ہوش کرتا ہے اور اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام کراتا ہے۔

۲۶ لام عاقبت کے لیے ہے یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنتی لباس اتار دیا گیا اور وہ اپنے آپ کو برہنہ دیکھنے لگے۔

۲۷ اس نے وسوسہ یہ ڈالا کہ یہ درخت جس کے قریب جانے سے تمہیں روک دیا گیا ہے اس کی تاثیر یہ ہے کہ جو اس کا پھل کھائے گا اس میں فرشتوں کے سے خصائص پیدا ہو جائیں گے اور اسے حیات جاوید نصیب ہو جائے گی۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جب آپ مسجود ملائکہ تھے تو پھر آپ کے دل میں اپنے سے فروتر مخلوق بننے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کیونکہ آپ کو علم تھا کہ فرشتے زندۂ جاوید ہیں اس لیے آپ کے دل میں بھی ہمیشہ زندہ رہنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ طمع آدم فی الخلود لانه علم ان الملائکة لا یموتون الی یوم القیامة (القرطبی) بعض لوگوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ملائکہ انبیاء سے افضل ہیں۔ اس کا جواب علامہ بیضاوی نے یہ دیا ہے کہ آدم علیہ السلام کا مقصد یہ نہ تھا کہ ان کی حقیقت بشری حقیقت ملکی سے بدل جائے کیونکہ ایسا ہونا تو ناممکن تھا۔ آپ کا مدعا صرف یہ تھا کہ فرشتوں کے فطری کمالات اور طبعی خصوصیات مثلاً کھانے پینے سے استغناء وغیرہ سے بھی آپ کو متصف کر دیا جائے اس سے ملائکہ کی فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی۔ وجوابه انه کان المعلوم ان الحقائق لا تنقلب وانما کانت

وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِينَ ﴿٢١﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا

قسم اٹھائی ان کے سامنے کہ میں تم دونوں کا خیرخواہ ہوں ٣١ پس شیطان نے نیچے گرا دیا ان کو دھوکے سے ٣٢ پھر جب

ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

دونوں نے چکھا (اس) درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور چپکانے لگ گئے اپنے (بدن) پر

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۖ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

جنت کے پتے اور ندا دی انہیں ان کے رب نے کیا نہیں منع کیا تھا میں نے تمہیں اس

الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا

درخت سے اور کیا نہ فرمایا تھا تمہیں کہ بلاشبہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے دونوں نے

رغبتهما في ان يحصل لهما ما للملائكة من الكمالات الفطرية والاستغناء عن الاطعمة والاشربة وذلك لا يدل على فضلهم مطلقا (بیضاوی)

٣١ ابلیس نے اپنی بات کا یقین دلانے کے لیے اللہ کا نام لے لے کر قسمیں کھائیں۔ آدم علیہ السلام اب اس کو جھٹلا نہ سکے کیونکہ یہ بات آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی کہ شیطان لاکھ نافرمان اور بے ایمان اور میرا دشمن سہی لیکن وہ جھوٹی قسم بھی کھا سکتا ہے۔ کریم الفطرت انسان کا اپنی پاک نفسی کے باعث کسی عیار کے مکروفریب میں آجانا کوئی مشکل بات نہیں ہے

ان الكريم اذا تشاء خدعته

وترى اللئيم مجربا لا يخدع (ابن قطویہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب اپنے کسی غلام کو عبادتِ الٰہی میں ذوق و شوق سے سرگرم دیکھتے تو اسے آزاد کر دیتے۔ چنانچہ آپ کے اکثر غلام اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے اور آپ حسبِ عادت انہیں آزاد کر دیتے۔ آپ کو عرض کی گئی کہ آپ کے غلاموں کی یہ عبادتیں اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ آپ کو فریب دینے کے لیے ہیں تو آپ فرماتے۔ من خادعنا بالله انخدعنا۔ جو ہمیں اللہ کے نام سے دھوکہ دیتا ہے ہم اس کے دھوکہ میں آنے کے لیے تیار ہیں۔

٣٢ تدلیہ اور ادلاء دونوں کا معنی ہے کسی چیز کو اوپر سے نیچے لے جانا۔ فدلاهما فالتدلية والادلاء ارسال الشيء من الاعلى الى الاسفل (بیضاوی) یعنی شیطان نے آپ کو دھوکا اور فریب سے اپنے مرتبہ رفیعہ سے نیچے گرا دیا جنت کی بلندیوں

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

عرض کی اے ہمارے پروردگار! ۲۲ ظلم کیا ہم نے اپنی جانوں پر اور اگر نہ بخشا تو نے ہمیں اور نہ رحم فرمایا ہم پر تو یقیناً ہم نقصان

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي

اٹھانے والوں سے ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیچے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لیے زمین

الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَ

میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک نیز فرمایا اسی زمین میں تم زندہ رہو گے اور

فِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ

اسی میں مرو گے اور اسی سے تم اٹھائے جاؤ گے ۲۳ اے اولادِ آدم ۲۴ بےشک اتارا ہم نے تم پر

سے زمین کی پستیوں میں پہنچا دیا۔

۲۲؎ اگرچہ یہ خطا سہواً اور بلاقصد سرزد ہوئی تھی لیکن آدم علیہ السلام سراپا ندامت بن کر توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ کاملین کا یہی شیوہ ہے کہ معمولی سی خطا پر بھی کانپ اٹھتے ہیں اور آنسوؤں کے دریا بہا دیتے ہیں۔ اور اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور ریاضتوں کو پرِکاہ کی اہمیت بھی نہیں دیتے بلکہ اپنے ربِ کریم کے دامنِ رحمت میں ہی پناہ تلاش کرتے ہیں۔ سنن عادۃ الاولیاء والصالحین فی استعظام الصغیر من السیئات واستصغار العظیم من الحسنات (کشاف)
امام ابی حیان اندلسی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ پانچ چیزیں آدم کی نجات کا باعث بنیں۔ (۱) اپنی غلطی کا اعتراف (۲) اس پر ندامت (۳) اپنے آپ کو اس پر ملامت کرنا (۴) توبہ (۵) اور رحمتِ الٰہی پر آس۔ اور پانچ چیزیں شیطان کی تباہی کا باعث بنیں (۱) اپنے جرم کو تسلیم نہ کرنا (۲) نادم نہ ہونا (۳) ارتکابِ جرم پر اپنے آپ کو ملامت نہ کرنا بلکہ اس کے صادر ہونے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دینا (فبما اغویتنی) (۴) توبہ نہ کرنا (۵) اور رحمتِ الٰہی سے مایوس ہو جانا۔

۲۳؎ یعنی تمہارا مسکن اصلی و معتاد یہی زمین ہے اگر خرقِ عادت کے طور پر کوئی شخص کسی وقت ایک معین وقت کے لیے اس سے اوپر اٹھا لیا جائے مثلاً حضرت مسیح علیہ السلام تو وہ اس آیت کے منافی نہیں۔ کیا جو شخص چند روز یا چند گھنٹے کے لیے زمین سے جدا ہو کر ہوائی جہاز میں مقیم ہو یا فرض کیجیے وہیں مر جائے تو وہ فیہا تحیون وفیہا تموتون کے خلاف ہوگا؟ کیونکہ وہ اس وقت زمین پر نہیں ہے معلوم ہوا کہ اس قسم کے قضایا کلیہ کے رنگ میں استعمال نہیں ہوتے۔ (حاشیہ علامہ عثمانی)

۲۴؎ عرب کے بعض مشرک قبیلے طوافِ کعبہ کے وقت اپنا لباس اتار دیتے۔ مرد اور عورتیں مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرتے۔ اور

لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ

لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرمگاہوں کو اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے ۳۳؎

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۳۴؎ اے اولادِ آدم! نہ فتنہ میں مبتلا کردے تمہیں

سے کمال تقویٰ خیال کیا جاتا۔ نہ صرف عرب بلکہ دنیا کی اکثر قومیں اپنی مذہبی رسوم وعبادات کی ادائیگی کے وقت شرم وحیا کی چادر اتار پھینکتی ہیں۔ ہردوار اور بنارس میں اشنان کرنے والوں کے متعلق کسے معلوم نہیں کہ وہاں عریانی اور برہنگی کا کتنا شرمناک مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اور آج تو ثقافت وفن کی کسی محفل میں گرمی پیدا ہی نہیں ہوتی جب تک شرم وحیا کی ساری قدروں کو پاؤں تلے نہ روند ڈالا جائے۔ اس لیے یہاں خطاب کسی خاص قوم یا قبیلہ کو نہیں بلکہ لباس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ساری اولادِ آدم کو خطاب فرمایا جا رہا ہے۔ آیت میں لباس کے دو فائدے بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سترِ عورت کا کام دیتا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ انسان کی آسائش اور زینت کا باعث ہے۔

لغوی تحقیق: انزلنا کا لغوی معنی تو اوپر سے نیچے اتارنا ہے۔ یہاں لباس کے لیے اس کا استعمال بطورِ مجاز ہے یعنی بارش جو کپاس وغیرہ کی روئیدگی اور حیوانات (جن کی اون سے گرم کپڑے بنتے ہیں) کی زندگی کا سبب ہے۔ وہ کیونکہ اوپر سے نازل ہوتی ہے تو گویا لباس بھی اوپر سے ہی نازل ہوا۔ تسمیۃ المسبب باسم السبب۔ اور بعض علماء نے کہا انزل بمعنی خلق ہے۔ اور یہ استعمال بھی عام ہے۔ جیسے وانزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج۔ سوأۃ: جسم کا وہ حصہ جس کا ننگا کرنا قبیح ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں مرد کے لیے ناف سے لے کر گھٹنوں تک ڈھانپنا ضروری ہے اور عورت کے لیے نامحرم سے سارے بدن کا ڈھانپنا لازمی ہے۔ ریش: پرندوں کے پر و بال۔ وہ ان کے لیے زیب وزینت کا باعث بھی ہیں۔ اسی طرح لباس انسان کے لیے۔

۳۳؎ دنیا کا کوئی قیمتی سے قیمتی لباس بھی اس کی خوشنمائی اور پائیداری کا مقابلہ نہیں کر سکتا ؎

اذا المرء لم یلبس ثیابا من التقی　　تقلب عریانا وان کان کاسیا

جب تک کوئی شخص تقویٰ کا لباس زیبِ تن نہ کرے گا تو وہ ننگا ہے اگرچہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے ہوں

وخیر لباس المرء طاعۃ ربہ　　ولا خیر فیمن کان للہ عاصیا

اطاعتِ خداوندی سب سے بہتر لباس ہے اور جو اللہ کا نافرمان ہو اس میں نام کو بھلائی نہیں ہے

۳۴؎ لباس، اس کے لیے ایسے مواد کا مہیا کر دینا جس سے یہ تیار ہو سکے اس کے علاوہ انسان میں لباس کی خواہش ودیعت کر دینا، پھر ایسے لباس تیار کرنے کی سمجھ عطا فرما دینا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور علم کی ناقابلِ انکار دلیلیں ہیں۔

الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا

شیطان ٣٢ جیسے نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے (اور) اتروا دیا ان سے ان کا لباس

لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ

تا کہ دکھا دے انھیں ان کے پردہ کی جگہیں۔ بے شک دیکھتا ہے تمھیں وہ اور اس کا کنبہ جہاں سے تم نہیں دیکھتے ہو انھیں ٣٣

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا

بلاشبہ ہم نے بنا دیا ہے شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہیں لاتے ٣٤ اور جب کرتے ہیں کوئی

فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ

بے حیائی کا کام ٣٥ (تو) کہتے ہیں پایا ہم نے ایسا ہی کرتے ہوئے اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے بھی ہمیں حکم دیا اس کا۔ آپ فرمائیے بے شک

٣٢ قصہ آدم بیان کرنے کا مدعا اور مقصد بتا دیا کہ اے اولاد آدم اس شیطان کے مکر و فریب سے بچنا جو تمھارا ازلی دشمن ہے ایسا نہ ہو کہ جیسے اس نے تمھارے ماں باپ کو دھوکہ دیا تمھیں بھی وہ راہ حق سے منحرف کر دے اور تم بھی معتوب ہو جاؤ۔

٣٣ وہ دشمن جو دین و ایمان کا دشمن ہو اور کھل کر سامنے نہ آئے بلکہ غیر مرئی طور پر رگ و ریشہ میں نفوذ کر جائے اور دوست اور خیر خواہ کا روپ بھر کر دل میں وسوسہ اندازی کرے اس کی طرف سے تغافل برتنا بہت بڑی غلطی ہے۔ اس لیے اس سے چوکنا رہنے کی ہدایت فرمائی جا رہی ہے حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر تیرا دشمن ایسا ہے کہ وہ تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو ایک ایسی ہستی (اللہ تعالیٰ) کی پناہ میں آجا جو تیرے دشمن کو دیکھتا ہے لیکن وہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ قال ذوالنون ان کان ھو یراک من حیث لا تراہ فاستعن بمن یراہ من حیث لا یراہ وھو اللہ القھار الستار۔ (مظہری)

٣٤ کفار کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول کو اپنا دوست اور مددگار بنالیں اور چاہے شیطان کے ساتھ اپنی دوستی کا رشتہ جوڑ لیں۔ جب انھوں نے شیطان کی دوستی کو ترجیح دی تو ہم نے ان کو روکا نہیں بلکہ جس کو انھوں نے دوست بنانا چاہا انھیں اس کو دوست بنانے دیا۔ انا جعلنا کا یہی مطلب ہے اور اس کی تائید بعد میں آنے والی آیت کریمہ سے ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شیطان اور کفار کے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ ہم نے مستحکم کیا اور ان کو اس کی دوستی پر مجبور کر دیا۔

٣٥ فاحشہ کہتے ہیں اس چیز کو جو حد درجہ قبیح اور معیوب ہو۔ فعلۃ متناھیۃ فی القبح (بیضاوی) یہاں اس سے

اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

اللہ حکم نہیں دیتا بے حیائیوں کا ۵۱ کیا ایسی بات لگاتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۟ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

آپ فرمائیے حکم دیا ہے میرے رب نے ۵۲ عدل و انصاف کا اور سیدھا کرو اپنے چہرے (قبلہ کی طرف) ہر نماز کے وقت

وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ؕ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ؕ

اور عبادت کرو اس کی اس حال میں کہ تم خالص کرنے والے ہو اس کے لیے عبادت کو جس طرح اس نے پیدا کیا تھا تمھیں ویسے ہی تم لوٹو گے

فَرِیْقًا هَدٰی وَ فَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا

ایک گروہ کو اللہ نے ہدایت دے دی اور ۵۳ ایک گروہ ہے کہ مقرر ہو گئی ان پر گمراہی انھوں نے بنا لیا

مگر ان کے سارے عقائد باطلہ اور اعمال قبیحہ ہیں۔ والظاهر انه يعم كل كبيرة (مظہری) یعنی جب کبھی انھیں ایسی بیہودگیوں سے روکا جاتا تو وہ کہنے لگتے کہ ہمارے باپ دادا کا یہی طریقہ تھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے۔

۵۱ ایسے قبیح اعمال اور باطل عقائد جن کو عقل سلیم قبول نہیں کرسکتی اللہ تعالیٰ ان کا حکم کیسے دے سکتا ہے۔

۵۲ بیان مفہوم سے پہلے چند الفاظ کی تحقیق ضروری ہے۔ (۱) القسط: وهو الوسط من كل امر المتجافي عن طرفي الافراط والتفريط (بیضاوی) یعنی اعتقاد و عمل میں ہر طرح کی بے راہروی اور افراط و تفریط اور مبالغہ آمیزی سے دامن بچا کر درمیانہ روی اختیار کرنا۔ (۲) اقیموا: اقامة الشيء اعطاء الشيء حقه وتوفيته شروطه یعنی کسی چیز کا حق اس کی تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے ادا کرنا۔ (۳) الوجه: المراد منه توجيه القلب وصحة القصد (المنار) دل توجہ اور نیت صحیحہ (۴) مسجد: ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی یعنی سجدہ کرنے کا وقت یا سجدہ کرنے کی جگہ۔ (۵) ادعوه اعبدوه۔ عبادت کرو (بیضاوی، ترجمہ شاہ ولی اللہ وغیرہ) آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان واہیات باتوں کا حکم نہیں دیا جیسے کفار کا دعویٰ ہے بلکہ اس کا فرمان تو یہ ہے کہ ہر بات میں میانہ روی اختیار کریں۔ افراط و تفریط سے دور رہیں نماز کے وقت خضوع و خشوع کے ساتھ دل کی ساری توجہ یاد الٰہی میں مرکوز کردیں اور اس کی عبادت میں کسی اور کو کسی طرح شریک نہ کریں۔

۵۳ یعنی وہ لوگ جنھوں نے اللہ کی دی ہوئی سمجھ سے صحیح کام لیا اور اس کے عطا فرمودہ اختیار اور آزادی کو اس کے حکم کا پابند بنا دیا انھیں راہ ہدایت دکھا دی گئی اور اس پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دی گئی۔ اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر

الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

شیطانوں کو (اپنا) دوست اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے آدم کی اولاد! پہن لیا کرو اپنا لباس ہر نماز کے وقت اور کھاؤ اور پیو

ع ۳ / ۱۰

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ

اور فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا فضول خرچی کرنے والوں کو۔ آپ فرمائیے کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو

شریروں اور مفسدوں سے دوستی و محبت کا رشتہ جوڑ لیا۔ ان کے مقدر میں گمراہی لکھ دی گئی اور وہ بدنصیب اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں عین باصواب ہے۔ اور یہ صرف اس وقت کے باطل پرستوں کا خیال نہ تھا بلکہ آج بھی راہِ حق سے بھٹکے ہوئے افراد اور قومیں بڑی شدومد اور وثوق سے اپنی گمراہی کو عین حق کہتی ہیں۔ ان پر گمراہی مسلط کرنے کی وجہ بیان فرما دی کہ انھوں نے خود شیطان کی رفاقت اختیار کی اور اللہ اور اس کے رسول کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور خود کردہ را نیست علاج۔

۲۸ جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے کہ کفار کپڑے اتار کر طواف کرنے کو کمال تقویٰ خیال کیا کرتے تھے۔ نیز حج کے دنوں میں گھی اور گوشت کا استعمال بھی ترک کر دیتے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ مسلمان صاف و سفید احرام کی چادریں زیب تن کر کے مصروفِ طواف ہیں اور گھی گوشت وغیرہ بلا تکلف استعمال کرتے ہیں تو یہ طریق کار انھیں اپنے زہد و تقویٰ کے معیار سے بہت فروتر معلوم ہوا تو لگے مسلمانوں پر زبانِ طعن دراز کرنے اور ان پر دنیا پرستی اور لذت طلبی کا الزام لگانے۔ قرآن فرماتا ہے کہ زینت و آرائش کی جن چیزوں اور عمدہ لذیذ کھانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے حلال کیا ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے انھیں حرام اور ممنوع قرار دے دے۔ امام فخر الدین رازیؒ نے عمدہ لباس کے علاوہ زیب و زینت کی تمام اشیاء کو اس آیت میں داخل کیا ہے۔ خواہ ان کا تعلق لباس کی نفاست، جسم کی نظافت، گھر کی صفائی اور آرائش سے ہو یا لذیذ کھانوں اور بہترین سواری سے ہو بشرطیکہ شریعت نے اسے حرام نہ قرار دیا ہو اور اس میں فضول خرچی کا ارتکاب بھی نہ ہو۔ انه يتناول جميع انواع الزينة ويدخل تحتها تنظيف البدن من جميع الوجوه ويدخل تحتها المركوب الخ (کبیر)

اسی لیے مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب کبھی اپنے احباب کی ملاقات کے لیے جاتے تو عمدہ لباس پہن کر جاتے۔ قال ابو العالية كان المسلمون اذا تزاوروا تجملوا (قرطبی) حضورِ اکرم و اطہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی احباب کی ملاقات اور عام اجتماعات کے موقع پر خصوصی اہتمام فرمایا کرتے۔ چنانچہ حضرت مکحول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت

الَّتِيٓ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِؕ قُلۡ هِيَ لِلَّذِيۡنَ

جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے اور (کس نے حرام کیے) لذیذ پاکیزہ ۳۳ کھانے آپ فرمائیے یہ چیزیں اہل

اٰمَنُوۡا فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

ایمان لوگوں کے لیے ہیں اس دنیوی زندگی میں بھی (اور) صرف انہیں کے لیے ہیں قیامت کے روز یونہی ہم مفصل بیان کرتے ہیں

الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝ قُلۡ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الۡفَوَاحِشَ مَا

آیتوں کو ان لوگوں کے لیے جو حقیقت کو جانتے ہیں۔ آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے ۳۵ میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو

ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَ وَالۡاِثۡمَ وَالۡبَغۡيَ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ وَاَنۡ تُشۡرِكُوۡا

ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور حرام کر دیا گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ

کرتے ہیں کہ رحمت عالمیان گھر تشریف فرما تھے اور باہر بعض لوگ منتظر کھڑے تھے۔ حضور جب باہر تشریف لے جانے لگے تو اپنی ریش مبارک اور گیسو ہائے عنبریں کو درست فرمایا اور عمامہ مبارکہ کو سنوارا۔ میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! آپ بھی یوں اہتمام فرماتے ہیں؟ قال نعم اذا خرج الرجل الی اخوانہ فلیھیئ من نفسہ فان اللہ جمیل یحب الجمال تو حضور نے فرمایا ہاں۔ جب کوئی اپنے بھائیوں کی ملاقات کے لیے جائے تو تیار ہو کر جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہے اور جمال کو پسند بھی فرماتا ہے۔ (القرطبی)

۳۳ طیبات سے مراد وہ لذیذ طعام ہے جو حلال ذریعہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ الطیبات اسم عام لما طاب کسبا وطعما۔

۳۴ یعنی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے حقدار اہل ایمان ہی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دنیا میں اہل ایمان کے علاوہ اور لوگ بھی ان سے متمتع ہوتے رہیں گے لیکن آخرت میں یہ نعمتیں ان خوش نصیبوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں گی جنہوں نے اپنے منعم کو پہچانا اور اس کی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن وہ نادان جو عمر بھر اس کی نعمتوں سے تو فائدہ اٹھاتے رہے لیکن اس کریم کو نہ پہچانا اور نہ اس کا شکریہ ادا کیا انہیں اس روز محروم کر دیا جائے گا۔

۳۵ حلت وحرمت میں انسانی خواہش کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال فرما دے اور حرام وہ ہے جسے وہ حرام قرار دے۔ پہلے کفار ومشرکین کی حرام کردہ اشیاء کے متعلق بتایا کہ یہ محض ان کی اپنی گھڑی ہوئی باتیں ہیں حقیقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ اس آیت میں ان امور کی تصریح فرمائی جن کو اس علیم وحکیم نے حرام قرار دیا ہے۔ یہاں حرام کی مختلف انواع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ (۱) فواحش اس کا واحد فاحشۃ ہے جس کا معنی انتہائی قبیح فعل ہے لیکن عرف عام

بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا

اللہ کے ساتھ جس کے لیے نہیں اُتاری اللہ نے کوئی سند اور یہ کہ تم کہو اللہ پر ایسی بات جو

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

تم نہیں جانتے ہو اور ہر اُمت کے لیے ایک وقت مقرر ہے سو جب آجائے ان کا مقررہ وقت تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ

ہیں ایک لمحہ اور نہ وہ آگے بڑھ سکتے ہیں اے اولادِ آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے

يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

جو بیان کریں تم پر میری آیتیں تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کرلی تو نہیں ہے کوئی خوف ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

وہ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے بہتان باندھا

ہیں اس کا معنی زنا ہے۔ قرآن نے بھی زنا کے متعلق یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ انه کان فاحشة۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر قسم کا زنا حرام ہے۔ چوری چھپے کیا جائے یا اعلانیہ۔ دوسری قسم اثم ہے۔ اس کا لغوی معنی گناہ ہے لیکن شراب کے کثیر التعداد ناموں سے ایک یہ بھی ہے۔ حسن بصری نے یہاں اثم کا معنی شراب کیا ہے۔ قال الحسن الاثم الخمر قال الشاعر۔ شربت الاثم حتی ضل عقلی۔ کذلك الاثم تذهب بالعقول (یعنی میں نے شراب پی یہاں تک کہ میں بے ہوش ہوگیا شراب اسی طرح عقل کو ضائع کر دیتی ہے)

تیسری قسم البغی ہے۔ اس کا معنی ہے ظلم میں حد سے تجاوز کرنا۔ الظلم وتجاوز الحد فیه۔ (القرطبی)

چوتھی قسم شرک ہے۔ پانچویں قسم اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتوں کا منسوب کرنا یعنی جو حکم اس نے نہ دیا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ (رازی و قرطبی)

ﻟﮧ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کو خوف و حزن نہیں ہوگا اور وہ گھبراہٹ اور پریشانی سے

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ

اللہ پر جھوٹا یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ انھیں مل جائے گا (ان کا) حصہ جو ان کی

الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ

قسمت میں لکھا ہے یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے قبض کریں گے ان کی رُوحوں کو تو ان سے کہیں گے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي

کہاں ہیں وہ جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے اللہ کے سوا انہیں کہیں گے وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے

اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ

نفسوں پر کہ وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ فرمائے گا داخل ہو جاؤ ۸۸ ان امتوں میں جو گزر چکی ہیں

دوچار نہ ہوں گے۔ دلیل علی ان المؤمنین یوم القیامۃ لا یخافون ولا یحزنون ولا یلحقھم رعب ولا فزع (قرطبی)

۸۵؎ یعنی جتنی عمر ان کے لیے مقرر ہے جو مال و دولت، بیوی اور اولاد ان کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے وہ بہر حال ان کو مل کر رہے گی۔

۸۶؎ فرشتے قبض رُوح کے وقت بطور زجر و توبیخ انہیں کہیں گے کہ بلاؤ اُن اپنے بناوٹی خداؤں کو جن کی ساری عمر تم عبادت کرتے رہے تاکہ وہ تمہیں ہمارے قبضہ سے چھڑا لیں۔ اس وقت غفلت کے پردے اُٹھ جائیں گے اور حقیقت منکشف ہو جائے گی۔ اور وہ جواب دیں گے کہ آج تو اُن کا ہمیں کوئی نام و نشان نہیں مل رہا۔ اور صد حیف کہ ہم نے تو کفر میں اپنی زندگی برباد کر دی۔ ومعنی تدعون تعبدون (قرطبی) یعنی یہاں تدعون بمعنی تعبدون ہے۔ وأین الآلھۃ التی کنتم تعبدونھا (بیضاوی) علامہ بیضاوی نے اس کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ فرشتے انہیں کہیں گے کہ وہ خدا کہاں ہیں جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔

۸۷؎ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مجرم قوموں کو حکم دیں گے کہ چلو دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ مجرمین کی حالت اُس وقت ناگفتہ بہ ہو گی۔ دُنیا میں تو ایک فاسق دُوسرے فاسق کا سہارا بنا ہوتا تھا۔ آپس میں محبت و اخلاص کے گہرے تعلقات قائم تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دوستی کبھی نہ ٹوٹے گی۔ لیکن جب آتش جہنم کے لپکتے ہوئے شعلے اور دہکتے ہوئے انگارے نظر آئیں گے تو ساری دوستی کرکری ہو جائے گی۔ ایک دُوسرے کی ہمدردی کرنے کے بجائے ایک دُوسرے پر برسنے لگیں گے۔ ہر ایک اپنی گمراہی اور بدبختی کی ذمہ داری دُوسرے پر ڈالے گا۔ پیروکار اپنے گمراہ پیشواؤں کو کہیں گے کہ تم پر خدا کی مار تم نے اپنے

مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ

تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے (ان کے پاس) دوزخ میں داخل ہو جاؤ جب بھی داخل ہو گی کوئی امت تو وہ

أُخْتَهَا حَتّٰى إِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ أُخْرٰىهُمْ لِأُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا

لعنت بھیجے گی دوسری امت پر یہاں تک کہ جب جمع ہو جائیں گی اس میں سب تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے متعلق اے

هٰؤُلَاءِ أَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ

ہمارے رب! انھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لیے

ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَالَتْ أُوْلٰىهُمْ لِأُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے اور کہیں گی پہلی امتیں[1] پچھلی امتوں سے کہ نہیں ہے تمھیں

ع

لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾

ہم پر کوئی فضیلت پس چکھو عذاب بوجہ اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

بے شک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تکبر کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے ان کے لیے آسمان

ساتھ ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ اور ان کے پیشوا کہیں گے کہ تم نے کیوں ہمارا اتباع کیا۔ کیا تم خود اندھے تھے۔ غرضیکہ مجرمین ایک دوسرے پر خوب الزام لگائیں گے اور کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا۔ قرآن حکیم نے فرمایا ہے الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین: (اس روز سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے بجز پرہیزگاروں کے یعنی ان کی دوستی اس وقت بھی قائم رہے گی)

[1] پہلی امتیں پچھلی امتوں کو یا پیشوا اپنے پیروؤں کو کہیں گے کہ ہمارے اور تمھارے جرم کی نوعیت میں فرق نہیں کیونکہ اگر ہم تمھیں گمراہی کی طرف بلانے کے مجرم ہیں تو تم اس کو قبول کرنے کے مجرم ہو۔ تمھارے پاس عقل تھی۔ آسمانی کتاب تھی اس کو سمجھانے والے تھے۔ حق کی طرف دعوت دینے والے تھے۔ انھیں چھوڑ کر تو تم ہمارے ساتھ ہو لیے۔ سچی دعوت کو ترک کر کے جھوٹی دعوت قبول کی۔ راہ راست سے منہ موڑ کر غلط راستے پر تم چل نکلے تھے۔ کیا یہ تمھارا قصور نہ تھا؟

السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ

کے دروازے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک نہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں ۳۱؎

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں جرم کرنے والوں کو ۳۲؎ ان کے لیے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان

فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ۳۳؎ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور انھوں نے نیک عمل کیے (یاد رکھو) ہم تکلیف نہیں دیتے کسی کو مگر جتنی اس کی طاقت ہے۔ وہ جنتی

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ

ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور ہم نکال لیں گے جو کچھ ان کے سینوں میں کینہ ہے ۳۴؎

۳۱؎ ان بدنصیبوں پر نہ آسمانی خیرات و برکات کا نزول ہوگا اور نہ ان کے اعمال نیک بندوں کی طرح آسمان کی طرف اُٹھائے جائیں گے۔ اور جب یہ مریں گے اور فرشتے ان کی خبیث روح لے کر آسمان کی طرف جائیں گے تو رحمت و قبولیت کے دروازے ان کے لیے نہ کھولے جائیں گے۔ اور انھیں واپس زمین کی پستیوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ اور جس طرح سوئی کے باریک سوراخ سے ایک اونٹ کا گزرنا محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے

۳۲؎ یہاں مجرموں سے مراد کفار ہیں۔ اور انھیں کفار کی سزا کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ کیونکہ آیات ربانی کی تکذیب اور پھر ازراہ تکبر کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

۳۳؎ المهاد: الفراش بچھونا اور الغواش جمع ہے الغاشیة کی۔ اوپر اوڑھنے والی چیز یعنی اوپر اور نیچے ہر طرف عذاب الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوگی کسی پہلو چین اور قرار نصیب نہ ہوگا۔

۳۴؎ دنیا میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے بسا اوقات متقی اور پرہیزگار لوگوں کے تعلقات بھی کشیدہ ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے متعلق کدورت اور ملال پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ ان کی یہ مخالفت اور باہمی رنجش نیک نیتی پر مبنی ہوتی ہے اس لیے جب قیامت کے دن انھیں جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا تو ان کے آئینہ قلب سے ان رنجشوں اور کدورتوں کا

غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

رواں ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اور کہیں گے ساری تعریفیں ۵۵ اللہ کے لیے ہیں جس نے

هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ

راہ دکھائی ہمیں اس بہشت کی اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ۔ بے شک آئے تھے ہمارے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا

رب کے رسول حق کے ساتھ اور ان کو ندا دی جائے گی ۵۶ کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے

تمہارا صاف کر دیا جائے گا اور وہ سابقہ مخالفتوں کا کوئی اثر محسوس نہیں کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ مجھے توقع ہے کہ میں، عثمان، طلحہ اور زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ویروی عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال ارجو ان اکون انا وعثمان وطلحۃ والزبیر من الذین قال اللہ تعالیٰ فیہم ونزعنا الخ۔ اور بعض علماء نے اس آیت کا یہ معنی بھی بتایا ہے کہ اہل جنت میں جو باہمی فرق مراتب ہوگا اس کی وجہ سے وہ آپس میں حسد نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنے حال پر مطمئن اور شاکر ہوگا۔

ف۵۵ جنت میں قرار پکڑنے کے بعد وہ اپنے رب مجید کی حمد و ثنا اور اعتراف نعمت و احسان میں محو ہو جائیں گے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اہل جنت اس بات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے کہ اس ذات پاک نے ہمیں قدرت بھی بخشی اور دین اسلام کو قبول کرنے کا قوی جذبہ بھی دل میں پیدا کر دیا کہ ہم دین اسلام کو قبول کر سکے۔ وقال اصحابنا معنی ھدانا اللہ انہ اعطی القدرۃ وضم الیہا الداعیۃ الجازمۃ وصیر مجموع القدرۃ وتلک الداعیۃ موجبا لحصول تلک الفضیلۃ۔ (کبیر)

ف۵۶ اہل جنت جب دخول جنت اور حصول مراتب کو محض اپنے رب کی دین اور عطا یقین کرتے ہوئے اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہوں گے تو بارگاہ الٰہی سے آواز آئے گی کہ بلاشبہ یہ تمہارے نیک اعمال کی وجہ سے تم پر اپنا احسان فرمایا ہے۔ بندے کی شان بندگی کا تقاضا یہی ہے کہ جن انعامات و احسانات سے اسے نوازا جائے اُسے اپنے رب کا فضل و کرم یقین کرے۔ اور رب کریم کی شان بندہ نوازی یہ ہے کہ اپنے بندوں کے اعمال جو سراپا نقص ہی نقص ہیں اور اخلاص و نیاز کے کتنے ہی اونچے مقام پر کیوں نہ فائز ہوں اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیت و سبوحیت کے شایاں نہیں ان کو وہ شرف قبول عطا فرما کر ان ابدی نعمتوں کا سبب بنا دے۔ حالانکہ انسان کی ساری عمر کی نیاز مندیاں و عبادت گزاریاں کسی ایک نعمت کا بھی معاوضہ نہیں ہو سکتیں جن سے وہ اس دنیوی زندگی میں لطف اندوز ہو رہا ہے۔ یہاں ایک شبہ

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ

بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے۔ اور آواز دیں گے جنتی دوزخیوں کو ﴿۴۱﴾ کہ بے شک

وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ

ہم نے پا لیا جو وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے رب نے سچا۔ تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے

حَقًّا ۚ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

ظالموں پر ﴿۴۲﴾ جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے

ہو سکتا ہے کہ آیت نے بتایا کہ جنت میں دخول کی وجہ بندوں کے نیک اعمال ہیں۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ حضور نے فرمایا اعلموا ان احد کو لن یدخلہ عملہ الجنۃ۔ کہ خوب جان لو کبھی کا عمل کسی کو جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیک اعمال دخول جنت کا سبب قریبی ہیں۔ اور رحمت الٰہی سبب حقیقی ہے۔ آیت میں سبب قریبی کی طرف اشارہ ہے اور حدیث میں سبب حقیقی کی طرف۔

﴿۴۱﴾ ظالموں اور مجرموں کو مزید شرم دلانے کے لیے یہ سوال کیا جائے گا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جنت اور دوزخ کے درمیان بے حد و قیاس دُوری ہے۔ پھر اتنی دُور سے جنتیوں کی آواز دوزخیوں تک کیونکر پہنچے گی۔ امام موصوف اس کا جواب لکھتے ہیں کہ صرف بُعد مسافت آواز کے سُننے جاننے سے مانع نہیں عندنا البعد الشدید والقرب الشدید لیس من موانع الادراک (کبیر) ریڈیو کی ایجاد نے اس کی تصدیق کر دی اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ علمی طور پر ہمارے علماء کرام کے نزدیک بھی یہ بات ثابت شدہ تھی کہ بُعد مکانی آواز کی لہروں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ ان طے شدہ علمی مسلمات کی روشنی میں اگر یہ اعتقاد رکھا جائے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے محبت کیش غلاموں کا درود شریف سُنتے ہیں تو اسے شرک کہنا کیوں کر درست ہے۔

﴿۴۲﴾ جن پر پھٹکار ڈالی جائے گی اُن کی صفات بھی ساتھ ہی بیان کر دی گئیں۔ ایک تو یہ کہ وُہ ظالم ہیں اور ظلم سے مراد یہاں کفر و شرک ہے جیسا کہ سیاقِ کلام سے ظاہر ہے۔ دُوسری یہ کہ وُہ خود بھی دینِ حق قبول نہیں کرتے اور دُوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ تیسری یہ کہ دینِ حق کے دلائل میں شکوک و شبہات ڈال کر اسے ٹیڑھا اور غلط دکھانے کی سعی کرتے ہیں۔ چوتھی یہ کہ ان کا

وَهُم بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ

اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان دونوں (جنت ودوزخ) کے درمیان پردہ ہے۔ اور اعراف پر کچھ

رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَن

مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ

سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے آرزو مند ہوں گے اور جب پھیری جائیں گی

آخرت پر ایمان نہیں۔ اور جو شخص ان چار گمراہیوں میں مبتلا ہو وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر پھٹکار ڈالی جائے۔

۸۱ اسی حجاب کو سورۂ حدید میں سور یعنی دیوار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فضرب بینھم بسور۔ اس حجاب کی تفصیلی حقیقت نہ ہمیں بتائی گئی ہے اور نہ اس کے جاننے سے ہماری کوئی سعادت وابستہ ہے۔ اس لیے اس کی تفصیلات جاننے کے لیے سرگرداں رہنا تضیع وقت ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اہل جنت اور اہل دوزخ میں ایک ایسا پردہ حائل ہے جو دوزخ کی آنچ کو جنت تک اور جنت کے نسیم پرور اثرات کو دوزخ تک نہیں پہنچنے دیتا۔

۸۲ اعراف جمع ہے عُرف کی۔ اور عرف کا لغوی معنی بلند جگہ ہے۔ والاعراف فی اللغۃ المکان المشرف جمع عرف (قرطبی) اس مناسبت سے گھوڑے کی گردن کے بالوں کو عرف الفرس اور مرغے کی کلغی کو عرف الدیک کہتے ہیں۔ یہاں اس حجاب کا بالائی حصہ مراد ہے۔ اور وہ لوگ جو وہاں اعراف میں ہوں گے وہ کون ہیں۔ اس کے متعلق مفسرین کرام نے پندرہ اقوال لکھے ہیں (روح البیان) حضرات عبد اللہ بن مسعود، حذیفہ بن الیمان، ابن عباس، ضحاک اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کا قول یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں مساوی ہوں گی۔ ھم قوم استوت حسناتھم وسیئاتھم (قرطبی وغیرہ) اور دوسرے متعدد اقوال کو علامہ بیضاوی نے اپنی اس عبارت میں ذکر کر دیا ہے وقیل قوم علت درجاتھم کالانبیاء او الشھداء او خیار المؤمنین او علماءھم۔ یعنی بعض علماء کے نزدیک اعراف کی بلندیوں پر فائز ہونے والے انبیاء، شہداء، صلحاء اور علماء ہوں گے۔ ان کی عزت افزائی کے لیے ان کو اس بلند مقام پر ٹھہرایا جائے گا تاکہ تمام اہل محشر ان کی عظمت شان اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ واللہ اعلم۔

۸۳ اس بلند دیوار پر بیٹھے ہوئے اہل اعراف جنتیوں کو بھی شاداں وفرحاں دیکھ رہے ہوں گے اور دوزخیوں کو بھی گرفتار بلا ملاحظہ کر رہے ہوں گے جب ان کی نگاہ اہل جنت کی طرف اٹھے گی تو انہیں اس نوید پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے سلامتی کی دعائیں دیں گے اور جب اہل جہنم کی طرف دیکھیں گے تو سراپا عجز وانکسار بن کر بارگاہ الٰہی میں التماس

أَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ أَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ

ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾ وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ع ١٢

لوگوں کے ساتھ اور پکاریں گے اعراف والے ٦٢ ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی پیشانیوں سے

قَالُوْا مَآ أَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ أَهٰٓؤُلَآءِ

(انہیں) کہیں گے کیا فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نیز) اس ساز و سامان نے جس کی وجہ سے غرور کیا کرتے تھے ٦٣ (ذرا دیکھو) کیا

الَّذِيْنَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ

سرکشو! کیا یہ (جنتی) وہی (ضعیف) ہیں ٦٤ جن کے متعلق تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے

عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ

(دیکھو انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے اور آواز دیں گے دوزخی جنتیوں

الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا

کو کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا

کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر جنہوں نے بنا لیا تھا اپنے دین کو کھیل

عذاب الیم سے بچنے کی دعا کریں گے۔ آیت میں یطمعون بمعنی یعلمون ہے۔ وذلک معروف فی اللغۃ ان یکون طمع بمعنی علم۔ (قرطبی)

٦٢ ۔ وہاں تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی کام آئے گی یہ دنیاوی ساز و سامان تو اس روز کھوٹے سکوں سے بھی ناکارہ ثابت ہوں گے۔

٦٣ ۔ ان کی شرمندگی اور شرمساری میں مزید اضافہ کرنے کے لیے اہل اعراف انہیں کہیں گے کہ یہ غریب و مسکین کل کو

وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ

اور تماشا اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا انھیں دنیا کی زندگی نے۔ سو آج ہم فراموش کر دیں گے انھیں ۹۳ جیسے بھلا دیا تھا

يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ

انھوں نے اس دن کی ملاقات کو اور جس طرح وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور بے شک لے آئے ۹۴ ہم ان

بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

کے پاس ایک کتاب جسے ہم نے واضح کر دیا ہے اپنے علم (کامل) سے (بنا دیا ہے اسے) ہدایت اور رحمت اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

کافر کس چیز کے ۹۵ منتظر ہیں بجز اس کے کہ قرآن کی دھمکی کا انجام آ جائے جس روز ظاہر ہو گا اس کا انجام تو کہیں گے جو

جن کو تم خاطر ہی میں نہیں لاتے تھے اور ازراہِ نخوت کہا کرتے تھے کہ ان کو رحمتِ خداوندی سے کیا واسطہ! اس کی رحمتیں تو ہمارے لیے ہی مخصوص ہیں۔ آج ان کی طرف دیکھو وہ تو جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ اور تمھارا یہ حال ہے۔

۹۳؎ نسیان (بھلا دینے) کا کیا معنی ہے؟ امام رازی نے دو قول نقل کیے ہیں۔ (۱) نسی بمعنی ترک یعنی ہم انھیں چھوڑ دیں گے اور ان کو نجات نہیں دیں گے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ہم ان سے ایسا برتاؤ کریں گے جیسے ہم نے ان کو فراموش کر دیا ہے۔

۹۴؎ یہ مکالمہ اور گفتگو جو اہلِ اعراف اور اہلِ جہنم کے درمیان یا اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کے درمیان ہو گی اس کے بیان کرنے کی غرض و غایت بتائی جا رہی ہے یعنی اس کا مقصد قصہ گوئی اور داستان سرائی نہیں بلکہ مدعا یہ ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور وہ لغزشیں اور قصور جن کی وجہ سے بڑے بڑے نامور لوگ آتشِ جہنم میں جھونک دیے جائیں گے ان سے اجتناب کرو تاکہ اس خوفناک انجام سے تمھیں دوچار نہ ہونا پڑے۔ اور ان کی غلط کاریوں میں سے بڑی خطرناک غلط کاریاں یہ ہیں جن کا ذکر اس سے پہلی آیت میں کیا گیا۔

۱۔ احکامِ الٰہی کو لہو و لعب سمجھنا یعنی سنجیدگی سے ان کو قبول نہ کرنا بلکہ ان کو مذاق اور کھیل بنائے رکھنا۔ جی چاہا تو مان لیا اور جی چاہا تو انکار کر دیا۔

۲۔ دنیا کی محبت میں ایسا مستغرق ہو جانا اور اس پر اتنا فریفتہ ہو جانا کہ حلال و حرام کی تمیز ہی نہ رہے۔

۳۔ روزِ قیامت کا انکار۔

۹۵؎ علامہ قرطبی نے ینظرون کا معنی ینتظرون کیا ہے یعنی کیا وہ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں النظر: الانتظار (قرطبی)

نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَنَا مِنْ

بھلائے ہوئے تھے اسے اس سے پہلے کہ بےشک لائے تھے ہمارے رب کے رسول حق (پیغام) تو کیا (آج) ہمارے کوئی

شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ

سفارشی ہیں تو وہ سفارش کریں ہمارے لیے یا ہمیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ ہم عمل کریں اس کے برعکس جو ہم کیا کرتے تھے

قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۵۳﴾ إِنَّ ع ۱۳

بےشک انھوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو وہ بہتان باندھا کرتے تھے بلاشبہ

رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ

تمہارا رب اللہ ہے جس نے ؎۵۲ پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر

تاویلہ امیؤل الیہ امرہ (بیضاوی) یعنی انجام کار اس آیت میں کفار سے استفسار کیا جا رہا ہے کہ جب ہدایت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ دلائل کی روشنی ہر سو پھیل چکی ہے تو وہ اب کیوں ایمان نہیں لاتے؟ کیا وہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب وہ وعدے جو اہل ایمان سے کیے گئے اور عذاب و ہلاکت کی پیشین گوئی جو اہل باطل کے لیے کی گئی وہ پوری ہو جائے تو ایمان لائیں گے اگر ایسا ہے تو ان کی کم فہمی لائق صد افسوس ہے کیونکہ اس روز تو دفتر عمل تہہ کر دیا جائے گا اور جواب دہی کے لیے ہر شخص بارگاہ خداوندی کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت اگر وہ اپنے ایمان کا اعلان کر بھی دیں گے تو بے سود ہو گا۔ اس روز بصد حسرت و ہزار ندامت کہیں گے کہ کاش! آج ہمارا کوئی حمایت کرنے والا ہو یا ہمیں صرف ایک بار مہلت دی جائے کہ ہم دنیا میں لوٹ جائیں پھر ہم دکھا دیں کہ ہم کیسے فرماں بردار اور اطاعت گزار ہیں۔ اس وقت ان کی کوئی بات نہ سنی جائے گی

ہائے اس وقت پشیمان کا پشیمان ہونا

؎۵۲ قیامت کے دن پیش آنے والے عبرت انگیز اور سبق آموز واقعات بیان کرنے کے بعد اب پھر توحید باری کے دلائل پیش فرمائے جا رہے ہیں۔ عام طور پر صبح سے لے کر شام تک کے وقت کو یوم (دن) کہا جاتا ہے لیکن یہاں اس وقت کا ذکر ہو رہا ہے جب کہ نہ سورج تھا اور نہ صبح و شام کا وجود تھا۔ اس لیے آیت کریمہ میں یوم سے مراد مطلق وقت ہے۔ اور لفظ یوم کا اطلاق اس معنی میں ہوتا رہتا ہے چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الیوم یعبر بہ عن وقت طلوع الشمس الی غروبھا وقد یعبر عن مدۃ من الزمان ای مدۃ کانت (مفردات القرآن) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت میں یوم سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ وعن ابن

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۣ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ

مستقر ہوا عرش پر ۵۴ (جیسے اسے زیبا ہے) ڈھانکتا ہے رات سے دن کو ۵۵ وہ اس کے پیچھے طلب کرتا ہے رات کو

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ

تیزی سے اور پیدا فرمایا سورج اور چاند اور ستاروں کو وہ سب پابند ہیں اس کے حکم کے سن لو اسی کے لیے خاص ہے پیدا کرنا اور

عباس ان ھذہ الایام ایام الآخرۃ کل یوم الف سنۃ (نیشاپوری) ویوم من الستۃ الایام کالف سنۃ مما تعدون (ابن جریر وغیرہ من المفسرین) امام ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہاں دن سے مراد ایک ہزار سال کی مدت ہے یعنی کائنات ارضی وسماوی کی تخلیق چھ ہزار سال کے عرصہ میں آہستہ آہستہ مختلف مدارج حیات طے کرتے ہوئی۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو چشم زدن میں اس ساری کائنات کو پیدا فرما دیتا لیکن اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی جو جلوہ گری اس تدریج میں ہے وہ اہل فکر و نظر سے پنہاں نہیں۔ اگر کوئی چیز دفعتہً معرض وجود میں آ جائے تو گمان ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاقیہ امر تھا جو اتفاقاً ظہور پذیر ہو گیا لیکن اگر کوئی چیز مختلف مدارج طے کرتی ہوئی ضعف سے قوت، خامی سے پختگی اور نقص سے کمال کی طرف تدریجاً بڑھتی چلی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی حکیم و علیم ذات ہے جس کی توجہ اور تدبیر سے یہ سب کچھ نمودار ہو رہا ہے۔

۵۴ سلف صالح کا مسلک تو یہ تھا کہ وہ ایسی آیات کی حقانیت پر ایمان رکھتے لیکن ان میں قیل و قال سے گریز اختیار کرتے۔ جیسے حضرت امام مالکؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آکر اس آیت کا مطلب دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر کس طرح استوا فرمایا تو آپ نے تھوڑے سے توقف کے بعد فرمایا۔ الاستواء معلوم والکیف غیر معقول والایمان به واجب والسؤال عنه بدعة ! (یعنی ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش پر استوا فرمایا لیکن اس کی کیفیت کیا تھی وہ ہمارے فہم سے بالاتر ہے لیکن اس پر ایمان واجب ہے اور اس کے متعلق گفتگو بدعت ہے۔ علماء متاخرین نے اس کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ استویٰ کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھ گیا کیونکہ وہ مکان اور حلول سے پاک ہے۔ بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ کائنات ارضی وسماوی کی باگ ڈور اس نے اپنے دست قدرت میں تھام لی اور حکم و حکمرانی کو اپنے لیے مخصوص فرما لیا۔ استوی المراد منه کمال قدرته فی تدبیر الملك والملكوت۔

۵۵ اس آیت کریمہ میں توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے روشن دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔

۱۔ کائنات سماوی اور ارضی کی تدریجی تخلیق اور انھیں مختلف ادوار سے گزار کر مرتبہ کمال تک پہنچانا۔

۲۔ تخت حکومت و مسند تدبیر و جہانبانی پر متمکن ہو کر زمام اختیار اپنے دست قدرت میں رکھنا۔

۳۔ دن جو کاروبار کی ہنگامہ آرائیوں اور تلاش معاش کے لیے جدوجہد کے لیے ہے اور رات جو سکون و آرام کے لیے ہے

الْأَمْرُ ۚ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٥٤﴾ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ

حکم دینا۔ بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ جو مربی کمال تک پہنچانے والا ہے سارے جہانوں کا۔ دُعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور

اُن کا باہم یوں تسلسل قائم کر دینا کہ یکے بعد دیگرے بلا توقف اُن کا وُرود ہوتا رہے۔

۴۔ چھوٹے بڑے تمام اجرامِ فلکیہ سورج، چاند، ستاروں وغیرہ کا اس کے حکم کا پابند ہونا۔

۵۔ خلق و امر کا یکتا مالک و مختار ہونا۔

یہ تمام ایسی باتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس و اطہر سے مختص ہیں۔ اور کوئی دُوسرا ان میں سے کوئی چیز اپنے لیے ثابت نہیں کر سکتا۔ تو جب ہر چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کے حکم کے سامنے بے چون وچرا سرافگندہ ہے تو کوئی عقلمند یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہے کہ ان چیزوں میں سے کسی کو اپنا حاکم اور معبود بنا لے۔ خواہ وہ چیز کتنی ہی بڑی پُرہیبت عظیم الشان اور مفید ہو۔

مٹ الخلق سے مُراد پیدا کرنا ہے اور الامر سے مُراد اُن کی تدبیر کرنا اور ان کے لیے تکوینی اور تشریعی احکام صادر کرنا۔ اِس مختصر سے جملہ میں تخلیقِ کائنات کے متعلق تمام غلط نظریات کا بطلان کر دیا۔ بعض فلسفی سرے سے وجودِ باری کے قائل نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ساری کائنات خود بخود عدم سے وجود میں آگئی۔ بعض وجودِ باری کے قائل تو ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف اس کے اجزاء میں جوڑ توڑ سے مختلف اشیاء پیدا کر دیں۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وہ ہے لیکن ان کو پیدا کر دینے کے بعد اب اس کا اس کائنات سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ وہ گوشۂ عزلت میں ہر چیز سے بے خبر اور بے اختیار بیٹھا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا کہ خالق بھی وہی ہے اور حاکم بھی وہی ہے۔ اُسی کے اِذن سے کوئی چیز نیست سے ہست ہوتی ہے اور اس کے حکم کے بغیر پتہ تک نہیں ہلتا۔ صوفیاء کرام قدست اسرارہم کے نزدیک خلق سے مُراد عالمِ جسمانیات ہے یعنی عرش و کرسی، زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے اور الامر سے مُراد عالمِ مجردات یعنی قلب، رُوح، خفی اور اخفیٰ وغیرہ جو عرش سے بھی ماوراء ہیں انہیں عالمِ امر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں مادہ کے بغیر محض امرِ کن سے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ پانی پتی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قالت الصوفية المراد بالخلق عالم الخلق يعني الجسمانية العرش وما تحته من السموات والارض وبينهما وعالم الامر يعني المجردات من القلب والروح والسر والخفي والاخفى..... وسميت بعالم الامر لان الله تعالىٰ خلقها بلا مادة بامر كن۔ (مظہری)

سٹ اپنی تمام حاجات اور مشکلات میں بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ساتھ ہی دُعا کی قبولیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ان کا ذکر بھی فرما دیا کہ انسان نخوت و غرور کو دل سے نکال کر غفلت و کاہلی سے اپنے آپ کو پاک کر کے سراپا عجز و انکسار بن کر اپنے رب کے حضور میں دستِ دُعا دراز کرے۔ دُوسری یہ کہ چلا کر دعا نہ مانگے کیونکہ آدابِ بارگاہِ ربانی کے خلاف ہے اور اس میں ریا اور دکھلاوا کا بھی بہت امکان ہے بلکہ آہستہ آہستہ خاموشی سے

خُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿٥٥﴾ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ

آہستہ آہستہ بے شک اللہ نہیں دوست رکھتا حد سے بڑھنے والوں کو ؎ اور نہ فساد پھیلاؤ زمین میں

بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ

اس کی اصلاح کے بعد ؎ اور دعا مانگو اس سے ڈرتے ہوئے اور امید کرتے ہوئے ؎ بے شک اللہ کی رحمت

اپنے دلِ نیاز مند کی حکایت درد و آرزو پیش کرے۔ ذکرِ الٰہی میں اصل تو یہی ہے لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے درست نہیں۔ کیونکہ بعض مقامات پر اور بعض حالات اور حکمتوں کے پیش نظر ذکر بالجہر ذکر سری سے افضل ہو جاتا ہے جیسے سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ذکر بالجہر کا مقصد یہی ہے کہ طالب مولا غفلت ونسیان کی نیند سے بیدار ہو۔ دل میں حرارت پیدا ہو جس سے محبت و عشق الٰہی کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ اور یہ تو بہرحال ضروری ہے کہ دل میں ریا اور نمود کا گزر نہ ہو۔ چنانچہ محقق وقت حضرت مولانا شاہ اللہ پانی پتی مجددی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ولعل الصوفیۃ الچشتیۃ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم اختاروا الجھر للمبتدی لاقتضاء حکمۃ وھی طرد الشیطان ودفع الغفلۃ والنسیان وحرارۃ القلب واشتعال نائرۃ الحب بالریاضۃ یشترط لذلک الاحتراز عن الریاء والسمعۃ (مظہری)

؎ اعتدا کہتے ہیں حد سے تجاوز کرنے کو۔ یہاں اس دعا کرنے والے کو معتدی (حد سے تجاوز کرنے والا) کہا گیا ہے جو ایسے امور کے لیے دعا کرے جو عقلاً یا شرعاً ممنوع ہوں مثلاً نبوت کے مرتبہ تک رسائی کی دعا، کسی حرام چیز کے لیے دعا یا مسلمانوں کے حق میں بددعا یا آدابِ دعا کو جو نظر انداز کردے۔

؎ ہر قسم کی فساد انگیزی سے منع فرمایا جارہا ہے چشموں کو بند کرنا۔ نہروں کو توڑ پھوڑ دینا، باغات کو اکھاڑ دینا، کھیتوں کو اُجاڑ دینا، کارخانوں کو برباد کر دینا، تجارت و صنعت میں دھوکہ بازی کرنا، حکومت وقت کے خلاف بلاوجہ سازشیں کرنا غرضیکہ ہر قسم کی تخریبی کارروائی جس سے ملک کی معاشی اور اقتصادی خوشحالی متاثر ہو یا اس کے سیاسی استحکام کو نقصان پہنچے اسی طرح عقائد صحیحہ میں بھی، احکام شرعیہ میں اپنی اغراض کے لیے تحریف، غیر اسلامی عادات واطوار کو اپنانا، اسلامی تہذیب وتمدن کو چھوڑ کر غیر اسلامی تہذیب اور ملحدانہ تمدن کو اختیار کرنا یہ سب ممنوع ہیں۔ اور یہ دونوں قسمیں قرآن کی اصطلاح میں فساد فی الارض کے عنوان کے نیچے مندرج ہیں۔

؎ دعا مانگنے میں عجز و نیاز مندی اور ریا و نمود سے اجتناب کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دعا مانگنے والے پر خوف و رجا کی کیفیت طاری ہو۔ اگر ایک طرف اسے اپنی کوتاہیوں اور خطاؤں کا فکر ہر وقت دامن گیر ہو تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت وسعت سے اس کی آس و امید بندھی ہوئی ہو۔

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا

قریب ہے نیکو کاروں سے ۵۵ اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سنانے کو

بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ

اپنی رحمت (بارش) سے پہلے۔ یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لاتی ہیں بھاری بادل تو ہم لے جاتے ہیں

لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ

اسے کسی ویران شہر کی طرف پھر ہم اتارتے ہیں اس سے پانی پھر پیدا کرتے ہیں اس کے ذریعہ ہر قسم کے پھل

۵۵ یہ فرما کر دستِ دعا پھیلانے والے کو یقین دلا دیا کہ اگر تم اطاعت گزار اور فرماں بردار ہو تو تمہیں خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ رحمتِ خداوندی اپنی بخشش و مغفرت اور قبولیت و عنایت سے تمہیں سرفراز فرمائے گی۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ لفظ رحمت انّ کا اسم ہے اور قریب اس کی خبر۔ اور نحو کا قاعدہ ہے کہ تذکیر و تانیث میں اسم و خبر میں موافقت ہونی چاہیے لیکن یہاں رحمۃ (اسم) مؤنث ہے اور قریب (خبر) مذکر ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ علامہ قرطبی نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ اور ان میں سے مجھے فراء کا قول زیادہ پسند ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قریب کبھی قرابت نسبی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی قربِ مکانی کے لیے۔ پہلی صورت میں تذکیر و تانیث میں موافقت ضروری ہے جیسے هذه المرأة قريبتي لیکن دوسری صورت میں مذکر و مؤنث دونوں طرح استعمال جائز ہے۔ داره منا قريب و فلانة منا قريب قال الفراء: اذا كان القريب في معنى المسافة يذكر ويؤنث وان كان في معنى النسب فيؤنث بلا اختلاف (قرطبی) آیت مذکورہ میں قریب سے مراد قریب نسبی نہیں بلکہ قرب مکانی مراد ہے اس لیے قریب درست ہے۔

۵۶ یہاں اپنی ربوبیت کی ایک اور شان دکھائی یعنی جب خشک سالی کی وجہ سے کھیت اور باغات اپنی ساری شادابیاں اور بہاریں کھو چکے ہوتے ہیں۔ جب روئیدگی کی قوت فرطِ تشنگی سے دم توڑنے لگتی ہے تو اس وقت رحمتِ خداوندی مائل بکرم ہوتی ہے۔ ابرِ رحمت نامعلوم وادیوں سے نکل کر آسمان پر چھا جاتا ہے اور موسلا دھار بارش برسنے لگتی ہے اور اس کے حیات بخش قطروں کی وجہ سے کائنات کی ہر چیز میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ یہ احسانِ عظیم جتلانے کے بعد فوراً منکرینِ قیامت کو ان کے فکر کی کوتاہی پر متنبہ فرما دیا کہ تمہیں یہ بہت محال نظر آتا ہے کہ ہزار ہا ہزار سال کے بعد مدفون مُردے کیوں کر اپنی قبروں سے دامن جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ فرمایا کہ تم ہر وقت ہماری قدرت کے کرشمے دیکھ رہے ہو بتاؤ جو قیوم آنِ واحد میں ویران اور اجڑے ہوئے علاقوں کو آباد اور شاداب کر دیتا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ

اسی طرح ہم نکالیں گے مُردوں کو تاکہ تم نصیحت قبول کرو اور جو سرزمین عمدہ زرخیز ہے نکلتی ہے

نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ

اس کی پیداوار اپنے رب کے حکم سے اور جو خراب ہے نہیں نکلتی اس سے پیداوار مگر قلیل گھٹیا اسی طرح ہم

نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ

مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو شکر گزار ہے بیشک ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف

ان دو آیتوں کو اگر بنظرِ غور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح جسم کی بقا اور نشوونما کے لیے قدرت نے جزیل سامان مہیا فرما دیئے ہیں اُسی طرح رُوحانی ترقی و اصلاح کو بھی عنایتِ الٰہی نے نظر انداز نہیں کیا۔ اگر وہاں ٹھنڈی ہوائیں، بادل اور بارش کا انتظام فرمایا ہے تو یہاں بھی اپنے برگزیدہ رسولوں کو اپنی وحی اور ہدایت سے سرفراز فرما کر مبعوث فرمایا ہے۔ اور جس طرح بارش برسنے سے اچھی زمین رشکِ چمن بن جاتی ہے اور ردّی اور شور زمین میں تھوہر اور زقوم کا اضافہ ہو جاتا ہے اور خاردار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں اسی طرح نبوت کے فیضِ تربیت سے اچھی استعداد والے فائدہ اٹھا کر حسبِ لیاقت و قابلیت کے مناسب مدارج پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور بد طینت اور خبیث فطرت اس ابرِ کرم کی برکت سے محروم ہو جاتے ہیں اور ان کی شر پسندی و خبثِ باطن جو مصلحت اور فریب کے نقابوں میں مستور ہوتا ہے بے نقاب ہو جاتا ہے اور ان کی اخلاقی پستی اور گندی ذہنیت ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ دانشورِ شیراز نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

باراں کہ در لطافتِ طبعش کلام نیست ۔۔۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

گویا یہ آیتیں بعد میں آنے والے کئی رکوعوں کے لیے بطورِ تمہید ہیں۔

اب چند جلیل القدر انبیاء جو کہ عرب میں مشہور تھے کا تذکرہ اور ان کی قوموں نے اُن سے جو سلوک روا رکھا اس کا بیان شروع ہو رہا ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ رب کریم جس طرح انسان کی حیاتِ ظاہری کی بقا اور اس کی توانائیوں کی نشوونما کے لیے ہر ضرورت کے وقت بارش نازل فرماتا ہے اور اس سے ہر چیز اپنی استعداد کے مطابق استفادہ کرتی ہے اسی طرح انسان کی رُوحانی زندگی کے لیے بھی رسالت کا ابرِ رحمت بارہا اُمڈ کر آیا۔ اس سے ہدایتِ ربانی کی بارشیں برسیں اور نیک فطرت لوگ اس سے مستفید ہوئے اور بد فطرت لوگ انبیاء کی مخالفت اور عداوت پر اُتر آئے اور طرح طرح کی حجت بازیوں کے باعث اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔ نیز اس سے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دلجوئی بھی فرما دی کہ اے حبیب! اہلِ مکہ کی ایذا رسانی اور بے التفاتی اور اعتراضات سے غمزدہ نہ ہو۔ تم سے

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ

تو انھوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اللہ کے سوا بے شک میں ڈرتا ہوں کہ

پہلے بھی ہمارے انبیاء کے ساتھ ان کی قوموں نے ایسا ہی سلوک کیا لیکن وہ ان کی ستم کیشیوں کے باوجود کلمۂ حق کہتے رہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنی تبلیغی سرگرمیاں تیز سے تیز تر کر دیجئے۔

ف تورات کے بیان کے مطابق آپ کے باپ کا نام لمک تھا جب ان کے باپ کی عمر ۱۸۲ برس تھی تو آپ کی ولادت ہوئی۔ (پیدائش ۵ : ۲۸) آپ آدم علیہ السلام کی دسویں پشت میں تھے۔ اسی کتاب کے چھٹے باب میں حضرت نوح کے متعلق مرقوم ہے:-

"نوح مرد راست باز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا" (پیدائش ۶ : ۹) لیکن اسی راست باز اور بے عیب ہستی کے متعلق تورات کی یہ آیتیں جب نظر سے گزرتی ہیں تو انسان حیران و پریشان ہو کر رہ جاتا ہے۔ طوفان سے بخیر و عافیت بچ نکلنے کے بعد نوح کاشت کاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے (شراب) پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا" (پیدائش ۹ : ۲۰، ۲۱)

کیا لوگوں کو پاکبازی اور تقویٰ کی راہ دکھانے والا، کیا نبوت کے شرف سے مشرف ہو کر آنے والا ایسی مذموم اور گھٹیا حرکت کا ارتکاب کر سکتا ہے؟ کیا اخلاقی لحاظ سے وہ اتنا پست ہو سکتا ہے کہ وہ شراب سے بدمست ہو کر اپنے ڈیرہ میں برہنہ ہو گیا ہو جہاں اس کی بہو بیٹیاں موجود ہوں گی؟ معاذ اللہ! چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے اس الزام کی صحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ حیا سوز مے خواری کی یہ حکایت اس مقدس رہنما کی پاکیزہ سیرت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتی۔ جلد ۱۶ صفحہ ۴۷۶۔

"NOR DOES THE SHAMELESS DRUNKENNESS OF NOAH ACCORD WELL WITH THE CHARACTER OF THE PIOUS HERO OF THE FLOOD STORY"

VOLUME 16: 476

آپ آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول تھے ونوح اول الرسل الی الارض بعد آدم علیہما السلام (قرطبی) آپ کے زمانہ کی صحیح تعیین تو مشکل ہے لیکن بعض اندازوں کے مطابق آپ کا زمانہ ۳۸۰۰ ق م تا ۳۷۵۰ ق م ہے۔ (ماجدی)

ف اے میری قوم! کے محبت بھرے کلمات سے حضرت نوح اپنی قوم کو خطاب فرما رہے ہیں تاکہ ان میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ میں کوئی بیگانہ اور اجنبی نہیں ہوں بلکہ ہم سب ایک ہی قوم کے فرد ہیں۔ اور جب ہمارا نفع و نقصان، عزت و ذلت ایک ہے تو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو کہ میں صحیح راہ سے تمھیں ہٹا کر غلط راستے پر ڈال دوں گا۔

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِۦٓ إِنَّا لَنَرَىٰكَ

تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے ۵۱ ۔ اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا ۵۲ ہم تو یقیناً دیکھتے ہیں

فِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَـٰقَوْمِ لَيْسَ بِى ضَلَـٰلَةٌ وَلَـٰكِنِّى رَسُولٌ

تمہیں کھلی گمراہی میں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! ۵۳ نہیں ہے مجھ میں ذرا گمراہی بلکہ میں تو رسول ہوں

۵۱ آپ نے سب سے پہلے انھیں شرک کی پستیوں سے نکل کر توحید کی رفعتوں کی طرف آنے کی دعوت دی اور انھیں بتایا کہ اس ذاتِ پاک کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ نوری و ناری، آبی و خاکی سب اس کی مخلوق ہیں اور اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ جب اس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں تو اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت کی جائے تو آخر کیوں؟

۵۲ پہلے تو عقلِ سلیم کو مخاطب فرمایا۔ اب ڈراوا دھمکی بھی دے دی کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ کوئی معمولی سی بات ہے اس کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ بلکہ کان کھول کر سُن لو عذابِ شدید کی چکی میں پیس کر رکھ دیئے جاؤ گے۔ یومِ عظیم سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا اس تباہ کن سیلاب کے آنے کا دن ہے جس نے ان کو صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔

۵۳ قوم کے رؤوساء اور سرداروں کو ملأ کہتے ہیں کیونکہ اُن کا زرق برق لباس اور ظاہری آن بان اور شان و شوکت آنکھوں کو پُر کر دیتی ہے هم الاشراف فانهم يملؤن العيون رواء (بیضاوی) جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی تو بجائے اس کے کہ آپ کی قوم کا سر برآوردہ طبقہ آپ کی دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر کر کے اُسے قبول کرتا۔ اُلٹا وہ بگڑ گیا۔ گویا نوح نے یہ کہہ کر ان کی سیادت کو چیلنج کر دیا ہے اور اُن کے احساسِ نخوت کو ٹھیس لگا دی ہے۔ اُنھوں نے جھٹ حضرت نوح پر الزام لگا دیا کہ نوح بھٹک گیا ہے اور سیدھی راہ چھوڑ کر غلط راستہ پر چل نکلا ہے۔

۵۴ یہ بہتانِ عظیم سُن کر بھی پیغمبر کے جذبۂ خیر خواہی میں فرق نہ آیا اور بڑی فراخ دلی سے ان کی غلط فہمی دُور کرنے کی کوشش کی۔ فرمایا اے بھلے مانسو! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اپنے دل سے گھڑ کر نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے وہی پیغام جوں کا توں تمھیں پہنچا رہا ہوں۔ نیز اس دعوت کی تہ میں میری کوئی ذاتی غرض یا منفعت پنہاں نہیں محض تمھاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ تمھارا علم ادھورا اور نا تمام ہے کیونکہ اس کا ماخذ اندھی تقلید اور نفس پرستی ہے اور میرا علم کامل اور یقینی ہے۔ کیونکہ میرے علم کا سرچشمہ ذاتِ باری ہے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ راہِ راست سے کون بھٹکا ہوا ہے۔ اپنے مقامِ بعثت کو کتنی وضاحت سے پیش فرمایا اور اپنی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا انھیں یقین دلانے کی کتنی دلسوز کوشش کی۔

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَ
سارے جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ۔ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور نصیحت کرتا ہوں تمہیں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ
میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے ۔ کیا تم تعجب کرتے ہو اس پر ۵۲ کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے

رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾
رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمہیں (غضب الٰہی سے) اور تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ اور تاکہ تم پر رحم

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ
کیا جائے ۵۳ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا نوح کو تو ہم نے نجات دی ان کو اور جو آپ کے ساتھ کشتی میں تھے اور ہم نے غرق کر دیا ۵۴ ان لوگوں کو

۵۲ یہاں اُن کے ایک اور شبہ کا ازالہ فرمایا۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ کوئی انسان بھی نبوت و رسالت کے مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے اور ذات ربانی سے براہ راست فیض حاصل کرکے لوگوں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ کام کوئی فرشتہ ہی کر سکتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہاری یہ حیرت و پریشانی بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی کامل اور برگزیدہ بندے کو نعمت نبوت سے سرفراز کرنا چاہے تو اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

۵۳ الہام و تفہیم اور وعظ و نصیحت کا یہ سلسلہ ایک دو روز میں ہی ختم نہیں ہوا بلکہ حضرت نوح ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کی مخالفت برداشت کرتے رہے اور ان کی ہدایت پذیری کے لیے جان توڑ کوشش کرتے رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ کے نبی کا ظرف ہی اتنا وسیع، حوصلہ اتنا بلند اور دل اتنا شفیق ہوتا ہے کہ وہ تکذیب و افتراء کے باوجود وعظ و نصیحت سے دست بردار نہیں ہوتا۔ آخر جب اتنا عرصہ دراز گزر گیا اور ان میں قبول ہدایت کی رغبت پیدا نہ ہوئی تو عذاب الٰہی طوفان کی شکل میں ظاہر ہوا اور آپ کے فرمانبرداروں کے سوا سب کو تباہ و برباد کر دیا۔

۵۴ یہ الفاظ خود اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ طوفان صرف مکذبین و منکرین کے لیے بطور سزا کے آیا تھا۔ ساری دنیا سے اس کا تعلق نہ تھا۔ عراق کی سرزمین خصوصاً کوہ ارارات کی وادیوں میں اب تک ایک مہیب طوفان کے نشانات اہل فن کو ملتے رہتے ہیں۔ تورات میں اس طوفان کے سلسلہ میں یہ تصریحات ملتی ہیں "اور نوح چھ سو برس کا تھا جب طوفان کا پانی زمین پر آیا" (پیدائش ۷:۶) "جب نوح کی عمر کے چھ سو برس کی دوسرے مہینے کی سترھویں تاریخ کو اسی دن بڑے سمندر کے سب سوتے پھوٹ نکلے اور آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں اور چالیس دن اور چالیس رات زمین پر پانی کی جھڑی لگی رہی"

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۶۴ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ دل کے اندھے تھے اور عاد کی طرف اُن کے بھائی

هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ

ہود کو بھیجا ۳۸ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ

کیا تم نہیں ڈرتے کہنے لگے وہ سردار ۳۹ جو کافر تھے آپ کی قوم سے بے شک ہم تو خیال کرتے ہیں

فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۶۶ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ

کہ تم پر لے درجے کے نادان ہو ۴۰ اور ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو ہود نے کہا اے میری قوم! نہیں

(پیدائش: ۷، ۱۱، ۱۲) طوفانِ نوح کا تخمینی سال ۳۲۰۰ ق م ہے۔ فی الفلک کے لفظ سے یہ دھوکا نہ ہو کہ یہ کوئی چھوٹی موٹی ڈونگیا ناؤ تھی۔ محققینِ اثریات کا خیال ہے کہ یہ خاصہ بڑا جہاز اوپر نیچے تین درجوں کا تھا اور اس کی پیمائش توراۃ میں حسب ذیل دی جاتی ہے: اس کی لمبائی ۳۰۰ ہاتھ اور اس کی چوڑائی ۵۰ ہاتھ اور اس کی اونچائی ۳۰ ہاتھ تھی (پیدائش ۶: ۱۵) گویا اتنا بڑا مسافروں کا جہاز (LINER) جو برطانیہ اور امریکہ کے درمیان عموماً چلتے ہیں۔ حسب روایت توراۃ یہ جہاز ۱۵۰ دن (یا ۵ مہینے) چلتا رہا۔ (ماخوذ از تفسیر ماجدی) واللہ اعلم بالصواب۔

۳۸ قوم عاد عرب کی قدیم اقوام میں سے تھی۔ جن کی قوت و شوکت اور حکومت و فرماں روائی کے بڑے مبالغہ انگیز افسانے زباں زدِ عوام تھے۔ ان کا یہ نام ان کے ایک دادا کے نام پر پڑ گیا تھا جن کا شجرہ یہ بتایا جاتا ہے۔ وھو عاد بن عوص بن ارم بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ حضرت ہود اسی قوم کی ایک معزز شاخ کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کا نسب نامہ یہ ہے ہود بن عبد اللہ بن رباح بن الجلود بن عاد الخ (قرطبی)۔ ان کا مسکن احقاف کا علاقہ تھا جو یمن کا ایک حصہ ہے اور ان کا پایۂ تخت حضرموت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بہت سرسبز و شاداب تھا۔ یہ قوم اپنی قوت و وجاہت میں لاجواب تھی۔ دُور دراز تک اردگرد کا علاقہ ان کے زیرِ نگین تھا لیکن بدقسمتی سے یہ بھی شرک میں مبتلا تھے اور اپنے ہر کام کے لیے الگ الگ خدا بنا رکھے تھے۔ اُن کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انھوں نے انھیں باطل معبودوں سے قطع تعلق کرنے اور اپنے مولائے حقیقی سے رشتۂ عبودیت جوڑنے کی دعوت دی۔

۳۹ آپ کی شفقت بھری دعوت کا ردِّعمل یہ ہوا کہ آپ کی قوم کے سرداروں نے آپ کو بے وقوف اور جھوٹا کہنا شروع

بِي سَفَاهَةٌ وَّلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ

مجھ میں ذرا نادانی بلکہ میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے پہنچاتا ہوں تمھیں

رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ

پیغامات اپنے رب کے اور میں تو تمھارا ایسا خیر خواہ ہوں جو دیانت دار ہو کیا تم تعجب کرتے ہو کہ آئی تمھارے پاس

ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا

نصیحت تمھارے رب کی طرف سے ایک آدمی کے ذریعہ جو تم ہی میں سے ہے تاکہ وہ ڈرائے تمھیں (عذاب الٰہی سے) اور یاد کرو

إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ

جب اس نے بنا دیا تمھیں جانشین قوم نوح کے بعد اور بڑھا دیا تمھیں جسمانی لحاظ سے

بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا

قد و قامت میں ۶۵ تو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو ۶۶ شاید تم کامیاب ہو جاؤ وہ کہنے لگے (اے ہود) ۶۷

أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ

کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس کہ ہم عبادت کریں ایک اللہ کی اور چھوڑ دیں ان معبودوں کو جن کی عبادت کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا

کردیا لیکن آپ کی جبین پر بل تک نہ آیا۔ اور نوح علیہ السلام کی طرح بڑی نرمی اور وضاحت سے اپنی سچائی اور اپنی نبوت کی صداقت کو واضح فرمایا۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے کہ شفقت و خلوص کے مجسموں کو ان دل آزار الزامات سے متہم کیا جاتا ہے اور وہ بڑے حوصلے اور ہمت سے اپنا کام کرتے چلے جاتے ہیں۔

۶۵ قد و قامت، شکل و صورت اور قوت و طاقت میں۔

۶۶ آلاء کا واحد إلی، إلْیٌ، ألْوٌ و آلٰی ہے۔ اس کا معنی ہے نعمت۔

۶۷ کسی چیز کو ماننے یا نہ ماننے کے لیے وہ اپنی عقل ناقص کے فتوٰی کے پابند تھے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکتی تھی کہ اس کارخانۂ ہستی کے مختلف نوعیت کے پیچیدہ حساب کا نظام ایک ذات کی مشیت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ انھوں نے تو ہر کام کے لیے الگ الگ معبود بنا رکھے تھے۔ اور اس باطل کو حق یقین کرنے کے لیے ان کے پاس ایک اور زبردست

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ

سو لے آؤ ہم پر وُہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر تم سچے ہو ہود (علیہ السلام) نے کہا واجب ہوگیا

عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَٰدِلُونَنِى فِىٓ أَسْمَآءٍ

تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب ۹۳ کیا تم جھگڑا کرتے ہو مجھ سے ۹۴ ان ناموں کے بارے میں

سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم مَّا نَزَّلَ ٱللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَٰنٍ ۚ

جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے حالانکہ نہیں اُتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی سند

سہارا تھا وہ یہ کہ اُن کے آباؤ اجداد کا یہی عقیدہ تھا اور وہ کسی قیمت پر ان کی اندھی پیروی سے دستکش ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ اس لیے اُنھوں نے اپنے نبی کی پند و نصیحت کو بڑی سرد مہری سے ٹھکرا دیا۔ اور انھیں صاف صاف کہہ دیا کہ جس عذاب کی تم ہمیں ہر وقت دھمکیاں دیتے رہتے ہو اُسے لے آؤ۔ ایسا برتاؤ کوئی اس قوم کی ہی خصوصیت نہیں جب کبھی حق و صداقت کے کسی علمبردار نے اپنی قوم کو ان کی غلط روی سے روکا تو انھوں نے کم و بیش ایسا ہی جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آباؤ اجداد گمراہ ہوں تو آنکھیں بند کیے ہوئے اُن کے پیچھے دوڑتے چلے جانا کوئی عقلمندی نہیں۔ لیکن اگر آباؤ اجداد حق پر ہوں بلکہ حق کے علمبردار رہے ہوں اور ان کی زندگیاں، ان کا عمل اور ان کا وجود ہی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہو جیسے بفضل اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کے اسلاف کرام تھے تو ان کی اقتداء اور پیروی میں ہدایت اور سعادت ہے۔ حضرت غوث اعظم، حضرت خواجہ اجمیر، حضرت داتا گنج بخش، حضرت غوث العلمین بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی۔ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہم من الاولیاء الکاملین قدس اسرارھم وُہ روشن چراغ ہیں جن کی درخشانیوں اور تابانیوں کے باعث صراط مستقیم منور ہے۔

۹۳ وقع بمعنی وجب یا نزل ہے۔ رجس سے مراد عذاب ہے لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ رجس کا معنی دل کی سیاہی ہے جو انکارِ حق سے آئینۂ دل پر تہ در تہ جمتی چلی جاتی ہے اور اس کی فطری نورانیت اور صفائی کا ستیاناس کر دیتی ہے وقیل معنی بالرجس الرین علی القلب بزیادۃ الکفر (قرطبی)

۹۴ اسماء سے مراد وُہ بت ہیں جن کی وُہ پرستش کیا کرتے تھے یعنی الاصنام التی عبدوھا (قرطبی) یعنی جن کو تم اپنا الٰہ اور معبود سمجھ رہے ہو اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ یہ تمہاری اپنی من گھڑت باتیں ہیں جن کے لیے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں۔ صاحب تفسیر مظہری لکھتے ہیں کہ قوم عاد اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تو تھے اور یہ بھی مانتے تھے کہ وُہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ لیکن اپنے بتوں کو بھی الوہیت اور خالقیت میں یا مستحق عبادت ہونے میں اللہ وحدہٗ لاشریک

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٧١ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ

سو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ۔ پھر ہم نے نجات دے دی ہود کو اور جو ان کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا

ہمراہ تھے اپنی خاص رحمت سے اور ہم نے کاٹ کر رکھ دی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۹۵ اور نہ تھے وہ

مُؤْمِنِيْنَ ۝٧٢ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

ایمان لانے والے ۔ اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا ۹۶ آپ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی

کا سا بھی مانتے تھے (مظہری) اسماء سے مراد مُسمّٰی ہے اور سمیتموھا کا مفعول ثانی الٰھۃ محذوف ہے ۔ فی اسماء ای اشیاء و مسمیات سمیتموھا الٰھۃ (مظہری) ای فی اشیاء سمیتموھا الٰھۃ (بیضاوی) ان کے بتوں کے نام یہ تھے ۔ صمود ، صداء اور ہباء وغیرہ ۔

۹۵ دابر اصل اور جڑ کو کہتے ہیں یعنی ہم نے ان پر ایسا مہلک عذاب اتارا جس نے ان سب سرکشوں کا خاتمہ کر کے رکھ دیا ۔

۹۶ نوح اور ہود علیہما السلام اور ان کی قوموں کے عبرت ناک تذکرہ کے بعد اب حضرت صالح اور ان کی قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے ۔ اس قوم کا مسکن جزیرہ عرب کے شمال مغربی جانب شام و حجاز کے درمیانی علاقہ میں تھا ۔ جس کی حدود وادی القریٰ تک پھیلی ہوئی تھیں ۔ ان کے پایۂ تخت کا نام الحجر تھا ۔ اس قبیلہ کا نام ان کے ایک دادے کی وجہ سے ثمود رکھا گیا تھا جس کا سلسلۂ نسب یوں بیان کیا گیا ہے ۔ ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح ۔ لیکن امام رازی اور قرطبی نے ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام لکھا ہے ۔ یہ قوم عاد کی ایک شاخ تھی جو وہاں سے ترک وطن کر کے یہاں آ کر سکونت پذیر ہو گئی تھی ۔ ان کا علاقہ بڑا زرخیز تھا ۔ سرسبز کھیت ، شاداب باغات اپنی بہار دکھایا کرتے تھے ۔ ان کی آبپاشی کے لیے نہروں کا جال بچھا ہوا تھا ۔ لیکن دولت کی فراوانی نے ان کے اخلاق کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ۔ اخلاق بے راہ روی سے عقائد میں بگاڑ پیدا ہونے لگا ۔ یہاں تک کہ وہ بھی شرک کی لعنت میں گرفتار ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے ان کے قومی اور وطنی بھائی حضرت صالح کو مبعوث فرمایا ۔ جو اپنی خاندانی برتری اور شخصی کردار کے باعث بڑے محترم اور معزز تھے ۔ آپ کا شجرۂ نسب علماء تاریخ نے یہ تحریر کیا ہے ۔ صالح بن عبید بن اسعت بن ماشخ بن عبید بن حاذر بن ثمود ۔ آپ کے زمانہ بعثت کا یقینی تعین تو بہت مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ آپ کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے تھا اور بعثت موسوی سے بہت عرصہ پہلے آپ کی قوم برباد ہو چکی تھی ۔

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ

نہیں ہے تمھارا کوئی معبود اس کے سوا ۹۴ بیشک آچکی ہے تمھارے پاس روشن دلیل تمھارے رب کی طرف سے ۹۵ یہ اللہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

کی اونٹنی ہے تمھارے لیے نشانی ہے پس چھوڑ دو اس کو کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمھیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمھیں ۹۶ جانشین

۹۴ وہی دعوت توحید جو ہر نبی کی تشریف آوری کی غایت اصلی ہوا کرتی ہے۔ آپ نے اپنی قوم کے سامنے اسی پیغمبرانہ اخلاص و شفقت کے ساتھ پیش کی۔

۹۵ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی دعوت کو جھٹلایا گیا ہوگا اور آپ کی صداقت کے لیے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا گیا ہوگا۔ چنانچہ یہ اونٹنی آپ کی صداقت کے لیے ظاہر کی گئی۔ اس اونٹنی کا ذکر قرآن کریم میں کئی بار آیا ہے۔ اس میں وجہ اعجاز کیا تھی؟ مفسرین کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ اس کی تخلیق ظاہری اسباب کے بغیر ایک چٹان سے ہوئی تھی اس لیے معجزہ تھی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ کیونکہ جو دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اس دن اور کوئی جانور کنوئیں کے قریب نہیں آتا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی وجوہ اعجاز بیان کی گئی ہیں۔ لیکن اس بارے میں امام فخر الدین رازی کی رائے نہایت پسندیدہ ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ اس اونٹنی میں کوئی ایسی خارق عادت خصوصیت تھی اس کا ذکر قرآن نے نہیں کیا۔ واعلم ان القرآن قد دل على ان فيها آية فاما ذكر انها كانت آية من اى الوجوه فهو غير مذكور والعلم حاصل بانها كانت معجزة من وجه ما لا محالة والله اعلم (کبیر) اس لیے اس بحث میں الجھنا بے سود ہے۔ البتہ بعض لوگوں کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ اس میں بجز اس کے کوئی وجہ اعجاز نہ تھی کہ قوم ثمود کو یہ بتادیا گیا تھا کہ جس روز تم نے اسے گزند پہنچایا تمھیں برباد کر دیا جائے گا کیونکہ ایسی دلیل کا کیا فائدہ جس کی صداقت کا ظہور اس وقت ہو جب کہ اس سے راہ ہدایت پانے والے ہلاک و برباد ہو چکے ہوں۔

۹۶ حضرت صالح علیہ السلام کے وعظ کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان احسانات اور انعامات کو فراموش نہ کرو جن سے اس نے تم کو نوازا ہے۔ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد غلبہ و اقتدار تمھیں بخشا گیا۔ تم کو فن تعمیر میں وہ مہارت عنایت کی کہ میدانی علاقوں میں تم شاندار محلات تعمیر کرتے ہو اور پہاڑی علاقوں میں سنگین چٹانوں کو چیر پھاڑ کر مکان بناتے ہو۔ ان کی عمارات کے آثار آج بھی موجود ہیں جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں جو فن تعمیر میں ان کی مہارت

مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا

عاد کے بعد اور ٹھکانا دیا تمھیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں

قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا

عالیشان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو

فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ

زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے کہا ان سرداروں نے جو تکبر کیا کرتے تھے ان کی

قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ

قوم سے تلہ ان لوگوں کو جنھیں وہ کمزور و ذلیل سمجھتے تھے جو ان میں سے ایمان لائے تھے کیا تم یقین رکھتے ہو

اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿٧٥﴾

کہ صالح رسول ہے اپنے رب کی طرف سے۔ انھوں نے کہا بے شک ہم اس پر جسے دے کر انھیں بھیجا گیا ہے ایمان لانے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٧٦﴾

والے ہیں کہنے لگے وہ لوگ جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو اس چیز کے جس پر تم ایمان لائے ہو منکر ہیں

کی گواہی دے رہے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دنیاوی علوم میں مہارت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جب کوئی قوم راہِ راست سے بھٹک جاتی ہے تو کوئی علمی ترقی اسے اس کے دردناک انجام سے نہیں بچا سکتی۔

تلہ رؤسائے قبیلہ کی شدید مخالفت کے باوجود چند خوش نصیب ایسے بھی تھے جو حضرت صالح پر ایمان لے آئے تھے۔ ان کی مالی حالت کمزور تھی اور معاشرہ میں بھی انھیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اس لیے بڑوں نے ازراہِ تعجب پوچھا کیا تم سچ مچ صالح پر ایمان لے آئے ہو۔ جب انھوں نے اعتراف کیا تو متکبر رئیس بولے ہم تو ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا

پس اُنھوں نے کونچیں کاٹ ڈالیں اس اُونٹنی کی اور اللہ اُنھوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا اے صالح! لے آؤ

بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

ہم پر اس (عذاب) کو جس کا تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا اگر تم اللہ کے رسولوں سے ہو۔ پھر آلیا انھیں ۱۱۲ زلزلہ کے جھٹکوں نے تو

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ

صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے تو (صالح) نے منہ پھیر لیا اُن کی طرف سے اور (بصد حسرت) کہا اے میری قوم ۱۱۳

۱۱۱ عقر کا لغوی معنی اُونٹ کے پاؤں کی کونچیں کاٹ دینا ہے لیکن ذبح کے معنی میں بھی عام مستعمل ہوتا ہے۔ قال الازھری العقر ھو قطع عرقوب البعیر ثم جعل النحر عقرا (مظہری) قوم ثمود میں حضرت صالح کے وعظ و نصیحت کا سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ اور آپ کے خلاف عداوت کا جذبہ بڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ ساری قوم کے مشورہ اور رضامندی سے ایک بدبخت جس کا نام قدار بن سالف تھا (قرطبی) اس نے اکیلے یا اپنے چند ساتھیوں کی امداد سے اس اُونٹنی کو ہلاک کر دیا۔ اور حضرت صالح کے قتل کی بھی سازش کرنے لگے۔ اور ان کی بے باکی کی یہ حالت ہو گئی کہ اللہ کے نبی کو چیلنج دے دیا کہ اب وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہر وقت ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ پچھلے زمانہ کا بدبخت ترین آدمی وہ تھا جس نے صالح کی اُونٹنی کو مار ڈالا اور آئندہ زمانہ کا بدبخت ترین آپ کا قاتل ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اشقی الاولین عاقر ناقۃ صالح واشقی الآخرین قاتلک (مظہری)

۱۱۲ اگرچہ اُونٹنی کو ہلاک کرنے والا ایک شخص تھا لیکن اس کو تائید ساری قوم کی حاصل تھی اور وہ اس کی حرکت پر رضامند تھے اس لیے اس کی سزا بھی صرف ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری قوم کو دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی سرکش اور نافرمان کو قوم کی تائید و حمایت حاصل ہو تو ساری قوم مجرم قرار دی جاتی ہے اور سبھی کو اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

۱۱۳ قوم کی بربادی کے بعد آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ بعض کے نزدیک شام کا قصد کیا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ آپ مکہ کی طرف تشریف لے آئے۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس شفیق و مہربان نبی نے اپنے دلی قلق و حسرت کا اظہار کرتے ہوئے ان مرے ہوئے ثمودیوں کو یہ خطاب فرمایا۔ یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسے جنگ بدر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس گڑھے کے کنارے تشریف لے گئے جس میں کفار مکہ کے لاشے پڑے تھے۔ وہاں جا کر فرمایا۔ اے ابوجہل، اے امیہ، اے عتبہ، اے شیبہ، میرے رب نے فتح و نصرت کا جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ تم کو تمہارے ساتھ ذلت و عذاب کا جو وعدہ تھا وہ بھی پورا ہوا؟ حضرت فاروق اعظم نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ تین دن کے مُردوں کو خطاب فرما

لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ

بے شک پہنچا دیا میں نے تم کو پیغام اپنے رب کا اور میں نے خیر خواہی کی تمہاری لیکن تم تو پسند ہی نہیں کرتے

النَّاصِحِينَ ﴿٧٩﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم

اپنے خیر خواہوں کو | اور بھیجا ہم نے لوط کو جب انہوں نے کہا ۸۰ اپنی قوم سے کیا تم ارتکاب کرتے ہو ایسی بے حیائی کا جو نہیں کی تم سے پہلے

سنتے ہیں جو تم حضور نے فرمایا۔ ما انتم باسمع لما اقول منھم انھم الآن یسمعون ما اقول لھم غیر انھم لا یستطیعون ان یردوا علینا شیئا ، تمہاری نسبت میری گفتگو تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو البتہ وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی قبر میں سنتا ہے۔ جب ایسا ہے تو مومن قبر میں کیوں نہیں سنتا؟

۷۹ یہاں ایک دوسری قوم کا ذکر ہو رہا ہے جو دریائے اردن کی ترائی میں شام کے جنوب میں آباد تھی ان کا پایۂ تخت سدوم تھا۔ یہ علاقہ بھی بڑا زرخیز اور شاداب تھا۔ میلوں تک پھل دار باغات کا سلسلہ چلا جاتا تھا لیکن یہاں بسنے والی قوم بڑی کمینہ خصلت اور بدکردار تھی۔ سر محفل بدکرداریاں کرتے اور بجائے شرمانے کے اس پر فخر کرتے۔ راہ چلتے مسافروں کو لوٹ لینا اپنے مہمانوں کی ہر چیز چھین لینا ان کا پسندیدہ شغل تھا۔ ایسی گری ہوئی اور رذیل قوم کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے حضرت لوط علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ آپ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔ آپ کے والد کا نام حاران بن تارخ تھا۔ آپ کافی عرصہ تک حضرت خلیل کی معیت میں رہے۔ بعد میں انہیں اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے اس مقدس نبی کے متعلق موجودہ تورات میں جو شرمناک الزامات عائد کیے گئے ہیں دل گوارا نہیں کرتا اور حیا اجازت نہیں دیتی کہ انہیں یہاں نقل کیا جائے لیکن میرا یہ بھی فرض ہے کہ قرآن کے دعووں کی تصدیق کے لیے جو ثبوت ملتے ہیں آپ کے ہدیۂ ناظرین کروں۔ قرآن نے بارہا اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ علماء یہود نے اپنے رسولوں پر نازل شدہ کتاب تورات میں جابجا تحریف کر دی اور اس میں طرح طرح کا رد و بدل کیا۔ اس کی تصدیق کے لیے تورات کی مندرجہ آیات پڑھیے حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی کتاب پیدائش کے انیسویں باب کی آیات ۳۰ تا ۳۶ ملاحظہ ہوں۔

"اور لوط ضغر سے نکل کر پہاڑ پر جا بسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے ضغر میں بستے ڈر لگا۔ اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے (۳۰) تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بڈھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے (۳۱) آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (۳۲) سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی (۳۳) اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں

بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً

کسی نے نہیں کیا ساری دنیا میں ف۵۱ بے شک تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے

مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ

عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم لوگ تو حد سے گزرنے والے ہو اور نہ تھا ف۵۲ کوئی جواب

اور تو بھی جا کر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں (۳۴) سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی (۳۵) سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۶)"

نعوذ باللہ من ذالک۔ کہاں نبوت کا مقام رفیع اور کہاں یہ انسانیت سوز پستی جس کے ارتکاب کا خیال آج بھی گھٹیا سے گھٹیا آدمی نہیں کر سکتا۔ سچ ہے یہ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہی کام تھا کہ انبیاء سابقین کے تقدس اور ان کی عصمت کو بیان کریں جن پر ان کے ماننے والوں نے یہ قبیح الزامات لگا رکھے تھے۔ ابھی ابھی نوح علیہ السلام پر میخواری کی جو تہمت تورات میں لگائی گئی ہے اسے آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ضمن میں ہی میں نے انسائیکلوپیڈیا کا حوالہ بھی دیا ہے۔ آخر یورپ کے عیسائی محققین کو بھی عظمت انبیاء کو تسلیم کرنا پڑا جس کو قرآن کریم نے سب سے پہلے پیش کیا۔

ف۵۱ دیگر رذیل حرکتوں کے علاوہ وہ ایک اور گندی عادت کا شکار تھے جو ان سے پہلے کسی قوم میں موجود نہ تھی یعنی وہ لڑکوں کے ساتھ بدمعاشی کیا کرتے تھے اور اس میں وہ ذرا شرم محسوس نہ کرتے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو اس غیر طبعی فعل پر ٹوکا اور انہیں شرم دلائی کہ بے شرمو! اب باز آؤ۔ یہ بد کاری تم کرتے ہو۔ اور گناہ بھی ایسا جس کے موجد بھی تم ہو۔ خدا سے ڈرو کچھ تو حیا کرو۔

ف۵۲ حضرت لوط کے وعظ سے وہ بھڑک اٹھے اور کہنے لگے ذرا دیکھو تو اس لوط کو اور اس کے چیلوں کو۔ بڑے پاکباز بنے پھرتے ہیں۔ ہم ایسے رجعت پسند لوگوں کا وجود اپنے ترقی پسند معاشرہ میں برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ انہیں بہ زبان کہہ دو کہ اپنے زہد و تقدس سمیت یہاں سے تشریف لے جائیں اور ہماری محفل عیش و طرب کو اپنے ان وعظوں سے بے لطف نہ بنائیں۔ انسان پریشان ہو کر رہ جاتا ہے جب وہ یہ پڑھتا ہے کہ اس ذلیل اور غلیظ فعل کو جس سے انسان کی عقل سلیم کو طبعی نفرت ہے صرف عہد قبل از تاریخ کے اہل سدوم نے ہی اپنے لیے پسند نہیں کیا بلکہ یونان کے بڑے بڑے فلسفی اس کو ایک جائز اور پسندیدہ فعل شمار کیا کرتے تھے۔ اور تہذیب جدید کے موجد (یورپ) اور سرپرست (امریکہ) کے بڑے بڑے اہل قلم اس کو قانونی طور پر جائز قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے ہیں۔ کئی ممالک نے اسے قانونی طور پر جائز کر دیا ہے جن میں جرمنی کو سبقت حاصل ہے۔

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

ان کی قوم کے پاس سوائے اس کے کہ وہ بولے باہر نکال دو انھیں اپنی بستی سے یہ لوگ تو بڑے

يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٨٣﴾

پاکباز بنتے ہیں پس ہم نے نجات دے دی لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بجز ان کی بیوی کے، وہ ہو گئی پیچھے رہ جانے والوں

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٨٤﴾ ع ١٠

اور برسایا ہم نے ف۱۰۰ ان پر (پتھروں کا) مینہ تو دیکھو کیسا (عبرتناک) انجام ہوا ف۱۰۱ مجرموں کا

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور (ہم نے بھیجا) مدین کی طرف ف۱۰۲ ان کے بھائی شعیب کو انھوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں تمہارا

ف۱۰۰ جب حضرت لوط علیہ السلام کی کوئی کوشش کارگر نہ ہوئی اور ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی ہی چلی گئی تو ان پر آگ اور پتھروں کی ایسی تباہ کن بارش کی گئی کہ وہ بالکل خاک سیاہ بنا کر رکھ دیئے گئے۔ قرآن حکیم میں دوسری جگہ ہے کہ ان کی بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا گیا۔ آج بھی بحیرہ مردار کو جو اردن کے اسی علاقہ میں ہے بحیرۂ لوط کہا جاتا ہے اور محققین کا خیال ہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں قوم لوط پر عذاب نازل ہوا تھا اور آثار قدیمہ کے ماہرین کو اس بحیرہ کے گرد و نواح میں اس برباد شدہ قوم کے کچھ آثار بھی ملے ہیں۔ علاقہ سدوم کی تباہی کا زمانہ تازہ تحقیقوں کے مطابق ۲۰۶۱ قبل مسیح ہے۔

ف۱۰۱ اسلامی معاشرہ کو اس اخلاقی پستی سے بچانے کے لیے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس جرم کا ارتکاب کرنے والے کے لیے سخت سزا تجویز فرمائی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، نسائی اور دار قطنی میں حضور کا یہ فرمان مروی ہے من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول یعنی جن کو قوم لوط کا فعل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت خالد نے آپ کی خدمت میں ایسے مجرم کی سزا کے متعلق خط لکھا۔ آپ نے سب صحابہ کو مشورہ کے لیے طلب کیا اور مسئلہ پیش کیا۔ حضرت علی نے فرمایا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ مجرم کو تلوار سے قتل کر کے اس کی لاش جلا دی جائے۔ سب صحابہ نے آپ کی رائے کی تائید کی چنانچہ خالد کو یہی لکھا گیا اور انھوں نے اسی کے مطابق عمل کیا۔ حضرت ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت کو اختیار ہے کہ مجرم کو ایسی عبرتناک سزا دے تاکہ کسی اور کو اس کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو۔

ف۱۰۲ اس رکوع میں حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کی قوم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ مدین ایک شہر کا نام تھا جو بحر احمر

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

کوئی خدا اس کے بغیر بے شک آ گئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے تو پورا کرو ناپ

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ

اور تول کو اور نہ گھٹا کر دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ فساد برپا کرو زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَ

اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور

کے کنارے کوہ طور کے جنوب مشرق کی طرف آباد تھا جہاں حضرت شعیبؑ کی قوم رہائش پذیر تھی۔ اصل میں مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے کا نام تھا جو آپ کی اہلیہ محترمہ قطورا کے بطن سے تھے۔ اور یہ قوم ان کی نسل سے تھی۔ اسی وجہ سے انہوں نے اپنی بستی کا نام اپنے جد امجد کے نام پر رکھا تھا۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی۔ اور ان کی بستیاں وہاں تھیں جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو مشہور تجارتی شاہراہیں (یعنی یمن سے شام اور عراق سے مصر جانے والی شاہراہیں) آ کر ملتی تھیں۔ اس لیے ان کی حیثیت ایک مشہور تجارتی منڈی کی تھی جہاں آنے جانے والے تجارتی قافلے اپنا سامان بیچتے بھی تھے اور اپنی ضروریات کی چیزیں خریدتے بھی تھے۔ اس لیے اہل مدین معاشی لحاظ سے بڑے خوشحال تھے

[illegible] حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کے حسن استدلال اور فصاحت کلام کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کے تبلیغی خطبات کا خلاصہ جو قرآن نے ہمیں بتایا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم دو خرابیوں میں مبتلا تھی اور آپ نے انہیں کی اصلاح کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دیں۔ ایک تو یہ کہ اگرچہ آپ کی قوم کا سلسلہ نسب موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا تھا لیکن مرور وقت اور دوسری مشرک قوموں سے میل جول کے باعث وہ شرک میں مبتلا ہو گئے تھے اس لیے حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے انہیں یہ سمجھایا کہ خدا ایک ہی ہے اس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس کے بغیر کسی اور کی پرستش کرنا سخت نادانی ہے اور دوسری خرابی جو ان میں جڑ پکڑ چکی تھی یہ تھی کہ وہ ایک تاجر پیشہ قوم ہونے کے باعث لین دین میں دھوکہ و فریب سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد زیادہ دولت کمانا ہی رہ گیا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بڑی سے بڑی بے ایمانی اور فریب کاری کو جائز سمجھتے تھے۔ کم تولنا، کم ناپنا نیز دوسرے لوگوں سے کوئی چیز خریدتے وقت ان کی سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اس کی قیمت کم دینا ان کے نزدیک ہرگز معیوب نہ تھا۔ حضرت شعیبؑ نے اس سے بھی ان کو روکا۔

[illegible] آخر میں اپنی قوم کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم نے توحید کی جگہ شرک اور ہدایت کی جگہ گمراہی اختیار کی یا تجارتی اصولوں کو

لَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

مت بیٹھا کرو ۱۲۲ راستوں پر کہ ڈراتے رہتے ہو تم (راہ گیروں کو) اور روکتے رہتے ہو تم اللہ کی راہ

اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

سے جو ایمان لایا اللہ کے ساتھ اور تلاش کرتے ہو اس میں عیب۔ اور یاد کرو (وہ وقت) جب تم تھوڑے سے تھے

فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِنْ كَانَ

پھر اس نے تمہیں بڑھا دیا اور دیکھو! کیا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا ۱۲۳ اور اگر ایک

طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا

گروہ تم میں سے ایمان لاچکا ہے اس کے ساتھ جو دے کر میں بھیجا گیا ہوں اور ایک گروہ ایمان نہ لایا تو

فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٧﴾

(ذرا) صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ کردے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اپنی ذاتی منفعت کے لیے پامال کیا تو امن وہدایت کی پرسکون فضا میں فتنہ وفساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔

۱۲۲ وہ لوگ ان راستوں پر بیٹھ جاتے جو حضرت شعیب کی قیام گاہ کی طرف جاتے اور جب انہیں کوئی شخص اُدھر جاتا ہوا ملتا تو اس کے سامنے حضرت شعیب کی مذمت کرتے اور آپ کے عقائد کو اس طرح پیش کرتے کہ یہ معلوم ہونے لگتے کہ یہ عقائد سراسر باطل ہیں۔ اور ان کے اس پروپیگنڈے کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ حضرت شعیب کے پاس جانے پر بضد ہوتا تو پھر ڈنڈے کے زور سے اُسے روک دیتے۔ ان کے اس طرزِ عمل پر ان کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ ایسا کرنا چھوڑ دو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔

۱۲۳ یعنی تمہارے گردوپیش بے شمار ایسے کھنڈرات موجود ہیں جو ان قوموں کا مسکن تھے۔ جو اپنے زمانہ میں قوت و شوکت، علم وصنعت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ انہیں اپنے تمدن وطرزِ معاشرت پر ناز تھا۔ لیکن جب وہ نافرمانی کی راہ پر چل نکلیں تو تہس نہس کر کے رکھ دی گئیں۔ تم ان کے دردناک انجام سے آنکھیں کیوں بند کیے ہوئے ہو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

کہنے لگے وہ سردار جو غرور و تکبر کیا کرتے تھے ان (شعیب) کی قوم سے ۱۱۰ یا تو ہم نکال کر رہیں گے تجھے اے شعیب!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ

اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔ شعیب نے کہا

اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۸۸ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ

اگرچہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں ۱۱۱ پھر تو ہم نے جھوٹا بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے

مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ

دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں کوئی وجہ جائز جیسے کہ ہم لوٹ آئیں

۱۱۰ حضرت شعیب کا وعظ سراپا حقیقت تھا۔ اس میں صداقت کا نور چمک رہا تھا۔ ہر لفظ اخلاص و شفقت کا آئینہ تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کا وعظ سننے کے بعد ان کے دل پسیج جاتے اور ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی دُور ہو جاتی۔ لیکن وہاں تو مسلسل سرتابیوں کی وجہ سے دل کا آئینہ زنگ آلود ہو چکا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ شائستہ انداز میں گفتگو کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے فوراً جبر و تشدد پر اتر آئے۔ اور باطل کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے۔ دلیل و برہان کے میدان میں شکست کھا لینے کے بعد وہ حق کو اپنی قوت سے کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان لوگوں نے بھی ادب و تہذیب کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال کر آپ کو دھمکی دینی شروع کر دی کہ اے شعیب! اگر تم اور تمہارے چیلے ہمارے مذہب میں لوٹ نہ آئے تو تمہارا بوریا بستر اٹھا کر شہر سے باہر پھینک دیا جائے گا اور تمہیں جلاوطن کر دیا جائے گا۔

۱۱۱ آپ نے فرمایا اے قوم! اگر ہم خوشی سے ان بگڑی اور گلی سڑی بستیوں میں جہاں تم نے لیتے آپ کو پھینک دیا ہے گرنے پر آمادہ نہ ہوں تو کیا تم ہمیں پھر بھی مجبور کرو گے کہ ہم اپنے آپ کو ہدایت کے مقام بلند سے ضلالت کے گڑھے میں ڈال دیں۔ ہمیں اتنا بے وقوف مت سمجھو کہ توحید کی شراب طہور پی لینے کے بعد ہم پھر کفر و شرک کے گندے اور غلیظ جوہڑ کی طرف آئیں گے۔ اور انسانی شرف و فضیلت کی قدروں پر ایمان لانے کے بعد پھر کسی دلدل میں آکر ان سے روگردانی اختیار کر لیں گے۔ ہم پر تو اللہ تعالیٰ کا یہ خاص احسان ہے کہ ہماری رسائی اسلام کے چشمۂ صافی تک ہو گئی ہے۔

فِيهَآ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّنَا ۚ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۚ

اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ جو پروردگار ہے ہمارا ۱۶۱ گھیرے ہوئے ہے ہمارا رب ہر چیز کو اپنے علم سے

عَلَى ٱللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا ٱفْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِٱلْحَقِّ وَ

صرف اللہ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے اے ہمارے رب فیصلہ فرما دے ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ ۱۶۲ اور

أَنتَ خَيْرُ ٱلْفَٰتِحِينَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ ٱلْمَلَأُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِن قَوْمِهِۦ لَئِنِ

تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔ اور کہا ان رئیسوں نے جو کافر تھے ان کی قوم سے کہ اگر تم

ٱتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَٰسِرُونَ ﴿٩٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ ٱلرَّجْفَةُ

پیروی کرنے لگو شعیب کی تو یقیناً تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ۱۶۳ پھر پکڑ لیا انھیں زلزلہ نے

۱۶۱ پہلے اپنا پختہ ارادہ اور عزم بتایا کہ ہم راہِ راست کو کسی قیمت پر بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے پر آمادہ ہیں۔ لیکن اس میں خودی کی کچھ بو آ رہی تھی۔ اس لیے فوراً اپنے عزم و ارادہ کی بےبسی کا اعتراف کیا اور ہر چیز اپنے مولائے حقیقی کے حوالہ کر دی۔ یعنی ہمارا ہدایت پر ثابت قدم رہنا اسی وقت تک ہے جب تک اس کی نظرِ کرم اور توفیق ہمارے شاملِ حال ہے۔ ورنہ ہماری کوئی نیکی اور تقویٰ کسی کام نہیں آ سکتے۔ سبحان اللہ کیا مقام ہے پیغمبر کا۔ بارگاہِ ربانی میں اتنی عزت و توقیر کے باوجود دل ہر لحظہ اپنے مالک کی بےنیازی سے لرزاں و ترساں ہے۔ مومن کی کیفیت بھی ایسی ہی ہونی چاہیے کہ اپنی ہر نیکی کو اپنے رب کا فضل تصور کرے اور اپنے علم، عمل اور تقویٰ پر قطعاً گھمنڈ نہ کرے اور ہر لغزش سے اس کی پناہ مانگتا رہے۔

۱۶۲ یہاں افتح کا معنی ہے احکم یعنی ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔ احکم بیننا وبینھم والفتاح القاضی والفتاحۃ الحکومۃ (بیضاوی)

۱۶۳ مدین کے رئیسوں نے جب حضرت شعیب کی تبلیغ کو اثر انداز ہوتے ہوئے محسوس کیا تو اپنی قوم کو معاشی بدحالی سے خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ انھیں بتایا کہ اگر تم نے شعیب کی بات مان لی اور کم تولنا، کم ناپنا، ذخیرہ جیسے ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا چھوڑ دیا تو تمہاری یہ دولت و ثروت کی فراوانی، تجارت کی گہما گہمی اور معاشی فارغ البالی سب ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ پھر تم بھوکے اور تمہاری فاقہ مستیاں اس روکھے پھیکے تقدس کو بیٹھے چاٹتے رہنا۔ ہمارا ذہن بھی کچھ ایسا ہی سوچا کرتا ہے۔ اصولوں کی پابندی میں اسے اپنی ناکامی، راہِ راست پر چلنے میں اپنی ہلاکت کے خدشات اور دینِ حق پر ایمان لانے میں اسے سب خطرات دکھائی دینے

فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ﴿۹۱﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ

تو صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں منہ کے بل گرے پڑے تھے۔ جن بدبختوں نے جھٹلایا شعیب کو (وہ یوں برباد کر دیے گئے)

لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ﴿۹۲﴾

گویا کبھی بستے ہی نہ تھے ان مکانوں میں ۱۱۹ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو ہو گئے وہی نقصان اٹھانے والے ۱۲۰

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ

تو منہ پھیر لیا ان کی طرف سے اور کہا اے میری قوم بے شک میں نے پہنچا دیے تھے تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں نے نصیحت کی تھی

لگتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ نبی ایسے ہی بیمار ذہنوں کے علاج کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے۔

۱۱۹ لفظ غنی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ غنيت بالمكان اذا اقمت به وغني القوم في دارهم اي طال مقامهم فيها والمغنى المنزل والجمع المغاني۔ خلاصہ عبارت یہ ہے کہ غنی کا معنی ہے کسی جگہ مدت دراز تک اقامت گزیں رہنا اور رہائش گاہ کو مغنی کہتے ہیں اور اس کی جمع مغانی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مسلسل نافرمانی اور سرکشی کے باعث ان پر عذاب الٰہی آیا تو وہ ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے۔ اور ان کے شاندار محلات اور کشادہ حویلیاں میں اُلّو بولنے لگے جہاں زندگی اپنے تمام نخروں سمیت جلوہ فرما تھی وہاں خاک اڑنے لگی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آباد ہوا ہی نہیں۔

۱۲۰ یعنی وہ تو اس خوف کی وجہ سے شعیب علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے تھے کہ اگر انہوں نے ان کی شریعت پر عمل شروع کر دیا تو وہ مفلوک الحال اور کنگال ہو جائیں گے اور ان کی معاشی بدحالی کا آغاز ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کے یہ سب اندیشے غلط ثابت ہوئے اور نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے نبی کے دامن میں پناہ لی وہ تو دین و دنیا میں کامیاب ہو گئے اور جنہوں نے آپ کی نافرمانی کی ان کی دنیا بھی برباد اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ وہ لوگ جو محض تام نہاد اور بے بنیاد اقتصادی زبوں حالی کے خوف سے شریعت اسلامیہ کے واضح احکام میں ردّ و بدل کرنے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اہل مدین کے حالات کا بغور مطالعہ کریں ان پر یہ حقیقت روشن ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں صرف عقبیٰ کی نجات ہی نہیں بلکہ دنیا کی خوشحالی بھی مضمر ہے۔ اور ان سے سرتابی کرنے والے صرف اپنی قیامت ہی خراب نہیں کرتے بلکہ اپنے ہاتھوں اپنی اس زندگی کو بھی تمام حقیقی خوشیوں اور راحتوں سے محروم کر دیتے ہیں۔

لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ ع ۱۲

تمھیں۔ تو (اب) کیونکر غم کروں میں ۱۲۱ کافر قوم (کے ہولناک انجام) پر۔ اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں ۱۲۲

مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

کوئی نبی مگر یہ کہ (جب نبی جھٹلایا گیا) تو ہم نے مبتلا کر دیا وہاں کے باشندوں کو سختی اور تکلیف میں تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا

گڑگڑانے لگیں۔ پھر ہم نے بدل دی تکلیف کی جگہ راحت ۱۲۳ یہاں تک کہ وہ پھلے پھولے اور کہنے لگے

۱۲۱ یہ بیان جو متعدد قوموں میں پھیلا ہوا ہے اس سے مدعا صرف داستان سرائی اور قصہ گوئی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو جھنجھوڑنا ہے۔ ان کے سامنے ان قوموں کا احوال بیان کیا جن سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا جن کے کھنڈرات ان کے تجارتی کاروانوں کی گزرگاہوں کے ارد گرد واقع تھے۔ جن کی خوشحالی، بالادستی، غلبہ و اقتدار کی بڑی شہرت تھی اور پھر انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی کے باعث ان کی تباہی و بربادی کے دلخراش واقعات سب کو معلوم تھے۔ یہ بتا کر انھیں آگاہ کیا کہ میرا حبیب اور میرا مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء بھی انھیں تعلیمات کو کامل اور مکمل صورت میں تمھارے پاس لے آیا ہے جو پہلے نبیوں نے اپنی اپنی امتوں کو اپنے زمانہ میں ان کی عقلی بیداری کے مطابق انھیں دیں۔ اگر تم نے بھی انکار اور سرکشی کی روش اختیار کی تو یاد رکھو تمھارا بھی وہی انجام ہوگا جو پہلے منکرین کا ہوتا آیا ہے۔ دونوں جہان کی سعادت اور سلامتی مطلوب ہے تو میرے پیارے رسول کی اطاعت کرو اور اس کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لو۔

۱۲۲ یہاں من نبی کے بعد فکذبوہ مضمر ہے فیہ اضمار یعنی فکذبوہ (مظہری)۔ پہلے خاص خاص قوموں کے حالات بیان کیے اب ایک قاعدہ کلیہ بتایا جا رہا ہے جس کے ماتحت سب قوموں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے یعنی جب بھی کسی بستی میں نبی مبعوث کیا گیا اور وہاں کے بسنے والوں نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو فوراً ہی انھیں تباہ و برباد نہیں کر دیا جاتا بلکہ اگر نبی کی تعلیم کی صداقت، اس کی دلکش سیرت اور دوسرے روشن معجزات اس کی قوم کو ان کی ہٹ دھرمی سے باز نہیں رکھ سکتے تو پھر انھیں طرح طرح کی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے تاکہ غرور کا نشہ اترے انھیں اپنے اور اپنے اسباب کے مادی وسائل کی نارسائی کا یقین ہو جائے اور ان پر ان کی کمزوریاں عیاں ہو جائیں تاکہ وہ باطل کے چنگل سے چھٹکارا حاصل کر کے حق کے ظل رحمت میں آ جائیں۔ لعلھم یضرعون کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تکلیفیں انسان کو خواب غفلت سے چونکا دینے کے لیے ہوتی ہیں۔

۱۲۳ لیکن اگر یہ طریقہ بھی مؤثر ثابت نہ ہو تو پھر ان پر انعام و اکرام کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اولاد، مال، عزت،

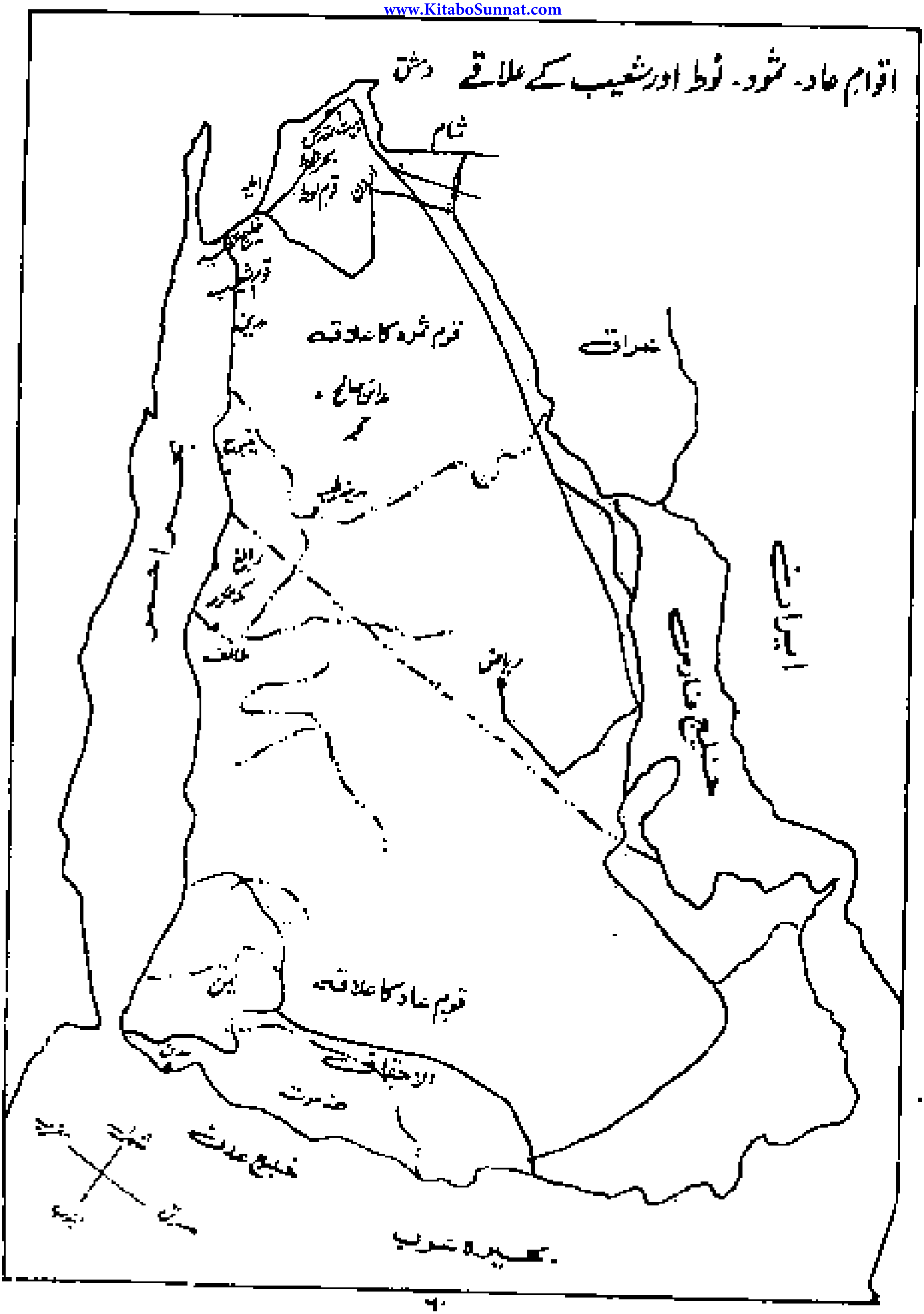
اقوام عاد۔ ثمود۔ لوط اور شعیب کے علاقے
دمشق
شام
مدینہ
قوم ثمود کا علاقہ
عراق
طائف
ریاض
یمن
قوم عاد کا علاقہ
حضرموت
خلیج عدن
بحیرہ عرب

قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

بےشک اسی طرح پہنچا کرتی تھی ۱۳۳؎ ہمارے باپ دادا کو کبھی تکلیف اور کبھی راحت تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اس حال میں کہ انہیں

وفادار اور بیش قیمت کی آسائشیں انھیں مہیا کردی جاتی ہیں تاکہ وہ اپنے محسن حقیقی کو پہچان کر اس کی نافرمانی سے باز آجائیں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرلیں لیکن اگر وہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹنے کے بعد بھی بیدار نہ ہوسکے اور نعمت و احسان کی فراوانی کے باوجود بھی اُن کے دلوں میں اپنے مہربان اور کریم پروردگار کے لیے شکر گزاری کا جذبہ پیدا نہیں ہوا تو پھر اُن کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔ وہ جسم کے ایسے گلے سڑے عضو کی طرح ہیں جس کا کاٹ دینا باقی جسم کی حفاظت کے لیے از بس ضروری ہے۔ علامہ قرطبی لفظ عفوا کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اضداد سے ہے۔ اس کا معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہے اور مٹ جانا بھی۔ یہاں پہلے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس ؓ نے عفوا کا معنی کثروا کیا ہے وعفا: من الاضداد عفا کثر وعفا درس وقال ابن زید: کثرت اموالهم واولادهم (قرطبی)

۱۳۳؎ بجائے اس کے کہ وہ ان مصائب اور نکبتوں سے عبرت حاصل کرتے اور اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے وہ یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دے دیتے کہ یہ ژالہ باری جس نے ہمارے کھیتوں اور باغوں کا ستیاناس کردیا ہے، یہ قحط جس نے زمین سے روئیدگی کی ساری قوت چھین لی ہے، یہ زلزلہ جس کے جھٹکوں نے ہماری بارونق اور آباد بستیوں کو زیر و زبر اور فلک بوس عمارتوں کو پیوند زمین کردیا ہے۔ یہ جنگ جس کی ہلاکت خیزیوں نے قیامت برپا کردی ہے۔ یہ ہماری کسی اخلاقی کمزوری یا کاروباری بددیانتی اور غریبوں پر ظلم و تعدی کی سزا نہیں بلکہ پہلے بھی اکثر یوں ہوتا رہا ہے۔ موسمی تغیرات یا سیاسی حالات کی وجہ سے یہ حادثات رونما ہوگئے ہیں۔ اُن گزری ہوئی قوموں کو ہم رہنے دیں۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر ذرا اپنا محاسبہ کریں، پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد کونسی ایسی مصیبت ہے جس سے ہم دوچار نہیں ہوئے سیلابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو مشرقی اور مغربی پاکستان کے دریا اپنی قہر آلود موجوں سے ہزارہا گاؤں کو بہالے جاتے ہیں۔ سینکڑوں بڑے بڑے شہروں کی بنیادیں ہلا دیتی ہیں۔ جان و مال کے نقصانات کا اندازہ کروڑوں روپیہ سے زیادہ ہوتا ہے لیکن کیا ہم اس سے کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں، کبھی اپنی اخلاقی کمزوری سے تائب ہوتے ہیں، کبھی قومی غداری سے دست کش ہوتے ہیں؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اس سال مون سون کی ہوائیں بڑے زور شور سے اُٹھیں اور پہاڑوں سے آ ٹکرائیں اور متواتر کئی دنوں تک موسلا دھار بارش برستی رہی جس کی وجہ سے یہ طغیانی آ گئی اور فلاں فلاں گاؤں اور شہر غرقاب ہوگئے۔ پھر سیلاب زدگان کی امداد کے لیے رقص و سرود کی محفلیں ترتیب دی جاتی ہیں جہاں ننگے اور فحش گانے ہوتے ہیں اور ان ذلیل حرکات سے جو رقم اکٹھی ہوتی ہے وہ بھی اکثر و بیشتر امدادی پروگرام کے منتظموں کی جیب سے یوں چمٹ کر رہ جاتی ہے کہ باہر نکلنے کا نام نہیں لیتی۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت جس نگاہ سے ان حادثات کو دیکھتی ہے اور پھر اس کے لیے جو علاج تجویز کرتی ہے ان تباہ ہونے والی قوموں کا بھی یہی حال تھا۔ اسی

لَا يَشْعُرُونَ ۝٩٥ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

خواب و خیال بھی نہ تھا۔ اور اگر بستیوں والے ف۱۲۵ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر

بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا

برکتیں آسمان کی اور زمین کی لیکن انہوں نے جھٹلایا (ہمارے رسولوں کو) تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان

يَكْسِبُونَ ۝٩٦ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ

کرتوتوں کے جو وہ کیا کرتے تھے تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت اس حال میں کہ وہ

نَائِمُونَ ۝٩٧ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ

سو رہے ہوں ف۱۲۶ یا کیا بے خوف ہو گئے ہیں ان بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت جب کہ وہ

کو قرآن نے اپنے معجزانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ تو بیان کا مقصد یہ نہیں کہ ہم گزشتہ اقوام کی کج فہمیوں پر طنزیہ قہقہے لگائیں یا زبانی طور پر اظہار افسوس کر دیں۔ بلکہ مقصود وحید یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور ان نصیحت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے آپ کو اس دردناک انجام سے بچائیں جس سے سابقہ قوموں کو اپنی سرکشیوں کے باعث دوچار ہونا پڑا تھا۔

ف۱۲۵ یعنی ایمان اور تقویٰ کسی قوم کی ترقی کے راستہ میں حائل نہیں ہوتے جیسے عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کے باعث تو رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آجاتا ہے اور ہر جانب سے خیر و برکت کی فراوانی ہو جاتی ہے۔ زمین اپنے شکم میں پوشیدہ خزانوں کو اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی ہے اور آسمان اپنی رحمتوں اور برکتوں کو بے دریغ نچھاور کرتا ہے۔ ای لوسعنا علیھم الخیر من کل جانب وادمناہ لھم وقیل برکات السماء المطر وبرکات الارض النبات والزرع (مظہری) ترجمہ: ہم ہر طرف سے ان پر خیر و برکت کی فراوانی کر دیتے اور جو نعمتیں انہیں بخشی ہیں وہ ہمیشہ برقرار رہتیں۔ برکات آسمان سے مراد بارش ہے۔ اور برکات زمین سے مراد زراعت و نباتات ہے۔

ف۱۲۶ اے مکہ اور اس کے اردگرد بسنے والو! پہلے نبیوں کو جھٹلانے والی قوموں کا یہ انجام ہوا۔ اگر تم میرے رسول پر ایمان نہ لائے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل کر دیا جائے گا اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی۔ والمراد بالقریٰ مکۃ وما حولھا (قرطبی)

يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ

کھیل کود میں مست ہوں تو کیا یہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کی خفیہ تدبیر سے ۱۲۴ پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی خفیہ تدبیر سے بجز اس

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ

ع ۱۲ ۲

قوم کے جو نقصان اٹھانے والی ہوتی ہے۔ کیا یہ حقیقت ۱۲۵ آشکار نہ ہوئی ان لوگوں پر جو وارث بنتے ہیں زمین کے اس کے (پہلے) مالکوں

اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

(کی تباہی) کے بعد کہ اگر ہم چاہیں تو سزا دیں انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے اور مہر لگا دیں ان کے دلوں پر تاکہ

فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ

وہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔ یہ بستیاں ہیں ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ۱۲۶ ان کی کچھ خبریں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا

اور بے شک آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ اور نہ ہوا یہ کہ ایمان لاتے اس چیز پر جس کو جھٹلا چکے تھے

۱۲۴ ان کے مکروفریب کی انہیں جو سزا دی جانے والی تھی اُسے مکر اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ اور یہ استعمال عام ہے جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ ای عذابه وجزاءه علی مکرهم (قرطبی) اور علامہ بیضاوی فرماتے ہیں ومکر الله استعارة لاستدراج العبد واخذه من حیث لا یحتسب (بیضاوی)

۱۲۵ هدی یهدی کا صلہ جب لام آتا ہے تو اس کا معنی ظاہر ہونا اور واضح ہونا ہوتا ہے۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ عدی الهدی باللام لانه بمعنی یبین (بیضاوی) یعنی مشرکین مکہ بڑے کم فہم ہیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ سے یہ اتنی عبرت بھی حاصل نہیں کرتے کہ نافرمانی کے باعث ان کا کتنا برا انجام ہوا۔ اور جس مالک و قادر نے ان قوموں کو ان کے کرتوتوں پر سزا دی۔ اس کی قوت وطاقت سلب نہیں ہو گئی۔ وہ آج انہیں بھی سزا دینے پر قادر ہے۔

۱۲۶ ان گاؤں سے حضرت نوح، لوط، ہود، شعیب علیہم السلام کی قوموں کی بستیاں مراد ہیں۔

مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا

اس سے پہلے ۱۳۰؎ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر ۱۳۱؎ اور نہ پایا ہم نے

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ

ان کی اکثریت کو وعدہ کا پابند ۱۳۲؎ اور ضرور پایا ان میں سے بہتوں کو حکم عدولی کرنے والا پھر

بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا

ہم نے بھیجا ۱۳۳؎ ان کے بعد موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے انکار کر دیا

۱۳۰؎ وہ لوگ اتنے ضدی اور ہٹ دھرم تھے کہ جب ایک مرتبہ ان کی زبان سے نکل گیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر اس پر جم گئے۔ کوئی وعظ و نصیحت، کوئی دلیل، کوئی معجزہ ان کو حق قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ یعنی معجزات کا مشاہدہ کرنے سے پہلے انہوں نے نبی کی دعوت ماننے سے جو انکار کیا تھا معجزات کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی اُسی انکار پر اڑے رہے۔

۱۳۱؎ یہ سنت الٰہی ہے کہ جو قوم جان بوجھ کر کفر و شرک میں مبتلا رہنا چاہتی ہے اور حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرتی ہے اس کی غور و فکر کی قوتیں بیکار کر دی جاتی ہیں۔ اور اس اختیاری کفر کے بعد ان پر ہدایت کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں کیونکہ کوئی چشم بینا رکھتے ہوئے دن کی روشنی میں اس سے کام نہ لے تو وہ اگر گڑھے میں گرتا ہے تو بصد شوق گرے اس کی منت نہیں کی جائے گی کہ از راہ نوازش ہمارے حال پر رحم فرماتے ہوئے گڑھے میں نہ گریئے۔

۱۳۲؎ عہد شکنی ان کی فطرت ثانیہ ہے جو وعدہ بھی کرتے ہیں اس کو توڑ دیتے ہیں۔ خواہ وہ وعدہ اپنے خدا سے کریں یا اس کے بندوں سے۔

۱۳۳؎ مذکورہ بالا انبیاء کے بعد فرعون جو اپنے آپ کو خدا یا مظہر خدا سمجھتا تھا کی طرف اور اس کے درباریوں کی طرف حضرت موسیٰ کلیم مبعوث کیے گئے۔ اور انہیں زبردست معجزے عطا کیے گئے تاکہ کسی کو آپ کی صداقت میں شک نہ رہے۔ ہر خاص و عام سمجھ لے کہ ایسے معجزے دکھانے والا صرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں ظلم بمعنی کفر ہے کیونکہ معجزات کے ساتھ ظلم یہی ہے کہ ان کو دیکھ کر دعوت حق قبول کرنے کے بجائے اس کا تمرد و تعدّی سے انکار کر دیا جائے۔ اسی لیے فکفروا بہا کے بجائے فظلموا بہا فرمایا۔

بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٠٣﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ

ان کا۔ سو دیکھو کیسا انجام ہوا فساد برپا کرنے والوں کا اور کہا موسیٰ (علیہ السلام) نے اے فرعون! ۱۳۴

اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى

بلاشبہ میں رسول ہوں پروردگار عالم کا واجب ہے مجھ پر ۱۳۵ کہ میں نہ کہوں اللہ پر

اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ

سوائے سچی بات کے۔ میں آیا ہوں تمہارے پاس روشن دلیل لے کر تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے میرے ساتھ ۱۳۶

۱۳۴ جیسے شاہان ایران کو کسریٰ اور شاہان روم کو قیصر کہا جاتا تھا اسی طرح مصر کے بادشاہوں کا لقب فرعون تھا۔ اس زمانہ میں مصر کے لوگ سورج کو سب سے بڑا دیوتا یقین کرتے تھے۔ اور جب تک کوئی بادشاہ اپنی مصری رعایا کے دلوں میں یہ تاثر پیدا نہ کر دیتا کہ وہ سورج کا اوتار ہے اس کی حکومت کو استحکام نصیب نہ ہوتا۔ اسی لیے انہوں نے اپنے لیے فرعون کا لقب تجویز کیا جو رَع سے ماخوذ ہے۔ اور سورج کو مصری زبان میں رَع کہتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس فرعون سے واسطہ پڑا تھا وہ اس خاندان کا ایک ہی بادشاہ تھا یا دو بادشاہ تھے۔ بعض کا یہ خیال ہے کہ دو فرعون تھے جس فرعون کے عہد میں آپ کی ولادت ہوئی اور جس کے محل میں آپ نے پرورش پائی اس کا نام رعمسیس دوم تھا۔ جس کا عہد حکومت ۱۲۹۲ سے ۱۲۲۵ قبل مسیح تک تھا۔ اور جس فرعون کے زمانہ میں آپ پیغمبر بن کر آئے اس کا نام منفتہ یا منفتاح تھا جو اپنے باپ رعمسیس دوم کے بعد تخت نشین ہوا۔

۱۳۵ عَلَیَّ یا پر مشدد اور علیٰ دونوں قراءتیں ہیں۔ پہلی قراءت کے مطابق حقیق کا معنی واجب ہو گا یعنی مجھ پر واجب ہے کہ میں سچی بات ہی کہوں۔ اور دوسری قراءت کے مطابق حقیق بمعنی حریص ہو گا یعنی میں سچی بات کہنے پر بڑا حریص ہوں اور اگر علیٰ جارہ بمعنی با ہو تو پھر حقیق بمعنی واجب ہو گا۔ (قرطبی)

۱۳۶ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل فلسطین سے ہجرت کر کے مصر آگئے تھے لیکن مصریوں نے رفتہ رفتہ انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ ان پر ہر قسم کے مظالم توڑے جاتے۔ ان سے ہر طرح کی بیگار لی جاتی۔ یہ اپنے مصری آقاؤں کی زمینیں آباد کرتے۔ ان کے محلات تعمیر کرتے۔ ان کی حالت بہت ناگفتہ بہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کی قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اور انہیں اجازت دے کہ وہ یہاں سے سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن میں رہائش پذیر ہوں۔

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۰۵﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَةٍ فَاْتِ بِهَاۤ اِنْ

بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے کہا اگر تم لائے ہو کوئی نشانی تو پیش کرو اسے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۷﴾

تم (اپنے دعویٰ میں) سچے ہو۔ تو ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو فوراً وہ صاف اژدہا بن گیا ۱۳۴؎

وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ ع ۱۴

اور نکالا اپنا ہاتھ (گریبان سے) تو فوراً وہ سفید (روشن) ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔ کہنے لگے قوم فرعون کے رئیس

۱۳۴؎ فرعون کے مطالبہ پر آپ نے دو معجزے پیش کیے۔ ایک تو آپ نے اپنا لکڑی کا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ دوسرا آپ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈالا اور جب نکالا تو وہ جگمگا رہا تھا اور دیکھنے والوں کی نگاہوں کو اس کی چمک خیرہ کر رہی تھی۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں معجزات کا ذکر آتا ہے تو بعض طبیعتوں پر بڑی وحشت طاری ہو جاتی ہے اور اس خوف سے کہ کہیں ان واقعات کو قوانینِ فطرت کے خلاف پا کر علماء طبیعین قرآن کی تکذیب نہ کرنے لگیں۔ وہ ان واقعات کی ایسی رکیک تاویلیں کرتے ہیں جن کو قرآن کے الفاظ ہرگز قبول نہیں کرتے۔ حالانکہ یہاں ان کے پریشان اور وحشت زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ خالقِ کائنات کے متعلق آپ کا عقیدہ کیا ہے۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد وہ اب ایک بے بس اور بے اختیار تماشائی بن کر رہ گیا ہے اور اس کو اس میں ردّ و بدل کا کوئی اختیار نہیں تو پھر آپ معذور ہیں۔ قرآن جس خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے وہ ایسا بے بس اور بے کس خدا نہیں۔ لیکن اگر آپ اسے کائنات کا خالق تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو رب اور قدیر بھی یقین کرتے ہیں تو پھر آپ پریشان کیوں ہوں۔ وہ مالک ہے اور اس پر قادر ہے کہ چاہے تو چھوٹے سے انڈے سے سانپ پیدا کر دے اور چاہے تو اس معمول سے ہٹ کر لکڑی کے ایک ڈنڈے کو سانپ بنا دے۔ اگر علماء طبیعین اس بات پر مصر ہوں کہ جو قواعد اور سنن اس مادی کائنات میں کارفرما ہیں وہ اٹل ہیں ان میں ردّ و بدل ممکن نہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ کیا آپ کا علم فطرت کے تمام قوانین اور سنن کو محیط ہے؟ ممکن ہے کہ یہ تخلیق کسی ایسے قاعدے کے مطابق ہو جہاں تک ابھی آپ کے علم کی رسائی نہ ہوئی ہو۔ نیوٹن اور بڑے بڑے سائنس دان اس کے معترف ہیں کہ ان کا علم ناتمام فطرت کے تمام قوانین و ضوابط کو محیط نہیں بلکہ وہ ابھی تک صرف چند اسرار کی نقاب کشائی کر سکے ہیں۔

فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ

واقعی یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے ۱۳۸ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں تمہارے

اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى

ملک سے تو اب تم کیا مشورہ دیتے ہو ۱۳۹ بولے مہلت دو اسے ۱۴۰ اور اس کے بھائی کو اور بھیجو

الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَآءَ السَّحَرَةُ

شہروں میں ہرکارے تاکہ وہ لے آئیں تمہارے پاس ہر ماہر جادوگر کو ۱۴۱ اور آگئے جادوگر

فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ

فرعون کے پاس ۱۴۲ جادوگروں نے کہا یقیناً ہمیں تو ہمیں بڑا انعام ملنا چاہیئے اگر ہم ہی غالب آجائیں فرعون نے کہا بے شک

۱۳۸؎ جب فرعون کے درباریوں نے لکڑی کے عصا کو مہیب اژدہا بنتے ہوئے دیکھا اور آپ کے ہاتھ کو آفتاب سے زیادہ چمکتا ہوا پایا تو وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ یہ معجزہ ہے۔ اور قوت اور قوانینِ فطرت کے خالق کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ وہ یہ جانتے ہی کہ سکے کہ عام جادوگروں کی طرح یہ بھی ایک نظر بندی ہے لیکن اس سے ہر حال بہتر۔ اس لیے کہا کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے۔

۱۳۹؎ یعنی موسیٰ اپنے محیر العقول کرتبوں سے لوگوں کو مرعوب کر کے انھیں اپنا عقیدت مند بنا لے گا۔ اور جب اسے قوت و اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر ہماری حکومت کا تختہ الٹ کر خود بادشاہ بن بیٹھے گا۔ اور اس کے بعد قبطیوں کو ان کے آبائی وطن سے نکال دے گا۔ اس لیے اے قومِ قبط کے امراء! آؤ مشورہ دو کہ اس فتنہ کا سدِّباب کرنے کے لیے ہمیں کیا تدبیر اختیار کرنی چاہیئے۔ افسوس! کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنا سیاسی حریف سمجھ بیٹھے۔ اور ان کے ذہن میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے جو کسی ذاتی لالچ کے بغیر ان کی خیر خواہی میں کوشاں ہے اور ان کے مجبور و استبداد سے اپنی مظلوم قوم کو رہائی دلانا چاہتا ہے۔

۱۴۰؎ مصر میں اس وقت فنِ جادوگری کو بڑا عروج حاصل تھا۔ درباریوں نے جب ان خدشات اور خطرات کے متعلق سنا تو یک زبان پکار اٹھے کہ آپ کی قلمرو میں بڑے بڑے ماہر جادوگر موجود ہیں۔ آپ موسیٰ اور اس کے بھائی کو چند روز کی مہلت دیں اور اپنے خاص آدمی بھیج کر اپنی مملکت کے چیدہ ساحر جمع کر لیں جو مجمع عام میں موسیٰ کے کرتبوں کی قلعی کھول دیں۔ اس تدبیر سے ہم اپنی حکومت اور اپنی قوم کی سرداری کی حفاظت کر سکتے ہیں۔

۱۴۱؎ ملک کے گوشہ گوشہ سے بڑے بڑے ماہر اور تجربہ کار جادوگر آ جمع ہوئے۔ انھیں علم تھا کہ جس مقصد کے لیے انھیں طلب

وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن تُلْقِيَ وَإِمَّا

اور (اس کے علاوہ) تم خاصانِ بارگاہ سے ہو جاؤ گے جادوگروں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تم (پہلے) ڈالو ورنہ

أَن نَّكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ قَالَ أَلْقُوا ۖ فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ

ہم ہی (پہلے) ڈالنے والے ہیں ١٢١ آپ نے فرمایا ١٢٢ تم ہی ڈالو پس جب انھوں نے ڈالا تو جادو کر دیا انھوں نے

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ

لوگوں کی آنکھوں پر ١٢٣ اور خوفزدہ کر دیا انھیں شدید اور مظاہرہ کیا انھوں نے بڑے جادو کا اور ہم نے وحی کی

کیا گیا ہے وہ بڑا اہم ہے۔ وہ فرعون کی بادشاہت کے متزلزل تخت کو سہارا دینے کے لیے بلائے گئے تھے۔ اس لیے انھوں نے فرعون سے پہلے ہی منوا لیا کہ اگر انھوں نے موسیٰ کو شکست دے دی تو انھیں شاہانہ انعامات سے نوازا جائے گا۔ اس مطالبہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انھیں اپنی کامیابی کا کامل یقین تھا جبھی تو وہ انعامات کا وعدہ لے رہے تھے۔ فرعون جو نبوت کی پہلی ہی عتاب آلود نگاہ سے لرزہ براندام تھا یہ تسلی آمیز الفاظ سن کر خوشی سے اچھل پڑا اور کہنے لگا یقیناً تم پر انعام و اکرام کی بارش کی جائے گی لیکن صرف یہی نہیں بلکہ تم کو اپنے دربار کے خاص مقربین میں داخل کر لیا جائے گا۔

١٢١ مقابلہ کی مقررہ تاریخ آگئی۔ مقام معین پر فریقین جمع ہوگئے۔ ایک طرف ساحرانِ مصر کا جمِ غفیر تھا جس کی پشت پناہی فرعون کر رہا تھا اور دوسری طرف موسیٰ و ہارون ایک مظلوم اور غلام قوم کے نمائندے، جن کے پاس ظاہری ساز و سامان سے کوئی چیز نہ تھی۔ جادوگروں نے اپنی بہادری اور شجاعت کا اظہار کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ کہیے پہل آپ کرنا چاہتے ہیں یا مقابلہ کا آغاز ہم کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم ہی آغاز کرو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ جادوگروں نے ازراہِ ادب آپ سے یہ دریافت کیا۔ اور ان کی اتنی سی بات اللہ تعالیٰ کو پسند آگئی اور انھیں نعمتِ ایمان سے سرفراز فرما دیا۔ تادبوا مع موسٰی علیہ السلام فکان ذلک سبب ایمانھم (قرطبی)

١٢٢ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اپنا جتنا زور دکھانا چاہتے ہو دکھا لو میں بعد میں اپنی صداقت کا معجزہ پیش کروں گا۔ آپ کی اس اجازت کا مقصد یہ تھا کہ باطل اپنی تمام قوتوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس پر بھرپور وار کر کے اس کی بے سروپائی کو عیاں کر دیا جائے تاکہ اس کے بعد کسی کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اور حق اپنی تمام تابانیوں کے ساتھ جلوہ نما ہو جائے

١٢٣ اس سے سحر کی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ سحر میں یہ طاقت نہیں ہوتی کہ وہ کسی چیز کی ماہیت کو بدل دے مثلاً رسیوں کو حقیقتاً سانپ بنا دینا اس کے بس سے باہر ہے۔ اس کا اثر نظربندی تک محدود ہوتا ہے۔ یعنی ایک چیز ہوتی کچھ ہے لیکن جادو کے اثر سے دیکھنے والے اسے کوئی اور چیز سمجھنے لگتے ہیں۔ علامہ ابن حیان الاندلسی لکھتے ہیں۔ وفی قولہ

مُوسٰىٓ اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ

موسیٰ کو کہ ڈال دیجئے اپنا عصا ف۱۲۶ تو فوراً وہ نگلنے لگا جو فریب انہوں نے بنا رکھا تھا تو ثابت ہو گیا

الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا

حق اور باطل ہو گیا جو (جادو) وہ کیا کرتے تھے یوں فرعونی مغلوب ہو گئے ف۱۲۷ وہاں (اسی مجمع میں) اور ہو گئے

سحروا اعین الناس دلالة علی ان السحر لا یقلب عینا وانما هو من باب التخییل (بحر محیط) یعنی سحروا الخ کے کلمات سے معلوم ہوا کہ جادو کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدل سکتا۔ لیکن اس کے اثر سے دیکھنے والے یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ چیز کی حقیقت بدل گئی ہے۔ دوسری جگہ (سورۂ طٰہٰ) اسی واقعہ کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا یخیل الیه من سحرهم انها تسعٰی۔ ان کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال ہونے لگا کہ یہ رسیاں سانپ بن کر دوڑنے لگی ہیں یہاں بھی تخییل کا ہی ذکر ہے۔ اگرچہ بعض علما کی رائے یہ ہے کہ یہ جادو کی ایک قسم تھی۔ اس کے علاوہ جادو کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس سے ماہیت شے بدل جاسکتی ہے لیکن قرآن کے الفاظ سے یہ چیز ثابت نہیں ہوتی۔

ف۱۲۵ یہاں استرهبوا بمعنی ارهبوا ہے یعنی انہوں نے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا اور باب استفعال باب افعال کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔ وقال ابن عطیة واسترهبوا بمعنی ارهبوا واستغنی بمعنی اغنی (بحر)

ف۱۲۶ جب وہ اپنے فن سحر کا مظاہرہ کر چکے اور ان کی رسیاں سانپوں کی طرح بل کھا کر فضا میں لہرانے لگیں اور فرعون کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ اور اس کی قوم اپنے ساحروں کے کمال پر عش عش کر اٹھی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اٹھئے حق کے علمبردار! اٹھ اور باطل کے خوشی سے تمتماتے ہوئے چہرہ پر زناٹے کا وہ چپت رسید کر کہ اس کا خمار اتر جائے۔ اور وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائے موسیٰ کلیم نے لکڑی کا ڈنڈا جس پر وہ ٹیک لگائے اب تک باطل کی ہرزہ سرائی کا مشاہدہ کر رہے تھے میدان میں ڈال دیا۔ اچانک وہ ایک مہیب اژدہا بن کر ان لہراتے ہوئے سانپوں کی طرف لپکا اور ان کو نگلنا شروع کر دیا۔ اور آن واحد میں فرعونیوں کا سارا بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ گیا مجمع عام میں حق کا بول بالا ہوا۔ اور باطل کو شرمناک شکست ہوئی۔ اور ان کی جادوگری کی عظمت اور سطوت کا پردہ چاک ہو گیا۔

ف۱۲۷ فرعون اور اس کی قوم نے جب یہ ہوش ربا منظر دیکھا ہو گا تو ان پر کیا گزری ہو گی؟ شکست اور اتنی رسواکن شکست اور وہ بھی مجمع عام میں۔ فرط ندامت سے پانی پانی ہوتے ہوں گے۔ اب انہیں اس بات میں کوئی شبہ نہ رہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ لیکن اپنی سیاسی اغراض اور مالی مصلحتوں کے پیش نظر وہ آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔

صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾

ذلیل و خوار ہو کر ۔ اور گر پڑے ۱۲۰ جادوگر سجدہ کرتے ہوئے (اور) کہنے لگے ہم تو ایمان لے آئے سارے جہانوں کے پروردگار پر

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا ۔ فرعون نے کہا ۱۲۱ تم تو ایمان لاتے ہوئے تھے اس پر اس سے پہلے

اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ

کہ میں اس کے متعلق تمہیں اجازت دیتا بے شک یہ ایک فریب ہے جو تم نے (مل کر) کیا ہے شہر میں تاکہ تم نکال دو یہاں سے

اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ

اس کے اصلی باشندوں کو ابھی (اس کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں (پہلے) کٹواؤں گا ۱۲۲ تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں

مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا

مختلف طرفوں سے پھر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا سب کے سب کو ۔ وہ بولے (پروا نہیں) ۱۲۳ ہم تو اپنے رب کی طرف

۱۲۰ مقابلہ میں جب انہوں نے اپنے جادو کی ناکامی اور اعجاز موسوی کی کامیابی دیکھی تو وہ مجبور ہو کر سجدہ میں گر پڑے اور اس پروردگار عالم پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا جس کی الوہیت اور وحدانیت کا اعلان موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرمایا کرتے تھے۔

۱۲۱ مقابلہ کے میدان میں شکست کیا کم تھی کہ جادوگروں نے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے اس کی کمر توڑ دی لیکن تھا ذہین حالات کی نزاکت کو فوراً بھانپ گیا۔ جادوگروں کو خطاب کرتے ہوئے فوراً بول اٹھا۔ اچھا! معلوم ہو گیا کہ تم بھی اسی باغی گروہ کے افراد ہو جن کا سرغنہ موسیٰ ہے۔ اور تم سب نے مل کر ہماری حکومت کا تختہ الٹنے اور قبطیوں کو ان کے وطن سے نکالنے کی سازش کر رکھی ہے۔ ذرا ٹھہرو! ابھی تمہیں اس مکر و فریب کا مزا چکھاتا ہوں۔

۱۲۲ کتنی دردناک سزا ہے جس کی وہ ان پاکبازوں کو دھمکی دے رہا ہے ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں کاٹ کر زندہ سولی پر لٹکا دینا تاکہ تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر دم توڑ دیں۔ عشق و محبت کے متوالوں کے علاوہ کون ہے جو اس سزا کو جھیلنے کے لیے بخوشی تیار ہو۔

۱۲۳ حق جب دل میں اتر جاتا ہے اور انسان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے تو وہ انسان کو کیا سے کیا بنا دیتا ہے

مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ

جانے والے ہیں اور تو کیا ناپسند کرتا ہے ہم سے ۱۳۲ مگر اس کو کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب آئیں ہمارے

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ

پاس اے ہمارے رب! ۱۳۳ انڈیل دے ہم پر صبر اور وفات دے ہمیں اس حال میں کہ ہم مسلمان ہوں۔ اور کہا قوم فرعون کے سرداروں

قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَ

نے ۱۳۴ (اے فرعون!) کیا تو ڈھیل دیتا ہے چھوڑے رکھے گا موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد برپا کرتے رہیں اس ملک میں اور

اسی واقعہ سے اس کا پتہ چل جاتا ہے۔ رذالت اور کمینگی کے گہرے کھڈوں میں گرے ہوئے جادوگروں نے جب حق کو قبول کرلیا تو وہ چشم زدن میں انسانیت کے اس ارفع و اعلیٰ مقام پر فائز ہوگئے جہاں نوری فرشتوں کی بھی رسائی نہیں۔ غیرت عشق نے انہیں اپنے ایمان کو کسی تقیہ کے غلاف میں لپیٹنے کی اجازت نہ دی۔ ایسی دھمکی زبان سے نکلنے کے بعد بھی ان کے پاؤں نہیں ڈگمگائے بلکہ باطل کے چیلنج کو خوشی خوشی قبول کرلیا۔ بھرے مجمع عام میں فرعون کے منہ پر اس کی دھمکی کا بڑی بے خوفی اور بے نیازی سے جواب دے کر اس کو آہ و چیخ پا کردیا۔ قربان جائیے انسان حق کی دلربائی اور رعنائی پر ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

جب وہ لوگ ایمان لانے کے بعد اتنے جری اور نڈر ہوگئے تھے تو خاندان نبوت کا کیا کہنا جن کے فیض نگاہ سے دنیا بھر کو ایمان، صداقت، شجاعت کی دولت ملی۔ کیا انہوں نے کسی کے ڈر سے، کسی مصلحت کے پیش نظر تقیہ کیا ہوگا۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے ؎

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۳۲ یہ کہہ کر انہوں نے فرعون کو ایک اور چرکہ لگایا یعنی ہم سے اگر کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہوتا اور تو ہمیں سزا دیتا تو کوئی معقول بات بھی تھی۔ اب تو ہمیں یہ سزا اس لیے دے رہا ہے کہ ہم نے اللہ کو وحدہٗ لاشریک مان لیا ہے اور اس کی آیات دیکھ کر اس کے رسول کی تصدیق کی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سب سے بڑی اور روشن سچائی پر تو بھی ایمان لاتا اور ہمیں اس حق شناسی پر انعام دیتا لیکن الٹا تو ہمیں اس بے مثل پر عتاب کر رہا ہے یہ خود تیری نادانی اور بدنصیبی کی کھلی دلیل ہے۔

۱۳۳ فرعون کو کھری کھری سنانے کے بعد اب انتہائی خضوع و خشوع سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں اے مولا! امتحان کے ان مشکل ترین لمحوں میں ہمیں صبر عطا فرما اور جب ہماری روحیں اس پیکر خاکی سے نکلنے لگیں تو لبوں پر تیری توحید کی شہادت ہو۔

۱۳۴ قبطی سرداروں نے جب دیکھا کہ موسیٰ کا اثر و نفوذ دن بدن بڑھ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ ان کی اپنی قوم کے کئی

يَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ

چھوڑے رہے موسیٰ کو تجھے اور تیرے خداؤں کو اس نے برافروختہ ہو کر کہا ہرگز نہیں بلکہ ہم تہ تیغ کر دیں گے ان کے لڑکوں کو

وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَ

اور زندہ چھوڑ دیں گے ان کی عورتوں کو اور ہم بے شک ان پر غالب ہیں فرمایا موسیٰ نے اپنی قوم کو (اے میری قوم!) مدد طلب کرو اللہ تعالیٰ سے

اصْبِرُوا ۖ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَ

اور صبر و استقامت سے کام لو۔ بلاشبہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں سے ۔ اور

ازلہ موسیٰ کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں تو انہیں اپنے مستقبل کے متعلق شدید خطرات محسوس ہونے لگے اور فرعون کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کر دیا کہ آپ کے ملک میں آپ کی خدائی اور آپ کے تجویز کیے ہوئے دوسرے خداؤں کی خدائی کے خلاف کھلم کھلا پرچار ہو رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس بات کی پرواہ ہی نہیں کرتے۔ اگر یہی ڈھیل دی گئی تو یاد رکھیے فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور آپ کی خدائی کا تختہ الٹ کر رکھ دیا جائے گا۔ آلِهَتَكَ (تیرے خدا) سے مراد کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فرعون لوگوں سے تو اپنی عبادت کروایا کرتا تھا لیکن اس کا اپنا بھی ایک معبود تھا (گائے)۔ ستارے، سورج جس کی وہ پرستش کیا کرتا۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ خود تو وہ اپنے آپ کو بڑا خدا کہلواتا تھا اور اپنے علاوہ اس نے کئی اور معبود مقرر کر رکھے تھے اور اپنی قوم کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ وہ ان کی پوجا بھی کیا کرے۔ ایک قرأت آلِهَتَكَ میں الاهتك بھی ہے جس کا معنی ہے عبادت۔ قيل كان يعبد الكواكب وقيل صنع لقومه اصناما وامرهم ان يعبدوها تقربا اليه ولذالك قال انا ربكم الاعلى وقرئ الاهتك اي عبادتك (بیضاوی)۔ وہ باطل پرست جو حق کو حق سمجھنے کے باوجود اسے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے جب وہ حق کی روشنی پھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لوگ ملک کے امن اور سلامتی کے لیے خطرہ ہیں۔ یہ بغاوت کی آگ بھڑکا رہے ہیں اور فتنہ و فساد پھیلا کر ملکی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔

ان کی چال کامیاب رہی۔ فرعون بھڑک اٹھا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ بنی اسرائیل کے ساتھ وہی ظالمانہ برتاؤ کرے گا جو پہلے ان کے ساتھ کیا جا چکا ہے جب ان کے لڑکے قتل کر دیے جائیں گے تو ان کی لڑکیاں دوسری قوم میں جذب ہو کر رہ جائیں گی اور رفتہ رفتہ اس قوم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

موسیٰ کو جب اس شیطانی منصوبہ کا علم ہوا تو آپ نے اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ اور انہیں بتایا کہ زمین کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کے اختیار میں ہے کہ جس قوم کو چاہے اس زمین کا مالک بنا دے۔ اگر عارضی طور پر

الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوٓا أُوذِينَا مِن قَبْلِ أَن تَأْتِيَنَا وَمِنۢ
اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے مخصوص ہے | قوم موسیٰ ١٥٧ نے کہا ہم تو ستائے گئے اس سے پہلے بھی کہ آپ آتے ہمارے

بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ
پاس اور اس کے بعد بھی کہ آپ آئے ہمارے پاس | آپ نے کہا عنقریب تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو ١٥٨

وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْأَرْضِ فَيَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٩﴾ وَلَقَدْ
اور ان کا جانشین بنا دے گا تمہیں زمین میں | پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو ١٥٩ اور بے شک

أَخَذْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ
ہم نے پکڑ لیا فرعونیوں کو ١٦٠ قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی سے تاکہ وہ

منزل ۲

فرعون کو مصر کی حکومت ملی ہے تو کیا ہوا اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اور آخرکار کامیابی اور کامرانی کا سہرا اُن کے سر باندھا جائے گا جو متقی و پرہیزگار ہیں۔

١٥٧ فرعون کی یہ دھمکی سن کر بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ اور کہنے لگے اے موسیٰ! آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم فرعون کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے رہے۔ ہمارے معصوم بچوں کو بے دردی سے قتل کیا جاتا رہا اور ہماری خواتین کو انھوں نے لونڈیاں بنائے رکھا۔ خیال تھا کہ آپ کی آمد سے ہماری مصیبتوں کی کالی رات ختم ہوگی اور ہمیں آرام کا سانس نصیب ہوگا لیکن کچھ نہ ہوا وہی مصیبتیں ہیں اور وہی ہم ہیں۔ اب ہم کریں تو کیا کریں۔ جائیں تو کہاں جائیں؟

١٥٨ موسیٰ نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے گا اور حکومت و اقتدار تمہیں بخش دیا جائے گا۔

١٥٩ بڑا ہی خوف طلب جملہ ہے یعنی تمہیں حکومت و اقتدار عطا فرمانے کے بعد وہ دیکھے گا کہ تم کہاں تک اس کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہو اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو کہاں تک پورا کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر قوم کو موقع دیتا ہے کہ وہ قوت و اختیار کی مسند پر بیٹھ کر یہ ثابت کرے کہ کیا وہ اس کی اہل ہے یا نہیں۔

١٦٠ جیسے اس پارہ کی ابتدا میں بتایا گیا کہ کسی قوم پر فیصلہ کن عذاب فوراً ہی نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ پہلے اسے مختلف قسم کی تکلیفوں سے دوچار کر دیا جاتا ہے تاکہ اس کا سخت دل نرم ہو جائے اور وہ اس تنبیہ سے اپنی سابقہ کج روی کی تلافی کرے اور کبھی اس پر نعمتوں کی بارش کی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے منعمِ حقیقی کو پہچان کر اور اس کی پیہم نوازشات سے متاثر ہو کر نافرمانی سے باز آجائے۔

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ

نصیحت قبول کریں۔ تو جب آتا ان پر خوشحالی کا دور[۱۲۹] (تو) کہتے ہم مستحق ہیں اس کے اور اگر

تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ۗ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ

پہنچتی انہیں کوئی تکلیف (تو) بدفالی پکڑتے موسیٰ سے اور آپ کے ساتھیوں سے[۱۳۱] سن لو ان کی بدفالی تو درحقیقت

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَأْتِنَا

عمل کے قانون کے مطابق، اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے اور انہوں نے کہا کیسی ہی تو لے آئے

اور جب سمجھانے کے یہ سارے طریقے بھی بے اثر ثابت ہو جاتے ہیں تو پھر ان پر ایسا عذاب نازل کیا جاتا ہے جو ان کا نام و نشان تک مٹا دیتا ہے۔ اسی سنت الٰہی کے مطابق آخری عذاب سے پہلے فرعونیوں کو کبھی مصائب و تکالیف سے اور کبھی نعمات اور نوازشات سے ہوشیار کیا جاتا رہا۔ اور اسی سلسلہ کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ سنین جمع ہے سنۃ کی۔ یہاں اس کا معنی قحط سالی ہے یعنی الجدب وھذا معروف فی اللغۃ یقال اصابتھم سنۃ ای جدب (قرطبی)

۱۳۰ بجائے اس کے کہ وہ کچھ عبرت حاصل کرتے الٹا انہیں موسیٰ علیہ السلام کو ستانے کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اگر انہیں راحت و آرام ہوتا تو کہتے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ اور اگر تکلیف کا سامنا ہوتا تو کہتے کہ یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی شامت اعمال ہے اور ان کی نحوست کا نتیجہ ہے۔

۱۳۱ بدفالی اور بدشگونی کو عربی میں تطیر کہتے ہیں۔ کیونکہ اہل عرب اکثر پرندوں کی آوازوں سے بدفالی پکڑتے اس لیے یہ لفظ طیر سے مشتق ہوا۔ مشرک قوموں میں فال گیری کی رسم بہت قدیم سے ہے۔ ان کے اوہام پرست مزاج ہر چیز سے اثر قبول کرتے ہیں۔ کسی کام کو نکلے، راستے میں کوئی جانور سامنے سے گزر گیا۔ کسی پرندہ کی آواز کان میں پڑ گئی تو الٹے گھر واپس لوٹ گئے۔ اسلام نے جہاں اور مشرکانہ رسموں کی ممانعت کی وہاں اس نے تطیر (بدفالی) کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے من رجعتہ الطیرۃ عن حاجتہ فقد اشرک۔ جو کسی چیز سے بدفالی پکڑ کر اپنے مقصد سے لوٹ آیا اس نے شرک کیا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! ایسا شخص کیا کفارہ دے تاکہ اس کی توبہ قبول ہو۔ فرمایا یہ کہے اللھم لا طیر الا طیرک ولا خیر الا خیرک ولا الٰہ غیرک ثم یمضی لحاجتہ (قرطبی) اے اللہ تیری فال کے بغیر اور کوئی فال نہیں۔ تیری بھلائی کے بغیر اور کوئی بھلائی نہیں۔ اور تیرے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ یہ الفاظ کہہ کر اپنے کام کو چلا جائے تو اس کی توبہ قبول ہوگی۔

بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

ہمارے پاس نشانی (معجزہ) تاکہ تو جادو کرے ہم پر اس سے ہرگز نہیں ہم تم پر ایمان لانے والے ۱۴۳

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ

پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک ۱۴۴

وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا

اور جب آجاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے اس کا

۱۴۳ موسیٰ علیہ السلام کافی عرصہ تک اس مقابلہ کے بعد بھی مصر میں مقیم رہے اور اپنے معجزات دکھا دکھا کر انہیں دعوت حق دیتے رہے لیکن وہ اپنی ضد اور عناد پر اڑے رہے اور آخر صاف صاف کہہ دیا کہ آپ جو چاہیں جادو کے کرتب دکھاتے رہیں ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ تو تھی نہیں کہ انہیں موسیٰ کی صداقت میں شک تھا آپ کی صداقت تو ان کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں تھی لیکن اس کو تسلیم کرنا ان کے لیے ٹیڑھی کھیر تھی۔ کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے ناجائز اختیارات اور مراعات سے محروم ہو جائیں۔ ان کی لوٹ کھسوٹ پر پابندی لگا دی جائے اور ان کی عیش و عشرت کی محفلیں درہم برہم کر دی جائیں وہ اس کے لیے آمادہ نہ تھے یہی رکاوٹیں ہیں جو ہر زمانہ میں حق قبول کرنے کے راستہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جایا کرتی ہیں۔ مھما کے متعلق خلیل نحوی نے کہا ہے کہ اصل میں یہ ماما تھا۔ پہلا ما شرطیہ ہے اور دوسرا جزا کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ پھر پہلے ما کے الف کو ھ سے بدل دیا تاکہ تکرار نہ ہو۔ قال الخلیل: الاصل ماما الاولی للشرط والثانیة زائدة توکیدا للجزاء کما تزاد فی سائر الحروف مثل اما و حیثما و اینما (قرطبی)

۱۴۴ یہاں عذاب کی مختلف صورتوں کا بیان ہو رہا ہے جن میں وقتاً فوقتاً فرعونیوں کو مبتلا کیا گیا۔ طوفان سے مراد کثرت بارش سے سیلاب کا آجانا ہے۔ اور مجاہد اور عطاء سے طوفان بمعنی موت منقول ہے قال مجاهد و عطاء الطوفان الموت۔ نحاس کہتے ہیں کہ لغت میں ہر ہولناک چیز کو طوفان کہا جاتا ہے۔ کچھ تباہی تو سیلاب سے آئی۔ باقی ماندہ فصلوں کا صفایا ٹڈی دل نے کر دیا۔ قمل کے متعدد معنی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا کہ قمل وہ گھن ہے جو گندم کو لگ جاتا ہے ابن زید کہتے ہیں

عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

عہد کے سبب جو اس کا تیرے ساتھ ہے ۱۹۵؎ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ

مَعَكَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝١٣٤ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓی

کردیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ۔ پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ

اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ ۝١٣٥ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا) عہد توڑ دیا ۔ پھر ہم نے بدلہ لیا ان سے ۱۹۶؎ اور غرق کر دیا انہیں

فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ۝١٣٦

سمندر میں کیونکہ انہوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور وہ اس (آنے والے عذاب) سے بالکل غافل تھے ۔

کہ اس سے مراد پسو ہیں ۔ اس کا ایک معنی جوئیں بھی ہے یعنی پسوؤں اور جوؤں نے انہیں جسمانی اذیت پہنچا کر ناک میں دم کر دیا ۔ اور ان کے غلے کے انباروں میں گھن اور سسری کثرت سے پیدا ہو گئی جس نے ان کو خاک کر کے رکھ دیا ۔ مینڈک اس کثرت سے نمودار ہو گئے کہ گلی کوچے گھر کے در و دیوار اور کھانے کے برتن تک ان سے بھر گئے ۔ پینے کا پانی گھڑوں میں بھر کر رکھتے تو وہ خون بن جاتا ۔

۱۹۵؎ یعنی ان مذکورہ عذابوں میں سے جب بھی کوئی عذاب ان پر نازل ہوتا اور اس سے نجات کی جب کوئی صورت انہیں دکھائی نہ دیتی تو بے بس ہو کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے اے موسیٰ! اپنے رب سے دعا مانگو کہ یہ عذاب ٹل جائے تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ روانہ کر دیں گے ۔ اور جب موسیٰ کی دعا اور برکت سے وہ عذاب ٹال دیا جاتا تو وہ ایمان لانے کا وعدہ توڑ ڈالتے اور بنی اسرائیل کو آزاد کرنے سے انکار کر دیتے ۔ ہر بار وہ وعدہ کرتے ۔ اور جب مشکل آسان ہو جاتی تو پھر اس وعدہ کو توڑ دیتے ۔

۱۹۶؎ جب وہ کسی طرح ایمان لانے پر تیار نہ ہوئے تو انجام کار ان کو بحر قلزم میں غرق کر دیا گیا ۔ بانھم سے اس عذاب کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ ان کو یہ سزا بلاوجہ نہیں دی گئی بلکہ ان کی مسلسل تکذیب اور پیہم غفلت کی وجہ سے ان کو یہ روز بد دیکھنا پڑا ۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ

اور ہم نے وارث بنادیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا ۱۶۷ (یعنی) انھیں وارث بنایا اس زمین کے شرق و

وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى

غرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ ۱۶۸

عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ

بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انھوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا

فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

فرعون اور اس کی قوم اور برباد کر دیے جو بلند مکان ۱۶۹ وہ تعمیر کیا کرتے تھے اور ہم نے پار اتارا بنی اسرائیل کو

الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا

سمندر سے ۱۷۰ تو گزرے وہ ایک ایسی قوم پر جو مگن بیٹھے تھے اپنے بتوں کی عبادت میں بنی اسرائیل نے کہا

۱۶۷ اپنی شانِ ذرہ نوازی کا اظہار فرمایا جارہا ہے کہ فرعون کو تو اس کے لاؤ لشکر سمیت ڈبو کر ہلاک کر دیا اور بنی اسرائیل جیسی ذلیل اور کمزور قوم کو ان کا جانشین اور ان کی وسیع مملکت کا وارث بنا دیا۔ ارض سے مراد یہاں مصر و شام کے دونوں ملک ہیں۔ والارض ھی ارض الشام و مصر (قرطبی) یہ سرزمین ظاہری اور باطنی برکات سے مالا مال تھی۔ زمین کی زرخیزی، باغات کی کثرت اور پانی کی فراوانی کے باعث یہاں کے باشندے فارغ البال تھے اور باطنی برکت یہ تھی کہ شام کا علاقہ کثیر التعداد انبیاء کی قبروں سے مزین تھا اور مصر میں حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا مزار پُرانوار تھا۔

۱۶۸ فرعون کی ساری تدبیریں اکارت گئیں اور اس کے سارے حربے ناکام ثابت ہوئے اور اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل سے حکومت و اقتدار کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

۱۶۹ عرش یعرش اذا بنی۔ قال ابن عباس ومجاھد ای ما کانوا یبنون من القصور وغیرھا (قرطبی) محل تعمیر کرنا

۱۷۰ فرعون اور اس کی قوم نے جو ناروا سلوک حضرت کلیم سے کیا اس کی روئیداد تو آپ اب پڑھ چکے لیکن آپ کی اپنی قوم کا رویہ بھی آپ کے ساتھ بڑا ناشائستہ اور غیر مہذبانہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا مارا۔ سمندر میں ایک شگاف پیدا ہو گیا جس میں سے گزرتے ہوئے وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور فرعون اور اس کا لشکر ان کی آنکھوں کے سامنے غرق ہو گیا

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

اے موسیٰ! بنا دے ہمارے لیے بھی ایک (ایسا) خدا جیسے ان کے خدا ہیں موسیٰ نے فرمایا یقیناً تم جاہل (اور بے سمجھ) لوگ ہو

تَجْهَلُوْنَ ۝۱۳۸ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۹

بے شک یہ لوگ جس کام میں لگے ہیں تباہ ہو کر رہیں گے ۱۴۱ اور باطل ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۴۰

موسیٰ نے کہا کیا بغیر اللہ کے میں تلاش کروں تمہارے لیے کوئی اور خدا ۱۴۲ حالانکہ اسی نے فضیلت دی ہے تمہیں سارے جہانوں پر ۱۴۳

یہ قافلہ اب جزیرہ نمائے سینا کے جنوب کی طرف ساحل کے کنارے کنارے روانہ ہوا۔ راستے میں ان کا گزر مفقہ کے مقام پر ہوا۔ جہاں مصریوں کا ایک بہت بڑا بت خانہ تھا جس کے آثار اب بھی جزیرہ نما کے جنوب مغربی علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے قریب ایک اور مقام بھی تھا جہاں قدیم زمانہ سے سامی قوموں کی چاند دیوی کا بت تھا۔ غالباً انہیں مقامات میں سے کسی کے پاس سے گزرتے ہوئے بنی اسرائیل کو ایک مصنوعی خدا کی ضرورت محسوس ہوئی ہوگی۔ (تفہیم القرآن)

لیکن قرطبی نے قتادہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ قوم جن پر ان کا گزر ہوا وہ لخم تھی جو رقہ شہر میں سکونت پذیر تھی اور گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ قال قتادۃ کان اولئک القوم من لخم وکانوا نزولا بالرقۃ وقیل کانت اصنامھم تماثیل البقر (قرطبی) اور علامہ بیضاوی اور دوسرے مفسرین نے اس قول کے علاوہ یہ احتمال بھی ظاہر کیا ہے کہ وہ قوم عمالقہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنے نبی کی صداقت کی آیات بینات دیکھنے کے باوجود بنی اسرائیل کا فوری طور پر شرک کی طرف مائل ہو جانا اس بات کو بالکل واضح کر دیتا ہے کہ طبع انسانی ماحول سے کتنی جلدی متاثر ہوتی ہے اور غلامانہ زندگی فطرت سلیمہ کو کس طرح مسخ کر کے رکھ دیتی ہے۔

۱۴۱ آپ نے فرمایا اے بے وقوفو! ایسے لوگوں کی تقلید کرنے کے لیے بے قرار ہو جو عنقریب ہلاک و برباد ہونے والے ہیں اور وہ باطل جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے اس کی بے سروپائی بھی ظاہر ہونے والی ہے۔ التبار۔ الھلاک۔ متبر۔ مہلک۔ ہر ٹوٹے ہوئے برتن کو بھی متبر کہتے ہیں۔

۱۴۲ اپنے مسلک کی بڑی زوردار دلیل پیش فرمائی کہ میں اپنے خالق حقیقی کے سوا کسی غیر کی عبادت نہیں کرتا۔ فرمایا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور جو فضیلت اور شرف اس کو بخشا گیا ہے وہ کائنات کی کسی بڑی سے بڑی چیز کو بھی نہیں دیا گیا تو پھر اس سے بڑھ کر اور نادانی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر کسی اور شے کو اپنا معبود بنا لے جو مرتبہ میں اس سے کہیں حقیر اور کمتر ہے۔

وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۚ

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے نجات دی تمھیں فرعونیوں سے جو چکھاتے تھے تمھیں سخت عذاب

يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ

مار ڈالتے تھے تمھارے فرزندوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمھاری عورتوں کو اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا

بڑی آزمائش تھی ۱۶۱ اور ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے تیس رات کا اور مکمل کیا اسے

بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ

دس مزید راتوں سے ۱۶۲ سو پوری ہو گئی اس کے رب کی میعاد چالیس راتیں اور (طور پر جاتے وقت) کہا موسیٰ نے اپنے بھائی

هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾

ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر ۱۶۳

۱۶۱ اس پر حاشیہ سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول ۲ : ۴۹

۱۶۲ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے چھٹکارا پانے کے بعد وادی سینا میں آکر آباد ہوئے جہاں انھیں ہر طرح کی آزادی حاصل تھی۔ مصر میں ہی آپ نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ جب وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز کیے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انھیں ایک جامع کتاب دے گا جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح ہدایات ہوں گی۔ اب وہ کتاب عنایت کرنے کے لیے آپ کو کوہِ طور پر طلب کیا گیا۔ اور انھیں حکم دیا گیا کہ یہ مدت (جو پہلے تیس اور پھر چالیس کر دی گئی) تمام مشاغل سے الگ تھلگ ہو کر یادِ الٰہی میں بسر کریں تاکہ ذکر و فکر سے روح و قلب کو وہ قوت و توانائی حاصل ہو جائے جس سے وہ اس بارِ گراں کو اٹھا سکیں۔ اولیاء کرام کی چالیس روزہ چلہ کشیوں کی یہی اصل ہے۔ ان للاربعین خصوصیۃ فی اختصاص الکلام للانبیاء کما ان لھا اختصاصا فی ظھور ینابیع الحکمۃ من قلوب الاولیاء کقولہ علیہ السلام من اخلص للہ اربعین صباحا ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ (روح البیان)

۱۶۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جبلِ طور پر روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انھیں ضروری ہدایات دیں۔ آپ کو اپنی قوم کے مزاج کا علم تھا۔ اس لیے آپ نے حضرت ہارون کو یہ خصوصی حکم دیا کہ ان کی غیر حاضری

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ

اور جب آئے موسیٰ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر اور گفتگو کی اُن سے اُن کے رب نے (تو) عرض کی اے میرے

اِلَيْكَ ۭ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ

رب مجھے دیکھنے کی قوت دے تاکہ میں تیری طرف دیکھ سکوں ۱۴۱ اللہ نے فرمایا تم ہرگز نہیں دیکھ سکتے مجھے ۱۴۲ البتہ دیکھو اس پہاڑ کی طرف اگر

مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

یہ ٹھہرا رہا اپنی جگہ پر تو تم بھی دیکھ سکو گے مجھے ۱۴۳ پھر جب تجلی ڈالی ان کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اسے پاش پاش

ہیں یہ کوئی فتنہ و فساد برپا کریں تو آپ اُن کا ساتھ نہ دیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام اگرچہ عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑے تھے لیکن منصب رسالت میں وہ آپ کے تابع تھے۔ اس لیے آپ کے حکم کے پابند تھے۔

۱۴۱ جب چالیس روزہ مدت پوری ہو گئی اور ذکر الٰہی سے قلب و روح میں کلام الٰہی سننے کی توانائی پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے گفتگو فرمائی۔ جب کلام کی لذت رگ و پے میں سرایت کر گئی تو دل میں متکلم کے شوقِ دید کا طوفان اُمڈ آیا اور عرض کی کہ اے سراپا دلبری و رعنائی! چشمِ شوق اب ان حجابوں کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ازراہِ لطف و کرم انہیں اُلٹ دے اور مجھے اپنا آپ دکھا۔ علامہ بیضاوی نے اَرِنِیْ کے دو معنی بیان کیے ہیں:-

۱- ارنی نفسک بان تمکننی من رؤیتک۔ یعنی مجھے اپنے دیکھنے کی قدرت عطا فرما تاکہ میں تجھے دیکھ سکوں۔

۲- او تتجلی لی فانظر الیک یعنی خود حجاباتِ عظمت کو سرکا تاکہ چشمِ شوق لطفِ دید حاصل کر سکے۔

۱۴۲ یہ نہیں فرمایا لَنْ اُرٰی میں دیکھا نہیں جا سکتا۔ تاکہ یہ سمجھا جائے کہ رویتِ باری ممتنع ہے جیسے معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ فرمایا لَنْ تَرٰىنِیْ۔ اے موسیٰ آپ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ مجھے دیکھنے کی تاب فقط اس نگاہ میں ہے جو مازاغ کے سرمہ سے سرمگین ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دیدارِ الٰہی ناممکن نہیں اور یہی اہل السنۃ والجماعت کا مسلک ہے۔ عند اھل السنۃ والجماعۃ الرؤیۃ جائزۃ۔ (قرطبی) اگر توفیقِ الٰہی شاملِ حال رہی تو سورۃ النجم میں اس بحث کو ذرا تفصیلاً لکھا جائے گا۔

۱۴۳ حضرت کلیم کی درخواست کا جواب تو لَنْ تَرٰىنِیْ سے دے دیا گیا لیکن مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اپنی ایک تجلی اس پہاڑ پر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ اس کو برداشت کر سکا تو پھر ممکن ہے کہ آپ بھی برداشت کر سکیں لیکن اگر اس کی سنگین چٹانیں اور فلک بوس چوٹیاں چور چور ہو جائیں تو پھر آپ کو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ آپ کو بھی اس کا یارا نہیں تھا۔ چنانچہ جب نورِ الٰہی کی ایک کرن کوہِ طور پر جلوہ طراز ہوئی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام اس منظر کی ہیبت و جلال سے

وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ

اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جب آپ کو ہوش آیا تو ۱۸۰ عرض کی پاک ہے تو (ہر نقص سے) میں توبہ کرتا ہوں

وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى

تیری جناب میں اور میں ۱۸۱ سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ میں نے ۱۸۲ سرفراز کیا ہے تجھے تمام

النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ

لوگوں پر اپنی پیغامبری سے اور اپنے کلام سے اور لے لو جو میں نے دیا ہے تمہیں اور ہو جاؤ شکر گزار

الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً

بندوں سے اور ہم نے لکھ دی موسیٰ کے لیے ۱۸۳ تختیوں میں ہر چیز نصیحت پذیری کے لیے

بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

۱۸۰ جب کچھ وقت گزرنے کے بعد انہیں ہوش آیا تو اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہوئے اپنے اِس سوال پر معذرت پیش کی کیونکہ واصلانِ بارگاہِ الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی سوال کرنا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی لیے توبہ کر رہے ہیں ؎ رضائے خاطر محبوب شرط دیدار است بحکم شوقِ ملاحظہ کن کہ بے ادبی ست

۱۸۱ یعنی اپنی اُمت کے مومنوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والا میں ہوں۔

۱۸۲ یعنی میں نے اپنا پیغام ہدایت پہنچانے کے لیے آپ کے ہمعصروں میں سے آپ کو چن لیا ہے۔ اور آپ کو بلا واسطہ کلام کرنے کی جرأت سے ممتاز فرمایا ہے۔ جو نعمت دی جا رہی ہے اسے بصد شوق و مسرت قبول کرو اور اسی پر اس کا شکریہ ادا کرتے رہو۔ اور ان باتوں کے متعلق سوال نہ کرو جو آپ کی طاقت سے باہر ہیں۔ الناس سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ فالمراد من الناس المرسل الیھم (قرطبی)

۱۸۳ جس مقصد کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا تھا اب اس کی تکمیل فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی وہ نسخہ ہدایت و رحمت جس میں ہر طرح کی نصیحتیں اور احکام شرعیہ لکھے ہوئے تھے آپ کو دیا گیا۔ یہی تورات تھی جو پتھر کی سلوں پر لکھی ہوئی بیک وقت آپ کو دے دی گئی۔ من کل شیٔ مما یحتاج الیہ فی دینہ من الاحکام و تبیین الحلال والحرام (قرطبی)

وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا

اور (لکھ دی) تفصیل ہر چیز کی پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے ۱۸۳ اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں ۱۸۴

بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴿١٤٥﴾ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ

اس کی اچھی باتیں عنقریب میں دکھاؤں گا تمہیں نافرمانوں کا (برباد شدہ) گھر میں پھیر دوں گا اپنی نشانیوں سے

الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ

ان لوگوں (کی توجہ) کو جو غرور کرتے پھرتے ہیں زمین میں ناحق ۱۸۵ اور اگر دیکھ لیں تمام

۱۸۳ قوت اور مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ بڑی کوشش، یکجہتی، ہوشیاری اور شوق سے اس پر عمل کرنے کا عزم کر کے اس کو ہاتھ میں لو۔ ای بجد ونشاط (قرطبی) ای بجد وعزیمة (بیضاوی)

۱۸۴ یعنی یہ کتاب اس لیے آپ کو عطا نہیں کی جارہی کہ آپ خود اس پر عمل کر کے سمجھ لیں کہ آپ نے اس کا حق ادا کر دیا بلکہ خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ اپنی قوم کو بھی حکم دیں کہ وہ اس کے احکام جو سراپا خیر و برکت ہیں پر عمل کریں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کریں۔ اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اگر انہوں نے ہماری شریعت کے احکام سے سرتابی کی تو انہیں بھی وہ گھر دیکھنا پڑے گا جو سرکشوں اور نافرمانوں کا ٹھکانا ہے یعنی جہنم اور بعض علماء نے دار الفاسقین سے مصر و شام کے ممالک مراد لیے ہیں جہاں فرعون اور عمالقہ کی نافرمان قوموں کو نیست و نابود کر دیا گیا تھا اور جن کے کھنڈرات اپنے بنانے والوں کی عظمت و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں۔

۱۸۵ یہاں ایک قاعدہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ غرور و تکبر کی روش اختیار کرتے ہیں اور اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مست رہتے ہیں۔ اور انبیاء کی اطاعت کرنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ بطور سزا ایسے لوگوں کو کتاب الٰہی کے سمجھنے کی توفیق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس چشمہ حیات سے کسی طرح مستفید نہیں ہو سکتے۔ قال قتادہ سامنعھم فھم کتابی وقیل ساصرفھم عن نفعھا وذالک مجازاة علی تکبرھم (قرطبی) بغیر الحق کے الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ان کا یہ تکبر اور غرور بے وجہ ہے۔ انہیں ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو اتنا اونچا اور بڑا سمجھنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی اطاعت سے انہیں عار ہو۔

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٧﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِن بَعْدِهِ مِنْ

سوائے اس کے جو وہ کیا کرتے تھے ۔ اور بنالیا قوم موسیٰ نے ف۱۸۹ ان کے (طور پر) جانے کے بعد

حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ ۚ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ

اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو محض ڈھانچہ تھا اس سے گائے کی آواز آتی تھی۔ کیا نہ دیکھا انھوں نے کہ وہ نہ بات کرسکتا ہے

وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا

ان سے اور نہ انھیں ہدایت کی راہ بتا سکتا ہے انھوں نے (خدا) بنالیا اسے اور وہ (پہلے ہی) ظالم تھے ۔ اور جب وہ

پر ایمان لائے کیونکہ انھیں کے اعمال کی غرض وغایت رضاء خداوندی اور نعیم جنت کا حصول تھا لیکن وہ لوگ جو نہ خدا پر ایمان اور نہ روز جزا پر یقین رکھتے ہیں قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی معاوضہ انھیں نہیں ملے گا۔ کیونکہ یہ اعمال کرتے وقت ان کے ذہن میں اس اجر کا کوئی تصور نہ تھا۔ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ اگر ایک مسلمان بھی لوگوں کے دکھلاوے کے لیے کوئی نیک عمل کرتا ہے۔ یا کوئی زاہد شب زندہ دار بھی اپنی اس شبانہ روز زہد و ریاضت سے لوگوں کے دلوں پر اپنی ولایت کا سکہ جمانا چاہتا ہے تو اس کے سارے اعمال رائیگاں ہو جاتے ہیں۔ تو ایک کافر کے اعمال کو قیامت کے روز کیوں مستحق اجر سمجھا جائے۔ ہاں دنیا میں ان کو ان اعمال کا معاوضہ کاروبار میں ترقی، سیاسی قوت و اقتدار وغیرہ کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔

ف۱۸۹ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو کوہ طور پر تشریف لے گئے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کامل ضابطہ حیات لاکر اپنی قوم کو دیں تاکہ ان کی زندگی اطاعت الٰہی کا ایک مکمل مظہر بن جائے لیکن ان بدنصیبوں نے آپ کی غیر حاضری کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید سے ہی منہ موڑ لیا۔ وہ اللہ جس نے فرعون کی غلامی سے ان کو آزاد کیا جس کی قدرت سے سمندر کی موجوں نے سمٹ کر ان کے لیے ایک شاہراہ بنادی۔ اور جب ان کا دشمن فرعون اپنے لشکر جرار سمیت ان کی زد میں آگیا تو وہ اس پر اُمڈ آئیں اور تنکوں کی طرح اُسے بہا لے گئیں۔ اس وحدہ لاشریک کو بھول گئے۔ اس محسن حقیقی سے اپنی بندگی کا رشتہ توڑ لیا اور ایک بچھڑے کی مورتی کی پرستش شروع کردی۔ ان کی عقلیں اتنی اوندھی ہوگئیں کہ خدا بنانے کے لیے ان کی نظر انتخاب جس چیز پر پڑی وہ دھات کی بنی ہوئی بچھڑے کی مورتی تھی جو نہ بول سکتی تھی اور نہ کچھ سن سکتی تھی آپ اس کے سامنے شور و غل مچائیں اس کی طرف سے ایک بے معنی صدا کے بغیر کچھ سنائی نہ دیتا۔ اس قوم نے جس نے ہر قدم پر آیات الٰہی کا مشاہدہ کیا تھا کیسے باور کرلیا کہ یہ ہمارا خدا ہے جس کا ڈھانچہ ان کے سامنے سامری نے تیار کیا تھا؟ اس کی توجیہ بجز اس کے اور کیا کی جاسکتی ہے کہ غلامانہ زندگی کا طویل عرصہ جو انھوں نے سرزمین مصر میں بسر کیا تھا۔ وہاں

سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ

سخت پشیمان ہوئے ۱۹۰ اور انھیں نظر آ گیا کہ وہ (راہ راست سے) بہک گئے ہیں (تو) کہنے لگے اگر نہ رحم فرمایا

یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَیَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ

ہم پر ہمارا رب اور نہ بخش دیا ہمیں تو ہم ضرور ہو جائیں گے نقصان اٹھانے والوں سے اور جب واپس آئے ۱۹۱ موسیٰ

وہ اپنے قبطی آقاؤں کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے اور ان کی مورتیوں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا کرتے۔ اس چیز نے گائے کے تقدس کا ایسا نقش ان کی لوح ذہن پر کندہ کر دیا تھا کہ جہاں گائے یا بچھڑے کی کوئی مورتی نظر آئی وہاں فوراً بے ساختہ اس کے سامنے بچھتے چلے گئے۔ اور عقل و فہم کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس کی الوہیت کو تسلیم کر لیا۔ موجودہ تورات میں بچھڑا بنانے کا الزام حضرت ہارون پر لگایا گیا ہے لیکن قرآن جو تمام سابقہ انبیاء کی صداقت اور ان کی عظمت و پاکیزگی کا نقیب ہے اس نے ہمیں صراحت سے بتا دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کا دامن اس الزام سے بالکل پاک ہے بلکہ یہ کارستانی سامری کی تھی جس نے بنی اسرائیل سے سونے کے زیور جمع کیے انھیں گلایا اور اس سے بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کر لیا اور اپنی فنی مہارت سے اس میں یہ بات پیدا کر دی کہ جب اس میں ہوا کا گزر ہوتا تو ایک بے معنی سی بیں بیں کی آواز نکلتی۔ تو یہ کوئی مشکل نہیں۔ آج ہم ایسے کھلونے دیکھتے ہیں جو بے جان ہوتے ہوئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں اور مختلف نوعیت کی آوازیں نکالتے ہیں۔

۱۹۰ یہ محاورہ ہے اور شدت ندامت اور پشیمانی پر دلالت کرتا ہے۔ یقال للنادم المتحیر قد سقط فی یدہ (قرطبی) کیونکہ انسان انتہائی ندامت کے وقت اپنے ہاتھ کاٹتا ہے گویا وہ ہاتھ اس سے کٹ کر الگ ہو جاتا ہے اس لیے اس حالت کو بھی ان الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کنایۃ عن اشتد ادندمھم کان النادم المتحسر یعض یدہ غما فتصیر یدہ مسقوطا فیھا (بیضاوی) موسیٰ علیہ السلام جب تورات لے کر واپس تشریف لائے اور قوم کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھا تو انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے بڑی ہی زبردست حماقت کی ہے تو پچھتانے اور افسوس کرنے لگے اور اعتراف کیا کہ اگر ہم پر ہمارا رب مہربانی نہ کرتا تو ہم ہلاک ہو گئے تھے۔

۱۹۱ اللہ تعالیٰ نے وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی کارستانی کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ بڑے غضبناک ہو کر واپس لوٹے اور بنی اسرائیل کو غم و غصہ سے لبریز لہجہ میں زبردست ملامت اور تنبیہ کی۔ اسف انتہائی غصہ کی حالت کو اسف کہتے ہیں۔ قال ابو الدرداء الاسف منزلۃ وراء الغضب اشد من ذلک اس کا دوسرا معنی جو عام مشہور ہے وہ حزن و ملال ہے۔ (قرطبی)

مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًاۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

موسیٰ اپنی قوم کی طرف خشمناک (اور) غمگین ہو کر (تو) بولے (اے قوم!) بہت بُری جانشینی کی ہے تم نے

مِنْۢ بَعْدِیْۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ

میری میرے بعد کیا تم نے جلد بازی کی اپنے رب کے فرمان سے اور (غصہ سے) پھینک دیں تختیاں ۱۹۲ اور پکڑ لیا

بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ

سر اپنے بھائی کا (اور) کھینچا اسے اپنی طرف ہارون نے کہا ۱۹۳ اے میری ماں جائے! اس قوم نے کمزور دبے لیں

وَ كَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۚ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ

بنا دیا مجھے اور قریب تھا کہ قتل کر دیں مجھے سو نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو اور نہ شمار کرو مجھے اس

۱۹۲ شدتِ غضب میں ان تختیوں کو جن پر تورات لکھی ہوئی تھی ایک طرف رکھ دیا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس میں حضرت ہارون علیہ السلام کی غفلت اور فرض ناشناسی کا بھی دخل ہے۔ آپ کو سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا۔ کہتے ہیں کہ سات تختیاں تھیں جب آپ نے انہیں غصہ سے رکھا تو وہ ٹوٹ گئیں۔ چھ تختیاں جن میں ہر چیز کی تفصیل تھی وہ واپس اٹھالی گئیں اور ایک تختی جس میں موعظت و ہدایت تھی وہ باقی رہ گئی۔ روی ان التوراة کانت سبعة اسباع فی سبعة الواح فلما القاها انکسرت فرفع ستة اسباعها وکان فیها تفصیل کل شیء وبقی سبع کان فیه المواعظ والاحکام (قرطبی و بیضاوی)

۱۹۳ اگرچہ حضرت موسیٰ حضرت ہارون کے ماں باپ دونوں کی طرف سے سگے بھائی تھے لیکن ان کے جذبۂ شفقت و محبت کو برانگیختہ کرنے کے لیے میری ماں کے بیٹے کے الفاظ سے اپنی معذرت کا آغاز کیا۔ اور کہا کہ میں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی۔ میں تن تنہا تھا اور یہ ساری قوم ایک ہو گئی۔ انہوں نے مجھے بے بس اور کمزور سمجھتے ہوئے میرے سمجھانے کی ذرا پرواہ نہیں کی۔ الٹا مجھے مار ڈالنے کے درپے ہو گئے۔ آپ اگر میرے ساتھ اس طرح سختی کریں گے تو دشمن بغلیں بجائیں گے اور کہیں گے کہ ذرا دیکھو دونوں بھائی ایک دوسرے سے دست بگریباں ہیں۔ شماتة کہتے ہیں کسی کی تکلیف سے مسرور اور خوش ہونا اور یہ چیز سخت معیوب ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اپنے بھائی کی مصیبت پر مت خوش ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس مصیبت سے نجات دے دے اور تجھ کو اس میں مبتلا کر دے۔ لا تظهر الشماتة بأخيك فيعافيه

الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ

ظالم قوم کے ساتھ ۔ موسیٰ نے التجا کی اے میرے رب! ۱۹۴ بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو

رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ

اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم کرنے والوں سے ۔ بے شک جنہوں نے بنا لیا بچھڑے کو معبود

سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَكَذٰلِكَ

جلدی ہی پہنچے گا انہیں غضب ان کے رب کی طرف سے اور رسوائی دنیا کی زندگی میں ۱۹۵ اور اسی طرح ہم

نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ

سزا دیتے ہیں بہتان باندھنے والوں کو ۔ اور جنہوں نے کیے برے کام ۱۹۶ پھر توبہ کی اس کے

بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾ وَلَمَّا

بعد اور ایمان لائے بے شک آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے ۔ اور جب

اللہ وبیستیشہ ۔ اور حضور کریم یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَدَرْکِ الشَّقَاءِ وَشَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ (بخاری) ترجمہ: اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں بری تقدیر سے، بدبختی سے اور ایسی بات سے جس سے دشمن خوش ہوں۔

۱۹۴ یعنی غصہ کی حالت میں اپنے بھائی پر جو میں نے سختی کی ہے وہ بھی معاف فرما دے۔ اور اگر میرے بھائی سے ادائے فرض میں کوئی تقصیر ہو گئی ہے تو وہ بھی بخش دے اور ہم دونوں کو اپنی رحمت سے مالا مال فرما دے۔

۱۹۵ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کی نگاہِ کرم سے محرومی سے بڑھ کر اور کونسی سنگین سزا ہے۔ اس کے علاوہ ایسے نابکار مجرموں کو دنیا میں بھی ذلیل و خوار کر دیا جاتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اپنے رب کی نافرمانی کر کے وہ دنیا میں بھی چین کا سانس نہیں لے سکتے۔

۱۹۶ اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی بخشش بیکراں پر قربان! کوئی کتنا ہی قصور وار اور خطا کار ہو اس کے درِ کرم پر حاضر ہو جائے تو اسے بھی محروم لوٹا نہیں دیا جاتا۔ اس آیت میں اس مقام پر ان ربک (اے محبوب ﷺ! تیرا پروردگار) کے الفاظ کتنے پیارے اور کتنے معنی خیز ہیں۔

سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا

فرو ہو گیا موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ تو اُٹھا لیا ان تختیوں کو ۱۹۷ اور ان کی تحریر میں

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى

ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور چن لیے موسیٰ نے

قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ

اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت ملاقات کے لیے ۱۹۸ پس جب پکڑ لیا انھیں لرزا دینے والے جھٹکوں نے تو موسیٰ نے کہا

۱۹۷ حضرت ہارون کا معقول عذر سن کر اور قوم کو اپنی غلطی پر نادم و پشیمان دیکھ کر آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور وہ تختیاں جو آپ طُور سے لائے تھے اور جنھیں فرطِ جلال میں پھینک دیا تھا اب ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اُٹھا لیا اور اپنی قوم کو بتایا کہ یہ وہ نسخۂ رُشد و ہدایت ہے جس کا وعدہ میں نے تم سے کیا تھا۔ جس کے دل میں خوفِ خدا ہو گا اس کے لیے اس میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن وہ لوگ جن کے دل پتھر ہو چکے ہیں اور خوفِ الٰہی سے خالی ہیں ان کے لیے اس میں حسرت و نامرادی کے سوا اور کچھ نہیں۔

۱۹۸ بنی اسرائیل بچھڑے کی پرستش کا جرمِ عظیم کرنے کے بعد سخت پشیمان ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ ہماری مغفرت کے لیے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیجئے۔ حکم ہوا ان میں سے ستر آدمی منتخب کر کے اپنے ہمراہ لاؤ تاکہ وہ یہاں آکر ساری قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے توبہ کریں۔ چنانچہ آپ اپنی قوم کے ستر نمائندوں کی معیت میں طُور کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک بادل نمودار ہوا جس نے سارے پہاڑ کو گھیر لیا۔ وہاں پہنچ کر سجدہ میں گر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مولا کریم سے گفتگو کی جو انھوں نے سُنی۔ جب بادل چھٹ گیا اور سلسلۂ کلام بھی منقطع ہو گیا تو کہنے لگے موسیٰ! ہم نے گفتگو تو سُنی ہے لیکن جب تک ہم اپنی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھ لیں ہم کیسے یقین کر لیں کہ وہ خداوند تعالیٰ تھا ممکن ہے کوئی اور ہو۔ اس پر زلزلہ کے شدید جھٹکے آنے لگے اور بجلی کڑکنے لگی۔ اس وحشت ناک منظر کی تاب نہ لا کر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہولِ منظر سے موت واقع ہو گئی۔ اور وہب کی رائے ہے کہ مرے نہیں تھے بلکہ بے ہوشی کی وہ کیفیت طاری ہو گئی تھی کہ قریب المرگ ہو گئے تھے۔ (بیضاوی۔ قرطبی)

رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

اے میرے رب! ۱۹۹؎ اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انھیں اس سے پہلے اور مجھے بھی۔ کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ

(فعل) کے جو کیا (چند) احمقوں نے ہم سے نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش ۲۰۰؎ تو گمراہ کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور

تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے ۲۰۱؎ تو ہی ہمارا کارساز ہے ۲۰۲؎ بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر

۱۹۹؎ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو اپنی قوم کے برہم ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ وہ لوگ بات بات پر بگڑ جانے کے عادی ہیں جب دیکھیں گے کہ ان کے ستر سرکردہ آدمی لقمہ اجل ہو گئے ہیں تو نہ معلوم کیا اودھم مچائیں گے اس لیے آپ نے عرض کی اے مالک! اگر تیری مشیت یہی تھی کہ انھیں ہلاک کر دیا جائے تو انھیں پہلے ہی ہلاک کر دیا ہوتا۔ اب جب یہ میرے ہمراہ آئے ہیں تو تو نے انھیں ہلاک کر دیا، میری قوم مجھے بدنام کرے گی اور مجھے ملزم ٹھہرائے گی۔ سفہاء سے مراد یا تو بچھڑے کے پجاری ہیں یا دیدار خداوندی کا مطالبہ کرنے والے۔

۲۰۰؎ فتنہ کہتے ہیں آزمائش اور امتحان کو۔ ای ما ھی الا اختبارك و امتحانك (قرطبی)

۲۰۱؎ اگر توفیق الٰہی انسان کی دستگیری کرے تو امتحان و آزمائش کے میدان میں وہ کامیاب ہو سکتا ہے اور اگر اس کی تائید اور توفیق شامل حال نہ ہو تو معمولی سی آزمائش بھی انسان کی لغزش کا سبب بن جاتی ہے۔ اور زہد و تقدس کے سارے بندھن تار تار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ اپنی عقل کی نارسائی اور اپنی بے بسی کو ہر وقت پیش نظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت میں پناہ ڈھونڈے۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دعائیہ کلمات کتنے دلکش اور کتنے حقیقت افروز ہیں۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ كُلَّهٗ: اے زندہ جاوید! اے ہر چیز کو زندہ رکھنے والے! میں تیری رحمت سے فریاد کرتا ہوں آنکھ جھپکنے کی قدر بھی مجھے (اپنی توفیق سے محروم کرکے) میرے نفس کے سپرد نہ کر۔ اور میرے تمام حالات کی خود ہی اصلاح فرما۔

۲۰۲؎ اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا اعتراف کرنے کے بعد اب اپنا دامن طلب پھیلایا جا رہا ہے۔ ولینا: ہمارے دین و دنیا کے تمام کاموں کا کوئی محافظ و نگہبان ہے ہم جب تک اس دنیا میں ہیں ہمیں صحت عافیت اور توفیق ہدایت اور شوق عبادت عطا فرما اور جب یہاں سے رخت سفر باندھ کر دارالبقاء کی طرف کوچ

الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ

بخشنے والا ہے۔ اور لکھ دے ہمارے لیے اس دنیا میں خیر و برکت اور آخرت میں بھی

اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ

بے شک ہم نے رجوع کیا ہے تیری طرف[۲۰۳] اللہ نے فرمایا میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اسے جسے چاہتا ہوں اور میری رحمت

وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

کشادہ ہے ہر چیز پر[۲۰۴] سو میں لکھوں گا اس کو ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور ادا کرتے ہیں زکوٰۃ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ

اور وہ جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں (یہ وہ ہیں) جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ

جو نبی امی ہے[۲۰۵] جس (کے ذکر) کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس تورات

کریں تو وہاں ہمارے گناہوں کو معاف فرما اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرما۔

[۲۰۳] ھدنا ھاد یھود سے ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے۔ من ھادیھود اذا رجع (بیضاوی) یعنی گناہ و قصور کرنے کے بعد ہم پھر تیری بارگاہ رحمت میں حاضر ہو گئے ہیں۔

[۲۰۴] یعنی میرے اختیارات تو غیر محدود ہیں۔ جو چاہوں جیسے چاہوں کروں کسی کو اعتراض نہیں۔ میری رحمت کے خزانے خرچ کرنے سے ختم نہیں ہوتے۔ میری رحمت کا دامن بہت وسیع ہے۔ لیکن اس کے حقدار صرف وہی لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔

[۲۰۵] اس آیت میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف جمیلہ اور حضور کی بعثت کے مقاصد جلیلہ کو بڑی وضاحت اور تفصیل سے بیان فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہونے کی وجہ سے حضور کو رسول اور مخلوق کی طرف مبعوث ہونے کے باعث نبی فرمایا گیا۔ حضور کو امی کہنے کی متعدد توجیہات علماء کرام نے بیان کی ہیں:۔

(۱) منسوب الی الام یعنی ھو علی ما ولدتہ امہ لم یکتب ولم یقرء۔ ام (ماں) کی طرف منسوب کرتے ہوئے امی کہا یعنی جیسے نوزائیدہ بچہ پڑھنا لکھنا نہیں جانتا اسی طرح حضور نے بھی کسی استاد سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اور اس کے باوجود

وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

اور انجیل میں ٢٦٠ وہ نبی حکم دیتا ہے انھیں نیکی کا اور روکتا ہے انھیں برائی سے اور

يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ

حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے

علوم ظاہری و باطنی سے سینۂ مبارک کا لبریز ہونا حضورؐ کا روشن معجزہ ہے۔ وصفه الله به تنبيها على ان كمال علمه مع حاله احدى معجزاته (مظہری)۔ بعض نے کہا ہے کہ ام القریٰ (مکہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے امی کہا گیا۔ اور بعض کی رائے ہے کہ امی اُمت کی طرف منسوب ہے یعنی حضور علیہ السلام صاحب اُمت ہیں اور اُمت کی ت نسبت کے وقت حذف کردی گئی۔ جیسے مکہ سے مکی اور مدینہ سے مدنی میں ت محذوف ہے۔

٢٦٠ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل قبلہ مولانا محمد نعیم الدین قدس سرہٗ کا حاشیہ بڑا مفصل ہے۔ اسی کا ایک اقتباس نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں: "کتب الٰہیہ حضور سیدِ عالم کی نعت و صفت سے بھری ہوئی تھیں۔ اہلِ کتاب ہر قرن میں اپنی کتابوں میں تراش خراش کرتے رہے۔ اور ان کی بڑی کوشش رہی کہ حضور کا ذکر اپنی کتابوں میں نام کو نہ چھوڑیں۔ لیکن ہزاروں تبدیلیاں کرنے کے بعد بھی موجودہ زمانہ کی بائبل میں حضورؐ کی بشارت کا نشان کچھ نہ کچھ باقی رہ ہی گیا۔ چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ١٩٣١ء کی چھپی ہوئی بائبل میں یوحنا کی انجیل کے باب چودہ کی سولھویں آیت میں ہے: "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے"۔ لفظ مددگار پر حاشیہ ہے۔ اس کا ترجمہ وکیل یا شفیع لکھتے ہیں۔ تو اب حضرت عیسیٰ کے بعد جو شفیع ہو اور ابد تک رہے یعنی اس کا دین کبھی منسوخ نہ ہو بجز سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کون ہے؟ پھر انتیسویں تیسویں آیت میں ہے: "اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں"۔ کیسی صاف بشارت ہے اور حضرت مسیح نے اپنی اُمت کو حضورؐ کی ولادت کا کیسا منتظر بنایا اور شوق دلایا ہے۔ اور دنیا کا سردار خاص سیدِ عالم کا ترجمہ ہے۔ پھر اسی کتاب کے باب سولہ کی ساتویں آیت ہے: "لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا"۔ اس کی تیرھویں آیت ہے: "لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آئندہ کی خبریں دے گا"۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر دین کی تکمیل ہو جائے گی اور آپ سچائی کی راہ یعنی دینِ حق کو مکمل کردیں گے۔ (خزائن العرفان)

إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ

ان کا بوجھ ۱۸۷ اور کاٹ دیتا ہے وہ زنجیریں ۱۸۸ جو جکڑے ہوئے تھیں انہیں پس جو لوگ ایمان لائے اس (نبی امی) پر اور

وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۷﴾ ع ۱۹

تعظیم کی آپ کی اور امداد کی آپ کی اور پیروی کی اس نور کی جو اتارا گیا آپ کے ساتھ ۱۸۹ وہی لوگ (خوش نصیب) کامیاب و کامران ہیں

۱۸۷ لفظ اصر دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ اصر بمعنی ثقل: بوجھ اور اصر بمعنی عہد۔ یہاں دونوں معنی ملحوظ ہیں یعنی اعمال شدیدہ کا بوجھ جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ حضور کی تشریف آوری سے وہ اس سے آزاد کر دیئے گئے۔ فوضع عنہم بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ذلک العھد وثقل تلک الاعمال۔ ان کی شریعت کے چند احکام یہ تھے کہ اگر کسی کپڑے پر پیشاب وغیرہ گر جائے تو اس حصہ کو کاٹ دینا پڑتا تھا۔ ایام حیض میں عورت کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا تک ممنوع تھا۔ مال غنیمت کا استعمال جائز نہ تھا بلکہ اس کو ایک جگہ جمع کر کے نذر آتش کر دیا جاتا تھا۔

۱۸۸ اغلال جمع ہے اور اس کا واحد غُل ہے اس کا معنی ہے زنجیر۔ اس سے مراد بھی شریعت موسوی کے شدید اور سخت احکام ہیں مثلاً یوم سبت کو ہر دنیاوی کام کی ممانعت تھی۔ اگر کوئی کسی کو قتل کر دیتا تو دیت کی گنجائش نہ تھی بلکہ قاتل کو بطور قصاص قتل کر دینا ضروری تھا۔ اسی طرح کئی دیگر احکام تھے لیکن رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آمد سے ان تمام میں تخفیف اور نرمی کر دی گئی۔ اگر کپڑا پلید ہو جائے تو اس کو پاک کرنے کے لیے دھونا ہی کافی ہے حائضہ عورت سے صرف ہم بستری ممنوع قرار دی گئی۔ دوسری پابندیاں ہٹا دی گئیں۔ قاتل سے دیت بھی قبول کرنے کی اجازت دی گئی۔ مال غنیمت کا استعمال حلال کر دیا گیا یعنی آسانیاں اور نرمیاں کر دی گئیں۔ ہزار ہا ہزار صلوٰۃ وسلام اس طلعت زیبا پر جس کی آمد سے گلشن عالم میں بہار آ گئی۔ جس کے ظاہر ہونے سے کائنات میں اجالا ہو گیا۔ توہمات کے قفس ٹوٹ گئے۔ غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں اور انسان کو شرف انسانیت سے آشنا کر دیا گیا۔ اغلال جمع ہے اور اس کا عطف اصر پر ہے جو واحد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصر مصدر ہے اگرچہ یہ لفظ واحد ہے لیکن اس میں کثرت کے معنی پائے جاتے ہیں۔ فالجواب ان الاصر مصدر یقع علی الکثرۃ لانہ مصدر یقع علی القلیل والکثیر من جنسہ مع افراد لفظہ (قرطبی)

۱۸۹ آخر میں بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ بتا دیا کہ فلاح وسعادت سے صرف وہی سرفراز ہو گا جو میرے مصطفیٰ پر سچے دل سے ایمان لایا اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کی تائید کے لیے ہر قربانی دینے پر مستعد ہوا۔ اور اس کے نور تاباں (قرآن حکیم) کے ارشادات پر عمل کرنے کے لیے دل وجان سے آمادہ ہوا۔ یہ آیت شان رسول مجتبیٰ کی آسمانی تعریف ہے۔ ایمان کے بعد حضور کی تعظیم و تکریم سب سے اہم ہے۔ بلکہ نصرت اور اتباع قرآن کا حق ادا ہی تب ہو سکتا ہے جب دل میں حضور کا ادب و احترام ہو۔ سچ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ

آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف ۲۱۰ وہ اللہ جس کے لیے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا

بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں کوئی معبود سوائے اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے پس ایمان لاؤ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ

اللہ پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے جو خود ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اس کے کلام پر

وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

اور تم پیروی کرو اس کی تاکہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے جو راہ بتاتا ہے

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَ

حق کے ساتھ اور اسی حق کے ساتھ عدل کرتا ہے ۲۱۱ اور ہم نے بانٹ دیا انہیں بارہ قبیلوں میں جو الگ الگ قومیں تھیں ۲۱۲ اور

۲۱۰ اس سے پہلے جتنے رسولوں کا ذکر ہوا وہ خاص خاص علاقوں اور مخصوص قوموں کے ایک مقررہ وقت تک مرشد و رہبر بن کر آئے تھے لیکن اب جس مرشد اولین و آخرین جس رہبر اعظم کا ذکر خیر ہو رہا ہے اس کی شانِ رہبری نہ کسی قوم سے مخصوص ہے اور نہ کسی زمانہ سے محدود۔ جس طرح اس کے بھیجنے والے کی حکومت و سروری عالمگیر ہے اسی طرح اس کے رسول کی رسالت بھی جہاں گیر ہے۔ ہر خاص و عام، ہر فقیر و امیر، ہر عربی و عجمی، ہر رومی و حبشی کے لیے وہ مرشد بن کر آیا۔ اسی لیے اس بات کا اعلان اس کی زبان حقیقت ترجمان سے کرایا کہ اے اولاد آدم! میں تم سب کے لیے اپنے زمین و آسمان کے خالق و مالک کی طرف سے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ اب تمہارے لیے ہدایت اور فلاح کا راستہ یہی ہے کہ اس کتاب کی پیروی کرو جو میں لے کر تمہارے پاس آیا ہوں اور میرے نقوشِ پا کو اپنے لیے خضرِ راہ بناؤ میری سنت سے انحراف نہ کرو۔

۲۱۱ اگرچہ بنی اسرائیل کی بڑی اکثریت کا طرز عمل جو صبر شکن تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جانا، اناڑی بچوں کی طرح اپنی بات خواہ کتنی نامعقول ہو منوانے پر بضد ہونا، معمولی سے معمولی شبہ پر راہِ حق سے روگرداں ہو جانا ان کا معمول تھا لیکن اس کے باوجود ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو سچے مومن تھے۔ شریعت موسویہ کے پورے پورے پابند تھے۔ تورات کے احکام کی بجا آوری میں سرگرمی سے کوشاں تھے۔ مفسرین کرام سے بہت سے اقوال مروی ہیں کہ اس گروہ سے کونسا گروہ مراد ہے اور وہ کس زمانہ

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ

ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف جب پانی طلب کیا آپ سے آپ کی قوم نے (ہم نے وحی کی) کہ مارو اپنے عصا سے اس

الْحَجَرَ ۖ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ

پتھر کو ۱۲۲ تو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے جان لیا ہر ایک گروہ نے

میں تھا۔ لیکن اگر اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے تو کسی قسم کا اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ایک فرماں بردار جماعت تھی جب دوسری قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کی تو یہ اپنے مسلک توحید پر ثابت قدم رہی۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی وہ احکام الٰہی پر صدق دل سے عمل پیرا رہی۔ اور عہد مصطفوی میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جو تورات پر کاربند تھا جب انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا اور حضور کی سیرت کا بچشم خود مطالعہ کیا اور ان نشانات کو جو نبی آخر الزمان کے متعلق تورات میں مذکور تھے اس ذات اقدس میں موجود پایا تو فوراً ایمان لے آئے۔ اور دوسرے یہودیوں کی طرح اپنی وجاہت کی خاطر قبول حق سے انکار نہیں کیا۔

۱۲۱ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دو فرزندوں کی اولاد تھے۔ موسیٰ علیہ السلام جب انہیں لے کر وادی سینا میں پہنچے تو ان کی تعداد کئی لاکھ تھی۔ اتنی کثیر تعداد کا داخلی نظم و نسق۔ ان کی دینی تربیت اور ان کی ہر طرح کی نگرانی کے لیے بحکم الٰہی آپ نے یہ انتظام فرمایا کہ ان کو بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور ہر گروہ کے لیے ایک ایک نگران مقرر کر دیا تاکہ ان کے باہمی جھگڑوں کا تصفیہ کرے۔ اور ان میں اگر بے دینی کا رجحان پیدا ہو تو اس کا سدباب کرے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ اس کا معنی ہے پوتا (ولد الولد) یہ ترکیب میں اثنتی عشرۃ کی تمیز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اسے سبطا (واحد) ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ بدل ہے اور امما صفت ہے۔ اور اسباط موصوف ہے۔ (بیضاوی، مظہری)

۱۲۲ تیہ کے لق و دق صحرا میں پانی بالکل نایاب تھا۔ نہ کوئی نہر نہ دریا۔ نہ کوئی چشمہ نہ کنواں۔ آپ کی قوم نے شدت پیاس سے بے قابو ہو کر آپ سے پانی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ حکم ہوا کہ اس پتھر کو اپنے عصا سے مارو۔ عصا مارنے کی دیر تھی کہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اور آپ نے ایک ایک چشمہ ایک ایک قبیلہ کے لیے مختص کر دیا تاکہ باہمی جھگڑے کی نوبت نہ آئے۔

مَشْرَبَهُمْ ۚ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَ

اپنا اپنا گھاٹ اور ہم نے سایہ کر دیا ان پر بادل کا ۲۱۴ اور ہم نے اُتارا ان پر مَن و

السَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا

سلوی (اور فرمایا) کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے دی ہیں تمھیں اور نہیں ظلم کیا انھوں نے ہم پر بلکہ وہ اپنی

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا

جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے اور جب کہا گیا انھیں کہ آباد ہو جاؤ اس شہر میں ۲۱۵ اور کھاؤ

مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُولُوا حِطَّةٌ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ

اس سے جہاں سے چاہو اور کہو (اے کریم) بخش دے ہمیں اور داخل ہو دروازہ سے جھکتے ہوئے ہم بخش دیں گے

لَكُمْ خَطِيئَاتِكُمْ ۚ سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٦١﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

تمھاری خطائیں (اور) زیادہ دیں گے احسان کرنے والوں کو تو بدل ڈالی جنھوں نے ظلم کیا تھا ان سے

قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

بات خلاف اس کے جو کہی گئی تھی انھیں تب ہم نے بھیج دیا ان پر عذاب آسمان سے

۲۱۳ اس ریگستان میں جہاں پانی کی ایک بوند تک نایاب تھی وہاں سایہ دار درختوں کا وجود کہاں؟ لیکن بغیر سایہ کے اس تپتے ہوئے ریگستان میں چلچلاتی دھوپ میں گزر ہو تو کیسے؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ کرم فرمایا کہ جتنے علاقہ میں وہ فروکش تھے ان پر بادل کا سائبان تان دیا۔ نیز ریت کے ان ڈھیروں میں جہاں آبپاشی کا بھی کوئی انتظام نہ تھا وہاں کھیتی باڑی کیسے ہو سکتی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت خاص سے من وسلویٰ اُتار کر ان کو فکر معاش سے بھی آزاد کر دیا۔ (ان تمام امور پر حواشی سورۃ البقرہ میں گزر چکے ہیں) ۲: ۵۷، ۵۸، ۵۹

۲۱۵ اس سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے۔ اس پر حواشی سورۂ البقرہ میں گزر چکے ہیں۔

بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ

اس وجہ سے کہ وہ ظلم کیا کرتے تھے اور پوچھو ان سے ۲۱۶ حال اس بستی کا ۲۱۷ جو آباد تھی ساحل

الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

سمندر پر جب کہ وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتہ کے حکم کے بارے میں جب آیا کرتیں ان کے پاس ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ

شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا

کے دن پانی پر تیرتی ہوئی ۲۱۸ اور جو دن ہفتہ کا نہ ہوتا تو وہ نہ آتیں ان کے پاس اس طرح ہم نے ان کو آزمائش میں ڈالا ان کے اس سبب

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ

سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کہ تم کیوں نصیحت کرتے ہو اس قوم کو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے

مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ

یا انھیں عذاب دینے والا ہے سخت عذاب ۲۱۹ انہوں نے کہا تاکہ معذرت پیش کر سکیں تمہارے رب کے دربار میں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا

۲۱۶ بنی اسرائیل کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن عبادت کے لیے مخصوص تھا اور ہر طرح کے دوسرے کام کرنے کی انھیں اس دن ممانعت تھی۔ احکام الٰہی میں حیلہ و فریب کرنے میں بنی اسرائیل کو جو شہرت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں ان کی تاریخ کا ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

۲۱۷ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ بستی کون سی تھی؟ امام زہری نے اس کا نام طبریہ بتایا ہے۔ قتادہ کے نزدیک اس کا نام مقنا تھا۔ لیکن زیادہ صحیح قول وہ ہے جو حضرت ابن عباس، عکرمہ اور سدی سے مروی ہے کہ یہ ایلہ کا شہر تھا جو اب عقبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہر بحر قلزم کی اس آبنائے کے سرے پر واقع ہے جو دور تک خشکی میں چلی گئی ہے جسے خلیج عقبہ کہتے ہیں۔

۲۱۸ شُرَّعًا جمع ہے اور اس کا واحد شارع ہے جو شرع بمعنی اشرف و دنی سے ماخوذ ہے یعنی یہ مچھلیاں سنیچر کے دن سر اٹھائے بے جھجک سطح آب پر تیرتی اچھلتی کودتی کثیر تعداد میں چلی آتی تھیں۔ (حواشی سورہ البقرہ میں ملاحظہ ہوں آیت ۶۵)

۲۱۹ سنیچر کے روز مچھلیوں کے شکار کرنے نہ کرنے کے متعلق ایلہ کی آبادی تین مختلف الخیال گروہوں میں بٹی ہوئی تھی۔ ایک گروہ تو وہ تھا جو اس کھلی ہوئی نافرمانی کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔ دوسرا گروہ وہ تھا جو خود تو شکار نہیں کرتا تھا لیکن شکار کرنے والوں کو اس حکم عدولی سے روکتا بھی نہ تھا۔ تیسرا گروہ وہ تھا جو فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں ہمہ تن مشغول تھا۔ دوسرے گروہ نے اس تیسرے

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ

اور شاید وہ ڈرنے لگیں ۔ پھر جب انھوں نے فراموش کر دی جو انھیں نصیحت کی گئی تھی (تو) ہم نے نجات دے دی

عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا

انھیں جو روکتے تھے برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنھوں نے ظلم کیا تھا سخت عذاب سے بوجہ اس کے کہ وہ نافرمانی کیا

يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَن مَّا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً

کرتے تھے ۲۲۰ ۔ پھر جب انھوں نے سرکشی کی جس سے وہ روکے گئے تھے ہم نے حکم دیا انھیں کہ بن جاؤ بندر

خَاسِئِينَ ﴿١٦٦﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

راندے ہوئے ۲۲۱ ۔ اور یاد کرو جب اعلان کر دیا آپ کے رب نے کہ ضرور بھیجتا رہے گا ان پر روز قیامت تک

مَن يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ ۖ وَ

ایسے (جابر) جو چکھاتے رہیں گے انھیں برا عذاب ۲۲۲ ۔ بے شک آپ کا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور

گروہ کو کہا کہ تم خواہ مخواہ کیوں اپنا سر کھپا رہے ہو۔ ان کی ہلاکت مقدر ہو چکی ہے انھیں سمجھانے سے کیا حاصل۔ اس فرض شناس گروہ نے انھیں جواب دیا کہ اس تبلیغ کے دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر قیامت کے روز ہم سے باز پرس کی گئی تو ہم عرض کریں گے کہ اے خداوند! ہم نے تو ان نابکاروں کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن انھوں نے ہماری ایک نہ سنی۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ہمارے وعظ و نصیحت کرنے سے کسی کا دل پسیج جائے اور وہ راہ حق اختیار کر لے۔

۲۲۰ نسیان جان بوجھ کر کسی چیز کو چھوڑ دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور یہاں اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ والنسیان يطلق على الساهي والعامد: التارك اي تركوه عن قصد (قرطبی)۔ بئیس یعنی شدید۔ جب ان کی نافرمانی اور عصیاں شعاری حد سے تجاوز کر گئی اور ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہ رہی تو ان پر عذاب الٰہی آیا جس نے ان کو ہلاک برباد کر دیا۔ اور ان تین گروہوں میں سے صرف وہی گروہ نجات پا سکا جو ان کو وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔

۲۲۱ ملاحظہ ہو حاشیہ متعلقہ آیت ۶۵ البقرہ ضیاء القرآن جلد اول

۲۲۲ آگاہ اور خبردار کر دینے اور کسی فیصلہ کا اعلان کرنے کو تاذن کہتے ہیں۔ یہ لوگ کون تھے جن کے متعلق اعلان کیا گیا۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے یوم سبت کے متعلق احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیا۔ بعض کی رائے ہے کہ ان

إِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٦٧﴾ وَقَطَّعْنَٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أُمَمًا ۖ مِّنْهُمُ

بے شک وہ غفور رحیم (بھی) ہے اور ہم نے بانٹ دیا انھیں زمین میں کئی گروہوں میں ۲۲۳ ان میں سے

ٱلصَّٰلِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ ۖ وَبَلَوْنَٰهُم بِٱلْحَسَنَٰتِ وَٱلسَّيِّـَٔاتِ

کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح ہیں اور ہم نے آزمایا انھیں نعمتوں اور تکلیفوں کے ساتھ

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ

تاکہ وہ (اللہ تعالیٰ) کی طرف رجوع کریں پھر جانشین بنے ۲۲۴ ان کے بعد وہ ناخلف جو وارث ہوئے کتاب کے

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَٰذَا ٱلْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن

وہ لیتے ہیں مال اس دنیا کا اور (وہاں) کہتے ہیں کہ ضرور بخش دیا جائے گا ہمیں اور اگر

سے مراد ساری یہودی اُمت ہے اور بعض کے نزدیک حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمعصر یہودی ہیں۔

۲۲۳ یعنی ہم نے ان کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ ان کا شیرازہ بکھیر دیا گیا۔ وہ دنیا کے مختلف ممالک میں ایک بے بس اقلیت بن کر رہ گئے۔ ان میں سے بعض نیکوکار بھی ہیں اور بعض بدکار بھی۔ ان کو راہِ راست پر لانے کے لیے ان کے ساتھ لطف و عنایت کا رویہ بھی اختیار کیا گیا اور ان سے شدت و سختی کا سلوک بھی کیا گیا۔

۲۲۴ یہود کی قومی سیرت کا ایک اور واضح پہلو نمایاں کیا جا رہا ہے یعنی وہ مال و دولت جمع کرنے میں اتنے حریص تھے کہ وہ رشوت لے کر اللہ تعالیٰ کے صریح اور واضح احکام میں ردوبدل کر دیتے اور تورات کی آیات میں کھلم کھلا تحریف کر دیتے۔ ان کا مرض اب لاعلاج ہو چکا تھا کیونکہ اس سے باز آنے کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ ان کے دل میں عذابِ الٰہی کا خوف پیدا ہو اور اپنے ہولناک انجام سے ڈر کر وہ توبہ کریں۔ لیکن وہاں تو اس کی اب کوئی گنجائش نہ رہی تھی کیونکہ انھوں نے اپنے آپ کو ایک شدید مغالطہ میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور پیارے ہیں ہمیں دوزخ کی آگ نہیں جلا سکتی۔ نیز ہم تورات کے عالم ہیں۔ ہمارے بیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسی خصوصی رعایتیں ہیں جن کی وجہ سے اس قسم کی بے راہ روی ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ ہماری بخشش کا ہم سے پختہ وعدہ کر دیا گیا ہے جب کسی قوم کے ذمہ دار اور تعلیم یافتہ طبقہ کی اخلاقی پستی اور دنیا پرستی کا یہ حال ہو تو عوام کا کیا حال ہو گا۔ اُمتِ محمدیہ کے مشائخ و علماء کو اپنی اولاد کی تعلیم اور دینی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ مبادا ان کی اولاد بھی ان بیماریوں میں مبتلا ہو جائے جن میں بنی اسرائیل کے علماء کی اولاد گرفتار ہو گئی تھی۔

يَّأْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَأْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ

آجائے ان کے پاس اور مال اس جیسا تو لے لیں اسے بھی کیا نہیں لیا گیا تھا ان سے پختہ وعدہ

الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ

کتاب میں کہ نہ منسوب کریں اللہ کی طرف کوئی بات سوائے حق کے اور پڑھ لیا انھوں نے جو کتاب میں تھا اور

الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

دارِ آخرت بہتر ہے ان کے لیے جو متقی ہیں تو کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے اور جنھوں نے

يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ

مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے کتاب کو اور قائم کیا نماز کو بے شک ہم ضائع نہیں کریں گے اجر

۲۲۵ قرآن حکیم نے نہایت واضح الفاظ میں ان کا یہ مغالطہ دُور کر دیا کہ وہ یہ کہنے کی کیسے جرأت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تو اس بارے میں سخت ترین وعدہ لیا گیا تھا کہ وہ ایسی کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کریں گے جو اس نے نہ فرمائی ہو۔ اتنے پختہ وعدہ کے بعد انھیں کب حق پہنچتا ہے کہ وہ اس خود فریبی کا شکار رہیں۔ یہ دُنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کا فناپذیر سازوسامان کیا وقعت رکھتا ہے کہ انسان اس پر جنت کی ابدی زندگی اور اس کے آرام وراحت کو قربان کر دے۔

لفظی تحقیق۔ (۱) خَلَفٌ اگر لام متحرک ہو تو اس کا معنی نیک اولاد ہے اور اگر خَلْفٌ لام ساکن ہو تو اس کا معنی بُری اولاد ہے۔ خَلْفٌ فی الذم بالاسکان وخَلَفٌ بالفتح فی المدح (قرطبی) (۲) عرض لغت میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جو جلدی فناپذیر ہو جائے۔ اسی وجہ سے دُنیاوی مال ومتاع کو بھی عرض کہتے ہیں کیونکہ اس کو بھی بقا نہیں العرض مالایکون له ثبات ومنه قیل الدنیا عرض حاضر یعنی مالاثبات لها (۳) هذا الادنی یہ جہان جو قریب ہے ای هذا العالم الادنی (مظہری)

یہ آیت جہاں یہود کے اس طریق کار اور اخلاقی پستی کی مذمت کر رہی ہے وہاں مسلمان مشائخ اور علماء کے لیے بھی اس میں درسِ عبرت ہے۔ وہ چیز جو علماء ومشائخ بنی اسرائیل کے لیے شرمناک تھی کیا وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین اور کامل ترین بندے اور سید الانبیاء والمرسلین کی اُمت جسے خیرالامم کے لقب سے نوازا گیا ہے کے علماء ومشائخ کے لیے قابلِ برداشت ہو سکتی ہے۔ اگر آخری نبی کی آخری شریعت اور آخری کتاب کے امین اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کریں گے اور شریعت کے احکام بھی دولت کمانے کا ذریعہ بن کر رہ جائیں گے تو پھر اس چشمہ صافی سے دُنیا کے پیاسے کیونکر سیراب ہو سکیں گے

الْمُصْلِحِيْنَ ﴿١٧٠﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا

اصلاح کرنے والوں کا ۲۲۶ اور جب ہم نے اٹھایا پہاڑ ۲۲۷ ان کے اوپر اس طرح گویا وہ سائبان ہے اور خیال کرنے لگے

اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ

کہ وہ ضرور گر پڑے گا ان پر (ہم نے کہا) پکڑو جو ہم نے دیا ہے تمہیں بڑی قوت سے اور یاد رکھو جو اس میں ہے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ع ٢١

پرہیزگار بن جاؤ اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے ۲۲۸ بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو

۲۲۶ اگر کوئی شخص احکام الٰہی پر کاربند ہے تو اس کے آباؤ اجداد کے اعمال بد کی وجہ سے اس کے اعمال رد نہیں کر دیئے جائیں گے بلکہ اس کو ان کا اجر جزیل عطا فرمایا جائے گا۔

۲۲۷ لسان العرب میں ہے النتق : الزعزعة والهز والجذب والنفض : یعنی نتق کا معنی جھٹکا دینا، زور سے ہلانا، کھینچنا اور جھاڑنا ہے۔ جب پہاڑ میں زلزلہ آتا ہے تو اسی قسم کی کیفیت رونما ہوتی ہے۔ اور جو لوگ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوتے ہیں۔ انہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ ان پر ابھی گرا چاہتا ہے۔ اسی قسم کی صورت حال سے بنی اسرائیل کو دوچار کر دیا گیا۔ تورات سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کتاب خروج باب ۱۹ کی آیات ۱۶ تا ۱۹ ملاحظہ ہوں:-

جب تیسرا دن آیا تو صبح ہوتے ہی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی اور پہاڑ پر کالی گھٹا چھا گئی اور قرنا کی آواز بہت بلند ہوئی اور سب لوگ ڈیروں میں کانپ گئے۔ اور موسیٰ لوگوں کو خیمہ گاہ سے باہر لایا کہ خدا سے ملائے اور وہ پہاڑ سے نیچے آ کھڑے ہوئے اور کوہ سینا اوپر سے نیچے تک دھوئیں سے بھر گیا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہو کر اس پر اترا اور دھواں تنور کے دھوئیں کی طرح اوپر کو اٹھ رہا تھا اور وہ پہاڑ زور سے ہل رہا تھا۔

اس کے علاوہ نتق کا معنی اقتلع بھی ہے یعنی کسی چیز کو جڑ سے اکھیڑ لینا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ اس پہاڑ کو اکھیڑ کر ان کے سروں پر آویزاں کر دے۔ تفاسیر میں جو روایت ہے وہ اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔

۲۲۸ علامہ قرطبی نے اس آیت کو قرآن کی مشکل آیات سے شمار کیا ہے۔ اس لیے اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ذرا تفصیل کی ضرورت ہے معتزلہ کی رائے یہ ہے کہ جس سوال و جواب کا یہاں ذکر ہے وہ خارج میں وقوع پذیر نہیں ہوا کہ کہیں آدم کی ساری اولاد کو جمع کر کے ان سے یہ سوال پوچھا گیا ہو اور انہوں نے بیک زبان بلیٰ کہہ کر جواب دیا ہو بلکہ یہ کلام بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔ اور توحید باری کی آیات بینات جو بڑی وریادلی سے انسان کے ظاہر و باطن میں بکھیر دی گئی ہیں۔ وہ بزبان حال اس کی توحید کا اعتراف کرتے ہوئے بلیٰ بلیٰ کے نعرے لگا رہی ہے۔ علامہ بیضاوی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ

اور گواہ بنا دیا تھا اُن کو اُن کے نفسوں پر (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟ (سب نے) کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے

اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۟ۙ

ہم نے گواہی دی (یہ اس لیے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روزِ محشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے ٢٢٩

آیت کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں ای نصب لھم دلائل ربوبیته ورکب فی عقولھم ما یدعوھم الی الاقرار بھا حتی صاروا بمنزلة من قیل لھم الست بربکم قالوا بلی فنزل تمکینھم من العلم بھا وتمکنھم منه منزلة الاشھاد والاعتراف علی طریق التمثیل یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی روشن دلیلیں ان کے لیے قائم کر دی ہیں۔ اور ان کو اتنی سمجھ مرحمت فرما دی ہے کہ وہ ان دلائل کے پیشِ نظر اس کی الوہیت کا اعتراف کریں۔ گویا اُن سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور وہ اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ کلام بطور تمثیل ہے۔ لیکن سلف صالحین کا مسلک یہ ہے کہ اس آیت کی صحیح تفسیر وہ ہے جو احادیث نبویہ سے ثابت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام کی تخلیق ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی پشت پر اپنا دستِ قدرت پھیرا جس کی وجہ سے آپ کی ہونے والی ساری اولاد ظاہر ہو گئی۔ اور ان سے یہ سوال کیا گیا اور سب نے بلیٰ سے اس کا جواب دیا۔ اس حدیث سے اور اس کے علاوہ متعدد احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سوال وجواب حقیقت میں ہوا تھا۔ یہ محض تمثیل ہی نہیں جیسے معتزلہ کا خیال ہے۔ ان احادیث صحیحہ کی موجودگی میں ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے میں تامل کریں جو قادرِ مطلق اپنی قدرت کاملہ سے قیامت کے دن سب اولادِ آدم کو میدانِ حشر میں جمع فرما سکتا ہے۔ اس کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ پشتِ آدم سے ان کی ساری اولاد نکال کر اپنی بارگاہ میں پیش کر دے۔ علامہ قطب الدین شیرازی نے اس مختلف آراء میں بڑی عمدہ تطبیق کی ہے جس کو فضلاء امت نے بہت پسند کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے دو میثاق لیے ہیں ایک حالی اور دوسرا مقالی۔ حالی میثاق تو یہ ہے کہ اس کی فطرت میں عقیدہ توحید کی طرف یہ میلان رکھ دیا اور اس کے باطن میں دلائل کے یہ چراغ روشن کر دیے ہیں وہ اپنی زبانِ حال سے بلیٰ کہہ رہے ہیں۔ اور دوسرا میثاق وہ تھا جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے جو روزِ میثاق کر لیا گیا تھا۔ (روح المعانی)

٢٢٩ یہاں یہ شبہ دل میں کھٹکنے لگتا ہے کہ وہ عہد جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اور جس کی خلاف ورزی کو جرم قرار دیا جا رہا ہے وہ آج کسے یاد ہے؟ کیا ایسی چیز جو بالکل فراموش ہو چکی ہو وہ بھی حجت قرار دی جا سکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس میثاق کی یاد اگرچہ ذہن اور شعور سے محو ہو چکی ہے لیکن تحت الشعور میں اب بھی موجود ہے اور انسانی فطرت میں اس کی ایسی تخم ریزی کر دی گئی ہے کہ جب بھی اسے صحیح رہنمائی، صحیح تربیت اور مناسب ماحول نصیب ہوتا ہے تو فوراً یہ بیج اُگتا ہے اور تخم زدن میں

أَوْ تَقُولُوٓا۟ إِنَّمَآ أَشْرَكَ ءَابَآؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنۢ

یا یہ کہو کہ شرک تو صرف ہمارے باپ دادا نے کیا تھا (ہم سے) پہلے اور ہم تو تھے ان کی اولاد

بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ

ان کے بعد تو کیا تو ہمیں ہلاک کرتا ہے اس (شرک) کی وجہ سے جو کیا تھا باطل پرستوں نے۔ اور اسی طرح ہم مفصل بیان کرتے

ٱلْءَايَٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾ وَٱتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ٱلَّذِىٓ ءَاتَيْنَٰهُ

ہیں نشانیاں تاکہ وہ (ان میں غور کریں) اور کفر سے باز آجائیں ۲۲۳؎ اور پڑھ کر سنایئے انہیں حال اس کا جسے ۲۲۴؎ دیا ہم نے (علم)

توحید کا شجرِ طیب اپنی آفاقی وسعتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ اگر توحید کو قبول کرنے کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت نہ کی گئی ہوتی تو کوئی تعلیم، کوئی رہنمائی، کوئی ماحول اس کو توحید کا سبق نہ ازبر کرا سکتا۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں فقط انہیں صلاحیتوں کو بروئے کار لاسکتی ہیں جو پہلے سے انسانی تحت الشعور میں موجود ہوتی ہیں۔ ایک آدمی تیرتی نہیں سکتا اور ہوا میں اڑ بھی نہیں سکتا لیکن آپ اس کی مناسب تربیت کرکے اسے ایک بہترین تیراک تو بنا سکتے ہیں لیکن آپ ہزار جتن کریں اس کو ہوا میں اڑنا نہیں سکھا سکتے۔ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان میں تیرنے کی استعداد رکھی ہے لیکن اڑنے کی صلاحیت نہیں رکھی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ میثاق کہ جو بلیٰ ہم نے کہی تھی وہ ہمیں بھول جائے تو بھول جائے لیکن وہ ہمارے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے فقط کسی ماہر کے چھیڑنے کی منتظر ہے۔ ع تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز۔ وہ لوگ جو اس ابھرتی ہوئی فطری آواز کو دبا دیتے ہیں۔ جو تورج کی اس تشنگی کو سیراب کرنے سے دانستہ غفلت برتتے ہیں۔ قیامت کے دن ان کا کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا۔

۲۲۳؎ یہ جملہ معطوف ہے اور اس کا معطوف علیہ مقدر ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے۔ لعلھم یتدبرون ویتفکرون فیھا ولعلھم یرجعون من الکفر (مظہری) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۲۲۴؎ وہ کون تھا جس کا قصہ ان آیات میں بیان کیا جارہا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ بنی اسرائیل کا ایک زاہد اور عالم تھا۔ جس کا نام بلعام بن باعوراء تھا۔ اپنے زمانہ میں علم و فضل میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ اس کی علمی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور اس کے خطبات کو قلمبند کرتے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد کرنے کے باعث اپنے علم و فضل کے باوجود راہِ حق سے منحرف ہوگیا۔ بعض کا خیال ہے یہ شخص امیہ ابن ابی الصلت الثقفی تھا جس نے قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا۔ اور اسے معلوم تھا کہ اس زمانہ میں ایک رسول مبعوث ہونے والا ہے۔ اس کی خواہش تھی کہ یہ عہدہ اسے دیا جائے۔ لیکن جب تاجِ نبوت رحمتِ عالمیان کے سرِ مبارک پر رکھا گیا۔ تو حسد کے مارے جل بھن گیا اور کفر اختیار کیا۔ سعید بن مسیّب نے ابو عامر بن صیفی کا

ءَايَٰتِنَا فَٱنسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ ٱلشَّيْطَٰنُ فَكَانَ مِنَ ٱلْغَاوِينَ ۝

اپنی آیتوں کا تو وہ کترا کر نکل گیا ان سے ۱۳۲ تب پیچھے لگ گیا اس کے شیطان ۱۳۳ تو ہو گیا وہ گمراہوں میں

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَٰهُ بِهَا وَلَٰكِنَّهُۥٓ أَخْلَدَ إِلَى ٱلْأَرْضِ وَٱتَّبَعَ

اور اگر ہم چاہتے تو بلند کر دیتے اس کا رتبہ ان آیتوں کے باعث ۱۳۴ لیکن وہ تو جھک گیا پستی کی طرف اور پیروی کرنے لگا

نام لیا ہے زمانہ جاہلیت میں وہ زہد و ریاضت کی زندگی بسر کرتا تھا اور اون کے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتا تھا۔ وہ بھی نبوت کا امیدوار تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے تو اس نے بھی کفر اختیار کیا لیکن محفوظ راستہ یہ ہے کہ جب قرآن حکیم نے اس کا نام نہیں لیا تو ہم بھی اس کی تعیین کے درپے نہ ہوں اور جو وقت اور کوشش اس کی شخصیت کا سراغ لگانے میں صرف کرنا ہے۔ وہ اس قصہ کو سمجھنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے میں صرف کریں۔

۱۳۲ سانپ کے اپنی پرانی کینچلی کو اتار دینے کو عربی میں انسلخت الحیۃ من جلدھا کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ جس طرح سانپ اپنی پرانی کینچلی کو اتار پھینکتا ہے اسی طرح اس شخص نے بھی ان آیات و ہدایات کو اتار پھینک دیا اور اس کی جگہ گمراہی اور ضلالت کا لباس اوڑھ لیا۔

۱۳۳ اتبع کا معنی ہے کسی کے پیچھے لگنا۔ ای لحق بہ یقال اتبعت القوم ای لحقتھم (قرطبی) جب انسان واضح آیات ربانی کا انکار کرتا ہے اور انہیں پس پشت ڈال دیتا ہے تو شیطان اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہر لمحہ اس کے دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگتا ہے۔

۱۳۴ حقائق کا جو علم اسے عطا کیا گیا تھا اگر وہ اس پر عمل پیرا ہوتا تو مقربین بارگاہ الٰہی میں شمار ہوتا۔ اور مناصب رفیعہ اور مراتب عالیہ پر فائز ہوتا۔ لیکن اس بدنصیب نے تو اس سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اور نفسانی خواہشات کا ایسا پرستار بن گیا۔ اور حرص و لالچ کا اس پر ایسا غلبہ ہو گیا کہ یوں دکھائی دینے لگا کہ اس نے ذلت کی پستیوں سے چمٹے رہنے کا عزم مصمم کر لیا ہے اور وہ کسی طرح بھی انہیں چھوڑ کر ہدایت کی بلندی کی طرف ایک قدم بھی اٹھانے کے لیے آمادہ نہیں۔ ولو شئنا یعنی اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی من مانی نہ کرنے دیتے اور اسے مجبور کر دیتے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں راہ حق پر چلتا جائے اور قدم بڑھاتا چلا جائے لیکن ایسی جبری مداخلت ہماری حکمت کے منافی ہے۔ جو شخص جان بوجھ کر ہلاکت کے گڑھے میں چھلانگ لگانے پر بضد ہوتا ہے اسے اس کا شوق پورا کرنے دیا جاتا ہے۔ اخلد کا صلہ جب الی ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے اس چیز کی طرف مائل ہونا۔ اخلد الیہ مال و رکن (منجد)

هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ

اپنی خواہش کی تو اس کی مثال کتے جیسی ہے ۲۳۵؎ اگر تو حملہ کرے اس پر تب بھی ہانپے اور اگر تو

تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

چھوڑ دے تب بھی ہانپے یہ حال ہے اُن لوگوں کا جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ۲۳۶؎

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ِۨ الْقَوْمُ

آپ سنائیں (انھیں) یہ قصے شاید وہ غور و فکر کرنے لگیں۔ بہت بُری کہاوت ہے اس قوم کی

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ

جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور (وہ) اپنی ہی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے جسے ہدایت بخشے

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اللہ تعالیٰ سو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جنھیں گمراہ کر دے تو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ ۚ لَهُمْ قُلُوْبٌ

اور بے شک ہم نے پیدا کیے ۲۳۷؎ جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل (تو) ہیں

۲۳۵؎ کتے کی فطرت میں حرص و طمع کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ جب دیکھو گلی سڑی چیزوں اور غلیظ ہڈیوں کی تلاش میں منہ لٹکائے کوچہ بکوچہ پھر رہا ہے۔ اس شخص کی مثال بھی ایسی ہے۔ حصولِ دولت کے پیچھے کتے کی طرح ہر حال میں ہانپتا پھرتا ہے۔

۲۳۶؎ یعنی یہ خستہ حالی، پریشانی اور ہر وقت کا اضطراب کسی ایک منکرِ حق کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو بھی حق کو حق پہچانتے ہوئے اس سے رُوگردانی کرتا ہے اس کا یہی حال ہوتا ہے۔ اس چیز کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے تاکہ غفلت کے مارے ہوش میں آئیں اور عبرت حاصل کریں۔

۲۳۷؎ بظاہر اس آیت میں اور وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں تضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جنوں اور انسانوں کی اکثریت کی تخلیق اس لیے کی گئی ہے کہ وُہ جہنم کا ایندھن بنیں۔ اور دوسری آیت میں

لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ

لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے۲۳۵ اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں

لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ

لیکن وہ سنتے نہیں ان سے وہ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو

جن و انس کی تخلیق کی غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ عبادت کریں۔ امام رازیؒ کا پسندیدہ جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لجہنم پر جو لام ہے وہ لام عاقبت ہے یعنی ان کی تخلیق کا انجام یہ ہوا کہ انہوں نے کفر و نافرمانی سے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنا دیا اور ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون میں لام غایت کا ہے یعنی ان کی پیدائش کی حقیقی غرض و غایت یہی تھی کہ یہ عبادت کریں اور رضائے خداوندی حاصل کریں اور نعیم ابدی سے متمتع ہوں۔ اس لیے آیات میں تعارض نہ رہا۔ اور لام کا استعمال عاقبت کے لیے قرآن حکیم اور فصحائے عرب میں کثیر ہے۔ ارشاد باری ہے فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا۔ یعنی موسیٰ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا تاکہ وہ بڑا ہو کر ان کا دشمن بنے۔ یہاں بھی لام عاقبت کے لیے ہے غایت کے لیے نہیں۔ کیونکہ اٹھانے والوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے ہو کر ان کی ہلاکت و بربادی کا باعث بنیں۔ بلکہ ان کا مقصد تو یہ تھا کہ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو ہمارے کام آئے گا۔ لیکن ان کے اٹھانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بڑے ہو کر فرعون کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی طرح عربی کا ایک شعر ہے ؎

للموت تغذو الوالدات سخالھا　　　کما لخراب الدھر تبنی المساکن

یہاں بھی لام غایت کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے۔ کیونکہ مائیں بچے اس لیے تو نہیں جنتیں کہ وہ لقمۂ اجل بنیں۔ اور محلات اور حویلیاں اس لیے تو تعمیر نہیں کی جاتیں کہ وہ ویران ہو جائیں۔ لیکن ہوتا ایسا ہی ہے جو پیدا ہوتا ہے اسے موت کا پیالہ پینا ہی پڑتا ہے اور جو عمارت کھڑی کی جاتی ہے وہ ایک نہ ایک دن پیوند خاک ہو کر رہتی ہے۔

۲۳۵ یہاں ان کے ہولناک انجام کی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن اس لیے بنائے گئے کہ دعوت حق کو سننے پیغام ہدایت کو سمجھنے اور اس کے روشن شواہد کو دیکھنے کی جو صلاحیتیں انہیں عطا فرمائی گئی تھیں انہوں نے انہیں بیکار بنا کر چھوڑ دیا۔ اور بے عقل چارپایوں کی طرح ہو کر رہ گئے۔ جس طرح ان ڈنگروں کی ساری قوتیں اور اعضاء کھانے پینے اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کے لیے وقف ہیں اسی طرح ان انسان نما حیوانوں کا مقصد وحید یہی ہے کہ اچھا کھائیں۔ اور دوسری لذتوں سے لطف اندوز ہوں۔ زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد پیش نظر نہیں بلکہ بعض حالات میں تو یہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ وہ بے عقل و بے سمجھ ہونے کے باوجود اپنے مالک کی خدمت گزاری سے منہ نہیں موڑتے اور اس کے بلانے پر بھاگے چلے آتے ہیں مگر انہیں تو یاد تک نہیں کہ ہمارا بھی کوئی خالق و مالک ہے اس لحاظ سے تو یہ حیوانوں سے بھی بدرجہا بدتر ہیں۔

الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا

غافل اور بے خبر ہیں اور اللہ ہی کے لیے ہیں نام اچھے اچھے ۲۳۹ سو پکارو اسے انہیں ناموں سے اور چھوڑ دو

الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اُنہیں جو کجروی کرتے ہیں اُس کے ناموں میں ۲۴۰ انہیں سزا دی جائے گی جو کچھ وہ کیا کرتے تھے

وَمِمَّنْ خَلَقْنَاۤ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ ع ۲۲/۱۲

اور ان میں سے جنہیں ہم نے پیدا فرمایا ۲۴۱ ایک امت بھی ہے جو راہ دکھاتی ہے حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرتی ہے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ

اور جنھوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں کی تو ہم آہستہ آہستہ پستی میں گرا دیں گے انہیں ۲۴۲ اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا اور میں مہلت دیتا ہوں

۲۳۹ ـ اب ذکر الٰہی کی ترغیب اور اس کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدوسیت اور سبوحیت پر دلالت کرنے والے بڑے پیارے پیارے اور معنی خیز نام ہیں۔ جب تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تو ان پیارے پیارے ناموں سے یاد کرو۔ اپنی طرف سے اس کے لیے نئے نئے نام نہ گھڑو۔ کیونکہ تم اس کی رفعتِ شان کو نہیں پہچان سکتے۔ مبادا تمہاری زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکل جائے جو اس کی شانِ خداوندی کے شایان نہ ہو۔ اور پھر تمہیں اُلٹا لینے کے دینے پڑ جائیں۔

۲۴۰ ـ لغت میں الحاد کا معنی ہے سیدھی راہ سے منہ موڑنا معنی الالحاد فی اللغة المیل عن القصد قال ابن السکیت الملحد والعادل عن الحق المدخل فیه ما لیس منه (کبیر) اور اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کجروی اختیار کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر پر کیا جائے جیسے مسیلمہ کذاب کے پیروکار اس کو رحمٰن یمامة کہا کرتے تھے۔ یا بت پرستوں نے اپنے بتوں کے نام اللہ تعالیٰ کے اسماء سے مشتق کر کے رکھے ہوئے تھے۔ جیسے الٰہ سے لات۔ عزیز سے عزیٰ اور منّان سے منات وغیرہ یا اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے اسماء تجویز کرنا جو اس کی شانِ عالی کے لائق نہیں یا اسماء الٰہیہ کو سحر وغیرہ کے لیے استعمال کرنا۔ یہ سب طریقے الحاد کے ہیں۔

۲۴۱ ـ اس سے مراد نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت ہے۔

۲۴۲ ـ بسا اوقات انسان گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے مالکِ حقیقی کی نافرمانی میں رات دن سرگرم رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کے مال و دولت میں دن بدن اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس کی قوت، اقتدار اور اختیار کی سرحدیں پھیلتی ہی چلی جاتی ہیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہی صحیح طریق کار ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہی کے

لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم

انھیں۔ بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پختہ ہے ۔ کیا اب تک نہیں غور وفکر کیا انھوں نے ۲۲۳ کہ ان کے صاحب پر

مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

جو جنون کا ذرا اثر نہیں ۲۲۴ نہیں ہے وہ مگر کھلا ڈرانے والا ۔ کیا انھوں نے غور سے نہیں دیکھا آسمانوں اور

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ

زمین کی وسیع مملکت میں اور (اس میں) جو چیز پیدا فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس میں کہ شاید

أَن يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ۝

نزدیک آگئی ہو ان کی مقررہ میعاد تو کس بات پر وہ اس (قرآن) کے بعد ایمان لے آئیں گے

آخری کناروں تک جا پہنچتا ہے۔ یا بعض گمراہ مریضوں سے ایسے ایسے خرقِ عادت امور ظاہر ہوتے ہیں جو عام طور پر خاصانِ بارگاہِ خداوندی سے مخصوص ہیں جن پر وہ پھنستا ہی چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہلاکت و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتا ہے۔ اسی چیز کو استدراج کہتے ہیں۔ اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ کسی کو ہلاکت کے قریب کر دینا۔ یعنی سنقربھم الی الهلاك قليلا قليلا (طبری) الاستدراج هو الاخذ بالتدريج منزلة بعد منزلة (قرطبی)

۲۲۳ کفار کیوں اسلام قبول نہیں کرتے؟ ان کی طرف جو نبی مکرم مبعوث فرمایا گیا ہے اس کے فضل وکمال، صدق مقال کا انھیں اعتراف ہے۔ اس کی قبل از نبوت چالیس سالہ زندگی کے سارے روز و شب ان کے سامنے ہیں۔ اور یہ کائنات کی کتاب جو کھول کر ان کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اور جس کے ہر صفحہ پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن دلائل ثبت ہیں یہ ان میں کیوں تامل نہیں کرتے؟ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان لانے کی ابھی ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو بڑا وقت پڑا ہے۔ ایمان لانا اگر ضروری بھی ہوا تو بڑھاپے میں لے آئیں گے۔ لیکن وہ کتنے نادان ہیں۔ انھیں کیا پتہ کہ موت کا پیغام ابھی آجائے اور انھیں یہاں سے عین عنفوانِ شباب میں کوچ کرنا پڑے۔ پھر وہ کیا کریں گے؟ اگر قرآن جیسی پاکیزہ اور موثر کتاب پر وہ ایمان نہیں لاتے تو پھر اور کونسی ایسی کتاب آئے گی جس کو پڑھ کر وہ ایمان لے آئیں گے؟ انھیں بار بار جھنجھوڑا جا رہا ہے ان کے سارے شبہات کو دور کیا جا رہا ہے۔ ان کے سارے بہانوں کا جواب دیا جا رہا ہے تاکہ کسی کو مجالِ معذرت نہ رہے۔

۲۲۴ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس وارفتگی سے انھیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ ان کے انکار کے باوجود جس خلوص سے انھیں گمراہی سے بچانا چاہتے تھے اسے دیکھ کر کفار یہ گمان کرنے لگے کہ ان کا دماغ درست نہیں۔ انھیں جنون کا عارضہ

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَ يَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

جسے گمراہ کردے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں

يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا

بھٹکتے رہیں وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے قیامت کے متعلق کہ کب ہوگا اس کا وقوع آپ کہیے کہ اس کا

عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ

علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی یہ (حادثہ) بہت گراں ہے آسمانوں

وَ الْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ

اور زمین میں نہ آئے گی تم پر مگر اچانک وہ پوچھتے ہیں آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کرچکے ہیں اس کے

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ

متعلق آپ فرمایئے اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۱۴۳ آپ کہیے

لاحق ہوگیا ہے۔ ورنہ اس سردمہری اور جفاکیشی کے بدلے اس سرگرمی اور خلوص ومحبت کا کیا معنی؟ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ وہ تقدیر تخمین ہے۔ اسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۱۴۳۔ روز قیامت پر ایمان اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی کوشش کی ہے کہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں یہ یقین راسخ کردے کہ اس زندگی کے بعد انہیں ایک دن بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے جب کہ ان کے اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اور ہر ایک سے ان اعمال کے مطابق سلوک کیا جائے گا جو وہ اس دنیوی زندگی میں بجا لا رہا ہے لیکن جس طرح موت کا وقت لوگوں سے مخفی رکھنے میں حکمتیں ہیں اسی طرح قیامت کے دن کو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ اس کو انتہائی طور پر پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں یہاں بھی اور اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قیامت کے وقوع کے علم کو علم الٰہی کی طرف تفویض کیا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک مرتبہ فرمایا انما علمها عند ربی۔ اس کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہے اور دوسری مرتبہ فرمایا۔ انما علمها عند الله۔ اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے انہیں آیات طیبہ کے پیش نظر مفسرین نے وقوع قیامت کے متعلق تصریح فرمائی ہے۔ ان الله تعالیٰ قد استأثر بعلمها (کشاف) یعنی قیامت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ مخصوص فرمالیا ہے چنانچہ علامہ بیضاوی نے اسے ان متشابہات سے شمار کیا ہے جن کا علم ذات الٰہی سے مختص ہے۔ وہ سورۂ آل عمران کی آٹھویں آیت

وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم الخ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس آیت میں جن علماء نے الا اللہ پر وقف کیا ہے انہوں نے متشابہات سے وہ اشیاء مراد لی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ ومن وقف علی الا اللہ فسر المتشابہ بما استاثر اللہ بعلمہ کمدۃ بقاء الدنیا ووقت قیام الساعۃ وخواص الاعداد کعدد الزبانیۃ او بما دل القاطع علی ان ظاہرہ غیر مراد ولم یدل علی ما ھو المراد (بیضاوی) ترجمہ: جن علماء نے اس آیت میں الا اللہ پر وقف کیا ہے انہوں نے متشابہ کی تفسیر ان امور سے کی ہے جن کے علم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ جیسے اس دنیا کے بقاء کی مدت، قیامت برپا ہونے کا وقت، زبانیہ کی تعداد نیز وہ آیات جن کا ظاہری معنی دلائل قطعیہ کے باعث مراد نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان عبارات سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید ان امور کے متعلق دوسرے عام لوگوں کی طرح حضور نبی کریم بھی بعض ناواقف اور بے خبر ہوں۔ اس وہم کا ازالہ حضرت علامہ محمود آلوسی نے فرما دیا۔ اسی سابقہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں۔ ولعل القائل بکون المتشابہ مما استاثر اللہ تعالیٰ بعلمہ لا یمنع تفہیمہ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بواسطۃ الوحی مثلا والقاءہ فی روع الولی الکامل مفصلا لکن لا یصل الی درجۃ الاحاطۃ کعلم اللہ تعالیٰ وان لم یکن مفصلا فلا اقل من ان یکون مجملا ومنع ھذا او ذلک مما لا یکاد یقول بہ من یعرف رتبۃ النبی ورتبۃ اولیاء امتہ الکاملین (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۸۷)

ترجمہ: یعنی جنہوں نے متشابہ کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ امور جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے مختص فرمایا ہے وہ بھی اس کا انکار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ امور مفصلاً سکھا دیئے ہوں یا ولی کامل کے دل میں القاء فرما دیا ہو۔ لیکن یہ تفصیل بھی اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتی۔ یا تفصیلاً نہیں تو اجمالاً۔ جس شخص کو بھی سید المرسلین کی شان رفیع کا علم ہے اور حضور پرنور کی امت کے اولیاء کاملین کے رتبہ کو جانتا ہے وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ۱۲۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے حبیب مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان پہچاننے والی چشم بینا عطا فرما دے۔ آمین۔

البتہ یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان امور کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی جانتے ہیں تو پھر ان امور کے علم کو ذات خداوندی سے مخصوص کرنا اور کلمات حصر کا ذکر کرنا چہ معنی دارد؟ اس شبہ کا ازالہ بھی فاضل آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا۔ لکھتے ہیں:۔

انما المنع من الاحاطۃ ومن معرفتہ علی سبیل النظر والفکر (روح المعانی جلد ۳ صفحہ ۸۷)

یعنی یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اسے کوئی نہیں جانتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کا علم محیط نہیں یعنی اس کی تفصیلات اور جیسا کہ اس کے تمام اوقات کا احاطہ کیے ہوئے نہیں اور کوئی غور و فکر اور سوچ بچار سے نہیں جان سکتا۔ اسی تفسیر جلیل نے دوسرے مقام پر تصریح کی ہے: ویجوز ان یکون اللہ تعالیٰ قد اطلع حبیبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی وقت قیامہا علی وجہ کامل

لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ

نہیں مالک ہوں میں اپنے آپ کے لیے نفع کا اور نہ ضرر کا مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ ۲۴۵ اور اگر میں (تعلیم الٰہی کے بغیر)

لکن لا علی وجه یعانی علمه تعالیٰ به الا انه سبحانه اوجب علیه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کتمه لحکمة ویکون ذلك من خواصه علیه الصلوٰة والسلام (روح المعانی جلد ۹ صفحہ ۱۳۸)

یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو قیامت کے وقت سے کامل طور پر آگاہ فرما دیا ہو لیکن وہ کمال علم ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم محیط و مکمل سے مساوی ہو سکتا ہو۔ اور پھر اپنے رسول کو کسی حکمت بالغہ کے پیش نظر مخفی رکھنے کا حکم دے دیا ہو۔۱۲

بعض علمائے کرام کے کلام میں جب یہ تصریح نظر سے گزرے کہ اس کا علم کسی نبی اور کسی مقرب فرشتہ کو بھی نہیں دیا گیا تو خیال رہے کہ اس سے مراد علم محیط و مکمل ہے جو ذات باری کے شایان شان ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق علم بھی نہیں عطا فرمایا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

۲۴۵ اس آیت کریمہ میں حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ذات مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کہ میں خدا نہیں۔ کیونکہ خدا وہ ہے جس کی قدرت کامل اور اختیار مستقل ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ نہ کسی کام سے اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ اُسے کسی کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور مجھ میں یہ اختیار کامل اور قدرت مستقلہ نہیں پائی جاتی۔ میرے پاس جو کچھ ہے میرے رب کا عطیہ ہے اور میرا سارا اختیار اسی کا عنایت فرمودہ ہے۔ لا املک کے کلمات سے اپنے اختیار کامل کی نفی فرمائی اور الا ما شاء اللہ سے اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھے کہ حضور کو نفع و ضرر کا کچھ اختیار ہی نہیں۔ فرمایا مجھے اختیار ہے اور یہ اختیار اتنا ہی ہے جتنا میرے رب کریم نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ کتنا عطا فرمایا ہے تو انسانی عقل کا کوئی پیمانہ اور کوئی اندازہ اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ کوئی جادوئی حدت فہم نہیں کی جا سکتی۔ اس ایک آیت کریمہ میں ہی غور فرمائیے ولسوف یعطیک ربک فترضی (اے حبیب!) تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ کیا لطف ہے حضور نے اپنی ساری توانائیوں اور قوتوں سے برأت کرتے ہوئے ہر بات اپنے خالق و مالک کی مرضی اور مشیت کے سپرد کر دی اور اس بندہ نواز نے اپنی مشیت کو اپنے محبوب بندے کی رضا و خوشنودی پر منحصر کر دیا۔ بتا دیا۔ تجھے دینے والا میں ہوں۔ خود تمہیں دوں گا اور اتنا دوں گا جتنا تو چاہے گا۔ اب اس عالی ظرف آقا کی وسعت ظرف کو ملاحظہ فرمائیے جب ولسوف یعطیک ربک فترضی کا مژدہ پہنچا تو عرض کی اے کریم! میں تو اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک میری امت کا آخری فرد بھی جنت میں نہ پہنچ جائے۔ انصاف کرو کیا آتش جہنم سے بچا لینا دفع ضرر باذن اللہ نہیں۔ کیا جنت میں پہنچا دینا نفع رسانی باذن اللہ نہیں؟ ہے اور یقیناً ہے۔

أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوٓءُ ۚ

جان لیتا غیب کو تو خود ہی بہت جمع کر لیتا خیر سے اور نہ پہنچتی مجھے کوئی تکلیف ٢٢٦

٢٢٦ آیت کے پہلے حصہ کی طرح یہاں بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذات مقدسہ سے الوہیت کی نفی فرما رہے ہیں کیونکہ خدا تو وہ ہے جس کا علم ذاتی اور محیط ہو۔ اور میرا علم ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس مقام کی توضیح کرتے ہوئے علامہ خازن لکھتے ہیں کہ امور غیبیہ کی خبر دینا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعظم معجزات سے ہے تو یہاں اس کی نفی کیوں کی جا رہی ہے۔ خود ہی جواب دیتے ہیں کہ حضور کا فرمانا برسبیل تواضع اور انکسار اور ادب تھا۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے مطلع نہ کرے میں غیب نہیں جان سکتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور کا ارشاد اس وقت ہو جب غیب پر آگاہی نہیں بخشی گئی تھی اور جب آگاہ فرما دیا تو ارشاد فرمایا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الخ

اگر آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو علامہ خازن کی یہ تحقیق بالکل درست معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں حروف شرط میں سے لَوْ مستعمل ہوا ہے اور علامہ جمال الدین ابن ہشام نے اپنی گراں قدر تالیف المغنی میں لو پر طویل بحث کرنے کے بعد لکھا ہے۔ يتلخص من هذا ان يقال ان تدل لو على ثلاثة امور عقد السببية والمسببية وكونهما في الماضي وامتناع السبب (المغنی جلد اول صفحہ ٢٠٩) یعنی اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ لو تین امور پر دلالت کرتا ہے۔

(١) شرط کو سبب اور جزاء کو مسبب بناتا ہے۔ (٢) دونوں کا تحقق زمانہ ماضی میں ہوتا ہے (٣) سبب ممتنع ہوتا ہے۔

اس تحقیق کو ذہن نشین کر لینے کے بعد آیت میں غور کیجئے۔ کہ اگر یہاں علم غیب سے مراد علم ذاتی جو قدرت ذاتی کو مستلزم ہے نہ لیا جائے تو یہ سبب نہیں بن سکتا کیونکہ صرف علم، خیر کثیر جمع کر لینے اور دفع ضرر کو دور کرنے کا سبب نہیں ہوا کرتا۔ کیونکہ کسی تکلیف کے وقوع کا علم قبل از وقت ہو جاتا ہے۔ لیکن انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ موٹی سی بات ہے۔ کسی شخص کو عدالت عالیہ سے اگر پھانسی کا حکم ہو جائے تو وہ یہ جانتے ہوئے کہ مجھے پھانسی دے دی جائے گی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔ اس لیے حصول خیر اور دفع ضرر کا سبب علم ذاتی ہی ہو سکتا ہے جو قدرت ذاتی کو مستلزم ہے۔ تب ہی لو شرط اور جزا میں سببیت کا علاقہ پیدا کر سکتا ہے جو اس کا پہلا خاصہ ہے۔ اس کا دوسرا خاصہ کلام کو زمانہ ماضی کے ساتھ مخصوص کرنا ہے اور زمانہ ماضی میں کسی چیز کی نفی اس امر کو مستلزم نہیں کہ آئندہ بھی وہ نہ پایا جائے۔ لو کا تیسرا خاصہ یہ ہے کہ وہ سبب کے ممتنع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور علم غیب جس کا حصول ممتنع ہے وہ علم غیب ذاتی ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے کسی غیب کو جان لینا کسی کے نزدیک بھی ممتنع نہیں بلکہ سب اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سکھا دینے سے علم غیب حاصل ہو جاتا ہے۔ اب لو سے جس علم غیب کی نفی کی جا رہی ہے وہ وہ ہے جس کا حصول ممتنع ہے وہ علم غیب ذاتی ہے۔ اس لیے اس آیت کریمہ سے علم غیب عطائی کی نفی نہیں ہوتی اور ہم یہی اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو باعلام اللہ تعالیٰ غیب کا علم حاصل تھا۔

إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِي ع

نہیں ہوں میں مگر ڈرانے والا (نافرمانوں کو) اور خوشخبری سنانے والا اس قوم کو جو ایمان لائی ہے وہ (خدا ہی) ہے جس نے

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

پیدا فرمایا ۲۴۲ تمہیں ایک نفس سے اور بنایا اس سے اس کا جوڑا تاکہ اطمینان حاصل

إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا

کرے اس (جوڑے) سے پھر جب مرد ڈھانپ لیتا ہے عورت کو تو حاملہ ہو جاتی ہے ہلکے سے حمل سے پھر چلتی پھرتی رہتی ہے

أَثْقَلَت دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ

اس کے ساتھ پھر جب وہ بوجھل ہو جاتی ہے تو دونوں دعا مانگتے ہیں اپنے پروردگار اللہ سے کہ اگر تو عنایت فرمائے ہمیں تندرست بچہ تو ہم ضرور ہو جائیں گے

۲۴۲؎ توحید کا بیان تب ہی مکمل ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ شرک کا رد بھی کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں شرک کی تردید کر کے مسئلہ توحید کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ خدا اور معبود تو وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا اور تمہاری تسکین قلب اور راحت و آرام کے لیے تمہاری جنس سے صنف نازک کی تخلیق فرمائی اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ استوار کر دیا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہمیشہ اپنے مولائے کریم کے حضور میں سر نیاز خم کیے رہتے اور اس کی عبادت اور یاد میں سرشار رہتے۔ لیکن تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تمہیں امید لگتی ہے تو تم دونوں میاں بیوی التجائیں کرتے ہو کہ اے ہمارے رب! اگر تو نے ہمیں صحیح اور تندرست فرزند عطا کیا تو ہم عمر بھر تیرے شکر گزار رہیں گے لیکن جب وہ کرم فرماتا ہے اور تمہاری شاخ آرزو پر امید کا پھول کھلتا ہے اور تمہاری آغوش کو ایک خوبصورت بچے سے آباد ہو جاتی ہے تو تم جھٹ اس دینے والے کو بھول جاتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ تو ہمیں مباشرت کا طبعی نتیجہ ہے۔ یا یہ فلاں ستارے کی تاثیر ہے یا یہ ہمیں فلاں بت نے بخشا ہے۔ یہ تمہاری احسان فراموشی اور حق ناشناسی ہے۔ محققین علماء کرام کے نزدیک یہ روایت مردود ہے کہ حضرت آدم و حوا نے شیطان کے بہکانے سے اپنے ایک بیٹے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ حارث شیطان کا نام تھا جس سے وہ فرشتوں میں پکارا جاتا تھا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سخت تردید کی ہے۔ آیت کا مفہوم مختصراً ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیت کی لفظی تشریحات ملاحظہ فرمائیے۔ لیسکن میں ھو ضمیر کا مرجع نفس ہے جو مؤنث سماعی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ لتسکن ہوتا لیکن کیونکہ نفس سے مراد یہاں مرد ہے اس لیے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے صیغہ مذکر (لیسکن) استعمال کیا۔ اگر یہاں لفظ کی رعایت کی جاتی تو کلام میں خلط ہو جاتا اور یہ پتہ نہ چلتا کہ اس سے مراد خاوند ہے یا بیوی۔ کیونکہ یہاں دونوں مذکور

الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا

(تیرے) شکرگزار بندوں سے۔ پس جب اللہ عطا کرتا ہے ۲۲۳ انھیں تندرست بچہ تو دونوں بناتے ہیں اللہ کے ساتھ شریک اس میں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ

جو اس نے انھیں دیا تو بلند و برتر ہے اللہ ان سے جنھیں وہ شریک بناتے ہیں۔ کیا وہ ۲۲۴ شریک بناتے ہیں اسے جس نے پیدا نہیں کی

يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ

کوئی چیز اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ اور وہ نہیں طاقت رکھتے ۲۲۵ ان کو مدد پہنچانے کی اور نہ اپنی آپ

ہیں۔ اس لیے معنی اور مفہوم میں التباس کو دفع کرنے کے لیے نفس کے مدلول (خاوند) کو پیش نظر رکھتے ہوئے صیغہ مذکر استعمال کیا (فلما تغشّٰها) کنایہ ہے صحبت سے۔ مرت به ای استمرت به والمراد بقیت به کما کانت قبل حیث قامت وقعدت واخذت وترکت (قرطبی)

۲۲۳ یعنی دونوں میاں بیوی اس لڑکے کو بتوں کی طرف منسوب کرنے لگتے ہیں۔ اور اُن کے نام عبد العزیٰ، عبد اللات رکھنے شروع کر دیتے ہیں۔ شرکاء من الاصنام والاوثان...... فان المشرکین ینسبون ذلک الی الدھور (قرطبی)

۲۲۴ لا یخلق وھو یخلقون میں دونوں ضمیروں کا مرجع ما موصولہ ہے۔ لیکن یخلق میں ھو ضمیر واحد ہے اور یخلقون میں ھم ضمیر جمع۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء فرماتے ہیں کہ ما موصولہ کی دو حیثیتیں ہیں۔ لفظی اعتبار سے وہ واحد ہے اور لا یخلق میں اس کی اسی حیثیت کو معتبر رکھا گیا ہے اور معنوی لحاظ سے جمع ہے اور لا یخلقون میں اسی معنوی حیثیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دوسری بات جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ شرکاء سے مراد بت ہیں اور وہ بے جان تھے۔ قاعدہ کے مطابق تو ان کے لیے ضمیر مؤنث ہونی چاہیے تھی۔ یہاں جمع مذکر کا صیغہ کیوں استعمال ہوا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کیونکہ کفار و مشرکین کا عقیدہ ان کے متعلق یہ تھا کہ یہ بت عقل و حیات رکھتے ہیں اس لیے ان کے عقیدہ کے مطابق ان کا ذکر کیا گیا وھو ضمیر الاصنام جیئی به علی تسمیتھم ایاھا آلھة (بیضاوی، مظہری)

۲۲۵ یعنی یہ بے جان اور بے بس بت کب خدا ہو سکتے ہیں جب کہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ نہ کسی کا کچھ سنوار سکتے ہیں اور نہ کسی کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔ المقصود من ھذہ الآیة اقامة الحجة علی ان الاوثان لا تصلح للالٰھیة (کبیر)

يَنْصُرُونَ ۝ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ

مدد کر سکتے ہیں اور اگر تو بلائے انہیں ۲۵۱ ہدایت کی طرف تو نہ پیروی کریں تمہاری۔

سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ

یکساں ہے تمہارے لیے خواہ تم بلاؤ انہیں یا تم خاموش رہو (اے کفار) بے شک وہ جنہیں

تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا

تم پوجتے ہو ۲۵۲ اللہ کے سوا بندے ہیں تمہاری طرح ۲۵۳ تو پکارو انہیں پس چاہیے کہ قبول کریں

۲۵۱ کیونکہ وہ نہ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔

۲۵۲ قرآن کریم کی وہ آیات جہاں دعا یدعو کے فاعل مشرک ہیں اور مفعول ان کے معبودان باطل ہیں۔ وہاں تمام متقدمین علماء تفسیر نے دعا یدعو کا معنی عبد یعبد (عبادت کرنا) کیا ہے۔ تدعون ای تعبدون وقیل تدعونها الٰهة (قرطبی) ای تعبدونهم وتسمونهم آلهة (بیضاوی۔ مظہری) ان الذین تدعون ایها المشرکون الٰهة من دون الله وتعبدونها (ابن جریر)۔ اس سے پہلے بھی جتنی آیات گزری ہیں جن میں یدعون، تدعون وغیرہ الفاظ ہیں وہاں بھی ان کا معنی یعبدون، تعبدون معتبر مفسرین کے حوالہ سے نقل ہوتا آیا ہے۔ کیونکہ آج کل یہ چیز عام موضوع سخن بنی ہوئی ہے۔ اور بعض غیر ذمہ دار لوگ ان کلمات کے مفہوم کو صحیح نہ سمجھنے کے باعث جمہور اہل اسلام کی تکفیر اور ان کو مشرک ثابت کرنے میں اپنی زبان و قلم کا سارا زور صرف کر رہے ہیں۔ اس لیے اگر اس کی مزید وضاحت ہو جائے تو بفضلہ تعالیٰ شاید کچھ کم ہو اور اس غیر صحت مند فضا میں کوئی خوش آئند تبدیلی رونما ہو جائے۔ علامہ ابن قیم نے لفظ دعا کی تحقیق کرتے ہوئے خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ الدعاء نوعان دعاء عبادة ودعاء مسألة والعابد داع والسائل داع (جلاء الافهام) یعنی دعا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دعا بمعنی عبادت ہے اور ایک دعا بمعنی سوال ہے۔ عبادت کرنے والے کو بھی داعی کہتے ہیں اور سائل کو بھی داعی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کرنا شرک ہے لیکن کسی سے مانگنا یا سوال کرنا شرک نہیں جن لوگوں نے قرآن حکیم میں کبھی غور و فکر کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ کفار و مشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا؟ وہ ان کو الٰہ مانتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ انهم كانوا اذا قيل لهم لا اله الا الله يستكبرون ويقولون ائنا لتاركوا الهتنا لشاعر مجنون (صافات) جب انہیں کہا جاتا کہ کہو لا اله الا الله تو وہ غرور کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے پر اپنے آلهة (خداؤں) کو چھوڑ دیں۔ اگر آج بھی کوئی کسی کو الٰہ مانے اور اس کی عبادت کرے خواہ جس کو وہ الٰہ مان رہا ہے اور عبادت کرتا ہے۔ انسان ہو یا غیر انسان، زندہ ہو یا مردہ اس کو پکارنا خواہ دور سے ہو

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ

تمہاری پکار کو اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا

یا نزدیک سے شرک ہے لیکن کسی کو محض ندا کرنا جب کہ منادیٰ کے متعلق ندا کرنے والے کا یہ عقیدہ نہ ہو شرک نہیں۔ اور اس کو بھی شرک قرار دینا بہت بڑی جسارت اور زیادتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو دعا (پکارنا) شرک ہے وہ ہر حال میں شرک ہے اور جو شرک نہیں وہ کسی حال میں بھی شرک نہیں۔ انسان اور غیر انسان، زندہ اور فوت شدہ، نزدیک اور دور کی قیود سب من گھڑت ہیں۔ آپ غور فرمائیے اگر دور سے پکارنا ہی شرک ہو تو کیا کسی بت کے پاس بیٹھ کر اسے پکارنا شرک نہیں ہوگا۔ اگر آپ کہیں کہ چونکہ یہ بے جان ہیں اس لیے ان کو نزدیک سے پکارنا بھی شرک ہے تو آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو زندہ فرعون کی اس کے سامنے کھڑے ہو کر پرستش اور عبادت کیا کرتے تھے اور اس کے روبرو اس سے فریاد کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ بھی مشرک تھے اگرچہ وہ دور سے نہیں پکار رہے تھے۔ اگرچہ وہ بے جان کو نہیں پکار رہے تھے تو جو چیز مابہ الامتیاز ہے وہ یہ ہے کہ پکارنے والا جس کو پکار رہا ہے اس کے متعلق اس کا عقیدہ کیا ہے۔ اگر وہ اس کو الٰہ، معبود اور خدا یقین کرتا ہے تو یہ شرک ہے خواہ دور سے پکارے یا نزدیک سے، وہ زندہ ہو یا مردہ۔ قرآن کریم نے بارہا اس کی تصریح کی ہے۔ لا تدع مع اللّٰہ الٰہا اٰخر کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اس لیے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں عرض حال کرنا یا صلوٰۃ و سلام پیش کرنا شرک نہیں جیسے بعض خود پسند لوگوں کا خیال ہے جنہوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانا اپنے زعم خطابت کا کمال سمجھا ہوا ہے۔ کوئی کلمہ گو حضور رحمۃ للعالمین کو الٰہ نہیں سمجھتا اور نہ حضور کی عبادت کرتا ہے۔ بلکہ ہر نماز میں کئی بار وہ یہ اعلان کرتا ہے کہ اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ آیات جو مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئیں ان کو اہل اسلام پر چسپاں کرنا تو خارجیوں کا شیوہ تھا۔ معلوم نہیں اپنے آپ کو اہل سنت کہلانے والے خوارج کے پیروکار کب سے بن گئے ہیں۔

فخر المفسرین امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ تو بتوں کے پرستار تھے۔ اور بت پتھر اور لکڑی کے بے جان مجسمے ہوا کرتے تھے ان کو عباد امثالکم (تمہارے جیسے بندے) کیوں کہا گیا؟ امام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ (۱) کیونکہ مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں اس لیے ان کے اعتقاد کے مطابق ان سے بات کی گئی۔ اور ان ساری آیتوں میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا۔ وردت ہذہ الالفاظ علی وفق معتقدہم ولذلک قال فادعوہم فلیستجیبوا لکم ولم یقل فلیستجبن لکم وقال ان الذین ولم یقل ان التی۔ (۲) یہ الفاظ بطور استہزاء استعمال کیے گئے ہیں۔ یعنی اے عقل کے دشمنو! اگر تمہاری بات ایک منٹ کے لیے مان بھی لی جائے کہ یہ زندہ ہیں اور سنتے سمجھتے ہیں تو پھر بھی یہ زیادہ سے زیادہ تمہاری طرح انسان ہی ہوں گے۔ یہ آخر خدا کیونکر بن گئے۔ تم اپنے جیسے انسان کی بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالو یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ اور دفی معرض الاستہزاء

لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ

ان کے ہاتھ ہیں پکڑتے ہیں وہ جن کے ساتھ یا کیا ان کی آنکھیں ہیں دیکھتے ہیں جن سے ۲۵۴

أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ

یا کیا ان کے کان ہیں وہ سنتے ہیں جن کے ساتھ آپ کہیے پکارو اپنے شریکوں کو ۲۵۵ پھر سازش کرو میرے خلاف

فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٥﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۖ وَهُوَ

اور مت مہلت دو مجھے یقیناً میرا حامی اللہ ہے جس نے اتاری یہ کتاب ۲۵۶ اور وہ

بھذا فی قصاری امرھم ان یکونوا احیاء عقلاء فان ثبت ذلک فھم عباد امثالکم ولا فضل لھم علیکم فلم جعلتم انفسکم عبیدا وجعلتموھا الھۃ وارباباً (کبیر) علامہ قرطبی نے بتوں کو عباد کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اس کے مملوک ہیں۔ اور تمہاری طرح اس کے پیدا کردہ ہیں۔ وسمیت الاوثان عباداً لانھا مملوکۃ للہ مسخرۃ۔ الحسن: المعنی ان الاصنام مخلوقۃ امثالکم (قرطبی)

۲۵۴ ان کی جہالت اور حماقت کو مزید آشکارا کیا جا رہا ہے کہ تم صاحب عقل و ہوش ہوتے ہوئے لکڑی اور پتھر کے بنائے ہوئے بے جان مجسموں کی پوجا کرتے ہو جن کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ نہ تو ان کے پاؤں ہیں کہ ان سے چل سکیں، نہ ہاتھ ہیں کہ ان سے کچھ پکڑ سکیں۔ نہ آنکھیں ہیں کہ کچھ دیکھ سکیں۔

۲۵۵ کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھمکیاں دیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے خداؤں کی توہین کرتے ہیں۔ اور ان کی خدائی کو تسلیم نہیں کرتے۔ یاد رکھو اگر ہمارے بت برہم ہو گئے تو پھر خیر نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ وازکی الثناء کو حکم فرماتا ہے کہ اے حبیب! انھیں فرما دو کہ جو کچھ تمہارے بت میرا بگاڑ سکتے ہیں بگاڑ لیں اور میرا اور الحاظ نہ کریں میں اپنے مالک حقیقی کے بغیر کسی کو اپنا معبود اور الہ نہیں بنا سکتا۔

۲۵۶ میرا حامی و ناصر وہ حی و قیوم ہے جس کی حمایت و نصرت ہمیشہ اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے شامل حال رہا کرتی ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت میرا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ سچ یہ ہے کہ اہل حق کے پاس یہی ایک قوت ہے جس کے بل بوتے پر وہ بڑی بے باکی سے ہر طاغوتی طاقت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ ولی الشیء: الذی یحفظہ ویمنع عنہ الضرر (قرطبی) جو شخص کسی کی حفاظت کرے اور ہر قسم کے ضرر سے اسے بچائے اس کو اس کا ولی کہتے ہیں۔

يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

حمایت کیا کرتا ہے نیک بندوں کی اور جن کی تم عبادت کرتے ہو ۱۵۷ اللہ کے سوا وہ طاقت نہیں رکھتے

نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى

تمہاری امداد کی اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم بلاؤ انھیں ہدایت کی طرف

لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

تو وہ نہ سنیں گے اور تو دیکھے گا انھیں کہ ۱۵۸ دیکھ رہے ہیں تیری طرف حالانکہ انھیں کچھ نظر نہیں آتا

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا

قبول کیجیے معذرت (خطا کاروں سے) اور حکم دیجیے ۱۵۹ نیک کاموں کا اور رخ (انور) پھیر لیجیے نادانوں کی طرف سے اور اگر

۱۵۷ میرا حامی و ناصر تو وہ ہے جس کی یہ شان ہے۔ اور تمھارے باطل اور جھوٹے معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کامیاب و کامران کون ہو گا۔ اس مضمون کو دوبارہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرادی جائے کہ ان کے معبود نہ اپنے پجاریوں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ اپنے مخالفین کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں۔

۱۵۸ ان کی مصنوعی آنکھیں تمھاری طرف کھلی ہوئی تو ہیں لیکن ان میں بے نور۔ انھیں دکھائی کچھ نہیں دیتا۔

۱۵۹ اس آیت میں تین امور کے متعلق ہدایت فرمائی گئی ہے۔ (۱) جو قصور وار معذرت طلب کرتا ہوا آپ کے پاس آئے اسے کمال فراخ دلی اور شفقت سے معاف کر دیجیے اور بدلہ و انتقام لینے پر اصرار نہ کیجیے۔ ای خذ العفو عن المذنبین والمراد اعف عنھم (روح المعانی)۔ (۲) یہ کہ اچھی اور مفید چیزوں کے کرنے کا آپ لوگوں کو حکم دیجیے۔ العرف: المعروف المستحسن من الافعال (بیضاوی)۔ (۳) جاہل اور نا سمجھ لوگ اگر آپ کو برا بھلا کہیں تو ان سے الجھئے نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قرآن میں اخلاق حسنہ کے متعلق یہ جامع ترین آیت ہے۔ ولیس فی القرآن اجمع لمکارم الاخلاق من ھذہ الایۃ (قرطبی)۔ ہر مومن کو ان صفات حسنہ سے متصف ہونا چاہیے اور خصوصاً اس طبقہ کو جن کے ذمہ اشاعت دین اور تبلیغ اسلام کا فریضہ ہے انھیں تو خصوصی طور پر ان خصائل حمیدہ سے اپنے آپ کو مزین کرنا چاہیے۔ اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمایا ہے۔ امرنی ربی بتسع الاخلاص فی السر والعلانیۃ والعدل فی الرضا والغضب والقصد فی الغنی والفقر وان اعفو عمن ظلمنی واصل من قطعنی واعطی من حرمنی وان یکون نطقی ذکرا وصمتی فکرا!

يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ

بہکائے آپ کو (ذرا سا) شیطان کی طرف سے ذرا سا وسوسہ تو فوراً پناہ مانگئے اللہ سے بے شک وہ سب کچھ سننے والا ۲۶۱

عَلِيْمٌ ۲۰۰ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ

جاننے والا ہے۔ بے شک وہ لوگ جو تقویٰ اختیار کیے ہیں ۲۶۲ جب چھوتا ہے انھیں کوئی خیال شیطان کی طرف سے

ونظری عبرة (قرطبی)

ترجمہ: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا ہے:۔

۱۔ ظاہر و باطن میں خلوص کو اپنا شعار بناؤں۔
۲۔ خوشنودی اور ناراضگی میں عدل کروں۔
۳۔ خوشحالی اور تنگ دستی میں میانہ روی اختیار کروں۔
۴۔ جو مجھ پر ظلم کرے اس کو معاف کر دوں۔
۵۔ جو قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں۔
۶۔ اس کو دوں جو مجھے محروم رکھے۔
۷۔ میری زبان کو یا ہو تو ذکر الٰہی سے۔
۸۔ خاموشی کی حالت میں اس کی آیتوں میں غور و فکر کروں۔
۹۔ اور میرے دیکھنے میں عبرت پذیری ہو۔

۲۶۱؎ اما اصل میں ان شرطیہ اور ما زائدہ سے مرکب ہے۔ نزغ کا معنی ہے انگلیوں کے پوروں سے کسی کو گدگدانا۔ اس کا مطلب ہے کسی برائی پر اکسانا اور کسی گناہ پر آمادہ کرنا۔ والنزغ النخس وهو الضرب برؤس الاصابع والمراد ههنا التحريك الى الشر والاغواء بالوسوسة (مظہری) سابقہ آیت میں محاسن اخلاق کی تعلیم دینے کے بعد فرمایا کہ اگر شیطان انسان کی طبعی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو کسی ایسے کام پر اکسائے جو آداب قرآنی کے خلاف ہے۔ اور دل میں وسوسہ اندازی کرنے لگے تو انسان کو چاہیے کہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر شیطان کی اس فریب کاری اور وسوسہ اندازی سے پناہ مانگے۔ وہی ذات پاک اس کے ڈگمگاتے ہوئے پاؤں کو ثبات بخشے گی۔ حضرت عبدالرحمن بن زید سے مروی ہے کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو حضور نے عرض کی کیف یا رب والغضب؟ اے رب غصہ کا کیا علاج؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۲۶۱؎ یعنی اللہ تعالیٰ تیری مناجات بھی سنتا ہے اور تیری التجا کو بھی جانتا ہے تو یقیناً تمہیں شیطان کے شر سے بچائے گا۔ یا تیرے دشمنوں کے اقوال کو بھی سنتا ہے اور ان کے اعمال کو بھی جانتا ہے تو وہ خود اپنی قدرت سے تمہیں ان کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے گا۔ تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت۔

۲۶۲؎ نیک نہاد اور پرہیزگاروں کو اگر کوئی شیطانی وسوسہ راہ حق سے بھٹکانے لگتا ہے اور اپنے دام فریب میں گرفتار کرنے لگتا ہے تو فوراً ان کا ضمیر بیدار ہو جاتا ہے اور وہ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور توبہ و استغفار شروع کر دیتے ہیں جس

تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾ وَ اِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي

تو وہ (خدا کو) یاد کرنے لگتے ہیں تو فوراً ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اور جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان کھینچے لیے جاتے ہیں انھیں

الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾ وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا

گمراہی میں پھر (انھیں گمراہ کرنے میں) وہ کوتاہی نہیں کرتے۔ اور (اے محبوب!) جب آپ نہیں لاتے ۲۴۳ ان کے پاس کوئی آیت تو

اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ

کہتے ہیں کیوں نہ بنا لیا تم نے خود اسے۔ فرمائیے میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب سے۔ یہ روشن دلیلیں ہیں تمہارے

مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾ وَ اِذَا

رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہیں اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے اور جب ۲۴۴

کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شکوک و شبہات کی گرد چھٹ جاتی ہے۔ غفلت کی تاریکی کافور ہو جاتی ہے اور شیطان کا دام ہمرنگ زمین صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ مطلب کے اس مقام سے بخیریت گزر جاتے ہیں۔

۲۴۳ ویسے تو اجتبٰی کا معنی چن لینا ہے لیکن یہاں اس کا معنی اپنی طرف سے گھڑ لینا ہے۔ یقال اجتبیت الکلام ای انجلقتہ واختلقتہ واخترعتہ اذا اجئت بہ من عند نفسك (قرطبی) کفار فضول مطالبات اور لایعنی فرمائشیں کیا کرتے۔ اور جب ان کی توقع کے خلاف ان کے نزول میں تاخیر ہوتی تو کہنے لگتے آپ اپنی طرف سے آیتیں بنا کر کیوں پیش نہیں کر دیتے ان نا سمجھوں کو مقام نبوت کی نزاکتوں کا کیا احساس! یہاں تو دل میں کسی غیر کا خیال آجانا بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ نبی اپنی طرف سے کوئی آیت وضع کر کے اسے اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔

۲۴۴ جب حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو کفار شور و غل مچاتے۔ نہ خود سنتے نہ اوروں کو سننے دیتے۔ اگر کسی آیت کے متعلق وہ فرمائش کرتے اور وہ پوری نہ کی جاتی تو ازراہ طعن حضور کو کہتے کہ جیسے تو دعوٰی نبی بنے بیٹھے ہو اسی طرح ایک آیت بھی اپنی طرف سے بنا کر پیش کر دو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار! جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو اسے غور سے سنو۔ اس کو سننے سے کچھ بعید نہیں کہ رحمت الٰہی کے دروازے تم پر کھل جائیں اور تم اس دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے اپنے سینہ کو منشرح پاؤ۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس کے ظاہری جمال اور معنوی حسن سے متاثر ہو کر تمہیں یقین ہو جائے کہ یہ کسی انسان کا نہیں بلکہ رب ذوالجلال کا کلام بلاغت نظام ہے۔ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ ہر شخص پر واجب ہے کہ جب قرآن پڑھا جا رہا ہو تو وہ مؤدب ہو کر خاموشی سے بیٹھ جائے اور بڑے غور سے اس کی آیات طیبات کو سنے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت

قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٢٠٤﴾

پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ

اور یاد کرو اپنے رب کو فٹ۲ اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ڈرتے اور زبان سے بھی چلائے بغیر

الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ

(یوں یاد کرو) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی اور نہ ہو جاؤ (یاد الٰہی سے) غافل رہنے والوں سے۔ بے شک

کا مستحق بن جائے۔ وظاهر اللفظ يقتضي وجوبهما حيث يقرء القرآن مطلقا وعامة العلماء على استحبابهما خارج الصلوٰة (بیضاوی) یعنی آیت کے الفاظ سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سننا واجب ہے لیکن عام علماء کا قول ہے کہ یہ مستحب ہے۔

فٹ۲ دل کے آئینے سے غفلت کا غبار اور روح کے رُخِ تاباں سے نافرمانی کے داغ دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی کی صبحیں اور شامیں یادِ الٰہی میں بسر کرے۔ ذکر تب اپنا پورا اثر دکھاتا ہے جب اس میں مذکورہ شرائط موجود ہوں۔ (۱) ذکر کرتے وقت انسان عاجزی اور انکساری کا مجسمہ بنا ہوا ہو۔ کبر و غرور اور غفلت و کاہلی سے کوسوں دور ہو۔ (۲) اسے اس بات کا ہر وقت شدید احساس ہو کہ اس کے اعمال اور اس کا ذکر اس بارگاہِ رفعت و جلال کے شایانِ شان نہیں (۳) ذکر گلا پھاڑ پھاڑ کر نہ کرے جس میں بے ادبی کا شائبہ ہو بلکہ درمیانہ آواز سے کیا جائے جس میں ادب اور سنجیدگی ہو۔ ایک رات حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ وہ چپکے چپکے ذکر میں مشغول ہیں۔ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس سے گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ بلند آواز سے محوِ ذکر ہیں۔ صبح ہوئی تو دونوں کو بلایا۔ حضرت ابوبکر کو ہدایت فرمائی کہ ذرا بلند آواز سے ذکر کیا کریں۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ ذرا آہستہ ذکر کیا کرو۔ رضی اللہ عنہما وصلی وسلم علی ہادیہما ومرشدہما۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے خوب فرمایا ہے کہ اگر ذاکر کو ریا کا اندیشہ ہو یا نمازیوں اور آرام کرنے والوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو پھر آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔ بصورتِ دیگر ذکر بالجہر افضل ہے۔ وقد جمع النووي بين الاحاديث الواردة في استحباب الجهر بالذكر والواردة في استحباب الاسرار به بان الاخفاء افضل حيث خاف الرياء او تاذي المصلين او النائمون والجهر افضل في غير ذلك — ان الشيخ المرشد قد يامر المبتدي برفع الصوت لتنقطع من قلبه الخواطر الراسخة فيه (روح البیان) تشریح لفظی: خیفۃ اصل میں خوفۃ تھا۔ واؤ کو یٰ سے بدل دیا گیا۔ الغدوّ جمع غدوۃ۔

الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ

جو ملائکہ مقرب ہیں تیرے رب کے وہ تکبر نہیں کیا کرتے اس کی عبادت سے اور پاکی بیان کرتے رہتے ہیں

۲۰۶ السجدة

وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۩

اس کی اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں

قال الجوهري الاصيل الوقت بعد العصر الى المغرب وجمعه أُصُل وآصال واصائل۔ (قرطبی)

۲۰۶ الَّذِيْنَ سے مراد ملائکہ ہیں۔ اس سورۃ کا اختتام فرشتوں کے ذکرِ خیر سے کیا جا رہا ہے۔ اور بتایا جا رہا ہے کہ جب یہ نورانی اور پاک مخلوق ہر وقت اپنے پروردگار کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ ان کی زبانیں اپنے ربِ قدیر کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید میں زمزمہ سنج ہیں۔ اور ان کے دل اس کی یاد میں محو ہیں اور ان کی پیشانیاں اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں۔ تو انسان جو مسجودِ ملائکہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے مولائے کریم کی عبادت اور اطاعت میں صبح و شام کوشاں رہے۔ ہر دم اس کی یاد، اس کے ذکر اور اس کی محبت میں سرشار رہے۔ اللهم اجعلنا من عبادك القانتين المخلصين الذاكرين بجاه رحمة للعالمين عليه وعلى آله افضل الصلوات واطيب التسليمات۔

یہ آیت سجدہ ہے اور اس طرح کی بقول اصح چودہ آیتیں ہیں۔ جن کو جب انسان پڑھے یا سنے تو سجدہ کرے۔ اسے سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ اس کے ادا کرنے کی بھی وہی شرطیں ہیں جو سجدۂ نماز کی ہیں۔ یعنی باوضو ہو، پاک جگہ ہو۔ تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں۔

تعارف سورۃ الانفال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورۃ پاک کا نام الانفال ہے کیونکہ اس کا آغاز انفال (اموالِ غنیمت) کے احکام بیان کرنے سے کیا گیا ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد پچھتر اور کلمات کی تعداد ایک ہزار پچیس ہے۔ اگرچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس کی سات آیتیں اذ یمکر بک الذین... الخ مکی ہیں لیکن صحیح قول یہی ہے کہ یہ سورۃ تمام کی تمام مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

زمانۂ نزول: سورۃ کے مضامین میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا نزول سنہ ۲ھ غزوۂ بدر کے فوراً بعد ہوا۔ کیونکہ اس سورۃ کا بیشتر حصہ غزوۂ بدر سے متعلق ہے اس لیے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس غزوہ کے محرکات و اسباب اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے۔

غزوۂ بدر: اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے جاں نثار غلام بارہ تیرہ سال تک کفار مکہ کے ظلم و ستم کو صبر و سکون سے برداشت کرتے رہے۔ اور ان کے دل کی دنیا میں نورِ حق سے اُجالا کرنے میں کوشاں رہے۔ لیکن اسلام کا پودا ان کے دلوں کی سنگلاخ سرزمین میں جڑ نہ پکڑ سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے کوئی اڑھائی تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی کے رہنے والوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ حج کے ایام میں وہاں سے کچھ لوگ حاضر ہوتے اور مشرف باسلام ہوتے۔ نبوت کے بارھویں سال قبیلہ خزرج کا ایک قافلہ جو پچھتر افراد پر مشتمل تھا آیا اور حضور کے دست حق پرست پر بیعت کی اور یہ بھی درخواست کی کہ حضور مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں رونق افروز ہوں۔ انھیں ان خطرات اور مشکلات کا پورا احساس تھا جن سے انھیں دوچار ہونا تھا لیکن وہ ان کا سامنا کرنے کے لیے بخوشی تیار تھے۔
ہجرت کے بعد صورت حال بالکل بدل گئی۔ مکہ کے مظلوم و ستم رسیدہ مسلمان مدینہ طیبہ میں جمع ہو گئے۔ وہاں کے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج میں اسلام کی روشنی بڑی تیزی سے پھیلنے لگی قلیل مدت میں مسلمانوں کی ایک مضبوط جمعیت معرض وجود میں آگئی۔ اور اسلام کی اشاعت کا کام جو تیرہ سالہ مکی زندگی میں نہ ہو سکا وہ یہاں آکر چند ماہ میں ہو گیا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی مہاجرین و انصار کو اخوت کے رشتہ میں پرو دیا ہر مہاجر کا کسی انصاری کے ساتھ بھائی چارہ قائم کر کے اسلامی سوسائٹی کو نہایت استوار بنیادوں پر کھڑا کر دیا پھر یہودی قبائل جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں اقامت پذیر تھے ان کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے جن میں ہر ایک کو مکمل مذہبی آزادی دینے

کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ اگر کسی طرف سے مدینہ پر حملہ کیا جائے تو سب مل کر اس حملہ آور کا مقابلہ کریں گے۔

اہل مکہ ان حالات سے بے خبر نہ تھے۔ اسلام کی روز افزوں ترقی اور آس پاس بسنے والے قبائل سے مسلمانوں کے دوستانہ معاہدے ان کے لیے بڑی بے چینی اور اضطراب کا سبب تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اسلام کا عروج ان کے مشرکانہ عقائد اور جاہلانہ نظام حیات کے لیے موت کا پیغام ہے۔ اس لیے انھوں نے مدینہ کی فضا کو بھی اسلام اور اہل اسلام کے لیے ناسازگار بنانے کی تگ و دو شروع کر دی۔ مدینہ میں دو عنصر ایسے تھے جنھیں وہ بڑی آسانی سے اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ عبداللہ بن ابی اور یہود۔ حضور کی تشریف آوری سے پہلے عبداللہ بن ابی کے لیے حالات اتنے سازگار ہو گئے تھے کہ اس کی بادشاہت کا اعلان کیا جانے والا تھا اور ایک زرگر کے پاس اس کے لیے تاج شاہی تیار ہو رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدوم میمنت لزوم فرمانے کے بعد اس کی امیدیں خاک میں مل گئیں اس لیے اس کے دل میں اسلام کے خلاف بغض و عناد کا ایک انتہائی جذبہ پیدا ہو گیا۔ اب اسے اور اس کے حواریوں کو اہل مکہ بڑی آسانی سے اپنا آلۂ کار بنا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہود کے دلوں میں بھی حسد کی آگ بھڑکنے لگی تھی۔ ان بیچاروں نے تو اس خیال سے حضور کے استقبال میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اور اس مقصد کے لیے مسلمانوں سے یارانہ گانٹھا تھا کہ وہ دل میں یہ سمجھے ہوئے تھے کہ یہ شخصیت اور یہ جلاوطن لوگ جن کی مالی حالت بھی خستہ ناگفتہ بہ ہے ان کو بآسانی سے اپنا حلقہ بگوش بنا لیں گے اور انھیں اپنے اغراض و مقاصد کے لیے استعمال کریں گے۔ لیکن جب پیغمبر اسلام اور اس کے جاں نثاروں کی مضبوط اخلاق شخصیت اور اسلام سے ان کی بے پناہ عقیدت و محبت کا تجربہ ہوا اور ان کی توقعات بر آتی دکھائی نہ دیں تو ان کے تیور بھی بدل گئے اور وہ بھی ایسے موقع کی تاک میں رہنے لگے جب وہ مسلمانوں کی جمعیت کو پراگندہ کر کے پھر اپنی برتری کا سکہ عربی کسانوں کے دلوں پر بٹھا سکیں۔ چنانچہ اہل مکہ نے ان لوگوں سے اسلام کے خلاف ساز باز شروع کر دی اور مسلمانوں کو اپنی قوت سے مرعوب کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً جتھے بھیجنے شروع کر دیئے جو مدینہ کی چراگاہوں سے مسلمانوں کے مویشی ہانک کر لے جاتے۔ اور اگر ان کا کوئی مسلمان ہاتھ آ جاتا تو اس پر حملہ کرنے سے بھی باز نہ آتے۔

ان حالات میں کیا مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہتے۔ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتے کہ کس طرح مخالفت کی تند آندھیاں اٹھتی ہیں اور شمع اسلام کو گل کرنے کے لیے چلی آتی ہیں۔ کس طرح طوفان امنڈ کر آتے ہیں اور ان کے نخل آرزو کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ مسلمان اس ذہنیت کے لوگ نہ تھے۔ انھیں زندہ رہنا تھا صرف اپنے لیے نہیں بلکہ ساری گم کردہ راہ اولاد آدم کے لیے تاکہ دنیا کا گوشہ گوشہ نور محمدی سے منور ہو جائے۔ اس لیے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حضور کریم رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ضروری اقدامات فرمائے۔

کفار مکہ کو ان کے معاندانہ رویہ سے باز رکھنے، انھیں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے روکنے کا آسان طریقہ یہ تھا کہ ان کی تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جو بحیرہ احمر کے کنارے کنارے یمن سے شام کی طرف جاتی تھی اور جس پر اہل مکہ، طائف اور دوسرے قبائل کے تجارتی کاروان اپنا بیش قیمت سامان لے کر جاتے تھے۔ سامان سے لدے ہوئے دو دو ہزار اونٹوں کے قافلے بیک وقت چلتے تھے۔ مشہور مستشرق سپرنگر کے اندازہ کے مطابق اڑھائی لاکھ

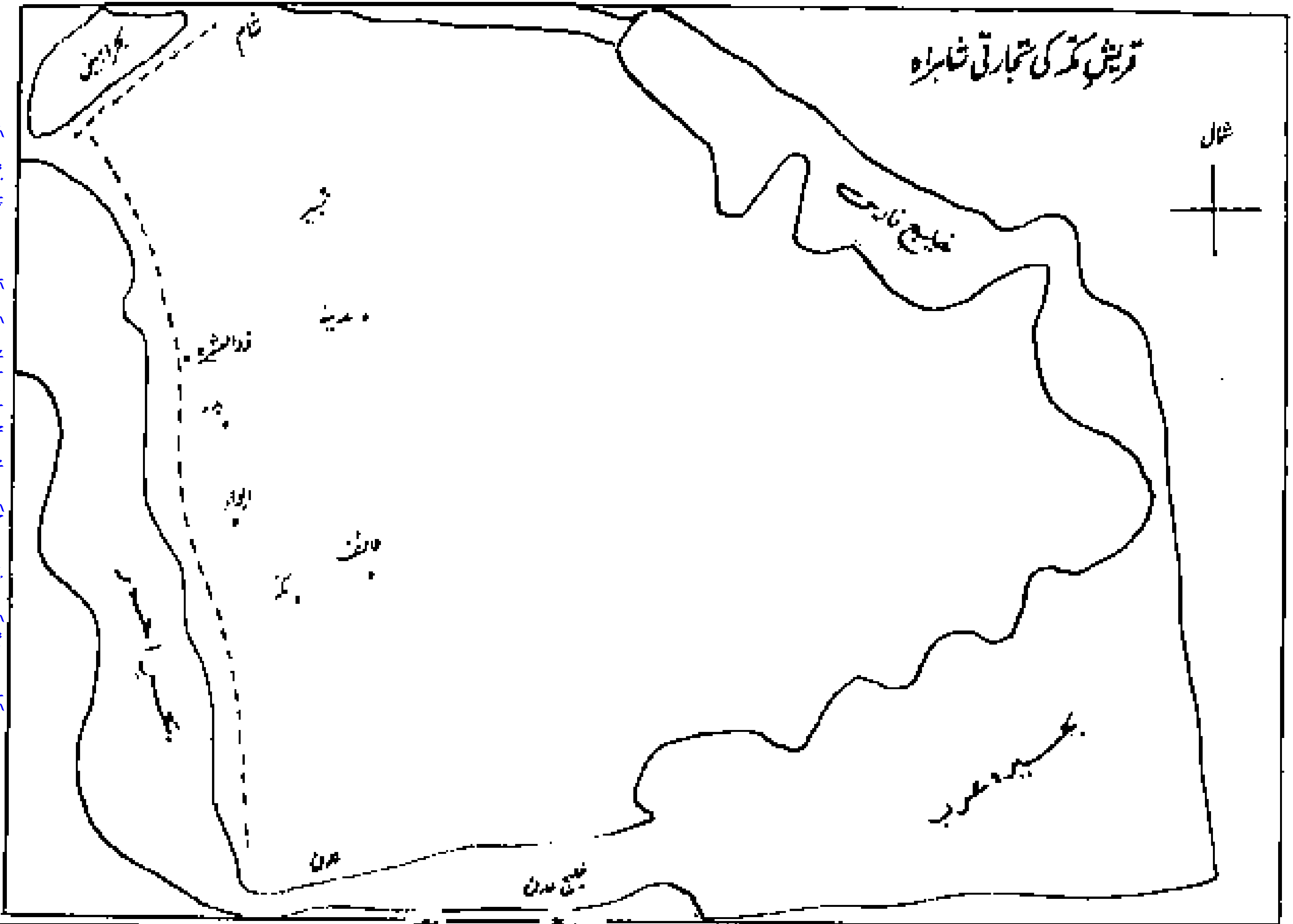
قریش مکہ کی تجارتی شاہراہ
شمال
خلیج فارس
شام
خیبر
مدینہ
بدر
ابواء
طائف
مکہ
بحر احمر
عدن
خلیج عدن

پا زندگی تجارت تو صرف اہل مکہ کی تھی۔ اور ان کی تمام تر معیشت کا انحصار اسی پر تھا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جہینہ، بنی ضمرہ، بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدے کیے جو اس شاہراہ کے ارد گرد سکونت پذیر تھے۔ ان قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کے بعد کفار مکہ کو مرعوب کرنے اور ان کو اپنی بالادستی کا احساس دلانے کے لیے گاہے گاہے چھوٹے چھوٹے دستے بھیجنے شروع کر دیئے۔

ہجرت کا دوسرا سال تھا، اور شعبان کا مہینہ تھا (فروری یا مارچ ۶۲۴ء) جب ابوسفیان کی قیادت میں اہل مکہ کا ایک تجارتی کاروان جس میں پچاس ہزار پونڈ کی مالیت کا سامان تھا، شام سے مکہ کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کے ساتھ محافظ دستہ کی تعداد بہت کم تھی۔ اس خوف سے کہ کہیں مسلمان اس کاروان کی اطلاع پا کر اس پر حملہ نہ کر دیں، ابوسفیان نے ضمضم بن عمرو الغفاری کو اجرت دی اور اسے دوڑایا کہ جا کر اہل مکہ کو اطلاع دے کہ وہ اس قافلہ کو مسلمانوں کی دست برد سے بچانے کے لیے نکلیں۔ جب وہ مکہ پہنچا تو اس نے حسب دستور جاہلیت، اپنے اونٹ کے کان کاٹ ڈالے۔ اس کی ناک چیر دی اپنے پالان کو الٹا ڈال دیا۔ اپنی قمیص کو آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور زور زور سے چلانا شروع کر دیا یا معشر قریش! اللطیمۃ! اموالکم مع ابی سفیان قد عرض لہا محمد فی اصحابہ لا اری ان تدرکوہا الغوث! الغوث! اے گروہ قریش! تمہارا مال واسباب تمہارا ساز وسامان، تمہارے اموال جو ابوسفیان کے قافلے میں تھے ان پر محمد (علیہ السلام) نے اپنے یاروں سمیت حملہ کر دیا ہے۔ میں نہیں خیال کرتا کہ تم اس کی حفاظت کر سکو گے۔ فریاد کو پہنچو، فریاد کو پہنچو۔

یہ سنتے ہی ابوجہل نے لوگوں کو جنگ پر ابھارنا شروع کر دیا۔ تقریباً مکہ کا ہر گھر اس تجارت میں حصہ دار تھا اس لیے اس مہم میں ہر شخص کا ذاتی مفاد بھی تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا آزمودہ کار سپاہیوں کا لشکر جرار تیار ہو گیا جس میں ۶۰۰ زرہ پوش تھے اور سو سواروں کا دستہ بھی تھا۔ بڑے کروفر سے یہ لشکر اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلا۔ راستہ میں انہیں اطلاع ملی کہ قافلہ صحیح سلامت مسلمانوں کی زد سے بچ کر نکل آیا ہے۔ اس پر کئی لوگوں نے یہ رائے دی کہ ہماری اس مہم کا مقصد پورا ہو گیا ہے اس لیے اب ہمیں واپس لوٹ جانا چاہیے لیکن ابوجہل اور لشکر کی بھاری اکثریت اس پر رضامند نہ ہوئی کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس مختصر جمعیت کو آج ہی ٹھکانے لگا دیا جائے تاکہ ان کا قریب اور ان کی تجارتی شاہراہ جو ان کی رگ حیات ہے اس مہیب خطرہ سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے اور اس کے ارد گرد بسنے والے قبائل بھی اتنے ہراساں اور خوفزدہ ہو جائیں کہ وہ ان کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت بھی نہ کر سکیں۔

حضور نبی کریم تین سو تیرہ مسلمانوں کی جمعیت میں مدینہ سے نکلے جن میں ۸۳ مہاجر، ۶۱ قبیلہ اوس اور باقی (۱۷۰ کے قریب) قبیلہ خزرج کے انصار تھے۔ حضور جب وادی ذفران میں پہنچے تو اطلاع ملی کہ ابوجہل ایک لشکر جرار لے کر مکہ سے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اب مسلمانوں کا مد مقابل وہ تجارتی قافلہ نہ تھا جس کے محافظوں کی تعداد تیس چالیس کے لگ بھگ تھی بلکہ جنگجو اور تجربہ کار بہادروں کا ایک لشکر عظیم تھا جس کی قیادت مکہ کا مشہور سردار ابوجہل کر رہا تھا جو تعداد میں مسلمانوں کی اس مختصر جماعت سے تین گنا تھا اور ساز وسامان اور اسلحہ میں مسلمانوں کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ حضور رحمت عالم نے

حالات کا گہری نظر سے مطالعہ فرما رہے تھے۔ حضور کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج کمزوری دکھائی گئی تو صرف یہی نہیں کہ کفار مکہ کے حوصلے بڑھ جائیں گے اور وہ مسلمانوں کے خلاف اپنی مساعی کو تیز تر کر دیں گے بلکہ خود مدینہ میں مسلمانوں کے لیے زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ یہودی اور منافق جو ابھی تک سہمے سہمے رہتے ہیں وہ بھی دلیر ہو جائیں گے۔ اور داخلی امن بھی خطرہ کی نذر ہو جائے گا۔ اس لیے اب مناسب تھا کہ جرأت و ہمت سے کام لے کر سرفروشانہ طور پر کفار کی طاقت سے ٹکر لی جائے۔

لیکن کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ایک مجلس مشاورت منعقد کی گئی جس میں مہاجرین اور انصار نے شرکت کی۔ ان کے سامنے حضور نے ساری صورت حال پیش فرما دی۔ حضرت صدیق و فاروق نے اپنے جذبہ جانفروشی کا اظہار کیا۔ حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! امض لما اراك الله فنحن معك والله لا نقول لك كما قالت بنو اسرائيل لموسى اذهب انت وربك فقاتلا انا ههنا قاعدون ولكن اذهب انت وربك فقاتلا انا معكما مقاتلون یا رسول اللہ! جیسے اللہ کا حکم ہے تشریف لے چلیے ہم حضور کے ساتھ ہیں۔ بخدا ہم حضور کی خدمت میں وہ بات نہیں عرض کریں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ آپ اور آپ کا رب کریم دشمن سے نبرد آزما ہوں، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا اشيروا علي ايها الناس! اے لوگو! بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ اب انصار کو خیال گزرا کہ شاید روئے سخن ہماری طرف ہے تو انصار کے علمبردار سعد بن معاذ اٹھے اور عرض کی کہ لگتا ہے حضور کا روئے سخن ہماری طرف ہے یا رسول اللہ! فقال اجل فقال سعد: لقد آمنا بك وصدقناك وشهدنا ان ما جئت به هو الحق واعطيناك على ذالك عهودنا ومواثيقنا على السمع والطاعة فامض لما اردت فنحن معك فو الذي بعثك بالحق لو استعرضت بنا هذا البحر فخضته لخضناه معك ما تخلف منا رجل واحد . . . . لعل الله يريك منا ما تقربه عينك فسر بنا على بركة الله :

اے اللہ کے رسول! آپ ہماری رائے پوچھ رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ تو سعد نے عرض کی ہم آپ پر ایمان لائے آپ کی تصدیق کی اور اس بات کی گواہی دی کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور آپ کی کامل اطاعت کا پختہ وعدہ کیا۔ جدھر کا قصد ہے تشریف لے چلیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث فرمایا اگر آپ سمندر میں کود نے کا حکم دیں تو سب آپ کے ساتھ اس میں چھلانگ لگا دیں اور کوئی ایک بھی پیچھے نہ رہے۔ میدان جہاد میں ہماری جانفروشیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اللہ کی برکت پر چلیے ہم سب بسم اللہ فرمائیں۔ یہ نیاز مندی کے جواب پا کے

اس طرح سرفروشوں کا یہ گروہ اپنے رب کے نام کو بلند کرنے کا عزم صمیم کر کے آگے بڑھا اور بدر کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ وہاں ایک طرف حضور کے ٹھہرنے کے لیے ایک چھپر (عریش) بنا دیا گیا۔ جنگ سے ایک روز پیشتر حضور اپنے صحابہ کی معیت میں میدان جنگ کے نشیب و فراز کا جائزہ لینے کے لیے نکلے۔ سارے میدان کا چکر لگایا۔ اور اسی اثنا میں ان مقامات کی نشاندہی بھی فرماتے گئے جہاں کل ہونے والی جنگ میں مکہ کے سرداروں کی لاشیں گرنے والی تھیں۔ هذا مصرع فلان یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے، هذا مصرع فلان: یہ فلاں کے گرنے کی جگہ ہے۔

رات کو سب لوگ محو خواب تھے لیکن چشم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء بیدار تھی۔ ساری رات اسلام کی نصرت اور

مسلمانوں کی فتحمندی کے لیے دعائیں فرماتے رہے۔ صبح ہوئی مسلمانوں کی صفوں کو درست کیا۔ سامنے کفار کا لشکر جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ان کی مسلح قوت کو دیکھا اور مسلمانوں کی بےبسی کو ملاحظہ فرمایا۔ اپنے عریش میں واپس تشریف لائے اور بارگاہ صمدیت میں انتہائی عجز و نیاز سے عرض کی۔ اللھم ھذہ قریش قد اتت بخیلائھا تحاول ان تکذب رسولک اللھم فنصرک الذی وعدتنی اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ الیوم لا تعبد ۔ اے اللہ! یہ سامنے قریش ہیں جو نخوت و غرور کے سب سامان سے لیس ہو کر آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے اللہ! اب آ جائے تیری وہ مدد جس کا تو نے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ! اگر ان مٹھی بھر مسلمانوں کو تو نے ہلاک ہونے دیا تو پھر تیری کبھی عبادت نہیں کی جائے گی۔

رمضان کی سترہ تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب چشم آفتاب نے اور وادی بدر کے سنگریزوں نے اس انوکھی جنگ کا مشاہدہ کیا جس میں باطل اپنی پوری قوت و جبروت سے مسلح ہو کر حق کو کچلنے کے لیے نکلا تھا اور حق نے اپنی بےسروسامانی کے باوجود باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ اگر اس روز اللہ تعالیٰ کی تائید اور مسلمانوں کی جانفروشی کے باعث حق کا بول بالا نہ ہوتا تو آج آفتاب صداقت کی یہ جلوہ سامانیاں نہ ہوتیں بلکہ یہ کائنات کفر و شرک کی اتھاہ گھٹاؤں میں ڈوبی ہوئی ہوتی۔ اسی لیے قرآن حکیم نے اس روز سعید کو یوم الفرقان فرمایا ہے۔ یعنی وہ دن جس نے حق و باطل کو الگ الگ کر دیا۔

یہ ہے اس جنگ بدر کا سیاسی اور تاریخی پس منظر جس کے متعلق اس سورۃ میں گفتگو فرمائی گئی ہے۔ نیز اس میں مسلمانوں کو ان کی اپنی کوتاہیوں پر بھی آگاہ کر دیا تاکہ وہ اپنی پہلی فرصت میں ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ فتح و کامرانی محض اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کا نتیجہ ہے اس لیے اس کی اور اس کے رسول کریم کی اطاعت میں کوشاں رہو تاکہ تائید ایزدی ہمیشہ ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنی بہادری اور شجاعت پر مغرور ہو کر احکام الٰہی اور ارشادات مصطفوی سے سرتابی کرنے لگو۔

مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بھی واضح طور پر بیان کر دیا تاکہ اس کے متعلق بھی کسی قسم کا تنازع پیدا نہ ہو۔ اس کے ضمن میں صلح و جنگ کے متعلق معاہدوں کی پابندی کا حکم بھی فرمایا۔ آخر یہ امت جس کے نبی کی بعثت کی ایک بڑی غرض مکارم اخلاق کی تکمیل ہے وہ صلح و جنگ ہر حالت میں ان مکارم اخلاق کی علمبردار رہے۔

سورۃ کے آخری حصہ میں حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام کی شان بھی بیان فرمائی جن کی سرفروشیوں، قربانیوں، جانبازیوں، پیہم جدوجہد اور مسلسل سعی و عمل سے دین اسلام کو کامیابی اور عروج نصیب ہوا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا رہ کر اسی اخلاص، اسی للہیت، اسی ایثار اور اسی جانفروشی سے پرچم اسلام کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے ہمہ تن مصروف جہاد رہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا (یہی لوگ سچے ایماندار ہیں)۔ کے کلمات سے ان حضرات قدسی صفات کے سچے اور کامل ایماندار ہونے کی خود خدائے علیم و خبیر نے شہادت دے دی اور پہلے ہی ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا جو یاران مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے متعلق اسلام کے ظاہری اور باطنی دشمن قیامت تک اٹھانے والے تھے تاکہ کوئی جان بوجھ کر ان شکوک و شبہات

کا شکار بننا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے لیکن بے علمی اور بے خبری کی وجہ سے کوئی ان میں مبتلا نہ ہو۔

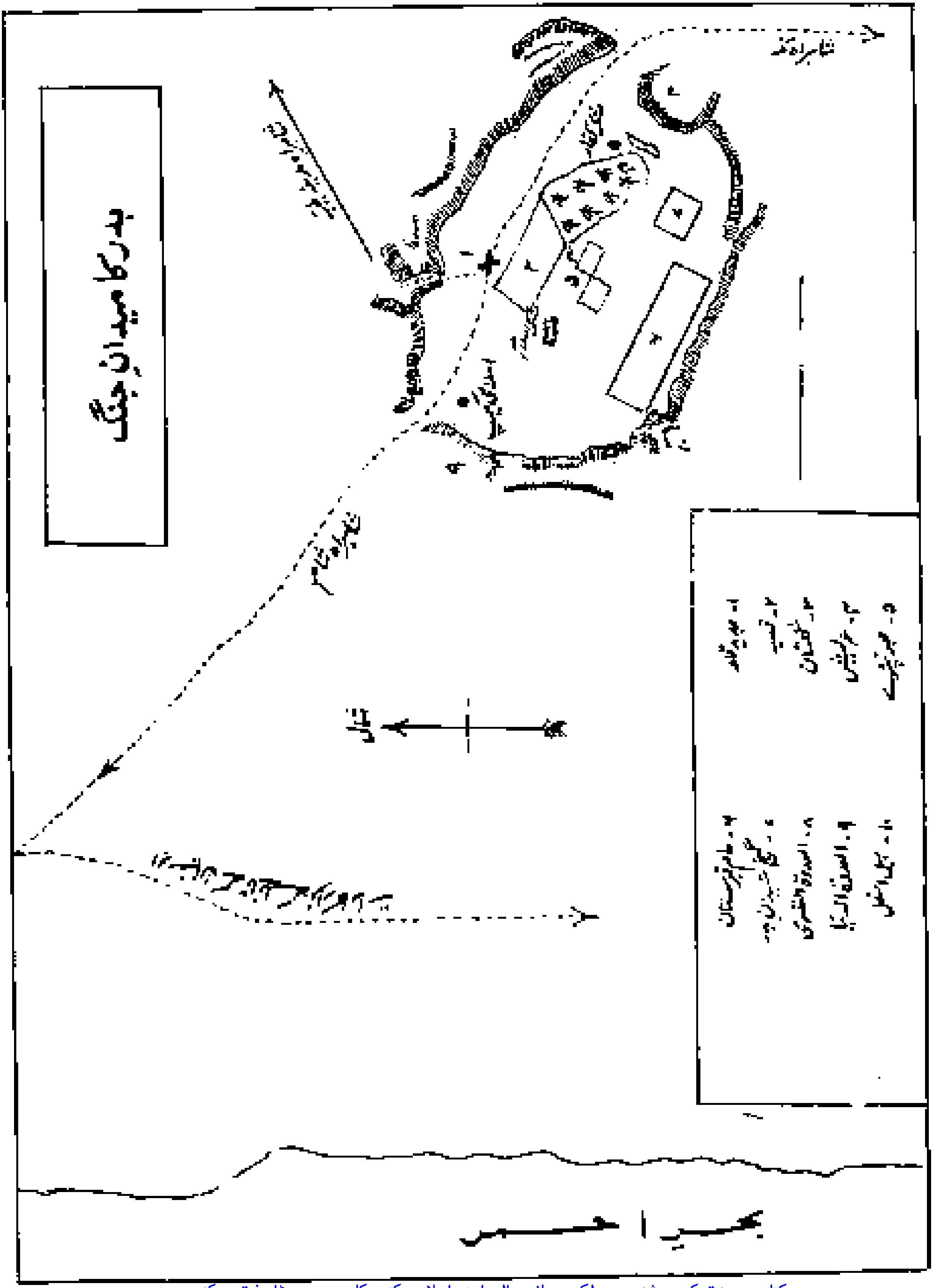
بدر کا میدان جنگ
بحر احمر

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ الانفال مدنی ہے اور اس کی ۷۵ آیات اور ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا

دریافت کرتے ہیں آپ سے غنیمتوں کے متعلق ۱؎ آپ فرمائیے غنیمتوں کے مالک اللہ اور رسول ہیں۔ پس ڈرتے رہو

۱؎ اسلام سے پہلے اہل عرب کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہ تھے۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں ان کے لاابالی مزاج سے وابستہ تھیں۔ صلح و جنگ کے رسم و رواج میں عدل و انصاف کے بجائے قوت اور دھاندلی کا دور دورہ تھا۔ اسلام نے یک لخت ان کی اس بے راہ روی کو قانون کا پابند نہیں کر دیا بلکہ آہستہ آہستہ حسب ضرورت احکام نافذ کیے۔ اس طرح وہ قوم جو ابھی چند سال پہلے نافرمانی اور سرکشی میں ضرب المثل تھی نظم و ضبط کا پیکر بن گئی۔ بدر کی جنگ کفر و اسلام کی پہلی جنگ تھی۔ نئے مسائل جن سے مسلمان پہلے آشنا نہ تھے، کا وقوع پذیر ہونا ایک قدرتی بات تھی۔ اس سورۃ کا آغاز ایک ایسی ہی الجھن اور اس کے حل سے کیا گیا۔ بات یوں ہوئی کہ جب نصرت ربانی سے مٹھی بھر نہتے مسلمانوں نے کفار کی عظمت و نخوت کو خاک میں ملا دیا اور ان کا لشکر جرار اپنے ستر سرداروں کی لاشیں اور ستر اسیر اور بہت سا سامان میدان میں چھوڑ کر بھاگا تو کچھ مسلمان تو دور تک ان کے تعاقب میں چلے گئے اور بعض مسلمانوں نے آگے بڑھ کر اس سامان پر قبضہ کر لیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اسے تقسیم کیسے کیا جائے۔ کیا عرب کے پرانے رسم و رواج کے مطابق کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے وہ لے کر چلتا بنے اور دوسرے منہ تکتے رہ جائیں یا اسلام اس کے متعلق بھی کوئی واضح ہدایت دے کر ہمیشہ کے لیے اس جھگڑے کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم نے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ فرما کر اس ساری الجھن کو ہی ختم کر دیا کہ میدان جنگ میں ہاتھ آنے والا ساز و سامان افراد کی ملکیت ہی نہیں تاکہ وہ اس کی بنا پر ایک دوسرے سے جھگڑنا شروع کریں بلکہ اس کا مالک تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مقبول ہے۔ اس لیے اللہ کا رسول اپنے مالک کے حکم سے جس طرح چاہے تقسیم فرما دے کسی کو اعتراض کا حق ہی نہیں۔ حضرت ابی امامۃ الباہلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آیت انفال کب نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ ہم بدریوں کے حق میں نازل ہوئی جب ہم نے مال غنیمت کے بارے میں جھگڑا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے اختیار سے نکال کر اپنے رسول کے حوالہ کر دیا اور حضور نے اسے برابر طور پر سب میں تقسیم فرما دیا۔ قال عبادة فینا معشر اصحاب بدر نزلت حین اختلفنا فی النفل وساءت فیه اخلاقنا فنزعه الله من ایدینا وجعله الی الرسول فقسمه رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بواء یقول علی السواء (قرطبی)

اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۖ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

اللہ تعالیٰ سے اور اصلاح کرو اپنے باہمی معاملات کی سلہ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اگر تم

مُّؤْمِنِيْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ

ایماندار ہو۔ صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ سلہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں

قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ

ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر [illegible] تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے

يَتَوَكَّلُوْنَ ② الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۗ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ

یہی لوگ سچے مومن ہیں حقیقتاً انہی کے لیے درجے ہیں ان کے رب کے پاس ھ اور

انفال جمع ہے نفل کی۔ اس کا معنی ہے مال غنیمت۔ کیونکہ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی عطا ہے۔ الانفال یعنی الغنائم والنفل الغنم لانہا من فضل اللہ وعطائہ (مظہری)

سلہ آیت کے اس حصہ میں سابقہ حکم کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ مومن کی جنگ محض کلمہ حق کو سربلند کرنے کے لیے ہونی چاہیے۔ دولت [illegible] اگر اموال غنیمت کی تقسیم افراد کی تحویل میں دے دی جاتی تو اس سے دو خطرے تھے۔ ایک تو یہ کہ اس طرح حسد و عناد کی ایک ایسی راہ کھل جاتی جس سے مسلمانوں کی جمعیت پارہ پارہ ہو جاتی دوسرا یہ کہ اخلاص نیت جو مسلمان کے اعمال کی روح رواں ہے ختم ہو کر رہ جاتا۔

سلہ کمالِ ایمان کا وہ درجہ جس تک پہنچنے کی ہر مومن کے دل میں آرزو ہونی چاہیے اور اس کے لیے اسے ہر ممکن جدوجہد کرنی چاہیے اس پر وہی خوش نصیب فائز ہو سکتے ہیں جو ان صفات سے مزین ہوں جن کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔

سلہ انہیں سچے مسلمان کا لقب اس لیے عطا فرمایا گیا کہ ان کے دل اگر خشیتِ الٰہی، اخلاص اور توکل کی صفاتِ عالیہ سے متصف ہیں تو ان کے ظاہری اعضاء رکوع و سجود اور عطاء صدقات میں مصروف ہیں۔ ان کا ظاہر بھی مطلع انوار ہے اور ان کا باطن بھی بقعۂ نور۔

مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٤﴾ كَمَآ أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ

بخشش ہے ۵ اور باعزت روزی - جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَٰرِهُونَ ﴿٥﴾ يُجَٰدِلُونَكَ فِي الْحَقِّ

حق کے ساتھ ۶ اور بیشک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنیوالا تھا - جھگڑ رہے تھے آپ سے ۷ سچی بات میں

بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٦﴾

اس کے بعد کہ وہ واضح ہو چکی تھی گویا وہ ہانکے [illegible] موت کی طرف [illegible] حال کہ وہ (موت کو) دیکھ رہے ہیں۔

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ

اور یاد کرو جب وعدہ فرمایا تم سے اللہ [illegible] ایک کا ان دو گروہوں سے کہ وہ تمہارے لیے ہے ۸ اور تم پسند کرتے تھے

۵ دنیا میں بھی ان کی قدر و منزلت بلند کر دی جاتی ہے [illegible] جنت میں بھی ان کو مقاماتِ رفیعہ پر فائز کیا جائے گا۔

۶ اِس لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ [illegible] تقاضوں کے باعث کوئی خطا یا قصور سرزد ہو جائے تو اُسے فوراً ٹھکرا نہیں دیا جاتا بلکہ اللہ کریم اسے اپنے دامنِ کرم میں پناہ دیتا ہے اور اس کی لغزش معاف فرما دی جاتی ہے۔

۷ مالِ غنیمت کے متعلق یہ طریقِ کار کیونکہ اہلِ عرب کے سابقہ رسم و رواج سے یکسر مختلف تھا اس لیے بعض طبیعتوں پر اس کی تعمیل بہت شاق گزری۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان کی یہ ناپسند کا خیال مت کرو بلکہ جو ہمارا حکم ہے اس پر کاربند ہو جاؤ۔ ان کی یہ ناپسندیدگی ایسی ہی ہے جیسے لشکرِ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا فیصلہ بعض لوگوں کو ناگوار گزرا تھا لیکن آپ نے ان کے انقباضِ طبع کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے [illegible] ۔ اسی طرح اموالِ غنیمت کے بارے میں بھی وہی بات تم سب کے لیے موجبِ خیر و برکت ہے جس کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے۔

۸ جیسے اس سورہ کے تعارف میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مدینہ سے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی ظاہری غرض اہلِ مکہ کا تجارتی قافلہ تھا۔ اب باہر نکلے تو ابوجہل کی سرکردگی میں لشکرِ کفار کے آنے کی اطلاع ملی تو صورتِ حال بالکل بدل گئی مسلمان نہ جنگ کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے اور نہ جنگی ساز و سامان سے مسلح تھے۔ اتنے بڑے منظم اور مسلح لشکر سے ٹکرانا بعض لوگوں کو خلافِ مصلحت دکھائی دے رہا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونک رہے ہیں۔ لیکن حضور کریم نے جو مجلسِ مشاورت وادی ذفران میں منعقد کی اس میں شمعِ مصطفوی کے پروانوں نے جس جرأت اور جانفروشی کا اظہار کیا اس سے تمام لشکرِ اسلام کے حوصلے بلند ہو گئے اور کسی کو موت کا اندیشہ نہ رہا۔

أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَن يُحِقَّ الْحَقَّ

کہ نہتّا گروہ تمہارے حصہ میں آ جائے اور اللہ چاہتا تھا کہ حق کر دکھائے اپنے

بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿٧﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

ارشادات سے ؎ اور کاٹ دے کافروں کی جڑ۔ تاکہ ثابت کر دے حق کو اور مٹا دے باطل کو

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨﴾ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ

اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) عادی مجرم۔ یاد کرو جب تم فریاد کر رہے تھے ؎ اپنے رب سے تو سن لی

لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ

اس نے تمہاری فریاد (اور فرمایا) یقیناً میں مدد کرنے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ جو پے در پے آنے والے ہیں ؎

؎ ان دو طائفوں سے مراد ایک تو ابو سفیان کا تجارتی قافلہ ہے جو پچاس ہزار دینار کی مالیت کا سامان لیے شام سے مکہ کی طرف واپس لوٹ رہا تھا اور جس کے محافظ دستہ کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہ تھی۔ اور دوسرا مسلح و منظم لشکر جو اپنی قوت و طاقت کے نشہ میں بدمست مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے مدینہ کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ تھا کہ ان دونوں میں سے ایک پر تمہیں غلبہ دیا جائے گا۔ یہ طبعی امر تھا کہ بعض صحابہ کی یہی آرزو ہوئی کہ تجارتی قافلہ ہاتھ لگے تاکہ کسی مزاحمت کے بغیر اتنی دولتِ فراواں مل جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ تھی کہ اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی تمکنت کے جو وعدے کیے گئے تھے ان کو پورا کیا جائے تاکہ مشرکین کا سرِ غرور خم ہو۔ حق کا بول بالا ہو۔ اور باطل کی رسوائی آشکارا ہو جائے۔ شوک کانٹے کو کہتے ہیں۔ یہاں شوکۃ سے مراد تیز دھار والے ہتھیار ہیں اسی لیے مسلح آدمی کو رجل شاک السلاح اور قلب کے بعد رجل شاکی السلاح کہتے ہیں۔

؎ یحق الحق کا معنی ہے یظہر الحق یعنی حق کو ظاہر کر دے کیونکہ حق بذاتِ خود حق ہوتا ہے وہ کسی کے حق بنانے سے حق نہیں بنتا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شکوک و شبہات اور بغض و عناد کے جو پردے حق کو ڈھانپے ہوتے ہیں جن کے باعث سادہ لوح انسانوں کو اس کی پہچان نہیں ہوتی وہ اٹھا دیے جائیں اور حق اپنی تمام رعنائیوں اور دلربائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے تاکہ اس کو پہچاننے میں کسی کو دقت نہ ہو۔ ای ان یظہر الاسلام۔ والحق حق ابدا ولکن اظہاره تحقیق له من انه اذا لم یظہر اشبه الباطل (قرطبی)

؎ استغاثہ کا معنی ہے فریاد کرنا اور مدد طلب کرنا۔ الاستغاثة: طلب الغوث والنصر (قرطبی) الخ

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ

نہیں بنایا فرشتوں کے نزول کو اللہ نے مگر ایک خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل ۱۱ اور نہیں ہے مدد مگر

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً

اللہ کی طرف سے بے شک اللہ بہت غالب ہے حکمت والا ہے۔ یاد کرو جب اللہ نے ڈھانپ دیا تمہیں غنودگی سے تاکہ

مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَ

باعث تسکین ہو اس کی طرف سے اور اتارا تم پر آسمان سے پانی تاکہ پاک کر دے تمہیں اس سے اور

مراد حضور رحمت للعالمین کی وہ عاجزانہ دعا اور نیاز مندانہ فریاد ہے جو بدر کے میدان میں ایک چھپر کے نیچے کھڑے ہو کر کی جس کا ذکر شروع کے تعارف میں گزر چکا ہے۔

۱۰ یعنی پیچھے بعد دیگرے قطار اندر قطار فرشتوں کی جنگ میں شرکت کا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ غیر منظم ہو کر گچ جنگ میں شامل نہیں ہوتے تھے بلکہ ترتیب دستوں کی صورت میں پیچھے بعد دیگرے میدان میں اترتے تھے جس سے مسلمانوں کے پریشان دلوں کو اطمینان و تسکین نصیب ہوتی تھی اور کفار کے رہے سہے حوصلے ٹوٹ گئے تھے اور ہمتیں پست ہو گئی تھیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اس دعا کے بعد حضورؐ نے اپنا سر مبارک جھکایا اور پھر اٹھا کر فرمایا ابشر یا ابا بکر ھذا جبریل معتجرا بعمامۃ صفراء آخذ بعنان فرسہ بین السماء والارض (مظہری عن البیہقی) اے ابوبکر تمہیں خوشخبری ہو یہ جبریل ہیں زرد دستار باندھے زمین آسمان کے درمیان اپنے گھوڑے کی باگیں پکڑے کھڑے ہیں۔

۱۱ فرشتوں کا نزول محض تمہاری تسکین و اطمینان کے لیے اور تمہیں فتح کا مژدہ سنانے کے لیے تھا ورنہ نصرت و کامرانی مرحمت فرمانے والا تو خود رب تعالیٰ ہی ہے جس کی قوت بے اندازہ اور حکمت بے نظیر ہے۔

۱۲ کفار میدان بدر میں پہلے پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے موزوں جگہ پر اپنے خیمے نصب کر لیے اور پانی پر بھی قبضہ کر لیا۔ مسلمان پہنچے تو بجز ریت کے ٹیلوں کے اور کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں پڑاؤ ڈالیں۔ چار و ناچار وہیں خیمے گاڑ دیئے۔ پانی کی بھی سخت قلت تھی چلتے ہیں تو پاؤں ریت میں دھنستے چلے جاتے ہیں۔ نماز کا وقت آتا ہے تو وضو و غسل کے لیے پانی نہ دارد پیاس لگتی ہے تو پینے کے لیے پانی نایاب۔ اس عجیب و غریب صورت حال سے مسلمانوں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ادھر شیطان ان کے دلوں میں وسوسے ڈالنے لگا کہ تم اپنے آپ کو خدا کا مقرب سمجھتے تھے اب آنکھوں سے دیکھ لو کیا مقربین خدا کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان دونوں تکلیفوں کا ازالہ فرما دیا۔ جس صبح کو جنگ ہونے والی تھی اس رات کو بادل گھر کر آ گئے اور اتنا موسلادھار مینہ برسا کہ وادیاں لبریز ہو کر بہنے لگیں۔ مسلمانوں نے حوض بنا کر پانی جمع کر لیا اس طرح پانی

يُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ

دور کر دے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور جما دے اس سے

بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا

تمہارے قدموں کو۔ یاد کرو جب وحی فرمائی آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف کہ میں تمہارے ساتھ ہوں پس تم

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ

ثابت قدم رکھو ایمان والوں کو میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں (ہمارا) رعب

فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

سو تم مارو (ان کی) گردنوں کے اوپر [12] اور چوٹ لگاؤ ان کے ہر بند پر [13]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَ

یہ حکم اس لیے ہے کہ انھوں نے [14] مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرتا ہے اللہ کی

کی قلت دور ہو گئی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ بارش کے پانی سے ریت جم گئی اور مسلمانوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی اور کفار کی قیام گاہ میں کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا اور ان کے لیے نقل و حرکت دوبھر ہو گئی۔ دوسری نوازش جو مسلمانوں پر فرمائی وہ یہ تھی کہ ان پر نیند مسلط کر دی گئی۔ رات بھر خوب سوئے۔ صبح اٹھے تو بالکل ہشاش بشاش اور تازہ دم تھے تھکن اور افسردگی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ کفار کا رعب اور ہیبت دلوں سے دور ہو چکی تھی۔ آیت کریمہ میں امنة منه کے الفاظ قابل غور ہیں یعنی یہ نیند اتفاقیہ نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور رحمت سے اسے مسلمانوں پر مسلط کیا تھا۔ رجز الشیطٰن سے مراد اس کی وہ وسوسہ اندازی ہے جو پانی کی نایابی اور حالات کی ناسازگاری کی بدولت وہ مسلمانوں کے قلوب میں ڈالنا چاہتا تھا۔

[12] اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا۔ لیکن بعض حضرات نے اسے مشتبہ جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انھیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔

[13] بنان ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بھی کہتے ہیں اور بدن کے جوڑوں کو بھی۔ علماء کرام نے دونوں معنی مراد

رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ

اور اس کے رسول کی تو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (اے حق کے دشمنو!) یہ سزا ہے پس چکھو اسے نیز

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ

یاد رکھو! کافروں کے لیے آتش (جہنم) کا عذاب بھی ہے۔ اے ایمان والو! جب تم مقابلہ کرو ۱۸؎

لیے ہیں۔ وقیل المراد بالبنان هنا اطراف الاصابع من الیدین والرجلین وقال الضحاک البنان کل مفصل (قرطبی)

۱۷؎ معرکہ میدان بدر میں جس ذلت و رسوائی کا کفار کو سامنا کرنا پڑا اور جس شکست فاش سے سابقہ پیش آیا یہ بلا وجہ نہ تھی بلکہ ان کی مسلسل چودہ پندرہ سالہ اسلام دشمنی کا نتیجہ تھا۔

۱۸؎ یہاں مجاہدین اسلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جب تم دین حق کے دشمنوں سے نبرد آزما ہو تو بڑی شجاعت اور پامردی اور بہادری سے ان کے سامنے ڈٹے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت تمہارے ہمرکاب ہوگی تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ حق کے علمبردار ہو کر باطل کے پرستاروں کے سامنے نامردی اور بزدلی کا مظاہرہ کرو اور میدان جہاد سے بھاگ کھڑے ہو چنانچہ میدان جنگ سے فرار کو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اکبر الکبائر بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ فرمایا ہے۔ والفرار کبیرۃ موبقۃ بظاهر القرآن واجماع الاکثر من الائمۃ (قرطبی) الفرار من الزحف کبیرۃ من الکبائر عند اکثر اهل العلم وبه قال الائمۃ الاربعۃ من الفقهاء (مظهری)۔ لیکن یہ گناہ کبیرہ اس وقت تک ہے جبکہ دشمنوں کی تعداد دوگنا سے زائد نہ ہو۔ اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر بھی ثابت قدم رہنا اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی افضل ہے جیسے جنگ موتہ میں اہل اسلام کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور ان کے مقابل قیصر کی فوج دو لاکھ تھی لیکن فدایان مصطفےٰ نے پرچم اسلام کو سرنگوں نہ ہونے دیا۔ فاتح اندلس طارق نے صرف سترہ سو جانبازوں کے ساتھ لذریق شاہ اندلس کے ستر ہزار شہسواروں سے ٹکر لی اور ان کو کچل کر رکھ دیا۔ طارق کے یہ شعر ان کی ایمان کے سپاہیوں کی اسلامی ذہنیت کے کتنے روشن آئینے ہیں ؎

رَكِبْنَا سَفِيْنًا بِالْمَجَازِ مُقَيَّرًا — عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ مِنَّا قَدِ اشْتَرٰى

ہم سمندر عبور کرنے کے لیے کشتیوں میں سوار ہوئے یہ تمنا لیے ہوئے کہ شاید اللہ تعالیٰ از راہ احسان ہم سے خرید لے

نُفُوْسًا وَّاَمْوَالًا وَّاَهْلًا بِجَنَّةٍ — اِذَا مَا اشْتَهَيْنَا الشَّيْءَ فِيْهَا تَيَسَّرَا

ہماری جانوں ہمارے اموال اور اہل و عیال کو جنت کے بدلے جہاں ہم جو چاہیں ہمیں بآسانی میسر آ جائے

وَلَسْنَا نُبَالِيْ كَيْفَ سَالَتْ نُفُوْسُنَا — اِذَا نَحْنُ اَدْرَكْنَا الَّذِيْ كَانَ اَجْدَرَا

اگر ہم اپنی منزل مقصود کو حاصل کر لیں تو پھر ہمیں اس بات کی قطعاً پروا نہیں کہ ہمارے خون کے دریا کیسے بہے

آیت میں زحفا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ اس کا معنیٰ کیا ہے؟ اور ترکیب میں کیا واقع ہوا ہے؟ زحف کا لغوی معنی

الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَن يُوَلِّهِمْ

کافروں کے لشکر جرار سے تو مت پھیرنا ان کی طرف (اپنی) پیٹھیں۔ اور جو پھیرے گا ان کی طرف

يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ

اس روز اپنی پیٹھ بجز اس صورت کے کہ پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے یا پلٹ کر آنے والا ہو اپنی جماعت کی طرف

بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶﴾

تو وہ مستحق ہوگا اللہ کے غضب کا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ پس

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ

تم نے نہیں قتل کیا انھیں بلکہ اللہ نے قتل کیا انھیں اور (اے محبوب) نہیں پھینکی آپ نے (وہ مشت خاک) جب

بچے کا زمین پر گھسٹ گھسٹ کر چلنا۔ اسی وجہ سے آہستہ چلنے کو بھی زحف کہتے ہیں۔ الزحف الدنو قليلا قليلا واصله الاندفاع على الالية (قرطبی)۔ اس لفظ کا اطلاق لشکر عظیم پر بھی ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی کثرت تعداد کی وجہ سے آہستہ آہستہ ہی چل سکتا ہے۔ (صاحب) القاموس: الزحف الجيش يزحفون الى العدو۔ اپنے دونوں معنوں (مصدری اور اسمی) کے اعتبار سے یہ الذين كفروا یا لقیتم کا مفعول ہے، کا حال ہے یا لقیتم کے فاعل (لقیتم کی ضمیر) اور مفعول (الذين كفروا) دونوں کا حال ہے (مظہری)۔ میں نے ترجمہ میں زحف کا معنی اسی لحاظ سے کرتے ہوئے الذين کا حال بنایا ہے کیونکہ یہی مفہوم حقیقت سے قریب تر ہے کیونکہ کافر لشکر عظیم لے کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تھے مسلمانوں کی تو کل تعداد قلیل جمعیت محض اپنے بچاؤ کے لیے میدان میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

اس آیت میں ان مخصوص حالات کے پیش نظر دشمن کے سامنے سے ہٹنے کی اجازت دی جا رہی ہے جن میں جنگی مصالح کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ لشکر اپنی موجودہ پوزیشن بدل کر نئی پوزیشن اختیار کرے تاکہ زیادہ قوت سے دشمن پر حملہ کیا جا سکے۔ یا اسلامی فوج کے کچھ سپاہی اگر کٹ کر الگ ہو گئے ہوں تو انہیں بھی اجازت ہے کہ وہ ہٹ کر اپنی فوج میں شامل ہو جائیں اور اس کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

یعنی مسلمانوں کا اپنے سے تین گنا مسلح اور طاقتور لشکر کو یوں تہس نہس کر دینا اور اس کے بڑے بہادر رئیسوں کو تہ تیغ کر دینا محض نصرت خداوندی کا کرشمہ تھا۔ اس لیے صاف صاف بتا دیا کہ تم اپنی قوت و شجاعت پر نازاں نہ ہو بلکہ اپنے رب قدیر کا احسان سمجھو اور اس کے شکر گزار بنے رہو۔

ان کلمات میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خاص معجزہ کی طرف اشارہ ہے جس کا مشاہدہ دوست و دشمن

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۚ اِنَّ

آپ نے پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تاکہ احسان فرمائے مومنوں پر ۳۵ اپنی جناب سے بہترین احسان۔ بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ یہ تو ہوچکا اور بلاشبہ اللہ کمزور کرنے والا ہے کفار کے مکر و فریب کو۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

(اے کفار!) اگر تم فیصلے کے طلبگار رہتے تھے ۳۶ تو (لو) آگیا تمہارے پاس فیصلہ۔ اور اگر تم (اب بھی) باز آجاؤ تو وہ

لے کر میدان میں گیا۔ حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھری اور کفار کے لشکر کی طرف پھینک دی۔ وہ لشکر جو ایک وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا تھا۔ کوئی کھڑا تھا کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ کسی کا منہ ادھر تھا تو کسی کی پشت ادھر تھی۔ لیکن ایک کافر بھی تو ایسا نہ رہا تھا جس کی آنکھوں کو ریت کے ذرات نے بھر نہ دیا ہو۔ سب کی آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو گئیں۔ اور وہ کچھ ایسے دہشت زدہ اور حواس باختہ ہوئے کہ اپنے مقتولوں کے لاشے بھی پیچھے چھوڑ کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! جب تم کنکریاں پھینک رہے تھے تو پھینکنے والا ہاتھ گو تمہارا تھا لیکن قوت و قدرت ہماری تھی جو اس میں کارفرما تھی کتنا ہی پیارا انداز بیان ہے۔

۳۵ علامہ زمخشری نے یبلی کا معنی یعطی اور بلاء کا معنی عطاء کیا ہے۔ اور صاحب تفسیر مظہری نے یبلی کا معنی ینعم اور بلاء کا معنی نعمت فرمایا ہے۔ اگرچہ ابتلاء کا لغوی معنی اختبار یعنی آزمانا ہے لیکن آزمائش جس طرح تکلیف و مصیبت سے کی جاتی ہے اسی طرح عطاء و احسان سے بھی کی جاتی ہے۔ اس پوری آیت کے مفہوم کے پیش نظر یہاں لفظ ابتلاء کی یہ توضیح بالکل صحیح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو مسلمانوں کے لڑے بغیر ہی کفار کو نیست و نابود کر دیتا۔ ہزاروں فرشتوں کے اتارنے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ہی فرشتہ سب کا خاتمہ کرنے کے لیے کافی تھا لیکن مسلمانوں کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت اس لیے کرائی گئی تاکہ انہیں دین کے پاسبان ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ شہادت اور جہاد کی فضیلت سے انہیں سرفراز کیا جائے۔ کیا شان بندہ پروری ہے! کیا رحمت بندہ نواز ہے! یہاں اسی شرف پاسبانی اور فضیلت شہادت کو یبلی کے کلمات طیبات سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔

۳۶ اب روئے سخن کفار کی طرف ہے۔ کفار جب مکہ سے روانہ ہونے لگے تھے تو غلاف کعبہ کو پکڑ کر انہوں نے دعا مانگی تھی اللھم انصر اقرانا للضیف و اوصلنا للرحم و افکنا للعانی ان کان محمد علی حق فانصرہ و ان کنا علی حق فانصرنا (کشاف) اے اللہ ہم دونوں فریقوں میں سے جو زیادہ مہمان نواز ہے، جو زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے، جو قیدیوں کا

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ

بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور نہ فائدہ پہنچا سکے گی تمہیں تمہاری جماعت کچھ بھی چاہے

وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١٩ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ

اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ساتھ ہے اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝٢٠ وَلَا تَكُوْنُوْا

اس کے رسول کی اور نہ روگردانی کرو اس سے حالانکہ تم سن رہے ہو اور نہ بن جانا ان لوگوں کی

کو زیادہ آباد کرنے والا ہے۔ اس کی مدد فرما۔ اگر محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) حق پر ہے تو اسے فتح دے اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہمیں فتح بخش۔ کفار سے کہا جا رہا ہے کہ وہ دعا جو تم نے مانگی تھی وہ قبول ہوئی۔ جو حق پر تھا وہ غالب ہوا اور جو باطل سے چمٹے ہوئے تھے وہ مغلوب۔ اب باز آجاؤ تمہارے معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا اب تو کسی قسم کی غلط فہمی نہیں۔ ہاں اگر پھر بھی تم نے حق کو قبول نہ کیا اور اس کی مخالفت سے باز نہ آئے تو یاد رکھو تمہیں آئندہ بھی ایسی ہی اندوہناک شکستوں سے دوچار ہونا پڑے گا فتح کا سچا فیصلہ ہی کیا گیا ہے۔

اے کفار! جب تم تائید خداوندی سے محروم ہو اور مسلمان اس نعمت سے مشرف ہیں تو پھر خود ہی سوچو کیا تمہاری کامیابی کا کوئی امکان ہے چاہے تم بڑے نڈر اور بہادر ہو اور تمہاری تعداد بہت زیادہ ہے لیکن تم خود ہی بتاؤ کیا تم اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ٹکر لے سکتے ہو۔

اطاعت خدا اور اطاعت رسول عقائد اسلامیہ اور شریعت بیضاء کا سنگ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر نہ اسلامی عقائد کا پتہ چل سکتا ہے اور نہ شریعت کا۔ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ کے کلمات کے معنی یہ ہیں یعنی اے غافلو قرآنی آیات سننے کے باوجود بھی اطاعت خدا و رسول میں کوتاہی نہ کرو۔ تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو تعلیمات قرآنیہ کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اطاعت رسول کے منکر ہیں بلکہ اتباع قرآن کو ترک اطاعت رسول کی دلیل بناتے ہیں۔ وہ اپنی روش پر خود ہی نظر ثانی کریں کیا وہ قرآن سے اس کے نازل کرنے والے کی منشا کے خلاف تو استنباط نہیں کر رہے؟ کیا وہ اتنا بھی غور نہیں کرتے کہ اتباع قرآن تب ہی ہو سکتا ہے جب اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اطاعت رسول کا حکم بھی قرآن کا ہی حکم ہے جو ایک بار نہیں سینکڑوں بار دیا گیا ہے۔ کیا وہ قرآن کے اس صریح حکم کی نافرمانی کر کے اپنے آپ کو قرآن کا متبع کہہ سکتے ہیں ؎

آپ ہی اپنے ذرا طرز عمل کو دیکھیں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ

طرح جنھوں نے کہا ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے ۳۱؎ بیشک سب جانوروں سے

الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ وَ

بدتر اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے (انسان) ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے ۳۲؎ اور اگر

لَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا

جانتا اللہ تعالیٰ ان میں ۳۳؎ کوئی خوبی تو انھیں ضرور سنا دیتا۔ اور اگر سنا دیتا انھیں (قبول حق کی استعداد کے بغیر)

وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَ

تو وہ پیٹھ پھیر دیتے روگردانی کرتے ہوئے۔ اے ایمان والو! لبیک کہو اللہ اور اس کے رسول کی پکار پر جب

۳۱؎ اہل ایمان کو یہود و منافقین کے طریق کار کو اپنانے سے روکا جا رہا ہے کہ وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے کتاب الٰہی کو سن لیا لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو انھیں سانپ سونگھ جاتا ہے۔ جو انھوں نے سنا ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں ہوتے تو گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ سننا تو وہ ہے جو انسان کو عمل کرنے پر آمادہ کر دے

۳۲؎ شر اصل میں اشر تھا کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ ساقط ہو گیا۔ اسی طرح خیر بھی اصل میں اخیر تھا۔ و الاصل اشر حذفت الهمزة لكثرة الاستعمال وكذا خير الاصل اخير (قرطبی)۔

جو لوگ سننے اور بولنے کی قوتوں سے صحیح کام نہیں لیتے۔ حق کو سمجھنے کے لیے اور حق کی تبلیغ کے لیے ان سے استفادہ نہیں کرتے ان کا شمار انسانوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی آنکھیں اور بصر بھی گو انسانوں کی سی ہیں لیکن بحقیقت وہ گونگے اور بہرے ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے کیونکہ ڈنگروں کو یہ قوتیں بخشی ہی نہیں گئیں۔ وہ معذور ہیں لیکن ان لوگوں کو ان گراں بہا صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا گیا اور انھوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان خداداد صلاحیتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھا کر ہی ہم انسانی عظمت کی بلندیوں پر فائز ہو سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری حالت بے شعور مویشیوں سے بھی بدتر ہے۔

۳۳؎ اگر ان میں قبول حق کی استعداد ہوتی تو انھیں کلام الٰہی کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق دی جاتی لیکن کیونکہ انھوں نے پیہم سرکشی اور دانستہ کفر و عناد سے اپنی اس استعداد کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اس لیے اب کوئی فائدہ نہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ قرآن کی آیات سن بھی لیں اور سمجھ بھی لیں تب بھی وہ ان کو قبول نہیں کریں گے بلکہ از راہ عناد اور تعصب

لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ

وہ رسول بلائے تمہیں ۴۲؎ اس امر کی طرف جو زندہ کرتا ہے تمہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا حکم حائل ہو جاتا

انھیں حق جانتے اور پہچانتے ہوئے ان کا انکار کر دیں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ اہلِ مکہ حضور سے فرمائش کیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے جدِ امجد قصی کو زندہ کریں اگر اس نے آپ کی نبوت کی شہادت دی تو ہم بھی آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے ایمان لانے کی توقع ہوتی تو قصی کو زندہ کرنا کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور اسلام دشمنی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ اگر قصی کو زندہ کر بھی دیا جاتے اور وہ حضور کی نبوت کی تصدیق بھی کر دیتے اور وہ اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی شہادت کو اپنے کانوں سے سن بھی لیں تو پھر بھی پیٹھ پھیر دیں اور اپنے کفر و شرک سے ہی چمٹے رہیں۔

۴۲؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا مکرر حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دے رہا ہے وہ تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور تمہاری جاں بلب امتوں کو تازگی و نشاط عطا فرمانے والی ہے۔ اذا دعاکم کا فاعل حضور کی ذات ہے۔ لما میں لام بمعنی الی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی روشن اور سچی کتاب تو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سنتِ نبوی ہی تمہاری زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی پیروی میں تمہاری بقا اور دوام کا راز مضمر ہے۔ لیکن ملت کے چند بہی خواہ ہمیں یہ کہہ کر سنتِ رسولِ کریم سے برگشتہ کر رہے ہیں کہ اطاعتِ رسول ہی وہ زنجیر ہے جس نے امت کے ہاتھ پاؤں کو جکڑ رکھا ہے یہی وہ زندان ہے جس نے اس کے قوائے فکر کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور یہی وہ اغلال و سلاسل ہیں جن کے توڑنے کا ہمیں حکم ملا تھا لیکن ہم سازشیوں (یعنی محدثین کرام) کے فریب میں آکر اس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو ہم نے فرطِ عقیدت سے چن کر پھر اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ آپ خود فیصلہ فرما لیجئے کہ سنتِ نبوی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اور قرآن کا فرمان قابلِ تسلیم ہے یا ان بہی خواہانِ امت کا جو اپنے عہد کے بدترین اور کامل ترین حاکم پرست ہونے کے باوجود ان مردانِ احرار کو حکومت وقت سے ٹکر لیتے ہوئے نہیں شرماتے جن کے نعرہ ہائے حق سے بابا ظلم و استبداد کے ایوانوں کی بنیادیں لرزا اٹھی تھیں۔ صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں۔ فان طاعة الرسول فی کل امر یحیی القلب ومعصیانه یمیته کہ ہر بات میں سنتِ نبوی کی اطاعت سے دل زندہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ ہم اس طوفان خیز دور میں اپنے چراغِ ایمان کو روشن رکھ سکیں اور اطاعتِ حبیبِ خدا سے اپنے مردہ دلوں کو زندہ کر سکیں۔ آمین ثم آمین۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کی ہے کہ حضرت ابی سعید بن المعلی فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ رسول کریم نے مجھے یاد فرمایا۔ نماز ختم کرنے کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ اے حبیب اللہ! جب حضور نے اس غلام کو یاد فرمایا میں نماز پڑھ رہا تھا اب فارغ ہو کر حاضر بارگاہ ہو گیا ہوں۔ حضور نے فرمایا اے ابا سعید! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نہیں پڑھا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم جس وقت تمہیں اللہ اور اس کا رسول بلائے تو فوراً حاضر

بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً

ہے انسان اور اس کے دل (کے ارادوں) کے درمیان نیز بیشک اسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے۔ اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے

لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

جو اگر برپا ہو گیا تو نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے۔ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت

ہو جاؤ۔ فقہاء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور حضور اسے بلائیں تو وہ حاضر خدمت ہو جائے اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اجابۃ الرسول لا یقطع الصلوۃ (مظہری)

یہاں ایک نکتہ اور بھی غور طلب ہے۔ قاعدہ کے مطابق یہاں تثنیہ کا صیغہ دعوا ہونا چاہیے تھا کیونکہ ضمیر فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول دونوں ہیں اور دو کے لیے تثنیہ کا صیغہ ہوتا ہے۔ یہاں واحد کا صیغہ دعا کا ذکر کر کے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت الگ الگ دو نہیں ہیں بلکہ ایک ہی دعوت ہے اس لیے یہاں تثنیہ کی ضرورت نہیں واحد کا صیغہ ہی کافی بلکہ مناسب ہے۔

مسئلہ انسان کتنا ہی دانشمند اور طاقتور کیوں نہ ہو اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے ارادے میں حائل ہو جائے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ دل کی قلمرو میں اسی کی حکمرانی ہے۔ وہ چاہے تو اسے نور ایمان سے درخشاں کر دے اور چاہے تو ہدایت کے سب چراغ بجھ جائیں اور گھپ اندھیرا ہو جائے۔ اسی لیے حضور نبی کریم اکثر دعا فرمایا کرتے یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔ اے دلوں کے پھیرنے والے میرے خدا! ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔

مسئلہ وہ فتنہ کونسا ہے جس کی آگ جب بھڑک اٹھتی ہے تو سب خشک و تر کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ جس کا عذاب چند افراد تک محدود نہیں رہتا بلکہ ساری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ علماء کرام نے اس ضمن میں تین امور کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے۔

۱۔ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے منع کرنے سے رک جانا۔ جس قوم میں فسق و فجور کا بازار گرم ہو اور علی الاعلان احکام شریعت کی خلاف ورزی کی جاتی ہو وہاں اہل علم اور ارباب اثر و اقتدار کا خاموشی اختیار کر لینا اور بدکاروں اور نافرمانوں کو ان کی بداعمالیوں سے نہ روکنا ایک ایسا فتنہ ہے جس کا وبال ساری قوم کو اٹھانا پڑتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایہا الناس! مروا بالمعروف وانھوا عن المنکر قبل ان تدعو اللہ فلا یستجیب لکم وقبل ان تستغفروا فلا یغفر لکم۔ (مظہری) اے لوگو! نیکی کا حکم کیا کرو اور برائی سے روکا کرو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے پھر تم دعائیں مانگو اور وہ قبول ہی نہ فرمائے۔ تم استغفار کرو اور وہ تمہیں بخشے ہی نہیں۔

۲۔ ترک جہاد: جب کوئی قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے اور اللہ کی راہ میں جان دینے سے اسے زندگی زیادہ عزیز معلوم ہونے

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ

عذاب دینے والا ہے۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے ۳۳؎ کمزور اور بے بس سمجھے جاتے تھے

فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَ

ملک میں (ہر وقت) ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں اُچک نہ لے جائیں تمہیں لوگ، پھر اللہ نے پناہ دی تمہیں اور

اَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

طاقت بخشی تمہیں اپنی نصرت سے اور عطا کیں تمہیں پاکیزہ چیزیں تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا

اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو ۳۴؎

تو ساری قوم کو ذلت و غلامی کی بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں۔

۴۔ میدانِ جہاد سے فرار علمائے کرام نے ان تین امور کے علاوہ بطور مثال ذکر فرمایا ہے حصر مقصود نہیں۔

۳۳؎ ہجرت سے پہلے بے بسی اور بے کسی کی جو حالت تھی وہ مسلمانوں کو یاد دلائی جا رہی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھتے ہوئے اس کی شکر گزاری میں مصروف رہیں۔ آیت میں ارض سے مراد سرزمین مکہ ہے۔ مأویٰ (جائے پناہ) مدینہ طیبہ ہے۔ تائید سے مراد بدر کی فتح مندی ہے۔ رزق سے مراد اموالِ غنیمت ہیں جو پہلی امتوں پر حرام تھے اور ملت اسلامیہ کے لیے حلال کر دیئے گئے۔

۳۴؎ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے خیانت کا مطلب حضرت ابن عباسؓ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے لا تخونوا الله بترك فرائضه والرسول بترك سنته یعنی فرائض کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خیانت نہ کرو اور سنت سے روگردانی کر کے اس کے رسول سے خیانت نہ کرو۔ اور قتادہ فرماتے ہیں اعلموا ان دين الله امانة فادوا الى الله ما ائتمنكم عليه من فرائضه وحدوده: خوب سمجھ لو اللہ کا دین امانت ہے۔ اس کے فرائض کی ادائیگی اور حدود کی پابندی کا تمہیں امین بنایا گیا ہے پس امانت میں خیانت نہ کرو۔ (مظہری) اسی طرح مسلمانوں کے راز دشمن تک پہنچانا، حکومت کے سربراہوں، اعلیٰ افسروں اور ملازموں کا اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنا، ملک کے صنعت کاروں اور تاجروں کا ملکی صنعت اور کاروبار میں دیانتداری کو نظر انداز کر دینا حقیقت میں اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے میں داخل ہے۔

غور فرمایئے کتنے پُرجلال انداز میں فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے اور ارباب اقتدار کو متنبہ کیا جا رہا ہے

أَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ

اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو - اور خوب جان لو کہ تمھارے مال اور

اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾ یٰٓاَیُّهَا

تمھاری اولاد (سب) آزمائش ہے اور بیشک اللہ اسی کے پاس اجر عظیم ہے ۔ اے ایمان

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ

والو! اگر تم ڈرتے رہو گے اللہ سے تو وہ پیدا کر دے گا تم میں حق و باطل میں تمیز کی قوت اور دور فرما دیگا

سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ وَ

تم سے تمھارے گناہ اور بخش دیگا تمھیں ۔ اور اللہ بڑے فضل و کرم والا ہے ۔ اور

یعنی فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی اور امانتوں میں خیانت کوئی معمولی بات نہیں جسے نظر انداز کر دیا جائے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت ہے۔ خیانت کا یہ جرم بھی بالاخر سنگین ہے۔ اس پر مرتب ہونے والے نتائج بھی ملک اور قوم کے لیے تباہ کن ہیں اس لیے اس پر جو سزا ملے گی اس کی شدت اور سختی کا تم خود اندازہ کر لو۔

مال اور اولاد سے بڑھ کر سخت آزمائش اور کوئی نہیں ہے۔ محبت مال و اولاد انسان کو بزدل بھی بنا دیتی ہے اور بخیل بھی۔ حضور کے پاس ایک بچہ لایا گیا حضور نے اسے بوسہ دیا اور فرمایا اما انھم مبخلۃ مجبنۃ وانھم من ریحان اللہ (قرطبی) یہ اولاد انسان کو بخیل بھی بنا دیتی ہے اور بزدل بھی۔ اور یہ اللہ کے پھول ہیں۔ اب جو اس طبعی محبت کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتا یقیناً وہ کامیاب ترین انسان ہے۔ ایک دوسرے لحاظ سے بھی اولاد بڑی آزمائش ہے۔ بچوں کی صحیح تربیت، ان کو صحیح مسلمان اور کامل انسان بنانا ان کی لوح دل پر اخلاق عالیہ کے نقوش ثبت کرنا والدین کے لیے ایک کٹھن آزمائش ہے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا صحیح شکر ہے۔ جو کم نظر اپنی اولاد کے لیے دولت ہی اکٹھی کرتے رہتے ہیں اور انھیں اسی مٹی کی گڑیا کی پرستش کا ڈھنگ سکھا کر اپنے حقوق پدری کی تکمیل جانتے ہیں۔ انھوں نے اس نعمت عظمیٰ پر اپنے منعم حقیقی کا ہرگز شکر ادا نہیں کیا۔ اور نہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پرہیزگار بندوں کو جن انعامات سے سرفراز فرماتا ہے اس آیت میں ان کا بیان ہے

۱۔ نعمت فرقان ۔۔۔ ۲۔ عفو سیئات ۔۔۔ ۳۔ آمرزش گناہ۔

فرقان مصدر ہے اور حق و باطل میں تمیز کرنے والی قوت کو فرقان کہتے ہیں۔ ای ہدایۃ فی قلوبکم تفرقون بہا بین الحق والباطل

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ

اور یاد کرو جب خفیہ تدبیریں کر رہے تھے آپ کے بارے میں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا تاکہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو شہید کر دیں یا

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۖ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ

آپ کو جلا وطن کر دیں۔ وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے اور جب پڑھی جاتی ہیں

دنظری) عارفین کاملین کا ارشاد ہے کہ ذکر الٰہی سے ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے حقائق اشیاء منکشف ہو جاتی ہیں اور غلط و صحیح میں بین فرق محسوس ہونے لگتا ہے۔ وہی هذا في اصطلاح الصوفية بالكشف (مظہری) یعنی صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اسے کشف کہتے ہیں۔ اور حضور علیہ افضل الصلوات واجمل التسلیمات کے اس ارشاد گرامی میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله۔ مومن کی فراست سے ڈرا کرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

پرہیزگاروں پر دوسرا انعام یہ کیا جاتا ہے کہ ان کے گناہوں کو چھپا دیا جائے گا تاکہ کسی کی نگاہ وہاں پر نہ پڑسکے۔ علامہ ابن منظور کفر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں واصل الكفر تغطية الشي تغطية تستهلكه۔ یعنی کفر کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان بھی محو ہو جائے۔

علامہ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں والتكفير في المعاصي كالاحباط في الثواب۔ اگر ثواب ملیامیٹ ہو جاتے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور اگر گناہوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے تو وہاں تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (لسان العرب) اللہ تعالیٰ کا پرہیزگار بندوں پر یہ کتنا کرم ہے کہ عالم غفلت میں ان سے جو گناہ سرزد ہوئے ان کو وہ اپنے کرم کی چادر سے ڈھانپ دے اور کسی کو ان گناہوں کی اطلاع تک نہ ہو۔ ان نیک بختوں پر جو تیسرا احسان فرمایا جائے گا وہ یہ ہے کہ اگر بشری تقاضوں کے باعث ان سے کوئی لغزش سرزد ہو جائے یا کسی جرم کا وہ ارتکاب کر بیٹھیں تو اس پر قلم عفو پھیر دیا جائے گا اور اسے بخش دیا جائے گا۔

بیشک تقویٰ کے تقاضے بڑے گراں ہیں لیکن ان پر جن انعامات کی بارش کی جاتی ہے۔ ان کے باعث ان کی تلخی ان کی گرانی کا تصور تک محو ہو جاتا ہے۔

۲۳؎ یعنی اپنے پرہیزگار بندوں پر اس کی بخششیں بے اندازہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ کسی کا اس پر کوئی حق نہیں جس کا ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہو۔ راہ تقویٰ پر گامزن ہونا بھی تو محض اس کی توفیق و دستگیری کا ہی مرہون منت ہے۔

۲۴؎ اہل یثرب میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے کفار مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہو گئی تھی کہ کہیں حضور بھی ہجرت کر کے انہیں کے پاس نہ چلے جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر اسلام کے خطرہ کا سدباب ان کے اختیار سے باہر ہو جائے گا۔ چنانچہ کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے انہوں نے اپنی قومی پارلیمنٹ (دار الندوہ) میں قوم کے مفکرین اور دانشوروں کا اجلاس طلب کیا۔

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ

ان کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتے ہیں (ہاں) سن لیا ہم نے اگر ہم چاہیں تو کہہ لیں ایسی آیتیں ۔ نہیں ہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ

یہ مگر کہانیاں اگلے لوگوں کی ۔ اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر ہو

بعض کی رائے یہ تھی کہ آپ کو ایک تنگ و تاریک حجرے میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے بعض نے کہا کہ آپ کو یہاں سے جلاوطن کر دیا جائے لیکن آخری فیصلہ ابوجہل کی رائے کے مطابق ہوا کہ مکہ میں جتنے قبائل آباد ہیں ان میں سے ایک ایک جوان منتخب کیا جائے۔ سارے قبائل سے چنا ہوا بہادروں کا یہ دستہ رات کے وقت آپ کے گھر کا محاصرہ کرلے۔ سحری کے وقت جب حضور باہر نکلیں تو یکبارگی آپ پر تلواروں کا مینہ برسا کر آپ کا چراغ حیات گل کر دیا جائے۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی کہ اس طرح مکہ کے سارے قبائل اس قتل میں شریک ہو جائیں گے اور بنی ہاشم کس کس سے انتقام لے سکیں گے۔ آخرکار وہ دیت لینے پر رضامند ہو جائیں گے اور ہم سب مل کر آسانی کے ساتھ دیت ادا کر دیں گے۔ سب نے اسے پسند کیا خصوصاً ابلیس جو شیخ نجدی بن کر شریک اجلاس ہوا تھا وہ تو خوشی سے لوٹ پوٹ ہو گیا اور کہنے لگا ھٰذَا الرَّأْیُ وَلَا رَأْیَ غَیْرُہٗ۔ اور عزلات و ہبل کے پرستار محبوب خدا کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے تھے اور ادھر رب محمد اپنے محبوب کا بال بھی بیکا نہ ہونے کا ارادہ فرما رہا تھا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آج کی رات ہجرت کی رات ہے۔ حضور نے امانتیں حضرت علیؓ کے سپرد کیں۔ سورۃ یٰسین کی تلاوت فرماتے ہوئے اپنے کاشانۂ اقدس سے قدم مبارک باہر رکھا وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا الخ کی آیت تک پڑھ کر ان شمشیر بکف شقی سورماؤں پر پھونکا جو محاصرہ کیے ہوئے کھڑے تھے۔ ان کی بینائی سلب ہو گئی۔ نیند سے اونگھنے لگے اور اللہ کا حبیب اپنے اللہ کی حفاظت میں بخیر و عافیت وہاں سے نکل کر اپنے یار وفا شعار حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا اور ان کو ہمراہ لے کر غار ثور کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضرت امام حسن عسکریؓ نے اپنی تفسیر میں تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا کہ وہ اس پرخطر سفر میں حضرت صدیق کو ہمراہ لے جائیں۔ وامرك ان تستصحب ابابكر۔ آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ابوبکرؓ کو ساتھ لے جائیں۔ یہ روایت بالتفصیل سورۂ توبہ کی آیت ۴۰ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

آیت میں لِيُثْبِتُوْكَ کا کلمہ ہے۔ اس کا معنی ہے ليحبسوك. ليسجنوك تاکہ آپ کو محبوس کر دیں، قید کر دیں۔ (قرطبی)۔

۳۱ نضر بن حارث مکہ کا ایک متمول تاجر تجارت کی غرض سے حیرہ گیا۔ وہاں سے کہانیوں کی مشہور کتاب کلیلہ دمنہ اور قیصر و کسریٰ کے قصوں کی دوسری کتابیں خرید لایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہلی امتوں کے عبرت آموز حالات بیان کرتے تو وہ بڑے غرور سے کہتا کہ ایسی باتیں بلکہ ان سے بہتر میں بھی سنا سکتا ہوں (قرطبی)۔ وہ انتہائی ڈھٹائی سے دعا کرتے

هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے ۵۹؎

أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝۳۲ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ

اور لے آ ہم پر دردناک عذاب۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ

فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝۳۳ وَمَا لَهُمْ

تشریف فرما ہیں ان میں۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا انہیں جبکہ وہ مغفرت طلب کر رہے ہوں ۶۰؎ اور کیا حق ہے

أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(لیکن ہجرت کے بعد) اب کیا وجہ ہے ان کے لیے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں (مسلمانوں کو) ۶۱؎ مسجد حرام سے

کہ اگر ہم چاہیں تو ایسی کتاب بنا سکتے ہیں لیکن بار بار کے اصرار کے باوجود وہ اس جیسی ایک سورۃ تو کیا ایک آیت بھی پیش نہ کر سکے۔

۵۹؎ یہ دعا مانگنے والا کون تھا؟ نضر بن حارث اور ابوجہل کے نام روایات میں آتے ہیں۔ ممکن ہے دونوں ہوں اور ممکن ہے کہ سب کفار ہوں لیکن ایک کی زبان نے ان کے دلی ارادے کی ترجمانی کی ہو۔

۶۰؎ یہاں قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار سالہا سال تک اسلام کو مٹانے اور پیغمبر اسلام کو اذیت پہنچانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر رہے تھے۔ اب تو انہوں نے چیلنج بھی دے دیا تھا کہ اے خدا! اگر یہ دین اور رسول حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا کر ہمیں ہلاک کر دے۔ اتنی باتوں کے باوجود غضب الٰہی کو کیوں حرکت نہ ہوئی۔ اور ان پر کیوں ایسا عذاب نہ اتارا گیا جو انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیتا تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت حاصل ہوتی۔ اس آیت میں اسی سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ درست ہے کہ ان کے اعمال، ان کے کرتوت اور ان کا ہٹ دھرمی سے کفر پر اصرار اس امر کے مقتضی تھے کہ ان کی خواہش کے مطابق ان پر تباہ کن عذاب نازل کیا جاتا۔ لیکن اے میرے حبیب! جب تک تیرا وجود سراپا رحمت ان میں موجود ہے ان پر عذاب نہیں اترے گا۔ میں نے تیرے سر پر رحمۃ للعالمینی کا تاج رکھا ہوا ہے۔ تیرے سایۂ رحمت میں کفار اور عصیاں شعار سب کے لیے پناہ ہے لانک الرحمۃ العظمیٰ (روح المعانی)۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں تیرے ایسے غلام موجود ہیں جو ہر وقت میری بارگاہ اقدس میں سر نیاز خم کر کے طلب مغفرت کر رہے ہیں۔ کیا شان ہے اللہ کے محبوب کی اور کیا عزت ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے نیکوکار بندوں کی کہ ان کی برکت سے کافر و نافرمان بھی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ مجاہد کہتے ہیں کہ وھم یستغفرون سے مراد وہ سعید روحیں ہیں جو ان کفار کی پشتوں میں تھیں اور ابھی عالم اجسام میں ظاہر نہیں ہوئی تھیں۔

وَمَا كَانُوٓا أَوْلِيَآءَهُۥٓ ۚ إِنْ أَوْلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

اور نہیں ہیں وہ اس کے مستحق۔ اس کے متولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس حقیقت کو

لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٤﴾ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ ٱلْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَ

نہیں جانتی۔ اور نہیں تھی ان کی نماز ٦٢ خانہ کعبہ کے پاس بجز سیٹی اور تالی

تَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا۟ ٱلْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ

بجانے کے۔ سو چکھو اب عذاب بوجہ اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ بے شک

ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمْ لِيَصُدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ۚ

کافر خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ٦٣

٦١ جب حضور اور حضور کے ہمراہیان ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو اب وہ رہ گئے اور ان کے کرتوت اتو ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا جس نے ان کی نخوت وغرور کو پامال کر کے رکھ دیا۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ پہلی آیت میں جس عذاب کی نفی کی گئی ہے وہ عذاب استیصال ہے جو ساری کی ساری قوم کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے اور اس آیت میں اس عذاب کا اثبات ہے جو محض تنبیہ اور سرزنش کے لیے کسی کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے اتارا جاتا ہے۔

٦٢ ان پر عذاب الٰہی کے اترنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول اور ان کے سچے پیروکاروں کو اللہ کے گھر میں اللہ کو سجدہ کرنے سے روک رہے ہیں اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ کعبہ کے وہ متولی ہیں اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا کی تو ہر ایک کو اجازت ہو لیکن اللہ کے برحق نبی کے سچے پرستاروں کو اس کی عبادت کرنے کی اجازت نہ دیں۔ حالانکہ اس خانہ خدا کے متولی تو وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں اور ان لوگوں کا اس گھر کی تولیت سے کوئی واسطہ نہیں جن کی پیشانیاں باطل معبودوں کے آگے جھکتے جھکتے بے نور ہو چکی ہیں۔

٦٣ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کفار طواف کعبہ بالکل ننگے ہو کر کیا کرتے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجانا ان کی نماز تھی۔ جس میں بے معنی شور وشغب اور لایعنی لہو ولعب کے سوا کچھ نہ تھا۔ نہ قرآن میں ذکر الٰہی تھا اور نہ ان کو عجز و نیاز جو روح عبادت ہے سے کوئی واسطہ تھا۔ كانت قريش تطوف بالبيت عراة يصفقون ويصفرون فكان ذلك عبادة في ظنهم (قرطبی) والمكاء ضرب اليد على اليد والتصدية الصياح (بشر وتل) سیٹی بجانا۔ مشہور ہے مكا يمكو مكا۔ صفر بفيه وصدّى بيديه : صفق (تالی بجانا)۔

٦٤ عبادت تین قسم کی ہوتی ہے۔ قولی، فعلی اور مالی۔ ان کی قولی و فعلی عبادت کی جو کیفیت تھی وہ تو پہلے مذکور

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ

اور یہ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کرتے رہیں گے پھر ہو جائے گا یہ خرچ کرنا ان کے لیے باعث حسرت و افسوس پھر وہ مغلوب کر دیئے جائیں گے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ

اور جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ تاکہ الگ کر دے اللہ تعالیٰ ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ

پاک سے اور رکھ دے سب ناپاکوں کو ایک دوسرے کے اوپر۔ پھر اکٹھا کر دے ان سب

جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ قُل ع ۹ ۱۸

کو۔ پھر ڈال دے اس مجموعہ کو جہنم میں۔ یہی لوگ ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ فرما دیجیے

لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ

کافروں کو کہ اگر وہ (اب بھی) باز آ جائیں تو بخش دیا جائے گا انہیں جو ہو چکا۔

ہو گئی۔ اب ان کی عبادت مالی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ مال خرچ کرتے تو ہیں لیکن اللہ کا نام بلند کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس کی یاد اور ذکر سے لوگوں کو روکنے کے لیے۔ اور انہوں نے دیکھ لیا کہ اس کا انجام بجز حسرت و ندامت کے کچھ نہ ہوا آئندہ بھی اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا انجام بھی ایسا ہی حسرتناک ہوگا۔

سلے لِيَمِيزَ کا تعلق يُحْشَرُونَ کے ساتھ ہے یعنی قیامت کے روز ناپاک اور پاک بالکل الگ الگ ہو جائیں گے کافر اور مومن کے درمیان خلط ملط باقی نہیں رہے گا۔ سب کفار کو ایک جگہ جمع کر کے انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو مٹانے کے لیے انہوں نے اپنی مال و دولت کے جو انبار لٹائے تھے وہ سب رائیگاں گئے انہوں نے جو کاوشیں اور قربانیاں باطل کو کامیاب کرنے کے لیے دی تھیں ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا دنیا میں بھی قدم قدم پر انہیں ہزیمت اٹھانی پڑی اور قیامت کے روز بھی انہیں آتش جہنم کا ایندھن بننا پڑا۔ ان سے بڑھکر نامراد، خاسر اور کون ہو سکتا ہے۔ فیرکمہ کی تشریح یوں الفاظ کی گئی ہے۔ جَمَعَهُ وَجَعَلَ بَعْضَهُ فَوْقَ بَعْضٍ حَتّٰى يَصِيرَ رُكَامًا مترکمًا کما یرکم الرمل والسحاب یعنی ایک دوسرے پر ڈالتے جانا یہاں تک کہ ایک ڈھیر کی شکل پیدا ہو جائے جس طرح ریت کا ڈھیر ہوا کرتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کفار کے نیم جان لاشے ایک دوسرے پر ڈھیر کر دیئے جائیں گے اور پھر

وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوْهُمْ

اور اگر وہ پھر یہی کرتوت دہرائیں تو گزر چکا ہے ہمارا طریقہ پہلے نافرمانوں کے ساتھ اور اے مسلمانو! ان سے جنگ کرو

حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ

یہاں تک کہ باقی نہ رہے کوئی فساد اور ہو جائے دین پورے کا پورا اللہ کے لیے۔ تو پھر اگر وہ باز آ

انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾ وَاِنْ تَوَلَّوْا

جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا کارساز ہے۔ وہ کیا ہی بہترین کارساز ہے اور کتنا بہترین مددگار ہے۔

انھیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لیمیز کا تعلق یُغلَبُون کے ساتھ ہے۔

سنتہ یعنی پہلی اُمتوں کے حالات دیار بار سُن چکے ہیں۔ انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جب ان اُمتوں نے اپنے نبیوں کی نافرمانی کی تو عذاب الٰہی آیا جس نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ ان لوگوں کی روش بھی اگر ایسی رہی تو ان پر بھی مکافاتِ عمل کے قانون کی وہی دفعہ لاگو ہوگی جس کو یہ خود اچھی طرح جانتے ہیں۔

سنتہ فتنہ کا معنی فساد کیا گیا ہے ای فساد فی الارض (مظہری)

سنتہ صاحب قاموس نے لفظ دین کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: الدین القھر الغلبۃ والاستعلاء والسلطان (قاموس) یعنی دین کا معنی غلبہ، بالادستی اور قوت واقتدار ہے۔ صاحب تفسیر مظہری نے یہاں دین کے یہی معنی کو ترجیح دی ہے یعنی تم جنگ جاری رکھو تاکہ حکومت و فرمانروائی اللہ تعالیٰ کی ہو جائے۔ عدل و انصاف اور حریت و مساوات کا دور دورہ ہو۔ اور کسی پر بے جا تشدد اور زیادتی کر کے اس کو اس کے عقائد سے روکا نہ جا سکے۔

لیس الدین ملۃ الاسلام وما یتعبد بہ و الا یلزم انتفاء مرض بین ضد و الاجیۃ و بین قولہ تعالیٰ حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون بل المراد منہ القھر و الغلبۃ والاستعلاء و السلطان و الملک و الحکم (مظہری)

ترجمہ اس آیت میں دین سے مراد ملت اسلامیہ کا نظام عبادت مراد نہیں ورنہ اس آیت میں اور دوسری آیت حتی یعطوا الجزیۃ الآیہ میں تعارض لازم آئے گا کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جب تک وہ دین اسلام کو قبول نہ کریں

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت میں حاصل کرو تو بیشک اللہ کے لیے ہے اس کا پانچواں حصہ اور رسول کے لیے اور

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ؎ اگر

اس وقت تک ان سے جنگ جاری رکھو اور دوسری آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ سرِ تسلیم خم کر دیں اور جزیہ ادا کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو جنگ بند کر دو۔ اس لیے یہاں الدین کا مفہوم غلبہ، بالادستی، قوت اور اقتدار ہے یعنی جب ملتِ اسلامیہ کو غلبہ اور اقتدار حاصل ہو جائے گا تو پھر اس کے ظلِ عاطفت کے نیچے اپنوں اور بیگانوں سب کو پناہ مل جائے گی۔ کسی پر جبر و استبداد نہ ہوگا۔ اسلام کو قبول کرنے والے اور اس کو قبول نہ کرنے والے سب عزت اور آزادی کی زندگی بسر کر سکیں گے۔

؎۴۳ وہ مال جسے کوئی فرد یا جماعت کوشش اور سعی سے حاصل کرے اسے لغت میں غنیمت کہتے ہیں۔ الغنیمة فی اللغة ما ینالہ الرجل او الجماعة بسعی (قرطبی)۔ لیکن عرفِ شرع میں صرف اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو کفار سے قوت و غلبہ اور لشکر کشی سے حاصل کیا جائے۔ مال الکفار اذا ظفر بہ المسلمون علی وجه الغلبة والقهر (قرطبی)۔ لیکن کفار کا وہ مال جو بغیر لڑے ہاتھ آ جائے اسے اصطلاحِ شریعت میں فَیْ کہتے ہیں۔ الفیئ هو کل مال دخل علی المسلمین من غیر حرب ولا ایجاف (قرطبی)۔ غنیمت کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب اس کے متعلق جو ارشادِ ربانی ہے اسے سمجھیے۔ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ الگ کر لیا جائے گا اور بقیہ چار حصے غازیوں میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔ سنتِ نبوی نے ہمیں بتایا کہ پیادہ مجاہد کو ایک حصہ ملے گا اور سوار کو تین حصے ملیں گے۔ حضرت فاروق اعظم، عمر بن عبد العزیز اور فقہاء میں سے امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف و محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے۔ حضرت امام صاحب کا مسلک یہ ہے کہ پیادہ کو ایک حصہ اور سوار کو دو۔ (مظہری)

؎۴۴ باقی رہا مال کا پانچواں حصہ خمس تو اس کے مصارف اس آیت میں وضاحت سے بیان فرما دیئے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام محض تبرک کے لیے لیا گیا ہے۔ یہ کوئی مستقل مصرف نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کا ایک حصہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ یہ الگ مصرف ہے اور اس حصہ کا مال کعبہ شریف پر خرچ کیا جائے گا۔ ۲۔ دوسرا حصہ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے۔ حضور اسے اپنی ضروریات اور اہل و عیال پر خرچ کر سکتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد یہ مصرف ختم ہو گیا۔ ۳۔ ذی القربیٰ سے مراد حضور کریم کے قریبی رشتہ دار ہیں اور وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد۔ اور بعض کے نزدیک صرف بنی ہاشم ہیں۔ کیونکہ ان پر صدقات حرام ہیں اس لیے ان کی کفالت کا انتظام اس مد سے کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تصریح کی ہے کہ حضور کے رشتہ داروں کا حصہ قیامت تک بحال

كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس پر جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر اس فیصلہ کے دن

رہے گا۔ وسہم ذوی القربیٰ فی بنی ہاشم وبنی المطلب الفقیر منھم والغنی والذکر والانثی وسائر انه غیر الامام فی تقسیمه المتاوی وکان عمر رضی اللہ عنہ یزید فقراء آل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویعین المدین منھم ویزوج ذا الحاجة۔ (جملة القلاب المظہری)۔ رشتہ داروں کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو ملے گا۔ ان کے امیر اور فقیر مرد اور عورت سب حقدار ہیں اور امام وقت حسب ضرورت حصوں میں کمی بیشی بھی کر سکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم اہل بیت کرام کو دوسروں سے زیادہ حصہ دیتے اور ان میں سے اگر کوئی زیادہ ضرورتمند ہوتا مثلاً مقروض یا شادی کرنے والا تنگدست تو اس کی زیادہ امداد فرماتے۔ اسی طرح صاحب تفسیر مظہری نے بڑے شرح وبسط سے اس موضوع پر بحث کرنے کے بعد یہی نتیجہ اخذ کیا ہے۔ وبھذا ثبت ان سھم ذوی القربیٰ لم یسقط ویصرف الیھم غنیھم وفقیرھم (مظہری)۔ اس بحث سے ثابت ہو گیا کہ حضور کے رشتہ داروں کا حصہ ساقط نہیں ہوا۔ ان کے اغنیاء اور فقراء سب کو ملے گا۔ علامہ ابن حیان اندلسی لکھتے ہیں۔ والظاہر بقاء ھذا السھم لذی القربیٰ وانه لغنیھم وفقیرھم (بحر)۔ بظاہر یہی ہے کہ یہ حصہ بدستور باقی ہے اور غنی اور فقیر دونوں کو دیا جائے گا۔ یتامیٰ، مساکین، مسافر۔ مال غنیمت کے خمس کے یہ مصرف ہیں۔

یعنی مال غنیمت کے متعلق یہ احکام جو تمہیں دیئے جا رہے ہیں اگر تمہارے دلوں میں نور ایمان ہے تو ان پر عمل کرنا ہو گا۔ اور اس مسئلہ میں بددیانتی کرنے والے یہ سمجھیں کہ ان کو ایمان کامل کی لذت سے ابھی آشنا نہیں کیا گیا۔ اور فیضان نبوت سے فیضیاب ہونے والوں کے متعلق دنیا کو اچھی طرح علم ہے کہ انہوں نے تعمیل حکم کا حق ادا کر دیا۔ انہیں ان کے معظم مرشد نے یہ حکم دیا کہ فادوا الخیط والمخیط واکبر من ذالک واصغر ولا تغلوا فان الغلول عار ونار (حدیث) کہ جو چیز غنیمت میں ملے اسے امام وقت کی خدمت میں پیش کر دو۔ خواہ وہ سوئی تاگہ ہو یا اس سے بڑی یا چھوٹی چیز۔ اور غنیمت میں خیانت نہ کرو کیونکہ یہ دنیا میں باعث رسوائی ہے اور عقبیٰ میں موجب عذاب۔ جب ان صحرا نشینوں کے لیے کسریٰ کے قصر ابیض نے اپنے دروازے کھول دیئے اور اپنے قیمتی نوادرات اور نادر عجائبات کو ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ مورخ کی نگاہ ان کا تعاقب کر رہی تھی۔ ہر چیز دل لبھانے والی، آنکھوں کو خیرہ کرنے والی، بڑی بڑی خشک طبیعتوں کو للچا دینے والی۔ لیکن کیا مجال کہ غلامان مصطفیٰ علیہ اطیب التحیة واجمل الثناء کے دل میں خیانت کا خیال تک آیا ہو۔ ہر ایک چیز احتیاط سے اٹھائی گئی۔ وہاں سے دارالخلافت میں لائی گئی اور اس بے شمار قیمتی سامان میں ایک بال کی بددیانتی بھی نہ کی گئی۔ یہ قرآن کی تعلیم کا اثر تھا۔ یہ تربیت مصطفوی کی برکت تھی۔ یہی وہ اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی اور دیانت و ذمہ داری کا قوی احساس تھا جس نے عرب کے ان پڑھ بدوؤں کو دنیا کا امام بنا دیا۔ کاش! فرزند خلیل اور دختر بتول اپنے مقام بلند سے آگاہ ہو جائے۔ کاش یہ وارفتۂ حسن فرنگ اپنی دلآویزیوں اور رعنائیوں کا مشاہدہ کرنے لگے ؎

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾ اِذْ اَنْتُمْ

جس روز آمنے سامنے ہوئے تھے دونوں لشکر ٢٢ه اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب تم

بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ

وادی کے نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ (لشکر کفار) دور والے کنارے پر تھا۔ اور (تجارتی) قافلہ نیچے کی طرف تھا

مِنْكُمْ ۗ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ

تم سے ٢٣ه اور اگر تم (لڑائی کے لیے) وقت مقرر کرتے تو ضرور پیچھے ہٹ جاتے وقت مقرر سے ٢٤ه لیکن (یہ بلا ارادہ جنگ اس لیے ہوئی) تاکہ

اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّ

کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا تاکہ ہلاک ہو جسے ہلاک ہونا ہے دلیل سے اور زندہ

يَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾ اِذْ

رہے جسے زندہ رہنا ہے دلیل سے ٢٥ه اور بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا، جاننے والا ہے۔ یاد کرو

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

٢٢ه فرقان کہتے ہیں حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے والا۔ یوم فرقان سے مراد بدر کا دن ہے جس روز شکوک و شبہات کے سب بادل چھٹ گئے تھے اور حق اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گیا تھا۔

٢٣ه وہ احسان یاد دلایا جا رہا ہے جو بدر کی جنگ کے دوران میں مسلمانوں پر کیا گیا تھا۔ اس آیت کے چند کلمات تحقیق طلب ہیں۔ عُدوۃ: جانب الوادی۔ وادی کی ایک طرف کو عُدوہ کہتے ہیں۔ بکسر عین (عِدوۃ) بھی پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کی جمع عُدیٰ اور دوسری صورت میں عِدیٰ ہوگی۔ الدُّنیا ادنیٰ کی مؤنث ہے جو دُنُوّ (قریب ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادی بدر کی وہ سمت ہے جو مدینہ طیبہ سے قریب تر تھی۔ قُصویٰ اقصیٰ کی مؤنث ہے قَصا یقصو (دور ہونا) سے ماخوذ ہے۔ اس سے مراد وادی بدر کی دوسری سمت ہے۔ رکب: اونٹوں کا قافلہ۔ اس سے مراد اہل مکہ کا تجارتی کارواں ہے جو شام سے مکہ واپس آ رہا تھا۔

٢٤ه جیسے پہلے بیان ہو چکا کہ مسلمان کفار سے جنگ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم تیاری کر کے نکلتے تو ان کی کثرت اور اپنی قلت کو ملاحظہ کر کے ہمت ہار بیٹھتے۔ اور میدان جنگ سے کترا کر نکل جاتے۔ لیکن چونکہ مشیت

يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ

جب دکھایا اللہ نے آپ کو لشکر کفار ^۱۵ خواب میں قلیل اور اگر دکھاتا آپکو لشکر کفار کثیر تعداد میں تو ضرور تم

لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ

لوگ ہمت ہار دیتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس معاملہ میں لیکن اللہ نے تمہیں بچا لیا بیشک وہ خوب جاننے والا ہے

الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا

جو کچھ سینوں میں ہے اور یاد کرو جب اللہ نے دکھایا تمہیں لشکر کفار جب تمہارا مقابلہ ہوا تمہاری نگاہوں میں قلیل

وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَ

اور قلیل کر دیا تمہیں ان کی نظروں میں ^۱۶ تاکہ کر دکھائے اللہ تعالیٰ وہ کام جو ہو کر رہنا تھا ^۱۷ اور اللہ تعالیٰ

إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً

کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سارے معاملات۔ اے ایمان والو! جب جنگ آزما ہو کسی لشکر سے تو

مرادی یہی تھی کہ حق کا بول بالا اور باطل کا سر نگوں ہو اس لیے حالات ایسے پیدا کر دیئے گئے کہ جنگ کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری ہو کر رہی اور اس جنگ میں کفار کی رسوا کن شکست سے حقیقت اتنی واضح اور روشن ہو گئی کہ شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اب اگر کوئی اسلام قبول کر کے حیات جاودانی قبول کرتا ہے تو دلیل سے اور اگر کوئی کفر سے چمٹا رہتا ہے تو جان بوجھ کر اپنی مرضی سے۔ کیا عجیب اور حسین تعبیر ہے۔

^۱۵ یہاں یہ خلجان پیدا ہوتا ہے کہ نبی کا خواب حق ہوا کرتا ہے کیونکہ یہ وحی کی ہی ایک قسم ہے پھر اس کے برعکس واقع ہونے کا تو احتمال ہی نہیں۔ اگر خواب میں قلیل دیکھا تھا اور واقع میں ان کا کثیر ہونا خواب کی تکذیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ خواب میں قلیل دکھانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کی تعداد خواہ کچھ ہو لیکن وہ قلیل تعداد کی طرح ضعیف و کمزور ہوں گے۔ اور خواب کا یہی مطلب صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔

^۱۶ حکمت خداوندی کی کرشمہ سازی یہ تھی کہ مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آ رہے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ثابت قدم رہیں اور گھبرائیں نہیں اور کافروں کو مسلمان قلیل التعداد دکھائی دے رہے تھے تاکہ وہ خوفزدہ ہو کر لڑے بغیر بھاگ کھڑے نہ ہوں اور جانیں بچا کر نکل نہ جائیں۔ اس طرح دونوں فریق اپنی کامیابی کا یقین کرتے ہوئے میدان جنگ

فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

ثابت قدم رہو اور ذکر کرو اللہ تعالیٰ کا کثرت سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ ۹۶ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ

وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ۭ

کی اور اس کے رسول کی ۹۷ اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے گی تمہاری ہوا اور صبر

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ

مصیبت میں) صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۹۸ اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی طرح جو نکلے تھے

دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور (محض) لوگوں کے دکھلاوے کے لیے اور روکتے تھے اللہ کی راہ سے ۹۹ اور

میں گر پڑے۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے لشکر جرار کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اور کفر کا زور توڑ کر رکھ دیا گیا۔

۹۶ گھبراتے ہوئے دلوں کو تسکین دینے والا اور اکھڑتے ہوئے قدموں کو جمانے والا اللہ تعالیٰ کا ذکر پاک ہی تو ہے۔ اہل فکر و نظر سے مخفی نہیں کہ فتح و کامیابی کے حقیقی اسباب یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ کامیابی کا سہرا اسی کے سر باندھا گیا جو نامساعد حالات میں ثابت قدم رہا۔ اور اس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا و فریاد نے تو سونے پر سہاگہ ہے۔

۹۷ قرآن حکیم تو واضح طور پر ارشاد فرما رہا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا رعب دشمن کے دل پر چھایا رہے۔ تمہاری ہوا بندھی رہے۔ اور تمہارے اتحاد و اتفاق کی بنیاد متزلزل نہ ہو تو اطاعت رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یہی ایک سپر ہے جس پر تم اہواء و اغراض کے تیروں کو سہار سکتے ہو۔ اور ہمارے عصر حاضر کے ماہرین قرآن ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ انتشار و افتراق کی یہ وبا جو اسلامی کیمپ میں قیامت ڈھا رہی ہے یہ سنت رسول سے سر تابی کا نتیجہ نہیں جس پر عملی طور پر امت کا اکثر حصہ مبتلا ہے بلکہ اتباع سنت کی شامت ہے۔ اب خدا کے یہ سادہ دل بندے کیا کریں۔ قرآن کی صاف اور کھلی ہوئی بات مانیں یا معارف قرآنی کے ان شارحین کی نکتہ آفرینیوں کو تسلیم کریں؟

۹۸ اس آیت میں جو ارشادات فرمائے گئے ہیں ان پر کاربند ہونا آسان کام نہیں۔ قدم قدم پر شیطان نے جال پھیلا رکھے ہیں۔ صبر کے بغیر اس پر پائیداری کرتے کرنا ناممکن ہے اس لیے صبر و استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے۔ آخر میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی معیت اور نصرت فقط انہی کے شامل حال ہوتی ہے جو مشکلات اور مصائب کا بڑی مردانگی سے مقابلہ

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ کرتے ہیں اسے (اپنے علم اور قدرت سے) گھیرے ہوئے ہے۔ اور یاد کرو جب آراستہ کر دیئے ان کے لیے شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ

ان کے اعمال اور (انہیں) کہا کہ کوئی غالب نہیں آسکتا تم پر آج ان لوگوں میں سے اور میں نگہبان ہوں

جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ

تمہارا ۵۵ تو جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں فوجیں تو وہ اُلٹے پاؤں بھاگا، اور بولا

کرتے ہوتے ہیں۔

۵۵ جہاد میں ثابت قدم رہنے اور بارگاہ الٰہی میں دامن دعا و دست التجا پھیلانے کا حکم دینے کے بعد اخلاص نیت کی تعلیم فرمائی جارہی ہے کیونکہ تمام اسلامی اعمال کی روح رواں حسن نیت ہے۔ کفار کا لشکر جب مکہ سے بدر کی طرف روانہ ہوا تو ان کے ہمراہ ایسی دوشیزائیں بھی تھیں جو گانے بجانے اور ناچنے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ ان کے علاوہ شراب کے بھرے ہوئے مٹکے بھی ساتھ تھے۔ جگہ جگہ پڑاؤ کی جاتی بزم عیش و طرب منعقد ہوتی جس میں بادہ گلفام کے ساغر گردش میں آتے اور ناچ اور گانا ہوتا۔ ابوجہل کو جنگ کا ارادہ ترک کرنے کے لیے جب کہا گیا تو اس نے جواب دیا واللّٰہ لا نرجع حتی نقدم بدرًا فنشرب فیہا الخمور و تعزف علینا القیان ...... حتی تسمع العرب بمخرجنا فتہابنا آخر الابد (یعنی) بخدا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑے بغیر ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ یہاں تک کہ ہم میدان بدر میں پہنچیں۔ وہاں شراب کا دور چلے گا۔ رقص و سرود ہوگا۔ سارا عرب سنے گا اور ان کے دلوں پر ہمارا رعب قیامت تک کے لیے جم جائے گا۔ آج بھی کفر کا لشکر جدھر رخ کرتا ہے فسق و فجور کا ایک طوفان بدتمیزی امڈ کر آجاتا ہے جو عصمت و ناموس، انسانی شرف، بلند اخلاقی قدروں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے جاہلیت قدیم و جدید کے مزاج کی یکسانی پر دو ہزار سال پہلے اس کی جو خصوصیات تھیں علم و ہنر کی بے اندازہ ترقی کے باوجود ان میں سر مو فرق نہیں آیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران جو امریکی افواج اپنے دوست ملک برطانیہ میں اقامت گزیں رہیں ان کی عیش کوشی کی وجہ سے خود امریکی اخبارات کے اندازے کے مطابق ستر ہزار حرامی بچے پیدا ہوئے تھے (بحوالہ المصری ۲۸)۔ اب آپ خود اندازہ لگائیے کہ ایسی فوج ظفر موج اپنے سبز قدم جس سرزمین (خصوصاً دشمن ممالک) میں رکھے گی وہاں کیا حشر برپا ہوتا ہوگا۔

۵۶ علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ شیطان کا یہ قول الفاظ کا جامہ پہنے ہوئے نہ تھا بلکہ وسوسہ اندازی کی صورت میں تھا۔ اس نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دیا تھا کہ ان کی کامیابی یقینی ہے ان کا یہ لشکر جرار مسلمانوں کے مٹھی بھر

إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ

یقیناً بری الذمہ ہوں تم سے۔ میں دیکھ رہا ہوں وہ جو تم نہیں دیکھ رہے۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ

اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔ یاد کرو جب کہہ رہے تھے منافق اور وہ جن کے

فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ

دلوں میں (شک کا) روگ تھا کہ مغرور کر دیا ہے انہیں ان کے دین نے سلہ اور جو شخص بھروسہ کرتا ہے

غیر مسلح سپاہیوں کا چشم زدن میں صفایا کر کے رکھ دے گا۔ اسی خیال میں لشکر کفار قدم قدم پر سہوا ہوتا و تنگیں مارتا شیخی بگھارتا بڑھتا چلا گیا اور جب حق کی مٹھی بھر قوت سے مقابلہ ہوا تو سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ مقالة نفسانية والمعنى انه ألقى في روعهم وخيل اليهم انهم لا يغلبون ولا يطاقون لكثرة عددهم وقلة عدوهم (بیضاوی)

امام رازیؒ نے اس قول کو حضرت حسن بصری اور اصم کی طرف منسوب کیا ہے وهو قول الحسن والاصم لیکن علامہ ابو حیان اندلسی نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ ممکن ہے کسی مغرور بد نفس نے اپنے ساتھیوں کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے یہ الفاظ کہے بھی ہوں لیکن چونکہ اس کا یہ قول محض شیطان کے اغوا سے ہی ہوا اس لیے بطور مجاز اسے شیطان کی طرف ہی منسوب کر دیا لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ جب یہ لشکر مکہ سے روانہ ہونے لگا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں موقع پا کر بنی بکر جو کنانہ کی شاخ تھی ان کا انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑی نہ ہو کیونکہ قریش نے ان کے ایک آدمی کو قتل کیا ہوا تھا۔ تو شیطان سراقہ بن مالک کی شکل میں ان کے پاس آیا اور انہیں اپنی قوم (کنانہ) کی طرف سے تسلی دی اور یہ الفاظ بھی کہے۔

سلہ شیطان نے پہلے تو انہیں خوب بھڑکایا اور جھوٹی یقین دہانی کرائی کہ آج تم پر کوئی غلبہ نہیں پا سکتا تمہارے لشکر جرار کے ساتھ ٹکر لینے کی کسی میں جرأت نہیں اور ساتھ ہی وعدہ کیا کہ میں تمہارا نگہبان ہوں اگر تمہیں کسی کمک کی ضرورت پڑی تو میں مہیا کروں گا لیکن جب اسلام کے شیروں نے کفر کی لومڑیوں پر دھاوا بولا اور ان کی ایک ہی گرج سے کفار کے کلیجے شق ہونے لگے اور ادھر آسمان سے ملائکہ کی فوج نازل ہونے لگی تو شیطان نے یہ منظر دیکھ کر راہ فرار اختیار کی اور بلند آواز سے پکارا کر اے مشرکین مکہ! میں تم سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہوں اس آڑے وقت میں میں تمہاری کچھ امداد نہیں کر سکتا۔ مجھے وہ چیزیں نظر آ رہی ہیں جن کو دیکھنے سے تمہاری آنکھیں قاصر ہیں۔ یہ کہہ کر شیطان ان کو ہلاکت کے رحم و کرم پر چھوڑ کر دم دبا کر بھاگ گیا۔

شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ ہمیشہ اسی طرح کا رہا ہے۔ پہلے وہ ان کو خوب اکساتا ہے۔ ان سے جھوٹے وعدے کرتا ہے۔ انہیں سنہری سپنے دکھاتا ہے اور جب وہ اس کے پھیلائے ہوئے دام میں پھنس جاتے ہیں اور اپنے

عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ

اللہ پر تو بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ۔ اور (اے مخاطب!) اگر تو دیکھے جب جان نکالتے

كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا

ہیں کافروں کی فرشتے (اور) مارتے ہیں ان کے چہروں اور پشتوں پر اور (کہتے ہیں اب) چکھو آگ

عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

کا عذاب ۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو آگے بھیجا ہے تمہارے ہاتھوں نے اور اللہ تعالیٰ ہرگز

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

ظلم کرنے والا نہیں (ذرا بھی) بندوں پر ۔ جیسے دستور تھا فرعونیوں کا اور جو (زبردست) لوگ ان سے پہلے

گناہوں کی دلدل میں دھنستے گئے ہیں تو انہیں بے یارومددگار چھوڑ کر خود رفو چکر ہو جاتا ہے جو بدنصیب اس کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے اس کا یہی حشر ہوا کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

ف۱ وہ لوگ جن کے دلوں میں یقین کا نور نہیں تھا۔ جو زندگی اور موت، فتح و شکست، عزت و ذلت کے اسلامی معیار سے ابھی واقف نہ تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ ۳۱۳ نہتے سپاہی آتنی بڑی فوج سے ٹکر لینے جا رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ان کو ان کے دین نے پاگل بنا دیا ہے۔ اپنے نفع و نقصان کی بھی تمیز نہیں رہی۔ موت کے منہ میں چھلانگ لگانے جا رہے ہیں اور کس خوشی سے اور کس شوق سے۔ اہل محبت کو ایسے دانا ناصحین سے ہمیشہ واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

یالائمی کف الملام عن الذی ۔۔۔ اضناہ طول سقامہ وشقائہ

یعنی اے مجھے ملامت کرنے والے! مجھ پر طعن و ملامت کے تیر نہ برسا مجھے تو درد محبت اور دیرینہ علالت نے پہلے ہی نحیف و نزار کر دیا ہے۔

ف۲ قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان کی خود فراموشی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس قادر و توانا ذات پر تکیہ کر لیا ہے کہ جس پر جس نے تکیہ کیا وہ کامیاب و کامران ہو گیا۔

ف۳ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جزاء و سزا انسان کے اپنے عقائد باطلہ اور اعمال فاسدہ کا نتیجہ ہے کسی کو بلاوجہ کوئی سزا نہیں دی جاتی۔

ف۴ یعنی جس طرح قوم فرعون اور ثمود و دوسری قوموں پر ان کی مسلسل نافرمانی اور پیہم ایذا رسانی کے باعث عذاب

كَفَرُوا بِآيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ

تھے۔ انھوں نے کفر کیا آیاتِ الٰہی کے ساتھ تو پکڑ لیا انھیں اللہ نے انکے گناہوں کے باعث بیشک اللہ قوت والا

شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً

سخت عذاب دینے والا ہے ۵۳ یہ اس لیے کہ اللہ ۵۴ نہیں بدلنے والا کسی نعمت کو جس کا انعام اس نے فرمایا

اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ

ہو کسی قوم پر یہاں تک کہ بدل ڈالیں وہی اپنے آپ کو۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا

عَلِیْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا

جاننے والا ہے۔ (ان کفار مکہ کا طریق عمل بھی) فرعونیوں اور ان دوسرے سرکشوں کا سا ہے جو پہلے گزر چکے انھوں نے جھٹلایا

بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ

اپنے رب کی آیتوں کو ۵۵ پس ہم نے ہلاک کر دیا انھیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور ہم نے غرق کر دیا فرعونیوں کو

آیا اسی طرح ان کا بھی انجام ہونے والا ہے۔

۵۳ پہلی آیت میں تو یہ بتایا کہ ظلم و ستم سے ذاتِ الٰہی پاک اور بالاتر ہے۔ اس آیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ بے بس اور کمزور بھی نہیں کہ کوئی اس کی نافرمانی کرتا رہے اس کے رسولوں کو ستاتا رہے تو وہ کچھ نہ کر سکے۔ بلکہ اگر اس کی رحمت کسی کو ڈھیل دیتے رکھے تو اس کی مہربانی اور اگر وہ ناراض ہو کر پکڑنے پر تل جائے تو پھر کوئی زمینی ہو یا فرد وہ جتنا بھی زور آور ہو یا تدبیر والا وہ چھٹکارا نہیں پا سکتا۔ اور جب وہ پکڑ کر جھنجھوڑتا ہے تو پھر پاؤں تلے کا فرش کیا جنبتا ہے۔ ستم و جبر اب کا زہرہ آب ہو جاتا ہے۔

۵۴ یہ آیت کریمہ اتنی واضح اور روشن ہے کہ کسی مزید تشریح کی گنجائش نہیں۔ گزری ہوئی اور موجودہ قوموں کے عروج و زوال کے لیے یہی اٹل قانون ہے۔ جو چاہے اس کو گوشِ ہوش سے سنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرے۔

۵۵ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عمدہ نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں پہلی آیت میں ہے کفروا بایٰت اللہ (اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کیا)۔ دوسری آیت میں ہے کذبوا بایٰت ربھم (انھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا) پہلی آیت میں اشارہ ہے۔ دلائل توحید و الوہیت کے انکار کی طرف اور دوسری میں تربیت و پرورش کی آیات کی طرف اور دونوں کا علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا۔

وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ

اور وہ سب کے سب ظالم تھے ۔ بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ انسان ہیں جنھوں نے

كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ

کفر کیا پس وہ کسی طرح ایمان نہیں لاتے ۔ وہ جن سے (کئی بار) آپ نے معاہدہ کیا ۔ پھر وہ توڑتے رہے

عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝۵۶ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

اپنا عہد ہر بار اور وہ (عہد شکنی سے) ذرا نہیں پرہیز کرتے ۔ پس اگر آپ پائیں انھیں

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۵۷

(میدان) جنگ میں تو (ایسی) عبرتناک سزا دے کر منتشر کر دو انھیں جو ان کے پیچھے ہیں شاید وہ سمجھ جائیں ۔ اور

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى

اگر آپ اندیشہ کریں کسی قوم سے خیانت کا تو پھینک دو ان کی طرف (ان کا معاہدہ) واضح

۵۵ ان سے مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی قبائل ہیں جن سے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے صلح کا معاہدہ فرمایا تو انھوں نے کفار کی امداد کر کے عہد شکنی کی۔ پھر تائب ہوئے اور دوبارہ معاہدہ کیا لیکن جب غزوہ خندق میں سارا عرب مدینہ پر چڑھ آیا اور پلہ کفار کا بھاری دیکھ کر پھر یہ یہودی ان کی طرف جھک گئے اور عین حالت جنگ میں مسلمانوں سے دغا کی۔ یراد بهم قريظة والنضير نقضوا العهد فاعانوا مشركي مكة بالسلاح ثم اعتذروا فقالوا نسينا فعاهدهم عليه السلام ثانية فنقضوا العهد يوم الخندق (قرطبی)۔

۵۶ لغت میں تشرید کا معنی ہے ہلاک اور پراگندہ کرنا۔ التشريد في اللغة التبديد والتفريق (قرطبی)۔ لیکن اس کا عام استعمال اس مفہوم میں ہوتا ہے کہ کسی کو ایسی سزا دینا جسے دیکھ کر دوسرے لوگ ان کی راہ اختیار کرنے سے رک جائیں۔ الزجاج: افعل بهم فعلا من القتل تفرق به من خلفهم۔ امام لغت (نحو) زجاج کہتے ہیں کہ ان بار بار عہد شکنی کرنے والوں کو وہ عبرتناک سزا دو جو دوسروں کو خوفزدہ کر دے تاکہ کوئی قبیلہ عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔ ترجمہ میں میں نے اسی مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ ثقف کا معنی ہے پانا۔ یقال ثقفته اثقفه ثقفا ای وجدته (قرطبی)۔

سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ

طور پر ۶۵ بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا خیانت کرنے والوں کو ۶۶ اور ہرگز نہ خیال کریں

كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

کافر کہ وہ بچ کر نکل گئے یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے ۶۷ اور تیار رکھو ان کے لیے ۶۸ جتنی تم استطاعت رکھتے

۶۵ یہاں سواء کا معنی ہے علیٰ طریق مستوٍ تعدل فیہ، یعنی اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور تمہیں ایسے آثار دکھائی دینے لگیں جن سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ عہد شکنی پر آمادہ ہیں اور دشمن سے ساز باز کر رہے ہیں تو اچانک ان پر حملہ نہ کرو بلکہ پہلے ان کو اطلاع دے دو کہ تمہاری شرانگیزیوں اور تمہارے مشکوک رویے کے پیش نظر ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہیں تاکہ معاہدہ کے کالعدم ہونے کا تمہیں اور انہیں مساوی طور پر علم ہو۔ علامہ قرطبی نے وضاحت کی ہے کہ جب معاہد قوم سے ایسے آثار نمایاں ہوں جن سے ان کی غداری اور خیانت کا پتہ چلتا ہو تو پہلے ان کا معاہدہ ان کے منہ پر دے مارو تب ان کے خلاف کوئی کارروائی کرو لیکن اگر کھلم کھلا انہوں نے عہد شکنی کر دی تو پھر کسی تکلف کی ضرورت نہیں تم مناسب قدم اٹھا سکتے ہو (قرطبی)

۶۶ خیانت کوئی بھی کرے اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ہو تو اور بھی معیوب ہے کیونکہ وہ تو بلند اخلاقی قدروں کے محافظ اور نقیب بن کر آئے ہیں۔ تاریخ اسلامی کا یہ واقعہ کتنا روح پرور ہے جسے امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک عارضی صلح کا معاہدہ ہوا۔ جب اس معاہدہ کے اختتام کا وقت قریب آنے لگا تو امیر معاویہ اپنا لشکر لے کر روم کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے تاکہ جس روز معاہدہ ختم ہو دشمن کو مزید مہلت دیے بغیر اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جب لشکر روانہ ہونے لگا تو صفوں کو چیرتا ہوا ایک سوار آگے بڑھا وہ کہہ رہا تھا اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر وفاء لا غدر۔ (اللہ بڑا ہے اللہ بڑا ہے وعدہ پورا کیا جائے دھوکہ اور خیانت نہ کی جائے) لوگوں نے پہچانا تو وہ عمرو بن عبسہ تھے حضرت امیر معاویہؓ نے انہیں پاس بلا کر وجہ پوچھی تو آپ نے عرض کی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من کان بینه وبین قوم عهد فلا یشد عقدة ولا یحلها حتی ینقضی امدها او ینبذ الیهم علی سواء فرجع معاویة بالناس (قرطبی)۔ کہ میں نے اپنے مرشد و ہادی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا ہے کہ جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس وقت تک نہ کوئی گرہ باندھے اور نہ کھولے جب تک وقت مقررہ آ جائے یا ان سے معاہدہ ختم نہ کر دیا جائے۔ اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی سننے کے بعد امیر معاویہ نے سر اطاعت خم کر دیا اور اپنے لشکر سمیت اپنی فرودگاہ میں واپس چلے گئے۔ یہ نہیں کہا کہ بدلے ہوئے حالات میں ہم رسول کی سنت فرسودہ کو کہاں تک نبھاتے پھریں۔ وقت کے تقاضے اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم اب اس فرمان پر عمل پیرا ہوں۔ جب تک مومن اپنے رسول کریم کے فرمان کو واجب التسلیم یقین کرتا رہا اس کی جبین کے شکن دیکھ کر وقت کے تقاضے

مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

ہو قوت وطاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے ٥٩ تاکہ تم خوفزدہ کرو ان جنگی تیاریوں سے اللہ کے دشمن کو اور اپنے دشمن

وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا

کو اور دوسرے لوگوں کو ٦٠ ان کھلے دشمنوں کے علاوہ تم نہیں جانتے ہو انھیں، (البتہ) اللہ جانتا ہے انھیں۔ اور جو کچھ

اپنے آپ کو بدل دیا کرتے تھے۔ اور جب سے سنت نبوی سے روگردانی کا رجحان ترقی کرنے لگا ہے وقت کے تقاضوں نے نئے لباس میں، نئے عشوہ و ناز سے نئے انداز میں ہم سے ہماری اپنی ذات اور اس کی مخصوص روایات کی نفی کرا رہا ہے۔ جو قومیں اپنے تمدن و ثقافت، اپنے عقائد و نظریات، اپنے اطوار و عادات سے بے تعلق ہو کر دوسری قوموں کی پیروی اور تقلید کرنے لگتی ہیں۔ وہ یاد رکھیں وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود رہی ہیں۔ حسن و جمال اپنی ذات کی جلوہ نمائی میں ہے کسی کا بہروپ بدلنے میں نہیں۔ کوئی اچھا بہروپیا بہرحال بہروپیا ہی ہے۔

٥٨ ہر موقع پر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر توکل کی تعلیم دینے والا قرآن مسلمانوں کو ہر طرح کے سامان جنگ سے لیس ہونے کی تاکید کر رہا ہے تاکہ کوئی کوتاہ اندیش توکل کو بے عملی کا مترادف نہ سمجھ لے۔ اسباب بھی اسی نے بنائے ہیں۔ ان میں حیرت نما تاثیرات اسی کی حکمت نے رکھ دی ہیں اور ان سے کام لینے کا اسی نے حکم فرمایا ہے۔ قوۃ سے یہاں کسی خاص ہتھیار کی تخصیص مقصود نہیں بلکہ ہر وہ چیز جس سے جنگ میں طاقت حاصل ہو۔ کل ما یتقوی بہ فی الحرب (بیضاوی) امام ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں: عموم اللفظ شامل لجمیع ما یستعان بہ علی العدو من سائر انواع السلاح وآلات الحرب (احکام القرآن) یعنی لفظ کا عموم چاہتا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ اسلحہ ہے (جدید ہو یا قدیم) جس سے جنگ میں قوت و طاقت میسر ہو سکے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لفظ قوت کی تفسیر ان الفاظ میں منقول ہے۔ الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی الا ان القوۃ الرمی۔ خبردار! قوت رمی ہے (تین بار)۔ کلام رسالت کی گہرائی ملاحظہ ہو۔ سہم اور قوس (تیر و کمان) نہیں فرمایا بلکہ رمی کا عام لفظ استعمال فرمایا تاکہ دور سے نشانہ پر پھینکے جانے والے تمام ہتھیار جو اس وقت موجود تھے اور جو قیامت تک ایجاد ہونے والے تھے سب کو شامل ہو۔

٥٩ رباط مصدر ہے اور اسم مفعول مربوط کے معنی میں ہے یعنی وہ گھوڑے جو جہاد کی نیت سے بندھے ہوئے ہوں تاکہ جب ضرورت پڑے ان پر سوار ہو کر غازی میدان جنگ کی راہ لیں۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عمدہ گھوڑوں سے بہت انس تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک روز حضور کو دیکھا کہ گھوڑے کی پیشانی پر اپنی انگشت مبارک پھیر رہے ہیں اور زبان پاک سے فرما رہے ہیں۔ الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیامۃ الاجر والغنیمۃ (رواہ مسلم)۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں تا قیامت خیر و برکت رکھ دی گئی ہے اجر بھی اور غنیمت بھی۔

تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَيۡءٍ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ

خرچ کروگے راہِ خدا میں اس کا اجر پورا پورا دیا جائے گا تمہیں شکہ اور کسی طرح تم پر

لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى

ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر کفار مائل ہوں صلح کی طرف تو آپ بھی مائل ہو جائیے اس کی طرف شکہ اور بھروسہ کیجیے اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ

تعالیٰ پر بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اور اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں تو آپ

فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾

فکر مند کیوں ہوں بیشک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ شکہ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں کی جماعت سے

شکہ اسلام کے بعض دشمن تو وہ تھے جن کی دشمنی عیاں تھی اور مسلمانوں کو ان کا علم تھا لیکن ان کے علاوہ اور بھی کئی ہو بہانہ تھے جو مسلمانوں کی نگاہوں سے پنہاں سہی لیکن اللہ عزوجل کے علم سے تو پوشیدہ نہ تھے۔ یہ کون لوگ ہیں بعض نے روم و ایران کا نام لیا ہے بعض نے یہود اور منافقین کا لیکن اس تعیین کی کیا ضرورت ہے؟ قیامت تک اس شمع حق کو بجھانے کی کوشش کرنے والی خدا معلوم کتنی قوتیں کس کس علاقہ سے اٹھیں گی۔ سب کی سازشوں کو ناکام بنانا۔ سب کے منصوبوں کو خاک میں ملانا ہر ملت مسلمہ کا فرض اولین ہے۔

شکہ جان و مال، وقت اور کوشش کی جو قربانی تم دوگے رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ دین و دنیا میں تمہیں اس کا صلہ دیا جائے گا جو اس مولائے کریم کی شانِ جود و کرم کے شایاں ہے۔ حضرت ابن ابی مسعود انصاری فرماتے ہیں ایک آدمی ایک اونٹنی کو نکیل ڈالے ہوئے بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور عرض کی ھٰذہٖ فی سبیل اللہ کہ یہ اللہ کی راہ میں دیتے دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا لک بھا یوم القیامۃ سبع مائۃ ناقۃ کلہا مخطومۃ (مسلم) یعنی اس کے بدلے قیامت کے دن تمہیں سات سو اونٹنیاں ملیں گی۔ ہر ایک کی ناک میں نکیل پڑی ہوگی۔

شکہ اگر کفار جنگ کی بجائے صلح پر آمادہ ہوں تو تمہیں بھی چاہیے کہ خونریزی سے ہاتھ اٹھا لو اور صلح کر لو۔ فاجنح کا امر وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے یعنی امامِ وقت کو اجازت ہے کہ اگر وہ صلح میں مصلحت دیکھے تو صلح کر لے الامر للاباحۃ والصلح جائز مشروع ان رای الامام فیہ مصلحۃ (مظہری)۔ لفظ سلم مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے اسی لیے لہا ضمیر مؤنث اس کی طرف راجع ہے۔ یذکر و یؤنث (تاج العروس)

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

اور اسی نے اُلفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں ؕ اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو

مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ

نہ اُلفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان ؕ بلاشبہ وہ

حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

زبردست ہے حکمت والا۔ اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں سے ؕ

؎ اگر وہ بظاہر صلح پر آمادہ ہوں اور اندر ہی اندر تمہیں زک پہنچانے کی تیاریاں کر رہے ہوں تب بھی تم صلح کے لیے بڑھنے والے ہاتھ کو جھٹک نہ دو بلکہ اسے گرمجوشی سے تھام لو۔ اللہ تعالیٰ جس نے پہلے بھی ہر مشکل میں تمہاری اعانت کی ہے وہ اب بھی قادر ہے کہ تمہارے دشمنوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے اور تمہیں کامیاب کر دے۔

ان دو آیتوں پر غور فرمائیے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اسلام صلح و امن اور سلامتی کا دین ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو فقط اس وقت جنگ کی اجازت دیتا ہے جب اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ اگر اب جنگ سے گریز کیا گیا تو باطل کا بے رحم ہاتھ حق کے شجر ثمر بار کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ ان حالات میں جہاد سے فرار صلح پسندی کی علامت نہیں بلکہ بزدلی اور نامردی ہے جسے اسلام اپنے فرزندوں کے لیے ہرگز گوارا نہیں کرتا۔

؎ عرب کے سارے جزیرہ میں ہر طرف نفرت اور عداوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ مزاج اتنے آوارہ اور جذبات اتنے مشتعل تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر لڑائی چھڑ جاتی اور صدیوں قتل و غارت کا بازار گرم رہتا خصوصاً اوس و خزرج کی دشمنی نے تو اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ ان کی مصالحت کا امکان تک نہ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ میں آمد سے دو سال پہلے ان کے درمیان خونریز معرکہ ہو چکا تھا۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو بالکل نیست و نابود کرنے کا عزم کر کے میدان میں نکلے تھے۔ تاریخ میں یہ جنگ بعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح ہر طرف نفرت و عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے اور ہر سمت بغض و کینہ کے انگارے دہک رہے تھے۔ جب صلح و محبت کا پیامبر تشریف لایا تھوڑے عرصہ میں ہی دلوں کی دنیا میں انقلاب آ گیا بغض و عناد کی جگہ محبت و اخلاص نے لے لی۔ مولانا تھانوی نے کیا خوب لکھا ہے "خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔"

؎ وہ دل جو نفرت سے بھرے پڑے تھے ان میں اُلفت پیدا کر دینا اور ایک دوسرے کا جاں نثار بنا دینا کوئی

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی! برانگیختہ کیجیے مومنوں کو جہاد پر ۱۲ اگر ہوں تم سے

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

بیس آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں سے

مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

سو آدمی (صبر کرنے والے) تو غالب آئیں گے ہزار کافروں پر کیونکہ یہ کافر وہ لوگ ہیں ۱۳ جو کچھ نہیں سمجھتے (اے مسلمانو!)

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ

اب تخفیف کر دی ہے ۱۴ اللہ تعالیٰ نے تم پر اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اگر ہوں گے تم میں سے

آسان کام نہ تھا۔ دنیا بھر کے خزانے بھی اگر اس مقصد کے حصول کے لیے خرچ کر دیے جاتے تب بھی یہ چاک رفو نہیں ہو سکتے تھے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے عداوت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا۔

۱۲ ومن اتبعك کا عطف اللہ پر بھی ہو سکتا ہے اور حسبك کے کاف خطاب پر بھی علماء کرام نے دونوں وجہیں جائز رکھی ہیں تفسیر قرطبی کے محشی نے ایک تیسری وجہ بھی لکھی ہے جسے احسن الوجوہ کہا ہے کہ یہاں کلام میں اختصار ہے اور تقدیر کلام یوں ہے حسبك الله وحسبك من اتبعك من المؤمنين معنی کے لحاظ سے اس میں اور پہلی وجہ میں کوئی فرق نہیں یعنی اے حبیب! آپ کی نصرت و اعانت کے لیے اللہ اور آپ کے مومن غلام کافی ہیں۔ آپ کو کسی غیر کے سہارے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۱۳ یعنی اگر مسلمان صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں گے تو اپنے سے دس گنا لشکر کفار پر غالب آئیں گے یہ جملہ اگرچہ خبریہ ہے لیکن معنوی لحاظ سے امر ہے کہ مسلمان دس گنا طاقت کے سامنے ڈٹ جائیں۔ اور قدم پیچھے نہ ہٹائیں کافروں کی تعداد کی کثرت کے بل بوتے پر مسلمانوں کو مغلوب نہیں کر سکیں گے۔

۱۴ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان ایسے بلند مقصد کے لیے جنگ کر رہے ہیں جو انھیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ وہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دین الٰہی کے نفاذ سے مظلوم انسانیت کی دلجوئی ہوگی۔ باطل نظاموں کی لعنت کا تختہ الٹ دینے سے حریت و مساوات کا پرچم لہرائے گا۔ اپنے مقصد کی عظمت پر یقین اور اس کے لیے ہر قربانی پر آمادہ ہونے کا ایمان ان کے دلوں کو تقویت اور ان کے قدموں کو ثبات بخشے گا اور وہ بڑی بے جگری سے ان کا مقابلہ کریں گے لیکن کفار کی یہ ترکتازی اور یہ جنگ آزمائی کسی بلند اور عظیم مقصد کے لیے نہیں بلکہ محض تعصب و عناد کا نتیجہ ہے اس لیے وہ معنوی قوت ان میں مفقود ہے جو کامیابی

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۚ وَإِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

سو آدمی صبر کرنے والے تو وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے

أَلْفٌ يَّغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾

ایک ہزار (صابر) تو وہ غالب آئیں گے دو ہزار پر اللہ کے حکم سے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ؎

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ

نہیں مناسب نبی کے لیے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی ؎ یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین

کے لیے شرط اول ہے۔

؎ سابقہ حکم کے کچھ عرصہ بعد دوسرا حکم نازل ہوا۔ اور پہلے حکم میں تخفیف کر دی گئی اور صرف اپنے سے دگنی تعداد کے سامنے سینہ سپر ہونے کا حکم دیا گیا۔

؎ بہرحال یہ امر پیش نظر رہے کہ یہ وعدہ تمام نہاد مسلمانوں سے نہیں جو مصیبت اور آزمائش کے لمحات میں ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں بلکہ ان سچے اہل ایمان سے ہے جو راہ حق میں پیش آنے والی ہر تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے ہیں حالات کی سنگینیوں میں ان کا جوش ایمانی تیز ہو جاتا ہے اور دشمن کی کثرت و تعداد کو دیکھ کر وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور فولادی چٹان بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

؎ علامہ قرطبی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں صحابہ کرام پر لطف عتاب فرمایا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب میدان بدر میں کفار کے قدم اکھڑے اور وہ وہاں سے بھاگ نکلے تو چاہئے تھا کہ مسلمان اسی جوش و خروش سے ان کا تعاقب کرتے اور کفر و شرک کے ان سرغنوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تاکہ کفر کی کمر ٹوٹ جاتی اور اس کے پرستاروں کی قوت و نخوت بالکل ہی دم توڑ دیتی۔ وہ مال غنیمت اکٹھا کرنے اور قیدیوں کو گرفتار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے اس طرز عمل سے بڑے بڑے کافر جان بچا کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اور سالہا سال تک مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث بنے رہے۔ اگر اس روز مال غنیمت جمع کرنے کے بجائے ان کفار کا قلع قمع کر دیا جاتا تو کفر کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو جاتا۔ جب حضرات سعد بن معاذ، عمر بن خطاب اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کو غنیمت سمیٹتے ہوئے دیکھا تو ان بزرگواروں کو سخت ناگوار گزرا۔ علامہ قرطبی کی عبارت نقل کرتے ہیں اگرچہ طوالت ہے لیکن اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ فرماتے ہیں: وھذہ الآیۃ نزلت یوم بدر عتابا من اللّٰہ لاصحاب نبیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والمعنی ماکان ینبغی لکم ان تفعلوا ھذا الفعل الذی اوجب ان یکون للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اسری قبل الاثخان ولھم

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ

بیں شلہ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمھارے لیے) آخرت اور اللہ تعالیٰ

هٰذا الإخبار بقوله تريدون عرض الدنيا والنبي صلى الله عليه وسلم لم يأمر باستبقاء الرجال وقت الحرب، ولا أراد قط عرض الدنيا وإنما فعله جمهور مباشري الحرب فالتوبيخ والعتاب إنما كان متوجها بسبب من أشار على النبي بأخذ الفدية هذا قول أكثر المفسرين وهو الذي لا يصح غيره۔

ترجمہ: یہ آیت بدر کے روز نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابہ پر عتاب فرمایا جا رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے لیے یہ ہرگز مناسب نہ تھا کہ تم کفار کی قوت کو پوری طرح کچل دینے سے پہلے انھیں قیدی بناتے اور ان سے فدیہ وصول کرتے۔ تم دنیا کے سامان کا ارادہ رکھتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو قید کرنے کا حکم دیا اور نہ متاعِ دنیا کو کبھی لائقِ اعتنا سمجھا۔ یہ غلطی عام مجاہدین سے سرزد ہوئی تھی یہ عتاب انھیں لوگوں پر ہے جنھوں نے فدیہ لینے کا مشورہ دیا۔ علامہ قرطبی آخر میں فرماتے ہیں: اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اور اس کے بغیر اس آیت کی کوئی توجیہ درست نہیں۔

توضیح مرام کے لیے مولانا مودودی کی یہ عبارت بہت مفید ہے۔ اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں: "میرے نزدیک اس مقام کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر سے پہلے سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنگ کے متعلق جو ابتدائی ہدایات دی گئی تھیں ان میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا۔ اس ارشاد میں جنگی قیدیوں سے فدیہ وصول کرنے کی اجازت تو دے دی گئی تھی لیکن اس کے ساتھ شرط یہ لگائی گئی تھی کہ پہلے دشمن کی طاقت کو اچھی طرح کچل دیا جائے پھر قیدی پکڑنے کی فکر کی جائے۔ اس فرمان کی رو سے مسلمانوں نے بدر میں جو قیدی گرفتار کیے اور اس کے بعد ان سے جو فدیہ وصول کیا وہ تھا تو اجازت کے مطابق مگر غلطی یہ ہوئی کہ دشمن کی طاقت کو کچل دینے کی جو شرط مقدم رکھی گئی تھی اسے پورا کرنے میں کوتاہی کی گئی۔ جنگ میں جب قریش کی فوج بھاگ نکلی تو مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ غنیمت لوٹنے اور کفار کے آدمیوں کو پکڑ پکڑ کر باندھنے میں لگ گیا اور بہت کم آدمیوں نے دشمن کا کچھ دور تک تعاقب کیا حالانکہ اگر مسلمان پوری طاقت سے ان کا تعاقب کرتے تو قریش کی طاقت کا اسی روز خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ عتاب فرما رہا ہے۔ اور یہ عتاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ مسلمانوں پر ہے"۔ (تفہیم القرآن جلد دوم)۔

شلہ اثخان کا لغوی معنی ہے کسی چیز کا گاڑھا ہو جانا اور گاڑھا ہو کر جم جانا۔ یقال ثخن الشیء فھو ثخین اذا غلظ وصلب (مفردات)۔ ویسے اس کا استعمال کثرتِ قتل اور غلبہ اور تسلط اور کثرتِ قتل کا نتیجہ ہے کے معانی میں بھی ہوتا ہے والاثخان کثرۃ القتل حتی یثخن: یتمکن وقیل الاثخان القوۃ والشدۃ (قرطبی) اور صاحب تاج العروس اس لفظ کی مزید

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٦٧﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَآ

بڑا غالب (اور) دانا ہے۔ اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں

أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٨﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ

بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا۔ سو کھاؤ جو تم نے غنیمت حاصل کی ہے حلال (اور) پاکیزہ۔

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٩﴾ يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل

اور ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے یقیناً اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے نبی کریم! آپ فرمایئے ٩٥

ع ٩

تحقیق کرکے پڑھتے لکھتے ہیں: وأثخن في العدو وبالغ في الجراحة فيهم، وأثخن فلانا أوهنه وفي الصحاح أثخنته الجراحة أوهنته. وقوله تعالى حتى إذا أثخنتموهم أي غلبتموهم وكثر فيهم الجراح (تاج العروس)۔

ترجمہ: جب دشمن کو بکثرت زخمی کیا جائے تو کہتے ہیں اثخن في العدو اور اس کا معنی کمزور کرنا بھی ہے صحاح میں ہے اثخنته الجراحة اسے زخموں نے کمزور کر دیا۔ قرآن کریم کی اس آیت کا بھی یہی معنی ہے کہ وہ زخموں سے چور چور ہو گئے اور تم ان پر غالب آ گئے۔

٩٥ اہل مکہ نے اپنے اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے زر فدیہ روانہ کیا۔ چچا عباس نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے اسلام کو جانتا ہے اگر تمہارا دعویٰ اسلام درست ہے تو اس فدیہ کا تمہیں اچھا بدلہ مل جائے گا لیکن چونکہ تم بظاہر کفار کے ساتھ یہاں آئے ہو اس لیے فدیہ ادا کرنا پڑے گا۔ عباس نے عرض کی کہ میرے پاس تو کچھ نہیں میں کہاں سے لاؤں؟ نبی مکرم نے فرمایا فأين المال الذي دفنته أنت وأم الفضل فقلت لها إن أصبت في سفري فهذا المال لبني الفضل وعبد الله وقثم "وہ مال کہاں گیا جو تم نے اور تمہاری بیوی ام الفضل نے فلاں جگہ دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا اگر میں اس سفر میں مارا جاؤں تو یہ مال میرے بچوں فضل، عبد اللہ اور قثم کو دے دینا"۔ عباس سراپا تصویر حیرت بن کر رہ گئے اور گویا ہوئے یا رسول اللہ! إني لأعلم أنك رسول الله إن هذا لشيء ما علمه غيري وغير أم الفضل "میں مان گیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں کیونکہ جس چیز کی خبر آپ نے دی اس کا علم تو میرے اور ام الفضل کے اور کسی کو نہ تھا"۔ چنانچہ جہاں دوسرے قیدیوں سے بیس اوقیہ فدیہ لیا گیا وہاں آپ سے سو اوقیہ سونا لیا گیا۔ اس کے علاوہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل اور اپنے حلیف عتبہ کا زر فدیہ بھی انہیں ہی ادا کرنا پڑا۔ آپ کے اور آپ کے مثل دوسرے اسیروں کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(قرطبی و دیگر تفاسیر)

لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اگر جان لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ

کوئی خوبی تو عطا فرمائے گا تمہیں بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے اور بخشے گا تمہارے (قصور) اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ

غفور رحیم ہے۔ اور اگر وہ ارادہ کریں آپ سے دھوکہ بازی کا (تو حیرت کیوں ہو) انھوں نے تو دھوکہ کیا

مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہے اللہ سے پہلے بھی (رہائی سے) تو اللہ تعالیٰ نے قابو دے دیا (تمہیں) ان پر اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے بیشک جو لوگ

اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ

ایمان لائے، ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں

اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ

اور وہ جنھوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں ف

ف اس آیت میں ملت اسلامیہ کے مختلف گروہوں کا ان کی اپنی الگ حیثیت کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے باہمی دینی، سیاسی تعلقات اور حقوق و فرائض کی وضاحت بیان کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت اسلام کی عادلانہ خارجہ پالیسی کا ستون قرار دی گئی ہے۔ وھذا الحکم من ارکان سیاسۃ الاسلام الخارجیۃ العادلۃ (المنار) اس وقت اسلامی معاشرہ مختلف عناصر پر مشتمل تھا (۱) مہاجرین (۲) انصار (۳) وہ لوگ جو اسلام تو قبول کر چکے تھے لیکن دار الکفر میں ہی اقامت پذیر تھے۔ ان کی بھی دو قسمیں تھیں۔ ایک گروہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کے درمیان اور حکومت اسلامیہ کے درمیان دوستی اور صلح کا کوئی معاہدہ نہ ہو۔ دوسرے وہ مسلمان جو ایسی کافر حکومت کی رعایا ہوں جس کا اسلامی حکومت کے ساتھ دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہو۔ اب ان مختلف عناصر کے درمیان تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی اس کا بھی تفصیلی ذکر کر دیا کہ مہاجرین اور انصار میں تو کامل موالات ہوگی۔ ایک دوسرے کی ہر طرح اعانت اور ہر خطرہ سے ایک

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ

اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ نہیں تمھارے لیے ان کی وراثت سے کوئی چیز

شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر

النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمھارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٧٢﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ

تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اور وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا وہ ایک دوسرے کے حمایتی ہیں [illegible]

دوسرے کی حفاظت لازمی ہوگی۔ اولٰئک بعضھم اولیاء بعض۔ لیکن وہ مسلمان جو کافر حکومت کی رعایا ہیں ان کے درمیان اور دارالاسلام کے اہل اسلام کے درمیان اسلامی اور دینی اخوت تو ہوگی لیکن سیاسی بھائی چارہ نہ ہوگا۔ ان کی حفاظت اور امانت کی کوئی ذمہ داری خلیفہ وقت پر نہ ہوگی کیونکہ انھوں نے دار حرب کو اپنا وطن بنا کر یہ حق بخوشی ضائع کر دیا ہے۔ ما لکم من ولایتھم من شیء۔ لیکن اگر دینی لحاظ سے انھیں کوئی تکلیف پہنچے مثلاً انھیں ترک اسلام پر یا شعائر اسلام کی توہین پر مجبور کیا جائے تو پھر اگرچہ اس کافر حکومت کا اسلامی حکومت سے کوئی معاہدہ نہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی امداد کریں۔ وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر۔ لیکن اگر اس کافر حکومت سے دوستی کا معاہدہ ہو چکا ہے تو پھر اس معاہدہ کا احترام ضروری ہے۔ لیکن مسلمان قیدی یا کمزور اور ضعیف لوگ جو دار کفر میں مجبوراً اقامت گزین ہیں ان کی رہائی بالاتفاق تمام اہل اسلام پر فرض ہے۔ قال ابن العربی: الا ان یکونوا اسراء مستضعفین فان الولایۃ معھم قائمۃ والنصرۃ لھم واجبۃ حتی لا تبقی منا عین تطرف (قرطبی)۔ ترجمہ: امام ابن عربی فرماتے ہیں اگر مسلمان دار کفر میں غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہوں، کمزور اور ضعیف ہوں، اپنا بچاؤ کرنے سے عاجز ہوں تو پھر موالاۃ باقی رہے گی۔ اور جب تک ہم میں سے ایک آنکھ بھی جھپک رہی ہو ان کی امانت اور نصرت ہم پر فرض ہوگی۔

[illegible] قرآن کریم نے انسانی معاشرہ کو نسل، زبان، دولت اور منصب کی بنیادوں پر تقسیم نہیں کیا۔ یہاں معاشرہ کی تقسیم کا دار و مدار ایمان اور کفر پر ہے۔ مومنین بلا امتیاز نسل، زبان، ملک ایک طبقہ ہیں اور کفار اسی طرح ایک الگ طبقہ ہیں۔ یہی انسانی معاشرہ کی صحیح تقسیم ہے جسے عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔ اسی حقیقت کو یہاں وضاحت سے بیان فرمایا۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ۝ وَ

اگر تم (ان حکموں پر) عمل نہیں کرو گے تو برپا ہو جائیگا فتنہ ملک میں اور پھیل جائیگا بڑا فساد اور جو

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ

ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنھوں نے

آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَ

پناہ دی اور ان کی امداد کی یہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایماندار ہیں انھیں کے لیے بخشش ہے اور

رِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

باعزت روزی اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا

اس جملہ سے مذکورہ احکامِ الٰہیہ کی حکمت بیان فرما دی کہ اگر تم امن و سلامتی کی آرزو رکھتے ہو تو ان ارشاداتِ ربانی پر شرحِ صدر سے عمل کرو۔ ورنہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور تمہاری ترقی اور خوشحالی کے سارے منصوبوں کو جلا کر خاکستر کر دے گی۔ تمہارا ذہنی سکون بھی تم سے چھن جائے گا اور مسرت و شادمانی کے سارے پروگرام بھی تلپٹ ہو جائیں گے ان احکام کی بجا آوری سے تم اپنے خداوند کریم کو بھی راضی کرو گے اور اپنی دنیوی زندگی کو بھی ہر قسم کی کامیابیوں سے ہمکنار کرو گے۔

حبیبِ کبریا علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ افضل التحیۃ واجمل الثناء کے صحابہ کرام کو بارگاہِ الٰہی سے اولئک ھم المؤمنون حقا کا جو لقب عطا کیا جا رہا ہے یہ ان کی عمر بھر کی قربانیوں، دلسوزیوں اور نیازمندیوں کا بہترین صلہ ہے جب اللہ تعالیٰ ان کے مومن برحق ہونے پر شاہد ہے تو پھر کیا انھیں کسی دوسرے کی گواہی کی بھی حاجت ہے؟ وہ اس لیے تو ایمان لائے ہی نہ تھے کہ چودھویں صدی کا بے عمل خود فراموش اور خدا فریب مسلمان انھیں ایمان کا سرٹیفکیٹ مرحمت فرما دے۔ اے شمعِ توحید کے پروانو! اے محبوبِ خدا کے عاشقانِ دلفگار! اور اے نامورانِ اسلام کے جانفروز پاسبانو! مبارک صد مبارک! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تم جیسا دل اور تم جیسی نگاہ بخشے اور تمہارے نقوشِ پا کو خضرِ راہ بنانے کی ہمت عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرما کر انھیں دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ مند فرما دیا یعنی اے میرے حبیب کے جانباز صحابہ اور سرفروش ساتھیو! قیصر و کسریٰ کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیئے جائیں گے اور

مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں ٩٤ اور رشتہ دار زیادہ حقدار ہیں ایک دوسرے کے

فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿٧٥﴾

حکم الٰہی کے مطابق ٩٥ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۔

اگر کوئی غلطی تم سے سرزد ہو گئی تو اسے بخش دیا جائے گا۔ اب ہم خود غور کریں جن کی لغزشوں کی بخشش کا رب کریم نے وعدہ فرما دیا ہے تو ہم میں سے کسی کو ان پر انگشت نمائی کا حق پہنچتا ہے ؟

٩٤ یعنی صلح حدیبیہ سے پہلے ہجرت کرنے والوں اور نصرت دین کے لیے سربکف میدان میں آنے والوں کا مقام بیشک بہت بلند ہے لیکن اس کے بعد بھی جو ہجرت کر کے آیا اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا وہ بھی احکام شرعیہ اور دیگر تمام سیاسی حقوق میں یکساں ہیں۔ ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی نصرت بھی ضروری ہو گی اور ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے ۔

٩٥ ہجرت کے بعد حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انصار اور مہاجرین میں جو بھائی چارہ اور مواخاۃ قائم کی تھی اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔ اس آیت میں توارث کا یہ طریقہ منسوخ قرار دیا گیا اور وراثت قریبی رشتہ داروں میں محدود کر دی گئی ۔

سُورَةُ التَّوبَة

اس سورۃ پاک کے متعدد نام منقول ہیں لیکن ان میں سے دو زیادہ مشہور ہیں۔ التوبہ اور البراءۃ۔ کیونکہ اس میں چند مخلص اہل ایمان کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے اس لیے اسے توبہ کہا گیا۔ اور کیونکہ اس میں مشرکین عرب کے ساتھ جتنے سابقہ معاہدے تھے ان کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا گیا اس لیے اسے براءت کہا گیا۔ یہ سورۃ سولہ رکوعوں، ایک سو انتیس آیتوں اور چار ہزار اٹھتر کلمات پر مشتمل ہے۔

نزول باتفاق علماء یہ سورت مدنی ہے۔ اس میں مذکورہ واقعات کو بنظر غائر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ ۹ھ میں نازل ہوئی کیونکہ غزوۂ تبوک جس کا ذکر یہاں بڑی شرح و بسط سے کیا گیا ہے وہ ماہ رجب ۹ھ میں ہوا اور مشرکین سے عام بیزاری اور قطع تعلقات کا اعلان بھی اس حج کے موقع پر کیا گیا جو ذی الحجہ ۹ھ میں ادا کیا گیا۔ اگرچہ غزوۂ تبوک سے متعلقہ آیات کا نزول اعلان براءۃ والی آیات سے پہلے ہوا لیکن مؤخر الذکر کی اہمیت کے پیش نظر ترتیب قرآنی میں اسے مقدم رکھا گیا۔ قال القشیری ھذہ السورۃ نزلت فی غزوۃ تبوک ونزلت بعدھا (قرطبی)

اس سورۃ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس سے پہلے بسم اللہ شریف نہیں لکھی جاتی۔ اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ کیونکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے آغاز میں بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا اس لیے نہیں لکھی گئی۔ والصحیح ان التسمیۃ لم تکتب لان جبریل علیہ السلام ما نزل بہا فی ھذہ السورۃ (قرطبی)

مضامین سورۃ مکہ جو اب تک کفر و شرک کا ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنا ہوا تھا ۸ھ میں فتح ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے بے خانماں مہاجروں اور انصار نے حرم خلیل میں توحید کا پرچم لہرا دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عرب کے بیشتر قبائل خود بخود آکر مشرف باسلام ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ اسلام کا اثر و نفوذ جزیرہ عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے دوسرے ہمسایہ ممالک میں بھی محسوس ہونے لگا۔ عرب خصوصاً حجاز کا یہ بے آب و گیاہ خطہ کسی فاتح کے لیے اپنے اندر کوئی دلکشی نہیں رکھتا تھا۔ اسی لیے روم و ایران کی دو جابر سلطنتیں ہمسایہ ہونے کے باوجود کسی نے اس کو زیر نگیں کرنے کی خواہش ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے یہاں کے داخلی حالات سے بھی انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے جو انقلاب ظہور پذیر ہو رہا تھا اس کی اطلاعیں وقتاً فوقتاً قیصر روم تک پہنچتی رہتی تھیں لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ ایک داخلی معاملہ ہے اور اس میں اتنی تاب نہیں کہ کسی دن اس کے لیے بھی خطرے کا باعث بن سکے لیکن اسی اثناء میں

چند واقعات ایسے رونما ہوئے جنہوں نے اسے اس نئی طاقت کی اہمیت کا احساس دلا دیا

دوسرے بادشاہوں کی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بصریٰ کے حاکم شرحبیل کی طرف بھی دعوت اسلام دینے کے لیے اپنا مکتوب اپنے قاصد کے ہاتھ روانہ کیا لیکن شرحبیل نے اسے قتل کر دیا۔ ذات الطلح کے باشندے مدینہ طیبہ سے پندرہ مسلمانوں کو اپنے ہمراہ اس غرض سے لے آئے کہ وہ انہیں دین اسلام سکھائیں گے لیکن انہوں نے بھی غدر کیا اور ان مسلمانوں کو سوائے ایک کے شہید کر دیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان شہداء کا انتقام لینے کے لیے تین ہزار کی جمعیت حضرت زید بن حارثہ کی قیادت میں روانہ فرمائی۔ شرحبیل ایک لاکھ فوج لے کر مقابلہ کے لیے بڑھا۔ اور ہرقل کا بھائی تھیوڈور بھی ایک لاکھ کا لشکر جرار لے کر اس کی امداد کو آ پہنچا۔ تین ہزار مجاہدین کے سامنے اب دو لاکھ فوج صف بستہ تھی۔ مسلمان بھی کب ٹلنے والے تھے۔ جنگ شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے تین مسلمان جرنیل زید بن ثابت، جعفر بن ابی طالب اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جام شہادت نوش کیا۔ ان کے بعد حضرت خالد نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا تھاما اور اس بے جگری اور جانبازی سے اپنے سے چھیاسٹھ گنا فوج کا مقابلہ کیا کہ ان کے دانت کھٹے کر دیے۔ اب ہرقل کی آنکھیں کھلیں کہ عرب کے جن صحرا نوردوں کو وہ خاطر میں نہیں لایا کرتا تھا ان کے بازو اتنے مضبوط اور ان کی تلواریں اتنی تیز ہیں کہ اس کی دو لاکھ فوج بھی انہیں شکست نہ دے سکی۔ انہی دنوں میں یہ واقعہ بھی ظہور پذیر ہوا کہ ہرقل کی عرب فوج کا ایک اعلیٰ افسر فروہ بن عمرو جذامی مشرف باسلام ہو گیا۔ ہرقل نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا اور اسے کہا کہ یا تو اس نئے دین سے تائب ہو کر اپنا سابقہ مذہب عیسائیت اختیار کر لو ورنہ تمہارا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اس نے بڑی خوشی سے جان دے دی لیکن اپنے ایمان سے دستکش ہونا گوارا نہ کیا۔ ان واقعات نے ہرقل کو چوکنا کر دیا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ آج ہی مسلمانوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قوت کو کچل دے گا۔ چنانچہ اس نے زور و شور سے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور خود بڑھ کر مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے پر تولنے لگا۔

رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نگاہ دوربین دور افق پر نمودار ہونے والے فتنہ و فساد کے بادلوں کو کیسے نظر انداز کر سکتی تھی۔ چنانچہ حضور نے بھی شام پر چڑھائی کا عزم فرما لیا۔ حالات بڑے ناسازگار تھے۔ ملک میں عام قحط سالی کا دور دورہ تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ چلچلاتی دھوپ اور جھلس دینے والی لو غضب ڈھا رہی تھی۔ ریتیلی زمین تانبے کی طرح تپ رہی تھی۔ صحابہ فرماتے ہیں جب جہاد پر جانے کا حکم ہوا اس وقت شدت کی گرمی تھی۔ باغات میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ کھجوریں کھانے ٹھنڈا پانی پینے گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔

جب جنگ کی تیاری کا حکم ہوا تو مردان وفا کیش بلا تامل تعمیل حکم کے لیے حاضر ہو گئے۔ اور ہر ایک نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مالی امداد بھی کی۔ عورتوں نے اپنے کانوں کی بالیاں اور گلے کے ہار تک اتار کر پیش کر دیے۔ حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ہزارہا اشرفیاں لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ حضرت صدیق نے اپنی عمر بھر کا اندوختہ اٹھا کر بارگاہ نبوت میں حاضر کر دیا۔ لیکن ان سرفروشوں اور جاں نثاروں کے علاوہ کچھ اور عناصر بھی تھے۔ ایک عنصر منافقین کا تھا وہ بھلا

عہدِ رسالت میں مشہور عرب قبائل کے مساکن

(ساتویں صدی عیسوی)

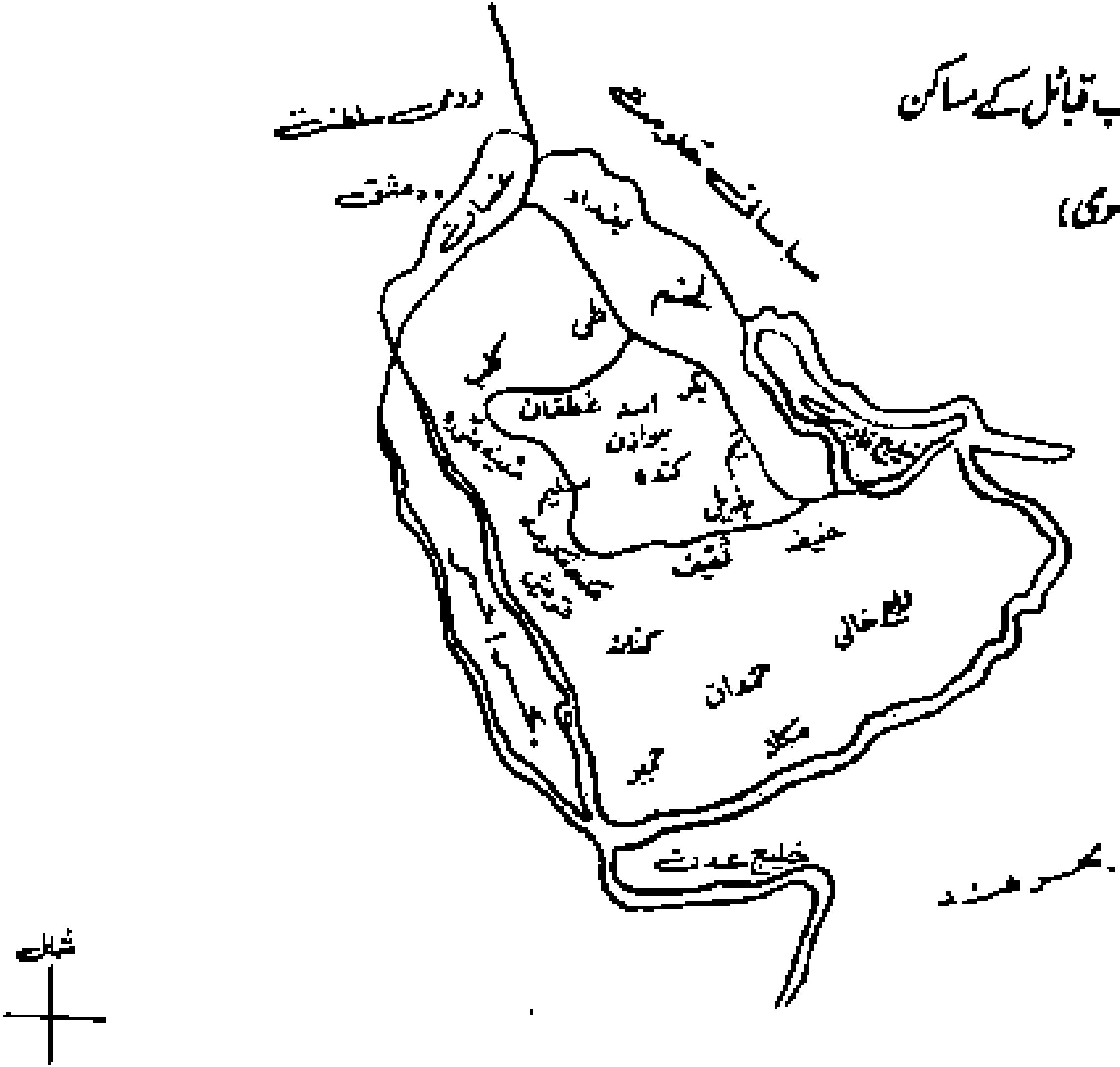

کب ان زحمتوں اور صعوبتوں کو گوارا کرنے والے تھے۔ طرح طرح کے جھوٹے اور بے سروپا بہانے پیش کرتے اور حضور ان سے صرفِ نظر کر لیتے۔ یہ لوگ اور دوسرے مشرک دل ہی دل میں بہت خوش تھے۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان اب بچ کر واپس نہیں آئیں گے بلکہ قیصر کی افواجِ قاہرہ انہیں کاٹ کر رکھ دیں گی اور اس طرح اسلام کا چراغ بجھ جائے گا۔ ان کی ساری تدبیریں اب اس جنگ پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھیں۔

آخر تیس ہزار کا یہ لشکر اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کی قیادت میں اپنے مولائے کریم کا نام بلند کرنے کے لیے اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا گاڑنے کے لیے موسم کی اس ناسازگاری کے باوجود، سامانِ خورد و نوش کی قلت اور سواریوں کی کمیابی کے باوجود دنیا کی ایک عظیم ترین طاقت سے ٹکر لینے کے لیے روانہ ہوا۔ مشتاقِ باصفا کا یہ کاروان تپتے ہوئے ریگستانوں کو پرنیاں و حریر سمجھتا ہوا، نوکِ خارِ مغیلاں سے اپنی آبلہ پائی کا درماں کرتا ہوا، باوجود ہجومِ غم، تعب و کلفت کو عنایت تصور کرتا ہوا بڑھتا چلا گیا۔ اور تبوک کے مقام پر جا کر خیمہ زن ہوا۔

قیصر کو جب اطلاع ملی کہ جن کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے وہ عملی تیاریاں کر رہا تھا وہ جانباز اپنے فقر و درویشی سے مسلح ہو کر اس کی طاقت و سطوت کو اس کے اپنے ملک میں اور اس کے اپنے گھر میں للکارنے آ گئے ہیں تو اس نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اپنی فوجوں کو سرحد سے ہٹا لے اور اپنے شہروں میں قلعہ بند ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بیس روز تک وہاں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں ارد گرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو اپنا باجگزار بنایا۔ چنانچہ جرباء، اذرح اور عمان کے لوگوں نے جزیہ دینے پر صلح کی۔ ایلہ کا عیسائی حکمران یوحنا دربارِ رسالت میں آ کر صلح کا خواہاں ہوا اور تین سو دینار سالانہ ادا کرنے پر مصالحت کی۔ دومۃ الجندل کے عیسائی حاکم اکیدر پر حملہ کرنے کے لیے حضرت خالد کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ اس کو قید کر کے اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر واپس آ گئے۔ اگرچہ روم کے ساتھ جنگ نہیں ہوئی لیکن اس مہم سے اسلام کی ترقی میں بڑی مدد ملی۔ سلطنتِ روم کی سرحد کے ساتھ ساتھ جتنے عرب قبائل تھے یا تو وہ مسلمان ہو گئے یا باجگزار۔ اس طرح عرب کی یہ سرحد دشمن کی یلغار سے محفوظ ہو گئی۔ نیز قیصر اور اس کے اعوان و انصار کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو گئی کہ مسلمان ایک تر نوالہ ہیں جب ان کی مرضی ہو گی وہ انہیں نگل جائیں گے۔ اس کے علاوہ تمام عرب قبائل پر مسلمانوں کی ہیبت چھا گئی اور بیچارے منافقین اور اسلام کے تمام بدخواہوں کی آرزوؤں پر تو پانی پھر گیا۔ اور بڑی مدت کے بعد امید کی جو کرن انہیں اُفق پر نظر آئی تھی وہ بھی مایوسی کے گھپ اندھیروں میں گم ہو کر رہ گئی۔ غزوۂ تبوک کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا جو اپنی اہمیت میں کسی سے کم نہیں کہ منافقین بے نقاب ہو گئے اور جو مراعات ان کے ساتھ پہلے روا رکھی جاتی تھیں ان سے وہ محروم کر دیئے گئے۔

دوسرا اہم واقعہ جس کا ذکر اس سورۃ میں کیا گیا ہے وہ مشرکین اور کفار کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ ہے۔ حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کوشش فرمائی کہ تمام غیر مسلم قوموں کے ساتھ صلح و سلامتی سے رہیں۔ اسی مقصد کے لیے ان کے ساتھ صلح کے معاہدے کیے گئے لیکن فریقِ ثانی نے ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور جب بھی موقع ملا

عہد شکنی کر دی۔ اسی سال ماہ ذی قعدہ میں مسلمانوں کا ایک قافلہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ امیر الحج حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس قافلہ کی روانگی کے بعد اس سورۃ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں کیونکہ مجمع عام میں ان کا اعلان کرنا ضروری تھا اور حج کے موقع پر عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ جمع ہونے والے تھے اس لیے حضورؐ نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے روانہ فرمایا تاکہ حج کے روز یہ اعلان عام کر دیا جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تمام کفار سے کیے گئے معاہدوں کی تنسیخ نہیں کی جا رہی بلکہ ان قوموں کے معاہدوں کی تنسیخ کا اعلان کیا جا رہا ہے جنھوں نے پہلے عہد شکنی کی تھی۔ چنانچہ آیت ۴ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اب جب کہ عرب کے طول و عرض میں اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا تو ضروری تھا کہ کعبۂ مقدسہ سے کفار کی تولیت ختم کر دی جائے اور اہل ایمان کو اس کا متولی بنایا جائے۔ چنانچہ یہ حکم بھی فرما دیا کہ آج کے بعد مسلمان ہی کعبہ اور مسجد حرام کی خدمت انجام دیا کریں گے۔

ابھی تک مشرکین حرم کعبہ میں آکر اپنی سابقہ مشرکانہ رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ اب یہ کیونکر مناسب تھا کہ اسلام کے برسر اقتدار آجانے کے بعد بھی اس حریم قدس میں مشرکانہ رسوم ادا ہوں جسے اس کے تعمیر کرنے والے نے محض اس لیے تعمیر کیا تھا کہ اس میں خدائے واحد کی عبادت کی جائے۔ اس لیے اس سال سے اس کی بھی ممانعت کر دی گئی۔ انہی امور کے متعلق ضمنی بحثیں اور بھی ہیں۔ اپنے اپنے مقام پر ان کی وضاحت کی جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُورۃ توبہ مدنی ہے۔ اس کی ١٢٩ آیتیں ہیں اور ١٦ رکوعات ہیں۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①

۱۔ قطع تعلق کا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان لوگوں کو جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا مشرکوں میں سے[1]

[1] جیسے پہلے کئی بار مذکور ہوا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے تمام قبائل کے ساتھ امن اور دوستی کے معاہدے کیے لیکن مسلمانوں کی ظاہری کمزوری کے پیش نظر وہ ان معاہدوں کا احترام شاذ ونادر ہی ملحوظ رکھا کرتے اور جب کبھی انہیں موقع ملتا مسلمانوں کو زک پہنچانے سے گریز نہ کرتے۔ اب جبکہ حضور تبوک کے سفر پر روانہ ہوئے جو مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دور تھا اور قیصر کی فوج سے نبرد آزما ہونے کا ارادہ تھا تو شرک وکفر کے پرستاروں کے ہاں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ انہیں یقین تھا کہ قیصر مسلمانوں کو پیس کر رکھ دے گا اور اب مسلمان ان کی عہد شکنی کے متعلق ان سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلانے لگے اور ہر ممکن ذریعہ سے عہد شکنی کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حضور اپنے غلاموں کے ہمراہ مظفر ومنصور واپس تشریف لائے۔ اب فیصلہ طلب امر یہ تھا کہ کیا ان مار ہائے آستین کو کھلی چھٹی ملی ہے کہ جس وقت موقع دیکھیں اسلامی دین اور اسلامی ریاست کو ڈستے رہیں جب کبھی مسلمان کسی بیرونی دشمن کی طرف متوجہ ہوں تو پیٹھ میں خنجر پیوست کر دیں۔ اس لیے تبوک سے واپسی کے بعد جب ذیقعدہ ۹ھ میں مسلمانوں کا قافلہ سفر حج پر روانہ ہو چکا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں صاف صاف حکم دیا گیا تھا کہ اب کفر کے ساتھ سابقہ معاہدے منسوخ ہیں۔ دوستی کے لبادہ میں اسلامی انقلاب کو زک پہنچانے کی انہیں اجازت نہیں دی جاتی۔ حضور کریم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو روانہ فرمایا کہ حج کے دن یہ اعلان عام کر دیں۔ حضرت صدیق اپنے قافلہ سمیت مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ اونٹنی کے جلانے کی آواز کان میں آئی۔ فوراً پہچان گئے اور فرمانے لگے ھٰذِہٖ ناقۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو پیارے رسول کریم کی اونٹنی کی آواز ہے۔ جب حضرت علیؓ قریب پہنچے تو پوچھا امیر یا مامور یعنی کیا آپ کو امیر بنا کر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر۔ حضرت علیؓ نے بتایا امیر الحج آپ ہی ہیں میں تو مامور بن کر آیا ہوں اور یہ اعلان کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ چنانچہ آپ حضرت صدیقؓ کی اقتداء میں ہی نمازیں ادا کرتے آپ کی ہدایت کے مطابق ارکان حج ادا کرتے مکہ پہنچے۔ اور دسویں ذی الحجہ کو جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اے لوگو! میں اللہ کے رسول کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اس سورۃ کی ابتدائی تیس یا چالیس آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اور اس کے بعد کہا کہ مجھے یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ تمہیں یہ حکم بھی سنا دوں:

۱۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کعبہ کو نہ آئے۔

فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ

(اے مشرکو!) پس چل پھر لو ملک میں چار ماہ ۲؎ اور جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے

مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝۲ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ کو ۳؎ اور یقیناً اللہ تعالیٰ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ۴؎ اور اعلان عام ہے اللہ

۲۔ کوئی برہنہ ہو کر طواف نہ کرے۔

۳۔ اہل ایمان کے بغیر کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔

۴۔ اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے اگر اس نے عہد شکنی میں پہل نہ کی تو اس کا عہد پورا کیا جائے گا اور جس کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں اسے چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس اعلان پر منافقین کی طرف سے جو ردعمل ہوا وہ اس بات کا شاہد عادل ہے کہ یہ قطع تعلقات مناسب بلکہ ضروری تھا اور اس میں ذرا سا تساہل اپنے آپ کو فریب دینا تھا۔ قالوا عند ذلک یا علی ابلغ ابن عمک انا قد نبذنا العهد وراء ظهورنا وانه ليس بيننا وبينه عهد الا طعن بالرماح وضرب بالسيوف (رازی)

انہوں نے کہا اے علی! اپنے چچا کے بیٹے (یعنی رسول کریم) کو بتا دینا کہ ہم نے معاہدوں کو پس پشت پھینک دیا ہے اور ہمارے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کو نیزوں اور تلواروں سے گھائل کرنے کے سوا کوئی دوسرا معاہدہ نہیں۔ براءۃ کا معنی ہے انقطاع العصمة یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا هذه محذوف ہے۔ ترجمہ میں میں نے اسی ترکیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

۲؎ فَسِيْحُوْا امر کا صیغہ ہے جو سیاحت سے ماخوذ ہے۔ سیاحت کا معنی ہے ملک کے اطراف و اکناف میں چلنا پھرنا۔ اصل السياحة الضرب في الارض والاتساع في السير۔ یہاں مدعا یہ ہے کہ تمہیں چار ماہ تک ہر طرح کی مکمل آزادی ہے جہاں چاہو جاؤ جس سے چاہو ملو تم پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ علامہ قرطبی کلبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ چار ماہ کی مدت ان لوگوں کے لیے تھی جن کے معاہدہ کی میعاد چار ماہ سے کم تھی یا میعاد مقرر ہی نہ تھی لیکن جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے معاہدہ کیا گیا تھا ان کے متعلق حکم ہوا کہ اس کو مقررہ وقت تک نبھاؤ۔ فاتموا اليهم عهدهم الى مدتهم۔

۳؎ کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ یہ میعاد کسی کمزوری یا ضعف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے تاکہ تم اپنے مستقبل کے متعلق ٹھنڈے دل سے خوب سوچ لو۔ مخالفین کے ساتھ یہ نرمی اور رواداری اس وقت برتی جا رہی ہے جب کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور دور دور کے قبائل یا اسلام لا چکے تھے یا اطاعت قبول کر چکے تھے کفر کی چند پراگندہ جماعتوں کے علاوہ کوئی قابل ذکر جمعیت نہ تھی جس سے اسلام کو اب جزیرۂ عرب میں اندیشہ ہو۔ عین قوت و سطوت کے وقت اپنے دشمنوں سے نرمی کا یہ سلوک اسلام کے دین رحمت ہونے کا یقینی ثبوت ہے۔

۴؎ دنیا میں قتل و ذلت اور آخرت میں عذاب۔ اخزاء کا معنی ہے رسوا کرنا ذلت۔ الاذلال مع اظهار الفضيحة۔ (روح المعانی)

وَرَسُولِهٖٓ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ
اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں کے لیے بڑے حج کے دن کہ اللہ تعالیٰ بری ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۚ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِنْ
مشرکوں سے ۔ اور اس کا رسول بھی ١ اب بھی اگر تم تائب ہو جاؤ تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے ٢ اور اگر

تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
تم منہ پھیرے رہو تو خوب جان لو کہ تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ٣ اور خوشخبری سنا دو

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ﴿٣﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
کافروں کو دردناک عذاب کی ۔ بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ٤

١ وَرَسُوْلُهٗ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ اللہ کا لفظ ہے جو اَنَّ کا اسم ہے اور منصوب ہے۔ نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسا ہوا کرتا ہے۔ اس قاعدہ کی رو سے رَسُوْلَهٗ منصوب ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں وَرَسُوْلُهٗ مرفوع ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ بیشک وَرَسُوْلُهٗ معطوف ہے لیکن یہ مفرد معطوف نہیں بلکہ یہ مبتدا ہے اس کی خبر بَرِیْءٌ محذوف ہے۔ وَرَسُوْلُهٗ اپنی خبر سمیت بصورت جملہ معطوف ہے اور اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْءٌ بصورت جملہ معطوف علیہ ہے۔ اس لیے یہاں یہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔

٢ توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اپنی کارستانیوں پر اگر تم نادم ہو کر حاضر ہو جاؤ گے تو تمہیں دھتکارا نہیں جائے گا بلکہ آغوشِ لطف و کرم کو تم اپنے لیے کشادہ پاؤ گے تمہاری گزشتہ نافرمانیوں کو معاف کر دیا جائے گا۔

٣ لیکن اگر اب بھی تم شرارتوں سے باز نہ آئے اور بدستور مخالفت پر کمربستہ رہے تو کان کھول کر سن لو تمہاری کوئی تدبیر، کوئی کوشش، کوئی سازش اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو ناکام نہیں بنا سکتی۔ تمہارا انجام دنیا میں بھی بہت ذلت آمیز ہوگا اور آخرت کے دردناک عذاب کا تو تم تصور تک نہیں کر سکتے۔

٤ اس آیت نے سابقہ حکم کی وضاحت کر دی کہ صرف ان قبائل کے معاہدوں کو فسخ کیا جا رہا ہے جنہوں نے معاہدوں کی خود پہلے خلاف ورزی کی اور ان کا احترام نہ کیا لیکن جو اپنے معاہدوں کے پابند ہیں۔ نہ کھلے طور پر اسلام کا مقابلہ کرتے ہیں اور نہ پوشیدہ طور پر مسلمانوں کے دشمنوں کی امداد کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ جو معاہدے ہو چکے ہیں ان کی پابندی لازمی ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوٓا

پھر انھوں نے نہ کمی کی تمھارے ساتھ ذرہ بھر اور نہ انھوں نے مدد کی تمھارے خلاف کسی کی۔ تو پورا کرو

إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ④

ان سے ان کا معاہدہ ان کی مدت (مقررہ) تک بیشک اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو ۸

فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے ۹ تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انھیں اور

وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ

گرفتار کرو انھیں اور گھیرے میں لے لو انھیں اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ۔ پھر اگر یہ

تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ

توبہ کرلیں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک

۸ گویا عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات سے ہے اور متقین کا شعار ہے آیت کے اس تتمہ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاہدوں کی پابندی کی اہمیت کو بالکل واضح کر دیا۔ تعلیل وتنبیہ علی ان اتمام عہدھم من باب التقوی (مظہری)۔

۹ سلخ کا معنی ہے کسی ایسی چیز کو اتار پھینکنا جو جسم کے ساتھ چمٹی ہوئی ہو جیسے بکری کی کھال اتیرنے کو بھی سلخ شاۃ کہا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے ان مہینوں کا ختم ہو جانا۔ مرصد: رصد گاہ جہاں کسی چیز کی تاک میں بیٹھا جاتے۔ اشہر حرم سے مراد یہاں وہ چار ماہ ہیں جو کفار و مشرکین کو بطور مہلت دیئے گئے تھے کیونکہ مسلمانوں کو منع کر دیا گیا تھا کہ وہ چار ماہ تک کفار کے ساتھ تعرض نہ کریں۔ اس لیے انھیں بھی حرمت والے کہا گیا۔ مشرکین سے مراد صرف عہد شکنی کرنے والے مشرک ہیں۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ یہ مشرکین جن کو تم نے چار ماہ کی مہلت دے رکھی ہے جب یہ مہینے گزر جائیں تو پھر ان عہد شکن مشرکوں پر ٹوٹ پڑو۔ آمادۂ جنگ ہوں تو انھیں تہ تیغ کر دو۔ اگر کسی قلعہ یا محفوظ جگہ میں قیام پذیر ہوں تو ان کو گھیرے میں لے لو۔ اگر قابو میں آجائیں تو گرفتار کر لو غرضیکہ اب یہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔ ہاں اگر عمر بھر کی سرکشی کے بعد بھی سچے دل سے توبہ کرلیں اور اپنی توبہ کی سچائی کا عملی ثبوت بھی مہیا کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔

اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور اگر کوئی شخص مشرکوں میں سے پناہ طلب کرے آپ سے

فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

تو پناہ دیجیے اسے تاکہ وہ سنے اللہ کا کلام پھر پہنچا دیجیے اسے اس کی امن کی جگہ سلہ یہ حکم اس لیے ہے

قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ

کہ وہ ایسی قوم ہیں جو (قرآن کو) نہیں جانتے۔ کیونکر ہو سکتا ہے سلہ (ان عہد شکن) مشرکوں کے لیے کوئی معاہدہ اللہ کے

اللّٰهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ عِندَ الْمَسْجِدِ

نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا ہے مسجد حرام کے پاس

سلہ ان مشرکین میں سے جن کے ساتھ جنگ کرنے کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اگر کوئی مشرک قرآن کے پیغام کو سمجھنے، اپنی غلط فہمیاں اور شبہات دور کرنے کے لیے ان چار ماہ کے گزرنے کے بعد بھی آنا چاہے تو آپ اسے موقع دیں کہ وہ آئے اور سیکھے اور اس عرصہ میں اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اگر حق کی روشنی اس کے دل کے افق پر ضوبار ہو جائے تو عین مطلوب ورنہ اسے پوری حفاظت سے اس کے مسکن اور قیام گاہ تک پہنچا دیں۔ آیت میں المشرکین کی وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے: الذین امرتک بقتالھم (قرطبی، مظہری)۔ امام ابوبکر جصاص نے اس آیت سے کئی احکام مستنبط کیے ہیں جن کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اسلام کی صداقت معلوم کرنا چاہے تو ہم پر فرض ہے کہ ہم اسے یہ موقع دیں اور پوری کوشش کریں تاکہ اس کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہو جائے۔

(۲) اس عرصہ میں اس کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت اسلامیہ پر ہوگی۔

(۳) وہ آدمی مقررہ وقت تک ہی سلطنت اسلامیہ میں رہ سکتا ہے اسے غیر معین وقت تک یہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۴) اگر وہ زیادہ عرصہ رہنا چاہے گا تو اسے اس مملکت کی شہریت قبول کرنا پڑے گی۔

سلہ یہاں بھی انھیں مشرکین کا ذکر ہے جنھوں نے معاہدہ کر کے توڑنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا۔ کیف یہاں استفہام کے لیے نہیں بلکہ اظہار حیرت و تعجب کے لیے ہے اور یہاں کلام میں اختصار ہے تقدیر کلام یوں ہے کیف یکون للمشرکین عھد

الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

تو جب تک وہ قائم رہیں تمہارے معاہدہ پر تم بھی قائم رہو ان کے لیے ۱۲ بیشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا

الْمُتَّقِينَ ﴿٧﴾ كَيْفَ وَإِن يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ

ہے پرہیزگاروں سے۔ کیونکر (ان کے معاہدہ کا لحاظ رکھا جاسکتا ہے) حالانکہ اگر وہ غالب آجائیں تم پر تو نہ لحاظ کریں تمہارے بارے

إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ يُرْضُونَكُم بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَ

میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی عہد کا ۱۳ راضی کرنا چاہتے ہیں تمہیں (صرف) اپنے منہ کی باتوں سے اور انکار کر رہے ہیں

أَكْثَرُهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨﴾ اشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا

ان کے دل اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں۔ انھوں نے بیچ دیں اللہ کی آیتیں تھوڑی سی قیمت پر (پھر) روکا انھوں نے

عَن سَبِيلِهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُونَ

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے ۱۴ بیشک وہ بہت برا تھا جو وہ کیا کرتے تھے۔ نہیں لحاظ کرتے

۱۱ اضمار الغدر یعنی ان کے دل میں تو دھوکا اور فریب کے جذبات ہیں پھر ایسے لوگوں کے معاہدوں پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔

۱۲ مصلحت کے تقاضے کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ حالات کتنے ہی اشتعال انگیز ہوں، عہد شکنی کا آغاز فرزندان توحید کو ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ جب تک کفار اپنے عہد پر قائم رہیں تمھیں بھی قائم رہنا چاہیے۔ اگر وہ عہد شکنی کی ابتداء کریں تو پھر تم کو بھی اجازت ہے۔

۱۳ کیف یہاں بھی اظہار حیرت و تعجب کے لیے ہے۔ اِلّ یہاں قرابت اور رشتہ داری کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (قالہ ابن عباس) اور ذمّہ سے مراد معاہدہ ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے معاہدوں کا کیا اعتبار جو اگر غالب آجائیں تو خون کے دریا بہا دیں اور تمھارے ساتھ ان کے جو خونی رشتے ہیں انھیں بھی بھلا دیں۔ اور جو امن اور صلح کے عہد و پیمان کر چکے ہیں وہ بھی فراموش کر دیں۔ ان کی یہ سب چکنی چپڑی باتیں ظاہرداری کے لیے ہیں ورنہ ان کے دلوں میں تو تمھارے خلاف دشمنی کا لاوا ابل رہا ہے۔

۱۴ مروی ہے کہ جب اہل مکہ کی قوت کمزور ہوتی نظر آنے لگی تو اہل طائف نے انھیں مالی امداد کا یقین دلایا اور اسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں پھر اکسانا شروع کر دیا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار مسلمانوں سے مصروف جنگ

فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝١٠ فَاِنْ

کسی مومن کے حق میں کسی رشتہ داری کا اور نہ کسی وعدہ کا۔ اور یہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ پس اگر یہ

تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ

توبہ کریں اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ تو تمہارے بھائی ہیں [۱۱] دین میں۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝١١ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

اور ہم کھول کر بیان کرتے ہیں اپنی آیتیں اس قوم کیلئے جو علم رکھتی ہے۔ اور اگر یہ لوگ توڑ دیں اپنی قسمیں [۱۲]

سو کر اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے تھے کہ اس دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس کی فنا پذیر عیش و عشرت کے وہ اتنے دلدادہ ہیں کہ انھوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی لازوال نعمتوں کو نظر انداز ہی کر رکھا ہے۔ اس حقیقت کو قرآن نے لفظ اشتراء (خریدنے) سے تعبیر فرمایا کیونکہ مشتری (خریدار) بھی قیمت سے خرید کردہ چیز کو زیادہ پسند کرتا ہے۔

[۱۱] عمر بھر کی ایذا رسانی اور خون آشامی کے بعد بھی اگر وہ دعوت اسلام قبول کریں تو انھیں اسلامی برادری میں شامل کر لیا جائے گا۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔ پہلے مسلمانوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت اور اس کی رضا کے یہ بھی مستحق ہو جائیں گے معاشرتی، قانونی اور تمدنی حیثیت سے ان کے وہی حقوق ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں کے ہیں۔ انھیں پھلنے پھولنے کے تمام مواقع فراہم کیے جائیں گے۔

[۱۲] جن کفار و مشرکین نے اسلام قبول کر کے اس کے احکام بجا لانے کا وعدہ کر لیا یا اسلامی مملکت کی پرامن رعایا بن کر رہنا منظور کر لیا، پھر اگر وہ یہ عہد توڑ دیں یا اسلام کے عقاید و نظریات پر زبان طعن دراز کرنے لگیں تو انھیں مملکت اسلامیہ کا باغی تصور کیا جائے گا۔ اسی آیت سے فقہائے کرام نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ ذمی نے اگر حکومت اسلامیہ کے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دی یا اسلام کے عقاید پر اعتراضات کرنے شروع کر دیئے تو اس کا وہ معاہدہ کالعدم ہو جائے گا۔ وفیہ دلالۃ علی ان اھل العھد متی خالفوا شیئا مما عوھدوا علیہ وطعنوا فی دیننا فقد نقضوا العھد (احکام القرآن للجصاص) طعن کا لغوی معنی ہے نیزہ کا وار کرنا۔ اسی طرح ہر وہ بات جو دل کو دکھ پہنچانے والی ہو اس کو بھی طعن کہتے ہیں بعض علماء لغت نے یہ فرق کیا ہے کہ طعن کا معنی جب نیزہ زنی ہو تو یہ نصر ینصر کے باب سے ہوگا اور جب طعن بالقول ہو تو فتح یفتح کے باب سے ہوگا (قرطبی) اور دین پر طعن کرنے کا یہ مطلب ہے کہ دین کی طرف ایسی غلط بات منسوب کی جائے جو اس کی شان کے لائق نہیں یا دین کے وہ عقائد اور احکام جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہیں ان کا مذاق اڑایا جائے۔ والطعن ان ینسب الیہ ما لا یلیق بہ او یعترض بالاستخفاف علی ما ھو من الدین لما ثبت

مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ

اپنے معاہدہ کے بعد اور طعن کریں تمہارے دین پر تو جنگ کرو کفر کے پیشواؤں سے شلہ

اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝١٢ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا

بیشک ان لوگوں کی کوئی قسمیں نہیں ہیں (ان سے جنگ کرو) تاکہ یہ لوگ (عہد شکنی سے) باز آجائیں کیا تم نہیں جنگ کرو گے

نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ

اس قوم کے ساتھ جنہوں نے توڑ ڈالا اپنی قسموں کو اور ارادہ کیا انہوں نے رسول کو نکال دینے کا شلہ اور انہی نے آغاز کیا تھا تم پر

مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣

(زیادتی کا) پہلی مرتبہ۔ کیا تم ڈرتے ہو ان سے شلہ (سنو!) اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر ہو تم (سچے) باایمان

من الدليل القطعي على صحتها صوله واستقامة فروعه (قرطبي، ابن العربي)۔

شلہ ان لوگوں کو کفر کے پیشوا اور سرغنے کہا جا رہا ہے جو قبول اسلام کے بعد مرتد ہو گئے۔ جو اسلام کے سایہ میں امن و راحت کی زندگی بسر کرنے کے باوجود اتنے طوطا چشم ہیں کہ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ ان کی قسموں پر اعتماد کرنا، ان کی چکنی چپڑی باتوں میں آجانا ایسی سادہ لوحی ہے جو ایمانی فراست سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ ان کی کھوپڑی پر جب تمہارا آہنی گرز پڑے گا تو ان کو ہوش آئے گا اور وہ حقیقت شناسی کی طرف مائل ہوں گے۔ کفار کی ذہنیت کا یہ تاریخی تجزیہ ہے۔

شلہ صاحب تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ یہ آیت یہود، منافقین اور کفار مدینہ کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غزوۂ تبوک پر روانہ ہو گئے تو انہوں نے حضور کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا اور مشرکین عرب کو اپنی اعانت کا یقین دلا کر انہیں ایک بار پھر بغاوت پر آمادہ کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے کیونکہ یہ سورۃ غزوۂ تبوک کے زمانہ میں نازل ہوئی۔ فهذا اظهر لان السورة نزلت بعد غزوة التبوك (مظهری)

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ "ان زور دار الفاظ سے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلانے کی وجہ یہ ہے کہ حج کے موقع پر اسلام کی جس نئی پالیسی کا اعلان کیا گیا تھا اس سے اندیشہ تھا کہیں کفر کی بچی کھچی جماعت اپنی بقا و سلامتی کے لیے اپنی ساری قوتوں اور وسائل کو داؤ پر لگا کر عرب کے اطراف و اکناف میں علم بغاوت کی آگ نہ بھڑکا دے۔ ان سے تمام معاہدوں کی منسوخی کا اعلان، کعبہ کی تولیت سے محرومی، حج کعبہ کی ممانعت وغیرہ ایسے احکام تھے جن سے ان کا بھڑک اٹھنا کوئی مستبعد نہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو ان ہنگامی حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہوشیار اور مستعد رہنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ

جنگ کرو ان سے [۲۸] عذاب دیگا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کریگا انہیں اور مدد کریگا تمہاری ان کے

يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ

مقابلے میں اور دل ٹھنڈے کر دیگا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے [۲۹] اور دور فرما دیگا غصہ ان کے دلوں کا

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ

اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے [۳۰] اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے کیا تم

حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

یہ خیال کر رہے ہو [۳۱] کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائیگا حالانکہ ابھی تک پہچان نہیں کرائی اللہ نے ان کی جو جہاد کرتے ہیں تم میں سے

پھر ایسے انقلابی فرامین پر کسی قسم کے احتجاج کا ظہور پذیر نہ ہونے کی یہی وجہ تھی کہ انہیں ہر وقت مسلمان شمشیر بکف اور مستعد کھڑے دکھائی دے رہے تھے (واللہ اعلم بالصواب)

۲۸ یعنی کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے تم اس لیے پہلو تہی کرنا چاہتے ہو کہ تمہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم پر غالب آ جائیں۔ اس وسوسہ کو دل سے نکال دو۔ ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو سب سے زیادہ قوی اور سب سے زیادہ توانا ہے جس کو تم نے اپنا رب اور معبود یقین کیا ہوا ہے اور ایمان صادق کا یہی تقاضا ہے۔

۲۹ اس پر ہوش میدان کارزار میں تم قدم رکھو گے تو اللہ کی مدد تمہاری پشت پناہی فرمائے گی۔ اس نے کفار کو ذلیل و رسوا کرنے کا جو اٹل فیصلہ فرما دیا ہے اس کا ظہور تمہارے ہاتھوں سے ہوگا۔ تمہیں کمزور اور بے بس سمجھنے والے تمہارے قدموں کی ٹھوکروں میں ہوں گے۔

۳۰ کفار کے ساتھ جنگ کا حکم دے کر انہیں بتایا جا رہا ہے کہ برسوں سے وہ تمہیں ستا رہے ہیں اور تمہارے دل ان کی ایذا رسانیوں سے داغ داغ ہیں۔ اب وقت ہے کہ تم کفر و شرک کے ان علمبرداروں پر ضرب کاری لگا کر ان کی نخوت کو خاک میں ملا دو۔ اسلام کی فتح اور کفر کی ذلت دیکھ کر تمہارے دل باغ باغ ہو جائیں گے اور تمہارا ایمان پکا ہو جائے گا اور انتقام کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں وہ سرد پڑ جائیں گے۔

۳۱ اب تک جو کفر سے چمٹے ہوئے ہیں ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جن پر رحمت خداوندی جب توجہ فرمائیگی تو ان کے دلوں کے قفل بھی کھل جائیں گے اور وہ مستقبل میں اسلام کے جانباز سپاہی ثابت ہوں گے۔

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ

اور جنھوں نے نہیں بنایا بغیر اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے کسی کو اپنا

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ

محرم راز۔ اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔ نہیں ہے روا مشرکوں کے لیے

أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو [۴۲] حالانکہ وہ گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی۔

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّمَا

یہ وہ (بدنصیب) ہیں ضائع ہو گئے جن کے تمام اعمال۔ اور دوزخ کی آگ میں ہی یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ صرف وہی

يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ

آباد کر سکتا ہے اللہ کی مسجدوں کو جو ایمان لایا ہو اللہ پر اور روزِ قیامت پر اور قائم کیا

[۴۱] جہاد کو گراں سمجھنے والوں اور اس سے جی چرانے والوں کو بطور زجر و توبیخ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارا زبان سے کلمہ پڑھ لینا ہی کافی ہوگا اور کسی آزمائش سے تمہارے اس دعویٔ ایمان کو پرکھا نہیں جائے گا۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے تو تم خود فریبی میں مبتلا ہو۔ خوب کان کھول کر سن لو عمل کی کسوٹی پر تمہارے ظاہر و باطن کو پرکھا جائے گا۔ جب جہاد کے نقارہ پر چوٹ پڑے گی تو تمہیں سربکف میدان میں حاضر ہونا ہوگا۔ اسلام کے مفاد کے لیے اپنے سابقہ تعلقات اور دوستانہ مراسم کو قربان کرنا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل اسلام سے ساتھ اپنے دلی تعلقات کو استوار کرنا ہوگا۔ علم کا معنی یہاں جاننا نہیں بلکہ جتانا اور پہچان کرانا ہے۔ اس کی تحقیق کئی مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ ولیجہ اس شخص کو کہتے ہیں جس سے انسان اپنے دلی راز کہہ سکے۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے یہی لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ فولیجة الرجل من یختص بدخلة امرہ دون الناس والواحد والجمع فیہ سواء (قرطبی)۔

[۴۲] مسجدیں محض اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے تعمیر کی جاتی ہیں خصوصاً مسجد حرام جس میں کعبہ مقدسہ ہے۔ اس لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ان کی تعمیر، ان کی مرمت، ان کی آبادی اور ان کے دوسرے انتظام کا متولی کفار اور مشرکین کو بنایا جائے۔ اس آیت کریمہ نے اس امر کی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس حکم سے حرم کعبہ جو سالہا سال تک مشرکین کی تولیت میں تھا

الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ

نماز کو اور ادا کیا زکوٰۃ کو اور نہ ڈرتا ہو اللہ کے سوا کسی سے پس امید ہے کہ یہ لوگ

اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ

ہو جائیں ہدایت پانے والوں سے ۵۳ کیا تم نے ٹھہرا لیا ہے ۵۴ حاجیوں کو پانی پلانے والے کو

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ

اور مسجد حرام کے آباد کرنے والے کو اس شخص کی مانند جو ایمان لے آیا اللہ پر اور روز قیامت پر اور جہاد کیا

مسلمانوں کو اس کا متولی بنا دیا گیا۔ فاقتضت الآیۃ منع الکفار من دخول المسجد ومن بنائه وتولی مصالحه والقیام به (جصاص) آیت سے پتہ چلتا ہے کہ کافر نہ مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں نہ اس کو تعمیر کر سکتے ہیں نہ اس کے متولی بن سکتے ہیں۔

۵۳ مساجد کے متولی اور منتظم وہی لوگ بن سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین محکم رکھتے ہوں اور عملی اعتبار سے وہ نماز اور زکوٰۃ کے پورے پورے پابند ہوں اور ان کے کردار کی بلندی کا یہ عالم ہو کہ دین کے معاملہ میں وہ کسی سے خوفزدہ نہ ہوں اور رضاء الٰہی پر کسی کی خوشنودی کو ترجیح نہ دیں۔ عمارت مسجد میں اداء نماز، ذکر الٰہی اور تعلیم قرآن کے علاوہ اس کی تعمیر، اس کی مرمت، اس کی صفائی اور روشنی سب داخل ہیں۔ وعمارتها تزیینها بالفرش وتنویرها بالسرج وادامة العبادة والذکر ودرس العلم فیها وصیانتها مما لم تبن له (بیضاوی)

۵۴ میدان بدر میں جب حضرت عباس اسیر ہوئے تو کسی نے ان کو اسلام قبول نہ کرنے پر ملامت کی۔ انھوں نے کہا اگر تمہیں اسلام لانے اور جہاد کرنے کا فخر ہے تو ہم بھی تم سے کم نہیں۔ مسجد حرام کی آبادی، کعبہ کی خدمت گزاری اور حجاج کو پانی پلانے کی عزت تو ہمیں ہی حاصل ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ شرک کی موجودگی میں تمہاری یہ باتیں ان لوگوں کے اعمال کا مقابلہ نہیں کر سکتیں جو سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کا سکہ بٹھانے کے لیے سر کف میدان جہاد میں آ موجود ہوتے ہیں۔ الفاظ آیت سقایۃ اور عمارۃ مصدر ہیں۔ اگر یہ اسم فاعل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوں تو کلام میں کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ یعنی ہوگا کہ حاجیوں کو پانی پلانے والا اور مسجد کو آباد کرنے والا اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور جہاد کرے۔ اور اگر مصدر اپنے مصدری معنی میں ہی مستعمل ہوں تو پھر کلام میں مضاف ماننا پڑے گا اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو مشبہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیر کلام ہوگی اجعلتم اھل سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام اور یا مشبہ بہ میں محذوف مانیں تو اس وقت تقدیر کلام ہوگی اجعلتم سقایة الحاج وعمارة المسجد الحرام کایمان من آمن باللہ وجھاد من جاھد۔ (زمخشری۔ قرطبی۔ بیضاوی)

فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِندَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

اس نے اللہ کی راہ میں وہ نہیں یکساں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي

ان لوگوں کو جو ظالم ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہِ خدا

سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بہت بڑا ہے ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ

نزدیک ۳۸ اور یہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ۳۹ خوشخبری دیتا ہے انہیں ان کا رب اپنی رحمت

۳۸ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کی خدمت گزاری اور مسافروں کی مہمان نوازی کو اسلام سے روگردانی کرنے کی صورت میں اپنی نجات کے لیے کافی سمجھنے والے کان کھول کر سن لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان کے بغیر اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس کی بارگاہ والا میں تو انہی کے لیے اعزاز و اکرام کے رتبے ہیں جو ایمان، ہجرت اور جہاد کی صفات سے متصف ہیں۔

۳۹ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں رحمتِ الٰہی اور رضائے خداوندی کی نویدِ جانفزا سنائی جا رہی ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد اور رہ ہی کیا جاتا ہے جس کے حصول کی تمنا دل میں پیدا ہو۔ اللھم اجعلنا منھم بجاہ حبیبک المکرم سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ ان صفات سے پوری طرح متصف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام تھے جنہوں نے کفار کی سفاکیوں اور سنگدلانہ چیرہ دستیوں کا بڑی مردانگی سے مقابلہ کیا جنہوں نے محض اپنے دین کی خاطر اپنے شاد و آباد گھروں کو چھوڑ کر غریب الوطنی کی سختیوں اور پریشانیوں کو خوش آمدید کہا جنہوں نے میدانِ جہاد میں عدیم المثال سرفروشی اور جانبازی کا ایسا مظاہرہ کیا کہ کفر کے علم سرنگوں ہو گئے کفار کے چھکے چھوٹ گئے اور اسلام کا آفتابِ اقبال پوری ضیاء پاشیاں کرنے لگ گیا۔ ایسے ہی نفوسِ قدسیہ کے بارے میں قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ بارگاہِ رب العزت میں ان کے درجات بڑے بلند ہیں۔ اپنے رب کی راہ میں اپنے گھر، اپنے سر اور اپنا مال و متاع قربان کرنے والے ویرانِ عشق کے سروں پر فوز و کامرانی کا زرنگار تاج سجایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے جس سے کسی کے دل کا راز بھی پوشیدہ نہیں، جس کے سامنے ہر شخص کا ماضی و حال اور مستقبل آشکارا ہے، جن لوگوں کے بارے میں اس کی زبانِ قدرت شہادت دے رہی ہے وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ اگر ان کے بارے میں چہ میگوئیاں، ان کے ایمان پر اعتراض کسی ایسے شخص کو تو ہرگز

مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ

اور اپنی خوشنودی کی اور ایسے باغات کی کہ ان کے لیے ان میں دائمی نعمت ہوگی۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

وہ ان میں تا ابد۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی اجر عظیم ہے۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

نہ بنالو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دلی دوست اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

کفر کو ایمان پر ٭ اور جو دوست بناتا ہے انھیں تم میں سے تو وہی لوگ ظلم

الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَ

کرنے والے ہیں۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور

اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ

تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار

تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو ٭ زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے

زیب نہیں دیتے جو قرآن کو اللہ کا کلام مانتا ہے اور اللہ کو علیم و خبیر یقین کرتا ہے۔

٭ دارالکفر کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی رشتہ داریاں ہی تو تھیں جن کی محبت اور خاطرداری کی وجہ سے انسان اس فریضہ کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ کسی سے خواہ وہ تمہارے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہوں ایسی دلی دوستی قائم نہ کرو جو کسی وقت حکم الٰہی کی بجاآوری میں حائل ہو۔

٭ اس آیت کریمہ میں ہر طرح کے ان بندھنوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن میں انسان اپنے آپ کو اپنی فطرت اور ضرورت

وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم

کے باعث بندھا ہوا ہوتا ہے۔ ماں باپ کی محبت اپنی اولاد سے اور اولاد کی اپنے ماں باپ سے، بھائی بہنوں کی باہمی اُلفت میاں بیوی کا گہرا تعلق یہ سب انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ مال، کاروبار اور مکانات وغیرہ سے انسان کا لگاؤ اس لیے ہے کہ وہ زندگی بسر کرنے اور اسے عزت و آرام سے گزارنے میں ان کا محتاج ہے۔ دینِ اسلام کیونکہ دینِ فطرت ہے وہ انسان کے طبعی تقاضوں اور اس کی ضروریات کا مناسب خیال رکھتا ہے اس لیے اس نے یہ حکم نہیں دیا کہ سرے سے یہ محبت کے رشتے توڑ دیے جائیں اور ان چیزوں کی طرف سے بالکل توجہ ہی ہٹا لی جائے لیکن کیونکہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف انہی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ ان سے بہت آگے اور بہت بلند ہے اس لیے انسان کو انہی تعلقات اور انہی اشیاء میں گم ہو جانے سے روکا ہے اور حکم دیا کہ بیشک ان اشیاء سے محبت و پیار کرو لیکن صرف اس حد تک جب تک یہ چیزیں تمہاری روحانی ترقی میں حائل نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کی محبت اور عشق سے نہ ٹکرائیں۔ ایثار و شہادت کے میدان میں جانے سے تمہارا راستہ نہ روکیں۔ اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو پھر ان تعلقات کو اور ان چیزوں کو پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے آگے نکل جاؤ۔ تب تم اپنے آپ کو اپنا نام کہلانے کے حقدار ہو۔ بعض علماء نے یہاں محبت طبعی اور اختیاری کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں تک انسان کا اختیار ہے وہ اللہ اور رسول سے زیادہ محبت کرے اور اگر بلا اختیار کسی اور سے زیادہ محبت کرے تو حرج نہیں۔ لیکن حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان ہی کیا ہے جس کی طبیعت شریعت اسلامی کی پابند نہ ہو۔ قلت وكمال الايمان ان يكون الطبيعة تابعة للشريعة فلا يقتضي الطبع الا ما يامره الشريعة۔ چنانچہ حدیث پاک میں بھی صراحۃً موجود ہے کہ جب تک اللہ کا رسول ماں باپ، اولاد اور ہر چیز سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو اس وقت تک انسان مومن نہیں ہو سکتا۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين۔ اس کے بعد علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ یہ نعمت بجز اولیاء کاملین کی صحبت کے نصیب نہیں ہو سکتی وذالك كمال الايمان لا يكتسب ذلك الا من مصاحبة ارباب القلوب الصافية والنفوس الزكية وهذه الآية وما ذكرنا من الاحاديث يوجب افتراض اكتساب التصوف من خدمة المشائخ رضي الله عنهم اجمعين (مظہری)۔ سچ تو یہ ہے کہ ایمان کا لطف ہی تب آتا ہے جب دل میں اللہ اور اس کے رسول کا عشق شعلہ زن ہو۔ اس وقت یہ ساری زنجیریں خود بخود پگھل جاتی ہیں اور سارے حجاب تار تار ہو جاتے ہیں۔ ماں باپ اپنے بچوں کے تڑپتے ہوئے لاشے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ بیویاں اپنے شوہروں کے سر بریدہ جسم دیکھ کر سجدۂ شکر ادا کرتی ہیں اور یہی دعائیں مانگتی ہیں کہ اے اللہ العالمین ہمارے لال جاتے کو شہادت نصیب فرما۔ اس وقت تلاوت کو مزید مشتاقی ہے اور ذوق دل کو تسکین محسوس ہوتی ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ کے یہ شعر پڑھیے اور اہل عشق و محبت کی بے تابیاں

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ

اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔ بیشک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے

مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ

جنگی میدانوں میں ۲۵ اور حنین کے روز بھی ۲۶ جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ

ملاحظہ فرمایئے :۔

احبك حبين حب الهوى وحبا لانك اهل لذاكا
فاما الذي هو حب الهوى فشغلي شغلت به عن سواكا
واما الذي انت اهل له فكشفك لي الحجب حتى اراكا (الشاعر)

ترجمہ : (۱) اے مولا ! میں تجھ سے دو طرح کی محبت کرتی ہوں۔ ایک تو یہ کہ تو میرا محبوب ہے۔ دوسری یہ کہ تو اس قابل ہے کہ تجھ سے محبت کی جائے۔ (۲) پہلی محبت نے تو مجھے ماسوا سے بے خبر کر دیا ہے۔ (۳) دوسری محبت کا تقاضا یہ ہے کہ حجاب سرک جائیں اور چشم شوق لذت دید حاصل کرے۔

۲۴ یعنی اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور راہ حق میں جہاد کرنے سے زیادہ تمہیں کوئی چیز عزیز اور پیاری ہے تو پھر عذاب الٰہی کا انتظار کرو۔ اب تم رحمت و عنایت کے مستحق نہیں رہے بلکہ ناراضگی اور عتاب کے سزاوار ہو گئے ہو۔

۲۵ سورۂ براءت کے اعلان سے جو حالات پیدا ہو گئے تھے اور اندیشہ تھا کہ کفار پھر ایک بار سب مل کر جان کی بازی لگا دیں گے۔ مسلمانوں کے دلوں سے ایسے وسوسے دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ جس خدا نے اس سے پہلے بے شمار موقعوں پر تمہاری دستگیری فرمائی ہے اور تمہاری قلیل تعداد کو دشمن کی کثرت پر فتح دی ہے اس کی نصرت آج بھی تمہارے ساتھ ہے۔ کل ہی کی بات یاد کرو حنین میں کس طرح تمہاری لپسپائی کو اس کی نصرت اور اعانت نے فتح مبین میں تبدیل کر دیا۔ آج بھی اسی پر توکل کرو اور دشمن کی کسی سازش سے مت گھبراؤ۔

۲۶ مکہ فتح ہو جاتا ہے اور کفر و شرک کا محکم حصار پیوند خاک کر دیا جاتا ہے۔ چند روز تک مسلمان امن و سکون سے مکہ میں ٹھہرے رہتے ہیں اور طواف کعبہ کی حسرتوں کو پورا کر لیتے ہیں۔ اسی اثنا میں اطلاع ملی کہ ہوازن اور ثقیف کے قبیلے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے لشکر جرار کے ساتھ ادھر کا رخ کرتے ہیں۔ لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ دس ہزار انصار و مہاجرین تھے اور دو ہزار مکہ کے نومسلم بعض مشرک بھی شریک ہو گئے تھے۔ مسلمانوں نے جب بارہ ہزار کا لشکر جرار دیکھا تو بعض نے دل ہی دل میں خیال کیا کہ آج کوئی طاقت ہمیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ جب یہ لشکر حنین کی وادی میں پہنچا جو مکہ کے جنوب مشرق کی طرف صرف تین میل دور ہے تو مالک بن عوف کی قیادت میں ہوازن و ثقیف

تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ

فائدہ دیا تمہیں اس کثرت نے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے۔ پھر تم

وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَ

مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی خاص تسکین اپنے رسول پر اور

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ

اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنھیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں

كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ

کو۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی ۵۱ پھر رحمت سے توجہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اس کے بعد

کے ماہر تیر انداز تنگ وادی کی کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب مسلمان ٹھیک ان کی زد میں آ گئے تو مالک نے تیر برسانے کا حکم دیا۔ تیروں کی بے پناہ اور غیر متوقع بارش سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور انھوں نے بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ حضور کریم کی معیت میں صرف ابوبکر، عمر، عباس، علی، ابوسفیان بن الحارث اور چند اور جاں نثار رہ گئے۔ اس نازک حالت میں حضور کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ پائے ثبات میں جنبش نہ ہوئی۔ سفید خچر پر سوار تھے۔ اسے ایڑی لگائی اور دشمن کی صفوں کی طرف بڑھایا۔ حضرت عباس نے باگ تھام رکھی تھی اور ابوسفیان بن الحارث نے رکاب پکڑی ہوئی تھی۔ حضور فرما رہے تھے انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبد المطلب۔ اسی حالت میں حضور نے کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر ان کی طرف پھینکی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں نہ پڑی ہو۔ آسمان سے فرشتوں کا غیر مرئی لشکر بھی اتر آیا۔ دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حضور کے حکم سے حضرت عباس نے بلند آواز میں مہاجرین اور انصار کو پکارا۔ یا معشر الانصار الذین آووا و نصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا تحت الشجرۃ ان محمدا حی فتعالوا۔ ترجمہ: اے گروہ انصار جنھوں نے غریب الدیار مہاجرین کو پناہ دی اور نازک اوقات میں اسلام کی امداد کی۔ اے گروہ مہاجرین جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں سب ان کے پاس جمع ہو جاؤ۔

آواز سنتے ہی صحابہ پروانہ وار دوڑتے چلے آئے اور حضور کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اہل اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔

۵۱ یعنی کفار کی یقینی فتح رسوا کن شکست میں بدل گئی۔ ستر آدمی قتل ہوئے۔ ہزاروں کی تعداد میں قید ہوئے۔

ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

جس پر چاہے گا ۳۲ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان والو!

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ

مشرکین تو نرے ناپاک ہیں ۳۳ سو وہ قریب نہ ہونے پائیں مسجد حرام کے اس

فقط عورتوں کی تعداد چھ ہزار تھی۔ بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ ۲۴ ہزار اونٹ۔ تیس ہزار بھیڑیں اور بکریاں۔ چار ہزار اوقیہ چاندی ذالک کے علاوہ تھی۔ بتانا یہ ہے کہ کفار کا طبعی انجام یہی ہے کہ ان کو ہر میدان میں شکست کا سامنا کرنا پڑے اور قیامت کے ابدی عذاب سے پہلے دُنیا میں ہی وہ اپنے کیے کی سزا بھگت لیں۔

۳۲ حنین کی فتح کے بعد طائف کا محاصرہ کیا گیا جو اٹھارہ روز تک جاری رہا اس کے بعد حضور کریم جعرانہ کے مقام پر واپس تشریف لائے جہاں سارا مال غنیمت اکٹھا کیا گیا تھا اور اس کو حکم خداوندی کے مطابق تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد ہوازن کا ایک وفد جو مشرف باسلام ہو چکا تھا حاضر خدمت ہوا اور رحمت و شفقت کا خواستگار ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا میں نے اتنے روز اس مال کی تقسیم میں تاخیر کی لیکن تم نہ آئے۔ اب مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اب دو چیزوں میں سے ایک پسند کر لو اہل و عیال یا مال و اسباب۔ انھوں نے عرض کی ہم مال و اسباب کے طلبگار نہیں ہمارے اہل و عیال واپس فرما دیجیے۔ چنانچہ حضورؐ نے خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آتے ہیں ہم نے انھیں اختیار دیا ہے کہ چاہے مال و اسباب لے لیں چاہے اہل و عیال آزاد کرا لیں۔ انھوں نے اہل و عیال کو آزاد کرانا پسند کیا ہے اس لیے ان کے جو اسیر میرے حصہ میں اور بنو عبد المطلب اور ہاشم کی اولاد کے حصہ میں آتے ہیں میں انھیں آزاد کرتا ہوں۔ اپنے آقا و مرشد کا ارشاد سن کر سب انصار و مہاجر یک زبان عرض پرداز ہوئے ما کان لنا فہو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا رسول اللہ جو قیدی ہمارے حصہ میں آتے ہیں سب حضورؐ کی نذر ہیں۔ چنانچہ اس طرح ان دشمنوں کے اہل و عیال کو عزت و احترام سے آزاد فرما دیا۔ اس فیاضانہ سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام سے عداوت اور عناد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد پڑ گئے اور حضور کریم کی دریا دلی کو دیکھ کر اسلام کے قدیم دشمن بھی اسلام کے گرویدہ ہو گئے۔ اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے۔

۳۳ فتح مکہ کے بعد بھی مشرکین عرب حرم کعبہ میں داخل ہوتے اور اپنے جاہلانہ رواج کے مطابق طواف کرتے اور ارکان حج بجا لاتے۔ اس آیت نے ہمیشہ کے لیے ممانعت کر دی کہ کعبہ مقدسہ جو محض اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے وہاں اب مزید کسی مشرک کو نذر یا پاٹ کی اجازت نہیں ہوگی سیٹیاں اور تالیاں بجا بجا کر برہنہ طواف کرنا اور اس قسم کی دوسری لغو رسمیں قطعاً بند ہیں۔ مشرکین کے نجس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے عقائد اور باطل نظریات کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ ائمہ مجتہدین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کی نوعیت کیا ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک

عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ

سال کے بعد اور اگر تم اندیشہ کرو تنگدستی کا ۵۳ تو غنی کر دے گا تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے

فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ

فضل و کرم سے اگر چاہے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے۔ جنگ کرو ۵۴ ان لوگوں سے جو نہیں

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

ایمان لاتے اللہ پر ۵۵ اور نہ روزِ قیامت پر اور نہیں حرام سمجھتے جسے حرام کیا ہے

کوئی مشرک کسی اشد ضرورت کے بغیر کسی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کوئی کافر مسجد حرام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ دوسری مساجد میں داخلہ ممنوع نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر مسجد میں کافر داخل ہو سکتا ہے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حج کرنے اور اپنی مشرکانہ رسوم ادا کرنے کے لیے داخلہ بند ہے۔ (جصاص)

۵۳ جب کفار سے قطع تعلق کا اعلان کر دیا گیا تو بعض لوگوں کے دلوں میں یہ خیال گزرا کہ اس طرح تو تجارتی کاروبار بھی بند ہو جائے گا ضرورت کی چیزیں نایاب ہو جائیں گی اور کھانے پینے کی اشیاء کی بھی تنگی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کی بست و کشاد میرے دست قدرت میں ہے یہ خوف دلوں سے نکال دو۔ حضرت صدر الافاضل فرماتے ہیں اس آیت میں تعلیم ہے کہ بندے کو چاہیے کہ طلب خیر اور دفع آفات کے لیے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے اور تمام امور کو اسی کی مشیت سے متعلق جانے (خزائن العرفان)۔

۵۴ جب جزیرہ عرب کے بیشتر حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور مشرکین کی طاقت ختم کر دی گئی تو اردگرد کی حکومتوں کو بھی اسلام کی روز افزوں قوت سے خدشہ پیدا ہونے لگا اور انھوں نے اسلام کو کچل دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اس سے تاریخ اسلام کے نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اب مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین عرب کے بجائے عیسائیوں کی قوتیں صف بستہ ہونے والی تھیں۔ اس لیے اس آیت میں اہل کتاب کے ساتھ جنگ کرنے کے قواعد و ضوابط بیان کیے جا رہے ہیں۔

۵۵ اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی اجازت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان میں چار بنیادی خرابیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان نہیں کیونکہ انھوں نے اس کے بیٹے مان رکھے ہیں۔ روزِ قیامت جو روزِ حساب ہے اس کے متعلق بھی انھوں نے من گھڑت تصورات قائم کر رکھے ہیں۔ ان کی آسمانی کتابوں میں جو احکام الٰہی ہیں ان کو انھوں نے اپنی خواہشات نفسانی کی نذر کر دیا ہے جس حکم کو چاہا مان لیا اور جس کو چاہا نظرانداز کر دیا اور دین حق (اسلام) جب ان کے سامنے پیش کیا گیا تو اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسے لوگ اگر تسلط و اقتدار کے مالک بن گئے تو ظلم و تشدد کا دروازہ کھل جائے گا۔ اس

ع ۱۵ ۱۰

اللّٰهَ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنھیں کتاب دی گئی ہے

الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے اس حال میں کہ وہ مغلوب ہوں ۵۳

لیے اگر ان کی طرف سے حملہ یا نقضِ امن کا خطرہ ہو تو ان سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

۵۳۔ اگر وہ اسلام کی بالادستی کو تسلیم کرتے ہوئے مملکتِ اسلامیہ کا پُرامن شہری بن کر رہنا چاہیں تو وہ جزیہ ادا کر کے ایسا کر سکتے ہیں۔ جزیہ وہ ٹیکس ہے جو کسی مملکت کے شہریوں پر عائد کیا جاتا ہے اور کتبِ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا آغاز اسلام سے پہلے نوشیرواں نے کیا تھا اور عرب کے وہ حصے جو ایرانیوں کی عملداری میں تھے اس سے خوب واقف تھے۔ اسی لیے جب یمن کے عیسائی (اہلِ نجران) بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے معذرت پیش کی لیکن ساتھ ہی جزیہ ادا کرنے پر آپ سے صلح کر لی۔ چنانچہ تاریخِ اسلام میں یہ پہلا جزیہ ہے جو وصول کیا گیا۔ جزیہ کے عائد کرنے کی مختلف وجوہات جو علماء نے بیان کی ہیں صاحب المنار نے انھیں یکجا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ان کے قتل نہ کیے جانے کا بدلہ ہے یا ان کی حفاظت اور ان کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کرنے کا معاوضہ ہے یا وہ مساویانہ حقوق جو انھیں مملکتِ اسلامیہ کا شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہیں اور انھیں مذہبی اور معاشی آزادی جو دی گئی ہے یا ان کے مال و جان و آبرو کی حفاظت کی جو ذمہ داری لی گئی یہ اس کا معاوضہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی خدمات سے انھیں مستثنیٰ کرنے اور ان کے مال و جان اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری لینے کا معاوضہ ہے۔ حضرت خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے جو معاہدہ کیا تھا اس کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

«هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا بن نسطونا وقومه إني عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة وما منعناكم فلنا الجزية وإلا فلا. كتب سنة اثنتي عشرة في صفر»

ترجمہ: یہ عہد نامہ ہے جو خالد بن ولید نے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم سے کیا۔ میں تم سے اس بات کا معاہدہ کرتا ہوں کہ تم جزیہ ادا کرو اور ہم تمھاری حفاظت کریں۔ جب تک ہم تمھاری حفاظت کریں گے ہم جزیہ وصول کرنے کے حقدار ہیں ورنہ نہیں۔ لکھا گیا صفر سنہ ۱۲ھ۔

اس روایت سے اور اس کی ہم معنی متعدد روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جزیہ اس ذمہ داری کا معاوضہ تھا جو مسلمان ان کی حفاظت اپنے ذمہ لیا کرتے تھے اور ایسا بھی ہوا کہ جب کبھی مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے [۵۸] اور کہا نصرانیوں نے کہ مسیح

سے قاصر ہیں تو انھوں نے جزیہ کی وصول شدہ رقم واپس کر دی چنانچہ جنگ یرموک سے پہلے جب مسلمانوں نے جنگی مصلحت کے پیش نظر حمص وغیرہ کو خالی کرنا ضروری سمجھا تو افواج اسلامیہ کے سپہ سالار عام حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام ماتحت جرنیلوں کو حکم بھیجا کہ اپنے اپنے علاقہ سے جو جزیہ اور خراج افسروں نے وصول کیا ہے وہ لوگوں کو واپس کر دیں اور انھیں بتائیں کہ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری ہم نے قبول کی تھی جس کے عوض تم نے ہمیں یہ رقوم دی تھیں سر دست ہم اس کو نبھانے سے قاصر ہیں اس لیے ہم یہ واپس کر رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمن پر کامیابی بخشی تو جو معاہدہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہو چکا ہے وہ بحال رہے گا۔ اگر تم نے اسے منظور کیا تو ہم اس کی پابندی کریں گے جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کا یہ حسن سلوک دیکھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور وہ دعائیں مانگنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھر واپس لائے اور دشمن پر غلبہ نصیب کرے ردکم اللہ علینا ونصرکم علیہم فلو کانوا ھم لم یردوا علینا شیئا "اللہ تعالیٰ تمہیں ہمارے پاس واپس لائے اور تمہاری مدد فرمائے۔ اگر وہ (رومی) ہوتے تو ہمیں پھوٹی کوڑی بھی واپس نہ کرتے" یہی وہ بے مثل کردار تھا جس نے انھیں اسلام کا گرویدہ بنا دیا۔ عہد فاروقی میں ہمیں ایسے متعدد واقعات دکھائی دیتے ہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ جب جزیہ ادا کرنے والوں نے جنگ میں شرکت کی تو ان کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کس سے جزیہ لے کر صلح کی جا سکتی ہے امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں کہ اہل کتاب سے جزیہ پر صلح کرنے کا حکم قرآن کریم میں ہے اور مجوس جو اہل کتاب نہ تھے ان سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جزیہ قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کفار سے خواہ وہ اہل کتاب نہ ہوں جزیہ لیکر صلح کر لینا شرعاً جائز ہے بجز عرب کے بت پرستوں کے کہ ان کے سامنے دو ہی راستے ہیں، اسلام یا تلوار۔ مولانا آزاد نے یہاں خوب لکھا ہے: "باقی رہے مشرکین عرب۔ تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا کیونکہ سورۃ براءۃ کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جزیرۃ العرب کا شرک ہمیشہ کے لیے یہاں سے ہٹ جائے"۔ لیکن جو قبیلے یا اہل ملک جزیہ ادا کرنے پر صلح کرتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے تمام افراد پر بلا استثناء جزیہ کی ادائیگی لازم ہو جاتی ہے بلکہ عورتیں، بچے، بوڑھے، لنگڑے، اپاہج وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ ولذٰلک قال اصحابنا ان من لم یکن من اہل القتال فلا جزیۃ علیہ فقالوا من کان اعمی او زمنا او مفلوجا او شیخا کبیرا فانیا وھو موسر فلا جزیۃ علیہ (جصاص)

مسئلہ امام شافعی اپنی احکام القرآن میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں سمعت رجالا من اہل العلم یقولون الصغار ان یجری علیہم حکم الاسلام (احکام القرآن للشافعی) یعنی اہل علم نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اسلام کے احکام ان پر نافذ کیے جائیں۔

مسئلہ جب یہود کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں، انبیاء کو بے دریغ قتل کرنا، تورات کے احکام میں من مانی تاویلات کرنا ان کی عادت بن گئی تو خدا کا عذاب بخت نصر (مشتولی ۶۰۵ ق م) کی صورت میں نمودار ہوا۔ جس نے بیت المقدس کی

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

اللہ کا بیٹا ہے ۔ یہ ان کی بے سروپا بات ہے اپنے منہ سے نکالی ہوئی ۔ نقل اتار رہے ہیں ان لوگوں کے

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا

قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے ۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ، کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں ۔ انہوں نے بنا لیا

اینٹ سے اینٹ بجا دی ۔ یہودی کو ہزاروں کی تعداد میں بے دردی سے قتل کیا گیا اور تورات کے موجودہ نسخے بھی اس شورش میں ضائع ہو گئے تو اس وقت حضرت عزیر جنہیں عبرانی میں عزرا (EZRA) (متوفی ۴۵۰ ق م تقریباً) کہتے ہیں نے اپنی یاد سے یہود کو تورات عہد نامہ قدیم کی املا کرا دی اور کچھ مدت کے بعد جب تورات کا ایک قدیم نسخہ دستیاب ہوا تو وہ بعینہ اسی طرح پایا گیا جس طرح حضرت عزیر نے تحریر کرایا تھا ۔ اس سے آپ کی قدر و منزلت یہود کے دلوں میں بہت بڑھ گئی اور آپ کو مجدد دین موسوی کا خطاب دیا گیا ۔ اور ان میں سے بعض نے تو اتنا غلو کیا کہ انہیں ابن اللہ کہنا شروع کر دیا ۔ عام یہودیوں کا تو یہ عقیدہ نہ تھا صرف یہودیوں کا ایک گروہ اس کا قائل تھا جن کے نام بروایت ابن عباس یہ ہیں ۔ سلام بن مشکم ۔ نعمان بن اوفی ۔ شاس بن قیس ۔ مالک بن الصیف (بحر) اور اب اس عقیدہ کے لوگ ختم ہو چکے ہیں قال النقاش لم یبق یہودی یقولہا بل انقرضوا (بحر وغیرہ) ۔ اور جب قوم کے بعض ذمہ دار افراد کسی بات کے قائل ہوں تو وہ بات ان کی ساری قوم کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے اگرچہ ساری قوم نے وہ بات نہ بھی کہی ہو ۔

ﷺ ابن اور ولد دو عربی لفظ ہیں ۔ ولد تو صُلبی اولاد کو ہی کہا جاتا ہے ۔ ابن کا اگرچہ حقیقی معنی یہی ہے لیکن بطور مجاز محبوب اور لاڈلے کو بھی ابن کہہ دیتے ہیں جیسے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ میں ہے ۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کی اکثریت کا عقیدہ تو یہی ہے کہ ابن کا معنی (SON OF GOD) ہے لیکن بعض اس سے اس کا مجازی معنی مراد لیتے تھے ۔ ہیں علامہ ابن حیان فرماتے ہیں کہ جب خورشید محمدی کا ظہور ہوا اور الوہیت کے عقیدہ کے بطلان پر اٹل دلائل قائم کر دیئے گئے اور مناظروں میں بھی عیسائیوں کو لاجواب ہونا پڑا تو لاچار ہو کر انہوں نے ابن اللہ کا یہ مجازی مفہوم (یعنی محبوب) بیان کرنا شروع کر دیا ویقال ان بعضہم یعتقدھا بنوۃ حنو و رحمۃ وھذا القول لم یظہر الا بعد النبوۃ المحمدیۃ و ظہور دلائل صدقہ تعالٰی بعدلہ فاعلوا المسلمین وناظروہم فرجعوا عما کانوا یعتقدون فی عیسیٰ علیہ السلام

ﷺ علامہ آلوسی نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں قول کے ساتھ فم وغیرہ یا لسان زبان کا مذکور ہے وہاں اس کا معنی غلط اور بے سروپا بات ہے یعنی ان کے پاس اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہیں ۔ یونہی گپ بازی اور زبانی باتیں ہیں ۔

ﷺ یضاھئون کا معنی ہے یشابہون ۔ اسی وجہ سے اس عورت کو بھی ضہیاء کہتے ہیں جس میں انوثت کی علامات

أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

اپنے پادریوں اور اپنے راہبوں کو اپنے پروردگار اللہ کو چھوڑ کر ۶۸ اور مسیح فرزند

مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

مریم کو بھی۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انھیں بجز اس کے کہ وہ عبادت کریں صرف ایک خدا کی، نہیں کوئی خدا بغیر اس کے

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ

وہ پاک ہے اس سے جسے وہ اس کا شریک بناتے ہیں ۶۹ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو ۷۰

نسبی جاتی ہوں اور وہ اپنے چہرہ جوہر سے مردوں کی شکل دکھائی دے۔ آیت کے ان الفاظ سے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہودی اور عیسائی جو حقیقت میں توحید کے علمبردار تھے ان میں مشرکانہ نظریات سرایت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے اردگرد جو مشرک قومیں آباد تھیں وہ خدا کو مجسم چیز مانتی تھیں۔ اور دوسری اشیاء میں اس کے حلول کی قائل تھیں مثلاً یونان کے فلسفی۔ ان سے یہ لوگ متاثر ہوئے اور ان کے مشرکانہ نظریات کو بڑی فراخدلی سے اپنے دین توحید میں داخل کر لیا۔ یہودی اور عیسائی مذہب کس طرح یونانی، شمسی اور مصری فلسفیانہ نظریات سے متاثر ہوا یہ اب کوئی راز نہیں رہا۔ یورپ کے محققین نے اس پر بیسیوں مفصل کتابیں لکھ کر قرآن حکیم کے اس ارشاد کی تائید کر دی ہے۔

۶۸ احبار جمع ہے حبر کی۔ اہل تفسیر اسے حِبر (بالکسر) اور اہل لغت اسے حَبر (بالفتح) پڑھتے ہیں لیکن فراء نے کہا ہے کہ دونوں طرح صحیح ہے۔ والکسر والفتح لغتان۔ اس کا معنی ہے جید عالم جو بڑی عمدگی اور سلیقہ سے بات کرنے کے ڈھنگ۔ وھو الذی یحسن القول وینظمہ ویتقنہ بحسن البیان عنہ (قرطبی)۔ رہبان راہب کی جمع ہے جو رھبۃ یعنی خوف سے ماخوذ ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ کے خوف سے اپنی ساری زندگی اس کی عبادت کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔

۶۹ حضرت عدی بن حاتم پہلے عیسائی تھے۔ اب انھوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ ہم تو انھیں رب نہیں مانتے تو قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا اگر وہ حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال کر دیتے تو کیا تم ان کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ عدی نے عرض کی کہ بیشک تسلیم کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا یہی ان کو رب ٹھہرانا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اگر کوئی حرام کر دے یا ان کی حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دے تو اس نے گویا تشریع و قانون سازی جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جن لوگوں نے اس کی ان باتوں کو مان لیا گویا انھوں نے اس کی خدائی کو تسلیم کر لیا۔

۷۰ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک اسلام کے اس روشن چراغ کو بجھانے کی کتنی کوششیں کی گئیں۔ یہودیت، عیسائیت

بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝

اپنی پھونکوں سے اور انکار فرماتا ہے اللہ مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو اگرچہ ناپسند کریں (اس کو) کافر

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ

وہی (قادر مطلق) ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر دے اسے

عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

تمام دینوں پر اگرچہ ناگوار گزرے (یہ غلبہ) مشرکوں کو۔ اے ایمان والو!

إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ

بیشک اکثر پادری اور راہب کھاتے ہیں لوگوں کے مال

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ

ناجائز طریقہ سے اور روکتے ہیں (لوگوں کو) راہِ خدا سے اور جو لوگ جوڑ کر رکھتے ہیں

اور شرک و کفر نے سر جوڑ جوڑ کر علانیہ مقابلے بھی کیے اور سازشوں کے خطرناک جال بھی پھیلائے لیکن اسلام کا نور درخشاں ہی رہا اور رہے گا۔ اس کے ماننے والوں کی تعداد بڑھتی ہی رہی اور بڑھتی ہی رہے گی۔ خداوند عالم کا یہ وعدہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت نبوت مصطفوی کے آفتاب جہانتاب کو گہن نہیں لگا سکتی۔

جہاں تک دلیل و برہان کا تعلق ہے اسلام کا غلبہ تمام دوسرے مذاہب پر ہر جگہ اور ہر زمانہ میں مسلم رہا ہے اور جب کبھی ملت اسلامیہ نے احکام الٰہی کو صدق دل سے اپنایا تو سیاسی اقتدار بھی انہی کی کنیز بنا رہا اور جب کبھی انہوں نے احکام الٰہی پر عمل کرنے میں غفلت اور کوتاہی برتی تو ان کا سیاسی زوال بھی شروع ہو گیا۔ اور اسلام کے غلبہ کی یہ بھی ایک روشن دلیل ہے۔

قانون سازی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر بنی اسرائیل کے عالموں اور راہبوں نے طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے لوگوں کا مال لوٹنا شروع کر دیا۔ عیسائی مذہبی رہنماؤں کو قرون وسطیٰ میں جو تسلط اور اقتدار حاصل رہا اس سے انہوں نے کس طرح ناجائز فائدہ اٹھایا اور کس بے دردی سے اپنے عقیدت مندوں کی دولت کو ہتھیایا اس کی روداد بڑی دلچسپ اور بڑی المناک ہے۔ کیتھولک فرقہ کا پوپ جنت کے ٹکٹ قیمتاً فروخت کیا کرتا تھا۔ اس کے نائب بھی

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ

سونا اور چاندی ۶۶؎ اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں تو انھیں خوشخبری سنائیے

بخشش گناہ کے پروانے لکھ کر دیا کرتے تھے اور خریدار اپنی مالی استطاعت کے مطابق اس کی قیمت ادا کیا کرتا تھا۔ بادشاہوں، شہزادوں، اُمراء، وزراء اور قوم کے دولتمند طبقہ کی خاطر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا کرتے اور اس طرح ان سے نذر نیاز نذرانے وصول کرتے۔ رشوت لے کر مقدمات کا فیصلہ کرتے اس کے علاوہ اور متعدد طریقے تھے جن سے وہ دولت کے پجاری دولت جمع کرنے میں شب و روز مصروف رہا کرتے۔ لیکن یہ چیز بھی ذہن سے نہ اترے کہ یہی بدکاریاں اگر اسلام کے عالم اور پیر کرنے لگے تو وہ بھی اسی طرح مجرم قرار دیئے جائیں گے بلکہ ان کا جرم اور زیادہ سنگین ہوگا کیونکہ وہ سید المرسلین خاتم النبیین کی آخری شریعت کے امین اور نگہبان ہیں۔

۶۴؎ صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے یہ نازیبا حرکتیں کرتے ہیں بلکہ وہ طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر کے لوگوں کو حق قبول کرنے سے بھی متنفر کرتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ دھاندلی اسی وقت تک رہے گی جب تک لوگ ان کے دام فریب میں گرفتار ہیں اور اگر اس کے پرزے اڑ گئے تو پھر یہ سادہ لوح ان کے قابو میں آنے کے نہیں۔

۶۵؎ اگرچہ بعض علماء نے اس آیت کریمہ کو اہل کتاب سے مخصوص کیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس میں اہل کتاب اور مسلمان سب داخل ہیں جس میں یہ خرابی ہوگی وہ اس سزا کا مستحق ہوگا۔ سو قال ابو ذر وغیرہ المراد بہا اھل الکتاب وغیرھم من المسلمین وھو الصحیح (قرطبی) کیونکہ اگر صرف اہل کتاب مراد ہوتے تو پھر الذین کے اضافہ کی ضرورت نہ تھی۔

۶۶؎ کنز لغت میں اس مال کو کہتے ہیں جسے اکٹھا کر کے جمع کر دیا جائے۔ الکنز اصلہ فی اللغۃ الضم و الجمع۔

اس آیت کے متعلق صحابہ کا آپس میں اختلاف ہے۔ حضرت ابوذر کی رائے ہے کہ وہ مال جو ضرورت سے زیادہ ہو اس کو جمع کر کے رکھنے کی یہی سزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ لیکن جمہور صحابہ جن میں خلفاء راشدین بھی ہیں کا مذہب یہ ہے کہ وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جاتی ہے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ ان الکنز اسم لما لم تؤد زکاتہ (قرطبی وغیرہ) حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو وہ کنز نہیں اگرچہ وہ سات زمینوں کے نیچے مدفون ہو اور جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ کنز ہے خواہ وہ ظاہر ہی کیوں نہ ہو۔ ما ادی زکاتہ فلیس بکنز وان کان تحت سبع ارضین وما لم تؤد زکاتہ فھو کنز وان کان ظاھرا (المنار) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عہد ہمایوں میں بھی مالدار صحابہؓ (حضرت عثمانؓ و عبدالرحمٰنؓ) موجود تھے اور حضورؐ نے انھیں کبھی حکم نہیں دیا کہ تم سارا مال صدقہ کر دو بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جب اپنا سارا مال راہ خدا میں دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے منع فرمایا۔ ہاں اگر صورت حال نازک ہو جائے، عام قحط سالی کا دور دورہ ہو، لوگ فاقوں مر رہے ہوں، بیت المال خالی ہو چکا ہو۔ اس وقت صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر اکتفا نہیں کیا جائیگا بلکہ حاکم وقت ضرورت کے مطابق زکوٰۃ سے زیادہ بھی وصول کر سکتا ہے۔ ان حالات میں دولت کا جمع رکھنا بھی جائز

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ

دردناک عذاب کی۔ جس دن تپایا جائیگا ۵۹ (یہ سونا چاندی) جہنم کی آگ میں پھر داغی جائیں گی

بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ

اس سے اُن کی پیشانیاں اور اُن کے پہلو اور ان کی پشتیں (اور انھیں بتایا جائیگا) کہ یہ ہے جو تم نے جمع کر رکھا تھا

فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا

اپنے لیے تو (اب) چکھو (سزا) اس کی جو تم جمع کیا کرتے تھے۔ بیشک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ

عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا

ماہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ان میں سے

أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ

چار عزت والے ہیں۔ یہی دین قیم ہے ۶۰ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں

ٹھہرے گا۔ ولا یجوز ادخار الذھب والفضۃ فی مثل ذلک الوقت (قرطبی)۔

۵۹ اس کی وضاحت کے لیے یہ حدیث ہی کافی ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے: مامن صاحب ذھب ولا فضۃ لا یؤدی منھا حقھا الا اذا کان یوم القیامۃ صفحت لہ صفائح من نار فاحمی علیھا فی نار جھنم فیکوی بھا جنبہ وجبینہ وظھرہ کلما بردت اعیدت لہ۔ جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو لیکن وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور انھیں آتش جہنم میں گرم کرکے اس شخص کے پہلو، پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب بھی وہ ٹھنڈی ہو جائیں گی انھیں پھر گرم کر لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں دردناک انجام سے بچنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

۶۰ بارہ قمری مہینوں میں سال کی یہ تقسیم کسی انسان کا فعل نہیں تاکہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہو بلکہ خالق ارض و سما نے یہ محکم نظام روز ازل سے قائم فرمایا ہے۔ اس میں کوئی اپنی خواہش اور مصلحت کے پیش نظر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ ان بارہ مہینوں سے چار ماہ رجب، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم حرمت والے مہینے ہیں۔ ان میں ہر طرح کا فتنہ و فساد اور جنگ و قتال قطعاً ممنوع ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اہل عرب ان مہینوں کا بڑا احترام کیا کرتے تھے اور اگر اپنے باپ کا قاتل

أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ

اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي

خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے

بھی انھیں مل جاتا تو اسے بھی کچھ نہ کہتے۔ کتاب اللہ سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا قرآن حکیم۔

یہی حکم شریعت ہے یا سال کی تقسیم کا یہی صحیح حساب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شرعی احکام کی بجا آوری میں انھیں قمری مہینوں کا اعتبار ہوگا۔ قیّم اصل میں قیوم تھا سیّد کی طرح اس میں بھی تعلیل ہوئی۔

احکام الٰہی سے سرتابی ہر وقت بری ہے۔ لیکن ان حرمت والے مہینوں میں نافرمانی بہت ہی قبیح ہے اس لیے خصوصی طور پر ان مہینوں میں نافرمانی سے باز رہنے کی تاکید فرمائی۔ نیز جس طرح مقدس مقامات اور مبارک اوقات میں نیکی کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور اس کی برکات کا نزول دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ان مقامات اور اوقات میں نافرمانی کی سزا بھی زیادہ ہولناک ہے اور طبیعت انسانی پر اس کی نحوست کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ان وقوع الطاعات فی ھذہ الاوقات اکثر تاثیرا فی طہارۃ النفس ووقوع المعاصی فیہا اقوی تاثیرا فی خبث النفس (کبیر)

اگر مشرک ان مہینوں کے احترام کو پس پشت ڈال دیں اور تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو تم بھی متفق اور متحد ہو کر ان کے سامنے صف بستہ ہو جاؤ۔ کافّۃ کفّ کا مصدر ہے اور یہاں حال واقع ہوا ہے۔ واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کے لیے یہی آتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے سال کے یہ چار مہینے حرمت اور عزت والے شمار ہوتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے کی سخت ممانعت کر دی گئی تھی۔ نیز فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے ماہ ذوالحجہ کی تاریخیں مقرر تھیں۔ کچھ عرصہ جاہلی عرب پر اس حکم کی پابندی گراں گزرنے لگی۔ ان کا پیشہ قزاقی، رہزنی اور مار دھاڑ بن کر رہ گیا تھا تین ماہ تک متواتر ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھے رہنا ان کے لیے ناقابل برداشت تھا اس لیے انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان مہینوں میں سے جس کو چاہا حلال کر لیا اور اس میں جی بھر کر قتل و غارت کی اور اس کی جگہ سال کے کسی دوسرے مہینے کو حرام کر دیا۔ حرمت والے مہینوں کی تعداد تو پوری رہی اور ان کا کام بھی بن گیا۔ نیز حج علاوہ ایک عبادت کے ان کے لیے ایک بہت بڑا تجارتی میلہ بھی تھا۔ دور دراز سے تجارتی قافلے آتے جس سے انھیں بہت نفع ہوتا لیکن حج کا فریضہ کیونکہ قمری سال کے ذی الحجہ کے مہینہ میں ادا کیا جاتا تھا اس لیے یہ ایسے موسم میں بھی آ جاتا جب کہ سخت سردی یا گرمی ہوتی اور موسم کی اس ناسازگاری کی وجہ سے ان کا کاروبار ماند پڑ جاتا اور انھیں خاطر خواہ نفع نہ ہوتا۔ اس مشکل کا حل انھوں نے یہ تجویز کیا کہ حج ہمیشہ معتدل موسم میں ادا

الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ

کفر میں گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں

عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ

اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے اللہ نے تاکہ اس حیلے سے حلال کر لیں جسے حرام کیا

لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ ع ۱۱

ہے اللہ نے آراستہ کر دیئے گئے ہیں انکے لیے انکے برے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کیے ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اے ایمان والو! کیا ہو گیا ہے تمہیں کہ جب کہا جاتا ہے تمہیں کہ نکلو راہ خدا میں

کیا جائے اس کے لیے انہوں نے حج کی مقررہ تاریخوں کو بدل دیا اور قمری سال کے بارہ مہینوں میں کبیسہ کا ایک مہینہ بڑھا دیا اس طرح تینتیس سال کے بعد صرف ایک بار حج اپنی صحیح تاریخوں ۹، ۱۰ ذی الحجہ کو ادا کیا جاتا۔ ان دونوں صورتوں میں چونکہ صرف اپنی ذاتی سہولتوں اور مالی منفعتوں کے لیے وہ اللہ تعالیٰ کے اٹل اور محکم احکام میں رد و بدل کیا کرتے تھے اس لیے ان کے اس فعل کو زیادۃ فی الکفر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔ سنہ ۱۰ھ میں جب رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے تو اس سال ان کے دستور کے مطابق بھی حج ۹، ۱۰ ذی الحجہ کو ادا ہونا قرار پایا تھا اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والثناء نے فرمایا ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض یعنی اس سال بھی حج انہی تاریخوں میں ادا کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی میں اس کے لیے مقرر فرمائی تھیں۔ اس میں ملت کے لیے بھی درس عبرت ہے کہ وہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور دوسری وجوہ کے لیے احکام الٰہی میں رد و بدل نہ کریں۔ نسا کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو اپنے وقت سے موخر کر دینا۔ قال الجوھری النسئ فعیل بمعنی مفعول من قولک نسأت الشئ فھو منسوء اذا اخرتہ (قرطبی)۔

یہی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ انسان گناہوں کو ثواب اور مضر چیزوں کو نفع رساں سمجھ کر اختیار کر لیتا ہے اور یہ شیطان کا وہ دام فریب ہے جس سے توفیق الٰہی کی یاوری کے بغیر کوئی بچ نہیں سکتا۔ یاحی یا قیوم برحمتک استغیث لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

جب غزوۂ طائف وحنین سے فارغ ہو کر مسلمان مدینہ طیبہ پہنچے تو شام سے اطلاعیں آنے لگیں کہ قیصر روم

اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ

تو بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو۔ کیا تم نے پسند کر لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا تَنفِرُوا

سو نہیں ہے سروسامان دنیوی زندگی کا آخرت میں مگر قلیل۔ اگر تم نہیں نکلو گے ٣٩

اپنے لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کر رہا ہے۔ ارغستان کا بادشاہ جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھا وہ بھی اس کے ہمراہ ہے۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہاں انتظار کرنے کے بجائے خود اس کے ملک پر چڑھائی کا عزم فرمالیا اور مسلمانوں کو جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ پکی ہوئی کھجوروں کے نظر فریب خوشے لٹک رہے تھے ٹھنڈا پانی پینے گھنے سایہ میں بیٹھنے اور آرام کرنے کے دن تھے۔ ان حالات میں اتنی طویل مسافت طے کر کے جانا اور ایک منظم لشکر سے نبرد آزما ہونا کوئی کھیل تماشا نہ تھا۔ منافق تو سب کے سب جھوٹے بہانے بنا کر الگ ہو گئے بعض مسلمانوں کو بھی ابتدا میں یہ سفر بہت مشکل نظر آیا۔ اس وقت رب ذوالجلال نے اس پرجلال انداز میں جہاد کی دعوت دی جس سے اہل ایمان کی آنکھیں کھل گئیں سستی اور کاہلی کافور ہو گئی اور سب کے سب دربار رسالت مآب میں حاضر ہو گئے اپنے محبوب رسول کی قیادت میں قیصر کی افواج قاہرہ کو للکارنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ انفروا کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف تیزی تیزی اور سرعت کے ساتھ منتقل ہونا النفر ھو التنقل بسرعۃ من مکان الی مکان لامر یحدث۔ اور اثَّاقَلْتُمْ کا معنی ہے بوجھل ہو جانا اس میں بھی تنبیہ و توبیخ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ راہ جہاد میں تمہارے قدم نہیں اٹھ رہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم بوجھ سے لدے ہوا اور زمین پر گرا چاہتے ہو۔

٣٩ دعوت جہاد قبول نہ کرنے پر جو آثار مرتب ہوتے ہیں ان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اگر تم جذبہ سرفروشی سے سرشار ہو کر میدان جہاد میں نہ نکلے تو تمہیں دنیا و آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دنیا میں تمہاری عزت و دبدبہ خاک میں مل جائے گا اور آخرت میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے جاؤ گے یہی سزا کچھ کم نہ تھی لیکن اس کے بعد جس چیز کا ذکر ہو رہا ہے وہ تو اس سے بھی سنگین ہے۔ ارشاد ہے کہ پہلے جو تمہیں اپنے دین متین کی خدمت کی سعادت اور اپنے محبوب رسول کی غلامی کا شرف عطا فرمایا ہے اس سے محروم کر دیئے جاؤ گے اور کسی اور قوم کو یہ خدمت تفویض کر دی جائے گی۔ اللہ اکبر! اے غفلت کی نیند سونے والے مسلمان! اے دعوائے ایمان کے باوجود اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں احکام خداوندی کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والی امت! یقین رکھو اس رب ذوالجلال کا ارشاد، اس کی محکم کتاب کا اٹل فیصلہ اگر اس نے اپنی بارگاہ قرب سے نکال دیا۔ اگر اس نے اسلام کی نسبت بابرکت کا تاج چھین لیا۔ اگر فراق کی تیرہ و تاریک رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تو پھر کیا کرو گے ؎

ہجر کی رات کاٹنے والے کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی!

يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

تو اللہ عذاب دیگا تمہیں دردناک عذاب۔ اور بدل کر لے آئیگا کوئی دوسری قوم تمہارے علاوہ اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا

شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ

کچھ ۷۸ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر تم مدد نہ کرو گے رسول کریم کی ۷۹ تو کیا ہوا

اے اہل سنت و جماعت کے رہنماؤ! ہماری صفوں کا انتشار کب تک بڑھتا رہے گا۔ شمع توحید و رسالت کے پروانے کب تک مختلف جتھوں میں بٹے رہیں گے؟ اپنے متوسلین اور معتقدین کے اعمال کی قوت جو تمہیں میسر ہے وہ کب تک بیکار پڑی رہے گی؟ دلوں کے اُداس اور سنسان ویرانوں میں کب آرزوؤں کے چراغ روشن کرو گے؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مصطفیٰ کریم ﷺ کی خوشنودی کے لیے اسلام کی سربلندی کے لیے سب ایک ہو جاؤ۔ اپنی ذات، اپنے وقار کو ملت کی صفوں میں انتشار کا سبب نہ بننے دو۔ اپنوں کو بیگانہ بنانے کے طریقے چھوڑ دو، بیگانوں کو اپنا بنانے کا سلیقہ اختیار کرو جو آپ کے خواجگان طریقت علیہم الرضوان کا اسوہ تھا۔

۷۸ دین اسلام کی خدمتگاری تمہیں پر موقوف نہیں۔ اسلام کا نور تو ہمیشہ فروزاں رہے گا اور اس کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔ یہ کام اگر تم نے نہ کیا تو کوئی دوسرا یہ سعادت حاصل کرے گا اور تمہیں محروم کر دینے سے خدا کی خدائی میں کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔

۷۹ اس آیت پاک میں ہجرت کا واقعہ ذکر کر کے بتایا کہ اگر تم اس کے ہمراہ جہاد پر نہ گئے تو جس پروردگار نے اس نازک وقت میں اپنے حبیب کی اعانت فرمائی تھی وہ اب بھی اس کا ناصر اور معین ہے۔ ہجرت کا مختصر واقعہ یوں ہے کہ کفار نے اپنی مجلس شوریٰ میں طے کر لیا کہ آج رات تمام قبیلوں کا ایک ایک جوان حضور کریم کے گھر کا محاصرہ کرے اور جب آپ باہر نکلیں تو سب یکبارگی حملہ کر کے حضور کو شہید کر دیں۔ اسی رات کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اے حبیب! صدیق کو ساتھ لو اور آج مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کو سدھارو۔ وامرت ان تستصحب ابابکر (تفسیر حسن عسکری)۔ حضور نے حضرت علی کو اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا کہ کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہ کر سکے گا۔ صبح لوگوں کی امانتیں جو ہمارے پاس ہیں ان کو پہنچا دینا اور پھر تم بھی مدینہ کا قصد کرنا۔ حضور باہر نکلے تو کفار محاصرہ کیے بیٹھے تھے۔ سورۃ یٰسین کی ابتدائی آیتیں وجعلنا من بین ایدیھم سدا الخ تک پڑھ کر ان پر دم کیا۔ ان پر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حضور بخیر و عافیت ان کے نرغہ سے نکل کر صدیق کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو ہمراہ لے کر مکہ سے نکلے اور کوہ ثور کے ایک غار میں آ کر قیام فرمایا۔ اس کا منہ بہت تنگ تھا۔ صرف لیٹ کر ہی انسان اندر داخل ہو سکتا تھا۔ حضرت صدیق پہلے خود اندر گئے۔ غار کو خس و خاشاک سے صاف کیا۔ جتنے سوراخ تھے ان کو بند کیا۔ ایک سوراخ باقی رہ گیا اس میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھ دی اور حضور کو

اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

مدد فرمائی ہے خود اللہ نے جب نکال دیا تھا ان کو کفار نے۔ آپ دوسرے تھے دو سے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے

اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

جب وہ فرما رہے تھے اپنے رفیق کو کہ مت غمگین ہو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر نازل کی اللہ نے

کہ حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ حضور تشریف لائے۔ صدیق کے زانو پر سر مبارک رکھا اور استراحت فرما ہوگئے۔ صدیق کے بخت کی یاوری کا کیا کہنا۔ بیتاب نگاہیں اور بیقرار دل اپنے محبوب کے رُخ زیبا کے مشاہدہ میں مستغرق ہے۔ نہ دل سیر ہوتا ہے اور نہ آنکھیں۔ وہ حسن سرمدی وہ جمال حقیقی جس کی دل آویزیوں نے چشم قدرت کو تصویر حیرت بنا دیا تھا آج صدیق کے آغوش میں جلوہ فرما ہے۔ قسمت صدیق کی رفعتوں پر یہ عالم پریشان قربان اور یہ قلب حزیں نثار۔ اسی اثناء میں حضرت صدیق کی ایڑی میں سانپ نے ڈس دیا۔ زہر سارے جسم میں سرایت کر گیا لیکن کیا مجال کہ پاؤں میں جنبش تک ہوتی ہو۔ حضور بیدار ہوئے تو اپنے یار غار کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر وجہ دریافت فرمائی۔ پھر جہاں سانپ نے ڈسا تھا وہاں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے درد اور تکلیف کافور ہوگئی۔ اہل مکہ تلاش میں ادھر اُدھر مارے مارے پھر رہے تھے۔ ایک کھوجی کے ہمراہ پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے اس غار کے دہانے تک پہنچ گئے۔ جب قدموں کی آہٹ سنائی دی تو حضرت ابوبکر نے جھانک کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ کفار کی ایک جماعت غار کے منہ پر کھڑی ہے۔ اپنے محبوب کو یوں خطرہ میں گھرا دیکھ کر بے چین ہوگئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ! اگر انہوں نے جھک کر دیکھا تو ہمیں پالیں گے۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا ابابکر ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما۔ اے ابوبکر! ان دو کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔ نبی کی قوت یقین ملاحظہ ہو۔ یہ ہے توکل علی اللہ کا وہ مقام جو شان رسالت کے شایاں ہے۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اطمینان وتسکین کی ایک مخصوص کیفیت اپنے حبیب مکرم پر نازل فرمائی اور حضور کے صدقے حضرت ابوبکر پر بھی اس کا ورود ہوا جس سے ان کی ہر طرح کی پریشانی دور ہوگئی۔ حضور تین دن تک وہاں قیام فرما رہے۔ حضرت اسماء حضرت صدیق کی بڑی صاحبزادی آکر کھانا پہنچا جاتیں۔ آپ کے صاحبزادے ہر روز کی تازہ خبریں دے جاتے اور آپ کا چرواہا عامر بن فہیرہ رات کو ریوڑ لے آتا اور تازہ دودھ پیش کرتا۔ حضرت صدیق کے کنبہ کا ہر فرد بلکہ غلام تک اتنے مخلص اور قابل اعتماد تھے کہ کسی نے راز کو افشا نہ کیا اور گراں قدر انعام کا لالچ ان کے غلام کے دل کو بھی نہ لبھا سکا۔ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی جو سازش کی تھی اس طرح ناکام ہوئی اور اللہ کی بات جو ہمیشہ بلند رہتی ہے اس موقع پر بھی بلند ہوگئی۔

سطور بالا کے مطالعہ کے بعد اس آیت کی تشریح کے لیے مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ ایک طالب حق کے لیے

اس آیت کا ہر کلمہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت و رفعت کا آئینہ دار ہے اور حضور کے یارِ غار کے وفور والی صدق اور مثالی وفا کا شاہد عادل ہے لیکن ستیاناس ہو تعصب اور ہٹ دھرمی کا کہ یہ دل سے خلوص، عقل سے فہم، زبان سے اعتراف حق اور قلم سے اظہار صداقت کی جرأت سلب کر لیتی ہے اور انسان علم و دانش کے بلند بانگ دعووں کے باوجود ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگتا ہے کہ سننے والے مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر بلکہ تحریف کرتے ہوئے بعض شیعہ علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس کی ایک دردناک مثال ہے مناسب تو یہ تھا کہ ضیاء القرآن کے صفحات ایسے بے معنی مباحث سے پاک رہتے لیکن محبت اہل بیت کی آڑ میں قصر اسلام کو منہدم کرنے کی جو ناپاک کوششیں ہو رہی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ ان اقوال کو بھی زیر بحث لایا جائے تاکہ سادہ لوح عوام کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر متاعِ ایمان کو گم نہ کر بیٹھیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

بعض شیعہ مصنفین نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو داغدار کرنے کے جنون میں آیت طیبہ پر اس طرح طبع آزمائی کی ہے کہ دل لرز اٹھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت صدیق کی فضیلت کو ثابت کرنے کے لیے تم اس آیت طیبہ کو پیش کرتے ہو اور کہتے ہو کہ آپ کو سفر ہجرت میں رفاقت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن تمہارا یہ قول بے بنیاد ہے اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابو بکر نے رفاقت کی ہوتی تو اسے وجہ شرف کہا جا سکتا لیکن یہ تو از خود ساتھ ہو لیے تھے اور حضور نے اس لیے ان کو ساتھ چلنے سے نہیں روکا کہ مبادا وہ کفار کو مطلع کر دیں اور اس طرح گرفتار کرا دیں۔

جب اللہ تعالیٰ کی توفیق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو انسان ایسی ہی بے سروپا باتیں کرنے لگتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کا پروگرام بڑی رازداری سے طے پایا۔ جب کفار قبائل کے نوجوان حضور کے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے تو حضور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ان کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس راز سے حضرت ابو بکر کو کس نے آگاہ کیا؟ یا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگاہ کیا ہوگا اور یا علی مرتضیٰ نے۔ اگر حضور نے آگاہ فرمایا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور کو حضرت صدیق پر کامل اعتماد تھا ورنہ اپنے دشمن کو ایسے رازوں سے آگاہ کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں۔ اور اگر حضرت علی نے آگاہ کیا تو ماننا پڑے گا کہ آپ کو بھی حضرت صدیق کے صدق و وفا پر پورا بھروسا تھا اس لیے آگاہ کیا اور اگر ان کو منافق سمجھتے ہوئے (العیاذ باللہ) آگاہ کیا تو پھر حضرت علی کی وفاداری بھی مشکوک ہو جاتی ہے یعنی آپ نے اس راز کو افشا کر کے حضور کو مشکلات میں مبتلا کرنے کا آغاز کر دیا اور اس لایعنی بات کو کوئی ایماندار قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صدیق کا ایمان وہ ایمان ہے جس پر خدا کو، رسول خدا کو اور شیر خدا کو مکمل اعتماد ہے۔ اسی لیے ان کو اس راز سے آگاہ بھی کیا گیا اور شریک سفر ہونے کی سعادت بھی ارزانی فرمائی گئی۔ جب حضرت صدیق کے ایمان کی گواہی علیم بذات الصدور خدا نے دی اور نبی کریم نے دی اور علی مرتضیٰ نے تصدیق کی۔ اگر کوئی کلمہ گو مسلمان صدیق اکبر پر زبان طعن دراز کرنے کی جرأت کرتا ہے تو وہ اپنا ہی کچھ بگاڑتا ہے صدیق اکبر کی شان میں کمی نہیں ہو سکتی۔ خود اس فرقہ کے علماء نے ان کے اس زعم باطل کی تردید کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے:

علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:-

پس پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شب پنجشنبہ در بستر خود امیرالمومنین را برجائے خود خوابانید، و خود از خانہ ابوبکر بہ رفاقت او بیرون آمدہ بدان غار توجہ نمود۔

ترجمہ۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پنجشنبہ کی رات کو بستر میں امیرالمومنین کو اپنی جگہ پر سونے کا حکم دیا اور خود ابوبکر کے گھر تشریف لے گئے اور انہیں ہمراہ لے کر باہر آئے اور اس غار کا قصد فرمایا۔

مصنف حملۂ حیدری، علامہ باذل نے واقعہ ہجرت کے بارے میں جو لکھا ہے وہ درج ذیل ہے۔ شاید ان دوستوں کے لیے سُرمۂ چشم بصیرت کا کام دے۔

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں — چوں سالم بحفظ جہاں آفریں
زنزدیک آں قوم پرمکر رفت — بسوئے سرائے ابوبکر رفت

راوی کہتا ہے کہ دین کے سالار اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں اس مکار قوم کے محاصرے سے باہر نکلے اور حضرت ابوبکرؓ کے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔

پئے ہجرت او نیز آمادہ بود — کہ سابق رسولش خبر دادہ بود

حضورؐ نے انہیں سفرِ ہجرت کی خبر دے دی تھی اس لیے وہ سازوسامان کے ساتھ تیار بیٹھے تھے۔

نبی بر درِ خانہ اش چوں رسید — بگوشش ندائے سفر در کشید

نبی کریم جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے سفر کرنے کی ندا دی۔

چو بوبکر از اں حال آگاہ شد — زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد

حضرت ابوبکرؓ جب اس حال سے خبردار ہوئے تو اپنے گھر سے روانہ ہو کر حضورؐ کے ہمراہ ہو گئے۔

ان دونوں حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود حضرت صدیقؓ کو اپنے ہجرت کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں بھی حکم دیا ہوا تھا کہ وہ بھی اس سفر میں ہمرکاب ہونے کے لیے تیار رہیں۔ حضورؐ کفار کے محاصرے سے بخیریت نکل کر سیدھے حضرت صدیقؓ کے گھر آئے اور انہیں ہمراہ لے کر مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔

آخر میں حضرت امام حسن عسکری کی روایت پیش خدمت ہے امید ہے آپ کے اس ارشاد سے اس تاویلِ باطل کا طلسم ٹوٹ کر رہ جائے گا۔

تفسیر حسن عسکری میں مروی ہے کہ جب کفار نے حضور کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو جبرئیل حاضرِ خدمت ہوئے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا۔ کفار کی ریشہ دوانیوں کی اطلاع دی اور یہ پیغامِ الٰہی بھی گوش گزار کیا وَ اَمَرَكَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَكْرٍ؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اس پُرخطر سفر میں ابوبکرؓ کو اپنے ہمراہ لے جائیں۔

کیا اب بھی آپ قاضی نوراللہ شوستری کی بات مانیں گے یا گیارھویں امام حضرت امام حسن عسکری کے ارشاد کو تسلیم کریں گے

(۲) معترضین کی کج ادائی کے کرشمے اسی پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ایک قدم آگے بڑھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مان لیا ابوبکر کو حضور

ساتھ لے گئے تھے اور انہوں نے راستے کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ ان کی نیت بھی خالص تھی اور جب تک خلوص نیت نہ ہو کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی مقبول نہیں ہوتا اس لیے حضرت ابوبکرؓ کا سفر ہجرت میں ہمرکاب ہونا ان کے لیے ہرگز باعث فضیلت نہیں۔

یا سبحان اللہ! اس ندرت فکر کی بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

دوپہر کے وقت اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کی دلیل طلب کرے تو اس میں اتنا اچنبھا نہیں جتنا ہمارے ان دوستوں کے اس ارشاد میں ہے۔ وہ شخص جو ایک کامیاب تاجر ہے جس کے پاس مال و ثروت کی فراوانی ہے جسے ہر قسم کی عزت و آسائش میسر ہے اپنے بیوی بچیاں ہیں، وہ ان سب چیزوں کو ٹھکرا کر ایک ایسی ہستی کا ساتھ دیتا ہے جس کو شہید کرنے کے منصوبے بن چکے ہیں عرب کا بچہ بچہ اس کے خون کا پیاسا ہے۔ خطرات کے مہیب بادل ہر طرف سے بڑھتے چلے آ رہے ہیں جو شخص ان سنگین حالات میں جان ہتھیلی پر رکھ کر اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رفاقت اختیار کرتا ہے اس کے خلوص نیت پر شک کرنے سے انسان کو شرم آنی چاہیے مزید برآں غار میں تین چار روز قیام رہتا ہے اس عرصہ میں حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا عبداللہ ہر روز سر شام حاضر ہوتا ہے اور اہل مکہ کے ارادوں سے آگاہ کرتا ہے ان کی صاحبزادی اسماء ہر روز کھانا لے کر آتی ہیں ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن بھر بکریاں چراتا ہے شام کے وقت انہیں ہانکتا ہوا غار کے قریب آ کر ڈیرا جما لیتا ہے۔ دودھ دوہتا ہے اسے گرم کرتا ہے اور خدمت اقدس میں پیش کرتا ہے ابوبکر کا سارا خانوادہ اس جاں نثاری اور خدمت گزاری کا مظاہرہ اس وقت کر رہا ہے جب کہ والیان حرم نے حضور کو زندہ پکڑ کر لانے یا شہید کر دینے کے لیے ایک سو سرخ اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا ہے۔ عرب کے کئی طالع آزما شہسوار اس انعام کے لالچ میں اپنے منہ زور گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور کی تلاش میں اس علاقہ کے چپہ چپہ کو چھان رہے ہیں ادھر یہ خاندان ہے جس کا صرف ایک فرد نہیں بلکہ تمام افراد بچے، بچیاں حتیٰ کہ زر خرید غلام سب کے دل میں ایک ہی سودا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب اور ان کا محبوب بخیر و عافیت منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ انسانیت اور اس کی اخلاقی قدروں پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایسے شخص کی حسن نیت پر شک کیا جائے اور شک کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں راہ حق میں کبھی کانٹا چبھنے کی سعادت بھی نصیب نہ ہوئی ہو۔

پھر کہتے ہیں کہ لغت عرب میں صاحب کا معنی ہے ساتھی، رفیق، ہمنشین۔ اس لفظ میں شرف و فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک کافر ایک مومن کا، ایک فاسق ایک پارسا کا ساتھی یا ہمنشین ہو سکتا ہے جیسے اس آیت میں ہے:

وَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ. (١٨ : ٣٨)

یعنی جب اس نے اپنے صاحب (ساتھی) کو کہا جب وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا کیا تم اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔

اس آیت میں صاحب کا لفظ ہے اور اس سے مراد کافر ہے۔

سورۂ یوسف میں يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ "اے قید خانہ کے دو ساتھیو" (١٢ : ٣٩)

اور وہ دونوں بھی کافر تھے بلکہ اہل عرب تو حیوان کو بھی انسان کا صاحب و ساتھی کہہ دیا کرتے۔

ان الحمار مع الحمار مطیة

واذا خلوت به فبئس الصاحب

اگر ان دوستوں کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر صرف صاحب کا لفظ ہی نہیں بلکہ بہت سے الفاظ اپنی عظمت و شرف سے محروم ہو جائیں گے۔ ایمان کے لفظ کو ہی لیجئے اس کا معنی تصدیق کرنا ہے یہ تصدیق اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی ہو سکتی ہے اور طاغوت و جبت کی بھی۔ آیت ملاحظہ ہو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ (۴ : ۵۱)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ اب ایمان لاتے ہیں جبت و طاغوت پر۔

اسی طرح ہجرت کا لغوی معنی ہے کسی شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر میں چلے جانا یہ ترک وطن اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی رضا کے لیے بھی ہو سکتا ہے اور کسی دنیوی منفعت کے لیے کسی عورت سے شادی رچانے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عبادت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے اور معبودان باطل کی بھی۔ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ : وہ اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبودوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع۔

اگر وہ صاحب، اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے باعث شرف نہیں تو پھر ایمان، ہجرت، عبادت اور دیگر اسلامی مصطلحات بھی شرف و فضیلت سے بے بہرہ ہوں گے اور کسی کو مومن، مہاجر، عابد کہنے سے اس کی قطعاً عزت افزائی نہیں ہوگی حقیقت ان الفاظ میں عزت و شرف ان کے لغوی معنوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان کے متعلقات سے ہے۔ ایمان جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ہوگا، ہجرت جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہوگی، عبادت جب اللہ تعالیٰ کی ہوگی تو یہ کلمات معزز و ذیشان ہوں گے اسی طرح صاحب کے لفظ میں فضیلت نہیں بلکہ جس کا وہ صاحب ہے یعنی سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات منبع صفات اسی نسبت نے اس لفظ کو بھی چار چاند لگا دیے ہیں اور جو صاحب کے لفظ کا مصداق ہے یعنی صدیق اکبر اس کو بھی وہ رفعتیں اور سرفرازیاں بخشی ہیں جن کے سامنے فلک الافلاک کی بلندیاں بھی ادب سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔

از راہ انصاف آپ ہی بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے محبوب کی صحبت و معیت اور ایک کافر فاسق کی صحبت و معیت یکساں ہے۔ کوئی صاحب ایمان ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا نیز حضرت صدیق کی اس سنگت اور رفاقت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے وہ بھی اپنے اندر ایک خصوصی شان رکھتی ہے۔

ثانی اثنین کے دو لفظوں میں غور فرمائیے۔ اس قسم کے عدد کا ذکر لغت عرب میں دو طرح سے کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ثانی اثنین، ثالث ثلاثہ، رابع اربعہ وغیرہ یعنی دو میں سے دوسرا، تین میں سے تیسرا، چار میں سے چوتھا۔ اس صورت میں پہلا عدد

دوسرے عدد کا جزو اور حصہ ہوتا ہے اور اس میں داخل ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ثالث اثنین، رابع ثلاثہ، خامس اربعہ یعنی دو کو تین بنانے والا، تین کو چار اور چار کو پانچ بنانے والا۔ اس صورت میں یہ عدد پہلے عدد میں داخل نہیں ہوتا۔ اب اسے اس میں داخل کیا جا رہا ہے پہلے صرف دو تھے۔ اس عدد کے اضافہ سے اب وہ تین ہو گئے، پہلے صرف تین تھے بعد میں اضافہ ہوا۔ اب وہ تین چار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ثانی اثنین فرمایا یعنی پہلے جو دو موجود تھے ان دونوں میں سے دوسرا یہ یگانگت، یہ رفاقت، یہ معیت خداوندی، یہ حضرت صدیق اکبر کا ہی حصہ ہے۔ ان کلمات کے مفہوم کو خود زبان رسالت نے یوں بیان فرمایا ہے۔ اور اس کے بعد شاید کسی قسم کی ہرزہ سرائی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اسی فرقہ کے ایک فاضل علامہ فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین میں اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

"چوں ابوبکر در غار کفار را بدید مضطرب شد و بسیار خائف گشت و گفت یا رسول اللہ اگر کسے از مشرکان در زیر قدم خود نگر کند ما را بیند۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمود ما ظنک باثنین اللہ ثالثہما"

ترجمہ: جب ابوبکر نے غار میں سے کفار کو دیکھا تو انہیں بڑا اضطراب لاحق ہوا اور اندیشہ پیدا ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ! اگر مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جگہ دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ابوبکر! ان دو کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو۔

اس سے بڑی عزت افزائی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

ہمارے یہ کرم فرما لاتحزن کے لفظ سے حضرت صدیق پر الزامات و مطاعن کی بوچھاڑ شروع کر دیتے ہیں آپ بھی سنیے اور ان کی روش بیداد کی داد دیجیے۔

کہتے ہیں کہ یہ حزن جس سے حضرت ابوبکر کو منع کیا جا رہا ہے یہ طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے منع نہ کیا جاتا۔ اللہ اور اس کا رسول نیک کاموں سے نہیں روکا کرتے۔ لامحالہ یہ حزن معصیت ہوگا۔ اس آیت سے ابوبکر کا عاصی اور گنہگار ہونا ثابت ہے نہ کہ آپ کی فضیلت۔

جواباً عرض ہے کہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو حزن اور خوف سے روکا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا ـــ لا تخف انک انت الاعلیٰ ـــ اے موسیٰ خوف نہ کرو تم ہی سربلند ہو گے (۲۰ ۱ ۹۱)

حضرت لوط کو فرشتوں نے کہا: لا تحزن انا منجوک و اھلک۔

"اے لوط! حزن نہ کرو ہم تمہیں اور تمہارے اہل و عیال کو نجات دینے والے ہیں۔"

خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا: ولا یحزنک قولھم۔

"اے حبیب! کفار کی باتیں آپ کو حزین و غمگین نہ کریں۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے: قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ ... الآیہ

"اے حبیب! ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کو کفار کی باتیں غمزدہ کر دیتی ہیں"۔

کیا ہم ان محققین سے یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ ان آیات کی روشنی میں انبیاء کرام بلکہ سید الانبیاء والرسل علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ان کا فتویٰ کیا ہے۔ یہ خوف اور حزن جس سے انبیاء کو روکا جا رہا ہے طاعت تھا یا معصیت۔ طاعت تو ہو نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی سے نہیں روکتا اور یہاں خوف وحزن سے روکا جا رہا ہے لازماً معصیت ہوگا۔ اب فرمائیے انبیاء کرام کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حزن اور خوف امور طبعیہ میں سے ہیں۔ بڑے سے بڑا آدمی بھی ان سے دوچار ہوتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دلجوئی لَا تَخَفْ اور لَا تَحْزَنْ کہہ کر فرماتا ہے۔ نیز حضرت صدیق کا حزن وملال اپنی ذات کے لیے ہرگز نہ تھا۔ اگر انہیں اپنی جان پیاری ہوتی اور اپنا آرام عزیز ہوتا تو وہ اس پرخطر سفر میں شرکت ہی نہ کرتے۔ انہیں اگر کوئی غم تھا یا اگر کوئی حزن تھا، اگر کوئی اندیشہ تھا تو فقط یہ کہ ان کے ہادی و مرشد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدانخواستہ کوئی گزند پہنچے ورنہ یہ بزم عالم درہم برہم ہو جائے گی گلشن ہستی میں خاک اڑنے لگے گی عروس گیتی کا سہاگ لٹ جائے گا ارض وسما کی یہ رونقیں، یہ روشنیاں، یہ بہاریں ہمیشہ کے لیے ناپید ہو جائیں گی۔ اپنے محبوب کو خطرے میں گھرا دیکھ کر صدیق کے حزن وملال کی حد نہ رہی۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے میرے یار باوفا! غم نہ کر بیشک اللہ تعالیٰ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ جب جانے ساتھ ہمارا خدا ہے تو یہ کفار ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

"مَعَنَا" کا لفظ بھی غور طلب ہے۔ معیت الٰہی کی کئی قسمیں ہیں۔ ایک معیت علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور اپنے علم کے ذریعہ ہر چیز کے ساتھ ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا (المجادلہ: ۷)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، نہیں ہوتے تین آدمی سرگوشی کرنے والے نہیں ہوتے جبکہ وہ ان کا چوتھا نہ ہو اور نہ پانچ سرگوشی کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ ان کا چھٹا نہ ہو اور نہ اس تعداد سے کم ہوتے ہیں نہ زیادہ، وہ ہر صورت میں اُن کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی سرگوشی کر رہے ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایسی معیت میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ اس میں تنبیہ اور سرزنش ہے کہ خبردار اگر تم نے نافرمانی کی تو ہماری گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ معیت الٰہی کی دوسری قسم وہ ہے جو متقین اور محسنین کو حاصل ہوتی ہے ارشاد باری ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو متقی ہیں اور ان کے ساتھ ہے جو نیکوکار ہیں۔

اس معیت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان کی دستگیری کرتا رہتا ہے اور اپنے لطف سے ان کو نوازتا رہتا ہے۔

معیت الٰہی کی تیسری قسم وہ ہے جو انبیاء و رسل کو میسر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دشمن کے مقابلہ میں ان کی تائید و نصرت فرماتا ہے۔ ہر میدان میں وہ کامیاب و سرفراز ہوتے ہیں اور کفر و باطل کے سرغنے ذلیل و رسوا ہوتے ہیں اور ان تمام اقسام سے اعلیٰ و ارفع معیت الٰہی کی وہ قسم ہے جو سید الانبیاء والرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے یار وفادار کو إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرما کر اس خصوصی معیت میں شرکت کی سعادت ارزانی فرمائی۔

فداك ابي وامي يا رسول الله ما اكرمك وما اجودك وجزاك الله عنا وعن سائر المؤمنين يا ابا بكر ما اوفاك وما اسعد حظك۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاعر دربار نبوت حضرت حسان سے پوچھا کہ اے حسان! کیا تم نے شان صدیقی میں بھی کچھ اشعار کہے ہیں؟ انہوں نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! میں نے آپ کے یار غار کی مدحت سرائی بھی کی ہے۔ فرمایا سناؤ میں سننا چاہتا ہوں۔ حسان نے عرض کیا ؎

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد

طاف العدو به اذ صعد الجبلا

آپ دو میں سے دوسرے تھے اس بابرکت غار میں اور دشمن نے اس کے اردگرد چکر لگایا جب وہ پہاڑ پر چڑھا۔

وكان حب رسول الله قد علموا

من البرية لم يعدل به رجلا

ابوبکر اللہ تعالیٰ کے رسول کے محبوب تھے اور لوگوں کو اس بات کا علم تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری مخلوق میں سے کسی کو آپ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

حسان کے یہ شعر سن کر حضور ہنس پڑے۔ فرمایا اے حسان تم نے سچ کہا ہے۔ ابوبکر ایسے ہی ہیں۔

(ابن عساکر، ابن زبیری عن انس)

اللہ تعالیٰ راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور شمع جمال مصطفوی کے پروانوں کی عزت و احترام اور پیروی کی سعادت سے بہرہ اندوز کرے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ

اپنی تسکین ان پر اور مدد فرمائی ان کی ایسے لشکروں سے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کر دیا کافروں کی

الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

بات کو سرنگوں اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے

حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ

حکمت والا ہے (جہاد کے لیے) نکلو (ہر حال میں) ہلکے ہو یا بوجھل ۶۵ اور جہاد کرو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ لَوْ كَانَ

اللہ کی راہ میں۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو۔ اگر ہوتا

عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن بَعُدَتْ

وہ مال نزدیک یا سفر آسان تو ضرور پیچھے چلتے آپ کے۔ لیکن دور معلوم ہوئی ہے

عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا

انہیں مسافت ۶۶ اور ابھی قسم کھائیں گے اللہ کی (اور کہیں گے) کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور نکلتے

۶۵ خفاف کا واحد خفیف اور ثقال کا واحد ثقیل ہے۔ ترکیب میں یہ حال ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ خواہ تم کسی حال میں ہو جب جہاد کا اعلان عام ہو جائے پھر دنیا کا کوئی بندھن، کوئی مجبوری اور کوئی عذر تمہیں میدان جہاد کا رخ کرنے سے باز نہ رکھے۔ ای حال کونکم شبانا وشیوخا او فقراء واغنیاء او رکبانا ومشاۃ او اصحاء ومرضی او غیر ذلک (روح البیان)۔ ترجمہ: خواہ تم جوان ہو یا بوڑھے، فقیر ہو یا امیر، سوار ہو یا پیادے، تندرست ہو یا بیمار، تنہا ہو یا عیالدار ہر حالت میں دعوت جہاد پر لبیک کہتے ہوئے رزمگاہ حق و باطل میں شریک ہو جاؤ۔ اگر دشمن عام حملہ کر دے اور خلیفہ وقت جہاد عام کا اعلان کر دے تو پھر ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جہاد میں شریک ہو اور اگر دشمن ملک کے کسی ایک حصہ پر چڑھائی کر دے تو وہاں کے لوگوں کا فرض ہے کہ خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں جہاد کے لیے تیار ہو جائیں ورنہ گنہگار ہوں گے۔

۶۶ غزوہ تبوک کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تھا کیونکہ مسافت بڑی طویل تھی اور دشمن بڑا

مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٤٢﴾

تمہارے ساتھ۔ ہلاک کر رہے ہیں اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ

درگزر فرمایا ہے اللہ نے آپ سے شتہ (لیکن) کیوں آپ نے اجازت دے دی تھی انہیں یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر

صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ

وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا اور آپ جان لیتے جھوٹوں کو۔ نہ اجازت مانگیں گے آپ سے جو ایمان لاتے ہیں

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ

اللہ پر اور روز قیامت پر کہ (نہ) جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ صرف وہی اجازت مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے

قریب تھا اس لیے منافقین اپنی معذوری بیان کرکے اور قسمیں اٹھا اٹھا کر معذرت خواہی کرنے لگے۔ کان کا اسم محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے لو کان ذلک ما دعوا الیہ عرضا قریبا یعنی جس چیز کی طرف انہیں بلایا گیا وہ سامان قریب ہوتا یا سفر آسان ہوتا تو پھر یہ ضرور شریک ہوتے۔

شتہ منافقین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے عذر بیان کرتے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی کریم النفسی کے باعث انہیں پیچھے رہنے کی اجازت فرما دیتے حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اگر انہیں اجازت نہ دی جاتی تو بھی وہ اس مہم میں شرکت سے انکار کر دیتے۔ بہتر یہی تھا کہ ان کی معذرتوں کو ٹھکرا دیا جاتا تاکہ جب وہ پیچھے رہ جاتے تو ان کے نفاق کا حال سب کو معلوم ہو جاتا۔ یہ دریافت کرنے سے پیشتر کہ اے محبوب! آپ نے انہیں پیچھے رہنے کی اجازت کیوں دی یعنی ان کو ننگا کیوں نہ ہونے دیا۔ اتنا فرمانے سے پہلے عفا اللہ عنک کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ یہاں یہ کلمات کسی گناہ کی معافی کا ذکر کرنے کے لیے نہیں بلکہ اظہار تعظیم و تکریم کے لیے ہیں۔ اہل عرب کا یہ دستور تھا کہ جب کسی کی عزت و توقیر کا اظہار مقصود ہوتا تو اس کے ساتھ گفتگو کا آغاز ایسے ہی کلمات سے کیا کرتے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

ان ذالک یدل علی مبالغۃ اللہ فی تعظیمہ و توقیرہ۔ یعنی ان کلمات سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ

اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر اور شک میں مبتلا ہیں ان کے دل تو وہ اپنے شک میں

يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

ڈانواں ڈول ہیں ۔ اور اگر انھوں نے ارادہ کیا ہوتا (جہاد پر) نکلنے کا تو انھوں نے تیار کیا ہوتا اس کے لیے کچھ

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝

سامان ۔ لیکن ناپسند کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے کھڑے ہونے کو اس لیے پست ہمت کر دیا انھیں ۔ اور کہہ دیا گیا تم بیٹھے رہو بیٹھنے والوں

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

کے ساتھ ۔ اگر نکلتے تمھارے (لشکر) میں ۔ تو نہ زیادہ کرتے تم میں بجز فساد کے اور دوڑ دھوپ کرتے تمھارے درمیان

بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

اہلِ ایمان تو اشارہ ملتے ہی ہتھیار سجا کر حاضرِ خدمت ہو جاتے ہیں صرف وہ لوگ حیلے بہانے کر کے جہاد سے روگردانی کر رہے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔

منافقین کی حالت کا بیان ہے کہ نہ تو سچے دل سے مومن ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ارشاد کی تعمیل میں جہاد میں مستعد ہوں اور نہ ہی اپنے کفر کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ایمان کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہیں ادھر اپنے آپ کو آشکارا کرنے کی جرأت مفقود ہے۔ بے چارے عجیب کشمکش میں گرفتار ہیں۔

ان میں سے بعض کہنے لگے حضور ہم تو جہاد کے لیے بالکل تیار تھے لیکن عین وقت پر کچھ ایسی مجبوریاں پیدا ہو گئیں کہ باول ناخواستہ ہمیں رکنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ظالم سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر ان کا قول درست تھا تو انھوں نے کچھ تیاری کی ہوتی۔ کچھ ساز و سامان جمع کیا ہوتا تو پتہ چلتا کہ ان کا ارادہ تو تھا لیکن مجبوریاں سدِ راہ بن گئیں۔ انھوں نے تو اپنی تلواروں سے گرد تک صاف نہ کی اور نہ اپنے ترکش میں تیروں کا جائزہ لیا۔ بھلا یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ہم جہاد کے لیے بالکل تیار تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہی نہ تھا کہ وہ شریکِ جہاد ہوتے اس لیے ان کے حوصلے پست کر دیئے گئے اور انھیں توفیق ہی نہ بخشی کہ وہ شریکِ جہاد ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے کیوں پسند نہ فرمایا اس کی وجہ اس آیت میں بیان فرما دی۔

يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمّٰعُونَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌۢ

فتنہ پردازی کرتے۔ اور تم میں ان کے جاسوس (اب بھی) موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِينَ ﴿٤٧﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ

ظالموں کو۔ (اے حبیب!) وہ کوشاں رہے فتنہ انگیزی میں پہلے بھی ۵۸ اور الٹ پلٹ کرتے رہے آپ کے لیے تدبیریں ۵۹

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُونَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْهُمْ

یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہو کر رہا اللہ کا حکم اور وہ ناخوش تھے۔ اور ان میں سے بعض

مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَ

کہتے ہیں اجازت دیجیے مجھے (گھر ٹھہرا رہوں) اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالیے ۶۰ خبردار! فتنہ میں تو وہ گر چکے ہیں اور

۵۸ یہاں ان کی سابقہ شرانگیزی کی طرف اشارہ فرمایا کہ قبل ازیں جنگ احد کے موقعہ پر پہلے یہ لوگ لشکر اسلام میں شریک ہوئے لیکن راستہ میں ان کی تین سو کی نفری مسلمانوں سے الگ ہو گئی اور عین اس وقت ان کا علیحدگی اختیار کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں اور یہ خوفزدہ اور ہراساں ہو کر کفر کے مقابلہ میں نامردی اور بزدلی کا اظہار کریں۔

۵۹ یعنی آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی تدبیریں اور تجویزیں کرتے رہے ہیں۔ تقليب الامر تصريفه من وجه الى وجه وترديده لاجل التدبير والاجتهاد في المكر والخديعة (روح البیان)۔ لیکن آخر کار حق ظاہر ہو کر رہا اور ان کی ناکامیوں نے ان کی ساری سازشوں کو بے نقاب کر دیا۔

۶۰ حیلہ تراشی میں بھی یہ بڑے جدت طراز تھے۔ بعض ان میں سے کہتے کہ میرے خانگی حالات کچھ اس قسم کے ہیں کہ میں کسی طرح جہاد میں شریک نہیں ہو سکتا۔ اب اگر آپ مجھے حکم دیں گے تو میں مجبوراً اس کی تعمیل سے قاصر رہوں گا اس لیے آپ مجھے جہاد پر جانے کا حکم ہی نہ دیجیے تاکہ میں نافرمانی کے فتنہ سے بچ جاؤں۔ کتنے حیلہ ساز تھے۔ اسلام دشمنی کی آتش غیظ کو سینوں میں لیے اور یہ بناوٹی پاکبازی! چاہتے ہیں کہ انہیں جہاد کی دعوت ہی نہ دی جائے تاکہ ان کا دامن تقدس نافرمانی کے داغ سے داغدار نہ ہو۔ انہیں یہ سمجھ نہ آئی کہ اس موقع پر دین کا جہاد سے پہلو تہی کرنا ہی ایک جرم عظیم ہے جس کا وہ ارتکاب کر رہے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا جد بن قیس منافق تھا۔ اس نے آ کر عرض کی کہ حضور روم کی عورتیں اپنے حسن و جمال میں بہت مشہور ہیں اور عورتوں کے بارے میں میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ انہیں دیکھ کر میری نیت فاسد ہو جائے اور میں فتنہ کا شکار ہو جاؤں اس لیے بہتر ہے کہ آپ مجھے یہیں چھوڑ جائیں۔

إِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿٤٩﴾ إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ

بیشک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو ۔ اگر پہنچے آپ کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے

وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ

انھیں ۞ اور اگر پہنچے آپ کو کوئی مصیبت تو کہیں کہ ہم نے درست کر لیا تھا اپنا کام پہلے ہی اور

وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥٠﴾ قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

لوٹتے ہیں خوشیاں مناتے ہوئے ۔ آپ فرمائیے ہرگز نہیں پہنچے گی ہمیں کوئی تکلیف بجز اس کے جو لکھ دی

لَنَا هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ قُلْ هَلْ

ہے اللہ نے ہمارے لیے۔ وہی ہمارا حامی و ناصر ہے اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے مومنوں کو آپ فرمائیے کیا تم

تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

منتظر ہو ہمارے متعلق ۞ مگر ایک بھلائی کا ان دو بھلائیوں میں سے اور ہم انتظار

۞ جس فتنہ سے بچنے کے لیے وہ حیلے تراش رہے ہیں اس سے بڑے فتنہ میں وہ پہلے ہی گرفتار ہو چکے ہیں۔

۞ اگر مسلمان کسی جنگ میں مظفر و منصور واپس لوٹتے ہیں تو ان کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور اگر کہیں مسلمانوں کو زک پہنچی ہے یا وہ شہید ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے گھروں میں گھی کے چراغ روشن کیے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنی دور اندیشی اور عقلمندی کے دعوے کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ حشر ہونے والا ہے اسی لیے تو ہم ان لوگوں کے ہمراہ نہیں گئے۔ قد اخذنا امرنا کا معنی ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے احتیاطی تدبیریں اختیار کر لی تھیں۔

۞ جب دنیا والے اسباب پر بھروسہ کرتے ہیں تو ایمان والے اللہ کی نصرت و اعانت پر نظر جمائے ہوتے ہیں۔ جب دنیا والے مادی منفعتوں اور ظاہری کامیابیوں کو اپنی کامیابی کا معراج تصور کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے پھولے نہیں سماتے تو ایمان والے ہر حال میں رضائے الٰہی کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اگر انہیں یہ سعادت نصیب ہو جائے اگرچہ بظاہر ناکامی ہی کیوں نہ ہو تو ان کے چہرے خوشی سے چمک جاتے ہیں اور اگر رضائے الٰہی حاصل نہ ہو تو ان کے نزدیک ایسی فتح بھی ہزار ناکامی سے زیادہ اذیت ناک ہے۔ وہ ہر حال میں اسی کی خوشنودی کے جویاں اور اسی کی امداد و اعانت پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

۞ جب حضور کریم اپنے غلاموں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو منافقین یہاں بیٹھ کر اس جنگ کے انجام کا

أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِندِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا

کرتے ہیں تمہارے لیے کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے پس تم بھی انتظار کرو

إِنَّا مَعَكُم مُّتَرَبِّصُونَ ﴿٥٢﴾ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّن يُتَقَبَّلَ

ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں۔ فرمائیے خرچ کرو خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ

تم سے بیشک تم ایک نافرمان قوم تھے۔ اور نہیں منع کیا ہے انھیں کہ قبول کیے جائیں

مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ

ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے

الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ﴿٥٤﴾

نماز ادا کرنے کے لیے مگر سست سست اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہیں ؂

انتظار کرنے لگے اور وہ اسی کو اپنی دانشوری کا کمال تصور کیے بیٹھے تھے اور جب تک مسلمانوں کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ نہ ہو جاتا وہ اپنی قسمت ان کے ساتھ وابستہ کر دینے کو قرین عقلمندی نہ سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ ان بزدلوں سے دریافت فرماؤ کہ تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو۔ ہم اگر جہاد میں مارے جائیں تو بھی ہم کامیاب ہیں اور اگر جنگ جیت لیں تب بھی کامیاب۔ تم اپنا خیال کرو تمہارا انجام کیا ہونے والا ہے اور اگر اب تک تمہیں سمجھ نہیں آئی تو تھوڑی دیر اور انتظار کرو جبکہ اللہ تعالیٰ کی آتش غضب تمہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیگی یا ہمارے ہاتھوں تمہیں ذلیل و رسوا کیا جائے گا۔

؁ بعض منافق اس جہاد میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لیے تو تیار نہ تھے لیکن وہ بالکل بے تعلق ہو کر اپنے آپ کو بے نقاب کرنا بھی مصلحت کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس لیے بارگاہ رسالت میں مالی امداد کی پیش کش کی۔ جد بن قیس جس کا ذکر پہلے گزرا ہے وہ بھی چندہ لے کر حاضر ہوا لیکن اللہ کے حبیب نے اس کو قبول نہ فرمایا کیونکہ مالی امداد بھی اسی کی قبول کی جاتی ہے جس کے دل میں ایمان صادق اور یقین محکم ہو۔

؂ اس آیت میں ان کی مالی امداد کو نامنظور کر دینے کی وجہ تفصیل سے بیان فرما دی۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

سو نہ تعجب میں ڈال دیں تمھیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد ۔[55] یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ

عذاب دے انھیں ان چیزوں سے دنیوی زندگی میں اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ

كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

کافر ہوں ۔ اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں[56] حالانکہ وہ تم میں سے نہیں،

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ

لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں ۔ اگر مل جاتے انھیں کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار

[55] اللہ تعالیٰ کے دین کی پیہم مخالفت کے باوجود ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے گھروں میں بڑی چہل پہل رہتی تھی ممکن تھا کوئی سادہ لوح ان کی ظاہری آن بان کو ان کے راہ راست پر ہونے کی نشانی خیال کرے۔ اس لیے واضح فرمایا کہ یہ دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ ان کی بربادی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ وہ اس کی محبت میں یوں مدہوش رہیں گے کہ پھر انھیں حق قبول کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی اور اسی کفر پر ان کا دم نکلے گا کیا ان سے بھی بڑھ کر کوئی بدنصیب ہو سکتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ ہر وہ نعمت جو یاد الٰہی سے غافل کر دے اور اس کے محبوب کی محبت کے ولولے کو سرد کر دے بہت بڑا عذاب ہے اور ہر وہ تکلیف جو کسی غافل کو ہوشیار کر دے اور یاد الٰہی کی طرف راغب کر دے بہت بڑی نعمت ہے۔

[56] ایمان اور یقین ہی وہ قوت ہے جو شرف انسانی کی نگہبان ہے اور اسے ایک مسلک پر ثابت قدم رکھتی ہے اور جہاں یہ مفقود ہو وہاں انسان مصلحت اندیشی کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ جدھر ہوا کا رخ دیکھا ادھر ہو لیا۔ جس میں اپنی وقتی سلامتی نظر آئی وہی چولا بدل لیا۔ ایسی حالت میں انسان وہ مستحکم چٹان نہیں رہتا جو حوادثات کے طوفانوں سے ٹکرا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکتی بلکہ اس بے بس تنکے کی طرح ہو کر رہ جاتا ہے جسے پانی کی تند موجیں جدھر چاہتی ہیں بہا لے جاتی ہیں۔ منافقین کی بھی یہی حالت تھی۔ دلوں میں تو اسلام کی دشمنی تھی لیکن اسلامی حکومت کے علاوہ ان کے لیے کوئی اور پناہ گاہ بھی نہ تھی اس لیے وہ کھل کر اسلام کی مخالفت بھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے ایک بے ضمیر آدمی کی طرح قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنے آپ کو ملت اسلامیہ کا ایک فرد ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب مکر و فریب ہے۔ ان کا تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ محض مجبوری کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اگر انھیں کوئی سر چھپانے کی جگہ مل جاتے

أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۞ وَمِنْهُم مَّن

یا گھس بیٹھنے کی جگہ تو وہ منہ پھیر لیں گے اس طرف منہ زوری کرتے ہوئے۔ اور بعض ان میں سے

يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ ۚ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ

طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں سو اگر انہیں دیا جائے ان سے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۞ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ

انہیں نہ دیا جائے ان سے تو اسی وقت وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ خوش ہو جاتے اس سے جو دیا تھا

اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

انہیں اللہ اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے

تو فوراً تم سے سارے تعلقات توڑ دیں اور وہاں چلے جائیں۔

بعض الفاظ کی تشریح: ملجأ: پناہ گاہ۔ مغارات، مغارۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے چھپ کر بیٹھنے کی جگہ۔ هی المواضع التی یستتر فیها۔ مدخلا: وہ جگہ جس میں تکلیف سے داخل ہوا جاسکے۔ یجمحون: جب گھوڑا سرکشی کرتا ہے اور باگ کی پروا نہیں کرتا تو کہتے ہیں جمح الفرس۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھی منہ زور گھوڑے کی طرح کسی لگام کی پروا نہ کرتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں۔

بارگاہ رسالت میں جب زکوٰۃ و عشر کا مال آتا اور حضور اپنے رب قدیر کے حکم کے مطابق اسے خرچ کرتے تو منافقین جو دولت کے لالچ میں از خود رفتہ ہو چکے تھے ان کا رویہ عجیب تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جاتا تو خوش ہو جاتے اور اگر نہ ملتا یا توقع سے کم ملتا تو پھر حضور کی ذات اقدس و اطہر پر زبان طعن دراز کرنے لگتے۔

لو کا جواب محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے ولو انهم رضوا ... لکان خیرا لهم۔ مومن کا شیوہ تو یہی ہونا چاہیے کہ بارگاہ الٰہی اور جناب رسالت پناہی سے جو نعمت عطا فرمائی جائے اس پر شکریہ ادا کرے اور اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرتے ہوئے اس کے مزید فضل و کرم اور اس کے محبوب رسول کی بیش از بیش جود و عطا کا امیدوار رہے۔ مولانا عثمانی تحریر فرماتے ہیں: "اور جو ظاہری اور باطنی دولت خدا اور رسول کی سرکار سے ملے اسی پر مسرور و مطمئن ہو"

وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۟ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ

اور اس کا رسول ﷺ ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت کرنے والے ہیں۔ زکوٰۃ تو صرف ان کے لیے ہے جو فقیر

وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ

مسکین ہیں اور زکوٰۃ کے کام پر جانے والے ہیں اور جن کی دلداری مقصود ہے نیز گردنوں کو آزاد کرانے

اہل ایمان کے لیے یہی زیبا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اور یہ یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے ان کو مالا مال کر دے گا اور اس کے پیارے رسول کا سحاب کرم جب برسے گا اور اس کا دست جود و عطا جب حرکت میں آئے گا تو فقر و افلاس کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے نام نامی کے ساتھ اس کے حبیب کا اسم گرامی ملا دینے سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض صاحبان کہتے سنائی دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں یہ آیت ہرگز شامل نہ ہوتی۔

نبی رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب صدقات تقسیم فرماتے تو بیمار دل لوگ طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے صدقات کے مستحقوں کا ذکر فرما کر معترضین کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ نیز ان مصارف کو تفصیل سے بیان کر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ مبادا کسی وقت کوئی مسلمان فرمانروا اس مد کی آمدنی کو بے جا صرف کرنے لگے۔ نیز زکوٰۃ کیونکہ شریعت اسلامیہ کا ایک اہم ترین رکن ہے اس لیے بھی اس کو وضاحت سے بیان کرنا ضروری تھا۔ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف ہیں جو اس آیت کریمہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ۱۔ فقراء ۲۔ مساکین ۳۔ زکوٰۃ وصول کرنے والے ۴۔ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو ۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے ۶۔ مقروض ۷۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ۸۔ مسافر۔ اب تفصیل سے ان کا الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔

فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اس کے متعلق علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ (۱) فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو۔ اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ امام صاحب کے نزدیک یہی قول پسندیدہ ہے۔ لیکن بعض علماء لغت نے فقیر اسے بتایا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو۔ یہ اختلافات پتہ دیتا ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ ناداری، افلاس اور احتیاج ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اسی وجہ سے فصحاء کے کلام میں یہ دونوں ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے اسلم یہ ہے کہ اس بحث میں نہ الجھیں بلکہ نفسیات انسانی کے راز دار حبیب کردگار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسکین کی جو تعریف کی ہے اسی کو قبول کیا جائے۔ حضور نے مسکین کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا المسکین الذی لا یجد غنی یغنیہ ولا یفطن فیتصدق علیہ ولا یقوم فیسأل الناس۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا سرمایہ نہ ہو جو اسے غنی کر دے۔ نہ اس کی ظاہری حالت اس کی تنگدستی کا

پتہ دیتی ہو تاکہ لوگ اس کو غریب سمجھ کر صدقہ دیں اور وہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہو حضرت امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس کے پاس بیس دینار یا دو سو درہم ہوں (یعنی نصاب زکوٰۃ) تو اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز نہیں۔ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صحت مند ہو اور روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اس کے لیے صدقہ لینا حرام ہے اور انھوں نے اس کے لیے یہ حدیث بطور دلیل پیش کی ہے۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی اخرجہ ابو داؤد والترمذی والدار قطنی۔ لیکن حضور کے اہل بیت بلکہ سارے خاندان ہاشم کے فقراء اور مساکین پر زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ کیونکہ حضور کریم کا ارشاد ہے ان الصدقۃ لا تحل لآل محمد انما ھی اوساخ الناس۔ صدقہ آل محمد (علیہ التحیۃ والثناء) پر حلال نہیں کیونکہ یہ لوگوں کا میل کچیل ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کا یہ قول ہے کہ خاندان بنی ہاشم کے اغنیاء اپنے خاندان کے فقراء کو اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ عن ابی یوسف ان الزکاۃ من بنی ھاشم تحل لبنی ھاشم (جصاص۔ احکام القرآن)۔

وہ لوگ جو امام وقت کی طرف سے زکوٰۃ اور صدقات وصول کرنے کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تنخواہیں بھی اسی مد سے دی جاسکتی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کی فراہمی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ وہ منظم طور پر اسے وصول کرے اور پھر پورے اہتمام کے ساتھ اس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ خلافت عباسیہ کے اختتام تک یہی طریقہ رہا۔ اگرچہ بعض خلفاء اس میں ناجائز تصرف بھی کیا کرتے تھے لیکن زکوٰۃ پھر بھی انہی کو ادا کی جاتی تاکہ یہ نظام باقی رہے۔ چنانچہ جب خلافت بنی امیہ میں منتقل ہوگئی اور مال زکوٰۃ میں انھوں نے بے اعتدالیاں شروع کردیں تو کسی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ اب زکوٰۃ کسے دینی چاہیے۔ فرمایا کہ وقت کے حاکموں کو اس نے کہا۔ اذا یتخذون بھا ثیابا وطیبا، وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے لباس فاخرہ اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا۔ وان اگرچہ وہ ایسا کرتے ہوں (ابن ابی شیبہ از آزاد) امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اگر عامل بنی ہاشم میں سے کوئی ہو تو زکوٰۃ کی مد سے اسے تنخواہ نہیں دی جائے گی کرامۃ وتنزیھا لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن غسالۃ الناس (قرطبی)۔ لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ اس مد سے زکوٰۃ لے سکتا ہے لانہ اجیر علی عمل مباح فوجب ان یستوی فیہ الہاشمی وغیرہ (قرطبی)۔

یعنی لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دینا درست ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں (۱) کفار کے رئیسوں کو اس غرض سے دینا کہ وہ غریب مسلمانوں کو خود بھی اذیت نہ پہنچائیں اور دوسروں کو بھی اذیت پہنچانے سے روکیں (۲) کفار کو اسلام قبول کرنے کی رغبت دلانے کے لیے مالی امداد دینا (۳) نو مسلموں کی خاطر داری کے لیے ان کی اعانت کرنا تاکہ وہ پھر کفر کی طرف مائل نہ ہوجائیں۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان تینوں قسم کے لوگوں کی تالیف قلوب کے لیے بڑی فیاضی سے دیا کرتے تھے۔ جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہوچکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی اور اب ان لوگوں کی تالیف کی ضرورت نہیں لیکن علماء کی ایک جماعت کا یہ خیال ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ اگر کسی وقت اس طرح خرچ کرنے کی ضرورت پڑے تو خلیفۂ وقت کو اجازت ہے۔ وقال جماعۃ من

وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ

اور مقروضوں کے لیے ؃ اور اللہ کی راہ میں ؃ اور مسافروں کے لیے ؃ یہ سب فرض ہے

العلماء هم باقون لان الامام ربما احتاج ان يتألف على الاسلام وانما قطعهم عمر لما رأى من اعزاز الدين ...
وقال ابن العربي الذي عندي انه ان قوي الاسلام زالوا وان احتيج اليهم في بعض الاوقات اعطوا سهمهم كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعطيهم فان في الصحيح بدء الاسلام غريبا وسيعود كما بدأ (قرطبی) ترجمہ: علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ مصرف اب بھی باقی ہے کیونکہ خلیفہ کو کبھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ وہ ان لوگوں کی تالیف قلوب کرے۔ حضرت عمرؓ نے جب اسلام کا غلبہ دیکھا تو اسے متروک قرار دے دیا۔ ابن عربی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اگر اسلام قوی اور غالب ہو تو یہ مصرف باقی نہیں رہے گا۔ اور اگر ان کی تالیف قلوب کی ضرورت پڑ جائے تو انھیں زکوٰۃ سے حصہ دیا جائے گا جس طرح حضور عطا فرمایا کرتے تھے۔

؃ اسلام نے غلامی کے انسداد کے لیے جہاں اور کوششیں کیں وہاں یہ کوشش بھی کی کہ زکوٰۃ کی آمدنی سے ایک حصہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے متعین کر دیا۔ اسی طرح مسلمان جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کے لیے بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ لانه اذا كان فك المسلم عن رق المسلم عبادة وجائزا من الصدقة فاحرى واولى ان يكون ذلك في فك المسلم عن رق الكافر وذله (قرطبی) یعنی جب ایک مسلمان غلام کو اس کے مسلمان آقا کی غلامی سے آزاد کرانا عبادت ہے اور اس کے لیے زکوٰۃ جائز ہے تو ایک مسلمان کو کافر کی غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکوٰۃ سے خرچ کرنا تو اور زیادہ ضروری اور مناسب ہوگا۔

؃ وہ مقروض جن کے پاس قرض ادا کرنے کے لیے کچھ نہیں۔ ان کی امداد بھی زکوٰۃ کے فنڈ سے کی جا سکتی ہے۔ اس طبقہ کی حالت زار پر بھی اسلام نے ترس کھایا لیکن اس کے نزدیک شرط یہ ہے کہ یہ قرض اس نے کسی برے کام کے لیے نہ لیا ہو اور نہ ہی فضول خرچی کی وجہ سے وہ مقروض ہوا ہو۔

؃ اس سے مراد وہ حج کرنے والے اور جہاد کرنے والے ہیں جن کے پاس زاد راہ نہ ہو اور اپنے افلاس کی وجہ سے وہ جنگی ساز و سامان مہیا نہ کر سکتے ہوں ان کی اعانت بھی مال زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد صرف یہ دو قسم کے لوگ نہیں بلکہ ہر وہ کام جس میں عامۃ المسلمین کا فائدہ ہو وہ سبیل اللہ میں داخل ہے۔ چنانچہ دینی مدرسے جن میں قرآن و سنت کی تعلیم دی جاتی ہو اور دین کے مبلغ اور محقق تیار کیے جاتے ہوں بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ شیخ رشید رضا نے اپنی تفسیر المنار میں اس کے متعلق بڑی وضاحت سے لکھا ہے: وقال الآلوسی في تفسير الكلمة عند الحنفية اريد بذلك عند ابي يوسف منقطعي الغزاة والحجيج وقيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية وفسره في البدائع بجميع القرب فيدخل فيه كل سعي في طاعة الله. علامہ آلوسی نے اس لفظ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اس سے مراد وہ غازی اور حاجی ہیں جو اپنے وطن

اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٠﴾ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ

اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا دانا ہے۔ اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں جو ۱۱۶ اپنی بدزبانی سے اذیت

سے دُور ہوں اور ان کے پاس اپنے اخراجات پورے کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ اور بعض نے اس سے مراد طلبہ لیے ہیں۔ اور صاحب فتاویٰ ظہیریہ نے تو اس سے مراد فقط طالب علم ہی لیے ہیں۔ اور صاحب بدائع کے نزدیک ہر وہ نیک کام سبیل اللہ میں داخل ہے جس سے قربِ الٰہی حاصل ہو سکے۔ اس کے بعد صاحب المنار رقم طراز ہیں والتحقیق ان سبیل اللہ ھنا مصالح المسلمین العامة التی بھا قوام امر الدین والدولة دون الافراد (ج ۱۰۔ ص ۵۸۵) ترجمہ: تحقیق یہ ہے کہ سبیل اللہ سے مراد وہ مصالح اور مفید کام ہیں جن سے مخصوص افراد نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔ جن سے دین اور دولت دونوں کو تقویت حاصل ہو۔ ومن اھم ما ینفق فی سبیل اللہ فی زماننا ھذا اعداد الدعاة الی الاسلام وارسالھم الی بلاد الکفار من قبل جمعیات منظمة تمدھم بالمال الکافی کما یفعلہ الکفار فی نشر دینھم (ج ۱۰۔ ص ۵۸۷) ترجمہ: ہمارے زمانہ میں سب سے اہم کام جس میں اس مد کا روپیہ خرچ کیا جائے وہ مبلغین اسلام کو تیار کرنا ہے اور انھیں منظم انجمنوں کی نگرانی میں کفار کے ممالک میں تبلیغ دین کے لیے بھیجنا ہے اور ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ ویدخل فیہ النفقة علی المدارس للعلوم الشرعیة وغیرھا مما تقوم بہ المصلحة العامة (ج ۱۰۔ ص ۵۸۵) ترجمہ: اس میں مدارس اسلامیہ داخل ہیں جن میں علوم دینیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ کام جن میں مصلحت عامہ ہے۔

۱۱۵ وہ مسافر جس کی زادِ راہ ختم ہو چکی ہو اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہو زکوٰۃ سے اس کی امداد کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ سفر کسی گناہ کی نیت سے نہ ہو۔

۱۱۶ جوہری امام لغت لکھتے ہیں کہ جو شخص ہر ایک کی بات سن لے اسے رجل اُذُن کہتے ہیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں جو ہر ایک کی بات سنے بھی اور مانے بھی اسے رجل اذن کہا جاتا ہے (قرطبی)۔ منافقین کا یہ شیوہ تھا کہ اپنی نجی محفلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام کی جناب پاک میں جو جی میں آتا بک دیتے۔ اگر کوئی انھیں کہتا کہ تمہاری باتوں کا علم اگر حضور علیہ السلام کو ہو گیا تو بڑی فضیحت ہوگی تو وہ نابکار کہتے ابھی اس کا فکر نہ کرو۔ وہ کانوں کے بڑے کچے ہیں۔ اگر کسی نے ہماری کوئی بات ان سے کہہ بھی دی تو کیا ہوگا۔ ہم جا کر حلفیہ بیان دے دیں گے کہ ہم نے یہ بات ہرگز نہیں کہی تو وہ فوراً ہماری بات مان جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے محبوب کا تمہاری بات سن لینا اور کچھ سے اعراض کرنا تمہارے لیے ہی اچھا ہے۔ ورنہ اگر حقیقت آشکارا کر دی جاتی تو تمہارا نفاق ظاہر ہو جاتا اور تم رسوا ہوتے کہ منہ چھپانے کے لیے جگہ نہ ملتی۔ وہ تو محض از راہ شفقت و پردہ پوشی تم سے اعراض کرتے ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ وہ تمہاری بات کو سچ سمجھتے ہیں اور تمہارا جھوٹ ان سے پوشیدہ رہتا ہے۔ وہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی بات کا یقین رکھتے ہیں۔ اور مخلص اہل ایمان کی باتوں پر اعتبار کرتے ہیں۔

يَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ

دیتے ہیں نبی کریم کو اور کہتے ہیں یہ کانوں کا کچا ہے۔ فرمائیے وہ سنتا ہے جس میں بھلا ہے تمہارا یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے

لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ

مومنوں (کی بات) پر اور سراپا رحمت ہے ان کے لیے ۶۴ جو ایمان لائے تم میں سے اور جو لوگ دکھ پہنچاتے ہیں ۶۵ اللہ کے

رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ

رسول کو۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (منافق) قسمیں اٹھاتے ہیں ۶۶ اللہ کی تمہارے سامنے

۶۴ جو بیچاروں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور مخلصوں کو رسوا نہیں کرتا۔ اس کی شفقت، اس کی رأفت، اس کی رحمت اپنوں پر کس طرح نوازشات فرماتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے سابقہ جملے کے ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ وہ اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔

۶۵ قیامت تک آنے والے لوگوں کو بتا دیا کہ کوئی جس نے میرے حبیب کے دل رحیم کو ایذا پہنچائی وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ اب وہ لوگ جو حضور کے کمالات علمی کا انکار کرتے ہیں اور اس بُرے ارادے سے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسی چیز ہاتھ آجائے جس سے وہ اپنے ناقص اور غلط خیال کے مطابق اللہ کے پیغمبر کی جہالت ثابت کر سکیں یا کمالات مصطفوی کا انکار کر سکیں اور اس رفعت و تقدس مآب کی جناب میں بازاری الفاظ بڑی بے حیائی اور بے باکی سے اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے ہیں وہ خود سوچیں کہ ان کا حشر کیا ہو گا ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۶۶ بتایا جا رہا ہے کہ منافقین کتنے نادان ہیں کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور اپنی پاک باطنی اور نیک نیتی کو ثابت کرنے کے لیے آسمان و زمین کے قلابے ملاتے ہیں لیکن ایسی باتوں سے اللہ اور اس کا رسول خوش نہیں ہو سکتا اور حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ محض اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کے لیے کوشاں رہتے۔ واللہ ورسولہ احق کی ترکیب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے رسول کا ذکر کر دیا جائے تو ہر جگہ شرک نہیں ہو جاتا جیسے بعض متشدد لوگ سمجھتے ہیں بلکہ یہ تو اہل ایمان کی نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے حبیب رسول کی خوشنودی ہر عمل میں پیش نظر رکھیں۔ نحوی قاعدے کے مطابق یرضوھما ہونا چاہیے تھا کیونکہ مرجع اللہ اور رسول دو ہیں اس لیے ضمیر بھی تثنیہ کی ہونی چاہیے تھی۔ واحد کی ضمیر ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا جدا جدا نہیں بلکہ

لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا

تاکہ خوش کریں تمہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق ہے کہ اسے راضی کریں اگر وہ

مُؤْمِنِينَ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ

ایماندار ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو کوئی مخالفت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو

لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ

اس کے لیے آتش جہنم ہے ہمیشہ رہے گا اس میں۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔ ڈرتے رہتے ہیں

الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي

منافق کہ کہیں نازل (نہ) کی جائے (اہل ایمان پر) کوئی سورۃ جو آگاہ کردے انہیں جو کچھ منافقوں

قُلُوبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٦٤﴾

کے دلوں میں ہے۔ آپ (انہیں) فرمائیے کہ مذاق کرتے رہو۔ یقیناً اللہ ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم خوفزدہ ہو

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ

اور اگر آپ دریافت فرمائیں ان سے تو کہیں گے کہ ہم تو صرف دل لگی اور خوش طبعی کر رہے تھے۔ آپ فرمائیے

ایک ہی ہے جس پر اللہ راضی اس پر اس کا رسول بھی خوش اور جس پر اس کا رسول راضی اسے اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی میسر ہے۔

تلہ محادّہ کہتے ہیں کسی کے مقابلہ میں اپنا الگ محاذ قائم کر لینا۔ المحادۃ وقوع هذا فی حد وذاک فی حد (قرطبی) مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا ابدی ٹھکانا دوزخ ہے۔

تلہ یعنی ان کو ہمیشہ اس بات کا کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ان کے نفاق کو ظاہر نہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے شک جس چیز کا تمہیں اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا اور ہم نے اپنے مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ والثناء کو تمہارے ناموں اور تمہارے کاموں پر مطلع کر دیا۔ قرطبی لکھتے ہیں کہ ان کو ظاہر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے احوال اور ان کے اسماء کا علم عطا فرما دیا۔ انما اخرج اللہ ان عرف نبیہ علیہ السلام احوالہم واسماءہم لا انها نزلت فی القرآن ولقد قال اللہ تعالیٰ ولتعرفنہم فی لحن القول وھو نوع الہام۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ السلام کو ان کے

أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ

(گستاخو!) کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے تم مذاق کیا کرتے تھے؟ ۱۲۲ (اب) بہانے مت بناؤ

كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ

تم کافر ہو چکے (اظہار) ایمان کے بعد اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے تو عذاب دیں گے

نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ الْمُنَافِقُونَ وَ

دوسرے گروہ کو کیونکہ وہی (اصلی) مجرم تھے ۔ منافق مرد اور

الْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُم مِّن بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِالْمُنكَرِ وَ

منافق عورتیں سب ایک جیسے ہیں ۱۲۳ حکم دیتے ہیں برائی کا اور

حالات اور ان کے ناموں پر آگاہ کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے نام اور احوال تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر کر دیئے بلکہ بذریعہ الہام ان کا علم دے دیا۔ قرآن کریم میں ہے ولتعرفنھم فی لحن القول، اے حبیب! تم ان کی گفتگو کے لہجے انہیں ضرور پہچان لو گے۔ یہ پہچان بھی الہام کی ایک قسم ہے۔

۱۲۲ مسلمانوں کا تمسخر اڑانا منافقین کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا کوئی موقع بھی ہو ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ حضور صاحب مسلمان اپنی بے سروسامانی کے باوجود قیصر سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے تو ان بدباطنوں کو پھبتیاں اڑانے کا زریں موقع مل گیا۔ کوئی کہتا یہ دیکھو! یہ شہ پدی ہو ... (اب) شہنشاہِ روم سے جنگ لڑنے چلے ہیں۔ کوئی کہتا ان کے وہاں پہنچنے کی دیر ہے رومی فوجیں ان کی وہ درگت بنائیں گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ دوسرا کہتا بڑا مزا تو جب ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں بیڑیاں ہوں اور اوپر سے کوڑے برس رہے ہوں۔ غرضیکہ جب ان کی نامعقول باتوں کا چرچا ہوتا تو بڑے مسکین کی طرح حاضر ہوتے اور کہتے یا حضرت! ہم تو صرف دل لگی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم بتاؤ کیا اللہ اور اس کے رسول کے سوا اور کوئی نہیں رہا جس کے ساتھ تم دل لگی کر سکو۔

۱۲۳ منافق مرد ہوں یا عورتیں سب کا مزاج یکساں ہے۔ ہر بُرے نظریہ اور ہر بُرے فعل کی ترویج و اشاعت میں بڑے چست ہیں اور اگر کہیں سے نیکی کی کرن پھوٹے تو کملا جاتے ہیں اور ہر طرح سے کوشش کرتے ہیں کہ یہ نیکی پھلنے پھولنے نہ پائے اور اس کے علمبردار کہیں ترقی اور اقتدار حاصل نہ کر لیں۔ اگر کسی نیک کام میں ان سے مالی اعانت کا مطالبہ کیا جائے تو حالانکہ ان کے پاس روپیہ کی فراوانی ہو ان کی مٹھیاں بھنچ جاتی ہیں اور انہیں توفیق ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لیے ایک

يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ

روکتے ہیں نیکی سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (حقیقت یہ ہے کہ) انھوں نے بھلا دیا ہے

فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ

اللہ کو تو اس نے بھی فراموش کر دیا ہے انھیں ١٣٣ بیشک منافق ہی نافرمان ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور

وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ

منافق عورتوں اور کفار سے دوزخ کی آگ کا، ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں، یہی کافی ہے انھیں

وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

نیز لعنت کی ہے ان پر اللہ نے اور انہی کے لیے ہے دائمی عذاب ١٣٤ (اے منافقو!) تمھاری حالت بھی ایسی ہے جیسے ان

كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوا

لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے وہ زیادہ تھے تم سے قوت میں اور مال اور اولاد کی کثرت میں ١٣٥ سو لطف اٹھایا انھوں نے

پانی بھی خرچ کریں۔

١٣٣ انھوں نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انھیں اپنا خدا یاد نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولا کریم نے بھی ان بدنصیبوں کو اپنی رحمت و عنایت سے فراموش کر دیا جہاں دوسروں کے لیے اس کے فضل و کرم کے دروازے کھلے ہوتے ہیں وہاں ان کی طرف کھلنے والا دروازہ بند کر دیا گیا ہے گویا ان کی کوئی سائل ہی نہیں جس کی طرف دست جود و نوال کا مطلوب ہو۔ خدا فراموشی انسان کو خود فراموش بنا دیتی ہے۔ یہ جرم جتنا بڑا ہے اس کی سزا بھی اتنی ہی سنگین ہے۔

١٣٤ رحمت و عنایت کے مستحقین کی فہرست سے ان کا نام خارج کر دیا گیا ہے کیونکہ انھیں اس کی خواہش ہی نہ تھی البتہ دوزخ کے دہکتے ہوئے انگارے ان کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسی کے لیے وہ عمر بھر کوشاں رہے۔ ایسی کی آرزو میں وہ رات دن بیقرار رہے۔ سو اب ان کی یہ خواہش پوری کرنے کے لیے ان سے پختہ وعدہ کیا جا رہا ہے کہ انھیں جہنم میں ابدی قرارگاہ دے دی جائے گی جہاں سے انھیں نکالا نہیں جائے گا۔

١٣٥ اے اہل نفاق! اس محفل ہستی میں تمہارا وجود کوئی اچنبہ نہیں۔ تم سے پہلے بھی ایسے لوگ گزر چکے ہیں جو قوت و طاقت میں اور مال و دولت میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انھیں بھی سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن زندگی کے اعلیٰ

بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

اپنے (دنیوی) حصہ سے اور تم نے بھی لطف اٹھایا اپنے (دنیوی) حصہ سے اسی طرح جیسے لطف اٹھایا اُنھوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

تم سے پہلے ہو گزرے اپنے (دنیوی) حصہ سے اور (لذتوں میں) تم بھی ڈوبے رہے جیسے وہ ڈوبے رہتے تھے یہی

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

وہ لوگ ہیں ضائع ہو گئے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں ۔ اور یہی لوگ نقصان

الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ

اُٹھانے والے ہیں ۔ کیا نہ آئی اُن کے پاس خبر [1] اُن لوگوں کی جو اُن سے پہلے گزرے (یعنی) قوم نوح

وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ

اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور اہل مدین اور

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

وہ بستیاں جنھیں اُلٹ دیا گیا تھا ۔ آئے تھے ان سب کے پاس انکے رسول روشن دلیلیں لیکر اور نہ تھا اللہ (کا یہ دستور)

اور پاکیزہ مقصد کو سمجھنے سے ان کی تمام عقلیں قاصر رہیں اور وہ جسمانی لذتوں اور شہوانی خواہشوں ہی میں کھو کر رہ گئے ۔ اور زندگی کی قیمتی گھڑیاں یونہی برباد کر کے اس دُنیا سے چلے گئے ۔ اور ان کا انجام بہت حسرتناک اور دردناک ہوا ۔ وہی روش تم نے اختیار کر رکھی ہے ۔ سو تمہارا بھی ویسا ہی عبرتناک انجام ہونے والا ہے ۔ کالذین من قبلکم خبر ہے ۔ اور اس کی مبتدا انتم محذوف ہے ۔ تقدیر کلام یوں ہے انتم کالذین من قبلکم (قرطبی) ۔

[1] اب صراحۃً ان قوموں کے نام لے کر انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے جن کی عظمت و سطوت کی داستانیں اور پھر ان کی تباہی و بربادی کے قصے خود ان کے ہاں بچے بچے کی زبان پر تھے ۔ اصحاب مدین سے مراد قوم شعیب علیہ السلام ہے ۔ مؤتفکات : ائتفک کا معنی ہے زمین کو زیر و زبر کر دینا ۔ اس سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہے کہ جب ان پر عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو اُلٹ دیا گیا ۔

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

کہ ظلم کرتا ان پر بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے ف۷۰ نیز مومن مرد

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں ف۷۱ حکم کرتے ہیں نیکی کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

اور روکتے ہیں برائی سے اور صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ

زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی لوگ ہیں جن پر ضرور رحم فرمائے گا اللہ

ف۷۰ مذکورۂ بالا قوموں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ ان پر ظلم اور زیادتی نہیں تھی بلکہ ان کو صحیح راستہ بتا دیا گیا۔ وقتاً فوقتاً ان کو ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے انبیاء بھیجے گئے۔ آسمانی ہدایت کی روشنی ان کے سامنے حق و باطل کو نمایاں کرتی رہی لیکن بایں ہمہ جب وہ اسی راہ پر چلنے پر مصر رہے جو ہلاکت کے گہرے غار میں لے جانے والی تھی تو انجام کار وہ اس غار میں جا گرے۔ اب تم خود فیصلہ کرو کہ قصور وار کون ہے اور کیا خداوند عالم نے ان کے ساتھ بے انصافی کی یا وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

ف۷۱ وہ قوم جس نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا ان کی خصوصیتوں کا بیان تو گزر چکا کہ انہیں نیکی سے طبعی ضد ہے اور برائی سے طبعی مناسبت۔ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے سے ان کے دل ڈوب ڈوب جاتے ہیں۔ اللہ کی یاد تو انہیں نصیب نہیں لیکن جنہوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور اسلام کو اپنا دین اور نبی پاک کو اپنا ہادی اور مرشد تسلیم کیا کیا انہوں نے صرف اپنا لیبل ہی بدلا ہے یا ان میں اور ان میں حقیقی فرق بھی ہے۔ اس آیت میں اسی حقیقی فرق اور عظیم انقلاب کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے جو لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انسان میں رونما ہوتا ہے فرمایا جو خوش نصیب مرد اور عورتیں میرے حبیب کی دعوت کو قبول کرتی ہیں ان میں ایک ایسا انقلاب رونما ہوتا ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ وہ نیکی کو فروغ دینے کے لیے اپنے سارے وسائل وقف کر دیتے ہیں۔ اپنی راحت و آرام کو قربان کر دیتے ہیں اور ضرورت پڑے تو نیکی کا پرچم بلند رکھنے کے لیے وہ اپنی جان بھی خوشی خوشی نثار کر دیتے ہیں اور ان کا وجود باطل کے لیے تو ایک چیلنج ہوتا ہے۔ وہ باطل اور برائی کی سروری قبول کرنے سے صاف

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَٰتِ

بیشک اللہ تعالیٰ غالب ہے حکمت والا ہے وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے

جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسَٰكِنَ

باغات کا، رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں نیز وعدہ کیا ہے پاکیزہ

طَيِّبَةً فِي جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ وَرِضْوَٰنٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ۚ ذَٰلِكَ

مکانات کا سدا بہار باغوں میں اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے یہی تو

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٧٢﴾ يَٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جَٰهِدِ الْكُفَّارَ

بڑی کامیابی ہے اے نبی کریم! جہاد کیجیے کافروں اور

انکار کر دیتے ہیں اور جہاں تک ان کا بس چلتا ہے وہ اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ نماز ادا کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اللہ اور اس کے رسول کریم کے ہر حکم کی اطاعت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

یہاں سین تاکید اور مبالغہ کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر ضرور اپنی رحمت فرمائے گا۔ وحرف السین فی قولہ سیرحمہم اللہ للتوکید والمبالغۃ (رازی)

جب کوئی چیز کسی جگہ ہمیشہ کے لیے اقامت گزیں ہو جائے تو عربی میں کہتے ہیں عدن بمکان کذا۔ اسی لیے کان کو بھی معدن کہتے ہیں کیونکہ یہ جگہ اسی دھات کی قرارگاہ ہوتی ہے۔ ویسے جنت کے اعلیٰ درجہ کا نام بھی عدن ہے۔ جو وسط میں ہے اور دوسرے جنت اس کے اردگرد ہیں۔ اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے۔ انبیاء کرام، شہداء اور صدیقین کے لیے مخصوص ہے۔ وقال مقاتل والکلبی عدن اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ وفیہا عین تسنیم والجنان حولہا (قرطبی)

بیشک اہل عشق و محبت تو فقط اسی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی محبوب حقیقی کی خوشنودی کے کم وہ کسی چیز پر مطمئن نہیں ہوتے۔ ان کی شب بیداریاں، ان کی ریاضتیں اور ان کی آہ و زاریاں اسی لیے تو ہوتی ہیں کہ ان کا محبوب ان پر راضی ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں ؎

اذا کنت منی یا منی القلب راضیا ... اری کل من فی الکون لی یتبسم

اے میرے مطلوب دل! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے کائنات کی ہر چیز مسکراتی ہوئی نظر آتی ہے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ

منافقوں کے ساتھ اور سختی کیجیے ان پر اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت برا

الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ

ٹھکانا ہے۔ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انھوں نے یہ نہیں کہا حالانکہ یقیناً انھوں نے کہی تھی کفر کی

کتنا بلند اور پاکیزہ ہے یہ مقصد اور کتنے خوش نصیب اور سعادتمند ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اس مقصد کی لگن ہوتی ہے۔
اللھم اجعلنا منھم ومعھم برحمتک انت ارحم الراحمین بجاہ حبیبک الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

اس آیت میں غور کر لینے سے ان لوگوں کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع ہو جانا چاہیے جو حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں اور ان کے مقام رفیع کے انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان کے ایمان میں بھی شک کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کفار اور مشرکین کے ساتھ اب نرمی اور عفو ودرگزر کا سلوک نہ کیجیے بلکہ ان کے ساتھ جنگ کیجیے اور سختی سے برتاؤ کیجیے۔ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب مکہ فتح ہو چکا تھا اور سارے جزیرہ عرب میں اسلام کی عظمت کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور مسلمانوں کو کسی کا اندیشہ نہ تھا تاکہ یہ کہا جا سکے کہ حضور اسلام کی ظاہری کمزوری کے باعث منافقوں سے سختی نہ کر سکے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک اپنے تمام صحابہ خصوصاً خلفاء راشدین کے ساتھ نہایت ہی مشفقانہ کریمانہ اور فیاضانہ تھا۔ محبت وعنایت کا بادل ہر وقت ان پر برستا رہا۔ یہ دیکھ کر یقین ہو جاتا ہے کہ یہ نفوس قدسیہ ایمان ویقین کے مجسمے تھے حضور کی تئیس سال کی شبانہ روز محنت وتربیت کے شیریں ثمر تھے۔ اگر ان کو کوئی نادان منافق کہتا ہے تو وہ ان کو نہیں ان کے آقا ومولیٰ پر گویا یہ الزام لگاتا ہے کہ اس نے ان سے یہ محبت بھرا سلوک کر کے اپنے رب کی حکم عدولی کی۔ العیاذ باللہ۔ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔

منافقین جو دل سے ایمان نہیں لائے تھے بلکہ محض دنیاوی مفاد اور سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے ساتھ ملے ہوئے تھے جب وہ الگ بیٹھتے تو اسلام اور رسول اسلام کے خلاف گستاخیاں کرتے اور جب کبھی ان کا راز فاش ہوتا تو اپنی براءت ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کے پل باندھ دیتے کہ واللہ باللہ ہم نے ہرگز یہ بات نہیں کہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان جھوٹی قسموں سے تم خدا کو دھوکہ دینا چاہتے ہو جو سب رازوں کا جاننے والا ہے۔ تم نے یہ باتیں کہیں اور اظہار اسلام کے بعد پھر کفر اختیار کر لیا۔ اس ضمن میں یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضور جب تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو بارہ تیرہ منافقوں نے تہیہ کر لیا کہ جب رات کو حضور سفر کر رہے ہوں اور کسی گھاٹی

الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ

بات اور انھوں نے کفر اختیار کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ارادہ بھی کیا ایسی چیز کا جسے وہ نہ پاسکے

وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ

اور نہیں خشمناک ہوتے وہ مگر اس پر کہ غنی کر دیا انھیں اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل و کرم سے

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ

سو اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا ان کے لیے اور اگر وہ رو گردانی کریں تو عذاب دیگا انھیں اللہ تعالیٰ

کے وہ نیچے پہنچیں تو دھکا دے کر گرا دیا جائے۔ چنانچہ حضور تشریف لیے جا رہے تھے۔ حذیفہ بن یمان اونٹنی کی نکیل پکڑے آگے آگے تھے اور عمار پیچھے پیچھے جب اونٹنی ایک گھاٹی کے کنارے پر پہنچی تو بارہ آدمی جنھوں نے اپنے چہرے ڈھانپے ہوئے تھے راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ حضور نے عتاب آلود آواز سے جب انھیں للکارا تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضور نے حذیفہ و عمار سے دریافت فرمایا کہ کیا تم نے انھیں پہچانا؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! انھوں نے منہ چھپائے ہوئے تھے ہم تو انھیں پہچان نہ سکے۔ حضور نے فرمایا ھٰؤلاء المنافقون الی یوم القیامۃ۔ یہ ازلی بدبخت ہیں قیامت تک یہ منافق ہی رہیں گے۔ حضور چاہتے تھے کہ اپنی مقدس سواری کو مع آپ کے گھاٹی میں گرا دیں۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ ان کے قتل کا حکم کیوں صادر نہیں فرما دیتے۔ حکیم نبی نے جواب دیا: لا، أكره أن يتحدث العرب بينها أن محمدًا قاتل بقوم حتى إذا أظهره الله بهم أقبل عليهم يقتلهم ثم قال اللهم ارمهم بالدبيلة قلنا يا رسول الله وما الدبيلة؟ قال شهاب من نار يقع على نياط قلب أحدهم فيهلك (ابن کثیر) ترجمہ: نہیں میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ عرب یہ کہیں کہ محمد (علیہ السلام) ایک قوم کو ساتھ لے کر لوگوں سے لڑتا رہا اب جب غالب آگیا تو اسی قوم کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ! انھیں دبیلہ کا تیر مار۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! دبیلہ کیا ہے فرمایا یہ آگ کا شعلہ ہے جو ان کی رگ دل پر پڑے گا اور انھیں ہلاک کر دے گا۔

۱۱۴؎ یعنی ان احسان فراموشوں کو دیکھو کہ قرضوں کے بوجھ تلے دبے جا رہے تھے کھانے تک کو میسر نہ تھا۔ جب رسول مدینہ میں تشریف فرما ہوا تو اس کی برکت سے کاروبار میں برکت ہوئی کھیتوں میں اناج پیدا ہونے لگا۔ مال غنیمت میں ان کو بھی حصہ ملتا رہا۔ اب جب مالی حالت اچھی ہو گئی تو چاہیے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انھیں جن نوازشات سے مالا مال فرمایا۔ اس کا شکریہ ادا کرتے الٹا مخالفت پر آمادہ ہیں۔ یہ بعینہ اس طرح ہے جس طرح ہم اردو میں کہتے ہیں کہ میرا اس کے سوا اور کیا قصور ہے کہ میں نے اسے مصیبت سے نجات دلائی۔

عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

عذاب الیم۔ دنیا اور آخرت میں اور نہیں ہوگا ان کا روئے زمین

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ

میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے وعدہ کیا اللہ سے

ثعلبہ بن حاطب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مالدار کر دے۔ حضورؐ نے فرمایا اے ثعلبہ کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ تم میری طرح ہو۔ اگر میں چاہتا تو یہ پہاڑ سونے کے بن جاتے اور میرے ساتھ ساتھ چلتے۔ اس نے پھر بھی عرض کی کہ حضورؐ دعا فرما دیں کہ میں مالدار ہو جاؤں اور مجھے خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق مبعوث فرمایا اگر مجھے دولت مل گئی تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ حضورؐ نے پھر فرمایا اے ثعلبہ! قلیل تؤدی شکرہ خیر من کثیر لا تطیقہ۔ اے ثعلبہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا تم شکر ادا کرنے سے قاصر رہو۔ لیکن اس نے پھر اپنی عرض دہرائی۔ حضورؐ نے دعا فرمائی اللھم ارزقہ مالاً۔ اے اللہ اس کو مال عطا فرما۔ اب کیا تھا لبِ مصطفوی پر دعا کے یہ کلمے تھے تو ادھر رزق کے دروازے کھل گئے۔ اس نے چند بکریاں خریدیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ مدینہ میں کوئی حویلی ایسی نہ تھی جہاں وہ سما سکیں۔ باہر دور جنگل میں ڈیرہ بنایا۔ پہلے تو یہ حالت تھی کہ صبح و شام مسجد میں بسر ہوتی اور اسی وجہ سے اسے حمامۃ المسجد (مسجد کی کبوتری) کہا جاتا تھا۔ اب پہلے تو دن کو غیر حاضری ہوئی پھر رات کو بھی غیر حاضری ہونے لگی۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کی نماز مسجد نبوی میں نصیب ہوتی۔ لیکن ریوڑ کی غیر متوقع افزائش کے باعث مصروفیات اتنی بڑھیں کہ جمعہ ترک کیا عید کے دن بھی حاضری نصیب نہ ہوتی۔ اسی اثناء میں زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا۔ حضورؐ نے اپنے دو عامل اس کے پاس روانہ فرمائے۔ اس نے کہا یہ تو بہت زیادتی ہے۔ تم ذرا آگے سے ہو آؤ میں اتنے میں سوچ رکھوں گا۔ وہ دونوں اس کے ہاں سے سلیمی کے پاس گئے۔ اس نے ثعلبہ کی بات سن لی تھی۔ اس نے بہترین جانور زکوٰۃ کے لیے خوشی خوشی پیش کر دیے۔ جب واپسی پر ان عاملوں کا اس کے پاس سے گزر ہوا تو کہنے لگا ذرا وہ خط دکھاؤ تو دیکھوں اس میں کیا لکھا ہے۔ پڑھنے کے بعد کہنے لگا یہ تو جزیہ ہے۔ تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ جب وہ عامل بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو اس سے پیشتر کہ وہ کچھ عرض کریں حضورؐ نے فرمایا: ویح ثعلبۃ بن حاطب۔ ثعلبہ ہلاک ہو گیا اور سلیمی کے لیے حضورؐ نے دعا فرمائی۔ چنانچہ ثعلبہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے رشتہ داروں نے اسے بتایا کہ تیرے حق میں یہ آیت اتری ہے تو زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرا صدقہ قبول کرنے سے مجھے منع فرما دیا ہے چنانچہ وہ رونے لگا اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔ پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں بھی وہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا تیری زکوٰۃ اللہ کے رسولؐ نے منظور نہیں فرمائی تو میں کیسے منظور کر سکتا ہوں۔ پھر عہدِ فاروقی میں حاضر ہوا اور زکوٰۃ

آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٧٥﴾

ساتھ کہ اگر اس نے دیا ہمیں اپنے فضل سے تو ہم دل کھول کر خیرات دیں گے اور ضرور ہو جائیں گے نیکوکاروں میں۔

فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ

پس جب اس نے عطا فرمایا انہیں اپنے فضل سے تو کنجوسی کرنے لگے اس کے ساتھ اور روگردانی کر لی اور وہ

مُعْرِضُونَ ﴿٧٦﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ

منہ پھیرنے والے ہیں پس اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے نفاق جما دیا ان کے دلوں میں [illegible] اس دن تک جب ملیں گے

بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿٧٧﴾ أَلَمْ

اس کو اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اللہ سے جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے

يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان کے راز کو اور ان کی سرگوشی کو اور یقیناً اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا

الْغُيُوبِ ﴿٧٨﴾ الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

ہے سارے غیبوں کو۔ جو لوگ ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں خوشی خوشی خیرات کرنے والوں پر مومنوں سے [illegible]

ہوئی کی حضرت فاروق نے بھی یہ کہہ کر رد فرما دی کہ جب تیری زکوٰۃ رسول کریم ﷺ نے اور صدیق اکبر نے قبول نہ کی تو میں کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اسی حالت میں وہ عہد عثمانی میں مر گیا۔

[illegible] یعنی نفاق کی بیماری جو پہلے ان میں تھی اس پیہم بدعملی، وعدہ خلافی اور بدکاری سے اور زیادہ بڑھ گئی اور اس کی جڑیں ان کے دل میں اس مضبوطی سے گڑ گئیں کہ موت سے پہلے ان کے اکھڑنے کا امکان ہی نہ رہا جیسے معمولی نزلہ زکام میں غفلت اور بدپرہیزی کی وجہ سے تپ دق میں بدل جاتا ہے اور مہلک اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

[illegible] ایک دفعہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ خدا میں مال پیش کرنے کی ترغیب دی۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف چار ہزار درہم لے کر حاضر ہوئے۔ عدی بن حاتم نے سو وسق کھجوریں پیش کیں۔ مسلمانوں کو اتنا مال کثیر راہ خدا میں پیش کرتے دیکھ کر منافقین کہنے لگے یہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے کب لاتے ہیں یہ تو محض ریاکاری ہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر

فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ

اور جو نادار نہیں پاتے بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے تو یہ ان کا بھی مذاق اڑاتے

مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٩﴾ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ

ہیں۔ اللہ تعالیٰ سزا دے گا انھیں اس مذاق کی اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آپ بخشش طلب کریں ان

أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ

کے لیے یا نہ کریں ۱۰۰ اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے ستر بار جب بھی

يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ

نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انھیں۔ یہ محض اس لیے کہ انھوں نے انکار کیا اللہ کا اور اس کے رسول مکرم کا۔ اور

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿٨٠﴾ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ

اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا نافرمان قوم کو۔ خوش ہو گئے پیچھے چھوڑے جانے والے اپنے گھر بیٹھے رہنے پر

اپنی تجارت کا سکہ جما سکیں۔ اتنے میں ایک غریب صحابی ابوعقیل سیر بھر کھجوریں لے کر حاضر ہوا تو ان نالائقوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ اس ایک سیر سے کس لشکر کی ضیافت کا سامان ہو گا۔ غرضیکہ ان کا نفس امارہ نہ تو حسن اسلام کی فیاضانہ پیش کشوں سے متاثر ہوتا نہ ان نادار جانبازوں کے ایثار سے جو ساری ساری رات کنوئیں سے پانی نکالتے رہتے اور جو کچھ مزدوری ملتی اسے وہ اپنے دین کی سربلندی کے لیے اپنے رسول کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔

۱۰۰ امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کا یہ طریقہ تھا کہ جب حضور خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور خوشامد کرتے ہوئے کہتا هذا رسول الله اكرمه الله واعزه ونصره یہ اللہ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالیٰ انھیں عزت و نصرت عطا فرمائے۔ جب احد کے بعد اس کا نفاق واضح ہو گیا تو پھر اس نے کسی موقع پر کھڑے ہو کر یہی الفاظ دہرائے۔ حضرت فاروق ؓ سے نہ رہا گیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اللہ کے دشمن! تیرا کفر اب چھپائے نہیں چھپ سکتا۔ دوسرے حاضرین نے بھی اسے ملامت کی۔ چنانچہ نماز پڑھے بغیر غصہ سے بل کھاتا ہوا وہ مسجد سے نکل کر چلا گیا۔ راستے میں کسی نے اسے کہا کہ کدھر بھاگے جا رہے ہو۔ حضور کی خدمت میں جاؤ اور ان کا دامن کرم پکڑو اور اپنی بخشش اور مغفرت کے لیے عرض کرو۔ اس بدبخت نے کہا ما ابالي استغفرلي اولم يستغفر وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں

خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

اللہ کے رسول کی (جہاد پر) روانگی کے بعد اور ناگوار تھا انھیں کہ جہاد کریں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ

راہِ خدا میں ۱۲۱ اور (دوسروں کو بھی) کہتے ست نکلو اس سخت گرمی میں ۱۲۲ فرمائیے دوزخ کی آگ

اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا

اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ سمجھتے۔ تو انھیں چاہیے کہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں

كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى

زیادہ ۱۲۳ یہ سزا ہے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (اے حبیب!) پھر اگر لے جائے آپ کو اللہ تعالیٰ

باز آگئیں بھیجے تو پروا نہیں جتنی بھیجے ان کی مغفرت کی دعا کی ضرورت نہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے متعلق تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

۱۲۱ منافق جہاد میں شریک نہ ہوئے اور حضور کریم کی ہمرکابی کی سعادت انھیں حاصل نہ ہوئی۔ لیکن بجائے اس کے کہ وہ اس محرومی پر غمزدہ ہوتے اور اپنے بخت برگشتہ پر افسوس کرتے اُلٹے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ چلو بچ گئے۔

۱۲۲ جب ان کے دلوں میں ایمان ہی نہ تھا تو انھیں وہ ذوق اور لطف کیسے میسر ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور اس کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کرنے سے اہلِ ایمان کو حاصل ہوتا ہے۔ ان کے لیے تو یہ سب کچھ ایک مصیبت تھی جس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے وہ بہانوں کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

۱۲۳ خود تو وہ جہاد میں شریک نہیں ہوئے لیکن اسی پر وہ اکتفا کرنے والے کب تھے۔ وہ دوسرے اہلِ ایمان کو بھی گرمی کی شدت سے ڈراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ گرم ہے۔ اس گرمی سے بچ گئے تو کیا ہوا اس جھلس کر رکھ دینے والی آگ سے کیونکر نجات حاصل کرو گے۔ لیکن ان چیزوں کو تو صرف دانا آدمی سمجھ سکتا ہے۔ ان نادانوں کو کیا سمجھ۔

۱۲۴ یہ جملہ صورۃً امر ہے اور معنی خبر۔ مطلب یہ ہوا کہ اس فانی زندگی کے چند روز وہ ہنسی خوشی گزار دیں گے لیکن آئندہ آنے والی ابدی زندگی میں انھیں رونا ہی رونا ہے۔ ھو امر بمعنی الخبر ای انھم سیضحکون قلیلا ۔

طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا

ان کے کسی گروہ کے پاس پھر وہ اجازت طلب کریں آپ سے جہاد پر نکلنے کی تو آپ فرما دیجئے نہیں نکلو گے تم میرے

مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ

ہمراہ کبھی اور ہرگز جنگ نہیں کرو گے میری معیت میں کسی دشمن سے تم نے تو خود پسند کیا تھا گھر بیٹھ رہنا

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی

پہلی مرتبہ تو اب بیٹھے رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ۱۲۵ اور نہ پڑھیے نماز جنازہ کسی

اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا

پر ان میں سے جو مر جائے کبھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر ۱۲۶ بیشک انھوں نے کفر کیا

یکون کثیرا۔ (قرطبی)

۱۲۵ خالف کا ایک معنی تو یہ ہے پیچھے رہ جانے والا لیکن علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ خالف یعنی فسد کے ہے جس طرح کہتے ہیں خلف اللبن دودھ خراب ہو گیا۔ یا عرب کہتے ہیں کہ فلان خالفۃ اهل بیتہ فلاں شخص اپنے سارے کنبہ سے فسادی ہے۔ اسی سے خلوف فم الصائم ہے جبکہ منہ کی بو روزہ رکھنے سے خراب ہو جاتی ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا فاقعدوا مع الفاسدین یعنی فسادیوں اور کمینہ لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ پہلے تم نے جان بوجھ کر میرے رسول کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ اب بطور سزا تمہیں جہاد کی توفیق سے محروم کر دیا گیا ہے بلکہ اب اگر لشکر اسلام کہیں جہاد پر روانہ ہوا اور تم جہاد کرنے کے لیے نکلنا بھی چاہو گے تو تمہیں ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا جائے گا۔ وفقہ یدل علی ان استصحاب المخذل فی الغزوات لایجوز (قرطبی)۔ ترجمہ: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کسی مردود اور راندہ درگاہ کو جہاد میں ہمراہ لے جانا جائز نہیں۔

۱۲۶ منافقین نے جنگ تبوک میں شرکت نہ کر کے جب اپنے آپ کو آشکارا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ اب آپ بھی ان سے پہلی سی نرمی اور رافت کا برتاؤ نہ کیا کریں بلکہ ان کو ننگا ہونے دیں تاکہ دوسروں کے لیے موجب عبرت ہوں۔ اسی لیے اب آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے روک دیا اور اسی سلسلہ میں یہ حکم فرمایا کہ اب ان کی نماز جنازہ نہ پڑھا کیجئے اور نہ ان کی قبر پر تشریف لے جائیے۔ ان کی کفر و گمراہی نے انھیں اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ رحمت الٰہی ان کی طرف مائل ہو۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب عبد اللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا ہوا تو حضور اس کی عیادت کے

لیے تشریف لے گئے۔ اس نے التماس کی کہ جب وہ مر جائے تو حضور اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور اس کی قبر پر بھی تشریف فرما ہوں۔ پھر اس نے ایک آدمی بھیجا اور عرض کی کہ کفن کے لیے اسے قمیص مرحمت فرمائی جائے۔ حضور نے اوپر والی قمیص بھیجی۔ اس نے پھر گزارش کی کہ مجھے وہ قمیص چاہیے جو آپ کے جسدِ اطہر کو چھو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ پاس بیٹھے تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! آپ اس ناپاک اور گندے کو اپنی پاک قمیص کیوں مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حقیقت سے نقاب اٹھایا اور فرمایا اسے عمر! ان قمیصی لا یغنی عنہ من اللہ شیئا فلعل اللہ ان یدخل بہ الفا فی الاسلام۔ دیکھیے اے عمر! اس کافر اور منافق کو میری قمیص کچھ نفع نہیں پہنچائے گی۔ بلکہ اس کے دینے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ہزار آدمیوں کو مشرف باسلام کرے گا۔ منافقوں کا ایک انبوہِ کثیر بروقت عبداللہ کے پاس رہتا تھا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ بدکار ساری عمر مخالفت کرنے کے بعد اپنی بخشش اور نجات کے لیے آپ کی قمیص کا سہارا لے رہا ہے تو ان کی آنکھوں سے غفلت کے پردے اٹھ گئے اور یہ حقیقت عیاں ہو گئی کہ اس رحمتِ عالمیاں کی بارگاہِ بیکس پناہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ہاں منظوری نا ممکن ہے تو جائے اس کے کہ عالمِ یاس میں اس کا دامن پکڑنے کی ناکام کوشش کریں اب ہی کیوں نہ اس پر ایمان لے آئیں اور سچے دل سے اپنی گزشتہ خطاؤں کی معافی مانگ لیں اور اس کی شفاعت کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ اسی دن ایک ہزار منافق اس قمیص کی برکت اور قمیص والے کے حسنِ خلق سے مشرف باسلام ہوا۔

اسلم منھم یومئذ الف دیکھیے جو ڈوب چکا تھا وہ تو ڈوب چکا تھا لیکن ہزار اور ڈوبتے ہوؤں کو تو بچا لیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا جو مخلص مسلمان تھا حاضر ہوا اور اپنے باپ کی موت کی اطلاع دی۔ حضور نے فرمایا جاؤ اور اس کا جنازہ پڑھ کر اسے دفن کر دو۔ اس نے عرض کی حضور خود کرم فرما دیں۔ اس پیکرِ عفو و عنایت نے منظور کر لیا۔ اٹھے اور اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے روانہ ہونے لگے۔ حضرت عمرؓ نے پھر گزارش کی یا رسول اللہ! اللہ اور رسول کے اس دشمن کی نماز جنازہ نہ پڑھیے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور جبریل نے حضور کا دامن پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنایا ولا تصل علی احد الخ۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نے قمیص کیوں عطا فرمائی۔ مفسرین نے اس کی کئی ایک وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے گرفتار کیے گئے تو ان کی اپنی قمیص پھٹ گئی تھی حضور نے انھیں قمیص پہنانا چاہی کیونکہ عباس دراز قامت تھے۔ عبداللہ بن اُبی کا قد بھی بڑا لمبا تھا اس لیے اس کی قمیص کے سوا اور کوئی قمیص انھیں پوری نہ آئی۔ اس کی قمیص آپ نے لے لی تا کہ اس کا یہ احسان دنیا میں ہی اتار دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ تعلیم دی کہ اما السائل فلا تنھر کسی سائل کو نہ جھڑکیے۔ اس لیے حضور نے اس کے سوال کو رد نہ کیا۔ اور سب سے بڑی وجہ وہی تھی جو حضور نے خود بیان فرمائی کہ اس قمیص کی وجہ سے اللہ ایک ہزار منافقوں کو دولتِ ایمان سے مالا مال فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس سے اور بڑی برکت کیا ہو سکتی ہے۔ یہاں ایک چیز خوب ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ بدنصیب جس کا خاتمہ کفر پر ہوتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی اور اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی۔ لیکن صاحبِ ایمان کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کے لیے اگر اللہ کے محبوب کے ہاتھ

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ
اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول مکرم کے ساتھ۔ اور وہ مرے اس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے اور نہ تعجب میں ڈالیں آپ کو ان کے مال
وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا
اور ان کی اولاد۔ یہی چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے انھیں ان سے دنیا میں
وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ
اور نکلے ان کا سانس اس حال میں کہ وہ کافر ہوں۔ اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورۃ (جس میں حکم ہوتا ہے) کہ
اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ
ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو اللہ کے رسول کے ہمراہ۔ تو اجازت طلب کرنے لگتے ہیں آپ سے دولت مند
مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿٨٦﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
ان میں سے اور کہتے ہیں رہنے دیجیے ہمیں تاکہ ہو جائیں ہم (گھر) بیٹھنے والوں کے ساتھ۔ انھوں نے پسند کیا کہ ہو جائیں
مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٧﴾
پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر ۱۲۴ تو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

دُعا کے لیے اٹھو جائیں تو مغفرت یقینی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نعمت ایمان نصیب فرمادے اور اس دنیا میں بھی اور روز حشر بھی حضور کی شفاعت کی سعادت سے بہرہ اندوز فرمائے آمین ثم آمین۔ بجاہ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۱۲۴ یہ ان کی کم فہمی اور نادانی ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے، اپنے گناہ بخشوانے اور اپنے ایمان کو جلا دینے کا موقع دیا گیا تو انھوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ ابر رحمت آیا، برسا، اور سوکھے کھیتوں کو شاداب کر کے چلا گیا لیکن ان کی کشت ایمان میں یونہی خاک اڑتی رہی جیسے پہلے اڑ رہی تھی۔ اللہ کریم ہر انسان کو اس کی زندگی میں موقع دیتا ہے تاکہ وہ اپنی سابقہ غلطیوں اور کوتاہیوں کی تلافی کر سکے لیکن بعض بدنصیب اس سنہری فرصت کو بھی ضائع کر دیتے ہیں

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

لیکن رسول اور جو ایمان لاتے اس کے ساتھ انھوں نے جہاد کیا اپنے مالوں

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾

اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لیے ساری بھلائیاں ہیں ۱۲۸ اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہنے والے ہیں

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ ع ١١ ١٧

ان میں۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور آئے بہانے بنانے والے بدو ۱۲۹

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

تاکہ اجازت مل جائے انھیں اور بیٹھے رہے وہ جنھوں نے جھوٹ بولا تھا اللہ اور اس کے رسول سے عنقریب پہنچیگا

۱۲۸ منافقین کا رویہ تو یہ ہے کہ ہر سرفروشی کے موقع پر ان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں لیکن ان کے برعکس رسول اکرم اور اس کے صحابہ کا رویہ یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال اللہ کی رضا کے لیے قربان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے بلکہ دعا مانگتے ہیں کہ یہ سعادت انھیں نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایسے نیک بختوں کے لیے دین اور دنیا کی راحتیں اور عزتیں ہیں اور وہی دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔ خیرات سے مراد دونوں جہانوں کی بھلائیاں ہیں۔ فالمعنی لھم منافع الدارین۔

۱۲۹ پہلے مدینہ میں بسنے والے مخلصین اور منافقین کا ذکر کیا گیا۔ اب اردگرد کے دیہاتیوں کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں۔ ان میں کچھ تو سچے ایماندار ہیں ان کا ذکر تو اس رکوع کے آخر میں آئے گا۔ ومن الاعراب من یؤمن الخ اور ان کے علاوہ منافق ہیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جب انھیں جہاد کی دعوت دی گئی تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرنے لگے اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے کہ جنھوں نے جہاد کا حکم سنا تو اکڑ کر گھروں میں بیٹھ رہے اور یہ بھی مناسب نہ سمجھا کہ چلو محض ظاہرداری کے لیے ہی کوئی عذر لنگ پیش کریں ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اگر ان کے کفر و عناد کی یہی حالت آخر دم تک رہی تو انھیں دردناک ابدی عذاب میں مبتلا

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۹۰ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ۔ نہیں ہے کمزوروں پر ۱۳۰؎

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ

اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جو نہیں پاتے وہ مال جسے خرچ کریں

حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ

(اگر یہ پیچھے رہ جائیں) کوئی حرج جبکہ وہ مخلص ہوں اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے ۱۳۱؎ نہیں ہے نیکوکاروں پر

سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ

پر الزام کی کوئی وجہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۔ اور نہ ان پر کوئی الزام ہے جو جب حاضر ہوتے آپ کے پاس

کر دیا جائے گا۔ اس صورت میں معذرون باب تفعیل سے ہوگا اور معذّر وہ شخص ہے جس کے پاس کوئی حقیقی عذر نہ ہو اور پھر بھی وہ عذر پیش کرے۔ وھو الذی یعتذر ولا عذر لہ لیکن اخفش اور فراء وغیرہ علماء لغت ونحو نے کہا ہے کہ معذرون اصل میں معتذرون تھا۔ ت افتعال کو ذال سے بدلا اور ذال کو ذال میں مدغم کر دیا اور معذرون ہوگیا اب اس کا معنی ہوگا سچے عذر والے (قرطبی)۔ اور اس سے مراد عامر بن طفیل کا قبیلہ ہے جس نے حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ اگر ہم حضور کے ہمراہ جہاد پر جائیں گے تو بنی طے کے بدو ہماری بیویوں، بچوں اور مویشیوں پر حملہ کر کے لوٹ لیں گے حضور نے ان کی اس سچی معذرت کو قبول فرمایا۔

۱۳۰؎ یعنی جو لوگ حقیقۃً معذور ہیں وہ اگر جہاد میں شریک نہ ہو سکیں تو کوئی حرج نہیں۔

۱۳۱؎ نصیحت کا معنی ہے اخلاص۔ اسی وجہ سے خالص اور سچی توبہ کو توبۃ النصوح کہتے ہیں۔ اور جب بات خلوص نیت سے کہی جائے تو کہتے ہیں نصحت لہ القول۔ حضرت تمیم الداری سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار فرمایا۔ الدین النصیحۃ قلنا لمن؟ قال للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم (رواہ مسلم)۔ دین نصیحت کو کہتے ہیں۔ ہم نے عرض کی کس کے لیے؟ تو فرمایا اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے امراء کے لیے اور عام لوگوں کے لیے۔ اور یہاں بھی نصیحت کا معنی اخلاص ہے۔ علماء کرام نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ کے لیے نصیحت کا یہ مطلب ہے کہ اس کی توحید اور اس کی صفات کمالیہ پر خالص اعتقاد ہو اور اس کو نقص اور عیب سے پاک مانا جائے۔ اور رسول کے لیے نصیحت کا یہ معنی ہے کہ اس کی رسالت کو

لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ أَجِدُ مَآ أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَّأَعْيُنُهُمْ

تاکہ آپ سوار کریں انھیں تو فرمایا آپ نے نہیں پاتا میں جس پر میں تمھیں سوار کروں وہ لوٹتے ہیں اس حال میں کہ ان کی آنکھیں

تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنفِقُونَ ﴿٩٢﴾ إِنَّمَا

بہا رہی ہوتی ہیں آنسو اس غم میں کہ افسوس نہیں ان کے پاس جو وہ خرچ کریں ۱۲۲ الزام تو

السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوا بِأَن

بس ان لوگوں پر ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ مالدار ہیں۔ وہ راضی ہو گئے اس

يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾

پر کہ ہو جائیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ اور مہر لگا دی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پس وہ (کچھ) نہیں جانتے۔

سچے دل سے مانے۔ اس کی فرماں برداری کرے، اس کی عزت و تکریم کرے، اور اس سے اور اس کے اہل بیت سے محبت کرے۔ اور مسلمانوں کے امراء کے لیے نصیحت سے یہ غرض ہے کہ ان کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ ان کو صحیح مشورہ دے اور اگر ان سے غفلت سرزد ہو تو انھیں متنبہ کر دے۔ اور عوام کو نصیحت کرنے کا مدعا یہ ہے کہ ان کی صحیح رہنمائی کرے، سب کے لیے دعائے خیر کا التزام کرے اور سب کی خیر خواہی میں کوشاں رہے (قرطبی)۔

۱۲۲ جب غزوۂ تبوک کی تیاری شروع ہوگئی تو وہ غریب و نادار مسلمان جن کے دلوں میں راہ حق میں جان دینے کے ہزاروں ارمان مچل رہے تھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوتے اور عرض کی یا رسول اللہ! ہم دل و جان سے جہاد کے لیے تیار ہیں لیکن ہم نادار ہیں، اتنی طاقت نہیں کہ سواری کا انتظام کرسکیں، ازراہِ کرم سواری کا انتظام فرما دیجیے تاکہ ہم یہ سعادت حاصل کرسکیں۔ حضور نے جب انھیں یہ بتایا کہ بیت المال میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمھاری سواری کا بندوبست کیا جاسکے تو انھیں اتنا صدمہ پہنچا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگ گئے۔ اور انھیں اپنی ناداری کا جتنا غم آج ہوا شاید ہی کبھی اتنا ہوا ہو۔ بجائے اس کے کہ وہ دل ہی دل میں خوش ہوتے کہ آج افلاس کام آیا۔ اس گرم موسم میں دور دراز کی مسافت سے جان چھوٹی۔ الٹا وہ مغموم و دلگیر اور اشکبار ہیں۔ اس حقیقت کو کچھ وہی خوش نصیب سمجھ سکتے ہیں جن کو عشق و محبت کی مینا سے ایک دو جام ملے ہوں۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا

وہ بہانے پیش کریں گے تمھارے پاس جب تم لوٹ کر جاؤ گے ان کی طرف ١٦٦ فرما دیجیے بہانے مت بناؤ

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ

ہم نہیں اعتبار کریں گے تم پر ۔ آگاہ کر دیا ہے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمھاری خبروں پر اور دیکھے گا اللہ تعالیٰ

عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

تمھارا عمل اور اس کا رسول ١٦٧ پھر لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٩٤ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا

پھر وہ آگاہ کرے گا تمھیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے ۔ قسمیں کھائیں گے اللہ کی تمھارے سامنے جب تم

انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ

لوٹو گے ان کی طرف تاکہ تم معاف کر دو انھیں سو منہ پھیر لو ان سے یقیناً وہ

رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٩٥ يَحْلِفُوْنَ

ناپاک ہیں ١٦٨ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے ، بدلہ اس کا جو وہ کمایا کرتے تھے ۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں

١٦٦ جب مسلمان غزوۂ تبوک سے مظفر و منصور ہو کر مدینہ طیبہ واپس آنے لگے تو اللہ نے انھیں آگاہ کر دیا کہ جب تم مدینہ پہنچو گے تو منافقین تمھارے پاس آئیں گے اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کی کئی تاویلیں پیش کریں گے اور اس طرح تمھیں اپنے ایمان اور اپنے اخلاص کا یقین دلائیں گے لیکن تم انھیں صاف صاف کہہ دینا کہ اس مکر و فریب کو اب رہنے دو۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمھارے نفاق اور خبث باطن پر مطلع کر دیا ہے اب ہم تمھاری باتوں میں آنے والے نہیں۔

١٦٧ اب تک جو تم نے کیا اس کی حقیقت کا تو ہمیں علم ہو گیا۔ اب بھی تمھیں اجازت ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو۔ اللہ اور اس کا رسول تمھارے عملوں کو دیکھے گا۔ اگر تمھارے اعمال نے تمھارے ایماندار اور مخلص ہونے کی تصدیق کر دی تو ہم بھی تسلیم کر لیں گے عنقریب جان لو اس چند روزہ زندگی کے بعد تمھیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا اور وہ سب کچھ جاننے والا تمھیں تمھارے سب کرتوتوں پر آگاہ کر دے گا۔

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ

تمہارے سامنے تاکہ تم خوش ہو جاؤ ان سے۔ سو یاد رکھو اگر تم خوش ہو بھی گئے ان سے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ راضی نہیں

عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٩٦﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ

ہوگا نافرمانوں کی قوم سے۔ اعرابی زیادہ سخت ہیں کفر اور نفاق میں ۱۲۶؎ اور حقدار ہیں

أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

کہ نہ جانیں وہ احکام جو نازل کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا

حَكِيمٌ ﴿٩٧﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ

بڑا دانا ہے۔ اور بعض بدو ایسے ہیں جو ۱۲۷؎ یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں وہ تاوان ہے اور

بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٩٨﴾

منتظر ہیں تمہارے لیے زمانہ کی گردشوں کے (حقیقت میں) انہی پر ہے بری گردش ۱۲۸؎ اور اللہ تعالیٰ سمیع (و) علیم ہے۔

۱۲۵؎ اعراض کا مادہ آیت میں دوبار استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دو مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے (۱) صفح و درگزر (۲) قطع تعلق۔ لتعرضوا میں پہلا معنی مطلوب ہے اور فاعرضوا عنھم میں دوسرا معنی مقصود ہے یعنی منافق قسمیں اٹھائیں گے اور منت التماس کریں گے کہ ان کی غلطی معاف کر دی جائے۔ لیکن تمہیں یہی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ان سے قطع تعلق کر لو۔ چنانچہ حضور جب مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو یہ حکم دے دیا کہ لا تجالسوھم ولا تکلموھم۔ نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بات چیت کرو۔ اور قطع تعلق کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ انھم رجس یہ ناپاک ہیں۔

۱۲۶؎ منافقین مدینہ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد اب پھر دیہات میں بسنے والے بدوؤں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اپنی صحرائی زندگی، درشت عادات اور مرکز اسلام سے دور رہنے کے باعث ان کا کفر اور نفاق بہت سخت اور کرخت قسم کا ہے۔ بالکل نیم چڑھے کریلے ہیں۔

۱۲۷؎ کیونکہ ان کے دلوں میں نفاق تھا اس لیے راہ خدا میں جو پیسہ وہ خرچ کیا کرتے تھے بادل ناخواستہ خرچ کیا کرتے تھے۔ انھیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کوئی جرمانہ یا تاوان ادا کر رہے ہیں اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ اسلام کی ترقی کے ساتھ انھیں کوئی دلچسپی نہ تھی بلکہ الٹا چڑ تھی۔ رضاء الٰہی کا مفہوم انھیں معلوم ہی نہ تھا۔ ذرکے اسے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا

اور کچھ دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور روز قیامت پر اور سمجھتے ہیں جو وہ

يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

خرچ کرتے ہیں قرب الٰہی اور رسول (پاک) کی دعائیں لینے کا ذریعہ ہے ۱۳۲ سنو ہاں ہاں وہ ان کے لیے باعث قرب ہے۔

سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ وَالسّٰبِقُوْنَ ١٢ع

ضرور داخل فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور سب سے آگے

الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

آگے رہنے والے سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے

اور مسلم سوسائٹی سے چمٹے رہنے کی وہ قیمت ادا کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے یہ چندہ ایک جرمانہ اور تاوان ہی تھا۔ مغرماً معناہ غرماً واصلہ لزوم الشیٔ ومنہ ان عذابہا کان غراماً ای لازماً (قرطبی)۔

۱۳۱ دوائر جمع ہے دائرہ کی۔ اس کا معنی ہے اچھی حالت کا بُری حالت سے بدل جانا جسے ہم گردش زمانہ سے تعبیر کیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اب تو وہ دل پر جبر کرکے کچھ نہ کچھ مالی امداد کر دیا کرتے ہیں لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات کے خواہاں ہیں کہ کہیں گردش زمانہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت کو ختم کرکے رکھ دے اور ہم یہ چندہ دینے سے صاف انکار کر دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گردش روزگار تو تمہیں ہی پیس کر رکھ دے گی۔ اسلام اور مسلمان تو دن بدن ترقی کرتے جائیں گے۔

۱۳۲ اب ان اعرابیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دل وجان سے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور راہ خدا میں جو مال خرچ کرتے ہیں اسے تاوان خیال نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعاؤں کا سبب سمجھتے ہیں یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو اس یقین سے خرچ کرتے ہیں کہ اس سے ہمیں اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب ہوگا اور حضور رحمت عالم ہمارے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائیں گے اور حضور کی دعا کی برکت سے انہیں اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی نعمت حاصل ہوگی۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں لانہا الغایۃ القصوی وصلوات الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام من ذرائعہا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بلند ترین مقصد ہے اور حضور کی دعائیں اس کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں

رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لیے باغات

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ

بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے ۱۸۸ اور

تو یہی فاتحہ کی اصل ہے کہ صدقہ کے ساتھ دعائے مغفرت کی جاتی ہے۔ لہٰذا فاتحہ کو بدعت و ناروا بتانا قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ (خزائن العرفان)۔

۱۸۷ سین تحقیق و تاکید کے لیے ہے۔

۱۸۸ یہاں ان پاک ہستیوں (مہاجرین و انصار) کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے کرم نبی کی دعوت اس وقت قبول کی جب کہ اس کو قبول کرنا ہزاروں مصیبتوں اور تکلیفوں کو دعوت دینا تھا۔ اس وقت اسلام کی اعانت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا جب اسلام بڑی بےکسی کی حالت میں تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے ان مخلص و جانباز اور پاکباز بندوں پر ناز ہے بلکہ ساری انسانیت کو ان پر فخر ہے جنہوں نے حق کو محض حق کے لیے قبول کیا۔ اور اس کو فروغ دینے اور درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے اپنے وطن چھوڑے، اپنے خونی رشتے توڑے، اپنے سر کٹائے۔ قرآن بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان مخلص، جانباز اور پاکباز بندوں پر راضی ہو گیا اور اس کے ان بندوں نے جب دیکھا کہ ان کے رب کریم نے ان کی ان قربانیوں کو شرف قبول عطا فرمایا ہے تو وہ اس کی شان بندہ پروری اور ذرہ نوازی کو دیکھ کر راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی ابدی نعمتوں سے بھی انہیں سرفراز فرمایا اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود ہی اس دولت سے خوشنود ہوئے بلکہ قیامت تک جو بھی خلوص و دیانت سے ان کی پیروی کرے گا وہ بھی جنابِ باری کا مستحق ہو گا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی شان ظاہر و باطن کے جاننے والے خدا نے خود اپنی کتاب مقدس میں بیان فرما دی۔ آپ ذرا سوچیں کہ جن کی توصیف وہ خود کرے جن کے ایمان کا وہ خود گواہ ہو جن کے جنت میں جانے کا وہ خود مژدہ سناتا ہے ایسے پاک لوگوں کی شان میں ہمارا کچھ کہنا شیطان کا کتنا خطرناک دھوکا ہے۔ صحابہ کرام اس لیے تو شمع توحید پر پروانہ وار نثار نہیں ہوتے تھے کہ چودھویں صدی کا بےعمل مسلمان ان کی مدح و ستائش کرے۔ ان کے پیش نظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی خوشنودی تھی اور وہ انہیں حاصل ہو گئی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے بعد ساری دنیا بھی ان کی جناب میں گستاخیاں کرتی رہے تو اس سے ان کا کیا بگڑتا ہے۔ البتہ ان لوگوں کی حرماں نصیبی قابلِ افسوس ہے جو صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن سکتے تھے لیکن انہوں نے ادھر سے منہ موڑ کر بلکہ ان لوگوں سے دشمنی کر کے اپنے آپ کو محروم کر دیا۔

مِّمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ

تمہارے آس پاس بسنے والے دیہاتیوں سے کچھ منافق ہیں اور کچھ مدینہ کے رہنے والے

مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُم

پکے ہو گئے ہیں نفاق میں آپ انہیں نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں انھیں ہم عذاب دیں گے

مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾ وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا

دو بار پھر وہ لوٹائے جائیں گے بڑے عذاب کی طرف کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف

بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللَّهُ أَن

کر لیا ہے اپنے گناہوں کا انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

اللہ تعالیٰ اپنے دست کرم سے حقیقی کامیابی کا تاج اپنے محبوب رسول کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سروں کی زینت بنا رہا ہے۔

مرد کا معنی ہے پختہ ہو جانا۔ اصل المرد الملاسة ومنه صرح ممرد والامرد الذي لا شعر على وجهه والمرداء الرملة التي لا تنبت شيئا۔ (قرطبی) یعنی نفاق کی جڑیں ان کے دلوں میں گہری چلی گئی ہیں اور ان کے تائب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں۔

یعنی وہ اتنے ماہر منافق ہیں کہ اپنی بدباطنی اور دلی خباثت کو کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ کوئی بڑے سے بڑا زیرک بھی اس پر مطلع نہیں ہو پاتا۔ اور تو اور آپ بھی اپنے نفس کی صفائی اور فراست کی تیزی کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر انھیں نہیں پہچان سکتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے ان کی فریب کاریاں پوشیدہ نہیں۔

انھیں دو عذاب دیئے جائیں گے پہلا عذاب تو یہ دیا گیا کہ انھیں رسوا کیا گیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ قام رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم الجمعة خطيبا فقال قم يا فلان فاخرج فانك منافق اخرج يا فلان فانك منافق فاخرجهم باسمائهم ففضحهم۔ فهذا العذاب الاول والعذاب الثاني عذاب القبر (روح المعانی وغیرہ من کتب التفسیر) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمعہ کے روز خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا اے فلاں اٹھو یہاں سے نکل جاؤ تم منافق ہو۔ اے فلاں نکل جاؤ تم منافق ہو چنانچہ ان کے نام لے لے کر انھیں نکال دیا اور ان کو رسوا کیا۔ یہ پہلا عذاب تھا۔ دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ان

يَتُوبَ عَلَيْهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٢﴾ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

قبول فرمالے ان کی توبہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (اے حبیب!) وصول کیجئے ان

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ

کے مالوں سے صدقہ ١٤٨ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے نیز دعا مانگیے ان کے لیے بیشک آپ کی دعا

منافقین کا علم دے دیا تھا۔ اسی لیے تو حضور نے جمعہ کے دن بھرے مجمع میں ان کے نام لے لے کر نکل جانے کا حکم فرمایا۔ اور لا تعلمہم میں جو علم کی نفی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر خود بخود انہیں نہیں جانتے اور ہمارا یہی عقیدہ ہے کہ حضور کے پاس جو علم ہے وہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا ہے۔

١٤٥ یعنی ان دونوں عذابوں کے بعد قیامت کا ابدی عذاب۔

١٤٦ منافق جو غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے ان کا طرز عمل تو یہ تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کر غلط بہانے بنا کر پیش کرتے لیکن بعض ایسے لوگ بھی شریک نہ ہو سکے تھے جو سچے مومن تھے۔ انھوں نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا اور عفو و مغفرت کے لیے درخواست کی۔ ان کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔ روایات میں ہے کہ وہ دس آدمی تھے جب حضور بخیریت واپس تشریف لائے تو انھوں نے اپنے قصور کا اعتراف کیا اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ دیا۔ حضور جب مسجد میں تشریف لے گئے تو ان کے متعلق دریافت فرمایا۔ عرض کی گئی اے اللہ کے رسول! انھوں نے قسم اٹھائی ہے کہ جب تک آپ اپنے دست مبارک سے انہیں نہیں کھولیں گے وہ یونہی بندھے رہیں گے۔ حضور نے فرمایا بخدا میں بھی انہیں اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انہیں کھولنے کا حکم نہیں دیگا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنے مبارک ہاتھوں سے کھولا۔

١٤٧ جب انہیں کھول دیا گیا تو یہ سارا اثاثہ اٹھا کر لے آئے اور عرض کی اے نبی مکرم! اسی مال و متاع کی محبت کی وجہ سے ہم جہاد میں شریک نہیں ہو سکے اس لیے حضور اسے راہ خدا میں تقسیم کر دیجئے۔ ہم اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتے۔ حضور نے فرمایا مجھے تمہارا مال قبول کرنے کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حضور نے دو تہائی انہیں واپس کر دیے اور تیسرا حصہ خیرات کر دیا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد مال زکوٰۃ نہیں بلکہ وہ صدقہ ہے جو گناہ کے سرزد ہونے کے بعد انھوں نے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے صدقہ کو قبول فرمالیجئے اور اس طرح ان کو گناہ کی نحوست سے پاک کیجیے اور ان کے دل کے آئینہ پر گناہ کا جو گرد و غبار ابھی باقی ہے اسے دور فرما کر اسے صاف شفاف کر دیجیے۔ تطہر اور تزکی میں ضمیر خطاب کا مرجع حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ والاجود ان تکون المخاطبۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ای انک تطہرھم وتزکیھم بھا۔ (قرطبی)

لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

ہزارہا تسکین کا باعث ہے ان کے لیے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی توبہ قبول فرماتا ہے

عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

اپنے بندوں کی اور لیتا ہے صدقات کو۔ اور بیشک اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَ

اور فرمائیے عمل کرتے رہو پس دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو اور دیکھے گا اس کا رسول اور مومن ۱۶۷ اور

سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾

لوٹائے جاؤ گے اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز کا پس وہ خبردار کرے گا تمہیں اس سے جو تم

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ

کیا کرتے تھے۔ اور دوسرے لوگ ہیں (جن کا معاملہ) ملتوی کر دیا گیا ہے اللہ کا حکم آنے تک۔ چاہے وہ عذاب

۱۶۶ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے۔ الصلوٰۃ فی کلام العرب الدعاء یعنی اے حبیب! ان کے لیے دعا بھی فرمائیے۔ آپ کی دعا سے ان کے بیقرار دلوں کو تسکین اور بے چین اور مضطرب روحوں کو آرام نصیب ہو جاتا ہے۔ ہم شکستہ دلوں، غفلت و کاہلی کے اسیروں، نفس و شیطان کے دام فریب میں پھنسے ہوؤں کے لیے اگر امید کی کوئی کرن ہے تو یہی کہ اے چشم مصطفےٰ! تو ہم پہ مائل بکرم ہو گی اے لب حبیب! تو ہماری آمرزش کے لیے وا ہو گا اور اے دست رحمت! تو چارہ سازی فرمائے گا وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وصفیہ محمد صاحب المقام المحمود وشفیع المذنبین وعلی آلہ وصحبہ واولیاء امتہ الی یوم الدین۔

۱۶۷ علامہ اسمٰعیل حقی نے اپنی تفسیر روح البیان میں اس کی توضیح اس طرح فرمائی ہے۔ قال فی التاویلات النجمیة ان لعمل المحسن وخلوصه نورا یصعد الی السمٰوٰت بقدر رقة صدقه واخلاصه فالله تعالیٰ یراه بنور الوهیته و روح الرسول علیه السلام یراه بنور نبوته وارواح المؤمنین یرونه بنور ایمانهم۔ نیک بندوں کے مخلصانہ عمل کا ایک نور ہوتا ہے جو آسمان کی طرف اپنے صدق و اخلاص کے اندازے کے مطابق بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے نور الوہیت سے، رسول اسے اپنے نور نبوت سے اور مومنین کاملین اسے اپنے نور ایمان سے دیکھتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا

دے انھیں اور چاہے تو توبہ قبول فرمالے ان کی اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے اور وہ لوگ جنھوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لیے ۱۵۲ اور کفر کرنے کے لیے

۱۵۱ ان سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں۔ کسی شرعی عذر کے بغیر یہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضورؐ نے حکم فرمایا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی گفتگو کرے اور نہ انھیں کوئی سلام کا جواب دے۔ آخر پچاس دن کے صبر آزما انتظار کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔

۱۵۲ بنی خزرج کے ایک آدمی ابو عامر نے حضورؐ کے مدینہ تشریف لانے سے پہلے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا اور ترک دنیا کر کے راہب بن گیا تھا۔ اس کی پارسائی کی بڑی شہرت ہوئی اور یثرب کے اکثر باشندے اس کے معتقد ہو گئے جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اسے محسوس ہوا کہ اب لوگوں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹتی جا رہی ہے اور اس کے ارادتمند اب اسے چھوڑ کر شمع رسالت کے پروانے بنتے جا رہے ہیں اپنی پیری کا چراغ بجھتا دیکھ کر وہ پیچ و تاب کھانے لگا۔ حضورؐ نے اسے بھی دعوت اسلام دی۔ اس نے پوچھا آپ کونسا دین لے کر آئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا دین ابراہیمی۔

وہ کہنے لگا کہ آپ نے اس میں بہت سی چیزیں اپنی طرف سے بڑھا دی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ جوش میں آکر اس کی زبان سے نکلا ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا اسے اپنے وطن سے دور غربت اور تنہائی میں ہلاک کرے۔ حضورؐ نے فرمایا آمین۔ غزوۂ بدر میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو فتح عظیم عطا فرمائی تو یہ بیتاب ہو گیا اور مکہ میں پہنچ کر اہل مکہ کو انتقام لینے کے لیے خوب اکسایا۔ اور جب ان کا لشکر مدینہ کی طرف روانہ ہوا تو یہ ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ میدان احد میں پہنچا تو اس خیال سے کہ جب وہ اپنے پرانے عقیدت مندوں کے سامنے ہوگا تو وہ اس کی طرف دوڑ کر چلے آئیں گے۔ وہ صفوں سے آگے بڑھ کر انصار کے قریب آکھڑا ہوا اور انھیں اپنے ساتھ آملنے کی دعوت دی۔ نور مصطفےٰ علیہ افضل التحیۃ واجمل الثناء دیکھنے کے بعد اب انصار اس مجوس کی شکل دیکھنا بھی بھلا کب گوارا کرتے تھے۔ انھوں نے اسے راہب کی بجائے فاسق کے لقب سے بلایا اور اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ جھلا کر بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب جو قوم تیرے ساتھ جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ ہوں گا۔ چنانچہ غزوۂ حنین تک کفر و اسلام کی جتنی جنگیں ہوئیں یہ کفر کے ساتھ رہا اور ان کا سرغنہ بنا رہا۔ جب ہوازن و ثقیف کے مشہور تیر انداز بھی شکست کھا گئے تو اسے یقین ہو گیا کہ اب جزیرۂ عرب میں کوئی ایسی قوت نہیں جو اسلام سے ٹکر لے سکے۔ قیصر کے ساتھ اس کے دوستانہ تعلقات تھے اس خیال سے وہ شام کی طرف روانہ ہوا کہ وہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف اکسائے گا اور اسے ساتھ لے کر مسلمانوں پر ایک زبردست حملہ کر کے ان کی قوت کو ختم کر کے رکھ دے گا یہ کہہ کر اس نے منافقین کے حوصلے بلند کیے۔ اسی کی انگیخت پر قیصر نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی

وَّتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور پھوٹ ڈالنے کے لیے مومنوں کے درمیان اور راستے کمین گاہ بنایا ہے اس کے لیے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور

مِن قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ

اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف

لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ

جھوٹے ہیں [illegible] آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے

کا ارادہ کیا جس کی وجہ سے تبوک کا سفر پیش آیا۔ شام سے اس نے منافقین کو لکھا کہ وہ ایک مکان مسجد کے نام سے تعمیر کریں جہاں وہ تنہائی میں اسلام کے خلاف آزادی سے سازشیں کر سکیں اور نیز اس طرح مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور جب وہ قیصر کے ہمراہ مدینہ آئے گا تو اس جگہ کو اپنی قیام گاہ بنائے گا چنانچہ قبا کی بستی میں جو مسجد حضور نے تعمیر فرمائی تھی اس کے قریب ہی انہوں نے یہ مسجد بنا دی۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی نیک نیتی کا یقین دلانے کے لیے عرض کی یا رسول اللہ! قبا کی بستی میں ایک ہی مسجد تھی۔ رات کے اندھیرے میں اور برسات کے موسم میں بوڑھوں بیماروں اور کمزوروں کو وہاں جانے میں بڑی دقت ہوتی تھی اس لیے ہم نے ایک مسجد بنائی ہے آپ از راہ مہربانی ایک مرتبہ اس میں نماز ادا فرمائیں تاکہ وہ بابرکت ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اب تو تبوک کا سفر درپیش ہے واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو دیکھا جائے گا۔ جب حضور بخیر و عافیت تبوک سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کے قریب پہنچ گئے تو پھر منافقین کا ایک وفد اپنی وہی عرضداشت لے کر حاضر ہوا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے جبریل کو حکم دیا کہ جاؤ اور میرے رسول کو میرا یہ پیغام پہنچا دو۔ چنانچہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو حضور نے چند مسلمانوں کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جا کر پیوند خاک کر دیں اور اسے آگ لگا دیں چنانچہ فرمان نبوی کی تعمیل کی گئی۔

[illegible] یہ سارے کلمات مفعول لاجلہ ہیں یعنی اس مسجد کی تعمیر کا مقصد رضائے خداوندی نہیں بلکہ اس کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچایا جائے، اس میں بیٹھ کر کفر کو فروغ دینے کی تجویزیں سوچی جائیں اور مسلمانوں کی جمعیت کو منتشر کیا جائے نیز اس کی ایک ناپاک غرض یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ابو عامر آئے تو اسے اپنی قیام گاہ کے طور پر استعمال کرے۔ ایسی عمارت کو ظاہرداری کی وجہ سے گو مسجد کہا جائے حقیقت میں تو وہ ناپاک اور منحوس مکان ہے جس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینی چاہیے تاکہ اس کا نشان تک بھی باقی نہ رہے۔

[illegible] اے حبیب! ان خبیثوں کی قسموں پر اعتبار نہ کرنا۔ خدا گواہ ہے یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ

وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب صاف

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ

ستھرا رہتے کو ف اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔ تو کیا وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ کے تقویٰ

مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا

پر اور (اس کی) رضا جوئی پر بہتر ہے یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے والے کے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

کنارے پر جو گرنے والا ہے پس وہ گر پڑا اسے لے کر دوزخ کی آگ میں ف اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم

ف حضور سرور عالم نے اہل قبا سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظافت اور پاکیزگی کی تعریف کی ہے تم میں کونسی خصوصیت ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ ہم قضاء حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ یہ ان کی نظافت طبعی کی دلیل ہے جب وہ اس معاملہ میں اتنے محتاط ہیں تو ان کے بدن اور لباس کی صفائی کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص جسمانی صفائی اور نظافت کا خیال رکھتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ انتہی اثنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فی هذه الآیة علی من احب الطهارة وآثر النظافة وهی مروءة آدمیة ووظیفة شرعیة (قرطبی) یعنی ظاہری نظافت انسانی مروت کا تقاضا بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی۔ اور جو شخص صاف ستھرا رہتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ معلوم نہیں ہم مسلمانوں نے گندا رہنے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے۔ ہمارے منہ سے بدبو، ہمارا جسم میلا کچیلا، ہمارا لباس غلیظ، ہماری بستیاں محلے، گلی کوچے بلکہ گھروں کے صحن اور سونے کے کمرے بھی بدبودار اور عفونت کا گڑھ۔ کیا ہم وہ لوگ ہیں جن کے آباء و اجداد کی عظمتوں ان یتطهروا کے شاندار الفاظ سے تحسین و آفرین کی گئی ہے۔

ف یہاں دو مسجدوں کا فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلی مسجد کی جن لوگوں نے بنیاد رکھی وہ متقی اور پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار تھے۔ ان کے پیش نظر مسجد کی تعمیر سے یہ مقصد تھا کہ یہ اسلام کا مرکز بنے اور مسلمان اپنے مولا کریم کے سامنے سربسجود ہونے کے لیے اس میں جمع ہوں اس لیے اس کی دیواریں ایسی مستحکم بنیادوں پر اٹھائی گئی ہیں جو کبھی گر نہیں سکتیں۔ لیکن اس کے برعکس یہ دوسرا مکان جو مسجد کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا مقصد کیونکہ اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی ہے اس لیے اس کی بنیادیں بہت کمزور ہیں اور ان میں اتنی تاب نہیں کہ

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ

قوم کو ۔ ہمیشہ اُن کی یہ عمارت ؎ جو انہوں نے بنائی ہے شک (کا باعث) بنی رہے گی ان کے دلوں میں

اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى

مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ

ایمانداروں سے ان کی جانیں ؎ اور اُن کے مال اس عوض میں کہ ان کے لیے جنت ہے

وہ چند روز بھی کھڑی رہ سکیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عمارت وادی کے اس دہانے کے کنارے پر بنائی جائے جس کو سیلاب نے کھوکھلا کر دیا ہو۔ تشریح الفاظ شفا۔ کنارہ۔ جرف۔ وہ دہانہ جس کو پانی کی موجوں نے اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر دیا ہو۔ یقال جرف الوادی بالکلام السیل فجرفہ ای ذہب بہ جرفت (مفردات راغب)۔

علامہ قرطبی نے خوب لکھا ہے کہ تباتے دوام صرف اس عمل کو میسر ہوتی ہے جو رضاء الٰہی کے لیے کیا جاتا ہے اور جو کام ریاکاری کے لیے کیا جاتا ہے وہ جلدی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ ففی ہذہ الآیۃ دلیل علی ان کل شیئ ابتدئ بنیۃ تقوی اللہ تعالیٰ والقصد بوجہہ الکریم فہو الذی یبقی ویسعد بہ صاحبہ (قرطبی)۔

؎ یعنی جب تک موت کی ضرب کاری ان کے دلوں کو پارہ پارہ نہیں کر دیتی اس وقت تک اس سازش کے ناکام ہونے۔ اس مکان کے منہدم کرنے اور جلا دیئے جانے کی حسرت کا کانٹا ہمیشہ ان کے دلوں میں چبھتا رہے گا۔ قال ابن عباس وقتادۃ ریبۃ ای شکا فی قلوبہم ونفاقا وقال الکلبی حسرۃ وندامۃ وقال السدی والمبرد حزازۃ وغیظا (قرطبی)۔

؎ ہماری جانیں اسی نے پیدا فرمائیں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے سب اسی کا دیا ہوا ہے۔ گویا ہماری جانوں اور اموال کا مالک حقیقی وہ خود ہی ہے۔ اس لیے وہ اگر ہر چیز ہم سے لے تو کسی کو دم مارنے کی کیا مجال لیکن اس کی شان بندہ پروری ملاحظہ ہو کہ اپنی چیزوں کا ہمیں مالک قرار دیا اور پھر اس فانی زندگی اور ناپائیدار متاع دنیا کا خود خریدار بنا اور قیمت اتنی گراں عطا فرمائی جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا یعنی جنت۔ جب ستر انصار مکہ میں آئے اور رات کو تنہائی میں حضور کریم کے دست مبارک پر وہ تاریخی بیعت کی جسے بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی اے اللہ کے نبی! جو شرط آپ اپنے رب کے لیے اور اپنی ذات کے لیے ہم سے منوانا چاہتے ہیں منوا لیجئے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ شرط ہے ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا کہ تم صرف اسی کی

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ

لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں ف۲۴ اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے

حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ

اس پر پختہ وعدہ ف۲۵ تورات اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے

عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے لیے یہ شرط ہے ان تمنعونی مما تمنعون منہ انفسکم واموالکم۔ کہ جس چیز سے تم اپنے جان ومال کی حفاظت کرتے ہو اس سے میری حفاظت کرو۔ انصار نے عرض کی کہ اگر یہ شرطیں ہم نے پوری کردیں تو ہمیں کیا ملے گا۔ فرمایا جنت۔ اس وقت خوشی سے ان کے دل باغ باغ ہوگئے اور کہنے لگے ربح البیع لانقیل ولا نستقیل۔ یہ سودا تو بڑا نفع مند ہے۔ اب ہم اس سودے کو نہ خود توڑیں گے اور نہ اس کو توڑنے کی آپ سے خواہش کریں گے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

ف۲۴ اس خرید وفروخت کا یہ مطلب نہیں کہ ابھی سے تمہاری جانیں قبض کرلی جائیں اور تمہارے مال واسباب کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا جائے جیسے عام طور پر خریدار خرید کردہ چیز کو اپنے قبضہ میں لے لیتا ہے بلکہ اس کا مدعا یہ ہے کہ جب مالی قربانی کا موقع آئے تو تم بلا تأمل اپنی عمر بھر کا اندوختہ پیش کردو جب میدان جہاد میں نکلنے کی باری آئے تو سربکف حاضر ہوجاؤ۔ تمہاری طرف سے یہ پختہ عزم ہونا چاہیے۔ اس کے بعد خواہ تم صحیح وسلامت جہاد سے واپس آجاؤ تمہاری طرف سے سودا پورا ہوگیا اور تم اس معاوضہ کے حقدار بن گئے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

أُثَامِنُ بِالنَّفْسِ النَّفِيسَةِ رَبَّهَا !	میں اس نفس نفیس کا سودا اس کے رب سے کرتا ہوں۔
وَلَيْسَ لَهَا فِي الْخَلْقِ كُلِّهِمْ ثَمَنُ	ساری کائنات میں اس کا اور کوئی معاوضہ نہیں ہوسکتا۔
بِهَا تُشْتَرَى الْجَنَّاتُ إِنْ أَنَا بِعْتُهَا	یہ اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس سے جنت خریدے جاسکتے ہیں۔
بِشَيْءٍ سِوَاهَا إِنَّ ذٰلِكُمْ غَبْنُ	اگر میں اس سے کم تر پر بیچوں تو یہ بہت بڑا خسارہ ہے۔
لَئِنْ ذَهَبَتْ نَفْسِي بِدُنْيَا أَصَبْتُهَا	اگر میں نے اپنی جان دنیا کے حصول میں ضائع کردی۔
لَقَدْ ذَهَبَتْ نَفْسِي وَقَدْ ذَهَبَ الثَّمَنُ	تو میں نے اپنے نفس کو بھی برباد کردیا اور قیمت بھی ضائع کردی۔

ف۲۵ یہ ایسا وعدہ نہیں جس کے پورے نہ کیے جانے کا اندیشہ ہو بلکہ یہ پختہ وعدہ ہے اور اس کا ذکر صرف قرآن میں ہی نہیں بلکہ سابقہ کتب سماویہ، تورات، انجیل میں بھی صراحۃً موجود ہے۔ آیت کے اس حصہ پر عیسائی علماء نے سخت اعتراض کیے ہیں چنانچہ وہری (WHERRY) برنک مین (BRINK-MAN) کا حوالہ دیتے ہوئے

اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے اور یہی تو

الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ

ہے بڑی فیروز مندی سچے دل سے توبہ کرنیوالے، (اللہ کی) عبادت کرنیوالے، حمد و ثنا کرنیوالے (اللہ کے لئے) روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ

سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور

الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ

نگہبانی کرنیوالے اللہ کی (مقررہ) حدوں کی اور اے میرے رسول! خوشخبری سنا دیجیے ان (کامل) مومنوں کو۔ درست نہیں ہے نبی

کہتا ہے کہ قرآن کی اس آیت کا حق و صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور اس لئے اس کا بڑی شدومد سے انکار کیا ہے کہ اس قسم کے وعدے کا ذکر تورات و انجیل میں آیا ہو۔ باوجود اس بات کے کہ تورات و انجیل اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں رہیں اور زمانہ سے ان میں طرح طرح کی تحریفیں رونما ہو گئی ہیں۔ اس لیے موجودہ بائیبل میں اگر اس معاہدہ کا ذکر نہ ملے تو بھی محل اعتراض نہیں لیکن خدا کی قدرت ملاحظہ ہو کہ اس محرف انجیل میں بھی متعدد ایسی آیات آج بھی موجود ہیں جو کہ اس آیت کے مضمون کی تصدیق کرتی ہیں۔

"اپنا مال اسباب بیچ کر خیرات کر دو اور اپنے لیے ایسے بٹوے بناؤ جو پرانے نہیں ہوتے یعنی آسمان پر ایسا خزانہ جو خالی نہیں ہوتا جہاں چور نزدیک نہیں جاتا اور کیڑا خراب نہیں کرتا کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہے وہیں تمہارا دل بھی لگا رہے گا" (لوقا ۱۲: ۳۳، ۳۴)۔

نیز متی کی انجیل میں مرقوم ہے۔

اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں ...... یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہو گا (متی ۱۹: ۲۹)۔

۱۲۹ مومنین کاملین کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ التائبون سے لیکر الآمرون تک متعدد صفات کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں حرف عطف نہیں استعمال کیا لیکن والناھون سے پہلے حرف عطف لانے کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں (۱) ایسے مواقع پر حرف عطف کا ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہیں اس لیے یہاں ترک کسی

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى

لیے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ مغفرت طلب کریں مشرکوں کے واسطے اگرچہ وہ مشرک ان کے قریبی رشتہ دار ہی

مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

ہوں جب کہ واضح ہو گیا ان پر کہ یہ دوزخی ہیں ؀۲۱۲ اور نہ تھی استغفار ابراہیم کی اپنے

اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ

باپ کے لیے مگر ایک وعدہ (کو پورا کرنے) کی وجہ سے جو انہوں نے اس سے کیا تھا۔ اور جب ظاہر ہو

اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا كَانَ

گئی آپ پر یہ بات کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے تو آپ بیزار ہو گئے اس سے ؀۲۱۳ بیشک ابراہیم بڑے ہی نرم دل اور بڑے بردبار تھے

ترجمہ کی ضرورت نہیں (۲) الناھون کا الآمرون پر عطف کیا کیونکہ یہ دونوں مل کر ایک مکمل صفت بنتے ہیں (۳) علامہ قرطبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ قریش کی لغت یہ ہے کہ صفات کے علاوہ کسی حرف عطف ذکر نہیں کرتے اور جب آٹھواں ذکر کرتے ہیں تو پھر حرف عطف کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ الناھون کیونکہ آٹھویں وصف ہے اس لیے واؤ کا اضافہ کر دیا۔ وحکی ہذا فی کلامھم من ثمانیة ادخلوا الواو وقلت ھی لغة قریش (قرطبی)۔

؀۲۱۲ جب انسان فوت ہو جاتے تو زندوں پر اس کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کے لیے طلب مغفرت کرتے رہیں تاکہ ان کے استغفار سے پروردگار عالم اس میت کو بخش دے لیکن یہاں واضح طور پر بیان کر دیا کہ مغفرت صرف ان کے لیے ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو اور جو کفر و شرک کی حالت میں مرے ہوں ان کے لیے مغفرت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اس آیت میں حکم دیا کہ جن کے متعلق تمہیں علم ہو کہ وہ حالت کفر میں مرے ہیں ان کے لیے کسی کو دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیے۔ وہ تمام روایات جن میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اپنے رسول کو منع فرمایا ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں دعائے مغفرت کریں کیونکہ ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا۔ ان پر یہی زبان حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے خوب سیر حاصل تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس قسم کی تمام روایات ضعیف اور معلول ہیں اس لیے قابل سند نہیں۔ وما یدل علی ان الاٰیة نزلت فی اٰمنة ام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعبد اللہ ابیہ لا یصلح منہا شیئ۔ علامہ پانی پتی نے حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری کا یہ قول بھی نقل کیا ہے وقد تاملتہا (الطرق) فوجدتہا کلہا معلولة (مظہری) میں نے ان روایات کے سارے طریقوں میں غور کیا ہے اور سب کو معلول (قابل اعتراض) پایا ہے۔

اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۗ

اور نہیں ہے ۱۲۵ اللہ تعالیٰ کا دستور کہ گمراہ کر دے ۱۲۶ کسی قوم کو اسے ہدایت دینے کے بعد یہاں تک کہ بیان کر دے

إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ

ان کے لیے وہ چیزیں جن سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ساری بادشاہی آسمانوں

علماء کرام نے لکھا ہے کہ قرآن میں ما کان کا استعمال دو معنوں میں آیا ہے بمعنی نفی جیسے وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللّٰہ اور معنی نہی جیسے یہ آیت (قرطبی)۔

۱۲۶ آیت سابقہ میں مر جانے والے کافروں کے لیے دعائے مغفرت سے منع کر دیا گیا۔ یہاں اس وسوسے کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اگر حکم یہ ہے تو پھر حضرت خلیل نے آزر کے لیے مغفرت کی دعا کیوں کی۔ فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے آزر سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں گے اور اس وقت آپ کا یہی خیال تھا کہ شاید اسے ایمان لانے کی توفیق مل جائے لیکن جب وہ کفر پر ہی مر گیا تو آپ اس سے بری الذمہ ہو گئے۔ لابیہ سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور حضور کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہ تھا۔ لابیہ یعنی آزر وکان عما لابراہیم علیہ السلام وکان ابو ابراہیم ابن تارخ وقد صح عن النبی انہ قال بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی بعثت فی القرن الذی کنت فیہ رواہ البخاری فلا یمکن ان یکون کافر فی سلسلۃ آبائہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: ابیہ سے مراد آزر ہے جو حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ نیز حضور سے بسند صحیح مروی ہے کہ حضور نے فرمایا مجھے بنی آدم کے بہترین زمانہ میں مبعوث فرمایا گیا اس لیے ناممکن ہے کہ حضور کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہو (تفسیر مظہری)۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اسی توجیہ کو پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر ان کا چچا تھا اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا۔" (ترجمان القرآن جلد ۲۔ ۱۱۹۔ از آزاد)۔

۱۲۷ سابقہ آیات کے نزول سے پہلے مسلمان اپنے مشرک والدین اور رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کیا کرتے تھے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو اندیشہ ہوا کہ آج تک جو ہم ان مشرکوں کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں اس کی وجہ سے خدا کی ناراضگی کا شکار نہ ہو جائیں۔ ان کے اس اندیشہ کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی کہ کوئی کام اس وقت گناہ ہوتا ہے جب یہ علم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے کرنے سے منع فرما دیا ہے اور جب تک یہ پتہ نہ چلے اس وقت تک یہ عمل گناہ نہیں ہوتا۔

۱۲۸ ایک اشکال ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی راہ راست پر چل رہا ہو اور اللہ تعالیٰ اسے سیدھی راہ سے ہٹا

يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝١١٦

اور زمین کی وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور نہیں ہے تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حامی اور نہ کوئی مددگار۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے

اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ

پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جاتیں دل ایک گروہ کے

مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١١٧ۙ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ

ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر بے شک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور ان تینوں پر بھی

غلط راہ پر چلا دے بلکہ یہاں اضلال یعنی ان یحکم علیہم بالضلال یعنی ان پر یہ حکم لگا دیا جاتا ہے کہ اپنی نافرمانی کی وجہ سے یہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ حکم عدولی اور نافرمانی کی وجہ سے انسان رفتہ رفتہ گمراہی کی عمیق غار میں جا گرتا ہے۔ ففی ھذا الآیۃ دلیل علی ان المعاصی اذا ارتکب و انتھک حجابھا کانت سببا الی الضلالۃ والردی و سلما الی ترك الرشاد والھدی (قرطبی)۔

لسلہ عسرۃ کہتے ہیں تنگی اور شدت کو۔ ساعۃ عسرۃ سے مراد غزوہ تبوک کا زمانہ ہے جبکہ مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا۔ قیصر روم کے لشکر جرار سے مقابلہ تھا۔ سواریوں کی از حد قلت تھی۔ یہاں تک کہ دس دس آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا جس پر باری باری وہ سوار ہوتے تھے۔ راشن بھی کم تھا۔ ایسا وقت بھی آیا جب دو دو آدمیوں کو صرف ایک کھجور پر رات دن بسر کرنا پڑا۔ پانی اتنا کمیاب تھا کہ سواری کے اونٹ ذبح کر کے ان کے پیٹ میں جو پانی ہوتا اس سے اپنی پیاس کو بہلایا کرتے۔ ایسے مشکل وقت میں منافقین کو تو جھوٹے بہانے بنا کر گھر بیٹھ رہنا ہی تھا۔ حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوا کہ وہ بھی شریک سفر نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو مضبوط کر دیا اور ان کے دلوں سے اس شیطانی وسوسہ کو نکال دیا۔ اور بعض توفیق الٰہی کی یاوری سے وہ جہاد میں شریک ہو گئے۔ انہیں میں سے ایک ابو خیثمہ بھی تھے۔ مخلص مومن ہونے کے باوجود حضور کے ہمرکاب جہاد پر روانہ نہ ہو سکے۔ ایک روز جب دوپہر کے وقت گھر آئے اور دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے اپنے اپنے چھپر کے نیچے چھڑکاؤ کیا ہوا ہے اور ٹھنڈے پانی کی صراحیاں لگی ہوئی

الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

نظر رحمت فرمائی) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین ۱۴۶ باوجود کشادگی

ہیں اور لذیذ کھانا تیار ہے تو کچھ سوچ کر وہیں پر ہی رُک گئے اور اپنے دل سے کہنے لگے صد حیف! اللہ تعالیٰ کا محبوب تو جلاتی دھوپ اور گرم لوئیں سفر کی تکلیفیں برداشت کر رہا ہو اور ابوخیثمہ کے لیے ٹھنڈی چھاؤں میں پلنگ بچھا ہوا ہو اس کے پینے کے لیے ٹھنڈا پانی اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا موجود ہو۔ اور دو خوبرو بیویاں اس کی خدمت گزاری میں مصروف ہوں یہ تو کوئی انصاف نہیں پھر انھوں نے اپنی بیویوں کو فرمایا کہ ابوخیثمہ جب تک اپنے حبیب کے ساتھ جا کر نہ ملے وہ اب ٹھنڈے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ اونٹنی پر سوار ہوتے اور تبوک کی راہ لی۔ جب وہ کچھ نزدیک پہنچے تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ایک سوار تو ہماری طرف آتا معلوم ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا کن ابا خیثمۃ۔ یہ ابوخیثمہ ہوگا۔ جب وہ قریب ہوتے اور صحابہ نے پہچانا تو عرض کی واللہ هو ابو خیثمۃ بخدا یہ تو ابوخیثمہ ہی ہے۔ انھوں نے حاضر خدمت ہو کر اپنا قصہ عرض کیا۔ حضور بہت خوش ہوتے اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

۱۴۶ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے جن تین صحابہ کا ذکر ہو رہا ہے ان کے اسماء یہ ہیں۔ کعب بن مالک مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جو روایت مندرج ہے جس کے راوی خود حضرت کعب ہیں اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

جن دنوں غزوۂ تبوک کے لیے تیاریاں ہو رہی تھی میری صحت اور میری مالی حالت بہت اچھی تھی میرے پاس سواری کے لیے دو اونٹنیاں تھیں۔ اس سے پیشتر کبھی میرے پاس سواری کے لیے دو جانور جمع نہیں ہوتے تھے جمعرات کے دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ تبوک کی طرف روانہ ہوتے۔ میں نے دل میں سوچا کہ چند ضروری کاموں سے جلدی جلدی فارغ ہو کر میں لشکر کے ساتھ جا ملوں گا۔ ایک دن بھی گزر گیا لیکن مجھے ان کاموں سے فراغت نہ ہوئی۔ دوسرا تیسرا دن بھی اسی طرح گزر گیا لیکن میں فارغ نہ ہوا جب کئی دن گزر گئے تو میں نے خیال کیا کہ اب تو لشکر بہت دُور چلا گیا ہوگا اور اب میرا جانا بے سود ہے۔ چنانچہ میں نے پیچھے جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب میں بازار جاتا تو مجھے ان لوگوں کے سوا جو نفاق کی تہمت سے متہم تھے یا جو معذور تھے اور جنگ میں شرکت کے قابل نہ تھے اور کوئی مسلمان دکھائی نہ دیتا۔ مجھے اس ہمارانہ بےبسی پر بہت دکھ ہوتا۔ ایک بار خیال آیا بھی کہ اگرچہ تاخیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی چلا جاتا ہوں۔ کاش میں ایسا کرتا لیکن ایسا نہ کر سکا۔ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ حضور کے بخیر و عافیت مراجعت فرمانے کی اطلاعیں آنے لگیں۔ مجھے رنج و غم نے آلیا۔ میں سوچنے لگا کہ بارگاہ رسالت میں اپنی اس غیر حاضری کے لیے کیا عذر پیش کروں۔ خود بھی غور و فکر کرتا اور دانشوروں سے بھی مشورہ لیتا۔ حضور جب مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو میری یہ تذبذب کی کیفیت جاتی رہی اور دل میں ٹھان لی کہ سچ سچ عرض کر دوں گا۔ اور اس بارگاہ میں اگر پناہ مل سکتی ہے تو سچ سے ہی مل سکتی ہے۔

جھوٹ بول کر تو اپنے آپ کو رسوا ہی کرنا ہے۔ حضور کریمؐ کی سنت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں جا کر دو نفل پڑھا کرتے اس کے بعد حضرت خاتون جنت کے ہاں قدم رنجہ فرماتے اور اس کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں کو زینت بخشتے۔ جب نبی رحمت مسجد میں تشریف لے آئے اور نفلوں سے فارغ ہو کر بیٹھے تو منافقین گروہ در گروہ حاضر ہو کر جھوٹے بہانے پیش کرنے لگے اور نبی کریمؐ ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کو تفویض کر کے ان کی ظاہری عذر داریوں کو قبول فرماتے۔ مجھے بھی بعض لوگوں نے ایسا کرنے کا مشورہ دیا لیکن میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنی حرماں نصیبی کی سچی سچی داستان عرض کر دی۔ حضورؐ نے میری عرضداشت سن کر فرمایا اما هذا فقد صدق فقم حتى يقضى الله فيك بما يشاء یعنی اس نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔ جاؤ تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کئی لوگوں نے مجھے بڑی سرزنش کی کہ تم نے صاف گوئی سے کام لے کر اپنے آپ کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ میں نے خیال کیا کہ واپس جا کر کوئی عذر پیش کر دوں لیکن پھر معاً یہ خیال آیا کہ ایک گناہ تو یہ کیا کہ جہاد میں شریک نہیں ہوا اور دوسرا گناہ یہ کروں گا کہ بارگاہ نبوت میں جھوٹ بول لوں۔ میں یہ جرأت ہرگز نہیں کروں گا۔ میں نے پوچھا کہ کسی اور کو بھی اس قسم کا حکم ملا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع کو بھی یہی فرمایا گیا ہے۔ حضورؐ نے لوگوں کو ہمارے ساتھ بات چیت کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ اب ہمارے ساتھ نہ کوئی ہم کلام ہوتا تھا اور نہ ہمارے سلام کا کوئی جواب دیتا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ وہ لوگ ہی نہیں جو پہلے تھے اور جن کو ہم جانتے تھے۔

یہ وہ دیس ہی نہیں ہے جس میں ہم نے عمر گزاری بلکہ یہ کوئی نیا دیس ہے جس کے کوچہ و بازار اور در و دیوار ہمارے لیے بالکل غیر مانوس ہیں۔ مجھے یہ اندیشہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر اسی حالت میں موت آگئی اور نبی کریمؐ نے نماز جنازہ نہ پڑھائی تو کیا بنے گا۔ میرے دو دوسرے ساتھی تو رات دن گریہ زاری میں گزار دیتے۔ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے تو باہر نکلنا ہی بند کر دیا تھا۔ میں کبھی کبھی بازار آتا لیکن نہ کوئی مجھے سلام کہتا اور نہ کوئی میرے سلام کا جواب دیتا۔ ایک دن میں لوگوں کی سرد مہری سے مایوس ہو کر اپنے چچا زاد بھائی ابی قتادہ کے پاس چلا گیا جو اس وقت اپنے باغ میں تھا۔ مجھے اس سے بڑی محبت تھی۔ میں نے سلام دیا اس نے جواب تک نہ دیا۔ میں نے کہا اے بھائی کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ چپ رہا۔ میں نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا وہ بولا تک نہیں۔ آخر چوتھی بار جب میں نے اسے یہی بات کہی تو اس نے صرف اتنا کہا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ اس وقت بے اختیار میرے آنسو بہہ نکلے اور میں وہاں سے شکستہ دل ہو کر چلا آیا۔ میں بازار سے گزر رہا تھا تو ایک نبطی مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لوگوں نے اشارہ سے اسے میری طرف متوجہ کیا کہ یہ کعب ہے جسے تم تلاش کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب آیا اور مجھے ایک خط دیا۔ یہ خط غسان کے بادشاہ نے میری طرف بھیجا تھا۔ اس نے لکھا کہ ہم نے سنا ہے کہ تیرے صاحب نے تجھ پر بہت جفا کی ہے اور تیرے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو ایسا نہیں کہ تیری توہین کی جائے۔ تو میرے پاس آجا۔ دیکھ میں کس طرح تیری قدر دانی کرتا ہوں۔ یہ پڑھ کر میں آگ بگولا ہو گیا اور میں نے اس خط کو نذر آتش کر دیا اور اسے کہا کہ اپنے بادشاہ کو کہنا اس خط کا میرے پاس یہی جواب تھا۔ میں نے دل میں کہا میری بدبختی ملاحظہ ہو کہ اب ایک کافر کو یہ جرأت ہو رہی ہے

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا

گئے اور دوبھر ہوگئیں ان پر ان کی جانیں اور جان لیا انھوں نے کہ نہیں کوئی جائے پناہ اللہ تعالیٰ سے مگر اسی کی

إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾

ذات۔ تب اللہ تعالیٰ ان پر مائل بکرم ہوا تاکہ وہ بھی رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی بہت توبہ قبول فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ

اے ایمان والو! ١٤٦ ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہو جاؤ سچے لوگوں کے ساتھ۔ نہیں مناسب

کر کے ایمان پر ڈاکہ ڈالے۔ اس سخت غم میں چالیس دن گزر گئے۔ چالیسویں دن حکم ہوا کہ ہم اپنی بیویوں سے الگ رہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھیج دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لیے مسجد نبوی میں جایا کرتا تھا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو سلام عرض کیا کرتا۔ اور پھر دیکھا کرتا کہ کیا لب مبارک کو جنبش ہوتی ہے۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو بندہ نواز آپ اپنی نگاہ لطف کو میری طرف مبذول فرماتے اور جب میں فارغ ہوتا تو اعراض فرما لیتے۔ یہ لمحے میرے لیے بڑے صبر آزما تھے۔ پچاسویں رات کو ہماری توبہ کی قبولیت کی آیت نازل ہوئی۔ صبح کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔ صحابہ دوڑتے ہوئے مبارک دینے آئے۔ سب سے پہلے جس نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا وہ حمزہ اسلمی تھے۔ میں نے فرط مسرت میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر دے دیئے۔ پھر میں بارگاہ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء میں حاضر ہوا۔ احباب جوق در جوق مبارک دینے کے لیے آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کا چہرہ انور خوشی سے چمک رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو فرمایا جب سے تیری ماں نے تجھے جنا ہے یہ تیری زندگی کا بہترین دن ہے مبارک ہو۔

١٤٦ ان تین پاکبازوں کے ذکر کے بعد جنھوں نے منافقوں کی طرح اللہ کے رسول کی جناب میں جھوٹ بولنے کی گستاخی نہیں کی اور آخرکار اللہ تعالیٰ کی نگاہ لطف و کرم ان کی طرف مائل ہوئی اور اس کا ابر رحمت ان پر برسا اور ان کی کشت ایمان کو شاداب کر گیا۔ اب عام مسلمانوں کو انھیں کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کیونکہ تقویٰ کا پہلا تقاضا یہی ہے کہ انسان سے خطا ہو جائے تو اعتراف جرم اور اظہار ندامت کے بعد عفو و درگزر کی التجا کرے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے سچے اور نیک بندوں کی صحبت اختیار کرنے کی بھی اس آیت میں ترغیب دی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی یہ حدیث پاک بھی یقیناً مفید ہوگی اس لیے اسے بھی تحریر کیے دیتا ہوں۔ فرمایا: علیکم بالصدق فان الصدق یھدی الی البر وان البر یھدی الی الجنۃ وما یزال رجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا۔ ہمیشہ سچ بولا کرو۔ سچ بولنا نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے۔ اور انسان جب سچ بولتا رہتا ہے اور

لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا

تھا مدینہ والوں کے لیے ۱۱۹ اور جو ان کے ارد گرد دیہاتی لوگ ہیں کہ پیچھے بیٹھ رہتے اللہ کے

عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ

رسول پاک سے اور نہ یہ کہ متوجہ ہو جاتے اپنے نفسوں کی طرف ان سے بے فکر ہو کر یہ اس لیے کہ

بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ

نہیں پہنچتی انھیں کوئی پیاس اور نہ کوئی تکلیف تھکاوٹ اور نہ بھوک راہِ خدا میں

اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ

اور نہ وہ چلتے ہیں کسی چلنے کی جگہ جس سے کافروں کو غصہ آتے اور نہیں حاصل کرتے وہ دشمن سے

نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ

کچھ مگر یہ کہ لکھا جاتا ہے ان کے لیے ان (تمام تکلیفوں) کے عوض نیک عمل بیشک اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً

نیکوں کا اجر۔ اور وہ (مجاہدین) نہیں خرچ کرتے تھوڑا اور نہ زیادہ

سچ بولنے کی پوری کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کو صدیق کا لقب عطا فرمایا جاتا ہے۔

۱۱۹ یعنی اہل ایمان کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ تو آرام سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں اور اللہ تعالیٰ کا رسول سفر کی صعوبتوں کو برداشت کرتا، موسم کی ناسازیوں کا مقابلہ کرتا، جہاد کی طرف پیش قدمی کرتا چلا جا رہا ہو۔ یہ حکم قیامت تک ہے جب بھی خلیفۂ وقت جہادِ عام کا حکم فرما دے تو سب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے جہاد کے لیے نکلیں۔ یہاں بھی ماکان نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جس طرح پہلے گزرا۔

۱۲۰ اس آیت سے بھی جہاد میں شرکت کرنے کی مزید رغبت دلائی جا رہی ہے کہ جب وہ جہاد میں نکلیں گے تو چھوٹی بڑی جو تکلیف انھیں پہنچے گی اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجرِ عظیم دے گا تو پھر خدا کی رحمت میں حصہ دار بننے کے لیے وہ اس جسمانی تکلیف کو برداشت کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ کیوں کریں۔

وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا

اور نہ طے کرتے ہیں کسی وادی کو مگر یہ کہ لکھ لیا جاتا ہے ان کے لیے تاکہ صلہ دے انہیں اللہ تعالیٰ بہترین ان

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا

کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن نکل کھڑے ہوں سارے کے سارے [۱۴۱] تو کیوں نہ

نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ

نکلے ہر قبیلہ سے چند آدمی تاکہ تفقہ حاصل کریں دین میں اور

لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْۤا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ يٰۤاَيُّهَا

ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ نافرمانیوں سے بچیں [۱۴۲] اے

[۱۴۱] جس دین کا مقصد دل کی دنیا بدلنا ہو اور انسان کی زندگی کے کارواں کے لیے ایک بلند منزل متعین کرنا اور اس تک پہنچنے کی تڑپ پیدا کرنا ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جو اس دین کے اسرار و رموز سے پوری طرح واقف ہوں جو اس کے اغراض و مقاصد کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور دوسروں کو سمجھانے اور ان کے دل نشین کرنے کی استعداد رکھتے ہوں۔ اس چیز کی اہمیت کے پیش نظر ان آیات کے درمیان جن میں جہاد کی ترغیب اور جہاد سے پیچھے رہنے والوں کی مذمت کی جا رہی ہے ایک ایسی آیت بیان فرمائی جس میں دین کے اس مقصد اعلیٰ کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ مسلم آبادی کے وہ علاقے جو دینی اور علمی مرکزوں سے دور ہیں وہاں سے چند طالبان علم ان مرکزوں میں آئیں اور عالمان دین کی خدمت میں کچھ عرصہ رہ کر دین کی صحیح سمجھ پیدا کریں اور جب فیض صحبت سے ان کے دلوں میں نور بصیرت پیدا ہو جائے تو پھر اپنے اپنے دور افتادہ وطنوں کی طرف لوٹ آئیں اور وہاں کے بسنے والوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کریں تاکہ امت مسلمہ کا ہر فرد اپنے دین کی روح سے واقف ہو اور اس کے احکام سے باخبر ہو تاکہ بے علمی کی وجہ سے ان کا رابطہ اسلام کے ساتھ کمزور نہ ہو جائے اور جہالت کے باعث مسلم سوسائٹی میں اخلاقی اور اعتقادی بے اعتدالیاں رونما نہ ہونے لگیں۔ من کل فرقة منهم طائفة (کہ ہر جماعت میں سے چند افراد) کے الفاظ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ ضروری نہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد اپنا گھر بار چھوڑ کر طلب علم میں مصروف ہو جائے کیونکہ اس طرح تو نظام اجتماعی درہم برہم ہو جائے گا۔ تجارت، زراعت، صنعت وغیرہ سب میں تعطل واقع ہو جائے گا بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ ہر بستی سے چند افراد حصول علم دین اور تبلیغ و اشاعت کے کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ

ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے ۲۴۲ اور چاہیے کہ وہ پائیں تم

غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ

میں سختی ۲۴۳ اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے ۲۴۴ اور جب کبھی نازل ہوتی ہے کوئی سورۃ

۲۴۲ ان لوگوں کے حصول علم کا مقصد صرف یہ ہونا چاہیے کہ وہ واپس آکر اپنے علم و عرفان کی شمع سے ہر گھر میں اُجالا کر دیں۔ جہاں کہیں اعتقادی اور عملی تاریکی کا سراغ پائیں وہاں نور کا شمع فروزاں کر دیں۔ اسلام نے علم اور اس کی ترویج کے لیے جتنا اہتمام فرمایا ہے قرآن کے صفحات اور احادیث کے دفاتر اس سے لبریز ہیں۔ اور انہی ارشادات کی برکت تھی کہ عرب کے گنوار اور جاہل دیکھتے دیکھتے اقوام عالم کے امام بن گئے جہاں ان کی عظمت کا جھنڈا گڑا وہاں سے علم و حکمت کے چشمے پھوٹ نکلے۔ کوہ و دمن میں جہاں کہیں وہ خیمہ زن ہوتے مسجد و مدرسہ کے بلند مینار معرفت کی تجلیاں بکھیرنے لگتے۔ صاحب قرطبی لکھتے ہیں ھذہ الآیۃ اصل فی وجوب طلب العلم۔ یہ آیت طلب علم کی فرضیت کی دلیل ہے۔ حضور کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد ہے من سلک طریقا یلتمس فیہ علما سلک اللہ بہ طریقا الی الجنۃ وان الملائکۃ لتضع اجنحتہا رضا لطالب العلم الخ (ترمذی) جو شخص حصول علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور طالب علم کی خوشنودی کے لیے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ حضرت ابو سعید الخدری سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علی امتی۔ جس طرح مجھے میری امت پر فضیلت حاصل ہے اسی طرح عالم کو عابد (جو عالم نہ ہو) پر فضیلت حاصل ہے۔

۲۴۳ یعنی سب سے پہلے ان کفار سے جہاد کرو جو تمہارے قریب بستے ہیں اس کے بعد جو ان کے قریب بستے ہیں۔ یعنی الاقرب فالاقرب کے اصول پر جہاد کا سلسلہ جاری رہے۔ کیونکہ اسلامی جہاد کا منشا قتل و غارت تو ہوتا نہیں بلکہ یہ ناصحانہ تنبیہ اور سرزنش کے مترادف ہے اس لیے اس شفقت کے حقدار قریبی لوگ ہیں نیز اپنے پڑوس میں فتنہ و فساد کی آگ کو بھڑکتا ہوا چھوڑ کر دور دراز کے علاقوں کی طرف متوجہ ہو جانا کوئی آئین دانشمندی نہیں۔ یہ آستین کے سانپ کسی وقت بھی ڈس کر ساری فتوحات کو شکست میں بدل سکتے ہیں۔

۲۴۴ یعنی جب میدان جہاد میں نکلو تو اپنی قوت و سطوت کا پورا مظاہرہ کرتے ہوئے جاؤ۔ اور جب تمہاری تلواریں بے نیام ہوں تو دشمن پر یوں بھرپور وار کرو کہ ان کے فولادی خودوں اور زرہوں کو کاٹتی ہوئی نکل جائیں تاکہ دوبارہ انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہو۔ غلظۃ کا معنی ہے سختی، قوت اور جوش و خروش۔ ای شدۃ وقوۃ وحمیۃ (قرطبی)۔

قرآن حکیم نے جابجا مومن کی یہ شان بیان کی ہے کہ وہ اپنے اسلامی بھائیوں کے ساتھ بڑا نرم خو اور حلیم الطبع ہوتا ہے

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

تو بعض ان میں سے وہ ہیں جو (ازراہ تمسخر) کہتے ہیں کہ کس کا تم میں سے زیادہ کر دیا ہے اس سورۃ نے ایمان تو (ان

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

ایمان والوں کے ایمان میں اس سورۃ نے اضافہ کر دیا ہے اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں ۱۶۶ اور جن کے دلوں میں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا

(نفاق کا) روگ ہے تو بڑھا دی اس سورۃ نے ان میں اور پلیدی ان کی سابقہ پلیدی پر اور وہ مر گئے اس

وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً

حال میں کہ وہ کافر تھے۔ کیا وہ نہیں دیکھتے ۱۶۸ کہ وہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار

لیکن اسلام کے دشمنوں کے سامنے وہ بپھرا ہوا شیر ہے جس کی گرج سے سینوں میں دل پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اشداء علی الکفار رحماء بینھم ؎

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم!
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

۱۶۶ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے اور جس کے شامل حال اللہ تعالیٰ کی نصرت ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت نیچا نہیں دکھا سکتی۔ اس لیے کفر و باطل کے سامنے تم ٹھونک کر کھڑے ہو جاؤ کیونکہ تم میرے احکام کی بجا آوری میں سستی نہیں کرتے اس لیے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کامیابی کا سہرا تمہارے سر ہی باندھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی تقویٰ کی راہ پر چلائے اور اپنی اعانت اور نصرت سے ہماری چارہ سازی فرمائے۔ آمین ثم آمین

۱۶۷ کیونکہ منافقین کے پتھر کی طرح سخت دلوں پر آیات قرآنی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اس لیے وہ نزول قرآن کے سلسلہ کو بے سود سمجھتے تھے جب کبھی کوئی نئی آیت یا سورۃ نازل ہوتی تو وہ ازراہ مذاق اپنے دوستوں سے پوچھتے کہ سناؤ جی یہ جو نئی سورۃ اتری ہے اس سے تمہارے ایمان میں کتنی ترقی ہوئی؟ ان کے اس مذاق کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے بدنصیبو! تمہیں اس حیات بخش پیغام کی کیا قدر؟ اسے کور چشمو! تمہیں اس نور حق کی تابانیوں کی کیا خبر؟ اس کی تاثیر پوچھنی ہو تو اہل ایمان سے پوچھیے جن کی روح زندہ ہے اور جن کی چشم بصیرت بینا ہے۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اس ابر رحمت نے ان کی کشت ایمان کو کس طرح شاداب کر دیا ہے۔ ان کے دل آج خوشی سے لبریز ہیں اور ان کے چہرے فرط مسرت سے چمک رہے ہیں

۱۶۸ منافقین جو غفلت اور خمار کا شکار رہتے ان کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے سال میں متعدد بار انھیں ایسے

أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝١٢٦ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ

یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی

سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ

ہے تو دیکھنے لگتے ہیں ایک دوسرے کی طرف ۱۴۸ کیا دیکھ تو نہیں رہا تمہیں کوئی پھر چل

انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ۝١٢٧

دیتے ہیں۔ پھیر دیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کیونکہ یہ لوگ کچھ نہیں سمجھتے ۱۴۹

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

بیشک تشریف لایا ہے تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول ۱۵۰ تم میں سے گراں گزرتا ہے اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا

ملامت سے دوچار کر دیا جاتا تاکہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کر دیتے۔ اسلام کے خلاف ان کی سازشیں ناکامی سے ہمکنار ہوتیں۔ بے سروسامانی کے باوجود مسلمان ہر میدان میں اپنے طاقتور دشمنوں کو شکست پر شکست دیتے چلے جاتے۔ حضور کی ذات پاک سے ایسے ایسے معجزات رونما ہوتے جن کے دیکھنے کے بعد حضور کی صداقت کا یقین ہو جاتا۔ ان کے علاوہ انہیں طرح طرح کی تکالیف اور مالی خساروں میں مبتلا کیا جاتا تاکہ خواب غفلت کی نیند سے بیدار ہوں لیکن انہیں توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوتی۔

۱۴۸ جب حضور سرور عالم پر وحی نازل ہوتی اور یہ منافق اس مجلس میں ہوتے تو ان کا جی چاہتا کہ کسی بہانے یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ایک تو انہیں قرآن سے کوئی دلچسپی نہ تھی دوسرا انہیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسی آیتیں نہ اتریں جن میں ان کا ذکر کیا گیا ہو۔ اگر یونہی اٹھ کر چلتے ہیں تو اپنے نفاق کا راز فاش ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے میں یوں مستغرق ہیں کہ انہیں دنیا و مافیہا کی خبر نہیں تو اس وقت وہ خاموشی سے کھسکنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ کسی کو کانوں کان ان کے چلے جانے کی خبر بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے میرے محبوب رسول کی بارگاہ سے منہ موڑا تو ہم نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے موڑ دیا۔ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبهم کے الفاظ بڑے غور کے مستحق ہیں۔

۱۴۹ ان کی کم عقلی اور نادانی کا اس سے بڑا اور ثبوت کیا ہو سکتا تھا کہ نبی رحمت تشریف لایا اور اس نے اپنا دامن کرم پھیلا دیا اور وہ کم نصیب اس سے دور ہی دور بھاگتے رہے۔ بھلا جب مریض کی بالیں پر مسیحا امرت کا جام ہاتھ میں

حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا

بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے شلہ والے حبیب! اگر پھر

فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ

اگر منہ موڑ لیں تو آپ فرما دیں شلہ کافی ہے مجھے اللہ نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی

الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

عرش عظیم کا مالک ہے۔

رکوع ١٦

لیے اکھڑا جاتا ہے اور تسلیم کرتا ہے کہ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتارو شتاب ہو جاؤ گے لیکن وہ بضد ہے کہ مزا تلخ ہے
لیکن یہ روا نہیں ہے گا۔ وہ دین آیا جو ان کو دنیا بھر کا امام بنانا چاہتا ہے اور وہ شجر و حجر کی بندگی پر قناعت کیے بیٹھے
ہیں۔ ان کو کتاب مقدس دی گئی جس کی ہر سطر سے علم و عرفان کا آفتاب جہاں تاب طلوع ہو رہا ہے اور وہ جہالت کے
اندھیروں سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔ ان کی انہیں احسان ناشناسیوں کی سزا انہیں یہ دی گئی کہ ان کے دل کی آنکھ بے نور
کر دی گئی فہم و فراست کا جوہر ان سے چھین لیا گیا اور ہلاکت و بربادی کی جس پستی میں وہ گرنا چاہتے تھے اس میں انہیں
گرنے دیا گیا۔

شلہ کُم کی ضمیر کا مرجع بعض نے اہل العرب کو قرار دیا ہے لیکن صحیح قول یہی ہے جو علامہ قرطبی نے زجاج سے نقل کیا ہے۔
ھی مخاطبة لجمیع العالم۔ سارے جہاں کو خطاب ہے کیونکہ حضور سب انسانوں کے رسول بن کر تشریف لائے ہیں۔ رسول میں تنوین
تعظیم کی ہے عنت کہتے ہیں مشقت و شدت کو یہاں ما مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی ہر وہ چیز جس سے اولاد آدم کو تکلیف
پہنچتی ہے وہ حضور کے قلب رحیم پر بہت گراں گزرتی ہے اور ہر وہ چیز جس سے ان کا بھلا ہو اس کے حضور بہت خواہشمند ہیں امت کے ساتھ
آقا کا جو رشتہ محبت و الفت ہے اس کا بیان ان پاکیزہ الفاظ سے زیادہ دلنشیں پیرایہ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ عزیز علیه ان تدخلوا النار و حریص علی
ان تدخلوا الجنة۔ شلہ جب سارے نوع انسانی کے ساتھ اس نبی مکرم کا یہ تعلق ہے تو اپنے ان غلاموں پر آپ کا سحاب جود و کرم کس طرح
برستا ہوگا اس کا اظہار ان کلمات سے فرمایا۔ رءوف مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے البالغ فی الرأفة والشفقة وقال الحسین بن فضل لم یجمع
الله لاحد من الانبیاء اسمین من اسمائه الا للنبی محمد صلی الله علیه وسلم قال عبد العزیز بن یحیی عزیز علیه ما عنتم ای لا یهمه الا شأنکم
* رءوف کا معنی ہے بے حد مہربانی اور شفقت فرمانے والا۔ حسین بن فضل نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے دو نام اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی میں
جمع نہیں فرمایا۔ عبد العزیز بن یحیی فرماتے ہیں عزیز علیہ ما عنتم کا مفہوم یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمہاری فلاح و بہبود کے سوا کوئی چیز
اہمیت نہیں رکھتی۔ شلہ اگر یہ بدبخت اس رسول مکرم کی تعظیم و تسلیم نہ کریں اور اس کی اطاعت کو ٹھکرا دیں تو اے محبوب آپ پریشان نہ ہوں

سُورَةُ یُونُس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اس سورۃ کو حضرت یونس علیہ السلام کے نام سے معنون کیا گیا ہے کیونکہ اس کے ایک رکوع میں آپ کی قوم کی نجات کا ذکر ہوا ہے یہ گیارہ رکوعوں پر مشتمل ہے اور اس کی آیات کی تعداد ایک سو نو (۱۰۹) ہے۔ اس میں ۱۸۳۲ کلمے اور نو ہزار ننانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول:- حضرت حسن، عکرمہ، عطا اور جابر ائمہ تفسیر کے نزدیک یہ ساری سورۃ کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے بجز ان تین آیتوں کے فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا (قرطبی) لیکن پہلا قول اصح ہے۔

اگرچہ اس کا سال نزول تو متعین نہیں ہو سکا لیکن مضامین پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ یہ سورۃ اس وقت نازل ہوئی جب حضور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ طرح طرح کے دلائل و بینات سے ان کے اعتراضات کا ازالہ فرما دیا لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی روش سے باز نہ آئے بلکہ ان کے معاندانہ رویہ میں مزید شدت اور سختی پیدا ہو گئی۔ اسی لیے اس سورۃ میں ان قوموں کا ذکر فرمایا گیا جنھوں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا اور ان کی ہدایت کی کوئی توقع نہ رہی تو ان پر عذاب الٰہی آیا اور اس نے انھیں ختم کر کے رکھ دیا۔

کیونکہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی اس لیے اس کے مخاطب بھی وہی لوگ تھے، وہی ان کی بیماریاں تھیں، وہی ان کے شبہات تھے اور وہی ان کا رویہ تھا جن کا ذکر گزشتہ مکی سورتوں میں گزر چکا ہے۔ اس لیے اس سورۃ میں بھی انہی لوگوں کی اصلاح کی مشفقانہ کوششیں کی جا رہی ہیں اور بڑے پیار بھرے انداز سے ان کے اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

پہلا شبہ:- ان کی سب سے مہلک بیماری جس میں وہ مبتلا تھے شرک کی بیماری تھی۔ انھیں یہ بات سمجھ ہی نہیں آتی تھی کہ اس عالم ہست و بود کی تخلیق و تدبیر سے اکیلی ذات عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ وہ تمام شعبہ ہائے حیات کے لیے الگ الگ خداؤں کے قائل تھے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ یہ بت جن کو تم نے خدا بنا رکھا ہے ان کے خدا ہونے کی تمھارے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ اس عالم میں ان گنت چیزیں ہیں، بڑی بھی اور چھوٹی بھی، گراں بھی ارزاں بھی، مفید بھی مضر بھی، خوبصورت بھی بدصورت بھی، تم ہی کہو ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی ہے جس کو تمھارے ان خداؤں نے پیدا کیا ہو۔ چلیے یہ نہ سہی ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ تمھاری بقا اور سلامتی کے لیے سینکڑوں اشیا موجود ہیں، پانی، ہوا، روشنی، اناج، پھل، کھانے اور سواری کے حیوانات، تم یہ بتاؤ کیا ان میں سے بھی کوئی ایسی چیز ہے جس کو تمھارے ان دیوتاؤں نے پیدا کیا ہو؟ اگر یہ بھی ان کی تخلیق نہیں تو یہ تمھیں جو دیکھنے کو آنکھیں، سننے کو کان، بولنے کو زبان، سمجھنے کو عقل اور دیگر قوتیں دی گئی ہیں کیا ان میں بھی کوئی قوت ان کی عطا کردہ ہے؟ چلو اسے بھی جانے دو تم اپنی زندگی عزت، آرام اور امن و عافیت سے بسر کرنے کے لیے کسی راہنما کی رہنمائی کے محتاج ہو جو اشیا کے حسن و قبح سے تمھیں آگاہ کرے، تمھیں تمھارے نفع و نقصان سے خبردار کرے، تمھارے لیے ایسے قانون بنائے جو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کر سکیں۔ تمھارے ان گونگے اور بہرے خداؤں نے کبھی اس معاملہ میں بھی تمھاری

رہنمائی کی ہے اگر ان تمام سوالات کا جواب تمہارے نزدیک بھی نفی میں ہے تو عقل وخرد کے عزیزو! پھر تم ان کی خدائی پر کیوں ایمان لاتے ہو۔ کتنا مؤثر اور دلنشین انداز بیان ہے کہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔

ان کے معبودان باطل کی خدائی پر ضرب کاری لگانے کے بعد ان کے اس تذبذب کو دور کیا جا رہا ہے کہ اگر یہ خدا نہیں تو کون خدا ہے؟ اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو جاننے اور پہچاننے کے لیے زیادہ دیر تک پریشان اور سرگرداں رہنے کی ضرورت نہیں چشم ہوش کھولو تمہیں اس جہان کی وسعتوں میں بیسیوں نشان ملیں گے تمہارا وہی سچا خدا ہے جس نے زمین آسمان کو پیدا کیا جس نے آفتاب ومہتاب کی قندیلیں فروزاں کر کے شب تیرہ کو منور کر دیا جس کے حکم سے گردش لیل ونہار کا سلسلہ جاری ہے جس کی قدرت وحکمت جس کی یکتائی اور بے ہمتی کے آثار تمہیں اپنے گرد وپیش نظر آ رہے ہیں۔

اگر اب بھی اس کو نہیں پہچان سکے تو سچ بتاؤ کبھی تمہیں کسی بحری سفر پر جانے کا اتفاق ہوا تمہاری کشتی سطح آب پر آہستہ آہستہ چل جا رہی ہو اچانک مطلع ابر آلود ہو گیا ہو بادل امڈ آئے ہوں بجلی تیزی سے چمکنے لگی ہو اور تند ہوا کی تیز رفتاری میں سمندر کی موجیں منہ کھولے ہوئے تمہیں اور تمہاری کشتی کو نگلنے کے لیے بار بار آگے بڑھ رہی ہوں تمہارے سفینہ کی ساری امیدیں ختم ہو چکی ہوں تم نے پتوار سنبھالنے والوں کو بار بار پکارا ہو اور کوئی بھی تمہاری مدد کے لیے نہ آیا ہو جب ہر طرف موت ہی موت نظر آنے لگی ہو سچ سچ بتاؤ کیا اس وقت کسی کا تمہیں خیال آیا تھا کسی کی چوکھٹ پر تمہاری جبین نیاز جھکی تھی ان کربناک لمحوں میں تم نے کسی کے ساتھ صدق ووفا کا پیمان باندھا تھا! وہ کون تھی کی رحمت نے آگے بڑھ کر تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دے کر بچا لیا تھا وہ کون تھا؟ معلوم ہے تمہیں وہی تمہارا اللہ، وہی تمہارا معبود برحق تھا جس کو مان کر پھر تم اس سے روگردانی کرنے لگے۔

دوسرا شبہ: تمہیں حیرت ہے کہ ایک بشر کو منصب رسالت پر کیوں فائز کیا گیا ہے۔ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ تمہیں راہ راست دکھانے کے لیے تمہیں پیغام حق سنانے کے لیے کوئی جن یا کوئی فرشتہ بھیجا جاتا جس کو نہ تم دیکھ سکتے اور نہ اس کی گفتگو کو سمجھ سکتے اور اگر وہ تمہیں اپنا آپ دکھاتا تو تم اس کی ہیبت وجلال سے اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتے اور سینے کے سینے پھٹ جاتے۔ تم ہی فیصلہ کرو کیا اس قسم کے نبی کی بعثت تمہارے لیے موجب رحمت ہوتی یا باعث زحمت۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ تم میں سے کسی کو شرف نبوت سے مشرف کر کے مبعوث فرمائے تاکہ تم اس سے فیض حاصل کر سکو۔

تیسرا شبہ: انہیں قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر بھی اعتراض تھا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لیے انہیں چیلنج دیا گیا کہ اگر تم ایسا کر سکو تو سب مل کر بیٹھو تمہارے ملک میں جتنے زبان آور شاعر اور جادو بیان خطیب اور قادر الکلام ادیب ہیں سب کو بلا لو اور اپنی اجتماعی فصاحت وبلاغت کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ نہیں ایک چھوٹی سی سورت ہی اس جیسی بنا لاؤ۔ اس طرح خود بخود اسلام کا چراغ بجھ جائے گا اور تمہاری یہ بے چینی دور ہو جائے گی جس نے تمہارے دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر رکھی ہے اور اگر تم سب مل کر بھی ایک چھوٹی سی سورۃ نہیں بنا سکتے تو پھر بے جا ضد چھوڑو یہ مان لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ یہ کتاب جو تمہارے لیے نازل کی گئی ہے جانتے ہو یہ کن خوبیوں اور برکات کی حامل ہے۔ آؤ سنو:۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ:۔ یہ تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے نصیحت ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ: اس میں تمہارے سینوں کی ساری بیماریوں اور روگوں کے لیے نسخۂ شفا ہے۔

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ: اور جو اس کو دل و جان سے مان لیتے ہیں ان کے لیے یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے۔

تم یہ تجویز پیش کرتے ہو کہ اس میں سے فلاں چیز کاٹ دی جائے اور فلاں چیز کا اضافہ کر دیا جائے بھلا میری کیا مجال کہ اس میں رد و بدل کر سکوں۔ میں تو امین ہوں اگر میں اس میں خیانت کروں تو کیا تم میں ہمت ہے کہ تم مجھے میرے رب کے عتاب سے بچا سکو۔

یہ چوتھا شبہ: تمہیں اس پر بھی اعتراض ہے کہ مرنے کے بعد تمہیں ایک دوسری زندگی بخشی جائے گی۔ تمہارے نزدیک یہ ناممکن اور خلاف عقل ہے اگر میں تم سے پوچھوں کہ کیوں؟ تو تم کیا جواب دو گے کیا خدائے قدیر نے عدم محض سے ہر چیز کو پیدا نہیں کیا کیا اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات ہے کہ وہ موجودات کے منتشر ذروں کو جوڑ دے۔

غرضیکہ مشرکین کے دل میں کھٹکنے والے جتنے شکوک و شبہات تھے ان کا ایسا شافی اور مشفقانہ جواب دیا کہ اگر کوئی پھر بھی حق کا انکار کرے تو اس کی مرضی اور اس کی قسمت۔ کم از کم یہ تو کوئی نہ کہہ سکے کہ مجھے سمجھایا نہیں گیا تھا۔

آخر میں دو اہم چیزوں کو بیان فرما کر سورۃ کو ختم کیا۔ اپنے برگزیدہ رسول اور محبوب بندے کو ارشاد فرمایا وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ۔ یعنی دشمنوں کی خوف آرائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ان کی ستم کیشیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر آپ اس وحی کی طرف اپنا رخ موڑ لیں اور اسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں۔

نیز اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ نفع و ضرر کا کامل اور حقیقی اختیار اللہ جل مجدہ وعز سلطانہ کے دست قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے اور جس کو چاہے اپنے انعامات اور احسانات سے مالا مال کر دے۔ اس کے غضب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اس کے دست جود و سخا اور فضل و عطا کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اگر اس نے یتیم مکہ کو ختم نبوت کے تاج سے سرفراز فرمایا ہے تو کسی کو کیا اعتراض اگر اس نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کی خلعت فاخرہ سے نوازا ہے تو کسی کے پیٹ میں بل کیوں پڑتے ہیں۔ اس کی تو یہ شان ہے، يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

ان اساسی مضامین کے علاوہ علم و حکمت کے کئی دمکتے ہوئے موتی ہیں جو اس سورۃ کی ردائے نور میں جڑے ہوئے ہیں۔ جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کا حسن لازوال خود ہی آپ کے دامن توجہ کو اپنی طرف کھینچ لے گا۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَّتِسْعُ اٰيَاتٍ وَّاِحْدٰى عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یونس مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں ۱۰۹ - ایک سو نو اور رکوع ۱۱

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ

الف۔ لام۔ را [1] یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی [2] کیا یہ بات (لوگوں کے لیے باعث تعجب ہے کہ ہم نے [3]

[1] اس قسم کے حروف جو بعض سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں انہیں حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان کا مفہوم کیا ہے؟ علمائے تفسیر نے اس کی کئی توجیہیں کی ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ یہ حروف ان سورتوں کے نام ہیں جن کی ابتدا میں ان کا ذکر ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ یہ حروف اختصار بیان کے ساتھ حق کے بیان کے لیے بطور رمز استعمال کیے گئے ہیں مثلاً الف اللہ کی طرف، لام لطیف اور را رحمٰن کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کل حرف منها مفتتح اسم من اسمائه سبحانه (الاتقان فی علوم القرآن)۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ الٓرٰ مخفف ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰی کا یعنی میں اللہ ہوں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ یہ توجیہات اپنی اپنی جگہ درست ہیں لیکن سب سے زیادہ اطمینان بخش اور یقین افروز علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو سورۂ بقرہ کے آغاز میں حروف مقطعات کی تحقیق کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے۔ فَلَا يَعْرِفُهُ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَّا الْاَوْلِيَاءُ الْوَرَثَةُ فَهُمْ يَعْرِفُوْنَهُ مِنْ تِلْكَ الْحَضْرَةِ وَقَدْ تَنْطِقُ لَهُمُ الْحُرُوْفُ عَمَّا فِيْهَا كَمَا كَانَتْ تَنْطِقُ لِمَنْ سَبَّحَ فِيْ كَفِّهِ الْحَصٰى۔

یعنی ان حروف کا صحیح مفہوم نبی کریم کے بعد صرف اولیاء کاملین۔ ان کو یہ علم بارگاہ رسالت سے عطا ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ حروف خود اپنے اسرار کو اولیاء کرام سے بیان کر دیتے ہیں جیسے سنگریزے حضور کی ذات پاک سے گویا ہوتے تھے جن کی ہتھیلی میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کی تھی۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ الٓرٰ کی بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ فیعلم هذه الحروف برموزها وحقائقها مفوض الى الخليفة الى الله والرسول والكمل الورثة یعنی ان حروف کا علم ان کے اشارات و حقائق کے ساتھ درحقیقت اللہ تعالیٰ اس کے محبوب رسول اور اولیاء کاملین کو تفویض کیا گیا ہے۔

[2] کفار و مشرکین قرآن کریم پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے تھے۔ اپنے فہم نارسا کے باعث اس کی تعلیمات کے بارے میں گونا گوں غلط فہمیوں کا شکار رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا میں ہی اس غلط فہمی کا ازالہ فرما دیا کہ یہ کتاب جس کی تعلیمات پر تم اعتراض کرتے ہو جس کے بتائے ہوئے اصولوں کو ماننے سے تم انکار کرتے ہو یہ تو پُر از حکمت کتاب ہے۔ اس کے بیان کردہ عقائد، اس کے بتائے ہوئے معاشی، اخلاقی اصول، اس میں مذکورہ واقعات، قصص اور مستقبل کے متعلق اس کی ساری پیشین گوئیاں سب اپنی اپنی جگہ محکم و استوار ہیں اور ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے (تِلْكَ) اسم اشارہ بعید استعمال فرمایا۔

[3] قرآن کریم کے متعلق ان کی غلط فہمی دور کرنے کے بعد صاحب قرآن کے بارے میں ان کے شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ ایک انسان کس طرح اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہو سکتا ہے کہ وہ اسے وحی سے سرفراز فرما کر دوسرے انسانوں کی رہبری کے لیے متعین فرمائے۔ جس انسان سے وہ متعارف تھے اور جس انسانیت کے وہ خود اعلیٰ نمائندے تھے وہ تو اس سرفرازی کا قطعاً مستحق

أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ رَجُلٍ مِّنْهُمْ أَنْ أَنذِرِ ٱلنَّاسَ وَبَشِّرِ ٱلَّذِينَ

وحی بھیجیں ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوشخبری دو انھیں

ءَامَنُوٓاْ أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِندَ رَبِّهِمْ ۗ قَالَ ٱلْكَٰفِرُونَ

جو ایمان لائے کہ ان کے لیے مرتبہ بلند ہے ؁ اُن کے رب کے ہاں۔ کفار نے کہا

نہیں تھا لیکن انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ انسان خالق کائنات کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ اس میں وہ صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں اگر ان کو بروئے کار لایا جائے اور تقویٰ و اخلاص سے ان کی آبیاری کی جائے تو یہ فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے اور اس مقام قرب تک رسائی پا سکتا ہے جہاں روح الامین کو بھی دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ دوسری بات جس نے انھیں تصویر حیرت بنا رکھا تھا یہ تھی کہ نبوت کے بار گراں کو اٹھانے کے لیے ابو طالب کے یتیم بھتیجے کو منتخب کیا گیا تھا آخر کیوں؟ اگر کسی انسان کو ہی نبی بنانا تھا تو وہ ایسا ہوتا جس کی دھاک تمام قوم کے دلوں پر بیٹھی ہوتی۔ اس منصب جلیلہ کے لیے ان کے سامنے جب ایک مفلوک الحال یتیم کا نام آتا تو پریشان ہو کر کہتے لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی بڑے شخص پر کیوں نہ اتارا گیا؟ ان کے انھیں شبہات کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر ان میں سے کسی انسان کو نبوت اور نزول وحی کے لیے منتخب کیا گیا ہے تو اس میں حیرت و تعجب کی کیا بات ہے بلکہ یہی تو عین حکمت ہے کیونکہ افادہ و استفادہ کے لیے جانبین میں باہمی مناسبت کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک انسان، انسان سے جتنی اچھی طرح استفادہ کر سکتا ہے کسی دوسرے سے نہیں کر سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ اگر یہاں بسنے والے فرشتے ہوتے تو ان کی طرف رسول بھی کسی فرشتہ کو بنا کر بھیجا جاتا۔ جب یہاں بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے کسی انسان کو ہی مقرر کرنا چاہیے تھا۔ باقی رہا تمہارا یہ خیال کہ صاحب رسالت کے پاس مال و دولت اور جاہ و منصب کا ہونا ضروری ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ رب قدوس کے ہاں ان چیزوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ یہاں تو بلند اخلاق، پاکیزہ کردار اور اخلاص و ایثار کو شرف پذیرائی عطا کیا جاتا ہے اور یہ تمام صفات ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے حضور کی نبوت پر تمہارا اظہار تعجب بالکل بے معنی ہے۔

؁ یہاں نبی پاک کی دعوت کا خلاصہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس کا کام یہ ہے کہ عام لوگوں کو ان کی غفلت شعاریوں اور بدعملیوں کے انجام بد سے اور مشرکین و کفار کو ان کے عقائد باطلہ کے ہولناک انجام سے ڈرائے تاکہ وہ بروقت اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں اور اہل ایمان کو یہ بشارت سنائے کہ تمہاری محنت ٹھکانے لگی اور تمہاری نیکیاں بار آور ہوئیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں بڑے بلند مقام پر فائز کیا جائے گا۔

؁ زجاج نے قدم صدق کا معنی درجہ عالیہ (یعنی بلند مقام) کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی اچھی جزا بتایا ہے جو انھیں ان کے اعمال حسنہ کے بدلے میں ملے گی (قرطبی)۔ حضرت زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ہے۔

امام حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے: هو محمد صلى الله عليه وسلم فانه شفيع مطاع يتقدمهم كما قال انا فرطكم على الحوض (قرطبی) یعنی قدم صدق سے مراد حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے کیونکہ حضور ہی اپنے متبعین کی شفاعت فرمائیں گے۔

إِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا ۲ بیشک تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں

وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ

اور زمین کو ۳ چھ دنوں میں، پھر متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان کے لائق ہے) تدبیر فرماتا

قبول کی جائے گی۔ اور حضور اپنی امت سے پہلے حوض کوثر پر تشریف فرما ہوں گے تاکہ اپنی پیاسی امت کو سیراب فرما سکیں۔ امام بخاری نے یہی قول حضرت زید بن اسلم سے نقل کیا ہے۔ قال البخاری قال زید بن اسلم ان لهم قدم صدق محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(مظہری، قرطبی وغیرہما من التفاسیر)

۲ جب کفار کے پاس کوئی دلیل نہ رہی جس سے وہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کر سکیں اور حضور کی نبوت و رسالت کی تردید کر سکیں، تو انہوں نے اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ فقرہ بار بار دہرانا شروع کر دیا کہ یہ عقل و دل و نگاہ کو خیرہ کر دینے والی روشنی یہ تو کو مسحور کر دینے والا کلام جادو ہے اور اس کو سنانے والی یہ دلنواز ہستی نبی نہیں جادوگر ہے۔ فرعون نے بھی تو اعجاز موسوی کے سامنے اپنی بے بسی پر یہی کہہ کر پردہ ڈالا تھا۔ شاید کفر کے پاس یہی ایک ہتھیار ہے جو وہ اہل حق کے خلاف ہمیشہ استعمال کرتا ہے۔ مشرکین نے حضور کو جادوگر تو کہہ دیا لیکن انہوں نے یہ نہ سوچا کہ ان کا یہ الزام کتنا بے سروپا ہے۔ کیا وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ فلاں جادوگر سے حضور نے جادو سیکھا یا وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ جادوگروں کی پست اور ذلیل ذہنیت اور ان کے رذیل اعمال کی کوئی ادنیٰ سی علامت بھی یہاں موجود ہے۔ جادوگروں کے سامنے ان کے ذاتی حقیر مفادات ہوتے ہیں اور انہیں کی تکمیل کے لیے وہ سارے پاپڑ بیلتے ہیں لیکن اس پاک ہستی کی کتاب زندگی میں خود غرضی اور جاہ طلبی کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی تو نہیں ملتا۔ فکر و عمل کے اتنے بین تفاوت کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہنا افترا محض اور بہتان صریح نہیں تو اور کیا ہے۔

۳ اس آیت کے پہلے حصہ پر مفصل بحث سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالی جائے۔ یہاں ایک خاص چیز کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگ کائنات کی تخلیق کی تفصیلات قرآن سے تلاش کرنا چاہتے ہیں، اور اپنے زمانہ کے مفکرین و فلاسفہ کے نظریات جو مقبول عام ہوتے ہیں ان کے رنگ میں قرآن کریم کو بھی رنگنا چاہتے ہیں لیکن ان کا یہ اسلوب فکر قرآن کریم کے متعلق قطعاً دانشمندانہ نہیں کیونکہ ہر زمانہ کے اہل فکر اپنی ذہنی کاوشوں سے اپنے نظریات وضع کرتے ہیں اور لوگ ان کے زوردار دلائل سے مرعوب ہو کر ان کو حق تسلیم کر لیتے ہیں اور اس باب میں ان کو حرف آخر قرار دے دیتے ہیں لیکن کچھ عرصہ بعد انہیں مفکرین کے زیر تربیت اور شاگرد اپنے شیوخ و اساتذہ کے نظریات کو غلط ثابت کر دیتے ہیں اور پہلے دلائل سے بھی زیادہ وزنی دلیلوں پر اپنے نئے نظریات کی پرشکوہ عمارت اٹھا کھڑی کرتے ہیں اور ان کے نظریات کا حشر بھی وہی ہوتا ہے جو پہلوں کا ہوا۔ اس لیے آیات قرآنی کو کسی قدیم یا جدید نظریہ کا پابند کرنا قرآن کے مزاج کے خلاف ہے کیونکہ وقت کے کسی نظریہ سے ہم آہنگ کر کے لوگوں کو بتایا جا سکتا ہے کہ قرآن کے مشکلات بھی وہی ہیں جن کو

الْأَمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ

ہے ٨ کوئی نہیں شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت کے بعد ٩ یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے ١٠

فلاں فلسفی یا فلاں سائنسدان نے پیش کیا ہے لیکن آپ خود غور فرمائیے اگر کچھ عرصہ بعد ان نظریات کا بطلان ہو گیا تو کیا اس کی زد آیاتِ قرآنی پر نہیں پڑے گی؟ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم تخلیقِ کائنات کی تفصیل بیان کرنے والی کتاب نہیں بلکہ یہ رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے اس میں جہاں کہیں انفسی اور آفاقی آیات کا ذکر کیا گیا ہے اس کا مدعا صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور علم و حکمت کو ظاہر کرنا ہے۔

٨ یعنی جس ذات پاک نے آسمانوں اور زمین کو چھ دوروں میں پیدا فرمایا ہے وہ ان کو پیدا کر کے بے تعلق نہیں ہو گیا بلکہ اس کارخانۂ ہستی کی زمام حکومت اسی کے دستِ قدرت میں ہے ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام اسی کے حکم اور اسی کے اذن سے انجام پاتا ہے۔ وہ خالق بھی ہے اور مالک و حاکم بھی ہے ہر چیز جو اس نے پیدا فرمائی ہے وہ ایک عجیب شے ہیں اس کے خالق کے علم کامل اور حکمت بالغہ کے آئینہ دار ہیں۔ جس طرح تدبیر کا لغوی معنی ہے النظر فی ادبار الامور حتی یاتی محمودۃ العاقبۃ یعنی تمام کاموں کو اس طرح کرنا کہ ان سے بہترین نتائج ظاہر ہوں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اس طرح اپنے اپنے مقام پر مناسب صفات سے متصف کر کے رکھتا ہے کہ کسی کو انحراف و نافرمانی کی جرأت نہیں ہو سکتی یعنی یقدر امور الکائنات علی ما تقتضیہ الحکمۃ (مظہری)

اگر آپ اس آیت میں تدبر فرمائیں گے تو آپ کو اس میں طرح طرح کی گمراہیوں کا رد ملے گا جس میں صرف جاہل اور بے عقل ہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو اقلیم عقل و خرد کا فرمانروا کہلانے والے بھی گرفتار تھے چنانچہ ایسے فلسفی بھی گزرے ہیں اور اب بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے وجود کے ہی قائل نہیں بعض اس کے وجود کو تو تسلیم کرتے ہیں لیکن مادہ کو قدیم مانتے ہیں اور بعض کا یہ خیال ہے کہ ہر چیز کا خالق تو وہی ہے زمین و آسمان، مادہ و مادیات کی تخلیق تو اس نے فرمائی لیکن پیدا کرنے کے بعد اب اس کا اپنی پیدا کی ہوئی کائنات سے کوئی سروکار نہیں۔ اس آیت میں سب کا رد فرما دیا۔

٩ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ جن بتوں اور پتھروں کو ہم پوجتے ہیں۔ قیامت کے روز وہ ان کی شفاعت کریں گے اور انہیں بخشوا لیں گے ان کا رد فرمایا کہ یہ مانا کہ بے بس و بے اختیار بت ان کی شفاعت نہیں کریں گے کیونکہ شفاعت تو وہ کر سکے گا جسے اذنِ شفاعت ملیگا اور انہیں شفاعت کی کوئی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ کیونکر شفاعت کر سکیں گے۔ اس آیت سے مشرکین کے نظریہ کے بطلان کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور کر دی جو سرے سے شفاعت کے منکر ہیں فیہ اشارۃ الی ثبوت الشفاعۃ لمن اذن لہ (مظہری) وفیہ اثبات الشفاعۃ لمن اذن لہ (بیضاوی) یعنی اس آیت سے ثابت ہوا کہ وہ پاک بندے شفاعت کریں گے جنہیں شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے گی۔

١٠ یعنی یہاں قدرتوں اور حکمتوں کا مالک ہر چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام کو اپنے اختیار اور مرضی سے سرانجام دینے والا جس کے حضور میں بلا اجازت کوئی لب کشائی کی جرأت بھی نہیں کر سکتا وہ ہے تمہارا پروردگار اور تمہارا معبود۔ جب اور ایسا کوئی نہیں تو اسے چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کیوں کی جائے۔ لیکن اگر بعض غلط فہمیوں کے باعث حقیقت حال سے بے خبر ہو اور اپنے معبود

فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ

سو عبادت کرو اس کی۔ تو کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟ اسی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے ٹلہ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا

حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

وعدہ ہے یقیناً وہی ابتدا کرتا ہے پیدائش کی پھر وہی دہرائے گا اسے تاکہ جزا دے انھیں جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

نیک عمل کیے ٹلہ انصاف کے ساتھ۔ اور جنھوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا

حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ

پانی اور دردناک عذاب ہوگا بوجہ اس کے کہ وہ کفر کرتے رہتے تھے۔ وہی ہے جس نے بنایا ٹلہ

برحق کے ساتھ عبودیت و بندگی کا رشتہ استوار نہیں کر سکتے تو اب جبکہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے اور شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا ہے اب ہوش میں آؤ اور اپنی عمر کا بقیہ حصہ تو اس کی یاد میں گزار دو۔

ٹلہ مشرکین مکہ کے لیے جس طرح یہ چیز ناقابل فہم تھی کہ کسی انسان کا شرف نبوت سے مشرف ہونا محل تعجب تھا اسی طرح قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی بات بھی ان کے فہم سے بالاتر تھی۔ یہاں انھیں اس بات کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ کل لامحالہ تمھیں قیامت کے روز بارگاہ رب العزت میں حاضر ہونا ہوگا۔ ساتھ ہی انھیں یہ بھی بتا دیا کہ قیامت کے دن تمھیں دوبارہ زندہ کر کے جوابدہی کے لیے حاضر کرنے والی وہی ذات ہے جس نے تمھیں پہلے خلعت وجود سے نوازا جب تم کچھ نہیں تھے اور جس نے تمھیں پیدا فرمایا اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد تمھیں دوبارہ زندہ کر دے۔

ٹلہ یہاں وقوع قیامت کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر اور بدوں کو ان کی برائیوں کی سزا ملے۔ یہ دنیا دارالعمل ہے دارالجزا نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اہل خیر و صلاح کو ان کے اعمال حسنہ کا صلہ اس دنیا میں نہیں ملتا۔ ان کی زندگیاں آلام و مصائب سے گھری ہوتی ہیں اور کئی فاسق و فاجر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے اعمال بد پر انھیں سزا نہیں ملتی۔ اگر اس دنیا کے بعد اور عالم نہ ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی ذات کو زیبا نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس دار فانی کے بعد دار بقا ہو جہاں ہر شخص کو اس کے اعمال نیک و بد کا بدلہ ملے۔ قیامت پر ایمان انسان میں اعمال بد سے نفرت پیدا کرنے اور اعمال حسنہ کی ترغیب دلانے میں بہت ہی موثر ہے۔

ٹلہ قرآن حکیم نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کمال کے اثبات کے لیے جو طرز استدلال اختیار کیا ہے وہ دنیا بھر کے فلسفیوں اور

الشَّمْسَ ضِيَاۗءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

سورج کو درخشاں اور چاند کو نور ۱۲ اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں ۱۳ تاکہ تم جان لو گنتی

اہلِ علم کے طرزِ استدلال سے جدا ہے۔ قوت و تاثیر بھی اور وضاحتِ بیان بھی۔ یہاں نہ پیچیدہ منطق اور پیچیدہ فنی اصطلاحات کا نشان تک نہیں ملتا۔ بیان دل میں اتر جانے والی صاف صاف باتیں ہوتی ہیں جن سے عالم بھی اور ان پڑھ بھی اپنی اپنی استعداد کے مطابق یکساں طور پر مستفید ہو سکتا ہے۔ یہاں بھی قدرتِ الٰہی کی چند نشانیاں بیان کر کے ان میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ کون سی آنکھ ہے جو صبح کے وقت مشرق کے افق سے سورج کو ابھرتے ہوئے نہیں دیکھتی۔ جو ابھرتا ہے تو سارا جہان جگمگا اٹھتا ہے۔ زندگی کی حرارت ہر شے کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے۔ پھر وہ اپنی مقررہ راہ سے گزرتے ہوئے شام کے وقت مغربی پانیوں میں غروب ہو جاتا ہے۔ کون سی آنکھ ہے جس نے رات کے وقت چاند کو اپنی روپہلی کرنیں بکھیرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ سورج اور چاند دونوں ہزار ہا سال سے مصروفِ گردش ہیں اور کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنے وقت پر طلوع و غروب نہ ہوتے ہوں۔ یا انہوں نے اپنے مقررہ راستے سے سرِمو انحراف کیا ہو۔ کیا ان کا پیدا کرنے والا علیم و حکیم اور سمیع و بصیر نہیں؟ یقیناً ہے۔

۱۲ اس آیت میں اس کی تدبیر کی چند نشانیاں بیان کی جا رہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا مشاہدہ کرنا ہو تو آفتاب جہاں تاب کی طرف دیکھو اور مہتاب عالم افروز کا ملاحظہ کرو۔ سورج کو ضیا اسی نے بخشی ہے اور چاند کو روشنی اسی نے مرحمت فرمائی ہے۔ سورج کی کرنوں کی اپنی تاثیر ہے اور چاند کی روشنی کی اپنی تاثیر۔ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ پھر ان کو پیدا کر کے اور روشن کر کے آوارہ نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کا راستہ متعین کر دیا اور ان کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں ایک امر قابلِ غور طلب ہے کہ سورج کی روشنی کے لیے ضیا کا لفظ اور چاند کی روشنی کے لیے نور کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ ضیا اس روشنی کو کہتے ہیں جو ذاتی ہو اور نور اس کو کہتے ہیں جو ذاتی نہ ہو بلکہ کسی دوسری چیز سے حاصل ہو کیونکہ سورج کی روشنی ذاتی ہے اس لیے اس کے لیے ضیا کا لفظ استعمال کیا اور قمر کی روشنی سورج سے مستفاد ہے اس لیے اس کے لیے نور کا لفظ مستعمل ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ چاند زمین کے گرد گردش کرتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ستائیس دن، سات گھنٹوں اور تینتالیس منٹوں میں طے کرتا ہے لیکن اسے اس جگہ پر پہنچنے کے لیے جہاں وہ سورج سے نور حاصل کر سکے مزید ۲ دن لگتے ہیں۔ اس لیے نیا چاند ۳۰، ۲۹ دن کے بعد دکھائی دیتا ہے۔ علمائے فلک نے چاند کے لیے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں اور ہر منزل کو اس کے ستارے یا ستاروں کے مجموعے سے موسوم کیا ہے جہاں وہ ہر رات پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ علمائے عرب نے اس کی منازل کے مندرجہ ذیل نام مقرر کیے ہیں:

الشرطان، البطین، الثریا، الدبران، الہقعۃ، الہنعۃ، الذراع، النثرۃ، الطرف، الجبہۃ، الزبرۃ، الصرفۃ، العواء، السماک، الاعزل، الغفر، الزبانی، الاکلیل، القلب، الشولۃ، النعائم، البلدۃ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیۃ، فرغ الدلو المقدم، الفرغ المؤخر، بطن الحوت۔

پھر انہیں بارہ حصوں یعنی برجوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے نام یہ ہیں: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اس طرح ہر برج ڈھائی منزلوں پر مشتمل ہوگا۔ جب تک چاند ان منزلوں میں ہوتا ہے وہ آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے پھر ایک دو راتیں

السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ

برسوں کی اور حساب ۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ ۔ تفصیل سے بیان

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٥﴾ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا

کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں بے شک ۔ گردش لیل و نہار میں اور جو کچھ

خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿٦﴾ إِنَّ

پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں (اس میں) اس کی نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو متقی ہے ۔ بیشک

کا ہوتا ہے ایک رات اور اٹھائیس کا ہو کر دو رات نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے اور پھر از سر نو منزل اول سے گردش شروع کر دیتا ہے۔

ان کے لیے منزلیں متعین کرنے کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ تم سالوں کی گنتی کر سکو، اپنی کھیتی باڑی، کاروبار کے لیے مہینے اور دن مقرر کر سکو۔ دن رات کا تعین سورج کی یومیہ گردش سے ہوتا ہے اور مہینے اور سال کی پہچان چاند سے ہوتی ہے۔ اسلام نے اپنے بیشتر احکام کی بنیاد قمری سال پر رکھی ہے کیونکہ اس کا جاننا ہر ایک کے لیے یکساں طور پر آسان ہے۔ ہلال طلوع ہوتا ہے تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہو گیا۔

سورۃ انعام کی آیت نمبر ۹۶ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

رات اور دن کا متعاقب ہونے والا تسلسل، پھر مناسب مقدار سے ان کا گھٹنا اور بڑھنا، دن میں کسب معاش اور دیگر مشاغل کی ہنگامہ آرائیاں اور رات میں خواب راحت کی خاموشیاں سبھی تو اس کی توحید اور کبریائی کے گیت گا رہی ہیں۔

یہ الفاظ قابل غور ہیں یعنی عام لوگ کائنات کے حسن و جمال کو دیکھتے ہیں اور دنگ رہ جاتے ہیں۔ مختلف اشیاء کے حیران کن اثرات پر آگاہ ہوتے ہیں اور فرط مسرت سے جھوم اٹھتے ہیں۔ اس جہان کی وسعتیں اور قوتیں، بلندیاں اور پستیاں ان کی چشم ہوش کو خیرہ کر دیتی ہیں لیکن ان کی رسائی اس حسن و جمال کے خالق اور ان اثرات کے پیدا کرنے والے تک نہیں ہوتی۔ ان کی نگاہیں ان حجابات میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ معرفت الٰہی کی سعادت سے صرف ان بابرکت اور بلند حوصلہ لوگوں کو نوازا جاتا ہے جو تقویٰ اور پرہیزگاری سے ان حجابات کو تار تار کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جمال حقیقی کی دید سے معرفت کے پیمانے سے عقل و دل کو روشن کرتے ہیں۔ ہمارے سائنسدانوں اور علوم جدیدہ کے طلبہ کو مظاہر فطرت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ اس عالم میں جو رعنائی و زیبائی، جو قوت و تاثیر اور جو خوبی و کمال جہاں کہیں بھی وہ دیکھیں انہیں یہ حقائق بتاتے ہیں کہ وہ کسی اتفاقی حادثہ سے صرف وجود میں نہیں آیا بلکہ ایک قادر و توانا، علیم و حکیم اور مالک عالم پروردگار نے اسے پیدا فرمایا ہے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو مسلمان سائنسدان کو دنیا بھر کے دوسرے سائنسدانوں سے جدا کرتا ہے۔ اس طرح ان کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھے گا، ان کی کامیابی ادھوری اور نا تمام نہیں بلکہ مکمل ہوگی، ان کی ترقی انسانیت کے لیے تباہ کن نہیں بلکہ فلاح انسان کی ضامن ہوگی۔

الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا

وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی اور خوش وخرم ہیں دنیوی زندگی سے اور مطمئن ہو گئے ہیں

بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝۷ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ

اس (کے ساز و سامان) سے اور وہ لوگ جو ہماری آیتوں سے غفلت برتتے ہیں ٢٠ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بسبب ان عملوں کے جو وہ کماتے رہے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے لے پہنچائیگا

يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ

انھیں ان کا رب (منزل مقصود تک) ان کے ایمان کے باعث۔ رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں نعمت

جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۹ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ

(و سرور) کے باغوں میں۔ (جب اہل جنت کو دیکھ کر) ان کی صدا وہاں یہ ہوگی پاک ہے تو اے اللہ ٢٢ اور ان کی دعا یہ ہوگی

اور آج دنیا کو ایسے باکمال اور باہمت علماء کی ضرورت ہے جو انسان کو سلامتی کا راستہ دکھا سکیں۔

٢٠ وہ پست ہمت اور کوتاہ نظر لوگ جن کے دلوں میں محبت الٰہی اور شوق وصل کی کوئی چنگاری دہک نہیں رہی اور وہ کوتاہ نظر جو دنیوی زندگی اور اس کی زیب و زینت پر فریفتہ ہیں اور اس کے آرام و آسائش پر شاداں و فرحاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیلوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا ٹھکانا آتش جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

٢١ دنیا پرستوں کے مقابلہ میں حق پرستوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور اپنی زندگی کے دامن کو اعمال صالحہ کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سے بھر رہے ہیں۔ یھدیھم ربھم بایمانھم کے کلمات طیبات پر ذرا غور فرمائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ ایمان و یقین محکم کا چراغ روشن کر کے کوئی مسافر اپنی منزل کی طرف رواں ہو جائے تو توفیق ربانی ضرور اس کی دستگیری فرمائے گی اور اسے منزل تک پہنچا دے گی۔ کتنی ہی آندھیاں چلیں کیسے ہی طوفان اٹھیں اس کے چراغ ایمان کو بجھنے نہیں دیا جائے گا۔

٢٢ منزل مقصود پر پہنچنے سے جو بے پایاں مسرت اور روحانی خوشی انھیں ہوگی اس کے اظہار کے لیے اس سے بلیغ تر اسلوب بیان کہاں مل سکے گا۔

فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

کہ "سلامتی ہو" اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو بتدریج کمال تک پہنچانے والا ہے

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ

سارے جہانوں کو۔ اور اگر جلدی کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو شر پہنچانے میں جیسے وہ جلدبازی کرتے ہیں بھلائی طلب کرنے میں تو کب کی پوری کردی گئی ہوتی

أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

ان کی میعاد۔ (لیکن یوں نہیں) بلکہ ہم چھوڑے رکھتے ہیں انھیں جو توقع نہیں رکھتے ہماری ملاقات کی تاکہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ۲۴

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا

اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو ۲۵

۲۳؎ انسان کی ایک کمزوری کی اصلاح نہایت حکیمانہ انداز میں فرمائی جارہی ہے۔ اسے بتایا جارہا ہے کہ ایک طرف تمہارے کرتوت ہیں جو فوری گرفت اور مواخذہ کے مستحق ہیں اور دوسری طرف تمہارے مطالبات ہیں جو دنیا بھر کی آسائشوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔ اگر تمہارے مطالبات کے پورا ہونے میں کچھ تاخیر ہو جائے تو تم بڑے بے چین ہو جاتے ہو اور اپنے رب کریم کے شکوے کرنے لگتے ہو۔ تم نے یہ سوچا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے کرتوتوں پر پکڑ لیتا تو تمہارا کیا انجام ہوتا؟ بس یہ معلوم ہوا کہ تمہارے پروردگار کا سلوک تمہارے ساتھ انتقام نہیں بلکہ حیا اور کرم کا ہے۔ اس لیے اگر تمہارے مطالبات اور تمہاری خواہشات کی تکمیل میں دیر ہو گئی ہے تو یقین کرو اس میں بھی تمہاری بہتری ہی مطلوب ہے۔ اس لیے گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہمت و حوصلہ سے کام لیتے ہوئے مردانہ وار آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ اس کی نگاہ کرم چارہ سازی فرمائے گی اور کامیابی تمہارے قدم چومے گی اور گوہر مقصود تمہارے دامن طلب کی زینت بنے گا۔

۲۴؎ گنہگاروں پر فوراً عذاب نازل نہ کرنے اور انہیں مہلت اور ڈھیل دینے میں کبھی تو یہ حکمت ہوتی ہے کہ شاید وہ سنبھل جائیں اور اپنی اصلاح کرلیں۔ اور کبھی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی گندی فطرت خوب آشکارا ہو جائے۔ اور وہ جی بھر کر اپنی کمینہ خصلتوں کا مظاہرہ کرلیں تاکہ جب انہیں عذاب کی چکی میں پیسا جائے تو وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں۔ یہاں منکرین کو مہلت اور ڈھیل دینے کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے۔

۲۵؎ انسان کی ایک اور کمزوری بیان سے متنبہ کیا جارہا ہے کہ جب اسے کوئی تکلیف گھیر لیتی ہے اور مصیبتوں کے منحوس سائے اس پر چھا جاتے ہیں تو اس وقت وہ سراپا نیاز بن کر گڑگڑانے لگتا ہے۔ اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کسی حالت میں ہو التجائیں کرتا ہے دعائیں مانگتا ہے اور منتیں کرتا ہے کہ میرے رب! میری مشکل آسان فرما۔ مجھے اس ہلاکت و بربادی کے شکنجے سے بچالے۔ میں عمر بھر تیرا شکر گزار بندہ بن کر رہوں گا۔ کبھی تیری نافرمانی کا خیال تک بھی دل میں نہیں لاؤں گا۔ لیکن جونہی مصیبت کا بادل چھٹا اور آرام وراحت کی روشنی زندگی کے افق پر طلوع ہوئی

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ

پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف تو چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (رحم کیلئے) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن

اسی طرح آراستہ کر دیے گئے ہیں حد سے بڑھنے والوں کے لیے وہ کرتوت جو وہ کیا کرتے تھے اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا تھا کئی قوموں کو تم سے

قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا

پہلے جب انہوں نے زیادتیاں کی تھیں اور آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر اور وہ ایسے نہ تھے کہ

لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ

ایمان لاتے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرم قوم کو پھر ہم نے بنایا تمہیں

اور حضرت انسان نے سب وعدے فراموش کر دیئے اور نافرمانی اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیا۔

۱۲ لیکن یہ شیوہ ہر انسان کا نہیں بلکہ فقط وہی لوگ اس طرح کیا کرتے ہیں جو اسراف و بے اعتدالی کے عادی ہوں۔ ان کی بگڑی ہوئی فطرت اور مسخ شدہ ذہنیت ان گناہوں میں بھی حسن اور جاذبیت محسوس کرتی ہے جن کرتوت کے باعث وہ گرداب ہلاکت میں پھنسا تھا جس گناہ نے اس کی زندگی کے امن و سکون کو تہ و بالا کر کے چھوڑا تھا اب پھر وہ ادھر ہی چلا جا رہا ہے۔

۱۳ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے وہ کسی عقلمند اور عاقبت اندیش انسان کی روش نہیں۔ اپنے گناہوں پر تمہیں کچھ ندامت نہیں۔ ہر بھلائی اور آرام کو حاصل کرنے کے لیے تم بہت بے چین ہو۔ جب تمہیں کوئی مصیبت گھیر لیتی ہے تو اس وقت تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہو اور بڑی عاجزی سے دعائیں مانگتے ہو جب وہ تم پر رحم فرماتا ہے تو تم اتنے طوطا چشم ہو کہ اسی وقت ادھر سے آنکھیں پھیر لیتے ہو۔ احسان مندی اور شکر گزاری کا کوئی اثر تمہارے قول و فعل میں نظر نہیں آتا۔ یاد رکھو! تم سے پہلے بھی اس قماش کے لوگ گزرے ہیں ہم نے ان کو بھی سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دی انہیں راہ ہدایت دکھانے کے لیے رسول بھیجے۔ لیکن جب وہ سرکشی سے باز نہ آئے تو انہیں عذاب کی چکی میں پیس دیا گیا اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا اب تو آنکھیں کھولو اور نزول عذاب سے پہلے اپنی نجات کا سامان کر لو۔

۱۴ قدرت کے قانون اٹل اور یکساں ہیں۔ جب تک کوئی قوم اپنی افادیت اور نفع رسانی کا ثبوت بہم پہنچاتی رہتی ہے وہ زندہ و سلامت رہتی ہے اور اس کا آفتاب اقبال درخشاں و تاباں رہتا ہے لیکن جب وہ اپنے اقتدار اور طاقت کو لذت کوشی اور عیش طلبی کے لیے وقف کر دیتی ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو بجا لانے میں غفلت برتتی ہے تو سمجھو کہ اس کی موت کی گھڑی آپہنچی۔ اسے راہ سے ہٹا دیا جاتا ہے۔

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاِذَا

جانشین | زمین میں | ان کے بعد | تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو | اور جب

تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

پڑھی جاتی ہیں | ان پر ہماری روشن آیتیں ۲۱ | (تو) کہنے لگتے ہیں | وہ جو توقع نہیں رکھتے ہم سے ملنے کی | کہ لے آئیے

ہے اور دوسری قوم کو آگے بڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی ذخیرہ توانائیوں اور جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علم و فن اور حکمت و دانش کے کارواں کی قیادت سنبھال لے۔ اے مخاطبین! تم بھی ان گزری ہوئی اور بیتی ہوئی قوموں کے جانشین ہو۔ قدرت کی نگاہ ہر وقت تمہاری کارگزاری کی نگرانی کر رہی ہے۔ اگر تم نے راست بازی، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا، نیکی کو فروغ دینے اور بدی کا قلع قمع کرنے میں مستعدی و سرگرمی کی، اپنے مالک و خالق کے سامنے اپنی جبین نیاز کو جھکائے رکھا اور نوع انسانی کی خدمت میں اپنے وسائل اور اپنی قوتوں کو استعمال کرتے رہے تو تمہیں کوئی آنچ نہیں آ سکتی اور اگر تم نے بھی اپنے مقصد سے کوتاہی برتی تو یاد رکھو تمہیں بھی ٹھکرا دیا جائے گا۔ اس حکم پر برصغیر پاک و ہند میں اپنے عروج و زوال کی تاریخ پر نظر ڈالو۔ قدم قدم پر آپ کو اس ارشاد ربانی کی تصدیق کرنے والے شواہد ملیں گے۔ غلامی کی طویل رات کے بعد ہمیں آزادی سے ہمکنار کیا گیا۔ کیا ہم اپنی نفع رسانی اور افادیت کا ثبوت بہم پہنچانے میں کسی کوتاہی کا ارتکاب تو نہیں کر رہے۔ کیا ہماری قوتیں نیکی کو مٹانے اور بدی کو فروغ دینے میں تو صرف نہیں ہو رہیں۔ کیا ہم اداء حق کی بجائے نفس پرستی کا شکار تو نہیں ہو گئے؟ ان سوالات کا جواب ہمیں بڑی حقیقت پسندی سے دینا ہو گا۔ قدرت کے قانون احتساب کے حرکت میں آنے سے پہلے ہمیں خود اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ اسی میں ہماری نجات ہے اور اسی میں ہماری فلاح ہے۔

۲۱ کفار یعنی اہل مکہ کے لوگ تھے۔ جب حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دعوت حق دیتے اور آیات ربانی پڑھ کر سناتے تو کہتے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں تو آپ اپنی نازل ہونے والی کتاب میں ہماری خاطر چند تبدیلیاں کر دیں۔ ایک تو ہمارے بتوں کی جہاں جہاں مذمت کی گئی ہے وہ کتاب سے خارج کر دیں۔ دوسرا شریعت کے وہ احکام جو ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہیں یا ہماری معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں ان کو حذف کر دیں۔ بس آپ اتنا کر دیں ہم سب آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں گے۔ وہ نادان نبوت کی عظمت اور شان امانت کو کیا جانیں۔ وہ رسالت کی ان نازک ذمہ داریوں سے بے خبر تھے جن میں بال برابر رد و بدل بھی ناقابل برداشت ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسانی کلام کی طرح یہاں بھی ترمیم ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہیں کہ ان عقل کے دشمنوں کو صاف صاف بتا دو کہ تمہاری اس خواہش کو پورا کرنا میرے حیطۂ امکان سے خارج ہے۔ قدرت نے مجھے اپنے کلام کا امین بنایا ہے۔ میں اس میں خیانت کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ میرا فرض تو بس اتنا ہے کہ جو کچھ میرا رب حکم فرمائے بلا کم و کاست آگے پہنچا دوں۔ تم سرکشی اور نافرمانی کی جرأت کر سکتے ہو مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ اس کے قہر و غضب کی جو بجلیاں کوند رہی ہیں تمہاری آنکھیں تو شاید نہ دیکھ سکتی ہوں گی لیکن میں تو ان سے چشم پوشی نہیں کر سکتا۔ اگر میں تمہیں خوش کرنے کے لیے کلام الٰہی میں ذرہ بھر بھی تبدیلی کر لوں تو گیا

بِقُرْاٰنٍ غَیْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

دوسرا قرآن اس (قرآن) کے علاوہ یا ردوبدل کر دیجئے اسی میں۔ فرمائیے مجھے اختیار نہیں کہ ردو بدل کر دوں اس میں

تِلْقَآئِ نَفْسِیْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۚ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ

اپنی مرضی سے میں نہیں پیروی کرتا (کسی چیز کی) بجز اسکے جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میں ڈرتا ہوں اگر میں

عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ

اپنے رب کی نافرمانی کروں، بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ فرما دیجئے اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو میں نہ پڑھتا اسے

عَلَیْكُمْ وَ لَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ

تم پر اور نہ ہی وہ آگاہ کرتا تمہیں اس سے۔ میں تو گزار چکا ہوں تمہارے درمیان عمر کا ایک حصہ اس سے پہلے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو افترا باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا الزام یا جھٹلائے

تم میں اتنی ہمت ہے کہ روز حشر خداوند ذوالجلال کے عذاب الیم سے مجھے چھڑا سکو؟

۲۲؎ اے میرے محبوب! انہیں صاف صاف بتا دو کہ یہ کلام میرا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے وحی سے مشرف نہ فرماتا تو میں اُمّی ہوتے ہوئے ایسا کلام معجز نظام کیونکر پیش کر سکتا۔ ذرا سوچو تو میں چالیس سال کا عرصہ دراز تمہارے درمیان گزار چکا ہوں کیا میں نے پہلے بھی ایسی بات کہی تھی۔ جب میری صداقت، میری سچائی، میری دیانت و امانت تمہارے نزدیک بھی ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے تو میری بات کو مان لو کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اس میں کسی قسم کا ردوبدل کرنا میرے بس کی بات نہیں۔

۲۳؎ گناہ کئی طرح طرح کے ہیں۔ کوئی چھوٹا کوئی بڑا لیکن اس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں کہ کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کوئی شخص کسی کلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دے۔ تم میرے دامن کی پاکی اور اخلاق کی بلندی اور سیرت کی پختگی کے عینی شاہد ہو کیا تم باور کر سکتے ہو کہ جو شخص آج تک چھوٹے چھوٹے گناہ سے بھی اپنا دامن بچاتا رہا ہو وہ اچانک ایسے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرے جس سے بڑا اور کوئی گناہ نہیں۔ نیز یہ بھی یاد رکھو کہ جس طرح کسی بات کو ناحق اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ظلم عظیم ہے اسی طرح اس کے نازل فرمائے ہوئے قرآن کا انکار بھی ظلم عظیم ہے۔

كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو۔ بیشک مجرم فلاح نہیں پاتے۔ اور یہ مشرک عبادت کرتے ہیں سوا اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا

سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں یہ (بت) ہمارے سفارشی ہیں

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي

اللہ تعالیٰ کے پاس۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس بات سے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ

۲۱ اگر میں اللہ تعالیٰ کی طرف غلط بات منسوب کروں تو میں مجرم اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی بات کا انکار کرو تو تم مجرم۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی مجرم کامگار و کامران نہیں ہو سکتا۔ اب خود سمجھو کہ فلاح و کامیابی کا تاج کس کے سر پر سجے گا اور ناکامی و نامرادی کی ذلت کس کے منہ پر۔ تمہیں راستباز اور مجرم کے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔

۲۲ قرآن کریم میں تعلیم و اصلاح کا شعور دینے والے شہ پاروں کی دانشمندی کی قلعی کھولی جا رہی ہے کہ ایسے بدھو ہیں کہ مٹی اور پتھر کے بے جان مجسموں کو اپنا معبود و مسجود بنائے ہوئے ہیں اور اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ پتھر کا وہ ٹکڑا جو کل تک زمین پر پڑا ہوا تھا کسی سنگ تراش کے ہتھوڑے کی چند ضربوں سے کیونکر خدائی کی مسند پر براجمان ہو کر ان کا حاجت روا بن گیا۔ یہ بت جو کسی نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے ان کی عبادت کرنا کیا شرف انسانی کی توہین نہیں۔ علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت تو تعظیم و تکریم کا سب سے بلند مقام ہے اور یہ اسی کے لئے زیبا ہے جس کا احسان و انعام تمام احسانات و انعامات سے اعلیٰ و برتر ہو جیسے زندگی، عقل و قدرت اور دنیوی اور اخروی منافع و فوائد یہ سب چیزیں تو اللہ وحدہٗ لاشریک کی عطا فرمودہ ہیں۔ اس لئے اس کے بغیر اور کون ہے جسے خدا بنایا جائے۔ ان العبادة من اعظم انواع التعظيم فهي لا تليق الا لمن صدر عنه اعظم انواع الانعام وذلك ليس الا الحياة والعقل والقدرة ومصالح المعاش والمعاد ولذا كانت المنافع والمضار كلها من الله سبحانه وتعالى وجب ان لا تليق العبادة الا لله تعالى (تفسیر کبیر)

۲۳ ان بتوں کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ان کی شفاعت کریں گے اور انھیں عذاب الٰہی سے بچا لیں گے۔ یہ بھی ان کی نادانی تھی۔ شفیع تو وہ ہوگا جسے بارگاہ رب العزت سے شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت ہوگی۔ ان کو تو شفیع بنایا ہی نہیں گیا۔ ان کی کیا مجال کہ اس بارگاہ عزت و جلال میں زبان تک بھی ہلا سکیں۔

الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١٨﴾ وَمَا كَانَ النَّاسُ

زمین میں ٣٣؎ پاک ہے وہ اور بلند و بالا ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں ٣٤؎ اور نہیں تھے لوگ (ابتدا میں)

إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ

مگر ایک ہی اُمت ٣٥؎ پھر (اپنی کج روی سے) باہم اختلاف کرنے لگے اور اگر ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ

طرف سے تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے ہیں اور کہتے ہیں ٣٦؎ کیوں نہ نازل کی گئی ان پر

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم

کوئی آیت ان کے رب کی طرف سے تو فرمائیے غیب تو صرف اللہ کے لیے ہے پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ

انتظار کرنے والا ہوں اور جب ہم لطف اندوز کرتے ہیں لوگوں کو اپنی رحمت سے ٣٧؎ اس تکلیف کے بعد جو

٣٣؎ بتوں کے متعلق ان کے دونوں عقیدے بیہودہ اور لغو ہیں۔ جب ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تو ان پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ اگر ان کا کوئی وجود ہوتا تو ہو سکتا تھا کہ عالم ارض کو اس کا علم نہ ہو لیکن کوئی چیز جو موجود ہو خواہ وہ کتنی مخفی اور پوشیدہ ہو وہ ہمیں اور ہمارے علم سے تو پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا جب اسے بھی اس کی خبر نہیں تو پھر ان کا سرے سے وجود ہی نہ ہوگا۔ بتوں کی خدائی اور ان کی سفارت کا رد کس بلیغ پیرایہ میں کیا گیا ہے۔

٣٤؎ ان کی ساری یاوہ گوئیوں اور بیہودہ سرائیوں کا رد فرما دیا۔

٣٥؎ چاہیے تو یہ تھا کہ جب انہوں نے حق کو قبول کرنے سے دانستہ انکار کیا اور انسانی وحدت کو کفر و الحاد کے فساد انگیز نظریات کے تعاون سے پارہ پارہ کر دیا تو فوراً انہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جاتا لیکن قدرت الٰہی نرمی، ڈھیل اور مہلت کا طریقہ نہیں بدلتی۔ وہ انسان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے کافی مہلت دیتی ہے اور طرح طرح سے اسے خواب غفلت سے جھنجھوڑتی ہے۔

٣٦؎ وہ نزول عذاب کے لیے بڑی بے تابی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں کہہ دیجیے کہ اس امر کا تعلق مشیت الٰہی سے ہے۔ جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو ان پر عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ اگر تم نے کفر کے اندھیروں میں ہی بھٹکتے رہنے کا ارادہ کر لیا ہے اور حق کو قبول نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے تو پھر وہ وقت ضرور آئے گا تم بھی انتظار

مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِيٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ

انہیں پہنچی تھی ٣٤ تو فوراً وہ مکر و فریب کرنے لگتے ہیں ہماری آیتوں میں ٣٥ فرمائیے اللہ زیادہ تیز ہے مکر و فریب کی سزا دینے میں بیشک

رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ ٱلَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قلمبند کر رہے ہیں جو فریب تم کر رہے ہو وہی ہے جو سیر کراتا ہے تمہیں خشکی میں اور سمندر میں حتیٰ کہ

کرو میں بھی تمہارے ساتھ (ان کا) انتظار کرنے والا ہوں۔

٣٤ یہاں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور بارگاہ الٰہی میں حضور کی قدر و منزلت کی ایک روشن دلیل کی طرف اشارہ کر کے کفار و مشرکین کے عناد و تعصب کو بیان کیا جا رہا ہے کہ اتنی روشن اور واضح دلیل کے بعد بھی وہ اپنی کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے کہ جب کفار کا عناد اور ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں تو حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی اللھم اعنی علیھم بسبع کسبع یوسف۔ اے اللہ ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا سات سالہ قحط مسلط فرما کر میری مدد فرما۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی اور قحط سالی نے اتنی شدت اختیار کی کہ ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ غلہ اور دیگر اشیا نایاب ہو گئیں۔ یہاں تک کہ مکہ والے چمڑے اور مردار کھا کر اپنی شکم پری کرنے پر مجبور ہو گئے جب سخت مجبور ہو گئے اور نجات کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ابوسفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا محمد انک تامر بطاعۃ اللہ وبصلۃ الرحم وان قومک قد ھلکوا فادع اللہ لھم ان یکشف عنھم فدعا (مظہری بحوالہ بخاری) اے محمد! آپ اطاعت الٰہی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور آپ کی قوم قحط سالی کے باعث ہلاک و برباد ہو چکی ہے۔ اپنے رب سے التجا کرو کہ وہ ہماری اس تکلیف کو دور فرمائے تو حضور نے بارگاہِ رب العزت میں دست دعا دراز فرمایا۔ پھر کیا تھا موسلادھار بارش برسی ہر طرف جل تھل ہو گیا۔ مردہ زمین میں زندگی اور شادابی لوٹ آئی اور شدید خشک سالی خوشحالی میں بدل گئی۔ انہوں نے دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی برکت سے ان پر رحم و کرم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ حضور کے دامن رحمت کو مضبوطی سے تھام لیتے اور جس دین برحق کی طرف حضور بلا رہے تھے اس کو بصد خوشی قبول کر لیتے۔ لیکن ان کی اسلام دشمنی اور مسلم آزاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ بلکہ ان ظالموں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ہمارے بتوں کی کرپا ہے یا فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے بارش برسی ہے۔ ان کے اس رویہ کو اذا لھم مکر فی آیاتنا کے کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

٣٥ اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف بڑی مہارت اور چابک دستی سے مکر و فریب کے جو جال وہ بن رہے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں پارہ پارہ کر دیا۔ چند سال ہی نہ گزرنے پائے تھے کہ ان کے مشرکانہ عقائد کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ ان کے بڑے بڑے بتوں کو ان کے اپنے پجاریوں نے ہی ریزہ ریزہ کر دیا۔ وہی جو اسلام کے چراغ کو بجھانے کے لیے سارے جتن کر رہے تھے وہی چراغ حق کے پروانے بن گئے۔ لفظ مکر کی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ٥٤ کا حاشیہ ضیاء القرآن)

حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا

یہاں تک کہ جب تم سوار ہوتے ہو کشتیوں میں ٤٢ اور وہ چلنے لگتی ہیں مسافروں کو لے کر موافق ہوا کی وجہ سے اور وہ مسرور ہوتے ہیں

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا

اس سے تو آپہنچتا ہے کشتی پر طوفانی تند و تیز ہوا اور آ لیتی ہیں انھیں موجیں ہر جگہ (اطراف) سے اور وہ خیال کرنے

٤١ یعنی تم نبی مکرم اور اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہو رات کی تاریکی میں سنسان گوشوں میں بیٹھ کر میرے محبوب کو اذیت پہنچانے کی سکیمیں تم بناتے ہو اور دل ہی دل میں یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ کارروائی ایک سربستہ راز ہے جس کو کوئی نہیں جانتا۔ نادانو! کس سے چھپا رہے ہو اللہ تعالیٰ سے! اس کے تو مقرر کیے ہوئے فرشتے تمہارے دائیں بائیں بیٹھے تمہاری زبان پر آنے والی ہر بات اور تم سے سرزد ہونے والی ہر حرکت کو تمہارے نامۂ عمل میں لکھ رہے ہیں جب وہ دفتر روزِ محشر کھولا جائے گا تو اس وقت کہاں منہ چھپاؤ گے؟

٤٢ یہاں اپنی قدرت اور رحمت کی ایک اور نشانی ہو بیٹھے ایک خاص انعام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو اس نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے لیے سواریوں کا انتظام فرما دیا ہے جن کے ذریعہ تم لمبی مسافتوں کو آسانی سے طے کر سکتے ہو۔ اگر یہ تیز رفتار سواریاں نہ ہوتیں تو تم بحر و بر کی ان وسعتوں میں ہی کھو کر رہ جاتے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچنے میں عمریں صرف ہو جاتیں۔ بھلا تم سمندر کے گہرے اور بیکراں پانی کو عبور کر سکتے تھے؟ یہ سب اس کی عنایت اور اس کا کرم ہے کہ اس نے ایسی سواریوں کا بندوبست فرما دیا جو تمہیں اپنے کندھوں پر اٹھائے بڑی برق رفتاری سے کھلے میدانوں، دشوار پہاڑی رستوں، گھنے جنگلوں، ریگستانوں، دریاؤں اور فضاؤں میں دوڑتی پھرتی ہیں۔ غور کرو اگر آمد و رفت کی یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو علم و فن کی یہ ترقی، تجارت و صنعت کی یہ گہما گہمی اور تہذیب و تمدن کی یہ بہار معرضِ وجود میں آسکتی؟ ہرگز نہیں۔ پھر تم اس کا شکر کیوں نہیں بجا لاتے؟

٤٣ جب مصیبتوں کے سیاہ بادل گھر کر آ جاتے ہیں، جب قہر و اندوہ کا اندھیرا پھیل جاتا ہے، جب سارے مصنوعی سہارے ٹوٹ جاتے ہیں، جب تمام دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، جب دل کی کشتی یاس و ناامیدی کے طوفان میں ڈوبنے لگتی ہے اس وقت انسان کی آنکھیں کھلتی ہیں اور ایک ایسی ہستی کا یقین آنے لگتا ہے جس کو ماننے سے آج تک وہ انکار کرتا رہا تھا۔ اس کے دامنِ رحمت میں سر چھپانے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا جس کی وہ اب تک نافرمانی کرتا رہا تھا۔ اس وقت انسان تمام جھوٹے باطل سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس سے گڑگڑا کر اپنی فلاح و نجات کے لیے سوال کرتا ہے اور منت سماجت کرتا ہے کہ الٰہی صرف ایک دفعہ تو مجھے اس گردابِ ہلاکت سے بچا لے، پھر تیری چوکھٹ سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔ اگر ایک مرتبہ تو نے میری بیچارگی پر ترس کھایا تو دمِ واپسیں تک تیری حمد و ثنا کے گیت گاتا رہوں گا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے فضلِ خاص سے اس کو نوازتا ہے اس کی امیدوں کے ڈوبتے ہوئے سفینے کو ساحلِ مراد تک پہنچا دیتا ہے تو وہ پھر کفر و شرک کرنے لگتا ہے۔ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ اس نے کس کریم کو اس نازک وقت میں پکارا تھا اور مصیبت کی ان گھڑیوں میں اس سے کیا وعدہ کیا تھا۔

أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا

گئے ہیں کہ انہیں گھیر لیا گیا (تو اس وقت) پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص اسی کی عبادت کرتے ہوئے کہتے ہیں (اے کریم!) اگر تو نے

مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٢٢﴾ فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ

بچالیا ہمیں اس (طوفان) سے تو ہم ضرور ہو جائیں گے تیرے شکر گزار (بندوں) سے۔ پھر جب بچا لیتا ہے انہیں تو وہ سرکشی کرنے لگتے ہیں

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ ۖ مَتَاعَ

زمین میں ناحق اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا (چند روزہ) لطف اٹھا لو

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

دنیوی زندگی سے پھر ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے تمہیں پس ہم آگاہ کریں گے تمہیں جو کچھ تم کیا کرتے تھے

ملکہ علامہ رازی نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ کسی نے آپ سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلیل طلب کی آپ نے دریافت فرمایا تم کیا کرتے ہو۔ اس نے عرض کی میرا پیشہ سمندری تجارت ہے۔ آپ نے اس سے اپنے بحری سفر کا کوئی واقعہ سنانے کی فرمائش کی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ طوفان آیا اور میری کشتی ٹوٹ گئی۔ مجھے ایک تختہ مل گیا میں اس کے سہارے سمندر میں تیرنے لگا۔ اچانک تیز آندھی چلنے لگی۔ آپ نے جھٹ اس سے پوچھا کیا جب تمہاری کشتی ٹوٹ چکی تھی اور تمہارا تختہ بھی بے قابو موجوں کے رحم وکرم پر تھا کیا اس وقت تمہارے دل میں کسی برتر ہستی کے حضور میں عجز و نیاز کے جذبات پیدا ہوئے تھے۔ اس نے جواب دیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا فالهك هو الذي تعرضت اليه في ذلك الوقت : وہی تیرا معبود اور خدا ہے کہ مصیبت کی گھڑی میں تمہارے دل میں نیازمندی اور عاجزی کے جذبات پیدا ہوئے تھے (رازی)۔ علامہ قرطبی نے یہاں بڑے نکتہ کی بات رقم فرمائی ہے کہ نفسیات انسانی کے اس تجربہ سے معلوم ہوا کہ یہ چیز انسانی فطرت میں رکھ دی گئی ہے کہ جب تکالیف کے عجیب سلسلے اسے گھیر لیتے ہیں تو اس کے دل میں اس وقت صرف اپنے رب حقیقی کا ہی خیال پیدا ہوتا ہے اور اسی کے دامن رحمت میں پناہ کی امید بندھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر مضطر اور پریشان حال کی التجا قبول فرماتا ہے خواہ وہ کافر ہی ہو کیونکہ اس وقت جھوٹے سہارے ختم ہو چکے ہیں اور صرف اسی (اللہ تعالیٰ) کی رحمت کا سہارا باقی رہ جاتا ہے۔ وفی هذا دليل على ان الخلق جبلوا على الرجوع الى الله في الشدائد وان المضطر يجاب دعاءه وان كان كافرا لانقطاع الاسباب ورجوعه الى الواحد رب الارباب (قرطبی)

ھلہ ان کی اس طرح شرارت اور بیہودہ سرکشی سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی میں کوئی فرق نہیں آسکے گا اور اسلام کی ترقی میں کوئی رکاوٹ

بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

کل۔ یونہی ہم وضاحت سے بیان کرتے ہیں (اپنی قدرت کی) نشانیوں کو اس قوم کیلئے جو غور و فکر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ بلاتا ہے

اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ لِلَّذِيْنَ

(آپنی) سلامتی کے گھر کی طرف اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف۔ ان کے لیے جنھوں

اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ

نے نیک عمل کیے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور نہ چھائے گی ان کے چہروں پر (رسوائی کی) غبار اور نہ ذلت (کا اثر ہوگا)

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ

یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنھوں نے برے کام کیے

وہاں کبھی نور و نکہت کے سمندر موجزن تھے جہاں آج وحشت و دہشت کا عفریت چنگھاڑ رہا ہے وہاں کبھی بہاریں اٹکھیلیاں کیا کرتی تھیں۔

یعنی عروج و زوال کے ان گزشتہ واقعات کو بیان کرنے کا مقصد داستان سرائی نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اہل علم و فکر ان اسباب کا سراغ لگائیں جن کی وجہ سے یہ آباد شہر اور پر رونق بستیاں اجڑ گئیں اور خوشحال قومیں برباد ہو گئیں تاکہ وہ ان غلطیوں کا ارتکاب کرنے سے بچیں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں فانی دنیا اور اس کی ناپائیدار لذتوں میں کھو جانے سے اس لیے روکتا ہے کہ تم کہیں ہوا و ہوس کی زنجیروں میں مقید ہو کر نہ رہ جاؤ۔ نفس و شیطان کے فریب میں پھنس کر اپنے حقیقی مقاصد سے بے خبر ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس راہ پر چلنے کی دعوت دیتا ہے جس پر چل کر تم اپنی منزل پا سکتے ہو۔ تمہاری روح سکون آشنا ہوگی اور تم قرب الٰہی کی سعادت سے بہرہ اندوز کیے جاؤ گے۔

اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اطاعت گزار اور فرمانبردار بندوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوگا کہ جتنی انھوں نے نیکیاں کی ہیں ناپ تول کر ان کے برابر ان کو اجر و ثواب دیا جائے گا اور بس بلکہ اجر کے علاوہ انھیں مزید انعامات اور احسانات سے بھی نوازا جائے گا۔ جن کا اندازہ آج کسی پیمانے سے نہیں لگایا جا سکتا۔

لیکن بدکاروں کو سزا ان کے جرم سے زیادہ نہیں دی جائے گی۔ جتنا جرم ہے اتنی ہی سزا۔ نیک عمل کے ساتھ معاملہ کرنے میں جود و عطا کو ملحوظ رکھا جائے گا اور بدکاروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں عدل و انصاف کو پیش نظر رکھا جائے گا۔

جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

تو برائی کی سزا اس جیسی ہوگی۔ اور چھا رہی ہوگی ان پر ذلت۔ نہیں ہوگا ان کے لیے اللہ (کے غضب) سے

عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

کوئی بچانے والا۔ گویا ڈھانپ دیئے گئے ہیں ان کے چہرے کالی رات کے کئی ٹکڑوں سے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ

وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور (ذرا) ان کی پشیمانی کا تصور کرو جس دن ہم جمع کریں گے

نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ

ان سب کو (میدان حشر میں) پھر ہم کہیں گے مشرکوں کو ٹھہرو اپنی اپنی جگہ پر تم اور تمہارے (خود ساختہ) شریک پھر ہم منقطع کر دیں گے ان کے باہمی تعلقات

وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا

اور کہیں گے ان کے شریک (اے مشرکو!) تم ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے پس کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہمارے درمیان

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا

اور تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے وہاں آزمائے گا

لے ان آیات میں کفار و مشرکین کو میدان حشر میں پیش آنے والے واقعات سنا کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ آج تمہیں ہمارا رسول دلائل پیش کر کے اور معجزات دکھا کر دعوت توحید دے رہا ہے لیکن تم پروا نہیں کرتے اور اپنے ان مٹی اور پتھر کے بتوں کو پوجتے چلے جا رہے ہو۔ یاد رکھو قیامت کا دن آنے والا ہے۔ اس روز تمہارے یہ معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے۔ بلکہ وہ تم سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کریں گے اس وقت تم فرط ندامت سے ہونٹ کاٹو گے لیکن بے سود۔ کل کی پشیمانی اور رسوائی سے بچنا چاہتے ہو تو آج میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت قبول کر لو ان کا دامن کرم تھام لو اور ان کی پیروی کو اپنا شعار بناؤ۔

كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُم

ہر شخص جو اس نے آگے بھیجا تھا اور لوٹا دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے اور گم ہو جائیں گے ان سے

مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن

جو وہ افترا باندھا کرتے تھے آپ پوچھیے کون رزق دیتا ہے تمہیں ۳۸ آسمان اور زمین سے یا کون

يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ

مالک ہے کان اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور کون نکالتا ہے

الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ

مردہ کو زندہ سے اور کون ہے جو انتظام فرماتا ہے ہر کام کا؟ تو وہ جھٹ کہیں گے اللہ! پس آپ کہیے

۳۸۔ مشرکین کی ذہنی پستی اور فکری انحطاط اور گراوٹ کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جھوٹے خداؤں کی خدائی پر ایسی کاری ضرب لگائی جا رہی ہے جس کا جواب ان کے پرستاروں کے پاس بھی نہیں۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ بتوں کو اپنا خدا ماننے والو! ذرا یہ بتاؤ قسم قسم کے اناج، رنگ برنگ پھل اور طرح طرح کی سبزیاں کس نے پیدا کی ہیں۔ یہ سینکڑوں قسم کے جانور جن کا تم گوشت کھاتے ہو کس کی پیداوار ہیں۔ تم تو زمین میں ہل چلا کر بیج ہی ڈال آتے ہو۔ اس کے بعد جو ابر رحمت برس کر انہیں سیراب کرتا ہے، چاند کی ٹھنڈی ٹھنڈی دودھیا کرنیں اور سورج کی گرم گرم سنہری شعاعیں جو اس ننھے سے بیج سے ایک درخت نکالتی ہیں پھر رنگ و بو سے نوازتی ہیں۔ اس میں ذائقہ کا رس گھولتی ہیں۔ یہ ہوائیں جو نر اور مادہ کے شگوفوں میں عمل تلقیح (POLLINATION) انجام دیتی ہیں۔ ذرا انصاف سے بتاؤ آفرینش اور نشوونما کے اس عمل (PROCESS) کی طویل زنجیر میں کوئی ایک بھی ایسی کڑی ہے جس کی نسبت تمہارے ان بتوں کی طرف کی جا سکتی ہو؟ پھر دیکھو! تمہیں آنکھ اور کان کس نے بخشے ہیں۔ ان میں دیکھنے اور سننے کی قوت کس نے رکھی ہے۔ تم اس نازک اور پیچیدہ مشینری کو دیکھو کس حکمت اور مہارت سے بنائی گئی ہے۔ ذرا سوچ کر بتاؤ کہ یہ کارنامہ تمہارے معبودوں نے سرانجام دیا ہے؟ اور سوچو زندگی اور موت دو متضاد قوتیں ہیں، چشم حقیقت آشنا کھول کر دیکھو اور بتاؤ کس کی قدرت ایک مردہ چیز نطفہ اور انڈے سے زندگی کے چشمے جاری کرتی ہے اور کس طرح زندگی کے شکم سے مردہ اشیاء پیدا کرتی ہے۔ کیا اس میں تمہارے بتوں کا کوئی دخل ہے؟ آخر میں یہ بلا مبالغہ فرما کر بتا دیا کہ یہ چند چیزیں تو بطور مثال ذکر کی گئی ہیں ورنہ اس کارخانہ ہستی کی جس چیز کی طرف تم دیکھو گے وہاں اسی کی قدرت، حکمت اور علم کامل کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔ جزئیات سبب اور مسبب، علت اور معلول، اصول اور ان کے باہمی تعلق کا یہ نظم محکم تمام ہے جو سوچنے والے انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے۔ اب بتاؤ کہ آسمان کی بلندیاں اور زمین کی پہنائیاں

أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣١﴾ فَذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا

(جب یہ حقیقت ہے) تو تم (شرک سے) کیوں نہیں بچتے۔ پس یہ ہے اللہ تعالیٰ جو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پس حق کے بعد کیا ہے بجز

الضَّلَالُ ۖ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى

گمراہی کے۔ پھر تمہیں (حق سے) کدھر پھیرا جا رہا ہے؟ یونہی ثابت ہو چکی ہے آپ کے رب کی بات ان پر جو

موسموں کی لہلہاتیاں اور ستاروں کی جگمگاہٹیں، انسانی اور دیگر حیوانی افزائش نسل کے قواعد، یہ گنگناتی ہوائیں اور لہلہاتے ہوئے کھیت کس نے پیدا فرمائے ہیں۔ کیا تم میں یہ کہنے کی جرأت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور ان کا خالق ہے؟ ہرگز نہیں۔ جب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے تو پھر تم اس کے سوا کسی چیز کو الٰہ اور معبود کیوں مانتے ہو۔ اس کے بغیر کسی اور کو اپنا مسجود کیوں جانتے ہو۔ کیا تمہیں اپنے ہولناک انجام کا کوئی ڈر نہیں۔

جو ذات ان صفات کمال سے متصف ہے جو ان خوبیوں کی مالک ہے وہی تو خدائے برحق ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کو اپنا خدا اور معبود بناؤ گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ ذرا غور تو کرو کہاں ظن و تخمین کے ریگزاروں اور وہم و گمان کے ویرانوں میں مارے مارے پھر رہے ہو۔

اس آیت کے ضمن میں علماء کرام نے شطرنج وغیرہ کے بارے میں تحریر کیا ہے اور ابوبکر ابن العربی الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں غنا کے متعلق بڑی محققانہ بحث کی ہے۔ انہیں کی عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

واما الغناء فانه من اللهو المهيج للقلوب عند اكثر العلماء منهم مالك بن انس وليس في القرآن ولا في السنة دليل على تحريمه اما في الحديث الصحيح اباحته وهو الحديث ان ابابكر دخل على عائشة وعندها جاريتان من جواري الانصار تغنيان بما تقاولت الانصار به يوم بعاث فقال ابوبكر امزمار الشيطان في بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم دعهما يا ابابكر فانه يوم عيد. فلم يكن الغناء محرما لما كان في بيت رسول الله ولقد انكر ابوبكر بظاهر الحال فاقره النبي صلى الله عليه وسلم بفضل الرخصة والرفق بالخليقة في اجمام القلوب اذ ليس جميعها يحمل الجد دائما وتعليل النبي صلى الله عليه وسلم بانه يوم عيد يدل على كراهية دوامه ورخصته في الاسباب كالعيد والعرس وقدوم غائب ونحو ذلك من المجتمعات التي تؤلف بين المفترقين والمفترقات عادة وكل حديث يروى في التحريم وآية تتلى فيه فانه باطل سندا باطل معتقدا خبرا وتاويلا۔

(احکام القرآن جزء اول، لابی بکر ابن العربی)

ترجمہ: اکثر علماء کے نزدیک جن میں حضرت امام مالک بھی ہیں غنا ایک ایسا لہو ہے جو دلوں میں ہیجان پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن و سنت میں اس کی حرمت پر کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس صحیح حدیث سے اس کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ایک روز حضرت عائشہ کے ہاں تشریف لے گئے ان کے پاس انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں جو انصار نے جنگ

الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ

فسق و فجور کرتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے (اے حبیب) آپ پوچھیے کیا تمہارے معبودوں میں کوئی ہے

مَنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

جو آغاز آفرینش بھی کرے پھر (فنا کے بعد) اسے لوٹا بھی دے؟ ٥٣ آپ ہی فرمایئے اللہ ہی آفرینش کی ابتدا بھی کرتا ہے اور فنا کے بعد

باشے کے بارے میں کہنے لگے حضرت صدیق نے (غصہ سے) فرمایا حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا کاشانۂ اقدس اور اس میں شیطان کے آلات۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ سنا تو فرمایا اے ابوبکر انہیں گانے دو۔ کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ اگر غنا حرام ہوتا تو اس کا گھر حضور کے گھر کیونکر ہوتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے تو اسے بند کرانا چاہا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رخصت دی اور لوگوں سے ترشی فرمائی تاکہ وہ اس سے اپنے دلوں کو بہلا سکیں۔ کیونکہ ہر شخص ہر وقت ایسے زہد اور ایسی پابندی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ حضور کے اس ارشاد سے کہ آج عید کا دن ہے انہیں گانے سے نہ روکو' یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وقت غنا سننا مکروہ ہے بلکہ خاص خاص تقریبات مثلاً عید، شادی، کسی مسافر کی واپسی وغیرہ مواقع پر اس کی رخصت ہے اور غنا کی حرمت پر جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں وہ سند کے اعتبار سے یا معنی کے اعتبار سے قابل التفات نہیں ہیں۔"

٥٣ تم سے پہلے جن کوتاہ اندیشوں اور بدنصیبوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا اور فرمانبرداری اور تقویٰ کے بجائے فسق و فجور کو اپنا شعار بنایا۔ ہم نے ان سے ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت سلب کر لی اور ان کی آنکھوں کو نور حق دیکھنے کی قوت سے محروم کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری ان مسلسل نافرمانیوں اور پیہم گستاخیوں کے باعث تم سے بھی حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی استعداد چھین لی جائے اور تم باطل کے گھپ اندھیروں میں ہی ٹکریں مارتے مارتے دم توڑ دو۔

٥٤ حق اور باطل خداؤں کے پجاریوں سے ایک اور سوال پوچھا جا رہا ہے کہ بتاؤ اس عالم ہست و بود کو پیدا کس نے کیا اور قیامت کے روز کون انہیں دوبارہ زندہ کر کے میدان حشر میں لا کھڑا کرے گا؟ کیا تمہارے یہ جھوٹے خدا ان میں سے کسی بات پر قادر ہیں؟ کیا آسمان کا شامیانہ انہوں نے تانا ہے؟ چمکتے ہوئے دمکتے ہوئے ان گنت تارے انہوں نے اس کی بساط پر ٹانکے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ان بتوں کے گھڑے جانے سے لاکھوں سال پہلے موجود تھا۔ پھر یہ ان کی پیداوار کیسے ہوئے۔ کیا پیدا کرنے والا پیدا کی جانے والی چیز سے خود بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ زمین کا فرش انہوں نے بچھایا ہے۔ کیا اس پر فلک بوس پہاڑ انہوں نے کھڑے کیے ہیں۔ کیا پانی اور خشکی کی آفرینش میں ان کا کوئی حصہ ہے۔ ہرگز نہیں۔ تو پھر یہ بت کائنات کے خالق کیونکر ہو گئے۔ تو جب اس حسین اور پرعظمت جہان کو پیدا کرنے پر وہ قادر ہے تو اسے دوبارہ زندہ کرنے کی بھی وہ قدرت رکھتا ہے اور تمہارے یہ معبود جن کو تم خدا مانتے ہو اور خدا مان کر ان کی پوجا کرتے ہو یہ جب خلق و بعث دونوں میں سے کسی پر قادر نہیں تو پھر خالق حقیقی اور خدائے برحق کے سوا کسی کو خدا کیوں مانا جائے! اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کیوں کی جائے؟ کیونکہ سوال قیامت سے بھی ہو رہا

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝٣٤ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ

کیسے (تمہارا بھی ہے سیدھی راہ سے) بہکائے جا رہے ہو۔ آپ پوچھئے کیا تمہارے معبودوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کر سکتا ہے ؟

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ

(خود ہی جواب) فرمائیے اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی فرماتا ہے تو کیا جو راہ دکھائے حق کی وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے

اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝٣٥

یا وہ جو خود ہی راہ نہ پائے مگر یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ (ارے مشرکو) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے غلط فیصلے کرتے ہو۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ

اور نہیں پیروی کرتے ان میں سے اکثر مگر محض وہم و گمان کی بلاشبہ وہم و گمان بے نیاز نہیں کر سکتا حق سے ذرہ بھر۔ ث

ہے اور قیامت کے وہ قائل نہ تھے اس لیے جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا۔ قل اللہ۔

ث چلو یہ تو تم نے بھی مان لیا کہ تمہارے ان معبودوں کا تخلیق کائنات اور احوال کائنات میں کوئی عمل دخل نہیں بھلا یہ بتاؤ کیا ان کے پاس کوئی پیغام ہدایت ہے جس کی روشنی تمہاری زندگی کی شاہراہ کو جگمگا دے اور تم ٹھوکریں کھانے سے بچ جاؤ کیا ان کے پاس کوئی ایسا منشور ہے جو تمہاری انفرادی اور اجتماعی ترقی کا ضامن ہو کیا ان کے پاس کوئی ایسا ضابطہ اخلاق ہے جو تمہارے اعمال میں اخلاص اور کردار میں نکھار پیدا کر دے اور تمہاری تمدنی اور معاشرتی سرگرمیوں کو عدل و انصاف کا آئینہ دار بنا دے۔ جب اس معاملہ میں بھی وہ صفر ہیں تو پھر ان کو خدا سمجھنا اور ان کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ خدا کی ذات تو وہ ہے جو رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ ہدایت کا نور جس رنگ اور جس صورت میں بھی جلوہ فرما ہے وہ اس کی عنایت ہے۔ وہی حق و صداقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وہی حق و باطل میں تمیز کرنے والی فہم و دانش دیتا ہے۔ وہی اپنے جلیل القدر انبیاء مبعوث فرما کر دعوت حق دیتا ہے اور روشن معجزات سے حق کو واضح کرتا ہے۔ اور وہی حق کو قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرماتا ہے اس لیے وہی سب کا خدا اور وہی سب کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں جسے خدا بنایا جا سکے۔ قل اللہ یھدی للحق: ای بنصب الدلائل وارسال الرسل و التوفیق للنظر الصحیح وخلق الھدایۃ۔

ث لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ صاحب تاج العروس نے لفظ ظن کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے: وفی البصائر وقد ورد الظن فی القرآن مجملا علی اربعۃ اوجہ بمعنی الیقین وبمعنی الشک وبمعنی التھمۃ وبمعنی الحسبان۔

إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ

بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۳۶ | اور نہیں ہے | یہ | قرآن | تشاہ | کر

ترجمہ :- بصائر ذوالتعیر لغت کی ایک معتبر کتاب ہے ہیں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ ظن چار معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور وہ معانی یہ ہیں :-
یقین، شک، تہمت اور وہم و گمان۔

اس آیت میں ظن کا لفظ اپنے آخری معنی حسبان یعنی وہم و گمان ہی میں مستعمل ہوا ہے۔ امام زمخشری نے لکھا ہے الظن : الوہم والخیال یعنی یہاں ظن کا معنی وہم و گمان ہے منکرین حدیث نے اس لفظ سے بڑا غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔ وہ بڑی شدومد سے کہتے ہیں کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ خبر واحد (حدیث کی ایک قسم) سے ظن حاصل ہوتا ہے اور ظن کے اتباع سے قرآن نے سختی سے منع کیا ہے اور اسے کفار و مشرکین کا شیوہ بتایا ہے کہ وہ ظن کی پیروی کرتے تھے پس قرآن کی ان تصریحات سے صاف صاف معلوم ہوا کہ ظن کا اتباع جائز نہیں اور خبر واحد کیونکہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اس لیے اس کا اتباع قرآن کا منشا قطعاً کے خلاف ہے۔ اس لیے وہ احادیث جو خبر واحد ہیں اور بیشتر وہ احادیث جن سے احکام مستنبط ہوتے ہیں وہ خبر واحد ہیں اس لیے وہ ساقط الاعتبار ہوں گی اور واجب العمل نہ ہوں گی۔

اس لیے جاننا چاہیے کہ علماء اصول نے ظن کو ایک مخصوص معنی میں استعمال کیا ہے اور قرآن نے جس ظن کے اتباع سے روکا ہے وہ ظن کا چوتھا معنی ہے۔ اس لیے ہم جس ظن کی پیروی کرتے ہیں وہ اور ہے۔ ہر جگہ ظن کا ایک معنی مراد لینا قرآن کریم کے ساتھ بے انصافی اور عربی لغت کے ساتھ ظلم عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ایسی غلط فہمیوں سے بچائے جو شریعت کی بنیادوں کو متزلزل کرنے کا باعث ہوں (اس کی مزید تفصیل کے لیے احقر کی تالیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صفحات ۱۸۶ تا ۲۰۰ ملاحظہ ہوں)

۳۶ یہاں انہیں سرزنش کی جارہی ہے کہ یہ مت سمجھو کہ تمہاری کارستانیوں کی کسی کو خبر نہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو اس پر کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ خوب کان کھول کر سن لو کہ تمہاری ہر حرکت پر علیم و خبیر خدا آگاہ ہے اور وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پوری پوری سزا دے گا۔ وعيد على الاعراض عن الحجج العقلية والنقلية اتباعا للظن والتقليد۔ (مظہری)

۳۷ حقیقت توحید کے بعد جس چیز پر انہیں زیادہ اعتراض تھا وہ یہ تھی کہ قرآن مجید جو حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں پڑھ کر سناتے ہیں وہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ یہ ان کے فہم و ادراک سے بالاتر تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بندے پر کوئی کلام نازل ہوتا ہے۔ اس ہٹ دھرمی کے باوجود قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت سے انہیں انکار نہ تھا بلکہ دل ہی دل میں وہ اس سے حد درجہ متاثر اور مرعوب تھے۔ قرآن کی اس حیرت انگیز تاثیر کی کیا وجہ ہے؟ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا کبھی وہ اسے جادو کہتے، کبھی حضور پر الزام لگاتے کہ انہوں نے خود گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی ہے تاکہ لوگ ان کے معتقد بن جائیں۔ کبھی کہتے

يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

گھڑ لیا گیا ہو اللہ تعالیٰ (کی وحی) کے بغیر بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٣٧ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

اور الکتاب کی تفصیل ہے ذرا شک نہیں اس میں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے (اتری) ہے کیا یہ (کفار) کہتے ہیں کہ اس (نبی)

افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ

نے خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے پھر تم بھی لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور (مدد کے لیے) بلا لو جن کو تم بلا سکتے ہو

دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٣٨ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اگر تم (اپنے الزام میں) سچے ہو بلکہ انھوں نے جھٹلایا اس چیز کو جسے وہ پوری طرح نہ

کہ نہیں خود تو نہیں گھڑ کیونکہ آتی ہیں لیکن فلاں آدمی ان کو سکھاتا ہے۔ ایک مجرم کی طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے ہر قسم کی جھوٹی تاویلیں اور حیلہ سازیاں کرتے لیکن قرآن کا دل ہلا دینے والا اسلوب انھیں کسی موقف پر جمنے نہ دیتا۔ اس لیے انھیں بار بار اپنا پینترا بدلنا پڑتا۔ یہاں بھی ان کے ایک الزام کا جواب دیا جا رہا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کو انسان نے گھڑا ہے اور ناحق اس کی نسبت ذات خداوندی کی طرف کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ذرا سوچو اور انصاف سے بتاؤ کہ قرآن حکیم کے ان پاکیزہ اور پیارے پیارے کلمات کے نازک آبگینوں میں حقائق و معارف کی جو شراب طہور چھلک رہی ہے۔ اس کی آیات میں رشد و ہدایت کا جو نور چمک رہا ہے کیا یہ کسی انسان کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب تو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان علوم کا آئینہ ہے جو لوح محفوظ میں مرقوم ہیں۔ کیا عقل اجازت دیتی ہے کہ ایسی کتاب کو افترا و بہتان کہا جائے۔

یہاں ان کو چیلنج دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے اور ناحق اس کی نسبت خداوند تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے تم بھی بڑے زبان آور، فصیح البیان، قادر الکلام شعرا و خطبا ہو۔ اس قسم کی ایک سورت تو بنا کر پیش کرو۔ اور اگر تم اکیلے اکیلے ایک سورت نہیں بنا سکتے تو اور جن جن کو چاہو بلا لو۔ سر جوڑ کر بیٹھو۔ پورے غور و فکر اور باہمی صلاح و مشورے سے ایک سورت اس جیسی بنا دو لیکن انھیں سانپ سونگھ گیا اور انھیں ہمت نہ ہوئی کہ کوئی جواب دے سکیں۔ قرآن کریم کا یہ چیلنج آج بھی موجود ہے اور دشمنان اسلام کو للکار للکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم اس کے مقابلہ میں زیادہ نہیں تو ایک سورت ہی پیش کر دو۔

یعنی قرآن کریم کے متعلق ان کا یہ معاندانہ رویہ اور اس کو کلام الٰہی ماننے سے انکار کسی تحقیق و تفحص اور غور و فکر کا نتیجہ نہیں کہ انھوں

بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جان سکے اور نہیں آیا ان کے پاس ابھی ان کا انجام ۳۲ اسی طرح جھٹلایا انھوں نے جو ان سے پہلے تھے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ

پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ظالموں کا ۳۳ اور ان میں سے کچھ ایمان لائیں گے اس پر

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِنْ

اور ان میں سے کچھ ایمان نہیں لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے مفسدوں کو اور اگر وہ

نے قرآن کو پڑھا ہو اس میں غور و فکر کیا ہو اس کو عقل سلیم کے میزان میں تولا ہو اور پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہوں کہ اس میں فلاں فلاں عیوب اور خامیاں موجود ہیں اس لیے یہ کلام الٰہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کے معارف پر آگاہی ہی حاصل نہیں کی۔ انھوں نے علم و دانش کے اس بحر بیکراں میں غوطہ ہی نہیں لگایا۔ اور اس میں غور و فکر کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔ اگر وہ اس میں غور و فکر کرتے اور اگر وہ قرآن کے آئینہ میں منعکس ہونے والے حسن حقیقی کا ایک جلوہ بھی دیکھ لیتے تو ہزار جان سے اس پر قربان ہو جاتے۔

۳۲ اس انکار کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن نے نیکوں کے لیے جس اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے اور نافرمانوں کو جس عذاب الیم کی دھمکی دی اور مستقبل میں رونما ہونے والے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ ابھی تک پردۂ غیب میں مستور ہیں۔ ابھی ان کا وقوع نہیں ہوا۔ وہ ان وعدوں وعیدوں اور پیشگوئیوں کو خالی دھمکیاں ہی تصور کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ظہور کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہوا ہے۔ اس سے پہلے انہیں سوچنے اور حق کو قبول کرنے کی مہلت دی گئی ہے۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ اسے تذبذب میں ضائع نہ کریں بلکہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ جب فیصلہ کن عذاب کی گھڑی آ پہنچے گی تو اس وقت ان کا آہ و فغاں کرنا بے سود ہوگا۔

۳۳ یعنی مہلت کے ان لمحوں کو پہلی قوموں نے بھی ضائع کر دیا۔ انھوں نے بھی اپنے انبیاء کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ ان کے روشن معجزات کو دیکھا اور دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نادانی سے تباہ کن عذاب کے نزول کو ہی نبی کی صداقت کی کسوٹی سمجھتے رہے۔ اور مہلت کے لمحوں کو برباد کر دیا اور جب وہ عذاب آیا اور اس نے انھیں پیس کر رکھ دیا اس وقت ان کا اشک ندامت بہانا اور فریاد کرنا ان کے کسی کام نہ آ سکا۔ اے مشرکین عرب! تم بھی نزول عذاب سے پہلے توبہ کر لو اور میرے محبوب کے دامن رحمت کو تھام لو ورنہ تمہارا بھی وہی عبرتناک انجام ہوگا۔ جو پہلی نادان قوموں کا ہوا۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ آمین۔

كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ

آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل ۷۱ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنتَ

اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو اور ان میں سے کچھ (بظاہر) کان لگاتے ہیں آپ کی طرف ۷۲ تو کیا آپ

تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾ وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ

سناتے ہیں بہروں کو خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں اور ان میں سے کچھ (بظاہر) دیکھتے ہیں آپ کی طرف ۷۳

أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ

تو کیا آپ راہ دکھاتے ہیں اندھوں کو خواہ وہ کچھ نہ دیکھتے ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا

النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ

لوگوں پر ذرہ برابر لیکن لوگ ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کریگا

۷۱ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! تو نے اپنا فرض پوری طرح ادا کر دیا۔ اگر ان روشن معجزات اور واضح دلائل کے باوجود وہ حق کو قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت! آپ انہیں بتا دیجئے کہ میں اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہوں اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پرسش کی جائے گی کسی کا بوجھ کسی پر نہیں ڈالا جائے گا۔

۷۲ حضور کریم جب قرآن حکیم کی تلاوت فرماتے یا کچھ وعظ و نصیحت کرتے تو کفار عرب کان لگا کر سنتے لیکن کیونکہ انہوں نے دل کے کانوں میں تعصب و نفرت کی روئی ٹھونس رکھی تھی اس لیے وہ صدائے حق کو سننے سے قاصر تھے۔ ان کی مثال ایسے شخص کی سی تھی جو کانوں سے بہرا اور عقل سے کورا ہو۔ نہ وہ کچھ سن سکتا ہو اور نہ اشارات و قرائن سے مطلب پا سکتا ہو۔

۷۳ اسی طرح کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑی تکٹکی لگا کر دیکھا کرتے لیکن نور حق انہیں دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور بے نور تھیں۔ اور نور حق کو دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کا کام نہیں بلکہ دیدہ دل سے ہی اس کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔

۷۴ اگر کوئی ساری عمر وادی ضلالت میں سرگرداں رہتا ہے تو اس محرومی کا باعث وہ خود ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو اس کی ہدایت کے لیے سارے سامان مہیا فرما دیئے ہیں۔ انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ اپنی قدرت کے انفسی اور آفاقی دلائل

كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ

(انھیں یوں) خیال کرینگے گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک ساعت دن کی پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ)

خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَاِمَّا

گھاٹے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو نیز وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے اور خواہ ہم

نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب) جس کا ہم نے وعدہ کیا ہے ان سے یا (پہلے ہی) ہم اٹھا لیں آپ کو پس انھیں ہماری طرف

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤٦﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا

ہی لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ گواہ ہے اس پر جو وہ کرتے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے پس جب آیا

جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَ

ان کا رسول (اور انھوں نے اس کو جھٹلایا تو) فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف کے ساتھ اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا اور کہتے

بازار ہستی کے کونے کونے میں سجا دیئے۔ پھر بھی جو شخص اتباع حق کی بجائے اپنے نفس امارہ کی اطاعت کرتا ہے اسے اپنی محرومیوں پر اپنے آپ کو ہی ملامت کرنا چاہیے۔

۴۹ یعنی آج جس دنیوی زندگی پر یہ فریفتہ ہو رہے ہیں اور جس کی لذتوں میں اتنے محو ہیں کہ وہ اس کی بے ثباتی کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ جب قیامت کا دن آئیگا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ اس وقت انھیں معلوم ہوگا کہ چند روزہ عیش و عشرت کے لیے انھوں نے اپنی ابدی زندگی کو آلام کی آماجگاہ بنا دیا ہے۔ ہائے وہ زندگی کتنی ناپائیدار تھی جس کی عشوہ طرازیوں پر وہ فریفتہ تھے۔

۵۰ اس روز وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن بجائے خوش ہونے کے ہر ایک اپنی گمراہی کا الزام دوسرے پر تھوپ رہا ہوگا۔

۵۱ اس سے معلوم ہوا کہ روئے زمین پر جہاں کہیں نسل آدم آباد تھی وہاں وحی کا نور اور ہدایت کی روشنی سے اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی نبی یا رسول کو ضرور مبعوث فرمایا۔

۵۲ اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر بے شمار دلیلیں ان کے سامنے پیش کی گئیں لیکن ان کی بگڑی ہوئی طبیعتیں اور مسخ شدہ ذہنیتیں ان سے متاثر نہ ہوئیں۔ انھوں نے ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ جس عذاب کی آپ

يَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ

وہ کہتے ہیں — کب پورا ہوگا یہ (عذاب کا) وعدہ — اگر تم — سچے ہو۔ — آپ کہیے نہیں مالک ہوں

لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۭ اِذَا جَآءَ

میں اپنے آپ کے لیے ضرر کا اور نہ نفع کا — مگر جتنا چاہے اللہ تعالیٰ — ہر قوم کے لیے میعاد مقرر ہے جب آ جائے گی ان کی

ہمیں دھمکیاں دیا کرتے ہیں وہ کیوں نہیں اترتا۔ گویا انھوں نے قسم اٹھا رکھی تھی کہ جب تک قہرِ الٰہی کی بجلی ان کی زندگی کے خرمن کو جلا کر خاکستر نہ کر دے وہ دعوتِ حق کو قبول نہیں کریں گے۔ اس انسان کی بدبختی کا آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ساری عمر فسق و فجور میں بدمست رہا۔ اس کو اس کے ہولناک انجام سے بار بار آگاہ کیا گیا لیکن اس کی چشمِ ہوش نہ کھلی۔ اس وقت کھلی جب موت کے فرشتے نے اس کی رگِ حیات کاٹ ڈالی اور رحمت کا دروازہ اس کے لیے بند کر دیا گیا۔

۲۸ کفار بار بار حضور سے پوچھتے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ آپ اسے جلدی کیوں نہیں لاتے۔ ہم تو آپ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ اگر آپ کچھ کر سکتے ہیں تو ہمیں تہس نہس کر دیجیے۔ انھیں کیا خبر تھی کہ جس ذاتِ پاک کے ساتھ وہ الجھ رہے ہیں اس نے تو اپنی حقیقت اور اپنی مرضی کو اپنے خالق و مالک کی مشیت کے تابع کیا ہوا ہے۔ یہاں تو اذنِ الٰہی کے بغیر نہ قدم اٹھتا ہے اور نہ زبان کھلتی ہے۔ جہاں تسلیم و رضا کا یہ عالم ہو وہاں تمہارے طعن و تشنیع کے ان تیروں کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ کفار کی ایسی بیہودہ سرائی کا مسکت جواب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ فرمانے کا حکم دیا قُلْ لَّآ اَمْلِكُ الخ یعنی آپ اعلان فرما دیجیے کہ میں تو اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان پہنچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ بجز اس کے جو اختیار اور جو قدرت میرے رب نے مجھے عطا فرمائی ہے تو میں اس کی مرضی کے بغیر تم پر عذاب کیسے لا سکتا ہوں۔ چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لا املك لنفسي ايها القوم لا اقدر على ضر ولا نفع في دنيا ولا دين الا ما شاء الله ان يملكنيه فاجلبه اليها باذنه۔

کیا انسان کو کچھ قدرت اور اختیار دیا گیا ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ روح المعانی مختلف فرقوں کی آراء پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جبریہ کا یہ مذہب ہے کہ انسان مجبورِ محض اور بالکل بے اختیار ہے۔ اس میں کوئی قدرت نہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ انسان مؤثر قدرت کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے یا نہ چاہے انسان اپنی مرضی اور اختیار سے کر سکتا ہے۔ اشاعرہ کا خیال ہے کہ انسان کو قدرت و اختیار حاصل ہے لیکن وہ مؤثر نہیں یعنی کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے میں اس کی قدرت کو کوئی دخل نہیں۔ اور اہلِ حق کا مسلک یہ ہے کہ انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اختیار اور بخشی ہوئی قدرت ہے اور یہی عطا فرمودہ قدرت و اختیار کسی کام کے ہونے اور نہ ہونے میں مؤثر ہے۔ نعم استدل بها بعض من يقول من السلف من ان العبد قدرة مؤثرة باذن الله تعالى لا انه ليس له قدرة اصلا كما يقوله الجبرية ولا ان له قدرة لكنها غير مؤثرة كما هو المشهور عن الاشاعرة ولا ان له قدرة مؤثرة ان شاء الله تعالى وان لم يشاء كما هو راي المعتزلة۔
(روح المعانی)

تحقیق لکھنے کے بعد فرماتے ہیں والمعنی لا اقدر علی شیء من الضر والنفع الا ما شاء اللہ تعالیٰ ان اقدر علیہ منهما فانی اقدر علیه بمشیته سبحانه ۔ (روح المعانی)

یعنی اس آیت کا معنی یہ ہے کہ میں کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتا مگر جتنی قدرت اور اختیار میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے اتنا ہی میں کسی کو ضرر اور نفع پہنچا سکتا ہوں۔

آیت کا مقصد تو تھا کفار کی یاوہ گوئیوں کو ختم کرنا اور بار بار لوگوں نے اس آیت کی آڑ لے کر حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات کا انکار کرنا شروع کر دیا اور ایسی نامناسب باتیں کرنے لگے جن سے دین و دانش دونوں شرمندگی محسوس کرتے ہیں کہ حضور کچھ نہیں دے سکتے حضور کچھ نہیں کر سکتے بارگاہ رسالت میں اپنے دکھوں دردوں کی فریاد کرنا شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔ لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا تو پڑھا لیکن اپنی کم نظری سے الا ما شاء اللہ کو لائق توجہ نہ سمجھا یہاں نفی بھی ہے اور اثبات بھی۔ نفی ہے ذاتی طور پر با اختیار ہونے کی اور اثبات ہے اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا سے با اختیار ہونے کا۔ اگر کوئی یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں تو یہ شرک اور کفر ہے اور جو یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ اختیار سے بھی کچھ نہیں دے سکتے تو یہ صرف نص کے خلاف ہی نہیں بلکہ شان مصطفوی کا بھی انکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت جود و عطا کا بھی انکار ہے۔ غور تو فرمائیے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمۃ للعالمین کا تاج پہنا دیا اس کی کوئی حقیقت بھی تھی یا محض شاعرانہ مبالغہ آرائی اور تصنع و تکلف کا مظاہرہ تھا (معاذ اللہ) نہیں نہیں یہ ارشاد بھی حقیقت تھا ایسی روشن حقیقت جس پر کوئی ہزار پردے ڈالنا چاہے وہ چھپ نہیں سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود جا بجا ان فیوض و برکات کا ذکر فرمایا جن کا سرچشمہ ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کو بنایا گیا ہے چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور اپنے قلب و دماغ کو نور ایمان سے منور کیجئے۔ ارشاد خداوندی ہے: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

میرا محبوب مسلمانوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور ان کے دلوں کو ہر گرد و غبار سے پاک کرتا ہے۔

دوسری جگہ فرمان الٰہی ہے:-

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ۔

(اے محبوب!) یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کی ہے کہ آپ لوگوں کو ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر نور ہدایت تک پہنچائیں ان کے پروردگار کے اذن سے۔

سورۂ توبہ کے اختتام پر اپنے محبوب کی شان رفیع اور شفقت عظیم کا ذکر ان پیارے کلمات میں فرمایا۔

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

یعنی میرے محبوب رسول پر ہر وہ چیز جو تمہیں مشقت میں ڈالے بڑی گراں گزرتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی پر بڑے حریص ہیں۔ مسلمانوں پر بڑے مشفق اور رحم فرمانے والے ہیں۔

اگر یہ آیات طیبات ان لوگوں کے نزدیک کوئی معنی اپنے اندر رکھتی ہیں تو وہ انھیں بار بار پڑھیں عظمت مصطفوی کے

أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ

مقررہ میعاد — تو نہ وہ پیچھے ہٹ سکیں گے — ایک لمحہ — اور نہ آگے بڑھ سکیں گے — آپ فرمائیے

أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

(ذرا) بتلاؤ تو، غور تو کرو — اگر آجائے تم پر اس کا عذاب — راتوں رات یا دن دہاڑے — (تو تم کیا کر لو گے) کس چیز کا جلدی مطالبہ کر رہے

الْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ

ہیں اس سے مجرم — کیا جب عذاب نازل ہو جائے گا تب ایمان لاؤ گے اس پر (فرشتے) — (کہیں گے) اب (ایمان لاتے ہو) حالانکہ تم

متعلق ان کے شبہات دور ہو جائیں گے ایمان کے دل کی دنیا یقین کا آفتاب منور کر دے گا اور اگر ان کے نزدیک (نعوذ باللہ) یہ ایسی آیات ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بدبختی پر جتنا ماتم کریں کم ہے حق تو یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وجلالت کا ظہور تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔ رب نے رحمۃ للعالمین کی وسعت کا صحیح اندازہ اس وقت ہی لگایا جا سکے گا۔ سب انسان در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد جب حضور خاتم المرسلین پر حاضر ہو کر شفاعت کے لیے التجا کریں گے تو حضور دوسرے انبیاء کرام کی طرح نفسی نفسی نہیں فرمائیں گے۔ بلکہ ارشاد ہوگا اَنَا لَهَا، اَنَا لَهَا (ہاں میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں، میں شفاعت کے لیے آمادہ ہوں) پھر عرش الٰہی کے سامنے حاضر ہو کر سربسجود ہو جائیں گے اور تسبیح و تحمید میں مشغول ہوں گے اس وقت عرش عزت و جلال پر نزول اجلال فرمانے والے خداوند ذوالجلال کی طرف سے آواز آئے گی یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَ ، اے سراپا محبوب سائل سر مبارک اٹھاؤ، آپ شفاعت کرتے جائیں میں شفاعت قبول کرتا جاؤں گا آپ مانگتے جائیں میں اپنی رحمت و مغفرت کے خزانے لٹاتا جاؤں گا۔ (بخاری و مسلم)

اسلام تو یہ ہے کہ انسان حقیقتِ توحید پر بھی ایمان لے آئے اور شان رسالت سے بھی آنکھیں بند نہ کرے۔ توحید کے گیت گاتا ہوا عظمتِ حبیب کبریا کا پرچم لہراتا ہوا ذوق و شوق کی وادی کو طے کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ اگر توحید میں فرق آگیا تو شرک ہو گیا اور اگر دانستہ بدبختی سے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خداداد شان کا انکار کیا تو کفر ہو گیا۔ الٰہی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مازاغ کے طفیل اور مقام دنیٰ فتدلیٰ کے صدقے ہمیں راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین آمین یا رب العالمین۔

(سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۸۸ کا حاشیہ بھی ملاحظہ فرمائیں)

۸۲؎ تمہاری جلد بازی سے اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے نہیں بدلتا۔ جب وہ وقت آئے گا جو تم پر عذاب نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔

تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ

اس عذاب کے لیے بڑی جلدی مچا رہے تھے۔ پھر کہا جائے گا ظالموں سے کہ چکھو (اب) دائمی عذاب (کا مزہ)

هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَنۢبِـُٔونَكَ أَحَقٌّ هُوَ

کیا تمہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم کمایا کرتے تھے اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے کیا یہ واقعی سچ ہے؟

قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾ وَلَوْ أَنَّ

آپ فرمائیے ہاں! بخدا یہ سچ ہے ۹۳ اور تم (اللہ تعالیٰ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہو اور اگر

لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا

ہر ظالم شخص کے لیے روئے زمین کی دولت ہوتی ۹۴ تو بھی وہ ساری دولت بطور فدیہ دے دیتا اور وہ ظالم دل ہی

النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ

دل میں پچھتانے لگے جب دیکھا انہوں نے عذاب کو ۹۵ اور فیصلہ کر دیا گیا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر

۹۲ اس وقت اگر تم ایمان لے بھی آؤ گے تو وہ ایمان مقبول نہیں ہوگا۔

۹۳ عذاب کے بارے میں بار بار پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آئے گا یا یہ محض خالی دھمکیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ آپ فرمائیے کہ میں خدا کی قسم کھا کر تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ دھمکیاں نہیں بلکہ حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۹۴ یعنی کفار آج تو مال و دولت پر پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں۔ اپنی عزت، اپنی سلامتی اور اپنے عیش و آرام کو اسی سے وابستہ سمجھ رہے ہیں لیکن کل جب بارگاہ خداوند ذوالجلال میں حاضر کیے جائیں گے اور ان کے گناہوں کا بوجھ ان کی گردن پر لاد دیا جائے گا روزخ کے شعلے ان کی طرف لپک رہے ہوں گے اس وقت ان کی یہ خواہش ہوگی کہ کاش ان سے یہ سب کچھ لے لیا جائے اور ان کی جان بخشی کر دی جائے۔ لیکن اس وقت ان کی خواہش پوری نہیں کی جائے گی۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ آج جب کہ در رحمت باز ہے اور تھوڑی سی کوشش سے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جا سکتا ہے تو کیوں نہ اس موقع کو غنیمت سمجھا جائے اور اپنے رب کریم کو راضی کر لیا جائے۔ دنیا کی متاع قلیل کی خاطر جو ضرورت اور مشکل کے وقت کھوٹا سکہ ثابت ہوگی اپنے مولائے کریم کو ناراض کر لینا آخر کہاں کی دانشمندی ہے۔

۹۵ ندامت کہتے ہیں اس حسرت کو جو کسی چیز کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے سے دل میں پیدا ہوتی ہے الندامة: الحسرة

لَا يُظْلَمُونَ ۝ أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ

ظلم نہیں کیا جائے گا ثے سن لو! بیشک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ثث سن لو! بیشک

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيتُ

اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی مارتا ہے

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت ثلہ تمہارے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

اور (آگئی ہے) شفا ان (روگوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں اور (آگئی ہے) ہدایت اور رحمت اہل ایمان کے لیے۔

وقوعِ شیٔ اور ثبوتِ شیٔ (اسرّوا) سے بتلایا جا رہا ہے کہ روزِ محشر جب خوفناک حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو ان کے دل کانپ اٹھیں گے لیکن ابتدا میں ظاہرداری سے کام لیتے ہوئے ضبط و تحمل سے کام لیں گے اور کوشش کریں گے کہ ان کا حزن و ملال ظاہر نہ ہونے پائے۔ لیکن جب انہیں بھڑکتے ہوئے شعلوں میں پھینک دیا جائے گا تو اس وقت یارائے صبر نہ رہے گا اور چیخنے اور چلانے لگیں گے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے اسرّ کا معنی اظہر بھی ہے۔ اور یہ اضداد سے ہے یعنی وہ برملا اظہار ندامت کریں گے کیونکہ قیامت کا دن تکلف و تصنع کا دن نہیں ہوگا۔

ثے کفار و مجرمین کی ساری نافرمانیوں کے باوجود ان پر زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کے بارے میں جو فیصلہ ہوگا وہ عدل و انصاف پر مبنی ہوگا۔

ثث آغاز کلام میں اَلَآ تنبیہ کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ مخاطب کے دل و دماغ کو جھنجھوڑا جائے تاکہ وہ پورے غور سے متکلم کی بات کو سنے۔

بتانا یہ ہے کہ جب زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ہے تو اس نے انعامات و احسانات کے جو وعدے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں سے کیے ہیں وہ ان کو پورا کرے گا اور بدکاروں اور نابکاروں کو عذاب کی جو وعید دی ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ کوئی ایسا وعدہ نہیں جس کا پورا کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ اور کسی کی ایسی طاقت نہیں جو اسے عذاب دینے سے روک دے۔

ثلہ اس آیت طیبہ میں قرآن کریم کے فیوض و برکات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ موعظت: بڑے اخلاص سے نہایت اثر انگیز پیرایہ میں کسی کو نیکی اور بھلائی کی یاد دلانا موعظت کہتے ہیں۔ وقال الخليل هو التذكير بالخير فيما يرق له القلب (مفردات) اس مفہوم کو پیش نظر

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا

اے حبیب! آپ فرمائیے یہ کتاب محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہیے کہ اسی پر خوشی منائیں یہ بہتر

يَجْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو جو رزق اللہ نے تمہارے لیے اتارا تھا تم نے بنا لیا

سکھتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اس صفت کا جائزہ لیجیے۔ خیرخواہی اور خیراندیشی کا بے پناہ جذبہ ہر آیت میں آپ کو نظر آئے گا۔ جس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ اس نے صدیوں سے خواب غفلت میں مدہوش سونے والی قوم کو بیدار کر دیا۔ قرآن کی دوسری صفت یہ ہے کہ دلوں کی لاعلاج اور پرانی بیماریوں کا کامیاب علاج ہے بغض و عناد، شک اور نفاق، حسد اور کینہ غرضیکہ ہر قسم کی مذموم صفات سے روح کو پاک کرتا ہے۔ تیسری صفت یہ ہے کہ یہ سراپا ہدایت ہے۔ حق و باطل کو نکھار کر پیش کرتا ہے کسی قسم کا التباس نہیں رہنے دیتا اور حق کا متلاشی راہ ہدایت کو اپنے سامنے منور اور ہموار پاتا ہے۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ پیکر رحمت ہے۔ جس کتاب مقدس کا لانے والا رحمۃ للعالمین ہو اس کتاب کے رحمت مجسم ہونے میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن اور اس کی رحمت سے مراد دین اسلام ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ اس نے ہمیں صاحب قرآن بنا لیا۔ قال ابو سعید الخدری وابن عباس فضل الله القرآن ورحمته الاسلام وعنهما فضل الله القرآن ورحمته ان جعلكم من اهله (قرطبی)

ذلك کا اشارہ الیٰ فضل اور رحمت دونوں چاہیے کہ یہ تھا کہ فذلكما ہوتا۔ لیکن علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اہل عرب ذلك اسم واحد تثنیہ، جمع سب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ العرب تاتى بذلك للواحد والاثنين والجمع۔

لوگ دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال کے حصول کے بڑے خواہاں ہوتے ہیں اور شب و روز اسی ادھیڑ بن میں رہتے ہیں کہ زیادہ دولت کیسے کمائی جائے۔ بتایا جا رہا ہے کہ جو نعمت انہیں قرآن کی شکل میں بخشی جا رہی ہے وہ ان تمام چیزوں سے بدرجہا بہتر ہے جن کو جمع کرنے کے لیے وہ سرگرداں رہتے ہیں۔ صد افسوس پر لوگ اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہیں جس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

عہد جاہلیت میں اہل عرب کی معاشی، معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی زندگی ان رسوم و رواج کی پابند تھی جو انہوں نے خود یا ان کے پہلوں نے وضع کیے تھے لیکن اس کے باوجود وہ انہیں احکام خداوندی کہا کرتے تھے اور بڑی سختی سے ان کی پابندی کرتے اور جو شخص ان سے سرمو انحراف کرتا اس کے خلاف ایک طوفان برپا کر دیتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لغو اور ضرر رساں رسم و رواج کی اصلاح کے لیے جب آواز بلند کی تو وہ برافروختہ ہو گئے۔ انہیں ان کی غلط روش پر سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم اپنے خود ساختہ رسوم و قوانین کو اللہ کی طرف کیوں منسوب کر رہے ہو کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ جس چیز کو چاہتے ہو

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝59 وَ

اس سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال۔ پوچھئے کیا اللہ تعالیٰ نے (ایسا کرنے کی) تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو

مَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ

اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو افترا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹا (کہ) قیامت کے دن ان کا کیا حال ہوگا۔ بیشک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝60 وَمَا

اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرماتا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ اور نہیں

تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ

ہوتے آپ کسی حال میں اور نہ آپ تلاوت کرتے ہیں اس حال میں کچھ قرآن اور (اے لوگو!) نہ تم کچھ عمل کرتے ہو

حلال بنا دیتے ہو۔ جس کو چاہتے ہو حرام، جس بات کو چاہتے ہو جائز کر دیتے ہو اور جس کو چاہتے ہو ناجائز۔ یہ حق آخر تمہیں کس نے دیا ہے۔ ہر چیز کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے بندے ہو۔ پھر یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے کہ اس کے بندے ہو کر اس کی چیزوں میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرتے رہو۔ ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے بندوں پر انعامات و احسانات کے دریا بہا رکھے ہیں۔ ان کی آفرینش، ان کی بقا اور ان کی نشوونما کے لیے تمام ضروری چیزوں کو فراہم کرنا۔ پھر نور عقل سے نوازنا اور بعثت رسل و انبیاء سے ہدایت کی راہ کو روشن کرنا یہ سب اس کی عنایات ہی تو ہیں۔ ہم سے خطا ہوتی ہے وہ بخش دیتا ہے۔ ہم نافرمانی کرتے ہیں تو وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ ہم اس کی نعمتوں کا صحیح طور پر شکریہ ادا نہیں کرتے پھر بھی اس کی نعمتوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں لیکن اس کریم و رحیم مولا کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے کی طرف بہت کم لوگ متوجہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے علم کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں جن میں صرف عوام کالانعام ہی مبتلا نہ تھے بلکہ وہ لوگ جو اپنے آپ کو دانشور اور اہل الفکر کہلاتے تھے وہ بھی ان کا شکار تھے۔ ارسطو جسے معلم اول اور فلسفہ کا امام کہا جاتا ہے اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف کلیات کا علم ہے۔ کائنات کی کسی جزئی کے متعلق وہ کچھ نہیں جانتا اور دلیل بھی خوب پیش کی۔ کہا کیونکہ اس کی ذات اعلیٰ و اکمل ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے مقابلہ میں ناقص اور ادنیٰ ہے اس لیے ادنیٰ اور ناقص اشیاء کا جاننا اس کے شایانِ شان نہیں۔ اس نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اگر اس کا یہ قاعدہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر انسان کو بھی اپنے سے فروتر اشیاء حیوانات، اشجار وغیرہ کا علم نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ سب اشیاء بلا شبہ انسان سے فروتر ہیں۔ اسی بھول بھلیاں سے نکلنے کے لیے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کو بطریق کلیہ تمام اشیاء کا علم ہے۔

عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ

مگر ہر حال میں ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم شروع ہوتے ہو کسی کام میں اور نہیں چھپا ہوتا

عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا

آپ کے رب سے ذرہ برابر بھی زمین میں اور نہ آسمان میں بلکہ اور نہیں

تفصیلات جزئیہ کے متعلق ذات باری کو کچھ پتہ نہیں بعض کا خیال ہے کہ اس کا علم قدیم ہے یعنی تخلیق کائنات سے پہلے اس نے ہر چیز کو جان لیا بعض کہتے ہیں کہ اسے پہلے ہر چیز کا تفصیلی علم نہیں تھا بلکہ جیسے جیسے کوئی چیز معرض وجود میں آتی جاتی ہے تو اس وقت وہ اسے جانتا ہے۔ ان تمام شبہات کا اس آیت میں ازالہ کر دیا کہ ہر فعل جو کسی سے صادر ہوتا ہے وہ اس کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کی وسعتوں بلندیوں اور پستیوں میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی جو چیز بھی ہے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ وہ سب کو اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حال اور مآل کے اعتبار سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی جان رہا ہے۔ تخلیق کائنات سے پہلے ہی وہ ہر چیز کو جانتا تھا اور کتاب مبین (لوح محفوظ) میں اسے درج کر دیا گیا تھا۔

تحقیق لغوی: شان ہر فعل کو نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا اطلاق صرف اہم اور عظیم کاموں پر ہوتا ہے۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اے محبوب! تم سے جو فعل بھی صادر ہو رہا ہے خواہ اس کا تعلق عبادت و تبلیغ سے ہو یا عام نجی مشاغل سے وہ اپنے حسن و جمال و کمال کے لحاظ سے اس لئے بڑا ہے کہ اس کی نسبت تیری ذات ستودہ صفات کی طرف ہے اس لیے وہ عظیم و اہم ہے اور سب کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ ما تتلوا منہ من قرآن میں دو وجہیں مذکور ہیں۔ پہلے منہ سے مطلب قرآن ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں کو دوبارہ کہا ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ جو عظیم و اہم کام آپ کر رہے ہیں اور اس کے ثبوت اور تقویت کے لیے جو آیات قرآنی آپ پڑھتے ہیں انہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ دوسرا یہ من زائدہ ہے اور قرآن مفعول بہ ہے۔

ثمہ پہلے فقرے میں فخر نوع انسان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف خطاب تھا اور انہیں بتایا گیا کہ تبلیغ حق کے لیے جو جدوجہد آپ کر رہے ہیں۔ اس کے لیے جو تکالیف آپ برداشت کر رہے ہیں۔ اپنے حسن کردار اور دلنشین لہجہ میں آپ جس طرح آیات قرآنی انہیں پڑھ کر سناتے اور سمجھاتے ہیں یہ سب ہماری نظروں میں ہے۔

ولا تعملون سے خطاب تمام انسانوں کو ہے کہ تمہارا کوئی عمل اور کوئی کام ہم سے پنہاں نہیں۔ اسلام اور داعی اسلام کے خلاف تمہاری ریشہ دوانیاں اور سازشیں جو تم بڑی رازداری سے اپنی مخصوص محفلوں میں کرتے ہو وہ بھی ہم پر عیاں ہیں۔ والخطاب الاول خاص برأس النوع الانسانی وسید المخاطبین صلی اللہ علیہ وسلم وھذا عام ویشمل سائر العباد (روح المعانی)

ثمہ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ زمین سے مراد پستی اور آسمان سے مراد بلندی ہے یعنی ان دونوں جہتوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے یا اس سے مراد دائرہ امکان و وجود ہے کیونکہ عرف عام میں دائرہ امکان و وجود میں پائی جانے والی ہر چیز کو فی الارض

أَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ

کوئی چھوٹی چیز اس ذرہ سے اور نہ بڑی مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ہے سنو! بے شک اولیاء

اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۹۶ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور (عمر بھر)

والسماء کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ای فی جہتی السفل والعلو او فی الوجود والامکان لان العامۃ لا تعرف سواھما مما لیس فیہما ولا تعلق بہما۔ (روح المعانی)

کتاب مبین، لوح محفوظ

۹۶ یوں تو تمام مفسرین نے اپنے اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس آیت کی تفسیر کی ہے لیکن حق یہ ہے کہ عارف باللہ علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان میں جتنی دلکشی، شیرینی اور جامعیت ہے اس کا جواب نہیں اس لیے میں انہی کی خوشہ چینی کرتے ہوئے چند حقائق ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ وہ ولی کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"قاموس میں ہے الولی القرب والدنو۔ یعنی وَلْیٌ کا معنی قرب اور نزدیکی ہے۔ وَلِیٌّ اس سے اسم ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، محب، صدیق اور مددگار۔ وفی القاموس الولی القرب والدنو والولی الاسم منہ بمعنی القریب والمحب والصدیق والنصیر۔

پھر فرماتے ہیں کہ قرب کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قرب جو ہر انسان بلکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے خالق سے ہے۔ اور اگر یہ قرب نہ ہو تو کوئی چیز موجود نہ ہو سکے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں) میں اسی قرب کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے۔ اسے قرب محبت کہتے ہیں۔ قرب کی ان دو قسموں میں نام کے اشتراک کے سوا کوئی وجہ اشتراک نہیں۔ قرب محبت کے بے شمار درجے ہیں۔ ایک سے ایک بلند۔ اس کے لیے ایمان شرط اول ہے۔ دولت ایمان سے مشرف ہونے کے بعد اہل عزم و ہمت ترقی کے مختلف درجات طے کرتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس بلند مقام پر فائز ہو جاتے ہیں جس کی وضاحت حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں بیان فرمائی۔ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ رواہ البخاری عن ابی ہریرۃؓ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادات سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (رواہ البخاری)

اور اس قرب محبت کا سب سے بلند و ارفع مقام وہ ہے جہاں محبوب رب العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فائز ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ

جہاں محبوب نواز رہے ان رفعتوں کو کوئی جان نہیں سکتا سوائے اس ذات بے ہمتا کے جس نے اپنے محبوب بندے کو یہ بلندیاں ارزانی فرمائیں۔ واعلی درجاتہ نصیب الانبیاء من نصیب سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ولہ صلی اللہ علیہ وسلم ترقیات لا تتناھی الی ابد الآبدین۔ (مظہری)

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ولی اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے شب و روز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو۔ اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے لیے یہی وہ مقام ہے جسے فنا فی اللہ کا مقام کہتے ہیں۔ الولی فی اصطلاح الصوفیۃ من کان قلبہ مستغرقا فی ذکر اللہ یسبح اللیل والنھار لا یفتر ممتلیا بحب اللہ تعالیٰ لا یسع فیہ غیرہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم فلا یحب احدا الا للہ ولا یبغض الا للہ الخ (مظہری)

مرتبہ ولایت پر فائز ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ مرتبہ ولایت کے حصول کی یہی صورت ہے کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ آئینہ دل پر آفتاب رسالت کے انوار کا انعکاس ہونے لگے۔ اور نور جمال محمدی علی صاحبہا اجمل الصلوات واطیب التسلیمات قلب و روح کو منور کر دے اور یہ نعمت انھیں کو بخشی جاتی ہے جو بارگاہ رسالت میں یا حضور کے تابعین یعنی اولیاء امت کی صحبت میں بکثرت حاضر رہیں۔

مسنون طریقہ سے کثرت ذکر اس نسبت کو قوی کرتی ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل شیء صقالۃ وصقالۃ القلب ذکر اللہ۔ (رواہ البیہقی) ہر چیز کے زنگ کو دور کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی چیز ہوتی ہے۔ دل کا زنگ ذکر اللہ سے دور ہوتا ہے۔

انھیں نفوس قدسیہ کی محبت و ہم نشینی کے متعلق احادیث طیبہ میں بار بار ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے چنانچہ ائمہ حدیث حضرت مالک، احمد، طبرانی وغیرہم نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کی ہے قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی یعنی میں نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار و محبت کرتے ہیں میری رضاجوئی کے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ کیف تقول فی رجل احب قوما ولم یلحق بھم قال المرء مع من احب (متفق علیہ) اے اللہ کے پیارے رسول! اس شخص کے بارے میں حضور کیا ارشاد فرماتے ہیں جو ایک قوم سے محبت کرتا ہے لیکن عمل و تقویٰ میں ان کے برابر نہیں۔ فرمایا ہر شخص کی سنگت اس کے ساتھ ہوگی جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو طالب و مرید ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو مطلوب اور مراد ہیں۔ ایسے ہی ہیں جو محبوب ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں محبوبیت کی خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا گیا ہے۔ سابقہ احادیث میں جن اولیاء کا ذکر ہوا وہ طالب

اور دوسری یہ اور جو مطلوب و مراد ہیں جو مقصود و محبوب ہیں ان کے احوال کا بیان اس حدیث میں ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور دیگر علماء حدیث نے اپنی اپنی کتب احادیث میں روایت کی ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبرئیل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اہل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض واذا ابغض عبدا دعا جبرئیل فیقول انی ابغض فلانا فابغضہ قال فیبغضہ جبرئیل ثم ینادی فی اہل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوہ قال فیبغضونہ ثم یوضع لہ البغضاء فی الارض۔

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے اے جبریل! میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ پھر وہ آسمان میں منادی کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر سب اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین میں اس کی مقبولیت کا چرچا ہو جاتا ہے اور لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے تو جبریل کو بھی اسے ناپسند کرنے کا حکم ملتا ہے پھر جبریل آسمان میں اس کے مبغوض اور ناپسند ہونے کی منادی کرتے ہیں۔ آسمان والے اس سے بغض کرنے لگتے ہیں پھر زمین میں اس کے متعلق نفرت و بغض کا جذبہ بڑھنے لگتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان علامات و خصوصیات کا ذکر بھی فرمایا جن سے ان مخزن خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف نے چند احادیث ذکر کی ہیں جو ہدیۂ ناظرین ہیں:۔

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ سے پوچھا گیا من اولیاء اللہ اولیاء اللہ کون ہیں۔ فرمایا الذین اذا رؤوا ذکر اللہ عز وجل وہ لوگ جن کے دیدار سے خدا یاد آ جائے۔

۲۔ حضرت اسماء بنت یزید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یوں گوہر افشانی کرتے ہوئے سنا کہ اے حاضرین! کیا میں تمہیں ان لوگوں پر آگاہ نہ کروں جو تم سب سے بہتر ہیں۔ صحابہ نے عرض کی بلیٰ یا رسول اللہ! اے اللہ کے پیارے رسول! ضرور بتائیے تو حضور نے فرمایا اذا رؤوا ذکر اللہ جب ان کی زیارت کی جائے تو خدا یاد آ جائے۔ کیونکہ ان کا دل وہ آئینہ ہے جس میں تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلہ میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے حالانکہ سورج کی کرنیں اگر بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج سے دور ہے اور آئینہ سے قریب۔

نیز اولیاء کرام میں دو قسم کی قوتیں ہوتی ہیں۔ اثر قبول کرنے کی اور اثر کرنے کی۔ پہلی قوت کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی سے فیض و تجلی کو قبول کرتے ہیں اور دوسری قوت سے وہ ان اشیاء و قلوب کو فیض پہنچاتے ہیں جن کا ان سے روحانی لگاؤ اور قلبی مناسبت ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص اخلاص و محبت سے پاک ہو کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ ان کے فیوض و برکات سے ضرور بہرہ مند ہوتا ہے۔

يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ لَا

پرہیزگاری کرتے رہے انھیں کے لیے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں اللہ نہیں

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید، حضور کریم کی رسالت، قرآن کی حقانیت پر اتنا مستحکم ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ، کوئی بلا اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ ان تمام اعمال و اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی یا شرک خفی، اخفیٰ، حسد، کینہ، غرور، تکبر، ریا، حرص، بغض غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے وہ پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں جب انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ سرفرازی عطا کی جاتی ہے جسے انبیاء بھی رشک بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال رسول الله ان من عباد الله لاناسا ما هم بانبياء ولا شهداء يغبطهم الانبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله قالوا يا رسول الله اخبرنا من هم وما اعمالهم فلعلنا نحبهم قال هم قوم تحابوا في الله على غير ارحام بينهم ولا اموال يتعاطونها فوالله ان وجوههم لنور وانهم على منابر من نور لا يخافون اذا خاف الناس ولا يحزنون اذا حزن الناس ثم قرا الا ان اولياء الله لا خوف عليهم ولا هم يحزنون (قرطبی)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے بندوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ نبی ہیں اور نہ شہید لیکن قیامت کے دن قرب الٰہی کی وجہ سے انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے وہ کون ہیں۔ ان کے اعمال کیا ہیں تاکہ ہم ان لوگوں سے محبت کریں۔ فرمایا وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ نہ ان میں کوئی رشتہ ہے اور نہ مالی منفعت۔ بخدا ان کے چہرے سراپا نور ہوں گے اور نور کے منبروں پر انھیں بٹھایا جائے گا۔ دوسرے لوگ خوفزدہ ہوں گے اور انھیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ لوگ حزن و ملال میں مبتلا ہوں گے لیکن انھیں کوئی حزن و ملال نہ ہوگا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔

عارف روم نے کیا خوب فرمایا ہے:

مگسل از پیغمبر ایام خویش تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

اپنا تعلق رسول کریم سے مت توڑو۔ اپنے علم و فن اور اپنے زور پر زیادہ بھروسہ نہ کرو۔

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل خویش بیں و در ضلالی و ذلیل

تو شیر ہی کیوں نہ ہو اگر تو اس راہ پر رہنما کے بغیر چلے گا تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو جائے گا۔

ہین مپر الا کہ با پرہائے شیخ تا ببینی عون لشکرہائے شیخ

اپنے پیر و مرشد کے پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش نہ کرو۔ تب تجھے اپنے مرشد کی مدد اور لشکر کا پتہ چلے گا۔

ف۳ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں یہ مژدہ حضور اپنی زبان حق ترجمان سے دیا کرتے تھے جس طرح متعدد صحابہ کرام کو حضور نے

تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۞ وَلَا يَحۡزُنۡكَ

بدلتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں۔ [۲۱] یہی بڑی کامیابی ہے [۲۲] اور نہ غمزدہ کریں آپ کو

قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۞ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ

ان کی باتیں [۲۳] یقیناً ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ وہ سب کچھ سننے والا ہر چیز جاننے والا ہے۔ خبردار! بیشک اللہ کے

جنتی ہونے کی خوشخبری دی۔ چنانچہ فرمایا۔ ابوبکر فی الجنة وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة والزبیر فی الجنة وعبدالرحمٰن بن عوف فی الجنة وسعد بن ابی وقاص فی الجنة وسعید بن زید فی الجنة وابو عبیدة بن الجراح فی الجنة (ترمذی) یعنی ان دس حضرات کے نام لے کر فرمایا کہ یہ جنتی ہیں۔ یا حضرت صدیق اکبر کو خصوصی طور پر مژدہ سنایا اما انک یا ابابکر اول من یدخل الجنة من امتی (ابوداؤد) اے ابوبکر تم میری امت میں سے سب سے پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ یا حضرت حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سیدا شباب اھل الجنة یہ دونوں جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ بے شمار صحیح احادیث ہیں جن میں حضور نے کثیر التعداد صحابہ کے نام لے لے کر خوشخبریاں دیں اور حضور نبی کریم کے بعد یہ خوشخبری کبھی الہام سے اس دنیا میں بذریعہ کشف اور بحالت خواب میں بذریعہ رؤیا صادقہ دی جاتی ہے چنانچہ حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قولہ تعالیٰ لھم البشریٰ [۱] قال ھی الرؤیا الصالحة یراھا المؤمن او ترٰی لہ۔ میں نے اس آیت کے متعلق حضور سے دریافت کیا تو حضور نے فرمایا یہ سچا خواب ہے جو کوئی شخص خود دیکھتا ہے یا اس کے متعلق کسی اور کو دکھایا جاتا ہے۔ یا فرشتے آتے ہیں اور بالمشافہ ان کو ان بشارتوں سے شاد کام کرتے ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ تتنزل علیھم الملٰئکة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التی کنتم توعدون ۴۱:۳۰

اب غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے ادنیٰ غلاموں کو ان کے نیک انجام اور مراتب عالیہ پر فائز ہونے کی خوشخبریوں سے خورسند کیا جاتا ہے اور انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں مطمئن کر کے ہر خوف و حزن سے پاک کر دیا جاتا ہے تو یہ کتنی بڑی جسارت بلکہ گستاخی ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نعوذ باللہ اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نور ایمان سے محروم نہ کرے ورنہ حضرت الشان بایں جبہ و دستار بر سر منبر لوگوں کے سامنے اس قسم کی ہرزہ سرائی کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

[۲۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول دوستوں کے ساتھ جن انعامات کے وعدے کیے ہیں اور جن بے پایاں عنایات اور نوازشات کی بشارتیں دی ہیں وہ قطعی ہیں۔ ان میں رد و بدل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ضرور اپنے مقبول بندوں کو ان نوازشات سے سرفراز فرمائے گا۔

[۲۲] اس خوش نصیب کے طالع ارجمند کا کیا کہنا جس کا سفینۂ حیات جب ساحل موت پر لنگر انداز ہو تو خدمۂ عالم بالا کے فرشتے مرحبا صد مرحبا کہتے ہوئے اس کا استقبال کریں۔ اور رضا کے الٰہی کا تاج زرنگار اس کے سر نیاز پر رکھ دیں۔ مادی لذتوں میں گم رہنے والوں اور فانی کامیابیوں کو ہی زندگی کا مقصد سمجھنے والوں کو کیا خبر کہ اس کامیابی میں کیا سرور ہے اور یہ کامیابی کتنی بڑی کامیابی ہے۔

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

ملک ہیں جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے ؎ اور کس کی پیروی کر رہے ہیں جو لوگ پکار رہے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا

اللہ تعالیٰ کے سوا (دوسرے) شریکوں کو ؎ نہیں پیروی کرتے مگر وہم و گمان کی اور نہیں وہ مگر

يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ

اٹکلیں لڑاتے ہیں ؎ وہی ہے جس نے بنائی تمہارے لیے رات ؎ تاکہ تم آرام کرو اس میں اور دن

مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ

روشن بنایا بیشک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں انہوں نے کہا بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ نے

۱؎ کفار کی ایذا رسانیوں میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ کفر میں سارا عرب متحد ہو گیا ہے۔ اسلام کا چراغ بجھانے کے لیے ہر قوم تل رہی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخلصانہ مساعی پر پھبتیاں کسی جا رہی ہیں۔ ظاہر بین نگاہیں سمجھنے لگی ہیں کہ اب دولت و ثروت کے ان بڑے بڑے شخصوں میں تنہا اسلام کا پنپنا ناممکن ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان تسلی آمیز کلمات سے مخاطب فرماتا ہے کہ اے حبیب! آپ بالکل فکر مند نہ ہوں اور کفار کی دل آزار گفتگو سے پریشان نہ ہوں۔ میں جو سب عزتوں اور سرفرازیوں کا واحد مالک ہوں تیرا مددگار ہوں۔

۲؎ یعنی جب زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے تو کسی کو کیا مجال کہ الوہیت میں اس کی ہمسری کا اور ربوبیت میں شریک ہونے کا دعویٰ کر سکے۔

۳؎ اس ما کے متعلق علمائے نحو کے تین اقوال ہیں۔ (۱) ما نافیہ ہے (۲) ما استفہامیہ ہے (۳) ما موصولہ ہے۔ میں نے دوسرا قول پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اکثر مفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

۴؎ اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: کل قول مقول عن ظن وتخمين يقال خرص سواء كان مطابقا للشيء او مخالفا له من حيث ان صاحبه لم يقله عن علم ولا غلبة ظن۔ ہر وہ قول جو محض ظن و تخمین سے کہا جائے اسے خرص کہتے ہیں خواہ وہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایسے قول کے قائل کو کاذب بھی کہا جاتا ہے (مفردات)۔ مقصد یہ ہے کہ ان کا بتوں کو اپنا معبود بنانا کسی عقلی دلیل پر مبنی نہیں اور نہ کسی رسول نے انھیں یہ تعلیم دی ہے۔ حق کو چھوڑ کر ان کا بتوں کی پوجا میں لگ جانا محض ان کے وہم و گمان کی پیداوار ہے۔

۵؎ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کے علیم و حکیم اور سمیع و بصیر ہونے کی ناقابلِ تردید دلیل پیش کی جا رہی ہے۔

وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ

کسی کو بیٹا ۔ وہ پاک ہے ۔ (ف) وہ تو بے نیاز ہے ۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ نہیں

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

تمہارے پاس کوئی دلیل اس (بے ہودہ بات) کی ۔ کیا بہتان باندھتے ہو اللہ تعالیٰ پر جس کا تمہیں علم ہی نہیں ۔

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ؕ

آپ فرمائیے جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے ۔

مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ

(چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب

الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ

بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے اور آپ پڑھ کر سنائیے انہیں نوح علیہ السلام کی خبر جب فرمایا

ف کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ۔ اس کے رد کے لیے دو دلیلیں پیش فرمائی جا رہی ہیں ۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ وہ غنی ہے ۔ یعنی وہ کسی کا محتاج نہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود اپنی نشو و نما اور اپنی بقا میں اس کا محتاج ہے ۔ اولاد کی ضرورت تو اس لیے محسوس کی جاتی ہے کہ انسان خود کمزور ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو تاکہ وہ طاقتور ہو جائے اور اپنے دشمنوں کو مغلوب کر سکے یا وہ فقیر و کنگال ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی اولاد ہو جو کسب رزق میں اس کی معاون ثابت ہو یا انسان جب بوڑھا ہو کر اپنے آپ کو ایک دن اس جہاں سے رخصت ہونے والا سمجھتا ہے تو اس کے دل میں اولاد کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو مرنے کے بعد اس کے نام کو اور اس کی یاد کو زندہ رکھ سکے ۔ اور جو ذات ہر قسم کے احتیاج اور ضرورت سے پاک ہے اس کو اولاد کی خواہش کیونکر ہو ۔ دوسری دلیل لہ ما فی السموات الخ سے دی کہ یہ سارا عالم بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز اس کی پیدا کردہ ہے اور اس کی مملوک ہے تو وہ اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے ۔

ف حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عرصہ دراز سے اہل مکہ کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے لیکن وہ اپنے کفر و شرک کے ساتھ ایسے چمٹے ہوئے تھے کہ حق کے اجالا کو دیکھنا ہی گوارا نہ تھا ۔ پہلے انہیں عقلی اور وجدانی دلائل سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ اس ہٹ دھرمی کا انجام کیا نکلے گا ۔ مہلت مدید کے لمحے اگر تم نے ضائع کر دیے تو غضب الٰہی کی آگ تمہیں جلا کر راکھ کا ڈھیر کر دے گی ۔ اب انہیں انسانی تاریخ کے چند واقعات سنائے جا رہے ہیں تاکہ ان کا دل پسیجے اور وہ قبول حق کی طرف راغب ہوں ۔ نیز اس میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی

لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ

اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اگر گراں ہے تم پر میرا قیام (تم میں) اور میرا پند و نصیحت کرنا اللہ تعالیٰ کی آیتوں

تسلی ہو کہ آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کا رب آپ کے ساتھ ہے اور آپ ہی کامیاب و کامران ہوں گے۔

۲۱ـــ حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس للکار میں جو تمکنت اور جلال ہے وہ بتا رہا ہے کہ اس مرد حق آگاہ کا سینہ نور یقین سے لبریز ہے۔ اسے اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد ہے۔ اور اپنی کامیابی کے متعلق اسے ذرا بھی تردد نہیں۔ کفار کی تعداد کثیر سہی ان کی قوت بے پناہ سہی اور ان کی عقل فتنہ اندیش کے بھیڑیے بنے ہوئے سہی لیکن پیغمبر کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ چنانچہ آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میری دعوت توحید اگر تمہیں ناپسند ہے تو ہوا کرے میں تو اس سے باز نہیں آؤں گا جب تک دم میں دم ہے اپنے مالک و خالق کی عظمت و کبریائی کے گیت گاتا ہی رہوں گا۔ اور حق و صداقت کا پرچم لہراتا ہی رہوں گا۔ تم ایسا کرو کہ سب اکٹھے ہو جاؤ۔ اپنے شفاکروں کو بھی بلا لو۔ سب مل کر بیٹھو۔ سوچو اور خوب سوچو۔ خوب سوچ بچار کے بعد میرے خلاف کاروائی کرنے کا عزم مصمم کرو۔ تمہاری اسکیم کا کوئی گوشہ ایسا نہ رہے جس پر تم نے اچھی طرح غور و فکر نہ کر لیا ہو اور اس کی کامیابی کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہو گئے ہو۔ جلدی کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ کر چلا نہ جاؤں گا۔ پھر سوچ لو۔ ہمہ پہلو خوب غور و فکر سے جو سکیم تم نے مشورہ کی بنا پر تیار کی ہو اس کو بروئے کار لاؤ۔ میرا انتظار نہ کرو پوری بربریت اور وحشت کے ساتھ یکبارگی مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ پھر دیکھو انجام کیا ہوتا ہے۔ کیا ایک مرد حق آگاہ کی نگاہ تمکین کو برداشت کرنے کی تم میں تاب ہے؟ اس کا ایک نعرہ اللہ تمہارے غرور و فریب کے سارے قلعوں کو پیوند خاک کر دے گا اور تم اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکو گے۔ ذرا سوچو! اس بے سروسامان کے پاس کونسی قوت تھی جس نے تمہاری طاقت و جبروت کو سرنگوں کر دیا؟ وہ تائید ایزدی اور نصرت الٰہی تھی۔ جس انسان کو اپنے رب کی تائید و نصرت حاصل ہو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے میں ہی انسان کی فلاح و نجات ہے۔ جو اس سے ٹکرائے گا پاش پاش ہو جائے گا۔ حق یہ ہے کہ جب تک کسی داعی کو اپنی دعوت کی صداقت پر محکم یقین اور اپنے رب کی تائید و نصرت پر مکمل اعتماد نہ ہو وہ کفر و باطل کی بپھری ہوئی اندھی قوت سے ٹکرا نہیں سکتا۔ ایک مبلغ کی قوت اور کامیابی کا راز اسی یقین و اعتماد میں مضمر ہے۔ اس آیت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ ان کان کبر شرط ہے اور اکثر علماء کے نزدیک اس کی جزا فاجمعوا امرکم ہے اور فعلی اللہ توکلت جملہ معترضہ ہے۔ وقال الاکثرون الجزاء فاجمعوا وفعلی اللہ توکلت جملۃ اعتراض بین الشرط والجزاء (بحر محیط)۔ شرکاءکم کو منصوب پڑھا گیا ہے اگر فاجمعوا باب افعال سے امر ہو تو اس لغت عرب کے مطابق امام نے شرکاءکم کو منصوب پڑھنے کی تین وجہیں لکھی ہیں۔ (۱) یہ مفعول ہے فعل محذوف کا یعنی وادعوا شرکاءکم (۲) یہ عطف علی المعنی ہے۔ (۳) یہ مفعول معہ ہے اور واؤ ”مع“ کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور اگر فاجمعوا کو جمع سے امر بنایا جائے تو شرکاءکم کو منصوب پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا عطف امرکم پر ہے یعنی فاجمعوا امرکم واجمعوا شرکاءکم۔ یہاں بھی اسے مفعول معہ بنایا جا سکتا ہے (قرطبی)۔ لغوی تحقیق: اجمعوا کا معنی ہے عزم مصمم کر لینا چنانچہ جب انسان کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے اور اس کو کرنے کا عزم مصمم کر لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں اجمع الرجل الشیء، عزم علیہ ونواہ (بحر محیط)

اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

سو (سن لو) میں نے تو اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا سو تم بھی کوئی متفقہ فیصلہ کر لو اپنے شریکوں سے مل کر۔ پھر نہ رہے تمہارا

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿٧١﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

پوشیدہ معاملہ تم پر مخفی پھر کر گزرو میرے ساتھ (جو جی میں آئے) اور مجھے مہلت نہ دو۔ پس اگر تم منہ موڑے

فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ

(رہو تو) میں نے نہیں طلب کیا تم سے کچھ اجر نہیں میرا اجر مگر اللہ کے ذمہ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ

اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي

میں ہو جاؤں مسلمانوں سے تو آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا پس ہم نے نجات دی انھیں اور جو ان کے ساتھ

الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

کشتی میں تھے اور ہم نے بنا دیا انھیں ان کا جانشین اور ہم نے غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

ذرا دیکھو کیسا انجام ہوا ان کا جنھیں ڈرایا گیا تھا۔ پھر ہم نے بھیجے نوح علیہ السلام کے بعد

۱۱؎ اگر تم میری دعوت کو قبول نہیں کرو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے میرا کچھ نہیں بگڑے گا میں تم سے کسی چیز کا طلبگار نہیں ہوں۔ مجھے اجر دینے والا میرا رب ہے۔ اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔ اس کے در کا سائل اتنا غیور رہتا ہے کہ وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا گوارا ہی نہیں کرتا۔

۱۲؎ یعنی اے کفار مکہ! حضرت نوح نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا لیکن وہ باز نہ آئے۔ ان کا انجام یہ ہوا کہ طوفان آیا اور ان مغروروں و سرکشوں کے بیڑوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ہوش کرو! کہیں اسی مسلسل نافرمانی اور انکار حق کی پاداش میں تمہیں بھی تباہ و برباد نہ کر دیا جائے۔

رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا

اور رسول ان کی قوموں کی طرف تو وہ لائے ان کے پاس روشن دلیلیں تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے وہ

كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿٧٤﴾

جھٹلا چکے تھے پہلے۔ یونہی ہم مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

پھر ہم نے بھیجا ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو ۱۲۷؎ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف

بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ

اپنی نشانیوں کے ساتھ تو فرعونیوں نے غرور و تکبر کیا ۱۲۸؎ اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ پھر جب آیا ان کے پاس حق

۱۲۶؎ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد بھی حضرات انبیاء کرام کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ انہوں نے اپنی اپنی قوم کو پیغام حق سنایا اور اپنے پیغام کی صداقت کو دلائل و معجزات سے ثابت کیا لیکن قوم نے ایک دفعہ جس بات کو ماننے سے انکار کیا پھر اس کو ماننے سے انکار ہی کرتی رہی۔ کوئی قوی سے قوی دلیل بھی انہیں اپنی روش بدلنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ ان کی اس پیہم سرکشی کے باعث حق پذیری کی جو صلاحیت ان میں تھوڑی بہت تھی وہ ضائع ہو گئی اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔ دوسرے لوگوں کی طرح ان میں بھی نور حق کو دیکھنے، آواز حق کو سننے اور دعوت حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیتیں تھیں لیکن انہوں نے اپنی بداعمالیوں سے خود ہی انہیں ضائع کر دیا۔ معتدین کہتے ہیں جو اپنے نفس کی خواہش کی تعمیل کرتے ہوئے حق و انصاف کی حدود سے تجاوز کر جاتے۔ الاعتداء ومعناه مجاوزة حد الحق والعدل اتباعا لهوى النفس وشهواتها۔ (المنار)

۱۲۷؎ رسولوں کی بعثت کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا ایک جلیل المرتبت رسول حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام مبعوث ہوئے جن کے ذمہ دو اہم کام تھے۔ اپنی قوم بنی اسرائیل کو جو صدیوں سے مصر میں غلامانہ زندگی بسر کر رہی تھی آزاد کرانا اور فرعون کو جس نے اپنے خدا ہونے کا دعویٰ کر رکھا تھا اور اپنی رعایا کو اپنی پرستش کرنے کا حکم دے رکھا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی کا پیغام پہنچانا۔ یہ دونوں کام جتنے اہم تھے اتنے ہی مشکل اور دشوار بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم معجزات سے نوازا تاکہ ان کی قوت سے باطل کو سرنگوں کر سکیں اور ان کی روشنی سے شک و شبہ کے سارے اندھیروں کو دور کر سکیں۔ جب آپ نے وہ معجزات دکھائے تو ان کو جادوگر کہا گیا۔ اس کا مفصل بیان سورۃ الاعراف کی آیات ۱۰۳ تا ۱۲۶ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲۸؎ یعنی دلائل و براہین کی روشنی نے حق کی حقانیت ان پر واضح کر دی تھی لیکن از راہ نخوت وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ

مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ

ہماری طرف سے تو انھوں نے کہا کہ یقیناً یہ کھلا جادو ہے [illegible] موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا (عقل کے اندھو) کیا

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْٓا

تم کہتے ہو (ایسی بات) حق کے متعلق جب وہ تمہارے پاس آیا (ذرا سوچو!) کیا یہ جادو ہے؟ اور نہیں کامیاب ہوتے جادوگر کہنے لگے کیا تم

اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

اس لیے آئے ہو ہمارے پاس تاکہ ہٹا دو ہمیں اس (راہ) سے جس پر ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو اور ہو جائے صرف تم دونوں کے لیے بڑائی

فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ

سرزمین (مصر) میں ۔ اور ہم لوگ تو تم کو نہیں مانیں گے [illegible] اور فرعون نے حکم دیا (فوراً) لے آؤ میرے پاس

مادی مجرم تھے جرم و گناہ کی محبت میں وہ مگن تھے سچائی اور نیکی سے انہیں خدا واسطے کا بیر تھا۔

[illegible] وہ کلیم اللہ کے معجزات کو بھی ساحرانہ شعبدہ بازی ہی سمجھتے اور اس فن میں تو انھیں کمال حاصل تھا اس لیے وہ کسی ساحر کی غلامی پر کسی طرح بھی [illegible] کے لیے تیار نہ تھے۔

[illegible] جب فرعون اور اس کے درباریوں نے آپ کے معجزات کو جادو کہا تو آپ جلال میں آگئے! فرمانے لگے عقل کے اندھو کیا یہ جادو ہے کیا یہ تابانی اور یہ درخشانی کبھی جادو میں بھی تم نے دیکھی ہے کیا تم اتنے کور دل ہو کہ کھرے اور کھوٹے میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔ کیا ہر چمکنے والی چیز سونا ہوتی ہے۔ پھر دیکھو جادوگر کے تصرف میں بجز قوت [illegible] کے کچھ نہیں فلاح و کامرانی سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں اگر میں بھی جادوگر ہوا تو دوسرے جادوگروں کی طرح میں بھی خائب و خاسر ہوں گا اور اگر میرے نقش قدم پر چلنے والے حقیقی فوز و فلاح کی منزل پر پہنچ گئے تو پھر تو مان لو گے کہ میں اللہ تعالیٰ کا سچا رسول تھا۔

[illegible] جب آپ کے معجزات آپ کے دلائل اور آپ کی بے غرض صاف گوئی کے باعث ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا جب کوئی معقول جواب بن نہ پڑا تو الزام تراشی پر اتر آئے کہ تم چاہتے ہو کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے عقائد سے برگشتہ ہو جائیں ہم اس کے لیے ہرگز تیار نہیں دوسرا یہ کہ تم دراصل کوئی سیاسی انقلاب لانا چاہتے ہو تمہارے پیش نظر عقائد کی اصلاح اور اخلاق کی تربیت ہرگز نہیں تم محض اقتدار کے بھوکے ہو اور چاہتے ہو کہ مصر میں تمہاری حکومت قائم ہو جائے ہم اس انقلاب کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے [illegible] ہر زمانہ میں [illegible] حکمران [illegible] کلمہ حق بلند کرنے والوں پر حکمران طبقہ کی طرف سے یہی الزام لگایا جاتا ہے! ان کے اخلاص و للہیت [illegible] اسی قسم کی بے بنیاد تہمتوں سے [illegible] کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔

[illegible] ان کلمات سے جو تعصب اور ہٹ دھرمی نمایاں ہو رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا

ہر ماہر جادوگر۔ پھر جب آ گئے جادوگر تو کہا انہیں موسیٰ (علیہ السلام) نے ڈالو

مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ

(میدان میں) جو تم ڈالنے والے ہو۔ پھر جب ڈال دیا انہوں نے تو موسیٰ نے فرمایا یہ جو تم لائے ہو یہ

السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٨١﴾

جادو ہے اللہ یقیناً اللہ تعالیٰ ملیامیٹ کر دیگا اسے بیشک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شرپسندوں کے کام کو۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٨٢﴾ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى

اور اللہ تعالیٰ حق کو حق کر دکھاتا ہے اپنے ارشادات سے اور خواہ ناپسند ہی کریں (اسے) مجرم لوگ[۱۱۲] پس نہ ایمان لائے موسیٰ پر

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ

بجز ان کی قوم کی اولاد کے[۱۱۳] (اور وہ بھی) ڈرتے ہوئے فرعون سے اور اپنے سرداروں سے

۱۱۱ جب وہ اپنے جادو کے کمال کا مظاہرہ کر چکے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میری آیات بینات کو سحر کہتے تھے وہ سحر نہیں سحر تو یہ شعبدہ بازیاں ہیں جن کا مظاہرہ تم کر رہے ہو۔ ابھی تمہیں میرے اس قول کی صداقت کا علم ہوا چاہتا ہے۔ سحر باطل ہے اور باطل کا نامٹ جانا ہے اور حق ہمیشہ زندہ و پائندہ رہتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس مقابلہ میں کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔ جب حضرت کلیم نے اپنا عصا پھینکا تو وہ چشم زدن میں ان تمام کو نگل گیا۔ حق کا بول بالا ہوا اور باطل کے پرستاروں کو شرمناک ہزیمت اٹھانا پڑی۔

۱۱۲ کفار ناک بھوں چڑھاتے رہیں۔ مجرم پیشہ لوگوں کی پیشانیوں پر بل پڑتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی پرواہ نہیں۔ وہ تو اپنے ارشادات طیبات سے حق کو سربلند کر کے چھوڑتا ہے۔

۱۱۳ فرعون مصر کا مطلق العنان بادشاہ تھا لیکن اس نے صرف بادشاہ کہلانے پر ہی قناعت نہ کی بلکہ اس نے اپنے رب اعلیٰ ہونے کا بھی اعلان کر دیا اور اپنی رعایا کو حکم دیا کہ وہ اس کی پرستش کیا کریں۔ بادشاہ کے خلاف بغاوت کی جا سکتی ہے لیکن کوئی پجاری اپنے خدا کے خلاف بغاوت کا تصور تک کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے چاہا کہ وہ اپنی حکمرانی کا محل اپنے بادشاہ اور خدا ہونے کی بنیادوں پر تعمیر کرے تاکہ کسی کو سرکشی کی ہمت ہی نہ ہو سکے۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں جب لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لگایا تو اس کی زد فقط فرعون کے رب اعلیٰ بننے کے منصوبے پر ہی نہیں پڑی تھی بلکہ اس سے تو اس کی حکومت و فرمانروائی کے قصر کی بنیادیں لرز اٹھی تھیں۔ فرعون ایسی جابر

أَنْ يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّهُ لَمِنَ

کہ کہیں وہ انھیں بہکا نہ دے اور واقعی فرعون بڑا سرکش (بادشاہ) تھا ملک میں ١١٥ اور واقعی وہ حد سے

الْمُسْرِفِينَ ﴿٨٣﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ

بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میری قوم! اگر تم ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ پر

کب برداشت کر سکتا تھا اس نے صاف اعلان کر دیا قال فرعون ذرونی اقتل موسیٰ ولیدع ربہ۔ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظہر فی الارض الفساد۔ (۴۰: ۲۶) یعنی مجھے چھوڑو کہ میں موسیٰ کا سر قلم کروں۔ چاہیے وہ اپنے رب کو بلا لے۔ مجھے یہ خطرہ ہے کہ اگر اس کو فوراً قتل نہ کر دیا گیا تو وہ تمہارا دین بگاڑ دے گا یا زمین میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکا دے گا۔ ان حالات میں موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ حکومت کی قہر آلود نگاہوں کو برداشت کر لینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہوا کرتی۔ وہ لوگ جو حکومت کے وظائف پر زندہ تھے جن کی ساری عظمتیں صرف ان کی چاپلوسی کی مرہون منت تھیں جنھیں اس حکومت کے سایہ میں ہر طرح کی جائز و ناجائز مراعات حاصل تھیں انھیں کیا پڑی تھی کہ وہ خواہ مخواہ اپنے مستقبل کو تاریک کر دیں! وہ اپنے ہاتھوں اپنی بساط عیش و نشاط کو الٹ دیں اس لیے قبطیوں کے لیے حضرت موسیٰ میں کوئی جاذبیت نہ تھی۔ رہے بنی اسرائیل تو ان کی ہزاروں برسوں کو طویل عرصہ کی غلامی نے کھوکھلا کر دیا تھا ان کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ ہمتیں ٹوٹ گئی تھیں ان کے سینوں میں کسی ایسی امنگ کے ابھرنے کی گنجائش ہی نہیں رہی تھی جو ان کی زندگی کو گرما دے۔ ان کی زندگی کا مقصد صرف شکم پروری اور زیادہ سے زیادہ کنبہ کی پرورش رہ گیا تھا۔ ان میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ فرعون جیسے جابر حاکم کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے والے کے دوش بدوش کھڑے ہو سکیں۔ اس لیے آپ کی قوم کے بڑے بڑے بوڑھوں نے تو اس معرکۂ حق و باطل میں آپ کا ساتھ دینے سے صاف انکار کر دیا البتہ بنی اسرائیل کے چند نوجوان ان سب خطرات اور جان گسل مشکلات کو جانتے ہوئے بھی جن سے انھیں بلاشبہ دوچار ہونا تھا آگے بڑھے اور حضرت کلیم اللہ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

١١٥ ان جانبازوں کو فرعون کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ تھی۔ انھیں خوب علم تھا کہ وہ ایک سرکش اور مطلق العنان حکمران ہے۔ اس کا ظلم و استبداد کسی قانون و ضابطہ کا پابند نہیں۔ وہ ان پر ایسے ستم توڑے گا کہ پہاڑوں کے دل بھی کانپ اٹھیں گے لیکن وہ تو دعوت توحید سے مسرور ہو کر اپنے معبود برحق کی وحدانیت کا پرچم لہرانے کا عزم بالجزم کر چکے تھے انھوں نے نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وابستہ کر دی تھی۔

یہاں چند امور توجہ طلب ہیں۔ (۱) ذریۃ: بعض لوگوں کو لغت میں ذریت کہتے ہیں لیکن عرف میں اس کا استعمال چھوٹوں بڑوں سب پر ہوتا ہے۔ الذریۃ اصلہا الصغار من الاولاد وان کان قد یقع علی الصغار والکبار معًا فی التعارف ویستعمل للواحد والجمع واصلہ الجمع۔ (مفردات راغب) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کے بڑوں بوڑھوں کو دعوت دی تو انھوں نے فرعون کے خوف سے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے نوجوان بچوں کو بھی کہا کہ وہ ان کے قریب نہ جائیں لیکن

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا

تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم سچے مسلمان ہو۔ انھوں نے عرض کی اللہ تعالیٰ پر ہم نے بھروسہ کیا ہے ١١٩

ان نوجوانوں نے تمام خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس کو قبول کیا اس لیے یہاں ذریت سے مراد کمسن بچے نہیں بلکہ نوجوان انسان مراد ہیں۔ حیث دعا علیہ السلام الاولاد آباؤھم فلم یجیبوہ خوفا من فرعون واجابتہ طائفۃ من شبانھم فقیل لہم من ذریۃ الشبان لا الاطفال (روح المعانی)

(۲) قومہ کی ضمیر کا مرجع کون ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس کا مرجع فرعون ہے کیونکہ اس کا مرجع اگر موسیٰ کو بنایا جائے تو لازم آئیگا کہ قوم موسیٰ کی اکثریت بھی کافر تھی اور ان میں صرف چند لوگ ایمان لائے تھے حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے کیونکہ ساری قوم آپ پر ایمان لا چکی تھی۔ ہاں اگر اس کا مرجع فرعون ہو تو پھر کوئی اشتباہ نہیں کیونکہ قوم فرعون میں سے تو گنتی کے چند آدمی ایمان لائے تھے مثلاً حضرت آسیہ، مومن آل فرعون، فرعون کا خزانچی اور اس کی بیوی لیکن اگر آپ قرآن کریم کے الفاظ میں غور کریں تو یہ شبہ خود بخود دور ہو جاتا ہے۔ علماء ادب و نحو کی تحقیق کے مطابق اگر آمن کا صلہ با ہو تو اس کا معنی کسی پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہوتا ہے اور اگر اس کا صلہ لام ہو تو پھر اس کا معنی اطاعت و پیروی کرنا ہوتا ہے۔ آمن بہ: صدقہ وثق بہ۔ وآمن لہ: خضع وانقاد (المنجد) یہاں آمن بموسیٰ نہیں تاکہ بنی اسرائیل کی اکثریت کا کفر ثابت ہو بلکہ آمن لموسیٰ کے الفاظ ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اگرچہ موسیٰ کی رسالت کو مانتے تھے لیکن اس معرکہ حق و باطل میں وہ آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے۔

۳۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام اپنے وفا کیش ساتھیوں کی تربیت فرما رہے ہیں۔ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو تو پھر تمہیں حالات کی تمام ناسازگاریوں کے باوجود گھبرانا نہیں ہو گا۔ بلکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر کامل بھروسہ کرنا ہو گا۔ راہ حق کے مسافر کے لیے توکل علی اللہ سے بہتر اور کوئی زاد راہ نہیں ہے۔

۴۔ ان جانبازوں نے اپنے مرشد کے اس سبق کو ہمیشہ یاد رکھنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد اپنے رب کریم کی بارگاہ عزت و جلال میں دامن طلب پھیلا کر دو التجائیں کیں۔ ایک یہ کہ ہمیں اس ظالم قوم کے لیے فتنہ نہ بنا۔ دوسری یہ کہ ہمیں ان کے پنجہ استبداد سے رہائی بخش۔ فتنہ بننے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں یعنی ہمیں ان کے ظلم و ستم کا ہدف نہ بنا اور ہماری قوت برداشت جواب دے جائے اور ہمارے پاؤں ڈگمگا جائیں اور صبر و استقامت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ دوسرا معنی جو زیادہ پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اگر ان کے ظلم و تشدد کے مقابلے میں ہماری بے بسی کا یہی عالم رہا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی برتری کے باعث اپنے برحق ہونے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں اور جب یہ دیکھیں گے کہ انھوں نے تو ہم پر ظلم کی انتہا کر دی ہے اور مار مار کر ہمیں لہولہان کر دیا ہے اور ان میں سے کسی کو ایک تنکے تک نہیں چبھا تو وہ یقین کر لیں گے کہ یہ ہار کوئی غلط نہیں ورنہ اس کی غیرت اپنے بندوں کی اس رسوائی کو برداشت نہ کر سکتی۔ لا تسلطھم علینا فیقول قوم فرعون لو کان ھؤلاء علی الحق ما عذبوا و ظنوا انھم خیر منا۔ ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے یعنی ہمیں ایسی لغزش سے بچا جس سے اہل باطل کو دعوت حق پر زبان طعن دراز کرنے کا موقع مل جائے یا اس کو رد کرنے کا بہانہ مل جائے۔ عام لوگ حق کو اس کے پرستاروں کی زندگی کے آئینہ میں ہی دیکھا کرتے ہیں۔ ان کی سیرت اور کردار میں اگر ذرا سی خامی دیکھی جب اس کا الزام ان پر نہیں بلکہ ان کی دعوت پر لگا دیا۔ اس لیے وہ نوجوان عرض کر رہے ہیں کہ

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٥ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

اے ہمارے رب! نہ بنا ہمیں فتنہ (کا موجب) ظالم قوم کے لیے اور نجات دے ہمیں اپنی رحمت سے

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٨٦ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ

کافروں (کے ظلم و ستم) سے اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف کہ مہیا کرو

لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اپنی قوم کے لیے مصر میں چند گھر اور بناؤ اپنے ان گھروں کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝٨٧ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ

اور (اے موسیٰ) خوشخبری دو مومنوں کو اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور

آزمائش کی گھڑیوں میں جب حوصلہ اور اولوالعزمی اور استقامت کی ضرورت ہے ہمیں مغلوب نہ ہونے دینا ایسا نہ ہو کہ ہم سے کسی بشری کمزوری کا ظہور ہو جائے اور ظالم ان لوگوں کو حق پر آواز کسنے کا موقع مل جائے۔ دینی راہنماؤں کی ذمہ داریاں بڑی نازک ہوتی ہیں۔ ان کی ادنیٰ سی لغزش لوگوں کے لیے حجاب بن جاتی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ بارگاہ الٰہی میں اس نازک ذمہ داری کے سنگین تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق طلب کرتے رہیں۔

١١٠ مصر میں بنی اسرائیل نے اپنی عبادت کے لیے کئی عبادت گاہیں بنائی ہوئی تھیں جن میں وہ اکٹھے ہو کر عبادت کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت کلیم کی آمد کے بعد فرعون کے حکم سے ان عبادت گاہوں کو مسمار کر دیا گیا اور ان کے دینی اجتماعات پر بھی طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی گئیں [illegible] ان حالات میں جبکہ ان کی عبادت کے مراکز منہدم کر دیے گئے تھے انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ہی عبادت کیا کریں۔ قِبْلَةً سے مراد یا تو مصلّی ہے یعنی اپنے گھروں کو ہی عبادت گاہ بنا لیں یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مکان تعمیر کریں جو قبلہ رخ ہوں تاکہ وہاں عبادت کرنے میں انہیں آسانی ہو اور سمت متعین کرنے میں انہیں تردد نہ ہو۔

١١١ بگڑے ہوئے حالات میں قوم کے حوصلوں کو بلند رکھنا از حد ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کی قوت مدافعت جواب دے دیتی ہے۔ حق و باطل کی یہ کشمکش بڑی طویل اور صبر آزما تھی۔ فرعون کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا اور بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی کا کوئی امکان نہ تھا۔ مگر قدم قدم پر ان مجاہدوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تاکہ وہ کسی وقت بھی حوصلہ نہ ہار بیٹھیں۔ اس لیے حضرت موسیٰ کو [illegible] کہ اے کلیم! انہیں اپنے رب کریم کی نصرت کا یقین دلاتے رہو انہیں بتاؤ کہ کامیابی کا سہرا یقیناً تمہارے سر بندھے گا اور فرعون باوجود اپنے جاہ و جلال کے تباہ کر دیا جائے گا۔

١١٢ موسیٰ علیہ السلام عرصہ دراز تک فرعون اور اس کی قوم کو رشد و ہدایت کی دعوت دیتے رہے لیکن سب بے سود۔ آئے دن ان کے فسق و فجور میں اضافہ ہی ہوتا اور ان کی سرکشی بڑھتی ہی چلی جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عجز سے بارگاہ رب العزت میں عرض کی اے ہمارے پروردگار! بے شک

مَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ

اس کے سرداروں کو سامانِ آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لیے کہ وہ گمراہ کرتے

سَبِیْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو

فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ

تاکہ وہ ایمان نہ لائیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کر لی گئی

دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

تمہاری دعا ۱۲۲ پس تم ثابت قدم رہو اور ہرگز نہ چلنا اس طریقہ پر جو جاہلوں کا طریقہ ہے

(۱۲۱) ... کے ان گنت سامان یہ دولت و ثروت کی ریل پیل کیا انھیں اس لیے دی گئی کہ یہ لوگ رنگ رلیاں مناتے رہیں، داد عیش دیتے رہیں۔ نہ تجھے یاد کریں اور نہ تیرے انعامات پر تیرا شکر بجا لائیں۔ ان کے عشرت کدوں کے سایہ میں مجبور و مقہور انسانیت سسکتی رہے، کراہتی رہے اور انھیں کبھی اس کا خیال بھی نہ آئے۔ یہ نشۂ دولت میں اتنے سرمست رہیں اور ان تاریک جھونپڑیوں کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جہاں غربت اور فاقہ کشی نے اپنے ظالم پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ اب تو ان بدبختوں نے ظلم کی تلواریں لے لے کر مظلوم حقیقی اور ناروا ستم کے ناروا جنون نے انھیں بد دماغ بنا دیا ہے۔ اب ان کو بھسم کر دے ان پر اپنا درۂ عبرت بیچنے کے لیے ... اب یہ اس لائق ہی کہاں ہیں کہ انھیں تیرے بحر کرم میں بھگو دیا جائے۔ اکثر مفسرین نے لیضلوا کے لام کو لام عاقبت کہا ہے یعنی تو نے ان کو سامان آرائش بخشا اور انھیں دولت فراواں عطا کی لیکن اس کا انجام یہ ہوا کہ انھوں نے راہِ ہدایت کو چھوڑ کر اپنے لیے گمراہی کا راستہ منتخب کیا لیکن میں نے ترجمہ کرتے ہوئے امام رازی کے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ یہاں ہمزۂ استفہام مقدر ہے اور آپ ازراہِ حیرت و استعجاب دریافت کر رہے ہیں۔ ان یکون موسٰی علیہ السلام ذکر ذلک علی سبیل التعجب المقرون بالانکار... التقدیر فحذف حرف الاستفهام۔ کبیر

اگرچہ پیغمبر کا کام پیغامِ حق سنانا ہوتا ہے بددعا کرنا نہیں ہوتا لیکن جب کسی قوم کی ہدایت کا امکان ہی باقی نہ رہے تو باذنِ الٰہی وہ بددعا کرتا ہے۔

(۱۲۲) ارشاد ہوا کہ تمہاری دعا قبول ہو گئی۔ ان پر عذاب آئے گا جو ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا لیکن اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا گیا ہے تم نادان لوگوں کی طرح جلد بازی نہ کرنا۔

وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ

اور ہم پار لے گئے بنی اسرائیل کو سمندر سے ¹²¹ پھر پیچھا کیا ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے

بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتّٰىٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ أَنَّهُ لَآ إِلٰهَ

سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے حتیٰ کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو (بے ساختہ) کہنے لگا ¹²² میں ایمان لایا کہ کوئی سچا خدا نہیں

إِلَّا الَّذِيٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوٓا إِسْرَآءِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾

بجز اس کے جس پر ایمان لائے تھے بنی اسرائیل اور میں اعلان کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾ فَالْيَوْمَ

کیا اب ¹²³ (ایمان لاتا ہے) اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ و فساد برپا کرنے والوں سے تھا۔ سو آج ہم ¹²⁴

---

١٢١ سورہ بقرہ اور اعراف میں بنی اسرائیل کے صحیح سلامت پار اترنے اور فرعون کے غرق ہونے کا ذکر گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

١٢٢ جب سمندر کی تندوتیز لہروں نے اسے اپنے نرغہ میں لے لیا اور اسے اپنی ہلاکت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہا تو خدائی کا نشہ ہرن ہو گیا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا جس جرأت کو وہ اب تک بڑی حقارت سے ٹھکرا رہا تھا اب ایک ہی سانس میں تین مرتبہ اس کی صداقت کا اعتراف کرنے لگا۔ آمنت انہ لا الہ الا الذی ۔ ۔ ۔ ۔ انا من المسلمین۔

١٢٣ عذاب کا فرشتہ جب شہ رگ کو آ کر دبوچ لے یا پردہ غیب میں مستور حقائق جب بے حجاب دکھائی دینے لگیں تو اس وقت ایمان لانا شریعت میں معتبر نہیں۔ اس لیے حالت اضطرار میں جب فرعون نے ایمان لانے کا اعلان کیا تو اسے اس کے منہ پر دے مارا گیا۔ اگرچہ بائیبل میں فرعون کے ایمان لانے کا تذکرہ نہیں لیکن تلمود میں صراحۃً مذکور ہے کہ اس وقت فرعون نے کہا: میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں۔ اے خداوند تیرے سوا کوئی خدا نہیں۔ (تفہیم القرآن)

١٢٤ ہو سکتا تھا کہ سمندر کی بے رحم موجیں اس کی نعش کو کہیں دور بہا لے جاتیں یا وہ سمندر کا کھارا پانی تھوڑی دیر میں اس کے گوشت پوست کو گلا کر رکھ دیتا یا بحری جانور اسے نگل جاتے اور اس کا کوئی نشان تک باقی نہ رہتا لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ دنیا خدائی کے جھوٹے مدعی کے ہولناک انجام کو فراموش کر دے۔ چنانچہ موجوں کو حکم ملا اور انھوں نے اس کے بے روح جسم کو اٹھا کر ایک ٹیلے پر پھینک دیا یہ جگہ آج بھی جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے اور وہاں کے لوگ بتاتے ہیں کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں فرعون کی لاش کو سمندر نے پھینکا تھا اس کی لاش کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو بھی اس کے ڈوب جانے کا یقین ہو گیا۔ نیز باقی لوگوں کے لیے بھی اس میں درس عبرت ہے مصر میں ایسے مسالے ایجاد ہو چکے تھے جن کے استعمال سے لاش کو گلنے سڑنے سے بچایا جا سکتا تھا اور اس زمانہ میں بادشاہوں اور امراء کی لاشوں کو ممی کر دیا

نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

بچا لیں گے تیرے جسم کو (سمندر کی تند موجوں سے) تاکہ تو ہو جائے اپنے پچھلوں کے لیے (عبرت کی) نشانی اور حقیقت یہ ہے کہ

النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿٩٢﴾ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ

اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے غفلت برتنے والے ہیں ۹۲ اور ہم نے عطا فرمایا بنی اسرائیل کو بہترین

صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ

ٹھکانا ۹۳ اور ہم نے انھیں پاکیزہ رزق بخشا پس انھوں نے اختلاف نہ کیا حتیٰ کہ آگیا ان کے پاس حقیقت کا

الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا

علم۔ (اے حبیب!) بے شک آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا اُن کے درمیان روز قیامت جن باتوں میں وہ

فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ فَإِن كُنتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ

جھگڑا کیا کرتے تھے ۹۳ اور (اے سننے والے!) اگر تجھے کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے (اپنے نبی کے ذریعہ) تیری طرف اتارا

جاتا تھا۔ چنانچہ پروفیسر لاریٹ نے مصر کے شاہی قبرستانوں سے جو حنوط شدہ لاشیں نکالی ہیں جو محفوظ ہیں مصر کے عجائب گھر (دارالآثار) میں ایک لاش موجود ہے جس کے متعلق ماہرین اثریات کا خیال ہے کہ یہ فرعون موسیٰ (رعمسیس ثانی) کی لاش ہے جس نے ۱۹۰۷ء میں سرگرافٹن ایلیٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔" (تفہیم القرآن)

۹۲ یہ لاش رکھ کر بتایا گیا ہے کہ بعد میں آنے والے نافرمانوں کے انجام سے عبرت حاصل کریں اور اس راہ پر چلنے سے بچیں جس پر چل کر ان کے پیش رو بربادی و ہلاکت کے گڑھوں میں گر کر ہلاک ہو چکے ہیں لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا گرچہ قدم قدم پر عبرت کی نشانیاں اپنی زبان حال سے انھیں متنبہ کر رہی ہیں لیکن غافل انسانوں کے غفلت کے نشے میں چور انھیں راہوں پر سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

۹۳ یعنی فرعونیوں کے غرقاب ہونے کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کیا اور انھیں بسنے کے لیے ایک زرخیز اور شاداب خطہ زمین (فلسطین اور اردن) مرحمت فرمایا اور انھیں کھانے کے لیے پاکیزہ اور لذیذ چیزیں فراہم کیں۔

مُبَوَّأً: ٹھیرنے کی جگہ، مسکن۔ صدق کا معنی عمدہ پسندیدہ۔ ای منزلاً صالحا مرضیا (بحر)

مبوأ کو صدق سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ جب وہ کسی چیز کی توصیف کرتے ہیں تو اسے

الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ

تو دریافت کر ان لوگوں سے جو پڑھتے ہیں کتاب تجھ سے پہلے۔ بیشک آیا ہے تیرے پاس حق تیرے

رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ

رب کی طرف سے پس ہرگز نہ ہو جانا شک کرنے والوں سے اور ہرگز نہ ہونا ان لوگوں سے

كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ

جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو ورنہ تو ہو جائے گا نقصان اٹھانے والوں سے۔ بیشک وہ لوگ ثابت ہو چکی ہے

عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ

جن پر آپ کے رب کی بات وہ ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ آجائیں ان کے پاس ساری نشانیاں

حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ

جب تک کہ وہ نہ دیکھ لیں دردناک عذاب ١٢٩ پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو

صدق کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی یہ چیز اتنی عمدہ ہے کہ اس سے بھلائی کی جو توقع کی جائے گی وہ چیز اس پر پوری اترے گی اور توقع کرنے والے کی تصدیق کرے گی۔ انما وصف المبوأ بكونه صدقا لان عادة العرب انهم اذا مدحت شيئا اضافته الى الصدق تقول رجل صدق، قدم صدق (از رازی)

١٢٧ ان دو آیتوں میں بھی خطاب عام انسان کو ہے۔

١٢٨ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس کے علم ازلی میں جو دولت ایمان سے محروم ہیں انہیں ہزار معجزے دکھائے جائیں ہزار دلیلیں سنائی جائیں وہ حق قبول نہیں کریں گے۔

١٢٩ یہاں تک کہ انہیں عذاب الٰہی لپیٹ لے اس وقت انہیں ہوش آئے گا اور وہ کف افسوس ملیں گے لیکن کیا حاصل۔

١٣٠ لولا یہاں ھلا سرزنش اور توبیخ کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی وہ لوگ کیوں ایمان نہ لائے تاکہ عذاب الٰہی سے بچ جاتے ابن عطیہ لکھتے ہیں کہ لفظی اعتبار سے یہ استثناء منقطع ہے لیکن معنوی لحاظ سے متصل ہے کیونکہ تقدیر عبارت یوں ہے ما آمن من اهل قرية الا قوم يونس بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب ان پر آیا لیکن ان کی گریہ و زاری اور نالہ و بکا کی وجہ سے ٹال دیا گیا اور یہی قوم کی خصوصیت ہے کہ نزول عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ لیکن زجاج کا قول ہے کہ عذاب ابھی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف

فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ

نفع بخشا اسے اس کو ایمان نے (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے ۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک ۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ

اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتے جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب اکٹھے کیا آپ

اس کی علامتیں اور آثار نمودار ہوچکے تھے کہ انہوں نے صدق دل سے توبہ کر لی۔ یا یہ کہ عذاب ابھی ان کو اپنے نرغہ میں نہیں لے پایا تھا جس طرح فرعون کو موجوں نے گھیر لیا تھا بلکہ جب انہوں نے دور سے کالے بادل منڈلاتے دیکھے تو سجدوں میں گر پڑے اور رو رو کر معافی مانگنے لگے ان کی مثال ایسے بیمار کی سی تھی جس پر بیماری کا حملہ اگرچہ شدید ہو لیکن بچ جانے کے امکانات بھی ابھی موجود ہوں۔ علماء نے زجاج کے اس قول کو بڑا پسند کیا ہے۔ قال الزجاج: انهم لم يقع بهم العذاب وانما رأوا العلامة التي تدل على العذاب ولو رأوا عين العذاب لما نفعهم الايمان۔ (قرطبی) قلت قول الزجاج حسن۔ (قرطبی)

وقال الزجاج: حتى دنا منهم العذاب ولم يباشرهم كما باشر فرعون فكانوا كالمريض الذي يخاف الموت ويرجو العافية فيه فاما الذي يباشره العذاب فلا توبة له۔ (بحر محيط)

۱۳۳ے بظاہر تو یہ چیز بڑی خوش آئند معلوم ہوتی ہے کہ زمین کا گوشہ گوشہ نور حق سے منور ہو۔ ہر طرف سے لا الہ الا اللہ کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہوں۔ محبت و پیار کا زمزمہ بہہ رہا ہو، احسان و مروت کی فرمانروائی ہو، کوئی بھی حق کا منکر نہ ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی تکوینی مصلحتیں اس کی متقاضی نہیں۔ ذکر و فکر کی محفلیں تو فرشتوں کے دم سے پہلے ہی آباد تھیں۔ آسمانوں کی مقدس بلندیوں پر کوئی جگہ ایسا نہ تھا جہاں ملائکہ نورانی پیشانیوں سے سجدہ ریز نہ ہوں۔ یا شبہ محفل کائنات ابھی تک بھی تشنہ تکمیل تھی۔ ابھی تک وہ جلوہ نہیں دکھایا گیا تھا جس کی حسن و شباب کی ساری رعنائیوں اور جمال انگیزیوں کو کسی یوسف بے مثال نے پائے حقارت سے ٹھکرایا نہ تھا۔ ید بیضا نے عصائے کلیمی کی جنبش سے کسی فرعون کا غرور خاک میں ملایا نہیں تھا۔ ابھی تک صد ہزار حسینوں کے ستم سہنے والے عشاق باوفا کے خون ناب سے رنگین قبا نہیں ہوئے تھے۔ اور یہ تو ہے کہ یہ بزم ہستی ان مناظر کے بغیر ناتمام معلوم ہو رہی تھی۔ یہ کمی تب ہی پوری ہو سکتی تھی کہ افراد انسانی کو متنوع صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا جاتا اور ان کو بڑھنے کا راستہ کے لیے انہیں آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ ان کی نشوونما کے لیے ایسا ماحول مہیا کیا جاتا جہاں نیکی اور بدی دونوں پنپ سکیں جہاں حق و باطل دونوں کے لیے زندہ رہنے کی گنجائش ہو۔ اس لیے خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا۔ اس کی جبلت میں طرح طرح کی صلاحیتیں رکھیں، اسے ہدایت و ضلالت کی راہوں سے آگاہ کر دیا اور پھر اسے عمل کی آزادی مرحمت فرمائی

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ

مجبور کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں اور کوئی بھی ایسا شخص نہیں کہ وہ

تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ

ایمان لا سکے بغیر حکم الٰہی کے۔ ۱۳۱ اور (سنت الٰہی یہ ہے کہ) وہ ڈالتا ہے (گمراہی کی) گندگی ان لوگوں پر جو

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا

بے سمجھ ہیں فرمائیے غور سے دیکھو! کیا کیا (عجائبات) ہیں آسمانوں اور زمین میں ۱۳۲ اور فائدہ

تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ

نہیں پہنچاتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس قوم کو جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ ۱۳۳ پس

اور انھیں بتا دیا کہ دیدار الٰہی ہے جو ہو رہے ہو وہی کا متاع ہے کہ اے محبوب! اگر تیرا رب چاہتا تو سب کو مومن بنا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگ حق اختیار کرنے پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ ولیتفرقہ بک کے الفاظ میں کر ذرا غور کرو۔ کیا لطف ہے۔ رب تو وہ ساری کائنات کا ہے لیکن ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ہے تیرے لیے ہے وہ تیری ذات سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ عرش سے فرش تک کسی سے المجید ث یہ نیاز مندی کا شرف صرف تیری ذات کو ہی حاصل ہے علیک الصلوٰۃ یا احب خلق اللہ وعلیک السلام یا عروس مملکۃ اللہ۔

۱۳۱ یعنی شرف ایمان سے وہی مشرف ہو سکتا ہے جس کی یاوری توفیق الٰہی کرے اور بلاوجہ لوگوں کو نعمت ایمان سے محروم نہیں کیا جاتا اور بلا سبب ان پر کفر و ضلالت کی ذلت مسلط نہیں کی جاتی۔ فقط انھیں لوگوں کو توفیق سے محروم کیا جاتا ہے۔ جو فہم و عقل کی خداداد قوتوں کو ناکارہ بنا دیتے ہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کے لیے انھیں استعمال نہیں کرتے۔

۱۳۲ آپ انھیں فرمائیے کہ صحیفہ کائنات کو ذرا غور سے دیکھیں انھیں قدم قدم پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے انفسی اور آفاقی دلائل نظر آئیں گے ہر جگہ انھیں ہدایت کے چراغ جگمگاتے ہوئے دکھائی دیں گے لیکن اگر وہ آنکھیں بند رکھنے پر ہی مصر ہوں تو ان کی قسمت! ایسے لوگ دوپہر کے وقت بھی اندھوں کی طرح گھپ اندھیروں میں بھٹکتے ہوتے ہیں۔

۱۳۳ نذر: نذیر کی جمع ہے یعنی ان آیات اور ارشادات سے فقط وہی لوگ مستفید ہو سکتے ہیں جن کے دلوں میں طلب حق کا جذبہ ہو لیکن جو حق کو حق سمجھتے ہوئے اس سے روگردانی کیے ہوئے ہوں اور واضح دلائل کے باوجود ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ مفید ہو سکتا ہے اور نہ کوئی ڈرانے والا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھ سکتا ہے۔

يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ

وہ انتظار نہیں کر رہے مگر ان لوگوں جیسے حالات کا جو گزر چکے ہیں ان سے پہلے ١٣٥ آپ فرمائیے

فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا

اچھا انتظار کرو۔ بیشک میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ پھر (جب عذاب آجاتا) بچا لیتے ہیں ہم اپنے رسولوں کو

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

اور انہیں جو ایمان لائے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے ہمارے ذمہ ہے کہ ہم بچا لیں گے اہل ایمان کو ١٣٦ فرمائیے اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ

لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو میرے دین کے بارے میں تو (سن لو) میں عبادت نہیں کرتا ان (معبودوں) کی

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ

جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا لیکن میں تو عبادت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کی جو مارتا ہے تمہیں

منزل ٣ [illegible] ١٥

١٣٥ حجت پوری ہو چکی۔ حق واضح ہو چکا۔ پھر بھی وہ ایمان نہیں لاتے۔ شاید وہ اس عذاب کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گزری قوموں پر نازل ہوا تھا اور انہیں ملیا میٹ کر گیا تھا۔ اگر ان کی یہی خواہش ہے تو ان کی یہ حسرت بھی پوری کر دی جائے گی۔ انہیں کہیے کہ چند روز انتظار کریں یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کے لیے مقرر کر رکھی ہے اور فرمائیے میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت کا منتظر ہوں۔ ایام سے مراد یہاں دن نہیں بلکہ وہ واقعات اور حالات ہیں جن سے ان کے پیش رو کو سابقہ پڑا تھا۔ والایام ههنا بمعنى الوقائع يقال فلان عالم بايام العرب اى بوقائعهم ... وذكرهم بايام الله ... والعرب تسمى العذاب ايامًا والنعم ايامًا كقوله تعالى وذكرهم بايام الله۔ (قرطبی)

١٣٦ یعنی کافروں پر جو تباہ کن عذاب نازل ہوگا اس سے اہل حق کو کوئی گزند نہیں پہنچے گی۔ بحر احمر کی بپھری ہوئی موجیں جو فرعون اور اس کے لاؤ لشکر کو تنکوں کی طرح بہالے جائیں گی، موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کے لیے خشک سڑکوں کی طرح راستہ بنا لیں گی۔ آندھی کے زور دار جھکڑ جو قوم عاد کی بستی کو زیر و زبر کر کے رکھ دیں گے جب ان کا رخ حضرت ہود اور ان کے گھرانے کے پاس سے گزرے گا تو ان کی تندی نرمی سے بدل جائے گی اور ایسے معلوم ہوگا کہ نسیم سحر کے جھونکے ہیں جو خفتہ غنچوں کو بیدار کرنے کے لیے مست خرام رواں ہیں۔

١٣٧ اپنے بندوں سے ہمارا یہ وعدہ ہے کہ ہم ان پر آنچ نہیں آنے دیں گے اور ہمارا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے اس میں کبھی خلف نہیں ان الله لا

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں اہل ایمان سے ١٣٨ نیز مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رخ سیدھا کرے

لِلدِّينِ حَنِيفًا ۚ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ

اس دین کی طرف ہر کجی سے بچتے ہوئے ١٣٩ اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے ١٤٠ اور نہ عبادت کر

مخاطب الیہ ہو۔

١٣٨ کفار مکہ کو صاف صاف بتایا جا رہا ہے کہ دلائل و براہین کی شمع چمک چکی ہے اور کفر و دین کھل چکا ہے پس اگر تم ابھی تک شک اور تردد کا شکار ہو تو ہو جیسے تمہارے مذہب سے بھی بیزار ہو اور تمہارے عقائد کے باطل ہونے میں ذرا تامل نہیں۔ اس سلسلہ میں تو کسی قیمت پر تمہارے ان پتھر کے گھڑے ہوئے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر نیاز تو صرف اس قادر قیوم کی بارگاہ صمدیت میں جھک سکتا ہے جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی اور موت دونوں ہیں۔ میں تو یہ بادانی نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ کر کسی اور کو اپنا معبود بنا لوں مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں جو سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آتے ہیں اس حکم سے سرتابی کی مجھ میں تو ہمت ہے نہیں تم دنیا بھر کی دولت لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو یا مجھ پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دو میں جادۂ حق سے سر مو انحراف نہیں کروں گا۔

١٣٩ نیز مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اس دین برحق کی طرف اپنا رخ سیدھا کر رہو۔ قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی طرف رخ کیا جاتا ہے تو اس کے علاوہ تمام دوسری چیزوں سے منہ موڑ لیا جاتا ہے اگرچہ اقم وجھک کے حکم میں جو جلال ہے وہ کسی مزید توضیح کا محتاج نہیں لیکن اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر حنیفا کا اضافہ فرمایا۔ یہ اقم کی ضمیر خطاب سے حال ہے اور اس کا معنی ہے ہر باطل سے منہ موڑ کر صرف حق کی طرف متوجہ ہو جانا یعنی اے ہادی عالم! ہر باطل سے خواہ وہ کسی رنگ میں ہو کسی روپ میں ہو اپنا منہ موڑ لو اور کمال یکسوئی کے ساتھ صرف اس دین حق کی طرف رخ کر لو۔ سچ تو یہ ہے کہ دین اسلام قبول کر لینے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنی انفرادی یا اجتماعی، معاشی یا سیاسی رہنمائی کے لیے کسی اور نظام حیات کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے جب تک کتاب و سنت کا دامن ہم نے مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ ہمارے سمت نے کی ہوئی بات وزن رکھتی تھی ہماری سیرت پر کشش تھی اور ہمارے کردار میں ایک رعب تھا۔ ؎ تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے ٭ کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

١٤٠ صرف بتوں ہی کو شریک نہیں کیا جاتا بلکہ اگر کوئی مدعی اسلام قرآن کے واضح احکام کو نظر انداز کر کے اپنی معاشی حالت کو سدھارنے کے لیے کسی غیر اسلامی نظام کی قیادت قبول کرنے کے لیے بیتاب نظر آتا ہے یا اپنے سیاسی نظام کو کسی دوسرے سانچہ میں ڈھالنا چاہتا ہے یا اسے اسلام کا لایا ہوا اقتصادی نظام پسند نہیں اور وہ یعنی طرز تمدن پر فریفتہ ہو چکا ہے تو آپ اسے شرک کا مرتکب نہیں کہیں گے تو کیا وہ ان لوگوں میں نہیں گنے جائیں گے وہ ارباب اقتدار جنہیں قوم کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی گئی ہے انہیں قرآن مجید کا یہ پرجلال ارشاد ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ

اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے تجھے اور نہ ضرر پہنچا سکتا ہے تجھے ؁١٤١ اور اگر تو ایسا کرے گا تو پھر تیرا شمار

الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ

ظالموں میں ہوگا اور اگر پہنچائے تجھے اللہ تعالیٰ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے بجز اس کے ؁١٤٢ اور اگر

يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ

ارادہ فرمائے تیرے لیے کسی بھلائی کا تو کوئی رد نہیں کرسکتا ہے اس کے فضل کو سرفراز فرماتا ہے اپنے فضل وکرم سے جس کو چاہتا ہے اپنے

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ

بندوں سے اور وہی بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آپ فرمائیے اے لوگو! بیشک آگیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف

رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَإِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

؁١٤٣ تو جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ ہدایت قبول کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے

؁١٤١ جب نفع وضرر کا کامل اختیار اسی کے دست قدرت میں ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرنا کتنی بڑی نادانی ہے
لا تنفع ولا تضر (قرطبی وغیرہ)

؁١٤٢ اللہ جل مجدہ کی قدرت کاملہ کا ذکر کس دلنشیں پیرایہ میں کیا جا رہا ہے۔

؁١٤٣ اے مکہ کے باشندو! اے عرب کے رہنے والو! بلکہ اے آدم کی ساری اولاد! اکناف عالم کو روشن کرنے والا مطلع ہدایت پر آفتاب محمدی طلوع ہو چکا۔ نیکی کی شاہراہ جگمگا اٹھی۔ شک وشبہ کی دھند دور ہو گئی۔ تبلیغ حق کا حق ادا کر دیا گیا۔ اب تمہاری مرضی دعوت حق کو قبول کرو یا گمراہی کے گڑھے میں پڑے رہو۔ تم کوئی سا طرز عمل اختیار کرو تم آزاد ہو لیکن ایک بات یاد رکھو کہ اگر رشد وہدایت کا راستہ اختیار کرو گے تو تمہارا اپنا بھلا ہوگا اور غلط روی سے باز نہ آئے تو اس کا نقصان بھی صرف تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَا أَنَا عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ

تو وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی تباہی کے لیے اور میں تم پر نگران نہیں ہوں گا اور (اے حبیب!) آپ پیروی کرتے

إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾

رہیے جو حکم بھیجا جاتا ہے آپ کی طرف اور (ظلم پر) صبر کیجئے یہاں تک کہ فیصلہ فرمائے اللہ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

۱۴۴؎ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا اب میں تمہارے کاموں کا ذمہ دار نہیں۔ تم جانو اور تمہارا کام جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

۱۴۵؎ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات واجمل التسلیم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! آپ ان لوگوں کی پرواہ نہ کریں۔ جو وحی آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے بے خوف و خطر اس پر عمل پیرا رہیں۔ ان کی اذیت رسانیوں اور آزاروں پر صبر فرماتے رہیں۔ فیصلہ کی گھڑی آ رہی ہے۔ فیصلہ کرنے والا خود رب العٰلمین ہوگا اور وہی سب سے بہتر اور صحیح فیصلہ فرمانے والا ہے۔ الحمد للہ رب العٰلمین الذی بتوفیقہ تتم الصالحات والصلاۃ والسلام علی حبیبہ الذی بجاہہ تقبل الحسنات ویحفظ السالک عن العثرات وعلی آلہ واصحابہ منابع الخیرات ومصادر البرکات۔

۲- ربیع الثانی   یوم الخمیس ۱۳۸۰ھ

سُورۃ ھُود

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام : اس سورۃ میں حضرت ھود علیہ السلام کا تذکرہ ہے اس مناسبت سے اسے آپ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ یہ ایک سو تیئس (١٢٣)
آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ایک ہزار چھ سو اور حروف کی تعداد (٧٥٢٥) ہے۔

نزول : ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قرائن اس بات پر شاہد ہیں کہ سورۃ یونس کے فوراً بعد یہ سورۃ نازل
ہوئی۔ اسلامی دعوت کا یہ وہ نازک دور ہے جب سنگین رکاوٹوں کے باوجود اسلام کا نور کفر و شرک کے پختہ مورچوں کو مسخر کرتا ہوا
آگے بڑھ رہا ہے جس کے باعث کفار و مشرکین آتش زیر پا ہو گئے ہیں۔ اپنے ترکش کا ہر تیر جو ان کے پاس تھا آزمانے پر تل گئے ہیں۔ اسلام اور
حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ان کی ہرزہ سرائی اور بہتان طرازی حد سے تجاوز کر چکی ہے
اور بے بس مسلمانوں پر انہوں نے ظلم کی انتہا کر دی ہے۔ ان حالات میں اس سورۃ کا نزول ہوتا ہے۔

مضامین : پہلے دو رکوعوں میں نہایت ہی پر اثر اور مؤثر پیرایہ میں کفار کے سامنے اسلام کے بنیادی عقائد توحید الٰہی، رسالت اور قیامت
پیش کئے گئے ہیں۔ انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ ذات جس کا علم اتنا وسیع اور محیط ہے کہ کائنات کی ہر چیز کو وہ جانتا ہے۔ جس نے
تمہاری نگاہوں سے چھپے ہوئے راز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ جس کے جود و سخا کا یہ عالم ہے کہ وہ ہر چیز کے رزق کا ضامن ہے۔ جس کی
قدرت اور حکمت کا یہ عالم ہے کہ اس نے بغیر کسی نمونہ کے آسمانوں اور
زمینوں کو اور ان میں جو کچھ ہے اس کو پیدا فرمایا۔ غور کرو! جس کا علم اتنا محیط، جس کا دستر خوان کرم اتنا وسیع، جس
کی قدرت اتنی بے پایاں اور جس کی حکمت اتنی حیران کن ہو، کیا اس کی الوہیت میں شک کی کوئی گنجائش ہے اور اس کے سوا کوئی اور
ایسا ہے جس میں ان کمالات کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو تاکہ خدائی اور الوہیت میں وہ اس کے شریک ہونے کا مدعی بن سکے
اور کیا ایسی قادر و توانا ہستی کے لیے تمہیں مرنے کے بعد زندہ کرنا کوئی مشکل کام ہے۔ ہرگز نہیں۔

پھر انہیں فرمایا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہے تو پھر تم سب مل کر اس کی مثل
کیوں پیش نہیں کرتے۔ زیادہ نہیں تو دس سورتیں ہی اس جیسی بنا لاؤ۔ اگر ملک عرب کی سخنوری کے علمبردار ہونے کے باوجود تم دس سورتیں
بھی پیش کرنے سے قاصر ہو تو یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کو لانے والا اس کا سچا رسول ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بڑا عرصہ سے ان لوگوں کو اسلام کے ان بنیادی عقائد کی دعوت بڑی دلسوزی اور
خلوص سے دے رہے تھے لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور تعصب میں آئے دن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور ان کا رویہ اسلام کے خلاف سخت سے
سخت ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی دلیل ان پر کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ کسی معجزہ سے ان کی چشم خود نگر کو بینائی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے اس

سورۃ میں بڑی صراحت کے ساتھ ان پہلی قوموں کے حالات بیان کیے گئے جنہوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ ان جیسا سلوک کیا اور پھر جس ہولناک انجام سے وہ دوچار ہوئے اس پر بھی ان کو آگاہ کیا گیا۔ کفار عرب کو بتا دیا گیا اللہ تعالیٰ کے نبی کی دعوت کو جو حقارت سے ٹھکرا رہے ہیں ان کی مخلصانہ مساعی کا بے ہنگم مذاق اڑاتے ہیں۔ انبیاء کے پیروکاروں کی غربت و افلاس کے باعث ان کی محفل میں بیٹھنا اور ان سے ہمکلام ہونا جو لوگ اپنے لیے کسر شان سمجھتے ہیں ان کی مہلت کی گھڑیاں جب ختم ہو جاتی ہیں اور غور و فکر کرنے کے لیے جو فرصت انہیں دی جاتی ہے وہ انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر ان پر قہر خداوندی کی بجلی کڑکتی ہے اور ان کی ساری عقلوں اور قوتوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اے کفار عرب! اگر تم اس انجام بد سے بچنا چاہتے ہو تو آج آنکھیں کھولو اور دین حق کا دامن مضبوطی سے تھام لو۔

ایک بات توجہ طلب ہے ہر قوم یا ہر معاشرہ اپنے مخصوص سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات کے زیر اثر مختلف قسم کی غلط کاریوں کا شکار رہتا ہے اور ان کی اصلاح کے لیے جب کوئی مصلح میدان میں نکلتا ہے تو اس کی قوم کا رد عمل بھی خاص نوعیت کا ہوتا ہے کہیں قوم نوح کی طرح جہالت کی تاریکی اور تقلید کا جمود اپنے پنجے گاڑے رہتا ہے اور کہیں قوم لوط کی طرح عیش و عشرت اور نفس کی حرص کی جنسی بے راہ روی اخلاق کا طلا اور آوارگی پیدا کر دیتی ہے کہیں قوم شعیب کی مانند تجارت کی راہ میں لین دین کا کاروبار بد دیانتی کا بازار گرم کیا ہوتا ہے اور کہیں قوم ثمود کی طرح صنعت و حرفت میں ترقی کے باعث ذہن بگڑے ہوتے ہیں اور دل مسخ ہو جاتے ہیں اور کہیں فرعونی استبداد نے قوم سے آزادی فکر و عمل کی صلاحیتیں سلب کر لی ہوتی ہیں اور جب کوئی مصلح اصلاح احوال کے لیے کوشاں ہوتا ہے تو اسے مختلف قسم کے رد عمل سے واسطہ پڑتا ہے۔

انبیاء سابقین کی بعثت کیونکہ صرف ایک مخصوص علاقہ کے لیے اور ایک محدود وقت تک تھی اس لیے ان کی تعلیمات بھی مخصوص علاقائی اور وقتی ضروریات کے مطابق تھیں لیکن پیغمبر اعظم اور ہادی اکمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو تمام اقوام کے لیے اور قیامت تک کے لیے تشریف فرما ہوا اس نے ہر معاشرہ کی اصلاح کرنا تھی اور مختلف حالات سے دوچار ہونا تھا اس کے مخاطب صحرائی اور جنگلی کے ناخواندہ عوام بھی تھے اور شہری اور آبادیوں کے متمدن باشندے بھی غلامیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلام بھی تھے اور صنعت و حرفت میں اوج کمال تک پہنچے ہوئے لوگ بھی دولت و ثروت کے نشہ سے مخمور بھی اور مفلس و بے نوا بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان مختلف طبقوں میں پیدا ہونے والی متنوع غلط کاریوں کی اصلاح کرنا تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سیرتوں اور اپنے انبیاء پر ان کے اعتراضات اور دعوت حق کے مقابلہ میں ان کا رد عمل ایک ایک کر کے بیان فرما دیا تاکہ حضور کریم کو ان تمام احوال سے آگاہ کر دیا جائے جن سے حضور کو دوچار ہونا تھا تاکہ کوئی بات خلاف توقع نہ ہو اور کوئی رد عمل باعث حیرت و اضطراب نہ بنے۔

ان تمام امور کو اس سورۂ مبارکہ میں بڑے دلنشین اسلوب میں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہیں۔ فاستقم کما امرت ومن تاب معک۔ آپ اور آپ کے ساتھی حکم الٰہی کو بجا لانے کے لیے حالات کی سنگینی اور دلوں کی سنگدلی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مستعد اور ثابت قدم رہیں۔ اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ نثبت بہ فؤادک آپ کے دل کو ثبات و قرار نصیب ہو۔

آپ عبادت الٰہی میں سرگرم رہیں اور اس کی تائید و نصرت پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے سامنے دشمنان اسلام کا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا اور فتح و نصرت آپ کے قدم چومے گی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَّكِّيَّةٌ — اٰيَاتُهَا ١٢٣ — رُكُوْعَاتُهَا ١٠

سورۂ ہود مکی ہے۔ اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں ۱۲۳ — اس کے رکوع ۱۰

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١

الف لام را۔ یہ ایک کتاب ہے محکم بنا دی گئی ہیں جس کی آیتیں پھر ان کی وضاحت کر دی گئی ہے بڑے دانا ہر چیز سے باخبر (خدا) کی طرف سے

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢ وَّاَنِ

یہ کہ نہ عبادت کرو بجز صرف اللہ تعالیٰ کے بیشک میں تمہیں اس کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور یہ کہ

اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا

مغفرت طلب کرو اپنے رب سے پھر (صدق دل سے) متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف وہ لطف اندوز کرے گا تمہیں زندگی کی اچھی

---

۱ حروف مقطعات پر بحث سورۃ البقرہ اور سورۃ یونس کی ابتداء میں گزر چکی ہے اس لیے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

۲ اگر الٓر سورہ کا نام ہو تو یہ مبتدا ہوگی اور کتاب خبر۔ یا یہ مبتدا محذوف ہذا کی خبر ہوگی اور احکمت الخ جملہ کتاب کی صفت واقع ہوگی۔

۳ احکمت احکام سے ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو یوں پختہ اور استوار کرنا کہ اس میں کسی خلل اور نقص کا گمان تک نہ رہے اور فصلت تفصیل سے ہے یعنی ہر ایک کو اتنا واضح کر دیا گیا ہے کہ اس میں کسی التباس کی گنجائش نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب الفاظ اور عبارت کے لحاظ سے پختہ ہے اس میں کوئی جھول نہیں اور معنی کے لحاظ سے یہ ہر شک و اشتباہ سے بالاتر ہے یعنی صورۃً اور معنیً درجہ کمال پر پہنچی ہے۔ ای هي محكمة في لفظها مفصلة في معناها فهو كامل صورة ومعنى (ابن کثیر) اور اس کے بعد یہ کلام اور تفصیل کہاں سے آئی؟ یہ بتلایا کہ یہ اس ذات کا کلام ہے جو اپنے اقوال و افعال کے لحاظ سے حکیم ہے اور اپنے علم کے لحاظ سے ہر کام کے انجام سے اچھی طرح واقف ہے۔ اي من عند الله الحكيم في اقواله واحكامه خبير بعواقب الامور (ابن کثیر)

۴ اور اس کتاب کو اس شان و عظمت سے نازل کرنے کا مدعا کیا ہے؟ صرف یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کسی کو اپنا معبود نہ بناؤ۔ تمہاری جبین نیاز صرف اسی کی بارگاہ صمدیت میں زمین بوس ہو۔

۵ اور میری بعثت کی غرض و غایت یہ ہے کہ میں تمہیں اس کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈراؤں اور اس کی اطاعت و بندگی پر حسن خاتمہ کی بشارت دوں۔

۶ میں تمہیں نصیحت بھی کرتا ہوں کہ اس سے پیشتر نادانی کی حالت میں یا شیطان کی انگیخت پر تم لغزشیں کرتے رہے ہو تو اب

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِن

ایک مقررہ میعاد تک اور عطا کرے گا ہر زیادہ نیکی کرنے والے کو اس کی زیادہ نیکی (کا ثواب) اور اگر

تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿٣﴾ إِلَى اللَّهِ

تم روگردانی کرو تو میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤﴾ أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ

تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔ سنو! وہ دہرا کر رہے ہیں

ہی چشم پرنم، لرزتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہونٹوں سے سراپا عجز و نیاز بن کر گناہوں کی مغفرت کے لیے التجا کرو اور آئندہ کے لیے اپنی تمام کوششوں، سوچوں اور اعمال کا قبلہ اس کی ذات کو بنا لو۔ یعنی وہاں سے اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ ثم توبوا الیہ ای ارجعوا بطاعۃ الیہ (قرطبی) ای ارجعوا الیہ بالطاعۃ والعبادۃ۔

۸ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر قسم کی لذتوں سے کنارہ کش ہو جائے۔ چہرہ پر محرومی کا غازہ لگا لے۔ اور غربت و ناداری کے قفس میں پھڑپھڑاتے رہنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کر لیا۔ اپنے گناہوں پر استغفار کر لی اور بقیہ زندگی میں اس کے ہو رہے تو تم کو ہر طرح کی نعمت، راحت، عزت اور فوز و فلاح سے سرفراز کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا بن جانے کا یہ مقصد تو نہیں کہ انسان ہر قسم کی محرومیوں کا شکار ہو جائے بلکہ جو سچے دل سے اس کا ہو جاتا ہے اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ سچی خوشیوں اور حقیقی کامرانیوں سے اسے بہرہ ور کیا جاتا ہے۔ ھذہ ثمرۃ الاستغفار (قرطبی)

۹ یعنی ہر نیک انسان کو اس کے اعمال حسنہ کی جزا اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ نیکیوں میں جتنا کوئی بڑھتا جائے گا اسی انداز سے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خزانۂ لطف و کرم سے مالامال کرتا جائے گا۔ فضلہ کی ضمیر کا مرجع ذات باری ہے۔ ای یؤت کل ذی عمل من الاعمال الصالحات جزاء عملہ۔ (قرطبی)

۱۰ اور اگر تم اپنی غلط روی سے باز نہ آؤ اور اپنے گزشتہ گناہوں پر سچے دل سے نادم نہ ہو تو پھر مجھے تمہارا انجام اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی بڑے دن کے عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ۔ یوم کبیر سے یا تو روز قیامت مراد ہے یا عذاب کا کوئی دن۔

۱۱ لغت میں یثنون کسی چیز کو لپیٹنے اور ہر کنارہ دوسرے کی طرف موڑنے کو کہتے ہیں۔ ثنی یثنی ثنیا الشیء، عطفہ وطواہ و رد بعضہ علی بعض۔ جب کپڑے کو تہ در تہ لپیٹا جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں ثنی الثوب۔ کپڑے کی ایک تہ کو ثنی ج اثناء کہا جاتا ہے۔ اثناء الثوب اطواؤہ و معاطفہ۔ اور ثنی کا صلہ جب عن ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے پھیرنا، ہٹانا۔ ثناہ عنہ: صرفہ و حولہ۔ اور

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ

اپنے سینوں کو تاکہ چھپالیں یا اللہ تعالیٰ سے (اپنے دلوں کا بغض) سنئے تو! جس وقت وہ خوب اوڑھ لیتے ہیں اپنے کپڑے ؎١ -

يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑤

تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ؎٢ یقیناً وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے۔

جب اس کا صلہ علیٰ ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو کسی چیز پر لپیٹ دینا تاکہ وہ اس میں چھپ جائے۔ ثنا و علیہ واطبقہ وطواہ لیخفیہ۔ اس لغوی تحقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی تلاوت کرتے یا وعظ فرماتے تو جو منافق اور کافر اس مجلس میں موجود ہوتے وہ اپنے سر جھکا لیتے اور اپنے سینوں کو دوہرا کرکے کپڑا اوڑھ لیتے تاکہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں سے چھپ جائیں مبادا حضور ان کی طرف متوجہ ہوکر براہ راست انہیں خطاب فرمائیں اور انہیں ان کی دوباطنی پر سرزنش کردیں یستخفوا منہ میں منہ کی ضمیر کا مرجع ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واثناء ہوگی۔

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یثنون صدورھم کا معنی اعراض یا روگردانی کرنا ہے۔ یعنی کفار ومنافقین کی عادت یہ تھی کہ حضور فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب انہیں دعوت اسلام دیتے اور کفر ونفاق سے باز آنے کی تلقین کرتے تو بجائے اس کے کہ وہ اس ناصح مشفق کی نصیحت کو بطیب خاطر قبول کرتے وہ اس سے رخ پھیر لیا اور بے دلی کا مظاہرہ کرتے۔

صاحب تاج العروس نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے ثنی صدرہ علی الشیء اسرہ فی صدرہ وثنی صدرہ علی البغضاء واطوی ما فیہ واستخفی۔ (تاج العروس) یعنی اس کا معنی ہے کسی کے متعلق سینے میں بغض وعداوت کے جذبات کو چھپانا۔ اس تحقیق کی رو سے آیت کا مدعا یہ ہوگا کہ کفار ومنافقین اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی دشمنی اور عداوت کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ظاہر نہ ہونے دیں اور پس پردہ حضور کو اذیت پہنچانے اور اسلام کی ترقی میں روڑے اٹکانے کے منصوبے بناتے رہیں اور سازشیں کرتے رہیں۔

؎١ الا حرف تنبیہ ہے کہ کفار ان کی غلط فہمی دور کردی کہ وہ ان تمام کوششوں اور کاوشوں کے باوجود اپنے عزائم کو اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے۔ اس کے محبوب کریم کے متعلق بغض وعناد کے جو گھناؤنے جذبات انہوں نے اپنے دلوں کے نہاں خانوں میں بڑی مہارت سے چھپائے ہوئے ہیں وہ ان سے اچھی طرح آگاہ ہے بلکہ جب رات کے وقت وہ بستر پر دراز ہوتے ہیں ہر طرف گھپ اندھیرا چھایا ہوتا ہے اور ہر کا عالم ہوتا ہے اور وہ اپنے آپ کو کسی لحاف یا چادر میں لپیٹ لیتے ہیں اس وقت بھی وہ علیم وخبیر اور سمیع وبصیر ان کی ہر حرکت کو عیاں دیکھ رہا ہوتا ہے۔ تو ایسے بیدار اور بصیر خدائے ذوالجلال سے اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرنا محض فریب ہے۔

؎٢ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان نادانو تم کس سے چھپ رہے ہو اور کس سے اپنے دلوں کے نفاق اور اسلام دشمنی کو چھپاتے ہو۔ اس ذات پاک سے اس بیدار اور بصیر سے جو تمہارے ظاہر کو بھی جانتا ہے اور تمہارے باطن کو بھی جو تمہارے اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے جو تم چھپا کر

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ

اس کے ٹھیرنے کی جگہ کو اور اسکے امانت رکھے جانے کی جگہ کو ہر چیز روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے اور وہی اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ

آسمانوں اور زمین کو مگر چھ دنوں میں اور تھا تخت اس کا پانی پر (پہلے اس کا عرش پانی پر تھا زمین اور آسمان پیدا کیے)

کرتے ہو اور ان کو بھی جن کا تم برملا ارتکاب کرتے ہو وہ تو دلوں کی باتوں سے بھی واقف ہے جس سے تمہارے سینوں میں چھپا ہوا کوئی راز بھی مخفی نہیں اس لیے اس ناکام کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

سلہ سابقہ آیت میں ظاہر و باطن پر مطلع ہونے کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے احوال سے ہی باخبر نہیں بلکہ وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ہر ذی روح حیوان پر دابۃ کا لفظ بولا جاتا ہے اطلق علی کل حیوان ذی روح (کبیر وغیرہ)

رزق ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی جاندار کی غذا بنے اور اس میں اس کی روح کی بقا اور جسم کی نشوونما ہو الرزق حقیقۃ ما یتغذی بہ الحی

ویکون فیہ بقاء روحہ ونماء جسمہ (قرطبی)

مستقر: اسم ظرف قرار کپڑنے کی جگہ مستودع: بھی ظرف ہے ودیعت رکھے جانے کی جگہ۔ مستقر سے مراد اس کو دنیا میں اس کے ٹھیرنے کی جگہ ہے مستودع سے مراد اس کی قبر ہے بعض علمائے فرمایا کہ اس سے مراد ماں کا پیٹ ہے۔ مستقر باپ کی پشت کو اور رحم مادر کو مستودع کہا گیا ہے کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے بعد اب آیت میں غور فرمایئے بتایا جا رہا ہے کہ تم جانتے ہو کہ دنیا میں ان گنت قسم کے جانور ہیں اور ہر قسم کے اتنے افراد ہیں کہ ان کا شمار کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ تو کون ہے جو چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک اور مچھلی سے لیکر شہباز تک جونک اور مچھلی سے لیکر مگرمچھ تک ہر جاندار کو اس کی مخصوص خوراک علیحدہ علیحدہ ہر جگہ پہنچا رہا ہے کس کی مجال ہے کہ وہ یہ ذمہ داری اٹھا سکے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا لنگر خانہ کھلا ہوا ہے جس کا دستر خوان کرم بچھا ہوا ہے ہر جاندار کے لیے ہر وقت اس کی خوراک مہیا کر دی جاتی ہے۔ جس نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کی ضرورت کا انتظام فرمائے گا۔ اگر فرمانے کہ ہر جیز کا ٹھکانا معلوم نہ ہو تو اسے روزی کیسے پہنچائے گا اب جب ہر چیز کو اس کی غذا مہیا کی جا رہی ہے تو معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور مرنے کے بعد بھی جہاں جہاں کوئی دفن ہوگا اس کو بھی اس کا علم ہے۔ اے کفار! وہ خدا جس سے کسی چٹان میں چھپا ہوا کیڑا بھی مخفی نہیں جو رات کے اندھیروں میں تاریک غاروں میں رینگنے والی چیونٹی کو بھی دیکھ رہا ہے تم ہزار اس سے چھپنے کی کوشش کرو اس سے چھپ نہیں سکتے۔

سلہ اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے بیان کے بعد اب اس کی قدرت کاملہ کا ذکر کیا جا رہا ہے قرآن مجید میں کائنات کی تخلیق کی تدریجی مراحل پر چھ

کے لفظوں سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے پہلے کئی مقامات پر بتایا جا چکا ہے کہ یوم کا لفظ جس طرح طلوع آفتاب سے لے کر غروب آفتاب تک کی مدت کے لیے استعمال ہوتا ہے اسی طرح اہل زبان مطلق وقت کے معنی میں بھی اسے استعمال کرتے تھے کیونکہ یوم یعنی دن کا آغاز تو سورج کی تخلیق کے بعد ہوا اور جس زمانہ کا ذکر ہے اس وقت نہ سورج تھا اور نہ اس کا طلوع و غروب، نہ دن تھا اور نہ رات تھی۔ اس لیے یہاں اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں لیا جا سکتا بلکہ مطلق وقت کے معنی میں ہی یہ مستعمل ہوا ہے یعنی آسمان و زمین کی تخلیق چھ ادوار میں پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ ہر دور کی مقدار کتنی تھی اس کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس کی وضاحت نہ قرآن کریم نے کی ہے اور نہ سنت نبوی میں اس کا ذکر ہے اور نہ ہی تخلیق کائنات کی تفصیل اس کے ادوار کا تعین ہر دور میں رونما ہونے والے تغیرات کا بیان قرآن کے اغراض و مقاصد میں داخل ہے۔

آج اس آیت کی وضاحت کے سلسلہ میں جناب [illegible] کے ابتدائی ایام کی ایک معتبر اور مشہور شخصیت کی نگارشات کے مطالعہ کا موقع ملا۔ ان کا یہ مضمون سو سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے لیکن افسوس کہ تسکین قلب کا سامان نہ مل سکا بلکہ ان کی ذہنی مرعوبیت پر دل بری طرح ملول ہوا۔ ان کے اس طویل مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں جو کئی مقامات پر مذکور ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق چھ دنوں میں ہوئی یہ بیانات مبنی بر حقیقت نہیں بلکہ یہود کے نظریات باطلہ کے پیش نظر کہی گئی ہے۔ انھیں کا ایک فقرہ سنیے وہ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں "دنیا و مافیہا کا چھ دنوں میں بننا بطور بیان حقیقت واقع نہیں بلکہ نقل اعلان اعتقاد الیہود کہا گیا"۔ گویا قرآن کو اظہار حقیقت اور بیان صداقت سے کوئی سروکار نہیں بلکہ اسے تو فقط خصم پر الزامی حجت قائم کرنا ہے۔ چلو اس وقت تو حجت قائم ہو گئی اور کام چل گیا لیکن جب کہ سائنسی تحقیقات نے یہودی مفروضات کو غلط ثابت کر دیا تو اب فرمائیے عصر حاضر کے طالبان ہدایت کے لیے قرآن میں کون سی حجت باقی رہ گئی۔ آج اسے کون اللہ تعالیٰ کا کلام مانے گا اس کے دوسرے دلائل پر کون اعتماد کرے گا۔

• ستۃ ایام (چھ دنوں) کی تحقیق میں جو مفہوم سب سے بہتر تھا اسے انھوں نے پسند فرمایا ہے اس کو غلط ثابت کرنے کے لیے انھوں نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا بلند صفحوں پر صفحے لکھتے چلے گئے صرف یہ بات ثابت کرنے کے لیے کہ ان دنوں سے مراد یہی ہمارے بارہ چودہ گھنٹے کے دن ہیں۔ چنانچہ اپنی تحقیق یوں بیان فرماتے ہیں "علماء اسلام نے بھی جہاں جہاں قرآن مجید میں دنیا و مافیہا کے چھ یوم میں پیدا کرنے کا ذکر آیا ہے یوم کی مدت بتانے کی کوشش کی ہے کسی نے تو ایام سے ایام آخرت مراد لیے ہیں جس کے ہر ایک دن کی مقدار ہزار برس کے برابر خیال کی ہے اور کسی نے ستۃ ایام سے ستۃ احوال مراد لیے ہیں! اور کسی نے ستۃ اطوار اور کسی نے بمعنی حین الوقت مگر ہمارا یقین یہ ہے کہ اس باب میں جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے وہ نقل اعلان اعتقاد الیہود ہے نہ بطور بیان حقیقت واقعہ کے تو ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں" مقالات سرسید حصہ چہارم۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ اس قسم کا انداز تفسیر کہاں تک مناسب و پسندیدہ ہو سکتا ہے۔

ف اس سے یہ بتا دیا گیا کہ ارض و سما سے پہلے پانی کی تخلیق ہو چکی تھی اور یہی اصل کائنات ہے اور یہی منبع حیات ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی۔ یعنی ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کی زندگی کا سامان فراہم کیا۔ اس پانی کی حقیقت کیا تھی کیا وہ یہی پانی تھا یا کوئی اور بہنے والی چیز تھی جسے سیال ہونے کی مناسبت سے پانی فرما دیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ

تاکہ آزمائے تمہیں کہ تم میں سے کون اچھا ہے عمل کے لحاظ سے ١١ اور اگر آپ انہیں کہیں کہ یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے موت

بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کے بعد ١٢ تو ضرور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا

وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

اور اگر ہم ملتوی کردیں ان سے عذاب ١٣ کچھ مدت تک تو (از راہ مذاق) کہیں گے کس چیز نے روک دیا

يَحْبِسُهٗ ۭ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

ہے اس عذاب کو۔ دیکھو! کان کھول کر سن لو جس دن عذاب آجائیگا ان پر تو نہیں پھیرا جائے گا ان سے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب)

١١ تخلیق انسانی کا مقصد بتایا کہ دیکھنا ہے کہ انسان کو عقل وعمل کی جو گرانقدر نعمتیں بخشی گئی ہیں انہیں وہ کس طرح استعمال کرتا ہے۔ کیا اس کے علم وعمل سے گلشن ہستی میں بہار آتی ہے یا تباہی اور بربادی کی خاک اڑنے لگتی ہے۔ کیا وہ اپنی زبان، اپنے قلم کو انسانیت کے چاک گریبان کو رفو کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے یا انسان کی قبائے شرف کو تار تار کر دیتا ہے۔ کیا اس نے اپنی ساری صلاحیتیں نفس پرستی، عیش کوشی اور فتنہ پردازی میں ہی صرف کردیں یا اپنے خالق ومالک کی معرفت حاصل کرنے کے لیے انہیں استعمال کیا۔ اسی آزمائش کے لیے حضرت انسان کو پیدا فرمایا گیا۔ یہ دنیا کھیل کود کا میدان نہیں ہے بلکہ امتحان گاہ ہے۔ ہر قدم اٹھانے سے پہلے خوب غور وفکر کر لینا چاہیے کہ یہ ہمیں کدھر لے جائے گا۔

١٢ خود تو وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں بلکہ اگر انہیں سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ اس عمر عزیز کو یونہی ضائع نہ کرو۔ ان قوتوں سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے وبال جان نہ بنو۔ تمہیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا۔ بارگاہ خداوندی میں تمہاری پیشی ہوگی اور تم سے اپنے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا تو الٹا الزام لگانے لگتے ہیں کہ جس کتاب کی آیتیں پڑھ کر تم ہمیں سناتے ہو یہ تو کوئی جادو منتر کی کتاب ہے اللہ تعالیٰ کا یہ کلام نہیں۔

١٣ یعنی اپنی سرکشی کا اظہار اس طرح کرتے ہیں جب ان کے سامنے حق پیش کیا جاتا ہے تو اسے رد کر دیتے ہیں۔ جب ان کے اس بلاوجہ انکار پر عذاب الٰہی سے ڈرایا جاتا ہے تو بڑی شوخی اور بیباکی سے کہتے ہیں لے آؤ اس عذاب کو ہم بھی تو دیکھیں کیسا ہوتا ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کسی حکمت اور مصلحت کے باعث نزول عذاب میں تاخیر فرماتا ہے تو اسے اس کا احسان خیال نہیں کرتے اور اس مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے الٹا طعنے دینے لگتے ہیں کہ کہاں گیا وہ عذاب جس سے تم ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٨﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ

جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے ۱۸ اور اگر ہم چکھائیں کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت (کا مزہ) پھر

نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ﴿٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ

ہم چھین لیں وہ رحمت اس سے تو وہ مایوس اور ناشکرا بن جاتا ہے ۱۹ اور اگر ہم چکھاتے ہیں اسے کوئی نعمت بعد کسی تکلیف کے جو اسے پہنچی تو وہ

۱۸ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جب مقررہ گھڑی آ پہنچے گی تو عذاب الٰہی تم پر نازل ہوگا اس وقت تم چاہو گے شور مچاؤ گے بچاؤ کی کوشش کرو گے سب بے سود وہ عذاب تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اس لیے اس مہلت کی گھڑیوں کو ضائع نہ کرو رحمت کا دروازہ کھلا ہے آؤ توبہ کرو معافی مانگ لو بخش دیے جاؤ گے۔

۱۹ انسان کو اس زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے کبھی اس کے مطلع حیات پر خوشی کے ستارے جگمگاتے ہیں اور کبھی اسے ایسی شکست سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا اسے تصور تک بھی نہیں ہوتا۔ کبھی وہ تندرست و توانا ہوتا ہے اور کبھی بیمار و رنجور۔ ان مختلف حالات میں دو قسم کے انسانوں کا کردار، فرد مومن کا طرز عمل اور دوسرے کا طرز عمل جو ہوتا ہے اس کو ان آیات میں بڑے موثر پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسان اپنی بھلائی اور اپنے وقار کی خاطر بہتر راستہ اختیار کرے۔ انسانی نفسیات کا ایسا حقیقت پسندانہ تجزیہ ہے جس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں۔

آیت کے چند تشریح طلب الفاظ: الانسان سے جنس انسان مراد ہے کسی خاص شخص یا قوم کی تخصیص نہیں۔ رحمۃ سے مراد وسعت اور عافیت، اقبال مندی، خوشحالی غرضیکہ ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے۔ یئوس: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بالکل مایوس ہو جانے والا جسے حالات کے بہتر ہونے کی کوئی توقع ہی نہ ہو۔ کفور: یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت ناشکری کرنے والا۔ پہلے جب اسے گوناگوں نعمتوں سے نوازا گیا تھا تو اس نے کبھی اپنے مالک کا شکر ادا نہ کیا۔ اور اب بھی اگرچہ اس کی زندگی کا ایک گوشہ تاریک ہے لیکن کئی گوشے ایسے بھی ہیں جہاں سکون و طمانیت کی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ تھوڑی سی تکلیف پر اس کا دوسری نعمتوں سے بھی آنکھیں بند کر لینا کیا ناشکری نہیں؟

۲۰ اگر مصائب کے بعد اسے نجات دے دی جاتی ہے تو وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے محض کرم فرمایا اور مہربانی کی ہے بلکہ مصائب کے چلے جانے کو یا تو اتفاقات روزگار سے منسوب کرتا ہے۔ لا ينسب ذهاب السيئات الى الله تعالى ولا يشكره بل ينسبه الى ... (روح المعانی) فرح: کہتے ہیں اس لذت کو جو مطلوب کے حاصل ہونے پر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ فخور: مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی اس پر وہ اترانے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ عیش و اقبال مندیاں یہ مال و دولت کی فراوانی ایسی چیزیں ہیں جن کا وہ اپنی ذاتی اہلیت کی وجہ سے مستحق تھا۔

اب آپ غور فرمائیے کہ جس انسان کی یہ حالت ہو کہ ناکامی اور نامرادی کے وقت وہ حوصلہ ہار کر اور پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور اپنے مستقبل کے بارے میں بالکل مایوس ہو جائے اور اگر اس پر فارغ البالی اور آسائش کا دور آئے تو کبر و غرور سے زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنے لگے اس سے کسی اچھے کام کی توقع کی جا سکتی ہے۔ اگر اس کے رنج و محن کا دور اس کی ذات کے لیے تباہ کن ہوتا ہے تو اس کے عروج کا زمانہ خلق خدا

مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ

کو پہنچا تھا تو کہنے لگتا ہے کہ دور ہو گئیں سب تکلیفیں مجھ سے۔ بیشک وہ (فوراً) خوش ہو کر اترانے لگ جاتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو

صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

صبر کرتے ہیں ۲۲ اور نیک کام کرتے ہیں (وہ ایسے کم ظرف نہیں ہوتے) یہی ہیں جن کے لیے بخشش بھی ہے اور بڑا اجر بھی ہے ۲۳

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ

تو کیا یہ ممکن ہے کہ آپ چھوڑ دیں کچھ حصہ اس کا جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی طرف ۲۴ اور تنگ ہو جاتا ہے اس کے ساتھ آپ کا سینہ (اس اندیشہ سے)

کے لیے مصیبت اور بدبختی کا زمانہ ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی زندگی کبھی مثالی زندگی نہیں بن سکتی۔

۲۲؎ عام لوگوں کے طرز عمل کو ذکر کرنے کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں اور اچھے عمل کیا کرتے ہیں وہ یوں بے صبری نہیں کیا کرتے۔ وہ مصائب و آلام کے تاریک لمحوں میں بھی نہیں گھبراتے بلکہ چٹان کی طرح ڈٹے رہتے ہیں اور خوشی کے لمحوں میں بھی وہ کسی فخر و غرور کا اظہار نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنے وسائل کو اس کی مخلوق کی خدمت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عجبا لامر المومن ان امره كله له خير وليس ذالك لاحد الا للمومن ان اصابته سراء شكر فكان خيرا له وان اصابته ضراء صبر فكان خيرا له۔ (مسلم)

یعنی مومن کی بھی عجیب شان ہے کہ اس کی ہر حالت اس کے لیے بہتر ہے اور یہ صرف مومن کی ہی خصوصیت ہے۔ اگر اسے آرام و راحت پہنچے اور وہ اس پر شکر ادا کرے تو یہ آرام و راحت اس کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے۔ اور اگر اسے تکلیف پہنچے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ تکلیف بھی اس کے لیے خیر و برکت کا موجب ہے۔

۲۳؎ واقعی اس قسم کے لوگ اس سرفرازی کے مستحق ہیں۔

۲۴؎ کفار نے اعتراض کیا کہ یہ قرآن جو آپ ہمیں پڑھ کر سناتے ہیں اس میں تو ہمارے خداؤں کو بہت برا بھلا کہا گیا ہے اس لیے ہم اس قرآن کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ ہاں اگر آپ ایسا قرآن لے آئیں جس میں ہمارے بتوں پر کسی قسم کا اعتراض نہ کیا گیا ہو تو ہم آپ پر ایمان لا سکتے ہیں۔ دوسرا اعتراض انہوں نے یہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کے پاس سونے چاندی، لعل و جواہرات کے خزانے ہوتے جنہیں آپ لوگوں میں تقسیم کرتے اور لوگ آپ کی بات مانتے۔ یا آپ کے ہمراہ کوئی فرشتہ ہوتا جو لوگوں کو آپ کی صداقت کا یقین دلاتا اور جو ماننے سے انکار کرتا اس کی گردن مروڑ کر رکھ دیتا۔ وہ چار کے ساتھ آیا ہوتا تو کسی کو آپ کی دعوت رد کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ اور آپ کا حال یہ ہے کہ خود فاقوں پر گزر ہے تو ہمیں کسی کو کیا دیں گے! اور ہم آپ پر آوازے کستے ہیں، پتھر مارتے ہیں، غلاظت پھینکتے ہیں، راستہ میں کانٹے بچھاتے ہیں اور ہمیں کبھی سزا بھی نہیں ملتی۔ ہم اتنا بھی سوچتے ہیں کہ آپ جیسے نبی کا اتباع کرنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے۔ یقیناً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

يَقُولُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ كَنزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۚ إِنَّمَا أَنتَ نَذِيرٌ ۚ

کہ کافر کہیں گے کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ؎

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے ؎ آپ فرمائیے

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ

تو لے آؤ تم بھی دس سورتیں اس جیسی گھڑی ہوئی اور بلا لو (اپنی مدد کے لیے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے

اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣﴾ فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا

سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں) سچے ہو۔ پس اگر وہ نہ قبول کر سکیں تمہاری دعوت تو پھر جان لو کہ یہ قرآن محض

أُنزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٤﴾

علم الٰہی سے اتارا گیا ہے ؎ اور یہ بھی جان لو کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ پس کیا (اب) تم اسلام لے آؤ گے۔

؎ کفار کی اس قسم کی بیہودہ باتیں سن کر حضور کو صدمہ پہنچتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب! یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ ان کی رضا جوئی کے لیے کتاب میں رد و بدل کریں یا دولت کی کمی اور کسی فرشتے کے ہمراہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دل تنگی محسوس کریں۔ نہیں ہرگز نہیں۔

وقيل معنى الكلام النفي مع استبعاد اي لا يكون منك ذلك بل تبلغهم كل ما انزل اليك (قرطبی)

یعنی یہ بات آپ سے بعید ہے آپ ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے سب ان تک پہنچائیں گے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

؎ آپ کا فرض انہیں عذاب الٰہی سے آگاہ کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود ان سے نپٹ لے گا۔

؎ قرآن پر ان کا بار بار یہ ایک بیہودہ اعتراض تھا کہ یہ کلام الٰہی نہیں ہے حضور نے خود بنایا ہے۔ اس کا جواب دیا جا چکا ہے جو سورہ یونس میں بھی گزر چکا ہے کہ تم بھی تو عرب ہو۔ تم بھی اہل زبان ہو۔ تمہارے بادشاہ بھی بڑے فصیح ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں تمہارا بھی بڑا دعویٰ ہے۔ سب مل کر کوشش کرو اور اس قسم کا کلام بنا کر دکھاؤ۔ یہاں بھی اسی چیلنج کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ جب وہ نہ لا سکے تو یونس میں (جو ہود کے بعد نازل ہوئی) انہیں کہا گیا کہ دس نہیں بنا سکتے تو ایک سورۃ ہی بنا کر پیش کر دو۔

؎ اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اے مسلمانو! اگر وہ اس چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو تم جان لو کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ اس صورت میں لکم اور فاعلموا میں جو ضمیر ہے دونوں کا مرجع مسلمان ہوں گے لیکن آیت کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔ مسلمان تو پہلے ہی قرآن کو منزل من اللہ سمجھتے

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ

[illegible]

فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي

اس زندگی میں اور انہیں اس میں نقصان نہیں اٹھانا پڑے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں نہیں ہے جن کے لیے

الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

آخرت میں مگر آگ۔ اور برباد ہو گیا جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا اور رائیگاں ہو گیا جو عمل وہ کیا کرتے تھے۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن

تو کیا وہ شخص (انکار کر سکتا ہے) جس کے پاس روشن دلیل ہو اپنے رب کی طرف سے اور اس کے پیچھے ایک سچا گواہ بھی آ گیا ہو اللہ کی طرف سے اور

شتت علیہ امرہ ولم یاتہ منہا الا ما کتب لہ۔ رواہ الترمذی و رواہ احمد والدارمی عن ابان عن زید بن ثابت۔ (مظہری)

ترجمہ: جو شخص طلب آخرت کے لیے کوئی نیک کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اس کے پراگندہ حال کو درست فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے قدموں میں ذلیل ہو کر حاضر ہوتی ہے اور جس شخص کے پیش نظر دنیا کا حصول ہوتا ہے تو اس کی غربت اس کی آنکھوں کے سامنے کر دی جاتی ہے۔ اس کے حالات کو پراگندہ کر دیا جاتا ہے اور اس محنت و مشقت کے باوجود دنیا سے اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کے مقدر میں لکھی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی عطا فرمائے۔ لوگ فانی کی طلب میں ہی اپنی زندگیاں صرف کر دیتے ہیں۔ بجائے باقی کے طالب نہیں ہوتے۔ جب باقی مل گیا تو فانی پیچھے پیچھے دوڑی چلی آئی۔

۲۵ اہل دنیا کے ہاں حق اسلام کو قبول نہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہیں لیکن وہ شخص جس کے پاس اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل بھی ہو اور اس کے ساتھ ایک سچا گواہ بھی موجود ہو اور تورات جیسی سراپا ہدایت کتاب بھی اس کی صداقت کا بار بار اعلان کر رہی ہو تو وہ کسی قیمت پر اسلام سے منہ موڑنے کے لیے تیار نہ ہوگا اور کسی مصیبت سے ڈر کر راہ راست کو چھوڑے گا اور جو بدقسمت ان دلائل و شواہد کے ہوتے ہوئے دین حق کا انکار کرتا رہے گا تو اس کا ٹھکانا آتش جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ جو شخص حق کو حق سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرے اور اس انکار پر جما بھی رہے تو اگر اس پر آگ کے انگارے نہیں تو کیا جنت کے پھول نچھاور کیے جائیں گے؟

یہاں دو چیزیں قابل تحقیق طلب ہیں۔ بینۃ سے کیا مراد ہے اور شاھد کون ہے۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ بینہ سے مراد عقلی دلیل، قرآن مجید اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ شاہد سے مراد جبریل ہے یا حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان فیض ترجمان ہے اور بعض نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاہد سے مراد حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں لیکن آپ کے صاحبزادے حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قلت لابی انت الشاھد؟ میں نے اپنے پدر بزرگوار سے پوچھا حضور! کیا شاہد آپ ہیں تو آپ نے فرمایا وددت انی کنت انا ھو لکنہ لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میری تو بہت چاہ تھی کہ شاہد میں ہی ہوتا لیکن شاہد حضور فخر عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک ہے۔

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَ

اس سے قبل کتاب موسیٰ بھی آ چکی جو رہنما اور سراپا رحمت ہے (قطعاً نہیں بلکہ) یہ لوگ تو ایمان لائیں گے اس پر اور

مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے۔ پس (اے سننے والے!) نہ پڑ جا

مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

شک میں اس کے متعلق۲۰ بیشک یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو بہتان لگاتا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا۲۱ یہ لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ

اپنے رب کے سامنے۲۲ اور کہیں گے گواہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا

۲۰؎ اس میں خطاب عام قاری یا سننے والے کو ہے۔ جس کی تحقیق ابھی سورۂ یونس میں گزری ہے۔

۲۱؎ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی اور من گھڑت باتیں منسوب کیا کرتے تھے مثلاً یہ کہ اس کا کوئی بیٹا ہے یا فلاں اس کا شریک ہے یا جو اس کا کلام ہو اس کے متعلق کہا کہ یہ اس کا کلام نہیں اور جو اس کا کلام نہ ہو اسے اس کا کلام کہنا شروع کیا۔ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرا لیا اور بعد میں یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حلال اور اسے حرام کیا ہے۔

۲۲؎ قیامت کے روز انہیں بارگاہ رب العزت میں پیش کیا جائے گا ان پر فرد جرم لگایا جائے گا۔ کراماً کاتبین کے نوشتے تحریری طور پر پیش کیے جائیں گے۔ ان کے علاوہ عینی گواہ گواہی دیں گے جب ان کا جرم اچھی طرح ثابت ہو جائے گا تو انہیں در رحمت سے دھکیل دیا جائے گا۔ گواہ کون ہوں گے؟ بعض نے کہا ہے کہ فرشتے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انبیاء و رسل گواہی دیں گے۔ قال ابن عباس هم الانبياء والرسل وهو قول الضحاک۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا یعنی ہم ہر امت سے اس پر گواہ لائیں گے اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے تحریر تابعین حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے: قال لیس من یوم الا تعرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماہم واعمالہم فلذلک یشہد علیہم (مظہری)

أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ

خبردار! اللہ کی پھٹکار ہو ظالموں پر ۔ جو بدنصیب روکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٩﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ

سے اور چاہتے ہیں کہ اس راہ (راست) کو ٹیڑھا بنا دیں ۴۳ اور وہی آخرت کے منکر ہیں ۔ یہ لوگ (اللہ تعالیٰ کو)

يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

عاجز کرنے والے نہیں تھے زمین میں ۴۴ اور نہ تھا ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی

یعنی بروز حشر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر حضور کی امت صبح و شام پیش کی جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے چہروں اور ان کے اعمال کی وجہ سے انہیں پہچانتے ہیں اس لیے قیامت کے دن ان پر گواہی دیں گے۔ خدا نہ کرے کہ ہم مجرموں اور نافرمانوں کی حیثیت سے بارگاہ رسالت میں پیش کیے جائیں کتنے رنج و الم کا مقام ہے کہ ہم اپنی بداعمالی کی وجہ سے اس ذات پاک کو اذیت پہنچائیں۔ جس کی آنکھیں ہماری مغفرت کے لیے اشکبار ہیں اور جس کے مبارک ہاتھ ہمارے لیے طلب رحمت و بخشش کے لیے پھیلے ہوئے ہیں شیخ حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ ہے کہ جب آپ حج کے لیے حاضر ہوئے تو کعبہ کی دہلیز پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر روتے اور اپنی مغفرت کے لیے التجائیں کیں۔ آخر میں عرض کی اے مولا! اگر تیری مرضی یہ ہو کہ مجھے بخشا نہ جائے تو میری یہ التجا منظور فرما کہ مجھے قیامت کے روز نابینا کر کے اٹھانا تاکہ میں تیرے محبوب کی جناب میں شرمسار نہ ہوں۔

۴۳ دشمنان حق نے حق پر معترض ہونے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ حق کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس کو باطل سمجھنے لگتا ہے آج بھی باطل پرستوں کا یہی شیوہ ہے کہ وہ خود ہی حق کے ترجمان بن بیٹھتے ہیں اور اس کو ایسا جامہ پہناتے ہیں کہ انسان اس سے دور بھاگنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے وہ حق کو صحیح طور پر پیش کرنے کے بعد اس پر اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ وہ یہ اوچھے ہتھیار کیوں استعمال کرتے ہیں؟ اس لیے کہ وہ اپنے نہاں خانۂ دل میں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر دین حق کو ان تہمتوں سے ملوث نہ کیا گیا اور اس کے حقیقی حسن کی ایک جھلک بھی کسی نے دیکھ لی تو پروانہ وار اس پر نثار ہونے لگے گا۔ پھر ہم ہزار جتن کریں اس کو حق سے برگشتہ نہیں کر سکیں گے اس لیے وہ اپنا سارا زور حق کو اپنے رنگ میں پیش کرنے کے لیے صرف کر رہے ہیں۔

۴۴ یعنی ہماری نافرمانی اور دین حق سے کھلی دشمنی کے باوجود اس چند روزہ زندگی میں جو ان کا طوطی بولتا رہتا ہے اور ان کی عظمت و سطوت کا نقارہ بجتا رہتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہم سے زبردست اور طاقتور تھے اس لیے ہم ان کی گرفت نہ کر سکے۔ ایسا نہیں اگر ہم چاہتے تو ان کے اکڑے ہوئے ناکوں کو زمین کی طرح ایک پھیر سے درست کر دیتے اور ان کا ایسا سنگار بھی نہ تھا جو ان کو زبردستی

أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَ

مددگار تھا۔ دوگنا کر دیا جائے گا ان کے لیے عذاب۔ نہ وہ (آوازِ حق) سن سکتے تھے اور

مَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ

نہ وہ نورِ حق دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ بدبخت ہیں جنہوں نے نقصان پہنچایا اپنے آپ کو اور گم ہو گئیں

عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ

ان سے وہ باتیں جو وہ افترا کیا کرتے تھے۔ بلاشبہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے

الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا

ہوں گے۔ بیشک جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور عجز و نیاز سے جھک گئے اپنے

إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ

پروردگار کی طرف۔ یہی لوگ جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان دونوں

الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ

فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہو۔ کیا یکساں ہے ان دونوں

جانے سے عذاب بھی چھوٹ لیا بلکہ تفصیل یہ ہے کہ ضعف عقیدہ ہے ان کی جو ہر ناروا نافرمانیاں کیں ان کی پاداش میں سخت سے سخت عذاب میں گرفتار کر دیا جائے گا۔ ان بدبختوں کے کان تو بہرے ہو گئے تھے جو آوازِ حق کو سنتے ہیں وہ آنکھیں ہی اندھی ہو گئی تھیں جو نورِ حق کو دیکھ سکتی تھیں۔

٣٢ ان کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اپنے معبودانِ باطل سے بخشش اور نجات کی جو حسین توقعات انہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں وہ سب خاک میں مل گئیں۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے رہے لیکن ان کے معبودوں کا تو کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

٣٣ ان اہلِ جہنم کے باطل معتقدات، لغو نظریات اور دور از حقیقت تصورات اور ان پر ان کے عملی نتائج کے ذکر کے بعد اب اہلِ ایمان کے گروہ کا ذکر کیا جا رہا ہے اور پہلے گروہ کے مقابلہ میں ان کے اعتقادات کیا ہیں، ان کا طرزِ زندگی کیا ہے، ان کے اعمال کی کیفیت کیا ہے۔ اس کے بعد ان کے انجام سے آگاہ کیا گیا تاکہ سننے والے کو پتہ چل جائے کہ انہوں نے اپنے حسنِ عمل، پاکیٔ قلب اور قوتِ ایمان کی وجہ سے

ع ۲

مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ

کا حال؟ ۴۱ کیا تم (اس مثال میں) غور و فکر نہیں کرتے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔ ۴۲ (انھوں نے کہا)

نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

اے قوم! میں تمھیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ کہ تم نہ عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے بیشک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا دردناک دن

يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

آ جائے۔ تو کہنے لگے ان کی قوم کے سردار جنھوں نے کفر اختیار کیا تھا ۴۳ (اے نوح!) ہم نہیں دیکھتے تمھیں مگر

رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ مومن کے دل کے یقین، اعمال کے حسن اور ان کے عجز و نیاز اور سوز و گداز نے عنایات ربانی کو ان کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم بجاہ حبیبک الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

۴۱ کتنی پیاری، دلنشین اور حقیقت افروز مثال ہے۔

۴۲ گزشتہ آیات میں راہ حق پر ثابت قدمی سے چلتے چلے جانے والوں اور راہ ہدایت سے دانستہ بھٹک جانے والوں کا تذکرہ ہوا۔ دونوں کے عقائد ان کے اعمال اور ان کے انجام کی تفصیل بیان ہوئی۔ اب اللہ تعالیٰ انبیاء سابقین کی تبلیغی سرگرمیوں اور ان کی امتوں کی سرکشیوں کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ راہ مستقیم پر چلنے والے اس دور پُرملال کے مشکلات سے گھبرا نہ جائیں جو انھیں پیش آنے والا ہے۔ نیز اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا کہ جس طرح پہلے پیغمبروں نے مشرکین کی شورشوں اور خوفناک آندھیوں کے باوجود صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا آپ بھی کریں اور جس طرح انجام کار وہ کامیاب ہوئے اور ان کے دشمن مٹا دیئے گئے اسی طرح آپ کے دشمن بھی پست ہو جائیں گے اور آپ کی عظمت و رفعت کا پرچم تا ابد لہراتا رہے گا۔

۴۳ آپ کا نسب نامہ، آپ کی قوم کا دین اور آپ کا زمانہ سورۃ اعراف کے حواشی میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ سید محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ ایک روایت کے مطابق آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ۱۰۵۶ سال بعد ہوئی۔ اور دوسری روایت جو اس سے زیادہ قابل اعتماد ہے ۲۹۴۲ سال بعد ہوئی۔ واللہ اعلم۔ یہ دونوں روایتیں علماء توریت کی ہیں۔ اس طویل عرصہ میں ان میں ہر طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ بدکاری، اخلاقی پستی، ظلم و سرکشی اور قیامت کا انکار۔ ان کے علاوہ وہ دامن توحید بھی ان کے ہاتھوں سے چھوٹ چکا تھا۔ خدائے واحد حقیقی کی عبادت کو چھوڑ کر انھوں نے وُد، سواع، یعوق اور نسر کی پرستش شروع کر رکھی تھی۔ آخرت کی زندگی کا کوئی تصور ان کے ذہن میں باقی نہ تھا اس لیے انھیں آخرت کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ اسی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے! اور اس میں ہی زیادہ سے زیادہ دولت، طاقت، عزت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے انھوں نے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیئے تھے۔ یہ وہ بیماریاں تھیں جن میں بری طرح مبتلا تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت کا مقصد ان کی انھیں خرابیوں کی اصلاح تھا۔ اب آپ غور فرمائیے کہ عقیدے جس کی جڑیں دور تک ان کے دل و دماغ میں چلی گئی تھیں وہ بری عادتیں جو مرور وقت سے ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھیں۔ ان تمام کے خلاف

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ

[illegible]

الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ (۲۷)

[illegible]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ

[illegible]

[illegible]

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا

خاص رحمت اپنی جناب سے پھر پوشیدہ کر دی گئی ہو تم پر (اس کی حقیقت) تو کیا ہم زبردستی مسلط کریں تم پر یہ دعوت درآنحالیکہ

كٰرِهُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

تم اسے ناپسند کرتے ہو؟ اور اے میری قوم! میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی مال نہیں میرا اجر مگر اللہ تعالیٰ کے

اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ

ذمہ اور میں (انھیں خوش کرنے کے لیے) ان کو نکالنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے

تمھاری عقل پر شبہوں کے پردے پڑ گئے ہیں بظاہر تمھاری طرح کھاتا پیتا اور زندگی بسر کرتا ہوں لیکن تم میں اور مجھ میں ایک واضح فرق ہے۔ مجھے روشن دلیل (یعنی معجزہ) دی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی خصوصی رحمت سے سرفراز فرمایا ہے جس کی تمھیں ہوا تک بھی نہیں لگی تو ذرا سوچو تو میرے ساتھی کیسے ہو گئے لیکن صد افسوس کہ تمھاری نگاہوں کو اندھا بنا دیا گیا اور وہ اس مقام رفیع کو نہیں دیکھ سکتیں جس پر اللہ تعالیٰ اپنے کسی نبی کو فائز کرتا ہے۔

۲؎ اگر تم میری دعوت کو ناپسند کرتے ہو تو مجھے کیا پڑی ہے کہ میں زبردستی تمھیں اس کے قبول کرنے پر مجبور کروں۔ میرا کام اظہار حق تھا وہ کر دیا گیا اب تم جانو اور تمھارا کام۔ اگر کسی مرید کے دل میں اپنے مرشد کے متعلق حسن عقیدت نہ ہو تو مرشد کو کیا پڑی ہے کہ اسے زبردستی روحانی فیضان سے مستفیض کرے۔

۳؎ تمھارا غالباً یہ خیال ہے کہ مجھے کچھ لالچ ہے جیسے فقیروں کی ٹولیاں گھومتی رہتی ہیں ویسا میں بھی تمھیں دعوت حق دیتے چلا جا رہا ہوں۔ کیا میں اس طرح تم سے مال جمع کرنا چاہتا ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا۔ میرا معاملہ تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ اسی کا حکم مان رہا ہوں جس کا اجر بھی وہ خود دینے والا ہے۔

۴؎ انھوں نے نوح علیہ السلام سے کہا ہوگا کہ ہر وقت آپ کے ارد گرد خستہ حال لوگ حلقہ باندھے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہمارا تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی جگہ جائیں جہاں اس قسم کے گندے غلیظ اور کمینے لوگوں کا جمگھٹا ہو۔ آپ ان کو اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دیں تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ اسی قسم کا مطالبہ آپ کو یاد ہوگا کفار نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی کیا تھا۔ حضرت نوح نے صاف جواب دیا۔ یہ ناممکن ہے کہ میں ان حق پرستوں کو تمھاری خاطر اپنے ہاں سے نکل جانے کا حکم دوں۔ تم اپنی جگہ مجھ سے الگ ہو گئے لیکن میری نظر میں جو قدر و منزلت شمع توحید کے ان دل سوختہ پروانوں کی ہے وہ ان گدھوں کی نہیں جو تمھاری دنیا کی متعفن لاش پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہاں قدر و منزلت کا معیار اخلاص اور تقویٰ ہے دولت و ثروت نہیں۔

أَرَىٰكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾ وَيَٰقَوْمِ مَن يَنصُرُنِى مِنَ ٱللَّهِ إِن

والے ہیں البتہ میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم ایسی قوم ہو جو حقیقت سے ناواقف ہے ۴۷ اور اے میری قوم! کون مدد کر سکتا ہے میری اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اگر میں

طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾ وَلَآ أَقُولُ لَكُمْ عِندِى خَزَآئِنُ

نکال دوں انہیں (اپنے پاس سے)۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سوچتے ۴۸ اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے

ٱللَّهِ وَلَآ أَعْلَمُ ٱلْغَيْبَ وَلَآ أَقُولُ إِنِّى مَلَكٌ وَلَآ أَقُولُ لِلَّذِينَ

ہیں اور نہ یہ کہ میں خود بخود جان لیتا ہوں غیب کو ۴۹ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو

تَزْدَرِىٓ أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ ٱللَّهُ خَيْرًا ۖ ٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِىٓ

تمہاری نگاہیں حقیر جانتی ہیں ۵۰ کہ ہرگز نہیں دے گا انہیں اللہ تعالیٰ کچھ بھلائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو ان کے

أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّىٓ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا۟ يَٰنُوحُ قَدْ جَٰدَلْتَنَا

دلوں میں ہے۔ (اگر میں ایسا کہوں) تو میں بھی ہو جاؤں گا ظالموں سے۔ وہ (برافروختہ ہو کر) بولے اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا

۴۷ اب حضرت نوح علیہ السلام کا سلسلۂ جواب شروع ہے فرمایا تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا ناز ہوگا لیکن میرے نزدیک تو تم نادان اور ناواقف لوگ ہو جنہیں اب تک یہ بھی معلوم نہیں کہ شرف انسانیت کا دار و مدار کثرت مال میں مضمر نہیں بلکہ دل کی پاکی اور کردار کی بلندی اور اخلاق کی پختگی میں ہے۔

۴۸ پھر فرمایا اے میری قوم! یہ سچے توحید کے متوالے جو تمہیں حقیر نظر آرہے ہیں ان کی شان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی نرالی ہے۔ اگر میں تمہاری خاطر ان کی دل آزاری کروں اور ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے گا اور میں اس کی ناخوشی برداشت نہیں کر سکتا۔

۴۹ اس جملہ کی وضاحت کے لیے سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۵۰ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۵۰ تم تو یہ کہتے ہو کہ یہ رذیل اور تہی دست مالی لوگ اس قابل نہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو۔ میں تو ایسا نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے اگر ان کا باطن درست ہے، ان کا سینہ نور ایمان سے منور ہے تو ان کی ظاہری خستہ حالی کے باوجود وہ انہیں اپنی خیرات و برکات سے مالا مال کر دیگا۔

فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۲﴾

اور اس بحث کو بہت طول دیا (اس مباحثہ کو چھوڑو) اور لے آؤ جلدی سے ہمارے پاس جس (عذاب) کا تم ہمیں وعدہ دیتے ہو اگر تم سچے ہو

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَ

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہی لے آئے گا اسے تمہارے پاس اگر چاہے گا اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ اور

لَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ

نہیں فائدہ پہنچائے گی تمہیں میری خیر خواہی اگر میں ارادہ کروں کہ میں تمہاری خیر خواہی کروں اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی

يُرِيدُ أَن يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ أَمْ يَقُولُونَ

یہ ہو کہ وہ تمہیں گمراہ کر دے وہ پروردگار ہے تمہارا۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے

افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا

خود گھڑ لیا ہے اسے۔ آپ فرمائیے اگر میں نے خود گھڑا ہے اسے تو مجھ پر ہوگا وبال میرے جرم کا۔ اور میں بری الذمہ ہوں ان گناہوں سے

۵۳؎ دلائل کے میدان میں لاجواب تو ہو گئے لیکن حق کو قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ کہنے لگے آپ جیتے جھگڑالو ہیں ہم اتنی طویل بحث سے باز آئے آپ جس عذاب کی ہمیں صبح و شام دھمکی دیتے رہتے ہیں وہ لے آئیے۔ اکثرت جدالنا ای اطلتہ (مظہری)

۵۴؎ آپ نے جواب دیا یہ میرے مولا کے اختیار میں ہے جب وہ مناسب سمجھے گا عذاب نازل کرے گا اور پھر تمہیں بچ نکلنے کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

۵۵؎ میں نے تو مقدور بھر تمہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن تمہیں اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی کو ہدایت دینا یا ہدایت نہ دینا اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اگر وہ کسی کو ہدایت نہ دینا چاہے تو دنیا بھر کے مبلغ اسے گمراہی سے نہیں بچا سکتے۔ اس لیے انسان کو کبھی اپنے علم، مجاہدہ اور نیکی پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیے کسی وقت بھی قدم پھسل سکتا ہے اور انسان منہ کے بل گر پڑتا ہے۔ اسی کی جناب میں ہمیشہ دست بدعا رہنا چاہیے کہ یہ سفینۂ حیات خیر و سلامتی سے کنارے پر جا لگے۔ یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

۵۶؎ یہاں خطاب نوح کو ہے یا فخر دو جہاں محمد مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجل الثناء سے مقصد یہ ہے کہ اگر یہ کلام اور یہ پیغام خدا کی طرف سے نہیں بلکہ میں نے خود گھڑ کر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے تو یہ جرم میرا ہے۔ اس کی سزا تمہیں نہیں

تُجْرِمُوْنَ ۝ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ

جرم تم کرتے ہو۔ اور وحی کی گئی نوح (علیہ السلام) کی طرف کہ نہیں ایمان لائیں گے آپ کی قوم سے

اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ

بجز ان کے جو ایمان لا چکے پس آپ غمگین نہ ہوں اس سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔ اور بنائیے

الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

ایک کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے اور نہ بات کیجئے مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے ظلم کیا

دی جائیگی لیکن میں اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرکے جو جرم تم کر رہے ہو وہ معاف کیا جائے گا اور نہ اسے فراموش کیا جائے گا اس کی سزا تمہیں یقیناً بھگتنی ہوگی تیار ہو جاؤ۔

۵۶ جب ان کو درس توحید دیتے دیتے صدیاں گزر گئیں اور ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی مخالفت اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوتا گیا جس سے حضرت نوح کو یقیناً انسانی کوفت ہوتی ہوگی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے اطمینان کے لیے ان کی طرف وحی فرمائی کہ جن کی قسمت میں دولت ایمان رقم تھی وہ ایمان لا چکے ان کے علاوہ اور کوئی ایمان نہیں لانے کا اس لیے آپ ان کے لیے غمزدہ نہ ہوں اب مہلت کی گھڑیاں ختم ہونے والی ہیں اور ان کی تباہی کا مقررہ وقت آ پہنچا ہے۔ تورات میں اسی چیز کو جس طرح اور جن الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے وہ پڑھیے آپ کو خود بخود قرآن اور موجودہ تورات کا فرق سمجھ آ جائے گا۔ کتاب پیدائش کی آیتیں ملاحظہ ہوں :-

اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل کے تصور اور خیال سدا برے ہی ہوتے ہیں ۔ تب خداوند زمین پر انسان کو پیدا کرنے سے ملول ہوا اور دل میں غم کیا ۔ اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان سے لے کر حیوان اور رینگنے والے جاندار اور ہوا کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے ملول ہوں ۔ (باب ۶ آیات ۵، ۶، ۷)

گویا پہلے اللہ تعالیٰ کو انسان کے اعمال کا علم نہ تھا اس لیے اس کو پیدا کیا اب جب اس کے کرتوت کھل کر سامنے آئے تو پتہ چلا کہ یہ کتنی خطرناک مخلوق تھی اسے تو پیدا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اب لگے افسوس ملنے۔ خود سوچیے کیا یہ اسلوب بیان شایان الوہیت کے شایاں ہے۔

۵۷ چونکہ علم الٰہی میں انہیں ایک عظیم سیلاب سے ہلاک کرنا مقدر ہو چکا تھا اس لیے پہلے ہی اپنے نبی کو کشتی بنانے کا حکم دیا تاکہ اس دن وہ اسے استعمال کر سکیں۔ باعیننا یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے۔ ابن عباس سے مروی ہے بمرأی منا یا ہماری نگرانی اور حفاظت میں۔ یعنی بحفظنا۔ اور وحینا کا مطلب ہے ہماری ہدایات کے مطابق یعنی جس کشتی کے بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے متعلق بتایا کہ کشتی بنانے کے طریقے بتائے گئے ہم۔ اور ہمارے مجوزہ نقشہ کے عین مطابق۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے اعمال کی بڑی خصوصی حفاظت

إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝٣٧ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن

وہ ضرور غرق کر دیے جائیں گے ۶۶ اور نوح کشتی بنانے لگے ۶۷ اور جب بھی گزرتے ان کے پاس سے ان کی قوم کے

قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ

سردار تو آپ کا مذاق اڑاتے۔ آپ کہتے اگر تم مذاق اڑاتے ہو ہمارا تو ایک دن ہم بھی تمہارا مذاق اڑائیں گے

كَمَا تَسْخَرُونَ ۝٣٨ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ

جس طرح تم مذاق اڑاتے ہو۔ سو تم جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو رسوا کر دے گا اسے

نگرانی کر رہا ہے اور ہر لحظہ رہنمائی فرما رہا ہے۔

۶۶ یعنی مجرموں کے غرق کیے جانے کا حتمی فیصلہ ہو چکا اب اس میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہیں اس لیے آپ کسی مغضوب کے لیے سفارش نہ کریں۔

۶۷ حکم الٰہی ملا، فوراً تعمیل کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ لکڑی لائی جا رہی ہے۔ اسے چیرا پھاڑا جا رہا ہے۔ تختے نکالے جا رہے ہیں۔ دیگر ضروری چیزیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ آپ کل تک تو وعظ و تذکیر میں مصروف تھے۔ اب تیشہ اور آری ہاتھ میں لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر کشتی بنائے جا رہے ہیں۔ آپ کے ہم وطنوں کو مذاق اور تمسخر کرنے کا ایک اور اچھا بہانہ مل گیا۔ طرح طرح کے آوازے کسے جانے لگے۔ حضرت! کیا نبوت چھوڑ کر اب بڑھئی بن گئے۔ صاحب! کیا یہ کشتی خشکی میں چلے گی۔ یہاں تو کوئی دریا یا سمندر نہیں۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا بندہ تعمیل حکم میں محو ہے۔ آپ نے چھچھوروں کی حرکات کو کبھی اہمیت نہ دی تھی کہ آج توجہ کرتے اتنا فرما دیا۔ آج جی بھر کے ہمارے ساتھ مذاق کر لو۔ کل ہماری باری بھی آنے والی ہے۔

غرضیکہ کچھ عرصہ کے بعد کشتی تیار ہو گئی۔

قرآن کریم نے یہ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نوح نے کشتی تیار کر لی لیکن اس کا طول و عرض کیا تھا اس کی بلندی کتنی تھی۔ اس میں دروازے اور کھڑکیاں کتنی تھیں۔ یہ یک منزلہ تھی یا سہ منزلہ۔ یہ کس لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ ان تمام تفصیلات کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا کیونکہ ان امور کا عبرت پذیری سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ بعض علماء تفسیر نے اسرائیلی روایات و مصادر کی روشنی میں ان امور کی تفصیل بیان کی ہے لیکن امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ واعلم ان امثال ھذہ المباحث لا تعجبنی لانھا امور لا حاجۃ الی معرفتھا البتۃ ولا یتعلق بمعرفتھا فائدۃ اصلا یعنی مجھے اس قسم کے مباحث بالکل پسند نہیں [illegible] رکھتے ہیں۔ ہمارے لیے اتنا جاننا ہی کافی ہے کہ وہ اتنی وسیع تھی کہ اس میں حضرت نوح، آپ کا کنبہ اور آپ کے پیروکار اور جانوروں کا جوڑا جوڑا سما سکتا تھا۔ (کبیر)

وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ

اور (کس پر) اترتا ہے جس پر عذاب ہمیشہ رہنے والا۔ یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا حکم ۵۶ اور ابل پڑا تنور ۵۷ تو ہم نے (نوح کو) فرمایا سوار کرلو کشتی میں ۵۸ ہر جنس سے نر و مادہ دو دو اور اپنے گھر والوں کو

۵۶ یہاں تک کہ عذاب کا مقررہ وقت آ گیا اور سب سے پہلے تنور سے پانی ابل پڑا۔ تنور کا کیا معنی ہے؟ علامہ بغوی نے عکرمہ اور زہری سے روایت کی ہے۔ ھو وجہ الارض یعنی سطح زمین کو تنور کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تنور سے مراد اعلی الارض واشرفہا یعنی زمین کے بلند ٹیلے۔ اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ تنور ایک تنور ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے فار التنور کا معنی صبح کا طلوع ہونا منقول ہے۔ بعض نے اس سے روٹی پکانے والا تنور مراد لیا ہے۔ گویا آپ کے لیے یہ علامت مقرر کیا گیا تھا کہ جب آپ تنور سے پانی کا فوارہ پھوٹتے دیکھیں تو سمجھ لینا کہ طوفان کا وقت آ گیا اس وقت کشتی میں سوار ہو جانا۔

۵۷ جب طوفان آ گیا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ کشتی میں چڑھا لیں تاکہ ان کی نسل ضائع نہ ہو جائے۔ یہاں تورات میں عجیب قسم کا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہیں دو دو جانوروں کو کشتی میں رکھنے کا حکم ہے اور کہیں سات سات۔ کتاب پیدائش کے باب ششم کی آیت انیس بیس میں ہے۔

اور جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا کہ وہ تیرے ساتھ جیتے بچیں۔ وہ نر و مادہ ہوں۔ اور پرندوں کی ہر قسم میں سے اور چرندوں کی ہر قسم میں سے اور زمین پر رینگنے والوں کی ہر قسم میں سے دو دو تیرے پاس آئیں تاکہ وہ جیتے بچیں۔

اور اسی کتاب پیدائش کے ساتویں باب کی دوسری آیت میں ہے۔

کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر اور ان کی مادہ اور ان میں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور ان کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا۔ اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ لینا تاکہ زمین پر ان کی نسل باقی رہے۔

اور اسی باب ہفتم کی آیت ۹ میں ہے:

دو دو نر و مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا۔

اب آپ بتلائیے کہ ان دو حکموں میں۔ نوح نے کون سا ایک حکم مانا اور دوسرا ترک کر دیا۔

۵۸ اس سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے کہ ہر قسم کے دو دو جوڑے یعنی چار چار جانور رکھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اس لیے ان الفاظ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ زوج جوڑے کے ہر فرد کو بھی کہتے ہیں جس طرح عورت کو بھی زوج کہا جاتا ہے اور مرد کو بھی زوج۔ قرآن کریم میں ہے وخلق منها زوجها اس سے اس کا زوج پیدا کیا۔ اس لیے زوجین جب تثنیہ ہو گا تو اس سے جوڑے کے دونوں فرد نر اور مادہ مراد ہوں گے۔ قرآن مجید میں ہے وانہ خلق الزوجین الذکر والانثی اس نے زوجین یعنی نر اور مادہ پیدا کیے۔

اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ

سوائے ان کے جن پر پہلے ہو چکا ہے حکم اور (سوار کر لو) جو ایمان لا چکے ہیں۔ اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا

مگر تھوڑے سے لوگ۔ اور نوح نے کہا سوار ہو جاؤ اس (کشتی) میں (بے خوف ہو کر) اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ہی اس کا چلنا اور اس کا لنگر انداز ہونا ہے

۶۱؎ یہ چیز غور طلب ہے کہ کیا یہ طوفان روئے زمین پر آیا تھا اور کیا آپ نے دنیا بھر کے حیوانات کا ایک ایک جوڑا اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ محققین کا قول یہ ہے کہ طوفان صرف اس علاقہ میں آیا جہاں نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم آباد تھی۔ اگرچہ ایسی تصریحات بھی کتب میں موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ طوفان عالمگیر تھا لیکن یہ اسرائیلی روایات ہیں یا ان سے اخذ کیے ہوئے علماء کے اقوال۔ کتاب و سنت سے کوئی ایسی نص پیش نہیں کی جا سکتی جس سے صراحۃً اس طوفان کا عالمگیر ہونا ثابت ہو۔ بعض نے اس آیت سے استدلال کیا ہے رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (اے رب نہ چھوڑ زمین پر کسی کافر کو زندہ) لیکن یہ درست نہیں ہو سکتا۔ الارض جو معرف باللام ہے اس سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے جیسے فرعون کے متعلق ہے وان فرعون لعال فی الارض۔ یہاں بھی الارض سے مراد ساری روئے زمین نہیں بلکہ ایک مخصوص علاقہ ہے نیز من الکافرین بھی معرف باللام ہے یعنی وہ مخصوص کافر جو آپ کی قوم سے تھے۔ قرآن کریم میں بہت سی جگہ یہی تصریح ملتی ہے کہ آپ کی بعثت صرف آپ کی قوم کے لیے تھی۔ ولقد ارسلنا نوحا الی قومہ۔ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک نسل انسانی زیادہ نہ پھیلی ہو بلکہ اسی علاقہ میں ہی بس رہی ہو۔ اس اعتبار سے تمام انسانی افراد اس طوفان کی زد میں تھے اور اس وجہ سے اس کو عالمگیر کہہ دیا گیا ہو۔ یہ بات قابل فہم ہے۔ لیکن اگر یہ اندازہ درست ہو کہ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے تخمیناً [illegible] سال بعد ہوئی تو اتنے عرصہ دراز تک اولاد آدم کا ایک ہی خطہ میں محدود رہنا دل میں کھٹک پیدا کرتا ہے۔ انھیں امور کے پیش نظر علامہ سید آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے محتاط پیرایہ میں لکھا ہے:۔

والذی یمیل القلب الیہ ان الطوفان لم یکن عاما (روح المعانی) یعنی دل اس طرف مائل ہے کہ طوفان عام نہیں تھا۔

اگر اس قول کو راجح قرار دیا جائے تو پھر نوح علیہ السلام کو دنیا بھر کے حیوانات کشتی میں لے جانے کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ جانور اپنے ہمراہ لیے ہوں گے جن کی فوری ضرورت تھی اور جن کو دور دراز کے علاقوں سے جو طوفان کی زد سے محفوظ تھے لانا مشقت اور تکالیف کا موجب تھا۔ بل امر بحمل ما یحتاج الیہ اذا نجا ومن معہ من الغرق لئلا یغتم لفقدہ ویتکلف مشقۃ جلبہ من الاصقاع النائیۃ التی لم یصلہا الغرق (روح المعانی)

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سورۃ المؤمنون کی آیت فاسلک فیہا من کل زوجین اثنین کی تفسیر کرتے ہوئے یہی فرمایا ہے:۔ ای کل زوجین من الحیوان الذی یحضر فی الوقت اثنین الذکر والانثی لکی لا ینقطع نسل ذلک الحیوان

واللہ تعالیٰ اعلم (کبیر)

إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے ۔ اور وہ چلنے لگی انہیں لے کر ایسی لہروں میں جو پہاڑوں کی مانند تھیں

وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا

اور پکارا نوح (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے کو اور وہ (ان سے) الگ تھا ۔ اے بیٹا سوار ہو جاؤ ہمارے ساتھ

۴۱ جن جانوروں، گھر والوں اور اہل ایمان کو کشتی میں سوار کرنے کی اجازت ملی تھی ان کو آپ نے سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا یعنی اس بلاخیز سیلاب سے جس کے سامنے بلند بالا چٹانیں سب یکساں ہو گئی ہیں ہم اپنی نجات و سلامتی کے لیے اعتماد اس کشتی پر نہیں کرتے بلکہ ہمارا بھروسہ تو اس رب العالمین پر ہے جس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے اور جس کی رحمت کا مینہ ہر وقت ہی برستا رہتا ہے۔ ہماری کشتی کے چلنے کا آغاز اسی کے نام پاک سے ہو رہا ہے اور اس کشتی کا لنگر انداز ہونا بھی اسی کے اسم پاک سے ہوگا۔ ہمارے سفر کی ابتدا بھی اسی کے کرم کے سہارے ہو رہی ہے اور اس کی انتہا بھی اسی کے فضل سے ہوگی۔ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضور رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت جب کشتی میں سوار ہو اور یہ پڑھے تو اسے غرق ہونے سے امان مل جائے گی۔

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (قرطبی)

مجریھا اور مرسٰھا کی ترکیب اور صیغے کے متعلق کچھ سن لیجیے۔

ارکبوا میں جو ضمیر فاعل ہے مقدرًا حال ہے اور بسم اللہ الخ حال ہے یعنی کشتی میں یہ کہتے ہوئے سوار ہو بسم اللہ الخ۔ مجریٰ و مرسیٰ ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں کشتی چلنے کے وقت اور اس کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کے وقت یا اس جگہ اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہوں جہاں وہ چلتی ہے اور جہاں وہ رکتی ہے یا یہ دونوں مصدر میمی ہیں یہاں پھر مضاف (وقت) محذوف ماننا پڑے گا ای وقت جریھا ووقت ارساھا۔ مجریٰ، جری یجری سے ہے اور مرسیٰ، ارسیٰ، یرسی باب افعال سے مصدر میمی ہے۔

۴۲ طوفان کی شدت کا بیان ہو رہا ہے یعنی یہی نہیں کہ سیلاب آگیا اور وادیاں اور بستیاں پہاڑ اور اونچے ٹیلے غرقاب ہو گئے اور اس کی پرسکون سطح پر کشتی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی نہیں بلکہ اس میں خوفناک قسم کی تند و تیز موجیں اٹھ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا کہ پانی کا پہاڑ چڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس دل ہلا دینے والی خوفناک طغیانی میں یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو لیے ان دہاڑتی ہوئی موجوں کو چیرتی ہوئی سلامتی سے چلی جا رہی تھی۔

۴۳ اس حال میں آپ کو اپنا بیٹا کنعان نظر آیا جو آپ کی رفاقت اور سنگت کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا تھا۔ آپ نے پکارا کافروں کا ساتھ چھوڑ دیجیے

قوم نوح کا علاقہ اور جبل جودی

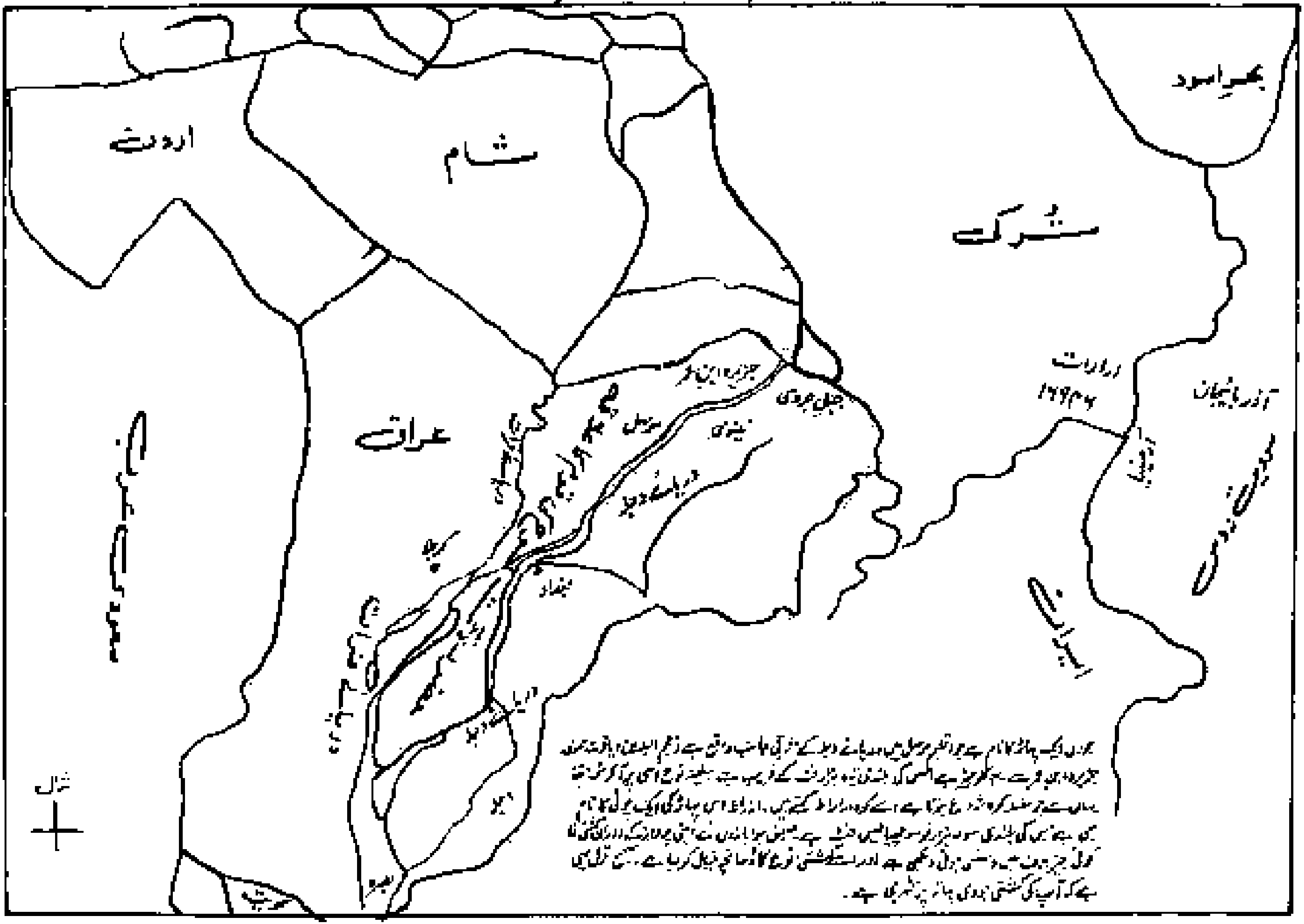

وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي

اور نہ ہو کافروں کے ساتھ۔ بیٹے نے کہا (مجھے کشتی کی ضرورت نہیں) ابھی پناہ لے لوں گا کسی پہاڑ کی وہ بچا

مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ ۚ

لے گا مجھے پانی سے۔ آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بجز اس کے جس پر وہ رحم کرے۔

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾ وَقِيلَ يَا أَرْضُ

اور (اسی اثنا میں) حائل ہوگئی ان کے درمیان موج پس وہ ہوگیا ڈوبنے والوں سے اور حکم دیا گیا اے زمین!

اب بھی سچے دل سے تائب ہو جا اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا لیکن جو ازلی بدبخت ہو اس پر نصیحت کب اثر کرتی ہے۔ وہ اکڑ گیا۔ بڑی بے پرواہی اور گستاخانہ انداز میں کہنے لگا مجھے آپ کی کشتی میں پناہ لینے کی ضرورت نہیں۔ یہ سامنے کتنے اونچے پہاڑ ہیں ان میں سے کسی پر چڑھ جاؤں گا۔ یہ پانی میرا کیا بگاڑ سکے گا۔

آپ نے فرمایا لخت جگر! پہاڑوں کی کیا مجال کہ تمہیں خدا کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچا سکیں۔ بچنے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ تم سچے دل سے توبہ کر کے پیغمبر کے دامن میں پناہ لیتے اور کشتی میں اس کے ساتھ سوار ہو جاتے۔ بعض علماء بزرگ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی بے بسی ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل اکثر یہ آیت پڑھتے ہیں۔ انہوں نے کبھی اتنا سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ پیغمبر کس کی طرف سے ہے۔ اگر کنعان منت سماجت کرتا کہ ابا جان مجھے بچا لیجئے اور آپ فرماتے کہ میں تمہیں نہیں بچا سکتا تو ان حضرات کا استدلال قابل التفات ہوتا۔ جبکہ یہاں تو معاملہ برعکس ہے۔ آپ تو بار بار فرما رہے ہیں آجا کشتی میں سوار ہو جا۔ بچ جائے گا لیکن وہ اپنی بدبختی کے باعث انکار کر رہا ہے کہ کشتی میں نہیں چڑھوں گا۔ وہ غرق ہوگیا۔ اس کے غرق ہو جانے کی وجہ یہ نہ تھی کہ پیغمبر کا دامن شفقت تنگ تھا۔ اس نے چاہا بھی لیکن اسے جگہ نہ مل سکی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ کنعان پناہ لینے پر آمادہ نہ ہوا۔

پانی کا ایک ریلا آیا اور اس سرکش اور متمرد کو تنکے کی طرح بہا کر لے گیا اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

سیلاب کے اترنے کے متعلق تورات میں ہے:۔

سمندر کے سوتے اور آسمان کے دریچے بند کیے گئے اور آسمان سے جو بارش ہو رہی تھی تھم گئی اور پانی زمین پر سے گھٹتے گھٹتے ایک سو پچاس دن کے بعد کم ہوا اور ساتویں مہینے کی سترھویں تاریخ کو کشتی اراراط کے پہاڑوں پر ٹک گئی اور پانی دسویں مہینے تک برابر گھٹتا رہا اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آئیں۔

(پیدائش باب ۸ آیت ۲ تا ۵)

لیکن قرآن کریم کے بیان میں جو جلال و شوکت ہے اس کی نظیر دنیا بھر کے صحائف میں کہاں مل سکتی ہے۔ صاحب روح المعانی

ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ

نگل لے اپنے پانی کو اور اے آسمان تھم جا اور اتر گیا پانی اور حکم الٰہی نافذ ہو گیا۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَ

اور ٹھہر گئی کشتی جودی (پہاڑ) پر له اور کہا گیا ہلاکت و بربادی ہو ظالم قوم کے لیے۔ اور

نَادَىٰ نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ

پکارا نوح نے اپنے رب کو اور عرض کی میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی تو میری اہل سے ہے شه اور یقیناً تیرا وعدہ

وجہ ذکر نہیں لکھتے ہیں رقمطراز ہیں:۔ واطلعوا على ان هذه الآية قد بلغت من مراتب الاعجاز اقاصيها واستذلت مصاقع العرب فسفهت بتواصيها وجمعت من المحاسن ما يضيق عنه نطاق البيان۔ اس کے اعجاز کی بلندیوں کے سامنے بلغاء عرب کی گردنیں جھک گئیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ایک شخص عرب کے فصحاء و بلغاء نے قرآن کی مثل پیش کرنے کا عزم کر لیا چالیس روز تک کباب شراب اپنی فصاحت و بلاغت کی قوتوں کو تیز کرنے کے لیے بڑا زور خرچ کرتے رہے جب یہ آیت ان کے کان میں پڑی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہنے لگے ھذا الکلام لا یشبه کلام المخلوقین ابن المقفع ایک مشہور عجمی عالم ادیب تھا۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت میں کوئی اس کا ہمسر نہ تھا اس نے بڑی دماغ سوزی، دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے ایک سورۃ بنائی تا کہ اسے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرے۔ ایک روز اس کا گزر ایک مکتب کے پاس سے ہوا جہاں بچے قرآن حفظ کر رہے تھے۔ کوئی بچہ یہ آیت پڑھ رہا تھا اسے سن کر وہ مبہوت ہو گیا۔ الٹے پاؤں واپس گھر پہنچا اور اپنی تحریر کو دھو ڈالا اور کہا کہ اس کلام کا مقابلہ ممکن نہیں۔ (روح المعانی)

له ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل کے قریب ہے اور جبل ارارا ملک کی ایک شاخ ہے۔ کہتے ہیں محرم کی دس تاریخ تھی اور جمعہ کا دن تھا جب آپ کی کشتی کوہ جودی پر آ کر رکی۔

شه حضرت نوح علیہ السلام نے یہ التجا کنعان کے غرق ہونے سے پہلے کی تھی یا غرق ہونے کے بعد؟ علماء سے دونوں قول مروی ہیں۔ اگر پہلے ہو تو اس کی ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کنعان کھلم کھلا کفر نہیں کیا کرتا تھا لیکن اس کے دل میں نفاق تھا۔ حضرت نوح نے اس کے ظاہری اسلام کے پیش نظر یہ گزارش کی کہ بارالٰہا! یہ میرا بچہ ہے اور ڈوب رہا ہے اور تو نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میں تیرے اہل و عیال کو بچا لوں گا۔ جواب دیا گیا کہ یہ تیرا بیٹا نہیں اس کے دل میں کفر و نفاق ہے اس کے اعمال اچھے نہیں۔ اس لیے اس کے متعلق مت سفارش کرو۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ کھلا کافر تھا لیکن غلبہ محبت کی وجہ سے خیال نہ رہا اور یہ عرض کر بیٹھے جس پر تنبیہ کی گئی۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی یہ التجا کنعان کے ڈوب جانے کے بعد تھی (اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس التجا کا ذکر وکان من المغرقین کے بعد ہوا ہے) تو پھر اس کا مقصد یہ تھا کہ الٰہی! کنعان کے غرق کیے جانے کی وجہ کیا ہے حالانکہ وہ

الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قَالَ يٰنُوْحُ إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۚ

سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بہتر حکم کرنیوالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! وہ تیرے گھر والوں سے نہیں

إِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۖ

(کیونکہ) اس کے عمل اچھے نہیں پس نہ سوال کیا کرو مجھ سے جس کا تجھے علم نہ ہو

إِنِّيْٓ أَعِظُكَ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّيْٓ أَعُوْذُ بِكَ

میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ نہ ہو جانا نادانوں سے عرض کرنے لگے میرے پروردگار! میں پناہ مانگتا ہوں تجھ

آپ کے اس استفسار کے جواب میں بیٹے کے متعلق فرمایا انہ لیس من اھلک وہ تیرے اہل وعیال سے ہے ہی نہیں۔ بعد میں اس کی وجہ بتائی کہ انہ عمل غیر صالح وہ بدعمل اور بدکردار تھا اور ایسے شخص کو نبوت کے پاک خاندان کا فرد شمار نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا سبب حسب نسب یا کسی نیک اور بزرگ کی اولاد ہونا نہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح ہے۔ اگر کوئی نعمت ایمان سے محروم ہے تو اس کو کسی بزرگ باپ کا بیٹا ہونا کوئی فائدہ نہیں دے گا خواہ وہ باپ نوح جیسا عظیم المرتبت نبی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجات اور ترقی درجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کے لیے بخشش نہیں ہے اور نہ اس کے لیے کسی کی شفاعت قبول ہوگی لیکن جو ایماندار ہو مگر شومئ قسمت سے گناہوں کا ارتکاب کرتا رہا ہو اس کے لیے شفاعت اور بخشش کا دروازہ کھلا ہے۔ جو لوگ اس آیت سے انبیاء و صلحاء کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں وہ بھی حق وانصاف سے دور ہیں اور جو اس گھمنڈ میں احکام الٰہی کی نافرمانی کرتے ہیں کہ وہ فلاں بزرگ کی اولاد سے ہیں یہ ان کی سیاہ بختی ہے جو دیدہ عبرت نگاہ کو خون کے آنسو رلاتی ہے کیا انہیں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ جس رب ذوالجلال کے ہر حکم کی بجا آوری ان کے بزرگ آباؤ اجداد کی زندگی کا واحد نصب العین تھا جنہوں نے ایک قدم بھی تقویٰ کی راہ سے باہر نہیں رکھا ان کی اولاد ہو کر اس پروردگار عالم کی نافرمانی کرتے ہیں جس کریم نے ان کے بزرگوں کی شب بیداریوں، اشکباریوں، نیازمندیوں اور دل گدازیوں پر رحم فرما کر انہیں عزت و ناموری کے اتنے بلند مقام تک پہنچا دیا۔ کیا ان کے فرزندوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنے مولا کریم کی اطاعت و بندگی کو چھوڑ کر اس کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائیں۔ اس غلط نظریہ نے ان شریف خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور حادثہ نے پہنچایا ہو۔ کاش! ان خاندانوں کے چشم و چراغ اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں اور خداداد صلاحیتوں کو خدمت دین اور خدمت خلق کے لیے استعمال کریں تو وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کتنی بخششیں فرماتا ہے اور ان کی وجہ سے کتنی خلق خدا کو ہدایت ہوتی ہے۔ وہ ذرا سوچیں اگر وہ بخش بھی دیئے گئے تو اپنی غفلت اور بدعملی کی وجہ سے ان کے مقامات میں جو تنزل اور ان کے درجات میں جو انحطاط ہوا ہے کیا وہ کچھ کم افسوسناک ہے۔ کیا انہوں نے دانائے شیراز کا یہ شعر کبھی نہیں سنا۔ ع

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است ☆ رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ

کہ میں سوال کروں تجھ سے ایسی چیز کا جس کا مجھے علم نہیں ہے ۹۱ اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں ہو جاؤں گا زیاں

الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ

کاروں سے۔ ارشاد ہوا اے نوح! اتر (کشتی سے) ہم اتریے امن و سلامتی کے ساتھ جو ہماری طرف سے ہے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں

مِّمَّن مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ تِلْكَ

اور ان گروہوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی جنہیں ہم لطف اندوز کریں گے پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب یہ قصے

مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ

غیب کی خبروں میں سے ہیں جنہیں ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔ نہ آپ جانتے تھے اسے اور نہ ہی آپ کی قوم

مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ

اس سے پہلے پس آپ صبر کریں ۹۴ یقیناً نیک انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ اور عاد کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی

۹۱ بارگاہ الٰہی سے ذرا سی تنبیہ ہوئی فوراً سراپا عجز و نیاز بن گئے اور سابقہ گفتگو سے رجوع کیا۔ مردان خدا کا یہی دستور ہوا کرتا ہے۔

۹۲ جب طوفان تھم گیا، پانی اتر گیا، کشتی جودی پہاڑ پر آکر رک گئی۔ اللہ تعالیٰ نے دعاؤں اور برکات و خیرات کی خوشخبری کے ساتھ زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ فرمایا اس خاکدان ارضی پر امن و سلامتی کے ساتھ اتریے۔ ہماری برکتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں گی۔ تجارت، مال میں تمہارے لئے برکت ہو، تمہاری کھیتی باڑی میں اور تمہاری فصلوں میں زیادتی ہو۔ اور آپ کے ہمراہی بھی ان نعمتوں سے سرفراز کیے جائیں گے۔

۹۳ اگرچہ نوح علیہ السلام کے نام سے لوگ آشنا تھے اور ان کے احوال کی بھی کچھ کچھ انہیں خبر تھی۔ لیکن وہ سب ظن و گمان کے تراشیدہ افسانے تھے حقیقت حال سے کوئی واقف نہ تھا۔ اے میرے نبی! تمہیں بھی ان کے صحیح حالات کا علم نہ تھا اور تیری قوم بھی جاہل اور ان پڑھ تھی۔ اس غیب کو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی منکشف فرمایا۔

۹۴ اس قصہ کے ذکر کا مقصد محض تاریخ بیان کرنا یا دل بہلانا نہیں بلکہ آپ کو حضرت نوح کے صبر و استقامت پر آگاہ کرنا ہے تاکہ آپ بھی کفار و مشرکین کی دل آزاریوں کے مقابلہ میں صبر سے کام لیں۔ یقیناً یہ ان کی نخوت و سرکشی خاک میں مل جائے گی اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

هُودًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنْ اَنْتُمْ

ہود (علیہ السلام) کو[۸۴] انہوں نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا[۸۵] نہیں ہو تم

اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

مگر افترا پرداز۔ اے میری قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجرت[۸۶] نہیں ہے میری اجرت مگر اس (خدا) کے ذمہ

الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ کیا تم (اس حقیقت کو) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! مغفرت طلب کرو اپنے رب سے[۸۷] پھر (دل و جان سے)

۸۴ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا نام عاد تھا۔ ہو سکتا ہے کسی دادا کے نام سے موسوم ہوئی تھی۔ ان کا وطن حضرموت اور یمن کا علاقہ تھا۔ اس کی تفصیل سورۃ الاعراف کے حواشی میں ملاحظہ فرمالیجیے۔

۸۵ آپ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری طرح طرح کی خرابیوں کے علاوہ وہ شرک کی گمراہی میں مبتلا تھے۔ انہوں نے مختلف کاموں کے لیے الگ الگ دیوتا مقرر کر رکھے تھے اور انہیں کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ اپنے خالق سے ان کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس کی یاد کا دیا بجھ چکا تھا اور اس کی عبادت کا انہیں خیال بھی نہیں آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا نبی آتا ہے۔ انہیں دعوت حق بھی دیتا ہے۔ اپنی صداقت کی ایک ایک دلیل بھی پیش کرتا ہے اور اس گمراہی کے اثرات بد سے بچنے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ حضرت ہود اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق دیتے ہیں اور جھوٹے خداؤں سے قطع تعلق کی تلقین فرماتے ہیں۔ فرمایا ما لکم من الٰہ غیرہ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ یہ پتھر کے بت بھی کبھی خدا بن سکتے ہیں۔ یہ تمہاری من گھڑت باتیں ہیں۔ جو ہرگز توجہ کے لائق نہیں۔

۸۶ اپنی صداقت کی دلیل پیش کی کہ نہ تو میں تم سے کچھ مانگتا ہوں اور نہ تم سے کسی اجر کی توقع کرتا ہوں۔ تو پھر مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ ان اجری سے فرمایا کہ تم سے کیوں مانگوں جبکہ میرا پیدا کرنے والا موجود ہے جو میری ساری ضروریات کا ذمہ دار ہے وہ غنی بھی ہے اور کریم بھی۔ اسے چھوڑ کر میں تمہارے سامنے کیوں ہاتھ پھیلاؤں۔ ذرا سوچو تو۔

۸۷ تم گزشتہ گناہوں کی مغفرت طلب کرو اور آئندہ کے لیے اپنی عبادت و اطاعت اور رجوع کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بنا لو گے تو عزت کی سرفرازی کے ساتھ ساتھ تمہیں اس دنیا میں خوشحال کر دیا جائے گا۔ بارشیں برسیں گی تمہاری بنجر زمینیں ان سے سیراب ہو کر سونا اگلنے لگیں گی ہر طرف سرسبز کھیت لہلہانے لگیں گے۔ معاشی خوشحالی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے گا جب تمہاری مالی حالت سدھر گئی تو اولاد بھی صحت مند، خوبرو اور بکثرت پیدا ہوگی۔ دولت کی فراوانی اور قبیلے کے افراد کی کثرت سے تمہاری قوت میں بے پناہ اضافہ ہو جائے گا۔ یہ خیال اپنے دل سے نکال دو کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی شریعت کی پابندی شروع کر دی تو تم مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے۔ سوچیے کیا اسی قسم کے غلط تصورات کے باعث ہی ہم دین اسلام سے کھچے کھچے نہیں۔ حقیقت شریعت اسلامیہ کی پیروی کا تصور

تُوبُوٓا إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ

رجوع کرو اس کی طرف۔ وہ اتاریگا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش اور بڑھادیگا تمہیں قوت میں تمہاری

قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا۟ يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا

قوت سے اور نہ منہ موڑو (اللہ تعالیٰ سے) مجرم بنتے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے ہود! نہیں لے آیا تو ہمارے پاس کوئی دلیل اور نہیں ہیں

نَحْنُ بِتَارِكِىٓ ءَالِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾

ہم چھوڑنے والے اپنے خداؤں کو تمہارے کہنے سے ٹ اور نہیں ہیں ہم تجھ پر ایمان لانے والے۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ ۗ قَالَ إِنِّىٓ أُشْهِدُ

ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ شہ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں

ٱللَّهَ وَٱشْهَدُوٓا۟ أَنِّى بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ مِن دُونِهِۦ ۖ فَكِيدُونِى

اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔ اس کے سوا پس سازش کرو میرے خلاف

کرتے ہی غربت و افلاس کے خوفناک سائے ہمارے گھروں کے سامنے سے چھٹنے لگتے ہیں۔ اس حقیقت کا ذکر اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں بھی ہو چکا ہے وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ یمتعکم متاعا حسنا۔ مدرارا، درّ سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کثرت سے بہنا۔ المدرار غزیر السیلان یعنی موسلا دھار بارش۔

ٹ اہل کفر کا رویہ ہمیشہ معاندانہ اور متعصبانہ ہوتا ہے۔ صاف کہہ دیا کہ آپ نے ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے ہمیں آپ کی صداقت کا یقین آ جائے۔ ہم نہ اپنے خداؤں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ کی دعوت قبول کریں گے خواہ مخواہ آپ اپنا دماغ کھپا رہے ہیں اور ہمارا بھی وقت ضائع کر رہے ہیں اور اپنا بھی۔

شہ یہ جو آپ بہکی بہکی (نعوذ باللہ) باتیں کر رہے ہیں جانتے ہو اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا کوئی خدا تم سے ناراض ہو گیا ہے اس نے تمہاری عقل سلب کر لی ہے اور اب تم دیوانوں کی طرح باتیں کر رہے ہو۔ اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ہمارے خداؤں کے قدموں میں گر پڑو اور اپنی گستاخی کی معافی مانگو۔ و یقال عراه الامر واعتراه اذا الم به (قرطبی)

ٹھ ان کی لغو اور بیہودہ باتوں سے آپ جلال میں آ گئے۔ فرمایا تم میری سچائی کی گواہی مت دو، اللہ تعالیٰ کی گواہی میری صداقت کے لیے کافی ہے۔ ہاں تمہیں اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ میں نے علی الاعلان یہ کہا کہ میرا اور تمہارے ان جھوٹے خداؤں کے ساتھ کوئی

جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ

سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو ۸۱ بیشک میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ۸۲

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

کوئی جاندار ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ ۸۳

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ

پھر اگر تم روگردانی کرو تو میں نے تو پہنچا دیا ہے تمہیں وہ پیغام جسے دے کر مجھے بھیجا گیا ہے تمہاری طرف اور جانشین بنائے گا۔ میرا رب

قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَـيْـًٔـا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

کسی اور قوم کو تمہارے علاوہ ۸۴ اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز کا نگہبان

تفسیر

۸۱ے وہ میرا یہ اعلان بھی سن لو تم سب مل کر تم بھی اور تمہارے خدا بھی میرے خلاف جو سازش کرنا چاہتے ہو کر لو۔ میں تم سے کسی رحم کی التجا نہیں کروں گا۔ تم سے مہلت نہیں مانگوں گا۔ لیکن یقین رکھو تم میرا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے۔

۸۲ے اس غیر متزلزل یقین اور ناقابل شکست اعتماد کی وجہ بیان فرما دی کہ میرا جس پر بھروسہ ہے وہ بڑی طاقت اور قوت والا ہے۔ وہ جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی بلکہ دنیا میں ان گنت انواع و اقسام کے جو کروڑوں چرند پرند وغیرہ تمہیں نظر آ رہے ہیں وہ سب اس کے حکم کے سامنے سر افگندہ ہیں۔ اور دم مارنے کی کسی میں مجال نہیں۔ خود سوچو جس کی تائید و نصرت کرنے والا اتنی طاقت کا مالک ہو اسے تم اور تمہارے یہ بے بس خدا کیا گزند پہنچا سکتے ہیں۔ ناصیہ پیشانی کے اوپر کے حصہ کو کہتے ہیں والناصیۃ قصاص الشعر فی مقدم الرأس (قرطبی)۔ پیشانی کے بالوں کو پکڑنے کا مطلب ہے کسی کو مقہور و مغلوب کرنا۔ الاخذ بالناصیۃ تمثیل لقہر القاہر علی المقہور من المخلوقین بیدیہ یصرفہ کیف یشاء (قرطبی)

۸۳ے تقدیر و تدبیر، جزا و سزا، عطا و حرمان غرضیکہ اس کے تمام افعال عدل و انصاف پر مبنی ہیں اور اس کی حکمت بالغہ اور رحمت تامہ کے آئینہ دار ہیں۔ قیل معناہ لا خلل فی تدبیرہ ولا تفاوت فی خلقہ سبحانہ (قرطبی)

۸۴ے تمہیں اگر تمہاری پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نیست و نابود کر دیا گیا تو گلشن ہستی کی رونق میں کچھ فرق نہ پڑے گا۔ تم سے بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیا جائے گا جو زندگی کے گلستان میں اعمال صالحہ کے پھول کھلائے گی۔ جو اپنی محنت و کاوش سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دے گی۔ اس کے دم قدم سے بزم کائنات میں نئی چہل پہل دکھائی دینے لگے گی۔ دنیا کی تقریباً ہر طاقتور قوم یہی سمجھتی ہے کہ عالم کی آبادی اس کے دم قدم سے ہے۔ اگر اس پر کوئی افتاد پڑی تو ہر طرف بربادی اور ویرانی کا دور دورہ ہوگا۔ روشنی کے سامنے بیٹھے

حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

ہے۔ اور جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے نجات دیدی ہود کو اور جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ بوجہ

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا

اپنی رحمت کے ٹ۵ اور ہم نے نجات دے دی انھیں سخت عذاب سے۔ اور یہ قوم عاد (کی داستان) ہے انکار

بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٥٩﴾

کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی اور پیروی کرتے رہے ہر جابر سرکش کے حکم کی۔ ٹ۶

وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا

اور ان کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے

كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ﴿٦٠﴾ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ

انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! ہلاکت (یا دوری) ہو عاد کے لیے جو ہود کی قوم تھی ٹ۷ اور قوم ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی

بجھا دیں گے۔ جہالت و وحشت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا۔ لیکن ہزاروں قومیں آئیں اپنا مقررہ وقت پورا کر کے چلتی بنیں لیکن خدا کی دنیا آباد ہی رہی اور جب تک اس کی مرضی ہوگی آباد ہی رہے گی۔

ٹ۵ اس سے مراد ایمان ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق مرحمت فرمائی۔ اور یہ ایمان الذی انعمت علیہم۔

ٹ۶ جبار: متکبر اور سرکش۔ عنید: جو باطل پر اڑ کر حق کا انکار کرے۔ العنید الطاغی الذی لا یقبل الحق ولا یذعن له (قرطبی) اذا ابی ان یقبل الشیء وان عرفه (مظہری)

یعنی قوم عاد کی بدبختی کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کا برسر اقتدار طبقہ تو ایسے سرکش اور متکبر تھا حق کو قبول کرنا ہی اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا لیکن اس قوم کے عوام نے بھی عقل و خرد سے کام لینا چھوڑ دیا تھا انھوں نے بھی حضرت ہود کی دعوت پر سنجیدگی سے غور و فکر نہیں کیا تھا۔ وہ بھی لکیر کے فقیر تھے اور اپنے سرغنوں کی چاپلوسی کرتے اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ دونوں گروہوں کو تامل و غور و فکر کی طویل مہلت دی گئی لیکن انھوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا آخر تباہ کر دیئے گئے۔

ٹ۷ بُعد کے معنی دور ہونا اور بَعد کا معنی ہلاک ہونا بھی ہے۔ یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا گیا یا انھیں ہلاک کر دیا گیا۔

صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ

صالح (علیہ السلام) کو ۵۴ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اس کے سوا ۵۵ اس نے پیدا فرمایا تمہیں

مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ

زمین سے اور بسا دیا تمہیں اس میں۔ پس مغفرت طلب کرو اس سے پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿۶۱﴾ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ

طرف ۵۶ بے شک میرا رب قریب ہے (دعائیں) قبول فرمانے والا ہے ۵۷ انہوں نے کہا اے صالح! تم تو ہم میں ایک ایسے شخص تھے جس سے امیدیں

۵۴ حضرت ہود اور ان کی قوم کے حالات بیان کرنے کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ ثمود کا مسکن حجاز اور شام کا درمیانی خطہ ہے۔ یہ بھی عاد کے قبیلہ کی ایک شاخ ہے جو حضرت ہود پر ایمان لانے کی وجہ سے عذاب سے بچ گئے تھے اور وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ یہاں آ کر وہ خوب پھلے پھولے۔ ان کے آنے سے یہ خطہ لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور سرسبز و شاداب باغات کے باعث رشک ارم بن گیا۔ فن تعمیر میں انہوں نے خصوصی مہارت حاصل کی۔ ان کا مفصل ذکر سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ علوم و فنون میں ترقی اور زراعت و باغبانی کی مہارت کی وجہ سے ان کی معاشی حالت بہت بہتر ہو گئی لیکن دولت کی فراوانی اپنے جلو میں جن خرابیوں کو لاتی ہے وہ بھی پوری قوت سے ان میں نشو و نما پانے لگیں۔ اپنے مالک حقیقی سے رشتہ ٹوٹ گیا۔ باطل خداؤں کی جو کٹ پتھروں سے بنائے گئے تھے پوجا کرنے لگے۔ عقیدہ کی گمراہی کے ساتھ ساتھ اخلاق کی گراوٹ بھی عروج پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جو انہی کی قوم کے ایک نیک سیرت فرد تھے۔

۵۵ حضرت صالح نے بھی اپنی تبلیغ کا آغاز عقیدہ توحید سے کیا۔ انہیں بتایا کہ تمہارا معبود وہ ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور پھر تم کو اس میں آباد کرنے کا اہتمام فرمایا اور وہ تمام اسباب فراہم کر دیئے جو تمہاری بقا کے لیے ضروری تھے۔ لیکن جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ رازق۔ انہوں نے تمہیں کچھ بھی نہیں دیا۔ وہ بیچارے دے بھی کیا سکتے ہیں جو اپنے وجود اور اپنی تراش خراش میں تمہارے فن سنگ تراشی اور تمہاری مہارت کے مرہون منت ہیں۔ یہ بات کتنی احمقانہ ہے۔ استعمرکم قال قتادۃ اسکنکم فیھا یعنی اس کا معنی قتادہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس نے تمہیں زمین میں آباد کر دیا ہے۔ ایک دوسرا معنی بھی کیا گیا ہے ای طلب العمارۃ یعنی اس نے زمین کو آباد کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے۔

۵۶ اگرچہ تمہاری زندگی کا اکثر حصہ کفر و شرک میں برباد ہو چکا ہے لیکن ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کی رحمت تمہاری منتظر ہے۔ اب بھی اگر سچے دل سے تائب ہو جاؤ گے تو قبول کر لیے جاؤ گے۔ تمہاری عمر بھر کی خطاؤں اور گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔

۵۷ جس رب کو تم بعید سمجھتے ہو بلکہ اپنے ذہن سے جس کی یاد کے نقش مٹا چکے ہو وہ تو تمہارے بالکل قریب ہے۔ رگ جان سے بھی زیادہ قریب۔ اور وہ مہربان اتنا ہے کہ جو مانگو گے وہی ملے گا۔ اس کے در کرم سے کسی سائل کو محروم واپس لوٹایا ہی نہیں جاتا۔ ان اندھے بہرے خداؤں کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں دیکھتے ہیں اور نہ تمہاری فریاد سنتے ہیں اور اس رب کریم سے منہ موڑتے ہو جو تمہارے دل کی دھڑکنوں

هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

وابستہ تھیں اس سے پہلے۔ کیا تم روکتے ہو ہمیں اس سے کہ ہم عبادت کریں ان (معبودوں) کی جن کی عبادت کرتے تھے ہمارے باپ دادا اور بیشک ہم

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ

اس امر کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ایک بے چین کر دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں ہوں روشن

کو بھی سنتا ہے جو کریم بھی ہے اور قادر و توانا بھی جسے تمہارے حال پر ترس بھی آتا ہے اور جو تمہاری مشکلوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔

۶۳؎ حضرت صالح بچپن سے ہی شرافت و متانت کے پیکر تھے۔ ان کی ہونہاری سے ذہانت اور دانائی ظاہر ہوتی تھی۔ ان کا دامن حیات ہر قسم کی آلودگیوں اور کمزوریوں سے پاک تھا۔ ان کو دیکھ کر ان کی قوم کے افراد ان کے شاندار مستقبل کے متعلق طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ یہ لڑکا جوان ہو کر ہماری قومی عظمت کو چار چاند لگا دے گا۔ اس کی حکیمانہ قیادت میں ہم خوب ترقی کریں گے لیکن جب آپ نے انہیں ان کے بتوں کی عبادت سے روکنا شروع کیا جن کی عبادت وہ صدہا سال سے کرتے چلے آ رہے تھے اور اللہ رب العزت کی وحدانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا تو وہ ششدر ہو کر رہ گئے۔ وہ صالح کی زبان سے یہ کیا سن رہے ہیں۔ ان کو اپنے کانوں پر اعتبار ہی نہ رہا تھا۔ وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیا ہو گیا ہے جسے ہم قومی عروج و اقبال کا ضامن سمجھے ہوئے تھے وہ تو قوم کے بنیادی عقیدہ پر کلہاڑا چلا رہا ہے۔ یہ تو قوم کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دے گا۔ بڑے حیرت زدہ انداز میں کہنے لگے صالح! ہم نے تو تم سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں! اور تم یہ کیا کر رہے ہو ذرا غور تو کرو کیا ہم ان خداؤں کی پوجا چھوڑ دیں جن کی پوجا آج تک ہم اور ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں۔ ہمیں تو تمہاری اس عجیب و غریب دعوت پر یقین نہیں آتا۔ تم نے تو ہمیں ایک ایسے تذبذب سے دوچار کر دیا ہے جس نے ہمارا چین ختم کر دیا ہے اور ہمارے اطمینان و یقین کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دی ہے۔ مریب شک کی صفت ہے۔ باب افعال سے اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے ریبہ میں ڈال دینا۔ کہتے ہیں اراب اذا اوقعہ فی الریبۃ۔ نفس کے قلق اور اطمینان و سکون کے اٹھ جانے کو عربی میں ریبہ کہتے ہیں ھی قلق النفس وانتفاء الطمانیۃ (زمخشری) الریبۃ اسم من الریب قال بنوا ریبۃ فی قلوبھم ای تدل علی دغل وقلۃ یقین (مفردات) یہ کس قسم کا قلق و اضطراب تھا جس کی آگ حضرت صالح نے ان کے دل میں لگا دی تھی۔ یہ وہی قلق ہے جو ہمیشہ صدائے حق بلند ہونے کے بعد اہل باطل کے دلوں میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ پہلے وہ کسی غلط عقیدہ کو قبول کیے ہوتے ہیں اس کے سچا ہونے کے بارے میں انہیں کامل یقین ہوتا ہے ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ وہ ایک سراسر باطل نظریہ کو اپنائے بیٹھے ہیں لیکن جب حق کا منادی کرنے والا آتا ہے اور اپنی دلنشین آواز اور قوی براہین سے ان کی غلطی کو آشکارا کرتا ہے تو وہ قبول کریں یا نہ کریں ان کے دل کی دنیا میں ایک تہلکہ ضرور برپا ہو جاتا ہے۔ اور وہ سکون و اطمینان کافور ہو جاتا ہے جو صدہا سال سے ان کے دل میں جگہ لیے ہوئے تھا۔ بیچارے اسی سکون و طمانیت کے لٹ جانے پر حرف شکایت زبان پر لا رہے ہیں۔

رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ

دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور اس نے عطا کی ہو مجھے اپنی جناب سے خاص رحمت تو کون ہے جو بچا سکتا ہے مجھے اللہ (کے عذاب) سے

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اگر میں اس کی نافرمانی کروں۔ تم تو نہیں زیادہ کرنا چاہتے میرے لیے سوا نقصان کے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی ہے

۶۵ یوں معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لوگوں نے پہلے بڑی منت سماجت کی ہوگی اپنی توقعات و امیدوں کا واسطہ دیا ہوگا کہ آپ اس اپنی دعوت سے باز آجائیں۔ پھر ڈرایا دھمکایا ہوگا کہ آپ کو رام کرنے کی ہر کوشش کی ہوگی۔ انہیں کی ترغیب و ترہیب کے جواب میں آپ نے فرمایا ہوگا کہ اے قوم! مانا کہ تمہیں تو ہدایت نظر نہیں آرہا لیکن میں تو دیکھ رہا ہوں کہ آفتاب صداقت ضوفشاں ہے۔ میری چشم بصیرت کے سامنے پروردگار کی وحدانیت اور کبریائی کے جلوے قدم قدم پر نظر آرہے ہیں۔ میں کس طرح ان مشاہدہ حقائق کا انکار کرسکتا ہوں۔ مجھے اس نے جن بے پایاں رحمتوں سے نوازا ہے میں ان کی ناشکری کی کیسے جرأت کرسکتا ہوں۔

۶۶ اور ان حقائق کو یوں بے نقاب دیکھ لینے کے بعد میں تمہاری خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کا انکار کردوں تو اگر میرے رب نے مجھے پکڑ لیا تو کیا تم میں سے کسی میں اتنا دم خم ہے کہ وہ مجھے چھڑا لے۔ اگر تم میری دعوت قبول کرکے اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانا نہیں چاہتے تو میرے حال پر ترس کھاؤ اور مجھے اپنے ساتھ غرق ہونے پر مجبور نہ کرو۔

۶۷ تم میرے خیر خواہ بن کر مجھے سمجھا رہے ہو لیکن میں تمہاری بات نہیں مان سکتا کیونکہ میرا اس میں سراسر نقصان ہے۔ مجھے ایسے نادان دوستوں کی نصیحتوں کی ضرورت نہیں جو اپنی بے بصیرتی سے مجھے بھی راہ حق سے برگشتہ کرنے کی سر توڑ کوشش کررہے ہیں۔

۶۸ آپ کی اس استقامت کو دیکھ کر انہوں نے مطالبہ کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو کوئی معجزہ دکھائیے۔ جس طرح سورۃ الشعراء میں مذکور ہے فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ ان کے اس مطالبہ کے جواب میں آپ نے ایک اونٹنی اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے بطور معجزہ دلیل پیش کی۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ مروی ہے کہ عید کے موقع پر قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ ہم تب ایمان لائیں گے کہ وہ سامنے جو چٹان نظر آرہی ہے اس سے ایک اونٹنی پیدا ہو جائے۔ آپ نے دعا مانگی۔ قدرت الٰہی کے سامنے کونسی چیز مشکل ہے دعا قبول ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی مطلوبہ اونٹنی نمودار ہوگئی۔ امام مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں اعجاز کی کئی وجوہ تھیں۔ (۱) اس کا یوں چٹان سے نکل آنا۔ (۲) اس کا حاملہ پیدا ہونا۔ (۳) اس کا ایک دن میں سارا پانی پی جانا وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اپنی اپنی جگہ پر قوی معجزے ہیں۔ لیکن کیا قرآن حکیم نے بھی اس کے متعلق کوئی تصریح کی ہے تو فرماتے ہیں ولیس فی القرآن الا ان تلک الناقۃ کانت آیۃ ومعجزۃ فاما بیان انھا کانت معجزۃ من ای الوجوہ فلیس فیہ بیانہ (کبیر) یعنی قرآن میں تو اتنا مذکور ہے کہ یہ اونٹنی معجزہ تھی۔ لیکن اس میں وجہ اعجاز کیا تھی اس میں معجزہ کا کونسا پہلو تھا یہ قرآن میں مذکور نہیں۔ اس لیے ہمیں اتنا ہی یقین کرنا کافی ہے کہ آپ نے بطور معجزہ ایک اونٹنی پیش کی۔ جب کتاب اور سنت صحیحہ میں اس کے معجزہ ہونے کی کیفیت بیان نہیں ہوئی پھر اس کی تفصیل کے

فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

پس چھوڑ دو اسے کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور نہ ہاتھ لگاؤ اسے برائی سے ورنہ پکڑ لے گا تمہیں

عَذَابٌ قَرِيبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ

عذاب بہت جلد پس انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ تو صالح نے فرمایا لطف اٹھا لو اپنے گھروں میں تین

أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ﴿٦٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا

دن۹۹ یہ اللہ کا وعدہ ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا پھر جب آگیا ہمارا حکم ہم نے تو بچا لیا صالح کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ

اور انھیں جو ایمان لائے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے نیز بچا لیا اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک

رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٦٦﴾ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا

آپ کا رب ہی بہت قوت والا بہت عزت والا ہے اور پکڑ لیا ظالموں کو ایک خوفناک کڑک نے تو صبح کی انھوں نے

۹۷ دیکھئے ہمارا وقت ضائع کرنا ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۳ کا حاشیہ بھی ملاحظہ ہو۔

۹۸ ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۷۷ کا حاشیہ۔

۹۹ جب انھوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا تو آپ نے انھیں بتایا کہ تین دن کے بعد تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب یقیناً آ کر رہے گا اب بھی جی بھر کر رنگ رلیاں منا لو۔

۱۰۰ مدت مقررہ کے بعد عذاب نازل ہوا جس نے کفار کو موت کی نیند سلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اس کے ساتھیوں کو اس تباہ کن عذاب سے بھی محفوظ رکھا اور ان کو خواہش کی بھی تباہی و بربادی اور ان کو شرمساری سے بھی بچا لیا۔ کیونکہ اگر آپ کے کہنے کے مطابق عذاب نہ آتا تو آپ کو کتنی خجالت اٹھانی پڑتی کفار بغلیں بجاتے اور آوازے کستے اور ان کی اذیت رسانیوں میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا اور بعض علماء نے ومن خزی یومئذ میں واؤ کو زائد کہا ہے۔

۱۰۱ یعنی ایسی خوفناک کڑک پیدا ہوئی کہ ان کے کلیجے سینوں میں پھٹ گئے۔ سورۃ الاعراف میں ہے فاخذتھم الرجفۃ کہ انھیں زلزلے نے آلیا۔ یہاں کڑک کا ذکر ہے وہاں زلزلے کا۔ یہ اختلاف کیوں؟ یہ کوئی اختلاف نہیں۔ جب کڑک کی آواز پیدا ہوتی ہے تو زمین تھرا اٹھتی ہے جب توپ گرجتی ہے تو کیا مکان لرزنے نہیں لگتے اور زمین کانپتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر توپ کے ایک گولے کے

فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ

اس حال میں کہ وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل اوندھے گرے پڑے تھے۔ (انھیں یوں نابود کر دیا گیا) گویا وہ یہاں کبھی آباد ہی

چھپنے سے عبارت ہوتی ہے تو معلوم نہیں اس وحشتناک کڑک سے کیا محشر بپا ہوا ہو گا۔

اسلام کے کئی خیرخواہوں نے اسلام پر بڑی زیادتیاں کی ہیں۔ ان کی فہرست بڑی طویل ہے۔ یہاں میں خیرخواہانہ زیادتی کا ذکر مقصود ہے وہ یہ ہے جو بعض کرم فرماؤں نے مستشرقین کے اعتراض سے ڈر کر قرآنی مطالب کے بیان کرنے میں کی ہے۔ قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اعتقاد و عمل کی گمراہیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے ان کے فسق و فجور سے طہارت و تقویٰ کا دامن تار تار ہو جاتا ہے۔ ان کا غرور اور تکبر وجہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو روندنے لگتا ہے جب مظلوم کی فریاد کرنے پر سزائیں دی جاتی ہیں تو ایسی قوم پر اللہ تعالیٰ ان کی بداعمالیوں کے باعث ایسا عذاب مسلط کرتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور ان عذابوں کا بار بار ذکر کیا گیا ہے جو طوفانوں، زلزلوں، تند و تیز آندھیوں اور بجلی کی کڑک وغیرہ کی شکل میں ان قوموں پر نازل ہوتے تھے اور ان کے غرور کو مٹی میں ملا دیا۔ ان واقعات کو بیان کرنے کے بعد مہر بار اس قسم کے جملے فرمائے کہ یہ قصص اور حالات عبرت پذیری کے لیے ذکر کیے گئے ہیں۔ یہ قصہ گوئی اور داستان سرائی مطلوب نہیں لیکن اسلام کے کئی کرم فرماؤں کو اس بات پر اصرار ہے کہ ایسا نہیں یہ عذاب کسی جرم کی سزا نہیں ہے بلکہ ان حادثات کے طبعی اسباب مہیا ہو گئے تو وہ رونما ہو گئے۔ ان کے واقع ہونے کو قطعاً کسی کی نیکی اور بدی کے ساتھ کچھ سا بھی رابطہ نہ تھا۔ ایک اقتباس پیش خدمت ہے:

"آندھی اور طوفان، پہاڑوں کی آتش فشانی، ان سے شہروں کا اور قوموں کا برباد ہونا، زمین کا دھنس جانا، قحط کا پڑنا، کسی قسم کے حشرات کا زمین میں پیدا ہونا، ہواؤں میں پیدا ہو جانا، کسی قسم کی وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سب امور طبعی ہیں۔ جو ان کے اسباب جمع ہو جانے پر موافق قانونِ قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں۔ انسانوں کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے ان کا اس کو کچھ تعلق نہیں ہے۔ اگرچہ توراۃ میں اور دیگر صحف انبیاء میں اس قسم کے ارضی و سماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیتے ہیں مگر ایک پوشیدہ بھید کے سمجھنے سے خالی ہے۔ اس سے ہم کو اس مقام پر بحث نہیں ہے مگر قرآن پاک میں بھی ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں ہے۔" (مقالات سرسید ص ۱۲۸ حصہ چہارم)

اس تعجب کو دور کرنے کے لیے دوسرے صفحہ پر یوں رقم طراز ہیں:

"پس قرآن پاک کے اس قسم کے بیانات کو جن میں حوادث ارضی و سماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقت اشیاء "علی ما ھی علیہ" کا بیان ہے ان کے سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآن پاک کی۔" (مقالات سرسید ص ۱۳۰ حصہ چہارم)

اس طویل اقتباس پر معذرت خواہی کے بعد گزارش ہے کہ اگر صاحب موصوف نے یہ لکھ کر کسی شبہ کا ازالہ کیا ہے تو انھوں نے دوسری طرف سے بیسیوں اعتراضات جو ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اسلام کے لیے پیدا کر دیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر یہ الزام لگایا کہ ان کے

كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ﴿٦٨﴾ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ

منکر ہو گئے تھے۔ سنو! ثمود نے انکار کیا اپنے رب کا۔ سنو! بربادی ہو ثمود کے لیے! اور بلاشبہ آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے

بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ

پاس خوشخبری لے کر تو انہوں نے کہا (اے خلیل!) آپ پر سلام ہو۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو۔ پھر آپ جلدی سے لے آئے (ان کی) ضیافت

لہٰذا ماحقیقت کوئی مشکل نہیں کہ وہ تو اپنی طلب پوری کرنے کیلئے ہر مفید مطلب بات کو اپنا لیتے ہیں خواہ وہ صداقت سے کوسوں دور ہو جب کسی نبی کے متعلق یہ گھٹیا تصور آپ کے ذہن میں جاگزیں ہو جائے تو یقیناً نبی اور ایک سلیم شعبدہ باز میں آپ کوئی تمیز نہ کر سکیں گے۔

پھر قرآن جس کو ہم سب کلام الٰہی یقین کرتے ہیں اس کے بیان کردہ حقائق پر آپ کا اعتماد کیونکر باقی رہے گا۔ حضرت صالح اپنی قوم کو فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد یقیناً تم پر عذاب آئے گا اس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں اور ایسا ہی ہوا تو

کیا ان تین دنوں میں وہ سب طبعی اسباب فراہم ہو گئے جن کی وجہ سے کہ لوگ زلزلہ رونما ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کا زلزلہ کی زد صرف کفار پر پڑی اور اہل حق کو خراش تک نہ آئی۔ کون سی چیز تھی جس نے ان زلزلوں میں نیک و بد میں تمیز کرنے کی قوت پیدا کر دی۔ قرآن کریم کی ان آیات پر مکرر غور فرمائیے۔

فاغرقنا الذین کذبوا بایتنا اور ہم نے ان کو غرق کیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا۔ الا ان عادا کفروا ربهم الا بعدا لعاد قوم هود۔ عاد نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا تھا اور ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ الآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین اے فرعون! عمر بھر نافرمانی کرتا رہا فساد برپا کرتا رہا اب ایمان لاتے ہو۔ واخذ الذین ظلموا الصیحۃ اس کڑک نے ان لوگوں کو برباد کیا جو ظلم کرتے تھے۔ فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین، المفسدین، المجرمین۔ طبعی اسباب کا انکار نہیں لیکن طبعی اسباب کو بیدار کر کے ایک خاص وقت پر ایک مخصوص قوم کے لیے عذاب کی صورت میں ظاہر کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور اسی کی قرآن پاک نے بار بار وضاحت فرمائی ہے۔

۱۲۸ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ دونوں مصر سے ان علاقوں میں ہجرت کر کے آئے تھے۔ آپ نے کنعان کے علاقہ میں رہائش اختیار کی اور حضرت لوط نے بحیرہ لوط کی ترائی میں فروکش ہوئے یہ علاقہ بڑا زرخیز اور شادابی میں بے مثل تھا۔ یہاں سدوم عمورا اور ادما زوبیم کی بستیاں آباد تھیں۔ حضرت لوط کی قوم جن اخلاقی بیماریوں میں مبتلا تھی ان کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان کی بستیوں کو زیر زبر کرنے کے لیے جن فرشتوں کو بھیجا گیا انہیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مل کر ان کی اہلیہ سارہ کو بیٹے اسحاق اور پوتے یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری سناتے جائیں۔ چنانچہ جب وہ حضرت خلیل کے پاس پہنچے تو آپ جلدی سے اٹھے اور ان کی ضیافت کا اہتمام فرمانے لگے۔ اپنی اہلیہ کو آٹا گوندھنے کا حکم دیا خود اپنے مویشیوں کے گلہ سے ایک موٹا تازہ بچھڑا پکڑ لائے۔ اور ایک خادم کو تاکید کی کہ اسے فوراً ذبح کر کے جلدی جلدی کھانا تیار کر کے لے آئے اور اپنے مہمانوں کے سامنے دسترخوان پر چن دیا۔ لیکن مہمانوں نے ہاتھ تک نہ بڑھایا

حَنِيذٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا رَآ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ

کے لیے ہاں ایک بچھڑا بھنا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انھیں اور دل ہی دل میں

مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾ وَامْرَأَتُهُ

ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ انھوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ) پاس

آپ حیران ہوئے کہ کیا ماجرا ہے۔ اس زمانہ کے دستور کے مطابق اگر کوئی اپنے میزبان کے پیش کردہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا تو سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس کی نیت بخیر نہیں۔ آپ سمجھ گئے اور دل ہی دل میں اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے آپ کی تشویش کو بھانپ کر ختم کر دیا کہ آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے۔

اس آیت سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ آنے والے کو سلام کہنا چاہیے۔ اور جنھیں سلام کہا جائے ان پر لازم ہے کہ بڑی خوش اسلوبی سے اس سلام کا جواب دیں۔ قالوا سلاما میں سلاما منصوب ہے اور قال سلام میں مرفوع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلا سلاما فعل محذوف کا مفعول ہے۔ عبارت یوں ہے نسلم علیك سلاما اور دوسرا سلام مبتدا ہے اور اس کی خبر علیکم محذوف ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ علیکم سلام۔ آپ نے ان کے سلام کے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال فرمایا جو دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ یہ چیز جملہ فعلیہ میں نہیں جو ملائکہ نے استعمال کیا تھا۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہمان نوازی سنت ابراہیمی ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہمان نوازی کی بڑی ترغیب دی ہے اور اسے ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم جارہ ومن کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسایہ کی عزت کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت و تکریم کرنی چاہیے۔ سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہمانوں کی تعظیم و تکریم اور ان کے آرام و آسائش کا از حد اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

علمائے اسلام نے تصریح کی ہے کہ دیہات جہاں باہر سے آنے والے مسافروں کے لیے قیام و طعام کا کوئی انتظام نہیں ہوتا وہاں کے لوگوں پر لازمی ہے کہ وہ مہمان کے قیام و طعام کا بندوبست کریں اور بڑے شہر جہاں آرام دہ ہوٹل ہیں وہاں مہمان کی ضیافت مکارم اخلاق سے ہے لیکن ضروری نہیں۔

انها واجبة فی القری حیث لا طعام ولا مأوی بخلاف الحضر فانها مشحونة بالمأوات والأقوات ولا شك ان الضیف کریم والضیافة کرامة (قرطبی)

بعض صاحبان اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس آیت سے حضرت ابراہیم کی بے علمی پر استدلال کرنے لگتے ہیں کہ دیکھو انھیں پتہ نہ چلا کہ یہ فرشتے ہیں۔ ان کے اس شبہ کے ازالہ کے لیے میں خود کچھ عرض نہیں کرتا البتہ مولانا تھانوی کا ایک جملہ نقل کرنے کی جسارت کرتا ہوں شاید ان لوگوں کو اپنی جلد بازی پر تنبیہ ہو جائے۔ حضرت تھانوی نے فرمایا کہ آپ کا ان کو فرشتہ یقین نہ کرنا صرف ان کے محض بشری پیکر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ قوت مدرکہ کے تدبر کے

قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾

کھڑی تھیں تو وہ ہنس پڑیں تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

سارہ نے کہا ارے میری ہلاکت! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ یقیناً یہ تو

لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ

عجیب و غریب بات ہے۔ فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور

ذریعہ سے توجہ ہو کر یقین کیا جس سے دلالۃ توجہ و قربانی تھی جیسا بعض اوقات محسوسات میں بھی یہ قصہ پیش آتا ہے۔ (نقل از تفسیر عبدی)
کسی چیز کی طرف توجہ کا نہ ہونا اور چیز ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور چیز ہے۔ یہاں توجہ کی نفی ہے علم کی نفی نہیں فلیتدبر۔

آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ بنت ہاران بن ناحور جو آپ کے چچا کی بیٹی تھیں پاس کھڑی تھیں یا تو جب مہمان آئے اور حضرت ابراہیم ان سے گفتگو کر رہے تھے تو یہ بھی کھڑی ہو کر سننے لگیں یا آپ نے انہیں مہمانوں کی خدمت گزاری کے لیے مقرر فرمایا اور وہ کھڑی ہو کر یہ خدمت بجا لا رہی تھیں۔

آپ کے ہنسنے کی کیا وجہ تھی؟ یا تو آپ جب محسوس کیا کہ حضرت ابراہیم کی تشویش دور ہو گئی ہے اور آپ مطمئن ہو گئے ہیں تو خوشی سے ہنس پڑیں یا عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی فبشرناها باسحاق فضحکت کہ ہم نے جب انہیں اسحاق کی بشارت دی تو وہ فرط مسرت سے ہنس پڑیں۔ (قرطبی، کبیر) دونوں توجیہیں معقول ہیں۔

فرشتے آئے تو حضرت خلیل اللہ کے پاس تھے انہوں نے حضرت اسحاق کی بشارت حضرت سارہ کو کیوں دی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سے پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسماعیل جیسا چشم و چراغ آفتاب جیسا بیٹا جناب فرزند عطا فرمایا ہوا تھا لیکن حضرت سارہ تھیں جن کی شاخ امید ابھی پھل سے محروم تھی اس لیے انہیں ہی یہ خوشخبری سنائی گئی۔ نیز بچے کی پیدائش کی خوشی قدرتاً باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے۔

يٰوَيْلَتٰى اصل میں یا ویلتی تھا تخفیف کے لیے ی کو الف سے بدل دیا۔ ویل کا لغوی معنی ہلاکت ہے۔ یہاں اس سے مراد اپنے لیے بددعا کرنا نہیں بلکہ اظہار حیرت و تعجب مقصود ہے اور عورتیں عام طور پر اظہار تعجب کے لیے ایسے الفاظ ہی استعمال کرتی ہیں ولعلہ یاولاہ علی نفسها ولکنها کلمة تخف علی افواه النساء اذا طرأ علیهن ما یعجبن منه (قرطبی)

یعنی جب بیوی کی عمر نوے سال کے لگ بھگ ہو اور میاں سو سے تجاوز کر چکے ہوں ان حالات میں کسی بچے کا پیدا ہونا خرق عادت نہ سہی تعجب خیز ضرور ہے اور ان کا حیرت زدہ ہو کر رہ جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾ فَلَمَّا ذَهَبَ

اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھر والو بیشک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے۔ پھر جب دور ہو گیا

عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ

ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف اور آگیا انہیں مژدہ تو وہ ہم سے جھگڑنے لگے قوم لوط کے بارے

لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ

میں۔ بیشک ابراہیم بڑے بردبار، نرم دل (اور ہر حال میں) ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ اے ابراہیم! اس بات کو

عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ

رہنے دیجئے۔ بیشک آگیا ہے حکم رب کا۔ اور ان پر آ کر رہے گا عذاب

۱۱۲ قدرت خداوندی کی بے پایاں وسعتیں ہیں کہ ان کے سامنے تعجب اور ساری حیرتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں حضرت سارہ کی توجہ جب قدرت الٰہی کی طرف مبذول کرائی گئی تو ان کا استعجاب یقین اور شکر و مسرت میں بدل گیا۔

۱۱۳ اہل بیت پر رحمت الٰہی کے نزول اور اس کی برکات کی سوغات کی خوشخبری دی جا رہی ہے یا دعا کی جا رہی ہے۔ اہل بیت میں کون شامل ہے؟ حضرت سیدنا خلیل کی زوجہ محترمہ تو جب حضرت خلیل کے اہل بیت میں آپ کی زوجہ محترمہ داخل ہیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنا کتنی نادانی ہے اور قرآن پر زیادتی ہے۔ یقیناً انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا کی بشارت میں اولاد و آل حضور کی ازواج مطہرات اہل بیت ہیں اور بنا بریں دیگر حضرات تو بدرجہ اولیٰ صفات رضوان اللہ علیہن وعلیہم اجمعین

۱۱۴ جب آپ کی پریشانی دور ہو گئی اور بیٹے اور پوتے کی بشارت سے دل مسرور ہو گیا تو قوم لوط کے لیے سفارش کرنے لگے۔ یجادلنا (ہم سے جھگڑنے لگا) کا لفظ جس محبت و قرب اور بے تکلفی پر دلالت کر رہا ہے وہ اہل دل سے مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا بندہ میرا خلیل مجھ سے ان کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب اپنے سے کسی اعلیٰ و برتر ہستی کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا ہے اور دونوں طرف سے انتہائی محبت و پیار پایا جاتا ہے تب ہی کسی بات پر ضد اور اصرار کیا جا سکتا ہے ورنہ پہلے تو خود ہی اس قسم کی حرکت کی جرأت نہیں ہوتی اور اگر کسی غلط فہمی کے باعث کوئی ایسی بات زبان پر لاتا ہے تو بارگاہ قدرت سے اس کا جواب ملتا ہے۔ قہر و عتاب کی بجلی کوندتی ہے اور کانوں سے پکڑ کر اسے باہر نکال دیا جاتا ہے لیکن یہاں بڑی محبت سے حضرت خلیل کے اس ناز کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد حلیم اواہ منیب کے القاب عالیہ سے ممتاز فرمایا۔ حلیم کہتے ہیں بردبار کو جو بدی کرنے والے سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ اواہ کہتے ہیں جو درد اور گریہ و زاری میں آہ لب ہو۔ منیب کہتے ہیں جو ہر وقت دل و جان سے اپنے رب کی طرف راغب رہے۔ (مظہری)

غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ

جو پھیرا نہیں جا سکتا۔ اور جب آئے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) لوط (علیہ السلام) کے پاس ۱۳۳ تو وہ غمگین ہوئے ان کے آنے سے اور

بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ

پریشان ہوئے ان کی وجہ سے اور بولے آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔ اور (بدبخت) اس کی قوم دوڑتی ہوئی آئی ان کے پاس

إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ

ان کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے ۱۳۵ اور اس سے پہلے بھی وہ (برے کام) کیا کرتے تھے ۱۳۶ لوط نے کہا اے میری قوم! (دیکھو) یہ میری قوم کی

۱۳۲ جواب ملا اس جھگڑے کو رہنے دو، ان بدبختوں کو بہت سمجھایا گیا لیکن اپنے کفر و شرک سے باز نہ آئے۔ ان کے لیے عذاب مقدر ہو چکا ہے۔ اب یہ فیصلہ ٹلا نہیں جا سکتا کیونکہ یہ بخشش کیے جانے کے قابل نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ان کے حق میں سفارش کرنے سے روک دیا۔

۱۳۳ ملائکہ یہاں سے رخصت ہو کر حضرت لوط کے پاس پہنچے۔ ان باجمال اور حسین مہمانوں کو دیکھ کر آپ گھبرا گئے۔ آپ کو اپنی قوم کی اخلاقی پستی کا اچھی طرح علم تھا۔ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر انہیں خبر ہو گئی تو وہ میرے ان مہمانوں کی بے حرمتی سے باز نہیں آئیں گے۔ قرآن پاک نے آپ کے اس اضطراب اور بے چینی کو سیئ بھم اور ضاق بھم ذرعا اور ھذا یوم عصیب کے تین جملوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

۱۳۴ سیئ بھم کا معنی کیا گیا ہے ساءہ مجیئھم لوطا ان کی آمد نے لوط کو پریشان کیا۔ ساء لازمی اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ساءہ فھو لازم ساءہ فھو متعد (قرطبی)

ضاق بھم ذرعا تنگ ہو گئے ان کی وجہ سے ہاتھ۔ ذرع ہاتھ کو کہتے ہیں۔ یعنی ان کی وجہ سے اپنے آپ کو کمزور اور بے دست و پا محسوس کیا اور قوم کے شر سے بچنے کی کوئی راہ نظر نہ آئی۔ قال والذرع فی الاصل بسط الید والذراع والساعد ویطلق علی القدرۃ کالید والمعنی ضاق بمکانھم صدرہ ای ضعفت طاقتہ ولم یجد من المکروہ مخلصا (کذا فی القاموس) علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں ھو کنایۃ عن شدۃ الانقباض للعجز عن مدافعۃ المکروہ والاحتیال فیہ یعنی یہ الفاظ اس دلی تنگی اور انقباض کے بیان کے لیے بطور کنایہ ذکر کیے جاتے ہیں جو انسان اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی تکلیف کو دور کرنے سے بالکل عاجز ہو جائے۔ یوم عصیب شدید سخت۔ ایسے مزید حالات کے لیے سورۃ الاعراف کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

۱۳۵ قوم کو جب پتہ چلا کہ اس طرح کے خوبرو نوجوان لوط کے مہمان بنے ہیں تو بھاگتے ہوئے چلے آئے۔ کہتے ہیں ان کی آمد کی اطلاع حضرت لوط کی بیوی نے انہیں دی تھی۔ یھرعون الاھراع سے مشتق ہے۔ کہتے ہیں اھرع الرجل اھراعا ای اسرع فی رعدۃ من برد او غضب او حمّی یعنی شدت جوش و غضب کا نپتے ہوئے بھاگتے چلے آئے۔ یہ لفظ عام طور پر مجہول ہی استعمال ہوتا ہے۔

۱۳۶ جس فاسد اور گندی نیت سے وہ بھاگتے چلے آ رہے تھے اس کی طرف اشارہ کیا کہ وہ لواطت کا فعل بد پہلے بھی کیا کرتے تھے

بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِىْ ضَيْفِىْ ؕ

بیٹیاں ہیں ۱۲۱ یہ پاک اور حلال ہیں تمہارے لیے تم خدا کا خوف کرو اور مجھے رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے معاملہ میں۔

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِىْ

کیا تم میں ایک بھی سمجھدار آدمی نہیں؟ کہنے لگے تم خوب جانتے ہو نہیں تمہاری (قوم کی)

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ اَنَّ لِىْ بِكُمْ

بیٹیوں سے کوئی سروکار نہیں ۱۲۲ اور تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش مجھ میں

کہ کسی کو خبر بھی ہو اور کوئی بے خبر ہو بلکہ ہر کوئی ارتکاب بد کا بے باکانہ عادی تھا سب کو ان کی خباثت کا علم تھا اس لیے ان کے یوں دندناتے چلے آنے کا مقصد کسی سے مخفی نہ تھا۔

۱۲۱ حضرت لوط کو جو خطرہ تھا وہ سامنے آ گیا۔ یہ لوگ ان کے محترم مہمانوں کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے کا تہیہ کر چکے تھے آپ کے ساتھ کوئی ایسی جمعیت بھی نہ تھی جو ان وحشیوں کو ڈانٹ کر بھگا دیتی۔ بڑے بے بسی کے عالم میں فرمایا ھٰؤلاء بناتی یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یہ طریقہ بڑا پاکیزہ اور ستھرا ہے۔ ھٰؤلاء بناتی (یہ میری لڑکیاں) سے مراد آپ کی قوم کی بچیاں ہیں۔ کیونکہ نبی اپنی امت کے لیے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ یہ میری قوم کی بیٹیاں جن کو تم نے اپنے نکاح کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے لیکن ان کے قریب تک نہیں جاتے ہو ان کی طرف متوجہ ہو تمہاری خواہش نفس بھی صحیح طریقہ پر پوری ہو گی اور ان کے حقوق زوجیت بھی ادا ہو جائیں گے۔ یہی توجیہ صحیح ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کی قوم کے رئیسوں نے آپ کی بیٹیوں کا رشتہ طلب کیا تھا لیکن آپ نے ان کے فسق و فجور اور ان کی رذیل حرکتوں کے باعث رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اب جب انہوں نے آپ کے مہمانوں کی بے حرمتی کرنا چاہی تو آپ اس بات پر بھی آمادہ ہو گئے کہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ ان خواہشمند رئیسوں کو دے دیں تاکہ اس تعلق کی وجہ سے اپنی قوم کے اوباشوں کو اس ذلیل حرکت سے باز رکھیں۔ لیکن تورات کی روایت کو اگر معتبر مانا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی بیٹیاں شادی شدہ تھیں۔ اس لیے ان کے بیاہ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کتاب پیدائش باب ۱۹ کی آیت ۱۲ میں ہے۔ تب ان مردوں نے لوط سے کہا کیا یہاں تیرا اور کوئی ہے۔ داماد اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں اور جو کوئی تیرا اس شہر میں ہو سب کو اس مقام سے باہر نکال لے جا۔ آیت ۱۴ میں ہے۔ تب لوط نے باہر جا کر اپنے دامادوں سے جنہوں نے اس کی بیٹیاں بیاہی تھیں باتیں کیں اور کہا کہ اٹھو اور اس مقام سے نکلو کیونکہ خداوند اس شہر کو نیست کرے گا۔ اس لیے پہلی توجیہ ہی درست ہے اور حضرت لوط کے مقام رسالت کے مناسب ہے۔

۱۲۲ حق سے مراد یہاں حاجت ہے یعنی ہمیں ان عورتوں کی ضرورت اور حاجت نہیں۔ ہم جس مقصد کے لیے آئے ہیں آپ اچھی طرح جانتے ہو اس لیے ہماری مزاحمت نہ کرو اور بیچ سے ہٹ جاؤ۔

قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

مجھے تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی۔ فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں

لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ

یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکیں گے پس آپ لے کر نکل جائیے اپنے اہل و عیال کو جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے اور پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی

اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

نہ دیکھے۔ مگر اپنی بیوی کو ساتھ نہ لے جائیے بیشک اسے بھی وہی عذاب پہنچے گا جو ان (دوسرے مجرموں) کو پہنچا۔ ان پر عذاب آنے کا مقررہ وقت

الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا

صبح کا وقت ہے۔ کیا نہیں ہے صبح (بالکل) قریب؟ پھر جب آ پہنچا ہمارا حکم (عذاب) تو ہم نے کر دیا اس کی

۱۳۰ جب آپ نے دیکھا کہ منت سماجت بھی بے اثر ہے اور افہام و تفہیم کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ہے تو آپ پر گویا کوہ الم ٹوٹ پڑا اور نہایت ہی حسرت آمیز لہجہ میں یہ فرمایا۔

۱۳۱ فرشتے بڑے صبر اور خاموشی سے دیکھ رہے تھے جب ان بدبختوں کی گستاخی اور حضرت لوط کی پریشانی اور بے بسی کی انتہا ہو گئی تو فرشتے گویا ہوئے اے لوط! گھبرائیے نہیں ہم انسان نہیں کہ وہ ان سرکشوں سے آپ کو نہ بچا سکیں ہم انہیں مہلت نہیں دیں گے یہ آگے بڑھ کر ہم کو دبوچ لیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں۔ اور ہمیں اس لیے بھیجا گیا ہے کہ ہم ان کی بستیوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں۔ آپ ایسا کریں کہ رات کا جب کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو ہمراہ لے کر یہاں سے چلے جائیں لیکن آپ کی بیوی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی اس کا انجام وہی ہو گا جو دوسرے مجرموں کا۔ اب ان ظالموں کو مہلت کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ بس صبح ہونے کی دیر ہے اور صبح کے طلوع ہونے میں اب زیادہ وقت نہیں۔

۱۳۲ جب عذاب آیا تو ان کی بستیوں کو زیر و زبر کر دیا گیا ان کی شکلیں ایسی ہو گئیں جیسے زمین پر اوندھی گرا دی گئیں ان پر سخت پتھروں کی ایسی موسلا دھار بارش کی گئی کہ وہ سب خاک سیاہ بن کے رہ گئے۔ سدوم، عمورہ، ادوما اور زبوئیم ان کی چاروں بستیاں اسی جگہ آباد تھیں۔ جہاں آجکل بحیرہ مردار یا بحیرہ لوط ہے اب بھی بحیرہ لوط سے دھوئیں کے بادل اٹھتے رہتے ہیں اور کثرت سے زلزلے آتے رہتے ہیں۔

چند تشریح طلب الفاظ: سجیل کا معنی ابن عباس اور ابو عبیدہ نے بہت سخت اور کثیر کیا ہے۔ السجیل الشدید الکثیر۔ منضود۔ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے یعنی جب پتھر برسنے لگے تو بلا توقف برستے چلے گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دھاگے میں پروئے ہوئے ہیں اور یکے بعد دیگرے گرتے چلے جاتے ہیں۔ مسومۃ: نشان زدہ گویا ان پر قدرت کے سکہ سازی کے کارخانہ کی مہر لگی ہوئی تھی مسومۃ

سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً

بلندی کو اس کی پستی اور ہم نے برسائے ان پر پتھر آگ میں پکے ہوئے پے در پے۔ جو نشان زدہ تھے

عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ

آپ کے رب کی جانب سے۔ اور نہیں (لوط کی) بستی ان ظالموں سے کچھ دور۔ اور اہل مدین کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی

شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَنقُصُوا

شعیب کو بھیجا۔ آپ نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر۔ اور نہ کمی کیا کرو

مسومۃ ای اتسما وھی العلامۃ اور بصورت مسومۃ کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ ہر پتھر پر اس فاسق کا نام لکھا ہوا تھا جسے اس نے ہلاک کرنا تھا
وما ھی الخ یعنی قوم لوط کی اجڑی اور الٹی ہوئی بستیاں مکہ کے ظالم کافروں سے دور نہیں ہیں یہ خود وہاں جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر
اس انجام کی تصدیق کر سکتے ہیں ہم انہیں کسی ایسی قوم کا حال نہیں سنا رہے کہ جن کے ویران علاقہ تک ان کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس
صورت میں ببعیدۃ ہونا چاہیے تھا لیکن ھی میں مکان کا معنی ملحوظ رکھ کر بعید مذکر کیا گیا یعنی ما ھذہ القری من
الظالمین ببعید بین انثاہ وان بنیۃ قوم یجعل بعید مذکرا علی معنی بمکان بعید۔ (قرطبی)

حضرت لوط کی قوم کے عبرتناک انجام کے بعد اب حضرت شعیب علیہما السلام اور ان کی قوم کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ آپ کی قوم مدین اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھی۔ یہ شہر بحیرہ احمر کے اس مقام پر آباد تھا جہاں جزیرہ نمائے عرب کی دو تجارتی شاہراہیں آکر ملتی تھیں یمن سے شام اور عراق و مصر کے قافلے یہیں سے گزرتے تھے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی تجارتی منڈی ہوگی۔ وہاں کاروبار کا کیا عالم ہوگا اور وہاں کے باشندے کتنے آسودہ حال ہوں گے اس کی تفصیلی بیان سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ ہر پیغمبر کا مقصد اولین یہی ہوتا ہے کہ بندے کا رشتہ اس کے رب کے ساتھ استوار کرے اور حقیقی کی صحیح معرفت سے اسے بہرہ ور کرے۔ اس کے بعد قوم جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو چکی ہو اصلاح ان سے نجات پانے کا راستہ بتائے۔ حضرت شعیب جس قوم کی طرف مبعوث کیے گئے تھے وہ اپنے رب کو بالکل بھول چکی تھی۔ ان کا تعلق اس معبود برحق سے بالکل کٹ چکا تھا جس کی الوہیت کے نعرے ان کے جد امجد حضرت خلیل علیہ السلام عمر بھر لگاتے رہے تھے۔ انہوں نے بھی مشرک قوموں سے متاثر ہو کر طرح طرح کے بت بنا لیے تھے جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے حضرت شعیب نے سب سے پہلے انہیں یہی دعوت دی کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا اور کوئی خدا نہیں۔

ہر قوم اپنے مخصوص حالات اور ماحول کی وجہ سے مخصوص اخلاقی کمزوریوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ اہل مدین چونکہ ایک بین الاقوامی تجارتی منڈی میں آباد تھے اور کاروبار میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس لیے ان میں بھی کمزوریاں پوری شدت سے دکھائی دیں جو عام طور پر اس ماحول کی پیداوار ہوتی ہیں ناپ اور تول میں خیانت، لیتے وقت زیادہ ناپنا اور زیادہ تولنا اور دیتے وقت کم ناپنا اور کم تولنا آپ نے اس حرکت سے

الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّيٓ أَرَىٰكُم بِخَيْرٍ وَإِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ

ناپ اور تول میں بیں دیکھتا ہوں تمہیں کہ تم خوشحال ہو اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَٰقَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

آئے اس دن کا عذاب جو ہر چیز کو گھیرنے والا ہے۔ اور اے میری قوم! پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾

اور نہ گھٹا کر دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔

انھیں باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت شعیب کو حسن خطابت کی وجہ سے خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔ آپ کا یہ خطبہ جو ان آیات میں مذکور ہے کتنا حکیمانہ اور مدلل ہے۔ پہلے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ یہ گھٹیا حرکت تو وہ کرتے ہیں جو غریب اور نادار ہوں لیکن الحمد للہ تمہاری مالی حالت بہت بہتر ہے تم آسودہ حال ہو، کاروبار خوب عروج پر ہے اتنے متمول ہونے کے باوجود تمہارا ان ذلیل ہتھکنڈوں کو استعمال کرنا تمہاری شان کے شایان نہیں۔ کس عمدہ طریقہ سے انھیں شرم دلائی جا رہی ہے اور اس فعل سے انھیں روکا جا رہا ہے۔ غیرت و حمیت کو بیدار کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی تنبیہ کر دی کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ تم اس چالاکی سے ڈنڈی مارتے ہو کہ تم لوگوں کی سادہ لوحی اور ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے زیادہ سے زیادہ نفع کماؤ اور تھوڑی سی مدت میں امیر کبیر بن جاؤ اور تمہارا خیال ہے کہ اگر تم نے بہت دولت اکٹھی کر لی تو امن و سلامتی اور راحت و شادمانی کا دور دورہ ہوگا لیکن تمہارا یہ خیال درست نہیں۔ ناجائز معاشی استحصال کا نتیجہ ہمیشہ برا ہوتا ہے۔ اس سے آخر کار فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ یہی لوگ جو آج تمہیں کمزور اور بے زبان نظر آتے ہیں اور جن کے متعلق تمہارا یہ نظریہ ہے کہ ان کے جسم سے خواہ کتنا بھی خون نکال لیا جائے یہ اُف تک نہیں کریں گے ان میں تو احتجاج کی سکت تک بھی نہیں لیکن جب ظلم و تشدد کی انتہا ہو جائے گی تو ان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جائے گا اور ضبط و تحمل کی رسی ٹوٹ جائے گی ان کی بے نور آنکھوں سے غیظ و غضب کے انگارے برسیں گے ان کی زبانیں شعلہ نوا بن جائیں گی اور تمہارے عشرت کدوں اور تمہارے سامان عیش کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں گی۔ تم انھیں باغی کہو گے فسادی اور فتنہ باز کہو گے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس فتنہ و فساد کے باعث تم ہو۔ سارا ایندھن تم نے فراہم کیا انھوں نے تو صرف آگ لگا دی۔ یہ ہلاکت خیز بم تم نے تیار کیا انھوں نے تو جوش انتقام میں صرف اس کا بٹن دبا دیا۔

معاشی میدان میں ناجائز وسائل سے نفع اندوزی کرنے والوں کو فساد برپا کرنے والا کہا گیا ہے یہ تلخ لیکن ناقابل انکار حقیقت ہے جو پردہ اٹھا کر آج ہر ملک میں بے چینی اور بے اطمینانی کا سیلاب امڈا چلا آ رہا ہے۔ معاشی زبوں حالی کی وجہ سے کتنے ملک سرخ انقلاب کی آماجگاہ بن گئے شاہی خاندانوں کو ان کی نادار اور کمزور رعایا نے بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا کیا یہ چیزیں ہمیں بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں۔ اللہ نے اس حقیقت کو صدہا سال پہلے کتنی وضاحت سے بیان فرما دیا اب اس سے نصیحت حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ

جو کچھ بچ رہے اللہ تعالیٰ کے دیئے سے وہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان دار ہو ۱۰۲ اور نہیں ہوں میں تم پر

بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ

نگہبان ۱۰۳ قوم نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں انھیں جن کی عبادت

اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ

کیا کرتے تھے ہمارے باپ دادا یا یہ کہ تصرف کریں اپنے مالوں میں جیسے ہم چاہیں ۱۰۴ بس تم ہی ایک دانا اور نیک چلن

الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

رہ گئے ہو۔ آپ نے کہا اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے

۱۰۲ دولت کی ہوس کی تشخیص کی گئی ہے۔ اس کا علاج سب کی یہی ہے جتنا وہ چاہتا ہے کہ دولت کے انبار پر انبار لگاتا ہی چلا جائے۔ جس کی وجہ سے ہر جائز ناجائز اور اخلاقی ضابطوں کی پامالی کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا نبی قناعت کا درس دیتا ہے کہ حلال ذریعہ سے جو دولت مل جائے اسی پر قناعت کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ زیادہ دولت کا کمانا قطعاً وجہ شرف نہیں۔

۱۰۳ یہ فرما کر ان کی غیرت ایمانی کو جھنجھوڑا نیز بتایا کہ مومن کا یہی شعار ہونا چاہیے تم اپنے آپ کو مومن کہلا کر بھی اگر کافروں کی طرح حرص و ہوس کے اسیر ہو تو یہ بڑی شرم کی بات ہے۔

۱۰۴ یعنی میرا کام تو تمہیں سمجھانا ہے اور اس میں میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ تمہاری ہر حرکت کی نگرانی کرنا اور تمہیں جبراً ان حرکات سے باز رکھنا میرے فرائض میں داخل نہیں۔

۱۰۵ حضرت شعیب کے خطبہ میں دو چیزیں تھیں۔ پہلی یہ کہ اپنے مالک کی عبادت کرو اور اپنی من گھڑت خداؤں کی پوجا سے باز آجاؤ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں تو انھوں نے وہی جملہ کہہ دیا جو سارے مشرک کہا کرتے تھے کہ ہم ان خداؤں کو چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں جن کی عبادت صدیوں سے ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں لیکن انھوں نے یہ بات کہنے کے ساتھ ساتھ آپ پر ایک چوٹ بھی کر دی یعنی یہ جو تم نے نمازیں پڑھنا شروع کی ہیں اور اپنی عقل پر اور نیکی پر ناز کرتے رہتے ہو کیا اس چیز نے تمہیں ایسی انہونی اور ناقابل اعتبار بات کہنے کی جرأت دلائی ہے۔

۱۰۶ دوسری بات جو آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھی کہ کاروبار میں بددیانتی چھوڑ دو۔ پورا تولو، پورا ناپو۔ اسی میں تمہارا بھلا ہے ورنہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی اور تم پر قہر خداوندی نازل ہو گا۔ اس کے جواب میں جو بات انھوں نے کہی آج تک دولت کے پجاری

وَرَزَقَنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا

اور اس نے عطا بھی کی ہو مجھے اپنی جناب سے عمدہ روزی ۱۲۴ اور میں یہ نہیں چاہتا کہ خود تمہارے خلاف کروں ان امور میں

أَنْهَاكُمْ عَنْهُ ۚ إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي

جس سے میں تمہیں منع کرتا ہوں (نہیں) چاہتا ہوں مگر (تمہاری) اصلاح اور درستی جہاں تک میرا بس چلے ۱۲۵ اور نہیں میری راہ پانا

إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٨﴾ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ

مگر اللہ تعالیٰ کی امداد سے ۱۲۶ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم! ہرگز نہ اکسائے تمہیں میری عداوت

اور طنزیہ انداز کلام سے بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمارے مال ہمارے پاس ہیں، ہم جیسے چاہیں انہیں استعمال کریں۔ ہم اپنی اس آزادی پر کسی قسم کی پابندی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اے شعیب! آپ تو خواہ مخواہ ہماری آزادیٔ عمل میں مخل ہو رہے ہیں اور ہماری اقتصادی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم آپ کی کوئی بات سننے کے بھی روادار نہیں۔ آخر میں پھر ایک طنزیہ جملہ چست کیا: انک لانت الحلیم الرشید کہ بس ایک آپ ہی حلیم و رشید اس علاقہ میں رہ گئے ہیں، باقی تو سب نادان اور گمراہ ہی ہیں۔

حضرت شعیب نے ان کی سر پھری اور دلآزاری کے باوجود انہیں فرمایا کہ تم مجھ سے بلا وجہ ناراض ہو رہے ہو۔ تمہیں شاید یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ میں تمہاری آسودگی پر حسد کرتا ہوں اور مجھے تمہاری یہ ترقی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری یہ آسودگی عارضی نہ ہو پائیدار ہو۔ تمہاری یہ ترقی کھوکھلی نہ ہو حقیقی ہو۔ اور مجھے جو نور بصیرت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے اس سے مجھے صاف نظر آرہا ہے کہ تم ہلاکت کی طرف تیزی سے بڑھے جا رہے ہو۔ میں یہ کیسے برداشت کر سکتا ہوں کہ میری قوم جس کے ساتھ میرا خونی رشتہ ہے وہ برباد ہو رہی ہو اور میں خاموش بیٹھا رہوں۔ میں تو تمہیں آگاہ کرتا ہی رہوں گا۔ میں تو تمہیں بار بار اس کی نداء دیتا ہی رہوں گا۔ اگر تم نے میری دعوت کو مسترد کر دیا اور گرداب ہلاکت میں چھلانگ لگا دی تو کم از کم میرا ضمیر تو مطمئن ہو گا کہ میں نے تمہاری خیر اندیشی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔

۱۲۴ اور مجھے تم سے حسد کرنے کی کوئی ضرورت بھی کیا ہے۔ میں کوئی مفلس نادار تو نہیں ہوں کہ تمہاری دولت کو دیکھ کر جل رہا ہوں۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے خزانوں سے حلال اور صحیح رزق عطا فرمایا ہے۔ کان شعیب کثیر المال قالہ ابن عباس۔

۱۲۵ میرا عمل تو دیکھو کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ دولت جمع کرنے کے جن ناجائز ذرائع سے میں تمہیں روکتا ہوں کبھی میں نے انہیں خود استعمال کیا ہو یا جس بات کے کرنے کا تمہیں حکم دیا ہو خود اس کی خلاف ورزی کی ہو جب میرا عمل میرے ہر قول کی تصدیق کر رہا ہے۔ تو پھر تمہیں میری خیر خواہی پر شک نہیں کرنا چاہیے۔

شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

(میری مخالفت) اس بات کا باعث نہ بنے کہ پہنچے تمہیں بھی ایسا عذاب جو پہنچا تھا قوم نوح یا قوم ہود

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿٨٩﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

یا قوم صالح کو۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور نہیں اور مغفرت طلب کرو اپنے رب سے

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ

پھر (دل و جان سے) رجوع کرو اس کی طرف بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) بہت پیار کرنے والا ہے۔ وہ بولے اے شعیب ہم نہیں سمجھ سکتے

۱۳۹ے میری ان ساری کوششوں کا ایک ہی مقصد ہے کہ تمہارا عقیدہ بھی درست ہو جائے اور تمہارے اعمال بھی پاکیزہ ہو جائیں۔ تمہاری ساری مخالفتوں کے باوجود میں حتی المقدور یہ کوشش جاری رکھوں گا۔

۱۴۰ے پہلے جملہ میں اصلاح کی نسبت اپنی طرف کی گئی تھی جس سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ آدمی ہی ہے اس لیے فوراً کہہ دیا۔ جو کچھ ہو رہا ہے محض میرے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور دستگیری سے ہو رہا ہے۔ توفیق کا معنی ہے اچھے مقصد کے حصول کے لیے تمام اسباب کا مہیا کر دینا۔ جعل الاسباب موافقة للمطلوب الخير۔

۱۴۱ے بعض لوگ کسی کی عداوت اور مخالفت میں اتنے اندھے ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہیں رہتا۔ وہ اس کی ہر بات کو ٹھکرا دیتے ہیں خواہ اس کے اتباع میں ان کا ذاتی فائدہ بھی ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں کھری کھری باتیں تمہیں سنا رہا ہوں۔ کھلی کھلی حقیقتیں بتا رہا ہوں۔ اور تم ان سے کترا رہے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم محض میری وجہ سے ان حقائق کو پس پشت ڈال رہے ہو۔ عقلمند لوگ تو ایسا نہیں کیا کرتے کہ کسی کی عداوت میں اندھے ہو کر اپنے آپ کو برباد کر لیں۔ تم بھی جانبدار ہو کر میری مخالفت میں اتنے دور نہ چلے جاؤ کہ نجات کے سارے راستے مسدود ہو جائیں۔

۱۴۲ے اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہ خیال نہ کرو کہ عمر بھر تو اس کی سرکشی کرتے رہے اب آخر میں کیا خاک مسلمان ہوں گے؟ یہاں مایوسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر تم اپنے گناہوں پر اظہار ندامت کرتے ہوئے مغفرت طلب کرو گے اور آئندہ کے لیے اس کی اطاعت و انقیاد کا پیمان وفا باندھو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا۔ اس کی مغفرت کا ایک چھینٹا تمہاری عمر بھر کی غلطیوں اور نافرمانیوں کے دھبے دھو ڈالے گا۔ کیونکہ میرا رب جس کی رحمت کا مژدہ میں تمہیں سنا رہا ہوں، جس کی بارگاہ عزت میں حاضر ہونے کی میں تمہیں ترغیب دے رہا ہوں جس کے کرم میں سر چھپانے کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کا کرم بیکراں ہے۔ اس کی عطا کا بادل جب برستا ہے تو ہر جگہ کو سیراب کر دیتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی رحمت بے پایاں ہے بلکہ زمین و آسمان کا واحد مالک ہونے کے باوجود وہ اپنے بندوں سے نفرت نہیں کرتا اور انہیں نظر حقارت سے نہیں دیکھتا بلکہ محبت فرماتا ہے اور جب کوئی رو سیاہ شکستہ دل

كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَىٰكَ فِينَا ضَعِيفًا ۖ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے شہ اور بلاشبہ ہم دیکھتے ہیں تجھے کہ تو ہم میں بہت کمزور ہے شہ اور اگر تمہارے کنبہ کا لحاظ نہ ہوتا تو

لَرَجَمْنَٰكَ ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ أَرَهْطِىٓ أَعَزُّ عَلَيْكُم

ہم نے تمہیں سنگسار کر دیا ہوتا اور نہیں ہو تم ہم پر غالب۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! کیا میرا کنبہ زیادہ معزز ہے شہ تمہارے نزدیک

ہو کر اس کے حضور میں حاضر ہوتا ہے تو اسے بے پایاں مسرت ہوتی ہے۔ میں تمہیں ایسے حکیم اور ودود کے دربار میں باریابی بخشنے کے لیے اتنا بے چین و بے قرار ہوں۔

ودود مبالغہ کا صیغہ ہے بہت محبت فرمانے والا۔

شہ اللہ کا نبی اپنے اخلاص اپنی بے غرضی اور خیر اندیشی کا یقین دلانے کی کوشش فرما رہا ہے اور انہیں متنبہ کرتا ہے کہ تم میری عداوت کے جوش میں آ کر حق کو چھوڑ دینے کی غلطی نہ کرو لیکن اس بد نصیب قوم کی طرف سے بجز نفرت و حقارت کے اور کچھ نہیں ملتا بلکہ وہ ازراہ تمسخر و استہزاء کہتے ہیں کہ جناب! آپ ایسی باتیں کرتے ہیں جو ہمارے فہم سے ہی بالاتر ہیں۔ آپ خواہ مخواہ ہمیں کیوں دق کرتے ہیں۔ کسی ایسی قوم کے پاس تشریف لے جائیے جو آپ کی ان فلسفیانہ باتوں کی قدر کر سکے اور ان نادر افکار و نکات کی داد دے سکے۔ قالوا ذلک اعراضا عن سماعہ واحتقارا لکلامہ (قرطبی)

شہ یعنی بہتر یہ ہے کہ آپ ہماری صبح و شام کی وعظ و نصیحت سے باز آ جائیں۔ جب ہمیں آپ کی باتیں سمجھ ہی نہیں آتیں تو آپ خواہ مخواہ کیوں اپنے آپ کو بھی ہلکان کر رہے ہیں اور ہمیں بھی پریشان کر رہے ہیں اور اگر ہماری اس صاف تنبیہ کے باوجود آپ نے اپنے وعظوں کا سلسلہ بند نہ کیا تو پھر آپ یاد رکھیے آپ کا کیا حال ہو گا۔ اے شعیب ہمیں تو تمہارے کنبہ والوں کا لحاظ ہے اس لیے ہم خاموش ہیں ورنہ تم میں اتنی طاقت کہاں کہ ہمارے مقابلہ میں ٹھہر سکو۔ رہط خاندان کے ان افراد کو کہتے ہیں جو کسی شخص کی تقویت کا باعث ہوں اور تعداد میں دس سے کم ہوں۔ رھط الرجل عشیرتہ الذی یستند علیھم ویتقوی بھم (قرطبی)

شہ حضرت شعیب کو ان کا یہ قول از حد ناگوار گزرا اور اپنی اس ناگواری اور ناپسندیدگی کا برملا اظہار فرمایا کہ تمہیں میرے خاندان کا پاس ہے جس کی وجہ سے تم مجھے کچھ نہیں کہتے ہو لیکن کیا تمہیں میرے رب کا لحاظ نہیں جس نے مجھے تمہاری ہدایت کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ یہ کچی باتیں جو بے خوف ہو کر تمہیں سنا رہا ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرا خاندان میری پشت پناہی کر رہا ہے بلکہ میری اس دلیری اور بے باکی کا راز اپنے رب پر توکل کرنے میں ہے۔ اسی کی تائید و نصرت کے بھروسہ پر میں اتنا دلیر بنا ہوا ہوں کہ تم تمام قبیلوں کی مخالفت کو خاطر میں نہیں لا رہا۔ مجھے تمہارے اس بیہودہ قول سے سخت صدمہ پہنچا ہے کہ تمہارے دلوں میں میری قوم کا تو لحاظ اور وقار ہے لیکن میری طاقت کے اصلی سرچشمہ میرے رب کو تم نے یوں بھلا دیا ہے جیسے کوئی چیز پس پشت ڈال دی جاتی ہے۔ تف ہے تمہاری اس نادانی اور کم فہمی پر۔ یعنی ترکتم قتلی لاجل رھطی ولم تحفظوا ما بالیتم من اللہ برسالتہ (مظہری) الظہری منسوب الی الظہر والکسر من تغییرات النسب۔

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾

اللہ تعالیٰ سے۔ اور تم نے ڈال دیا ہے اسے پس پشت۔ بیشک میرا رب جو عمل تم کرتے ہو (اسے اپنے علم سے) احاطہ کیے ہوئے ہے

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ

اور اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر، میں (اپنے طور پر) عمل پیرا ہوں۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس پر

يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار

رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

کرنے والا ہوں۔ اور جب آپہنچا ہمارا حکم (یعنی عذاب) تو ہم نے بچا لیا شعیب کو اور انھیں جو ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

اپنی خاص رحمت سے اور آ لیا ظالموں کو خوفناک کڑک نے تو صبح کی انھوں نے اپنے گھروں میں اس حال میں

جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ

کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے۔ گویا کبھی وہ وہاں بسے ہی نہ تھے ۱۴۴ سنو! ہلاکت ہو مدین کے لیے جیسے ہلاک ہو چکے تھے

۱۴۳ جب ان کو سمجھاتے سمجھاتے سالہا سال گزر گئے اور وہ دعوت حق کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے انھیں صاف صاف فرما دیا کہ اب وہ عذاب آنے والا ہے جو کھرے اور کھوٹے اور سچے اور جھوٹے میں خود بخود امتیاز ہو جائے گا۔

۱۴۴ وہ عذاب ایک خوفناک کڑک کی صورت میں آیا۔ سب کے سب عالم موت کی نیند سو گئے! وہاں کی ہنستی بستیوں کو دیکھ کر یہ خیال ہونے لگا کہ گویا یہاں کبھی کوئی آدمی بسا ہی نہیں تھا۔ لیکن ہم نے اس عذاب سے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ برحمۃ منا کے الفاظ سے یہ بتایا کہ ان کا نجات پانا محض ہماری رحمت کی وجہ سے تھا۔

ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾ اِلٰى

ثمود۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور صریح غلبہ کے ساتھ۔ ۱۶۲

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی۔ اور فرعون کا حکم بالکل غلط تھا۔ ۱۶۳

بِرَشِيْدٍ ﴿٩٧﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ

وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا روز قیامت ۱۶۴ اور لا اتارے گا انہیں آتش جہنم میں۔ بہت بُری داخل

۱۶۱ متعدد انبیاء اور ان کی نافرمان قوموں کے عبرت آموز حالات سنانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے ذکر سے اس بات کا اختتام ہو رہا ہے۔ آیات سے مراد تورات کی آیتیں نہیں کیونکہ تورات کا نزول تو غرق فرعون کے بعد ہوا بلکہ آپ کے وہ نو معجزات مراد ہیں جن کا ذکر سورۃ الاسراء میں بالتفصیل انشاء اللہ آئے گا اور سلطان مبین سے مراد وہ قوی دلائل و براہین ہیں جو فرعون سے مناظرہ کے وقت آپ نے پیش کیے اور اسے خاموش ہونا پڑا یا اس سے مراد عصا ہے جس نے ساحران فرعون کی ساری شعبدہ بازی کا طلسم چشم زدن میں توڑ کر رکھ دیا اور حق کو اتنا عیاں کر دیا کہ وہ سب کے سب آپ پر ایمان لے آئے۔

۱۶۲ عصا اگرچہ ان نشانیوں میں سے ایک ہے۔ لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے علیحدہ بھی ذکر کیا۔

۱۶۳ رشید غوی کی ضد ہے۔ رشید کا لفظ ہر اس کام کے لیے استعمال ہوتا ہے جو قابل تحسین اور پسندیدہ ہو اور غوایت ہر اس کام کو کہتے ہیں جو قابل مذمت اور ناپسندیدہ ہو۔ الرشید یستعمل فی کل ما یحمد و یرتضی کما ان الغی یستعمل فی کل ما یذم (مظہری) یعنی فرعون کی ساری باتیں ہی غلط اور بیہودہ تھیں اس کے دعویٰ خدائی سے لے کر بنی اسرائیل کو غلام بنانے تک کوئی چیز بھی تو ایسی نہ تھی جسے بنظر استحسان دیکھا جا سکتا ہو یا عقل و دانش کے معیار پر پوری اترتی ہو اور اس سے بھی زیادہ قابل تاسف اس کی قوم کا طرز عمل تھا جس نے کسی دعویٰ کو عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری نہ سمجھا اور جس ظلم و تشدد اور جن احمقانہ حرکات کا وہ عمر بھر ارتکاب کرتا رہا اس کے متعلق اس سے بازپرس تو کجا اس کے حسن و قبح پر غور کرنے کی حاجت بھی محسوس نہ کی۔

۱۶۴ جس طرح دنیا میں وہ آنکھیں بند کیے فرعون کے پیچھے چلتے رہے جب قیامت کا دن ہوگا تو آخرت میں بھی ان کا حشر اپنے اس لیڈر کے ساتھ ہوگا جس کی غلط قیادت نے انہیں دنیا میں برباد کیا تھا۔ آج بھی جو منزل اس کی ہوگی وہی ٹھکانہ ان کا ہوگا۔ یہ بتایا کہ آنکھیں بند کر کے پیچھے چلنے والے یہ فرض نہ کر لیں کہ لیڈر اپنی غلط قیادت اور گمراہی کی وجہ سے گرفتار عذاب ہوں گے تو انہیں اس لیے معاف کر دیا جائے گا کہ ان بے چاروں نے خود تو گمراہی کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ تو غلط قیادت کی وجہ سے گمراہ ہو گئے اس لیے سارا مواخذہ ان کے لیڈروں سے ہی ہونا چاہیے۔ فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ گمراہ لیڈر کو بھی سزا ملے گی اور ان کے پیروکاروں پر بھی عذاب آئے گا۔ ان کو

الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿٩٨﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ

ہونے کی جگہ ہے گھاٹ جہاں انھیں لا کر اتارا جائیگا اور ان کے پیچھے لگا دی گئی ہے اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن بھی بہت برا

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿٩٩﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا

عطیہ ہے جو انھیں دیا جائیگا ۔ یہ ان بستیوں کی بعض خبریں ہیں جو ہم بیان کر رہے ہیں آپ سے ان میں سے کچھ

غور و فکر کی جو صلاحیتیں دی گئی تھیں ان سے کام لیکر انھوں نے حق و باطل میں کیوں امتیاز نہ کیا ان کو دیکھا دیکھی جس طرف کو دھکیل دیا گیا ادھر چل پڑے اس لیے قیامت کے دن بھی ان کا لیڈر آگے آگے ہوگا اور یہ سب اس کے پیچھے جہنم کی طرف رواں دواں ہوں گے ۔ ہر گروہ لیڈر اور اس کے ماننے والے اسی طرح میدان حشر میں اکٹھے جائیں گے اور انھیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرؤ القیس حامل لواء شعراء الجاھلیۃ الی النار کہ زمانہ جاہلیت کے شاعروں کا جھنڈا امرؤ القیس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ ان سب کو لے کر جہنم میں جائے گا۔

۱۴۳ یہ الفاظ تحقیق طلب ہیں ۔ وِرْدٌ اسم ہے اس کا مصدر وُرُوْدٌ ہے جس کا معنی ہے پانی کی تلاش میں جانا اور الورد اس پانی کو کہتے ہیں جس کا قصد کیا جائے والورد الماء الذی یورد والابل الواردۃ ... اطلاقہ علی النار علی سبیل الفضاحۃ (مفردات)

صاحب روح المعانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں بئس ... علی ھذا بمعنی نصیب من الماء والمورود صفۃ والمخصوص بالذم محذوف وھو النار ۔ وِرْد کا معنی ہے پانی کا حصہ ۔ یہ موصوف ہے اور المورود اس کی صفت ہے ۔ دونوں مل کر بئس کے فاعل ہیں اور مخصوص بالذم النار ہے ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ فرعون اپنے پیروکاروں کے آگے اس طرح جا رہا ہوگا جس طرح قافلہ کی ضروریات کے لیے پانی تلاش کرنے والا قافلہ کے آگے ہوتا ہے لیکن ان بدنصیبوں کی بدنصیبی کا کیا کہنا کہ جس گھاٹ پر فرعون انھیں لیے جا رہا ہے وہاں میٹھا اور ٹھنڈا پانی نہ ہوگا جو ان کی تشنگی کو دور کرے گا اور ان کے جگر اور تپتے دلوں کی تسکین کا باعث ہوگا بلکہ اُبلتا ہوا کھولتا ہوا پانی ہوگا۔ اگر وہ پئیں گے تو ان کے منہ اور حلق جل جائیں گے اور ان کی آنتیں پھٹ جائیں گی اور اگر نہیں پئیں گے تو شدت پیاس سے ان کی جان نکلے گی۔

۱۴۴ رِفْدٌ لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو سہارا دینے کے لیے اس کے ساتھ رکھی جاتی ہے مایضاف الی غیرہ لیعمدہ ویدعمہ اور اس کا معنی مدد کرنا اور بخشش بھی آیا ہے الرفد المعونۃ والعطاء (المنجد) یعنی جو مدد انھیں دی گئی جو بخشش ان پر کی گئی وہ بہت بری تھی یعنی دنیا میں بھی سب لوگ ان نابکاروں اور نابہجاروں پر لعنت بھیجتے رہے اور قیامت کے دن بھی اگر ان کی کچھ امداد کی گئی یا انھیں کوئی چیز بخشی گئی تو وہ یہی تھی کہ انھیں مزید لعنت اور پھٹکار کا مستوجب قرار دیا گیا بئس الرفد المرفود

قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ

ہیں اور کچھ کٹ گئی ہیں ؎ اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر بلکہ انھوں نے خود زیادتی کی تھی اپنی جانوں پر۔ پس

اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

نہ فائدہ پہنچایا انھیں ان کے ان جھوٹے خداؤں نے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ بھی

شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ

جب آگیا حکم آپ کے رب کا۔ ان دیوتاؤں نے تو ان کی بربادی میں اضافہ ہی کیا ؎ اور یونہی

اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ

گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور)

شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ

سخت ہوتی ہے۔ بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لیے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے ؎ یہ دن

کا مستحق ہوگا وہ جو ان کی اس نعمت کی یاد ہو جو عطا ان کو بخشی گئی تھی وہ بہت بڑی تھی۔

؎ یہ واقعات جو تمہارے سامنے پیش کیے گئے ہیں ان بستیوں کے حالات ہیں جن میں سے بعض کے کچھ کھنڈرات باقی ہیں اور اپنے پاس سے گزرنے والوں کو زبانِ حال سے اپنی آبادی اور بربادی کی پرحسرت داستان سناتے ہیں۔ اور بعض بستیاں ایسی بھی ہیں جن کا نام و نشان بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔ ان کی عظمت پر فخر کرنے کے لیے کوئی شکستہ دیوار بھی موجود نہیں۔ قائم جس کا کوئی نہ کوئی نشان باقی ہو۔ حصید وہ کھیتی جسے کاٹ دیا گیا ہو۔ یہاں وہ قوم مراد ہے جس کا کوئی نشان باقی نہ رہا ہو۔

؎ یعنی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو جن جھوٹے سہاروں پر انھوں نے تکیہ کیا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے گرتے اور ٹوٹتے چلے گئے اور اس نازک وقت میں وہ ان کے کسی کام نہ آئے بلکہ ان جھوٹے سہاروں پر اعتماد ہی ان کی بربادی کا باعث بنا۔ وہ ان کو بڑا قوی اور مضبوط سمجھتے رہے اور ان کی بے بسی اور بے دست و پائی کا یقین تب نہیں ہوا جب کہ ان کا رشتہ اللہ سے ٹوٹ چکا تھا۔

؎ ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد وحید تو یہ ہے کہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ جو عیش و عشرت میں کھوئے ہوتے ہیں وہ ان باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ ان کے لیے یہ پرانے کھنڈرات تفریح کا سامان سمجھتے ہیں۔ ان کے مطالعہ اور انھیں یہ بتاتے ہیں کہ ان بربادیوں کا تعلق ان کی سرکشیوں سے نہ تھا بلکہ طبعی اسباب ایسے پیدا ہوگئے کہ زلزلہ آگیا اور بستی آباد نگری کی ہلاکت کی باتیں ہوتی ہیں۔

مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا

جتنا چاہے آپ کا پروردگار۔ بیشک آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ اور وہ جو خوش نصیب ہیں تو وہ

فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا

(تو یہ) جنت میں ہونگے ہمیشہ رہیں گے اس میں جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر

مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

جتنا چاہے آپ کا رب۔ یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی۔ (اے سننے والے) پس نہ ہو تو شک میں اس سے جس کی یہ پوجا

هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا

کرتے ہیں۔ وہ نہیں پوجتے مگر ایسے ہی جیسے پوجتے تھے انکے باپ دادا اس سے پہلے۔ اور ہم یقیناً

دو سینے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اس لیے جب آواز حلق سے نکلے تو ابتدا میں آہستہ آہستہ بالآخر زور دار، پہلے کو زفیر اور دوسرے کو شہیق سے تعبیر کیا گیا۔

یعنی دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ آیت میں آسمان اور زمین سے موجودہ آسمان زمین مراد نہیں کیونکہ یہ تو اس وقت فنا کر دیے جائیں گے بلکہ عالم آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں جو ابدی ہوں گے اور اگر آیت میں یہی زمین و آسمان مراد ہوں تو پھر خلود کے ابدی ہونے کی ان الفاظ سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب جب کسی چیز کی ابدیت اور دوام کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو انہی الفاظ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ ان العرب يعبرون عن الدوام والابد بقولهم ما دامت السموات والارض۔

اس آیت میں ابن الانباری وغیرہ ائمہ لغت کے کلام میں بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ استثنا ہے جس سے مقصود مبالغہ اور اختیار کے بیان کے لیے ذکر کیا گیا جیسے سنقرئك فلا تنسى الا ما شاء الله میں ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں الا استثنا کے لیے نہیں بلکہ سوا کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ اتنی مدت دوزخ میں رہیں گے جتنی مدت آسمان و زمین کو قیام نصیب ہے اور اس کے سوا اور بھی جو وہ اللہ چاہے گا جس کو تم نہیں سمجھ سکتے ہو اور نہ اس کا اندازہ ہی کر سکتے ہو۔ اگرچہ بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ کفار کے لیے بھی جہنم کا عذاب کبھی نہ کبھی منقطع ہو جائے گا لیکن جمہور کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ ختم نہیں ہوگا اور احادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یعنی اہل جنت کو جن انعامات سے سرفراز کیا جائے گا وہ ایسے نہیں ہیں کہ ان کا سلسلہ کچھ مدت کے بعد منقطع ہو جائے، بلکہ ان خوش نصیبوں پر ان کے خداوند کریم کے فضل و کرم اور جود و عطا کی بارش ہمیشہ ہمیشہ برستی رہے گی۔

یہاں بھی خطاب عام قاری کو ہے کیونکہ حضور کے متعلق تو یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس صدر منشرح اور قلب منور میں اس قسم کے شبہ کی پرچھائیں تک بھی پڑ سکتی ہو۔ اس سے پہلے کئی مقامات پر اس مسئلہ کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔

لَمُوَفُّوهُمْ نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنقُوصٍ ﴿١٠٩﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ

پورا پورا دینے والے ہیں انہیں ان کا حصہ جس میں ذرا کمی نہیں ہوگی۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب

فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

پھر اختلاف کیا جانے لگا اس میں ف۱۵۱ اور اگر ایک بات پہلے نہ مقرر کی گئی ہوتی آپ کے پروردگار کی جانب سے ف۱۵۲ تو فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے

وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿١١٠﴾ وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ

درمیان اور بے شک وہ ایسے شبہ میں ہیں اس کے متعلق جو بے چین کر دینے والا ہے۔ اور یقیناً ان سب (اختلاف کرنے والوں) کو ف۱۵۳ پورا پورا بدلہ دے گا انہیں

أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١١١﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ

آپ کا رب ان کے کرتوتوں کا بے شک اللہ تعالیٰ جو کام وہ کرتے ہیں ان سے خوب آگاہ ہے۔ پس آپ ثابت قدم رہیے جیسے حکم دیا گیا ہے آپ کو اور وہ بھی ف۱۵۴ جنہوں نے

ف۱۵۱ یعنی جس طرح آج یہ قرآن کے متعلق مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے ہیں بعض لوگ اس کی صداقت پر ایمان لے آئے ہیں اور ان کی اکثریت اس کو کلام الٰہی ماننے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ تو محبوب ان کے طرز عمل پر آپ پریشان اور حزیں نہ ہوں ایسا ہوتا ہی آیا ہے حضرت موسیٰ پر جو کتاب نازل کی گئی تھی اس پر بھی تو سب لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔ فيه تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم۔

ف۱۵۲ چاہیے تو یہ تھا کہ منکرین پر فوراً عذاب آ جاتا۔ تاکہ دوسرے لوگوں کے لیے باعث عبرت ہوتا لیکن آپ کا رب ان کے بارے میں ایک فیصلہ فرما چکا ہے اس لیے اس مصلحت کے پیش نظر فوراً عذاب نہیں آئے گا۔

ف۱۵۳ اس آیت میں لما کا لفظ تحقیق طلب ہے عاصم ابن عامر اور حمزہ قراء نے لمّا مشدد پڑھا ہے باقی قراء نے اسے لما مخفف پڑھا ہے اگر یہ مخفف ہو تو لام قسم کا ہو گا اور ما تاکید کے لیے اور مزیدہ ہو گا۔ یا ما بمعنی من ہو گا۔ ما کو مزیدہ مانا جائے تو آیت کا معنی ہو گا واللہ ليوفينهم اور اگر ما کو بمعنی من کیا جائے تو معنی ہو گا واللہ لمن ليوفينهم اور اگر لمّا مشدد پڑھا جائے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں ایک صورت میں اس کا اصل لمن ما تھا۔ نون کو میم سے بدلا گیا تھا۔ تین میم جمع ہو گئے۔ پہلے کو حذف کیا یہاں بھی ما مزیدہ ہو گا معنی ہو گا لمن ليوفينهم یا یہ لمًّا سے مصدر ہے۔ تنوین کے عوض تخفیف کے لیے الف آ گیا لمّا ہو گیا اس وقت معنی ہو گا ان کلا جمیعا (قرطبی) آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ قرآن پر ایمان لانے والوں اور اس کا انکار کرنے والوں کا کوئی عمل ہم سے مخفی نہیں۔ ہم سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزاء و سزا دیں گے۔

ف۱۵۴ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے عقائد، اعمال، اخلاق میں اسلام کے حکم پر پابندی سے چلنے اور چلتے رہنے کو استقامت کہتے ہیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استقامت کے مفہوم کی وضاحت بڑے انوکھے انداز میں بیان فرمائی ہے قال عمر بن الخطاب الاستقامة ان تستقيم

وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ

ثابت قدم رہیں) وہ بھی جو تائب ہو کر آپ کے ساتھ ہیں اور سرکشی نہ کرو بیشک جو تم کرتے ہو وہ اسے خوب دیکھ رہا ہے اور مت جھکو ان کی طرف جنہوں نے ظلم کیا ورنہ ۱۲۰

ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ

چھوئے گی تمہیں بھی آگ۔ اور نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار

ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ

پھر تمہاری مدد بھی نہ کی جائے گی اور قائم کیجئے نماز دن کے دونوں سروں پر ۱۲۱ اور کچھ رات کے

علی الاولی النہی ... شیبتنی ... یعنی استقامت کا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہنا اور اس کی طرح سیدھے رہنا ہے۔ ... کہ استقامت اختیار کرے۔

واقعی استقامت کا مقام بڑا کٹھن ہے اسی لیے صوفیا کا مقولہ ہے الاستقامة فوق الكرامة کہ استقامت کا درجہ کرامت سے بہت بلند ہے۔

۱۲۱؎ رکون کا معنی ہے محبت سے دلی میلان الرکون المحبة والمیل بالقلب یہاں مقصد یہ ہے کہ ان کی مداہنت اور خوشامد مت کرو قال السدی لا تداھنوا الظلمة اور عکرمہ نے کہا ہے کہ ان کی اطاعت نہ کرو وقال عکرمة لا تطیعوھم علامہ بیضاوی نے فرمایا لا تمیلوا الیھم ادنی میل یعنی ان کی طرف تھوڑا سا قلبی میلان بھی مت کرو۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تشریح اس طرح کی ہے۔ الرکون حقیقة الاستناد والاعتماد والسکون الی الشیء والرضا به۔ رکون کا معنی ہے کسی پر اعتماد ہو سکنا اور اس کی طرف سے مطمئن اور راضی ہو جانا۔ ابو العالیہ نے کہا ہے لا ترضوا اعمالھم (قرطبی)

ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ان بدمذہبوں کے پاس بیٹھنا اور ان کی مجلسوں میں شرکت کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ ہم اپنی نادانی سے ان کی صحبت کو بے ضرر خیال کرتے ہیں اور اپنی سادہ لوحی سے بعض لوگ ان کے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ہر وقت اس تاک میں رہتے ہیں جب کہ وہ چپکے سے ہمارے ایمان کو متزلزل کر دیں۔ اس لیے اہل اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے احتراز کریں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی سنگت کرنا اور ان کی تقویت کا باعث بننا جو لوگوں کے حقوق غصب کرتے ہیں یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔ ہماری تائید و اعانت صرف ان لوگوں کے لیے ہونی چاہیے جو صحیح عقیدہ کے علمبردار ہیں اور اپنی عملی زندگی میں عدل و انصاف کی قدروں کو سربلند رکھنے کے لیے کوشاں ہیں۔ مذاہب باطلہ کی فرقہ بازیاں، سیاسی جتھہ بندیاں اور قبائلی تعصب ملت کے لیے تباہ کن ہیں اور اس کے شیرازہ کو بکھیرنے کا موجب ہیں۔

۱۲۲؎ دن کا ایک کنارہ صبح اور دوسرا شام ہے۔ اس آیت میں صبح، مغرب اور عشاء کی نمازوں کا حکم ہے اگر یہ سورت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی

الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿١١٤﴾

حصوں میں۔ بے شک نیکیاں دور کر دیتی ہیں برائیوں کو ۱۹۱ یہ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنیوالوں کے لیے۔

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٥﴾ فَلَوْلَا كَانَ

اور آپ صبر کیجئے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا نیکوں کے اجر کو۔ تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ

مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزری ہیں ایسے زیرک لوگ ۱۹۲ جو روکتے زمین میں فتنہ و فساد برپا کرنے سے

فِى الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

مگر وہ قلیل تھے ۱۹۳ جنہیں ہم نے نجات دی تھی ان سے۔ اور پیچھے پڑے رہے ظالم اس

ہے تو پھر اس سے نماز پنجگانہ کا ثبوت تلاش کرنا قبل از وقت ہوگا کیونکہ مطلق نماز کی فرضیت تو شب معراج میں ہوئی۔

۱۹۱ نیکی کا دوگنا اثر ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ بذات خود نیکی ہے اور اس پر اچھے نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ دوسرا وہ برائیوں کے ان اثرات کے ازالہ کے لیے بھی اکسیر کا کام دیتی ہے جو انسان سے وقتاً فوقتاً صادر ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت کرنے کے لیے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ اگر کسی آدمی کے گھر کے سامنے سے ندی گزرتی ہو جس پر وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس پر کوئی میل کچیل باقی رہے گی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ تو بالکل پاک ہو جائے گا اس کے جسم پر میل کا نشان تک باقی نہیں رہے گا تو حضور نے فرمایا اسی طرح جو آدمی دن میں پانچ دفعہ نماز پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بالکل باقی نہیں رہتے۔

۱۹۲ بقیۃ سے مراد عقل و دانش ہے اور اسے بقیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان وہی چیز محفوظ رکھتا ہے جو نہایت ہی عمدہ ہو۔ عرب جب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی زیرک اور عقلمند ہے تو کہتے ہیں فلان ذو بقیۃ یقال فلان من بقیۃ القوم ای من خیارهم (قرطبی) آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب شوریدہ سر اور مبطل لوگوں نے شریعت کے احکام کی خلاف ورزی شروع کی تو قوم کا ایک سنجیدہ اور سمجھدار طبقہ آگے بڑھتا اور ان لوگوں کو سمجھاتا کہ تم اس سرکشی کی راہ کو اختیار نہ کرو کیونکہ یہ تمہیں بربادی کے گڑھے میں جا کر پھینکے گی۔ وہ لوگ جو سمجھدار ہوتے تھے وہ گوشہ عافیت میں ہو بیٹھے۔ سب ان کے سامنے ان کی قوم گل کھلاتی رہی لیکن وہ اس خوف سے ان کے مزاحم نہ ہوئے کہ مبادا انہیں بھی ہدف تنقید بننا پڑے۔ اس مجرمانہ خاموشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم بھی غرق ہوئی اور یہ بھی اس کے ساتھ غرق کر دیے گئے۔

۱۹۳ بہت کم ایسے لوگ تھے جنہوں نے انبیاء کے دوش بدوش کھڑے ہو کر تبلیغ حق کا دشوار فریضہ ادا کیا اور ہم نے ان کو اپنے عذاب سے نجات دی۔

مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى

عیش و عشرت کے جس میں وہ تھے ۱۲۵ اور وہ مجرم تھے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب ایسا کہ برباد کر دے بستیوں کو

بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ

ظلم سے حالانکہ ان میں بسنے والے نیکوکار ہوں۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو بنا دیتا سب لوگوں کو

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ

ایک ہی امت ۱۲۶ (لیکن حکمت کا یہ تقاضا نہیں اس لیے) وہ ہمیشہ آپس میں اختلاف کرتے رہیں گے مگر وہ جن پر آپ کے رب نے رحم فرمایا (وہ اس فتنہ

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

سے محفوظ رہیں گے) اور اسی (رحمت) کے لیے انہیں پیدا فرمایا ہے ۱۲۷ اور پوری ہو گئی آپ کے رب کی یہ بات کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو

۱۲۵ یعنی عیش و عشرت کے جو اسباب انہیں میسر تھے انہی میں وہ مگن رہے۔ انہیں کبھی یہ خیال نہ آیا کہ انہیں ایک دن اس بزم طرب کو الوداع کہنا ہو گا۔ وہ ان فانی اور ناپائیدار مسرتوں میں ایسے کھوئے رہے اور اس فرحت و سرور کے سلسلہ کو دراز کرنے میں اتنے منہمک رہے کہ انہیں اپنی موت کا دن کبھی یاد نہ آیا۔

۱۲۶ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کی فطرت میں نافرمانی کی قوت پیدا ہی نہ کرتا یا ان کو غلط راستے پر چلنے کا اختیار ہی نہ دیتا یا اپنے خوف کا وہ ڈنڈا ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے سر پر لٹکا دیتا کہ وہ گناہ کے ارتکاب کی طاقت و اختیار کے باوجود اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے لیکن اللہ تعالیٰ کا منشا یہ نہ تھا اور انسانی شرف و عظمت بھی اس کی متحمل نہ تھی۔ اس لیے سب کو حق و باطل کی راہیں بتلا دی گئیں اور انہیں ان دونوں راہوں میں سے کوئی ایک اختیار کرنے کی آزادی دے دی گئی۔

۱۲۷ اس جملہ کا تعلق آیت کے کس حصے کے ساتھ ہے؟ بعض نے یہ لکھا ہے کہ اس کا تعلق اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ کے ساتھ ہے۔ یعنی انسان کی آفرینش کی غایت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہرہ ور ہوتا رہے اور جادۂ ہدایت کی شاہراہ پر گامزن رہے۔ قال ابن عباس ومجاہد وقتادہ والضحاک وللرحمۃ خلقہم۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق اختلاف سے ہے یعنی انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے کوئی راہ اختیار کرے۔ اسے کسی ایک راہ پر چلنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح جو اختلاف رونما ہو گا اس کے پیش نظر بعض کو جنت میں اور بعض کو دوزخ میں بھیجا جائے گا۔ قال الحسن ومقاتل وعطاء یمان الاشارۃ للاختلاف ای وللاختلاف خلقہم۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذٰلک کا اشارہ اختلاف اور رحمت دونوں کی طرف ہے اور واحد اسم اشارہ کا اشارہ ایسی دو متضاد چیزوں کی طرف ہوتا رہتا ہے جیسے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا یہاں بھی ذٰلک کا اشارہ فضل اور رحمت

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ

جن و انسانوں (دونوں) سے ۔ اور یہ سب جو ہم بیان کرتے ہیں آپ سے پیغمبروں کی سرگزشتیں یہ اس لیے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ ۚ وَجَاءَكَ فِي هَٰذِهِ الْحَقُّ وَ

ہیں کہ پختہ کر دیں ان سے آپ کے قلب (مبارک) کو۔ ۱۵۲ اور آیا ہے آپ کے پاس اس سورۃ میں حق اور

مَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا

نصیحت اور یاد دہانی ہے اہل ایمان کے لیے۔ اور آپ فرما دیجئے انہیں جو ایمان نہیں لاتے کہ تم عمل کرتے رہو

عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَامِلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَانتَظِرُوا إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلَّهِ

اپنی جگہ پر اور ہم (اپنے طور پر) عمل پیرا ہیں۔ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں اور اللہ ہی کے

غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ

لیے ہیں سب چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سارے کام۔ تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے

ع ۱۰

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور اسی پر بھروسہ رکھیے۔ اور نہیں ہے آپ کا رب بے خبر اس سے جو تم کیا کرتے ہو۔ ۱۵۳

دوسرے میں یعنی اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اہل اختلاف کو عقوبت کے لیے پیدا کیا اور اہل رحمت کو رحمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھذا احسن الاقوال ان شاء اللہ یہ توجیہ سب سے بہتر ہے۔

۱۵۲۔ جن ایام میں اس سورت کا نزول ہوا وہ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کے لیے بڑے صبر آزما دن تھے۔ کفار کا غیظ و غضب شباب پر تھا۔ اسلام کی ترقی نے انہیں آتش زیر پا کر دیا تھا۔ وہ اس شمع حق کو بجھانے کے لیے اپنی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔ غریب مسلمانوں پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز دبانے اور وعظ و تبلیغ روکنے کے لیے ہر ہتھکنڈا استعمال میں لایا جا رہا تھا۔ ظاہر بین نگاہوں کو یاس و قنوط کے مہیب سائے ہر سمت چھائے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ امید کی کوئی کرن بھی تو افق پر نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اور ان دنوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سابقہ انبیاء اور رسل کے واقعات سنائے۔ اس آیت میں اس حقیقت کو بیان فرمایا۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تاکہ اے محبوب! آپ کے قلب مبارک کو مضبوط بنائے اور آپ کے غلاموں کی بھی تسکین ایمان کا باعث

ف۱۲۱ آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں سرگرم رہو اور اس پر بھروسہ اور اعتماد کرو سے تو کوئی تم ہوا چلا جائے آپ کا رب آپ کے ماننے والوں اور آپ کے مخالفین کے تمام اعمال پر بخوبی آگاہ ہے۔ وہ ان سب کے ان اعمال کا بدلہ ضرور دے گا آپ پریشان نہ ہوں۔ کامیابی اور کامرانی آپ کے قدم چومے گی اور دنیا کی مخالفت اور کوئی آندھی اس چراغ اسلام کو نہ بجھا سکے گی۔

تعارف سُورۃ یُوسف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۂ پاک میں چونکہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر شرح وبسط سے کیا گیا ہے اس لیے اس سورت کو آپ ہی کے نام نامی سے موسوم کیا گیا۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔ اس میں ۱۷۷۰ کلمے اور ۷۱۶۶ حروف ہیں اور بارہ رکوع ہیں۔

صحیح قول کے مطابق یہ ساری سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتا کر تسلی دی کہ جس طرح برادرانِ یوسف کے ناپاک منصوبے ناکام ہوئے اور سب کو چار وناچار حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت کو تسلیم کرنا پڑا اسی طرح ایک دن وہ بھی آنے والا ہے جب قریش آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں گے اور آپ کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو کر ہی اپنی نجات کو یقینی کریں گے۔

یوں تو قرآن حکیم میں سابقہ انبیاء کرام کی پرنور اور درخشاں زندگیوں کے بیسیوں قصے مذکور ہیں۔ جن کا ہر پہلو رشد وہدایت کے انوار برسا رہا ہے۔ لیکن احسن القصص کے لقب سے حضرت یوسف صدیق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستانِ حیات کو ہی نوازا گیا ہے۔ اس کی وجہ؟ اس کی وجہ ظاہر ہے تکمیلِ انسانیت کی منزلِ رفیع کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس کے سارے پیچ وخم، نشیب وفراز، پیش آنے والی دشواریاں، منزل سے دل برداشتہ کر دینے والے سنگین مرحلے، منزل سے غافل کر دینے والے حسین وجمیل مناظر، دل موہ لینے والی دلچسپیوں کو اتنی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ کسی ابہام والتباس کی گنجائش تک نہیں رہتی۔ پھر اس جانگداز، کٹھن اور طویل راہ کو طے کرنے کے لیے مسافر کو جس صبر وعزم، توکل وتقویٰ، عالی حوصلگی اور چشم پوشی کی ضرورت ہوتی ہے اس کا ذکر بھی اتنے دلنشین اور موثر پیرائے میں کیا گیا ہے کہ اگر انسان فطرتِ سعید اور قلبِ سلیم کی نعمت سے محروم نہ ہو تو وہ اس منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے وہ طوفانوں سے کھیلتا، بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتا، ہلاکت انگیز گردابوں کا منہ چڑاتا، چٹانوں سے کہیں ٹکراتا، کبھی ان سے بچتا بچاتا ساحلِ مراد کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے آپ خود انصاف فرمائیے جس ذاتِ اقدس واطہر کی داستانِ حیات کا دامن ایسے انمول حقائق سے لبریز ہو اگر اسے احسن القصص نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے اور اگر قرآن اسے احسن القصص نہ کہے تو اور کون کہے؟

حضرت اسحاق کے فرزند حضرت یعقوب علیہما السلام کا خانوادہ کنعان کے علاقہ میں فروکش ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو کثیر تعداد میں بیٹے عطا کیے ہیں جو خوبرو، دراز قامت، تنومند اور بڑے جفاکش ہیں۔ آخری عمر میں حضرت یعقوب کے ہاں ایک فرزند تولد ہوتا ہے جس کی رعنائی کا ایسا حسین وجمیل پیکر ہے جس سے حسین تر پیکر چشمِ فلک نے اس وقت تک دیکھا ہی نہیں۔ جمال صوری کو حسن معنوی نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ حضرت یعقوب اس مرقعِ دلبری وزیبائی کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں سماتے یہ طفل جلیل جیسے جیسے زندگی کے مرحلے طے کرتا جاتا ہے جوہر ذاتی

اور ارجمندی کے آثار نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ نجابت و شرافت کا نگینہ و ہیں جمال نکھرتا جا رہا ہے۔ بڑے بھائیوں کے دلوں میں حسد کی چنگاریاں سلگنے لگی ہیں۔ دس بارہ سال کا سن ہے کہ ایک رات یوسف نے ایک خواب دیکھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔ صبح اس کا ذکر اپنے پدر بزرگوار سے کر دیتے ہیں۔ آپ اس خواب کے آئینہ میں اپنے نور نظر کے درخشاں اور تابندہ مستقبل کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔

گویا اس خواب نے حضرت یوسف کی منزل کا تعین کر دیا ہے۔ پہلے ہی بتا دیا گیا کہ گلشن خلیل کا یہ لالہ رنگین تاج شرف انسانیت کی جاودانی اور ہمہ دم جواں عظمتوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے والا ہے۔

لیکن کیا ان جاودانی عظمتوں کو پالینے کا راستہ ہموار اور خوشگوار ہے؟ کیا اس پر گلاب کی نرم و نازک پتیاں بچھی ہوئی ہیں جن پر خراماں خراماں گزرتے جانا ہے؟ یا وہ راستہ تیز کانٹوں اور سنگلاخ چٹانوں سے اٹا پڑا ہے اور اس پر چلنے والے کا فرض ہے کہ وہ اپنے خون جگر سے ان کانٹوں اور چٹانوں کو لالے کی سرخی اور گلاب کی مہک بخشے۔ اپنی جواں ہمتی اور اولوالعزمی سے ویرانوں کو فردوس بداماں بناتا ہوا آگے بڑھے۔

قدرت الٰہی کے سامنے تو کچھ مشکل نہیں کہ آن واحد میں گمنامی کی پستیوں سے نکال کر عزت اور حقیقی سروری کی بلندیوں تک پہنچا دے اور کسی کی پیشانی پر پسینہ کا قطرہ بھی نمودار نہ ہو لیکن سنت الٰہی یوں نہیں۔ ناموس فطرت کے تقاضے اس کے برعکس ہیں۔ ؎

یہ بزم مے ہے تو ترنم طبع بلند پیدا کر — یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

مقام یوسفی کی بلندیوں پر پہنچانے والی نگاہ ڈالنے والے یاد رکھیں کہ اس راہ کا پہلا مرحلہ ہی صبر آزما اور حوصلہ شکن ہے۔ کنواں ہے، تنگ و تاریک اور گہرا کنواں۔ بھائیوں کے ہاتھ گلے میں رسہ ڈال دیتے ہیں پھر اسی کنوئیں میں لٹکا دیتے ہیں جب کنوئیں کی گہرائی نصف رہ جاتی ہے تو اوپر سے رسہ کاٹ دیا جاتا ہے۔ انجام سے بے نیاز ہو کر ہمت اور حوصلہ سے قدم آگے بڑھاؤ، ابرو پر شکن تک نہ آئے اور یقین رکھو کہ رحمت خداوندی ضائع نہیں ہونے دے گی۔ جب تم گرو گے تو جبرائیل کے نورانی پر تمہیں تھام لینے کے لیے بچھے ہوں گے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے تم کہاں تک صبر و ثبات کا مظاہرہ کرتے ہو یہ ضرور دیکھا جائے گا۔

پھر مصر کا بازار ہے اور خاندان رسالت کا یہ گل سرسبد غلام کی حیثیت سے وہاں بیچنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ خریدار بولیاں دینے لگے ہیں۔ یوسف جو کل تک اپنے ماں باپ کی آنکھوں کا تارا بنا ہوا تھا اپنی اس تذلیل و رسوائی کو دیکھ رہا ہے اور خاموش ہے۔ کسی کو اس راز سے آگاہ نہیں کرتا کہ وہ کون ہے؟ یہ کس پر بیت رہی ہے۔ آنکھ قدرت الٰہی کے کرشمے دیکھتی ہے، دل ہے کہ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے اور زبان اپنے رب کے فیصلہ پر شکوہ سنج کہاں شکر گزار ہے۔ آخر کار بادشاہ کا مدار المہام عزیز مصر سب سے زیادہ بولی دیتا ہے اور یہ نیلامی اس کے حق میں مستحسن ہوتی ہے۔

اب نہ تاریک کنواں ہے نہ بھائیوں کی سرد مہری اور سرد مہریں ہیں نہ کاروان والوں کی کرختگی ہے اور نہ بازار کی رسوائی۔ اب آزمائش ایک نیا روپ اختیار کرتی ہے۔ مصر کے رئیس اعظم اور سلطنت کے مدار المہام کا عظیم الشان قصر ہے جہاں ہر سمت زندگی اپنی ساری رنگینیوں کے ساتھ محو خرام ہے۔ آرام و آسائش اور خورد و نوش کا شاہانہ اہتمام ہے۔ کئی سال عیش و طرب میں ڈوبے ہوئے اس ماحول میں بسر ہوتے ہیں۔ اب کمسن یوسف جوان ہو گیا ہے۔ حسن کی جلوہ سامانیاں محشر بپا کرنے لگی ہیں۔ محل کی حسین دوشیزہ پر چل نکلتے ہیں دل

قدموں میں بچھے چلے جاتے ہیں۔ خود عزیز مصر کی بیوی ہزار جان سے نثار ہے لیکن آنکھیں ہیں کہ بار حیا سے اٹھتی ہی نہیں۔ یوسف ہیں کہ جیسے ہیں ہی نہیں۔ آخر کار اس امتحان کی سنگینی اپنی انتہا کو پہنچ گئی جب عزیز مصر کی بیوی انہیں اپنے خلوت کدہ میں لے گئی اور سارے دروازے بند کر دیئے اور ھیت لک (جلدی کرو اب کیا دیر ہے) کی اشتعال انگیز دعوت دی لیکن یوسف معصوم نے معاذ اللہ (خدا کی پناہ) کہہ کر اس کی اس پرکشش پیش کش کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر رکھ دیا اور بتا دیا کہ مقام یوسفی پر پہنچنے کا خواب دیکھنے والا اس راہ میں ایسے پرخطر اور پرجوش مرحلے بھی آتے ہیں اور مردان پاک یوں دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔

اس گناہ کی پاداش میں کہ تم نے عفت وعصمت کے دامن کو داغدار ہونے سے کیوں بچایا آپ کو جیل کی کوٹھڑی میں قید کر دیا جاتا ہے۔ تو نو دس سال یاس اسیری میں گزر جاتے ہیں لیکن نہ دل میں شکوہ ہے اور نہ زبان پر شکایت۔ دل اپنے رب کریم کی محبت سے سرشار ہے۔ اور زبان اس کی توحید و کبریائی کے گیت گا رہی ہے اور کئی بھٹکے ہوؤں کو راہ ہدایت دکھا رہی ہے یہاں تک کہ بادشاہ مصر ایک بھیانک خواب دیکھ کر بے چین ہو جاتا ہے اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے اپنے دربار کے دانشوروں اور کاہنوں کو طلب کرتا ہے سب بے بس ہیں اور اسے خواب پریشان کہنے پر مصر ہیں۔ آخر وہ شخص جس نے قید خانے میں آپ سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی تھی اور اسے صحیح پایا تھا بادشاہ سے اجازت لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور بادشاہ کا خواب بیان کر کے تعبیر بتانے کی درخواست کرتا ہے یہاں حضرت یوسف صدیق کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ایک پہلو بے نقاب ہوتا ہے۔ نہ تو آپ نے اس شخص کو وعدہ فراموشی کا طعنہ دیا نہ تعبیر بتانے کے لیے اپنی رہائی کا مطالبہ کیا بلکہ خواب کی تعبیر بھی بتا دی اور ان سنگین حالات سے عہدہ برآ ہونے کی تدبیر بھی بیان فرما دی گویا آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ آفتاب ہیں آفتاب بن مانگے نور برساتا ہے اور ہر چشم بینا کو روشن کرتا ہے۔

بادشاہ جب آپ کی عظمت کا معترف ہو کر از خود آپ کو رہا کرنے کا حکم صادر کرتا ہے تو یہ فقیر غیور اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے اس الزام کی تحقیق کرو جس کی پاداش میں مجھے اتنا عرصہ پابند سلاسل رکھا گیا اس کے بعد تمہارے اس حکم کو ماننے یا رد کرنے پر غور ہوگا۔ بادشاہ نے زنان مصر سے تحقیق احوال کے لیے جب بازپرس کی تو نہ صرف زنان مصر نے یک زبان ہو کر آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی بلکہ عزیز مصر کی بیگم نے جو یہ سارا تماشہ اور قید کرانے میں پیش پیش تھی برملا کہہ دیا "الآن حصحص الحق" آج حق عیاں ہو گیا قصوروار میں تھی میں اپنے جرم کا اعتراف کرتی ہوں وہ معصوم ہے اس کی چشم باحیا کی قسم اس کا دامن عصمت ہر داغ سے پاک ہے۔

یوں وہ ہستی جس نے اپنے رب کریم کو راضی کرنے کے لیے مصر کے چوک بازار میں اپنے آپ کو بدنام کرنے کا جرأت مندانہ اقدام کیا تھا آج جب زندان مصر سے قدم باہر رکھتا ہے تو دوست و دشمن اس کی سیرت کی پاکی اس کے اخلاق کی خوبی اور اس کے کردار کی پختگی کو دل و جان سے تسلیم کر رہے ہیں۔ اگرچہ آپ کی عظمت شان ہر طرح بھی آشکارا ہو چکی ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ آپ حضرت یوسف کی جلالت مرتبت کا اندازہ لگانا چاہیں تو وہ کلمات طیبہ سنئے جو اس وقت ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر آہستہ آہستہ زبان پر آ رہے ہیں آپ کہہ رہے ہیں وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی ان ربی غفور رحیم یعنی جناب مجھے اپنی پاکدامنی کا دعویٰ نہیں نفس کا کام ہی برائی کا حکم دینا ہے مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے بیشک میرا پروردگار غفور رحیم ہے۔ سبحان اللہ کیا

شان ہے۔ اس تواضع کی ادا، نکہت اور وقار ہے اس انکسار میں!

مورخین کے بیان کے مطابق مصر پر اس وقت پندرھویں خاندان کی حکومت تھی جو تاریخ میں چرواہے بادشاہوں (SHEPHERD KINGS OR HYKSOS KINGS) کے نام سے مشہور ہیں اور حضرت یوسف کے زمانہ میں جو بادشاہ تھا اس کا نام اپوفس (APOPHIS) بتایا جاتا ہے۔ اسی کے عہد میں مصر اپنی تاریخ کے طویل اور بدترین قحط سے دوچار ہوا۔ بادشاہ نے ان بگڑے ہوئے حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے حضرت یوسف کو کل اختیارات دے دیئے اور آپ نے کسی ہچکچاہٹ اور تذبذب کے بغیر اس سنگین ذمہ داری کو قبول فرمایا۔ "قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ"

جب قحط پڑا تو آپ نے اپنے غذائی ذخیروں کے منہ کھول دیئے صرف اہل مصر ہی آپ کی حسن تدبیر سے قحط کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ نہیں رہے بلکہ گردونواح کے ضرورت مند بھی جب حاضر ہوتے تو انہیں محروم واپس نہ لوٹایا جاتا یہاں تک کہ آپ کے جود و سخا کا چرچا کنعان تک جا پہنچا اور فرزندان یعقوب علیہ السلام طلب خوراک کے لیے حاضر ہوئے آپ نے انہیں پہچان لیا لیکن جتایا تک نہیں۔ ان کے اونٹوں کو بھی لاد دیا اور جو قیمت انہوں نے ادا کی وہ بھی چپکے سے ان کی خرجیوں میں رکھ دی اور فرمائش کی کہ دوبارہ آئیں تو اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لیتے آئیں۔ وہ دوبارہ آئے تو پھر انہیں اپنی داد و دہش سے مالا مال کر دیا لیکن راز سے پردہ نہ اٹھایا۔ تیسری مرتبہ جب آئے تو اب وہ گھڑی آ پہنچی تھی کہ آپ اپنا تعارف کرا دیں جس انداز سے آپ نے اپنا تعارف کرایا وہ صرف آپ کو ہی زیبا ہے اور یہی باتیں آپ کی شان یوسفی کو چار چاند لگانے کا باعث بنتی ہیں۔ فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ کیا تمہیں یاد ہے جو سلوک تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا؟ اپنا دور حقیقت سے پردہ اٹھنے کے باعث شرمندگی محسوس کریں گے اس لیے فوراً فرما دیا إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ۔ یعنی اس وقت تم ناواقف اور بے خبر تھے۔ ساتھ ہی ان کے اس نامناسب رویہ کی خود ہی معذرت پیش کر دی اور انہیں تسلی بھی دے دی کہ وہ غلطی رہی یا اس سے کوئی بازپرس نہیں کی جائے گی۔ بھائی حیرت سے ششدر رہ گئے ہیں اس وقت بھی آپ کے دل میں نخوت کا کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا بلکہ فرمایا قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا بیشک ہم پر اللہ تعالیٰ نے بڑا لطف و احسان فرمایا ہے کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا لیکن اپنے صبر اور تقویٰ کو پیدا کر کے تم ہوئے اس حقیقت کو بھی عیاں کر دیا کہ ایسے لطف و احسان سے بہرہ ور ہونے کا طریقہ یہ ہے فرمایا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ بیشک جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ کیا بات ہے قدم قدم پر حقائق کے موتی لٹاتے ہوئے معارف کے گلستان اگاتے ہوئے منزل مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں نے تقویٰ اور صبر اختیار کیا اس لیے ان احسانات کا مستحق قرار پایا کیونکہ اس میں غرور و تعلی کی آمیزش بھی ہو سکتی ہے اور یہ غلط فہمی بھی پیدا ہو سکتی تھی کہ یہ صرف آپ کی ذات والا صفات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ فرمایا مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ جو بھی تقویٰ کا لباس پہن کر صبر کی قندیل روشن کر کے آگے بڑھے گا رحمت خداوندی اس کی مخلصانہ جدوجہد پر اپنی قبولیت کے پھول نثار کرتی جائے گی۔ آئیے جس میں ہمت ہے خود تجربہ کر کے دیکھ لے۔

ط صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

ہجر و فراق کی طویل رات سحر آشنا ہو رہی ہے وہ روز سعید طلوع ہو رہا ہے جب بچھڑے ہوئے والدین اپنے نور نظر سے ملنے کے

لیے مصر پہنچ رہے ہیں حضرت یوسف ان کی پیشوائی کے لیے شہر سے کچھ دور آگے جاتے ہیں۔ بڑی عزت و تکریم سے ان کا استقبال کرتے ہیں اور انہیں تخت پر بٹھاتے ہیں اس وقت گیارہ بھائی اور والدین حضرت یوسف کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں حضرت کی زبان سے نکلتا ہے یابت ھذا تاویل رویای من قبل اے پدر کرم یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا اس تعبیر کو بروئے کار لانے میں میرا کوئی کمال نہیں محض میرے پروردگار کی بندہ نوازی ہے یہاں ان مشکلات کا مختصر ذکر بھی کر دیا تاکہ لطف و رحمت میں اضافہ ہو۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ صمدیت میں دامن طلب پھیلا دیتے ہیں اور وہ چیز مانگتے ہیں جس کے مانگنے کے بعد دل کی ساری حسرتیں اور سارے ارمان پورے ہو جاتے ہیں اور آپ کا انتخاب ہمت جواب ان بلندیوں کی طرف پرکشا ہے اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے عرض کی۔

فاطر السموات والارض انت ولیّ فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین گویا شمع ایمان کو فروزاں رکھتے اس دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت میں شامل ہو جانا ہی منزلِ حق ہے۔

جو خواب آپ نے بچپن میں دیکھا وہ سچا خواب تھا اسے ضرور پورا ہونا تھا اور وہ پورا ہو کر رہا لیکن خواب دیکھنے والے کو تکمیل کی منزل تک پہنچنے کے لیے جن مراحل سے گزرنا پڑا وہ آپ کی اقتدا کرنے والوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے چاہئیں بہت صبر، توکل اور رحمت خداوندی کی دستگیری سے ہی انسان اس رفیع منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کریم پر مستشرقین کا ایک بے بنیاد الزام: یورپ کے مستشرقین قرآن کریم پر جہاں دوسرے بے سروپا اعتراضات کرتے ہیں وہاں بڑی شد و مد سے یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ قرآن حکیم میں انبیاء سابقین کے جو واقعات مذکور ہیں وہ وحی ربانی نہیں بلکہ پیغمبر اسلام نے علماء اہل کتاب سے انہیں سنا اور پھر قرآن میں درج کر دیا اس الزام کی لغویت ثابت کرنے کے لیے ہمیں کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں اگر آپ تورات وانجیل میں بیان کردہ قصص کا موازنہ قرآن کریم میں مذکور واقعات سے کریں گے تو حقیقت خود بخود اظہر من الشمس ہو جائے گی یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہی لیجئے قرآن کریم نے اس واقعہ کو جس انداز سے بیان فرمایا ہے وہ کس قدر سبق آموز، بصیرت افروز اور عبرت انگیز ہے۔ ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے جس کی تابانی سے تکمیل انسانیت کا راستہ جگمگا رہا ہے۔ قدم قدم پر حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی جلالت شان کے آثار دکھائی دیتے ہیں اسے پڑھ کر کامیاب وکامران زندگی گزارنے کا شوق دل میں انگڑائیاں لینے لگتا ہے لیکن یہی قصہ جب ہم تورات میں پڑھتے ہیں تو ہمیں ایک عام آدمی کی زندگی کی پھیکی داستان حیات معلوم ہوتی ہے جو ہر قسم کی جاذبیت اور کشش سے یکسر خالی ہے۔

اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے تورات کی کتاب پیدائش کے چند حوالے پیش کرتا ہوں ان کا مطالعہ آپ آیات قرآنی سے کیجئے آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ اس قصہ کا ماخذ تورات نہیں بلکہ وحی الٰہی ہے جس کی وجہ سے اس کا ہر جملہ حکمت و دانش کا وہ آئینہ ہے جس میں زندگی کی حقیقتیں بے نقاب نظر آ رہی ہیں۔

حضرت یوسف کا تعارف یوں کرایا جاتا ہے:

یہ لڑکا اپنے باپ کی بیویوں بلہاہ اور زلفہ کے بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا اور وہ ان کے برے کاموں کی خبر باپ تک پہنچا دیتا تھا۔

(کتاب پیدائش : باب ۴۰ - آیت ۲) یعنی یوسف کا کام چغلی کرنا تھا۔

آپ نے جب اپنا خواب اپنے والد محترم کو بتایا تو انھوں نے سن کر جو جواب دیا وہ ملاحظہ ہو :-

"تب اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور اس کو کہا یہ خواب کیا ہے جو تو نے دیکھا ہے۔ کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کر تجھے سجدہ کریں گے" (باب ۳۷ : آیت ۱۱)

اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۴ ، ۵ ، ۶ کی تلاوت فرمائیے۔

یوسف کے بھائی آپ کو ڈھونڈنے لگا جب بکرے کے خون سے آپ کی قبا کو آلودہ کر کے لے آئے تو حضرت یعقوبؑ نے جو کچھ کیا تھا۔

"پھر انھوں نے یوسف کی قبا لے کر اور ایک بکرا ذبح کر کے اسے اس کے خون میں تر کیا ..... سو وہ اسے ان کے باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ ہم کو یہ چیز پڑی ملی اب تو پہچان کہ یہ تیرے بیٹے کی قبا ہے یا نہیں اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی برا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کے لیے ماتم کرتا رہا" (باب ۳۷ - آیات ۳۲ ، ۳۳ ، ۳۴)

اس کے بعد سورۂ یوسف کی آیات ۱۶ ، ۱۷ ، ۱۸ ملاحظہ فرمائیے۔

جب یوسف علیہ السلام عزیز مصر کی بیوی سے دامن چھڑا کر بھاگے اور راستے میں عزیز مصر سے مڈبھیڑ ہوئی تو زلیخا نے جو الزام لگایا اور اس کے خاندان کے ایک کمسن نے جس طرح آپ کی براءت ثابت کی یہاں تک کہ عزیز کو اپنی بیوی سے کہنا پڑا "انہ کن کیدکن ان کیدکن عظیم" یہ ساری تفصیل آپ سورۂ یوسف میں پڑھ چکے ہیں۔ اب اس واقعہ کو تورات کی زبان سے سنیے "جب اس کے آقا نے اپنی بیوی کی وہ باتیں جو اس نے اس سے کہیں سن لیں کہ تیرے غلام نے مجھ سے ایسا ایسا کیا تو اس کا غضب بھڑکا۔

اور یوسف کے آقا نے اس کو لے کر قید خانہ میں جہاں بادشاہ کے قیدی بند تھے ڈال دیا۔ سو وہ وہاں قید خانہ میں رہا"

(باب ۳۹ : آیات ۱۹ ، ۲۰)

قید خانہ میں آپ کے نظر بند کیے جانے اور بادشاہ کے ساقی اور باورچی کے خواب بیان کرنے کا تو ذکر ہے لیکن ایک حرف توحید کی طرف اشارہ تک بھی نہیں جس سے زندان مصر کی تاریک فضا نور توحید سے جگمگا اٹھی تھی۔

جب بادشاہ مصر نے وہ عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر کاہن اور دانشور نہ بتا سکے تو اس نے اپنے ساقی کو قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے پاس بھیجا اس وقت آپ نے جس بلند حوصلگی اور غیرت کا مظاہرہ کیا اس کی تفصیل آپ سورہ مذکورہ کی آیات ۵۰ تا ۵۲ میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے اب یہاں بھی پڑھیے۔ فرق خود ہی واضح ہو جائے گا۔

"تب فرعون نے یوسف کو بلا بھیجا۔ سو انھوں نے جلد اسے قید خانہ سے باہر نکالا اور اس نے حجامت بنوائی اور کپڑے بدل کر فرعون کے سامنے آیا" (باب ۴۱ - آیت ۱۴)

بھائی جب پہلی بار آپ کے پاس آئے تو ان کی آمد کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

"سو یوسف کے بھائی آئے اور اپنے سر زمین پر ٹیک کر اس کے حضور آداب بجا لائے" (باب ۴۲ - آیت ۶)

پھر آپ ان پر جاسوسی کا غلط الزام لگاتے ہیں۔

"یوسف نے تو اپنے بھائیوں کو پہچان لیا تھا پر انھوں نے اُسے نہ پہچانا اور یوسف ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ان سے کہنے لگا کہ تم جاسوس ہو تم آئے ہو کہ اس ملک کی بری حالت دریافت کرو۔" (باب ۴۲ - آیت ۹، ۱۰)

بھائی اس الزام سے اپنی برأت ثابت کرتے ہیں لیکن آپ پھر انھیں کہتے ہیں۔

"تب یوسف نے ان سے کہا میں تو تم سے کہہ چکا کہ تم جاسوس ہو سو تمہاری آزمائش اس طرح کی جائے گی کہ فرعون کی حیات کی قسم تم یہاں سے جانے نہ پاؤ گے جب تک تمہارا سب سے چھوٹا بھائی یہاں نہ آ جائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ورنہ فرعون کی حیات کی قسم تم ضرور ہی جاسوس ہو! اور اس نے ان سب کو تین دن تک اکٹھے نظر بند رکھا۔ (باب ۴۲ - آیت ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷)

حضرت یوسف کے پیراہن بھیجنے حضرت یعقوب کے یوسف کی خوشبو سونگھنے کا تورات میں ذکر تک بھی نہیں۔

جب مصر قحط میں مبتلا ہو گیا، زرخیز زمینیں بنجر بن گئیں، جہاں کبھی سرسبز و شاداب کھیت لہلہایا کرتے تھے وہاں خاک اڑنے لگی اور مصری قحط کی وجہ سے بھوکوں مرنے لگے تو تورات کے بیان کے مطابق حضرت یوسف نے جو سلوک اپنی رعایا سے کیا وہ منصب نبوت تو کجا کسی معمولی حاکم کے شایان شان بھی نہیں بلکہ وہ ایک سنگدل اور بے رحم بنیے کا سلوک ہے۔ چنانچہ پہلے سال ہی غلہ اتنی گراں قیمت پر فروخت کیا گیا کہ قوم کی ساری پونجی ختم ہو گئی۔ دوسرے سال جب وہ غلہ کا مطالبہ کرنے کے لیے آئے تو ان کے سارے مویشی لے لیے گئے۔ تیسرے سال جب فاقہ کشیوں سے مجبور ہو کر یوسف کے پاس آتے ہیں تو یوسف اس شرط پر انھیں غلہ دینے پر رضامند ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی ساری زمینوں کو فرعون کے نام پر فروخت کر دیں۔ تورات کا بیان ملاحظہ ہو۔

"اور اس سارے ملک میں کھانے کو کچھ نہ رہا کیونکہ کال ایسا سخت تھا کہ ملک مصر اور ملک کنعان دونوں کال کے سبب سے تباہ ہو گئے تھے اور جتنا روپیہ ملک مصر اور ملک کنعان میں تھا وہ سب یوسف نے اس غلہ کے بدلے جسے لوگ خریدتے تھے لے کر جمع کر لیا اور سب روپیہ کو اس نے فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔" (باب ۴۷ - آیت ۱۳، ۱۴)

دوسرے سال جب غلہ لینے آئے تو انھوں نے کہا۔

"تو مصری یوسف کے پاس آ کر کہنے لگے ہم کو اناج دے کیونکہ روپیہ تو ہمارے پاس رہا نہیں۔ ہم تیرے جیتے جی کیوں مریں۔ یوسف نے کہا اگر روپیہ نہیں ہے تو اپنے چوپائے دو اور میں تمہارے چوپایوں کے بدلے تم کو اناج دوں گا۔" (آیت ۱۵، ۱۶)

چنانچہ انھوں نے سارے مویشی یوسف کو دے کر غلہ لیا اور سال گزارا۔ تیسرے سال وہ پھر غلہ کی طلب میں حاضر ہوئے تو ان کی بے بسی اور خستہ حالی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے غلہ لینے کے معاوضہ میں اپنے آپ کو اور اپنی زرعی زمینوں کو فروخت کرنے کی پیش کش کر دی اور یوسف کو ذرا رحم نہ آیا بلکہ اس نے بڑی خوشی سے ان کی پیش کش کو قبول کیا اور فرعون کے نام پر انھیں بھی اور ان کی زمینوں کو بھی خرید لیا۔ تورات میں ہے:

"سو تو ہم کو اور ہماری زمین کو اناج کے بدلے خرید لے کہ ہم فرعون کے غلام بن جائیں اور ہماری زمین کا مالک بھی وہی ہو جائے

اللہ کرے ہم پر ہی ہو کہ ہم ہلاک نہ ہوں بلکہ زندہ رہیں اور ملک بھی ویران نہ ہو اور یوسف نے مصر کی ساری زمین فرعون کے نام پر خرید لی کیونکہ کال سے تنگ آکر مصریوں میں سے ہر شخص نے اپنا کھیت بیچ ڈالا سو ساری زمین فرعون کی ہو گئی۔"

(باب ۴۷۔ آیت ۱۹، ۲۰)

"تب یوسف نے وہاں کے لوگوں سے کہا کہ دیکھو میں نے آج کے دن تم کو اور تمہاری زمین کو فرعون کے نام پر خرید لیا ہے سو تم اپنے لیے یہاں سے بیج لو اور کھیت بو ڈالو۔" (باب ۴۷۔ آیت ۲۳)

یہ ہے سیرت یوسفی کا وہ خاکہ جو تورات میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کا موازنہ قرآن کریم سے کیجیے اگر آپ انصاف اور حق طلبی کے جذبہ سے بالکل محروم نہیں کر دیئے گئے تو مستشرقین کے اس اعتراض کی لغویت اور بیہودگی آپ کے سامنے عیاں ہو جائے گی اور آپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اللہ کے سچے پیغمبر اسلام علیہ اطیب التحیۃ والثناء والسلام نے ان واقعات کو اہل کتاب سے سن کر بیان نہیں کیا۔ بلکہ براہ راست اللہ رب العالمین سے سنا اور لوگوں کو سنایا والحمد للہ رب العالمین۔

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آيَاتُهَا ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورہ یوسف مکی ہے اس کی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آیتیں ۱۱۱ اور رکوع ۱۲

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

الف لام را سلہ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔ سلہ بیشک ہم نے اتارا اسے بصورت قرآن عربی کو تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ

خوب سمجھ سکو سلہ ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ایک بہترین قصہ سلہ اس قرآن کے ذریعہ جو

سلہ حروف مقطعات میں اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سلہ تلک مبتدا ہے آیات الکتاب المبین خبر ہے مبین اسم فاعل ہے۔ اَبَانَ سے بمعنی بَانَ اور بیّن کے معنی میں استعمال ہوتا ہے پہلی صورت میں یہ لازم ہوگا اور اس کا معنی ہوگا ظَهَرَ یعنی اس کتاب کا کلام الٰہی ہونا ایسی صداقت ہے جو اظہر من الشمس ہے کسی دلیل کی محتاج نہیں۔

دوسری صورت میں یہ متعدی ہوگا اور اظہر کے معنی میں مستعمل ہوگا اس وقت اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ کتاب حق و باطل کو ظاہر کر دینے والی ہے۔

سلہ انزلناہ کی ضمیر کا مرجع کتاب ہے یا قصہ یوسف پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس کو بغیر دقت کے اور آسانی سے سمجھو۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ قصہ یوسف جس کے متعلق اہل کتاب نے دریافت کیا ہے اسے ہم نے عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اے اہل عرب! تم اسے سمجھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو۔ قرآناً عربیاً کے منصوب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حیان لکھتے ہیں وانتصب قرآناً قیل علی البدل من الضمیر وقیل علی الحال الموطئة یعنی قرآناً بدل ہوگا انزلناہ کی ضمیر کا جس نے یہی ترکیب محفوظ رکھی ہے اور یا عربیا ضمیر کا حال ہوگا۔ اور قرآناً بطور تمہید تاکید حال ہوگا جیسے صورت میں ہوتا ہے (دیکھئے البحر المحیط ج ۵)

سلہ القصص۔ قَصَّ سے مصدر ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کا پیچھا کرنا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کی والدہ نے جب آپ کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا تو انھوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ کہ اس تابوت کے پیچھے جاؤ دیکھو کہاں جاتا ہے چونکہ قصہ گو واقعہ کو ایک ترتیب سے بیان کرتا ہے اس لیے اس کو قَصّ (قصہ گوئی) کہتے ہیں اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم اس واقعہ کو بہترین پیرایہ میں بیان کرتے ہیں بعض علما کا خیال ہے کہ قصص قصہ کا ہم معنی ہے جیسا ہم نے لفظی ترجمہ میں "آپ سے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں" اس کو احسن القصص کہنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ انسانی زندگی کے تمام کرداروں کو یہاں اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ہر ایک کی حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے اور اسی کے ضمن میں زندگی کے ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جن کا انسانی معاشرہ کے ساتھ گہرا تعلق ہے اس میں توحید کے دلائل

اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے۔ اگرچہ آپ اس سے پہلے غافلوں میں سے تھے۔ ؎

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ

(یاد کرو) جب کہا یوسف نے اپنے والد سے کہ اے میرے (محترم) باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا ہے گیارہ ستاروں کو اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

سورج اور چاند کو میں نے انھیں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے میرے بچے مت بیان کرنا

خوابوں کی تعبیر، سیاسی مسائل، معاشرہ کی پیچیدگیاں، معاشی حالات کی تدابیر غرضیکہ تمام وہ امور جو دین و دنیا کی اصلاح میں موثر ثابت ہو سکتے ہیں بڑی عمدگی سے بیان کر دیئے گئے۔ فیہا ذکر التوحید والفقہ والسیر وتعبیر الرؤیا والسیاسۃ والمعاشرۃ وتدبیر المعاش وجمل الفوائد التی تصلح للدین والدنیا۔ (قرطبی)

؎ یعنی وحی الٰہی سے پہلے دوسرے لوگوں کی طرح اس واقعہ کا صحیح علم آپ کو بھی نہ تھا۔

؎ حضرت یوسف کی عمر ابھی بہت چھوٹی ہی تھی بعض روایات کے مطابق تیرہ سال اور بعض کے مطابق اس سے بھی کم تو آپ نے یہ خواب دیکھا اور اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا۔ آپ نے آیت میں ملاحظہ کیا کہ رأیت کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ نے گیارہ چمکتے ہوئے ستاروں اور شمس و قمر کو دیکھا اور پھر دیکھا کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں۔ چونکہ دونوں مشاہدے مستقل اہمیت کے حامل تھے اس لیے ان کو علیحدہ علیحدہ ذکر فرمایا۔ رایتہم کی ضمیر کا مرجع ستارے اور شمس و قمر ہیں۔ تانیث کے مطابق رایتہا ہونا چاہیے تھا لیکن یہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن ان سے اطاعت و انقیاد کا وہ فعل صادر ہوا ہے جو ذوی العقول کا فعل ہے اس لیے ان کے لیے مذکر کی جمع استعمال کی۔ سجدہ کا لغوی معنی بھی یہاں مراد لیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے آپ کے سامنے اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دی ہوں۔ سجدہ تعظیمی کی بحث آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

؎ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ حضرت یوسف سے محبت کیا کرتے تھے۔ تورات میں ہے اور اسرائیل یوسف کو اپنے تمام بیٹوں سے زیادہ پیار کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے بڑھاپے کا بیٹا تھا اور اس نے اسے ایک بوقلمون قبا بھی بنا دی تھی۔ (پیدائش ۳۷: ۳) میرے نزدیک محبت کی یہ وجہ درست نہیں ورنہ چاہیے تھا کہ بنیامین سے سب سے زیادہ پیار کیا جاتا کیونکہ وہ حضرت یوسف سے بھی زیادہ بڑھاپے کا بیٹا تھا۔ اس محبت کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی کہاوت کے مطابق حضرت یوسف کی جبین سعادت پر شرافت اور مدارج عالیہ پر فائز کرنے والی صلاحیتوں کے آثار و انوار آپ کے چہرہ پر نمایاں تھے اسی لیے حضرت یعقوب دل سے چاہتے تھے یعنی ان کی تعبیر جو انتہائی محبت کی غمازی کر رہی ہے۔

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ

اپنا خواب اپنے بھائیوں سے ورنہ وہ سازش کریں گے تیرے خلاف۔ بیشک شیطان انسان کا

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ

کھلا دشمن ہے۱۰ اور اسی طرح چن لے گا تجھے تیرا رب۱۱ اور سکھا دے گا تجھے باتوں کا انجام۱۲

۹؎ جب معصوم یوسف نے یہ خواب اپنے والد بزرگوار سے بیان کیا تو آپ نے اس کی تعبیر بتانے سے پہلے یوسف کو ہدایت کرنا ضروری سمجھا کہ وہ اس عظیم خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے ہرگز نہ کریں ورنہ وہ درپے آزار ہوں گے کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ بھائی ان سے حسد کرتے ہیں۔

۱۰؎ شیطان کا تو کام ہی لوگوں کو بہکاتے رہنا ہے وہ برے کاموں اور سنگین جرموں کو بھی نہایت حسین اور دلکش بنا کر پیش کرتا ہے کہ اچھا بھلا عقلمند انسان بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ یہی شیطان تھا جس نے قابیل کے سامنے اپنے نیک نفس بھائی ہابیل کا قتل عین سعادت بنا کر پیش کیا تھا اس لیے شیطان کی فتنہ پردازیوں سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تیرے بھائیوں کو تیرے خلاف اکسائے اور تجھے اذیت پہنچانے کے لیے ان کو برانگیختہ کرے اس لیے تم اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں کے سامنے نہ کرنا۔

۱۱؎ اجتبیٰ کی تحقیق کرتے ہوئے زجاج لکھتے ہیں کہ جَبَيْتُ الشَّيْءَ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص کر لینا قال الزجاج الاجتباء مشتق من جبيت الشیء اذا خلصته لنفسك (کبیر) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں اجتباء اللّٰہ العبد تخصیصہ ایاہ بفیض الٰہی یتحصل لہ منہ انواع من النعم بلا سعی من العبد وذلک للانبیاء وبعض من یقاربھم من الصدیقین والشہداء (مفردات) یعنی اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو چن لینے کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو اپنے مخصوص فیض سے بہرہ یاب فرماتا ہے جس کی برکت سے اسے طرح طرح کی نعمتیں بغیر اس کی ذاتی کوشش کے حاصل ہو جاتی ہیں اور یہ شرف انبیاء کو اور صدیقین اور شہداء کو بخشا جاتا ہے۔

۱۲؎ حضرت یعقوب اپنے فرزند ارجمند کو مزید خوشخبری سنا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمائے گا۔ امام رازی نے تاویل الاحادیث کا ایک اور مفہوم بھی بیان فرمایا ہے یعنی روحانی اور جسمانی مخلوقات سے اللہ تعالیٰ کی قدرت، حکمت اور اس کی جلالت شان پر استدلال کرنا۔ المراد من تاویل الاحادیث کیفیۃ الاستدلال باصناف المخلوقات الروحانیۃ والجسمانیۃ علی قدرۃ اللّٰہ وحکمتہ وجلالتہ (کبیر)

الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا

اپنی خوابوں کی تعبیر اور پورا فرمائے گا اپنا انعام تجھ پر ۱۲ اور یعقوب کے گھر والوں پر جیسے اس نے پورا

عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶

فرمایا اپنا انعام اس سے پہلے تیرے دو دادوں ابراہیم اور اسحاق پر یقیناً تیرا پروردگار سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے ۱۳

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا

بیشک یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصہ) میں بڑی عبرت انگیز نشانیاں ہیں دریافت کرنے والوں کے لیے ۱۴ جب بھائیوں نے کہا

لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا

کہ یقیناً یوسف اور اس کا بھائی زیادہ پیارا ہے ہمارے باپ کو ہم سے ۱۵ حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں۔ یقیناً ہمارا والد

۱۲؎ اس نعمت سے مراد دنیوی اور اخروی سعادتیں ہیں اور نعمت نبوت تمام نعمتوں سے افضل و برتر ہے۔

۱۳؎ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون کس نعمت کے لائق ہے اور اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

۱۴؎ بھائیوں کا آپ سے حسد اور اس کا انجام حضرت یوسف کا انتہائی اشتعال انگیز حالات میں دامن عفت پر داغ نہ آنے دینا غربت اور غلامی کی رسوائیوں اور قید و بند کی سختیوں کو خوشی سے برداشت کرنا اقتدار ملنے کے بعد اپنے ظالم بھائیوں کو معاف کر دینا حضرت یعقوب کا صبر و تحمل اور پھر طویل فراق کے بعد وصال یہ ساری ایسی باتیں ہیں جن میں جتنا زیادہ غور کیا جائے گا اتنا ہی فطرت انسانی کے دقائق کھلتے چلے جائیں گے نیز صبر و عفو و درگزر اور دیگر اخلاق حسنہ کی بالادستی پر یقین اتنا ہی پختہ ہوتا جائے گا اس لیے فرمایا کہ ان کے بھائیوں کے قصہ میں قدرت الٰہیہ اور حکمت الٰہیہ کے متعلق استفسار کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ حضرت یوسف اور بنیامین ایک والدہ کے شکم سے تھے ان کا نام راحیل تھا اور توراۃ میں لکھا ہے یہ آپ کے ماموں کی لڑکی تھی۔ روبیل، شمعون، لاوی، یہودا، زبولون اور یشکر یہ چھ بیٹے اور ایک بیٹی دینہ لیا کے بطن سے تھے جو راحیل کی بہن تھیں اور چار بیٹے دان، نفتالی، جاد اور آشر کنیزوں کی اولاد تھے۔ (مظہری)

۱۵؎ حضرت یعقوب کی یوسف سے خصوصی محبت کے باعث بھائیوں کے دلوں میں حسد کا جذبہ پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ اب اس خواب کے متعلق سنا تو وہ جذبہ بھڑک اٹھا انہوں نے اپنے راستہ میں چبھنے والے کانٹے کو نکال پھینکنے کا فیصلہ کر لیا۔ باہمی مشورہ کے لیے اکٹھے ہوئے کہ ہم دس جوان بھائی ہیں۔ سارے کنبہ کا بوجھ ہم اٹھائے پھرتے ہیں گھر بار کی ساری ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ہے۔ مویشی ہم چراتے ہیں ان کی حفاظت ہم کرتے ہیں۔ اور یہ ہمارے والد ہیں کہ جب دیکھو یوسف کو گود میں اٹھائے پیار کر رہے ہوتے ہیں

لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ

(ولیا کرنے میں) کھلی غلطی کا شکار ہیں ۱۶ قتل کر ڈالو یوسف کو کے یا دور پھینک آؤ اسے کسی علاقہ میں (یوں) تنہا ہو جائے گا

وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ

تمہاری طرف توجہ تمہارے باپ کی (رخ) اور ہو جانا اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک قوم ۱۸ (یہ تجویز سن کر) کہا ان میں سے ایک نے

اولاد کے بارے میں ان کا یہ رویہ قطعاً درست نہیں۔ عصبۃ دس سے لے کر چالیس تک کے جتھے کو کہتے ہیں العصبۃ من الرجال والخیل والطیر مابین العشرۃ والاربعین کالعصابۃ (قاموس)

۱۷ یہاں ضلال سے مراد عقیدہ کی گمراہی نہیں بلکہ ان دنیوی معاملات میں راہِ اعتدال سے انحراف ہے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ سلوک عدل و انصاف کے منافی ہے۔ انہ لفی ضلال عن رعایۃ المصالح فی الدنیا لا البعد عن طریق الرشد والصواب (کبیر)۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ جوان توانا بیٹوں کو نظر انداز کر کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے اتنا پیار کہاں کی مصلحت مندی اور دانشمندی ہے۔ آج بھی جب کہ تمدن میں کئی انقلاب برپا ہو چکے ہیں از منہ قدیمہ کی طرح اولاد کی کثرت انسان میں قوت و شوکت کا شعور پیدا کر دیتی ہے۔ وہ زمانہ جب کہ قبائل صحراؤں اور کھلے میدانوں میں بدویانہ زندگی بسر کرتے تھے اس وقت قبیلہ کی عزت و شوکت کا انحصار صرف قوت بازو پر تھا۔ معاشی خوشحالی کے لیے بھی کنبہ کا کثیر افراد پر مشتمل ہونا ضروری تھا۔ آپ خیال کریں کہ اس سوسائٹی میں جوان بیٹوں کی کتنی اہمیت ہو گی۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ یعقوب کی حقیقت شناس نگاہیں یوسف کی طلعت زیبا میں سعادت، نجابت، شرافت اور نبوت کے وہ جلوے دیکھ رہی تھیں جن کا ان میں نام و نشان تک نہ تھا۔

۱۸ یہ تجویز پیش ہوئی کہ یا تو یوسف کو قتل کر دیا جائے یا اسے کسی دور دراز علاقہ میں پھینک دیا جائے جب یہ باپ کی آنکھوں سے نہاں ہو جائے گا تو اس کی ساری توجہ اور محبت کا مرکز ہم ہو جائیں گے۔

۱۹ یہ پیغمبر زادے تھے بارہا یہ سنا تھا کہ کسی کو بلا وجہ قتل کرنا یا اسے اذیت پہنچانا جرم عظیم ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سخت گرفت ہوتی ہے اس لیے کچھ گھبراہٹ محسوس کی ہو گی لیکن ان کے نفس حیلہ ساز نے انہیں سہارا دیا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ یوسف کو ٹھکانے لگانے کے بعد توبہ کر لیں گے اور نیک ہو جائیں گے۔ گناہ معاف ہو جائے گا اور عذاب کا کھٹکا دور ہو جائے گا۔ مجرم ذہنیتیں ہمیشہ اسی طرح ہی سوچا کرتی ہیں۔ لیکن ایسے مجرموں کے دلوں کو وہ سوز و گداز، وہ احساس ندامت، وہ اشکبار آنکھیں نصیب ہی کب ہوا کرتی ہیں جو رحمت الٰہی کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہوں۔ یہ بھی شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یوسف کو قتل کرنے کے بعد تمہاری ساری دشواریاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے معاملات درست ہو جائیں گے۔ لیس المقصود بھا صلاح الدین بل المعنی یصلح شانکم عند ابیکم ویصیر ابوکم محبا لکم (کبیر)

۲۰ ایک بھائی (شمعون) نے کہا کہ یہ تجویز بڑی سنگدلانہ ہے۔ ایک معصوم بچے کو یوں بلا وجہ موت کے گھاٹ اتار دینا سخت معیوب بات ہے

مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ

کہنے والے نے ان میں سے نہ قتل کرو یوسف کو (بلکہ) پھینک دو اسے کسی گہرے کنوئیں کی تہہ میں اٹھا لیں گے اسے کوئی

السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ﴿١٠﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ

راہ چلتے مسافر۔ اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے (یہ طے کرنے کے بعد) انھوں نے (آکر) کہا اے ہمارے باپ! کیا ہوا آپ کو کہ آپ اعتبار نہیں

يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ﴿١١﴾ أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ

کرتے ہم پر یوسف کے بارے میں حالانکہ ہم تو اس کے سچے خیرخواہ ہیں۔ آپ بھیجئے اسے ہمارے ساتھ کل تاکہ خوب کھائے پیئے اور کھیلے کودے

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿١٢﴾ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ

اور ہم یقیناً اس کے نگہبان ہیں۔ آپ نے فرمایا بیشک مجھے غمزدہ بناتی ہے یہ بات کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ

اگر تم یوسف کو سامنے سے ہٹانے کا فیصلہ کر ہی چکے ہو تو اسے کسی سنسان جنگل کے ویران تاریک کنوئیں میں پھینک دو۔ کوئی قافلہ گزرے گا تو وہ اس کی آواز سن کر اسے نکال لے گا اور اپنے ساتھ اپنے ملک میں چلا جائے گا۔ اس طرح ہمارا مقصد بھی پورا ہو جائیگا اور ایک بے گناہ کے قتل ناحق سے ہمارا دامن بھی آلودہ نہ ہوگا۔ چنانچہ یہ تجویز بالاتفاق منظور ہوئی۔

غیابۃ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو تیری آنکھوں سے چھپا دے۔ کنوئیں کی تہ کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ زیادہ گہرائی کی وجہ سے تاریک ہوتی ہے اور جو چیز اس میں گرے وہ کسی کو نظر نہیں آتی اور جب اس کنوئیں کو کہتے ہیں جو بہت گہرا ہو اور اس میں پانی زیادہ ہو۔ فی القاموس الجب البئر الکثیرۃ الماء البعیدۃ القعر۔

اب مشکل یہ درپیش تھی کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنائیں تو کیونکر۔ حضرت یعقوب تو یوسف کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے تھے۔ چنانچہ آئے اور آتے ہی آپ سے شکایت کی کہ آپ ہم پر یوسف کے بارے میں اعتماد نہیں کرتے۔ آخر اس بے اعتباری کا باعث کیا ہے۔ ہم اس کے دشمن تو نہیں۔ وہ ہمارا بھائی ہے ہمیں تو اس کی ہر طرح کی خیرخواہی مطلوب ہے۔ آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال کرنا تو بڑی زیادتی ہے۔ النصح القیام بالمصلحۃ وارادۃ الخیر (مظہری)

یہ کہنے کے بعد کہ ہم تو دل و جان سے یوسف کے خیرخواہ ہیں اور آپ ناحق ہم پر شک کرتے ہیں اب کہا کہ اگر آپ ہم پر اعتماد کرتے ہیں تو اسے کل سیر و تفریح کے لیے ہمارے ساتھ روانہ کیجئے۔ رتع کہتے ہیں جی بھر کر کھانا۔ یقال رتع الانسان والابل اذا اکلا کیف شاء اور کھیلنے سے مراد دوڑنا، شکار کرنا، تیراندازی وغیرہ جو شریعت میں مباح ہیں۔ ویتسع فی اکل الفواکہ ونحوہا والاستباق والصید والجری معا یباح اتیانہ۔ (مظہری)

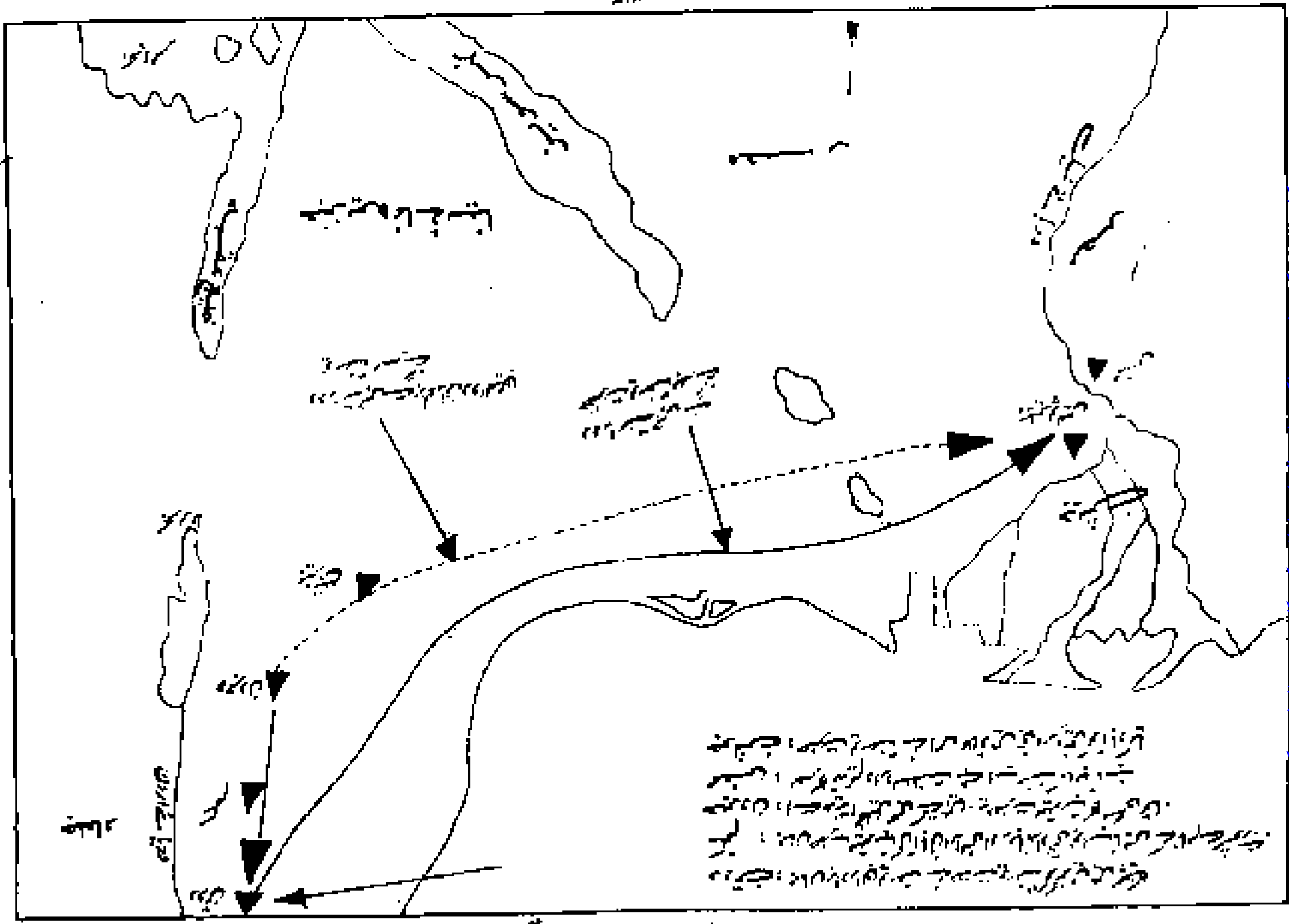

أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَئِنْ أَكَلَهُ

کہیں کھا نہ جائے اس کو بھیڑیا اور تم (سیر و تفریح کے باعث) اس سے بے خبر ہو۔ کہنے لگے اگر کھا جائے اسے

الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ

بھیڑیا حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھہ ہیں بلاشبہ ہم تو بڑے زیاں کار ہوں گے[۲۵]۔ پھر جب (بصد اصرار) اسے لے گئے[۲۶] اور

أَجْمَعُوْا أَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ

سب نے طے کر لیا کہ ڈال دیں اسے کسی گہرے کنوئیں کی تاریکیوں میں (تو ایسا ہی کیا) اس وقت ہم نے وحی کی یوسف کی طرف[۲۷] کہ (گھبراؤ نہیں) تم

۲۳؎ یعنی اس کی ہر طرح سے نگرانی کریں گے۔ اس طرح آپ کے یہ وسوسے اور بے یقینی کا پتہ چل جائیگا اور یہ بے اعتمادی ختم ہو جائے گی۔

۲۴؎ آپ نے اپنے دلی خدشات کا اظہار فرمایا۔ ممکن ہے کہ اس کے بہانہ کی طرف اشارہ کر دیا ہو۔ امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ آپ کو معلوم تھا کہ بھیڑیا آپ کو نہیں کھا سکتا لیکن آپ نے انہیں تنبیہ کی کہ تم اس کی حفاظت میں تساہل نہ برتنا۔ ولما قال انی اخاف ان یاکله الذئب الزجر عن التهاون فی حفظه وان کان یعلمون ان الذئب لا یصل الیه۔

۲۵؎ دوسری طرف سے ان خدشات کا ازالہ کر رہے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہم دس تنومند جوان ساتھ ہوں تو یہ ہو جائے بھیڑیے کی کیا مجال کہ یوسف کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے اگر ہماری موجودگی میں یوسف کو گزند پہنچے تو پھر ہمیں اسی شرم کے مارے ڈوب مرنا چاہیے۔

۲۶؎ حضرت یعقوب نے بادل نخواستہ اجازت دے دی۔ اس پر انھوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور یوسف کو بڑی محبت سے اپنے ساتھ لے چلے جب حضرت یعقوب کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو تند و ترش بن گئے۔ حضرت یوسف رحم طلب نگاہوں سے ایک ایک بھائی کے منہ کو دیکھتے لیکن یہ سنگدل الٹا یہی طعنہ دیتے کہ بلاؤ ان گیارہ ستاروں کو اور چاند اور سورج کو جنہوں نے تجھے سجدہ کیا تھا۔ آخر اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے وہ ایک مجہول کنوئیں پر پہنچے اور انہیں ڈول میں ڈال کر باندھے ہوئے رسی ڈال کر کنوئیں میں لٹکا دیا جب وہ درمیان میں پہنچے تو اوپر سے رسی کاٹ دی۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو حکم دیا ادرك عبدی جاؤ میرے بندے کو جا کر سنبھالو اس سے پیشتر کہ وہ سطح آب پر پہنچے جبریل نے آ کر آپ کے نیچے پر پھیلا دیے اور ان کو سنبھال لیا۔

۲۷؎ ان روح فرسا لمحوں میں حضرت یوسف کے معصوم دل پر جو گزری ہو گی اس کا آپ آسانی سے تصور کر سکتے ہیں۔ اس دل شکستگی اور رنج والم کی ان روح فرسا گھڑیوں میں حضرت یوسف کو یہ مژدہ سنایا جا رہا ہے۔ یوسف گھبراؤ مت ایک درخشاں مستقبل تیرے لیے چشم براہ ہے جبکہ ہم تجھے اتنا سرفراز کریں گے کہ تو سب کا مقبول بن جائے گا۔ تیرے یہ بھائی ایک دن تیرے دربار میں سائل کی حیثیت سے آئیں گے اور تو انہیں ان کا قصہ سنا کر دے گا۔ ان کی آنکھیں ان رفعتوں کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو ہم نے تیرے لیے مقدر فرما دی ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ تو ایک گوہر نایاب ہے جس کی قدر و قیمت کا یہ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ یہاں اوحینا بمعنی الہمنا ہے یعنی ہم نے یوسف کو بذریعہ الہام

بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٥﴾ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾

ضرور انہیں آگاہ کرو گے ان کی اس بُرے فعل پر اور وہ تیرے رتبہ عالی کو نہیں سمجھتے ۳۸ اور آئے اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت گریہ زاری کرتے ۳۹

قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا

کہنے لگے اے ہمارے ابا جی! ہم دور نکل گئے دوڑ لگاتے ہوئے اور ہم چھوڑ گئے یوسف کو اپنے سامان کے پاس وائے افسوس!

فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

کھا گیا اس کو بھیڑیا۔ اور آپ نہیں مانیں گے ہماری بات ۴۰ اگرچہ ہم سچے ہیں۔

وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور لے آئے اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر ۴۱ آپ نے فرمایا (واللہ) یہ یوں نہیں ہوا ۴۲ بلکہ آراستہ کر دکھایا ہے تمہارے

یہ صورت بتاتی ہے کہ بعض علماء کی یہ رائے بھی ہے کہ آپ کو اسی وقت شرف نبوت سے سرفراز کر دیا گیا تھا۔

۳۸ اس ناپاک منصوبہ پر عملی جامہ پہنانے کے بعد دن بھر خوب سیر و تفریح کرتے رہے۔ عشاء کے وقت چیختے چلاتے شور مچاتے گھر لوٹے۔

۳۹ حضرت یعقوب تو پہلے ہی اتنی تاخیر پر مضطرب ہو رہے تھے۔ جب انہوں نے یہ شور و فغاں سنا ہوگا تو بے چین ہو گئے ہوں گے۔ پوچھا بچو کیا ہوا۔ کیوں رو رہے ہو۔ مجھے یوسف نظر نہیں آ رہا وہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے انتہائی فریب کاری سے یہ جواب دیا۔

۴۰ ہمیں یقین ہے کہ آپ ہماری اس بات کو مانیں گے نہیں کیونکہ پہلے ہی آپ کا دل ہماری طرف سے صاف نہیں۔ لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں جو قصہ ہم آپ کو بیان کر رہے ہیں یہ سو فیصد سچا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

۴۱ اس کے ساتھ انہوں نے ایک اور فریب کیا۔ ایک دنبہ یا ہرن ذبح کیا اور یوسف کی قمیص کو اس کے خون میں لت پت کر کے لے آئے اور اسے اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لیے بطور ثبوت پیش کر دیا۔

۴۲ آپ نے یہ سن کر فرمایا یہ محض تمہارے نفسوں کی فریب کاری ہے ورنہ تمہارے اس دعویٰ میں صداقت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ قمیص جو تم کسی کے خون میں لت پت کر کے لائے ہو یہ بھی صاف صاف بتا رہی ہے کہ تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ اگر بھیڑیے نے یوسف کو کھایا ہوتا تو کیا یہ قمیص جگہ جگہ سے پھٹ نہ گئی ہوتی۔ ایسا عقلمند بھیڑیا تو آج تک کبھی سننے میں نہیں آیا کہ اس نے آدمی کو تو کھا لیا ہو اور قمیص پر خراش تک نہ آنے دی ہو۔ سوّلت کا معنی ہے مزین و آراستہ کرنا۔ سولت ای زینت۔ التسویل تزیین النفس لما تحرص علیہ وتصویر القبیح بصورۃ الحسن۔ (مظہری)

أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾

نفسوں نے اس (شرمناک) جرم کو۔ پس (اس جانکاہ حادثہ پر) صبر جمیل کروں گا۔ ۲۳ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگوں گا اس پر جو تم بیان کر رہے ہو۔ ۲۴

وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ

اور (اتفاقاً) آیا ادھر (بعد میں) ایک قافلہ ۲۵ تو انہوں نے بھیجا اپنا پانی لانے والا اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔ وہ پکارا (اٹھا) مژدہ باد!

هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَ

یہ (تو) لڑکا ہے۔ اور انہوں نے چھپا لیا اسے متاع (تجارت) سمجھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو وہ کر رہے تھے۔ اور

۲۳ آپ نے فرمایا میں تو اس جانکاہ حادثہ پر صبر جمیل کروں گا۔ صبر جمیل اس صبر کو کہتے ہیں جہاں نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ جزع و فزع کا گزر ہو۔ والصبر الجميل هو الذي لا جزع فيه ولا شكوى۔ (قرطبی)

حضرت یعقوب علیہ السلام کی جلالت شان اور مقام نبوت کا یہی تقاضا تھا کہ وہ دامن صبر کو مضبوطی سے تھام لیں اور کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہ کریں جو عام لوگوں سے ایسے موقعوں پر سرزد ہوتی ہے۔ لیکن تورات کا بیان اس کے برعکس ہے۔ اور اس نے اسے پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو میرے بیٹے کی قبا ہے۔ کوئی برا درندہ اسے کھا گیا ہے۔ یوسف بے شک پھاڑا گیا۔ تب یعقوب نے اپنا پیراہن چاک کیا اور ٹاٹ اپنی کمر سے لپیٹا اور بہت دنوں تک اپنے بیٹے کا ماتم کرتا رہا اور اس کے سب بیٹے بیٹیاں اسے تسلی دینے جاتے تھے پر اسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں تو ماتم ہی کرتا ہوا قبر میں اپنے بیٹے سے جا ملوں گا۔ سو اس کا باپ اس کے لیے روتا رہا۔ (پیدائش ۳۷: ۳۳، ۳۴، ۳۵) قرآن کریم کی عظمت اور صداقت کا آپ اس ایک واقعہ سے ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۲۴ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب بحث لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضرت یعقوب کو ان کی غلط بیانی کا یقین ہو گیا تھا تو وہ کیوں نہ یوسف کی جستجو میں نکلے اور کیوں آتش فراق میں برسوں جلتے رہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس امر کا تو انہیں یقین تھا کہ یوسف زندہ ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کے خاموش ہو کر بیٹھے رہنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تلاش کرنے سے منع فرما دیا ہو تاکہ ان کے صبر و استقامت کا کڑا امتحان ہو جائے اور یا اس لیے کہ آپ کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ یوسف کی خود حفاظت کرے گا وہ خود ہی اس کا نگہبان ہے اور جو مستقبل کے متعلق پہلے ہی بتا دیا گیا ہے وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ والجواب عنه الاول انه يقال انه سبحانه وتعالى منعه عن الطلب تشديدا للمحنة عليه وتغليظا للامر عليه ...... وايضا لعله عليه السلام علم ان الله تعالى يصون يوسف عن البلاء والمحنة وان امره سيعظم بالآخرة ثم لم يرد هتك استار سرائر اولاده ...... فلهذا وقع يعقوب عليه السلام في هذه البلية لان العصب المحكوت وتفويض الامر الى الله تعالى بالكلية۔ (کبیر)

۲۵ ایک قافلہ آ رہا تھا اور ان کا گزر اس کنویں کے قریب سے ہوا اور پڑاؤ بھی وہیں ہوا۔ سیارۃ کا معنی ہے قافلہ یعنی وہ قوم جو سفر کر رہی ہو۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾

انھوں نے بیچ ڈالا یوسف کو حقیر سی قیمت پر چند درہموں کے عوض ۳۳ اور وہ (پہلے ہی) اس بارے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے ۳۴

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ

اور کہا اس شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا (اہل) مصر سے ۳۵ اپنی بیوی کو عزت والا کرو اسے ٹھہرانا ۳۶ شاید یہ

ادلی: اَدْلٰی کا معنی ڈول کو کنوئیں سے نکالنا اور دَلّٰی کا معنی ڈول کو کنوئیں میں لٹکانا۔

وارد: اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کنوئیں یا چشمہ وغیرہ پر جا کر قافلے کے لیے پانی کا انتظام کرے۔

یٰبُشْرٰی: یہ لفظ انتہائی تعجب و سرور کو ظاہر کرتا ہے جب اس آدمی نے ڈول باہر نکالا اور اس میں ایک چاند کو شرما دینے والا حسین بچہ دیکھا تو وہ فرط مسرت سے بے قابو ہو گیا اور پکار اٹھا یٰبُشْرٰی اے خوشخبری۔

۳۳ جب تیسرے دن یوسف کے بھائی خبر لینے کے لیے آئے تو ان کو کنوئیں میں نہ پایا لیکن وہاں ایک قافلہ کے فروکش ہونے کے نشانات موجود تھے۔ وہ اس قافلہ کے تعاقب میں نکلے جلد ہی وہ قافلہ انھیں مل گیا۔ اس میں یوسف کو پکڑ لیا اور بتایا کہ یہ ہمارا غلام ہے چند دن سے بھاگ آیا ہے۔ چنانچہ تھوڑی سی قیمت پر اس کو چھوڑ کر ان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

۳۴ یعنی ان کو یوسف سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ اسے فروخت کر کے زیادہ روپیہ کمانے کے آرزو مند تھے۔ ان کے پیش نظر تو صرف یہ بات تھی کہ کسی طرح وہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے لانه لم یکن قصدهم تحصیل الثمن انما کان قصدهم تبعید یوسف عن ابیه (مظہری) علامہ راغب اصفہانی لفظ زاہد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الزهید الشیء القلیل والزاهد فی الشیء الراغب عنه (مفردات) تھوڑی چیز کو زہید کہتے ہیں اور جو شخص کسی چیز سے بیزار ہو اس میں کوئی دلچسپی نہ لیتا ہو اس کو الزاهد فی الشیء کہا جاتا ہے۔

۳۵ جب یہ قافلہ مصر کے پایہ تخت منف (Memphis) میں پہنچا تو قافلہ والوں نے دوسرے سامان تجارت کے ساتھ آپ کو بھی فروختگی کے لیے پیش کیا۔ یہ حسن و جمال کا ایک شگفتہ پھول جب بازار مصر میں لایا گیا ہوگا تو ساری فضا معطر ہو گئی ہوگی جس حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا اور نہ کانوں نے سنا۔ ایسے غلام کی آمد کی خبر آناً فاناً شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہوگی اور دیکھتے ہی دیکھتے خریداروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ہوں گے۔ لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔ آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک اعلیٰ افسر نے خرید لیا۔ اور آپ کے خریدار کا نام قطفیر یا فوطیفار ہے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے "وہ مدیانیوں نے اسے مصر میں فوطیفار کے ہاتھ جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا بیچا" (پیدائش ۳۷: ۳۶) قرآن حکیم نے اسے عزیز مصر کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

۳۶ عزیز مصر نے آپ کی لوح جبیں پر سعادت و نجابت کے نقوش دیکھ لیے تھے۔ بڑی محبت سے گھر لایا اور اپنی بیوی سے کہا کہ بڑا پیارا بچہ مل گیا ہے اس کے آرام و آسائش کا ہر وقت خیال رکھنا اس کو کسی طرح دل آزاری نہ ہو۔ اس کی شکل و صورت کسی شاندار مستقبل کی غمازی کر رہی ہے ہو سکتا ہے کسی دن یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ اس عورت کا نام ایک روایت میں راعیل ہے

أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ

ہمیں نفع پہنچائے یا بنالیں ہم اسے اپنا فرزند اور یوں (اپنی حکمت کاملہ سے) ہم نے قرار بخشا یوسف کو (مصر کی) سرزمین میں

وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ

اور تاکہ ہم سکھا دیں اسے خوابوں کی تعبیر اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے ہر کام پر

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا

لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۴۳ اور جب وہ پہنچے اپنے پورے جوبن کو تو ہم نے عطا فرمائی انہیں

اور تلمود میں اس کا نام زلیخا ہے۔ شاید اسی روایت سے ہماری کتابوں میں وہ زلیخا کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسمہا راعیل وقیل زلیخا
شئی فی اسمہ طرف ہے غیر ملکی لگے۔

۴۰ یعنی ایسے ملک میں جہاں کسی کو یوسف سے تعلیم فائدہ سے کا اہتمام نہ تھا جہاں غلاموں کی زنجیروں میں جکڑ کر مصر لایا گیا تھا جسے بیچنے والے بھی ایک بے وقعت غلام تصور کرتے تھے۔ جسے دوسرے عام غلاموں کی طرح منڈی میں لایا گیا اور فروخت ہوا اس کے لیے اتنی عزت و آسائش کے سامان مہیا فرما دینا مصری مملکت کے ایک عظیم رئیس کے دل میں اس کے لیے پدرانہ شفقت بلکہ فریفتگی کا جذبہ پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

۴۱ یعنی جس طرح ہم نے اس پر یہ مہربانی فرمائی اسی طرح حضرت یعقوب کی بتائی ہوئی تعبیر کو بھی پورا کیا جائے گا اور اسے تاویل الاحادیث کا علم مرحمت فرمایا جائے گا۔

۴۲ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ مشکلات کا ہجوم، مخالفتوں کے طوفان، اسباب و وسائل کا فقدان اس کے حکم کے وقوع پذیر ہونے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ بھائیوں کی ساری سازشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے یوسف کو جہاں پہنچانے کا ارادہ فرمایا وہ پورا کر دیا۔

۴۳ عام لوگ ظاہری حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام ناممکن ہے۔ ان کی نگاہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی حکمت سے ناواقف ہوتی ہیں اس لیے وہ شک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ قدرت خداوندی کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

۴۴ عمر کا وہ حصہ جس میں انسان کی جسمانی و عقلی قوتیں پوری طرح نشوونما پا لیتی ہیں اسے اشد کہتے ہیں۔ علماء کے نزدیک یہ تیس اور چالیس سال کے درمیانی عرصہ کا نام ہے۔ یعنی جب آپ کی فطری صلاحیتیں پوری طرح رونما ہو چکیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی خصوصی نوازشات سے سرفراز فرمایا اور انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔ حکم سے مراد حکمت اور نبوت ہے اور علم سے مراد احکام شرعی کا علم یا خوابوں کی تعبیر کا علم۔ اور ان کی عظمت شان کے اظہار کے لیے دونوں کو نکرہ ذکر کیا۔ عن ابن عباس ان الحکم النبوۃ والعلم الشریعۃ وتنکیرھما للتفخیم (روح المعانی)
علامہ ثناء اللہ پانی پتی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کے نفس مطمئنہ کو نفس امارہ پر حاکم بنا دیا گیا کہ عالم قدس سے

وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ

حکمت اور علم۔ اور یونہی ہم نیک جزا دیتے ہیں اچھے کام کرنے والوں کو ۔ اور پھسلانے لگی انہیں وہ عورت جس کے گھر

بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

میں آپ تھے کہ ان سے طلب برائی کرے اور اس نے تمام دروازے بند کر دیئے اور وہ کہنے لگی بس آ بھی جاؤ۔

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾

یوسف (پاکباز) نے فرمایا خدا کی پناہ! (ایسا نہیں ہو سکتا) وہ (تیرا خاوند) میرا محسن ہے اس نے مجھے بڑی عزت سے رکھا ہے بے شک ظالم فلاح

انوار الٰہیہ اور ربانی تجلیات کا فیضان اخلاص کی بدولت ہوتا ہے فیتضح بتفیض الانوار القدسیۃ والاضواء الالٰھیۃ من عالم القدس علی جوھر النفس (تفسیر مظہری) یہاں علامہ مذکور نے بڑی نفیس بحث لکھی ہے جو مطالعہ کے قابل ہے۔

ﷺ یعنی ہمارے یہ احسانات صرف حضرت یوسف تک محدود نہیں بلکہ جو بھی صبر، استقامت، عصمت، طہارت اور دیگر خصائل حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرے گا ہم اسے بھی ان نوازشات سے بہرہ ور فرمائیں گے۔

ﷺ جب عزیز کی بیوی آپ کے حسن جلال پر فریفتہ ہو گئی لیکن اس کے لیے یوسف جیسے پاکباز جوان سے بیکبارگی اظہار مدعا کرنا آسان نہ تھا اس نے نسوانی فطرت کے مطابق انہیں اپنا اسیر زلف بنانے کے لیے سینکڑوں جتن کیے ہوں گے اور آپ کے بے تکلف ہونے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی۔ وَرَاوَدَتْهُ کا لفظ اسی امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے والمراودۃ المطالبۃ برفق من راد یرود اذا ذھب وجاء یعنی مراودۃ کہتے ہیں بڑی نرمی اور ملاطفت و تلطف سے کسی چیز کا طلب کرنا اس کا اصل راد ہے اس کا مفہوم آنا جانا آمد و رفت رکھنا ہے۔ لیکن جب اس جوان صالح کی بے نیازیوں نے اس کے تمام حیلوں کو ناکام بنا دیا تو اس نے آخری قدم اٹھایا۔ یوسف کو اپنے پاس بلایا اور اپنے خلوت خانہ کے تمام دروازے بند کر دیئے اور جب بالکل تنہائی ہو گئی تو شرم و حیا کے تمام آداب کو پس پشت پھینکتے ہوئے کہنے لگی ھَیْتَ لَکَ۔ ھَیْتَ کی حرکات و سکنات کے متعلق بڑی طویل بحثیں کی گئی ہیں۔ لیکن حضرت ابن مسعود کی اس روایت کے بعد کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ھَیْتَ لَکَ پڑھایا ہے (کما اقرئنا) دونوں پر فتح (مزید قیل وقال کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ علمائے اس بارے میں بھی اختلاف کیا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔ کسی نے اسے حورانی کسی نے عبرانی اور سریانی اور ایک صاحب نے تو قبطی بھی کہا ہے لیکن صحیح قول وہ ہے جو مجاہد سے منقول ہے کہ یہ لفظ عجمی نہیں بلکہ عربی ہے کسی چیز پر برانگیختہ کرنے اور اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قال مجاھد وغیرہ ھی لغۃ عربیۃ وھی کلمۃ حث واقبال علی شیء (مظہری وغیرہ)

علامہ ابن حیان نے لکھا ہے ھیت اسم فعل بمعنی اسرع (یعنی یہ اسم فعل ہے اور جلدی کرو کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا ۚ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

نہیں پاتے۔ اور اس عورت نے تو قصد کر لیا تھا ان کا اور وہ بھی قصد کرتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی روشن دلیل۔ یوں ہوا

ٹ ذرا آپ خیال فرمائیے عزیز مصر کے محل کی ایک خلوت گاہ ہے جس کے سات دروازے بڑے اہتمام سے مقفل کر دیئے گئے ہیں۔ مکمل تنہائی ہے اس عالم میں آپ زلیخا کی اشتعال انگیز درخواست بلکہ تقاضا کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ آپ کے جواب کے ہر لفظ سے پیغمبرانہ جلالت متانت اور حکمت ظاہر ہو رہی ہے۔ پہلے فرمایا معاذ اللہ یعنی میرا رب جو حق ہے اس فعل قبیح کو ناپسند کرتا ہے۔ میں ایسے جرم سے اس کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا انہ ربی یعنی تو عزیز مصر کی آبرو ہے۔ جس نے مجھ پر اس غریب الوطنی میں اتنا احسان اور مروت کی ہے۔ بھلا میں ایسے محسن کی آبرو کو کیسے داغدار کر سکتا ہوں۔ آخر میں جملہ الہیہ میں سے ایک ایسا جملہ ہے جو ایک کامل قانون کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جو شخص اپنے محسن کے ساتھ برائی کرتا ہے وہ ظالم ہے اور ظلم کرنے والا کبھی کامران نہیں ہو سکتا۔ کتنے حکیمانہ اور باوقار انداز میں زلیخا کو بتا دیا کہ یہ سودا بڑا مہنگا ہے۔ یوسف اس کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

معاذ اللہ ان مصادر میں سے ہے جن کے فعل کا حذف ہو جانا واجب ہے جیسے سبحان اللہ۔

ربی کے متعلق اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ اس سے مراد عزیز مصر ہے کیونکہ رب بمعنی سید اور مربی (پرورش کرنے والا) عام مستعمل ہے اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ ربی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے۔

ٹ یہ آیت بڑی معرکۃ الآراء ہے۔ اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تاکہ حقیقت منکشف ہو اور کسی قسم کا شبہ دل میں خلجان پیدا نہ کرے۔ اس آیت میں ھمّ کا لفظ دو دفعہ مذکور ہے لیکن دونوں کے فاعل جدا جدا ہیں۔ ھمّت کا فاعل عزیز کی بیوی ہے اور دوسرے ھمّ کا فاعل حضرت یوسف ہیں۔ اب جس چیز کو دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ دونوں فعل ایک ہی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں یا ھمّت فعل کا معنی اور ہے اور ھمّ کا اور ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ھمّ بہا مستقل جملہ ہے اور لولا ان را برھان ربہ شرط ہے اور اس کی جزا محذوف ہے۔ اس جملہ شرطیہ کا پہلے کلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ جملہ تین پھر اس بات میں باہم مختلف ہیں کہ کیا ان دونوں فعلوں کا ایک ہی معنی ہے یا الگ الگ۔ ان میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ ھمّت کا معنی ہے کسی چیز کا عزم اور قصد کرنا اور ھمّ بہا میں عزم و قصد کا معنی نہیں بلکہ محض میلان طبع مراد ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس حرکت کے ارتکاب کا عزم مصمم کیا لیکن حضرت یوسف کے دل میں محض میلان طبع کا ظہور ہوا۔ لیکن یہ معنی بیان کرنے میں بلاغت سے زیادہ عقیدت کو دخل ہے۔ جو شخص حضرت یوسف کی نبوت کا قائل نہیں یا نبی کا معصوم ہونا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کو آپ کیسے مطمئن کریں گے اگر وہ یہ اصرار کرے کہ پہلا فعل جس کا اسناد زلیخا کی طرف ہے۔ اس کا معنی محض میلان طبع ہے اور دوسرے فعل کا معنی عزم و قصد ہے تو ہم اسے کیونکر قائل کر سکیں گے۔ دوسری جماعت کا خیال ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہے یعنی کسی کام کے کرنے کا عزم اور قصد کرنا۔ وہ کہتے ہیں زلیخا نے بھی اس فعل کا قصد و عزم کیا اور آپ نے بھی (نعوذ باللہ) بالکل تیار ہو گئے لیکن اس سے ملوث نہیں ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دلیل نمودار ہو گئی تھی۔ امام فخر الدین رازی اور دیگر محققین نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے اور ان کے

اس قول پر انتہائی ناگواری اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے اور اسے حضرت یوسف کے دامن عصمت پر ایک بدنما بہتان قرار دیا ہے۔ چونکہ حضرت امام رازی نے اس مسئلہ کو بڑی شرح و بسط سے لکھا ہے اس لیے انہیں سے استفادہ کرتے ہوئے اس گتھی کو سلجھانے کی بتوفیق اللہ کوشش کروں گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ لولا ان رآ برھان ربہ شرط ہے جو موخر ہے اور وھم بھا جزا مقدم ہے اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ زلیخا نے تو اس فعل کا عزم مصمم کیا اور اگر یوسف برہان الٰہی کو نہ دیکھتے تو وہ بھی اس انتہائی شرمناک گناہ میں اس فعل کا عزم اور قصد کرتے نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے چونکہ برہان الٰہی کا مشاہدہ فرمایا اس لیے ان سے اس فعل کا عزم و قصد وقوع پذیر نہیں ہوا۔ علامہ موصوف نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے متعدد نہایت وزن دار دلائل پیش کیے ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن سے پوچھیں جن کا اس واقعہ کے ساتھ براہ راست تعلق تھا کہ کیا حضرت یوسف نے عزم و قصد کیا تھا یا نہیں جو فیصلہ وہ دیں اس کو تسلیم کرنے میں تو کسی کو تذبذب نہیں ہونا چاہیے۔ فرماتے ہیں کہ جن کا اس واقعہ سے براہ راست تعلق تھا وہ یہ ہیں:۔

خود حضرت یوسف۔ زلیخا الحسن کا خاوند۔ زنان مصر۔ گواہ خود رب العالمین۔

یوسف علیہ السلام کا اپنا بیان یہ ہے ھی راودتنی عن نفسی کہ اس عورت نے مجھے طرح طرح سے پھسلانا چاہا۔ پھر آپ کا یہ دعا فرمانا رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ اے اللہ مجھے یہ بری حرکت کی طرف جس کے وہ بلاتی ہیں اس سے تو قید خانہ زیادہ پسند ہے۔ عزیز کی بیوی نے دوبار آپ کے دامن کی پاکی کا اعتراف کیا۔ پہلی مرتبہ اس نے زنان مصر کے سامنے کہا ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم۔ دوسری بار جب بادشاہ مصر نے یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے رہا کر کے اپنے دربار میں لانے کا حکم دیا تو حضرت یوسف نے اس کی اس دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ فرمایا کہ جب تک مجھ پر لگائے ہوئے بہتان کی تحقیق نہ ہو جائے میں جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں اس وقت زلیخا نے پھر برملا کہا الآن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین۔ اور عزیز مصر نے تو اسی وقت یہ کہہ دیا تھا انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم یہ سب تمہارا مکر ہے۔ یوسف بے گناہ ہے۔ اور اس گواہ نے بھی گواہی دی کہ اگر اس کا قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو یہ سچا ہے اور بے شک سچا ہے۔ اور اللہ جل مجدہ نے اس نے بھی آپ کی پاکدامنی کی شہادت دی جیسی آیت میں فرمایا لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین یعنی یوسف تو ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے اس سے تو ہم نے ہر قسم کی برائی اور فحش کو دور کر دیا ہے۔ اس کے بعد امام فرماتے ہیں کہ اور تو اور خود ابلیس نے کہہ دیا کہ یوسف کا دامن ہر طرح سے پاک ہے فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین یعنی مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو راہ راست سے بھٹکا دوں گا لیکن تیرے مخلص بندوں پر میرا داؤ نہیں چل سکتا اور یوسف بارشاد الٰہی مخلصین میں سے ہیں اس لیے شیطان کے فریب میں نہیں آ سکتے۔

ابھی ایک چیز حل طلب باقی ہے اہل لغت میں سے زجاج نے وھم بھا کو جزا مقدم بنانے سے انکار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جزا کی تقدیم شاذ ہے اور کلام فصیح میں موجود نہیں ان تقدیم جواب لولا شاذ وغیر موجود فی الکلام الفصیح۔ اس کا امام نے یہ جواب دیا ہے کہ ٹھیک احسن یہی ہے کہ جزا شرط سے مقدم نہ ہو لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر کسی معنوی اہمیت کے پیش نظر اس کو مقدم

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۭ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ (۲۴)

تاکہ ہم دور کردیں یوسف سے برائی اور بے حیائی کو۔ بیشک وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو چن لیے گئے ہیں (۲۴)

کردیا جائے تو یہ غلط ہے بلکہ علامہ ابو حیان نے تصریح کی ہے کہ جزا کو شرط پر مقدم نہ کرنے کا قاعدہ نحویوں کے نزدیک متفق نہیں ہے۔ بعض کوفیوں نے تو اس تقدیم کو بالکل جائز قرار دیا ہے۔ اور بصریوں میں سے ابو زید انصاری اور مبرد جیسے بلند پایہ عالم اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (بحر)

زجاج نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ لولا کی جزا پر لام آنا ضروری ہے اگر هم بها جزا مقدم ہوتی تو اس پر لام ضرور داخل ہوتا۔ لام کا نہ ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس کا لولا کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا کہ لام کا جواب پر لے آنا جائز ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ لام کے بغیر جزا آ ہی نہیں سکتی۔ بعض نے یہ آیت بطور استشہاد پیش کرکے زجاج کے دونوں اعتراضوں کو رد کردیا۔ ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها یہاں تو بالاتفاق ان کادت لولا کی جزا ہے۔ یہ مقدم بھی ہے اور اس پر لام بھی نہیں اور اگر اس پر کوئی بضد ہی ہو کہ لولا کی جزا بالکل مقدم نہیں ہو سکتی تو ہم کہیں گے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ هم بها جزا نہیں ہے کیونکہ یہ مقدم ہے اور تمہارے خیال میں اگر اس مقدم کو جزا مان لیا گیا تو آسمان گر پڑے گا لیکن وہ کیا جزا ہے جس کو تم مقدر مانتے ہو۔ قاعدے کے مطابق اسی چیز کو مقدر مانا جاسکتا ہے جس پر کلام سابق دلالت کرے اس لیے جو جزا مقدر مانی جائے گی وہ یہی هم بها ہی ہوگی جس پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے۔ اس صورت میں بھی معنی وہی رہیں گے جو ہم نے بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض اسلاف کے اقوال سے استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں نے یہ کہا کہ حضرت یوسف نے عزم و ارادہ کیا تھا۔ امام رازی اور ابو حیان اور دیگر محققین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ اقوال آپس میں اتنے متضاد ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب کر رہے ہیں کہ انہیں صحیح تسلیم نہیں کیا جاسکتا نیز کسی مستند روایت سے ان اسلاف سے ثابت بھی نہیں جن کی طرف انہیں منسوب کیا جاتا ہے۔ علامہ ابو حیان رقمطراز ہیں:

واما اقوال السلف فنعتقد انه لا يصح عن احد منهم شيء من ذلك لانها اقوال متكاذبة يناقض بعضها بعضا اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: وقد طهرنا كتابنا هذا عن نقل ما في كتب التفسير مما لا يليق ذكره واقتصرنا على ما دل عليه لسان العرب (بحر)

یعنی ہم نے اپنی اس کتاب کو ایسی خرافات کے نقل کرنے سے پاک رکھا ہے اور آیت کی توضیح کرتے ہوئے لغت عرب کے قواعد پر انحصار کیا ہے۔ برهان ربه برہان سے مراد حرمت زنا کی وہ عقلی دلیل ہے جو آپ کو معلوم تھی یا آپ کی جبلی طہارت اور فطری عصمت جو انبیاء کا خاصہ لازمہ ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے ہیں۔ لنصرف عنه السوء سوء سے مراد گناہ صغیرہ اور فحشاء سے مراد گناہ کبیرہ ہیں۔

(۲۴) مخلصین اور مخلَصین دونوں قراءتیں ہیں پہلی قراءت کے مطابق اس سے مراد وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے آپ کو خالص کرلیا۔ الذین اخلصوا طاعة لله اور دوسری قراءت کے مطابق وہ مراد ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لیے

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا

اور دونوں تیزی سے دوڑے دروازہ کی طرف [۵۵] اور اس عورت نے پھاڑ ڈالا آپ کا کرتہ پیچھے سے اور اتفاق ایسا ہوا کہ ان دونوں نے کھڑا پایا اس کے

الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ

خاوند کو دروازے کے پاس [۵۶] جھٹ بولی عورت (اپنے خاوند سے) کیا سزا ہے اس کی جو ارادہ کرے تیری بیوی کے ساتھ برائی کا بجز اسکے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ

کہ اسے قید کر دیا جائے یا اسے دردناک عذاب دیا جائے آپ نے فرمایا اسی نے پھسلانا چاہا مجھے میرے نفس سے اور گواہی دی ایک گواہ نے

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ

اس کے کنبے والوں سے جو پاس کھڑا تھا کہ دیکھو اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس نے سچ کہا اور وہ

چن لیا ہے الَّذِيْنَ اصْطَفٰهُمُ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ اور حضرت یوسف ان دونوں وصفوں سے متصف تھے۔

۵۵ آپ کے انکار کے باوجود جب اس کا اصرار بڑھتا ہی گیا تو آپ نے وہاں سے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی لیکن دروازے تو سب بند تھے اور انہیں قفل لگا کر کنجیاں زلیخا نے اپنے پاس رکھی ہوئی تھیں (وغلقت الابواب) اب یہاں سے نکلیں تو کیونکر۔ دل ہی دل میں عرض کی مولا! بھاگنا میرا کام ہے اور دروازے کھولنا تیرا کام۔ جب بھاگے تو تالے ٹوٹتے گئے اور دروازے خود بخود کھلتے گئے۔ آخری دروازے پر پہنچے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا تو پیچھے سے زلیخا نے آ لیا اور آپ کا پیراہن پکڑ لیا۔ یہاں تک کہ وہ پھٹ گیا۔ آپ اس کشمکش کی شدت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ پیراہن کو ہاتھ لگانے سے تو پیراہن پھٹ نہیں جاتا لو حضرت یوسف کا لباس تو بڑا عمدہ اور نیا ہو گا۔ اس کے پھاڑنے میں تو زلیخا کو کافی زحمت ہوئی ہو گی۔ ہمیں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت یوسف پوری قوت سے دروازے کی طرف دوڑے جا رہے تھے پیچھے سے زلیخا بڑی تیزی سے لپکی اور پوری طاقت سے آپ کی قمیص کو کھینچ کر آپ کو روکنا چاہا۔ آپ اسی سرعت کے ساتھ آگے بڑھے۔ اس طرح پیراہن پیچھے سے پھٹ گیا۔

۵۶ باہر نکلے تو کیا دیکھا عزیز مصر کھڑا ہے۔ زلیخا اپنے خاوند کو دیکھ کر سہم گئی لیکن فوراً سنبھلی اور حضرت یوسف پر دست درازی کا الزام لگا دیا تاکہ اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کر سکے۔ جب عزیز مصر نے اپنی بیوی سے یہ بات سنی ہو گی تو اس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ کتنا ناشکر گزار اور احسان فراموش ہے یوسف۔ میں نے اس کے ساتھ اتنی مروت کی اور اس نے اس کا صلہ مجھے کیا دیا۔ اس لیے آپ نے فوراً اس الزام کی تردید کرنا ضروری سمجھا۔ فرمایا یہ غلط کہتی ہے اس نے مجھے ورغلانا چاہا، میں تو اس سے بھاگ کر آ رہا ہوں۔

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ

جھوٹوں میں سے ہے۔ ٥٣ اور اگر اس کی قمیص پھٹی ہوئی ہو پیچھے سے تو یہ (عورت) جھوٹ بولی

وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ

اور یوسف سچوں میں سے ہے۔ پس جب عزیز نے دیکھا پیراہن یوسف کو پھٹا ہوا ہے پیچھے سے تو بول اٹھا یہ سب تمہارا

مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ

مکر ہے (عورتوں کا) بیشک تم عورتوں کا فریب بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ ٥٤ یوسف (پاکباز) اس بات کو جانے دو ٥٥

ع ٣ ١٤ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ

اور اے عورت اپنے گناہ کی معافی مانگ بیشک تو ہی قصور واروں میں سے ہے۔ اور کہنے لگیں عورتیں

٥٣ عزیز مصر بہت حیران تھا کہ وہ کس کو سچا کہے اور کس کو جھوٹا۔ یہیں ایک عقلمند شخص نے کہا کہ دیکھو اگر قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یوسف نے دست درازی کی اور بدتمیزی سے مدافعت کی اس کشمکش میں قمیص آگے سے پھٹ گئی اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہے تو یوسف کی صداقت میں کوئی شک کی گنجائش نہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ یہاں شهد شاهد۔ حکم حاکم کے معنی میں ہے کہ ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کر دیا کیونکہ شہادت کے لیے شاہد کا موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے جبکہ جس نے یہ بات کہی وہ موقع پر موجود نہ تھا یہ شخص کون تھا اس کے متعلق حضرت حسن، عکرمہ، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور سدی کا قول یہ ہے کہ وہ زلیخا کے رشتہ داروں میں ایک عقلمند آدمی تھا جس سے عزیز اکثر مشورہ لیا کرتا تھا انه رجل حكيم ذو عقل كان الوزير يستشيره في اموره وكان من جملة اهل المرأة وروي عن ابن عباس وهو الصحيح في الباب والله اعلم (قرطبی)۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور قدرت الٰہی سے یہ کوئی بعید نہیں کہ جس نے حضرت مریم کی براءت کے لیے حضرت عیسیٰ کو گویا کر دیا تھا اس نے حضرت یوسف کی براءت کے لیے ایک شیر خوار بچہ کو بولنے کی قدرت بخش دی ہو۔ لیکن اکثر علماء نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔

٥٤ عجیب بات یہ ہے کہ اپنی بیوی کی اتنی بڑی خیانت پر مطلع ہو کر اس کا خون نہیں کھولا۔ غصہ نہیں آیا۔ اس نے اس کو سزا دینا تو کجا سرزنش کرنا بھی مناسب نہ سمجھا بلکہ بڑے نرم انداز میں یہی کہہ دیا کہ یہ بے حیائی اور بے چارگی کی آئینہ دار ہے۔ اتنا کہنا ہی کافی سمجھا کہ یہ تمہارا مکر ہے۔ ان الفاظ میں بھی غور فرمائیے اس بیوقوف نے کیدکن کہا۔ زلیخا کو تیرا فریب کہنے کی جرأت نہیں کی بلکہ کن جمع مؤنث کی ضمیر ذکر کر کے ساری عورتوں کی طرف کید کو منسوب کر دیا۔

٥٥ حضرت یوسف کی دلجوئی کرتے ہوئے انہیں یہی مشورہ دیا کہ آپ اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دیں اور اس پر خاک ڈالیں۔ جو ہونا تھا ہو

فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

شہر میں کہ عزیز کی بیوی بھلاتی ہے اپنے نوجوان (غلام) کو تاکہ اس سے مطلب براری کرے ۲۹؎

حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ

اس کے دل میں گھر کر گئی ہے اس کی محبت ہم تو دیکھتی ہیں اسے کھلی گمراہی میں ۳۰؎ پس جب زلیخا نے سنا ان کی مکارانہ باتوں کو تو اس نے بھیجا انہیں

اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

بلا بھیجا ۳۱؎ اور تیار رکھیں ان کے لیے مسندیں اور دی (جب وہ آگئیں تو) ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ

اور یوسف کو کہا کہ (ذرا) نکل (کر آ) ان کے سامنے پس جب یوسف آگئے (تو) انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت (حسن) کی قائل

ہو گیا اس سے اس وقت کے مصری معاشرہ پر بھی روشنی پڑتی ہے جو اس قدر بگڑ چکا تھا کہ عورتیں کس طرح بے باکی پر آ جاتی تھیں اور ان کے شوہر ان بد اخلاقیوں کے باوجود کتنے بے بس تھے یا ان میں جذبۂ غیرت کس حد تک مفقود ہو چکا تھا۔

۲۹؎ زلیخا کی اس دلی لگی کا اب چرچا عام ہونے لگا۔ شہر بھر کے معاشرہ کی بیگمات جب کبھی ایک جگہ اکٹھی ہوتیں تو ان کا موضوع سخن زلیخا کی داستان محبت ہی ہوا کرتیں کہ زلیخا اپنے زر خرید غلام پر ریجھ گئی ہے اس کی محبت نے تو اس کو بالکل دیوانہ بنا دیا ہے اسے اپنے مقام کا بھی پاس نہیں۔ مصر کے ایک عظیم عہدیدار کی بیوی ہو کر اپنے غلام پر یوں فریفتہ ہو جانا حسن ذوق کی بڑی نادانی ہے۔ شغف: دل پر پڑے ہوئے پردے کو کہتے ہیں جس میں دل لپٹا ہوتا ہے اس صورت میں قد شغفها حبا کا معنی یہ ہوگا کہ اس کی محبت زلیخا کے دل کے پردے تک پہنچ چکی ہے اور جوہری نے کہا ہے کہ شغف اس سیاہ نکتہ کو کہتے ہیں جو دل کے وسط میں ہوتا ہے یعنی یوسف کی محبت زلیخا کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی ہے ضلال سے مراد عقل و فہم سے بیگانگی ہے نیز چونکہ فتٰی کا اسم ہے اسی لیے اس کا فعل مذکر لایا جاتا ہے۔

۳۰؎ زلیخا کو جب پتہ چلا کہ اس کا راز عشق فاش ہو گیا ہے اور مصر کی بیگمات اسے نادانی اور بیہودگی کے طعنے دینے لگی ہیں تو اس نے اپنے ماحول کی عالی مجلس کے لیے ایک پر تکلف شاہانہ دعوت کا انتظام کیا جس میں چالیس کے قریب معزز خواتین کو دعوت دی۔ ان کے بیٹھنے کے لیے قیمتی قالین بچھائے گئے اور گاؤ تکیے رکھے گئے دستر خوان پر کھانا چن دیا گیا۔ تازہ اور خوشبودار پھلوں کو پلیٹوں میں سجا کر رکھ دیا گیا اور پھل کاٹنے کے لیے ایک ایک تیز چھری ان کے ہاتھ میں تھما دی۔ ہو سکتا ہے اس قسم کے پھل کھانے میں چھری کا استعمال کیا جاتا ہو جب پھل کاٹنے میں مشغول ہو گئیں تو زلیخا نے حضرت یوسف کو سامنے آنے کا حکم دیا۔ ان عورتوں نے جب اس حسن مجسم کو دیکھا تو ان کے ہاتھ رکے نہیں کٹ گئے لیکن انہیں خبر تک نہ ہوئی۔ یہ حسن کی دلآویزی اور اس چہرہ مقدس کی محبت یہ بشر نہیں اس پر طہارت کی

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾ قَالَتْ

ہو آئیں اور وارفتگی کے عالم میں کاٹ بیٹھیں اپنے ہاتھوں کو اور کہنے لگیں سبحان اللہ یہ انسان نہیں بلکہ یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے زلیخا نے کہا

فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

(اندازہ کرو) بولی یہ ہے وہ (دیکھو عشاق) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا

فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ

لیکن وہ بچا ہی رہا (اب سن لو) اگر وہ نہ بجا لایا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے قید کر دیا جائے گا اور وہ ہو جائے گا ان لوگوں سے جو

فاخرہ جمال و جلال کے ایسے حسین امتزاج کا انھوں نے تو کبھی تصور تک نہیں کیا تھا بے ساختہ زبان سے نکلا سبحان اللہ یہ تو پاک ہے وہ اللہ جس نے اسے یوسف جیسے پیدا فرمایا۔ زلیخا یہ انسان تو نہیں یہ تو کوئی نوری فرشتہ ہے۔ تاکہ یہ ثابت ہو کہ اس کا حسن ہے کہ دیکھنے والی عورتیں یوسف کو دیکھ کر سدھ بدھ کھو بیٹھیں اور مصر عرب میں عن ابی جعلی اعینہ و مبنہ زیلی یقطعن ایدیھن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ ہو گئے بلکہ خراش آ جانا اور زخمی ہو جانا۔ انما ھو خدش وخش زیلی حاش کلمۃ تفید معنی التنزیہ والمعنی ھھنا تنزیہ اللہ تعالیٰ من العجز قدر علی خلق جمیل مثلہ
نوشہ زلیخا نے جب انھیں یوں بے خود پایا تو فاتحانہ انداز میں کہنے لگی یہی وہ یوسف ہے جس کے عشق کے طعنے تم مجھے دیا کرتی تھیں جو تم آج اس کے حسن کی ایک جھلک کی تاب بھی نہ لا سکی ہو کیا اب بھی مجھ پر زبان طعن دراز کرو گی کیا اب بھی مجھے نادان اور بے وقوف کہو گی۔
ششہ یہ انداز خود طلب ہیں بیگم مصری محفل میں وہ کس بے باکی کے ساتھ یوسف کو ورغلانے اور اس کو اپنے دام فریب میں پھنسا کر اپنی مقصد براری کی ناکام کوششوں کا ذکر کر رہی ہے اسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے اور کن کے سامنے کہہ رہی ہے اور ان معزز خواتین میں سے بھی کوئی اس بے حیائی پر اسے نہیں ٹوکتی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصری معاشرہ میں اس وقت یہ چیزیں معیوب نہیں خیال کی جاتی تھیں جس طرح یورپ زدہ معاشرہ میں اپنے عشق و معاشقہ کی داستانیں بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہیں یہی ان کی حالت تھی زلیخا کی داستان کی شہرت کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ایک وزیر کی بیگم ہو کر اپنے ایک غلام کے دام محبت میں اسیر ہے بلکہ یوسف کا اس کی خواہشات کو ٹھکرا دینا اور اس کی منت سماجت کے باوجود اس کی طرف نگاہ التفات نہ کرنا اس داستان کی شہرت کا باعث بنا جب کسی قوم میں غیرت و حمیت کے جذبات فنا ہو جاتے ہیں اور شرم و حیا کے تقاضے پس پشت ڈال دیئے جاتے ہیں تو وہاں یہ چیزیں تہذیب و شائستگی کی علامت سمجھی جانے لگتی ہیں اور اس قسم کے ذکار پر شرمانے کے بجائے فخر کیا جاتا ہے۔
ؒفہ یہاں زلیخا حضرت یوسف کی پاکدامنی کا ذکر آپ کی سیرت کی بلندی کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں کر رہی بلکہ یوسف پر یہ الزام لگانے کے لیے اپنی سہیلیوں کو بتا رہی ہے کہ اس نے میرے حسن و شباب کی توہین کی ہے اور میرے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ میں نے اب تک اس کی بے اعتنائی کو برداشت کیا۔ لیکن اب میرا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اس کو میں برداشت نہیں کر سکتی اگر اس نے اب بھی میری بات نہ مانی تو میں اسے ذلیل و خوار کر کے جیل بھجوا دوں گی۔

الصّٰغِرِيْنَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ

بے آبرو ہیں۔ یوسف نے عرض کی اے میرے پروردگار! قید خانہ زیادہ پسند ہے مجھے اس (گناہ) سے جس

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٣٣﴾

کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو (اپنی عنایت) نہ دور کرے مجھ سے ان کے مکر کو تو میں مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف اور ہو جاؤں گا نادانوں سے ۵۲؎

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

پس قبول فرمالی اس کی دعا اس کے رب نے ۵۳؎ اور دور کر دیا اس سے ان عورتوں کے مکروفریب کو۔ بیشک وہی (اپنے بندوں کی فریادیں) سننے والا

الْعَلِيْمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى

اور (ان کے حالات) خوب جاننے والا ہے۔ پھر مناسب معلوم ہوا انہیں یہ باوجودیکہ (یوسف کی پاکبازی کی) نشانیاں دیکھ چکے تھے کہ

۵۱؎ جب آپ نے زلیخا کی دھمکی سنی اور ان عورتوں نے بھی انہیں سمجھایا کہ یوسف! نادان مت بنو اپنی جوانی اور حسن پر رحم کرو، تم کتنے خوش قسمت ہو کہ مصر کی ایک امیر ترین اور حسین ترین عورت تجھے دل سے چاہتی ہے تم کیوں الٹا پیچھے ہٹتے ہو اس کی خواہش کو ضرور قبول کرو ہم تجھے از راہ خیر خواہی یہ مشورہ دے رہی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے سمجھا کہ مجھے ہر طرف سے گھیرا جا رہا ہے آپ نے اس وقت اللہ کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے میرے مالک! بیشک مجھے یہاں بڑا آرام ہے اور ہر شخص میرا دل سے احترام کرتا ہے لیکن اگر اس آرام اور احترام کی قیمت یہ ہے کہ میں تیری نافرمانی کروں تو ایسا آرام مجھے نہیں چاہیے۔ قید خانہ کی صعوبتیں اور سختیاں جو مجھے اس کے بدلے ملیں گی وہ مجھے اس آرام و احترام سے بہت عزیز ہیں۔

۵۲؎ حضرت یوسف اب تک سخت ترین آزمائشوں سے گزرے تھے اور مردانہ وار ان میں کامیاب ہوئے تھے ... زلیخا کی تنہائی میں پیش کش ... ضیافت میں جہاں مصر کا سارا حسن بن سنور کر بے نقاب ہو کر آیا تھا وہاں بھی اس پیکر حسن و عفت کو پیش کیا گیا تو ان کی نگاہیں جھکی رہیں اور ان کے ... کسی کی طرف دیکھنا گوارا نہ کیا۔ ان تمام نازک مرحلوں سے کامیابی سے گزرنے اور شیطان کے ہر دام فریب کو تار تار کر دینے کے باوجود آپ نے دل میں اپنے متعلق کوئی خوش فہمی پیدا نہ ہونے دی ... بلکہ اپنے رب کے سامنے اپنی بے بسی اور ناتوانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اعانت اور توفیق کی بھیک ہی مانگتے رہے۔ یہاں بھی یہی التجا کر رہے ہیں کہ اے میرے خداوند ذوالجلال! اگر تو مجھے ان کے مکروفریب سے نہ بچائے اور میری دستگیری نہ کرے تو میں اکیلا ان کی عیاریوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے قدم بھی پھسل جائیں گے اور مجھ سے ایسا قصور سرزد ہو جائے گا کہ میرا شمار ... عفت میں نہ ہوگا بلکہ جاہلوں میں ہونے لگے گا۔

۵۳؎ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے یوسف کی عاجزانہ التجا کو شرف قبول بخشا اور ہر مرحلہ پر ثبات و استقلال عطا فرمایا اور حسن ... کی

حِيْنٍ ﴿٣٥﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ

دو اسے قید کر دیں کچھ عرصہ تک۔ اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ ہی قید خانہ میں دو نوجوان۔ ان میں سے ایک نے کہا میں نے

اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِىْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِىْ خُبْزًا

(خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اٹھائے ہوئے ہوں اپنے سر پر

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٦﴾

کچھ روٹیاں (جن سے) کھا رہے ہیں پرندے اس سے۔ آپ بتلائیے ہمیں اس کی تعبیر، بیشک ہم دیکھتے ہیں آپ کو نیکوکاروں سے۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

آپ نے فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا جو تمہیں کھلایا جاتا ہے مگر میں تمہیں بتا دوں گا اس کی تعبیر اس سے پیشتر کہ کھانا تمہارے پاس

کوئی کوشش آپ کو متزلزل نہ کر سکی۔

سکہ اس ضیافت کے بعد مصر میں یوسف کے چرچے گھر گھر ہونے لگے۔ نہ صرف زلیخا بلکہ سارے متمول گھرانوں کی رنگین ادائیں آپ کی محبت کا دم بھرنے لگیں۔ تو حکومت کے ارباب بست و کشاد نے یہ فیصلہ کیا کہ اس بے گناہ یوسف کو قید کرنے میں ہی مصلحت ہے۔ من بعد ما رأوا الآيات کھلا نشان صاف بتا رہے ہیں کہ وہ یوسف کو قطعاً بے گناہ سمجھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ان بیگناہ نوجوانوں کو سرزنش کرتے اور انہیں متنبہ کرتے کہ انہوں نے حضرت یوسف کو ہی قید کر دینا آسان سمجھا اور ایک روایت یہ ہے کہ زلیخا نے اپنے شوہر سے شکایت کی کہ اس کنعانی غلام نے مجھے بہت رسوا کر دیا ہے جہاں جاتی ہوں میرے متعلق توہین آمیز باتیں کی جاتی ہیں۔ اگر تمہیں اپنی عزت و ناموس کا کچھ پاس ہے تو اسے قید کر دو۔ اس نے جانتے ہوئے کہ یوسف بیگناہ ہے اور سارا قصور اس کی بیوی کا ہے اس نے اپنی بیوی اور خاندان کی عزت کی پاسداری کے لیے ایک بیگناہ معصوم کو جیل میں بھجوا دیا۔

سکہ لغت میں حین وقت کے ایک غیر معین عرصہ کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق مختصر اور طویل عرصہ پر یکساں ہوتا ہے۔ اگرچہ اس مدت کی تعیین کرنے کے لیے کئی اقوال مروی ہیں لیکن صحیح یہی ہے کہ اسے غیر معین ہی رہنے دیا جائے۔ فالصحيح ان هذه المقادير غير معلومة وانما القدر المعلوم انه بقي محبوسا مدة طويلة۔

ھے اتفاق سے اسی زمانہ میں شاہ مصر اپنے دو ملازموں سے ناراض ہو گیا اور انہیں جیل بھجوا دیا۔ ان میں سے ایک اس کے مطبخ کا ناظم تھا۔ اور دوسرا اس کی محفل عیش و طرب کا ساقی۔ ان دونوں پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ انہوں نے بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کی ہے۔ وہ اپنی قید کاٹ رہے تھے کہ ایک رات دونوں نے خواب دیکھا۔ وہ بڑے پریشان تھے کہ اس خواب کی تعبیر کس سے پوچھیں۔ حضرت یوسف بھی اسی عرصہ سے

يَأْتِيَكُمَا ۚ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

آئے۔ سے یہ ان علوم میں سے ہے جو سکھایا ہے مجھے میرے رب نے۔ میں نے چھوڑ دیا ہے دین اس قوم کا

لَّا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كٰفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر نیز وہ آخرت کا انکار کرنے والے ہیں۔ اور میں نے پیروی کی ہے دین کی اپنے

اٰبَآءِيْۤ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ مَا كَانَ لَنَآ أَن نُّشْرِكَ

باپ دادا ابراہیم اسحاق اور یعقوب کے دین کی۔ نہیں روا ہمارے لیے کہ ہم شریک ٹھہرائیں

امی زندان میں اسیر تھے اور اپنے اخلاق عالیہ، نیک نفسی اور عالی ظرفی کے باعث تمام قیدیوں کی نظروں میں بڑے محبوب اور محترم تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ ہر قیدی کی دلداری کرتے۔ جو مریض ہوتا اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی زخمی ہوتا تو اس کی مرہم پٹی کرتے۔ ساری رات اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے رہتے۔ اتفاقاً جیل خانہ کے دو ملازم بھی آ کر شامل ہو گئے جنہیں معلوم ہوئے تو ساقی اور نانبائی نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے کے لیے وہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ ہم اس لیے آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہم آپ کو محسن سمجھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت یوسف جیل میں بھی اپنی پاکیزہ زندگی بسر کر رہے تھے کہ آپ کے پاس رہنے والے قیدی آپ کو محسن کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

ملہ آپ نے فرمایا اس سے پیشتر کہ تمہارا کھانا آئے میں تمہیں بتا دوں گا تمہارے خوابوں کی تعبیر تاویلوں کا۔ اب یہاں سے آپ کی تبلیغ کا آغاز شروع ہوتا ہے۔ فرمایا خوابوں کی جو تعبیریں میں بتاؤں گا یہ ظن و تخمین اور کہانت و قیافہ شناسی کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے تعلیم کیا ہے۔

ملہ یہاں سے آپ کے اس خطبہ مسلسل کا آغاز ہوتا ہے جو آپ نے توحید کے موضوع پر مصر کے مشرکانہ ماحول میں سب سے پہلے دیا۔ اس خطبہ کی ابتداء اس کے بعد توحید کی صداقت کے دلائل پھر انہیں شرک کو ترک کر کے توحید قبول کرنے کی ترغیب اور آخر کار ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ کا اعلان کتنا دل نشین، بصیرت افروز اور مؤثر ہے۔ ان کے عقیدہ باطلہ کی تردید کس طرح اپنے مدعا کو پرزور اور دلکش انداز میں بیان فرمایا کہ خود ہی اس عقیدہ سے دست بردار ہونے کے لیے بے تاب ہو گئے۔ جب تک کسی داعی حق میں یہ خوبیاں نہ ہوں، فراست، وسعت علمی، عالی حوصلگی، زہد وہ اپنی دعوت کے لیے کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتا۔ حق کسی پر زبردستی ٹھونسا نہیں جا سکتا۔ اسے یوں پیش کرنا چاہیے کہ ذہن و قلب اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں اور وہ انسان کی رگ رگ میں سرایت کر جائے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ دعوت میں حکمت کی عمدہ مثال ہے۔ اب آپ مختلف آیات کا سلسلہ وار مطالعہ فرماتے جائیے۔ پہلے انہیں فرمایا کہ تم مشرک ہو تم بتوں کی پوجا کرتے ہو جو اپنا عقیدہ بیان فرمایا کہ میں اس قوم سے بیزار ہوں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتی اور روز قیامت کی منکر ہے۔

سلہ پھر انہیں بتایا کہ میرا عقیدہ کوئی ایسا عقیدہ نہیں ہے جسے میں نے خود ہی اختیار کیا ہے بلکہ میرے جلیل القدر آباؤ اجداد کا بھی یہی عقیدہ

بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو۔ یہ (توحید پر ایمان) تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے ہم پر اور (دوسرے) لوگوں پر

وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَأَرْبَابٌ

لیکن بہت سے لوگ اس احسان پر شکر ہی بجا نہیں لاتے۔ اے قید خانہ کے میرے دو رفیقو! (یہ تو بتاؤ) کیا

مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ

بہت سے جدا جدا رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ تم نہیں پوجتے اس کے

نام سے شناسا ہو گئے جو ان کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ آپ حیران ہونگے کہ آج تک یوسف علیہ السلام کو مختلف مشکلات سے واسطہ پڑا لیکن انھوں نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ میں کس خاندان کا چشم و چراغ ہوں۔ سب سے پہلے ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ آپ نے اپنے بزرگوں کا نام ذکر کیا ہے۔ فرمایا میں بھی توحید کا قائل ہوں اور میرے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم یعقوب اسحاق بھی اسی عقیدۂ توحید کے پرستار تھے۔

اللہ تعالیٰ کی توحید کی معرفت اس کا بہت بڑا احسان ہے اس نے اپنی معرفت توحید کے لیے اپنی حجت و دلائل قائم فرما دیئے ہیں لیکن اکثر لوگ ان کی طرف توجہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور اس شرف معرفت سے محروم رہتے ہیں۔ اور عقل و فہم کی نعمتوں اور دیگر نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔

آپ کی اس تقریر کا مقصد تو اپنے دو ساتھیوں کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرنا ہے۔ ذرا اس حکیمانہ انداز دعوت کو ملاحظہ فرمائیے کس طرح قدم بقدم ان کو منزل ہدایت کی طرف لے جا رہے ہیں۔ فرمایا میرا مسلک تو وہ ہے جو میں نے تم سے بیان کر دیا اور وہ صرف میرا ہی مسلک نہیں بلکہ جلیل القدر ہستیاں جن کے نام سے تم خوب واقف ہو ان کا بھی یہی مسلک تھا۔ اس کے بعد یہ نہیں فرماتے کہ تم بھی میرا دین اختیار کرو بلکہ ان سے ایک سوال پوچھتے ہیں کہ تم ہی بتاؤ کہ بہت سے خداؤں کی بندگی بہتر ہے یا ایک اللہ کی جو ہر چیز پر غالب اور ہر چیز پر قابض ہے جو بارش بھی برساتا ہے، رزق بھی دیتا ہے، بچے بھی عطا کرتا ہے، شفا بھی بخشتا ہے۔ کیا یہ بہتر ہے کہ ایسے خدا کی بندگی کا اعتراف کر لیا جائے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یا ایسے متعدد خداؤں کو مانا جائے جو تمہارے عقیدہ کے مطابق بھی صرف محدود اختیار کے مالک ہیں۔ کوئی صرف بارش برسا سکتا ہے لیکن اولاد کا دینا اس کے بس کی بات نہیں۔ کوئی دولت تو بخش سکتا ہے لیکن کسی بیمار کو صحت دینا اس کے قبضہ قدرت میں نہیں۔ تم ہی بتاؤ کہ در در کی ٹھوکریں کھانے سے تو ایک قادر و قیوم کا ہو رہنا ہی ہزار درجہ بہتر ہے۔ دوسرا ان خداؤں کو راضی رکھنا بھی کوئی آسان بات نہیں۔ یہ پیچ کہ دولت کی دیوی کو پوجا کرتے رہے تم کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے کہ زندگی کا دیوتا برہم ہو جائے۔ بارش تو برسا لیکن ایسی لوٹ مچی کہ غضبناک ہو کر زندگی کا دیا بجھا دیا۔ کیا عقل سلیم اس قسم کے خرافات قبول کر سکتی ہے۔

پہلے ان کے اعتقاد کے مطابق خدائے واحد کی بندگی کی معقولیت کو واضح کیا۔ اب صاف صاف انھیں بتا دیا کہ یہ مختلف قسم کے نام تم نے خود ہی دیئے۔

دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

علاوہ مگر چند ناموں کو جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے۔ نہیں اُتاری

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی دلیل۔ نہیں ہے حکم (کا اختیار) کسی کو سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو

اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

بجز اس کے ۲ یہی دین مستقیم ہے ۳ لیکن بہت سے لوگ (اس حقیقت کو)

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ

نہیں جانتے ۴ اے قید خانہ کے میرے دو ساتھیو! (اب خوابوں کی تعبیر سنو) تم میں سے ایک (یعنی پہلا) تو پلایا کرے گا

خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ

اپنے مالک کو شراب۔ لیکن دوسرا سولی دیا جائے گا اور (نوچ نوچ کر) کھائیں گے پرندے اس کے سر سے۔

قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ

(ناطق) فیصلہ ہو چکا اس بات کا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو ۵ اور کہا (یوسف علیہ السلام) نے اسے جس کے بارے میں آپ کو

جو تم نے بنا رکھے ہیں اور ان کو مختلف قسم کے اختیارات تفویض کر رکھے ہیں یہ سب تمہاری خودساختہ باتیں ہیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲ کائنات کی ہر چیز اللہ وحدہٗ لاشریک کے زیرنگین ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ اسی واحد قہار کا یہ حکم ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کو معبود برحق اور مالک حقیقی تسلیم کیا جائے۔

۳ یعنی وہ دین جس کی صداقت اور حقانیت روشن دلائل سے ثابت ہے۔ ای ثابت الذی دلت علیہ البراہین۔

۴ لیکن اکثر لوگ اپنے رب کی دی ہوئی غوروفکر کی صلاحیتوں سے کام ہی نہیں لیتے۔ یہی حق سے ان کی محرومی اور ان کی ناشکری کا نتیجہ ہے۔ یہ ہے حضرت یوسف صدیق کا پہلا خطبہ جو آپ نے زندان مصر میں ارشاد فرمایا۔

۵ اپنے فریضہ نبوت کو ادا کرنے کے بعد ان کو خوابوں کی تعبیروں سے آگاہ کیا اور ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا۔

نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

یقین تھا کہ وہ نجات پا جائیگا ان دونوں سے کہ میرا تذکرہ کرنا اپنے آقا کے پاس ۔ لیکن فراموش کرا دیا اسے شیطان نے کہ وہ ذکر کرے

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيْٓ أَرٰى سَبْعَ

اپنے بادشاہ کے پاس ۔ پس آپ ٹھہرے رہے قید خانہ میں کئی سال ۔ اور ایک روز (مصر کے) بادشاہ نے کہا میں خواب میں

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ

دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی کھا رہی ہیں انہیں سات دبلی گائیں اور سات سبز خوشے ہیں اور

وَّأُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۗ يٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ

دوسرے سات خشک ہیں مجھے بتاؤ ۔ اے درباریو! بتاؤ مجھے میرے خواب کی تعبیر اگر تم خوابوں کی

لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾ قَالُوْٓا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيْلِ

تعبیر بتایا کرتے ہو ۔ درباریوں نے کہا (اے بادشاہ) یہ خواب پریشان ہیں اور ہم پریشان خوابوں کی تعبیر

ظن کا فاعل اگر یوسف ہوں تو اس کا معنی یقین ہوگا کیونکہ آپ کو اس تعبیر کے وقوع میں ذرا شک نہ تھا اس لیے آپ نے فرمایا قُضِيَ الْأَمْرُ اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے نیز نبی کا الہام ظنی نہیں یقینی ہوتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ظن کا فاعل وہ ساقی ہے اور ھو کی ضمیر الذی کی طرف راجع ہو۔

اگرچہ بعض علماء نے فانسٰہ کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کو قرار دیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ حضرت یوسف جن کے شب و روز ذکر الٰہی میں بسر ہوتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی یاد الٰہی کی تلقین کرنے میں مصروف رہتے تھے وہ اپنے رب کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اس کا مرجع وہ ساقی ہے جس کو آپ نے رہا ہونے اور اپنے منصب پر دوبارہ فائز ہونے کی خوشخبری دی تھی۔ حضرت امام رازی کا خیال ہے کہ آپ کا اپنی رہائی کے لیے کسی کو ذریعہ بنانا بھی آپ کی شان رفیع کے شایان نہ تھا حسنات الابرار سیئات المقربین کے مطابق غیر کی طرف یہ التفات نسیان الٰہی شمار ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت یوسف کو جیل سے رہائی دلانا چاہی تو اس کے لیے ظاہری اسباب پیدا کر دیئے۔ ایک رات بادشاہ مصر کو یہ خواب آیا جو آیات میں مذکور ہے۔ اس نے مشہور کاہنوں، نامور نجومیوں اور زیرک لوگوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کرنے کے بعد اس کی تعبیر دریافت کی۔ وہ کہنے لگے کہ خوابوں کی تعبیر بیان کرنے کے فن میں بلاشبہ ہم مہارت رکھتے ہیں لیکن جو آپ نے دیکھا ہے

الْأَحْلَامِ بِعٰلِمِينَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

جاننے والے نہیں۔ اور (اس وقت) بولا وہ شخص جو بچ گیا تھا ان دو (قیدیوں) سے اور یاد آیا اسے یوسف

أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿٤٥﴾ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

کی یاد (آئی) ایک عرصہ بعد میں بتاتا ہوں تمہیں اس خواب کی تعبیر۔ مجھے (قید خانہ تک) جانے دیجئے۔ اے یوسف! اے صدیق!

أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ

بتائیے ہمیں اس خواب کی تعبیر کہ سات موٹی تازہ گائیں ہیں۔ کھا رہی ہیں انہیں سات لاغر گائیں اور سات

سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ

خوشے ہیں سرسبز اور دوسرے (سات خوشے) خشک تاکہ میں (آپ کا جواب لیکر) واپس جاؤں لوگوں کی طرف

لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا

شاید وہ (آپ کے علم و فضل کو) جان لیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کاشت کرو گے سات سال تک حسب دستور۔ تو جو

حَصَدْتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ

تم کاٹو گے اسے رہنے دو خوشوں میں مگر تھوڑا سا (ضرورت کے لیے نکال لو) جسے تم کھاؤ۔ پھر

یعنی جب خواب پریشان ہیں ان کی تعبیر ہم نہیں بتا سکتے کیونکہ یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی تعبیر دریافت کرنے کے لیے غور کیا جائے۔
اضغاث جمع ضغث۔ ضغث: تنکوں، ریحان اور حشیش اور تمام چھوٹی ٹہنیوں کا گٹھا یا گھاس اور لکڑیوں کا گٹھڑ۔
احلام ان افکار پریشان کو کہتے ہیں جو انسان نیند کی حالت میں دیکھتا ہے جن کی حقیقت کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ شبه الاحلام المختلطة التي لا يتبين حقائقها بالضغث۔ اضغاث احلام حزم مختلطة من الاحلام۔ (المفردات)

اب اس ساقی کو مدت دراز کے بعد حضرت یوسف کا خیال آیا اور بادشاہ سے کہنے لگا میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں جو ایسے مشکل خوابوں کی تعبیر بتا سکتا ہے مگر اس قید خانہ تک جانے کی اجازت ہو تو اس سے خواب کی تعبیر دریافت کروں۔ چنانچہ وہ حضرت یوسف کے پاس آیا اور بادشاہ کا خواب ذکر کیا۔ اس نے یہ بھی ضرور بتایا ہوگا کہ بادشاہ اس سے بڑا پریشان ہے کیونکہ اس نے اپنے دربار کے ماہر کاہنوں، نجومیوں اور معبروں کو بلا کر اس کی تعبیر پوچھی لیکن کوئی بھی اس کی تعبیر بیان نہ کر سکا۔ یہاں یہ شان یوسفی پوری آب و تاب سے نمایاں ہوتی ہے آپ نے

يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ

آئیں گے اس (خوشحالی) کے بعد سات (سال) بہت سخت کہ کھا جائیں گے جو ذخیرہ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا۔

لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

ان کے لیے مگر تھوڑا سا جو تم محفوظ کر لو گے۔ پھر آئے گا اس عرصہ کے بعد ایک سال

عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ

جس میں مینہ برسایا جائے گا لوگوں کے لیے اور اس سال (وہ پھلوں کا) رس نکالیں گے۔ (یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے کہا

ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

فوراً لے آؤ انہیں میرے پاس پس جب (فرمان شاہی لے کر) ان کے پاس قاصد آیا (تو آپ نے) فرمایا لوٹ جاؤ اپنے بادشاہ کے

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ

پاس اور اس سے پوچھو کہ حقیقت حال کیا تھی ان عورتوں کی جنہوں نے کاٹ ڈالے تھے اپنے ہاتھ بے شک میرا

رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ

پروردگار ان کے مکر و فریب سے خوب آگاہ ہے۔ بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلا کر) پوچھا کیا معاملہ ہوا تھا جب تم نے یوسف کو بہلایا

اس شخص کی ملامت تو کجا اس سے سات سال کی طویل فراموشی کا ذکر تک بھی نہ کیا اور اس خواب کی تعبیر کے لیے یہ شرط بھی پیش نہیں کی کہ مجھے پہلے رہا کرو تو میں اس کی تعبیر بتاؤں گا بلکہ خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بھی بتا دی۔ نہ صرف تعبیر بلکہ اس مشکل کا حل بھی پیش کر دیا۔

۵۰؎ بادشاہ نے جب یہ بات سنی، تعبیر اور اس کا حل تجویز سنی تو فوراً حکم دیا کہ ایسے دانا کو قید میں رکھنا ظلم ہے ابھی اسے لا کر میرے پاس لے آؤ۔ شاہی فرمان جاری ہوا تو حضرت یوسف جو سالہا سال سے قید و بند کی تکلیفیں جھیل رہے تھے اور وہ بھی بغیر قصور کے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب آپ کو یہ مژدہ سنایا گیا تو خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اسی وقت جیل سے باہر تشریف لاتے لیکن آپ کی غیرت و ہمت اور عالی ظرفی نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ آپ مشکوک حالت میں باہر آئیں۔ قاصد کو فرمایا میں اس وقت تک جیل سے نکلنے کے لیے تیار نہیں ہوں جب تک اس الزام کی تحقیق نہ کر لی جائے جو مجھ پر عائد کیا گیا تھا اور واضح ہو جائے کہ یہ صرف بہتان تھا جو بے بنیاد تھا۔

۵۱؎ بادشاہ نے ان خواتین کو بلایا اور ان سے حقیقت حال دریافت کی سب نے اور سب سے بڑھ کر زلیخا نے جو یوسف کا دامن تھامنے میں پیش پیش تھی

عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ

تھا اپنی مطلب براری کیلئے ۔ (یہ سنکر) سب بولیں حاشا للہ! نہیں معلوم ہوئی ہمیں تو اس میں ذرا برائی ۔

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

عزیز کی بیوی (گویا اب ضبط نہ کر سکی) کہنے لگی اب تو آشکارا ہو گیا حق ۔ میں نے ہی اسے پھسلانا چاہا

عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ

تھا اپنی مطلب براری کیلئے بیشک وہ تو سچا ہے ۔ (یوسف نے کہا) یہ میں نے اس لیے کہا تھا تاکہ عزیز جان لے

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝

کہ میں نے اس کی غیر حاضری میں خیانت نہیں کی [۷۹] اور یقیناً اللہ تعالیٰ کامیاب نہیں ہونے دیتا دغا بازوں کی فریب کاری کو ۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْۗءِ اِلَّا مَا رَحِمَ

اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا ۔ بیشک نفس تو حکم دیتا ہے برائی کا مگر وہی (بچتا ہے) جس پر

رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ

رحم فرمائے میرا رب ۔ یقیناً میرا رب غفور رحیم ہے [۸۰] اور بادشاہ نے حکم دیا کہ لے آؤ اسے میرے پاس ۔ میں اسے چن لونگا اپنے

اور جس کی محبت نے انہیں قید کیا تھا اس کی شفاف دامن پر آنچ نہ آئے اور بے گناہی کا اعتراف کیا گیا تاکہ شک و شبہ کا ادنیٰ سا احتمال بھی باقی نہ رہا۔

۷۹ آپ نے فرمایا میں نے اس لیے بادشاہ کو تحقیق کرانا ضروری سمجھا کہ عزیز مصر کو پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ میں احسان فراموش نہیں ہوں میں نے کسی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا ۔ اور اس کی بیوی نے جو الزام لگایا تھا اس میں رائی برابر بھی صداقت نہ تھی ۔ تورات میں بھی یہ قصہ مذکور ہے لیکن تعلیم و ہدایت کی بہت سی چیزیں جو قرآن حکیم کے بیان سے عیاں ہیں ان کا وہاں نام و نشان تک نہیں ۔ دیکھئے (کتاب پیدائش باب نمبر ۳۹ ۔ ۴۰)

۸۰ پہلی آیت میں حضرت یوسف کے ان الفاظ میں لم اخنہ کہ میں نے خیانت نہیں کی اپنی پاکدامنی کا دعویٰ پایا جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے تو اپنے کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر خوبی اور کمال کو اپنے خداوند ذوالجلال کا محض احسان یقین کرتے ہیں اس لیے لم اخنہ کے الفاظ زبان سے نکالنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس میں میری کوئی خوبی نہیں بلکہ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے کہ اس نے میری دستگیری فرمائی اور عزیز مصر کی بیوی کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچا لیا اگر اس کی نگاہ کرم میری چارہ سازی نہ فرماتی اور مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیا جاتا تو

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ

اپنی ذات کے لیے۔ پھر جب اس نے آپ سے گفتگو کی (اور مطمئن ہو گیا) تو کہا آپ آج سے ہمارے ہاں بڑے معزز (اور) قابل اعتماد ہیں

اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۵﴾ وَكَذٰلِكَ

ف۵۵ آپ نے فرمایا مجھے مقرر کر دے زمین کے خزانوں پر بیشک میں (ان کی) حفاظت کرنے والا اور (معاشی مسائل کا) ماہر ہوں۔ یوں ہم

میں کیونکہ جذبات کو بے قابو کر دینے والے ان حالات میں ثابت قدم رہنا نفس امارہ کی آزمائش سے ورنہ گناہ کے خار زار میں انسان کو اس بے دردی سے گھسیٹتا ہے کہ قبائے شرافت تار تار ہو جاتی ہے۔ نفس سرکش کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب مہربانی فرمائے۔ اگر میں یہاں صبر آزما اور جاں گسل آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ گزر آیا ہوں تو یہ سب حسن توفیق ہے میرا کمال نہیں بلکہ میرے رب کا کرم ہے۔ بیشک اس کا دامن مغفرت بڑا وسیع ہے اور اس کا بحر رحمت بے پایاں ہے۔

ف۵۴ بادشاہ نے اپنے خواب کی جو تعبیر سنی تو آپ کے علم و فہم کا معتقد ہو گیا تھا لیکن جب اس نے آپ کی عالی ظرفی کا مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ جو زنان کل تک اس پر بہتان تراشنے میں تیز تھیں آج سب اس کی پاکدامنی کی گواہی دے رہی ہیں تو پہلے سے کہیں زیادہ آپ کا گرویدہ ہو گیا اور آپ کو اپنا مصاحب بنانے کی دل میں ٹھان لی۔ آپ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی۔ خواب کی تعبیر کو اس نے صرف سنا تھا کہ اشتیاق سے کہا انہیں فوراً میرے پاس لے آؤ لیکن آج آپ کی امانت و عصمت کا اعتراف دیکھ کر بولا ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ کہ انہیں جیل سے آزاد کر کے میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس کو اپنا معتمد علیہ بناؤں۔ جب آپ کو لایا گیا تو اس نے بڑی عزت و تکریم کی۔ اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس کے بعد مصروف گفتگو ہوا یقیناً وہ گفتگو سیاسی حالات ملکی مسائل اور آنے والے معاشی بحران کے متعلق ہوئی ہو گی جب اسے آپ کی دانائی اور معاملہ فہمی کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ کے الفاظ سے آپ کو اپنے دربار کے معزز ترین امراء میں شامل کر لیا۔ کیا ایک مسلمان کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی فاسق و فاجر حکمران یا کسی غیر مسلم حکومت میں کوئی عہدہ قبول کرے اس کے متعلق علماء اسلام نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ اگر اس کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ ظالم و کافر اسے آلہ کار ہی بنائے گا اور اس کی ساری توانائیاں اس کے ظالمانہ اور کافرانہ عزائم کی تکمیل میں ہی صرف ہوں گی تو اس صورت میں اس کا کوئی عہدہ قبول کرنا ناجائز ہے لیکن اگر اسے ظن غالب ہے کہ وہ عدل و انصاف قائم کرنے میں ممد ثابت ہو گا اور اس کی خدمات ملک کی معاشی خوشحالی اور سیاسی استحکام کے لیے مفید ثابت ہوں گی تو ایسے حالات میں اسے با صلاحیت اور دیانتدار افراد کو حکومتوں میں عہدہ قبول کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت یوسف نے اس کافر بادشاہ کی حکومت میں وزارت مال اور وزارت خزانہ کا چارج اسی بنا پر لیا تھا کہ شاہ مصر نے آپ کو ہر قسم کے اختیارات تفویض کر دیئے تھے اور آپ آزادی سے اپنے فرائض انجام دینے کی قدرت رکھتے تھے۔ یتبوأ منها حیث یشاء یدل علی انه صار فی الملك بحیث لا یدفعه احد و لا ینازعه منازع بل صار مستقلا بكل ما شاء و اراد۔ (کبیر)

ف۵۵ آپ نے فرمایا کہ میں مالی امور میں بڑی مہارت رکھتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ دولت کو کس طرح مفید اور صحیح مقاصد کے لیے استعمال

مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ

نے تسلط (اور اقتدار) بخشا یوسف کو سرزمین مصر میں تاکہ رہے اس میں جہاں چاہے ہم سرفراز کرتے ہیں

بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾ وَلَأَجْرُ

اپنی رحمت سے جسے چاہتے ہیں اور ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکوکاروں کا ۵۶ اور آخرت کا اجر

کیا جا سکتا ہے۔ جلد کس طرح بیجا اور بے مقصد مصارف سے بچایا جا سکتا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تو مجھے مال و خزانہ کا وزیر مقرر کر دے۔ انی حفیظ علیم ای حافظ للخزائن بالامانۃ علیم بوجوہ مصالحہا (مظہری) یعنی میں بڑا امانت دار ہوں اس لیے خزانے کی حفاظت کر سکتا ہوں اور مفید اور نفع بخش مقامات پر خرچ کرنے کے اصولوں سے بھی پوری طرح واقف ہوں۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انا لا نستعمل علی عملنا من اراده۔ کہ اگر کسی عہدہ کی کوئی شخص خواہش رکھتا ہے تو ہم ایسے شخص کو وہ عہدہ نہیں سونپتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ سے ارشاد فرمایا۔

یا عبدالرحمن لا تسئل الامارۃ فانک ان اعطیتہا عن مسئلۃ وکلت الیہا وان اعطیتہا عن غیر مسئلۃ اعنت علیہا۔

اے عبدالرحمن کوئی عہدہ مت مانگو کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں کوئی عہدہ دیا جائے گا تو اس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا تمہیں ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا۔ اور اگر طلب کے بغیر تمہیں کوئی عہدہ ملا تو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کے لیے تمہیں اللہ تعالیٰ کی امداد سے مدد پہنچے گی۔ ان احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ کسی عہدہ کا خود مطالبہ کرنا درست نہیں تو پھر حضرت یوسف کا یہ فرمانا اجعلنی علی خزائن الارض کیونکر جائز ہوگا۔ اس کے متعلق علماء کرام نے وضاحت کی ہے کہ جب کوئی شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ اس کے بغیر کوئی ایسا آدمی نہیں جو ان ملکی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر انجام دے سکے تو اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے اور اس خدمت کو اپنے ذمہ لے لے۔ لیکن اس کے علاوہ اگر اور لوگ بھی موجود ہوں تو اس وقت اسے کسی عہدہ کی خواہش کرنے کی اجازت نہیں۔ حضرت یوسف جانتے تھے کہ آنے والے حالات میں ان کے علاوہ کوئی بھی یہ ذمہ داری اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے آپ نے اپنے آپ کو پیش کیا۔

ان یوسف انما طلب الولایۃ لانہ علم انہ لا احد یقوم مقامہ فی العدل والاصلاح وتوصیل الفقراء الی حقوقہم فرأی ان ذلک فرضاً متعیناً علیہ وکذا الحکم الیوم۔ (قرطبی)

۵۶ اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے سننے والوں کی توجہ اپنی شان کریمی اور بندہ نوازی کی طرف مبذول کرا رہا ہے کہ دیکھو کس طرح ہم نے یوسف کو سرفراز فرمایا۔ کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچایا۔ کنعان کے جنگل کے ایک غیر آباد کنوئیں کی تاریکی سے نکالا اور مصر جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک کے سارے خزانوں کا مالک بنا دیا۔ ذرے کو اٹھانا اور اس کو رشک خورشید بنا دینا ہمارا ہی کام ہے۔

۵۷ ان کلمات طیبات سے ہر گنہگار کی حوصلہ افزائی فرما دی کہ ہماری رحمت و عنایت کا دروازہ ہر اس شخص کے لیے اب بھی کھلا ہے

الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٧﴾ وَجَاءَ إِخْوَةُ

اور اس سے یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لے آئے ۔ اور تقویٰ اختیار کیے رہے ۔ اور (ایک دن) آگئے برادران

يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَمَّا

یوسف (علیہ السلام) اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے سو آپ نے تو انہیں پہچان لیا لیکن وہ آپ کو نہ پہچان سکے ۔ اور جب مہیا

جو یوسف کی طرح بے داغ سیرت کا مالک ہو جو دیانت و امانت کی بہترین خوبیوں سے متصف ہو جسے کوئی بیرونی انگیخت اپنی منزل سے غافل نہ کر سکے۔ ہم کسی نیکوکار کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے۔ پھر اس شخص کے لیے صلہ عام ہے جس میں اولوالعزمی کا جوہر ہے نیکی کی صلاحیتیں ہیں۔ جسے راضی کرنے کے لیے ہر قسم کی تکلیفوں اور بدنامیوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے کہ وہ جب بھی آگے چلا آتے اس کے برہنہ سر کو عزت و کرامت کے تاج سے ضرور سرفراز فرمایا جائے گا اور دنیا میں جاہ و جلال بخشنے کے علاوہ ہم قیامت کے دن بھی اسے اپنی ابدی رحمتوں سے مالامال فرما دیں گے۔

جب بادشاہ مصر نے مملکت کا سارا نظم و نسق آپ کے سپرد کر دیا آپ نے خوشحالی کے سات سالوں میں زراعت کی طرف خاص توجہ مبذول کی کاشتکاروں کو زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے کی سہولتیں دی گئیں۔ غیر آباد زمینوں کو آباد کیا گیا۔ پیداوار کی حفاظت کے لیے بھی خاص اہتمام کیا گیا۔ بڑے بڑے وسیع و عریض گودام تعمیر کیے گئے اور جو غلہ فوری ضرورت سے زائد ہوتا اسے خوشوں میں رہنے دیا گیا تاکہ کیڑے کوڑے سے محفوظ رہے۔ اس عرصہ میں سینکڑوں نے تمام گودام غلہ سے لبالب بھر گئے۔ آخر وہ وقت آیا جب ہر طرف قحط اور خشک سالی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بارش یکسر بند ہو گیا دریائے نیل کے پانی کی سطح بہت نیچی ہو گئی۔ سرسبز و شاداب علاقوں میں خاک اڑنے لگی۔ زرخیز زمینیں بنجر ہو گئیں۔ آپ کی حسن تدبیر سے جو غلہ محفوظ رکھا گیا تھا اب وہ لوگوں میں تقسیم کیا جانے لگا۔ اس طرح مصر کے لوگ قحط کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ رہے۔ ارد گرد کا علاقہ بھی قحط زدہ علاقہ تھا۔ اور قحط کی تباہ کاریاں قیامت ڈھا رہی تھیں۔ مصر ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں حکومت کی طرف سے غلہ کی فروخت کا بہت اچھا انتظام تھا۔ ان لوگوں نے بھی غلہ حاصل کرنے کے لیے مصر کا رخ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے بیرونی ممالک سے آنے والوں کے لیے بھی غلہ مہیا کرنے کا انتظام کر رکھا تھا لیکن ان سے غلہ کی مناسب قیمت وصول کی جاتی تھی۔ اور ہر ایک کے لیے غلہ کی مخصوص مقدار سے زیادہ غلہ حاصل کرنا ممنوع تھا۔ ان ہنگامی حالات میں اگر یہ دونوں طریقے نہ اپنائے جاتے تو آپ اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے۔ اگر حکومت مفت غلہ بانٹتی تو خود مصری معاشی حالت بگڑ جاتی اور اگر راشن بندی کا طریقہ جاری نہ کیا جاتا تو کتنے ہی ذخائر کیوں نہ ہوتے چند دنوں میں ختم ہو جاتے۔ اسی حسن انتظام اور حقیقت شناسی کا یہ صلہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام سات سال قحط کے طویل عرصہ میں ملکی معیشت کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کی ضروریات کی کفالت بھی کرتے رہے۔ علمائے اسلام نے آپ کے اسی طریقہ کار سے حکومت وقت کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ ہنگامی حالات میں راشن سسٹم جاری کرے۔ چنانچہ علامہ ابو بکر جصاص لکھتے ہیں وفیما قص اللّٰہ تعالیٰ علینا من قصۃ یوسف و حفظہ للاطعمۃ

جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا

تیار کر دیا ان کے لیے ان (کی رسد غلہ) کا سامان تو فرمایا (اب جو) آؤ تو لے آنا میرے پاس اپنے پدری بھائی کو کیا تم نہیں دیکھتے

تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي

کہ میں کس طرح پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور میں کتنا بہتر مہمان نواز ہوں۔ اور اگر تم اسے نہ لے آئے میرے پاس

بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تو (سن لو) کوئی پیمانہ تمہارے لیے میرے پاس نہیں ہوگا اور نہ تم میرے قریب آسکو گے۔ وہ بولے ہم ضرور مطالبہ کریں گے اس کے بھیجنے

أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي

کے متعلق اس کے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے اور آپ نے فرمایا اپنے غلاموں کو کہ (چپکے سے) رکھ دو ان کا سامان (جس کے عوض انھوں نے غلہ خریدا)

فی سنی الجدب وقسمته علی الناس بقدر الحاجة ودلالة علی ان للائمة فی کل عصر ان ینظروا مثل ذلک اذا خافوا هلاک الناس من القحط (احکام القرآن)

کنعان کا علاقہ بھی اس قحط کی زد میں تھا دوسرے لوگوں کی طرح حضرت یعقوب کے فرزندوں نے بھی بار برداری کے مویشی لیے اور مصر کا رخ کیا کیونکہ غلہ کی تقسیم کا سب کام حضرت یوسف کی ذاتی نگرانی میں ہو رہا تھا اس لیے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کر کے غلہ کے لیے درخواست کی حضرت یوسف سے ان کی ملاقات اگرچہ عرصہ دراز کے بعد ہوئی تھی لیکن آپ نے دیکھتے ہی اپنے بھائیوں کو پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہ پہچان سکے اور پہچانتے بھی تو آخر کیونکر ان کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ شاہانہ لباس میں ملبوس مسند نگار کرسی پر بیٹھا ہوا جس کے حکم کی تعمیل کے لیے سینکڑوں ہزاروں ملازم دست بستہ کھڑے ہیں یہ وہ یوسف ہے جسکو ہم نے ایک اندھے کنویں میں پھینکا تھا اور پھر چند ٹکوں کے عوض میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے جذبات کو بے قابو ہونے نہ دیا ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کے گھر کے حالات دریافت کیے تو انھیں کی زبانی یہ بھی پتہ چل گیا کہ ان کا ایک اور بھائی بھی ہے جسے وہ گھر چھوڑ آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا حصہ لینے کے بعد اپنے والد اور اپنے بھائی کے لیے بھی راشن کا مطالبہ کیا ہو اور حضرت یوسف کے دریافت کرنے پر بتایا ہو کہ ہمارے باپ بوڑھے ہیں اور اس بچے کو ہم ان کی خدمت کے لیے چھوڑ آئے ہیں اس طرح ان کی زبان سے ہی بنیامین کا ذکر آگیا ہو۔ امام رازی نے یہی بیان کیا ہے۔ بہرحال آپ نے انھیں رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس دفعہ میں تمہارے چھوٹے بھائی کا راشن دے رہا ہوں لیکن آئندہ اسے ہمراہ لانا ہوگا۔ دیکھو میں تم سے کتنی مہربانی اور فراخدلی سے پیش آرہا ہوں۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ اگر تم اس کو نہ لائے تو پھر تمھیں کچھ غلہ نہیں ملے گا۔

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ

ان کی خورجیوں میں تاکہ وہ اسے پہچان لیں جب وہ واپس لوٹیں اپنے گھر والوں کے پاس شاید وہ لوٹ کر آئیں

يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ

پھر جب واپس لوٹے اپنے باپ کے پاس تو عرض کرنے لگے اے ہمارے پدر! بند کر دیا گیا ہے ہم سے

فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ

غلہ سو (اب) روانہ کیجیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو تاکہ ہم غلہ لا سکیں اور ہم یقیناً اس کی نگہبانی کریں گے آپ نے (یہ جواب) فرمایا

آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ

کیا میں اعتماد کروں تم پر اس کے بارے میں بجز اس کے جیسے میں نے اعتماد کیا تھا تم پر اس کے بھائی کے بارے میں اس سے قبل پس

خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ

اللہ تعالیٰ ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ زیادہ مہربان ہے تمام مہربانی کرنے والوں سے۔ اور جب انھوں نے کھولا اپنا سامان تو

۶۲ جب اپنے بھائیوں کی زبانی آپ کو اپنے خاندان کی تنگدستیوں کا علم ہوا تو آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ اپنے بھائیوں سے اس غلہ کی قیمت وصول کریں۔ اس لیے آپ نے غلہ تول کر دینے والوں کو کہا کہ ان کا زرِ بہا ان کی بوریوں میں اس طرح رکھ دو کہ انھیں پتہ نہ چلے۔

۶۳ جب اپنے وطن پہنچے تو عزیز مصر کی عنایات خسروانہ، نیز اس کی محبت بھری گفتگو کا سارا تذکرہ حضرت یعقوب سے کیا اور ساتھ ہی یہ بھی گزارش کر دی کہ اس کریم النفس حاکم نے ہمیں پرزور تاکید کی ہے کہ آئندہ بنیامین کو اپنے ہمراہ لے آئیں۔ حضرت یعقوب کو یقین دلانے لگے کہ آپ ہرگز فکر نہ کریں ہم اس کی خوب دیکھ بھال کریں گے اور اس کی حفاظت میں ذرا سستی نہ کریں گے۔

۶۴ آپ نے فرمایا میں تمھیں خوب جانتا ہوں اور تمھارے وعدوں کی حقیقت بھی مجھے معلوم ہے۔ میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا میرا بھروسہ تو اپنے رب پر ہے اور اسی کی حفاظت مجھے کافی ہے۔

۶۵ اس ابتدائی ملاقات سے فارغ ہوئے تو بوریوں کو کھولنے لگے تاکہ غلہ نکال کر حفاظت سے رکھیں۔ ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی ساری رقم ان کی بوریوں میں رکھ کر واپس کر دی گئی ہے۔ خوشی سے بے قابو ہو گئے۔ دوڑتے ہوئے پھر حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں بتانے لگے کہ ان کے ساتھ عزیز مصر نے کیسا برتاؤ کیا ہے۔

نمیر: مار اهله یمیرہ میرا اذا حمل الیهم الطعام من بلد آخر یعنی دوسرے علاقے سے سامان خورد و نوش کو اپنے اہل و

وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ

انھوں نے دیکھا کہ ان کا مال انھیں واپس لوٹا دیا گیا ہے (ترغیب دینے کے لیے) کہنے لگے اے ہمارے پدر (محترم) ہم اور کیا چاہتے ہیں یہ دیکھیے

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ

ہمارا مال بھی لوٹا دیا گیا ہے ہماری طرف اور (دوبارہ) غلہ لائیں گے ہم اپنے اہل خانہ کے لیے اور حفاظت کریں گے اپنے بھائی کی اور زیادہ لیں گے

بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿٦٥﴾ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ

ایک اونٹ کا بوجھ۔ یہ غلہ بہت تھوڑا ہے۔ آپ نے فرمایا میں ہرگز نہیں بھیجوں گا اسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ کرو تم میرے ساتھ

مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ

وعدہ پختہ کیا گیا ہو اللہ کی قسم سے کہ تم ضرور لے آؤ گے میرے پاس اسے بجز اس کے کہ تمہیں گھیر لیا جائے پس جب وہ لے آئے

مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ يَا بَنِيَّ

آپ کے پاس اپنا پختہ وعدہ تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو ہم گفتگو کر رہے ہیں اس پر نگران ہے اور آپ نے کہا اے میرے بچو!

لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ ۖ

(شہر میں) نہ داخل ہونا ایک دروازہ سے بلکہ داخل ہونا مختلف دروازوں سے

عیال کے لیے آتا۔

آپ نے انکار فرما دیا کہ میں ایک بار پھر تجربہ کے لیے اپنے بیٹے کو تمہارے ساتھ بھیجنے کو تیار نہیں ہوں۔ ہاں اگر تم پختہ قسم اٹھاؤ اور مجھے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یقین دلاؤ کہ تم اسے بحفاظت واپس لے آؤ گے تو پھر بیشک اس کو بھیج سکتا ہوں۔

مگر یہ کہ تم سب کو دشمن گھیر لیں اور تمہیں ہلاک کر دیں۔ اِلَّا اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ جَمِیْعًا اور قتادہ نے کہا ہے الا ان تغلبوا حتی لا تطیقوا ذلک یعنی یہاں تک کہ تم کو بالکل مغلوب اور بے بس بنا دیا جائے۔

انھوں نے حضرت یعقوب کو مطمئن کرنے کے لیے پختہ قسمیں اٹھائیں۔ یہاں تک کہ اس طرح کی قسم اٹھائی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قسم جو محمد مصطفیٰ کا رب ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے (قرطبی) تو آپ مجبور ہو گئے اور بن یامین کو بھیجنے پر آمادگی ظاہر کی۔

وَمَآ أُغْنِي عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ

اور نہیں فائدہ پہنچا سکتا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالیٰ کے لیے اسی پر

تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ

میں نے توکل کیا ہے اور اسی پر توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو ۹۵ اور جب وہ (مصر میں) داخل ہوئے جس طرح

أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً

حکم دیا تھا انہیں ان کے باپ نے۔ وہ نہیں فائدہ پہنچا سکتا تھا انہیں اللہ کی تقدیر سے کچھ بھی مگر ایک تمنا تھی ایک خیال تھا

فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ

نفس یعقوب میں جسے انہوں نے پورا کیا اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا تھا انہیں لیکن

۹۵ جب ان کا پہلا ذخیرہ ختم ہو گیا اور مزید غلہ لانے کے لیے مصر جانے کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حضرت یعقوب نے اپنے فرزندوں کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ جب شہر میں داخل ہونے لگو تو ایک جتھے کی صورت میں داخل نہ ہونا بلکہ دو دو، تین تین ہو کر مختلف دروازوں میں سے داخل ہونا۔ آپ کے اس ارشاد کی کیا وجہ تھی؟ علماء کرام نے اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں۔ یا تو آپ کو یہ خیال آیا کہ جب گیارہ کڑیل، تنومند، وجیہ، حسین و جمیل نوجوان ایک ساتھ شہر میں داخل ہوں تو ممکن ہے لوگ ان کے ساتھ حسد کریں یا بادشاہ کے پاس جا کر ان کی کوئی شکایت کر دیں اور بادشاہ کہیں انہیں قید کر دے۔ امام رازی فرماتے ہیں ہذا الوجه محتمل لا انکار فیه کہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے لیکن اکثر علماء کا خیال یہ ہے کہ آپ نے انہیں نظر بد سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا تھا اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ نظر حق ہے۔ ایک حدیث میں حضور سے مروی ہے ان العین لتدخل الرجل القبر والجمل القدر یعنی نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈی میں پہنچا دیتی ہے۔ نیز حضور ان کلمات طیبات سے حسنین کریمین کو دم فرمایا کرتے تھے اعوذ بکلمات الله التامة من کل شیطان وھامة ومن کل عین لامة۔ جس شخص کو اپنے متعلق یہ خیال ہو کہ اس کی نظر لگتی ہے تو اسے چاہیے کہ جب کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند آئے تو کہے تبارک اللہ احسن الخالقین اللهم بارک فیه اور جس کو نظر کی وجہ سے تکلیف پہنچے تو جس کی نظر سے تکلیف ہوئی ہو اس کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے۔

۹۶ امر کے طور پر انہیں ایک تدبیر بتلا دی لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ تدبیر بھی اسی وقت مفید ثابت ہو سکتی ہے جب اذن الٰہی ہو۔ اسی کا فرمان نافذ ہے اور ہم سب کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ

اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ۱۰۱ اور جب پہنچے یوسف کے پاس تو یوسف نے جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو (ترجمہ)

أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا

اسے فرمایا میں تمہارا بھائی ہوں سو نہ غمزدہ ہو ان حرکتوں پر جو یہ کیا کرتے تھے ۱۰۲ پھر جب

جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ

فراہم کر دیا انہیں ان کا سامان (خوراک) تو رکھ دیا (شاہی) پیالہ اپنے بھائی کی خورجی میں پھر پکارا ایک

مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِم مَّاذَا

پکارنے والا اے قافلہ والو! بالشبہ تم چور ہو انہوں نے (حیرت زدہ ہو کر) کہا اور (ان کی) طرف متوجہ ہوئے

۱۰۱ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کو اس بات کا یقین علم تھا کہ اذن الٰہی کے بغیر کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی امام فرماتے ہیں کہ اگرچہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے اسباب کو اختیار کرنا ہم سب پر فرض ہے لیکن اسے یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور اس کی کوئی احتیاط اسے تقدیر کے فیصلے سے نہیں بچا سکتی۔ انہیں کے الفاظ ہیں فالواجب على الانسان ان يسعى في تحصيل الاسباب بالمعتبرة في هذا العالم وأن يعتقد ويجزم بأنه لا يصل إليه إلا ما قدره الله تعالى وأن الحذر لا يغني من القدر نیز امام موصوف نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ کو علم تھا کہ مصر کا حکمران آپ کا لخت جگر یوسف ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابھی اس راز کے افشا کرنے کی اجازت نہ تھی انہ علیہ السلام کان عالما بان ملک مصر هو ولده یوسف الا ان الله تعالی ما اذن له فی اظهار ذلک (کبیر)

۱۰۲ حضرت یعقوب علیہ السلام کے فرزند اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ جب مصر کے پایہ تخت میں پہنچے تو حسب ہدایت مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ آپ کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بڑی عزت و تکریم سے خوش آمدید کہا۔ شاہی مہمان خانہ کے نگران کو حکم دیا کہ دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا جائے۔ بنیامین کو بھی تنہائی کا خیال آیا تو افسردہ ہو گئے۔ ان کو افسردہ دیکھ کر حضرت یوسف نے انہیں بلایا اور اس افسردگی کی وجہ پوچھی تو آپ نے کہا مجھے آج اپنا بھائی یاد آ رہا ہے۔ کاش وہ ہوتا تو میں بھی اس کے ساتھ ٹھہرایا جاتا۔ آپ نے تنہا ہیں ان کی دلداری کے لیے ان کو اپنے پاس ٹھہرنے کا حکم دیا۔ تنہائی میں جب ملاقات ہوئی تو آپ نے پوچھا کیا تیرے بھائی کی یاد تمہیں ہر وقت تڑپاتی رہتی ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ میں تمہارا بھائی یوسف بن جاؤں۔ دونوں بھائیوں نے بچھڑنے کے بعد اس طرح کی ملاقات کی ہوگی۔ اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اس نئی ملاقات میں بنیامین کو بھی بھائیوں کی زیادتیوں کا تذکرہ کیا۔ تو آپ نے فرمایا

فلا تبتئس بما كانوا يعملون۔

تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ

(تم) کس چیز کو گم کر بیٹھے ہو انھوں نے کہا ہم نے گم کیا ہے پیمانہ بادشاہ کا پیالہ اور وہ شخص جو ڈھونڈ لائیگا اسے بطور انعام بار شتر (غلہ)

وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ

دیا جائیگا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ کہنے لگے خدا کی قسم! تم خوب جانتے ہو کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں زمین میں

وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا

اور نہ ہی ہم چوری پیشہ ہیں (۱۰۱) خدام (یوسف) نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے ثابت ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ

۱۰۱ عمر رسیدہ والد کے بعد دنیا میں اپنے چھوٹے بھائی سے ہی تعلق وابستہ تھا اور ایسے حالات میں جب کہ مصر والوں کے زیر نگیں ہے اور مملکت کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں تو چھوٹے کو دل نہ چاہا اور کہا کہ میں تو ان ظالموں کے ساتھ واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا بنیامین میں تمہیں کس طرح روک سکتا ہوں ملکی قانون اجازت نہیں دیتا کہ کسی اجنبی کو ملک میں بے سبب روک لیا جائے۔ ہاں اگر صاف صاف ثابت کی جائے تو قبل از وقت یہ راز فاش ہو جاتا ہے اور اس کی ابھی اجازت نہیں۔ ایک طریقہ ہے اگر آپ کے سامان میں شاہی قیمتی پیالہ رکھ دیا جائے تمہاری روانگی کے بعد لازمی طور پر جب اہل کار اس پیالہ کو نہ پائیں گے تو تمہارے سامان کی تلاشی لیں گے وہ پیالہ جب تمہارے سامان سے برآمد کر لیا جائیگا تو پھر تمہیں روکنے کی صورت نکل آئے گی۔ لیکن اس طرح تم پر چوری کا الزام لگے گا کیا تم اسے برداشت کر لو گے۔ انھوں نے بخوشی اجازت دیدی۔ آپ نے خود یا کسی خادم خاص کے ذریعہ پیالہ ان کے سامان میں رکھ دیا جب قافلہ روانہ ہو گیا اور دفتر کے خدام کے اہل کاروں نے وہ پیالہ مفقود پایا تو انہیں سخت فکر لاحق ہوئی سوچنے لگے ابھی تو پیالہ یہیں تھا اور ان لوگوں کے بغیر اور کوئی یہاں آیا بھی نہیں اس لئے یہی بات صحیح ہو گی کہ ضرور وہ پیالہ وہی لوگ لے گئے ہیں۔ فوراً ان کے تعاقب میں ایک شخص چند آدمیوں کے ساتھ بھیجا گیا۔ جب اس قافلہ کے نزدیک پہنچا تو اس نے بلند آواز سے کہا اے قافلہ والو ٹھہر جاؤ۔ تم تو چور ہو۔

۱۰۲ یہ سنتے ہی وہ دہشت زدہ ہو گئے اور پیچھے مڑ کر پوچھنے لگے کیا چیز گم ہو گئی ہے انھوں نے بتایا کہ شاہی پیالہ نہیں مل رہا حالانکہ یہاں وہاں کوئی اور آیا بھی نہیں یقیناً پیالہ تمہارے ہی پاس ہے اور تم میں سے جو پیالہ تلاش کر دے گا اسے غلہ کا لدا ہوا ایک اونٹ بطور انعام دیا جائیگا۔

۱۰۳ وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی صفائی پیش کرنے لگے۔

۱۰۴ شاہی اہلکاروں کو اپنی جگہ یقین تھا کہ ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی برأت کر رہے تھے بالعموم ایسے موقع پر یہی ہوتا ہے کہ ملزم سے ہی پوچھا جاتا ہے کہ تم جو اپنی صفائی پیش کر رہے ہو تم خود ہی بتاؤ کہ اگر تم پر یہ الزام ثابت ہو جائے تو تمہیں کیا سزا دی جائے یہی بات ان ملازمین شاہی نے بھی کہی انھیں یہ بات کا پتہ نہیں تھا اس لیے انھوں نے کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے کوئی چور ثابت ہو تو ہم اسے سخت سزا دیں گے جو ہماری شریعت میں ہے کہ چور کو ہم آپ کے سپرد کر دیں گے۔ وہ عمر بھر غلام رہے گا۔

www.KitaboSunnat.com

جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں پیالہ دستیاب ہو تو وہ خود ہی اس کا بدلہ ہے اسی طرح ہم سزا دیا کرتے ہیں

الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۗءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا

ظالموں کو۔ پس تلاشی لینی شروع کی ان کے سامانوں کی یوسف نے بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے آخر کار نکال

مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ

لیا وہ پیالہ اس کے بھائی کی خرجی سے۔ یوں تدبیر کی ہم نے یوسف کے لیے نہیں رکھ سکتے تھے یوسف اپنے بھائی کو

☆ اب ان کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی یہ قدرتی بات تھی کہ ابتدا سب سے بڑے بھائی کے سامان سے ہوئی ہوگی۔ اور آخر میں سب سے چھوٹے کی باری آئی ہوگی۔ سب کے سامان کھول کھول کر تلاشی لی گئی لیکن پیالہ برآمد نہ ہوا۔ آخر بن یامین کا سامان کھولا گیا تو پیالہ مل گیا۔ ان کی تجویز کردہ سزا کے مطابق بن یامین کو پکڑ لیا گیا اور اسے حضرت یوسف کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت یوسف اپنے راز کو افشا کیے بغیر اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔

معتبر تفاسیر کے مطالعہ سے صورت حالات کو جس طرح میں سمجھا ہوں وہ میں نے پیش خدمت کر دی۔ اس کے بعد ان شبہات کا احتمال ہی باقی نہیں رہتا جو یہاں صورت حال کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث کیے جاتے ہیں۔

☆ یہاں دو امر تحقیق طلب ہیں۔ (۱) ایک کدنا کا معنی کیا ہے اور کیا اس کی نسبت ذات خداوندی کی طرف جائز ہے۔ عام طور پر کید کا معنی حیلہ سازی اور فریب ہی کیا جاتا ہے لیکن لغت عرب میں اس کے علاوہ کئی دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے کسی کام کو کرنے، کوئی تدبیر سوچنے اور ارادہ کرنے کے معنی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے چنانچہ علامہ ابو عبداللہ قرطبی لکھتے ہیں۔ وقوله تعالیٰ کدنا معناه صنعنا عن ابن عباس، القتبی: دبرنا ابن الانباری: اردنا (قرطبی)

یعنی حضرت ابن عباس نے کدنا کا معنی کیا ہے صنعنا یعنی ہم نے یوں کیا اور قتبی نے اس کا معنی دبرنا کیا ہے کہ ہم نے یوں تدبیر کی۔ ابن الانباری نے اس کا معنی اردنا کیا ہے کہ ہم نے اس طرح ارادہ کیا اور بطور استشہاد کسی شاعر کا یہ شعر بھی ذکر کیا ہے۔

کادت وکدت وتلک خیر ارادۃ ☆ لو عاد من عهد الصبا ما قد مضی۔

یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بڑا بابرکت تھا بشرطیکہ بچپن کا گزرا ہوا زمانہ لوٹ آئے۔ یہاں کاد بمعنی اراد ہے اور اگر پہلا معنی بھی مراد ہو تو اسے اس کے انجام کے پیش نظر ذات باری کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے جس طرح امام رازی نے لکھا ہے۔ فالکید اوله السعی فی الحیلة والخدیعة ونهایته القاء الانسان من حیث لا یشعر فی امر مکروه ولا سبیل له الی دفعه فالکید فی حق الله محمول علی هذا المعنی (کبیر)

دوسرا امر جو تحقیق طلب ہے وہ یہ ہے کہ ان آیات میں ہے کہ کید کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی تدبیر فرمایا ہے اس کے متعلق گزارش ہے کہ اگر ذرا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَ

بادشاہ مصر کے قانون میں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جن کے چاہتے ہیں ۷۱ اور

فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ

ہر صاحب علم سے برتر دوسرا صاحب علم ہوتا ہے۔ بھائی بولے اگر اس نے چوری کی ہے (تو کیا تعجب ہے) بے شک چوری کی تھی

لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ

اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے ۷۲ پس چھپا لیا اس بات کو یوسف نے اپنے جی میں اور نہ ظاہر کیا اسے ان پر۔ (دل میں) کہا تم بہت

اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ

بری جگہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کر رہے ہو۔ وہ کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ

عزیز بتایا تو حقیقت عیاں ہو جاتی ہے۔ یہ سمجھنا تھا کہ اس قافلہ کی روانگی کے بعد فوراً جو پیالہ کی گمشدگی کا پتہ چلتا۔ کچھ دور گزرنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ پیالہ گم ہو چکا ہے۔ اتنے میں دوسری سمت سے ہو کر کے چلے جاتے۔ پہلے انہیں کسی کو چوری سے متہم کرتے اور ان کی طرف ان کا خیال ہی جاتا یا یہ نوبت ہی پیش نہ آتی کہ چوری کی سزا کے متعلق ان سے ہی دریافت کیا جاتا۔ اور اگر ان سے پوچھا بھی گیا تھا تو وہ یہی کہہ سکتے تھے کہ جو بادشاہ کی مرضی ہو اس چور کو سزا دے۔ یہ سب ایسے معاملات تھے جو خلاف توقع تھے۔ اس لیے تو پیالہ کی گمشدگی کا فوراً علم ہو جانا پھر مجرم کا فوراً ان کی طرف منتقل ہو جانا پھر مجرم کی سزا کے متعلق ان سے پوچھنا اور پھر ان کا یہ سزا تجویز کرنا یہ سب تدبیرات الٰہیہ اور اسباب لطف و مقبولیت کی کرشمہ سازی تھی۔ اور اگر ان اتفاقات میں سے ایک اتفاق بھی گم ہو جاتا تو پھر بنیامین کو رکھنے کی کوئی وجہ جواز آپ کو نہ مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی تائید اگر تدبیر یوسفی کو حاصل نہ ہوتی تو حضرت یوسف کے لیے اپنے ملکی قانون کے مطابق بھائی کو روک لینا ممکن نہ تھا۔ علامہ بدرالدین الزرکشی نے البرہان فی علوم القرآن میں لفظ کاد کی تحقیق کرتے ہوئے کہا ہے کاد بمعنی اراد ومنہ کذالک کدنا لیوسف۔ یعنی کاد اراد کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اس آیت میں مستعمل ہے (البرہان جلد ۴ صفحہ ۱۳۹)

۷۱ ایسی تدبیر میں کسی پر کوئی ظلم نہیں کسی پر بے جا الزام نہیں کوئی قانون شکنی نہیں۔ قرآن حکیم نے ایسی تدبیر کے اپنانے کو اللہ تعالیٰ نے رفع درجات سے تعبیر فرمایا ہے۔

۷۲ یعنی برادران یوسف کہنے لگے اے عزیز! آپ اس کے متعلق بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دیں۔ یہ لڑکا جس نے یہ حرکت کی ہے یہ ہمارا سگا بھائی نہیں یہ دوسری ماں سے ہے۔ اس کا ایک اور بھائی تھا وہ بھی چور تھا۔ ہم دوسری ماں کے بیٹے ہیں۔ ہمارا کردار بے داغ ہے۔ ہم اس قسم کی ذلیل حرکتیں نہیں کیا کرتے۔ حضرت یوسف نے بڑی خاموشی اور تحمل سے ان کی یہ دل آزار گفتگو سنی لیکن کسی ناگواری کا مظاہرہ نہ کیا۔ اور ان کو سارے سازوسامان کے ساتھ بڑی عزت و تکریم سے واپس جانے کی اجازت دے دی۔ یہ ہی وہ عالی ظرفی ہے جس نے آپ کو ان کا سردار بنایا اور منصب نبوت پر

لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٧٨﴾

بہت بوڑھا ہے (اسکی جدائی برداشت نہ کرسکے گا) پس ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے ۱۰۷ بیشک ہم تجھے نیکوکاروں سے (دیکھتے ہیں)

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ

بیٹے ہیں آپ نے کہا ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ پکڑیں کسی کو مگر اس کو جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے۔ ورنہ

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ

ہم ظالم ہوں گے۔ پھر جب مایوس ہوگئے یوسف سے تو الگ جاکر سرگوشی کرنے لگے ۱۰۸ (ان کے) بڑے بھائی نے کہا

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ

کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے لیا تھا تم سے وعدہ جو پختہ کیا گیا تھا اللہ کے نام سے اور اس سے

قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ

پہلے جو زیادتی یوسف کے حق میں تم کر چکے ہو (وہ بھی تمہیں یاد ہے) سو میں تو نہیں چھوڑوں گا اس زمین کو جب تک اجازت نہ دیں مجھے میرے

تاکہ کیا اخلاق کی انہیں تعلیم تبلیغ کی طرف تمہیں راغب کرنے کے لیے یہ واقعہ سنایا بھی جا رہا ہے۔

۱۰۷ انھوں نے اپنے باپ کی پیرانہ سالی کا واسطہ دیکر بنیامین کی واپسی کی التجا کی لیکن آپ نے مسترد کردی۔ فرمایا ہم تمھاری تجویز کے مطابق اس کو چھوڑ دیں جس کے سامان سے ہمارا پیالہ برآمد ہوا اس کی جگہ کسی اور کو روک لینا سراسر ظلم ہے۔

۱۰۸ استیأس باب استفعال سے ہے لیکن یئسوا کے معنی میں ہے۔ جس طرح استعجب بمعنی عجب اور استسخر بمعنی سخر۔ وہ ناامید ہوگئے بالکل مایوس (صدر الافاضل) نجیاً مصدر ہے بمعنی تناجیاً منصوب علی الحال من الضمیر فی خلصوا وھو واحد یؤدی عن جمع (قرطبی)

جب حضرت یوسف نے ان کی درخواست مسترد کردی تو یہ بیٹھ کر الگ الگ باہم مشورہ کرنے لگے کہ اب حضرت یعقوب کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ ہماری پیشانی سے پہلا کلنک کا ٹیکہ ابھی دور نہیں ہوا۔ ان میں سے بڑا بیٹا جو سمجھدار تھا اس نے تو گھر واپس جانے سے صاف انکار کر دیا کہ جب تک حضرت یعقوب خود مجھے واپسی کا حکم نہ دیں یا خدا کا کوئی حکم نہ ہو میں یہیں سے نہیں جاؤں گا اور دوسرے بھائیوں کو کہا کہ تم یہاں سے جاؤ اور خود ہی جا کر حضرت یعقوب کو سارا ماجرا بیان کرو کہ تمہارے لڑکے نے چوری کی۔ پیالہ اس کے سامان سے نکلا ہے اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ ہم نے تو اسے نہیں کہا کہ تم چوری کرو اور اگر وہ ہمارے سامنے پیالہ چراتا تو ہم یقیناً اسے روک دیتے اس نے تو اتنی چالاکی سے ہم سب کی آنکھوں میں خاک ڈال کر پیالہ چرایا کہ ہمیں پتہ ہی نہ چلا اور کسی اہلکار کے اس معاملہ میں ہم بالکل بے قصور ہیں حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ہم سے ناراض نہ ہوں۔

أَبِيْٓ أَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

باپ یا فیصلہ فرمائے اللہ تعالیٰ میرے لیے۔ اور وہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔ تم لوٹ جاؤ اپنے باپ کی طرف پھر (انہیں) کہنا

فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا

عرض کرو اے ہمارے محترم باپ! بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی (اس لیے وہ گرفتار کر لیا گیا) اور ہم نے (آپ سے) وہی کچھ بیان کیا جس کا ہمیں علم تھا اور ہم

كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ

نہیں تھے غیب کی نگہبانی کرنے والے۔ اور (اگر آپ کو اعتبار نہ ہو تو) دریافت کیجئے بستی والوں سے جس میں ہم تھے [١٢٢]

الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور (پوچھیے) اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور یقیناً ہم (جو عرض کر رہے ہیں) سچے ہیں۔ آپ نے (یہ سن کر) کہا بلکہ آراستہ کر دی ہے تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ

یہ بات [illegible] پس میرا کام اب صبر جمیل ہے [١٢٣] قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے میرے پاس ان سب کو [١٢٤]

[١٢٢] اور اگر انہیں تمہاری بات پر یقین نہ آئے تو کہنا کہ آپ بے شک مصر جا کر اپنی تحقیق کر لیں یا اس قافلہ میں دوسرے لوگ جو ہمارے ساتھ تھے ان سے دریافت کر لیں قریہ سے مراد مصر ہے۔

[١٢٣] سب بھائی واپس کنعان لوٹ آئے گھر پہنچے لیکن بنیامین ساتھ نہیں تھا۔ حضرت یعقوب نے پوچھا تو سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور پکڑا گیا اس کے متعلق آپ نے فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ یعنی میرے بیٹے پر چوری کا الزام لگانا غلط ہے اس نے ہرگز چوری نہیں کی لیکن یہ ایک راز الٰہی ہے جسے تم نہیں جانتے میں اس نئے صدمہ پر بھی صبر جمیل کروں گا۔ ان ابنی سرق ما سرق وانما ذلک لامر یریدہ اللہ۔ (قرطبی)

[١٢٤] اگرچہ بیسوں برس گزر گئے لیکن یوسف کی کوئی خبر نہ ملی اتنی مدت جدائی کا یہ عالم تھا کہ اس بڑھاپے کی حالت میں بنیامین بھی غلام بنا لیا گیا اور اس کے ملنے کی بھی کوئی امید نہ رہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کا نبی ان تاریکیوں میں بھی دل برداشتہ نہیں ہوتا امید کا وہ چراغ روشن رکھتا ہے جسے غم کی یہ آندھیاں بجھا نہیں سکتیں۔ آپ نے فرمایا میں صبر کروں گا اور صبر کرنا ہی میرے لیے پسندیدہ ہے اب مجھے اپنے رب سے قوی امید ہے کہ شب فراق طویل سہی لیکن صبح وصال بھی جلد طلوع ہوگی اللہ تعالیٰ میرے بچھڑے ہوئے تمام بچوں کو ضرور مجھ سے ملا دے گا۔ بعض مفسرین کرام نے یہاں ایک قول نقل کرتے ہیں کہ آپ کو یوسف علیہ السلام کے مصر میں موجود ہونے کا علم تھا یہ ایک بات ہے [illegible] بلکہ حضرت یعقوب کو علم نہ تھا لیکن حضرت یوسف

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ

بیشک وہ سب کچھ جاننے والا ۱۳۲ بڑا دانا ہے ۱۳۳ اور منہ پھیر لیا آپ نے ان کی طرف سے ۱۳۴ اور کہا ہائے افسوس ۱۳۵

عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾

یوسف کی جدائی پر اور سفید ہو گئیں ان کی دونوں آنکھیں غم کے باعث سو وہ اپنے غم کو ضبط کیے ہوئے تھے ۱۳۶

۱۳۲ پہلے دوسرے بھائیوں کی آمد کے بعد تو اپنے اندر ہی اندر کڑھتے رہے لیکن حال کا پتہ چل گیا اور وہ سمجھ گئے کہ ان سے انھوں نے وہی جھگڑا آپ کیوں نہ کڑھا لیا۔ یا تم از لطف اس کی کیوں نہ بھیجی کہ آپ تم زیر ... ہوں ایسے ہی خاموش رہنا بظاہر برداشت صلح کے منافی ہے اس کا جواب عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے دیا ہے کہ یہ خاموشی بامر الٰہی تھی۔ فان قيل قال البغوي كيف استجاز يوسف ان يعمل مثل هذا بابيه ولم يخبره بمكانه وحبس اخاه مع علمه بشدة وجد ابيه ففيه معنى العقوق وقطيعة الرحم وقلة الشفقة قيل اكثر الناس فيه والصحيح انه عمل ذلك بامر الله تعالى - (مظہری)

۱۳۳ اے میرے سب حال کا مجیب ہے۔ میں اللہ کی حکمت خالی نہیں میں اپنے رب کے حکم کے سامنے تسلیم خم کرتا ہوں اور اسی کے فضل و کرم کی آس لگائے بیٹھا ہوں۔

۱۳۴ جب یہ دوسری چوٹ لگی تو دل کا گھاؤ ہرا ہو گیا اور تمام گھر والوں سے اور دوست و عزیزوں سے منہ موڑ لیا اور اپنے بچے کی یاد میں آنسو بہانے لگے۔

۱۳۵ اسف شدت غم کو کہتے ہیں یعنی اس کی عبارت یوں ہے یا اسفی تعال فهذا اوانك اے میرے درد و غم آجا اب تیرے آنے کا وقت ہے۔ شدت غم و اندوہ کے وقت یہ نعرہ بلند ہوا کرتا ہے۔ کثرت گریہ سے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور بینائی جاتی رہی۔

۱۳۶ کظیم: مملوء من الحزن ممسك عليه لا يبثه یعنی جو شخص غم و اندوہ سے لبریز ہو چکا ہو اور اس نے لبوں پر مہر خاموشی لگا رکھی ہو اور کسی کے سامنے اس کا اظہار نہ کرتا ہو۔

یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے فرزند کی محبت میں اس قدر فریفتہ ہو جانا اور اس کے ہجر و فراق میں رو رو کر آنکھیں سفید کر لینا آپ کے شایان شان معلوم نہیں ہوتا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اہل معرفت نے اس خلش کو یوں دور کیا ہے کہ حسن یوسف کو آپ نے اپنے جمال الٰہی کا آئینہ بنا دیا تھا۔ اس طلعت زیبا کے آئینہ میں تجلیات الٰہیہ کا مشاہدہ فرمایا کرتے تھے جب حضرت یوسف آپ کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو انوار خداوندی کی اس لذت دید سے محروم ہو جانے کے باعث آپ بے چین اور بے قرار ہو گئے ولهذا قال بعض العارفين ان ذلك الاسف والبكاء ليس الا لفوات ما يكشف له عليه السلام من تجلي الله تعالى في مرآة وجه يوسف عليه السلام (روح المعانی) اسی لیے بعد علامہ نے یہ شعر تحریر فرمایا ہے:-

ولعمري لو كان شاهد تجليه كما في ... عين اعيان المحبة صلى الله عليه وسلم ... (روح المعانی)

یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر حضرت یعقوب اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا مشاہدہ کرتے جو فخر موجودات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال میں درخشاں ہے تو انھیں حسن یوسف یاد بھی نہ رہتا اور ان کے ہجر و فراق میں آپ کا یہ حال نہ ہوتا۔

حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے یہ شبہ اور اس کا جواب بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے جو بڑے عارفانہ انداز میں اس حقیقت کو

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ

بیٹوں نے (عرض کی) بخدا! آپ ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں یوسف کو (یہاں تک کہ) کہیں بگڑ نہ جائے آپ کی صحت مثلاً یا

بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف کا حسن انوار الٰہیہ کی جلوہ گاہ تھا۔ اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ایک طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کی تجلی اور مبدأ تعین حق تعالیٰ کی صفت علم ہے جو تمام صفات سے قریب تر اور محبوب تر ہے اور علم کا حسن و جمال اتنا لطیف اور بلند مرتبہ ہے کہ لوگوں کی نگاہیں اسے پا نہیں سکتیں۔ اسی لیے حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمال حسن کو ہماری نظریں پوری طرح نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حسن و جمال قیامت کو بے نقاب ہوگا۔ اس دن دنیا کو پتہ چلے گا کہ حسن حسن محمدی ہی ہے اور جمال جمال احمدی ہی ہے۔ ومعلوم ان حسن جمالہ کیفیۃ له تعالیٰ لکمال لطافته جلوۃ تجلی فی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم من الحسن والجمال ما لا تدرکه الابصار وسیظهر حسنه وجماله فی الآخرۃ فیوسف علیه السلام وان سلم له فی الدنیا تلک الحسن یکون فی الآخرۃ الحسن حسن محمدی والجمال جماله۔

اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بتایا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے حسن پر تو صرف حضرت یعقوب اور دوسرے لوگ فریفتہ تھے لیکن حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال سے خالق کائنات محبت فرماتا تھا۔ کان حسن یوسف علیه السلام بحیث احبه یعقوب والخلائق وکان حسن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم بحیث احبه رب یعقوب والخلائق جل جلاله۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معرفت کی مخصوص زبان میں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے جو عام لوگوں کے علم و فہم سے بالاتر ہے۔ میں نے عام فہم انداز میں اس کا مفہوم اور خلاصہ کلام پیش کیا ہے تاکہ عوام بھی لطف اندوز ہو سکیں۔ اہل علم سے میری التجا ہے کہ وہ خود تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں اور محظوظ ہوں۔ انہیں اعتراف کرنا پڑے گا کہ فیلسوف اسلام شاعر مشرق نے خوب فرمایا تھا اور بجا فرمایا تھا۔

دل بینا بھی کر خدا سے طلب * آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

مثلاً بیٹوں نے جب دیکھا کہ حضرت یعقوب برابر یوسف کے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہتے ہیں اور انہیں یاد کر کے آنسوؤں کے دریا بہاتے رہتے ہیں تو انہیں اس سے باز رکھنے کے لیے کہا کہ اگر یہی حال رہا تو آپ کی صحت بگڑ جانے کی اور موت کے منہ میں جا پڑنے کا اندیشہ ہے۔

تفتؤا: خلیل اور سیبویہ نے کہا ہے کہ قسم میں یہاں لا کو حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت کوئی التباس نہیں ہوتا اور بعض نحویوں کے نزدیک مافتئ اور فتئ دونوں لغتوں میں معنی ایک ہی ہے۔

وعند الخلیل وسیبویه ان "لا" تضمر فی القسم لانه لیس فیه اشکال ولو قیل ما فتئ وفتئ لغتان ولا یستعملان الا مع الجحد (قرطبی)

حارضا: حرض سے ہے اور اس کا اصلی معنی ہے زیادہ غم، غلبہ عشق اور بڑھاپے کی وجہ سے جسمانی اور عقلی قوتوں کا مضمحل ہو جانا۔ نحاس نے کہا ہے کہ جب کسی کو رنج و اندوہ بیمار کر دے تو کہتے ہیں احرضه الهم۔

تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي

آپ بالکل تباہ ہو جائیں — آپ نے فرمایا میں تو شکوہ کر رہا ہوں — اپنی مصیبت اور اپنے دکھوں کا

إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا

خدا کی بارگاہ میں ۸۳ اور میں جانتا ہوں — اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے۔ ۸۴ — اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ

مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ

یوسف کا — اور اس کے بھائی کا — اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے ۸۵ بلاشبہ مایوس نہیں ہوتے

مِنْ رَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا

رحمت الٰہی سے — مگر کافر لوگ۔ — پھر جب وہ گئے (یوسف علیہ السلام) کے پاس تو انہوں نے

۸۳ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے تم کچھ نہ کہو میں تو اپنی حکایت درد و غم صرف اپنے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ بے کس پناہ میں پیش کر رہا ہوں۔ مجھے اس سے مت روکو۔

۸۴ اس لطف و کرم کو جس کی تم مستحق نہیں اور جو راز پوشیدہ ہے انہیں میں ہی جانتا ہوں تم ایک خاموش تماشائی کی طرح دیکھتے رہو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

بثّ: انتہائی حزن و ملال وہ غم جس کو انسان ہزار کوشش کے باوجود چھپا نہ سکے۔ حقیقۃ البث فی اللغۃ ما یرد علی الانسان من الاشیاء المھلکۃ التی لا یتھیأ لہ ان یخفیھا۔ وقیل اشد الحزن۔

۸۵ آپ نے اپنے بیٹوں کو پھر فرمایا کہ جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ آپ اس آیت میں غور فرمائیں حضرت یعقوب کا یوسف کو تلاش کرنے کا حکم دینا صاف بتا رہا ہے کہ آپ کو یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے۔ پھر یوسف کے ساتھ ان کے بھائی کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں ایک ہی جگہ ہیں جس کے پاس تم اپنا بھائی چھوڑ آئے ہو وہیں جا کر تلاش کرو۔ اور آخر میں مزید تاکید فرمائی کہ مایوس نہ ہو کیونکہ اہل ایمان اپنے رب کی رحمت بے پایاں سے مایوس نہیں ہوا کرتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خاموش رہنے کی مصلحت پوری ہو چکی اب پردہ اٹھنے والا ہے اور اذن لب کشائی ملنے والا ہے۔

۸۶ اپنے پدر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق تلاش یوسف میں مصر وارد ہوئے۔ پہلے سب سے پہلے تو عزیز مصر کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی ان مشکلات کا ذکر کیا جن سے قحط سالی کی وجہ سے ان کا سارا خاندان دوچار تھا۔ یہاں تک کہ فاقہ کشی کی نوبت بھی آجاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دی کہ اس سے پیشتر ہم جب غلہ لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو ہم اس کی قیمت ساتھ لاتے تھے لیکن اس دفعہ تو تنگ دستی کا یہ عالم ہے کہ پوری قیمت بھی میسر نہیں ہو سکی تھوڑی سی ردی سی پونجی جو ہم لا سکے ہیں وہ قبول کر لیجئے۔ اے عزیز آپ کا رحیمانہ برتاؤ ہمارے ساتھ بڑا کریمانہ رہا ہے [illegible]

يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

عرض کی اے عزیز! پہنچی ہے ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو مصیبت اور لائے ہیں ہم یہ حقیر سی پونجی۔

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭاِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿٨٨﴾

پس پورا ناپ کر دیجیے ہمیں پیمانہ اور اس کے علاوہ ہم پر خیرات بھی کیجیے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیک بدلہ دیتا ہے خیرات کرنے والوں کو۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿٨٩﴾ ١٢٣

آپ نے پوچھا کیا تمہیں علم ہے جو سلوک تم نے کیا یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے۔

وجہ سے ہمارا غلہ کی مقررہ مقدار میں کمی کی بجائے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ہمارے ساتھ مروت فرمائیے ہم بڑی طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں اور ہماری معاشی حالت اتنی قابل رحم ہے کہ آپ جو جنس عنایت فرمائیں گے ہم جو حقیر سی پونجی لائے ہیں اس سے اس کا معاوضہ ادا کرنے کے قابل نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس عنایت و شفقت کا اجر آپ کو ضرور عطا فرمائے گا۔ بضاعة : مال کا حصہ، رقم، قیمت۔ مزجاة : ازجاء سے ہے کسی چیز کو دور پھینک دینا یا ہانک کر دینا۔ کیونکہ نادار کو اگر قیمت کی بجائے جو بالکل نا قابل قبول ہو دی جائے تو وہ اسے پھینک دیا کرتا ہے اسی مناسبت سے کم قیمت یا کھوٹے سکوں کو بضاعة مزجاة کہا گیا ہے۔ تصدق علینا کا معنی یہاں تفضل علینا کرنا زیادہ مناسب ہے۔

١٢٣ جب آپ کو کنوئیں میں پھینکا اور سر سے قمیص اتاری گئی تھی اس وقت اللہ تعالیٰ نے یوسف کو بتا دیا تھا کہ غم نہ کھا تیرا بال بھی بیکا نہیں ہوگا اور ایک وقت آئے گا جب تو ان کو ان کی یہ داستان سنائے گا۔ آج اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت آ پہنچا لیکن کسی کو کیا معلوم تھا کہ اس وقت یوسف کو یہ تھا اور بھائیوں کو خبر تھی۔ بھائی جنہیں اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا سائل کی صورت میں غلہ مانگنے کے لیے حاضر ہیں۔ سر با ادب احترام سے اپنے فقر و فاقہ کی کہانی بیان کر رہے ہیں۔ بڑے خوشامدانہ لہجہ میں اس سے مزید غلہ دینے کی درخواست کر رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ جو شاہی جاہ و جلال سے شہری تخت پر جلوہ نما ہے وہ یوسف ہے۔ اچانک آپ نے ان سے پوچھا تو بتاؤ جو کچھ تم نے نادانی کی حالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ سلوک کیا تھا وہ بھی یاد ہے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ دہشت اور حیرت سے پوچھنے لگے کہیں آپ یوسف تو نہیں۔ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہ شان و شوکت جو تم دیکھ رہے ہو اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ سب کچھ میرے رب کریم کا احسان ہے جو اس نے مجھ مسکین بندے پر فرمایا ہے۔ اس فضل ربانی کی جو اصل وجہ تھی وہ بھی بتا دی لیکن اس حکیمانہ انداز میں کہ حقیقت بھی بیان ہو گئی اور کسی قسم کی خود ستائی بھی نہیں پائی گئی۔ فرمایا جو تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور جو مشکلات و مصائب میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور خوبیوں کو ضائع نہیں کرتا اور ان کے نتائج سے شاد کام کرتا ہے۔ جو اس سلسلہ پر غور کرتے ہیں حضرت یوسف کی شان کریمی آپ کے ہر ارشاد سے نمایاں ہو رہی ہے۔ بھائیوں سے جب پوچھا کہ تم نے یوسف کے ساتھ جو برا سلوک کیا وہ یاد ہے یہ سنتے ہی انہیں اپنی ساری کارستانیاں ایک ایک کر کے یاد آ گئی ہوں گی اور ندامت کے بوجھ کے نیچے دبے جا رہے ہوں گے لیکن پیشتر اس کے کہ وہ معذرت خواہی کریں حضرت یوسف خود ہی ان کی طرف سے عذر

قَالُوٓا۟ أَءِنَّكَ لَأَنتَ يُوسُفُ ۖ قَالَ أَنَا۠ يُوسُفُ وَهَٰذَآ أَخِى ۖ قَدْ

(دوسرا) بھائیوں کہنے لگے کیا واقعی آپ ہی یوسف ہیں فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بڑا کرم فرمایا ہے

مَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْنَآ ۖ إِنَّهُۥ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ ٱللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

اللہ تعالیٰ نے ہم پر۔ یقیناً جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے (وہ آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر

ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾ قَالُوا۟ تَٱللَّهِ لَقَدْ ءَاثَرَكَ ٱللَّهُ عَلَيْنَا وَإِن كُنَّا

نیکوکاروں کا ضائع نہیں کرتا۔ بھائیوں نے کہا خدا کی قسم! بے شک فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر اور بیشک ہم ہی

لَخَٰطِـِٔينَ ﴿٩١﴾ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ ٱلْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ ٱللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ

خطاکار تھے ۱۲۳ آپ نے فرمایا نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن ۱۲۴ معاف فرمائے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو

یعنی متقیوں کی یہ شان ہے کہ یہ غلطی تم سے بے جھجکی کی وجہ سے کی تھی صحیح حقیقت حال کا علم نہ تھا اب بھی یہی شیوہ ہے کہ اپنے جرم کو تسلیم کرنے میں پریشان نہیں ہو سکتے۔ دیا رنج و غم انہیں بھول جاتا ہے اور اس کے پاس ایسی ندامت کی بھی کمی کرنے کی فکروں میں گم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے جب اللہ تعالیٰ کے احسان کی وجہ بیان کی تو یہ نہیں کہا کہ میں چونکہ متقی اور پرہیزگار تھا اور میرا بھائی بھی ایسا تھا اس لیے مجھ پر یہ کرم ہوا بلکہ قاعدہ کلیہ ذکر کر دیا اسی میں ان کی حوصلہ افزائی بھی فرما دی کہ اگر تم بھی تقویٰ اور صبر کو اپنا شعار بنا لو گے تو تم بھی اس کے انعام و اکرام کے مستحق بن جاؤ گے۔

۱۲۳ بھائیوں کو آپ کی فضیلت کا آخر اعتراف کرنا ہی پڑا خطأ یخطأ اذا تعمد بالذنب واخطأ اذا کان غیر متعمد۔

۱۲۴ جب آپ نے بھائیوں کو اعتراف جرم کے ساتھ اظہار ندامت کرتے دیکھا تو طبع کریم میں پھر جوش آیا اور فرمایا بے فکر ہو جاؤ میری طرف سے تم پر کوئی گرفت نہیں کی جائے گی بلکہ تمہیں ان کارستانیوں کی یاد دلا کر شرمندہ بھی نہیں کیا جائے گا التثریب التعبیر والتوبیخ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس روز مکہ مکرمہ فتح کیا اور کفار قریش کیا بس آپ کے سامنے حاضر کیے گئے تو آپ نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر فرمایا الحمد للہ الذی صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تمام کافروں کے لشکروں کو اکیلے شکست دی۔ پھر ان سرکشوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آج تک اسلام کو مٹانے کے لیے سر توڑ کوششیں کرتے رہے تھے اور غریب مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے ہوئے جن کے ہاتھ نہیں کانپتے تھے۔ جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی ان کو مخاطب ہو کر فرمایا ما تظنون یا معشر قریش اے گروہ قریش تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا قالوا خیرا اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت انھوں نے بیک زبان جواب دیا ہمیں آپ سے بھلائی کی توقع ہے۔ آپ کریم النفس بھائی ہیں اور شریف النفس بھائی کے بیٹے ہیں اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے قدرت و اختیار بھی دیا ہے اور جب کوئی کریم النفس شخص صاحب اختیار ہوتا ہے تو وہ دوسروں کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا کرتا ہے۔

أَرْحَمُ الرّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ

اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے ۱۲۷ لے جاؤ میری یہ قمیص پس ڈال دو اسے میرے باپ کے چہرہ پر

ع ۱۰

أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْرًا ۚ وَأْتُوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ

وہ بینا ہو جائیں گے۔ اور لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل و عیال کو ۱۲۸ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ

الْعِيْرُ قَالَ أَبُوْهُمْ إِنِّيْ لَأَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿٩٤﴾

ہوا تو (کنعان میں) ان کے باپ نے فرمایا میں تو یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں ۱۲۹ اگر تم مجھے بیوقوف خیال نہ کرو۔

قال انا اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم۔ حضور نے فرمایا میں آج تمہارے حق میں وہی فیصلہ صادر کرتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے صادر کیا تھا۔ تم پر آج کوئی گرفت نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و نبیہ و بارک وسلم۔

۱۲۷ اپنے حقوق معاف کرنے کے بعد اب بارگاہ الٰہی میں ان کے قصوروں کی مغفرت کے لیے خود ہی التجا کرتے ہیں۔ یہی وہ شان نبی ہے یہی وہ خلق عظیم ہے یہی وہ عالی ظرفی ہے جس کا نام یوسف ہے۔ انہی خصائل حمیدہ کے باعث بازار مصر میں بکنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو آپ کے قدموں میں جھکا دیا۔ مصر جیسی عظیم مملکت کا تخت بچھایا جاتا ہے۔ اس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا صرف یہی مقصد ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے والی قوم اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کرلے کہ صبر و تحمل، حلم و بردباری، عفت و پاکدامنی، عفو و درگزر اور خوف الٰہی کی صفات حمیدہ سے متصف ہونے والا آخر کار کن بلندیوں، کامرانیوں اور حقیقی مسرتوں سے بہرہ ور کیا جاتا ہے اور باطل کی نام و نمود اور غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی کامیابی کتنی عارضی اور سرعت سے فنا پذیر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ منزل رضا کے راستہ پر چلنے والے کبھی پیچھے ہٹتے نہیں کہ آپ خواہ ان چاہے جائیں گے بلکہ اس راستہ میں گمنامی کے کنوئیں، بازار مصر کی رسوائی، محلات زندگی کی اسیری اور طویل قید و بند کی صعوبتیں آئیں گی۔ اگر ان مرحلوں سے ثابت قدمی سے گزرنے کی ہمت ہے تو آؤ بسم اللہ۔

۱۲۸ جس وقت آپ نے یہ بات فرمائی اس وقت آپ نے جو قمیص پہنی ہوئی تھی وہ اتار کر دی اور فرمایا کہ یہ لے جاؤ اور حضرت یعقوب کی آنکھوں پر جا کر رکھو۔ ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے وہ قمیص بھیجی تھی جسے زلیخا نے پیچھے سے کھینچ کر پھاڑ دیا تھا لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے
هو القميص الذي كان عليه حينئذٍ كما هو الظاهر (روح المعانی)

۱۲۹ واپس جا کر اپنے سارے خاندان کو یہاں لے آؤ تاکہ وہ آرام و آسائش سے زندگی بسر کریں۔

۱۳۰ اس وقت جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی مہر خاموشی توڑی اور فرمانے لگے کہ اگر تم مجھے نادانی اور خبط الحواس کی تہمت نہ دو تو میں تمہیں بتاؤں کہ آج مجھے اپنے بیٹے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ تفنید کے معنی ہیں کسی کو نادانی اور بیوقوفی کی طرف منسوب کرنا۔ ای تنسبونی الی الفند وھو نقصان عقل یحدث من الھرم (قرطبی) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ابھی قافلہ آٹھ دن کی

قَالُوا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ

گھر والوں نے کہا بخدا (بابا جی!) آپ ابھی تک اس پرانی محبت میں مبتلا ہیں۔ ۱۲۴ پس جب آ پہنچا خوشخبری سنانے والا (اور)

اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ

اس نے ڈال دیا وہ پیراہن آپ کے چہرہ پر تو وہ فوراً بینا ہو گئے ۱۲۵ آپ نے (فرط مسرت سے) کہا دیکھو کیا میں نہیں کہا کرتا تھا تمہیں

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ

کہ میں جانتا ہوں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جو تم نہیں جانتے۔ بیٹوں نے عرض کی اے ہمارے پدر (بزرگوار) مغفرت مانگیے ہمارے لیے ہمارے گناہوں (کی)

مسافت پر تھا آپ کو حضرت یوسف کی خوشبو آنے لگی۔

۱۲۴ آپ کے سارے بیٹے تو مصر گئے ہوئے تھے گھر میں جو بہو بیٹیاں یا پوتے پوتیاں تھیں انہوں نے کہا بابا جی پہلے بھی تو آپ کو ہر وقت یوسف کے خواب ہی آتے رہتے ہیں جس خوشبو کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں یہ تو اسی محبت اور وارفتگی کی افسوں کاری ہے۔

۱۲۵ جب قافلہ قریب پہنچا تو ایک قاصد بھیجنے کی تجویز ہوئی تاکہ آپ کو جلد از جلد خوشخبری سنائی جائے چنانچہ یہودا نے کہا کہ اس روز یوسف کی قمیص خون سے لت پت کر کے میں ہی لے گیا تھا اب یہ قمیص بھی مجھے دو کہ میں پہلے جا کر آپ کو یہ مژدہ جانفزا سناؤں۔ شاید میری پہلی غلطی کی کچھ تلافی ہو جائے بعض کی رائے یہ ہے کہ قمیص لیجانے والا شمعون تھا الغرض ان میں سے ایک بھائی قمیص لیکر پہلے پہنچ گیا اور حضرت یوسف کے مل جانے کی خوشخبری سنائی اور ساتھ ہی حضرت یوسف کے ارشاد کے مطابق ان کی قمیص آپ کی آنکھوں پر رکھ دی قمیص کے رکھنے کی دیر تھی کہ اس کی برکت سے آپ کی کھوئی ہوئی بینائی واپس آ گئی فارتد بصیرا کا یہی مفہوم ہے۔ دور حاضر کے بعض ظاہر پرستوں کو یہاں بڑی پریشانی لاحق ہو جاتی ہے کہ کپڑے کی قمیص کو آخر بینائی کے ساتھ کیا تعلق۔ اگر یہ بات کسی روایت یا حدیث میں ہوتی تو بیک جنبش قلم اس حدیث کو غلط بے بنیاد موضوع وغیرہ لکھ کر جان چھڑا لیتے لیکن یہ بات تو قرآن نے خود بیان کی ہے اس کو غلط کہیں تو کیونکر اس لیے یہاں تاویلوں کا سہارا لیا جاتا ہے فرماتے ہیں کہ آپ نابینا نہیں ہو گئے تھے بلکہ محض ضعف بصر کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا جب فرزند دلبند کی بازیابی کی خوشخبری سنی تو فرط مسرت سے تن میں جوش پیدا ہوا اور بینائی قوی ہو گئی لیکن یہ حضرات فارتد بصیرا کے قرآنی کلمات کا کوئی کیا کریں گے۔ سیدھی بات ہے کہ قمیص اگرچہ دوسری قمیصوں کی طرح کپڑے کی بنی ہوئی تھی لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے یوسف کے جسم کے ساتھ مس ہونے کا شرف حاصل ہو گیا تھا جس خدا نے مختلف اشیاء میں حیرت انگیز تاثیرات رکھ دی ہیں اس قادر مطلق کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ اس نے اپنے بندے کی عزت افزائی کے لیے اس کی قمیص کو حضرت یعقوب کے بینا ہونے کا سبب بنا دیا ہو۔ فالظاهر انه علیه السلام صار بصیرا بالقاء القمیص علی وجهه لیس الا من باب خرق العادة ولیس الخارق بمناف هذه القصة۔ (روح المعانی) یعنی بظاہر قرآن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت یعقوب کا بینا ہونا بطور خرق عادت تھا۔

إِنَّا كُنَّا خٰطِئِينَ ﴿٩٧﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ

کہ بیشک ہم ہی قصوروار تھے ۱۳۳ فرمایا عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہی غفور

الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ

رحیم ہے ۱۳۴ پھر جب وہ سب یوسف کے روبرو ہوئے ۱۳۵ آپ نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو ۱۳۶ اور انہیں کہا

ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٩﴾ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى

داخل ہو جاؤ مصر میں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو بڑے اطمینان سے رہو گے۔ اور (جب شاہی دربار میں پہنچے تو) آپ نے اونچا

۱۳۲ جب سب آ گئے تو آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بچھڑا ہوا یوسف ضرور ملائے گا۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ہم پھر اکٹھے ہوں گے۔ میں یہی تو کہا کرتا تھا عسی اللہ ان یاتینی بہم جمیعا (مظہری) یوسف گم شدہ کی بازیابی کی خبر سن کر آپ نے بیٹوں کو وہی الفاظ یاد دلائے جو فراق کے انتہائی دردناک لمحوں میں کہے تھے واعلم من اللہ ما لا تعلمون یہاں فرمایا انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضرت یعقوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا تھا صرف قبل از وقت اظہار کی اجازت نہ تھی۔

۱۳۳ سب فرزندوں نے بڑی عاجزی سے التجا کی اے ابا جان! ہم سے قصور ہو گیا۔ ہم نے بڑی غلطی کی۔ اب ہم اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور سخت نادم بھی ہیں۔ آپ لطف و کرم فرمائیں اور بارگاہ رب العزت میں ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا فرمائیے۔

۱۳۴ آپ نے وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے لیے اپنے رب کے حضور میں مغفرت کی التجا کروں گا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سحری کے وقت اور بعض میں ہے کہ شب جمعہ کو دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی اس دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے قصوروں کو معاف فرما دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں سے التماس دعا کرنا اور پھر ان کی برکت سے دعا کا مستجاب ہو جانا اور بڑے بڑے گناہوں کا بخش دیا جانا قرآن کی ان آیات سے ثابت ہے۔

۱۳۵ حضرت یوسف کی خواہش کے مطابق حضرت یعقوب اپنے سارے کنبہ کو لے کر مصر روانہ ہوئے۔ حضرت یوسف کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی تو ایک لشکر جرار کے ساتھ استقبال کے لیے آگے بڑھے۔ بادشاہ مصر، وزراء اور امراء بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت یعقوب نے جب یہ جاہ و حشمت دیکھی تو پوچھا کیا یہ شاہ مصر کی سواری آ رہی ہے؟ بتایا گیا نہیں بلکہ آپ کا نور نظر یوسف ہے جو آپ کی تعظیم و تکریم کے لیے استقبال کرنے آ رہا ہے۔

۱۳۶ جب قریب پہنچے تو حضرت یوسف اپنے بچھڑے ہوئے ماں باپ سے بغلگیر ہو کر ملے اس ملاقات کی لذت کو ان کے دل ہی جانتے ہوں گے یا ان کی فرقت کا مارا ہے جو مدتوں سے اپنے محبوب کا وصال نصیب ہوا ہو۔ بعض مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ آپ کی والدہ کا انتقال بچپن میں ہو

الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ

بٹھایا اپنے والدین کو تخت پر اور گر پڑے آپ کے لیے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور (یوسف نے) کہا اے میرے پدر بزرگوار! یہ تعبیر ہے میرے خواب

مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي

کی جو پہلے (عرصہ ہوا) میں نے دیکھا تھا۔ بے شک کر دکھایا ہے اسے میرے رب نے سچا۔ اور اس نے بڑا کرم فرمایا مجھ پر جب اس نے نکالا مجھے

گیا تھا اس کے بعد حضرت یعقوب نے آپ کی خالہ سے نکاح کیا تھا اور وہی اس وقت ساتھ تھیں۔ لیکن مجھے علامہ ابن کثیر کی تحقیق زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ زندہ تھیں۔ اور ان کی وفات پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ظاہر بھی ان کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے اور جو چیز قرآن ثابت کرے وہی درست ہے۔ محمد ابن اسحاق اور امام ابن جریر کی یہی رائے ہے قال محمد بن اسحاق و ابن جریر کان ابواہ یعیشان قال ابن جریر لم یقم دلیل علی موت امہ وظاہر القرآن یدل علی حیاتہا (تفسیر ابن کثیر)

ش حضرت یوسف نے عرض کی اب آپ شہر میں قدم رنجہ فرمائیے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کو ہر طرح کا آرام میسر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے شہر سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا تھا۔ ورفع ابویہ علی العرش۔ جب اپنے دربار میں پہنچے جہاں ان کا زرنگار تخت بچھا تھا تمام شاہانہ تکلفات سے سجا ہوا تھا تو بصد احترام اپنے والدین سے اس تخت پر قدم رنجہ فرمانے کی التجا کی اور ان دونوں نے تخت پر جلوس فرمایا۔

ش حضرت یوسف کے والدین اور سب بھائیوں نے آپ کو سجدہ کیا۔ یہاں سجدے سے کیا مراد ہے اور یہ سجدہ کس کو کیا گیا تھا اس میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سجدے سے مراد صرف جھکنا ہے یعنی اظہار تعظیم کے لیے وہ آپ کے سامنے جھکے۔ اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ سجدے سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہے کیونکہ عربی کا لفظ اسی معنی کی تائید کرتا ہے۔ خرّ کا معنی ہے سقط من علو الی سفل اوپر سے نیچے گرنا۔ اور یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ سجدے سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا ہو۔ اب اس صورت میں علماء کا پھر اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ سجدہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اور یوسف بمنزلہ قبلہ کے تھے۔ یہاں "لہ" بمعنی الیہ ہے یعنی آپ کی جانب سجدہ کیا، مسجود اللہ تعالیٰ تھا۔ اور بعض نے کہا تھا کہ یہ ل تعلیلیہ ہے۔ خرّوا لہ سجدا ای خرّوا لاجلہ سجدا یعنی انہوں نے سجدہ تو اللہ تعالیٰ کو کیا تھا لیکن اس کی وجہ حضرت یوسف تھے یعنی اتنی طویل جدائی کے بعد ان سے وصال کا جو موقع دیا گیا تھا اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا۔ لیکن اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسف کو ہی کیا گیا اور اس سے مراد بھی وہی زمین پر پیشانی رکھنا ہے لیکن یہ سجدہ عبادت کا نہیں تھا بلکہ سجدہ تعظیمی تھا جو پہلی تمام شریعتوں میں جائز تھا۔ لیکن حضور کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے سجدہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں سجدوا لہ والثلاثۃ ابوہ وامہ واخوتہ الباقون وقد کان ہذا سائغا فی شرائعہم اذا سلموا علی الکبیر یسجدون لہ ولم یزل ہذا جائزا من لدن آدم الی شریعۃ عیسی فحرم ہذا فی ہذہ الملۃ وجعل السجود مختصا بجناب الرب سبحانہ وتعالی

ش اس وقت حضرت یوسف نے عرض کی اے پدر بزرگوار یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ حضرت سلمان

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ

قید خانہ سے نکالا (۱۲۹) اور لے آیا تمہیں صحرا سے اس کے بعد کہ ناچاقی ڈال دی تھی شیطان نے

بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ

میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان (۱۳۰) بیشک میرا رب لطف و کرم فرمانے والا ہے جس کیلئے چاہتا ہے (۱۳۱) بیشک وہی سب کچھ جاننے

الْحَكِيْمُ ۝١٠٠ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ

والا، دانا ہے (۱۳۲) اے میرے رب! عطا فرمایا تو نے مجھے یہ ملک تو نے سکھایا مجھے باتوں کے انجام کا علم

فارسی کا قول ہے کہ خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر میں چالیس سال کا عرصہ گزرا تھا۔ اخرج جماعۃ عن سلمان الفارسی انہا اربعون سنۃ وھو قول الاکثرین۔

۱۳۰ اس کے بعد آپ نے سامنے حضرت یوسف اللہ تعالیٰ کے احسانات کا اعتراف کر کے اس کا شکر بجا لاتے ہیں جو اس بھلائی کے عوض میں ان پر فرمائے گئے۔ ان احسانات کی ابتدا قید خانہ سے رہائی پانے سے کی لیکن کنوئیں سے نکلنے کا ذکر نہ کیا تاکہ ان کے بھائی شرمسار نہ ہوں۔ مشہور مقولہ ہے کہ ذکر الجفا فی وقت الصفا جفاء یعنی صلح و صفائی کے وقت گزشتہ زیادتی کا تذکرہ ظلم ہے۔

۱۳۱ یہاں بھی بھائیوں کے فعل کو ان کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اس کا ذمہ دار شیطان کو ٹھہرایا۔ یہ بھی آپ کی کریم النفسی تھی۔ احال ذنبھم علی الشیطان تکرماً منہ۔ (روح المعانی)

۱۳۲ ان احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اپنے رب کریم کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ لطیف ہے۔ لطیف اس کو کہتے ہیں جو اپنے احسانات کو بڑی نرمی سے دوسروں تک پہنچائے۔ وحقیقۃ اللطیف الذی یوصل الاحسان الی غیرہ برفق۔ علامہ قرطبی نے لطیف کا یہ معنی کیا ہے جو اپنے بندوں کے ساتھ اس طرح لطف و کرم کرے کہ وہ ان کی ضروریات کو اس طرح فراہم کرے کہ انہیں خبر تک نہ ہو۔ اللطیف ھو الذی یلطف بھم من حیث لا یعلمون ویسبب لھم مصالحھم من حیث لا یحتسبون۔

۱۳۳ اللہ تعالیٰ کی صفات علم و حکمت کی جو جلوہ نمائی اس قصہ سے ہو رہی ہے وہ کسی غور و فکر کرنے والے پر مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ وہ چاہے تو آن واحد میں یہ صورت پیدا ہو جائے۔ اگر وہ چاہتا تو حضرت یوسف کو ان آزمائشوں میں مبتلا کیے بغیر ان مدارج عالیہ پر فائز کر دیتا۔ اس کی قدرت کے سامنے یہ کچھ بعید نہ تھا لیکن اس کی حکمت کے تقاضے کچھ اور ہیں۔ ان بلند مراتب تک پہنچنے کے لیے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن سے حضرت یوسف گزرے۔ انسان کی صلاحیتیں بیدار ہی تب ہوتی ہیں جب اسے زمانہ کے سرد و گرم سے دوچار کیا جاتا ہے۔ صحیح تربیت کے لیے زندگی کے سارے نشیب و فراز سے گزرنا ضروری ہے۔ حضرت یوسف کی ذات کو ایک مثالی کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور رضائے الٰہی کی منزل کے مسافر کو جس قسم کے لوگوں سے جس قسم کے حالات اور جس قسم کی رکاوٹوں سے واسطہ پڑتا

الْأَحَادِيثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا

اے بنانے والے آسمانوں اور زمین کے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں

جسے ان کو بڑے دلنشین انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔ قدم قدم پر یہ تنبیہ سنائی دیتی ہے اے سالک! یہ وقت تیری منزل بڑی دور ہے اس کی راہ بڑی کٹھن ہے اس پر چل کر پہنچنے والے ان رکاوٹوں میں بڑی جرأت سے کام لیتے ہیں۔ گہرے اور خوفناک غار منہ کھولے تیرا انتظار کر رہے ہیں ان کے علاوہ تجھے منزل سے غافل کرنے کے لیے فردوس بداماں وادیاں بھی ہیں جن کے مرغزاروں کے سائے بڑے گھنے اور ٹھنڈے ہیں۔ جن میں کھلنے والے پھول بڑے خوبصورت اور خوشبودار ہیں ایک ایک منظر بڑا دلکش اور دلربا ہے بھلا دیکھیں تیری ہمت کو کہ تو کس طرح کانٹوں سے بچتا ہوا چٹانوں کو روندتا ہوا پہاڑوں کو پھلانگتا ہوا اور ان جنت نظیر وادیوں اور دلکش منظروں سے آنکھیں بچاتا ہوا اپنی منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر کسی راحت نے تجھے اپنی منزل سے غافل کر دیا یا کسی ہوشربا مادہ نے تیری توجہ کو تھوڑی سی بھی ہٹا دیا تو تیرا نام اس منزل کے مسافروں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ یہاں تو ایک لمحہ کی غفلت بھی قیامت برپا کر دیتی ہے۔ ؎

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر ٭ یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ منزل دور شد

اپنے مقبول بندوں کو سرفراز کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے جس پر یہ آیات گواہ ہیں اس منزل کا عروج کرنے سے پہلے طالب صادق کے ساتھ صبر و شکیب کی بلاؤں لپیٹ دیکھے۔ ابتلاء و آزمائش کا مرحلہ طے کرنا لازمی ہے یہی اس کی سنت ہے اور اسی میں اس کی حکمت کی جلوہ ریزی ہے۔ حضرت سیدنا یوسف صدیق علیہ السلام کے حالات طیبہ اور کریمانہ کا ذکر تو آپ کئی مقامات پر کر چکے ہیں لیکن آپ کی اداؤں میں سے تحمل اور تواضع کا جو ظہور یہاں ہو رہا ہے اس کی مثال نہیں۔ یہاں آپ کی ایک شان کا ذکر ہے جن نعمتوں سے آپ کو اب سرفراز کیا گیا ان میں سے کوئی ایسی نعمت نہیں جو آپ نے اپنے رب سے طلب کی ہو۔ یہ سب انعامات و احسانات بے طلب اور بن مانگے عطا فرمائے گئے تھے۔ قرآن میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ آپ نے مصر کے تاج و تخت کے لیے التجا کی ہو یا ان مراتب عالیہ کے لیے تمنا کی ہو کہ ان کے ماں باپ اور بھائی ان کو آکر سجدہ کریں لیکن یہاں وہ پیکر تسلیم و رضا اپنا دامن طلب پھیلا رہا ہے دیکھنا چاہیے کہ جو آج تک بے طلب عنایات شاہانہ کا مورد بنا رہا ہے وہ آج کس نعمت کے لیے زبان سوال کھول رہا ہے اس سے پہلے اپنے رب کریم کے دروازے پر کس شان سے صدا دے رہا ہے اس کے سوال کرنے کا انداز کیا ہے۔ آئیے آپ بھی سیکھیے کہ انسان اپنے خداوند کریم سے مانگے تو کیا مانگے اور مانگے تو کیسے مانگے۔ رب قد آتیتنی سے دعا کا آغاز ہے۔ آپ اپنی احسانات اور انعامات کا اعتراف کر رہے ہیں جن سے آپ کو اب تک بہرہ ور کیا گیا ہے۔ فاطر السموات سے اس کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ کا بیان ہے۔ انت ولی سے اپنی بے بسی کا اظہار کیا کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو ہی میرا کارساز ہے تیرے سوا میرا کوئی نہیں۔ ایسی حمد و ثنا، ایسی تمجید و تحمید اور ایسے اظہار بے بسی کے بعد التجا کی تو کیا مانگا۔

توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین میرے مولیٰ! اس دنیا سے جب میری روانگی کا وقت آئے تو میں اس حال میں یہاں سے رخصت ہوں کہ زبان تیری توحید کا اعتراف کر رہی ہو۔ دل تیری عظمت و کبریائی کے گیت گا رہا ہو اور سر تیرے حضور میں جھکا ہوا ہو تیری نافرمانی کا کوئی داغ میرے دامن حیات کو بدنما نہ بنا رہا ہو۔ جس طرح یہاں سے میری روانگی ہو اور اس کے بعد اپنے صالح

وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ

اور آخرت میں۔ مجھے وفات دے دینا اس حال میں کہ میں مسلمان ہوں اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ (اے حبیب!) یہ قصہ غیب کی

اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا

خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کرتے ہیں آپ کی طرف۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ متفق ہو گئے تھے

اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

اس بات پر درآنحالیکہ وہ مکر کر رہے تھے - اور نہیں ہیں اکثر لوگ، خواہ آپ کتنا ہی چاہیں،

بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

ایمان لانے والے ﴿۱۰۳﴾ اور نہیں طلب کرتے آپ ان سے اس (دعوت و تبلیغ) پر کچھ معاوضہ۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ ع ۱۱

سب جہانوں کے لیے۔ اور کتنی ہی (بے شمار) نشانیاں ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں کہ ہر گوشہ میں آتی ہوئی ہیں جن پر گزرتے ہیں صبح و شام،

بندوں کے ساتھ ملا دے۔ یعنی ان کی سنگت اور رفاقت نصیب فرما۔

یہ ہے مرد حق اندیش کی منزل۔ اس کے لیے وہ ساری عمر مصروف عمل رہتا ہے۔ اس کا سوز و ساز اس کی تگ و تاب اسی کے لیے ہوتا ہے۔ اسی کی دھن میں وہ دن رات بے قرار و بے تاب رہتا ہے اسی کی لگن میں وہ سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ اسی منزل کا پتہ بتانے کے لیے قرآن آیا۔ اسی منزل کی لگن پیدا کرنا اسلام کا مقصد وحید ہے۔ اور اسی منزل کی طرف لے چلنے کے لیے رحمۃ للعالمین کی تشریف آوری ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اللھم ھذا عبدک الضعیف المسکین الذی لا حول لہ ولا قوۃ الا بک وتوفہ مسلما والحقہ بسید الصالحین وقائد الشہداء قدوۃ الصدیقین امام الانبیاء والمرسلین سیدی وحبیبی وشفیعی محمد المبعوث رحمۃ للعالمین اللھم صل علیہ من الصلوات اطیبھا ومن التسلیمات اطھرھا ومن التحیات ازکاھا وعلی الہ واصحابہ واولیاء امتہ الی یوم الدین۔

۱۰۳ یہودیوں کے اکسانے پر مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوسف علیہ السلام کا قصہ سنانے کی درخواست کی جب ان کی یہ خواہش پوری کر دی گئی تو انصاف کا تقاضا یہی تھا کہ وہ اس پر ایمان لے آتے لیکن وہ اپنے کفر پر بضد رہے۔ حضور کریم کے قلب نازک کو تکلیف پہنچی، تو اللہ تعالیٰ نے تسلی دینے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ

گزرتے ہیں اور وہ ان سے روگردانی کیے ہوتے ہیں ۱۲۸ اور نہیں ایمان لاتے اُن میں سے اکثر اللہ کے ساتھ

اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

مگر اس حالت میں کہ وہ شرک کیے ہوتے ہیں ۱۲۹ کیا وہ بے خوف ہو گئے ہیں اس بات سے کہ آ جائے ان پر چھا جانے والا

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ کا عذاب یا آ جائے ان پر قیامت اچانک اور انہیں اس کی آمد کا شعور تک نہ ہو ۱۳۰

۱۲۸ کائن من آیۃ یعنی ان کفار کا اپنے کفر پر اڑے رہنا اس لیے نہیں کہ ان کے سامنے توحید کی کوئی روشن دلیل پیش نہیں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کی روشن دلیلیں تو زمین و آسمانوں میں بکھری پڑی ہیں۔ وہ ان دلیلوں کو دیکھتے بھی ہیں لیکن ہوائے نفس سے اعراض کرتے ہیں اس لیے ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ کائن دراصل ای تھا۔ کاف تشبیہ کا داخل ہوا تو تنوین کو نون بنا دیا گیا تو کائن ہو گیا۔ یہ یہاں کم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۲۹ یعنی ان کفار و مشرکین کی بڑی عجیب حالت ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو کہتے ہیں اللہ نے۔ تمہارا خالق کون ہے کہتے ہیں اللہ۔ بارش کون برساتا ہے اور غلہ کون اگاتا ہے تو کہتے ہیں اللہ۔ لیکن اس کے باوجود بتوں کو بھی الٰہ مانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں۔ بتوں کے متعلق مشرکین کا جو عقیدہ تھا وہ متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے جیسے کہتے ہیں ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ (زمر: ۳) وہ کہتے ہیں کہ ایک شاہی دربار تک ... ہم اپنے بتوں کو پیش کرتے ہیں۔ حج کے موقع پر جو تلبیہ وہ کہا کرتے تھے اس سے بھی ان کے عقیدہ کا پتہ چلتا ہے۔ وہ کہا کرتے لبیک اللھم لبیک لبیک لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک۔ ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں۔ تیرا کوئی شریک نہیں بجز اس شریک کے جس کو تو نے اپنا شریک بنایا ہے تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو مالک ہے۔

یا اس آیت میں مشرکین کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ مصائب میں گھر جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کے آگے ہاتھ پھیلاتے تھے اور جب مصیبتیں ٹل جاتی تھیں تو پھر اس کا انکار کرتے تھے۔ یا اس سے مراد ریاکار ہیں جو عبادت تو اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں لیکن دل میں خیال ہوتا ہے فلاں بھی دیکھ رہا ہے۔ یہ بھی ایمان اور شرک کو یکجا کرنے کی ایک صورت ہے۔ اور اہل حق نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر اسباب ظاہری کی طرف مائل ہوا اور مسبب حقیقی کی طرف سے نگاہ ہٹ گئی تو یہ بھی شرک ہے۔ اسی لیے علامہ آلوسی فرماتے ہیں: والسبب مع الغفلۃ عن المسبب ینافی التوحید الخالص المطلوب فیہ (روح) یعنی ... کسی حالت میں بھی اسباب پر ہی نظر نہیں جمی رہنی چاہیے بلکہ حقیقت میں مسبب الاسباب پر نگاہ رہنی چاہیے۔

۱۳۰ یعنی ان کا عذاب الٰہی سے یوں بے خوف ہو کر کفر و شرک اور فسق و فجور میں مشغول رہنا بڑے تعجب اور افسوس کی بات ہے اگر اس بے خبری

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

آپ فرمائیے یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف واضح دلیل پر ہوں میں اور وہ بھی جو میری پیروی کرتے ہیں اور پاک ہے اللہ تعالیٰ اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔ اور ہم نے نہیں بھیجے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے۔ کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں تاکہ وہ دیکھیں کیسا ہوا تھا انجام ان منکرین کا جو

کے عالم میں اچانک ان پر عذاب الٰہی آگیا یا قیامت قائم ہو گئی تو پھر ان کا کیا بنے گا یہ کہاں سر چھپائیں گے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہی میرا مقصد حیات ہے۔ میں تمہیں یہ دعوت علی وجہ البصیرت دے رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی صداقت کے روشن دلائل ہیں اور مجھے اس کی حقانیت پر محکم یقین ہے۔ اور یہی حال ان لوگوں کے ایمان و یقین کا ہے جنہوں نے سچے دل سے میری پیروی اور اطاعت اختیار کر لی ہے۔ هٰذِهٖ کا اشارہ الی توحید اور قیامت پر ایمان لانے کی دعوت۔ سبیلی سے مراد سنتی و منہاجی۔ اور بصیرت سے مراد وہ روشن دلائل اور قوی براہین ہیں جن کے بعد کوئی اندھیرا نہیں رہتا۔ من اتبعنی۔ میں قیامت تک اطاعت فرمانبرداری کرنے والے لوگ بھی اور صحابہ کرام بالخصوص ان سب میں اولیٰ و برتر ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ من اتبعنی سے مراد صحابہ کرام ہیں یعنی اصحاب محمد کانوا علی احسن طریقة واقصد هدایة معدن العلم وکنز الایمان وجند الرحمٰن یعنی اس سے مراد حضور کریم کے صحابہ کرام ہیں۔ انہی کا طریقہ سب سے بہتر اور انہی کی ہدایت سب سے معتدل تھی۔ وہ علم کی کان، ایمان کا خزانہ اور رحمان کا لشکر تھے۔

کفار اپنی اسی غلط فہمی کا بار بار اظہار کر چکے تھے کہ انسان اس قابل نہیں کہ وہ منصب نبوت پر فائز ہو سکے اس کے لیے تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے جو بشری کمزوریوں سے مبرا ہو۔ ان کے اس وسوسہ کا پھر ازالہ فرما دیا کہ ہماری سنت یہی ہے کہ ہم انسانوں کی طرف انسان ہی کو نبی بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ افادہ اور استفادہ صحیح طور پر ہو سکے۔

اس آیت میں انہیں ان برباد شدہ ملکوں پر نگاہ عبرت ڈالنے کی تلقین کی جا رہی ہے جن کے پاس سے ان کا گزر اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا ۗ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠٩﴾

ان سے پہلے (گزر چکے) تھے۔ اور دار آخرت یقیناً بہتر ہے ان کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں (اے سمجھنے والو) کیا تم نہیں سمجھتے۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا

جب (نصیحت کرتے کرتے) مایوس ہو گئے رسول ۱۵۱ اور وہ (منکرین) گمان کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ بولا گیا ہے

جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ ۖ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ

اس وقت آگئی ان کے پاس ہماری مدد۔ پس بچا لیا گیا جس کو ہم نے چاہا اور نہیں ٹالا جا سکتا ہمارا عذاب اس قوم سے جو

۱۵۱ اس آیت کا یہ حصہ بڑا غور طلب ہے بہت لوگوں نے اس میں ٹھوکر کھائی ہے۔ وظنوا کا فاعل کون ہیں؟ و انہم کا مرجع کون ہے؟ اور کذبوا کا نائب فاعل کون ہے؟ پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ جب انبیاء کرام نے برسوں تک دین کی دعوت دی، اپنی صداقت پر دلائل و براہین پیش کیے، طرح طرح کے معجزات بھی دکھلائے اور دعوت و ارشاد کا یہ سلسلہ سال دو سال تک نہیں بلکہ عرصہ دراز تک جاری رہا لیکن پھر بھی ان کے دلوں میں ایمان کی شمع فروزاں نہ ہوئی تو انبیاء کرام ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے۔ ظنوا کا فاعل بعض لوگوں نے انبیاء کو بنایا ہے اور اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ انبیاء نے یہ ظن کیا کہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت اور کفار پر عذاب نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ ایفا نہیں کیا گیا۔ لیکن اس طرح کا ظن انبیاء کی طرف منسوب کرنا درست نہ تھا اس لیے انہوں نے ظن کے معنی میں تاویل کی اور کہا کہ اس سے مراد محض وہم و خیال ہے جس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ اور کبھی یہ کہا کہ اس ظن کی وجہ ان کا اجتہاد تھا لیکن صاف بات یہ ہے کہ ظنوا کا فاعل کفار ہیں۔ کفار نے یہ گمان کیا کہ یہ رسول جو ہمیں ہر روز عذاب کے نزول سے ڈراتے تھے وہ عذاب کہاں ہے۔ ہم نے تو ان کی دعوت کو ٹھکرانے میں اور انہیں اذیت پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی اور اگر وہ عذاب آنا ہوتا تو اب تک آگیا ہوتا۔ عذاب کا نہ آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے ہم سے غلط بیانی سے کام لیا ہے یا جس نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ان پر عذاب نازل کروں گا اس نے وعدہ خلافی کی ہے (مظہری)

علامہ آلوسی نے طویل بحث کے بعد آخر کار اسی قول کو ترجیح دی ہے فرماتے ہیں وانت تعلم ان الاوفق بتعظيم الرسل عليهم السلام هو ان يبعد عنهم الحوم حول حمى ما لا يليق بهم القول بنسبة الظن الى غيرهم کہ انبیاء کی تعظیم اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ ظن کی نسبت انبیاء کی طرف نہ کی جائے بلکہ غیروں کی طرف کی جائے۔ اب اگر معنی یہ کیا جائے کہ کفار نے یہ خیال کیا کہ ان سے غلط بیانی کی گئی ہے تو اس صورت میں ھم کا مرجع اور کذبوا کا فاعل کفار ہی ہوں گے اور اگر یہ معنی کیا جائے کہ کفار نے یہ گمان کیا کہ انبیاء نے نزول عذاب کا جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے یعنی وہ پورا نہیں کیا گیا تو اس وقت ھم کا مرجع اور کذبوا کا نائب فاعل انبیاء ہوں گے۔

الْمُجْرِمِينَ ﴿١١٠﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

جرائم پیشہ ہے۔ بلاشبہ پہلی قوموں (یعنی حضرت یوسف وغیرہ) کی داستانوں میں (ہر قسم کی) عبرت ہے سمجھداروں کے لیے ۱۵۳

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

نہیں ہے یہ قرآن ایسی بات جو (ازخود) گھڑ لی گئی ہو بلکہ یہ تصدیق کرنے والا ہے ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾

اور یہ (قرآن) ہر چیز کی تفصیل ہے اور سراپا ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۱۵۴

۱۵۳ یعنی حضرت یوسف ان کے بھائیوں، ان کے والدین، اہل مصر اور دیگر لوگ جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے ان کے واقعات میں ارباب عقل و دانش کے لیے بڑی نصیحتیں ہیں۔

۱۵۴ اس قصہ کے بیان کے بعد کفار کے اس قول کی تردید کر دی کہ یہ کلام حضور خود گھڑ کر پیش کرتے ہیں فرمایا کہ تم خود سوچو ایک اُمی جو لکھنا نہیں پڑھتا نہیں کسی صاحب علم کے پاس اس کی نشست و برخاست نہیں ہے۔ وہ اس قصہ کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر کیونکر اس عمدگی سے پیش کر سکتا ہے۔ یقیناً یہ ناممکن ہے۔ اس لیے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب سے قرآن، آسمانی صحیفوں کی تصدیق ہوتی ہے جو پہلے انبیاء پر نازل کیے گئے تھے نیز ان کتب میں جو طرح طرح کے تغیر و تبدل اور تحریف کے پائے جانے سے ان واقعات میں جو الجھنیں اور جو خفا پیدا ہو گئے تھے ان کو یہ کھول کر بیان کرتی ہے نیز یہ سراپا ہدایت اور رحمت ہے اس قوم کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ کا پسند آئے۔

تعارف سورۃ الرّعد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس سورۃ مبارکہ کا نام "الرعد" ہے کیونکہ اس کی ایک آیت میں یہ لفظ مستعمل ہے یسبح الرعد بحمدہ۔

اس کی آیات کی تعداد تینتالیس ہے۔ ۸۵۵ کلمات اور ۳۵۰۶ حروف پر مشتمل ہے۔ اس کے چھ رکوع ہیں۔

نزول: اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا یا مدینہ طیبہ میں؟ اس بارے میں علماء کی آراء مختلف ہیں۔ خود حضرت ابن عباس سے دونوں قول مروی ہیں۔ آیات کا مضمون مکی سورتوں سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ علامہ آلوسی نے یہ کہہ کر اس اختلاف کو ختم کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے لیکن اس میں کئی آیتیں ایسی بھی ہیں جو مدنی ہیں۔ والذی یجمع بہ بین الاختلاف انہا مکیۃ الا آیات منہا۔
(روح المعانی)

مضامین: سورت کا آغاز اس بیان سے ہوا کہ قرآن حکیم کلام الٰہی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی عظمت و کبریائی، اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کو ایسی روشن اور ناقابل انکار تکوینی آیات سے ثابت کیا گیا ہے جن کا انکار فقط وہی بدنصیب کر سکتا ہے جس نے عقل و فہم کا چراغ بجھا دیا ہو۔ سر پر آسمان ہے جس کی رفعت اور وسعت کا اندازہ لگایا ہی نہیں جا سکتا۔ پھر اس میں آفتاب و مہتاب اپنے انوار سے ہر طرف اجالا کر رہے ہیں۔ نیچے زمین کا فرش بچھا ہے اس میں کہیں چشمے ابل رہے ہیں، کہیں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے دریا بہہ رہے ہیں۔ کہیں پہاڑ ہیں جن کی برف پوش چوٹیاں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور جن کی وادیاں قدرت کی رنگینیوں کی جلوہ گاہ ہیں۔ کہیں شاداب کھیت لہلہا رہے ہیں کہیں باغات اپنے گوناگوں شجر ہائے ثمردار کی بہار دکھا رہے ہیں۔ زمین ایک، پانی ایک، لیکن اس ایک زمین سے جو پھل پھول اگتے ہیں وہ اپنے رنگ و بو میں، اپنے ذائقہ اور تاثیر میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ یہ بوقلمونی اور تنوع کہاں سے آ گیا؟ کیا کوئی قلب سلیم اس ذات پاک کا انکار کر سکتا ہے جس کی قدرت کی جلوہ آرائیاں چاروں طرف محو خرام ناز ہیں۔

اس قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ ساتھ ذرا اس کے علم محیط کا بھی اندازہ لگائیے۔ ظاہر و باطن میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کی اسے خبر نہ ہو۔ شکم مادر میں ایک قطرہ آب کو انسان بننے تک جن جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جن تبدیلیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو نازک اور لطیف تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں ان میں سے کوئی بھی تو ایسی بات نہیں جو اس کے علم اور اس کے اذن کے بغیر رونما ہو رہی ہو۔

جس ذات اقدس کی قدرت اتنی کامل، جس کی حکمت اتنی محکم اور جس کا علم اتنا محیط ہو، وہی شریک سے پاک اور صرف وہی معبود برحق ہے۔

ان براہین ساطعہ کے باوجود منکرین حق کی ہٹ دھرمی کچھ عجیب نہیں۔ وہ باطل کے اندھیروں سے اتنے مانوس ہو چکے ہیں کہ حق کا اجالا اپنی ساری تابانیوں کے باوجود ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ وہ شکایت کرتے ہیں تو یہ غور نہیں کرتے کہ انہیں تو حق کو پہچاننے اور اسے حق جاننے

کی سعادت نصیب ہو۔ کفار یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ سچا ہے تو ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ لیکن رحمت خداوندی ان کی اس طفلانہ ضد پر فوراً مواخذہ نہیں کرتی بلکہ انہیں مزید سوچنے سمجھنے اور حق قبول کرنے کی مہلت دی جاتی ہے۔ وان ربک لذو مغفرۃ للناس علی ظلمھم اے محبوب تیرا رب لوگوں کی ظلم کیشیوں کے باوصف ان سے درگزر ہی فرماتا رہتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی، روحانی اور عملی انقلاب برپا کرتا ہے۔ اس کا ذکر بھی آیات ۱۹ تا ۲۴ میں فرما دیا اور اسلام سے بے بہرہ رہنے والے انسانوں کا جو طرز عمل ہے اور جن آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے انہیں بھی آیت ۲۵ میں جامع طور پر بیان کر دیا تاکہ اسلام کے انقلاب آفریں اثرات کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے۔

اگرچہ دوسری سورتوں کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی رشد و ہدایت کا مینار ہے لیکن میں قارئین کی خصوصی توجہ آیات ۱۱، ۱۷، ۲۸ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ آیت ۱۱ میں اللہ تعالیٰ نے افراد و اقوام کے عروج و زوال کا ایک اٹل قانون بیان فرما دیا ہے۔ ہر وہ شخص یا قوم جو اپنی موجودہ پستی اور ذلت پر نالاں ہے اور عروج و بلندی کی خواہاں ہے وہ اس آیت کو بار بار پڑھے۔

قرآن سے ناواقف لوگ عام طور پر یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ تنازع للبقاء STRUGGLE FOR EXISTENCE اور بقائے اصلح SURVIVAL OF THE FITTEST کا نظریہ سب سے پہلے ڈارون نے پیش کیا لیکن اگر آپ آیت ۱۷ کا بغور مطالعہ فرمائیں تو آپ تسلیم کریں گے کہ حکمت کی اس گتھی کا صحیح حل بھی قرآن کے بحر حکمت کا ہی ایک چمکتا ہوا موتی ہے۔

انسان اپنی مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود آج بے چین اور مضطرب ہے۔ اس کے فکر کے افق پر خوفناک اندیشوں اور کربناک تصورات کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ نرم و گداز صوفوں پر بیٹھ کر بھی اسے اطمینان نصیب نہیں۔ ٹیلیویژن کی سکرین پر رقص کرتی ہوئی حسیناؤں کی عشوہ طرازیاں اور نغموں کی پھواریں بھی اس کی پیاس کو بجھا نہیں سکتیں۔ دولت کے انبار بھی اس کو تسکین نہیں دے سکتے۔ اطمینان قلب ہی وہ جنس نایاب ہے جس کی انسان کو آج سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ قرآن کریم نے اپنے سادہ دلنشین اور دل پذیر انداز میں یہ بتا کر "الا بذکر اللہ تطمئن القلوب" (آیت ۲۸) انسان کو اس متاع عزیز کا سراغ بتا دیا۔

آخر میں یہ فرما کر بات ختم کر دی کہ اے محبوب! ہم نے تجھے رسالت کا منصب بخشا ہے اور تجھے رشد و ہدایت عطا فرمایا ہے تاکہ تو اندھیرے میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کرے۔ زبان تیری ہے لیکن بات میری ہے۔ قدم تو اٹھاتا ہے توفیق میں بخشتا ہوں۔ کانٹوں اور دشواریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے منکرین کے شور و غوغا کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے آپ اپنے فرض رسالت کی ادائیگی میں سرگرم رہیں۔ اگر یہ کم بخت تیری نبوت کا انکار بھی کریں تو پرواہ نہیں۔ تیری رسالت، تیری صداقت کا میں خود گواہ ہوں! اور وہ لوگ بھی گواہ ہیں جن کے دل نور ہدیٰ سے منور ہیں۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَاٰيَاتُهَا ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ

سورۂ رعد مدنی ہے اس کی ۴۳ آیتیں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور رکوع چھ ہیں۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الف لام میم را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی۔ اور جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے وہ حق ہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ① اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

لیکن اکثر لوگ (اس کی حقانیت کے باوجود) ایمان نہیں لاتے۔ اللہ (وہ قدرت والا) ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو

۱ے حروف مقطعات اور ان کے متعلق تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول عطاء سے یہ روایت ہے کہ المر مخفف ہے انا اللہ اعلم وارٰی کا۔

۲ے یعنی اس کتاب کی آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی اور جس کتاب کو اللہ تعالیٰ نازل فرمائے اس کے حق ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہو سکتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس سچی کتاب پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کے اعجاز بیان کے سامنے تو انہیں سر ماننے کی جرأت نہ تھی۔ لیکن قرآن جو تین بنیادی اصولوں سے انہیں آشنا کرتا تھا ان پر شدید اعتراض تھا اور وہ کسی قیمت پر ان کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ (۱) توحید باری (۲) روز قیامت (۳) وحی۔ یہ بات ان کی سمجھ میں ہی نہیں آتی تھی کہ ایک اس وسیع و عریض کائنات کا ان گنت مسائل سے کیسے ایک ہی الٰہ سر انجام دے سکتا ہے اجعل الآلهة الها واحدا ان هذا لشيء عجاب نیز قرآن کا یہ کہنا کہ مرنے کے بعد تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہوگا تو یہ بھی عقل و دانش کے خلاف یقین کرتے ہوئے اس بات کا انکار کرتے تھے۔ وہ یہ ماننے کے لیے بھی تیار نہ تھے کہ کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جس پر وحی نازل ہو۔ یہی تین شبہات ان کے دل میں ایسے جڑ پکڑ چکے تھے کہ ان کی موجودگی میں آفتاب جیسے روشن دلائل کے سامنے بھی وہ سر جھکانے کو تیار نہ تھے۔ چنانچہ اس سورت میں انہی تین شبہات کو چند طریقوں سے دور کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی حقیقت کا علم تو انسان کے بس میں نہیں لیکن اس کی صفات کے آئینوں میں اس کی عظمت و کبریائی کے جلوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر تو دیکھو۔ کیا تم اس کی بلندی کا اندازہ لگا سکتے ہو کیا اس کی وسعت و فراخی کا تمہاری نظریں احاطہ کر سکتی ہیں۔ کیا اس کو اتنی بلندی پر تھامنے کے لیے کوئی ستون تمہیں دکھائی دے رہا ہے؟ تم تو ایک چھوٹے سے کمرے کی چھت ڈالنا چاہو تو پہلے دیواریں بناتے ہو پھر شہتیر رکھتے ہو ان پر چھت کی کڑیاں بچھاتے ہو تب جا کر ایک چھت بنتی ہے اور وہ بھی ایسی کہ کچھ مدت کے بعد اس میں شگاف پڑنے شروع ہو جاتے ہیں یا اس پر بھی تمہیں اپنے فن پر ناز ہوتا ہے۔ ذرا اس کی قدرت کو دیکھو جس نے آسمانوں کو ستونوں اور سہاروں کے بغیر کھڑا کر دیا ہے۔ پھر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اسے بنے ہوئے لاکھوں کروڑوں سال گزر گئے اور اس میں کہیں شگاف پیدا

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

بغیر ستونوں کے جیسے تم نہیں دیکھ رہے ہو پھر وہ متمکن ہوا عرش پر جیسے اور پابند حکم بنا دیا سورج

وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ

اور چاند کو ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ اللہ تعالیٰ تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی کھول کر بیان کرتا ہے

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ

اپنی نشانیوں کو شاید تم اپنے رب سے ملاقات کا یقین کرو اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا زمین کو

نہیں ہوتی عمد جمع عماد کی ضمیر کا مرجع سموات بھی ہو سکتے ہیں اور عمد بھی۔ پہلی صورت میں آیت کا ترجمہ وہی ہے جو اوپر درج ہے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے بلند کیا آسمانوں کو ان ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو یعنی آسمانوں کو ستونوں پر تو قائم کیا گیا ہے لیکن ایسے نہیں جو تمہیں نظر آسکیں ای لہا عمد فی الحقیقۃ الا ان تلک العمد ھی قدرۃ اللہ وحفظہ وتدبیرہ وابقاؤہ ایاھا فی الحیز العالی یعنی حقیقت میں اس کے ستون ہیں اور وہ قدرت باری اور امر الٰہی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی جگہوں میں قائم ہیں۔

۲ یعنی کائنات کی تخلیق کے بعد اس کی بقا اور اس کی نشوونما اور اس کی نگرانی کی زمام اس کے دست قدرت میں ہے۔ اس پر حواشی پہلے گزر چکے ہیں۔

۳ اگر اب بھی اطمینان نہیں ہوا تو تمہیں اس کی قدرت کا ایک اور روشن ثبوت دکھائیں۔ سورج اور چاند کو دیکھو کس طرح اپنی مقررہ مداروں میں گردش کر رہے ہیں۔ مقررہ وقت پر طلوع ہوتے ہیں۔ مقررہ راستے سے گزرتے ہوئے غروب ہوتے ہیں۔ انقیاد و اطاعت کا یہ عالم ہے کہ ایک دن بھی انہوں نے چڑھنے ڈوبنے میں تاخیر یا عجلت نہیں کی۔ کیا مجال کہ اپنے مقررہ راستے سے بال برابر دائیں بائیں سرک سکیں۔ کوئی مشرق سے مغرب کی طرف، کوئی مغرب سے مشرق کی طرف، کوئی مائل بجنوب ہے کوئی مائل بشمال ہے۔ کسی کی رفتار تیز ہے اور کسی کی رفتار سست لیکن وہ آپس میں ٹکراتے نہیں۔ رات دن گزرتے ہیں۔ مقررہ وقت سے پہلے اپنا دورہ مکمل کرتے ہیں اور نہ پیچھے۔ خود ہی بتاؤ جس کے حکم سے یہ سب کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے اس کے علم اس کی قدرت میں شک کرنے کی کوئی گنجائش ہے۔ وہ لوگ جو شمس و قمر و دیگر اجرام فلکی کی پوجا کیا کرتے تھے ان کی غلطی بھی بتا دیا کہ وہ تو خدا نہیں، وہ معبود نہیں بلکہ وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح اپنے مالک کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ تسخیر علامہ راغب تسخیر کا معنی لکھتے ہیں التسخیر سیاقۃ الی الغرض المختص قہرا کسی چیز کو قہراً و جبراً کسی مخصوص غرض کی طرف چلانا۔ (مفردات)

۴ یعنی اس جہان رنگ و بو اور عالم ہست و بود کو پیدا کرنے کے بعد وہ بے تعلق ہو کر بیٹھ نہیں رہا بلکہ وجود و عدم، حیات و موت، فقر و غنا اور جملہ مختلف حالات اسی کی تدبیر سے انجام پا رہے ہیں۔ اس پر بھی حواشی گزر چکے ہیں۔

۵ اپنی قدرت و حکمت کی آیات بینات کے ذکر کے بعد ان کے دوسرے شبہ کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں بتایا کہ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ

اور بنا دیئے اس میں پہاڑ ۵ اور دریا ۶ اور ہر قسم کے پھلوں میں سے دو دو

فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

جوڑے بنا دیئے ۷ ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو ۸ بیشک ان تمام چیزوں میں (بڑی) نشانیاں ہیں

آسمان و شمس و قمر اور تمام اجرام فلکی اس کے فرمان کے غلام ہیں۔ اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ مردوں کو قبروں سے دوبارہ زندہ کر کے اپنے حضور میں پیش کرے۔ بیان کا حسن اور اسلوب کی دلکشی قابل غور ہے۔

۵ عالم علوی میں اپنی قدرت کے نشانات کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب عالم سفلی میں اپنی قدرت کے تماشاؤں کی طرف توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے۔ اس آیت میں پانچ دلیلیں ذکر ہو رہی ہیں۔ ذرا دیکھو اور سوچو انصاف کرو اور بتاؤ زمین کا یہ وسیع و عریض فرش کس نے بچھایا ہے۔ کیا تمہارے ان بتوں نے جو تمہیں گھڑے ہوئے ابھی صرف چند سال ہی گزرے ہیں اور انہیں خود بھی کیا تو نے سمجھے ہو جو اس وسیع زمین کے کسی گوشہ میں پڑا بنایا۔ اس آیت سے زمین کے چپٹے ہونے پر استدلال درست نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ زمین کی کرویت دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔ اس کی مخالفت کرنا بہت دشوار ہے۔ انه ثبت بالدلائل ان الارض كرة وكيف يمكن المكابرة فيه ۔ اگر یہ کہا جائے کہ کرۂ ارضی بڑا وسیع ہے اس کو ہم گول نہیں دیکھ سکتے۔ ان الارض جسم عظيم والكرة اذا كان في غاية الكبر كان كل قطعة منها تشاهد كالسطح ۔ یاد رہے کہ امام رازی نے یہ سطور ۶۰۶ھ میں لکھی تھیں جبکہ علمائے اسلام کے نزدیک زمین کی کرویت اس وقت سے پہلے محقق ہو چکی تھی۔

۶ دوسری دلیل: جگہ جگہ پہاڑوں کا قائم کر دینا بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے کہ کس طرح ان کو بلند کیا اور ایک جگہ پر انہیں مستحکم کر دیا جن میں اس نے معدنیات کے خزانے پیدا کر دیئے۔ کہیں سے کوئلہ نکل رہا ہے کہیں سے لوہا کہیں سے سونا برآمد ہو رہا ہے کہیں سے تانبا کہیں سے کچھ اور کہیں سے کچھ۔

۷ تیسری دلیل: پہاڑوں کے سخت پتھروں اور سنگین چٹانوں سے ہزاروں فٹ کی بلندی پر پانی کے ایسے چشمے جاری کر دیئے جن سے چھوٹے بڑے دریا نکلیں اور میدانی علاقوں میں جا کر لاکھوں میل زمین کو سیراب کریں۔ یقیناً یہ اس کی کبریائی کی روشن نشانی ہے۔

۸ چوتھی دلیل: پھلوں کے اقسام کا شمار آسان نہیں۔ ان میں رنگ، بُو، ذائقہ اور تاثیر کا جو بے پناہ فرق ہے وہ بھی کچھ کم حیرت انگیز نہیں۔ اگر آپ یہاں دست قدرت کی ان تمام نیرنگیوں کا احاطہ کرنے سے قاصر ہیں تو ایک قسم کے پھل کو ہی لیجئے ایک ہی زمین ہے ایک ہی موسم ہے اور ایک ہی چشمہ کے پانی سے آبپاشی ہوتی رہی ہے لیکن پھر بھی ان میں یکسانیت نہیں۔ کوئی انتہائی شیریں ہے کوئی بے مزہ ترش۔ کسی کا ذائقہ مزے کا کسی کا اور کوئی بدمزہ ہے اور کوئی ردی۔ سوچو ان میں رنگ، بُو، ذائقہ اور تاثیر کا یہ تفاوت کہاں سے آیا۔ طبعی اسباب تو یکساں تھے۔ معلوم ہوا کہ ان تمام طبعی عوامل کے پیچھے کوئی اور قوت کارفرما ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے۔ اسباب میں اثر بھی اسی نے رکھا

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں (۳) پھر دیکھو زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے

ہے اور نر کا ظہور بھی اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ بھی وہی مقرر فرماتا ہے۔

زمین سے ہر لو نر مادہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ بعض جڑی بوٹیاں فصلیں، پھل دار درخت اور بیلیں ہیں۔ سب میں کوئی نر ہوتا اور کوئی مادہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسی ہوائیں مقرر کر دی ہیں جو نر پودوں سے مادہ تولید لے کر مادہ پودوں پر ڈالتی رہتی ہیں تاکہ عمل تلقیح انجام پذیر ہوتا رہے۔ وجعلنا الریاح لواقح میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

ؔ پانچویں دلیل: دن کے آنے جانے کے بعد رات کی آمد کا پیچھا لگا رہنا بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ آپ خود غور فرمائیے کہ اگر لیل و نہار کا یہ تسلسل نہ ہوتا تو یہ دنیا یا تو صرف تیرہ و تاریک رہتی یا ہمیشہ دن ہی رہتا۔ قبرستان ہوتی یا ایک چٹیل لق و دق صحرا اور دونوں زندگی کی رنگینیوں سے بالکل محروم ہوتے۔

ؔ ان دلائل سے واضح ہوتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ اگر یہ کائنات کسی حادثہ سے عرصۂ وجود میں آئی ہوتی تو اس کے جمال میں یہ رعنائی اور اس کے کمال میں یہ یکسانیت نہ ہوتی۔ اگر کائنات کے کئی خالق ہوتے تو کائنات کی ہر چھوٹی اور بڑی چیز میں جو حیرت انگیز ہم آہنگی موجود ہے وہ مفقود ہوتی۔ آسمان سے لے کر زمین تک سورج سے لے کر ذرہ تک دریاؤں سے لے کر ایک معمولی جڑی بوٹی تک ایسا نظم و نسق قائم ہے گویا کسی ماہر کاریگر نے کائنات کی بے پایاں مختلف متضاد اور بکھری ہوئی چیزوں کو ایسی لڑی میں پرو دیا ہے کہ ایک کو چھوڑ کر دوسری کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پہاڑوں کو بنانے والا کوئی دوسرا خدا ہوتا اور میدانوں کو بنانے والا اور، تو وہ کبھی پہاڑوں سے ایسے دریا جاری نہ کرتا جن کا پانی وہاں سے بہہ کر میدانوں کو جا کر سیراب کرے۔ اگر اجرام فلکی اور زمین کے خالق الگ الگ ہوتے تو انہیں کیا پڑی تھی کہ سورج چاند اور ستاروں کو اتنی مسافت پر رکھتے کہ ان سے پیدا ہونے والی حرارت اور روشنی کی صرف اتنی مقدار زمین پر پہنچے جس سے زندگی نشوونما پا سکے۔ کائنات کے تنوع میں یہ وحدت، اختلاف میں یکسانیت اور ہر چیز کا دوسری چیز سے جو گہرا ربط ہے وہ اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ ایک ہی قادر مطلق حکیم اور بے مثال خدا ہی اس کا خالق ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ لیکن یہ دلائل اس قوم کے دلوں کو ہی اپیل کر سکتے ہیں جو ان آیات بینات میں غور و فکر کیا کرتی ہے۔ کاش ہمارے نوجوان قرآن کی ان آیات کا صدق دل سے مطالعہ کریں اور ان کے تقاضوں کو دیانتداری اور دلسوزی سے پورا کریں تو نتیجہ نہ صرف یہ کہ ان کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکنے لگے بلکہ انسانوں کا منزل گم کردہ قافلہ جو وہم و گمان کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹک رہا ہے اس کی آوارگی کے دن بھی ختم ہو جائیں۔ انھیں بھی وہ منزل مل جائے جو انسان کی حقیقی منزل ہے۔ یہ آیتیں ان نوجوانوں کو اور ان کی خفتہ صلاحیتوں کو سختی سے جھنجھوڑ رہی ہیں کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ وہ اس امت کے فرد ہیں جسے قدرت نے خیر الامم کا لقب دیا ہے اور جس کے فرائض میں اہم ترین فریضہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ اس قیادت کو تسلیم حیات کر کے بتانے کے لیے ہی بات تک رقص کناں ہیں فضاؤں میں وحشت و رقص جاری رہے گا کب تک۔ تیرا گھر لوٹا گیا تیری ناموس تو نے تباہی میں ملا دی تجھ کو اقوام عالم کے قافلے ترقی کی دوڑ میں آگے نکل گئے کیا اب بھی آنکھیں کھولنے کا وقت نہیں آیا۔

أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ

اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں کچھ ایک تنے سے نکلی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی

وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

پانی سے (اسکے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں بیشک ان میں بھی اللہ تعالیٰ

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٤﴾ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ أَإِذَا

کی قدرت کبریائی کی نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقلمند ہے۔ اگر آپ تعجب کرنے والے ہوں تو (واقعی قابل تعجب) حیران کن ہے تو حیرت انگیز ہے ان کا یہ قول بھی

كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ

کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں نئے سرے سے (دوبارہ) پیدا کیا جائیگا یہی (منکرین قیامت) وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا

سلہ اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی طرف پھر توجہ کیا جارہا ہے۔ ذرا غور تو کرو اور دیکھو گردش ہوش و اگر دوادراک سے کام لو یہ تمہاری زمین ہے اس کو مختلف ٹکڑوں میں تم نے تقسیم کیا ہوا ہے۔ کسی میں انگوروں کے باغات لگتے ہو کسی میں اناج اگاتے ہو کہیں کھجوروں کے گلستان لہلہا رہے ہیں۔ ایک ہی پانی سے ان کھیتوں اور باغات کو تم سیراب کرتے ہو۔ زمین بھی ایک، پانی بھی ایک، موسم بھی ایک۔ لیکن دیکھو ہر جگہ ہماری قدرت کے نرالے گل کھلے ہیں۔ کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ کوئی ردی کوئی متوسط پیداوار کچھ کسی کی کچھ۔ کیا یہ ہمارے قادر مطلق ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں۔ اگر یہ ہماری قدرت کا دخل نہ ہوتا تو طبعی اسباب کی یکسانگی کے باعث نتائج میں بھی اسی قسم کی یکسانیت ہوتی۔ اگر عقل و خرد سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سب ہماری قدرت کی منہ بولتی آیات ہیں۔ وهذا اول دليل على بطلان القول بالطبع اذ لو كان ذالك بالماء والتراب والفاعل له الطبيعة لما وقع الاختلاف. قرطبی۔ [illegible] اور اس کلام میں اللہ اور ان لوگوں کا بھی رد ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان آیات سے عیاں ہے۔ تحقیق لغوی: صنوان کا واحد صنو ہے۔ اس کا معنی مثل ہے جیسے حدیث شریف میں ہے عم الرجل صنو ابیہ، چچا باپ کی مثل ہوتا ہے۔ صنوان کھجوروں کے ان متعدد تنوں کو کہتے ہیں جو ایک اصل سے پھوٹے ہوں۔ هي النخلات والنخلتان يجمعهن اصل واحد وتتشعب منه رؤس فتصير نخيلا (قرطبی)

غیر صنوان المتفرق کھجوروں کے الگ الگ درخت۔

سلہ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے ان دلائل کے بعد قیامت پر ان کا انکار تعجب انگیز ہے جب انہیں سمجھا دیا گیا کہ یہ جہاں جس کی صنعت کمال کی جلوہ گاہ ہے جس کا ہر ذرہ اس کی قدرت و حکمت اور علم کے حسین جلوے کا مظہر ہے۔ پھر تو جس کی قدرت و حکمت کی یہ شان ہو کیا اس سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس نے اس کو ازل کے بعد کلیۃً لاجزاء بنایا ہو۔ یکسر

وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

کا انکار کیا اور انہیں (بدنصیبوں) کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔ اور یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس (آگ) میں

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٥﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ

ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور یہ جلدی سے مطالبہ کرتے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کا نیکی (یعنی بخشش) سے پہلے ۱۸ حالانکہ

خَلَتْ مِن قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ

(نادانوں کو یاد نہیں کہ) گزر چکے ہیں ان سے پہلے نزول عذاب کے کئی واقعات ۱۹ اور (اے حبیب!) بلاشبہ آپ کا رب بہت بخشنے والا ہے لوگوں کیلئے

حق کا علم ہاتھوں میں اٹھائے اور ساری دنیا کی اذیتیں اپنی پشت پر لے اور اس گناہ کی پاداش میں کہ وہ حق کو حق کیوں کہتا ہے اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ اسے اپنی بستی سے محروم کر دیا جائے۔ اسے تختہ دار پر کھینچ دیا جائے۔ تو اس کے بعد کوئی ایسا دن آئے جب اس کی اس حق کیشی، جرأت مندی اور ثابت قدمی کا صلہ دیا جائے۔ دوسرا شخص جو ظلم کی بجلی بن کر بے بسوں پر گرتا ہے۔ حقوق غصب کرتا ہے۔ داد عیش دیتا ہے اور یونہی عیش سے جہان سے چلا جائے تو کیا اس کو فراموش کر دیا جائے۔ اور اس کی عمر بھر کی بدکاریوں، بدعنوانیوں اور ذلیلوں کی اسے کوئی سزا نہ دی جائے۔ ایسا ہونا اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ عقل سلیم اس کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دنیا میں کئی تعجب انگیز باتیں ہیں۔ لیکن اس کی اس حقیقت کا اس بے حیائی سے انکار ایک ایسا تعجب خیز امر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی بات حیرت انگیز اور تعجب خیز نہیں ہو سکتی۔

۱۸ یعنی ان منکرین حق کی یہ پرانی عادت ہے کہ اسلام کی حقانیت کے جو روشن دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان میں تو غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتے البتہ اللہ تعالیٰ نے جو عذاب مقدر کیا ہے اس کے جلد آنے کے لیے بڑا شور مچاتے ہیں۔ انہوں نے اسلام کی حقانیت کی صرف ایک دلیل اپنے ذہن میں بنائی ہوئی ہے کہ اگر وہ عذاب آ گیا تو یہ نبی بھی سچا اور اس کا دین بھی برحق۔ اور اگر ان کی فرمائش کے مطابق نہ آیا اور انہیں سوچنے کی مزید مہلت دے دی گئی تو بس یہ فیصلہ دے دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ من گھڑت اور کھوکھلی دھمکیاں ہیں۔ نادان یہ بھی نہیں سوچتے کہ اگر وہ عذاب ان پر نازل کر دیا جائے اور اس وقت اسلام ہو واقعی اسلام کی صداقت کا یقین انہیں آ بھی جائے تو اس سے انہیں کیا فائدہ ہو گا۔ وہ تو تباہ و برباد کر دیے گئے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ نادانو! بچوں کی طرح یہ ضد چھوڑ دو۔ ان مہلت کی گھڑیوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ ان دلائل و شواہد میں غور کرو اور نور ایمان سے اپنے سینوں کو روشن کر لو۔

۱۹ یعنی ان سے پہلے بھی کئی قومیں گزر چکی ہیں جنہوں نے اس قسم کی حماقت کی اور عذاب الٰہی کے نزول کا مطالبہ کیا اور اسی نزول عذاب کو نبی کی صداقت کا معیار قرار دیا۔ ہم نے ان پر ان کی حسب خواہش اور بے صبر اصرار کے باعث جب عذاب بھیجا تو وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئے۔ یہ لوگ ان کے عبرتناک انجام سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ کیا یہ بھی بے چین ہیں کہ پہلے تباہ ہونے والوں کی روش اختیار کر کے اپنے آپ کو بھی بالکل تباہ و برباد کر کے دم لیں گے۔

عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

ان کے ظلم و زیادتی کے باوجود ۱۱ اور بیشک آپ کا رب سخت عذاب دینے والا بھی ہے ۱۲ اور کافر کہتے ہیں

كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ

کہ کیوں نہ اتاری گئی ان کی طرف کوئی نشانی ان کے رب کی طرف سے ۱۳ آپ تو (کفر و سرکشی کے انجام بد سے) ڈرانے والے ہیں

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ

ع اور ہر قوم کے لیے آپ ہادی ہیں ۱۴ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے پھرتی ہے کوئی مادہ اور (جو) گھٹاتے ہیں رحم

المثلات۔ العقوبات اس کا واحد مَثُلَۃٌ ہے یعنی عذاب۔ علامہ راغب لکھتے ہیں المَثُلَۃُ: نقمۃ تنزل بالانسان فیجعل مثالا یرتدع بہ غیرہ وذلک کالنکال جمعہ مَثُلات ومَثْلات۔ (مفردات)

۱۱ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیرا پروردگار تو اپنے بندوں پر عذاب نازل کرنے میں عجلت سے کام نہیں لیتا۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں، قصور کرتے ہیں، کفر و شرک پر اُتر آتے ہیں، فسق و فجور کی انتہا کر دیتے ہیں لیکن وہ عفو و درگزر ہی کرتا رہتا ہے۔ اس کا شیوہ ہی کرم کرنا اور پیہم کرم کرنا ہے۔ کفار تو آپ سے بھی مطالبہ کر کر کے دعائیں مانگتے تھے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء اے اللہ! اگر یہ کتاب سچی ہے اور تیری طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اصرار کے باوجود ان پر عذاب نہ اتارا بلکہ یہ فرمایا: وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم، اے محبوب! تم ان کے درمیان تشریف فرما ہو ان پر عذاب کیسے اتارا جائے گا۔

۱۲ لیکن جب انکار و عناد کی حد ہو جاتی ہے اور مہلت کا عرصہ ختم ہو جاتا ہے تو پھر ان پر اتنا شدید عذاب آتا ہے کہ ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیے جاتے ہیں۔

۱۳ سینکڑوں معجزات دیکھنے کے باوجود پھر وہ یہی کہتے ہیں کہ کوئی اور معجزہ دکھایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو فرماتے ہیں کہ ان کو بتا دیجیے کہ میرا کام تمہیں اس کے عذاب سے ڈرانا تھا وہ میں نے پوری طرح کر دیا۔ میرے رب نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا کہ تم معجزات کے لیے فرمائشیں کرتے رہو اور میں ان کو پورا کرتا رہوں۔

۱۴ عکرمہ اور ابو ضحاک نے کہا کہ ھاد سے مراد حضور کی ذات ہے کہ حضور منذر بھی ہیں اور قیامت تک آنے والی سب اقوام عالم کے لیے رہنما بھی ہیں۔ عن عکرمۃ وابی الضحاک ولکل قوم ھاد ای داع یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ابن کثیر) اور اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی قومیں گزری ہیں یا اب موجود ہیں سب کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کے نائبین کو مقرر کیا کہ انھیں پیغام حق پہنچائیں اور شاہراہ حیات پر چلنے کی دعوت دیں۔

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۖ وَكُلُّ شَيْءٍ عِندَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾ عَالِمُ

رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں [1] اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے ۔ وہ جاننے والا ہے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَاءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ

ہر پوشیدہ چیز کو اور ہر ظاہر چیز کو سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے [2] (اس کے علم میں) سب یکساں ہیں تم میں سے وہ بھی جو آہستہ بات

الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ

کرتا ہے اور جو بلند آواز سے بات کرتا ہے [3] اور وہ بھی جو چھپا رہتا ہے رات کے وقت اور جو چلتا پھرتا رہتا ہے

بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ

دن کے وقت ۔ انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی [4] جو نگہبانی کرتے ہیں اس کی

سلہ اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان کیا جا رہا ہے کہ حمل میں مدت کم یا زیادہ ہونا اور وقت کمی بیشی جسم اور دیگر اہم تغیرات اس میں رونما ہوتے ہیں وہ ان سب کو جانتا ہے۔ ہر چیز کے لیے اس نے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ ہر چیز اسی کے مطابق معرض وجود میں آتی ہے جو باتیں تمھیں اس وقت کی معلوم ہیں جب کہ تم ایک قطرہ آب تھے وہ کیا اب تمھارا کوئی قول اور تمھارا کوئی ارادہ اس سے چھپا رہ سکتا ہے یا اگر تم قبروں میں پڑے پڑے خاک ہو جاؤ اور تمھارے ذروں کو ہوا اڑا لے جائے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے اور قیامت کے دن وہ ان سب منتشر ذروں کو اکٹھا کر کے زندہ کر دے گا اور تم سے باز پرس ہوگی۔

سلہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا الکبیر الذی کل شیء دونہ المتعال المستعلی علی کل شیء بقدرتہ و قہرہ (قرطبی) یعنی کبیر وہ ہے جس سے بڑا کوئی نہیں اور ہر چیز اس کے نیچے ہے اور متعال کا مفہوم ہے کہ جو اپنی قدرت اور طاقت کے باعث ہر چیز پر غالب ہو۔

سلہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے یعنی وہ تمھاری سب باتوں کو جانتا ہے خواہ تم بڑی رازداری سے سرگوشیاں کرو یا بلند آواز سے اظہار خیال کرو خواہ رات کی تاریکی کے پردے میں تم چھپے ہو یا دن کے اجالے میں ظاہر پھر رہے ہو وہ تمھاری ہر بات سنتا ہے اور تمھیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔ سارب بظاہر اس کے علاوہ اس کا معنی المتواری: یعنی سرنگوں میں چھپنے والا۔ السارب المتواری ای داخل سربا (قرطبی)

سلہ یعنی بحکم باری تعالیٰ آپ کے ہر انسان کا حال بچپن سے جتنے تغیرات ہیں وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے اندازے کے مطابق ہوں گے۔ وہ سب ہمارے علم میں ہیں اسی طرح جب انسان اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو ہماری طرف سے فرشتے اس کے اعمال نیک و بد کی نگرانی پر مقرر کر دیے جاتے ہیں۔

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا

اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا کسی قوم کی اچھی یا بری حالت کو جب تک وہ لوگ اپنے آپ میں تبدیلی

بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ

پیدا نہیں کرتے ۲۱؎ اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو تکلیف پہنچانے کا تو کوئی ٹال نہیں سکتا اسے ۲۲؎ اور نہیں ان کے لیے

اور اس کا ہر قول و فعل ریکارڈ کر لیا جاتا ہے۔ روز قیامت جب وہ اپنے جرم کو تسلیم کرنے سے انکار کرے گا تو یہ نوشتہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور پھر اس کو مجال انکار نہیں رہے گی۔

اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو اس کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور صبح و شام کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ ایک روز ایک شخص حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ قبیلہ مراد کے چند آدمی آپ کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں اس لیے اپنی حفاظت کا اہتمام فرمائیے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہوتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں جب تک وہ مقررہ گھڑی نہ آ جائے اور جب وہ ساعت آ جاتی ہے تو وہ فرشتے تقدیر الٰہی کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور موت کا مقررہ وقت ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے جس میں وقت سے پہلے کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ وان الاجل جنۃ حصینۃ۔

اور بعض علماء کا ارشاد ہے کہ لہٗ کا مرجع حضور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی حفاظت کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو کفار کی دست درازیوں اور ان کے مکر و فریب سے حضور کی حفاظت کرتے ہیں۔ معقبات ارث کر نیوالے۔ التعقب العود بعد البدء۔ من امر اللہ میں من بمعنی باء یعنی بامر اللہ۔ ان کی یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سے ہوتی ہے۔

۲۱؎ عزت و سربلندی، خوشحالی اور امن و عافیت کی جن نعمتوں سے کوئی قوم بہرہ ور ہوتی ہے ان سے بلاوجہ محروم نہیں کیا جاتا بلکہ جب وہ خود اپنے اچھے اعمال کو برے اعمال سے، پسندیدہ خصال کو ناپسندیدہ اطوار سے، فرض شناسی، محنت اور جفاکشی کی صفات کو فرض ناشناسی، سہل انگاری اور دون ہمتی سے بدل دیتی ہے اس وقت قدرت کا اٹل قانون اسے عزت کی بلندیوں سے ذلت و نامرادی کی پستیوں میں دھکیل دیتا ہے۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم (من العافیۃ والنعمۃ) حتی یغیروا (ای القوم) ما بانفسھم (من الاحوال الجمیلۃ بالاحوال القبیحۃ) (مظہری)

اسی طرح کسی خستہ حال قوم یا فرد کو بلاوجہ خوشحال نہیں بنا دیا جاتا بلکہ پہلے اسے اپنی مذموم خصلتیں چھوڑنی پڑتی ہیں اور خصائل حمیدہ سے اپنے آپ کو متصف کرنا پڑتا ہے تب اس کی حالت بدلی جاتی ہے۔

۲۲؎ جب کوئی قوم بار بار کی نصیحتوں، ان کے بعد تنبیہوں اور سرزنشوں کے باوجود اپنی اصلاح نہیں کرتی اور اپنی اصلاح کے لیے جو مہلت اسے دی جاتی ہے وہ بھی غفلت میں گزار دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنے اعمال کے بدلے میں کوئی سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر کوئی طاقت اس کو اپنے اعمال کے نتائج سے بچا نہیں سکتی۔ یہ وہ قانون قدرت ہے جس میں کوئی استثنا نہیں۔ یہ حقیقت ہے جو ناقابل تردید

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ

خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مدد کرنے والا ہوتا ہے۔ وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کبھی) ڈرانے کے لیے اور (کبھی)

طَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ

امید دلانے کے لیے اور اٹھاتا ہے (دوش ہوا پر) بھاری بادل اور رعد اس کی پاکی بیان کرتا ہے اس کی حمد کے ساتھ ۲۴

وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا

اور فرشتے بھی اس کے خوف سے (اس کی تسبیح کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ گراتا ہے بجلیاں ۲۵ پھر گراتا ہے انھیں

ہے کیا تم سب کو اپنے اعمال و اطوار کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اس روشن آیت کے بعد بجلی کی چمک اور گرج کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے

۲۴ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور شواہد پیش کیے جا رہے ہیں کہ بادلوں میں جو بجلی کوندتی ہے جس کی خیرہ کن چمک دیکھ کر تمہارے دلوں میں بیم و رجا کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تم ڈر بھی رہے ہوتے ہو کہیں تم پر گر کر تمہیں ہلاک نہ کر دے اور خوش بھی ہو رہے ہوتے ہو کہ بارش ہوگی کھیت اور باغات سیراب ہو جائیں گے اور تم خوشحال ہو جاؤ گے۔ یہ بجلی اور یہ بھاری بھرکم بادل جو ادھر ادھر منڈلاتے پھرتے ہیں تمہیں معلوم ہے کس نے پیدا کیے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات ہے جس کی تخلیق کا یہ کرشمہ ہے۔ خوفاً اور طمعاً کے منصوب ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ حال ہیں اور یہ بھی کہ یہ مفعول لہ ہیں قال ابو البقاء خوفا وطمعا مفعول من اجلہ۔ سحاب : اسم جنس ہے مذکر، مونث، مفرد، جمع سب پر یہ استعمال ہوتا ہے۔

۲۵ یہ بجلی کی کڑک جسے سن کر تم دہل جاتے ہو اور تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ بھی اپنی زبان حال سے یہ گواہی دے رہی ہے کہ اس کا پیدا کرنے والا ہر عیب اور ہر ناتوانی سے پاک ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال سے متصف ہے اور فرشتے بھی اسی کی پاکی اور حمد کے ترانے گاتے ہیں۔ سب اس کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ کوئی بڑی سے بڑی قوت اور مقرب سے مقرب فرشتہ اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ رعد اس کڑک کو کہتے ہیں جو بادلوں کے آپس میں ٹکرانے سے پیدا ہوتی ہے اور اس فرشتہ کا نام بھی ہے جس کے ذمہ بادلوں کی تدبیر اور انتظام ہے۔ قال ابن عباس الرعد ملک موکل بالسحاب یصرفہ حیث یؤمر (بحر)

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بادل گرجے اور بجلی کڑکے تو جو شخص یہ کلمات پڑھے اگر اس کو بجلی سے نقصان پہنچے تو اس کی دیت کا میں ذمہ دار ہوں۔ سبحان من یسبح الرعد بحمدہ والملائکة من خیفتہ وھو علی کل شیء قدیر۔

۲۶ اسی کے حکم سے بجلی گرتی ہے اور اسی پر جا گرتی ہے جس پر گرانا چاہتا ہے۔ لوگ بڑی بے فکری سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو موضوع سخن بنائے ہوتے ہیں۔ اپنے علم و فہم پر ایسے نازاں ہوتے ہیں کہ ادب و احترام کا دامن بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور جو جی میں آتا ہے وہ زبان پر لے آتے ہیں اور ان کی بے باکی پر جب اللہ تعالیٰ کے غضب کی بجلی گرتی ہے تو ان کو خاک سیاہ بنا کے رکھ دیتی ہے حضرت سیدنا

مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ

جس پر چاہتا ہے ۔ اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے ۔ اسی کو

دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

پکارنا حق ہے اور وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا وہ نہیں جواب دے سکتے انھیں کچھ بھی

علامہ قرطبی نے شدید المحال کا معنی کیا ہے۔ بڑی سخت گرفت کرنے والا شدید الاخذ قالہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کی شان نزول میں علماء کرام نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ خزائن العرفان سے اس کی شان نزول نقل کر رہا ہوں۔

حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک نہایت سرکش کافر کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے اپنے اصحاب کی ایک جماعت بھیجی۔ انھوں نے اس کو دعوت دی۔ کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب کون ہے جس کی تم مجھے دعوت دیتے ہو۔ کیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا یا تانبے کا۔ مسلمانوں کو یہ بات بہت گراں گزری اور انھوں نے واپس جا کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ایسا اکفر سیاہ دل سرکش دیکھنے میں نہیں آیا۔ حضور نے فرمایا اس کے پاس پھر جاؤ۔ اس نے پھر وہی گفتگو کی اور اتنا اور کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر کے ایسے رب کو مان لوں جسے نہ میں نے دیکھا نہ پہچانا۔ یہ حضرات پھر واپس آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ حضور اس کا خبث تو اور ترقی پر ہے۔ فرمایا پھر جاؤ۔ بتعمیل ارشاد پھر گئے۔ جس وقت اس سے گفتگو کر رہے تھے اور وہ ایسی ہی سیاہ دلی کی باتیں بک رہا تھا ایک ابر آیا اس سے بجلی چمکی اور کڑک پیدا ہوئی اور بجلی گری اور اس کافر کو جلا دیا۔ یہ حضرات اس کے پاس بیٹھے رہے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو راہ میں انھیں اصحاب کرام کی ایک اور جماعت ملی وہ کہنے لگے۔ کہئے وہ شخص جل گیا۔ ان حضرات نے کہا آپ صاحبوں کو کیسے معلوم ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی ہے ویرسل الصواعق الآیۃ۔ (خزائن بتصرف یسیر)

اس آیت کا یہ حصہ غور طلب ہے۔ علامہ زمخشری نے تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ الحق کا کلمہ یا تو یہ ہے باطل کی نقیض ہے کے معنی میں ہو گا یا اللہ تعالیٰ کا اسم ہو گا۔ الحق ثابت کے معنی میں ہو تو یہ دعوۃ کی صفت ہو گی لیکن مرکب توصیفی کی بجائے مرکب اضافی ذکر ہوا اور لغت عرب میں موصوف کو صفت کی طرف مضاف کر دیا جاتا ہے جیسے کلمۃ الحق یا مسجد الجامع ۔ اس صورت میں معنی ہو گا دعا حق یعنی وہ دعا جو درست ہے جس پر ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور جو قبول ہوتی ہے تو یہی وہ دعا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک سے کی جائے۔ والمعنی ان اللہ سبحانہ یدعی فیستجیب الدعوۃ والذی یسئولہ۔ اور اگر حق اسمائے الٰہی میں سے ہو تو اس وقت معنی ہو گا دعوۃ اللہ الحق الذی یسمع فیجیب۔ علامہ ابو حیان نے بحر محیط میں پہلی ترکیب کو ترجیح دی ہے اور یہی واضح بھی ہے۔

لیکن جو بے جان بتوں کے پجاری ہیں اور ان کو پکارتے ہیں اور ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کی محرومی اور نامرادی کو ایک بڑی دلنشین

بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ ۚ وَ

مگر اس شخص کی طرح جو پھیلائے ہوئے اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف تاکہ اس کے منہ تک پانی پہنچ جائے اور (یوں تو)

مَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿١٤﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ

پانی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا اور نہیں ہے کافروں کی دعا مگر بالکل بے سود اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے

تمثیل سے واضح کیا گیا ہے فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا ایسے کنوئیں کے کنارے بیٹھا ہو جس کی تہہ میں پانی ہو اور وہ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ پانی اوپر آجائے لیکن اس بے جان اور بے شعور پانی کو کیا خبر کہ ایک پیاسا کنوئیں کے کنارے پر بیٹھا ہوا بڑی بے تابی سے اس کی طرف ہاتھ پھیلا رہا ہے کہ پانی اوپر ہو جائے اور اس کے منہ میں داخل ہو کر اس کی پیاس کو دور کر دے۔ پانی نہ تو اس کی آواز سنتا ہے نہ اسے دیکھتا ہے نہ اس کی شدت تشنگی سے باخبر ہے اور نہ ہی اس میں اتنی قوت ہے کہ خود بخود نیچے سے اوپر چلا جائے اور اپنے طالب کی پیاس کو بجھائے۔ بس یہی حال ان مشرکوں کا ہے جو بتوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں کرتے ہیں لیکن وہ بے جان بت نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ان کی مصیبت کا انہیں کچھ احساس ہے اور نہ انہیں نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اس لیے ان کا ان سے دعا مانگنا اور فریادیں کرنا سب بے کار اور بے معنی ہے۔ وکذا ایک ما یدعونه جماد لا یحس بدعائهم ولا یستطیع اجابتهم ولا یقدر علی نفعهم (مظہری) اہل لغت ابو عبیدہ نے لکھا ہے کہ عرب اس شخص کے لیے جو بے فائدہ کوشش کرے کہتے ہیں کالقابض علی الماء اور بطور ضرب المثل پیش کرتے ہیں۔ نحو کا کوئی شاعر بطور استشہاد یہ شعر پیش کرتا ہے

وانی و ایاکم وشوقا الیکم * کقابض ماء لم تسعه الانامل

١٤۔ اس لیے کافروں کی یہ چیخ و پکار سب بے نفع اور بے فائدہ ہے کیونکہ جو دینے پر قادر ہے اس سے وہ مانگتے نہیں اور جن سے وہ مانگتے ہیں یعنی بے جان پتھروں سے وہ سمجھتے ہیں یہ کچھ نہیں دے سکتے ان کی دعا کیا منظور ہو گی!

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو کہ کسی بت یا پتھر سے یا لکڑی یا کسی مورتی سے یہ معاملہ کیا جائے تو کفر اور شرک ہے لیکن اگر کسی انسان جو زندہ ہے جس کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتا ہے جس کے کان ہیں جن سے وہ خوب سنتا ہے اس سے یہ معاملہ کیا جائے تو شرک نہ ہو گا بلاشبہ یہ بھی شرک ہو گا جس طرح مشرکین ان بتوں کو اپنا اللہ اور معبود سمجھا کرتے تھے اگر کسی انسان کے متعلق بھی کسی کا یہی عقیدہ ہو تو وہ قطعاً مشرک ہو گا اسی طرح یہ خیال کر لینا بھی کہ اسی طرح یہ تصور کر لینا بھی حقیقت ناشناسی ہے کہ اگر کسی اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے سے دعا کی درخواست کی جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا جائے تو یہ بھی شرک ہو جاتا ہے جس حضور کی برکت سے توحید کا سبق ہر مومن کی لوح قلب پر یوں نقش ہو چکا ہے کہ وہ کسی غیر خدا کو اپنا معبود یا اللہ سمجھنے کا تصور تک بھی نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اس نے جس ہستی کی زبان فیض ترجمان سے یہ سبق پڑھا اس حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی وہ ہر نماز میں کئی بار پورے یقین اور شرح صدر سے یہ شہادت دیتا ہے کہ اشهد ان محمدا عبده و رسوله میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم باایں ہمہ کمالات اللہ کا بندہ ہے اور اس کا رسول ہے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا نہیں خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو کسی اور کے متعلق اس کے دل میں شرک کا خیال کیسے آ سکتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ

اور زمین میں ہیں ۲۲؎ کچھ بعض خوشی سے اور بعض مجبوراً۔ اور ان کے سائے بھی (سجدہ ریز ہیں) صبح کے وقت بھی اور شام کے وقت بھی۔ آپ دریافت کیجیے

مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط قُلِ اللّٰهُ ط قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ

پوچھیے کون ہے پروردگار آسمانوں اور زمین کا ۲۳؎ (خود ہی) فرما دیجیے اللہ۔ انہیں کہیے کیا تم نے بنا لیے ہیں اللہ کے

دُونِهٖ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ط قُلْ هَلْ

سوا ایسے حمایتی جو اختیار نہیں رکھتے اپنے لیے بھی کسی نفع کا اور نہ کسی نقصان کا۔ (نیز ان سے) پوچھیے

يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيرُ لا أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ ج

کیا برابر ہوتا ہے اندھا اور بینا یا کیا یکساں ہوتے ہیں اندھیرے اور نور ۲۴؎

اختیار رہے کہ قطرا (افراط) اور تفریط سے بچائے اور راہ ہدایت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۲؎ یعنی زمین و آسمان کی ہر چیز اپنے مالک کے حکم کے آگے سرافگندہ ہے۔ کئی تو وہ خوش نصیب ہیں جن کا ظاہر و باطن، جن کا دل اور دماغ جن کی زبان اور جن کا بدن اس کی عظمت و کبریائی کو دل و جان سے تسلیم کرتے ہیں اس کے سامنے سربسجود رہتے ہیں اور جن کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوتے ہیں وہ بھی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ اسی کے حکم سے وہ اس کے مقرر کیے ہوئے وقت پر پیدا ہوتے ہیں اور جب اس کا حکم آئے گا انہیں اس دنیا سے اسی وقت بلا توقف جانا پڑے گا۔ کوئی ہوا ہے یا دریا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت کا طوق اس کے گلے میں ہے۔ آدمی اس سے کسی کی مرضی ہو یا نہ ہو اسکے حکم کے سامنے ہر ایک کو گردن جھکانی پڑتی ہے۔ ان المومن یسجد ببدنہ طوعا و کل مخلوق من المومن والکافر یسجد من حیث انہ مخلوق یسجد دلالة و حاجة الی الصانع۔ (قرطبی) الآصال جمع اصیل عصر اور مغرب کا درمیانی وقت۔

۲۳؎ بے شمار دلائل اور ان گنت شواہد کے باوجود وہ بتوں کو خدا کا شریک اور اپنا معبود بنانے سے باز نہیں آتے۔ اے میرے رسول! ان سے پوچھیے آسمان و زمین کا خالق و پروردگار کون ہے۔ اگر وہ اس کا جواب دینے میں پس و پیش کریں تو آپ خود ہی فرما دیجیے "اللہ"۔ امام بغوی نے لکھا ہے کہ حضور نے جب یہ سوال ان سے پوچھا تو خاموش ہو گئے۔ پھر کہنے لگے اجب انت۔ آپ بتائیے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا قل اللہ۔ آپ ان سے پوچھو کہ جب تم بھی یہ مانتے ہو کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے تو پھر تم ان بے بس اور بے اختیار معبودوں کو اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو، جو نہ اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنے آپ کو ضرر سے نہیں بچا سکتے وہ تمہارے کس کام آئیں گے۔

۲۴؎ پھر ان سے پوچھیے کیا اندھا اور بینا یکساں ہیں کیا تاریکی اور اجالا برابر ہیں۔ یہ بات بتانے کے بعد پھر تم آنکھیں کھولو اور عقل سے تو کام لو۔

أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ

کیا انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ کے لیے ایسے شریک جنھوں نے کچھ پیدا کیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے پس یوں تخلیق ان پر مشتبہ ہو گئی ہو

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿١٦﴾ أَنزَلَ مِنَ

فرمائیے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کو اور وہ ایک ہے سب پر غالب ہے۔ اس نے اتارا

السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا

آسمان سے پانی پس بہنے لگیں وادیاں اپنے اپنے اندازے کے مطابق پھر اٹھا لیا سیلاب کی رو نے ابھرا ہوا

رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

جھاگ۔ اور جن چیزوں کو آگ کے اندر تپاتے ہیں زیور بنانے کے لیے یا دیگر سامان بنانے کے لیے

۴۱۔ یعنی اگر کائنات کی کچھ چیزیں خدا نے پیدا کی ہوتیں اور چند چیزیں بھی ان کے بتوں نے پیدا کی ہوتیں تو پھر ان کو خدا ماننے اور ان کی عبادت کرنے کے متعلق شک ہو سکتا تھا لیکن جب ہر چیز کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے تو پھر اس کے سوا کسی اور کو معبود بنا لینے کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۴۲۔ اے حبیب رسول مکرم! آپ ان سے اعلان کر دیجئے تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ تخلیق کائنات میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔ یہ واحد یکتا ہے۔ جن کو یہ خدا سمجھتے ہیں وہ بھی اس کی مخلوق ہیں بلکہ اگر حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو وجود حقیقی بھی صرف اسی ایک ذات کا ہے باقی سب اس کے وجود کے ظلال ہیں۔ ای المتوحد بالربوبیۃ واستحقاق العبادۃ بل المتوحد بالوجود الکامل لا موجود غیرہ الا بوجہ ہو ظل وجودہ (مظہری)۔ القہار سب پر غالب ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ الغالب علی کل شیء لا یقاومہ شیء (مظہری)

۴۳۔ حق و باطل کا فرق ایک مثال سے سمجھایا جا رہا ہے اور اس کے ساتھ حق کے دوام و بقا اور باطل کے زوال و فنا کی وجہ بھی بیان کی جا رہی ہے۔ فرمایا تم نے بارہا مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب موسلا دھار مینہ برستا ہے تو وادیاں پانی سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ بڑی اور وسیع وادیوں میں پانی کی مقدار زیادہ اور چھوٹی اور تنگ وادیوں میں پانی کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے۔ جب پانی تیزی سے بہتا ہے تو تم نے دیکھا ہوگا کہ سطح آب پر جھاگ نمودار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب زیور بنانے کے لیے تم سونا چاندی پگھلاتے ہو یا دیگر چیزیں بنانے کے لیے تم دوسری دھاتوں کو گلاتے ہو تو اسی قسم کا جھاگ ان پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس ابھرے ہوئے جھاگ کے نیچے جو نتھرا ہوا پانی یا صاف پگھلی ہوئی دھاتیں ہیں یوں سمجھو کہ وہ حق ہے اور ان پر ابھرا ہوا جھاگ یوں سمجھو کہ وہ باطل ہے۔ بظاہر تو وہ جھاگ اوپر ہے اور پانی اس کے نیچے چھپا جا رہا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد پانی کی روانی اسے ٹھکانے لگا دے گی اور کوئی کنارہ گیر اس میل کچیل کو نکال باہر پھینکے گا اور اس جھاگ اور میل کچیل کا نام و نشان

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ڛ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اسی میں بھی ویسا ہی جھاگ اٹھتا ہے یوں اللہ تعالیٰ مثال بیان فرماتا ہے حق اور باطل کی۔ پس رہی جھاگ تو

فَيَذْهَبُ جُفَاۗءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ۭ

رائیگاں چلا جاتا ہے اور جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین میں ایسے

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ڼ

ہی اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا بھلائی ہی بھلائی

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ

ہے اور جنھوں نے نہیں مانا اس کا حکم تو اگر ان کے ملک میں ہو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اور

باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح باطل ظاہری کر و فر کے باوجود مٹنے والا ہے صداقت کی کوئی ایک گھڑی اس کی مفروضوں کو ہوا میں اڑا کر رکھ دیتی ہے اور حق نکھرے ہوئے پانی کی طرح وادی وادی میں آ کر ٹھہرتا ہے۔ باغوں اور کھیتوں کو سیراب کر کے انھیں زندگی بخشتا ہے اور لاکھوں پیاسوں کی پیاس بجھاتا ہے لگے ہاتھ اس راز سے پردہ اٹھایا جاتا ہے کہ حق کو بقا کیوں نصیب ہوا اور باطل کے مقدر میں فنا و زوال کیوں رقم ہوا۔ بتایا جا رہا ہے اصول یہ ہے کہ جو چیز نفع رساں ہوگی جس سے ہماری مخلوق کو فائدہ پہنچے گا جو بزم ہستی کی رونق میں افزائش کا باعث ہوگی وہ باقی رہے گی اور جو چیز افادیت اور نفع رسانی کی صفت سے محروم ہوگی وہ فنا ہو جائے گی۔ قرآن کریم نے چودہ صدیاں پہلے تنازع للبقا (Struggle for existence) میں بقاء اصلح کا قانون (Survival of the fittest) واضح طور پر بتا دیا تھا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہے گی جو مفید اور نفع بخش ہوگی اور جب بھی کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے گی وہ کسی وقت کتنی عزیز اور کتنی قیمتی کیوں نہ رہی ہو اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ آپ صبح سویرے اپنے باغیچہ سے خوبصورت رنگین اور بھینی بھینی خوشبو والے پھول چن کر ان کا گلدستہ بناتے ہیں اور بڑے شوق سے اسے کسی گلدان میں سجاتے ہیں دن بھر انھیں دیکھ دیکھ کر تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں لیکن جب وہ دوسرے دن کملا جاتے ہیں ان کی مہک ختم اور ان کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے تو اس گلدستہ کو اپنے انھیں ہاتھوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ یہی حال نظریات کا بھی ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہوں جب تک مفید نتائج پیدا کرتے رہتے ہیں وہ زندہ و سلامت رہتے ہیں اور جب وہ افادیت سے محروم ہو جاتے ہیں تو انھیں بھلا دیا جاتا ہے۔ قوموں اور افراد کے لیے بھی عروج و زوال کا یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے اور ہر حادثہ اس کو نئی طاقت بخشتا ہے ہر آزمائش اس کی قوتوں کو جلا بخشتی ہے لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں ان کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور ان کا طریقہ کار ضرر رساں

سے غافل ہو جاتا ہے تو عزت و کرامت کا وہ تاج جو صدیوں سے ان کے سر پر سجا ہوا تھا چھین لیا جاتا ہے۔ شوکت و اقتدار کا وہ تخت جس پر وہ بیٹھا
کرتا تھا اس کے نیچے سے کھسک جاتا ہے۔ آپ قوموں کی ترقی و ادبار کا مطالعہ کریں۔ آپ افراد کے عروج و زوال کا جائزہ لیں ایک ہی
اصول ہر جگہ آپ کو جاری و ساری نظر آئے گا۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ہر قوم کو عزت و ناموری کے حصول کے لیے
قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت و ناموری کو برقرار رکھنے کے لیے شدید محنت سے کام کرنا پڑتا ہے اور یہی حال افراد کا ہے
ہم عزت و جاہ حاصل کرنے کے لیے منصوبے بناتے ہیں ہم بلند مناصب تک پہنچنے کے لیے سنہرے خواب دیکھا کرتے ہیں لیکن صد حیف! وہ
راستہ اختیار نہیں کرتے جو قدرت نے اس منزل تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا ہے اور اس طرح عمر عزیز کی گھڑیاں گنتے چلے جاتے ہیں۔ تھک کر چور ہو
جاتے ہیں اور منزل ہے کہ دور سے دور ہوتی چلی جاتی ہے۔ ترقی کا خواب دیکھنے والو! باہم دست و گریبان [illegible] کی ترتیب رکھنے والو! غور کرنا چاہیے کہ وہ اپنے وجود کو نفع بخش
بنائیں۔ کاہلی اور بے عملی کا کوئی علاج نہیں۔ [illegible] آنکھیں اٹھا کر دیکھو [illegible] اپنے دامن عظمت کو حق و انصاف کا شہکار کریں تاکہ مصیبت زدوں کو اس
کے سایہ میں پناہ مل سکے۔ منزل چل کر خود ان کے قدموں میں آ گرے گی اور اقتدار کی کرسی بصد منت ان کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ جب تک یہی مشعل
رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے رہے ان [illegible] کا شرف انہیں نصیب رہا۔ جب عرب اسلام نے [illegible] ذمہ داری کو سنبھالا تو خیر الامم
کا تاج ان کے سر پر سجا دیا گیا۔ اپنے عہد عروج میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے جہالت کے اندھیروں میں علم و عرفان کے چراغ روشن کرتے گئے۔ لق و دق صحرا
مرغزاروں اور لالہ زاروں میں بدل گئے۔ اٹھارہ سالہ بچے مشرق و مغرب کے مظلوموں اور ستم زدوں کی امداد کے لیے پہنچے وہاں انہیں ظلم و استبداد کی زنجیروں
سے آزاد کرایا۔ ان کے علم و تحقیق اور اجتہاد سے علم و حکمت کے گلستانوں میں تازہ پھول کھلا رہے تھے۔ ان کا ایک ایک فن کار اور ایک ایک عالم اپنے ذوق تحقیق
کی تسکین کے لیے [illegible] میں جنت سے [illegible] شخصیت میں [illegible] کیا تھا ان کا [illegible]
[illegible] کی جہانگیری میں اپنا [illegible] نہیں تھکتا تھا۔ جب اس قوم کا [illegible] حرکت کا سرچشمہ [illegible] اس کی حقیقتوں کو [illegible] کی ہر کوشش ناکام ثابت ہوئی اور
جب ان کی [illegible] جب ان کا [illegible] اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا جب ان کے حوصلے پست اور ولولے سرد
ہو گئے جب ان کے نوجوانوں کو شمشیر و سناں سے نفرت اور طاؤس و رباب سے پیار ہو گیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے حسب معمول اپنے اصول کے مطابق
انہیں تخت [illegible] سے اتار دیا [illegible] کے سایوں میں [illegible] کر دیا گیا۔ شاہی محلات میں شہزادیاں
[illegible] ہوئی گئیں! انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی نکال دیا گیا۔ ہندوستان اور دوسری جگہوں پر بھی
عزت و حکومت کی رعنائیاں [illegible] سال کی تھیں انہیں اپنے ہاتھوں [illegible] کر دی گئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا
قانون ہے اس میں کسی قوم یا فرد کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اگر تم اپنی موجودہ حالت پر خوش نہیں ہو تو منہ بسورنے یا سر پیٹنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ اپنے کو
بدلیے زمانہ خود بخود بدل جائے گا۔ یہی سبق ابھی ابھی قرآن نے آپ کو پڑھایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ الآیۃ اور یہی اب آپ کو بتا دیا گیا
کہ قوم ہو یا فرد [illegible] عزت کی بلندیاں اس کے لیے ہیں [illegible] خلق خدا کو فائدہ ہو [illegible] اس کی مخلوق کے لیے نفع رساں بنائیں اور
اپنی صلاحیتوں کی برتری اپنی سیرت کی پاکیزگی اپنے کردار کی [illegible] اور حق کے لیے جینے اور حق کے لیے مرنے کا ثبوت بہم پہنچائیں دنیا خود ہی آپ کو
اپنی آنکھوں پر بٹھائے گی۔ اس آیت میں چند مشکل الفاظ ہیں انہیں بھی سمجھ لیجیے۔ اودیۃ جمع ہے وادی کی [illegible] ہے۔ زبد جھاگ۔ رابیا [illegible]
سے [illegible] جھاگ جو سیلاب پر تیرتا ہوتا ہے جفاء: مالیجفاء الوادی ای رمی بہ یعنی جس کو وادی نے باہر پھینک دیا جب

مِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ

اتنا ہی اور اس کے ساتھ تو وہ (عذاب سے بچنے کے لیے) اسے بطور فدیہ دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے سخت حساب ہے اور ان کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾ أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ

جہنم ہے۔ اور وہ بہت بری قرارگاہ ہے۔ تو کیا جو شخص جانتا ہے کہ جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے

رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ

رب کی جانب سے وہ حق ہے وہ اس جیسا ہو گا جو اندھا ہے ؟ نصیحت صرف وہی قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔ وہ جو

يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ

پورا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے وعدہ کو اور نہیں توڑتے پختہ وعدہ کو۔ اور جو لوگ جوڑتے ہیں اسے جسے

بدلے میں دے ڈالیں آگے اور بھلا کو باہر ہیئت ترکیبی میں اجابت اللہ راذا غلت معنی ینصب زیدھا۔ ابتغاء وجہ ربھم : کی نصب حال

ہے یعنی وجہ سے۔ جیسا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے رکھ مثلہ۔ مبتدا مؤخر ہے اور لہ خبر مقدم۔

۲؎ یعنی قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب ماننے والا اور اس کا انکار کرنے والا یکساں نہیں ہو سکتے۔

۳؎ جن اولوا الالباب کا ذکر اس سے پہلی آیت پاک میں ہوا ان کی صفات کا بیان ہو رہا ہے۔ عہد اللہ سے مراد وہ تمام ذمہ داریاں ہیں
جن کو نبھانے کا اسلام قبول کرتے وقت اس نے وعدہ کیا تھا خواہ ان کا تعلق عقائد سے ہو یا اعمال سے انفرادی حیثیت کی حامل ہوں یا اجتماعی
حیثیت کی ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔ میثاق سے بھی یہی عہد مراد ہے یا تاکید ہے۔

۴؎ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے تمام ان رشتوں پر حاوی ہے جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم نے حکم دیا ہے۔ تمام آسمانی
کتب اور تمام انبیاء نے امن و بیان اللہ اقرب سلامتی کے ساتھ ہمدردی اور اس کے لیے ایثار اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سب
اس میں شامل ہیں لیکن بالخصوص اس کی یہ وجہ ہے کہ یہ آیت قریبی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی حسن معاملہ اور ان کی ایذا رسانی کے باوجود
ان سے محبت و پیار پر خصوصی دلالت کرتی ہے اور اس کی اہمیت کا کوئی ہوشمند انکار نہیں کر سکتا۔ اگر کسی خاندان کے افراد میں باہمی محبت کی
ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات پائے جاتے ہیں تو اس کے افراد رنج و غم کی گھڑیوں میں ایک دوسرے کے مونس و غمخوار بنتے
اور فرحت و مسرت کے لمحوں میں شریک ہو کر خاندان کی خوشیوں کو دوبالا کرنے کا موجب ہوں گے۔ لیکن جس خاندان میں محبت کی جگہ عداوت کے
جب ایک عزیز اپنے عزیز کا ایک بھائی اپنے بھائی کا بدخواہ بن جائے تو دماغ سازشی ہو جاتا ہے اس کی ذہانت کوئی مفید کام کرنے کی بجائے
تخریبی منصوبے بناتی ہے اس خاندان کے وسائل اس کا سرمایہ اور اس کی قوتیں اسی خاندان کی بنیادوں کو اکھیڑنے میں صرف ہو جاتی ہیں۔

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ

متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ جوڑا جائے اور ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور خائف رہتے ہیں سخت

الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

حساب سے۔ اور جو لوگ (مصائب و آلام میں) صبر کرتے رہے اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہے نماز کو

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

اور خرچ کرتے رہے اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر اور مدافعت کرتے رہتے ہیں نیکی سے

بھائی بھائی کو سہارا دینے کی بجائے ایسی فرصت کی تلاش میں رہتا ہے کہ وہ اسے ایسا دھکا دے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکے۔ بیٹے باپ سے، بہو ساس سے، بیٹی ماں سے لڑ رہی ہیں اور بہن بھائی اور سوتنیں اسی دوڑ میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ ہادی مشفق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے اور ان کی زیادتیوں سے بھی درگزر کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے چند ارشادات گرامی ملاحظہ فرمائیے: عن عبداللہ بن عمرو قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل اذا قطعت رحمہ وصلھا۔ (رواہ البخاری)

1۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو صلہ رحمی کے بدلہ میں ایسا کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے کہ اگر اس سے قطع تعلق کی جائے تو پھر بھی وہ اس کو جوڑتا ہے۔

2۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بہترین سلوک کا کون زیادہ مستحق ہے؟ فرمایا تیری ماں۔ عرض کی اس کے بعد۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر پوچھا اس کے بعد۔ فرمایا تیری ماں۔ پھر سوال کیا اس کے بعد (چوتھی مرتبہ) حضور نے ارشاد فرمایا تیرا باپ۔

3۔ وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من ابر البر صلۃ الرجل اھل ود ابیہ بعد ان یولی۔ (رواہ مسلم) یعنی حضور نے فرمایا کسی آدمی کا اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

4۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ تعلموا من انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم فان صلۃ الرحم محبۃ فی الاھل مثراۃ فی المال منساۃ فی الاثر۔ (الترمذی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا شجرہ نسب سیکھا کرو تاکہ تم اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکو۔ صلہ رحمی کی وجہ سے خاندان میں محبت، مال میں زیادتی اور عمر میں طوالت اور ڈھیل ہے۔

۲۲ یعنی برائی کرنے والے سے بھلائی کرتے ہیں یا گناہ کے بعد توبہ کرتے ہیں یا یہ کہ اگر ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو جوابی طور پر اس کے بدلہ میں زیادتی نہیں کرتے بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں۔ قال الحسن اذا حرموا اعطوا واذا ظلموا عفوا واذا قطعوا وصلوا یعنی اگر انہیں محروم کیا جاتا ہے تو وہ عطا کرتے

السَّيِّئَةَ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٢﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا

برائی کو۔ انہیں لوگوں کے لیے ہے دار آخرت کی راحتیں (یعنی) سدا بہار باغات جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

اور جو صالح ہوں گے ان کے باپ دادوں، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے (وہ بھی داخل ہوں گے) اور فرشتے

يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(یہ کہتے ہوئے) داخل ہوں گے ان پر ہر دروازہ سے سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا

ہیں اور جب ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو درگزر کرتے ہیں اگر ان کے ساتھ قطع تعلقی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

۳۴؎ کسی فعل پر جو جزا دی جاتی ہے اس کو عقبیٰ کہتے ہیں اس کا لغوی معنی پیچھے آنا ہے اور چونکہ ہر فعل کی جزا اس کے پیچھے آتی ہے اس لیے اسے عقبیٰ کہتے ہیں۔ العقبیٰ کا معنی ہے جزاء۔ اگر جزا اچھی ہو تو اس کے لیے العقبۃ، العقبیٰ، العاقبۃ: یہ الفاظ مستعمل ہوتے ہیں اور اگر جزا بری ہو تو اس کے لیے العقوبۃ، المعاقبۃ اور العقاب کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ عاقبۃ کا لفظ اگر مضاف ہو تو پھر یہ عذاب کا معنی بھی دیتا ہے۔

۳۵؎ ومن صلح حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی نفیس بحث لکھی ہے۔ اس کا ذکر ناظرین کے لیے فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد کو بشرطیکہ وہ ایمان کی صفت سے متصف ہوں ان کاملین کے درجات اور مقامات پر فائز فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے ان درجات و مقامات کے اہل نہ ہوں لیکن یہ عنایت محض اپنے مقبول بندوں کے دل کو خوش کرنے کے لیے کی جائے گی۔ فیہ دلالۃ علی ان اللہ تعالیٰ یلحق بدرجات الکاملین من لم یبلغ درجتھم ویجعل مثل اعمالھم من آبائھم وازواجھم وذریاتھم تطییبا لقلوبھم وتعظیما لشانھم بشرط الایمان (مظہری)۔ یعنی ایمان کے بغیر کوئی نسب کوئی تعلق کام نہیں دے گا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کل سبب ونسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی [illegible]

ابن عساکر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کل نسب وصہر ینقطع یوم القیامۃ الا نسبی وصہری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سبب اور نسب کے بغیر قیامت کے دن تمام اسباب و انساب منقطع ہو جائیں گے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کا بھی یہی حال ہوگا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی قرابتیں اور ان کی دوستیاں منقطع ہو جائیں گی لیکن اہل ایمان کی قرابتیں اور دوستیاں باقی رہیں گی کیونکہ یہ رشتہ داریاں اور دوستیاں حضور کے سبب ہوں گی [illegible] حضور کے روحانی فرزند ہیں۔ بخلاف الکفار فان قراباتھم وصداقاتھم منقطع دون قرابات المومنین [illegible] (مظہری مختصراً)

۳۶؎ وہ کتنے خوش نصیب ہیں جن کی خدمت میں فرشتے حاضر ہو کر تسلیمات و تحیات عرض کریں گے۔ وہ لوگ جو ساری عمر نفس [illegible]

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن

پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ سے کیے ہوئے وعدہ کو

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَ

اسے پختہ کرنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان رشتوں کو جن کے متعلق حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ انہیں جوڑا جائے اور

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

(فتنہ و) فساد برپا کرتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں جن پر لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تنگ روزی (جسے چاہتا ہے) دیتا ہے اور کفار خوش ہیں دنیوی زندگی پر

اور نیکی اور طاعت پر مداومت کرنے میں جو شان ہے جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت سے زندگی بھر محروم رہے۔ حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ روز حشر اعلان کیا جائیگا کہ اہل صبر (صبر و استقامت والے) حاضر ہوں۔ کچھ لوگ حاضر ہونگے انہیں حکم ملے گا جاؤ جنت میں چلے جاؤ۔ راستہ میں ان سے فرشتے پوچھیں گے کہاں جا رہے ہو۔ وہ کہیں گے جنت کی طرف۔ فرشتے کہیں گے کیا حساب سے بھی پہلے۔ وہ جواب دیں گے جی ہاں۔ پوچھا جائے گا تم کون ہو۔ وہ بتائیں گے ہم اہل صبر ہیں۔ فرشتے استفسار کریں گے کہ تمہارے صبر کی حقیقت کیا تھی تو وہ فرمائیں گے صبرنا انفسنا على طاعة الله وصبرناها عن معاصي الله وصبرنا على البلاء والمحن في الدنيا قال علي بن الحسين فتقول لهم الملائكة ادخلوا الجنة فنعم اجر العاملين ہم نے اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رکھا اور اس کی نافرمانی سے انہیں بچایا اور دنیا کے مصائب و آلام پر صبر سے کام لیا۔ تو فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ نیک عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ غزوہ احد کے بعد ہر سال کی ابتدا میں شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے اور جب اس وادی کے دہانہ پر پہنچتے تو فرماتے السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبى الدار۔ یعنی اے صبر و وفا کے پیکرو اس صبر کے سبب جس کا مظاہرہ تم نے احد کے میدان میں کیا تم پر اللہ تعالیٰ کے سلام ہوں۔ کتنا اچھا بدلہ ہے جو تمہیں عطا فرمایا گیا۔ ثم كان ابو بكر بعد النبي يفعله وكان عمر بعد ابي بكر يفعله وكان عثمان بعد عمر يفعله۔ (قرطبی) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر ہر سال جایا کرتے تھے ان کے بعد حضرت عمر ان کے بعد حضرت عثمان جایا کرتے تھے۔ اولیاء کرام کے مزارات پر حاضری کی یہ روشن دلیل ہے۔

رزق کی زیادتی اور تنگی حق و باطل کا کوئی معیار نہیں۔ یہ سب دار الامتحان ہیں۔ ایک کافر کے پاس بھی زر و سیم کے خزانے ہو سکتے ہیں اور مومن تنگ دست ہو سکتے ہیں۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

سے اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے دنیوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں مگر متاع حقیر ۔ اور کفار کہتے ہیں یہ کافر یہ کیوں نہیں ہیں تو

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ

کیوں نہ اتاری گئی کوئی نشانی ان پر ان کے رب کی طرف سے آپ فرمائیے (نشانیاں تو بہت ہیں) بیشک اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ

جسے چاہتا ہے اور رہنمائی فرماتا ہے اپنی بارگاہ قرب کی طرف جو صدق دل سے رجوع کرتا ہے (یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور مطمئن ہوتے

قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ الَّذِيْنَ

ہیں جن کے دل ذکر الٰہی سے خوب سن لو! اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں وہ لوگ جو

۴۹ کفار مکہ ہر روز حضور سے نئے معجزے کی فرمائش کرتے اور اتنی سنجیدگی سے گویا پہلی بار معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں اس سے پہلے انھوں نے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا اور نہ انھیں کوئی معجزہ دکھایا گیا۔

۵۰ اس سے پہلے تمہیں کئی معجزات دکھائے گئے لیکن ہدایت تمہارے مقدر میں نہ تھی کیونکہ کوئی ایسی چیز یا دلیل جو تم سے منوائے اور جو تمہاری آنکھیں کھول دے اور تمہاری [illegible] ہو رہا ہے اسے مجھ سے یہ سوال ہی کیا ہے کہ وہ کونسا معجزہ ہے جس کو طلب کیا جاتا ہے جس کے دل میں اس کی سچی طلب ہو تم اس قابل ہی نہیں کہ یہ گل تمہاری دستار کی زینت بنایا جائے۔

۵۱ جب تک دل میں شک کا کانٹا چبھتا رہتا ہے انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا اور جب یقین کا اجالا ہوتا ہے تو سارا تذبذب ختم ہو جاتا ہے اور ساری بے چینیاں دور ہو جاتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے جو دل میں اطمینان اور سکون پیدا کرتا ہے یہی وہ نسخہ ہے جس سے شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں یہی وہ غذا ہے جس کی روح کو ضرورت ہے اور انسان میں یہی ایک خصوصیت ہے جو [illegible] پائی جاتی ہے اور جب یہ آتی ہے تو انسان میں ملائکہ صفت انوار جلوہ گر ہوتے ہیں جب شیطان کا پرچم لہراتا ہے اور اپنے منحوس سائے میں [illegible] دنیا کی ساری نعمتیں اس سے اطمینان قلب نہیں چھین سکتیں حصول کی حسرت دولت و ثروت اور کثرت اولاد کے باوجود بھی وہ سکون دل اسے نصیب نہیں ہوتا۔ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی وہ نعمت ہے جس سے پیاس بجھتی ہے اور کسی تشنگی کو نہیں اور کوئی طلب محسوس نہیں ہوتی۔ علامہ قرطبی نے خوب لکھا ہے ای ھی المعنی ان القلوب الصافیۃ التی انسا اوکدالہم لذکر اللہ فاذا ذکر اللہ تطمئن قلوبہم وانس بہ تعالیٰ کا طیبات بالسکینۃ ۔ (قرطبی) ابن کثیر فرماتے ہیں کہ علامہ صوفیہ کرام کے نزدیک عبادات میں سے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد اولیا کرام ہی ہیں۔

وھذہ الحالۃ بدیھیۃ من الوجد انیات لحظ اہل الصوفیۃ العلیۃ فالمراد بقولہ الذین امنوا ھم الصوفیۃ ۔

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ كَذٰلِكَ

ایمان لائے اور عمل (بھی) نیک کیے مژدہ ہو ان کیلئے طوبیٰ اور انہی کے لیے اچھا انجام ہے۔ اسی طرح ہم نے آپ کو

اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ

رسول بنا کر بھیجا ایک قوم میں جس سے پہلے گزر چکی ہیں کئی قومیں تاکہ آپ پڑھ کر سنائیں انھیں وہ کلام

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ

جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور یہ کفار انکار کر رہے ہیں رحمٰن کا ۲۸ فرمائیے وہی میرا پروردگار ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا

نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے اور اسی کی جناب میں رجوع کیے ہوں۔ اور اگر کوئی ایسا قرآن اُترتا ۲۹ جس کے

سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ

ذریعے سے پہاڑ چلنے لگتے یا اس کے اثر سے پھٹ جاتی زمین یا مُردوں سے اس کے ذریعہ بات کی جا سکتی

۲۷ طوبیٰ مصدر ہے بشریٰ اور زلفیٰ کے وزن پر یعنی خطاب ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی فرمایا ہے فرح لہم وقرۃ عین دل کی خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت کے ایک درخت کا نام بھی طوبیٰ ہے۔

۲۸ ابوجہل نے ایک دن سنا کہ حضور حطیم کعبہ کے قریب بیٹھے ہوئے دعا مانگ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے یا اللہ یا رحمٰن۔ ابوجہل دوڑتا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ تمہیں ایک عجیب بات سناؤں کہ آپ محمد تو خود بھی دو خداؤں کو پکارتے ہیں اللہ اور رحمٰن کو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس سے یہ مروی ہے کہ جب حضور نے کفار کو فرمایا اسجدوا للرحمٰن کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو کہنے لگے وما الرحمٰن رحمٰن کون ہے۔

۲۹ ایک مرتبہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے حضور کی خدمت میں چند مطالبات پیش کیے کہ مکہ کے پہاڑ دور ہٹ جائیں اور یہاں کھیتی باڑی کے لیے زمین فراخ ہو جائے نیز اس میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں اور قصی جو ان کا جد اعلیٰ تھا قبر سے زندہ ہو جائے اور ہمیں بتائے کہ آپ سچے رسول ہیں اور ہمارا شام کا سفر زمین میں تجارت کے لیے آسان ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ایسا کر بھی دیا جائے تب بھی یہ ہٹ دھرم پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور یہی کہیں گے کہ یہ زبردست جادو ہے۔ اس شرط کی جزا محذوف ہے لما آمنوا۔ اور دوسری آیت سے بھی یہی مفہوم ثابت ہے۔

ولو اننا نزلنا الیہم الملائکۃ وکلمہم الموتی وحشرنا علیہم کل شیء قبلا ما کانوا لیؤمنوا ۔ ۶ - ۱۱۱

لِلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ يَايْــــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ

(یہ بات نہیں) بیشک سب کام اللہ کے اختیار میں ہیں (یہ شعبدہ بازیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے) کیا نہیں جانتے ایمان والے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو

لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ

سب لوگوں کو ہدایت دے دیتا۔ ف۶۰ اور کفار اس حالت میں رہیں گے کہ پہنچتا رہے گا انہیں ان کے اپنے

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ

کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی صدمہ یا اترے گی کوئی نہ کوئی مصیبت ان کے گھروں کے نزدیک یہاں تک کہ آجائے

وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ

اللہ کے وعدہ کے پورا ہونے کا دن۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور بیشک مذاق اڑایا گیا رسولوں کا

مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ

جو آپ سے پہلے گزرے پس میں نے ڈھیل دی کافروں کو (کچھ عرصہ تک) پھر میں نے پکڑ لیا انہیں۔ تو (دیکھو) کیسا (خوفناک) تھا

كَانَ عِقَابِ ۝ اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ

میرا عذاب۔ کیا وہ خدا جو نگہبانی فرما رہا ہے ہر نفس کی اس کے اعمال (نیک و بد) کے ساتھ ف۶۱

ف۵۹ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں اگر وہ چاہے تو آپ ہوا میں یہ سب کچھ ظہور پذیر ہو جائے لیکن جب یہ ایمان لانا ان کے مقدر ہی میں نہیں تو پھر ان کے مطالبات پورا کرنے کا کیا فائدہ؟

ف۶۰ افلم یایئس الذین۔ بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال گزرا کیا اچھا ہوتا اگر ان کے یہ مطالبات بھی پورے کر دیئے جاتے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیتے انہیں اس خیال سے باز رہنے کی ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم اب تک یہ توقع رکھتے ہو۔ علمائے لغت تو یایئس کا ترجمہ یہی کرتے ہیں جو کہ عام ہے یعنی کیا مسلمان ان معاندین کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے لیکن حضرت ابن عباس، مجاہد اور حسن سے اس کا ترجمہ افلم یعلموا کیا انہوں نے نہیں جانا مروی ہے۔ علامہ قرطبی نے اس پر کئی اشعار سے استشہاد کیا ہے ان میں سے رباح بن عدی کا یہ شعر ہے۔

الم ییئس الاقوام انی انا ابنہ ¤ وان کنت عن ارض العشیرۃ نائیا

یعنی کیا قوم کو معلوم نہیں کہ میں اس کا بیٹا ہوں اگرچہ میں قبیلہ کی سرزمین سے دور ہوں۔ یہاں بھی یئس سے یہی یعنی علم مراد لیا گیا ہے اور یہی

ع ۵ ۱۰

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي

... ہرگز نہیں اور بنا لیے ہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک۔ فرمائیے ذرا نام تو لو ان کا! کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ تعالیٰ

الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کو ایسی بات سے جسے وہ (بھی) نہیں جانتا ساری زمین میں یا یونہی زبانی باتیں بناتے ہو۔ بلکہ آراستہ کر دیا گیا ہے کافروں کے لیے ان کا

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

مکر اور روک دیے گئے ہیں سیدھی راہ سے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ چھوڑ دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا

مِنْ هَادٍ ۝۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

نہیں۔ ان کے لیے عذاب ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب تو بڑا

اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ

سخت ہوگا اور نہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی بچانے والا۔ اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں

صحاح میں یہی لکھا ہے۔ قال الفراء قال الکلبی ییئس بمعنی یعلم ...... وقاله الجوهري في الصحاح۔ (قرطبی)

۱؎ یعنی اگر انہیں ماننا ہوتا تو ... طرح کے مصائب ... اگر پھر بھی وہ باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

۲؎ یہاں قائم کا معنی کھڑا ہونے والا نہیں بلکہ اس کا معنی نگران اور نگہبان ہے۔ رقیب علیہ (مظہری) اصل لغت میں قائم بمعنی عالم بھی آیا ہے جیسے اس شعر میں قائم بمعنی عالم ہے۔ فلولا رجال من قریش اعزة ؕ سرقتم ثیاب البیت واللہ قائم اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر قریش کے سرداروں کا خوف نہ ہوتا تو تم بیت اللہ شریف کا غلاف بھی چرا لیتے۔ اس کا جواب محذوف ہے اور جملہ کا مفہوم یہ ہے (فمن هو قائم ... کمن لا یملک) یعنی کیا وہ جو ہر چیز کا نگران ہے ایسے آپ جیسا ہو سکتا ہے جو بالکل بے خبر ہے۔ ظاهر من القول۔ مطلب باطل من القول (قرطبی، مظہری) یعنی بیہودہ بات۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ وہ ذات جو کائنات کی ہر چیز کی نگہبان ہے کیا تمہارے بت جو بالکل بے خبر اور بے بس ہیں اس کی طرح ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ذرا ان کا نام تو بتاؤ جن کو تم نے میرا شریک بنایا ہوا ہے۔ یہی لات منات کا نام پیش کرو گے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ بھی ... ہیں۔ کچھ تو عقل سے کام لو۔ اگر اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو اسے بھی تو اس کی خبر ہوتی لیکن جب اس کو علم ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہے تو تم نے یہ شریک کہاں سے ڈھونڈ لیے۔

۳؎ اسلام کے خلاف ان کی سازشوں اور شمع توحید کو بجھانے کے لیے ان کی کوششوں کو شیطان نے آراستہ و مزین کر کے ان کے سامنے پیش کیا۔

الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآىٕمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ

سے کیا گیا ہے ایسی ہے کہ رواں ہیں اس کے نیچے ندیاں۔ اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی

عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ۞ وَ الَّذِیْنَ

یہ انجام ہے ان کا جو اپنے رب سے ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے۔ اور جنہیں ہم نے

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ

کتاب عطا فرمائی وہ خوش ہوتے ہیں اس کتاب پر جو نازل کی گئی آپ کی طرف اور ان گروہوں میں سے ایسے بھی ہیں جو بعض

مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَاۤ اُشْرِكَ

قرآن کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے (مجھے تمہاری مخالفت کی پرواہ نہیں) مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں

بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ ۞ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

اور نہ شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ کسی کو، میں اسی کی طرف (تمہیں) دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اسے فیصلہ عربی زبان

عَرَبِیًّا ؕ وَ لَىٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ

میں۔ اور اگر تم نے پیروی کی ان کی خواہشات کی اس کے بعد کہ آچکا تمہارے پاس صحیح علم تو

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا وَاقٍ ۞ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کوئی مددگار اور نہ کوئی محافظ۔ اور بیشک ہم نے بھیجے کئی رسول

یعنی یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ شمع توحید کو گل کرنے کی جو کوشش کر رہے ہیں۔ اس سے وہ اپنے خاندان، قوم اور تمام نوع انسانی کی بڑی خدمت انجام دے رہے ہیں اور نتائج کے لحاظ سے ان کی یہ کاوشیں بڑی فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس طرح وہ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی تباہی اور گمراہی کا سامان تیار کر رہے ہیں۔ اور ان کی شومئی اعمال کی وجہ سے ہدایت کا رستہ ہی ان پر بند ہو گیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ نہیں دکھا سکتا۔ وقف دوزانی کی نصیحتیں بھی ان کے نصیب میں نہیں۔

یعنی قرآن کریم کے جو احکام ان کی مرضی کے مطابق نہیں یا جو ان کی مصلحتوں سے ٹکراتے ہیں یا ان پر عمل کرنے میں انہیں اپنا شوکت و اقبال نقصان

مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

آپ سے پہلے ٥٩ اور بنائیں ان کے لیے بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ممکن کسی رسول کے لیے

اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ

کہ وہ لے آئے کوئی نشانی اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر ٦٠ ہر میعاد کے لیے ایک نوشتہ ہے۔ مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ

مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ

جو چاہتا ہے۔ اور باقی رکھتا ہے (جو چاہتا ہے) اور اسی کے پاس ہے اصل کتاب ٦١ اور اگر ہم دکھا دیں آپ کو کچھ (عذاب)

جو منسوخ ان کی جگہ ایسے احکام کو قبول نہیں کرتے خواہ وہ سراسر حق ہوں۔ وهو ما یخالف اهواءهم (مظہری)

٥٩ کفار اور بھی کتاب پر یہ اعتراض کیا کرتے کہ ان کی بیویاں ہیں ان کی اولاد بھی ہے یہ چیزیں کسی نبی کو زیب نہیں دیتیں۔ یہ تو دنیا داروں کے کام ہیں جو بیوی بچوں کو اپنے حق سے گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب! آپ سے پہلے بھی نبی آئے جن کو تم بھی نبی تسلیم کرتے ہو کیا ان کی بیویاں نہیں تھیں کیا ان کی اولاد نہ تھی۔ جب ان کو اس کے باوجود نبی مانتے ہو تو انہیں نبی تسلیم کرنے سے تمہیں کیوں انکار ہے۔

٦٠ رسول اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے معجزہ دکھاتے ہیں۔ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں۔

٦١ قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض بھی کیا جاتا تھا کہ اس میں کئی احکام ان احکام کے خلاف ہیں جو پہلی آسمانی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر یہ قرآن من عند اللہ ہوتا تو اس میں ایسا کوئی حکم نہ ہوتا جو کسی سابقہ حکم کو منسوخ کرتا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی بھلائی اور نفع کو بہتر جانتا ہے جب تک۔ جیسے احکام لوگوں کی فطرت و ترقی کے مناسب تھے انہیں باقی رکھا گیا اور جب حالات بدلنے سے ان کی افادیت ختم ہو گئی تو ان کی جگہ ایسے احکام نازل فرمائے جو موجودہ حالات میں انسانی معاشرہ کے لیے باعث خیر و برکت ہو سکتے تھے۔ یہ بھلا دور جاہلیت کا اعتراض نہیں تھا کہ یہ اعتراض آج بھی دہرایا جاتا ہے کہ اگر ان کا نظام مکمل تھا تو باقی رہتے یا چاہیئے تھا کہ ان کی افادیت جب ختم ہو گئی تھی اور اب انسانیت کی ترقی میں حائل بن رہے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ ہر چیز لوح محفوظ میں جو لکھا گیا ہے اس میں سے جس چیز کو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے قال ابن عباس رضی اللہ عنہما یمحو اللہ ما یشاء ویثبت یعنی ما کان فی اللوح المحفوظ (مظہری) اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب تفسیر مظہری رقمطراز ہیں کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ (١) معلق (٢) مبرم۔ تقدیر معلق اسے کہتے ہیں جس کے وقوع پذیر ہونے کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی تو یہ چیز پائی جائے گی اور اگر نہ پائی گئی تو نہ پائی جائے گی کبھی اس تعلیق کا ذکر صحف میں بھی ہوتا ہے اور کبھی صرف علم الٰہی میں۔ لوح محفوظ میں اس کا ذکر نہیں ہوتا۔ اور تقدیر مبرم وہ ہے جس کے متعلق ازل میں فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے کہ اس میں رد و بدل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ وفی التحفة ... حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے حضور مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا لاقرن عینک بتفسیرها ولاقرن عین امتی بعدی

بتفسیر الصدقۃ تمنع میتۃ السوء وبر الوالدین واصطناع المعروف یحول الشقاء سعادۃ ویزید فی العمر ویقی مصارع السوء (روح المعانی) یعنی آپ کی آیت کے
والے عمل تیری آنکھوں میں خوشنودی کا باعث بنیں گے اور اپنی امت کی آنکھوں کو بھی خوشنودی کرائیں گے۔ صدقہ کرنا، صلہ رحمی کرنا، ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا اور
بھلائی کرنا ایسے اعمال ہیں جو بدبختی کو نیک بختی سے بدل دیتے ہیں، عمر میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں اور بُرے انجاموں سے بچاتے ہیں۔ صحیحین میں
حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول من سرہ ان یبسط لہ فی رزقہ وینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ۔ یعنی
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا رزق اس کے لیے کشادہ کیا جائے یا اس کی موت کو مؤخر کیا جائے تو اسے چاہیے
کہ صلہ رحمی کرے۔ علامہ ابن کثیر نے مسند امام احمد سے یہ حدیث نقل کی ہے عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرجل لیحرم
الرزق بالذنب یصیبہ ولا یرد القدر الا الدعاء ولا یزید فی العمر الا البر۔ حضرت ثوبان نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو
اس کے گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور تقدیر کو دعا بدل دیتی ہے اور نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور زار و قطار رو رو کر یہ التجا کر رہے تھے اللھم ان کنت کتبتنی فی اھل
السعادۃ فاثبتنی فیھا وان کنت کتبت علی الشقاوۃ فامحنی واثبتنی فی اھل السعادۃ والمغفرۃ فانک تمحو ما تشاء وتثبت وعندک
ام الکتاب (ابن کثیر)

اے اللہ اگر تو نے مجھے سعادت مندوں کے زمرہ میں لکھا ہے تو مجھے اسی زمرہ میں ثابت رکھ اور اگر تو نے مجھ پر شقاوت لکھی ہے تو اسے
مجھ سے مٹا دے اور اہل سعادت و مغفرت کی فہرست میں میرا نام ثبت کر دے کیونکہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثبت کرتا ہے جو چاہتا ہے۔
ام الکتاب تیرے پاس ہے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے اس کا
خلاصہ عرض خدمت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ کشف دیکھا کہ آپ کے دونوں صاحبزادوں حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے استاد ملا
طاہر لاہوری کی پیشانی پر شقی (بدبخت) لکھا ہوا ہے۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے دونوں بیٹوں سے کیا۔ ان دونوں نے گزارش کی کہ آپ اللہ تعالیٰ
اللہ تعالیٰ سے التجا کریں کہ ان کی شقاوت کو سعادت سے بدل دے۔ حضرت مجدد نے فرمایا کہ میں نے لوح محفوظ میں دیکھا کہ یہ قضائے مبرم ہے اس کو بدلا
نہیں جا سکتا۔ بچوں نے پھر بھی دعا کے لیے اصرار کیا۔ آپ کو یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ نے فرمایا
ان القضاء المبرم [illegible] بدعائی کہ قضائے مبرم بھی میری دعا سے بدل جاتی ہے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر عرض کی: اللھم رحمتک واسعۃ وفضلک غیر مقصور
احد [illegible] وانی اسئلک من فضلک ان تمحو شقاوۃ عن ناصیۃ ملا طاھر وتثبت السعادۃ مقامھا کما اجبت
دعوۃ سیدنا [illegible] رضی اللہ عنہ اے اللہ تیری رحمت بڑی وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر بند نہیں۔ میں تیرے فضل سے سوال کرتا ہوں کہ اپنے فضل
سے میری اس التجا کو قبول فرما۔ ملا طاہر کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا کر سعید کا لفظ ثبت فرما جس طرح تو نے حضرت غوث الاعظم کی دعا قبول
فرمائی تھی۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی پیشانی سے شقی کا لفظ مٹا دیا گیا سعید کا لفظ لکھا گیا۔

حضرت ملا [illegible] پانی پتی لکھتے ہیں کہ قضائے مبرم سے یہاں وہ قضا مراد ہے جو لوح محفوظ میں کسی امر سے معلق نہ تھی بلکہ شکل مبرم تھی لیکن
علم الٰہی میں وہ قضا معلق تھی رحمۃ اللہ علیہ و علی المتقین والخلص ۔۔۔ علینا من برکاتھم وفیوضھم۔

بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ

جس کی ہم نے کفار کو دھمکی دی ہے ۵۹ تو یہ ہماری مرضی یا ہم (پہلے ہی) اٹھا لیں آپ کو (تو یہ ہماری مرضی) سو آپ پر صرف تبلیغ فرض

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿٤٠﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا

ہے اور ہمارے ذمہ ہے (ان سے) حساب لینا۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم (ان کے) زیر قبضہ علاقہ کو ہر طرف سے (رفتہ رفتہ)

مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ

کم کر رہے ہیں۔ ۶۰ اور اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے۔ کوئی نہیں رد و بدل کر سکتا اس کے حکم میں۔ اور وہ بہت جلد حساب

الْحِسَابِ ﴿٤١﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ

لینے والا ہے۔ اور مکاریاں کرتے رہے وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے۔ سو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں چالیں سب کی

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى

سب ۶۱ وہ جانتا ہے جو کچھ کماتا ہے ہر شخص اور عنقریب کفار بھی جان لیں گے کہ دار آخرت (کی ابدی مسرتیں) کس

۵۸ اس کتاب سے مراد علم الٰہی ہے جس میں کوئی تغیر ممکن نہیں، کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔

۵۹ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفر کو شکست فاش ہو گی۔ کفار کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ حق کا بول بالا ہو گا۔ ہر طرف توحید کا نور پھیلے گا۔ دشت و جبل، بحر و بر، آبادیوں اور صحراؤں پر اسلام کا پرچم لہرائے گا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہو گا۔ ان میں سے کچھ آپ کی اس حیات ظاہری میں وقوع پذیر ہو گا اور کچھ بعد میں رونما ہو گا۔ آپ ان کفار و مشرکین کی بیہودہ باتوں اور بدزبانیوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ حق کا پیغام پہنچا دینا آپ کے ذمہ ہے۔ ان سے باز پرس کرنا ہمارا کام ہے۔

۶۰ یعنی جس سرزمین پر جہاں کہیں کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا ہے وہاں اسلام کا آفتاب ضوفشانی کرنے لگا اور کفر کا اندھیرا سکڑتا اور سمٹتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گا تو باطل کی طاقتوں کے قبضہ سے ان کے ملک نکل جائیں گے۔ اکثر علمائے مفسرین نے یہی معنی کیے ہیں۔
علی ان نقصہا هو فتح دیار الشرک (مظہری) قال مجاهد ایضاً وقتادة والحسن هو ما یغلب علیه المسلمون مما فی ایدی المشرکین (قرطبی)

۶۱ ان سے پہلے بھی کفر و باطل کے علمبرداروں نے حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوششیں کیں اور ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی ہر سازش کو ناکام بنا دیا اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ فلله المکر جمیعًا کا یہی معنی ہے کہ ان کی چالوں کو ناکام بنانا اور اسلام دشمنی پر ان کو سزا دینا اسی کے اختیار میں ہے۔
جزاء مکرهم (مظہری) ای یجازیهم به (قرطبی)

الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ

کے لیے ہے۔ اور کفار کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں۔ فرمائیے (میری رسالت پر) اللہ تعالیٰ بطور

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿۴۳﴾ ع

گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان ۱؎ اور وہ لوگ (بطور گواہ کافی ہیں) جن کے پاس کتاب کا علم ہے۔

ع ۱۲

۱؎ دشمنانِ حق کے انکار سے کیا ہوتا ہے اگر وہ آپ کی رسالت کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ ان کی بدبختی ہے۔ آپ کو ان کی گواہی کی حاجت نہیں۔ آپ فرمائیے میری رسالت اور صداقت کی گواہی دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ لوگ بھی میری سچائی اور میرے نبی برحق ہونے کی شہادت دے رہے ہیں۔ جن کو اس کتاب مقدس کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے مراد مومن ہیں۔ ہر مومن کو کتاب کے معانی و اسرار پر جتنی آگاہی ہوگی اس کی گواہی اتنی زیادہ قابل اعتبار ہوگی۔ ان مومنین میں سرفہرست حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین اور باب مدینۃ العلم سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم ہیں۔

تعارف سورۃ ابراہیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام : اس سورۃ کے چھٹے رکوع میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک ہے اس لیے اس نام کو اس سورۃ مبارکہ کا عنوان مقرر کیا گیا۔ اس سورۃ میں سات رکوع ، باون آیتیں ، آٹھ سو اکسٹھ کلمات ، تین ہزار چار سو چونتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس سال میں نازل ہوئی جب کفار نے ہر قسم کے تعلقات کو نظرانداز کر دیا تھا اور بڑی شدومد سے کھل کر اسلام کی مخالفت شروع کر دی تھی انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صاف صاف بتا دیا تھا کہ وہ اس دعوت کو ہرگز قبول نہیں کریں گے اور یہ دھمکیاں دینے لگے تھے کہ اگر تم باز نہ آئے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ سے جبراً نکال دیا جائے گا۔ اپنے اس مرکزی شہر میں ہم آپ لوگوں کی موجودگی زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ صرف کھوکھلی دھمکیاں ہی نہ تھیں بلکہ انھوں نے اپنے منصوبے بنانے شروع کر دیے تھے تاکہ ان دھمکیوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔ ان حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ مکی زندگی کے آخری دنوں کی یہ بات ہے اور انہی حالات میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مضامین : اس سورۃ کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صحیفہ رشد و ہدایت دے کر اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو گھپ اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں تاکہ لوگ عزیز و حمید پروردگار کی راہ پر پورے یقین کے ساتھ گامزن ہو سکیں۔

اس کے بعد یہ بتایا کہ منکرین حق کن ناگوں بیماریوں کا شکار ہیں۔ انھوں نے آخرت کی ابدی زندگی اور اس کی دائمی نعمتوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اس فانی زندگی کی ساتھ اس کی آرائشوں پر وہ فریفتہ ہو گئے ہیں نیز خود بھی یہ ضلالت میں سرگرداں ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی حق کو قبول کرنے سے روکتے ہیں مزید برآں اس دین حق کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اس کی وقعت ہی ختم ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کا اختصار سے ذکر کر دیا کہ وہ تورات لے کر آئے تاکہ لوگوں کو شاہراہ ہدایت پر گامزن کریں۔ آپ نے

اپنی احسان فراموش قوم کو اپنے رب کریم کے بے پایاں انعامات کی یاد دلائی اور شکر ادا کرنے کی ترغیب دی۔

کفار مکہ کو تنبیہ کی کہ جو رویہ تم نے اختیار کر رکھا ہے جو سلوک تم اپنے رسول کے ساتھ کر رہے ہو اسی قسم کا سلوک تم سے پہلے کفار نے بھی اپنے اپنے انبیاء کے ساتھ کیا تھا انھوں نے بڑی بے باکی اور ڈھٹائی سے اپنے رسولوں کو کہا تھا کہ بے شک تم دلائل کے انبار لگا دو جس قسم کے معجزات چاہو ہمیں دکھاؤ ہم کسی قیمت پر ایمان نہیں لائیں گے بلکہ ہم تمہیں یہاں سے جلاوطن کر دیں گے۔ انھوں نے بڑے گستاخانہ لہجے میں یہ بھی کہا کہ تم ہماری طرح بشر ہی تو ہو تم پر کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں کہ ہم تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کا پٹہ اپنے گلے میں ڈال لیں اپنے آباء و اجداد کے نظریات و عقاید کو چھوڑ کر تمہارے بتائے ہوئے عقاید کو مان لیں۔ انبیاء کرام نے انھیں بتایا کہ ہمیں اپنے بشر ہونے کا اعتراف ہے لیکن جن خصوصی نعمتوں سے خداوند کریم نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے تمہاری آنکھیں انھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ کفار نے اپنے نبیوں کی دعوت کو ناکام بنانے اور اپنے نبیوں کو زبردستی ملک بدر کرنے کے منصوبوں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ کے غضب نے انھیں مزید مہلت نہ دی۔ وہ قلم کے تمام ملاک دبرباد کر دیئے گئے ان کے شاندار مکانات حویلیاں۔ ان اللہ تعالیٰ کے بندوں سے آباد ہو گئیں جنھیں وہ حقیر اور کمزور سمجھا کرتے تھے۔

جس طرح کفار کے انداز گفتگو میں بے باکی کا عنصر غالب ہے اسی طرح ان کی سرزنش میں قرآن کا لہجہ بھی بہت سخت ہے۔ محشر کو پیش آنے والے واقعات کا نقشہ اس تفصیل اور اثر انگیز انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی میں حق پذیری کی ادنیٰ سی صلاحیت بھی ہو تو وہ غور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ روز حشر منکرین کی یہ حالت ہو گی وہ ہوش و حواس باختہ پریشان حال سر اٹھائے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے ہوں گے۔ پیپ کا پانی انھیں پینے کے لیے ملے گا۔ ہر طرف سے موت انھیں اپنے نرغہ میں لیتے ہوئے محسوس ہو گی لیکن وہ مریں گے نہیں۔ اس روز قوم کے رؤسا اور ان کے فرمانبرداروں میں جو گرما گرم مکالمہ ہو گا اس کو بھی بیان کر دیا تاکہ لوگ ابھی سے اپنا محاسبہ کر لیں اور کسی ایسے شخص کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری شروع نہ کر دیں جو روز قیامت ان کے لیے حسرت و ندامت کا باعث ہو۔

اس کے ساتھ ہی شیطان جس کی ساری عمر وہ فرمانبرداری کرتے رہے اور وہ انھیں طرح طرح کے لالچ دیتا رہا اس روز جب تمام اسرار آشکار ہو جائیں گے تو شیطان ان لوگوں کو جو عمر بھر اس کے اشارۂ ابرو پر اپنی متاع ہوش و خرد کو نثار کرتے رہے ہیں جو مدلل مسکت جواب دے گا وہ بھی اپنے اندر عبرت کے سامان رکھتا ہے وہ صاف صاف انھیں کہہ دے گا کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ کیے وہ اس نے پورے کر دیے لیکن جو وعدے میں نے تمہارے ساتھ کیا میں اس کو پورا نہیں کر سکتا۔ مجھے ملامت کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ میں نے تو تمہیں گمراہ کرنا تھا گمراہ کر لیا۔ یہ تمہارا کام تھا کہ اپنی عقل و خرد سے کام لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہتے۔ اب اپنی نادانی کی سزا بھگتو اور اپنے آپ کو کوسو۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات کا تذکرہ ہے۔ ان کی پیاری پیاری دعائیں ہیں جو انھوں نے

بڑے خلوص اور نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت میں پیش کیں۔ کعبہ کے شہر کے لیے اس شہر کے مکینوں کے لیے اپنی اولاد کی ہدایت اور رزق حلال کے لیے التجائیں کیں۔ ساتھ ہی عرض کیا کہ الٰہی! اس لق ودق صحرا اور اس بے آب و گیاہ بیابان میں تیرے گھر کے پڑوس میں میں نے اپنی اولاد کو اس لیے بسایا ہے کہ وہ تیری عبادت کرتے رہیں۔ الٰہی! لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور کشش پیدا کر دے تاکہ وہ ان کے پاس کھنچ کھنچ کر چلے آئیں۔ یہ وادی جہاں سرسبزی و شادابی کا دور دور تک نشان نہیں۔ اس وادی میں رہنے والوں کو کھانے کے لیے تازہ پھل عطا فرما۔

حضرت خلیل کی ساری دعائیں قبول ہوئیں اور اگر کسی کو اس کا عینی مشاہدہ کرنا ہو تو وہ آج بھی مکہ مکرمہ میں جا کر مشاہدہ کر سکتا ہے۔

آخر میں قیامت کے روز کفار کی حالت زار کا نقشہ کھینچ کر لوگوں کو تنبیہ کر دی گئی اگر تم اس روز اس عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو میرے نبی کریم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ تمہارا مکر گو اتنا زبردست ہو کہ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہلا دے لیکن تم اپنے برے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ دین حق کا محافظ میں ہوں تمہارے سارے منصوبے اور سازشیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عرفان اور صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے آگے بڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ اٰيَاتُهَا ۵۲ رُكُوْعَاتُهَا ۷

سورۂ ابراہیم مکی ہے۔ اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — باون آیتیں اور سات رکوع ہیں

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الف۔ لام۔ را۔ یہ عظیم الشان کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے آپ کی طرف تاکہ آپ نکالیں لوگوں کو (ہر قسم کی) تاریکیوں سے نور (ہدایت و عرفان)

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱ اللّٰهِ الَّذِيْ

کی طرف۔ ان کے رب کے اذن سے (یعنی) عزیز و حمید کے راستہ کی طرف۔ وہ اللہ جس کے ملک

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ

میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بربادی ہے کفار کے لیے

عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ۝۲ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ

سخت عذاب کے باعث جو پسند کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت (کی ابدی زندگی) پر

۱ حروف مقطعات ہیں۔

۲ کتاب خبر ہے اس کا مبتدا ہذا محذوف ہے۔ انزلناہ الیک اس کی صفت ہے۔ فرمایا ہم نے اس کتاب کو اس لیے آپ کے قلب منیر پر نازل فرمایا کہ کفر و شرک، بدعت، رسوم، فسق و فجور کے اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو ان سے آزاد کریں اور سرگردانی سے عقل کا چراغ بجھ چکا ہے سابقہ انبیاء کی تعلیمات مسخ ہو چکی ہیں۔ ہدایت پذیری کے تمام مسائل مفقود ہو چکے ہیں۔ یہ جیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ہدایت کا جو منبع عطا فرمایا جا رہا ہے جس کے تقدس کی وجہ ہو رہا ہے۔ آپ انہیں صدیوں سے بھٹکنے والے انسانوں کو راہ ہدایت کی طرف لے جائیں۔

۳ اور آپ کا لوگوں کی رہنمائی کرنا اور ظلمات و ضلالت سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کرنا اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اجازت ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا شرف بخشیں۔

۴ یہ الی النور سے بدل ہے یعنی وہ نور کیا ہے جس کی طرف آپ راہنمائی کرتے ہیں۔ وہ راستہ ہے عزیز و حمید کا جو سب پر غالب ہے اور ہر تعریف کے لائق ہے کیونکہ گمراہی کی سینکڑوں صورتیں ہیں اس لیے ظلمات جمع استعمال کیا گیا اور ہدایت ایک ہی ہے اس لیے واحد کا لفظ استعمال کیا گیا۔

وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُولَٰئِكَ فِي

اور (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں راہِ خدا سے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس (راہ راست) کو ٹیڑھا بنا دیں یہی لوگ

ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ

بڑی دور کی گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اسی قوم کی زبان کے ساتھ

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۖ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ

تاکہ وہ کھول کر بیان کرے ان کے لیے (احکام الٰہی کو)۔ پس گمراہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسے چاہتا ہے

یعنی کوئی سلیم الطبع انسان اس سراپا ہدایت کو قبول کرنے سے صرف یہی نہیں کہ خود ہی انکار کرتا ہے بلکہ جو دنیوی زندگی پر فریفتہ ہیں اور ان کو دنیا ہی ان کا معبود بنا ہوا ہے اس میں ملوث ہونے سے زیادہ جو حاصل ہے نہ ان کا مقصد حیات آخرت کی ابدی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے اس لیے سرشار اور آئینہ مستقبل کا انھیں کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ جو بھی ہدایت سے لے گئے ہیں انھیں یہ گوارا نہیں کہ کوئی دوسرا اس نا بھی ہدایت کو قبول ہی ہے۔ لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے اسلامی تعلیمات کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ سننے والا اس سے دور رہنے میں ہی اپنی عافیت یقین کرنے لگتا ہے۔

لے جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا تو اسی قوم کی زبان میں اس پر وحی نازل کی گئی تاکہ سمجھنے اور سمجھانے میں آسانی رہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء مبعوث ہوئے وہ کسی مخصوص قوم یا کسی مخصوص علاقہ کے لیے مبعوث ہوئے لیکن حضور کو سارے عالم کا ہادی اور مرشد بنا کر بھیجا گیا۔ وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ اور حضور کا ارشاد گرامی ہے ارسل کل نبی الی امتہ بلسانہا وارسلنی اللہ الی کل احمر واسود من خلقہ یعنی مجھے سب کی طرف بھیجا گیا۔ حکم ہوا کہ آپ اس عالمی دعوت کا آغاز اپنے خاندان سے کریں وانذر عشیرتک الاقربین اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ پھر آپ کو اپنی تبلیغ کے دائرہ کو اپنے شہر اور گرد و نواح کے علاقہ میں وسیع کرنے کا فرمان ملا۔ لتنذر ام القری ومن حولہا اور جب یہ لوگ اس دعوت کو دل و جان سے قبول کر لیں تو پھر اس کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا جائے اور یہی طریقہ قابل عمل تھا اس لیے ضروری ہوا کہ قرآن کریم اس زبان میں نازل ہو جو اس دعوت کے اولین مخاطب لوگوں کی ہے۔

سے جنھوں نے اس دعوت میں غور و فکر کیا اور اس کے دلائل صداقت کو عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھا ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی راہ کشادہ کر دی لیکن جن بدبختوں نے تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث اس دعوت میں غور و فکر کرنا ہی مناسب نہ سمجھا انھوں نے حق کی تابانیوں کو دیکھنے سے پہلے ہی اپنی آنکھیں بند کر لیں ان سے ہدایت پذیری کی صلاحیتیں چھین لی گئیں اور انھیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ

اور وہی سب پر غالب، بہت دانا ہے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ

أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ

(اور انہیں حکم دیا) کہ نکال اپنی قوم کو (گمراہی کے) اندھیروں سے (نورِ ہدایت) کی طرف ¹ اور یاد دلاؤ انہیں اللہ تعالیٰ کے

اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿٥﴾ وَإِذْ قَالَ

دنوں ² بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بہت صبر کرنے والے بے حد شکر گزار کے لیے اور جب فرمایا

مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ

موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کو یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت (و احسان) کو جو تم پر ہوا جب اس نے نجات دی تمہیں

آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ

فرعونیوں سے جو پہنچاتے تھے تمہیں سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے فرزندوں کو

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٦﴾

اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں (بیٹیوں) کو اور اس میں بڑی بھاری آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے۔

¹ اے حبیب! جس طرح آپ کو لوگوں کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اسی طرح ہم نے موسیٰ کو بھی رسول بنا کر بھیجا تاکہ اپنی قوم کو گمراہیوں سے نکال کر ہدایت کی طرف لے جائیں۔

² عربی میں نعمتوں کو بھی ایام کہا جاتا ہے اور گزشتہ واقعات کو بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ہم نے ان پر فرمائیں کس طرح انہیں فرعون کے ظلم و استبداد سے رہائی دی کس طرح سمندر سے انہیں سلامتی سے گزارا اور کس طرح ان کی آنکھوں کے سامنے فرعون کو غرق کیا یا انہیں گزری ہوئی قوموں کے واقعات و حالات سنائیں تاکہ نصیحت قبول کریں۔ ان واقعات میں ہر اس شخص کو جو صبر اور شکر کی صفات سے متصف ہے۔ ہماری قدرت کی نشانیاں نظر آئیں گی۔

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۖ وَلَئِن كَفَرْتُمْ

اور یاد کرو جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے (اس حقیقت سے)[12] کہ اگر تم پہلے احسانات پر شکر ادا کرو تو میں مزید اضافہ کروں گا اور اگر تم نے ناشکری کی

إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝٧ وَقَالَ مُوسَىٰ إِن تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَن

تو (جان لو) یقیناً میرا عذاب شدید ہے[13] اور (نیز) فرمایا موسیٰ نے اگر تم ناشکری کرنے لگو اور تم ہی نہیں بلکہ (جو بھی)

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝٨ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ

روئے زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی (اور) حمید ہے[14] کیا نہیں پہنچی تمہیں اطلاع ان

الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن

(قوموں) کی جو پہلے گزر چکی ہیں تم سے یعنی قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے بعد

بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

گزرے۔[15] نہیں جانتا انہیں مگر اللہ تعالیٰ۔ لے آئے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں

۱۲؎ تاذّن و اذن دونوں کا معنی اَعْلَمَ ہے یعنی خبردار کیا آگاہ کیا۔ شکر کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنے منعم کے انعام کا اعتراف کرے اور پھر اس انعام کو اپنے منعم کی فرمانبرداری میں صرف کرے۔ عارفوں کا قول ہے کہ شکر سابقہ انعامات کی زنجیر ہے اور مزید انعامات کا اصطیاد ہے الشکر قید للموجود وصید للمفقود۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی کیف اشکرک وشکری لک نعمۃ جدیدۃ منک علی یا اللہ میں تیرا شکر کیسے ادا کر سکتا ہوں کیونکہ توفیق شکر بھی تیری ایک نئی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا الآن شکرتنی۔ اے داؤد علیہ السلام جب تو نے اس حقیقت کو پا لیا تو اب تو نے میرا شکر ادا کیا۔

۱۳؎ جس طرح شکر مزید انعام و اکرام کا باعث ہے اسی طرح ناشکری اور کفران نعمت محرومی کا سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی دولت عزت علم وغیرہ کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا سب سے بڑی ناشکری ہے۔

۱۴؎ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو بتایا کہ شکر کرنے میں تمہارا ہی فائدہ ہے اور کفران نعمت کرو گے تو خود ہی نقصان اٹھاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ تمہاری احسان مندیوں کی ضرورت ہے اور نہ تمہاری ناشکریوں کا خوف۔

۱۵؎ گزشتہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

پس انھوں نے دبا لیے اپنے ہاتھ اپنے منہوں میں[13] اور (بڑی بے باکی سے) کہا ہم نے انکار کیا اس دین کا جس کے ساتھ

بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ

تم بھیجے گئے ہو اور ہم تو اس (دعوت) میں جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو (بڑے) شک میں ہیں جو ہمیں بے چین کیے ہوئے ہے۔ ان کے پیغمبروں نے پوچھا

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ

کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کے متعلق شک ہے جو پیدا فرمانے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ جو دعوت دیتا ہے تمھیں تاکہ بخش دے تمھارے

مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ

گناہ اور مہلت دیتا ہے تمھیں ایک مقررہ میعاد تک۔[14] ان نادانوں نے جواب دیا نہیں ہو تم

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

مگر بشر ہماری طرح[15] تم یہ چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں ان (بتوں) سے جن کی پوجا کیا کرتے تھے

اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ

باپ دادا ہمارے۔ پس لے آؤ ہمارے پاس کوئی روشن دلیل۔ کہا انھیں ان کے رسولوں نے کہ ہم

[13] جب ان کے انبیاء انھیں شرک سے منع کرتے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تو وہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر انھیں خاموش ہونے کا اشارہ کرتے یا اظہار حیرت کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے۔ ان دونوں صورتوں میں افواھھم کی ضمیر کا مرجع کفار ہوں گے۔ اور اگر اس کا مرجع رسولوں کو بنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب وہ انھیں وعظ کرتے تو یہ بے ادب آگے بڑھ کر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے اور انھیں بولنے کی بھی اجازت نہ دیتے۔ بعد والا جملہ ان کے اسی جاہلانہ طرز عمل کی تائید کرتا ہے۔

[14] ان کے رسولوں نے فرمایا کہ اگر تم کسی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ کو نہ سمجھ سکتے تو تم معذور تھے لیکن اتنی بڑی کھلی اور روشن حقیقت کا انکار سخت نادانی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کی توحید میں تمھیں شک ہے جو سب کا خالق ہے! اور جس کی عظمت پر تمام عالم شاہد ہیں کے باوجود کھلا ہوا ہے۔

[15] ان کا پہلا اعتراض کہ تم ہماری طرح بشر ہو اور ہم تمھاری خاطر اپنے آباؤ اجداد کا مسلک چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

نَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

تمہاری طرح انسان ہی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے اپنے

عِبَادِهٖ ۭ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

بندوں سے۔ اور نہیں ہے طاقت ہماری کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی دلیل بجز اذن خداوندی کے

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى

اور مومنوں کو فقط اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے اور ہم کیونکر نہ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر

۱۷ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے فرمایا کہ ہم کب انکار کرتے ہیں کہ ہم بشر نہیں ہیں اور ہم نے کب دعویٰ کیا ہے کہ ہم فرشتے ہیں۔ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں لیکن جو فضائل و کمالات اور جو قوتیں اور استعدادیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمائی ہیں ان سے تم بے بہرہ ہو۔ ما نحن من الملائکۃ بل نحن بشر مثلکم في الصورۃ او في الدخول تحت الجنس ولکن اللہ تعالیٰ یمن علی من یشاء بالفضائل والکمالات والاستعدادات التي یدور علیہا فلک الاصطفاء للنبوۃ (روح المعانی) کفار انبیاء کرام کی ظاہری بشریت سے فریب کھا گئے اور ان کی نگاہیں شان نبوت کو پہچاننے سے قاصر رہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں کے شکوک و شبہات کو بیان کر کے اپنے حکیمانہ انداز میں ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ ؎

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور

یعنی کفار نے کہا ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں۔ ہم بھی سوتے ہیں اور کھاتے ہیں اور وہ بھی اسی طرح۔ ؎

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ ہست فرقے درمیاں بے منتہا

ان اندھوں نے یہ نہ جانا کہ ان کے درمیان اور انبیاء کے درمیان تو بے انتہا فرق ہے۔ ؎

ہر دو یک گل خوردہ زنبور و نحل زاں یکے شد نیش زاں دیگر عسل

دیکھیے تو زنبور اور شہد کی مکھی ایک پھول سے ہی خوراک حاصل کرتی ہیں لیکن یہاں ڈنک نمودار ہوتا ہے اور وہاں شہد۔ ؎

ہر دو گوں آہو گیا خوردند و آب زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے ہیں اور پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے صرف لید نکلتی ہے اور دوسرے سے خالص کستوری۔ ؎

ایں خورد گردد پلیدی زو جدا واں خورد گردد ہمہ نور خدا

کافر کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور نبی کھاتا ہے تو وہ نور خدا بنتا ہے۔

۱۸ یعنی معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ہم اپنی مرضی سے تمہیں کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتے۔

اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ وَ

حالانکہ اس نے دکھائی ہیں ہمیں ہماری (کامیابی کی) راہیں اور ہم ضرور صبر کریں گے تمہاری اذیت رسانیوں پر اور

عَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ع ۱۴ ۱۲ پس اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرنا چاہیے توکل کرنے والوں کو۔ اور کہا کفار نے اپنے

لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ

رسولوں کو کہ ہم ضرور باہر نکال دیں گے تمہیں اپنے ملک سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں۔

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ

پس وحی بھیجی ان کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ (دست گستاخی) ہم تباہ کر دیں گے ان ظالموں کو اور ہم یقیناً آباد کریں گے تمہیں (ان کے)

الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ

ملک میں انہیں (برباد کرنے) کے بعد۔ یہ (وعدۂ نصرت) ہر اس شخص کے لیے ہے جو ڈرتا ہے میرے حضور کھڑا ہونے سے اور ڈرتا ہے

وَعِيْدِ ۝۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَّرَاۗىِٕهٖ

میری دھمکی سے اور رسولوں نے حق کی فتح کے لیے التجا کی (جو قبول ہوئی) اور نامراد ہوگیا ہر سرکش، منکر حق۔ اس نامراد کے آگے

۱۱ تمہاری جانب سے اذیت پہنچانا مقدر ہو چکا ہے تو ہم بھی [illegible] جو مصائب و آلام تم ہمیں پہنچاؤ گے ہم [illegible] صبر کریں گے اور صبر کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پائے گا کیونکہ ہم اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں اور جن کا بھروسہ اللہ پر ہو [illegible] انہیں کوئی [illegible] صبر ہی سے کام لینا ہے۔

۱۲ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو جو تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو [illegible] تائید و نصرت کی یقین دہانی کرا رہا ہے۔

۱۳ یہ بشارت ان [illegible] تمام لوگوں کے لیے ہے جن کے دل اس [illegible] سے لرزاں رہتے ہیں اور [illegible] انہیں میری [illegible] اطاعت پر انہیں ثابت قدم رکھتا ہے یہی کامیاب و کامران ہوں گے اور انہی کے دشمنوں کے لیے ناکامی و نامرادی ہے۔ [illegible] اپنے رب سے فتح کی دعا کی اور [illegible] معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے حدیث پاک میں ہے۔ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان یستفتح بصعالیک المہاجرین۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقراء مہاجرین کے وسیلہ سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔ دوسری صورت میں آیت کا یہ معنی ہوگا کافروں نے دعا مانگی [illegible]

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

جہنم ہے آگے اور پلایا جائے گا اسے خون اور پیپ کا پانی۔ وہ گھونٹ گھونٹ بھر پیئے گا اور حلق سے نیچے نہ اتار سکے گا

وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ

اور آئے گی اس کے پاس موت ہر سمت سے اور وہ (ابھی تو) مرنے کا نہیں۔ اور علاوہ ازیں اس کے پیچھے

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ

ایک اور سخت عذاب ہوگا۔ ان لوگوں کی مثال جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں

نازل کر جتا پھر عذاب آیا جس نے ہر سرکش کینہ ور کو ختم کر دیا۔

۲۳ دنیا میں ان کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرنے کے بعد انہیں فراموش نہیں کر دیا جائے گا بلکہ جہاں نے لباس جسم کی انھوں نے جو آپ ان کی تھی ان کے سامنے جو سچائیاں کی تعلیم اور تبلیغ حق سے جو انکار کیا تھا اس کے بدلے میں انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

یتجرعہ: باب تفعل کا خاصہ ہے تکلف پر دلالت کرنا ہے یعنی پیاس کی شدت کے باعث وہ پینے پر مجبور بھی ہوگا لیکن اس کی بدبو اور کڑوی ہونی پیپ کو پینے پر مجبور حلق سے نیچے اترنے سے تو پہلے ایک ایک گھونٹ وہ بڑی مشکل سے۔

۲۴ ہر طرف سے موت یعنی ہر قسم کی اذیتیں اور دردناک ناقابل برداشت آلام جسے جیتے جی کوئی بھی بصد خوشی تیار ہوگا۔ لیکن موت آئے گی نہیں یہ ٹکڑے ٹکڑے عذاب میں رہیں گے۔ جبار: اللہ تعالیٰ جو اپنے اوپر کسی کا حق نہیں سمجھتا۔ عنید: راہ راست سے منحرف الذی یعرض عن الحق العنید والعاند۔ وراء: پیچھے اور آگے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ صدید: اس پیپ کو کہتے ہیں جس میں خون ملا ہو۔ اساغ: خوشگوار ہونا۔

۲۵ کفار کے اچھے اعمال کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کی وجہ سے ان کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر ہو اور تند ہوا چلے اور اسے اڑا کر لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انہیں ان اعمال پر اجر نہ دیا جائے۔ ان کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے جو یہ کام کیے ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ انہیں اچھا کہیں، ان کی رحم دلی اور سخاوت کا چرچا ہو، ان کی آسانی ہو یا تجارت چمکے یا ان کے علاوہ کوئی اور مقصد، جب یہ مقصد حاصل ہو گیا اور خدا کی رضا انہیں مطلوب ہی نہ تھی تو اس کے حاصل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب قیامت کی سرخروئی کا انہیں تصور ہی نہ تھا تو انہیں روز قیامت سرخرو کیا جائے تو آخر کیوں؟ ان لوگوں نے اپنے بتوں کی خوشنودی کے لیے کچھ کیا تو وہ جائیں اپنے بتوں کے پاس اور ان سے مانگیں۔ بہرحال وہ ان اعمال کی وجہ سے اس بات کے حقدار نہیں ہیں کہ انہیں اس کی جزا دی جائے اور قیامت کے دن ان اعمال کے باعث انہیں جنت میں بھیجا جائے۔ اگر کوئی شخص اپنے اعمال اور نیکیوں کا انعام پانا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کفر و شرک کو ترک کرے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو کام کرے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے پیش نظر ہو

اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا

جسے تند ہوا تیزی سے اڑا لے گئی سخت آندھی کے دن۔ نہ حاصل کریں گے ان اعمال سے جو انھوں نے کمائے

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ

کچھ کوئی فائدہ۔ یہ (اعمال کا اکارت جانا) ہی بہت بڑی گمراہی ہے۔ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ہی

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِن يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ

پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق

جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا

اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اور (روز حشر) اللہ تعالیٰ کے سامنے (سب) پیش ہو جائیں گے

٢٣ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۳۳ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

٢٤ یعنی یہ سلسلہ تمہاری نفس فی نفسہ ہے کہ اگر تم نہیں ہو گے تو خدا کی دنیا بے رونق ہو جائے گی اس کا کاروبار ختم ہو جائے گا۔ وہ چاہے تو تمہیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دے اور تم سے بہتر تمہارا جانشین کھڑا کر دے جو اپنی نیک نفسی، اپنی قابلیت، ذہانت اور اپنی خصائص حمیدہ سے اس گلشن ہستی کی رونق و بہار میں اضافہ کرے۔

٢٥ جب قیامت کا دن آئے گا، صور پھونکا جائے گا تو سب اپنی قبروں سے نکل کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔ اپنی نافرمانیاں، اپنا لغزشیں، اپنا شرک، اپنا فسق و فجور سب بے نقاب ہو جائیں گے۔ گزشتہ زندگی میں جس طرح انھوں نے لوگوں سے چھپا رکھے تھے وہاں ان کی بے اعمالیوں کی قلعی کھل جائے گی۔ ایک ایک کر کے آنکھوں کے سامنے آ جائیں گی۔ ادھر جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلے دکھائی دے رہے ہوں گے۔ اس وقت گمراہ سرداروں کے پیروکار انھیں کہیں گے کہ زندگی بھر ہم تمہارے پیچھے آنکھیں بند کر کے چلتے رہے۔ جب تم نے ہمیں کہا کسی نبی کی بات مت سنو تو ہم نے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تم نے کہا کہ ان پر پتھر برساؤ، ہم نے ان نورانی پیکروں پر بے دریغ پتھراؤ کیا اور انھیں لہولہان کر کے چھوڑا۔ آج بتاؤ کچھ تم ہمارے لیے کر سکتے ہو۔ وہ سردار اپنی مکمل بے بسی کا اعتراف کریں گے اور بڑی حسرت و ندامت سے کہیں گے کہ ہم تو خود گرفتار ہیں ہم تمہاری کیا امداد کر سکتے ہیں۔ یہ فرامین کا ایک گروہ بھی ہے جو اپنے رہنماؤں اور سرداروں کی اندھی تقلید میں یوں گم ہو چکا ہے کہ وہ حق کو سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ ان کو خواب غفلت سے چونکانے کے لیے قیامت کے روز پیش آنے والے واقعات کو دلکش انداز میں بیان کیا تاکہ وہ اگر چاہیں تو اپنی اس نازیبا حرکت سے باز آ جائیں۔

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

حاضر ہوں گے تو کہیں گے کمزور (پیروکار) ان (سرداروں) سے جو متکبر تھے (اے سردارو!) ہم تو (ساری عمر) تمہارے تابعدار رہے پس کیا (آج)

اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا

تم ہمیں بچا سکتے ہو عذابِ الٰہی سے وہ کہیں گے اگر اللہ تعالیٰ

اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ

ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے یکساں ہے ہمارے لیے خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں۔ ہمارے لیے (آج) کوئی

مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ

راہِ فرار نہیں ہے۔ اور شیطان کہے گا جب (سب کی قسمت کا) فیصلہ ہو چکے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

وہ وعدہ سچا تھا۔ اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا پس میں نے تم سے وعدہ خلافی کی۔ اور نہیں تھا میرا تم پر کچھ

سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

زور (فقط) مگر یہ کہ میں نے تم کو (کفر کی) دعوت دی اور تم نے فوراً قبول کر لی میری دعوت۔ سو مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت

۲۷ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو میدانِ حشر میں جمع کریگا اور انکے درمیان فیصلہ فرما دیگا تو اہلِ ایمان کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں فیصلہ صادر فرما دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کی جناب میں کون ہماری شفاعت کرے گا۔ پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے وہ معذرت کریں گے۔ چلتے چلتے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچیں گے فيقول عيسى عليه السلام ادلكم على النبي الامي فياتوني فياذن الله لي ان اقوم فيثور من مجلسي من اطيب ريح شمها احد قط حتى آتي ربي فيشفعني ويجعل لي نورا من شعر راسي الى ظفر قدمي ثم يقول الكافرون قد وجد المؤمنون من يشفع لهم فمن يشفع لنا ما هو غير ابليس الذي اضلنا فياتونه فيقولون قد وجد المؤمنون من يشفع لهم فاشفع لنا فانك انت اضللتنا فيقوم فيثور من مجلسه من انتن ريح شمها احد ثم يعظم نحيبهم ويقول عند ذلك ان الله وعدكم وعد الحق الآية (قرطبی) ترجمہ۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اذن فرمائیگا اور میں کھڑا ہونگا اور میری مجلس سے ایسی خوشبو پھیلے گی جیسے آجتک کسی نے نہ سونگھا ہو پھر میں اپنے رب کے حضور میں آ جاؤنگا۔ تک

اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ

کو ملامت کرو۔ نہ میں (آج) تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں انکار کرتا ہوں

بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ

اس امر سے کہ تم نے مجھے شریک بنایا اس سے پہلے۔ بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

کی شفاعت کروں گا اور اللہ تعالیٰ میری شفاعت قبول فرماتا ہے اور جب کفار دیکھیں گے کہ مومنین سے کہو کہ حضور ان کے آخر تک نور دی اور
جو گا۔ یہ نظارہ دیکھ کر کافر کہیں گے کہ مومنوں کو تو شفیع المذنبین مل گیا اب ہماری کون شفاعت کرے گا۔ پھر کہیں گے کہ شیطان کے پاس چلو اسی نے ہم
کو گمراہ کیا تھا اس سے ہماری شفاعت کرنے کو کہیں۔ سب اس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اہل ایمان کو تو ان کا شفیع مل گیا اب تو ہماری شفاعت کر کیونکہ
تو نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا۔ اس کی مجلس سے ناقابل برداشت بدبو اٹھے گی۔ وہ روئے نصیحتیں سنیں گے تو شیطان انہیں یہ جواب دے گا۔
ان اللہ وعدکم وعد الحق ووعدتکم فاخلفتکم یعنی اس وقت شیطان کہے گا کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی تمہیں
قبروں سے اٹھایا جائے گا تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی۔ نیکوں کو جنت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں بھیجا جائے گا اور میں نے بھی تم
سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت نہیں آئے گی۔ قبروں سے پھر جی اٹھنے کی بات محض غلط ہے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا۔ میں تمہارا ساتھی اور مددگار ہوں گا۔
بتوں، دیوتاؤں کی پوجا کیا کرتے رہو ان کی دولت کو سمیٹتے رہو حلال حرام کا فرق بالکل بے حقیقت ہے۔ جس طرح دولت کما سکتے ہو
کماؤ اور داد عیش دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو سچے وعدے تم سے کیے تھے وہ سب ایک ایک کر کے پورے ہو گئے اور میں نے تم سے سب جھوٹے وعدے
کیے تھے اور میں نے سب کی خلاف ورزی کی۔

یہ بات سن کر شیطان کے پرستار آگ بگولہ ہو جائیں گے اور کہیں گے کہ تیرا ستیاناس ہو تو نے اس وقت ہمیں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین کے دامن
میں پناہ لینے سے روکا اور آج ہمیں تو یوں صاف جواب دے رہا ہے۔ شیطان کہے گا مجھ پر ناحق ناراض ہو رہے ہو۔ میں نے تمہیں کب مجبور کیا تھا کہ
میرے پیچھے ضرور چلو اور میرا کہنا ضرور مانو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول سے رشتہ توڑ کر مجھ سے تعلق جوڑو۔ میں نے صرف تمہیں گمراہی کی طرف
بلایا اور تم اتنے بے وقوف اور احمق نکلے کہ مکھیوں کی طرح بھنبھناتے ہوئے چلے آئے۔ اپنے حقیقی معبود رحیم و کریم کو چھوڑ کر اپنے رؤف رحیم رسول کو چھوڑ کر اپنے
ازلی دشمن اور بدخواہ ابلیس کی دعوت کو قبول کیا۔ اب مجھے کیوں کوستے ہو اپنی بدبختی اور حماقت پر ماتم کرو اور جو کچھ تم کرو سب تمہارا اپنا
قصور ہے۔ میں تمہارا قطعاً ذمہ دار نہیں ہوں۔

نہ تو میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں اور نہ تم میری مدد کر سکتے ہو۔ تمہیں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور مجھے اپنی سرکشیوں کا عذاب بھگتنا ہوگا۔
لغات: المستصرخ ھو الذی یطلب النصرۃ والمعونۃ والمصرخ ھو المغیث۔ صارخ اور مستصرخ اس کو کہتے ہیں جو
مدد اور اعانت کا طالب ہو اور مصرخ مددگار اور فریاد رس کو کہتے ہیں۔

تم مجھے دنیا میں خدا کا شریک سمجھتے تھے میں اس کا انکار کرتا ہوں اور تمہیں صاف صاف بتلا دیتا ہوں کہ میں خدا کا شریک نہیں۔ کل تم

أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور داخل کیا جائیگا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے باغات میں رواں ہونگی

مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

جن کے نیچے ندیاں وہاں میں ہمیشہ رہیں گے اپنے رب کے حکم سے انکی دعا وہاں باہمی یہ ہو گی کہ

سَلَامٌ ﴿٢٣﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ

تم سلامت رہو کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کیسی عمدہ مثال بیان کی ہے اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے

محض اپنی حماقت کی وجہ سے اپنا لیا تھا۔ آج ہر بیڑہ مخالف ہے جو قیامت کے روز ہوگا۔ شیطان کے پیروکار اس روز جس ندامت و شرمندگی سے دوچار ہونگے وہ کتنی درد ناک ہوگی۔ ہر ہوشمند کو چاہیے کہ اس شرمساری اور رسوائی سے بچنے کے لیے آج ہی اپنی اصلاح کر لے۔

لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو شیطان کا رویہ اپنے پرستاروں کے ساتھ آج بھی یہی ہے۔ جب کسی کو نفس زنی پر اکساتا ہے اپنے سگے بھائی کو قتل کرنے کے لیے برانگیختہ کرتا ہے جب کسی کی ناموس کو ملوث کرنے کی تحریک اس میں پیدا کرتا ہے تو اس وقت دولت، عزت، لذت اور عیش کی زندگی کا جو نقشہ وہ پیش کرتا ہے کتنا دلفریب ہوتا ہے لیکن جب انسان اس کے دام تزویر میں پھنس جاتا ہے تو شیطان اس سے آنکھیں پھیر لیتا ہے۔ جب چوری ڈاکے ثابت ہو جاتے ہیں اور اس کی پٹائی پر تلیں ہو جاتا ہے جب اسے تختہ دار پر لٹکا کر موت کا پھندا اس کے گلے میں ڈالا جاتا ہے تو شیطان کی خوشی کی حد نہیں ہوتی۔ جب بدکاری کی وجہ سے وہ موذی بیماریوں (سوزاک، آتشک وغیرہ) کے چنگل میں گرفتار ہو چکتا ہے تو وہ آگے بڑھ کر اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکتا ہے۔ جب جعفر اور صادق نے اپنی قوم اور اپنے ملک سے غداری کرنے کا ارادہ کیا تھا انہیں اپنا مستقبل کتنا درخشاں نظر آرہا ہوگا لیکن اس غداری کے بعد بجز لعنت و مذمت کے ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ بدر کے میدان میں کفار کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا تھا۔ شیطان نے پہلے انہیں اکسایا اور یقین دلایا لا غالب لکم الیوم من الناس آج تم پر کوئی بھی غالب نہیں آسکتا! وانی جار لکم میں تمہارا پشت پناہ ہوں اور جب حضرت حمزہ اور حضرت علی کی تلواروں نے شمشیر بے نیام ہو کر ان کی صفوں میں تباہی مچانا شروع کی تو شیطان نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی اور کہا انی بریء منکم میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

۲۳؎ اب ان کا ذکر ہو رہا ہے جن کو صاحب مقام محمود رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

۲۴؎ کلمہ طیبہ سے مراد ایمان ہے اور کلمہ خبیثہ سے مراد کفر ہے۔ ایمان اور کفر کی حقیقت کو ایک نہایت بلیغ مثال سے واضح کیا۔ ایمان پاکیزہ درخت کی مانند ہے جو سرسبز و شاداب ہو۔ پاکیزہ اور عمدہ درخت کی یہ صفات ہوتی ہیں کہ اس کی جڑیں کافی گہری ہوتی ہیں۔ کوئی تند و تیز آندھی بھی اسے اکھیڑ نہیں سکتی۔ اس کی شاخیں خوب پھیلی ہوئی اور اونچی ہوتی ہیں اسی طرح اس کا سایہ بھی خوب گھنا ہوتا ہے! اور اس پر پھل بھی بکثرت لگتا ہے اور پھلدار بھی

طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ

جس کی جڑیں بڑی مضبوط ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ وہ دیتا ہے اپنا پھل

حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ (انھیں)

يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٥﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ

خوب ذہن نشین کر لیں۔ اور مثال ناپاک کلمہ کی ایسی ہے جیسے ناپاک درخت ہو فلے جسے اکھاڑ لیا جائے

مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

زمین کے اُوپر سے۔ (اب) اسے کچھ بھی قرار نہیں۔ ثابت قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو

ہوتا ہے اور اس کا پھل مقدار میں زیادہ اور ذائقہ میں لذیذ ہوتا ہے۔ فرمایا ایمان بھی ان تمام صفات و خوبیوں سے متصف ہے جو ایک پاکیزہ درخت میں موجود ہیں۔ اس کی جڑیں دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتی ہیں۔ مصائب و آلام کا کوئی طوفان اس کو ہلا نہیں سکتا۔ اسلام سے پہلے حضرت عمر نے اپنی بہن فاطمہ اور ان کے خاوند کو لہولہان کر دیا تھا لیکن کیا اس ظلم و تشدد سے ان کا شجرِ ایمان اکھڑ سکا۔ اس کی شاخیں اتنی بلند ہیں کہ آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی ہیں اور اس میں کیا پھل لگتے ہیں۔ مومن کے کردار اس کے خُلقِ عظیم اور اس کے جذبۂ محبت کی رفعتوں کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اور پھر اس درخت کا جو پھل ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ دوسرے درخت تو سال میں ایک بار پھل لگاتے ہیں اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ [illegible] اور کبھی کبھار ہی [illegible] لیکن شجرِ ایمان کا کیا کہنا۔ ہر فصل اور ہر موسم میں اس کی شاخیں میٹھے اور لذیذ پھلوں سے لدی پھندی رہتی ہیں۔ ایک لمحہ بھی تو ایسا نہیں آتا کہ اس کی شاخیں ثمر سے خالی ہوں۔ ــ سہ

[illegible] بہار ہر گل فرزیں لا الٰہ الا اللہ

رات دن جب اللہ تعالیٰ کے بندے [illegible] سے وضو کر کے دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صبح ہوتی ہے تو مسجدیں نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ ھو کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ کہیں ذکر و فکر ہو رہا ہے، کہیں نوافل پڑھے جا رہے ہیں اور کہیں تلاوتِ قرآن ہو رہی ہے۔ کہیں صاحبِ قرآن پر صلوٰۃ و سلام پڑھا جا رہا ہے اور [illegible] مقصد زندگی [illegible] کہیں [illegible] رحمت کا سلسلہ یہاں بھی ٹوٹنے نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے [illegible] تلاوتِ قرآن، صدقات و خیرات [illegible] ایصالِ ثواب کر رہے ہوتے ہیں۔ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ کا منظر دیکھنا ہو تو [illegible] اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔

ف۲ ناپاک درخت کی مانند ہے جس کی جڑیں گہری نہیں ہوتیں۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اسے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ ایسے درخت کی شاخیں

بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

اس پختہ قول (کی برکت) سے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ۵۳ اور بھٹکا دیتا ہے اللہ تعالیٰ

الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝٢٧ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ

ظالموں کو ۵۴ اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے بدل دیا اللہ تعالیٰ کی

نمایاں ہوگی اور اس کا پھل نمایاں نہ ہوگا۔

۵۳ یعنی جو لوگ اخلاص و یقین سے کلمہ شہادت پڑھتے ہیں اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ انھیں ہر مقام پر ثبات و استقامت بخشتا ہے۔ دنیا میں انکو دولت ایمان سے محروم کرنے کیلئے ہزاروں فتنے برپا کیے جاتے ہیں بڑی بڑی آزمائشوں سے انھیں دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔ اسی طرح قبر و حشر میں جو مشکل مرحلے پیش آئیں گے، توفیق الٰہی وہاں بھی ان کی دستگیری کرے گی اور وہ ہر میدان میں کامیاب و سرخرو ہوں گے۔ سوال قبر کے متعلق ایک حدیث جو صحاح ستہ میں مذکور ہے ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ فذلک قول اللہ تعالیٰ یثبت اللہ الذین اٰمنوا الاٰیۃ یعنی قبر میں جب ایک مسلمان سے اسکے رب اور اسکے رسول اور اسکے دین کے متعلق سوال کیا جائے گا تو وہ جواب میں کہے گا اشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ اور یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا یثبت اللہ الذین اٰمنوا الاٰیۃ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبیت فانہ الاٰن یسئل یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو اس کے قریب کھڑے ہو جاتے اور سب کو فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو کیونکہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے۔ حضرت سہل بن عمار فرماتے ہیں کہ میں نے یزید بن ہارون کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا سنائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ انھوں نے کہا قبر میں میرے پاس دو بڑے خوبصورت اور نرم خو فرشتے آئے۔ مجھ سے دریافت کیا ما دینک و من ربک و من نبیک تیرا دین کیا ہے، تیرا رب کون ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ فاخذت بلحیتی البیضاء وقلت الِمثلی یقال ھذا وقد علمت الناس جوابکما ثمانین سنۃ میں نے اپنی سفید داڑھی کو پکڑ کر کہا میرے جیسے شخص سے تم اس قسم کے سوالات پوچھتے ہو میں اسی سال لوگوں کو تمہارے انہیں سوالات کے جوابات پڑھاتا رہا ہوں۔ یہ بات ختم ہوئی تو انھوں نے ایک سوال پوچھا تم نے حریز بن عثمان سے کوئی حدیث لکھی ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ فقالا کان یبغض علیا ابغضہ اللہ ان دونوں فرشتوں نے کہا کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ سے بغض رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مبغوض بنا دیا۔ (قرطبی)

علامہ ابن کثیر و دیگر مفسرین کرام نے اس مقام پر متعدد صحیح احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے لیے قبر ایک آرام گاہ ہے اور بدکاروں کے لیے اس میں شدید عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کے طفیل عذاب قبر سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

۵۴ یعنی ظالموں کو قبر میں ان سوالات کا جواب بھول جائے گا۔

اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿٢٨﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ

نعمتوں کو ناشکری سے اور اتار دیا اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں (یعنی) دوزخ میں جھونکے جائیں گے اس میں اور وہ بہت برا

الْقَرَارُ ﴿٢٩﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ قُلْ تَمَتَّعُوْا

ٹھکانا ہے۔ اور بنا لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مدمقابل تاکہ بہکا دیں (لوگوں کو) اس کی راہ سے آپ (انھیں) فرمائیے لطف اٹھا لو

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا

لطف اٹھالو۔ بیشک تمھارا انجام آگ کی طرف ہے۔ آپ فرمائیے میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ وہ صحیح صحیح ادا کیا کریں

الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ

نماز اور خرچ کیا کریں اس سے جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ اس سے پیشتر کہ

يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

آجائے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو

وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ

اور زمین کو اور اتارا بلندی سے پانی پھر پیدا کیے اس پانی سے پھل تمھارے کھانے کے لیے

٢٨ قریش کو اللہ تعالیٰ نے کتنے احسانات فرمائے تھے اپنے گھر کی خدمت اور ہمسائیگی کا شرف انھیں بخشا تھا۔ سارے عرب کے دلوں میں ان کی عزت اور تکریم کا جذبہ پیدا کر دیا اور پھر انھیں میں سے خاتم النبیین کو مبعوث فرمایا۔ ان کا تو یہ فرض تھا کہ ہر دم شکر الٰہی بجا لاتے اور اس کے کسی حکم سے سرمو انحراف نہ کرتے لیکن انھوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی خود بھی برباد ہو گئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا۔ العیاذ باللہ۔

٢٩ یعنی ہلاکت و تباہی۔ جہنم دار البوار کا عطف بیان ہے۔

٣٠ اپنے بندوں کو اعمال حسنہ کی بجا آوری کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

٣١ یعنی اس دن سے پہلے نیک اعمال کا ذخیرہ جمع کر رکھو جو تمہیں قیامت کے دن کام آئے گا ورنہ کف افسوس ملتے رہ جاؤ گے۔ اس دن کوئی خرید و فروخت نہیں ہوگی کہ آپ منڈی میں جائیں اور جس عمل کی آپ کو ضرورت پڑے کسی دکان سے خرید لائیں۔ اس دن دنیا کے بھائی چارے اور دوستیاں بھی کام نہیں آئیں گی۔

٣٢ ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نادر کرشموں میں چند ایک گنوائے ہیں جو دعوت دیتے ہیں کہ انھیں غور و فکر کے ساتھ دیکھو تو مناسب اور

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾ وَ

اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو تاکہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے اور تابع فرمان بنا دیا تمہارے لیے دریاؤں کو۔ اور

سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

مسخر کر دیا تمہارے لیے آفتاب و مہتاب کو جو برابر چل رہے ہیں اور مسخر فرما دیا تمہارے لیے رات اور دن کو۔

وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ

اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا[2] اور اگر تم گننا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم ان کا شمار نہیں کر سکتے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا

بے شک انسان بہت زیادتی کرنے والا (اور) بڑا ناشکرا ہے[3]۔ اور (اے حبیب!) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب! بنا دے

[1] لکم (تمہارے لیے) کا بار بار ذکر کتنا معنی خیز ہے۔ گویا بتایا جا رہا ہے کہ تم ہی مقصود کائنات ہو۔ باقی سب کچھ تمہاری بقا اور نشوونما کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تخلیق ہوا ہے۔ آسمان اور زمین، چاند اور سورج، صبا اور صرصر، برگ و گل، بحر و بر سب تمہاری خدمت گزاری میں ہیں۔ اے انسان! ذرا اپنے دل سے پوچھ، تجھے کیوں پیدا کیا گیا۔ اس لیے کہ تو سورج، دریا کو پوجتا رہے۔ جو تیری چاکری میں مصروف ہے۔ تو دریاؤں کے سامنے جھکتا پھرے جو تیری خدمت کے لیے رواں دواں ہیں۔ یا تو مال و دولت کو فراہم کرنا ہی اپنا مقصد حیات بنالے۔ نہیں ایسا نہیں۔ تیری شان بڑی بلند ہے۔ تیرا مقام بڑا ارفع ہے۔ سب کچھ تیرے لیے ہے اور تو اپنے خالق و مالک کے لیے۔ اسی کی بارگاہ صمدیت میں سربسجود ہونا تجھے زیب دیتا ہے۔ اب تیری احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ تو اسی کا ہو رہے۔

[2] یہ عظیم انعامات ہیں جو تمہارے عالم وجود میں قدم رکھنے سے پہلے ہی بن مانگے تمہارے لیے مہیا کر دیئے گئے لیکن ان کے علاوہ ہم تمہاری ان تمام ضروریات کو بھی پورا کرتے رہتے ہیں جن کے متعلق تم ہم سے التجائیں کرتے رہتے ہو اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس کے علاوہ ہمارے احسانات اتنے کثیر ہیں کہ تم اگر ان کا شمار کرنا چاہو تو جتنی عمر تم نے پائی ہے تمہاری ساری عمر گنتے گنتے ختم ہو جائے لیکن تم ان کو گن نہ سکو۔ انسان اگر اپنے گرد و پیش سے آنکھیں بند کر کے صرف اپنے وجود ہی پر غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس پر اس کے پروردگار کی نوازشات بے حساب ہیں۔ ذرا سوچو اگر جسم کے سر پر بال ہی نہ اگیں اور صرف ہتھیلی پر بال اگ آئیں تو پھر کتنا تصور کیجئے۔ انگلیاں ہی نہ ہوں یا انگلیوں کی پوریں ناخن ہی سے بھر جائیں تو آپ کے بازو کی ساری قوت بیکار ہو جائے۔ اگر منہ میں لعاب دہن ڈھلکنا ہی نہ ہو تو کیا آپ کی زبان لکڑی کی طرح خشک ہو کر نہ رہ جائے گی۔ آنکھیں ہیں پپوٹے نہ ہوں یا پپوٹوں کے ساتھ پلکیں نہ ہوں تو آپ آنکھوں کی حفاظت کیسے کر سکیں گے۔ یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں جن کی افادیت کے متعلق شاذ و نادر ہی ہم غور کیا کرتے ہیں۔ جب ان کی اہمیت کا یہ عالم ہے تو بڑی بڑی نعمتوں کی اہمیت کا آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۞ رَبِّ اِنَّهُنَّ

اس شہر کو امن والا ۵۳ اور بچالے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی ۵۴ اے میرے پروردگار ان بتوں نے

اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ

گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو ۵۵ پس جو کوئی میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا ۵۶ اور جس نے

۵۲ چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری پیشانیاں اپنے اس رحیم پروردگار کے حضور میں ہر وقت جھکی رہتیں۔ دل اس کی عظمت و کبریائی کے احساس سے لبریز رہتے اور زبانیں اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتی رہتیں لیکن یہ تو وہ خاک ہے جس پر اس رحمت و احسان کی بارش برسائی گئی ہے اسی لیے اسے ظلوم اور کفار کہا ہے۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں یعنی بڑا ظالم سخت ناشکرا۔ تم خود ہی انصاف سے بتاؤ کہ ایسے محسن و کریم رب کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا یا اس کی نافرمانی کرنا ظلم عظیم نہیں اور اس کی اطاعت سے منہ موڑ لینا اور اس کی ناشکری کرنا کیا کفران نعمت کی حد نہیں؟

۵۳ عام انسانوں کا تو یہ حال ہے کہ سب نعمتوں کو بھول جاتا ہے اب ایک بندے کا ذکر ہو رہا ہے جو سراپا شکر ہے جو اولیا کے ظلم کدوں کو اپنے رب کی یاد سے روشن کر رہا ہے جس نے سب تعلقات کو توڑ کر اپنی محبت اپنی دوستی اور اپنی عبادت کو خالص کر دیا۔ آپ سب قدس سے ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے تاکہ لذت و عیش کے متوالے لوگ یہاں کے کیف و سرور سے بہرہ ور ہوں یہاں جو عبادت ہوگی وہ بے ریب خالص ہوگی۔ یہاں کی خشونت اور آسائشوں کی بے اعتباری سے نکل آئے تو ساری جستجو صرف یہ رہ گئی کہ نواسی اور شاداب زمین اپنے محبوب حقیقی کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ لوگوں کے دلوں میں بھی آرزو پیدا ہوتی ہے کہ بھی دوست سوال و دعا کیا کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی بادشاہ نے اپنی محبت سے کسی کو ایسا نہیں کیا جیسا اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مقابلہ میں بت کی طرف پرستی کا انجام ہے۔ وہ جب لوٹتے ہیں تو کیا مانگتے ہیں؟ وہ جو مطلب بھیجے گئے ہیں آخر کس مقصد کے لیے؟

۵۴ یہیں شہر کی آبادی اور اس میں رہنے والوں کی بھلائی کی دعا مانگی جا رہی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن نہیں ہے۔ ان کی یہاں کوئی جائیداد نہیں یہاں ان کا مال اور دولت نہیں یہاں وہ بسنے نہیں بلکہ اس شہر کے لیے دعا کی جا رہی ہے جہاں ان کے محبوب حقیقی کا گھر ہے یعنی اپنے رب کا وہ گھر جو تیرے لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائے جہاں لوگوں کا ہجوم ہو۔ وہ مقام جہاں تیرا حسن و جمال منکشف ہوتا ہے اور اس کی سلامتی چاہی جاتی ہے تاکہ بسنے والے تیری یاد اور تیری عبادت میں کھوئے رہیں کسی تکلیف کا کا نشان ان کے عبادت و مناسک میں خلل نہ ڈالے۔

۵۵ یہ دعا اس لیے نہیں کی کہ انہیں بتوں کی عبادت کا خطرہ تھا بلکہ اس سے بے بسی اور عجز کا اظہار ہے اور یہ بتانا ہے کہ یہ خیال میں بھی ان کا تصور نہ آنے پائے۔

۵۶ بتوں کی طرف گمراہ کرنے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ گمراہی کا سبب بنے اور کبھی فعل کا اسناد اس کے حقیقی فاعل کی بجائے اس کے سبب کی طرف بھی کیا جاتا ہے۔

۵۷ کیا پیاری بات کہی۔ جو میرا طریقہ اپنائے وہ میری جماعت میں شامل ہو جائے گا لیکن جس نے میری نافرمانی کی تو ان کے لیے بد دعا نہیں کی بلکہ کہا تو غفور رحیم ہے۔ یہی ابراہیم علیہ السلام کی شفقت کا رنگ ہے جو حضرت کے اخلاق کریمانہ کا آئینہ ہے اور باوجود نافرمانی کے ان کا بھی بہترین خیال رکھا گیا۔ یہ وہی تہذیب اور ادب ہے۔ من عصانی۔ جس نے تیری نافرمانی کی نہیں کہا بلکہ من عصانی جس نے میری نافرمانی کی۔

عَصَانِیْ فَاِنَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ

میری نافرمانی کی (تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بیشک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس

بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ

وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں ۴۹ اے ہمارے رب! اس لیے تاکہ وہ قائم کریں نماز

کہا ہے عصیان سے مراد اگر گناہ ہوں تو بات واضح ہے اور اگر کفر و شرک مراد ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کو ہدایت کی توفیق مرحمت فرما! ان کی توبہ قبول کر کیونکہ جس کی موت کفر پر ہو اس کے لیے نہ مغفرت ہے اور نہ اس کے لیے طلب مغفرت کی اجازت ہے۔

۴۹ امام بخاری نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک طو[illegible] جس کا خلاصہ [illegible] ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ننانوے سال کی عمر میں حضرت [illegible] ہاجرہ کے بطن سے ایک [illegible] فرمایا جس کا نام نامی اسمٰعیل رکھا گیا۔ حضرت ابراہیم بحکم الٰہی اپنے شیرخوار بچے اور اس کی وا[illegible] مقام پر آئے جہاں اب مکہ آباد ہے۔ [illegible] بالکل نایاب تھا۔ آپ نے اسمٰعیل اور ان کی والدہ کو وہاں ٹھہرایا اور کھجوروں کا ایک تھیلا [illegible] کا ایک مشکیزہ ان کے پاس رکھ کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ حضرت ہاجرہ پیچھے دوڑیں اور عرض کی اے ابراہیم! آپ ہمیں اس اجاڑ وادی میں [illegible] کہاں [illegible] بار یہ بات دہرائی لیکن حضرت ابراہیمؑ نے مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا اَللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا [illegible] حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ہاجرہ بڑے اطمینان سے کہا اذا لا یضیعنا تب وہ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیگا۔ پھر وہ لوٹ کر اپنے نور نظر کے پاس آگئیں۔ جب ابراہیم پہاڑ کی ایک چوٹی پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ آپ کو نہیں دیکھ سکتی تھیں تو آپ قبلہ رو ہو کر کھڑے ہوگئے اور یہ دعا مانگی جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ حضرت ہاجرہ حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ یہاں تک کہ مشکیزہ کا پانی اور کھجوریں ختم ہوگئیں۔ خود بھی پیاسی تھیں اور بچہ بھی شدت تشنگی سے اپنے خشک ہونٹوں پر جب زبان پھیرتا تو یہ منظر ان سے دیکھا نہ جاتا۔ پاس ہی صفا کی پہاڑی تھی [illegible] شاید کوئی آدمی نظر آئے لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ بچے کی فکر دامنگیر ہوئی نیچے اتریں پھر مروہ کی پہاڑی [illegible] ہو جائیں۔ اسی تجسس میں سات مرتبہ وہ ان دونوں پہاڑیوں پر چڑھیں اور اتریں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور نے فرمایا فذالک سعی الناس بینہما اسی وجہ سے لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ جب آخری مرتبہ مروہ پر پہنچیں تو آپ کو ایک آواز سنائی دی۔ آپ اس کے لیے ہمہ تن گوش بن گئیں۔ ایک فرشتہ نے اپنا پر مارا اور زمین سے پانی ابل پڑا فوراً وہاں پہنچیں اور اس کے ارد گرد ایک حد بنادی۔ پھر اپنے مشکیزے کو اس پانی سے بھر لیا لیکن وہ پانی ابلتا ہی رہا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحم اللہ ام اسماعیل لو ترکت زمزم او قال لو لم تغرف من الماء لکانت زمزم عینا معینا۔ اللہ تعالیٰ ام اسمٰعیل پر رحم کرے اگر وہ زمزم کو یونہی چھوڑ دیتی تو زمزم ایک چشمہ جاری ہوتا۔ چنانچہ آپ نے چشمے سے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے انہیں کہا لا تخافی الضیعة فان ھھنا بیت اللہ یبنیه ھذا الغلام و ابوه وان اللہ لا یضیع اھله اے ہاجرہ مت ڈرو یہاں بیت اللہ ہے تیرا یہ بیٹا اور اس کا باپ اس کی تعمیر کرینگے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اہل کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیگا۔

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

پس کردے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ

پھلوں سے تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کریں۔ ۵۰ اے ہمارے رب! یقیناً تو جانتا ہے جو ہم (دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو ہم

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز مخفی نہیں ہے اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے [illegible] مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق (جیسے فرزند) ۵۲ بلاشبہ

ف حضرت ابراہیم کی دعا کا سلسلہ جاری ہے۔ آ[illegible]س کی۔ یہ [illegible] واقع ہے۔ وہاں کی زمین قابل زراعت نہیں نہ پانی دستیاب ہے اور نہ زمین
[illegible] ہے۔ ان کے رزق کا بھی خود انتظام [illegible] اپنے بندو[illegible] محبت پیدا فرما تاکہ وہ کشاں کشاں یہاں چلے آئیں اور ان
[illegible] دریا زندگی کا سامان زائرین کے ذریعے مہیا ہوتا ہے۔ جہاں سبز گھاس کا ایک [illegible] وہاں کے بسنے والوں کیلئے دعا مانگی جارہی ہے
کہ مالک انہیں ہر قسم کے تازہ اور شیریں پھل مرحمت فرما۔ قدرتِ الٰہی کی بخشش [illegible] تھا کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے جیسے حضرت
[illegible] کی دعا کی مقبولیت کا مشاہدہ کرنا ہو [illegible] جا کر اپنی آنکھوں دیکھئے کہ مکہ کے بازاروں میں ہر قسم کے پھل موجود ہیں بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات کے
[illegible] میں جو فراواں بھی ہیں اور ارزاں بھی ہیں اور قیامت تک یہی کیفیت رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ افئدۃ: اس کا واحد فؤاد ہے دل۔ تھوی اگر
[illegible] علم یعلم سے ہو تو اس کا معنی [illegible] ہوتا ہے سقط من علو الی
[illegible] بسرعۃ بڑی تیزی سے اوپر سے نیچے گرنا۔

اے مولا اگرچہ ہماری ضرورتوں اور ہمارے مصالح کو تو خوب جانتا ہے اور ہمیں عرض کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں لیکن یہ سوال اظہار افتقار اور اعتراف
[illegible] کے لیے کیا جا رہا ہے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ ہم تیرے بندے ہیں اور تیری نظر کرم کے ہر وقت محتاج ہیں۔ تجھی سے سب کچھ مانگتے
اور تو ہی ہمیں سب کچھ دیتا ہے فلا حاجۃ لنا الی الطلب ندعوک اظہارا للعبودیتک افتقارا لرحمتک (مظہری)

اب تک طلب مزید کے لیے دامن پھیلائے رہے اب سابقہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے لگے کہ پہلے بھی ہم تیرے دست جود و سخا کے پروردہ ہیں۔
تیری ہی چشم لطف و کرم نے ہماری حاجت روائیاں کی ہیں۔ جب میں بوڑھا ہو گیا۔ میری بیوی بانجھ ہو گئی اور عام طور پر اولاد پیدا ہونے کا
[illegible] دور گیا اس بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں تو نے مجھے اسمٰعیل و اسحاق جیسے دو ارجمند فرزند مرحمت فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ تو اس خوگر لطف و عطا کو

رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۚ

میرا رب بہت سننے والا ہے دعاؤں کا۔ اے میرے رب! بنا دے مجھے نماز کو قائم کرنے والا اور میری اولاد کو بھی۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿٤٠﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ

اے ہمارے رب! میری یہ التجا ضرور قبول فرما۔ اے ہمارے رب! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سب مومنوں کو جس دن

الْحِسَابُ ﴿٤١﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ ۚ إِنَّمَا

حساب قائم ہوگا۔ اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ بے خبر ہے ان کرتوتوں سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔ وہ تو انہیں صرف

پھر بھی اپنے الطاف خسروانہ سے نوازنا یہ بتا رہا ہے کہ معلوم ہوا کہ نیک بخت اور سعادت مند اولاد بھی اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے جس کے لیے حضرت خلیل جیسے جلیل القدر نبی سراپا شکر و امتنان بنے ہوئے ہیں۔

۲۲؎ اقامت نماز کی دعا کی جا رہی ہے اس کا معنی یہ ہے کہ نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی آداب کو بجا لاتے ہوئے پابندی سے ادا کرتے رہنا۔ معدلا لها بارکانها وآدابها محافظا ومواظبا علیها (مظہری)

۲۳؎ حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کے والدین مسلمان تھے۔ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر آپ کا چچا تھا۔ اَب کا لفظ چچا پر بھی بولا جاتا ہے لیکن والد کا لفظ حقیقی باپ کے لیے مخصوص ہے اس لیے یہاں ابوی کا لفظ ذکر نہیں کیا بلکہ والدی کا لفظ ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں حقیقی ماں باپ مراد ہیں اور عرفی باپ (چچا) مقصود نہیں۔ اور وہ اس بات کا مستحق نہ تھا کہ اس کے لیے طلب مغفرت کی جاتی۔ دوسرے مفسرین جو آزر کو آپ کا حقیقی والد مانتے ہیں ان کے نزدیک والدی سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں گے۔

(مظہری) وهذه الآية تدل على ان والديه عليه السلام كانا مسلمين وانما كان آزر عماله وكان اسم ابيه تارخ ولاجل دفع توهم انه قال بوالدي يعني من ولدني حقيقة ولم يقل ابوي فان الاب يطلق على العم مجازا۔ (مظہری)

۲۴؎ ہر ظالم و ستم پیشہ کو اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ گھبراؤ نہیں تمہاری دلجوئی کی جائے گی۔ یہ خیال مت کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کی ستم کیشیوں اور ظلم آرائیوں سے بے خبر ہے اس کو پتہ ہی نہیں کہ اس کے بندوں پر کیسے کیسے ظلم اور زیادتیاں کی جا رہی ہیں۔ فرمایا ہم ان کی ساری کارستانیوں کو خوب جانتے ہیں انہیں ان کے کئے کی سزا ضرور دلائی جائے گی۔ یہ جو ڈھیل ان کو دی جا رہی ہے اس میں بھی حکمت ہے۔ شخص البصر: آنکھ کا کھلا کا کھلا رہ جانا۔ مهطعين: في القاموس هطع هطوعا اسرع مقبلا خائفا۔ تیز چلنا اور گردن بڑی تیزی سے آگے بڑھتے جانا۔ المقنع الذي يرفع راسه جو آدمی اپنا سر اٹھائے ہوئے ہو۔ الهواء: الخلاء۔ بزدل کے دل کو کہا جاتا ہے جو ہر قوت و طاقت سے بالکل خالی ہو گیا ہے یعنی جو آج متکبرانہ سے سرکش ہیں جنہیں آج خدا کا خوف ہے نہ اس کے رسول کی حیا۔ غرور و نخوت کے ان پیکروں کا قیامت کے دن یہ حال ہوگا۔

يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٤٢﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي

ڈھیل دے رہا ہے انہیں اس دن کے لیے جب کہ (مارے خوف کے) کھلی کی کھلی رہ جائیں گی آنکھیں۔ بھاگ رہے ہوں گے اپنے سر

رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٤٣﴾ وَأَنذِرِ

اٹھائے ہوئے ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی اور انکے دل (دہشت سے) اڑ رہے ہونگے (اے حبیب) ڈرائیے

النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا

لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے ظالم لوگ اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے

إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا

تھوڑی دیر کے لیے ہم قبول کر لیں گے تیری دعوت کو اور ہم رسولوں کی پیروی کر لیں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) کیا تم قسمیں

أَقْسَمْتُم مِّن قَبْلُ مَالكم مِّن زَوَالٍ ﴿٤٤﴾ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ

نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے۔ اور تم آباد تھے ان لوگوں کے گھروں میں

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا

جنہوں نے ظلم کیے تھے اپنے آپ پر اور یہ بات تم پر خوب واضح ہو چکی تھی کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان کے ساتھ اور ہم نے بیان کی

۴۷ قیامت کے دن کفار کو جس پشیمانی کا سامنا ہوگا اس کی یاد اور اس کا احساس دلا کر آج ان کو اتباع رسالت کی ترغیب دی جا رہی ہے توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہے۔ توبہ کر لو گے تو قبول ہوگی۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہو گیا اس وقت ہزار پچھتاؤ گے لیکن بے سود۔

۴۸ کفار اس دن سراپا التجا بن کر عرض کریں گے ہمیں تھوڑی سی مہلت بخشی جائے ہم اپنی گزشتہ غلطیوں کی تلافی کر لیں لیکن ان کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی اور انہیں ان کی وہ جاہلانہ اور متکبرانہ باتیں یاد دلا کر مزید رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا کہ تم تو بڑی قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ قیامت کا دن کبھی نہیں آئے گا ہم سے کوئی باز پرس نہیں کی جائے گی اب بتاؤ کہاں گئیں تمہاری وہ قسمیں اور کدھر گئیں وہ تمہاری ڈینگیں۔

۴۹ تم انہی بستیوں میں سکونت پذیر ہو جن کے بسنے والے اپنے گناہوں کی پاداش میں تباہ کر دیئے گئے تھے ان بستیوں کے کھنڈر ظالموں کی عبرتناک داستانیں تمہیں سنایا کرتے تھے اور ہم نے بھی تمہیں مثالیں دے کر حق کی طرف بلایا اور تم پھر بھی سرکشی پر رہے۔ آج پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں آج معذرت خواہی بے وقت ہے اب تو تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٤٥﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ

بیان کیں تمہارے لیے (طرح طرح کی) مثالیں۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے بڑی فریب کاریاں کیں ۵۹ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ان کے مکر کا توڑ ۶۰ اگرچہ

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ

ان کی چالیں اتنی زبردست تھیں کہ ان سے پہاڑ اکھڑ جاتے تھے۔ تو ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے

رُسُلَهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ ۶۱ یاد کرو جس دن کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری قسم کی زمین سے

وَالسَّمَاوَاتُ ۖ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ

اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) ۶۲ اور سب نکل کر حاضر ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ کے حضور جو یکتا (اور) سب پر غالب ہے ۶۳ اور تم دیکھو گے مجرموں کو

۵۹ ان کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود اسلام روز بروز ترقی کر رہا تھا۔ حق کی روشنی آئے دن ان میں سے کسی کے دل میں چمکتی اور وہ ان سے کٹ کر اسلام کے پرچم کے نیچے آ جاتا۔ یہ صورت حال کفر کے سرغنوں کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ انہوں نے اسلام کو مٹانے کے لیے اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر طرح اذیت پہنچانے کے لیے اپنی تمام قوتیں اور ذہانتیں لگا دیں۔ شب و روز وہ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رہتے۔ ان کی وہ تدبیریں اور سازشیں حقیقت میں بڑی خطرناک تھیں لیکن اللہ تعالیٰ کی تدبیر نے ان کی تمام چالوں اور تجویزوں کو ناکام بنا دیا۔

۶۰ یعنی ان کی سازشوں کا توڑ اللہ تعالیٰ کے پاس تھا۔ ان کی ہر اسلام دشمن چال کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے دیا۔ مستند و جزاء مکرھم وابطالہ۔ (مظہری) وعند اللہ جزاء مکرھم۔ (روح المعانی)

۶۱ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مزید تسکین و تقویت کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔

۶۲ اس روز زمین و آسمان تو ہوں گے لیکن وہ زمین ایسی نہیں ہوگی جس سے ہم واقف ہیں۔ وہ آسمان ایسا نہ ہوگا جس سے ہم روشناس ہیں۔ نہ وہاں ستارے جگمگا رہے ہوں گے نہ چاند اپنی روپہلی اور خنک کرنوں سے دلوں کو تازگی اور روح کو نشاط بخش رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور اس کے حبیب مکرم کو ہی معلوم ہے کہ وہ زمین کیسی ہوگی اور وہ آسمان کیا ہوگا۔ یہ تبدیلی صرف صفات میں ہوگی یا ذات ہی بدل جائے گی۔

۶۳ سب اگلے پچھلے اس خدا کے حضور میں جمع ہوں گے جو یکتا ہے اور جس کی یکتائی کا انکار کرنے کی اس روز کسی کو جرأت نہ ہوگی وہ جو قہار ہے جس کے سامنے سارے مغرور و سرکش سر جھکائے کھڑے ہوں گے۔

يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ

اس روز (تم) دیکھو گے (مجرموں کو) جکڑے ہوئے ہوں گے زنجیروں میں ۔ ان کا لباس تارکول کا ہوگا اور ڈھانپ رہی

وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ

ہوگی ان کے چہروں کو آگ ۔ تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جو اس نے کمایا تھا بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلد

الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا

حساب لینے والا ہے ۔ یہ (قرآن) ایک پیغام ہے سب انسانوں کی طرف اور تاکہ انہیں ڈرایا جائے اس کے ذریعے اور تاکہ وہ اس حقیقت کو

هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾

ع ۱۱ / ۱۹

خوب جان لیں کہ صرف وہی ایک خدا ہے اور تاکہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں اس حقیقت کو دانشمند لوگ ۔

۴۹؎ اس روز مجرموں کو اس حال میں پیش کیا جائے گا کہ وہ زنجیروں اور سلاسل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے اور تارکول کا سیاہ اور بدبودار لباس انہوں نے پہنا ہوا ہوگا۔ مقرنین: مشدد بعضہم مع بعض جکڑے ہوئے۔ الاصفاد: الاغلال القیود طوق اور بیڑیاں یعنی ہر وہ چیز جس کے ساتھ کسی کو باندھا جائے ۔ سرابیل: جمع سربال قمیص۔ قطران: وہ سیال جو خارش زدہ اونٹ پر ملا جاتا ہے تارکول۔

۵۱؎ اس کا تعلق برزوا کے ساتھ ہے یعنی حشر میں سب کو حاضر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔

۵۲؎ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں قوت نظری اور قوت عملی اور انھیں کی تکمیل میں انسان کی ترقی اور کمال کا راز پنہاں ہے۔ قوت نظری کا کام حقائق موجودات کو جاننا ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ اور ارفع حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا عرفان اسے حاصل ہو جائے اور قوت عملی کا کام یہ ہے کہ انسان اخلاق فاضلہ سے متصف ہو جائے اور تمام اخلاق فاضلہ سے افضل اور احسن خلق یہ ہے کہ انسان اپنے خداوند ذوالجلال کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لے اور یہ دونوں کمال قرآن کریم میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتے ہیں جب کوئی شخص ہدایت طلبی کے جذبہ سے سرشار ہو کر قرآنی دلائل و براہین کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ بے ساختہ یہ کہہ اٹھتا ہے

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

اور جب یقین کا یہ چراغ روشن ہو جاتا ہے تو عمل کی شاہراہ بھی نکھر جاتی ہے اور وہ مستانہ وار یہ کہتا ہوا اس پر گامزن ہو جاتا ہے

اسلمت لرب العالمین میں نے اپنا سر اطاعت و انقیاد رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے جھکا دیا ہے۔

تعارف سورۃ الحجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام : اس سورۂ پاک کا نام الحجر ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۸۰ میں مذکور ہے۔ یہ چھ رکوعوں اور ننانوے آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۶۵۴ اور حروف کی تعداد دو ہزار سات سو ساٹھ ہے۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مضامین میں غور کرنے سے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں کہ اس کا تعلق اس زمانہ سے ہے جبکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ سے اسلام کی حقانیت کو ثابت کر دیا تھا کفار کے شکوک و شبہات کا مسکت جواب دے کر انہیں بھرپور طرح لاجواب کر دیا۔ اب علم اور تحقیق کے میدان میں ان کے لیے قیل و قال کی مجال تک نہ رہی۔ اور ہٹ دھرمی اور تعصب کے سوا دشمنانِ اسلام کے پاس اپنے باطل سے چمٹے رہنے کا کوئی جواز نہ رہا اور انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آپ ہمیں آسمان پر بھی چڑھا کر لے جائیں تو پھر بھی ہم آپ کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

مضامین : اس سورۃ میں ان لوگوں کو واضح طور پر بتایا کہ تمہارا انجام وہی ہوگا جو تم سے پہلے تمہاری طرح ہٹ دھرمی اور تعصب کرنے والوں کا ہوتا رہا ہے۔ مہلت کی گھڑیاں اب ختم ہونے والی ہیں۔ اس لیے تیار ہو جاؤ کہ قوم لوط اور اصحاب الحجر کی طرح تمہارا نام و نشان مٹا دیا جائے۔

اس تہدید کے ساتھ ساتھ انہیں غور و فکر کی بھی دعوت دی گئی اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید حضور کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کر دیئے اسی ضمن میں انسان کی پیدائش کے متعلق اسلامی نظریہ وضاحت سے بیان فرما دیا گیا سورۃ کی ابتدائی آیتوں میں ان کے طریقۂ کار اور طرزِ عمل کا نفسیاتی تجزیہ بھی کر دیا گیا۔ بتایا کہ اسلام کی صداقت پر روشن دلائل کے باوجود وہ کیوں حق کو قبول نہیں کرتے اور سمجھ لینے کے بعد کہ ان کے عقائد اور نظریات بالکل باطل اور بیہودہ ہیں۔ وہ ان سے کیوں دست کش نہیں ہوتے۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عیش و طرب اور فسق و فجور کے اس قدر دلدادہ ہیں کہ وہ کسی قیمت پر ان سے باز نہیں آ سکتے۔ نیز شیطان نے ان کے سامنے حسین اور دلکش توقعات کا ایک ایسا خوبصورت محل تعمیر کر دیا ہے جس کے بعد وہ کسی اور طرف توجہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ جب انسان ان گوناگوں امراض کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر کوئی نصیحت اس پر کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فرمایا ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ۔ (آیت نمبر ۳)

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةُ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ حجر مکی ہے اس کی ۹۹ آیات اور ۶ رکوع ہیں (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الف۔لام۔را۔ یہ آیتیں ہیں کتاب (الٰہی) کی ۱؎ اور روشن قرآن کی ۲؎

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

(عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد) بہت آرزو کریں گے کفار ۳؎ کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے وہ کھائیں (پئیں)

۱؎ یعنی یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو اپنی خوبیوں اور جامعیت کے اعتبار سے صحیح معنوں میں کتاب کہلانے کی مستحق ہے جس طرح کسی نوع کے فرد کامل کا ذکر کرنا ہو تو اس کا نام لینے کی بجائے اس نوع کو ہی ذکر کر دیتے ہیں جس سے اس امر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس نوع کا صحیح فرد یہی ہے جو اس کی تمام صفات اور خصوصیات سے متصف ہے۔ یہی ایک فرد ہے باقی افراد تبعاً اور ضمناً اس میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۲؎ جو حق و باطل میں تمیز کرتا ہے جو حلال و حرام کو واضح کرتا ہے اور جس کی روشنی انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو منور کر دیتی ہے۔

۳؎ آج تو کفار اسلام کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور اگر اس کی طرف بلایا جائے تو بڑی نفرت و حقارت کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ وقت آنے والا ہے جب یہ صدق دل سے اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش! وہ اس دین کے حلقہ بگوش ہوتے کاش! انہوں نے اس دعوت کو قبول کیا ہوتا۔ یہ اظہار حسرت وہ کب کریں گے؟ طبرانی نے حضرت جابر سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے کئی گنہگار دوزخ میں جائیں گے۔ کچھ عرصہ بعد کفار انہیں طعنہ دیں گے کہ تم تو اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے تھے۔ تمہارا انجام بھی ہم سے مختلف نہیں۔ تمہارے ایمان نے تمہیں کوئی نفع نہ دیا فلا یبقیٰ موحد الا اخرجہ اللہ من النار ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ربما یود الذین کفروا یعنی اس وقت اللہ تعالیٰ ہر موحد کو آگ سے نکال لے گا۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ کافر اس وقت اظہار حسرت و ندامت کریں گے لیکن علامہ ابو حیان اندلسی نے لکھا ہے کہ یہ اظہار حسرت اس وقت بھی ہوگا لیکن یہ صرف اسی وقت نہیں ہوگا بلکہ اور کئی مواقع جبکہ کفار کو ذلیل و رسوا کیا جائے گا اور مسلمانوں کو سربلند کیا جائے گا خواہ وہ دنیا میں اسلام کی فتح اور کفار کی شکست کا وقت ہو خواہ موت کا وقت ہو خواہ حشر ہو۔ تمام ایسے مواقع پر کفار اظہار حسرت کریں گے۔ قیل عند کل حالۃ یعذب فیہا الکافر ویسلم المؤمن۔ ذکرہ ابن الانباری۔ (بحر)

رُبَّ حرف جار ہے اور یہ اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسے فعل پر داخل کرنا ہو تو اس کے ساتھ ما کافہ لگاتے ہیں۔ رُبَمَا ہو گیا۔ اس کے بعد یہ فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ رُبَّ قلت کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے یا کثرت پر دلالت کرنے کے لیے۔ علمائے نحو کا اس مسئلہ میں کافی اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ اس کی اصل وضع تو قلت کے لیے ہے لیکن کبھی کبھی یہ کثرت کے معنی پر بھی

وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ③ وَمَا أَهْلَكْنَا

اور عیش کرلیں اور غافل رکھے انہیں (جھوٹی) امید۔ پھر عنقریب وہ (حقیقت کو) خود جان لیں گے اور نہیں ہلاک کیا ہم نے

مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ

کسی بستی کو مگر یہ کہ اس کی (ہلاکت کا وقت) لکھا ہوا تھا جو معلوم تھا۔ نہ آگے بڑھ سکتی ہے کوئی قوم اپنے

أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ⑤ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

مقررہ وقت سے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے (اس سے)۔ اور وہ کہتے ہیں اے وہ شخص اتارا گیا ہے جس پر

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ⑥ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

قرآن بے شک تو مجنون ہے۔ تو کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو اگر تو

دلالت کرتا ہے جیسے یہاں (وصلها ان تستعمل فی القلیل وقد تستعمل فی الکثیر۔ قرطبی) علامہ ابوحیان کا پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ رُبَّ محض ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔ قلت و کثرت کا مفہوم سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رُبَّ اگرچہ ماضی پر بکثرت داخل ہوتا ہے لیکن یہ سمجھ لینا کہ یہ مستقبل پر داخل نہیں ہو سکتا غلط ہے۔ مضارع پر بھی داخل ہوتا ہے لیکن بہت کم واقع ہے۔ وقد تدخل علی المستقبل لکنہ قلیل بالنسبۃ الی دخولہا علی الماضی وکرہ سگ حق تعالیٰ اظہار غضب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے میرے محبوب ان احمقوں کو اسی حالت میں رہنے دیجئے اور ان کو سمجھانے کی مزید زحمت گوارا کیجئے۔ یہ ہدایت سے کیا لگاؤ رکھیں ان کی صرف ایک ہی خواہش ہے کہ یہ خوب کھائیں پئیں اور عیش و عشرت کریں۔ انھیں اسی میں مگن رہنے دیجئے لمبی آسیں لگائے بیٹھے ہیں۔ جب آمد کا وقت آئیگا انھیں خود بخود معلوم ہو جائیگا کہ انہوں نے اپنے اوپر کتنا ظلم کیا۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا۔ بدبختی کی چار نشانیاں ہیں۔ آنکھوں میں آنسو کا نہ آنا۔ دل کا سخت ہونا۔ طول امل اور حرص دنیا۔ (مسند بزار۔ قرطبی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد گرامی ہے۔ انما اخشی علیکم اثنتین طول الامل واتباع الھوی فان طول الامل ینسی الآخرۃ واتباع الھوی یصد عن الحق (روح المعانی) یعنی مجھے تمہارے بارے میں دو چیزوں کا اندیشہ ہے۔ لمبی آس لگانا اور خواہش نفس کی پیروی کرنا۔ کیونکہ لمبی آس آخرت کو فراموش کرا دیتی ہے اور خواہش نفس کی پیروی حق سے روک دیتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا ما اطال عبد الامل الا اساء العمل یعنی جو شخص لمبی آس لگاتا ہے وہ بُرے اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ دانا وہی ہے جو ہر وقت موت کو قریب سمجھے اور مہلت کے جو لمحے دیئے جا رہے ہیں اُن سے پوری طرح فائدہ اٹھائے۔

ف اے ای اجل مؤقت۔ ایک مقررہ میعاد جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ ف۵ اس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی۔

ف۶ کفار ازراہ استہزاء و تمسخر کہتے کہ یہ کتاب جس کے متعلق آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ آسمان سے اتری ہے اس میں ایسی ایسی انہونی باتیں

الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا

سچا ہے ﴿۶﴾ ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ اور انہیں اس کے بعد مزید مہلت

مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ وَ

نہیں دی جاتی ﴿۷﴾ بیشک ہم ہی نے اتارا ہے اس ذکر (قرآن مجید) کو اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں ﴿۸﴾ اور

ہیں ان کو کوئی سمجھدار آدمی درست تسلیم نہیں کرسکتا۔ آپ کا خلاف عقل باتیں کرنا اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ آپ کا دماغ درست نہیں۔

۶ ہم سینکڑوں مرتبہ مطالبہ کرچکے ہیں کہ اپنے رب سے کہو کہ وہ کوئی فرشتہ اتارے جو آکر آپ کی تصدیق کرے۔ اگر آپکے اس قول میں کہ میں نبی ہوں کوئی صداقت ہوتی تو کیا آپ کا خدا ایک فرشتہ بھی نہ بھیجتا۔ معلوم ہوا کہ آپکے اس دعویٰ نبوت میں صداقت کی کوئی رمق نہیں ہے۔

۷ اللہ تعالیٰ ان کے اس معاندانہ اصرار پر فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق فرشتہ اتار دیا جاتا اور پھر بھی تم ایمان نہ لاتے جیسے کہ تمہاری ضد اور تعصب سے عیاں ہے تو پھر تمہیں اسی وقت تہس نہس کر دیا جاتا۔ یہ تو ہمارا کرم ہے کہ ہم تمہیں مہلت دیتے ہوئے ہیں تاکہ تم غور و فکر کرو شاید تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے۔

۸ بڑے زوردار الفاظ میں کفار کے اس اعتراض کا ابطال کیا جا رہا ہے کہ قرآن کلام الٰہی نہیں۔ فرمایا بلاشبہ ہم ہی نے اتارا ہے اسے تین مرتبہ ضمیر متکلم کا یکے بعد دیگرے تکرار (انا۔ نحن۔ نزلنا) جس تاکید بالائے تاکید پر دلالت کر رہا ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں اور ضمیریں بھی جمع متکلم کی استعمال ہوئی ہیں جو نازل کرنے والے کی عظمت کبریائی کا اظہار کر رہی ہیں یعنی ہم جو سارے جہانوں کے خالق و مالک ہیں ہم جن کی فرمانروائی کا ڈنکا زمین و فلک فرش و عرش پر بج رہا ہے ہم نے اس کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کسی قسم کی تحریف کی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ای من التحریف والزیادۃ والنقصان ولا یتطرق الیہ الخلل ابدا۔ آج چودہ صدیاں قریب الاختتام ہیں اور دشمنانِ اسلام کی جملہ کوششوں اور سازشوں کے باوجود ایک آیت میں بھی ردّ و بدل نہیں ہوسکا۔ ایک نقطہ کی کمی بیشی اور زیر و زبر کا فرق بھی تو نہیں ہوا۔ آج بھی لاکھوں انسانوں کے سینے اسے محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ اگر خدانخواستہ سارے لکھے ہوئے قرآنی نسخے نایاب ہو جائیں تو چھوٹے بچوں کا قرآن محفوظ رہے گا۔ اگر کوئی جابر سے جابر حکمران اور کوئی بڑے سے بڑا امام اسے پڑھتے ہوئے زیر کو زبر میں بدل دے تو سات آٹھ سال کا بچہ اسے ٹوک دے گا۔ آج دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا مصنف یا جس کے ماننے والے اس کے متعلق یہ دعویٰ کرسکتے ہوں۔ مذہبی صحائف جو دنیا کی مختلف قوموں کی عقیدت کا مرکز ہیں ان کے ماننے والوں کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے مذہبی صحیفے ہر قسم کے ردّ و بدل سے پاک ہیں۔ صرف قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ کہ باطل اس میں کسی جانب سے داخل نہیں ہوسکتا۔ اور ان چودہ صدیوں کے طویل عرصہ میں اسلام کا کوئی بدترین بدخواہ بھی یہ ثابت نہیں کرسکا کہ اس میں کوئی تحریف ہوئی ہو۔ یورپ کے مستشرقین جنہوں نے اپنے وسیع علم، بے مثال ذہانت اور طویل عمریں قرآن کے اس دعویٰ

لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَمَا يَاْتِيْهِمْ

بیشک ہم نے بھیجے (پیغمبر) آپ سے پہلے اگلی امتوں میں ۱۳؎ اور نہیں آتا تھا ان کے پاس

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۱﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ہم داخل کرتے ہیں گمراہی کو

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۲﴾ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

مجرموں کے دلوں میں۔ ۱۴؎ وہ نہیں ایمان لاتے اس پر اور گزر چکا ہے پہلوں کی بھی یہی روش۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے ۱۵؎ اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔

کو غلط ثابت کرنے کے لیے صرف کیں وہ بھی آخرکار یہ ماننے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کتاب ہر قسم کی تحریف و تغییر سے پاک ہے۔ میور (MUIR) جس سے زیادہ دشمن اسلام کون ہوگا اسلام اور بانی اسلام کے خلاف اس کی زہر افشانیاں رسوائے عالم ہیں۔ اسے بھی یہ لکھنا پڑا (THERE IS PROBABLY IN THE WORLD NO OTHER BOOK WHICH HAS REMAINED TWELVE CENTURIES WITH SO PURE TEXT)

یعنی غالباً دنیا میں قرآن کے علاوہ کوئی ایسی اور کتاب نہیں جس کا متن بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے یوں پاک رہا ہو۔

۱۳؎ یعنی جس طرح یہ حقیقت ناشناس اور عقل کے اندھے آج بے باکیاں اور گستاخیاں کر رہے ہیں یہی دستور ان کے پیشروؤں کا بھی تھا ان کے پاس بھی جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی تشریف لے آتا تو وہ بھی اس پر آوازے کستے اور پھبتیاں اڑاتے۔ شیع: شیعۃ اس کا معنی ہے ایک فرقہ، ایک گروہ جو کسی بات پر متفق ہو اس کا اصل شیاع ہے وھو الحطب الصغار توقد بہ الکبار۔ وہ چھوٹی لکڑیاں جن کے ذریعے بڑی لکڑیوں کو آگ لگائی جاتی ہے اشیاع ما تقدم بہ النار (المنجد)

۱۴؎ سلک کا معنی ہے پرونا۔ دھاگہ سوئی میں ڈالا جائے تو کہتے ہیں سلکت الخیط فی الابرۃ یعنی جس طرح انھوں نے انکار و استہزاء کو اپنا شعار بنایا ہم نے بھی بطور سزا ان کو نعمت ہدایت سے محروم کر دیا اور اخلاقی طور پر نہایت ناپسندیدہ اور نامرغوب بات (یعنی نبیوں اور بزرگوں کے ساتھ مسخری کرنا) ان کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ نسلکہ کی ضمیر کا مرجع الاستہزاء ہے جو یستھزءون کا مصدر ہے اور لا یؤمنون بہ کی ضمیر کا مرجع کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا اس لیے اس کا مرجع الذکر ہے۔ (کبیر)

۱۵؎ یہاں ان کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفر ان کے دلوں میں یوں جڑ پکڑ چکا ہے کہ اگر ان کے لیے آسمان کے دروازے بھی کھول دیے جائیں اور یہ سیڑھی لگا کر دن بھر اس کے اوپر بھی چڑھ جائیں اور ہماری قدرت کے روشن دلائل اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پھر بھی یہ حق کو قبول کرنے کے

لَقَالُوٓا اِنَّمَا سُكِّرَتۡ اَبۡصَارُنَا بَلۡ نَحۡنُ قَوۡمٌ مَّسۡحُوۡرُوۡنَ ۞ ١٥

پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۔

وَلَقَدۡ جَعَلۡنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوۡجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيۡنَ ۞ ١٦ وَحَفِظۡنٰهَا

اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں ۲۱ اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لیے اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے

یہ آمادہ نہیں تھے اور بڑی بےحیائی اور ڈھٹائی سے کہدیں گے کہ یہ جو کچھ ہمیں نظر آرہا ہے حقیقت نہ تھی بلکہ کچھ منتر پڑھ کر ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے تاکہ کچھ بھی نہیں اور ہمیں یوں نظر آیا کہ ہم آسمان پر چڑھے اور وہاں فرشتوں کو دیکھا اور قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا مشاہدہ کیا یہ مشاہدات محض نظر بندی کا کرشمہ تھے حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہ تھا ہم پر جادو کر دیا گیا تھا۔

۲۰ علامہ قرطبی نے کلمہ سکرت کی تحقیق کرتے ہوئے علماء لغت کے متعدد اقوال نقل کیے ہیں سدت بالسحر، اغشیت ابصارنا، عطیت جست۔ پھر لکھا ہے کہ ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے یعنی منعت۔ قلت وهذه اقوال متقاربة يجمعها قولك منعت۔ ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے۔

۲۱ کفار و منکرین کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کے مزید تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ وہ ان میں غور کریں اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو تسلیم کر کے نور ہدایت سے اپنے قلوب کو روشن کریں پہلے ان آیات کونیہ کا ذکر فرمایا جو بلندی میں پائی جاتی ہیں۔ بروج کا واحد برج ہے اس کا ایک لغوی معنی ہے جس میں اہل زبان اس کو استعمال کرتے ہیں اور ایک اس کا اصطلاحی معنی ہے جس میں یونان کے علماء ہیئت نے اسے استعمال کیا۔ دونوں معنی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تبرج کا لغوی معنی ہے ظاہر ہونا جب عورت پردے سے نکل آئے اور اپنی نمائش کرنے لگے تو کہتے ہیں تبرجت المرأة. واصل البروج الظهور ومنه تبرجت المرأة باظهار زينتها۔ (قرطبی)

اس لغوی معنی کی مناسبت سے اس کا اطلاق ان چیزوں پر کیا جانے لگا جو دور سے نمایاں ہوتی ہیں مثلاً قلعہ، محل، شاہراہ وغیرہ والبروج جمع برج وهو لغة القصر والحصن (روح المعانی) اسی وجہ سے وہ بڑے ستارے جو دور سے نمایاں چمکتے ہیں انہیں بھی اہل عرب برج کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں المراد بالبروج الكواكب العظام (روح المعانی، قرطبی) اور ابو صالح نے کہا ہے کہ بروج سے مراد سبع سیارات ہیں۔ (قرطبی) علماء ہیئت نے جب یہ مشاہدہ کیا کہ سورج تین ماہ تک شمال کی طرف مائل رہتا ہے پھر تین ماہ تک اعتدال رہتا ہے اس کے بعد وہ تین ماہ تک جنوب کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر تین ماہ تک اعتدال رہتا ہے تو انہوں نے سورج کے مدار حرکت کو بارہ حصوں میں بانٹا اور ہر حصہ کو برج کہا اور مدار کے ہر حصہ میں جو بڑے بڑے ستارے پائے جاتے ہیں ان کی ایک خیالی شکل اپنے ذہن میں مرتسم کر لی اور اس شکل سے اس برج کا نام رکھ دیا گیا۔ ان برجوں کے نام یہ ہیں:- حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیت میں برج سے کیا مراد ہے اس میں تو شک نہیں کہ مدار آفتاب کی یہ تقسیم یونانی علماء ہیئت کی تھی مگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ نزول قرآن سے پہلے عرب اس تقسیم کو جانتے تھے اور اس کو اپنی زبان میں استعمال کرتے تھے تو پھر ان برجوں سے وہی بارہ

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ

آسمان کو ہر شیطان مردود سے ﴿شے﴾ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

ایک روشن شعلہ ﴿ش﴾ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا ﴿۱۹﴾ اور گاڑ دیے اس میں محکم پہاڑ

برج مراد ہونے پھی کے نام ابھی اوپر لکھے گئے ہیں اور اگر اس قول کا قابل اعتماد ثبوت بہم نہ پہنچے تو بھی آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت نہیں کیونکہ اس وقت بروج سے مراد وہ سات سیارے یا دیگر بڑے بڑے چمکدار ستارے ہوں گے جو کروڑوں چمکتے ہوئے ستاروں میں بھی خوب نمایاں نظر آتے ہیں۔

شک یعنی یہ نہیں کہ چمکدار ستارے بنا دیئے اور انہیں بغیر کسی نظم کے طور پر بکھیر دیا گیا۔ ان سے روشنی حاصل ہوتی رہے اور آئندہ زمین پر اپنی تاثیرات سے متعلقہ اشیاء کو متاثر کرتی رہیں اور بس۔ بلکہ انہیں ایسے موزوں طور پر سجا دیا ہے کہ دیکھنے والی آنکھ ان کے حسن ترتیب کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ الغرض یہ کوئی حسن مستور نہیں جس کی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہو۔ ستاروں بھری اندھیری رات ہو یا چودھویں کا چاند اس خاکدان ارضی پر اپنے انوار کی بارش کر رہا ہو۔ مجلۂ عروسی سے نکلنے والی دلہن کی طرح حیا کی سرخی گالوں پر ملے صبح کے وقت سورج جلوہ نمائی کر رہا ہو یا شام کے وقت مغربی آفق کو اپنی حسرتوں کے خون سے سرخ کر کے ظلمت کی تاریکی میں گم ہونے کی تیاری کر رہا ہو۔ کون سا ایسا منظر ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ذوق کے مطابق لطف اندوز نہیں ہوتا۔ خالق کائنات نے ہر چیز کو جس طرح مفید اور مستحکم بنایا ہے اسے ایسے ہی حسن و جمال بھی بخشا ہے۔

شک ان تنے مفید حسین اور محیر العقول نظام کو قائم کر کے اس کی حفاظت کا بندوبست نہ کرنا حکمت ربانی کے خلاف تھا اس لیے فرمایا کہ ہر شیطان مردود کی دخل اندازی، اس کی تخریبی سرگرمی اور فساد انگیزی سے اس نظام کو اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس میں کوئی گڑبڑ پیدا کر سکے۔ یہ نظام شمسی جس طرح مرتب کیا گیا ہے اس کے ثوابت کے لیے جو جو مقامات متعین کیے گئے ہیں اور اس کے سیارات کے لیے حرکت کرنے کی جو مداریں مقرر کی گئی ہیں۔ کوئی تخریبی قوت بال برابر بھی اس میں فساد پیدا نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی شیطان مردود قدرت کی طرف سے مقررہ حد بندیوں کو توڑ کر آگے جانا چاہتا ہے تو شہاب ثاقب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے۔

شک شہاب کے بھی دو معنی ہیں۔ ایک لغوی اور ایک اصطلاحی۔ لغت میں شہاب چمکنے والی آگ کو کہتے ہیں۔ الشهاب في اللغة النار الساطعة۔ اس کے ساتھ یہاں مبین کی صفت مذکور ہے یعنی ظاہر اور بعض دیگر مقامات پر اس کو ثاقب کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے جس کا معنی ہے چھید کر نکل جانے والا یعنی ایسی تیز آگ جو ہر چیز میں سے سوراخ کر کے گزر جاتی ہے اور جو اصطلاح میں اس روشنی کو کہتے ہیں جو فضا میں نمودار ہونے کے بعد لمبی لکیر کی طرح نمودار ہوتی ہے اور پھر آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے۔ اس شہاب کی حقیقت کیا ہے جدید علم فلکیات کے ماہرین خود بھی وثوق سے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے۔ وہ کہتے ہیں آج تک ہم اپنی تحقیق سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے جس کے اجزاء جب ہوا کے کرہ میں داخل ہوتے ہیں تو رگڑ سے بھڑک اٹھتے ہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ ہم شہاب ثاقب کی ماہیت کے متعلق آج جو بہترین توجیہ بیان کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ نظام شمسی کا کوئی چھوٹا سا تارا ٹوٹتا ہے اس ٹوٹنے والے

ٹانے کا بیشتر حصہ ہماری فضا میں پہنچنے سے پہلے یا تو گرد بن جاتا ہے یا بخارات میں تبدیل ہو کر اڑ جاتا ہے اور قلیل ہماری فضا میں چمکدار دکھائی دیتا ہے اور اس کے کئی ٹکڑے زمین پر بھی گر پڑتے ہیں۔ شہاب ثاقب کے ٹکڑے مختلف عجائب خانوں میں موجود ہیں۔ سب سے بڑے ٹکڑے کا وزن چالیس ٹن تقریباً ۸۰۰۰۰ پونڈ ہے اور یہ ٹکڑا جنوب مغربی افریقہ میں ہے۔ اس سے کم وزن کا ایک ٹکڑا جو گرین لینڈ میں گرا تھا اس کا وزن ۳۶½ ٹن ہے۔ اسے کمانڈر پیری وہاں سے اٹھوا کر نیو یارک لے آئے (انسائیکلوپیڈیا گرولیئر ENCY. GROLIER)

اٹھارھویں صدی میں پیرس کی سائنس اکیڈیمی نے شہاب ثاقب کا انکار کر دیا تھا اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سارے نمونے جو مختلف عجائب گھروں میں ہیں سب فرضی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے گرنے کی چشم دید شہادتیں دی ہیں انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔

لیکن تھوڑے عرصہ میں ہی پیرس کے قریب ہی تین ہزار شہاب ثاقب کا مینہ برسا۔ اس طرح قدرت نے ان سائنسدانوں کے غرور کو توڑا اور ان کی کم علمی کا پردہ فاش کر دیا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۵ صفحہ ۳۳۷۔

اسی ضمن میں حجر اسود کے متعلق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ زمینی پتھر نہیں ہے بلکہ کوئی آسمان سے اتری ہوئی چیز ہے۔ انھوں نے اپنی کم علمی کے باعث اسے بھی ایک شہاب ثاقب تصور کیا ہے لیکن یہ ان کی کم علمی ہے۔ بہرحال اس بات کا تو انھیں اعتراف کرنا پڑا کہ یہ یہاں کا پتھر نہیں ہے۔

THE BLACK STONE OF THE KABA, THE HOLIEST OF HOLIES OF THE MOHAMMEDANS, IS NO DOUBT A STONE METEORITE WITH ITS STRANGE BLACK CRUST [illegible]

جب تک یونانی علم ہیئت کے زیر اثر ہم یہ سمجھتے رہے کہ زمین سے خشک بخارات اٹھتے ہیں اور جب کرہ ناری کے قریب پہنچتے ہیں تو جل اٹھتے ہیں انہی جلنے والے بخارات کو شہاب ثاقب کہا جاتا ہے تو ہمیں قرآن کریم کی ان آیات کا مفہوم بیان کرنے کے لیے بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن جدید تحقیقات سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ شہاب ثاقب نظام شمسی کے کسی ٹوٹنے والے تارے کا جدا شدہ ٹکڑا ہے تو اب معاملہ بہت حد تک واضح ہو گیا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ ان شہابوں سے شیطانوں کے روکنے کا کام کیونکر لیا جاتا ہے۔ اگر آپ موجودہ تحقیقات کی روشنی میں اس کی کوئی علمی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہیں تو جلد بازی میں اس کا انکار نہ کیجئے۔ اس پر یقین رکھیے کہ یہ سچ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واضح ارشاد ہے۔ ایسے بھی سربستہ اسرار اور مسائل بے شمار ہیں جن کو عقل انسانی ابھی تک نہیں سمجھ سکی اور انتظار کیجئے کہ مستقبل کی دوسری پیچیدہ گرہوں کی طرح اس عقدہ کی بھی گرہ کشائی کر دے اور اگر آپ فزکس کے طالب علم ہیں۔ اور مسلمان ہیں تو آپ ان مسائل کو سلجھانے کی ہرگز کوشش نہ کریں کہیں آپ کے ذہن رسا کو نظر نہ لگ جائے۔ کسی کالج میں لیکچرار بن جائیے پھر بھی مزید مطالعہ یا تحقیق کی طرف راغب ہو کر اپنی آرام دہ زندگی کو بے آرام نہ بنائیے۔ اور اگر کچھ کرنے کے لیے دل مجبور ہی کرے تو کتابوں سے نوٹ اور خلاصے لکھ کر اوراق رنگتے رہیے تاکہ آپ کے شاگردوں کو بھی اس علم میں صرف اتنی ہی دسترس حاصل ہو جس سے وہ امتحان میں پاس ہو جائیں۔ مبادا آپ کی کاوش اور تحقیق سے کوئی قرآنی مسئلہ حل ہو جائے۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

وَاَنۡۢبَتۡنَا فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡزُوۡنٍ ۞ وَجَعَلۡنَا لَكُمۡ فِيۡهَا

اور ہم نے اگا دی اس میں ہر چیز اندازے کے مطابق ۔ ٭٭ اور ہم نے بنا دیئے تمہارے لیے بھی اس میں

الٰہی! ہمارے جوانوں کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار فرما۔ ان کے دلوں کو حقیقت سے آشنا کر دے۔ انہیں اپنی دینی اور قومی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی لگن بخش دے۔ ان کی آسانوں کو سوز آرزو سے تڑپا دے۔

خودی کو منسلی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنا کو سینوں میں بیدار کر
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

٭٭ عالم بالا میں اپنی قدرت کے کمالات کا ذکر کرنے کے بعد اب حضرت انسان کو کرۂ ارض میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کی مدت پوری کر رہا ہے۔ فرمایا اس زمین کو دیکھو ہم نے اسے کتنا کشادہ کر دیا۔ اربوں کی تعداد میں تو صرف انسان یہاں بستے ہیں۔ پھر اسی پر بس نہیں پہننے کے مکان ہیں۔ ہیں ان کی وسیع سیرگاہیں ہیں۔ اس کے مزروعہ رقبہ کا شمار بھی کوئی آسان بات نہیں۔ انسان کے علاوہ ان گنت قسم کے چرند پرند کے لاتعداد افراد کا بھی یہی مسکن ہے۔ اس کی کشادگی کا اندازہ لگانا ہو تو ذرا ان صحراؤں کو دیکھو جو ہزاروں میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر یہ بلند و بالا پہاڑ جو اپنی جگہ پر کیل کی طرح گڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی زمین میں سمائی ہوئی ہیں اور پھر بھی زمین کا بیشتر حصہ غیر آباد ہے تو جس قادر مطلق نے اتنی وسیع زمین بنائی ہے اور اس میں تمہاری آسائش کے لیے ہر ضروری سامان مہیا کر دیا ہے اس کی الوہیت اور وحدانیت کا انکار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

٭٭ علامہ زمخشری نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر چیز کو حکمت کے میزان پر تولا گیا ہے اور ہر چیز کو اتنی ہی مقدار بخشی گئی ہے جو اس کے لیے مناسب ہے۔ اس میں نہ زیادتی کی گنجائش ہے اور نہ کمی کا احتمال قال زمخشری: وزن بميزان الحكمة وقدر بمقدار يقتضيه لا يصلح فيه زيادة ولا نقصان۔ بلفظہٖ

اب اگر آپ کسی چیز پر سرسری نظر بھی ڈالیں گے تو آپ کو اس میزان حکمت کا احساس ہو جائے گا۔ ہر چیز کے لیے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ نباتات ہوں یا جمادات۔ معین مقدار اور مخصوص خاصیتیں رکھ دی ہیں۔ جن میں کہیں رد و بدل آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ گندم کے پودے پر انار کے دانے نہیں لگ سکتے۔ چڑیا کی جو شکل اور حجم مقرر ہے اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ شیر جیسے قوی جانور کے لیے بھی قد و قامت کا ایک خاص پیمانہ مقرر ہے۔ جس سے وہ آگے تجاوز نہیں کر سکتا۔ شیر بڑھ کر ہاتھی کا حجم اختیار نہیں کر سکتا اور ہاتھی اپنے حجم کو گھٹا کر بلی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ہر چیز کے لیے ایسے مضبوط قوانین اور ایسے حتمی پیمانے مقرر ہیں جن میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

مَعَايِشَ وَمَن لَّسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا

رزق کے سامان ۲۰ اور ان کے لیے بھی جنھیں تم روزی دینے والے نہیں ہو۔ اور نہیں کوئی چیز مگر

عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ

ہمارے پاس اس کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں، ۲۱ اور ہم نہیں اتارتے اسے مگر ایک معلوم اندازے کے مطابق۔ نیز ہم بھیجتے ہیں ہوائیں کہ

لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ

باردار بنانے والی ۲۲ پھر ہم اتارتے ہیں آسمان سے پانی پھر ہم پلاتے ہیں تمھیں وہی پانی۔ اور نہیں تم اس کا ذخیرہ کرنے والے

۲۰ معایش کا واحد معیشۃ ہے۔ اس سے مراد وسائل معاش ہیں یعنی کھانے پینے کی چیزیں۔ ماوردی نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسباب رزق میں تصرف کرنا ہے۔ قیل انہا التصرف فی اسباب الرزق مدۃ الحیاۃ قال الماوردی: وھو الظاھر (قرطبی)

۲۱ تم اس غلط فہمی کا شکار ہو کر تم اپنے رزق کے خود کفیل ہو اور اس کا اہتمام تم خود کرتے ہو۔ یہ سراسر خلاف واقع ہے۔ یہ پانی جو تم پیتے ہو، یہ روٹی جو تم کھاتے ہو، یہ گوشت سبزیاں پھل وغیرہ جو تم استعمال کرتے ہو ان کے فراہم کرنے والے تو ہم ہیں۔ تم نے تو صرف ان کو پکا کر کھا لیا اور پکانے اور ان چیزوں کو کام میں لانے کی سمجھ بھی ہماری دی ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ اور کتنے بیابان کے پرندے، جنگل جانور اور حشرات، یہ کیڑے مکوڑے، یہ سمندر میں بسنے والی بے اندازہ جاندار مخلوق کیا ان کا کھانا تمھارے مطبخ سے پک کر جاتا ہے؟ انھیں بھی ہم دیتے ہیں اور تمھیں بھی ہم کھلاتے ہیں۔

۲۲ ہر چیز کے ہمارے پاس بھرے ہوئے خزانے ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں۔ انہی سے ساری مخلوق کے رزق کا انتظام ہو رہا ہے اور انکی ضروریات کی کفالت کی جا رہی ہے۔ اور تم تو اندازہ بھی نہیں لگا سکتے کہ یہ سلسلہ کب سے شروع ہوا ہے اور تمھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ کب تک جاری رہیگا۔ نامعلوم زمانہ سے مخلوق کی خوراک کا انتظام انھیں قدرتی خزانوں سے ہو رہا ہے اور وہاں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح ہوتا رہے گا اور یہ خزانے بھرے کے بھرے رہیں گے۔ لیکن علاج ہو اور پھر بے حد خزانوں کو بانٹنے کی اندھی بانٹ اختیار نہیں جو بلا تمیز لٹائی جاتی رہے بلکہ اس کی تقسیم کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی۔ وہ اپنی حکمت کے مطابق جتنا چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

۲۳ یہ آیت عجز و طلب ہے۔ جب نر مادہ کے ساتھ جفتی کرتا ہے اور مادہ حاملہ ہو جاتی ہے تو عرب کہتے ہیں لقحت الفحل الناقۃ ای القح الفحل الناقۃ۔ علمائے تفسیر نے ہواؤں کو لواقح کہنے کی متعدد وجوہ ذکر کی ہیں۔ یا تو اس لیے ہواؤں کو لواقح کہا جاتا ہے کہ یہ بارش سے بھاری بادلوں کے مشکیزوں میں اٹھائے ہوئے آتی ہیں یا اس لیے کہ بادلوں میں رطوبت کو ملاتی ہیں جس سے ان سے بارش برسنے لگتی ہے وقیل الریح الملاقح التی تحمل الندی فتمجہ فی السحاب فاذا اجتمع فیہ صار مطرا یا اس لیے انھیں لواقح کہا گیا کہ یہ درختوں کو باردار کرتی ہیں

بِخٰزِنِیْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ

نہیں ہو۔ ۲۵ اور بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (ان سب کے) وارث ہیں۔ اور یقیناً

میں نر درختوں کے گابھوں کو لے کر مادہ درختوں کے گابھوں میں ہوا ڈالتی ہیں تو یہی لواقح تلقح الشجر پھر اللہ تعالیٰ لواقح ہواؤں کو بھیجتا ہے جو درختوں کو باردار کرتی ہیں۔ (قرطبی)

قرآن پاک نے اس راز سے پہلے ہی پردہ اٹھا دیا تھا کہ نر مادہ کا وجود صرف جاندار مخلوق میں ہی نہیں ہے بلکہ ہر قسم کی نباتات کی افزائش نسل کے لیے یہی طریقہ مقرر کیا ہوا ہے۔ سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون (۳۶: ۳۶) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے سب جوڑے بنائے ان چیزوں سے بھی جنہیں زمین اگاتی ہے۔ اور خود ان سے بھی اور ان چیزوں سے بھی جنہیں (ابھی) وہ نہیں جانتے اور درختوں، پودوں، جڑی بوٹیوں کے شگوفے ان کی مادہ تک پہنچیں تو کیونکر؟ انسان سارے کام چھوڑ کر اگر یہی ایک کام کرنے لگے تو پھر بھی وہ اس کا لاکھواں حصہ انجام نہیں دے سکتا۔ یہ چیز انسان کی طاقت سے ماوراء تھی اس لیے قدرت نے اپنی کرم گستری سے اس کا خود ہی اہتمام فرما دیا۔ حضرت انسان کو خبر تک بھی نہیں ہوتی اور وہ سب کے باغوں میں کھیتوں میں چراگاہوں میں اور جنگلوں میں اور دور معلوم کہاں کہاں ہوائیں چپکے سے عمل تلقیح کو انجام دے رہی ہوتی ہیں جن کے طفیل درختوں کی ٹہنیاں رنگ برنگ کے شیریں پھلوں سے لدی ہیں اور جھوم جھوم کر اپنے خالق کے حضور آداب بندگی بجا لا رہی ہیں۔ کھیتوں کے پھولوں پر خوشوں کے تاج سجائے جا رہے ہیں۔ وہ ان کو دانوں کے موتیوں سے آراستہ کیا جاتا ہے اور وہ جھک جھک کر اپنے خالق کی ربوبیت اور کبریائی کے گیت گا رہے ہیں۔ چراگاہوں میں آپ نے کبھی دیکھا کہ گھاس کس طرح زمین پر بچھتی چلی جا رہی ہے۔ وہ بھی اسی کی بارگاہ عظمت میں سجدے کر رہی ہے جس نے اس کی تروتازگی اور بالیدگی کا عظیم الشان انتظام فرما دیا۔ ایک حضرت انسان جس کے لیے کارخانہ ہستی کی چھوٹی اور بڑی ہر چیز مصروف خدمت ہے وہ بے شعور پڑا ہے الا ما شاء اللہ یہی حقیقت تھی جس کے پیش نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو تلقیح نخل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا کیونکہ جب سب تمام درختوں پر ہم عمل تلقیح نہیں کرتے بلکہ ہوائیں از خود اس کام کو انجام دے رہی ہیں تو ہم کھجور کے درخت کیا تخصیص رکھتے ہیں کہ ہم ان کی تلقیح کریں لیکن جب صحابہ کرام نے دوسرے سال کم پھل آنے کی شکایت کی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ عرصہ سے اس عمل تلقیح کے عادی تھے اور ان کو اپنی طبعی حالت پر آنے کے لیے کچھ وقت چاہیے تھا تو حضور نے فرمایا انتم اعلم بامور دنیاکم یہ دنیوی کام ہیں جنہیں تم بہتر سمجھتے ہو کیونکہ اس چیز کا تعلق احکام شرعیہ سے نہ تھا اس لیے اس پر عمل کرنا اور نہ کرنا ان کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں۔ نیز اس قسم کے مسائل کا بتلانا نبی کے فرائض میں داخل نہیں ہوتا بلکہ ان عقدوں کو حل کرنے کے لیے انسان کو اپنے تجربہ، مشاہدہ اور غور و فکر سے کام لینا چاہیے۔ اس لیے یہاں صحابہ کو مجبور کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حضور کا یہ ارشاد فرمانا نہ جاننے کی دلیل نہیں جیسے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی بلکہ حضور کے علم کی وسعت کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ جن مسائل کو سمجھانے کے لیے انسان کو ابھی صدیوں غور و فکر کرنا تھا ان کو حضور آج ہی سمجھتے ہیں۔

۲۲ یعنی تمہارے کنوئیں، تمہارے ندی نالے اور تمہاری جھیلیں اور تمہارے ذخیرے جن میں تم پانی کا ذخیرہ جمع کرتے ہو یہ بھی تو ہمارے خزانوں کی کرم گستریوں کی

عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ ۝۲۴ وَاِنَّ

ہم جانتے ہیں ان کو بھی جو گزر چکے ہیں تم میں سے اور یقیناً ہم جانتے ہیں بعد میں آنے والوں کو۔۲۴ اور بےشک

رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

آپ کا پروردگار وہی انہیں روزِ قیامت اکٹھا کرے گا۔ بےشک وہ بڑا دانا سب کچھ جاننے والا ہے۔۲۵ اور بےشک ہم نے پیدا کیا انسان کو۲۶

وہ سب ظاہر ہیں۔ اگر ان خزانوں کے منہ بند کر دیے جائیں تو حقیقت معلوم ہو جائے۔

۲۴ کمالِ قدرت کے ذکر کے بعد کمالِ علم کا بیان ہے۔ یعنی جس طرح وہ ہر چیز پر قادر ہے اسی طرح ہر چیز کو وہ جانتا بھی ہے۔

۲۵ یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہ ہے کہ انسان کو قیامت کے دن پھر زندہ کرے تاکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور وہ ہر شخص کو خواہ اس کو مرے ہوئے ہزاروں سال بھی کیوں نہ گزر چکے ہوں اور خواہ اس کے ذرّے اڑ کر کہیں سے کہیں کیوں نہ چلے گئے ہوں وہ ان سب کو جانتا بھی ہے اور ان کو یکجا کرنے پر قادر بھی ہے۔ جب حکمت اس بات کی مقتضی ہو اور کوئی چیز علم سے باہر بھی نہ ہو اور وہ ہر چیز پر قادر بھی ہو تو پھر قیامت کے انکار کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا بجز اس بدنصیب کے جسے اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط، قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ پر ایمان نہ ہو۔

۲۶ قد و قامت میں انسان کو کائنات کی دوسری بڑی بڑی چیزوں سے کوئی نسبت ہی نہیں لیکن خالقِ کائنات نے بتایا کہ اس گردوپیش اور بالا و پست میں جو کچھ تمہیں نظر آ رہا ہے یہ اسی پیکرِ خاکی کے لیے ہے جسے انسان کہا جاتا ہے۔ لازمی طور پر دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ حضرتِ انسان کو اتنی اہمیت کیوں بخشی گئی آخر اس میں کونسا ایسا جوہر ہے کہ زمین و آسمان، مہر و ماہ، بحر و بر، بادل اور ہوائیں سب کی سب اس کی خدمت گزاری میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اس لیے یہاں انسان کی حقیقت کو بیان کر کے اس کی اس خصوصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کے باعث اسے یہ بلند مقام نصیب ہوا۔ لیکن اس چیز کو سمجھنے سے پہلے اس بات کو ضرور ذہن نشین کر لیجئے کہ قرآن کریم خداوند علیم کا کلام ہے۔ یہ حق و صداقت کا ترجمان ہے۔ اسے اپنی سچائی کے ثبوت کے لیے کسی فلسفی یا کسی سائنسدان قدیم ہو یا جدید کی تائید کی ضرورت نہیں۔ نہ قرآن اس بات کا محتاج ہے کہ انسان کی تحقیقات اور جستجو کے نتائج اس کے بیان سے ہم آہنگ ہوں تب جا کر ہم تسلیم کریں کہ فلاں مسئلہ کی تحقیق قرآن کے کسی بیان کے خلاف ہے تو ہم قرآن پاک کو اس کے موافق کرنے کے جنون میں اس کی آیات کو زبردستی وہ معنی پہنانے کی کوشش کریں جن کو قبول کرنے کے لیے وہ ہرگز تیار نہیں اور پھر ہم یہ سمجھیں کہ ہم نے قرآن پر بڑا احسان کیا ہے۔ ایسا سمجھنا انتہائی نادانی ہے اور یہ حرکت بڑی بھونڈی ہے۔ قرآن کریم قاعدہ ہے چیستاں نہیں، ہے تعلق نہیں۔ انسان کی پیدائش کے متعلق کئی نظریے پیش کیے گئے اور اپنی موت آپ مر گئے۔ ڈارون کا نظریہ کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے بڑے جوش و خروش سے اٹھا اور عقلاء کی قوم دنیا میں ایک زلزلہ برپا ہو گیا۔ لیکن قرآن نے پہلے نظریوں سے مخالفت تھا اور اب اس سے بیزار ہے۔ جن نظریات کی بنیاد ہی ظن و تخمین اور ناقص استقرا پر ہو یا استقرا کا یہ عالم ہو کہ اس کا سرا ابھی معلوم نہیں۔ درمیان کی کئی کڑیاں بھی گم ہیں۔ چند کھوئی ہوئی کڑیاں ملیں ان کو زبردستی جوڑ کر ایک زنجیر کا نام دے دینا اور اس کو استقرا تام تسلیم کر کے اس سے کوئی نظریہ اخذ کر لینا کہاں کی دانشمندی ہے۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی۔ اور جان کو ہم نے پیدا فرمایا اس سے پہلے

مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا

ایسی آگ سے جس میں دھواں نہیں تھا اور (اے محبوب!) یاد فرماؤ جب آپ کے رب نے کہا فرشتوں کو میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ

کھنکھناتی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار کیچڑ تھی۔ تو جب میں اسے درست فرما دوں اور پھونک دوں

مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

اس میں خاص روح اپنی طرف سے تو گر جانا اس کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے۔ پس سربسجود ہو گئے فرشتے سارے کے سارے۔

فرمایا کہ انسان (ابوالبشر آدم) کی تخلیق ایسی بجنے والی مٹی سے ہوئی جو پہلے بدبودار سیاہی مائل کیچڑ تھا۔ اس سے اس کا قالب تیار ہوا پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص روح پھونکی۔ اسی روح کی وجہ سے اس کے سر پر خلافت ارضی کا تاج رکھا گیا۔ اسی وجہ سے انسان مسجود ملائکہ بنا۔ انسانی تخلیق کے بارے میں قرآن کا یہی نظریہ ہے۔ اسی پر ہمارا ایمان ہے اور یہی حق ہے۔ اگر آج نہیں تو کل یقیناً انسانی تحقیقات اسی منزل پر پہنچ جائیں گی۔ یہاں چند الفاظ تحقیق طلب ہیں۔

صلصال: اس خشک شدہ کیچڑ کو کہتے ہیں جسے اگر انگلی سے ٹکرایا جائے تو وہ بجنے لگے۔

حمأ: اس مٹی کو کہتے ہیں جو کافی دیر پانی میں رہنے کی وجہ سے سیاہ ہو گئی ہو۔

مسنون: اس کا معنی بدبودار بھی ہے اور قالب میں ڈھلا ہوا بھی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

علماء لغت نے لکھا ہے کہ مختلف حالتوں میں مٹی کے مختلف نام ہیں۔ پانی میں بھگونے سے پہلے اسے تراب کہتے ہیں جب پانی میں بھیگ جائے تو اسے طین (کیچڑ) کہتے ہیں اور جب کافی عرصہ پانی میں بھیگی رہے یہاں تک کہ اس کی رنگت سیاہ ہو جائے تو اسے حمأ کہتے ہیں اور جب اس میں بو پیدا ہو جائے یا اسے کوئی صورت دی جائے تو اسے مسنون کہتے ہیں اور جب وہ خشک ہو جائے تو اسے صلصال کہتے ہیں اور جب اسے آگ میں پکا لیا جائے تو اسے فخار کہتے ہیں۔

۲۷ انسان سے پہلے ایک اور مخلوق کو پیدا کیا گیا تھا جس کا نام جان ہے اس کی تخلیق نار السموم سے ہوئی۔ سموم اس آگ کو کہتے ہیں جو سخت تیز گرم ہوا اور جس سے دھواں نہ اٹھے۔ قال ابن عباس السموم الریح الحارۃ التی تقتل وعنہ انہا نار لا دخان فیہا۔

۲۸ اس آیت کے متعلق حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بڑی مفید اور جامع بحث کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

إِلَّآ إِبْلِيسَ أَبَىٰٓ أَن يَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ

سوائے ابلیس کے۔ اس نے انکار کر دیا کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس!

مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ

کیا وجہ ہے کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ گستاخ کہنے لگا میں گوارا نہیں کرتا کہ سجدہ کروں بس بشر کو

خَلَقْتَهُۥ مِن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَٱخْرُجْ مِنْهَا

جسے تو نے پیدا کیا ہے بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار گارا تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا (اے بے ادب) نکل جا

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ ٱللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ

یہاں سے تو مردود ہے۔ اور بلاشبہ تجھ پر لعنت ہے روز جزا تک۔ کہنے لگا

وہ فرشتے ہیں روح کی دو قسمیں ہیں علوی اور سفلی۔ روح علوی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے لیکن مادی نہیں بلکہ مجرد ہے اور نظر کشف سے اس کا مقام عرش کے اوپر پتہ چلتا ہے امام غزالی کا بھی یہی مسلک ہے گو جمہور متکلمین کی رائے یہ ہے کہ یہ جسم لطیف ہے اپنی ماہیت اور صفت کے لحاظ سے دوسرے اجسام سے مختلف ہے اور جسم میں اس طرح حلول کیے ہوتے ہے جیسے زیتون کے دانہ میں تیل یا کوئلہ میں آگ۔
(۲) اور روح سفلی اس بخار لطیف کا نام ہے جو عناصر اربعہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں اور یہی سفلی روح علوی روح کا آئینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوتی ہے۔ روح انسانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف مضاف فرمایا ہے ونفخت فیہ من روحی۔ یہ اضافت بعضیت کی نہیں بلکہ تشریف اور عزت افزائی کے لیے ہے جس طرح بیت اللہ، ناقۃ اللہ اور شہر اللہ کہا جاتا ہے۔ اس کی اضافت کی وجہ یہ ہے کہ تجلیات ربانیہ کے قبول کرنے کی صلاحیت صرف اس میں پائی جاتی ہے تشریفا لکونه علویا بامره من غیر مادة ولاستعداده قبول التجلیات الرحمانیة ما لا یستعد له روح غیره الا الانسان کیونکہ یہ روح عالم خلق اور عالم امر دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے اسی لیے اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا اور نور معرفت اور آتش عشق کا اہل قرار پایا۔ نیز ذاتی، صفاتی اور ظلالی تجلیات کا مہبط بنا۔ وصار مستحقا الخلافة اهلا لنور المعرفة ونار العشق. ومهبطا للتجلیات الذاتیة والصفاتیة والظلالیة۔ (مظہری)

۲۱؎ انہی صفات کی وجہ سے فرشتوں کو حکم ملا کہ اس کے آگے سجدہ میں گر پڑیں۔ اگر آدم علیہ السلام مسجود لہ ہوں یعنی سجدہ انہی کو کیا گیا ہو تو پھر یہ سجدہ تعظیمی ہوگا اور اگر آدم علیہ السلام مسجود الیہ ہوں تو پھر آدم علیہ السلام کعبہ کی مانند ہوں گے اور سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہوگا۔

۲۲؎ اس بدنصیب کی نظر صرف حمأ مسنون کو دیکھ سکی لیکن ونفخت فیہ من روحی کے راز کو وہ سمجھ نہ سکی اور یہیں ٹھوکر کھائی کہ مَیں

رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٧﴾

کہنے لگا اے میرے رب! پس مہلت دے مجھے اس دن تک جب سب (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک تو مہلت دیئے گئے لوگوں میں سے ہے۔

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ

(یعنی) اس وقت مقررہ کے دن تک مہلت دی گئی ہے۔ وہ بولا اے میرے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں (بھی) ضرور آراستہ کر دکھاؤں گا

لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

ضرور خوشنما بنا دوں گا ان کے لیے زمین میں (گناہوں کو) اور میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے

الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ

برگزیدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سیدھا راستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ بیشک

بھر کی نیکیاں مسترد کر دی گئیں اور ہمیشہ کے لیے دربارِ حق سے دھتکار دیا گیا۔ آج بھی کئی لوگ جمالِ مصطفوی کی رعنائیوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے جیسا بشر کہنے کی جسارت کرتے ہیں انہیں شیطان کے انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

شیطان کا گستاخانہ لہجہ ملاحظہ ہو۔ اغویتنی کی تحقیق کے لیے سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶ کا حاشیہ دیکھیے۔

یعنی وہ بندے جن کو تو نے اپنی عبادت و طاعت کے لیے چن لیا اور شکوک و شبہات کی آلودگیوں سے پاک و صاف رکھا ان پر میرا بس نہیں چلتا۔ یہ وہ پاک لوگ ہیں جن کے عزم و استقامت کے سامنے شیطان جیسا قزاق بھی ہار ماننے پر مجبور ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان ابلیس قال یا رب وعزتک وجلالک لا ازال اغوی بنی آدم ما دامت ارواحھم فی اجسامھم فقال الرب وعزتی وجلالی لا ازال اغفر لھم ما استغفرونی یعنی شیطان نے کہا اے رب مجھے تیری عزت و جلال کی قسم جب تک انسانوں کی روحیں ان کے جسم میں رہیں گی میں ان کو گمراہ کرتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی اپنی عزت و جلال کی قسم جب تک یہ مجھ سے مغفرت طلب کرتے رہیں گے میں ان کو معاف کرتا رہوں گا۔ (قرطبی)

هٰذا کا اشارہ اخلاص ہے یعنی جس نے بناوٹ اور ریا، تکلف اور تصنع سے کلیۃً اجتناب کرتے ہوئے اخلاص کو اپنا شعار بنا لیا وہی اس راہ پر گامزن ہوا جو سیدھا ہمارے پاس لے آئیگا۔ هذا ای الاخلاص طریق علیّ ای طریق فی الوصول الیّ من غیر اعوجاج فیہ مستقیم لا اعوجاج فیہ اصلاً (مظہری)

عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

میرے بندوں پر تیرا کوئی — بس نہیں — جیسا لغتہ مگر وہ جو تیری پیروی کرتے ہیں

الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ

گمراہوں میں سے۔ اور بیشک جہنّم وعدہ کی جگہ ہے ان سب کے لیے۔ اس کے سات

اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ

دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصہ مخصوص ہے — یقیناً پرہیزگار بسیں گے باغوں اور

جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ

چشموں میں (انہیں کہا جائیگا) داخل ہو جاؤ ان جنتوں میں بڑی عافیت کے ساتھ بے خوف ہو کر۔ اور ہم نکال دینگے جو کچھ ان کے

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾ لَا یَمَسُّهُمْ

سینوں میں کینہ (وغیرہ) تھا وہ بھائی بھائی بن جائیں گے اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ نہیں پہنچے گی انہیں

۴۱ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ فرمادیا کہ واقعی جو میرے بندے ہیں وہ شیطان کے دام فریب میں نہیں آسکتے۔ ان کو گمراہ کرنے کے لیے وہ سارا جتن کرکے دیکھ لے اسے کبھی کامیابی نصیب ہوگی۔ الا من تبعک میں استثناء منقطع ہے کیونکہ عبادی سے مراد عبادی المخلصون ہیں۔

۴۲ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ ہر طبقہ کا الگ دروازہ ہے۔ ان سات طبقوں کے نام یہ ہیں۔ جہنم۔ لظی۔ الحطمہ۔ السعیر۔ السقر۔ الجحیم۔ الھاویہ۔ ہر طبقہ میں تدریجاً عذاب زیادہ ہوتا جائے گا اور مختلف گناہوں والے اپنے اپنے گناہوں کی سنگینی کے مطابق الگ الگ حصوں میں ڈالے جائیں گے۔

۴۳ مغضوبین کے احوال بیان کرنے کے بعد اب محبوبین کی عزت افزائیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

۴۴ دنیا میں نیک آدمی بھی بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے کچھ کچھے رہ سکتے ہیں۔ دل میں ایک دوسرے کے متعلق حسد و منافرت بھی پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث شکر رنجی بلکہ جنگ و جدال تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ قیامت کے دن جنت میں داخل ہونے کا جب حکم ملے گا تو دلوں کو حسد و بغض کی آلودگیوں سے پاک کر دیا جائے گا اور سب نیک بندے باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ارجوان اکون انا وعثمان وطلحہ والزبیر منہم۔ میں امید کرتا ہوں کہ میں، عثمان، طلحہ، زبیر ان لوگوں میں سے ہوں گے۔

فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٨﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي

اس میں کوئی تکلیف اور نہ انہیں اس سے نکالا جائے گا بتا دو میرے بندوں کو کہ بلاشبہ

أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿٥٠﴾

بہت بخشنے والا ازحد رحم کرنے والا ہوں۔ اور (یہ بھی بتا دو) کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿٥١﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا

اور بتائیے انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے کہا آپ پر سلام ہو

قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ

آپ نے کہا (اے اجنبیو!) ہم تو تم سے خائف ہیں۔ مہمانوں نے کہا مت ڈریئے ہم آپ کو مژدہ سناتے ہیں ایک صاحب علم

عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

بچے کی پیدائش کا۔ آپ نے کہا کیا تم مجھے اس وقت خوشخبری دیتے آئے ہو جبکہ مجھے بڑھاپا لاحق ہو چکا ہے پس یہ

تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَانِطِينَ ﴿٥٥﴾

کیسی خوشخبری ہے وہ بولے ہم نے تو آپ کو سچی خوشخبری دی ہے پس نہ ہو جائیے آپ مایوس ہونے والوں سے۔

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا

آپ نے فرمایا کون ناامید ہوتا ہے اپنے رب کی رحمت سے بجز گمراہوں کے۔ آپ نے کہا

سلہ سورۂ ہود آیات ٦٩ تا ٧٠ کے حواشی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

سلہ یہ نُسَلِّمُ یا سَلَّمْنَا کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے۔

وجلون جمع ہے۔ اس کا واحد وجل ہے اس کا معنی خائف ہے کیونکہ وہ بغیر اذن ایسے وقت میں آگئے تھے جو عام ملاقات کا وقت نہ تھا۔

سلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں میں تو ہر لحظہ اس کے فضل و کرم پر چشم امید لگائے بیٹھا ہوں اس کی رحمت سے مایوس تو صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جو سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہوں۔

خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾

اے فرستادو! کس اہم کام کے لیے تم آئے ہو۔ انھوں نے کہا ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم کی طرف۔

إِلَّا آلَ لُوطٍ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا

مگر لوط کے گھرانے والے۔ ہم ان سب کو بچا لیں گے بجز اس کی بیوی کے ہم نے (بامر الٰہی) یہ طے

إِنَّهَا لَمِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ

کیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جانیوالوں میں سے ہوگی۔ پس جب آگئے خاندان لوط کے پاس یہ فرستادے۔ آپ نے (انھیں دیکھ کر) کہا

إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾

تم تو اجنبی لوگ معلوم ہوتے ہو۔ فرشتوں نے کہا (ہم اجنبی نہیں) بلکہ ہم لے کر آئے ہیں تمہارے پاس وہ چیز جس میں وہ شک کیا کرتے تھے۔

وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ

اور ہم لے آئے ہیں آپکے پاس حق (وعذاب) اور ہم بلاشبہ سچ کہہ رہے ہیں تو چلے جائیے اپنے اہل خانہ کے ساتھ رات کے کسی

اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ

حصہ میں اور خود انکے پیچھے پیچھے چلیے اور نہ پیچھے مڑ کر دیکھے تم میں سے کوئی اور چلے جائیے جہاں (جانے کا)

تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾ وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ

تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم نے اپنے (لوط) کو آگاہ کر دیا اس حکم سے کہ یقیناً ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی جب وہ

یعنی میں تو تمہیں دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکا کہ تم کون ہو۔ تم یہاں کے رہنے والے بھی نہیں ورنہ تم میرے واقف ہوتے اور تم مسافر بھی نظر نہیں آتے کیونکہ تم پر سفر کا کوئی نشان نہیں ہے۔

یعنی ہم وہ چیز لیکر آج تمہارے پاس آئے ہیں جس کے متعلق تم اپنی قوم کو بتاتے تھے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ تم ان کو اس سے ڈراتے تھے تو وہ مذاق کیا کرتے تھے۔ اب وہ وقت آگیا ہے جب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوگا اور انھیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔

مُصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾ قَالَ إِنَّ

صبح کرتے ہوتے۔ اور (اتنے میں) آگئے شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے۔ آپ نے (انھیں) کہا

هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿٦٩﴾

(ظالمو!) یہ تو میرے مہمان ہیں (ان کے بارے میں) تو مجھے شرمسار نہ کرو۔ اور ڈرو اللہ (کے غضب) سے اور مجھے رسوا نہ کرو۔

قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ

وہ بولے کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا تھا کہ دوسرں کے معاملہ میں دخل نہ دیا کرو۔ آپ نے کہا یہ میری (قوم کی) بچیاں ہیں اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو

كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٢﴾ فَأَخَذَتْهُمُ

(تو ان سے نکاح کر لو) ۳۵ اے محبوب! آپ کی زندگی کی قسم بیشک وہ اپنی بد مستی میں اندھے ہو رہے تھے ۳۶ پس آلیا انکو

الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ

ایک سخت کڑک نے جب سورج نکل رہا تھا ۳۷ پس ہم نے ان کی بستی کو زیر و زبر کر دیا اور ہم نے برسائے ان پر

۳۵ اس کی وضاحت سورۂ ھود کی آیات ۷۸ تا ۸۰ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳۶ علمائے تفسیر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حیات پاک کی قسم اٹھائی ہے اور یہ حضور کی عظمت شان اور شرف رفیع کی قوی دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ماخلق اللہ وما ذرأ وما برأ نفسا اکرم علیہ من محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما سمعت اللہ اقسم بحیاۃ احد الا بحیاتہ

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی چیز کو معزز اور مکرم پیدا نہیں کیا اور حضور کے بغیر کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ھذا نھایۃ التعظیم وغایۃ البر والتشریف کہ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھانا انتہائی تعظیم و تکریم کی انتہا ہے۔ اصل میں یہ لفظ عُمر (عین کی پیش کے ساتھ) تھا لیکن بکثرت استعمال کے باعث مفتوح کر دیا گیا ہے۔

۳۷ رات کی تاریکی میں حضرت لوط اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے چلے گئے۔ اب یہ بستی اس پاک نفس بندۂ خدا سے بھی خالی ہو گئی۔ یہاں صرف ایسے لوگ باقی رہ گئے تھے جو شکل و صورت میں تو انسان تھے لیکن اپنے اعمال اور اطوار کے لحاظ سے ان میں انسانیت کی بو تک نہ تھی۔ اخلاقی گراوٹ میں اتنے گر چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کے سامنے بھی علانیہ بدکاری کرنے اور اپنے مہمانوں کو رسوا کرنے سے بھی انھیں شرم نہیں آتی تھی۔ ایسا فعل جس کے ذکر سے بھی عقل سلیم کو نفرت ہے وہ اس کا ارتکاب بھی چھپ کر نہیں بلکہ مجمع عام میں بے باکانہ کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کے اخلاقی انحطاط کا جو ذلیل ترین نقشہ ہو سکتا ہے وہ ان کا تھا۔ تو جب ان کی اصلاح سے مایوسی ہو گئی تو ان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔

حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾

کھنگر کے پتھر ۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانیاں ہیں غوروفکر کرنے والوں کے لیے ۷۵

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾

اور بیشک یہ بستی ایک آباد راستہ پر واقع ہے ۷۶ یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لیے ۔

وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَ

اور بیشک ایکہ کے باشندے بھی بڑے ظالم تھے ۷۷ پس ہم نے ان سے بھی انتقام لیا اور

إِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ﴿٨٠﴾

یہ دونوں بستیاں کھلی شاہراہ پر واقع ہیں ۷۸ اور جھٹلایا اہل حجر نے (اللہ تعالیٰ کے) رسولوں کو ۷۹

۷۵ متوسم کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں مثلاً اور ابن زید سے اس کا معنی متفکرین یعنی غوروفکر کرنے والے منقول ہے۔ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال للمتوسمین یعنی نور فراست سے کام لینے والے۔ انہی ابو سعید سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ ثم قرأ ان فی ذلک لآیات للمتوسمین۔ مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی۔ ایک شخص حضرت انس حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے، راستہ میں کسی عورت پر نظر پڑ گئی تھی۔ حضرت عثمان نے انہیں دیکھ کر فرمایا یدخل احدکم علی وفی عینیه اثر الزنا۔ بعض لوگ میرے پاس آتے ہیں اور ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس بول اٹھے أوحی بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا حضور کے بعد پھر وحی آنی شروع ہو گئی ہے۔ فقال لا ولکن برهان وفراسة وصدق۔ حضرت عثمان نے فرمایا نہیں لیکن یہ تو دلیل و فراست اور صداقت کا نتیجہ ہے۔ اس قسم کے متعدد واقعات صحابہ اور تابعین سے منقول ہیں رضی اللہ عنہم۔ (قرطبی)

۷۶ یعنی قوم لوط کی بستیاں اس راستہ کے قریب ہیں جہاں اب بحر ہے۔ اور اس پر کارواں چلتے ہیں۔ یہ وہ راستہ ہے جو حجاز سے شام کو جاتا ہے۔ اسی علاقہ میں وہ قوم آباد تھی اور اس کی بربادیوں کے نشان آج بھی پائے جاتے ہیں۔ مقیم کا معنی آباد اور واضح ہے۔

۷۷ حضرت شعیب کی بستی کا نام ہے۔ ایکہ لغت میں گھنے درختوں کی جگہ کو کہتے ہیں۔ مدین کا علاقہ بڑا زرخیز اور گنجان آباد تھا۔ ہر طرف باغات اور شاداب درخت دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔

۷۸ امام واضح راستہ کو کہتے ہیں۔

۷۹ حجر سے مراد قوم ثمود کا علاقہ ہے جو حجاز اور شام کی درمیانی زمین کا نام ہے۔ یہیں حضرت صالح مبعوث ہوئے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ

اور ہم نے عطا کیں انھیں اپنی نشانیاں تو وہ ان سے روگردانی ہی کرتے رہے۔ اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾

پہاڑوں کو اپنے گھر (اور وہاں) بے خوف و خطر رہا کرتے تھے۔ پس پکڑ لیا انھیں ایک خوفناک چنگھاڑ نے جب صبح ہو رہی تھی۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ

پس نہ فائدہ پہنچایا انھیں اس (مال) نے جو وہ کمایا کرتے تھے ۸۳ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں

وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ ۸۴ اور بیشک قیامت آنے والی ہے پس (اے میرے) حبیب! آپ درگزر

۸۱ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ غزوہ تبوک کے سفر میں جب لشکر حجر کے علاقے سے گزرا تو وہاں کے کنوؤں سے لوگوں نے پانی بھرا اور اسی کے ساتھ آٹا گوندھا تو حضور نے حکم دیا کہ اس پانی کو انڈیل دو جو آٹا اس پانی کے ساتھ گوندھا ہے اسے اونٹوں کے سامنے ڈال دو اور حکم دیا کہ اس کنوئیں سے پانی لو جہاں سے حضرت صالحؑ کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کے مکانوں میں جب تم داخل ہو جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا تو روتے ہوئے داخل ہوا کرو ایسا نہ ہو کہ وہی عذاب تم پر بھی نازل ہو۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور کے اس ارشاد سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کے آثار و دیار کو ناپسند کرنا چاہیے تو اس میں انبیاء اور صالحین کے آثار سے تبرک حاصل کرنے کی بھی دلیل ہے۔ دليل على التبرك بآثار الانبياء والصالحين وان تقادمت اعصارهم وخفيت آثارهم (قرطبی)

۸۲ قوم صالحؑ کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ۶۱ تا ۶۸۔

۸۳ یعنی پہاڑ کھود کر انھوں نے اپنے لیے جو مضبوط آرام گاہیں اور پناہ گاہیں تعمیر کی تھیں جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آگئی تو انھیں کہیں پناہ نہ مل سکی۔

۸۴ یعنی زمین و آسمان اور جو ان میں ہیں جتنی بھی چیزیں موجود ہیں ان کو اپنی اپنی جگہ پر یوں مرتب کر دیا گیا ہے کہ ہزاروں صدیاں گزرنے کے بعد کائنات کے اس نظام میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوا نیز اس کا یہ معنی بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کارخانہ قدرت کو اس طور پر بنایا ہے کہ یہاں باطل بدوام پذیر نہیں ہو سکتا یہ فضا حق کے لیے ہی سازگار ہے باطل کے لیے سازگار نہیں۔ والمعنى متلبسا بالحق لا يلائم استمرار الفساد ودوام الشر فاقتضت الحكمة اهلاك امثال هؤلاء وازالة فسادهم من الارض۔

۸۵ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حسن ادب اور حسن خلق کی تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے مجھے ادب و خلق کی خوب تعلیم دی۔

الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ

فرمایا کیجئے ان سے عمدگی کے ساتھ۔ یقیناً آپ کا رب ہی سب کا خالق اور (سب کچھ) جاننے والا ہے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی

اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ

ہیں آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم بھی۔ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی

عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

نہ دیکھئے ان (اموال) کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے انکے مختلف طبقوں کو ۸۸ اور رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوا ان (کی کجروی) پر

ادیبی وربی فاحسن تادیبی اس ادب آموزی کی ایک حسین جھلک یہاں بھی ملاحظہ ہو:۔
ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر وہ تمہارے سمجھانے سے باز نہیں آتے اگر اسلام کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہو رہی ہیں اے صاحب خلق عظیم آپ پھر بھی ان سے درگزر ہی فرماتے رہیئے اور درگزر بھی ایسی شان سے جو آپ کے خلق عظیم کو زیبا ہو۔ وہ راستہ میں کانٹے بچھائیں آپ ان کے لیے مغفرت طلب کیجئے وہ پتھر برسائیں اور آپ رحمت کے پھول نچھاور کیجئے۔

۸۷ سبع مثانی حضرات سیدنا عمر، سیدنا علی، ابن مسعود کے نزدیک سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور یہی قول حضرات قتادہ عطا حسن سعید بن جبیر سے منقول ہے امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ ام القرآن وام الکتاب والسبع المثانی۔ قال هذا حدیث حسن صحیح نیز امام بخاری نے بھی حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے ام القرآن هی السبع المثانی والقرآن العظیم۔ حضرت ابن عباس نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے انها تثنی فی الصلاة فتقرأ فی کل رکعة (قرطبی)۔ کہ اسے نماز میں بار بار پڑھا جاتا ہے اور ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ بھی مذکور ہے کہ یہ دو بار نازل ہوئی۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ طیبہ میں۔ مثانی جمع ہے اس کا واحد مثناۃ ہے جو اسم ظرف ہے یا مثنیۃ ہے جو اسم فاعل ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے حبیب مکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کی عظمت کا یہ نادان کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ہم نے تو آپ کو سورہ فاتحہ بخشی اور قرآن عظیم جیسی بابرکت کتاب مرحمت فرمائی۔

۸۸ اس نعمت عظمیٰ کے سامنے اس گنج شائیگاں کی موجودگی میں یہ دولت دنیا اس قابل ہی کب ہے کہ آپ اس کی طرف نظر التفات کریں جس کے پاس کوہ نور کا ہیرا ہو وہ کبھی کوڑیوں کی طرف دیکھتا ہے خواہ ان کوڑیوں کے ڈھیر ہی کیوں نہ لگے ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کیا ہی خوب فرمایا ہے من اوتی القرآن فرای احدا اوتی من الدنیا افضل مما اوتی فقد صغر عظیما وعظم صغیرا۔ جس شخص کو دولت قرآن بخشی گئی اور اس نے کسی دنیا دار کو دیکھا اور اس کے سیم و زر کو نعمت قرآن سے افضل خیال کیا تو اس نے بڑی بے انصافی کی۔ اس نے عظیم المرتبت چیز کو حقیر جانا اور ایک حقیر چیز کو بڑا خیال کیا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ

اور نیچے کیجئے اپنے پروں کو مومنوں کے لیے ۵۲ اور فرمائیے کہ میں تو [illegible]

الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

روشن ۵۳ جیسے ہم نے اتارا ان بانٹنے والوں پر ۵۴ جنھوں نے کر دیا تھا قرآن کو

عام انسانوں کی راہنمائی کے لیے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتنا مفید اور اطمینان بخش ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انظروا الی من ھو اسفل منکم ولا تنظروا الی من ھو فوقکم فھو اجدر ان لا تزدروا نعمۃ اللہ علیکم (مظہری) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے سے کمتر کی طرف [illegible] برتر کی طرف نہ دیکھو اس طرح جو نعمت اللہ تعالیٰ نے تم پر فرمائی تم اسے حقیر جاننے کی غلطی سے محفوظ رہو گے [illegible] ازواجاً منھم کا لفظ [illegible] صاحب لسان العرب نے لفظ زوج کے دیگر معانی بیان کرنے کے ساتھ اس کا یہ معنی بھی تحریر [illegible] النوع [illegible] الصنف من کل شیئ۔ ترجمہ [illegible] کے مطابق کیا گیا ہے۔

۵۲ اے محبوب! آپ ان نادانوں [illegible] پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔ یہ اسی قابل ہی تھے [illegible] آپ ان کے لیے غمزدہ ہوں انھوں نے از خود اپنے لیے گمراہی کا راستہ چن لیا ہے۔

۵۳ کافروں سے اعراض کرنے کا حکم [illegible] نے کا ارشاد ہو رہا ہے کہ اہل ایمان کے لیے اپنے پروں کو نیچا کریں۔ پرندے پر [illegible] ش کی جنبش کی بہت آتی ہیں اور انسان کی زحمتیں بھی سرنگوں ہو جاتی ہیں۔ ان پروں کو نیچا کیجئے تاکہ آپ کے دامن میں آپ کے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکیں [illegible] جو شخص یا ارشاد [illegible] سے اہل دل ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۵۴ النذیر کا مفعول عذاب یہ محذوف ہے کما انزلنا اسی مفعول محذوف کی صفت ہے۔

۵۵ یہ کون لوگ تھے ان کے [illegible] ولید بن مغیرہ نے حج کے دنوں میں مکہ کے مختلف [illegible] ان سے [illegible] کے متعلق بدظن کرتے اور انھیں کہتے کہ خبردار اس شخص کے فریب میں نہ آنا جس نے ہم میں سے نبوت کا دعوے کیا ہے۔ کبھی کہتے وہ تو مجنون ہے کبھی کہتے وہ تو جھوٹا ہے۔ کبھی شاعر اور کاہن بتلاتے۔ لوگوں کو کہتے کہ اگر ہماری بات پر اعتبار نہ ہو تو ولید بن مغیرہ سے پوچھ لینا جو کعبہ کا سردار ہے۔ ولید خود مسجد حرام کے دروازے پر بیٹھ جاتا۔ وہ لوگ جب اس سے ان باتوں کے متعلق دریافت کرتے تو وہ طے شدہ منصوبے کے مطابق ان کی تائید کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بڑی رسوائی موت سے دوچار کیا۔ انھیں مقتسمین اس لیے کہا گیا کہ انھوں نے راستے آپس میں بانٹ رکھے تھے۔ ہر شخص اپنے مقررہ راستہ پر بیٹھ کر حضور کے خلاف زہر افشانی کرتا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مقتسمین یہ لوگ ہیں۔ عاص بن وائل، عتبہ، شیبہ، ابوجہل، ابوالبختری، نضر بن حارث، امیہ بن خلف اور منبہ بن الحجاج۔ (قرطبی)

عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

ٹکڑے ٹکڑے ۔ پس آپ کے رب کی قسم! ہم پوچھیں گے ان سب سے ان اعمال کے متعلق جو وہ کیا کرتے تھے

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَيْنٰكَ

سو آپ اعلان کر دیجئے اس کا جس کا آپ کو حکم دیا گیا اور منہ پھیر لیجئے مشرکوں سے ۔ ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے

الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ

والوں کے شر سے بچانے کے لیے ۔ جو بناتے [illegible] کے ساتھ [illegible] پس عنقریب حقیقت حال کو جان لیں گے

یہ آیت مقتسمین کی صفت ہے ۔ عضین [illegible] کو عرب کہتے ہیں عضیت الشیٴ تعضیة
یعنی فرقتہ او کل فرقة عضة [illegible] کر دیا جائے تو ہر [illegible] کو عضة کہتے ہیں ۔ آیت کا مطلب
یہ ہے کہ جو لوگ اس آیت پر ایمان لاتے [illegible] کا انکار کر دیتے ہیں یہی کا مضمون ہے
[illegible] وکفروا بالباق اس [illegible] بعض آیات پر ہنستے تھے ۔
اے محبوب! تیرے رب کی قسم [illegible] پرسش کریں گے ۔
اے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] بیان کیجئے اور کسی کی مخالفت کی پروا نہ
[illegible] فاصدع کا معنی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تبلیغ
کیا کرتے تھے اس آیت کے نزول [illegible] تبلیغ شروع کر دی ۔
آپ کسی کافر سے خائف نہ ہوں آپ پر جو زبان طعن دراز کرے گا یا گستاخی کی جرأت کرے گا اور جو مذاق کریگا ہم خود ان کو سنبھال
لیں گے ان کا شر آپ تک نہیں [illegible] اسلام کو ختم کرنے کے
[illegible] بڑی بڑی آرزوئیں ... [illegible] یہ وہ لوگ تھے جنہیں ایسی رسوائی اور ذلت سے دوچار
[illegible] کرتی نہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد مکہ کے پانچ رئیس ہیں جو اسلام کی مخالفت اور حضور کی
[illegible] میں سب سے پیش پیش تھے ۔ ولید بن مغیرہ ۔ عاص بن وائل ۔ اسود بن مطلب ۔ اسود بن عبد یغوث اور حارث ان تمام کو اللہ تعالیٰ نے
ذلت کی موت سے ہلاک کیا ۔
مستہزءین کی صفت ہے یا مبتدا ہے اور فسوف یعلمون اس کی خبر ہے یعنی یہ مذاق کرنے والے بدبخت اور بدنصیب
تھے جو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کے علاوہ اپنے بتوں کو بھی الٰہ سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے ۔ اس آیت میں فرما
انہیں اپنی گمراہی کی پوری پوری سزا ملے گی ۔

يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

جان لیں گے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ کا دل تنگ ہوتا ہے ان باتوں سے جو وہ کیا کرتے ہیں۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿٩٨﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ

سو آپ پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں سے ۹۸ اور عبادت کیجیے اپنے رب کی

حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿٩٩﴾

یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس الیقین۔ ۹۹

۹۸ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب حساس خلق خدا کے لیے ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے لبریز تھا حضور جب اپنی قوم کی گمراہی اور اس پر ان کے اصرار کو دیکھتے تو دل بے حد بے چین ہو جاتا اور شدید قسم کی گھٹن محسوس ہونے لگتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو اس غم و اندوہ سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ تلقین فرما رہے ہیں کہ جب ان کی نافرمانی اور کجروی کے باعث آپ غمگین ہو جائیں تو اسی وقت اپنے رب قدوس کی تسبیح اور اس کی حمد میں مشغول ہو جایا کریں اور اپنا سر نیاز اس کی بارگاہ صمدیت میں جھکا دیا کریں۔ غم و اندوہ کے بادل خود بخود چھٹ جائیں گے دل کی افسردگی اور گھٹن دور ہو جائے گی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی کوئی تکلیف پہنچتی تو حضور فوراً نماز میں مصروف ہو جاتے۔ كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا حزبه امر فزع الى الصلوٰة (رواہ احمد فی مسندہ) ہم غلاموں کے لیے بھی رنج و غم سے نجات پانے کا یہی مؤثر ذریعہ ہے۔

۹۹ یقین سے مراد یہاں موت ہے یعنی اے محبوب مکرم! عبادت کا یہ سلسلہ پورے ذوق شوق کے ساتھ اس وقت تک جاری رہے، جب تک اس دار فنا سے رحلت کا پیغام نہ آجائے۔ جب تک آنکھ جھپک رہی ہے۔ نبض چل رہی ہے تیری یاد ہوتی رہے تیرے ذکر اور عبادت کا چراغ روشن رہے۔ اور بندگی کا حق بھی یہی ہے کہ تا دم واپسیں دل اپنے معبود برحق کے ذکر سے سرشار رہے۔ اللهم اعنا على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك حتى يأتينا اليقين بجاه طٰه ويٰس صلى الله تعالى عليه وآله وسلم۔

تعارف سُورۃ النّحل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورۃ کی آیت نمبر ۶۸ (واوحی ربک الی النحل الآیۃ) میں النحل کا لفظ مستعمل ہوا ہے اس لیے اس سورۃ کا نام بھی النحل رکھا گیا۔ اس کی آیات کی تعداد ایک سو اٹھائیس کلمات کی تعداد دو ہزار آٹھ سو چالیس اور حروف کی تعداد سات ہزار سات سو سات ہے۔

زمانہ نزول: یہ بھی ان سورتوں میں سے ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔

مضامین: جبل ابی قبیس کے دامن میں مکہ کا شہر ہے۔ یہاں کے بازار نوادرات عالم سے بھرے پڑے ہیں۔ اس کی منڈیوں میں مختلف اجناس کے ڈھیر لگے رہتے ہیں۔ جزیرہ عرب کا ہر آدمی یہاں کے بسنے والوں کا احترام کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ قبائل جن کا پیشہ ہی راہزنی اور قزاقی ہے وہ بھی ان کی دل سے عزت و تکریم کرتے ہیں اور ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہ شہر اتنا بارونق کیوں ہے؟ اس کے باشندوں کا اتنا احترام کیوں کیا جاتا ہے؟ اس لیے کہ اس کی خشت اول حضرت خلیل کے پاک ہاتھوں نے رکھی۔ اور یہاں کے بسنے والوں کی اکثریت آپ ہی کی نسل سے ہے۔ لیکن وہ دین جس کی اشاعت کا یہ شہر مرکز بنایا گیا تھا اور عقیدہ جو حضرت خلیل نے اپنی اولاد کو سکھایا تھا وہ ناپید ہو چکا ہے۔ کعبہ جسے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا وہاں اب تین سو ساٹھ بتوں کی پوجا پاٹ بڑی دھوم دھام سے ہو رہی ہے۔ نسل ابراہیم باقی ہے لیکن دین ابراہیم کا نام و نشان تک نہیں رہا۔

اڑھائی تین ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لاتا ہے اور صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان فرماتا ہے۔

قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا

لوگو! لا الٰہ الا اللہ کہو نجات پا جاؤ گے

مکہ کے خاموش ماحول میں ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے۔ توحید کا نعرہ بلند ہونے پر ان کا رد عمل حیرت نفرت اور عداوت کے جذبوں کا ملا جلا اظہار اب کھلم کھلا تشدد کی شکل اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے آبائی عقائد و نظریات اور رسوم کے تحفظ میں ہی اپنی بقا کا راز

مضمر سمجھتے ہیں انھیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر ان کے عقائد و نظریات پر کوئی آنچ آئی تو ان کا وجود تک مٹ جائے گا اور اپنا وجود کسے عزیز نہیں۔ اس لیے وہ ہر قیمت پر اپنے فرسودہ نظام حیات کو بچانا چاہتے ہیں لیکن اسلام کی سادگی، سچائی اور معقولیت کے سامنے ان کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی۔ دلائل کے میدان میں ان کے قدم اکھڑ چکے ہیں۔ انھیں اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا لیکن قرآن کے حسن بیان اور دل میں اترنے والے اسلوب نے انھیں مبہوت اور ششدر کر دیا ہے۔ ان کے لرزہ خیز مظالم کے سامنے اہل ایمان کی ثابت قدمی اور استقامت نے ان کی شمشیر ستم کو کند کر دیا ہے۔ ان کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ ان کی فہم و دانش کی قوتیں خود ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی تیاری کر رہی ہیں۔ اس قلبی اور ذہنی کشمکش نے ان کو کھوکھلا کر دیا ہے لیکن حق قبول کرنے کے لیے وہ کسی قیمت پر آمادہ نہیں۔ انھوں نے آنکھوں پر تعصب کی پٹی خوب کس کر باندھ لی ہے۔ طعن و تشنیع، تمسخر و استہزاء، بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کے تیروں کے سوا ان کے ترکش میں کچھ بھی نہیں رہا اور وہ انھیں بڑی مہارت سے استعمال کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا نبی مکرم اس کی مخلوق کی مخلصانہ خیر خواہی میں سرگرم عمل ہے۔ وہ بہتان تراشی اور نامعقول اعتراضات کا طوفان برپا کر کے فضا کو تاریک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حبیب انھیں قرآن کریم کی شیریں اور نور صداقت سے درخشاں آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ عداوت کا اظہار کرتے ہیں اور یہ محبت و پیار کا دامن پھیلاتا ہے۔ وہ ناروا پھبتیاں کستے ہیں اور یہ اپنے دلنواز تبسم سے ان کا دل موہ لیتا ہے۔

یہ سورۂ مبارکہ انہی حالات میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات طیبات میں ہدایت پذیری کا وہ سارا مواد موجود ہے جس کی اس وقت ضرورت تھی۔ اسلام کے جن نظریات کو کفار عقل اور مسلمات کے خلاف قرار دیتے تھے ان کو انفسی اور آفاقی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود انھیں یہ بھی صاف صاف بتا دیا کہ اگر اب بھی تم نے ضد، ہٹ دھرمی اور عقل و فہم کی خداداد صلاحیتوں کی توہین سے باز نہ آئے تو پھر دردناک عذاب کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آخر میں ان صفات کو بیان کیا جن کا کسی مبلغ اسلام میں موجود ہونا از بس ضروری ہے۔

سُورَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ ۞ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ آيَاتُهَا ۱۲۸

سورۃ النحل مکی ہے اس کی ۱۲۸ (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے) آیتیں اور ۱۶ رکوع ہیں

أَتَىٰٓ أَمْرُ ٱللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۚ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿١﴾

قریب آگیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لیے جلدی نہ کرو۔[۱] پاک ہے اللہ تعالیٰ اور برتر ہے اس شرک سے جو وہ کر رہے ہیں[۲]

[۱] حضور نبی کریم سے کفار بار بار مطالبہ کیا کرتے تھے کہ ہم آپ کو نبی برحق تسلیم نہیں کرتے تو آپ جس عذاب کی دھمکیاں ہمیں دیا کرتے ہیں وہ لے آئیے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر کام حکمت سے اور اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ ان کی اس قسم کی طفلانہ حرکتوں سے اللہ تعالیٰ کے فیصلے بدل نہیں جایا کرتے چنانچہ ہجرت سے پہلے بارہ تیرہ سال تک مکی دور میں جب مسلمانوں پر کفار کی طرف سے ایذا رسانیوں اور ستم رانیوں کی انتہا ہوتی رہی لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم انہیں برداشت کرتا رہا اور اپنے محبوب بندوں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے اور انتظار کرنے کی تلقین کی جاتی رہی۔ مکہ کو ترک کر چھوڑنے کی ساعت آ پہنچی چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کا رسول یہاں سے کوچ کرنے والا ہے اس وقت ارشاد ہوتا ہے کہ اب میرے رسول آج ان متکبروں اور سرکشوں کو تباہ و برباد کرنے کے عذاب کی گھڑی اب آن پہنچی ہے تمہارے غرور اور نخوت کو خاک و خون میں ملانے کے لیے اسلام کی شمشیر انتقام بے نیام ہونے والی ہے چنانچہ ہجرت کے بعد ابھی دو سال بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ بدر کے میدان میں آئے اور کیفر کردار کو پہنچے۔ اس کے بعد ہر آنے والی ساعت ان کے لیے شکست اور بربادی کا پیغام لے کر ہی آتی رہی۔ آیت میں الامر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت اور کفار پر غالب آنا ہے بعض کی رائے میں الامر سے مراد قیامت ہے یعنی قیامت کے برپا ہونے کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ اَتٰی کا عام معنی آ گیا ہے لیکن اہل زبان اسے دنا اور قرب کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں یعنی جب کوئی چیز جلد ظہور پذیر ہونے والی ہو تو اس کے لیے بھی اتٰی کا لفظ استعمال ہوتا ہے قال ابن عرفۃ تقول العرب اتاک الامر وھو متوقع بعد۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں لفظ اَتٰی کے ذکر کی بڑی لطیف توجیہ بیان کی ہے جس سے صرف اہل نظر ہی پوری طرح لطف اندوز ہو سکتے ہیں انہیں کے ذوق کی تسکین کے لیے ان کی عبارت نقل کر رہا ہوں۔ ان اتٰی امر اللہ وھو ما تقدم التعبیر عنہ بالماضی بیتفع فیہا ھیبۃ التعینا ففعل علیہ حرمانا ... صلی اللہ علیہ وسلم ... الذالک فی عین الجمع ... الفضل ... (روح المعانی)

[۲] استعجال کا معنی کسی چیز کو اس کے وقت مقررہ سے پہلے طلب کرنا ہے الاستعجال طلب الشیء قبل اوانہ (مظہری) کفار کو نزول عذاب کے لیے جلدی کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے جلدی تو کسی ایسے کام کے لیے کی جاتی ہے جس میں خیر و برکت ہو تباہی و بربادی کے لیے تو کسی کی آرزو کی جاتی ہے۔ وہ بڑا ہی نادان ہو گا جو اپنی بربادی کے لیے عجلت سے کام لے رہا ہو۔

[۳] بتایا اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہے وہاں کمال ہی کمال ہے کسی کمی یا کمزوری کا کوئی احتمال ہی نہیں باقی ہر چیز خواہ کتنی بڑی کتنی مفید اور کتنی پائیدار ہو وہ عیب سے خالی نہیں اگر اس کا کوئی اور عیب کسی کو نظر نہ آئے تو یہ عیب تو کسی سے مخفی نہیں کہ وہ اپنے موجود ہونے میں اپنے بنانے والے اور پیدا کرنے والے کی محتاج ہے اور جہاں احتیاج اور احتیاج ہو وہ خدا کا شریک کیسے

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

اتارتا ہے فرشتوں کو روح (یعنی وحی) کے ساتھ ۲ اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے ۳ اپنے بندوں میں سے کہ

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

خبردار کر دو لوگوں کو کہ نہیں کوئی معبود ۴ میرے سوا پس مجھ سے ہی ڈرا کرو۔ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ۵

ہو سکتا ہے۔

۲ روح سے مراد وحی ہے۔ جس طرح روح سے ہر چیز کی زندگی ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ وحی الٰہی حیات بخش ہے۔ مُردہ دلوں کو جو لوگ نزول قرآن سے پہلے بھی زندہ تھے لیکن اس روح پاک کے نزول کے بعد حجاز کے صحراؤں میں جس حسین و جمیل زندگی کے گلستان آباد ہوئے بس سے تو دنیا کی نگاہیں آشنا نہ تھیں۔

۳ کفار کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنا کر بھیجنا ہی تھا تو عبدالمطلب کے یتیم پوتے کے علاوہ اور کوئی نظر نہ آیا؟ کسی رئیس اعظم کو نبی بنایا جاتا تو لوگ اس کی باتیں دھیان سے سنتے اور اس کا کہنا مانتے۔ ان کے اعتراض کو مسترد کرنے کے لیے فرمایا کہ نبی کے انتخاب کے لیے تمہارا مقرر کیا ہوا معیار غلط ہے۔ نبی تو وہ بنتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ خود نبی بنانا چاہتا ہے۔ جسے وہ ان اوصاف اور استعدادوں سے مالا مال کر کے پیدا کرتا ہے جو بار نبوت کو اٹھانے کے لیے ضروری ہیں۔

۴ نبی کو اس لیے مبعوث نہیں بنایا جاتا جیسے جھوٹے پیروں کا شیوہ ہے۔ وہ اپنے لیے ناحق برتری کے دعوے نہیں کرتا۔ اس کی بعثت کی ایک ہی غرض ہوا کرتی ہے کہ وہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کرے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ وہی ایک خدا ہے اور انسان کو اسی کی نافرمانی اور حکم عدولی سے ڈرنا چاہیے۔

۵ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کے عقلی دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے جو اتنے واضح اور یقین آفرین ہیں کہ اگر کوئی معمولی عقل و فہم رکھنے والا بھی غور کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اسے اعتراف کرنا ہی پڑے گا۔ ذرا غور تو کیجیے زمین آسمان کا یہ کارخانہ کتنا وسیع ہے اور کتنے بے شمار پرزوں سے مرکب ہے۔ ہر پرزہ چھوٹا ہو یا بڑا اپنی اپنی جگہ پر اس خوبی سے فٹ ہے کہ نہ کوئی پیچ ڈھیلا ہوتا ہے نہ کوئی کل ادھر ادھر کھسکتی ہے اور نہ اس انجن کی رفتار میں فرق پڑتا ہے۔ ہر چیز اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ جب سے بنے ہیں یونہی چل رہی ہے۔ نہ اپنی سمت بدلتی ہے نہ اپنے مقررہ راستے سے بال برابر ادھر ادھر ہوتی ہے اور نہ اس کی چال میں فرق پڑتا ہے جس کے ذمے جو ڈیوٹی ہے وہ اسی پر چلا جا رہا ہے جسے جس چیز کا حکم ملا ہے وہ دم بخود چپ چاپ کھڑی ہیں۔ انسان اس محیر العقول کارخانہ کی پیچیدگیوں میں غور کرے تو سر چکرا جاتا ہے اور اگر حقیقت شناس نگاہ سے وہ یہ منظر دیکھے کہ ہر چیز ایک حلقہ بگوش غلام کی طرح تعمیل حکم میں مصروف ہے تو بے ساختہ اس کی زبان سے یہ نکلتا ہے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ

اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ برتر ہے ان شریکوں سے جو یہ کر رہے ہیں۔ اس نے پیدا فرمایا انسان کو

نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

نطفہ سے پھر اب وہ برملا جھگڑالو بن گیا ہے۔ نیز اس نے چوپاؤں کو پیدا کیا تمہارے لیے ان میں

فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ

گرم لباس بھی ہے اور دیگر فائدے بھی ہیں اور ان میں بعض کا گوشت تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں زیبائش و زینت بھی ہے

یہ حضرت انسان جس کے حسن و کمال کے سامنے چاند و سورج بھی نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں جس کی ہیبت سے جنگل کے شیر لرزہ براندام ہیں جس کی تسخیری قوتوں کا یہ حال ہے کہ ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں اس کی اصل کیا ہے پانی کی ایک بوند۔ یہ خاکی و علوی یہ زور و تنومندی یہ قلب اور دماغ کیا اس ایک قطرہ میں سموئے ہوئے تھے۔ جس ہستی نے اس حیرت انگیز کمال سے ان کو یوں سمیٹا اور پھر جس طرح ان کو پھیلایا اور ان کی نشوونما کی اس کے آستانہ عظمت پر سر عجز جھکایا جائے تو بجا ہے لیکن یہ انسان نہ اپنے اصل میں غور کرتا ہے اور نہ اس مربی کریم کے لطف و کرم کا اعتراف کرتا ہے بلکہ اس سے اور اس کے فرستادوں سے بات بات پر الجھتا اور جھگڑتا ہے۔ ایک دن اُبی بن خلف ایک بوسیدہ ہڈی لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کیا آپ اس ہڈی کے متعلق یہی کہتے ہیں کہ اسے پھر زندہ کیا جائے گا یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ کیونکر ممکن ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

انسان کی زندگی کی بقا کے لیے اور اس کو آرام دہ اور دلکش بنانے کے لیے جو چیزیں پیدا فرمائیں اب ان کا ذکر ہے خلقھا لکم میں لام اجلیہ ہے یعنی تمہاری خدمت گزاری اور تمہارے فائدہ کے لیے انہیں پیدا فرمایا۔

الدفء السخانة وهو ما استدفئ به من أصوافها وأوبارها وأشعارها (قرطبی) یعنی وہ حرارت جو ان کی اون وغیرہ سے بنے ہوئے ملبوسات سے تم حاصل کرتے ہو اس کے علاوہ بہت سی منفعتیں حاصل کرتے ہو ان کا دودھ پیتے ہو ان کی ہڈیاں کئی طرح سے استعمال کرتے ہو اور تو اور ان کے گوبر اور پیشاب کو بطور کھاد استعمال کر کے اپنی زراعت کو چار چاند لگاتے ہو اور ان کا گوشت کھاتے ہو۔

اس کے علاوہ جب وہ صبح سویرے چرنے کے لیے بستیوں سے باہر نکلتے ہیں اور دن بھر چرنے کے بعد کلیلیں کرتے ہوئے شام کے وقت واپس آتے ہیں تو کتنا دلکش منظر ہوتا ہے۔ وہ راستے بھی آباد دکھائی دیتے ہیں جہاں سے وہ گزر رہے ہوتے ہیں۔ بے شمار مویشیوں کو جب یوں لہلہاتے مرغزاروں کو جاتے ہوئے یا وہاں سے آتے ہوئے تم دیکھتے ہو تو جو فرحت اور طمانیت تم اپنے دل میں محسوس کرتے ہو اس کا یہی اندازہ لگاؤ۔ تم اللہ تعالیٰ کے کس کس احسان کو بھلاؤ گے اور کہاں تک ناشکری کرو گے۔

تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ

جب تم شام کو (چرا کر) انھیں گھر لاتے ہو اور جب تم صبح انکو چرانے لیجاتے ہو۔ اور (یہ جانور) اٹھالے جاتے ہیں تمھارے بوجھ ان شہروں تک جہاں

تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ

تم نہیں پہنچ سکتے مگر سخت مشقت سے ۱۲ بیشک تمھارا رب بہت مہربان (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا

اور اس نے پیدا کیے گھوڑے اور خچر [illegible] ان پر سواری کرو اور [illegible] لیے ان میں زینت ہے ۱۳ اور پیدا فرماتا ہے

لَا تَعْلَمُونَ ⑧ وَ[illegible] اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ

سو ایسی جو تم نہیں جانتے ۱۴ [illegible] تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا اور ان میں غلط راہیں بھی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ

۱۲ میدانی علاقہ ہو یا ریت کے ٹیلے ہوں۔ پہاڑ [illegible] وادیوں کا نشیب ہو۔ راستہ ہموار ہو یا قدم قدم پر گڑھے ہوں جانور تمھارے بھاری بھرکم سامان [illegible] خوشی سے چلے جا رہے ہیں۔ ذرا غور تو کرو۔ اگر تمھیں یہ خود اٹھا کر لے جانا پڑتا تو تمھیں کس دقت کا سامنا ہوتا۔ ایسے جانوروں کا بہم پہنچانا تمھارے پروردگار کی از حد شفقت اور بے پایاں رحمت کا کتنا بڑا ثبوت ہے۔

۱۳ اس کی ذرہ نوازیوں سے صرف بار برداری کے جانور ہی پیدا نہیں کیے بلکہ تمھاری سواری کا انتظام بھی فرما دیا۔ جب تم ان پر سوار ہوتے ہو تو وہ اپنی [illegible] تمھیں منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں قطع مسافت میں سہولت کے ساتھ [illegible] زینت [illegible] قابل [illegible] ایک نوجوان طرح نقرے گھوڑے پر سوار ہو تو وہ کتنا سجیلا معلوم ہوتا ہے اور اپنے آپ کو اس وقت برتری کے جس جذبہ سے سرشار پاتا ہے وہ تو بیان سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کے کن کن پہلوؤں کو آشکارا فرماتا ہے۔ یہ بات توجہ کے قابل ہے۔

۱۴ تمھاری بقا اور تمھارے آرام و آسائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے بےشمار چیزیں پیدا کی ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں جن کو تم جانتے ہو اور بعض ایسی بھی ہیں جن کی تمھیں خبر تک نہیں تم ان کا نام بھی نہیں جانتے۔ اور بفرمان ایزدی وہ شب و روز تمھاری خدمت میں مصروف ہیں واخبرنا بان لله من الخلائق ملا اعلم لنا به (بحر) اس آیت سے نقل و حرکت کے وہ ذرائع بھی مراد لیے جا سکتے ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت موجود نہ تھے لیکن بعد میں ایجاد ہوئے یا جو قیامت تک ایجاد ہوتے رہینگے یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہے۔ یہ دخانی بحری جہاز یہ طیارے اور راکٹ اور خدا معلوم ابھی اور کیا کیا بننے والا ہے۔ یہ سب اسی کی صفت رأفت و رحمت کے مظاہر ہیں۔

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ

چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اُتارا آسمان سے پانی تمہارے لیے اس میں سے

شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ

پینے کے کام آتا ہے اور اس سے سبزہ اگتا ہے جس میں تم (مویشی) چراتے ہو۔[16] اگاتا ہے تمہارے لیے اسکے ذریعہ (طرح طرح کی) کھیت

وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ

اور زیتون اور کھجور اور [illegible] اور [illegible] (علاوہ) ہر [illegible] کے پھل۔ یقیناً ان تمام

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ

چیزوں میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے اس قوم [illegible] جو غور و فکر کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مسخر [illegible] یا تمہارے لیے رات ، دِن

[15] آیت کا مطلب یہ ہے کہ راہِ راست کو دلائل و براہین [illegible] نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے۔ یہ سب اسکی مہربانی ہے اور راستے دو قسم کے ہیں۔ ایک سید ھا راستہ جو انسان [illegible] ہے۔ [illegible] وہ راستے جو انسان کو غلط سمت کی طرف لیجاتے ہیں۔ اس لیے ہر پگڈنڈی جو سامنے آئے اس پر نہیں چل پڑنا چاہیے بلکہ پہلے اچھی طرح یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کونسا ایسا راستہ ہے جو آپ کو اپنی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ یونہی کسی راستہ پر گامزن ہو جائیں پھر آپ برسوں اس پر چلتے رہیں لیکن آپ کی منزل قریب آنے کی [illegible] دور ہی ہوتی چلی جائے۔

[16] اس سے پہلے انسان اور اس کی بقا کے لیے جن اشیاء کی ضرورت تھی اُن کی تخلیق کا ذکر فرمایا۔ ان آیات میں شانِ ربوبیت کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ جس قادرِ مطلق نے [illegible] پیدا کرنے کے بعد اسے فراموش نہیں کر دیا بلکہ اس کی نشوونما کے تمام تقاضوں کو باحسن وجہ پورا فرمایا۔ سب سے پہلے پانی کا ذکر کیا کیونکہ انسانی حیوانی اور نباتاتی زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔ انسان اسے پیتا ہے اور اپنی چراگاہوں کھیتوں اور باغات کو سیراب بھی کرتا ہے۔ اسی سے چراگاہوں میں سبز گھاس اور کھیتوں میں شاداب چارہ لہلہانے لگتا ہے جو جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ اگر پانی ہی نایاب ہو جائے تو زندگی کی ساری رنگینیاں خاک میں مل جائیں۔ یہاں شجر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو زمین سے اُگتی ہے الشجر ھہنا کل ما تنبتہ الارض قالہ الزجاج اور ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ شجر سے مراد یہاں گھاس ہے۔

[17] اِن چیزوں کے پیدا کرنے سے صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کی تکمیل ہی مطلوب نہیں ورنہ کوئی ایک جنس ہی پیدا کر دی جاتی اور اس سے تمہاری شکم پُری ہوتی رہتی۔ طرح طرح کے اناج اور گوناگوں پھل پیدا فرما کر جہاں اپنی قدرت کی نیرنگیوں کی نقاب کشائی کی ہے وہاں تمہارے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور سورج اور چاند کو اور تمام ستارے بھی اس کے حکم کے پابند ہیں بیشک ان تمام چیزوں میں

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا

(قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو دانشمند ہے اور (علاوہ ازیں) جو پیدا فرمایا تمہارے لیے زمین میں (اسے بھی مسخر کر دیا) الگ الگ ہے

أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي

ان کا رنگ و روپ یقیناً اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں [14] اور وہی ہے جس نے پابند حکم

رزق لطیف کی بھی ناز برداریاں کی گئی ہیں۔ گندم کی روٹی نہیں کھانا چاہتے تو چاول حاضر ہیں پلاؤ پکا لیجئے۔ یہ بھی نہیں تو آج باجرے کا پراٹھا پکا کر تناول فرمائیے۔ کھجوریں کھا لیجئے اور اگر ان سے بھی جی بھر گیا ہے تو انگور کے خوشوں سے بہترین مرغوب توڑ کر اپنی نگاہوں اور اپنے ذائقے کی تسکین کیجئے۔ ہر ایک میں جداگانہ غذائیت کی مقدار اور ان کے الگ الگ مخصوص اثرات کا آپ جتنی گہری نظر سے مطالعہ کریں گے اتنا ہی اس کی قدرت کے مستور جلوے بے نقاب ہوتے جائیں گے اور تمہیں کہنا پڑے گا رنگ میں بو میں ذائقہ میں اور اثر میں یہ تنوع پیدا کرنا اندھی فطرت کے بس کا روگ نہیں۔ یہ کسی علیم و خبیر ہستی کی کرشمہ سازی ہے۔ اسی لیے تو فرمایا اہل فکر کے لیے ان میں ہماری قدرت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔

[12] تمہاری ظاہر پسند نظریں تو اتنا ہی سمجھتی ہیں کہ اب رات ہو گئی سونے کا وقت آ گیا اب دن چڑھ رہا ہے اب ہمیں جاگنا چاہیے۔ سورج دن کو روشنی پہنچاتا ہے اور چاند کا کام رات کو منور کرنا ہے آسمان کی نیلی چادر پر ستاروں کو اس لیے ٹانک دیا گیا ہے کہ وہ خوبصورت بن جائے تم نے کبھی شب و روز کی گردش شمس و قمر کے اثرات اور ستاروں کے مقصد کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ ان میں سے ہر چیز بڑا اہم فائدہ کی حامل ہے لیکن ان فوائد سے صرف وہی لوگ آگاہ ہو سکتے ہیں جو اپنی عقل و خرد کی قوتوں کو استعمال کرنا جانتے ہوں۔ ایسے باہمت لوگوں کو مظاہر فطرت کے ان آئینوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کے دلائل ضیا پاشیاں کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

[13] ما کا عطف بھی اللیل کے نیچے ہے۔ ذرأ کا معنی خلق (پیدا کیا) ہے۔ اس ارشاد ربانی کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سورج چاند اور ستاروں کو تمہاری خدمت کے لیے مسخر کر دیا ہے اسی طرح اس سطح زمین پر جن چیزوں کو پیدا فرمایا۔ حیوانات، نباتات، معدنیات انہیں بھی تمہارے لیے مسخر فرما دیا لیکن ان سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو عقل و فہم سے کام لینا جانتے ہوں۔ جاہلوں اور بے فکروں کے لیے تو یہ انمول خزانے بے مصرف ہیں۔ پانی میں بجلی کی حیرت انگیز قوت پہلے دنوں سے موجود تھی، کرۂ ہوائی کی موجیں تیری آواز کو آناً فاناً دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچانے کی اہلیت رکھتی تھیں۔ تیرے ریگستانوں کے نیچے پٹرول کے سمندر موجزن تھے لیکن ان سے فائدہ اٹھانا تیرا کام تھا۔ اغیار نے اپنی انتھک کوششوں اور جانفشانیوں سے ان پنہاں خزانوں

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً

کردیا ہے سمندر کو تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت اور نکالو اس سے زیور جسے تم

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ

پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ موجوں کو چیرتی جا رہی ہوتی ہیں سمندر میں تاکہ ان کے ذریعہ تم تلاش کرو اللہ تعالیٰ

کا عدیم النظیر اعلان ہے خوب صحت ہی لیکن اے حامل قرآن! تیری سہل انگاری نے تجھے مہلت نہ دی کہ تو اپنی اس کتاب کا مطالعہ کرے جس نے سب سے پہلے ان قوتوں کی تسخیر کی دعوت دی۔ تیرے تفکر والے سست اور تیرے ارادے پست ہو گئے۔ تیرے بلند ہمت اسلاف نے علم و حکمت کی جو شمعیں بلند کی تھیں اس میں بجائے اضافہ کرنے کے تو الٹا اس سے غافل ہو گیا اور اس پر اغیار نے قبضہ جما لیا۔ اب ہمت تمام اہل ہو کر تمہیں زوال سے بچنا ہے اور تجھے پتنگ بازی سے فرصت نہیں۔ کمر ہمت باندھ، مستقل مزاجی سے محنت اور جفاکشی کو اپنا شعار بنا اور آگے بڑھ کر علم و دانش اور فن و حکمت کے کارواں کی قیادت سنبھال۔ موجودہ بے دین قیادت انسانیت کو اپنے رب سے دور کر رہی ہے اور اسے ہلاکت کی طرف لیے جا رہی ہے۔ تیری مومنانہ قیادت جہاں انسانیت کے لیے امن و عافیت کی ضامن ہوگی وہاں بندے کا رشتہ اپنے رب سے استوار کرنے کا بھی باعث بنے گی۔

اس خاکدان ارضی میں اپنی عنایات کا جو بازار سجایا تھا اس سے متعارف کرانے کے بعد اپنی نوازشات کی ایک دوسری جلوہ گاہ کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ ان عظیم سمندروں کو دیکھو جن کا کوئی کنارہ نہیں۔ ان میں اٹھتی ہوئی لہروں کی بلندی کا اندازہ کرو، ان میں اٹھنے والے طوفانوں کی شدت تیز ہے لیکن سب کو پابند حکم کر دیا گیا ہے۔ اور انہی میں تمہاری خوراک کے لیے تازہ گوشت کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور ہماری قدرت کے اس اعجاز میں بھی تو غور کرو کہ مچھلی جس پانی میں جنم لیتی ہے جس میں پرورش پاتی ہے اور جو اس کی خوراک ہے وہ تو اتنا کھاری اور کڑوا ہے کہ ہونٹوں پر بھی نہیں لگایا جا سکتا لیکن کیا مچھلی کے گوشت میں اس کا ذرا اثر ہوتا ہے اور اس کی بدبو تم محسوس کر سکتے ہو ہرگز نہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے تمہاری زینت کے لیے اس میں خوبصورت موتی پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کی آب و تاب سے ستارے بھی شرما جاتے ہیں؟ دیکھو سمندر کی تہ میں ایک خوش شکل صدف میں ایک چمکدار اور قیمتی موتی تمہارے حسن کی زینت بڑھانے کو تیار ہے ہمت ہے تو آگے بڑھ کر اٹھا لو۔

سمندر بیکراں بھی اس کی گہرائی بے پایاں بھی ان میں اٹھنے والے طوفان شدید بھی اور اس کے ہیبت ناک بھی لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ہم نے ان کو حکم دیا ہے کہ تمہاری کشتیوں اور تمہارے جہازوں کو اپنے دوش پر اٹھائے اور تمہیں تمہاری منزل مقصود تک پہنچائے۔ اب تم دیکھتے ہو کس طرح تمہاری کشتیاں اور جہاز تمہیں اٹھائے ہوئے موجوں کو چیرتے ہوئے رواں دواں چلے جا رہے ہیں۔ اگر سمندر کو مسخر نہ کیا جاتا تو تم اور تمہاری تجارت اور تمہاری مصنوعات و ایجادات ملک میں ہی محصور ہو کر رہ جاتیں۔ ہم نے سمندروں کو تمہاری کشتیوں کے اٹھانے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ تمہارے کاروبار میں ترقی ہو۔ تمہاری مصنوعات اور ایجادات سے دوسرے لوگ بھی مستفید ہوں۔ مسلمانوں نے اپنے عہد عروج میں بحری راستوں میں جو کمال حاصل کیا ان کے تجارتی جہاز طویل سمندری سفر طے کر کے ایک ملک کا سامان جس طرح دوسرے

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ

کے فضل (رزق) کو تاکہ تم اس کا شکر ادا کرتے رہو٭ اور اللہ تعالیٰ نے گاڑ دیئے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین ڈول نہ جائے تمہارے ساتھ

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

اور نہریں جاری کر دیں اور راستے بنا دیئے تاکہ تم (اپنی منزل کی) راہ پا سکو ۔ اور (راستوں پر) علامتیں بنا دیں اور ستاروں کے ذریعے

يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

وہ راہ پاتے ہیں ٭ تو کیا وہ ذات جس نے سب کچھ پیدا فرمایا اس کی مانند ہو سکتی ہے جس نے کچھ بھی نہیں بنایا کیا تم اتنا بھی غور نہیں کرتے ٭

لکھ دی ہیں بیان کرتے ہیں کہ تاریخ کے طالب علم کے لیے کوئی مخفی راز نہیں ۔ اب تو یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ کولمبس کے جہاز کا ملاح بھی احمد نامی ایک مسلمان تھا۔ آیت میں یہ چیز بھی ملحوظ ہے کہ رزق کو اللہ تعالیٰ نے فضلہ یعنی اپنا فضل فرمایا ہے۔ مواخر، الماخرہ جو المخر سے مشتق ہے اور اس کا معنی ہے شق الماء عن یمین و شمال پانی کو چیرتے ہوئے دائیں بائیں پھینکتے چلے جانا۔ جب کشتی پانی کو چیرتی ہوئی آواز پیدا کرتی ہے تو کہتے ہیں مخرت السفینۃ (القرطبی)

۲۸؎ بحر و بر میں، خشکی اور تری میں، میدانوں اور پہاڑوں میں، جنگلوں اور صحراؤں میں ہر جگہ ہم نے اپنی قدرت و حکمت اور اپنے انعامات کا بازار سجا رکھا ہے تاکہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اس کا شکر ادا کرو۔

۲۹؎ جب کوئی چیز ایک جگہ جم کر کھڑی ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں رسا الشیء ثبت و رسخ ۔ اس لیے بندرگاہ کو بھی مرسیٰ کہتے ہیں کیونکہ جہاز اور کشتیاں وہاں آکر ٹھہر جاتی ہیں۔ پہاڑ بھی کیونکہ ایک جگہ جم کر کھڑے رہتے ہیں اور حرکت نہیں کرتے اس لیے ان کو بھی رواسی کہا جاتا ہے۔ تمید، مید سے ہے اس کا معنی ہے دائیں بائیں ڈولتے رہنا الاضطراب یمینا و شمالا ۔ ٹہنیاں جب ہوا کے جھونکوں سے اوپر نیچے ہوتی ہیں تو کہا جاتا ہے مادت الاغصان ۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ زمین کو جب پیدا کیا گیا تو وہ مضطرب ہو کر کبھی دائیں اور کبھی بائیں ڈولتی رہتی جس پر پہاڑ ڈال کر اس کا توازن برقرار کر دیا۔ اگر یہ بات قطعیت سے کہ زمین کی حرکت ثابت ہو جائے تو یہ آیت اس کے منافی نہیں ۔ مولانا دریابادی لکھتے ہیں ان تمید بکم سے جس حرکت ارض کی نفی مقصود ہے وہ زمین کی ڈولنے کی یا اضطرابی حرکت ہے جیسے بھونچال میں ہوا کرتی ہے۔ زمین کی عام حرکت ارض کے مسئلہ کو جو تمام تر ایک سائنسی بحث ہے قرآن مجید کی کم از کم اس آیت سے نفیاً و اثباتاً کوئی تعلق نہیں۔ (تفسیر ماجدی)

۳۰؎ دن میں سفر کرتے ہوئے تم مختلف علامات اور نشانیوں سے اپنا صحیح راستہ معلوم کرتے ہو اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور کوئی علامت نظر نہیں آتی تو پھر آسمان کے ستارے تمہاری رہنمائی کرتے ہیں۔ ان سے تمہیں اپنی منزل کا پتہ چلتا ہے۔ ستاروں سے کس طرح رہنمائی ملتی ہے اس کے لیے آپ ان لوگوں سے دریافت کریں جو لق و دق صحراؤں میں یا بے آب و گیاہ جنگلوں میں سفر کرتے ہیں یا جنہیں سمندری سفر پر جانے کا کبھی اتفاق ہوا ہو۔

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر تم شمار کرنا چاہو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تو تم انھیں گن نہیں سکو گے ؎ یقیناً اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن

اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔ اور جن لوگ پوجتے ہیں

دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوَاتٌ غَيْرُ

اللہ کے سوا دوسروں کو، وہ نہیں پیدا کر سکتے کوئی چیز ؎ بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مردہ ہیں

ع ۲/۸ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

زندہ نہیں۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ کب انھیں اٹھایا جائے گا۔ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے واحد ہے ؎

؎ یہ سب نوازشات جن کا ذکر ہو چکا اور ان کے علاوہ بے شمار عنایات جن کو احاطہ بیان میں لانا بھی مشکل ہے ان سب کو تو میرے مالک اور میرے رب نے پیدا کیا ہے۔ اے کافرو! اب تم بتاؤ کہ تمہارے ان بتوں نے بھی آخر کوئی چیز تخلیق کی ہے کہ تم نے ان کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ اور ان کی عبادت میں محو رہتے ہو۔ جب ان بتوں نے آج تک ایک مکھی بھی نہیں بنائی اور نہ بنا سکتے ہیں تو پھر خود فیصلہ کرو کہ معبود ہونے کے لائق کون ہے۔ پیدا کرنے والا خالق خدا یا تمہارے یہ بے بس اور بے جان بت۔ آخر کچھ تو سوچو۔ تمہیں تو اپنی عقل و دانش پر بڑا گھمنڈ ہے۔

؎ اللہ تعالیٰ کے انعامات بے حد و حساب ہیں۔ اگر تم کوشش بھی کرو تب بھی ان کا شمار نہیں کر سکتے۔ تمہارا فرض تو یہ ہے کہ تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو اور اس کی بندہ نوازیوں کا شکریہ ادا کرتے رہو لیکن شکر ادا کرنا تو کجا تم نے اس کی وحدانیت کا انکار کر دیا اور ان بے جان بتوں کو اس کا شریک بنا دیا۔

؎ ان اصنام کی بے بسی کو مزید بے نقاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پرستش میں یہ لگے ہوئے ہیں وہ بیچارے کوئی چیز پیدا کیا کریں گے وہ تو خود کسی خالق اور صانع کے محتاج ہیں۔ وہ تو بے جان پتھر ہیں جن میں زندگی کا نشان تک نہیں۔ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ انھیں تو اپنے انجام کی بھی خبر نہیں یعنی اموات موات لا ارواح فیها ولا تسمع ولا تبصر ای هی جمادات فکیف تعبدونها وانتم افضل منها بالحیاة (قرطبی)

؎ ان تمام دلائل کو ذکر کرنے کے بعد اصل مقصد کا اعلان فرما دیا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہی تمہارا الٰہ و معبود ہے۔ جس کی قدرت عظیم کی بے بسیت اور علم کی بڑائی اور یکتائی کے متعدد شواہد تم دیکھ چکے ہو۔ اس کے علاوہ زمین اور آسمان میں کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہاری معبود بن سکے۔ آسمان کے ملائکہ، اے محمد و مہر و ماہ! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنے محسن و منعم حقیقی کا در چھوڑ کر ان کے بجائے اپنے ادنیٰ خادموں کی چاکری بلکہ بندگی پر نازاں

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُّنكِرَةٌ وَهُم

پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر اُن کے دل منکر ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ

مغرور ہیں ۲۲ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ

بیشک وہ پسند نہیں کرتا غرور و تکبر کرنے والوں کو۔ اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے

رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ

تمہارے رب نے کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں ۳۲ (وہ یہ بد زبانی اس لئے کرتے ہیں) تاکہ اٹھائیں اپنے گناہوں کا بوجھ پورے پورے

الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا

قیامت کے دن اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے ہیں ۳۲ جہالت سے۔ سنو! کتنا برا ہے وہ بوجھ جسے وہ اپنے اوپر

کر سکے گا۔ اے مغرور سرکش! بغور دیکھ آئینہ میں اپنے جلال و جمال افروز کو تو دیکھ۔

۳۲ وہ حق کو سمجھتے تو ہیں لیکن ان کا غرور ان کو اجازت نہیں دیتا کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے حلقہ بگوش بن جائیں۔ فرمایا اگر وہ مغرور و متکبر ہیں تو اللہ تعالیٰ مغروروں اور متکبروں کی پرواہ نہیں کرتا۔ انھیں اس غرور کے نشہ میں یونہی بدمست چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کا وقت آ پہنچے اور وہ ناشاد و نامراد ابدی عذابوں میں دھکیل دیئے جائیں۔

۳۲ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا دور و نزدیک ہونے لگا تو اس امر کی تصدیق کے لیے ایام حج میں اپنے قاصد مکہ روانہ کیا کرتے جب مکہ آتے اور کسی کافر سے ان کی ملاقات ہوتی اور وہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرتے تو وہ کہتا ماشاء اللہ قرآن وہ خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ گزشتہ قوموں کی کہانیاں ہیں جو اس نے خود گھڑ لی ہیں اور سب لوگوں کو سنا کر اپنے دام تزویر میں پھنسا رہا ہے اس طرح لوگوں کو چشمہ ہدایت تک پہنچنے سے پہلے ہی بدظن کر کے واپس کر دیتا۔ اساطیر جمع ہے اسطور اور سطور کی جس کا واحد سطر ہے اس کا معنی ہے لکھی ہوئی چیز یعنی کتاب کی من گھڑت کہانیاں پرانے لوگوں کی۔

۳۲ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاتا ہے تو اس کی دعوت پر جتنے لوگ ہدایت قبول کرتے ہیں ان سب کا ثواب اسے ملتا ہے اور ان کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں ان سب کا گناہ بھی اس پر لکھا جاتا

يَزِرُوْنَ ۝ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ

وہ بوجھ ہیں اور جو حق کے خلاف مکر و فریب کیا کرتے تھے وہ لوگ جو ان منکرین سے پہلے گزرے ۳۳ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کی

الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

عمارت جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دی پس گر پڑی ان پر چھت ان کے اوپر سے اور آ گیا ان پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ

جہاں سے انہیں خیال و گمان بھی نہ تھا۔ اس کے بعد روز قیامت اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل و رسوا کرے گا ۳۴

اَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اور ان سے پوچھے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کے بارے میں تم جھگڑا کیا کرتے تھے۔ کہیں گے وہ لوگ جنہیں

الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ

علم دیا گیا ہے کہ بلاشبہ آج ہر قسم کی رسوائی اور بربادی کافروں کے لیے ہے۔ وہ کافر کہ جن کی جانیں فرشتے

بھلا ان کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

۳۳ ان سے پہلے جو کافر تھے انھوں نے بھی بہت سے انبیاء کو قتل کرنے کا اہتمام کرنے کے لیے مکر و فریب کی انتہا کر دی لیکن وہ خود ہی اپنے مکر و فریب کا شکار ہو گئے۔ یہی انجام ان کا بھی ہونے والا ہے۔

۳۴ اس دنیاوی بربادی کے علاوہ قیامت کے دن بھی انکو ذلیل و رسوا ہونا پڑیگا۔ سارے انبیاء اور ان کی امتیں جمع ہونگی یہ غریب نادار مسلمان جن کو آج یہ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ عزت و کرامت کی خلعتیں پہنے کھڑے ہونگے۔ ان سب کے سامنے ان کو شرمسار کیا جائے گا۔

۳۵ یہ لوگ جو آج نخوت و غرور کے پہاڑ بنے بیٹھے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے پوری طرح کوشاں ہیں۔ انکی کیا حالت ہوگی جب ملک الموت اپنی جماعت کے ساتھ جان نکالنے آئیگا تو سارا نشہ ہرن ہو جائیگا۔ سروں کو جھکا دینگے اور کہیں گے خدارا ہم پر اتنی سختی نہ کرو اور [illegible] ہم ان [illegible] کی تاب نہیں لا سکتے ہم تو ساری عمر [illegible] رہے ہماری کیا مجال تھی کہ ہم نافرمانی کرتے۔ جواب میں کہا جائیگا تم جو کرتے رہے اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔ تمہاری ان باتوں کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کرتوتوں کو خوب جانتا ہے۔ فالقوا السلم۔ تسلیم کر لینگے۔ مزید عزت آگئی جس وقت اکڑی ہوئی گردن جھک جائیگی۔

الْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن

قبض کرتے ہیں درآنحالیکہ وہ اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں تب وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو کوئی برا کام نہیں کیا

سُوٓءٍ ۚ بَلَىٰٓ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾ فَادْخُلُوٓا أَبْوَابَ

کرتے تھے (اہل علم جواب دیں گے) نہیں (تم بڑے بدکار تھے) بیشک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو (بُرے) کام تم کیا کرتے تھے (دوزخ کا مختار) پس داخل ہو جاؤ دروازوں میں

جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٢٩﴾ وَقِيلَ

جہنم کے (دروازوں سے) ہمیشہ رہو گے اس میں بیشک بہت برا ٹھکانا ہے غرور و تکبر کرنے والوں کے لیے اور (جب) دریافت کیا گیا

لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا

ان سے جو متقی تھے کہ کیا چیز اتارا تمہارے رب نے؟ انہوں نے کہا سراپا خیر! جنہوں نے اچھے کام کیے

فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ

اس دنیا میں بھی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بھی (ان کے لیے) بہتر ہے اور بہت ہی عمدہ ہے

یعنی جان نکلتے وقت ہی انہیں بتا دیا جائیگا کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔

مختلف گروہ وفود مختلف علاقوں سے جو مکہ میں تحقیق حال کے لیے آیا کرتے تھے ان کی ملاقات اگر کسی کافر سے ہوتی تو وہ جو جواب دیتا اس کا ذکر سابقہ آیات میں گزر چکا ہے اور اگر خوش قسمتی سے ان کی ملاقات کسی مومن سے ہو جاتی اور وہ اس سے اس کتاب کے متعلق دریافت کرتے تو وہ فوراً جواب دیتا خیرا یعنی جو کلام ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ سراپا خیر و برکت ہے اس میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔

یا تو خیرا پر اس مومن کا جواب ختم ہو گیا اور للذین احسنوا سے نیا کلام شروع ہوا یا یہ بھی جواب کا حصہ ہے یعنی یہ کتاب جو اس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اپنے عقائد اور اعمال کی اصلاح کر لیں گے ان کے لیے اس دنیوی زندگی میں بھی بہتری ہے فتح و نصرت ان کے قدم چومے گی۔ سب نیک فطرت لوگ دل سے ان کی عزت و تکریم کریں گے اور جب وہ اطاعت الٰہی کو اپنا شعار بنا لیں گے تو ان پر مکاشفات مشاہدات اور الطاف کے دروازے کھول دیے جائیں گے فتح اللہ علیہم ابواب المکاشفات والمشاهدات والالطاف (کبیر) اور قیامت کے دن ان کی جو عزت افزائی کی جائیگی اس کا تو آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

پرہیزگاروں کا گھر۔ (وہ ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے رواں ہوں گی ان کے نیچے نہریں

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣١﴾ الَّذِيْنَ

ان کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے یوں بدلہ دیتا ہے اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو۔ وہ متقی جن کی

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا

روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش و خرم ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں (اے نیک بختو!) سلامتی ہو تم پر (بصد شوق) داخل ہو جاؤ

الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ

جنت میں ان (نیک) اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ (کفار) کس کے منتظر ہیں بجز اس کے کہ آجائیں ان کے پاس (عذاب کے)

الْمَلٰۗئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

فرشتے یا آجائے آپ کے رب کا (قطعی) حکم۔ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پیشرو تھے۔

۳۲؎ پہلے کفار اور مشرکین کی وحشتناک موت کا ذکر کیا گیا تھا اب اہل ایمان و تقویٰ کی موت کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے تو انہیں ذرا گھبراہٹ نہیں ہوگی بلکہ شاداں و فرحاں اس دنیا سے روانہ ہوں گے ان کے لیے موت آج وصال یار کا مژدہ لے کر آئی ہے جس جمال جہاں افروز کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے وہ بیتاب رہا کرتے تھے آج وہ جلوہ نمائی کرنے والا ہے طیبۃ نفوسھم بالرجوع الی اللہ۔

۳۳؎ فرشتے اس وقت انہیں سلام کہیں گے جب ملک الموت ان کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے السلام علیک ولی اللہ اللہ یقرأ علیک السلام اے اللہ کے ولی! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ بھی تمہیں سلام فرماتا ہے کتنا خوش بخت ہے وہ انسان جو یہاں سے جب عازم سفر ہوتا ہو تو رحمت کے فرشتے اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہوتے ہوں اور اس پر رحمت کے پھول نثار کر رہے ہوں۔

۳۴؎ یعنی روشن دلائل نے شک و شبہ کی ساری تاریکیوں کا خاتمہ کر دیا۔ آفتاب ہدایت جگمگا رہا ہے یہ لوگ پھر کیوں ایمان نہیں لا رہے کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ موت کا فرشتہ آئے اور ان کی روح نکال کر لے جائے یا عذاب الٰہی اترے اور ان کو خاک سیاہ بنا کے رکھ دے۔ کتنے نادان ہیں یہ لوگ جو اب بھی ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور نہیں زیادتی کی تھی ان پر اللہ تعالیٰ نے بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر زیادتی کیا کرتے تھے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

پس آلگیں انہیں سزائیں ان کے بُرے اعمال کی اور گھیر لیا انہیں اس عذاب نے جس کا وہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا ع ۱۰

مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہنے لگے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو ہم عبادت نہ کرتے

مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اس کے سوا کسی اور چیز کی نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر

مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى

کسی چیز کو ایسی ہی (بیہودہ) باتیں کیا کرتے تھے ان کے پیشرو (راہ حق سے ہٹنے والے) کیا

۴۰ جب کفار توحید کے روشن دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئے اور ان بتوں کو خدا ماننے کی کوئی توجیہ پیش نہ کر سکے تو آخر کار انہوں نے اس شبہ کو سہارا دیا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہر کام خدا کے ارادہ سے متعلق ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور تم یہ بھی کہتے ہو کہ شرک کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے۔ اس کی حلال چیزوں کو حرام بنا لینے سے تو وہ اس کو باغی گردانتا ہے تو پھر وہ ہمیں شرک سے باز کیوں نہیں رکھتا۔ آج تک ہم بھی اور ہمارے آباؤ اجداد بھی شرک کرتے رہے تو اس نے ہم کو شرک کرنے کی طاقت سے محروم کیوں نہ کر دیا اور کیوں نہیں مجبور کر دیا کہ ہم اس کی توحید کا اعتراف کریں۔ اس کو جواب دیا کہ یہ بیہودہ بات تمہاری ایجاد کردہ نہیں بلکہ تمہارے پیشرو بھی جب توحید کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو جاتے تو وہ بھی اسی شبہ کی آڑ لیا کرتے۔ انہوں نے بھی رضا اور مشیت کو لازم و ملزوم سمجھ کر ٹھوکر کھائی تھی اور تم بھی اسی غلطی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ ومبنی الشبهة جهلهم ان المشيئة يلزمها الرضا وليس كذلك (الآلوسی) فطری رجحان اگر وہ چاہتا تو تمہیں مجبور کر دیتا کہ تم اس کی توحید کو قبول کرو لیکن اس طرح تو ایک کنکر میں اور ایک انسان میں کوئی امتیاز باقی نہ رہتا۔ انسان کو دوسری مخلوق پر جو شرف بخشا گیا ہے اس کی وجہ یہی تو ہے کہ وہ اپنی راہ منتخب کرنے میں آزاد ہے۔ اسے حق و باطل سمجھا دیا جاتا ہے۔ اسے ہدایت و گمراہی کی راہیں بتا دی جاتی ہیں اور پھر اسے کہہ دیا جاتا ہے کہ ان دو راہوں میں سے جس راہ کو چاہے اختیار کرے۔ انبیاء کرام کی بعثت کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیں۔ کسی کو راہ ہدایت پر چلنے کے لیے مجبور کرنا یہ ان کی ذمہ داری نہیں ہے۔

الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا

رسولوں کے ذمہ اس کے علاوہ اور بھی کچھ ہے کہ وہ صاف طور پر (حکم الٰہی) پہنچادیں۔ اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (تاکہ وہ انہیں یہ تعلیم دے)

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے سو ان میں سے کچھ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

ہدایت دی اور ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جن پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ پس سیر و سیاحت کرو زمین میں

۵۳؎ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پہلے نبی نہیں جو آ کر کوئی انوکھی بات کہہ رہے ہیں۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء تشریف لائے اور انہوں نے آکر لوگوں کو یہی دعوت دی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور گمراہی و ضلالت کے سرچشموں سے دور رہو۔ اسی میں تمہاری سلامتی ہے اور یہی فلاح کی راہ ہے۔ طاغوت طغیان سے ہے جس کا معنی سرکشی ہے۔ اب اس کا اطلاق گمراہی اور ضلالت کے ہر سرچشمہ پر ہوتا ہے کل داعٍ الی الضلالۃ (قرطبی) شیطان، کاہن، بت سب کو طاغوت کہا جاتا ہے۔

۵۴؎ انبیاء کی آمد کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرما دی اور بعض کے مقدر میں گمراہی لکھ دی۔ یہاں یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ بعض کو ہدایت کیوں دی گئی اور بعض کو گمراہ کیوں کر دیا گیا۔ اس کے متعلق بنیادی چیز یہ ہے کہ ہدایت دینا یا گمراہ کرنا محض اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے لیکن اس نے ہدایت دینے یا گمراہ کرنے کیلئے ایک اصول مقرر فرمایا ہے۔ جب انبیاء اپنی قوم کو پیغام ہدایت سناتے ہیں اور انہیں ان کی غلط روی پر ٹوکتے ہیں تو ساری قوم کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ بعض ان میں سے ایسے ہوتے ہیں جو اپنے نبی کی دعوت پر غور کرتے ہیں اور اپنے عقائد و اعمال کو عقل سلیم کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جب ان کا بطلان آشکارا ہو جاتا ہے تو وہ ان سے دست کش ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے۔ قرآن کریم میں کئی مرتبہ اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے ویھدی الیہ من اناب (رعد: ۲۷) اللہ تعالیٰ اپنی طرف اس شخص کی رہنمائی کرتا ہے جو دل سے رجوع کرے۔ دوسری جگہ ہے ویھدی الیہ من ینیب (شوریٰ) اور بعض دوسرے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء کی دعوت کو درخور اعتنا ہی نہیں سمجھتے ان کے اخلاص و ایثار کا مذاق اڑاتے ہیں حق کی روشن دلیلیں دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے اس حقیقت کو بھی قرآن پاک نے بار بار وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے ویضل اللہ الظالمین جو ظلم کی روش اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہ کر دیتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب پیدا ہوتی ہے اسے ہدایت کا انعام بخشا جاتا ہے اور جو دانستہ حق کا انکار کرے اور پیغام ہدایت کو سمجھنے کے بعد بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو اسے گمراہ کر دیا جاتا ہے۔

فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ إِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ

اور (پھر) دیکھو کس قدر عبرتناک تھا انجام (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا ۳۶؎ (اے حبیب!) آپ خواہ کتنے ہی حریص ہوں ان کے

هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ

ہدایت یافتہ ہونے پر تو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا جنہیں وہ (پیہم سرکشی کے باعث) گمراہ کر دیتا ہے اور نہیں ان کے لیے

نَاصِرِينَ ﴿٣٧﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ

کوئی مدد کرنے والا ۔ اور بڑی تاکید سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں ۳۸؎ کہ وہ زندہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو (ایک بار)

يَمُوتُ ۚ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٨﴾

مر جاتا ہے ۔ ہاں ضرور زندہ کرے گا یہ اس کا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اس پر لازم ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے (وہ اٹھائیگا)

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا

تاکہ واضح کر دے ان پر وہ بات جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور تاکہ خوب جان لیں کافر

۳۶؎ فرمایا ملک شام یمن یعنی جو لوگ جا بسے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ان کے کلام کو جھٹلاتے رہے اور معجزات کو سحر و نظر بندی کہتے رہے ان کو آخرکار تباہی سے دوچار ہونا پڑا ۔ تم مختلف علاقوں کی سیر و سیاحت کرو وہاں کے اجڑے ہوئے شہروں اور ویران کھنڈروں سے ان کی بربادی کی داستان سن لو ۔

۳۷؎ اے محبوب! آپ کی انتہائی دلی خواہش کے باوجود وہ لوگ اب ہدایت قبول نہیں کر سکتے ۔ جن کی پیہم سرکشیوں کی وجہ سے نور حق دیکھنے والی آنکھ ہی اندھی ہو گئی ہے ۔

۳۸؎ کفار بڑے وثوق سے کہتے کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قسمیں بھی اٹھاتے ۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ۔ قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں تمہاری قبروں سے ضرور اٹھا کر اس کے روبرو پیش کیا جائے گا ۔ یہاں اس کی دو دلیلیں ذکر کی گئی ہیں ۔ پہلی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت آئے گی اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے ۔ نیز حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ یہاں اس دنیا میں تو ہر فرد اور ہر شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حق اس کی طرف ہے یہاں تک کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں لیکن سینکڑوں ہزاروں بتوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حق کے اجارہ دار صرف وہی ہیں ۔ دنیا میں تو اس کا تصفیہ ہو نہیں سکتا اس لیے کوئی ایسا دن ضرور آنا چاہیے جب کہ حق و باطل میں کلی امتیاز ہو جائے یہاں تک کہ باطل کے علمبردار بھی تسلیم کر لیں کہ حق وہ ہے جو نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلاموں نے اختیار کیا ۔ ولیعلم الذین کفروا میں یہی بیان فرمایا کہ کافروں کو بھی یقین ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے اور جس نظام

أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ

کہ بلاشبہ وہی جھوٹے تھے۔ ہمارا فرمان کسی چیز کے لیے جب ہم ارادہ کرتے ہیں اس کے پیدا کرنے کا فقط اتنا ہے کہ

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا

ہم اسے حکم دیتے ہیں کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے اس کے بعد کہ ان پر (طرح طرح کے)

ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ

ظلم توڑے گئے تو ہم ضرور ان کو دنیا میں بھی بہتر ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٤٢﴾

ہے کاش! یہ جان لیتے جنہوں نے (مصائب) میں صبر کیا اور (مشکلات میں) اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔

ع

حیات کو وہ اپنائے رہے وہ سراسر باطل تھا۔

ف۱ کفار وقوع قیامت کے اس لیے منکر تھے کہ ان کے نزدیک ایسا ہونا ناممکن ہے۔ انہیں بتا دیا گیا کہ قیامت بپا کرنے والا ان جیسا کوئی انسان نہیں ہے جس کا علم بھی محدود ہو اور قدرت بھی ناقص ہو بلکہ قیامت کا وقوع اس خداوند ذوالجلال کے حکم سے ہوگا جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے کن کہنے کی دیر ہوتی ہے کہ ہر چیز موجود ہو جاتی ہے۔ آیت میں شیئی سے مراد وہ چیز ہے جو گو موجود نہ تھی علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے ورنہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی۔ قال بو لا تسمیۃ او تعلقا الشیء المعلوم عند اللہ تعالٰی الحق (قرطبی)

ف۲ منکرین قیامت کے ذکر کے بعد اب فرزندان اسلام کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ جو محض ایمان لانے کے جرم کی پاداش میں قوم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے یہاں تک کہ انہیں ان کے گھروں سے بھی نکال دیا گیا۔ ہم ان کی اس قربانی اور ایثار کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔ بلکہ اس دنیا میں بھی انہیں بہترین رہائش گاہ ملے گی۔ مدینہ طیبہ جیسی پاک بستی ان کا مسکن ہوگا۔ فتح و نصرت ان پر سایہ فگن ہوگی۔ یہی ظالم مغلوب و مقہور ہو کر ان کے سامنے پیش ہوں گے۔ رہتی دنیا تک ان کی للہیت و ایثار اور جانفروشی کے تذکرے ہوتے رہیں گے۔ حلال و پاکیزہ رزق انہیں عطا فرمایا جائے گا اس کے علاوہ دار آخرت میں ان کی جو عزت افزائیاں اور سرفرازیاں ہوں گی ان کا تو یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی مہاجر کو اس کا سالانہ وظیفہ دیتے تو فرماتے خذ بارك الله لك فيه هذا ما وعدك الله في الدنيا وما ذخر لك في الآخرة افضل ثم تلا هذه الآية یعنی یہ لو اللہ تعالیٰ اسے بابرکت کرے۔ یہ تو وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے دنیا میں دینے کا وعدہ کیا ہے اور جو چیز تمہیں آخرت میں دی جائے گی وہ تو اس سے بہت افضل ہے پھر آپ یہ آیت پڑھتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ

اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر مگر مردوں کو ہم وحی بھیجتے ہیں انکی طرف پس دریافت کرو اہل

الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ

علم سے اگر تم خود نہیں جانتے (پہلے رسولوں کو بھی ہم نے) روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور (اسی طرح) ہم نے نازل کیا آپ پر

الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴

یہ ذکر تاکہ آپ کھول کر بیان کریں لوگوں کے لیے وہ (ہدایت) جو نازل کیا گیا ہے ان کی طرف تاکہ وہ غور و فکر کریں ۳؎

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ

کیا بے خوف (اور نڈر) ہو گئے ہیں وہ لوگ جنھوں نے برے مکر کیے کہ (مبادا) گاڑ دے اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں

۱؎ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تسلیم نہیں کرتے تھے اور دلیل یہ پیش کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ کسی بشر کو اپنا رسول بنا کر بھیجے۔ اگر اسے کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو اس کے پاس فرشتوں کی کیا کمی تھی۔ کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیج دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ہمارا یہی دستور ہے کہ جب ہم انسانوں کی طرف کوئی نبی بھیجتے ہیں تو انھیں میں سے کسی مرد کو اس خدمت پر مامور فرماتے ہیں۔ آپ کوئی پہلے نبی تو نہیں۔ آپ سے پہلے بھی ہمارے انبیاء تشریف لاتے رہے وہ سب کے سب نوع انسان کے فرد تھے۔ اے کفار! اگر تم اس مسئلہ کی مزید تحقیق کرنا چاہو تو کسی صاحب علم سے پوچھ لو وہ تمھیں بتائے گا کہ نبی کی بعثت کا مقصد اتمام تفہیم ہے اور یہ مقصد تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب کہ نبی بھی انسان ہو۔ ایک فرشتہ پیغام خداوندی تو پہنچا سکتا ہے لیکن نبی کے فرائض کو انجام دینا اس کے بس میں نہیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کو اگر کسی چیز کا علم نہ ہو تو وہ اہل علم کی طرف رجوع کرے۔

۲؎ یہ ارسلنا کے ساتھ متعلق ہے کہ جو انبیاء بھیجے تھے انھیں دلائل سے بھی تائید کیا گیا اور انھیں کتابیں بھی دی گئیں۔ زبر کا واحد زبور ہے۔ اس کا معنی کتاب ہے۔

۳؎ اس آیت طیبہ سے واضح ہوا کہ ہمارے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کا صحیح علم اپنے رسول کو عطا فرمایا اور اس کے معانی و مطالب کے بیان، اس کے اجمال کی تفصیل اور اوامر و نواہی کی وضاحت کا منصب فقط اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تفویض کیا۔ اس لیے قرآن کریم کی جو تفسیر و تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی وہی قابل اعتماد ہے۔ کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے فہم و خرد پر بھروسہ کر کے کسی آیت کی ایسی تاویل کرے جو ارشاد رسالتمآب کے خلاف ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فالرسول صلی اللہ علیہ وسلم مبین عن

أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٤٥﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ

یا آجائے ان پر عذاب اس طرح کہ (ان کو اس کی آمد کا) شعور ہی نہ ہو سکے یا پکڑ لے انہیں جب وہ

فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿٤٦﴾ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ

اپنے کاروبار میں دوڑ دھوپ کر رہے ہوں پس نہیں وہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے یا پکڑ لے انہیں جبکہ وہ خوف زدہ ہو چکے ہوں

الله عز وجل مراده بما أنزله في كتابه من أحكام تنزيله وآي كتابه وغير ذلك مما لم يفصله۔

۱؎ یہ کفار جو اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سازشیں کرنے میں اتنے مصروف ہیں کہ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہیں۔ یہ اتنے مطمئن اور غافل کیوں ہیں کیا انہیں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ اگر ان کی سرکشیوں اور بداعمالیوں کے باعث غضب الٰہی جوش میں آگیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ زمین شق ہو اور یہ اس میں غرق کر دیے جائیں۔ یا جب وہ تجارت کے لیے یہاں سے وہاں سفر کر رہے ہوں اور رنگ رلیاں منا رہے ہوں۔ تو انہیں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیا وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اگر عذاب الٰہی آیا تو وہ کوئی ایسا گوشہ عافیت تلاش کر لیں گے جہاں وہ محفوظ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ سراسر ان کی نادانی ہے۔ انہیں خدا کے عذاب سے اتنا بے پرواہ اور غافل نہیں ہونا چاہیے۔

۲؎ تخوف کا ایک معنی تو یہ ہے کہ پہلے عذاب کی نشانیاں نمودار ہوں جن سے وہ خوف زدہ ہو جائیں اور پھر ان پر عذاب آئے جو ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے۔ اس کے علاوہ اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ تخوف کا معنی تنقص ہے یعنی پہلے انہیں کاروبار میں نقصان ہوتا ہے کھیتی باڑی سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ بیماری اور تنگی شروع ہو جاتی ہے صحت بگڑنے لگتی ہے۔ تندرست و توانا جسم گھل گھل کر لاغر و نحیف ہو جاتا ہے۔ اس طرح جب ان کی معیشت اور زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے تو اچانک عذاب الٰہی کا طوفان آتا ہے اور انہیں جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے پوچھا اے لوگو! اَوْ یَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ کا کیا مطلب ہے۔ سب خاموش ہو گئے۔ بنی ہذیل کا ایک بوڑھا شخص وہاں تھا اس نے عرض کی اے امیر المومنین! یہ ہماری لغت ہے۔ یہاں التخوف کا معنی التنقص ہے یعنی آہستہ آہستہ کسی چیز کا گھٹتے چلے جانا۔ آپ نے پوچھا کیا یہ لفظ اس معنی میں عرب کے شعراء نے بھی استعمال کیا ہے۔ وہ بولا جی ہاں ہمارا شاعر ابو کبیر ہذلی اپنی اونٹنی کے متعلق کہتا ہے جس کی اونچی کوہان کو سفر کی طوالت نے لاغر کر دیا تھا ؎

تخوف الرحل منها تامكا قردا ٭ كما تخوف عود النبعة السفن

کہ پالان نے اس کی موٹی تازہ اونچی کوہان کو گھسا گھسا کر کم کر دیا ہے جس طرح نبع درخت کی لکڑی کو گھسانے والا آلہ گھسا گھسا کر پتلا کر دیتا ہے۔ یہ شعر سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ لوگو جاہلیت کے اشعار یاد کیا کرو۔ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی ہیں۔ (قرطبی)

فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٧﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن

پس بیشک تمہارا رب بہت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۴۷ کیا انھوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنھیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے

شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ

کہ ڈھلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس حال میں

دَاخِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کہ وہ عاجزی کر رہے ہیں ۴۸ اور اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ۵۰

ف۴۷ یعنی تمہیں اتنی ڈھیل جو دی جا رہی ہے اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ درست ہے یا تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے شاید تم باز آجاؤ شاید تم سمجھ جاؤ۔

ف۴۸ یعنی تمام وہ چیزیں جن کو تم بے جان اور بے شعور سمجھتے ہو وہ تو اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہیں۔ حیرت ہے تم پر کہ زیرک اور باشعور ہوتے ہوئے تم اپنے رب کی نافرمانی میں مست ہو۔ یہاں چند الفاظ غور طلب ہیں۔ یمین کو واحد اور شمائل کو جمع کیوں ذکر کیا گیا؟ دونوں واحد ہوتے یا دونوں جمع ہوتے۔ نیز ظلالہ کی ضمیر کا مرجع "ما" ہے اور یہاں ضمیر واحد ہے اور سجدًا اسی ما کا حال ہے لیکن وہ جمع ہے اور ھم کی ضمیر کا مرجع بھی "ما" ہے اور وہ بھی جمع ہے۔ آخر اس اختلاف کی کیا وجہ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "ما" کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک اس کا لفظ ہے دوسرا اس کا معنی اور مدلول ہے۔ لفظ کے اعتبار سے یہ واحد ہے اور معنی اور مدلول کے اعتبار سے یہ جمع ہے۔ ظلالہ کی ضمیر کا مرجع "ما" کا لفظ ہے اس لیے ضمیر واحد ذکر ہوئی اور سجدًا کا ذوالحال اور ھم کا مرجع اس کا لفظ نہیں بلکہ اس کا معنی اور مدلول ہے اور وہ جمع ہے اس لیے یہاں حال بھی جمع اور ضمیر بھی جمع کی استعمال ہوئی۔ اسی طرح یمین کو واحد ذکر کرتے وقت ما کے لفظ کا لحاظ کیا اور شمائل کے وقت اس کے معنی کو پیش نظر رکھ کر جمع کا لفظ استعمال کیا اور علامہ قرطبی نے یہ لکھا ہے کہ عن الایمان والشمائل (جب دونوں جمع) عن الیمین والشمائل (پہلا واحد اور دوسرا جمع) عن الیمین والشمال (دونوں واحد) عن الایمان والشمال (پہلا جمع دوسرا واحد) یہ ساری ترکیبیں درست ہیں اور اہل زبان انکو اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ (قرطبی)

ف۴۹ الدخور الصغار والذل عاجزی اور درماندگی۔

ف۵۰ یعنی بے شعور اور بے جان سائے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی ہر چیز بلا استثناء اس کی بندگی کا حلقہ کانوں میں لٹکائے اور اس کی عبودیت کا طوق اپنے گلے میں ڈالے اس کی بارگاہ صمدیت میں سربسجود ہے اور ملائکہ کی اطاعت کا تو یہ عالم ہے کہ وہاں تکبر و سرکشی کا شائبہ تک نہیں۔

مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ يَخَافُوْنَ

یعنی ہر قسم کے جاندار اور فرشتے اور وہ غرور و تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے

رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَقَالَ

رب کی قدرت سے ۴۸ اور کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے

اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ

نے فرمایا نہ بناؤ دو خدا ۴۹ وہ تو صرف ایک ہی خدا ہے (اس نے فرمایا)

فَارْهَبُوْنِ ﴿٥١﴾ وَلَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ

بس فقط مجھ سے ہی ڈرا کرو اور اسی کے ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۵۰ اور اسی کی تابعداری اور اطاعت

وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ

لازمی ہے ۵۱ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں سے ڈرتے ہو اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں

۴۸ علامہ قرطبی اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یخافون قدرة ربهم التی هی فوق قدرتهم ففی الکلام حذف۔ یعنی وہ اپنے رب کی قدرت سے خائف ہیں جو ان کی قوت سے بالا اور ارفع ہے۔ اس کلام میں یہ الفاظ محذوف ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب انھوں نے یہ لکھا ہے کہ یخافون عقاب ربهم و عذابه یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب و عقاب سے ڈرتے ہیں جو اوپر سے نازل ہوتا ہے۔

۴۹ دو خداؤں کی نفی سے تعدد کی نفی مطلوب ہے۔ یعنی وہ ایک ہی ہے دو نہیں اور جب دو نہیں جو کثرت اور تعداد کا ادنیٰ درجہ ہے تو اس سے زیادہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ توحید الٰہی کے روشن دلائل سن لینے کے بعد کسی دوسرے کو خدا سمجھنا انتہائی حماقت ہے۔ چہ جائیکہ سینکڑوں معبود گھڑ لیے جائیں اور ان کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمھیں اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔

۵۰ ہر چیز اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے۔ اس کا شریک تو وہ ہو جس کو اس نے پیدا نہ کیا ہو۔ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرانا اور اس کا مدمقابل مان لینا تو انتہائی کم نگاہی اور جہالت کے علاوہ اور کیا ہے۔

۵۱ دین سے مراد اطاعت و اخلاص ہے۔ وَاصِب کا معنی ہمیشہ ہے۔ جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں وصب الرجل علی الامر اذا واظب علیه (قرطبی) معنی یہ ہے کہ اسی کی اطاعت و فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لازم ہے۔

ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ﴿٥٣﴾ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ

پھر جب تمھیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو ١١١ پھر جب اللہ تعالیٰ دور فرما دیتا ہے تکلیف کو

عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا

تم سے تو فوراً ایک گروہ تم میں سے اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے ١١٢ اس طرح وہ ناشکری کرتے ہیں

آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ

ان نعمتوں کی جو ہم نے انھیں عطا کی ہیں۔ پس (اچھا) لطف اٹھا لو چند روز ١١٣ آخر تمھیں (اپنا انجام) معلوم ہو جائیگا اور مقرر کرتے ہیں ان کے لیے

نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

جنکو جانتے ہی نہیں حصہ اس مال سے جو ہم نے انھیں دیا ہے ١١٤ خدا کی قسم! تم سے ضرور باز پرس ہوگی اسکے متعلق جو تم بہتان باندھا کرتے ہو۔

١١١ عجیب بات ہے کہ جن نعمتوں سے تم لطف اندوز ہو رہے ہو اور فائدہ اٹھا رہے ہو وہ تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہر دم اس کا شکر بجا لاتے رہتے لیکن تم الٹے اکڑ جاتے ہو اور نافرمان بن جاتے ہو تمھیں وہ کریم یاد ہی نہیں رہتا لیکن جب چاروں طرف سے مصیبتیں گھیرا تنگ کر لیتی ہیں تو ہر طرف سے مایوس ہو کر پھر اسی کے حضور گڑگڑانا شروع کر دیتے ہو بات تو تب تھی کہ اب بھی اکڑے رہتے اور اس کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوتے۔ تجئرون جأر جؤارا ای صاح یعنی جأر یجأر جؤارا جأر الرجل الی اللہ ای تضرع بالدعاء۔ تجئرون کا معنی رونا اور گڑگڑانا۔

١١٢ جب وہ تمھاری فریاد کو قبول کرتا ہے اور تمھاری گڑگڑاہٹ پر رحم فرما کر تمھاری مصیبتوں کو دور کر دیتا ہے تو پھر تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو اور شرک کرنے لگتے ہو۔

١١٣ انھیں ڈھیل دی جا رہی ہے اور کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے غائب کی جگہ خطاب کا صیغہ استعمال فرمایا جا رہا ہے کہ ناشکر گزارو، احسان فراموشو! چند روز مزے اڑا لو، ابھی تمھیں اپنی حیثیت معلوم ہو جائیگی ہم سے بچ کر کہاں جاؤ گے۔

١١٤ لما لا یعلمون کا فاعل بت بھی بن سکتے ہیں اور کفار بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے ان بتوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔ نہ انھیں اس حصہ کی خبر ہوتی ہے اور نہ حصہ دینے والوں کا علم ہوتا ہے۔ دوسری صورت میں آیت کا معنی ہوگا کہ کفار ان چیزوں کے لیے حصہ مقرر کرتے ہیں جن کی حقیقت کا انھیں علم نہیں۔ یہ انھیں اپنا معبود اور الٰہ یقین کر لیتے ہیں حالانکہ وہ بے بس اور بے جان مجسمے ہیں۔ نیز وہ ان کو اپنا نافع خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے چہ جائیکہ کسی غیر کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکیں۔ اس آیت کا مفصل مضمون سورۂ انعام میں گزر چکا ہے (الانعام آیت ١٣٦ ملاحظہ ہو)۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا

اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں سبحان اللہ! اور اپنے لیے تو وہ بیٹے ہیں جنھیں وہ پسند کرتے ہیں اور جب

بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں اندوہ سے بھر جاتا ہے۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ أَيُمْسِكُهٗ عَلٰى

چھپتا پھرتا ہے لوگوں (کی نظروں) سے اس بری خبر کے باعث جو دی گئی ہے اسے (اب یہ سوچتا ہے کہ) کیا (وہ) اس

۵۷؎ خزاعہ اور کنانہ کے قبیلوں کا یہ اعتقاد تھا کہ فرشتے نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ سبحانہ سے اس کی تردید کر دی گئی کہ وہ اولاد سے پاک ہے۔ اُسے نہ بیٹے کی ضرورت ہے اور نہ بیٹی کی۔ لیکن ان کے اس عقیدہ کی قباحت کو ایک اور طرح سے بھی واضح کر دیا کہ بھلے مانسو! اپنے لیے تو تم ایک بیٹی بھی پسند نہیں کرتے۔ خود تو چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے ہی بیٹے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے حصہ میں تم نے سب بیٹیاں ہی ڈال دی ہیں۔ کیا حماقت ہے کتنی کم فہمی ہے۔

۵۸؎ کفار کی یہی حالت تھی جب ان کے ہاں بچی پیدا ہوتی تو گھر میں صف ماتم بچھ جاتی۔ باپ کا چہرہ فرط غم سے سیاہ پڑ جاتا۔ عار اور شرم کے مارے وہ لوگوں کی نظروں سے چھپا چھپا رہتا۔ مضر، خزاعہ اور تمیم کے قبائل تو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تاکہ کوئی ایسا آدمی ان کا رشتہ طلب نہ کرے جو ان کی کفو سے نہ ہو یا وہ فقر و افلاس سے خستہ حال نہ ہوں۔ ان کا دستور تھا کہ جب بچی کی عمر چھ سال ہو جاتی تو باپ جنگل میں جا کر اس کے لیے ایک گڑھا کھدواتا۔ پھر بچی کی ماں کو حکم دیتا کہ اسے غسل کراؤ اور خوبصورت جوڑا پہناؤ۔ پھر وہ اسے لے کر جنگل کی طرف چل پڑتا۔ اس گڑھے کے کنارے پر پہنچ کر جگر کو کڑا کر کے کہتا۔ دیکھو نیچے کیا ہے۔ جب وہ جھکتی تو اُسے دھکا دے کر اس میں گرا دیتا۔ وہ معصوم ابا ابا کہہ کر چیختی چلاتی رہتی اور یہ سنگدل مٹی اس پر ڈال کر بند کر دیتا۔ اس طرح صنف نازک کے ساتھ ظلم روا رکھا جاتا۔ معصوم بچیوں کا گلا گھونٹ دیا جاتا اور کوئی ان کی بے بسی پر توجہ نہ دیتا۔ یہ تو اسلام کی برکت تھی اور حضور کی پاکیزہ تعلیم تھی جس نے عورت کو بلند مقام پر فائز کیا اور بچیوں کے بارے والدین کے دل میں محبت، شفقت اور فدائیت کے جذبات کی تخم ریزی کی۔ حضور کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ قال النبی ﷺ من ابتلی من البنات بشیء فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار۔ یعنی جس آدمی کے ہاں بچیاں پیدا ہوئیں اور اس نے ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا تو وہ اس کے لیے عذاب جہنم سے آڑ بن جائیں گی۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو وضم اصابعہ۔ یعنی جس نے دو بچیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں وہ قیامت کے دن آئے گا اور میں اور وہ اس طرح ہوں گے۔ یہ فرماتے ہوئے حضور نے اپنی انگلیوں کو ملا لیا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ من کانت لہ بنت فادبھا فاحسن

هُونٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۗ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾

بچی کو اپنے پاس رکھے ذلت کے ساتھ یا گاڑ دے اسے مٹی میں آہ! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں ٹ

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ

ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری صفتیں ہیں ٹ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ صفات کا

الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ع ٧ ١٢

مالک ہے ٹ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور اگر (فوراً) پکڑ لیا کرتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم کے باعث

مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی جاندار کو ٹ لیکن وہ مہلت دیتا ہے انھیں ایک مقررہ میعاد تک۔

فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

پس جب آجاتی ہے ان کی (مقررہ) میعاد تو نہ وہ ایک لمحہ پیچھے ہو سکتے ہیں اور نہ آگے ہو سکتے ہیں۔

ادبہا وعلمہا فاحسن تعلیمہا واسبغ علیہا من نعم اللہ التی اسبغ علیہ کانت لہ سترا او حجابا من النار یعنی جس کی ایک بچی ہو اور وہ اس کی تربیت کرے اور اچھی تعلیم دے اور اسے علم کے زیور سے آراستہ کرے اور جو انعامات اللہ تعالیٰ نے اس پر کیے ہیں وہ اس نے اس بچی پر بھی کیں تو وہ بچی آتش جہنم سے اس کے لیے پردہ ہوگی۔ (قرطبی)

ٹ یعنی اللہ تعالیٰ میں کیسی خوبیاں ہیں کتنی بلندی افزا ہیں۔

ٹ اس کا معنی صفۃ السوء یعنی بری صفت مقصد یہ ہے کہ افلاس کے خوف سے یا بیٹی کے ننگ سے اپنی معصوم بچیوں کو اس بیدردی سے زمین میں زندہ گاڑ دینا کتنی بڑی سنگدلی اور حماقت ہے کیا انہیں خبر نہیں کہ روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہے جس نے بچی کو دنیا میں بھیجا ہے وہی اس کے رزق کا بھی ضامن ہے ۔ تمہاری بچیوں کا بھی وہی رزاق ہے۔ جہالت میں اپنی اولاد کو پیدا ہوتے ہی زندہ گاڑ کر تم انسانی سنگدلی کا مظاہرہ کر رہے ہو۔

ٹ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ نہ وہ تمہاری طرح اولاد کا محتاج ہے اور نہ وہ تمہاری طرح بے رحم اور سنگدل ہے۔ وہ ذاتی بے نیاز، خلاق اور جملہ صفات کمال علم، قدرت، حکمت وغیرہا۔

ٹ لوگ جس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں عجلت سے کام لیتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بھی اتنی جلدبازی سے کام لے کر ان کو ان کے گناہوں کی سزا دیتا تو زندگی کا نام ونشان بھی کہیں باقی نہ ہوتا۔ یہ ساری دنیا اجاڑ اور ویران ہو جاتی لیکن وہ تو بڑا کریم ہے وہ بیشک غفور ودرگزر سے ہی کام لیتا ہے تم گناہ کرتے ہو وہ چشم پوشی فرماتا ہے تم غلطیاں کرتے ہو اور وہ معاف فرماتا ہے اور اس کی عفو ودرگزر کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ

اور تجویز کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے (بیٹیاں) جنھیں وہ (اپنے لیے) ناپسند کرتے ہیں اور بیان کرتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ (کہ) بے شک

لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۖ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُم مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾ تَاللَّهِ

انھیں کے لیے بھلائی ہے یقیناً ان کے لیے تو آتش (جہنم) ہے اور انھیں کو (دوزخ میں) پہلے بھیجا جائیگا۔ بخدا ہم

لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

نے بھیجے ہیں (رسول) مختلف قوموں کی طرف آپ سے پہلے پس آراستہ کر دیا ان کے لیے شیطان نے ان کے (برے) اعمال کو

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ

پس وہی ان کا دوست ہے آج بھی (تھا) اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔ اور نہیں اتاری ہم نے آپ پر

الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً

یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ صاف صاف بیان کر دیں ان کے لیے وہ بات جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور (یہ کتاب) سراپا ہدایت اور

جب تک وہ مقررہ وقت آ جاتا ہے اس کے بعد پھر کسی تقدیم یا تاخیر کی گنجائش نہیں رہتی۔

۶۲؎ یعنی ان مشرکین کے ڈھنگ بھی نرالے ہیں جب یہ بزعم خود تقسیم کرتے ہیں تو ردی اور خسیس چیز جس سے وہ نفرت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہوتا ہے اور جو اچھی اور عمدہ چیز ہو اسے وہ اپنے لیے چن لیتے ہیں۔ بیٹیاں اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے ان کے لیے۔ کہاں اللہ تعالیٰ کے نام کا اور مرتبہ اور ان کا اپنا مرتبہ اس قسم کی بیسیوں حماقتیں ہیں جو ان سے آئے دن سرزد ہوتی رہتی ہیں۔

۶۳؎ وہ کہتے ہیں اگر بفرض محال اس نبی کی بات سچی بھی ہوئی اور قیامت آ بھی گئی تو جنت ہمارے ہی حصہ میں آئے گی اور اس دن بھی دنیا کے عیش و عشرت اور محرومیاں انھیں بے نواؤں کے لیے مخصوص کی جائیں گی جو آج اپنے آپ کو جنت کی نعمتوں کا وارث خیال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بکواس ہے جھوٹ بول رہے ہیں ان کے لیے تو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ ہے اس میں قیامت کے دن انھیں پھینک دیا جائیگا ان بدبختوں کو جنت اور نعیم جنت سے کیا واسطہ۔ مفرطون کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں لیکن مجھے قتادہ کا قول زیادہ پسند ہے ای معجلون الی النار اور اسی کے مطابق میں نے ترجمہ کیا ہے۔

۶۴؎ دنیا میں وہ شیطان کے چیلے بنے رہے نہ انھوں نے اپنے خدا کو پہچانا اور نہ اس کے رسول کریم سے تعلق جوڑا۔ آج قیامت کے دن وہ جائیں اور ان کا پیشوا ابلیس اسے ہی جا کر کہیں وہ انھیں عذاب الٰہی سے چھڑائے۔

لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

رحمت ہے اس قوم کے لیے جو ایمان لاتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی پھر زندہ کیا اس سے

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع

زمین کو اس کے بنجر بن جانے کے بعد۔ بیشک اس میں کھلی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو (حق کی آواز) سنتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ

اور بیشک تمہارے لیے مویشیوں میں ایک عبرت ہے ہم پلاتے ہیں تمہیں اس سے جو ان کے شکموں میں ہے

بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَمِنْ

گوبر اور خون سے ان کے درمیان سے نکال کر خالص دودھ جو بہت خوشگوار ذائقہ ہے پینے والوں کے لیے اور ہم پلاتے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنی ایک اور نعمت جلیلہ یاد دلا کر اس میں غور کرنے کا ارشاد فرماتے ہیں۔ ایک جنس جو خوراک کھاتی ہے وہ سب اس کے حلق سے اتر کر اس کے معدہ میں چلی جاتی ہے بعد ازاں وہاں بھی چھلنیاں ہیں جو خوراک کو جسم کے مختلف حصوں سے گزارتی ہیں لیکن اس کا کچھ حصہ گوبر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ خون بن کر جسم کے تمام اعضاء میں پہنچ جاتا ہے اور اس تقسیم میں بھی یہ حکمت ملحوظ ہے کہ ہر عضو کو خون کی اتنی مقدار ہی بہم پہنچائی جاتی ہے جتنی اس کو ضرورت ہوتی ہے لیکن خون اور گوبر کے علاوہ وہیں ایک اور چیز بھی اس خوراک سے بنتی ہے جو رنگ بو اور ذائقہ میں وہ ان دونوں چیزوں سے مختلف ہوتی ہے وہ ہے سفید دودھ۔ آپ کوشش سے سونگھ کر دیکھیں اس میں گوبر کی بو کا شائبہ تک نہیں ہے غور سے دیکھیے کیا اس میں خون کی ہلکی سی سرخی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کون ہے جو اس طرح کی چیزوں میں سے ایسی پاکیزہ صاف چیز کشید کرتا ہے اور وہ اتنی لذیذ اور خوش ذائقہ ہے کہ خود بخود حلق سے نیچے اترتی چلی جاتی ہے۔ ہر چیز اپنے خالق کی حمد و ثنا میں مصروف ہے لیکن اے انسان تو بھی اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے کریم پروردگار کو بھی بھول گیا اور شرک پر بڑی جرأت سے آمادہ رہتا ہے۔ آیت میں الانعام سے مراد دودھ دینے والے مویشی ہیں بطونہ کی ضمیر کا مرجع الانعام ہیں۔ قاعدہ کے لحاظ سے تو یہ چاہیے تھا کہ فی بطونها ہوتا کیونکہ الانعام جمع ہے لیکن علمائے نحو نے لکھا ہے کہ لفظ انعام مفرد ہے سیبویہ نے اسے ان مفردات میں شمار کیا ہے جو افعال کے وزن پر آتے ہیں اگرچہ قوم رہط کی طرح اس کا مدلول بھی جمع ہے اس لیے کبھی لفظ کا لحاظ رکھتے ہوئے ضمیر واحد کی اس کے لیے استعمال ہوتی ہے جیسے یہاں کبھی معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے مؤنث کی ضمیر استعمال ہوتی ہے جیسی سورۂ مومنون میں ہے۔ فی بطونها

فالوجه ان لفظ الانعام لفظ مفرد وضع لافادة الجمع كالرهط والقوم فهو بحسب اللفظ لفظ مفرد فيكون ضميره ضمير الواحد وبحسب المعنى جمع فيكون ضميره ضمير الجمع وهو التانيث فلهذا السبب قال في سورة المؤمنين في بطونها۔ (رازی)

زجاج نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ انعام اسم جنس ہے اس کی طرف مؤنث و مذکر دونوں ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔ (قرطبی)

ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا

پھلوں کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے بھی تم بناتے ہو اس سے میٹھا رس نشہ آور اور پاک رزق

حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰى رَبُّكَ

بے شبہ اس میں بھی (ہماری قدرت کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سمجھدار ہیں۔ اور ڈال دی آپ کے رب نے شہد کی

اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ

مکھی کے دل میں یہ بات کہ بنایا کر اپنے چھتے پہاڑوں میں اور درختوں کی شاخوں میں اور

۶۶۔ بعض حیوانات سے حاصل ہونے والی نعمتوں میں سے چند ایک کا ذکر کرنے کے بعد اب بعض ان فوائد کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو ہم نباتات سے اٹھاتے ہیں۔ فرمایا ہم اپنی حکمت سے تمہیں دودھ بھی پلاتے ہیں اور پھلوں کا رس بھی۔ اس صورت میں یہ نسقیکم سے متعلق ہوگا۔ بعض نے تتخذون سے بھی اسے متعلق کیا ہے۔ اس وقت منه کا تکرار تاکید کے لیے ہوگا۔

۶۷۔ سکر۔ لغت میں شراب کو کہتے ہیں السکر فی اللغۃ الخمر (البحر) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی جبکہ مسلمان بھی اسے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کو یہاں ذکر کیا گیا بعد میں حرمت خمر کا حکم نازل ہوا تو یہ آیت منسوخ ہوگئی لیکن دوسرے علماء نے کہا ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے۔ ایسے مقام پر کسی پلید اور نجس چیز کا ذکر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ان کی رائے ہے کہ سکر سے مراد کھجور اور انگور کا میٹھا رس ہے جو حلال ہوتا ہے۔ قیل السکر العصیر الحلو الحلال (بحر۔ قرطبی) اس طرح نسخ کرنے کی بھی ضرورت نہ رہے گی اور یہ شبہ بھی دور ہو جائیگا۔ ترجمہ اسی قول کے مطابق کیا گیا ہے۔

۶۸۔ کائنات کی بڑی بڑی چیزیں اپنے جمال و جلال اور اپنی نفع رسانی کی وجہ سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں لیکن عام طور پر چھوٹی چیزوں کو حقیر سمجھ کر لائق التفات خیال نہیں کیا جاتا۔ اور شہد کی مکھی جیسی چھوٹی سی چیز کے لیے کس کو فرصت ہے کہ اس میں سوچ بچار کرے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری حکمت و قدرت کے جلوے صرف پہاڑوں کی سربلند چوٹیوں اور بلند و بالا درختوں میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ ایک چھوٹی سی شہد کی مکھی بھی میری حکمتوں کی تجلی گاہ ہے۔ اس کے مختصر سے چھتے میں بھی سینکڑوں خانوں کا جو بازار لگا ہوا ہے ذرا اس پر غور کیجیے کس مہارت اور سلیقہ سے اس کو خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے تمام اضلاع اور زاویے بالکل مساوی ہیں گویا کسی ماہر انجینئر نے بھی مسطر اور پیمانے لے کر اسے بنایا ہے پھر اس کے مختلف حصوں پر نظر ڈالو کہیں تو انڈوں بچوں کی قیام گاہ ہے کہیں شہد کا ذخیرہ کیا جا رہا ہے کہیں موم تیار ہو رہا ہے کہیں خوراک کا گودام ہے پھر اس چھتے کی نظم و نسق کو دیکھیے ماتحت یہ کثیر التعداد مکھیاں یہاں آباد ہیں کسی تمدن ملک کی بہترین ترتیب یا نظم بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ان میں ایک مکھی سب کی سردار ہے دوسری مکھیاں اسکی فرمانبردار ہیں۔ اور اسکے حکم

مِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ

ان چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں۔ پھر رس چوسا کر ہر قسم کے پھلوں سے پس چلتی رہا کر اپنے رب کی (ہموار کی ہوئی) راہوں پر

بجالاتی ہیں۔ ذرا غور تو کیجئے کہ ان میں بعض خوراک لانے کیلئے متعین ہیں، بعض پہرہ دار ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی اجنبی اندر قدم بھی رکھ سکے۔ جو خوراک لانے پر مقرر ہیں وہ اپنے چھتہ سے دور دراز مقامات پر اڑ کر جاتی ہیں۔ وہاں سے مختلف پھولوں، کلیوں، کونپلوں اور پتوں کا رس وہاں بھر چوستی رہتی ہیں اور پھر طویل مسافت طے کر کے اپنے چھتہ میں واپس آجاتی ہیں۔ نہ وہ راستہ بھولتی ہیں نہ لیٹ ہوتی ہیں اور نہ اپنے فرض کو انجام دینے میں کسی کاہلی کی روادار ہیں۔ پھر جس حکمت عملی سے پھلوں کے رس سے جمع کئے رس کو شہد بنانے کا عمل تکمیل پاتا ہے وہ تو اتنا حیرت انگیز ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان اپنے علمی کمال اور صنعتی ترقی کے باوجود کوئی ایسی شیرینی تیار نہیں کر سکا جسکے ذریعہ پھلوں وغیرہ کے رس سے شہد جیسا جوہر شفا بخش تیار ہو سکے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ اس چھوٹی سی مکھی کو یہ مہارت اور یہ کمال کس نے سکھایا۔ یہ باقاعدگی، نظم و نسق کی پابندی، اپنے فرض کی ادائیگی، اپنے امیر کی اطاعت یہ قیمتی قدریں اس نے کہاں سے سیکھیں اور اس پیچیدہ کام کو انجام دینے میں اتنی مہارتیں یہ سب چیزیں اس حیوان کو کس نے تعلیم کیں۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ اے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تیرے رب کی تعلیم ہے جس نے یہ سلیقہ، یہ تجربہ سکھانے کا عہد اور یہ طریق کار اسے سکھایا ہے۔ اور اسی کی دی ہوئی سمجھ سے وہ شہد جیسی نعمت بنا کر انسان کی خدمت میں پیش کرتی ہے۔ اس آیت میں وحی سے مراد الہام ہے یعنی وہ سمجھ جو اللہ تعالیٰ حیوانات وغیرہ کو عطا کرتا ہے جس سے وہ اپنے نفع و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں اور اپنے طبعی فرائض خوش اسلوبی سے ادا کر سکتے ہیں۔ الوحی ههنا بمعنى الالهام وهو ذلك البهائم بما يخلق الله سبحانه فيها من درك منافعها واجتناب مضارها وتدبير معاشها (قرطبی)

وحی کے مفہوم کی مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ النساء کی آیت ۱۶۳ کا حاشیہ۔

ان راستوں سے مراد یا تو وہ راستے ہیں جہاں سے اڑ کر مختلف باغات اور کھیتوں میں تلاش غذا کے لیے جاتی ہے اور پھر واپس آتی ہے یا ان راستوں سے مراد شہد تیار کرنے کے وہ تمام مراحل اور مرحلے ہیں جن پر عمل کرنے سے مکھی شہد تیار کرتی ہے۔ ذُلُلًا حال ہے اس کے ذلل کے متعلق دو قول ہیں یا اس کا تعلق السبل سے ہے اور یا النحل سے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ راستے اللہ تعالیٰ نے اس مکھی کی پرواز کے لیے ہموار اور آسان بنا دیئے ہیں اور آسانی سے جاتی ہے اور آسانی سے واپس آتی ہے۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ مکھی سراپا اطاعت و انقیاد بن کر ان تمام کاموں کو سر انجام دیتی ہے جو اسے خالق نے بتلائے ہیں۔ ان طریقوں سے سر مو انحراف نہیں ہوتی۔ والسبل مسالكها في الطيران وقيل الطرق التي الهمك وافهمك في عمل العسل۔ (البحر)

فیہ کی ضمیر کا مرجع شہد ہے یعنی اس شہد میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔ کسی حاذق طبیب یا ڈاکٹر سے پوچھیے وہ تمہیں بتائے گا کہ یہ ننھی سی مکھی جو لعاب تیار کرتی ہے یہ مختلف پھولوں سے جو جوہر کشید کرتی ہے وہ کتنی لاعلاج بیماریوں کے لیے نسخہ اکسیر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف چیزوں میں مختلف صحت بخش اثرات رکھ دیئے ہیں اور علاج کے طور پر کسی چیز کا استعمال کرنا جائز ہے اور اس کے استعمال سے باذن الٰہی شفا بھی ہوتی ہے۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا لكل داء دواء فاذا اصيب دواء الداء برأ باذن الله۔ جمہور علماء کا قول یہی ہے کہ علاج کرانا اور کرنا مباح ہے۔ وعلى اباحة التداوي والاسترقاء جمهور العلماء۔ (قرطبی)

رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ

کی ہوئی راہوں پر (پھر) نکلتا ہے ان کے شکموں سے ایک مشروب مختلف رنگوں والا اس میں

شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾ وَاللَّهُ

شفا ہے لوگوں کے لیے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ۵۳ اور اللہ تعالیٰ

خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ

نے پیدا فرمایا ہے تمہیں پھر جان قبض کریگا تمہاری اور تم میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں لوٹا دیا جاتا ہے ناکارہ عمر کی طرف تاکہ

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ

وہ کچھ نہ جانے علم (حاصل کر) لینے کے بعد بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے

فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا

برتری بخشی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر دولت کے لحاظ سے پس وہ جنہیں برتری بخشی گئی

ع ۹ ۵

شہد میں مکھی کے اس طریقہ کار میں اور شہد کی اس صحت بخش تاثیر میں تم غور و فکر کرتے تو تم پر اللہ کی قدرت کے نشانات تمہیں نظر آتے۔

۵۳ جس نے ان گنت مفید اور نفع رساں چیزوں کو پیدا کیا ہے اے انسان تمہارا بھی وہی خالق ہے اگر مظاہر فطرت میں غور کرنے کی فرصت نہیں تو کم از کم اپنے آئینہ میں تو اس کی قدرت کی کرشمہ کاریوں کا مشاہدہ کرو جب تو پیدا ہوا تھا تیرا کیا حال تھا تیری جسمانی اور ذہنی قوتوں میں کس طرح آہستہ آہستہ ترقی ہوتی گئی یہاں تک کہ تم نے شباب کی منزل میں قدم رکھا پھر آہستہ آہستہ تمہاری قوتوں میں انحطاط شروع ہوا یہاں تک کہ تم پیر فرتوت بن گئے اور بینائی رخصت ہوئی عقل و خرد نے ساتھ چھوڑ دیا۔ طاقت کی جولانیاں بھولی بسری کہانیاں بن گئیں آنکھوں کے چراغ دھندلا گئے کانوں کی سماعت میں فرق آگیا۔ ایک ایک کرکے سب دوست اور رفیق زیست ساتھی رخصت ہو گئے۔ چلنے پھرنے کی طاقت بھی سلب ہو گئی اور کروٹ بدلنے کے لیے بھی کسی کے سہارے کی ضرورت محسوس ہونے لگی جس نے تمہیں بچپن کی ناتوانی سے جوانی کی شیر افگن قوتوں تک پہنچایا اور پھر سے ارذل عمر تک پہنچا کر بستر پر لٹا دیا کیا وہ ہر چیز پر قادر نہیں۔

۵۴ کفار اپنے معبودوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے تھے وہ انہیں الٰہ بھی کہتے اور انہیں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے اس عقیدہ فاسدہ کی تردید ان کے اپنے حال سے مثال قائم کرکے کی جا رہی ہے۔ انہیں بتایا کہ حقیقت تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ سارے انسان مال و دولت میں یکساں نہیں کوئی دولت مند اور مالدار ہے کوئی مفلس و نادار۔ کیا دولت مند لوگ یہ گوارا کرتے ہیں کہ وہ مال جو انہوں نے کمایا ہے ان سے لے کر مفلس نوکروں اور

بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ

نہیں ہیں وہ لوٹانے والے ہیں اپنی دولت کو ان لوگوں پر جو ان کے مملوک ہیں تاکہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں ہرگز نہیں تو کیا

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝٧١ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے

اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ

عورتیں اور پیدا فرمائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور

نادار غلاموں میں بانٹ دیا جائے اور وہ سب مساوی طور پر اس کے مالک بن جائیں۔ جب وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تو یہ کتنی نادانی اور بے انصافی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار کو اپنے میں تقسیم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کو خدا ماننے کے ساتھ بتوں کو بھی خدا مانتے ہیں اس کی عبادت کے ساتھ دو بتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ ذرا وہ غور کریں کہ جو بات وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے اللہ تعالیٰ کے لیے کیسے پسند کرتے ہیں۔ اگر انہیں نجات اور فلاح مطلوب ہے تو ان فضول اور لایعنی عقیدوں کو چھوڑیں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائیں۔ اس کی ذات اور اس کی صفات کمال میں کسی کو شریک نہ بنائیں۔ قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے نجات پا جاؤ گے۔

سے یہ قوت و صحت، یہ عقل و دانش اور یہ دولت و ثروت سب اس کی بخشی ہوئی نعمتیں ہیں۔ تم اس کی نعمتوں کا انکار نہ کرو بلکہ اس کا شکر یہ ادا کرو۔ قول سے بھی اور عمل سے بھی۔ زبان سے بھی اور اعمال سے بھی شکر ادا کرو گے تو وہ اپنی مزید نوازشات کے دروازے تم پر کھول دیگا اور اگر ناشکری کرتے رہو گے تو ان نعمتوں سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے۔

ھے اپنے مزید احسانات کی یاد دہانی کرائی جا رہی ہے۔ یعنی ہم نے تمہیں تنہا پیدا نہیں کیا۔ ایسی تنہائی جس میں غم کے لمحے بڑے بھیانک بنتے ہیں اور خوشی کی ساعتیں بڑی اداس۔ بلکہ ہم نے تمہیں اس زندگی کا راستہ طے کرنے کے لیے ایک ساتھی بھی دیا رفیقہ حیات اور مزید کرم یہ فرمایا کہ وہ تمہاری ہی جنس سے ہے تاکہ تمہاری آرزوئیں اور تمنائیں تمہارے جذبات اور احساسات سب یکساں ہوں تاکہ تم ایک دوسرے کے لیے باعث مسرت اور موجب اطمینان بنو۔ اس پر مزید کرم یہ کیا کہ تمہیں اولاد کی نعمت سے بہرہ ور کیا اور تمہیں پوتے اور پوتیاں بخشیں۔ اس طرح تمہارے اولاد کو مسرت اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ مزید براں تمہیں کھانے کے لیے عمدہ سے عمدہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ ان لاتعداد بے شمار احسانات کے باوجود اگر تم شرک سے باز نہ آؤ تو تم سے بڑھ کر اور کون ناشکرا اور احسان فراموش ہو گا۔ اس آیت میں حفدۃ کا معنی اولاد الاولاد یعنی پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہیں۔ بعض علماء نے اس کا معنی خدام بھی کیا ہے۔ آیت کے آخر میں دو لفظ ہیں :- الباطل اور نعمۃ اللہ۔ دونوں کی تفسیر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ مقاتل نے کہا کہ باطل سے مراد شیطان ہے اور

رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

رزق عطا فرمایا تمھیں پاکیزہ تو کیا وہ لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ۙ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا ان معبودوں کی جو

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳ۚ

انھیں آسمانوں اور زمین سے بالکل روزی دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور وہ کچھ کر سکتے ہی نہیں

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

پس (اے جاہلو!) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

نعمة الله سے مراد حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کلبی نے کہا ہے کہ باطل سے مراد وہ حلت و حرمت کے احکام ہیں جو شیطان کی اطاعت کرتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا اپنے بتوں سے شفاعت کی توقع رکھنا اور ان کی برکت پر یقین کرنا باطل ہے جیسے قیل ما یرجون من شفاعة الاصنام وبرکتها اور نعمة الله سے مراد ما احل الله لهم ہے جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال کی تھیں۔

۱ یعنی کفار اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کی پوجا کیا کرتے تھے ان کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اس پوجا کی آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔ نہ تو ان معبودوں نے انھیں پیدا کیا ہے کیونکہ یہ تو ان کے اپنے گھڑے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو رزق دینے پر قادر ہیں کیونکہ زمین و آسمان میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں جس کے وہ مالک ہوں۔ جب ان کا سرے سے کچھ ہے ہی نہیں تو وہ بیچارے کسی کو دیں گے کیا۔

۲ ضرب المثل کا معنی ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینا۔ ضرب المثل تشبیہ حال بحال۔ یہاں منع کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے ساتھ تشبیہ نہ دی جائے کیونکہ اس کی کوئی مثل ہے نہ کوئی شبیہ۔ ساری مخلوقات اس کی عبید ہیں۔ اس لیے خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا بہت بڑی نادانی ہے۔ نیز تمھیں اللہ تعالیٰ کی ذات کا پتہ ہے نہ اس کی صفات کا تمھیں علم ہے اور نہ تمھیں یہ خبر ہے کہ وہ کن کمالات سے موصوف ہے۔ اور ذات الٰہی جس سے تم آگاہ ہی نہیں ہو وہ پاک ہے۔ جب اس کی ذات و صفات کے بارے میں تمھاری لاعلمی کا یہ عالم ہے تو تمھیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اس کے لیے مثالیں دیتے رہو۔

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى

نہیں جانتے ۔ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال (غور کرو) ایک بندہ ہے جو مملوک ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا

شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا

اور دوسرا (اس کے مقابلہ میں) ایک بندہ ہے جسے ہم نے رزق دیا اپنی جناب پاک سے رزق حسن پس وہ خرچ کرتا رہتا ہے اس سے

وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

پوشیدہ طور پر اور اعلانیہ طور پر (اب تم ہی بتاؤ) کیا یہ برابر ہیں ہرگز نہیں۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ (حقیقت حال اتنی واضح ہونے کے باوجود) بلکہ ان میں سے اکثر لوگ (اصل حقیقت کو) نہیں جانتے۔

ف۷۵ ان کافروں کو ان کی نادانی پر آگاہ کرنے کے لیے ایک مثال ذکر کی جا رہی ہے کہ تم یہ بتاؤ کہ ایک شخص کسی کا زر خرید غلام ہے وہ کسی چیز پر قدرت نہیں۔ وہ کسی مجبور کی کیا مدد کرے گا اس کا ایک ٹکا بھی نہیں جسے وہ اپنی مرضی سے کسی بھوکے کو ایک لقمہ یا ننگے کو ایک پھٹا پرانا کپڑا بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ نہ اسے کسی کو خریدنے کی اجازت ہے نہ بیچنے کی۔ اس کے علاوہ ایک اور شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ رحمت سے کثیر رزق عطا کیا ہے وہ اسے اپنی مرضی سے خرچ کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر غریبوں اور محتاجوں کی ضرورتیں بھی پوری کرتا ہے اور مجمع عام میں بھی اس کی جود و سخا سے ہر سائل اپنا دامن طلب بھر کر لے جاتا ہے اب بتاؤ یہ دونوں شخص اگرچہ انسان ہیں لیکن کیا تم ان کو ایک جیسا کہنے کی جرأت کر سکتے ہو ہرگز نہیں۔ تو پھر کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم جن بے بس بتوں کو خدا مانتے ہو اور ان کی عبادت کرتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو کیا یہ کھلی نادانی نہیں۔ جب وہ دو آدمی انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں ہو سکتے تو پھر پتھر کے بنے ہوئے بے بس اور بے جان بت جو اس زر خرید مجبور غلام سے بھی ہزار درجہ فروتر ہیں وہ سب کے رب خالق عظیم کے ہمسر کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم ان کو اللہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو۔ کچھ تو غور کرو۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا یہاں بتوں کی اور اللہ تعالیٰ کی مثال بیان نہیں کی جا رہی بلکہ کافر اور مومن کی مثال بیان کی جا رہی ہے کہ کافر ایسا ہے جیسے کسی کا کوئی زر خرید غلام ہو اور اس کے آقا نے اس سے ہر قسم کے اختیارات سلب کر لیے ہیں اور مومن وہ ہے جس پر اس کے خالق و مالک کے بے پایاں انعامات و احسانات ہیں اور اس نے اسے ان کو استعمال کرنے اور خرچ کرنے کی اجازت بھی دے دی ہے ھذا عطاؤنا فامنن او امسک کا مژدہ بھی اسے سنا دیا گیا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے جب بھی کوئی سائل دامن طلب پھیلائے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو وہ اسے خالی واپس نہیں کرتا۔ انصاف سے بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

ف۷۶ اس آیت سے یہ حقیقت بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کے سب بندے ایک ہی حیثیت کے نہیں۔ بعض وہ ہیں جو زر خرید غلام کی طرح بے بس، بے اختیار، مفلس، نادار اور بے فیض ہیں۔ نہ ان کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں لیکن بعض مقبول

محبوب بندے بھی ہیں جو من رزقناہ منا رزقا حسنا کی شان کے مظہر ہیں اور فهو ينفق منه سرا وجهرا کی شان رفیع کے حامل
ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رحمت کے خزانوں سے انہیں مالا مال فرما دیا ہے ظاہری اور باطنی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیا ہے علمی اور
روحانی فتوحات کی ان پر موسلا دھار بارش کی ہے "منا" (یعنی جناب خاص سے) اور "رزقا حسنا" کے الفاظ میں آپ جتنا
غور کیجئے ان مواہب ربانی اور عطیات خداوندی کی نفاست عمدگی اور کثرت فراوانی کی حقیقت کھلتی جائیگی جن محبوبوں کو ان لامحدود
عنایات سے سرفراز فرمایا گیا ہے انہیں ان کو خرچ کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرما دی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے خزانوں اور نعمتوں کو بڑی
فیاضی اور دریا دلی سے محتاجوں فقیروں اور سائلوں میں بانٹ رہے ہیں۔ نہ وہ خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ گداگروں کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ ان کے
در پر مانگنے والوں کی بھیڑ لگی ہے۔ ہر کوئی اپنی ہمت حوصلہ اور سمجھ کے مطابق مانگ رہا ہے اور اپنے ظرف کے مطابق لے رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم حبیب معظم سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا دیا۔ اس کی حقیقت کسی غیب سے نہ پوچھیے کون کیا جانے خود اس
رب کریم سے پوچھیے کہ جس کے قبضہ اختیار میں زمین و آسمان کے سارے خزانے ہیں جس کی جود و سخا کی ایک جھلک یرزق
من یشاء بغیر حساب میں نظر آتی ہے۔ جس کی صفت کمال وہب (عطا فرمانے والا) نہیں بلکہ انک انت الوهاب
(بے اندازہ عطا فرمانے والا) ہے اسی کریم اکرمین سے پوچھو، بتا تو نے اپنے پیارے بندے محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا دیا اور کتنا
دیا تو جواب ملتا ہے انا اعطینک الکوثر۔ اے حبیب ہم نے آپ کو جو دیا ہے بے اندازہ دیا ہے۔ نیز فرمایا آپ کو علمک ما لم تکن تعلم
وكان فضل الله عليك عظيما یعنی اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

یا اس سے پوچھو جس کو دیا ہے کہ اے حبیب اللہ آپ کے پروردگار نے جو کچھ بھی ہے اور جتنا بھی ہے آپ کو کیا عطا فرمایا تو اس کی زبان حق ترجمان
سے کبھی یہ صدا فردوس گوش بنے گی اعطیت مفاتیح خزائن الارض مجھے میرے رب نے زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں
عطا فرمادی ہیں اور کبھی وہ ان الفاظ میں اپنے کریم خدا کی کرم گستریوں کو بیان فرمائے گا فوضع يده بين كتفي فوجدت بردها
بين ثديي فعلمت ما في السموات والارض یعنی میرے رب کریم نے اپنا دست فیض رساں میرے دونوں کندھوں کے
درمیان رکھا میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی۔ پھر کیا تھا آسمانوں اور زمین کی ہر چیز میں نے جان لی۔ اور اپنے محبوب کے
طفیل جو نوازشات اپنے محبوب کے غلاموں پر اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہیں۔ ان کا صحیح اندازہ لگانا بھی ہمارے علم نا تمام اور فکر نارسا کے بس کی بات نہیں
قرآن ہی سے پوچھئے بتاتا ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون یعنی آگاہ رہو کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو نہ
کسی چیز کا اندیشہ ہوگا اور نہ کسی محبوب چیز کے ضائع ہونے کا حزن و ملال ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ولكم فيها ما تشتهي انفسكم ولكم
فيها ما تدعون نزلا من غفور رحيم یہاں انہیں بغیر مانگے ملے گا اور جہاں انہیں مقبول بندے ہیں ان کی انواع نعمتوں اور لذتوں کا
وسیع دسترخوان بچھا ہوا ہے جس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں کون ہے جو اس خوان کرم کی شیرینی اور رنگینی کا اندازہ کر سکے۔

شاید یہی قسم کے شاہ ولی اللہ ربانی کے پوتے شاہ اسمعیل صاحب دہلوی جیسے آدمی کو جو تقویۃ الایمان میں بیان کرتے ہیں کہ جس کا نام محمد یا علی ہے
اسکو کسی قسم کا اختیار نہیں اپنی بعد کی کتاب صراط مستقیم میں اپنے ہی الفاظ میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھنا پڑا۔
قطبیت و غوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضی تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان است و در سلطنت سلاطین و امارت امراء

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال کہ دو آدمی ہیں ان میں سے ایک تو گونگا ہے کسی چیز کی قدرت نہیں

شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ

رکھتا اور وہ بوجھ ہے اپنے آقا پر جہاں کہیں وہ اس کو بھیجتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا کسی بھلائی

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ

کے ساتھ کیا برابر ہو سکتا ہے یہ (گونگا) اور وہ شخص جو حکم دیتا ہے عدل کے ساتھ اور وہ راہ راست پر

ہمہ ہمت ایشاں را دخل است کہ بر ایشاں ہیچ عالم ملکوت مخفی نیست۔ (صراط مستقیم صفحہ ۶۰ فخر المطابع)

ترجمہ :- کہ حضرت مرتضیٰ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک قطبیت، غوثیت، ابدالیت اور دیگر مدارج ولایت سب آپ کے واسطہ سے عطا ہوتے ہیں۔ نیز بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں بھی آپ کی ہمت کو بڑا دخل ہے اور حقیقت عالم ملکوت کے سیاحوں پر مخفی نہیں۔

دوسری جگہ اولیائے کاملین کے متعلق لکھتے ہیں: و ہم چنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت می باشند۔ (صراط مستقیم صفحہ ۱۰۰ فخر المطابع) یعنی اس عالی مرتبہ اولیاء کرام کو عالم مثال و شہادت میں تصرف کرنے کا مطلق اذن حاصل ہو چکا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ شفیع المذنبین واولیاء ملتہ الکاملین الی یوم الدین ربنا الحقنا معھم انک اکرم الاکرمین۔ آمین۔

ثلہ مشرکین جو خدائی اور عبادت میں اپنے بتوں کو بھی اللہ عزّ مجدہ کا شریک سمجھتے تھے ان کی حماقت کو واضح کرنے کے لیے ایک اور مثال بیان فرمائی۔ فرمایا ایک شخص ہے جو پیدائشی طور پر گونگا بھی ہے اور بہرا بھی۔ اسے کسی چیز پر کوئی اختیار بھی حاصل نہیں۔ وہ اپنے رفقاء پر صرف بوجھ ہے اور قدم قدم پر ایسے سبز قدم کہ جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ بگاڑ کر آتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور شخص ہے جو عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کا کوئی قدم راہ راست سے ادھر ادھر نہیں اٹھتا۔ اے مشرکو! تم ہی بتاؤ کیا یہ دونوں ایک جیسے ہیں۔ اگر یہ دونوں انسان ہوتے ہوئے ایک جیسے نہیں تو تمہارے اصنام اور اوثان جو اس گونگے غلام سے بھی گئے گزرے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہم پلہ کیسے ہو سکتے ہیں کہ تم انہیں الٰہ بھی مانو اور ان کی عبادت بھی کرو جو صرف اللہ کا حق ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے آپ نے فرمایا یہاں بھی کافر اور مومن کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وقیل ھذا تمثیل للمومن والکافر فالابکم ھو الکافر ومن یامر بالعدل ھو المومن۔ روی ذلک عن ابن عباسؓ۔

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا أَمْرُ

گامزن ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو اور نہیں قیامت برپا

السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد ۹۲ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُم مِّن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ

پوری قدرت رکھتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں نکالا ہے تمہاری ماؤں کے شکموں سے ۹۳

لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۙ

اس حال میں کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے اور بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم (ان نعمتوں پر) احسان شناس

۹۱ سابقہ آیات میں بتوں کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کمال کو جن دلنشین پیرایوں میں مثالیں دے کر سمجھایا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کی دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے تمام غیبوں کو جاننا اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کوئی انسان اپنے حواس کے ذریعہ یا اپنی عقل کے زور سے ان کو نہیں جان سکتا۔ غیب اسے کہتے ہیں جس کا ادراک نہ حواس سے ہو سکے اور نہ عقل سے ما لا یدرک بالحس ولا یعلم بالعقل (بحر)۔ غیب پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو غیب پر مطلع کرے یعنی لا یعلم الغیب احد منهما تعالیٰ الا بتعلیمه دوسرے لفظوں میں بغیر اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جان سکتا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔ واختصاصه بعلم الغيب فلا اطلاع لاحد على ذلك الا ان يطلعه تعالى على ما يشاء۔ علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے کوئی بھی اس پر آگاہ نہیں ہو سکتا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود آگاہ فرمائے۔

۹۲ اور اس کی قدرت کا یہ عالم ہے کہ جب وہ قیامت برپا کرنا چاہے گا تو اس زمین و آسمان، شمس و قمر، پہاڑوں اور سمندروں کو درہم برہم کرنے کے لیے صدیاں یا سال یا مہینے درکار نہیں ہوں گے بلکہ کم سے کم وقت جس کا تم تصور کر سکتے ہو وہ لمحہ بصر ہے (آنکھ جھپکنے کا) تیزی سے دیکھنا، اتنا وقت بلکہ اس سے بھی کم وقت میں یہ سب کچھ زیر و زبر ہو جائے گا۔ جس کے علم کا یہ حال ہے اور جس کی قدرت کا یہ عالم ہے وہی خدائے برحق اور معبود برحق ہے۔

۹۳ اسی علیم و قدیر کی نوازش ہے کہ اس نے تم کو انسان کی شکل میں پیدا فرمایا اور جب تم پیدا ہوئے تھے تو تمہاری نادانی کا یہ حال تھا کہ تم اپنی ماں کو بھی نہیں پہچان سکتے تھے جس کے شکم میں تم ایک عرصہ گزار کر آئے تھے۔ اسی خالق نے تمہیں ظاہری حواس کان آنکھیں وغیرہ بھی بخشیں اور اسی نے تمہیں سوچنے اور سمجھنے کی استعداد بھی مرحمت فرمائی تاکہ تم اپنے خالق و مالک کی عنایات بے پایاں کا اعتراف کرو اور اس کا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ

شکر ادا کرو۔ کیا انھوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں

السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

فضائے آسمانی میں۔ کوئی چیز انھیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (قدرت الٰہی کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٧٩﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ

جو ایمان لاتے ہیں ف۱۱۸ اور اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے (اپنے فضل وکرم سے) تمہارے لیے تمہارے گھروں کو آرام و سکون کی جگہ اور بنائے ہیں

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ

تمہارے لیے جانوروں کے چمڑوں سے گھر (یعنی خیمے) جنھیں تم ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے سفر کے دن

افئدة: جمع ہے فؤاد کی جیسے غراب کی جمع اغربۃ ہے۔ امہات۔ ام کی جمع ہے چاہیے تو یہ تھا کہ اس کی جمع امات ہوتی لیکن تاکید کے لیے ہا بڑھا دی گئی۔ فزیدت الہاء تاکیدا کما زادوہا فی اہرقت الماء (قرطبی)

ف۱۱۷ اپنی قدرت کی ایک اور نشانی کی طرف توجہ دلائی کہ تم بلندی کی طرف کوئی چیز پھینکتے ہو کتنے ہی زور سے پھینکو وہ تھوڑی دور اوپر جا کر نیچے آ گرے گی کیونکہ ثقیل چیز ہمیشہ زمین کی طرف گرتی ہے لیکن فضائے آسمانی میں محو پرواز پرندوں کو دیکھو یہ کیوں نیچے نہیں گر پڑتے۔ زمین کی کشش ثقل انھیں اپنی طرف کیوں نہیں کھینچ لاتی۔ وہ کون ہے جس نے پرندوں کو ایسے بازو لگائے اور ایسے دم بخشے ہیں کہ وہ ہوا کی وسعتوں میں گھنٹوں پرواز کرتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ پرندوں کے جسم کی مخصوص ساخت، ان کے بازو اور پر سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان کو ہوا میں تھامے رکھنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی۔

ف۱۱۸ جن لوگوں کے لیے پرندوں کی حیثیت سمجھنے میں آیات و علامات تھیں۔ وہ تو غفلت کا شکار ہی خوش ہوتے رہے اور دوسری قوموں نے اس رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر ایک لمحہ ضائع نہیں کیا یہاں تک کہ فضا کو مسخر کیا اور وہاں اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔

ف۱۱۹ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جن سے ہر شخص ہر وقت مستفید ہوتا ہے لیکن کثرت استعمال کے سبب سے ان کی اہمیت کا احساس بہت کم ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ بڑی آسانیاں اور سہولتیں ہیں جن کو ہم عادتاً خاطر میں نہیں لاتے۔ اگر یہ ہم سے چھین لی جائیں تو زندگی گزارنا دوبھر ہو جائے۔ اس آیت میں انھیں نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جن سے ہم ہر وقت لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ دیکھو کس کی کرم گستری ہے کہ سفر میں بھی تمہیں بتلا دیا کہ ان سے خیمے بنا لیا کرو۔ جب چاہا اس کو باندھ لیا اور جب جی چاہا اسے کھڑا کر لیا۔ تستخفونہا: تجدونہا خفیفۃ یعنی تم انھیں ہلکا پھلکا پاتے ہو اور جہاں جی چاہے بڑی آسانی سے سفر میں اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہو۔ اثاث: متاع البیت گھر کا استعمال کا سامان

وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

اور اقامت کے دن۔ اور (اسی نے بنائے ہیں) بھیڑوں کی صوف اور اونٹوں کی اون اور بکریوں کے بالوں سے

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا

مختلف گھریلو سامان اور استعمال کی چیزیں ایک وقت مقررہ تک۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی بنائے ہیں تمہارے آرام کے لیے ان چیزوں کے سائے جن کو

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

اس نے پیدا فرمایا اور اسی نے بنائی ہیں تمہارے لیے پہاڑوں میں پناہ گاہیں اور اسی نے بنائے ہیں تمہارے لیے ایسے لباس جو بچاتے ہیں

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

تمہیں گرمی سے اور (بنائے) ایسے آہنی لباس جو بچاتے ہیں تمہیں لڑائی کے وقت۔ اسی طرح وہ پورا فرماتا ہے اپنا احسان

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ

تم پر تاکہ تم سر اطاعت خم کرو (اے حبیب!) اگر (ان روشن دلائل کے باوجود) وہ منہ پھیر لیں تو (فکر مند نہ ہوں) آپ کے

جیسے چادریں، لباس وغیرہ۔

اس آیت میں بھی انہیں انعامات کا تذکرہ فرمایا جو روز مرہ کے استعمال میں آنے والے ہیں۔ گرمی کا موسم ہو چلچلاتی دھوپ ہو سخت گرم لو چل رہی ہو آپ کسی گھنے درخت کے ٹھنڈے سایہ میں سستانے کے لیے رکیے آپ کو پتہ چلے گا کہ سایہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ دیواروں کے سائے مکانوں کے سائے سب چیزوں کا ظل بنا کر تم پر احسان فرمایا۔ پھر پہاڑوں کو بھی ایسا نہیں بنایا کہ سپاٹ چٹانیں ہوں اور وہاں سفر کرتے کرتے اگر مینہ برسنے لگے یا برف کا طوفان آ جائے تو تمہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے۔ بلکہ جگہ جگہ غاریں بنا دیں جہاں تم آرام کر سکو۔ یا بارش گزار سکو۔ اس نعمت کی قدر و قیمت آپ ان لوگوں سے پوچھیے جن کا بسیرا کوہستانی علاقوں میں ہے یا جنہیں کبھی پہاڑی سفر کا اتفاق ہوا ہو اکنان جمع کن وهو ما يستكن به من المطر والريح ونحوها۔ یعنی وہ غاریں جہاں انسان بارش اور ہوا وغیرہ سے بچ سکے۔

پھر یہ کرم بھی کیا کہ طرح طرح کے لباس بنائے۔ کوئی گرمیوں میں پہننے کا کوئی سردیوں میں استعمال کرنے کا اور کوئی ایسا لباس زرہ فولادی اور جوشن وغیرہ جو زیب تن کر کے میدان جنگ میں جاتے ہو اور وہ تمہیں دشمن کے واروں سے بچاتا ہے۔

وہ کریم جو ہر حال میں تم پر اپنی نعمتوں کا مینہ برسا رہا ہے جسے تمہاری ہر چھوٹی اور بڑی ضرورت کا خیال ہے کیا یہ مناسب نہیں کہ تم اس کے حضور میں اور اس کے احکام کی اطاعت کے لیے اپنا سر خم کر دو۔ اس کا یہی تقاضا ہے اور تمہیں یہی بات زیب دیتی ہے۔

الْمُبِيْنُ ﴿٨٢﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ

بجز صرف صاف صاف پہنچا دینے کے۔ وہ پہچانتے ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پھر (اس کے باوجود) وہ انکار کرتے ہیں اس کا اور ان میں سے اکثر لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا

کافر ہیں ۱۰۱ اور قیامت کے دن ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ۱۰۲ پھر نہ

يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

اجازت دی جائے گی انہیں جنہوں نے کفر کیا اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا ۱۰۳ اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے

ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾

ظلم کیا عذاب (آخرت) کو تو پس (اس وقت) عذاب ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ انہیں (مزید) مہلت دی جائے گی۔

وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا

اور جب دیکھیں گے مشرک اپنے (خود تراشیدہ) شریکوں کو تو بول اٹھیں گے اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے بنائے ہوئے شریک

۱۰۱ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر یہ لوگ ان احسانات اور معجزات و آیات کے باوجود دین حق کو قبول نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان نہیں لاتے تو آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں آپ کا جو فرض تھا وہ آپ نے باحسن وجوہ ادا فرما دیا۔

۱۰۲ ان کے اس انکار کی وجہ یہ نہیں کہ آپ نے انہیں صحیح طور پر سمجھایا نہیں یا وہ اپنے رب کے احسانات سے بے خبر ہیں۔ آپ نے خوب سمجھایا اور انہوں نے اچھی طرح سمجھ بھی لیا لیکن وہ دانستہ کفر و شرک سے چمٹے ہوئے ہیں۔

۱۰۳ آج تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا دانستہ انکار کر رہے ہیں قیامت کے روز ان کا کیا حال ہوگا جب ان کے انبیاء ان پر گواہی دیں گے کہ اے اللہ العالمین! ہم نے ان کو تیرا پیغام پہنچایا، تیری توحید کو قبول کرنے کی دعوت دی، تیرے احسانات کی یاد دہانی کرائی لیکن انہوں نے ہماری ایک بھی نہ سنی۔ اس دن وہ معذرت خواہی کی اجازت چاہیں گے یا دنیا میں واپس لوٹنے کی خواہش کریں گے تو ان کی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

۱۰۴ اس روز وہ بڑی کوشش کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیں لیکن ان کی اس کوشش کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ یستعتبون الاستعتاب کا اصل عتب ہے جس کا معنی موجدۃ، ناراضگی ہے اور جب کوئی شخص کسی پر ناراض ہو تو کہتے ہیں عتب علیہ یعتب اذا وجد علیہ۔ اور جب کوئی شخص اپنی ناراضگی کا اظہار کرے تو کہتے ہیں عاتبہ اور جب کوئی شخص اس امر سے باز آ جائے جو باعث ناراضگی ہے

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ

جنہیں ہم پوجا کرتے تھے تجھے چھوڑ کر تو وہ (شرکاء) پھینک دیں گے ان کی طرف یہ بات کہ یقیناً تم

لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ

جھوٹ بول رہے ہو وہ پیش کریں گے بارگاہ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ

انھیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا (لوگوں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ

اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾

سے ہم نے بڑھا دیا ان کے لیے عذاب پر عذاب بوجہ اس کے کہ وہ فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے

تو کہتے ہیں تعتّب۔ عتبیٰ اسم ہے اس کا معنی ہے رضا (قرطبی) اگر کوئی کسی کی رضامندی کا طالب ہو تو کہتے ہیں استعتبہ۔ طلب منہ العتبیٰ ای استرضاہ اور جب کوئی کسی کی خوشنودی کو طلب کرے اور وہ اس سے خوش ہو جائے تو کہتے ہیں استعتبہ فاعتبنی ای استرضیتہ فارضانی (المنجد)

۱۳۲؎ روز محشر مشرکین اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے سارا الزام اپنے معبودوں پر لگائیں گے کہ اے اللہ العالمین یہ وہی ہیں جن کو ہم تیرا شریک بناتے تھے۔ تجھے چھوڑ کر انکی پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوت گویائی عطا کرے گا اور وہ ان کی تکذیب کریں گے کہ انھوں نے خود ہی ہمیں گھڑا اور خود ہی ہمیں تیرا شریک بنایا خود ہی ہماری عبادت میں لگ گئے۔ ہم نے انھیں کب کہا تھا کہ وہ تیری عبادت چھوڑ کر ہماری پوجا شروع کر دیں فیخلق اللہ فیہا الحیاۃ حتی تنطق بتکذیب الکفار (قرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ ان بے زبان اور بے جان بتوں کو قوت گویائی دے گا تاکہ کفار کی رسوائی ظاہر ہو۔ اس آیت میں غور کرنے سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کفار کا اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ تھا ان کا یہ کہنا کہ شرکاؤنا یہ وہ شریک ہیں جن کو ہم تیرا شریک ٹھہرایا کرتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے تو کفار اپنے بتوں کو خدا بھی کہتے تھے اور معبود سمجھ کر ان کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ وانشرکاؤنا الذین کنا ندعوھم آلہۃ من دونک قال اللہ تعالیٰ ذکرہ فالقوا یعنی شرکاء ھم الیہم القول انکم لکاذبون ای ما عبدتمونا من دون اللہ علام سے ان کی تنقیح فرماتے ہیں ربوبانب ہم علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ ای ما اسمیناھم وارثاناھم التی عبدوھا۔

۱۳۳؎ انھیں دہرا عذاب ملے گا۔ اپنی گمراہی کا بھی اور جن کو انھوں نے ہدایت قبول کرنے سے روکا۔ اُن کے گناہوں کا وبال بھی انھیں پر ہوگا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم مِّنْ أَنفُسِهِمْ

اور وہ دن (یاد کرو) جب ہم اٹھائیں گے ہر امت سے ایک گواہ ان پر انھیں میں سے

وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور ہم لے آئیں گے آپ کو بطور گواہ ان سب پر ۱۰۲ اور ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب ۱۰۳

۱۰۲ ھولاء سے اشارہ الیہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یعنی حضور اپنی امت پر گواہی دیں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے فرمایا حیاتی خیر لکم تحدثون ویحدث لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ وما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم یعنی میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے اور میرا یہاں سے منتقل ہو جانا بھی تمہارے لیے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اگر تمہاری کسی نیکی کو دیکھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں اور جب تمہارے کسی گناہ کو دیکھتا ہوں تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔ سورہ بقرہ آیت ۱۴۳۔ ویکون الرسول علیکم شہیدا کی جو تفسیر حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمائی ہے وہ پیش نظر ہے۔ آپ لکھتے ہیں باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہان شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔ (تفسیر عزیزی)

ترجمہ: تمہارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ کو کہ میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں کو پہچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے درجوں کو، تمہارے نیک اور برے اعمال کو اور تمہارے اخلاص اور ایمان کو بھی خوب پہچانتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لیے سورۃ النساء کی آیت ۴۱ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۱۰۳ ہماری زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق واضح ہدایات قرآن مجید میں موجود ہیں۔ ملکی سیاست، معاشیات، معاشرہ، اخلاق، بین الاقوامی تعلقات، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا تعلق مومن کی زندگی کے ساتھ ہے۔ ان سب کو قرآن پاک نے بیان کر دیا ہے لیکن اس سے استفادہ کرنا ہر ایک کی اپنی استعداد پر موقوف ہے۔ حضرت ابن عباس سے تو یہاں تک منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: لو ضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ یعنی میرے اونٹ کا عقال (وہ رسی جس سے پاؤں باندھے جاتے ہیں) گم ہو جائے تو میں اسے بھی کتاب اللہ میں پا لوں گا۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے قد بین لنا فی ھذا القرآن کل علم وکل شیء یعنی ہمارے لیے سارے علوم اور ساری چیزیں اس قرآن میں بیان کر دی گئی ہیں۔ قال مجاھد کل حلال وحرام مجاہد نے کہا کہ ہر حلال اور ہر حرام قرآن میں بتا دیا گیا۔ اس کے بعد علامہ ابن کثیر اپنی رائے لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کا قول زیادہ جامع ہے کیونکہ قرآن تمام علوم نافعہ کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ اس میں گزرے ہوئے لوگوں کی خبریں بھی ہیں۔ اور آنے والے واقعات کا بھی علم ہے۔ ہر حلال

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اس میں تفصیلی بیان ہے ہر چیز کا اور یہ سراپا ہدایت ، رحمت ہے اور یہ مژدہ ہے مسلمانوں کے لیے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو اور اچھا سلوک کرو رشتہ داروں کے ساتھ

خوبی علم و تمام وہ امور جن کی طرف لوگ اپنی دنیا اور اپنے دین یا اپنی معاش اور اپنی معاد میں محتاج ہیں سب مذکور ہیں وقول ابن مسعود اعم واشمل فان القرآن اشتمل علی کل علم نافع من خبر ما سبق وعلم ما سیاتی وکل حلال وحرام وما الناس الیه محتاجون فی امر دنیاهم ودینهم ومعاشهم ومعادهم (تفسیر ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ شعر بھی اس قول کی تائید کرتا ہے۔

؎ جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنه افهام الرجال

کہ قرآن پاک میں تو تمام علوم ہیں لیکن لوگوں کے ذہن ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

شانِ نزول یہ آیت جب نازل ہوئی تو اسلام کے بڑے بڑے دشمن اس کے اعجاز اور جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے عکرمہ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی تو اس نے کہا یا ابن اخی اعد میرے بھتیجے ایک بار پھر پڑھو حضور نے اسے پھر پڑھا تو وہ دشمن اسلام اور منکر قرآن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا واللہ ان له لحلاوة وان علیه لطلاوة وان اعلاه لمثمر وان اسفله لمغدق وما هو بقول بشر بخدا یہ تو بڑی شیریں ہے اس کا ظاہر بڑا حسین ہے اس کا شاخیں پھل والی ہیں اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا ھذہ اجمع آیة فی القرآن لخیر یمتثل ولشر یجتنب یہ قرآن کی جامع ترین آیت ہے اس میں ہر وہ اچھی چیز جس پر عمل کرنا ضروری ہے مذکور ہے اسی طرح ہر وہ بری چیز جس سے اجتناب ضروری ہے موجود ہے۔ یہ اس کتاب مقدس کی ایک آیت ہے جس کے متعلق اس کے نازل فرمانے والے نے فرمایا تبیانا لکل شیء ہے اس لیے اس میں ہمیں بھی زیادہ سے زیادہ غور کرنا چاہیے تاکہ اس گنج شائگاں سے بیش از بیش مستفیض ہو سکیں۔ اس آیت میں تین چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور تین چیزوں سے روکا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱) عدل (۲) احسان (۳) اور ایتاء ذی القربیٰ اور دوسری تین چیزیں الفحشاء، المنکر اور البغی ہیں۔ ان امور میں سے ہر ایک کے متعلق مختصر تشریح پیش خدمت ہے حضرت سفیان ابن عیینہ نے فرمایا العدل ھھنا استواء السریرۃ والاحسان ان تکون السریرۃ افضل من العلانیۃ کہ یہاں عدل کا معنی یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں یکساں ہوں احسان کا مطلب یہ ہے کہ باطن ظاہر سے بھی زیادہ پاکیزہ ہو حضرت سیدنا علی کا ارشاد ہے العدل الانصاف والاحسان التفضل یعنی عدل انصاف کرنا اور احسان فضل و کرم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرہ کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا انہی دو چیزوں پر موقوف ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو ہر ایک کو اس کا پورا حق ملے اور قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں لیکن اتنا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے، بُرے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ تم

دوسرے ساتھی کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان کو بھی پیش نظر رکھے یعنی اس کو حق سے زیادہ بھی دے۔ اور اگر اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو اس کے لیے بروقت سزا دینے پر ہی مصر نہ ہو بلکہ عفو و درگزر سے بھی کام لے۔ اسی طرح اس معاشرہ میں صرف یہ نہیں کہ حسد و عناد کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں گے بلکہ انس و محبت کی نسیم بھی ایسے چلنے لگے گی جو مشام جاں کو معطر کر دے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی یہ تعریف منقول ہے ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک یعنی تو اپنے رب کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر مراقبہ کی یہ کیفیت نصیب نہ ہو سکے تو کم از کم یہ تو یقین کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ارباب قلوب میں سے بلند درجہ کے لوگ عبادت کرتے وقت کانک تراہ کے مقام پر فائز ہوتے ہیں اور بعض کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوتی لیکن فانہ یراک کی لذتوں سے وہ بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ تیسرا حکم یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ تم عیش و عشرت کرتے رہو اور تمہارا کوئی رشتہ دار نان شبینہ کا محتاج ہو۔ اسلام نے خاندانی کفالت کا جو قاعدہ مقرر کیا ہے اس پر صحیح طور پر عمل کیا جائے تو ہمارے معاشرے کی کئی مشکلات دور ہو سکتی ہیں۔ شریعت کی طرف سے سربراہ اپنے اہل خانہ کی ذمہ داری عاید ہے۔ اسی طرح اولاد پر اپنے والدین کی کفالت بھی فرض ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرابت کا یہ سلسلہ جہاں تک پھیلتا چلا جائے گا ذمہ داریاں ساتھ ساتھ بڑھتی جائیں گی۔ اسلام کا نظام میراث اسی خاندانی کفالت کی ایک عملی صورت ہے۔ مرنے والے کا ورثہ صرف اس کی اولاد میں بٹ کر نہیں رہ جاتا بلکہ متعدد دیگر رشتہ داروں کو بھی اس میں سے مناسب حصہ ملتا ہے۔ اگر کوئی انسان نادار و بے سہارا ہے اس کا کوئی رشتہ دار بھی زندہ نہیں ہے تو اس کے دور کے رشتہ دار پر اس کی کفالت کی ذمہ داری عاید کی جائے گی۔ اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث پاک کر کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔

وہ تین چیزیں جن سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان میں سے پہلی چیز الفحشاء ہے جس کا معنی ہے کل قبیح من قول و فعل ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو قبیح ہو اسے فحشاء کہتے ہیں۔ اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ اس کا مفہوم کتنا وسیع ہے ہر وہ چیز جس سے فرد یا قوم کے اخلاق بگڑنے کا اندیشہ ہو وہ الفحشاء کی تعریف میں داخل ہوگی۔ "منکر" کا مفہوم ہے ما انکرہ الشرع بالنھی عنہ جس چیز کو شریعت نے ناپسند کیا ہو اور اس سے روکا بھی ہو۔ "بغی" سے مراد حد سے تجاوز کرنا اس میں تکبر، ظلم، حسد اور زیادتی سب آگئیں۔ بعض علماء نے عدل کا یہ مفہوم لکھا ہے کہ عدل کا معنی ہر معاملہ میں درمیانہ روی ہے عقاید ہوں یا عبادات، ہوں یا اخلاق ہوں یا معاملات ہر چیز میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے میانہ روی اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہنا عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ اگر کوئی تجھ پر زیادتی کرے تو بدلہ لینے پر مصر نہ ہو بلکہ عفو و درگزر سے کام لے۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ قوت شہوانیہ کی متابعت میں افراط کو فحشاء کہتے ہیں اور قوت غضبیہ کے مشتعل ہونے کے وقت جو کام کیا جائے اسے منکر کہتے ہیں۔ بغی کا مفہوم لوگوں پر جبر و تشدد کرنا اور ان پر بالادستی قائم کرنا ہے اور یہ قوت وہمیہ کا نتیجہ ہے۔

تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا

نصیحت قبول کرو۔ اور پورا کرو اللہ تعالیٰ کے عہد کو جب تم نے اس سے عہد کیا ـله اور نہ توڑو اپنی

الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۚ

قسموں کو انہیں پختہ کرنے کے بعد حالانکہ تم نے بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا

بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور نہ ہو جاؤ اس عورت کی مانند جس نے توڑ ڈالا اپنا سوت ـله مضبوط

ـله اس آیت میں دو چیزوں کی پابندی سے عمل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اسلام لاتے وقت جو عہد و پیمان بندہ اپنے رب سے کرتا ہے اس کو نبھاؤ اور باہمی معاملات میں جو قسمیں کھائی جاتی ہیں ان کو بھی پورا کرو۔ اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ تم نے اس وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے عہد و پیمان یا قسموں کا گواہ بنایا تھا تو یہ کتنی بڑی ذلالت ہے کہ ایک چیز پر تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بناؤ اور پھر اس کی پابندی کی تکمیل کرنے سے بھاگ جاؤ۔ کفیل کا معنی گواہ ہے کفیلا ای شاھدا (زمخشری) کفیلا ای شھیدا وقیل حافظا وقیل ضامنا (قرطبی) یعنی کفیل کا معنی گواہ ہے اور بعض نے اس کا معنی نگہبان اور بعض نے ضامن بھی کیا ہے۔

ـله اسلام سے پہلے عرب کے مشرکین قبائل کا یہ دستور تھا کہ وہ ایک قبیلہ سے دوستی کا معاہدہ کرتے تھے اس کے بعد اگر انہیں موقع ملتا تو کسی دوسرے قبیلہ سے جو قوت اور دولت میں پہلے قبیلہ سے فزوں تر ہوتا اس کے ساتھ معاہدہ کر لیتے خواہ یہ ان کا نیا دوست قبیلہ ان کے پہلے معاہد قبیلہ کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرزندان اسلام کو اس اخلاقی گراوٹ اور عہد شکنی سے مجتنب رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں کہ تم یہ روش ہرگز اختیار نہ کرو۔ تم نے جو معاہدہ کیا ہے اس کو نبھاؤ اور جو پیمان باندھا ہے اس کو پورا کرو۔ اس خیال سے کہ نیا قبیلہ قوت اور دولت میں پہلے دوست قبیلہ سے زیادہ ہے اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ سابقہ معاہدہ کو بلاوجہ توڑ دیا جائے اور نیا معاہدہ اس قبیلہ سے کیا جائے۔ ایسا کرنا تمہارے مقام سے بہت فروتر ہے۔ تم تو مکارم اخلاق کے داعی بنا کر بھیجے گئے ہو اگر تم نے ایسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا تو لوگ مکارم اخلاق کا درس کس سے حاصل کریں گے۔ سیرت کی پختگی اور اطوار کی پاکیزگی کا نمونہ انہیں کہاں دستیاب ہوگا۔ اور اس عہد شکنی کو اپنی سیاسی فراست وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کر کے اپنے آپ کو دھوکہ نہ دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری مثال اس احمق عورت کی سی ہوگی جو دن بھر سوت کاتتی رہتی ہے اور شام ہوتی ہے تو اس کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کر کے جس حماقت کا تم ثبوت دو گے وہ اس عورت کی بے وقوفی سے کم ہرگز نہیں ہوگا۔ دخل: ما یدخل فی الشیء ولم یکن منہ کسی چیز میں ایسی چیز ملانا جو اس سے نہ ہو۔ اس کا معنی دغابازی اور فریب کاری ہے۔ اربی۔ ربا سے ہے اس کا معنی ہے زیادہ ہونا یعنی اکثر عددا و اوفر مالا۔

مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ

کاتنے کے بعد اور اسے پارہ پارہ کر ڈالا۔ تم بناتے ہو اپنی قسموں کو ایک دوسرے کو فریب دینے کا ذریعہ تاکہ

تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ

اس طرح ہو جائے ایک گروہ زیادہ فائدہ اٹھانے والا دوسرے گروہ سے صرف آزماتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ ان قسموں سے ١١١ اور واضح

لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

فرما دیگا تمہارے لیے قیامت کے روز ان باتوں کو جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ

لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

تو بنا دیتا تمہیں ایک امت لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا

جسے چاہتا ہے ١١٢ اور ضرور تم سے باز پرس کی جائیگی ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو ١١٣ آپس میں

١١١ وعدوں کی پابندی سے نبھانا ایک بڑی آزمائش ہے۔ ایفاء عہد کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے اور دیکھنا چاہتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد تم اسلام کے تقاضوں کو کس حد تک پورا کرنے کی ہمت اور جرأت کا ثبوت بہم پہنچاتے ہو۔

١١٢ جن کو اللہ تعالیٰ نظر انداز کر دیتا ہے وہ راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں اور اس کی توفیق جس شخص کی دستگیری فرماتی ہے وہی ثابت قدمی سے صراط مستقیم پر گامزن رہتا ہے۔

١١٣ یہاں ایک بار پھر عہد شکنی اور دوستوں سے غداری اور دھوکہ بازی سے روکا جا رہا ہے نیز عہد شکنی کی وجہ سے جو برے اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کی طرف بھی ملت اسلامیہ کی توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر تم نے عہد شکنی کی تو اس طرح دوسرے لوگوں کو بھی عہد شکنی کا بہانہ مل جائیگا نیز جب تمہاری عہد شکنی کا چرچا ہوگا تو تمہاری اس حرکت کو دیکھ کر لوگ اسلام سے بدظن ہو جائیں گے اور ان کا یہ کہنا بجا ہوگا کہ جب اس دین کے ماننے والے ایسی گھٹیا حرکتیں کرتے ہیں تو ایسے دین کو دور سے ہی سلام۔ اس کے علاوہ دنیا میں تمہارا بھرم ختم ہو جائیگا اور تمہارے قول و قرار پر کسی کو اعتماد نہیں رہیگا جس طرح تم اپنے معاملات اور معاہدات میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہو تمہارے دشمن بھی تمہارے ساتھ مخلصانہ برتاؤ نہیں کریں گے۔ یہ ساری خرابیاں جو تمہاری عہد شکنی پر مرتب ہونگی ان کے تم ذمہ دار ہو گے اور تمہیں اس کی سزا بھگتنی ہوگی۔ قرآن حکیم کی تعلیمات کتنی واضح ہیں اپنے ماننے والوں کو معاہدوں کی حرمت پر پابندی کا کتنا

أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا

فریب دینے کا ذریعہ۔ ورنہ (جادۂ حق سے) پھسل جائے گا لوگوں کا قدم (اس پر) جم جانے کے بعد اور تمہیں چکھنا پڑے گا اس کام

السُّوءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٩٤﴾

کا برا نتیجہ کہ تم نے (اپنی عہد شکنی اور فریب کاری) کے باعث لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا ﴿٩٢﴾ اور تمہارے لیے بڑا دردناک عذاب ہوگا۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ

اور مت خریدو اللہ تعالیٰ کے عہد کو تھوڑی سی قیمت کے عوض ﴿٩٣﴾ بیشک جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی بہتر ہے

خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٥﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۖ وَمَا

تمہارے لیے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو

صاف کہہ دیئے ہیں۔ پھر تفصیل سے ان مہلک نتائج کی نشاندہی فرمائی جو ایک مسلمان کی عہد شکنی پر مرتب ہوتے ہیں۔

﴿٩٢﴾ اگر ہم حقیقت پسند بن کر غور کریں اور صورتحال کو صحیح جانچنے کی ہمت بھی رکھتے ہوں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ تبلیغ اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہماری اپنی بداعمالیاں ہیں۔ حالانکہ اس دور میں جبکہ آمد و رفت کے ذرائع آسان ہو گئے ہیں اور تبلیغ و اشاعت کے وسائل سہل بھی ہیں اور ارزاں بھی، دنیا اسلام سے وسیع علاقوں کے محروم رہنے کی اور کوئی وجہ نہیں۔ ہر چند کہ عقل نے وحی سے رشتہ منقطع کر کے منزل مقصود تک پہنچنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن اس کی ہر ایسی کوشش کا نتیجہ بڑا خوفناک نکلا۔ انسان ہر قسم کے خودساختہ ازموں کو آزما کر تھک ہار گیا ہے۔ اس کا دل شکستہ ہو گیا ہے۔ اب وہ محسوس کرنے لگا ہے کہ عقل کی آنکھ وحی الٰہی کے بغیر بینا نہیں ہو سکتی۔ تشنہ لب انسانیت کو اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھانے کی دعوت دینے کا اب بہترین وقت تھا لیکن ہم نے اپنی بدکاریوں کے خس و خاشاک سے اس چشمہ کو آلودہ اور مکدر کر دیا ہے کہ کوئی اس طرف رخ کرنے کی خواہش ہی نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم نے فریب دہی، عہد شکنی اور دیگر رذائل سے اپنی سیرت کا دامن آلودہ کر لیا تو یاد رکھو اشاعت دین کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تم ہی ہو گے اور اس سنگین جرم کے نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ تذوقوا السوء کے کلمات کتنے معنی خیز ہیں۔ امام قرطبی کا خیال ہے کہ ان سے مراد ہے ای تذوقوا السوء فی الدنیا وھو ما یحل بھم من المکروہ۔ (قرطبی)

﴿٩٣﴾ جن فوائد اور منافع کے پیش نظر تم عہد شکنی کر رہے ہو وہ تمہاری نظروں میں بڑے اہم کیوں نہ ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ فوائد اور منافع تمہارے قول و قرار کی بہت ہی گھٹیا قیمت ہیں اور اتنی سستی قیمت پر مومن کو اپنا قول و قرار بیچتے ہوئے شرم آنی چاہیے۔ اس آیت میں ان حکام اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو منصب سنبھالتے ہوئے عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کا عہد

عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوٓا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم ضرور عطا کریں گے انہیں جنہوں نے (مصیبت میں) صبر کیا ان کا اجر ان کے اچھے اعمال

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

کے عوض جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو بھی نیک کام کرے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو

کیا تھا اور اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے کہ اب ہم اس کو بہترین شکل میں بیان کر رہے ہیں کیا تمہیں یہ سودا منظور ہے۔

۱۲۵ ہر شخص کی ضرورت تسلی ہے جو دنیا داری ہو وہ گیا یا جو مال اکٹھا کیا ختم ہوگیا کیوں نہ فرمایا کہ تمہارے پاس جو ہے وہ ختم ہونے والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانے بے پایاں ہیں وہ ختم نہیں ہوتے۔ تم باقی کے بدلے فانی کو کیوں پسند کرتے ہو۔ تم دنیا کے لالچ کے باعث عہد کریم کو نہ توڑو اور نقض عہد کی غلطی نہ کرو۔ وہ تمہیں اپنے خزانۂ غیب سے ایسی برکتیں مرحمت فرمائے گا جو تمہاری ساری ضروریات کی کفیل بن جائیں گی۔

۱۲۶ مغرب کی مادی تہذیب کے علمبرداروں کے ذہن میں حقیقی زندگی کا مفہوم دنیاوی زندگی تک محدود ہے۔ ان کی ساری کوششیں اسی دنیوی زندگی کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار، آرام دہ اور پرجلال بنانے پر مرکوز ہیں۔ وہ جو کام کرتے ہیں ان کے پیش نظر فقط مادی منفعت ہوتی ہے حتیٰ کہ جو ضابطۂ اخلاق انہوں نے اپنا رکھا ہے جسے دیکھ کر ظاہر بین لوگ ان کی اخلاقی برتری کی تعریف کیا کرتے ہیں اس کی تہ میں بھی کاروبار کی ترقی، معاشی خوشحالی یا سیاسی وقار اور اقتدار کی ہوس ہی پنہاں ہوتی ہے۔ لیکن صد افسوس وہ قوم جس کا بنیادی عقیدہ ہی دار آخرت پر ایمان تھا وہ بھی مادی تہذیب کی ظاہری ترقی سے مرعوب ہو رہی ہے۔ دن بدن ان کے ذہن میں بھی عقیدۂ آخرت کی اہمیت گھٹتی جا رہی ہے۔ وہ بھی تیزی سے اس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں کہ قرآن کی تعلیم کا مقصد فقط آخرت کی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے۔ ہماری اس دنیوی زندگی کو خوشیوں سے ہمکنار کرنا نہ اس کے مقاصد میں داخل ہے اور نہ اس کی دسترس میں ہے بلکہ یہ حضرات احکام شریعت کو اپنی دنیوی ترقی میں ایک رکاوٹ تصور کرنے لگے ہیں اگرچہ ہم بظاہر اس کا اعتراف کرنے سے جھجکتے ہیں لیکن اپنے معاملات میں جب بھی کوئی شرعی حکم ہمارے مفاد سے ٹکراتا ہے تو ہم بڑی آسانی سے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ ایسے اقدام پر ہمارے ضمیر سے جو بڑے زور و شور سے احتجاج پہلے بلند ہوا کرتا تھا اس کا جوش و خروش بھی مدھم پڑ گیا ہے۔ اس کا اس کے سوا اور کوئی سبب نہیں کہ ہم یہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام کی پابندی سے ہمارے کاروبار کی ترقی رک جائے گی اور ہمارا معیار زندگی بلند نہیں ہو سکے گا۔ قرآن کریم کی اس آیت طیبہ میں اس غلط فہمی کو دور کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہو کر اسلام کے پیش کیے ہوئے ضابطۂ حیات کو اپنا لیتے ہیں خواہ وہ مرد ہوں یا عورت، شرقی ہوں یا غربی! ان کے دونوں جہان سنور جاتے ہیں۔ ایمان اور اعمال صالحہ کا جو صلہ انہیں اس دنیا میں ملے گا اس کو قرآن پاک نے حیاۃ طیبہ کے جامع الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ حیاۃ طیبہ کا لفظی معنی پاکیزہ زندگی ہے لیکن اس کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ ساری پائندہ مسرتیں اور حقیقی کامیابیاں اس میں سمٹی ہوئی ہیں۔ دولت

فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا

تو ہم اسے عطا کریں گے ایک پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور دیں گے انہیں ان کا اجر ان کے اچھے (اور مفید) کاموں کے عوض

يَعْمَلُونَ ﴿٩٧﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ

جو وہ کیا کرتے تھے۔ سو جب تم قرآن کی تلاوت کرنے لگو تو پناہ مانگو اللہ تعالیٰ سے اس شیطان (کی وسوسہ اندازیوں)

کی فراوانی اور سامان تعیش کی بہم رسانی کے باوجود دل کو قرار اور اطمینان نصیب نہیں ہوتا اور جب تک دل میں اطمینان کی شمع روشن نہ ہو سچی خوشی اور حقیقی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ کا دل ایمان باللہ سے منور ہے اور آپ کی شاہراہ حیات اعمال حسنہ کے چراغوں سے جگمگا رہی ہے تو آپ کسی طرح ایک کٹیا میں بیٹھے ہوئے بوسیدہ لباس میں بھی مسرور و شاداں ہو سکتے ہیں لیکن دل کے گھر میں اگر کفر کے اندھیرے خیمہ زن ہوں، شکوک و شبہات کے عفریت چنگھاڑ رہے ہوں تو وہاں مسرت کا گزر کیسے ہو سکے گا۔ آپ مغربی ممالک کی ظاہری ترقی پر بھی فریفتہ نہ ہو جائیے ان کے معاشرہ کی گہرائیوں میں اتر کر دیکھیں مسرت، اطمینان، اعتماد نام کی کوئی چیز آپ کو وہاں شاذ و نادر ہی دستیاب ہوگی۔ بجائے اپنے معاشرہ میں جہاں جہاں اس مغربی فلسفہ اور تہذیب و ثقافت سے بہرہ ور طبقے نے قدم جمائے ہیں ان خاندانوں کی بنیادیں لرز گئی ہیں۔ باہمی محبت، اعتماد اور باہمی ایثار کی جگہ خود غرضی اور بے اعتمادی نمودار ہو رہی ہے۔ بچے اپنے والدین کے نافرمان بنتے جا رہے ہیں۔ دولت کے حصول کا بھوت ہم پر مسلط ہو چکا ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا آدمی دولت سمیٹنے میں ہمہ تن مصروف ہے الا ماشاء اللہ۔ حلال و حرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔ ہماری بے بسی کا یہ عالم ہے کہ ہم دولت فراہم کرنے کے لیے اپنے ملک اور اپنی قوم سے غداری کرنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔ سڑکوں اور پلوں کی تعمیر میں جو بددیانتی سے باز نہیں آتے جن کا براہ راست ہماری جان سے تعلق ہے۔ ہسپتالوں میں ادویہ کے ٹھیکے ٹھیکیدار لے رہے ہیں لینے میں کون سی ایسی قباحت ہے جس کا چرچا خاص و عام کی زبانوں پر نہیں۔ کیا یہ دولت جو ہم اس طرح اکٹھی کرتے ہیں ہمیں اطمینان اور خوشی کی نعمت سے مالا مال کر سکتی ہے۔ قومی مفاد کے ساتھ غداری کر کے کیا ہم اپنے آپ کو محب وطن اور قابل فخر شہری کہلانے کا حق رکھتے ہیں۔ حیاۃ طیبہ کے لیے ان میں عزت نفس ہے بلند نظری ہے اور اولوالعزمیاں ہیں ایثار و خلوص ہے قناعت ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی بازی جیتنے کا ایک بہا قیمتی جوہر ہے۔ یہ حیاۃ طیبہ ساری دولتوں سے بڑی دولت ہے۔ ساری عزتوں سے بڑی عزت ہے اور ساری راحتوں سے بڑی راحت ہے اور وہ اسی کو ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کا نور فروزاں ہوتا ہے جس سے اس کا ظاہر اور اس کا باطن، اس کا قول اور اس کا عمل جگمگا رہا ہوتا ہے۔ یہ وہ انعام ہے جو ایک بندہ مومن کو اس دنیا میں بخشا جاتا ہے لیکن یہ زندگی بہرحال فانی ہے اسے ایک دن یقیناً ختم ہونا ہے لیکن ایمان کا چراغ اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد بھی روشن رہتا ہے اور اس کی برکت سے آئندہ زندگی جو ابدی ہے جو جاوداں ہے وہ بھی راحتوں اور مسرتوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

۹۸۔ قرآن کریم کی تلاوت کے آداب بتائے جا رہے ہیں کہ پڑھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ مانگو کہ فہم

الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى

سے جو مردود ہے ۔ یقیناً اس کا زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو (سچے دل سے) ایمان لاتے ہیں اور

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

اپنے رب پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں ۱۰۱ اس کا زور تو صرف ان پر چلتا ہے جو یارانہ گانٹھتے ہیں اس سے اور جو

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ ع ۱۳ ۱۵

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں ۔ ۱۰۲ اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کو دوسری آیت کی جگہ ۱۰۳ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

قرآن میں شیطان کی فتنہ انگیزیوں سے تم محفوظ رہ سکو۔

۱۰۱ شیطان ایسے لوگوں پر قطعاً غالب نہیں آسکتا جو صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور عملی دنیا میں اللہ تعالیٰ پر توکل کیے مصائب و آلام کے طوفانوں کا مقابلہ کرتے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

۱۰۲ شیطان تو صرف ان بدنصیبوں کو ہی اپنے شکنجہ میں کس لیتا ہے جو اس کو اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں اسی کو اپنے امور میں اپنا رفیق و دلیل راہ سمجھتا ہے جو اس کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اس کے اشارے پر رقص کرتے ہیں وہ گو بظاہر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں لیکن شیطان جب اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانے کا ارشاد کرتا ہے تو بے چون و چرا اس کے اس حکم کی بھی اطاعت کرتے ہیں۔

۱۰۳ یہ درست ہے کہ شریعت کے بیشتر احکام کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ مکہ میں ہجرت سے پہلے کوئی شرعی حکم ہی نازل نہیں ہوا تھا ایک غلط فہمی ہے آخر یہ کیسے باور کیا جائے کہ رسالت محمدیہ کے ابتدائی تیرہ سال کا یہ طویل عرصہ کسی نظام کے بغیر گزر گیا ہو یقیناً یہاں بھی احکام کا نزول ہوا حالات کے مطابق ان میں رد و بدل کیا گیا جس پر کفار کو یہ الزام لگانے کا موقع ملا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کفار نے اس امر پر اعتراض کیا ہو کہ ایک واقعہ کو متعدد بار مختلف اسلوبوں سے کبھی تفصیلاً کبھی اجمالاً کیوں بیان کیا گیا ہے۔ ایک ہی چیز کو ثابت کرنے کے لیے مختلف مقامات پر نئے دلائل پیش کرنا ہرگز قابل اعتراض نہیں بعض واقعات کو مختلف مقامات پر مختلف انداز میں کبھی تفصیلاً اور کبھی اجمالاً ذکر کیا گیا ہے وہ کلام کے سیاق و سباق میں اسی موزونیت سے چسپاں ہوتے ہیں کہ اگر مقام تفصیل کی جگہ اجمال یا مقام اجمال کی جگہ تفصیل کی جاتی تو قطعاً موزوں نہ ہوتا۔

ایک صاحب نے اس آیت کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ کفار کو یہ اعتراض تھا کہ سابقہ کتب کی جگہ نئی کتاب کیوں نازل کی جا رہی ہے لیکن یہاں تو ذکر آیت سے آیت کو بدلنے کا ہے نہ کہ کتاب کو کتاب سے بدلنے کا۔ اور ان دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

جو وہ نازل کرتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں تم صرف افترا پرداز ہو۔ بلکہ ان میں سے اکثر (آیات کے تبدل کی حکمت کو) نہیں جانتے ۱۲۱

قُلْ نَزَّلَهُۥ رُوحُ ٱلْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ لِيُثَبِّتَ ٱلَّذِينَ

فرمائیے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ ۱۲۲ تاکہ ثابت قدم رکھے انھیں جو

ءَامَنُوا۟ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿١٠٢﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ

ایمان لائے ہیں اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے ۱۲۳ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ

يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُۥ بَشَرٌ ۗ لِّسَانُ ٱلَّذِى يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ

کہتے ہیں کہ انھیں تو یہ قرآن ایک انسان سکھاتا ہے ۱۲۴ حالانکہ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ تعلیم قرآن کی نسبت کرتے ہیں

۱۲۱۔ یعنی احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں ہیں ان میں غور و فکر کرتے نہیں اور اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کفار کا مقصد تحقیق حق اور تلاش حق نہیں تھا۔ وہ اپنے قول کی معقولیت یا عدم معقولیت کے متعلق سوچنے کی زحمت گوارا نہ کرتے بلکہ ان کے پیش نظر اعتراض برائے اعتراض تھا۔

۱۲۲۔ جس بے باکی سے انھوں نے زبان درازی کی اسی قوت سے ان کا رد کیا جا رہا ہے۔ فرمایا اسے لے کر روح القدس اترا ہے اور آپ کے پروردگار کے پاس سے لے کر آیا ہے اور حق کے ساتھ لایا ہے۔ جو کلام سراپا حق ہو جس میں باطل کی ذرا آمیزش نہ ہو اور اس کو بھیجنے والا خود رب ہو اور لانے والا ایک مقدس فرشتہ ہو جو ہر قسم کی انسانی کمزوریوں سے یکسر پاک ہو نہ وہ نسیان کا مریض ہو کہ بھولنے کا امکان ہو نہ اس کی کوئی ذاتی غرض ہو جس کی وجہ سے وہ اس میں رد و بدل کا خواہاں ہو اور نہ وہ بددیانت اور خائن ہو تو پھر ایسے کلام کو ماننے میں تامل کرنا اور اسے افترا کہنا ایک نادان کا کام ہی ہو سکتا ہے۔

۱۲۳۔ بر محل اور بروقت احکام کی تبدیلی میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں انھیں دیکھ کر اہل ایمان کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کلام کسی علیم و حکیم ہستی کا ہے جو ہر قسم کی ضرورتوں اور مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ یہ کتاب سراپا ہدایت ہے اور جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل پیرا رہتے ہیں ان کے لیے تو یہ فلاح دارین اور خوشخبری کا ذریعہ ہے۔

۱۲۴۔ جب انسان بوکھلا جاتا ہے تو معقولیت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ جب قرآن کریم کے متعلق ان کے تمام شبہات کا جواب دے دیا گیا اور قرآن کا یہ دعویٰ کہ اس جیسی کتاب نہیں تو اس کی چھوٹی سی سورت کی مانند سورت بنا لانے کے چیلنج نے جب ان کے عجز پر مہر ثبت کر دی تو کہنے لگے کہ کوئی سکھاتا ہے اور یہ سیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ سیکھتے ہیں تو کس سے سیکھتے ہیں کوئی

أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

عجمی ہے۔ اور یہ قرآن فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان نہیں لاتے

بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٠٤﴾ إِنَّمَا

اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت نہیں دیتا ۱۳۰ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ وہی لوگ

يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ

تراشا کرتے ہیں جھوٹ ۱۳۱ جو ایمان نہیں لاتے اللہ تعالیٰ کی آیات پر اور یہی لوگ

جواب بہت آسان ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا علماء یہود سے، کوئی کسی رومی سے، کسی نے مغیرہ کے ایک غلام یعیش کا نام لیا۔ کوئی عیش اور جبر کو استاد ظاہر کرتا۔ حسن اتفاق ملاحظہ ہو کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی مادری زبان عربی ہو۔ سارے کے سارے عجمی تھے اور سارے غلام تھے اور ان میں سے اکثر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ ان کے کافر آقا ان پر سخت ظلم کرتے تھے لیکن ان کے پاؤں نہ ڈگمگاتے تھے۔ اگر یہ حضور کو قرآن سکھانے والے ہوتے تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا کر اپنے آپ کو سنگدل آقاؤں کے ظلم و ستم کا ہدف بننے کی کیا ضرورت تھی۔ نیز اگر کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیکھتے تو وہ کوئی ایک ہی ہوگا۔ کفار کا مختلف لوگوں کے نام لینا ان کے جھوٹے ہونے کی صریح نشانی تھی اور سب سے بڑی دلیل ان کے جھوٹے ہونے کی یہ تھی جسے قرآن حکیم نے ذکر فرما دیا ہے کہ تم جو لغت عرب کے امام ہو اور فصاحت و بلاغت کے معیار ہو، تم قرآن کی ایک سورت جیسی ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ بنا سکے۔ یہ عجمی غلام جنہیں صبح سے لیکر شام تک اپنے دھندے سے فرصت نہیں ملتی وہ اتنے ماہر کہاں سے آگئے کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام بنا سکیں جس کے ہر جملہ میں علم و حکمت کے سمندر موجزن ہیں۔ مبین کا معنی علامہ قرطبی نے کیا ہے: ای افصح ما یکون من العربیۃ یعنی فصاحت و بلاغت کی انتہائی حد۔

۱۳۰ یہاں پھر ایک حقیقت کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ فرمایا ان لوگوں کو ہدایت نہیں ملتی جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔ ناقابل تردید دلائل کے باوجود اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے مقدر میں گمراہی لکھ دی جاتی ہے۔

۱۳۱ کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مفتری ہونے کا الزام لگانے کی گستاخی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا افترا باندھنا تو تمہارا شیوہ ہے، جھوٹ بولنا تو تمہاری عادت ہے۔ میرے محبوب کا مقام تو بڑا بلند ہے۔ اس کے غلام بھی جھوٹ اور غلط بیانی سے اپنی زبان آلودہ نہیں کرتے۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکون المؤمن جبانا؟ قال نعم۔ قیل له ایکون المؤمن بخیلا؟ قال نعم۔ قیل له ایکون المؤمن کذابا؟ قال لا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کیا مومن بزدل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ کیا مومن بخیل ہوتا ہے؟ فرمایا ہاں۔ کیا مومن جھوٹا ہوتا ہے؟ فرمایا نہیں۔

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ

جھوٹے ہیں ۔ جس نے کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان لانے کے بعد بجز اس شخص کے جسے مجبور

اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

کیا گیا اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان کے ساتھ (تو اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں) لیکن وہ (بدنصیب) کھول دے کفر کے ساتھ

۱۴۶ یہ آیت حضرت عمار کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک دفعہ کفار نے آپ کو، آپ کے والد یاسر کو اور آپ کی والدہ سمیہ کو پکڑ لیا انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں تاکہ وہ اسلام سے دستبردار ہو جائیں لیکن بے سود۔ آخر انہوں نے حضرت سمیہ کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے باندھ دی اور ابوجہل نے ان کے اندام نہانی میں نیزہ مارا اور دونوں اونٹوں کو مختلف سمتوں میں دوڑا دیا۔ یہاں تک کہ جسم اطہر کے دو حصے ہو گئے۔ یہ پہلی شہیدہ ہیں جنہوں نے اپنی جان راہ خدا میں دی۔ پھر حضرت یاسر کو پکڑا اور ان کو بھی بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔ یہ تاریخ اسلام کے دوسرے شہید ہیں جن کے خون پاک سے زمین لالہ گوں ہوئی۔ اس کے بعد ان ظالموں نے حضرت عمار کو پکڑا اور انہیں مجبور کیا کہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ آپ کی والدہ اور والد کے لاشے سامنے تڑپ رہے تھے انہوں نے بادل نخواستہ زبان سے کلمات کفر کہہ دیئے۔ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی کہ عمار تو کافر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلا ان عمارا ملئ ایمانا من قرنه الی قدمه واختلط الایمان بلحمه ودمه ہرگز نہیں عمار تو سر سے لیکر قدم تک ایمان سے لبریز ہے ایمان اس کے گوشت اور خون میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ حضرت عمار وہاں سے چھٹکارا پاکر روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور نے پوچھا کیف وجدت قلبك اے عمار اس وقت تیرے دل کی کیا کیفیت تھی عرض کی مطمئنا بالایمان میرا دل ایمان سے مطمئن تھا اس میں شبہ پیدا نہ ہوا تھا۔ اپنے غلام کی اشکبار آنکھوں کو اپنے دست کرم سے پونچھا اور فرمایا ان عادوا لك فعد لهم بما قلت (مظہری) اس سے معلوم ہوا کہ اپنی جان بچانے کے لیے اگر کوئی شخص کلمہ کفر زبان پر لائے بشرطیکہ اس کے دل میں یقین اور ایمان موجود ہو تو اس کی اجازت ہے لیکن افضل اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے لیکن کلمہ کفر اپنی زبان پر نہ آنے دے۔ والافضل والاولی ان یثبت علی دینه ولو افضی الی قتله (ابن کثیر)

جس طرح بیشمار صحابہ کرام نے اپنی جان دے دی لیکن تختہ دار پر بھی اپنے اسلام کا اعلان کرتے رہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ کا ایک ایمان افروز واقعہ لکھا ہے آپ بھی پڑھیے اور غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی جان بازی اور سرفروشی کی داد دیجیے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ کو رومیوں نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس لے آئے اس نے آپ کو کہا کہ عیسائی بن جاؤ میں تمہیں اپنی حکومت میں بھی حصہ دونگا اور اپنی بیٹی کا رشتہ بھی دونگا۔ آپ نے فرمایا لو اعطیتنی جمیع ما تملك وجمیع ما تملکه العرب علی ان ارجع عن دین محمد طرفة عین ما فعلت یعنی اگر تم مجھے اپنی ساری دولت دے دو اور سارے اہل عرب کی دولت بھی مجھے دے دو کہ میں ایک لمحہ

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾

(جس کا سینہ کھل گیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ

اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے پسند کر لیا دنیا کی (فانی) زندگی کو آخرت کی (ابدی) زندگی پر اور بیشک اللہ تعالیٰ

کے لیے بھی اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے منحرف ہو جاؤں تو بھی میں یہ قبول نہیں کرونگا۔ اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں قتل کردونگا
آپ نے فرمایا یہ تیری مرضی۔ اس نے آپ کو سولی پر لٹکانے کا حکم دیا اور تیراندازوں کو کہا کہ انکے ہاتھوں اور پاؤں پر آہستہ آہستہ تیر
چلاؤ۔ انھوں نے ایسا کرنا شروع کیا۔ اور اس نے پھر عیسائیت قبول کرنے کی پیشکش کی آپ نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے سولی سے اتارنے
کا حکم دیا۔ پھر ایک تانبے کی دیگ آگ پر تپائی گئی۔ اور ایک مسلمان قیدی کو حضرت عبداللہ کے سامنے اس میں پھینک دیا گیا اور اس نے
وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس دھمکی کے بعد پھر اس نے کوشش کی کہ یہ عیسائیت کو قبول کریں۔ آپ انکار کرتے رہے۔ آخر انھیں دیگ
میں پھینکنے کا حکم دیا۔ جب جلاد انھیں اٹھا کر اس تپتی ہوئی دیگ کی طرف لیجا رہے تھے تو ثبات و استقامت کے اس پہاڑ میں اضطراب کی
ہلکی سی جھلک بھی نہ تھی جب دیگ کے کنارے تک پہنچے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ بادشاہ کو خیال آیا کہ شاید اب اسلام کو
چھوڑ کر میرا مذہب قبول کریں گے اس لیے واپس لانے کا حکم دیا۔ رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس لیے رو پڑا تھا کہ میری ایک
جان ہے جسے رضائے الٰہی کے لیے اس دیگ میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاش میرے پاس اتنی جانیں ہوتیں جتنے میرے جسم پر بال ہیں اور
میں سب کو اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس عذاب میں ڈال دیتا۔ بادشاہ نے آپ کو قید کر دیا اور کھانا پینا بند کر دیا۔ کئی
دن بھوکا اور پیاسا رکھنے کے بعد کچھ شراب اور کچھ خنزیر کا گوشت ان کی طرف بھیجا لیکن آپ نے ہاتھ تک نہ لگایا۔ بادشاہ نے پھر اپنے دربار
میں طلب کیا اور نہ کھانے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا حالت اضطرار میں اگرچہ اس کا استعمال حرام نہیں لیکن میں تجھے یہ موقع نہیں دینا
چاہتا تھا کہ تو میرے ایمان کی کمزوری کے باعث اظہار خوشی کرے۔ بادشاہ نے کہا اس طرح کرو میرے سر کو بوسہ دو اور میں تمہیں
آزاد کر دوں گا۔ آپ نے فرمایا کیا میرے ساتھ تمام دوسرے مسلمان اسیروں کو آزاد کر دو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ چنانچہ آپ نے اس کے سر کو
چوما۔ اس نے آپ کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ جب یہ سب حضرت فاروق اعظم کے پاس پہنچے اور آپ کو یہ ماجرا
سنایا تو آپ نے فرمایا حق علی کل مسلم ان یقبل رأس عبد اللّٰہ بن حذیفة وانا ابدأ فقام فقبل رأسه رضی اللّٰہ عنہما۔
کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ عبداللہ کا سر چومے اور ابتدا میں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔

١٢٩؎ یعنی اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی طرف پھر لوٹ آئے اور اس سے خوشی محسوس کرے ایسے شخص کے لیے
عذاب الیم کے ساتھ غضب خداوندی بھی ہے۔

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى

ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کافر ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے جن کے

قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

دلوں، جن کے کانوں اور جن کی آنکھوں پر نیز یہی لوگ (اپنے اعمال کے نتائج سے) غافل ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

ضرور یہی لوگ آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ پھر بیشک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ

هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ

جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور (مصائب میں) صبر سے کام لیا بیشک آپ کا رب

ع ۱۴ / ۲۰ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ

ان آزمائشوں کے بعد (انکے لیے) بڑا بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (اے حبیب) ان کو یاد کرو جب آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کر رہا ہوگا

۱۶۰ جن لوگوں نے دین اسلام سے رشتہ جوڑ کر توڑ دیا جنہوں نے دنیوی زندگی کی آسائش و آرام پر دار آخرت کو قربان کر دیا ایسے لوگوں کو ہدایت جیسی نایاب اور بیش قیمت نعمت سے نوازا نہیں جاتا بلکہ ان سے فہم و خرد کی قوت سلب کر لی جاتی ہے۔ دیدہ حق بیں بے نور ہو جاتا ہے اور کان آواز حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں۔

۱۶۱ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور اسی قسم کے دوسرے ارباب اخلاص کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے وطن کو چھوڑا۔ حق و باطل کی ہر جنگ میں حق کا پرچم بلند کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور اس راہ میں جس مصیبت اور تکلیف سے انہیں واسطہ پڑا۔ بڑے صبر کے ساتھ اس کو برداشت کیا۔ تو اے محبوب انہیں بتا دو کہ آپ کا رب غفور رحیم ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کی نسبت بار بار اپنے محبوب کی طرف کی ہے۔ اس کی شان اور اس کی لطافتوں سے وہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں جنہیں مکتب عشق میں زانوئے ادب تہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہو۔

عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(صرف) اپنے متعلق جھگڑتا اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائیگا

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن والی اور چین سے (آباد) تھی آتا تھا اسکے پاس

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا

اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پھر اس (بستی کے باشندوں) نے ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی پس چکھایا

۱۳۳ اس روز ہر شخص کو اپنی فکر دامنگیر ہوگی۔ عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے وہ سو سو حیلے کرے گا۔ اگر انکار جرم میں اپنی سلامتی محسوس کریگا تو بلا جھجک مکر جائیگا اور کہے گا میں نے تو قطعاً کوئی جرم کیا ہی نہیں۔ میری ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں بسر ہوئی۔ لیکن جب فرشتے اس کی زندگی کا مکمل ریکارڈ پیش کر دیں گے اور اسکے اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضا اس کی غلط کاریوں پر گواہی دینگے تو پھر وہ اقبال جرم کرکے فوراً معذرت خواہی کرنے لگے گا اور طرح طرح کے حیلے بہانے پیش کریگا لیکن اس روز کسی قسم کی حیلہ سازی کام نہیں آئے گی۔ ہر شخص کو اس کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائیگا۔ نیکوں کی نیکیاں فراموش نہیں کی جائیں گی بلکہ انھیں ان کا نیک بدلہ ملیگا اور بروں کی برائیاں اپنا رنگ لاکر رہیں گی اور انھیں سزا بھگتنی پڑیگی۔

۱۳۴ ظلم یہ ہے کہ نیکوں کی نیکیاں فراموش کردی جائیں اور مجرموں کو ان کی برائیوں سے زیادہ سزا دی جائے ایسا نہیں ہوگا اگر نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر ان کے حق سے زیادہ دیا جائے یا بروں کی سزا میں تخفیف کردی جائے تو یہ ظلم نہیں بلکہ ایسا عدل وانصاف ہے جو فضل وکرم کا آئینہ دار ہے اور اس کی شان کریمی کو یہی زیبا ہے۔

۱۳۵ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آیت میں قریہ سے مراد مکہ ہے کیونکہ مکہ کو جو عزت وشرف حاصل تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ یہاں ہر طرح کا امن وامان تھا۔ کوئی حملہ آور اس پر چڑھائی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے باشندے جہاں جاتے لوگ ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتے۔ کوئی ڈاکو یا راہزن ان پر دست درازی نہ کرتا۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں غلہ سبزیاں پھل بکثرت دستیاب ہوتے۔ یہاں تک کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے بجائے اس کے کہ اہل مکہ ایمان سے مشرف ہوکر مزید عنایات الٰہیہ کے مستحق بنتے انھوں نے نافرمانی کی اور انعامات ربانی کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفران نعمت کو اپنا شعار بنایا۔ چنانچہ اسلام کے ساتھ ان کی دشمنی کا طویل سلسلہ شروع ہوا جس کے باعث امن وامان درہم برہم ہوگیا۔ ہر گھر میں آئے دن صف ماتم بچھنے لگی۔ تجارت کی وہ گرم بازاری باقی نہ رہی۔ قحط وخشک سالی نے انکا ناطقہ بند کردیا۔ اس آیت میں اسی امر کو ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آیت میں قریہ سے مراد کوئی خاص گاؤں نہیں بلکہ کوئی گاؤں کوئی بستی جسکے باشندوں نے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرکے اپنے آپ کو طرح طرح کے مصائب سے دوچار کردیا۔

اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ

انھیں اللہ تعالیٰ نے (بطور سزا) پہنا دیا انھیں بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور آیا

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ

ان کے پاس رسول انہی میں سے پس انھوں نے اسے جھٹلایا پھر پکڑ لیا انھیں عذاب نے اس حال میں کہ وہ

ظٰلِمُوْنَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ

ظلم و ستم کیا کرتے تھے۔ پس کھاؤ اس سے جو رزق دیا تمھیں اللہ تعالیٰ نے جو حلال (اور) طیب ہے۔ اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا

اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١١٤﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ

اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ اس نے تم پر حرام کیا ہے صرف مردار (

الدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ

خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر بلند کیا گیا ہو غیر اللہ کا نام ذبح کرتے وقت ۱۳۵ پس جو مجبور ہو جائے نہ سرکشی کرنے والا

قال ابن عطیہ یتوجہ عندی انہا قصد بہا قریۃ غیر معینۃ جعلت مثلاً لمکۃ علی معنی التحذیر لاھلہا ولغیرہا من القریٰ الی یوم القیامۃ۔ (بحر)

۱۳۵؎ یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گزر چکی ہے۔ ایک مکی اور آخری بار یہاں مذکور ہے۔ اس آیت کا یہ حصہ خصوصی توجہ کا مستحق ہے کیونکہ اس کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کے باعث ملت اسلامیہ میں افتراق و انتشار کا دروازہ کھل گیا ہے اور ایک فریق دوسرے کو کافر و مرتد کہنے سے بھی گریز نہیں کرتا اور بڑی شدومد سے ان تمام جانوروں کو حرام و مردار کہتا ہے جنھیں کسی بزرگ کی روح کو ایصال ثواب کے لیے ذبح کیا گیا ہو خواہ انھیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ہی لیا گیا ہو۔ آئیے اس آیت کریمہ کو اپنی آراء اور اہواء کا تختہ مشق نہ بنائیں بلکہ اسے سنت نبوی علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام اور لغت عرب کی روشنی میں سمجھنے کی مخلصانہ کوشش کریں تاکہ حقیقت عیاں ہو جائے اور باہمی اختلافات و منافرت کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر قابو پایا جاسکے۔ وباللہ التوفیق۔

آیت کا جو مفہوم سلف صالحین اور علماء متقدمین نے خود سمجھا ہے اور ہمیں سمجھایا ہے وہ تو یہ ہے کہ اگر کسی جانور کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ جانور حرام ہے جس طرح مشرکین باسم اللات والعزیٰ کہہ کر جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ امام ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق تفسیر احکام القرآن میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ولا خلاف بین

المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اھل بھا لغیر اللہ عند الذبح - یہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ جیسا کہ قرطبی، رازی بلکہ تمام مفسرین اسلاف نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

لیکن علمائے متاخرین میں سے بعض لوگوں نے اسلاف اور قدماء مفسرین کی متفقہ رائے سے اختلاف کیا اور اس آیت سے ایک نیا مفہوم اخذ کیا جس سے تکفیر کا دروازہ کھل گیا۔ غیروں کو اپنا بنانے کی توفیق سے جو لوگ محروم تھے انھوں نے اپنوں کو بیگانہ بنانے کا شغل اختیار فرمایا اور اس باب میں وہ جدت طرازیاں اور موشگافیاں کیں کہ عقل دنگ رہ گئی اور دل لرز اٹھا۔ آئیے پہلے ان کے دلائل کو سنیے تاکہ ان کی اس غلط فہمی کا اندازہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ پھر ان میں غور فرمائیے۔ ان دلائل کی بے سروپائی آپ پر واضح ہو جائے گی۔

وہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ جس جانور پر غیر اللہ کا نام لے دیا جائے اور وہ اس غیر کے نام سے مشہور ہو جائے تو ایسے جانور کو اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں ہوگا بلکہ حرام ہوگا۔ جس طرح کتا اور خنزیر اگر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تو وہ ناپاک ہی رہتا ہے۔ وہ اپنے اس مفہوم کی تائید کے لیے کہتے ہیں کہ لغت عرب اور عرف میں اھل کا معنی ذبح کرنا نہیں ہے کوئی شعر کوئی عبارت ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں کسی فصیح و بلیغ نے اھل کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہو بلکہ اہل لغت کے نزدیک اھل کا معنی آواز بلند کرنا ہے۔ یا کسی چیز کو شہرت دینا ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ اھل کا معنی ذبح کرنا ہے تو بھی آیت کا یہ معنی ہوگا کہ وہ جانور جسے غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور اس کا جو معنی تم نے کیا ہے کہ "وہ جانور جسے غیر اللہ کے نام سے ذبح کیا جائے" یہ کسی طرح مراد نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آیت کا جو معنی تم نے کیا ہے وہ تو صراحۃً تحریف آیت ہے۔ یہ ان کا استدلال ہے جو آپ نے پڑھ لیا۔

اب ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اھل کا معنی اگر وہ لیا جائے جو تم نے لیا ہے یعنی آواز بلند کرنا یا شہرت دینا تو پھر یہ کہ تمام ایسے جانور جن پر غیر اللہ کا نام لے لیا جاتا ہے یا انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے نامزد کر دیا جائے تو وہ ابدی حرام ہو جائیں اور اگر تکبیر پڑھ کے ان کے گلے پر چھری پھیری جائے تب بھی وہ حلال نہ ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ جانور وہ اپنے بتوں کے لیے نذر مانتے تھے۔ اور ان سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا اپنے اوپر حرام کر دیتے تھے حالانکہ اگر کوئی مسلمان ان کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ حلال ہیں۔ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر نامزد بھی کیا گیا انھیں کے نام سے وہ مشہور ہوتے۔ حالانکہ انھیں اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ اس کے باوجود حلال ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں صراحتہً مرقوم ہے کہ اگر کسی مجوسی نے اپنے آتشکدہ کے لیے یا کسی مشرک نے اپنے باطل خداؤں کے لیے کسی جانور کو نامزد کیا اور کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسے ذبح کر دیا تو اسے کھایا جائیگا۔ کیونکہ مسلمان نے اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا ہے۔ مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ ویکرہ للمسلم (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الذبائح) تو اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ کسی چیز پر محض غیر اللہ کا نام لے دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتی۔

نیز ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ اھل کا لفظ ذبح کے معنی میں لغتاً و عرفاً مستعمل نہیں ہوتا یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ فصاحت و بلاغت کے امام حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اُھِلَّ کو ذبح کرنے کے معنی میں استعمال کیا ہے اور آپ کا قول بلا اختلاف حجت اور سند ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: اذا سمعتم الیھود والنصارٰی یھلون لغیر اللہ فلا تاکلوا واذا لم تسمعوھم فکلوا فان اللہ قد احل ذبائحھم وھو یعلم ما یقولون (فتح البیان جلد اول ص ۲۳۲)

یعنی جب تم سنو کہ یہود و نصارٰی غیر خدا کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو ان کا ذبیحہ نہ کھاؤ اور اگر نہ سنو تو کھا لو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذبیحہ کو حلال کیا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

آپ کے اس قول میں یھلون بمعنی یذبحون مستعمل ہے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا کہ اھل کا لفظ ذبح کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا صحیح نہ رہا۔ علاوہ بریں مفسرین نے بھی اھل کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اھلال کا لغوی معنی تو آواز بلند کرنا ہے لیکن بسا اوقات یہ ذبح کرنے کے معنی میں یا ذبح کے وقت آواز بلند کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی لغت کے امام اصمعی سے لفظ اھلال کی تحقیق نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

قال الاصمعی الاھلال اصلہ رفع الصوت فکل رافع صوتہ فھو مھل۔۔۔۔ وھذا معنی الاھلال فی اللغۃ ثم قیل للمحرم مھل لرفعہ الصوت بالتلبیۃ عند الاحرام۔۔۔ والذابح مھل لان العرب کانوا یسمون الاوثان عند الذبح ویرفعون اصواتھم بذکرھا

اصمعی نے کہا الاھلال اصل میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ تو ہر آواز بلند کرنے والا مُہِل کہلائے گا۔ یہ اھلال کا لغوی معنی ہے پھر محرم کو بھی مُہِل کہتے ہیں کیونکہ احرام باندھتے وقت وہ بلند آواز سے تلبیہ لبیک اللھم لبیک الخ کہتا ہے اور ذبح کرنے والے کو بھی مُہِل کہتے ہیں کیونکہ مشرکین عرب جانوروں کو ذبح کرتے وقت بلند آواز سے اپنے بتوں کا نام لیا کرتے تھے۔

علامہ ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور اپنی لغت کی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: واصل الاھلال رفع الصوت وکل رافع صوتہ فھو مھل وکذلک قولہ عزوجل وما اھل لغیر اللہ بہ ھو ما ذبح للآلھۃ وذلک لان الذابح کان یسمیھا عند الذبح فذلک ھو الاھلال۔

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:

اصل الاھلال رفع الصوت۔۔۔ حتی قیل لکل ذابح مھل وان لم یجھر بالتسمیۃ۔ اھلال کا لغوی معنی آواز بلند کرنا ہے۔۔۔۔ یہاں تک کہ ہر ذبح کرنے والے کو مُہِل کہا جانے لگا اگرچہ وہ بلند آواز سے تکبیر نہ بھی کہے۔ علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباس سے اُھِلَّ کا معنی ذُبِحَ نقل کیا ہے اور امام تفسیر مجاہد نے ما اھل کا معنی ما ذبح لغیر اللہ کیا ہے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مظہری میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: قال الربیع بن انس یعنی ما ذکر عند ذبحہ اسم غیر اللہ والاھلال۔۔۔۔ حتی قیل لکل ذابح مھل وان لم یجھر بہ۔

ازراہ اختصار ان چند حوالوں پر اکتفا کیا جا رہا ہے ورنہ بے شمار حوالے پیش کیے جا سکتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اھل بمعنی ذبح مستعمل ہوتا رہتا ہے۔ ان کی ان واضح تصریحات کے باوجود یہ کہنا کہ اھل ذبح کے معنی میں لغتاً

استعمال ہوتا ہے اور نہ عرفاً یہ حق و انصاف سے اعراض کرنا ہے۔

نیز ان صاحبان کا یہ کہنا کہ ما اھل لغیر اللہ بہ کا یہ معنی بیان کرنا کہ غیر اللہ کے نام سے کسی جانور کو ذبح کرنا تحریف ہے یہ بھی درست نہیں کیونکہ علامہ نووی شارح مسلم نے حدیث شریف کے ان الفاظ لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ کا یہی معنی کیا ہے اما الذبح لغیر اللہ فان یذبح باسم غیر اللہ یعنی جس کو اللہ کے نام کے سوا کسی نام سے ذبح کیا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے فارسی ترجمہ قرآن میں اس آیت کا یہی معنی کیا ہے: "وآنچہ ذکر کردہ شد نام غیر خدا بوقت ذبح وے" یعنی ذبح کے وقت جس پر غیر خدا کا نام ذکر کیا جائے۔ کیا اس تحریف کا الزام یہ حضرات آپ پر بھی عاید کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ آیت کا معنی وہی ہے جو علامہ ابوبکر جصاص نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے جو ابتدائے بحث میں نقل ہو چکا ہے۔

نیز بخاری اور مسلم کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اپنی والدہ کے لیے جو کنواں کھدوایا تھا اس کا نام ہی بئر ام سعد رکھا گیا تھا یعنی سعد کی ماں کا کنواں۔ اگر کسی غیر کا صرف نام لے دینے سے کوئی چیز ناپاک ہو جاتی تو اس کنویں کا پانی بھی ناپاک ہو جاتا۔ اسے پینا، اس سے وضو یا غسل کرنا اور اس سے کپڑے دھونا سب کچھ حرام ہوتا۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک دنبہ اپنی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے اور دوسرا اپنی امت کی طرف سے۔

کئی لوگ کسی ولی کے نام کی نذر مانتے ہیں کیا اس طرح وہ چیز حرام ہو جاتی ہے یا نہیں۔ تو اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ نذر کے دو معنی ہیں۔ شرعی اور عرفی۔ نذر شرعی عبادت ہے اور عبادت کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں۔ اس لیے شرعی معنی میں تو نذر اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کی نذر ماننا شرک ہے۔ لیکن عرف عام میں نذر عبادت کے معنی میں استعمال نہیں ہوتی۔ بلکہ نیاز کے معنی میں استعمال ہوتی ہے اور یہ شرک نہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد بزرگوار حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے فتاویٰ میں یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ وہی عبارت آپ کی خدمت میں بعینہٖ پیش کرنے کی سعادت کرتا ہوں۔ امید ہے یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی۔

لیکن حقیقت ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب طعام وانفاق و بذل مال بروح میت کہ امریست مسنون و از روئے احادیث صحیحہ ثابت است مثل ما ورد فی الصحیحین من حال ام سعد وغیرہ ایں نذر مستلزم مے شود پس حاصل ایں نذر آنست کہ اہداء ثواب ہذا القدر الی روح فلاں۔ و ذکر ولی برائے تعیین محل منذور است نہ برائے مصرف و مصرف ایں نذر نزد ایشاں متوسلان آں ولی مے باشند از اقارب و خدم و ہم طریقاں و امثال ذلک۔ و ہمیں است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ وحکمہ انہ صحیح یجب الوفاء بہ لانہ قربۃ معتبرۃ فی الشرع (فتاویٰ عزیزی جلد اول صفحہ ١٢١ مطبوعہ دیوبند)

ترجمہ: اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ کھانا وغیرہ کا ثواب میت کی روح کو پہنچایا جائے۔ یہ امر مسنون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسے حضرت سعد کی والدہ کے کنویں کا ذکر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس طعام وغیرہ کا ثواب فلاں ولی کو پہنچے۔ نذر میں ولی کا ذکر اس لیے نہیں کیا جاتا کہ وہ اس نذر کا

مصرف ہے۔ اس کا مصرف تو اس ولی کے قریبی رشتہ دار، خدام درگاہ اور ہم مشرب لوگ ہوتے ہیں۔ ولی کا نام صرف اس عمل کو متعین کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ نذر کرنے والوں کا بلاشبہ یہی مقصد ہوا کرتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ ایسی وضاحت ہے جو شرعاً معتبر ہے۔

حضرت حکیم الامت کی اس ایمان افروز وضاحت کے بعد کسی قسم کا شبہ باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ مزید کسی تشریح کی ضرورت نہیں لیکن محض مزید اطمینان کے لیے ایک دو حوالے اور پیش خدمت ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:۔

اگر مالیدہ و شیر برنج برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخورند جائز است مضائقہ نیست۔

یعنی اگر مالیدہ اور دودھ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے ارادے سے پکا کر کھلائیں تو کچھ مضائقہ نہیں جائز ہے۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اوّل صفحہ ۷۵ مطبوعہ دیوبند)

اسی صفحہ پر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود پس اغنیاء را ہم خوردن جائز است واللہ اعلم۔

یعنی اگر کسی بزرگ کے نام فاتحہ دی گئی تو مالداروں کو بھی اس میں سے کھانا جائز ہے۔

حضرت شاہ صاحب دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

طعامیکہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و برآں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک مے شود و خوردن بسیار خوب است۔ (فتاویٰ عزیزی جلد اوّل صفحہ ۷۱ مطبوعہ دیوبند)

یعنی وہ کھانا جس کا ثواب حسنین کریمین کو پہنچایا جاتا ہے اور اس پر فاتحہ، قل شریف اور درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ تبرک ہو جاتا ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

پس در خوبی ایں قدر امر از امور مرسومہ فاتحہا و اعراس و نذر و نیاز اموات شک و شبہ نیست۔ (صراط مستقیم ص ۵۵)

اب فاتحہ خوانی کا طریقہ بھی شاہ اسمٰعیل دہلوی کے الفاظ میں سن لیجیے:۔

اول طالب را باید کہ با وضو دو زانو بطور نماز نشیند و فاتحہ بنام اکابر ایں طریق یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری و حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما خواندہ التجا بجناب حضرت ایزد پاک بتوسط ایں بزرگان نماید بنیاز تمام و زاری بسیار دعائے کشود کار خود کردہ ذکر دو ضربی شروع نماید۔ (صراط مستقیم ص ۱۱۰ مطبع المجتبائی)

یعنی پہلے طالب کو چاہیے کہ وضو کرے اور نماز کے طریقہ پر دو زانو ہو کر بیٹھے اور اس طریقہ کے اکابر یعنی حضرت خواجہ معین الدین سنجری اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی وغیرہما کے نام کی فاتحہ پڑھے اور پھر درگاہ الٰہی میں ان بزرگوں کے وسیلے سے التجا کرے اور انتہائی عجز و نیاز اور کمال تضرع و زاری کے ساتھ اپنے حل مشکل کی دعا کرکے دو ضربی ذکر شروع کرے

بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١٥﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ

وہ لذت کا جویاں نہ ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو کوئی حرج نہیں بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اور نہ بولا کرو جھوٹ جس کے بارے میں تمہاری

اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

زبانیں بیان کرتی ہیں بے دریغ کہتے ہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ اس طرح تم افترا باندھو گے اللہ تعالیٰ پر

البتہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی اور کا نام لے کر کسی جانور کو ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا اور وہ ذبح کرنیوالا مشرک ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ذہن میں ایصال ثواب کا تصور تک نہیں بلکہ کسی ولی یا نبی کے لیے محض اس جانور کا خون بہانے (اراقۃ الدم) کو ہی وہ وجہ قربت سمجھ کر ذبح کرتا ہے تب بھی وہ جانور حرام ہوگا۔ کیونکہ جان کا مالک وہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے جان کو پیدا فرمایا۔ اس لیے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ کی چیز کو کسی کے لیے قربان کرے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں متعدد بار اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی اور ایسے جانور کی حلت و حرمت کا فیصلہ کرنے کے لیے یہی معیار مقرر فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"فمتی کان اراقۃ الدم للتقرب الی غیر اللہ حرمت الذبیحۃ ومتی کان اراقۃ الدم للہ تعالیٰ والتقرب الی الغیر بالاکل والانتفاع حلت الذبیحۃ لان الذبح عبارۃ عن الاراقۃ لا عن المذبوح ای الذی یحصل بعد الذبح من اللحم والشحم ومن ھھنا قلنا الواشتری لحما من السوق او ذبح بقرۃ او شاۃ لاجل ان یطبخ مرقا او طعاما لیطعم الفقراء ویجعل ثوابھا لروح فلان حلت بلا شبھۃ" (فتاویٰ عزیزی جلد اول ص۴۶)

"یعنی اگر کسی جانور کا خون اس لیے بہایا جائے کہ اس خون بہانے سے غیر کا تقرب حاصل ہو تو وہ ذبیحہ حرام ہو جائیگا اور اگر خون اللہ تعالیٰ کے لیے بہایا جائے اور اسکے کھانے اور اس سے نفع حاصل کرنے سے کسی غیر کا تقرب مقصود ہو تو ذبیحہ حلال ہوگا۔ کیونکہ ذبح کا معنی خون بہانا ہے نہ وہ جانور جسے ذبح کیا گیا۔ اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ اگر کسی نے بازار سے گوشت خرید لیا یا گائے یا بکری ذبح کی تاکہ اسے پکا کر فقیروں کو کھلائے تاکہ اس کا ثواب کسی کی روح کو پہنچائے تو یہ گوشت یا گائے بکری بلا شبہ حلال ہوگی۔"

میں علی وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان بنام خدا تعالیٰ کے نام پاک کے سوا کسی کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور نہ محض اراقۃ الدم (خون بہانے) کو وجہ تقرب سمجھتے ہیں بلکہ انکے پیش نظر صرف ایصال ثواب ہوتا ہے۔ بالفرض محال اگر کوئی شخص اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو اسے فوراً تائب ہونا چاہیے مبادا اس گمراہی میں اس کی موت آجائے۔ نیز ان لوگوں کو بھی خدا کا خوف کرنا چاہیے جو ہر مسلمان پر بلا امتیاز شرک و کفر کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں اور اس کو اپنی سستی شہرت کے حصول کا آسان اور موثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔

کفار نے حلت و حرمت کے خود ساختہ قوانین مقرر کر رکھے تھے۔ اپنی مرضی سے جسے چاہتے حلال کر لیتے اور جسے چاہتے حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اشیاء کو حلال و حرام کرنے کا اختیار تمہیں کس نے تفویض کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں

الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿١١٦﴾

جھوٹا۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان تراشتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا

(ان کا) تھوڑا سا فائدہ (اٹھالیں انجام کار) ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ

حرام کر دیں وہ چیزیں جن کا ذکر ہم آپ سے پہلے کر چکے ہیں ۱۲ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ

كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٨﴾ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ

وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا کرتے تھے۔ پھر بیشک آپ کا رب ان کے لیے جنہوں نے غلطی کی (لیکن)

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ

نادانی سے پھر انہوں نے توبہ کر لی اس کے بعد اور اپنے آپ کو سنوار لیا بیشک آپ کا پروردگار اس کے

ع ۱۵ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٩﴾ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ

بعد (ان کے گناہوں کو) بہت بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحم فرمانے والا ہے ۱۳۔ بیشک ابراہیم (اپنی ذات میں) ایک امت تھے ۱۴ اللہ تعالیٰ کے مطیع تھے

حلال و حرام کرنے کا اختیار تمہیں نہیں دیا اور نہ تم خود انہیں حرام کیا ہے تو تمہارا ان چیزوں کی حلت و حرمت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا سراسر جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ اس کذب بیانی سے باز آجاؤ ورنہ اس کا انجام بجز خسران و نامرادی کے اور کچھ نہیں۔ اس آیت میں الکذب لا تقولوا کا مفعول ہے اور هذا حلال وهذا حرام بدل ہے اور الکذب مبدل منہ ہے اور لما میں ما مصدریہ ہے میں نے ترجمہ اسی ترکیب کے مطابق کیا ہے۔

۱۲ سورۃ الانعام میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے یہ چیزیں بطور سزا بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھیں جو حقیقت میں پاکیزہ تھیں تاکہ ان کے اعمال بد کی سزا دی جائے۔

۱۳ گناہ کا ارتکاب دو قسم کے لوگ کرتے ہیں ایک وہ جو جان بوجھ کر نافرمانی کرتے ہیں سرکشی و بغاوت سے دوسرے وہ جن سے بشری کمزوری اور نادانی کی وجہ سے لغزش ہو جاتی ہے دونوں کے لئے حکم ایک جیسا نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس بات کو واضح کیا جا رہا ہے جو غفور رحیم کے لفظ سے واضح کیا جائے گا۔

۱۴ لغت عرب میں امت کا لفظ متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے چند ایک معانی یہ ہیں:۔ ۱۔ وہ انسان جو تمام خوبیوں

حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَ

یکسو ہو کر حق کی طرف مائل تھے۔ اور وہ بالکل مشرکوں سے نہ تھے۔ وہ ہمیشہ شکر گزار رہتے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ۱۲۲ اللہ نے

هَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٢١﴾ وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ

انہیں چن لیا اور انہیں ہدایت فرمائی سیدھے راستہ کی طرف اور ہم نے مرحمت فرمائی انہیں دنیا میں بھی ہر طرح کی بھلائی اور وہ

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٢٢﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ

آخرت میں نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔ پھر ہم نے وحی فرمائی اے حبیب! آپ کی طرف کہ پیروی کرو ملت

إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٢٣﴾ إِنَّمَا جُعِلَ

ابراہیم کی جو ہر باطل سے کٹ کر حق کی طرف مائل تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔ صرف ان لوگوں پر سنیچر کی پابندی

کا جامع ہو۔ وہ امام اور پیشوا۔ المطیع للہ۔ حق و صداقت کا مجسمہ ہو، ہر باطل سے الگ تھلگ ہو اور اس قوم کو بھی امت کہتے ہیں جس کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا ہو۔ نقل فی القاموس الامۃ بالضم الرجل الجامع للخیر والامام وجماعۃ ارسل الیھم رسول ومن ھو علی دین الحق مخالف لسائر الادیان۔ ان تمام معانی کے اعتبار سے حضرت خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ افضل الصلوات والتسلیمات کو امت کہا جا سکتا ہے۔ کون سی ایسی خوبی اور کمال تھا جس سے آپ متصف نہ تھے۔ آپ کی امامت و پیشوائی کی گواہی خود قرآن نے دی ہے۔ قال انی جاعلک للناس اماما۔ آپ اگرچہ فرد واحد تھے لیکن اپنے اوصاف و شمائل اپنے شکوہ و جلال کے لحاظ سے آپ ایک قوم سے کم نہ تھے جب ہر طرف کفر و شرک کا اندھیرا چھایا ہوا تھا توحید کی شمع آپ کے دم سے ہی روشن تھی۔ تمام دنیا ایک طرف تھی اور یہ اللہ کا بندہ ایک طرف۔ بہرحال امت کے جتنے معانی یہاں ذکر کیے گئے ہیں وہ سب کے سب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صادق آتے ہیں۔ قانتا کا معنی اطاعت گزار، فرمانبردار۔ حنیف کہتے ہیں جو ہر باطل سے منہ موڑ کر حق کی طرف متوجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے خلیل کی جو توصیف و مدح و ثنا فرمائی ہے اسے پڑھ کر ہی عظمت خلیل کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۲۱ کفار مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں حالانکہ تم نے بیت اللہ میں سینکڑوں بتوں کو سجا رکھا ہے اور ان کی پوجا کرتے ہو۔ حضرت ابراہیم تو موحد تھے ان کا کفر و شرک سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔

۱۲۲ جن نعمتوں سے ہم نے ان کو سرفراز فرمایا انہوں نے اس کی شکر گزاری کا حق ادا کر دیا۔ ہم نے اپنے اس شکر گزار اور احسان شناس بندے پر بے پایاں انعام و اکرام فرمائے جن کا ذکر ان آیتوں میں کیا گیا ہے۔

۱۲۳ ملت کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں۔ وقال ابو اسحٰق الملۃ فی اللغۃ السنۃ والطریقۃ

السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ

سبت جنہوں نے اختلاف کیا تھا اس میں۔ اور بلاشبہ آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان

يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٢٤﴾ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ

روزِ قیامت ان امور کے متعلق جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ (اے محبوب!) بلائیے (لوگوں کو) اپنے رب

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ

کی راہ کی طرف حکمت سے اور عمدہ نصیحت سے [۲۱۳] اور ان سے بحث (ومناظرہ) اس انداز سے کیجیے جو

وفی الاساس ومن المجاز الملة الطريقة المسلوكة ومنه ملة ابراهيم عليه السلام خير الملل۔
یعنی دعوت عقائد، مکارم اخلاق، دعوت و ارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی شگفتگی اور منکرین کے بے ہودہ جذبات کے مقابلہ میں کمال بردباری یہ وہ صفت ابراہیمی ہے جس کی تکمیل کا حکم اس آیت میں دیا جا رہا ہے۔ جو شخص تبلیغ و ارشاد کی ذمہ داری اپنے سر اٹھاتا ہے اسے اسوۂ ابراہیمی کا پابند ہونا پڑتا ہے۔

[۲۱۳] ایک نادان اور غیر تربیت یافتہ مبلغ اپنی دعوت کے لیے اس دعوت کے دشمنوں سے بھی زیادہ ضرر رساں ہو سکتا ہے بلکہ اس کے پیش کیے ہوئے دلائل بڑے مسکت اور مؤثر ہوں گے لیکن اگر اس کا انداز خطابت درشت اور معاندانہ ہوگا، اگر اس کی تبلیغ اخلاص و للہیت کے نور سے محروم ہوگی تو وہ اپنے سامعین کو اپنی دعوت سے متنفر کر دے گا کیونکہ اسلام کی نشر و اشاعت کا انحصار تبلیغ اور فقط تبلیغ پر ہے۔ اس کو قبول کرنے کے لیے نہ کوئی رشوت پیش کی جاتی ہے اور نہ جبر و اکراہ سے کام لیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایمان ایمان ہی نہیں جس کے پس پردہ کوئی دنیاوی لالچ یا خوف و ہراس ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو دعوت اسلامی کے آداب کی تعلیم دی۔ اس آیت کا ایک ایک لفظ غور طلب ہے۔ دین اسلام کو سبیل رب کے عنوان سے تعبیر کر کے اس امر کی طرف توجہ دلائی کہ یہ دعوت کسی سیاسی جتھہ بندی کے لیے یا کسی معاشی گروہ سازی کے لیے نہیں دی جا رہی بلکہ اس راستہ کی طرف بلایا جا رہا ہے جو بندے کو اپنے مالک حقیقی کی طرف لے جاتا ہے جو دوری اور بیگانگی کے صحراؤں سے نکال کر قرب و لطف کی منزل تک پہنچانے والا ہے۔ اس جادۂ منزل حبیب کی دعوت دینے والا کو تین آداب بتائے جا رہے ہیں۔ حکمت، موعظہ حسنہ اور پسندیدہ انداز سے مجادلہ۔ ان تینوں چیزوں کے التزام کا حکم فرمایا گیا۔ حکمت سے مراد وہ پختہ دلائل ہیں جو حق کو روز روشن کی طرح عیاں کر دیں اور شکوک و شبہات کی تاریکیوں کو نور یقین سے بدل دینے کی قدرت رکھتے ہوں۔
ھو الدليل الموضح للحق المزيح للشبهات۔ موعظہ حسنہ اس پند و نصیحت کو کہتے ہیں جو خیر و فلاح کی یاد دہانی اس اسلوب سے

أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

بڑا پسندیدہ ہو اور شائستہ ہو۔ بیشک آپکا رب خوب جانتا ہے اُسے جو بھٹک گیا اسکے راستے سے اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ

ہدایت پانے والوں کو۔ اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو۔ لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے

کرنے کی تیروں کو بھی موم ہو جائیں۔ قال الخلیل الوعظ هو التذکیر بالخیر فیما یرق له القلب والعظة والموعظة الاسم (المفردات راغب اصفہانی) یعنی فلسفیوں کی طرح خشک دلائل کے انبار لگاتے نہ چلے جاؤ۔ بلکہ تمہارا انداز خطاب ایسا ہونا چاہیے جس کے لفظ لفظ سے اخلاص و محبت کے چشمے ابل رہے ہوں۔ آپ کی آواز کا زیر و بم شفقت و پیار کا آئینہ دار ہو۔ اور اگر بحث کا بازار ہی گرم ہو جائے اور بحث و مناظرہ تک نوبت جا پہنچے تو تم احسن اور عمدہ طریقے سے مناظرہ کرو۔ اپنی علمی برتری کے گھمنڈ میں تہذیب اور شائستگی کا دامن مت چھوڑو۔ فریق مخالف کو ہر قیمت پر نیچا دکھانے کی کوشش نہ کرو۔ تمہارے پیش نظر فقط حق کی سربلندی ہو۔ جب تک کوئی مبلغ ان خوبیوں سے متصف نہ ہو اسے اس میدان میں قدم نہ رکھنا چاہیے۔ اس معیار پر پورا اترنے کے لیے علم آگاہی کی دستگیری کے علاوہ مکارم اخلاق اور محاسن خصائل سے مزین ہونا بھی ضروری ہے اور یہ نعمت کسی صاحب دل کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

۱۳؎ یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے خلق خدا کی ہمدردی اور خیرخواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لیے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے اسے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبول حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔

۱۴؎ یہاں مکارم اخلاق کا درس دیا جا رہا ہے کہ اس رزمگاہ خیر و شر میں اگر تمہارا دشمن تم پر دست درازی کرے اور تمہیں اذیت پہنچائے تو اہل عزیمت کا شیوہ یہ ہے کہ دشمن سے انتقام نہ لیا جائے اور عفو و درگزر کا رویہ اختیار کیا جائے۔ لیکن اگر تمہارا اخلاقی معیار ابھی اتنا بلند نہیں اور تم انتقام لینا ہی چاہتے ہو تو اس صورت میں جتنی زیادتی تم پر کی گئی ہے اس کا اتنا بدلہ لینے کی تو تمہیں اجازت ہے لیکن اس امر کی اجازت نہیں کہ تم جوش انتقام میں اس پر ظلم کرو۔ ورنہ پہلے وہ ظالم تھا اور تم اب تم شمار ہو گے اور مورد عتاب تم بن جاؤ گے۔ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتنا ایمان افروز ہے۔ عن حذیفة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تکونوا إمعة تقولون ان احسن الناس احسنا وان ظلموا ظلمنا ولکن وطنوا انفسکم ان احسن الناس ان تحسنوا وان اساؤا فلا تظلموا (ترمذی)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا (اے اہل ایمان)

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا

اور اگر تم (ان کی تکالیف پر) صبر کرو تو یہ صبر کرنا بہت ہی بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے۔ اور (اے حبیب!) آپ صبر فرمائیے اور نہیں ہے آپ کا صبر مگر

بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے [۱۵۳] اور رنجیدہ نہ ہوا کریں ان (کی ہٹ دھرمی) پر اور نہ تنگ دل ہوا کریں ان کی فریب کاریوں سے۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو (اس سے) ڈرتے ہیں اور جو نیک کاموں میں سرگرم رہتے ہیں [۱۵۵]

بے سوچے سمجھے لوگوں کی پیروی کرنے والے بدشگون کہ تم بھی بوجیسے عام کہا جاتا ہے کہ اگر ہمارے ساتھ لوگوں نے اچھا برتاؤ کیا تو ہم بھی اچھا برتاؤ کریں گے بلکہ اپنے آپ کو اس بات کا خوگر بناؤ کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو تم بھی حسن سلوک سے پیش آؤ اور اگر لوگ تمہارے ساتھ برا اور ناروا سلوک کریں تو تم پھر بھی ان پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ ادفع بالتی ھی احسن، عاتب بکل ما عملہ علیک ولا تعقبہ (کذا)

[۱۵۳] عام مسلمانوں کو تو انتقام لینے کی مشروط اجازت مل گئی لیکن اپنے محبوب مکرم حضور اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اے سراپا جود و کرم! آپ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر حالت میں صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ آپ پر ظلم و ستم کی انتہا ہی کیوں نہ کی جائے آپ کا شعار عفو و درگزر ہی رہے۔ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف ان کی سازشوں سے آپ دلگیر نہ ہوا کریں! اللہ تعالیٰ خود اسلام کی ترقی کا ضامن ہے۔ وہی کفار کے منصوبوں کو اپنی قدرت کاملہ سے خاک میں ملاتا رہے گا۔ ضَیْقٌ اور ضِیْقٌ۔ ضاق یضیق کے مصدر کی دونوں لغتیں ہیں۔ دونوں کا معنی غم و اندوہ ہے۔ قال ابن عباس ہو الغم فالصحیح ما قالوا فیھما لغتان بمعنی (کذا) قال الاخفش الضیق والضیق مصدر ضاق یضیق (آلوسی)۔ بعض نے دونوں میں فرق بتایا ہے۔ ضَیْقٌ کا معنی دل کا تنگ ہونا اور ضِیْقٌ کا معنی مکان یا کپڑے وغیرہ کا تنگ ہونا۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے کہ دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

[۱۵۵] تبلیغ و اشاعت اسلام میں کامیابی کا انحصار فقط تائید الٰہی اور نصرت ربانی پر ہے۔ اس لیے مبلغ اسلام کو بتا دیا کہ یہ سعادت صرف ان پاکبازوں کو بخشی جاتی ہے جو زیور تقویٰ سے آراستہ ہوں اور خلق خدا کے ساتھ احسان اور خیر خواہی کے جذبات سے ان کے دل معمور ہوں۔ دین کے داعی کو اپنی وسعت علمی، قوت بیان اور چرب زبانی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کا کلی اعتماد و بھروسہ تائید ایزدی اور نصرت ربانی پر ہونا چاہیے! اور اس معیت و نصرت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو اس ضابطہ پر سختی سے کاربند ہو جس کا ذکر وضاحت سے یہاں کیا گیا ہے۔ مسند ارشاد پر تشریف فرما ہونے والے کاش! ان واضح ہدایات کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

تعارف سورۂ بنی اسرائیل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام : یہ سورۃ بنی اسرائیل کے علاوہ سورۃ الاسریٰ اور سبحان کے ناموں سے بھی موسوم ہے اس میں بارہ رکوع ۱۱۱ آیات ۱۵۳۳ کلمات اور ۶۴۶۰ حروف ہیں۔

نزول : اس سورۃ کی پہلی آیت ہی بتا رہی ہے کہ اس کا نزول سفر معراج کے بعد ہوا۔ اور معراج ہجرت سے ایک سال پہلے نبوت کے دسویں سال ہوئی۔

مضامین : مکی سورت ہے وہی اہل مکہ کا تشدد، تعصب اور کج بحثی کی عادت ہے۔ عام مضامین کے لحاظ سے اس سورت کو ان سورتوں سے گہری مناسبت ہے جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئیں۔

لیکن دو چیزیں یہاں ایسی موجود ہیں جو دیگر سورتوں میں نظر نہیں آتیں۔ ذکر اسراء کے فوراً بعد بنی اسرائیل کو خطاب فرمایا گیا ہے۔ ان کو ان کی گزشتہ زندگی سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی تاریخ کے نشیب و فراز، ان کے عروج و زوال کی داستان کے اہم ابواب ان کے سامنے کھول کر رکھ دیے گئے ہیں۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ جب بھی انھیں سیاسی برتری، معاشی خوشحالی بخشی گئی تو انھوں نے ہر بار سرکشی اور نافرمانی کی روش اختیار کی اور جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا رسول انھیں ان کی غلط روی پر متنبہ کرنے کے لیے تشریف لایا تو وہ بھڑک گئے اور اسے اپنی حرص و ہوس کا نشانہ بنا کر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی ایذا رسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

اے بنی اسرائیل! جب بھی تمھاری سرکشی انتہا کو پہنچی تو ہمارا عذاب کبھی بخت نصر کی شکل میں نمودار ہوا اور کبھی (انٹی) اوکس اور پومپی اور ٹیٹس رومی بادشاہوں کے روپ میں ظاہر ہوا۔ اور انھوں نے تمھاری اینٹ سے اینٹ بجا دی ہیکل سلیمانی کو برباد کر دیا اور تمھیں غلامی کی ذلت کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اب پیغمبر اسلام کی بعثت سے اصلاح احوال کا زریں موقع دیا جا رہا ہے۔ اگر تم اپنے ماضی کی خونچکاں داستان کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے تو اس نبی برحق پر ایمان لاؤ اور اس کا دین قبول کر لو۔ اگر تم اپنی نافرمانی کی عادت سے اب بھی باز نہ آئے تو ہمارا قانون مکافات پھر حرکت میں آ جائے گا۔

یہ آیات جو مکہ میں نازل ہوئیں جہاں بنی اسرائیل کا کوئی فرد اقامت پذیر نہ تھا ان میں بنی اسرائیل کو خطاب اور ان کو اصلاح احوال کی دعوت بتا رہی ہے کہ مستقبل قریب میں انھیں دعوت قرآن کا مخاطب بنایا جانے والا ہے۔

نیز اس کے رکوع نمبر ۳ میں اس نظام حیات کی تفصیلات بیان کر دی گئی ہیں جو اسلام اقوام عالم کے سامنے پیش

کرنا چاہتا ہے اور دنیائے انسانیت میں رائج کرنا چاہتا ہے اس سے بھی صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ظلمت کا دور ختم ہونے کے قریب ہے۔ شاندار مستقبل کا آغاز ہوا چاہتا ہے جبکہ اسلام ایک قوت حاکمہ کی حیثیت سے نمودار ہوگا چنانچہ ایک سال بعد جب محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی اور سرزمین یثرب کو مدینۃ الرسول ہونے کا شرف ارزانی فرمایا تو وہاں صرف اہل مکہ کے ہم عقیدہ مشرکین سے ہی واسطہ نہ پڑا بلکہ یہود بھی قرآن کے مخاطب ٹھہرے اور انہیں سمجھانے کے لیے ان آیات نے بڑا موثر کردار انجام دیا نیز وہاں اسلام کی پہلی حکومت قائم ہوئی جس میں قرآن کے لائے ہوئے لائحہ عمل اور نظام حیات پر عمل کیا گیا۔ ویسے تو قرآن کی ہر آیت کی طرح اس سورۃ کی ہر آیت بھی ایک شمع روشن ہے اور اس لیے ہر آیت خصوصی توجہ کی مستحق ہے اور اپنے اپنے مقام پر میں نے متعدد بار ضیاء القرآن کے قاری کی توجہ مبذول کرانے کی سعی کی ہے۔ لیکن سورت کے اس مختصر تعارف میں میں قرآن کا مطالعہ کرنے والے کی توجہ آیات ۶۱ تا ۶۵ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

ان آیات میں انسان کو مسجود ملائکہ بنانے کے شرف سے مشرف فرمانے کے بعد شیطان کے ایک چیلنج کا ذکر ہے۔ ابلیس کہتا ہے کہ یہ آدم خاکی جس کے سر پر تو نے تاج کرامت رکھا ہے۔ اگر تو نے مجھے مہلت دی تو لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا میں اس کی اولاد سے یہ تاج کرامت چھین لوں گا بلکہ اس کو ایسی پٹی پڑھاؤں گا کہ وہ شرف انسانیت کی خلعت فاخرہ کو خود اتار پھینکے گا۔ جلال کبریائی اس لعین کے اس چیلنج کو قبول کرتا ہے اور اسے صاف صاف بتا دیا کہ واستفزز من استطعت الآیۃ تجھے کھلی چھٹی ہے۔ ان کو گمراہ کرنے کا جو ذریعہ تو اختیار کر سکتا ہے اختیار کر تجھے اجازت ہے اپنے سارے حیلے کر ڈال اپنے سارے دام تزویر بچھا دے ترغیب و ترہیب کی کوئی صورت ایسی نہ رہنے دے جسے تو کام میں نہ لائے لیکن سن اور کان کھول کر سن۔ اِنَّ عبادی لیس لک علیھم سلطان " میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکتا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس زمرہ میں داخل ہیں۔ کیا ہم وہ بدنصیب ہیں جو ابلیس کی ادنیٰ سی انگیخت پر ڈگمگانے لگتے ہیں اور اس کی تھوڑی سی وسوسہ اندازی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یا ان عبادی کے زمرہ میں شامل ہیں اور اس کی شورش و طغیان کے طوفانوں میں فولادی چٹان کی طرح سینہ تان کر کھڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں راہ حق پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس سورہ مبارکہ کا طرۂ امتیاز اس کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کے معراج کا ذکر فرمایا ہے۔ اس واقعہ کے ذکر کے باعث اس سورہ کو دوسری سورتوں کے مقابلہ میں ایک خصوصی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس کی تفصیل آپ آیت کی تشریح کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اٰیَاتُهَا ١١١ رُکُوْعَاتُهَا ١٢

سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے اس کی ١١١ اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے آیتیں اور ١٢ رکوع ہیں

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندہ کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ

مسجد اقصیٰ تک لے بابرکت بنا دیا ہم نے جس کے گرد و نواح کو تاکہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں بےشک

١ے اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی رد و قدح کی اور آج بھی واویلا بپا کر رکھا ہے اس لیے اس مقام کا تقاضا ہے کہ بے جا تطویل و اطناب سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک و شبہات کا جو غبار بعض حقیقت کو مستور کرنے کے لیے اٹھایا جا رہا ہے اس کا استیصال ہو جائے۔

جس روز صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول نے قریش مکہ کو دعوت توحید دی تھی اسی روز سے عداوت و عناد کے شعلے بھڑکنے لگے تھے۔ ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ رنج و غم کا اندھیرا دن بدن گہرا ہوتا چلا جاتا تھا۔ لیکن اس تاریکی میں حضرت ابو طالب اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وجود مسعود ہر نازک مرحلہ پر تسکین و طمانیت کا سبب بنا رہتا تھا۔ بعثت نبوی کے دسویں سال مہربان و شفیق چچا نے وفات پائی۔ اس جانکاہ صدمہ کا زخم ابھی مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ مونس و ہمدم، غمگسار و جاں نثار رفیقہ حیات حضرت خدیجہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ کفار مکہ کو اب ان کی انسانیت سوز کارستانیوں سے روکنے والا اور ان کی سفاکانہ روش پر ملامت کرنے والا بھی کوئی نہ رہا جس کے باعث ان کی ایذا رسانیاں ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ شاید وہاں کے لوگ اس دعوت توحید کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں لیکن وہاں جو ظالمانہ اور وحشیانہ برتاؤ کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب بظاہر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ظاہری سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ رحمت الٰہی نے اپنی عظمت و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب کو عالم بالا کی سیاحت کے لیے بلایا۔ تاکہ حضور کو اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر حق الیقین ہو جائے اور حالات کی ظاہری ناسازگاری خاطر عاطر کو کسی طرح پریشان نہ کر سکے۔ غور کیا جائے تو سفر اسریٰ کے لیے اس سے موزوں ترین اور کوئی وقت نہیں ہو سکتا تھا۔

اس مقدس سفر کی تفصیل تذکرہ و کتب حدیث و سیرت میں ملیگا۔ یہاں اجمالی طور پر ان امور کا ذکر کر دیا گیا ہے جو مختلف احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا اور ارادۂ خداوندی سے آگاہی بخشی۔ حضور کو چاہ زمزم کے قریب لے گئے سینہ مبارک کو چاک کیا گیا۔ قلب اطہر پر ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا اور پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لیے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو بھی باندھ دیا گیا۔ حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین حضور کے لیے چشم براہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح اس میثاق کی، جو عہد روز ازل ارواح انبیاء سے لیا گیا تھا کہ تم سب میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا، کی تکمیل ہوئی۔ ازاں بعد مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پرکشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ساتویں آسمان پر پیغمبر کریم ابو الانبیاء حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح " یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند ارجمند مرحبا کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی جس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے کہاں تک گئے اسے او شما کیا کہیں۔ زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی وہاں کیا ہوا یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ فاوحی الی عبدہ ما اوحی علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی (سیرت النبی جلد ۳)

اسی مقام قرب اور گوشۂ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض داشت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لیے التجا کی۔ چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کر دی گئی! اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔ فراز عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرما کر جب زمین پر اترے تو ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدۂ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت یقیناً بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے اسی لیے وہ دل جو نور ایمان سے خالی تھے انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دلوں میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا۔ البتہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی سے

وہ متاثر ہوئے بلکہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلاجھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولا نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے۔ اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت و عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے۔ ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کیے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں ہو سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو علیٰ کل شیئ قدیر ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لیے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا تذکرہ فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے صاف انکار کر دیا اور بعض نے بلاچون و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے۔ ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے۔ نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضامند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچار وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کا لعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا۔ اس لیے میں مختصراً تمین گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرتا ہوں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات باعث تخلیق کائنات سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لیے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ یہی وہ عقدہ ہے جو اس آیت جلیلہ کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔ آیت کا آغاز "سبحان" کے کلمہ سے کیا گیا ہے۔ یہ سبح یسبح تسبیحا باب تفعیل کے مصدر کا علم ہے۔ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں :- "علم للتسبیح کعثمان للرجل وانتصابه بفعل مضمر متروك اظهاره تقديره اسبح الله سبحان ثم نزل منزلة الفعل فسد مسده ودل على التنزيه البليغ من جميع القبائح التي يضيفها اليه اعداء الله۔

یعنی یہ تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان و اس کا معنوں کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور برائیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے تھے۔ علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اسی معنی کی تائید کرتا ہے

؎ عن طلحة قال سألت رسول الله صلی الله علیه وسلم عن تفسیر سبحان الله فقال تنزیه الله عن کل سوء۔ سبحان کے کلمہ سے یہ ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لیے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا بطور دلیل ارشاد فرمایا الذی اسری بعبدہ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا۔ اس لیے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

اسری: رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں لیلاً پر تنوین تقلیل کی ہے یعنی یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے طے پایا۔ اسری کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بعبدہ کے لفظ سے فرمایا گیا جس کی متعدد حکمتیں ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر امت اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ صمدیت میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا بم اشرفک یا محمد اے سراپا حمد و ستائش آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں تو حضور نے جواباً عرض کی بنسبتی الیک بالعبودیة مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لیے خود پسند فرمایا تھا۔

؎ ان کلمات سے اس سفر کی غرض و غایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یونہی نہیں کہ بھاگم بھاگ کرتے ہوئے حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا نہ سنا بلکہ حقیقت کائنات کے ہر ہر پہلو پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم اور حکمت کے جتنے کرشمے تھے سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیے۔

اب آپ خود فرمایئے کہ جو معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر ہو سکتا ہے۔ قرآن کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا ارشاد باری ہے وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لیے دکھایا تاکہ لوگوں کی آزمائش کی جا سکے۔ جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے

ہو اگر اس پر بھی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج کا ہی ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا۔ آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے قال ابن عباس ھی رؤیا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علامہ ابن عربی اندلسی نے احکام القرآن میں حضرت ابن عباس کا یہ قول بھی نقل کیا ہے

ولو كانت رؤيا منام ما افتتن بها احد ولا انكرها فانه لا يستبعد احد اذا راى في نومه انه يخترق السموات ويجلس على الكرسي ويكلمه الرب (احکام القرآن)

یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا۔ کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی تو ایسے خواب کو کبھی بھی بعید از عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا ثم استيقظت وانا في المسجد الحرام پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔ اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور شریک ليس بالحافظ عند اهل الحديث (روح المعانی جلد نمبر ۱۵) کہ اہل حدیث کے نزدیک شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔

دوسری روایت میں ہے: ان هذا اللفظ لشريك عن انس وكان قد تغير بآخره فيعول على روايات الجميع۔ (احکام القرآن لابن عربی)

کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں اور ان کا حافظہ آخر عمر میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کی روایت کی بجائے اُن روایات پر بھروسہ کیا جائے گا جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں

وقد روى حديث الاسراء عن انس جماعة من الحفاظ المتقنين والائمة المشهورين كابن شهاب وثابت البناني وقتادة فلم يأت احد منهم بما اتى به شريك (روح المعانی جلد نمبر ۱۵)

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وقوله في حديث شريك عن انس ثم استيقظت فاذا انا في الحجر معدود في غلطات شريك

یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔ اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں۔ اور اگر یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ہی ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وما روی عن عائشة ومعاویة انه انما کان منامًا فلعله لا یصح ولو صح لم یکن فی ذلک حجة لانهما لم یشاهدا ذلک لصغر عائشة وکفر معاویة ولانهما لم یسندا ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا حدثا به عنه (بحر المحیط)

اسی سلسلہ میں مقالات سرسید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انھوں نے بھی بڑی شدومد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے۔ ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مؤرخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے تھے۔ یہ لوگ ان کے ذہن میں بیٹھے ہوئے طعن و تشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور شکست مصطفیٰ کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب و نتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ کیا معراج کا انکار کر کے آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنا لیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انھوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ملمع شدہ اسلام پر اظہار پسندیدگی ہی چھوڑ دیا ہے۔ ہرگز نہیں تو پھر اس محنت کا کیا حاصل بجز اس کے کہ ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ اگر میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا اس میں حضرت سید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں وہ ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں ..... کہ مسلمانوں ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت و اعتبار کو کھو دیتی ہیں۔ (مقالات سرسید ص ۱۹۲)

لیکن تناقض و تضاد کے جو نمونے انھوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں۔ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے کہ حجر میں تھے تیسری میں ہے کہ مسجد حرام میں تھے۔ ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے۔ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی، لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا اور قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا۔ یہ حصہ (حطیم یا حجر) مسجد حرام میں ہے تو ان روایت میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔ ثم صعد بی الی السماء السادسة فاذا موسی ... پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔ دوسری حدیث میں ثم عرج بنا الی السماء السادسة فاذا انا بیوسف فرحب بی ودعا لی۔ پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف اوپر لایا گیا۔ وہاں میں نے یوسف کو پایا انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعا کی تیسری حدیث میں ہے لما جاوزت فبکی۔ جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس کے متعلق خود علماء نے تصریح کی ہے اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو خود ترجیح دے دی ہے۔ جو تضاد و تناقض ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک پایہ کی ہوں کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔ بہر حال یہاں ان کے مشکوک و شبہات کا مکمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمائیے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں۔ ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں بے مثل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب اور یکسانیت اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضابطوں کے مطابق عمل پیرا ہے جنہیں قوانین فطرت (LAWS OF NATURE) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں۔ ان میں ردوبدل ممکن نہیں۔ ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لیے عقل معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ معراج بھی ایک معجزہ ہے۔ اس لیے یہ بھی عقلاً محال ہے۔ اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور قوانین قدرت سے برسر پیکار ہو بلکہ معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ الاتیان بامر خارق للعادۃ یقصد بہ بیان صدق من ادعی انہ رسول اللہ (المسامرۃ وشرحہا من کتب العقائد) "یعنی نبی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قانون فطرت اور قوانین قدرت کے خلاف ہو۔ ان لوگوں کا اعتراض تو تب قابل التفات ہوتا جب معجزہ کو قوانین قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی رونما ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانون فطرت ہمارے ادراک کی سرحدوں سے ماوراء ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں یا ذہن انسانی نے ان کا احاطہ کر لیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنسدان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا۔

نیز قوانین فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں یہ بھی ناقابل تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابل تسلیم ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جاتا اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جاتا کہ اس کائنات کی آرائش و زیبائش کے لیے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (MIRACLE) پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

IT IS AN UNWARRANTED IDEALISM AND OPTIMISM WHICH FINDS THE COURSE OF NATURE SO WISE AND SO GOOD THAT ANY CHANGE IN IT MUST BE REGARDED AS INCREDIBLE ENCY: BRI V.15 P.586

یعنی یہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے جو یہ خیال کرتی ہے کہ فطرت کا طریق کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث بے سود اور قبل از وقت ہے پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد معجزے کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (NATURE) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات تو مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی

کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر و شر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آ سکتی ہے لیکن اگر آپ ذاتِ خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادرِ مطلق اور مدبر باختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا قوانینِ فطرت کو ناقابلِ تغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے لیکن ظہورِ معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت اور حکمت کے پیشِ نظر خلافِ معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک باختیار ہستی ہے۔ وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔ ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے سو جاتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہوتا ہے۔ اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ اس مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلافِ معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے ہیں۔ اسی طرح ان قوانینِ فطرت کو عادتِ خداوندی اور معمولِ ربانی سمجھنا چاہیے اور کسی چیز کا خلافِ معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

THE LAWS OF NATURE MAY BE REGARDED AS HABITS OF THE DIVINE ACTIVITY, AND MIRACLES AS UNUSUAL ACTS WHICH, WHILE CONSISTENT WITH DIVINE CHARACTER, MARK A NEW STAGE IN THE FULFILMENT OF THE PURPOSE OF GOD. ENCY. BRIT. V 15 P. 576

(یعنی قوانینِ فطرت کو ہم عاداتِ خداوندی کہہ سکتے ہیں) معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیشِ نظر خلافِ عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً نا روا نہیں۔

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (DAVID HUME) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے ان کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور معین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رونما ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوتِ معجزہ کے لیے ایسے قوی دلائل موجود نہیں اس لیے منطقاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم اس کے وقوع کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلو پیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاجِ دلیل ہے پہلے آپ یہ تو ثابت کریں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے جب تک آپ اپنی دلیل کی حقیقت ثابت نہیں کر سکتے اس وقت تک آپ کی دلیل قابلِ قبول نہیں! اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجرباتِ عامہ ہیں یعنی معجزہ تجرباتِ عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور

معقولیت کے خلاف ہے یہ تمام تجربات مشاہدات کے خلاف ہونا تو لازم آتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو لیکن تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہو۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد نمبر ۱۵ صفحہ ۱۵۶)

THIS PHRASE ITSELF (THAT MIRACLE IS CONTRARY TO EXPERIENCE) IS AS PALEY POINTED OUT, AMBIGUOUS IF IT MEANS ALL EXPERIENCE IT ASSUMES THE POINT TO BE PROVED, IF IT MEANS ONLY COMMON EXPERIENCE THEN IT SIMPLY ASSERTS THAT THE MIRACLE IS UNUSUAL A TRUISM (ENCY BRI. V15 P. 586)

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ OF MIRACLE: میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس لیے نا قابلِ تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ جب تمہارے نزدیک علت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں، ہر چیز بغیر کسی علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہو جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کونسی قباحت ہو گئی۔ پہلے بھی تو اتنی چیزیں معرض وجود میں آ رہی ہیں علت حقیقیہ کے بغیر موجود نہیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔ (قصۃ الفلسفۃ الحدیثۃ جزو اول صفحہ ۲۴۴)

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبۂ تجسس کو یہ کہہ کر تسلی دے دی کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوشِ عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرقِ عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی پُرخار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لیے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے۔ لیکن کیا یہ اس مشکل کا حل ہے کیا اس سے کوئی عقدہ لاینحل حل ہو سکتا ہے یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں جناب محترم سرسید احمد خاں نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قانونِ قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانونِ قدرت کے مطابق ہوگا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے معجزہ کا خلافِ قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانینِ قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا رد و بدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوصِ قرآنیہ میں بارہا بتصریح کی گئی ہے کہ قانونِ قدرت میں تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ معجزہ کا

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى

بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور بنایا ہم نے اس کتاب کو

وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید محترم کا استدلال ملاحظہ فرما لیا۔ انھوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا ابطال کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہو سکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعوے کو کوئی ثابت کرے اور جب یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف کہنا سراسر لغو ہے۔

بہرحال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر و شر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی متحرک و خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ معراج کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون و چرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، وہ حق ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

سلہ واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان بلکہ ان سے بھی ماوراء اپنی قدرت و کبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں تمہید اہل اسلام کے لیے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتاب اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ مشرق و مغرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا لیکن مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا اور اگر تم نے نشہ حکومت سے بدمست ہو کر نافرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر اس کے ہولناک نتائج سے تمہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم و ستم سے نجات دی۔ بحر احمر کو ان کے لیے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں لیکن جب انھیں عزت و وقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکر یاد کرنے کے بجائے انھوں نے نافرمانی اور ناشکر گزاری کو اپنا شعار بنا لیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیے جنھوں نے ان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ اور ان کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اسی

لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ﴿۲﴾ ذُرِّیَّةَ مَنْ

باعث ہدایت بنی اسرائیل کے لیے (اسمیں انھیں حکم دیا) کہ نہ بناؤ میرے بغیر کسی کو (اپنا) کارساز۔ اے ان لوگوں کی اولاد

حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾ وَقَضَیْنَآ اِلٰى بَنِیْٓ

جنھیں ہم نے (کشتی میں) سوار کرایا نوح کے ساتھ۔ بے شک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔ اور ہم نے آگاہ کر دیا تھا بنی

اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ

اسرائیل کو کتاب میں کہ تم ضرور فساد برپا کرو گے زمین میں دو مرتبہ اور تم (احکام الٰہی سے)

عبرت آموزی کے لیے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

کے کتاب سے مراد تورات ہے جس کے نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اس کے احکام کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کو اس شریعت کے سانچے میں ڈھال دیں جس کی تفصیل بیان اس کتاب مقدس میں کیا گیا ہے۔ ان تمام احکام سے اہم ترین حکم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین محکم رکھیں اور ہر معاملہ میں اسی کو اپنا کارساز حقیقی سمجھیں۔ وکیل اس کارساز حقیقی کو کہتے ہیں جس کے سپرد اپنے تمام امور کر دیئے جائیں۔ مجاہد نے اس کا معنی شریک کیا ہے "قال مجاهد الوكيل معناه في هذا الموضع الشريك" (طبری) بایں ہمہ اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات سارے جہان کے لیے صحیفہ ہدایت بنا کر نہیں اتاری گئی تھی بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ایک محدود وقت تک اس میں سامان ہدایت تھا۔ عالمگیر ہدایت کا دائمی صحیفہ قرآن تشریف لانے والا تھا۔

ﷺ یہاں حرف ندا محذوف ہے۔ اصل میں ہے یا ذریة من حملنا یعنی اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے سفینہ نوح میں پناہ دی اور طوفان کی تباہ خیزیوں سے بچایا۔ تم اس احسان عظیم کو فراموش نہ کرو۔ تم اس برحق اندیش کی اولاد سے ہو جو ہر وقت اپنے مالک و خالق کا شکریہ ادا کرتا رہتا تھا اور جس کا ایک سانس بھی اپنے رب کی ناشکری میں نہیں گزرا۔ اس شکر گزار بندے کے فرزند ہو کر تم اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرو تو بڑی شرم کی بات ہے۔

ﷺ حضرت نوح کو اس عظیم لقب سے سرفراز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ پانی کا ایک گھونٹ پیتے یا ایک لقمہ بھی منہ میں ڈالتے یا کوئی نیا کپڑا پہنتے تو دل اور زبان سے اپنے منعم حقیقی کا شکریہ ان الفاظ سے ادا کرتے الحمد لله الذي اطعمني ولو شاء لاجاعني الحمد لله الذي سقاني ولو شاء لاظماني الحمد لله الذي كساني ولو شاء لاعراني۔ یعنی سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کھانا کھلایا اور اگر وہ چاہتا تو وہ مجھے بھوکا رکھتا۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے پانی پلایا اور اگر وہ چاہتا تو وہ مجھے پیاسا رکھتا۔ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے مجھے کپڑا پہنایا۔ اور اگر وہ چاہتا تو مجھے ننگا رکھتا۔

لہ علامہ قرطبی نے قضینا کا معنی اعلمنا و اخبرنا لکھا ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ان عنایات بے پایاں کے باوجود تم آمادہ فتنہ و فساد ہو گے۔ دنیا تمہارے مظالم سے چیخ اٹھے گی اور تم عقیدۂ توحید سے بھی برگشتہ ہو جاؤ گے اس کی پاداش میں تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا ولتعلن علوا کبیرا میں لتفسدن کی طرح لام قسم کے لیے ہے۔ تکبر، فتنہ و فساد، سرکشی اور بغاوت تمام معانی اس جملہ میں آ گئے اراد التکبر والبغی والطغیان والاستطالۃ والعدوان (قرطبی)

انجیل میں اس قرآنی دعویٰ کے متعدد شواہد موجود ہیں جن میں سے چند ایک پیش خدمت ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام احکام شریعت کی تبلیغ اور ان پر عمل پیرا ہونے کی تاکید کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر تم نے سرکشی کی تو تم پر سخت عذاب آئے گا۔

"اور میں تمہاری پرستش کے بلند مقاموں کو ڈھا دوں گا اور تمہاری سورج کی مورتوں کو کاٹ ڈالوں گا اور تمہاری لاشیں تمہارے شکستہ بتوں پر ڈال دوں گا اور میری روح کو تم سے نفرت ہو جائے گی اور میں تمہارے شہروں کو ویران کر ڈالوں گا اور تمہارے مقدسوں کو اجاڑ بنا دوں گا .... اور میں تمہیں غیر قوموں میں پراگندہ کر دوں گا" (احبار باب ۲۶ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۳)

اسی کتاب احبار کی چھتیسویں آیت میں ہے۔

"اور جو تم سے بچ جائیں گے اور اپنے دشمنوں کے ملکوں میں ہوں گے ان کے دل کے اندر میں بے ہمتی پیدا کر دوں گا اور اڑتے ہوئے پتے کی آواز ان کو کھدیڑے گی" کتاب استثناء کے باب ۲۸ کی آیات ۴۹، ۵۰ ملاحظہ ہوں۔

"خداوند دور سے بلکہ زمین کے کنارے سے ایک قوم کو تجھ پر چڑھا لائے گا جیسے عقاب ٹوٹ کر آتا ہے۔ اس قوم کی زبان کو تو نہیں سمجھے گا۔ اس قوم کے لوگ ترش رو ہوں گے۔ جو نہ بڈھوں کا لحاظ کریں گے نہ جوانوں پر ترس کھائیں گے" اسی کتاب کے باب ۳۱ آیت ۲۰ میں ان کے نافرمان بننے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔

"اس لیے کہ جب میں ان کو اس ملک میں جس کی قسم میں نے ان کے باپ دادا سے کھائی اور جہاں دودھ اور شہد بہتا ہے پہنچا دوں گا اور وہ خوب کھا کھا کر موٹے ہو جائیں گے تب وہ اور معبودوں کی طرف پھر جائیں گے اور ان کی عبادت کریں گے اور مجھے حقیر جانیں گے اور میرے عہد کو توڑ ڈالیں گے۔" (کتاب استثناء باب ۳۱۔ آیت ۲۰)

موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے انبیاء تشریف لائے انہوں نے بڑے اثر انگیز پیرایہ میں انہیں آنے والے عذاب سے ڈرایا۔ حضرت یسعیاہ کا صحیفہ اسی قسم کی تہدیدات سے لبریز ہے۔ حضرت یرمیاہ نبی کے لہجہ میں جو درد و سوز ہے، اپنی قوم پر آنے والی تباہی سے جس طرح وہ بے چین اور مضطرب ہیں اور آنسوؤں کا سیل رواں جس طرح ان کی آنکھوں سے جاری ہے۔ وہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ اس خوفناک ہلاکت و بربادی کا وقت قریب آ پہنچا ہے۔ ان کی اس پیار بھری تنبیہ کے باوجود جب قوم اسرائیل گمراہی سے باز نہ آئی تو بے اختیار آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد فلسطین کی قبائلی تقسیم

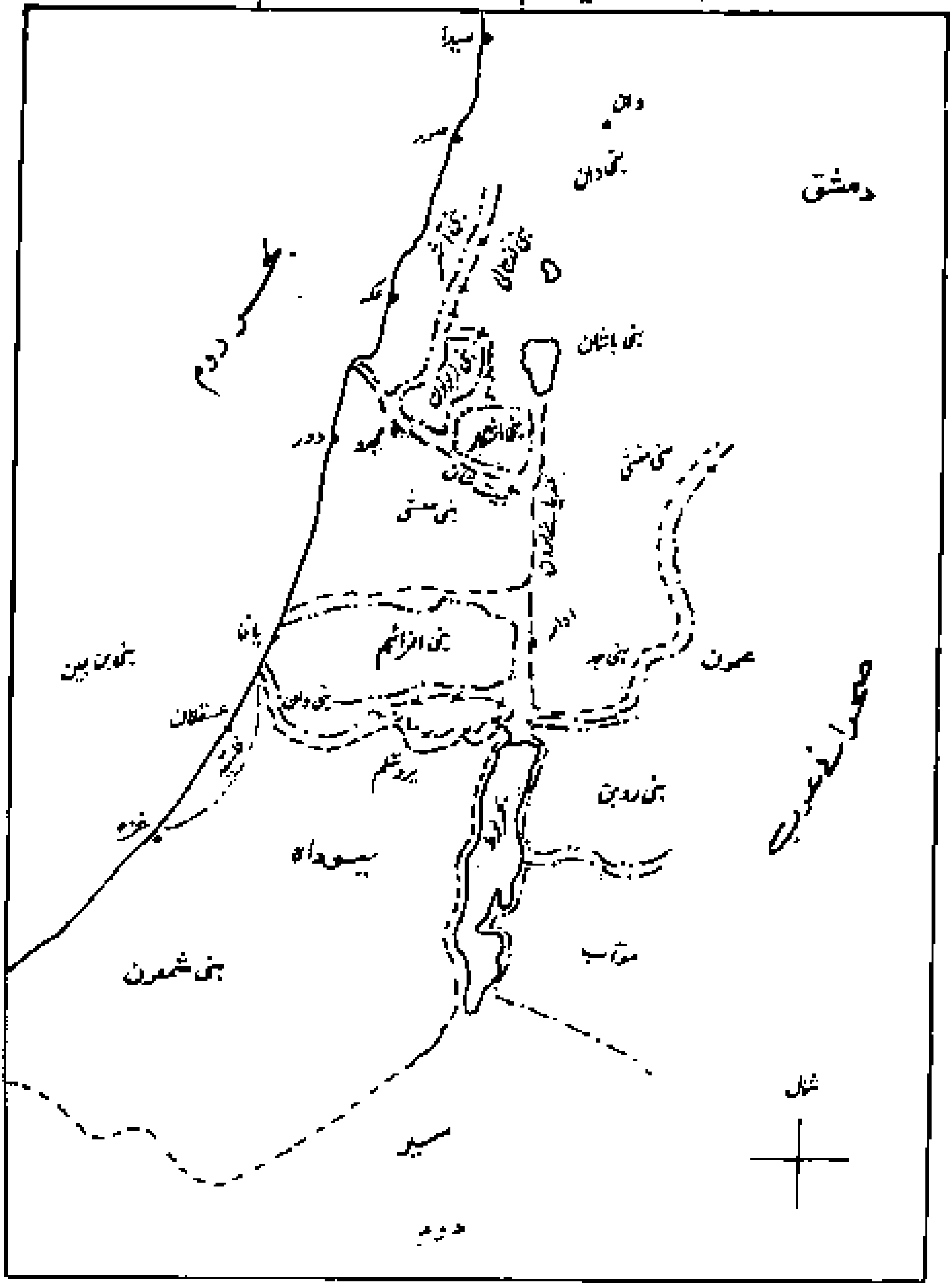

"خداوند فرماتا ہے: پہاڑوں کی طرف اپنی آنکھیں اٹھا اور دیکھ کونسی جگہ ہے جہاں تو نے بدکاری نہیں کی . . . . تو نے اپنی بدکاری اور شرارت سے زمین کو ناپاک کیا . . . . . . خداوند نے مجھ سے فرمایا کیا تو نے دیکھا برگشتہ اسرائیل نے کیا کیا ہے۔ وہ ہر ایک اونچے پہاڑ پر اور ہر ایک ہرے درخت کے نیچے گئی اور وہاں بدکاری کی اور اس کی بے وفا بہن یہودا نے یہ حال دیکھا . . . . . . وہ بھی گئی اور اس نے بھی جا کر بدکاری کی اور ایسا ہوا کہ اس نے اپنی بدکاری کی برائی سے زمین کو ناپاک کیا اور پتھر اور لکڑی کے ساتھ زناکاری کی۔ (کتاب یرمیاہ باب ۳۔ آیت ۲، ۶، ۷، ۸، ۹)

اسی کتاب کا باب ۴، آیت ۱۳ ملاحظہ ہو۔

"دیکھو وہ گھٹا کی طرح چڑھ آئے گا۔ اس کے رتھ گرد باد کی مانند اور اس کے گھوڑے عقابوں سے تیز تر ہیں ہم پر افسوس کہ ہم غارت ہو گئے۔"

باب ۵ کی مندرجہ ذیل آیات بھی مطالعہ فرمائیے۔

"میں تجھے کیونکر معاف کروں تیرے فرزندوں نے مجھ کو چھوڑا اور ان کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں جب میں نے ان کو سیر کیا تو انہوں نے بدکاری کی اور پرے باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے۔ وہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی مانند ہو گئے۔ ہر ایک صبح کے وقت اپنے پڑوسی کی بیوی پر ہنہنانے لگا۔ خداوند فرماتا ہے کہ کیا میں ان باتوں کے لیے سزا نہ دوں گا؟ اور کیا میری روح ایسی قوم سے انتقام نہ لے گی؟" (آیات ۷، ۸، ۹)

"اے اسرائیل کے گھرانے دیکھ میں ایک قوم کو دور سے تجھ پر چڑھا لاؤں گا۔ خداوند فرماتا ہے: وہ زبردست قوم ہے۔ وہ قدیم قوم ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جس کی زبان تو نہیں جانتا اور ان کی بات کو تو نہیں سمجھتا۔ ان کے ترکش کھلی قبریں ہیں۔ وہ سب بہادر مرد ہیں۔" (آیات ۱۵، ۱۶)

"کیونکہ رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ درخت کاٹ ڈالو اور یروشلیم کے مقابل دمدمہ باندھو۔ یہ شہر سزا کا سزاوار ہے۔ اس میں ظلم ہی ظلم ہے جس طرح پانی چشمہ سے پھوٹ نکلتا ہے اسی طرح شرارت اس سے جاری ہے ظلم اور ستم کی صدا اس میں سنی جاتی ہے۔ ہر دم میرے سامنے دکھ، درد اور زخم ہیں۔ اے یروشلیم تربیت پذیر ہو تا نہ ہو کہ میرا دل تجھ سے ہٹ جائے۔ نہ ہو کہ میں تجھے ویران اور غیر آباد زمین بنا دوں۔" (باب ۶۔ آیات ۶، ۷، ۸)

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ شمالی ملک سے ایک گروہ آتا ہے اور انتہائے زمین سے ایک بڑی قوم برانگیختہ کی جائے گی۔ وہ تیرانداز و نیزہ باز ہیں۔ وہ سنگدل اور بے رحم ہیں۔ ان کے نعروں کی صدا سمندر کی سی ہے۔" (آیات ۲۲، ۲۳)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرور وقت کے ساتھ بنی اسرائیل نے شریعت موسوی سے اپنا رشتہ بالکل منقطع کر لیا تھا۔ احکام الٰہی کی پابندی، اخلاق کی بلندی، معاملات میں دیانت و صداقت جس کی تعلیم حضرت کلیم نے انہیں دی تھی اور سب سے اہم عقیدہ توحید جو حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد اولین تھا۔ ان تمام امور کو انہوں نے یکسر فراموش کر دیا تھا۔ ایک توحید پرست قوم کا، ایک صاحب کتاب رسول کی امت کا اتنی بلندی سے اتنی پستی میں گرنے کا سبب معلوم

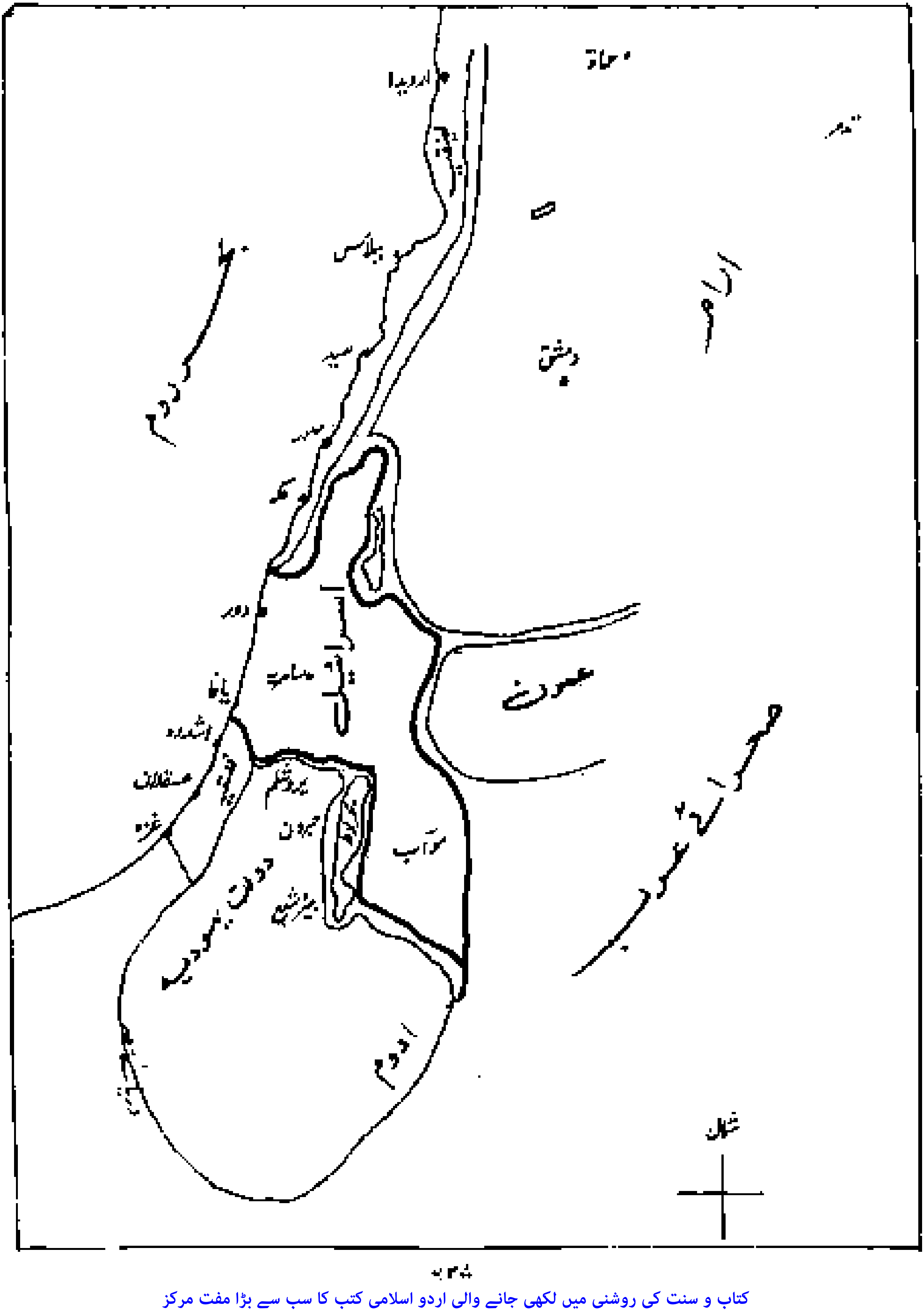
حماۃ
بحر روم
ارام
دمشق
سامریہ
یافا
اشدود
عسقلان
غزہ
یروشلم
حبرون
موآب
عمون
بیرسبع
دولت یہودیہ
ادوم
صحرائے عرب
شمال

عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا

بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب آگیا پہلا وعدہ ان دونوں وعدوں سے تو ہم نے تمھاری سرکوبی کے لیے بھیجے اپنے بندے

أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝

جو بڑے زورآور اور سخت تھے۔ پس وہ گھس گئے تمھاری آبادیوں میں اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا تھا وہ پورا ہو کر رہنا تھا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَ

پھر ہم نے پلٹا دیا تمھارے حق میں زمانہ کی گردش کو ان دشمنوں کے خلاف اور ہم نے تقویت دی تمھیں مال سے اور بیٹوں سے اور

جَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ

بنا دیا تمھیں کثیر التعداد لشکر۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو ان کا فائدہ تمھیں ہی پہنچے گا۔

رعایا میں ان کو غلاموں کی حیثیت سے اس طرح تقسیم کر دیا گیا کہ کبھی یہ متحد ہونے کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں۔ اس طرح پہلے فساد اور اس کی پاداش میں ان کی مکمل بربادی کی پیشگوئیاں جو ان کے انبیاء نے کی تھیں پوری ہو گئیں۔ اس آیت کریمہ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ف جاس، تجوسًا طلب الشیء باستقصاء۔ فجاسوا خلال الدیار ای توسطوھا وترددوا بینھا (مفردات) یعنی وہ ان کے شہروں میں گھس گئے اور وہاں خوب لوٹ مار کی۔

ف بخت نصر کی موت کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت زوال پذیر ہونے لگی۔ ادھر ایران میں شاہ فارس (CYRUS II) جسے بائبل میں خورس لکھا گیا ہے اُٹھ کھڑا ہوا اور بابل پر ۵۳۹ قبل مسیح حملہ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ سب سے پہلے اس نے یہودا کی سلطنت کو بحال کر دیا اور یروشلم کے ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنے کا فرمان صادر کیا۔ بے شمار یہودی جو بابل میں جلاوطنی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے انھیں فلسطین واپس جانے کی اجازت دی۔ چنانچہ کتاب عزرا میں مرقوم ہے۔

"اور شاہ فارس خورس کی سلطنت کے پہلے سال میں اس لیے کہ خداوند کا کلام جو یرمیاہ کی زبانی آیا تھا پورا ہو خداوند نے شاہ فارس خورس کا دل ابھارا سو اس نے اپنی تمام مملکت میں منادی کرائی اور اس مضمون کا فرمان بھی لکھا کہ شاہ فارس خورس یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں اور مجھے تاکید کی ہے کہ میں یروشلم میں جو یہوداہ میں ہے اس کے لیے ایک مسکن بناؤں۔ پس تمھارے درمیان جو کوئی اس کی ساری قوم میں سے ہو اس کا خدا اس کے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو یہوداہ میں ہے جائے اور خداوند اسرائیل کے خدا کا گھر جو یروشلم میں ہے بنائے۔" (باب ۱: آیت ۱، ۲، ۳)

وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ

اور اگر تم برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہارے نفسوں کو ملے گی پس جب آیا دوسرا وعدہ (تو اور ظالم ہم نے تم پر غالب کیے) تاکہ بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

تمہارے چہروں کو اور تاکہ داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے داخل ہوئے تھے اس میں پہلی مرتبہ اور تاکہ تباہ و برباد کر دیں ہر اس چیز کو جس پر

بنی اسرائیل کے قافلے جب طویل جلاوطنی کے بعد فلسطین واپس پہنچے اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر شروع کی تو وہاں کی مقامی آبادی نے مزاحمت کی لیکن جب دارا اول (... ق م) فارس کا بادشاہ بنا تو اس نے حجی نبی اور زکریا نبی کے اصرار پر فرمان صادر کیا کہ منہدم شدہ ہیکل سلیمانی کے مقام پر فوراً دوسرا ہیکل تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں اس ہیکل کی تعمیر کا کام ختم ہوا۔

اس کے باوجود ۴۵۸ قبل مسیح تک وہاں کے حالات بنی اسرائیل کے لیے تشویشناک ہی بنے رہے۔ یہاں تک کہ عزیر کی کوششوں سے ۴۵۸ قبل مسیح میں شاہ فارس کے حکم سے ایک وفد یروشلم بھیجا گیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کو دین موسوی کی ترویج اور تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا۔ آپ نے یروشلم پہنچ کر اپنی مساعی جمیلہ سے سیاسی استحکام کے ساتھ ساتھ اصلاح عقائد اور تربیت اخلاق کی نعمت سے ایک بار پھر بنی اسرائیل کو بہرہ اندوز کیا۔ اس طرح ظلم و الم کے ایک طویل دور کا خاتمہ ہوا اور بنی اسرائیل کو چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا صفحات ۱۲۶ ، ۱۲۰ جلد ۱۳)

بائبل میں بھی اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ شاہ فارس ارتخششتا نے حضرت عزیر کو یروشلم روانہ کرتے وقت ان الفاظ سے الوداع کہی۔

اے عزرا تو اپنے خدا کی اس دانش کے مطابق جو تجھ کو عنایت ہوئی حاکموں اور قاضیوں کو مقرر کر۔ دریا پار کے سب لوگوں کا جو تیرے خدا کی شریعت کو جانتے ہیں انصاف کریں اور تم اس کو جو نہ جانتا ہو سکھاؤ اور جو کوئی تیرے خدا کی شریعت پر اور بادشاہ کے فرمان پر عمل نہ کرے اس کو بلا توقف قانونی سزا دی جائے خواہ موت یا جلاوطنی یا مال کی ضبطی یا قید کی۔

(عزرا باب ۷ آیت ۲۵ ، ۲۶)

اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل پر اسی عنایت ربانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ثانی حضرت عزیر علیہ السلام کی کوششوں سے اصلاح عقائد و اخلاق کی جو نئی روح ان میں پھونکی گئی تھی وہ بھی زیادہ دیرپا ثابت نہ ہوئی۔ آپ کے بعد بہت جلد پھر دنیا پرستی، لذت کوشی اور جاہ طلبی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے۔ ایرانی سلطنت کے زوال کے ساتھ یونانیوں کا عروج شروع ہوا۔ چنانچہ سکندر اعظم نے مشرق اوسط کے دیگر ممالک کے ساتھ فلسطین پر اپنا قبضہ جما لیا۔ یونانی عقیدے کے لحاظ سے بدترین قسم کے شرک میں مبتلا تھے اور اخلاقی لحاظ سے وہ اباحیت پسند تھے۔ انہوں نے اپنے زمانہ اقتدار

فلسطین ، بزمانہ دولت مکابیہ

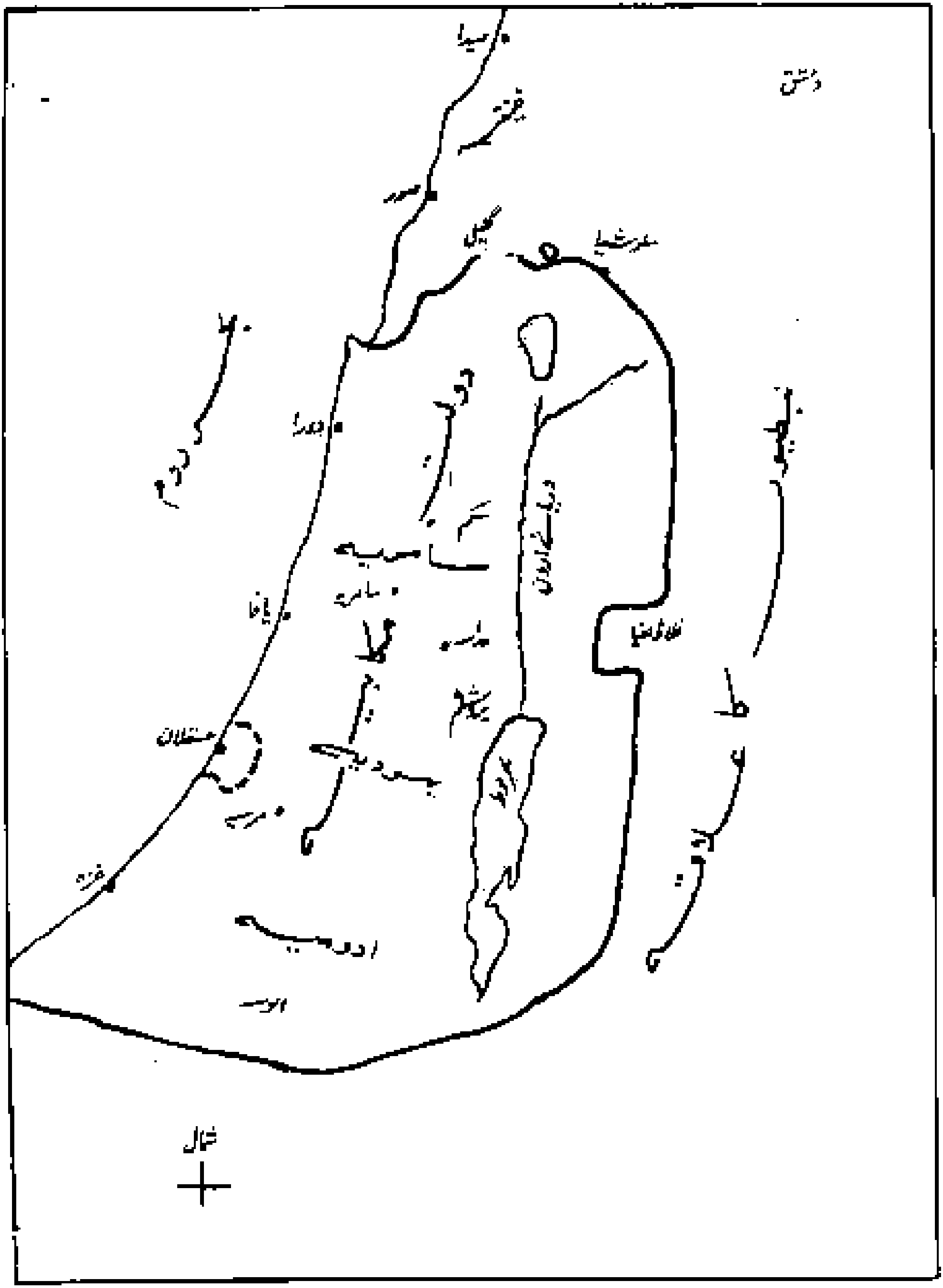

ہیرود اعظم کی سلطنت (بنی اسرائیل)

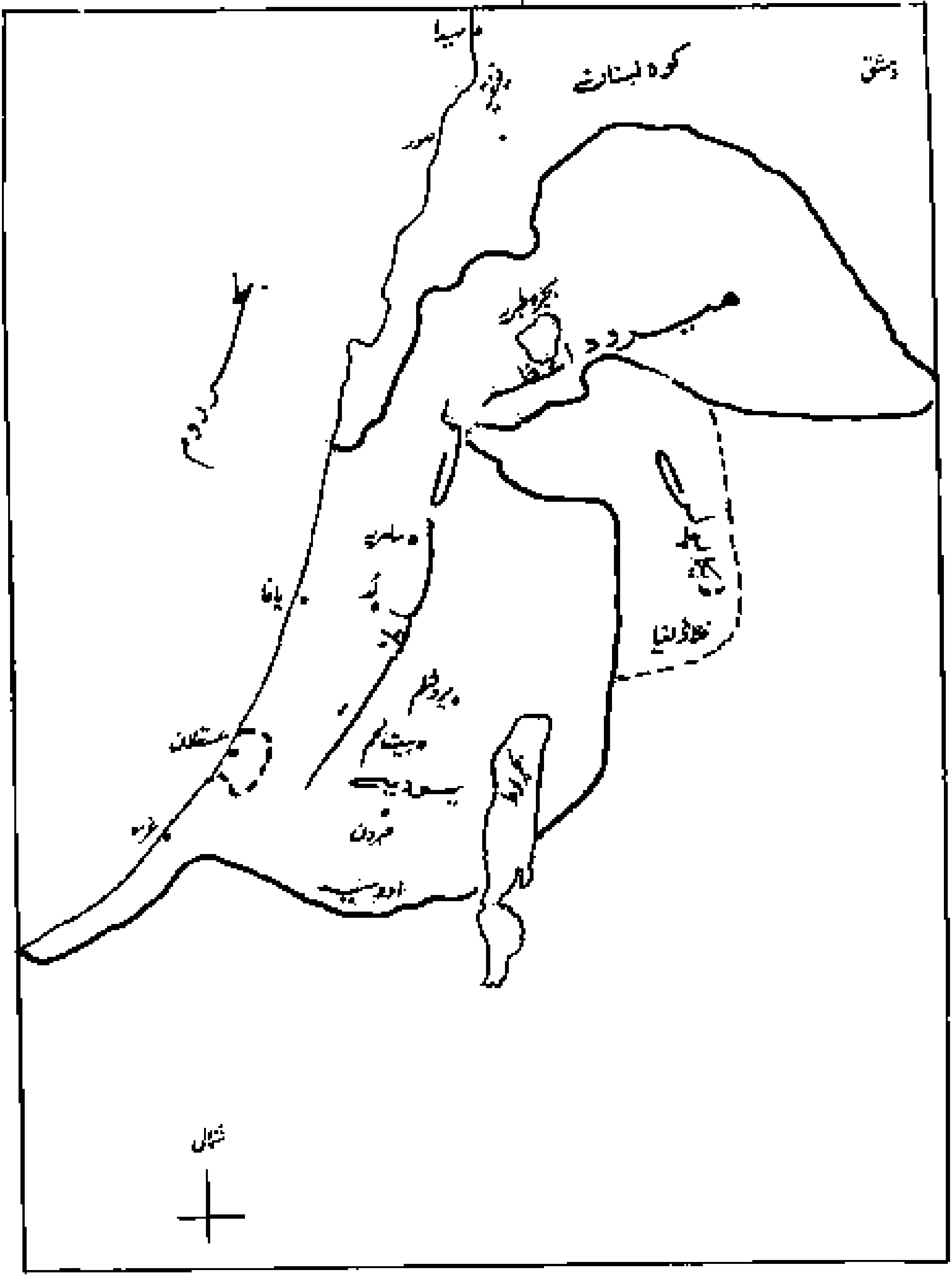

میں اپنی مادر پدر آزاد تہذیب اور تمدن کو یہاں فروغ دینے کی انتہائی کوشش شروع کی۔ فلسطین ایک الگ ریاست تھی۔ جس کا سردار یونانیوں کا مقرر کیا ہوا کوئی یہودی ہوا کرتا لیکن انتظامی لحاظ سے اس کا الحاق شام کے ساتھ کر دیا گیا تھا یہاں کا گورنر کوئی یونانی ہوتا۔ یونانی تہذیب کو مقبول بنانے کی کوششیں تیز ہو گئیں اور خود یہودیوں کا با اثر اور متمول طبقہ اس کا دلدادہ ہو گیا۔ ۱۷۵ قبل مسیح میں حالات کو سازگار محسوس کرتے ہوئے شام کے رومی فرمانروا انیٹوکس چہارم (ANTIOCHUS IV) نے یونانی رسم و رواج کو جبراً مسلط کرنے کے لیے کام شروع کیا، ہیکل میں سابقہ قربان گاہ کے اوپر جہاں حضرت موسیٰ کی شریعت کے مطابق سوختنی قربانیاں دی جاتی تھیں ایک اور قربان گاہ تیار کرائی اور اس پر زیس (ZEUS) کے لیے قربانی دی۔ (زیس یونانی دیومالا میں کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار کا نام ہے) اور شاہی فرمان جاری کیا کہ فلسطین کے ہر شہر اور ہر قصبہ میں ایسی قربان گاہیں تعمیر کی جائیں جہاں مشرکانہ دستور کے مطابق یونانی دیوی دیوتاؤں کے نام کی قربانیاں دی جائیں اور جو شخص ایسا کرنے سے انکار کرے اس سے نپٹنے کے لیے ہر مقام پر باقاعدہ افسر مقرر کیے۔ اس ظالمانہ حکم نے ایک انقلابی تحریک کو جنم دیا جو تاریخ میں مکابی تحریک (MACCABEES) کے نام سے مشہور ہوئی۔ موڈین (MODIN) کے قصبہ میں جو یروشلم سے زیادہ دور نہیں، جب ایک بوڑھے یہودی مذہبی راہنما (MATTATHIAS) کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کے ایک دیوتا کے لیے قربانی دے تو اسے یارائے صبر نہ رہا۔ اس نے صرف اس بیہودہ حکم کو بجا لانے سے ہی انکار نہ کیا بلکہ اس مرتد یہودی کو بھی تہ تیغ کر دیا جو ایسی قربانی دینے کے لیے آگے بڑھا تھا۔ گرولیئر انسائیکلوپیڈیا (GROLLIER ENCY) نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس نے شاہی کمشنر کو بھی قتل کر دیا اور اپنے پانچ لڑکوں جان، سائمن، یہوداہ، الیعزر اور جوناتھن سمیت وہاں سے نکل کر ایک پہاڑ میں خیمہ زن ہو گیا۔ یہودیوں کی ایک کثیر تعداد اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئی اور انہی کوششوں سے ایک آزاد یہودی مملکت معرض وجود میں آ گئی۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۱۳ صفحہ ۵۴۹)

لیکن مکابی کی یہ انقلابی تحریک بھی بہت جلد سرد پڑ گئی۔ ذاتی اقتدار کے لیے قومی مفاد کو نظر انداز کرنا ان کے لیے ایک معمول کا امر بن گیا۔ چنانچہ انہی کے ایک شخص انٹی پیٹر (ANTIPATER) کی تحریک پر رومی بادشاہ پومپی (POMPEY) کے نائب سکارس (M. A. SCAURUS) نے یروشلم پر حملہ کر کے یہودیوں کو پھر اپنا غلام بنا لیا۔ اس قومی غداری کے صلہ میں انٹی پیٹر کو رومی دربار میں بڑی اہمیت حاصل ہو گئی۔ لیکن قوم نے اس کی غداری کو معاف نہ کیا اور کسی یہودی نے زہر دے کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس کا لڑکا ہیروڈ (HEROD) جان بچا کر روم چلا گیا۔ انٹونی (ANTONY) شاہ روم نے ۴۰ قبل مسیح میں اس کو یہوداہ کی سلطنت کا بادشاہ مقرر کر دیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا ہیروڈ انٹی پاس (HEROD ANTI-PAS) فرمانروا تھا۔ اس کا عہد حکومت ۴ قبل مسیح تا ۳۹ عیسوی ہے۔ اسی کے زمانہ حکومت میں حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اپنے وعظ و ارشاد کا آغاز فرمایا۔ آپ کے خطبوں کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل ایک بار پھر اخلاقی انحطاط کی انتہائی پستیوں میں گر گئے تھے۔ کتاب متی باب ۲۳ میں آپ کو ملے گا کہ آپ نے بنی اسرائیل کے مذہبی سربراہوں کو بار بار ان تحقیر آمیز الفاظ سے زجر و توبیخ فرمائی۔ اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس! اے اندھے راہ بتانے والو! اے

ہمنوا بنا دیں۔ اے سانپو! اے افعی کے بچو! اس بگڑے ہوئے ماحول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت حق کو کیسے برداشت کیا جا سکتا تھا چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح کے خلاف رومی گورنر پیلاطس کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا اور ان پر کفر و الحاد کا الزام لگا کر اسے مجبور کیا کہ وہ انہیں سولی پر چڑھا دے ورنہ وہ علم بغاوت بلند کر دیں گے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۷ حاشیہ)

اس بادشاہ کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگانے کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ پڑھیے:۔

ایک دفعہ جب یہ روم گیا ہوا تھا تو اس کی ملاقات اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیروڈیاس (HERODIAS) سے ہوئی۔ وہ اس پر فریفتہ ہو گیا اور اسے اپنے گھر ڈال لیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس پر شدید احتجاج کیا اور اس کو اس فعل قبیح سے باز آنے کی تلقین کی لیکن شاہی غرور و نخوت نے اجازت نہ دی کہ وہ اس نبی برحق کی نصیحت کو قبول کرتا۔ وہ اتنا آتش زیر پا ہو گیا اور اپنی داشتہ کے اکسانے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مجمع عام میں قلم کر دیا۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا صفحہ ۱۱۵، جلد ۱۱)

اس کے بعد ہیروڈ اگرپا دوم (HEROD AGRIPPA II) جو اس کا لڑکا تھا تخت نشین ہوا۔ اس کا حال یہ تھا کہ اپنی بہن (BERENICE) کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ یاد رہے کہ یہ خاندان صرف سیاسی حکمران ہی نہ تھا بلکہ یہودیوں کا روحانی سردار بھی تھا اور بڑے بڑے مذہبی پیشوا مقرر کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔

(انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا ص۴۱۵، جلد ۱۱)

جس قوم کے فرمانرواؤں اور روحانی پیشواؤں کی اخلاقی زبوں حالی کا یہ عالم ہو اس کے عوام کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں انہی حالات میں حضرت مسیح نے ان کو دل شگاف الفاظ میں ان کے ہولناک انجام سے آگاہ فرمایا۔

"اے یروشلم! اے یروشلم! تو جو نبیوں کو قتل کرتی اور جو تیرے پاس بھیجے گئے ان کو سنگسار کرتی ہے۔ کتنی بار میں نے چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے جمع کر لیتی ہے اسی طرح میں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لیے ویران چھوڑا جاتا ہے۔" (متی باب ۲۳۔ آیت ۳۷، ۳۸)

اگرپا دوم ۱۰۰ء میں مرا اور اس کے بعد فلسطین کا علاقہ براہ راست رومیوں کے قبضہ میں آ گیا جس سے بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی اور یہودیوں نے رومی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ ابتدا میں انہیں کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں شام کا رومی گورنر بھی یہاں سے شکست کھا کر بھاگ نکلا۔ آخر ۶۹ء میں ولی عہد حکومت ٹیٹس (TITUS) کی قیادت میں ۶۰ ہزار کا رومی لشکر فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ اسی سال گلیلی فتح ہوا۔ اور ۷۰ء میں اس نے یروشلم پر قبضہ کیا اور ہیکل کے معبد کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۱۱ لاکھ سے زیادہ یہودی مارے گئے اور ایک لاکھ کو غلاموں اور لونڈیوں کی حیثیت سے فروخت کر دیا گیا۔ اس فتح عظیم کی یادگار کے طور پر روم میں قوس ٹیٹس تعمیر کی گئی۔ (گرولیئر انسائیکلو پیڈیا، جلد ۱۹۔ صفحہ ۱۵۰)

یہ ان کی دوسری فساد انگیزی اور ان کی سزا تھی جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کی

فلسطین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں

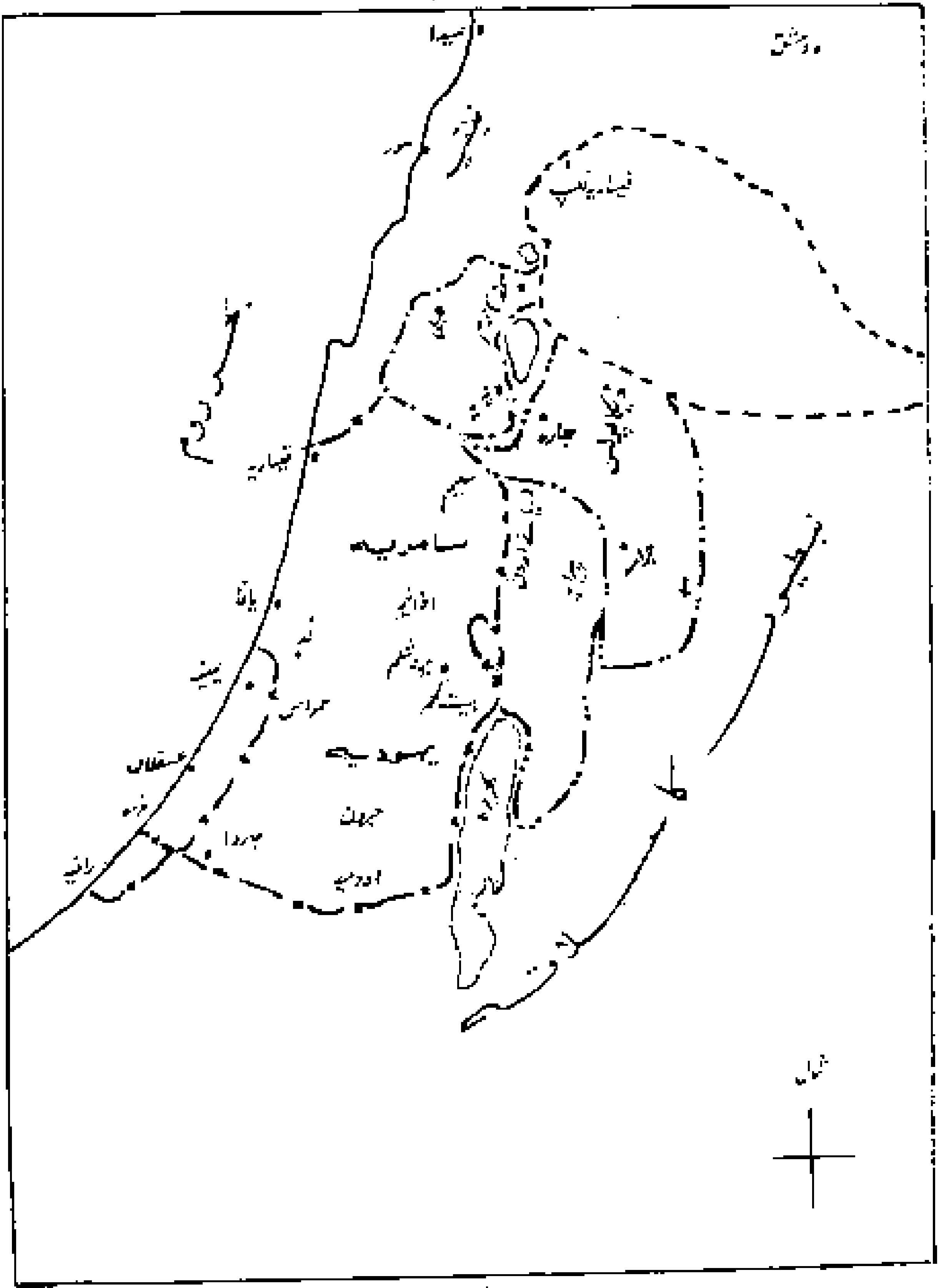

تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا

تباہ کر دیں۔ قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے گا اور اگر تم (پھر) شرارت کی طرف دوبارہ لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔

جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي

اور ہم نے بنا دیا ہے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ۔ بلاشبہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب راہوں سے

بربادی کا وہ طویل دور شروع ہوا جو ابھی تک ختم نہیں ہوا۔

۱۱ ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے بنی اسرائیل کو ان کی فساد انگیزیوں کی وجہ سے جن دو ہولناک تباہیوں سے دوچار کیا گیا تھا انہوں نے بنی اسرائیل کو بالکل بے جان کر دیا تھا۔ ان کی جمعیت منتشر ہو چکی تھی۔ ان کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ وہ مایوسی کے گھپ اندھیروں میں خانماں برباد افراد کی طرح اپنی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ان کے مطلع حیات پر امید کی ایک روشن کرن ظاہر ہوئی۔ اور زبان قدرت نے انہیں صلائے عام دی کہ اے اجڑے ہوئے اسرائیلی قبیلو! اے نظر رحمت سے گرے ہوئے لوگو! جاگو! دیکھو رحمت الٰہی کا نقیب تشریف لا رہا ہے۔ اس کے بھیجنے والے نے اسے دنیا بھر کی برباد شدہ قوموں کو آباد کرنے کے لیے زخمی دلوں پر مرہم لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ رحمت عامہ کی خلعت زیبا پہن کر آ رہا ہے۔ اٹھو! آگے بڑھو! اور اس کا دامن کرم تھام لو۔ تمہیں رحمت الٰہی کا مستحق قرار دے دیا جائے گا۔

۱۲ لیکن اگر تم نے میرے محبوب رسول کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو تم نے سابقہ انبیاء کے ساتھ روا رکھا تھا تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کی شمشیر غضب کند نہیں ہوئی۔ پھر تمہاری سرکوبی کر دی جائے گی اور تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا پہلے کی طرح بھگتنا ہوگی۔

آفتاب اسلام کے طلوع سے لے کر آج تک کی یہودی قوم کی تاریخ کا طالب علم خوب جانتا ہے کہ یہ ساری مدت ان کی فساد انگیزیوں اور ان پر مرتب ہونے والی دردناک سزاؤں سے عبارت ہے۔ یہ ساری دنیا میں منتشر ہو کر ایک بے اثر اقلیت کی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ جہاں بھی ان کے منحوس قدم پہنچے ادبار و زوال ان کے ہمرکاب رہا۔ جب بھی عیسائیوں نے ان پر غلبہ پایا تو ان کو سخت اذیتیں دیں۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے سارے یورپ میں یہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مشرق اوسط کی مسلمان ریاستوں نے جب اپنے مرکز (خلافت عثمانیہ) سے غداری کی اور پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریزی استعمار نے ان کے حصے بخرے کر کے انہیں کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم کر دیا تو فلسطین میں انگریزی تسلط و اقتدار کی شکل میں قائم ہو گیا۔ جب انگریزی جرنیل ایلن بی (ALLEN BE) بیت المقدس میں فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوا تو اس نے کہا کہ آج صلیبی جنگ ختم ہوئی ہے۔ اس کے بعد فلسطین کو یہودی وطن بنانے کی تحریک شروع ہوئی

هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

سیدھی راہ ہے[۱۴] اور مژدہ سناتا ہے ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بلاشبہ

دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس تحریک کو برطانیہ اور امریکہ کی پرزور تائید حاصل ہوگئی۔ اور انہیں کی سنگینوں کے سایہ میں عالم اسلامی کے عین وسط میں ایک اسرائیلی ریاست قائم ہوئی۔ اس طرح فرنگی سیاست نے زہر میں بجھا ہوا ایک تیر مسلمانوں کے سینہ میں ترازو کر دیا۔ جو نہ معلوم کب تک سوہانِ روح بنا رہے گا۔

بیشک اسرائیل کا قیام مغربی استعمار کا کرشمہ ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گہری سازش کا نتیجہ ہے لیکن اپنی عرب مملکتوں کو بھی نظر انداز کر دینا حقیقت شناسی نہیں۔ جو وقت یہودیوں اور ان کے حواریوں نے اسرائیل کی نوزائیدہ مملکت کو مستحکم کرنے میں صرف کیا اس وقت ہمارے حکمران باہمی رقابتوں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی سازشوں میں اس طرح منہمک رہے کہ وہ اس مشترکہ خطرہ کے سدِباب کے لیے زبانی جمع خرچ کے سوا کچھ نہ کر پائے۔ ان کی تیز اور تلخ دھمکیاں دشمن کو ہوشیار اور چوکنا کرتی رہیں۔ اور انہیں اپنی صفوں میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس تک نہ ہوا۔ شاید انہوں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ کھوکھلی دھمکیوں، اور بلند بانگ بیہودہ دعووں سے وہ دشمن کو مرعوب کر لیں گے۔

اسرائیل کے کارپرداز اپنی فوج اور رعایا میں مذہبی جوش و جنون پیدا کرتے رہے اور ہماری عرب سلطنتیں اسلام سے دور ہٹتی چلی گئیں انہیں اسلام سے زیادہ اب اپنی قومیت عزیز ہو گئی۔ انہیں صدیق و فاروق کے جانشین ہونے پر اب ناز نہ تھا بلکہ اب وہ اس پر فخر کرنے لگے تھے کہ انکی رگوں میں فرعونوں کا خون ہے۔ قدرت کے قانون اٹل ہیں آج کے مسلمان مستثنیٰ نہیں۔ جو قوم ایسے بدترین انتشار کا شکار ہو جسے دوست اور دشمن کی پہچان نہ ہو جسکے امرا عیش کوش ہوں اور جسکے سپاہی جذبۂ جہاد سے محروم ہوں انکو شکست نہ ہوگی تو کیا فتح ہوگی؟ وہ ہولناک جنگ جو پانچ جون ۱۹۶۷ء عرب و اسرائیل کے درمیان ہوئی جسمیں عرب تین دن تک بھی اسرائیل کا مقابلہ نہ کر سکے اس وقت حالات یہ تھے کہ عرب حکمران ایک دوسرے کو ذلیل و رسوا کرنے میں اپنا زور صرف کر رہے تھے عربوں کی موجودہ ہزیمت قطعاً قابلِ حیرت نہیں اسکے ایسے روشن اسباب ہیں جن کو مکتبِ سیاست کا ایک مبتدی بھی خوب جانتا ہے۔

لیکن عرب کی اس شکست کی طرح اسرائیل کی یہ فتحیابی بھی عارضی ہے۔ ان عُدتم عُدنا کا فرمان آج بھی ضرور پورا ہوگا۔ جس طرح آج تک پورا ہوتا رہا ہے۔ اور اسکے لیے صرف ایک چیز کا ہی انتظار ہے کہ ہمارے عرب بھائی اپنے سرچشمۂ حیات اسلام کی طرف رجوع کریں یہیں سے انہیں مستحکم اتحاد کی دولت ملیگی یہیں سے انہیں جوشِ جہاد نصیب ہوگا۔ یہیں سے انہیں وہ قوت مرحمت ہوگی جو انہیں فتح و نصرت کی بلندیوں کی طرف لے جائیگی۔ قوموں کی زندگیوں میں دس بیس سال کا عرصہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس لیے اسرائیل کی عارضی کامیابی کو دیکھ کر کسی کو شک و شبہ کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ پورا ہو کر رہے گا۔

۱۴ بنی اسرائیل کے عبرت آموز احوال بیان کرنے کے بعد اب غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتابِ ہدایت جو ہم نے تم کو ارزانی فرمائی ہے یہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انہی اصول و قوانین کی تعلیم دیتی ہے جو ہر لحاظ سے دیگر قواعد و ضوابط

لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا

ان کے لیے بڑا اجر ہے۔ اور بیشک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے تیار کر دیا

لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ

ہے ان کے لیے دردناک عذاب۔ اور دعا مانگتا ہے انسان برائی کے لیے جیسے دعا مانگتا ہے بھلائی کے لیے

وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ

اور (حقیقت یہ ہے کہ) انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا) ہے۔ اور ہم نے بنایا ہے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں ۱۵؎

ع ۱

سے بہتر، زیادہ مفید اور نفع بخش ہیں۔ اس لیے بے ججھک اپنی انفرادی اور اجتماعی، سیاسی اور معاشی، تمدنی اور اخلاقی راہنمائی کے لیے اس سے روشنی حاصل کرو۔ کسی کی وسوسہ اندازی سے تمہارا یقین مضمحل نہ ہو للتی ھی اقوم ای الطریقۃ التی ھی اسد و اعدل واصوب (قرطبی)

(قرطبی) اور جو لوگ قرآن کی اس دعوت کو صدق دل سے قبول کرتے ہیں اور اس پر جانبازی سے عمل کرتے ہیں تو قرآن اُن کو یہ مژدہ سناتا ہے کہ تمہارا کوئی عمل رائیگاں نہیں جائے گا۔ تمہاری کوئی محنت بے ثمر نہیں ہوگی بلکہ تم کو اس جدوجہد کا عظیم صلہ دیا جائیگا جس کی لذتوں سے تم دونوں جہانوں میں شاد کام ہوگے۔

۱۴؎ انسان اپنے حقیقی نفع اور نقصان کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتا۔ وہ وقتی خواہش کی تکمیل کے لیے بے چین ہوجاتا ہے۔ وہ اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھتا ہے کہ اگر یوں ہوجائے تو میں زندگی کی ساری سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹ لونگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو میں ذلیل و خوار ہوجاؤنگا اسی عجلت پسندی کے باعث اس سے ایسی ایسی ناشائستہ حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو اسکی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیتی ہیں۔ اس آیت میں انسان کو اس کی اس کمزوری پر آگاہ کرکے تنبیہ کی جارہی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو وقتی خواہشات کی تکمیل کی تسکارگاہ نہ بنائے ہوسکتا ہے کہ جس چیز کے حصول کو تم اپنے لیے باعثِ فخر و عزت سمجھ رہے ہو وہی تمہاری تباہی اور نامرادی کا پیش خیمہ ثابت ہو اس لیے اپنی عقل و ذکاء پر کم بھروسہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کتاب کی روشنی میں جادۂ حیات پر گامزن رہو تاکہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوسکو۔

۱۵؎ رات کی تاریکی اور خاموشی میں دن کے اُجالے اور ہنگاموں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی جو روشن نشانیاں ہیں۔ کون ذی فہم ایسا ہے جس نے ان کی زبان سے رب السمٰوات والارض کی حمد و ثنا نہ سنی ہو۔ نیلگوں آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ میں ماہ تاباں کی سواری جب گزرتی ہے تو اس کی روپہلی اور خنک کرنیں کس کی رحمتِ بے پایاں کی قصیدہ خوانی کرتی ہیں۔ آفتاب عالمتاب جب طلوع ہوتا ہے تو اس کی جبین پر کس کی عظمت و کبریائی کا نشان ثبت ہوتا ہے۔ دن رات کے تسلسل میں جو فوائد ہیں انکو کون نہیں جانتا اور ان سے کون مستفیض نہیں ہوتا۔ اُن ان گنت فوائد میں سے بعض کا ذکر اس آیت میں کردیا گیا ہے۔

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا

اور ہم نے مدھم کر دیا رات کی نشانی کو 21 اور بنا دیا دن کی نشانی کو روشن تاکہ تم دن کے اجالے میں تلاش کرو رزق

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ

اپنے رب سے اور تاکہ تم جان لو سالوں کی تعداد اور حساب کو اور ہر چیز کو ہم نے

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿١٢﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ

بڑی وضاحت سے بیان کر دیا ہے 22 اور ہر انسان کی (قسمت کا) نوشتہ اس کے گلے میں ہم نے لٹکا رکھا ہے 23

21 المحو کا معنی کسی چیز کو مٹا دینا اور اس کے اثر کو زائل کرنا یہاں اس سے مراد مدھم کر دینا، دھندلا دینا اور اس داغ کو جو چاند میں نظر آتا ہے اس کو بھی اہل عرب محو کہتے ہیں۔ (المحو السواد فی القمر کانہ اثر محو) چاند کے لیے محو کے لفظ کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ چاند کی روشنی آہستہ آہستہ گھٹتی جاتی ہے یہاں تک کہ مہینہ کی آخری تاریخوں میں وہ بالکل بے نور ہو جاتا ہے یا یہاں محو کا لفظ دھندلا اور دھیما کر دینے کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی چاند اگرچہ روشن ہے لیکن اس کی روشنی دھندلی اور مدھم ہے اور اس سے ہر چیز دھندلی دھندلی سی نظر آتی ہے اس کے برعکس سورج کی روشنی بڑی تیز ہے ہر چیز اپنے اصلی رنگ و روپ میں دکھائی دینے لگتی ہے کوئی اشتباہ باقی نہیں رہتا۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات سے مراد گمراہی کی تاریکی ہے اور دن سے مراد حق کا اجالا ہے۔ اس آیت میں گویا اس امر کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ کفر و شرک کی شب دیجور ختم ہونے والی ہے اور حق کا آفتاب طلوع ہونے والا ہے جس کی شعاعیں باطل کے اندھیروں کو ختم کر کے رکھ دیں گی اور ہر طرف اجالا ہی اجالا ہو گا۔

22 یعنی ہر وہ چیز جس کی طرف تم دین و دنیا کی فلاح حاصل کرنے کے لیے محتاج ہو اس کو نہایت شرح و بسط سے اس کتاب میں بیان کر دیا گیا ہے ای تحتاجون الیہ فی امر الدین والدنیا (مظہری)

ہر شخص اس تفصیل سے یکساں طور مستفیض نہیں ہوتا بلکہ جتنی کسی کو استعداد بخشی جائے گی اسی کے مطابق وہ بہرہ مند ہو گا۔ اگر کسی کم نظر کو وہ حقائق نظر نہیں آتے جو اہل بصیرت کو بے حجاب دکھائی دیتے ہیں تو اسے اپنی کم نظری کا شکوہ کرنے کا تو حق پہنچتا ہے لیکن اسے ان حقائق سے انکار کرنے کا کوئی حق نہیں جو نفوس قدسیہ کے سامنے بے نقاب ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بجا فرمایا ہے:-

جمیع العلم فی القرآن لکن ؛ تقاصر عنہ افہام الرجال

سارے علوم قرآن میں موجود ہیں لیکن عام لوگوں کی عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

23 اہل عرب دیگر مشرک قوموں کی طرح فالوں اور شگونوں کے بڑے معتقد تھے وہ خارجی عوامل کو اپنی کامیابی اور ناکامی میں بڑا موثر تسلیم کرتے تھے۔ کسی کام کو نکلے راستے میں بلی وغیرہ کوئی جانور سامنے سے گزرا تو یقین کر لیا کہ یہ کام نہیں ہو گا اور راستہ

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ

اور ہم نکالیں گے اس کے لیے روز قیامت ایک کتاب جسے وہ اپنے سامنے کھلا ہوا پائیگا (اسے حکم ملیگا) پڑھو اپنا دفتر عمل۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ﴿۱۴﴾ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا

تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لیے جو راہ ہدایت پر چلتا ہے تو وہ راہ ہدایت

يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ

پر چلتا ہے اپنے فائدے کے لیے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور نہیں اٹھائیگا کوئی

وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو۔

ہی سے واپس لوٹ آئے۔ صبح سویرے کسی پرندے کی آواز کانوں میں پڑ گئی تو سارا دن طرح طرح کے اندیشوں کی نذر ہو جاتا۔ اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کی فلاح و خسران کا انحصار طوطے کوے اور کسی چیز پر نہیں بلکہ اس کے ان اعمال پر ہے جن کو وہ اپنے اختیار سے بجا لاتا ہے وہی اسے سرفراز کرتے ہیں اور وہی اس کی ذلت کا سبب بنتے ہیں وہ اپنے اعمال کے نتائج سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ مکافات عمل کے قانون کو نہیں بدل سکتا اس کا اور اس کے اعمال کا رشتہ اتنا گہرا اور مضبوط ہے جیسے کوئی چیز گلے میں لٹک رہی ہو اور وہ اس سے علیحدہ نہ ہو سکتی ہو۔ طائر کے لغوی تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف آیت ۱۳۱ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۹ھ آج تو وہ اپنی چرب زبانی سے اپنے اعمال کی گندگی پر پردہ ڈال سکتا ہے لیکن کل روز حشر اس کے اعمال کا صحیفہ کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا جائیگا۔ اس لیے اگر تم عمر بھر ذلت گوارا کرنے کے لیے آمادہ نہیں تو آج ندامت کے آنسو بہا کر ان کی سیاہی کو دھو ڈالو۔

۲۰ھ اس کے اعمال کا صحیفہ خود ہی اس پر حقیقت حال کو آشکارا کر دیگا اپنے متعلق کسی سے پوچھنے اور کسی کے بتانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

۲۱ھ اس آیت میں دو گروہوں کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے ایک گروہ تو وہ تھا جس کی ترجمانی ولید بن مغیرہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ اس نے اہل مکہ کو کہا اتبعونی واکفروا بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وعلیّ اوزارکم۔ تم میری پیروی کرو اور محمد کا انکار کرو تمہارے سارے بوجھ میں اپنے سر پر اٹھا لوں گا۔ دوسرا گروہ عیسائیوں کا ہے جو عقیدہ کفارہ کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ انسان کے گناہوں کے عوض اللہ تعالیٰ نے اپنے فرزند (نعوذ باللہ) مسیح کو سولی دے دیا اب اس سے ان کے گناہوں کے

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کردیں کسی بستی کو (اسکے گناہوں کے باعث) تو پہلے ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝۱۶ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ

دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے ہیں اس میں[۲۳] پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ

بارے میں کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ آپ خود غور فرمایئے کہ اگر ان [illegible] نظریوں کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو انسان کس قعرِ مذلت میں جا گرتا ہے۔ پہلی صورت میں تو انسان اندھی تقلید کا خوگر ہو کر عقل و فہم اور غور و فکر کی خداداد صلاحیتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ دوسری صورت میں اس کے دل سے احساسِ ذمہ داری مٹ جاتا ہے اور [illegible] کرتے ہیں [illegible] بڑے اطمینان سے ہر قسم کی غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا ضمیر بھی اسے [illegible] نہیں کرتا بلا شبہ ایسا انسان [illegible] بنی نوع کے لیے ایک خونخوار بھیڑیے سے بھی زیادہ اذیت رساں بن جاتا ہے۔ اسلام [illegible] فطرت ہے وہ انسان کی تربیت میں [illegible] کی کسی لوچ کو برداشت نہیں کرتا چنانچہ اس آیت نے صاف صاف بتا دیا کہ [illegible] راہِ ہدایت اختیار کی اس نے اپنی بہتری [illegible] سامان مہیا کیا اور جس نے گمراہی کو پسند کیا اس کی سزا اسے ضرور بھگتنی پڑے گی [illegible] لیے حق و [illegible] اپنی عقل و فہم کو استعمال کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اندھی تقلید کے باعث کسی کی پیروی کرتے رہو۔ بہرحال [illegible] نہیں ہوگا کہ جہان بھر کے گناہ تم کرتے پھرو اور سارا بوجھ لاد دیا جائے ایک تنہا مسیح پر۔ عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کے متعلق کسی موزوں مقام پر شرح و بسط سے لکھا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

[۲۲] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہماری سنت یہ ہے کہ ہم لوگوں میں اپنے رسول بھیجتے ہیں جو ان کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور نجات کی راہ دکھاتے ہیں اور اپنی صداقت کو ان دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ گمراہی پر ڈٹے رہیں تو ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے ومن لم تبلغہ الدعوۃ فھو غیر مستحق للعذاب من جھۃ العقل واللہ اعلم (قرطبی)

[۲۳] اس آیت میں "امرنا" [illegible] بمعنی آمَّرْنَا ہے یعنی ہم اس علاقہ کی حکومت سرکش اہلِ ثروت کے حوالے کر دیتے ہیں اور وہ دولت و اقتدار کے باعث فسق و فجور کا بازار گرم کرتے ہیں۔ ای سلّطنا اشرارھا فعصوا فیھا فاذا فعلوا ذلک اھلکنا ھم۔ اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اَمَرْنَا کا معنی اَکْثَرْنَا یعنی ہم ایسے لوگوں کی تعداد بڑھا دیتے ہیں جو اپنی ثروت اور دولت کے نشہ میں فتنہ و فساد بپا کرتے ہیں۔ لیکن علامہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ امرنا کے بعد یہ عبارت مقدر ماننی پڑے گی امرنا مترفیھا بالطاعۃ علی لسان الرسول یعنی ہم ان کو ان کے رسول کے ذریعہ اطاعت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ نافرمانی کرتے ہیں اور ان کا پھر وہی انجام ہوتا ہے جو ہر نافرمان کے مقدر میں ازل سے لکھا جا چکا ہے۔ صاحب روح المعانی نے بھی حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے یہی مفہوم روایت کیا ہے۔

امرنا بالطاعۃ کما اخرجہ ابن جریر وغیرہ عن ابن عباس و سعید بن جبیر علی لسان الرسول المبعوث الیھم (روح المعانی)

الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا

دیتے ہیں اور کتنی قومیں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا ہے نوح کے بعد ۲۴ اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے اچھی طرح باخبر ہے (اور انھیں

بَصِيْرًا ۝١٧ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ

خوب دیکھنے والا ہے۔ جو لوگ جلدبازی میں صرف دنیا کے ۲۵ تو ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (انہیں سے) جسے چاہتے ہیں ۲۶

لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے [illegible] تاکہ گرے وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا

۲۴ اس آیت سے سابقہ آیت کے مضمون [illegible] فرمائی جا رہی ہے کہ جب [illegible] بستی گناہوں اور بدکاریوں کا اکھاڑا بن جاتی ہے تو اسی وقت اس کی اینٹ سے اینٹ [illegible] دی جاتی بلکہ پہلے انھیں سمجھانے [illegible] راست پر لانے کے لیے انکے پاس رسول بھیجے جاتے ہیں جو انہیں احکام الٰہی [illegible] بند ہونے کی تلقین کرتے ہیں خصوصاً [illegible] با اقتدار طبقہ کو سمجھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی اصلاح سے [illegible] وہ اس پند نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ اپنی کج فہمی کے باعث اسے ذاتی وقار کا [illegible] کر مخالفت کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت عذاب کی بجلی کوندتی ہے اور ان کے غرور [illegible] راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔ [illegible] جڑ سے اکھیڑ دینا حتیٰ نا ای اناسلنا هابالهلاك۔ (قرطبی)

۲۵ اگر تم ہمارے اس قانون [illegible] حالات پر نگاہ عبرت ڈالو جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آئیں انھیں کس طرح اُن کے بُرے اعمال کی پاداش میں ہلاک و برباد کر دیا گیا۔

۲۵ العاجلة صفت ہے [illegible] ایسا ہوتا رہتا ہے کہ موصوف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور صفت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس سے مراد دار دنیا ہے یعنی جس کے دل میں اخروی زندگی سنوارنے کا کبھی خیال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس کی ساری تگ و دو اسی زندگی کو باعزت اور آرام دہ بنانے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسے ہم اسی دنیا میں اپنی مرضی کے مطابق اس کی جدوجہد کا معاوضہ دیدیں گے۔ لیکن قیامت کے دن اسکی محرومیاں دیدنی ہونگی۔ مذموم جس کی مذمت کی جائے اور مدحور جسے ٹھکرا دیا جائے اور بارگاہ خداوندی سے دھکے دے کر نکال دیا جائے۔

۲۶ آیت کی ترکیب سے اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہوگا لمن نرید بدل البعض ہے۔ اس کا مبدل منہ لہ ہے جس کا مرجع "مَنْ" ہے جو ابتداء آیت میں ہے۔ من اور لہ صیغۃً اگرچہ واحد ہیں لیکن معنی جمع ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں :۔

وتقدیر لمن نرید تعجیله منهم والضمیر راجع الی مَنْ هی موصولة او شرطیة وعلی التقدیرین هی منبئة عن الکثرة فهو بدل بعض من کل۔

مَّدْحُورًا ﴿١٨﴾ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

راندہ ہوا۔ اور جو شخص طلبگار ہوتا ہے آخرت کا اور جد و جہد کرتا ہے اس کے لیے پوری طرح جو اس کا حق ہے اور وہ

مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ﴿١٩﴾ كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ

مومن بھی ہو تو یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کی کوشش مقبول ہو گی [٢٢] ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی

علامہ ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: خماً رُلّی بنعمۃ مبیلہ بدل البعض بتبدیہ تنہ لاعید کل ضمن ضمنا (مظہری) میں نے اسی ترکیب کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

٢٢ طالب دنیا کا انجام بیان کرنے کے بعد طالب مولیٰ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی اس کی کوئی نیکی فراموش نہیں کی جائے گی بلکہ راہ حق میں جو قدم بھی اس نے اٹھایا ہو گا جو عمل بھی اس نے کیا ہو گا اسے ضرور شرف قبول بخشا جائے گا۔ طالب مولیٰ کی پہچان کیا ہے؟ اس کے لیے تین علامتوں کا ذکر کیا ہے۔

(١) من اراد الآخرۃ یعنی ہر عمل سے اس کا مقصد آخرت کی سرخروئی ہو۔ کوئی دنیوی مقصد اس کے اعمال کا محرک نہ ہو۔

(٢) وسعی لہا سعیہا: اور اس کے لیے وہ پوری طرح اپنی بساط کے مطابق کوشش بھی کرتا رہا ہو۔ قربانی کا وقت آئے تو بصد مسرت دل و جان پیش کر دے۔ اس راہ کے ہر کانٹے کو پھولوں سے زیادہ عزیز جانے۔ مصائب و آلام کے طوفان امڈ آئیں تو چٹان بن کر کھڑا ہو جائے۔ غرضیکہ اپنی جسمانی و ذہنی قوتوں اور دیگر وسائل کو حق کی سربلندی کے لیے وقف کر دے اور چاہیے بھی ایسا۔ یہ کتنی شرم کی بات ہے کہ دنیا کے طلبگار تو اپنے ناپاک مقصد کے لیے دوڑ دھوپ کی انتہا کر دیں اور طالب مولیٰ صرف باتیں بنانے اور آرزوئیں کرنے پر ہی اکتفا کرے۔ اس لیے راہ حق میں قدم رکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ سعی لہا سعیہا کے کلمات طیبات کو ہر وقت اپنے پیش نظر رکھیں اور جب بھی ان کا ارادہ یا شوق سست ہونے لگے تو سعی لہا سعیہا کا مژدہ انہیں ہوشیار کر دے۔ طالب مولیٰ کی تیسری علامت یہ ہے کہ دل نور ایمان سے چمک رہا ہو۔ کفر و شرک اور نفاق کا کوئی اندھیرا موجود نہ ہو۔ کیونکہ اعمال کی قبولیت کا انحصار صرف ایمان پر ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو عمر بھر کی ساری ریاضتیں بیکار ہیں۔

٢٣ طالب دنیا کی مساعی کا معاوضہ دینے کے لیے وعدہ اس طرح فرمایا "عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید" ہم جتنی مقدار چاہیں گے اور جسے چاہیں گے اسے دیں گے۔ لیکن طالب مولیٰ کو ان الفاظ میں سرفرازی بخشی "فاولئک کان سعیہم مشکورا" ان کی مساعی کا نہ صرف قبول ہی کی جائیں گی بلکہ کوئی عمل اکارت نہ جائے گا۔ نیاز و اخلاص جتنا زیادہ ہو گا جزا میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ ایک کے بدلے دس۔ ایک کے بدلے ہزار اور ایک کے بدلے بے حساب کا وعدہ بھی پورا کیا گیا۔ الحمد للہ علی منہ و احسانہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ و حبیبہ الذی بجاھہ تغفر الذنوب و تقبل الطاعات و ینال الرضوان و رضوان من اللہ اکبر۔

وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝۲۰

(جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخشش سے ۲۲ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ۲۳

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ

دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر ۲۴ اور آخرت باعتبار درجوں کے بہت بڑی

دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝۲۱ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے۔ نہ ٹھہراؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ۲۵ ورنہ تم بیٹھے رہو گے

۲۲ یعنی دنیوی نعمتوں کا دروازہ مومن اور کافر، مطیع اور عاصی، سعید و شقی سب کے لیے کھلا ہے۔ روزی سب کو دی جاتی ہے۔ زندگی اور اس میں نشوونما کی سہولتیں سب کے لیے عام ہیں۔ جو چاہے آگے بڑھے اور اپنا حصہ لے۔ کُلًّا میں تنوین عوض کی ہے۔ اصل میں تھا کل الفریقین مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض میں یہ تنوین آگئی۔

۲۳ اے محبوب تیرے رب کی بخششیں عام ہیں۔ ان کا دروازہ سب کے لیے کھلا ہے۔ دیدۂ دل اگر بینا ہو تو اس آیت کے آئینہ میں جمال مصطفوی کا اصل نظارہ کر لے۔ "ربک" کو کیا آہستہ نظر کیا دیکھیے۔ معلوم ہوا کہ ربوبیت کا جو خصوصی تعلق اس حبیب مکرم کے ساتھ ہے وہ اور کسی کو بھی حاصل نہیں۔

۲۴ اس دنیا میں فرق مراتب کو اگر نگاہ عبرت سے دیکھا جائے تو کتنے عقدے ہیں جو کھل جاتے ہیں اور کتنی غلط فہمیاں ہیں جو دور ہو جاتی ہیں لیکن حقیقی قدر و منزلت کا پتہ تو قیامت کے دن چلے گا کہ بارگاہ الٰہی میں کس کو پذیرائی نصیب ہوئی اور صاحب لولاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرچم حمد کے نیچے کسے پناہ ملی۔ اس لیے اس فانی دنیا کے حسن پر ہی دل نثار نہ کرو بلکہ حقیقی کامیابی حاصل کرنے کے لیے مصروف عمل رہو۔

۲۵ یہاں مخاطب عام انسان ہے یا خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہے لیکن مراد حضور کی امت دعوت ہے یعنی دنیا و عقبیٰ کی سرخروئی اور رستگاری کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر کامل یقین ضروری ہے۔ اگر کسی اور کو اس کی ذات کی طرح قدیم اور واجب مان لیا۔ اگر کسی کے متعلق یہ تسلیم کیا کہ اس کی صفات بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کی طرح (علم، قدرت) وغیرہ کی طرح ذاتی اور قدیم ہیں تو وہ جان لے کہ اس نے اپنی بربادی کا سامان فراہم کر لیا کیونکہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے محروم ہو جاتا ہے اور جو بدنصیب اس کی نگاہ رحمت سے محروم ہو جائے اس کی بھلا کون دستگیری کر سکتا ہے۔ اسی لیے آیت میں صراحتاً ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بناؤ۔ ورنہ تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔

مَذۡمُومًا مَّخۡذُولًا ﴿٢٢﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ

اس حال میں کہ تمہاری مذمت کی جائے گی اور بے یار و مددگار ہو جاؤ گے اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور

بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوۡ

ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۳۳ اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تیری زندگی میں ان دونوں میں سے کوئی ایک یا

۳۳ے یہ چند آیات بڑی اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ان میں اسلامی تمدن کے بنیادی اصول بیان کیے گئے ہیں جن کے طفیل اسلامی معاشرہ کو اقوام عالم میں ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے [illegible] بڑے دلکش انداز میں بتایا جا رہا ہے کہ انسان کا تعلق اپنے کریم رحیم پروردگار سے کیسا ہونا چاہیے [illegible] اور معاشرہ کے دوسرے افراد کے ساتھ اس کا برتاؤ کیسا ہونا چاہیے۔ آج بھی جب [illegible] کی چمک دمک آنکھوں [illegible] کر رہی ہے اور کئی سادہ لوح اس پر فریفتہ ہو چکے ہیں ان ہدایات کے پیش نظر [illegible] وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان تعلقات [illegible] طرح قرآن حکیم نے صحیح انسانی بنیادوں پر استوار کیا ہے۔ ان کی برکت سے [illegible] باہمی تعلقات [illegible] اخلاص و محبت پر مبنی [illegible]۔ اس لیے ان آیات کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں بڑے تدبر سے کام لینا [illegible] پہلی [illegible] سے ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قضیٰ کا لفظ [illegible] بمعنی امر (۲) قضی بمعنی خلق (پیدا کیا) جیسے فقضاھن سبع سمٰوٰت اس نے سات آسمان پیدا فرمائے۔ (۳) قضی بمعنی حکم جیسے فاقض ما انت قاض: تو فیصلہ کر جو تو کرنا چاہتا ہے (۴) بمعنی فرغ: فارغ ہونا۔ فاذا قضیتم مناسککم جب تم اپنی عبادات سے فارغ ہو جاؤ۔ (۵) بمعنی اراد۔ اذا قضی امرا۔ جب [illegible] کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے (۶) بمعنی عہد۔ اذا قضینا الیٰ موسی الامر جب ہم نے موسیٰ سے اس امر کا عہد کر لیا۔ اس آیت میں قضیٰ پہلے معنی (حکم کرنا) میں استعمال ہوا ہے یعنی احکم الحاکمین نے یہ حکم فرمایا ہے۔ اس لیے اس کا حکم [illegible] اپنا مالک یقین کرتا ہے۔ آیت کا مدعا یہ ہوا کہ اے محبوب! آپ کے رب نے یہ احکام نافذ فرمائے ہیں جن میں سے پہلا حکم یہ ہے کہ اس وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اس اہم اور عظیم الشان فرمان کے معًا بعد جو حکم دیا جا رہا ہے وہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کے متعلق ہے۔ جب ماں باپ جوان ہوں اور اپنی ضروریات کے خود کفیل ہوں اس وقت تو بچے عموماً ان کے فرمانبردار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ان کے دست نگر ہوتے ہیں لیکن جب بڑھاپا آجاتا ہے صحت بگڑنے لگتی ہے۔ وہ خود روزی کمانے سے قاصر ہو جاتے ہیں اور اولاد کے سہارے کے محتاج ہو جاتے ہیں اس وقت سعادت مند اولاد کا فرض ہے کہ ان کی خدمت گزاری اور دلجوئی کے لیے اپنی کوششیں وقف کر دے۔ اگر مرض طول پکڑ جائے اور ان کا مزاج چڑچڑا ہو جائے اور وہ بات بات پر خفا ہونے لگیں تو ان حالات میں بھی ان کی ناز برداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے۔ اور خبردار! کہیں ایسا کر

كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا

دونوں تو انھیں اُف تک مت کہو اور انھیں مت جھڑکو اور جب ان سے بات کرو تو بڑی تعظیم

كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ

سے بات کرو۔ اور جھکا دو ان کے لیے تواضع و انکسار کے پر [۳۴] رحمت (و محبت) سے اور عرض کرو

یا ان کی خفگی سے آشفتہ خاطر ہو کر تیری زبان سے اُف نکلے۔ بلکہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کا موقع دیا ہے تو اسے غنیمت سمجھ۔ ان کے علاج معالجہ میں، ان کو آسائش اور راحت پہنچانے میں ذرا سستی سے کام نہ لے۔ ان سے سخت کلامی مت کر۔ جب تو ان سے گفتگو کر [illegible] ازیں [illegible] کہ ان کے دل کا کنول کھل جائے اور اپنے لختِ جگر کی اس احسان شناسی کو [illegible] کا دل مسرور اور آنکھیں [illegible] ہو جائیں۔ اور وہ بے ساختہ تجھے دعائیں دینے لگیں۔

[۳۴] یعنی انتہائی تواضع اور انکسار [illegible] کے ساتھ [illegible] جس میں رحمت [illegible] محبت کی خوشبو بسی ہوئی ہو۔ کیونکہ ایسی تواضع جس میں رحمت و شفقت کی مہک [illegible] ہو وہ کسی [illegible] ہو۔ والدین کی بارگاہ میں وہ قطعاً پسندیدہ نہیں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان یہ سب کچھ [illegible] نہیں ہو سکتا۔ جو ماں باپ نے اپنی اولاد پر کیے ہوتے ہیں۔ ان سے عہدہ برآ ہونے اور ان کا حقِ سپاس ادا کرنے کی اگر کوئی صورت ہے تو یہ کہ تو بارگاہِ خداوندی میں عجز و نیاز سے ان کی مغفرت اور بخشش کے لیے دعائیں [illegible] کرتا رہے کہ اے کریم! انھوں نے مجھے پالا میری پرورش کی میرے لیے تکلیفیں برداشت کیں، میں ان کا صلہ دینے سے قاصر ہوں۔ تو ان پر اپنا درِ رحمت کشادہ فرما۔ جس طرح انھوں نے میری بے بسی کی حالت میں مجھ پر [illegible] عنایات بے پایاں اور رحمتِ بے انداز کے پھول برسا۔ اس لیے قُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا کہہ کر ان کے لیے دعاء مغفرت کرنے کا حکم دیا۔

والدین کے حقوق اور ان سے حسنِ سلوک کی اہمیت کو جس طرح ان آیات میں بیان فرمایا گیا ہے اس کے بعد کون ایسا مسلمان ہے جو عملی زندگی میں ان سے انحراف کرے۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چند ارشادات طیبات بھی ہدیۂ قارئین کیے جائیں:- (۱) فی الصحیح عن ابی بکرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم باکبر الکبائر، قلنا بلی یا رسول اللہ، قال الاشراک باللہ وعقوق الوالدین۔

ترجمہ: حضرت ابی بکرۃ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم نے ارشاد فرمایا کہ اے صحابہ! کیا میں تمھیں بتاؤں کہ سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ تو حضور نے فرمایا سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور اپنے والدین کی نافرمانی کرنا ہے۔ (صحیح بخاری)

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ

اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بڑی محبت و پیار سے مجھے پالا تھا جب میں بچہ تھا۔ تمہارا رب بہتر جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

۲۔ عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یا رسول اللہ وکیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب ابا الرجل فیسب اباہ و امہ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے۔ عرض کی گئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو حضور نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ شخص اس کے جواب میں گالی دینے والے کے باپ اور ماں کو گالیاں دیتا ہے (گویا اس نے خود اپنے والدین کو گالی دی)

۳۔ عن ابی ھریرۃ جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال من احق الناس بحسن صحابتی قال امک۔ قال ثم من؟ قال ثم امک قال ثم من قال ثم امک قال ثم من قال ثم ابوک۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ تو حضور نے فرمایا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی عرض کی اور جواب ملا تیری ماں۔ پھر اس نے یہی سوال دہرایا تو ارشاد فرمایا تیری ماں۔ چوتھی بار اس نے عرض کی یا رسول اللہ! اس کے بعد؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا تیرا باپ۔

۴۔ عن ابی اسید الساعدی قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ جاءہ رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ! ھل بقی علی من بر ابوی شیء بعد موتھما ابرھما بہ۔ قال نعم خصال اربع الصلاۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما واکرام صدیقھما وصلۃ الرحم التی لا رحم لک الا من قبلھما فھو الذی بقی علیک من برھما بعد موتھما۔

ترجمہ: حضرت ابی اسید ساعدی فرماتے ہیں کہ ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھا اسی اثنا میں ایک انصاری حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! میرے والدین کی وفات کے بعد بھی کیا مجھ پر ان سے حسن سلوک کرنا ضروری ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ چار باتیں تجھ پر ضروری ہیں۔ ان کی نماز جنازہ ادا کرنا۔ ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہنا۔ جو وعدہ انہوں نے کیا تھا اس کو پورا کرنا۔ اور ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور ان رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنا جن سے ان کی وجہ سے رشتہ داری ہو۔ یہ نیکی ایسی ہے جو ان کی وفات کے بعد بھی تم پر لازمی ہے۔

ان واضح تعلیمات اور روشن ارشادات کے بعد آپ یورپ و امریکہ وغیرہ متمدن ممالک کے حالات کا جائزہ لیجئے وہاں آپ کو ایسی اولاد شاذ و نادر ہی ملے گی جو بوڑھے والدین کی خدمت کو اپنے لیے سرمایہ سعادت یقین کرتی ہو۔ شادی کے بعد لڑکا اپنے والدین سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور اپنے والدین کی خدمت کے لیے اخلاقی یا قانونی ذمہ داری قبول نہیں کرتا۔ اسی لیے تو ان ممالک کی حکومتوں کو ایسی پناہ گاہیں بنانا پڑتی ہیں جہاں بوڑھے اور بیمار والدین کو رکھا جاتا ہے تاکہ وہ زندگی کے آخری ایام وہاں بسر کر سکیں۔

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾ وَاٰتِ

اگر تم نیک ہو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ بکثرت توبہ کرنے والوں کے لیے بہت بخشنے والا ہے۔ ۴۴ اور دیا کرو

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

رشتہ دار کو اس کا حق ۴۵ اور مسکین اور مسافر کو بھی ۴۶ اور فضول خرچی نہ کیا کرو ۴۷

۴۴ یعنی تمہارے دلوں میں اپنے والدین کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کے جو جذبات ہیں یا ان سے دل ہی دل میں جو نفرت و حقارت یا اکتاہٹ تم محسوس کرتے ہو تمہارا رب اس سے خوب واقف ہے۔ اگر شیطان نے تمہیں والدین کی شکرگزاری اور احسان شناسی کی راہ سے بھٹکا دیا ہے تو بہتر ہے اب بھی سنبھل جاؤ۔ آج ہی سچے دل اور شرح صدر سے ان کی خدمت میں لگ جاؤ اور اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرو۔ جو سچے دل سے جھک جاتا ہے اور غلطی سے باز آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

۴۵ لیکن انسان کی محبت و مروت اور حسن سلوک کے مستحق صرف والدین ہی نہیں بلکہ دوسرے رشتہ دار بھی حسب مراتب اس کے حقدار ہیں۔ چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

من احب ان یبسط له فی رزقه وینسأ له فی اجله فلیصل رحمه یعنی جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے رزق فراخ ہو اور اس کی عمر دراز ہو تو وہ صلہ رحمی کیا کرے اور حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن آبائہ الکرام نے فرمایا کہ یہاں ذوی القربیٰ سے مراد حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس قول کے مطابق خطاب اسلامی حکومت کو ہوگا کہ وہ بیت المال سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ داروں کی خدمت کریں اور ان کی ضروریات کو بہم پہنچائیں۔

وقال علی بن حسین ہم قرابة النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر صلی اللہ علیہ وسلم باعطائهم حقوقهم من بیت المال . . . ویکون خطابا بالولاة او من قام مقامهم (قرطبی)

الاحکام السلطانیہ: ابو یعلیٰ اور الاحکام السلطانیہ ماوردی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اسلامیہ میں ایک مستقل محکمہ "ولایة النقابة علی ذوی الانساب" کے نام سے قائم تھا جس کے فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور دیگر رشتہ داروں کے متعلق تمام امور کی نگرانی کرنا تھا۔ ان کی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت ان کی ضروریات کی کفالت، ان کو ایسے پیشوں کے اختیار کرنے سے روکنا جو ان کے شایان شان نہیں، ان کے بچوں اور بچیوں کے نکاح کا انتظام کرنا، ان کو ایسے اعمال سے باز رکھنا جو ان کی خاندانی شرافت کے منافی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی کریم صلی اللہ

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ

بیشک فضول خرچی کرنیوالے شیطانوں کے بھائی ہیں ۳۹ؐ اور شیطان اپنے

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ

رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ اور اگر (بوجہ تنگدستی) تجھے ان سے منہ پھیرنا پڑے اور تم اپنے رب کی رحمت (یعنی خوشحالی)

تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً

کے متلاشی ہو جس کی تمہیں توقع ہے تو (اس اثنا میں) ... تو بڑی نرمی سے ... فرما ... اور نہ بنا لو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی لختِ جگر ... کو بلاکر باغِ فدک عطا کر دیا ... اس قول کے بطلان کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور ... خیبر ہجرت کے کئی سال بعد فتح ہوا ... اللہ عزوجل انزل علیہ فی سورۃ بنی اسرائیل بمکۃ۔ (اصول کافی ...)

۳۷ؐ یعنی والدین اور قریبی رشتہ داروں ... کے علاوہ تمہاری ملت کے دوسرے ضرورتمند افراد جیسے نادار اور مسافر بھی تمہارے لطف و احسان سے ...

دور دستاں را باحساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر افگند

۳۸ؐ ان تاکیدی احکام کے بعد ضروری معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسراف اور فضول خرچی سے روکا جائے تاکہ وہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہو کر اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا نہ کریں ... ماں باپ کی خدمت، رشتہ داروں سے شفقت و محبت اور دیگر ضرورتمندوں سے لطف و احسان ... قرآن کی تعلیمات کا حکیمانہ انداز ہے جو اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ افراط و تفریط دونوں سے دامن بچانے کی ترغیب میں کبھی تساہل روا نہیں رکھا۔

۳۹ؐ فضول خرچی پر مرتب ہونے والے برے نتائج سے اُمتِ مسلمہ کو بچانے کے لیے فضول خرچی کی مذمت ان الفاظ سے فرمادی۔

۴۰ؐ اگر انسان استطاعت کے باوجود اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کی خدمتگذاری میں کوتاہی کرے تو یہ ہرگز قابلِ برداشت نہیں لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ اولاد خود افلاس و تنگدستی میں گرفتار ہو وہ خود نانِ شبینہ کی محتاج ہو۔ اس مجبوری کے عالم میں وہ اپنے والدین کی خدمت کیونکر کرے گی۔ ایسے آدمی کو فرمایا کہ محبت بھرے نرم نرم لہجہ میں باتیں کرنے پر تو کوئی لاگت نہیں آتی۔ تو اگر اور کچھ نہیں کر سکتا تو اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے تو ان کا دِل لُبھا تا رہ اور دِل میں یہ عزم رکھ کہ جب مولا کریم نے مجھ پر رزق کا دروازہ کشادہ کیا تو میں اپنے والدین کی خدمت بجالانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کروں گا۔

اِلٰی عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾

اپنی گردن کے ارد گرد اور نہ ہی اسے بالکل کشادہ کردو ورنہ تم بیٹھ جاؤگے ملامت کیے ہوئے درماندہ۔ ۴۱

اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

بیشک آپ کا رب کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لیے چاہتا ہے ۴۲ اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) یقیناً وہ اپنے

خَبِيۡرًۢا بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ‌ ؕ نَحۡنُ

بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے اور (انھیں) دیکھنے والا ہے ۴۳ اور [illegible] مفلسی کے خوف سے ہم ہی

نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ‌ ؕ اِنَّ [illegible] هُمۡ كَانَ خِطۡاً [illegible] كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا

رزق دیتے ہیں انھیں بھی اور تمھیں بھی۔ [illegible] اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے ۴۴ اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔

۴۱ یعنی اگر تم بخل کے عادی ہو جاؤ گے اور [illegible] عت کے [illegible] کے لیے ہاتھ [illegible] گے نہیں بڑھاؤ گے تو لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں گے تمھیں حقارت کی نظر سے دیکھیں [illegible] یچے [illegible] اگر تم فضول خرچی کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مفلس و کنگال ہو جاؤ گے۔ اور [illegible] نادم ہو کر زندگی بسر [illegible] کے قابل نہیں رہو گے۔

۴۲ تم دیکھتے ہو کہیں دولت کی فراوانی ہے اور کہیں فقر و افلاس نے اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں یہ قبض و بسط اللہ تعالیٰ کی حکمت کی جلوہ گری ہے۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و [illegible] ذرائع سے روپیہ کما کر امیر بننے کی کوشش نہ کرو۔ مبادا! یہ ثروت تمھیں دین و دنیا میں رسوا کر دے۔ رزق کمانے کے حلال اور جائز ذرائع کو بیشک انتہائی عقلمندی اور سلیقہ شعاری سے استعمال کرو اور اگر تمھاری سعی [illegible] سے تھام لو اور رحمت خداوندی پر توکل کرو۔ وہ اپنے بندوں کے نفع و مصلحت کو خوب جانتا ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

۴۳ سابقہ آیات میں اولاد کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کا حکم دیا اب ان آیات میں والدین کو اپنی اولاد پر رحمت و شفقت کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ جزیرہ عرب ایسا ملک تھا جہاں چار سو ریگزار ہی ریگزار پھیلے ہوئے تھے جہاں کہیں کوئی چشمہ جاری ہوتا وہاں کھجوروں کے چند درخت اگ آتے اور معمولی سی کھیتی باڑی ہو جاتی۔ بارش بھی بہت کم برستی۔ جہاں کہیں نشیبی علاقوں میں بارش کا پانی رک جاتا تو قافلوں کے قافلے ادھر کا رخ کرتے اور جب تک پانی کا آخری قطرہ تک خشک نہ ہو جاتا وہیں پڑے رہتے۔ غرضیکہ مرفہ الحالی کا وہاں تصور تک نہ کیا جا سکتا تھا۔ ایسے میں جبکہ اپنا پیٹ بھرنا مشکل ہو وہاں اولاد کی خوراک کا بندوبست کرنا بڑا ہی دشوار ہوتا ہے اس لیے معاشی خستہ حالی کے باعث ان کے ہاں اولاد کو قتل کرنے کا عام رواج تھا لڑکیوں

الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

بے شک یہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے ۳۲ اور نہ قتل کرو اس نفس کو

کے متعلق تو ان کا رویہ بہت سنگدلانہ تھا۔ ایک تو وہ انھیں بوجھ سمجھتے کیونکہ رہزنی اور قزاقی جو ان کے سب سے بڑے وسائل معاش تھے، اس میں لڑکے تو مدد دے سکتے تھے لیکن لڑکیاں بڑی ہو کر بھی اس میں ان کا ہاتھ نہیں بٹا سکتی تھیں۔ اس لیے وہ ان کے لیے ناقابل برداشت بوجھ تھیں نیز غلط قسم کی نخوت نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اگر کسی کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینگے تو ان کی ناک کٹ جائے گی ان تمام محرکات کے باعث ان میں لڑکیوں کا قتل ایک عام معمول ہو گیا تھا۔ یہ حالت صرف عرب کے بادیہ نشینوں کی ہی نہ تھی۔ بلکہ کئی ملکوں میں بھی اپنی اولاد کو ایسے ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتی تھیں یا دیوتاؤں سے امداد حاصل کرنے کیلئے معصوم بچوں کی بلی چڑھاتی تھیں۔ آج بھی جب انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے، اولاد کو کم کرنے کی کوششیں تیز تر ہوتی جا رہی ہیں اور اس کام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے جس کی پشت پناہی کے لیے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیے ہیں اور اس تحریک کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ وسائل معاش پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ نسل کشی کی اس تحریک کو ختم کرنے کے لیے فرمایا کہ فقر و افلاس کے اندیشہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کے بعد اس اندیشہ کا قلع قمع ان الفاظ سے فرما دیا کہ رزاق ہم ہیں۔ انھیں بھی اور تمھیں بھی رزق مہیا فرمانا ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لیا ہوا ہے تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان اور ہلکان کیوں کر رہے ہو۔

املاق کا معنی ہے فقر و افلاس۔ الاملاق الفقر وعدم الملک۔ لفظ "خطأ" کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے لکھا ہے۔ قال الازهري يقال خطئ يخطأ خطئاً اذا تعمد الخطاء، واخطأ اذا لم يتعمد یعنی ازہری نے کہا ہے کہ جس غلطی کا ارتکاب جان بوجھ کر کیا جائے اسے "خطأ" کہا جاتا ہے اور جب نادانستہ طور پر کوئی لغزش ہو جائے تو وہاں اخطاء (باب افعال) استعمال ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے نسل کشی کو خطأ کبیرا (بہت بڑی غلطی) کہا ہے۔ اگر اس کا مشاہدہ کرنا ہو تو فرانس وغیرہ ممالک پر نظر ڈالیے جنھوں نے مصنوعی ذرائع سے ضبط تولید کر کے اپنی تعداد کو گھٹا دیا اور جب جرمن فوجیں ان پر حملہ آور ہوئیں تو ان کے پاس ایسے جوانوں کی شدید قلت تھی جو مادر وطن کی حفاظت کے لیے میدان جنگ میں سینہ سپر ہو سکیں۔ ایسا اقدام جس سے قوم اور وطن کی آزادی خطرہ میں پڑ جائے، اس کو اگر بڑی غلطی نہ کہا جائے تو کیا اسے دانشمندی کہا جائے۔

۳۳؎ ایک ایسی برائی جس میں ساری قومیں بری طرح مبتلا تھیں اور اب بھی ہیں وہ بدکاری تھی اس کی قباحت و شناعت کو صرف دو مختصر فقروں میں بیان فرما دیا انه كان فاحشة یعنی یہ بڑی بے حیائی کا فعل ہے وساء سبيلا یہ بہت ہی برا راستہ ہے۔ اس فعل کا فاحش ہونا کسی صاحب عقل سلیم پر مخفی نہیں۔ یہ حدیث پاک پڑھیے اگر ذرا بھی کسی کو خلش ہو گی تو دور ہو جائے گی ایک نوجوان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ائذن لي بالزنى مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔ حاضرین اس کی اس بے حیائی پر برافروختہ ہو گئے اور اسے جھڑکنا شروع کیا لیکن مرشد کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے

محبت سے اپنے قریب بلایا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو اسے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گیا تو فرمایا أتحبه لامك جس امر کی تم نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کیا تم اسے اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا بخدا ہرگز نہیں۔ میں آپ پر قربان جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے یہ پسند نہیں کرتے۔ پھر دریافت کیا کیا تم اپنی بیٹی کے لیے پسند کرتے ہو بولا میں قربان جاؤں ہرگز نہیں بخدا ہرگز نہیں۔ فرمایا ایسے ہی دوسرے لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ پھر پوچھا کیا اپنی بہن کے لیے تم پسند کرتے ہو؟ عرض کی بخدا ہرگز نہیں میں آپ پر قربان جاؤں۔ فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح پھوپھی خالہ کے متعلق اس سے استفسار فرمایا اور اس نے وہی جواب دیا۔ اس پیار اور شفقت بھرے انداز سے اس کے سامنے اس فعل کی قباحت کو بے نقاب کر کے رکھ دیا اور شاید ان عضو کو بھی پڑھے کہ اس پر اس کی قباحت بالکل آشکارا ہو جائے گی۔ اس کے بعد اپنا دست مبارک اس کے سر پر رکھا اور بارگاہ الٰہی میں دعا مانگی۔ اللھم اغفر ذنبه وطھر قلبه واحصن فرجه ۔ اے اللہ! اس کا گناہ بخش دے۔ اس کا دل پاک کر دے اور اس کو بدکاری سے بچا۔ اور اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی اس فعل کے ارتکاب کا تصور تک بھی نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں یہ بھی فرمایا ویزکیھم کہ وہ ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے۔ اس کی کتنی عمدہ مثال اس حدیث میں موجود ہے۔

یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

زنا کے تعدد بڑے نتائج پر اگر آپ نظر ڈالیں گے تو "ساء سبیلا" کا مفہوم بھی واضح ہو جائے گا۔ اس سے انساب میں اختلاط ہوتا ہے۔ پتا نہیں چلتا کہ بچہ کس کا ہے اور وارث کون ہے۔ موذی بیماریاں بڑی کثرت سے پھیلتی ہیں۔ عورت کی عظمت کا چاند گہنا جاتا ہے۔ عورت ماں کے تقدس اور بیٹی کی عظمت سے محروم ہو کر ایک بازاری جنس بن جاتی ہے۔ پھر اس فعل شنیع کے ارتکاب سے اس کی سیرت اور اس کی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور حرامی اولاد شفقت پدری سے محروم ہوتی ہے۔ سارے معاشرہ میں کبھی بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اس کی وجہ سے فتنہ و فساد کی چنگاریاں اٹھتی ہیں اور خاندانوں کے خاندان اس میں بھسم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو اگر غور سے دیکھا جائے تو "ساء سبیلا" کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ چند لمحوں کی لذت طلبی کے لیے اتنی گراں قیمت ادا کرنا کون پسند کرتا ہے۔ ساء سبیلا کے متعلق اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ امریکی خبروں سے ان لاکھوں حرامی بچوں کی حالت زار کو دیکھے جو گرجا اور یتیم خانوں یا ملک کی گلیوں میں دھکے کھا رہے ہیں اور کوئی ان کا پرسان حال نہیں۔ انھیں قباحتوں اور دور رس نتائج کی وجہ سے ہی قرآن کریم نے فرمایا کہ اس فعل شنیع کا ارتکاب تو بجائے خود اس کے قریب تک مت جاؤ یعنی تمام وہ امور جو اس فعل کے ارتکاب پر اکساتے ہیں ان سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔ عورتوں کے تنگ اور چست لباس، بے پردگی، مرد و زن کا اختلاط، جس میں مخلوط تعلیم پیش پیش ہے، سب سے منع کر دیا ہے کیونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کو اتنا مشتعل کر دیتی ہیں کہ کوئی لاکھ بچنا چاہے بچ نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا لا تقربوا الزنٰی۔ اس فعل شنیع کے قریب جانے کی کوشش مت کرو۔ کیا حکیمانہ انداز ہے اور حقیقت کی کتنی موثر تصویر کشی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غور کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا

جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اور جو قتل کیا جائے ناحق تو ہم نے مقتول کے وارث

لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

کو (قصاص کے مطالبہ کا) حق دیدیا ہے[۴۵] پس اسے چاہیے کہ قتل میں اسراف نہ کرے۔ ضرور اس کی مدد کی جائے گی۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ

اور نہ قریب جاؤ۔ یتیم کے مال کے[۴۶] مگر ایسے طریقے سے جو (اس یتیم کے لیے) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو

اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ وَ اَوْفُوا

پہنچ جائے اور پورا کیا کرو اپنے عہد کو بیشک ان وعدوں کے بارے میں (تم سے) پوچھا جائیگا[۴۷] اور پورا پورا

۴۵ جزیرۂ عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت نہ تھی سب قبیلے اپنی اپنی جگہ آزاد تھے اور صرف اپنے قبیلہ کے رئیس کے احکام کی تعمیل ضروری سمجھتے تھے اس لیے جو قبیلہ قوت و طاقت میں کسی قبیلہ سے زیادہ ہوا کرتا تو وہ جو چاہتا کرتا ان حالات میں خون انسانی کی ارزانی کی حد ہو چکی تھی جب چاہا کسی قبیلہ پر حملہ کردیا اور اس کے جتنے افراد پر بس چلا ان کو تہ تیغ کردیا اگر کسی کمزور قبیلہ کے فرد کے ہاتھوں کسی طاقتور قبیلہ کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تو اس کے معاوضہ کی کوئی حد مقرر نہ تھی اور اگر کوئی طاقتور کسی کمزور کو قتل کر دیتا تو کوئی دادرسی کرنیوالا نہ تھا۔ اسلام معاشرہ کی تعمیر جن عمدہ اور صالح بنیادوں پر کرنا چاہتا تھا اس میں اس قسم کی زیادتیوں اور بے انصافیوں کی گنجائش ہرگز نہ تھی اس لیے اس حکم سے باہمی قتل و غارتگری کے دروازے کو بند کردیا گیا اگر کوئی شخص قتل کرتا تو قاتل کی طاقت اور اس کے قبیلے کی قوت اس کو قتل کی سزا سے بچا نہیں سکتی تھی بلکہ مقتول کے وارث کو اختیار تھا کہ چاہے وہ قصاص (خون کے بدلہ خون) لے چاہے دیۃ (خون بہا) لے کر صلح کرلے مقتول کے وارثوں کو یہ اختیار دینے کے بعد انھیں اس سے بھی روک دیا کہ وہ قصاص لینے میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو نظرانداز کردیں اس کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قاتل کو چھوڑ کر غیر قاتل کو قتل کر دینا یا ایک مقتول کے عوض کئی لوگوں کو تہ تیغ کرنا یا قاتل کو قتل کرنے کے بعد اس کی لاش کو بگاڑنا یا خون بہا لینے کے بعد پھر قاتل کو قتل کر دینا ان تمام امور سے منع فرمایا یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جہاں ابھی اسلامی اقتدار قائم نہیں ہوا تھا اس لیے یہاں صرف اسی پر اکتفا کیا گیا کہ مقتول کا وارث قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تب یہ حکم فرمایا کہ مقتول کا قصاص لینا یا خون بہا لے کر وارثوں کو دینا یہ حکومت کی ذمہ داری ہے۔

۴۶ یہ آیت پہلے گذر چکی ہے۔

۴۷ وعدہ کر کے اس کو توڑنا اسلام کی نظر میں بڑا معیوب ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وعدہ شکنی کو منافقت کی تین علامتوں میں سے

الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو ایسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو۔ یہی طریقہ بہتر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ

اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے ۴۸ اور نہ پیروی کرو اس چیز کی جس کا تمھیں علم نہیں ۴۹ بیشک کان

وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ وَلَا تَمْشِ

اور آنکھ اور دِل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا ۵۰ اور نہ چلو

ایک علامت قرار دیا ہے اس لیے یہاں ایفاء عہد کی تاکید کی جارہی ہے اور بتایا جارہا ہے کہ یہ معمولی بات نہیں بلکہ اگر تم نے اس میں سُستی کی تو تم سے باقاعدہ بازپرس ہوگی۔

۴۸ صحیح ناپنے اور صحیح تولنے کا حکم دینے کے بعد اس کی حکمت بیان فرما دی ذلك خیر واحسن تاویلا یہی طریقہ بہتر ہے اور اس کا انجام بھی بہت اچھا ہے۔ کیونکہ اس طرح تمھاری ساکھ بیٹھ جائے گی گاہک تم پر اعتماد کرے گا تمھارا کاروبار چمکے گا۔ اور تم مالا مال ہو جاؤ گے۔ یورپ والوں نے قرآن کے بتائے ہوئے اس اصول پر سختی سے عمل کیا اور اپنی تجارت کو چار چاند لگا دیئے۔ اب دنیا بھر کے بازار ان کی مصنوعات سے بھرے پڑے ہیں اور دنیا بھر کی دولت ان کے قدموں میں کھچی چلی جارہی ہے اور جب سے ہم نے کم تول کر اور کم ناپ کر دولتمند بننے کا طریقہ اپنایا ہے ہمارے کاروبار کا بیڑہ غرق ہوگیا ہے۔ بیگانے تو بیگانے ہوتے اپنوں کا اعتماد بھی ہم نے کھو دیا ہے۔ وہ بھی ہماری مصنوعات پر دوسرے ممالک کی مصنوعات کو ترجیح دیتے ہیں۔ قسطاس : میزان۔ ترازو۔ مجاہد کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ رومی لغت سے منقول ہو کر عربی زبان میں آیا ہے اور اب اسے اہل عرب کیونکہ بلاتکلف استعمال کرتے ہیں اس کا اعراب اور اس کی تنکیر و تعریف عربی الفاظ کے عین مطابق ہوتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں اس کا استعمال جائز ہے لیکن اکثر علماء لغت کی رائے ہے کہ عربی لفظ ہے اور قسط (بمعنی عدل) سے ماخوذ ہے وقال الاکثر ھو عربی ماخوذ من القسط بمعنی العدل (مظہری)

۴۹ دیگر گراں بہا پند و نصائح کے ساتھ ساتھ غلامانِ مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کو یہ تعلیم بھی دی جارہی ہے کہ وہم و گمان اور ظن و تخمین کے پیروکار نہ بنیں بلکہ علم و یقین کا روشن چراغ ہاتھ میں لے کر زندگی کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزل کی طرف بڑھتے چلیں۔ عقائد کی دنیا ہو یا عمل کا میدان اخلاق کا گلستان ہو یا معاملات کی پُرخار وادی جہاں بھی زمام کار یقین کے ہاتھ سے نکل کر ظن و تخمین کے ہاتھ میں آئی۔ سمجھو کہ اب گرداب ہلاکت میں ڈوبا کہ ڈوبا قفا یقفو : اذا اتبع اثرہ کسی کے نقش قدم کی پیروی کرنا۔ کسی کے پیچھے پیچھے چلنا۔

۵۰ یہاں بتایا جارہا ہے کہ ملت کا ہر فرد اپنے تمام افعال کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ ہے۔ اس کے دیکھنے کی قوتیں، اس کی عقل و فہم کی صلاحیتیں ہر ایک کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے انھیں کیسے اور کہاں استعمال کیا ہے۔ وہ قوم جس کو

فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

زمین میں اکڑتے ہوئے (اس طرح) نہ تم چیر سکتے ہو زمین کو اور نہ پہنچ سکتے ہو پہاڑوں کے برابر

طُولًا ۝ كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۝ ذَٰلِكَ مِمَّا

بلندی میں یہ سب (جن کا ذکر گزرا) ان میں سے ہر بری بات اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ یہ ہدایات جنھیں

أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۗ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا

بذریعہ وحی آپ کی طرف آپ کے رب نے بھیجا ہے دانائی کی باتوں میں سے ہیں۔ اور اے سننے والے! نہ بنا اللہ کے ساتھ

آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ۝ أَفَأَصْفَاكُمْ رَبُّكُمْ

کوئی اور معبود ورنہ تجھے پھینک دیا جائیگا جہنم میں اس حال میں کہ تجھیں ملامت کی جائیگی اور دھکے دیئے جائیں گے۔

اس کے خالق نے واشگاف الفاظ میں احساس ذمہ داری کا درس دیا۔ وہی قوم آج اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ کاش! ہم اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے سچے دل سے کوشش کریں تو جن تکالیف پر ہم شکوہ سنج رہتے ہیں اور جن مصائب میں گھرے رہتے ہیں وہ خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دوسروں کی بے راہ روی اور بے اعتدالی ہماری بے راہ روی اور بے اعتدالی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتی۔ اگر آپ اپنے موجودہ معاشرہ سے مطمئن نہیں ہیں اور آپ اصلاح احوال کے تہ دل سے خواہاں ہیں تو اس انتظار میں وقت ضائع نہ کیجئے کہ دوسرے لوگ ٹھیک ہو لیں تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گا۔ اصلاح کا آغاز اپنی ذات سے فرمایئے۔ آپ کو دیکھ کر کئی بگڑے ہوئے اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔ زندگی کے کسی موڑ پر کل اولئک کان عنہ مسئولا کے الفاظ کو فراموش نہ کیجئے۔

۳۸ انسان کے غرور و تکبر کی بیہودگی اور لغویت کو کس عمدہ پیرایہ میں بیان فرمایا گیا۔ ایک عربی شاعر نے بھی خوب کہا ہے۔

ولا تمش فوق الارض الا تواضعا — فکم تحتها قوم ھم منک ارفع

وان کنت فی عز وحرز ومنعۃ — فکم مات من قوم ھم منک امنع

یعنی زمین پر چلتے ہوئے تواضع اور انکسار اختیار کر کتنے لوگ جو تم سے بھی زیادہ بلند مرتبہ تھے اب شکم زمین میں مدفون ہیں۔

اگر تو آج معزز و محترم اور جاہ و سطوت کا مالک ہے تو کیا ہوا۔

تم سے پہلے کثیر التعداد قومیں بڑی باحیثیت تھیں لیکن اب موت کی نیند سو رہی ہیں۔

بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا

پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کیلئے اور (اپنے لیے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں ۔ ٥٤ صد افسوس! تم تو ایسی بات کہتے ہو

عَظِيْمًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ

جو بہت سخت ہے۔ اور بلا شبہ ہم نے مختلف انداز سے بار بار بیان کیا ہے (دلائل توحید کو) اس قرآن میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِـهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

(بایں ہمہ) سوائے نفرت کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا۔ آپ فرمائیے اگر ہوتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا جس طرح یہ کفار کہتے ہیں

اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

تو ان خداؤں نے ضرور تلاش کر لی ہوتی عرش کے مالک (پر غالب آنے) کی طرف کوئی راہ۔ وہ پاک ہے اور وہ بہت برتر و بالا ہے ان باتوں

كَبِيْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ

سے جو یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیزیں ان میں موجود ہیں۔

٥٤ دیکھئے کفار مشرکین قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں مانا کرتے تھے ان کی حماقت کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم خود اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر بچی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ تمہیں شرم نہیں آتی کہ جس چیز کو تم اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اسے اللہ جل مجدہ کے لیے ثابت کرتے ہو۔

٥٥ یعنی ہم نے قرآن کریم میں دلائل توحید کو مختلف اسلوبوں اور متعدد پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ ہر طبیعت اپنے ذوق اور استعداد کے مطابق اس سے استفادہ کر سکے۔ کہیں رحمت کا وعدہ اور کہیں قہر و عذاب کی وعید، کہیں بشارتیں اور کہیں دھمکیاں، کہیں نیک لوگوں کی کامیاب زندگیوں کا تذکرہ اور کہیں نافرمان افراد اور سرکش اقوام کے ہولناک انجام کا بیان۔ لیکن اس کے باوجود جن لوگوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے وہ قریب آنے کی بجائے اور زیادہ دور بھاگے چلے جا رہے ہیں۔

٥٦ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا بھی ہوتے تو کبھی نہ کبھی ان کی اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ٹکر ہوتی اور وہ اپنی بالادستی کی کوشش کرتے کہ اپنی خدائی کی لاج رکھنے کے لیے آپس میں مل کر وہ ایک متحدہ محاذ بنا کر عرش کے مالک پر چڑھائی کر دیں اور اسے مغلوب کر دیں تاکہ وہ ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ لیکن ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ تو پھر وہ نام نہاد خدا کہاں چھپے بیٹھے ہیں۔ ان کی قوت و شوکت کا کوئی ایک مظاہرہ ہی ہمیں دکھا دو۔ اور اگر نہیں دکھا سکتے تو پھر ایسے بے بسوں کو اپنا خدا تسلیم کرنا کتنی نادانی اور لغویت ہے۔ کتنا عام فہم اور حقیقت افروز بیان ہے۔

وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ

اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے ف۵۵

إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَ

بیشک وہ بہت بردبار، بہت بخشنے والا ہے۔ اور (اے محبوب) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور

بَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ﴿٤٥﴾ وَجَعَلْنَا

ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ (جو نگاہوں سے نہاں ہوتا ہے) ف۵۶ اور ہم ڈال دیتے ہیں

ف۵۵ کائنات کی بلندیاں اور پستیاں اور ان میں بسنے والی ہر چیز بلا استثناء اس کی تسبیح بھی کر رہی ہے اور اس کی حمد بھی بیان کر رہی ہے یعنی وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے اور ہر صفت کمال سے متصف ہے۔ لیکن تم ان کی تسبیح و تحمید کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ بعض علماء کا خیال تو یہ ہے کہ ذوی العقول اور جاندار چیزیں تو زبان قال سے اس کی حمد و ثنا کے گیت گا رہی ہیں اور بے زبان چیزیں بزبان حال سے اپنے خالق کی حکمت و قدرت کی طرف اشارہ کر رہی ہیں لیکن احادیث پاک سے پتہ چلتا ہے کہ ہر چیز مصروف حمد و ثنا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا لقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یؤکل۔ کھانا جب کھایا جا رہا ہوتا تھا ہم اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ امام مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لاعرف حجرا بمکۃ کان یسلم علی قبل ان ابعث۔ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں متعدد مقامات پر کھجور کے اس تنے کا ذکر کیا ہے جس سے حضور ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور جب منبر بن گیا اور حضور نے اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دینے کے بجائے منبر پر خطبہ دیا تو وہ فراق محبوب کی تاب نہ لا کر رو پڑا۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو ہم بے عقل اور بے حس خیال کرتے ہیں وہ بھی ادراک اور حس رکھتی ہیں لیکن ہم ان کی ان قوتوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ف۵۶ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تو مشرکین اذیت رسانی کی نیت سے نزدیک جانے کی کوشش کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے سامنے پردہ حائل کر دیتا اور وہ حضور کو نہ دیکھ سکتے۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب سورۂ تبت نازل ہوئی اور ابو لہب کی بیوی ام جمیل نے سنی تو غصہ سے بھری ہوئی حضور کی تلاش میں حرم کعبہ کی طرف آئی۔ حضرت صدیق نے دیکھا تو عرض کی حضور آ رہی ہے وہ گستاخ اور بد زبان ہے ایسا نہ ہو کہ بد زبانی کرے۔ حضور نے فرمایا لن ترانی وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی اور یہ آیت پڑھی چنانچہ وہ آئی حضور اسے نظر ہی نہ آئے اور حضرت صدیق سے گستاخانہ باتیں کر کے چلی گئی۔ حضرت کعب سے مروی ہے کہ حضور جب کفار کی نظروں سے اوجھل ہونا چاہتے تھے تو تین آیتیں تلاوت فرماتے۔ انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ الآیۃ (الکھف) اولئک الذین طبع اللہ علی قلوبھم (النحل) افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (جاثیہ) ہجرت کی رات جب کفار نے کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو حضور سورۂ

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا

ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے تاکہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی پیدا کر دیتے ہیں اور جب آپ

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

ذکر کرتے ہیں صرف اپنے رب کا قرآن میں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں نفرت کرتے ہوئے

یٰسین کی پہلی آیتیں فاغشینٰھم فھم لا یبصرون تک پڑھتے ہوئے تشریف لائے اور انھیں خبر تک نہ ہوئی۔

بعض علمائے کرام نے حجاب مستور کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ان سے قرآن کی سمجھ سلب کر لی گئی اور وہ اس میں علم و حکمت کے چمکتے ہوئے موتیوں کو نہ پا سکے۔

ان کے سرکشی و انکار کی پاداش میں ان سے فہم و ادراک کی نعمت سلب کر لی گئی ہے۔ ان کے دل کی آنکھ اندھی اور کان بہرے ہو چکے ہیں۔ نہ انھیں نورِ حق نظر آتا ہے اور نہ انھیں صدائے حق سنائی دیتی ہے۔

اے محبوب! ان حق ناشناسوں کی طرف دیکھو! جب آپ قرآن کریم پڑھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بار بار بڑے دلنشین انداز اور ناقابلِ تردید دلائل سے پیش کیا گیا ہے۔ جہاں معبودانِ باطل کی بےبسی اور بےکسی کا پردہ چاک کیا گیا ہے تو وہ اس کلامِ معجز نظام کو مزید توجہ سے سننے کے بجائے نفرت و بیزاری کرتے ہوئے الٹے پاؤں پیچھے بھاگتے ہیں۔

اہلِ محبت جب بیانِ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرب رسولوں اور اس کے مقبول بندوں کے کمالات و فضائل کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کریم نے خود فرمائے ہیں تو بعض لوگ ان پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان کا رویہ تو مشرکین کا سا ہے وہ بھی خدا کی توحید کے پہلو بہ پہلو دوسروں کا ذکر کیا کرتے تھے اور یہ بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ اور اگر ان دانشوروں سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حضرات! مقبولانِ بارگاہِ حق کی توصیف سے آپ کی زبان کیوں گنگ ہو جاتی ہے تو فرماتے ہیں کہ تم نے ہم پر یہی اعتراض کیا ہے جو مکہ کے مشرک رسولِ خدا پر کیا کرتے تھے کہ وہ ایسا قرآن کیوں پڑھتے ہیں جس میں صرف خدا کا ہی ذکر ہوتا ہے۔ ان بزرجمہروں کی ایسی باتیں سن کر سر چکرانے لگتا ہے کیا قرآن کریم بیانِ توحید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر رسولوں کے تذکرے سے بھرا نہیں۔ کیا اسی قرآن نے نہیں بتایا کہ ہوا کو حضرت سلیمان کا تابع فرمان بنا دیا گیا تھا اور وہ آپ کے ارشاد کے مطابق تیز یا آہستہ چلا کرتی تھی۔ کیا اسی قرآن میں نہیں کہ حضرت یوسف کا پیراہن جب حضرت یعقوب کی نابینا آنکھوں پر ڈالا گیا تو وہ بینا ہو گئیں۔ کیا اسی صحف کے صفحات میں یہ موجود نہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے رب کے اذن سے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے، کوڑھیوں کو تندرست بنا دیتے اور مردوں کو زندہ کر دیتے۔ کیا اسی کتاب الٰہی میں سلیمانی دربار کے ایک عالمِ ربانی کے متعلق یہ مذکور نہیں کہ انھوں نے چشم زدن میں بلقیس کا تخت سبا سے اٹھا کر حضرت سلیمان کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اور اس کے علاوہ متعدد دیگر واقعات جن سے اپنے خاص بندوں پر اللہ تعالیٰ کی جود و سخا اور فضل و عطا کی شہادتیں ملتی ہیں موجود نہیں ہیں؟ یقیناً ہیں تو ان دانشوروں کو دوسروں پر زبان طعن دراز کرنے سے پہلے اپنے طریقہ کار پر

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَ اِذْ هُمْ

ہم خوب جانتے ہیں جس غرض کے لیے یہ سنتے ہیں اسے جب یہ کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور وہ ہم خوب جانتے ہیں

نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

جب یہ سرگوشیاں کرتے ہیں، اس وقت یہ ظالم کہتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک ایسے آدمی کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے ۹۵

اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ

دیکھیے (یہ گستاخ) کس طرح آپ کے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں پس (اس گستاخی کے باعث) وہ گمراہ ہو گئے اب وہ سیدھے راستہ پر

سَبِیْلًا ﴿۴۸﴾ وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

چل نہیں سکتے ۹۶ اور انھوں نے (از راہ انکار) کہا کہ جب ہم ہو کر رہ جائیں گے ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے کیا ہمیں از سر نو اٹھایا جائے گا

نظر ڈالنی چاہیے کہ کہیں ان کی روش قرآن و سنت کی ہدایت کے خلاف تو نہیں۔

حقیقت تو یہ تھی کہ خدا وند ذوالجلال کے ساتھ ساتھ دوسروں کی الوہیت کے بھی قائل تھے جب قرآن کریم میں توحید باری کا بیان ہوتا اور دوسروں کی الوہیت اور خدائی کی تردید کی جاتی تو یہ بات ان کو ناگوار گزرتی اور وہ تلملا اٹھتے ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے اور محفل قدس سے دور بھاگ جاتے آج کل بھی ایسا ہی ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مختار اور حاجت روا ماننے والوں کا یہی حال ہے ... لیکن اگر کوئی شخص مصاحب با کمال حضور کی صفات ... ذکر کرے جو کہ حضور نے فرمایا ... قرآن کریم سے سارا قرآن بھرا ہے ... قرآن پاک اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات کا انکار کرنے کے لیے ... اور وہ کس طرح اعلیٰ حضور کی ... حضور ... آپ کے کمالات کا انکار کرنے والے کے متعلق ہم یہ ... کیا ہو سکتا ہے۔

۹۵ ایک دفعہ عتبہ نے سرداران قریش کی دعوت کی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لے گئے اور قرآن کریم کی تلاوت شروع فرمائی کفار نے آپس میں سرگوشیاں کیں اور آخر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کہا کہ ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اس لیے ایسی الٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں۔

۹۶ بارگاہ رسالت میں ان کی گستاخی اور اس کی وجہ سے نعمت ایمان سے ان کی محرومی کا ذکر ہو رہا ہے۔

۹۷ وقوع قیامت کے متعلق کفار کے شکوک و شبہات کے بیان کے ساتھ ان کا رد بھی کیا جا رہا ہے۔ رُفات: ما تکسر و بلی من کل شیء: ٹوٹی ہوئی بوسیدہ چیز کو رفات کہتے ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی غبار فرمایا ہے۔

قال ابن عباس، الرفات الغبار۔

جَدِيدًا ﴿٤٩﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ

گا از سر نو پیدا کر کے۔ فرمایئے (یقیناً ایسا ہی ہو گا) خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا بن جاؤ یا کوئی ایسی مخلوق بن جاؤ جس کا از سر نو پیدا

فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ

کرنا تمہارے خیال میں بہت مشکل ہے وہ کہیں گے ہمیں دوبارہ کون (زندہ کر کے) اٹھائے گا؟ فرمایئے وہی جس نے پیدا فرمایا

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ

تمہیں پہلی مرتبہ پس وہ حیرت سے آپ کی طرف (دیکھ کر) سروں کو جنبش دیں گے۔ اور پوچھیں گے ایسا کب ہو گا؟

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ

آپ فرمایئے شاید اس کا وقت قریب ہی ہو۔ اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ پکارے گا سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے

وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٥٢﴾ وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي

جواب دو گے اور یہ گمان کرتے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ اور آپ حکم دیجئے میرے بندوں کو کہ وہ ایسی باتیں کیا کریں

هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ ۚ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ

جو بہت عمدہ ہوں۔ بے شک شیطان فتنہ و فساد برپا کرنا چاہتا ہے ان کے درمیان بے شک شیطان

۵۲؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہا ہے کہ میرے بندوں کو بتا دو کہ باہمی گفتگو کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ادب و احترام کا خیال رکھیں۔ کبھی کوئی ایسی بات زبان پر نہ آئے جس سے کسی کا دل مجروح ہو۔ کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جس سے کسی کی دل شکنی ہو۔ تمہارے سامنے ایک عظیم مقصد ہے جس کی تحصیل و تکمیل کرنا ہے۔ جب تک تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان اور مضبوط نہ ہو گے اس وقت تک اس مقصد کی تکمیل نہ ہو سکے گی۔ اگر شیطان نے ذرا سی شکر رنجی کا بھی تم میں بیج بو دیا تو اسے تمہارے تعلقات کو کشیدہ کرنے کا زریں موقع ہاتھ آ جائیگا اور وہ تمہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا کر چھوڑے گا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ التقوی ھٰھنا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل و رسوا کر سکتا ہے اور تقویٰ یہاں اس سینہ میں ہے۔

۵۳؎ نزغ کا معنی ہے دو آدمیوں کے درمیان فتنہ و فساد برپا کرنا۔ یقال نزغ بینھما ای افسد (قرطبی)
وقال غیرہ النزغ: الاغراء بھڑکانا۔ برانگیختہ کرنا۔

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ

انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمھارا رب تمھیں خوب جانتا ہے۔ اگر چاہے تو تم پر رحم (و کرم)

اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ

فرمادے اور اگر چاہے تو تمھیں سزا دے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے حبیب) ان کا ذمہ دار بنا کر (تاکہ ان کے کفر کے لیے آپ جوابدہ ہوں) ۹۳

اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ

اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور بیشک ہم نے فضیلت دی ہے بعض انبیاء کو

عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

بعض پر اور ہم نے عطا فرمائی ہے داؤد کو زبور۔ (انھیں) کہیے اب بلاؤ ان کو جنھیں تم گمان کیا کرتے تھے۔

مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝

(کہ یہ خدا ہیں) اللہ تعالیٰ کے سوا ۹۴ وہ تو قدرت نہیں رکھتے کہ تکلیف دور کر سکیں تم سے اور نہ ہی وہ (اسے) بدل سکتے ہیں۔

۹۳ اے حبیب! آپ کا فرض دعوت حق پہنچانا ہے۔ آپ نے اپنا فرض باحسن طریق انجام دے دیا۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفر و شرک سے باز نہیں آتے تو آپ دلگیر کیوں ہوتے ہیں۔ ان کے کفر و شرک کے لیے آپ جوابدہ نہیں ما ارسلناك كفيلا تؤخذ بهم (قرطبی)

۹۴ علامہ قرطبی نے اس کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

جب قریش کو قحط میں مبتلا کر دیا گیا تو انھوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور اپنی خستہ حالی کا تذکرہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان سے دریافت کریں کہ جن معبودوں کی وہ پرستش اور عبادت کرتے ہیں ان سے جا کر فریاد کیوں نہیں کرتے پھر خود ہی بتا دیا کہ وہ بیچارے خود بے بس ہیں اس مشکل وقت میں وہ تمھاری کوئی امداد نہیں کر سکتے۔ اے مشرکو! تم خود سوچو کہ جو خدا مشکل میں کام نہ آئے اور جو معبود مصیبت کو دور نہ کر سکے اس کو خدا ماننے اور اس کی پوجا کرنے سے کیا حاصل؟ یہاں زعمتم کا مفعول انھم الٰہۃ محذوف ہے یعنی جن کو تم خدا خیال کرتے ہو ای ادعوا الذین تعبدون من دون اللہ وزعمتم انھم الٰہۃ (قرطبی) زعمتم انها الٰہۃ (بیضاوی) ای من الاصنام والانداد (ابن کثیر)۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

وہ لوگ جنھیں یہ مشرک پکارا کرتے ہیں (وہ تو خود) ڈھونڈتے ہیں اپنے رب کی طرف وسیلہ کہ کون (بندہ) ان میں سے زیادہ قریب ہے

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

اور امید رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اور ڈرتے رہتے ہیں اس کے عذاب سے بیشک آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی

مَحْذُورًا ﴿٥٧﴾ وَإِن مِّن قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

چیز ہے۔ اور کوئی ایسی بستی نہیں ہے مگر ہم اسے برباد کر دیں گے روز قیامت سے پہلے

أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٥٨﴾

یا اسے سخت عذاب دیں گے یہ فیصلہ کتاب (تقدیر) میں لکھا ہوا ہے۔

۹۹ پہلے اگر آیت کی ترکیب ذہن نشین کر لی جائے تو آیت کا معنی واضح ہو جائے گا اولئک موصوف الذین یدعون صفت یدعون کے بعد ضمیر مفعول محذوف ہے۔ موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا یبتغون الی ربہم خبر۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جن کو خدا مانتے ہیں یا اور جن کو اپنی تکالیف و مصائب میں پکارتے ہیں وہ خدا نہیں بلکہ وہ تو خود ہر لحظہ اپنے رب کریم کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے مصروف عمل رہتے ہیں۔ اگر وہ الٰہ و خدا ہوتے جیسے مشرکین کا خیال ہے تو پھر انھیں کسی کی عبادت اور رضا جوئی کی کیا ضرورت تھی۔ مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ مقرب بندوں کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی غیر کی عبادت کرنا ممنوع ہے لیکن مقربان بارگاہ ایزدی کا وسیلہ پکڑنا اور ان سے التماس دعا کرنا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو ارشاد فرمایا خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم آپ ان سے زکوٰۃ لیجیے انھیں پاک کیجیے اور ان کے لیے دعا فرمائیے آپ کی دعا ان کے لیے وجہ تسکین ہے۔ صحابہ کرام کشود مشکلات کے لیے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست مبارک جب دعا کے لیے اٹھتا تھا تو اللہ تعالیٰ ان کی مشکلیں آسان فرما دیا کرتا ان کی بیماریاں دور ہو جاتیں ان کی تنگدستیاں خوشحالی میں بدل جاتیں۔

۱۰۰ یعنی اللہ تعالیٰ کے بندے اس کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہوتے اور اس کے عذاب سے بے خوف بھی نہیں ہوتے ان کی ایک آنکھ اگر اس کی رحمت و کرم پر جمی ہوتی ہے تو ان کی دوسری آنکھ اپنے گناہوں پر گریاں اور اس کے عذاب سے ترساں رہتی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں جنھیں شرف قبولیت بخشا جاتا ہے۔ ان کا یہی حال ہوتا ہے۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ

اور ہمیں نہیں روکا کسی امر نے اس امر سے کہ ہم بھیجیں (آپ کی تائید کے لئے) نشانیاں مگر اس بات نے کہ جھٹلایا تھا ان نشانیوں کو پہلوں نے [۷۸] ثمود کو اونٹنی دیا تھا

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ

کھلا معجزہ۔ اور ہم نے دی بھی قوم ثمود کو ایک اونٹنی جو روشن نشانی تھی۔ پس انہوں نے اس پر زیادتی کی [۷۹] اور ہم نہیں بھیجتے ایسی نشانیاں

اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا

مگر لوگوں کو ڈرانے یعنی خوفزدہ کرنے کے لیے۔ اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا آپ کو کہ بیشک آپ کے پروردگار نے گھیرے میں لے رکھا ہے لوگوں کو [۸۰]

الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي

کو۔ اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھلایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے نیز اس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی [۸۲] ہے

[۷۸] کفار مکہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے اور کہا کہ اگر ہمارے یہ مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صفا کا پہاڑ سونا بن جائے دوسرا یہ ہے کہ یہ آس پاس کے پہاڑ یہاں سے ہٹا دیئے جائیں تاکہ میدان کشادہ ہو جائے اور ہم اس میں کاشتکاری کر کے اپنی زندگی کی ضروریات فراہم کر سکیں جبرائیلؑ اسی وقت حاضر ہوئے اور پیغام الٰہی پہنچایا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبات فوراً پورے کر دیئے جائیں لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو ان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا اور اگر آپ چاہیں تو انہیں غور و فکر کی مزید مہلت دی جائے۔ حضورﷺ نے عرض کی کہ الٰہی تباہی نہیں چاہیے بلکہ انہیں مہلت مرحمت فرما۔

[۷۹] قوم ثمود کو ان کے مطالبہ کے پیش نظر عجیب اونٹنی کا معجزہ دکھایا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ اسی طرح ان لوگوں کا انجام بھی یہی ہوتا ہے جن کا مطالبہ پورا کیا جاتا ہے اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لاتے۔

[۸۰] یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور اپنے علم سے تمام لوگوں کو اپنے نرغہ میں لے رکھا ہے آپ بے دھڑک اسلام کی تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیں کسی کی مجال نہیں کہ آپ کو گزند پہنچا سکے۔

[۸۱] اس آیت کی وضاحت اسی سورۃ کی پہلی آیت کے ضمن میں گزر چکی ہے وہاں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں رؤیا کا لفظ خواب کے معنی میں مستعمل نہیں بلکہ عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے مستعمل ہے حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ الرؤیا سے مراد رؤیا عین ہے یعنی یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں دیکھنا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریر اور ان کے علاوہ کثیر التعداد علمائے تفسیر کی یہی رائے ہے اور اہل عرب کہتے ہیں رأیت بعینی رؤیۃ و رؤیا (المنجد)۔

[۸۲] اس سے مراد زقوم ہے۔ اس کو بھی لوگوں کے فتنہ کا باعث بنایا کیونکہ جب ایک آیت میں بتایا گیا کہ جہنم میں زقوم کا درخت بھی

الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝٦٠ وَاِذْ قُلْنَا

بھی کی تھی جو قرآن میں ہے۔ اور ہم انھیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں۔ پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انھیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے

لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ

لگے۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے ۶۲ اس نے کہا کیا میں سجدہ کروں اس کو

خَلَقْتَ طِيْنًا ۝٦١ۚ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ

(آدم) کو جسکو تو نے کیچڑ سے پیدا کیا۔ اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ (اس کی وجہ کیا ہے؟)! ۶۳ اگر تو

اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝٦٢ قَالَ

مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند افراد کے ۶۴ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ہوگا تو ابوجہل کو اسلام پر طعن کرنے کا ایک نادر موقع ہاتھ آ گیا کہنے لگا ادھر تو آپ ہمیں ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دے گی۔ دوسری طرف آپ یہ کہتے ہیں کہ جہنم میں زقوم کے درخت بھی ہوں گے یہ بات ہماری سمجھ میں تو نہیں آ سکتی۔ ابوجہل کے اس اعتراض سے بھی کئی لوگ تذبذب کا شکار ہو گئے۔

۶۲ اس سے پہلے یہ بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس دشمنی کی ابتدا کب ہوئی اب اس کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔

۶۳ اس آیت میں حذف ہے تقدیر کلام یوں ہے اخبرنی عن ھذا الذی فضلتہ علی لم فضلتہ (قرطبی) یعنی آدم کو تو نے مجھ پر فضیلت دی حالانکہ مجھے آگ سے اور اسے خاک سے پیدا کیا اس کی کیا وجہ ہے۔ چنانچہ علامہ زرکشی نے تصریح کی ہے کہ جب رأیت پر ہمزہ استفہام کا داخل ہو جائے تو پھر یہ لفظ دیکھنے کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کا معنی اخبرنی "مجھے بتا" ہو جاتا ہے۔

واذا دخلت الھمزة علی رأیت امتنع ان تکون من رؤیة البصر او القلب وصار بمعنی اخبرنی (البرہان فی علوم القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۲۸)

۶۴ اگر تو مجھے مہلت دے تو میں اس آدم خاکی کی کمزوریوں کو آشکارا کر کے چھوڑوں گا۔ لاحتنکن کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی اور دیگر علماء لکھتے ہیں کہ جب ٹڈی کسی کھیت کو کھا کر چٹ کر جائے تو عرب کہتے ہیں احتنک الجراد الزرع اذا ذھب بہ کلہ۔ یہاں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ شیطان کہہ رہا ہے کہ اگر مجھے تو نے مہلت دی تو میں ان سب کو راہ راست سے بھٹکا کر پھینک دوں گا اور ان کے ایمان کا صفایا کر دوں گا۔ اور ان میں سے چند افراد کے بغیر کوئی ثابت قدم نہ رہے گا۔

اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کریگا ان سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے۔ ۵۳

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ

اور گمراہ کرنے کی کوشش کر جس کو تو گمراہ کر سکتا ہے ۵۴ ان میں سے اپنی آواز (کی فسوں کاری) سے اور دھاوا بول دے ان پر

بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ

اپنے گھوڑ سواروں اور پیادہ دستوں کے ساتھ اور شریک ہو جا ان کے مالوں میں اور اولاد میں اور ان سے (جھوٹے)

۵۳ بارگاہ خداوندی سے شیطان کو لوگوں کے بہکانے کا اذن عام دیا جا رہا ہے کہ جا جو تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر۔ تیرا اور تیرے پیروکاروں کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں تمہیں تمہاری سیاہ کاریوں کی پوری پوری سزا ملے گی جزاء موفورا مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے وھو نصب علی المصدر (قرطبی)

۵۴ اس آیت میں شیطان کو تمام ان وسائل کے اختیار کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے جو کسی کو راہ حق سے برگشتہ کرنے کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا حربہ صوت (آواز) ہے یعنی اپنی آواز سے اپنے چیلوں اور ساتھیوں سے ان کی دولت ایمان کو غارت کرنے کے لیے جو کچھ تو کر سکتا ہے کر گزر۔ دوسرا حربہ اپنے ہر قسم کے سواروں اور پیادوں کو اکٹھا کر کے ان پر یورش کرنے۔ تیسرا۔ ان کے مالوں یا ان کی اولاد میں شریک ہو جا یعنی محنت شاقہ سے مال وہ کمائیں اور خرچ تیری مرضی کے مطابق کریں۔ اولاد پیدا ہو ان کے ہاں لیکن ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ جب وہ جوان ہوں تو گناہوں اور بدکاریوں کے فروغ کا باعث ہوں۔ اور دیکھنے والے کو ایسا محسوس ہو کہ یہ مال ان کے نہیں تاکہ وہ اپنی مرضی سے انہیں وہاں خرچ کریں جہاں خرچ کرنے سے انہیں فلاح دارین نصیب ہو سکے۔ ان مالوں میں تو ان کا بعث وارث ہے اور تیری اجازت کے بغیر وہ ایک کوڑی بھی کہیں خرچ نہیں کر سکتے اسی طرح اولاد جس کو انہوں نے پالا وہ ان کی اولاد نہیں تاکہ والدین کے حقوق کی بجا آوری ان پر لازم ہو سکے۔ تیسرے حربہ [illegible] کی تفصیل اوپر بیان ہو چکی۔ مال و اولاد میں شیطان کی شرکت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے اور وہ ہر طریقے سے مال کمانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اس لیے حرام ذریعہ سے جو مال وہ کمائیں گے اور ناجائز طریقے سے جو اولاد پیدا ہو گی اس میں تو ان کا برابر کا حصہ دار ہو گا۔ چوتھا حربہ جو شیطان کے پاس لوگوں کو گمراہ کرنے کا سب سے زیادہ خطرناک حربہ ہے۔ وہ جھوٹے وعدوں کا ہے وہ حقیقت کو آشکارا ہونے نہیں دیتا ایسے ایسے گمراہ کن اور نظر فریب اور دلکش لالچوں میں انسان کو مبتلا کر دیتا ہے کہ انسان عمر بھر ان کے پیچھے لگا رہتا ہے اور ساری زندگی گمراہی کی اسی دلدل میں پھنسا رہتا ہے۔

وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٦٤﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

اور وعدے کر ان سے اور وعدہ نہیں کرتا ان سے شیطان مگر فریب کا [illegible] جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا [illegible]

سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿٦٥﴾ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ

اور اے حبیب! کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کیلئے ۔ تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو

فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾ وَاِذَا

سمندر میں تاکہ تم تلاش کرو (بحری سفر کے ذریعہ) اس کا فضل بیشک وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اور جب پہنچتی

[illegible] یہاں تنبیہ فرمادی کہ شیطان کے وعدے ہرگز قابل اعتماد نہیں وہ محض دھوکہ دینے کے لیے اور تمہیں ہدایت کی راہ سے بھٹکانے کے لیے ایسی چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اس قسم کے کھوکھلے وعدوں کے فریب میں آجانا کسی عقلمند کو زیبا نہیں۔

الغرور تزیین الباطل بما یظن انہ حق ۔ باطل کو اس طرح آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کرنا کہ وہ حق معلوم ہونے لگے اسے غرور کہتے ہیں۔

[illegible] اے شیطان میرے بندوں پر تیرا کوئی افسوں کارگر نہیں ہو سکے گا وہ تیرے دام فریب میں ہرگز نہیں پھنسیں گے۔ تو جتنی کوشش کر سکتا ہے کر دیکھ۔ ان عبادی میں جو لطف ہے اس کی حقیقت کا ادراک وہی خوش نصیب کر سکتے ہیں جو ان عبادی کے زمرہ میں داخل ہیں۔

[illegible] اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و ربوبیت کا ایک اور کرشمہ بیان کیا جا رہا ہے کہ بیکراں سمندر کے گہرے پانیوں اور اس میں اٹھنے والی طوفانی موجوں کو تمہاری کشتیوں اور جہازوں کے لیے مسخر فرما دیا ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں ٹن وزن اٹھائے تمہارے جہاز سطح آب پر اٹھلاتے پھرتے ہیں اور تمہاری عالمی تجارت کے لیے ایسی شاہراہیں ہموار کر دی ہیں جن کے ذریعہ تم آسانی سے اپنے تجارتی سامان کو ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف لے جاتے ہو اور نفع کماتے ہو کیا یہ اس کا احسان عظیم نہیں رزق حلال کمانے کے لیے اسلام نے ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو برانگیختہ کیا ہے یہاں بھی رزق کو فضلہ (اپنا فضل) فرما کر مسلمانوں کو بحری تجارت کا شوق دلایا ہے۔ الازجاء السوق، ازجاء الفلک سوقہ بالریح اللینۃ۔
[illegible] اور آہستہ نرم ہوا سے کشتی چلانے کو ازجاء کہتے ہیں۔

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ

پہنچتی ہیں تمہیں تکلیف سمندر میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارا کرتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ بچا کر

إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾ أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ

عافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ دھنسا

بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ

دے تمہیں ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لیے

۱۰۰ چاہیے تو یہ کہ انسان اپنے رحیم و کریم مالک کے احسانات کا ہر وقت اعتراف کرتا رہے اور شکر ادا کرتا رہے لیکن انسان کی کم فہمی کا کیا کہنا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو بھی خدائی کے تخت پر بٹھا رکھا ہے اور ان کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتا ہے۔ انسان کی اس حماقت کو واضح کرنے کے لیے ارشاد ہے کہ جب تم تجارتی سامان سے بھری ہوئی کشتیاں اور جہاز لے جا رہے ہوتے ہو یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانے کے لیے بحری سفر کر رہے ہوتے ہو اس وقت جب خوفناک طوفان امڈ کر آتے ہیں اور گرداب ہلاکت قدم قدم پر منہ کھولے تمہیں ہڑپ کرنا چاہتے ہیں اس وقت تو تمہیں اپنے سارے دیوی دیوتا بھول جاتے ہیں اور صرف رب حقیقی کے حضور میں گڑگڑا کر اپنی نجات و سلامتی کے لیے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ اگر تمہارے گھڑے ہوئے بتوں میں خدائی قدرت کا کچھ اثر بھی ہوتا تو ان خوفناک گھڑیوں میں تمہارے دل ان کی طرف ہی مائل رہتے! ان مشکل لمحوں میں یا ان کی طرف سے تمہارا منہ موڑ لینا اور ایک رب قدیر کے حضور میں فریاد کرنا کیا یہ اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ انسانی فطرت میں عقیدہ توحید کی تخم ریزی کی گئی ہے اور جب خارجی اور اجنبی آمیزش ختم ہو جاتی ہے تو عقیدۂ توحید خود بخود بے نقاب ہو جاتا ہے۔

۱۰۱ لیکن جب وہ اپنے فضل و کرم سے تمہاری سابقہ نافرمانیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے تم پر رحم فرماتا ہے اور تمہیں سلامتی سے ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس وقت پھر اس سے روگردانی کرتے ہو اور اس کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہراتے ہو۔ انسان کی ناشکری کی بھی آخر کوئی حد ہے۔

۱۰۲ یعنی اے مشرکین تمہاری حماقت کی بھی حد نہیں۔ سمندر میں تو تم عذاب الٰہی سے ڈر کر شرک سے تائب ہو جاتے ہو لیکن خشکی پر قدم رکھتے ہی پھر پرانی ڈگر پر چل پڑتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ خشکی پر شرک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہاں کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ بے وقوفو! اللہ تعالیٰ چاہے تو جس سطح زمین پر تم کھڑے ہو اسی کو تمہارے سمیت دھنسا دے یا اولے برسا کر تمہیں اور تمہارے کھیتوں کو تہس نہس کر دے۔ الحاصب یقال للسحابۃ التی ترمی بالبرد۔ حاصب اس بادل کو کہتے ہیں جس سے اولے برستے ہیں۔ حاصب اس تیز ہوا کو بھی کہتے ہیں جو سنگریزوں کو اڑا کر پھینک دیتی ہے۔

وَكِيلًا ﴿٦٨﴾ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ

کوئی کارساز۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں لے جائے سمندر میں دوسری مرتبہ اور بھیجے تم پر

عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا

سخت آندھی جو کشتیوں کو توڑنے والی ہو [٦٣] پھر غرق کر دے تمہیں بوجہ کفر کے جو تم نے کیا پھر تم نہیں پاؤ گے

لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ

اپنے لیے ہم سے اس ڈوبنے پر کوئی انتقام لینے والا اور بیشک ہم نے بڑی عزت بخشی اولاد آدم کو [٦٤] اور ہم نے سوار کیا انھیں (مختلف سواریوں پر)

وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ

خشکی میں اور سمندر میں اور رزق دیا انھیں پاکیزہ چیزوں سے اور ہم نے فضیلت دی انھیں بہت سی چیزوں پر جن کو ہم نے

٦٣ ہو سکتا ہے کہ پھر تمہیں بحری سفر پیش آئے اور جب تم ساحل سے دور سمندر کے سینہ پر ہو تو یکبارگی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اور تند و تیز ہوا آندھی بن کر تم پر چڑھ دوڑے جو کشتیوں کو ریزہ ریزہ کر دے اس وقت تم ہزار مرتبہ چلاؤ فریاد کرو شرک سے تائب ہونے کے وعدے کرو لیکن تمہاری کوئی التجا نہ سنی جائے پھر تم غرق کر دیئے جاؤ گے اس لیے خدا کے غضب سے ہر وقت ڈرتے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ مبادا اللہ تعالیٰ کی آتش انتقام بھڑک اٹھے اور تمہیں راکھ کا ڈھیر بنا کر رکھ دے۔ نعوذ باللہ من غضبہ بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

٦٤ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے تمام وجوہ تکریم کو ایک جامع فقرہ میں بیان فرما دیا ہے:۔

"عقل و علم و گویائی، پاکیزہ صورت، معتدل قامت اور معاش و معاد کی تدابیر اور تمام چیزوں پر استیلاء و تسخیر عطا فرما کر اور اس کے علاوہ اور بہت سی فضیلتیں دے کر" (خزائن العرفان) علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وجوہ تکریم میں محمد بن کعب کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے عن محمد بن کعب بجعل محمد صلی اللہ علیہ وسلم منہم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اولاد آدم سے ہونا تمام نوع انسانی کے لیے وجہ صد افتخار ہے۔ کسی نے کیا خوب لکھا ہے:۔

اے شرف دودۂ آدم بتو ٭ روشنی دیدۂ عالم بتو
کیست درین خانہ کہ خویش تو نیست ٭ کیست درین خوان کہ طفیلی تو نیست
از تو صلائے بالست آمدہ ٭ نیست بہ جمال ہست آمدہ

یعنی آدم کے سارے خاندان کا فخر و شرف حضور کی برکت سے ہے تمام جہان کی آنکھ کا نور حضور ہی ہیں عالم وجود میں کون ہے جو آپ کا خادم نہیں اللہ تعالیٰ کے اس دستر خوان کرم پر آپ حقیقی مہمان ہیں باقی سب طفیلی ہیں۔ روز میثاق الست بربکم کے جواب میں حضور نے ہی بلٰی فرمایا تھا اور حضور کے صدقہ نیست کو ہست کی بحالی کا شرف حاصل ہوا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات

خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ

پیدا فرمایا نمایاں فضیلت۔ ۹۸ وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ ۹۹ پس جو شخص

أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

جس کو دیا گیا اس کا نامۂ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو یہ لوگ (خوشی خوشی) پڑھیں گے اپنا نامۂ عمل اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا

فَتِيلًا ﴿٧١﴾ وَمَن كَانَ فِي هَٰذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ

جائے گا۔ اور جو شخص بنا رہا اس دنیا میں اندھا ۱۰۰ وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٧٢﴾ وَإِن كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا

اور بہت گم کردہ راہ ہوگا۔ اور انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ آپ کو بچلا دیں ۱۰۱ اس (کتاب) سے جو ہم نے اتاری

کا بھی ذکر فرمایا ہے جو اس نے انسان پر فرمائے ہیں۔

۹۸ احناف اور جمہور اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانوں میں جو رسل ہیں وہ سب مخلوقات سے افضل ہیں۔ ان کے بعد فرشتوں میں جو رسل ہیں ان کا درجہ ہے۔ پھر عام فرشتے تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

۹۹ دنیا میں انسان کو جن فضائل و مکارم سے مشرف فرمایا گیا ہے ان کے ذکر کے بعد ان واقعات کو بیان کیا جا رہا ہے جو روز محشر انسان کو پیش آئیں گے۔ لغت میں امام اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی پیروی کی جائے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں قال اهل اللغة كل من ائتم به قوم كانوا على هدى او ضلالة۔ یعنی اہل حق کو ان کے پیشواؤں کے نام سے پکارا جائے گا اے امت ابراہیم، اے امت موسیٰ اور اہل باطل کو ان کے گمراہ پیشواؤں کے نام سے بلایا جائے گا۔ اے فرعونیو، اے نمرودیو، اے ابلیس کے پیروکارو۔ خوش نصیب اہل حق کا صحیفہ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا جو اس بات کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ فضل الٰہی سے کامیاب و کامران ہوکر آئے ہیں۔ ان کو ان کے تمام چھوٹے بڑے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

۱۰۰ جس نے اس دنیا میں حق کے نور کو نہ دیکھا، آفتاب ہدایت طلوع ہوا اور انہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی باندھ لی، انہیں جب حشر کے میدان میں لا کھڑا کیا جائے گا تو ان کے دل کی آنکھیں تو پہلے ہی نور بصیرت سے محروم تھیں اب بطور سزا ان کی ظاہری آنکھیں بھی اندھی کر دی جائیں گی اور انہیں کچھ سجھائی نہ دے گا۔

۱۰۱ لفظ کاد کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں کہ کاد یفعل کذا قارب وهمّ۔ یعنی کاد ارادہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ نیز علامہ بدرالدین زرکشی نے سید شریف رضی کی کتاب الغرر سے اس کے متعدد معانی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کاد بمعنی اراد یعنی کاد کا معنی کسی کام کا ارادہ کرنا ہے۔ اس آیت میں کادوا کا یہی معنی زیادہ مناسب ہے

إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ ۖ وَإِذًا لَّاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿٧٣﴾ وَلَوْلَا

طرف وحی کی ہے تاکہ آپ جھوٹ باندھ کر منسوب کریں ہماری طرف اس کے علاوہ۔ تو اس صورت میں وہ آپ کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے

أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿٧٤﴾ إِذًا لَّأَذَقْنَاكَ

آپ کو ثابت قدم نہ رکھا ہوتا تو آپ ضرور مائل ہو جاتے ان کی طرف کچھ تھوڑا سا (بفرضِ محال اگر آپ ایسا کرتے) تو اس

اس لیے میں نے اس کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ (البرہان جلد ۲ صفحہ ۱۲۰)

ان آیات کی جو تفسیر علامہ ابن کثیر نے کی ہے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:-

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ وہ خود اپنے محبوب رسول کا تائید و مددگار ہے۔ وہی راہِ راست پر آپ کو ثبات بخشتا ہے۔ وہی ہر قسم کی غلطی سے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ شریروں کی شر انگیزیوں اور بدکاروں کی بدکاریوں سے وہی حضور کو سلامت رکھتا ہے۔ حضور کے سارے کام اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔ وہی اپنے حبیب کا مددگار، نگہبان اور ناصر ہے۔ وہی آپ کو اپنے دشمنوں پر فتح و ظفر بخشنے والا اور آپ کے دین کو مخالفین کی مخالفت کے باوجود غلبہ بخشنے والا ہے۔ مشرق و مغرب میں اسلام کا پرچم تائید الٰہی سے لہرا رہا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیراً الیٰ یوم الدین (تفسیر ابن کثیر)

ان آیات میں مزید تدبر کرنے سے نبوت کی ذمہ داریوں کی نزاکت کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی کلامِ الٰہی میں کسی وجہ سے ذرہ برابر کمی بیشی ناقابلِ برداشت ہے۔ کفارِ مکہ نے بارہا کوشش کی۔ قدموں میں زر و سیم کا ڈھیر لگا دینے، تاج و تخت پیش کرنے اور حسین و جمیل عورت کا رشتہ دینے کی بارہا پیشکشیں کیں لیکن حبیبِ کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر ان پیشکشوں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا کہ اگر تم سورج میرے دائیں ہاتھ پر رکھ دو اور چاند میرے بائیں ہاتھ پر تب بھی میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں بال برابر رد و بدل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مجھے جس مقصد کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اس کی تبلیغ میں سرگرمِ عمل رہوں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

۸۴ علامہ زرکشی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فالمعنی علی النفی وانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یرکن الیہم لا قلیلا ولا کثیرا من جہۃ ان لولا الامتناعیۃ تقتضی ذلک وانہ امتنع مقاربۃ الرکون القلیل لاجل وجود التثبیت فینتفی الکثیر من طریق الاولیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے پاؤں کو مضبوطی سے راہِ راست پر مستحکم کر دیا ہے۔ اس لیے کفار کی طرف ادنیٰ سا میلان بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ "لولا" امتناعیہ کا تقاضا یہی ہے کہ اس کا یہ مفہوم بیان کیا جائے۔ (البرہان، جلد ۲ صفحہ ۱۳۴)

کل ذلک تعظیم لشان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وما جبلت علیہ نفسہ الزکیۃ من کونہ لا یکاد یرکن الیہم شیئا قلیلا للتثبیت مع ما جبلت علیہ یعنی نفس کی طہارت کے ساتھ تثبیت ایزدی کی سعادت نے حضور کو اس مقامِ عالی و شانِ رفیع پر فائز فرما دیا۔ (البرہان)

ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

وقت ہم آپ کو چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب مرنے کے بعد پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا

اور انھوں نے تو ارادہ کر لیا ہے کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور اگر انھوں نے

لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ

یہ حماقت کی تو نہ ٹھہر سکیں گے یہاں آپ کے پیچھے مگر تھوڑا عرصہ۔ یہی دستور رہا ہے ان کے بارے میں جنھیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے

۷۵ اس سے حضور کی عظمت شان کا پتہ چلتا ہے کیونکہ جتنا کوئی زیادہ عزیز و مقرب بارگاہ ہو اتنی ہی اس سے معمولی لغزش ناقابل برداشت ہوتی ہے

ع رتبے در دیدہ بود بیش غم

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور تو معصوم تھے یہ تنبیہ حضور کی امت کو کی جا رہی ہے کہ وہ کسی صورت میں دین حق اور احکام شریعت کو چھوڑ کر کفار کی خوشنودی حاصل کرنے کی طرف مائل نہ ہوں۔ قال ابن عباس کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معصوما ولکن ھذا تعریف للامۃ لئلا یرکن احد منھم الی المشرکین فی شیء من احکام اللہ تعالیٰ وشرائعہ (قرطبی)

قتادہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی اللھم لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین اے اللہ مجھے چشم زدن کے لیے بھی اپنے نفس کے سپرد نہ کرنا۔ ہر شخص جو دعوت حق کا فریضہ ادا کر رہا ہے ہر لحظہ ان آیات کو اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے مبادا اس سے کوئی ایسی فروگذاشت ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث بن جائے۔ ہمارا علم ناتمام ہے۔ ہماری عقل خام ہے۔ ہم شیطان کی وسوسہ اندازیوں کا صحیح طور پر مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے بچنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ صدق دل سے اور عجز و نیاز سے اپنی بے بسی کا پورا اعتراف کرتے ہوئے ہر قدم پر بارگاہ الٰہی میں یہی التجا کریں یاحی یاقیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

۷۶ کفار مکہ نے باہمی مشورہ سے یہ طے کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جزیرہ عرب سے نکال دیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ بھی کر کے دیکھو تمھیں اس کا انجام بھی معلوم ہو جائے گا۔ ہم تمھیں نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ یہ تو اسی محبوب کا لحاظ ہے کہ تمھاری غلط کاریوں کے باوجود تم کو عذاب سے نجات ملی ہوئی ہے جب سر زمین عرب سے یہ سراپا یمن و برکت ہستی تشریف لے جائے گی تو تمھیں جلد ہی کیفر کردار کو پہنچا دیا جائے گا۔

مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿٧٧﴾ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ

رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہماری اس سنت میں کوئی رد و بدل ۷۷ نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے

الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ

کے بعد ۷۸ رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجیے) نماز صبح بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ

مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ

کیا جاتا ہے ۷۹ اور رات کے بعض حصہ میں پس بیدار رہو اور نماز تہجد پڑھا کرو (قرآن کریم کے ساتھ) یہ نماز زائد ہے آپ کے لیے یقیناً فائز فرمائیگا

۷۷ یہ ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اذیت پہنچاتی ہے اور اس کو اپنے وطن سے چلے جانے پر مجبور کرتی ہے اور وہ نبی ان کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کر جاتا ہے تو پھر عذاب الٰہی کے نزول میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ یہ ہمارا ایسا دستور اور ایسی سنت ہے جس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں۔

۷۸ حضور کریم کو راہ حق سے منحرف کرنے کے لیے مشرکین جو تدبیریں کیا کرتے تھے اور حضور کو تکلیف پہنچانے کے لیے جس طرح سرگرم رہا کرتے تھے، ان کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو نماز کی ادائیگی کی طرف متوجہ فرما رہا ہے تاکہ ان حالات میں کامل سکون کے ساتھ یاد خداوندی کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ نماز پنجگانہ سفر معراج میں فرض ہوئی تھی۔ یہاں نمازوں کے اوقات بتائے جا رہے ہیں جن کی تفصیل حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر امامت کرکے کر دی۔ دلوک کا معنی اگرچہ غروب آفتاب بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں اس کا معنی زوال ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے۔ فی القاموس دلکت الشمس دلوکاً غربت او اصفرت او مالت او زالت عن کبد السماء والصحیح الثانی۔ غسق پہلی رات کے اندھیرے کو کہتے ہیں۔ الغسق ظلمة اول الليل۔ زوال آفتاب سے غروب شفق تک چار نمازوں کے اوقات ہو گئے۔ فجر کی نماز کا وقت الگ قرآن الفجر سے بیان کیا۔

۷۹ یعنی دن اور رات کے فرشتے اس وقت یکجا ہوتے ہیں۔

۸۰ ہجود اضداد سے ہے۔ سونا اور بیدار ہونا دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ لغت کے امام الازہری نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے تہجد تفعل ہجود (یعنی نیند) کو ترک کرنا کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے جیسے تحرج اور تاثم حرج اور اثم کے ترک کو کہتے ہیں۔ [illegible]

پنجگانہ نماز کے اوقات بیان ہوئے جو ہر کس و ناکس پر فرض تھیں۔ اب اس مخصوص نماز کی ادائیگی کا ذکر ہو رہا ہے جو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بطور فرض یا زائد عبادت لازم ہے۔ یہ نماز تہجد ہے یعنی جب لوگ سو رہے ہوں، ہر طرف سناٹا چھایا ہو، آغوش شب میں ہر چیز محو خواب ہو۔ اے حبیب اس وقت اٹھ اور خلوت گاہ ناز میں شرف باریابی حاصل کر کے جبین نیاز کو

لذت سجود سے آشنا کر دیں یہ بے خوابیاں یہ قلق اور بے کلی یہ اشکوں کا سیل رواں یہ شان بندگی کا مظہر سب کو شرف قبول بخشا جائیگا۔ اور آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائیگا جس کی بدولت زبان ہر دو گیتی دنیا بھر کی زبانیں تیری ثنا خواں ہوں گی اور حمد و ستائش میں مصروف ہو جائیں گی۔ عسیٰ کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اس وقت اس کا معنی یقین ہوتا ہے عسى ولعل من الله تعالى واجبتان (قرطبی)

مقام محمود کی وضاحت فرماتے ہوئے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ هو المقام الذي اشفع فيه لامتي یہ وہ مقام ہے جہاں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ ایک روز گنہگاروں عاصیاں اور بیچارہ سازِ بیکساں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خلیل کے اس قول کو پڑھا۔ رب انهن اضللن كثيرا من الناس فمن تبعني فانه مني ومن عصاني فانك غفور رحيم (اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے جنھوں نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہوں گے اور جنھوں نے میری نافرمانی کی تو تو غفور رحیم ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ کے اس جملہ کو دہرایا ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔ (اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر انھیں بخش دے تو تو ہی عزیز و حکیم ہے)

پھر حضور نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اللهم امتی امتی۔ اے میرے رب میری امت کو بخش دے۔ میری امت کو بخش دے۔ پھر حضور زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا جبرئیل اذهب الى محمد فقل له انا سنرضيك في امتك ولا نسوؤك۔ اے جبرئیل میرے محبوب کے پاس جاؤ اور جا کر میرا پیغام دو۔ اے حبیب ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو تکلیف نہیں پہنچائیں گے

روز حشر جب ہر دل پر خوف و ہراس طاری ہوگا جلال خداوندی کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہ ہوگی بڑے بڑے شجاع اور زور آور اور سرکش مارے خوف کے پانی پانی ہو رہے ہوں گے۔ ساری مخلوق خدا آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح تک کا دروازہ کھٹکھٹائے گی لیکن کہیں شنوائی نہ ہوگی۔ آخر کار حضرت عیسیٰ کے پاس پہنچے گی اور ان سے شفاعت کی ملتجی ہوگی آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو آج لب کشائی کی جسارت نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہیں ایک کریم کا آستانہ بتاتا ہوں جس پر حاضر ہونے والا کبھی نامراد واپس نہیں لوٹایا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ اور وہاں جا کر عرض حال کرو۔ چنانچہ سب بارگاہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں گے اور اپنی داستان غم پیش کریں گے حضور سن کر فرمائیں گے انا لها۔ انا لها۔ ہاں میں تمہاری دستگیری کے لیے تیار ہوں۔ حضور عرش عظیم کے قریب پہنچ کر سجدہ میں گر جائیں گے۔ بڑی پاک اور معطر زبان سے سبوح و قدوس رب کی حمد و ثنا کریں گے۔ ادھر سے آواز آئے گی یا محمد ارفع راسك قل تسمع واسئل تعط واشفع تشفع اے سراپا خوبی و زیبائی! اپنے سر مبارک کو اٹھاؤ۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی تم مانگتے جاؤ ہم دیتے جائیں گے تم شفاعت کرتے جاؤ ہم شفاعت قبول فرماتے جائیں گے۔ اس طرح شفاعت حبیب سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا دروازہ کھلے گا۔

علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے قاضی ابوالفضل عیاض سے نقل کیا ہے کہ حضور سرور عالمیان پانچ شفاعتیں فرمائیں گے

۱۔ شفاعتِ عامہ جس سے مومن اور کافر اپنے بیگانے سب مستفیض ہوں گے۔
۲۔ بعض خوش نصیبوں کے لیے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونے کی شفاعت فرمائیں گے۔
۳۔ وہ موحد جو اپنے گناہوں کے باعث عذابِ دوزخ کے مستحق قرار پا جائیں گے حضور کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے۔
۴۔ وہ گنہگار جنہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا حضور شفاعت فرما کر ان کو وہاں سے نکالیں گے۔
۵۔ اہل جنت کے مدارج میں ترقی کے لیے سفارش فرمائیں گے۔

خود سوچئے جس کا دامن کرم سب کو ڈھانپے ہوگا جس کی محبوبیت کا ڈنکا ہر جگہ بج رہا ہوگا جس کی بدولت شان اپنے بھی دیکھیں گے اور بیگانے بھی۔ ایسے میں کونسا دل ہوگا جو اس محبوب کی عظمت کا اعتراف نہ کرے گا اور کونسی زبان ہوگی جو اس کی تعریف و توصیف میں زمزمہ سنج نہ ہوگی۔

یہاں بتایا جارہا ہے کہ بے کسوں کے پاسبان و آقا جس کی راہ میں کانٹے بچھانا اپنا مقدس فرض سمجھتے ہو جسے طرح طرح سے اذیت دے کر اپنی تفریح کا سامان کرتے ہو۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو کر میرے برگزیدہ بندے کی جلالت شان کا انکار کرتے ہو۔ اس کی حقیقت سے بے پردہ تب اٹھے گا جب داورِ محشر عزت و جلال کے عرش پر متمکن ہو کر ہر مجرم کو اپنے دربار میں جوابدہی کے لیے طلب فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انا سید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی۔ (ترمذی شریف)
یعنی قیامت کے دن ساری اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا۔ حمد کا پرچم میرے ہاتھ میں ہوگا۔ سارے نبی میرے پرچم کے نیچے جمع ہوں گے۔ یہ ساری باتیں اظہارِ حقیقت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ فخر و مباہات مقصد نہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ستائیس صحابہ سے حدیث شفاعت مروی ہونے کی تصریح کی ہے۔ لیکن ان صریح احادیث کے باوجود معتزلہ اور خوارج نے شفاعت کا انکار کیا۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے۔ پس بڑا بدبخت ہے وہ آدمی جو شفاعت کا منکر ہے۔ قال السیوطی ھذا حدیث متواتر تعس من انکر الشفاعۃ۔ امام بخاری اور مسلم نے حضرت فاروق اعظم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک روز خطبہ میں فرمایا انہ سیکون فی ھذہ الامۃ قوم یکذبون بعذاب القبر ویکذبون بالشفاعۃ کہ اس امت میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جو عذاب قبر کی بھی تکذیب کریں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے۔ آج سے پہلے بھی اس کا انکار معتزلہ اور خارجیوں نے کیا اور آج بھی ایک طبقہ بڑی شدومد سے اس کا منکر ہے اور جب دلائل صحیحہ کے باعث انکار نہیں کر سکتے تو شفاعت کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہیں جس میں شانِ مصطفےٰ کا انکار پایا جاتا ہے۔ لیکن انہیں یہ جسارت کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جو آج شفاعت کا انکار کرے گا وہ کل اس سے محروم کر دیا جائے گا۔

رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر۔ اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لیجائے سچائی کے ساتھ لے جا اور

اَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو ۹۹

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور آپ (اعلان) فرما دیجئے آگیا ہے حق اور مٹ گیا ہے باطل ۱۰۰ بیشک باطل تھا ہی مٹنے والا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ

اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو باعث شفا ہیں ۱۰۱ اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لیے اور نہیں بڑھاتا

۹۹ حضور کو جب ہجرت کا حکم ملا تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایک دعا کی تلقین کی گئی کہ اے رب کریم میرا مکہ سے ہجرت کرنا بھی سچائی کے ساتھ ہو اور مدینہ میں ورود بھی سچائی کے ساتھ ہو یعنی دونوں کا انجام نیک ہو۔ کہیں سے کوچ کروں یا کہیں اقامت کروں تیری تائید و نصرت میرے شامل حال ہو۔ چنانچہ جو دعا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو سکھائی تھی۔ دنیا نے دیکھا کہ اس کا ایک ایک حرف پورا ہوا۔ مدینہ مہبط انوار الٰہی بنا تو چشم عرش کا نور بن گیا اور چند سال بعد جب مکہ کا یہ مسافر دس ہزار جانثاروں کے جھرمٹ میں مکہ میں داخل ہوا تو کفر و شرک کی تاریکی کافور ہو گئی اور مکہ بقعۂ نور بن گیا۔

۱۰۰ یہ اعلان جو بظاہر انتہائی ناساز گار حالات میں ہجرت سے پہلے مکہ میں کیا گیا تھا آخر پورا ہوا۔ مکہ فتح ہوا حضور فیروز مندی کا پرچم لہراتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ کعبہ جو ایک عرصہ دراز سے بت کدہ بنا ہوا تھا۔ جس میں سینکڑوں بتوں کی پرستش ہوتی تھی حضور اس جگہ تشریف لے گئے حضور کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ اس سے بتوں کی طرف اشارہ فرماتے اور زبان پاک سے یہ آیت پڑھتے اور بت منہ کے بل زمین پر آ گرتے۔ اس طرح پھر حق کا بول بالا ہوا اور باطل پسپا اور رسوا ہوا۔

۱۰۱ یعنی انسان ذہنی، قلبی، روحانی، جسمانی اور اخلاقی جن جن بیماریوں سے دوچار ہوتا ہے اس نسخۂ کیمیا میں ان تمام روگوں کے لیے شفا ہے غفلت کی کدورت، شک و ارتیاب کی تاریکی، کفر و شرک کی نجاست اس کے فیض سے سب دھل جاتی ہیں۔ شرط صرف اتنی ہے کہ اس کو دیانتداری سے نسخۂ شفا سمجھا جائے پھر اس کی برکت کے چشمے علم و عمل کی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں اور شاداب و سرسبز بنا دیتے ہیں۔

۱۰۲ لیکن جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے اور جو اس کو پہچانتے ہی نہیں اور اس کے پہچاننے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کی بدبختی میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کا مطلع حیات تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔

الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ

ظالموں کے لیے مگر خسارہ کو۔ اور جب ہم کوئی انعام فرماتے ہیں انسان پر تو روگردانی کرتا ہے شکر کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے اور

نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿۸۳﴾ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى

پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب پہنچتی ہے اسے کوئی تکلیف تو وہ مایوس ہو جاتا ہے آپ فرمائیے کہ ہر شخص عمل کر رہا ہے اپنی

شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ

فطرت کے مطابق پس تمہارا رب ہی بہتر جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھی راہ پر گامزن ہے اور یہ دریافت کرتے ہیں آپ سے

ع ۹

بڑا دل دوز منظر ہے۔ انسان کو اپنی زندگی میں مختلف قسم کے حالات سے واسطہ پڑتا ہے کبھی عزت و اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا ہوتا ہے۔ راحت و مسرت کی چاندنی ہر طرف نور برسا رہی ہوتی ہے امیدوں کے شگوفے کھل کر پھول بن چکے ہوتے ہیں جو قدم اٹھتا ہے کامیابی کی طرف اٹھتا ہے۔ ہر تدبیر کا نتیجہ حسب منشا ظاہر ہوتا ہے اور کبھی رنج و غم کا اندھیرا چھا جاتا ہے حزن و ملال کی اداسی ہر طرف دامن پھیلائے ہوتی ہے جدھر رخ کرتا ہے محرومی و نامرادی کا سامنا ہوتا ہے۔ ساری آرزوئیں حسرتیں بن کر رہ جاتی ہیں۔ ہر منصوبہ بننے والے اسی حالت میں ہر انسان کا رد عمل یکساں نہیں ہوتا۔ اس آیت میں الانسان سے مراد وہ انسان ہے جس نے قرآن کے نور سے اپنی شاہراہ حیات کو منور نہیں کیا ہوتا۔ بتایا جا رہا ہے کہ ایسا انسان دولت و اقتدار کے زمانہ میں سرکش اور نافرمان بن جاتا ہے اور اپنے پروردگار حقیقی سے بھی منہ موڑ لیتا ہے۔ اس کی دی ہوئی عزت اور دولت و صحت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرتا ہے لیکن جب غم و اندوہ کے بادل گھر کر آتے ہیں تو سراسیمہ ہو جاتا ہے اور اس کی ساری نخوت ختم ہو جاتی ہے اور وہ سطح زمین پر اکڑ اکڑ کر چلنے والا مایوسی و ناامیدی کے ایک ہی جھونکے سے خزاں رسیدہ پتے کی طرح اڑنے لگتا ہے اور حالات کی ناسازگاری کے سامنے بڑی بے بسی سے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ آپ خود غور فرمائیے جو شخص قوت و اقتدار کے زمانہ میں آمادۂ فتنہ و فساد ہو جاتا ہے اور حالات کی ذرا سی تبدیلی پر دل ہار کر بیٹھ جاتا ہے وہ کس طرح اپنی قوم، اپنے وطن اور اپنی ذات کے لیے مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ خوش نصیب افراد جو قرآن کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوتے ہیں وہ موافق حالات میں اپنے محسن حقیقی کا دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں اور ناموافق حالات میں مایوس ہو کر ہمت نہیں ہارتے بلکہ اپنے رب کریم کی تائید و نصرت پر یقین محکم رکھتے ہوئے اپنی جدوجہد کو پہلے سے بھی تیز تر کر دیتے ہیں۔ یہ ہے وہ کردار جو ہدایت قرآن سے محروم رہنے والے لوگوں کا زندگی کے مختلف مراحل میں ہوتا ہے اور یہ ہے وہ کردار جس کی تشکیل قرآن کرتا ہے۔

لفظ شاکلۃ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد نے اس کا معنی طبیعت کیا ہے اور مقاتل نے اس کا معنی جبلت کیا ہے یعنی ہر شخص وہ کام کرتا ہے جو اس کی سرشت اور فطرت کے مطابق ہو۔ اس آیت میں کافروں کی مذمت ہے کہ ان کی

سرشت کیونکہ خبیث ہے اس لیے ان کے اعمال بھی خباثت سے آلودہ ہوں گے اور اس میں مومن کی توصیف ہے۔ کیونکہ مومن کی سرشت پاکیزہ ہے اس لیے ان کے اعمال بھی پاکیزہ ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے قرآن کریم کو اول سے آخر تک پڑھا ہے اور مجھے اس آیت سے زیادہ امید افزا کوئی آیت نظر نہیں آئی کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ ہر کوئی اپنی طبیعت کے مطابق کام کرتا ہے۔ بندے کا کام گناہ کرنا ہے اور رحمت خداوندی کا کام گناہوں کا بخشنا ہے: قال ابوبکر ؓ قرأت القرآن من اولہ الی آخرہ فلم ار فیہ آیة ارجی واحسن من قولہ تعالیٰ قل کل یعمل علی شاکلتہ فانہ لا یشاکل بالعبد الا العصیان ولا یشاکل بالرب الا الغفران۔

۱۰۲ اس آیت کی شان نزول کیا ہے۔ اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہود کی انگیخت پر مشرکین مکہ نے روح کی حقیقت کے بارے میں حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا۔ دوسری یہ کہ ہجرت کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو وہاں کے احبار یہود نے اس مسئلہ کا حل امتحاناً دریافت کرنا چاہا۔ بہرحال یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کی خلش ہر غور و فکر کرنے والا اپنے دل و دماغ میں محسوس کرتا تھا۔ چنانچہ ہر زمانہ کے فلسفیوں نے اس عقدہ کو حل کرنے کی انتھک کوشش کی لیکن ہر کوشش نے اسے پیچیدہ سے پیچیدہ تر بنا دیا۔ یہی سوال جب بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا تو زبان قدرت نے اس کا یہ مختصر لیکن جامع جواب دے کر تمام اوہام و شکوک کا دروازہ بند کر دیا الروح من امر ربی یعنی روح میرے رب کا امر ہے۔ امام فخر الدین رازی اور ان کا تتبع کرتے ہوئے علامہ سید آلوسی صاحب روح المعانی رحمہ اللہ نے اپنی اپنی تفاسیر میں علماء عقل و نقل کی آراء کو یکجا بیان کر دیا ہے۔ ان تفصیلات کا ذکر تطویل کا باعث ہوگا۔ اس لیے میں اس کے بیان سے صرف نظر کرتا ہوں لیکن ایک چیز کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم کو روح کی حقیقت پر مطلع فرمایا تھا یا نہیں۔ اس کے متعلق امام رازی رحمہ اللہ نے جو لکھا ہے وہ پیش خدمت ہے: انہ تعالیٰ قال فی صفتہ الرحمٰن علم القرآن وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما وقال وقل رب زدنی علما وقال فی صفة القرآن ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین وکان علیہ الصلوٰۃ والسلام یقول ارنا الاشیاء کما ھی فمن کان ھذا حالہ وصفتہ کیف یلیق بہ ان یقول انا لا اعرف ھذہ المسئلة مع انہا من المسائل المشہورة المذکورة بین جمہور الخلق بل المختار عندنا انہم سألوہ عن الروح وانہ صلی اللہ علیہ وسلم اجاب عنہ علی احسن الوجوہ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی شان میں فرمایا ہے الرحمٰن علم القرآن رحمٰن نے قرآن سکھایا اور وعلمک الآیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔ پھر حکم دیا کہ دعا کرو رب زدنی علما اے اللہ میرے علم کو زیادہ فرما۔ اور قرآن کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ولا رطب الآیہ کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کرتے تھے اے اللہ مجھے تمام چیزیں اس طرح دکھا جس طرح وہ حقیقت میں ہیں۔ تو جس ذات کی یہ شان اور صفت ہو اس کے لیے کب مناسب ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں اس مسئلہ کو نہیں جانتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ مشہور مذکور مسئلوں میں سے ہے۔ ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انہوں نے روح کے متعلق دریافت کیا اور حضور نے اس کا احسن

جواب دیا۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ اس آیت کے ضمن میں بڑی تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں وھذہ الآیۃ لا تقتضی نفی العلم بالروح للنبی ولاصحاب البصائر من اتباعہ کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو اور حضور کے ارباب بصیرت اطاعت کیشوں کو روح کا علم نہ تھا کیونکہ ان نفوس قدسیہ کا علم صرف حواس اور کسب و اکتساب سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ حواس اور کسب و اکتساب کے بغیر اشیاء کے حقائق کا علم انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کیا جاتا ہے۔ ان کے دلوں کے کان ہیں جن سے وہ ایسی باتیں سنتے ہیں جو ظاہری کان نہیں سن سکتے۔ ان کے دلوں کی آنکھیں ہیں جن سے وہ ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں جنہیں یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اس کے بعد علامہ موصوف نے یہ حدیث مشہور نقل کی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ والحدیث۔

حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعے میرے نزدیک ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہی اس کی قوت سمع بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور قوت بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر مظہری۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے روح کے معنی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اطباء کے نزدیک روح کی تعریف یہ ہے جسم لطیف منبعہ تجویف القلب الجسمانی فینتشر بواسطۃ العروق الضوارب الی سائر اجزاء البدن۔ کہ روح ایک جسم لطیف ہے جس کا منبع تجویف قلب ہے جو بدن میں پھیلی ہوئی رگ و ریشہ کے ذریعہ جسم کے ہر جز میں سرایت کر جاتا ہے اور علماء حقیقت کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے ھو اللطیفۃ العالمۃ المدرکۃ من الانسان ھو الذی اراد اللہ تعالیٰ بقولہ قل الروح من امر ربی وھو امر عجیب ربانی تعجز اکثر العقول والافہام عن درک حقیقتہ۔

یعنی یہ ایک لطیفہ ہے جو علم و ادراک کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی کے متعلق اس آیت میں اشارہ ہے قل الروح من امر ربی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک عجیب راز ہے جس کی حقیقت کو سمجھنے سے بیشتر عقلیں قاصر ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو روح کا علم نہیں دیا گیا لکھتے ہیں قلت وجل منصب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ وسید خلقہ ان یکون غیر عالم بالروح وکیف وقد من اللہ علیہ بقولہ وعلمک ما لم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (عمدۃ القاری شرح البخاری جلد دوم صفحہ [illegible])

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ نبی کریم جو اللہ تعالیٰ کے حبیب اور اس کی ساری خلق کے سردار ہیں۔ آپ کا منصب اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کو روح کا علم نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان کرتے ہوئے فرمایا وعلمک ما لم تکن تعلم الآیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر وہ بات سکھا دی جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اے محبوب! آپ کے رب کا آپ پر فضل عظیم ہے۔

الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا

روح کی حقیقت کے متعلق۔ آپ فرمائیے روح میرے رب کے حکم سے ہے اور نہیں دیا گیا ہے تمہیں علم مگر

قَلِيلًا ۝۸۵ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ

تھوڑا سا۔ اور اگر ہم چاہتے تو سلب کر لیتے وہ (وحی) جو ہم نے آپ کی طرف کی ہے پھر آپ نہ پاتے اپنے لیے

لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝۸۶ إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ

وکیل (حمایتی) جو آپ کی خاطر ہمارے مقابلہ میں وکالت کرے مگر (یہ) آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ ایسا نہیں کیا) یقیناً اس کا فضل (وکرم) آپ

عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝۸۷ قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا

پر بہت بڑا ہے۔ آپ فرمائیے اگر اکٹھے ہو جائیں سارے انسان اور سارے جن اس بات پر کہ لے آئیں اس قرآن کی

بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

مثل تو ہرگز نہیں لا سکیں گے اس کی مثل اگرچہ وہ ہو جائیں ایک دوسرے کے

۸۵؎ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عثمانی لکھتے ہیں یعنی قرآن کا جو علم آپ کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ دلا سکے لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے جس کی وجہ سے یہ نعمت عظمیٰ نہایت زمانی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں ذاتی نہیں۔

۸۶؎ پہلے اپنی قدرت کاملہ مطلقہ کا ذکر فرمایا کہ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں حتیٰ کہ آپ سے نعمت وحی بھی اگر سلب کر لوں تو کوئی دم نہیں مار سکتا۔ بیان قدرت کے معاً بعد اپنی رحمت بے پایاں کا ذکر فرما دیا جس سے اس نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نوازا فرمایا۔ آپ کے اس علم میں تو اپنے حبیب کریم پر فضل و عطا کی انتہا کر دی کہ اے محبوب ہم نے جو عنایات خصوصی آپ پر فرمائی ہیں وہ قلیل اور محدود نہیں بلکہ وہ بے شمار ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ جس فضل و کرم کو اللہ تعالیٰ اپنی زبان قدرت سے کبیر فرما رہا ہے اس کے حدود کا تعین کرنا عقل انسانی کے امکان سے خارج ہے۔ حضور کا سید ولد آدم ہونا مقام محمود پر فائز ہونا رحمۃ للعالمین کا خلعت فرمایا جانا ختم نبوت کا تاج سر پر رکھا جانا یہ فضل کبیر کے چند جلوے ہیں۔ اسی سے شان مصطفیٰ کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللھم صل علی نبیک وحبیبک الذی شرفته بفضلک الکبیر وعطائک الجزیل وملاطفتک الجمیل وعلی اله وصحبه وبارک وسلم اللھم لا تحرمنا من شفاعته ولا تبعدنا عنه فی الدنیا والآخرة۔

۸۷؎ یہ چیلنج آج بھی منکرین قرآن و رسالت کو للکار رہا ہے لیکن کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس کو قبول کر سکے۔

ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

مددگار ۔ اور بلاشبہ ہم نے طرح طرح سے بار بار بیان کی ہیں لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں (تاکہ وہ ہدایت پائیں)

فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾ وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ

پائیں، انہیں انکار کرنے پر اکثر لوگ مصر رہے کہ وہ ناشکری کریں۔ اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کر دیں

لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ﴿٩٠﴾ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَ

ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ ۔ یا (آپ کے لیے) تیار ہو جائے آپ کے لیے ایک باغ کھجوروں اور

عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ﴿٩١﴾ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا

انگوروں کا پھر آپ جاری کر دیں ندیاں اس باغ میں (ہر طرف) بہہ رہی ہوں یا آپ گرا دیں آسمان کو جیسے آپ کا

زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ أَوْ يَكُونَ

خیال ہے، ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے یا آپ اللہ تعالیٰ کو اور فرشتوں کو (بے نقاب) ہمارے سامنے لے آئیں یا تعمیر ہو جائے

لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

آپکے لیے ایک گھر سونے کا یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں ۔ بلکہ ہم تو اس پر بھی ایمان نہ لائیں گے کہ آپ

۱۲۳ ایک چیز کو بار بار مختلف اسلوبوں سے بیان کرنے کو تصریف الامر کہتے ہیں یہاں یہی معنی ہے یعنی بوجہ مبالغہ فی التقریر والبیان
(مظہری)

یعنی اس میں پند و موعظت بھی ہے اور احکام و حِکم بھی گزشتہ امتوں کے عروج و زوال اور ان کے انجام کا بھی ذکر ہے۔ اور مستقبل میں بارگاہِ صمدیت کی سرفرازیوں کا بیان بھی۔ غرضیکہ ہدایت پذیری کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہے سب مہیا ہو گیا۔ اب بھی اگر کوئی ہدایت قبول نہیں کرتا تو اس سے بڑھ کر بدنصیب اور کون ہو گا۔

۱۲۴ ان آیات میں کفار کے لغو مطالبات اور لایعنی فرمائشوں کا ذکر ہے ۔

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا

آسمان پر چڑھ جائیں ہم تو تب بھی آپ کے چڑھنے کو نہ مانیں گے جب تک آپ ہم پر ایک کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم پڑھیں۔ آپ ان سب خرافات کے جواب میں اتنا فرما دیں: میرا رب پاک ہے میں تو

بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى

بس ایک انسان ہوں جسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب آئی ان کے پاس ہدایت

اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ

مگر اس چیز نے کہ انھوں نے کہا کیا بھیجا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر؟ (آپ) فرما دیجئے اگر ہوتے زمین میں (انسانوں کی بجائے)

مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا

فرشتے جو اس پر چلتے (اور بستے) ہیں سکونت اختیار کرتے تو ہم (ان کی ہدایت کے لیے) ان پر اتارتے آسمان سے کوئی فرشتہ

رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ

رسول بنا کر۔ فرما دیجئے کافی ہے اللہ تعالیٰ گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ بےشک وہ اپنے بندوں (کے حال) سے

خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ

کو خوب جاننے والا اور ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور جسے اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ نہیں

۔۔۔ ان سب خرافات کا ایک ہی جواب دینے کا حکم فرمایا کہ آپ انھیں کہئے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کو اس کام پر مجبور کر سکوں جو اس کی حکمت کے خلاف ہو اور نہ ہی میں اپنی مرضی سے کچھ کر سکتا ہوں۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

۔۔۔ وہ آپ کی سیرت میں بھی کوئی داغ نہیں دکھا سکتے۔ وہ آپ کی دعوت کی حقانیت پر کوئی شبہ نہیں کر سکتے اور قرآن حکیم کا مثل پیش کرنے کی انھیں بار بار دعوت دی گئی لیکن وہ اس دعوت کو قبول نہ کر سکے۔ ان کے پاس آپ کی رسالت کو تسلیم نہ کرنے کی اگر کوئی دلیل ہے تو صرف یہ کہ آپ بشر ہیں۔ اور ان کے نزدیک بشر مقام رسالت پر فائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا یہ اعتراض بھی لایعنی تھا کیونکہ رسول کی آمد کا مقصد تعلیم و ہدایت ہے۔ جب زمین میں بسنے والے انسان ہیں تو ان کی رہنمائی کا فریضہ ان کا ایک ہم جنس ہی بہتر طریق پر ادا کر سکتا ہے۔ اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے اور ان کی راہنمائی کے لیے کسی رسول کو مبعوث کیا جاتا تو ان میں کسی فرشتہ کو ہی یہ ذمہ داری سونپی جاتی۔

تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ

پائیں گے ان (گمراہوں) کے لیے کوئی مددگار اس کے سوا ١١٠ اور ہم اٹھائیں گے انھیں قیامت کے روز

وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا ۖ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ

منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے ١١١ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ)

سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا

تو ہم اسے اور بھڑکا دیں گے یہ سزا ہے ان کی کیونکہ انھوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور انھوں نے کہا کیا جب ہم

عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٩٨﴾ ۞ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ

ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ازسرِ نو پیدا کر کے ١١٢ کیا انھوں نے نہیں دیکھا

اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل

وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٩٩﴾ قُلْ

اور اس نے مقرر فرما دی ہے ان کے لیے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں لیکن ظالموں نے (کسی بات کو) قبول نہ کیا بجز اس کے کہ ناشکری کریں فرمائیے

١١٠ ہدایت دینے والا وہی ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے انسان بچ نہیں سکتا جب تک اس کی توفیق دستگیری نہ کرے۔ جس سے اس نے اپنی نظرِ عنایت پھیر لی اس کا راہ یاب ہونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ عقل و فہم کے چراغ بجھ جاتے ہیں اور علم حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔

١١١ کیونکہ انھوں نے خداداد صلاحیتوں کو معرفتِ حق کے لیے استعمال نہ کیا اس لیے قیامت کے دن جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو آنکھوں سے اندھے، کانوں سے بہرے اور زبان سے گونگے ہوں گے۔

١١٢ روزِ حشر ان کی ذلت و رسوائی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ

اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہ

الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ

کہیں (وہ سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں اور فطرتاً انسان بڑا تنگدل ہے۔ اور ہم نے عطا فرمائی تھیں موسیٰ (علیہ السلام) کو نو روشن

بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ

نشانیاں (تو) آپ خود پوچھ لیں بنی اسرائیل سے جب موسیٰ آئے تھے ان کے پاس۔ پس فرعون نے

ع ۱۱

۱۱۱؎ حضرت ابن عباس کی تفسیر کے مطابق تو ان آیات سے مراد آپ کے نو معجزات ہیں۔ عصا، ید بیضا، سمندر کا شق ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈکوں کی کثرت، برتنوں وغیرہ کا خون سے بھر جانا۔ لیکن مندرجہ ذیل حدیث جس کو ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں ذکر کرنے کے بعد اسے حسن صحیح کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات سے مراد یہاں وہ احکام عامہ ہیں جو ہر نبی کی شریعت کا اساس ہیں۔ حدیث یہ ہے۔ عن صفوان بن عسال قال قال یھودی لصاحبه اذھب بنا الی ھذا النبی فقال له صاحبه لا تقل له نبی انه لو سمعک لکان له اربع اعین فاتیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآله وسلم فسألاہ عن تسع آیات بینات فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تشرکوا باللہ شیئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا تمشوا ببری الی ذی سلطان لیقتله ولا تسحروا ولا تاکلوا الربوا ولا تقذفوا محصنة ولا تولوا للفرار یوم الزحف وعلیکم خاصة الیھود ان لا تعتدوا فی السبت فقبلا یدیه ورجلیه وقالا نشھد انک نبی۔ (الحدیث)

ترجمہ: صفوان بن عسال نے کہا کہ ایک یہودی نے اپنے ایک دوست کو کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس کے دوست نے کہا کہ تم اپنی زبان سے اسے نبی نہ کہو۔ اگر اس نے یہ بات سن لی تو بڑا خوش ہوگا۔ پس وہ دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے موسیٰ کی نو آیات بینات کے متعلق سوال کیا تو حضور نے جواب میں فرمایا وہ نو آیتیں یہ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) کسی کو بے گناہ قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تاکہ وہ اسے قتل کرے (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ (۹) میدان جنگ کے دن بھاگو نہیں اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص حکم یہ ہے کہ تم ہفتہ کے دن نافرمانی سے باز رہو۔ صفوان کہتے ہیں کہ حضور کا یہ جامع جواب سن کر انہوں نے حضور کے دونوں مبارک ہاتھوں کو چوما اور دونوں مقدس پاؤں کو بوسہ دیا! اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔

إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا مُوسَىٰ مَسْحُورًا ﴿١٠١﴾ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ هَٰؤُلَاءِ

اس نے کہا اے موسیٰ! میں تمہارے متعلق خیال کرتا ہوں کہ تم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ کلیم نے جواباً فرمایا اے فرعون! تو خوب جانتا ہے کہ نہیں اتارا

إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ

ان نشانیوں کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے یہ بصیرت افروز ہیں اور اے فرعون! میں تیرے متعلق یہ خیال کرتا ہوں کہ تو

مَثْبُورًا ﴿١٠٢﴾ فَأَرَادَ أَن يَسْتَفِزَّهُم مِّنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَن

ہلاک کر دیا جائے گا۔ پس اس نے ارادہ کیا کہ بنی اسرائیل کو ملک سے اکھاڑ پھینکے۔ سو ہم نے غرق کر دیا اسے اور اس کے

مَّعَهُ جَمِيعًا ﴿١٠٣﴾ وَقُلْنَا مِن بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا

سارے ساتھیوں کو۔ اور ہم نے حکم دیا فرعون کو غرق کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو کہ تم آباد ہو جاؤ

الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿١٠٤﴾ وَبِالْحَقِّ

اس سرزمین میں پس جب آئے گا آخرت کا وعدہ تو ہم لے آئیں گے تمہیں سمیٹ کر۔ اور حق کے ساتھ ہی

أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۗ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١٠٥﴾

ہم نے اتارا ہے اور حق کے ساتھ ہی وہ اترا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر (ہمیشہ) خوشخبری دینے والا اور (بروقت) ڈرانے والا

١٢٢ جب فرعون نے دیکھا کہ سارا ملک صدق دل سے یہ مان گیا ہے کہ خدا کی توحید کو تسلیم کر رہا ہے کسی نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا بلکہ کسی دلیل سے ... پیدا ہوئی تو یہ ... شاہی محل میں ... جوان ہوا اور پھر مدین کے جنگلوں میں ... سال ... رہا اور ... اس کا ... یہی خیال ہے ... اس پر جادو کر دیا ہے جس کے اثر سے یہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔

١٢٣ فرعون کے اس الزام کا جواب کلیم اللہ نے اس طرح دیا ... کہا کہ مثبور اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو بھلائی کی توفیق سے محروم ہو اور شر ... اس کی فطرت ہو۔ ... المثبور ... ممنوعا عن الخير مطبوعا على الشر۔

١٢٤ فرعون تو بیچارے کلیم اور اس کی قوم کو مصر سے جلاوطن کرنے کا ارادہ ہی کرتا رہا اور ہم نے اسے اسکے لاؤ لشکر سمیت بیک جنبش دو دو گوش ... سمندر میں غرق کر دیا۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کر کے نازل کیا۔ تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں ۱۵۹ اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا

آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم ایمان لاؤ اس پر یا نہ ایمان لاؤ بیشک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب

يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ

اسے پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب

اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ

بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے ۱۶۳ اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل گریہ وزاری کرتے ہوئے اور

۱۵۹ یعنی یہ کتاب سراپا حق ہے۔ اس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہوئی۔

۱۶۰ یعنی آپ کا کام پیغام حق سنا دینا ہے اگر کوئی آپ کی دعوت قبول کرے تو یہ اس کی اپنی سعادت ہے۔ اور اگر کوئی بدبخت روگردانی کرے تو یہ اس کی قسمت۔

۱۶۱ انبیاء سابقین پر جو صحائف اور کتب نازل ہوتی تھیں ان کا نزول یکبارگی ہوا کرتا تھا لیکن قرآن کریم کے نزول کے لیے یہ اسلوب بدل دیا گیا۔ اس آیت میں اس کی وجہ اور اس کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔

۱۶۲ اگر تم قرآن پر ایمان لاؤ گے تو اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ قرآن پر تمہارا کوئی احسان نہیں۔ اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم قرآن کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اگر تمہارے جیسے ہٹ دھرم قرآن کی عظمت کو تسلیم نہ بھی کریں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جب کہ وہ لوگ جو تم سے علم و فضل اور فہم و ذکا میں فوقیت رکھتے ہیں۔ وہ اس کے حسن معنوی پر سو جان سے فریفتہ ہیں اور جب کلام ربانی کی صدائے دلنواز سنتے ہیں تو بے ساختہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

۱۶۳ اور ان کی زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کے کلمات بے ساختہ نکلنے لگتے ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس کتاب کے نزول کا وعدہ سابقہ آسمانی کتابوں میں کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

يَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۩ ﴿١٠٩﴾ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ ۖ أَيًّا مَّا

یہ قرآن ان کے خضوع و خشوع کو بڑھا دیتا ہے ۱۴۱ آپ فرمائیے یا اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو جس نام سے

تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا

اسے پکارو اس کے سارے نام ہی اچھے ہیں ۱۴۲ اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ

تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

بالکل آہستہ پڑھو اسے اور تلاش کرو ان دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ۔ اور آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ کے لیے

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن

ہیں جس نے نہیں بنایا کسی کو اپنا بیٹا اور نہیں ہے جس کا کوئی شریک حکومت و فرمانروائی میں اور نہیں ہے اس کا

لَّهُ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۖ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا ﴿١١١﴾

کوئی مددگار درماندگی میں اور اس کی بڑائی بیان کرو کمال درجہ کی بڑائی۔

۱۴۱ جب ان کے قلوب پر انوار و برکات قرآنی کا نزول ہوتا ہے۔ جب ہیبت کے آثار بڑھتے ہیں تو ان پر وجد و کیف کا عالم طاری ہو جاتا ہے وہیں عجیب قسم کی حلاوت اور سرور میں لذت پیدا ہوتی ہے محبوب کا دربار عقیدت میں بے ساختہ جھک جاتا ہے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہے۔ وہ جوں جوں یہ قرآن سنتے ہیں ان کے جذبات نیاز میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

۱۴۲ ایک رات حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یاد الٰہی میں مصروف تھے اور یا اللہ یا رحمٰن کا ورد جاری تھا۔ ابو جہل نے سنا تو کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا لوگو دیکھو! ہمیں تو بہت سے خداؤں کے نام لینے سے روکتا ہے اور آج خود دو خداؤں کو پکار رہا ہے۔ اس کے اسی شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ اور رحمٰن دو الگ الگ ذاتوں کے نام نہیں بلکہ جس ہستی کا علم ذاتی اللہ ہے اسی کا اسم صفاتی الرحمٰن ہے اور اللہ تعالیٰ کے کئی نام ہیں۔ ہر نام اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کمال پر دلالت کرتا ہے۔ تو جب صفات اچھی ہیں اور جس ذات کی صفات ہیں وہ حمید و مجید ہے تو جو اسماء ان صفات کمال پر دلالت کریں گے ان کے اچھا ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ میں سے جس اسم سے بھی اس کو پکارا جائے درست ہے۔

۱۴۳ بلاشبہ وہ ذات پاک جو تمام صفات کمال سے موصوف ہے اور تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ اسی کے لیے ہر طرح کی تعریف زیبا ہے۔ اس آیت میں ہر قسم کے مشرکانہ عقائد کی پرزور تردید کر دی۔

سرٹیفکیٹ

میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابوالفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

ابوالفیض محمد عبدالکریم [illegible]
[illegible]
[illegible]

تحقیقاتِ لغویہ

کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیه	کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیه	کلمات	نمبر سورة	نمبر حاشیه
یطیروا	۷	۱۶۴	قفنا	۱۲۰	۱۱۸	المواخر	۱۶	۲۲
طعنوا	۹	۱۷	تفندون	۱۲	۱۲۹	تمید	۱۶	۲۳
طلوین	۱۳	۵۱	(ق)			مسلة	۱۶	۱۳۲
(ظ)			قسط	۷	۳۰	(ن)		
ظالمین	۷	۲۳	اقیموا	۷	۳۰	انزلنا	۷	۳۲
ظن	۱۰		قصری	۸	۵۲	نصحوا	۹	۱۳۱
ظهریا	۱۱	۱۳۷	قدم صدق	۱۰	۵	الندامة	۱۰	۷۸
(ع)			مستقر	۱۱	۱۳	ناصیة	۱۱	
الاعراف	۷	۴۰	فانتقم	۱۱	۱۵۹	منیب	۱۱	۱۱۱
المعتدین	۱۰	۱۰۳	قصص	۱۲	۳	منضود	۱۱	۱۲۱
عتید	۱۱	۸۷	مقنعی	۱۴	۵۵	(و)		
استحسر	۱۱	۹۰	قرطاس	۱۷	۳۸	وسوس	۷	۲۵
عصبة	۱۲	۱۵	مقاما محمودا	۱۷	۵۵	وجوهکم	۷	۳۱
عقبی	۱۳	۴۳	(ک)			موعظة	۱۰	۸۱
معایش	۱۵	۲۱	کافة	۹	۵۹	مستودع	۱۱	۱۳
عضین	۱۵	۶۳	کظیم	۱۲	۱۱۷	ولی	۱۰	۹۰
یستعتبون	۱۶	۱۰۳	کفور	۱۱	۲۰	توفیق	۱۱	۱۳۲
(غ)			الکبیر المتعال	۱۳	۲۲	الورد المورود	۱۱	۱۳۳
اغویتنی	۷	۲۰	اکنان	۱۶	۹۷	واردهم	۱۲	۳۵
یغنوا	۷	۱۱۴	(ل)	۷	۲۳	مرزوک	۱۵	۲۰
غیبات الجب	۱۲	۲۰	یلحدون	۷	۲۳۰	متوسمین	۱۵	۳۸
غیب	۱۹	۴۱	لطیف	۱۲	۱۳۱	(ھ)		
غسق	۱۷	۹۳	(م)			إنا هدنا	۷	۲۰۳
(ف)			مکاء	۸	۴۳	اولم یهد	۷	۱۲۸
فرح فخور	۱۱	۲۱	مثلات	۱۳	۱۶	هذا الاذن	۶	۲۲۵

	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ		نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ		نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
یہرعون	۱۱	۱۱۵	ھواد	۱۳	۵۵	یوم	۱۱	۱۹
ھیت	۱۲	۴۴	لہجلہ	۱۶	۹۵	یونس	۱۱	۲۰
طوبی	۱۳	۵۰	(ی)			ایام اللہ	۱۴	۹
مہطعین	۱۴	۵۵	ایام	۱۰	۱۳۵			

التحقيقات النحوية

	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
والوزن يومئذ الحق۔	۷	۱۰
ان رحمة الله قريب من المحسنين۔	۷	۷۵
اثنتى عشرة اسباطا امما۔	۷	۲۱۲
يسكن اليها۔	۷	۲۴۷
لا يخلق شيئا وهم يخلقون۔	۷	۲۴۹
أن الله برئ من المشركين ورسوله۔	۹	۵
اجعلتم سقاية الحاج۔	۹	۲۷
فبذلك کی جگہ فذالکا ہی پڑھنا چاہیے تھا	۱۰	۸۳
ما تتلوا منه میں قرآن کی ترکیب۔	۱۰	۸۷
ان كان كبر عليكم مقامی۔ الآیۃ کی ترکیب۔	۱۰	۱۰۱
من قومه کا مرجع کون ہے۔	۱۰	۱۱۳

	نمبر سورۃ	نمبر حاشیہ
بسم الله مجريها ومرسها کی ترکیب۔	۱۱	۹۳
بعيدة کی جگہ بعيد کہنے کی وجہ۔	۱۱	۱۲۱
الورد المورود کی تحقیق و ترکیب۔	۱۱	۱۴۳
الرفد المرفود کی تحقیق و ترکیب۔	۱۱	۱۴۴
الا ما شاء ربك میں الا کا حکم۔	۱۱	۱۵۴
انا انزلناه قرآنا عربيا کی ترکیب۔	۱۲	۳
همت به وهم بها لولا ان رای	۱۲	۳۸
برهان ربه کی ترکیب۔	۱۲	۴
عن اليمين والشمائل ایک واحد۔ دوسری جمع کی وجہ۔	۱۶	۵۲
يتفيئوا ظلاله الآیۃ کی ترکیب۔	۱۶	۵۴
تسقيكم مما في بطونه کی ضمیر کا مرجع۔	۱۶	۷۶
لمن نريد کی ترکیب۔	۱۷	۲۶

فہرست مطالب

اللہ جل مجدہٗ

صفاتِ الٰہی

(۱) علمِ الٰہی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ تمہاری کسی بات سے غافل نہیں۔	۱۱	۱۲۳
علیم بالکل۔	۱۳	۸ تا ۱۱
وہ ظالموں کی کرتوتوں سے غافل نہیں۔	۱۴	۴۲
وہ ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔	۱۴	۳۸
〃 〃 〃	۱۶	۱۹
وہ اگلوں پچھلوں کو جانتا ہے۔	۱۵	۲۴
	۱۵	۲۵
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔	۱۷	۵۴
〃 〃 〃 〃		۵۵
〃 〃 〃 〃		۹۶
(ب) خالق و مالک		
ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔	۷	۱۱
خلق و امر کا وہ مالک ہے۔	۷	۵۴ حاشیہ
زمین و آسمان میں اسی کی حکومت ہے	۹	۱۱۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کا وہی مالک ہے۔	۱۰	۵۵
〃 〃 〃 〃	۱۰	۶۶
〃 〃 〃 〃	۱۰	۶۸
〃 〃 〃 〃	۱۴	۲
اس نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔	۱۴	۱۹
وہ خلاق علیم ہے۔	۱۵	۸۶
وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔	۱۵	۲۳

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔	۱۵	۲۱
وہ ہر چیز اندازے سے اتارتا ہے۔	۱۵	۲۱
(ج) وہ قادر ہے		
وہ ہر چیز پر قادر ہے	۷	۵۴
〃 〃 〃	۸	۴۱
دلوں میں الفت وہی پیدا کر سکتا ہے	۸	۶۳
وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔	۱۰	۵۶
وہی نفع و نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا	۱۰	۱۰۷
〃 〃 〃	۱۱	۳۴
ہر چیز کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔	۱۱	۵۶
واللہ غالب علی امرہ	۱۲	۲۱
جس کو چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
جسے گمراہ کرے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔	۱۳	۳۳
〃 〃 〃	۱۷	۹۷
جو چاہتا ہے کرتا ہے۔	۱۴	۲۷
تمہاری ظاہری و باطنی قوتیں اسی نے پیدا کی ہیں۔	۱۶	۷۸
جس کو ہم چاہتے ہیں کشادہ رزق دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں تنگ دست کر دیتے ہیں۔	۱۷	۳۰
کن فیکون۔	۱۹	۳۵
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔	۱۶	۷۷

(د) رحمتِ الٰہی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔	۷	۵۶
اس کی رحمت پرہیزگاروں کے لیے ہے	۷	۱۵۶
" " " " "	۷	۱۵۷
وہ صالحین کا ولی ہے۔	۷	۱۹۶
وہ سب کے ساتھ رؤف رحیم ہے	۹	۱۱۷
وہ تواب رحیم ہے۔	۹	۱۱۸
اللہ دارالسلام کی طرف بلاتا ہے۔	۱۰	۲۵
وہ حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔	۱۰	۳۵
وہ لوگوں پر بڑا فضل فرماتا ہے۔	۱۰	۶۰
میرا رب رحیم و ودود ہے۔	۱۱	۹۰
جس کو ہم چاہتے ہیں اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں۔	۱۲	۵۶
وہ غفور رحیم ہے۔	۱۲	۹۸
" " " "	۱۶	۱۱۹
آپ کا رب مغفرت فرمانے والا ہے۔	۱۳	۶
تم اس کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔	۱۴	۳۴
میرے بندوں کو بتا دو کہ میں غفور رحیم ہوں اور میرا عذاب شدید ہے۔	۱۵	۴۹
" " " "	۱۵	۵۰
وہ رؤف رحیم ہے	۱۶	۷
وہ گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کرتا	۱۶	۶۱
ہم یونہی عذاب نازل نہیں کرتے۔	۱۷	۱۵

(ھ) محبتِ الٰہی

ہدایتِ ربانی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔	۹	۴
" " " "	۹	۷
اللہ تعالیٰ مطہرین سے محبت کرتا ہے۔	۹	۱۰۸
وہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۵
وہ مصلحین کو ہلاک نہیں کرتا۔	۱۱	۱۱۷
اللہ تعالیٰ متقیوں اور محسنوں کے ساتھ ہے	۱۶	۱۲۸
وہ منیبین کو ہدایت دیتا ہے۔	۱۳	۲۷
وہ کس کو ہدایت دیتا ہے۔ سنت الٰہی	۱۶	۳۶
" " " "	"	"
جس کو وہ ہدایت دے، وہی ہدایت یافتہ ہے۔	۱۷	۹۷

اللہ تعالیٰ کن سے محبت نہیں کرتا اور ہدایت نہیں دیتا۔

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ مسرفین سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۳۱
وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔	۷	۵۵
وہ خائنوں سے محبت نہیں کرتا۔	۸	۵۸
اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۱۰۹
فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۹	۲۴
وہ فاسقوں سے راضی نہیں ہوتا۔	۹	۹۶

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
میری گزشتہ زندگی میری سچائی کی روشن دلیل ہے۔	۱۰	۱۶
ہر امت کے لیے رسول مبعوث کیا گیا ہے۔	۱۰	۴۷
میرا یہ راستہ ہے۔ میں علی وجہ البصیرت لوگوں کو دعوتِ حق دیتا ہوں۔	۱۲	۱۰۸
اذا استیأس کی تحقیق۔	۱۲	۱۱۰
ہر قوم کے لیے ہادی ہے۔	۱۳	۷
حضورؐ کی رسالت کا خود خدا گواہ ہے۔	۱۴	۱
کفار کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نور کی طرف لے آئیں۔	۱۴	۱
رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا جاتا ہے۔	۱۴	۴
مردوں کو رسول بنایا گیا۔	۱۶	۴۳
ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی۔	۱۷	۵۵
(ب) رحمت و خلقِ عظیم		
مکارم اخلاق	۷	۱۹۹ مع حاشیہ
شیطان سے پناہ مانگنے کی تلقین۔	۷	۲۰۰
کفار کا کہنا کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم پر پتھر برساؤ	۸	۳۳
پھر اس کا جواب۔	۸	مع حاشیہ
نبی امت کی بھلائی کا بہت حریص ہے۔	۹	۱۲۸ حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ابوسفیان کا حاضر ہو کر بارش کے لیے دعا کرانا اور مینہ کا برسنا۔	۸	۳۳ مع حاشیہ
حضورؐ کی شانِ رحمت۔	۱۰	۴۹
دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک۔	۱۲	۹۱ مع حاشیہ
بڑی خوبصورتی سے درگزر فرمانے کا حکم	۱۵	۸۵
میرے رب نے مجھے خوب ادب سکھایا۔	۱۵	۸۵ مع حاشیہ
(ج) شانِ مصطفوی		
حضورؐ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا۔	۷	۴۴ مع حاشیہ
تورات و انجیل میں حضورؐ کے کمالات کا ذکر۔	۷	۱۵۷ مع حاشیہ
میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے۔	۷	۱۹۶
وما رمیت اذ رمیت	۸	۱۷
حضورؐ کا حکم ماننے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔	۸	۲۴ مع حاشیہ
ہمیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول دے گا۔	۹	۵۹
اللہ اور اس کے رسول سے محبت سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔	۹	۲۴ مع حاشیہ
اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی۔	۹	۶۲
اللہ اور اس کے رسول نے انھیں غنی کر دیا	۹	۷۴ مع حاشیہ
اگر تم لوگ آپ کی مدد نہ کرو تو اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے۔	۹	۴۰

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
(د) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم		
سیدنا علی کے قاتل کے بارے میں ارشاد	۶	۶۶ مع حاشیہ
قیامت کا علم	۷	۱۸۷
غیب کا علم	۷	۱۸۸
حضورؐ نے حضرت عباس کو فرمایا وہ مال کہاں ہے جو تم نے دفن کیا تھا۔	۸	۷۰ مع حاشیہ
منافقین کا علم	۹	۶۴ مع حاشیہ
منافقین کا علم	۹	۱۰۲ مع حاشیہ
عبداللہ بن ابی کو قمیص دینے کی حکمت۔	۹	۸۴ مع حاشیہ
اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا	۹	۱۰۵
حروف مقطعات کا علم۔	۱۰	۱
صحابہ کو جنت کی خوشخبری۔	۱۰	۶۴ مع حاشیہ
حضور اپنی امت کے ہر فرد کو اس کے چہرہ اور اعمال سے پہچانتے ہیں۔	۱۱	۱۸
یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔	۱۲	۱۰۲
قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے۔	۱۲	۱۱۱
ہم نے ہواؤں کو بار آور بنا کر بھیجا۔	۱۵	۲۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
(ایک شبہ کا ازالہ)	۱۵	۲۲
ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔	۱۶	۸۹
جو کتاب ہم نے آپ پر نازل کی وہ تبیانا لکل شیء ہے۔	۱۶	۸۹
ہم نے ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی ہے۔	۱۷	۱۲
روح کا علم	۱۷	۸۵ مع حاشیہ
(ه) حضور کی اطاعت		
نبی امی پر ایمان لاؤ اور ان کا اتباع کرو۔	۷	۱۵۸
حضورؐ صرف وحی کا اتباع کرتے ہیں اور اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی چیز پیش نہیں کرتے۔	۷	۲۰۳
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔	۸	۱
" " " "	۸	۲۰
" " " " "	۸	۲۱
اطاعت رسول نہ کرنے والے بدترین جانور ہیں۔	۸	۲۲
ایسے لوگوں کو حق سننے کا کوئی فائدہ نہیں	۸	۲۳
اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور جھگڑو نہیں ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔	۸	۴۶ مع حاشیہ
جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لیے عذاب شدید ہے۔	۸	۱۳

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ اور اس کا رسول جب تمہیں ایسی بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندہ کرنے والی ہے تو فوراً لبیک کہو۔	۸	۲۴ مع حاشیہ
منکرین سنت کا شبہ یا اعتراض اور اس کا جواب	۱۰	۳۶
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں میں شامل رہوں اور شرک نہ کروں۔	۱۰	۱۰۴
بیان قرآن کا منصب صرف حضورؐ کو تفویض ہوا۔	۱۶	۴۴ مع حاشیہ
آپ پر یہ کتاب نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اسے کھول کر بیان کریں۔	۱۶	۶۴
(و) حضورؐ کی تعظیم و تکریم		
عزروہ ونصروہ	۷	۱۵۷
یہود کی اذیت رسانی اور اس کی سزا۔	۹	۶۱
جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اس کے لیے عذاب شدید ہے۔	۸	۱۳
(ز) اظہار عبودیت		
تبلیغ کے بارے میں آپ تنگ دلی محسوس نہ کریں۔	۷	۲
اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر میں اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں۔	۷	۱۸۸
میں از خود غیب نہیں جان سکتا۔	۷	۱۸۸

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔	۷	۱۹۶
جنگی اسیروں سے فدیہ لینے پر عتاب	۸	۶۷
اگر لوگ آپ کی مدد نہ کریں تو اللہ مدد فرمانے والا ہے۔ (واقعہ ہجرت)	۹	۴۰
منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت۔	۹	۸۴ مع حاشیہ
کیا کفار کی تکذیب سے آپ بعض آیات کی تبلیغ ترک کر دیں گے یا آپ کا سینہ تنگ ہو۔	۱۱	۱۲
مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں سے ہوں اور شرک نہ کروں۔	۱۳	۳۶
غیر اللہ کی عبادت نہ کروں۔	۱۳	۳۶
کفار کی خواہشات کی پیروی سے سخت ممانعت۔	۱۳	۳۷
آپ سے پہلے رسولوں کی بیویاں بچے تھے۔	۱۳	۳۸
اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی نہیں دکھلائی جا سکتی۔	۱۳	۳۸
اپنے رب کی تسبیح و حمد کیجیے۔	۱۵	۹۸
تادم واپسیں اسی کی عبادت کرتے رہیے۔	۱۵	۹۹
اگر ہم چاہتے تو یہ وحی آپ سے واپس لے لیتے۔	۱۷	۸۶

انبیائے کرام علیہم السلام

آدم علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
تخلیق آدم، فرشتوں کو سجدہ کا حکم، ابلیس کا انکار۔	۷	۱۱ تا ۲۵ مع حواشی
آپ کا جنت سے خروج اور اس کی حکمت۔ (سوز و گداز کی پرورش)	۷	۱۹
لغزش اور آپ کی استغفار۔	۷	۲۳
رسولوں کی بشریت۔	۱۴	۱۰
شیطان کا سجدۂ آدم سے انکار اور اس کی وجہ۔	۱۵	۳۱ تا ۳۵
شیطان کا مہلت طلب کرنا اور دھمکی۔	۱۵	۳۶ تا ۳۹
فرشتوں کو حکم کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ سب نے حکم کی تعمیل کی سوائے ابلیس کے۔	۱۷	۶۱
اس کا عذر اور دھمکی کہ میں ان کی نسل کو گمراہ کروں گا۔	۱۷	۶۲
اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت جواب	۱۷	۶۳
" " " " "	۱۷	۶۴
میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا۔	۱۷	۶۵

۲۔ ابراہیم علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
کیا آپ کے والد مومن تھے۔	۹	۱۱۴
فرشتوں کی آمد اور اسحاق و یعقوب کی ولادت کی بشارت۔	۱۱	۶۹ ۷۰- ۷۱
بی بی سارہ کا اظہار حیرت۔	۱۱	۷۲
فرشتوں کا جواب کہ اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ آپ کو پیرانہ سالی میں بچہ دے۔	۱۱	۷۳
اہل بیت کا معنیٰ۔	۱۱	۷۳ مع حاشیہ
خانوادہ خلیل کے لیے فرشتوں کی دعا۔	۱۱	۷۳
قوم لوط کے لیے آپ کا مجادلہ۔	۱۱	۷۴
صفات ابراہیمی اوّاہ حلیم منیب	۱۱	۷۵
مکہ شریف کے لیے آپ کی دعا۔	۱۴	۳۵
اپنی اولاد اور پیروکاروں کے لیے دعا۔	۱۴	۳۶-۳۷
آپ کے والدین کا ایمان	۱۴	۴۱ مع حاشیہ
اپنی اولاد کو وادیٔ غیر ذی زرع میں آباد کرنے کی حکمت۔	۱۴	۳۷
ان کے لیے دعا کہ لوگوں کے دل ان کی طرف کھچے چلے آئیں۔	۱۴	۳۷
حمد باری	۱۴	۳۹
اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے	۱۴	۴۰
والدین کے لیے دعا مغفرت۔	۱۴	۴۱
فرشتوں کی آمد اور بشارت۔	۱۵	۵۱ تا ۶۰
ابراہیم امتاً قانتاً کہنے کی وجہ	۱۶	۱۲۰
آپ پر انعامات ربانی۔	۱۶	۱۲۱ تا ۱۲۳

۳۔ داؤد علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کو زبور دی گئی۔	۱۷	۵۵

۴۔ شعیب علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کی دعوت اور رد عمل	۷	۸۵ تا ۹۳ مع حواشی
اہل مدین کا علاقہ	۷	۸۵ مع حاشیہ
آپ کی دعوت کہ شرک سے باز آؤ اور ناپ تول میں کمی اور بد اخلاقی سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ قوم کا رد عمل اور اس کا انجام۔	۱۱	۸۴ تا ۹۵
دولت کے متعلق ان کا تصور۔	۱۱	۸۷
قوم کی دھمکی۔	۱۱	۹۱
آپ کا جواب۔	۱۱	۹۲
ان کا انجام۔	۱۱	۹۴
" "	"	۹۵
اصحاب الایکہ۔	۱۵	۷۸

۵۔ صالح علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کی دعوت اور اس کا رد عمل۔	۷	۷۳ تا ۷۹
نسب نامہ اور علاقہ	۷	۷۳ مع حاشیہ
اونٹنی بطور نشانی۔	۷	۷۳
سنگ تراشی اور فن تعمیر میں ان کی مہارت۔	۷	۷۴
انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے پیغمبر کو چیلنج دے دیا۔	۷	۷۷
ان پر عذاب الٰہی کا نزول، ان کی بربادی پر	۷	۷۸
حضرت صالح کا اظہار حسرت و افسوس	۷	۷۹
مخلص اہل ایمان کے ساتھ ان کا مکالمہ۔	۷	۷۵
	۷	۷۶
آپ کی دعوت، قوم کا رد عمل۔	۱۱	۶۱ تا ۶۴
آپ کی استقامت، آپ کا معجزہ۔	۱۱	۶۷
ظالم قوموں پر عذاب الٰہی کا نزول۔	۱۱	۶۷
ثمود کی تہذیب و قریب تاریخ۔	۱۱	۶۸ مع حاشیہ
سنگ تراشی میں ان کی مہارت	۱۵	۸۱ تا ۸۴

۶۔ لوط علیہ السلام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
آپ کی دعوت اور قوم کا رد عمل۔	۷	۸۰ تا ۸۴
آپ کے حالات اور علاقہ	۷	۸۰ مع حاشیہ
آپ پر لواطت کا بھونڈا الزام اور اس کا رد۔	۷	۸۰ مع حاشیہ
اسلام میں لواطت کی سزا۔	۷	۸۴ مع حاشیہ
لوط علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی آمد اور آپ کا اضطراب۔	۱۵	۶۱ تا ۶۲
آپ کا ھؤلاء بناتی کہنے کا مقصد۔	۱۱	۷۸
آپ کی قوم کا اخلاقی انحطاط اور آپ کا اضطراب، قوم کا انجام۔	۱۵	۶۷ تا ۷۷

	نمبر سورة	نمبر آیت
بنی اسرائیل پر مزید احسانات ۔	۷	۱۶۰
بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم ۔	۷	۱۶۲
ان کا انکار اور اس کی سزا ۔	۱۰	۷۵
فرعون کی طرف آپ کی بعثت اور اس کا تکبر ۔	۱۰	۷۵
جادوگر ہونے کا الزام ۔	۱۰	۷۶
اقتدار حاصل کرنے کا الزام ۔	۱۰	۷۸
مقابلہ کے لیے ساحروں کو دعوت	۱۰	۷۹
ساحروں کی شکست ۔	۱۰	۸۰
″ ″ ″	۱۰	۸۱
″ ″ ″ ″	۱۰	۸۲
اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین ۔	۱۰	۸۴
″ ″ ″	۱۰	۸۵
″ ″ ″	۱۰	۸۶
اپنے رب سے کلیم کا شکوہ کہ تو نے فرعون کو بہ کرّ و فر عطا فرمایا ہے۔	۱۰	۸۸
فرعون کے لیے بددعا۔	۱۰	۸۸
فرعون کی غرقابی اور اس کا ایمان	۱۰	۹۰
″ ″	۱۰	۹۱
اس کے بدن کو نجات ملنا۔	۱۰	۹۲
بنی اسرائیل پر عنایات اور ان کی ناشکری۔	۱۰	۹۳
موسیٰ علیہ السلام اور سلطان مبین ۔	۱۱	۹۶ تا ۱۰۰
آپ کو بھیجا گیا تاکہ آپ اپنی قوم کو کفر کے اندھیروں سے نکالیں اور ایام اللہ کی یاد تازہ کریں۔	۱۴	۵ تا ۹
فرعون نے جب آپ کو مسحور کہا تو آپ نے دندان شکن جواب دیا	۱۷	۱۰۲

۹۔ نوح علیہ السلام

	نمبر سورة	نمبر آیت
آپ کی دعوت اور قوم کا جواب ۔	۷	۵۹ تا ۶۴
آپ کی فرمائش اور قوم کا غرق ہونا ۔	۷	۶۴
آپ کی ولادت، شجرہ نسب ۔ آپ پر تورات کا الزام اور اس کا ردّ ۔	۷	۵۹ مع حاشیہ
رؤسائے قوم کی بہتان تراشیاں کہ آپ گمراہ ہو گئے اور پھر بھی آپ کی مشفقانہ نصیحتیں۔	۷	۶۰ تا ۶۴
اگر تمھیں میرا رہنا اور وعظ کرنا گراں ہو، تو تم سے جو بن آئے میرے خلاف کر گزرو۔	۱۰	۷۱
میرا توکل اپنے رب پر ہے ۔	۱۰	۷۲
انھوں نے آپ کو جھٹلایا اور غرق ہو گئے ۔	۱۰	۷۳
″ ″ ″	۱۰	۷۴
آپ کی دعوت اور قوم کا ردّ عمل ۔	۱۱	۲۵ تا ۳۵
کفار کا اہل ایمان کو حقیر جاننا۔	۱۱	۲۷
آپ کے نزدیک مفلس اہل ایمان کی قدر و منزلت ۔	۱۱	۲۹
علم غیب ذاتی کی نفی ۔	۱۱	۳۱
کشتی بنانے کا حکم ۔ آپ کا کشتی	۱۱	۳۷
بنانا۔ کفار کا مذاق کرنا۔	۱۱	۳۸
طوفان نوح کی تحقیق	۱۱	۴۱ مع حاشیہ
پسر نوح کے غرق ہونے کی وجہ حضرت نوح کی	۱۱	۴۲
بے بسی نہ تھی بلکہ اس کی اپنی بدبختی تھی ۔	۱۱	۴۳

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
انّہ من اھلی کہنے کی وجہ۔	۱۱	۴۶
قصّہ نوح بیان کرنے کی حکمت۔	۱۱	۴۹
۱۰۔ ہود علیہ السلام		
آپ کی دعوت اور اس کا ردِّعمل۔	۷	۶۵ تا ۷۲
آپ کا نسب نامہ اور علاقہ۔	۷	۶۵ مع حاشیہ
آپ کی قوم کے بتوں کے نام۔	۷	۷۱ مع حاشیہ
آپ کو سفیہ اور کاذب کہا گیا۔	۷	۶۶
آپ کی دعوت، قوم کا ردِّعمل، آپ کی	۱۱	۵۰ تا ۵۴
استقامت۔	۱۱	تا ۶۰
آپ نے اپنی قوم کو کھلا چیلنج دے دیا۔	۱۱	۵۵
آپ کی قوت کا راز توکل علی اللہ۔	۱۱	۵۶
۱۱۔ یوسف علیہ السلام		
آپ کی سیرتِ طیبہ انسانی تکمیل کا مظہرِ اتم ہے۔	تعارف سورہ یوسف	
آپ کا خواب۔	۱۲	۴
حضرت یعقوب کی تعبیر۔	۱۲	۵
آپ " " "	۱۲	۷
قصّہ یوسف بیان کرنے کی وجہ۔	۱۲	۷
برادرانِ یوسف کی سازش۔	۱۲	۸ تا ۱۴
حضرت یعقوب کے بیٹوں کے نام۔	۱۲	۷ مع حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
برادرانِ یوسف کا فریبِ نفس۔	۱۲	۹ مع حاشیہ
بھائیوں کا کنوئیں میں پھینکنا اور اللہ تعالیٰ کا بشارت دینا۔	۱۲	۱۵
ان کا واویلا مچاتے ہوئے آنا اور خون آلود	۱۲	۱۶
قمیص پیش کرنا۔	۱۲	۱۷
حضرت یعقوب کا ان کی تکذیب کرنا، اور فصبرٌ جمیل واللہ المستعان فرمانا۔	۱۲	۱۸
حضرت یعقوب آپ کی تلاش میں کیوں نہ نکلے۔	۱۲	۱۸ مع حاشیہ
خریدار یوسف کون تھے؟	۱۲	۲۱ مع حاشیہ
عزیزِ مصر کی بیوی کا نام۔	۱۲	۲۱ مع حاشیہ
دعوتِ گناہ اور یوسف پاک باز	۱۲	۲۳
" " "	۱۲	۲۴
کیا آپ نے گناہ کا ارادہ کیا (تفصیلی بحث)	۱۲	۲۴
وہ برہان کیا تھی جو آپ نے دیکھی۔		حاشیہ
آپ کا بھاگنا، قمیص کا پھٹنا۔	۱۲	۲۵ تا ۲۸
مصری معاشرہ پر ایک نظر۔	۱۲	۲۹
" " "	۱۲	۳۲
" "	۱۲	۳۵ مع حواشی
" "		
زنانِ مصر کی دعوت	۱۲	۳۰
	۱۲	۳۲

انسان اور انس کی خلقت کا قرآنی تصور

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
زینت اور آرائش کی چیزیں حرام نہیں ہیں۔	۷	۳۲
ابلیس، آدم کی حقیقت کو نہ پہچان سکا اور اس کے پیکرِ خاکی سے دھوکہ کھا گیا۔	۷	۱۲
جنت سے خروج آدم کے طریقۂ کار کی حکمت۔	۷	۱۹ مع حاشیہ
تقویٰ اختیار کرو اور باہمی اصلاح کرو۔	۸	۱
اولاد اور مال فتنہ ہے۔	۸	۲۸
اگر انسان کی طرح اللہ تعالیٰ بھی سزا دینے میں جلدی کرتا تو نتیجہ بڑا اندوہناک ہوتا۔	۱۰	۱۱
حد سے بڑھنے والا انسان تکلیف کے وقت بے صبری اور آرام کے وقت ناشکری کرتا ہے۔	۱۰	۱۲
تمھیں پہلی قوموں کا جانشین بنایا گیا تاکہ تمھیں آزمایا جائے۔	۱۰	۱۴
قوموں کے عروج و زوال کا راز، کیا ملتِ پاکستان نے اس کو پالیا۔	۱۰	۱۴ مع حاشیہ
افتراقِ امم کی وجہ۔	۱۰	۱۹
حیاتِ دنیوی کی مثال اور قوموں کی بربادی کے اسباب۔	۱۰	۲۴
خوشی اور غم کے وقت انسان کا طریقۂ عمل۔	۱۱	۹ تا ۱۱
انسان کو عقل اور عمل کی جو قوتیں بخشی گئی ہیں ان کا مقصد کیا ہے؟	۱۱	۷
رنج و راحت میں مومن اور کافر کے رویّے کا فرق۔	۱۱ ۱۷	۹ مع حاشیہ صفحہ ۸۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
موجودہ تورات میں ہے کہ خداوند انسان کو پیدا کرکے ملول ہوا۔	۱۱	۳۶ مع حاشیہ
غور و فکر کی صلاحیتوں کو ضائع کرنا اور اندھی تقلید عذاب کا باعث ہے۔	۱۱	۹۸
انسان کی سعادت و شقاوت کی کسوٹی	۱۱	۱۰۵
آیاتِ تکوینی کے ذکر کے بعد فرمایا ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون۔	۱۳	۴
انسان پر انعامات خداوندی	۱۴	۳۲
(لکم کا لفظ غور طلب)	۱۴	۳۲
انسان ظلوم و کفور ہے۔	۱۴	۳۴
انسان کی تخلیق	۱۵	۲۶
اس میں روح ربانی کا پھونکا جانا۔	۱۵	۲۹
سجدہ کا حکم، ابلیس کا انکار اور اس کا راندا جانا۔	۱۵	۳۰ تا ۳۵
انسان، نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔	۱۶	۴
تمھارے لیے سب کچھ پیدا کیا گیا ہے۔	۱۶	۵ تا ۸
فکر، عقل، سماع کے انعامات۔	۱۶	۱۱
〃 〃 〃	〃	۱۲
〃 〃 〃	〃	۱۳
〃 〃 〃	〃	۶۵
〃 〃 〃	〃	۶۷
〃 〃	〃	۶۹
تمھیں بے علم پیدا کیا گیا اور حصولِ علم کی قوتیں بخشی گئیں۔	۱۶	۷۸
پرندوں کی پرواز میں اہلِ ایمان کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں۔	۱۶	۷۹

	نمبر سورۃ	نمبر آیت		نمبر سورہ	نمبر آیت
انسان بڑا جلد باز ہے۔	۱۷	۱۱	سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔	۹	۱۱۹
ہر انسان کی فال اس کی گردن میں لٹکی ہے۔	۱۷	۱۳	چند طلبہ علم دین کے حصول اور تبلیغ کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیں۔	۹	۱۲۲
انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔	۱۷	۱۵	حصولِ علم کی فضیلت۔	۹	۱۲۲ مع حاشیہ
ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، اور درجات کو بلند کیا۔	۱۷	۲۱	اِس طرح ثابت قدم رہو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے۔	۱۱	۱۱۲
انسان کو جو قوتیں بخشی گئی ہیں ان سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی (احساسِ ذمہ داری)	۱۷	۳۶	نماز قائم کرو۔	۱۱	۱۱۴
ہم نے بنی آدم کو عزّت بخشی۔	۱۷	۷۰	صبر کا حکم۔	۱۱	۱۱۵
ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق کام کرتا ہے۔	۱۷	۸۴	عبادت اور توکل کا حکم۔	۱۱	۱۲۳
			نماز قائم کرو۔	۱۴	۳۱
انسان بخیل ہے۔	۱۷	۱۰۰	اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ بتوں سے بچو۔	۱۶	۳۶
اوامر			اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔ (ایک عظیم آیت)	۱۶	۹۰
امر بالمعروف، نہی عن المنکر کا حکم۔	۷	۱۰۵	مِلّتِ ابراہیمی کا اتباع کرو۔	۱۶	۱۲۳
امر بالمعروف کرنے والا گروہ ہی نجات یافتہ ہے۔	۷	۱۶۴ تا ۱۶۶	تبلیغ اسلام کا طریقہ۔	۱۶	۱۲۵ تا ۱۲۸
اتباعِ قرآن کا حکم۔	۷	۳	شرک سے بچنے اور والدین کی خدمت کا حکم۔	۱۷	۲۳ مع حاشیہ
امر بالمعروف کی حکمت۔	۷	۱۶۴			
تقویٰ اختیار کرو اور باہمی اصلاح۔	۸	۱	رشتہ داروں، غریبوں، مسافروں کے ساتھ مہربانی۔	۱۷	۲۶
تقویٰ سے نور فرقان نصیب ہوگا۔	۸	۲۹	صِلہ رحمی کے متعلق احادیث	۱۷	۲۶ مع حاشیہ
امر بالمعروف کی تاکید	۸	۲۵ مع حاشیہ	اچھی باتیں کیا کرو۔	۱۷	۵۳
وہ فتنے جن کا عذاب ساری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔ ان سے بچو۔	۸	۲۵ مع حاشیہ	عبادت میں نہ بلند آواز کرو نہ بالکل پست۔	۱۷	۱۱۰

بنی اسرائیل

(۱) انعاماتِ خداوندی

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ہم نے بنی اسرائیل کو بہتر ٹھکانا دیا اور عمدہ رزق عطا فرمایا۔	۱۰	۹۳
ان پر انعامات: ظلمتوں سے نور کی طرف نکالا۔	۱۴	۵
فرعون کے عذاب سے نجات۔ وہ ان کے بچوں کو ذبح کرتا، عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا۔	۱۴	۶
شکر کرو گے تو زیادہ نعمت ملے گی، کفر کرو گے تو عذاب ہوگا۔	۱۴	۷
اگر تم ناشکری کرو گے تو اللہ غنی حمید ہے۔	۱۴	۸
بنی اسرائیل نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔	۱۶	۱۱۸
یوم سبت کی حرمت کی وجہ	۱۶	۱۲۴
بنی اسرائیل کے لیے تورات کو ہدایت بنایا گیا۔	۱۷	۲
بنی اسرائیل کے متعلق پیشین گوئی کہ وہ زمین میں فساد برپا کریں گے۔ اس کی تفصیل حاشیہ میں ہے	۱۷	۴
ان کے پہلے فساد فی الارض کی کہانی۔ بخت نصر کا حملہ۔		مع حاشیہ
تباہی کے بعد بنی اسرائیل کا عروج (مفصل حاشیہ)	۱۷	۶
سیرس دوم شاہِ فارس کا بابل کو فتح کرنا، اور ہیکل کی دوبارہ تعمیر کا حکم (حاشیہ)		
ان کی دوسری سرکشی اور تباہی۔ تفصیل (حاشیہ)	۱۷	۷
انٹیوکس یونانی بادشاہ نے زیوس [illegible] کی عبادت کا حکم جاری کیا۔ (حاشیہ)		
مکابی تحریک اور یہود کی نشأۃ ثانیہ (حاشیہ)		
حضرت مسیح کی آمد اور مخالفت (حاشیہ)		
آپ کے خلاف یہود کی سازش (حاشیہ)		
ہیرود انٹی پاس کی اخلاقی پستی (حاشیہ)		
حضرت یحییٰ کی شہادت (حاشیہ)		
ٹیٹس کی فوج کشی اور تباہی۔		
مژدۂ رحمت اور وعیدِ عذاب۔	۱۷	۸
موجودہ اسرائیلی ریاست (حاشیہ)		
جمع بنی اسرائیل۔	۱۷	۱۰۴

ان کے علماء اور ان کا طریقہ کار

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
علمائے یہود کا حضور علیہ السلام کی نبوت سے انکار، کیونکہ حضور بشر ہیں اور اس	۲	۱۱۲
کا رد۔	۲	۱۱۳
بنی اسرائیل کے ایک عالم کا ذکر جو حسد کے مارے گمراہ ہو گیا۔	۷	۱۷۵
	"	مع حاشیہ ۱۷۶
	۷	۱۷۷
انہوں نے احبار و رہبان کو اپنا رب بنا لیا تھا۔	۹	۳۱

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز ہے۔ ڈرو مت۔	۸	۴۰
جہاد میں ثابت قدمی کی تاکید	۸	۴۵
جہاد میں کثرت سے ذکر کرو۔	۸	۴۵
اسلامی جہاد کے آداب	۸	۴۷
موجودہ ترقی یافتہ ممالک کی فوجیں۔ اور طوفانِ بدتمیزی۔	۸	۴۷ مع حاشیہ
کفار مسلمانوں کو طعنہ دیتے ہیں کہ تمھیں دین نے دھوکہ میں ڈالا ہوا ہے۔	۸	۴۹ مع حاشیہ
جہاد کے لیے مکمل تیاری کا حکم۔	۸	۶۰ مع حاشیہ
القوۃ الرمی	۸	۶۰ مع حاشیہ
اللہ کی راہ میں جان، مال، وقت سب خرچ کرو۔ اس کا بہتر اجر ملے گا۔	۸	۶۰
مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کا حکم۔	۸	۶۵
اسیرانِ جنگ۔	۸	۶۷ مع حاشیہ
مالِ غنیمت اور انفال	۸	۱
" " "	۸	۴۱
کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو۔	۹	۱۲ تا ۱۵
کن لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔	۹	۲۹
معذوروں پر جہاد معاف ہے۔	۹	۹۱
" " "	۹	۹۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
جو لوگ بلا وجہ جہاد میں شریک نہیں ہوتے ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور فہم	۹	۹۳
سلب کر لیا جاتا ہے۔	۹	۸۷
اللہ نے مومنوں کے مال و جان جنت کے عوض خرید لیے ہیں۔	۹	۱۱۱
اللہ کی راہ میں بھوک، پیاس یا کوئی دوسری تکلیف، یہ سب اعمالِ صالحہ	۹	۱۲۰
ہیں۔	۹	۱۲۱
نزدیکی کفار سے جنگ کا حکم۔ اُن سے جنگ کے وقت اپنی شہامتِ قوت کا مظاہرہ کرو۔	۹	۱۲۳
بدر		
بدر میں تجارتی قافلہ کی بجائے لشکرِ کفار سے ٹکرا دینے کی وجہ۔ یحق الحق	۸	۷ مع حاشیہ
" " "	۸	۴۲
تمھاری فریاد، ہماری امداد۔	۸	۹
فرشتوں کا نزول۔	۸	۹
فرشتوں کی امداد محض بشارت تھی۔		
مدد صرف اللہ تعالیٰ کی تھی۔	۸	۱۰
میدانِ بدر میں نیند کا آنا۔ مینہ کا برسنا، تمھاری دل جمعی کے لیے ہوا۔	۸	۱۱
فرشتوں کو حکم کہ مسلمانوں کو ثابت قدم رکھو۔	۸	۱۲
کفار کو یہ ہزیمت رسول کی نافرمانی کی وجہ سے ہوئی۔	۸	۱۳
	۸	۱۴

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وما رمیت اذ رمیت۔	۸	۱۷
کفار کو سرزنش کہ اگر تم نے ایسا کیا تو یہی انجام ہوگا۔	۸	۱۹ مع حاشیہ
کفار کا لشکر خواب میں کم نظر آنے کی حکمت۔	۸	۴۳ مع حاشیہ
اس روز شیطان کا کفار کو کہنا کہ تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا پھر اس کی برآت۔	۸	۴۸ مع حاشیہ
مسلمانو! کفر کے سرغنوں سے جنگ کرو۔	۹	۱۲ تا ۱۵

تبوک

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
قیصر کی چڑھائی کی خبریں اور تبوک کی طرف حضورؐ کی پیش قدمی۔	۹	۳۸ مع حاشیہ
جہاد پر روانگی کا حکم۔	۹	۴۱
نفیرِ عام۔ (عام اعلانِ جنگ)	۹	۴۱
اس موقع پر منافقین کا ردِّ عمل۔	۹	۴۳ تا ۵۹
" " "	۹	۹۴ تا ۹۶
جنگ سے پیچھے رہ جانے والے۔	۹	۸۱ تا ۸۷
اللہ تعالیٰ نے نبی کریم، مہاجرین اور انصار پر جو جہاد میں شریک ہوئے، نظرِ کرم فرمائی۔	۹	۱۱۷
تین مخلصوں کا حال جو جنگ میں شریک نہ ہوسکے۔	۹	۱۱۸
معذوروں پر جہاد معاف ہے۔	۹	۹۱
" " "	۹	۹۲
بلاوجہ جہاد میں شریک نہ ہونے کی سزا۔	۹	۸۷
	۹	۹۳

حنین

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
غزوہ حنین میں کثرتِ تعداد پر ناز۔	۹	۲۵
شکست پر نصرتِ الٰہی اور فتح۔	۹	۲۶
" "	۹	۲۷
بے شمار مالِ غنیمت۔	۹	۲۷ مع حاشیہ

غزوۂ طائف۔ (حاشیہ آیت مذکورہ)

دعائیں

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اہلِ اعراف کی دعا ربنا لا تجعلنا مع القوم الظلمین۔	۷	۴۷
دعا مانگنے کا طریقہ۔ تضرعا وخفیہ۔	۷	۵۵ مع حواشی
دعا مانگنے کا طریقہ۔ خوفا وطمعا۔	۷	۵۶ مع حاشیہ
حضرت صہیب کی دعا۔	۷	۸۹
ساحرانِ فرعون کی دعا۔ ربنا افرغ علینا صبراً الخ۔	۷	۱۲۶
موسیٰ علیہ السلام کی دعا، اپنے لیے اور اپنے بھائی کے لیے۔	۷	۱۵۱

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
شماتت اعداء سے پناہ کی دعا	۷	۱۵۰ مع حاشیہ
یاحی یا قیوم برحمتک الخ	۷	۱۵۵ مع حاشیہ
انت ولینا فاغفرلنا	۷	۱۵۵
	۷	۱۵۶
شیطان کے شر سے بچنے کی دعا اور طریقہ۔	۷	۲۰۰
	۷	۲۰۱
ملک کو راہ راست پر لانے کی دعا۔	۸	۲۴ مع حاشیہ
الٰہی ہمیں فتنہ نہ بنا۔	۱۰	۸۵
ہمیں کافروں کے شر سے نجات دے۔	۱۰	۸۶
کشتی میں سوار ہونے کی دعا۔	۱۱	۴۱ مع حاشیہ
نظر بد سے بچنے کی دعا۔	۱۲	۶۷ مع حاشیہ
حضرت یوسف کی دعا فاطر السموات الخ	۱۲	۱۰۱
بجلی گرنے سے بچنے کی دعا۔	۱۳	۱۳ مع حاشیہ
دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔	۱۳	۳۹ مع حاشیہ
بندگان خدا کی دعا کا اثر۔ حضرت مجددؒ کی دعا کی برکت	۱۳	۳۹ مع حاشیہ
جنت کے لیے دعا۔	۱۴	۲۴ مع حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اپنے والدین کے لیے دعا۔	۱۷	۲۴
دشمن سے مستور ہونے کی دعا۔	۱۷	۴۵ مع حاشیہ
الٰہی مجھے سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ نکال اور مجھے سلطاناً نصیراً عطا فرما۔	۱۷	۸۰
سیاست		
اسلام کی خارجہ پالیسی۔	۸	۷۲ مع حاشیہ
اگر کوئی معاہد قوم خیانت کرے، تو مسلمان کیا کرے۔	۸	۵۸ مع حواشی
عمرو بن عبسہ نے حضرت امیر معاویہ کو بروم پر لشکر کشی سے روکا۔	۸	۵۸ مع حاشیہ
اگر کفار صلح کے لیے ہاتھ بڑھائیں، تو تھام لو	۸	۶۱ مع حاشیہ
	۸	۶۲
مشرکین کا مسلمانوں سے معاہدہ۔	۹	۸
لا یرقبون فیکم الاولا ذمۃ	۹	۸
	۹	۹
	۹	۱۰
اسباب جنگ کے ساتھ تیار رہو۔	۸	۶۰ مع حاشیہ
جب تک کوئی قوم اپنے آپ کو نہ بدلے اس کی تقدیر نہیں بدلتی	۸	۵۳
اُمت کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات ان کے حقوق اور فرائض۔	۸	۷۴

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
حج کے موقع پر قطع تعلق کا اعلان۔	۹	۱ مع حاشیہ
جن کے ساتھ معاہدہ ہو چکا اس کو پورا کرنے کا حکم۔	۹	۴
اگر ذمی معاہدہ توڑ دیں یا دین میں طعن کریں تو ان کے حقوق ساقط ہیں۔	۹	۱۲ تا ۱۵ مع حواشی
جزیہ کیا ہے؟ کس پر لازم ہے۔	۹	۲۹
اگر کوئی غیر مسلم اسلام کو سمجھنے کے لیے اسلامی مملکت میں آنا چاہے تو اسے اجازت دی جائے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر ہوگی۔	۹	۶
قوت و طاقت کے باوجود دشمن سے نرمی۔	۹	۳ مع حاشیہ
حسن سیاست نبوت۔	۹	۷۳ مع حاشیہ
قوموں کے عروج و زوال کا راز۔	۱۰	۱۳
فرعونی سیاست۔	۱۰	۸۳ مع حاشیہ
اہل حق پر الزام کہ وہ اقتدار چاہتے ہیں	۱۰	۷۸
تدابیر استبداد۔	۱۰	۸۷ مع حاشیہ
کیا مسلمان کافر حکومت کا ملازم ہو سکتا ہے	۱۲	۵۵
کسی عہدہ کی خواہش کرنا کب جائز ہے۔	۱۲	۵۵ مع حاشیہ

شرک کا ابطال

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
مشرکین نجس ہیں۔ مسجد حرام کے نزدیک نہ جائیں۔	۹	۲۸
[illegible] طرح طرح کی گمراہیوں کا بطلان۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔	۱۰	۳
تمہارے معبود نہ آغاز آفرینش پر قادر نہ اعادہ پر۔	۱۰	۳۴
وہ حق کی طرف راہنمائی بھی نہیں کر سکتے۔	۱۰	۳۵
شرک کا ابطال۔	۱۶	۷۱
ان کے معبود کسی چیز کے مالک نہیں۔	۱۶	۷۳
" " " "	۱۶	۷۵
" " " "	۱۶	۷۶
کسی کو خدا نہ بناؤ۔	۱۷	۲۱
" " "	۱۷	۲۲
اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو	۱۷	۴۲
" " " "	۱۷	۴۳
بت مصائب کو دور نہیں کر سکتے۔	۱۷	۵۶
بت طوفان میں نہیں بچا سکتے۔	۱۷	۶۷
شرک کا ابطال۔	۱۷	۶۸
" " "	۱۷	۶۹

شریعت

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
شریعت کی پابندی افلاس کا باعث نہیں بلکہ خوشحالی کا سبب ہے۔	۱۱	۵۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
حضرت کعب اور ان کے ساتھی جو تبوک میں شریک نہ ہو سکے۔	۹	۱۱۸
واقعہ ہجرت اور شانِ صدیقی۔	۹	۴۰
صحابہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ ان کو رضائے الٰہی حاصل ہے۔	۹	۲۰
	۹	۲۱
	۹	۲۲
اللہ نے صحابہ کی کئی مقامات پر مدح فرمائی۔	۹	۲۵، ۲۶ مع حاشیہ
صحابہ کے متعلق فرمایا۔ سب بھلائیاں ان کے لیے ہیں۔ یہی فلاح پانے والے ہیں۔	۹	۸۸
ان کے لیے جنت ہے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔	۹	۸۹
صحابہ نے اپنے حصہ کے قیدی اپنے آقا کی نذر کر دیے۔	۹	۲۷ مع حاشیہ
صحابہ جنھوں نے حضورؐ کے ساتھ جانی و مالی جہاد کیا۔ سب بھلائیاں انہی کے لیے ہیں۔	۹	۸۸
فوز و فلاح ان کا حصہ ہے۔	۹	۸۹
السابقون الاولون الخ اُن پر خدا راضی اور وہ خدا پر راضی۔	۹	۱۰۰
غزوۂ تبوک کے موقعہ پر صحابہ پر اللہ کی نظرِ رحمت۔	۹	۱۱۷
ابو خیثمہ کا ایمان افروز واقعہ۔	۹	۱۱۷ مع حاشیہ
حضرت کعب، مرارہ اور ہلال کا واقعہ۔	۹	۱۱۸ مع حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اولیاء اللہ کو نہ خوف ہوگا اور نہ حزن۔	۱۰	۶۲
صحابہ کو بشارت کہ وہ جنتی ہیں، اور خلفائے راشدین۔	۱۰	۶۴
جس کی نیت طلبِ آخرت ہو، اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اور دنیا اس کے قدموں میں ذلیل ہو جاتی ہے۔	۱۱	۱۵ مع حاشیہ
	۱۱	۱۶
طالبِ دنیا کا دل مفلس ہوتا ہے۔	۱۱	۱۵
	۱۱	۱۶
علی بصیرۃ انا و من اتبعنی۔	۱۲	۱۰۸
آل اطہار کی شان۔	۱۳	۲۳ مع حاشیہ
حضور اور خلفاء کا شہدائے اُحد کے مزارات پر تشریف لے جانا (اعراس کی اصل)	۱۳	۲۴ مع حاشیہ
مہاجرین کو دنیا و آخرت میں سرفراز کیا جائے گا۔	۱۶	۴۱
	۱۶	۴۲
شانِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	۱۶	۷۵ مع حاشیہ
حضرت سمیہؓ اور یاسر کی شہادت	۱۶	۱۰۷ مع حاشیہ
حضرت عبداللہ ابن حذیفہ کی استقامت۔	۱۶	۱۰۷ مع حاشیہ
ہجرت، جہاد اور صبر کرنے والوں کی عزت افزائیاں۔	۱۶	۱۱۰

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اعیان حکومت پر اہلِ بیت کی کفالت کی ذمہ داری۔	۱۷	۲۶
عمل صالح، نیک اعمال سے برائیاں زائل ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔	۱۲	۵۶
اہلِ ایمان و تقویٰ کے لیے آخرت کا اجر بہتر ہے۔	۱۲	۵۷
جو دنیا میں ہی اپنے اعمال کا صلہ لینا چاہے اس کا حال۔	۱۷	۱۸
قبلہ		
کعبہ کے صحیح متولی متقی ہیں۔ کفار متولی نہیں بن سکتے۔	۸	۳۴
کفار کو مساجد آباد کرنے کی اجازت نہیں۔	۹	۱۷
کامل مومن اس کا متولی بن سکتا ہے۔	۹	۱۸
مسجد حرام کی آبادی، حجاج کو پانی پلانا۔	۹	۱۹
ایمان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔	۹	۱۹
مسجد حرام کے داخلہ سے مشرکوں کو روک دیا گیا ہے۔	۹	۲۸
کیا کافر دوسری مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔	۹	۲۸ مع حاشیہ
قرآن کریم		
یہ ذکریٰ للمومنین ہے۔	۷	۲
یہ ہدایت اور رحمت ہے۔	۷	۵۲

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنو۔	۷	۲۰۴ مع حاشیہ
قرآن۔ بصائر۔ ہدایت اور رحمت ہے۔	۷	۲۰۳
قرآن و سنت کی پیروی کرو۔	۷	۳ مع حاشیہ
کفار کہتے ہیں۔ ہم بھی ایسی آیتیں بنا سکتے ہیں۔	۸	۳۱
سورۃ کے نزول سے اہلِ ایمان کا ایمان بڑھتا ہے۔	۹	۱۲۴
اور منافقوں کا نفاق بڑھتا ہے۔	۹	۱۲۵
قرآن کتاب حکیم ہے۔	۱۰	۱
قرآن صحیفہ ہدایت ہے۔	۱۰	۷ مع حاشیہ
تخلیقِ کائنات کی تفصیلات کا ریکارڈ نہیں۔	۱۰	۸
قرآن میں الکتاب کی تفصیل منکرین کو چیلنج۔ اس جیسی ایک سورۃ بھی پیش	۱۰	۳۷
کرو۔	۱۰	۳۸
قرآن نصیحت ہے۔ دلوں کی بیماریوں کی شفاء۔ سراپا ہدایت و رحمت۔	۱۰	۵۷
نعمتِ قرآن عطا ہونے پر خوشی منانے کا حکم (میلاد شریف کا ثبوت)	۱۰	۵۸
قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں اور جن کی وضاحت رب کریم نے خود	۱۱	۱۳
فرمائی۔ منکرین کو دس سورتیں لانے کا چیلنج۔	۱۱	۱۴

مضمون	نمبر سورۃ	نمبر آیت
متقیوں کے لیے دارِ آخرت بہتر ہے۔	۱۲	۱۰۹
روزِ قیامت مجرموں کی حالت۔	۱۴	۴۸ تا ۵۱
قیامت کے دن نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی ہی کام آئے گی۔	۱۴	۳۱
اس سے پہلے پہلے نماز اور صدقہ دے لو۔	۱۴	۳۱
روزِ قیامت زمین و آسمان بدل دیے جائیں گے۔	۱۴	۴۸
حکمِ الٰہی آ پہنچا۔	۱۶	۱
قیامت کے دن نامۂ اعمال کھول کر سامنے رکھ دیا جائے گا اور حکم ہو گا	۱۷	۱۳
کہ اس نوشتہ کو خود پڑھ لو۔	۱۷	۱۴
وقوعِ قیامت پر کفار کا اعتراض اور اس کا رد۔	۱۷	۴۹
	۱۷	۵۰
" " " "	۱۷	۵۱
" " " "	۱۷	۹۸
" " " "	۱۷	۹۹

کفار و مشرکین

مضمون	نمبر سورۃ	نمبر آیت
مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہوتی تو ہم شرک نہ کرتے نہ کسی چیز کو حرام کرتے	۱۶	۳۵
کفار عذابِ الٰہی سے کیوں نہیں ڈرتے	۱۶	۴۵
" " " " " "	۱۶	۴۶
" " " " " "	۱۶	۴۷

مضمون	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جہان کی بہتری ان کے لیے ہے۔	۱۶	۶۲
جو اس کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے	۱۶	۱۰۴
انھیں ہدایت نہیں ملتی۔	۱۶	۱۰۷
جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے۔	۱۶	۱۱۶
ہم کسی بستی کو کیسے ہلاک کرتے ہیں۔ امرنا مترفیہا۔	۱۷	۱۶
نالائقو! کیا تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دیے اور اپنے لیے بیٹیاں۔	۱۷	۴۰
ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال	۱۷	۴۵
دیے ہیں۔	۱۷	۴۶
ظالم کہتے ہیں کہ تم ایک مسحور کی پیروی کرتے ہو۔	۱۷	۴۷
وہ مثالوں کے باعث گمراہ ہو گئے۔	۱۷	۴۸
کفار کے مطالبات اور ان کو پورا نہ کرنے	۱۷	۵۹
کی حکمت۔		مع حاشیہ
جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ روزِ قیامت بھی اندھا۔	۱۷	۷۲
کفار کے کفر آمیز مطالبات اور ان کا رد۔	۱۷	۹۰ تا ۹۳
کفار کا اعتراض کہ آپ بشر ہیں اور	۱۷	۹۴
اس کا رد۔	۱۷	۹۵
قبضِ روح کے وقت انھیں فرشتوں کی جھڑکیں۔	۷	۲۷

مضمون	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اپنے کافر ہونے کا اقرار۔	۷	۳۷
ان کی اصلاح کے متعدد طریقے۔	۷	۹۴
بعثت انبیاء، تکلیفیں، آرام و راحت پھر مہلک عذاب۔	۷	۹۴ مع حاشیہ
" "	۷	۹۵
دوزخ میں کافر قوموں کا ایک دوسرے پر لعن طعن۔	۷	۳۸
گناہوں کے باعث ان کے دلوں پر مہریں۔	۷	۱۰۰
کفر کے باعث دلوں پر مہریں۔	۷	۱۰۱
اکثر کافر عہد شکن اور فاسق ہیں۔	۷	۱۰۲
اللہ کی خفیہ تدبیروں سے بدکار بے فکر ہوتے ہیں۔	۷	۹۹
مشرکین نجس ہیں۔	۹	۹۸
کفار ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے	۱۰	۷
" " " "	۱۰	۸
وہ دنیوی زندگی پر راضی ہیں۔	۱۰	۷
" " " " "	۱۰	۸
وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں۔	۱۰	۷
" " " " "	۱۰	۸
کفار ظن کا اتباع کرتے ہیں۔	۱۰	۳۶
" " "	۱۰	۶۶
فرعونیوں کا الزام کہ تم اقتدار کے بھوکے ہو۔	۱۰	۷۸
تمسخر و استہزاء ان کا شعار ہے۔	۱۱	۸
جو لوگ دنیوی جاہ وحشمت کے لیے کام	۱۱	۱۵
کرتے ہیں، ان کی سزا	۱۱	۱۶
اللہ پر بہتان لگانے والا سب سے زیادہ ظالم ہے۔	۱۱	۱۸
کفار مومنین کو حقیر جانتے ہیں۔	۱۱	۲۷
فرعون ہدایت یافتہ نہ تھا۔	۱۱	۹۷
کفار کو ان کے معبود کوئی فائدہ نہ پہنچائیں گے	۱۱	۱۰۱
ہر سو توحید کی آیات ہیں۔ کفار دانستہ اعراض کرتے ہیں۔	۱۲	۱۰۵
مشرکین توحید کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کے باوجود شرک کرتے ہیں۔	۱۲	۱۰۶
مشرکین کے تلبیہ کا طریقہ	۱۲	۱۰۶
وہ عذاب الٰہی سے بے خوف کیوں ہو گئے ہیں۔	۱۲	۱۰۷
مشرکین کے تین شبہات ہیں۔	۱۳	۱ مع حاشیہ
وہ برائی کے لیے جلدی کرتے ہیں۔	۱۳	۶
کفار کی مثال جیسے سراب کی طرف ہاتھ بڑھانے والے۔	۱۳	۱۴ مع حاشیہ
کفار کے لایعنی مطالبات۔	۱۳	۳۱
انبیاء کے ساتھ استہزاء۔	۱۳	۳۲
انھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔	۱۳	۳۴
کفار کا اپنے رسولوں پر اعتراض اور مکالمہ۔	۱۴	۹ تا ۱۲
کفار کے اعمال راکھ کی مانند ہیں۔	۱۴	۱۸
کافر سرداروں اور کافر پیروکاروں کا مکالمہ۔	۱۴	۲۱

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
کفار کو شیطان کا جواب ۔	۱۴	۲۲
کفر کی مثال شجرۂ خبیثہ	۱۴	۲۶
انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری	۱۴	۲۸
کی اور اپنی قوم کو برباد کر دیا ۔	۱۴	۲۹
کفار کی چالیں بڑی زبردست ہیں ۔	۱۴	۴۶
کفار کی دھمکی کہ وہ انبیاء کو اپنے ملک سے نکال دیں گے ۔	۱۴	۱۳ تا ۱۷
جب کفار پر عذاب آئے گا تو مہلت مانگیں گے ۔	۱۴	۴۴
اس کا جواب ۔	۱۴	۴۴
"		۴۵
ظالموں کو ڈھیل دینے کی حکمت ۔	۱۴	۴۷
ان کی کوہ برانداز مکاریاں اور خداوندی توڑ ۔	۱۴	۴۶
انبیاء کے ساتھ استہزاء ۔	۱۵	۱۱
انھیں چھوڑ دیجیے کہ دادِ عیش دیتے رہیں اور غلط توقعات میں پڑے رہیں ۔	۱۵	۳
بدبختی کی نشانیاں ۔	۱۵	۳ مع حاشیہ
بارگاہِ رسالت میں گستاخی ۔	۱۵	۶
انک لمجنون ۔	۱۵	۶
ان کی گمراہی کا سبب ۔	۱۵	۱۲
ان کی ہٹ دھرمی ۔	۱۵	۱۴
"	"	۱۵
انھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ۔	۱۵	۹۱

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ان کے معبود مردہ ہیں ۔	۱۶	۲۱
ان کے دل منکر ہیں اور وہ مغرور ہیں ۔	۱۶	۲۲
کیا کفار نزولِ عذاب کے منتظر ہیں ۔	۱۶	۳۳
	۱۶	۳۴

(ب) اُن کے عقائد

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
بیٹیا اللہ دیتا ہے اور وہ اس میں دوسروں	۷	۱۸۹
کو شریک کرتے ہیں ۔	۷	۱۹۰
ان کے بتوں کی بےبسی کا مفصل بیان ۔	۷	۱۹۱ تا ۱۹۵
" " " "	"	۱۹۷
" " " "	.	۱۹۸
وہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں ۔	۷	۱۹۴
کون سی دُعا شرک ہے ۔	۷	۱۹۴
بتوں کو تمھاری طرح بندہ کہنے کی حکمت ۔	۷	۱۹۴
یہ قرآن کو اساطیر کہا کرتے ہیں ۔	۸	۳۱ مع حاشیہ
کفار کہتے ہیں کہ قرآن جادو ہے ۔	۱۰	۲
وہ ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان ۔	۱۰	۱۸
وہ بتوں کو شفیع مانتے ہیں ۔	۱۰	۱۸
وہ خدا کا بیٹا مانتے ہیں ۔	۱۰	۶۸
قیامت کا انکار کرتے ہیں ۔	۱۱	۷
اقرارِ توحید کے باوجود شرک ۔	۱۲	۱۰۶
ان کی بیع کا طریقہ! اللہ کے لیے بیٹیاں اپنے لیے بیٹے ۔	۱۶	۵۳ تا ۵۹

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
وہ جنوں کو اللہ تعالیٰ کا مدمقابل بنا رکھتے ہیں۔	١٤	٣٠
بارگاہِ رسالت میں گستاخی۔ انک لمجنون	١٥	٦
ج) اُن کے اطوار		
اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی۔	٧	٣٧
بُرے کام کرتے ہیں پھر کہتے ہیں اللہ نے ہمیں ایسا حکم دیا ہے۔	٧	٢٨
دین ان کے نزدیک لہو و لعب کا نام ہے۔	٧	٥١
عافیت کے وقت ان کا نظریہ کہ ایسی تکلیفیں ان کے باپ دادا کو بھی آئی تھیں۔	٧	٩٥ حاشیہ
اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ بجا لاتے تو رزق کے دروازے کھل جاتے۔	٧	٩٦ حاشیہ
دلائل کے باوجود وہ راہِ حق سے بھٹکتے ہیں، اور غلط راہ پر دوڑ کرتے ہیں۔	٧	١٤٦
یہ ڈنگروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں نہ سمجھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔	٧	١٧٩
	٨	٢٢
	٨	٢٣
یہ راہِ حق سے صد کرتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔	٧	٤٥
انھیں یقین ہے کہ ان غریب مسلمانوں کو رحمتِ الٰہی سے کچھ حصہ نہ ملے گا۔	٧	٤٩
اگر یہ دین حق ہے تو ہم پر پتھراؤ کیا جائے۔	٨	٣٢
ان کی نماز کی کیفیت۔	٨	٣٥
دعوتِ حق مٹانے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔	٨	٣٦

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ان کا انجام حسرت ہے۔	٨	٣٦
کفار بدترین مخلوق ہیں۔ یہ عہد شکن ہیں۔	٨	٥٥
قرآن میں حسبِ خواہش رد و بدل کی کوشش کرتے ہیں۔	١٠	١٥ حاشیہ
طوفان میں گھر جائیں تو خدا کو پکارتے ہیں۔	١٠	٢٢
بچ جائیں تو پھر شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔	١٠	٢٣
وہ حق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں تاکہ اس میں رخنہ پیدا کریں۔	١١	١٩ حاشیہ
مومنوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔	١١	٢٧
انبیاء کے ساتھ استہزاء	١٣	٣٢
وہ آخرت سے زیادہ دنیوی زندگی کو پسند کرتے ہیں۔	١٤	٣
وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔	١٤	٣
وہ قرآن میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔	١٤	٣
انھوں نے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی، اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیا۔	١٤	٢٨
	١٤	٢٩
دعوتوں کا استہزاء ان کی گمراہی کا سبب۔	١٥	١٢
انھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا۔	١٥	٩١
مشرکین کے طور طریقے۔	١٦	٥٣ تا ٦٢
اگر صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو وہ روگردانی کرتے ہیں۔	١٧	٤٥
	١٧	٤٦

(د) ان کی نجات نہیں

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
کہ ہماری آیتوں کی تکذیب کرنے والے ہیں ان	۷	۴۰
کی ہرگز نجات نہیں۔	۷	۴۱
تکبر کرنے والوں کو آیات کے فہم سے محروم کر دیا جاتا ہے۔	۷	۱۴۶
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت	۷	۱۸۲
عذاب بذریعہ استدراج۔	۷	۱۸۳
جنھیں خدا گمراہ کرے انھیں گمراہی میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔	۷	۱۸۶
شیطان اپنے دوستوں کو گمراہی میں دھکیل دیتا ہے۔	۷	۲۰۲
کفار پر اچانک عذاب۔	۷	۴
" " " "	۷	۵
کفار و مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت۔	۹	۱۱۳

ان کا ہولناک انجام

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
ظالموں کی موت کی کیفیت۔	۷	۳۷
کفار ہلاکت کا انتظار کر رہے ہیں۔	۷	۵۳
کتنی بستیاں ہیں جن پر اچانک عذاب آیا۔	۷	۵
روز قیامت ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے۔	۷	۳۸ تا ۳۹
دوزخ میں پیاس کی شدت سے تڑپیں گے	۷	۵۰

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اس عذاب کی وجہ۔	حاشیہ نمبر ۶۵	
برباد ہونے والی قوموں کے ذکر کے بعد موجودہ قوموں کا ذکر۔	۷	۹۴ تا ۱۰۰
آیات کی تکذیب کرنے والوں کو سخت	۷	۱۸۲
عذاب۔	۷	۱۸۳
کفار کے معبود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔	۱۰	۲۸
دنیا بھر کا مال بطور فدیہ دیں گے قبول نہ ہوگا۔	۱۰	۵۴
وہ آخرت جہنم میں پھینک دیے جائیں گے	۱۱	۱۵
" " " "	۱۱	۱۶
ظالموں پر اللہ کی لعنت۔	۱۱	۱۸
وہ کافر ہی ہیں۔	۱۱	۱۹ تا ۲۲
فرعون اپنی قوم کو آگ میں لے جائے گا۔	۱۱	۹۸
کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔	۱۱	۱۰۷
جو اللہ کی بات نہیں مانتے۔	۱۳	۱۹
جو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو توڑتے ہیں۔	۳	۲۵
زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان پر لعنت۔	۱۳	۲۵
ظالموں کا حال زار۔	۱۴	۴۳
" " "	۱۴	۴۴
زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ لباس	۱۴	۴۹
تارکول کا ہوگا۔	۱۴	۵۰
کفار کا اظہار حسرت۔	۱۵	۲
گمراہوں کے لیے جہنم جس کے سات دروازے ہیں۔	۱۵	۴۳
	۱۵	۴۴

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
گناہ کا انجام	۱۶	۲۴ تا ۲۷
کفار کی موت کا المناک منظر۔	۱۶	۲۸
ان کے ساتھ بتوں کا مکالمہ اور ان کی حالتِ زار۔	۱۶	۸۶ تا ۸۸
قیامت کے دن انھیں اندھا، بہرا کر کے اٹھایا جائے گا۔	۱۷	۹۷
ہر آن آنچ تیز کر دی جائے گی۔	۱۷	۹۷
(و) مومنین و متقین		
مومنین کو خوف و حزن نہیں۔	۷	۳۵
صالحین کی قیامت کے روز عزت افزائی۔	۷	۴۲
" " "	۷	۴۳
ان کے سینے کینے سے پاک کر دیے جائیں گے۔	۷	۴۳
جنتیوں اور دوزخیوں کا مکالمہ۔	۷	۴۴
" " "	۷	۴۵
دوری آواز سننے میں مانع نہیں۔	۷	۴۶ مع حاشیہ
اہلِ اعراف کے حالات۔	۷	۴۶ تا ۴۹
متقین کو جب شیطان وسوسہ ڈالتا ہے تو ان کا طریقہ کار۔	۷	۲۰۱
تقویٰ اور ایمان خوشحالی کا باعث ہیں۔	۷	۹۶
اپنی عاجزی کا اعتراف مومن کی امتیازی صفت ہے۔	۷	۸۹ مع حاشیہ

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔	۸	۱۹
اگر تقویٰ اختیار کرو گے تو نعمتِ فرقان عطا کی جائے گی۔	۸	۲۹ مع حاشیہ
مومنین کی صفات اور ان کے مدارج۔	۸	۲
(ذکر، تلاوت، توکل، نماز، انفاق مال)	۸	۳
" " "	۸	۴
ضعف اور خوف کی حالت میں،	۸	۲۶
اللہ تعالیٰ نے تمھاری مدد فرمائی۔ رزقِ	۸	۲۶
طیب دیا۔ اس کے احسان کو یاد کرو۔	۸	۲۶
اہلِ ایمان کے لیے مال و اولاد بڑی آزمائش ہیں۔	۸	۲۸
متقی لوگوں کے لیے انعاماتِ خداوندی، نورِ فرقان، تکفیرِ سیئات، بخشش۔	۸	۲۹
مومن کافر رشتہ داروں کو اپنا ولی نہ بنائے۔	۹	۲۳
مومن ہر چیز سے زیادہ اللہ، اس کے رسول اور جہاد سے محبت کرتا ہے۔	۹	۲۴
مومنین کے اوصاف۔	۹	۷۱
ان سے اللہ کا وعدہ۔	۹	۷۲
رضائے الٰہی سب سے بڑی نعمت ہے۔	۹	۷۲
اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آزماتا ہے۔	۹	۱۶
اہلِ ایمان نے جان و مال سے جہاد کیا۔ سب بھلائیاں اور فلاح ان کے لیے ہے۔	۹	۸۸
مومنین کی صفات۔	۹	۱۱۲
قدرتِ الٰہی کی نشانیاں مومنین کے لیے ہیں۔	۱۰	۶

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
مومن اور کافر سائنسدان میں فرق۔	۱۰	۶ مع حاشیہ
اہلِ ایمان کو مزید ہدایت ملتی ہے۔	۱۰	۹
〃 〃 〃 〃 〃	۱۰	۱۰
اولیاء اللہ کو حزن و ملال نہیں۔	۱۰	۶۲
شانِ ولایت (تشریح آیت بالا)		
اولیاء اللہ کے لیے بشارت اور فوزِ عظیم ہے۔	۱۰	۶۴
مومن کو نجات دینا ہمارے ذمہ ہے۔	۱۰	۱۰۳
اصحاب الجنۃ کی صفات۔	۱۱	۲۳
کافر اندھے، بہرے، مومن بینا، شنوا	۱۱	۲۴
بزرگوں کی اولاد کا فریضہ۔	۱۱	۴۶ مع حاشیہ
آیاتِ الٰہی سے صرف مومن فائدہ اٹھاتا ہے۔	۱۱	۱۰۳ مع حاشیہ
نیک بخت جنت میں ہوں گے۔	۱۱	۱۰۸
مومن رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہوتا۔	۱۲	۸۷
متقی اور صابر کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔	۱۲	۹۰
اللہ کے نیک بندوں کی دعا سے گناہ	۱۲	۹۶
بخش دیے جاتے ہیں۔	۱۲	۹۷
حقیقی مومن صوفیائے کرام ہیں۔	۱۲	۱۰۶
امت کے نوجوانوں کو خطاب۔	۱۳	۳ مع حاشیہ
جو اللہ کا حکم مانتے ہیں۔ ان کے لیے بہتری ہے۔	۱۳	۱۸

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اولوالالباب کون ہیں۔	۱۳	۱۹ تا ۲۴
ان کا اجر۔	۱۳	۱۹ تا ۲۴
نیک بندوں کے والدین، اولاد، احباب کی پذیرائی ان کی برکت سے ہوگی۔	۱۳	۲۳
جن کے دلوں کو ذکرِ الٰہی سے اطمینان ہوتا	۱۳	۲۸
ہے۔	۱۳	۲۹
متقین کو جس جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔	۱۳	۳۵
اولیاء اللہ کی دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔	۱۳	۳۹ مع حاشیہ
فتوحات کی خوشخبری۔	۱۳	۴۱
اہلِ ایمان کو جنت ملے گی۔	۱۴	۲۳
اہلِ ایمان کو دارین میں ثابت قدمی نصیب ہوگی۔	۱۴	۲۷
مومن کے لیے قبر آرام گاہ ہوگی۔	۱۴	۲۷
مومن رحمتِ الٰہی سے مایوس نہیں ہوتا۔	۱۵	۵۶
اللہ کے بندوں کو شیطان گمراہ نہیں	۱۵	۴۰
کر سکتا۔	۱۵	۴۱
〃 〃 〃 〃	۱۵	۴۲
〃 〃 〃 〃 〃 〃	۱۶	۹۹
متقی جنات و عیون میں ہوں گے۔	۱۵	۴۵
〃 〃 〃 〃	۱۵	۴۶
ان کے دلوں سے ناراضگی دور کر دی جائے گی۔	۱۵	۴۵ تا ۴۸

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
فراست مومن	۱۵	۷۵ مع حاشیہ
اہل ہنر کاروں کی عزت افزائی۔	۱۶	۳۰
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶	۴۱
اُن کی وفات کا نمونہ پیر و منتظر۔	۳۳	۲۳
شانِ اولیاء، وہ باذن اللہ تصرف کر سکتے ہیں۔ ضرب اللہ مثلا الخ الآیۃ تطبیق، خوشنودیٔ سیدنا علی المرتضیٰ کے وسیلہ سے ملتی ہے۔	۱۶	۷۵ مع حاشیہ
	۱۶	۷۵ مع حاشیہ
۔	۱۷	
پاکیزہ زندگی خوش نصیبوں کو عطا ہوتی ہے۔	۱۶	۹۷
۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۱۶	۹۷
ہجرت، جہاد اور صبر کرنے والوں کا درجہ۔	۱۶	۱۱۰
جو آخرت کا خواہاں ہو اور اس کے لیے کوشاں۔	۱۷	۱۹
اولیاء کرام کا ذکر، بعض حق ناشناسوں کا اعتراض اور اس کا جواب۔	۱۷	۵۶ مع حاشیہ
نیکوں کو وسیلہ بنانا۔	۱۷	۵۷ مع حاشیہ
اللہ تعالیٰ کا شیطان کو چیلنج کہ تو میرے	۱۷	۶۴
بندوں پر قابو نہیں پا سکتا۔	۱۷	۶۵
جنہیں دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔	۱۷	۷۱

معاشیات

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
اسراف کی ممانعت۔	۷	۳۱
تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔	۸	۲۸ مع حاشیہ
اموالِ غنیمت۔	۸	۴۱
جزیہ اور اس کا حکم، تفصیلی بحث۔	۹	۲۹
زکوٰۃ اور اس کے مصارف۔	۹	۶۰
سونا چاندی جمع کرنے کی مذمت۔	۹	۳۵
ناپ تول میں کمی نہ کرو۔	۱۱	۸۴
پورا تولو، پورا ناپو۔	۱۱	۸۵
ناجائز معاشی استحصال آخر کار فتنہ کا باعث بنتا ہے۔	۱۱	۸۵ مع حاشیہ
قناعت بہتر ہے۔	۱۱	۸۶ مع حاشیہ
دولت کے متعلق سرمایہ دارانہ نقطۂ نظر اور اس کے مضمرات۔	۱۱	۸۷ مع حاشیہ
یوسف علیہ السلام نے کہا، ملک کے خزانے میرے سپرد کر دو۔	۱۲	۵۵
راشن بندی کا حکم۔	۱۲	۵۵ مع حاشیہ
خاندانی کفالت کا اصول۔	۱۲	۹۰ مع حاشیہ
تمہارے خزانے ختم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے ہمیشہ بھرے رہیں گے۔	۱۶	۹۶ مع حاشیہ
پورا تولو، پورا ناپو۔	۱۷	۳۵
فضول خرچی کی ممانعت۔	۱۷	۲۶
۔ ۔ ۔ ۔	۱۷	۲۷

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
بخل اور اسراف مت کرو۔	۱۷	۲۹
میانہ روی اختیار کرو	۱۷	۲۹
رزق میں تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔	۱۷	۳۰
افلاس کے خوف سے اولاد کو مت قتل کرو۔	۱۷	۳۱
اللہ تعالیٰ کا فضل (رزق) تلاش کرو۔	۱۷	۶۶
کاروباری بددیانتی سے ملک میں فساد برپا مت کرو۔	۷	۸۵
معجزات		
موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا	۷	۱۰۷
〃 〃 〃 〃	۷	۱۰۸
واقعہ معراج شریف۔	۱۷	۱
اس کے ضمن میں معجزہ پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ معجزہ کسے کہتے ہیں۔ اس کے وقوع کے دلائل۔ اس پر جدید و قدیم اعتراضات کا رد۔ سرسید کی غلط تاویلیں۔		
معجزہ پر مسٹر ہیوم (HUME) کا اعتراض اور اس کا جواب۔		
منافقین		
جنگ تبوک کے وقت منافقین کا رد عمل۔	۹	۴۲ تا
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۹	۴۹
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۹	۶۴
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۹	۶۵
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۹	۶۶

	نمبر سورۃ	نمبر آیت
یہ پہلے بھی فتنہ انگیزی کرتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔	۹	۴۸
	۹	۴۹
〃 〃 〃 〃	۹	۵۰
ان کے چندے بھی نامنظور۔	۹	۵۲
〃 〃 〃 〃	۹	۵۴
〃 〃 〃 〃	۹	۵۵
منافقین کے احوال۔	۹	۵۶ تا ۵۹
منافقین انعام اور حالات کی اطلاع۔	۹	۶۳
〃 〃 〃 〃		[illegible]
〃 〃 〃 〃		۶۹ تا
〃 〃 〃 〃		۷۰
〃 〃 〃 〃		۷۳ تا
〃 〃 〃 〃		۸۷
عبداللہ بن ابی۔	۹	۸۰
منافقین سے جہاد کرنے کا حکم۔	۹	۷۳
منافق اعراب۔	۹	۹۰
ثعلبہ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔	۹	۷۵
		[illegible]
منافقین کی نماز جنازہ کی ممانعت۔	۹	۸۴
ان کو جہاد میں شرکت سے محروم کر دیا گیا ہے۔	۹	۸۳
ان کے اموال اور اولاد ان کے لیے وبال ہیں۔	۹	۸۵
منافقین کی جہاد سے نفرت۔	۹	۸۶
	۹	۸۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

ضیاء القرآن

جلد سوم

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ ۔ لاہور

سرٹیفکیٹ

میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے اور
میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

— ابوالفیض محمد عبدالکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

مطبع ______ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور فون 7229416
کتابت ______ محمود اللہ صدیقی۔ محمد صدیق۔ اقبال اختر
متن ______ بشکریہ تاج کمپنی کراچی
تعداد ______ تین ہزار (۳۰۰۰)
تاریخ طباعت ______ محرم الحرام ۱۳۹۹ھ
ناشر ______ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تعارف سُورۃ کہف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: کیونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا ذکر ہے۔ اس مناسبت سے اس کا نام الکہف رکھا گیا۔

نزول: یہ سورت باتفاق علماء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آٹھویں یا دسویں سال کی درمیانی مدت میں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کی آیتوں کی تعداد ایک سو دس ہے۔ یہ ایک ہزار پانچ سو ستتر کلمات اور چھ ہزار تین سو ساٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

مضامین: اس سورت کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے کیا گیا۔ ساتھ ہی اس کی وجہ بھی بیان فرما دی کہ اللہ تعالیٰ وہ کریم اور رحیم ہے جس نے نوع انسانیت کو رشد و ہدایت کا ایسا صحیفہ عنایت فرمایا جو خود بھی ہر قسم کی کجی اور خامی سے پاک ہے اور اس کے ساتھ انسانی زندگی کے کسی شعبہ میں سیاسی، معاشی، تمدنی اور اخلاقی جہاں کہیں کجی یا خامی افراط و تفریط پائی جا سکتی ہے وہ اس کی اصلاح اور درستی کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ایسی کتاب لانے کے لیے کوئی عام انسان مقرر نہیں کیا جس کی صورت و سیرت میں کوئی کشش نہ ہو جس کے قول و فعل میں کوئی جاذبیت نہ ہو جو خاموشی سے آئے، کتاب پہنچائے اور چپکے سے چلا جائے۔ بلکہ ایک ایسے بندے کو دعوت حق کا پیغام بنا کر بھیجا جو اس کا محبوب ترین بندہ ہے جس کی آمد سے کفر و فسق کی تاریک اور طویل رات ختم ہوئی۔ سورج صداقت کی صبح طلوع ہوئی۔ وقت دجل کی جھوٹی خدائی کا تختہ الٹ دیا گیا۔ خفتہ بخت انسانی خواب غفلت سے جاگ اٹھا۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر ایسے رحیم و کریم خدا کی حمد و ثنا نہ کی جائے تو اور کون ہے جو اس کا مستحق ہو۔

ایک خدا فراموش و دنیا پرست انسان کا جو نفسیاتی تجزیہ اس سورت میں کیا گیا ہے اسے پڑھ کر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ خالق انسان کا کلام ہے جو اس کے نظریات اور قلبی محرکات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ آیات نمبر ۳۲ تا ۴۴ میں ایک دنیا پرست کی کم ظرفی، خود بینی اور خود فریبی کا تذکرہ کیا گیا۔ وہ ایک خدا پرست انسان سے جو دولت میں اس سے کم ہے اثنائے گفتگو یہ کہنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتا کہ اس کے پاس دولت بھی زیادہ ہے اور اس کے خادم اور ملازم لڑکوں کی تعداد بھی اس سے زیادہ ہے۔ حالانکہ کسی غریب آدمی کے سامنے اپنی ثروت کی فراوانی بیان کرنا اور اسکو احساس غربت دلانا کم ظرفی اور خود بینی کی انتہا ہے۔ مزید برآں وہ قیامت کا منکر ہے اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر قیامت آ بھی

کبھی تو اس روز بھی اسی کو عزت و کرامت کی مسند پر بٹھایا جائے گا اور اہل ایمان جو اس دنیا میں کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے۔ اس روز بھی وہی ذلیل و خوار ہوں گے۔ یہ اس کی خود فریبی کی انتہا ہے۔ آیات ۱۰۰ اور ۱۰۴ میں یہ بتایا کہ ایسے شخص کی ساری جدوجہد اور دوڑ دھوپ فقط دنیوی زندگی کو باعزت اور آرام دہ بنانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے اسے کبھی اپنی عاقبت سنوارنے کا خیال نہیں آتا۔ یہ چند فرصت کی گھڑیاں ہیں۔ آیت نمبر ۵۵ میں یہ بتایا گیا کہ ایسے لوگوں کو اپنی گمراہیوں سے باز آنے اور بدکاریوں سے تائب ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ اس سے ہر وقت فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتے اور بدقسمتی سے انھوں نے اس دعوت کی صداقت کا ایک ہی معیار مقرر کر رکھا ہے کہ اگر ان پر عذاب آگیا تو دعوت سچی ورنہ جھوٹی۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ جب تمہاری بد کرتوتوں کی پاداش میں تم پر عذاب آگیا اور تمہیں روز رخ کا ایندھن بنا دیا گیا تو اب اگر تم نے اس دعوت کی صداقت کو تسلیم کر بھی لیا تو تمہیں اس سے کیا فائدہ پہنچے گا۔ ہر دنیا پرست کی ہر زمانہ میں پہلے بھی اور آج بھی یہی ذہنیت رہی ہے اور یہی سوچ بچار کا یہی انداز رہا ہے۔ اس لیے ہر ایک کو ایک ہی انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ہر وقت متنبہ ہو کر اپنی اصلاح کر لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقامات کی طرح یہاں بھی اس حقیقت کو بے نقاب کیا ہے کہ یہ مال و دولت یہ جاہ و حشمت یہ فرزند و زن اس دنیا کی زینت ہیں جس طرح یہ دنیا فانی ہے اس کی زیب و زینت کے سارے سامان بھی فانی ہیں یہ اس قابل نہیں کہ کوئی مومن اس کی محبت میں اتنا دل بستہ اور اس کی چاہت میں ایسے ہوش باختہ ہو جائے کہ اپنے خدا کو اور اپنے انجام کو بھی فراموش کر بیٹھے دل لگانے کے قابل تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے طلب تو صرف اس کی رضا کی ہونی چاہیے اور زندگی کی اس مختصر فرصت میں ایسے نیک، مفید اور تعمیری کام کرنے چاہئیں جو کبھی فنا آشنا نہ ہوں۔ والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا و خیر املا۔ آیت نمبر ۴۶ کے ان حسین الفاظ سے اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی۔

حکمت و دانش کے ان انمول جگمگاتے ہوئے موتیوں کے علاوہ جن سے اس سورۃ کا دامن مرصع ہے تین واقعات کا بیان شرح و بسط سے کیا گیا ہے۔ اصحاب کہف، حضرت موسیٰ کا سفر اور ذوالقرنین۔ ان کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہاں مختصراً اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اصحاب کہف کا ذکر کر کے ان مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی کہ تم سے پہلے بھی حق قبول کرنے والوں کو طرح طرح کی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انھوں نے محض اپنا ایمان بچانے کے لیے اپنے وطن کو چھوڑا اور ایک غار میں پناہ لی۔ تم تو تمہارے حبیب کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء ہیں تمہیں کفار کی ان اذیت رسانیوں کے باعث حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے بلکہ جرأت و ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تم دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ کس طرح تمہیں اوج کمال تک پہنچاتا ہے اور کس طرح تمہیں ابدی عزتوں سے سرفراز کرتا ہے۔ اسی ضمن میں کفار کو یہ بھی بتا دیا کہ جو ذات اصحاب کہف کو سینکڑوں سال کے بعد از سر نو زندگی عطا فرما سکتی ہے وہ تمہیں بھی روز حشر زندہ کر کے اٹھا سکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر سے علم و حکمت کے حصول کی اہمیت کا درس دیا۔ اس کے ضمن میں چند واقعات بیان کر کے ایک پیچیدہ عقدہ کو بھی حل فرما دیا۔ اس دنیا میں اکثر ایسے واقعات منصۂ ظہور پر آتے رہتے ہیں جن کی ہم کوئی توجیہ نہیں کر سکتے

یا ہم انھیں عدل و حکمت کے تقاضوں کے سراسر منافی سمجھتے ہیں حقیقت میں یہ ہماری اپنی کم فہمی ہوتی ہے۔ اگر ان سے پردہ ہٹا دیا جائے تو ان کا عین عدل و حکمت ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا ہے جس طرح ان تین واقعات سے جب حضرت خضر علیہ السلام نے پردہ اٹھایا تو حضرت کلیم اللہ کی بے چینی اور ناراضگی خود بخود دور ہو گئی اور انھیں اپنے اعتراضات واپس لینے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا۔

ذوالقرنین کا واقعہ بیان کر کے ایک مومن حکمران کی خوبیوں کو ظاہر فرمایا کہ وہ باوجود قوت و اقتدار کے اپنی رعایا کے لیے مہربان، عادل اور شفیق ہوتا ہے۔

آخری دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی عظمت اور جلال کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ارشاد ہے اگر سمندر سیاہی بن جائیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی آیات عظمت و جلال کو قلم بند کیا جائے تو سمندر خشک ہو جائیں۔ لیکن اس کی صفات کا بیان پھر بھی تشنۂ تکمیل رہے۔

حضور نبی کریم کی زبان سے یہ اعلان کرایا کہ میں بشر ہوں۔ خدا نہیں۔ خدا وہی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے جس کا میں بھی بندہ ہوں اور ساری کائنات بھی اس کی مخلوق اور اس کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اس آیت سے اس صداقت کو ثابت کیا کہ جب یہ مرقع حسن و کمال بایں ہمہ زیبائی و رعنائی خدا نہیں تو اور کون ہے جو خدائی کا دعویٰ کر سکے۔ جب زبانِ مصطفےٰ یہ اعلان کر رہی ہو لا الٰہ الا اللہ تو کائنات کی ہر چیز کو طوعاً و کرہاً تسلیم کرنا پڑے گا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ بعض کم نظر لوگ اس آیت کریمہ سے شانِ حبیب کبریا کی تنقیص کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور دل بینا کو وہ تجلیاں جو نام پاک محمد (تعریف کیا ہوا) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پنہاں ہیں پوری آب و تاب سے دکھائی دے رہی ہیں۔ ؎

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب　　آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَعَشْرُ آيَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعَاتُهَا ١٢

سورۃ کہف مکی ہے اس میں آیتیں (اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے) ١١٠ اور رکوع ١٢ ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے نازل فرمائی اپنے (محبوب) بندے پر یہ کتاب اور نہیں پیدا ہونے دی اس میں کوئی

ل اس سے پہلی سورت کا اختتام بھی حمد سے ہوا اور اس سورت کا آغاز بھی حمد سے کیا جا رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہر خوبی و کمال جس کا ظہور اختیار و ارادہ سے ہو۔ اس کی ستائش و ثنا کو عربی میں حمد کہتے ہیں۔ سابقہ سورت کی آخری آیتوں میں ان خوبیوں اور کمالات کا ذکر ہوا جن سے ذات الٰہی متصف ہے۔ اس آیت میں اس کی صفت جود و کرم کا بیان ہے جس نے ناقصوں کو کامل، گم کردہ راہوں کو خضر راہ اور ناشناسوں کو نہاں خانۂ تقدیر کا راز داں بنا دیا۔ اس لیے فرمایا سب ستائشیں اسی ذات کو زیبا ہیں جس نے اپنے محبوب بندے پر یہ کتاب نازل فرما کر انسانیت کی شب دیجور کو صبح نور سے آشنا کیا ہے۔ عبدہ سے مراد صاحب قرآن اور الکتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ عبدہ میں کوئی اشتباہ نہیں۔ کیونکہ مقام عبدیت کاملہ پر صرف یہی ذات بابرکات فائز ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز کسی صفت میں اعلیٰ کمال پر پہنچی ہو تو جب اس صفت کو مطلقاً ذکر کیا جائے گا تو اس سے مراد وہی موصوف ہوگا۔ ع ہمہ عالم بندگان و خواجہ اوست

جس کسی کو عبدیت کا جتنا بھی عرفان نصیب ہوا، اسی کے طفیل ہوا۔ ؎

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِنَ الدِّيَمِ
فَهُوَ الَّذِيْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِيْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

ترجمہ :- تمام انبیاء حضور کے بحر کرم سے چلو بھر رہے ہیں اور حضور کے ابر رحمت سے بوندیں لے رہے ہیں۔ یہی وہ ذات اقدس ہے جس کا ظاہر و باطن مکمل ہے پھر کائنات کے خالق نے اس سراپا حسن و خوبی کو اپنا حبیب منتخب فرمایا ہے۔

اسی طرح جب الکتاب کہا جائے گا تو فوراً ذہن اسی صحیفہ کاملہ اور نسخہ کیمیا کی طرف منتقل ہوگا جو قرآن کے نام سے ہمارے پاس موجود ہے۔ جس طرح صاحب کتاب اپنی شان عبدیت اور مقام بندگی میں بے نظیر ہے۔ اسی طرح یہ کتاب بھی بے مثل ہے۔

ف اسی کتاب کی ایک شان یہ بیان فرمائی کہ اس کی عبارت اور اس کا معنی، اس کا ظاہر اور اس کا باطن ہر قسم کی کجی سے بری ہے۔ عَوَج عین پر زبر ہو تو اس سے مراد محسوس کجی ہوتا ہے اور اگر عِوَج عین کے نیچے زیر ہو تو اس سے مراد غیر مرئی کجی ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں فی ارضہ عَوَج وفی عصاہ عِوَج اور عِوَجًا کی تنوین تقلیل کی ہے یعنی اس میں ذرا سی بھی کجی نہیں۔ علامہ راغب اصفہانی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ٹیڑھا پن جو آنکھ سے دیکھا جائے اسے عَوَج کہتے ہیں اور جو بصیرت سے معلوم ہو اسے عِوَج کہتے ہیں۔ العَوَج یقال فیما یدرک بالبصر ... والعِوَج یقال فیما یدرک بالفکر والبصیرۃ
(مفردات)

عِوَجًا ۞ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

کجی۔ بالکل سیدھی تاکہ ڈرائے (لوگوں کو) سخت گرفت سے جو اللہ کی طرف سے ہوگی اور مژدہ سنائے اُن اہل ایمان کو

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞ مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ

جو کرتے ہیں نیک اعمال کہ بیشک ان کے لیے بہت عمدہ جزا ہے وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں

اَبَدًا ۞ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۞ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ

سدا ہمیشہ اور ڈرائے ان (نادانوں) کو جو یہ کہتے ہیں کہ بنا لیا ہے اللہ نے (اپنا) بیٹا۔ نہیں ہے انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا

۱۔ اس کتاب کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس میں کوئی کجی کوئی خامی نہیں اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ دوسروں کی کجیوں اور خامیوں کی اصلاح کرتی ہے اور انکی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو ایسی بنیادوں پر استوار کرتی ہے کہ ان میں پھر خلل راہ نہیں پا سکتا۔

"قیماً" ای۔ ثابتا مقیما لامور معاشھم ومعادھم۔

۲۔ اس جملہ میں اپنے مخصوص انداز میں اس جلیل القدر کتاب کے نزول کا مقصد حقیقی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اس کا مقصد صرف یہی نہیں کہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر دفع جنات و آفات کے لیے گھر کے کسی اونچے طاق پر رکھ دیا جائے یا طوطے کی طرح اس کی آیات کو بلا سوچے سمجھے پڑھ دیا جائے۔ یہ کتاب انسانیت کا رخ موڑنے کے لیے اس کے بخت خفتہ کو بیدار کرنے کے لیے اس کے شعور خوابیدہ کو نکھارنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ یہ نابکاروں کو اور گم کردہ راہ مسافروں کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ بروقت اصلاح احوال کی کوشش میں لگ جائیں ورنہ اپنے آپ کو اس عذاب کے لیے تیار کرلیں جس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۳۔ اور جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور راہ حق پر چل پڑے اور اپنے نظریات کی صداقت پر اعمال حسنہ کی گواہی پیش کر دی انھیں یہ کتاب مژدہ سناتی ہے کہ غمگینوں سے نجات ملی اور ثابت قدمی سے آگے بڑھتے چلے جاؤ۔ جنت خداوندی نے جنت فردوس کی بہاروں کو حکم دیا ہے کہ وہ خوش آمدید کہنے کے لیے آئیں۔ مسافروں کے پیش آمد کرنے کے لیے پھول کھلیں جو مہک اور رنگ و نگہت انکے بلند مرتبہ کے شایان شان ہو اور انھیں یہ بھی بتا دو کہ یہ بہاریں کبھی خزاں آشنا نہ ہوں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ ان سے لذت و سرور حاصل کرتے رہیں گے۔

۴۔ عرب میں بت پرستی اور شرک کی انتہائی مختلف شکلیں مروج تھیں ان میں سے ایک شکل یہ تھی کہ بعض لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یقین کرتے تھے اور ان کی پوجا کیا کرتے تھے۔ یہ کتاب کفر و شرک کی ساری صورتوں کو ختم کرنے کے لیے آئی ہے خصوصاً یہ عقیدہ جس کو عقل اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود قبول کرنے کے لیے تیار نہیں یہ محض جہالت، حماقت اور اندھی تقلید کا نتیجہ ہے۔ اس غلط اور احمقانہ عقیدہ کے خوفناک نتائج سے آگاہ کرنا بھی اس کتاب کے مقاصد سے ہے۔

عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ

کچھ علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو کتنی بڑی ہے وہ بات جو نکلتی ہے ان کے مونہوں سے نہیں وہ

يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ

کہتے ہیں مگر سراسر جھوٹ۔ تو کیا آپ (فرط غم سے) تلف کر دیں گے اپنی جان کو ان کے پیچھے اگر وہ

يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً

ایمان نہ لائے اس قرآن کریم پر افسوس کرتے ہوئے۔ بیشک ہم نے بنایا ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں اس کے لیے زینت

لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا

تاکہ ہم آزمائیں انھیں کہ ان میں سے کون بلحاظ عمل کے بہتر ہے۔ اور ہم ہی بنانے والے ہیں ان چیزوں کو جو زمین پر ہیں۔

ل کبرت کا فاعل ضمیر ہے جو اس میں مستتر ہے۔ اور کلمۃ اس کی تمیز ہے اس لیے منصوب ہے اور یہ اسلوب کلام اظہار تعجب کے لیے اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ نادان کتنی بڑی اور کتنی نامعقول بات اپنی زبان پر لا رہے ہیں اور کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔

ل ادھر جو یہ لوگ تھے کا یہ حال ہے کہ کسی معقول بات پر بھی غور نہیں کرتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور ادھر رافت و رحمت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر قیمت پر انھیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے سے بچانے کا خیال ہر وقت بے چین رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے صحن میں، بازار مکہ کی چہل پہل میں، کوچہ و بازار میں، ان کی نشست گاہوں میں اور ان کے خلوت کدوں میں جا جا کر انھیں سمجھایا جا رہا ہے۔ وہ بار بار جھڑکتے ہیں، ناک بھوں چڑھاتے ہیں، منہ پھیر لیتے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا چشمہ وہاں ہی رہتا ہے۔ جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے سب کی آنکھیں محو خواب ہوتی ہیں تو یہ اٹھتا ہے اپنا سر نیاز بارگاہ بے نیاز میں جھکاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کے لیے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں۔ وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے۔ وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشم مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کے لیے گر پڑتے ہیں۔ یہ بے خوابیاں، یہ بیتابیاں کن کے لیے ہیں؟ ان کے لیے جو جان کے دشمن اور خون کے پیاسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہیں کہ اتنا غم نہ کیجیے۔ بخع کا معنی ہے غم و اندوہ سے جان تلف کر دینا۔ البخع قتل النفس غما۔ (مفردات)

ل یہ باغ و بہار، یہ مرغزار و کوہسار، یہ گل و عندلیب، یہ بہتے ہوئے دریا، یہ چہچہاتے ہوئے طیور، یہ صبح کا اجالا اور غروب آفتاب کا حسن

صَعِيدًا جُرُزًا ۝٨ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ

ویران یک چٹیل میدان غیر آباد۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور رقیم والے

كَانُوا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا

ہماری ان نشانیوں میں سے بڑے عجیب تھے۔ یاد کرو جب پناہ لی ان جوانوں نے غار میں پس انھوں نے دعا مانگی اے ہمارے رب!

غرضیکہ حسن و جمال کی یہ نمائش جو ہر جگہ ہو رہی ہے اس لیے نہیں کہ لوگ اس میں کھو جائیں اور داد عیش دیتے دیتے زندگی گزار کر رخصت ہو جائیں بلکہ یہ سب نمائشیں اس لیے ہیں ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کون حسن مجازی اور جمال فانی کے نظاروں پر فریفتہ ہو کر رہ جاتا ہے اور کون ان دلفریب نظاروں اور دلربا ظروف میں جلوہ گر ہونے والی تمام دلکشیوں سے دامن دل بچا کر جو ہر محبوب کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ظاہری حسن و زیبائی کی پرستش میں اپنا وقت برباد نہ کرے بلکہ اپنے خالق حقیقی کی معرفت اور قرب حاصل کرنے کے لیے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے۔

۱۰ زمین پر جتنی چیزیں بڑی حسین و جمیل اور پرکشش نظر آ رہی ہیں یہ سب فانی ہیں۔ ایک دن ان کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا۔ اور ساری زمین چٹیل اور بنجر ہو جائے گی۔ اس لیے فانی چیزوں کے لیے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا قطعاً عقلمندی نہیں۔

۱۱ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ کے باعث یہودی علماء اور ان کے تتبعین آپ کے خون کے پیاسے ہو گئے اور انھیں ہر طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ پر دین کی تحریف کا سنگین الزام لگا کر علاقہ کے رومی گورنر پیلاطس کے پاس مقدمہ دائر کیا اور اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے انھیں تختہ دار پر نہ چڑھایا تو وہ بغاوت کر دیں گے۔ چند حواریوں کے علاوہ ملک کی پوری آبادی یہود کی ہمنوا تھی۔ وہ اس لمحہ کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہی تھی جب آپ کو صلیب پر لٹکا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی خود حفاظت فرمائی اور آسمان کی طرف اٹھا کر ان ناہنجاروں کے ہتھکنڈوں سے آپ کو بچا لیا۔

ان حالات میں دین عیسوی کے پھلنے پھولنے کا کوئی امکان نہ تھا لیکن اپنے مخلص چند حواریوں کے دل میں حق کا جو چراغ حضرت مسیح روشن کر گئے تھے وہ مصائب کی ان تند آندھیوں میں بھی نہ بجھ سکا۔ ان کی پرجوش تبلیغ سے لوگ آہستہ آہستہ عیسائیت قبول کرنے لگے اور علاقہ بھر میں ان کے حلقے قائم ہو گئے جو اللہ تعالیٰ کی توحید، حضرت عیسیٰ کی رسالت اور قیامت پر یقین رکھتے تھے۔ اگرچہ ملک کی اکثریت اپنے رومی حکمرانوں کی طرح بت پرست تھی۔

لیکن ۲۴۹ء کے اواخر میں جب دقیانوس جسے رومی زبان میں ڈیسیس (DECIUS) کہتے ہیں برسر اقتدار آیا تو ہوا کا رخ پھر بدل گیا۔ اس نے ایک قانون کے ذریعے مسیحی دین پر پابندی لگا دی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے خیال کے مطابق یہ پہلا رومی فرمانروا تھا جس نے مسیحیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا جامع منصوبہ بنایا اور اپنی ساری قلمرو میں عیسائیوں کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۷ صفحہ ۱۲۰)۔

ایشیائے کوچک اس وقت رومی امپائر کے زیرنگین تھا وہاں کے مختلف شہروں میں بھی عیسائی آبادیاں تھیں۔ دقیانوس کی اس دار و گیر کی زد ان پر بھی پڑی۔ انھیں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اگر زندگی کی ضرورت ہے تو عیسائیت چھوڑ دو اور جن بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ ان کی پوجا کرو۔ جیسیس جب تک قدیم پروانہ ہوتا تو وہ اس مقصد کو تمام دوسرے امور مملکت پر ترجیح دیتا۔ ایک دفعہ اس کا گزر ایشیائے کوچک کی بستی افیسس (EPHESUS) پر ہوا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ارٹمیس یا ڈیانا دیوی کا مندر تھا جس کی بڑی دھوم دھام سے پوجا ہوتی تھی اور اسی مندر کی وجہ سے اس شہر کو ایک بین الاقوامی اہمیت حاصل تھی۔ یہاں جب دقیانوس نے عیسائیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو چند نوجوان اپنی دولت ایمان بچانے کے لیے اس سے چل نکلے۔ قریب ہی ایک پہاڑ تھا جس میں ایک وسیع غار تھا اس میں جا چھپے اور بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر التجائیں کرنے لگے کہ وہ انھیں اس ظالم اور سنگدل بادشاہ کے شر سے بچائے اور ان کو نعمت ایمان سے محروم ہونے سے ایسا نہ ہو کہ کسی آزمائش میں ان کا قدم لڑکھڑا جائے! وہ سوچ بھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ جائے! اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد سنی اور ان پر نیند مسلط کر دی تھی۔ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا۔ اس لیے اس میں دھوپ تو داخل نہ ہوتی لیکن ہوا اور روشنی کا گزر اچھی طرح سے تھا اس لیے یہاں ان کے جسم اس طویل نیند کے باوجود محفوظ تھے۔ قدرت مناسب وقفہ کے بعد ان کے پہلو بھی بدل دیتی جیسے نیند کی حالت میں ہم سوتے سوتے پہلو بدل لیا کرتے ہیں۔ اسی طرح کا احساس ان میں بھی یقیناً ہوگا۔ دور سے دیکھنے والے انھیں بیدار خیال کرتے حالانکہ وہ محو خواب تھے۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی ہو لیا تھا۔ انھوں نے اسے ہٹکانے کے لیے بڑے جتن کیے لیکن اس نے ساتھ نہ چھوڑا جب وہ غار میں جا کر آسودۂ خواب ہو گئے تو وہ بھی پاسبانی کی خاطر غار کے دہانے پر پاؤں پھیلا کر بیٹھ رہا۔

اس طرح ایک سو ننانوے برس کا عرصہ گزر گیا۔ دقیانوس کیفر کردار کو پہنچا۔ مختلف بادشاہ آئے اور اپنی چند روزہ شاہی کا ڈنکا بجا کر چل دیئے۔ پرانے شہر اجڑے نئی بستیاں آباد ہوئیں۔ افیسس کے شہر میں بھی اس دو سو سال کے زمانہ میں کیا شکست و ریخت نہ ہوئی ہوگی۔ جب حکمت الٰہی نے چاہا تو ان سونے والوں کو بیدار کر دیا۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ بیٹھے۔ خیال انھیں بھی گزرا کہ وہ آج تھوڑا سا کچھ زیادہ ہی سوتے رہے ہیں لیکن یہ بات ان کے سان گمان میں بھی نہ تھی کہ ان کو یہاں بے سُدھ پڑے دو صدیاں بیت گئی ہیں۔ اس لیے وہ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ وہ کتنی دیر سوئے ہیں۔

ان کی آنکھیں کیا کھلیں کہ بشری تقاضے بھی بیدار ہو گئے۔ انھیں بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو جس کا نام یملیخا بتایا جاتا ہے بستی کی طرف بھیجا کہ ان کے لیے کھانا خرید لائے۔ جب وہ غار سے نکل کر شہر کی طرف روانہ ہوا تو وادی و کوہسار وہی تھے لیکن ماحول میں اجنبیت کے آثار قدم قدم پر حیران کر رہے تھے۔ شہر میں گئے تو در و دیوار گلی کوچے زبان حال سے کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔ یملیخا سوچ رہے تھے کہ یا رب! یہ ایک آدھ رات میں کیا انقلاب آ گیا۔ کل جب چھوڑ کر گئے تو اس شہر کا کیا حال تھا اور آج کیا ہے۔ ایک نانبائی کی دکان پر گئے اور اسے کھانا دینے کے لیے کہا۔ اس نے کھانا دیا۔ انھوں نے وہی پرانا سکہ جو یہاں سے جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اس کی طرف

بڑھا دیا۔ دکاندار اس سکے کو دیکھ کر ہکا بکا ہو گیا۔ معاملہ نے طول کھینچا اور دوسرے دکاندار بھی اکٹھے ہو گئے۔ یملیخاء پر الزام لگایا گیا کہ یہ کوئی پرانا شاہی خزانہ اس کے ہاتھ آیا ہے۔ معاملہ حاکم شہر تک پہنچا۔ یہاں آکر حقیقت حال سے پردہ اٹھا۔ انہیں پتہ چلا کہ یہ ان نوجوانوں میں سے ایک ہے جو دقیانوس کے مظالم سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ لوگوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب ان کی جھلک دیکھنے کے لیے غار تک گئے۔ وہاں دوسرے ساتھی یملیخاء کا انتظار کرتے کرتے اکتا گئے اور ان کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے تھے۔ جب انہوں نے ایک جم غفیر غار کی طرف آتے دیکھا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کا ساتھی پکڑا گیا ہے اور اس کے بتانے پر یہ ہجوم انہیں گرفتار کرنے کے لیے دوڑا چلا آ رہا ہے۔ جب لوگ حاکم شہر کی قیادت میں وہاں پہنچے تب اصحاب کہف کو معلوم ہوا کہ انہیں یہاں ٹھہرے صدیاں گزر چکی ہیں اور اب حالات کا رخ بدل گیا ہے اور عیسائیت کا ہر طرف چرچا ہے۔ صرف رعایا ہی نہیں بلکہ حکومت بھی اس دین کو قبول کر چکی ہے۔ بعض مورخین کے بیان کے مطابق یہ واقعہ ۴۴۶ء میں پیش آیا جبکہ روما کے تخت پر تھیوڈوسیس (OHEOSIUS) متمکن تھا۔

مفسرین کرام اور مورخین نے اصحاب کہف کی جگہ، زمانہ اور ان کے مخصوص حالات کے متعلق متعدد اقوال نقل کیے۔ بعض اسے حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے پہلے کا واقعہ بتلاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کہف خلیج عقبہ کے نواحی پہاڑوں میں واقع ہے۔ بعض نے شام کے کسی مقام کا تعین کیا ہے اور علامہ ابو حیان اندلسی صاحب البحر المحیط نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سارا واقعہ اندلس کے ملک میں ہوا۔ وہ لکھتے ہیں غرناطہ کے قریب ایک قصبہ ہے جسے "لوشہ" کہتے ہیں۔ اس میں ایک غار ہے جہاں کئی مردوں کے ڈھانچے ہیں اور ان کے پاس ایک کتے کا ڈھانچہ بھی ہے۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے ۵۰۴ھ میں انہیں اسی حالت میں دیکھا ہے۔ وہاں ایک مسجد بھی ہے اور ایک رومی طرز کی پرانی عمارت بھی ہے جسے "الرقیم" کہا جاتا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ کسی قدیم قصر کے کھنڈرات ہیں اور غرناطہ سے قبلہ کی جانب ایک پرانے شہر کے آثار پائے جاتے ہیں جس کا نام مدینہ دقیوس بتایا جاتا ہے۔ ابن عطیہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد علامہ ابو حیان لکھتے ہیں کہ جب ہم اندلس میں تھے تو لوگ اس غار کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ (البحر المحیط)

کئی دیگر مقامات میں غاروں میں اس قسم کے ڈھانچے دکھائی دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہل حق پر جب بھی جور و تشدد کا بازار گرم ہوا ہو تو ان میں سے چند لوگوں نے قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لی ہو اور ان کے ڈھانچے اسی طرح محفوظ ہوں اور اندلس کے جس غار کا ذکر علامہ ابن حیان نے کیا ہے وہ بھی اسی طرح کا ایک غار ہو۔

لیکن میں نے جو تفصیل لکھی ہے مجھے وہی حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہمارے مفسرین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک مشہور انگریز مورخ ایڈورڈ گبن (EDWARD GIBBAN) نے بھی اپنی معروف تاریخی کتاب (THE DECLINE AND FALL OF ROMAN EMPIRE) کی پہلی جلد صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۴ میں "سات سونے والوں" کے احوال لکھے ہیں جو بالکل اس واقعہ سے مطابقت رکھتے ہیں حتیٰ کہ عربی مصادر میں جو نام ہیں تقریباً وہی نام اس نے بھی درج کیے ہیں۔ مورخ مذکور نے اس کے حاشیہ میں اس

واقعہ کا ماخذ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ شام کے مشہور بشپ جیمس سروج (JAMES OF SARUJ)
کے مجموعہ مواعظ جو ۲۳۰ مواعظ پر مشتمل ہے کے ایک وعظ سے لیا ہے۔ یہ بشپ ۴۵۲ء میں پیدا ہوا اور ۴۷۴ء میں اس
نے یہ مواعظ لکھے۔ ۵۱۹ء میں بشپ مقرر کیا گیا اور ۵۲۱ء میں اس نے وفات پائی اور چھٹی صدی کے اختتام سے
پہلے شامی زبان سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہو گیا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہ کتاب اس واقعہ کے وقوع پذیر ہونے
کے اقرب ترین زمانہ کی تحریر ہے۔ اس لیے اس میں حقیقت کی زیادہ سے زیادہ جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔ یہ مواعظ کیونکہ
تقریباً پچاس برس بعد لکھے گئے اس لیے ان کی ساری تفصیلات کو جوں کا توں تسلیم کر لینا قطعاً قرین دانش نہیں البتہ یہ
کہا جا سکتا ہے کہ اس مجموعہ کے بیان کردہ حالات دوسری روایات سے کہیں زیادہ صحیح صورت حال کے ترجمان ہو سکتے ہیں۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کے واقعہ کا وہ پہلو ذکر کیا جو ہمارے لیے ہدایت کا درس رکھتا ہے باقی اس کے
زمان و مکان وغیرہ تفصیلات کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا۔ ہر واقعہ کے بیان میں قرآن کریم کا اسلوب یہی ہے اور یہی ایک
ایسی خصوصیت ہے جو قرآن حکیم کو تاریخ کی کتب سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں ان سے مقصود داستان سرائی نہیں بلکہ
عبرت آموزی اور بصیرت افروزی ہے۔ صحیح احادیث میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات مذکور نہیں۔ البتہ بعد میں تابعین نے
اہل کتاب سے جو کچھ سنا اسے ذکر کر دیا کیونکہ گزشتہ واقعات کے متعلق انہیں علماء کے بیانات مستند تصور کیے جاتے تھے اور یہاں تک کہ ان علماء کے پاس اس واقعہ کے
متعلق پہلی تحریری دستاویز بشپ جیمس کے مواعظ ہیں اس لیے یہ خیال کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ واقعہ کی یہ تفصیلات حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔

یہاں ایک چیز ضرور قابل غور ہے۔ گبن نے بڑی گستاخی سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور کریم نے یہ واقعہ
اپنے شام کے تجارتی سفروں کے اثناء میں یہاں اہل کتاب سے سنا اور اسے وحی الٰہی کہہ کر قرآن میں درج کر دیا۔ کیونکہ قرآن
کریم کی بیان کردہ تفصیلات جیمس کے مواعظ میں بیان ہوئی تفصیلات سے کلی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس لیے اس گستاخ
اور ہٹ دھرم مؤرخ نے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس پر بے علمی اور جہالت کا الزام لگایا۔ اس طرح اس نے نہ صرف حقیقت
کا منہ چڑایا ہے بلکہ مؤرخ کے بلند مقام کو بھی تعصب کی غلاظت سے آلودہ کر دیا ہے۔ جب وہ خود مانتا ہے کہ یہ مجموعہ
۴۷۴ء میں لکھا گیا اور اسی کے قول کے مطابق یہ واقعہ ۴۲۷ء میں پیش آیا۔ لہٰذا انصاف فرمائیے ان پچاس سالوں میں
اس میں کیا کچھ رد و بدل نہ ہو گیا ہو گا۔ کئی ایسی چیزیں نظرانداز کر دی گئی ہوں گی جو انسان کے جذبہ عجوبہ پرستی کی تسکین کا
باعث نہیں بنتیں اور کئی باتیں بڑھا دی گئی ہوں گی تاکہ اس واقعہ کو نمک مرچ لگا کر پیش کیا جا سکے۔ اس لیے جیمس کی
تفصیلات کا سو فیصدی صحیح ہونا قطعاً یقینی نہیں۔ جب اس کی صحت قطعی نہیں تو قرآن کی صداقت کا انحصار ان مواعظ
سے مطابقت پر نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی قرآن کو کسی گبن کے قول کی سند کی ضرورت ہے۔

اس واقعہ کا ایک مجمل خاکہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ اب آیات قرآنی کی روشنی میں اس واقعہ کو پڑھیے۔

لہ کہف: الغار الواسع، وسیع غار۔ الرقیم۔ کے متعلق متعدد اقوال مذکور ہیں۔ کعب نے کہا کہ یہ اس شہر کا نام
ہے جہاں سے یہ لوگ گئے تھے۔ ابن عباس نے فرمایا یہ اس وادی کا نام ہے جس میں یہ غار تھا لیکن عام علمائے تفسیر کا میلان

آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٠﴾ فَضَرَبْنَا عَلَىٰٓ

ہمیں عطا فرما اپنی جناب سے رحمت اور مہیا فرما ہمارے لیے ہمارے کام میں ہدایت ۔ ١١ پھر ہم نے بند کر دیئے ان کے

آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿١١﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ

کان (سننے سے) اس غار میں کئی سال تک جو گنے جاتے تھے ١٢ پھر ہم نے انھیں بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھیں کہ ان دو

الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ﴿١٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم

گروہوں میں سے کون ٹھیک شمار کر سکتا ہے اس مدت کا جو وہ (غار میں) ٹھہرے تھے ١٣ اے حبیب! ہم بیان کرتے ہیں آپ سے ان کی خبر

اس حقیقت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ رقیم بمعنی مرقوم یعنی لکھا ہوا ہے یعنی وہ تختی جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے احوال لکھ کر ایک صندوق میں محفوظ کر دیئے گئے تھے تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کو ان کے حالات کا صحیح علم ہو سکے اور جب یہ لوگ اس ظالم شہر کو چھوڑ کر ... میں ان میں سے ایک جوان جو ظالم بادشاہ کے جبر و تشدد سے اپنے ایمان کو بچانے کے لیے غار میں پناہ گزین ہو گئے تھے تو اس تحقیق نے اس بیان کی تصدیق کر دی۔ ام حسبت میں استفہام انکاری ہے کہ تم اصحاب کہف کے واقعہ کو عجائبات قدرت میں سے عجیب ترین واقعہ سمجھتے ہو! نہیں بلکہ اس کی قدرت کی اعجاز آفرینی دیکھنی ہو تو اس نیلگوں آسمان کو دیکھو اور اس کشادہ زمین کو دیکھو تمہیں ہر جگہ اس کی قدرت و حکمت کے روشن جلوے نظر آئیں گے۔

١١ فتیۃ جمع ہے اس کا واحد فتی ہے۔ جب نوجوانوں کا یہ گروہ غار میں جا چھپا تو انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دست دعا پھیلاتے ہوئے عرض کی الٰہی! ہمیں اپنی رحمت کا سزاوار بنا اور ہمیں اپنی رحمت سے نواز تاکہ ہمارا ایمان بھی محفوظ رہے اور ہمارے گناہ بھی بخش دے۔ ہمیں رزق بھی بہم پہنچا اور ہمیں دشمن کے پنجہ استبداد سے بھی محفوظ رکھ۔ رشدا کا معنی صاحب قاموس نے یہ کیا ہے استقامۃ علی طریق الحق مع تصلب فیہ۔ (قاموس) یعنی جس مقصد کے لیے ہم اپنے عزیز و اقارب اور اپنے وطن کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں اس راہ میں ہمیں استقامت اور ثبات نصیب فرما۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان کی وسوسہ اندازی سے انجام کار ہم اس نعمت سے محروم کر دیئے جائیں۔

١٢ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ان پر حالت خواب طاری کر دی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: یہ قرآن کے ان فصیح جملوں سے ہے جن کی نظیر لانے سے فصحاء عرب قاصر رہے ہیں۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں کو بند کر دیا تاکہ کوئی آواز ان کی نیند میں خلل نہ پیدا کر سکے۔

١٣ اس جملہ کی ترکیب جب تک معین نہ ہو تو اس کا مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی ہے اس لیے ترکیب درج ذیل ہے:-

ایّ الحزبین مبتدا، احصی فعل ماضی اس کا فاعل ہو، لما لبثوا اس کا حال ہے، امدا اس کا مفعول ہے۔ جملہ خبر ہوا۔ (مظہری)

بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾ وَرَبَطْنَا

ٹھیک ٹھیک۔ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے نورِ ہدایت میں اضافہ کر دیا ۱۷ اور ہم نے

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ (راہِ حق میں) کھڑے ہوگئے ۱۸ تو انھوں نے (برملا) کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جو پروردگار ہے

لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا

آسمانوں اور زمین کا ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اس کے سوا کسی معبود کو (اگر ہم ایسا کریں) تو گویا ہم نے ایسی بات کہی جو حق سے دور ہے ۱۹ یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ

جنھوں نے بنا لیا ہے اس کے سوا خداؤں کو (اپنے) خدا کیوں نہیں پیش کرتے ان (کی خدائی) پر کوئی ایسی دلیل جو روشن ہو

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿١٥﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ

ورنہ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتا ہے ۔ اور جب تم الگ ہوگئے ہو ان (کفار) سے

۱۶ اب ذرا وضاحت سے ان کا حال بیان ہوتا ہے۔

۱۷ یعنی وہ ایمان لائے اور جب انھوں نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا اور حکمِ خداوندی بجا لانے میں کسی کوتاہی کا ثبوت نہ دیا تو ہم نے ان کے دلوں کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا اور ان کے سینہ کو ہدایت کا گنجینہ بنا دیا۔ اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت میں بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

۱۸ جب وہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے عزم بالجزم کر لیا تو ہم نے ان کے دلوں کو جذبۂ استقامت سے معمور کر دیا اور وہ بے خطر آتش کے اس خارزار میں آگے بڑھتے چلے گئے۔

۱۹ جب انھیں دقیانوس کے روبرو پیش کیا گیا اور اس نے ان سے ان کے عقیدہ کے متعلق دریافت کیا تو زبانِ عشق کسی مصلحت بینی کا روادار نہ ہوا بلکہ خون آشام تلواروں کی جھنکار میں بیدھڑک یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب جس کی جناب میں ہم سجدہ ریز ہوتے ہیں جس کی شرابِ محبت سے ہماری روحیں سرشار ہیں جس کی حمد کی لذت سے ہماری زبانیں آشنا ہیں وہ ان کمالات کا مالک ہے۔ کیا وہ تمھارے آذر یا تمھاری ڈائنا دیوی میں پائے جاتے ہیں۔

۲۰ یعنی جو اس کے علاوہ کسی غیر کی بندگی کرتے ہیں وہ یاوہ گو ہیں مطلب یہ تھا کہ تم سب یاوہ گو ہو۔

وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ

اور ان چیزوں سے جن کی یہ پوجا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا۔ تو اب پناہ لو غار میں پھیلا دے گا تمہارے لیے تمہارا رب اپنی

رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مِرْفَقًا ﴿١٦﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا

رحمت (کا دامن) اور مہیا کر دے گا تمہارے لیے تمہارے اس کام میں سہولتیں ٢٢ اور تو دیکھے گا سورج کو جب وہ

طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ

ابھرتا ہے تو وہ ہٹ کر گزرتا ہے ان کی غار سے دائیں جانب ٢٣ اور جب وہ ڈوبتا ہے تو بائیں طرف

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَنْ

کترا جاتا ہوا ڈوبتا ہے اور وہ سوئے ہوئے ہیں ایک کشادہ جگہ میں اس (سورج) کا یوں (طلوع و غروب) اللہ تعالیٰ کی نشانیوں

يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا

میں سے ہے (حقیقت یہ ہے کہ) جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کرے تو تو نہیں پائے گا اس کے لیے کوئی

مُرْشِدًا ﴿١٧﴾ وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ

مددگار (اور) رہنما۔ اور اگر تو دیکھے تو تو انہیں بیدار خیال کرے گا حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں ٢٤ اور ہم ان کی کروٹ بدلتے رہتے ہیں کبھی

الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ

دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب اور ان کا کتا پھیلائے بیٹھا ہے اپنے دونوں بازو ان کی دہلیز پر ٢٥

٢٢ اس کا معنی ہے ما یرتفق بہ یعنی جس سے نفع اور فائدہ حاصل کیا جائے۔

٢٣ اس کی صورت یہ تھی کہ غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا۔ سورج طلوع ہوتا تو بھی، غروب ہوتا تو بھی۔ اس کی دھوپ اس کے دہانہ میں داخل ہوتی۔

٢٤ ایقاظ کا واحد یقظ ہے۔ رقود کا واحد راقد۔

٢٥ وصید غار کا صحن یا دروازہ کی چوکھٹ۔ وصید فناء البیت او عتبة الباب۔

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اگر تو جھانک کر انھیں دیکھے تو ان سے منہ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو ۲۵ اور تو بھر جائے ان کے منظر کو دیکھ کر ہیبت سے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ

اور اسی طرح ہم نے انھیں بیدار کر دیا ۲۶ تاکہ وہ ایک دوسرے سے آپس میں پوچھیں ۲۷ کہنے لگا ایک کہنے والا ان میں سے کتنی

لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا

مدت ٹھیرے رہے تم بعض نے کہا ہم ٹھیرے رہے ایک دن یا دن کا کچھ حصہ دوسروں نے کہا تمھارا رب بہتر جانتا ہے

لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ

جتنی مدت تم ٹھیرے ۲۸ پس بھیجو کسی کو اپنے ساتھیوں سے یہ اپنے ایک سکے کے ساتھ شہر کی طرف ۲۹ پس وہ دیکھے کہ

اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

کس کے ہاں عمدہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے پس وہ لے آئے تمھارے پاس کھانا وہاں سے اور اسے چاہیے کہ خوش خلقی سے کام لے ۳۰ اور کسی کو

۲۵ ان کے رعب اور ہیبت کی وجہ کیا تھی اس کی کئی وجہیں بیان کی گئی ہیں لیکن صحیح وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سارے ماحول کو اتنا خوفناک اور ہیبت ناک بنا دیا تھا کہ وہاں پہنچتے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل ڈوبنے لگتا اور کسی شخص کو اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ قیل ان اللہ تعالیٰ منعھم بالرعب لئلا یدخل علیھم احد وھو الصحیح المختار۔ (قرطبی)

۲۶ جیسے ہم نے اپنی قدرت سے انھیں اتنے طویل عرصہ تک محو خواب رکھا اسی طرح ہم نے اپنی قدرت سے انھیں بیدار کر دیا۔

۲۷ انھیں محسوس ہوا کہ خلاف معمول آج وہ زیادہ وقت تک سوتے رہے ہیں اس لیے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے۔

۲۸ سونے کی مدت کے متعلق کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ۔ آخر طے یہ ہوا کہ اس فضول بحث میں وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں اس کو خدا کے سپرد کر دو وہی صحیح طور پر اس بات کو جانتا ہے۔

۲۹ جتنا عرصہ سوئے رہے بشری تقاضے معطل رہے اور جب جاگے تو فوراً پیٹ نے کھانا طلب کرنا شروع کر دیا۔

۳۰ بادشاہ سے بھاگ کر آئے تھے پکڑے جانے کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ جو شخص کھانا لانے کے لیے جانے لگا اسے خصوصیت سے اس امر کی تاکید کر دی گئی کہ کوئی زیادتی بھی کرے تو درگزر کرنا ایسا نہ ہو کہ درشت کلامی کرو اور پکڑے جاؤ اور لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اور یہ بھی اسے تنبیہ کی گئی کہ خیال رہے کہ کوئی تمھیں پہچاننے نہ پائے چپکے سے اپنے راستے سے جاؤ جہاں زیادہ

بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٩﴾ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ

تمہاری خبر ہونے دے۔ وہ لوگ اگر آگاہ ہو گئے تم پر تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا تمہیں پھیر دیں گے

فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢٠﴾ وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

اپنے مذہب میں اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پا سکو گے اور یونہی بستی والوں کو ہم نے

لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ

آگاہ کر دیا ان (اصحاب کہف) پر تاکہ وہ جان لیں کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور بلاشبہ قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں ۲۴ جب

يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ

وہ بستی والے جھگڑ رہے تھے آپس میں ان کے معاملہ میں تو بعض نے کہا کہ (بطور یادگار) تعمیر کر دو ان کے غار پر کوئی عمارت ۲۵ ان کا رب

کھا کر کسی نہ کسی سامان خوراک لاؤ اور واپس لوٹ آؤ۔ ایسا نہ ہو کہ بازار کے ہنگاموں میں کھو جاؤ اور پہچان لیے جاؤ۔

۲۲ اور اگر تم پکڑے گئے تو وہ ہم سب کو گرفتار کر لیں گے۔ انہیں ہماری اطلاع ہو گئی تو وہ ہم پر آ پہنچیں گے اور نہ وہ ہماری بات سنیں گے پر تیار ہوں گے کسی حیلہ سے ہیں گھیر کر وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ ہمارے بچنے کی ایک ہی صورت ہو گی کہ ہم ان کی بت پرستی کو قبول کر لیں۔

۲۳ اور اگر ایمان دے کر ہم نے جان بچا لی تو یہ ایسا خسارے کا سودا ہو گا جس کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔

۲۴ اگرچہ عیسائی مذہب کافی پھیل چکا تھا لیکن ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو اپنے آبائی مشرکانہ عقائد پر ڈٹے ہوئے تھے اور قیامت پر ان کا عقیدہ نہ تھا نیز وقت گزرنے کے ساتھ عیسائیوں میں بھی عقائد کی خرابیاں رونما ہو چکی تھیں۔ ان میں بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو یا تو سرے سے قیامت کا منکر تھا یا روحانی حشر کا قائل تھا جسمانی حشر کا مذاق اُڑاتا تھا۔ بادشاہ وقت کو اس امر سے بڑی تشویش تھی۔ وہ اپنے دین کے اس بنیادی عقیدہ کی تضحیک گوارا نہ کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس کوئی ایسی قوی دلیل بھی نہ تھی جس سے وہ منکرین قیامت کو دندان شکن جواب دے سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں سینکڑوں سال سوئے ہوئے اصحاب کہف کو صحیح و سلامت جسموں کے ساتھ بیدار کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ایک ناقابل تردید ثبوت مہیا کر دیا اور سب کو یقین کرنا پڑا کہ جو خدا دو سو سال تک غار میں سونے والوں کو یوں صحیح و سالم اٹھا سکتا ہے اس کے سامنے کیا بعید ہے کہ تمام مردوں کو قیامت کے دن زندہ کر کے کھڑا کر دے۔

۲۵ اصحاب کہف نے بیدار ہونے کے کچھ عرصہ بعد طبعی وفات پائی اب باہمی اختلاف ہوا بعض کی رائے یہ تھی کہ

أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم

(ان کے حال سے) خوب واقف ہے۔ کہنے لگے وہ لوگ جو غالب تھے اپنے کام پر کہ ہم بنائیں گے تو ضرور ان پر ایک مسجد

مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ

بنائیں گے۔ کچھ کہیں گے کہ اصحاب کہف تین تھے چوتھا ان کا کتا تھا اور کچھ کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا

كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي

کتا تھا یہ سب تیر تکے چلا رہے ہیں بن دیکھے۔ اور کچھ کہیں گے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ آپ فرمایئے

غار کے دروازے پر دیوار چن دی جائے تاکہ اندر کوئی نہ جا سکے۔ بعض کی رائے یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک مسجد تعمیر کر دی جائے تاکہ آنے والے اس میں عبادت کر سکیں اور اس طرح اصحاب کہف کی یاد تازہ ہوتی رہے۔ ای بعضہم قال الاولی ان یسد باب الکہف لئلا یدخل علیہم وقال آخرون بل الاولی ان یبنی علی باب الکہف مسجد وھذا القول یدل علی ان اولئک الاقوام کانوا عارفین باللہ معترفین بالعبادۃ والصلاۃ۔ (رازی)

علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہاں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اولیاء کرام کے مزارات کے قریب ان سے تبرک حاصل کرنے کے لیے مسجد بنانا جائز ہے۔ ھذہ الآیۃ تدل علی جواز بناء المسجد علیہم عند مقابر الاولیاء قصداً للتبرک۔ (مظہری)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جن احادیث میں مسجد بنانے کی ممانعت مذکور ہے وہاں مراد یہ ہے کہ قبروں کی طرف سجدہ نہ کیا جائے۔ ومعنی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد انھم یسجدون الی القبور کما ھو صریح فی حدیث ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیھا رواہ مسلم۔
یعنی ابو مرثد غنوی سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو (مظہری)

؎ اصحاب کہف کی تعداد میں بھی عیسائی مختلف الرائے تھے۔ یعقوبیہ فرقہ کہتا وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے۔ نسطوریہ کہتے چار ہیں پانچواں ان کا کتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ محض ان کی قیاس آرائیاں ہیں اور وہ ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں رجما بالغیب منصوب علی المصدریۃ یعنی یرجمون رجما او یرمون رمیا بالخبر الغائب عنھم (مظہری)

؎ بعض کا خیال ہے وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اکثر علماء کی رائے میں یہ تعداد صحیح ہے کیونکہ جس طرح پہلے دو قولوں کے متعلق قرآن نے رجما بالغیب کا لفظ ذکر کیا ہے اس کے لیے نہیں کیا۔

أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً

(اس بحث کو رہنے دو) میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو اور نہیں جانتے ان (کی صحیح تعداد) کو مگر چند آدمی پس مت بحث کرو ان کے بارے

ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايْءٍ إِنِّي

میں بجز اس کے کہ سرسری سی گفتگو ہو جائے ان سے اور نہ دریافت کرو ان کے متعلق (اہل کتاب) میں سے کسی سے ف۲۲ اور ہرگز نہ کہنا کسی چیز کے

فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

متعلق کہ میں ایسے کرنے والا ہوں کل مگر اس کے ساتھ یہ بھی کہو) اگر چاہا اللہ تعالیٰ نے ف۲۳ اور یاد کرو اپنے رب کو جب بھول جاؤ ف۲۴ اور کہو

ف۲۲ یہ فرما کر سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا کہ یہ کوئی اہم بات نہیں جس کے تصفیہ کے لیے تم آپس میں دست گریبان ہو۔ اسے خدا کے سپرد کر دو۔ وہ ان کی تعداد خوب جانتا ہے۔ اور وہ لوگ معدودے چند ہیں جن کو ان کی صحیح تعداد کا علم ہے۔ حضرت ابن عباس سے اصحاب کہف کے مندرجہ ذیل نام منقول ہیں:۔

یمکسلمینا، یملیخا، مرطونس، سنونس، ساربونس، ذونواس، کعسططیونس۔ (مظہری)

ف۲۳ بعض نصاریٰ سے اس بارے میں الجھنے کی ضرورت نہیں نہ اس بحث میں اتنا توغل کرنا چاہیے۔ ہاں سرسری گفتگو کے طور پر بات چیت ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ان آیات بینات کے بعد ان کے متعلق دریافت کرنے کی تمہیں کیا ضرورت ہے۔

ف۲۴ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کی تعلیم و تربیت اور اصلاح و تادیب کا ذمہ خود اٹھایا تاکہ اس کے محبوب پر کسی کا احسان نہ ہو بلکہ جو ہو وہ اسی حبیب کے خوان احسان و انعام کا ریزہ چین ہو۔ وہ خود ہی اس کا معلم، خود ہی مربی اور خود ہی اس کا مؤدب ہے۔ اس امر کے متعلق سورۂ والضحیٰ میں فرمایا اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا تو اپنے آغوش کرم میں آپ کو پناہ دی۔ اب آپ خود اندازہ فرما لیجئے جس کی تعلیم و تربیت علیم و حکیم خداوند کریم نے فرمائی ہو گی اس کے علم و دانش کا اور اس کے مکارم اخلاق کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ انہی اسباق میں سے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پڑھائے ایک یہ سبق ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی اے حبیب اگر آپ یہ ارادہ کریں کہ کل آپ فلاں کام کریں گے تو یوں مت کہو کہ کل میں ایسا کروں گا بلکہ اس طرح کہو کہ اگر میرے خداوند کریم کو منظور ہوا تو کل میں ایسا کروں گا اس طرح ایک تو اظہار حقیقت ہے کیونکہ کسی کے پاس وسائل کی کتنی فراوانی ہو اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو اس کی ساری مساعی بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں۔ ہر چیز کے وقوع پذیر ہونے کا انحصار مشیت الٰہی پر ہے۔ دوسرا مومن کی شان ہی یہ ہے کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تاکہ اس کی نظر کرم سے راہ کی ساری صعوبتیں خود بخود دور ہوتی چلی جائیں۔ علامہ ابن جریر

عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿٢٤﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ

یقیناً کہو کہ مجھے امید ہے کہ دکھائے گا مجھے میرا رب اس سے بھی قریب تر ہدایت کی راہ اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) وہ

ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ

ٹھہرے رہے اپنے غار میں تین سو سال اور زیادہ کیے انہوں نے (ان پر) نو (سال) آپ فرمائیے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے

لکھتے ہیں: ہٰذا تادیب من اللہ عز ذکرہ لنبیہ صلی اللہ علیہ وسلم عھد الیہ ان لا یجزم علی ما یحدث من الامور انہ کائن لا محالۃ الا ان یصلہ بمشیئۃ اللہ تعالیٰ۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو یہ ادب سکھایا کہ کسی کام کے واقع ہونے کے متعلق یقینی ذکر نہ کریں جب تک اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی سے وابستہ نہ کر لیں۔

ثالثاً اگر یاد الٰہی سے کبھی غفلت ہو جائے تو غفلت کے سلسلہ کو دراز نہ ہونے دو بلکہ جلد از جلد اس کو ختم کرو جب بھی غفلت کا احساس ہو تو وقت ضائع کیے بغیر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ اسی سے علماء کرام نے نماز کی قضا پر استدلال کیا ہے۔

عارف باللہ علامہ پانی پتی نے خوب لکھا ہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سوا سب پیاری پیاری یادوں کو دل سے محو کر چکو تو یاد الٰہی میں مشغول ہو جاؤ کیونکہ اس یاد الٰہی میں کیا لطف جب اس کے ساتھ ساتھ دوسری یادیں بھی تمہارے نہاں خانہ دل میں سر چھپائے بیٹھی ہوں وقالت الصوفیۃ العلیۃ ان معنی الآیۃ واذکر ربک اذا نسیت ما عداہ فانما ذکر اللہ سبحانہ انما لا یحصل ما لم یحصل قلبہ نسیان ما سواہ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں وھذا التاویل انسب بحقوق الکتاب ونظم العربیۃ وابعد من التقدیر (مظہری)

لگتا ہے یعنی استثناء (ان شاء اللہ) نہ کہنے کی وجہ سے جو احساس ندامت ہوا اور اس سے استغفار کی جائے تو وہ مآل و ثواب کے لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔ اس جملہ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار نے بغاوت و آزمائش کے لیے حضور سے اصحاب کہف کا حال دریافت کیا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو ان کے متعلق آگاہی بخشی اور ساتھ ہی فرمایا کہ آپ ان لوگوں کو جو اصحاب کہف کے حالات بتلانے کو آپ کی نبوت اور صداقت کی دلیل قرار دے رہے ہیں کہہ دیں کہ میری صداقت کی ایسی ایسی روشن دلیلیں اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانے والا ہے کہ ان کے سامنے اس واقعہ کا علم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں وقد فعل حیث آتاہ علم غیب المرسلین وعلم ما کان وما یکون ما ہو اوضح فی الحجۃ واقرب الی الرشد من نبأ اصحاب الکہف (مظہری)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایسا کر بھی دیا کہ اپنے محبوب کو مرسلین کے غیب کا علم اور علم ما کان وما یکون عطا فرمایا جو حضور کی نبوت و رسالت کی واضح اور پختہ دلیل ہے۔

۲۵؎ امام ابن جریر نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضرت قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ تین سو نو سال کی یہ مدت یہودیوں کا

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اسی کے لیے علم ہے پوشیدہ آسمانوں اور زمین کا — وہ کیا خوب دیکھنے والا ہے اور سب باتیں سننے والا ہے[23] — نہیں ان کا اس کے سوا

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ

کوئی دوست — اور وہ نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو[24] — اور پڑھ سنایئے (انہیں) جو وحی کیا جاتا ہے آپ کی

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿٢٧﴾

طرف آپ کے رب کی کتاب۔ کوئی بدلنے والا نہیں اس کے ارشادات کا۔ اور نہیں پائیں گے آپ اس کے سوا کوئی پناہ گاہ[25]

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ

اور روکے رکھیے اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو — صبح — و — شام

قول ہے۔ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں۔ ورنہ بعد میں یہ نہ فرمایا جاتا قل اللہ اعلم بما لبثوا کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جتنی مدت وہ ٹھہرے اور قتادہ کے اس قول کی تائید حضرت ابن مسعود کی قرأت سے ہوتی ہے۔ وقالوا ولبثوا فی الکہف۔

اب جب حقیقت یہ ہے کہ تین سو نو سال کی مدت قرآن کی بیان کردہ مدت نہیں بلکہ اہل کتاب کی رائے ذکر کی گئی اور پھر اس کے بعد اس کی تردید کر دی گئی تو اب گبن (۱۷۳۷ء-۱۷۹۴ء) نے قرآن اور صاحب قرآن پر اس وجہ سے جو اعتراض کیا ہے کہ یہ مدت غلط ہے صحیح مدت ۱۸۷ سال ہے، خود ہی باطل ہو گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قرآن کی بیان کردہ مدت ہے تو ہم گبن سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ تمہارے پاس کون سی ایسی قطعی دلیل ہے جس کی بناء پر تم ۱۸۷ سال کا تعین کر رہے ہو۔ تمہارے پاس بھی لے دے کے چند منتشر باتیں ہیں۔ کیا ان میں اتنی جان ہے کہ انہیں قرآن کے حتمی بیانات کے مدمقابل تصور کیا جا سکے۔

[23] فعل تعجب کے صیغے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ خوب دیکھنے والا اور خوب سننے والا ہے۔

[24] ان کا وہی مددگار اور کارساز ہے۔ وہ اپنے فیصلوں میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا نہ اس کی کوئی مزاحمت کر سکتا ہے اور نہ اس کی حکمرانی میں کوئی حصہ دار بن سکتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی غیر کو دخل اندازی کا کوئی حق نہیں ہے۔

[25] فرار کی جگہ پناہ گاہ۔

يُرِيدُونَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ

طلب گار ہیں اس کی رضا کے ۔ اور نہ ہٹیں آپ کی نگاہیں ان سے کیا آپ چاہتے ہیں دنیوی زندگی کی زینت

تھے۔ عیینہ بن حصن الفزاری جو قبیلہ مضر کا سردار تھا اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک دفعہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ وہاں سلمان فارسی، ابوذر اور دیگر فقراء صحابہ نعمت دیدار حبیب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ پسینہ کی بو اونی جبوں سے آ رہی تھی۔ عیینہ کہنے لگا کیا یہ بدبو آپ کو تنگ نہیں کرتی۔ ہم قبیلہ مضر کے سردار ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو سب لوگ آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ ہمارا آپ کے پاس آنے کو جی تو چاہتا ہے لیکن جب آتے ہیں تو غلیظ اور بدبودار کپڑوں والے آپ کے ارد گرد حلقہ بنائے ہوتے ہیں۔ انہیں یہاں سے اٹھا دیں ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں یا ان کے لیے کسی الگ مجلس کا انتظام کریں۔ تاکہ ان کا تعلق ہمارے معززین کو پریشان نہ کرے۔ فوراً جبرئیل امین فرمان الٰہی لے کر نازل ہوئے واصبر نفسك مع الذين اللہ تعالیٰ کو ان مغرور اور متکبر لوگوں کی ہم نشینی پسند نہیں۔ آپ ان کے لیے ان لوگوں کی صحبت ترک نہ کریں جن کی زندگی کا مقصد وحید صرف اپنے رب کریم کی رضا جوئی ہے جو صبح و شام بلکہ ہر لمحہ اس کی یاد اور اس کی محبت میں محو رہتے ہیں۔ وہ تیری نگاہ کرم کے پیاسے ہیں۔ وہ تیری نظر محبت کے بھوکے ہیں جب تو ان کو ایک مرتبہ شفقت و محبت بھرے انداز سے دیکھ لیتا ہے تو سب رنج و غم بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب ایسا نہ ہو کہ تیری نگاہ عنایت ان سے پھر جائے ان سے یہ صدمہ برداشت نہ ہوگا۔ لا تعد عيناك عنهم کے اس جملہ سے دلنوازی اور دلربائی کے جو انداز سکھائے جا رہے ہیں ان کی کشش کسی درد کے مارے سے پوچھو وہ تمہیں بتائے گا کہ اس کی ساری خوشیاں اس کی نگاہ کرم کے ایک گوشہ میں سمٹ کر آ گئی ہیں۔ اسی ایک سہارے پر وہ ہجر کے صدمے اور جدائی کی طویل گھڑیاں خوشی خوشی گزار دیتے ہیں۔ اے صحبت محبت کے پیارو! مژدہ باد! نگاہ حبیب سے تم محروم نہیں ہو گے۔

علامہ آلوسی نے کیا خوب لکھا ہے: فائدتها له عليه الصلاة والسلام هي عليهم فانهم عشاق الحضرة وهو صلى الله عليه وسلم مرآة تجليها ومعدن اسرارها ومشرق انوارها فاستحق انه صلى الله عليه وسلم ملحوظا بهم حتى غاب عنهم كثيرا وما اشتغلوا بما صحبة الفقراء بالذات فلن يضيع صلى الله عليه وسلم ففيها فائدة تسليهم عما في من صحبتهم فهم القوم لا يشقى جليسهم (روح المعانی)

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کا فائدہ تو ان فقراء کو حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ بارگاہ الٰہی کے عشاق ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انوار الٰہی کے لیے آئینہ اور اس کی تجلیات کے لیے عرش اور اس کے اسرار کا معدن اور اس کے انوار کا مشرق ہیں۔ صحابہ کرام جب حضور کے روئے زیبا کو دیکھتے تھے تو انہیں زندگی کا لطف حاصل ہوتا تھا اور جب حضور ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوتے تھے تو وہ رنجیدہ خاطر اور پریشان ہو جاتے تھے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا وہ لوگ جو ان فقراء کی صحبت سے مشرف ہوتے ہیں اس صحبت کا فائدہ انہیں نصیب ہوتا ہے کیونکہ

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ

اور نہ پیروی کیجئے اس (بدنصیب) کی غافل کر دیا ہے ہم نے جس کے دل کو اپنی یاد سے اور وہ اتباع کرتا ہے اپنی خواہش کا اور اس کا معاملہ

فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ

حد سے گزر گیا ہے اور فرمائیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جس کا جی چاہے وہ ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے

اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والے وہ گدڑی پوش ہیں جن کا ہم نشین بدبخت نہیں رہتا۔

لا تعد عیناک عنھم پر غور فرمائیے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ اپنی نگاہیں ان سے نہ پھیر لیں۔ کیونکہ تعد مخاطب کا صیغہ نہیں بلکہ واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل حضور نہیں بلکہ عیناک ہے اور تعد یہاں متعدی مستعمل نہیں بلکہ تصد کے معنی میں لازمی ہے۔ مدعا یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں یعنی اپنے غلاموں سے بالقصد تو نگاہ نہیں پھیرتے لیکن کہیں بے دھیانی کے عالم میں نگاہیں نہ پھر جائیں۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں ولم یرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یفعل ذلک ولکن اللہ تعالیٰ نہاہ عن ان یفعلہ ولیس ھذا باکثر من قولہ لئن اشرکت لیحبطن عملک یعنی حضور نے زینت دنیا کا ارادہ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ارادہ کرنے سے منع فرما دیا۔ یہ جملہ بعینہٖ اسی طرح ہے لئن اشرکت یعنی اگر آپ شرک کریں گے تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے حالانکہ شرک کا صدور حضور سے محال ہے۔

یعنی جب یہ مغرور لوگ آپ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ان غریب مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں شرف باریابی سے محروم کر دیجئے تاکہ رؤسا اور امراء آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ یہ لوگ ایسے نہیں کہ ان کی بات مان لی جائے بلکہ ہم نے ان کے دلوں کو اپنی یاد سے محروم کر دیا ہے۔ یہ عقل سلیم کے تقاضوں سے سراسر غافل ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ خوب و ناخوب روا و ناروا صحیح اور غلط کی تمیز ان میں نہیں۔

فرطا اگر تفریط سے ہو تو اس کا معنی ہوگا تقصیر اور کوتاہی یعنی وہ ایمان لانے سے قاصر ہیں۔ ان میں یہ ہمت ہی نہیں کہ وہ اس نعمت عظمیٰ کو قبول کر سکیں اور اگر افراط سے ہو تو اس کا معنی حد سے تجاوز کر جانا ہے۔ (قرطبی)

یہ لوگ بڑے معتبر بنے پھرتے ہیں اور آپ کو مشورے دینے لگتے ہیں کہ فلاں کو اپنے پاس بیٹھنے دو اور فلاں کو مت بیٹھنے دو فلاں گندے کپڑوں سے بو آتی ہے اور فلاں اپنے قبیلہ کا رئیس ہے بڑا مالدار اور جاگیردار ہے اسکو اپنے پاس بٹھا دیں گے تو سب لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جائیں گے۔ اے حبیب! ان حقیقت ناشناسوں کو بتا دو کہ جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور دل نہ چاہے تو ایمان نہ لائے ہم تمہاری پاسداری کے لیے ان مسکینوں کو مجلس تعلیم سے دور نہیں کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ان پھٹے پرانے کپڑے پہننے والوں کو نعمت ایمان سے نوازا ہے اور تم رئیسوں کو نظر انداز کر دیا ہے تو یہ اسی کی مرضی ہے۔ انما

فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِن

کفر کرتا رہے۔ بیشک ہم نے تیار کر رکھی ہے ظالموں کے لیے آگ گھیر لیا ہے انہیں اس آگ کی دیواروں نے۔ اور اگر وہ

يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ

فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی کی جائے گی ایسے پانی کے ساتھ جو پیپ کی طرح غلیظ ہے اور اتنا گرم کہ بھون ڈالے گا چہروں کو۔ یہ

سَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۞ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ

شربت بڑا ناگوار ہے اور بڑی تکلیف دہ جگہ ہے۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو ہم ضائع

مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۞ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ

نہیں کرتے کسی کا اجر جو عمدہ طریقہ سے کام کرتا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے لیے ہمیشگی کے جنت ہیں رواں ہیں جن کے نیچے

صیغۂ تہدید (قرطبی) یعنی ان الفاظ سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے اور انہیں عذاب شدید سے ڈرایا جا رہا ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ اگر تم اسی غفلت اور خود پرستی میں مر گئے تو جس عذاب میں تمہیں ڈالا جائے گا اس کا تھوڑا سا حال بھی سن لو تاکہ اس وقت یہ شکوہ نہ کر سکو کہ ہمیں اس ہولناک انجام کی خبر نہ تھی ورنہ ہم کیوں حق کا انکار کرتے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح: سرادق جمع سرادقات کل ما احاط بشیء من حائط او مضرب او خباء ہر وہ چیز جو کسی کو اپنے گھیرے میں لے لے جیسے دیوار، خیمہ وغیرہ۔ حضرت ابو سعید خدری نے رسول کریم سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد آگ کی چار دیواری ہے۔ ہر ایک اتنی موٹی ہوگی کہ اسے طے کرنے کے لیے چالیس سال درکار ہوں گے۔ (ترمذی۔ احمد)

مہل مجاہد سے اس کا یہ معنی مروی ہے قال مجاہد ہو القیح والدم پیپ اور خون۔ عن ابن عباس اسود کعکر الزیت یعنی تیل کا سیاہ تلچھٹ جو نیچے جم جاتا ہے۔ یشوی بھونتا۔ بئس الشراب میں مخصوص بالذم المہل ہے اور ساءت کا مخصوص بالذم النار ہے۔ ترجمہ میں اسی معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

کفار کے عذاب الیم کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کا بیان ہو رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو سرفراز فرمائیں گے۔

اس جنت کا نام عدن ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ جنت (واحد) کہنے کی جگہ جنات عدن (جمع) استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنت اتنی کشادہ اور وسیع ہے گویا وہ ایک جنت نہیں بلکہ کئی جنتوں کا مجموعہ ہے۔ اساور جمع ہے اس کا واحد اسورۃ۔ سندس اس کا واحد سندسہ ہے۔ وہ کپڑا جو باریک ریشم سے بنا گیا ہو۔ استبرق وہ کپڑا جو موٹے ریشم سے بنایا گیا ہو۔

الْاَنْھٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا

نہریں انھیں پہنائے جائیں گے ان جنتوں میں کنگن سونے کے اور پہنیں گے سبز رنگ کا لباس

خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ

جو باریک ریشم کا ہوگا اور موٹے ریشمی کپڑے کا بنا ہوا ہوگا۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہاں مرصع پلنگوں پر۔ کتنا اچھا

الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا ع ۱۶

ہے یہ اجر اور کتنی عمدہ ہے یہ آرام گاہ۔ اور بیان فرمائیے ان کے لیے مثال ایک دو آدمیوں کی ہم نے دیئے تھے

لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا

ان دونوں میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے اور ہم نے باڑ بنا دی ان دونوں کے اردگرد کھجور کے درختوں کی اور

اماثلًا اس کا اعزاز ہے کہ "نشست گاہ" جو اہلِ جنت کے بیٹھنے کیلئے آراستہ و مزین کی جاتی ہے لاثانی ہے۔ [illegible]
جنت و دنیا کی بے ثباتی اور اہلِ دنیا کی حرماں نصیبی کو ایک مثال سے واضح کیا جا رہا ہے۔ اہلِ عرب یمن کی زرخیز اور سرسبز کاشت سے جہاں پانی قلیل ہے بلکہ اکثر مقامات پر نایاب ہے جہاں اگر کہیں سرسبز درختوں کا جھنڈ نظر آجائے تو خوشی کی حد نہیں رہتی۔ ان لوگوں کے سامنے ان دو آدمیوں میں سے ایک کی ثروت اور خوشحالی کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے کتنا دلنشین اور اثر آفریں ہے۔

ایک شخص کے پاس باغ ہیں جہاں خوش ذائقہ انگوروں کی البیلی بیلیں اپنی بہار دکھا رہی ہیں ان باغوں کے اردگرد بلند قامت کھجوروں کے درخت کھڑے ہیں جو اس باغ کو آندھیوں سے بھی بچاتے ہیں اور اپنے عمدہ اور شیریں پھل کے باعث بذاتِ خود بھی منفعت بخش ہیں مزید برآں انگوروں کی بیلوں کی قطاروں میں جو جگہ بچ گئی ہے وہ بھی بیکار نہیں۔ بلکہ وہاں بھی کھیتی باڑی کی جاتی ہے اور کئی جنسیں کاشت ہوتی ہیں۔

علمِ زراعت و باغبانی کے جدید ماہرین چمن بندی کو آج مثالی قرار دے رہے ہیں۔ قرآن نے پہلے ہی اپنے ماننے والوں کو یہ نقشہ بتلا دیا تھا انھوں نے شام، مصر، اندلس وغیرہ میں باغ لگائے اور ان ویران علاقوں کو اپنی محنت اور ہنرمندی سے رشکِ ارم بنا دیا قوم کے قوائے عمل کو راحت طلبی اور کم کوشی کا گھن لگا تو ان کے دوسرے علوم و فنون کی طرح ان کا فنِ باغبانی بھی اس ہمہ گیر زوال سے بچ نہ سکا ورنہ مغلوں کے لگائے ہوئے باغات اور پیوند کاری کے ذریعے ہر پھل اور جنس میں نئی اقسام کی اختراع کے معلوم نہیں صرف آموں کی مختلف قسمیں سینکڑوں سے متجاوز ہیں۔

بَیْنَہُمَا زَرْعًا ۝ کِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُکُلَہَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْہُ شَیْـًٔا وَّ

اُگا دی ان دونوں کے درمیان کھیتی۔ یہ دونوں باغ اپنے اپنے پھل لائے اور نہ کمی ہوتی ان سے کوئی چیز۔ اور

فَجَّرْنَا خِلٰلَہُمَا نَہَرًا ۝ وَّکَانَ لَہٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِہٖ وَہُوَ یُحَاوِرُہٗٓ

ہم نے جاری کر دی ان کے درمیان نہر۔ اور دولت مند کے علاوہ اور بھی اس کے اموال تھے؎ تو ایک روز اس نے اپنے ساتھی

اَنَا اَکْثَرُ مِنْکَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَہٗ وَہُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِہٖ

سے بحث مباحثہ کے دوران کہا کہ میں دولت کے لحاظ سے بھی تم سے زیادہ ہوں اور نفری کے لحاظ سے بھی تم سے طاقتور ہوں؎ اور وہ اپنے

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِیْدَ ہٰذِہٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَۃَ قَآئِمَۃً وَّ

اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا کہنے لگا میں نہیں خیال کرتا کہ یہ سرسبز و شاداب باغ کبھی برباد ہو؎ اور میں یہ خیال

لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْہَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَہٗ صَاحِبُہٗ

بھی نہیں کرتا کہ کبھی قیامت بھی برپا ہوگی اور بفرض محال اگر مجھے لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میں وہاں پاؤں گا اس سے بہتر ٹھکانا؎ اس کے ساتھی نے

؎ اس سے مراد دولت کے انبار ہیں۔ کہتے ہیں ثمر کی جمع ثمار ہے اور ثمار کی جمع ثُمُر ہے قال الازہری۔ الثمرۃ تجمع علی ثمر ویجمع الثمر علی ثمار ثم تجمع الثمار علی ثمر اور قاموس میں ہے الثمر حمل الشجر و انواع المال الواحدۃ ثمرۃ و ثمرۃ وجمعہ ثمار وجمع الجمع ثمر بجمع جمع الجمع اثمار۔ یہاں اس سے مراد باغات کے علاوہ وہ جو مال و دولت کے انبار ان کے پاس تھے۔

؎ دولت مند آدمی اکثر کم ظرف ہوتے ہیں اور اپنی دولت کا ذکر کرنے سے ذرا نہیں جھجکتے۔

؎ یعنی یہ باغ کبھی خزاں آشنا نہیں ہونگے میرا خزانہ دن بدن بڑھتا ہی رہیگا۔ حادثات زمانہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

؎ خدا فراموش اور مادہ پرست افراد اور اقوام کا انداز فکر آج بھی تقریباً یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں پہلے تو وقوع قیامت کا امکان ہی نہیں یہ محض تخیل ہے جس میں مذہب پرست لوگ مبتلا ہیں۔ اور خواہ مخواہ اس کے فکر میں صبح و شام گھلتے رہتے ہیں! اور اگر بفرض محال قیامت آ بھی گئی تو بھی ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہمارے ماتھے کا ستارا چمکتا رہے وہاں بھی جنت کی ارجمندیاں ہمیں ہر طرح کی سعادتوں اور راحتوں سے بہرہ یاب کریگی۔

وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ

جواب میں اسکے ساتھی نے اسے بحث مباحثہ کے درمیان کہا کیا تو انکار کرتا ہے اس ذات کا جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے پھر نطفے سے

ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلًا ۝ لَّٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۝ وَلَوْلَا

پھر پورا سنوار کر تجھے مرد بنایا۔ لیکن میں (تو) وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں شریک نہیں ٹھہراتا اپنے رب کے ساتھ کسی کو اور کیوں

إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ إِن تَرَنِ أَنَا

ایسا نہ ہوا کہ جب تو باغ میں داخل ہوا تو تو کہتا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ (یعنی) جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر

أَقَلَّ مِنكَ مَالًا وَوَلَدًا ۝ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّن جَنَّتِكَ

کوئی طاقت نہیں۔ اگر تو نے مجھے دیکھا کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں بھی۔ عجب نہیں کہ میرا رب مجھے عطا فرما دے (کوئی) بہتر چیز تیرے باغ سے

۴۶؎ اب مومن کی گفتگو سنیے اور اسی سے ایک بندہ مومن کی سیرت و کردار کا اندازہ لگائیے۔ لٰکنّا اصل میں لٰکن انا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تو اپنے خالق کو بھلا سکتا ہے جس نے تجھے تخلیق کے مختلف مرحلوں سے کمال حکمت کے ساتھ گزار کر یہاں تک پہنچایا ہے کہ تو ایک تندرست خوبرو باوقار مرد بن گیا لیکن میں تو اپنے خالق کو بھلانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں صاف صاف اعتراف کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا پروردگار ہے اور میں کسی نبی سے یا کسی چیز کو بھی اس کا شریک بنانے کی غلطی نہیں کروں گا۔ عبارت یوں ہوئی لکن انا ھو اللہ ربی۔ اس کی ترکیب یہ ہے انا مبتدا اول، ھو مبتدا ثانی، اللہ مبتدا ثالث، ربی اس کی خبر، دونوں مل کر مبتدا ثانی کی خبر، پھر یہ اپنی خبر سے مل کر انا مبتدا اول کی خبر (البرہان زرکشی، جلد ۳ ص ۲۳۳)۔

۴۷؎ دیکھ تو نے کتنی حماقت کی کہ جب تو اس پھلے پھولے باغ میں آیا اور داخل ہوتے وقت تو نے اتنا بھی نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یعنی وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں ہے کہ وہ کوئی کام کر سکے۔ شکر کرو اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا من رأی شیئا فاعجبہ فقال ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ لم یضرہ یعنی اگر کوئی شخص کسی چیز کو دیکھے اور وہ اسے پسند لگے تو کہے ماشاء اللہ تو اسے نظر نہیں لگے گی۔ ۴۸؎ تیری کم نگاہی پر صد افسوس، تو مجھے اس لیے حقیر سمجھتا ہے کہ میں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔

۴۹؎ میں اپنے فقر و فاقہ کے باوجود اپنے رب کریم کی جود و سخا سے مایوس نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مجھے ایسی جنتیں بخشے گا جن کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اور یہ شاداب باغات اور لہلہاتی ہوئی فصلیں جن کی وجہ سے تم تکبر کر رہے ہو ان پر غضب الٰہی کی ایک بجلی گرا کر تمام گلستان کو خاکستر بنا دینا اور چٹیل میدان بنا دینا میرے رب کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں۔

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ أَوْ

اور بھیجے اس (باغ) پر کوئی آسمانی عذاب ۵۳ تو ہو جائے یہ سرسبز باغ ایک چٹیل میدان۔ یا ہو

يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ

جذب ہو جائے اس کا پانی زمین کی گہرائی میں ۵۴ پھر تو اس کو تلاش کے باوجود نہ پا سکے ۵۵ اور اس کے باغ کو آفت نے گھیر لیا برباد ہو کر رہ گیا پس وہ

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ

کف افسوس ملنے لگا اس مال کے نقصان پر جو اس نے باغ پر خرچ کیا تھا اور اب وہ گرا پڑا تھا اپنے چھپروں پر اور (بصد حسرت) کہنے لگا

يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿٤٢﴾ وَلَمْ تَكُن لَّهُ فِئَةٌ يَنصُرُونَهُ مِن

کاش! میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔ اور نہ ہوئی اس کے پاس کوئی جماعت جو اس کی مدد کرتی

دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ﴿٤٣﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ۚ هُوَ خَيْرٌ

اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں اور نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا ۵۶ یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ سارا اختیار اللہ برحق کا ہے۔ وہی بہتر ہے ثواب

۵۳ علامہ بیضاوی نے فرمایا ہے کہ حسبان، حسبانۃ کی جمع ہے اس کا معنی بجلی کی کڑک۔ قال العلامۃ البیضاوی جمع حسبانۃ وھی الصواعق۔ چٹیل زمین۔ زلقًا جس پر چکنی کی وجہ سے قدم نہ جم سکے اور پھسل جائے یعنی اس کے غضب سے پناہ مانگتے رہو۔ اس کی بے نیازی سے ڈرتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بجلی کا صاعقہ آئے اور تیرے سارے گل و گلشن کو ملیامیٹ کر کے رکھ دے۔ سبزہ کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ یہ زمین جس کا چپہ چپہ آج سونا اگل رہا ہے ایسی بنجر اور اجاڑ ہو جائے کہ چلتے ہوئے راہی کے قدم پھسل پھسل جائیں۔

۵۴ یا پانی ہی زمین میں دھنس جائے اور تو ہزار جتن کرے اس کو ان گہرائیوں سے نہ نکال سکے۔

۵۵ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے رفیق کی مخلصانہ پند و نصیحت کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ حسب سابق شرک و نافرمانی کی روش پر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ مہلت کی یہ گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ جو بدبختوں، شر پسندوں اور غلط کاروں کو سنبھلنے کے لیے مرحمت فرمائی جاتی ہیں۔ قہر و عذاب آیا جس نے اس کی لہلہاتی دنیا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے اجڑے ہوئے باغ کو دیکھ کر کف افسوس ملنے لگا۔ علامہ قرطبی نے خاویۃ علی عروشہا کا معنی کیا ہے ساقطۃ علی سقوفہا کہ اس کا سب کچھ اجڑ کر برباد ہو گیا۔ لغات میں اس کا معنی خالی ملتا ہے لیکن کلام عرب میں خاویۃ کا معنی خالیۃ بھی ہے۔ انتہی ای انتقم بیان کیے ہیں یعنی وہ

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

بدلہ دینے اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے۔ اور ان کے لیے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال بیان فرمائیے یہ پانی کی طرح ہے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا

جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پھر گھنی ہو کر اگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ بعد وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتی

تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ

جسے اڑائے پھرتی ہیں ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ مال اور فرزند (تو صرف)

زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

دنیوی زندگی کی زیب و زینت ہیں اور (وہ نیکیاں) باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے ہاں ثواب کے اعتبار سے

معلوم ہوتا ہے۔ ؎ وَلَایَۃ (واؤ پر زبر) کا معنی دوستی اور مدد کرنا ہے اور وِلایہ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی غلبہ ہے۔
عُقب اور عاقبۃ دونوں کا معنی انجام ہے بعض کے نزدیک یہ ہم معنی ہیں وھما بمعنی واحد (قرطبی)

؎ ان حقیقت ناشناسوں کو جو غریب و مفلس مسلمانوں کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں اور اپنے دنیوی جاہ و جلال پر پھولے نہیں سماتے سمجھانے کے لیے دنیا کی بے ثباتی کی ایک اور خوبصورت مثال دی جا رہی ہے۔ اختلاط کا معنی ہے گڈمڈ ہو جانا جیسے کوئی فصل گھنی پیدا ہوتی ہے تو اس کی بالیں گنجان بالوں کی طرح آپس میں مل جاتی ہیں۔ یہاں بھی فاختلط به نبات الارض سے یہی مقصود ہے کہ برسات کے پانی سے جو فصل اگتی ہے وہ آپس میں مختلط اور ملی جلی ہوتی ہے۔

؎ مال و اولاد کی خواہش کس دل میں نہیں۔ ان کے ہونے سے کون خوش نہیں ہوتا۔ اگر ان میں سے کوئی چیز نہ ہو تو زندگی کتنی بے مزہ اور بے کیف ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقتیں ہیں جنہیں سب جانتے ہیں۔ یہاں بتایا کہ مال و اولاد سے دنیوی زندگی مزین ہوتی ہے اور جب یہ زندگی خود ناپائیدار ہے تو اس کے متعلقات بھی ناپائیدار ہوں گے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی ساری عمر، ساری کد و کاوش ان دنیوی زینتوں کے لیے وقف نہ کر دے ایسا نہ ہو کہ جب یہ فنا ہو جائیں تو تم خالی ہاتھ رہ جاؤ بلکہ زادِ آخرت کی بھی فکر کرو۔

؎ وہ نیک اعمال جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیے جائیں وہ اس حی و قیوم سے وابستہ ہونے کی وجہ سے بقاء و دوام کی صفت سے متصف ہو جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں المال والبنون حرث الدنیا والاعمال الصالحۃ حرث الآخرۃ وقد یجمعهما اللہ لاقوام یعنی مال و اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کبھی بعض لوگوں کو یہ دونوں چیزیں

وَخَيْرٌ أَمَلًا ﴿٤٦﴾ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَ

اور بہتر ہیں (ان سے) امید لگانے کے لحاظ سے۔ اور (یاد کرو) جس روز ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کھلا میدان ۱؎ اور

حَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿٤٧﴾ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ؕ

ہم جمع کریں گے انھیں اور نہیں چھوڑیں گے ان میں سے کسی کو اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کے روبرو صفیں باندھے ہوئے ۲؎

لَّقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّن نَّجْعَلَ

(انھیں کہا جائے گا) آ گئے ہو نا تم ہمارے پاس جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تمھیں پہلی بار، بلکہ تم خیال کیا کرتے تھے کہ ہم نہیں مقرر

لَكُم مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا

کریں گے تمھارے لیے وعدہ کا وقت اور رکھ دیا جائے گا نامۂ اعمال تو آپ دیکھیں گے مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو

عطا فرمادیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا استکثروا من الباقیات الصالحات قیل وما ھی یا رسول اللہ قال التسبیح والتھلیل والتحمید والتکبیر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ رواہ احمد وغیرہ۔ حضور نے فرمایا باقی رہنے والے اعمال کثرت سے کیا کرو۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ وہ کیا ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ کی تسبیح، تہلیل، تحمید، تکبیر اور لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ لا حول ولا قوۃ کثرت سے پڑھا کرو اس سے تکلیف کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں ادناھا الھم سب سے کم درجہ کی تکلیف جو اس کے پڑھنے سے دور ہوتی ہے وہ غم یعنی حزن و ملال ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر سے مرفوعاً مروی ہے کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ھن الباقیات الصالحات۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جتنے نیک اعمال ہیں وہ باقیات صالحات ہیں۔ علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔ ھذا الصحیح ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۱؎ اب روز قیامت کے احوال کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

۲؎ سب مخلوق صفیں باندھے سر جھکائے حاضر بارگاہ قدس ہوگی۔ دنیا میں عمر بھر جو لوگ قیامت کا انکار کرتے رہے اور فلسفے بگھارتے رہے انھیں کہا جائے گا کہ تم تو کہتے تھے کہ قیامت وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ بتاؤ ہمارے رسولوں کی بات سچی ثابت ہوئی یا نہ ہوئی۔

۳؎ ہر ایک کا نامۂ عمل اس کے سامنے پیش کیا جائے گا مجرموں کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ شدت خوف سے ان کے دل دھڑک رہے ہونگے۔ چہروں کا رنگ فق ہوگیا ہوگا اور حسرت و ندامت کے باعث یوں گویا ہوں گے۔

فِيهِ وَيَقُولُونَ يَٰوَيۡلَتَنَا مَالِ هَٰذَا ٱلۡكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةٗ وَلَا

اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ

كَبِيرَةً إِلَّآ أَحۡصَىٰهَاۚ وَوَجَدُواْ مَا عَمِلُواْ حَاضِرٗاۗ وَلَا يَظۡلِمُ رَبُّكَ

کسی بڑے گناہ کو مگر اسے شمار کر لیا ہے اور پائیں گے جو عمل انہوں نے کیے تھے اپنے سامنے اور نہیں ظلم کرے گا آپ کا رب کسی

أَحَدٗا ۝ وَإِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلَٰٓئِكَةِ ٱسۡجُدُواْ لِأٓدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبۡلِيسَ ع

پر ذرا بھی نہیں۔ اور یاد کرو جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔

كَانَ مِنَ ٱلۡجِنِّ فَفَسَقَ عَنۡ أَمۡرِ رَبِّهِۦٓۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوۡلِيَآءَ

وہ قوم جن سے تھا سو اس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی کیا تم اسے اور اس کی ذریت کو اپنا دوست

مِن دُونِي وَهُمۡ لَكُمۡ عَدُوُّۢۚ بِئۡسَ لِلظَّٰلِمِينَ بَدَلٗا ۝ مَّآ أَشۡهَدتُّهُمۡ

بناتے ہو مجھے چھوڑ کر حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں کتنا ظالموں کے لیے بہت برا بدلہ ہے۔ میں نے ان سے شہادت نہیں لی تھی

خَلۡقَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ وَلَا خَلۡقَ أَنفُسِهِمۡ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ

جب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا گیا اور نہ اس وقت ان کی جانوں کو جب انہیں پیدا کیا اور میں نہیں بنایا کرتا گمراہ کرنے

یعنی پچھلی آیت میں جو بتایا گیا ہے اس سے عبرت حاصل کی جا رہی تھی انہیں شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم کیسے لوگ ہو اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کی عزت افزائی کی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اسے سجدہ کریں۔ شیطان نے جب سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے اس جرم کی پاداش میں یہاں سے نکال دیا۔ جس نے تمہارے باپ آدم کو سجدہ نہیں کیا اپنی بدباطنی کا مظاہرہ کیا وہ تمہارا بھی دشمن ہے اب تم اسی کا کہا مان کر اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہو۔ کیسی سخت بات ہے کہ تم اسے رب بنا رہے ہو۔

ان الفاظ سے یہ بتایا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔ ففسق کی فاء اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ اس کی حکم عدولی کی وجہ بھی یہی تھی کہ اس کا عنصر ناری تھا۔ اس کی فطرت میں تمرد اور سرکشی تھی۔

منکرین حق کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ تم اپنے قدیمی دشمن ابلیس کا حکم ماننے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہو لیکن اپنے مولا کریم کے احکام بجا لانے میں تمہیں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

جن شیطانوں کے پیچھے تم لگے پھرتے ہو اور جن کو اپنا معبود اور کارساز یقین کرتے ہو بھلا سوچو ان کی مقدرت کیا ہے کہ کسی

الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿٥١﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

والوں کو اپنا دست و بازو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ (کفار کو) فرمائے گا بلاؤ میرے شریکوں کو جنہیں تم (میرا شریک) خیال کیا

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ﴿٥٢﴾ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ

کرتے تھے تو وہ انہیں پکاریں گے پس وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے اور ہم حائل کر دیں گے ان کے درمیان ایک آڑ۔ اور دیکھیں گے مجرم جہنم کی آگ کو

النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿٥٣﴾ وَلَقَدْ

اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ۔ اور بیشک ہم نے طرح طرح

صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ

سے بار بار بیان کی ہیں اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں اور انسان ہر چیز سے بڑھ کر

شَيْءٍ جَدَلًا ﴿٥٤﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا

جھگڑالو ہے ۔ اور کس چیز نے روکا ہے لوگوں کو اس بات سے کہ وہ ایمان لے آئیں جبکہ آگئی ان کے پاس ہدایت (کی روشنی) اور

لا نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں زمین آسمان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے اور نہ ان کے پیدا کرنے میں ان کی مرضی کا کچھ دخل ہے پھر یہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور سرکش ہیں اور اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ اپنی خدائی کے کسی کام میں ان سے مدد طلب کرے جو اس کا نافرمان ہے۔

ف۳ روز قیامت کا ذکر ہے اس روز بتوں کے پجاریوں کو خطاب کیا جائے گا۔ یقول بالتاء لعبدۃ الاوثان (قرطبی) موبقا: حاجزا بین الاوثان وعبدتھم۔ قال ابن الاعرابی: کل شیء حاجز بین شیئین فھو موبق (قرطبی) وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل اور رکاوٹ ہو اسے موبق کہتے ہیں یعنی بتوں اور ان کے پرستاروں کے درمیان آڑ قائم کر دی جائے گی۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ جہنم کی ایک وادی کا نام موبق ہے جو پیپ اور خون سے بھری ہوئی ہے۔

ف۴ یہاں الانسان سے مراد نافرمان اور سرکش انسان ہے۔

ف۵ یعنی جب آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا اور اس کی روشنی نے مشرق و مغرب کو منور کر دیا تو اب یہ کس بات کے منتظر بیٹھے ہیں کیوں نہیں ایمان لے آتے۔ کیا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح پہلی اقوام پر عذاب اترا تھا ان پر بھی اترے اور ان کو خاک سیاہ بنا کر رکھ دے۔ قبلا حال ہے اس کا واحد قبیل ہے جیسے سبیل کی جمع سبل ہے اس کا معنی ہے طرح طرح کا عذاب قبلا اصناف العذاب کلہ۔ نحو کے امام فراء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ قبلا قبیل کی جمع ہے اس کا معنی ہے متفرقا یتلو بعضہ بعضا یعنی

رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿٥٥﴾

مغفرت طلب کریں اپنے رب سے مگر یہ کہ وہ منتظر ہیں کہ آجائے انہیں پہلے لوگوں کا دستور یا آجائے ان کے پاس طرح طرح کا عذاب۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور جھگڑتے ہیں کافر

كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ ۖ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا

بے سروپا دلیلوں کی آڑ لے کر تاکہ وہ مٹا دیں اس سے حق کو نیز انہوں نے بنالیا ہے میری آیتوں کو اور جن سے وہ ڈرائے گئے

هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ

ایک مذاق۔ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے نصیحت کی گئی اپنے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے اور فراموش کر دیا

مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي

جو (اعمال بد) آگے بھیجے تھے اس کے دونوں ہاتھوں نے ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے

آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٥٧﴾

کانوں میں گرانی پیدا کر دی اور اگر تم بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف تو جب بھی وہ ہدایت قبول نہیں کریں گے۔

ایک حالت کے بعد دوسرا انقلاب! درحقیقت قِبَلًا (قاف پر زیر) کا معنی ہے عیاناً۔ (قرطبی)

لشہ بالباطل کا تعلق یجادل کے ساتھ ہے یعنی ان کافروں کا جھگڑنا کسی معقولیت پر مبنی نہیں۔ ان کے پاس اپنے موقف کی سچائی ثابت کرنے کے لیے کوئی ایسی دلیل بھی نہیں جو سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہو۔ یوں ہی اناپ شناپ بکتے رہتے ہیں۔

ثلثہ دحض کا لغوی معنی ہے پاؤں کا پھسلنا۔ اصل الدحض الزلق یقال دحضت رجله ای زلقت (قرطبی) کسی دلیل کے مسترد کر دینے کو بھی دحض کہتے ہیں دحضت حجتہ دحوضا بطلت۔ مدعا یہ ہے کہ ان کی ساری کوششیں اس پر مرکوز رہتی ہیں کہ وہ حق کو باطل کر کے دکھائیں اور اہل حق کو اس سے پھسلا دیں۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ

اور آپ کا پروردگار تو بہت بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔ اگر وہ پکڑ لیتا انہیں ان کے کیے پر تو جلد ان پر

الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿۵۸﴾ وَتِلْكَ

عذاب بھیج دیتا لیکن ان کے لیے ایک وقت مقرر ہے نہیں پائیں گے اس وقت سے بغیر کوئی پناہ کی جگہ۔ اور یہ بستیاں

ع ۲۰ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ﴿۵۹﴾ وَإِذْ قَالَ

ہیں ہم نے تباہ کر دیا ان کے باشندوں کو جب وہ ستم شعار بن گئے اور ہم نے مقرر کر دی تھی ان کی ہلاکت کیلئے ایک مدت۔ اور یاد کرو جب کہا

مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

موسیٰ نے اپنے نوجوان ساتھی کو کہ میں چلتا رہوں گا یہاں تک کہ پہنچوں جہاں دو دریا ملتے ہیں یا پھر چلتا رہوں گا مدت دراز تک

۸۶؎ چاہیے تو یہ تھا کہ ان ظالموں کو فوراً عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا جاتا اور انہیں ذرا ڈھیل نہ دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ کی مغفرت بے پایاں اور رحمت وسیع ہے جو ایسے لوگوں پر بھی اپنی نعمتوں کی بارش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور مقررہ وقت آجاتا ہے۔ موئل: لوٹ کر آنے کی جگہ آل یئول سے اسم ظرف ہے۔

۸۷؎ ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے ایک مقبول بندے کا ذکر ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی وضاحت کر دی جائے تاکہ آیات کے مطالب بیان کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور غور طلب ہیں:۔

(۱) یہ موسیٰ کون ہیں۔ (۲) اس واقعہ کا محرک کیا ہے۔ (۳) آپ کے نوجوان خادم کا نام کیا ہے۔ (۴) وہ بندۂ خاص کون ہے۔ (الف) اس کا نام کیا ہے۔ (ب) کیا وہ ولی تھا یا نبی۔ (ج) وہ اب زندہ ہے یا نہیں۔

(۵) وہ جگہ جہاں یہ دونوں حضرات ملے تھے وہ کہاں ہے۔ باقی چیزیں آیات کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو جائیں گی۔ پہلی چیز کے متعلق جو روایت صحیحین میں ہے اس کا ذکر کرنا ہی کافی ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس موسیٰ کے متعلق دریافت کیا اور انہیں بتایا کہ نوف بکالی کا خیال ہے کہ اس واقعہ میں جس موسیٰ کا ذکر ہے وہ موسیٰ بنی اسرائیل نہیں بلکہ یہ موسیٰ بن افرائیم بن یوسف ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ سن کر فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ بکا ہے ہمیں ابی بن کعب نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا

سب سے بڑا عالم کون ہے آپ نے جواب میں کہا میں سب سے بڑا عالم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ انھوں نے علم کو اپنی طرف کیوں منسوب کیا ہے اس کی ذات کی طرف کیوں نہیں تفویض کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ عالم ہے۔ موسیٰ نے عرض کی یا الٰہی میں اس کی خدمت میں کیونکر پہنچ سکتا ہوں۔ حکم ہوا کہ اپنے ساتھ ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہ جگہ اس بندے کی قیام گاہ ہوگی۔ (۲) اس فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں، وہ نوجوان تھے۔ سفر و حضر میں حضرت کلیم کی خدمت میں رہا کرتے تھے (۳) جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ بندہ خضر علیہ السلام ہے۔ ان کا نام بلیا بن ملکان ہے کیونکہ جہاں یہ تشریف فرما ہوتے وہ جگہ سرسبز ہو جاتی تھی اس لیے حضرت آپ کا لقب ہو گیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہیں۔ بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ وہ ولی تھے۔ لیکن علامہ پانی پتی اور دیگر علماء محققین کی رائے یہ ہے کہ وہ نبی تھے کیونکہ ولی کے الہام سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے۔ اور اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے۔ الہام کی وجہ سے قتل جیسے سنگین فعل کا ارتکاب جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لیے آپ کو نبی ماننا پڑے گا اور نبی کا علم یقینی ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت خضر زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ اس میں علماء کے دو گروہ ہیں اور دونوں گروہوں نے اپنے اپنے موقف کو سچا ثابت کرنے کے لیے دلائل کے انبار لگا دیے ہیں۔ علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر میں ان دلائل کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن متعدد صفحات پر پھیلی ہوئی اس بحث کا مطالعہ کرنے کے باوجود تسکین نہیں ہوتی اور انسان کسی ایسے نتیجہ پر نہیں پہنچتا جس سے دل مطمئن ہو۔

اللہ تعالیٰ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کو اپنے انوار کا مہبط بنائے انھوں نے اس سلسلہ میں ایک ایسی بات رقم کی ہے جس سے دلائل کا تضاد بھی رفع ہو جاتا ہے اور انسان کے دل میں ایک اطمینان بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں یہاں فریقین کے دلائل کا نقل کرنا تطویل کا باعث ہوگا صرف تفسیر مظہری کی وہ عبارت لکھ دینا کافی ہے مجھے امید ہے کہ ان کی تحقیق سے جس طرح میری تشویش دور ہوئی اس کے مطالعہ سے آپ کی پریشانی بھی ختم ہو جائے گی۔

فریقین کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس اشکال کا حل حضرت مجدد الف ثانی کے کلام کے بغیر ناممکن ہے۔ حضرت مجدد سے حضرت خضر کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے ہیں تو وہ بارگاہ الٰہی میں حقیقت حال کے انکشاف کے لیے متوجہ ہوئے۔ فراقب الشیخ حاضر عنده فسأله عن حاله فقال انا والیاس لسنا من الاحیاء لکن الله سبحانه اعطی ارواحنا قوة تتجسد بها وتفعل بها افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثة الملهوف اذا شاء الله وتعلیم العلم اللدنی واعطاء النسبة لمن شاء الله تعالیٰ وجعلنا معینا للقطب المسمی بغوث اولیاء الله تعالیٰ الذی جعله الله تعالیٰ مدار العالم وجعل بقاء العالم ببرکة وجوده وافاضته وقال الخضر ان القطب فی هذا الزمان فی دیار یمن متبع للشافعی فی الفقه قال فنحن نصلی مع القطب صلوة علی مذهب الشافعی فهذا الکشف الصحیح اجمع الاقوال ومذهب الاشکال والحمد لله الکبیر المتعال۔ (مظہری)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ

پھر جب وہ دونوں پہنچے جہاں آپس میں دو دریا ملتے ہیں ٥٥ دونوں بھول گئے اپنی مچھلی کو تو بنا لیا اس نے اپنا رستہ دریا میں

ترجمہ: تو حضرت عبد الغنی نے دیکھا کہ حضرت خضرؑ ان کے پاس کھڑے ہیں۔ آپ نے ان سے ان کی حقیقت حال دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ میں اور الیاس زندوں میں سے نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو ایسی قوت بخشی ہے جس سے ہم مجسم ہو جاتے ہیں اور زندوں کے سے کام کرتے ہیں مثلاً جب اللہ تعالیٰ چاہے تو ہم گمراہ کی رہنمائی کرتے ہیں اور مصیبت زدہ کی مدد کرتے ہیں علم لدنی کی تعلیم دیتے ہیں اور جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو اسے روحانی نسبت مرحمت کرتے ہیں۔ ہمیں اولیاء اللہ میں سے جو قطب ہوتا ہے اس کا مددگار بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عالم کا خلیفہ بنایا اور اس کی برکت و فیض سے دنیا کی بقا ہے آجکل یمن کے ایک بزرگ قطب مدار ہیں جو شافعی المذہب ہیں ہم ان کے ساتھ شافعی مذہب کے مطابق نماز ادا کرتے ہیں اس کشف صحیح سے مختلف اقوال کا تضاد ختم ہو گیا اور اشکال دور ہو گیا۔ سب کچھ بفضل اللہ تعالیٰ کے ہی کمال ہے۔

٥٥۔ وہ مقام جہاں ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ہونی تھی وہ کہاں ہے۔ قرآن کریم نے اسے مجمع البحرین دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ سنگم سے تعبیر کیا ہے اس کے بارے میں بھی علماء مختلف رائے رکھتے ہیں چند اقوال کشاف سے منقول ہیں۔ مجمع البحرین سے مراد (١) فارس اور روم کے دریاؤں کا سنگم (٢) طنجہ (٣) افریقیہ اور اندلس۔ مفسرین نے تو اندلس کے دریا مراد لیے ہیں وقیل هو بحر بالاندلس (محیط لابن حیان) مجمع الاندلس من البحر المحیط (قرطبی) بعض فضلاء نے وہ جگہ مراد لی ہے جہاں دریائے نیل کی دو شاخیں بحر ابیض اور بحر ازرق آ کر ملتی ہیں۔ لیکن یہ قول اس وقت قابل قبول ہو سکتا ہے جب اس واقعہ کا وقوع مصر سے ہجرت کرنے سے پہلے کا ہو۔ لیکن دیگر روایات اس کی تائید نہیں کرتیں اور اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ سینا اور تیہ میں اقامت فرمانے کے بعد حضرت موسیٰ پھر مصر تشریف لے گئے ہوں۔ بہرحال مجمع البحرین کوئی سے دو دریاؤں کے سنگم کا نام ہو قرآن کریم نے جس مقصد کے لیے اس واقعہ کو بیان کیا ہے اس کا سمجھنا اس پر موقوف نہیں۔

اس امر کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آیات طیبہ کی طرف توجہ فرمائیے۔

٥٥ فتیٰ سے مراد یوشع بن نون ہیں۔ فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں۔ خادم کو ادب و احترام کے لیے خادم کے بجائے فتیٰ (نوجوان) کے لفظ سے یاد فرمایا گیا۔ اس سے ہمیں یہ سکھایا گیا کہ فرق مراتب کے باوجود ہمیں کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے جس سے کسی اپنے سے کم درجہ کی تذلیل اور دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو۔ حقبا۔ زمانہ طویل کو کہتے ہیں بعض نے اسّی سال اور بعض نے ستر سال کی تعیین کی ہے جو قطعاً بے ضرورت ہے۔

٥٥ جب دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو سفر کی تھکان دور کرنے کے لیے ایک چٹان کے سایہ میں استراحت فرما ہوئے توشہ دان میں بھنی ہوئی مچھلی رکھی ہوئی تھی جب اسے خشکی میں ہوا لگی جس میں اس مرغزار کے سانس کی مہک بسی ہوئی تھی تو وہ زندہ ہو گئی اور اس نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ سربا۔ راستہ یعنی جہاں سے وہ گزری تھی ایک طویل راہ کے نشانات چھوڑتی گئی۔

سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا

سرنگ کی طرح ۔ پس جب وہاں سے آگے بڑھ گئے[۱۲۴] تو آپ نے اپنے جوان ساتھی سے کہا کہ لاؤ ہمارا صبح کا کھانا بیشک ہمیں تو بڑی تکلیف پہنچی ہے

هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ

اپنے اس سفر میں بڑی مشقت ۔ اس ساتھی نے کہا ارشاد فرمائیے[۱۲۵] کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا تھا جب ہم آرام کرنے کیلئے اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو

وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ

میں بھول گیا مچھلی کو اور نہیں فراموش کرائی مجھے وہ مچھلی مگر شیطان نے کہ میں اس کا ذکر کرتا اور اس نے بنا لیا تھا اپنا راستہ دریا میں عجیب

عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

کی طرح ۔ آپ نے فرمایا یہی تو وہ ہے[۱۲۶] جس کی ہم جستجو کر رہے تھے پس وہ دونوں لوٹے اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے ۔ تو پایا انھوں

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا

نے ایک بندہ کو[۱۲۷] ہمارے بندوں میں سے جسے ہم نے عطا فرمائی تھی رحمت اپنی جناب سے[۱۲۸] اور ہم نے سکھایا تھا اسے اپنے پاس سے

۱۲۴ آرام کرنے کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا کچھ دور پہنچے تو تھکاوٹ و بھوک نے پاؤں پکڑ لیے تو آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔
نصب: تھکاوٹ۔

۱۲۵ اب یوشع کو یاد آیا کہ جب وہ اس چٹان کے نیچے ستانے کے لیے آئے تھے تو مچھلی توشہ دان سے نکل کر دریا میں کود گئی تھی لیکن اس وقت عرض کرنا بھول گئے۔ اب جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھانا طلب کیا تو سارا ماجرا عرض کر دیا اور آخر میں اپنی بھول کی معافی مانگی۔

۱۲۶ آپ نے سن کر فرمایا وہی تو ہماری منزل مراد تھی ہم تو اپنی منزل سے آگے نکل آئے۔

۱۲۷ جب وہاں واپس پہنچے تو جس مرد خدا کی تلاش میں نکلے تھے ان سے وہاں ملاقات ہو گئی۔ حضرت خضر وہاں سفید چادر لپیٹے ہوئے محو آرام فرما رہے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سلام دیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ موسیٰ بنی اسرائیل ہیں۔ آپ نے پوچھا آپ کو کیسے خبر ہو گئی تو حضرت خضر نے فرمایا جس نے تجھے میری طرف بھیجا ہے اسی نے مجھے بھی بتایا ہے۔

۱۲۸ عبادنا میں اضافت شرف و عزت افزائی کے لیے ہے یعنی وہ ہمارے ان بندوں سے تھا جن کو ہمارے حضور میں قرب کا مقام حاصل تھا۔

عِلْمًا ﴿۶۵﴾ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ

خاص علم سکھا رکھا تھا۔ موسیٰ نے اس بندہ سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے بھی رشد و ہدایت کا وہ خصوصی علم جو آپ کو سکھایا

رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا

گیا ہے سکھائیں اس بندے نے کہا: آپ میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ۳۲ اور آپ صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں اس بات پر

لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ

جس کی آپ کو پوری طرح خبر نہیں۔ موسیٰ نے کہا آپ مجھے پائیں گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا صبر کرنے والا اور میں نافرمانی نہیں کروں گا ۳۳

لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ

آپ کے کسی حکم کی۔ اس بندہ نے کہا اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کیجیے یہاں تک کہ میں آپ سے اس کا

---

۳۱ اس بندے کی مزید تعریف فرمائی جا رہی ہے۔

۳۲ نیز اس رحمت خصوصی کے علاوہ اسے ایسا علم عطا فرمایا تھا جو فہم انسانی اور ادراک سے بالکل جدا ہے۔ نہ وہاں مقدمات کو ترتیب کیا جاتا ہے نہ ان میں غور و فکر کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ خود بخود عقدے کھلتے جاتے ہیں، پردے اٹھتے جاتے ہیں اور حقائق و مطالب کا انکشاف ہوتا جاتا ہے۔ ذات باری اور صفات باری کی حقیقت پر آگاہی ہوتی جاتی ہے۔

۳۳ حضرت موسیٰ اپنی جلالت شان کے باوجود کتنے ادب و احترام سے اپنی خواہش کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ہر طالب کو حضرت کلیم کے اس اسوۂ حسنہ سے یہ سبق حاصل کرنا چاہیے کہ جب تک دل میں ادب و احترام کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا افادہ و استفادہ کا سلسلہ بند رہتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر اپنے سے کم درجہ والے میں کوئی کمال ہو تو اس کے حصول سے باز نہیں آنا چاہیے۔ وهذه الآية تدل على ان الفاضل تعلم من له فضل جزئي على من هو افضل منه وعلى ان الفاضل ينبغي ان يطلب هذه الفضيلة من المفضول۔ (مظہری)

۳۴ حضرت خضر علیہ السلام تکوینی امور کے جو راز آپ پر منکشف کیے گئے ہیں ایک صاحب شریعت رسول ان پر سکوت اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لیے پہلے ہی اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایسے امور واقع ہوں گے تو آپ ضرور اعتراض کریں گے اور جہاں اعتراض کی نوبت آ جاتی ہے وہاں افادہ و استفادہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے صوفیاء کرام نے فرمایا

انه يجب على المريد ترك الاعتراض على الشيخ۔ (مظہری)

مرید پر لازم ہے کہ اپنے شیخ پر اعتراض نہ کرے۔

لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ

خود ذکر کروں ۸۲ پس وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب سوار ہوئے کشتی میں تو اس بندے نے اس میں شگاف کر دیا ۸۳

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ﴿٧١﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

موسیٰ بول اٹھے کیا تم نے اس لیے شگاف کیا ہے کہ اس کی سواریوں کو ڈبو دو یقیناً تم نے بہت برا کام کیا ہے اس بندے نے کہا

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٢﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَ

کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میں طاقت نہیں کہ میری سنگت پر صبر کر سکیں آپ نے فرمایا مواخذہ نہ کیجئے مجھ سے کہا کہ میں بھول گیا اور نہ ڈالیے مجھ پر

لَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿٧٣﴾ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ

بھول کی وجہ سے اور نہ سختی کرو مجھ پر میرے اس معاملہ میں بہت زیادہ ۸۴ پھر وہ دونوں چل پڑے حتیٰ کہ جب ملے ایک لڑکے کو تو

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ﴿٧٤﴾

اسے قتل کر ڈالا ۸۵ موسیٰ (غضبناک ہو کر) کہنے لگے کیا مار ڈالا آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یقیناً آپ نے ایسا کام کیا ہے جو بہت ناپسندیدہ ہے

۸۲ جب موسیٰ علیہ السلام نے یقین دلایا کہ وہ ان کی کسی طرح نافرمانی نہیں کریں گے تو آپ نے فرمایا جو واقعات رونما ہوں انھیں خاموشی سے دیکھتے چلے جائیے لیکن ان کے متعلق استفسار نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ میں خود ہی پردہ اٹھاؤں اور حقیقت حال سے آپ کو آگاہ کروں۔ باہمی طور پر یہ طے کرنے کے بعد اب سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔

۸۳ پہلے کشتی کا واقعہ پیش آیا جس کا ایک تختہ حضرت خضر نے توڑ کر رکھ دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ کو یارائے سکوت نہ رہا اور فوراً اعتراض جڑ دیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر کے بڑی نازیبا حرکت کی ہے۔ شیئاً امراً ای عظیما من امر الامر اذا عظم و قال البغوی الجوھری کلام العرب الداھیۃ۔ امر کا معنی عظیم ہے جب کوئی کام بڑا ہو جاتا تو عرب کہتے امر الامر۔ علامہ بغوی نے کہا ہے کہ عربی لغت میں امر کا معنی 'داھیۃ' (خوفناک) ہے۔

۸۴ حضرت موسیٰ نے معذرت چاہی اور آئندہ کے لیے محتاط رہنے کا یقین دلایا۔ لا ترھقنی یعنی مجھ پر ایسا بوجھ لاد دینا جس کا اٹھانا اس کے لیے از بس مشکل ہو۔ وقیل معناہ لا تکلفنی مشقۃ۔

۸۵ پھر قتل غلام کا واقعہ پیش آیا۔ ایک نابالغ بے گناہ بچے کو بیدردی سے قتل ہوتے دیکھ کر حضرت کلیم کو یارائے ضبط نہ رہا۔ اور لقد جئت شیئاً نکرا کے زوردار الفاظ سے احتجاج کر دیا۔

قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ إِن

اس نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا آپ کو کہ آپ میری معیت میں صبر نہیں کر سکیں گے آپ نے کہا اگر میں پوچھوں

سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي ۖ قَدْ بَلَغْتَ مِن

آپ سے کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں۔ آپ میری طرف سے

لَّدُنِّي عُذْرًا ۝ فَانطَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا

معذور ہوں گے پھر وہ چل پڑے یہاں تک کہ جب آئے ایک گاؤں والوں کے پاس تو انھوں نے

أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَن

ان سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے صاف انکار کر دیا ان کی مہمان نوازی کرنے سے پھر ان دونوں نے اس گاؤں میں ایک دیوار دیکھی جو

يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝ قَالَ

گرنے کو تھی تو اس بندۂ خدا نے اسے درست کر دیا موسیٰ کہنے لگے اگر آپ چاہتے تو اس محنت پر مزدوری ہی لے لیتے۔ اس نے کہا

حضرت خضر نے کہا میں نے تو پہلے ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر سے وقت بسر نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ کا میرے ہمراہ جانا بے سود ہو گا۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا اب ایک بار پھر جانے دو۔ اگر پھر بھی مجھ سے ایسی بے صبری صادر ہوئی تو آپ مجھے اپنی رفاقت سے محروم کر دیجیے۔ میں پھر اس جدائی پر آپ کو معذور پاؤں گا۔

کچھ عرصہ پھر اکٹھے چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں میں آئے جہاں کے باشندوں نے ان کی طلب کے باوجود ان کی مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی دکھائی دی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ابھی گری ابھی گری۔ حضرت خضر نے دیکھا تو اس کی مرمت کر کے درست کر دیا اور کسی مزدوری کا مطالبہ بھی نہ کیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا آپ بھی عجیب ہیں۔ گاؤں والوں نے تو اتنی بے مروتی کا ثبوت دیا کہ ہمیں ایک روٹی تک نہ دی اور آپ ہیں کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار کو بلا معاوضہ درست کرتے جا رہے ہیں۔

هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ

بس یہ ختم ہے اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت آ گیا لیکن میں آگاہ کرتا ہوں آپ کو ان باتوں کی حقیقت پر جن کے

عَلَيْهِ صَبْرًا ۝ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

متعلق آپ صبر نہ کر سکے۔ وہ جو کشتی تھی وہ چند غریبوں کی تھی جو (ملاحی کا) کام کرتے تھے دریا میں۔

فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ

سو میں نے ارادہ کیا کہ اسے عیب دار بنا دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو پکڑ لیا کرتا تھا ہر کشتی کو زبردستی

غَصْبًا ۝ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا

سے۔ اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے والدین مومن تھے۔ پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا ان دونوں کو بھی مجبور

طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَ

کر دیگا انہیں سرکشی اور کفر پر۔ پس ہم نے چاہا کہ بدلہ دے انہیں ان کا رب ایسا بیٹا جو بہتر ہو اس سے پاکیزگی میں اور (ان پر)

أَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ

زیادہ مہربان ہو ۱۰۲۔ باقی رہی دیوار تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی

وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۚ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ

اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا تو آپ کے رب نے ارادہ فرمایا کہ وہ

۱۰۱ اب جب تیسری مرتبہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کر دیا تو حضرت خضر نے فرمایا کہ اب میں اور آپ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ آپ سے رخصت ہونے سے پہلے آپ کو ان اسرار حکیمانہ پر آگاہ کر دوں جن پر آپ سکوت اختیار نہ کر سکے۔ پھر آپ نے یکے بعد دیگرے تمام واقعات کی حقیقت آپ کے سامنے پیش کر دی۔

۱۰۲ رُحْمًا مصدر ہے رحم یرحم رحمة ومرحمة رُحْمًا ورُحُمًا، رق له وشفق علیه۔ مہربان ہونا شفقت کرنا

۱۰۳ محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک بندے کی صلاح و تقویٰ کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد

يَبْلُغَآ أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا

دونوں بچے اپنی جوانی کو پہنچیں اور نکال لیں اپنا دفینہ یہ (ان پر) ان کے رب کی خاص رحمت تھی اور (جو کچھ)

فَعَلْتُهُۥ عَنْ أَمْرِى ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

میں نے کیا، میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا یہ حقیقت ہے ان امور کی جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

ع ٢٠

کی اولاد اور اسکے خاندان کی نگہبانی فرماتا ہے۔ اور جب تک وہ نیک بندہ کسی مقام پر سکونت پذیر رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے پڑوسیوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے قال محمد بن منکدر ان اللہ یحفظ بصلاح العبد ولدہ وولد ولدہ وعترتہ وعشیرتہ واھل دویرات حولہ فی حفظ اللہ ما دام فیھم۔ (مظہری)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک بندے کی سات پشتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ ان اللہ نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین۔

٨٢ اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ایک امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے تینوں واقعات کے متعلق حضرت خضر نے جو توجیہات پیش کی ہیں ان میں سے پہلی توجیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا فاردت ان اعیبھا میں نے ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار بنا دوں۔ دوسری توجیہ میں فرمایا فاردنا ہم نے یہ ارادہ کیا اور تیسری میں فرمایا فاراد ربک آپ کے رب نے یہ ارادہ فرمایا اسلوب بیان کے اس تفاوت کی وجہ کیا ہے؟

اس کے متعلق مختصراً گزارش یہ ہے کہ اگرچہ خیر و شر، نفع و ضرر ہر چیز کا خالق حقیقی اللہ تعالیٰ ہے لیکن اہل ادب عرفان کا طریقہ یہ ہے کہ خیر و نفع کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور جب شر اور ضرر کے ذکر کا موقع آتا ہے تو اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارشاد ہے واذا مرضت فھو یشفین جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا بخشتا ہے۔ بیماری کی اضافت اپنی طرف کی اور صحت کی اس کی طرف۔ حالانکہ بیمار کرنے والا بھی وہی ہے۔ اسی طرح یہاں کشتی توڑنے کی وجہ بتائی تو فاردت کہہ کر اس کی نسبت اپنی طرف کی۔ کیونکہ کشتی توڑنا مذموم ہے اور جب دیوار درست کرنے کی وجہ بتائی تو اس کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کی فاراد ربک کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ اور قتل غلام کے دو پہلو تھے خیر اس لیے کہ اس کے والدین کو نافرمان بیٹے کے عوض میں نیک اولاد دی جا رہی ہے۔ اور شر اس لیے کہ بظاہر ایک معصوم بچے کو قتل کیا جا رہا ہے اس لیے فاردنا جمع کا صیغہ استعمال کیا تاکہ خیر کے پہلو کی نسبت ذات خداوندی کی طرف ہو جائے اور شر کا پہلو اپنی طرف منسوب کر دیا۔ علامہ بدر الدین الزرکشی نے اسی توجیہ کو زیادہ پسند فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں ۔ لما اراد ذکر العیب للسفینۃ نسبہ لنفسہ ادبا مع الربوبیۃ فقال اردت ولما کان قتل الغلام مشترک الحکم بین المحمود والمذموم استتبع نفسہ

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ۝

اور وہ دریافت کرتے ہیں آپ سے ذی القرنین کے متعلق [١٦٥] فرمائیے میں ابھی بیان کرتا ہوں تمہارے سامنے اس کا حال۔

مع اللحن فقال في الاضطراب فيه لاستتباع لكن المحمود من الفعل وهو رحمة ابيه ابن ... من كفره ... عاماً
على الحق بحجته والمذموم ظاهرا وهو قتل الغلام بغير حق. فانا انه نوى اقامة الجدار كان خيرا محضا فطلب الحق
تحقيقا للادب ثم بعد ان الجميع من حيث انه ... (البرهان في علوم القرآن الزركشي جلد ٢ صفحہ ...)

شانِ نزول: یہودیوں کی انگیخت پر مشرکین عرب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جو تین سوالات کیے تھے ان میں آخری سوال ذی القرنین کے متعلق تھا۔ یہ رکوع آخر تک اسی سوال کے جواب پر مشتمل ہے۔ اس رکوع کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے چند امور کا تصفیہ ضروری ہے۔ (۱) ذی القرنین کون تھا؟ (۲) اس کے تین جنگی سفر کن سمتوں میں تھے اور ان سفروں کے نتائج کیا تھے؟ (۳) وہ سد کہاں ہے (دیوار یا بند) جو ذی القرنین نے تعمیر کی تھی۔ (۴) یاجوج ماجوج سے مراد کون سی قوم ہے۔

کیونکہ سکندر مقدونی اپنی فتوحات کی وجہ سے عالمگیر شہرت حاصل کر چکا تھا اس لیے کئی مفسرین کا یہ خیال ہے کہ ذی القرنین سے مراد سکندر ہے لیکن آیات قرآنی اس نظریہ کی تصدیق نہیں کرتیں۔ کیونکہ سکندر یونان کا باشندہ تھا اور اہل یونان سب بت پرست تھے اور یہی مذہب سکندر کا تھا۔ حالانکہ قرآن کریم میں ذی القرنین کے متعلق صراحتاً مذکور ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا تھا اس کا اپنی رعایا اور اپنی مفتوحہ اقوام کے ساتھ جو سلوک تھا اس میں ایک سچے مومن کا جذبۂ شفقت و اخلاص صاف دکھائی دے رہا ہے۔ اس لیے قرآن میں مذکور ذی القرنین سے سکندر مقدونی مراد نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ دینا کہ سکندر مسلمان تھا اس وقت تک قابلِ اعتنا نہیں جب تک یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس نے اپنے آبائی اور قومی مشرکانہ عقاید کو ترک کر کے توحید کا عقیدہ قبول کر لیا تھا۔ اس قسم کے اقوال کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو قرآن پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملتا ہے اور وہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علماءِ اسلام کا یہ فرض ہے کہ اپنی تحقیقات اور تجسس سے قرآن کریم کے بیان کردہ واقعات کی ایسی وضاحت کریں کہ مخالف اپنا منہ لے کر رہ جائے۔

ذی القرنین کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد رقمطراز ہیں کہ پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا قدیم کتابوں میں ذی القرنین کا لفظ کہیں استعمال ہوا ہے اور اگر ہوا ہے تو ان کے نزدیک اس سے مراد کون ہے۔ پھر یہ دیکھنا ہے کہ اس ذی القرنین میں وہ صفات پائی جاتی ہیں جو قرآن کریم نے ذکر کی ہیں۔ اور کیا وہ کارنامے اس سے صادر ہوئے جنہیں قرآن نے اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ جیسے کہ آپ پڑھ چکے ہیں یہ سوال یہود کی طرف سے اہل مکہ کو سکھایا گیا تھا کہ وہ حضور سے پوچھیں کہ ذی القرنین کون ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شخص یہود کے نزدیک اس لقب

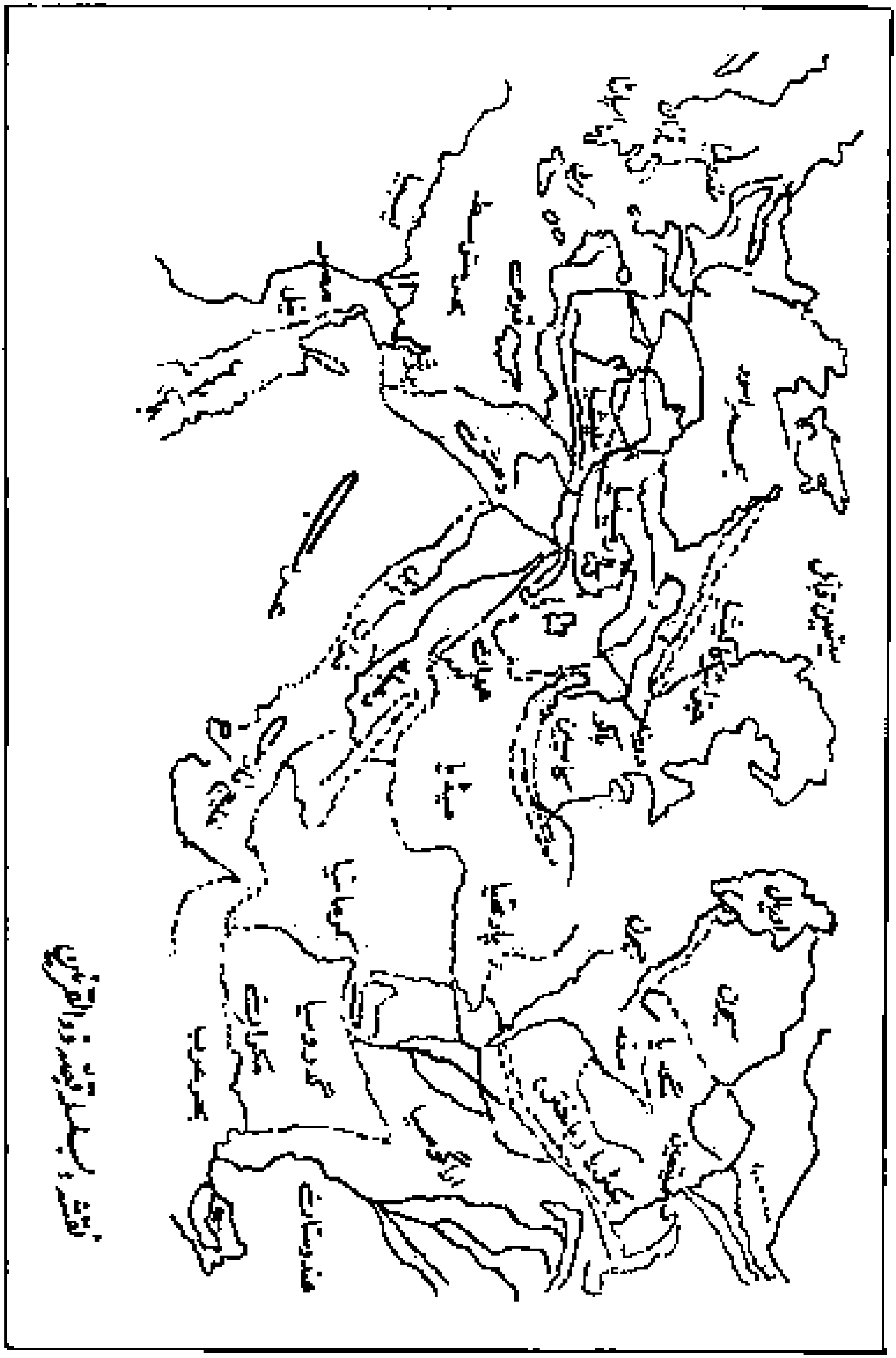

سے معروف تھا۔ اس کے متعلق ہمیں دانیال کی کتاب کے آٹھویں باب میں یہ آیتیں ملتی ہیں حضرت دانیال اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ اسی باب کی بیسویں آیت میں اس کی تعبیران الفاظ میں بیان کرتے ہیں :-

جو مینڈھا میں نے دیکھا اس کے دونوں سینگ مادی (میڈیا) اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ جسیم بکرا یونان کا بادشاہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مادی (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور ان دونوں کے فرمانروا کو مینڈھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب بخت نصر نے ہیکل کو برباد کیا تھا۔ بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر بابل لے آیا تھا اور ان کی جمعیت ختم کرنے کے لیے بھیڑ بکریوں کی طرح انہیں ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت دانیال نبی بھی انہی اسیروں میں تھے۔ آپ کو خواب میں بنی اسرائیل کی رہائی کی خوشخبری دی گئی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا کھڑا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد سائرس (CYRUS) فارس کا حکمران بنا اور اس نے کچھ عرصہ بعد میڈیا کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور اسی کے حکم سے بنی اسرائیل کو آزادی نصیب ہوئی اور اسی کی کوشش اور حکم سے ہیکل کی دوبارہ تعمیر ہوئی جس طرح سورۂ بنی اسرائیل میں گزر چکا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ پہلے تو یہ صرف گمان تھا کہ اس خواب کی وجہ سے یہود سائرس کو ذوالقرنین (سینگوں والا) کے لقب سے یاد کرتے ہیں لیکن ۱۸۳۸ء کے ایک انکشاف نے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا بلکہ خود سائرس کا اور باشندگان فارس کا تجویز کردہ پسندیدہ نام تھا۔ یہ سائرس کی ایک سنگی تمثال ہے جو اصطخر کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کے دونوں طرف عقاب کے پر بھی ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ میڈیا اور فارس کا شہنشاہ ہونے کے باعث سائرس ذوالقرنین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

اور ہو سکتا ہے کہ دانیال کے خواب سے ہی سائرس کو یہ لقب اختیار کرنے کا خیال پیدا ہوا ہو کیونکہ فارس کے بادشاہوں کو بنی اسرائیل کے انبیاء سے بڑی عقیدت تھی۔ سائرس نے بابل کو فتح کیا تو بنی اسرائیل کی اسیری اور جلا وطنی کے دن ختم ہوئے اور اس نے ان کو فلسطین واپس جانے اور ہیکل کا از سر نو تعمیر کرنے کی اجازت دی اور ہیکل کے سونے چاندی کے جو برتن بخت نصر لوٹ کر لایا تھا اور انہیں اپنے خزانے کی زینت بنایا تھا سائرس نے حکم دیا کہ وہ بھی بنی اسرائیل کو واپس دیے جائیں اور پہلے کی طرح ہیکل میں داخل کیے جائیں۔ سائرس کا بچپن بڑی گمنامی کی حالت میں گزرا۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سارا وقت بسر ہوا۔ قدرت نے گوشۂ گمنامی سے اٹھایا اور فارس کا تاجدار بنا دیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اس نے سب سے بڑی اور مضبوط حکومت میڈیا کو مغلوب

کر لیا۔ بابل کو اپنی قلمرو میں داخل کر لیا جس سے اس کی شہرت بام عروج پر پہنچی اور اس کی عظمت کے ڈنکے بجنے لگے۔ یہی وہ چیز ہے جسے قرآن نے انا مکنا لہ فی الارض کے جامع الفاظ سے بیان فرمایا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ذوالقرنین کی جن تین مہموں کا قرآن نے ذکر کیا ہے کیا ان کی وضاحت سائرس نے کی۔ اس کی ایک مہم مغرب الشمس کی طرف، دوسری مطلع الشمس کی طرف، تیسری ایک ایسے مقام کی طرف جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج و ماجوج آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

سائرس کے مورخین بتاتے ہیں کہ جب اس نے میڈیا کو فتح کر کے اپنی سابقہ مملکت فارس کے ساتھ ملا لیا تو اس کے فوراً بعد ایشیائے کوچک کی ایک ریاست جو لیڈیا کے نام سے مشہور تھی اس کے بادشاہ کروسیس نے اس پر حملہ کر دیا اور صلح کے تمام ان معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیا جو کروسیس اور سائرس کے باپ کے درمیان ہوئے تھے۔ سائرس مقابلہ پر مجبور ہو گیا اور اپنے حریف کو جنگ میں شرمناک شکست دی اور لیڈیا کی ساری حکومت پر قابض ہو گیا۔ اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگین تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا یہاں تک کہ مغربی ساحل پر پہنچ گیا۔ اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ لیکن سمندر نے اس کی پیش قدمی روک دی۔ اس نے بصد حسرت نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی تھا اور سورج اس کی لہروں میں ڈوب رہا تھا۔ ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل چھوٹی چھوٹی خلیجوں کا مجموعہ ہے اور سمندر کم گہرا ہونے کی وجہ سے پانی گدلا ہے۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ سے بیان فرمایا وجدھا تغرب فی عین حمئۃ۔ اگرچہ سورج تو اپنی آسمانی مدار میں متحرک رہتا ہے اور کہیں ڈوبتا نہیں لیکن سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر غروب آفتاب کا نظارہ کرنے والے کو کیا یہ دکھائی نہیں دیتا کہ سورج آہستہ آہستہ پانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کے لیے نیچے اتر رہا ہے۔ جس قوم سے سائرس کو وہاں واسطہ پڑا تھا وہ قوم تھی جنہوں نے کروسیس کی سرکردگی میں اس پر حملہ کیا تھا اور اس کا تاج و تخت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ وہ لوگ اس کے قبضہ میں تھے جس طرح چاہتا ان کے ساتھ برتاؤ کر سکتا تھا۔ لیکن سائرس کے مورخین یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ اس نے قطعاً کسی پر زیادتی نہیں کی بلکہ اس نے اپنی سپاہ اور فوج کو تاکید حکم دیا تھا کہ دشمن کے سپاہی کے سوا کسی پر ہاتھ نہ اٹھانا اور اگر وہ بھی نیزہ جھکا دے تو اس سے بھی تعرض نہ کرنا۔ قرآن کے بیان سے بھی مورخین کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ واما من آمن لہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ خود مومن تھا اور نیک اعمال کا قدردان تھا۔

اس کی دوسری مہم مشرق کی جانب تھی جبکہ مملکت کے مشرقی اطراف میں بعض خانہ بدوش قبائل نے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی تو اس کو فرو کرنے کے لیے اسے مشرق کا رخ کرنا پڑا۔ وہ بلخ اور باختر کے قبائل کی سرکوبی کے لیے بڑھا سب کو مطیع بنایا۔ آگے پہاڑوں کا طویل اور اونچا سلسلہ تھا۔ اس کے باعث آگے بڑھنے کے لیے کوئی راستہ نہ تھا۔ لم نجعل لھم من دونھا سترا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ باغی قبیلے صحرا نورد تھے۔ قلعوں اور

محلات کا تو ذکر ہی کیا وہاں کوئی باقاعدہ بستی ہی نہ تھی جہاں مکانات تعمیر کیے جاتے اور ان میں رہائش کی جاتی۔ کبھی درختوں کے کسی جھنڈ کی آڑ میں وقت بسر کر لیا۔ کبھی کوئی معمولی سا خیمہ تان لیا۔ دھوپ وغیرہ سے بچنے کے لیے ان کے پاس کوئی معقول انتظام نہ تھا۔

تیسری مہم: اس مہم کے متعلق قرآن نے بتایا کہ ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیانی درّے تک پہنچا تو وہاں اسے ایک قوم ملی جو ان کی بولی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سدین سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درّہ ہے۔ اس کے دائیں طرف بحیرہ خزر ہے جس نے شمال اور مشرق کی راہ روکی ہوئی ہے۔ بائیں جانب بحیرۂ اسود ہے جو شمال مغرب کے لیے قدرتی رکاوٹ ہے۔ درمیانی علاقہ میں اس کا سربفلک سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے۔ اس درمیانی درّے کے علاوہ شمالی قبائل کے لیے ادھر آنے کا کوئی راستہ نہیں تھا اور یقیناً یہیں سے یاجوج وماجوج آکر ان پر حملہ کرتے اور ان کے علاقہ کو تاخت وتاراج کیا کرتے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں دو پہاڑوں کے درمیان ایک سد (بند) تعمیر کر کے ان کا راستہ بند کر دیا گیا۔ جو لوگ اس علاقہ میں آباد تھے اور آئے دن یاجوج ماجوج کے حملوں سے ان کا امن برباد ہوتا رہتا تھا۔ انھوں نے ہی سائرس سے التجا کی ہوگی کہ وہ انھیں اس بلائے بے درماں سے نجات دلائے۔

قرآن کریم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف مومن ہی نہ تھا بلکہ بڑا فیاض اور رعایا کا ہمدرد اور خیرخواہ بادشاہ بھی تھا۔ ہمیں اس کے ایمان کے متعلق مطمئن ہونے کے لیے کسی بڑی کد وکاوش کی ضرورت نہیں بلکہ انبیاء بنی اسرائیل کی پیشین گوئیاں ہی اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ وہ مومن تھا۔ حضرت دانیال کی پیشین گوئی تو آپ پڑھ آئے ہیں اب یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی سنیے:۔

"یہ خورس (سائرس) کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی بالکل پوری کرے گا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ تعمیر کیا جائے گا اور ہیکل کی بابت کہ اس کی بنیاد ڈالی جائے گی۔ (یسعیاہ باب ۴۴: آیت ۲۸) اسی کتاب کے باب ۴۵ کی پہلی آیت بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اس کے لیے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کیے جائیں گے۔ یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن کریم میں دو بار آیا ہے۔ ایک یہاں اور دوسرا سورۃ الانبیاء میں۔ یورپ کی زبانوں میں انھیں (GOG AND MAGOG) کہا جاتا ہے یہ کونسی قوم تھی۔ تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دیتے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی اور طاقتور قبائل جن کے شرآمیز حملوں کی روک تھام کے لیے چین کے شہنشاہ شین ہوانگ ٹی نے وہ عظیم الشان دیوار بنائی تھی۔ جو پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے اور جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی تعمیر ۲۲۰ ق۔م میں شروع ہوئی اور دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾ فَأَتْبَعَ

ہم نے اقتدار بخشا تھا اسے زمین میں ۸۴؎ اور ہم نے دیا تھا اسے ہر چیز (تک رسائی حاصل کرنے) کا ساز و سامان ۔ پس وہ

سَبَبًا ﴿٨٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي

روانہ ہوا ایک راستہ پر ۸۵؎ یہاں تک کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا تو اس نے اسے یوں پایا گویا وہ ڈوب رہا ہے ایک سیاہ

عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا

کیچڑ کے چشمہ میں اور اس نے پایا وہاں ایک قوم (کو) ۔ ہم نے کہا اے ذوالقرنین! تمہیں اختیار ہے خواہ تم

مسدود کر دیں۔ اب سیتھان کے حملوں کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔ انہیں کے حملوں کو روکنے کے لیے سائرس نے سد تعمیر کی۔ شمال مشرق کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب منگولیا کہلاتا ہے۔ لیکن چینی ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا اصلی قدیم نام "موگ" ہے جو چھ سو برس ق م یونانیوں میں میگ اور مینگاگ پکارا جاتا تھا۔ اور یہی لفظ عبرانی میں ماجوج ہو گیا۔

آخر میں یہ تحقیق کرنا ہے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا محل وقوع کہاں ہے۔ بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا ہے اور بحر خزر سے مل جاتا ہے یہاں ایک دیوار ہے جس کا طول پچاس میل اور اونچائی انتیس فٹ اور چوڑائی دس فٹ۔ (انسائیکلوپیڈیا)

اس مقام سے مغرب کی طرف درہ داریال ہے جو دو بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار ہے اور اسے آہنی دروازہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے خیال کے مطابق آخری دیوار وہ ہے جو قرآن میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (یہ تفصیلات بیشتر مولانا ابو الکلام آزاد کی تفسیر ترجمان القرآن سے ماخوذ ہیں)

۸۴؎ یعنی اسے ملک میں تسلط بخشا اور با اختیار کیا اسے علم، قدرت، آلات وغیرہ بکثرت فراہم کیے جن سے کام لے کر وہ ہر چیز تک رسائی حاصل کر سکتا تھا۔ اس آیت میں سَبَبًا کا معنی ہے مایوصل الیہ من العلم والقدرۃ والآلات ۔ (مظہری)

۸۵؎ یہ اس کی پہلی مہم کی طرف اشارہ ہے جو مغرب الشمس کی طرف تھی۔ جس میں وہ مغربی علاقہ کو فتح کرتا ہوا ایشیائے کوچک کے سمندر کے کنارہ تک جا پہنچا اور سمندر حائل ہونے کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکا۔ حمئۃ سیاہ کیچڑ جہاں پانی کم ہو وہاں کا کیچڑ سیاہ اور بدبو دار ہو جاتا ہے۔ اس سے بحر اسود کے خلیج نما ساحل کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت میں سببا کا معنی راستہ ہے۔ سَبَبًا یعنی الطریق۔ (مظہری)

أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ أَمَّا مَن ظَلَمَ

انھیں سزا دو خواہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو ۱۱۸ ذوالقرنین نے کہا جس نے ظلم (کفر و فسق) کیا

فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَأَمَّا

تو ہم ضرور اسے سزا دیں گے پھر اسے لوٹا دیا جائیگا اس کے رب کی طرف تو وہ اسے عذاب دیگا بڑا ہی سخت عذاب۔ اور جو شخص

مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ

ایمان لایا اور اچھے عمل کیے تو اس کے لیے اچھا معاوضہ ہے ۱۱۹ اور ہم اسے حکم دیں گے ایسے احکام

مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾ ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ

بجالانے کا جو آسان ہوں گے۔ پھر وہ روانہ ہوا دوسرے راستہ پر ۱۲۰ یہاں تک کہ جب پہنچا طلوع آفتاب کے مقام پر تو اس نے

وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

پایا سورج کو کہ وہ طلوع ہو رہا ہے ایسی قوم پر کہ نہیں بنائی ہم نے ان کے لیے سورج (کی گرمی) سے بچنے کی آڑ ۱۲۱

۱۱۸ اگر وہ نبی تھا جیسے بعض کا خیال ہے تو یہ ارشاد بذریعہ وحی ہوگا ورنہ کسی دوسرے نبی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اجازت مرحمت کی جا رہی ہے کہ اس مفتوحہ قوم سے جو مناسب برتاؤ چاہے کرے۔

۱۱۹ اس نے اپنی نیک نفسی کی وجہ سے ان کے پچھلے تمام قصوروں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لیے انھیں متنبہ کر دیا۔ اس کے اس کردار سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ سکندر رومی نہ تھا کیونکہ سکندر کے متعلق انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے باپ فلپ کے مرنے کے بعد اپنے معصوم ننھے سوتیلے بھائی کو جو قلو پطرا کے بطن سے تھا قتل کرا دیا اور اسی طرح اپنے چچا زاد بھائی منتاس کو بھی اس نے مروا ڈالا تھا۔ نیز اس کے متعلق یہ بھی گمان کیا جاتا ہے کہ اس کے باپ کے قتل میں بھی اس کا ہاتھ تھا۔ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱
ایسے شخص سے ایسے بلند کرداری کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

۱۲۰ یہاں سے اس کی دوسری مہم جو مطلع الشمس کی طرف تھی کا بیان ہے۔

۱۲۱ خانہ بدوش قوم جس نے اپنے لیے مکانات وغیرہ بنانے کی زحمت تک گوارا نہیں کی تھی یعنی تہذیب و تمدن سے بالکل بیگانے اور اپنی وحشی زندگی پر مطمئن بلکہ مسرور۔

كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾ حَتّٰٓى

بات یونہی ہے۔ اور ہم نے احاطہ کر رکھا ہے ہر اس چیز کا جو اس کے پاس تھی اپنے علم سے۔ پھر وہ نکلا ایک اَور راہ پر ۱۲۶ یہاں تک

اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

جب وہ پہنچا دو پہاڑوں کے درمیان تو پایا اس نے ان پہاڑوں کے پیچھے ایک قوم کو جو نہیں سمجھ سکتے تھے (اپنی)

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

کوئی بات۔ انھوں نے کہا اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج نے

مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ

بڑا فساد برپا کر رکھا ہے اس علاقہ میں ۱۲۷ تو کیا ہم مقرر کر دیں آپ کے لیے کچھ خراج تاکہ آپ بنا دیں ہمارے

تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ

درمیان اور ان کے درمیان ایک بلند دیوار۔ وہ بولا وہ دولت جس میں میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے وہ بہتر ہے ۱۲۸

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى

پس تم میری مدد کرو جسمانی محنت سے میں بنا دوں گا تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار۔ تم لا دو میرے پاس لوہے کی چادریں (چنانچہ کام

۱۲۶ تیسری مہم کا ذکر ہے۔ سَبَبٌ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان آڑ کا کام دے۔ اسی مناسبت سے پہاڑ کو بھی سَد کہتے ہیں۔ السد: الحاجز بین الشیئین الجبل (منجد)

۱۲۷ وہاں کے لوگوں نے ذوالقرنین کو اپنی داستانِ غم سنائی اور اسے بتایا کہ یہ وحشی اور درندہ صفت قبائل آئے دن ان کی مٹی پلید کرتے رہتے ہیں! انھوں نے بادشاہ کے سامنے ایک مضبوط دیوار بنانے کی درخواست کی اور ہر طرح مالی امداد دینے کا وعدہ کیا۔

۱۲۸ اس کی عالی ظرفی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔ اس نے ان لوگوں کو کہا مجھے تمہاری مالی امداد کی ضرورت نہیں۔ مجھے میرے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا ہے۔ ہاں جو جسمانی کام تم کر سکتے ہو وہ ضرور کرو۔ خرج اور خراج ہم معنی ہیں۔ ردمًا۔ مضبوط دیوار کو کہتے ہیں۔

اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ

شروع ہو گیا یہاں تک کہ جب ہموار کر دیا گیا وہ خلا [illegible] جو دو پہاڑوں کے درمیان تھا اس نے حکم دیا دھونکو یہاں تک کہ جب بنا دیا اسے آگ

قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَ

تو اس نے کہا لاؤ میرے پاس تاکہ میں انڈیل دوں اس پر پگھلا ہوا تانبا پس نہ کر سکے یاجوج ماجوج اس پر چڑھنے کی کوشش کے باوجود

مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ

سر نہ کر سکے اور نہ ہی اس میں سوراخ کر سکے [illegible] ذوالقرنین نے کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے پس جب آئے گا

وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا

میرے رب کا وعدہ تو وہ اسے ریزہ ریزہ کر دے گا۔ اور میرے رب کا وعدہ (ہمیشہ) سچا ہوا کرتا ہے اور ہم آزاد کر دیں گے

بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ

بعض کو اس دن کہ وہ (سمندر کی موجوں) کی طرح ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اکٹھا کر

جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ

دیں گے۔ اور ہم ظاہر کر دیں گے جہنم کو اس دن کافروں کے لیے بالکل عیاں۔ وہ کافر

[illegible] ان دو پہاڑوں کے درمیان جو درہ تھا اس میں لوہے کی چادریں بھر دی گئیں۔ پھر اس پر آگ جلائی گئی یہاں تک کہ لوہا پگھل گیا پھر اس پر تانبا پگھلا کر ڈال دیا گیا یعنی لوہے اور تانبے کی ایک ایسی دیوار بن گئی جس کو گرا دینا یا اس کو پھاندنا یا اس میں نقب لگانا کسی کے لیے ناممکن ہو گیا۔ صدف کا معنی ہے بلند عمارت قال ابو عبید والصدف کل بناء عظیم مرتفع (قرطبی) یہاں صدفین سے دو پہاڑ مراد ہیں جن کے درمیان خلا ہو۔ قطر کا معنی پگھلا ہوا تانبا۔ والقطر عند اکثر المفسرین النحاس المذاب وقیل الحدید المذاب وقیل الرصاص المذاب (قرطبی)

[illegible] ذوالقرنین نے ان کی خواہش کے مطابق ایسی مضبوط اور بلند دیوار تعمیر کر دی جس کو عبور کرنا یاجوج ماجوج کے لیے مشکل ہو گیا انہوں نے اس کو پھاندنا چاہا یا اس کو گرانے کے جتنے جتن کیے انہیں کامیابی نہ ہو سکی۔ آخر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ دیوار اسی وقت تک تمہیں ان وحشیوں کی دست برد سے بچا سکتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو گی اور جب اس کے نزدیک اس کی میعاد ختم ہو گئی اور ان کے خروج کا وقت آ گیا تو یہ مضبوط دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ

جن کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے میری یاد سے اور جو (کلمۂ حق) سن بھی نہیں سکتے

سَمْعًا ۝ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن

تھے ۔ کیا گمان کرتے ہیں کفار کہ وہ بنا لیں گے میرے بندوں کو میرے بغیر

دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ

اپنا حمایتی ۱۱۰ بیشک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کفار کی رہائش کے لیے ۔ فرمائیے (اے حبیب!) کیا

نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

ہم مطلع کریں تمھیں ان لوگوں پر جو اعمال کے لحاظ سے گھاٹے میں ہیں ۱۱۱ یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد دنیوی زندگی کی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ

آرائش میں کھو کر رہ گئی ۔ اور وہ یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ کوئی بڑا عمدہ کام کر رہے ہیں ۱۱۲ یہی وہ (بدنصیب)

۱۱۰ جو معبود برحق کو چھوڑ کر کسی اور کو رب بنا لیتے ہیں ان سے بڑھ کر ناسمجھ اور بدبخت اور کون ہو سکتا ہے ۔

۱۱۱ کیا تم یہ دریافت کرنا چاہتے ہو کہ اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ اور نقصان میں کون لوگ ہیں ۔ آؤ میں تمھیں بتاتا ہوں ۔ یہ وہ لوگ جو دن رات دنیا کے حصول کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں ان کی زندگی کا بس ایک ہی مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کی جائے ۔ مکانات و محلات تعمیر کیے جائیں ۔ دنیا میں مناصب عالیہ پر فائز ہوں انھیں کبھی اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا خیال ہی نہیں آیا ۔ انھیں اپنی موت کو یاد کرنے کی کبھی فرصت ہی نہیں ملی ۔ ضل سعیھم کے الفاظ کتنے معنی خیز ہیں کہ ان کی توانائی کا ایک ایک قطرہ متاع دنیا کے حصول میں ضائع ہو کر رہ گیا ہے ۔ اور اس کشاکش میں وہ تھک کر چور ہو گئے ہیں ۔ اُخروی سعادت کے حصول کے لیے ان میں اب ذرا ہمت نہیں ۔ خود غور فرمائیے طالبانِ دنیا کا یہ کتنا صحیح نقشہ ہے ۔

۱۱۲ اس کے باوجود انھیں اپنے کیے پر کوئی ندامت نہیں بلکہ اپنی قابلیت پر نازاں ہیں اور اپنی جدوجہد کے ان نتائج پر بالکل مطمئن ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگرداں ہو کر جو نقصانِ عظیم انھوں نے اٹھایا اس کا انھیں احساس تک بھی نہیں رہا ۔

الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ

ہیں جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا ۱۲۱ تو ضائع ہو گئے ان کے اعمال ۱۲۲ تو ہم ان کے اعمال

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا

تولنے کے لیے روزِ قیامت کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے یہ ہے ان کی جزا جہنم۔ اس وجہ سے کہ انھوں نے

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

کفر کیا اور میری آیتوں اور رسولوں کو مذاق بنا لیا۔ یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے

كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ

تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے ۱۲۳ ہمیشہ رہیں گے ان میں (اور) نہیں چاہیں گے کہ

۱۲۱ آخرت کی فکر تو تب کرتے اگر اخروی زندگی پر ان کا ایمان ہوتا۔ انھوں نے تو اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے کہ ایک روز ان کی ملاقات اپنے رب سے ہونے والی ہے! اور ان سے ان کے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔

۱۲۲ ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ قیامت کے دن جب وہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کیے جائیں گے تو ان کے دفترِ عمل میں کوئی ایسی نیکی نہیں ہوگی جس کا وزن کیا جا سکے۔ اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ بڑے فربہ اور جسیم دنیادار ہٹے کٹے آئیں گے اور وہ اس غلط فہمی کا شکار ہوں گے کہ آج کے دن بھی وہ سرخرو ہوں گے اور معزز و محترم قرار پائیں گے لیکن جب ان کو تولنے کے لیے ایک پلڑے میں رکھا جائے گا تو ان کی بے مائیگی ظاہر ہو جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ طاقت ور، صحت مند، بسیار خور اور موٹا جب میزان میں رکھا جائے گا تو اس کا وزن بال کے برابر بھی نہیں ہوگا عن ابی ہریرۃ انہ قال لیؤتی بالشدید الاکول یوضع فی المیزان فلا یزن شعیرۃ۔ وزن کا معنی یہاں میزان بھی لیا گیا ہے یعنی ہم ان کے اعمال تولنے کے لیے کوئی ترازو نصب نہیں کریں گے ای لا نضع لہم میزانا توزن بہ اعمالہم لانحباطہا۔ (مظہری)

۱۲۳ ان کے برعکس اہلِ ایمان جن کا صحیفۂ عمل حسنات و طاعات سے گراں بار ہوگا ان کی مہمانی کے لیے جنت الفردوس کو آراستہ کیا جائے گا۔ وہاں انھیں رہنے کے لیے ایسے محلات دیے جائیں گے جہاں سے وہ نکالے نہیں جائیں گے بلکہ ہمیشہ وہاں کی لذت و سرور سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ نُزُل کا معنی مہمان کی تواضع کے لیے جو کھانا تیار کیا جاتا ہے اسے بھی نُزُل کہا جاتا ہے لیکن اس کا ایک دوسرا معنی منزل بھی ہے اور یہاں یہی زیادہ مناسب ہے۔

عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ

وہ اس جگہ کو بدلنا نہیں (چاہیں گے)۔ (اے حبیب!) آپ فرمائیے کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی میرے رب کے کلمات (لکھنے) کے لیے تو ختم ہو جائے گا

قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا

سمندر اس سے پیشتر کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات اگرچہ ہم لے آئیں اتنا ہی اور (سمندر) روشنائی اس کی مدد کو (تب بھی ختم نہ ہوں گے) آپ فرمائیے کہ ظاہری صورت میں تو میں

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ

بشر ہوں تم جیسا، (ہاں) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے پس جو شخص امید

النزل بمعنی المنزل عن الزجاج والنزل ایضاً ما ہیئ للضیف۔

۱۳۳ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی آیات بینات کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی بے پایانی کا مفہوم ذہن نشین کرانے کے لیے کتنا مؤثر اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ سارے سمندر اگر سیاہی بن جائیں اور اس سیاہی سے اس کی قدرت و حکمت کی آیات کو لکھنا شروع کیا جائے تو سارے سمندر خشک ہو جائیں گے لیکن ان آیات کا احاطہ نہیں ہو سکے گا بلکہ اگر مزید سات سمندر سیاہی بنا دیئے جائیں تب بھی یہ مضمون تشنہ ہی رہے گا۔ دانائے شیراز رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حد تک خوب فرمایا ہے ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ✻ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

۱۳۴ اللہ تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کا ادراک انسان کے بس کا روگ نہیں۔ نہ اس کے ظاہری حواس میں یہ تاب ہے اور نہ اس کے باطنی حواس میں یہ قوت ہے کہ اس کی حقیقت کو پہچان سکیں۔ عقل انسانی اپنی تمام تر بلند پروازیوں کے باوجود اس کی عظمتوں کے سامنے سرنگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بجز اس کے اور کوئی طریقہ نہیں کہ ان آیات بینات میں غور و فکر کیا جائے جہاں اس کی قدرت، عظمت، حکمت و کبریائی کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ان آیات میں جہاں پانی کا قطرہ، ریت کا ذرہ، درخت کا پتہ، زمین کی رنگینیاں، سمندروں کی وسعتیں، آسمانوں کی بوقلمونیاں، رفعتیں اور ماہ و خورشید کی ضیا پاشیاں ہیں وہاں نبی کی ذات بھی ایک ایسا آئینہ ہوتی ہے جہاں دیدۂ بینا کو قدرت الٰہی کے ایسے جلوے نظر آتے ہیں جو اور کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ ذات اقدس و اطہر جو تجلیات اسمائیہ اور انوار رحمانیہ کی ایسی تجلی گاہ ہے کہ عرش عظیم کو بھی اس سے کوئی نسبت نہیں۔ جس کسی کے نیاز آگیں دل اور محبت بھری آنکھوں نے حسن مصطفوی کو جتنا جانا، جس قدر پہچانا اور جس قدر پایا اتنا ہی اسے عرفان خداوندی نصیب ہوا۔

لیکن ہر انسان کا مزاج یکساں نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اتنے اکھڑ اور بد دماغ ہوتے ہیں کہ وہ حسن و جمال کے ان

پیکروں کے لیے اپنے دل میں قطعاً کوئی کشش محسوس نہیں کرتے بلکہ ان سے نفرت کرتے ہیں اور انھیں حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان کے برعکس بعض طبیعتیں ایسی غلط اندیش اور ان کی عقلیں اتنی اندھی ہوتی ہیں کہ جہاں کہیں کمال کی ذرا سی جھلک دیکھی۔ اسے اپنا معبود اور خدا بنا لیا اور اس کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو فقط اس لیے خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا کہ انھیں تورات کلیۃً زبانی یاد تھی۔ حضرت عیسیٰ نے چند معجزات دکھائے تو لوگوں نے انھیں کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ اس غلط فہمی کا سدباب کرنے کے لیے ہر نبی نے جہاں اللہ کی توحید کی دعوت دی اور اس کی صداقت ثابت کرنے کے لیے اپنے خداداد کمال کا اظہار فرمایا وہاں کھلے اور واضح انداز میں یہ تصریح بھی کر دی کہ وہ با ایں ہمہ کمال و خوبی خدا نہیں بلکہ خدا کے بندے ہیں۔ خالق نہیں بلکہ مخلوق ہیں۔ معبود نہیں بلکہ عابد ہیں۔ جب جزوی کمالات سے ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوں جن کی گرفت میں آج بھی بے شمار لوگ پھنسے ہیں تو وہ ذات اقدس جو جمال و کمال کا مظہر اتم بنائی گئی اس کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہ تھا۔ اس لیے ضروری ہوا کہ اس غلط فہمی کے سارے امکانات ختم کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو تمام کمالات سے علی وجہ الاتم متصف کرنے کے باوجود اس آیت میں یہ اعلان کرنے کا حکم دیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔

علمائے سلف نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اظہار تواضع کے لیے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اس فتنے کو روز اول سے ہی ختم کر دیا جائے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ قال ابن عباس علم اللہ تعالیٰ عز وجل رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم التواضع لئلا یزہی علی خلقہ ۔ ۔ ۔ و قال فیہ سد لباب الفتنۃ افتتن بہا النصاریٰ حیث رأوا عیسیٰ یبرئ الاکمہ والابرص و یحیی الموتیٰ بتعلیم اللہ تعالیٰ لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم من المعجزات باضعاف ما اعطی عیسیٰ علیہ السلام فامرہ بالاقرار العبودیۃ و تعیینہا لباری لا شریک لہ۔

صاحب کمال کا اظہار تواضع بھی اس کا کمال ہوتا ہے لیکن بعض کم فہم اور حقیقت ناشناس لوگ اس آیت کو کمالات نبوت کے انکار کی دلیل بناتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نبی مکرم رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع کے متعلق کچھ بتایا جائے۔

ایک روز صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ حضور آپ کو خلعت نبوت سے کب سرفراز فرمایا گیا۔ حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا وآدم بین الروح والجسد مجھے اس وقت شرف نبوت سے مشرف کیا گیا جب کہ آدم علیہ السلام کی نہ ابھی روح بنی تھی اور نہ جسم۔ یہ حالت مفی وجعنہ و قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث حسن غریب۔ نبوت صفت ہے اور موصوف کا صفت سے پہلے پایا جانا ضروری ہے۔ اب خود ہی فیصلہ فرمایئے جو موصوف اپنی صفت نبوت سے متصف ہو کر آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ اس کا جسم

وغیرہ صفے یہ کہا ہے کہ کنت نبیا و آدم بین الماء والطین اور کنت نبیا ولا آدم ولا ماء ولا طین لا اصل لہما کہ ان دو حدیثوں کا کوئی اصل نہیں ہے۔ علامہ خفاجی ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں کو موضوع یا بے اصل کہنا درست نہیں کیونکہ امام ترمذی کی روایت کردہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور یہ دونوں روایتیں اس کی ہم معنی ہیں۔ اس لیے ان کو موضوع کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جبکہ روایت بالمعنی محدثین کے نزدیک جائز ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں تخلیق آدم سے پہلے علم الٰہی میں نبی تھا کیونکہ اس میں پھر حضور کی کوئی خصوصیت نہ ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح سے پہلے اپنے حبیب کی روح کو پیدا فرمایا اور اسی وقت خلعت نبوت سے سرفراز کیا اور ملاء اعلیٰ کو اس حقیقت سے آگاہ کر دیا یعنی ان اللہ خلق روحہ قبل سائر الارواح وخلع علیہا خلعۃ التشریف بالنبوۃ واعلم الملاء الاعلی بہ چنانچہ ایک دوسری روایت میں ہے یسبح ذالک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا اور سارے فرشتے حضور کی تسبیح سن کر اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

گر نہ خورشید جمال یار گشتے رہنموں • از شب تاریک ظلمت کس نجستے راہ برون

ابن قطان نے اپنی کتاب "الاحکام" میں حضرت امام علی زین العابدین سے انھوں نے اپنے پدر بزرگوار حضرت سیدنا امام حسین سے انھوں نے اپنے جد امجد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کیا ہے قال کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام یعنی میں نور تھا اور آدم علیہ السلام کی آفرینش سے چودہ ہزار سال پہلے بارگاہ رب کریم کے حریم ناز میں باریاب تھا۔

اس حدیث کے آخری تین راوی ائمہ اہل بیت سے ہیں۔ ان کا علم و فہم اور تقویٰ کسی کی توثیق کا محتاج نہیں۔ البتہ ابن قطان کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی رائے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ حدیث کی صحت کے متعلق کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ علامہ زرقانی ان کے متعلق لکھتے ہیں الحافظ الناقد ابو الحسن علی بن محمد ابن عبد الملک الحمیری۔ کان من ابصر الناس بصناعۃ الحدیث واحفظہم لاسماء رجالہ واشدہم عنایۃ فی الروایۃ معروفا بالحفظ والاتقان (زرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد اول ص۴۶)

یہ حافظ اور نقاد حدیث تھے۔ ان کا نام ابو الحسن علی بن محمد ہے۔ فن حدیث میں ان کی بصیرت اپنے ہمعصر لوگوں سے زیادہ تھی۔ وہ اسماء الرجال کے حافظ تھے۔ روایت میں وہ انتہا درجہ کی احتیاط برتا کرتے۔ وہ اپنے حفظ اور اتقان کے باعث مشہور و معروف تھے۔

حضرت جابر نے حضور فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واطیب التحیات سے پوچھا یا رسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیء خلقہ اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک

ورواہ عبدالرزاق بسندہ) یعنی حضرت جابرؓ نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضورؐ پر قربان ہوں۔ مجھے یہ بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے کونسی چیز پیدا کی۔ حضورؐ نے فرمایا اے جابر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا۔ ان صحیح احادیث (جن کی تصحیح اور توثیق مولانا تھانوی نے نشر الطیب میں کی ہے) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ کی ذات والاصفات عالم امکان میں سب سے مقدم ہے۔ آدم و ابراہیم بلکہ عرش و کرسی سے بھی بہت پہلے حضورؐ کی دیگر صفات کی طرح نبوت و بشریت حضورؐ کی صفتیں ہیں۔ اہل معرفت کی اصطلاح میں اسی نور کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے۔ اور حقیقت محمدیہ حقیقۃ الحقائق ہے۔ وبھذا الاعتبار سمی المصطفیٰ بنور الانوار وبابی الارواح (زرقانی) یعنی اسی وجہ سے حضورؐ کو نور الانوار اور تمام ارواح کا باپ کہا جاتا ہے۔

یہ مسئلہ بڑا نازک ہے مجھ جیسے کم علم کو یہ زیبا نہیں کہ میں اس میں اپنی خیال آرائی کو دخل دوں۔ بہتر یہی ہے کہ ان لفظوں پر قدسیہ کی تحقیقات ہدیۂ ناظرین کرنے پر اکتفا کروں جن کا علم و تقویٰ اہل شریعت اور اہل طریقت دونوں کے نزدیک مسلم ہے اور جن کا قول ساری امت کے نزدیک حجت ہے۔ اس لیے میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک اقتباس نقل کر رہا ہوں۔ شاید جلوۂ حسن محمدی کی جھلک دیکھ کر کسی چشم اشکبار مسکرا دے کسی کے دل بے قرار کو قرار آ جائے۔ آپ لکھتے ہیں :-

" جاننا چاہیے کہ پیدائش محمدی تمام افراد انسان کی پیدائش کی طرح نہیں بلکہ افراد عالم میں سے کسی فرد کی پیدائش کے ساتھ نسبت نہیں رکھتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے حق تعالیٰ کے نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خلقت من نور اللہ کشف صریح سے معلوم ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش اس امکان سے پیدا ہوئی ہے جو صفات اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ ممکنات عالم کے صحیفہ کو خواہ کتنا ہی باریک نظر سے مطالعہ کیا جائے لیکن آنحضرتؐ کا وجود مشہود نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی خلقت و امکان کا منشا عالم ممکنات میں ہے ہی نہیں۔ کیونکہ اس عالم سے برتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا سایہ نہ تھا نیز عالم شہادت میں ہر ایک شخص کا سایہ اس کے وجود کی نسبت زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب جہان میں ان سے لطیف کوئی نہیں تو پھر ان کا سایہ کیسے متصور ہو سکتا ہے "۔ (دفتر سوم ترجمہ مکتوب ۱۰۰ صفحہ ۲۲۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضورؐ صفت بشریت سے متصف ہیں اور حضورؐ کی بشریت کا مطلقاً انکار غلط در غلط سراپا غلط ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حضورؐ کو بشر کہنا درست ہے یا نہیں۔ جملہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ پرنور کی تعظیم تکریم فرض عین ہے اور ادنیٰ سی بے ادبی سے ایمان سلب ہو جاتا ہے اور اعمال ضائع ہو جاتے ہیں ارشاد الٰہی ہے وتعزروہ وتوقروہ اب دیکھنا یہ ہے کہ بشر کہنے میں تعظیم ہے یا تنقیص، ادب و احترام ہے یا سوء ادبی۔

رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

رکھتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو اسے چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ۱۲۶

پہلی صورت میں بشر کہنا جائز ہوگا۔ اور دوسری میں ناجائز۔ مہر سپہر علم و عرفان حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس عقدہ کا جو حل پیش کیا ہے اس کے مطالعہ کے بعد کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ آپ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ لفظ بشر مفہوماً اور مصداقاً متضمن بکمال ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کو بشر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ ارشاد باری ہے۔ مامنعك ان تسجد لما خلقت بيدى۔ (اے ابلیس جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اس کو سجدہ کرنے سے تجھے کس نے روکا) کیونکہ اس پیکر خاکی کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ لگنے کی عزت نصیب ہوئی۔ اس لیے اسے بشر کہا گیا ہے اس خاک کے پتلے کی اس سے بڑھ کر عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے پس لفظ بشر ہے جو آپ کے الفاظ میں کمال اختصاص کے لیے مظہر بنایا گیا ہے اور ملائکہ بوجہ نقص مظہریت کمال سے محروم ٹھہرے۔ یہ دونوں چیزیں اگر ذہن نشین ہوں تو بشر کہنا عین تعظیم و تکریم ہے۔ مگر چونکہ اس کمال تک ہر کس و ناکس سوائے ارباب تحقیق و اہل عرفان رسائی نہیں رکھتا لہٰذا اطلاق لفظ بشر خواص تک مخصوص اور اس کا حکم عوام سے علیحدہ ہے۔ خواص کے لیے جائز اور عوام کے لیے بغیر زیارت قید دال بر تعظیم ناجائز ہے۔"
(فتاویٰ مہریہ صفحہ ۱۲ مطبوعہ ۱۹۶۲ء)

۱۲۵ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ مماثلت کس چیز میں ہے۔ مراتب و درجات وہبی ہوں یا کسبی، کمالات علمی ہوں یا عملی عادات و خصائل ہوں یا روح پر نور، بلکہ جسم عنصری تک میں کسی کو مماثلت تو کجا ادنیٰ مناسبت بھی نہیں۔ پھر یہ مماثلت جس کا ذکر اس آیت میں ہے کونسی ہے جو بعد کمال پائی جاتی ہے یقیناً صرف ایک بات میں مماثلت ہے وہ یہ ہے کہ انہ لا الہ الا ھو وہ بھی ایک خدائے وحدہ لاشریک کا بندہ ہے جس کے تم بندے ہو اس کا بھی وہی خالق و مالک ہے جو تمہارا خالق و مالک ہے۔

۱۲۶ عمل کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا جائے۔ جہاں ریا آگئی وہ عمل ضائع ہو گیا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من صلی یرائی فقد اشرک ومن صام یرائی فقد اشرک ومن تصدق یرائی فقد اشرک یعنی جس نے ریاکاری سے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے ریاکاری سے روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے ریاکاری سے صدقہ دیا اس نے شرک کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں انہیں شداد رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت شداد رونے لگے۔ رونے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے جواب دیا کہ میں نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات سنی تھی جس نے مجھے رلا دیا۔ میں نے حضور

کہ یہ فرماتے سنا انما اتخوف علی امتی الشرک والشھوۃ الخفیۃ ۔ کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری امت شرک اور شہوت خفیہ میں مبتلا ہو جائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اتشرک امتک من بعدک۔ کیا حضورؐ کی امت حضورؐ کے بعد شرک کرنے لگے گی ؟ قال نعم اما انھم لا یعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا ولکن یراءون باعمالھم حضورؐ نے فرمایا ہاں۔ لیکن وہ سورج چاند کی پوجا نہیں کریں گے! اور نہ کسی پتھر اور بت کی عبادت کریں گے، بلکہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کریں گے۔ ان احادیث سے واضح ہوا کہ کوئی کام خواہ کتنا نیک اور بلند ہو اگر اس میں ریا اور نمود آجائے گی تو بارگاہ رب العالمین میں وہ قطعاً منظور نہیں ہوگا۔ وہاں تو وہی عمل مقبول ہوتا ہے جس سے فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی مطلوب ہو۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ نفس کی انگیخت اور شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ رہنا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس میں یہ ہمت و عزم کہاں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کریم نے ہماری کمزوریوں پر رحم فرماتے ہوئے ہمیں ایسا طریقہ بھی تعلیم کر دیا جس کے ذریعے ہم شیطان کی شرانگیزیوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے شرک کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :۔

الشرک فیکم اخفی من دبیب النمل وسادلک علی شیئ اذا فعلتہ اذھب عنک صغار الشرک وکبارہ تقول اللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تقولھا ثلاث مرات۔ (قرطبی)

یعنی شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ تم میں مخفی ہوتا ہے۔ میں تمہیں ایک دعا سکھاتا ہوں۔ اگر تم یہ مانگو گے تو اس کی برکت سے چھوٹا اور بڑا ہر قسم کا شرک تم سے دور ہو جائے گا۔ الفاظ یہ ہیں انہیں تین بار کہے :۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ وَاَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ۔

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیرے ساتھ دانستہ شرک کروں اور میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اس شرک سے جو نادانستہ مجھ سے سرزد ہو۔

تعارف سورۂ مریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام :- حضرت مریم کا تذکرہ اس سورۃ میں تفصیلاً کیا گیا ہے۔ اس مناسبت سے اس سورۃ کو آپکے نام نامی سے موسوم کیا گیا۔ یہ چھ رکوعوں اور اٹھانوے آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد سات سو اسی ہے۔

نزول :- جب مکہ کے دو مشہور سیاست دان عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ابی ربیعہ اپنی سیاسی ریشہ دوانیوں کے باوجود نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرنے میں ناکام رہے کہ وہ مسلمان مہاجرین کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم صادر کرے تو مسلمانوں کے خلاف نجاشی کے دل میں آتش غیظ و غضب بھڑکانے کیلئے انہوں نے ایک اور چال چلی۔ انہوں نے نجاشی سے کہا کہ وہ مسلمانوں سے پوچھے کہ وہ حضرت مسیح کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں یقین تھا کہ مسلمان اگر اپنا صحیح عقیدہ بیان کریں گے تو بادشاہ برافروختہ ہو کر انہیں ملک بدر کر دے گا اور غلط بیانی سے کام لیں گے تو مکہ میں جا کر وہ ان کے خلاف پروپیگنڈے کا ایک طوفان برپا کر دیں گے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو حضرت مسیح کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرنے کا حکم دیا تو عقل و مصلحت اندیشی کے سارے تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے بلا تامل سورۃ مریم کا دوسرا رکوع پڑھنا شروع کر دیا۔ اس وقت ایک عجیب منظر تھا۔ قرآن پڑھا جا رہا تھا اور پڑھنے والا وہ تھا جس نے قرآن کی تعلیم اس ذات اقدس و اطہر سے حاصل کی تھی جس کے قلب منور پر اس کا نزول ہوا تھا۔ دربار میں سناٹا چھا گیا۔ نجاشی کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں حتیٰ کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی۔ جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ حقیقت مسیح کے متعلق جو تم نے بیان کیا ہے حضرت مسیح اس تنکے کے برابر بھی اس سے کم یا زیادہ نہ تھے۔ یہ واقعہ بعثت نبوی کے پانچویں سال وقوع پذیر ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت سے پہلے یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی۔

مضامین :- پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نیاز مندانہ التجا کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے انہیں اس وقت ایک بیٹے کی ولادت کا مژدہ سنایا گیا جب بڑھاپے کی وجہ سے ان کے سارے بال سفید ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ بانجھ ہو چکی تھیں۔ دوسرے رکوع میں حضرت مسیح علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کا تذکرہ کر کے اس حقیقت کو عیاں فرمایا کہ اسباب و علل کی احتیاج ہمیں ہے اسے نہیں جو اسباب و علل کا خالق ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی

شخصیت انتہائی متنازعہ فیہ تھی۔ آپ کے ماننے والوں میں ایسے حقیقت ناشناس بھی تھے جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا یقین کرتے اور آپ کے دشمنوں میں ایسے بدباطن بھی تھے جو آپ کو نبی تو کجا ایک شریف زادہ بھی ماننے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ افراط و تفریط کے اس شور و شغب میں حقیقت کا روئے زیبا نظروں سے بالکل اوجھل ہوچکا تھا۔ یہ قرآن کا ہی فرض تھا کہ حضرت مسیح کی حقیقت کو آشکارا کرے۔ چنانچہ آپ کی اور آپ کی والدہ کی طاہرہ کی عظمت و شان کو پوری آب و تاب سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ حضرت مسیح نہ خدا تھے اور نہ فرزند خدا بلکہ خدا کے پیارے بندے اور معزز رسول تھے۔ عصر حاضر کے جدید مفسرین نے حضرت مسیح کی ولادت کے متعلق جس مرعوب ذہنیت کا اظہار کیا ہے اس کا تفصیلی تذکرہ اور اس پر تبصرہ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

تیسرے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انداز دعوت کو بڑی حسن و خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کو دعوت کی نزاکتوں کا احساس بھی ہے اور اپنے باپ کا ادب بھی ہر لحظہ ملحوظ ہے۔ اُدھر سے سوء خلقی ہے سخت کلامی ہے دھمکیاں اور سرزنشیں ہیں لیکن ادھر خیر خواہی ہے اخلاص ہے، ادب اور احترام ہے۔ جب تک اسلام کا مبلغ اس اسوۂ ابراہیمی کو نہیں اپنائے گا وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

چوتھے رکوع میں چند اولوا العزم رسولوں کا ان کے خصوصی کمالات کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور ان کے ذکر کے بعد ان کی اولاد کا ذکر فرمایا ہے جنھوں نے اس زعم باطل میں مبتلا ہوکر کہ وہ نیکوں کی اولاد ہیں راہ حق سے منہ موڑ لیا اور نافرمانی اور سرتابی کرنے میں دوسروں سے بھی سبقت لے جانے لگے اور صالحین کی اولاد ہونے کا جو شرف انھیں وہبی طور پر بخشا گیا تھا اس کو خاک میں ملا کر دم لیا۔ "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا" کی دل ہلا دینے والی سرزنش سے انھیں خواب غفلت سے جھنجھوڑا اس کے ساتھ ہی انھیں تسلی بھی دی کہ اگر وہ اپنی اس غلط روش سے صدق دل سے باز آجائیں گے تو رحمت کے دروازے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے۔

پانچویں رکوع میں منکرین قیامت کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا گیا۔ نیز دنیا کے ساز و سامان کی ناپائیداری کی طرف توجہ دلا کر انھیں باقیات صالحات کی طرف شوق انگیز انداز میں دعوت دی گئی۔

آخری رکوع میں ان گمراہ فرقوں کی حماقت کا پردہ چاک کیا گیا جو خداوند تعالیٰ کے لیے بیٹے یا بیٹیاں گھڑا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اسرار و رموز کا بیان اپنے اپنے موقع پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ مریم مکی ہے اس کی ۹۸ — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿١﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿٢﴾ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ

کاف۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد۔ [1] یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا [2] جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی [3] جب اس نے پکارا اپنے رب کو

[1] یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان پر تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کے آغاز اور بعض دوسرے مقامات پر گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کے مختلف اسماء پر دلالت کرتے ہیں۔ ک کافی پر، ھا ہادی پر، یا حکیم پر، ع علیم پر اور ص صادق پر۔

قشیری نے حضرت ابن عباس سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے:

معناه كاف لخلقه هاد لعباده يده فوق ايديهم عالم بهم صادق فى وعده۔

یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے کافی ہے۔ اپنے بندوں کو ہدایت دینے والا ہے۔ سب پر غالب ہے۔ سب کو جانتا ہے۔ اور اپنے وعدے کا سچا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے۔ یا کھیعص اغفر لی۔ یعنی اے کاف ھا یا عین صاد مجھے بخش دے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے۔ (قرطبی، روح المعانی)

[2] یہ فقرہ خبر ہے۔ اور اس کی مبتدا "ھذا" محذوف ہے یعنی ھذا ذکر رحمۃ ربک عبدہ زکریا۔ اے سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ واقعہ جس کا بیان اب ہو رہا ہے اس میں تیرے رب کریم کی اس رحمت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے ایک جلیل القدر بندے حضرت زکریا علیہ السلام پر فرمائی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اپنے وجود اور اپنی بقا میں اس کی شان ربوبیت کا رہین منت ہے۔ بایں ہمہ صفت ربوبیت کا جو خصوصی تعلق ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء سے ہے۔ وہ اور کسی چیز کو میسر نہیں۔ عبد کی اضافت اپنی ذات کی طرف فرما کر حضرت زکریا کی عزت و شرف کا اظہار فرما دیا۔

[3] آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ جن کے ذمہ بیت المقدس میں مذہبی رسومات کو ادا کرنا تھا۔ آپ حضرت مریم کی خالہ ایشیع (ELIZABETH) کے شوہر تھے۔ اسی قرابت کے باعث آپ کو حضرت مریم کا نگران مقرر کیا گیا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ سورۂ آل عمران میں گزر چکا ہے۔

نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّى وَهَنَ ٱلْعَظْمُ مِنِّى وَٱشْتَعَلَ ٱلرَّأْسُ

چپکے چپکے [1] عرض کی اے میرے رب! میری حالت یہ ہے کہ کمزور ہو چکی ہیں میری ہڈیاں اور بال سفید ہو گیا ہے

شَيْبًا وَلَمْ أَكُنۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَإِنِّى خِفْتُ ٱلْمَوَٰلِىَ

(میرا) سر بڑھاپے کی وجہ سے اور اے میرے رب! ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تجھے پکارا ہو اے میرے رب! اور میں نامراد رہا ہوں [2] اور میں ڈرتا ہوں

مِن وَرَآءِى وَكَانَتِ ٱمْرَأَتِى عَاقِرًا فَهَبْ لِى مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۝

اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے [3] اور میری بیوی بانجھ ہے پس عطا فرما مجھے اپنے پاس سے ایک وارث

[1] آپ کی عمر بعض روایات کے مطابق ستر سال اور بعض کے مطابق ایک سو بیس سال تھی اور آپ کی اہلیہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال ہو گئی تھی اور ابھی تک ان کے ہاں کوئی فرزند تولد نہ ہوا تھا۔ آپ کے اپنے رشتہ داروں میں کوئی مرد صالح اور راست باز نظر نہ آتا تھا جو اس قابل ہو کہ آپ کے بعد آپ کے منصب کی نازک ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ اس لیے آپ بیٹے کی آرزو رکھتے تھے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے رحلت فرما جانے کے بعد کوئی نااہل شخص ہیکل کا جانشین بن جائے اور دینی رسوم و عبادات کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب دین کی جانشینی نااہلوں کے تصرف میں آ جاتی ہے تو پھر دین پر ہر طرح کی بدعات و رسوم مسلط ہو جاتی ہیں اور اعلیٰ اقدار کی بے دردی سے تحقیر کی جاتی ہے۔ یہی احساس حضرت زکریا کو مضطرب کیے رکھتا تھا۔ ایک روز دل کا سوز التجا بن کر زبان پر آ گیا۔ عجز و نیاز میں ڈوبے ہوئے الفاظ سے بارگاہ رب العزت میں غم پنہاں کا اظہار کر دیا۔ بڑی خاموشی سے چپکے چپکے اپنے چارہ ساز کے حضور میں اپنی حکایت درد کہہ دی۔

[2] لیکن اللہ تعالیٰ کے پاکیزہ بندوں کی طلب اور انداز طلب بھی نرالا ہوتا ہے۔ عرض مطلب میں بہت عاجزی کے ساتھ ان کی لطافت میں ان کی عبدیت کی کیسی تسلیم ہوتی ہے۔ سب سے پہلے اپنے عجز کا اعتراف کیا! اپنی بے بسی اور بیکسی کا اظہار کیا۔ الٰہی اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو گئی ہیں میرے سر کے سارے بال پیرانہ سالی کے باعث برف کی طرح سفید ہو گئے ہیں! اسکے بعد عرض کی میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے ہوش سنبھالنے سے اپنے لطف و کرم کا خوگر بنا دیا ہے۔ جب کبھی میں نے تجھ سے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا۔ جو بھی میں نے مانگا تو نے عطا فرمایا۔ تیرے کرم نے ہمیشہ میری آرزوؤں کی لاج رکھی۔ تیری عنایات نے آج تک مجھے کبھی ناشاد و نامراد نہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس بار بھی لطف و عنایت کی یہ التجا بھی شرف قبول سے سرفراز ہو گی۔

[3] ساتھ ہی اس دعا کی اہمیت کا ذکر بھی کر دیا کہ میرے قریبی رشتہ دار جو میری مسند کے وارث بننے والے ہیں ان میں ایک بھی تو ایسا دکھائی نہیں دیتا جو اس منصب کی سنگین ذمہ داریوں کو انجام دینے کی اہلیت رکھتا ہو۔ پہلے اپنے پیرانہ سالی اور ضعف کا ذکر کیا، اب اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کا تذکرہ کر دیا۔

[4] ان آداب شاہانہ کو بجا لانے کے بعد اصل مدعا عرض کیا۔

يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ

جو وارث بنے میرا اور وارث بنے یعقوب (علیہ السلام) کے خاندان کا اور بنا اسے اے میرے رب! پسندیدہ۔ اے زکریا!

ـلـ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کے اموال اور جائدادیں بھی بطور میراث وارثوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ وراثت کے لفظ کا اطلاق اگرچہ علم، منصب اور مال کی وراثت پر ہوتا ہے لیکن اس کا معنی حقیقی مالی وراثت ہے۔ اور دیگر امور کے لیے اس کا استعمال بطور مجاز ہے۔ اس آیت میں بھی وراثت کا حقیقی مفہوم ہی مراد ہوگا۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا درست نہیں۔ نیز علامہ سیوطی نے اپنی تفسیر درِ منثور میں حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور ابو صالح سے اس آیت کا یہی معنی نقل کیا ہے۔ انہم قالوا فی الآیۃ یرثنی مالی یعنی مجھے ایسا بیٹا دے جو میرے مال کا وارث ہو نیز ارشاد نبوی سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔ عن الحسن عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال فی الآیۃ یرحم اللہ تعالیٰ اخی زکریا ما کان علیہ من یرث مالہ یعنی اس آیت کے متعلق حضور نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی زکریا پر رحم فرمائے ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوتا۔ اگر ان کے مال کا کوئی بھی وارث بنتا۔ نیز علم کسب و اکتساب سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے جد و جہد کرنا پڑتی ہے اور وراثت میں انسان کے کسب اور جد و جہد کو دخل نہیں۔

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں اور نہ ان کا کوئی وارث ہوتا ہے کیونکہ احادیث صحیحہ سے یہی ثابت ہوتا ہے اور یہ احادیث صرف اہل سنت کی کتب میں ہی موجود نہیں بلکہ شیعہ کی کتب میں بھی صحیح سند سے مروی ہیں۔ چنانچہ ان کے محدث اعظم کلینی نے اپنی کتاب الکافی میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ان العلماء ورثۃ الانبیاء وذالک ان الانبیاء لم یورثوا درھما ولا دینارا وانما ورثوا احادیث من احادیثھم فمن اخذ بشیئ منھا فقد اخذ بحظ وافر۔

ترجمہ:۔ انبیاء کے وارث علماء ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء درہم اور دینار کا وارث کسی کو نہیں بناتے بلکہ وہ اپنے حکیمانہ ارشادات بطور ورثہ دیتے ہیں۔ جس نے ان ارشادات سے کوئی چیز حاصل کی تو اس نے نبوت کی میراث کا بڑا حصہ لیا۔ اس حدیث میں "انما" کا لفظ قطعی طور پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس کے شیعہ بھی معترف ہیں۔ ان احادیث کی روشنی میں جو فریقین کے نزدیک صحیح ہیں ہم آیت میں یرثنی کا معنی وراثت علم ہی کریں گے۔

ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وراثت کا اطلاق وراثت مال پر حقیقی ہے اور دوسرے معانی پر مجازی بلکہ علم، منصب اور مال کی وراثت سب پر اس کا اطلاق حقیقۃً ہوتا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ دیگر معانی پر اس کا اطلاق مجازی ہے تو بھی یہ ایسا مجاز نہیں کہ جس کا مفہوم متعین کرنے میں قاری کو دشواری کا سامنا کرنا پڑے بلکہ یہ مجاز متعارف ہے اور بکثرت ان معانی پر اس کا اطلاق ہوتا رہتا ہے خصوصاً قرآن کریم میں اس کا استعمال اتنا کثیر

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا ۞

ہم مژدہ دیتے ہیں تجھے ایک بچے (لڑکے) کی ولادت کا۔ اس کا نام یحییٰ ہوگا۔ ہم نے نہیں بنایا اس کا کوئی ہم نام اس سے پہلے ؎

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ

زکریا نے عرض کی میرے رب! کیسے ہو سکتا ہے میرے ہاں لڑکا ؎ حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں پہنچ گیا ہوں

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۞ قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ

بڑھاپے کی انتہا کو۔ فرمایا یونہی ہوگا۔ تیرے رب نے فرمایا ہے کہ اس کا پیدا کرنا میرے لیے آسان بات ہے اور

ہے کہ حقیقت کا ہم پر پتہ چلتا ہے۔ مثلاً ارشاد الٰہی ہے "ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا" یعنی اپنے بندوں سے جن کو ہم نے چن لیا تھا انھیں کتاب کا وارث بنایا۔ دوسری جگہ ہے "فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتاب" ان کے بعد ان کے جانشین کتاب کے وارث ہوئے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے ان الذین اورثوا الکتاب من بعدھم یعنی وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے۔ یہاں تمام آیات میں وراثت سے مراد مالی وراثت نہیں بلکہ علم و حکمت ہے۔

نیز وہ آثار جو وراثت مال پر دلالت کرتے ہیں۔ وہ علماء جرح و تعدیل کے نزدیک پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ والآثار الدالۃ علی انھم یورثون المال لا یعتمد علیھا عند النقاد (روح المعانی) اور وہ احادیث مرسل ہیں اور احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں انھیں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ ھذہ مرسلات لا تعارض الصحاح۔

اس کے علاوہ پیغمبر کی ذات اس سے بالاتر ہے کہ مال و متاع کی محبت میں اسیر ہو۔ وہ ہر وقت حسن ازل کے جلووں کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ دنیا کی نفیس سے نفیس چیز بھی ان کے دامن دل کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی۔ دوسرا حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ بڑھئی کا کام کر کے اپنی گزر اوقات کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت ہی کہاں تھی جس کے لیے وہ ہر وقت فکرمند رہتے۔ ان تمام امور کے پیش نظر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں وراثت سے مراد وراثتِ مال نہیں بلکہ علم و حکمت کی وراثت ہے۔

؎ دعا کی قبولیت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے سمیّا: ہم نام۔

؎ یہ مژدہ سن کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ از راہ مسرت و حیرت عرض کرنے لگے۔ عتیا: وہ بڑھاپا جس کی ہڈیاں بھی خشک ہو گئی ہوں۔ علامہ راغب نے اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ای حالۃ لا سبیل الی اصلاحھا ومداواتھا یعنی بڑھاپے کی حالت جب نقاہت انتہا کو پہنچ جائے اور اس کے دور ہونے کی اب کوئی صورت نہ ہو۔

خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ﴿٩﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً

دیکھو! میں نے تمہیں بھی تو پیدا کیا تھا اس سے پیشتر حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے ۱۰ زکریا نے عرض کی اے میرے رب مقرر فرما دے میرے لیے کوئی علامت ۱۱

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿١٠﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ

جواب ملا تیری علامت یہ ہے کہ تو بات نہیں کر سکے گا لوگوں سے تین رات تک باوجود تندرست ہونے کے ۱۲ پھر آپ نکل کر آئے اپنی

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿١١﴾ يٰيَحْيٰى

قوم کے پاس اپنے عبادت خانہ سے تو اشارہ سے انہیں سمجھایا کہ تم پاکی بیان کرو (اپنے رب کی) صبح و شام۔ اے یحییٰ پکڑ لو اس

خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا

کتاب کو مضبوطی سے ۱۳ اور ہم نے عطا فرمائی انہیں دانائی جبکہ وہ ابھی بچے تھے نیز عطا فرمائی دل کی نرمی اپنی جناب سے

۱۰ یعنی وہ قادر مطلق جس نے تجھے نیست سے ہست کیا اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ اس پیرانہ سالی کی حالت میں تمہیں فرزند ارجمند عطا فرمائے۔

۱۱ عرض کی کہ میرے لیے کوئی نشانی مقرر کی جائے جس سے میں یہ جان لوں کہ مجھ سے جو وعدہ کیا گیا اس کے پورا ہونے کا وقت اب آ گیا ہے۔ اس شوق و بے قراری کا وہی شخص اندازہ کر سکتا ہے جو کبھی ایسے حالات سے دوچار ہوا ہو۔

۱۲ نشانی یہ بتائی گئی کہ تم اس وقت بات چیت نہیں کر سکو گے لیکن یہ خاموشی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہو گی بلکہ بطور علامت ایسا ہو گا۔ سویا حال ہے اور تکلم کا فاعل اس کا ذوالحال ہے۔ حال من فاعل تکلم مفید لکون انتفاء التکلم بطریق الاعجاز وخرق العادۃ لا لاعتقال اللسان بمرض ونحوہ کما علیہ الجمہور (روح المعانی)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سویا کا تعلق ثلث لیال سے ہے یعنی تین کامل راتیں۔ آیت کا ترجمہ جمہور کی رائے کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۳ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا تو انہیں کتاب پر پوری تندہی سے عمل کرنے کی تلقین کی گئی۔ آپ کی زندگی بتاتی ہے کہ آپ نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کا حق ادا کر دیا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں جا کر دور افتادہ بستیوں اور دشوار گزار پہاڑوں میں جا جا کر لوگوں کو پیغام حق سنایا۔ اور انہیں گناہوں سے تائب ہونے کی ترغیب دی۔ ہزاروں لوگ آپ کی تبلیغ کی برکت سے راہ حق پر آ گئے۔ فسق و فجور کی زندگی کو ترک کر کے انہوں نے زہد و تقویٰ کو اپنا شعار بنایا قوم

کے طریقہ کو آپ نے ان کی کوتاہیوں اور خامیوں پر متنبہ کیا۔ علماء بنی اسرائیل جو دنیا کی محبت میں اس قدر وارفتہ ہو گئے
تھے کہ احکام الٰہی کی تحریف میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے انھیں بڑی سختی سے جھنجھوڑا اور بڑے درشت لہجہ میں
انھیں فرمایا "اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے جتا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو۔ پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے
دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابرہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابرہام کے لیے
اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔ پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا
جاتا ہے" (متی، باب ۳، آیت ۷ تا ۱۰)

آپ کی دعوت کا حلقہ صرف عوام تک محدود نہ تھا بلکہ شاہی دربار بھی آپ کے نعرہ حق سے لرزہ براندام تھا
بادشاہ وقت ہیرودیس نے اپنے بھائی فلپ کی منکوحہ بیوی ہیرودیاس کو اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ آپ نے اس
کو برملا جا کر کہا کہ اپنے بھائی کی بیوی کو رکھنا تجھے روا نہیں۔ انجیل مرقس کی چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

"پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا۔ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو
راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا! اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو
جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا۔ اور موقعہ کے دن جب ہیرودیس نے اپنی سالگرہ میں اپنے امیروں اور فوجی سرداروں
اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی۔

اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی
سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا۔ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک
تجھے دوں گا۔ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں۔ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر۔ وہ
فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی۔ میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر
ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے۔ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب سے اس سے انکار
کرنا نہ چاہا۔ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے جا کر قید خانہ میں اس
کا سر کاٹا اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا" (مرقس باب ۶۔ آیت ۱۹ تا ۲۸)

اس طرح حضرت یحییٰ نے اپنا سر کٹا کر اپنے رب کے اس فرمان یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ کی تعمیل کا
حق ادا کیا۔

حناناً کا عطف الحکم پر ہے شفقت، رحمت اور محبت کے مجموعہ کو حنان کہتے ہیں۔ قال جمہور المفسرین
الحنان الشفقۃ والمحبۃ والرحمۃ (قرطبی)

یہاں ان صفات حمیدہ اور اخلاق حسنہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے متصف ہو کر یہ مولود مسعود تشریف
لایا تھا۔

وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَ

اور نفس کی پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے اور خدمت گزار تھے اپنے والدین کے اور وہ جابر (اور) سرکش نہ تھے اور

سَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ وَاذْكُرْ

سلامتی ہو ان پر جس روز وہ پیدا ہوئے اور جس روز وہ انتقال کریں گے اور جس روز انہیں اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔ اور (اے حبیب!)

فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ

بیان کیجیے کتاب میں مریم کا حال، جب وہ الگ ہو گئی تھیں اپنے گھر والوں سے ایک مکان میں جو مشرق کی جانب تھا۔ پس بنا لیا

قرآن کریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی نیازمندانہ دعا، اس کی قبولیت، حضرت یحییٰ کی سیرت اور اخلاق کی جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں ان کو آپ نے اچھی طرح پڑھ لیا۔ یہ واقعہ تقریباً انہی تفصیلات کے ساتھ انجیل لوقا باب اول آیات ۵ تا ۲۵ میں مذکور ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انجیل میں وہ نیاز و ادب میں ڈوبی ہوئی التجا مذکور نہیں جو اس واقعہ کی جان ہے۔ نیز آپ کے سکوت کو قرآن نے جہاں محض اس خوشخبری کے وقوع پذیر ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔ وہاں انجیل میں لکھا ہے کہ بطور سزا ان سے قوت گویائی سلب کر لی گئی تھی۔ چنانچہ اسی باب کی آیت نمبر ۲۰ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہو لیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا۔ اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری ہوں گی یقین نہ کیا۔"

۱۵؎ پیدائش، وفات اور حشر کے دن انسان کے لیے جن خصوصی اہمیت کے حامل ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ ان میں سے ہر ایک دن زندگی کے ایک نئے اور نامعلوم دور کا پیغام آغاز ہے۔ ان ایام میں انسان کی بے بسی اور بے کسی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے۔ ویسے تو انسان کو ہر آن اور ہر لحظہ رحمت خداوندی کی ضرورت ہے لیکن ان تین نازک مرحلوں میں جس شدت سے انسان اپنے خداوند کریم و رحیم کی رحمت و عنایات کا محتاج ہوتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ یہاں لکھتے ہیں:۔

کہ یہ تینوں دن بہت اندیشناک ہیں۔ کیونکہ ان میں آدمی وہ دیکھتا ہے جو اس سے پہلے اس نے نہیں دیکھا اس لیے ان تینوں موقعوں پر نہایت وحشت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا اکرام فرمایا کہ انہیں ان تینوں موقعوں پر امن و سلامتی عطا کی۔ (خزائن العرفان)

۱۶؎ حضرت زکریا اور ان کی اہلیہ کی عمر سو سال کے قریب یا اس سے بھی زیادہ ہو چکی تھی اور بچہ پیدا ہونے کا طبعی وقت

مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا

اس نے لوگوں کی طرف سے ایک پردہ۔ پھر ہم نے بھیجا اس کی طرف اپنے جبرئیل کو تو وہ ظاہر ہوا ان کے سامنے ایک تندرست

گزر چکا تھا۔ انھیں اس حالت میں بچہ عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور مشیت مطلقہ کا ناقابل تردید ثبوت بہم پہنچایا اور علت ومعلول اور سبب ومسبب کی زنجیریں بنانے والوں کو متنبہ کردیا کہ علیت وسببیت کا تسلسل اگرچہ اس کی حکمت کی جلوہ گری ہے یہ اصول وضوابط جن کے مطابق حوادثات وقوع پذیر ہوتے ہیں اسی نے مقرر فرمائے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ان اصول اور ضوابط کے سامنے مجبور نہیں کہ ان کے بغیر اگر وہ چاہے بھی تو کچھ نہ کرسکے۔ بلکہ وہ جو چاہتا ہے جب چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔ کوئی چیز اس کی مشیت وارادہ کے سامنے رکاوٹ بن کر کھڑی نہیں ہوسکتی جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے۔

اس کے بعد اب اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور یقینی ثبوت بیان فرمایا جاتا ہے جو پہلے سے بھی زیادہ حیران کن اور اکمل ہے وہ حضرت مسیح کی بن باپ ولادت ہے۔

جو لوگ فطرت کے عام اصولوں کو ناقابل تغیر تسلیم کیے ہوئے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ علت ومعلول اور سبب ومسبب کا تسلسل ناقابل شکست ہے اس میں کسی طرح کا رد وبدل ممکن نہیں۔ وہ ایسے واقعات کا بڑے زور سے انکار کردیتے ہیں اور ان کے ابطال کے لیے اس کے علاوہ مزید کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ یہ واقعہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔ اسی لیے یورپ کے کئی مصنفوں نے حضرت مسیح کی بن باپ پیدائش کا صریح انکار کردیا اور کہا کہ آپ حضرت مریم اور یوسف نجار کے بیٹے ہیں اور آپ کی ولادت حسب معمول ہوئی ہے۔ غلام ہندوستان میں جب اس کی صدائے بازگشت سنائی دی تو کئی مرعوب اذہان نے اس کو اپنا جزو ایمان بنا لیا وہ قرآن کا انکار تو نہ کرسکے لیکن اپنے ذہنی فرنگی آقاؤں کی ہاں میں ہاں ملانے کے جنون میں انھوں نے آیات قرآنی کی ایسی تاویلات کرنے کی جسارت کی جسے تحریف قرآن کے بغیر اور کوئی عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ ان کے شکوک وشبہات کا ازالہ کردینا میرا فرض ہے تاکہ کسی کی بڑی شخصیت فہم قرآن میں حائل نہ ہو لیکن اس بحث میں الجھنے سے پہلے میں آیات قرآنی کی مختصر تشریح کرنا مناسب سمجھتا ہوں کیونکہ اگر قاری نے آیات قرآنی کو صحیح طور پر سمجھ لیا تو پھر ان شبہات کا ازالہ سمجھنے کے لیے آسان ہوجائے گا۔

۲۲ سورۃ آل عمران میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ ان کے شکم میں جو بچہ ہے وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردیں گی۔ مریم نے جب کچھ ہوش سنبھالا تو آپ کی والدہ ان کو لے کر آئیں اور انھیں بیت المقدس کے متولیوں کی خدمت میں پیش کردیا۔ ان کی سرپرستی اور کفالت کے لیے حضرت زکریا کو مقرر کیا گیا۔ ان کی رہائش کے لیے ایک حجرہ مخصوص کردیا گیا جو جانب مشرق تھا اور آپ اس میں مصروف عبادت رہا کرتیں۔ النبذ: الطرح والرمی۔ کسی چیز کے پھینک دینے کو نبذ کہتے ہیں مثلاً انتباذ الاعتزال والانفراد۔ انتباذ کا معنی لوگوں سے علیحدگی اختیار کرلینا

۲۳ آپ ایک روز گوشہ تنہائی میں مصروف عبادت تھیں۔ اچانک کیا دیکھا کہ ایک تندرست وخوبرو نوجوان ان کے بالکل قریب کھڑا ہے۔ آپ یہ خیال کرکے گھبرا گئیں کہ اس کی نیت اچھی نہیں۔ فوراً اسے خدائے رحمن کا واسطہ دے کر

سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾ قَالَ إِنَّمَا

انسان کی صورت میں۔ مریم بولیں میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو پرہیزگار ہے۔ جبرائیل نے کہا میں تو

أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ

تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ میں عطا کروں تجھے ایک پاکیزہ فرزند۔ مریم (حیرت سے) بولیں (اے بندۂ خدا) کیونکر ہو سکتا ہے میرے ہاں بچہ

وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾ قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ

حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے اور نہ میں بدچلن ہوں۔ جبرائیل نے کہا یونہی ہے۔ (لیکن) تیرے رب نے فرمایا ہے یہ مجھ

عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا

دینا میرے لیے معمولی بات ہے اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنا دیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لیے اور سراپا رحمت اپنی طرف سے اور یہ ایک

دست درازی کرنے سے روکا جا سکے۔ وہ جبرائیل علیہ السلام تھا جو بشری صورت میں ان کی خلوت گاہ میں کھڑا تھا۔ اس کی حکمت واضح ہے کیونکہ حضرت مریم جبرائیل کو ان کی ملکوتی شکل میں دیکھنے کی ہمت نہ رکھتی تھیں۔

۲۲ جبرائیل نے ان کی اس گھبراہٹ کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ میں انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہوں اور تیرے رب کا بھیجا ہوا آیا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔ حقیقت میں فرزند عطا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے لیکن جبرائیل کیونکہ اس عطا کا سبب اور ذریعہ ہے اس لیے بطور مجاز فرزند دینے کی نسبت اپنی طرف کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص عنایات جو کسی کو ملتی ہیں ان کو ذریعہ اور واسطہ کی طرف منسوب کیا جائے بشرطیکہ یقین ہو کہ منعم حقیقی اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی نسبت درست ہے۔ اس سے انسان مشرک نہیں ہو جاتا جس طرح آج کل بعض متشدد خیال کرتے ہیں۔

۲۳ ایک پریشانی سے جان چھوٹی تو دوسری پریشانی نے آ کر ان کو گھیر لیا جو پہلے سے بھی زیادہ ہوشربا اور روح فرسا تھی۔ کہنے لگیں میں کنواری لڑکی ہوں میری شادی ہوئی ہے اور نہ میں بدکار ہوں پھر میرے ہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ بغی، فعیل کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

۲۴ جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں کہا ایسا ہی ہو گا۔ قانون فطرت تو یہ ہے کہ مرد و زن کے اختلاط سے بچہ پیدا ہوا کرتا ہے اور بن باپ کے بچہ پیدا ہونا عادت کے خلاف ہے لیکن اے مریم تیرے رب کا یہ فرمان ہے کہ ایسا بچہ پیدا کرنا اس کے لیے بالکل آسان ہے۔ وہ ان اصولوں کے سامنے مجبور نہیں جن کے تم خوگر ہو بلکہ وہ اصول اور قوانین تغیر پذیر ہونے میں اس کے اذن کے محتاج ہیں۔

۲۵ اس بچے کو بن باپ کے پیدا کرنے کی حکمت یہ ہے کہ علت و سبب کے چکر میں پھنسے ہوئے ذہنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کے

مَقْضِيًّا ﴿٢١﴾ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿٢٢﴾ فَأَجَاءَهَا

یہ ایک فیصلہ شدہ بات ہے ۳۳؎ پس وہ حاملہ ہو گئیں اس (بچے) سے پھر وہ چلی گئیں اسے لے کر کسی دور جگہ ۳۴؎ پس لے آیا انہیں

الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا

درد زہ ایک کھجور کے تنے کے پاس ۳۵؎ (بصد حسرت وہاں) کہنے لگیں کاش میں مر گئی ہوتی اس سے پہلے اور ہو گئی

تکوین مطلق ہونے کا ایک ناقابل تردید ثبوت پیش کیا جائے۔ نیز یہ بتایا کہ یہ مولود مسعود عام قسم کا بچہ نہیں ہوگا بلکہ ہماری طرف سے خیر و رحمت پھیلانے کے لیے مقرر کیا جائے گا۔

۳۳؎ اسے یوں سمجھیں اس میں تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا بچہ پیدا کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے اب یہ ہو کر رہے گا۔

آپ ان آیات کے لفظی ترجمہ کو ہی اگر پیش نظر رکھیں گے تو ان لوگوں کے نظریہ کا بے بنیاد ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا۔ جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مریم اس لیے حیران و ششدر ہو گئی تھیں کہ انہوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ ابھی اسی کنوارپنے کی حالت میں ان کے ہاں بچہ ہوگا حالانکہ بات یہ نہ تھی ابھی تو صرف بشارت دی جا رہی تھی۔ بچہ تو شادی کے بعد پیدا ہونا تھا۔ آپ غور فرمائیں اگر مقصود خداوندی یہی ہوتا جو علم و دانش کے ان دعویداروں نے آیات سے اخذ کیا ہے تو پھر اسلوب کلام یہ نہ ہوتا۔ صرف اتنا کہہ دیا جاتا کہ مریم جب تو شادی کرے گی تو تیرے بچہ پیدا ہوگا۔ کلام الٰہی کا انداز ان لوگوں کے نظریات کی واضح تردید کرتا ہے۔

۳۴؎ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پھونک ماری اور حمل قرار پا گیا۔ منشائے خداوندی پر مطلع ہو کر مریم خود تو مطمئن ہو گئیں لیکن اپنے دامن عفت کو لوگوں کی بہتان تراشیوں سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ یہ بات کہ تو راز الٰہی کہا بھی نہیں جا سکتا اور اگر کہہ بھی دیا جائے تو ماننے کا کون۔ اس لیے آپ نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں۔ چنانچہ اپنے گھر کو خیرباد کہا اور ایک دور گوشہ میں چلی گئیں۔ غور سوچیے اگر یہ حمل شادی کے بعد ہوتا تو انہیں اپنا گھر چھوڑ کر جانے کی کیا ضرورت تھی۔

۳۵؎ جب وقت پورا ہو گیا اور وضع کا درد شروع ہوا تو کھجور کے ایک سوکھے تنے کی اوٹ میں آ گئیں۔ وضع حمل کی تکلیف شروع ہے۔ کوئی دایہ پاس نہیں اور سر چھپانے کے لیے جھونپڑی تک نہیں اور یہ احساس تیز تر ہو گیا ہے کہ اب تک لوگوں کی نظروں سے چھپی رہی اور اب بچہ پیدا ہوگا تو اسے کہاں چھپاؤں گی اور لوگوں کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ شدت بے چارگی و درماندگی میں یہ الفاظ زبان پر آ ہی گئے یٰلیتنی مت الایۃ۔ غور فرمائیے اگر یہ حمل شادی کا ہوتا تو وہ اپنے گھر میں آرام سے پلنگ پر لیٹی ہوتیں۔ زیادہ نہ سہی تو ایک آدھ دایہ خبر گیری کے لیے پاس ہوتی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ شادی شدہ عورت بچہ جننے کے لیے تنہا وادیوں میں گھومتی رہی ہو اور اسے ایک سوکھا ہوا کھجور کا تنا نظر آئے تو اس کی پناہ لیتی ہو

وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ

فراموش کر دی گئی ہوتی۔ پس پکارا اسے ایک فرشتہ نے اس کے نیچے سے کہ آزردہ نہ ہو جاری کر دی ہے

رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ

تیرے رب نے تیرے نیچے ایک ندی اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو گرنے لگیں گی تم پر

رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ

پکی ہوئی کھجوریں تازہ بتازہ پس کھاؤ اور پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھیں ٹھنڈی کرو پھر اگر تم

حیثیت ہے۔

چند الفاظ: قصیا۔ دور۔ اجاء۔ جاء پر ہمزہ کا اضافہ کر کے متعدی بنا دیا گیا لیکن اس میں "آنے" کے معنی کے ساتھ التجاء۔ مجبوراً آنا کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے کیونکہ خص بالالجاء فی الاستعمال (مظہری) مخاض: دردِ زہ۔ مخض الولد: وروزہ جب بچہ باہر نکلنے کے لیے شکم میں حرکت کرنے لگے تو عرب کہتے ہیں مخضت المراۃ (مظہری)

۲۱ جب آپ کی پریشانی حد سے گزر گئی تو نیچے سے تسلی آمیز آواز آئی۔ مریم غم نہ کرو دیکھو تیرے لیے تیرے رب نے ایک خشک ندی میں پانی جاری کر دیا ہے جب اس کی نظر عنایت ہر دم اور ہر لحظہ تیری طرف مائل ہے تو پھر تکلیف و فکر چہ معنی۔ السری: النهر الصغیر۔ جمہور علماء کے نزدیک آیت میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ سری کا معنی وہ مرد عظیم ہے جو خصال حمیدہ سے متصف ہو۔ السری من الرجال العظیم الخصال السید (قرطبی)

اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا اے مریم تو کیوں غمزدہ ہوتی ہے نیچے پڑے ہوئے اس معصوم بچے کو دیکھ جس کی پیشانی پر سیادت و عظمت کے انوار چمک رہے ہیں۔

۲۲ تم قدم قدم پر اپنی عنایات سے نواز رہا ہے اس سے تنگ نہ ہو۔ ابھی تو تمہارے کھانے کے لیے عمدہ پکی ہوئی کھجوریں تیرے قدموں میں آ گریں گی بس پکڑ کر اسے ہلاؤ۔ جو تجھے بے موسم کے پھل کھلایا کرتا تھا وہی آج تیرے ایام زچگی کے لیے تازہ اور میٹھے خوشوں کا اہتمام فرما رہا ہے۔ جنی: وہ پکا ہوا پھل جو توڑنے کے قابل ہو جائے۔ الجنی الذی بلغ الغایۃ وجاء اوان اجتنائہ۔ اطباء کے نزدیک ایام زچگی میں عورت کے لیے بہترین خوراک تازہ اور شیریں کھجور ہے۔

۲۳ اس آیت میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔

الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ

دیکھیں کسی آدمی کو تو اشارے سے کہہ دو کہ میں نے نذر مانی ہوئی ہے رحمن کے لیے (خاموشی کے) روزہ کی پس میں آج کسی انسان

الْيَوْمَ إِنسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ

سے گفتگو نہیں کروں گی۔ تو اس کے بعد لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اٹھائے ہوئے بولے اے مریم! تم نے بہت ہی

شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ

برا کام کیا ہے اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی

۹؎ اگر کوئی شخص تیری گود میں بچہ دیکھ کر تم پر زبان طعن دراز کرنے لگے تو تمہیں اپنے دفاع کے لیے بولنے کی ضرورت نہیں تم خاموش رہنا اور معترضین کو بتلا دینا کہ میں روزہ دار ہوں اس لیے گفتگو نہیں کروں گی۔

۱۰؎ جب بیٹے چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو اپنے فرزند دلبند کو گود میں اٹھا کر اپنے گھر آئیں جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ مریم کنواری مریم بچہ اٹھائے آ رہی ہے تو ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا ہو گا اور فرط حیرت سے وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے ہوں گے۔ وہب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ جب آپ بچے کو اپنی قوم کے پاس لے آئیں تو بنی اسرائیل میں یہ بات مشہور ہو گئی ملامت کرنے کے لیے مرد و زن ٹوٹ پڑے آئے۔ ایک عورت نے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تو وہ سوکھ گیا ایک نے کہا یہ تو زنا کا ہے تو وہ گونگا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کسی کو مارنے یا برا بھلا کہنے کی ہمت نہ ہوئی اور بڑے نرم الفاظ میں اتنا ہی کہہ سکے قد جئت شیئا فریا خود سوچیے اگر کسی شادی شدہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا اس کی آؤ بھگت اس طرح کی جاتی ہے۔

۱۱؎ لفظ فریا کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں الفری کغنی الامر المختلق المصنوع او العظیم تقطعها بالحجم او العجیب العجب یعنی جو شخص کا ہم وزن ہے جو ہم نے اس کے دو معنی ذکر کیے ہیں المختلق المصنوع گھڑا ہوا بناوٹی اور العظیم بہت بڑا۔ امام راغب نے اس کا معنی عجیب بیان کیا ہے لیکن علامہ ابن حیان اندلسی نے اس کا معنی العظیم الشنیع بتایا ہے یعنی بہت قبیح فعل ہے۔ (البحر)

علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے انہ یستعمل فی العظیم من الامر والشیء العجیب قولا او فعلا (روح المعانی) ہر بڑے کام کے لیے خواہ وہ برا ہو یا اچھا قول ہو یا فعل یہ لفظ (فری) استعمال ہوتا ہے کیونکہ یہ وضاحت مذکورہ بالا سب معانی پر حاوی ہے اور موقع کے بھی مناسب ہے اس لیے ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۱۲؎ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ کے کسی بھائی کا نام ہارون تھا۔ صحیح حدیث سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے صحیح مسلم میں ہے کہ مغیرہ بن شعبہ جب نجران گئے تو وہاں کے عیسائیوں نے ان سے پوچھا کہ قرآن میں مریم کو اخت ہارون (ہارون کی بہن)

أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ

تیری ماں بدچلن تھی ٹٹ۔ اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ لوگ کہنے لگے ہم کیسے بات کریں اس سے جو گہوارہ میں

کہا گیا ہے حالانکہ ہارون اور مریم کے عہد میں صدہا سال کا فرق ہے وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ جب واپس آئے تو بارگاہ رسالت میں اس واقعہ کو بیان کیا حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا انھم کانوا یسمون بانبیائھم والصالحین قبلھم کہ بنی اسرائیل کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کے نام انبیاء اور پہلے بزرگوں کے ناموں پر رکھا کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مریم کے ایک بھائی تھے جن کا نام حسب دستور حصول برکت کے لیے حضرت ہارون کے نام پر رکھا گیا تھا۔ دیگر علمائے لکھا ہے کہ ہارون سے مراد حضرت ہارون ہی ہیں، کیونکہ مریم ان کے خاندان سے تھیں۔ اس لیے اخت ہارون کہا گیا۔ عرب میں جب قبیلے کے کسی فرد کو قبیلہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو لفظ اخ استعمال کرتے ہیں جیسے یا اخا مضر یا اخا تمیم حدیث پاک میں ہے ان اخا صداء قد اذن فھو یقیم (قرطبی) یعنی صداع کے بھائی نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔

ٹٹ جن الفاظ سے لوگ مریم کو عار دلا رہے ہیں وہ یہ نہیں کہ تمہارا باپ تو بڑا صحیح العقیدہ تھا تمہاری ماں تو اپنے نظریات میں بڑی پختہ تھی تم نے یہ بےدینی اور بد اعتقادی کہاں سے لی؟ بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ تیرا باپ امرأ سوء (برا آدمی) نہ تھا اور تیری ماں "بغیا" (بدکار) نہ تھی کیا کسی شادی شدہ عورت کو یہی عار دلائی جاتی ہے۔

ٹٹ حسب ارشاد خداوندی مریم خود چپ رہیں اور بچے کی طرف اشارہ کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ جو پوچھنا ہے اس سے پوچھو۔ انھوں نے کہا مریم تو ہمارے ساتھ مذاق کرتی ہے خود تو تم چپ کر بیٹھی ہے اور ہمیں اس شیر خوار بچے سے گفتگو کرنے کو کہتی ہے جو ابھی جھولے میں جھول رہا ہے۔ ہم اس سے کیسے بات کر سکتے ہیں۔ آیت میں "کان" کا لفظ تحقیق طلب ہے کیونکہ وہ حضرات جو حضرت عیسٰی کے بن باپ پیدا ہونے کے قائل نہیں انھیں اس سے بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے یہاں اس کا مفہوم اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے تاکہ آگے جب ان کی غلط فہمی کا تذکرہ آئے تو آپ کو کسی قسم کی تشویش لاحق نہ ہو۔ کان فعل ناقص ہے اور اس کا معنی ماضی کا صیغہ ہے جو گزشتہ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ اس طرح آیت کا معنی یوں ہوگا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گزشتہ زمانہ میں پنگھوڑے میں بچہ تھا۔ یہ معنی کسی طرح پسندیدہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے علماء اسلام طاب اللہ ثراھم نے اس آیت کے ضمن میں کان پر بڑی مفید بحث کی ہے۔

ابو عبیدہ (امام نحو و ادب) نے کہا ہے کہ یہاں کان زائدہ ہے اور محض تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور کسی زمانہ پر دلالت نہیں کرتا۔ کان زائدة لمجرد التاکید من غیر دلالة علی الزمان (روح المعانی)

بعض نے کہا ہے کہ یہ تامہ ہے۔ ان دونوں صورتوں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر کان زائدہ ہوتا تو "صبیا" پر کیسے نصب آیا اور اگر کان تامہ ہوتا تو اسے خبر کی ضرورت ہی نہ تھی حالانکہ یہاں "صبیا" خبر ہے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ صبیا

صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝

گود میں بچہ ہے۔ (بچہ) بول اٹھا بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں ۳۳ اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے ۳۴

خبر نہیں بلکہ حال ہے اور اسی وجہ سے منصوب ہے۔

علامہ ابن حیان اندلسی یہ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ کان ناقصہ ہے اور صبیا اس کی خبر ہے اور کان زمانہ ماضی پر دلالت کرنے کے ساتھ زمانہ حال میں اس فعل کے پائے جانے کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ بتاتا ہے کہ زمانہ ماضی میں پائے جانے کے ساتھ ساتھ وہ فعل زمانہ حال میں بھی برقرار پایا جا رہا ہے جیسے کان اللہ غفورا رحیما کہ پہلے بھی اللہ تعالیٰ غفور رحیم تھا اور اب بھی ہے یا جیسے ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ پہلے بھی بے حیائی کا کام تھا اور اب بھی ہے۔ یہ نہیں کہ گزشتہ زمانہ میں تو زنا فحش و قبیح تھا اور اب نہیں ہے۔ والظاهر انها ناقصة تكون بمعنى صار او تبقى على مدلولها من اقتران مضمون الجملة بالزمان الماضي ولا يدل ذلك على الانقطاع كما لم يدل في قوله وكان الله غفورا رحيما وفي قوله ولا تقربوا الزنى انه كان فاحشة۔ والمعنى كان وهو الآن على ما كان ولذلك عبر بعض اصحابنا عن كان هذه بانها ترادف لم يزل (البحر المحيط)

۳۳ آپ دودھ پیتے بچے تھے۔ یہ باتیں سن کر آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور ان لوگوں کی طرف رخ کر کے یہ کلام معجز نظام ارشاد فرمایا۔ سب سے پہلے یہ اعلان کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ نہ میں خدا ہوں اور نہ خدا کا بیٹا جس طرح ان کے پرستار ان کے متعلق اعتقاد رکھنے والے تھے۔ آنے والی غلطیوں کا پہلے دم ہی ازالہ فرما دیا۔ نیز مقام عبدیت تمام مقامات قرب سے اعلیٰ ترین مقام ہے۔

۳۴ یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کتاب دے گا اور مجھے وقت مقررہ پر نبی بنا کر مبعوث فرمائے گا اور مجھے بابرکت کرے گا بلکہ تمام صیغے ماضی کے استعمال ہوئے ہیں جن کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب مرحمت فرما دی ہے۔ مجھے نبی بنا دیا ہے اور مجھے بابرکت کر دیا ہے۔ اس کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن میں ہی ان نعمتوں سے سرفراز فرما دیا تھا لیکن علامہ قرطبی نے اس وجہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۲۔ جو چیز علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو وہ اگرچہ وقوع پذیر نہ ہوئی ہو اس کو زمانہ ماضی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے واقع ہونے میں کسی قسم کا شائبہ نہیں۔

وقيل ان ذلك سبق في قضائه وسابق حكمه ويحتمل ان يجعل الآتي لتحققه كانه قد وجد (البحر)

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا

اور اسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں۔ اور اسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکوٰۃ دینے کا جب

دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ وَالسَّلَامُ

میں زندہ رہوں ۳۱ اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت۔ اور سلامتی ہو

عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ذَٰلِكَ عِيسَى

مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔ یہ ہے عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَن

ابن مریم ۳۳ (اور یہ ہے) سچی بات جس میں لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ یہ زیبا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کو کہ وہ

يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن

کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ فیصلہ فرما دیتا ہے کسی کام کا تو بس اتنا حکم دیتا ہے اسے کہ ہو جا

مبارک کے کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ قال مجاہد نفاعًا بہت نفع رساں۔ وقال سفیان معلم خیر (بھلائی کی تعلیم دینے والا) وقیل آمرًا بمعروف وناھیًا عن منکر (نیکی کا حکم دینے والا برائی سے روکنے والا) وعن الضحاک قضاءً للحوائج (بہت حاجت روا۔) (روح، بحر)

۳۱ اس سے مراد یا تو شرعی نماز اور زکوٰۃ ہے یا نماز سے مراد دعا اور زکوٰۃ سے مراد نفس کو رذائل سے پاک کرنا۔ آپ کی والدہ محترمہ پر جو الزام عائد کیا جا رہا تھا اس کو دور کرنے کے لیے آپ نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت مریم کی برأت کو ثابت کرنے کے لیے اس سے زیادہ موثر، دلنشین اور بلیغ اسلوب نہیں ہو سکتا یعنی کیا ایک زانیہ کے شکم سے ایسا بچہ تولد ہو سکتا ہے جو ان کمالات کا حامل ہو۔ میرا صاحب کتاب نبی ہونا میرے وجود کا سراپا برکت ہونا کیا اس بات کی بین دلیل نہیں کہ میری والدہ عفیفہ، زاہدہ اور قانتہ ہیں۔

اگر کسی کو حضرت عیسیٰ کے اس ارشاد سے حضرت مریم کی عفت اور پاکدامنی کا یقین نہ آئے تو وہ اپنے ذوق کا ماتم کرے۔

۳۴ قرآن کریم کی جن آیات میں ولادت مسیح کا مفصل تذکرہ ہے ان کا آپ نے مطالعہ فرما لیا۔ آئیے اب ان لوگوں

کے توقف کا علمی محاسبہ کریں جو ان تصریحات کے باوجود اس کے قائل ہیں کہ حضرت مسیح کی پیدائش بغیر باپ کے نہیں ہوئی بلکہ وہ مریم اور یوسف نجار کے لڑکے ہیں۔ اس طائفہ کے سرخیل سرسید احمد خاں ہیں۔ جس شرح و بسط سے انھوں نے اس پر بحث کی ہے اور اپنی طرف سے دلائل کے جو انبار لگائے ہیں وہ انہی کا حصہ ہیں۔ باقی سب ان کے پیروکار اور ریزہ چین ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ انہی کی نگارشات کو موضوع بحث بنایا جائے اور انہی کی تحقیقات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

"وہ لکھتے ہیں کہ مسیح کو بن باپ پیدا کرنے میں کوئی حکمت ہونی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے کی کوئی معقول حکمت نہیں۔ اس لیے ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ آپ کی پیدائش کے لیے بلاوجہ قانون فطرت کو توڑا گیا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو تو یہ درست نہیں کیونکہ اظہار قدرت کے لیے ایسی دلیل ہونی چاہیے جو بیّن اور ظاہر ہو جس کا کسی کو مجال انکار نہ ہو اور بغیر باپ کے پیدا ہونا امر مخفی ہے۔

ہم گزارش کرتے ہیں کہ اس کی حکمت تلاش کرنے کے لیے زیادہ مغزماری کی ضرورت نہیں۔ قرآن کریم نے خود ہی اسے بیان کر دیا لنجعلہ آیۃ للناس کہ ہم اس کو اپنی قدرت کاملہ کی نشانی کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اب یہ بتانا ہے کہ یہ واقعہ کس اعتبار سے لوگوں کے لیے آیت ہے؟ جس زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت ہوئی اس وقت شام و فلسطین کے علاقوں پر یونانیوں کا قبضہ تھا۔ اور اس سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ وہاں یونانی فلسفہ کا طوطی بول رہا تھا۔ تخلیق عالم کے متعلق یونانی فلسفیوں کا نظریہ یہ تھا کہ خالق سے تخلیق عالم کا فعل یوں صادر ہوا ہے جس طرح علت سے معلول کا صدور ہوتا ہے یعنی جس طرح علت سے اختیار اور ارادہ کے بغیر معلول صادر ہوتا ہے۔ اسی طرح خالق سے عالم کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر کے بتا دیا کہ وہ ذات پاک جو خالق کائنات اور مبدع ارض و سماوات ہے اس کا اپنا ارادہ ہے اور اس کی اپنی مشیت ہے۔ وہ مادی اسباب کی پابند نہیں۔ اور نہ ان کے سامنے مجبور و مقہور ہے بلکہ وہ قادر و توانا ہے۔ جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے وقوع پذیر ہوتا رہتا ہے۔

نیز یہ لوگ عالم ارواح کے قائل نہ تھے۔ وہ انسان کو جسم اور روح کا مجموعہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک انسان صرف اس گوشت پوست کے ڈھانچے کا نام تھا۔ یہاں انسانی نطفہ کے بغیر نفخ روح سے آپ کو پیدا کر کے منکرین عالم ارواح پر اس بات کو آشکارا کر دیا کہ روح بھی ایک حقیقت ہے اور انسان جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ چونکہ آپ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی۔ اس لیے لوگوں نے سمجھا کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے اور یہ درست نہیں۔ کیونکہ بشارت حضرت ابراہیم و زکریا کو بھی دی گئی تھی اور ان کے فرزندوں کو کوئی بن باپ نہیں کہتا۔ اس لیے حضرت مسیح کی ولادت بن باپ ثابت نہ ہوئی۔ سبحان اللہ کیا استدلال ہے صرف بشارت سے کون ان کا بن باپ ہونا تسلیم کرتا ہے بلکہ قرآن کی دوسری آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ مریم کے "لم یمسسنی" کہنے سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ مریم نے اظہار تعجب اس

لیے کیا تھا کہ اُن کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ بچہ اب ہی پیدا ہونے والا ہے۔ حالانکہ فقط بچے کی پیدائش کی بشارت تھی۔ اور اس کی پیدائش تو ان کی شادی کے بعد ہونی تھی۔ آپ خود انصاف فرمائیں اگر مقصود یہی تھا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو مریم کو تسلی دینے کے لیے صرف (ستکبعد بنا) ہی کافی تھا۔ مریم گھبراؤ نہیں بچہ تب پیدا ہوگا جب تم شادی کرو گی۔ اس سیدھے جواب کو چھوڑ کر یہ جواب دینا قطعاً مناسب نہیں بلکہ قواعد فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔

پھر فرماتے ہیں آپ کا آیۃ للناس ہونا اس اعتبار سے تھا کہ آپ بڑے رحم دل اور رقیق القلب تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بن باپ پیدا ہوئے کیونکہ نشانی ایسی ہونی چاہیے جو واضح ہو اور جس کا انکار نہ کیا جا سکے۔ یہ تو ایک امر مخفی ہے اس پر بیسیوں شبہات وارد کیے جا سکتے ہیں۔

ان کا یہ خیال بھی درست نہیں بلکہ مسیح کا بن باپ پیدا ہونا قدرت خداوندی کی روشن دلیل ہے کیونکہ کنواری لڑکی کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی اس کے علاوہ ایک ہی صورت ہے کہ وہ بدکارہ ہو حضرت مسیح کے کلام سے جب آپ کی عفت و پاک دامنی ثابت ہو گئی اور ہر صحیح الفطرت شخص کو یقین ہو گیا کہ ایسا نورانی اور سراپا یمن و برکت بچہ زانیہ کے شکم سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا شاہکار ہے۔ باقی رہے بدفطرت لوگ تو ان کے نزدیک کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کبریائی کی دلیل نہیں۔ زمین و آسمان، دریا، صحرا، چاند، ستارے کسی چیز میں بھی ان کور باطنوں کو قدرت الٰہی کے جلوے نظر نہیں آتے تو کیا آپ ان آیات بینات کو بھی امر مخفی کہ کر ان پر قلم تنسیخ پھیر دیجئے۔

اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے کیف نکلم من کان فی المھد صبیا سے بھی استدلال کیا ہے اور اس آیت کی عجیب و غریب تشریح کر کے عقل سلیم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں نہیں کیا تھا بلکہ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہو گئی اور آپ یہودی علماء کی مجلسوں میں شریک ہو کر ان سے بحث و مباحثہ کرتے تھے اور ان کو ان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے لگے تو علماء یہود احتجاج کرنے کے لیے ان کی ماں کے پاس آئے اور ان کی بدعقیدگی کی شکایت کی۔ مریم اپنے لاڈلے بچے کی طرف سے خود صفائی دینے کی بجائے اس کو گود میں اٹھا لائیں اور اس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خود اس سے بات کرو تو انھوں نے جواب دیا کیف نکلم من کان فی المھد صبیا ہم اس شخص کے ساتھ کیسے بات کر سکتے ہیں جو عالم شیر خوارگی میں پنگھوڑے میں جھولتا رہا تھا۔ آپ نے اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا۔ کیا کہنے اس فہم قرآن کے۔ اگر آیت کا یہی مفہوم ہے تو پھر انھیں کسی ایسے عالم سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے جسے بچپن میں گہوارے میں لٹایا گیا ہو۔ ان عقلیں گم دانش کو قرآن کا ایسا مفہوم بیان کرتے ہوئے غضب الٰہی کا اندیشہ نہ سہی کیا انھیں جگ ہنسائی کی بھی فکر نہیں۔ نیز وہ تو غیر جس نے محفل عام میں ان بڑے بڑے علماء کا ناطقہ بند کر دیا اور انھیں بر سر عام لاجواب کر دیا اس کے متعلق یہ تو وہ کہ سکتے ہیں کہ یہ بڑا تیز زبان اور شوخ مزاج ہے اس سے گفتگو کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لیکن وہ یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے کہ یہ کل کا بچہ ہے اور

فَيَكُونُ ۝ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝

تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ میرا بھی پروردگار ہے اور تمھارا بھی سو اسی کی عبادت کیا کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَّشْهَدِ

پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ ۳۷ پس ہلاکت ہے کفار کے لیے اس دن کی حاضری سے

عرصہ تک جھولے میں جھولتا رہا ہے۔ اس سے بات کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ کان ماضی کا صیغہ ہے اس لیے زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہے تو اس کے متعلق ہم اس آیت کی تشریح کے ضمن میں تحقیق کر آئے ہیں۔ آخر میں وہ یہ کہتے ہیں:۔

"کہ مریم پر زنا کی تہمت لگائی گئی اور حضرت مسیح نے اس تہمت کی تردید کی۔ اگر مریم پر یہ تہمت لگائی جاتی اور مسیح کو اس کی تردید مقصود ہوتی تو یہ کہتے اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ بلکہ یہ کہتے کہ میری ماں بدکار نہیں ہے۔" ہم محض ذرا [illegible] اس کے متعلق میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ آپ خود ہی آیت نمبر ۲۷، ۲۸ کا ترجمہ دیکھ لیں اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا یہ بہتان زنا نہیں اور حضرت مسیح کا یہ فرمانا اِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ اس سے بڑھ کر بھی اس الزام کی تردید کی کوئی موثر اور بلیغ صورت ہو سکتی ہے۔ الٰہی اپنے محبوب مکرم صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ہمیں اپنی کتاب مبین کی صحیح سمجھ عطا فرما آمین ثم آمین۔

۳۷ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق صرف یہود و نصاریٰ میں ہی باہمی اختلاف آرا نہ تھا بلکہ خود عیسائی بھی آپ کے متعلق ایک رائے پر متفق نہ تھے۔ مفسرین نے ان کے باہمی اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تو بنی اسرائیل ایک جگہ اکٹھے ہوئے تاکہ حقیقت مسیح کے متعلق کچھ فیصلہ کریں۔ تبادلۂ خیال کے لیے انھوں نے چار علما منتخب کیے۔ پہلے گروہ کے نمائندہ عالم نے مسیح کی حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا کہ خود خدا مسیح کی شکل میں زمین پر اترا، اس نے جسے چاہا زندہ کیا اور جسے چاہا مار دیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف لوٹ گیا (اس نظریہ کے ماننے والوں کو یعقوبیہ کہا جاتا ہے) یہ سن کر باقی تین عالموں نے کہا کہ تم نے جھوٹ بولا۔ دوسرے عالم نے کہا مسیح خدا نہیں بلکہ خدا کا بیٹا ہے (اس رائے کے ماننے والے نسطوریہ کہلاتے) لیکن اس کو بھی جھٹلا دیا گیا۔ تیسرے عالم نے اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ وہ ثالث ثلاثہ ہے یعنی تین خدا ہیں ان میں سے مسیح تیسرا ہے۔ چوتھے عالم نے کہا کہ یہ تینوں باتیں سراسر کذب و افترا ہیں۔ سچ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

انیسویں صدی سے یورپ کے جدید علما کا رجحان اس آخری نظریے کی طرف ہے۔ ڈی ایف سٹراس (DAVID FRIEDRICH STRAUSS) کی کتاب حیات مسیح (LIFE OF JESUS) مطبوعہ ۱۸۳۵ء اور ارنسٹ رینان (ERNEST RENAN

يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ

جو بہت بڑا ہے۔ (اس دن) یہ خوب سننے لگیں گے اور خوب دیکھنے لگیں گے جس دن آئیں گے ہمارے پاس لیکن یہ ظالم

الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾ وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ

آج تو کھلی گمراہی میں ہیں اور ڈرائیے انہیں (اے نبی کریم!) آپ حسرت و ندامت کے دن سے جب ہر بات

الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ

کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور آج یہ لوگ غفلت میں ہیں اور نہ ایمان لاتے ہیں۔ یقیناً ہم ہی وارث ہوں گے

الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ

زمین کے اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اور ہماری طرف ہی سب لوٹائے جائیں گے۔ اور ذکر کیجئے آپ کتاب میں

إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ

ابراہیم (علیہ السلام) کا بیشک وہ بڑا راستباز نبی تھا۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ کو اے میرے باپ تو کیوں پوجا کرتا ہے

کی کتاب حیات مسیح مطبوعہ ۱۸۶۳ء کے بعد عیسائی حلقوں میں اس نظریہ کو بے پناہ شہرت حاصل ہوئی۔ مختصر الفاظ میں نظریہ یہ تھا کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح ایک انسان تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کی قوت و شعور کی معرفت اوروں سے زیادہ حاصل تھی۔

THIS IMPLIED THAT JESUS WAS A MAN LIKE OTHER MEN, BUT WITH A HEIGHTENED AWARENESS OF THE PRESENCE AND POWER OF GOD. ([illegible])

عیسائیوں کا باہمی اختلاف صرف یہاں تک محدود نہیں بلکہ بے شمار فرقے ہیں اور ہر ایک کا نظریہ حقیقت مسیح کے متعلق دوسروں سے مختلف ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء آیت نمبر ۱۷۱ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۳۳ یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں یعنی یہ لوگ آج تو پیغام حق سننے سے بہرے اور نور حق دیکھنے سے اندھے بنے ہوئے ہیں انہیں لاکھ سمجھاؤ یہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے لیکن کل جب روز قیامت بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے تو ان کی حالت دیدنی ہوگی۔

۳۴ یہاں سے سلسلہ سخن کفار مکہ کی طرف ہے جنہیں اس بات پر ناز تھا کہ وہ حضرت ابراہیم کی نسل سے ہیں اور ان کا یہ

مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ﴿٤٢﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ

کرتا ہے اس کی جو نہ سنتا ہے اور نہ کچھ دیکھتا ہے اور نہ تجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے تجھے اے میرے باپ بیشک آیا ہے

جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾

میرے پاس وہ علم جو تیرے پاس نہیں آیا اس لیے تو میری پیروی کر میں دکھاؤں گا تجھے سیدھا راستہ۔

دعویٰ بھی تھا کہ وہ حضرت ابراہیم کے پیروکار ہیں انھیں بتایا جا رہا ہے کہ ابراہیم تو ان بتوں کے پرستار نہ تھے جن کی پوجا کو تم نے اپنا دین بنا رکھا ہے۔ وہ تمھیں اگر اس حماقت سے باز آنے کے لیے کہا جاتا تھا تو تم آتش آمادہ شر و فساد ہو جاتے ہو اور جب ابراہیم کا دین اور تمھارا دین اور۔ پھر تمھیں یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ تم حضرت ابراہیم کے پیروکار ہو نیز تمھیں جب بتوں کی پرستش سے روکا جاتا ہے تو تم یہ کہتے ہو۔

"انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی آثارھم مقتدون" کہ ہمارے آباؤ اجداد ایک ملت پر تھے اور ہم انھیں کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

اگر تمھیں اپنے آباؤ اجداد کی تقلید ہی کرنی ہے تو پھر اپنے عظیم جلیل باپ ابراہیم کی تقلید کرو جس کی اولاد میں ہونا تمھارے لیے وجہ صد افتخار ہے۔ ایسے عظیم و جلیل باپ کی تقلید کو چھوڑ کر دوسرے آباؤ اجداد کی پیروی تمھارے لیے کیونکر درست ہے۔ مدعا یہ ہے کہ اگر تم عقل سلیم پر اپنے عقیدہ کی بنیاد رکھتے ہو تب بھی دین ابراہیم کو اختیار کرو اور اگر محض تقلید آباء پر تمھارے عقیدہ کا انحصار ہے تو پھر بھی دین ابراہیم کو اپناؤ کیونکہ شہرت، ناموری اور رفعت شان میں تمھارا کوئی دوسرا باپ ان کا ہمسر نہیں۔

٤١ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے ہمیشہ سچ بولنے والا ای ملازم الصدق لم یکذب قط۔ (روح المعانی) اس کی مزید تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء آیت نمبر ٦٩ کا حاشیہ۔

٤٢ اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں اور ادب و احترام کا دامن بھی مضبوطی سے تھام رکھا ہے۔ کس عمدگی سے بتوں کی عبادت کی قباحت واضح فرما رہے ہیں کہ غیر خدا کی عبادت خواہ وہ عزیز زندہ بھی ہو اور سننے دیکھنے والا بھی ہو تب بھی جائز نہیں لیکن ایسی بے جان مورتیوں کی عبادت جو جامد محض ہیں، دیکھنے سننے کی صفت سے بھی محروم ہیں کسی قسم کے نفع و نقصان کی قدرت بھی نہیں رکھتیں ان کے سامنے انسان جو اشرف المخلوقات ہے جو سمیع و بصیر ہے وہ سجدہ ریز ہو کر پیشانی رگڑ رہا ہو یہ کتنی نامعقول اور قبیح حرکت ہے۔

٤٣ ہو سکتا ہے کہ آزر کے ذہن میں یہ خیال گزرا ہو کہ کل کا لڑکا مجھ جیسے تجربہ کار دانشور کو نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا۔ آپ نے یہ فرما کر اس کا جواب دے دیا کہ اگرچہ آپ عمر میں بڑے ہیں میرے بزرگ اور میرے لیے محترم ہیں لیکن تو نے

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾

اے باپ! شیطان کی پوجا نہ کیا کر ٤٢ بیشک شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ

اے باپ! میں ڈرتا ہوں کہ کہیں پہنچے تجھے عذاب (خدا کا) ٤٣ رحمٰن کی طرف سے تو تو بن جائے

لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓـاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ

شیطان کا ساتھی ٤٤ باپ نے ٤٥ کہا کیا روگردانی کرنے والا ہے تو میرے معبودوں سے اے ابراہیم! اگر تم باز نہ

رسالت، حشر و معاد کے پیچیدہ مسائل پر جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی بخشی ہے اس سے آپ بہرہ ور نہیں۔ اسی لیے تو آپ غلط راہ پر چل رہے ہیں۔ مجھے حق پہنچتا ہے کہ خداداد علم کی روشنی سے آپ کے قلب و دماغ کے تاریک گوشوں کو منور کروں تاکہ آپ گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتے نہ رہیں۔

٤٢ اگرچہ وہ شیطان کی نہیں بلکہ اپنے بتوں کی پرستش کرتے تھے لیکن ان بتوں کی پرستش انھوں نے شیطان کے اکسانے اور وسوسہ ڈالنے سے شروع کی تھی۔ اسی لیے گویا ان کا اصلی معبود شیطان ہی تھا۔

٤٣ یہاں بتادیا کہ اگر آپ نے میری بات نہ مانی اور کفر پر اڑے رہے تو اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب آپ کو اپنی گرفت میں لے لیگا تو پھر کوئی چھڑانے والا نہ ملے گا۔

٤٤ شرک کے باعث آپ خدا کی دوستی اور اس کی اعانت سے محروم ہو جائیں گے ایک شیطان سے آپ کی دوستی اور تعلق باقی رہ جائے گا۔ اس سے بے وفا دوست تو آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کی دوستی سب سے زیادہ ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ سے دوستی توڑ کر شیطان سے یارانہ گانٹھنا کسی عقلمند کو زیب نہیں دیتا۔

٤٥ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا ہر لفظ محبت و احترام کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ لیکن آذر کا جواب درشتی اور بے مہری کا آئینہ دار ہے۔ یٰبُنَیَّ (اے میرے بیٹے) نہیں کہا بلکہ نام لیا۔ وہ بھی ابتدائے کلام میں نہیں بلکہ آخر میں۔ راغب خبر کو مقدم کیا اور مبتدا کو مؤخر۔ علاوہ ازیں حضرت ابراہیم کی مدلل دعوت کے جواب میں کوئی معقول بات پیش نہیں کی جارہی بلکہ دھمکیاں دی جارہی ہیں اور آنکھوں سے دُور ہو جانے کا حکم دیا جارہا ہے۔

لَمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ

آنے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور دور ہو جا میری نظروں سے کچھ عرصہ۔ ابراہیم نے جواب دیا (اچھا) سلام ہو تم پر میں مغفرت

لَكَ رَبِّي ۖ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿٤٧﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ

طلب کروں گا تیرے لیے اپنے رب سے۔ بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے اور میں الگ ہو جاتا ہوں تم سے اور ان سے بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو

دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿٤٨﴾

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور میں اپنے رب کی عبادت کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کی برکت سے نامراد نہیں رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ

پس جب جدا ہو گیا ان سے اور ان سے جن کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تو عطا فرمایا ہم نے ابراہیم کو اسحاق

۴۷ آزر کی اس سخت کلامی کے باوجود حضرت ابراہیم کا انداز حسب سابق نرم اور مؤدبانہ تھا۔ کہتے ہیں تم سلامت رہو میری نصیحت تم نے قبول نہیں کی لیکن میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں تمہاری ہدایت اور مغفرت کے لیے عرض کرتا رہوں گا۔ حفیٌّ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بہت مہربان، بے حد لطف فرمانے والا۔ ابن قتیبہ نے حفیًّا کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ای بارا عودنی منہ الاجابۃ اذا دعوتہ (غریب القرآن) ایسا مہربان جس نے مجھے اس بات کا خوگر بنا دیا ہے کہ جب کبھی میں کوئی عرض کرتا ہوں تو وہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی نے یہ بحث کی ہے کہ کیا کافر کو سلام دینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مختلف اقوال لکھے ہیں۔ حضرت اوزاعی سے پوچھا گیا کہ اس مسلمان کا کیا حکم ہے جو کافر کے پاس سے گزرتا ہے تو اسے سلام دیتا ہے۔ فقال ان سلمت فقد سلم الصالحون قبلک وان ترکت فقد ترک الصالحون قبلک یعنی اگر تو سلام دے تو بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ تم سے پہلے کئی صلحا سلام دیا کرتے تھے اور اگر تو سلام نہ دے تو بھی درست ہے کیونکہ تم سے پہلے کئی صلحا کا یہی عمل تھا۔ حضرت حسن بصری سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کسی ایسی مجلس پر گزرو جس میں مسلمان اور کافر موجود ہیں تو پھر انہیں سلام دو۔

۴۸ جب آپ نے دیکھا کہ ان کی پند و موعظت کا اثر ان کے کسب پر نہیں ہو رہا۔ وہ کسی قیمت پر بت پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہیں تو آپ نے اپنے آبائی وطن کلدانیہ سے ہجرت کی۔ اپنے گھر بار اور اعزہ و اقربا کو چھوڑا اور مختلف ملکوں کی سیاحت کرنے کے بعد شام کے ملک میں اقامت اختیار فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا۔ آپ کے ملک اور آپ کے خاندان کے سیاسی، تمدنی اور مذہبی حالات کیلئے ضیاء القرآن جلد اول سورۂ انعام آیت ۷۵ تا ۸۲ کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

وَيَعْقُوبَ ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَ

اور یعقوب　اور سب کو ہم نے نبی بنایا۔　اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں اپنی رحمت سے (طرح طرح کی نعمتیں) اور

جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ

ہم نے ان کے لیے سچی اور دائمی تعریف کی آواز　بلند کر دی ۞　اور ذکر کیجئے کتاب میں موسیٰ کا

إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۝ وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ

بیشک وہ اللہ کے چنے ہوئے تھے ۞　اور رسول و نبی تھے ۞　اور ہم نے انہیں پکارا　طور کی

۞ حضرت ابن عباس نے "لسان صدق" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے الثناء الحسن الباقی علیہم آخر الابد عبر باللسان کما عبر بالید عما یطلق بالید وھی العطیۃ (بحر المحیط) وہ بہترین تعریف جو قیامت تک باقی رہے گی۔ اور ثناء حسن کو لسان صدق اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ زبان سے صادر ہوتی ہے۔ جس طرح عطیہ کو جو ہاتھ سے دیا جاتا ہے عربی میں ید کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ اور بلند تر ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہر زمانہ میں اور ہر ملک میں حضرت ابراہیم اور ان کی ذریت طاہرہ کی حمد و ثنا میں زبانیں مصروف رہتی ہیں۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان باہمی اختلافات کے باوجود حضرت ابراہیم کی عظمت اور تقدس کے دل سے قائل ہیں۔ اور ہماری تو نماز بھی مکمل نہیں ہوتی جب تک اپنے نبی مکرم اور حضور کی آل اطہار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ پر درود پڑھنے کے ساتھ حضرت خلیل اور ان کی آل پاک پر درود نہ پڑھیں۔

۞ مخلص کا معنی ہے چنا ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنی مخلوقات سے اپنی نوازشات خصوصی اور نبوت کا بار گراں اٹھانے کے لیے منتخب فرما لیا تھا۔

۞ رسول کا لغوی معنی پیغامبر ہے اور نبی کے مادہ اشتقاق میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ نبوۃ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی رفعت اور بلندی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی شان و جلالت میں دوسرے لوگوں سے بلند اور اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے اسے نبی کہا گیا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ نبأ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی خبر دینا ہے اور کیونکہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو ایسے حقائق و اسرار بتاتا ہے جو ان کی عقل و نظر کی رسائی سے بالاتر ہوتے ہیں۔ یہ جو ان یکون من انبأ اصلہ منبئ ای المنبئ عن اللہ تعالیٰ بالتوحید والشرائع نبوت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں النبوۃ سفارۃ بین اللہ وبین ذوی العقول من عبادہ لازاحۃ علتھم فی امر معادھم ومعاشھم یعنی نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے عاقل بندوں کے درمیان سفارت کا نام ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے ان کی اخروی اور دنیوی علتوں اور بیماریوں کو دور کیا جائے۔ ہر رسول کا نبی ہونا ضروری ہے لیکن ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب

الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ۝ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ

دائیں جانب سے ؎ اور ہم نے انھیں قریب کیا راز کی باتیں کرنے کیلئے اور ہم نے بخشا انھیں اپنی خاص رحمت سے ان کا

هٰرُوْنَ نَبِیًّا ۝ وَ اذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ

بھائی ہارون جو نبی تھا۔ اور ذکر کیجیے کتاب میں اسمٰعیل کا ؎ بیشک وہ وعدہ کے سچے تھے

وَ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ ۪ وَ كَانَ

اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور وہ حکم دیا کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا ؎ اور

شریعت ہو خواہ وہ شریعت نئی ہو یا کسی سابقہ رسول کی شریعت دے کر کسی نئی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا جائے جیسی طرح حضرت اسماعیل۔

؎ طور ایک پہاڑ ہے جو مصر اور مدین کے درمیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال حضرت شعیب کے پاس مدین میں گزارنے کے بعد جب واپس مصر روانہ ہوئے تو آپ کا گزر طور پہاڑ سے ہوا تو پہاڑ کا جو حصہ آپ کی دائیں جانب تھا اس سے یہ ندا آئی ۔

؎ اس قرب کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اس نعمت سے بہرہ ور کیا گیا ہو فولیذقہ تشکیف من لم یذقہ لم یدر (مظہری) صاحب قاموس نے "نجیا" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے الخی کنغنی وقربنا نجیا ۔۔۔۔ وشاهد الجمع قولہ خلصوا نجیا ای اعتزلوا یتناجون (تاج العروس)

؎ بنی اسرائیل یہ سمجھتے تھے کہ نبوت خانوادہ اسحٰق میں بند ہے اور حضرت اسماعیل پیغمبر نہیں۔ حضرت اسماعیل کا ذکر فرما کر ان کے زعم باطل کی بھی تردید کر دی۔ حضرت اسحٰق کو صرف نبی کہا گیا اور انھیں رسول اور نبی دونوں صفتوں سے موصوف کیا گیا جس سے آپ کے علو مرتبت کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی صفات کمال میں سے صادق الوعد ہونے کی صفت خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ کیونکہ خدا اور اس کے بندوں کے ساتھ جو وعدہ بھی کیا انھوں نے پورا کیا۔ سب سے اہم وعدہ وہ تھا جو آپ نے اپنے والد ماجد سے کیا تھا یابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ یعنی مجھے ذبح کرنے کا جو حکم خداوندی آپ کو ملا ہے اس کی تعمیل کیجیے میں اپنے ذبح ہونے پر قطعاً کسی بے صبری کا مظاہرہ نہیں کروں گا اور دنیا جانتی ہے کہ اس مرد با کمال نے اپنے اس وعدہ کو کس صدق و استقامت سے پورا کیا۔

؎ یہ آپ کی دوسری خصوصی شان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو تبلیغ کا آغاز گھر والوں سے کرنا چاہیے۔ حضور کریم کو بھی یہی حکم ملا وانذر عشیرتک الاقربین۔ اے محبوب پہلے اپنے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیے

عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

اپنے رب کے نزدیک بڑے پسندیدہ تھے۔ اور ذکر فرمائیے کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ٥٤ بیشک وہ بڑے راستباز تھے

نَّبِيًّا ﴿٥٦﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿٥٧﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

(اور) نبی تھے۔ اور ہم نے بلند کیا تھا انہیں بڑے اونچے مقام پر ٥٥ یہ تو وہ حضرات ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے

مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ

زمرہ سے یہ آدم کی اولاد سے تھے۔ اور بعض ان کی اولاد سے جن کو ہم نے سوار کیا تھا کشتی میں نوح کے

ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۭ اِذَا تُتْلٰى

ساتھ اور بعض ابراہیم اور یعقوب کی اولاد سے تھے اور انہیں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور چن لیا جب پڑھی جاتی ہیں

عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿٥٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ

ان کے سامنے رحمن کی آیتیں تو وہ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور زار و قطار روتے ہوئے ٥٦ پس جانشین بنے ان کے بعد

دوسری جگہ ہے قوا انفسکم واھلیکم نارا ۔ اے مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

٥٤ علامہ عبدالوہاب نجار مصری نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے۔ ادریس بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ عبرانی تورات میں ان کا نام حنوخ ہے۔ اور اس کے عربی ترجمہ میں اخنوخ (قصص الانبیاء) ان کے متعلق کتب تفسیر میں یہ مذکور ہے کہ آپ علم نجوم اور علم حساب کے موجد ہیں۔ فن کتابت اور خیاطت کی ابتدا بھی آپ ہی سے ہوئی۔ کپڑے پہننے کا رواج بھی آپ سے شروع ہوا۔ پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں بطور لباس استعمال کیا کرتے تھے۔ ناپ تول کے پیمانے اور آلات بھی آپ کی اختراع ہیں۔ اسلحہ سازی کا ہنر بھی آپ نے سکھایا۔ وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

٥٥ اس سے مراد ان کے مرتبے کی بلندی اور رفعت شان ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں یہ لکھا ہے کہ آپ زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے لیکن ان سب روایات کا ماخذ اسرائیلیات ہیں جن پر کسی عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

٥٦ یہ مقبول اور جلیل القدر بندے جن کے مناقب و محامد بیان کیے گئے ہیں یہ اپنی بلندی مدارج کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بندگی کو ہی اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتے تھے جب آیات خداوندی کی تلاوت ہوتی تو ان کے دل کھنچے جاتے۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آتا اور اظہار عبودیت کے لیے وہ بارگاہ رب العزت میں سجدہ ریز ہو جاتے۔ جب ان اولوالعزم

خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿٥٩﴾

وہ ناخلف جنہوں نے ضائع کیا نمازوں کو اور پیروی کی خواہشات (نفسانی) کی ملے سو وہ دوچار ہونگے اپنی نافرمانی کی سزا سے

إِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے ملے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے

جن ہستیوں کا یہ حال ہے تو دنیا میں اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہمسری کا دعوے کر سکے یا خدائی میں اس کا شریک بن سکے۔

مسئلہ:۔ اس آیت کو پڑھنے کے بعد سجدہ کرنا واجب ہے۔ انبیاء کرام کی اتباع میں انسان رونے کی کوشش کرے اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت ہی بنا لے۔ کیا بعید ہے کہ رحمت الٰہی کو یہی ادا پسند آ جائے اور کام بن جائے۔

ملے یہ حال ان انبیاء کرام کا تھا جو برگزیدہ عالی جاہ اور بلندی سے ترساں اور لرزاں رہتے اور آنکھیں اشک افشاں رہتی تھیں لیکن ان کے بعد بعض جانشین ایسے بھی ہوئے جنہوں نے اپنے اسلاف کرام کے طریقہ کو بالکل فراموش کر دیا۔ مستحبات و مندوبات کی پابندی تو کجا نماز و زکوٰۃ جیسے فرائض کو بھی انہوں نے پس پشت ڈال دیا یا تو سرے سے ان کی فرضیت کے ہی قائل نہ رہے یا فرضیت کا انکار تو نہ کیا لیکن انہیں ادا کرنے کی زحمت گوارا نہ کی یا انہیں ادا تو کیا لیکن ان کے آداب و شرائط کو نظر انداز کر دیا اور ارشادات الٰہی کی بجا آوری کی جگہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگ گئے۔ وہ یاد رکھیں انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

ان لوگوں کو جانے دیجئے جو گزر گئے اور جن کے اعمال کے متعلق ہم سے محاسبہ نہیں ہوگا۔ ذرا اپنے گرد و پیش نگاہ ڈالیے بڑے بڑے اولیاء کاملین کی اولاد دین سے کس قدر دور اور احکام شریعت کی پابندی سے کس طرح آزاد ہے۔ یہ ایسا منظر ہے کہ ہر حساس دل تڑپ اٹھتا ہے اور آنکھیں خون کے آنسو بہانے لگتی ہیں۔ جن کے آباء و اجداد کی ساری عمر اطاعت خدا اور اطاعت رسول میں گزری [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کی علمی دلائل پر غور کرنے کے لیے بھی آمادہ نہیں۔ اس بے راہ روی سے وہ صرف اپنی لٹیا ہی نہیں ڈبو رہے بلکہ ساری قوم کا بیڑا غرق کر رہے ہیں۔ خدارا اب بھی اس غلط روش سے باز آ جاؤ۔

ملے ہاں اگر کوئی فنا کرنے کے بعد اور اپنی خواہشات کی پیروی میں عمر کا قیمتی حصہ برباد کرنے کے بعد سچے دل سے تائب ہوا

وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِي وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ

اور ان پر ذرا ظلم نہیں کیا جائے گا۔ سدا بہار باغوں جن کا وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے

بِالْغَيْبِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَأْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلٰمًا ۚ

غیب میں کیا ہے یقیناً اس کا وعدہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز "سلامت رہو" کی

وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ

دعائیہ صدا۔ اور انہیں ان کا رزق ملے گا وہاں ہر صبح و شام۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ہم وارث بنائیں گے اپنے

عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ

بندوں سے صرف اس کو جو متقی ہوگا۔ اور (اے جبرئیل! کہیے حبیب لبیب سے) کہ ہم نہیں اترتے مگر آپ کے رب کے حکم سے[۴۲] اسی کا ہے جو

أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ

ہمارے سامنے ہے اور جو ہمارے پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے اور نہیں ہے آپ کا رب بھولنے والا۔ وہ پروردگار ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۚ هَلْ

آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سو اسی کی عبادت کرو اور ثابت قدم رہو اس کی عبادت پر کیا تم

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ۝ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ

جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام ہے۔ اور انسان (ازراہ انکار) کہتا ہے[۴۳] کہ کیا جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے نکالا جائے گا؟

ع ۷

تو اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ جنت میں جو ابدی لطف و سرور جنتیوں کو عطا ہوگا اسی کا ذکر ان آیات میں کر دیا۔

[۴۲] بخاری شریف میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبرائیل سے فرمایا اے جبرائیل تم جتنا میرے پاس آیا کرتے ہو اس سے زیادہ کیوں نہیں آتے۔ (خزائن العرفان)

[۴۳] مرنے کے بعد زندہ کیے جانے کا اسلامی عقیدہ ایسا تھا جسے کفار تسلیم کرنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہ تھے۔ یہ بات

حَيًّا ﴿۶۶﴾ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿۶۷﴾

کیا یاد نہیں انسان کو کہ ہم نے ہی پیدا کیا اسے اس سے پہلے حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا۔ ۵۵

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿۶۸﴾

سو (اے محبوب!) تیرے رب کی قسم بیشک ہم جمع کریں گے انہیں بھی اور شیطانوں کو بھی پھر حاضر کریں گے ان سب کو جہنم کے ارد گرد گھٹنوں کے بل ۵۶

ثُمَّ لَنَنزِعَنَّ مِن كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿۶۹﴾

پھر ہم الگ کر لیں گے ہر گروہ سے ان لوگوں کو جو خدائے رحمن کے سخت نافرمان تھے۔ ۵۷

ان کی سمجھ میں یہ نہ آتی تھی اسے وہ بداہت عقل کے منافی سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ چنانچہ ایک روز ابی بن خلف کو کسی مردہ کی ایک بوسیدہ ہڈی مل گئی۔ اسے لیکر وہ دوسرے مشرکین کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے ہاتھ میں یہ ایک بوسیدہ ہڈی ہے حضور کا اسم گرامی لے کر کہنے لگا وہ کہتا ہے کہ اسے از سر نو زندہ کیا جائیگا تم خود سوچو کیا یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے۔ یہ تم وہیں تمام مشرکین کا یہی انداز فکر تھا۔

۵۵ اللہ تعالیٰ نے عام فہم انداز سے ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔ یہ بوسیدہ اور شکستہ ہڈیاں کیونکر زندہ ہو جائیں گی یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں زندہ کرنے والے کی قدرت و طاقت سے تم ناواقف ہو۔ انہیں زندہ کرنے والا وہ ہستی ہے جس نے تمہیں نیست سے ہست کیا۔ اگر وہ عدم محض سے تمہیں موجود کر سکتا ہے تو ان ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل نہیں ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا وهو الذی یبدؤا الخلق ثم یعیده وهو اهون علیه (الروم) اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے کائنات کی تخلیق کا آغاز فرمایا۔ پھر وہ انہیں فنا کرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا اور یہ دوبارہ زندہ کرنا اس پر آسان ہے۔

۵۶ قسم اٹھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں قیامت کے روز میدان حشر میں ضرور جمع کیا جائیگا اور ان کے ساتھ وہ شیاطین بھی جکڑے ہوئے لائے جائیں گے جن کی انگیخت پر انہوں نے راہ ضلالت اختیار کی۔ والشیاطین کی واؤ عاطفہ بھی ہو سکتی ہے اور واو معیۃ بھی اور معیت کا معنی زیادہ مناسب ہے۔ جِثِیًّا جمع ہے اس کا واحد جاث ہے اس کا معنی گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا۔ وہ لوگ جب عذاب الٰہی کا مشاہدہ کریں گے تو مارے وحشت کے کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا اور گھٹنے ٹیک دیں گے۔

۵۷ جب کفار اپنے شیاطین کی معیت میں گروہ در گروہ جہنم کے ارد گرد کھڑے کر دیئے جائیں گے۔ پہلے ان میں سے ان لوگوں کو چھانٹ لیا جائے گا جو کفر اور سرکشی میں دوسروں سے بڑھے ہوئے تھے تاکہ سب سے پہلے انہیں دوزخ کا ایندھن بنایا جائے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا

پھر ہم ہی خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو زیادہ مستحق ہیں اس آگ میں تپائے جانے کے۔ اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا

وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّ

گزر دوزخ پر ہوگا۔ یہ آپ کے رب پر لازم ہے (اور) قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دے دیں گے پرہیزگاروں کو اور

"عتیا" اشد کی تمیز ہے اس لیے منصوب ہے۔ اس کا معنی ہے سرکشی۔ "صلیا" کی وضاحت کرتے ہوئے جوہری لکھتے ہیں جب کسی چیز کو آگ میں جھونک دیں تو عرب کہتے ہیں صلیت الرجل نارا اذا ادخلته النار وجعلته یصلاها (قرطبی)

۷۱ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ (۱) منکم کا مرجع کون ہے (۲) ورود کا مطلب کیا ہے۔ جمہور علما کی پسندیدہ رائے یہ ہے کہ منکم کا مرجع نیک و بد، مومن و مشرک سب انسان ہیں۔ اور ورود کا معنی داخل ہونا ہے۔ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں ابی سمیہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے جب حضرت جابر بن عبداللہ سے ورود کے معنی میں لوگوں کے اختلاف کا ذکر کیا تو حضرت جابر نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ بہرے ہو جائیں یہ کان اگر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے نہ سنا ہو۔ "لا یبقی بر ولا فاجر الا دخلها فتکون علی المؤمن بردا وسلاما کما کانت علی ابراهیم حتی ان للنار ضجیجا من بردهم ثم ینجی الله الذین اتقوا ویذر الظالمین فیها جثیا"۔

ترجمہ:- سب نیک و بد آگ میں داخل ہوں گے اور یہ آگ مومن کے لیے ٹھنڈی اور بے ضرر ہوگی جس طرح حضرت ابراہیم پر ہوئی تھی یہاں تک کہ آگ شور مچائے گی کہ الٰہی ان لوگوں کی ٹھنڈک سے میری حرارت ختم ہو رہی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ متقیوں کو وہاں سے نکال لے گا اور کافر وہاں اوندھے پڑے رہیں گے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ ورود سے مراد اس پل پر سے گزرنا ہے جو دوزخ کے اوپر بچھائی جائے گی۔

عن عبدالله قوله وان منکم الا واردها قال الصراط علی جهنم مثل حد السیف فتمر الطبقة الاولی کالبرق والثانیة کالریح والثالثة کاجود الخیل... ثم یمرون والملائکة یقولون اللهم سلم سلم۔ اگر یہ روایات صحیح ہوں تو پھر اس آیت کا وہی معنی ہوگا جو بیان ہوا۔ لیکن ان کی اسناد میں کیونکہ رد و قدح کی گنجائش ہے اس لیے بعض علما کا یہ خیال ہے کہ منکم کا مرجع تمام انسان نہیں بلکہ صرف کفار ہیں جن کا پہلے ذکر ہو رہا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ کلام سابق میں سب غائب کی ضمیریں ہیں یہاں اچانک ضمیر خطاب کیوں ذکر کی گئی تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ التفات فی الضمائر اسلوب قرآن ہے یکایک غائب سے مخاطب اور مخاطب سے متکلم بدلتی رہتی ہیں جیسے ارشاد باری ہے:-

وسقاهم ربهم شرابا طهورا ان هذا کان لکم جزاء وکان سعیکم مشکورا۔

پہلے ضمیر غائب اور اس کے بعد ضمیر مخاطب ہے۔

نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ

رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے ہوں گے ۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں واضح

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ

تو کہتے ہیں کافر ایمان والوں سے کہ بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کس کی رہائش گاہ آرام دہ ہے اور کس کی نشست گاہ

نَدِیًّا ﴿٧٣﴾ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا ﴿٧٤﴾

خوبصورت ہے۔ اور ان احمقوں نے یہ نہ سوچا کہ کتنی قومیں ان سے پہلے جن کو ہم نے برباد کر دیا وہ زیادہ تھیں ساز و سامان اور ظاہری ٹیپ ٹاپ میں

قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا

(اے حبیب) آپ فرمائیے جو گمراہی میں ہیں رحمٰن انہیں ڈھیل دیتا رہتا ہے لمبی ڈھیل یہاں تک کہ جب دیکھیں گے وہ چیز

۷۳ ؎ کفار کو جب آیات قرآنی سنا کر دعوت حق دی جاتی تو وہ کہتے مسلمانو! اپنی معاشی حالت کا ہماری معاشی حالت سے مقابلہ کرو اگر ہماری رہائش گاہیں تمہارے جھونپڑوں سے زیادہ خوبصورت اور آرام دہ ہیں اور ہماری محفلیں تمہاری مجلسوں سے زیادہ بارونق ہیں تو پھر ہمارے پیچھے چلو تاکہ تمہیں بھی زندگی کی عشرتیں نصیب ہوں۔ تم ہمیں اپنی پیروی کی دعوت دے کر ہماری زندگیوں کو بھی تلخ اور ویران بنانا چاہتے ہو۔

الفاظ :۔ مقاماً بالفتح منزل اور مسکن ۔ ندیا کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں والندی مجلس القوم ومتحدثهم وکذلك الندوة والنادی والمنتدی والمتندی (قرطبی)

آیتنا ذوالحال ہے اور بینات حال ہے اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے لانها لا تكون الا موكدة (قرطبی)

۷۴ ؎ دولت و ثروت راہ راست پر ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ تم سے پہلے کئی ایسی قومیں گزری ہیں جو سامان آرائش و زینت میں تم سے کہیں بڑھی ہوئی تھیں۔ ان کے مکانات و محلات بڑے خوش منظر تھے۔ لیکن انہیں ان کے گناہوں کی پاداش میں ملیامیٹ کر دیا گیا۔ دیکھو کہیں تمہارا انجام بھی ایسا نہ ہو۔ اثاث۔ متاع البیت گھر کا سامان۔ رئیا حسن المنظر خوش منظر۔ تاج العروس میں اس کی تشریح ان الفاظ سے کی گئی ہے ھو ما رأته العین من حال حسنة وکسوة ظاهرة ۔ وہ دلکش حالت اور ظاہری لباس جو آنکھوں سے دکھائی دے۔

۷۵ ؎ تمہیں جو مہلت دی جا رہی ہے اس کی وجہ سے بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ سرکشوں اور گمراہوں پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا بلکہ انہیں سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے اور جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جاتی ہیں اور انہیں عذاب

مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ

جس کا وعدہ کیا گیا ہے یعنی عذاب یا قیامت تو اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ کون

شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُندًا ﴿٧٥﴾ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ

مکان کے لحاظ سے بُرا اور لشکر کے اعتبار سے کمزور ہے۔ اور زیادہ کرتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کو ہدایت میں ٹلہ

وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾ أَفَرَأَيْتَ

اور باقی رہنے والی نیکیاں ٹلکے بہتر ہیں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے اور ان کا انجام اچھا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا اس

الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ

کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہنے لگا کہ مجھے ضرور ضرور دیا جائے گا مال اور اولاد ٹلکے کیا اس نے غیب کو جھانک کر دیکھ لیا ہے، کیا وہ آگاہ

کے شکنجے میں کس دیا جاتا ہے تب انہیں اپنی بے بسی اور بے یار و مددگار ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

ٹلکے گمراہوں کی حرماں نصیبیوں کے ذکر کے بعد اب سالکین راہ رشد و ہدایت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی جو لوگ اپنی طاقت اور سمجھ کے مطابق جذبۂ اخلاص سے سرشار ہو کر راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاتے ہیں تو ہم ان کے نورِ ہدایت میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنے لطف و کرم سے انہیں ان منازلِ عالیہ اور مقاماتِ قرب تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تک پہنچنا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ حدیثِ قدسی سے اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ارشادِ الٰہی ہے من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیه باعا ومن اتانی یمشی اتیته هرولة (رواه کما اخبر نبینا صلی الله تعالی علیه وآله وسلم عن ربه) یعنی جو شخص ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوتا ہوں۔ اور جو شخص ایک گز میرے قریب ہوتا ہے میں ایک کرم اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں۔ معلوم ہوا اگر طلبِ صادق ہو تو دوریاں سمٹتی چلی جاتی ہیں۔ قدم اٹھانا تیرا کام ہے اور منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ٹلکے اس کی وضاحت سورۂ کہف میں گزر چکی ہے۔ "مرد" کا معنی مرجع، انجام اور لوٹنے کی جگہ۔

ٹلکے حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا۔ عاص بن وائل کے ذمہ میری کچھ رقم تھی میں اس سے مانگنے کے لیے گیا تو اس گستاخ نے کہا میں یہ رقم تمہیں اس وقت تک ادا نہ کروں گا جب تک تو

أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ

ہو گیا ہے غیب پر یا اس نے لے لیا ہے (خدائے) رحمٰن سے کوئی وعدہ ہرگز ایسا نہیں۔ ہم لکھ لیں گے جو یہ کہہ رہا ہے اور لمبا کر دیں گے

لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾ وَاتَّخَذُوا

اس کے لیے عذاب کو خوب لمبا کرنا۔ اور ہم ہی وارث ہوں گے جو یہ کہتا ہے (یعنی اس کے مال و اولاد کے) اور وہ ہمارے پاس تنہا

مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ

آئے گا۔ اور انھوں نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لیے عزت کا باعث بنیں ہرگز نہیں۔ وہ عنقریب انکار کریں گے

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ

ان کی عبادت کا اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہو جائیں گے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم نے مسلط کر دیا ہے شیطانوں کو

عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ

کفار پر وہ انھیں (اسلام کے خلاف) ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ پس جلدی نہ کیجیے ان پر (نزول عذاب کے لیے) ہم گن

محمد (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرے گا میں نے اسے جواب دیا خدا کی قسم میں ہرگز انکار نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے پھر تجھے قیامت کے دن اٹھایا جائے۔ اس پر عاص نے از راہ مذاق کہا کہ جب مرنے کے بعد میں قبر سے اٹھوں گا اس وقت میرے پاس دولت کی فراوانی ہو گی اس وقت میرے پاس آنا میں تمہارا قرض ادا کر دوں گا۔ (بخاری، مسلم) غضب الٰہی جوش میں آیا اور اسے ان الفاظ سے سرزنش کی گئی۔

یعنی اس گستاخ اور احمق کو ایسا کہنے کی جرأت کیوں ہوتی ہے۔

انھوں نے اس لیے بتوں کو اپنا خدا بنا رکھا ہے کہ وہ آڑے وقت ان کی پشت پناہی کریں گے اور مشکل میں ان کے کام آئیں گے۔ ان کا یہ خیال غلط، سراسر غلط ہے۔ بلکہ یہ تو الٹا ان کی ذلت اور رسوائی کا باعث بنیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ علیہم ضدا، کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قتیبہ لکھتے ہیں ای اعداء یوم القیامۃ۔ (تفسیر غریب القرآن)

اگرچہ کفار کے پاس ان دلائل و براہین کا کوئی معقول جواب نہ تھا جو قرآن نے اللہ تعالیٰ کی توحید، شرک کے بطلان اور قیامت کے قائم ہونے پر پیش کیے لیکن اس کے باوجود کفار کی ہرزہ سرائی اور یاوہ گوئی میں کوئی کمی نہ ہوئی وہ برابر پھبتیاں کستے اور نامعقول اعتراضات کرنے سے باز نہ آتے۔ اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ شیطان انھیں اکساتے ہیں اور اسلام کی

عَدًّا ۞ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۞ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ

گن رہے ہیں (ان کے ایام زندگی کو) ایک ایک کر کے جس روز ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو (خدائے) رحمٰن کی طرف معزز مہمان بنا کر اور ہانک کر

مخالفت پر ابھارتے ہیں اس لیے یہ اپنی بدکاری سے باز نہیں آتے۔ اِرسلنا ای سلطنا ہم علیہم بالاغواء (قرطبی) ہم نے ان کو کفار پر مسلط کر دیا الاز: التھییج والاغراء ای تغریہم علی المعاصی ازا کسا تا۔ یا تحجیۃ کرنا۔

شک یعنی ہم ان کی زندگی کے دن گن رہے ہیں جب وہ پورے ہو جائیں گے اور عذاب کا مقررہ وقت آ جائے گا تو یہ کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے۔

ش قیامت کے دن اہل ایمان کو جس عزت و تکریم سے بارگاہ الٰہی میں حاضری نصیب ہوگی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ وفد جمع ہے اس کا واحد وافد ہے جیسے صحب کا صاحب اور بعض اہل لغت کی رائے میں یہ وافدین کا اسم ہے (قرطبی) اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے وفدا ای رکبانا علی نجائب طاعتہم یعنی وہ اپنی طاعتوں کی سواریوں پر سوار ہو کر حاضر ہوں گے عمرو بن القیس نے کہا کہ جب مومن قبر سے اٹھے گا تو اس کا عمل ایک خوبرو انسان کی شکل میں اس کا استقبال کرے گا اور اس کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہوگا۔ وہ اس مومن سے پوچھے گا کیا تم نے مجھے پہچانا۔ وہ کہے گا نہیں۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل بڑی دلآویز بنائی ہے اور تیری مہک بڑی عطر بیز ہے۔ وہ کہے گا میں تیرا عمل صالح ہوں۔ دنیا میں میں تجھ پر سوار رہا۔ آج میں تجھ کو کندھوں پر اٹھانے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان ربی اعطانی سبعین الفا من امتی یدخلون الجنۃ بغیر حساب فقال عمر رضی اللہ عنہ ہلا استزدتہ قال فاعطانی مع کل واحد سبعین الفا قال قد استزدتہ فاعطانی ہکذا وفرج بین یدیہ وقبض باعیہ وحثی۔

ترجمہ: میرے پروردگار نے مجھے میری امت سے ستر ہزار ایسے عطا فرمائے جو جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس سے زیادہ کے متعلق سوال کرتے۔ رؤف و رحیم آقا نے فرمایا اے عمر میں نے زیادہ کے لیے درخواست کی اور مجھے میرے رب نے اس قدر عطا فرمایا۔ اس قدر کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کھول لیا اور اپنے دونوں بازوؤں کو کشادہ کر دیا اور کہا وہ بھرا۔ ہشام کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے جو اس نے اپنے محبوب کو دیا اور اس کی تعداد معلوم نہیں ہو سکتی۔ (روح المعانی) عمرو بن حزم انصاری سے مروی ہے کہ تین دن تک رسول کریم کا یہ معمول رہا کہ صرف نماز پنجگانہ کے لیے تشریف لاتے اور پھر خلوت نشین ہو جاتے چوتھے دن حضور حسب معمول تشریف لائے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ حضور تین دن تک ہم سے الگ تھلگ رہے یہاں تک کہ ہمیں یہ اندیشہ ہونے لگا کہ کوئی حادثہ وقوع پذیر ہو گیا ہے۔ آقا و مولیٰ نے ارشاد فرمایا لم یحدث الاخیر ان ربی وعدنی ان یدخل من امتی الجنۃ سبعین الفا بلا حساب۔ وانی سألت ربی فی ہذہ الثلاث الایام المزید فوجدت ربی ماجدا کریما فاعطانی مع کل واحد سبعین الفا یعنی نے میرے صحابہ فکر و اندیشہ کی

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ

ہانک کر لے جائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا۔ یہ لوگ نہیں اختیار رکھیں گے شفاعت کا بجز ان کے جنہوں نے

کوئی بات نہیں۔ بڑا دل خوش کن واقعہ ہوا ہے۔ میرے رب نے میرے ساتھ یہ وعدہ فرمایا کہ میری امت سے ستر ہزار آدمی کو بلا حساب جنت میں داخل فرمائے گا۔ میں اپنے رب سے تین دن تک اس تعداد میں اضافہ کی التجا کرتا رہا۔ پس میں نے اپنے پروردگار کو بڑا عظیم اور کریم پایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار کے علاوہ ان میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار عطا فرمایا۔ (روح المعانی) ؎

یارب تو کریمی و رسول تو کریم — صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

لفظ سوق کے معنی ہے ہانکنے کے ہیں جو ذلت پر دلالت کرتا ہے۔ ورداً عطاشاً یعنی پیاسے۔ کیونکہ کوئی جانور گھاٹ پر آتا ہے جب پیاسا ہو۔ قال الازہری ای مشاۃ عطاشاً کالابل ترد الماء۔

کلمہ لا یملکون سے کفار کی شفاعت کی نفی اور الا من اتخذ سے اہل ایمان کی شفاعت کا اثبات ہے۔ معناہ لا یملکون الشفاعۃ لاحد الا المسلمون فیملکون الشفاعۃ۔ العہد کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی نے حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے جو ناظرین کرام کے فائدہ کے لیے بطور ہدیہ پیش ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم کو اپنے صحابہ سے یہ کہتے سنا کہ کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر صبح و شام اپنے رب کے پاس ایک عہد یعنی وعدہ کرو۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول وہ کس طرح؟ حضور نے فرمایا کہ صبح و شام یہ کہے: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيَاةِ بِاَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَتُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَاِنِّيْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔ جو شخص یہ کہے گا اللہ تعالیٰ اس پر مہر لگا کر عرش کے نیچے رکھ دیگا اور جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی کرنے والا منادی کرے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کا اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہے پس وہ آدمی کھڑا ہوگا اور اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

عہد کا ترجمہ :- اے اللہ تعالیٰ! اے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے! اے غیب (پوشیدہ) اور شہادۃ (ظاہر) کو جاننے والے میں تیرے پاس اس زندگی میں ایک اپنا عہد رکھتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود بجز تیرے تو اکیلا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں (میرے آقا و مولیٰ) محمد (مصطفیٰ ﷺ) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کر، کیونکہ اگر تو مجھے میرے نفس کے حوالے کر دیگا تو وہ مجھے خیر سے دور اور شر کے قریب کر دے گا۔ اور میں تیری رحمت کے بغیر کسی چیز پر بھروسہ نہیں کرتا۔ میرے اس اقرار کو بطور عہد نامہ محفوظ فرما اور قیامت کے دن مجھے وہ عطا کر۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٨٧﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا

خداوند رحمٰن سے کوئی وعدہ لے لیا ہے۔ اور کفار کہتے ہیں بنا لیا ہے رحمٰن نے (فلاں) کو اپنا بیٹا۔ یقیناً تم نے ایسی بات کی ہے

إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

جو بہت سنگین ہے۔ قریب ہے آسمان شق ہو جائیں اس بہتان تراشی سے اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ گر پڑیں لرز کے

هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ

بوجہ اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کا ایک بیٹا ہے۔ اور شایاں نہیں رحمٰن کے لیے کہ وہ بنائے کسی کو

وَلَدًا ﴿٩٢﴾ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿٩٣﴾

(اپنا) بیٹا۔ نہیں کوئی ایسی چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ حاضر ہوگی رحمٰن کی بارگاہ میں بندہ بن کر۔

لَقَدْ أَحْصٰهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٩٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اللہ تعالیٰ نے ان سب کا شمار کر رکھا ہے اور انہیں گن لیا ہے پوری طرح۔ اور وہ سب پیش ہوں گے اس کے سامنے قیامت کے دن

۱۲۳؎ یہود حضرت عزیر کو، عیسائی حضرت مسیح کو اور بعض عرب قبائل فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا کرتے تھے۔ اس سے بڑا جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے۔ وہ ذات پاک جو قدیم و ازلی ہے، حی و قیوم ہے اور ہر چیز کی خالق و مالک ہے، اس کا تعلق کسی کے ساتھ پدری و فرزندی کا ہو جو حدوث و احتیاج کا لازمہ ہے، یہ ناممکن اور محال ہے۔

۱۲۴؎ اتنا بڑا بہتان ہے کہ اس کی نحوست سے سارا نظام عالم درہم برہم ہو سکتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حلم اور اس کی حکمت ابھی اس کی مقتضی نہیں۔

۱۲۵؎ وہ رحمٰن ہے۔ اپنے گنہگار انسانوں کو بخشنے کے لیے اس امر کی حاجت نہیں کہ اس کا ایک بیٹا ہو اور اس معصوم بیٹے کو دنیا میں بھیجے اور اس دنیا کو اس کی خاطر سولی پر چڑھا دیا جائے، بلکہ رحمٰن کی رحمت ان پر وسیع ہے۔ اس طرح عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کی جڑ کاٹ دی۔

حل اللغات: اِدًّا: ای منکراً عظیماً سخت عجیب چیز۔ قال الجوهری الادّ والادّة الداهية والامر الفظيع (قرطبی)

هدًّا: ای ساقطاً بصوت شدید ایسا گرنا جس کی آواز پیدا ہو۔ لُدًّا: اللدّ جمع الالدّ وهو الشديد الخصومة۔

لُدًّا کا یہ بھی معنی ہے سخت مخالفت کرنے والا۔ اسی سے اَلَدُّ الخصام۔ ابو عبیدہ نے اس کا معنی کیا ہے الالدّ الذی لا يقبل الحق ويدعي الباطل یعنی جو حق کو قبول نہ کرے اور باطل کا مدعی ہو۔ رِکْزًا: ایسی آواز جو سمجھ نہ آئے۔ وقیل الصوت الخفی، آہٹ۔ الحس الذی لا یفهم (تفسیر غریب القرآن لابن قتیبہ)

فَرْدًا ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ

تنہا۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے پیدا فرمادیگا خدائے رحمان انکے لیے

الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۞ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ

دلوں میں محبت۔ ؁ صرف اس لیے ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپکی زبان میں تاکہ آپ خوشخبری سنائیں اس کے ذریعہ پرہیزگاروں کو

وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ۞ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ

اور ڈرائیں اس کے ذریعہ اس قوم کو جو بڑی جھگڑالو ہے۔ اور کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ کیا

تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۞

محسوس کرتے ہو ان میں سے کسی کو یا سنتے ہو ان کی کوئی آہٹ۔

؁ حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اذا احب اللہ العبد قال لجبریل قد احببت فلانا فاحبہ فیحبہ جبریل ثم ینادی فی اھل السماء ان اللہ قد احب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض۔ (بخاری ومسلم)

جب اللہ تعالٰی اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو جبرائیل کو فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو تو جبرئیل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پس تمام آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اسکے بعد زمین میں اسکی مقبولیت پھیلا دی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اہل حق کو ابتدا میں اگرچہ بڑی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انکے خلاف مخالفت کے طوفان امڈ آتے ہیں۔ طرح طرح کی تہمتیں لگا کر انھیں بدنام کرنے کی مسلسل کوشش کی جاتی ہے لیکن آخر کار ان کی بے داغ سیرت اور دلآویز شخصیت دلوں کو موہ لیتی ہے۔ مخالفت کرنے والے انکے جان نثار رفیق بن جاتے ہیں۔ بہتان تراشنے والی زبانیں اس کی ثناگستری میں زمزمہ سنج ہو جاتی ہیں۔ بادشاہ ملک تو فتح کر سکتے ہیں! انکے سامنے گردنیں تو خم ہو سکتی ہیں لیکن دل کی نگری میں وہ قدم نہیں رکھ سکتے۔ یہ انعام اللہ تعالٰی صرف اپنے مقبول بندوں پر فرماتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت جاگزیں فرما دیتا ہے۔

اللھم اجعل ھذا العبد المسکین بمنک وکرمک من ھؤلاء السعداء الذین یحبھم ویحبونہ واحشرنا معھم تحت لواء حبیبک المکرم وعبدک المعظم علیہ وعلٰی آلہ الامجاد واصحابہ الکرام افضل التحیات واجمل الصلوات واکمل البرکات وازکی التسلیمات۔

تعارف سُورۃ طٰہٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام :۔ اس سورہ مبارکہ کا نام طٰہٰ ہے یہی وہ کلمہ ہے جس سے سورہ کا آغاز ہوا ہے۔

یہ سورہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں آٹھ رکوع ہیں اس کی آیتوں کی تعداد ۱۳۵ ہے۔ اور یہ ۱۳۴۱ کلمات اور ۵۲۴۲ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول :۔ اس سورہ کو تاریخ اسلام میں ایک امتیازی شان حاصل ہے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ایک دن حضرت عمرؓ بڑے جوش و خروش سے گھر سے نکلے۔ ننگی تلوار گلے میں حمائل تھی۔ کسی نے پوچھا عمر کہاں کا قصد ہے۔ جواب دیا مسلمانوں کے نبی کا سر قلم کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ اس نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید تو مسلمان ہو چکے ہیں اور اپنے نبی پر سو جان سے فدا ہو رہے ہیں۔ غصے سے واپس لوٹے اور بڑی بے دردی سے بہنوئی کو مارنا شروع کیا۔ بہن مزاحم ہوئیں تو ان پر پل پڑے۔ ان کا سر پھوڑ دیا جس سے خون کا فوارہ بہ نکلا۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ رقت سی پیدا ہوئی اور کلام الٰہی سننے کا اظہار اپنی بہن سے کیا۔ انہوں نے غسل کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ غسل کر چکے تو حضرت فاطمہ نے اسی سورہ کی چند پہلی آیتیں تلاوت کیں جس نے عمر کی دنیا بدل ڈالی۔ پتھر دل پسیج گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا۔ اسی وقت بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے :۔

؎ نمی دانی کہ سوز قرأت تو ۔۔۔ دگرگوں کرد تقدیر عمر را

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر کے مشرف باسلام ہونے سے پہلے یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی۔

ویسے تو اس سورۃ کی ہر آیت روشنی کا ایک بلند مینار ہے لیکن چند امور خصوصی توجہ کے مستحق ہیں :۔

۱۔ مندرجہ بالا تاریخی پس منظر سے آپ نے بآسانی اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس سورہ کے نزول کا زمانہ وہ تھا جب کفار کی اسلام دشمنی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ دل آزاری اور بہتان تراشی کی انہوں نے انتہا کر دی تھی۔ حضور سرور کائنات کی شبانہ روز محنت کے باوجود صرف چند روحیں ایسی تھیں جنہوں نے اس دعوت حق کو قبول کیا تھا۔ قوم کی یہ ہٹ دھرمی دیکھ کر حضور کے قلب نازک پر کیا گزرتی ہو گی اور اسلام قبول کرنے والوں کے دلوں میں بھی اس دعوت کے مستقبل کے متعلق کیسے کیسے خدشات پیدا ہوتے ہوں گے۔ اس

پہلے ابتدائی آیات میں حضور کریم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ قرآن اس قادر مطلق نے نازل فرمایا ہے جس کی کبریائی کے سامنے کائنات کی ہر چیز سرافگندہ ہے۔ اس نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ رنج و مشقت میں مبتلا ہو جائیں یقیناً آپ کا دین پھیلے گا اور کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ کا ذکر کیا گیا کہ انہیں کس طرح موسم سرما کی ایک تاریک اور خنک رات میں وادی طور کے ایک گوشے میں بلا کر خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور اس کے بعد انہیں ایک ایسے ظالم بادشاہ کو دعوت حق دینے کا حکم دیا گیا جس کا دامن بے شمار معصوم بچوں کے بے گناہ خون سے لت پت تھا۔ حکم ملا جاؤ اور خدائی کے اس جھوٹے دعویدار کے سامنے اس کے بھرے دربار میں میری توحید کا اعلان کر دو اور اسے حکم دو کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر دے ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہو گا ساتھ ہی فرمایا کہ اپنی بے بسی اور بے سروسامانی سے خائف نہ ہونا میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔

تعمیل ارشاد الٰہی میں فرعون کے پاس تشریف لے گئے اور وہ جامع خطبہ ارشاد فرمایا جسے سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور اسے اپنی خدائی کا محل مسمار ہوتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس نے فوراً آپ پر یہ الزام لگا دیا کہ آپ جادو کے زور سے ہماری حکومت کا تختہ الٹنے آئے ہیں اور صرف اپنی سیاسی اغراض پر پردہ ڈالنے کے لیے خدا، قیامت اور دین کا نام لے رہے ہیں چنانچہ اس نے اپنے ملک بھر کے ماہر جادوگر آپ کے مقابلہ کے لیے بلائے اور انہیں گرانقدر انعامات کا لالچ دیا لیکن حق کے سامنے باطل کی کیا مجال ہے کہ وہ ٹھہر سکے جادوگر آپ کی صداقت کو دیکھ کر مجبور ہو گئے کہ تمام عواقب و نتائج سے بے نیاز ہو کر آپ پر ایمان لانے کا اعلان کر دیں۔ اس واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایمان کی قوت سب سے بالا ہے۔

۲۔ اس کے بعد سامری کا ذکر کر کے بنی اسرائیل کی کم فہمی اور کوتاہ اندیشی کا پردہ بھی چاک کر دیا۔

۳۔ آخر میں آدم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا جس سے یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ غلطی کرنا اور پھر اس پر اکڑنا اور اکڑے رہنا انسان کو ہلاک کر دیتا ہے جس طرح کہ فرعون اور ابلیس کے واقعہ سے ظاہر ہے لیکن غلطی کر کے نادم ہونا اور پھر توبہ کرنا انسان کو مقبولیت کے مقام پر فائز کر دیتا ہے جیسا آدم علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوا۔

اس لیے اے غلامان مصطفیٰ! خدا کی نافرمانی سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرو لیکن اگر کسی بشری کمزوری یا وقتی جوش سے کوئی لغزش ہو جائے تو اپنے باپ آدم علیہ السلام کی طرح فوراً اشک ندامت بہا کر طلب مغفرت کرو۔ بخش دیئے جاؤ گے۔

سورہ کو ختم کرنے سے پہلے چند حقائق کو بڑے موثر اور دلنشین پیرائے میں بیان کر دیا تاکہ انسان کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو کر وہم و گمان کی وادیوں میں بھٹکتا نہ رہے۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَاٰيَاتُهَا ١٣٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رُكُوْعَاتُهَا ٨

سورۂ طٰہٰ مکی ہے — اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے (آیتیں ۱۳۵) رکوع ۸ ہیں

طٰهٰ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ

طاہا[1] نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں[2] بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے لیے جو

يَّخْشٰى ﴿٣﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿٤﴾ اَلرَّحْمٰنُ

(اپنے رب سے) ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بے حد مہربان

[1] قبیلۂ عکل اور قبیلۂ عک میں طٰہٰ کا معنی یا رجل یعنی اے شخص ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبیلۂ عک میں طٰہٰ بمعنی یا حبیبی (اے میرے حبیب!) استعمال ہوتا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور رحمتِ عالمیان کا اسم مبارک ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ 'ط' طہارت اور 'ہ' ہدایت کے لیے بطور رمز ذکر ہوا ہے اس کا معنی ہے "یا طاھرا من الذنوب یا ھادی الخلق الی علام الغیوب" اے گناہوں سے پاک اور اے خلق خدا کے راہنما۔ (قرطبی)

علامہ نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں ایک اور لطیف توجیہ نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حساب جمل سے ط کا عدد نو اور ہ کا عدد پانچ ہے جن کا مجموعہ چودہ ہے۔ جس کا معنی ہے "اے چودھویں کے چاند" قیل الطاء تسعۃ فی الحساب والھاء خمسۃ ومعناہ یا ایھا البدر

علامہ آلوسی نے اس توجیہ کا ذکر کر کے لکھا ہے فکانہ قیل یا بدر سماء عالم الامکان اے عالم امکان کے آسمان کے ماہِ تمام! اے فلک وجود کے چودھویں کے چاند! (روح المعانی)

[2] حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دلی آرزو تھی کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اپنے رب سے منہ موڑ چکے ہیں، اور رشتۂ عبودیت توڑ چکے ہیں وہ پھر اپنے رحیم و کریم مالک کے حضور آجائیں اور اس سے اپنی بندگی کا رشتہ استوار کریں۔ انسان لقد کرمنا کا تاج سر پر رکھے لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کے سامنے جبین نیاز رگڑ رہا ہو۔ انسانیت کی اس تذلیل سے حضور کو بڑا دکھ ہوتا تھا۔ حضور ہر طرح اس کے لیے کوشاں رہتے کہ انسان اپنا بھولا ہوا مقام پہچانے اور عزت و تکریم کی جو مسند اس کے لیے بچھائی گئی ہے اس پر پھر تشریف فرما ہو۔ لیکن حضور کی دلآویز شخصیت، پاک سیرت، درد و سوز میں ڈوبے ہوئے خطبے، اخلاص و ہمدردی سے بھرپور مواعظ اور پتھر دلوں کو بھی پگھلا دینے والی قرآن کی آیات بینات کوئی چیز بھی تو ان عقل کے اندھوں کو نورِ حق سے آشنا نہ کر رہی تھی۔ الٹا ان کے تعصب میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ان کے اس

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ

(کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا ہے اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور

مَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ

جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے اور اگر تو بلند آواز سے بات کرے (تو تیری مرضی) وہ تو بلاشبہ جانتا ہے

ابوجہل سے ہر وقت حزن و ملال کی گھٹائیں دل پر انور پر چھائی رہتیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کریم کی یہ بے چینی گوارا نہ ہوئی۔ تسلی اور اطمینان دینے کے لیے ارشاد فرمایا اے پیارے! یہ قرآن اس لیے تو نازل نہیں کیا گیا کہ آپ روز و شب بیقرار رہیں۔ یہ تو ایک نصیحت اور یاددہانی ہے جس میں صلاحیت ہوگی اسے قبول کر لیگا اور جو حق پذیری کی استعداد سے محروم ہے وہ ان آیات بینات کو سن کر بھی دعوت حق قبول نہیں کرتا تو اس کی قسمت۔ آپ آزردہ خاطر کیوں ہوں اور آپ کو رنج و قلق کیوں ہو۔

بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہجرت کے ابتدائی ایام میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ساری ساری رات نماز و تلاوت میں کھڑے کھڑے گزار دیتے۔ یہاں تک کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ حکم ہوا اپنے آپ پر اتنی سختی کی ضرورت نہیں آسانی سے آپ جتنا پڑھ سکیں اتنا کافی ہے۔ الشقاء فی اللغۃ العناء والتعب لغت میں شقا کا معنی مشقت اور تھکاوٹ ہے۔ (قرطبی)

ہو سکتا ہے کہ شقی شقاوت سے ہو جو سعادت کے مقابل ہے۔ ایک دن ابوجہل اور نضر بن حارث دونوں آئے اور جناب رسالت مآب سے کہنے لگے انک شقی لانک ترکت دین آبائک (رفاک بدین آبائک) آپ شقی ہیں آپ نے اپنے آبا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ پہلے سارا شہر آپ کی عزت کرتا تھا آپ کے راستے میں پلکیں بچھاتا تھا اب آپ جہاں سے گزرتے ہیں نیچے کانٹے بچھائے جاتے ہیں اوپر سے پتھر برسائے جاتے ہیں اور آپ بالکل بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! قرآن بدبخت بنانے کے لیے تو نازل نہیں ہوا یہ تو بدبختی اور ذلتوں کو اوج سعادت تک پہنچانے کے لیے آیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فلما فیہ رد ذلک بان دین الاسلام وهذا القرآن هو السلم الی نیل کل فوز والسبب فی درک کل سعادۃ یعنی ان آیات سے ابوجہل و نضر کی تردید کر دی گئی کہ دین اسلام اور یہ قرآن تو ہر کامیابی کے لیے زینہ ہے اور ہر سعادت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

۳؎ یعنی وہ صرف خالق کائنات ہی نہیں بلکہ وہ فرمانروا اور حاکم اعلیٰ بھی ہے کائنات کی جزئیات اور کلیات میں اسی کا حکم نافذ ہے۔ چھوٹے بڑے اہم غیر اہم تمام حوادث کا ظہور اسی کے اذن سے ہوتا ہے۔ استوی العلاء منہ بکمال قدرتہ فی تدبیر الملک والملکوت۔
نیز ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورۃ اعراف آیت نمبر ۵۴ کا حاشیہ۔

۴؎ اس کی مملکت کی وسعت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے اتنا سمجھ لو کہ بلندیاں وہ بلندیاں ہیں جن کے سامنے تمہارا طائر تخیل

السِّرَّ وَأَخْفَى ﴿٧﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿٨﴾ وَهَلْ

راز کو بھی اور دل کے بھید کو بھی جو اس سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ اللہ (وہ ہے) نہیں کوئی عبادت کے لائق بجز اس کے، اسی کے لیے ہیں سب خوبصورت نام۔ اور

أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿٩﴾ إِذْ رَأَىٰ نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي

(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) کے قصہ کی خبر۔ جب انہوں نے دیکھی ایک آگ (تاریک رات میں) تو اپنے گھر والوں کو کہا تم

آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

(ذرا) یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے شاید میں لے آؤں تمہارے لیے اس سے کوئی چنگاری یا مجھے مل جائے آگ کے پاس کوئی راہ دکھانے والا۔

بجز اس کے یہ ہستیاں، وہ ہستیاں جن کا تم تصور تک کرنے کی بھی جرأت نہیں رکھتے اور جو کچھ ان میں ہے بلا استثناء سب اسی وحدہٗ لاشریک کا ہے۔ الثریٰ التراب الندی۔ گیلی مٹی۔

۷؎ یعنی وہ راز کی بات جو تو نے صرف کسی اپنے خاص دوست سے چپکے سے کہی ہو اور اخفیٰ وہ بات جو ابھی نہاں خانۂ دل میں ہی کروٹیں لے رہی ہو اور زبان تک آئی ہی نہ ہو۔ قال الحسن السر ما اسر الرجل الی غیرہ واخفی من ذلک ما اسر فی نفسہ۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ سر وہ بات جو ابھی تک تیرے دل ہی میں ہو اور اخفیٰ وہ کام جو تو آئندہ چل کر کرنے والا ہے لیکن آج تجھے اس کا احساس تک نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جس کی خالقیت کا یہ عالم ہو کہ سب بلا شرکت غیرے اسی کے تحت تصرف ہیں اور عرش کا ظہور بھی جس کی کرم نوازی کا نتیجہ ہو، کائنات کی ہر چیز اس کے علم کے سامنے سرنگوں ہو، جس کی ہمہ دانی اور ہمہ بینی کی کیفیت یہ ہو کہ ماضی و حال اور مستقبل سب جلی ہو، کیا ایسی ہستی کو الٰہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی تامل ہو سکتا ہے اور کیا کوئی دوسرا اس کا ہمسر خیال کیا جا سکتا ہے؟ کلا ثم کلا۔

۸؎ بیشک وہی الٰہ و معبود ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا خدا نہیں۔ وہ پاکیزہ اور پیارے نام جو اس کی صفات کمال پر دلالت کرتے ہیں اسی کو زیب دیتے ہیں۔

۹؎ یہ استفہام تقریری ہے موسیٰ علیہ السلام عرصۂ دراز تک مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریاں چراتے رہے۔ آپ نے حسب وعدہ اپنی ایک صاحبزادی سے ان کا نکاح کر دیا۔ اب آپ اپنے وطن مصر آ رہے ہیں۔ جنگل بیابان ہے۔ جاڑوں کا موسم ہے، اندھیری رات ہے اور یہ مختصر سا قافلہ راستہ بھول چکا ہے۔ سردی محسوس ہونے لگی۔ دور سے دیکھا کہ آگ چمک رہی ہے۔ اپنے ساتھیوں کو کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، سامنے آگ نظر آ رہی ہے میں جاتا ہوں، وہاں سے آگ لے آؤں تاکہ الاؤ جلائیں گے اور تم آگ تاپ سکو گے اور ممکن ہے وہاں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ہمیں صحیح راستہ بتا دے اور ہم اس تاریک رات میں ادھر ادھر بھٹکتے نہ پھریں۔ آنست۔ ایسی چیز دیکھنا جس کے دیکھنے سے دل میں انس و طمانیت پیدا ہو۔ الایناس ابصار ما یؤنس بہ۔ قبس شعلہ، چنگاری۔ ھدی ای ھادیا یدلنی علی الطریق (مظہری)

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ

پس جب آپ وہاں پہنچے ندا دی گئی اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی تیرا پروردگار ہوں۔ پس اتار دے اپنے جوتے بے شک تو

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ اور میں نے پسند کر لیا ہے تجھے (رسالت کیلئے) پس کان لگا کر سن جو وحی کیا جاتا ہے

۱ے وہاں پہنچے تو عجیب منظر دیکھا ایک سرسبز و شاداب درخت ہے اسے ایک عجیب قسم کی آگ نے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ آگ ہے کہ انوار ہیں انوار ہیں بڑے دلکش اور بڑے دلآویز۔

۲ے اچانک ندا آئی یہ جو تم آگ سمجھ رہے ہو یہ آگ نہیں بلکہ میں ہوں تیرا پروردگار۔ تم اب بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضر ہو یہ طویٰ کی مقدس وادی ہے ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ جوتے اتار دو، تاکہ اس وادی کی خاک پاک تیرے پاؤں کے تلووں کو لگ جائے اور وہ بابرکت ہو جائیں۔

بندے اور اس کے رب کے درمیان جو غیر متناہی فاصلہ اور دوری ہے وہ بندے کی کاوش سے کب طے ہو سکتی ہے۔ انسان کی برق رفتاریاں سب تھک ہار کر رہ جاتی ہیں۔ ہاں جب وہ کرم فرماتا ہے اور اس کی توفیق آگے بڑھ کر دستگیری کرتی ہے تو سب مسافتیں سمٹ کر رہ جاتی ہیں اور چشم زدن میں انسان شاہد حقیقی کے حضور میں حاضر ہو جاتا ہے۔ حضرت علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ قلب کا اصلی مقام عرش ہے۔ اگر انسان اپنی عبادت و ریاضت سے وہاں پہنچنا چاہے تو اسے پچاس ہزار سال سے زیادہ عرصہ لگتا ہے اور کون ایسا ہے جو اتنی عمر لے کر آیا ہو۔ لیکن مرشد کامل کے جذب اور اس کی توجہ سے نگاہ قدرت سالک کو کھینچ لیتی ہے اور وہ قلیل عرصہ میں ہی اس جگہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ لکن ذلک العروج انما یحصل بجذب الشیخ علی سبیل الانجذاب۔ قال العارف الرومی قدس سرہ۔ ؎

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ — سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ

یعنی مرید ذات کی بلندیوں تک رسائی اور عروج اپنے شیخ کی توجہ اور جذب سے نصیب ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ نگاہ رحمت اسے کھینچ لیتی ہے اور اسے واصل بحق کر دیتی ہے۔ عارف رومی فرماتے ہیں:۔

کہ زاہد تو ایک رات میں ایک دن کی مسافت ہی طے کرتا ہے لیکن عارف کی سیر آن واحد میں بادشاہ حقیقی کے تخت تک ہوتی ہے۔

۳ے شان بندہ نوازی ملاحظہ ہو۔

إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ ﴿١٤﴾

یقیناً میں ہی اللہ ہوں نہیں ہے کوئی معبود میرے سوا پس تو میری عبادت کیا کر اور ادا کیا کر نماز [١] مجھے یاد کرنے کے لیے۔

إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾

بیشک گھڑی (قیامت) آنے والی ہے میں اسے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں [٢] تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو اس کا جس کے لیے وہ کوشاں ہے

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾

پس ہرگز نہ روکے تجھے اس (کی تیاری) سے وہ شخص جو نہیں ایمان رکھتا اس پر اور پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی ورنہ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے

[١] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ نماز ادا کرو تاکہ میری یاد کی لذت سے تم لطف اندوز ہو سکو اور دوسرا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تم نماز میں میری حمد و تمجید کرو اور مجھے یاد کرو اور میں تمہیں یاد کروں گا۔ اس توجیہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ تم نماز ادا کرو تاکہ میں تمہیں یاد کروں جس طرح دوسری آیت میں ہے فاذکرونی اذکرکم ۔ پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا (٢:١٥٢)

مسئلہ :۔ اگر انسان بھول جائے اور نماز ادا نہ کر سکے یا سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو نماز کا وقت گزر چکا تھا تو جب اسے یاد آئے اور جس وقت وہ بیدار ہو اسی وقت وہ نماز ادا کرے۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من نسی صلوٰۃ او نام عنہا فکفارتہا ان یصلیہا اذا ذکرہا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز ادا کرنا بھول جائے یا نماز کے وقت سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جس وقت اسے یاد آئے اسی وقت نماز ادا کرے۔

[٢] اگرچہ اکاد اخفیہا کا مفہوم بیان کرنے میں علماء کرام نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے لیکن آسان اور قابل فہم بات یہ ہے کہ یہاں اکاد بمعنی ارید ہے یعنی میں نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ وقوع قیامت کے وقت کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں۔ الانباری نے بطور استشہاد ایک شعر نقل کیا ہے جہاں کاد ارادہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قیل معنی اکاد اخفیہا ارید اخفیہا۔ قال الانباری وشاہدہ قول الفصیح من الشعر۔

کادت وکدت وتلک خیر ارادۃ ... لو عاد من لہو الصبابۃ ما مضی

معناہ ارادت واردت یعنی اس نے بھی ارادہ کیا اور میں نے بھی ارادہ کیا اور یہ ارادہ بہت عمدہ تھا کاش! محبت کی گرمجوشی جو ختم ہو چکی ہے وہ پھر لوٹ آتی۔ (قرطبی)

علامہ جوہری جو لغت کے امام ہیں انہوں نے الصحاح میں خفی کے مادہ کی تحقیق کرتے ہوئے اس آیت کی وضاحت کی ہے لکھتے ہیں وقولہ تعالیٰ ان الساعۃ آتیۃ اکاد اخفیہا ای ازیل عنہا خفاءہا ای غطاءہا ...

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ

جا رہا ہے اور تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ! عرض کی یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور پتے جھاڑتا ہوں

أَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرٰى ﴿۱۸﴾ قَالَ أَلْقِهَا

اس سے اپنی بکریوں کے لیے اور میرے لیے اس میں کئی اور فائدے بھی ہیں۔ حکم ہوا ڈال دے اسے

يٰمُوسٰى ﴿۱۹﴾ فَأَلْقٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ

زمین پر اے موسیٰ! تو آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا پس اچانک وہ سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ حکم ہوا اسے پکڑ لو اور مت ڈرو

اشکیتہ ای ازلت عنہ ما یشکوہ یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس سے پردہ ہٹا دوں گا۔ یہاں افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے جیسے اشکیتہ کا معنی ہے میں نے اس کی شکایت دور کر دی۔

۱۷؎ مقصد کسی نامعلوم چیز کو معلوم کرنا نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے سے مانوس کرنا ہے اور اس شے کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ جب وہ سانپ بن کر لہرانے لگے تو انہیں یقین آ جائے کہ یہ معجزہ ہے۔

۱۸؎ چاہیے تو یہ تھا کہ اسی پر اکتفا کرتے لیکن اپنے محبوب حقیقی سے ہم کلام ہونے کی لذت نے مجبور کیا کہ زیادہ سے زیادہ دیر تک اس لطف گفتگو سے محظوظ ہوتے رہیں۔

اتوکأ: ٹیک لگانا، سہارا لینا۔ اھش، درختوں کے پتے جھاڑنا۔ مآرب جمع ہے اس کا واحد مأربۃ، مأربۃ، مأرُبۃ اس کا معنی ہے حاجت۔ (قرطبی)

۲۰؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک جابر اور مطلق العنان بادشاہ کو دعوت حق دینے کے لیے روانہ فرمانے کا وقت آ گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فرعون کو دعوت دینے کے لیے کسی ایسے فرمانروا کو مقرر کیا جاتا جو قوت و سطوت میں اس سے بڑھا ہوا ہوتا اس کے ملک کی حدود فرعون کی سلطنت سے وسیع ہوتیں لیکن قدرت الٰہی کام کے لیے ایک ایسے مسافر کو منتخب کر رہی ہے جو عرصہ دراز جلاوطنی میں بسر کرنے کے بعد اپنے وطن واپس لوٹ رہا ہے جس کے پاس نہ لشکر ہے اور نہ ساز و سامان لیکن بارگاہ الٰہی سے اس کو دو ایسے ہتھیار (عصا اور ید بیضا) دیئے جا رہے ہیں جن کا فرعون کے اسلحہ خانہ میں تصور تک نہ تھا۔ تاکہ اس مرد باخدا کی فقر و درویشی کے سامنے فرعونی سطوتیں بخشم و تجالت سے پانی پانی ہو جائیں۔ سیرت کا معنی ہے حالت، صورت۔ السیرۃ فعلۃ من السیر تقال للھیئۃ والحالۃ الواقعۃ ثم جردت لمطلق الھیئۃ والحالۃ التی یکون علیھا الشیء (روح المعانی)

تورات میں بھی تقریباً اسی طرح آپ کے دونوں معجزوں کا ذکر کیا گیا ہے (خروج ۴: ۲-۴)

سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ

ہم لوٹا دیں گے اسے اس کی پہلی حالت پر۔ اور (حکم ہوا) دبا لو اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے یہ نکلے گا

بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے ۲۶؎ یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَ

(اب) جائیے فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ ۲۷؎ آپ نے عرض کی اے میرے رب! کشادہ فرما دے میرے لیے میرا سینہ۔ اور آسان

ع ۱۰

علامہ قرطبی لکھتے ہیں الجناح العضد، قال مجاہد وقال: الی بمعنی تحت۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

۲۶؎ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آپ نے اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں دبا کر باہر نکالا تو وہ اس طرح چمکنے لگا جس طرح دن میں سورج چمکتا ہے لیکن آپ کو ہاتھ کے چمکنے میں کوئی تکلیف نہ ہوتی۔ ایسے ہی تورات کی آیت ملاحظہ ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر اسے ڈھانک لیا اور جب اس نے اسے نکال کر دیکھا تو اس کا ہاتھ کوڑھ سے برف کی مانند سفید تھا۔ (خروج ۴: ۶)

۲۷؎ جب ان دو معجزوں سے آپ کو سرفراز کر دیا گیا تو آپ کو حکم ملا کہ جاؤ اور فرعون کی سرکشی کا علاج کرو۔ آپ کو اس کٹھن منزل کی دشواریوں کا پورا احساس تھا اس لیے دامن طلب پھیلا کر چند التجائیں کیں جو قبول کر لی گئیں۔ شرح کا معنی ہے کھولنا، کشادہ کرنا اور شرح صدر کا مفہوم ہے کہ سینہ نور الٰہی سے کشادہ ہو جائے۔ دل تسکین و طمانیت سے معمور ہو جائے۔ تبلیغ حق میں کسی قسم کا انقباض محسوس نہ ہو اور اگر مشکلات و مصائب کے پہاڑ راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں تو انسان خوفزدہ ہو کر ہمت نہ ہار دے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ان سے ٹکرا جانے کا عزم ہو۔ استقلال کے قدموں سے انہیں روندتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ یہ بات کہہ لینا آسان ہے لیکن جب آلام و مصائب کے کالے بادل گھر آ جاتے ہیں اور بجلیاں کڑکنے لگتی ہیں اور اس راہ کے مسافر کو اکثر ان حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس وقت بڑے بڑے لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ صرف وہی لوگ ثبات و استقامت کا مظاہرہ کر سکتے ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے شرح فرما دیا ہو۔ اس منزل کے آبلہ پا مسافروں کی تواضع کے لیے ببول کے کانٹے بھی ہوتے ہیں لیکن وہ محبت کے متوالے انہیں حریر و پرنیاں سے زیادہ نرم و نازک سمجھتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آپ کی زبان میں لکنت کا اثر تھا اسکے دور ہونے کی بھی دعا مانگی۔

يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝۲۶ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝۲۷ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝۲۸

آسان فرما دے میرے لیے میرا یہ مشکل کام اور کھول دے گرہ میری زبان کی تاکہ اچھی طرح سمجھ سکیں وہ لوگ میری بات ۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۝۲۹ هٰرُوْنَ اَخِي ۝۳۰ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۝۳۱

اور مقرر فرما میرا وزیر میرے خاندان سے یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے ۔ مضبوط فرما دے اس سے میری کمر ۲۰

وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ۝۳۲ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ۝۳۳ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ۝۳۴ اِنَّكَ

اور شریک کر دے اسے میرے (اس) کام میں ۔ تاکہ ہم دونوں کثرت سے تیری پاکی بیان کریں اور ہم کثرت سے تیرا ذکر کریں ۔ بیشک تو ہمارے

كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ۝۳۵ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝۳۶ وَلَقَدْ

حالات کو خوب دیکھنے والا ہے ۲۱ ۔ فرمایا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ ۲۲ ۔ اور ہم نے احسان

مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ۝۳۷ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝۳۸ اَنِ

فرمایا تھا تم پر ایک بار پہلے بھی ۲۳ ۔ جب ہم نے وحی (الہام) کی تمہاری ماں کو جو الہام ہی کے ذریعے بتانے کے قابل تھی ۲۴ یہ کہ

۲۰ علامہ جوہری لکھتے ہیں الازر القوۃ وقولہ تعالیٰ اشدد بہ ازری ای ظہری وموضع الازار من الحقوین۔ یعنی ازر کا معنی قوت ہے نیز پشت کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں ازار (تہبند) باندھا جاتا ہے یعنی کمر۔ (الصحاح)

۲۱ آخر میں عرض کر دیا کہ تو ہماری کمزوریوں کو بھی جانتا ہے۔ ہماری ضرورتوں سے بھی واقف ہے اور فریضۂ تبلیغ کی جو نزاکتیں ہیں ان کا بھی تجھے علم ہے۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما جس سے ہم اس فرمان کی تعمیل سے عہدہ برآ ہو سکیں اور ہمیں تیرے حضور سرخروئی حاصل ہو۔

۲۲ آپ کو یہ مژدۂ جانفزا سنایا گیا کہ اے موسیٰ ہم نے تیری ساری التجائیں قبول فرما لیں۔

۲۳ یہ تو موسیٰ علیہ السلام نے مانگا اور رب کریم نے عطا فرمایا۔ اب ان احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے بن مانگے آپ کو نوازا گیا تھا۔

۲۴ فرعون نے بنی اسرائیل کے ہر نوزائیدہ بچے کو قتل کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ اس کے نجومیوں نے اسے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو اس کی سلطنت کی بربادی کا باعث ہو گا اس لیے اس نے حفظ ماتقدم کے طور پر ہر نئے پیدا ہونے والے بچے کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا تاکہ وہ بچہ پیدا ہوتے ہی مار ڈالا جائے جس کے متعلق اس کے نجومیوں نے پیش گوئی کی تھی۔ اس کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل کی نسل بڑی تیزی سے

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

کہ ڈال دو اس معصوم بچے کو صندوق میں پھر ڈال دو اس صندوق کو دریا میں پس پھینک دے گا اسے دریا ساحل پر پھر پکڑ لے گا

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۚ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ

اسے وہ شخص جو میرا بھی دشمن ہے اور اس بچے کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ) میں نے ڈال دی تجھ پر محبت اپنی جناب سے اور تاکہ تیری پرورش کی جائے

بڑھ رہی تھی۔ فرعون نے سوچا کہ اگر ان کے اضافہ کی یہی رفتار رہی تو یہ تعداد میں قبطیوں سے بڑھ جائیں گے مبادا کثرت تعداد کے بل بوتے پر وہ کسی وقت کوئی انقلاب برپا کر دیں لیکن تقدیر الٰہی کو کون ٹال سکتا ہے۔ قدرت کی نیرنگیوں نے یہ تماشا دکھایا کہ اے فرعون! جس بچے کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالنے کا منصوبہ تو نے بنایا تھا دیکھ! اسے ہم تیرے محل میں لے آئے ہیں۔ تیری بیوی اس پر سو جان سے فدا ہے۔ شب و روز اس کی خدمت میں سرشار رہتی ہے اور تو بھی اسے اپنی گود میں اٹھاتا ہے اس کو چمکارتا ہے اسے پیار کرتا ہے اور اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اے خدائی کے جھوٹے دعوے دار! خدائے برحق کی قوت و تدبیر کا تو نے مشاہدہ کیا؟

یہاں اوحینا بمعنی الہمنا ہے یعنی ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ تدبیر ڈال دی اور اس کے برحق ہونے کے متعلق اس کے دل میں ایسا یقین پیدا کر دیا کہ وہ اس پر عمل کرنے کے لیے بخوشی آمادہ ہو گئیں۔ ورنہ کوئی ماں اپنے معصوم بچے کو اپنے ہاتھوں سے دریا کی بے رحم موجوں کے سپرد کرنے کے لیے کب تیار ہوتی ہے۔ آپ کی والدہ نے انہیں تابوت میں ڈال کر دریا میں بہا دیا۔ ہو سکتا تھا کہ کوئی تند موج اٹھتی اور اسے ڈبو دیتی۔ سطح آب پر کوئی گرداب نمودار ہوتا اور اس تابوت کو نگل جاتا یا یہ محل سے دور کو بہتا جاتا اور کوئی اسے دیکھ بھی نہ پاتا۔ غرضیکہ کئی احتمالات تھے لیکن تابوت کا صحیح و سلامت تیرتے چلے جانا اور ایسے وقت میں محل کے پاس سے گزرنا جب فرعون کی بیوی اپنی سہیلیوں سمیت ساحل پر کھڑی تھیں اور اس کے بعد کے جملہ انتظامات بتا رہے ہیں کہ یہ کسی انسان کی سوچی ہوئی تدبیر نہیں بلکہ علیم و حکیم پروردگار کی تدبیر ہے۔

۳۳؎ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ایسا پرتو آپ پر ڈال دیا کہ جو دیکھتا محبت میں دیوانہ ہو جاتا۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال لازوال کی جلوہ گاہ بنا دے اسے انسان تو انسان وحشی درندے بھی دیکھیں تو فریفتہ ہو جائیں۔ یعنی لمحبۃ ومنی احبہ اللہ تعالیٰ لحبتہ القلوب قال ابن عباس احبہ وحببہ الی الخلق۔ (مظہری)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں نے اس سے محبت کی اور اپنی مخلوق کی نگاہوں میں اسے محبوب بنا دیا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی لطیف بات فرمائی ہے کہ حضرت کلیم صلوات اللہ علیہ کے تعین کا مبداء محبیۃ محضہ تھا اور حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعین کا مبداء محبوبیۃ کاملہ تھا۔ اسی لیے کلیم علیہ السلام عاشقوں اور محبوں کے سردار ہیں اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جملہ محبوبوں کے سردار۔ قال المجدد الالف الثانی کان مبداء

عَلٰی عَیْنِیْ ۝ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ

زیرِ نگرانی ہو جائے اور اس میں میرا منشا یہ تھا کہ تیری پرورش ... جب جا رہی تھی تیری بہن پھر کہنے لگی کیا میں بتاؤں تمہیں

یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ

... کیا میں بتاؤں تمہیں وہ آدمی جو اس کی پرورش کرے پس (یوں) ہم نے لوٹا دیا تجھے تیری ماں کی طرف تاکہ ٹھنڈی رہیں اس کی آنکھیں

نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ

ایک شخص کو پس ہم نے نجات دی تجھے غم سے اور ہم نے آزمایا تجھے کئی طرح آزمانا پھر ٹھہرے رہے تم کئی سال

اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ

اہلِ مدین میں پھر تم آ گئے مقررہ وقت پر اے موسیٰ! اور میں نے چن لیا ہے تجھے

تعین الکلیم صلوات اللہ علیہ بالمحبیۃ الصرفۃ مبدأ تعین الحبیب المحبوبیۃ الصرفۃ ولاجل ذلک کان الکلیم علیہ السلام رأس المحبین والحبیب راس ـــــ المحبوبین (مظہری)

۳۹ یعنی ہم نے آپ کو کبھی اپنی نگاہِ لطف و عنایت سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ آپ کی رہائش، آرام و آسائش اور تربیت کے جملہ انتظامات ہم نے اپنی آنکھوں کے سامنے کرائے۔

۴۰ دوسرے احسان کا بیان ہے۔

۴۱ فتون یا تو قعود کے وزن پر مصدر ہے یا فتنہ کی جمع ہے یعنی ہم نے تمہیں اچھی طرح کئی بار آزمایا یا ہم نے تمہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا کر کے پرکھا جس نے آگے چل کر ایک بڑی امت کا راہنما بننا ہو جب تک وہ آزمائش کے جاں گسل مرحلوں سے نہیں گزرتا، اس میں قیادت کا جوہر اس وقت نہیں چمکتا۔ حضرت یوسف کو کن کن امتحانات سے گزرنا پڑا ان کے متعلق آپ پڑھ آئے ہیں۔ یہی حالات حضرت کلیم کو پیش آئے۔

۴۲ یہاں تک کہ آپ کو حضرت شعیب کے ریوڑ کا گلہ بان بننا پڑا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز ایک میمنا ریوڑ سے الگ ہو گیا۔ اس کی تلاش میں آپ دن بھر ادھر ادھر دوڑتے رہے۔ جب شام کے قریب اسے پکڑ سکے پکڑ کر غصہ میں اسے زد و کوب نہیں کی بلکہ اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کہنے لگے تو نے کیا کیا مجھے بھی تھکا دیا اور خود بھی تھک گیا۔ یہ حلم و بردباری اور اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس قدر شفقت پیدا ہو تب ہی نبوت کے فرائض انجام دیئے جا سکتے ہیں۔

۴۳ عمر و تربیت کے لحاظ سے جب مقررہ وقت آ پہنچا تو آپ یہیں اسی وقت ہی آ گئے۔

لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾

جسے اپنی ذات کیلئے۔ اب جائیے آپ اور آپ کا بھائی میری نشانیاں لے کر اور سستی نہ کرنا میری یاد میں ۲۹؎

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ

آپ دونوں جائیں ۳۰؎ فرعون کے پاس وہ سرکش بنا بیٹھا ہے۔ اور گفتگو کریں اس کے ساتھ نرم انداز سے ۳۱؎ شاید وہ نصیحت

اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿٤٥﴾ قَالَ

قبول کرے یا ڈر جائے ۳۲؎ دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب! ہمیں یہ خوف ہے کہ وہ زیادتی کریگا ہم پر ۳۳؎ یا سرکشی سے پیش آئیگا

۲۹؎ "ونی" کہتے ہیں کمزوری اور کوتاہی کو۔ الونی الضعف والفتور۔ رخصت کرنے سے پہلے پھر ایک بار تاکید کردی کہ ذکر میں کوتاہی نہ کریں کیونکہ ذکر الٰہی ہی سب کاموں کی کلید ہے یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے عزم و ہمت کے توانا سوتے پھوٹتے ہیں۔

۳۰؎ پہلے عام لوگوں کو پیغام ہدایت سنانے کی خدمت تفویض ہوئی اب خصوصی طور پر فرعون سرکش کے پاس جاکر اسے دعوت حق دینے کا حکم ملا۔

۳۱؎ ہر مبلغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے۔ مبلغ کو ایسا شیریں گفتار اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب وہ بولے تو یوں معلوم ہو کہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہوگا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔ قلت القول اللین ھو القول الذی لا خشونۃ فیہ فاذا کان موسٰی امر بان یقول لفرعون قولا لینا فمن دونہ احرٰی (قرطبی)

۳۲؎ لعل کے معنی ہیں امید رکھنا ہے اس کا تعلق ذات باری سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ہے یعنی تم اس امید پر پوری کوشش کرنا کہ شاید وہ ہدایت کو قبول کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔

۳۳؎ فرعون کی سرکشی اور ظلم کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی اس لیے عرض کی کہ الٰہی ایسا نہ ہو کہ ہم اس کے پاس جائیں اور وہ ہمیں اپنے ظلم و ستم کے شکنجہ میں کس دے۔ لا تخافا سے انہیں اپنی معیت کا یقین دلاکر تسلی دے دی۔

وہ انبیاء کرام جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے ان میں سے اکثر کا تذکرہ بائیبل وغیرہ میں بھی ہے لیکن بائیبل میں جب ہم ان انبیاء کرام کے تذکرے پڑھتے ہیں تو ہمارے دل میں ان کے لیے تقدس و احترام کا کوئی جذبہ پیدا نہیں ہوتا اور ان کے کردار میں ہمیں کوئی ایسی کشش محسوس نہیں ہوتی لیکن اس کے برعکس جب قرآن ان کے حالات کو بیان کرتا ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ جلیل القدر ہستیاں ہیں جن کا دامن پکڑنے میں ہی انسانیت کی فلاح ہے۔ ان کی ہر بات حکیمانہ اور ان کا ہر عمل پیغمبرانہ جلال سے دمک رہا ہوتا ہے۔ آپ اس واقعہ کو قرآن میں بھی پڑھ چکے ہیں اب اس کو

لَا تَخَافَآ إِنَّنِي مَعَكُمَآ أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ﴿٤٦﴾ فَأْتِيَاهُ فَقُولَآ إِنَّا رَسُولَا رَبِّكَ

آپ نے فرمایا ڈرو نہیں میں یقیناً تمہارے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ پس تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو

فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَٰكَ بِـَٔايَةٍ

اور اسے بتاؤ ہم دونوں تیرے رب کے فرستادہ ہیں پس بھیج ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انھیں (اب) عذاب نہ دے ہم لے آئے ہیں

مِّن رَّبِّكَ وَٱلسَّلَٰمُ عَلَىٰ مَنِ ٱتَّبَعَ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٤٧﴾ إِنَّا قَدْ أُوحِىَ إِلَيْنَآ

تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کی طرف سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ بیشک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ

أَنَّ ٱلْعَذَابَ عَلَىٰ مَن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَن رَّبُّكُمَا يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٩﴾

عذاب (نازل) ہوگا اس پر جو جھٹلاتا ہے (کلامِ الٰہی کو) اور روگردانی کرتا ہے۔ فرعون نے پوچھا تو کون ہے تم دونوں کا رب اے موسیٰ

ذرا بائیبل میں پڑھیے:-

"سو اب آ میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں کہ تو میری قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے ۰ موسیٰ نے خدا سے کہا میں کون ہوں جو فرعون کے پاس جاؤں اور بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لاؤں۔"

(کتاب خروج ۳: ۱۰، ۱۱)

اسی کتاب کے باب چہارم میں ہے کہ جب موسیٰ کو جملہ معجزات سے مشرف کر دیا گیا اور پھر انھیں فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو بھی آپ نے اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

"سو اب تو جا میں تیری زبان کا ذمہ لیتا ہوں اور تجھے سکھاتا رہوں گا کہ تو کیا کہے ۰ تب اس نے کہا اے خداوند میں تیری منت کرتا ہوں کسی اور کے ہاتھ سے جسے تو چاہے یہ پیغام بھیج ۰ تب خداوند کا قہر موسیٰ پر بھڑکا۔"

(خروج ۴: ۱۲، ۱۳، ۱۴)

؎ کیونکہ بنی اسرائیل پر مصری بڑے بڑے مظالم ڈھا رہے تھے انھیں بیگار میں پکڑا جاتا۔ بے زبان چوپایوں کی طرح ان سے دن بھر مشقت کے کام لیے جاتے تھے اور ان سے ہر طرح کا ذلت آمیز سلوک کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی فریاد رسی اور ان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرنے کے لیے اپنے دو بندوں کو روانہ فرمایا۔

؎ جیسے سورۃ الاعراف کے حواشی میں گزر چکا ہے کہ مصری لوگ سورج دیوتا کو اللہ اکبر (بڑا خدا) یقین کرتے تھے اور مصر کے فراعنہ اپنے آپ کو اسی سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے۔ اس طرح مصریوں کے مذہبی عقیدہ کا سہارا لے کر انھوں نے

قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ قَالَ فَمَا بَالُ

فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے عطا کی ہر چیز کو اس کی خلقت (وصورت) پھر مقصد تخلیق کی طرف ہر چیز کی رہنمائی فرمائی (فرعون نے) کہا اچھا یہ بتاؤ

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ

کیا حال ہوا پہلی قوموں کا ف۲۳ فرمایا ان کا علم میرے رب کے پاس ہے جو کتاب میں (درج) ہے نہ بھٹکتا ہے میرا رب

اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رکھی تھیں ۔ فرعون موسیٰ بھی اپنے آپ کو رع (سورج دیوتا) کا مظہر سمجھتا اور انا ربکم الاعلیٰ ہونے کی ڈینگیں مارتا ۔ جب حضرت کلیم نے فرمایا انا رسولا ربک اے فرعون ہم دونوں تیرے رب کی طرف سے رسول بن کر آئے ہیں تو وہ چونکا اور بڑبڑایا میں اور میرا بھی کوئی رب ہے ؟ میں سب مصریوں کا رب ہوں میرا کوئی رب نہیں ہو سکتا ۔ موسیٰ غلط کہہ رہا ہے ۔ اس نے پوچھا ذرا اس رب کی حقیقت تو بتاؤ جس نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے ۔

ف۲۲ آپ نے جواب میں ایک فقرہ کہا اور کوزے میں دریا بند کر کے رکھ دیا ۔ فرمایا میرا پروردگار وہ ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ اپنا وظیفہ حیات اور مقصد تخلیق بحسن وخوبی ادا کر سکے ۔ پھر اسے اتنی سوجھ بوجھ بھی عطا فرما دی کہ وہ صحیح طور پر ان قوتوں سے کام لے سکے ۔ پرندوں کو پر بخشے اور پھر انہیں اڑنے کا سلیقہ بھی خود ہی سکھا دیا ۔ مچھلی کو ایسا جسم دیا کہ وہ گہرے دریاؤں اور طوفانی سمندروں میں تیر سکے اور ساتھ ہی اسے تیرنے کا ڈھنگ بھی بتا دیا ۔ گوشت خور درندوں کے پنجے اور دانت ایسے بنائے کہ وہ اپنا شکار چیر پھاڑ سکیں ۔ اونٹ کی قامت کو بلند کیا تو اس کی گردن بھی لمبی بنا دی تا کہ اونچے درختوں کے پتے بھی کھا سکے اور نیچے زمین سے گردن جھکا کر پانی پی سکے ۔ جہاں اشجار صحراؤں میں جہاں پانی کی سطح بہت نیچے ہوتی ہے وہاں جو درخت اگائے ان کی جڑیں اتنی لمبی بنا دیں کہ وہ زمین کی تہ سے اپنی خوراک حاصل کر سکیں ۔ ہر خطۂ زمین میں پیدا ہونے والے حیوانات کو وہاں کے مخصوص موسمی تقاضوں کے مطابق لباس بھی دیا اور رزق بھی ۔ پھر اس گلشن ہستی کے گل سرسبد اور بزم حیات کے صدر نشین حضرت انسان کی ظاہری ساخت اور باطنی صلاحیتوں پر نگاہ ڈالیے آپ کو حضرت موسیٰ کے ارشاد کی صداقت کا یقین ہو جائے گا ۔ علامہ زمخشری اعطی کل شیئ خلقہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں اعطی کل شیئ صورتہ وشکلہ الذی یطابق المنفعۃ المنوطۃ بہ : یعنی ہر چیز کو ایسی شکل وصورت بخشی جو ان فوائد اور منافع کے لیے موزوں ومناسب ہے جن کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ۔ اور ثم ھدی کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای عرفہ کیف یرتفق بما اعطی وکیف یتوصل الیہ یہ بھی سکھا دیا کہ وہ ان اعضاء اور قوتوں سے کس طرح کام لے اور ان منفعتوں تک کیسے رسائی حاصل کرے ۔ (کشاف)

ف۲۳ موسیٰ علیہ السلام کا جامع اور مسکت جواب سن کر فرعون نے پینترا بدلا اور آپ کو دوسری باتوں میں الجھانے لگا کہ یہ بتائیے کہ پہلی قومیں جو گزر چکی ہیں کیا ان کے حالات سے آپ ہم کو آگاہ کر سکتے ہیں ۔ آپ نے اس کا مختصر جواب دیا

وَلَا یَنۡسَی ﴿۵۲﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّ سَلَکَ لَکُمۡ فِیۡهَا

اور نہ (کسی چیز کو) بھولتا ہے وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور بنا دیئے تمہارے فائدہ کے لیے

سُبُلًا وَّ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡ نَّبَاتٍ ع ۲

اس میں راستے اور اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے پانی کے ذریعے رنگ رنگ کی جوڑے گوناگوں نباتات

شَتّٰی ﴿۵۳﴾ کُلُوۡا وَ ارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾

کے۔ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو بھی چراؤ۔ بیشک اس میں اہل دانش کے لیے (قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔

مِنۡهَا خَلَقۡنٰکُمۡ وَ فِیۡهَا نُعِیۡدُکُمۡ وَ مِنۡهَا نُخۡرِجُکُمۡ تَارَۃً اُخۡرٰی ﴿۵۵﴾

اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور (روز حشر) اسی سے ہم تمہیں نکالیں گے یکبار پھر

کہ ان کے سارے حالات میرے رب کو معلوم ہیں اور وہ ایک محفوظ میں لکھ دیئے گئے ہیں۔ مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے پھر اصلی جواب کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی چند بڑی بڑی نشانیاں ذکر کیں۔ وانزل من السماء ماء پر آپ کا خطبہ ختم ہوتا ہے اور فاخرجنا سے اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرت کا ذکر فرماتے ہیں وھذا آخر کلام موسیٰ علیہ السلام ثم قال اللہ تعالیٰ فاخرجنا الخ۔

شتّٰی جمع ہے اس کا واحد شتیت، متفرق، مختلف یعنی ذائقہ، رنگ و بو، تاثیر و خاصیت میں ہر ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہے۔

۵۵ حضرت آدم علیہ السلام جو ابو البشر ہیں جب ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا تو گویا ہر انسان کا اصل مٹی ہوا یا اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ غذا سے تیار ہوتا ہے اور غذائیں زمین سے اگتی ہیں تو گویا ہر شخص اپنے اصل و نطفہ کے لحاظ سے مٹی سے پیدا کیا گیا۔ پھر مرنے کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور قیامت کے روز اسی سے نکالا جائے گا۔ علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے حضرت براء کی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندۂ مومن کی روح جب نکلتی ہے تو فرشتے اسے لے کر اوپر جاتے ہیں اور جب فرشتوں کے کسی گروہ کے پاس سے ان کا گزر ہوتا ہے تو بڑے معزز القاب سے وہ اس کا تعارف کراتے ہیں۔ جب ساتویں آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اکتبوا لعبدی کتابا فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منها خلقتھم و فیها اعیدھم و منها اخرجھم تارۃ اخری فتعاد روحه فی جسدہ یعنی میرے اس بندے کی کتاب کو علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے انہیں اسی سے

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿٥٦﴾ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

اور ہم نے دکھلا دیں فرعون کو اپنی ساری نشانیاں ۵۴ پھر بھی اس نے جھٹلایا اور ماننے سے انکار کر دیا کہنے لگا موسیٰ! کیا تم اس لیے آئے ہو ہمارے پاس

مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٥٧﴾ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ

تاکہ نکال دو ہمیں اپنے ملک سے اپنے جادو کی طاقت سے ۵۵ سو ہم بھی لا کر رہیں گے تیرے مقابلہ میں جادو بالکل اسی کی مانند پس مقرر کرو ہمارے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿٥٨﴾

اور اپنے درمیان مقابلے کا دن نہ ہم پھریں اس سے اور نہ ہی تو جس کے لیے جگہ ہموار اور کھلی ہو۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى

آپ نے فرمایا تمہارے لیے مقررہ دن جشن کا دن ہے اور خیال رہے کہ سارے لوگ اکٹھے کیے جائیں دن چڑھے ۵۶ پھر

پیدا کیا اور اسی میں لوٹا دیا اور وہیں سے دوبارہ نکالے گا پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے۔

۵۴ موسیٰ علیہ السلام نے عقلی دلائل سے بھی اللہ تعالیٰ کی توحید و یکتائی کو ثابت کر دیا اور اپنے معجزے دکھا کر بھی ذہن پرستی کا ستیاناس کر دیا لیکن سیاسی مصلحتیں، شاہی اقتدار، عیش و طرب کی کھلی آزادی، فرعون اور اس کے مصاحب جس کے خوگر ہو چکے تھے ان سے دست بردار ہونے کی ان میں جرأت نہ تھی پس وہ حق کو عیاں دیکھ لینے کے بعد اور معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود انکار و تکذیب پر اڑے رہے۔

۵۵ دلائل کے سامنے لاجواب ہو کر فرعون نے سیاسی شعبدہ بازی کا مظاہرہ شروع کیا اور موسیٰ پر الزام لگایا کہ آپ ظاہر تو کچھ کر رہے ہیں لیکن آپ کے دل میں کچھ اور ہے۔ حقیقت میں آپ ہم سے ہماری سلطنت چھیننا چاہتے ہیں آپ سیاسی اقتدار کے بھوکے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن موسیٰ! یاد رکھو تم اپنے ساحرانہ ہتھکنڈوں سے ہمیں ہمارے وطن سے نکالنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۵۶ اپنے درباریوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو مقابلہ کا چیلنج دینے میں پہل کی۔ تاکہ اپنے درباریوں کے دلوں میں اپنا بھرم برقرار رکھ سکے مکانًا سوًی۔ کھلا ہموار میدان جہاں ہر چیز صاف نظر آئے۔

ای مکانا مستویا یتبین للناس ما بیننا فیہ (قرطبی)

۵۷ موسیٰ علیہ السلام نے اور نہ جھجکے بغیر باطل کا چیلنج قبول کر لیا اور فرمایا زیادہ تاخیر کی ضرورت نہیں قومی میلہ عنقریب لگنے والا ہے مصر کے گوشہ گوشہ سے لوگ اکٹھے ہوں گے۔ بس یہی تاریخ مناسب ہوگی تاکہ جو فیصلہ ہو دن

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا

فرعون واپس مڑا (۴۴) اور اکٹھا کیا اپنی فریب کاریوں کو پھر (مقابلہ کے لیے) آیا۔ فرمایا ان (فرعونیوں) کو موسیٰ نے کمبختو! نہ بہتان باندھو

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

اللہ تعالیٰ پر جھوٹے ورنہ وہ تمہارا نام و نشان مٹا دے گا کسی عذاب سے۔ اور (یہ اٹل) قانون ہے (۴۵) کہ ہمیشہ نامراد رہتا ہے جو

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ

افترا بازی کرتا ہے پس جھگڑنے لگے اس کام کے متعلق آپس میں اور چپکے چپکے مشورے کرنے لگے (۴۶) وہ ایک دوسرے کو کہنے

کی روشنی میں ہم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

۴۴ مصر میں مقررہ دن کے لیے زور شور سے تیاری شروع ہو گئی۔ کیونکہ وہ دن فرعون کے لیے فیصلہ کن ثابت ہونے والا تھا۔ اس نے ملک بھر سے بڑے بڑے نامور اور ماہر جادوگر بلائے۔ انھیں انعام و اکرام کے بڑے بڑے لالچ دیئے اور پوری طرح تیار ہو کر بڑے کر و فر کے ساتھ مقررہ تاریخ کو مقابلہ کے لیے میدان میں آیا۔

۴۵ مقابلہ شروع ہونے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایک بار پھر اس غلط روش سے باز آنے کی تلقین کی۔ اور انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ سَحَتَهٗ و اَسْحَتَهٗ (بِمَعْنًى) اي اسْتَأْصَلَهُ (الصحاح للجوهري) یعنی کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینا، نام و نشان مٹا دینا۔

۴۶ کھلا اور وسیع میدان ہے اور شاہی دربار لگا ہوا ہے۔ فرعون اپنے حواریوں اور ماہر ساحروں سمیت زرنگار کرسیوں پر بیٹھا ہے۔ عام پبلک موسیٰ و ہارون کی مخالفت میں دیوانہ ہو رہی ہے کیونکہ ان کے سرداروں نے ان کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ یہ دونوں تمہاری حکومت چھیننا چاہتے ہیں اور تمہیں اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ ایسے یکسر مخالف ماحول میں اللہ تعالیٰ کے دو بندے عین مقررہ وقت پر آ پہنچتے ہیں۔ ان کی شان و شوکت قابل دید ہے۔ چہرے یقین کے نور سے جگمگا رہے ہیں۔ آنکھیں فرط جوش سے چمک رہی ہیں حق اپنی سادگی اور پرکاری کا اعجاز دکھا رہا ہے۔ بھرے دربار میں حضرت موسیٰ کی آواز گونجتی ہے۔ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى (افترا بازی کرنے والا ہمیشہ نامراد رہتا ہے) اس بے باکی اور جرأت سے دربار پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اور فرعون کے درباری آپس میں کھسر پھسر کرنے لگتے ہیں اور آپس میں اس موضوع پر الجھتے ہیں کہ کہیں یہ مقابلہ ہمیں مہنگا تو نہیں پڑے گا۔

لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

بے شک یہ دونوں جادوگر ہیں یہ چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے اور مٹا دیں تمہاری تہذیب (و ثقافت)

آخر کار فرعون اور اس کے چند جوشیلے امرا نے مقابلہ کا فیصلہ کر ہی لیا اور مذبذب گروہ کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ یقیناً یہ دونوں جادوگر ہیں ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں حکومت سے محروم کر دیں۔ اس کے علاوہ ہمارا شاندار تمدن، بے نظیر تہذیب جس کی صفحۂ ہستی پر کوئی مثال نہیں، یہ اس کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں۔ فرعون سے کسی کو رنجش ہو تو ہو لیکن اپنے تمدن، اپنی ثقافت اور اپنی تہذیب جب خطرے سے دوچار ہو تو کون خاموش تماشائی بن سکتا ہے سو اب مخالف سب موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے مستعد ہو گئے۔

یہاں ایک نحوی الجھن ہے جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اِنْ اِنَّ کا مخففہ ہے جو اسم کو نصب دیتا ہے اس لیے آیت یوں ہونی چاہیے تھی۔ اِنْ هٰذَيْنِ لَسَاحِرَانِ لیکن یہاں هٰذَانِ مرفوع ہے جو نحوی قاعدہ کے خلاف ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیئے ہیں۔ ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔ کوفیوں کے نزدیک یہ اِنْ اِنَّ کا مخففہ نہیں بلکہ نافیہ ہے اور سَاحِرَانِ پر جو لام ہے وہ اِلَّا کے معنی میں ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی مَا هٰذَانِ اِلَّا سَاحِرَانِ۔

مبرد اور اخفش جو نحو کے مسلم امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہاں اِنَّ حروف ناصبہ میں سے نہیں بلکہ نعم (ہاں) کا ہم معنی ہے۔ علامہ قرطبی نے کئی اشعار بطور استشہاد نقل کیے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے ؎

وَيَقُلْنَ شَيْبٌ قَدْ عَلَاكَ ۔ وَقَدْ كَبِرْتَ فَقُلْتُ اِنَّهْ

انھوں نے مجھے ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اب تیرے بال سفید ہو گئے ہیں اور تو بوڑھا ہو گیا ہے تو میں نے کہا اِنَّهْ یعنی ہاں ایسے ہی ہے۔ اس سے بھی زیادہ قوی شہادت حضور کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے حضرت امام جعفر صادق نے حضرت امام باقر سے انھوں نے حضرت امام زین العابدین سے انھوں نے سیدنا امام حسین سے اور انھوں نے سید السادات حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا لَا اُحْصِيْ كَمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ عَلٰى مِنْبَرِهٖ اِنَّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ یہاں بھی اِنَّ نعم کے معنی میں ہے۔ عرب خطباء کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اپنے خطبوں کا آغاز نعم سے کیا کرتے تھے۔ (قرطبی) تیسرا جواب جس کو تمام علماء نحو و لغت اور تفسیر نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ عرب کے بعض قبائل تثنیہ کو رفعی، نصبی، جری حالت میں الف کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جیسے ؎

اِنَّ اَبَاهَا وَاَبَا اَبَاهَا ۔ قَدْ بَلَغَا فِي الْمَجْدِ غَايَتَاهَا

بنی الحرث بن کعب، زبید، خثعم، کنانہ۔ سب تثنیہ کو الف کے ساتھ پڑھتے۔ (قرطبی)

علامہ قرطبی نے اسے هٰذَا الْقَوْلُ اَحْسَنُ مَا حُمِلَتْ عَلَيْهِ الْاٰيَةُ کہا ہے۔ علامہ ابو حیان نحوی اللغوی نے

الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ

کے مثالی طریقوں کو ۶۳ پس پکا کر لو اپنی حیلہ سازیوں کو پھر آؤ صف باندھے ہوئے۔ اور کامیاب ہوگا آج جو اس مقابلہ

اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ

میں غالب رہا ۶۴ جادوگر بولے اے موسیٰ! کیا پہلے آپ پھینکیں گے یا ہم ہی ہو جائیں پہلے پھینکنے والے ۶۵ آپ نے

مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ

فرمایا نہیں تم ہی پہلے پھینکو ۶۶ پھر یکایک ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں آنکھوں کو دکھائی دینے لگیں ان کے

(وہ جواب جو مجھے پسند ہے) سے اس آیت کا آغاز کیا ہے علامہ آلوسی نے اسے اجود الوجوہ واوجهها یعنی سب سے عمدہ توجیہ کہا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں چند روایات ایسی ذکر کی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کاتب کی غلطی سے ھذین کی جگہ ھذان لکھا گیا ہے۔ ان روایات کی نسبت حضرت عائشہ، عثمان اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف کی گئی ہے۔ علامہ آلوسی نے ان میں سے ہر ایک روایت پر بحث کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ تمام وہ روایات جو قرأت متواترہ کے خلاف ہیں سب ضعیف ہیں۔ والطعن فی الرواة اهون بکثیر من الطعن بالائمة الذین تلقوا القرآن العظیم الذی وصل الینا بالتواتر من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یألوا جهدا فی اتقانه وحفظه۔ (روح المعانی)

۶۳ المثلی امثل کی تانیث ہے جیسے افضل سے فضلی۔ اس کا معنی ہے مثالی، معیاری۔

۶۴ ان کے اس قول سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ مقابلہ ان کے لیے کتنا اہم تھا اور انہوں نے اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کیے ہوں گے۔

۶۵ جسے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ پہلے آغاز کون کرتا ہے اس لیے انہوں نے حضرت موسیٰ کو یہ کہہ کر اختیار دیا وقدموا علی انفسهم اظهاراً للثقة بانفسهم (روح المعانی) یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ادب و احترام کی خاطر انہوں نے ایسا کیا وقیل مراعاة للادب معه۔ (روح المعانی) تادبوا مع موسیٰ فکان ذلک سبب ایمانهم۔ (قرطبی)

انہوں نے نبی کا ادب ملحوظ رکھا اللہ تعالیٰ کو ان کی ادا پسند آگئی اور ان کو نعمت ایمان سے مشرف فرما دیا بلاشبہ محبوبان خدا کا ادب کلید سعادت ہے اور ان کی جناب میں گستاخی موجب حرمان و خسران ہے۔

۶۶ آپ نے انہیں پہل کرنے کی اجازت دے دی تاکہ وہ اپنے سارے ساحرانہ کمالات کا بھی جی بھر کر مظاہرہ کر لیں اس

إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿٦٦﴾ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ﴿٦٧﴾

جادو کے اثر سے جیسے وہ دوڑ رہی ہوں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا

قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ﴿٦٨﴾ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا

ہم نے فرمایا کہ تم مت ڈرو۔ یقیناً تم ہی غالب رہو گے اور ڈال دو جو (عصا) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے یہ نگل

صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ﴿٦٩﴾

جائے گا جو کچھ انہوں نے بنایا ہے۔ انہوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ تو فقط جادوگر کا فریب ہے اور نہیں فلاح پاتا جادوگر جہاں بھی وہ جائے

کہ بیچ حق کی شمشیر بے نیام ہو اور صاعقہ صورت بن کر ان پر گرے اور ان کی ساری جادوگری کو خاک سیاہ بنا دے۔

انھوں نے پوری شدت سے اپنی ساحرانہ مہارت کا مظاہرہ کیا۔ رسیوں پر جب جادو منتر پڑھ کر میدان میں پھینکا تو حاضرین کو یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ سانپ ہیں جو بل کھا رہے ہیں اور غصہ سے پھنکار رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک لمحہ کے لیے ایسا ہی محسوس ہونے لگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جادو سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی بلکہ نظر بندی ہوتی ہے۔ چیز اصل میں ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔

اس منظر کو دیکھ کر آپ کو کچھ وحشت سی ہوئی۔

فوراً تائید ربانی نے آ کر سہارا دیا اور حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے کہا تم ہی سربلند اور سرخرو ہو گے۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں نیچا نہیں دکھا سکتی۔ ذرا اپنے اس سونٹا کو میدان میں پھینکو پھر دیکھو قدرت الٰہی کے کیسے کرشمے نظر آتے ہیں۔ تلقف کا معنی نگل جانا۔

بھلا حق کے سامنے جادو کی کیا مجال کہ ٹھہر سکے۔ پیغمبر کے مقابلہ میں جادوگر کی کیا طاقت کہ دم مار سکے۔ اس کے تو مقدر میں ہی نامرادی، ناکامی اور محرومی لکھی جا چکی ہے۔ سونٹا پھینکنے کی دیر تھی کہ وہ ایک خوفناک اژدہا بن کر ان سانپ دکھائی دینے والی رسیوں کی طرف لپکا اور انھیں بڑی سرعت سے نگلنا شروع کر دیا۔ اس کی گرج اور اس کا غیظ و غضب، اس کا پھنکارنا اور بیچ بیچ کر اس کا حملہ آور ہونا ایسے دیکھ کر فرعون اور دوسرے حاضرین پر ایک دہشت طاری ہو گئی۔ پورے دربار پر ایک سناٹا چھا گیا۔ حق کے ایک ہی وار نے باطل کے غرور کو خاک میں ملا دیا اور ایک ہی جھپٹ ایسی رسید کی کہ سارا خمار اتر گیا۔ دوست و دشمن نے انک انت الاعلیٰ کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ﴿٧٠﴾ قَالَ

پس گرا دیئے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے۔ انھوں نے (ببانگ دہل) کہا اے لوگو! سن لو ہم ایمان لے آئے ہیں ہارون اور موسیٰ کے

آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ

رب پر۔ فرعون (غضبناک ہو کر) بولا تم ایمان لے آئے ہو اس پر اس سے پہلے کہ میں تمھیں (مقابلہ کی) اجازت دوں بے شک وہ تمھارا بڑا

فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي

(گرو) ہے جس نے تمھیں سکھایا ہے جادو (لو اب) میں ضرور کاٹ دوں گا تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں الٹی طرف سے اور

جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ﴿٧١﴾ قَالُوا لَن

اور سولی پر چڑھاؤں گا تمھیں کھجور کے تنوں پر اور تمھیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے۔ انھوں نے جواب دیا (اے فرعون!) ہم

نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ

ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تجھے ان روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آ گئی ہیں اور اس ذات پر جس نے ہمیں پیدا کیا پس تو کر جو فیصلہ تو کرنا چاہتا

ف٧٤ جادوگر جادو کی حقیقت سے خوب آگاہ تھے۔ جب انھوں نے عصائے موسیٰ کو اژدہا بن کر ان رسیوں کو ہڑپ کرتے دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ جو کچھ ہم نے دیکھا ہے وہ جادو کی نظر بندی نہیں ہے بلکہ قدرت خداوندی کی جلوہ نمائی ہے سچائی اور صداقت کے حسن نے انھیں ایسا متوالا اور وارفتہ کر دیا کہ تمام خوفناک نتائج سے بے پروا ہو کر بھرے دربار میں فرعون کے سامنے انھوں نے موسیٰ و ہارون کے ربّ کریم پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

ف٧٥ یہ صدمہ پہلی شکست کے صدمہ سے کہیں زیادہ جانکاہ اور رسوا کن تھا لیکن تھا بڑا شاطر اپنا بھرم رکھنے کے لیے اس نے فوراً جادوگروں پر سازش کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگا دیا اور انھیں دھمکی دی کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹ کر انھیں سولی پر لٹکا دیا جائے گا۔

ف٧٦ دنیا بھی بڑی حسین ہے۔ دولت و ثروت میں بھی بلا کی کشش ہے۔ اس کا جاہ و جلال بھی دل موہ لینے والا ہے لیکن یہ سب کچھ اسی وقت تک جب تک حسن ازل آنکھوں سے مستور ہو۔ جب جمال حق کرم فرما ہوتا ہے جب انوار الٰہی کے مشاہدہ سے چشم دل منور ہوتی ہے جب ساقیِ کریم عشق و محبت کا ایک جام پلا دیتا ہے تو پھر دنیا اپنی تمام حشمتوں اور دلربائیوں کے باوصف حقیر اور بے وقعت ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہ عشق و محبت کے تاجدار

قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٧٢﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا

چاہے کر لے ہمیں ذرا پروا نہیں، تو صرف اس فانی دنیوی زندگی کے بارے میں ہی فیصلہ کر سکتا ہے بیشک ہم ایمان لے آئے ہیں اپنے رب پر

خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿٧٣﴾ إِنَّهُ

تاکہ وہ بخش دے ہماری خطاؤں کو اور اس قصور کو بھی جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا یعنی جادوگری اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے

مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿٧٤﴾

بیشک جو شخص بارگاہِ الٰہی میں مجرم بن کر آئے گا تو اس کے لیے جہنم ہے، نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہ سکے گا

نے مدینہ میں یہی بادۂ لالہ فام اپنے صحابہ کو پلایا تھا۔ حق کی انہی دلآویزیوں کو ان کے سامنے بے نقاب کیا تھا۔ ان کے قلب و نظر کو اسی کی رعنائیوں سے آشنا کیا تھا۔ پھر انھوں نے ایثار و فدائیت کے میدانوں میں جو جو کارنامے انجام دیئے کاروانِ انسانیت کے لیے وہ آج بھی روشنی کے بلند مینار ہیں۔ آئیے بغیر کسی تفسیر و حاشیہ کے ان آیات کا سادہ ترجمہ بار بار پڑھیں۔ شاید ہمارے دل بھی اس لذت و سرور سے سرشار ہو جائیں اور کیا بعید ہے کہ باطل کے سامنے فاقض ما انت قاض کہنے کی جرأت ہمیں بھی مرحمت فرما دی جائے۔ انہ ارحم الراحمین واکرم المسئولین

آیت میں والذی فطرنا کے جملہ کے متعلق دو قول ہیں۔ بعض نے واؤ کو عاطفہ مانا ہے اور البینات کو معطوف علیہ قرار دیا ہے اور بعض علماء نے واؤ کو قسمیہ کہا ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی تعالوا والذی فطرنا لن نؤثرک الآیہ۔ میں نے اسی کے مطابق آیت کا ترجمہ کیا ہے۔

۵۵ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عاشقانِ باصفا کو اپنی دردناک موت کا کوئی غم نہیں۔ اگر انھیں افسوس ہے تو اس بات کا کہ آج تک کیوں باطل کے ادنے پجاری بنے رہے۔ عمرِ عزیز کہاں برباد کرتے رہے۔ کیوں اب تک باطل کے نیزہ بردار بنے رہے۔ ؎

نالہ از بہرِ رہائی نکند مرغِ اسیر ۔۔۔ خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عرض کرتے ہیں کہ گزشتہ ایام کو ضائع کرنے کا جو قصور ہم سے ہوا ہم اس پر نادم ہیں اور اپنے رب سے معافی کے خواستگار ہیں۔ سورۃ الاعراف میں بھی یہ واقعہ مذکور ہوا۔ ضیاء القرآن جلد دوم آیات ۱۰۹ تا ۱۲۶ کا مطالعہ فرمائیے خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

۵۶ بعض علماء کے نزدیک ساحروں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو گیا اور اب یہاں سے ارشادِ خداوندی شروع ہوتا ہے اور بعض علماء نے تو آخر تک سب آیات کو انہی کا کلام تسلیم کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ماننا پڑے گا کہ حق قبول کرتے ہی

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

اور جو شخص حاضر ہوگا بارگاہ الٰہی میں مومن بن کر اس حال میں کہ اس نے عمل بھی نیک کیے ہوں تو ایسے ہی سعادت مندوں کے لیے بلند

الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

درجات ہیں۔ یعنی سدا بہار باغات رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ خوش نصیب ان میں ہمیشہ رہیں گے

وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ ع ۳ ۲۲ ۱۲

اور یہ ہے جزا ان لوگوں کی جنہوں نے اپنا دامن ہر آلائش سے پاک رکھا اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف کہ راتوں رات

ان کو کتنی فیاضی سے شرح صدر کی نعمت سے مالا مال کر دیا گیا کہ ان کی زبان سے حکمت و موعظت کے شگفتہ پھول جھڑنے لگ گئے

؎ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

عجب بات یہ ہے کہ جب ہم اس واقعہ کو بائیبل میں پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی کشش اور جاذبیت نظر نہیں آتی نہ ہمیں وہاں موسیٰ کا وہ حکیمانہ وعظ دکھائی دیتا ہے جس میں آپ نے فرعون (جھوٹے خدا) کے سامنے اپنے رب قدوس کی عظمت و کبریائی بیان کی تھی۔ فرمایا ربنا الذی اعطی کل شیئ خلقه ثم هدى بائیبل میں ہمیں اتنا ملتا ہے کہ جب فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے . . . . میں خداوند کو نہیں جانتا اور میں بنی اسرائیل کو جانے بھی نہیں دوں گا۔

اس کے جواب میں موسیٰ نے صرف اتنا کہا۔ تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کا خدا ہم سے ملا ہے سو ہم کو اجازت دے کہ ہم تین دن کی منزل بیابان میں جا کر خداوند اپنے خدا کے لیے قربانی کریں تا نہ ہو کہ وہ ہم میں وبا بھیج دے یا ہم کو تلوار سے مروا دے۔" (خروج ۵ : ۳-۲)

اور نہ ہمیں وہاں جادوگروں کے سجدہ ریز ہونے اور ہدایت سے مشرف ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں اس واقعہ کی روح رواں ہیں۔ اگر انہیں اس واقعہ سے خارج کر دیا جائے تو اس میں باقی رہ کیا جاتا ہے نہ ہمیں معرفت الٰہی کا کوئی درس ملتا ہے اور نہ ہمیں ایثار و سرفروشی کی کوئی روح پرور مثال نظر آتی ہے۔

البتہ اس تقابلی مطالعہ سے ایک فائدہ حاصل ہوتا ہے اور وہ بھی اپنی افادیت کے اعتبار سے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ وہ یہ کہ جو حق ناشناس یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ قرآن میں یہ واقعات بائیبل وغیرہ سے لیے گئے ہیں ان کی جسارت کا پول خوب کھل جاتا ہے اگر قرآنی قصص کا ماخذ بائیبل ہوتی تو یہاں بھی وہی پھیکا پن ہوتا۔ یہاں بھی ہدایت کی کوئی شمع ان واقعات کی محرابوں میں روشن نہ ہوتی۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی برعکس ہے۔ ہر انصاف پسند شخص اس فرق کو آسانی سے محسوس کر سکتا ہے اس تقابلی مطالعہ کے بعد یہ یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ قرآن

بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخَافُ دَرَكًا

لے چلیے میرے بندوں کو (مصر سے) راتوں رات (میں سمندر حائل ہو) تو عصا کی ضرب سے ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا لیجیے نہ تمہیں پیچھا کیے جانے

وَلَا تَخْشَىٰ ﴿٧٧﴾ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ

کا اندیشہ ہوگا اور نہ کوئی اور اندیشہ۔ پس فرعون نے ان کا تعاقب کیا اپنے لشکروں سمیت پس چھا گئیں فرعونیوں پر سمندر کی تند موجیں

مَا غَشِيَهُمْ ﴿٧٨﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿٧٩﴾ يَا بَنِي

جیسا کہ چھا گئیں ان پر۔ اور گمراہ کردیا فرعون نے اپنی قوم کو اور نہ دکھائی انھیں سیدھی راہ ۔ اے بنی اسرائیل!

إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوَاعَدْنَاكُمْ جَانِبَ الطُّورِ

دیکھو! ہم نے بچا لیا تمھیں تمھارے دشمن سے اور ہم نے تم سے وعدہ کیا (کوہ) طور کی

الْأَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ﴿٨٠﴾ كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ

دائیں جانب کا اور ہم نے اتارا تم پر من و سلوٰی ۔ کھاؤ ان پاک چیزوں سے جو ہم

مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي ۖ وَمَن

نے تم کو عطا کی ہیں اور اس میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ اترے گا تم پر میرا غضب اور وہ (بدنصیب)

کا مفہوم یہ ہے کہ صرف یہی نہیں ہو اپنے لفظی تعریف آدمی بلکہ اس کی حقیقی صفات خداوندی ہے جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔
۱۸ ان آیات میں مصر سے بنی اسرائیل کی ہجرت کا واقعہ مذکور ہے۔ قدرت الٰہی نے کس طرح ان کے سامنے سمندر کو پایاب کردیا اور کس طرح اس کے حکم سے سمندر کی ٹھیری ہوئی موجیں فرعون اور اس کے لشکر کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گئیں۔ اور انھیں تباہ و برباد کردیا۔ اہل ہوش کے لیے اس میں عبرت کا بڑا سامان ہے۔
۱۹ بنی اسرائیل پر جو انعامات کیے گئے تھے ان کا ذکر کرکے انھیں شکر الٰہی بجا لانے اور نافرمانی سے باز آنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔
۲۰ بنی اسرائیل چالیس سال تک تیہ کے میدان میں اقامت گزیں رہے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز دستیاب نہ ہوتی تھی اس لیے عالم غیب سے ان کی خوراک کا اہتمام کیا گیا قرآن نے اس کو من و سلوٰی سے تعبیر کیا جس کی وضاحت پہلے پارہ میں گزر چکی ہے۔

يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ

اترتا ہے جس پر میرا غضب تو یقیناً وہ گر کر رہتا ہے ۸۱ اور میں بلاشبہ بہت بخشنے والا ہوں اسے جو توبہ کرلے اور

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ

ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے بعد ازاں ہدایت پر قائم رہتا ہے اور کس چیز سے تم جلدی آگئے اپنی قوم سے

يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾

اے موسیٰ! ۸۲ عرض کی وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور میں جلدی جلدی حاضر ہوگیا ہوں تیری بارگاہ میں اے میرے رب!

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾

کہ تو راضی ہوجائے۔ ارشاد ہوا ہم نے تو آزمائش میں ڈال دیا ہے تمہاری قوم کو تمہارے چلے آنے کے بعد اور گمراہ کردیا انہیں سامری نے

۸۱ اگر تم نافرمانی سے باز نہ آئے تو غضب الٰہی کے مستحق قرار پاؤ گے اور جس پر غضب الٰہی ہوا وہ تباہ و برباد ہوگیا۔

۸۲ یہ واقعہ پوری شرح و بسط کے ساتھ سورۃ الاعراف میں گزر چکا ہے۔ یہاں مختصراً اس کا تذکرہ کردیا جاتا ہے جب بحر احمر کو عبور کرکے سینا کے بیابان میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے طور پر حاضر ہونے کا حکم دیا تاکہ انہیں ایک کتاب دی جائے۔ جس کے مطابق ان کی قوم اطاعت و انقیاد کی زندگی بسر کرسکے آپ نے روانہ ہونے سے پہلے ساری قوم کو تاکید فرمائی کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں کوئی ناشائستہ حرکت نہ کریں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے حضرت ہارون کو اپنا نائب مقرر کیا۔ اپنے ہمراہ ستر برگزیدہ آدمی لے کر چلے جب طور کے نزدیک پہنچے تو شوق ملاقات نے بیتاب کردیا۔ ساتھیوں کو پیچھے چھوڑا اور خود جلدی سے مقام مقررہ تک پہنچ گئے۔ جاتے ہی ارشاد ہوا اپنے ہمراہیوں کو پیچھے چھوڑ کر اتنے جلدی کیسے چلے آئے ہو۔ عرض کی وہ بھی بالکل نزدیک میرے پیچھے پیچھے آرہے ہیں اور میں خود تو اس لیے جلدی آگیا ہوں کہ تو راضی ہوجائے کہ یہ بندہ میرے حکم کی تعمیل میں اور شوق ملاقات سے بے بس دوڑتا چلا آیا ہے۔ ارشاد ہوا تم تو ادھر آگئے ہو ادھر پیچھے تیری قوم کو ایک آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ان کو تو سامری نے ایک بچھڑے کا پرستار بنا دیا ہے۔ آپ کے غصہ اور افسوس کا عالم نہ پوچھیے۔ بنا بنایا کھیل چوپٹ ہوگیا تھا۔ واپس آئے قوم کو خوب جھاڑا۔ اے نالائقو! تم تھوڑا سا انتظار بھی نہ کرسکے اور میرے خدا کو چھوڑ کر جس نے تم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائی تم ایک دھات کے بنے ہوئے بچھڑے کی پوجا کرنے لگ گئے۔ تمہیں ایسا کرتے ہوئے حیا نہ آئی؟

فَرَجَعَ مُوسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ

پھر لوٹے موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کی طرف غضبناک اور افسوس کرتے ہوئے۔ فرمایا اے میری قوم! کیا وعدہ نہیں کیا تھا تم سے

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ

تمہارے رب نے بہت عمدہ وعدہ۔ تو کیا طویل مدت گزر گئی ہے اس عرصہ پر اور تم اسکے ایفا سے مایوس ہوگئے یا تم نے چاہا کہ اترے

غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ

تم پر غضب تمہارے رب کی طرف سے اسلئے تم نے توڑ دیا میرے ساتھ کیا ہوا وعدہ۔ کہنے لگے نہیں توڑا ہم نے آپ سے کیا ہوا وعدہ

وہ کہنے لگے حضور یہ جو کچھ ہم سے سرزد ہوا ہم نے دانستہ نہیں کیا ہمیں تو اس سامری نے چکر میں ڈال دیا جب آپ نے دیر لگائی اور ہم پریشان ہوگئے تو اس نے آکر کہا جب تک تم یہ سونے چاندی کے زیورات اتار کر پھینک نہیں دو گے موسیٰ کا منہ نہیں دیکھو گے ہم نے آپ کے شوق میں سارے زیورات اتار کر پھینک دیئے۔ اس نے انھیں اٹھایا آگ میں گلایا اور ان سے ایک بچھڑا تیار کیا اور بچھڑے میں آکر کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے موسیٰ بھول گئے انھیں اپنے خدا کی خبر ہی نہیں خواہ مخواہ اس کی تلاش میں طور کی چوٹیاں سر کرتے پھرتے ہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ زیورات انھیں کہاں سے دستیاب ہوئے۔ کیا یہ انکے اپنے ذاتی زیورات تھے جس طرح مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں لکھا ہے یا قوم فرعون کے زیورات تھے جو انھیں مل گئے تھے۔ قرآن کریم کے الفاظ "من زینۃ القوم" اس بات پہ دلالت کرتے ہیں کہ یہ زیورات ان کے اپنے ذاتی نہ تھے بلکہ قوم فرعون سے انھیں دستیاب ہوئے تھے کیونکہ اگر ان کے ذاتی ہوتے تو پھر من زینۃ القوم کی بجائے من زینتنا کے الفاظ ہوتے۔ زینۃ القوم کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ زیورات دراصل قوم فرعون کے تھے جو اب بنی اسرائیل کے قبضہ میں آگئے تھے۔ ان کو یہ زیورات کیونکر دستیاب ہوئے؟ اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو تورات میں مذکور ہے چنانچہ بائیبل کتاب الخروج میں ارشاد ہوتا ہے۔

> "پھر خدا نے موسیٰ سے یہ بھی کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہنا کہ خداوند تمہارے باپ دادا کے خدا، ابراہام کے خدا، اور اضحاق کے خدا اور یعقوب کے خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ کہ جاکر . . . . . اسرائیلی بزرگوں کو ایک جگہ جمع کر . . . . اور یوں ہوگا جب تم نکلو گے تو خالی ہاتھ نہ نکلو گے بلکہ تمہاری ایک ایک عورت اپنی اپنی پڑوسن سے اور اپنے اپنے گھر کی مہمان سے سونے چاندی کے زیور اور لباس مانگ لے گی۔ ان کو تم اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو پہناؤ گے

بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ

اپنے اختیار سے بلکہ ہوا یہ کہ ہم پر لاد دیئے گئے تھے بوجھ قوم (فرعون) کے زیورات کے تو ہم نے سامری کے کہنے پر انھیں پھینک دیا اسی طرح

اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا

سامری نے بھی (اپنے حصے کے زیور) پھینک دیئے پھر ان کے لیے بچھڑے کا ایک جسم بنا نکالا جس سے گائے کی طرح آواز نکلتی تھی سامری اور اسکے چیلوں نے کہا

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۥ فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ

یہ ہے الٰہ تمہارا اور موسیٰ کا بھی الٰہ مگر وہ بھول گئے کیا ان کو یہ بھی نہ دکھائی دیتا تھا کہ یہ بچھڑا ان کی کسی بات کا جواب

اور مصریوں کو لوٹ لیں گے۔" (باب ۳ آیت ۱۵ تا ۲۲)

دوسرے مقام پر یوں مذکور ہے:۔

"سو اب تو لوگوں کے کان میں یہ بات ڈال دے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے پڑوسی اور ہر عورت اپنی پڑوسن سے سونے چاندی کے زیور لے۔" (باب ۱۱ آیت ۲، ۳)

ان آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی اسرائیل نے دھوکے سے قبطیوں کے زیور لیے۔ انھوں نے کہا تو یہ کہ یہ زیور وہ عاریتاً لے رہے ہیں لیکن ان کی نیت یہ تھی کہ وہ ان کے زیورات لے کر یہاں سے رفوچکر ہو جائیں گے اور زیور واپس کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ یہ صریح دھوکہ بازی ہے اور بائیبل میں اس دھوکہ بازی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ ایک مومن تو ایسی بات کی نسبت رب کریم کی طرف نہیں کر سکتا۔ اس لیے یہ توجیہ ہمارے لیے ہرگز قابل قبول نہیں۔

دوسری توجیہ وہ ہے جو ہمارے مفسرین نے ذکر کی ہے کہ جب فرعون اور اس کا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا تو سمندر کی موجوں نے ان کی لاشوں کو اٹھا کر ساحل پر پھینک دیا۔ اس وقت مرد بھی زیور پہنا کرتے تھے۔ اس قوم میں جرنیل، بڑے بڑے رؤسا اور اعیان مملکت شامل تھے۔ انھوں نے یقیناً اپنے آپ کو زیورات سے آراستہ کیا ہوگا جب بنی اسرائیل کا گزر ان مردہ لاشوں کے پاس سے ہوا تو انھوں نے وہ زیور اتار کر اپنے قبضہ میں کر لیے اور اس طرح قبطی قوم کا بے اندازہ سونا بنی اسرائیل کے ہاتھ آ گیا چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:۔

وقیل ھو ما اخذوہ من آل فرعون لما قذفھم البحر الی الساحل۔ (قرطبی)

انھیں اوزار (بوجھ) اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مال غنیمت تھا اور مال غنیمت ان کے لیے حلال نہ تھا اس لیے وہ اسے بوجھ تصور کرتے تھے۔ ورنہ سونے کے زیورات ہوں اور اپنے ہوں یا حلال طریقہ سے حاصل

عِجْلًا جَسَدًا ... لَا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

جو نہیں دے سکتا اور نہ اختیار رکھتا ہے انکے لیے کسی ضرر کا اور نہ نفع کا شلہ اور بیشک کہا تھا انہیں ہارون نے موسیٰ کی واپسی سے پہلے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ

اے میری قوم! تم تو فتنے میں مبتلا ہو گئے اس سے۔ اور بلاشبہ تمہارا رب تو وہ ہے جو بیحد مہربان ہے پس تم میری پیروی کرو

وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا

اور میرا حکم مانو ثلہ قوم نے کہا ہم تو اسی کی عبادت پر جمے رہیں گے یہاں تک کہ لوٹ آئیں ہماری طرف

ہوئے ہوں وہ چاہے کتنے ہی وزنی ہوں انھیں کوئی شخص بھی بوجھ خیال نہیں کرتا۔ مجھے یہی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

شلہ یہاں سے ان کی حماقت کی طرف اشارہ کیا گیا کہ بچھڑا جسے تم نے خدا بنا لیا ہے اس کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ تمھاری بات کا جواب تک نہیں دے سکتا۔ نفع اور نقصان پہنچانے کی اس میں طاقت نہیں۔ بھلا یہ خدا کیوں کر ہو سکتا ہے۔

ثلہ قرآن کریم نے صراحتاً بتا دیا کہ بچھڑا بنانے والا اور یہ فتنہ کھڑا کرنے والا سامری تھا۔ حضرت ہارون کا اس سے کوئی سروکار نہ تھا بلکہ آپؑ نے تو اپنی قوم کو اس فتنہ میں مبتلا ہونے سے منع کیا اور ایک نبی کی یہی شان ہونی چاہیے۔ لیکن ادھر بائیبل کا بیان سنیے۔ وہ بچھڑا بنانے + اس کو خدا مان کر پوجا کرنے کا سارا الزام ہارون پر لگاتی ہے۔

"اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لیے دیوتا بنا دے جو ہمارے آگے آگے چلے۔ کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہو گیا۔

ہارون نے ان سے کہا تمھاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے۔

اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل! یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔ (خروج باب ۳۲، آیت: ۱ تا ۴)

اللہ تعالیٰ کے نبی پر بت سازی اور شرک کا یہ گھناؤنا الزام لگانے کی جرأت بائیبل کے مرتب کرنے والے

مُوسٰى ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿۹۲﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ

موسیٰ علیہ السلام (واپسی پر ازراہِ غضب) کہا اے ہارون! کس چیز نے تجھے روکا جب تو نے انھیں گمراہ ہوتے دیکھا تو انھیں چھوڑ کر میرے پیچھے چلا آتا

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿۹۳﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ

کیا تو نے بھی میری حکم عدولی کی۔ ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے! نہ پکڑو میری داڑھی کو اور نہ میرے سر (کے بالوں) کو مجھے یہ ڈر تھا

اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ

(اور ان پر سختی نہ کی) کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے پھوٹ ڈال دی بنی اسرائیل کے درمیان اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔

قَوْلِيْ ﴿۹۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ﴿۹۵﴾ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا

آپ نے پوچھا اے سامری! یہ فتنہ تو نے کیوں اٹھایا، تیری غرض کیا تھی؟ اس نے کہا میں نے دیکھی ایسی چیز جو لوگوں نے

ہی کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے جہاں دوسرے انبیاء کرام کے دامن عصمت پر لگائے ہوئے داغوں کو دور کیا اسی طرح حضرت ہارون سے اس تہمت کی پرزور الفاظ میں تردید کر دی۔

لــه حضرت موسیٰ نے سمجھا کہ شاید ہارون نے ان کو سمجھانے میں کوتاہی کی اور انھیں اس کھلی گمراہی سے باز رکھنے کا فریضہ انجام نہیں دیا اس لیے بڑے خشمناک لہجہ میں ان سے مخاطب ہوئے۔

ٹـه اب سامری کی باری آئی اس سے پوچھا ظالم تو نے یہ کیا گل کھلایا میری ساری کی ساری قوم کو اپنے خداوند سے بیگانہ کر کے ایک بچھڑے کا پجاری بنا دیا۔

لــه یہ شخص کون تھا، کہاں کا رہنے والا تھا۔ اس کی تحقیق ضروری ہے تاکہ عیسائی مبلغین اور مستشرقین نے قرآن حکیم پر جو نازیبا اعتراض کیا ہے اس کا جواب دیا جا سکے۔ وہ کہتے ہیں کہ لفظ سامری میں جو نسبت ہے یا تو سامریہ کی طرف ہو گی جو دولت اسرائیل کا پایہ تخت تھا یا اس قبیلہ کی طرف ہو گی جو اسرائیلی قبائل اور غیر اسرائیلی لوگوں کے اختلاط سے معرض وجود میں آیا اور جس نے سامری کے نام سے شہرت پائی۔ اس کے علاوہ اور کوئی تیسرا احتمال نہیں لیکن یہ دونوں احتمال سرے سے غلط ہیں کیونکہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا ہے اور سامریہ کا شہر کئی سو سال بعد ۹۲۵ قبل مسیح میں آباد ہوا۔ دوسرا احتمال اس سے بھی بعید تر ہے کیونکہ اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کے باہمی ازدواج اور اختلاط سے جو سامری قبیلہ معرض وجود میں آیا تھا وہ سامریہ کی تعمیر سے بھی کئی صدیاں بعد معرض وجود میں آیا تھا اس لیے کسی ایسے شخص کو سامریہ یا سامری کی طرف منسوب کر کے سامری کہنا جو حضرت موسیٰ کا ہم عصر ہو (نعوذ باللہ) قرآن کے مصنف کی جہالت کا یقینی

ثبوت ہے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں :۔

"شاید ان مدعیان علم و تحقیق کا گمان یہ ہے کہ قدیم زمانے میں ایک نام کا ایک ہی شخص یا قبیلہ یا مکان ہوا کرتا تھا اور ایک نام کے دو یا زائد اشخاص یا قبیلے و مکان ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہ تھا۔ حالانکہ سمیری قدیم تاریخ کی ایک نہایت مشہور قوم تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں عراق اور اس کے آس پاس کے علاقوں پر چھائی ہوئی تھی اور اس بات کا بہت امکان ہے کہ حضرت موسیٰ کے عہد میں اس قوم یا اس کی کسی شاخ کے لوگ سامری کہلاتے ہوں پھر خود اس سامریہ کی اصل کو بھی دیکھ لیجئے جس کی نسبت سے شمالی فلسطین کے لوگ بعد میں سامری کہلانے لگے۔"

بائیبل کا بیان ہے کہ دولت اسرائیل کے فرمانروا عمری نے ایک شخص سمر نامی سے وہ پہاڑ خریدا تھا جس پر اس نے بعد میں اپنا دارالسلطنت تعمیر کیا اور چونکہ پہاڑ کے سابق مالک کا نام سمر تھا اس لیے اس شہر کا نام سامریہ رکھا گیا۔ (سلاطین ۱ باب ۱۶ آیت ۲۴)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سامریہ کے وجود میں آنے سے پہلے سمر نام کے اشخاص پائے جاتے تھے اور ان سے نسبت پا کر ان کی نسل یا قبیلے کا نام سامری اور مقامات کا نام سامریہ ہونا کم از کم ممکن ضرور تھا۔

(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ ۱۳۱، ۱۳۲)

سامری کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے مولانا ابو الکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں :۔

"قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا السامری کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ یہ نام نہیں ہے اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا سامری تھا۔"

اس سے چند سطور آگے چل کر مولانا آزاد لکھتے ہیں :۔

"بہرحال سمیری قبائل کا اصلی وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے السامری کے لفظ سے یاد کیا ہے۔"

(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۴۶۴، ۴۶۵)

محترم مولانا دریا آبادی نے ایک نئی چیز بیان کی ہے۔ لکھتے ہیں :۔

بعض جدید محققین کا خیال ہے کہ قدیم مصری زبان میں سر کہتے ہیں پردیسی، اجنبی، غیر ملکی، پردیسی کو۔ سامری سے مراد ہے کوئی شخص جو غیر اسرائیلی تھا اور مصر سے اسرائیلیوں کے ساتھ ہو گیا تھا۔ (تفسیر ماجدی سورہ طٰہٰ) یہ لکھنے کے

بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ

نہ دیکھی تھی پس میں نے بھر لی مٹھی رسول کی سواری کے نشان قدم کی خاک سے پھر اسے ڈال دیا اس ڈھانچہ میں اور اسی

لِيْ نَفْسِيْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ

طرح آراستہ کر دی میرے لیے میرے نفس نے یہ بات۔ آپ نے فرمایا دفع ہو جا پس تیرے لیے اس زندگی میں یہ سزا ہے کہ تو کہتا پھرے گا مجھے کوئی ہاتھ نہ لگائے

جب میں نے لسان العرب کی طرف رجوع کیا۔ وہاں جو مرقوم ہے اس کے مطالعہ سے وہ بنیاد ہی منہدم ہو جاتی ہے جس پر مستشرقین اور معترضین کے اعتراض کا انحصار ہے۔ السامرۃ قبیلۃ من قبائل بنی اسرائیل قوم من الیہود یخالفونہم فی بعض دینہم الیہ نسب السامری الذی عبد العجل الذی سمع لہ خوار۔

(لسان العرب ج ۴ ص ۳۷۸ طبع بیروت)

یعنی بنی اسرائیل کے متعدد قبائل میں سے ایک قبیلہ کا نام السامرۃ ہے اور جس شخص نے بچھڑے کی پوجا شروع کی وہ اس قبیلہ کا فرد تھا اسی نسبت سے اسے سامری کہا گیا ہے۔ صاحب تاج العروس نے بھی اسی قسم کی تشریح کی ہے۔

۴۱؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے استفسار پر سامری نے جو جواب دیا وہ اس آیت میں مذکور ہے لیکن آیت کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ تمام قدیم مفسرین اس آیت کی اس توجیہ پر متفق ہیں کہ سامری نے عرض کی کہ میں نے ایک دفعہ جبریل کو دیکھا کہ وہ گھوڑی پر سوار ہیں۔ وہ گھوڑی جہاں قدم رکھتی ہے خشک گھاس سرسبز ہو جاتی ہے۔ میں نے خیال کیا کہ اس گھوڑی کی خاک قدم میں حیات بخش اثر ہے۔ میں نے وہاں سے ایک مٹھی بھری اور حفاظت سے اپنے پاس رکھ لی۔ اب جب آپ طور پر گئے اور آپ کی واپسی میں تاخیر ہوئی تو مجھے یہ سوجھی کہ زیورات کو گلا کر ایک بچھڑے کا ڈھانچہ بنایا اور اس میں یہ مٹی ڈال دی جس سے اس میں زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور اس سے آواز نکلنے لگی۔ لیکن ابومسلم اصفہانی نے جمہور علماء تفسیر کے برعکس اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا ہے جسے امام رازی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا اور اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کئی وجوہات بیان کیں۔ علامہ ابی حیان اندلسی نے بھی اس قول کو بحر محیط میں ذکر کیا اور اس کی تردید نہیں کی۔ علامہ نیشاپوری نے بھی اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا اور اس کی تغلیط نہیں کی۔ ابومسلم نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ بصرت بما لم یبصروا بہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بتائے ہوئے حقائق کی صداقت کو بنی اسرائیل نے تسلیم کر لیا تھا لیکن وہ مجھے صحیح معلوم نہ ہوئے۔ اور میں ان کی تصدیق نہ کر سکا کیونکہ میں اس قوم کا فرد تھا جو گائے کی پرستش کیا کرتی تھی۔ اپنے آبائی عقائد اس کے ذہن میں سرایت کیے ہوئے تھے اس لیے عقیدۂ توحید کو اس کا درست نہ سمجھنا بعید از قیاس نہ تھا۔ قال بصرت بما لم یبصروا بہ ای عرفت ان الذی انتم

وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهُ ۚ وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ

اور بیشک تیرے لیے ایک اور وعدہ (عذاب) بھی ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی اور (ذرا) دیکھ اپنے اس معبود کی طرف جس پر تو جم کر

علیہ لیس بحق فقبضت قبضۃ من اثر الرسول کا مطلب اس نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کی صحبت میں کچھ عرصہ رہنے سے میں نے آپ کے نظریات میں سے بعض کو تسلیم کر لیا تھا۔ فنبذتہا۔ لیکن جب میں نے ان میں مزید غور و فکر کیا تو ان کو بھی رد کر دیا وکذلک سولت لی نفسی یہ سب کچھ میں نے از خود کیا ہے کسی کے ورغلانے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ اور جب آپ کے دین کی صداقت پر میرا ایمان نہ رہا تو آپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے آپ کی قوم کو آپ کے دین سے منحرف کرنے کی یہ تدبیر کی اور میں کامیاب رہا۔ اکثر متاخرین نے ابومسلم کی اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔

لیکن مولانا محمودی نے اس توجیہ پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اگر اس طرح قرآنی جملوں کو مختلف معانی کا لباس پہنایا جانے لگا تو یہ کتاب محض اور پہیلیوں کی کتاب بن جائے گی۔ اس کی عربی مبین ہونے کی صفت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسی طرح انھیں قدما مفسرین کی توجیہ سے بھی اتفاق نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سامری کے اس جواب کا صداقت سے کوئی واسطہ نہ تھا بلکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سرزنش کی اور اس کی اس حرکت کی وجہ پوچھی تھی اس نے جھوٹ موٹ ایک جواب گھڑ کر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔

ابومسلم اصفہانی نے جب قدماء کے مسلک سے اختلاف کیا تو اس نے اس کی یہی وجہ بتائی کہ قرآن سے اس مسلک کی توثیق نہیں ہوتی۔ اگر یہی بات کوئی اصفہانی سے پوچھے کہ آپ کی تاویل کی تصدیق قرآن کی کس آیت سے ہوتی ہے تو شاید انھیں خاموشی اختیار کرنا پڑے اور مولانا کا یہ ارشاد کہ قرآن یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ فی الواقع ایسا ہوا تھا بجا لیکن قرآن یہ بھی تو نہیں کہہ رہا کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ سامری نے جھوٹ بولا تھا۔ اور اگر سامری نے جھوٹ بولا ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام صاف فرماتے کہ تم جھوٹ بک رہے ہو۔ تمہارے اس جواب کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اگر پہلی دو توجیہوں میں سے کسی کو قرآن کریم کی تائید حاصل ہوتی تو تسلیم کرنے میں کوئی حرج نہ تھا لیکن اگر انھیں یہ تائید میسر نہیں تو پہلی توجیہ کو صرف اس لیے رد کر دینا کہ اس کی توثیق کسی آیت سے نہیں ہوتی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ قدماء کا مسلک ہی اسلم اور اسلم معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

۵۳ آپ نے اس کو اپنے گروہ سے خارج کر دیا اور سب کو تاکید کر دی کہ اس کے ساتھ نشست و برخاست اور بول چال، لین دین سب بند کر دیں۔ اور اس کے دل میں بھی لوگوں سے وحشت اور نفرت پیدا ہو گئی۔ جنگل میں اسی طرح تنہا مارا مارا گھومتا رہا۔ یہاں تک کہ مر گیا۔ فکان فی البریۃ طریدا وحیدا کالوحشی النافر حتی مات۔

(مظہری)

عَلَيْهِ عَاكِفًا ۖ لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٩٧﴾ إِنَّمَا

بیٹھا رہا اس کا کیا حشر ہوتا ہے، ہم اسے جلا ڈالیں گے پھر ہم بکھیر کر بہا دیں گے اس کو سمندر میں ۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمہارا معبود تو

إِلَٰهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿٩٨﴾ كَذَٰلِكَ

صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں ؎ گھیر رکھا ہے اس نے ہر چیز کو اپنے علم سے ۔ یونہی ہم

نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ آتَيْنَاكَ مِن لَّدُنَّا

بیان کرتے ہیں ؎ آپ سے خبریں ان لوگوں کی جو پہلے گزر چکے ۔ اور ہم نے مرحمت فرمایا ہے آپ کو اپنی جناب سے ایک

ذِكْرًا ﴿٩٩﴾ مَّنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وِزْرًا ﴿١٠٠﴾

پند نامہ ۔ جو شخص روگردانی کریگا اس سے تو وہ اٹھائے گا قیامت کے دن ایک بوجھ ۔

خَالِدِينَ فِيهِ ۖ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴿١٠١﴾ يَوْمَ يُنفَخُ فِي

یہ لوگ ہمیشہ اس بوجھ کے نیچے دبے رہیں گے اور بہت تکلیف دہ ہوگا ان کے لیے روز قیامت یہ بوجھ ۔ جس روز پھونکا جائے گا

الصُّورِ ۚ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿١٠٢﴾ يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ

صور میں اور ہم جمع کریں گے ؎ مجرموں کو اس دن اس حال میں کہ ان کی آنکھیں نیلی ہونگی ۔ چپکے چپکے آپس

؎ آخر میں آپ نے فرمایا کہ یہ رب نہیں جسے سامری نے ڈھالا ہے اس جیسے تو سینکڑوں اور ڈھالے جا سکتے ہیں بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو وحدہ لا شریک ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں جس کا علم اتنا وسیع ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے عیاں ہے۔

؎ یہی واقعہ بائیبل میں بھی مذکور ہے اور قرآن میں بھی۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ کرنے سے آپ کو یقین ہو جائے گا کہ قرآن میں بیان شدہ واقعہ کی ہر ہر آیت میں لقد آتیناک منا ذکرا کا نور چمک رہا ہے۔

؎ وقوع قیامت اور مجرمین کے قبروں سے اٹھنے کا بیان ہو رہا ہے کہ جب وہ اٹھیں گے تو خوف و ہراس کی وجہ سے ان کی آنکھیں نیلی ہو چکی ہوں گی۔ آنکھوں کی سیاہی غائب ہو چکی ہوگی۔ عرب نیلی آنکھ کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے بدشگونی کی علامت سمجھتے ہیں۔ والعرب تتشاءم بزرق العيون وتذمه۔ (قرطبی)

إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾ نَّحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ

میں کہیں گے کہ نہیں ٹھہرے تم دنیا میں مگر دس دن ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب سے زیادہ زیرک

طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ

کہے گا کہ نہیں ٹھہرے ہو تم مگر صرف ایک دن۔ اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں تو فرمائیے

يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿١٠٥﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿١٠٦﴾ لَّا تَرَىٰ فِيهَا

اڑا دے گا انھیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے پھر بنا چھوڑے گا اس پہاڑی جگہ کو کھلا ہموار میدان نہ نظر آئے گی تجھے اس میں

عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿١٠٧﴾ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَخَشَعَتِ

کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ۔ اس روز سب لوگ پیروی کریں گے پکارنے والے کی جس کی دعوت سے کوئی انحراف نہیں کر سکے گا اور خاموش ہو جائیں گی

الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ

سب آوازیں رحمٰن کے خوف سے پس تو نہ سنے گا ان کے قدموں کی آہٹ کے سوا۔ اس دن نہیں نفع دے گی کوئی سفارش

۞ تخافت کا معنی ہے رازداری سے چپکے چپکے باتیں کرنا۔ جب ہولناکیاں قیامت دیکھیں گے تو دنیا کی طویل زندگیاں بھول جائیں گے۔ عیش و سرور کی لمبی راتیں، خوشی اور نشاط کے لیے دن یکسر فراموش کر دیں گے اور کہیں گے کہ ہمارا قیام تو دنیا میں بڑا مختصر تھا۔ ہم صرف دس دن وہاں ٹھہرے اور پھر نکال دیے گئے اور جو ان میں سے بڑا ہوشمند اور سیانا ہو گا وہ انھیں کہے گا ہم وہاں دس روز کب ٹھہرے تھے ہمارا قیام تو وہاں ایک روز و شب سے زیادہ نہ تھا۔

۞ کفار کو جب بتایا جاتا کہ قیامت کے روز ہر چیز زیر و زبر اور سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا تو وہ فوراً اعتراض جڑ دیتے کہ یہ اونچے اونچے پہاڑ جو بلندی میں آسمان سے باتیں کر رہے ہیں یہ کہاں جائیں گے۔ اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔ ان آیات کے مشکل الفاظ کی تشریح: نسف، نسفا۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ابن الاعرابی کہتے ہیں۔ یقلعها قلعا من اصولها ثم یصیرها رملا یسیل سیلا ثم یصیرها کالصوف المنفوش تطیرها الریاح هكذا وهكذا۔ یعنی انھیں جڑوں سے اکھیڑ کر ریت کی طرح پھیلا دے گا پھر دھنی ہوئی اون کے گالوں کی طرح ہوائیں انھیں اڑا کر لے جائیں گی اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ القاع۔ المستوى من الارض۔ ہموار میدان۔ صفصفا: الذي لا نبات فيه۔ چٹیل میدان جس میں کوئی چیز اگی ہوئی نہ ہو۔ عوجا: کجی، موڑ جس طرح پہاڑوں کا بل

الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾ يَعْلَمُ

سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن نے اجازت دی اور پسند فرمایا ہو اس کے قول کو (ا) وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ

ان کے آنے والے حالات کو اور ان کے گزرے ہوئے اوقات کو اور لوگ نہیں احاطہ کر سکتے اس کا اپنے علم سے (ب) اور فرط نیاز

الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ

جھک جائیں گے سب لوگوں کے چہرے اللہ حی و قیوم کے سامنے (ج) اور نامراد ہوا جس نے لاد لیا اپنے (سر پر) ظلم (کا بار گراں) اور جو شخص

کھلا ہوا ہموار ہوتا ہے۔ الامت: البناء وهي انتقال الصغار واخذها بثلث ای هي ارض مستویة لا انخفاض فيها ولا ارتفاع یعنی الامتة کا معنی ہے چھوٹے چھوٹے ٹیلے مطلب یہ ہے کہ جہاں آج اونچے پہاڑ اور گہری وادیاں ہیں وہ جگہ بالکل ہموار کر دی جائے گی اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوگا۔ ھمسًا۔ مدھم آواز، پاؤں کی آہٹ کو بھی ھمس کہتے ہیں۔

لے یہ مضمون کئی بار گزر چکا ہے یعنی قیامت کے روز یہ نہیں ہوگا کہ جس کا جی چاہے گا اٹھ کر شفاعت کرنے لگے گا بلکہ اس روز وہی شخص شفاعت کرنے کی جرأت کرے گا جسے پہلے بارگاہ رب العزت سے اس کا اذن مل چکا ہوگا جیسے انبیاء، اولیاء، صلحاء وغیرہم اور انہی کے حق میں شفاعت کی جائے گی جن کا کلمہ شہادت عند اللہ مقبول ہو اور جو بے ایمان ہو کر مرے گا اس کے لیے کوئی شفاعت نہیں ہوگی۔

ٹہ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ لکھتے ہیں یعنی تمام کائنات کا علم ذات الٰہی کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اس کی ذات کا ادراک علوم کائنات کی رسائی سے برتر ہے وہ اپنے اسماء و صفات اور آثار قدرت و تجلیات حکمت سے پہچانا جاتا ہے۔ مه

کجا دریابد او را عقل چالاک — کہ او بالاتر است از حد ادراک

نظر کن اندر اسماء و صفاتش — کہ واقف نیست کس از کنہ ذاتش (خزائن العرفان)

ترجمہ: عقل چالاک اللہ تعالیٰ کو کس طرح پا سکتی ہے کیونکہ وہ فہم و ادراک کی حد سے بہت بلند ہے تو اگر اس کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات کمال میں غور و فکر کر۔ کیونکہ کوئی شخص اس کی ذات کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

سلہ بڑے بڑے مطلق العنان بادشاہ، فاتحین عالم، سرکش رؤسا و امراء قیامت کے روز جب خداوند ذوالجلال کے حضور میں حاضر ہوں گے تو ان کی گردنیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان کے چہروں پر عاجزی اور درماندگی کے آثار نمودار ہو رہے ہوں گے۔ کوئی دم نہیں مار سکے گا۔

يَعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

کرتا ہے نیک اعمال اور وہ ایمان دار بھی ہو تو اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا اور نہ حق تلفی کا

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

اور اسی طرح ہم نے اتارا اس کتاب کو قرآن عربی زبان میں اور طرح طرح سے بیان کیں اس میں گناہوں کی سزائیں

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ

تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں یا پیدا کر دے یہ قرآن ان کے دلوں میں یہ سمجھ۔ پس بالا و برتر ہے اللہ جو سچا بادشاہ ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ

اور نہ عجلت کیجیے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی اور دعا مانگا

۱۱۲؎ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس کی حدیث نقل کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم کو نبوت کے ابتدائی ایام میں نزول وحی کے وقت بڑی شدت کا سامنا کرنا پڑتا۔ جبرائیل کی زبان سے نکلتا اس کی طرف بھی پوری توجہ ازبس ضروری تھی اور جو وہ سناتے اس کا یاد رکھنا بھی از حد اہم تھا۔ توجہ کو ادھر سے ہٹایا جا سکتا تھا نہ وحی کو فراموش کرنے کا خطرہ برداشت کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ جبرائیل جو کلام الٰہی سناتے حضور اسے پورے انہماک اور توجہ سے سنتے بھی اور ساتھ ہی ساتھ اسے زبان سے دہراتے بھی۔ دونوں بوجھوں کا بیک وقت متحمل ہونا گراں اور شاق ضرور تھا لیکن نبوت کی نازک ذمہ داریوں کے پیش نظر اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو یہ فرما کر آسان کر دیا کہ اے محبوب! جبرائیل جب میرا کلام پڑھ کر تمہیں سنائے تو آپ سنتے رہیے اور یہ فکر نہ کیجیے کہ بھول جائے گا اسے یاد کرا دینا اور اس کے معانی و مطالب سے آگاہ کر دینا ہم نے اپنے ذمے لیا ہے۔ آپ کو اس کے لیے متردد اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حصول علم کا عام طریقہ تو یہی ہے کہ استاد جو کہے شاگرد اسے توجہ سے سنتا بھی جائے اور ساتھ ساتھ اسے ذہن میں محفوظ بھی کرتا جائے لیکن رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات نرالے ہیں۔ وہ بغیر مشقت کوئی نعمت عطا فرما دے تو یہ اس کا کرم ہے۔

میں نے جب عصر حاضر کے ایک مشہور مصنف کی تفسیر میں یہ پڑھا تو انتہائی دکھ ہوا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرتے اور زبان سے دہرانے کی کوشش فرما رہے ہونگے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار ہٹ جاتی ہوگی سلسلۂ اخذ

رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَ

کہیے میرے رب! اور زیادہ فرما میرے علم کو ۔ اور ہم نے حکم دیا تھا آدم کو اس سے پہلے کہ وہ اس درخت کے قریب نہ جائے سو وہ بھول گیا

ذہن میں خلل واقع ہو رہا ہے کہ پیغام کی سماعت پر توجہ پوری طرح مرکوز نہ ہو رہی ہوگی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کو پیغام وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے۔"

ایک سطر آگے چل کر لکھتے ہیں :

"ابتدائی زمانہ میں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اخذ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی آپ سے کئی مرتبہ یہ فعل سرزد ہوا ہے۔" (تفہیم القرآن صفحہ ۱۲۹ جلد سوم)

میرے جیسا مبتدی بہرحال اس عبارت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وصول وحی کے لیے حضور کی یہ حرص اور شفقت حضور کا کمال اور احساس ذمہ داری کا ثبوت تھا یا وجہ نقص تھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس کا محض احسان اور لطف تھا یا کسی غلطی کی اصلاح اور کوتاہی کی تلافی تھی؟ کیا نبوت اور اس کے لوازمات وہبی ہیں یا کسبی اور عادت سے حاصل ہوتے ہیں؟ یہ چیزیں غور طلب ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۱۲؎ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں قال ابن عیینۃ رحمۃ اللہ علیہ لم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی زیادۃ حتی توفاہ اللہ عزوجل یعنی اس دعا کی برکت سے تادم واپسیں حضور کے علم میں اضافہ اور زیادتی ہوتی رہی۔ وقیل ھذا اشارۃ الی العلم اللدنی (روح المعانی)

ترجمہ: علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ اس میں علم لدنی کی طرف اشارہ ہے اور علم لدنی اسے کہا جاتا ہے جو کسبی نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی دین ہو۔

علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے :-

"در لطائف قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ مذکور است کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ علم طلبید او را حوالہ بخضر کردند و بے طلب پیغمبر ما را صلی اللہ علیہ وسلم دعائے زیادتی علم بیاموخت و حوالہ بغیر خود نہ کرد تا معلوم شود کہ آنکہ در مکتب ادب "أَدَّبَنِي رَبِّي" سبق وقل رب زدنی علما خواندہ باشد بر آئینہ در درسگاہ "وعلمك ما لم تكن تعلم" نکتہ "فعلمت علم الاولين والآخرين" بگوش ہوش مستفیدان حقائق ہشیار تواند رسانید" ؎

علمہائے انبیاء و اولیاء   در دلش رخشندہ چوں شمس الضحیٰ

خالی کاموز گار شش حق بود   علم او بیس کامل مطلق بود

ترجمہ:- لطائف قشیری رحمۃ اللہ میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے علم کی زیادتی کا سوال کیا، تو انھیں خضر کے حوالے کر دیا گیا اور ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بن مانگے زیادتی علم کی دعا سکھادی اور اپنے سوا کسی کی طرف کسب علم کے لیے جانے کی اجازت نہ دی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ وہ ہستی جس نے ازلی ربّ کے مکتب میں وقل رب زدنی علما کا سبق پڑھا ہے وہ علّامہ عالم بشکن تعلم کی درسگاہ میں حقائق اشیاء کی جستجو کرنے والوں کے گوش ہوش میں فعلمت علم الاولین والآخرین کا نقطہ پہنچا سکتا ہے۔

ترجمہ اشعار رومی:- تمام انبیاء اور اولیاء کے علوم آپ کے قلب مبارک میں چاشت کے سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ وہ عالم جس کا استاد حق تعالے ہو اس کے علم کے کمال کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔

آخری سطروں کی وضاحت ضروری ہے تاکہ عام تعلیم یافتہ حضرات بھی اس سے لطف اندوز ہو سکیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ ۔ میرے ربّ نے مجھے ادب سکھایا ہے اور خوب سکھایا ہے۔ گویا یہ وہ مدرسہ ہے جس میں حضور نے تعلیم حاصل کی ہے اور اس مدرسہ کا پہلا سبق یہ ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ یعنی ہر وقت یہ دعا مانگو کہ اے میرے رب میرے علم میں مزید اضافہ فرما۔ یہ مدرسہ جس کا یہ پہلا سبق ہے۔ اس کے فیض سے حضور کو عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کا مرتبہ نصیب ہوا۔ یعنی اے حبیب جو آپ پہلے نہیں جانتے تھے ہم نے آپ کو سکھادیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حقائق اشیاء کی تلاش کرنے والوں کے کانوں تک حضور کا یہ اعلان پہنچا فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ ۔ یعنی تعلیم الٰہی سے مجھے پہلے لوگوں کا علم بھی حاصل ہوگیا اور بعد میں آنے والے لوگوں کا علم بھی حاصل ہوگیا۔

کلیم موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ موسیٰ کو جن لوگوں سے واسطہ پڑا تھا وہ بدکار اور گمراہ لوگ تھے لیکن ان کی گمراہی اور بدکاری میں عناد، سرکشی اور نافرمانی کا رنگ بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنی سرکشیوں پر فخر کرتے تھے۔ غرور و نخوت سے ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں۔ ظلم و ستم کی روش کو ترک کرنے کے لیے انھیں بارہا نصیحتیں کی گئیں مگر ہر بار عصیان و فسوق کا جذبہ ان میں تیز ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غضب الٰہی جوش میں آیا اور سمندر کی موجیں انھیں اور ان کے جاہ و جلال کو تنکوں کی طرح بہا لے گئیں۔ قصہ آدم میں بھی لغزش کا وقوع ہے۔ حکم الٰہی کی بجا آوری میں کمی کوتاہی تھی۔ لیکن اس لغزش اور کوتاہی میں رعونت اور تکبر کا کوئی نشان نہ تھا۔ بھولے سے ایسی راہ پر قدم اٹھ گئے تھے جہاں جانے سے اللہ تعالے نے صاف طور پر منع کیا تھا۔ حکم عدولی یقیناً ہوگئی تھی لیکن نافرمانی کا قصد ہرگز نہ تھا۔ قصور بلاشبہ سرزد ہوگیا تھا لیکن قصور وار بن کر سامنے آنے کا ارادہ موجود نہ تھا۔ جب متنبہ کیا گیا تو بار ندامت سے گردن دوہری ہوگئی۔ شدت غم سے دل پھٹنے لگا۔ احساس گناہ سے آنسوؤں کے دریا بہنے لگے۔ فرط حیا سے آسمان کی طرف نگاہ تک نہ اٹھ سکتی تھی اس لیے قدرت کا

لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور نہ پایا ہم نے اس لغزش میں اس کا کوئی قصد ۔ اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

(سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ بجا لانے سے انکار کر دیا ۔ اور ہم نے فرمایا اے آدم! بیشک یہ تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجہ کا بھی سو ایسا نہ ہو)

سلوک آدم علیہ السلام سے وہ نہ تھا جو فرعون سے کیا گیا۔ زبان قدرت نے خود عذر بیان کر دیا فرمایا فنسی ولم نجد له عزما۔ آدم نے یہ غلطی دانستہ نہیں کی بلکہ بھولے سے بلا ارادہ یہ خطا ہو گئی۔ پھر عفو و درگزر سے کام لیکر صرف خطا بخشی پر ہی بات ختم نہیں ہوئی بلکہ رحمت کردگار اور آگے بڑھی اور شکستہ خاطر، وقف حزن وملال اور مصروف آہ و بکا آدم کو اٹھایا اور اپنے دست کرم سے سر پر ثم اجتبٰه ربه کا چمکتا دمکتا نورانی تاج رکھ دیا۔ اسی سورۃ کی آیت ۱۲۲ ملاحظہ ہو۔

اس واقعہ کو ذکر کر کے اپنے بندوں کو بتا دیا کہ اگر بشری کمزوری کی وجہ سے یا جذبات کی شدت سے مجبور ہو کر کوئی گناہ کر بیٹھو تو سرکشی کی راہ اختیار نہ کرو ورنہ تمہارا حشر وہی ہوگا جو فرعون کا ہوا۔ بلکہ توبہ و انابت کو اپنا شعار بناؤ۔ تمہارے ساتھ وہی کریمانہ برتاؤ کیا جائے گا جو توبہ اور انابت کے راستہ پر چلنے والے ہر راہرو کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ قصہ آدم اس سے پہلے بھی کئی بار گزر چکا اور اس کے بعد بھی مختلف سورتوں میں اس کا بیان آئے گا۔ اس قصہ کے کئی پہلو ہیں۔ سیاق وسباق کی موافقت میں ہر جگہ اس واقعہ کے اسی پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے جس کا نمایاں کرنا وہاں ضروری ہے لیکن بیشتر تکرار کے باوجود اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ ضیاء القرآن جلد اول میں سورۃ البقرہ کی آیات ۳۰ تا ۳۹ کے حواشی نیز سورۃ الاعراف کی آیات ۱۱ تا ۲۵ کے حواشی ملاحظہ ہوں یہاں فقط کلمات کی تشریح اور توضیح پر اکتفا کیا جائے گا:

اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ النسیان ترك الانسان ضبط ما استودع اما لضعف قلبه واما عن غفلة واما عن قصد ... وکل نسیان من الانسان ذمه الله تعالی به فهو ما کان اصله عن تعمد۔ (مفردات)

یعنی نسیان کا معنی ہے انسان کا اس چیز کو محفوظ نہ رکھنا جو اسے ودیعت کی گئی اس کی وجہ کبھی دل کی کمزوری کبھی غفلت ہوتی ہے اور کبھی قصداً بھی انسان کسی چیز کو اپنے دل سے محو کر دیتا ہے اور یہی نسیان اللہ کے نزدیک مذموم ہے۔

عزم کے معنی عقد القلب علی امضاء الامر کسی کام کے کرنے کا تہیہ کر لینا۔ آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے جو حکم عدولی ہوئی اس میں ان کے عزم کا دخل نہیں کہ آپ نے اپنے ارادہ اور مرضی سے اس درخت کا پھل کھایا ہو۔

يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَ

کہ وہ نکال دے تمھیں جنت سے شہ اور تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ بیشک تمھارے لیے یہ ہے کہ تمھیں نہ بھوک لگے گی یہاں اور

لَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ

نہ تم ننگے ہو گے۔ اور تمھیں نہ پیاس لگے گی یہاں اور نہ دھوپ ستائے گی۔ پس شیطان نے ان کے دل میں

الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

وسوسہ ڈالا شہ اس نے کہا اے آدم! کیا میں آگاہ کروں تمھیں ہمیشگی کے درخت پر اور ایسی بادشاہی پر جو کبھی زائل نہ ہو

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ

سو انھوں نے دونوں نے کھا لیا اس (درخت) سے تو ظاہر ہو گئیں ان پر ان کی شرمگاہیں اور وہ چپکانے لگے اپنے (جسم) پر

دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ حکم الٰہی پر ثابت قدم رہنے کی آپ میں ہمت نہ تھی۔ شیطان نے جب دل میں وسوسہ ڈالا تو آپ فوراً اس کے فریب میں آ گئے اگرچہ بعض حضرات نے آیت کے اس مفہوم کو ترجیح دی ہے لیکن اس احقر کے نزدیک پہلا معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ فنسی کا لفظ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وقیل معنی الآیۃ لم نجد له عزماً ای قصداً علی اکل الشجرۃ بل اکل ناسیاً (مظہری) یعنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے قصداً اس درخت کا پھل نہیں کھایا بلکہ بھول کر کھا بیٹھے۔

شہ آدم علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ ابلیس تمہارا اور تمہاری زوجہ کا خطرناک دشمن ہے۔ تمہاری عزت اور سرفرازی دیکھ کر یہ آتش حسد میں جل رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کوئی چکمہ دے اور تم پھنس جاؤ۔ تمہیں جنت کی نعمتوں سے محروم کر دے گا۔ فتشقی اور تم مشقت میں مبتلا ہو جاؤ گے کیونکہ یہاں تو ہر چیز تیار ملتی ہے اگر یہاں سے نکال دیے گئے تو پھر ایک لقمہ منہ میں ڈالنے کے لیے محنت کرنی پڑے گی پھر بھی یہ بہار نصیب نہ ہوگی۔ المراد بالشقاء التعب فی طلب المعاش۔ (مظہری)

شقاء سے مراد وہ کلفت اور تھکن ہے جو کسب معاش کے باعث انسان محسوس کرتا ہے۔ یہاں تشقی کا لفظ شقاوت اور بدبختی کے معنی میں مستعمل نہیں ہوا۔

شہ شیطان اپنی فریب کاری سے باز نہ آیا اور ناصح مشفق بن کر بہلانا شروع کر دیا اور کہا کیا میں آپ کو ایک ایسا درخت دکھاؤں جس کا پھل کھانے سے موت کا تو شائبہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا اور تمہیں لازوال بادشاہی مل جائے گی۔

وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ

جنت کے درختوں کے پتے۔ اور حکم عدولی ہوئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا پھر (اپنے قرب کے لیے) چن لیا انھیں ان کے رب نے

فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور توجہ فرمائی ان پر اور ہدایت بخشی۔ حکم ملا دونوں اتر جاؤ یہاں سے اکٹھے تم ایک دوسرے کے دشمن

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ

ہوگے۔ پس اگر آئے تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو نہ وہ بھٹکے گا

غَوٰی کا معنی ہے ضل عن المقصود یعنی جس مقصد کے لیے انھوں نے اس درخت کا پھل کھایا کہ ہمیشہ زندہ رہیں گے وہ مطلب حاصل نہ ہوا۔ اور ابن الاعرابی نے کہا کہ غوٰی کا معنی ہے فسد علیہ عیشہ انھوں نے اپنی زندگی کا عیش و آرام خود خاک میں ملا دیا۔ راحت و آرام کی جگہ مشقت و محنت مقدر میں لکھ دی گئی۔ امام لغت اسمٰعیل بن حماد الجوہری کی الصحاح دیکھنے کا موقع ملا تو سارے وسوسے دور ہو گئے۔ لفظ غوٰی کی تحقیق کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ غوٰی کا معنی صرف گمراہ ہونا نہیں جیسا کہ ہم عام طور پر خیال کرتے تھے بلکہ اہل زبان اسے دو معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ (۱) گمراہ ہونا۔ (۲) حصول مقصد میں ناکام ہونا۔ الغی، الضلال والخیبة ایضاً (الصحاح)

اس تحقیق کی روشنی میں ہم یہاں دوسرا معنی لیں گے کیونکہ یہی یہاں مناسب ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدم علیہ السلام نے بھول کر یہ کام کیا تھا تو پھر عصیٰ آدم (کہ آدم نے نافرمانی کی) کے الفاظ ان کے متعلق کیوں کہے گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین

ترجمہ:۔ نیک لوگوں کی نیکیاں بسا اوقات مقربین بارگاہ الٰہی کی سیئات شمار کی جاتی ہیں۔

خطا اور نسیان پر اگرچہ انسان سے مؤاخذہ نہیں ہوگا اور انسان عذاب کا مستحق قرار نہیں پائے گا۔ لیکن خواص کا معاملہ اور ہے۔ ان سے ترک اولیٰ پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے۔ ؎

بود آدم دیدۂ نور قدیم — موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

رومی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نور قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی پڑ جائے تو وہ کوہ عظیم کی طرح ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں گمراہ ہونے سے بچائے گا اور قیامت کے دن عذاب الیم سے محفوظ رکھے گا۔

وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ

اور نہ بدنصیب ہوگا۔ اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کے لیے ١٢١ زندگی کا جامہ تنگ کر دیا جائیگا اور

نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ

ہم اسے اٹھائینگے قیامت کے دن اندھا کرکے ١٢٢ وہ کہیگا اے میرے رب! کیوں اٹھایا ہے تو نے مجھے نابینا کرکے میں تو پہلے

كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ

بالکل بینا تھا۔ ١٢٣ اللہ تعالیٰ فرمائیگا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں تو تو نے انہیں بھلا دیا تھا اسی طرح آج تجھے بھی

١٢١ ضنکا مصدر ہے اس کا معنی تنگ ہونا۔ یہاں یہ معیشۃ کی صفت واقع ہوا ہے اور جب مصدر صفت واقع ہو (جیسے زیدٌ عدلٌ) تو مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے مذکر اور مؤنث دونوں کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جو شخص ذکر الٰہی سے منہ موڑتا ہے اور احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے۔ وہ دولت اور ثروت کے انبار جمع کر لینے کے باوجود جاہ و جلال کے بلند ترین مناصب پر فائز ہونے کے باوجود اطمینان قلب کی نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اس کے دسترخوان پر لذیذ ترین کھانے چنے جاتے ہیں۔ وہ بیش قیمت لباس زیب تن کیے ہوتا ہے لیکن اس کا دل اداس، روح بے چین اور طبیعت افسردہ رہتی ہے۔ سچی خوشی سے وہ کبھی بہرہ مند نہیں ہوتا۔ دن رات دولت یا اقتدار کے حصول میں سرگرداں رہتا ہے پھر اس کی حفاظت کی فکر ہر وقت دامنگیر رہتی ہے۔ وہ حرام اور ناجائز ذرائع استعمال کرنے سے باز نہیں آتا۔ اس طرح اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا ہے اور یہ ملامت بڑی شدید اور دل گداز قسم کی ہوتی ہے۔ وہ خود اپنی آنکھوں میں مجرم ہوتا ہے۔ اس کے دامن کے بدنما داغ اسے ہر وقت کچوکے دیتے ہیں۔ ای ضنکا فی الدنیا فلا طمانینۃ لہ ولا انشراح لصدرہ بل صدرہ ضیق حرج لضلالہ وان تنعم ظاہرہ ولبس ما شاء واکل ما شاء ۔ ۔ ۔ ۔ فہو فی قلق و حیرۃ وشک ۔ ۔ ۔ ۔ فہذا من ضنک المعیشۃ۔ بعض علماء نے اس سے مراد عذاب قبر لیا ہے۔

١٢٢ یہ سزا تو دنیا میں تھی اور جب روز محشر اٹھے گا تو اندھا ہو کر اٹھے گا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا محسوس ہوگا۔ دوسری آیت میں ہے ونحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا وبکما وصما۔ (بنی اسرائیل: ٩٧) یعنی ہم انہیں قیامت کے دن انکے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے گونگے اور بہرے۔

١٢٣ اپنے آپ کو اندھا پاکر کہے گا الٰہی میں تو دنیا میں بینا تھا میری آنکھیں بڑی خوب صورت تھیں۔ میری بینائی بڑی تیز تھی۔ آج کیا ہو گیا مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ آخر مجھے اتنی سخت سزا کیوں دی جا رہی ہے۔

تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ

کر دیا جائے گا آج اور یونہی ہم بدلہ دیتے ہیں اس شخص کو جس نے حد سے تجاوز کیا اور ایمان نہ لایا اپنے رب کی آیتوں پر۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿١٢٧﴾ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

اور یقیناً آخرت کا عذاب بڑا سخت اور بہت دیرپا ہے۔ کیا رہنمائی نہیں کی انھیں اس بات نے کہ کتنی قومیں ہم نے ہلاک کر دیں ان سے پہلے

مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي

جن کے مسکنوں میں اب یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں۔ بے شک اس میں (اللہ کی قدرت کی) بہت نشانیاں ہیں اہل عقل

النُّهٰى ﴿١٢٨﴾ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

کے لیے۔ اور اگر ان کے انجام کے متعلق آپ کے رب کا فیصلہ پہلے نہ ہو چکا ہوتا اور ایک وقت مقرر نہ کیا گیا ہوتا تو ابھی ان پر

۱۲۶ جواب ملے گا تم درست کہتے ہو لیکن تمہیں یاد ہے میری آیتیں تجھے پڑھ کر سنائی گئیں، ہدایت کی دعوت دی گئی سمجھنے والوں نے تجھے سمجھانے کی بڑی کوشش کی لیکن تو نے میری آیات کو فراموش کر دیا اور انھیں پس پشت ڈال دیا۔ سو یہ اسی کی سزا ہے۔ یہاں آج تمہیں فراموش کر دیا گیا ہے۔ نسیٰ کا معنی بھلانا بھی ہے اور نظر انداز کر دینا بھی۔ یہاں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔ نسیتها: فاعرضت عنها وترکتها۔ تنسٰی۔ تترك۔

۱۲۸ ذکر آخرت کے بعد اب روئے سخن کفار مکہ کی طرف ہے۔ وہ تجارت پیشہ لوگ تھے اور آئے دن انھیں سفر درپیش رہا کرتے کبھی شام کی طرف جا رہے ہیں اور کبھی یمن کے سفر کی تیاری ہو رہی ہے۔ اثنائے سفر ان کا گزر کئی اجڑی ہوئی بستیوں اور ویران کھنڈروں کے پاس سے ہوا کرتا تھا۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ ان اجاڑ بستیوں اور ویران کھنڈروں کے پاس سے گزرتے ہوئے تم نے کبھی نہیں سوچا کہ یہاں بھی کبھی لوگ بستے تھے۔ یہ بستیاں بھی زندگی کی رنگینیوں سے آباد تھیں۔ آج یہاں کیوں خاک اڑ رہی ہے۔ یہاں بسنے والے لوگوں پر یہ کیا افتاد پڑی کہ اپنے خوبصورت مکانوں کو چھوڑ کر چلے گئے اور کہاں چلے گئے۔ اگر تم نے کبھی زحمت فکر برداشت کی ہوتی تو تمہیں پتہ چل جاتا کہ انھوں نے خداوند تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انھیں برباد کر دیا گیا۔ سوچو! اگر تم بھی باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی انہی کی طرح عبرتناک نہ ہو۔

۱۲۹ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ ولولا کلمة سبقت من ربك واجل مسمی لكان لزاما۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم نے ایک فیصلہ محکم نہ کر دیا ہوتا اور ان کے عذاب کے لیے وقت مقرر نہ ہوتا تو ابھی انھیں برباد کر دیا جاتا لیکن رحمت اور حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ انھیں فوراً ہلاک نہ کیا جائے۔ وہ فیصلہ محکم کیا تھا اس کے متعلق علامہ پانی پتی فرماتے

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

فرمائیے ان پر جو کہتے ہیں اے حبیب! صبر فرمائیے ان کی دل آزار باتوں پر اور پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ سورج کے طلوع ہونے سے

وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ

پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔ اور رات کے لمحوں میں اس کی پاکی بیان کرو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ آپ

تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ

خوش رہیں۔ اور آپ مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو

ہیں۔ وھی العلۃ بتاخیر عذاب کفار ھذہ الامۃ الی یوم القیامۃ وعدم استیصالھم فی الدنیا لکون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین۔ (مظہری)

یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا تھا اس لیے یہ مناسب نہ ہوا کہ کافروں کو تہس نہس کر ڈالا جائے بلکہ قیامت تک انھیں مہلت دے دی۔

اے حبیب! ان کی دلآزاریوں، بہتان طرازیوں اور بیہودہ گوئیوں پر صبر فرمائیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح میں مشغول رہیے۔ ہم آپ کو خوش و خرم فرما دیں گے۔ اسلام کو وہ عروج حاصل ہوگا کہ آپ کا دل باغ باغ ہو جائیگا۔ یہ بہکے ہوئے جانوروں کی طرح دور بھاگنے والے آپ کی روشن کی ہوئی شمع ہدایت پر پروانہ وار نثار ہوں گے۔ ان کی ساری خوشیاں اور آرزوئیں اس بات میں سمٹ کر رہ جائیں گی کہ تیرے اشارۂ ابرو پر جان دے دیں اور تیرے قدموں پر اپنے سر قربان کر دیں۔ اس آیت میں نمازوں کے اوقات کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قبل طلوع سے مراد نماز صبح اور قبل غروب سے مراد نماز عصر۔ آناء اللیل سے مراد نماز عشاء اور تہجد اور اطراف النہار سے مراد ظہر اور مغرب۔

داعی حق کے لیے یہ چیز بھی بڑی تشویش کا باعث ہوتی ہے کہ جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور فسق و فجور میں مگن رہتے ہیں اور اگر انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ الٹا ناصح مشفق کی پگڑی اچھالتے ہیں اور اس کی توہین پر تلے رہتے ہیں پھر بھی ایسے لوگوں کی دولت و ثروت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ان کی ہیبت اور رعب کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے وہ انکار حق کے باوجود دندناتے پھرتے ہیں کمزور انسان سوچنے لگتا ہے کہ اگر یہ گمراہ ہوتے تو قدرت ان سے تغافل نہ برتتی۔ ان کو اتنی لمبی مہلت نہ ملتی کہیں یہی راہ راست پر نہ ہوں۔ اس آیت میں اپنے محبوب کو خطاب فرما کر سب اعیان حق کو بتا دیا کہ دنیا کا یہ ساز و سامان جو کفار کو دیا گیا ہے اس کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے مت دیکھو۔ یہ دولت ان کے راہ راست پر ہونے کا انعام نہیں بلکہ ان کی آزمائش کو سنگین اور ان کے امتحان کو دشوار بنانے کے لیے ہے۔

زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

یہ محض زیب و زینت ہیں دنیوی زندگی کی (ہم نے دی ہیں) تاکہ ہم آزمائیں انہیں ان سے۔ اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔلُكَ رِزْقًا ۭ نَحْنُ

والی ہے ۔ اور حکم دیجئے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور خود بھی پابند رہیے اس پر ۔ ہم نہیں سوال کرتے آپ سے روزی کا (بلکہ) ہم ہی

ذرا آیت کی ترکیب پر غور فرمایئے اگر "ازواجا" کو "متعنا" کا مفعول بنایا جائے تو "منھم" اس کی صفت ہوگی۔ معنی ہوگا "ازواجا ای اصنافا من الکفرۃ" یعنی کافروں کے مختلف گروہ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ "ازواجا" حال ہو اور "بہ" کی ضمیر ذوالحال اس وقت "منھم" "متعنا" کا مفعول "بہ" ہوگا اور من بعضیہ ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی "ماتمتعنا بہ بعضھم حال کون المتمتع بہ اصنافا من الاصناف" اور "زھرۃ الحیوۃ" فعل محذوف اعطیناھم کا مفعول ہوگا اور اگر اسے "متعنا" کا مفعول بنایا جائے تو اس وقت یہ ماننا پڑے گا کہ "متعنا" "اعطینا" کے معنی کو متضمن ہے۔ زھرۃ الحیوۃ الدنیا : زینتھا وبھجتھا یعنی دنیا کی آرائش و رونق۔

۱۳۱ آپ اس دنیائے فانی کے ساز و سامان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں ہی کیوں۔ آپ کے پروردگار نے اپنے حبیب کو جو پاکیزہ اور حلال روزی اور نور ہدایت جو سعادت نبوت اور جو مراتب عالیہ آپ کو عطا فرمائے ہیں ان کے سامنے اس مال و متاع کی قدر و قیمت ہی کیا ہے۔ یہ بہار آج نہیں تو کل خزاں کی نذر ہو جائے گی۔ یہ سیم و زر کے انبار ایک ہی معاشی بحران میں ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ یہ بزم طرب عشرت کے ایک ہی جھٹکے سے درہم برہم ہو کر رہ جائے گی۔ لیکن تیرے باغ حسن کی بہار سے مہکتا دل ہمیشہ ہمیشہ کھلتے رہیں گے۔ تیرے کمالات کا چمن ہمیشہ ہمیشہ آراستہ رہے گا۔ تیرے فیض کا چشمہ تا ابد جاری رہے گا۔ جس محفل میں پیارا ذکر ہوگا وہاں تیری منقبت کے قصیدے ہی مترنم پڑھے جائیں گے تیری عظمت کا پرچم سربلند لہراتا رہے گا۔ ورزق ربک خیر وابقی بار بار پڑھیے اور اس میں بار بار غور کیجئے۔

۱۳۲ نماز خزانہ رحمت کی کلید ہے۔ اس کے گلشن رضوان کا دروازہ ہے جس میں جاتے ہی وقت انسان کی ہر ہر پہلی آیت میں اقامت صلوٰۃ کا حکم صرف اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے اے محبوب جتنے تیرے ہیں سب کو ہماری بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کرنے کا اذن عام ہے جو تیرے دامن رحمت میں پناہ لینے والے ہیں سب کو بتا دو کہ آپ کے رب کے فیض و عطا کے چشمے جاری ہیں کوئی پیاسا نہ رہے، کوئی سراب دنیا کے پیچھے مارا مارا نہ پھرے۔ اے تشنہ لبو! جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں ہو دوڑ کر آؤ میرے رب کے ابر رحمت کی گھٹائیں تمہاری منتظر ہیں۔ یہاں اہل سے مراد حضور کے سارے غلام حضور کی ساری امت ہے۔ خانوادہ رسالت بطریق اولیٰ اس حکم میں شامل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خاتون جنت اور شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نماز کے

نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

روزی دیتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاری کا ہی ہوتا ہے ۔ اور کفار کہتے ہیں کہ یہ نبی کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس کوئی نشانی

لیے خود بیدار کرتے تھے۔

افسوس! کہ آج سادات کرام کی ایک کثیر تعداد کو اس حکم کی اہمیت کا احساس تک نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں گویا نماز ایک بیگار او رسزا تھی جو انھیں معاف کر دی گئی۔ کاش ان غریب خوردہ شاہین بچوں کو جنھیں کرگسوں کی صحبت نے اپنے مقام سے بیگانہ کر دیا ہے، نماز کی حقیقت کا علم ہوتا تو وہ اس میدان میں سب سے آگے ہوتے۔ جس طرح ان کے اسلاف کرام اس میدان میں سب سے آگے اور سب کے راہنما تھے۔

یہی حال عام مسلمانوں کا ہے ہم صبح سے شام تک بازاروں میں کاروبار کرتے، کھیتوں میں مشقت کرتے چودہ چودہ گھنٹے سرگرمی سے کام کریں گے اور کوئی تھکن محسوس نہ کریں گے لیکن اگر اسی اثنا میں نماز کا وقت آ جائے اور اللہ تعالیٰ کا منادی حی علی الصلوٰۃ کہہ کر پکارے تو فوراً اعضا شکنی شروع ہو جائے گی۔ تھکاوٹ سے چور چور ہو جائیں گے۔ ہم نے اپنے خاکروبوں کو عین جاڑے کے موسم میں سحری کے وقت گلی کوچوں میں پابندی سے جھاڑو دیتے دیکھا ہے۔ نہ اس وقت انھیں نیند ستاتی ہے اور نہ سردی راستہ روک کر کھڑی ہوتی ہے لیکن یہ توفیق کہ قبولیت کی ان قیمتی گھڑیوں میں وضو کر کے اپنے رب کی جناب میں سجدہ کریں تو یہ تو بڑی ہمت سے نہیں ہو سکے گا یہ زحمت وہ گوارا نہیں کر سکیں گے۔ ماشاء اللہ۔ اس کی بھی یہی اور صرف یہی وجہ ہے کہ ہم نماز کو ایک بوجھ ایک بیگار سمجھتے ہیں! وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ ایک سزا ہے جو ہمیں مسلمان ہونے کے جرم میں دی گئی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو ذہن نشین کر لیں کہ نماز سے رحمتوں کے دروازے کھلتے ہیں ابر کرم آ کر برستا ہے مصیبتوں کے سیلاب کے سامنے جو بند مضبوط ہے تو یقیناً ہم ایسا نہ کریں جو ہم کرتے ہیں۔ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ۔۔۔ ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لیکن جب ہم نے اپنے آپ کو اپنا رازق سمجھ لیا ہے اور رزق رسانی کی ذمہ داری اپنے ذمے لی ہے تو اس وقت ہم اس پیچ میں سرگرداں ہیں۔ دن رات ہمیں فرصت کا کوئی ایسا لمحہ نہیں ملتا جس میں ہم اپنے خالق و مالک کو یاد کر لیں۔ اس غلط فہمی کا قرآن میں بار بار ازالہ کیا گیا ہے اور یہاں بھی بتایا جا رہا ہے کہ تم رازق نہیں ہو۔ نہ اپنے نہ اپنے بال بچے کے اور نہ کسی اور کے۔ رزق رسانی کا بوجھ اپنے اوپر لے کر تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو۔ رازق تو میں ہوں جو تمہارا خالق ہوں۔ میرے قبضۂ قدرت میں ہی رزق کے سارے خزانے ہیں۔ میں تمہیں بھی روزی دیتا ہوں اور تمہارے اہل و عیال کو بھی پالتا ہوں۔ تم ان دھندوں میں پھنس کر اپنی عمر عزیز برباد نہ کرو بلکہ اپنے انجام کی فکر کرو۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من كانت الدنيا همه فرق الله عليه امره وجعل فقره بين عينيه ولم ياته من الدنيا الا ما كتب له ومن كانت الآخرة نيته جمع له امره وجعل غناه في قلبه

أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم

اپنے رب کے پاس سے کیا ان کے پاس نہیں آیا واضح بیان جو پہلی نازل شدہ کتابوں میں ہے اور اگر ہم انہیں ہلاک کر دیتے

بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ

کسی عذاب سے اس سے پہلے تو کہتے اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے

آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ﴿١٣٤﴾ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا

تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے۔ آپ فرمائیے ہر شخص (انجام کا) منتظر ہے

فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾ ع ۸ ۱۷

سو تم بھی انتظار کرو۔ تم عنقریب جان لو گے کون ہیں سیدھی راہ پر چلنے والے اور کون ہدایت یافتہ ہیں

والتہ الدنیا وھی راغمۃ (ابن کثیر) یعنی میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ جس کے پیش نظر صرف دنیا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو مضطرب کر دیتا ہے اور احتیاج و فقر ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے اور اتنی تگ و دو کاوش کے باوجود اسے دنیا میں سے اتنا کچھ ہی ملتا ہے جو اس کے مقدر میں پہلے لکھا جا چکا تھا۔ اور جو شخص آخرت کا طلب گار رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حالات کو یکجا کر دیتا ہے اور اس کے دل کو غنی بنا دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے سامنے آتی ہے۔

اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھ لیں کہ کسب معاش سے روکا جا رہا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ کسب معاش کا تو اللہ اور اس کے رسول نے بار بار حکم دیا ہے اور رزق حلال کو فضل خداوندی کہا گیا ہے۔ وابتغوا من فضل اللہ جو چیز ممنوع ہے وہ یہ ہے کہ انسان دنیا کمانے میں ایسا کھو جائے کہ حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جائے اور نماز و زکوٰۃ کی توفیق سے بھی محروم ہو جائے۔

۱۳۳ صبح و شام انہیں آیات خداوندی سنائی جا رہی ہیں قدم قدم پر معجزے دکھائے جا رہے ہیں ہدایت کی روشنی ہر سو پھیل رہی ہے اس کے باوجود کہتے ہیں کہ آج تک کوئی ایسی نشانی نہ دکھائی گئی جس سے آپ کا سچا نبی ہونا ثابت ہوتا ورنہ ہم فوراً ایمان لاتے۔

۱۳۴ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہماری پہلی کتابیں ایسے دلائل سے بھری پڑی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی توحید اسلام کی صداقت اور حضور کریم کی نبوت ثابت ہوتی ہے پھر اس قرآن کے نزول کے بعد کیا کسی ایسی نشانی کی ضرورت باقی ہے جس کے تم منتظر ہو۔ ۱۳۵ ان کی ساری بحث بازیوں کا مختصر مگر فیصلہ کن جواب اس آیت میں دے دیا گیا ہے۔ الحمد للہ ربنا ورب الملائکۃ والروح والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ نور قلوبنا وقرۃ عیوننا وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

تعارف سورۃ الانبیاء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام: کیونکہ اس سورۃ میں بہت سے انبیاء کرام کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس سورۃ کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

نزول: یہ سورت تمام مکی ہے اس میں ۷ رکوع ۱۱۲ آیتیں ۱۱۶۸ کلمے اور ۴۸۹۰ حروف ہیں۔

مضامین: جہاں بھی کفر و شرک کی ظلمت چھا جاتی ہے وہاں زندگی کے متعلق انسان کا تصور بھی مسخ ہو کر رہ جاتا ہے اس کے فکر کی قوتیں اپاہج ہو جاتی ہیں وہ اپنی ان اپاہج قوتوں کے سہارے فقط وہاں تک ہی قدم بڑھا سکتا ہے جہاں تک اس کے حواس ظاہری رسائی اور مشاہدہ کی سرحد ہے وہ کسی آنے والی زندگی کا تصور تک نہیں کر سکتا اسے لاکھ سمجھایا جائے اس کے سامنے دلائل کے انبار لگا دیئے جائیں وہ اس حقیقت کو باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا کیونکہ اخروی زندگی پر اس کا ایمان نہیں ہوتا اس لیے اس کی ساری کوششیں اس زندگی سے زیادہ سے زیادہ لطف اندوز ہونے دولت سمیٹنے اور عزت و اقتدار حاصل کرنے میں صرف ہو جاتی ہیں حصول مطالب کا صواب ناصواب جائز ناجائز اور حلال و حرام کی تمیز بھی اٹھ جاتی ہے۔ خواہشات نفسانی کی تسکین کے لیے وہ دوسروں کی عزت و ناموس کو پامال کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ اپنے ناقوس کبر کی خاطر وہ بڑے اطمینان قلب سے لوٹ کھسوٹ میں سرگرم ہو جاتا ہے اگر مسند اقتدار پر قبضہ کرنے کے لیے انسانی جانوں کی اخلاقی قدروں کی اور شائستگی و خداوندی کی قربانی دینا پڑے تو وہ اس سے بھی باز نہیں آتا۔

یہی حالت عہد نبوت کے کفار و مشرکین کی تھی اور آج بھی جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان نہیں رہا۔ وہاں بھی حال ہے خواہ وہاں کے لوگ اپنی سائنسی اور صنعتی ترقی سے قدم قدم پر نئے کرشمے دکھا رہے ہوں۔

اس لیے اس سورۂ پاک کے آغاز میں پوری قوت سے ان کے اس فکری افلاس اور ذہنی بے راہ روی کو دور کرنے کی کوشش فرمائی جا رہی ہے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے جن قوموں نے یہ روش اختیار کی تھی ان کے دردناک انجام کی داستان تم ان کھنڈرات کے شکستہ در و دیوار سے پوچھ سکتے ہو جو تمہاری تجارتی شاہراہوں کے ادھر ادھر بکھرے ہیں وہ قومیں بتائیں گے کہ یہاں بسنے والے بھی تمہاری طرح قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے وہ دنیا کی لذتوں میں مگن ہو گئے انہیں سمجھانے والوں نے بہتیرا سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے آخر کار غضب الٰہی کی آگ بھڑکی اور اس نے انہیں چاروں طرف سے اپنی لپیٹ

میں مبتلا رہیں تو بہت کوسے بہت بھاگے بہت چیخے بہت چلائے لیکن وہ اپنے انجام بد سے بچ نہ سکے۔ اسے کفار تم ان کے حالات سے عبرت پکڑو ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں گزر جانے کے بعد تم بھی اسی ہولناک انجام سے دوچار کر دیے جاؤ۔

۲۔ اس کے بعد توحید باری کے ثبوت کے لیے تکوینی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلیلیں بھی پیش کر دیں تاکہ انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش ادھوری اور نامکمل نہ رہے۔

۳۔ فرشتوں کے متعلق ان کے غلط عقیدہ کا بطلان کیا کہ وہ خدا کی اولاد نہیں بلکہ اس کے معزز بندے ہیں جو ہر وقت اس کی یاد، اس کی بندگی اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔

۴۔ اس ضمن میں توحید، نبوت اور آخرت کے بارے میں مشرکین کے شکوک و شبہات کو بیان کیا اور بڑے حکیمانہ انداز میں ان کی تردید بھی کر دی۔

۵۔ اس کے بعد چند جلیل القدر انبیاء اور اولو العزم رسولوں کی سیرتیں بیان فرمائیں تاکہ راہ نورد منزل تسلیم و رضا اگر کسی مشکل سے دوچار ہو تو حوصلہ ہار نہ دے شکستہ دل ہو کر بیٹھ نہ جائے بلکہ ان پاکیزہ ہستیوں کی سیرت کے مطالعہ سے تقویت حاصل کر کے آگے بڑھتا جائے۔

۶۔ سورت کے آخری رکوع میں ایک بار پھر اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ جو شخص نیکی اور پرہیزگاری کی راہ پر صدق و اخلاص سے گامزن ہوگا وہ پھلے پھولے گا اور کامیاب ہوگا۔ اس کی کوئی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی۔ یہ لوگ روز حشر کی ہولناکیوں سے بھی خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ اس روز فرشتے مرحبا، خوش آمدید! کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور جو بدبخت اپنی غلط کاریوں پر بضد رہے اور سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے تو انہیں ان کے معبودوں سمیت دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

اختتام سورت سے پہلے قرآن کی شان اور صاحب قرآن کی عظمت کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین یعنی یہ وہ کتاب ہے جس میں دین و دنیا میں فلاح و کامرانی حاصل کرنے کے قاعدے مذکور ہیں جس کے بعد کسی اور نظام حیات کی دریوزہ گری کی ضرورت نہیں۔ انسانی ہدایت کے لیے یہ کتاب ہی تمام ضروریات کے لیے کافی ہے اور صاحب قرآن کے متعلق فرمایا۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین کہ ہم نے آپ کو سب جہانوں کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ قوم جس کی یہ شان ہے اور جس کے نبی کا یہ مقام ہے۔

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَاءِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَاثْنَتَا عَشْرَةَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الانبیاء مکی ‏ ‏ ١١٢ آیتیں ‏ ‏ ٧ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①

قریب آ گیا ہے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

١ انسان کی فطرت سعید ہے اس لیے بھلائی اور نیکی کو پسند کرتا ہے اور حق کو قبول کر کے اس کو اطمینان اور خوشی ہوتی ہے۔ لیکن اگر غلط تربیت، بگڑے ہوئے ماحول یا جاہلانہ عادات کے تقاضوں کے پیش نظر وہ راہ راست سے بھٹک جاتا ہے تو اس کی سعید فطرت بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ اس کا ضمیر اسے سرزنش کرتا ہے اور یہ سرزنش بڑی تلخ اور تیز ہوتی ہے۔ پھر یا تو انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو پھر دل سے اٹھنے والی پیہم صدائے احتجاج کو خاموش کرنے کے درپے ہو جاتا ہے اور اس کی طرف سے غفلت برتنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ آواز خاموش ہو جاتی ہے یا اس آواز کو سننے والے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس طرح وہ گناہ میں لذت محسوس کرنے لگتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے ظلم کی تلوار سے تڑپتے دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے اور غفلت و نسیان کا پردہ اتنا دبیز ہوتا ہے کہ اس کی آنکھیں انجام کی ہولناکیوں کو بھی نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کی غفلت اس کے لیے بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے اور وہ بڑے اطمینان سے ہر گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ غفلت اور خود فراموشی اسے ہولناک انجام سے بچا سکتی ہے جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو کیا اسے کوئی ایسا گوشہ مل سکے گا جہاں وہ چھپ جائے اور اس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ اس لیے خیر خواہی کا تقاضا یہ نہیں کہ آپ غفلت کی چادر تان کر سو رہے ہوں خطرات کا گھیرا تنگ ہو رہا ہو اور اسی حال سے آپ کو بے خبر چھوڑ دیا جائے کہ آپ کی آنکھ کھلے گی اور اپنے احوال کی سنگینی کا مشاہدہ کر کے آپ پریشان ہوں گے بلکہ خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو جگایا جائے، آپ کو جھنجھوڑا جائے اور اگر پھر بھی آپ آنکھ نہ کھولیں تو غفلت کی چادر نوچ کر پھینک دی جائے تاکہ بر وقت ہوشیار ہو کر آپ اپنا بچاؤ کر سکیں۔

اس آیت میں کفار کی بعینہ یہی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ غفلت کی آغوش میں بے سدھ ہو کر سو گئے ہیں تاکہ انہیں ضمیر کی سرزنش بے چین نہ کر دے تاکہ وہ اپنے اعمال کے بھیانک انجام سے باخبر ہو کر مضطرب نہ ہوں لیکن اس سے کیا حاصل، حساب کی گھڑی تو رفتہ رفتہ نزدیک تر آ رہی ہے۔ مکافات عمل کا قانون حرکت میں آنے والا ہے

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَ

نہیں آتی انکے پاس کوئی تازہ نصیحت ان کے رب کی طرف سے [۲] مگر یہ کہ وہ سنتے ہیں اسے اس حال میں کہ (وہ)

هُمْ يَلْعَبُونَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ

کھیل میں لگے رہتے ہیں۔ غافل ہوتے ہیں ان کے دل [۳] اور آپس میں خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں ظالم [۴]۔

ظَلَمُوا ۖ هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ

(وہ کہتے ہیں) کیا ہے یہ مگر ایک بشر تمھاری مانند۔ تو کیا تم فریفتہ ہونے لگے ہو جادو کے حالانکہ تم دیکھ رہے ہو

اے محبوب! ان کو بتاؤ۔ ان خود فراموشوں کو ہوش میں لاؤ۔ ان کی آنکھوں سے غفلت کی پٹی اتار دو کہ یہ اپنی نجات کا بروقت اہتمام کرسکیں۔ الغفلۃ سھو یعتری الانسان من قلۃ التحفظ والتیقظ۔ (المفردات)

کیونکہ جو وقت گزر چکا ہے اس کی نسبت سے بقیہ وقت کم ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اقترب للناس۔ نیز جس چیز کا ہونا یقینی ہو خواہ وہ دور ہو عقلمند اسے نزدیک ہی سمجھتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں "کل ما ھو آت قریب" ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی ہو وہ قریب ہے۔

[۲] "محدث" ذکر کی صفت ہے یعنی جب بھی کوئی نئی سورۃ یا آیت ان کی ہدایت کے لیے اترتی ہے تو اسے توجہ سے سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوتے۔ اس پر سنجیدگی سے غور ہی نہیں کرتے۔ لہو و لعب میں مگن رہتے ہیں! اور اگر انھیں خصوصیت سے سنانے کا اہتمام بھی کیا جائے تو وہ سننے کے ساتھ کھیل تماشے کا شغل بھی جاری رکھتے ہیں۔ ھم یلعبون کا معنی یستھزئون (یعنی وہ مذاق کرتے ہیں) کیا گیا ہے! اور یہ بڑا مناسب ہے۔ (مظہری)

[۳] ان کلمات کی صحیح اہمیت کا پتہ تب چلتا ہے جب لہو کا لغوی مفہوم پیش نظر ہو کسی اہم اور ضروری چیز سے توجہ ہٹا کر کسی غیر اہم اور غیر ضروری چیز میں مشغول ہو جانا۔ اللھو ما یشغل الانسان عما یعنیہ ویھمہ وقولہ لاھیۃ قلوبھم ای ساھیۃ مشتغلۃ بما لا یعنیھا۔ یعنی یوم حساب تو انھیں یاد ہی نہیں اس کے متعلق فکر کرنے کا تو انکے پاس وقت ہی نہیں۔ اسے بھلا کر ان کے دل دنیا کی زیب و زینت میں کھو کر رہ گئے۔

[۴] ہدایت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے اس کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلتی جا رہی ہے۔ وہ بڑی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھیں کہ ابھی سویرا نہیں ہوا ابھی اندھیری رات ہے لیکن کہاں تک۔ آئے دن کوئی نہ کوئی سعادت مند روح دعوت حق کو لبیک کہہ دیتی ہے! اسلام کے خلاف ان کے متعدد محاذوں میں جگہ جگہ خطرناک قسم کے رخنے اور شگاف نمودار ہو رہے ہیں۔ اس خطرہ کا تدارک کرنے کے لیے وہ ایک دوسرے سے خفیہ

تُبْصِرُوْنَ ﴿٣﴾ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

حالانکہ یہ تمھاری طرح بشر ہے اور نبی کریم نے فرمایا میرا رب جانتا ہے ہر بات جو کہی جاتی ہے آسمان اور زمین میں ۵

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٤﴾ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ

اور وہی ہر بات سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے بلکہ کہتے ہیں ۶ بلکہ یہ پریشان خواب ہیں (نہیں) بلکہ

شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں کو اسلام سے بدظن کرنے کے لیے حیلے تراشے جاتے ہیں اور اعتراض گھڑے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک سنگین قسم کا اعتراض یہ ہے کہ یہ دین سچا دین نہیں کیونکہ اس کا داعی بالکل ہماری طرح بشر ہے۔ کھاتا ہے، پیتا ہے سوتا ہے جاگتا ہے۔ معاً ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی نے پوچھ لیا کہ یہ نبی نہیں تو اس سے معجزات کیوں صادر ہوتے ہیں اور اس کا کلام جسے وہ خدا کا کلام کہتا ہے اسے سن کر روح پر جذب و کیف کا عالم کیوں طاری ہو جاتا ہے اور اس کے جلال سے دل کیوں کانپ اٹھتے ہیں۔ اس خلش کا ازالہ وہ یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔ کھلا حساب ہے یہ سب معجزے جادو کا کرشمہ ہیں اور اس کلام کی تاثیر بھی سحر کی مرہون منت ہے اس لیے اپنی جان بوجھ کر اس جادو کا اتباع نہیں کرنا چاہیے۔ افتأتون السحر وانتم تبصرون۔

یہاں ذرا ایک نحوی پیچیدگی ہے اس پر بھی غور فرما لیجیے۔ واسروا النجوی الذین ظلموا کے فقرہ میں اسروا فعل ہے نجوی مفعول اور الذین فاعل اور نحو کا قاعدہ یہ ہے کہ فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل واحد ہوتا ہے۔ اس قاعدے کے مطابق اسر النجوی ہونا چاہیے تھا۔ فاعل ظاہر ہونے کے باوجود اسروا جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اسروا میں واؤ ضمیر جمع نہیں بلکہ علامت جمع ہے تاکہ اسروا کا لفظ سنتے ہی سننے والے کو پتہ چل جائے کہ اس کا ایک فاعل نہیں بلکہ متعدد ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ واؤ ضمیر جمع فاعل ہے اور الذین فاعل نہیں بلکہ واؤ کا بدل ہے اور واؤ مبدل منہ ہے جیسے ثم عموا وصموا کثیر منهم میں گزر چکا ہے۔

۵ تم یہ کس سے چھپ چھپ کر سرگوشیاں کر رہے ہو میرے رب سے؟ میرے رب سے تو تمھاری کوئی بات راز نہیں وہ تمھاری زبان پر آنے والی باتوں کو بھی سنتا ہے اور تمھارے دلوں کے وسوسوں کو بھی جانتا ہے۔

۶ قرآن کے دلائل قاہرہ نے کفر و شرک کے ایوان کے یقین کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قرآن کی تاثیر اور آفتاب اسلام کی تابانی ناقابل انکار حقیقت بن کر سامنے آ گئی ہے۔ اس کا انکار کریں تو کیسے اس کی تاویل کریں تو کیا۔ اس لیے ایک متذبذب آدمی کی طرح ہر لحظہ اپنا موقف تبدیل کرنے پر مجبور ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے۔ کبھی کہتے ہیں یہ پریشان خواب ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ خدا کا کلام ہرگز نہیں خود گھڑا ہے اور خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے تاکہ لوگ مرعوب ہو کر ماننے لگیں کیونکہ ان تاویلوں کی لغویت ان پر عیاں ہے اس لیے کہیں بھی قدم نہیں جمتے آخری تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے کہ شاعر

افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ ۝

اس نے خود گھڑ لیا ہے اسے بلکہ یہ شاعر ہے ٭ (اگر وہ سچا نبی ہے) تو لے آئے ہمارے پاس کوئی نشانی جس طرح بھیجے گئے تھے پہلے انبیاء ٭

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا ۖ أَفَهُمْ

نہیں ایمان لائی ان سے پہلے کوئی بستی ٭ جسے ہم نے تباہ کیا تھا تو کیا اب یہ لوگ

يُؤْمِنُونَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ

ایمان لے آئیں گے۔ اور نہیں رسول بنا کر بھیجا ہم نے (اے حبیب!) آپ سے پہلے مگر مردوں کو ٭ ہم نے وحی بھیجی ان کی

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ

طرف پس (اے منکرو!) پوچھو اہل علم سے اگر تم (خود حقیقت حال کو) نہیں جانتے۔ اور نہیں بنائے ہم نے ان انبیاء کے

جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ۝ ثُمَّ

(ایسے) جسم کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ (اس دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے

٭ شاعر: ای ھم متحیرون لا یستقرون علی شیء قالوا مرۃ سحر و مرۃ اضغاث احلام و مرۃ افتراء و مرۃ شاعر۔ (قرطبی)

٭ اگر یہ نبی ہوتا تو پہلے انبیاء کی طرح کوئی اپنا معجزہ دکھاتا۔ نہ ہاتھ میں عصا ہے اور نہ آستین میں ید بیضا اور آگئے ہیں یہ بھی اپنی نبوت کا قائل کرنے۔ بے چارے اپنے مضطرب دلوں کو کس کس طرح جھوٹی تسلیاں دے رہے ہیں۔

٭ اس میں ان کے آخری اعتراض کا جواب ہے۔ یعنی پہلے انبیاء پر بھی ان کے معجزات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود ان کی قومیں ایمان نہ لائیں۔ اسی طرح یہ بھی دلائل و بینات کے آجانے میں قبول حق سے انکار کر رہے ہیں۔

٭ کفار کے اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ آپ بشر ہیں، اس لیے نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ فرمایا ہماری سنت یہی ہے۔ آج تک بنی نوع انسان کی طرف جتنے انبیاء بھیجے گئے وہ انہی کے ہم جنس تھے کیونکہ افہام و تفہیم کا مقصد اسی طرح پورا ہو سکتا ہے۔ اگر نبی فرشتہ ہوتا تو اس کے آنے کی دو صورتیں تھیں۔ اگر وہ اپنی ملکوتی شکل میں آتا تو تم اس کی ہیبت سے دم توڑ دیتے اور اگر انسانی صورت میں آتا تو پھر تم وہی اعتراض کرتے کہ یہ ہماری طرح بشر ہے۔ تمہیں کون سمجھاتا کہ یہ بشر نہیں فرشتہ ہے۔ اس لیے سنت الٰہی یہی ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کسی انسان کو

صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا

سچا کر دکھایا انھیں (ہم نے) وعدہ (جو ہم نے ان سے کیا تھا) ۱۰ پس ہم نے نجات دی انھیں اور ان لوگوں کو بھی جن کو ہم نے

الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ

(چاہا) اور ہم نے ہلاک کر دیا حد سے بڑھنے والوں کو۔ بیشک ہم نے اتاری ہے تمھاری طرف ایک کتاب جس میں تمھارے لیے نصیحت ہے ۱۱

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً

کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور کتنی بستیاں ہم نے برباد کر دیں (کیونکہ) وہ ظالم تھیں ۱۲

کی بھی بنا کر مبعوث فرمایا جاتا ہے۔ اگر تمھیں اس میں شک ہے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ اہل ذکر سے مراد یا تو کتب سابقہ کے علما ہیں اور یا اس سے مراد اہل اللہ اور عارفین ہیں۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا نحن اهل الذكر۔ (قرطبی) یعنی ہم اہل ذکر ہیں ہم سے پوچھو۔ ہم تمھیں حقائق سے باخبر کریں گے۔

۱۰ پہلے انبیا کے ساتھ ان کی قوموں نے وہی معاملہ کیا جو تم نبی الانبیاء سے کر رہے ہو۔ انھوں نے بھی اپنے انبیا کو دکھ پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور ہم نے اپنے نبیوں کے ساتھ نصرت و اعانت کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کیا۔ ان کے دشمن ہلاک ہو گئے اور آخری کامیابی انھی کے حصہ میں آئی۔

۱۱ ذکر کا معنی یہاں عزت و شرف بھی کیا گیا ہے۔ والمراد بالذكر ههنا الشرف اور واقعی اس سے بڑھ کر امت محمدیہ کی عزت افزائی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں صاحب قرآن بنایا۔ الحمد للہ۔

۱۲ بدکار اور سرکش قوموں پر جب عذاب آتا ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی ہے۔ حسرت و ندامت سے وہ کس طرح ہونٹ کاٹتے ہیں اور اپنی غفلتوں پر کس طرح پچھتاتے ہیں۔ مزید برآں بعد از وقت ندامت کا جو انجام ہوتا ہے ان آیات میں ان کا نقشہ موثر پیرایہ میں ذکر فرمایا۔

مشکل الفاظ : القصم۔ الکسر۔ توڑ پھوڑ دینا۔ ریزہ ریزہ کر دینا۔ یرکضون۔ الرکض۔ العدو بشدة الوطء۔ تیزی سے دوڑنا۔ یہاں مقصد بھاگ کھڑے ہونا۔ حصیدًا۔ حصد کہتے ہیں درانتی سے فصل کاٹنا۔ خامدین خمود سے ہے۔ آگ کا بجھ جانا۔ مراد ہے مر جانا۔

وَأَنشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾ فَلَمَّا أَحَسُّوا بَأْسَنَا إِذَا هُم

اور ہم نے پیدا فرمادی ان کی بربادی کے بعد ایک دوسری قوم   پس جب انھوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انھوں

مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ

نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا۔ مت بھاگو! اور واپس لوٹو ان آسائشوں کی طرف جو تمھیں دی گئی تھیں

وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾

اور لوٹو اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے۔   کہنے لگے وائے شومیٔ قسمت! ہم ہی ظالم تھے۔

فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ﴿١٥﴾

پس وہ یہی شور و پکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم نے انھیں کٹے ہوئے کھیت (اور) بجھے ہوئے انگاروں کی

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ﴿١٦﴾ لَوْ أَرَدْنَا

طرح کر دیا۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان اور زمین   اور جو کچھ ان کے درمیان ہے دل لگی کرتے ہوئے۔ اگر ہمیں یہی منظور

۱۳ دوسری جاہل قوموں کی طرح اہل مکہ کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو چکی تھی کہ زندگی بس یہی ہے جو گزار رہے ہیں اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ اس میں جس نے زیادہ سے زیادہ عیش لوٹ لیے اور زیادہ سے زیادہ ناموری حاصل کر لی وہی کامیاب ہے۔ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں جس میں اپنی نیکیوں کی جزا اور اپنی برائیوں کی سزا ملنے والی ہو۔ یہ نظریہ کیونکہ بداہتِ عقل کے خلاف ہے اور شرفِ انسانیت کے منافی ہے اور حکمت اور عدلِ الٰہی کے شایانِ شان نہیں اس لیے قرآن حکیم نے متعدد بار اور یہاں بھی اس کی پُرزور تردید فرمائی اور بتایا کہ اگر تمہارا یہ نظریہ درست ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ سارا نظامِ عالم ایک کھیل تماشہ ہے (جیسے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات محض ایشور کی لیلا ہے) اور اس کے خالق نے معاذ اللہ نادان بچوں کی طرح تفریحِ طبع اور دل بہلانے کے لیے اسے بنا لیا ہے۔ تم اپنے گرد و پیش اس کی حکمت و دانائی کے جو ان گنت شاہکار دیکھ رہے ہو کیا وہ اس نظریہ کو جھٹلانے کے لیے کافی نہیں۔ اس کائنات کی تخلیق کا مقصدِ عظیم یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرتِ کاملہ پر استدلال کیا جائے اور تاکہ نیکوکار اور بدکار کو اس کے اعمال کا معاوضہ ملے۔

اِنَّمَا خَلَقْنَاهُمَا لِنُجَازِيَ الْمُحْسِنَ وَالْمُسِيْءَ وَلِيُسْتَدَلَّ بِهِمَا عَلَى الْوَحْدَانِيَّةِ وَالْقُدْرَةِ۔ (بحر)

أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٧﴾ بَلْ

ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے اپنے حضور سے (ہمیں کون روک سکتا تھا) لیکن ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم تو

نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَ

چوٹ لگاتے ہیں حق سے باطل پر ۱۸؎ پس وہ اسے کچل دیتا ہے اور وہ یکایک نابود ہو جاتا ہے اور

لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

(آج) باطل پرستو! تمہارے لیے ہلاکت ہے ان (نازیبا باتوں) کے باعث جو تم بیان کرتے ہو ۱۹؎ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

وَمَنْ عِندَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿١٩﴾

اور جو (فرشتے) ۲۰؎ اس کے نزدیک ہیں وہ ذرا سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی وہ تھکتے ہیں۔

يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿٢٠﴾ أَمِ اتَّخَذُوا آلِهَةً

وہ (اس کی) پاکی بیان کرتے رہتے ہیں رات دن اور وہ اکتاتے نہیں کیا بنا لیے ہیں انھوں نے خدا (اہل)

۱۷؎ اگر ہماری یہی مرضی ہوتی کہ دنیا اور اس میں بسنے والے انسانوں کو تفریح طبع کا ذریعہ بنائیں تو ہمیں کون روک سکتا تھا لیکن یہ بات ہمارے مقام الوہیت اور شانِ حکمت کے خلاف تھی۔ بعض علماء تفسیر نے لھو کا معنی فرزند و زن بھی کیا ہے اس صورت میں یہود و نصاریٰ کی تردید ہو گی۔ لیکن پہلی آیت سے مناسبت وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے (روح المعانی)

۱۸؎ قذف کا معنی دور سے پھینکنا۔ الرمی بالبعید۔ یدمغ۔ ایسی ضرب جس سے دماغ پھٹ جائے۔ یعنی ہمارے پیش نظر تخلیق کائنات سے صرف ایک چیز ہے وہ یہ کہ حق کا بول بالا ہو اور باطل نابود ہو۔ کام ہو اس لیے ہم باطل کی طاغوتی قوتوں پر حق کا لشکر اتارتے ہیں جو اس کا سر کچل کر رکھ دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا تم بھی ہر طرح جائزہ لے سکتے ہو، اب اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لو۔

۱۹؎ کوئی اس کا بیٹا نہیں کوئی اس کا شریک و ہمسر نہیں سب اس کی مخلوق ہیں اور اس کے بندے ہیں جتنا کوئی اس کے قریب ہے اتنا ہی وہ اس کی عظمت و کبریائی سے لرزہ براندام ہے اور اظہار عجز میں سرگرداں ہے اور ہر وقت اس کی عبادت اور ذکر میں لگا رہتا ہے۔ "من عندہ" سے اکثر مفسرین نے فرشتے مراد لیے ہیں۔ لیکن حضرت ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ هم الملئكة والانبياء ومن في معناهم یعنی فرشتے، انبیاء اور جو ان کے پیروکار ہیں اور عبادت گزار ہیں کہ ان کا قرب ہے ... اور ... کا القعود ... جس طرح انسان دوسرے ... میں ... بینہ کلہم ... (مظہری)

مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ

زمین سے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ اگر ہوتے زمین و آسمان میں کوئی اور خدا سوائے اللہ تعالیٰ کے

اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٢٢﴾

تو یہ دونوں برباد ہو جاتے ۲۲ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جو عرش کا رب ہے ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ کرتے ہیں

وتقطع بها الطرق بين ملك النفس والتكلف التي لا تمنى لا يحسرا انما سمي المنقطع بين يشر اهل او ملكا كما اوريكي انقطاع النفس (مفردات)
چند الفاظ و یستحسرون ای لا یعیون یعنی جو بات کر کے تھک نہیں جاتے یفترون الکسل والضعف یعنی جو اولوں کو بیشتی نہ کرا
شلہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی یہ ناقابل تردید دلیل ہے۔ انسان اس میں جتنا غور و تامل کرے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی توحید پر
اس کا یقین محکم اور ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے اور اس کے باوجود اتنی سہل اور عام فہم ہے کہ ایک سادہ لوح دیہاتی
بھی اس کو سمجھ سکتا ہے اور اپنے دل کو نور یقین سے منور کر سکتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک ملک کے دو فرمانروا ہوں
جن کے اختیارات مساوی ہوں تو اس ملک میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکیں گے اور اس کی ساری رونقیں خاک سیاہ
بن کر رہ جائیں گی اگر ایک ہی ملک کے دو جرنیل ہوں تو فوج کسی میدان میں جم کر نہیں لڑ سکے گی۔ یہ ایسی بات ہے جسے
ہر لکھا پڑھا بھی جانتا ہے اور ایک ان پڑھ چرواہا بھی جس کی عمر سیاسی ہنگاموں سے دور جنگلوں میں بکریاں چراتے گزری
ہو اور آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی ملک میں کسی قوم نے اپنے دو ایسے فرمانروا مقرر کیے ہوں جو قوت و طاقت اور
اختیار میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں لیکن اگر آپ اس آیت میں مزید غور کریں تو آپ کو اس دلیل کی گہرائی اور
گیرائی کا مزید اندازہ ہو گا۔ پہلے آپ یہ سمجھیے کہ الٰہ (خدا) کون ہو سکتا ہے۔ الٰہ وہ ہو سکتا ہے جو واجب الوجود ہو۔
اپنے موجود ہونے میں کسی خالق کا محتاج نہ ہو۔ نیز جو تمام صفات کمال سے متصف ہو اور جملہ نقائص و عیوب سے پاک ہو
جو خدا اپنے موجود ہونے میں کسی غیر کا دست نگر ہو اس کو الٰہ کہنا مذاق نہیں تو اور کیا ہے۔ وہ خدا جس میں کئی خوبیاں
اور کمالات مفقود ہوں اور جس میں کئی طرح کے عیب پائے جاتے ہوں ایسی ہستی کو بھی خدا کہنا عقل و دانش کی سب سے بڑی
توہین ہے۔ اب جب ہم نے عقل سلیم کی روشنی میں یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا وہ ہے جو واجب الوجود ہو اور تمام کمالات سے
متصف اور تمام عیوب سے پاک۔ تو اب ذرا سوچیے کہ اگر ایک سے زائد خدا مان لیے جائیں تو ان کی باہمی حیثیت کیا ہے۔ اگر
سارے ناقص ہیں اور کائنات کو پیدا کرنے میں ایک دوسرے کی اعانت کے محتاج ہیں تو ان میں سے ایک بھی اس قابل
نہیں کہ اسے خدا کہا جائے کیونکہ جو خود محتاج ہو وہ کسی کی حاجت روائی کیا کرے گا۔ اور اگر ان میں سے ایک کامل قدرت
کا مالک ہے اور دوسرے اس کی امداد کے محتاج ہیں اور جو کامل ہے اسے کیا پڑی ہے کہ اس بے چارے حیران کن نظام عالم
کی تخلیق میں دوسروں کو شریک کرے جب یہ سب کام بلا شرکت غیرے انجام دے سکتا ہے اور اگر سب یکساں قوت، اختیار اور

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

نہیں پرسش کی جاسکتی اس کام کے متعلق جو وہ کرتا ہے بلکہ انہی (تمام) سے باز پرس ہوگی۔ کیا انہوں نے بنا لیے ہیں

ارادہ کے مالک ہیں تو ان میں باہمی اختلافات کا پیدا ہونا لازمی ہے اور جب ایک خدا دوسرے خدا سے ٹکرائے گا تو کائنات کی دھجیاں اڑ جائیں گی اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ سب نے آپس میں مصالحت کر لی ہے اور باہمی اتفاق سے سارا نظام چل رہا ہے تو کیا حوادث عالم کے رونما ہونے میں سب کی قوت صرف ہو رہی ہے یا ایک کی۔ اگر ایک کی قوت ہو رہی ہے تو دوسرے بیکار ہوں گے۔ اور یہ بھی اچھے خدا ہوئے کہ طاقت تو ہے لیکن بخیل کی دولت کی طرح بیکار ہو رہی ہے۔ صرف اور اگر سب کی قوت و ارادہ سے ہر کام انجام پا رہا ہے تو پھر دریافت طلب امر یہ ہوگا کہ سب علیحدہ علیحدہ اس کام کو کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کر سکتے تو عاجز و ناتواں ہوئے جو شانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اگر ہر ایک کر سکتا ہے اور پھر سب مل کر کرتے ہیں تو یہ بھی قوت و ارادہ کا بے جا استعمال اور ضیاع ہے جو حماقت کی دلیل ہے۔ غرضیکہ اگر اس کا مفہوم ذہن نشین ہو اور پھر اس آیت طیبہ میں غور کیا جائے تو عقل و فہم کی دنیا میں شرک کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ علامہ اسماعیل حقی نے کیا خوب لکھا ہے کہ اگر ایک بدن میں دو روح اور ایک نظام شمسی میں دوسرا آفتاب نہیں سما سکتا۔ تو اس جہانِ بالا و پست میں بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ اور کوئی دوسرا خدا نہیں سما سکتا۔ (روح البیان)

ف عرش جو تدبیر کائنات اور تقدیرِ عالم کا سرچشمہ ہے اور اس عالمِ ہست و بود کے لیے شاہی تخت کی مانند ہے جو اس کا مالک ہے جو اس پر متمکن ہے اس کا کسی کو شریک ٹھہرانا بہت بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

ف اعتراض اس پر کیا جاتا ہے جو غلط اور ناروا فیصلہ کرے۔ غلط فیصلہ وہ کرتا ہے جسے حالات کا صحیح علم نہ ہو اور اعتراض کرنا اسے زیب دیتا ہے جس کے علم کا دائرہ وسیع ہو اور وہ اقتضاءات کے ان گوشوں کو جو پہلے آدمی سے پنہاں تھے اس کے سامنے عیاں کر دے۔ نیز اگر کوئی شخص اپنے اختیارات سے تجاوز کر کے کوئی فعل کرتا ہے تو اس پر گرفت بھی کی جا سکتی ہے کہ تم جب ایسا کرنے کے مجاز نہ تھے تو تم نے ایسا کام کیوں کیا۔ اللہ تعالیٰ کا علم بھی ظاہر و باطن ماضی و مستقبل کو محیط ہے اور اس کے اختیارات بھی بڑے وسیع ہیں کیونکہ ہر چیز کو اسی نے پیدا فرمایا ہے۔ وہی اس کا مالک ہے اور جب مالک کو اپنی ملکیت میں اپنی مرضی کرنے کا اختیار ہے۔ وہ سیاہ کرے سپید کرے کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کو اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں پر مکمل اختیار کیوں نہ ہو۔ ایسی ہستی جو ہمہ دان اور ہمہ بین ہے جس کے قبضہ قدرت میں نشیب و فراز عرش تک کی ہر چیز ہے سب کچھ ہے اس کے کسی فعل پر اعتراض کرنا جہالت کا مظاہرہ کرنا اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے آپ اپنی عقل کے پیمانہ سے حقیقت کو ناپنے کے لیے معرفت و حکمت کے لیے تو بارگاہِ الٰہی میں اپنے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں لیکن اعتراض کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابلیس لعین کا ہوا تھا اس نے بھی اعتراض کرتے ہوئے پوچھا تھا ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا۔ اگر وہ اس کی حکمت کے متعلق سوال کرتا تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ ہمیں بھی یہ مقام پہچاننا چاہیے اور کوئی ایسی بات زبان پر نہ لانا چاہیے جو غیرت خداوندی کو گوارا نہ ہو۔

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ

اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود؟ (اے حبیب!) آپ (انہیں) فرمائیے لے آؤ پیش کرو اپنی دلیل۔ یہ قرآن نصیحت ہے میرے ساتھ والوں

اللہ تعالیٰ کے محبوب حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا یا گستاخی کرنا غضب الٰہی کو بھڑکا دیتا ہے۔ علم و تقدس کے تمام کمالات سلب کر کے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک فاضل اجل سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے تو ایک محجوب اور محروم ازلی نے کہا کہ سوائے نفس کے کسی کو چھٹکارا نہیں حتیٰ کہ وہ بھی۔ مراد اس سے اشارہ حضور علیہ السلام کی طرف کیا کیونکہ حضور نے بھی کہا ہے "حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ" یعنی تمہاری دنیا سے تین چیزیں میرے لیے مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو، نساء اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ میں نے اس گستاخ کو کہا تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی۔ حدیث میں (اَحْبَبْتُ یعنی میں پسند کرتا ہوں) کا لفظ نہیں (بلکہ حُبِّبَ میرے لیے مرغوب بنا دی گئی ہیں) کا لفظ ہے جہاں تک نفس تو تب ہوتی کہ احببت کا لفظ ہوتا۔ فرماتے ہیں اس گستاخ کا منہ تو میں نے بند کر دیا لیکن میں اس کی بدزبانی پر پیچ و تاب کھاتا رہا کہ اپنے آپ کو امتی کہلانے والا شخص بھی ایسی بات اپنی زبان پر لا سکتا ہے۔ رات کو خواب میں حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت کا شرف بخشا اور فرمایا۔

"لَا تَغْتَمَّ فَقَدْ کَفَیْنَاکَ اَمْرَهٗ" غم نہ کرو ہم نے اس کا کام تمام کر دیا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے۔ (روح البیان)

علامہ مرحوم اگر آج ہوتے اور ان گستاخوں کا حال دیکھتے جو اپنے آپ کو بشریت میں حضور کا ہم پلہ ثابت کرنے کے لیے کس سوقیانہ انداز میں حضور کی ازدواجی زندگی کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جاتا۔ ؎

شب پرہ گی علیہ بدر بات نقصان — او بداند کہ ابد نور تو ظاہر باشد

ہر کہ از رشک جمال بد تو سخن می راند — بشل شد آن گرش بلبل یا طوطی باشد

چمگادڑ یہ چاہتی ہے کہ آپ کے بدر کمال کے نور کو گم کر دے۔ وہ بیوقوف یہ نہیں جانتی کہ آپ کا نور ابد تک درخشاں رہے گا۔ جو بدبخت آپ کی ذات پر زبان طعن دراز کرے، وہ عقل و فہم میں بوعلی سینا کی مانند بھی ہو تو وہ دولت ایمان سے محروم ہے۔" حقیقت تو یہ ہے کہ سرور کائنات علیہ التسلیمات والتحیات کی ذات پاک تو بہت ہی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اگر کوئی شخص اولیاء و مشائخ پر بھی بے جا اعتراض کرتا ہے تو وہ نعمت و برکت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور علم و عرفان کا دروازہ اس کے لیے بند ہو جاتا ہے۔

۳۲ے دلائل توحید بیان فرمانے کے بعد دنیا بھر کے مشرکوں کو چیلنج دیا جا رہا ہے کہ اپنے شرک و اصنام پرستی پر عقلی یا نقلی کوئی ایک تو ایسی دلیل پیش کریں جو قابل غور ہو۔

وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِي ۗ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ ۖ

کے لیے! اور دوسری کتب جو نصیحت تھیں میرے پیشروؤں کیلیے سب گواہ ہیں انکار کی جو (وہ) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ حق کو نہیں جانتے

فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ

اس لیے وہ (اس سے) منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم

إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿٢٥﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ

نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے سو میری ہی عبادت کیا کرو۔ وہ کہتے ہیں بنا لیا ہے

الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿٢٦﴾ لَا يَسْبِقُونَهُ

رحمٰن نے (اپنے لیے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات

بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے۔ مگر اس کے لیے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی

خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَٰهٌ مِنْ

کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا

۳۱۔ توحید کی یہ دعوت جو میرا رسول مکرم تمہیں دے رہا ہے یہ کوئی انوکھی دعوت نہیں بلکہ نبوت و رسالت کا سلسلہ جب سے شروع ہوا ہے اور جو حضرات اس منصب پر فائز ہوئے ہیں سب نے اپنے اپنے زمانہ میں اپنے اپنے قبیلوں اور قوموں کو یہی دعوت دی ہے۔ شرائع و احکام میں حالات کے پیش نظر تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن عقیدۂ توحید میں سرمو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

۳۲۔ عرب کے کئی قبائل خصوصاً بنی خزاعہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے اور یہود و نصاریٰ عزیر و مسیح کو ابن اللہ کہا کرتے۔ اس آیت میں صراحۃً اس کی نفی کی جا رہی ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ بلکہ

دُونِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝٢٩ ؑ

تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

کیا کبھی غور نہیں کیا ٤٢ کفر و انکار کرنے والوں نے کہ آسمان اور زمین آپس میں

جنہیں وہ اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں کہتے ہیں وہ تو اس کے معزز و مکرم بندے ہیں۔ غلط عقیدہ کی تردید کے ساتھ ساتھ "عباد مکرمون" فرما کر ان کی عزت و شان کو چار چاند لگا دیئے۔

٤٢ اپنی توحید کے دلائل عقلیہ و نقلیہ بیان کرنے کے بعد اپنی قدرت کاملہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ الرتق: الضم والالتحام (مفردات) کسی چیز کا باہم دگر پیوستہ ہونا اور ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا۔ الفتق: الفصل بین المتصلین (مفردات) دو جڑی ہوئی چیزوں کو الگ الگ کر دینا۔ ارشاد ربانی ہے کہ زمین و آسمان موجودہ صورت اختیار کرنے سے پہلے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ پھر ہم نے اپنی قدرت سے زمین کو الگ کر دیا اور آسمان کو الگ کر دیا۔ حضرت ابن عباس اور دیگر علماء تفسیر سے اس آیت کا یہی مفہوم منقول ہے۔ قال ابن عباس والضحاک وعطاء وقتادہ کانتا شیئا واحدا ملتزقتین ففتق اللہ بینہما بالہواء (قرطبی) یعنی زمین و آسمان ایک شے واحد کی طرح تھے اور ان کے اجزاء ایک دوسرے سے جڑے ہوئے چپکے ہوئے تھے۔ پھر ہوا کے ذریعہ انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا گیا۔ سینکڑوں صدیوں کی تحقیقات و تجربات اور غور و فکر کے بعد علماء طبیعین جس نتیجہ پر پہنچے ہیں قرآن حکیم نے پہلے ہی اس حقیقت کو چند الفاظ میں ذکر کر دیا تھا۔

ان کی تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ ابتداء میں آفتاب ایک دہکتا ہوا شعلہ تھا اس کی حرکت بہت ہی تیز تھی مرور دہر میں اس کی حرکت کم ہوتی گئی اور وہ سکڑتا اور چھوٹا ہوتا گیا اور اس سبب سے اس کے مادے میں گاڑھا پن آ گیا اور حرکت کی تیزی کے سبب اس میں سے چند ٹکڑے ٹوٹ کر دور دور تک چلے گئے اور اسی کے گرد چکر کھانے لگے۔ اب تک ظاہر ہوا ہے کہ آفتاب سے گیارہ ٹکڑے ٹوٹے ہوئے ہیں جن سے ہمارا نظام شمسی بنتا ہے اور زمین بھی انہی سے ایک ہے۔

تخلیق عالم کا ذکر کرتے ہوئے مولانا آزاد نے خوب لکھا ہے۔

"موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرہ ارضی کی ابتدائی نشوونما کے جو نظریے تسلیم کر لیے گئے ہیں۔ یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لیے گئے ہوں لیکن پھر بھی نظریے ہیں اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں

رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ

ملے جلے تھے پھر ہم نے الگ الگ کردیا انہیں، اور ہم نے پیدا فرمائی پانی سے ہر زندہ چیز ۲۳؎

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ

کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے۔ اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ ۲۵؎ تاکہ زمین لرزتی نہ

بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾

رہے ان کے ساتھ۔ اور بنادیں ہم نے ان پہاڑوں میں کشادہ راہیں تاکہ وہ (اپنی منزل مقصود کا) راستہ پا سکیں۔ ۲۶؎

قرآن کے مجمل اور محتمل اشارات کی تفسیر کی جاتی ہے جنہیں کل کو کیا کریں گے اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے۔ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تکوین عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے بلکہ خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔" (ترجمان القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۶۸، ۱۶۹)

رتق اور فتق کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ رتق سے مراد یہ ہے کہ آسمان کا منہ پہلے بند تھا، کوئی بارش نہیں ہوتی تھی اور زمین کا منہ بھی بند تھا۔ کوئی چیز اس میں پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان کا منہ بھی کھلا (فتق) اور بارش برسنے لگی۔ زمین کی بھی گرہ کھلی، اس میں سے طرح طرح کی ہر چیز اگنے لگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۲۳؎ ہر جاندار چیز کی تخلیق پانی سے کی گئی ہے۔ یعنی اس کا مادہ اصل ہے۔ یا ہر جاندار کی بقا اور نشوونما کا انحصار پانی پر ہے یا یہ کہ مادہ منویہ جو ہر جاندار کا اصل ہے۔ وہ پانی ہے۔ بہر حال جس لحاظ سے دیکھو زندگی اور پانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مولانا عثمانی لکھتے ہیں "عموماً جاندار چیزیں جو ہم کو نظر آتی ہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ پانی سے بنائی گئی ہیں۔ پانی ہی ان کا مادہ ہے۔ الا کوئی ایسی مخلوق جس کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اس کی پیدائش میں پانی کو دخل نہیں وہ مستثنیٰ ہوگی۔ للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے یہ کلیہ صادق رہے گا۔"

۲۵؎ پہاڑوں کو سطح زمین پر جما کر زمین کی جس حرکت کا علاج کیا گیا ہے وہ اس کا ڈانواں ڈول ہونا اور ہچکولے کھانا ہے۔ اس سے حرکت زمین کی نفی پر استدلال نہیں ہو سکتا۔

۲۶؎ ہم نے اتنے اونچے اونچے پہاڑ پیدا کیے جن کی بلند چوٹیاں آج بھی ہم جو انسانوں کو للکار رہی ہیں لیکن ان پہاڑوں کی تخلیق میں بھی قدم قدم پر تمہیں ہماری حکمت کے جلوے نظر آئیں گے۔ ان کو سنگین دیواروں کی طرح کھڑا نہیں

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا

اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت ۳۲ جو (ہر قسم کی شکست و ریخت سے) محفوظ ہے اور وہ لوگ ابھی تک اس کی نشانیوں سے روگردانی

مُعْرِضُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

کیے ہوئے ہیں اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا لیل و نہار کو ۳۳ اور مہر و

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن

ماہ کو ۔ سب (اپنے اپنے) مداروں میں تیر رہے ہیں ۳۴ اور نہیں مقرر کیا ہم نے کسی انسان کے لیے جو آپ سے

کہ جاسکیں ایک طرف سے دوسری طرف آمدورفت ہی بند ہو جاتی بلکہ ان میں ایسی گھاٹیاں اور رستے بنا دیئے ہیں جن کے ذریعے ایک طرف سے دوسری طرف جا سکتے ہیں ہر جگہ بڑی بڑی شاہراہیں بنا سکتے ہیں۔ الفج: الطریق الواسع بین الجبلین۔ یعنی دو پہاڑوں کے درمیان جو کشادہ راستہ ہوتا ہے اسے فج کہتے ہیں۔ فجاج اس کی جمع ہے۔

۳۲ کیونکہ آسمان زمین کو اسی طرح ڈھانپے ہوئے ہیں جیسے چھت مکان کو۔ اس لیے فرمایا ہم نے زمین کے لیے آسمان کو بطور چھت بنایا ہے لیکن یہ ایسی چھت نہیں جو گر پڑے یا اس میں شگاف ہو جائیں بلکہ یہ ہر طرح سے محفوظ اور مستحکم ہے۔

۳۳ پھر مزید کرم یہ فرمایا کہ رات دن کا تسلسل قائم کر دیا۔ اگر ہمیشہ رات کا اندھیرا چھایا رہتا یا ہمیشہ دن ہی ہوتا تو دنیا کی بیشتر نعمتیں یا تو ویسے ہی پیدا نہ ہوتیں یا آفتاب کی تمازت سے زمین جل بھن جاتی یا ساری دنیا قطب شمالی کے علاقوں کی طرح برف کے نیچے دبی رہتی۔

۳۴ فلک کیا ہے؟ کیا سماء (آسمان) اور فلک دونوں ایک چیز ہیں؟ کیا شمس و قمر اور دوسرے سیارے ان میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح لکڑی میں کیل؟

فلاسفہ یعنی قدیم علمائے ہیئت کی رائے یہ ہے کہ فلک اور آسمان ایک چیز کے دو نام ہیں اور فلک کی انھوں نے یہ تعریف کی ہے بانہ جسم حی عالم متحرک بالارادۃ حرکۃ مستدیرۃ لا یقبل الخرق والالتئام یعنی فلک زندہ ہے عالم ہے۔ اپنے ارادہ سے گول حرکت کرتا ہے۔ پھٹنے اور جڑنے کو قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ فلاسفہ کے نزدیک فلک میں خرق و التئام ممنوع ہے اس لیے انھوں نے یہ کہا کہ ستارے ان میں گڑے ہوئے ہیں۔ وہ متحرک نہیں بلکہ وہ فلک متحرک ہیں جن میں وہ گڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ حرکتیں مختلف ہیں اس لیے انھوں نے افلاک کو متعدد مانا ہے ان کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ افلاک کی تعداد نو ہے۔

فلک کی جو تعریف ان فلاسفہ نے کی ہے علمائے اسلام نے علم کلام کی کتابوں میں اس کا بطلان ثابت کیا ہے بلکہ اکثر مفسرین کے نزدیک فلک اور سماء (آسمان) دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اور سماء افلاک سے اوپر ہے چنانچہ

علامہ آلوسی لکھتے ہیں :-

قال اکثر المفسرین ہو (الفلک) موج مکفوف تحت السماء یجری فیہ الشمس والقمر۔ کہ فلک ایک موج کا نام ہے جسے اس کے طبقہ میں روک دیا گیا ہے اور وہ آسمان کے نیچے ہے اور شمس و قمر اسی میں محوِ حرکت ہیں اور ضحاک جو مشہور اور مسلم مفسر ہیں ان کا قول ہے کہ فلک کسی ایسی چیز کا نام نہیں جس کا کوئی جسم ہو بلکہ جہاں یہ ستارے گردش کرتے ہیں ان کی مدار کا نام ہے۔ حضرت ابن عباس کا اس باب میں یہی قول مشہور ہے قال الضحاک وھو لیس بجسم وانما ہو مدار ھذہ النجوم والمشہور مارُوی عن ابن عباس۔ فلاسفہ کا یہ قول کہ افلاک کی تعداد نو ہے یہ بھی ظنی اور یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہوں والحق انہ لا قاطع علی نفی ما عدا ذالک۔ (روح المعانی)

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اور علامہ ابی حیان اندلسی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور پسند فرمایا ہے۔

علامہ ابی عبداللہ الانصاری القرطبی کی عبارت ملاحظہ ہو :- والاجرام السیارۃ تجری فی الفلک۔ وھی سبعۃ افلاک دون السموٰت المطبقۃ التی ھی مجال الملائکۃ واسباب الملکوت فالقمر فی الفلک الاول ثم عطارد ثم الزھرۃ ثم الشمس ثم المریخ ثم المشتری ثم زحل والثامن فلک البروج والتاسع الفلک الاعظم قال ابن زید الافلاک مجاری النجوم والشمس والقمر۔ وقیل الفلک موج مکفوف ومجری الشمس والقمر فیہ واللہ اعلم (قرطبی)

یعنی کواکب سیارہ فلک میں چلتے ہیں اور یہ آسمانوں سے نیچے ہیں۔ چاند سب سے نچلے فلک میں ہے اس کے بعد عطارد، پھر زہرہ، پھر سورج، پھر مریخ، پھر مشتری، پھر زحل، آٹھویں کو فلک البروج، نویں کو فلکِ اعظم کہتے ہیں۔ ان سب کے اوپر سبع سموٰت (سات آسمان) ہیں جو ملائکہ کی جولانگاہ اور اسبابِ ملکوت کا مخزن ہیں۔ واللہ اعلم۔

یہ حقائق جو صدیوں سال پہلے علمائے اسلام اپنی نگاہِ تحقیق بین اور عقلِ رسا سے بے نقاب کر چکے ہیں ان کی روشنی میں اگر جدید علمائے فلکیات کی تحقیقات کا آپ مطالعہ کریں گے تو آپ کو قرآن کریم کے کتاب الٰہی ہونے کا یقین آ جائے گا اور علمائے اسلام کی وقتِ نظر اور ان کے علوم کی وسعت کا اعتراف کرنا پڑے گا۔ جہاں تک ہے جس طرح آج کے سائنس دان اپنے پیشروؤں پر تنقید کر رہے ہیں ان کے شاگرد کل اپنے ان استادوں کی غلطیاں نکالنے لگیں۔ اس لیے کسی مومن کو یہ زیبا نہیں کہ قرآن کی صداقت کو وہ تب تسلیم کرے جب جدید تحقیقات کی سند اسے مل جائے بلکہ اس کا یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ حق وہ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ قدیم تحقیقات اور جدید انکشافات کا وہی حصہ درست ہے جس کی تائید قرآن سے ملتی ہے اور جو قرآن حکیم کی تصریحات کے خلاف ہے وہ غلط ہے آج نہیں تو کل اس کے علمبردار خود اپنی غلطی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو جائیں گے اس سے بڑھ کر احساسِ کمتری کا مظاہرہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ مسلمان قرآن مجید کی تصدیق کے لیے قدیم و جدید نظریات کا سہارا ڈھونڈتا پھرے البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ قرآنی

قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ

پہلے کسی بشر کو اس دنیا میں ہمیشہ رہنا تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو کیا یہ لوگ یہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ہر نفس موت (کا مزہ)

ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا

چکھنے والا ہے - اور ہم خوب آزماتے ہیں تمھیں برے اور اچھے حالات سے دوچار کرکے اور (آخر کار) تم سب ہماری

تُرْجَعُونَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا

طرف ہی لوٹ کر آنا ہے ۔ اور جب دیکھتے ہیں آپ کو کفار تو وہ بجز تمسخر اختیار کیا ہے تو آپ سے بس تمسخر کرتے رہتے ہیں۔

هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ

(کہتے ہیں) کیا یہی وہ صاحب ہیں جو (برائی سے) ذکر کیا کرتے ہیں تمھارے خداؤں کا ۔ حالانکہ وہ (کفار) رحمٰن کے ذکر سے خود

حقائق کو سمجھنے کے لیے انتہائی کوشش کی جائے ایسا نہ ہو کہ ہم خود ساختہ نظریات کو قرآن کے نظریات تصور کرنے لگیں اور اس بے خبری کے باعث علم و دانش کی دنیا میں اپنی تضحیک کے ساتھ قرآن حکیم کی توہین کا بھی سبب بنیں۔ (العیاذ باللہ)

۳۴؎ کفار نے اشاعت اسلام میں ہر قسم کے روڑے اٹکائے لیکن اس کی اشاعت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ انھوں نے اپنے غم نصیب دلوں کو یہ کہہ کر تسلی دینی شروع کی کہ آخر کب تک ایسا ہوتا رہے گا۔ ایک روز آپ کی زندگی ختم ہو ہی جائے گی۔ اس کے بعد تو ہمیں آرام کا سانس لینا نصیب ہوگا۔ وہ کہا کرتے نتربص بہ ریب المنون اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور انھیں ان کی حماقت کی طرف توجہ دلائی کہ اگر میرے محبوب نے اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا تو کیا تم ابدالآباد تک زندہ رہو گے۔ جب تمھیں بھی ہر زندہ چیز کی طرح موت کا پیالہ پینا ہے تو پھر اس پر بغلیں بجانے کا کیا فائدہ۔

۳۵؎ کفار کا یہ دستور تھا کہ جب محبوب رب العالمین کے پاس سے گزرتے یا حضور کو دیکھتے تو آوازے کستے مذاق کرتے انھیں خود اپنی حماقت اور بلادت طبع کا احساس نہ ہوتا کہ وہ کتنے احمق ہیں جو خدائے رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں جس کے دستر خوان رحمت پر وہ پل رہے ہیں جس کی بنائی ہوئی زمین پر وہ چل رہے ہیں جو ایسا کور دل ہو کہ اتنی واضح حقیقت کو بھی نہ سمجھ سکے اس کا مذاق اڑانا چاہیے نہ کہ اس ذات والا صفات کا جو نہاں خانۂ تقدیر کے اسرار پر آگاہ ہے اس لیے کفار کا ایسا کرنا حماقت بالائے حماقت ہے۔

هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ

(دکھیرا) انکاری ہیں۔ انسان کی سرشت میں ہی جلد بازی ہے ۳۲ عنقریب میں تمہیں دکھاؤں گا اپنی نشانیاں

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی کا مطالبہ نہ کرو ۳۳ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ (قیامت کا) وعدہ (بتاؤ) اگر تم

صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ

سچے ہو۔ کاش! جانتے کفار اس وقت کو جب وہ نہ روک سکیں گے اپنے

وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

چہروں سے آگ (کے شعلوں) کو اور نہ اپنی پشتوں سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۳۴

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَ

بلکہ وہ آئے گی ان کے پاس ناگہاں ۳۵ سو انہیں حواس باختہ کر دے گی پھر وہ نہ اسے رد کر سکیں گے اور

۳۲؎ کسی چیز کو اس کے مقررہ وقت سے پہلے طلب کرنے کو عجلت کہتے ہیں۔ العجلۃ طلب الشیء وتحریہ قبل اوانہ (روح البیان)
انسان کی عجلت پسندی اظہر من الشمس ہے اور اس کے پے در پے ٹھوکریں کھاتے چلے جانے کا یہی ایک بڑا سبب ہے
قال اعرابی ایاکم والعجلۃ فان العرب تکنیہا ام الندامات۔ ایک اعرابی کا قول ہے خبردار جلد بازی سے بچنا۔
عرب اس کو ام الندامات (یعنی ندامتوں کی اصل) کہا کرتے ہیں۔ اہل عرب کا یہ محاورہ ہے کہ جو وصف کسی میں بہت
پایا جائے اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو اس سے پیدا ہوا ہے جیسے بڑا غصیلا ہو اسے کہتے ہیں خلق من غضب اور جو
زیادہ کریم ہو اسے کہتے ہیں خلق من کرم۔ کیونکہ جلد بازی بھی عام لوگوں کا شیوہ ہے اس لیے خلق من عجل کہا گیا۔
۳۳؎ تم نے خواہ مخواہ جلدی کیوں مچا رکھی ہے۔ جب عذاب الٰہی آئے گا تو تمہیں ہر سمت سے گھیر لے گا۔ اس وقت تم
چیخو گے چلاؤ گے لیکن بے سود۔
۳۵؎ بغتۃ۔ فجاءۃً اچانک۔ تبہتہم۔ تحیرہم۔ حیران و ششدر کر دینے والا۔

لَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ

نہ ہی انھیں مزید مہلت دی جائے گی۔ اور بے شک مذاق اڑایا گیا ان رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے تشریف لائے تھے

فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٤١﴾

پس نازل ہوا ان لوگوں پر جو تمسخر کیا کرتے تھے ان میں سے وہ عذاب جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے ۲۹

قُلْ مَن يَكْلَؤُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَٰنِ ۗ بَلْ هُمْ

آپ پوچھیے (اے منکرو!) کون ہے جو تمہاری نگہبانی کرتا ہے رات اور دن میں خدائے رحمٰن سے ۳۰ اگر وہ تمہیں عذاب دینا چاہے مگر

عَن ذِكْرِ رَبِّهِم مُّعْرِضُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُم مِّن

(ان سے کیا پوچھنا) یہ تو اپنے رب کے ذکر سے ہی روگرداں ہیں۔ کیا ان کے اور خدا ہیں جو بچا سکتے ہیں انھیں (عذاب سے) ہمارے

دُونِنَا ۚ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُم مِّنَّا

سوا ۳۱ وہ بیچارے معبود تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ انھیں ہماری تائید

يُصْحَبُونَ ﴿٤٣﴾ بَلْ مَتَّعْنَا هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ طَالَ عَلَيْهِمُ

میسر ہو گی۔ ۳۲ بلکہ ہم نے (عیش و آرام کا) سامان دیا انھیں اور ان کے آباؤ اجداد کو حتیٰ کہ اسی عیش و آرام میں

۲۹ حاق۔ احاط بہ وابہ۔ گھیرے میں لے لینا۔ جوہری لکھتے ہیں (حاق بھم العذاب ای احاط بھم و نزل) (الصحاح)
عذاب نے ان کو گھیر لیا۔

۳۰ نادانو! تم جو اپنے رب کریم کی یاد اور اس کے ذکر سے روگرداں کیے ہوئے ہو اس نے اگر کسی وقت اپنا عذاب
نازل کر دیا تو کہاں سر چھپاؤ گے تمہیں کون پناہ دے گا۔

۳۱ تمہیں اگر یہ غلط فہمی ہے کہ تمہارے لات و ہبل اس وقت تمہیں ہمارے عذاب سے بچا لیں گے تو اس کو اپنے ذہن
سے نکال دو۔ وہ بیچارے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے چہ جائیکہ تمہیں بچانے پر قادر ہوں۔

۳۲ انھیں بے بس اور کمزور ہونے کے باوجود ان کی امداد کی ایک اور صورت ہو سکتی تھی کہ ہم ان کی پشت پناہی کرتے۔ ہماری
تائید اور نصرت ان کے شامل حال ہوتی تو وہ اپنی قوت کے بل بوتے پر نہ سہی ہماری تائید و نصرت سے اپنے عقیدتمندوں

الْعُمُرُ ۗ أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ

ان پر لمبا عرصہ گزر گیا (اور وہ سرکش بن گئے) کیا وہ ملاحظہ نہیں کرتے کہ ہم زمین (کفر) کی وسعتوں کو گھٹاتے چلے جا رہے ہیں اس کی

أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٤٤﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ

(چاروں) کناروں سے کیا وہ (ہماری تقدیر پر) غالب آسکتے ہیں آپ فرمایئے میں تو صرف ڈراتا ہوں تمہیں وحی سے اور نہیں سنا کرتے بہرے

الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنْذَرُونَ ﴿٤٥﴾ وَلَئِنْ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِنْ

پکارنے کو جب انہیں (عذاب الٰہی سے) ڈرایا جاتا ہے اور اگر (ذرا) چھو جائے انہیں ایک جھونکا تیرے رب کے عذاب کا تو

عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٦﴾ وَنَضَعُ

(سارا نشہ ہرن ہو جائے) یوں کہنے لگیں صد حیف! بیشک ہم ہی ظالم تھے۔ اور ہم رکھ دیں گے

کی امداد کر سکتے۔ سوا اس کی بھی نفی کر دی اور بتا دیا کہ انہیں ہماری تائید و نصرت بھی قطعاً حاصل نہ ہوگی اب وہ بیچارے کسی کی خاک دستگیری کر سکیں گے۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں یعنی ولاہم منا ینصرکما یصحب لمن یشفع عصاۃ المومنین من النبیین والملائکۃ والصالحین۔ (مظہری) یعنی انبیاء ملائکہ اور اولیاء کرام جو گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے انہیں تو تائید الٰہی اور نصرت ربانی حاصل ہوگی لیکن کفار کے جھوٹے خدا اس سے بھی محروم ہوں گے۔

۳۹ ان کی اس سرکشی اور انکار کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ ہم نے مدت دراز سے انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو ہر طرح کی عزت و آسائش سے بہرہ ور رکھا۔ ان کی غلط کاریوں کے باوجود لوگ ان کا احترام کرتے رہے۔ ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان کے کاروبار میں ترقی ہوتی رہی۔ اس وجہ سے یہ بات ان کے ذہنوں میں راسخ ہو گئی ہے کہ وہ حق پر ہیں اس لیے وہ کسی داعی حق کی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

۴۰ انہیں بتایا جارہا ہے کہ مہلت کا عرصہ ختم ہونے والا ہے۔ ہم ان کے گرد رفتہ رفتہ حلقہ تنگ کرتے جارہے ہیں۔ اردگرد کے علاقوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا جارہا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ اب بھی آنکھیں کھولیں اور حق کو قبول کریں۔

۴۱ آپ فرمایئے میں تو تمہیں وہی بات کہتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر کرنا میرا دستور نہیں بہتر ہے تم بھی میری مخلصانہ نصیحتوں کو گوش ہوش سے سن لو۔ عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔ ساتھ ہی فرما دیا یہ تو بہرے ہیں انہیں کچھ سنائی نہیں دیتا۔

الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ۖ وَ

صحیح تولنے والے ترازو ۴۳ قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور

إِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا

اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں

حَاسِبِينَ ﴿٤٧﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً

حساب کرنے والے۔ اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا ۴۴ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی

۴۳ اس پر مفصل بحث ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف آیت ۸ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔
الموازین موصوف ہے اور القسط اس کی صفت ہے۔ موصوف اور صفت میں واحد جمع میں مطابقت ہونی چاہیے اور یہاں ایسا نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ القسط مصدر ہے اور جب مصدر صفت واقع ہو تو واحد جمع سب کی صفت واقع ہو سکتا ہے والقسط صفۃ الموازین ووحد لانہ مصدر یقال میزان قسط و میزانان قسط وموازین قسط۔ (قرطبی)
حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی جناب میں گزارش کی کہ قیامت کے دن آپ میری شفاعت فرمائیں حضور نے فرمایا انا فاعل۔ میں شفاعت کروں گا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں حضور کو کہاں تلاش کروں۔ فرمایا پہلے پل صراط پر جہاں سے میری امت گزر رہی ہوگی۔ مجھے ڈھونڈنا اور اگر وہاں ملاقات نہ ہوئی تو میزان کے پاس مجھے تلاش کرنا جہاں امت کے اعمال کا وزن ہو رہا ہوگا۔ میں نے عرض کی اگر وہاں بھی شرف ملاقات نصیب نہ ہو۔ فرمایا پھر حوض کے پاس فانی لا اخطی ھذہ المواطن الثلاثۃ میں ان تین مقامات میں سے کسی ایک پر ضرور ہوں گا۔ (ترمذی، بیہقی)
۴۴ یہاں سے انبیاء کرام کا تذکرہ شروع ہے جن جن کمالات سے انہیں مشرف فرمایا گیا ان کا بیان ہے جن مقاصد کی تکمیل کے لیے وہ تشریف لائے ان کے لیے جن جن مصائب سے انہیں دوچار ہونا پڑا اور جس صبر و استقامت سے انہوں نے کام لیا ان کا تذکرہ ہے تاکہ حق کا ہر علمبردار ان کے اسوۂ حسنہ سے صبر و استقامت، ایثار و اخلاص اور للہیت کا سبق حاصل کرے۔

وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُم

اور ذکر پرہیزگاروں کے لیے ۔ جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے ۔ نیز وہ

مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَهَٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ ۚ

قیامت سے بھی ترساں رہتے ہیں ۔ اور یہ قرآن نصیحت ہے بڑی بابرکت ہم نے ہی اسے اتارا

أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ

تو کیا تم اس کو ماننے سے انکار کرتے ہو ۔ اور یقیناً ہم نے مرحمت فرمائی تھی ابراہیم کو ان کی دانائی

مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ ﴿٥١﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَا

اس سے پہلے اور ہم ان کو خوب جانتے تھے ۔ یاد کرو جب آپ نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم سے کیا

یہ کتاب حضرت موسیٰ کو (اصالۃً) اور حضرت ہارون کو (نیابۃً) دی گئی تھی۔ اس کے اوصاف بیان فرمائے جا رہے ہیں کہ وہ فرقان ہے یعنی حق و باطل کو الگ الگ کر دینے والی ہے۔ وہ ضیا ہے یعنی روشنی ہے جس سے شاہراہِ حیات منور ہو رہی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔ اگلی آیت نے بتا دیا کہ متقی کون ہوتا ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون کے ذکر کے بعد ابو الانبیاء جد المصطفیٰ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا جا رہا ہے۔ آپ نے اپنی جان پر کھیل کر اور خطرات کو دعوت دے کر جس جرأت سے توحید کا اعلان کیا، جس حسن تدبیر سے جھوٹے خداؤں کی خدائی کا پول کھولا اور ان کے پجاریوں پر ان کی بے بسی کو آشکارا کیا، پھر جس استقامت کا مظاہرہ آتش نمرود میں جلائے جاتے وقت کیا، ان تمام چیزوں کو اگر پیش نظر رکھا جائے تب لَقَدْ اٰتَیْنَا اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ آتا ہے کہ رشد وہ بصیرت اور دانش مندی ہے جس سے گمراہ ماحول میں نعرۂ توحید بلند کرنے کی جرأت اور اس کا سلیقہ اور اس راہ میں حائل ہونے والی ساری مصیبتوں کو جھیلنے کا حوصلہ اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہمیں ان عظیم ارشاد و صلاحیتوں کا خوب علم تھا جو ان میں ودیعت فرمائی گئی تھیں اسی لیے ان کو اتنی شان بخشی۔ قدرت اپنے عطیات کی تقسیم میں حکمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتی ہے۔

هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا

مورتیاں ہیں ؎ جن کی پوجا پر تم جمے بیٹھے ہو۔ وہ بولے پایا ہم نے اپنے

وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ

باپ (دادوں) کو کہ وہ ان کے پجاری تھے۔ آپ نے فرمایا بلاشبہ مبتلا رہے ہو تم بھی

وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ

اور تمہارے باپ دادا بھی کھلی ہوئی گمراہی میں۔ انھوں نے پوچھا کیا تم ہمارے پاس کوئی سچی بات لے کر آئے ہو یا تم

مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

دل لگی کر رہے ہو ؎ آپ نے فرمایا (دل لگی نہیں کر رہا) بلکہ تمہارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس

الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ

نے ان سب کو پیدا فرمایا ہے ؎ اور میں اس (صداقت) پر گواہی دینے والوں سے ہوں۔ اور بخدا! میں

؎ بتوں کی تحقیر کے لیے یہ لفظ استعمال کیا۔ وہ صورت جو ہاتھوں سے بنائی جائے اسے تمثال کہتے ہیں بعض کے نزدیک وہ تماثیل مختلف ستاروں کی تھیں یعنی ان کی شکلیں انھوں نے اپنے خیال کے مطابق بنائی تھیں بعض کے نزدیک یہ پہلے بزرگوں کے مجسمے تھے جن کے متعلق ان کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ شانِ الوہیت کے مالک ہیں۔

؎ آپ کی ساری قوم عرصہ دراز سے انہی بتوں کو اپنا معبود اپنا کارساز اور اپنا حاجت روا سمجھتی آ رہی تھی۔ اس عقیدہ کی صداقت کے متعلق ان کے دلوں میں ادنیٰ سا شک اور معمولی سا تردد بھی کبھی پیدا نہ ہوا تھا جب انھوں نے آپ کی زبان سے یہ بات سنی کہ تم کھلی گمراہی میں ہو تو وہ حیرت سے آپ کا منہ تکنے لگے اور کہنے لگے ابراہیم یہ تم نے کیا بات کہی ہے کیا تم اس کو حق سمجھ کر کہہ رہے ہو یا یونہی ہنسی مذاق سے تمہارے منہ سے یہ فقرہ نکل گیا ہے۔

؎ آپ نے فرمایا کہ میں نے پورے وثوق سے یہ کہا ہے کہ یہ خدا نہیں۔ خدا تو وہ ہے جس کی یہ شان ہے اور جس کی یہ قدرت ہے۔ میں تو اس کے بغیر کسی کی خدائی ماننے کے لیے تیار نہیں۔

لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ

بندوبست کروں گا تمھارے بتوں کا جب تم چلے جاؤ گے پیٹھ پھیرتے ہوئے پس آپ نے انھیں

جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ

ریزہ ریزہ کر دیا مگر ان کے بڑے بت کو کچھ نہ کہا تاکہ وہ لوگ (اس واقعہ کے بارے میں) اسی کی طرف رجوع کریں وہ بولے کس

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا

نے یہ حال کیا ہے ہمارے بتوں کا بیشک وہ ظالموں میں سے ہے (چند آدمیوں) نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو سنا

فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

ہے کہ وہ ان کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے تو پھر (پکڑ کر) لاؤ اسے سب

یعنی زبان سے آپ نے فرمایا ابھی میں تمھارے ان خداؤں کی مرمت کرتا ہوں تاکہ ان کی حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے۔ جو بری نکلتے ہیں۔ وکل شیٔ تعالجہ انت تکیدہ۔ غیر کسی چیز کے متعلق برا ارادہ کرنے کو بھی کید کہتے ہیں کلما ای ارادہ بسوء۔ لاکیدنھا یہاں یہ لفظ یہی مفہوم ادا کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ان کا ایک تہوار قریب تھا اس روز سارا شہر پجاریوں سمیت کھلے میدان میں نکل جاتا۔ دن بھر کھیل تفریح میں مشغول رہتے اور شام کے قریب واپس لوٹتے۔ آپ نے خیال فرمایا یہ اچھا موقع ہے۔ سارا بتکدہ خالی ہوگا۔ بغیر کسی مزاحمت کے میں اپنی تدبیر پر عمل کر سکوں گا۔ چنانچہ جب سب لوگ تہوار منانے کے لیے باہر چلے گئے اور بتکدہ خالی ہو گیا تو آپ بھاری کلہاڑا اٹھائے ہوئے آ پہنچے۔ دیکھا ہال کے درمیان بڑا بت تھا۔ اس کے دونوں طرف ترتیب وار چھوٹے بت رکھے ہوئے تھے۔ سب کے سامنے مٹھائی کے تھال بھرے پڑے تھے۔ آپ نے کسی کا کان کاٹا کسی کی ناک کسی کی آنکھ پھوڑ دی اور کسی کی ٹانگ اور بازو توڑا۔ اور سب مٹھائیاں اٹھا کر بڑے بت کے سامنے ڈھیر کر دیں اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا اور خود وہاں سے کھسک گئے۔ شام کو جب پجاری واپس پہنچے اور اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا تو کہرام مچ گیا۔ ڈھونڈو، پکڑو کا شور بلند ہوا۔ نمرود کو اطلاع ملی۔ اس نے تلاش شروع کی۔ حضرت ابراہیم کے عقیدے سے جو لوگ واقف تھے انھوں نے فوراً بتایا کہ وہی نوجوان ایسا کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ ان کی نشاندہی پر نمرود کی پولیس آپ کو گرفتار کر کے لے آئی۔

أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿٦١﴾ قَالُوٓا ءَأَنتَ فَعَلْتَ هَٰذَا

لوگوں کے روبرو ۸۱ شاید وہ اس کے متعلق کوئی شہادت دیں ۔ (ابراہیم پکڑ کر لائے گئے تو لوگوں نے) پوچھا اے ابراہیم!

بِـَٔالِهَتِنَا يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُۥ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَسْـَٔلُوهُمْ

کیا تو نے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ فرمایا بلکہ ان کے اس بڑے نے یہ حرکت کی ہو گی سو ان سے پوچھ لو ۸۲

إِن كَانُوا۟ يَنطِقُونَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوٓا۟ إِلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ فَقَالُوٓا۟ إِنَّكُمْ أَنتُمُ

اگر یہ گفتگو کی سکت رکھتے ہیں ۔ (لاجواب ہو کر) اپنے دلوں میں غور کرنے لگے ۸۳ پھر کہنے لگے بلاشبہ تم ہی زیاں کار

ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُكِسُوا۟ عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰٓؤُلَآءِ

ستمگار ہو ۔ پھر وہ اوندھے ہو کر اپنی سابقہ گمراہی کی طرف پلٹ گئے ۸۴ اور کہنے لگے تم خوب جانتے ہو کہ یہ

۸۱ اور مجمع عام میں آپ سے پوچھ گچھ شروع ہوئی ۔

۸۲ آپ نے فرمایا نادانو! مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے خداؤں سے پوچھو کس نے ان کا یہ حشر کیا اور یہ صنم اکبر جس کے سامنے مٹھائیوں کے انبار لگے ہوتے ہیں اور جس کے کندھے پر کلہاڑا لٹکا ہوا ہے یہ تو صاف بتا رہا ہے کہ اسی نے چھوٹے خداؤں سے ناراض ہو کر ان کا ستیاناس کر ڈالا مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ان سے پوچھو اگر ان میں بولنے کی سکت ہے ۔ بتوں کی اس توہین سے پہلے ہی وہ بڑے پریشان تھے آپ کے اس الزام نے ان کے ہوش اڑا دیئے ۔ بہتیرا کریدتے رہے نہ حس نہ حرکت گویا جسم میں جان نہیں کاٹو تو لہو نہیں ۔

۸۳ آپ کے اس ارشاد نے تمام حجابوں کو تار تار کر دیا ۔ جنہوں نے حقیقت کو چھپا رکھا تھا ۔ آپ کے اس جملے نے ایک لمحہ کے لیے انہیں خواب غفلت سے چونکا دیا ان کے ٹھاکروں کی بے بسی اور ناتوانی ایک ناقابل انکار حقیقت بن کر ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اپنی گمراہی اور ضلالت کا بے ساختہ اعتراف کر لیا آپس میں کہا " انکم انتم الظالمون "۔

۸۴ علامہ قرطبی لکھتے ہیں اس کا معنی یہ نہیں کہ شرم و ندامت کے مارے ان کے سر جھک گئے جیسے بعض لوگوں نے سمجھا ہے کیونکہ اگر یہ مدعا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی ۔ نکسوا رؤسھم اور یہاں نکسوا علی رؤسھم ہے اور اس کا معنی ہے اپنی مشرکانہ جہالت اور بتوں کی عبادت کی طرف پھر پلٹنا حضرت ابن عباس سے اس کا یہی معنی مروی ہے ادرکھم الشقاء فعادوا الی کفرھم ۔ یعنی انہیں ان کی بدبختی نے آ لیا اور پھر وہ اپنے کفر کی طرف لوٹ گئے ۔

يَنْطِقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ

بولتے نہیں ۔ آپ نے فرمایا (نادانو!) کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی جو نہ تمہیں کچھ

شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ تف ہے تم پر نیز ان چیزوں پر جن کو تم پوجتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا کیا

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٧﴾ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

تم اتنا بھی نہیں سمجھتے! (سب یک زبان ہو کر) بولے جلا ڈالو اس کو اور مدد کرو اپنے خداؤں کی اگر تم کچھ کرنا

فَاعِلِينَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ ﴿٦٩﴾ وَ

چاہتے ہو۔ (چنانچہ جب آپ کو آتشکدہ میں پھینکا گیا تو) ہم نے حکم دیا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا ابراہیم پر

۶۹؎ آپ نے پھر ایک ضرب کاری لگا دی۔

۷۰؎ جب دلائل ابراہیمی کے سامنے بے بس ہو گئے تو تشدد پر اتر آئے جو اہل باطل کا ہمیشہ سے دستور ہے۔ تجویز ہوئی کہ آگ جلاؤ جب شعلے خوب بلند ہونے لگیں تو ابراہیم کو اس میں پھینک دو۔ آگ بھون کر خاکستر کر دے گی۔ ایسے گستاخ کی اس سے کم اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کئی روز تک ایندھن کا ڈھیر تیار ہوا۔ لوگوں نے ایندھن فراہم کرنے میں اپنے مذہبی جوش کا پورا مظاہرہ کیا اور نذریں مانتے تھے کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں ابراہیم کو جلانے کے لئے اتنی لکڑی لاؤں گا۔ آخر آگ جلائی گئی۔ جب اس کے شعلے خوب بھڑک اٹھے اور دہکتے ہوئے انگاروں کی تمازت سے پرندے بھی دور بھاگنے لگے تو اب یہ مشکل پیدا ہوئی کہ ابراہیم کو آگ میں کیسے پھینکا جائے۔ چنانچہ منجنیق بنائی گئی اور حضرت ابراہیم کو قید خانہ سے باہر لایا گیا۔ ان کے دست و بازو باندھے گئے۔ جب انہیں منجنیق میں رکھا جانے لگا تو عالم بالا میں قیامت برپا ہو گئی۔ الٰہی! اس بھری دنیا میں صرف ایک ابراہیم ہے جو تیرا نام لیتا ہے اسے یوں دست و بازو باندھ کر آتشکدہ میں پھینکا جا رہا ہے۔ الٰہی اگر یہ شمع بھی بجھ گئی تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ پھر لا الہ الا اللہ کی صدائے دلنواز کون بلند کرے گا۔ بارگاہ الٰہی سے فرشتوں کو اذن ملا جاؤ ابراہیم کی امداد کر سکتے ہو تو کرو۔ جب ہوا اور بارش کے فرشتے حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کیں تو آپ نے بڑے استغنا سے فرما دیا مجھے ان خدمات کی ضرورت نہیں مجھے میرا اللہ کافی ہے۔ جب منجنیق کو گھما کر آپ کو پھینکا جانے لگا تو جبریل آئے عرض کی خلیل! میں حاضر ہوں کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیں۔ جواب ملا اما الیک فلا اے جبریل! مجھے تیری اعانت کی ضرورت نہیں۔ جبریل نے کہا خلیل! اپنے رب جلیل سے اپنے بچاؤ کی دعا تو مانگو۔ اس پیکر تسلیم و رضا نے جواب دیا حسبی من سؤالی علمہ بحالی جب وہ میرے حال کو جانتا ہے تو مجھے عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کی رضا کے سامنے ابراہیم نے اپنا سر جھکا دیا ہے۔

أَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا

اور انھوں نے تو ابراہیم کو گزند پہنچانے کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انھیں ناکام بنا دیا۔ اور ہم نے نجات دی آپ کو اور لوط کو اس

إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ

سرزمین کی طرف (ہجرت کا حکم دیا) جسے ہم نے بابرکت بنایا تھا تمام جہان والوں کے لیے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انھیں اسحق

وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً

(جیسا فرزند) اور یعقوب (جیسا) پوتا۔ اور سب کو ہم نے صالح بنا دیا۔ اور ہم نے بنا دیا انھیں پیشوا (لوگوں

يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ

کے لیے) وہ راہ دکھاتے تھے ہمارے حکم سے اور ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ وہ نیک کام کریں اور نماز ادا کریں

وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ﴿٧٣﴾ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا

اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت

وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ ۗ

اور علم عطا فرمایا اور نجات دی اسے اس گاؤں سے جس کے باشندے بہت رذیل کام کیا کرتے تھے۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿٧٤﴾ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ

بے شک وہ لوگ بڑے نابکار اور نافرمان تھے۔ اور ہم نے اسے داخل کر لیا اپنے (حریم) رحمت میں۔

ف ادھر منجنیق کے ذریعہ آپ کو اس آتش کدہ میں پھینکا گیا۔ ادھر دہکتے ہوئے انگاروں اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو حکم ملا خبردار! اگر میرے خلیل کا ایک بال بھی بیکا ہوا۔ اے آگ ابراہیم کے لیے ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی کا باعث بن جا۔ ابراہیم آگ میں گئے وہاں گلزار کا نام نشان بہشت تھا جہاں ٹھنڈک بھی تھی اور ٹھنڈک بھی اتنی جو باعث راحت و آرام ہو۔

ف حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی مسخ شدہ ذہنیت اور ان کے جرائم کے متعلق آپ کئی جگہ پڑھ چکے ہیں لوطاً فعل محذوف کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے۔

ربع

مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

بیشک وہ نیکوکاروں میں سے تھا۔ اور یاد کرو نوح کو جب انھوں نے (ہمیں) پکارا اس سے پہلے تو ہم نے قبول فرمائی ان کی

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ

دعا کو اور بچا لیا انھیں اور ان کے گھر والوں کو سخت مصیبت سے ۷۷ اور ہم نے ان کی حمایت کی اس قوم

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

کے مقابلہ میں جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا بیشک وہ بڑے نابکار لوگ تھے پس ہم نے غرق کر دیا ان

اَجْمَعِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ

سب کو۔ اور یاد کرو داؤد و سلیمان (علیہما السلام) کو ۷۸ جب وہ فیصلہ کر رہے تھے ایک کھیتی کے جھگڑے کا

نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿٧٨﴾

جب رات کے وقت چھوٹ گئیں اس میں ایک قوم کی بکریاں ۷۹ اور ہم ان کے فیصلہ کا مشاہدہ کر رہے تھے۔

۷۷ الکرب: الغم الشدید۔ سخت غم۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو کفر و شرک سے باز آنے اور گناہوں سے کنارہ کش ہونے کی دعوت دی اور اتنا طویل عرصہ ان کے مظالم اور اذیت رسانیوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرتے رہے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق آپ کی مغرور اور ستم شعار قوم کو غرق کر دیا اور آپ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ تفصیلات سے آپ پہلے آگاہ ہو چکے ہیں۔

۷۸ آپ دونوں باپ بیٹا جلیل القدر نبی ہونے کے باوجود اپنے علاقہ کے حکمران بھی تھے اور حکمت و دانش میں بھی بے مثل تھے۔ آج بھی ان کے نام حکیمانہ فہم و فراست کے لیے بطور ضرب المثل ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے دوسرے محاسن و کمالات بیان کرنے سے پہلے ایک واقعہ ذکر کیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرزند ارجمند کو فہم و فراست کی نعمت زیادہ بخشی گئی تھی اور یہی حقیقت میں حضرت داؤد کی عزت افزائی تھی کیونکہ اولاد کی برتری سے جو خوشی ماں باپ کو ہوتی ہے وہ اپنے کمالات کی خوشی سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔

۷۹ واقعہ کی تفصیل جو کتب تفسیر میں مذکور ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) ایک شخص کی بکریاں رات کے وقت کسی کھیت میں گھس گئیں اور اسے اجاڑ کر رکھ دیا۔ کھیت والا داؤد کے

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۡ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

سو ہم نے سمجھا دیا وہ معاملہ سلیمان کو۔ اور ان سب کو ہم نے بخشا تھا حکم اور علم اور ہم نے فرمانبردار بنا دیا داؤد کا

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝۷۹ وَعَلَّمْنٰهُ

پہاڑوں اور پرندوں کو وہ سب ان کے ساتھ مل کر تسبیح کیا کرتے ۵۳ اور یہ شان ہم ہی دینے والے تھے ۵۴ اور ہم نے سکھایا۔

پہلے حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوا بکریوں کے مالک کو بھی بلایا گیا دونوں کے بیان سن کر آپ نے فیصلہ کیا کہ بکریاں کھیت والے کو دے دی جائیں تاکہ اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے کیونکہ کھیت کا جو نقصان ہوا تھا بکریوں کی قیمت (اندازاً) اسی کے لگ بھگ تھی۔ حضرت سلیمان نے جو ابھی کمسن تھے جب یہ فیصلہ سنا تو کہا کہ اس سے بھی فیصلہ کی ایک بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ بکریاں عارضی طور پر کھیت والے کو دے دی جائیں۔ وہ ان کا دودھ، بچے اور دوسرے فوائد حاصل کرے اور بکریوں والے کو حکم دیا جائے کہ وہ اس اجڑے ہوئے کھیت کی نگرانی اور حفاظت کرے۔ جب کھیت اپنی اصلی حالت پر آ جائے تو کھیت والے کو اس کا کھیت لوٹا دیا جائے اور بکریوں کا مالک اپنی بکریاں لے لے۔ یہ فیصلہ سن کر حضرت داؤد کی خوشی کی انتہا نہ رہی چنانچہ اسی کے مطابق عمل کیا گیا۔"

۵۳ اب ان اعزازات اور کرامات کا بیان شروع ہو رہا ہے جن سے ہر ایک کو الگ الگ مشرف فرمایا گیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کا مطیع بنا دیا۔ جب آپ حمد و تسبیح میں مشغول ہوتے تھے تو پہاڑ اور پرندے بھی آپ کے ساتھ اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے تھے۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ مَعَ کا متعلق سَخَّرْنَا بھی ہو سکتا ہے اور يُسَبِّحْنَ بھی۔ لفظاً پہلا احتمال قریب ہے اور معناً دوسرا راجح ہے مع متعلق بسخرنا او بیسبحن والاول اقوی لفظا والثانی معنا۔ (مظہری)

چنانچہ میں نے ترجمہ میں معنوی پہلو کو ترجیح دی ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی یہی مفہوم بیان کیا ہے سخرناها بحيث تطيعه اذا امرها بالتسبيح۔

پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح کس قسم کی تھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ جب آپ تسبیح کیا کرتے تو پہاڑ گونج اٹھتے اور یہی گونج ان کی تسبیح تھی لیکن علامہ آلوسی اور دیگر علمائے محققین نے تشریح کی ہے کہ پہاڑ زبان قال سے تسبیح کیا کرتے ہیں۔ جس طرح غزوہ بدر کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں کنکریوں نے لا الہ الا اللہ پڑھا تھا اور سب لوگوں نے سنا تھا۔ الخ پس گونج مراد لینا فلیس بشیٔ اصلاً کوئی چیز نہیں ہے یہ بالکل لغو بات ہے کیونکہ پھر اس میں حضرت داؤد کی خصوصیت کیا رہی۔ کوئی شخص بھی اگر پہاڑ میں بلند آواز سے بولے گا تو اس سے گونج پیدا ہوگی خواہ وہ آواز دینے والا کافر ہی کیوں نہ ہو۔

۵۴ اس ارشاد سے معترضین کا منہ بند کر دیا کہ تم اس کو تسلیم کرنے سے جو ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہو یہ کام تو ہم نے کیا ہے

صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ

دیا انھیں زرہ بنانے کا ہنر (فقط) تمھارے فائدہ کے لیے تاکہ وہ زرہ بچائے تمھیں تمھاری زد سے تو کیا تم (اس احسان کا)

شٰكِرُوْنَ ۝ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى

شکر ادا کرنے والے ہو۔ اور ہم نے سلیمان کے لیے تند و تیز ہوا کو فرمانبردار بنا دیا تھا جو چلتی تھی ان کے حکم سے اس

الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَ

سرزمین کی طرف جسے ہم نے بابرکت بنا دیا تھا۔ اور ہم ہر چیز کو جاننے والے تھے۔ اور

مِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ

ہم نے مسخر کر دیئے شیطانوں میں سے چند سرکش جو غوطہ زنی کرتے ان کے لیے اور کیا کرتے طرح طرح کے اور کام تھے

نبی کو یہ شان ہم نے بخشی کیا تمھیں ہماری قدرت پر یقین نہیں۔

دوسرا کمال جو حضرت داؤد کو مرحمت ہوا وہ زرہ سازی کا فن تھا۔ چھوٹے چھوٹے لوہے کے حلقوں سے بن کر زرہ تیار کرنا آپ کی اختراع ہے۔ اس طرح کی بنی ہوئی زرہ مضبوط اور وزن میں ہلکی ہوتی ہے۔

اب ان انعامات کا ذکر ہو رہا ہے جو آپ کے فرزند سلیمان علیہ السلام پر کیے گئے۔ پہلا انعام یہ ہے کہ ہوا کو آپ کا تابع فرمان کر دیا گیا۔ آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا لیتی اور جدھر آپ کی مرضی ہوتی ادھر کو لے اڑتی۔ اس کی سرعت رفتار کو دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے کہ صبح سے لیکر چاشت کے وقت تک ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتی۔ آپ کے وزراء اور امراء بھی آپ کے ہمراہ ہوتے۔ اپنے شاہی امور انجام دینے کے بعد اگر آپ چاہتے کہ ہوا آپ کو اپنے قصر کے قریب آپ کے پایہ تخت میں پہنچا دیتی۔ قرآن کریم کی آیات کو اگر تاریخی وسوسوں کے بغیر پڑھا جائے تو ان کا یہی مفہوم سمجھ آتا ہے۔

ایک صاحب نے جیوش انسائیکلو پیڈیا کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ آپ کا ایک زبردست بحری بیڑا تھا جس کے ذریعہ مشرق و مغرب میں آپ کی تجارت کا جال بچھا ہوا تھا اور اس سے بڑا نفع حاصل ہوتا تھا۔ آپ اپنے محلات اور اپنے پایہ تخت کی آرائش پر دل کھول کر روپیہ صرف کرتے تھے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی اسی بحری بیڑا کا ذکر ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کی آیات کے صرف سادہ ترجمہ پر نظر ڈالیے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کیا ان آیات میں اشارۃً یا کنایۃً بحری بیڑے کا ذکر آیا ہے۔ جب نہیں تو پھر ایسی مضحکہ خیز تاویلات کو تفسیر کہنے سے شرم آنی چاہیے۔ عصر حاضر میں جب ہماری فضاؤں میں ہر وقت ان گنت طیارے اور ہوائی جہاز مصروف پرواز ہیں اور انھیں دیکھ کر ایک عام آدمی کو

ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ

اور ہم ہی ان کے نگہبان تھے۔ اور یاد کرو ایوب کو جب پکارا انہوں نے اپنے رب کو کہ مجھے پہنچی ہے۔

بھی کسی قسم کی حیرت نہیں ہوتی۔ آج حضرت سلیمان کے اس ہوائی بیڑے کا انکار کرنا انتہائی نامعقولیت ہے۔

ﮯ دوسری مہربانی یہ فرمائی کہ سرکش جنوں کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا جو سمندر میں غوطے لگا کر اس کی تہ سے قیمتی موتی نکال کر دیتے اور اس کے علاوہ دیگر جسمانی مشقت کے کام آپ ان سے لیتے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ سبا آیت ۱۲، ۱۳ کے حواشی

ﮯ اللہ تعالیٰ کی آزمائش کے کئی انداز ہیں کبھی وہ انعامات و احسانات کا مینہ برسا کر آزماتا ہے اور کبھی آلام و مصائب میں مبتلا کر کے امتحان لیتا ہے پہلے حضرت داؤد و سلیمان کا ذکر فرمایا جنہیں عزت و شاہی جاہ و جلال سے نوازا۔ پہاڑ اور پرندے ہمنوا اور شیاطین کو ان کا حلقہ بگوش بنایا اس کے باوجود وہ شکر گزار رہے کبھی غافل نہ رہے اب اپنے ایک اور بندے کا ذکر ہو رہا ہے جس پر تکالیف و شدائد کی انتہا ہو گئی لیکن اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن نہ چھوٹا ہر حال میں اپنے رب کی حمد و ثنا میں سرگرم رہے تاکہ ہر انسان اپنے حالات کے مطابق انبیاء کے اسوۂ حسنہ سے روشنی حاصل کر سکے۔ حضرت ایوب کی نسب، قوم اور زمانہ کے متعلق بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اگرچہ وثوق سے کوئی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن بعض قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا زمانہ نویں صدی قبل مسیح یا اس سے پہلے کا ہے آپ حضرت اسحٰق کے دوسرے بیٹے عیسو کی نسل سے تھے آپ بڑے دولتمند تھے زرعی زمین کا اندازہ اس سے لگائیے کہ آپ کے پاس کھیتی باڑی کے لیے بیلوں کی پانچ سو جوڑیاں تھیں ہزاروں کی تعداد میں بھیڑ بکریاں تھیں سات بیٹے اور سات بیٹیاں تھیں۔ زوجہ محترمہ کا نام رحمت بتایا گیا ہے جو حضرت یوسف کے فرزند افرائیم کی لخت جگر تھیں بڑی حسین و جمیل اور عصمت مآب تھیں ان گوناگوں انعامات کے باوجود آپ اپنے خالق کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت میں پوری طرح سرگرم رہا کرتے۔ مشیت الٰہی نے جب آزمانا چاہا کھیتیاں جل کر راکھ ہو گئیں مال مویشی میں ایسی وبا پھیلی کہ ایک بھی زندہ نہ بچا آپ کے سارے بیٹے اور بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے ہاں مدعو تھے مکان گرا اور سب لقمۂ اجل بن گئے۔ آپ کے جسم پر آبلے نمودار ہو گئے خارش کی وجہ سے انہیں کھجایا تو انہوں نے ناسور کی شکل اختیار کر لی۔ ان میں پھوڑے پھنسیاں نکلنے لگے جسم سے پیپ بہنے لگی سب نیاز مند اپنا سلسلۂ نیاز و عقیدت توڑ کر الگ ہو گئے بستی والوں نے نفرت سے انہیں بستی سے نکال دیا کہ اس سے لوگوں میں بیماری پھیلنے کا خطرہ ہے۔ تنگ دستی کی انتہا ہو گئی مگر لب پر نہ زبان پر حرف شکایت آیا اور نہ دل میں کبھی اپنے مالک کا شکوہ کیا۔ کافی عرصہ اسی حالت میں گزر گیا بعض نے سات سال اور بعض نے اس سے بھی زیادہ لکھا۔ زبان پھر بھی اپنے خالق و مالک کی حمد و ثنا میں مصروف رہی آخر یہ التجا زبان پر آہی گئی انی مسنی الضر الٰہی مجھے مصیبتوں اور بیماریوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے اس کے بعد یہ عرض نہیں کی کہ میری تکلیفوں اور بیماریوں کو دور فرما دے اور مجھے ان مصیبتوں سے رہائی بخش صرف اتنا ہی عرض کیا انت ارحم الراحمین تو بڑا رحم کرنے والا ہے گویا یہ کہہ کر سب کچھ ہی کہہ دیا۔

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا

سخت تکلیف اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی کرم فرما) تو ہم نے قبول فرمالی اس کی فریاد اور ہم نے دور فرمادی

مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

جو تکلیف انہیں پہنچی ہوئی تھی ۵۵ اور ہم نے عطا کئے اُسے اس کے گھر والے نیز اتنے اور ان کے ساتھ

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۞ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ

اپنی رحمت خاص سے اور یہ نصیحت ہے عبادت گزاروں کے لیے ۵۶ اور یاد کرو اسمٰعیل اور ادریس

۵۵ رحمت الٰہی جوش میں آئی۔ چشم زدن میں ساری مصیبتیں دور ہو گئیں۔ حسن و شباب پھر لوٹ آیا۔ اجڑا ہوا گھر آباد ہو گیا مال و دولت کی وہی فراوانی ہو گئی۔ بلکہ پہلے سے کئی گنا زیادہ۔ ہر چیز میں برکت و رونق آ گئی۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پہلے بچے بچیوں کو بھی زندہ کر دیا گیا۔

۵۶ یعنی حضرت ایوب علیہ السلام کے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں اور اس کی رضا کے طلبگاروں کے لیے بڑی روشن اور واضح نصیحت ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ اگر آزمائش کی کسی ایسی وادی میں سے ان کا بھی گزر ہو، جہاں قدم قدم پر مصیبتوں کے اژدہا منہ کھولے بیٹھے ہوں۔ جہاں بربادیوں اور ویرانیوں کے رنج فرسا سناٹے ہوں تو وہ اپنے رب کریم کا شکوہ نہ شروع کر دیں۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہو جائیں بلکہ سیرت ایوب کو سامنے رکھیں اور صبر و استقامت کا دامن تھامے ہوئے قدم آگے بڑھاتے جائیں۔ فاستجبنا لہ فکشفنا کی نوید انھیں بھی سنائی جائے گی۔

اسی واقعہ کو اگر آپ بائیبل میں پڑھیں گے تو ذکریٰ للعابدین کی کوئی ادنیٰ سی جھلک بھی آپ کو نظر نہیں آئے گی وہاں آپ کو ایوب نامی ایک ایسے آدمی سے واسطہ پڑے گا جو اپنی پیدائش کے دن پر لعنت بھیج رہا ہے چنانچہ صحیفہ ایوب باب ۳ میں ہے۔

"اس کے بعد ایوب نے اپنا منہ کھول کر اپنے جنم دن پر لعنت کی اور ایوب کہنے لگا نابود ہو وہ دن جس میں میں پیدا ہوا اور وہ رات بھی جس میں کہا گیا کہ دیکھو بیٹا ہوا۔"

"وہ دن اندھیرا ہو جائے، وہ رات بانجھ ہو جائے اس میں خوشی کی کوئی صدا نہ آئے۔ اس کی شام کے ستارے تاریک ہو جائیں۔ (آیات ۱ تا ۳، ۷، ۹)

پھر وہ اپنی پیدائش پر نفرین بھیجتا ہے چنانچہ اسی باب میں ہے۔

وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿ۚ۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ

اور ذوالکفل (علیہم السلام) کو۔ یہ سب صابروں کے گروہ سے تھے۔ اور ہم نے داخل فرمایا انہیں اپنی خاص رحمت میں۔

اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔ اور یاد کرو ذوالنون کو جب وہ چل دیا غضبناک ہو کر اور یہ خیال کیا

"میں رحم میں ہی کیوں نہ مر گیا۔ میں نے پیٹ سے نکلتے ہی جان کیوں نہ دے دی یا پوشیدہ اسقاط حمل کی مانند میں وجود میں نہ آتا یا ان بچوں کی مانند جنہوں نے روشنی ہی نہ دیکھی۔" (باب ۳ آیت ۱۱، ۱۶)

اسی پر بس نہیں بلکہ وہ اپنے خدا سے صرف شکوہ کرتا ہوا نہیں الجھتا ہوا اور جھگڑتا ہوا سنائی دیتا ہے:۔

"اے بنی آدم کے ناظر اگر میں نے گناہ کیا ہے تو تیرا کیا بگاڑتا ہوں تو نے کیوں مجھے اپنا نشانہ بنا لیا ہے یہاں تک کہ میں اپنے آپ پر بوجھ ہوں اور تو میرا گناہ کیوں نہیں معاف کرتا اور میری بدکاری کیوں نہیں دور کر دیتا۔" (باب ۷ آیت ۲۰، ۲۱)

آگے باب ۱۰ میں وہی ایوب اپنے رب کو یہ کہتے ہوئے سنائی دیتا ہے۔

"میری روح میری زندگی سے بیزار ہے۔ میں اپنا شکوہ خوب دل کھول کر کروں گا۔ میں اپنے دل کی تلخی میں بولوں گا میں خدا سے کہوں گا مجھے ملزم نہ ٹھہرا مجھے بتا کہ تو مجھ سے کیوں جھگڑتا ہے کیا تجھے اچھا لگتا ہے کہ اندھیر کرے تو میرے خلاف۔ نئے نئے گواہ لاتا ہے اور اپنا قہر مجھ پر بڑھاتا ہے پس تو نے مجھے رحم سے نکالا ہی کیوں؟ میں جان دے دیتا اور کوئی آنکھ مجھے نہ دیکھ پاتی۔ میں ایسا ہوتا کہ گویا تھا ہی نہیں۔"

(باب ۱۰ آیات ۱، ۲، ۳، ۱۷، ۱۸، ۱۹)

اب آپ خود انصاف فرمائیے کیا ایسی شخصیت کو جو سراپا احتجاج ہے جو اپنے رب پر ظالم ہونے کا الزام لگاتا ہے جو مصائب سے اکتا کر اپنی پیدائش پر لعنتوں کی بوچھاڑ کرتا ہے۔ کیا اس کی زندگی یا اس کی سیرت میں کوئی ایسی چیز ہے جو ہمارے لیے ہدایت کا باعث ہو۔

لے اس واقعہ کو سورۃ یونس میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ اہل نینوا کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے آپ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن ان کی ہٹ دھرمی بڑھتی ہی گئی۔ عرصہ دراز تک جب تبلیغ و ارشاد کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ تو آپ ان سے مایوس ہو گئے۔ اس لیے کہ یہ خداوند عالم کو نہیں مانتے اور اس کے احکام پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔ آپ کا دل غصہ سے بھر گیا۔ آپ اذن الٰہی کے بغیر وہاں سے ہجرت کر گئے۔ راستہ میں دریا تھا کشتی میں سوار ہوئے جب کشتی دریا کے بیچ میں پہنچی تو ہچکولے کھانے لگی۔ ملاحوں نے اپنے خیال کے مطابق کہا کہ کشتی میں ضرور کوئی ایسا آدمی ہے جو اپنے مالک سے بھاگ آیا ہے

اور اسی کی نحوست کی وجہ سے کشتی ڈوبنے لگی ہے۔ جب آپ نے یہ سنا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اعتراف کیا کہ وہ میں ہوں۔ چنانچہ آپ کو دریا میں پھینک دیا گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سواریاں زیادہ تھیں جب کشتی ڈوبنے لگی تو باقی سواریوں کے بچانے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں پھینکنا ناگزیر معلوم ہوا۔ تین بار قرعہ اندازی کی گئی۔ ہر بار آپ کا ہی نام نکلا۔ آپ نے دریا میں چھلانگ لگادی۔ حکم الٰہی سے وہاں ایک بڑی مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی۔ اس نے فوراً آپ کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے مچھلی یہ تمہاری خوراک نہیں بلکہ ہم نے تیرے شکم کو اس کے لیے قید خانہ بنایا ہے خبردار اسے کوئی گزند نہ پہنچے۔ جب آپ کو مچھلی نے نگل لیا تو اس وقت آپ نے اپنے مولا کریم کو ان پیارے الفاظ سے پکارا۔ اپنی بھول کا اعتراف کیا اور اس کی وحدانیت اور سبوحیت کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی التجا کو قبول فرمایا۔ مچھلی نے کنارے پر آکر آپ کو اگل دیا۔ یہ دعائیہ کلمات بارگاہ الٰہی میں اتنے مقبول ہوئے کہ فرمایا کہ ہم اہل ایمان کو غم واندوہ کے اندھیروں سے یونہی نجات دیتے ہیں۔ امام احمد، ترمذی اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔

"دعوة ذی النون اذ دعا ربه و هو فی بطن الحوت لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين لم يدع بها رجل مسلم فی شیء الا استجاب له"

یعنی حضرت ذی النون کی وہ دعا جو مچھلی کے شکم میں انہوں نے کی تھی جو مسلمان جس مشکل میں ان الفاظ سے دعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ حاکم نے ایک اور ارشاد نبوی اس طرح نقل کیا ہے:۔

الا اخبركم بشیء اذا نزل باحد منكم كرب او بلاء فدعا به الله فرج الله عنه قيل بلى يا رسول الله۔

حضورؐ نے اپنے صحابہ سے پوچھا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتادوں کہ جب تمہیں کوئی غم اور مصیبت لاحق ہو اور تم اس سے بارگاہ الٰہی میں التجا کرو تو اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان فرمادے۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ضرور ارشاد فرمائیے تو حضورؐ نے یہی دعا ارشاد فرمائی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما سے قضائے حاجات کے لیے نفل پڑھنا بیان فرمایا ہے۔ ناظرین کے فائدہ کے لیے ان کی ترتیب بھی لکھی جاتی ہے:۔

"مجھ کو میرے والد مرشد نے اجازت فرمائی ہے کہ انسان حاجات مشکلہ کے بر آنے کے واسطے چار رکعتیں پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ کو سو بار پڑھے۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ سو بار پڑھے۔ تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ سو بار۔ چوتھی رکعت میں بعد فاتحہ کے قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ پھر سلام پھیر کر

أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ

کہ ہم اس پر کوئی گرفت نہیں کریں گے پھر اس نے پکارا (تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے

سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٧﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ

پاک ہے تو بیشک میں ہی قصور واروں سے تھا۔ پس ہم نے اس کی پکار کو قبول فرما لیا اور نجات بخش دی

مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ

انھیں غم (و اندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو۔ اور یاد کرو زکریا کو جب انھوں نے پکارا اپنے رب کو

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

کہ اے میرے پروردگار! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے ان کی دعا کو قبول فرمایا

وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ

اور انھیں یحییٰ (جیسا فرزند) عطا فرمایا اور ہم نے تندرست کر دیا ان کی خاطر ان کی اہلیہ کو۔ بیشک وہ بہت جلدی کرتے تھے

سو بار یہ کہے رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ چاروں آیتیں اسم اعظم ہیں کہ انکے وسیلے سے جو سوال کیا جائے اور جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔

لے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چل پڑے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ اپنی قوم سے ناراض ہوئے کہ وہ کیوں ایمان نہیں لاتے اور اتباع حق سے کیوں دور بھاگتے ہیں۔

لے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ مجھے پکڑ نہیں سکتا جیسے بعض مترجمین نے لکھا ہے بلکہ اس کا معنی ہے لن نضیق علیہ ہم اس معاملہ میں اس پر تنگی نہیں کریں گے۔ یہ قدر سے ماخوذ ہے جس کا معنی حکم کرنا ہے نہ قدرت سے۔

قیل ہو من القدر والذی ہو القضاء والحکم ای فقضی ان لن نقضی علیہ بالعقوبۃ قالہ قتادۃ و مجاہد والفراء۔ ماخوذ من القدر دون القدرۃ۔ (قرطبی)

لے حضرت زکریا اور ان کی دعا کا تذکرہ سورۂ مریم میں ابھی ابھی گزرا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ مریم آیات ۲ تا ۱۴۔

فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝۹۰

نیکیاں کرنے میں اور پکارا کرتے تھے ہمیں بڑی امید اور خوف سے اور وہ ہمارے سامنے بڑا عجز و نیاز کیا کرتے تھے۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا

اور یاد کرو اس خاتون کو جس نے محفوظ رکھا اپنی عصمت کو پس ہم نے پھونک دیا اس میں اپنی روح سے اور ہم نے بنا دیا اسے

وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۱ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ڮ وَّاَنَا

اور اس کے بیٹے کو (اپنی قدرت کی) نشانی سارے جہان والوں کے لیے بے شک یہ (انبیاء کو ماننے والوں کی جماعت) توحید تمہارا دین ہے

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝۹۲ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝۹۳

جو ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں پس میری ہی عبادت کیا کرو اور انہوں نے پارہ پارہ کر ڈالا اپنے دین کو آپس میں سب نے آخر کار ہماری طرف ہی لوٹنا ہے

۵۱ اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بن باپ ہوئی تھی۔

۵۲ اس سے پہلے متعدد انبیاء کا ذکر ہوا جو مختلف اوقات میں مختلف قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ہر نبی نے الگ الگ عقاید کی تبلیغ کی اور علیحدہ نظریات پر اپنی امت کو اکٹھا کیا۔ اس آیت سے اس وہم کا ازالہ کر دیا اور بتایا کہ تمام انبیاء کرام نے ایک ہی عقیدہ کی تبلیغ کی اور ایک دین کے پرچم کے نیچے ہی سب کو جمع کرنے کی کوشش فرمائی اور وہ عقیدہ توحید ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر سرور انبیاء علیہ اطیب التحیۃ والثناء تک سب نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی۔ بنیادی عقاید میں کسی قسم کا بھی ان میں اختلاف نہ تھا۔ یہاں امۃ کا معنی دین ہے۔ فالامۃ هنا بمعنى الدين۔ (قرطبی)

۵۳ لیکن ہر قوم نے اپنے رسولوں کی ہدایت سے سرتابی کی اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کو اپنا دین بنا لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اولاد آدم بے شمار گروہوں میں بٹ گئی اور انسانی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ عقاید اور نظریات کے ان میں کثرت اختلافات نے اتنی شدت اختیار کی کہ بارہا خون انسانی کے دریا بہائے گئے۔ آباد بستیوں کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا گیا۔

۵۴ آج تم ہٹ دھرمی میں آگے بڑھتے چلے جا رہے ہو اور کسی مخلص اور خیر اندیش راہنما کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہو لیکن قیامت کا دن آنے والا ہے جب تم ہمارے روبرو حاضر کیے جاؤ گے اور ہر چیز کی حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ

پس جو شخص کرے گا کچھ نیک کام بشرطیکہ وہ مومن ہو تو رائیگاں نہیں جانے دیا جائیگا اس کی کوشش کو لہ اور ہم اس

وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝

کے لیے (اسکے عملوں کو) لکھنے والے ہیں اور ناممکن ہے اس بستی کے لیے جس کو ہم نے برباد کر دیا کہ اسکے باشندے پھر لوٹ کر آئیں ثہ

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیئے جائیں گے یاجوج اور ماجوج لہ اور وہ ہر بلندی سے بڑی تیزی کے ساتھ نیچے اترنے لگیں

يَّنْسِلُوْنَ ۝ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ

گے۔ (اب معلوم ہوگا کہ) قریب آگیا ہے سچا وعدہ تو اس وقت تاڑنے لگ جائیں گی۔ نگاہیں ان لوگوں کی

لہ کتنی پیاری آیت ہے کتنا حوصلہ افزا ارشاد ہے جو شخص بھی عمل صالح کرے گا۔ اس سے قطع نظر کہ اس کی رگوں میں کس کا خون ہے وہ کس قبیلہ کا فرد ہے۔ اس کی رنگت گوری ہے یا کالی۔ وہ دولت مند ہے یا مفلس۔ وہ کس ملک کا باشندہ ہے وہ مرد ہے یا عورت۔ جو شخص بھی کوئی نیک کام کرے گا اس کی مساعی کو رائیگاں نہیں دیا جائے گا۔ اس کی جدوجہد رائیگاں نہیں جانے دی جائے گی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کو شرف قبولیت بخشا جائے گا۔ نیکی کرنے والے کو ضرور اس کا اجر ملے گا صرف ایک شرط ہے کہ وہ مومن ہو اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت پر محکم یقین رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو اس کا کوئی عمل بھی مقبول نہیں ہوگا خواہ وہ کتنا نفع بخش اور عمدہ ہو۔ کیونکہ وہ باغی ہے اللہ تعالیٰ کے ملک میں وہ کہ اس کی الوہیت اور اس کی سلطانی کا منکر ہے اور دنیا کے کسی ملک کے قانون اور آئین میں باغی کے لیے کوئی گنجائش نہیں خواہ وہ اپنے علم و فضل، تدبر و تفوق اور انکشافات و ایجادات میں یگانۂ روزگار ہی کیوں نہ ہو۔

ثہ یہاں حرام، بمعنی ممنوع ہے قال الراغب الحرام الممنوع۔

لہ یاجوج اور ماجوج کے متعلق سورۂ کہف میں تفصیلی بحث گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ کہف آیت نمبر ۹۴
حدب کہتے ہیں اونچی جگہ کو الحدب ما ارتفع من الارض والجمع حداب۔ ینسلون۔ نسلان الذئب سے ماخوذ ہے بھیڑیے کی سرعت رفتار کو نسلان الذئب کہتے ہیں مقصد یہ ہے کہ جب وہ بند ٹوٹ جائے گا جو یاجوج ماجوج کو روکے ہوئے ہے تو وہ بلندیوں سے بڑی تیزی کے ساتھ اترتے چلے آئیں گے اور میدانی علاقوں میں پہنچ کر کشت و خون کا بازار گرم کریں گے

الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا

جنھوں نے کفر کیا تھا (انہیں کہیں گے) صد حیف! ہم تو غافل رہے اس امر سے بلکہ ہم تو ظالم تھے۔

ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ

اے مشرکو! (یقیناً) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے[۹۸]

أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَ

تم اس میں داخل ہونے والے ہو، اگر (سچ مچ) یہ خدا ہوتے تو نہ داخل ہوتے جہنم میں، اور (یہ) سب

كُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿١٠٠﴾

(خدا اور ان کے پجاری) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان کی قسمت میں عذاب جہنم ہوگا وہ اس میں اور کچھ نہ سن سکیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾

بلاشبہ وہ لوگ جن کے لیے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے۔

قال الرجاجل وانشلاف خشية الذئب اذا اسوم۔

۹۸۔ یہاں خطاب مشرکین مکہ سے ہے کہ تمہیں اور تمہارے پتھر کے گھڑے ہوئے ان خداؤں کو جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ ما غیر ذوی العقول کے لیے ہے اس لیے اس میں فرشتے، عزیر اور عیسیٰ داخل نہیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ بن الزبعری نے اعتراض کیا کہ پھر تو صرف ہمارے بت ہی نہیں بلکہ عیسیٰ اور عزیر بھی اس آیت کا مصداق بنیں گے کیونکہ عیسائی اور یہودی ان کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا نعم کل من احب ان یعبد من دون اللہ فهو مع من عبده۔ ہاں ہر وہ آدمی جس نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی بھی پوجا کی جائے اسے بھی اپنے پجاریوں کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ حصب کی وضاحت کرتے ہوئے ابوعبیدہ نحوی کہتے ہیں ہر وہ چیز جو آگ جلانے کے کام آئے اسے حصب کہتے ہیں۔ حصب، حطب (ایندھن) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

۹۹۔ جن کی یہ درگت بننے والی ہو کیا وہ اس قابل ہیں کہ انہیں خدا اور معبود تسلیم کیا جائے۔

۱۰۱۔ حسنیٰ سے مراد سعادت ازلی اور توفیق اطاعت ہے۔ الحسنی هی السعادة وقیل التوفیق للطاعة۔ (روح المعانی) حضرت

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ

وہ اس کی آہٹ بھی نہ سنیں گے اور وہ ان (نعمتوں) میں جن کی خواہش ان کے دلوں نے کی تھی ہمیشہ رہیں

خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

گے۔ نہ غمناک کرے گی انہیں وہ بڑی گھبراہٹ شے اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (انہیں بتائیں گے)

هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ

یہی وہ تمہارا دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ (یاد کرو) جس دن ہم لپیٹ دیں گے آسمان کو جیسے لپیٹ لیے جاتے

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا

ہیں طومار میں کاغذات جیسے ہم نے آغاز کیا تھا ابتدائے آفرینش کا اسی طرح ہم اسے لوٹائیں گے۔ یہ وعدہ پورا

عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ

کرنا ہم پر لازم ہے یقیناً ہم (ایسا) کرنے والے ہیں۔ اور بے شک ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں لکھ پند و نصیحت کے (بیان)

نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے منبر پر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ میں ابوبکر عمر عثمان طلحہ زبیر سعد سعید عبدالرحمن اور ابوعبیدہ بن الجراح ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کو یہ مژدہ سنایا جا رہا ہے۔

شے جب حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے سب مخلوق پر خوف اور گھبراہٹ چھا جائے گی سب لوگ حیران و پریشان ہونگے مگر ان پاک ہستیوں کو اس روز بھی کسی گھبراہٹ اور بے چینی کا سامنا نہیں ہوگا فرشتے ان کے استقبال کے لیے وہاں پہلے سے ہی موجود ہونگے اور انہیں یہ مژدہ جانفزا سنائیں گے کہ وہ روز سعید جس کے لیے تم عمر بھر عبادت و طاعت میں مصروف رہے وہ آگیا ہے آج تمہاری مشتاق نگاہوں اور بیتاب دلوں کی تسکین کا سامان کیا جائے گا۔ سبحان اللہ کتنا کریم ہے وہ اور کتنے بلند اقبال ہیں جن کے ساتھ روز حشر ایسا سلوک کیا جائے گا۔ اللھم اجعلنا منھم بجاہ نبیک الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لکھ زبور اس آسمانی صحیفہ کا نام ہے جو حضرت داؤد پر نازل ہوا۔ الذکر سے مراد تورات ہے یعنی ہم نے اس حقیقت کو جس کا بیان ابھی آ رہا ہے زبور میں بھی لکھا اور اس سے پہلے تورات میں بھی۔ بعض حضرات نے زبور سے سارے آسمانی صحیفے مراد لیے ہیں اور الذکر کا معنی لوح محفوظ کیا ہے یعنی قدرت کا یہ فیصلہ سب آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے اور اس سے پہلے لوح محفوظ میں بھی یہ لکھا جا چکا ہے۔ بعض نے الذکر سے مراد قرآن پاک لیا ہے۔

الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ

کے بعد کہ بلاشبہ زمین کے وارث تو میرے نیک بندے ہوں گے بیشک اس قرآن میں کفایت

هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

ہے اس قوم کی (فلاح دارین) کے لیے جو عبادت گزار ہے اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر سارے

جس زمین کی وراثت کا وعدہ صالحین کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے مراد جنت کی سرزمین ہے جس طرح دوسری آیات میں اس کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ وقالوا الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنة حیث نشاء فنعم اجر العاملین "کہ جب متقی لوگ گروہ در گروہ جنت میں داخل ہو جائیں گے تو کہیں گے کہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمارے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اسے سچ کر دکھایا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا اب ہم جنت میں جہاں چاہیں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں پس نیک کام کرنے والوں کے لیے بہترین اجر ہے۔

باقی رہی زمینی بادشاہی و حکومت تو وہ کبھی صالحین اور کبھی فاسقین کو دے دی جاتی ہے جس کا ذکر دوسری آیت میں ہے ان الارض للہ یورثہا من یشاء من عبادہ۔ زیر بحث آیت کو سامنے رکھ کر بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ فلاح و ترقی کا قرآنی معیار حکومت کو بنا دینا چاہیے ان کا یہ قول قرآن کریم کی صریح وضعیات کے خلاف ہے تاریخ شاہد ہے کہ جتنے جتنے ظالم، خونخوار اور نااہل لوگ تخت شاہی پر متمکن رہے ہیں جن کے مظالم اور نااہلی سے ان کی اپنی قوم نالاں رہی۔ حصول حکومت کو صلاحیت کا معیار قرار دینے والے کیا ایسے فرمانرواؤں کو بھی صالح ہونے کی سند دیں گے۔ کیا ہٹلر کا نام اس کے اپنے ہم وطنوں میں آج ایک گالی بن کر نہیں رہ گیا۔ زندگی میں سٹالن کی پوجا کرنے والوں نے اس کے مرنے کے بعد اپنے ہاتھوں سے اس کی ہڈیاں کریملن کے مقبرے سے نکال کر باہر نہیں پھینک دیں۔ اگر دنیوی حکمرانی اور مادی ترقی کو ہی آپ صالحیت کا معیار قرار دیجئے تو قرآن کریم کی بے شمار آیات کی تحریف کے مرتکب ہونے کے ساتھ آپ تاریخ کی عدالت میں بھی ایک مجرم قرار دیئے جائیں گے۔ آپ نے ہر اس شخص کو قرآنی اصطلاح میں صالح کہہ دیا جس نے کسی طرح زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ خواہ اس نے تہذیب و ثقافت کے سب روشن چراغ بجھا دیئے ہوں۔ خواہ اس کی فتوحات سے کاروان انسانیت کی ترقی رک گئی ہو۔ خواہ اس کی خونخواریوں اور سفاکیوں کی وجہ سے عالم انسانیت پر بربریت، وحشت اور جہالت کی شب دیجور چھا گئی ہو۔

صحاح میں ہے البلاغ: الکفایۃ یعنی اس قرآن مجید میں جو احکام اور ارشادات ہیں وہ انسان کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ ان پر عمل کرنے والا دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو جاتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کے بعد مومن کو کسی دوسرے نظام حیات سے دریوزہ گری کی شرمندگی اٹھانی نہیں پڑتی یعنی من اشتغل بہا بلغ بہا ما یروم من الثواب۔ (مظہری)

لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

جہانوں کے لیے۔ فرمائیے کہ میرے پاس تو صرف یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا وہی ہے جو ایک خدا ہے

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ البلاغ۔ الکفایۃ وما تبلغ به البغیۃ۔ (کبیر)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جن کمالات صوری ومعنوی، خلقی، وہبی وکسبی سے مشرف فرمایا وہ بلاشک وشبہ بے مثال اور بے نظیر ہیں اور ان کمالات کو قرآن کریم کی آیات طیبہ میں جس انداز سے بیان فرمایا اس کا بھی جواب نہیں۔ ان آیات کو پڑھ کر اگر ایک طرف عبد محبوب کے مرتبہ کمال کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف ان کمالات کے بخشنے والے کی شان کریمی اور اداء بندہ نوازی دیکھ کر بے ساختہ دل وزبان سے سبحان اللہ! سبحان اللہ! کی صدا بلند ہوتی ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جو جامعیت ہے اس نے اس کو دیگر آیات سے ممتاز کر دیا ہے جو کمالات اور صفات عالیہ متفرق طور پر منتشر تھیں ان سب کو یہاں یکجا کر دیا ہے۔ اس آئینہ میں حسن محمدی اور جمال احمدی کی ساری رعنائیاں، اور دلربائیاں بکمال لطافت جلوہ نما ہیں۔

ارشاد ہے اے محبوب! جو کتاب مجید، دین حنیف، شریعت بیضا، خلق عظیم، دلائل قاہرہ، حجج باہرہ، آیات بینات اور معجزات ساطعات غرضیکہ جن ظاہری اور باطنی، جسمانی اور روحانی نعمتوں سے مالا مال کر کے ہم نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ آپ سارے جہانوں کے لیے، سارے جہان والوں کے لیے، اپنوں اور بیگانوں کے لیے، دوستوں اور دشمنوں کے لیے سراپا رحمت بن کر ظہور فرما دیں۔

لغت میں رحمت دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ الرحمۃ۔ الرقۃ والتعطف۔ (الصحاح)

یعنی رحمت رقت اور احسان ومہربانی کے مجموعے کا نام ہے۔ علامہ راغب اصفہانی کی تشریح ملاحظہ ہو۔

الرحمۃ: رقۃ تقتضی الاحسان الی المرحوم۔ یعنی رحمت اس رقت کو کہتے ہیں جو اس شخص پر احسان کرنے کا تقاضا کرے جس پر رحمت کی جا رہی ہے۔ پھر فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت میں رقت نہیں کیونکہ وہ اس سے پاک ہے۔ بلکہ صرف تعطف اور احسان ہے اور کہیں صرف رقت ہوتی ہے اور بایں ہمہ احسان نہیں ہوتا۔ (المفردات)

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو رحمت جامعہ یعنی رحمت کے دونوں عنصروں سے نوازا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم (جس سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے وہ چیز میرے محبوب کو بڑی شاق گزرتی ہے) میں رقت کا اظہار ہے اور بالمؤمنین رؤف رحیم میں شان تعطف واحسان کا۔ یعنی ہر دردمند کے درد کا احساس بھی ہے اور ہر درد کا درمان بھی ہے۔ کسی غم زدہ اور دکھ درد کے مارے کو دیکھ کر غایت رأفت سے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور نوک مژگان پاک پر در یتیم سے ارجمند تر اور تابندہ تر آنسوؤں کے موتی سراپا التجا بن کر بارگاہ رب العالمین میں گرتے ہیں تو مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں، غم واندوہ کی کالی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔

آپ خود غور فرمائیے کہ جن افراد نے یا جن قوموں نے حضور کے دامنِ رحمت کو تھاما، حضور کے لائے ہوئے دین کو صدقِ دل سے قبول کیا اور حضور کے پیش کردہ نظامِ حیات کو اپنی عملی زندگی میں اپنایا وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ گمراہ تھے لیکن اس خورشیدِ مبین سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد ظلمت کدہ عالم میں ہدایت کے چراغ روشن کر گئے۔ جاہل تھے لیکن اس چشمۂ علم و عرفان سے سیراب ہونے کے بعد دنیا کے جس جس گوشہ میں گئے علم و حکمت کے چمن کھلاتے گئے۔ گنوار اور اجڈ تھے لیکن پاکیزہ تہذیب و تمدن کے بانی بن گئے۔ جہانگیری و جہانبانی کا ایک اچھوتا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا جس میں کسی ایسے بادشاہ کی گنجائش نہیں جو مطلق العنان ہو، جو قانون کی گرفت سے بالاتر ہو، جو سب کا محاسبہ کر سکے لیکن اس سے باز پرس کرنے کی کسی کو اجازت نہ ہو بلکہ جو قوم و ملک کا سربراہ ہوگا اسے خلیفہ کہا جائے گا جس کا معنی نائب ہے اور نائب وہ ہوتا ہے جسے کسی نے مقرر کیا ہو اور جس پر لازم ہو کہ وہ جو کچھ کرے گا اپنے مقرر کرنے والے کی منشا اور ہدایت کے مطابق کرے گا۔ ان رحمتوں سے وہ افراد اور قومیں سرشار ہوئیں جنہوں نے حضور کی رسالت کو تسلیم کیا اور حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لانے کا شرف حاصل کیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

لیکن جو لوگ اپنی کج فہمی کے باعث یا بیجا تعصبات میں مبتلا ہو کر اس چشمۂ حیوان سے براہِ راست اور بلا واسطہ سیراب نہ ہوئے وہ بھی اس فیضان سے دانستہ یا نادانستہ فیضیاب ہوتے رہے۔ آفتاب کی شعاعیں ہر وادی و کہسار کو روشن کرتی رہیں حتیٰ کہ وہ مذاہب جن کی بنیادیں اصنام پرستی اور شرک پر تھیں وہ بھی اپنے مشرکانہ عقاید میں ترمیم کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ ہندوستان میں آریہ سماج اور عیسائی دنیا میں پروٹسٹنٹ نظریات کا فروغ اس دعویٰ کی صداقت پر شاہد عادل ہیں۔ ملوکیت اور شخصی نظام نے حکومت کی جگہ جمہوری اور شورائی طرزِ حکومت کی مقبولیت اسلام کے پیش کردہ نظریۂ سیاست کی فتح مبین قرار دی گئی ہے اور یہ رحمت کیا کم ہے کہ اپنے فسق و فجور اور کفر و شرک کے باوجود پہلی قوموں کی طرح ان پر فوری عذاب نازل کر کے انہیں نیست و نابود نہیں کر دیا گیا۔

یہ تو عالمِ ناسوت میں حضور کی گوناگوں رحمتوں کا ظہور ہے۔ لیکن صرف یہاں ہی نہیں بلکہ عالمِ ملکوت میں بھی حضور کی رحمت کا پرچم لہرا رہا ہے اور حضور کا دستِ شفقت گل افشانی کر رہا ہے۔ وہاں رحمتِ محمدی کے ظہور میں جو بانکپن ہے اور بحرِ کرم میں جو تموج اور روانی ہے اس کا حال تو فقط وہ نفوسِ قدسیہ ہی جانتے ہیں جنہیں اس عالم کی سیاحت ارزانی ہوئی ہے۔

غرضیکہ یہ وہ آفتاب ہے جس کی تابانیوں سے صرف عالمِ رنگ و بو ہی روشن نہیں بلکہ وہ جہانِ لطیف بھی درخشاں ہے جو رنگ و بو، کم و کیف، بالا و پست کے تعینات سے ماورا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ وہاں اس آفتاب کی نور افشانی کا رنگ ہی نرالا ہے جو نہ زبان پر لایا جا سکے اور نہ قلم سے لکھا جا سکے۔ اس رحمتِ عامہ کی برکتوں سے عقل بھی بہرہ ور ہے اور دل کی دنیا بھی شادکام ہے۔

ترجمانِ حقیقت شاعرِ مشرق نے کیا خوب کہا ہے :۔

تیری نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو عشق حضور و اضطراب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شانِ رحمت سے نقاب سرکاتے ہوئے فرمایا انما انا رحمة مهداة یعنی میں وہ رحمت ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بطور تحفہ عطا فرمائی۔

ایک مرتبہ کفار کے لیے جب بددعا کرنے کی التجا کی گئی تو حضور نے فرمایا انما بعثت رحمة ولم ابعث عذابا یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے عذاب بنا کر نہیں بھیجا بلکہ سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وكونه صلى الله عليه وسلم رحمة للجميع باعتبار انه عليه الصلاة والسلام واسطة الفيض الالهي على الممكنات على حسب القوابل ولذا كان نوره صلى الله تعالى عليه وآله وسلم اول المخلوقات ففي الخبر اول ما خلق الله تعالى نور نبيك يا جابر وجاء "الله تعالى المعطي وانا القاسم" وللصوفية قدست اسرارهم في هذا الفصل كلام فوق ذلك۔ (روح المعانی)

یعنی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تمام کائنات کے لیے رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ عالمِ امکان کی ہر چیز کو حسبِ استعداد جو فیضِ الٰہی ملتا ہے وہ حضور کے واسطے سے ہی ملتا ہے اسی لیے حضور کا نور تمام مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اے جابر! سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا' اور دوسری حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ دینے والا ہے اور میں اس کی رحمت کے خزانوں کو بانٹنے والا ہوں۔ اور صوفیائے کرام قدست اسرارہم نے اس ضمن میں جو اسرار و معارف بیان کیے ہیں وہ اس سے بلند ہیں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔

حضرت علامہ اقبال نے حال بلا احوال صاحب تکلم عشق کی مدح سرائی میں جب یہ گل فشانی کی ہو گی تو کیا عجیب سماں ہوگا۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر — وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

ونسئل الله تعالى ان يجعل حظنا من رحمته العظمى الوافر وان ييسر لنا امور الدنيا والآخرة بلطفه المتواتر۔ (روح المعانی)

الٰہی ہمیں اپنے محبوب کی رحمت سے حظِ وافر عطا فرما اور حضور کے لطفِ پیہم سے ہمارے دنیوی اور اخروی کاموں کو آسان فرما۔ آمین ثم آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ رحمۃ للعالمین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

شانِ رحمۃ للعالمین کا اہم اور مبارک ترین پہلو یہ ہے کہ کفر و شرک میں ڈوبی ہوئی دنیا کو پھر نورِ توحید سے جگمگا دیا۔ بندے کا تعلق اپنے رب سے جوڑ دیا۔ اس کا دل جو دنیا بھر کی خواہشات کا کباڑ خانہ بنا ہوا تھا اسے تمام آلودگیوں سے پاک کیا اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا روشن چراغ اس میں رکھ دیا۔ انسانیت کا کارواں اپنی منزل کی تلاش میں صدیوں سے بھٹک رہا تھا اسے

فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ

پس کیا تم اسلام لانے کے لئے تیار ہو۔ اگر وہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے آگاہ کر دیا ہے تمہیں

سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ

پوری طرح اللہ اور میں نہیں جانتا کہ قریب ہے یا بعید جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾ وَإِنْ

جانتا ہے جو بات تم بلند آواز سے کہتے ہو اور جانتا ہے جو تم (اپنے دلوں میں) چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں شاید اس

أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قُلَ

(ڈھیل سے) شاید تمہارا امتحان لینا اور ایک وقت تک تمہیں لطف اندوز کرنا مطلوب ہو۔ آپ نے عرض کی

اپنی منزل کا پتہ بھی دیا اور وہ راہ بھی بتائی جو سیدھی منزل تک لے جا سکتی تھی۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ مسافر کے دل میں منزل کا اتنا شوق پیدا کر دیا کہ وہ ہر طرف سے پہلو بچا کر اپنی منزل کی طرف چیتا بلند وار گامزن ہو گیا۔

۱۰۹ اگر اس کے باوجود بھی وہ سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آئیں تو آپ فرما دیجئے کہ میں نے تم سب کو علی الاعلان بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔ اب بھی اگر تم نے اس عذاب سے بچنے کے لیے کوئی انتظام نہ کیا تو تمہاری اپنی بدبختی ہوگی۔

۱۱۰ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں بے خدا کے بتانے کے یعنی یہ بات عقل و قیاس سے جاننے کی نہیں ہے۔ یہاں درایت کی نفی فرمائی گئی۔ درایت کہتے ہیں اندازے اور قیاس سے جاننے کو جیسا مفردات راغب اور رد المحتار میں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے واسطے لفظ درایت استعمال نہیں کیا جاتا اور قرآن کریم کے اطلاقات اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان۔ لہٰذا یہاں بے تعلیم الٰہی محض اپنے عقل و قیاس سے جاننے کی نفی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔ (خزائن العرفان)

علامہ راغب نے درایت کا معنی بتاتے ہوئے لکھا ہے الدرایۃ۔ المعرفۃ المدرکۃ بضرب من التحیل۔ یعنی غور و فکر سے جو معرفت اور علم حاصل ہوتا ہے اس کو درایت کہتے ہیں۔

رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

میرے رب! فیصلہ فرمادے (ہمارے درمیان) حق کے ساتھ اور (اے کفار!) ہمارا رب ہے جو رحمٰن ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے ان باتوں پر جو تم کرتے ہو۔ ۹۴

۹۳ آخر میں حضور کریم دعا عرض کرتے ہیں کہ الٰہی اب ایسا قطعی فیصلہ فرما کہ حق کے متعلق ان کے ذہن میں جتنے وسوسے اور جس قسم کے شبہات ہیں وہ دور ہو جائیں اور میری دعوت کے سچے ہونے میں انھیں کوئی تردد نہ رہے۔

۹۴ قوت و طاقت میں کفار زیادہ ہیں۔ وسائل کی ان کے پاس کمی نہیں۔ زبانیں ان کی قینچی کی طرح تیز چلتی ہیں۔ جھوٹ بولنے اور افترا باندھنے سے انھیں شرم نہیں آتی۔ ضمیر کی ملامت کا انھیں اندیشہ نہیں۔ ایسے بیباک خدا ناترس اور طاقت کے نشے میں مخمور دشمن پر غلبہ پانے کی ایک ہی صورت ہے کہ خداوند رحمٰن کی تائید اور نصرت پشت پناہی فرمائے۔ اس لیے آخر میں اپنے کاموں کو اسی کے سپرد کر دیا۔

تعارف سورۃ الحج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام : کیونکہ اس سورت میں حج کے اعلانِ عام اور اس سے متعلق چند احکام کا ذکر ہے اس مناسبت سے اس سورت کو سورۃ الحج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

اس سورت میں ۱۰ رکوع ۷۸ آیتیں ۱۲۹۱ کلمات اور ۵۰۷۵ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : بعض علماء تفسیر نے اسے مکی سورتوں میں شمار کیا ہے اور بعض نے اسے مدنی کہا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں وہ خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں جو مکی سورتوں کا طرۂ امتیاز ہیں اور وہ خصوصیات بھی جو مدنی سورتوں کا خاصہ ہیں لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس سورت میں وہ آیات بھی ہیں جو مکی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی ہیں اور وہ آیات بھی جو مدنی زندگی کے آغاز میں نازل ہوئیں چنانچہ علامہ قرطبی مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

وقال الجمهور السورة مختلطة منها مكي ومنها مدني وهذا هو الاصح۔ یعنی جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکی آیات اور مدنی آیات کا مجموعہ ہے اور جمہور کا قول ہی صحیح ہے۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی قول کی تصویب کی ہے۔

روح المعانی

مضامین (۱) کفار کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قیامت کی ہولناکیاں بیان کی گئیں اور انہیں سمجھایا گیا کہ اس سے پیشتر کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آ جائے تم چشم ہوش وا کرو اور اس دعوتِ توحید کو صدقِ دل سے قبول کرو۔

کیونکہ کفار وقوعِ قیامت کو خلافِ عقل قرار دیا کرتے اور اس کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کیا کرتے اس لیے ایسے شواہد پیش کیے گئے جن سے وقوعِ قیامت کے متعلق دل میں یقین پیدا ہو جاتا ہے۔

۲۔ مسلمان تیرہ چودہ سال تک کفار کے بے پناہ مظالم خاموشی سے برداشت کرتے رہے اب مسلمانوں کو اپنی حفاظت کیلئے قوت استعمال کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے اور انہیں یقین دلایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شاملِ حال ہو گی اس لیے وہ ظاہری وسائل کی کمی سے پریشان نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت پر پورا بھروسہ رکھیں۔

اس ضمن میں دنیا کی مختلف قوموں میں طاقت کا توازن برقرار رکھنے کا ازلی قانون اور اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اگر ساری قوت اور وسائل کسی ایک قوم کے قبضہ میں آ جائیں تو دنیا کا امن و سکون درہم برہم ہو جائے کمزور قوموں کا

جان، مال اور آبرو محفوظ نہ رہے حتیٰ کہ مذہبی عبادت گاہوں کا احترام بھی ختم ہو جائے اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے اس لیے قدرت کا یہ اٹل اصول ہے کہ وہ اقوام عالم میں طاقت کا توازن برقرار رکھتی ہے۔

(۳) جا بجا توحید کے روشن دلائل بھی پیش کر دیئے اور اصنام و اوثان کی بے بسی کو بھی آشکارا کر دیا تاکہ جو لوگ انھیں خدا سمجھے بیٹھے ہیں انھیں ان کی بے بسی کا علم ہو جائے کہ انھیں اتنی طاقت بھی نہیں کہ وہ سب مل کر مکھی جیسی حقیر چیز بنا سکیں اور وہ اتنے کمزور ہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور نہ اس سے چھینی ہوئی چیز واپس لے سکتے ہیں۔

(۴) آخر میں بڑے پیارے انداز سے امت مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ کیا گیا کہ حق کا علم سربلند رکھنے کے لیے اور توحید کی شمع فروزاں رکھنے کے لیے دنیا کی ساری قوموں سے تمھیں منتخب کیا گیا ہے (ھو اجتبکم) اس لیے اب تمھارا فرض ہے کہ تم ہر قیمت پر اس پرچم کو سربلند رکھو اور اس شمع کو فروزاں رکھو اس عزت و افتخار کو جو تمھیں بارگاہِ الٰہی سے مرحمت ہوا ہے برقرار رکھنے کے لیے ہر امکانی کوشش کرو نیز اپنے اعمال اور کردار کو آفتاب بے داغ رکھو اور ظاہر و باطن کو اتنا پاکیزہ رکھو کہ اگر کوئی شخص تم سے تمھاری پیش کردہ دعوت کی صداقت کی کوئی دلیل طلب کرے یا کوئی گواہ مانگے تو تمھاری سیرت اور تمھارا کردار بطور دلیل اور بطور گواہ پیش کیا جا سکے۔

آخر میں پھر انھیں اپنی کارسازی اور نصرت کا یقین دلانے کے لیے ارشاد فرمایا ھو مولٰکم فنعم المولٰی و نعم النصیر۔ وہ قوم جس کے سامنے کوئی عظیم مقصد ہوا کرتا ہے اس کے وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ اسے بیکار مشغلوں میں صرف کیا جائے اس لیے مسلمانوں کو اس بات کی طرف بھی متنبہ کیا کہ باطل پرست لوگ اور وہ افراد جن کے پیشِ نظر زندگی کا کوئی بلند مقصد نہیں وہ تمھیں بے ہودہ مباحثوں اور مناظروں میں الجھانے کی پوری کوشش کریں گے تاکہ تم ان بے مقصد مباحث میں الجھ کر اپنے منصب سے غافل ہو جاؤ لیکن اے فرزندانِ اسلام تم ان کے دامِ فریب میں نہ پھنسنا اور اگر وہ زیادہ مصر ہوں تو یہ کہہ کر آگے بڑھ جانا کہ اللہ تعالیٰ تمھارے حالات کو خوب جانتا ہے۔ وان جادلوك فقل الله اعلم بما تعملون۔ ان مباحث کے علاوہ علم و حکمت کے کئی نوادرات اس سورہ کا مطالعہ کرتے وقت آپ کو دستیاب ہوں گے بارگاہِ الٰہی میں ہماری یہ عاجزانہ التجا ہے کہ وہ ہمیں اس چشمہ حیواں سے سیراب ہونے کی توفیق بخشے اور ہمیں یہ ہمت دے کہ قرآن کریم کے نورِ مبین سے نہ صرف اپنی زندگیوں کو ہی منور کریں بلکہ ظلمت و گمراہی اور وہم و گماں کے ریگستانوں میں بھٹکنے والی قوموں کو بھی ان کی منزل کا پتہ بتا سکیں۔

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحج مدنی — ۷۸ آیتیں — ۱۰ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔

ل قرآن کریم نے اعمال و اخلاق کی اصلاح اور درستی کے لیے جو دستور پیش کیا ہے اس کی بنیاد اس عقیدہ پر رکھی ہے کہ ہر شخص سے اس کے اعمال کے بارے میں قیامت کے دن باز پرس کی جائیگی۔ آج اگر وہ اپنے منصب یا دولت کی وجہ سے قانون کی زد سے بچ جاتا ہے تو اسے یہ بات ایک لمحہ کے لیے بھی فراموش نہ کرنی چاہیے کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جبکہ اس کی دولت اور اس کا منصب اس سے چھین لیا جائے گا وہ ہوگا اور اس کے اعمال ہوں گے اور احکم الحاکمین کی عدالت ہوگی۔ دلوں میں اس عقیدہ کو راسخ کرنے کیلئے قرآن کریم میں بار بار اس کی تبلیغ کی گئی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جس معاشرہ میں یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے وہاں ظلم و فسق و فجور کا قدم نہیں جم سکتا۔ اسی احساس کو تقویت دینے کیلئے اس سورۃ کا آغاز ان آیات سے کیا جا رہا ہے۔

ل وقوع قیامت کے ہولناک منظر کو مختلف انداز میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے یہاں بھی اس خوف و دہشت کا ذکر ہو رہا ہے جس سے انسان اس وقت دوچار ہوگا جب اس نظام عالم کو درہم برہم کر دیا جائیگا۔ حضرت ابوہریرہ کی طویل حدیث کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیے آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جائیگا۔ حضور کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا... کہ اسرافیل تین مرتبہ صور پھونکیں گے الاولی نفخة الفزع والثانية نفخة الصاعقة والثالثة نفخة القيام لرب العالمين۔ (یعنی جب پہلی دفعہ صور پھونکا جائے گا تو ساری کائنات کے درہم برہم ہونے کی وجہ سے گھبراہٹ اور پریشانی طاری ہو جائے گی۔ دوسری مرتبہ ساری کائنات موت کی نیند سو جائے گی اور جب تیسری مرتبہ صور پھونکیں گے تو سب اپنی قبروں سے اٹھ کر بارگاہ رب العالمین میں حاضر ہو جائیں گے) جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائیگا تو زمین جھٹکے کھانے لگے گی اور جس طرح کشتی سمندر میں جھکولے کھاتی ہے اور چاروں طرف سے موجیں اسے تھپیڑے مارتی ہیں یا جس طرح کوئی لٹکی ہوئی قندیل آندھی میں حرکت کرتی ہے فتكون الارض كالسفينة الموبقة في البحر تضربها الامواج تكفأها باهلها او كالقنديل المعلق بالعرش ترجحه الارياح۔ اس وقت جو مائیں بچوں کو دودھ پلا رہی ہوں گی انہیں اپنے بچے بھول جائیں گے جو عورتیں حاملہ ہوں گی خوف کے مارے ان کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ (ابن کثیر)

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ

جس روز تم اس کو (یعنی ہولناکیوں کو) دیکھو گے تو غافل ہو جائیگی ہر دودھ پلانے والی (ماں) اس (لخت جگر) سے جس کو اس نے دودھ

كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم

پلایا اور گرا دے گی ہر حاملہ اپنے حمل کو اور تجھے نظر آئیں گے لوگ جیسے وہ نشہ میں مست ہوں حالانکہ وہ نشہ

بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ ﴿٢﴾ وَمِنَ ٱلنَّاسِ مَن يُجَٰدِلُ

میں مست نہیں ہوں گے بلکہ عذاب الٰہی بڑا سخت ہوگا (اور اس کی ہیبت سے حواس باختہ ہو جائیں گے) اور بعض ایسے لوگ ہیں جو جھگڑتے ہیں

فِى ٱللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَٰنٍ مَّرِيدٍ ﴿٣﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر اور پیروی کرتے ہیں ہر سرکش شیطان کی ۔ جس کے متعلق لکھا جا چکا ہے کہ

أَنَّهُۥ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُۥ يُضِلُّهُۥ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلسَّعِيرِ ﴿٤﴾

جو اس کو دوست بنائے گا تو وہ اسے گمراہ کر کے رہے گا اور اسے دکھائے گا راستہ بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف ۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ان آیات میں جس زلزلہ کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے وہ اس وقت ہوگا جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائیگا
هي الزلزلة المعروفة التي هي احدى شرائط الساعة التي تكون في الدنيا قبل يوم القيامة هذا قول الجمهور (قرطبی)
کہتے ہیں کہ یہ زلزلہ پندرہ رمضان کو آئیگا اور اس کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

؎ نضر بن حارث حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے میں پیش پیش رہا کرتا تھا ۔ عقیدہ قیامت کے متعلق تو اس کی ہرزہ سرائی حد سے بڑھ گئی تھی ۔ مُردوں کی بوسیدہ ہڈیاں ہاتھ میں لے کر وہ لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا اور کہتا کہ قرآن کہتا ہے کہ یہ ہڈیاں پھر زندہ کی جائیں گی تم خود سوچو کبھی ایسا ہونا ممکن ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بحث بازیاں اور اعتراضات علمی دلائل پر موقوف نہیں بلکہ شیطان مردود کی وسوسہ اندازیاں ہیں جن کو اس نے پلے باندھ رکھا ہے المرید والمارد: العاتی یعنی سرکش ۔

؎ شیطان کی نافرمانی اور پیہم سرکشی کے باعث یہ تقدیر اس کی لوح تقدیر پر ثبت کر دی گئی ہے کہ جو شخص اس کو اپنا دوست بنائیگا یہ اس کو راہ راست سے بہکا دے گا اور اسے لے جا کر دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دے گا ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

اے لوگو! اگر تمہیں کچھ شک ہو (دوبارہ) جی اٹھنے میں تو (ذرا اس امر میں غور کرو کہ)

مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ

ہم نے ہی پیدا کیا تھا تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر گوشت کے ٹکڑے سے بعض

مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا

کی تخلیق مکمل ہوتی ہے اور بعض کی نامکمل تاکہ ہم ظاہر فرما دیں تم پر (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم

۵ سب انسانوں کی مٹی سے پیدا کیے جانے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ آدم جو ابو البشر ہیں ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی یا یہ کہ مادۂ منویہ جن غذاؤں سے بنتا ہے وہ سب زمین سے اگتی ہیں جب رحم میں نطفہ قرار پکڑتا ہے تو کچھ عرصہ کے بعد اس میں تدریجی تبدیلیاں ہونے لگتی ہیں۔ پہلے وہ خون کی طرح گاڑھا اور سرخ ہو جاتا ہے اسے علقہ کہا گیا۔ پھر وہ گوشت کی شکل اختیار کرتا ہے اسے مضغہ فرمایا۔ اس کے بعد مختلف اطوار طے کرنے کے بعد صحیح و سلامت پیدا ہوتا ہے یا وہ اس سے پہلے ہی گر جاتا ہے۔ غیر مخلقہ کا مفہوم اکثر علماء نے یہی بیان کیا ہے لیکن بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ بچہ ہے جو ناقص الاعضاء پیدا ہوتا ہے۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔

حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو الصادق المصدوق ان احدکم یجمع خلقہ فی بطن امہ اربعین یوما ثم یکون فی ذالک علقۃ مثل ذالک ثم مضغۃ مثل ذالک ثم یرسل الملک فینفخ فیہ الروح ویؤمر باربع کلمات یکتب رزقہ واجلہ وعملہ وشقی اوسعید۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا اور آپ سچے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص پیدائش کے وقت اپنی ماں کے شکم میں چالیس دن تک رہتا ہے پھر وہ علقہ بن جاتا ہے پھر چالیس دن گزرنے کے بعد وہ مضغہ ہوتا ہے۔ پھر چالیس دن گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس میں روح پھونکتا ہے اور اس کو چار چیزیں لکھنے کا امر ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ اس کا رزق۔ اس کی موت کا وقت۔ اس کے اعمال اور یہ کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے فرشتہ کو ما فی الارحام (جو کچھ رحم میں ہے) کا بھی علم حاصل ہوتا ہے اور اس کی موت کے وقت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ آیت میں جس چیز کی نفی ہے کہ ما فی الارحام کو کوئی نہیں جانتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے کے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔

نَشَاۤءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ

چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر ہم نکالتے ہیں تمہیں بچہ بنا کر پھر پرورش کرتے ہیں تمہاری تاکہ تم پہنچ جاؤ

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا

اپنے شباب کو اور تم میں سے کچھ پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو پہنچا دیا جاتا ہے نکمی عمر تک تاکہ وہ کچھ نہ جانے

يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۗ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ

جو چیز کہ جاننے کے بعد ۔ اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک پڑی ہوئی ہے پھر جب ہم اتارتے ہیں

ے اس کے بعد پیدائش سے موت تک انسانی زندگی جن مرحلوں سے گزرتی ہے ان کو بیان فرما دیا۔ استقرارِ حمل سے لے کر آخری دم تک انسان جن مرحلوں سے تدریجاً گزرتا ہے، ہر مرحلہ میں نازک سے نازک جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں پھر ان کے نئے نئے تقاضے ہوتے ہیں اور جس فیاضی اور حکمت سے ان کو پورا کیا جاتا ہے اگر انسان فقط اسی میں غور کرے تو بے اختیار پکار اٹھے کہ علیم و حکیم ہے وہ خالق جس نے انسان کو پیدا کیا اور وحدہٗ لاشریک ہے وہ ذات والا صفات جس کی حکمت اور جس کے علم کے جلوے نطفۂ انسانی کی ہر بوند پر چشمِ بینا کو نظر آتے ہیں۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کا معدہ اتنا لطیف ہوتا ہے وہ کسی ثقیل چیز کو ہضم کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس وقت ماں کا دودھ بھی پتلا اور زود ہضم ہوتا ہے جس نسبت سے معدہ میں ہاضمہ کی قوت بڑھتی ہے اسی نسبت سے ماں کا دودھ بھی گاڑھا ہونے لگتا ہے اور اس کی وضعیت (Composition) میں اضافہ ہوتا جاتا ہے جب بچے کے دانت نکل آتے ہیں اور اس کا معدہ طاقتور ہو جاتا ہے تو بتدریج دودھ ٹھوس غذا کی طرف مائل ہونے لگتی ہے غرضیکہ زندگی کے کسی دور کو آپ مطالعہ فرمائیں اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے حیرت انگیز نمونے آپ کو جگہ جگہ نظر آئیں گے۔

تو جو ذات ایک قطرۂ آب سے انسان کو پیدا کر سکتی ہے اور اس کے سفینۂ حیات کو زندگی کے متلاطم سمندر سے گزار کر موت کے ساحل پر لنگر انداز کر دیتی ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ مُردوں کو پھر زندہ کر دے۔

ارذل العمر سے مراد زندگی کا وہ دور ہے جب بڑھاپے کی وجہ سے عقل و فہم کی قوتیں بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔ جوانی کی صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں یادداشت کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے گویا اس نے کسی مکتب میں قدم تک نہیں رکھا۔ وہ شخص جو کبھی وقار و متانت کا پیکر ہوا کرتا تھا اب ایسی حرکتیں کرنے لگتا ہے کہ بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔

ارذل العمر: اسوأه واخسه وادونه وهو الهرم والخرف حتی لا يعقل۔ (قرطبی)

ے یہاں سے قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی دوسری دلیل بیان کی جا رہی ہے۔

هامدة: يابسة لا تنبت شيئا۔ خشک زمین جبکہ اس میں کوئی چیز نہ اگ سکے۔

اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ

اس پر بارش کا پانی تو وہ تروتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور اگاتی ہے ہر خوشنما جوڑے کو۔

بَهِيْجٍ ۝۵ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ

یہ (نیرنگیاں اس کی دلیل ہیں) کہ اللہ تعالیٰ ہی برحق ہے شہ اور وہی زندہ کرتا ہے مُردوں کو اور بلاشبہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا

وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں ذرا شک نہیں شہ

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

اور اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا ان مُردوں کو جو قبروں میں پڑے ہیں۔ اور انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو جھگڑا کرتے ہیں۔

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸ ثَانِيَ عِطْفِهٖ

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے اور بغیر کسی دلیل کے اور بغیر کسی روشن کتاب کے۔ ۱۰ تکبر سے اکڑی گردن موڑتے ہوئے

شہ جب انسان قدرت کی ان اعجاز آفرینیوں کو دیکھتا ہے تو اسے یقین آجاتا ہے کہ یہ کائنات خود بخود بغیر خالق کے معرض وجود میں نہیں آگئی اور اس کا خالق علیم بھی ہے اور حکیم بھی بالغرض صفات عالیہ سے متصف ہے نیز اس میں بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے اس کے لیے ہر چیز کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

شہ اس ارشاد سے یہ بتا دیا کہ قیامت ضرور آئے گی تم شیطان کی وسوسہ انگیزیوں سے دھوکا کھا کر اس یوم حساب کا انکار نہ کرنا ورنہ کف افسوس ملو گے اور ندامت سے ہونٹ کاٹو گے۔

۱۰ ایسا احمق جس میں فہم و فراست کا نشان تک نہیں جس نے کسی جاننے والے سے پوچھ کر بھی اپنی جہالت کو دور نہیں کیا اور جس بدنصیب نے کسی صحیفہ آسمانی کا مطالعہ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے رسول سے جھگڑتا ہے اور غرور و نخوت سے اکڑا اکڑا پھرتا ہے اس نے اپنا ستیاناس تو کر لیا اب دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کے لیے صبح و شام کوشاں ہے ایسے جاہل، کج فہم اور مغرور کا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔ ثانی عطفہ: لوی عنقہ مرحاً وتکبرا (قرطبی)۔ غرور و نخوت سے اپنی گردن کو موڑنا۔ ای بلا عقل صحیح ولا نقل صریح بل بمجرد الرأی والھوی (ابن کثیر)

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

تاکہ بہکائے (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے اس کے لیے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ہم چکھائیں گے اسے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ

قیامت کے دن جلانے والی آگ کا عذاب ۔ (اس وقت اسے بتایا جائیگا کہ) یہ سزا ہے اس کی جو تیرے دونوں ہاتھوں

اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ

نے آگے بھیجا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو عبادت کرتا ہے

اللّٰهَ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

اللہ تعالیٰ کی کنارہ پر (کھڑے) ہوکر پس اگر پہنچے اسے بھلائی (اس کی عبادت) تو مطمئن ہوجاتا ہے اس سے اور اگر پہنچے اسے کوئی

ف ہر چیز کے کنارے اور دہانے کو حرف کہتے ہیں۔ حرف کل شیئ طرفہ وشفیرہ وحدہ۔ (قرطبی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا ہے جو حق کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس لیے عبادت نہیں کرتے کہ وہ ہمارا معبود اور خالق ہے بلکہ اس لیے کہ انہیں دنیوی منفعت حاصل ہوگی۔ ان کا کاروبار چمکے گا۔ ان کی عزت اور ناموری میں اضافہ ہوگا۔ اگر اسلام کو قبول کرنے کے بعد ان کی یہ امید پوری ہوجاتی ہے تو بڑے خوش ہوتے ہیں۔ اور اسلام کی صداقت اور حقانیت کا اظہار بڑے جوش وخروش سے کرتے ہیں لیکن اگر ان کی یہ امیدیں بر نہیں آتیں بلکہ الٹا تکلیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یاد الٰہی کا سلسلہ ہی منقطع کر دیتے ہیں اور اس دین کا دامن ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور پھر باطل کی طرف یہ شور مچاتے ہوئے بھاگے چلے جاتے ہیں کہ بس دیکھ لیا۔ یہ دین! اس کی نحوست سے کاروبار ٹھپ ہوکر رہ گیا۔ جو عزت ووقار پہلے تھا اس کا بھی جنازہ نکل گیا۔ ہم تو ایسے دین سے باز آئے۔

کتب تفسیر میں جہاں اس آیت کی شان نزول بیان کی گئی ہے وہاں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا۔ اتفاق سے کچھ عرصہ بعد اس کی بینائی جاتی رہی پھر اس کا زبردست مالی نقصان ہوگیا۔ ساتھ ہی اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی مرگیا۔ اس نے سوچا کہ یہ سب اسلام کی نحوست کے باعث ہوا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر کہنے لگا۔ اقلنی: جو بیعت اسلام میں نے آپکے ہاتھ پر کی ہے مجھے اس سے آزاد کر دیجیے۔ حضور نے فرمایا: ان الاسلام لایقال اسلام کی بیعت واپس نہیں کی جاسکتی۔ کہنے لگا مجھے تو آپ کے اس دین سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا اور نہ اس میں کوئی خوبی نظر آئی میں اندھا ہوگیا۔ مال برباد ہوا۔ بیٹا تھا وہ مرگیا۔ حضور نے فرمایا اے یہودی اسلام مردوں کو گلاتا ہے

فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

آزمائش تو فوراً دین سے منہ موڑ لیتا ہے۔ اس شخص نے برباد کردی اپنی دنیا اور آخرت [۲۱] یہی تو

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿١١﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا

کھلا ہوا خسارہ ہے۔ وہ عبادت کرتا ہے [۲۲] اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی جو نہ ضرر پہنچا سکتا ہے اسے اور نہ

لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿١٢﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ

نفع پہنچا سکتا ہے اسے یہی تو انتہائی گمراہی ہے۔ وہ پوجتا ہے اسے جس کی ضرر رسانی زیادہ

اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿١٣﴾ اِنَّ اللّٰهَ

قریب ہے اس کی نفع رسانی سے [۲۳] یہ بہت برا دوست ہے اور بہت برا ساتھی ہے [۲۴] بیشک اللہ تعالیٰ

اور صاف کرتا ہے جس طرح آگ لوہے، سونے اور چاندی کے زنگ اور میل کچیل کو صاف کرتی ہے یا یہودی ان الاسلام یسبک الرجال کما یسبک النار خبث الحدید والذھب والفضة۔ (ابن مردویہ)

[۲۱] انسان کو چاہیے کہ اسلام کو حق سمجھ کر قبول کرے پھر اس راہ کے کانٹوں کو دیکھ کر گھبرا نہ جائے بلکہ ان کو پھولوں سے بھی زیادہ عزیز جانے کیونکہ یہ منزل محبوب کے کانٹے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے اسے دین حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنی دولت خرچ کرنے کی توفیق دے تو اسے اپنی سعادت اور ارجمندی کا یقین کرے۔ اگر پرچم اسلام کو اونچا بہت اونچا لہرانے کے لیے جان دینے کا موقع ملے تو مسکراتا ہوا خوشی سے اچھلتا ہوا حضرت خبیب کی طرح تختہ دار کی طرف بڑھے۔ کیونکہ موت اس کے لیے ہلاکت و فنا کا پیغام لے کر نہیں آتی بلکہ حیات جاویدانی کی نوید ہی نہیں بلکہ وصال حبیب کا مژدہ لے کر آتی ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتی ہے۔ اگر یہ نظریہ ہو تو پھر حق کو قبول کرے ورنہ حق کا دامن پکڑ کر نہ اپنے آپ کو رسوا کرے اور نہ حق کو بدنام۔

[۲۲] مشرکین مکہ کا ذکر ہے کہ وہ ان بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان یعبد الصنم الذی لا ینفع ولا یضر۔ (قرطبی)

[۲۳] علامہ عثمانی لکھتے ہیں "یعنی بتوں سے نفع کی تو امید موہوم ہے بت پرستوں کے زعم کے مطابق لیکن ان کو پوجنے کا جو ضرر ہے وہ قطعی اور یقینی ہے اس لیے فائدہ کا سوال تو بعد کو دیکھا جائے گا نقصان ابھی ہاتھوں ہاتھ پہنچ گیا۔"

[۲۴] قیامت کے دن جب شرک و بت پرستی کی سزا انہیں سنائی جائے گی تو کہہ اٹھیں گے یہ بت جن کی امداد پر ہم تکیہ کیے ہے

يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن

داخل کریگا اللہ انھیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے باغات میں رواں ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾ مَن كَانَ يَظُنُّ

نیچے نہریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے اور جو شخص یہ خیال کیے بیٹھا ہے کہ

أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی مدد نہیں کرے گا دنیا میں اور نہ آخرت میں تو اسے چاہیے کہ لٹکا جائے ایک رسی کے

کتنے برے تھے۔ مولیٰ: دوست اور مددگار۔ عشیر: ساتھی یعنی الوثن (مظہری) مجاہد یعنی الوثن (قرطبی) یعنی وہ اپنے بتوں کے متعلق یوں اظہار افسوس کریں گے۔

لله مجرموں کے احوال اور ان کا مآل بیان کرنے کے بعد اب اپنے بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور جو نوازشات ان پر کی جانے والی ہیں ان سے انھیں آگاہ کیا جا رہا ہے۔

لله لن ینصرہ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اہل عرب مسلمانوں کی تنگدستی اور کمزوری کو دیکھتے تو خیال کرتے کہ یہ تھوڑے سے لوگ اور کمزوروں کے ساتھ مل کر بھی کیا حاصل کر سکیں گے خواہ مخواہ ان کے ساتھ اپنے دیرینہ خاندانی مراسم کو مجروح کیوں کریں۔ اس نبی کی مدد آج تک اس کے خدا نے کی ہے اور نہ ایسے قرائن موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ آئندہ ان کی وہ مدد کرے گا اور ان کی مشکلات حل اور بے بسی دور ہو جائے گی۔

انھیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد کرے گا اور ضرور کرے گا۔ تم دیکھو گے کہ ہر طرف اسی کے نام کا ڈنکا بج رہا ہوگا اور اس کے قدموں میں سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہونگے اور یہ بات گوارا نہ ہو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنے گلے میں رسی کا پھندا ڈالے اور چھت سے لٹک جائے اور پھر اس رسی کو کاٹ دے تاکہ تڑپ تڑپ کر مر جائے۔ میرے محبوب کے لیے حسد کی جو آگ تمہارے دلوں میں بھڑک رہی ہے اس کو فرو کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

جمہور مفسرین نے آیت کے اسی مفہوم کو پسند کیا ہے لیکن بعض کی رائے ہے کہ ینصر کا معنی یرزق رزق دینا ہے اور ہ ضمیر کا مرجع عام آدمی ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص فقر و فاقہ کی سختیاں جھیل رہا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے مایوس ہو چکا ہے اور یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کبھی فراغ روزی نہیں دیگا۔ ایسے آدمی کے لیے بہتر ہے کہ وہ سسک سسک کر جان نہ دے بلکہ ابھی گلے میں رسی ڈال کر اپنے آپ کو چھت سے لٹکا کر خودکشی کرلے۔ لیکن

السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿١٥﴾

ذریعہ چھت سے پھر گلے میں پھندا ڈال کر اسے کاٹ دے پھر دیکھے کیا دور کر دیا ہے اس کی اس خودکشی کی تدبیر نے غم و غصہ کو

وَكَذَٰلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے اتارا ہے اس کتاب کو روشن دلیلیں بنا کر اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ

بیشک اہل ایمان، یہودی، ستارہ پرست، عیسائی،

وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

آتش پرست اور مشرک، ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان

يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ

کے درمیان قیامت کے دن بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ

اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ

کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب

آیت کے سیاق و سباق کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو یہ مفہوم ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔

سبب: حبل رسی۔ السماء ای سماء بیتہ ای سقف بیتہ گھر کی چھت (مظہری)

یعنی ایسے دلائل نازل فرمائے ہیں جن سے عقیدۂ توحید، عقیدۂ قیامت اور رسالت محمد مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

یعنی وہ سب کے اعمال، احوال، نظریات اور عقائد پر آگاہ ہے وہ اپنے کامل علم کے مطابق سب کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ہر چیز زمین و آسمان، شمس و قمر، دشت و جبل، چوپائے اور انسان سب اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ تکوینی لحاظ سے کائنات کی ہر چیز خواہ شعور و ادراک سے متصف ہو یا نہ ہو، احکام تکوینیہ کے سامنے سرافگندہ ہے۔ اس لحاظ سے کافر اور مومن، فاسق و متقی سب داخل ہیں کیونکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ

وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ

مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے

مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ

انسان بھی اسی کو سجدہ کرتے ہیں، اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے۔ اور جسے ذلیل کرے اللہ تعالیٰ

فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۞ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ

تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یہ دو فریق ہیں لڑنے

کے احکام تکوینیہ کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں۔ ان کی پیدائش، ان کی موت، ان کا مرض، ان کی صحت غرضیکہ ہر چیز امر الٰہی سے معرض وجود میں آ رہی ہے لیکن اس عالم کی وہ مخلوق جو عقل و فہم کی نعمت سے مشرف کی گئی ہے اسے اس تکوینی خضوع کے علاوہ اختیاری سجدہ کرنے کا بھی مکلف کیا گیا ہے اور اس اختیاری سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے کفار و فساق کو سزا ملے گی لیکن علماء متقدمین اور محدثین کی رائے یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اختیاری سجدہ کر رہی ہے۔ کیونکہ جمادات ہمارے لحاظ سے مردہ و بے جان ہیں لیکن انہیں ایسی زندگی دی گئی ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی اختیاری طور پر اطاعت کر رہی ہیں اور اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے! اور حدیث شریف میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الجبل ینادی الجبل یا فلان ھل مربک احد یذکر اللہ رواہ الطبرانی من حدیث ابن مسعود۔ یعنی حضور نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پوچھتا ہے کہ اے فلاں پہاڑ! کیا آج تیرے پاس کسی ایسے بندے کا گزر ہوا جو یاد الٰہی میں مشغول تھا۔ نیز مسلم شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں ان پتھروں کو جانتا ہوں کہ جب میں ان کے پاس سے گزرتا ہوں تو وہ میری جناب میں درود و سلام پیش کرتے ہیں۔ وقال البغوی ھذا مذھب حسن موافق لقول اھل السنۃ۔ (مظہری)

علامہ بغوی کہتے ہیں کہ یہ رائے ہی اہل سنت کے اقوال کے موافق ہے اور یہی پسندیدہ مذہب ہے۔

۲۱؎ ان دو گروہوں سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے متعلق امام مسلم نے حضرت ابوذر سے یہ حدیث روایت کی ہے اور اسی حدیث سے انہوں نے اپنی جلیل القدر کتاب کو ختم کیا۔ قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر کو قسم اٹھا کر یہ کہتے سنا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے میدان بدر میں ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی۔ اسلام کی طرف سے حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم تھے اور کفر کی طرف سے ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ

اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن

جو جھگڑ رہے ہیں اپنے رب کے بارے میں تو وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے کپڑے

نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي

آتش (جہنم) سے۔ انڈیلا جائیگا انکے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائیگا اس کھولتے پانی سے

اور شیبہ اور عتبہ کا لڑکا ولید وبہذا الحدیث ختم مسلم رحمہ اللہ کتابہ۔ (قرطبی)

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بدر کے دن عتبہ اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر میدان جنگ میں نکلا اور مبارزت کو للکارا۔ انصار کے تین نوجوان ان کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ عتبہ نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے اپنا نام و نسب بتایا تو عتبہ نے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے کر کہا اخرج الینا اکفاءنا من قومنا۔ ہمارے مقابلہ میں ان کو بھیجو جو نسب اور قوت میں ہمارے ہم پلہ ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا قم یا عبیدۃ بن الحارث یا حمزۃ بن عبد المطلب یا علی بن ابی طالب۔ تعمیل حکم میں تینوں بجلی کی سرعت کے ساتھ میدان میں جا کھڑے ہوئے۔ حضرت عبیدہ نے عتبہ کو حضرت حمزہ نے شیبہ اور سیدنا علی نے ولید کو للکارا۔ حضرت حمزہ اور حضرت علی نے اپنے اپنے حریفوں کو چشم زدن میں ڈھیر کر دیا لیکن حضرت عبیدہ اور عتبہ کے درمیان جنگ جاری رہی۔ دونوں ایک دوسرے کے وار سے سخت زخمی ہو گئے۔ حضرت حمزہ اور سیدنا علی اپنی خارہ شگاف تلواریں لہراتے ہوئے عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ کر الگ ہو گئی تھی اور اس کا گودا باہر بہ رہا تھا اسی حالت میں انہیں اٹھا کر محبوب رب العالمین کی بارگاہ میں لائے۔ آپ نے اپنے آقا و مولا کو دیکھ کر عرض کیا۔ الست شہیدا کیا میں نعمت شہادت سے سرفراز نہیں ہوں۔ حضور نے فرمایا بلی۔ بیشک تجھے شہادت کی سعادت ارزانی ہوئی۔ زندگی کے آخری لمحوں میں جوش عشق کا یہ عالم ہے کہ کسی بات کو یاد نہ کیا صرف یہ کہا کہ اگر آج ابو طالب زندہ ہوتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ ان کے ان شعروں کا مصداق میں ہوں ؎

كذبتم وبيت الله يُبزى محمدٌ ولما نطاعن دونه ونناضل

ونسلمه حتى نصرع حوله ونذهل عن ابنائنا والحلائل

اللہ تعالیٰ کے گھر کی قسم اے مشرکین تم جھوٹ کہتے ہو کہ حضور کو یونہی مغلوب کر لیا جائے گا اور ہم حضور کی طرف سے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ ہم اسی وقت حضور کو تمہارے حوالے کر سکتے ہیں جبکہ ہماری لاشیں حضور کے ارد گرد بکھری پڑی ہوں اور ہم اپنے فرزندوں اور بیویوں سے غافل ہو گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان جانبازان پاکباز کے صدقے ہمیں بھی یہی عشق، یہی شجاعت اور یہی جذبہ ایثار مرحمت فرمائے اور شہادت کی اسی نعمت سے مالا مال فرمائے آمین ثم آمین یا رب العالمین انک اکرم الاکرمین وخیر المسئولین۔ لا یرد سائل عن حضرتک السنیۃ خائباً وسمعنا من حبیبک وہو حبیبنا

بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَا أَرَادُوا

جو ان کے پیٹوں میں ہے اور ان کی جلدیں بھی گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے گرز ہوں گے لوہے کے ۲۱ جب بھی ارادہ کریں گے

أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ

اس سے نکلنے کا فرط رنج والم کے باعث تو انہیں لوٹا دیا جائے گا اس میں اور (کہا جائے گا) کہ چکھو جلتی ہوئی آگ کا

الْحَرِيقِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

عذاب۔ یقیناً اللہ تعالیٰ داخل کرے گا ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے اور عمل بھی نیک کرتے رہے ۲۳

جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن

جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے ندیاں انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے

ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾ وَهُدُوا إِلَى الطَّيِّبِ

کنگن اور موتی بھی۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ اور ان کی رہنمائی کی گئی تھی پاکیزہ

مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿٢٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

قول کی طرف ۲۴ اور دکھایا گیا تھا انہیں راستہ اللہ تعالیٰ کا جو قابل تعریف کیا گیا ہے۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا

ع

عنت وانت حیی کریم تستحیی ان ترد ید عبدک صفرا۔

خصمان سے اہل باطل بھی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

۲۲ الٰہی اپنے مجرم کے عذابوں سے بچا تیری نگاہ لطف و کرم میں ہی اگر کمی ہو جائے تو ہم سوختہ دلوں کے لیے قیامت سے کم نہیں جو جا بیٹھ تو نا خوش ہو۔

۲۳ اب اپنے مقبولوں پر اپنے احسانات خسروانہ کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۴ ان عنایات بے نہایات کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ قول کی طرف اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی اور انہیں اس راستہ پر گامزن ہونے کی توفیق بخشی جو سیدھا اس خداوند عالم کی طرف لے جاتا ہے جو ہر قسم کی تعریف اور ستائش کا حقدار ہے۔ اللھم ادخلنا فیھم بجاھھم عندک۔

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ

اور وہ دوسروں کو روکتے ہیں ۲۵ اللہ تعالیٰ کی راہ سے اور مسجد حرام سے ۲۶ جسے ہم نے (بلا امتیاز)

لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ

سب لوگوں کے لیے (مرکز ہدایت) بنایا ہے یکساں (حق) ہے وہاں کے باشندوں کا اور پردیسی کا اور جو ارادہ کرے اس میں زیادتی

ع ۳ ۱۰ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ

کا ناحق ۲۷ ہم اسے چکھائیں گے عذاب دردناک۔ اور یاد کرو جب ہم نے مقرر کر دی ابراہیم کے لیے ۲۸ اس گھر

۲۵ اب چند مشرکین و کفار کی کارستانیوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ بدبخت خود تو گمراہ تھے لیکن وہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی اور اس دین حق کو قبول کرے۔ اسلام کی شاہراہ پر ایک رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے ہیں جو خوشی سے اس راہ پر چلنا چاہے اسے بھی سختی سے روک دیتے ہیں۔

۲۶ مسجد حرام اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ اس پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر بندہ یہاں آ کر وہاں اپنے خداوند کریم کی یاد اس کا ذکر اس کی عبادت کر سکتا ہے۔ کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حج اور عمرہ کرنے کی غرض سے آنے والوں کو روکے۔ طواف کرنے اور دیگر مناسک ادا کرنے میں مزاحمت کرے۔ یہ اس خدا کا گھر ہے جو رب المشرقین والمغربین ہے۔ اس کے دروازے جس طرح مکہ کے رہنے والوں کے لیے کھلے ہیں اسی طرح دنیا کے ہر گوشہ سے آنے والوں کے لیے بھی کشادہ ہیں۔ یہاں مکی اور غریب الدیار مسافر میں کوئی امتیاز نہیں۔ سب کے حقوق یہاں یکساں ہیں۔

گویا عالم اسلامی کے ہر خطہ میں بسنے والے کو یہاں شہری حقوق حاصل ہیں۔

عاکف کا معنی ہے مقیم اور باد کا معنی ہے پردیسی جنگل اور صحرا سے آنے والا۔

اس آیت سے اکثر علماء اسلام نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ حرم مکہ اس کی زمین اور اس پر بنے ہوئے مکانات سب وقف کے حکم میں ہیں۔ نہ انھیں کوئی بیچ سکتا ہے اور نہ ان کا کرایہ وصول کر سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر یہاں تفصیل سے بحث نہیں کی جا سکتی۔ جو لوگ اس کی تفصیل جاننا چاہتے ہیں وہ کتب فقہ اور تفسیر کی طرف رجوع کریں۔

۲۷ گناہ ہر جگہ معیوب ہے اور ظلم و شرک ہر جگہ قبیح ہے لیکن حرم کعبہ میں معیوب ترین اور قبیح ترین ہے۔ وہاں اگر کوئی اس کا ارتکاب کرے گا تو وہ زیادہ سزا کا مستحق ہے۔

۲۸ حضرت خلیل علیہ السلام کو جب تعمیر کعبہ کا حکم ملا تو آپ کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کونسی وہ مخصوص جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا گھر تعمیر کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص جگہ پر مطلع فرما دیا اور آپ اپنے فرزند ارجمند اسماعیل علیہ السلام کے

الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ

نے (تعمیر کرنے) کی جگہ اور حکم دیا کہ شریک نہ ٹھہرانا میرے ساتھ کسی چیز کو ۲۸ اور صاف ستھرا رکھنا میرے گھر کو طواف کرنے والوں

الْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ

قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے۔ اور اعلان عام کر دو لوگوں میں حج کا ۲۹ وہ آئیں گے

رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝

آپ کے پاس پا پیادہ اور ہر دُبلی اونٹنی پر سوار ہو کر جو آتی ہیں ہر دور دراز راستہ سے۔

ساتھ تعمیر کعبہ میں مشغول ہو گئے

بوّانا ای عینّا۔ (مظہری)

۲۸ تعمیر کعبہ کے ساتھ ہی یہ حکم دے دیا گیا کہ یہاں شرک کرنے کی قطعاً ممانعت کر دی جائے۔ یہ گھر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لیے بنایا جا رہا ہے۔ یہاں کسی جھوٹے خدا کی عبادت کو ہرگز ہرگز روا نہیں رکھا جا سکتا۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہ میرا گھر کیونکہ میرے انوار کی تجلی گاہ ہے اس لیے اس کی ظاہری صفائی کا بھی پورا اہتمام کیا جائے فرش آئینہ کی طرح چمک رہا ہو۔ دیواریں صاف اور اجلی ہوں تاکہ میری یاد کرنے والے جب یہاں آئیں تو روحانی پاکیزگی کے ساتھ ظاہری نظافت سے ان کی طبیعتوں میں نشاط ہو اور ان کے ذوق و شوق میں اضافہ ہو۔ اسی سے مساجد کی صفائی اور ان کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

۲۹ حضرت ابراہیم جب کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو حکم ملا۔ اے ابراہیم اب اعلان کر دو کہ خدا کا گھر تیار ہو گیا ہے خدا کے بندو آؤ اور حج کرو۔ آؤ اور فریضہ حج ادا کرو۔ انھوں نے عرض کی الٰہی میری آواز کہاں تک پہنچے گی۔ فرمایا وَ اَذِّنْ وَعَلَیَّ الْبَلَاغُ۔ تم اعلان کرو اس آواز کو پہنچانا میرا کام ہے۔ چنانچہ آپ جبل ابی قبیس پر تشریف لے گئے اور حج کا اعلان فرما دیا۔ جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے انھوں نے بھی اس اعلان کو سن کر لبیک اللھم لبیک کہا جس نے دعوت ابراہیمی پر لبیک کہی اُسے ہی حج کی سعادت نصیب ہو گی اور جتنی بار جس نے لبیک کہی اتنی بار وہ حج کرے گا۔

رجالاً۔ راجل کی جمع ہے۔ پیدل۔ الضامر۔ البعیر المھزول الذی اتعبہ السفر۔ وہ دبلا پتلا اونٹ جس کو سفر نے درماندہ کر دیا ہو۔ عمیق کا معنی یہاں گہرا نہیں بلکہ بعید ہے۔

العمیق معناہ البعید۔

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

تاکہ وہ حاضر ہوں اپنے دینی و دنیوی فائدوں کیلئے اور تاکہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کے نام کا مقررہ دنوں میں

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا

ان بے زبان چوپایوں پر (ذبح کے وقت) جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائے ہیں۔ پس خود بھی کھاؤ ان سے ٥٤ اور کھلاؤ

٥٢ حج کرنے کی حکمت بیان فرمادی کہ یہاں آئیں گے تو دینی اور روحانی برکتوں کے ساتھ ساتھ دنیاوی نعمتوں سے بھی مالا مال کر کے واپس بھیجے جائیں گے۔ دینی برکت تو یہ ہے جس کا حضور نے ان الفاظ میں اظہار فرمایا ہے ۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من حج للّٰہ فلم یرفث ولم یفسق رجع کیوم ولدتہ امہ۔

یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے حج کیا اور اس اثنا میں فحش کلامی اور برائی سے بچا رہا وہ جب لوٹے گا تو گناہوں سے اس طرح پاک ہوگا جس طرح اس دن پاک تھا جب اس کی ماں نے اُسے جنا تھا اور دنیوی منفعت یہ ہے کہ لوگ کاروبار کرتے ہیں خوب نفع حاصل کرتے ہیں اور دور دراز ملکوں سے آنے والے لوگ اپنی ضروریات کی چیزیں خرید کرلے جاتے ہیں حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں ۔ المراد بہا التجارۃ۔ مجاہد کا قول ہے ۔ التجارۃ وما یرضی اللّٰہ بہ من امر الدنیا والآخرۃ۔ تجارت اور دنیا اور آخرت کا ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حج دنیائے اسلام کی ایک عالمی کانفرنس بھی ہے ۔ ذکر و عبادت ، حج و قربانی کے علاوہ دنیا ، اسلام کے تمام مسائل پر غور و فکر کرنے کا ایک نادر موقع ہے خلفائے راشدین کے زمانہ میں ایام حج میں مملکت اسلامیہ کے تمام صوبوں کے گورنر اور دیگر اعلیٰ حکام مکہ میں جمع ہوتے حضرت فاروق اعظم خاص اہتمام سے ہر ایک کے حالات سنتے اور مقامی مشکلات کو دور کرنے کے لیے مشورے کرتے اگر کسی علاقہ کے لوگوں کو اپنے افسران اعلیٰ سے کوئی شکایت ہوتی تو وہ برملا ان کا اظہار کرتے اور حضرت فاروق اور دیگر خلفاء ان کا مؤثر تدارک کرتے لیکن افسوس کہ بعد میں مسلمانوں نے حج کی اس عالمی اہمیت کو فراموش کر دیا۔

٥٣ " جانے پہچانے دنوں " سے ذی الحجہ کا عشرہ مراد ہے جیسا کہ حضرت علی ، ابن عباس ، حسن و قتادہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور یہی مذہب ہے ہمارے امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا اور صاحبین کے نزدیک جانے پہچانے دنوں سے ایام نحر مراد ہیں یہ قول ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اور ہر تقدیر پر یہاں ان دنوں سے خاص روز عید مراد ہے ۔" (خزائن العرفان)

٥٤ کفار حج کے موقع پر جو جانور ذبح کرتے تھے ان کا گوشت خود نہیں کھاتے تھے مسلمانوں کو اجازت دی جارہی ہے کہ تم خود بھی کھاؤ اور جو غریب و مسکین ہیں ان کو بھی کھلاؤ البتہ جو جانور بطور کفارہ ذبح کیے جائیں گے ان کا کھانا کفارہ دینے والے کے لیے جائز نہیں۔

الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

مصیبت زدہ محتاج کو۔ پھر چاہیے کہ دور کریں ۴۳ اپنی میل کچیل اور پوری کریں اپنی نذریں

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ

اور طواف کریں ۴۴ اس گھر کا جو بہت قدیم ہے۔ ان احکام کو یاد رکھو ۴۵ اور جو شخص تعظیم کرتا ہے اللہ کی حرمتوں کی

فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى

۴۶ تو یہ بہتر ہے اس کے لیے اس کے رب کے ہاں۔ اور حلال کیے گئے تمہارے لیے چوپائے بجز ان کے جن کی حرمت پڑھی

عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ

گئی تم پر ۴۷ پس پرہیز کرو بتوں کی نجاست سے ۴۸ اور بچو جھوٹی بات

۴۳ حالتِ احرام میں حجامت کرنے، خوشبو اور تیل لگانے اور بلا ضرورت غسل کرنے کی ممانعت ہے جس کی وجہ سے حجامت بڑھ جاتی ہے۔ بال پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ جسم پر میل کی تہیں جم جاتی ہیں۔ ارشاد ہے کہ جب تم جانور ذبح کر چکو تو اب تم حجامت بنا لو، غسل کرو۔ کپڑے بدلو اور میل کچیل کو دور کرو۔

۴۴ اس سے مراد طوافِ زیارت ہے۔

۴۵ اس کی ترکیب کی کئی صورتیں ہیں۔ سب سے آسان اور واضح یہ صورت ہے کہ یہ مفعول ہے فعل محذوف کا۔ تقدیر کلام یوں ہوگی۔ احفظوا ذالک و ذالک اشارۃ الی ما سبق من الاحکام (مظہری) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۴۶ اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی جو تعظیم کرتا ہے اور انہیں جملہ آداب و شرائط کے ساتھ بجا لاتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرمائے گا اور اس کی یہ مشقت اس کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوگی۔

۴۷ کفار نے بہت سے جانوروں کو اپنے من گھڑت قانون سے حرام قرار دے دیا تھا۔ جیسے بحیرہ، سائبہ وغیرہ۔ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ سب کفار کے من گھڑت مسئلے ہیں۔ حرام وہی جانور ہیں جن کا پہلے ذکر گزر چکا ہے۔ ان کے علاوہ سب حلال ہیں تم انہیں مزے سے کھا سکتے ہو۔

۴۸ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ یہ بت جن کو مشرکین نے اپنا معبود بنا یا ہوا ہے یہ تو سراسر نجاست اور غلاظت ہیں۔ ان سے دور رہا کرو اور ہر قسم کی جھوٹی باتوں سے اجتناب کرو۔ کذب بیانی، جھوٹی شہادت، کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک کہنا، فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنا، یہ سب قولِ زور میں شامل ہیں۔

الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

سے ۔ یکسو ہو کر رہتے اللہ تعالیٰ کی طرف نہ شریک ٹھہراتے ہوئے اس کے ساتھ کسی کو ۶۳ اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کا تو

فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ

گویا تو ۶۴ تو اس کی حالت ایسی ہے گویا وہ گر پڑا آسمان سے پس اُچک لیا ہو اسے کسی پرندے نے یا پھینک دیا ہو اسے ہوا نے

مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۤ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ

کسی دور دراز جگہ میں ۔ حقیقت یہ ہے اور جو ادب احترام کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا تو یہ ۶۵ احترام اس وجہ سے

تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے ۶۶ تمہارے لیے ان قربانیوں میں طرح طرح کے فائدے ہیں ۶۷ ایک معین مدت تک پھر

۶۳ شرک سے منہ موڑ کر کمال یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ نہ ذات میں اور نہ صفات میں۔ اس کی ذات واجب الوجود ہے۔ اس کی صفات قدیم و ذاتی ہیں۔ باقی جہاں کہیں بھی کوئی خوبی یا کمال ہے کسی کا اپنا نہیں سب اللہ تعالیٰ جل مجدہ کا عطا فرمایا ہوا ہے۔ وجود، علم، اختیار، سمع و بصر غرضیکہ جو کچھ اور جتنا کچھ کسی کے پاس ہے وہ بخشش خداوندی ہے۔ جب اس کے سوا ہر چیز اپنی تمام صفات کمال حتیٰ کہ اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے تو وہ اس کی شریک کیسے ہو سکتی ہے۔ ان سراپا احتیاج اشیاء کو خدا سمجھنا سب سے بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

۶۴ جو بدبخت کسی کو کسی حیثیت سے خدا کا شریک ٹھہراتا ہے وہ تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھو گویا اس کو آسمان کی بے اندازہ بلندی سے نیچے پھینک دیا گیا ہو کیا ایسے شخص کے بچنے کا کوئی امکان ہے ہرگز نہیں۔ یا تو کوئی شکاری پرندہ اسے ہوا ہی میں دبوچ کر اس کو اپنا نوالہ بنا لے گا ورنہ اتنی بلندی سے جب زمین پر گرے گا تو اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں گی اور اس کا گوشت ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ دونوں صورتوں میں اس کی ہلاکت یقینی ہے۔ (العیاذ باللہ)

۶۵ امام ابن جریر لفظ شعائر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ شعیرۃ بروزن فعیلۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے وہ علامت جس سے کسی چیز کی پہچان ہو سکے۔ وشعائرہ التی جعلها امارات بین الحق والباطل یعنی جن چیزوں سے حق اور باطل کی شناخت ہو سکے ان کو شعائر اللہ کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں صفا و مروہ کی پہاڑیوں، قربانی کے جانور، ان کو اللہ تعالیٰ کے نشان کہا گیا ہے اور ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا گیا ہے۔ جب یہ چیزیں شعائر اللہ ہیں تو مدینہ طیبہ اور اس کے گلی کوچے، اولیائے کرام اور ان کے آثار اور

مَحِلُّهَآ إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا

ان کے ذبح کرنے کا مقام اس قدیم گھر (بیت عتیق) کے قریب ہے۔ اور ہر امت کے لیے ہم نے مقرر فرمائی ہے ایک قربانی تاکہ

ان کے مزارات پرانوار کیوں شعائر اللہ میں داخل نہیں۔ شرک کی مذمت کے بعد شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس کو دل کے تقویٰ کی علامت قرار دیا جا رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محبوبان الٰہی اور ان کے آثار کی تعظیم و احترام شرک نہیں تاکہ قبیح اور مذموم ہو جیسے بعض لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ یہ تو خدا ترسی کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ سے دلی لگاؤ کی دلیل ہے کیونکہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کا جس چیز سے تعلق ہو جاتا ہے وہ بھی پیاری لگتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق نہ کرنا اور تعظیم کو عبادت شمار کر کے اسے شرک کہنا قرآن فہمی کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں ہے۔

یہ مویشی جو تم نے ہدی کیے ہیں ان سے تم طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے تھے ان پر سوار ہوتے تھے ان کا گوشت کھاتے تھے ان کا دودھ پیتے تھے ان کی اون اور کھال سے نفع اٹھاتے تھے اور اس کی تمہیں اجازت ہے لیکن ان سے ان فوائد کا حصول ایک مقررہ مدت تک ہی روا ہے یعنی جب تم ان کو حرم شریف میں قربانی دینے کے لیے متعین کر دو گے اس کے بعد تم ان سے یہ منافع حاصل نہیں کر سکتے البتہ شدت ضرورت کے پیش نظر جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو پھر ان سے انتفاع کی اجازت ہے۔ قال ابو حنیفۃ لا یجوز رکوبہا ولا الحمل علیہا ولا شرب لبنہا الا للضرورۃ۔ امام صاحب نے فرمایا کہ قربانی کے جانوروں پر سوار ہونا، ان پر بوجھ لادنا اور ان کا دودھ پینا بجز اشد ضرورت کے جائز نہیں۔ (مظہری)

محلھا۔ ان کے ذبح کرنے کی جگہ۔ الی البیت العتیق کا اس کے ساتھ متعلق ہو کر محلھا کا حال ہے یعنی یہ جانور تم کہیں کے بھی ہوں بطور ہدی اپنے ہمراہ لے آؤ ان کو ذبح کرنے کی جگہ حرم شریف ہے۔

اے امت محمدیہ! جانوروں کی قربانی کا حکم صرف تمہیں ہی نہیں دیا گیا بلکہ تم سے پہلے جتنی ہدایت یافتہ امتیں گزری ہیں ان سب کو یہ حکم دیا گیا تھا۔ منسک کا معنی مجاہد نے کیا ہے الذبح واراقۃ الدم۔ ذبح کرنا اور خون بہانا۔ جب کوئی شخص ذبح کرتا ہے تو کہا جاتا ہے نسک ینسک نسکا۔ اور جو جانور ذبح کیا جائے اس کو نسیکہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع نسک ہے۔ اس ارشاد ربانی سے ان لوگوں کی غلطی بھی آشکارا ہو گئی جو حج کے موقع پر منیٰ میں قربانی دینے کے تو قائل ہیں لیکن عید الاضحیٰ کے موقع پر تمام مسلمان جو قربانیاں دیتے ہیں اس کو اسراف اور اضاعت مال کہتے ہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مدینہ طیبہ کے دس سالہ قیام میں ہر سال مدینہ طیبہ میں قربانی دی اور صحابہ کرام کو قربانی دینے کا حکم دیا اور اس کے احکام سے آگاہ کیا اور آج تک امت مسلمہ کا ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اس پر عمل رہا ہے۔

اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

وہ ذکر کریں اللہ تعالیٰ کا اسم (پاک) ان بے زبان جانوروں پر ذبح کے وقت جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائے ہیں ۳۳ پس تمہارا خدا خدائے

وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ

واحد ہے تو اسی کے آگے سر جھکا دو ۳۴ اور (اے محبوب!) مژدہ سنا دیجئے تواضع کرنے والوں کو ۳۵ وہ لوگ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي

جاتا ہے تو ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو صبر کرنے والے ہیں ان (مصائب و آلام) پر جو پہنچتے ہیں انھیں اور جو صحیح ادا کرنے والے

الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ

ہیں نماز کو اور ان چیزوں سے جو ہم نے انھیں عطا فرمائی ہیں (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اور قربانی کے فربہ جانور ہیں ۳۶ جن کو ہم نے بنایا ہے

۳۳ اور قربانی دینے کا مقصد یہ ہے کہ جب تم مویشیوں کو ذبح کرو تو ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ بهیمة کہتے ہیں بے زبان کو اور پھر انعام کی قید اس لیے لگا دی کہ وہ جانور نکل جائیں جو بهیمة (بے زبان) تو ہیں لیکن انعام نہیں جیسے گھوڑے، گدھے، خنزیر۔

۳۴ تو یہیں شریعت میں باہمی اختلاف کے باوجود ہر امت اس عقیدہ میں یک دل اور یک زبان ہے کہ لا الٰہ الا اللہ۔ بلکہ اسی نے پیدا کیے ہیں یہ جانور جب ذبح کرنے لگو تو صرف اسی کا نام پاک لے کر ذبح کرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دو۔

۳۵ پست اور نشیبی زمین کو عربی میں الخبت کہتے ہیں۔ الخبت ما انخفض من الارض۔ مخبت سے مراد وہ مومن ہے جو متواضع اور منکسر المزاج ہو، غرور و تکبر کی اسے ہوا تک نہ لگی ہو۔ قرآنی اصطلاح میں مخبت کا جو مفہوم ہے اس کی وضاحت اگلی آیت میں کر دی گئی ہے کہ وہ لوگ جو ان صفات حسنہ سے متصف ہیں ان کو خوشخبری سنانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

۳۶ اس آیت میں چند الفاظ تشریح طلب ہیں۔ بُدْن و بُدُن جمع ہے اور اس کا واحد بَدَنَةٌ ہے جس طرح ثُمُرٌ و ثُمْرٌ جمع ہے اور اس کا واحد ثَمَرَةٌ ہے۔ یہ بدانة سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے موٹا تازہ ہونا۔ البدانة السمن۔ اس کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے یا گائے پر بھی۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا مصداق صرف اونٹ ہیں اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اونٹ اور گائے دونوں پر اس کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ یہاں ذبح کا جو طریقہ بیان ہو رہا ہے وہ اونٹ کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے یہاں بُدْن سے مراد صرف اونٹ ہیں۔ صواف۔ صاحب قاموس اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وہ اونٹ جس کا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے اور وہ اپنے دونوں پاؤں اور دائیں

مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ

تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے تمہارے لیے ان میں بھلائی ہے پس لو اللہ تعالیٰ کا نام ان پر اس حال میں کہ ان کا ایک پاؤں

فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ

بندھا ہوا تین پر کھڑے ہوں پس جب وہ گر پڑیں کسی پہلو پر تو خود بھی کھاؤ اس سے نیز کھلاؤ قناعت کرنے والے فقیر کو اور بھیک مانگنے

كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا

والے کو۔ اس طرح ہم نے فرمانبردار بنا دیا ان جانوروں کو تمہارے تاکہ تم (اس احسان کا) شکریہ ادا کرو۔ نہیں پہنچتے اللہ تعالیٰ کو ان کے گوشت

اللہ کے سامنے کھڑا ہو۔ اس کو صواف کہتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اونٹ ذبح (نحر) کرنے کا یہی طریقہ منقول ہے کہ اونٹ کو اسی طرح کھڑا کر کے اس کے حلقوم میں زور سے تیز نیزہ مارا جاتا ہے جس سے خون کا فوارہ بہہ نکلتا ہے۔ وجبت۔ اس کا معنی گرنا۔ جب سورج غروب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں وجبت الشمس۔ جب دیوار گر پڑے تو کہتے ہیں وجب الحائط۔ (قرطبی)

القانع: الجالس فی بیتہ المتعفف یقنع بما یعطی ولا یسال۔ وہ فقیر جو گھر میں بیٹھا رہے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہ کرے۔ المعتر الذی یسال۔ وہ فقیر جو بھیک مانگے۔ الفاظ کی تشریح کے بعد اب آیت کے مفہوم کی طرف توجہ فرمائیے۔

قربانی کے یہ گرانقدر جانور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں ہیں۔ ان میں تمہارے لیے دینی اور دنیوی فائدے ہیں۔ اونٹوں کو جب ذبح (نحر) کرنے لگو تو ان کو اس طرح کھڑا کر دو اور پھر ان پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔ نحر کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰی مِلَّةِ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ۔ اور بعض احادیث میں صرف یہ الفاظ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُمَّ مِنْکَ وَلَکَ۔ اور جب تم انہیں ذبح کر چکو اور روح نکل جائے اور وہ ٹھنڈے ہو جائیں تو پھر تمہیں اجازت ہے کہ ان کا گوشت پکا کر تم خود بھی کھاؤ اور ان مسکینوں کو بھی کھلاؤ جو قناعت کی چادر اوڑھے اپنے گھروں میں بیٹھے ہیں۔ نہ کسی سے اپنا حال کہتے ہیں اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نیز ان سائلوں کو بھی دو جو تمہارے پاس آ کر مانگتے ہیں۔

ذرا غور کرو جب تم ذبح کرنے لگتے ہو تو یہ جانور خاموش کھڑے رہتے ہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کی گردن

وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ

اور نہ ان کے خون (پہنچتے ہیں) البتہ پہنچتا ہے اس کے حضور تک تقویٰ تمھاری طرف سے یوں اس نے تمہارا فرمانبردار بنا دیا ہے

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ

انھیں تمہارے لیے تاکہ تم بڑائی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی۔ اور (اے حبیب) خوشخبری دیجیے احسان کرنے والوں کو بیشک

يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝

اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے اہل ایمان کی (کفار کے شر سے) بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی دغا باز ناشکرے کو۔

چھری چلانے والے ہو یا نیزے سے انکے حلقوم کو چھید رہے ہو، تم سے زیادہ طاقتور ہیں لیکن وہ بھاگ نہیں جاتے تم پر حملہ نہیں کرتے۔ یہ کس کی قدرت ہے جس نے انھیں تمہارا مطیع کر دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ورنہ اونٹ جیسا قوی اور سرکش جانور تم کو اپنی چھاتی کے نیچے دبا کر مسل دے یا کاٹ کر اپنا سینہ تمہارے پیٹ میں گھونپ دے تو تم کیا کر سکتے ہو۔ ان انعامات الٰہیہ سے تمہیں سرفراز کرنے کا مدعا یہ ہے کہ تم اس محسن کے شکرگزار بندے بن جاؤ۔

٭ کفار جب قربانی کے جانور ذبح کرتے تو ان کا خون کعبہ کی دیواروں پر مل دیتے اور گوشت اپنے بتوں کے پاس لا کر رکھ دیتے اور خیال کرتے کہ جب تک ایسا نہ کیا جائے ہماری قربانی مقبول نہیں ہوتی۔ اس آیت میں مسلمانوں کو یہ بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت اور خون کی ضرورت نہیں کہ تم اسے اٹھا اور کعبہ کی دیواروں پر مل کر انھیں آلودہ کرو۔ اس کی جناب میں تو تمہارا اخلاص اور تقویٰ شرف قبولیت حاصل کریگا۔ تمہارے دل میں جتنا اخلاص زیادہ ہوگا تمہارے عمل پر تقویٰ کا رنگ جتنا زیادہ ہوگا اتنی ہی اس کی مقبولیت زیادہ ہوگی۔

٭ امام راغب اصفہانی یدافع کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر دفع کا صلہ الیٰ ہوگا تو اس کا معنی کسی کو کوئی چیز دینا ہوگا جس طرح ارشاد باری ہے "فادفعوا الیہم اموالھم" یعنی ان کو ان کے مال دے دو اور اگر اس کا صلہ "عن" ہوگا تو اس میں حمایت اور نصرت کا مفہوم پایا جائے گا واذا عُدّی بعن اقتضی معنی الحمایۃ نحو ان اللہ یدافع عن الذین اٰمنوا اور منجد میں ہے دافع عنہ حام عنہ وانتصر لہ۔

یہاں کیونکہ صلہ "عن" ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے مقابلہ میں جب اہل ایمان سینہ سپر ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ان کے شامل حال ہوگی اور ان کا دفاع کرے گی۔

اس میں جہاں اہل ایمان کے لیے یہ بشارت ہے کہ تم دشمن کی کثرت اور وسائل سے ہراساں مت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار اور نگہبان ہے۔ وہاں اس امر کی طرف بھی متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں خود معرکہ حق و باطل میں شریک ہونا پڑیگا تب

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ

اذن دے دیا گیا ہے (جہاد کا) ٦٣ انھیں جن سے جنگ کی جاتی ہے اس بنا پر کہ ان پر ظلم کیا گیا اور یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر پوری

تم منصب سرفرازی کے مستحق ہو گئے لیکن ایسا نہیں کہ تم گھروں میں آرام سے بیٹھے رہو اور خود بخود ہی معرکے سر ہوتے رہیں اور حق کا بول بالا ہو جائے۔

٦٣ے حضور کریم نے صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو کر جب مشرکین مکہ کو توحید کی دعوت دی تو اسی آن آتش غضب بھڑک اٹھی۔ مخالفت کا طوفان بپا ہو گیا۔ وہی زبانیں جو صادق و امین کہتے کہتے نہ تھکتی تھیں اب شاعر، مجنوں اور مفتری جیسے نازیبا الزام لگانے میں بے باک ہو گئیں۔ جو شخص اسلام قبول کرتا اس پر بھی مظالم کی انتہا کر دی جاتی۔ حضرت بلال کو دہکتے ہوئے انگاروں پر لٹایا نہیں جاتا تھا۔ حضرت یاسر اور ان کی اہلیہ سمیہ کو بڑی بے رحمی سے مار مار کر شہید کر دیا گیا۔ ایسے جور و جفا کے تیر صرف نادار اور بے سہارا غلاموں کے سینوں کو ہی چھلنی نہیں بنا رہے تھے بلکہ معزز اور متمول خاندانوں کے چشم و چراغ بھی اگر اسلام قبول کرتے تو وہ بھی ان کے ظلم و تعدی سے محفوظ نہ رہتے۔ حضرت عثمان کو آپ کا چچا چمڑے میں کس کر باندھ دیتا اور چلچلاتی دھوپ میں پھینک دیتا۔ دھوپ کی شدت اور گھٹن کے مارے جان نکلنے لگتی۔ حضرت ابو بکر کو ایک دفعہ اتنی زد و کوب کی گئی کہ آپ لہولہان ہو گئے اور پہروں بے ہوش پڑے رہے۔ جسمانی اذیت رسانیوں کے علاوہ بات بات پر مذاق اڑایا جاتا، آوازے کسے جاتے۔ غرضیکہ کفر کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب چلائے گئے۔ باطل کے اسلحہ خانہ میں جس جس قسم کا اسلحہ تھا سب ہی آزمایا گیا۔ ان دل آزاریوں، ستم شعاریوں اور جگر سوز زخموں پر نمک پاشیوں کا سلسلہ سال دو سال نہیں پورے تیرہ سال شدت سے جاری رہا۔ لیکن مظلوموں کو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی۔ انھیں ان کے رب کا حکم تھا کہ صبر و ضبط سے کام لیں اور کسی طرح کی جوابی یا انتقامی کارروائی نہ کریں۔ نبوت کے تیرھویں سال ہجرت کی اجازت ملی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ سے تین سو میل دور یثرب نامی ایک بستی میں جمع ہو گئے۔ لیکن کفار مکہ کی آتش غضب اب بھی سرد نہ ہوئی۔ یہاں بھی مسلمانوں کو چین کا سانس نہ لینے دیا۔ دس دس بیس بیس کافروں کے جتھے آتے۔ مدینہ طیبہ کی چراگاہوں میں اگر کسی مسلمان کے مویشی چر رہے ہوتے تو انھیں لے اڑتے۔ اگر کوئی تنہا مسلمان مل جاتا تو اسے بھی قتل کرنے سے باز نہ آتے۔

چودہ پندرہ سال تک صبر و ضبط سے مظالم برداشت کرنے والوں کو آج اجازت دی جا رہی ہے کہ تم اپنی مدافعت کے لیے تلوار اٹھا سکتے ہو۔ کفر کے ظلم کی انتہا ہو گئی ہے۔ باطل کی چیرہ دستیاں حد سے بڑھ گئی ہیں۔ اب اٹھو اور ان سرکشوں اور نخوت و پندار سے مدہوش کافروں کو بتا دو کہ اسلام کا چراغ اس لیے روشن نہیں ہوا کہ تم پھونکیں مار کر اسے بجھا دو۔ حق کا پرچم اس لیے بلند نہیں ہوا کہ تم جھکنے پر مجبور کر دو۔ یہ چراغ اس وقت تک فروزاں رہے گا جب تک سپہر نیلوفری پر مہر و ماہ چمک رہے ہیں۔ یہ پرچم اس وقت تک لہراتا رہے گا جب تک نظام کائنات موجود ہے۔ ان حالات میں اور ان مقاصد کے لیے جہاد کی اجازت ملی۔ اب بھی اگر کوئی کوتاہ نظر اسلام کے جہاد کو دوسری قوموں کی خونریزیوں اور قتل و غارت کا مترادف قرار دیتا ہے تو یہ اس کی اپنی نادانی کی دلیل ہے۔

٦٤ے بتا دیا گیا کہ اگرچہ تعداد میں اب بھی تم کفار کے مقابلے میں تھوڑے ہو اور اسباب و وسائل کے لحاظ سے بھی تمہیں ان سے کوئی نسبت نہیں لیکن فکر و اندیشہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہارے شامل حال ہے۔ دنیا کی کوئی قوت تمہیں

لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا

پر قادر ہے۔ وہ (مظلوم) جن کو نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے ناحق ۴۰ صرف اتنی بات پر کہ وہ کہتے تھے

رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے بچاؤ نہ کرتا لوگوں کا ۴۱ انھیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر تو ڈھا دیے جاتے

صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا

منہدم ہو جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کثرت سے کیا جاتا ہے۔

شامل نہیں تھی۔ یہ ارشاد کتنا حوصلہ افزا ہے۔ یقیناً مسلمانوں کے دلوں میں اپنی کمزوری اور بے سروسامانی کا احساس ختم ہو کر رہ گیا ہوگا۔ ان کے جذبہ جاں نثاری کو نئی زندگی اور نیا ولولہ نصیب ہوا ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ آج بھی مومن کے پاس سب سے بڑا سہارا یہی وعدہ ہے ؎

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ — مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

۴۰ مظالم کی طویل فہرست سے ایک ظلم کا ذکر فرمایا کہ انھیں بلاوجہ ان کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ یہ چور نہ تھے کسی کے قتل ناحق کا ان پر الزام نہ تھا۔ ان کا دامن عفت کسی گناہ سے داغدار نہ تھا۔ ہاں ان کا ایک جرم تھا ان کا ایک قصور تھا جس کی انھیں یہ سزا دی گئی کہ وہ یہ کہا کرتے تھے ربنا اللہ کہ اللہ تعالیٰ ہمارا پروردگار ہے۔ اس کے بغیر وہ کسی لات و منات کو اپنا معبود ماننے کے لیے تیار نہیں۔

۴۱ ربانی سیاست کا ایک عالمی اصول بیان فرمایا جا رہا ہے کہ طاقت کا توازن برقرار رکھنے میں ہی تمام بنی نوع انسان کا بھلا ہے۔ اگر قوت و طاقت ایک قوم کے ہاتھوں میں دے دی جائے تو دنیا کے امن و سلامتی کا جنازہ نکل جائے۔ طاقتور ہاتھ کمزور اور بے بس انسانوں پر بے دریغ ظلم ڈھاتا رہے گا۔ اور اسے کوئی ٹوکنے والا بھی نہیں ہوگا۔ ان کے شہر اور بستیاں کھنڈر بنا دیے جائیں گے ان کے باغ اور کھیت اجاڑ دیے جائیں گے۔ ان کی عصمتیں اور آبروئیں پامال کی جاتی رہیں گی اور کوئی اُف تک نہ کر سکے گا۔ صرف یہی نہیں بلکہ لوگوں کے مذہبی عبادت خانے جو ان کی عقیدت اور محبت کا مرکز ہیں ان کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی اور کوئی دم نہیں مار سکے گا۔ اس لیے حکمت خداوندی کو یہ گوارا نہیں کہ صرف ایک قوم کو دنیا بھر کی زمام اقتدار سونپ دی جائے بلکہ قدرت ہمیشہ طاقت کا توازن برقرار رکھنے کا اہتمام فرماتی رہی ہے اور فرما رہی ہے۔ اگر مسلمانوں پر اب بھی خاموشی سے مظالم برداشت کرنے کی پابندی عائد رہے اور انھیں کفر کی للکار کا جواب دینے کی اجازت نہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاقت کا توازن بگڑ جائے گا۔ کفر کی طاغوتی قوتیں حق کا نام و نشان بھی مٹا دیں گی اس لیے مظلوم مسلمانوں کو اپنے دفاع کی اجازت

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾ اَلَّذِيْنَ

اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا۔ بے شک یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا (اور) سب پر غالب ہے۔ وہ لوگ کہ اگر ہم

اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا

انہیں اقتدار بخشیں ۸۴ زمین میں تو وہ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور حکم کرتے ہیں

دنیا بانی سیاست کے عالمی اصول کے عین مطابق ہے تاکہ وہ اپنے تحفظ کے ساتھ اسلام کے پرچم کو بھی بلند رکھیں تاکہ اس کے سایۂ عاطفت میں جتنی قومیں بھی پناہ لیں۔ سب کی جان، مال اور آبرو اور ان کے مذہبی عبادت خانوں کا تحفظ کیا جا سکے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسلامی جہاد کے پیش نظر صرف مسلمانوں کا تحفظ ہی مقصود نہیں اور صرف مساجد کی آبادی ہی مطلوب نہیں بلکہ جو قوم اس کے دامن میں پناہ لے گی اسلامی حکومت سب کے تحفظ کی ذمہ دار ہو گی۔

صوامع۔ صومعۃ کا واحد ہے۔ تارک الدنیا راہبوں کی عبادت کے حجرے۔

بیع۔ بیعۃ کی جمع ہے۔ عیسائیوں کے گرجے۔

صلوات۔ یہودیوں کے عبادت خانے عبرانی زبان میں انہیں صلوتہ کہا جاتا ہے اور ممکن ہے اسی سے صلوات ماخوذ ہو۔

۸۳ اللہ تعالیٰ کی مدد کس کے شامل حال ہوتی ہے اس کا قاعدہ بیان فرما دیا جو اس کے نام کو بلند کرتا ہے جو اس کے دین کی اشاعت کرتا ہے جو شمع توحید کو ہاتھ میں لے کر طوفانوں آندھیوں سے بے پروا ہو کر آگے بڑھتا جاتا ہے تاکہ دلوں کے ظلمت کدوں کو منور کر دے۔ کفر و شرک کی اندھیریوں نے جہاں صدیوں سے خیمے گاڑ رکھے ہیں وہاں حق کا اجالا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے مستحق یہی اطراف لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے۔ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہوتا رہے گا جس کے دل میں اس کے متعلق کوئی شک ہو وہ آگے بڑھے اور خود تجربہ کر کے دیکھ لے۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد ۔۔ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

۸۴ وہ کون لوگ ہیں جن کے تحفظ کا قدرت نے خود ذمہ لے لیا ہے اور جن کو اپنی نصرت کے مژدہ سے خورسند کیا جا رہا ہے؟ یہاں انہی کا تعارف کرایا جا رہا ہے کہ ان کی حکومت اور ان کا اقتدار منفرد نوعیت کا ہے۔ جب یہ مسند حکومت پر بیٹھتے ہیں تو اپنے رب کی یاد سے غافل نہیں ہوتے۔ جب ملک کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں تو وہ ان خزانوں کو اپنے ذاتی آرام و آسائش اور عیش و عشرت میں صرف نہیں کرتے۔ ان کے اقتدار کے جھنڈے کے نیچے بدکاری اور فسق و فجور پروان نہیں چڑھتا بلکہ زمام حکومت ہاتھ میں لینے کے باوجود ان کا سر نیاز اپنے پروردگار کے حضور میں انتہائی عجز و تذلل سے جھکا رہتا ہے۔ ان کی دولت غریبوں اور مسکینوں کی ضروریات کی کفیل ہوتی ہے۔ جہاں ان کے مبارک قدم پہنچتے ہیں وہاں نیکی اور تقویٰ کے چمنستان لہلہانے لگتے ہیں۔ غور فرمایئے اسلامی حکومت کی برکات کا کتنا واضح اور حسین بیان ہے اسلامی ریاستوں

بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن

(لوگوں کو) نیکی کا اور روکتے ہیں (انہیں) برائی سے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے سارے کاموں کا انجام۔ اور اگر یہ کفار

يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَ

آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کیا تعجب) پس جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور عاد و ثمود نے۔ اور

قَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ

قوم ابراہیم نے اور قوم لوط نے اور مدین کے رہنے والوں نے (بھی اپنے اپنے نبیوں کو) اور جھٹلائے گئے موسیٰ

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن

بھی۔ پس (کچھ عرصہ) میں نے مہلت دی ان کفار کو (جب وہ باز نہ آئے) تو میں نے انہیں پکڑ لیا۔ (تو دیکھو) کتنا خوفناک تھا میرا عذاب (انہیں)

مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا

کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے تہ و بالا کر ڈالا کیونکہ وہ ظالم تھیں تو اب وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں پر

وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اور کتنے کنوئیں ہیں جو بیکار ہو چکے ہیں ۱۲؎ اور کتنے چونے سے بنے ہوئے مضبوط محل ہیں (جو ویران پڑے ہیں)۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت

کے فرائض کی کیسی جامع فہرست ہے اور ان کے لیے کتنا جامع دستور العمل ہے۔ ایسے جامع، واضح اور یقینی ہدایت سے لبریز دستور العمل کی موجودگی میں اگر ہمارے سربراہوں کو کسی نئے دستور کی تلاش ہو تو یہ ان کی اپنی سمجھ کا قصور ہے۔ قرآن نازل کرنے والے نے بتانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

۱۰؎ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۱۱؎ یہ جملہ حالیہ اور محلاً مرفوع ہے یا فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اھلکنا اس فعل کا مفسر ہے۔

۱۲؎ معطلۃ۔ بے کار، بے مصرف۔ وہ کنواں جہاں سے لوگوں نے پانی بھرنا بند کر دیا ہو۔ مشید۔ وہ عمارت جو چونے سے چنی گئی ہو اور چونے سے پلستر کی گئی ہو۔ اس سے مراد ہے مضبوط اور شاندار۔ ای مجصص من الشید وھو الجص۔ (مظہری)

فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا

نہیں کی زمین میں تاکہ (ان کھنڈرات کو دیکھ کر) انکے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ (حق کو) سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے نصیحت

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي

سن سکتے حقیقت تو یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں

الصُّدُورِ ۝۴۶ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ

ہوتے ہیں ۶۲ یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب۔ (یقین رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا

وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ ۝۴۷ وَكَأَيِّنْ

اپنے وعدہ کی اور بیشک ایک دن تیرے رب کے ہاں ۶۳ ایک ہزار سال کی طرح ہوتا ہے جس حساب سے تم گنتی کرتے ہو۔ اور کتنی

مِنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَيَّ

بستیاں تھیں ۶۴ جنہیں میں نے مہلت دی عرصہ دراز تک ڈھیل دی حالانکہ وہ ظالم تھیں پھر (بھی جب باز نہ آئے) تو میں نے انہیں

الْمَصِيرُ ۝۴۸ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ۝۴۹ ع ۱۴

پکڑ لیا اور میری طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے۔ اے حبیب! آپ فرمائیے اے لوگو! بس میں تو تمہیں (عذاب الٰہی سے) کھلا ڈرانے والا ہوں۔

۶۲ کتنی بڑی حقیقت کا اظہار ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ شر العمی عمی القلب۔ دل کا اندھا ہونا سب سے برا اندھا پن ہے۔

۶۳ جو قوم بدکاریوں سے باز نہیں آتی اسے ان کے انجام سے ضرور دوچار ہونا پڑتا ہے لیکن اعمال کی کھیتی ایسی نہیں کہ صبح بوئی اور شام کو کاٹ لی۔ اس کے لیے مناسب عرصہ درکار ہوتا ہے۔ قومیں اپنے عروج و زوال کی منزلیں دنوں اور مہینوں میں طے نہیں کیا کرتیں بلکہ اس کے لیے صدہا سال درکار ہوتے ہیں۔ ہزار سال کی مدت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن کے برابر ہے اس لیے تمہارے خیال سے اگر نزول عذاب میں تاخیر ہو گئی ہے تو میرے رسول کی تکذیب نہ کرو کہ تمہیں مزید مہلت مل گئی ہے۔

۶۴ پہلے بھی بدکار قوموں پر فوراً عذاب نہیں اترا بلکہ انہیں طویل مہلت دی گئی تھی۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ

سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے تو ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور باعزت رزق بھی۔

كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اور جو لوگ کوشش کرتے رہے ہماری آیتوں (کی تردید) میں اس خیال سے کہ وہ ہمیں ہرا دیں گے یہی لوگ

الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ

دوزخی ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول ؀ اور نہ کوئی نبی مگر

؀ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول اور نبی مبعوث فرمائے ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ جب انھوں نے ہماری آیتیں لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تو شیطان نے ان لوگوں کے دلوں میں ان آیات کے بارے میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا کر دیئے۔ بجائے اس کے کہ وہ ان آیات کو قبول کرتے انھوں نے ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ یہ مضمون متعدد دوسری آیتوں میں بھی بیان فرمایا گیا ہے "وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ" کہ شیطان اپنے چیلوں کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ بحث مباحثہ شروع کر دیں۔ دوسری آیت میں ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا" یعنی اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے سرکش انسانوں اور جنوں کو دشمن بنا دیا اور وہ لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے ایسی باتیں سکھاتے ہیں جو بظاہر بڑی دلکش ہوتی ہیں۔

پہلے شیاطین جن وانس نے جو سلوک اپنے ہادیوں کے ساتھ کیا تھا بعینہٖ وہی رویہ مکہ کے مشرکین نے اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ (تم پر مردار حرام کیے گئے) تو مشرکین اب سے بے آئے اور اس پر یہ اعتراض جڑ دیا کہ دیکھو جسے تم خود مارتے ہو اس کو تو حلال اور پاک کہہ رہے ہیں اور جسے خدا نے مارا وہ ان کے نزدیک حرام اور پلید ہے۔ جب سود کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ان کی زبانیں قینچی کی طرح چلنے لگیں کہ ذرا انصاف سے تو دیکھو کہ بیع تو ان کے لیے حلال ہے اور سود حرام۔ حالانکہ دونوں میں نفع ہے یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ دو ایک جیسی چیزوں میں سے ایک کو حرام اور دوسری کو حلال کر دیا جائے۔ اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن کے متعلق شیطان ان کو سجھاتا اور وہ اسلام کے خلاف بڑے جوش وخروش سے پراپیگنڈا کی ایک نئی مہم کھڑی کر دیتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کاملہ سے اور دلائل قاہرہ سے باطل کا پول کھول دیتا اور حق کی روشنی ہر طرف پھیل جاتی۔ آیت کا یہ مفہوم اتنا واضح اور دوسری آیات کے عین مطابق ہے کہ کسی قسم کا تذبذب باقی نہیں رہتا لیکن بعض کتابوں میں ایک روایت کے درج ہو جانے سے اس آیت

کا مطلب کچھ سے کچھ کر دیا گیا جس سے صرف اپنوں کے دلوں میں اضطراب کی لہر پیدا نہیں ہوئی بلکہ دشمنانِ اسلام کو قرآن، صاحبِ قرآن اور دینِ اسلام کی صداقت پر حملہ کرنے کے لیے ایک مہلک ہتھیار مل گیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آیت کی اس واضح اور صاف تشریح پر ہی یہ فقیر اکتفا کرتا اور اس روایت کی طرف التفات کیے بغیر آگے بڑھ جاتا لیکن کیونکہ یہ روایت ہماری کتابوں میں درج پائی گئی ہے اور دشمنانِ اسلام نے اس سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے خلاف طوفان برپا کر رکھا ہے اب اس سے تعرض نہ کرنا بھی ادائے فرض میں کوتاہی کے مترادف ہے۔ اس لیے بادلِ نخواستہ وہ روایت نقل کر رہا ہوں۔ اس کے بعد علمائے محققین نے جس طرح اس کے پرخچے اڑائے ہیں ان کا اجمالاً ذکر کروں گا تاکہ کسی طالبِ حق کے لیے تردد و تذبذب کا کوئی امکان باقی نہ رہے واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان۔

کہا یہ گیا ہے کہ اس آیت کی شانِ نزول یہ ہے کہ ایک روز حرم شریف میں کفار و مشرکین کے ایک اجتماع میں حضور نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی جب یہاں پہنچے۔ افرایتم اللات والعزی ومنوۃ الثالثۃ الاخری تو شیطان نے العیاذ باللّٰہ زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجیٰ یعنی یہ بت مرغانِ بلند پرواز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے۔ یہ سن کر مشرکین کی خوشی کی حد نہ رہی اور حضور پُرنور کا اسمِ گرامی لے کر کہنے لگے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف لوٹ آئے ہیں آج اس کی اور ہماری عداوت ختم ہو گئی اور جب حضور نے سورۂ نجم کی سجدہ والی آیات پڑھیں تو حضور نے بھی سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ اس کے بعد جبرئیل آئے اور آپ کو کہا کہ میں نے آپ کو یہ سورت اس طرح وحی نہیں کی تھی جس طرح آپ نے پڑھی۔ یہ سن کر حضور کو از حد رنج و غم ہوا۔ اس رنج و غم کو دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ غم نہ کریں۔ پہلے بھی جتنے رسول اور نبی گزرے ہیں سب کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔

ایک معمولی سمجھ بوجھ کا انسان جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام کا کچھ بھی علم ہے وہ تو اس روایت کو سنتے ہی کہہ دیگا کہ یہ جھوٹ کا پلندا ہے اور دشمنانِ اسلام کی سازش ہے لیکن آئیے علمائے محققین کے ارشادات کی روشنی میں اس کا جائزہ لیں۔ سب سے پہلے میں علامہ ابو حیان غرناطی کے جواب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں کیونکہ وہ جامع ہونے کے ساتھ مختصر بھی ہے۔ ابتدا میں انھوں نے اس آیت کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کوئی ایسی چیز نہیں جو رحمتِ عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کی جائے بلکہ اس میں صرف پہلے رسولوں اور نبیوں کا ذکر ہے۔ پس جب اس آیت سے یہ ثابت نہیں کہ حضور سے کوئی بھول سرزد ہوا اور اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت سے ہی غلط ہے ابن عطیہ، زمخشری اور چند دیگر مفسروں نے اپنی تفسیروں میں جو روایت یہاں نقل کی ہے یہ بات تو ایک معمولی انسان سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ اس کا ارتکاب اس ہستی کی طرف منسوب کیا جائے جو ہر قسم کی بھول اور خطا سے معصوم ہے۔ نیز اس روایت کے متعلق سیرت کے معتبر ترین مؤرخ امام محمد بن اسحاق سے جب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ھذا من وضع الزنادقۃ کہ یہ روایت بے دینوں کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کے رد میں انھوں نے پوری ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ امام بیہقی کہتے ہیں ھذہ القصۃ غیر ثابتۃ من جھۃ النقل یہ قصہ صحیح نقل سے ثابت ہی نہیں ہے اور جن راویوں نے اسے نقل کیا ہے سب مطعون ہیں۔ صحاح ستہ اور دیگر حدیث کی مشہور

کتابوں میں اس کا نام ونشان تک نہیں فوجب اطراحہ اس لیے اس کو ردی چیز کی طرح پھینک دینا ضروری ہے
ابن حیان فرماتے ہیں کہ اسی لیے میں نے اپنی تفسیر کو اس کے بیان سے آلودہ نہیں کیا مجھے ان لوگوں پر حیرت ہے کہ انھوں
نے اپنی تالیفات میں اس واقعہ کو لکھنے کی کیسے جسارت کی حالانکہ قرآن کریم کی ان آیات کو وہ تلاوت کرتے ہیں اسی
سورۃ والنجم کے آغاز میں ہے والنجم اذا ھوی ما ضل صاحبکم وما غوی وما ینطق عن الھوی ان ھو
الا وحی یوحی یعنی میرا محبوب نہ گمراہ ہوا نہ بھٹکا وہ تو اپنی خواہش سے بات بھی نہیں کرتا۔ وہ وہی بات کہتا ہے جو اس
کی طرف وحی کی جاتی ہے۔ ان روشن آیات کی موجودگی میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسی سورۃ میں ایسے قبیح کلمات
زبان پاک سے نکلے ہوں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا قل ما یکون لی ان ابدله
من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحی الی یعنی آپ کہہ دیجیے کہ میری یہ مجال نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں اپنی
مرضی سے رد و بدل کر دوں میں تو صرف وحی کا اتباع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں یہ اعلان کر دیا۔ ولو
تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین ثم لقطعنا منه الوتین۔ اور اگر وہ ہم پر ایک بات
بھی اپنی طرف سے بنا کر کہتے تو ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے۔ کیا اس ارشاد کے بعد
اس چیز کا گمان بھی کیا جا سکتا ہے (ان کے علاوہ کئی اور آیات بھی انھوں نے پیش کی ہیں) پھر لکھتے ہیں یہ وہ قرآنی نصوص
قطعیہ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عصمت پر دلالت کرتی ہیں۔ پھر فرماتے ہیں عقلی طور پر بھی یہ روایت ان گھڑت
ہے کیونکہ اگر ایسا ہونا ممکن ہوتا تو تمام احکام و آیات اور سارا دین مشکوک ہو جاتا۔ (ملخصاً البحر المحیط)

امام فخر الدین رازی نے بھی بڑے زور شور سے اس روایت کا رد کیا ہے لکھتے ہیں اگرچہ سطحی قسم کے لوگوں نے اس قصہ
کو لکھا ہے لیکن علماء محققین کا اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے ھذہ الروایة باطلة موضوعة یہ روایت جھوٹی ہے گھڑی
ہوئی ہے اور احتجوا علیه بالقرآن والسنة والمعقول اور اس کے بطلان اور موضوع ہونے پر ان علماء نے
قرآن سنت اور عقلی دلائل پیش کیے ہیں اور اس کے بعد امام موصوف نے مذکورہ بالا آیات ذکر کی ہیں امام محمد بن اسحاق
کا قول نقل کیا ہے کہ یہ قصہ زندیقوں کا گھڑا ہوا ہے۔ عقلی دلائل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں جو شخص کہتا ہے کہ حضور پرنور
صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کے بارے میں تعریفی کلمے کہے وہ کافر ہے کیونکہ اس طرح تو حضور کی بعثت کا مقصد ہی فوت
ہو جاتا ہے نیز شریعت، قرآن اور دین اسلام کی کسی بات پر یقین نہیں رہتا۔ پھر فرماتے ہیں ان دلائل سے روز روشن
کی طرح واضح ہو گیا ان ھذہ القصة موضوعة یہ قصہ موضوع ہے۔ اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جا سکتی
ہے کہ بعض مفسروں نے اسے لکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے خبر الواحد لا یعارض الدلائل النقلية والعقلية
المتواترة کہ یہ خبر واحد ہے اور دلائل نقلیہ اور عقلیہ جو حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں ان کے سامنے اس کی کوئی وقعت نہیں ہے
اس روایت کے ناقلین نے اس کی جو مختلف تاویلیں کی ہیں امام موصوف نے ان کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں
اور فرمایا ہے کہ اس روایت کی کوئی تاویل درست نہیں۔ اس کا کوئی صحیح محل اور مصداق تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ثبت

ایسی تمام روایات جہالت اور اختلاف الفاظ کے ساتھ متصف ہونے کے قابل رد ہیں۔ تفسیر الاحکام لابن العربی الاندلسی تفسیر قرطبی۔

علامہ ابو عبداللہ القرطبی نے بھی احکام القرآن میں اس روایت کی خوب تردید کی ہے اور بڑی طویل روایت پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں فذلک روایات کثیرۃ کلہا باطل لا اصل لہ کہ سب کی سب باطل ہیں ان کا کوئی ثبوت نہیں اور کیونکہ یہ روایت ضعیف ہے اس لیے اس کی تاویل کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہیں وضعف الحدیث مغن عن کل تاویل۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت کی کوئی سند صحیح بھی ثابت ہو جائے تو بھی وہ ضعیف اور ناقابل اعتبار ہوگی کیونکہ آیات قرآنی کے صراحۃً مخالف ہے اور باب قرآنی کے بھی خلاف ہے اور اس کی کوئی صحیح سند بھی نہیں ہے۔ ان حالات میں اہل نظر کے لیے یہ کب قابل التفات ہو سکتی ہے وھذا ضد مفہوم الآیۃ فوھی تضعف الحدیث لو صح فکیف ولا صحۃ لہ۔ علامہ قرطبی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے:

ان الامۃ اجمعت فی ما طریقہ البلاغ انہ معصوم فیہ من الاخبار عن شیئ بخلاف ما ھو علیہ لا قصداً ولا عمداً ولا سہواً ولا غلطاً یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ تبلیغ کلام الٰہی میں حضور سے ہرگز غلطی نہیں ہو سکتی نہ قصداً نہ عمداً نہ سہواً اور نہ غلطاً اس میں نبی ہر طرح معصوم ہیں۔

علامہ آلوسی نے دیگر اقوال کے ساتھ امام ابو منصور ماتریدی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

وذکر الشیخ ابو المنصور الماتریدی فی کتاب "حصص الاتقیاء" الصواب ان قولہ تلک الغرانیق العلی من جملۃ ایحاء الشیطان الی اولیاءہ من الزنادقۃ ... وحضرۃ الرسالۃ بریئۃ من مثل ھذہ الروایۃ۔ (روح المعانی)

یعنی تلک الغرانیق العلی والی بات ان باتوں میں سے ایک بات ہے جو شیطان اپنے زندیق چیلوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کریں۔ جناب رسالتمآب اس قسم کی روایتوں سے مبرا اور منزہ ہیں۔ قاضی ابوبکر ابن العربی الاندلسی جب اس آیت کی تفسیر کرنے لگتے ہیں تو اس روایت کا ذکر کر کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غصہ سے ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا ہے اور دل بے چین اور بے قرار ہو گیا ہے اپنی سابقہ روش کے بالکل برعکس اس روایت کو باطل کرنے کے لیے ایک مستقل فصل لکھی ہے جس کا عنوان ہے تنبیہ الغبی علی مقدار النبی اور لکھتے ہیں وتبویبہ عند اللہ الجزاء الاوفی فی مقام الزلفی۔ کہ اس فصل کے لکھنے سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقام قرب میں مجھے عظیم جزا دے گا تنگی دامان کی شکایت نہ ہوتی تو آپ کی اس فصل کا پورا ترجمہ یہاں درج کرتا اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ضرور اس فصل کا مطالعہ کریں۔

نیز یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہ آیت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور سورۃ نجم کا نزول اور یہ قصہ جو گھڑا گیا ہے اس کا وقوع ہجرت سے پہلے کئی سال مکہ مکرمہ میں ہوا تو عجیب بات یہ ہے کہ حضور کو نعوذ باللہ ایسا کرنے سے جو حزن و ملال ہوا اس کو دور کرنے کے لیے اتنے عرصہ دراز تک کوئی آیت نازل نہ ہوئی اور کئی سالوں کے بعد اللہ کو خیال آیا کہ اپنے رسول کو مطمئن کرے اور یہ آیت نازل کی۔ کیا ایسی بے تکی بات کوئی صاحب عقل سلیم تسلیم کر سکتا

إِذَا تَمَنَّىٰٓ أَلْقَى الشَّيْطَـٰنُ فِىٓ أُمْنِيَّتِهِۦ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِى

انکے ساتھ یہ ہوا کہ جب اس نے کچھ پڑھا تو ڈال دیئے شیطان نے اسکے پڑھنے میں (شکوک) پس مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ جو (خلل) اندازی

الشَّيْطَـٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ ءَايَـٰتِهِۦ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٢﴾ لِّيَجْعَلَ

شیطان کرتا ہے [۱] پھر پختہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یہ سب

مَا يُلْقِى الشَّيْطَـٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ

اس لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ بنا دے جو وسوسہ ڈالتا ہے شیطان [۲] آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل

قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ الظَّـٰلِمِينَ لَفِى شِقَاقٍۭ بَعِيدٍ ﴿٥٣﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ

بہت سخت ہیں۔ اور بیشک ظالم لوگ مخالفت میں بہت دور نکل جاتے ہیں۔ نیز اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ جان لیں

ہے۔ مزید برآں یہ حدیث متواتر ہے کہ شیطان خواب میں بھی حضور کی شکل میں کسی کو دکھائی نہیں دے سکتا تاکہ مسلمانوں کو حضور کی شکل میں دھوکہ دے سکے تو اس کا کیا احتمال ہے کہ [illegible] گمراہ کر سکے۔

وقد صح بل تواتر قوله صلى الله عليه وسلم من رآني في المنام فقد رآني حقا فان الشيطان لا يتمثل بي۔

اصل واقعہ جو صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں ہے وہ صرف اتنا ہے کہ حضور نے مجمع عام میں یہ سورۃ پڑھی اور اس میں آیت سجدہ آنے کی وجہ سے آخر میں سجدہ کیا تو تمام حاضرین جن میں کفار بھی تھے سب سجدہ میں گر پڑے اور ایسا ہونا ممکن ہے کیونکہ کلام الٰہی ہو اور زبان حبیب کبریا اس کی تلاوت کر رہی ہو تو کیوں نہ کفار بے ساختہ سجدے میں گر پڑیں بس اتنی بات تھی جس کو زنادقہ کی وضع و تحریف نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ الحمد لله الذي جعلنا من امة رسوله الكريم ونبيه المعظم الذي عصمه من وساوس الشيطان وهمزاته وجعله داعيا الى الله وسراجا منيرا۔

[۱] آیات قرآنی یا احکام شرعی کے متعلق شیطان لوگوں کے دلوں میں جو وسوسہ اندازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے اس کا ازالہ فرما دیتا ہے اور لوگوں کے دلوں کا یقین پھر تازہ ہو جاتا ہے۔

[۲] یعنی آیات قرآنی کے متعلق شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے وہی لوگ آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر و نفاق کی بیماری ہوتی ہے یا جن کے قلب کی سنگلاخ زمین میں ہدایت کا کوئی بیج پھوٹ نہیں سکتا۔ ایسے ہی لوگ ان شبہات کے باعث خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کی گمراہی کا باعث بنتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ

وہ لوگ جنھیں علم بخشا گیا ہے کہ یہ کتاب حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ایمان لائیں اس کے ساتھ اور جھک جائیں

قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾

اس کی جناب میں ان کے دل اور بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے ایمان والوں کو راہ راست کی طرف ۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہیں گے کفار اس کے بارے میں یہاں تک کہ آجائے ان پر قیامت

بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ

اچانک یا آجائے ان پر عذاب منحوس دن کا ۔ حکمرانی اس روز اللہ تعالیٰ کی ہی ہوگی ۔

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ

وہی فیصلہ فرمائے گا لوگوں کے درمیان ۔ پس جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو وہ نعمت (کے باغوں) میں

۹۴ اہل علم و فہم ان وسوسوں کا شکار نہیں ہوتے آیات ربانی میں ہدایت کا جو نور درخشاں ہوتا ہے اس سے ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ سچے دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا خضوع و خشوع اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

۹۵ کفار ساری عمر شک و شبہ کے دلدل میں پھنسے رہیں گے اور آنکھیں اس وقت کھلیں گی جب عذاب الٰہی آکر دبوچ لے گا یا قیامت آجائے گی۔ عقیم اس کو کہتے ہیں جس کی اولاد نہ ہو۔ وہ دن جس کے بعد رات نہ آئے گی اور نہ اس کے بعد کوئی نیا دن طلوع ہو اس کو بھی اس لحاظ سے عقیم کہہ دیتے ہیں۔ جب کسی قوم پر تباہی نازل ہوتی ہے تو اس کی زندگی کا وہ ایسا دن ہوتا ہے جس کے بعد اس کے لیے گردش لیل و نہار کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس کو بھی عقیم کہا گیا۔ وکان عقیما من کل خیر۔ (قرطبی)

یوم عقیم سے مراد روز قیامت بھی لیا گیا ہے۔ قال ضحاک ۔ عذاب یوم لا لیلة له وهو یوم القیامة۔

۹۶ بادشاہی اور حکمرانی تو آج بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا حرکت نہیں کرتا۔ کوئی ذرہ اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتا لیکن آج کئی ایسے طالع آزما اپنے پندار سے مست نظر آتے ہیں جو اپنی شاہی و سلطانی کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں لیکن قیامت کے روز سب جھوٹے شہنشاہوں کی زبانیں گنگ ہو جائیں گی اور ہوش اڑ جائیں گے۔ جب ان کے غرور کی شدت کے غضب سے سب کا نشہ کافور ہو جائے گا۔

النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کے باغوں میں (قیام پذیر) ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو یہ وہ بدنصیب ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب

مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا

ہوگا۔ اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر (میدان جہاد میں) قتل کر دیے گئے یا طبعی طور پر

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾

فوت ہوگئے تو ضرور عطا فرمائیگا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے

لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

وہ ضرور داخل کریگا انہیں ایسی جگہ جسے وہ پسند کریں گے اور بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔

ع ۷
۱۴

جہاں کا حاکم اور فرمانروا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر دے گا اور نافرمانوں کو ان کی نافرمانیوں کی سزا دے گا۔

سے ان دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں مومنین کے اجر کا ذکر ہے اور دوسری میں کفار کی سزا کا۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے فالذین امنوا وعملوا الصالحات مبتدا ہے فی جنت النعیم خبر ہے اسی طرح والذین کفروا وکذبوا بایاتنا مبتدا ہے فاولئک خبر ہے پہلی خبر پر ف داخل نہیں ہے لیکن دوسری خبر پر ف داخل ہے۔ اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اہل ایمان کا جنت میں جانا محض فضل الٰہی ہے لیکن کافروں کے دوزخ میں جانے کی وجہ ان کے اعمال ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لن ینجی احدا عملہ قالوا ولا انت یا رسول اللہ قال ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ برحمۃ منہ وفضل یعنی کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دیگا صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ کو بھی حضور نے فرمایا مجھے بھی مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔

سے پہلے عام مومنین پر جو مہربانی فرمائی جانے والی ہے اس کا ذکر ہوا اب خصوصیت کے ساتھ ان مبارک ہستیوں اور نفوس قدسیہ کی عزت افزائی کا بیان ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے خویش و اقارب اور مال و وطن کو چھوڑ دیا اور اسی حالت میں ان کی وفات ہوئی خواہ وہ میدان جنگ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے یا ویسے طبعی موت مر کر دیار حبیب سے اٹھ گئے فرمایا کہ انہیں بہترین رزق دیا جائیگا اس سے مراد وہ رزق ہے جو عالم برزخ میں انہیں ملیگا۔ المراد بہ عند بعض ما یکون للشہداء فی البرزخ من الرزق۔ (روح المعانی)

سے اس سے مراد جنت ہے وہاں پر جو چاہیں گے انہیں ملیگا ای جنۃ فیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر ببال البشر۔ (مظہری)

یعنی اس سے مراد جنت ہے کیونکہ اس جگہ انہیں وہ نعمتیں ملیں گی جنہیں آج تک کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ کانوں نے سنا اور نہ کسی انسان نے ان کا تصور کیا۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ

ان باتوں کو یاد رکھو، اور جس نے بدلا لیا اتنا قدر جتنی تکلیف اسے دی گئی تھی پھر مزید زیادتی کی گئی اس پر تو

لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ

اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرمائے گا بیشک اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ داخل

اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ

کرتا ہے رات (کے کچھ حصہ) کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کے کچھ حصہ) کو رات میں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا سب کچھ

بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ

دیکھنے والا ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو حق ہے اور جنہیں وہ پوجتے ہیں اس کے

دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٦٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ

علاوہ وہ سراسر باطل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بلند (اور) سب سے بڑا ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ

اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً

اللہ تعالیٰ نے اتارا آسمان سے پانی تو ہو جاتی ہے (دیکھو) زمین سرسبز و شاداب۔

---

۵۹ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ مظلوم و مکروب کی مدد فرماتا ہے اور ظالم کو اس کے ظلم کی سزا دیتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کی امداد فرمائے گا اور آخر کار وہی کامیاب و کامران ہوں گے۔ ۶۰ یہاں پہلی بات کی وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اتنی قدرت کا مالک ہے کہ اپنی قدرت و حکمت کے مطابق دن کا حصہ رات میں اور رات کا حصہ دن میں داخل کرتا رہتا ہے جو ایسا کام کرنے کی طاقت رکھتا ہو جسے کوئی انسان یا فرشتہ نہیں کر سکتا۔ وہ جس کی نصرت فرمائے گا اس کے کامیاب ہونے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔ ۶۱ مظلوم کی نصرت کی دوسری وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حق ہے اس کا دین حق ہے وہ اسی کی عبادت کا حق ہے جو اس پر ایمان لائے ہیں اسی کے دین کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں اس لیے مستحق ہیں کہ حق ان کی اعانت فرمائے باقی رہے کافر و مشرک وہ بتوں کے پجاری ہیں ان کے بت بھی جھوٹے اور ان کا مذہب بھی باطل اسلیے باطل اور باطل پرستوں کی اعانت خداوند کریم نہیں کریگا اور وہ یقیناً خاسر و نامراد ہونگے۔
۶۲ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک روشن دلیل کی طرف مخاطب کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿٦٣﴾ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ

بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ لطف فرمانے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦٤﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا

اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب سے بے پرواہ اور ہر تعریف کا مستحق ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا دیا ہے تمہارے

فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ

لیے ہر چیز کو جو زمین میں ہے اور کشتی کو کہ چلتی ہے سمندر میں اس کے حکم سے اور روک رکھا ہے اس نے آسمان کو

أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ

کہ گر نہ پڑے زمین پر بجز اس کے اذن کے۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا

رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ

ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی پھر مارے گا تمہیں پھر زندہ کرے گا تمہیں۔

ع ۸ ۱۵

ہر چیز جہاں کہیں بھی ہے پیدا بھی اس کو اسی نے کیا ہے اور اس کے بقا کا بھی وہی اہتمام کرتا ہے۔

اپنی قدرت و حکمت بیان کرنے کے بعد اب اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا کہ دیکھو ہم نے تم پر کتنے کتنے احسانات فرمائے ہیں۔ ہماری شفقت اور بے پایاں رحمت کا تم بآسانی اندازہ لگا سکتے ہو۔

اگر یہ سب کچھ ہوتا۔ گلشن عالم کی یہ ساری رونقیں ہوتیں لیکن تمہیں پیدا نہ کیا جاتا تو تم ان سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے۔ تم پر اس نے مزید کرم فرمایا کہ تمہیں زندگی کی نعمت مرحمت فرمائی تاکہ تم ان گوناگوں احسانات سے مستفیض ہو سکو۔ لیکن یہ زندگی جس کی دلفریبیوں نے تمہیں مخمور کر دیا ہے فانی ہے۔ کچھ عرصہ بعد تمہیں موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا۔ اس کے بعد پھر تمہیں زندہ کیا جائے گا اور وہ زندگی ابدی ہوگی۔ عقلمند وہ شخص ہوا کرتا ہے جو دور اندیش ہو۔ اپنے مستقبل کو درخشاں بنانے کے لیے کوشاں ہو۔ جو امروز کے ہنگاموں میں ایسا کھو جائے کہ فردا کا اسے ہوش ہی نہ رہے اسے کوئی دانا نہیں کہتا۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ

بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے لہ ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ہے عبادت کا طریقہ لکہ جس کے مطابق وہ

فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى

عبادت کرتے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ وہ نہ جھگڑا کریں آپ سے اس معاملہ میں اور آپ بلاتے رہیے انہیں اپنے رب کی طرف۔ بیشک آپ یقیناً

مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾

سیدھی راہ پر گامزن ہیں! اور اگر (پھر بھی) وہ جھگڑا کریں آپ سے لکہ تو آپ (انہیں) فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔

اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾

اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن ان امور کے بارے میں جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو۔

لہ یہ احسانات جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان کے پیش نظر فطرت سلیمہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسے منعم اور محسن کی چوکھٹ پر ہمیشہ سر نیاز جھکا رہے اور زبان و دل ہمیشہ اس کا شکر اور اس کی ثنا کرتے رہیں لیکن حضرت انسان کی ناشکر گزاریاں اور احسان فراموشیاں قابل دید ہیں۔

لکہ آج تک جو رسول یا نبی بھیجا گیا اسے اس کی قوم کے مخصوص حالات کے پیش نظر ایک نظام شریعت (منسک) عطا کیا گیا۔ اپنی اسی حکیمانہ قدیم سنت کے مطابق آپ کو بھی شریعت کا ایک ایسا دستور عطا فرمایا جو عصر حاضر کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اسلام کے عالمی اور ابدی دین ہونے کے تقاضوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو سکتا ہے اس لیے کسی سمجھدار آدمی کو مناسب نہیں کہ احکام شریعت کے اختلاف کو وجہ نزاع بنا کر مخالفت کا طوفان برپا کرے۔ اے حبیب مکرم! آپ اپنا فرض ادا کرتے رہیے اور کسی کی فساد انگیزی کی پرواہ نہ کیجیے۔ کوئی مفسد اپنی شوخ آرائی سے آپ کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔

لکہ اگر اس کے باوجود بھی خواہ مخواہ کوئی الجھتا ہے تو آپ اپنا قیمتی وقت اس کو خاموش کرنے میں صرف نہ فرمائیں بلکہ اسے کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ قیامت کا دن آنے دو وہ خود فیصلہ فرمائے گا اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فی ہذہ الآیۃ ادب حسن علمہ اللہ عبادہ فی الرد علی من جادل تعنتا ومراء ان لا یجاب ولا یناظر ویدفع بہذا القول الذی علمہ اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بڑا عمدہ ادب سکھایا ہے کہ جو شخص محض تعصب اور جھگڑا کرنے کے شوق میں تم سے مناظرہ کرنا چاہے اسے کوئی جواب نہ دو اور نہ اس کے ساتھ مناظرہ کرو۔ اس کی تمام شوخ آرائیوں کے جواب میں صرف یہ بات کہہ دو جو

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ

کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے بیشک یہ سب کچھ

ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُونَ

ایک کتاب میں لکھا ہوا ہے۔ بیشک (علیٰ التفصیل) ہر چیز کو جان لینا اللہ تعالیٰ پر آسان ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں

مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَا لَيْسَ لَهُم

فلہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری اور انہیں خود بھی ان کے بارے میں کوئی

بِهِ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٧١﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

علم نہیں۔ اور نہیں ہوگا ظلم و ستم کرنے والوں کا کوئی مددگار۔ اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان کے سامنے

آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنكَرَ ۖ يَكَادُونَ

ہماری آیتیں صاف صاف تو آپ پہچان لیتے ہیں کفار کے چہروں پر ناپسندیدگی کے آثار۔ وہ قریب ہے کہ وہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کو دکھائی ہے۔

ﻋﻠہ جب وہ سب کچھ جانتا ہے تو ان معاندین کے احوال اور بدبختی اس سے کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

ﻓﻠہ کفار و مشرکین جن بتوں کو اپنا خدا مانتے ہیں اور ان کی پوجا کیا کرتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی۔ پھر ایسے ظالموں اور جفا کاروں کی کون مدد کر سکتا ہے۔

ﻗﻠہ آیات قرآنی کی جب تلاوت کی جاتی ہے تو اہل ایمان خوش ہوتے ہیں اور کلام الٰہی کی مٹھاس اور شیرینی ان کے رگ و پے میں سما جاتی ہے لیکن یہ لوگ جنہوں نے کفر و شرک کے باعث اپنے ذوق سلیم کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا ہے جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات بینات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے چہروں پر ناگواری اور ناراضگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور اگر ان کا بس چلے تو پڑھنے والے پر حملہ کر کے اس کی تکا بوٹی کر دیں۔

المنکر: الغضب والعبوس۔ ناراضگی اور ناگواری۔ یسطون: شدۃ البطش۔

يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۗ قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ

قریب ہے کہ جھپٹ پڑیں ان لوگوں پر جو پڑھتے ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں۔ آپ فرمائیے اے غصہ میں جی جلنے والو! کیا میں آگاہ

مِّن ذَٰلِكُمُ ۗ النَّارُ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ وَبِئْسَ

کروں تمہیں اس سے بھی تکلیف دہ چیز سے؟ وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا وعدہ کیا ہے اس آگ کا اللہ تعالیٰ نے کفار سے۔ اور وہ بہت

الْمَصِيرُ ﴿٧٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۚ إِنَّ ع ۱۲

برا ٹھکانا ہے۔ اے لوگو! ۱۲؎ ایک مثال بیان کی جا رہی ہے پس غور سے سنو اسے۔ بیشک جن

الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا

معبودوں کو تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہ تو مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں

۱۱؎ یعنی قرآن کریم کی آیات سن کر تمہارا دل تنگ ہوتا ہے تمہاری طبیعت میں غصہ اور اضطراب کی لہر دوڑ جاتی ہے تمہاری پیشانی پر بل پڑنے لگتے ہیں کچھ بعید نہیں کہ ایک ایسی چیز سے پالا پڑنے والا ہے جو تمہارے لیے اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک اور ہوشربا ہوگی۔ وہ دوزخ کی آگ ہے جس کی آنچ کو ہر لحظہ تیز کیا جا رہا ہے جس کے شعلے تمہیں بھسم کرنے کے لیے ابھی سے بے تاب ہیں۔ اگر تم نے عقل و فہم کی خداداد قوتوں سے کام لے کر حق کو قبول نہ کیا تو یاد رکھو تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔

۱۲؎ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا کہ مشرکین جن معبودوں کی عبادت کرتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے نہ عقلی۔ یہ محض ان کی جہالت اور حماقت کا نتیجہ ہے۔ اب ان کے اس فعل کی قباحت کو ایک مثال دے کر واضح کیا جا رہا ہے تاکہ ان پر ان کی اپنی حماقت اور جہالت آشکارا ہو جائے اور وہ اس سے باز آجائیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جن بے جان بتوں کو تم نے اپنا کارساز اور حاجت روا سمجھ رکھا ہے ان کی حقیقت پر کبھی تم نے غور کیا۔ کائنات کی خوب صورت، مفید اور بڑی بڑی چیزوں کو تم رہنے دو انہیں کہو کہ وہ سب مل کر ایک مکھی ہی بنا دیں جو بالکل حقیر اور کمزور سی چیز ہے۔ پھر فرمایا مکھی بنانا تو کجا ان بیچاروں میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو وہ اس سے واپس لے سکیں۔ جن معبودوں کی بے بسی کا یہ عالم ہے انسان جو اشرف المخلوقات ہے اور جسے ایجاد و اختراع کی اعلیٰ صلاحیتیں بخشی گئی ہیں اگر انہیں اپنا معبود بنا لے تو دنیا میں اس سے بڑی حماقت اور ظلم نہیں ہو سکتا۔

الذین تدعون سے مراد وہ بت ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے المراد الاوثان الذین عبدوهم من دون الله (قرطبی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں ان الذین تدعونها آلهة كائنة من دون الله وهي الاصنام۔

لَهٗ ۗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ

اس (کام) کے لیے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ نہیں چھڑا سکتے اسے اس (مکھی) سے (واقعی) کتنا بے بس ہے

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ایسا طالب اور کتنا بے بس ہے ایسا مطلوب [100] انہوں نے نہیں پہچانا اللہ کی قدر کو جیسے اس کی قدر پہچاننے کا حق تھا [101] بیشک

لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ

اللہ تو بڑا طاقتور اور سب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی چن لیتا ہے فرشتوں سے بعض پیغام پہنچانے والے اور انسانوں سے بھی

النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ

بعض کو رسول [102] بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور

مَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا

جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے سارے معاملات۔ اے ایمان والو!

ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ

رکوع کرو اور سجدہ کرو اور عبادت کرو [103] اپنے پروردگار کی اور (ہمیشہ) مفید کام کیا کرو تاکہ تم (دین و دنیا میں)

[100] طالب سے مراد بتوں کے پجاری اور مطلوب سے مراد بت۔ الطالب عابد الصنم والمطلوب الصنم (طبری۔ قرطبی وغیرہ)

[101] ان نادانوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی شان کبریائی کا صحیح اندازہ نہیں لگایا ورنہ وہ ایسی کھلی حماقت کا ارتکاب نہ کرتے۔

[102] بیان توحید کے بعد اب رسالت کا اثبات کیا جا رہا ہے۔ ولید وغیرہ کہا کرتے تھے کہ اگر انسانوں میں سے کسی کو رسول بنانا تھا تو ہم جیسے سرداران قریش میں سے بنایا ہوتا۔ ارشاد ہے کہ یہ انتخاب اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے تمہاری پسند و ناپسند کو دخل نہیں۔ تم نہیں جان سکتے کہ کون اس بار امانت کو اٹھانے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر جو سمیع بھی ہے اور بصیر بھی تمہارا معترض ہونا تمہاری کج فہمی کی انتہا ہے۔

[103] پہلے کفار کی حماقتوں کا ذکر ہوا اب اس اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حکم دیا جا رہا ہے جو خداوند برحق ہے جو قادر مطلق ہے جس کی عظمت و کبریائی کی شہادت آسمان کی بلندیاں، زمین کی پستیاں، پہاڑوں کا سکون اور دریاؤں کی روانیاں، عندلیبوں کے

تُفْلِحُونَ ﴿٧٧﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبٰكُمْ

کامیاب ہو جاؤ۔ اور سرتوڑ کوشش کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس طرح کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے چن لیا ہے تمہیں

نالے، درختوں کی سرکتی شاخیں، کانٹوں کی چبھن، کلیوں کی چٹکن غرضیکہ ہر چیز اپنی اپنی بساط و صلاحیت کے مطابق جھک رہی ہے اس کی ایسی بندگی کا حکم دیا جا رہا ہے جو صرف زبان تک محدود نہ ہو، رکوع و سجود میں مقید نہ ہو، جو مساجد و عبادت گاہوں کے دروازوں پر آ کر ختم نہ ہو جائے بلکہ ایسی بندگی جس کا زندگی کے ساتھ ہمہ وقتی تعلق ہے۔ زندگی کا قافلہ جس راہ پر گامزن ہے غم و اندوہ کے چبھتے ہوئے کانٹوں سے گزرے، خوشی و مسرت کے جتنے چمن راہ میں آئیں ہر ہر جگہ ہر ہر قدم پر بندگی کا نشان زندگی کی جبین پر تابندہ رہے۔

رکوع و سجود سے اداشدہ نماز کا حکم ملا واعبدوا سے اس کے تمام احکام بجا لانے کی تاکید ہوئی۔ وافعلوا الخیر سے ایسے کام کرنے کا فرمان صادر ہوا جو اس کے لیے اس کی قوم و ملت کے لیے سارے نوع انسانی کے لیے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق کے لیے اپنے دامن میں خیر و نفع کی نعمت سمیٹے ہوں۔ وافعلوا الخیر الظاهر انه یعم الاعمال کلها یعنی اختاروا ما هو خیر واصلح فی ما تاتون به وتذرونه (مظہری)

١٠٣ اس آیت سے اس سورۃ کا اختتام ہو رہا ہے۔ اس کی جامعیت اور معنویت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر مومن کو یہ از بر ہو اور وہ اسے اپنے لیے مشعل راہ بنا لے۔ بڑے غور و تامل سے اس کا ایک ایک فقرہ پڑھیے اور کلمات کی اوٹ میں جو معانی اور معارف مستور ہیں ان سے پردہ سرکانے کی کوشش کیجیے، دیکھیے پھر کیا نظر آتا ہے۔ آغاز اس حکم سے فرمایا وجاهدوا فی اللہ حق جهاده اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ لفظ جہاد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں۔ الجهاد والمجاهدة استفراغ الوسع فی مدافعة العدو۔ دشمن کا مقابلہ کرنے میں اپنی امکانی قوت صرف کر دینے کو جہاد اور مجاہدہ کہتے ہیں۔ پھر لکھتے ہیں جہاد کی تین قسمیں ہیں:۔

١۔ مجاهدة العدو الظاهر۔ ظاہری دشمن سے جہاد۔

٢۔ ومجاهدة الشیطان۔ اور شیطان سے جہاد۔

٣۔ ومجاهدة النفس۔ اور اپنے نفس کے خلاف جہاد اور اس آیت میں تینوں قسم کے جہاد داخل ہیں۔

ارشاد نبوی ہے۔ جاهدوا اهواءکم کما تجاهدون اعداءکم۔ اپنے ظاہری دشمنوں سے تم جس طرح جہاد کرتے ہو اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کرو۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ جہاد ہاتھ سے بھی ہوتا ہے اور زبان سے بھی جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جاهدوا الکفار بایدیکم والسنتکم۔ کفار کا مقابلہ زور بازو کے ساتھ بھی کرو اور زبان سے بھی۔ (مفردات)

گویا دشمن کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دینا لفظ جہاد کے مفہوم میں داخل ہے۔ امکانی وسائل مہیا کرنے میں

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ

(حق کی پاسبانی اور اشاعت کے لیے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی ۹۶ پیروی کرو اپنے باپ ابراہیم

إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا

کے دین کی ۹۷ اسی نے تمہارا نام مسلم (یعنی اطاعت گزار) رکھا ہے اس سے پہلے اور اس قرآن میں بھی تمہارا

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

یہی نام ہے تاکہ ہو جائے یہ رسول (کریم) گواہ ۹۸ تم پر اور تم گواہ ہو جاؤ

۹۶ یہ ایسا دین نہیں جس پر عمل کرنے کے لیے تم مصیبت کا شکار ہو جاؤ، جس کو قبول کرنے کے بعد تمہاری مادی، علمی اور روحانی ترقی کی راہیں مسدود ہو جائیں، تم کسی میدان میں دنیا کی کسی قوم سے مات کھا جاؤ۔ یہ دین ہر قسم کی ایسی رکاوٹوں سے پاک ہے۔ اسے سمجھنا آسان ہے، اس پر عمل کرنا آسان ہے اور جو قوت اس پر عمل کرتی ہے وہ سارے جہان کے لیے فیوض و برکات کا منبع بن جاتی ہے۔ اس لیے اس تشویش کو اپنے دل سے نکال دو کہ اس دین کو اپنا کر تم مشکلات میں گھر جاؤ گے۔ ترقی کی دوڑ میں دوسری قومیں تم سے بازی لے جائیں گی۔

۹۷ یہ دین کوئی نیا دین نہیں، یہ تمہارے اسی باپ ابراہیم کا دین ہے جس کی عظمت کے گیت تم گاتے ہو، جس کی زندگی کو ایک مثالی زندگی یقین کرتے ہو، جس کی ذات والا صفات کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے تم جذبۂ عزت و افتخار محسوس کرتے ہو، اسی نے تمہیں مسلم کا معزز و محترم لقب عطا فرمایا ہے۔

۹۸ ملت ابراہیمی کے برحق، سراپا یمن و برکت اور سب اقوام عالم کے لیے آیۂ رحمت ہونے پر اگر تمہیں کسی دلیل کی ضرورت ہو، اگر کسی کو کوئی گواہ درکار ہو تو یہ دیکھو میرا رسول مکرم، میرا حبیب محترم کھڑا ہے۔ جس کی کتاب زیست کا ہر ورق اس دین و ملت کی حقانیت و صداقت کی گواہی دے رہا ہے۔ اس کی راتوں کا سوز و گداز، اس کے دنوں کی مصروفیتیں، اس کا ہر بول، اس کا ہر فعل، اپنے دوستوں کے ساتھ اس کا برتاؤ، اپنے دشمنوں کے ساتھ اس کا سلوک، اس کی جنگیں اور اس کی صلحیں، اس کی ساری زندگی، غرضیکہ تم اسے جس پہلو سے دیکھنا چاہو دیکھو، جس کسوٹی پر پرکھنا چاہو خوب پرکھو۔ اگر تمہاری چشم دل اور حق کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو تم بے اختیار کہہ اٹھو گے کہ اس سے سچا گواہ آج تک چشم فلک نے نہیں دیکھا۔ تمہارا دل مان جائے گا کہ جس کی گواہی یہ دے رہا ہے اس کے برحق ہونے میں ذرا تامل نہیں کیا جا سکتا۔

النَّاسِ ۚۖ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ ۖ هُوَ

لوگوں پر شاہد۔ پس (اے دین حق کے علمبردارو!) صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ ۹۹ اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ تعالیٰ (کی رسی) کو

۹۸ اور ایسے سچے گواہ کی گواہی قبول کر کے ایمان لانے والو! مسلم کے محترم و معزز لقب سے سرفراز ہونے والو! بزم عالم میں تمہارا مقام بھی یہ ہے کہ تم اپنی گفتار، اپنے کردار، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس طرح بسر کرو کہ تم اس دین کے برحق ہونے کی ایسی گواہی دو کہ سب سے تسلیم کرنے کے بغیر کسی کو چارہ کار نہ ہو۔ لوگ تمہیں دیکھ کر، تم سے مل کر اور تم سے معاملہ کر کے یقین کر لیں کہ جس دین کے تم پیروکار ہو وہی سچا دین ہے۔ جس نظام حیات کے تم نقیب ہو سارے جہان کی فلاح و سلامتی کا صرف یہی ضامن ہو سکتا ہے۔

اس بات پر تاریخ شاہد ہے کہ جب تک مسلمان اس شہادت کی ذمہ داریوں کو انجام دیتا رہا لوگ پروانوں کی طرح شمع اسلام پر نثار ہوتے رہے۔ ایک مرد حق آگاہ بھی اگر کسی ظلمت کدہ میں پہنچ گیا تو اس کے رخ انور کی تابانیوں سے وہاں ہر طرف اجالا ہو گیا۔ ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنے آبائی عقاید و نظریات کے زنار توڑ توڑ کر مشرف باسلام ہوتے رہے۔ اشاعت اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرو تمہیں پتہ چلے گا کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوات و اطیب التحیات کے ان افراد نے ہر جگہ ہدایت کے یہ چراغ روشن کیے جن کا ظاہر و باطن نور توحید سے جگمگا رہا تھا۔ جو کام سلطان محمود غزنوی کے حملوں اور شہاب الدین کی فتوحات سے نہ ہو سکا وہ کام ان خرقہ پوش صوفیوں نے کیا۔ اس خوبی اور اس شان سے کیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی روحانی تجلیات کی ضیا پاشیوں میں کمی نہیں ہوئی۔ لاہور، اجمیر، دہلی، اورنگ آباد، گجرات، سلہٹ، چاٹگام، گنگوہ، ملتان، پاک پتن میں کس نے برسر اقتدار باطل کو شکست فاش دی اور اسلام کا پرچم لہرایا اور اس طرح لہرایا کہ آج بھی لہرا رہا ہے اور قیامت تک لہراتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ہستیاں اپنے ساتھ دولت کے خزانے نہیں لائی تھیں۔ لشکر جرار ان کے ہمرکاب نہ تھے۔ فن مناظرہ میں بھی مہارت کا انہیں دعویٰ نہ تھا۔ ان کے پاس اپنی زندگی کی کھلی کتاب تھی جس کی ہر سطر سے انوار عرفان کے چشمے ابل رہے تھے۔ ان کے پاس اپنا دل با بصیرت اور بے داغ کردار تھا جو پکار پکار کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے رہا تھا۔ ان کی صداقت کی دلیل ان کے نورانی چہرے تھے جو مہر درخشاں کو شرمسار کر رہے تھے۔ کسی مخالف میں یہ جرات نہ تھی کہ وہ ان کی گواہی کو مشکوک ثابت کر سکے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جو دل بھی قبول حق کی استعداد رکھتے تھے وہ دوڑ دوڑ کر آتے اور دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

آج بھی دنیا اسلام کی ابدی برتری اور افادیت ثابت کرنے کے لیے ایسے ہی گواہوں کی ضرورت ہے جو اپنے عمل سے، اپنے اخلاق سے، اپنی روحانی بلندی اور وسعت علم سے اس کے برحق ہونے کی ایسی شہادت دینے کی اہلیت رکھتے ہوں کہ کوئی انہیں جھٹلا نہ سکے۔ ورنہ جو تبلیغ آج ہم کر رہے ہیں اس سے بیگانوں کو تو کیا اپنوں کو بھی اسلام سے

مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ۱۰ ع ۱۷

وہی تمہارا کارساز ہے۔ پس وہ بہترین کارساز ہے اور بہترین مدد فرمانے والا ہے۔ تلہ

تنفر کر رہی ہے۔ جاک گریبانوں کو رفو کرنا تو کجا ہمارے مبلغین ان چاکوں کو اور زیادہ وسیع کر رہے ہیں۔ محبت و پیار کا درس دے کر ملت کے پراگندہ شیرازہ کو یکجا کرنا تو بڑی بات ہے جہاں ان کے سبز قدم پہنچے وہاں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں۔ آج ہاتھوں میں سوئی نہیں قینچی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال زار پر رحم فرمائے۔

یہ تیری اس دنیا میں شہادت اور ایک شہادت حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کی امت قیامت کے دن دے گی۔ اسی شہادت سے انبیاء سابقین اس الزام سے بری کیے جائیں گے جو ان کی امتیں ان پر لگائیں گی کہ الٰہی ان تیرے نبیوں نے ہمیں تیرا کوئی پیغام نہیں پہنچایا اور نہ انہوں نے ہمیں دعوت توحید دی ورنہ ہم کبھی کفر و شرک میں مبتلا نہ رہتے۔ اس وقت غلامان مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھیں گے اور گواہی دیں گے یا اللہ تیرے رسولوں اور نبیوں نے اپنا فرض پوری طرح ادا کیا قصور انہی لوگوں کا ہے جو آج بڑے سلیم الطبع بنے بیٹھے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ بقرۃ آیت نمبر ۱۴۳ اور سورۃ النساء آیت نمبر ۴۱ کے حاشیے ملاحظہ فرمائیے۔

قلہ آخر میں پھر نماز و زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا تاکہ اس میں سستی واقع نہ ہو کیونکہ اسلامی برکات کا سرچشمہ یہی عبادات ہیں۔ انہی سے انسان میں نیکی کی خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتی ہیں اور مذموم صفات سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے۔

ستلہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ دشمن کتنا قوی ہو، مشکلات کتنی ہوشربا ہوں، ماحول کتنا ناساز ہو پھر بھی بڑے عزم، حوصلہ اور اخلاص سے قدم آگے بڑھاتے چلے جاؤ کیونکہ

هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ

تعارف سُورۃ المؤمنون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام : اس سورۃ کا نام المومنون ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

نزول : یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ رکوع ایک سو اٹھارہ آیتیں اور ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمات اور چار ہزار آٹھ سو دو حروف ہیں۔

مضامین : (۱) اس سورۃ کا افتتاح اُمتِ مسلمہ کے ان افراد کی صفاتِ حمیدہ سے کیا گیا جو نورِ اسلام سے اپنے دلوں کو منور کرتے ہیں اور اپنے اعمال اور جذبات کو قرآن کے پیش کیے ہوتے قالب میں ڈھال دیتے ہیں۔ فرمایا اسی قسم کے لوگوں کے سرپر فلاح دارین کا تاج رکھا جائے گا۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے فردوسِ بریں کی ابدی نعمتیں چشم براہ ہیں۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دعوت پر کفار کو سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ آپ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں یہ دو ایسی باتیں ان کے خیال کے مطابق عقل، تجربہ اور مشاہدہ کے سراسر خلاف تھیں۔ اس لیے وہ کسی قیمت پر انہیں ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔

چنانچہ اس سورت میں اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کے متعلق ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے۔ ان کے سامنے انفسی اور آفاقی ہر قسم کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ انہیں کہا گیا ہے کہ ذرا اپنی پیدائش پر غور کرو کہاں پانی کی ایک بوند یہ ایک گمنام جرثومہ اور کہاں یہ حضرتِ انسان یہ کس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ اعجاز آفرینی جس کی حکمت کی جلوہ گری ہے ذرا آنکھیں اٹھا کر آسمان کی بلندیوں کی طرف دیکھو وہاں کس کی قدرت کے جلوے نظر آتے ہیں پانی جو ہر قسم کی زندگی کا سرچشمہ ہے اس کی بہم رسانی کا انتظام کس عمدگی سے کر دیا گیا ہے یہاں تک پہاڑوں کی وہ بلند چوٹیاں جہاں تم کسی طرح پانی نہیں لے جا سکتے تھے وہاں اس نے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے جاری کر دیتے ہیں۔ غرضیکہ اس کی بنائی ہوئی جس چیز میں تم تدبر کرو گے تمہیں اس کے خالق کی قدرت، حکمت اور علم محیط کا اندازہ ہو جائے گا۔

جب ان صفاتِ کمال سے وہی متصف ہے تو پھر کتنی نادانی ہے کہ اس کا شریک ایسی چیزوں کو بنایا جائے جو

ان صفات سے قطعاً عاری ہیں اور نہ وہ کسی کو ضرر پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع۔

نیز غور کرو ایسی قدرت والے جو ان ہمیں کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ انہیں مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔

(۳) اس کے بعد چند انبیائے کرام کے احوال بیان فرمائے اور ان کی قوموں نے ان کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اور ان کا جو انجام ہوا اس کو بیان فرمایا تاکہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو اطمینان ہو اور وہ کفار تباہ ہونے والی قوموں سے عبرت حاصل کریں۔

(۴) مشرکین اکثر یہ کہتے کہ اگر آپ ہماری فلاں فلاں بات مان لیں اور ہماری رائے کے مطابق فلاں فلاں آیت میں ردوبدل کر دیں یا یہ مفلوک الحال اور گھٹیا قسم کے لوگ جو ہر وقت آپ کے ارد گرد حلقہ باندھے بیٹھے رہتے ہیں ان کو اپنی مجلس سے نکال دیں یا کم از کم جس وقت ہم حاضر ہونا چاہیں ان کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیں تو ہم سب آپ کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ شاید انھوں نے یہ خیال کیا ہو کہ اسلام کو ہماری اور ہمارے تعاون کی اشد ضرورت ہے اس کے لیے ہم جیسی بھی نامعقول شرط پیش کریں گے وہ مان لی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی کا یہ کہہ کر ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا کہ حق باطل کے مشورے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا ہو جائے اور تمھاری رائے کے مطابق اس میں تبدیلیاں گوارا کر لی جائیں تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی اس لیے اس خیال کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل سے نکال دو۔ آخر میں شرک کی قباحت بیان کرنے کے لیے ان سے چند ایسے ناقابل شکن سوالات پوچھے جن کا جواب انھیں بھی اللہ کے بغیر کوئی نہ بن آیا۔ انھیں بھی طوعاً و کرہاً یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ہر چیز کا خالق، مالک اور حکمران اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

سُورَةُ الْمُؤْمِنُونَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَمَانَ عَشْرَةَ آيَةً وَسِتَّةُ رُكُوعَاتٍ

سورہ المومنون مکی ہے اور اس کی ۱۱۸ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝٢

بیشک دونوں جہانوں میں بامراد ہو گئے ایمان والے ۱؎ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں ۲؎

۱؎ قرآن مجید کے آغوش تربیت میں پرورش پانے والا انسان جن خوبیوں اور اوصاف کا حامل ہوتا ہے ان کے بیان سے اس سورہ کا افتتاح ہو رہا ہے۔ آپ خود انصاف فرمائیے کہ جو شخص بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو تو ادب و نیاز کا پیکر بن جائے اس کا ہر لمحہ سنجیدہ اور مفید مصروفیات میں ایسا گھرا ہوا ہو کہ اسے بیکار اور بیہودہ مشاغل میں شرکت کی فرصت ہی نہ ملے جو اپنے مال اور اخلاق کے تزکیہ میں ہر وقت مشغول ہو جو اپنی نفسانی اور شہوانی خواہشات کی تکمیل میں بے راہ روی کا شکار نہ ہو جس امانت کی حفاظت اور جو دینی و ملی ذمہ داری اسے سونپی جائے اس میں وہ خیانت کا مرتکب نہ ہو اور جو عہد و پیمان وہ کرے اس کو وہ ہر قیمت پر نبھائے۔ جو شخص ایسی خوبیوں کا مالک ہو اس کے سر پر اگر فلاح دارین کا تاج نہیں رکھا جائے گا تو کس کے سر پر رکھا جائے گا فردوس بریں کی بہاریں اگر اس کے لیے نہ ہوں گی تو اور کس کے لیے ہوں گی۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو سیرت کے اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بکھرے ہوئے اور عملی، اخلاقی اور نظریاتی پستیوں میں گرے ہوئے افراد کو ان بلندیوں تک پہنچانے کے لیے تشریف لایا تاکہ ایسے منجھے ہوئے افراد سے ایک ایسی امت معرض وجود میں آجائے جو تمام عالم انسانی کو عزت و فلاح کا راستہ دکھا سکے۔

سورۃ بقرہ کی ابتداء میں لفظ فلاح کی تحقیق کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ فلاح کسی جزوی اور عارضی کامیابی کا نام نہیں بلکہ یہ لفظ دنیا و آخرت میں مکمل کامیابی پر دلالت کرتا ہے۔ لیس فی کلام العرب کلمۃ اجمع من لفظۃ الفلاح لخیری الدنیا والآخرۃ (تاج العروس) یعنی ساری لغت عرب میں لفظ فلاح سے جامع کوئی ایسا لفظ نہیں جو دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو۔

آیت میں قَدْ اَفْلَحَ کا ترجمہ اسی لغوی تحقیق کے مطابق کیا گیا ہے۔

۲؎ علمائے حق نے خشوع کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: الخشوع فی الصلوٰۃ ھو جمع الھمۃ لھا والاعراض عما سواھا والتدبر فیما یجری علی لسانہ من القراءۃ والذکر (مظہری) یعنی نماز میں خشوع کا یہ مطلب ہے کہ انسان اپنی

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝٣ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

اور وہ جو ہر بیہودہ امر سے منہ پھیرے ہوئے ہیں ۳ اور وہ جو زکوٰۃ ادا

فَاعِلُونَ ۝٤ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ ۝٥ إِلَّا عَلٰى

کرتے ہیں ۴ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۵ بجز اپنی

ساری توجہ اسی پر مرکوز کر دے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت بے بسی و بیچارگی سے بیٹھا ہو۔ وہ اپنی زبان سے جو تلاوت اور ذکر کرتا ہے ان کے معانی میں غور و تدبر کرے۔ اس کے علاوہ اس کے ظاہری آداب یہ ہیں کہ نگاہ سجدہ گاہ پر مرکوز رہے۔ دائیں بائیں نظر نہ دیکھے۔ آگے پیچھے جسم کو حرکت نہ دے۔ اپنی انگلیاں نہ چٹخائے۔ اپنے کپڑوں کو نہ سنوارتا رہے۔ سجدہ میں جائے تو اپنے سجدہ کی جگہ کو بار بار صاف نہ کرتا رہے۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه یعنی اگر اس شخص کے دل میں عجز و نیاز ہوتا تو اس کے ظاہری اعضاء بھی اظہار عجز کرتے۔

۳ لغو سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو فضول اور بے فائدہ ہو۔ اللغو مالا یعتد به من کلام وغیره [illegible] مومن کا ہر لمحہ بڑا قیمتی ہے۔ اس کے کندھوں پر تو فرض دارین کا بار گراں ہے اس کو فرصت ہی کہاں کہ وہ بیکار اور فضول کاموں میں شرکت کرے۔ علماء نے تصریح کی ہے کہ ایسی سیر و تفریح جو جسمانی صحت یا ذہن و قلب کی تازگی کا باعث ہو وہ اس میں داخل نہیں۔ معرضون کے لفظ سے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ لغویات کا ارتکاب تو کجا۔ مومن تو ادھر کا رخ ہی نہیں کرتے۔

۴ زکوٰۃ سے مراد اپنے مال سے مقررہ شرح کے مطابق حصہ نکال کر قرآن کریم میں بیان شدہ مصرفوں پر خرچ کرنا۔ اب آیت کا معنی یہ ہو گا کہ وہ مومن جو غنی ہیں وہ خدا کے بخشے ہوئے رزق سے اس کے حکم کے مطابق زکوٰۃ ادا کرتے ہیں لیکن بعض علماء نے یہاں لفظ زکوٰۃ سے اس کا لغوی معنی پاکیزگی مراد لیا ہے۔ ان کی ترجیح کے مطابق آیت کا معنی یہ ہو گا کہ مومن ایسے اعمال کرتے ہیں جو نفس و قلب کے تزکیہ کا باعث بنتے ہیں اور وہ ایسی آلائشوں سے اپنے آپ کو پاک رکھتے ہیں جن سے دل کا آئینہ غبار آلود ہو جاتا ہے اور روح کی پاکیزگی مکدر ہو جاتی ہے۔ وقیل الزکوٰۃ ھھنا ھی العمل الصالح ای والذین ھم للعمل الصالح فاعلون (مظہری)

۵ یعنی ایسا بھی نہیں کہ نفسانی خواہشات کی تکمیل کلیۃً ممنوع ہو اور مسلمان جوگیوں، راہبوں اور سنیاسیوں کی طرح شادیوں ہی سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اور ایسا بھی نہیں کہ مست ہاتھی کی طرح لوگوں کی آبروئیں برباد کرتے رہیں اور انسانی معاشرہ کو لاعلاج بیماریوں کے تحفے دیتے رہیں یا ذہنی الجھنیں پیدا کر کے سوسائٹی کے امن اور احساس کی سلامتی

أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ

بیویوں سے اور ان کنیزوں سے جو ان کے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو بیشک انہیں ملامت نہ کی جائے گی اور جس نے

گزر بسر کرتے رہیں۔

اسلام میں نفسانی خواہش کی تکمیل کے دو طریقے ہی روا ہیں: اپنی منکوحہ بیوی اور مملوکہ کنیز۔ اس کے علاوہ اور سارے طریقے شریعت نے حرام کر دیئے ہیں۔

اہل تشیع متعہ کو مباح سمجھتے ہیں نہ صرف مباح بلکہ اس کے فضائل بیان کرنے میں بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیتے ہیں۔ اس آیت کی موجودگی میں مزید کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہیں لیکن فقط ان صاحبان کی غیرت ایمانی، اور حمیت انسانی سے اتنا پوچھنے کی اجازت طلب کرتا ہوں کہ کیا وہ اپنی بچیوں، اپنی بہنوں کے لیے یہ امر پسند کرتے ہیں کہ انہیں کوئی متعہ کا پیغام دے یا وہ متعہ کرتی پھریں۔ اگر وہ اس کے تصور سے بھی لرز جاتے ہیں تو پھر وہ آل سیدہ مخدومہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی بچیوں کے لیے یہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا ہے۔ کیا شریعت اسلامیہ میں امیر و غریب شاہ و گدا کے لیے الگ الگ قوانین ہیں؟ کیا سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لیے عزت و کرامت کے الگ الگ معیار مقرر ہیں؟ ایک فعل جو ایک خاندان کے لیے باعث ننگ و عار ہے کیا کسی دوسرے خاندان کے لیے باعث عز و وقار ہو سکتا ہے؟ خدارا کچھ تو انصاف کرو۔

علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اس مسئلہ پر عالمانہ بحث کی ہے جس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

" وممن روی عنه تحریمها عمر وعلی وابن عمر وابن مسعود وابن الزبیر قال ابن عبد البر وعلی تحریم المتعة مالك واهل المدینة وابو حنیفة فی اهل الکوفة والاوزاعی فی اهل الشام واللیث فی اهل المصر والشافعی وسائر اصحاب الآثار "

ترجمہ: صحابہ کرام میں سے مندرجہ ذیل جلیل القدر ہستیاں متعہ کی حرمت کی قائل تھیں: حضرت عمر، علی، ابن عمر، ابن مسعود، ابن زبیر رضی اللہ عنہم۔ ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین میں سے مندرجہ ذیل لوگ متعہ کو حرام کہتے ہیں۔ امام مالک اور اہل مدینہ۔ امام ابو حنیفہ اہل کوفہ میں سے۔ اہل شام میں اوزاعی۔ اہل مصر میں سے لیث۔ نیز امام شافعی اور دیگر اصحاب آثار بھی متعہ کو حرام قرار دیا کرتے تھے۔

(المغنی لابن قدامہ، کتاب النکاح)

متعہ کے جواز کے قائل حضرت ابن عباس کے قول کو خوب اچھالتے ہیں حقیقت میں یہ آپ پر بہت بڑا بہتان ہے۔ آپ نے کبھی اس کی مطلق اباحت کا قول نہیں کیا، بلکہ آپ شدید قسم کی اضطراری حالت میں اس کے جواز کے قائل تھے۔

ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ

خواہش کی ان دو کے ماسوا تو یہی لوگ حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ (مومن بامراد ہیں) جو اپنی امانتوں

وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹ اُولٰٓئِكَ

اور اپنے وعدوں کی پاسداری کرنے والے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ

هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝۱۰ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱

وارث ہیں جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

چنانچہ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ غضب سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا ان المتعة کالمیتة والدم ولحم الخنزیر یعنی متعہ مردار جانور، ناپاک خون اور خنزیر کے گوشت کی مانند ہے۔ اس قول سے حضرت ابن عباس کی جانے کی حقیقت آپ پر واضح ہو گئی ہو گی۔ صحیح بات یہ ہے کہ آپ نے اس قول سے بھی رجوع کر لیا تھا۔ اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن عباس کا یہ مذہب تھا اور آپ نے اس سے رجوع بھی نہیں کیا تو پھر بھی ہم پر اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تعمیل واجب ہے نہ کسی اور کی۔

اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہوئے مجھے بڑی حیرت ہوئی جب میں نے شیعہ کی مشہور کتاب تہذیب الاحکام جلد ۷ صفحہ ۲۵۵ مطبوعہ نجف اشرف باب تفصیل احکام النکاح جس کے مصنف شیخ الطائفہ ابی جعفر الطوسی ہیں کی اس عبارت پر نظر پڑی۔ لا باس بالتمتع بالهاشمية کہ خاندان نبوت کی خواتین کے ساتھ بھی متعہ کرنے میں حرج نہیں۔ اگر زمین پھٹ جاتی تو مجھے اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی یہ پڑھ کر ہوئی۔ میرا سر چکرانے لگا اور آنکھوں میں خون اتر آیا اور میں اپنے آپ سے پوچھنے لگا کیا یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جو اہل بیت پاک کی محبت اور تعظیم و تکریم کو اپنا دین و ایمان بتاتے ہیں۔ کیا ان کی محبت کی یہ حقیقت ہے کہ کیا تطہیر و تکریم کے متعلق اتنی گستاخی کے جواز کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

؎ امانت اور عہد کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں والامانة والعهد يجمع كل ما يحمله الانسان من امر دينه ودنياه قولا وفعلا وهذا يعم معاشرة الناس والمواعيد وغير ذلك یعنی ہر قسم کی ذمہ داری جو انسان اپنے ذمہ لیتا ہے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے، گفتار سے ہو یا کردار سے، اس کا پورا کرنا مسلمان کی امتیازی شان ہے۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد فقیر ہو یا امیر، وزیر ہو یا صدر، مزدور ہو یا کلرک، اور چونکہ ان اسلامی معاشرہ کا ایک ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں اور جو عہد و پیمان وہ کسی سے کرتا ہے ان سب کو بخوبی انجام دینا مومن کی اصولی صفات میں سے ایک اہم صفت ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں حضور نبی کریم نے امانت میں خیانت کرنے کو منافق کی علامت قرار دیا ہے۔

؎ تمام اخلاق حسنہ اور صفات عالیہ سے موصوف ہونے والے افراد کا ذکر کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ یہی وہ خوش نصیب

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ

اور بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے شہ پھر ہم نے رکھا اسے

نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں پھر ہم نے بنا دیا نطفہ کو خون کا لوتھڑا پھر ہم نے بنا دیا اس

مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ

لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی پھر ہم نے پیدا کر دیں اس بوٹی سے ہڈیاں پھر ہم نے پہنا دیا ان ہڈیوں کو گوشت۔ پھر

اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ

(روح پھونک کر) ہم نے اسے دوسری مخلوق بنا دیا پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔ پھر یقیناً تم

یہی ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہیں۔ اس آیت کی ترکیب میں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور درمیان میں ضمیر فصل ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ جنت الفردوس کی وراثت انہی لوگوں کا حصہ ہے۔ ملت اسلامیہ کے وہ افراد جو مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرنے کے باوجود ان ذمہ داریوں کے قریب تک نہیں پھٹکتے ان کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے۔

شہ مٹی کے خمیر سے جو جوہر نکلا اس سے آدم کا جسم پاک تیار ہوا پھر آپ سے جو انسانی نسل چلی اس کے لیے نطفہ اصل قرار پایا جو ان غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے جو زمین سے اگتی ہیں اس لیے جنس انسانی کی تخلیق کے متعلق یہ فرمایا کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ مختلف تبدیلیاں جو شکم مادر میں تدریجاً رونما ہوتی ہیں ان سے کسی حد تک عرب کے بادیہ نشین بھی باخبر تھے لیکن علم و انکشاف کا سلسلہ جوں جوں بڑھ رہا ہے ان تغیرات کے پردوں میں قدرت کی ایمان افروز خوبیاں اور نقش آرائیاں جو آج تک نگاہوں سے پوشیدہ تھیں عیاں ہو کر اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی ناقابل تردید گواہی دے رہی ہیں۔

ھے وہ پانی کی بوند رحم مادر میں قرار پکڑنے کے بعد مختلف تغیرات اور تبدیلیوں کے مرحلوں سے گزرتی ہے جن کا ذکر تفصیلاً ہوا ہے لیکن اب تک انسان اور دیگر حیوانات کے جنین یکساں قسم کے تھے جو تبدیلیاں یکے بعد دیگرے یہاں رونما ہوتی ہیں بعینہ یہ تبدیلیاں ان کے نطفوں میں بھی ظاہر ہوتی ہیں لیکن ایک منزل پر پہنچ کر یکایک دست قدرت نے اپنے موقلم سے کوئی ایسی رنگ آمیزی کر دی کہ اسے دیگر حیوانی جنینوں سے بالکل ممتاز کر کے رکھ دیا۔ پہلے وہ بے جان تھا اب زندگی کی لہر دوڑ گئی ہے لیکن یہاں صرف نمو حیوانی کی آفرینش سے حیات حیوانی کا آغاز نہیں ہوا بلکہ نفس ناطقہ نے اسے بالکل ایک جدید قسم کی مخلوق کا روپ بخش دیا ہے۔ عقل و فہم کی قوتیں، غور و فکر کی صلاحیتیں، تسخیر کائنات کے حوصلے، فلک رسائی کی امنگیں

بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝۱۵ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝۱۶ وَلَقَدْ

ان مرحلوں سے گزرنے کے بعد ضرور مرنے والے ہو۔ پھر یقیناً تمہیں روز قیامت (قبروں سے) اٹھایا جائے گا۔ اور بے شک

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝۱۷

ہم نے تمہارے اوپر سات راستے بنا دیئے ہیں ۲۱ اور ہم اپنی مخلوق (کی ضرورتوں) سے بے خبر نہ تھے ۲۲

سب کچھ اس خوبی سے یہاں یکجا جمع کر دی گئی ہیں جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اور پیدائش کے بعد نہیں بلکہ ابتدائی مرحلوں میں بالکل یکساں ہونے کے باوجود کسی میں ایک کا رخ ایک طرف اور دوسرے کا رخ ایک بالکل ہی نئی منزل کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور پھر اس منزل کو پالینے کے لیے جن قابلیتوں، صلاحیتوں، اعضا اور وسائل کی ضرورت تھی وہ سب مہیا کر دیئے گئے ہیں تو زبان پر بے ساختہ آ کر رہتا ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ امام رازیؒ لکھتے ہیں ای خلقنا مباینا للخلق الاول مباینة ما ابعدها ...... وما فیہ باطنه وظاهره بل فی کل عضو من اعضائه ...... عجائب فطرة وغرائب حکمة لا یحیط بها وصف الواصفین (کبیر)

احسن الخالقین، بظاہر الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیدا کرنے والے تو بہت سے ہیں البتہ سب سے بہتر پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حالانکہ صرف وہی خالق ہے اور کسی کو خالق کائنات میں حصہ دار بنانا قطعاً توحید کے منافی ہے۔ علمائے کرام نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا ہے کہ خلق کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کسی چیز کو کسی موجود مادے اور سابقہ مثال کے بغیر پیدا کرنا۔ ابداع الشیء من غیر اصل ولا احتذاء (مفردات)۔ اس معنی کے لحاظ سے یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو کسی میں نہیں پائی جا سکتی۔ اس کا دوسرا معنی سابقہ مادہ سے کسی چیز کو کسی موجود مثال کے مطابق بنا لینا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں میں بھی پایا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں یہ لفظ اپنے دوسرے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۲۱ زندگی کا آغاز جہاں سے اور جیسے ہوا وہ تم نے سن لیا۔ پھر جہاں اس زندگی کا خاتمہ ہوگا اس کا بھی ہر روز تم مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ لیکن حقیقت میں یہ زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ زندگی کے پہلے مختلف قسم کے مرحلوں کی طرح یہ بھی ایک نیا مرحلہ ہے جس میں تمہیں روز قیامت اپنے اعمال کی جوابدہی کے لیے قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہیں ان اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی۔ جو تم نے اس دنیوی زندگی میں کیے۔

۲۲ انسان کی تخلیق کے آغاز اور اس کے انجام کا ذکر کرنے کے بعد اب ان انعامات کا ذکر ہو رہا ہے جو رب کریم نے انسان کی بھلائی اور آسائش و آرام پہنچانے کے لیے کیے ہیں۔ عرب جب کسی چیز کو دوسری چیز کے اوپر رکھتے ہیں تو کہتے ہیں طارقت الشیء ای جعلت بعضه علی بعض اور اگر ایک کپڑے کو دوسرے کپڑے کے اوپر پہنیں تو کہتے ہیں طارق بین ثوبین ای لبس احدھما علی الآخر (جلیل) اور ترتیب کو طریقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ آسمان بھی ایک دوسرے کے اوپر ہیں اس لیے انہیں طرائق فرمایا۔ اور اگر یہ طریق کی جمع ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ ہم نے سیارگان کے لیے سات راستے مقرر کر دیئے ہیں جن کے اوپر وہ مصروف حرکت رہتے ہیں۔ ۲۲ یعنی ہم نے آسمانوں

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا

اور ہم نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق پھر ہم نے ٹھیرا لیا اسے زمین میں اور یقیناً ہم

عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ

اسے بالکل ناپید کرنے پر پوری طرح قادر ہیں پھر ہم نے اگائے تمہارے لیے اس پانی سے باغات کھجوروں

کی تخلیق علم و حکمت کے بغیر نہیں کی گئی یونہی اوٹ پٹانگ بنا کر انہیں کھڑا کر دیا گیا ہو بلکہ ان میں ہماری حکمت، قدرت اور علم محیط کے آثار و شواہد ہر جگہ چشم بینا کو نظر آ رہے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے کے بعد ہم ان کی ضروریات سے غافل نہیں ہو گئے بلکہ چھوٹی بڑی ہر چیز کے لیے تمام ایسے وسائل اور اسباب ہم نے مہیا کر دیئے ہیں جو اس کی بقا اور نشوونما کے لیے ضروری ہیں اور جو اسے اس کے مقررہ وقت تک زندہ و سلامت رکھنے کے ضامن ہیں۔ ای فی القیام بمصالحه وحفظه وهو معنى الحق القيوم۔

۱۳ؔ یہاں سے اپنے ایک دوسرے انعام کا ذکر ہے کہ ہم تمہاری ضروریات کے مطابق بارش برساتے ہیں اس سے تمہاری کھیتیاں سیراب ہو جاتی ہیں تمہارے پینے کے لیے تالابوں میں پانی جمع ہو جاتا ہے لیکن جو تمہاری وقتی ضروریات سے بچ جاتا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہم اس کو اپنے مخفی ذخیروں میں جمع کر لیتے ہیں اور تم ہر وقت ان سے مستفید ہوتے رہتے ہو۔ یہ کنوئیں، یہ ٹیوب ویل، یہ دریا، یہ چشمے جن سے تم اپنی ضروریات پوری کرتے ہو ان میں ہمارے انہی مخفی ذخیروں سے ہی تو پانی آ رہا ہے۔ میدانوں اور صحراؤں کو تو چھوڑیے ذرا پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر جا کر دیکھو ہم نے کس طرح پانی کی بہم رسانی کا وہاں مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں تم کنواں کھود کر یا ٹیوب ویل لگا کر زمین کے شکم سے پانی نہیں نکال سکتے، کوئی نہر جاری نہیں کر سکتے۔ اگر اس کائنات کا خالق علیم و قدیر نہ ہوتا تو وہاں پانی مفقود ہوتا اور پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہاں انسانی حیوانی اور نباتاتی زندگی کا نام و نشان تک نہ ہوتا۔ یہ ہماری حکمت اور علم کا کتنا بڑا کرشمہ ہے کہ پانی جو ہمیشہ نشیب و پستی کی طرف بہتا ہے ہزاروں فٹ کی بلندی پر جاری ہے واٹر سپلائی سکیم کے ماتحت نصب کیے ہوئے فواروں سے کس زور شور اور کثرت سے ابل رہا ہے کہ وہاں کی ضروریات پوری ہونے کے بعد وہ ندی نالوں کی شکل اختیار کر کے میدانی علاقوں میں بہتا ہوا آ نکلتا ہے اور جہاں جہاں سے یہ ندیاں گزرتی ہیں لاکھوں ایکڑ رقبہ سیراب ہوتا جاتا ہے۔

۱۴ؔ یہ نہ سمجھو کہ نظام عالم کو پیدا کرنے کے بعد اب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں رہا جو بن گیا سو بن گیا اب اس میں ہم اپنے اختیار سے کوئی رد و بدل نہیں کر سکتے۔ اگر تمہاری نگاہ حقیقت آشنا ہے تو تمہیں صاف نظر آ جائے گا کہ ہماری قدرت اور ہماری حکیمانہ تدبیر آج بھی کائنات کی زلف برہم اور گیسوئے پریشاں کو درست کر رہی ہے۔ اگر ہم چاہیں تو پانی کو اس طرح ناپید کر دیں کہ تم اس کی ایک ایک بوند کے لیے ترس جاؤ اور تمہاری آب رسانی کی ساری

وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ﴿۱۹﴾ وَشَجَرَةً

اور انگوروں کے تمہارے لیے ان میں بہت سے پھل ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو نیز پیدا کیا ایک

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ﴿۲۰﴾

درخت جو اگتا ہے طور سینا میں ؎ وہ اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانے والوں کے لیے

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ

اور بیشک تمہارے لیے جانوروں میں بھی غور و فکر کا مقام ہے ؎ ہم پلاتے ہیں تمہیں اس (دودھ) سے جو انکے شکموں میں ہے

فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ

اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے بہت فائدے ہیں اور انہیں سے کچھ کو تم کھاتے ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تمہیں سوار

کیا جاتا ہے

سکیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔

؎ اس سے مراد زیتون کا درخت ہے کیونکہ طور کے علاقہ میں یہ بکثرت پیدا ہوتا ہے اور اس خطہ کی اہم پیداوار شمار کیا جاتا ہے اس لیے اس کی نسبت وادیٔ طور کی طرف کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ علاقہ اس درخت کا وطن اصلی ہو اور یہاں سے لے جا کر اس کی کاشت دوسرے علاقوں میں کی گئی ہو۔ صبغ کہتے ہیں اس چیز کو جو سالن کے طور پر استعمال کی جائے کیونکہ اس کا اصلی معنی رنگنا ہے۔ اور جب لقمہ سالن میں ڈالا جاتا ہے تو وہ اس سے رنگین ہو جاتا ہے کل اِدام یؤتدم به فهو صبغ۔

؎ اس آیت میں اپنی ایک نعمت کا ذکر فرمایا کہ مویشیوں کے شکم میں تو خون، گوبر، پیشاب کئی گندی گندی چیزیں بھری ہیں۔ یہ کس کی حکمت کی جلوہ نمائی ہے کہ اس میں سے تمہارے پینے کے لیے وہ ایک ایسی چیز نکالتا ہے جو اپنے رنگ، ذائقہ، بو، تاثیر میں کسی طرح کی مشابہت ان چیزوں سے نہیں رکھتی پھر اس دودھ کے پینے سے صرف تمہاری پیاس ہی نہیں بجھتی بلکہ اس میں اتنی غذائیت رکھدی ہے جو کسی اور غذا میں اس افراط اور عمدگی سے موجود نہیں۔ اور مویشیوں سے تمہیں صرف یہی فائدہ حاصل نہیں بلکہ تم ان سے کثیر التعداد اور گوناگوں منفعتیں حاصل کرتے ہو پھر بھی اگر تم اپنے منعم حقیقی کا شکر ادا نہ کرو تو بے انصافی کی حد ہوگی۔ آیت میں "عبرت" کا لفظ تشریح طلب ہے۔ علامہ راغب اصفہانی نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: العبرة مختصة بالحالة التي يتوصل بها من معرفة الشاهد الى ما ليس بشاهد (مفردات) یعنی مشاہد کی معرفت سے غیر مشاہد تک پہنچنا۔ اسی لیے اس کا ترجمہ غور و فکر سے کیا گیا ہے۔

ع ۲

تُحْمَلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

کیا جاتا ہے۔ اور ہم نے بھیجا نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف [۱] تو آپ نے فرمایا اے میری قوم!

اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو نہیں ہے تمہارا کوئی خدا اس کے بغیر کیا تم (بت پرستی کے انجام سے) نہیں ڈرتے۔ تو کہنے لگے [۲] وہ سردار

كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ

جنہوں نے کفر اختیار کیا تھا ان کی قوم سے کہ نہیں ہے یہ مگر بشر تمہارے جیسا یہ چاہتا ہے کہ اپنی بزرگی جتلائے

[۱] یہاں سے پھر بعض جلیل القدر پیغمبروں کا تذکرہ شروع ہے جو پیغام انھوں نے اپنی اپنی قوم کو پہنچایا، ان قوموں کی مسخ شدہ ذہنیت پر اس دعوت کا جو ناموافق اثر پڑا، جو جو اعتراضات انھوں نے اپنے مخلص اور بے لوث محسنوں پر کیے اور جن الزامات سے انھیں متہم کیا، اور پھر انھیں پیہم سرکشی کی جو عبرتناک سزا ملی، ان تمام امور کو بیان فرمایا گیا۔ مقصد کفار مکہ کو خواب غفلت سے جھنجھوڑنا ہے اور انھیں بتانا ہے کہ اپنی اس باغیانہ روش سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہولناک ہوگا۔

[۲] ہمیشہ اہل ثروت اور اصحاب اقتدار مصلحین کی مخالفت میں پیش پیش ہوتے ہیں کیونکہ انھیں کا وجود ساری خرابیوں اور فسادات کا منبع ہوتا ہے اور اصلاح کی ہر کوشش کی براہ راست زد بھی ان کے اقتدار اور ان کے مفاد پر پڑتی ہے۔ اس لیے وہ عوام کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈال کر انھیں اہل حق سے برگشتہ کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے ہیں۔ انبیاء کے خلاف سب سے پہلے وہ یہ ہتھیار استعمال کرتے ہیں کہ یہ بشر ہیں، یہ ہماری طرح کا انسان ہے بھلا یہ کبھی نبوت کے منصب عالی پر فائز ہو سکتا ہے؟ یہ ہتھیار کارگر ثابت ہوا کیونکہ جن انسانوں سے وہ متعارف تھے جن انسان کے کردار سے وہ واقف تھے اور جس انسانیت کی نمائندگی ان کے یہ رؤسا اور سرداران قوم کر رہے تھے وہ تو ساری بدمعاشیوں، سفاکیوں، دھوکہ بازیوں کا پلندہ تھی۔ سنگدل، بے رحم، اوباش، عیاش اور بدکار۔ یہی تو وہ انسان تھا جسے وہ صبح و شام اپنے گرد و پیش دیکھنے کے عادی تھے۔ ایسا انسان نبی بن جائے ناممکن ہے۔ ایسا انسان خدا کی طرف سے اس کا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب ہو قطعاً غلط۔ وہ بیچارے مجبور تھے، صالح انسان، نیک انسان، پاکباز انسان ان کے معاشرہ میں تھا کہاں کہ وہ اسے دیکھتے اور یہ سمجھتے کہ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں۔ انسان کی اس عظمت سے وہ یکسر نا آشنا تھے جو وعلّم آدم الاسماء کی وجہ سے اسے میسر آتی ہے۔ وہ انسان کی ان بے پناہ خوبیوں اور بے اندازہ کمالات سے قطعاً بے خبر تھے جو نفخت فیہ من روحی کی برکت سے انسان کو بخشی گئی ہیں۔ اس لیے جب کوئی نبی کسی قوم کو دعوت حق دیتا تو اس قوم

عَلَيْكُمْ ۗ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ

تم پر ثلہ اور اگر اللہ تعالیٰ (رسول بھیجنا) چاہتا تو وہ اتارتا فرشتوں کو ہم نے نہیں سنی یہ بات (جو یہ کہتا ہے) اپنے پہلے آباؤ اجداد میں۔ نہیں ہے یہ مگر ایسا شخص جسے جنون کا عارضہ ہو گیا ہے ثلہ سو انتظار کرو اس کے انجام کا کچھ عرصہ۔ آپ نے عرض کی اے میرے رب! (اب تو ہی) میری مدد فرما کیونکہ انہوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ تو ہم نے وحی بھیجی ان کی طرف کہ بناؤ ایک کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے حکم کے مطابق پھر جب آجائے ہمارا عذاب اور پانی ابل پڑے تنور سے

کے رئیس اپنے عوام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرلیتے کہ یہ تو انسان ہے، یہ تو تمہاری طرح بشر ہے۔ لوگ خود بخود اس نبی کی دعوت کو حقارت سے ٹھکرا دیتے۔ اس زمانہ کے لوگ اس گمراہی میں مبتلا تھے کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اور آج کل کے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ نبی ہماری طرح کا ہی بشر ہوتا ہے اور بس۔ یہ فکر بالغرض اپنے نتائج کے لحاظ سے کچھ کم خوفناک نہیں۔ نعوذ باللہ من العثرات کلہا جلیلہا وخفیہا۔

فلہ دوسرا حربہ جو اہل غرض اور دنیا پرست سرداران بے غرض اور خدا پرست ہستیوں کے خلاف استعمال کرتے رہے ہیں یہ ہے کہ یہ خود بڑا بننا چاہتے ہیں۔ انہیں اقتدار کی ہوس ہے۔ اصلاح و ہدایت کی یہ تحریکیں محض ہتھکنڈے ہیں۔ ممکن ہے وہ انبیاء اور دیگر مصلحین کی نیکی اور تقویٰ کے دل سے قائل ہوں لیکن اپنی دنیاوی جاہ و حشمت کے تحفظ کے لیے وہ ایسا بے بنیاد الزام لگاتے ہوں۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ وہ انہیں اپنے آپ پر قیاس کرکے اپنے جیسا خود غرض اور اقتدار و حکومت کا بھوکا یقین کرتے ہوں۔ وجہ کوئی بھی ہو اہل غرض کا یہ دیرینہ حربہ ہے جو وہ اہل حق کے خلاف استعمال کرتے رہے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اور شاید اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک عوام کی وہ آنکھ پوری طرح نہ کھل جائے جو نیک و بد، مخلص و مفسد اور خود غرض میں امتیاز کر سکتی ہے۔

ثلہ وہ کہتے ہیں یہ عجیب و غریب باتیں جو آج تک نہ ہم نے سنیں اور نہ ہمارے آباؤ اجداد نے سنیں یقیناً کسی جنونی شخص کا نتیجہ ہیں۔ وہ شخص جس کے ہوش و حواس درست ہوں وہ کبھی ایسی بے بنیاد باتیں کر سکتا ہے؟ ساتھ ہی وہ اپنے عوام کو کہتے کہ تم ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آجانا۔ کچھ دیر انتظار کرو حقیقت حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔

فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ

تو داخل کر لو اس میں ہر جوڑے میں سے دو دو اور اپنے گھر والوں کو بجز ان کے جن

عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۖ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُمْ

کے بارے میں پہلے فیصلہ ہو چکا ہے ان میں سے۔ اور گفتگو نہ کرنا میرے ساتھ ان کے متعلق جنہوں نے ظلم کیا۔ وہ تو ضرور

مُغْرَقُونَ ﴿٢٧﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

غرق کیے جائیں گے۔ پھر جب اچھی طرح بیٹھ جائیں آپ اور آپ کے ساتھی کشتی کے عرشہ پر ۴۲ تو کہنا

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ وَقُلْ رَبِّ

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں نجات دی ظالم قوم (کے جور و ستم) سے۔ اور یہ بھی عرض کرنا کہ اے

أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿٢٩﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

میرے رب! اتار مجھے بابرکت ۴۳ منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے بیشک اس قصہ میں بھاری قدرت

۴۲ حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی ستمگاریوں سے تنگ آکر بارگاہ الٰہی میں فریاد کی تو آپ کو حکم ملا کہ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایت کے مطابق کشتی بناؤ۔ اور جب تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ عذاب الٰہی آن پہنچا ہے۔ اس وقت خود بھی اس میں سوار ہو جانا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوار کر لینا اور ہر جانور کا جوڑا جوڑا بھی اس کشتی میں داخل کر لینا لیکن خاندان کے ان لوگوں کے متعلق میری جناب میں عرض نہ کرنا جن کے متعلق قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا جب تم اور تمہارے ساتھی آرام سے کشتی میں بیٹھ جاؤ اور طوفان کا پانی ہر طرف پھیلنے لگے اور اس کی سطح ہر لحظہ بلند ہوتی جائے جس میں ان کی آبادی ڈوبنے لگے تو اس وقت تم اپنے رب کریم کی حمد و ثنا شروع کر دینا جس نے اس ظالم قوم سے تمہیں نجات دی جو صبح و شام تمہیں اذیتیں پہنچاتی اور مذاق کیا کرتی تھی۔

۴۳ کتنی پیاری دعا ہے۔ پہلا حکم کشتی میں بیٹھنے کا تھا اور یہ حکم کشتی سے اترنے کے وقت کے لیے ہے کہ جب صحیح وسلامت اترنے لگو تو یہ دعا مانگنا۔ یعنی دونوں جہانوں میں خیر و برکت کا باعث ہو۔ گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اور ہر نئی جگہ اترتے وقت بھی یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ جب مسجد میں

وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٣١﴾

کی نشانیاں ہیں اور ہم ضرور (اپنے بندوں کی) آزمائش کیا کرتے ہیں پھر ہم نے پیدا فرما دی ان کے (غرق ہونے کے) بعد[1] ایک دوسری جماعت

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ

پھر ہم نے بھیجا[2] ان میں ایک رسول انہی میں سے (اس نے) انہیں کہا کہ عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارا کوئی خدا

غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ

اس کے سوا، کیا تم (شرک کے انجام سے) نہیں ڈرتے ہو۔ تو بولے ان کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر کیا تھا اور جنہوں نے

كَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَا هَٰذَا إِلَّا

جھٹلایا تھا قیامت کی حاضری کو اور ہم نے خوشحال بنا دیا تھا انہیں دنیوی زندگی میں (وہ لوگوں سے کہنے لگے) نہیں ہے یہ مگر

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ﴿٣٣﴾

ایک بشر تمہاری مانند، یہ کھاتا ہے وہی جو تم کھاتے ہو اور پیتا ہے اس سے جو تم پیتے ہو۔

وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ﴿٣٤﴾ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ

اور اگر تم پیروی کرنے لگے اپنے جیسے بشر کی تو تم تب نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے۔ کیا وہ تم سے یہ وعدہ کرتا ہے

إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ﴿٣٥﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ

کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو تمہیں (پھر قبروں سے) نکالا جائے گا۔ یہ بات عقل سے بعید ہے بالکل بعید

ع ۲

تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے۔

[2] اس سے مراد قوم عاد یا قوم ثمود ہے۔

[3] بالکل وہی ذہنیت ہے۔ قوم کے رئیسوں کا وہی ردعمل ہے اور وہی اعتراضات و شبہات ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا۔

لِمَا تُوعَدُونَ ﴿۳۶﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا

جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے - نہیں ہے کوئی اور زندگی سوائے ۳۶ ہماری اس دنیوی زندگی کے یہیں ہم مرتے اور جیتے ہیں

نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۷﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَ

جائیں گے اور نہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا - وہ نہیں مگر ایسا شخص جس نے بہتان لگایا ہے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اور ہم

۳۶ انسانی زندگی کے متعلق یہ عقیدہ ان کے ذہنوں میں راسخ ہو چکا تھا کہ بس یہی دنیاوی زندگی ہے جو ہم نے اس جہان میں بسر کرنی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں۔ اس غلط فہمی میں مبتلا ہونے کے باعث وہ اپنی ساری جدوجہد اس زندگی کو آرام دہ اور پُرلطف بنانے کے لیے اور زیادہ سے زیادہ مال و جاہ حاصل کرنے کے لیے صرف کر دیتے تھے لیکن انسانی زندگی کے متعلق ان کا یہ تصور سراسر غلط تھا۔ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بدکار ہونے کے باوجود عزت و آرام کی زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا آدمی نیک، مخلص اور اپنی قوم کا بلکہ نوع انسانی کا سچا بہی خواہ ہونے کے باوجود عمر بھر طرح طرح کی مصیبتوں اور آزمائشوں میں مبتلا رہتا ہے۔ اگر یہی انسانی زندگی کے قافلے کی آخری منزل ہوتی تو اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ انسان جو نیک اور مخلص ہے، وہ عمر بھر کانٹوں پر لوٹتا رہے اور جو بدمعاش اور سفاک ہے وہ داد عیش دیتا رہے۔ اس صورت میں ان اخلاقی قدروں کو جن سے انسانی عظمت وابستہ ہے کون اپنائے گا بلکہ کون انہیں اچھا جانے گا؟ وہ جانباز جو اپنی جوانی اور شباب کی رنگینیوں کو اپنی قوم اور وطن کی آزادی پر قربان کر دیتا ہے اس سے تو وہ غدار اچھا جس نے اگرچہ اپنی قوم کی عزت کا سودا دشمن سے کیا لیکن اپنی زندگی آن بان سے گزاری اور اپنی اولاد کے لیے ڈھیروں سونا چھوڑ گیا۔ یہ کہہ دینا کہ نیک کام کرنے والے کا نیک نام باقی رہ جاتا ہے اور اس کے ذکر سے تاریخ کے صفحات مزین ہوتے ہیں، اور یہی اس کی جانبازی کا صلہ ہے، یہ کہنا بھی بہت بڑی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو عادل اور حکیم ہے، حکم ان کی فرمانروائی میں ایسی دھاندلی قطعاً قابل برداشت نہیں۔ اس لیے اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اس فانی زندگی کے بعد ایک باقی زندگی بھی ہو۔ جہاں عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں۔ نیک اور مخلص لوگوں کو ان کی مخلصانہ جدوجہد کا پورا پورا صلہ دیا جائے۔ اور بدکاروں کو ان کے کرتوتوں کی پوری سزا ملے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے تو اس دنیا میں ہی عدل کا ظہور کیوں نہیں ہوتا؟ تو اس کے متعلق مختصر عرض ہے کہ ہماری اس ظاہری زندگی کا دائرہ اتنا محدود ہے کہ اس میں عدل کے سارے تقاضے پوری صورت میں ظہور پذیر نہیں ہو سکتے اور بعض گراں بہا اعمال ایسے بھی ہیں جن کا معاوضہ اس دنیا میں نہیں دیا جا سکتا۔ آپ اس نوجوان کو کیا معاوضہ دے سکتے ہیں جس نے اپنی جان حق کو سربلند کرنے کے لیے قربان کر دی ہو۔ انسان اس مسئلہ میں جتنا غور کرتا چلا جائے، اس کا عقیدہ

مَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا

ہم تو قطعاً اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پیغمبر نے کہا میرے رب! اب تو میری مدد فرما کیونکہ انھوں نے مجھے جھٹلا

قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿٤٠﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ

دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب ہی یہ لوگ اپنے کیے پر نادم ہو جائیں گے تو آ پکڑا انھیں سچی چنگھاڑ نے تو ہم نے انھیں خس و خاشاک

غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا

بنا دیا تو برباد ہو جائے وہ قوم جو ستم شعار ہے۔ پھر ہم نے پیدا فرمائیں ان (کی بربادی) کے بعد کئی قومیں

آخَرِينَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾ ثُمَّ

آگے نہیں بڑھ سکتی کوئی قوم اپنی مقررہ میعاد سے اور نہ وہ لوگ پیچھے رہ سکتے ہیں۔ پھر

أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا

ہم بھیجتے رہے اپنے رسول یکے بعد دیگرے جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انھوں نے اسے جھٹلایا

آخرت کی زندگی پر زیادہ مستحکم اور استوار ہوتا چلا جائے گا۔

۶۲ جب اس قوم کی بدکاریاں حد سے تجاوز کر گئیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو ان کی ہدایت کی کوئی امید نہ رہی تو بددعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے برباد کر دیئے گئے۔ غثاء اس خس و خاشاک کو کہتے ہیں جو پانی کی سطح پر تیرتا چلا جاتا ہے غثاء السیل وھو حمیلہ (قرطبی) علامہ قرطبی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں ای ھو ما یحملہ من بالی الشجر من الحشیش والقصب مما یبس وتفتت یعنی خس و خاشاک تنکے اور سوکھی گھاس اور سرکنڈے وغیرہ۔

۶۳ اس قوم کے تباہ و برباد ہونے کے بعد بزم ہستی کو آباد کرنے کے لیے دوسری قوموں کو موقع دیا گیا۔ انھیں زندگی کی نعمتیں اور وسائل بہم پہنچائے گئے۔ انھیں گمراہی سے بچانے اور راہ راست پر ثابت قدم رکھنے کے لیے انبیائے کرام کی تشریف آوری کا سلسلہ جاری رہا لیکن بعد میں آنے والی قوموں نے بھی اپنے رسولوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ان کے پیش روؤں نے کیا تھا۔ انھوں نے نہ اپنے محسن انبیاء کی نصیحت کو گوش ہوش سے سنا اور نہ سابقہ امتوں کے ہولناک انجام سے عبرت حاصل کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی مکافات عمل کے قانون کی زد میں آ گئے اور صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کر دیئے گئے

چند الفاظ کی تشریح: تترا: یتبع بعضھم بعضا (یکے بعد دیگرے)۔ احادیث: جمع ہے اس کا واحد اُحدوثہ ہے۔

بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾

ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو ہلاک کرتے گئے اور ہم نے (ان جابر قوموں کو) افسانے بنا دیا پس دوری ہو (پھٹکار ہو) ایسی قوم پر جو

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٥﴾

ایمان نہیں لاتی۔ پھر ہم نے بھیجا موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل دے کر

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿٤٦﴾ فَقَالُوْٓا

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے بھی غرور و تکبر کیا اور وہ لوگ تھے ہی سرکش۔ تو انہوں نے کہا

اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿٤٧﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

کیا ہم ایمان لے آئیں ان دو آدمیوں پر جو ہماری مانند ہیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے پس انہوں نے ان دونوں کو

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ

جھٹلایا پھر نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بھی برباد ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ (ان کی قوم)

يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى

ہدایت یافتہ ہو جائے۔ اور ہم نے بنا دیا ابن مریم کو اور اس کی ماں (مریم) کو (اپنی قدرت کی) نشانی اور انہیں

اور اس کا معنی ہے قصے کہانیاں۔ ما یتحدث بہ۔

۴۶ جب موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کے درباریوں کو دعوت ایمان دینے کے لیے تشریف لے گئے تو انہوں نے ان کے خلاف وہ ہتھیار استعمال کیے جو پہلے متکبروں نے استعمال کیے تھے۔ جن کے بارے میں ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔

یعنی یہ دونوں ہماری طرح بشر ہیں، ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ ان کو اگر ہم نبی مانیں تو انہیں اپنا سردار اور حاکم تسلیم کرنا پڑے گا۔

۵۰ امام رازی لکھتے ہیں کہ چاہیے یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی وجعلنا ابن مریم وامّہ ایتین لیکن تثنیہ کے بجائے واحد استعمال کر کے آپ کی بن باپ ولادت کی طرف اشارہ کر دیا۔

رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۞ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ

بسایا ایک بلند مقام پر جو بڑا پرسکون قابل تھا اور وہاں چشمے جاری تھے۔ اے گروہ رسل! کھاؤ پاکیزہ چیزیں[1]

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۞ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ

اور اچھے کام کرو۔ بیشک میں جو اعمال تم کرتے ہو ان سے خوب واقف ہوں۔ اور یہی تمہارا دین سب کا دین وہ

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۞ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

ایک ہی ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں پس تم مجھ سے ڈرا کرو۔ پھر لوگوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنے دین (وحدت) کو باہمی[2]

زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۞ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰی

اختلاف سے پارہ پارہ۔ ہر گروہ اپنے نظریات پر مسرور ہے۔ پس (اے حبیب!) رہنے دیجیے انہیں اپنی مدہوشی

[1] ایک روز نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! اللہ پاک ہے اور پاکیزہ چیز کو ہی پسند فرماتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا حکم اس نے اپنے رسولوں کو دیا تھا۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یا ایھا الذین امنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم۔ اے ایمان والو! پاکیزہ اور طیب چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا ایک آدمی دور دراز کا سفر کرتا ہے۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں۔ وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتا ہے یا رب! یا رب کہتا ہے حالانکہ اس نے جو کھایا ہے وہ بھی حرام ہے جو اس نے پیا ہے وہ بھی حرام جو اس نے پہنا ہوا ہے وہ بھی حرام اور اس کی خوراک بھی حرام مال سے ہے۔ فانی یستجاب لذلک! تو ایسے حرام خور آدمی کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ) اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ قبولیت دعا کے لیے رزق حلال ایک بنیادی شرط ہے۔ کاملین امت نے فرمایا ہے کہ اکل حلال، حلال روزی، اور صدق مقال (سچی بات) کا نام ہی ولایت ہے۔

[2] امت کا لفظ آیت میں دین اور ملت کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ الامۃ ھنا الدین (قرطبی) بتایا یہ جا رہا ہے کہ ہر نبی نے اپنے اپنے وقت میں ایک ہی دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اور اسی دین کا داعی اکمل بن کر سیدنا برگزیدہ محمد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء تشریف لایا ہے۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ تم اس کی دعوت کو صدق دل سے قبول کرو۔ اور سارے اختلافات کو ختم کرکے اس دین توحید کے پرچم تلے متحد ہو جاؤ۔ اپنے رب کی معرفت حاصل کرو اور اس کی ناراضگی سے ڈرتے رہو۔

[3] انسانی اتحاد کی اس مخلصانہ دعوت کی طرف ان لوگوں نے توجہ نہ دی اور اپنی ذاتی، قبائلی، قومی اور ملکی حدود

حِيْنٍ ﴿٥٤﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ

میں ایک مدت تک۔ کیا یہ تصور باندھے خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں ان کے مال و اولاد کی کثرت سے ہم جلدی کر

لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ

رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں۔ بیشک وہ لوگ جو اپنے رب کے

مصلحتوں اور مفادات پر انسانی اتحاد کو قربان کر دیا۔ اس طرح ایک آدم کی اولاد اور ایک دین کے پیروکار مختلف متحارب گروہوں میں بٹ کر رہ گئے۔ اور ہر گروہ نے اپنے تفرقہ کو ہی حق یقین کر لیا۔

٤٣ ۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ ان کوتاہ اندیش اور خود غرض لوگوں کو کچھ عرصہ اسی غفلت میں رہنے دو۔ آپ نے انہیں سمجھانے کا حق ادا کر دیا لیکن ان کے عناد اور تعصب میں ذرا فرق نہیں پڑا۔ جب عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا تب ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ لفظ غمرہ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں وَالْغَمْرَةُ فِي اللُّغَةِ مَا يَغْمُرُكَ وَيَعْلُوكَ وَمِنْهُ الْغَمْرُ الْحِقْدُ لِأَنَّهُ يُغَطِّي الْقَلْبَ وَالْغَمْرُ الْمَاءُ الْكَثِيرُ لِأَنَّهُ يُغَطِّي الْأَرْضَ الْمُرَادُ هُنَا الْحَيْرَةُ وَالْغَفْلَةُ وَالضَّلَالَةُ یعنی لغت میں غمرہ اس چیز کو کہتے ہیں جو تجھے ڈھانپ لے اور تیرے سر سے بھی بلند ہو جائے۔ اسی لیے حسد کو غمر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے اور کثیر پانی کو بھی غمر کہتے ہیں کیونکہ وہ سطح زمین پر پھیل کر اس کو چھپا دیتا ہے۔ یہاں اس لفظ سے مراد حیرت، غفلت اور ضلالت ہے جس میں وہ لوگ مبتلا تھے۔

٤٤ ۔ کئی دفعہ بعض حکمتوں کے پیش نظر گمراہ اور بدکردار لوگوں کی باگ ڈھیلی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گمراہی اور بدکاری کے باوجود ان کا کاروبار خوب چمکتا ہے۔ جاہ و مال میں اضافہ ہوتا ہے۔ رہنے کے لیے خوشنما بنگلے، سواری کے لیے بہترین کاریں میسر آجاتی ہیں تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ شاید وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں اسی لیے تو اللہ تعالیٰ ان پر اتنا مہربان ہے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ حقیقت حال سے بے خبر ہیں۔ یہ دولت کی کثرت، اور جاہ و جلال میں ترقی محض اس لیے ہے کہ ان کو ایک طویل اور کٹھن آزمائش میں مبتلا کر دیا جائے۔ اگر انہیں کچھ عقل ہوتی تو وہ اپنے دامن پر گناہوں کے بدنما داغ دیکھ کر شرما جاتے۔ ان کے وہ ہاتھ جب گناہوں کے خون سے رنگین ہیں کیا انہیں بتا نہیں رہے کہ تم مجرم ہو، تم ظالم اور سفاک ہو۔ تم اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی چشم لطف و احسان تمہاری طرف مائل ہو۔ دولت کی قلت جس طرح خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی دلیل نہیں اسی طرح دولت کی کثرت اس کی رضامندی کی دلیل نہیں۔ اصل چیز عقیدہ اور عمل کی صحت ہے۔ علمائے کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی نیک آدمی پر اللہ تعالیٰ انعامات کے دروازے کھول دے اور اس سے خرق عادت چیزیں ظہور پذیر ہوں تو اسے کرامت کہا جاتا ہے اور اگر کسی بدعقیدہ اور

خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾

خوف سے ڈر رہے ہیں ٥٨ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّ

اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اس

قُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ

حال میں کہ ان کے دل ڈر رہے ہیں (اس خیال سے) کہ وہ لوٹ کر جانے والے ہیں اپنے رب کی طرف ٥٩ یہی لوگ جلدی کرتے ہیں

شریعت کے کسی فرمان سے کوئی عجیب و غریب بات ظاہر ہو تو اسے استدراج کہا جاتا ہے جس سے وہ خود بھی آہستہ آہستہ گمراہی کی پستیوں میں گرتا جاتا ہے اور اپنے ساتھ اوروں کو بھی فتنہ و ابتلا میں مبتلا کر دیتا ہے۔

٥٨ ۔ پچھلی آیات میں کفار کی غلط روش، ان کے حالات، اور ان کی خوش فہمیوں کا تذکرہ ہوا کہ وہ کس طرح اپنی گمراہی پر نازاں ہیں کس طرح دنیا کی نعمتوں کو خدا کا انعام سمجھ کر اپنی راست روی کا یقین کر بیٹھے ہیں۔ کس طرح اہل ایمان کی عسرتوں، تکلیفوں اور مصیبتوں کو اس بات کی دلیل ٹھہرا رہے ہیں کہ یہ لوگ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اسی لیے تو ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ کفار کے تذکرہ کے بعد اب اہل حق کی خصوصیات کو نمایاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ سراپا عجز و نیاز اور اطاعت و انقیاد ہیں اس کے باوجود انہیں اپنی کوتاہیوں کا احساس چین نہیں لینے دیتا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا جب خیال آتا ہے تو لرز جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ان کا نبی انہیں بتاتا ہے بلا چون و چرا اسی کو قبول کر لیتے ہیں۔ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے اور مال و دولت جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا فرمائی ہے اس سے اس کی راہ میں کھلے دل سے خرچ کرتے ہیں لیکن اس پر بھی کبھی دل میں یہ خیال نہیں ہوا کہ ہم نے راہ خدا میں اتنا خرچ کر دیا اور نہ کسی پر احسان جتلاتے ہیں۔ بلکہ ان کو ہمیشہ یہ احساس بے چین کیے رکھتا ہے کہ جو ہم نے دیا ہے وہ اس مالک نے قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں والذین یؤتون ما آتوا کے متعلق گزارش کی ھم الذین یشربون الخمر و یسرقون۔ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں اس وجہ سے ان کے دل خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا: لا یا بنت الصدیق ولکنھم الذین یصومون ویصلون ویتصدقون وھم یخافون ان لا یقبل منھم اولئک الذین یسارعون فی الخیرات۔ (قرطبی)

اے صدیق کی لخت جگر! ایسا نہیں ہے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں، صدقہ دیتے ہیں اور اس کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ان کے یہ اعمال بارگاہ الٰہی میں منظور نہ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو نیکیوں میں تیز رفتار ہیں۔

فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

بھلائیاں کرنے میں (۱) اور وہ بھلائیوں کی طرف سبقت سے جا رہے ہیں۔ اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی شخص کو مگر جتنی اس کی طاقت

وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۲﴾ بَلْ قُلُوبُهُمْ

ہے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سچ بولتی ہے اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان کے دل مدہوش

فِي غَمْرَةٍ مِنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا

ہیں (۲) اس طرف کی حقیقت سے اور ان کے اعمال مومنوں کے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ ذرا بگاڑ ان برے کاموں کو کر

عَامِلُونَ ﴿۶۳﴾ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿۶۴﴾

رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم پکڑیں گے ان کے خوشحال لوگوں کو عذاب سے، اس وقت وہ چلائیں گے (۳)

لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنْصَرُونَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ

(ظالمو!) آج نہ چلاؤ (۴) تمہاری ہماری طرف سے اب کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ وہ وقت یاد کرو جب ہماری آیتیں تمہارے

عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُونَ ﴿۶۶﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا

سامنے پڑھی جاتی تھیں اور تم اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے (۵) غرور و تکبر کرتے ہوئے (مجرمو!) ...

(۱) دوسرے لوگوں کو تو جلدی سے کمال و دولت مل جاتی ہے تو وہ کسی سے پیچھے رہ جاتے ہیں لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے بندے صبح و شام فکر میں لگے رہتے ہیں کہ کہیں اعمال صالحہ میں کوئی ان سے آگے نہ بڑھ جائے۔ ع ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

(۲) یہاں سے پھر بدکاروں اور نافرمانوں کا ذکر شروع ہے۔

(۳) انتہائی عجز و درماندگی کی حالت میں چیخنے چلانے کو جؤار کہتے ہیں۔ اصل الجؤار رفع الصوت بالتضرع۔ (قرطبی)

(۴) انہیں کہا جائے گا آج کیسی چیخ پکار کر آسمان سر پر اٹھاتے ہو یہ واویلا بے سود ہے۔ اب تم پر قطعاً رحم نہیں کیا جائے گا اور نہ عذاب کی اس وحشی گرفت ہی سے تمہیں چھٹکارا دلایا جائے گا۔

ع اسے افسوس ندامت پشیماں کا پشیماں ہونا

(۵) جب توبہ کرنے کا وقت تھا جب شرک و کفر سے بیزاری کا اعلان کرنے کی تمہیں بار بار دعوت دی جاتی تھی تمہیں

تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ أَمْ جَاءَهُمْ مَا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ

تم داستان سرائی کیا کرتے تھے اور قرآن کی شان میں بکواس کیا کرتے تھے۔ لہ کیا انھوں نے کبھی تدبر نہ کیا قرآن میں؟ یا آئی ہے ان کے

الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ

پاس ایسی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے آباؤ اجداد کے پاس یا انھوں نے اپنے رسول مکرم کو نہیں پہچانا تھا لہ اس لیے وہ اس کے منکر ہیں

یاد ہے اس وقت تمہارا کیا رویہ ہوا کرتا تھا۔ تم ایسی محفلوں میں شرکت کرنا ہی اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے اور دور سے ہی الٹے پاؤں لوٹ آیا کرتے تھے۔

لہ تمہارے غرور و نخوت کا کوئی ٹھکانا ہی نہ تھا۔ ذرا یاد کرو ان چاندنی راتوں کو جب صحن حرم میں تمہاری محفلیں جمتی تھیں اور تم وہاں مزے لے لے کر دنیا بھر کے قصے اور افسانے بیان کیا کرتے تھے اور قرآن کریم اور میرے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں طرح طرح کی گستاخیاں کیا کرتے تھے۔

سامراً حال ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ سامرین ہوتا تاکہ ذوالحال سے مطابقت ہوتی۔ لیکن یہ اسم مفرد ہے اور جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ وھو اسم مفرد بمعنی الجمع۔ جس طرح ثم نخرجکم طفلاً میں طفل مفرد ہے۔ لیکن اس کا معنی اطفال ہے۔ یقال قوم سمر و سُمّار و سامر۔ ومعناہ سھور اللیل ماخوذ من السمر وھو ما یقع علی الاشجار من ضوء القمر۔ چاندنی جو درختوں کی شاخوں اور پتوں پر پڑتی ہے اسے سَمَر کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ قصہ گوئی کی محفلیں عموماً چاندنی راتوں میں ہوا کرتی تھیں اس لیے ان کو سامر کہا گیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشاء کی نماز کے بعد قصہ گوئی کی محفلوں کو ناپسند فرمایا ہے کیونکہ دیر تک جاگتے رہنے سے نماز صبح کے قضا ہونے کا اندیشہ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو عشاء کے بعد کہانیاں کہنے سے سختی سے روکتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے اسمراً اول اللیل و نوماً آخرہ اریحوا کتابکم یعنی یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ رات کے پہلے حصہ میں دیر تک جاگتے رہو اور اس کے آخری حصہ میں جو نزول رحمت کا وقت ہوتا ہے سوتے رہو۔ اب تو اپنے کراماً کاتبین کو دم لینے دو (قرطبی)۔ لیکن علمی مذاکرے، تبلیغی جلسے، ذکر اذکار کی محفلیں اور دیگر نیک کاموں میں اگر انسان مشغول ہو تو یہ ممنوع نہیں۔

لہ یعنی جو رسول آج ان کو سچائی اور اخلاص سے بار بار دعوت حق دے رہا ہے۔ یہ کوئی اجنبی شخص نہیں ہے جس سے یہ متعارف نہ ہوں، جس کا بچپن ان کی نگاہوں سے مخفی ہو۔ یہ سب لوگ اس ذات اقدس کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اس کی عالی نسبی، اس کی خاندانی شرافت، اس کے ذاتی اوصاف و اخلاق سے خوب آگاہ ہیں۔ کل تک انھیں کی زبانیں اسے صادق اور امین کے معزز القاب سے خطاب کرتی رہی ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں اپنے دین کا

يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ

ہے۔ یا کہتے ہیں کہ اسے سودا کا مرض ہے۔ بلکہ (یوں نہیں) بلکہ وہ تو تشریف لایا ان کے پاس حق کے ساتھ۔ اور بیشتر لوگ

كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

ان میں سے حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر پیروی کرتا حق ان کی خواہشات (نفسانی) کی تو تہ و بالا ہو جاتے آسمان اور زمین

تعارف ان الفاظ میں کرایا تھا : ايها الملك بعث الله تعالى بعث فينا رسولا نعرف نسبه وصدقه وامانته۔ اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک رسول مبعوث فرمایا جس کے نسب کو، جس کی راست گفتاری کو اور جس کی دیانتداری کو ہم خوب جانتے ہیں۔

ــــ جس کی صداقت و امانت کا تم کل تک اعتراف کرتے رہے ہو آج یک لخت اس کے متعلق تمہاری رائے کیسے بدل گئی ہے۔ یہ انقلاب اچانک کیسے رونما ہو گیا کہ اب تم اس کے متعلق یہ خیال کرنے لگے ہو کہ انہیں سودا ہو گیا ہے انہیں جنون کا دورہ پڑنے لگا ہے۔ نہیں یہ کچھ بھی نہیں البتہ وہ ایک ایسا دین ہدایت لے کر تشریف فرما ہوا ہے جو تمہاری خواہشات اور آبائی عقیدوں کے خلاف ہے اور تم اسے پسند نہیں کرتے اس لیے تم نے آوازے کسنے شروع کر دیئے ہیں لیکن یہ تمہاری ناپسندیدگی کسی علمی دلیل پر موقوف نہیں بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم یہ خیال کرنے لگے ہو کہ اگر تم نے اس کا دین قبول کر لیا تو تمہاری چودھراہٹ ختم ہو جائے گی ہم داد عیش دینے سے روک دیئے جائیں گے۔ ای عنادا

ظلما لحب الرياسة في اتباع الشهوات وتقليد الجهال۔ (مظہری)

ــــ پہلے بتایا کہ یہ رسول جو ان کی طرف بھیجا گیا ہے یہ ان کے لیے اجنبی نہیں بلکہ ان کی آنکھوں کے سامنے زندگی گزاری ہے ان کی حق گوئی و دیانتداری اور حسن اخلاق ان کے سامنے اور پچیس برس کی تجارتی زندگی انہوں نے مشاہدہ کی ہے جس کا انہیں آج تک اعتراف بھی رہا ہے۔ آج یکایک ان کے تیور بدل گئے ہیں اور ان کی رائے میں انقلاب آگیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو ان لوگوں کے عقائد، رسم و رواج اور ان کے ذاتی مفاد سے ٹکراتی ہیں۔ اس لیے میرے حبیب سے خفا ہیں۔ وہ بے شمار خداؤں کی جگہ ایک اور صرف ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ انہیں غریب اور ضعیف کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ وہ انہیں اخلاقی آوارگی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ انہیں سود خوری، شراب نوشی، قمار بازی، بدامنی اور قزاقی سے سختی سے روکتا ہے۔ وہ خصوصی مراعات اور امتیازات جو ان کے سرداروں اور قبیلوں کو حاصل ہیں وہ انہیں ان مراعات سے دستبردار ہونے کی ہدایت کرتا ہے۔ وہ غریب و امیر، قریشی و غیر قریشی، عربی و عجمی کے سارے امتیازات یک قلم ختم کر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ لوگ آج بھی اس کو اپنی آنکھوں پر بٹھانے کے لیے تیار ہیں۔ وہ اسے آج بھی اپنا فرمانروا اور بادشاہ ماننے کے لیے مستعد ہیں۔ اس آیت میں بڑی وضاحت سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے

وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ۝٧١

اور جو کچھ ان میں ہے۔ بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت لیکن وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کر رہے ہیں۔

أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝٧٢ وَ

کیا آپ طلب کرتے ہیں ان سے کچھ معاوضہ؟ تو آپ کے لیے تو آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

إِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝٧٣ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور بے شک آپ تو انھیں بلاتے ہیں سیدھی راہ کی طرف۔ اور بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے

بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ ۝٧٤ وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ

آخرت پر وہ راہ راست سے منحرف ہونے والے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور کر دیں

انھیں بتایا کہ میرا محبوب جو کچھ تمھیں کہتا ہے وہ حق اور سراپا حق ہے۔ اگر یہ تمھاری خواہشات کا احترام کرنے لگے اور تمھارے بتوں کی خدائی کا بھی نعوذ باللہ اعتراف کر لے تو قرآن کے لائے ہوئے نظام حیات میں تمھاری راستے کے مطابق ترمیمیں کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حق رہنمائی اور قیادت کے منصب سے دستبردار ہو کر باطل کی اطاعت اختیار کر لے۔ اگر ایسا ہو جائے تو حق حق نہ رہے بلکہ باطل ہو جائے۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو پھر دنیا کے بقا کی کوئی وجہ نہیں رہے گی اسی وقت قیامت برپا ہو جائے گی اور ہر چیز تہس نہس کر کے رکھ دی جائے گی۔

ؒ ذکر کا معنی نصیحت اور یاد دہانی ہے۔ لیکن مفسرین نے اس کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے جو نہایت مناسب ہے یعنی ذکر سے مراد وہ چیز ہے جو ان کے لیے عزت و شرف کا باعث ہو یعنی ہم نے ان کو ایسی کتاب بخشی جو ان کے لیے موجب صد عزت و افتخار ہے اگر وہ اس پر ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں تو یہ کتاب ان کی شہرت و ناموری کو چار چاند لگا دے۔ ان کی کوتاہ فہمی اور شوربختی ملاحظہ ہو کہ وہ اپنے بخت کو دھتکار رہے ہیں۔ ان کا آفتاب اقبال طلوع ہو رہا ہے اور یہ برہم ہو رہے ہیں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔

ؒ اے میرے نبی مکرم آپ تو انھیں ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے سامنے ایک ایسا عدیم النظیر لائحہ عمل پیش کرتے ہیں جس سے ان کی ساری خرابیاں دور ہو جائیں۔ لیکن یہ انکار پر مصر ہیں جب ان کا روز آخرت پر ایمان ہی نہیں تو یہ ان پابندیوں کو کیوں قبول کریں جو آپ پر ایمان لانے کے بعد ان پر عائد ہو جاتی ہیں۔

ؒ ارشاد ہے یہ لوگ باطل پرستی میں اتنے پختہ ہو گئے ہیں کہ اب ان کو ظلمتوں سے نکالنے کی کوئی کوشش

مِّن ضُرٍّ لَّلَجُّوا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ (٧٥) وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم

بھی کر دیں ان مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ ڈٹے رہیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے۔ اور ہم نے پکڑ لیا انہیں

بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ (٧٦) حَتَّىٰ إِذَا

عذاب سے، پھر بھی وہ نہ جھکے اپنے رب کی بارگاہ میں اور نہ وہ اب گڑگڑا کر التجا کرتے ہیں یہاں تک کہ جب

فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ (٧٧) ع ٤

ہم کھول دیں گے ان پر دروازہ سخت عذاب والا ۲۶ تو وہ اس وقت بالکل مایوس ہو جائیں گے

وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ قَلِيلًا

اور وہ وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل لیکن (ان عظیم نعمتوں پر بھی) تم بہت کم

مَّا تَشْكُرُونَ (٧٨) وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (٧٩)

شکر ادا کرتے ہو ۲۷ اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین (کے اطراف) میں اور (انجام کار) اسی کی جناب میں اکٹھے

ناکامیاب نہیں ہو سکتی ان کا ذہن مسخ ہو گیا ہے۔ نور حق کو دیکھنے اور دیکھ کر پہچاننے والی آنکھ اندھی ہو گئی ہے۔ ان پر رحم و کرم کیا جائے یا انہیں آلام و مصائب میں مبتلا کر دیا جائے یہ اب کسی صورت میں ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ لجوا: اللجاج التمادی فی العناد و تعاطی الفعل المزجور عنہ یعنی عناد و مخالفت میں بڑھتے چلے جانا اور جس فعل سے روکا جائے اس کا ارتکاب کرنا۔

یعمھون: العمہ: التردد فی الامر من حیرۃ۔ حیرت سے کسی کام میں متردد ہونا۔

۲۶ وہ غلط روی سے اس وقت تک باز نہیں آئیں گے جب تک ان پر آخری عذاب کا دروازہ نہ کھل جائے اور انہیں اپنے ہولناک انجام سے دوچار نہ کر دیا جائے اس وقت وہ حیرت اور مایوسی کا شکار ہو جائیں گے اور انہیں کچھ سجھائی نہ دے گا کہ اب وہ کیا کریں۔ مُبْلِسُون حیرت اور مایوسی کے مجموعہ کو کہتے ہیں جب انسان حواس باختہ ہو جائے اور اسے اپنی نجات کے سارے راستے مسدود نظر آنے لگیں۔ مُبْلِسُون ای آیسون متحیرون لا یدرون ما یصنعون۔ (قرطبی)

۲۷ شکر کی بہترین صورت یہ ہے کہ جو نعمت جس مقصد کے لیے دی گئی ہے اسے اسی مقصد کے حصول کے لیے صرف کرنا اور جس نے وہ نعمت عطا فرمائی ہے اس کی عطا کو اسی کی طرف منسوب کرنا۔ شکر کا یہ مفہوم ذہن نشین کرنے کے بعد

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ

کیے جاؤ گے۔ اور وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کے اختیار میں ہے گردش لیل و نہار۔

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا

کیا (اتنا بھی) تم نہیں سمجھتے۔ بلکہ انھوں نے بھی وہی بات کہی جیسے پہلے کفار کہا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا، کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ

جب ہم مر جائیں گے اور بن جائیں گے خاک اور ہڈیاں تو کیا ہمیں پھر اٹھایا جائے گا؟ بلاشبہ یہ وعدہ کیا گیا ہم سے اور

اب اس میں غور فرمائیے۔ آپ کو ان کی ناشکری کا صحیح اندازہ ہو گا۔ کان سننے کے لیے، آنکھیں دیکھنے کے لیے، اور دل غور و فکر کرنے کے لیے مرحمت ہوا۔ اگر کوئی شخص کانوں سے صرف وہی بات سنے اور آنکھوں سے صرف وہی چیز دیکھے جس سے اس کی جسمانی اور نفسانی خواہشات کی تکمیل ہو اور دل سے صرف ان وسائل اور ذرائع پر غور و فکر کرتا رہے جن سے اس کی یہ فانی زندگی عزت و آرام سے بسر ہو لیکن اس کے کان صدائے حق سننے سے بہرے، اور اس کی آنکھیں نورِ حق دیکھنے سے اندھی ہوں، اور اس نے اپنی فکر کی قوتوں کو اپنی ابدی زندگی کو عزت اور آرام دہ بنانے کے لیے کبھی استعمال نہ کیا ہو تو اس سے بڑھ کر اور ناشکرا کون ہو گا۔

ف اپنی قدرت و حکمت کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے احسانات و انعامات کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حیران کن مناظر جو ہمیں نظر آ رہے ہیں کبھی صبح ہو رہی ہے، کبھی شام ہو رہی ہے کبھی سورج طلوع ہو رہا ہے کبھی غروب ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان میں حکمت یہ ہے کہ تمھاری بقاء، نشو و نما اور آرام و آسائش کے تمام وسائل بڑی فیاضی سے مہیا کر دیے جائیں۔

ف کائنات کے اس دقیق اور حکیمانہ نظم و نسق کو دیکھ کر چاہیے تو یہ تھا کہ وہ سمجھتے کہ یہ ایسے خالق کی قدرت کا شاہکار ہے جو تمام صفاتِ کمال سے متصف ہے۔ اور تمام عاجزیوں اور کمزوریوں سے پاک اور منزہ ہے۔ اس کی قدرتِ کاملہ کے سامنے مُردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ لیکن عقل و فہم کے ان دشمنوں نے وہی رٹ لگا رکھی ہے جو ان کے آباء و اجداد نے لگا رکھی تھی کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مرنے کے بعد جب ہم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈی پسلی بکھر جائے گی تو ہمیں زندہ کیا جائے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہی دھمکی آج ہمیں دی جا رہی ہے کہ قیامت آئے گی، اٹھائے جاؤ گے، کتاب پیش ہو گی، جنت و دوزخ ہو گی، بعینہٖ یہی دھمکی ہمارے آباء و اجداد کو بھی دی گئی تھی لیکن صدیاں گزر گئیں وہ قیامت جس سے ہمیں ڈرایا جاتا تھا وہ قائم نہیں ہوئی۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ وہ آئندہ بھی قائم نہیں ہو گی۔ یہ محض قصے کہانیاں ہیں جو ان لوگوں نے گھڑ رکھی

وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨٣﴾ قُلْ

ہمارے باپ دادا کے ساتھ بھی آج سے پہلے لیکن آج تک پورا نہ ہوا نہیں ہیں یہ باتیں مگر من گھڑت افسانے پہلے لوگوں کے

لِّمَنِ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٤﴾ سَيَقُوْلُوْنَ

(اے حبیب!) آپ پوچھیے کس کی ملکیت ہے یہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے بتاؤ اگر تم جانتے ہو فوراً وہ کہیں گے (یہ سب)

گھڑلی ہیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں۔

نحو وادب کے امام مبرد نے اساطیر کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اساطیر، اسطورۃ کی جمع ہے جس طرح احادیث، احدوثۃ کی اور اعاجیب، اعجوبۃ کی، اور اس کا اطلاق ایسی تحریر پر ہوتا ہے جو محض دل بہلانے کے لیے لکھی گئی ہو اور جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ ای استعماله فیما یکتب کذبا یتلهی به وللهذا فسّروه بالاکاذیب (مظہری)۔ اسی لیے جھوٹی اور بے سروپا باتوں کو اساطیر کہتے ہیں۔

کفار مکہ بلکہ کفار عرب کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر دو بنیادی اور شدید نوعیت کے اعتراض تھے۔ ایک تو یہ کہ آپ کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ، کہ صرف اللہ تعالیٰ معبود برحق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ دوسرا یہ کہ آپ کہتے ہیں کہ قیامت آئے گی اور ہمیں مرنے کے بعد زندہ کیا جائے گا۔ وہ ان دو باتوں کو ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ ان کی عقلیں ان چیزوں کو سمجھنے اور ان پر ایمان لانے سے بالکل عاجز تھیں جن کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار ہوا ہے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۔ جب انہیں یہ کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے تو وہ تکبر کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہم اس شاعر اور مجنون کے کہنے پر اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں گے ہرگز نہیں۔ دوسرے مقام پر ان کے رد عمل کو یوں بیان کیا گیا ہے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ بہت سے خداؤں کی بجائے اس نے صرف ایک خدا بنا دیا ہے کتنی حیرت اور اچنبھے کی بات ہے۔ آخر کار ان کا یہ ابتدائی تعجب و انکار عناد اور ضد کی انتہا کو پہنچ گیا اور انہوں نے صاف صاف کہہ دیا وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا ... وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ آپ ہمیں لاکھ سمجھائیں اور دلیلیں پیش کریں ہم ہرگز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑیں گے اور نہ ہی آپ پر ایمان لائیں گے۔

اب آپ کو ان آیات کے مطالعہ سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ ان کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ وہ انہیں الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے اور اس میں وہ بڑے سخت اور متعصب تھے۔

اسی طرح قیامت کے ذکر سے بھی وہ بہت برافروختہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ایسا ہونا ناممکن ہے بالکل ناممکن هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ۔ اور اس آیت سے ذرا پہلے آپ قیامت کے متعلق ان کا نظریہ پڑھ آئے ہیں۔

لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ

اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے پھر کیوں تم غور نہیں کرتے ۱۴ ان سے پوچھیے کون ہے مالک سات آسمانوں کا۔ اور کون

رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

ہے مالک عرش عظیم کا؟ ۱۵ وہ کہیں گے یہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔ آپ فرمائیے تم اس سے کیوں نہیں

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

ڈرتے ۱۶ آپ پوچھیے وہ کون ہے جس کے دست قدرت میں ہر چیز کی کامل ملکیت ہے اور وہ پناہ دیتا ہے جبکہ اس کے

أَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا … الخ چنانچہ اگلے آنے والی آیتوں میں ان کی انہی بے ہودہ گمراہیوں کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کے انہی بودے اعتراضوں کا جواب دیا جا رہا ہے۔ اسلوب بیان اور انداز استدلال اتنا دلنشین اور مسکت کہ بجز تسلیم و اقرار کے انھیں کوئی چارہ نہیں ملا۔ فرمایا اے میرے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! یہ لوگ جو میری توحید کے منکر ہیں اور قیامت کو خلاف عقل کہتے ہیں انہی سے پوچھو کہ زمین اور اس میں بلند و بالا پہاڑ، وسیع و عریض صحرا، یہ آبادیاں یہ بستیاں، یہ ندیاں اور دریا، یہ کھیت اور باغات، اور اس زمین پر بسنے والی ان گنت اقسام و انواع کی بے شمار مخلوقات کا مالک کون ہے؟ بتاؤ اگر تمہیں کچھ واقفیت اور علم ہے۔ خود ہی فرمایا کہ وہ مجبور ہو کر یہی کہیں گے لِلّٰهِ یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا ہے۔

١٤ جب تمہیں بھی اس واضح حقیقت کو تسلیم کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تو پھر تم اس کے سوا دوسروں کو خدا اور الٰہ کیوں کہتے ہو؟ نیز جو اتنی قدرت کا مالک ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ مارنے کے بعد پھر تمہیں زندہ کرے۔ منتشر ذروں کو جمع کرنا واقعی مشکل ہے لیکن کس کے لیے؟ ہمارے اور تمہارے لیے۔ نہ اس ذات اعلیٰ و ارفع کے لیے جس کی قدرت کی اعجاز آفرینیوں کا قدم قدم پر تم مشاہدہ کر رہے ہو۔

١٥ پھر فرمایا اے حبیب! ان منکرین توحید اور منکرین قیامت سے ایک اور سوال پوچھو کہ زمین اور مافیہا کے متعلق تو تم نے تسلیم کر لیا اب یہ بتاؤ کہ سات آسمان جن کی وسعت اور بلندی کا اندازہ لگانے سے بھی تم قاصر ہو اور عرش عظیم جو ان سات آسمانوں سے بھی وسیع تر ہے اور انھیں گھیرے ہوئے ہے ان کا رب کون ہے۔ اس کا جواب بھی خود ہی فرمایا کہ وہ ناچار ہو کر یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے۔

١٦ اب آپ انھیں فرمائیے کہ جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ آسمانوں اور عرش کا مالک اللہ تعالیٰ ہے تو پھر اس کے بغیر اور کون ہے جو خدائی میں اس کا شریک ہو سکے اور ایسے قادر و توانا مالک کے لیے تمہیں قیامت کے روز زندہ کر کے قبروں سے

إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٨٨﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ ۚ قُلْ فَأَنَّىٰ تُسْحَرُونَ ﴿٨٩﴾

اور پناہ نہیں دیا جا سکتا اس کی مرضی کے خلاف (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو۔ وہ جھٹ کہیں گے اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے۔ فرمائیے پھر کیسے تم دھوکہ میں مبتلا ہو۔

اٹھانا کیا مشکل ہے۔ ان کھلی صداقتوں کے انکار پر جو خطرناک نتائج مرتب ہوتے ہیں کیا تمہیں ان کا خوف نہیں؟

۸۸ زمین و آسمان اور عرش کے متعلق تو انھوں نے تسلیم کر لیا۔ اب نبی مکرم ان سے یہ پوچھ کہ زمین و آسمان میں کوئی بڑی سے بڑی چیز جس کا تم تصور کر سکتے ہو ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ملک میں نہ ہو اور جس پر اس کا حکم نہ چل سکے۔ وہ قادر مطلق تو جس کو چاہے پناہ دے کسی کی مجال نہیں کہ آفت کر سکے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ دے سکے۔ اب تم کسی ایسی ہستی کی نشاندہی کرو جو اس صفت سے متصف ہو۔ اس سوال کے جواب میں بھی وہ حسب سابق یہی کہتے پر مجبور ہوں گے کہ یہ للہ ہر چیز اسی کی ملک ہے، اسی کے زیر نگیں ہے۔ کسی ہستی میں یہ قوت نہیں کہ زبردستی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ دے سکے۔ تو اب بتاؤ یہ ماننے کے باوجود کیا تمہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کے بغیر کسی کو الٰہ کہو اور اس کو خدا مانو۔ اس کی ذریت ثابت کرو یا قیامت کا انکار کرو۔

۸۹ تم پر کیسے جادو کر دیا گیا ہے کہ تم ہر چیز کو اس کی اصلیت کے خلاف دیکھتے ہو۔ تُسْحَرُونَ سحر سے بنا ہے جس طرح پہلے بیان ہو چکا کہ سحر سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدلتی بلکہ دیکھنے والے کو دھوکا ہوتا ہے۔ چیز ہوتی کچھ ہے اور اسے دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہاں ان مشرکین سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم پر کس نے جادو کر دیا ہے کہ بے جان اور بے اختیار بتوں کو تم نے خدائی کی مسند پر بٹھا دیا ہے۔ انھیں الٰہ اور معبود بناتے ہو۔ میرا نبی مکرم تمہیں اس کھلی حماقت سے باز آنے کے لیے کہتا ہے تو تم اس کی سچی بات ماننے سے انکار کر دیتے ہو۔ اور وما نحن بتارکی آلھتنا وما نحن لک بمؤمنین کی رٹ لگانا شروع کر دیتے ہو۔ امام فخر الدین رازی تحریر فرماتے ہیں:۔

«اعلم انه یمکن ان یکون المقصود من هذه الآیات الرد علی منکری الاعادة وان یکون المقصود الرد علی عبدة الاوثان وذلک لان القوم کانوا معترفین بالله تعالیٰ وقالوا نعبد الاصنام لیقربونا الی الله زلفیٰ»۔

یعنی یہاں ذکر ان آیات سے مقصود ان لوگوں کا رد کرنا ہے جو حیات بعد الممات کے منکر تھے نیز بتوں کے پجاریوں کا رد ہے جو اللہ کا اقرار تو کرتے تھے لیکن ساتھ ہی بتوں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ اور کہتے کہ ان کی عبادت سے ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

اس تشریح سے آپ پر ان لوگوں کی غلطی بھی آشکارا ہو گئی ہو گی جو اہل السنت والجماعت پر شرک کی تہمت لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح مشرکین مکہ اپنے بتوں کے ساتھ معاملہ کرتے تھے اسی طرح یہ لوگ رسول کے ساتھ اور ولیوں کے ساتھ کرتے ہیں ان میں اور مشرکین مکہ میں کوئی فرق نہیں۔ آپ خود انصاف فرمائیے کہ یہ لوگ یہ تہمت لگانے میں کہاں تک سچے ہیں۔ کفار اپنے بتوں کو الٰہ اور خدا سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے جس طرح متعدد آیات سے واضح ہے

اور ہم اہل السنت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور الٰہ نہیں مانتے ۔ اور آپ اور ذات پاک مصطفیٰ کے متعلق ہمارا عقیدہ بھی یہ ہے جس کا ہم ہر روز سینکڑوں بار اعلان بھی کرتے ہیں کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میرے آقا و مولیٰ جن کا اسم سامی اسم گرامی محمد ہے اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ حضور کی ذات پاک کے ساتھ ہماری یہ ساری عقیدت و محبت اور وابستگی ہے ہی اس وجہ سے کہ اس محسن انسانیت نے ہمیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی روشنی تک پہنچایا ہمیں اس بات پر یقین کامل ہے کہ توحید کے بغیر نجات ناممکن ہے ۔ اگر عقیدہ توحید میں خامی ہوگی تو عمر بھر کی ریاضتیں اور پرہیزگاریاں ضائع ہو جائیں گی لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد کمالات کا اعتراف شرک نہیں ہے بلکہ عین توحید ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ الرؤف رحیم ، الوہاب سب سے زیادہ بخشنے والا ، المغنی غنی کر دینے والا کا صحیح مفہوم بھی اسی وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی ان عنایات انعامات اور احسانات پر غور کیا جاتا ہے جو اس نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول کو سرفراز فرمایا ہے اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ رکھے اور اس غلط فہمی سے بچائے کہ توحید میں پختگی اس وقت تک پیدا نہیں ہوتی جب تک ان سارے کمالات کا انکار نہ کر دیا جائے جو اس وحدہٗ لاشریک نے اپنے مقبول بندوں کو عطا فرمائے ہیں ۔

اگر کوئی صاحب یہ کہے کہ تمہارا شرک یہ ہے کہ تم بارگاہ رسالت میں استغاثہ اور فریاد کرتے ہو تو ہم اپنے بہی خواہوں کی بہی خواہی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ عرض کریں گے کہ ہم حضور کو متصرف بالذات نہیں سمجھتے یعنی ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف جو چاہیں کر سکتے ہیں نعوذ باللہ ۔ ہاں ہمارا ایمان ضرور ہے کہ حبیب اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنے رب کریم کی درگاہ میں ہمارے گناہوں کی مغفرت اور ہماری مشکلات کے حل کے لیے ہاتھ اٹھائے گا تو مولیٰ کریم ہمارے گناہ بخش دے گا اور ہماری مشکلیں حل فرما دے گا ۔ اس لیے اپنے کلام پاک میں مغفرت گناہ کا یہی طریقہ بیان فرمایا ہے ۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی اگر یہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والے تیری خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں اور نبی بھی ان کے گناہوں کی معافی کے لیے عرض کرے تو اللہ کو وہ ضرور تواب اور رحیم پائیں گے تمام علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین کا یہی طریقہ رہا ہے ۔ اگر بعض لوگوں میں انہیں شرک کی بو آتی ہے تو کم از کم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق تو انہیں بھی یقین ہوگا کہ وہ موحد تھے مشرک نہ تھے ۔ انہی کے قصیدہ اطیب النغم کے چند اشعار پڑھیے شاید آپ کے مزاج کی برہمی اور برافروختگی کی کچھ اصلاح ہو جائے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں :

اِذَا مَا اَتَتْنِیْ اَزْمَۃٌ مُدْلَہِمَّۃٌ ۔۔۔ تُحِیْطُ بِنَفْسِیْ مِنْ جَمِیْعِ الْجَوَانِبِ

جب مجھ پر مصیبت کی کالی گھٹائیں چھا جاتی ہیں اور مجھے ہر طرف سے گھیر لیتی ہیں ۔

تَطَلَّبْتُ ھَلْ مِنْ نَّاصِرٍ اَوْ مُسَاعِدٍ ۔۔۔ اَلُوْذُ بِہٖ مِنْ خَوْفِ سُوْءِ الْعَوَاقِبِ

اُس وقت میں ڈھونڈتا ہوں کہ کوئی میری امداد کرنے والا اور میری دستگیری کرنے والا ہے تاکہ ان مصائب

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ

ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے پہنچا دیا انہیں حق اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں وفہ نہیں بنایا اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا ملہ

کے ہولناک انجام سے میں اس کی پناہ لے سکوں۔

فَلَسْتُ اَرٰى اِلَّا الْحَبِيْبَ مُحَمَّدًا ۔۔۔ رَسُوْلَ اِلٰهِ الْخَلْقِ جَمَّ الْمَنَاقِبِ

ترجمہ: مصیبت کی ہولناک گھڑیوں میں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کے بغیر اور کوئی نظر نہیں آتا جو میرا حبیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور عظیم الشان کمالات کا مالک ہے۔ اور قصیدہ کو ختم کرنے سے پہلے عرض کرتے ہیں:۔

وَاَنْتَ مُجِيْرِيْ مِنْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ ۔۔۔ اِذَا اَنْشَبَتْ فِي الْقَلْبِ شَرَّ الْمَخَالِبِ

یا رسول اللہ آپ ہی مجھے پناہ دینے والے ہیں جب مصیبتیں مجھ پر ٹوٹ پڑیں اور اپنے پنجے دل میں گاڑ دیں۔

مولانا تھانوی کی یہ مناجات تو شاید آپ کی نظر سے بھی گزری ہو۔ آپ عرض کرتے ہیں:

يَا شَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِيْ	اَنْتَ فِي الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمَدِيْ
دستگیری کیجئے میرے نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لَيْسَ لِيْ مَلْجَاٌ سِوَاكَ اَغِثْ	مَسَّنِيَ الضُّرُّ سَيِّدِيْ سَنَدِيْ
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

عربی کے اشعار کا اردو شعروں میں ترجمہ بھی مولانا موصوف نے خود کیا ہے۔

آپ اُمت کے کسی فرد کو کفر و شرک کے تیروں سے گھائل کرتے رہیں گے۔ شانِ رسالت کے انکار کا نام توحید نہیں ہے بلکہ مقامِ توحید پر رسائی صرف اُس وقت حاصل ہوتی ہے جب شانِ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حسب مقدور آگاہی حاصل ہو۔

اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك، لك الملك ولك الحمد وانت على كل شئ قدير واشهد ان سيدى ومولاى وحبيبى محمدا عبدك ورسولك۔ اللهم آت سيدنا ومولانا محمد الوسيلة والفضيلة والدرجة العالية الرفيعة وابعثه مقاما محمودا يغبطه فيه الاولون والآخرون انك لا تخلف الميعاد۔

وفہ یہ کافر جھوٹے ہیں۔ کہتے کچھ ہیں اور ان کے دل میں کچھ ہوتا ہے۔

ملہ جب وہ مالک الملک ہے تو اسے بیٹے بیٹی کی حاجت ہی کیا ہے۔

وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ إِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ

اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور خدا ہے ۷۳ ورنہ لے جاتا ہر خدا ہر اس چیز کو جو اس نے پیدا کی تھی اور

لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾

غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے وہ خدا ایک دوسرے پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان تمام نازیبا باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں

عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٩٢﴾ قُل رَّبِّ إِمَّا ع ۵

وہ جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کو پس وہ بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔ آپ یہ دعا مانگئے اے میرے

تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾

پروردگار! اگر تو ضرور مجھے دکھانا چاہتا ہے وہ (عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو میرے رب! (از راہ عنایت) مجھے ان

وَإِنَّا عَلَىٰ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ

ظالموں کے ساتھ نہ کرنا ۷۴ اور ہم اس بات پر کہ دکھا دیں آپ کو وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے قادر ہیں۔ دفع کرو اس چیز سے جو بہت

أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ

بہتر ہے برائی کو ۷۵ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور عرض کیجئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری

---

۷۳ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو یہ نظام درہم برہم ہو جاتا۔ اس کی تفصیل لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۷۴ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ حضور جانتے تھے کہ اگر عذاب اترا تو حضور ان میں نہیں ہوں گے اس کے باوجود آپ کو یہ دعا مانگنے کی تلقین اس لیے کی گئی تاکہ حضور کا اجر بڑھے اور حضور ہر آن اپنے رب کریم کے ذکر سے شاد کام ہوتے رہیں۔ كان عليه السلام يعلم ان الله تعالى لا يجعله في القوم الظالمين اذا انزل بهم العذاب ومع هذا امره الرب بهذا الدعاء والسؤال ليعظم اجره وليكون في كل الاوقات ذاكرا لربه تعالى۔

۷۵ حضور کا ارشاد گرامی ہے ادبنی ربی فاحسن تادیبی، میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا ہے۔ یہ آیت ادبستان خداوندی کا ایک درس ہے اور حضور کی ساری حیات طیبہ اس کی عملی تصویر ہے [illegible]

مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

شیطانوں کے وسوسوں سے ۶۳ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْٓ

آئیں ۶۴ یہاں تک کہ جب آتی ہے ان میں سے کسی کو موت تو وہ بصد حسرت کہتا ہے اے میرے مالک! مجھے واپس لوٹا دے

کو بھی اس ارشادِ عالی پر عمل پیرا ہو کر اپنے سچے غلام ہونے کی شہادت دینی چاہیے۔

۶۳ اپنے حبیب مکرم کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر قسم کے شیطانوں کے شر سے پناہ مانگنے کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے۔ ھَمَزَات ہمزہ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے الدفع والتحریک الشدید۔ زبردست جھٹکا۔ شیاطین کی وسوسہ اندازی اتنی شدید اور سخت ہوتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی دستگیری شاملِ حال نہ ہو تو تقدس مآبی کے علمبردار بھی اکثر گرتے جھڑتے نظر آتے ہیں۔ دامنِ پارسائی کے تار تار ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ کبھی تو شیطان مومن کے دل میں تشویش اور وسوسہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کی متاعِ ایمان کو لوٹ لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر مومن اس کے اس دامِ تزویر میں نہیں پھنستا تو پھر وہ اپنے چیلے چانٹوں کو اس کے پیچھے لگا دیتا ہے۔ وہ کمینے چڑھ کر اس کی مخالفت میں تل جاتے ہیں اور اسے طرح طرح سے تنگ کرنے لگتے ہیں۔ دونوں طرح کے ہمزات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۶۴ الٰہی! وہ میرے قریب بھی نہ آنے پائیں۔ مقصد یہ ہے کہ میں ان کے شر اور فتنہ انگیزی سے دور رہ کر تیری یاد اور تیرے دین کی خدمت میں منہمک رہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ انسان اپنی تمام دانشمندی اور زہد و تقویٰ کے باوجود اس دشمنِ جان و ایمان سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ مولا کریم اپنے دامنِ رحمت میں چھپا لے اور اس کے شر سے محفوظ کر دے۔

ایک آدمی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ حضور نے فرمایا جب سونے کا ارادہ کرو تو یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَمِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ (تفسیر کبیر)۔ علامہ ابن کثیر امام احمد کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے سمجھدار بچوں کو یہ کلمات سکھایا کرتے اور سوتے وقت پڑھنے کا حکم دیتے اور جو نابالغ بچے ہوتے ان کے گلے میں لکھ کر ڈال دیتے۔ (مسند امام احمد)

۶۵ کفار کی آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب موت کا فرشتہ پیغامِ اجل لے کر آ جاتا ہے۔ اس وقت وہ کفِ افسوس ملتے ہیں لیکن بے حاصل۔ حضرت عبادہ بن الصامت سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ

أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن

بھیج دے۔ شاید میں اچھے کام کروں اس دنیا میں دوبارہ جا کر جسے میں ایک بار چھوڑ آیا ہوں ایسا نہیں ہوگا یہ ایک (فضول) بات ہے جو وہ

وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٠٠﴾ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا

کہہ رہا ہے اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جب وہ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے ۲ پھر جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی

أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿١٠١﴾ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

رشتہ داریاں نہیں رہیں گی ان کے درمیان اس روز ۳ اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھیں گے پس جن کے پلڑے بھاری ہوں گے

بھی اس سے ملاقات کرنے کو پسند فرماتا ہے اور جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ بھی اس سے ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ ہم تو موت کو پسند نہیں کرتے۔ حضور نے فرمایا یہ مقصد نہیں بلکہ جب مومن کو موت آتی ہے تو اسے بشارت دی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر راضی ہے اور تیری عزت افزائی ہوگی۔ وہ آگے جانے کو بہت پسند کرتا ہے اور خداوند کریم بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔ اور کافر کو اس وقت عذاب کی خبر سنائی جاتی ہے۔ وہ آگے جانا ہرگز پسند نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا (صحیحین)۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہ حدیث نقل کرتے ہیں اذا عاین المؤمن الملائکۃ قالوا انرجعک الی الدنیا فیقول الی دار الھموم والاحزان بل قدما الی اللہ تعالیٰ واما الکافر فیقول رب ارجعون یعنی حضور نے فرمایا کہ جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں ہم تمہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں؟ مومن کہتا ہے اس دنیا کی طرف جو آلام و مصائب کی دنیا ہے۔ نہیں ادھر نہیں جانا چاہتا۔ بلکہ مجھے اللہ کی طرف لے چلو۔ لیکن کافر ایسے وقت میں چلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے رب مجھے دنیا میں لوٹا دے (مظہری)۔

۲ دو چیزوں کے درمیان جو آڑ اور رکاوٹ ہو اسے برزخ کہتے ہیں۔ یہاں برزخ سے مراد موت اور قیامت کا درمیانی عرصہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد قبر ہے۔

۳ قیامت کے دن سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سارے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے بھاگ جائیں گے۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ۔ قیامت کے دن انسان بھائی سے اپنے ماں باپ اپنی بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگ جائے گا لیکن ایک نسبت اور ایک رشتہ داری اس روز بھی باقی رہے گی۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا۔ ما بال رجال یقولون ان رحم رسول اللہ لا تنفع قومہ بلیٰ واللہ ان رحمی موصولۃ فی الدنیا والآخرۃ وانی ایھا الناس فرط لکم اذا جئتم ان لوگوں کا کیا حال ہو گیا جو یہ کہتے ہیں کہ حضور کی رشتہ داری حضور کے

فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ۝۱۰۲ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَٰزِينُهُۥ فَأُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ

تو وہی لوگ کامیاب و کامران ہوں گے ۔ اور جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے

خَسِرُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ فِى جَهَنَّمَ خَٰلِدُونَ ۝۱۰۳ تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ

نقصان پہنچایا اپنے آپ کو، وہ جہنم میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے ۔ جھلس دے گی ان کے چہروں کو آگ

ٱلنَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَٰلِحُونَ ۝۱۰۴ أَلَمْ تَكُنْ ءَايَٰتِى تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم

اور وہ اس میں دانت نکالے ہوں گے (اپنی شکلیں بسورتے ہوئے) کیا میری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں تمہارے سامنے اور تم

بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝۱۰۵ قَالُوا۟ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّينَ ۝۱۰۶

انہیں جھٹلایا کرتے تھے ۔ معذرت کرتے ہوئے کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آگئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گمراہ لوگ تھے

خاندان کو نفع نہیں دے سکے گی۔ ایسا نہیں ہوگا۔ میرا رشتہ دنیا اور آخرت میں پیوستہ ہے اور اے لوگو! جب تم وہاں پہنچو گے تو میں تمہارا پیشرو ہوں گا۔ دوسری حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ بضعۃ منی یقبضنی ما یقبضها ویبسطنی ما یبسطها وان الانساب تنقطع یوم القیامۃ الا نسبی وسببی وصهری۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، فاطمہ میری لخت جگر ہے جو چیز اسے ناراض کرتی ہے وہ مجھے ناراض کرتی ہے جو چیز اسے خوش کرتی ہے وہ مجھے خوش کرتی ہے۔ ساری رشتہ داریاں قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گی سوا میرے نسبی تعلق کے اور سسرال کے تعلق کی رشتہ داری کے۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ آیت میں بینہم کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں کیونکہ انہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کا یہ حال نہ ہوگا۔ مومنوں کے لیے ارشاد باری ہے الحقنا بهم ذریتهم ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے پھر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ میرے نسب کے بغیر ساری نسبیں منقطع ہو جائیں گی۔ اس حدیث سے تو مومنوں کی نسبتیں بھی منقطع ہونا ثابت ہوتا ہے۔ قلت نسب المؤمنین داخل فی نسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فانہ اب المؤمنین وازواجہ امہاتہم (مظہری) تو اس کے جواب میں میں یہ کہوں گا کہ مومنوں کا نسب حضور کے نسب میں داخل ہے کیونکہ حضور سب مومنوں کے باپ ہیں اور ان کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔

۱۰۴ اس آیت میں کفار کا حال بیان ہو رہا ہے۔ لفح: احرق، یقال لفحتہ النار والکالح الذی تشمرت شفتاہ وبدت اسنانہ کالح اس کو کہتے ہیں جس کے ہونٹ سکڑ جائیں اور اس کے دانت باہر نکل آئیں۔ ۱۰۶ کفار اس وقت اپنے جرم کا اعتراف

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝۱۰۷ قَالَ اخْسَــُٔوْا فِيْهَا

اے ہمارے مالک! ایک بار ہمیں نکال اس سے پھر اگر ہم نافرمانی کی طرف لوٹیں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝۱۰۸ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ

پڑے رہو اس میں اور مت بات کرو مجھ سے (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہمارے

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۱۰۹ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ

رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے تو تم نے ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا

سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝۱۱۰ اِنِّيْ

حتیٰ کہ اس مشغلہ نے غافل کر دیا تمہیں میری یاد سے اور تم ان پر ہنستے رہا کرتے تھے میں نے بدلہ دے

جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۱۱۱ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ

دیا انہیں آج بوجہ ان کے صبر کا کہ وہی اپنی مراد کو پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کتنا عرصہ ٹھہرے

فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔـلِ

سال تم زمین میں ٹھہرے رہے؟ کہیں گے ہم ٹھہرے تھے بس ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ آپ پوچھ

الْعَاۗدِّيْنَ ۝۱۱۳ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۱۴

لیں شمار کرنے والوں سے ارشاد ہوگا تم نہیں ٹھہرے مگر تھوڑا عرصہ کاش! تم اس حقیقت کو پہلے ہی جان لیتے

کریں گے اور اپنی شقاوت و بدبختی کا رونا روئیں گے۔

ف۱۱۱ انہیں یہ جو ترش جواب ملے گا جس سے ان کی رہی سہی امیدیں بھی ختم ہو جائیں گی سارا جواب غور طلب ہے۔

ف۱۱۲ کل تم جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے آج دیکھو ان پر کس طرح اپنی نوازشات کی بارش کر رہا ہوں انہوں نے تمہاری تمسخر بازی کو برداشت کیا اور مستقل مزاجی سے کامیابی کے لیے جو عمل ضروری تھا کرتے رہے آج انہیں کامیابیاں ہی کامیابیاں ہیں جن کا تصور بھی تم نہیں کر سکتے۔

ف۱۱۳ کفار سے یہ سوال قیامت کے دن پوچھا جائے گا یا انہیں دوزخ میں داخل کرنے کے وقت۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَٰكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾

کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔

فَتَعَٰلَى ٱللَّهُ ٱلْمَلِكُ ٱلْحَقُّ ۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ ٱلْعَرْشِ ٱلْكَرِيمِ ﴿١١٦﴾

پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عزت والے عرش کا۔

وَمَن يَدْعُ مَعَ ٱللَّهِ إِلَٰهًا ءَاخَرَ لَا بُرْهَٰنَ لَهُۥ بِهِۦ فَإِنَّمَا حِسَابُهُۥ

اور جو شخص پوجتا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے

عِندَ رَبِّهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ لَا يُفْلِحُ ٱلْكَٰفِرُونَ ﴿١١٧﴾ وَقُل رَّبِّ ٱغْفِرْ وَٱرْحَمْ

رب کے پاس ہے۔ بلاشبہ نہیں کامیاب ہوں گے حق کا انکار کرنے والے۔ اور اے حبیب! آپ (یوں) عرض کریں اے میرے رب!

وَأَنتَ خَيْرُ ٱلرَّٰحِمِينَ ﴿١١٨﴾ ع

بخش دے (میری امت کے گنہگاروں کو) اور رحم فرما (ان سب پر) اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

تم کتنے نادان تھے کہ اپنی تخلیق کی غرض و غایت کو نہ پہچان سکے اور بار بار کی یاددہانی کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تم یہی سمجھتے رہے کہ حیوانوں اور جانوروں کی طرح تمہیں یونہی پیدا کیا گیا اور تم سے تمہارے اعمال نیک و بد کا کوئی محاسبہ نہ ہوگا۔ تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ تم مختلف اعتبارات سے ان حیوانات سے جدا ہو۔ عقل و فہم، اختیار و ارادہ، کائنات کی تسخیر کی قوت اور اس سے ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت تمہارے سوا کسی اور جاندار کو نہیں دی گئی۔ اتنے عطیات و انعامات کے باوجود تم نادان بچوں کی طرح یہی سمجھتے رہے کہ تمہاری تخلیق محض کھانے پینے اور عیش اڑانے کے لیے کی گئی ہے۔ آج اپنی اس نادانی کی سزا بھگتو۔

تم اپنے عقل و فہم کے باوجود کوئی عبث اور فضول کام نہیں کرتے۔ تم نے آخر یہ کیسے خیال کر لیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کر دیا ہے۔ وہ عبث کام کرنے سے بھی پاک ہے اور وہ اس سے بھی پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو یا اس کا کوئی بیٹا بیٹی ہو جیسا تم نے سمجھ رکھا ہے۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرتا ہے یعنی یعبد غیر اللہ (مظہری) تو وہ ایک ایسا جرم کر رہا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

ﷺ یا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو استغفار کا حکم دیا تاکہ اُمت اپنے نبی کی اقتدا میں استغفار کیا کرے یا حکم ہی یہ ملا کہ اے میرے پیارے رسول اپنی اُمت کے لیے مغفرت طلب کرو۔ وقیل امرہ بالاستغفار لتقتدیہ۔ اِغْفِرْ اور اِرْحَمْ کا مفعول ذکر نہیں کیا گیا تاکہ کسی خاص چیز کی تخصیص نہ کی جائے بلکہ یہ دُعا اپنی جامعیت کی وجہ سے ہر چیز کو شامل ہو۔ اِغْفِرْ سے مُراد یہ ہو کہ اے مولا کریم! میرا ہر قول اور ہر فعل جو میرے لیے اس دُنیا میں یا آخرت میں مُضر ہے۔ میرے کریم اسے معاف فرما دے۔ اور اِرْحَمْ کا معنی یہ ہوگا کہ ہر وہ عمل جو میرے لیے یہاں بھی اور وہاں بھی مفید اور نفع مند ہو اس سے مجھے سرفراز فرما۔ کیونکہ تو خیر الرّاحمین ہے گناہوں کا بخش دینا بھی تیرے لیے آسان ہے اور نعمتوں کا عطا فرمانا تو تیرا شیوۂ کریمی ہے۔

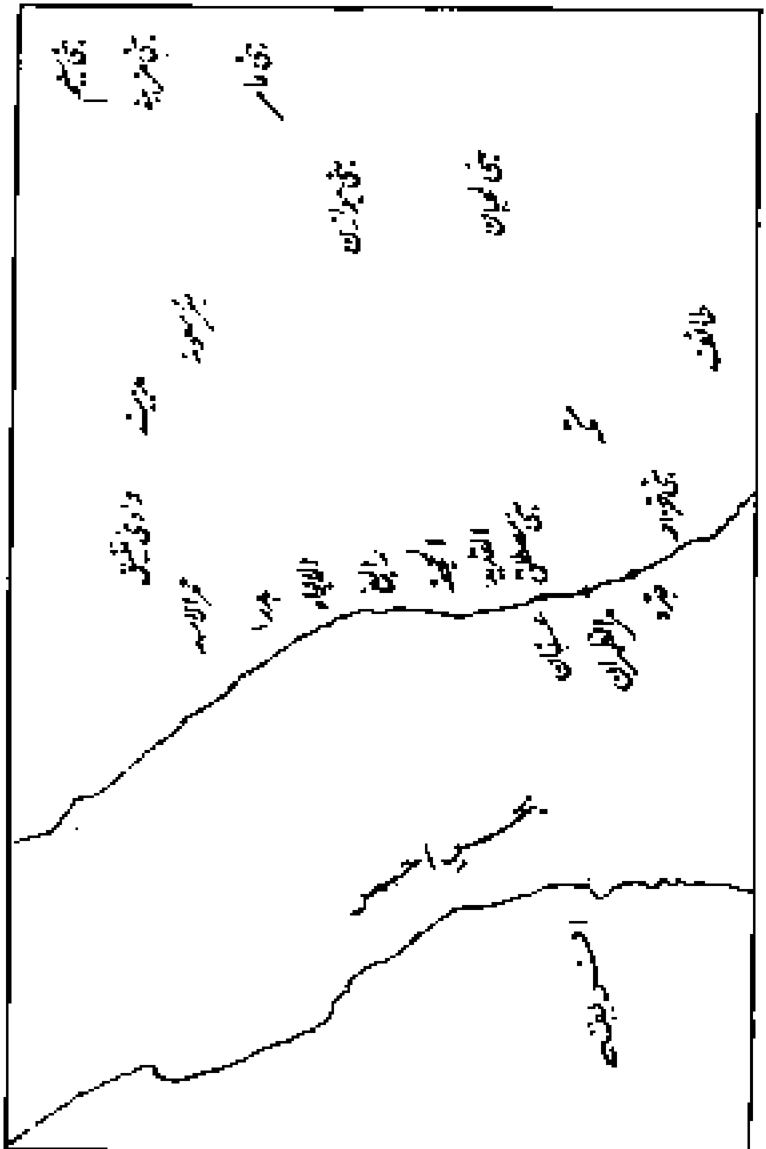

تعارف سورۃ النور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام: اس سورۂ پاک کا نام "النور" ہے جو اس سورت کی آیت ۳۵ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض سے ماخوذ ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ۶۴ ہے۔

زمانۂ نزول: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ سانحہ افک غزوۂ بنی مصطلق کے بعد پیش آیا، اور اس سورۃ کا نزول اس واقعہ کے بعد ہوا۔ لیکن اس میں اختلاف ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کس سن میں ہوا نیز اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق غزوۂ خندق سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ مورخین کے مختلف اقوال ہیں لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ خندق شوال ۵ھ میں ہوا۔ اور غزوۂ بنی مصطلق شعبان ۶ھ میں ہوا مگر غزوۂ خندق کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ ۴ھ میں ہوا۔ اور ابن خلدون نے اسی کو اصح کہا ہے لیکن ابن اثیر اور ابن کثیر اور ابن قیم نے شوال ۵ھ میں ہی غزوۂ خندق کے واقع ہونے کو ترجیح دی ہے۔ ابن خلدون، ابن اثیر ابن کثیر کے نزدیک غزوۂ بنی مصطلق شعبان ۶ھ میں ہوا۔ ابن قیم نے اس کی تاریخ شعبان ۵ھ ذکر کی ہے۔ ابن کثیر نے بھی ایک قول نقل کیا ہے لیکن اکثر مورخین کی وہی تحقیق ہے جو پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ ابن خلدون نے اس اعتراض کا جواب بھی دیا ہے کہ اگر غزوۂ بنی مصطلق غزوۂ خندق کے بعد ہو تو پھر حدیث افک میں سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کے درمیان جو گفتگو روایات میں مذکور ہے وہ درست نہیں ہوگی کیونکہ سعد بن معاذ کا انتقال غزوۂ خندق کے فوراً بعد ہو گیا تھا۔ اس شبہ کا ازالہ ابن خلدون نے یہ کہہ کر کر دیا کہ حضرت عبادہ کی سعد بن معاذ سے گفتگو نہیں ہوئی تھی بلکہ اسید بن حضیر سے گفتگو ہوئی تھی اور جن روایات میں سعد بن معاذ کا نام ہے یہ راوی کا وہم ہے۔ وهو وهم ينبغي التنبيه عليه انما التقاول لسعد بن عبادة انما هو اسيد بن حضير

مضامین: گھر معاشرہ کی خشت اول ہے گھر کے ماحول کو پاکیزہ اور مسرت بخش بنائے بغیر ایک پاکیزہ اور صحت مند معاشرہ کی تشکیل کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

اسلام جس کا مقصد ہی انسان کے سر پر تاج کرامت رکھنا اور اس کے دامن کو سچی مسرتوں کے گلہائے

رنگ رنگ سے بھر دیتا ہے، وہ معاشرہ کی اس بنیادی وحدت کو کیونکر نظر انداز کر سکتا ہے۔

ذاتی راحت و آرام، انفرادی منفعتوں اور وقتی مصلحتوں کی سنہری زنجیریں انسانی عقل و فہم کو جس آسانی سے اپنا صید زبوں بنا لیا کرتی ہیں، یہ تاریخ انسانی کا ایک خونچکاں المیہ ہے۔ ان کی قربان گاہ پر بڑی معصوم جانیں، جواں آرزوئیں، تابشیں اور زندگی سے بھرپور جوانیاں بڑی سرد مہری اور انتہائی بے دردی سے ذبح کی جاتی رہیں۔ اس لیے گھر کو مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی ذمہ داری صرف عقل کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ضروری تھا کہ قرآن کی فروزاں کی ہمہ گیر قندیل سے ہی زندگی کے اس اہم گوشہ کو منور کیا جاتا۔ ایک اچھی چیز کی خواہش بڑی قابل تعریف بات ہے۔ لیکن جب تک اس کے حصول کے لیے ٹھوس عملی تدابیر اختیار نہ کی جائیں وہ اچھی چیز معرض وجود میں نہیں آ سکتی۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے گھروں کو پرسکون اور محبت بخش دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے ارشادات و ہدایات کے ساتھ ساتھ اوامر و نواہی کا ایک ایسا مربوط نظام پیش فرمایا جس کی بدولت یہ مقصد اپنی جملہ زیبائیوں اور برکتوں کے ساتھ ظہور پذیر ہو سکتا ہے۔ یہ سورۃ جو انسان کی خانگی زندگی کے متعلق واضح ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہے اس کا نام اللہ تعالیٰ نے النور پسند فرمایا جو اس بات کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ جس معاشرہ میں یہ نظام پوری طرح نافذ کیا جائے گا وہاں کا ہر گھر حقیقی مسرتوں کے انوار سے جگمگا رہا ہوگا۔

اس یمن و برکت والی سورۃ کا اکثر حصہ خانگی زندگی کے متعلق واضح ہدایات اور احکامات پر مشتمل ہے اس میں ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت کو اس بات کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ خود اپنے دامن عصمت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف رکھیں، اور اس کا طریقہ یہ بتایا کہ ہر مومن مرد اور مومن عورت اپنی نگاہیں نیچی رکھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ آنکھوں میں جب تک شرم و حیا ہوتی ہے انسان کے دل کی دنیا فاسد خیالات اور ناپاک نظریات کی یورش سے محفوظ رہتی ہے جذبات میں سکون و اعتدال پایا جاتا ہے کسی کی آبرو کی طرف ہاتھ بڑھانا تو کجا آنکھ اٹھانے کی ہمت بھی پیدا نہیں ہوتی لیکن جب آنکھیں نور حیا سے محروم ہو جاتی ہیں جب شرم کا پردہ چاک ہو جاتا ہے تو پھر پرسکون جذبات میں ایک آگ سی لگ جاتی ہے خبیث خیالات کا ایک سیلاب امڈ کر آ جاتا ہے جو بڑے بڑے انسانوں کو تنکوں کی طرح بہا کر لے جاتا ہے حتیٰ کہ انہیں اپنے ظاہری تقدس کی پروا بھی نہیں رہتی۔ بے حیا شخص صرف دوسروں کو ہی اپنے تیر ہوس کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ وہ اپنے گھر کی فصیل میں بھی شگاف ڈال کر لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی آکر اس کی آبرو کو خاک میں ملا دیں۔

۲۔ پردہ: پردہ کے ابتدائی احکام سورۃ الاحزاب میں ذکر ہیں۔ یہاں اسلامی پردہ کے قواعد و ضوابط پوری تشریح و بسط سے ذکر فرما دیے گئے تاکہ گوہر عصمت کی آب و تاب کو ماند کرنے کی کوئی کوشش اسلامی معاشرہ میں پروان نہ چڑھ سکے۔ اس کی تفصیل متعلقہ آیات کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۔ حد قذف: یہ مسئلہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ صرف ہدایات و ارشادات پر اکتفا نہیں کیا جا سکتا بلکہ جو بے حیا

حدِ اعتدال سے تجاوز کرے گا اس کے لیے عبرتناک سزا کا قانون نافذ کیا کہ اس نابکار کو برسرِ عام کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ زانی کے لیے سنتِ نبوی میں سنگسار کرنے کی سزا تجویز ہوئی۔ قتل کی سزا قصاص ہے لیکن اگر مقتول کے وارث چاہیں تو وہ دیت لے کر قاتل کو موت سے بچا سکتے ہیں۔ قرآن کی نظر میں زنا کا جرم اتنا سنگین ہے کہ اس میں نہ تو فریقین صلح کر سکتے ہیں اور نہ معاف کر سکتے ہیں بلکہ مجرموں کو سزا دی جائے گی اور برسرِ عام دی جائے گی تاکہ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ قرآن عصمت و ناموس کو انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ جو شخص کسی کی عصمت پر حملہ آور ہو گا وہ خدا اور بندوں کا مجرم ہے اور خلافتِ الٰہیہ کے سربراہ پر لازم ہے کہ وہ اس مجرم کو سزا دے اور اس میں کسی شفقت اور نرمی کو روا نہ رکھے۔

اسی مقصد کے لیے یہ حکم دیا کہ اسلامی معاشرہ میں جو غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورتیں ہیں، ان کی شادی کا اہتمام کیا جائے کیونکہ اگر ایسے لوگ کسی سوسائٹی میں کافی تعداد میں پائے جائیں گے تو ان کا وجود ہر وقت اخلاقی نظام کے لیے ایک خطرہ ہو گا۔ کسی وقت بھی ضبط و احتیاط کا بند ٹوٹ سکتا ہے۔ تنکے کی طرح جذبات جب بے قابو ہوں گے تو کوئی پند و نصیحت کام نہیں آئے گی۔ اس لیے اسلامی معاشرہ میں ایسے عنصر کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی جو کسی وقت بھی بلائے بے درماں ثابت ہو سکے۔

۴۔ اس کے علاوہ اسلام نے گھر کی چاردیواری کا بڑا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ گھر میں بسنے والوں کے راحت و آرام کو بڑی اہمیت دی ہے۔ بغیر اطلاع دیئے اور اجازت حاصل کیے کسی کے گھر کے اندر قدم رکھنا بلکہ اندر جھانکنا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے اور کسی کے ہاں جانے کے پورے پورے آداب سکھائے گئے ہیں تاکہ ہر شخص اپنے گھر میں آرام کر سکے اور اپنے پروگرام کے مطابق کام کر سکے۔

مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ صاحبِ خانہ تمہیں اجازت نہ دے تو غصہ سے لال پیلے نہ ہو جاؤ اور اس شخص پر برسنا شروع نہ کر دو بلکہ بڑی کشادہ دلی سے اس کی معذوری کو تسلیم کر کے بخوشی واپس چلے جاؤ۔

۵۔ اس سورۃ میں عہدِ رسالت کے ایک انتہائی المناک اور روح فرسا المیہ کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو تاریخ میں واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے۔ اسلام کے دشمن اسلام کی روز افزوں ترقی اور شاندار فتوحات اور کامیابیاں دیکھ دیکھ کر آتشِ زیرِ پا ہو رہے تھے۔ کھل کر مقابلہ کرنے کی ہمت سلب ہو چکی تھی ان کی باطنی خباثت ہر روز نئے فتنے جگا کر مسلمانوں کو پریشان کرتی رہتی تھی۔ ان کے سرغنہ عبداللہ بن اُبی نے ایسی چال چلی جس نے قیامت برپا کر دی۔ اسلامی معاشرہ کا عضو عضو درد سے چیخ اٹھا۔ ساری فضا میں شکوک و شبہات کا ایک اندھیرا چھا گیا۔ ان ظالموں نے اس پاک ہستی کو اپنی بہتان تراشی کا ہدف بنایا جس کا براہِ راست تعلق پیغمبرِ اسلام سرورِ عالم رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے تھا۔ جس کی گردِ راہ بھی رہروانِ جادۂ ہدایت کے لیے نور افشاں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خانوادۂ رسالت کی عصمت و طہارت کی شہادت اپنی

زبان قدرت سے دی اور اس سورۂ پاک میں وہ آیتیں نازل فرمائیں جن سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا اور منافقین کو یقین ہو گیا کہ ان کا کوئی منصوبہ اور ان کی کوئی سازش اسلام کے شجرۂ طیبہ کو اب اکھیڑ نہیں سکتی اس واقعہ کی تفصیل بھی متعلقہ آیات کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

۶۔ آیت اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الآیۃ جس سے اس سورۃ کا نام ماخوذ ہے وہ اپنی ندرت اور جلالت شان کے باعث بڑی اہمیت کی حامل ہے اور آپ کی خصوصی توجہ اور مطالعہ کی مستحق ہے۔

۷۔ آخر میں اس وعدہ کا ذکر فرمایا گیا جو عرش و فرش کے پروردگار نے ہر اس قوم سے کیا ہے جو اس ضابطہ حیات کو اپنائے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل کرے جس کا تفصیلی خاکہ یہاں پیش کیا گیا ہے اور تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب غلامان مصطفےٰ نے اس نظام کو اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا۔ وہ خداوندی آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ اگر ہم آج بھی صدق دل اور حسن نیت سے اس کو پورا کریں گے جس طرح ہمارے اسلاف نے اسے پورا کیا تھا تو خداوند قدوس بھی اپنا وعدہ یقیناً پورا فرمائے گا۔ اس کا تو صاف صاف اعلان ہے۔ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ تم نے جو میرے ساتھ وعدہ کیا ہے تم اس کو پورا کرو جو میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔

اس مختصر تعارف میں اتنی گنجائش نہیں کہ سورۃ کے تمام مضامین کو اشارۃً بھی ذکر کیا جا سکے چند اہم مطالب پیش خدمت ہیں۔ اگر آپ کے دل میں شوق و ذوق ہے تو آگے بڑھیے اور قرآن الٰہی کے اس بحر بیکراں سے اپنے دل کے جام بھر لیجئے۔

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ النور مدنی ہے اور اس کی ۶۴ آیات اور ۹ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ

یہ ایک عظیم الشان سورۃ ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے اور ہم نے فرض کیا ہے اس کے احکام کو اور ہم نے اتاری ہیں اس میں روشن

تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ

آیتیں تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔ جو عورت بدکار ہو اور جو مرد بدکار ہو تو لگاؤ ہر ایک کو ان دونوں میں سے سو سو درّے

۱؎ اس سورت کا آغاز جس جلال اور شوکت سے کیا جا رہا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت اپنے مضامین اور مطالب کے لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ آیت کے ہر لفظ سے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور کبریائی نمایاں ہو رہی ہے۔ اس کے پڑھنے اور سننے سے دل و دماغ پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ اس کے ترجمہ پر بھی غور کریں۔ ارشاد ہے یہ ایسی سورت ہے جسے ہم نے اتارا ہے جو حکیم اور پھر جو متکلم کے حسن میں بڑی ہی بلاغت اور حکمت ہے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پھر ارشاد ہے وَفَرَضْنٰهَا یعنی ہم نے اس میں مذکور احکام کی بجا آوری فرض کر دی ہے یہ نہیں کہ جس کا جی چاہے ان پر عمل کرے اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔ یہ مشورہ نہیں بلکہ حکم ہے اور حکم بھی احکم الحاکمین کا رب العالمین کا نیز یہ حکم سب کے لیے ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان احکام کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ان میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہیں کہ عمل کرنے میں دقت ہو۔

۲؎ آیت کے آخر میں ان احکام کے نازل کرنے کی حکمت بیان فرما دی کہ اس میں سراسر تمہارا بھلا ہے تم ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی منزل کو پا لو گے۔

۳؎ شریعت اسلامیہ کے تعزیری قوانین میں سے ایک اہم قانون کا ذکر ہو رہا ہے۔ انسان کی جان، مال، ناموس کی حفاظت اسلامی قوانین کا مقصد اولین ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی جان کو تلف کرتا ہے تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ اگر کسی کے مال پر دست اندازی کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی شخص کسی کی عزت و ناموس کو داغدار کرتا ہے تو اس کو اس فعل اور جرم کی سزا دی جائے گی۔ اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ مجرم کو اس کے کیے کی سزا دی جائے۔ دوسری یہ کہ وہ لوگ جن میں جرائم کے ارتکاب کا میلان پایا جاتا ہے وہ اس خوفناک سزا سے ڈر کر

جرائم کا ارتکاب نہ کریں اور چاہیے بھی یہی تھا اگر کسی سزا میں یہ عنصر مفقود ہو تو اسے سزا کہنا ہی غلط ہے گناہ کے ارتکاب سے جو لذت اور فائدہ حاصل ہوتا ہے اس کے مقابلے میں اگر سزا ہلکی ہو گی تو لوگ اس سزا کو خاطر میں نہیں لائیں گے اور حصول لذت کے لیے وہ جرم کا ارتکاب کرتے رہیں گے اور اگر سزا میں دوسروں کے لیے عبرت کا پہلو نہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ آپ چاہتے ہی نہیں کہ اس جرم کا استیصال ہو اور کوئی اس کے نزدیک بھی نہ پھٹکے آپ صرف ضابطے کی کارروائی پوری کرنا چاہتے ہیں آپ کو اس سے سروکار نہیں کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہ تو ایک بچوں کا کھیل ہوا۔ اس کے پیش نظر معاشرہ کو گناہوں سے پاک کرنا اور ان کے خطرناک نتائج سے محفوظ رکھنا نہ تھا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ جس ملک میں اس کا پرچم لہرا رہا ہے وہاں امن ہو سکون ہو محبت ہو پیار ہو تاکہ وہاں کے بسنے والے اپنی صلاحیتوں کو نیکی اور اصلاحی سرگرمیوں میں خرچ کر سکیں تعمیری کاموں کے لیے ان کے پاس وقت کی قلت نہ ہو۔ عداوت، حسد، منافرت کے شعلے ان کے امن و عافیت کو جلا کر خاکستر نہ کرتے رہیں اس لیے اس نے انسداد جرائم کی اندھی اور غیر مؤثر کوشش نہیں کی بلکہ ایک جامع منصوبہ بنایا ہے جس پر عمل کرنے سے سوسائٹی ان جرائم سے محفوظ رہ سکتی ہے۔ سب سے پہلے اس نے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں خداوند ذوالجلال پر ایمان اور روز حشر کے محاسبہ کا خوف پیدا کیا اور یہ حقیقت ان کے سامنے واضح کر دی کہ جس خدا کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو جو تمہارا اور سارے عالم کا خالق و مالک ہے اس نے ان اعمال کو جرم قرار دیا ہے۔ اگر تم ان کا ارتکاب کرو گے تو اس کے مجرم ہو گے اور وہ ہمہ دان اور ہمہ بین بھی ہے تم اس سے اپنا کوئی عمل چھپا نہیں سکتے تحقیق اور تفتیش کے تمہیں غلاف میں لپیٹنے کی کوئی کوشش وہاں کامیاب نہیں ہو سکتی تم اپنے حسن نیت یا بے بسی کو کتنے مؤثر پیرایہ میں بیان کرو وہ تم سے دھوکا نہیں لے سکتے۔ وہ تمہارے اعمال، ان اعمال کے محرکات اور عوامل سے خوب آگاہ ہے اور قیامت کے دن تم اپنے ان اعمال کی جواب دہی کے لیے اس کی بارگاہ میں ضرور پیش کیے جاؤ گے۔

اسلام دین فطرت ہے اس کا نظام تربیت ایسا نہیں جو انسان کے فطری تقاضوں سے ہر وقت برسرپیکار رہے اللہ تعالیٰ ان فطری تقاضوں کا خالق ہے اور ان تقاضوں کی تخلیق میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں اس لیے اس نے ان کی تکمیل کے تمام جائز مناسب اور خوبصورت طریقوں کو جائز قرار دیا ہے۔ فطری تقاضوں کی تکمیل کے جائز طریقوں کے ہوتے ہوئے جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا ہے اسے وہ سزا دیتا ہے اور سزا بھی ایسی جس سے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کر کے اس نے اپنے ساتھ سخت زیادتی کی ہے بلکہ دیکھنے اور سننے والوں کو بھی ایسی عبرت ہوتی ہے کہ وہ اس کے ارتکاب کی جسارت شاذ و نادر ہی کیا کرتے ہیں وہ متعدد اعمال جن کے ارتکاب کو اسلام نے جرم قرار دیا ہے ان میں زنا بھی ہے۔ قرآن کریم نے ایک دوسری آیت میں اس کی ممانعت کی حکمت بڑے بلیغ انداز میں صرف دو لفظوں میں بیان کر دی۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا۔ یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ یہ بڑی بے حیائی ہے اور یہ راستہ بہت برا ہے یعنی تمہیں اس فعل بد سے ہم اس لیے نہیں روک رہے کہ تم لطف نہ اٹھاؤ اور تمہاری زندگی کا دامن مسرتوں سے خالی رہے بلکہ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے یہ فعل سراسر بے حیائی ہے۔ اگر تم اس کا ارتکاب کرو گے تو شرم و حیا کی قوت جو تمہیں ہر برے کام سے، ہر رذیل حرکت سے باز

خلافِ مروت اقدام سے روکتی ہے جبکہ گناہوں اور بدکاریوں کے سیلاب کے سامنے سدِّ سکندری بن کر کھڑی ہو جاتی ہے وہ کمزور پڑ جائے گی، وہ بیمار ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ دم توڑ دے گی۔ اور جب یہ قوت فنا ہو جائے گی تو غیرت و حمیت کا جنازہ نکل جائے گا۔ پھر اگر کوئی یہ فعل شنیع جس کے تصور سے ہی کانپ اٹھتے ہو تمہاری بیوی یا بہن بلکہ بیٹی کے ساتھ بھی کرے گا تو تم اسے کوئی اہمیت نہ دو گے۔ یورپ، امریکہ اور ان سے متاثر ہونے والے ملکوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ رقص گاہوں میں لوگ اپنی آنکھوں سے اپنی بہو بیٹیوں کو دوسروں کے آغوش میں دیکھتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ وہ دیوث فخر سے اترا رہے ہوتے ہیں یا وہ داد دے رہے ہوتے ہیں۔

ممکن ہے کسی مسخ شدہ ذہن والے آدمی کے نزدیک اخلاقِ عالیہ کی یہ گراں بہا قدریں کوئی اہمیت نہ رکھتی ہوں وہ محض انہیں قدامت پرستی اور رجعت پسندی کی علامت قرار دیتا ہو لیکن فَسَاۗءَ سَبِيْلًا (یعنی بہت برا راستہ) فرما کر ایسے کند ذہن کو بھی حقائق کی تلخیوں، حالات کی بے رحمیوں اور واقعات کی سنگینیوں کے روبرو کھڑا کر دیا یعنی یہ راستہ بڑا ہی برا راستہ ہے چند لمحوں کی فانی اور جھوٹی مسرت کے لیے انسان اپنی صحت کو کن خطرات سے دوچار کر دیتا ہے آتشک، سوزاک وغیرہ موذی امراض کس کا کرشمہ ہیں۔ یہ تحائف کون دیتا ہے اور کسے دیتا ہے۔ وہ عورت جو مرد کی شہوت رانی کا شکار ہو گئی ہے اسے اگر حمل ٹھہر گیا تو وہ کہاں سر چھپائے گی حمل گرانے کی صورت میں وہ اپنی جان بھی کھو سکتی ہے۔ ہم نے مانا کہ یورپ کے ترقی یافتہ ممالک میں ایسے ہسپتال اور کلینک موجود ہیں جو اسقاطِ حمل کی خدمت انجام دیتے ہیں اور ایسی پناہ گاہیں بھی موجود ہیں جہاں غیر شادی شدہ ماؤں کو پناہ مل جاتی ہے لیکن کیا سوسائٹی میں انہیں کوئی قابلِ احترام مقام نصیب ہو سکتا ہے۔ ہم نے مانا کہ ان دونوں نے اپنے کیے کی سزا پائی لیکن وہ بچے جو اس طرح پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا قصور۔ اس ہوس کار باپ نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیں۔ ماں بھی ایسے کسی محتاج خانے میں چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ ان کو ماں کا آغوشِ محبت نصیب ہوا نہ باپ کا ظلِ عاطفت۔ یہ محرومیاں ان کو ورثے میں کیوں ملیں۔ یہ سزا انہیں کس گناہ کی مل رہی ہے۔ کیا ان بچوں کے اذہان متاثر نہیں ہوتے۔

چند ماہ ہوئے امریکہ کی ایک خاتون کوریا گئی وہاں اس نے بے شمار ایسے معصوم بچے دیکھے جن کی مائیں تو کوریا کی تھیں لیکن ان کے باپ امریکہ کے وہ سپاہی تھے جو کوریا کی جنگ میں اہلِ کوریا کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ کوریا والوں کو کمیونسٹوں کی غلامی سے چھڑانے آئے تھے وہ انہیں جمہوریت کی بالادستی کا سبق ازبر کرانے آئے تھے۔ وہ سبق تو انہیں ازبر ہوا یا نہیں البتہ یہ ضرور ہوا کہ ہزاروں بلکہ لاکھوں کورین دوشیزائیں ان کے ڈالروں کی جھنکار سے مسحور ہو کر یا جنگ کی لائی ہوئی محرومیوں اور فاقوں سے مجبور ہو کر اپنی عصمت کی دولت لٹا بیٹھیں اور ان کے جوان امریکی حلیف انہیں حرامی بچوں کا ایک لشکرِ جرار دے گئے۔ جنگ ختم ہوئی تو وہ اپنے وطن واپس چلے گئے اور وہ معصوم بچے اپنے ظالم، جفاکار اور طوطا چشم باپوں اور غربت زدہ ماؤں کی مفارقت کے صدمے برداشت کرنے کے لیے کوریا میں رہ گئے اور وہ اب تک وہاں کے گلی کوچوں میں دھکے کھا رہے ہیں ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں۔ امریکہ کی اس خاتون نے جب یہ حال دیکھا تو رحم کی ایک لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس نے امریکہ کے اخبارات میں ایک اپیل شائع کی کہ ان بچوں کی سرپرستی کے لیے امریکہ کے دولتمند چند دنوں میں لاکھوں ڈالر چندہ جمع ہوا اخبا

میں امریکہ کی تہذیب پرستی اور انسانیت نوازی کی تشہیر ہوئی اور خوب تشہیر ہوئی لیکن ذرا سوچیے ان لاکھوں بچوں میں سے اگر ہزار دو ہزار بچے کفالت میں لے بھی لیے گئے تو کیا یہ مسئلہ حل ہو گیا؟ باقی رہ جانے والے بچوں کے دکھ کا مداوا اور درد کا درماں ہو گیا؟ ان کفالت میں لیے جانے والے بچوں کو ماں کا پیار اور باپ کی محبت بھی مل گئی؟ وہ عمر بھر اس ننگ و عار کی سنگساری کے بجائے اگر اپنے بیٹوں کو شرم و حیا کا درس دیتی اور اس فعل شنیع سے باز رہنے کی تلقین کرتی تو کیا یہ اچھا نہ ہوتا۔ آگ لگا کر اسے بجھانے کی ناکام کوشش سے کیا یہ بہتر نہیں کہ آگ لگانے کی حماقت ہی نہ کی جائے۔ وَسَاءَ سَبِيلًا کے الفاظ کتنے جامع ہیں۔ آپ ان افراد، ان خاندانوں اور قوموں کا جتنی گہری نظر سے تجزیہ کریں گے آپ کے سامنے ہولناک حقائق بے نقاب ہوتے چلے جائیں گے آپ بڑے فراخ دل، مغربیت زدہ اور جدت پسند ہونے کے باوجود کانپ جائیں گے لرز جائیں گے۔

دوسری جنگ عظیم میں امریکہ کے سپاہی اپنے دوست ملک برطانیہ کی مدد کے لیے تشریف لائے تھے وہ چند سال برطانیہ میں ٹھہرے اور جب گئے تو سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ستر ہزار ...... ناجائز بچے چھوڑ کر گئے۔ اس کے علاوہ جو جنسی لاعلاج بیماریاں انہوں نے ایک دوسرے کو بطور تحفہ دی ہوں گی ان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ آپ اپنے قانون ساز اداروں کے ذریعہ ایک فعل کو جرائم کی فہرست سے نکال سکتے ہیں اگر آج تک وہ حرام اور ممنوع رہا ہے تو آپ ایک بل پاس کر کے اسے جائز قرار دے سکتے ہیں لیکن کیا کسی قانون ساز ادارہ میں یہ طاقت ہے کہ ان جرائم کو جنہیں اب قانون کی سند مل گئی ہے ان کے برے نتائج اور برے عواقب سے الگ کر سکے۔ مغرب کے بیشتر ممالک میں اگر کوئی غیر شادی شدہ مرد یا عورت اپنی مرضی سے اس فعل قبیح کا ارتکاب کرے تو وہاں کے ملکی قانون کی رو سے یہ جرم نہیں۔ آپ انہیں کوئی سزا نہیں دیں گے لیکن کیا قدرت کی گرفت سے بھی کوئی انہیں بچا سکتا ہے؟ قدرت کی گرفت کے مختلف انداز ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اوپر ہوا۔ کیا قدرت کا بے لاگ قانون انہیں مختلف قسم کے شکنجوں میں کس نہیں رہا؟ یورپ کے بعض ملکوں میں حرامی بچوں کی شرح پیدائش ساٹھ فی صد سے بھی تجاوز کر گئی ہے اور کنواری ماؤں میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ طلاقوں کی کثرت ہے۔ گھروں میں سکون کی دولت نہیں جتنی میاں بیوی میں اعتماد مفقود ہے۔ میاں بیوی میں وہ سچی محبت جس کے باعث میاں بیوی دو جان یک قالب ہو جائیں اور ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کی حیران کن مثالیں قائم کرتے ہیں اس کا وہاں نام و نشان تک نہیں۔ برداشت اور ایثار کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ کوئی بات کسی کی مرضی کے خلاف ہوئی جھٹ طلاق حاصل کر لی۔ بخوبی فرمائیے گھر معاشرہ کی خشت اول ہے۔ یہ وہ محکم اساس ہے جس پر معاشرہ کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ بنیاد ہی کمزور ہو گی تو صحت مند معاشرہ کیسے تعمیر ہو گا۔

اس لیے جب آپ شریعت اسلامی کا مطالعہ فرمائیں تو از راہ خدا مغرب کے ہوش ربا جذبات کی رو میں بہتے ہوئے مرعوبیت کے احساس کے زیر اثر ہو کر نہ پڑھا کریں بلکہ ان تمام چیزوں سے بلند ہو کر پڑھا کریں۔ بے شک آپ جذبہ عقیدت کو بالائے طاق رکھ دیں لیکن حقیقت کا دامن تو کسی کے کہنے یا بہلانے سے نہ چھوڑا کریں۔ اسلام دین فطرت ہے۔ اس کی حقیقت پسندی جب آپ کے سامنے عیاں ہو گی تو اس کا حسن خود ہی آپ کو مسحور کر دے گا۔

اسلام نے جن چیزوں کے بجالانے کا حکم دیا ہے ان میں ہمارا، ہماری قوم کا بلکہ ساری انسانیت کا بھلا ہے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان میں ہمارا، ہماری قوم کا اور ساری انسانیت کا نقصان ہے کیونکہ دین ابدی ہے اس لیے کوئی ایسا وقت نہیں آسکتا کہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں حلال ہو جائیں یا ان پر مرتب ہونے والے نقصانات ختم ہو جائیں۔

یورپ کے کئی ممالک میں شراب پینا اور جوا کھیلنا قانوناً جائز ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہاں شراب پینے اور جوا کھیلنے سے وہ مفاسد رونما نہیں ہوتے جن کے باعث شراب و قمار کو ممنوع قرار دیا گیا تھا بلکہ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ان کے ذریعے حکومت کو بہت بڑی آمدنی ہوتی ہے۔ اور اگر ان چیزوں کو ممنوع قرار دیا جائے تو حکومت اس آمدنی سے محروم ہو جائے گی۔

جب جرائم اور قبائح کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر ہی الگ ہے تو ان کے انسداد کے لیے اسلام کا طریقہ کار اگر دیگر اقوام سے الگ ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ مجرم کے ساتھ ایسی ہمدردی اور شفقت جو دوسرے بے شمار لوگوں کو جرم کے ارتکاب پر جری کر دے اس سے وہ سختی بہتر ہے جو مجرم سے وہ ہمت چھین لے کہ وہ دوبارہ اس کا ارتکاب کر سکے اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں ایسی دہشت اور خوف پیدا کر دے کہ کسی کے دل میں اس جرم کے ارتکاب کا خیال ہی پیدا نہ ہو۔

زنا کا فعل قبیح چونکہ کئی گناہوں اور متعدد خرابیوں کا سرچشمہ تھا۔ اس لیے اسلام نے بڑی سختی سے منع فرمایا۔ اگرچہ قانون اسلام کو معطل ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ شرم و حیا کی اس چادر کو تار تار کرنے کی بڑی منظم کوششیں بھی شروع ہیں لیکن اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اسلام نے جو نفرت اس سے پیدا کر دی ہے اس کے باعث اس فعل شنیع کا ارتکاب نسبتاً بہت ہی کم ہے۔ چند مسخ شدہ گھروں کے علاوہ سارے ملک میں عصمت و عفت کا مقام بہت ہی بلند ہے۔

یہ عرض کرنے کے بعد اب بدکار عورت اور بدکار مرد کے لیے اسلام نے جو سزا تجویز کی ہے اس کو مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔ انھیں آپ ابتدائی معلومات ہی خیال فرمائیں۔ تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کو بالتفصیل پیش کیا جا سکے۔

زانی مرد اور زانیہ عورت کو شریعت نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے اور اسی تقسیم کے پیش نظر ان کی سزاؤں میں تفاوت ہے۔

۱۔ غیر شادی شدہ مرد اور غیر شادی شدہ عورت۔

۲۔ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت۔

زمانہ جاہلیت میں دیگر قباحتوں کے ساتھ ساتھ زنا کا رواج بھی عام تھا اور اس کا ارتکاب بے دھڑک کیا جاتا تھا۔ پیشہ ور عورتیں بڑے ٹھاٹھ سے اپنی دکانیں سجاتی تھیں۔ اونچے اونچے جھنڈے ان کے مکانوں پر لہرایا کرتے تھے۔ انھیں اور ان کے پاس آنے والوں کو قطعاً حجاب محسوس نہ ہوتا تھا۔ کان فی ذالک الزمان بغی الفتیات وکان لاھل العرب بغایا الوقت لھن آیات وکن مجاھرات بذالک (قرطبی)

اسلام جو انسان کو ضلالت و گمراہی کی ان پستیوں سے نکالنے کے لیے آیا تھا وہ اس کو کیسے گوارا کرتا۔ چنانچہ

سورۃ الفرقان جو مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس میں اہل ایمان کی دیگر صفات کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا گیا کہ وہ زنا کا ارتکاب نہیں کرتے "ولا یزنون" اور سورۃ الممتحنہ میں جہاں عورتوں کے مشرف باسلام ہونے اور بیعت کرنے کا ذکر ہے وہاں ان سے یہ وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ "ولا یزنین" کہ وہ آئندہ زنا نہیں کریں گی۔ یاد رہے کہ سورۃ الممتحنہ بھی مکہ میں نازل ہوئی تھی۔ یہ تو روحانی اور اخلاقی تربیت تھی جس کی تلقین ہر اسلام قبول کرنے والے کو پہلے دن ہی کی جاتی اور اس سے یہ وعدہ لیا جاتا جس کی پابندی اس پر ضروری ہوتی۔

اس جرم شنیع کا ارتکاب کرنے والوں کے متعلق جو حکم نازل ہوا وہ سورۃ نساء کی آیت ۱۵ میں مذکور ہے کہ شادی شدہ عورت اگر اس جرم کا ارتکاب کرے تو اسے گھر میں محبوس کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا حکم نازل کرے۔ "فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفھن الموت او یجعل اللہ لھن سبیلا" اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ابتداء میں یہ سزا تجویز کی گئی کہ انہیں لعنت ملامت کی جائے اور زدوکوب اور اذیت دی جائے "واللذان یاتیانھا منکم فآذوھما"۔ کچھ عرصہ اسی حکم کے مطابق عمل ہوتا رہا پھر پانچ یا چھ ہجری میں جب سورۃ النور نازل ہوئی تو یہ حکم نافذ ہوا کہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں ساری امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سزا غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے ہے۔ شادی شدہ مرد اور عورت کی سزا یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائے یعنی اس پر اتنے پتھر برسائے جائیں کہ وہ مر جائے۔ صرف خوارج کا یہ قول ہے کہ سو کوڑوں کی سزا ہر زانی اور زانیہ کے لیے ہے۔ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ انہوں نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ یہاں مطلق زانی اور زانیہ کی یہ سزا مقرر کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں جن روایات سے رجم کی سزا کا ثبوت ہوتا ہے وہ قرآن کریم کی مخصص یا ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ قدیم خوارج کے علاوہ اس زمانہ کے جدید خوارج کا بھی یہی قول ہے۔ ان کی خدمت میں مختصراً اتنی گزارش ہے کہ رجم اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ حضور سرور عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے نزول کے بعد بھی متعدد بار رجم کی سزا دی جن کی تفصیل کتب احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت فاروق اعظم، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم سب نے اپنے اپنے عہد خلافت میں شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کیا۔ ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت کا مفہوم قدیم وجدید خوارج سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہرحال بہتر سمجھتے تھے اور حضور کے خلفاء راشدین جن کی زندگی کا ہر لمحہ اقامت دین میں بسر ہوا وہ قطعاً کوئی ایسا کام کرنے کے لیے تیار نہ تھے جس سے فرمان الٰہی کی خلاف ورزی ہو۔ اس واضح تعامل کے باوجود شادی شدہ کے لیے رجم کا انکار کرنا کھلی ہوئی زیادتی ہے اور اس کا ارتکاب صرف خارجی ہی کر سکتے ہیں۔

۲۔ ثبوت زنا: اس کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ اقرار، ۲۔ شہادت

کیونکہ یہ بہت گھناؤنا جرم ہے، اس سے انسان کی عزت و آبرو جو اس کی متاع گراں بہا ہے، متاثر ہوتی ہے نیز

اس کی سزا بھی انتہائی سنگین ہے اس لیے اس جرم کو ثابت کرنے کے لیے بڑی احتیاط ملحوظ رکھی گئی ہے جس اقرار سے یہ جرم ثابت ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اس فعل کا ارتکاب کرنے والا امام یا نائب امام کے سامنے چار مرتبہ صاف الفاظ میں اقرار کرے کہ اس نے یہ فعل شنیع کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب ماعز بن مالک اسلمی نے آکر یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے پاک فرما دیجیے میں نے زنا کیا ہے تو حضور نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ویحك ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ۔ اسے جوان واپس چلا جا اور توبہ استغفار کر۔ اس نے پھر سامنے ہو کر یہی کہا حضور نے پھر منہ پھیر لیا۔ تیسری مرتبہ بھی اس نے اقرار کیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے تنبیہ کی کہ اب اگر چوتھی بار تو نے ایسا ہی کیا تو تجھے رجم کر دیا جائیگا لیکن وہ باز نہ آیا اور چوتھی مرتبہ بھی وہی الفاظ کہہ دیئے۔ اب حضور اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا لعلك قبلت او غمزت او نظرت۔ شاید تو نے تقبیل کی ہو یا آنکھ ماری ہو یا نظر بازی کی ہو لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ حضور نے فرمایا ابك جنون قال لا۔ کیا تو مجنون تو نہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر فرمایا کیا تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ آخر میں حضور نے فرمایا اذھبوا بہ فارجموہ۔ اسے لے جاؤ اور رجم کر دو۔

شہادت: شہادت میں بھی حد درجہ کی احتیاط کی گئی ہے۔ چار ایسے مرد گواہ ہونے چاہئیں جو مسلمان، عاقل، بالغ آزاد اور عادل ہوں جن کی صداقت اور دیانت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو اور گواہی بھی اس طرح دیں کہ انہوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا ہے کالمیل فی المکحلۃ والرشاء فی البئر یعنی جس طرح سرمہ دانی میں سلائی اور کنوئیں میں رسی۔ اگر گواہوں کی گواہی میں جگہ، وقت، مزنیہ وغیرہ امور کے متعلق اختلاف پایا جائے تو گواہی مردود ہوگی اور حد نہ لگائی جاسکے گی۔

اثبات زنا کے لیے اتنی سختی اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کو لوگوں کو سزا دینے کا شوق نہیں کہ جہاں کہیں کسی نے انگشت نمائی کر دی وہاں کوڑے برسنے لگے اور رجم ہونے لگا یا ذرا موقع ملتے ہی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ سزا ایک انتہائی اقدام ہے جو صرف ایسے شخص کے خلاف ہی کیا جائے گا جس کے دل میں نہ خدا کا خوف ہے نہ قیامت کا ڈر ہے، نہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا پاس ہے اور نہ اسے سوسائٹی میں رسوا اور ذلیل ہونے کا کوئی اندیشہ ہے۔ اس نے یہ کام اس طرح کیا کہ چار آدمیوں نے اسے عین حالت مباشرت میں دیکھ لیا نیز شریعت نے یہ بھی ضروری قرار نہیں دیا کہ جو شخص تنہائی میں چھپ کر یہ کام کر بیٹھے وہ ضرور عدالت میں حاضر ہو کر اس کا اعتراف کرے۔ گواہوں پر بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کے خلاف ضرور جا کر گواہی دیں بلکہ اسے چاہیے کہ خود بھی اپنا پردہ فاش نہ کرے اور گواہوں کے لیے بھی یہ بہتر ہے کہ وہ اس کی پردہ دری نہ کریں۔ حدیث پاک میں ہے "من اتی شیئا من ھذہ القاذورات فلیستتر بستر اللہ فان ابدی لنا صفحتہ اقمنا علیہ کتاب اللہ" (احکام القرآن) یعنی جس کسی سے اس قسم کا گندہ فعل سرزد ہو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پردے کو فاش نہ کرے اور جو شخص ہمارے سامنے اپنے آپ کو ظاہر کرے گا ہم اس پر حکم الٰہی ضرور جاری کریں گے۔ ہزال بن نعیم جس نے ماعز کو بارگاہ رسالت میں اس جرم کا اقرار

جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

اور نہ آئے تمہیں ان دونوں پر (ذرا) رحم اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں اگر تم ایمان

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ

رکھتے ہو اللہ تعالیٰ پر اور روز آخرت پر اور چاہیے کہ مشاہدہ کرے دونوں کی سزا کو اہل ایمان کا ایک

کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا لو سترته بثوبك كان خيرا لك اگر تو اسے اپنے کپڑے میں ڈھانپ لیتا تو تیرے لیے بہتر ہوتا لیکن اگر یہ چیز حاکم وقت کے سامنے پیش کر دی جائے اور اقرار یا شہادت سے پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو پھر حاکم کو یہ اختیار نہیں کہ وہ حد قائم نہ کرے۔ تعافوا الحدود فيما بينكم فما بلغني من حد فقد وجب (ابوداؤد۔ نسائی) آپس میں حدود سے درگزر کرتے رہو لیکن جب وہ حد مجھ تک پہنچ جائے گی تو پھر اس کا نفاذ ضروری ہو جائے گا۔

تیسرے یہ جرم قابل مصالحت نہیں کہ کچھ معاوضہ دے کر قضیہ ختم کر دیا جائے۔ ایک لڑکا کسی آدمی کے ہاں کام کرتا تھا، اس نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی۔ لڑکے کے باپ نے سو بکریاں اور ایک لونڈی اس کے خاوند کو دے کر راضی کر لیا لیکن جب مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تو حضورؐ نے فرمایا اما غنمك وجاريتك فرد عليك۔ وہ تیری بکریاں اور تیری لونڈی تجھے واپس کر دی جائے گی اور تیرے لڑکے پر حد لگے گی۔

جس کوڑے کے ساتھ مارا جائے وہ نہ زیادہ سخت ہو نہ زیادہ نرم اور حد جسم کے ایک حصہ پر ہی نہ لگائی جائے بلکہ منہ، سر اور شرمگاہ کے علاوہ جسم کے مختلف حصوں پر لگائی جائے۔

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایسے حاکم کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جس نے حد میں کمی کی ہوگی۔ اس سے پوچھا جائے گا لم فعلت ذالك۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟ وہ کہے گا رحمة لعبادك تیرے بندوں پر رحمت اور شفقت کے لیے۔ اسے کہا جائے گا انت ارحم بهم مني۔ کیا تو مجھ سے زیادہ ان پر رحم کرنے والا ہے؟ فيؤمر به الى النار۔ اسے دوزخ میں پھینک دینے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر ایسے حاکم کو بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جائے گا جس نے مقررہ حد سے ایک کوڑا زیادہ مارا ہوگا۔ اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے انت احكم به مني فيؤمر به الى النار۔ کیا تو مجھ سے زیادہ حکم کرنے والا ہے۔ پھر اسے بھی آگ میں پھینکے جانے کا حکم صادر ہوگا۔

حقیقت یہ ہے کہ احکام خداوندی کی صحیح طور پر تعمیل میں ہی ہماری فلاح ہے۔ اپنی خود ساختہ مصلحتوں کے پیش نظر ان میں کمی یا تبدیلی کرنا خطرناک نتائج کا باعث ہوتا ہے۔ جہاں بھی حدود کے قیام میں تساہل کیا گیا جرائم میں ہوشربا اضافہ ہوا۔ قتل کی وارداتوں میں آئے دن جو زیادتی ہو رہی ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی قتل مذموم ہے جب اس کی داد رسی

الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۫ وَّالزَّانِيَةُ

گروہ ۔ زانی شادی نہیں کرتا مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ اور زانیہ

لَا يَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

نہیں نکاح کرتا اس کے ساتھ مگر زانی یا مشرک ۳ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ اہل ایمان پر ۴

نہیں ہوتی جس کی عصمت لوٹ لی گئی ہو تو وہ غیظ و غضب سے مغلوب ہو کر خود انتقام لینے کے لیے آگے بڑھتا ہے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیتا ہے اس لیے رأفت اور مہربانی یہ نہیں کہ ایک جان بچانے کے لیے بیسیوں جانیں تلف کرنے کا دروازہ کھول دیا جائے۔

۳ کیونکہ اس سزا کا ایک اہم مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے اس لیے حکم دیا کہ یہ حد مجمع عام میں قائم کی جائے تاکہ عام لوگ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔ جب کوئی شخص حد قائم کرنے کے باعث مر جائے تو اس کی نعش کی بے حرمتی نہیں کی جائے گی بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اسے غسل دیا جائے گا، کفن پہنایا جائے گا، نماز جنازہ ادا کی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ اذا مات فی الحد یغسل ویکفن ویصلی علیہ ویدفن فی مقابر المسلمین (تفسیر کبیر)۔

۴ اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں کو بڑی پریشانی ہوئی ہے۔ حالانکہ اگر اس کے شان نزول کو پیش نظر رکھا جائے تو مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت مرثد کا یہ دستور تھا کہ مشرکین مکہ کے پاس جو مسلمان قیدی ہوتے یہ رات کی تاریکی میں وہاں جاتے اور کسی نہ کسی طرح سے انہیں کفار کی اسیری سے نکال لاتے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک دفعہ مکہ گئے، چاندنی رات تھی ایک مکان کے سایہ میں چھپے بیٹھے تھے کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ اتفاقاً عناق نامی ایک عورت جس سے زمانہ جاہلیت میں ان کے تعلقات تھے وہ ادھر آ نکلی اس نے جب ایک متحرک سایہ دیکھا تو اس کے نزدیک آگئی اور انہیں پہچان لیا۔ پوچھا مرثد ہو؟ انہوں نے کہا ہاں اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اھلاً و مرحباً خوش آمدید کہتی ہوئی آگے بڑھی کہنے لگی فھلم فبت عندنا اللیل آؤ آج رات ہمارے پاس گزارو۔ میں نے کہا یا عناق حرم اللہ تعالیٰ الزنا: اے عناق اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے میں اب تمہارے پاس شب باشی کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اس نے اسی وقت شور مچانا شروع کر دیا۔ لوگو جاگو یہ ہے وہ شخص جو تمہارے قیدیوں کو چوری چھپے اٹھا کر لے جاتا ہے اسے پکڑو۔ میں بھاگ کھڑا ہوا۔ آٹھ آدمیوں نے میرا تعاقب شروع کیا میں ایک غار میں جا کر چھپ گیا۔ وہ اس غار کے دہانہ تک آئے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا اور وہ واپس لوٹ گئے جب وہ چلے گئے تو میں پھر اپنے کام کے لیے مکہ واپس آیا اور جس آدمی کو رہا کرانے کے لیے میں آیا تھا اسے کسی نہ کسی طرح میں نکالنے میں کامیاب ہو گیا اور اسے اپنے ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر میں نے سارا ماجرا بیان کیا پھر عرض کی یا رسول اللہ! انکح عناق اجازت ہو تو عناق سے نکاح کر لوں؟ حضور خاموش رہے کچھ دیر بعد یہ آیت نازل ہوئی حضور

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ

اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر ۔ پھر وہ نہ پیش کر سکیں چار گواہ ؎

نے مجھے بلایا اور حکم الٰہی پڑھ کر سنایا۔

اس شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ زانیہ سے مراد پیشہ ور عورت ہے کہ کوئی غیرت مند انسان ایسی عورت کو اپنے نکاح میں لینے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور زانی سے مراد بھی وہی مرد ہے جو اس فعل کے ارتکاب میں شہرت رکھتا ہو اور شرم و حیا کی چادر اس نے اتار کر پھینک دی ہو۔ ایسے شخص کو بھی کوئی مومن عورت اپنا خاوند بنانے کے لیے آمادہ نہیں ہوتی۔ یہاں صیغہ نفی کا ہے لیکن معنی نہی کا۔ خلا ینکح کا معنی یہ ہوگا لا یلیق بہ ان ینکح۔ یعنی پیشہ ور زانیہ کے ساتھ نکاح کرنا مومن کی شان کے لائق نہیں جس طرح کہا جاتا ہے السلطان لا یکذب ای لا یلیق بہ ان یکذب یعنی بادشاہ کے لیے مناسب نہیں کہ وہ جھوٹ بولے۔ ایک شاعر کہتا ہے ؎

وتجتنب الاسود ورود ماء ۔۔۔۔۔ اذا کان الکلاب یلغن فیہ

یعنی شیروں کے لیے ایسی جگہ سے پانی پینا مناسب نہیں جہاں کتے آ کر منہ ڈالتے ہوں۔

اس آیت کا ایک مفہوم حضرت علامہ پانی پتی نے ذکر کیا فرماتے ہیں۔

المعنی ان الزانی لاجل فسقہ لا یرغب غالبا فی نکاح الصالحات والفاسقۃ لا یرغب فیہا الصلحاء فان المشاکلۃ علۃ الالفۃ (مظہری)۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ زانی اپنے فسق و فجور کے باعث صالحہ عورت سے نکاح کرنے کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ اسی طرح نیک مرد بھی زانیہ سے نکاح کرنا پسند نہیں کرتا کیونکہ طبیعتوں کی مناسبت باہمی الفت و محبت کی علت ہے جہاں طبیعتوں میں تضاد ہوگا وہاں باہمی الفت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس صورت میں نفی اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول ہوگی

؎ یعنی بدکار پیشہ ور عورت سے نکاح اس کے توبہ کر لینے سے پہلے جائز نہیں۔ اسی طرح جو مرد اس قماش کا ہو اس کی اصلاح احوال سے پہلے کسی عفیفہ کو اس کے رشتہ نکاح میں باندھ دینا سراسر ظلم اور بے انصافی ہے۔

؎ زنا کا جرم اسلامی معاشرہ میں ناقابل برداشت ہے۔ جو شخص اس کا مرتکب ہوگا اس کے لیے ایسی عبرتناک سزا مقرر کی گئی ہے جو کسی دوسرے گناہ پر نہیں دی جاتی۔ اسی طرح زنا کا غلط بہتان لگانا بھی انتہائی سنگین جرم ہے۔ جو شخص کسی پاکدامن اور عفیف عورت پر یا کسی پاکباز اور عصمت شعار مرد پر یہ الزام لگائے گا اسے معمولی بات خیال کر کے نظر انداز نہیں کر دیا جائیگا بلکہ اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے چار گواہ پیش کرے اور اگر وہ چار گواہ پیش نہیں کر سکے گا تو اسے اسی درے لگائے جائیں گے تاکہ ہر شخص کو پتہ چل جائے کہ کسی کی عزت و ناموس پر غلط الزام لگانا مذاق نہیں ہے۔

آیت کے کلمات میں ایک مرتبہ پھر غور فرمائیے۔ یرمون کا معنی تہمت لگانا ہے لیکن یہاں اس سے مراد خاص زنا

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ

تو لگاؤ ان (تہمت لگانے والوں) کو اسی درّے — اور نہ قبول کرنا ان کی کوئی گواہی ہمیشہ کے لیے سلہ

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ

اور وہی لوگ فاسق ہیں — مگر وہ (لوگ) جو توبہ کرلیں ایسا بہتان لگانے کے بعد اور

اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

اپنی اصلاح کرلیں تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے سلہ — اور وہ (خاوند) جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں

کی تہمت ہے وہ بھی صریح الفاظ میں جیسے کہے زانیہ یا یا زانی۔ المحصنات سے مراد پاکدامن عورتیں ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کسی مرد پر یہ بہتان لگایا جائے گا تو یہ حد نہیں ہوگی بلکہ مرد اور عورت کا حکم یکساں ہے۔ یہاں فقط محصنات کا لفظ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اس میں الزام ایک عورت پر ہی لگایا گیا تھا۔ پاکدامن مرد پر بہتان لگانے کا حکم بھی اس آیت سے ثابت ہے۔ لفظ محصنین کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: المراد بالاحصان باجماع الفقهاء ان يكون حرا عاقلا بالغا مسلما عفيفا غير متهم بالزنا۔ یعنی اس جگہ احصان کا معنی یہ ہے کہ جس پر الزام لگایا جارہا ہے وہ آزاد، عاقل، بالغ، مسلم، عفیف ہو اور اس پر پہلے کبھی تہمت بھی نہ لگائی گئی ہو۔

سلہ ایسے لوگوں کو تین سزائیں دی جائیں گی:
١۔ انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں گے۔
٢۔ آئندہ مالی حقوق میں ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔
٣۔ انہیں فاسق قرار دیا جائے گا۔

سلہ اگر کوئی شخص بہتان لگانے کے بعد توبہ کرے گا تو حد قذف اس سے ساقط نہیں ہوگی البتہ اس کے فسق سے جو عذاب اسے روز قیامت دیا جانے والا تھا وہ معاف کردیا جائے گا۔ توبہ کے بعد کیا اس کی گواہی منظور ہوگی یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کا مسلک یہ ہے کہ توبہ کے بعد بھی وہ مردود الشہادۃ رہے گا۔ حضرت امام اعظم کے علاوہ اسلاف میں سے مندرجہ ذیل حضرات کی یہی رائے ہے:

قاضی شریح، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر، مکحول اور عبدالرحمن بن زید بن جابر لیکن امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قول ہے کہ توبہ کے بعد اس کی شہادت مقبول ہوگی۔ سعید بن المسیب اور کئی دیگر اکابر کا یہی مسلک ہے۔ شعبی سے یہ قول منقول ہے کہ توبہ سے حد بھی ساقط ہو جائے گی۔ وقال الشعبي ان الاستثناء يرجع الى الكل وعليه يسقط الحد بتوبته

وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنفُسُهُمْ فَشَهَٰدَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ

پر ۲؎ اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی

شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿٦﴾ وَٱلْخَٰمِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ

دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں) سچا ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار

عندہ حد القذف بالتوبۃ (مظہری)

۲؎ جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ اھکذا نزلت کیا یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ حضور نے فرمایا اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے۔ سعد بولے یا رسول اللہ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا اور اگر گواہوں کو لینے جاؤں گا تو وہ اپنا کام تمام کر کے رفوچکر ہو چکا ہو گا۔ اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن امیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا۔ انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ صبح بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ اب ہلال پر حد قذف لگائی جائے گی۔ ہلال نے کہا میرے دوستو گھبراتے کیوں ہو اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اسی اثنا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے آثار نمودار ہو گئے اور سب خاموش ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور نے فرمایا اے ہلال مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرما دی ہے پھر آیت پڑھ کر سنائی اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا۔ وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے۔ ہلال نے عرض کی یا رسول اللہ میں نے جو عرض کی ہے بالکل سچ ہے۔ عورت نے کہا یہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں۔ پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے۔ جب وہ کہہ چکی تو حضور نے اسے فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔ اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذاب آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ کچھ دیر وہ خاموش رہی۔ اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا۔ پھر کہنے لگی میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا ان غضب اللہ علیہا ان کان من الصادقین کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حد قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حد زنا سے بچ گئی لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی۔ حضور نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کی ماں کی طرف کی جائے

اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑦ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ

ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہو اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد [12]

أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ⑧

کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے۔

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑨

اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہو۔

ع ۱۰ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَأَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ⑩

اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی (تو تم بڑی الجھنوں میں پڑ جاتے) اور بیشک اللہ بہت توبہ

إِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ

قبول کرنے والا بڑا دانا ہے [13]۔ بیشک جنہوں نے جھوٹی تہمت [14] لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے تم اسے اپنے لیے برا خیال

اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زبان درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقہ کار کو لعان کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

[12] اگر مرد اس طرح قسم کھا لے اور عورت خاموش ہو جائے تو اس پر زنا کی حد لگے گی لیکن اگر عورت بھی اس طرح قسم کھا لے تو وہ بھی زنا کی حد سے بچ جائے گی۔

[13] یعنی اگر حد قذف کے حکم کے بعد لعان کا قانون جاری نہ کیا جاتا اور مرد اپنی بیوی کو ناشائستہ حالت میں دیکھتا اور خاموش رہتا تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہتا اور اگر اظہار کرتا تو اسّی کوڑے کھاتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ان پیچیدگیوں سے نجات کا راستہ تمہارے لیے بتا دیا ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے کتب فقہ کا مطالعہ کیا جائے۔

[14] یہاں سے اس سازش کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو دشمنان اسلام نے اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت اور ہادی اسلام کی روز افزوں عزت و شوکت کو دیکھ کر کی اور جس میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس عزت پر حملہ کر کے

کمینگی اور دنائت کی حد کر دی۔ ان آیات میں جس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے پہلے صحیحین کی روایت کے مطابق اسے تفصیلاً پیش کرتا ہوں اس کے بعد حسب ضرورت تشریحات کی جائیں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جس کے نام کا قرعہ نکلتا اس کو ہمرکابی کا شرف بخشتے۔ جب حضور غزوہ بنی المصطلق پر روانہ ہوئے تو حسب معمول قرعہ ڈالا گیا تو میرا نام نکلا چنانچہ میں حضور کے ہمراہ گئی۔ اس وقت پردہ کے احکام نازل ہو چکے تھے۔ میں ہودج میں بیٹھی رہتی اور جب لشکر روانہ ہوتا تو میرا ہودج اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا جاتا اور جہاں قیام کیا جاتا وہاں ہودج اتار دیا جاتا۔ جب جہاد سے فراغت ہو گئی تو حضور نے واپسی کا قصد فرمایا۔ ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور رات بسر کی۔ رات کے پچھلے حصہ میں کوچ کی تیاری شروع ہو گئی میں قضائے حاجت کے لیے باہر گئی جب واپس آئی تو میرے گلے کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا میں اس کی تلاش میں پھر لوٹ گئی ہار تو مجھے مل گیا لیکن جب واپس آئی تو لشکر سے کوچ کر چکا تھا جو لوگ میرے ہودج کو رکھتے اور پھر اتار لیتے تھے انہوں نے حسب عادت میرا ہودج اٹھایا اور اونٹ پر کس دیا انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں ہودج میں نہیں ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوا کرتی تھیں کیونکہ غذا مرغن نہیں ہوتی تھی اور میں تو کم عمر تھی اس لیے ہودج میں میرے نہ ہونے کا انہیں احساس تک نہ ہوا جب میں واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ یہ خیال کر کے کہ جب وہ مجھے نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہاں آئیں گے میں وہیں ٹھہر گئی۔ صفوان بن معطل کی یہ ڈیوٹی تھی کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہتے جب لشکر کوچ کر جاتا تو وہاں پہنچتے۔ اگر کسی کی کوئی چیز پیچھے رہ جاتی تو اسے اٹھا کر اس کے مالک تک پہنچا دیتے۔ میں چادر لپیٹ کر لیٹ گئی۔ اتنے میں صفوان آپہنچے۔ ابھی صبح کا اندھیرا تھا انہوں نے کسی کو دور سے سویا ہوا دیکھا تو قریب آئے۔ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا انہوں نے مجھے پہچان لیا اور بلند آواز سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا ان کی آواز سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ انہوں نے اپنا اونٹ میرے قریب لا کر بٹھایا اور مجھے سوار کر کے چل دیئے۔ ہم دوپہر کے وقت لشکر سے آملے۔ عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین نے جب یہ دیکھا تو اس نے ایک طوفان بپا کر دیا۔ جب میں مدینہ پہنچی تو بیمار ہو گئی اور ایک ماہ تک بیمار پڑی رہی۔ لوگوں میں اس بات کا خوب چرچا ہوتا رہا لیکن مجھے قطعاً اس کا کوئی علم نہ تھا۔ البتہ ایک بات مجھے کھٹک رہی تھی کہ میری علالت کے وقت جو لطف وعنایت حضور پہلے مجھ پر فرمایا کرتے تھے وہ مفقود تھی۔ حضور جب مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتے تو صرف اتنا دریافت کرتے کیف تیکم کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس سے مجھے شک گزرا تاہم مجھے اس شر انگیز پروپیگنڈے کی خبر تک نہ تھی۔ بیماری کے بعد میں بہت نقاہت اور کمزوری محسوس کرنے لگی۔ ایک رات میں ام مسطح کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے مدینہ سے باہر گئی کیونکہ اس وقت تک گھروں میں بیت الخلا بنانے کا رواج نہ تھا اور ہم عرب کے دستور کے مطابق جنگل میں ہی جایا کرتی تھیں۔ ام مسطح حضرت ابو بکر کی خالہ زاد بہن تھیں۔ ہم دونوں جب فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا

تعس مسطح کہ مسطح ہلاک ہو۔ یہ اس کا بیٹا تھا۔ میں نے کہا تم ایک بدری کے لیے ایسے الفاظ استعمال کر رہی ہو یہ بہت بری بات ہے۔ اس نے کہا کیا تم نے نہیں سنا جو طوفان اس نے برپا کر رکھا ہے۔ میرے استفسار پر اس نے سارا واقعہ مجھے سنا دیا۔ یہ سن کر میرا مرض پھر عود کر آیا۔ حضور تشریف لاتے تو پوچھا کیف تیکم۔ میں نے عرض کی مجھے اپنے والدین کے پاس جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ مقصد یہ تھا کہ میں والدین سے اس خبر کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کروں۔ حضور نے اجازت دے دی میں میکے چلی آئی۔ میں نے اپنی والدہ سے کہا یا امتاہ! ما ذا یتحدث الناس بہ؛ اے امی جان! لوگ یہ کیا باتیں بنا رہے ہیں؟ انھوں نے کہا بیٹی زیادہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں جب کوئی بیوی پاکیزہ صورت ہو اور اس کا شوہر اس سے محبت رکھے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا سبحان اللہ! لوگ میرے متعلق ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں رات بھر جاگتی رہی اور روتی رہی صبح ہوئی تب بھی آنسو جاری تھے اور نیند کا نام و نشان تک نہ تھا۔ جب نزول وحی میں تاخیر ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی اور اسامہ بن زید کو بلایا۔ اسامہ نے تو میری براءت کی ان کے دل میں حضور کے اہل کی جو محبت تھی اس کو ظاہر کیا۔ حضرت علی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! حضور اتنے کبیدہ خاطر کیوں ہیں، ان کے علاوہ عورتوں کی کیا کمی ہے۔ اگر حضور تصدیق فرمانا چاہتے ہیں تو بریرہ لونڈی کو بلا کر دریافت فرما لیجئے وہ حقیقت حال سے آگاہ کر دے گی۔ چنانچہ بریرہ سے حضور نے پوچھا اے بریرہ هل رأیت من شیء یریبك من عائشة کیا تو نے کوئی ایسی چیز دیکھی ہے جس سے تمھیں عائشہ کے بارے میں کوئی شک ہو۔ اس نے عرض کی مجھے اس خدا کی قسم جس نے حضور کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے اس کے سوا میں نے عائشہ میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ آٹا گوندھا ہوا رکھا ہوتا ہے۔ یہ اپنی کمسنی کی وجہ سے سو جاتی ہیں اور بکری آ کر آٹا کھا جاتی ہے۔ کسی نے بریرہ کو جھڑکا کہ تو سچ کیوں نہیں بتاتی تو اس نے کہا سبحان اللہ واللہ ما علمت علیها الا ما یعلم الصائغ علی تبر الذهب الاحمر۔ خدا کی قسم میں ان کے متعلق اس کے بغیر اور کچھ نہیں جانتی جس طرح ایک زرگر خالص سرخ سونے کے متعلق جانتا ہے۔ پھر سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا:

یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاه فی اهلی فو اللہ ما علمت علی اهلی الا خیرا وما علمت علی اهلی من سوء۔

اے گروہ مسلمانان! اس شخص کے بارے میں مجھے کون معذور رکھتا ہے جس کی اذیت رسانی میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے۔ بخدا میں اپنے اہل کے لیے خیر کے بغیر کچھ نہیں جانتا اور مجھے ان سے کسی غلطی کا کوئی علم نہیں ہے۔ سعد بن معاذ انصاری کھڑے ہو گئے۔ عرض کی میں حاضر ہوں۔ اگر وہ شخص قبیلہ اوس سے ہے تو ہم ابھی اس کی گردن اڑا دیں گے اور اگر وہ بنی خزرج سے ہے اور حضور ہمیں حکم دیں تو تعمیل ارشاد کی جائے گی۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ سعد بن عبادہ اٹھے جو خزرج کے سردار تھے اور بڑے صالح آدمی تھے۔ لیکن ان کی قبائلی عصبیت بیدار ہو گئی۔ انھوں نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو گا کیونکہ تمھیں علم ہے وہ شخص خزرجی ہے اس لیے تم ایسی باتیں کر رہے ہو۔ اگر وہ اوس قبیلے کا فرد ہوتا

تو تم ایسا نہ کہتے۔ غرضیکہ تلخ کلامی یہاں تک بڑھی کہ قریب تھا دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ جاتی۔ حضور نے دونوں کے جوش کو ٹھنڈا کیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ میرے شب و روز گریہ و زاری میں گزرتے لمحہ بھر کے لیے بھی نیند نہ آتی۔ میرے والدین کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ اس طرح رونے سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ایک دن میں رو رہی تھی۔ میرے والدین بھی میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک انصاری عورت ملنے کے لیے آئی وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ سلام فرمایا اور بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے کبھی بیٹھے نہ تھے۔ ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ میرے بارے میں کوئی وحی نہیں اتری تھی۔ حضور نے تشہد کے بعد فرمایا اے عائشہ! تیرے بارے میں مجھے ایسی ایسی اطلاع ملی ہے۔ اگر تو پاکدامن ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کر دے گا۔ اگر تجھ سے قصور سرزد ہو گیا ہے تو توبہ کر لے کیونکہ بندہ اگر اپنے قصور کا اعتراف کر لے اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ میرے آنسو یکدم خشک ہو گئے۔ میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ حضور کو اس بات کا جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا میں کچھ جواب نہیں دے سکتا۔ پھر میں نے والدہ سے کہا۔ انہوں نے بھی معذوری ظاہر کی۔ میں اگرچہ نوعمر تھی زیادہ قرآن بھی پڑھا ہوا نہ تھا لیکن میں نے عرض کی بخدا آپ لوگوں نے ایک بات سنی اور وہ تمہارے دلوں میں جم گئی۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں بے گناہ ہوں اور خدا جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں تو آپ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اور اگر میں ایک ایسی بات کا اعتراف کروں جس سے خدا جانتا ہے کہ میں بری ہوں تو آپ فوراً مان لیں گے۔ اب میرے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو یوسف کے باپ نے کہی تھی فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ پھر میں منہ پھیر کر بستر پر لیٹ گئی۔ مجھے یقین تھا کہ اللہ ضرور میری براءت فرمائے گا لیکن مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے بارے میں آیات قرآنی نازل ہوں گی۔ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہ سمجھتی تھی۔ حضور ابھی وہیں تشریف فرما تھے کہ نزول وحی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ سردی کے موسم میں بھی نزول وحی کے وقت پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ جب وہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور ہنس رہے تھے اور پہلی بات جو حضور نے فرمائی وہ یہ تھی: ابشری یا عائشۃ اما اللہ عزوجل فقد برأک۔ اے عائشہ خوشخبری ہو اللہ تعالیٰ نے تیری براءت فرما دی ہے۔ میری والدہ نے مجھے کہا اے عائشہ! اٹھو اور حضور کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا بخدا میں نہ ہی ان کا اور نہ کسی کا شکریہ ادا کروں گی۔ صرف اللہ تعالیٰ کا شکر کروں گی جس نے میری براءت فرمائی۔

اس وقت یہ دس آیات اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ ... الآیۃ نازل ہوئیں۔

اس طرح منافقین کا اٹھایا ہوا یہ طوفان تھا۔ اگرچہ اس کا سرغنہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تھا لیکن اس نے اس شدومد سے بات کا بتنگڑ بنایا کہ کئی سادہ لوح مسلمان اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ چنانچہ حضرت حسان، مسطح اور حمنہ بنت جحش کا نام اسی زمرہ میں لیا جاتا ہے۔ انہیں حد قذف لگائی گئی اور عبداللہ مذکور کو بعض اقوال کے مطابق حد لگائی گئی لیکن اکثر کا یہ خیال ہے کہ اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ اسے خدا کی آتش انتقام میں ہمیشہ جلتے رہنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

باقی امور کا ذکر آیات کی تشریح کے ضمن میں کیا جائے گا۔

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ

ذکر ہوا ف بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے لیے ہر شخص کے لیے اس گروہ میں سے اتنا گناہ ہے جتنا اس نے کمایا۔

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ

اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا ان میں سے (تو) اس کے لیے عذاب عظیم ہوگا ف ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا

(واقعہ) سنا تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنوں کے بارے میں نیک گمان ف اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو

ف کذب بیانی اور بہتان تراشی کی انتہا کو افک کہتے ہیں۔ "الافك ابلغ ما يكون من الكذب والافتراء"۔ اس ایک لفظ سے ہی منافقین کی سازش کو بے نقاب کر دیا کہ اس کا صداقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ سراسر جھوٹ، افترا اور بہتان ہے۔ جس واقعہ کو زبانِ قدرت جھوٹ کا پلندا کہہ دے اس کی مزید تردید کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن واقعہ کی سنگینی کے پیشِ نظر اور مسلمانوں کی تربیت کے لیے اس کو مزید وضاحت سے بیان فرمایا۔

ف خطاب تمام مسلمانوں کو ہے۔ خصوصاً حضرت صدیق اور ان کے خانوادہ کو یعنی اس بہتان تراشی سے جو قلبی اور روحانی تکلیف تمہیں پہنچی ہے اسے شر خیال نہ کرو۔ اس میں تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے۔ اس تجربے نے الم سے تمہیں دکھ ہوا۔ رضاء الٰہی کے لیے تم نے صبر کیا اس پر تمہیں اجر عظیم ملے گا۔ اے صدیق! تمہیں چند دن تکلیف ضرور ہوئی لیکن اب قیامت تک تیری نورِ نظر کی پاک دامنی کی شہادت قرآن دیتا رہے گا۔ تیری لختِ جگر کی عفت اور پاک دامنی کو ماننا ایمان اور اسلام ہوگا۔ جو اس کا انکار کرے گا بلکہ جو اس میں ذرا شک کرے گا وہ بھی دائرۂ اسلام سے خارج اور نعمتِ ایمان سے محروم کر دیا جائے گا۔

ف جس نے اس جھوٹ کو گھڑنے اور اس کی تشہیر میں سب سے زیادہ حصہ لیا اس سے مراد عبداللہ بن ابی ہے۔

ف علامہ قرطبی لکھتے ہیں:۔

"هذا عتاب من الله سبحانه وتعالى للمؤمنين۔"

یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کو عتاب اور سرزنش فرما رہے ہیں کہ تم نے سنتے ہی اس بہتان کی تردید کیوں نہ کر دی۔ اس میں تردد کی گنجائش کیوں تھی۔ تمہیں تو فوراً کہہ دینا چاہیے تھا هذا افك مبين۔ یہ کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَوْلَا جَاءُو عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا

کھلا ہوا بہتان ہے (اگر وہ سچے تھے تو) کیوں نہ پیش کر سکے اس پر چار گواہ فلہ پس جب وہ پیش نہیں

بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ

کر سکے گواہ تو (معلوم ہو گیا کہ) وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ

اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا

کا فضل تم پر اور اس کی رحمت نکلہ دنیا اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں اس سخن سازی کی وجہ

أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ

سے سخت عذاب (جب تم ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے اس بہتان کو اپنی زبانوں سے

بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ

اور کہا کرتے تھے اپنے مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہ تھا نیز تم خیال کرتے کہ یہ معمولی بات ہے حالانکہ یہ

اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن

بات اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی تھی اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ افواہ سنی تو تم کہہ دیتے ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا

فلہ اگر ان کے اس دعویٰ میں رائی کے برابر بھی صداقت ہوتی تو وہ گواہ پیش کرتے لیکن ان کا گواہ پیش کرنے سے قاصر رہنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ الزام بالکل من گھڑت ہے اور محض حسد کا نتیجہ ہے۔

نکلہ یہ اللہ تعالیٰ کا محض فضل و احسان اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہیں فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کر دیا ورنہ بہتان اڑانے والوں نے تو قہر الٰہی کو دعوت دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ انہوں نے تو یہ خیال کیا کہ یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ انہیں کیا خبر کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ کے محبوب کا دل رنجیدہ ہو۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی آتش غضب بھڑک اٹھتی ہے جس ذات پاک کی پاک دامنی و پاکبازی کا درس دینے کے لیے منتخب فرمایا گیا ہو اس کے دامن تقدس کو داغدار کرنے کی کوشش اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی ہی مذموم اور ناپاک ہے۔

نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ

کہ ہم گفتگو کریں اس کے متعلق۔ اے اللہ! تو پاک ہے شلہ یہ بہت بڑا بہتان ہے۔ نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ

شلہ یہاں "سُبْحٰنَكَ" ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ اس کے رسول کی زوجہ محترمہ کا دامن ایسے الزام سے آلودہ ہو۔ گویا نبی مکرم کی زوجہ حیات پر الزام لگانا نبی مکرم پر الزام لگانا اور نبی مکرم پر ایسا الزام آپ پر نہیں بلکہ رب کریم پر ہے جس نے ایسا نبی بنایا۔ یاد رہے کہ حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کو ثابت کرنے کے لیے زبان قدرت نے وہی اسلوب اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی تردید کے وقت اختیار کیا جاتا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ وحی کے نزول سے پہلے بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت عائشہ کی پاکدامنی کا علم تھا۔ کیونکہ نبی کا ایسے عیوب سے پاک ہونا جو لوگوں کو اس سے متنفر کر دیں ضروریات عقلیہ میں سے ہے جیسے اس کا گھٹیا ہونا کمینہ خاندان کا فرد، اس کے والدین کا تہمت زنا سے متہم ہونا۔ اسی طرح اس کی اہلیہ کی عصمت کا مشکوک ہونا اگر نبی میں ان عیوب میں سے کوئی ایک عیب بھی پایا جائے گا تو لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے اور اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ ان کونها زوجة للرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المعصوم يمنع من ذلك لان الانبياء مبعوثون الى الكفار ليدعوهم ويستعطفوهم فيجب ان لا يكون معهم ما ينفرهم عنهم وكون الانسان بحيث تكون زوجته مسافحة من اعظم المنفرات۔ (تفسیر کبیر)

امام موصوف نے اپنے اس کلام پر دو شبے پیش کیے ہیں اور خود ہی ان کا جواب دیا ہے۔

۱۔ نبی کی بیوی کا کافر ہونا قرآن سے ثابت ہے اور کفر زنا سے زیادہ سنگین جرم ہے۔ اگر نبی کی اہلیہ سے کفر جیسے جرم کا ارتکاب ہو سکتا ہے تو اس سے کم درجے کے گناہ کا صدور بھی ممکن ہے۔ اس کا جواب فرمایا کہ بیوی کا کفر لوگوں کو متنفر نہیں کرتا۔ البتہ اس کے دامن عصمت کا داغدار ہونا لوگوں کو بلاشبہ متنفر کر دیتا ہے۔

۲۔ دوسرا شبہ یہ ذکر کیا ہے کہ اگر حضور کو علم ہوتا تو حضور اتنا زیادہ پریشان کیوں ہوتے۔ اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ حضور کا پریشان ہونا عدم علم کی دلیل نہیں کیونکہ ایسی باتیں جن کا بطلان اظہر من الشمس تھا وہ سن کر بھی حضور پریشان ہوتے۔ ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون۔ نیز حضرت عائشہ کی پاکدامنی ایک مسلّم حقیقت تھی جس کے متعلق کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہ تھا۔ الزام لگانے والے سارے منافق تھے اور ان کے پاس اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہ تھا۔ ان قرائن کے ہوتے ہوئے ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ نزول وحی سے پہلے بھی اس الزام کا جھوٹا ہونا حضور کو بخوبی معلوم تھا فلمجموع هذه القرائن كان ذلك القول معلوم الفساد قبل نزول الوحی (کبیر)

اس کے علاوہ جو خطبہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا تھا اس کا یہ جملہ۔

أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝١٧ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا اگر تم ایمان دار ہو ۔ اور کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ

الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝١٨ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ

تمہارے لیے (اپنی) آیتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے بیشک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ پھیلے

الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

بے حیائی ۲۳ ان لوگوں میں جو ایمان لاتے ہیں (تو) ان کے لیے دردناک عذاب ہے دنیا اور آخرت میں

شک و شبہ کو دور کر دینے کے لیے کافی ہے۔ یا معشر المسلمین من یعذرنی من رجل قد بلغنی اذاہ فی اھل بیتی فواللہ ما علمت علی اھلی الا خیرا۔ اے گروہ مسلمانان! ہے کوئی جو اس شخص کے معاملہ میں مجھے معذور تصور کرے گا جس نے میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھے اذیت پہنچائی ہے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اپنے اہل کے متعلق خیر کے بغیر اور کچھ نہیں جانتا۔

بالاتفاق حضور کا یہ خطبہ نزول آیات سے پہلے کا ہے۔ اپنے اہل بیت کی براءت حلف اٹھا کر بیان فرمائی اور مفتری سے انتقام لینے کا حکم دیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حلف اٹھانا اور مفتری سے انتقام لینے کا حکم دینا اسی وقت تصور کیا جا سکتا ہے جب حضور کو حضرت عائشہ کی پاکیزگی اور الزام لگانے والوں کے جھوٹے ہونے کا یقینی علم ہو۔ اگر حضور کو ذرا بھی تردد ہوتا تو حضور قطعاً حلف اٹھاتے اور نہ مفتری کو سزا دینے کی ترغیب دیتے۔

آجکل بھی بعض لوگ بڑے معرکۃ الآرا انداز میں اس واقعہ کو عام جلسوں میں بیان کرتے ہیں اور اپنے نبی پاک کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے عجیب و غریب موشگافیاں کرتے ہیں کہ اگر حضور کو علم ہوتا تو یوں کبیدہ خاطر کیوں ہوتے۔ اگر علم ہوتا تو صاف الفاظ میں حضرت عائشہ کی براءت کا اعلان کیوں نہ کر دیتے۔ وغیرہ وغیرہ۔ جنہیں سن کر دل درد سے بھر جاتا ہے اور کلیجہ شق ہونے لگتا ہے اور یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ صاحب جو اپنا سارا زور بیان اور قوت استدلال اپنے نبی کی بے علمی ثابت کرنے کے لیے صرف کر رہے ہیں ان کا اس نبی سے قلبی تعلق تو کجا کوئی رسمی تعلق بھی ہوتا تو وہ ایسا کہنے کی جرأت نہ کرتے۔ وہ خود بھی اگر ان کی بہو بیٹی پر ایسا بہتان لگایا جائے یا خود ان کی اپنی ذات کو ہدف بنایا جائے اگرچہ انہیں اپنی پاکدامنی کا پورا یقین بھی ہو تو کیا ان کا یہی طرز عمل نہیں ہو جائے گا۔ نزول وحی میں تاخیر کی جو حکمتیں ہیں ان کا آپ کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ایک مدت میں طوالت پایہ جیہ انشراحت کا مظاہرہ ان تمام آیتوں میں بھی لطف ہے اس کی قدر حضرت اہل محبت ہی جانتے ہیں۔

۲۳ کسی پر لگائے ہوئے الزام کی بلا تحقیق تشہیر کو بڑا جرم قرار دیا اور فواحش کے خلاف نفرت کی جو دیوار اسلام نے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

اور اللہ تعالیٰ (حقیقت کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی

رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

رحمت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان، رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے) اے ایمان والو!

لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

نہ چلو شیطان کے نقش قدم پر ۔ اور جو چلتا ہے شیطان کے نقش قدم پر تو

فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

وہ حکم دیتا ہے (اپنے پیروؤں کو) بے حیائی کا اور ہر برے کام کا۔ اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور

قائم کر دی ہے اس میں رخنہ اندازی کی قولاً فعلاً کوشش کرنا، ایسی کتابیں لکھنا جن سے شہوانی جذبات میں تحریک ہو، ایسے گانے ایسی تصاویر، ایسے ڈرامے، ایسی فلمیں جن سے لوگوں میں شرم و حیا کا جذبہ کمزور ہوتا جائے سب اس میں شامل ہیں۔ وہ لوگ جو محض دولت کمانے کے لیے ایسی فلمیں بناتے ہیں، بڑھ چڑھ کر حیا سوز مناظر پیش کرتے ہیں، ایسے اشتہارات جن میں جنسی عریانیت سے جاذبیت اور کشش پیدا کی جاتی ہے۔ ایسا لٹریچر جس کی مقبولیت کا انحصار ہی شہوانی محرکات پر ہے۔ مانا کہ وقتی طور پر اس کی آمدنی میں بے پایاں اضافہ ہو جاتا ہے لیکن اس سے جو نقصان ہوگا اس سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہوگا جب قوم کا اخلاق بگڑ جائے گا، جب شرم و حیا کی چادر تار تار ہو جائے گی بے حیا اور ہوسناک نگاہیں اس کی دولت عصمت لوٹنے میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں کریں گی۔ قوم کے اصلاح یافتہ ہونے کی برکات سے جس طرح ہر فرد مستفید ہوتا ہے اسی طرح اس کے اخلاق باختہ ہونے سے ہر فرد کو حصہ رسدی مل کر رہتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دروازہ کو بند کر دیا جس سے فسق و فجور کا سیلاب امڈ سکتا ہے۔

۳۳۔ دو قدموں کے درمیان جو جگہ ہوتی ہے اس کو عربی میں خُطْوَۃ کہتے ہیں جس کی جمع خطوٰت ہے۔ یہ مصدر نہیں اسم ہے۔ خَطَا يَخْطُوْا کا مصدر خَطْوَۃ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیطان کی پیروی مت کرو اس کے نقش قدم پر مت چلو کیونکہ وہ اپنے ماننے والوں کو نیکی اور ہدایت کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اس کا یہ شیوہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے ماننے والوں کو بے حیائی اور بدکاری کی تلقین کرتا ہے اور برے کاموں کو اس حسین انداز میں پیش کرتا ہے کہ ان کے برے نتائج نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ انسان یہی سمجھنے لگتا ہے کہ ساری مسرتیں، ساری عزتیں انہی برے کاموں میں

رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

اس کی رحمت تو نہ پاک ہو سکتا تم میں سے کوئی بھی ہرگز ہاں اللہ تعالیٰ پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے اور نہ قسم کھائیں جو برگزیدہ ہیں تم میں سے اور خوش حال

مست کر رکھتی ہیں شیطان کے اکسانے سے وہ ایسی ایسی گھنونی اور حیاسوز حرکتیں کرتا ہے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب اپنی بدکاریوں کے نتائج سے وہ دوچار ہوتا ہے، جب بے حیائی کی جلائی ہوئی آگ خود اس کے اپنے گھر کو لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس کی اپنی ناموس اور عصمت لٹنے لگتی ہے، اس وقت وہ شیطان کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے لیکن وہ بے مروت ہنس کر ٹال دیتا ہے اور الٹا اس کا مذاق اڑاتا ہے۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ وہ تمہیں شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے اور اس کے دام فریب سے بچالے ورنہ تم میں یہ طاقت نہیں کہ تم اس گرگ باراں دیدہ کی فریب کاریوں سے اپنے آپ کو بچا سکو۔ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ پر اپنی نظر لطف و کرم فرماتا ہے تو گرتے پڑتے سنبھل جاتے ہیں اور ڈوبتے ہوؤں کو سہارا مل جاتا ہے۔ اپنے علم اور فہم پر نازاں نہ ہوا کرو ہر وقت اس کے فضل و کرم کے امیدوار رہا کرو اور اسی کی بارگاہ عالی میں بصد عجز و نیاز عرض کیا کرو کہ اے الٰہ العالمین ہم کمزور ہیں، شیطان کی چالیں بڑی خطرناک ہیں، ہم تنہا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو ہماری مدد فرما اور ہمیں اس کے شر سے بچا لے۔

وہ تمہاری سب باتیں سنتا ہے اور تمہارے ارادوں سے بھی واقف ہے۔ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے اور اس کی رضا کے طلبگار رہو گے تو وہ ضرور تمہاری مدد فرماتا رہے گا۔

جس طرح پہلے بیان ہو چکا کہ حضرت صدیقہ پر بہتان لگانے والوں میں سے مسطح بن اثاثہ بھی تھے جو آپ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے تھے۔ ان کی مالی حالت بڑی ناگفتہ بہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر ہمیشہ ان کی اعانت فرمایا کرتے تھے اور ان کی ضرورت پوری کرنے میں خصوصی توجہ کرتے۔ جب مسطح اس غلط الزام کو پھیلانے میں پیش پیش ہوئے تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے برأت نازل فرمائی تو آپ نے قسم اٹھائی کہ وہ آئندہ مسطح کی اعانت نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو اس آیت میں قسم توڑنے کا حکم دیا اور بڑے دلکش اور موثر انداز میں مسطح کا قصور معاف کر دینے کی تلقین کی۔ فرمایا: وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ یہ سنتے ہی حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: بلی واللہ یا ربنا انا نحب ان تغفر لنا (روح المعانی) بے شک اے پروردگار! تیری قسم ہم تو اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ تو ہمیں معاف فرما دے اور آپ نے پہلے سے بھی زیادہ مسطح کی امداد اور دلداری شروع کر دی۔

أَنْ يُؤْتُوٓا أُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ

ہیں بخشش اس بات پر کہ نہ دیں گے رشتہ داروں کو اور مسکینوں کو اور راہِ خدا میں ہجرت کرنے والوں کو۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۗ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

اور چاہیے کہ وہ یہ لوگ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تمہیں اور اللہ غفور

ذرا غور فرمائیے قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو اخلاق کی کن بلندیوں پر پہنچانا چاہتا ہے جس شخص نے اپنے خاندان کے بزرگ اور اپنے ذاتی محسن کی ناموس پر حملہ کیا تھا اور ایسا چرکا لگایا تھا کہ پھر کبھی مندمل نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ نے اس کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی بھی نہیں کی تھی صرف مالی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہ آیا اسے بھی باز آنے کا حکم دیا کہ تم میں نبی محترم کے فیض یافتہ ہو اس نے تو ہمیشہ پتھر برسانے والوں اور راستے میں کانٹے بچھانے والوں کے لیے بھی ہدایت کی دعائیں مانگی ہیں۔ تمہیں یہ زیب دیتا ہے کہ جس شخص نے تمہاری آبرو کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے اس کے اس کرتوت کو خاطر میں نہ لاؤ اور حسبِ دستور اس کی مالی اعانت کرتے رہو۔ وفی الاٰیۃ من الحث علی مکارم الاخلاق ما فیہا (روح المعانی)

یہاں ایک مسئلہ کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم اٹھا لے اور اس سے کوئی دوسری چیز بہتر ہو تو وہ اپنی قسم کو توڑ دے۔ اس کا کفارہ ادا کر دے اور وہ کام کرے جو زیادہ بہتر اور مفید ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: من حلف علی یمین فرای غیرھا خیرا منہا فلیات الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ (احکام القرآن جصاص)

یعنی اگر کوئی شخص کسی کام کرنے کی قسم اٹھائے پھر اس سے کوئی بہتر کام معلوم ہو تو وہ بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

۲۳ فضل سے مراد بزرگی ہے اور السعۃ سے مراد دولتمندی اور کشادہ دستی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق کے حق میں نازل ہوئی۔ رب العالمین اپنے بندے کو ان معزز القاب سے سرفراز فرما رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ان القاب سے یاد فرماتے اور جس کے اخلاق عالیہ کی بلندی کا یہ عالم ہو تو ایسی ہستی کے خلاف ہرزہ سرائی کرنا نامعقولیت کی انتہا ہے۔ بعض لوگوں نے اولو الفضل کا معنی دولتمند بتایا ہے یہ درست نہیں ورنہ کلام الٰہی میں تکرار لازم آئے گا۔ السعۃ سے مراد یقیناً دولتمندی اور فراخ دستی ہے اور الفضل کا معنی بھی اگر یہی لیا جائے تو یہ قرآن کی فصاحت کے خلاف ہوگا۔ اس لیے فضل کا معنی اخلاقی اور روحانی بزرگی اور برتری ہے۔ اور السعۃ کا معنی دولت کی فراوانی ہے۔ اور حضرت صدیق ان دونوں نعمتوں سے سرفراز تھے۔

رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا

رحیم ہے ۔ جو لوگ تہمت لگاتے ہیں پاکدامن عورتوں پر جو انجان ہیں ، ایمان والیاں ہیں لعنت کی گئی ان پر

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ

یقیناً دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے ۔ وہ یاد رکھیں اس دن کو جب گواہی دیں گی ان کے

شانہ پہلے تو حضرت صدیقہ کی ذات گرامی پر الزام لگانے والوں کی کمینگی اور سنگدلی کا ذکر ہوا اور وہ سزا بیان کی گئی جو ایسے نابکاروں کو دی جانی چاہیے۔ اب حضرت صدیقہ کی قیامت تک آنے والی ماؤں اور بہنوں کی آبرو پر حملہ کرنے والوں کے متعلق اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔ غافلات سے مراد وہ پاک طینت خواتین ہیں جو طبعاً اتنی نیک ہوتی ہیں کہ ان کے دلوں میں ان فضول حرکتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آتا۔ وہ اپنی فطری عفت کے باعث کمینہ خصلت لوگوں کے طور اطوار سے بالکل ناواقف اور انجان ہوا کرتی ہیں۔ نیز انھیں بھولے سے بھی کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ان پر بھی کوئی انگشت نمائی کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص ایسی نیک فطرت عفت شعار مسلمان عورتوں پر اس قسم کا گھناؤنا الزام لگاتا ہے دنیا اور آخرت میں اس پر خدا کی لعنت ہوگی اور انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ بعض حضرات نے اس آیت کو امہات المومنین کے لیے مخصوص کیا ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک پہلا قول ہی راجح ہے۔ اور امہات المومنین بطریق اولیٰ اس میں داخل ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اجتنبوا السبع الموبقات۔ سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ قیل ماھن یا رسول اللہ۔ عرض کی گئی وہ کونسی چیزیں ہیں حضورؐ نے فرمایا الشرک باللہ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ الا بالحق واکل الربٰو واکل مال الیتیم والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔ (صحیحین)

حضورؐ نے فرمایا۔ وہ سات چیزیں یہ ہیں:-

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا۔

۲۔ جادو کرنا۔

۳۔ کسی بے گناہ کو قتل کرنا۔

۴۔ سود کھانا۔

۵۔ یتیم کا مال کھانا۔

۶۔ میدان جنگ سے بھاگ آنا۔

۷۔ پاک دامن۔ انجان ایماندار خواتین پر جھوٹی تہمت لگانا۔

أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ يَوْمَئِذٍ

خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان اعمال پر جو وہ کیا کرتے تھے ۳۵ اس روز پورا

يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿٢٥﴾

پورا دے گا انہیں اللہ تعالیٰ ان کا بدلہ جس کے وہ حقدار ہیں اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ۳۶

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ ۖ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ

کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لیے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لیے ہیں۔ اور پاک دامن عورتیں پاک

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُم مَّغْفِرَةٌ

دامن مردوں کے لیے اور پاک دامن مرد پاک دامن عورتوں کے لیے ہیں ۳۷۔ یہ مبرا ہیں ان تہمتوں سے جو وہ ناپاک لگاتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا قذف المحصنۃ یہدم عمل مائۃ سنۃ (طبرانی) کسی پاک دامن عورت پر بہتان لگانا سو سال کی نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔

۳۵ یہ لوگ آج تو اپنی چرب زبانی سے اپنی غلط باتوں کی تاویلیں کر لیتے ہیں اور سادہ لوح انسانوں کو بہکانے کے لیے دلیلوں کے انبار لگا دیتے ہیں۔ ذرا وہ اس دن کو بھی یاد کریں جب ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکیں گے۔

۳۶ دین سے مراد وہ بدلہ اور جزا ہے جو ان کے کرتوتوں کے باعث ان پر لازم ہو چکی ہے اور اس کا معنی حساب بھی کیا گیا ہے۔ ای جزاءھم الواجب وقیل حسابھم العدل۔

۳۷ دوستی اور محبت ہر شخص سے نہیں ہو جایا کرتی بلکہ طبعی مناسبت کو اس میں بڑا دخل ہے۔ برے لوگ اپنے ہم جنسوں کے پاس بیٹھ کر ہی راحت محسوس کرتے ہیں۔ اگر انہیں تھوڑی دیر کے لیے ہی نیک لوگوں کی محفل میں بیٹھنا پڑے تو وہ اکتا جاتے ہیں اور وہاں سے بھاگ نکلنے کی تدبیریں کرنے لگتے ہیں۔ اسی طرح اگر نیک فطرت لوگ اپنے ہم مذاق لوگوں کے پاس بیٹھیں گے تو انہیں کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں ہو گی بلکہ وہ بڑی فرحت اور انبساط محسوس کریں گے اور اگر انہیں بداطوار لوگوں کے پاس گھڑی بھر کے لیے بیٹھنا پڑے تو وہ اکتا کر بیزار ہو جائیں گے۔ اسی قاعدہ کے مطابق اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ جب قدرت کا عام اصول یہ ہے تو خود غور کرو کہ جو الطیب للطیبین ہے

وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ

ان کے لیے بڑی عالیشان بخشش ہے نیز عزت والی روزی ہے۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو ان گھروں میں بجز اپنے گھروں کے

جو خیر الاولین والآخرین ہے تو اس کی اہلیہ کو بھی الطیب الطیبات ہوگی۔ ان نابکاروں کا جھوٹ اسی ایک بات سے عیاں ہو جاتا ہے مزید دلائل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔

قال بعض اهل التحقيق ان يوسف عليه السلام لما رمي بالفاحشة برأه الله على لسان صبي في المهد وان مريم لما رميت بالفاحشة برأها الله على لسان ابنها عيسى صلوات الله عليه وان عائشة لما رميت بالفاحشة برأها الله بالقرآن۔ (قرطبی)

یعنی اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ جب یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک شیر خوار بچے کی زبان سے آپ کی براءت کی۔ جب حضرت مریم پر الزام لگایا گیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ابھی چند دنوں کے بچے تھے انہوں نے براءت کی لیکن جب حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا تو خود ربانی قدرت نے قرآن مجید میں آپ کی پاک دامنی کی شہادت دی۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

یہاں سے اسلامی طرز معاشرت کے چند اہم قاعدے سکھائے جا رہے ہیں۔ انصار کی ایک خاتون بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی یا رسول اللہ! بسا اوقات میں گھر میں ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے اس حالت میں دیکھے لیکن میرے والد آجاتے ہیں اور کبھی اہل خانہ سے کوئی اور مرد آجاتا ہے مجھے کیا ارشاد ہے۔ کیف اصنع اور میں کیا کروں، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

آپ خود غور فرمائیے کہ انسان کا گھر اس کا خلوت خانہ ہے جہاں وہ بے تکلفی سے وقت بسر کرسکتا ہے۔ اگر یہاں بھی ہر شخص کو بلا اجازت بے دھڑک آگھسنے کی آزادی ہو تو انسان گھر میں وہ راحت و آرام نہیں پاسکے گا جس کی تلاش میں وہ باہر سے تھکا ماندہ آتا ہے۔ نیز گھر کی مستورات ہر وقت اپنے کپڑوں کو سنبھال کر نہیں رکھ سکتیں۔ کبھی اوڑھنی سر سے اتر جاتی ہے کبھی کوئی کام کرنے کے لیے آستینیں چڑھانی پڑتی ہیں۔ نہانا دھونا بھی ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں اگر آنے والے پر کوئی پابندی نہ ہو تو عورتیں یا تو ہر وقت سر پر چادر ڈالے رہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہیں یا نامحرم کے سامنے بے حجاب ہونے کا اندیشہ قبول کریں۔ نیز یہ ویسے بھی بڑی حرکت نازیبا ہے کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت گھس آئے۔ اس طرح گوناگوں خرابیوں کا دروازہ کھل جائے گا۔ نظر بازی، کسی کی رازکی باتوں کو سننا وغیرہ قباحتیں پیدا ہو جائیں گی۔ گھر کا امن سکون برباد ہونے کے ساتھ ساتھ عصمت و آبرو بھی محفوظ نہیں رہے گی۔ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اس قسم کے آداب کے عادی نہ تھے۔ حییتم صباحًا یا حییتم مساءً کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر گھر میں

آگئے۔ اسلام نے اس طریق کار کو سختی سے روک دیا اور حکم دیا کہ اگر کسی کے ہاں جانا پڑے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ باہر کھڑے ہو کر اذن طلب کرو اور اگر اذن مل جائے تو اہل خانہ کو سلام کہتے ہوئے اندر جاؤ۔ فرمایا ذالکم خیر لکم یہی طریقہ تمہارے لیے عمدہ اور پسندیدہ ہے۔

اذن کس طرح لینا چاہیے، کہاں کھڑے ہو کر لینا چاہیے، کتنی بار لینا چاہیے۔ اس کی تفصیل احادیث نبوی میں مذکور ہے جو درج ذیل ہے تاکہ اسلامی تمدن کا یہ قاعدہ اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

اذن لینے کا طریقہ یہ ہے کہ سلام بھی کہے، داخل ہونے کی اجازت بھی طلب کرے اور اپنا نام بھی بتائے۔ حضرت فاروق اعظم جب شرف باریابی حاصل کرنا چاہتے تو یوں عرض کرتے۔

السلام علیك یا رسول الله أیدخل عمر؟ یا رسول اللہ آپ پر سلام ہو کیا عمر حاضر ہو سکتا ہے؟

ایک شخص دروازہ پر آیا اور کہا أادخل۔ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ حضور کی روضہ نامی باندی حاضر تھی۔ حضور نے فرمایا اسے جا کر بتاؤ اور اسے اذن مانگنے کا طریقہ سکھاؤ کہ اسے یوں کہنا چاہیے تھا السلام علیکم أادخل۔

اگر صاحب خانہ اذن طلب کرنے والے سے پوچھے کہ تم کون ہو تو اسے اپنا نام بتانا چاہیے صرف یہ کہنا کہ میں ہوں درست نہیں۔ حضور نے اس کو ناپسند فرمایا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب اذن طلب فرماتے تو دروازہ کے سامنے کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے کیونکہ اس وقت دروازوں پر پردے لٹکانے کا رواج نہ تھا۔ وذالك ان الدور لم یکن علیها یومئذ ستور۔ (قرطبی)

نیز دروازے کو کھٹکھٹانا بھی اذن طلب کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ آجکل کئی گھروں میں گھنٹی لگی ہوتی ہے اسے بجا کر بھی اذن طلب کیا جا سکتا ہے۔

زیادہ سے زیادہ تین بار اذن طلب کرنا چاہیے۔ اگر تیسری بار جواب نہ آئے تو واپس چلا آئے کیونکہ اس سے زیادہ اذن طلب کرنا صاحب خانہ کو اذیت دینا اور پریشان کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت ایسے کام میں مشغول ہو جسے وہ منقطع نہ کر سکتا ہو۔ لان الزیادۃ علی ذلك قد تقلق رب المنزل وربما یضرہ الالحاح (قرطبی)

جس گھر میں ماں یا بہن رہائش پذیر ہو وہاں جاتے ہوئے بھی اذن طلب کرنا چاہیے۔ احتیاط کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنے گھر جائیں اس کی اہلیہ ہو اطلاع دیئے بغیر داخل نہ ہو بلکہ پاؤں کی آہٹ کرنے سے یا کھنگارنے سے اپنی آمد کی اطلاع اسے دے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اجنبیہ عورت گھر میں اس کی بیوی سے ملنے آئی ہوئی ہو۔

اسلام نے صرف بلا اجازت داخل ہونے پر ہی پابندی نہیں لگائی بلکہ بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من اطلع فی بیت قوم من غیر اذنهم حل لهم ان یفقئوا عینه۔ ترجمہ: جو دوسروں کے گھر میں ان کی اجازت کے بغیر جھانکے ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی آنکھ

حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ

سوا جب تک تم اجازت نہ لے لو اور سلام نہ کر لو ان گھروں میں بسنے والوں پر یہی بہتر ہے تمہارے لیے شاید تم اس کی حکمت

تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ

میں غور و فکر کرو پھر اگر نہ پاؤ ان گھروں میں کسی کو تو (پھر بھی) بغیر اجازت لیے نہ داخل ہو ان میں یہاں تک کہ اجازت دی

لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا

جائے تمہیں اور اگر کہا جائے تمہیں کہ لوٹ جاؤ تو لوٹ جاؤ یہی طریقہ زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے لیے اور اللہ تعالیٰ

تکلیف دہ ہے (صحیح مسلم)۔ اس طرح شریعت نے گھر کو انسان کے لیے ایسا محکم حصار بنا دیا ہے جس میں کسی کی اجازت کے بغیر کوئی جھانک سکتا ہے نہ قدم رکھ سکتا ہے تاکہ صاحب خانہ بڑی بے تکلفی اور آرام و راحت سے اپنا وقت بسر کر سکے۔

ــــه ۵۵ اگر تم اذن طلب کرو اور اندر سے کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ کیونکہ ممکن ہے اذن کے جواب پر خاموشی کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ گھر میں کوئی شخص موجود ہی نہیں۔ اس صورت میں تمہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ اہل خانہ کی عدم موجودگی میں تم ان کے گھر میں داخل ہو جاؤ۔ یا عدم جواب عدم اذن کی دلیل ہے۔ اس صورت میں بھی تمہیں اندر جانے پر اصرار نہ کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لے گئے اور طلب اذن کے لیے فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سعد نے سن لیا اور آہستہ سے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ عرض کیا۔ حضور نے دوسری بار سلام فرمایا۔ سعد نے پھر بھی چپکے سے جواب دیا۔ تیسری بار بھی حضور کے سلام کے جواب میں سعد نے آہستہ سے وعلیکم السلام کہہ دیا۔ حضور واپس تشریف لے جانے لگے تو سعد دوڑتے ہوئے آئے اور عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں حضور نے جتنی بار سلام فرمایا میں نے سنا اور جواب دیا۔ میری خاموشی کا مقصد یہ تھا کہ حضور مجھے بار بار سلام فرمائیں اور مجھے اس کی برکت حاصل ہو۔

ــــه ۵۶ اگر تم نے اذن طلب کیا اور مالک مکان نے اجازت نہ دی تو کبیدہ خاطر اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تکدر اور ناراضگی محسوس کیے بغیر واپس چلے جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ اہل خانہ کسی ایسے کام میں مشغول ہوں کہ اسے ترک کرنا ان کے لیے تکلیف دہ ہو۔

جو لوگ کوئی تحقیقی کام کرنے میں مشغول ہوتے ہیں انہیں اپنے احباب کا شکوہ کرتے ہوئے اکثر سنا گیا ہے وہ بچارے اپنا کام چھوڑ کر اکثر دوستوں کی خاطر مدارات میں مشغول ہوتے ہیں تو پہروں کی جگر کاوی اور جانکاہی خاک میں مل جاتی ہے۔ اگر اپنے کام میں لگے رہتے ہیں تو ان کے احباب اور کرم فرما بگڑ جاتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کے تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے ہیں۔ اسلام نے کیا عمدہ آداب سکھائے ہیں کہ اگر کسی وقت تمہیں ملاقات کی اجازت نہیں ملی تو خوشی خوشی واپس چلے جاؤ۔

تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ

جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب جاننے والا ہے۔ کوئی حرج نہیں تم پر اگر تم داخل ہو ایسے گھروں میں جن میں کوئی

مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹

آباد نہیں، جن میں تمہارا سامان رکھا ہے ۴۲ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ

آپ مومنوں سے کہیے کہ وہ نیچی رکھیں اپنی نگاہیں ۴۳ اور حفاظت کریں اپنی شرمگاہوں کی ۴۴ یہ طریقہ

اس کو اپنے کام میں مشغول رہنے دو تمہارے لیے یہی کام بہتر ہے۔ یہاں گھر کی تخصیص کے ساتھ ساتھ وقت کی قدر و منزلت کا سبق دیا جا رہا ہے یعنی مومنوں کی زندگی ایسی بیکار اور بے مصرف تو نہیں ہوتی کہ جس وقت کوئی چاہے اس کے اوقات میں دخیل ہو جائے نہ اس کے پاس اتنا فالتو وقت ہوتا ہے کہ ہر وقت آپ کے لیے گوش بر آواز رہے۔ جو وقت اس نے مطالعہ یا کسی مخصوص کام کے لیے مقرر کر رکھا ہے اس میں اس کو کام کرنے دو۔ اس کی مصروفیتوں کا احترام کرو۔ اگر اس نے اپنی کسی مجبوری کے باعث معذرت کی ہے تو خندہ پیشانی سے اس کی معذرت خواہی کو قبول کر لو۔

اگر کوئی اجازت طلب کرے اور اس وقت اسے اجازت نہ ملے تو اسے یہ اختیار ہے کہ دروازہ سے ہٹ کر بیٹھ جائے اور اس شخص کا انتظار کرے۔ حضرت ابن عباسؓ کوئی حدیث سننے کے لیے کسی انصاری کے ہاں تشریف لے جاتے اور وہ آرام کر رہے ہوتے تو آپ اس کے انتظار میں باہر ٹھہر جاتے۔ وہ جب اپنے معمول کے مطابق باہر آتے اور حضرت ابن عباسؓ کو منتظر پاتے تو کہتے اے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے! آپ نے اپنی آمد سے ہمیں مطلع کیوں نہ کیا تاکہ ہم اسی وقت حاضر ہو جاتے۔ تو آپ فرماتے کہ: أُمِرْنَا اَنْ نَطْلُبَ الْعِلْمَ (قرطبی) ہمیں علم حاصل کرنے کا یہی طریقہ سکھایا گیا ہے۔

۴۲ اس سے مراد سرائے، مہمان خانہ اور ہوٹل وغیرہ ہیں۔ جہاں ہر وقت آنے جانے کی عام اجازت ہوتی ہے۔

۴۳ شریعت اسلامیہ فقط گناہوں سے نہیں روکتی اور ان کے ارتکاب پر سزا نہیں دیتی بلکہ ان تمام وسائل اور ذرائع پر پابندی عائد کرتی ہے اور انہیں ممنوع قرار دیتی ہے جو انسان کو گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں تاکہ جب گناہ کی طرف لے جانے والا راستہ ہی بند ہو گا تو گناہوں کا ارتکاب آسان نہیں ہو گا۔ طبیعت میں ہیجان پیدا کرنے والے اور جذبات شہوت کو مشتعل کرنے والے اسباب سے نہ روکنا اور ان کو کھلی چھٹی دے دینا، اور پھر یہ توقع رکھنا کہ ہم اپنے قانون کی قوت سے لوگوں کو برائی سے بچا لیں گے، بڑی نادانی اور ابلہی ہے۔ اگر کوئی نظام ان عوامل اور محرکات کا قلع قمع

نہیں کرتا جو انسان کو بدکاری کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں۔ تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس برائی کو برائی نہیں سمجھتا اور نہ اس سے لوگوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے۔ اس کی زبان پر جو کچھ ہے وہ اس کے دل کی صدا نہیں، بلکہ محض ریاکاری اور ملمع سازی ہے۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ای   باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

کسی کو بیچ بہتے دریا میں دھکا دے کر گرا دینا اور پھر اس کو یہ کہنا کہ خبردار! اپنے دامن کو پانی کی موجوں سے گیلا نہ ہونے دینا بہت بڑی زیادتی ہے۔

اس شریعت کا آغاز زنا کا ارتکاب کرنے والوں کی سزا کے ذکر سے ہوا۔ یہاں ان راستوں کو ہی بند کیا جا رہا ہے جو انسان کو اس جرم شنیع کی طرف لے جاتے ہیں۔ بدکاری کا سب سے خطرناک راستہ نظر بازی ہے اس لیے سب سے پہلے اس کو بند کیا جا رہا ہے۔ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ جب نگاہ کسی نامحرم کی طرف نہیں اٹھے گی تو دل میں اس کی طرف کشش پیدا نہ ہوگی جب کشش ہی پیدا نہ ہوگی تو بدفعلی کا ارتکاب ہی بعید از قیاس ہوگا۔ آیت میں آنکھوں کو مطلقاً بند رکھنے کا حکم نہیں دیا جا رہا، بلکہ اس کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنے سے روکا جا رہا ہے جس کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی سختی سے نامحرم کی طرف دیکھنے سے منع فرمایا ہے۔ چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیے۔

عن ابی امامۃ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اکفلوا لی بست اکفل لکم بالجنۃ اذا حدث احدکم فلا یکذب واذا اؤتمن فلا یخن واذا وعد فلا یخلف وغضوا ابصارکم وکفوا ایدیکم واحفظوا فروجکم۔ (ابن کثیر)

ترجمہ: اگر تم میرے ساتھ ان چھ باتوں کا وعدہ کرو تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں:

۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔

۲۔ جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت نہ کرے۔

۳۔ جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی نہ کرے۔

۴۔ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو۔

۵۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو۔

۶۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضور کا یہ ارشاد نقل کیا ہے۔

من یکفل لی ما بین لحییہ وبین رجلیہ اکفل لہ الجنۃ "جو شخص مجھے دو باتوں کی ضمانت دے کہ جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان یعنی زبان اور جو اس کے دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے تو میں اسے جنت کی

أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ

بہت پاکیزہ ہے ان کے لیے بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کاموں پر جو وہ کیا کرتے ہیں شکہ اور آپ حکم دیجیے ایماندار عورتوں کو کہ

ضمانت دیتا ہوں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركه مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه۔ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر آلود تیر ہے جو اس کو میرے خوف سے ترک کرتا ہے میں اسے ایمان کی نعمت بخشوں گا جس کی مٹھاس وہ اپنے دل میں پائے گا۔ حضرت جریر بن عبداللہ البجلی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کریم سے دریافت کیا کہ اگر اچانک کسی اجنبیہ پر نظر پڑ جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فامرني ان اصرف بصري۔ حضور نے مجھے حکم فرمایا کہ میں اپنی نظر کو پھیر لوں۔ اچانک کسی نامحرم پر اگر نظر پڑ جائے تو وہ معاف ہے لیکن اگر دوبارہ دانستہ اس کی طرف دیکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ فان لك الاولى وليس لك الآخرة۔ یہ احادیث تفسیر ابن کثیر سے منقول ہیں۔

شکہ یعنی اپنی ستر کی جگہوں کو ڈھانپے رکھیں اور انھیں برہنہ نہ ہونے دیں۔

ابو العالیہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں جہاں بھی حفظ فروج کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد زنا سے بچنا ہے لیکن یہاں اس سے مراد ستر پوشی ہے تاکہ ان پر نظر نہ پڑے۔ مرد کا ستر ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ اتنی جگہ کو اسے ننگا نہ ہونے دینا چاہیے اور اگر کوئی برہنہ ہو تو اس کی طرف دیکھنا نہ چاہیے۔ تنہائی میں بھی بے پردہ ہونے کی اجازت نہیں۔ حضور نے اپنے ایک صحابی کو فرمایا احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ افرأيت اذا كان الرجل خاليا۔ اگر انسان تنہا ہو تو پھر اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا فالله احق ان يستحيى منه۔ حضور نے فرمایا اس وقت بھی ستر ڈھکو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔

شکہ نگاہیں نیچی رکھنے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اس طرح ہی تمہارا دامن عفت پاک رہ سکتا ہے۔ اگر نگاہیں بے باک ہوں، مرد و زن کا آزادانہ اختلاط ہو، خلوت میں نامحرموں کے ساتھ سلسلہ گفتگو بھی جاری رہے، اور پھر انسان یہ خیال کرے کہ وہ اپنے دامن کو داغدار نہیں ہونے دے گا تو یہ اس کی حماقت کی انتہا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اور بچیاں عفیف اور عصمت شعار رہیں تو ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں قرآن کریم کی ان آیات کی تعلیم دیں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ گرانقدر ارشادات ازبر کرائیں تاکہ وہ ہلاکت کے اس گرداب کے نزدیک ہی نہ آنے پائیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں البصر هو الباب الاكبر الى القلب ... وبحسب ذلك كثر السقوط من جهته ووجب التحذير منه وغضه واجب عن جميع المحرمات وكل ما يخشى الفتنة من اجله۔ نظر دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ نگاہ کی بے راہ روی کے باعث ہی اکثر لغزشیں ہوتی ہیں، اس لیے اس سے بچنا چاہیے اور تمام محرمات سے انھیں روکنا چاہیے۔

مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا

وہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہیں لے اور حفاظت کیا کریں اپنی عصمتوں کی سے اور نہ ظاہر کیا کریں اپنی آرائش کو مگر جتنا

ف۳ پہلے مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور شرمگاہوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب مومن عورتوں کو ان آداب و احکام کی پابندی کا حکم فرمایا جا رہا ہے جن سے وہ اپنی ناموس اور آبرو کو محفوظ رکھ سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو فرما رہے ہیں کہ آپ مومن عورتوں کو حکم دیجیے کہ:

۱۔ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں۔

۲۔ اپنے ستر کی جگہوں کی حفاظت کیا کریں۔

۳۔ اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں بجز اس کے جس کے ظاہر کیے بغیر چارہ نہیں۔

۴۔ اپنی اوڑھنیوں سے اپنے سینوں کو ڈھانپ لیا کریں۔

۵۔ زمین پر پاؤں اس طرح نہ ماریں جس سے ان کی مخفی زینت و آرائش ظاہر ہو۔

۶۔ درمیان میں ان لوگوں کا ذکر کر دیا گیا جن کے سامنے زینت کا اظہار ممنوع نہیں۔

یہ چھ ارشادات ربانی ہیں جو اس ایک آیت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اب ذرا ان کا تفصیلی تذکرہ سماعت فرمائیے تاکہ وہ تمام حدود و ضوابط آپ کے سامنے واضح ہو جائیں جن پر کاربند ہو کر اسلامی معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے کے لیے ہر مرد اور عورت پر لازمی ہے۔ عورتوں کو بھی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں جن کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔

اس مسئلہ کو امام فخر الدین رازی نے خاص ترتیب سے لکھا ہے جس سے مسئلہ کے سارے گوشے واضح ہو جاتے ہیں اس لیے میں انہیں کا اتباع کرتے ہوئے اس مسئلہ کو پیش خدمت کرتا ہوں:۔

آپ فرماتے ہیں جسم کا وہ حصہ جس کو ظاہر کرنا یا جس کو دیکھنا ممنوع ہے چار طرح سے ہے۔

۱۔ مرد کے جسم کا وہ حصہ جو دوسرے مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۲۔ عورت کے جسم کا وہ حصہ جو دوسری عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۳۔ عورت کے جسم کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے۔

۴۔ مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف عورت کو دیکھنا جائز نہیں۔

مرد کے جسم کا وہ حصہ جس کی طرف دوسرا مرد نہیں دیکھ سکتا ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ امام صاحب کے نزدیک گھٹنوں کو دیکھنا جائز نہیں اور ران کو دیکھنا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

حضرت جرہد ایک دن مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ران سے کپڑا سرک گیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا غط فخذک

فانہا من العورۃ" اپنی ران کو ڈھانپ لو کیونکہ یہ بھی ستر ہے۔ حضرت سیدنا علی کو بھی ارشاد فرمایا "لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔" اپنی رانوں کو ظاہر نہ کرو اور کسی مردہ یا زندہ کی ران کی طرف مت دیکھو۔

۲- عورت کے جسم کا وہ حصہ جو کسی عورت کو دیکھنا بھی جائز نہیں وہ بھی یہی ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں تک نہیں دیکھ سکتی۔ باقی جسم کا دیکھنا جائز ہے لیکن اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ غیر مسلم عورت مسلمان عورت کے صرف اُن حصوں کو دیکھ سکتی ہے جو مرد دیکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ سالار لشکر کی طرف لکھا "انہ بلغنی ان نساء اھل الذمۃ یدخلن الحمامات مع نساء المسلمین فامنع من ذالک وحل دونہ فانہ لا یجوز ان تری الذمیۃ عریۃ المسلمۃ۔"

یعنی مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ ذمی عورتیں مسلمان عورتوں کے ساتھ حمام میں جاتی ہیں اس سے روک دو کیونکہ کسی ذمیہ عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمان عورت کے ستر کو دیکھے۔

۳- عورت کے بدن کا وہ حصہ جو مرد کو دیکھنا ممنوع ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام سرخسی لکھتے ہیں: وہ عورت اجنبی ہوگی یا محرم ہوگی یا بیوی ہوگی۔ اگر وہ آزاد نامحرم عورت ہے تو اس کا سارا بدن ہاتھ اور چہرہ کے سوا ستر ہے۔ کیونکہ وہ بیع شراء اور لین دین کے وقت چہرہ اور ہاتھوں کو کھولنے پر مجبور ہوتی ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں چہرہ اور ہاتھوں کی طرف دیکھنے کی تین صورتیں ہیں:

(ا) چہرہ دیکھنے کی کوئی غرض نہ ہو، فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے دیکھنے کی غرض کوئی نہیں لیکن فتنہ کا اندیشہ ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ غرض بھی ہے اور فتنہ کا اندیشہ بھی ہے۔

پہلی صورت میں اجنبیہ کی طرف بلا مقصد قصداً و ارادۃً دیکھنا جائز نہیں۔ اگر ایک دفعہ نگاہ پڑ جائے تو دوسری دفعہ آنکھیں پھیر لے نگاہیں نیچی کر لے۔ حضرت امام صاحبؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ایک مرتبہ جائز ہے اور بار بار دیکھنا منع ہے۔ "وقیل یجوز مرۃ واحدۃ اذا لم یکن محل فتنۃ وبہ قال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ ولا یجوز ان یکرر النظر الیھا۔" اس کی تفصیل ان احادیث میں گزر چکی ہے جو پہلی آیت کے ضمن میں درج کی گئی ہیں۔ دوسری صورت جبکہ اجنبیہ کے دیکھنے کا مقصد ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس عورت کے چہرہ اور ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔ ارشاد نبوی ہے "اذا خطب احدکم امراۃ فلا جناح علیہ ان ینظر الیھا۔" یعنی اگر کوئی شخص کسی عورت سے منگنی کرنا چاہے تو اسے دیکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے ایک عورت سے منگنی کی۔ حضور نے پوچھا کیا تو نے اسے دیکھا ہے انہوں نے عرض کی نہیں۔ "قال فانظر فانہ احری ان یدوم بینکما" فرمایا اسے دیکھ لو اس طرح تمہارے رشتہ کی بقا کا زیادہ امکان ہے۔ تیسری صورت میں جبکہ اجنبیہ کی طرف محض شہوت کے خیال سے دیکھے تو اس وقت اس کے کسی حصہ جسم کو دیکھنا بھی ممنوع ہے البتہ ڈاکٹر اور طبیب مریضہ کے جسم کے کسی حصہ کو بھی

ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

خود بخود نمایاں ہو اس سے ۔ ۔ ۔ اور ڈالے رہیں اپنی اوڑھنیاں اپنے گریبانوں پر ۔ ۔ ۔ اور ظاہر نہ کیا کریں

دیکھ سکتا ہے جبکہ اس کا دیکھنا علاج کے لیے ضروری ہو لیکن مستورات کے علاج کے لیے ایسے طبیب اور ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے جو امین ہو۔ اسی لیے امام رازی فرماتے ہیں۔ یجوز للطبیب الامین ان ینظر الیھا للمعالجة۔ اگر عورت ڈوب رہی ہو یا اسے آگ لگ گئی ہو تو اسے بچانے کے لیے اس کے جسم کے کسی حصہ کو ہاتھ لگانا یا اس کی طرف دیکھنا ممنوع نہیں کیونکہ اس وقت اس کی جان بچانا فرض ہے۔ یہ احکام اس عورت کے تھے جو اجنبیہ اور نامحرم ہو۔

محرم عورت کے متعلق امام ابو حنیفہ کا ارشاد یہ ہے کہ جسم کے وہ حصے جو کام کاج کرتے وقت عام طور پر کھل جاتے ہیں فقط ان کی طرف دیکھنا جائز ہے (وهو قولها مایبدو عند المهنة وهو قول ابی حنیفة رحمة الله علیه) اور اپنی بیوی کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس کی طرف دیکھنا خاوند کے لیے ممنوع ہو۔

۴۔ عورت نامحرم مرد کے ناف اور گھٹنوں کے درمیان نہیں دیکھ سکتی۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ عورت مرد کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھ سکتی ہے۔ اس کے جسم کے باقی حصوں کی طرف نہیں دیکھ سکتی لیکن الاول اصح پہلا قول ہی صحیح ہے۔ لیکن یہ اس وقت کا حکم ہے جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو مرد کے کسی حصہ کی طرف نہ دیکھے حتیٰ کہ مرد کے چہرہ کی طرف بار بار دیکھنا بھی جائز نہیں۔ ولا یجوز لها قصد النظر عند خوف الفتنة ولا تکریر النظر الی وجهه (تفسیر کبیر)

مسئلہ ابو العالیہ کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ یہاں ان الفاظ سے شرم گاہ کو ڈھانپنا ہے لیکن امام رازی اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص ضعیف ہے لانه تخصیص من غیر دلالة۔ ظاہر آیت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر اس چیز سے حفاظت کی جائے جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہے اس میں بدکاری، مس کرنا اور دیکھنا سب داخل ہیں۔

مسئلہ وہ زینت جو ظاہر ہے جس کے اظہار کی ممانعت نہیں۔ اس کے متعلق حضرات ابن عباس، مجاہد، عطاء، ابن عمر اور انس رضی اللہ عنہم کا قول ہے ماکان فی الوجه والکف الخضاب والکحل یعنی وہ زینت جو چہرہ اور ہتھیلیوں میں ہوتی ہے جیسے خضاب اور سرمہ۔

حسن بصری کہتے ہیں وجھھا وما ظھر من ثیابھا چہرہ اور وہ کپڑے جو ظاہر ہوں۔ سعید بن المسیب نے فرمایا وجھھا مما ظھر چہرے کا وہ حصہ جو ظاہر ہو۔ قال ابراھیم الزینة الظاھرة الثیاب اس سے مراد لباس ہے۔ یہ مختلف اقوال لکھنے کے بعد امام ابو بکر الجصاص لکھتے ہیں (قال اصحابنا المراد الوجه والکفان لان الکحل زینة الوجه والخضاب والخاتم زینة الکف) یعنی علماء احناف کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلیاں ہیں کیونکہ سرمہ چہرے کی اور خضاب اور انگوٹھی ہتھیلیوں کی زینت ہیں۔ (احکام القرآن)

لیکن خیال رہے کہ یہ اباحت اس وقت ہے جبکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ اور ہتھیلی کو دیکھنا بھی حرام ہے۔

علامہ ابن حیان الاندلسی لکھتے ہیں قال ابن خویز منداد اذا کانت جمیلة وخیف من وجهها وکفیها الفتنة فعلیها ستر ذالك اور اگر عورت خوبرو ہو ، اور اس کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا فتنے کا باعث ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ظاہر نہ کرے (بحر محیط)

آج جبکہ لوگوں کی آنکھوں میں حیا نہیں رہی ہر طرف آوارگی اور بیہودگی کا دور دورہ ہے ہر اس شخص پر جس کی نگاہ میں عفت و عصمت کی کوئی قدر و قیمت ہے اسے چاہیے کہ وہ اپنی جوان بہو بیٹیوں کو بے پردہ باہر نکلنے سے روکے اور انھیں نامحرموں کے سامنے بے تکلفی سے آنے کی اجازت نہ دے۔

۳۲؎ پہلے عورتیں سر پر جو کپڑا اوڑھتی تھیں ان کے پلو اپنی پشت پر لٹکا لیا کرتی تھیں۔ اس طرح ان کی گردن، کان، سینہ وغیرہ ظاہر رہتے تھے۔ اس آیت نے یہ حکم دیا کہ سر پر جو اوڑھنی ہو اس کے پلوں کو پشت پر پیچھے نہ پھینک دو بلکہ انھیں اپنے گریبانوں پر ڈال دو تاکہ تمہارے سینے، گردن وغیرہ لوگوں کی نظروں سے چھپ جائیں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور مردوں نے جاکر اپنی بیویوں بیٹیوں اور بہنوں کو سنائی تو اسی وقت انھوں نے اس کی تعمیل کی اور اپنی ایک پرانی عادت کو چشم زدن میں چھوڑ کر اطاعت و انقیاد کی ایک نادر مثال پیش کی۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس آپ کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن آئیں۔ انھوں نے اس وقت ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالی ہوئی تھی۔ آپ کو یہ چیز سخت ناگوار گزری اور فرمایا انما یضرب بالکثیف الذی یستر۔ یعنی ایسی اوڑھنی اوڑھنے کا حکم ہے جو موٹی ہو اور جس سے پردہ کا مقصد پورا ہو۔

دختران اسلام تو اب خود ہی انصاف کریں کہ جو ایک دوپٹہ وہ اوڑھتی ہیں اور کس طرح انھیں سر کے بجائے اپنے کاندھوں پر ڈال لیتی ہیں اور سینہ تان کر سر بازار چلتی ہیں ان کا یہ طریقہ کار اسلام کی تعلیمات کے کتنا منافی ہے۔ علامہ اقبال نے کتنے درد بھرے انداز میں دختران ملت کو عریانی اور بے پردگی سے باز رہنے کی تلقین کی ہے ؎

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلمان را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمال غازہ پرورد — بیاموز از نگاہ غارتگری ہا

پھر فرماتے ہیں :-

اگر پندے ز درویشے پذیری — ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر — کہ در آغوش شبیرے بگیری

یعنی اگر تو ایک درویش کی نصیحت کو قبول کر لے تو ہزار امتیں فنا ہو سکتی ہیں لیکن تو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ حضرت فاطمہ زہرا بتول جنت کا شیوہ اختیار کر اور زمانہ کی نگاہوں سے چھپ جا تاکہ تیری آغوش میں شبیر جیسا فرزند پرورش پا سکے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ سر، گردن اور سینہ کا چھپانا فرض ہے۔

زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ

اپنی آرائش کو ۵۷ مگر اپنے شوہروں کے لیے یا اپنے باپوں کے لیے یا اپنے شوہروں کے باپوں کے لیے یا اپنے بیٹوں کے لیے

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ

یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے لیے یا اپنے بھائیوں کے لیے یا اپنے بھتیجوں کے لیے اور اپنے بھانجوں کے لیے

أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ

یا اپنی ہم مذہب عورتوں پر ۵۸ یا اپنی باندیوں پر ۵۹ یا اپنے ایسے نوکروں پر جو (عورت کی) ضرورت نہ رکھنے والے ہوں ۶۰

۵۷ پہلے عورتوں کو زینت کی نمائش سے منع فرمایا۔ اب ان لوگوں کی فہرست بیان کر دی جن کے ساتھ نہایت قریبی تعلق ہوتا ہے اور جن کے ہاں آمد و رفت عام ہوتی ہے۔ اگر ایسے قریبی رشتہ داروں پر بھی اس قسم کی پابندی لگا دی جاتی تو لوگ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا ہو جاتے اور زندگی کی بہت سی مسرتوں سے محروم ہو جاتے۔ اس لیے بتایا کہ مسلم خواتین کو عام مردوں سے اپنی آرائش چھپانی چاہیے لیکن ان رشتہ داروں سے جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے اپنی آرائش کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ اس فہرست میں جن اقربا کا ذکر ہے (خاوند کے سوا) وہ محرم ابدی ہونے میں سب یکساں ہیں، لیکن قرابت میں واضح فرق ہے اس لیے علمائے اسلام نے انھیں تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلا درجہ خاوند کا ہے جو گھر میں جو اس کا مقام ہے وہ کسی کا نہیں۔ له حرمة ليست لغيره يحل له كل شيء منها یعنی اس سے کسی قسم کا پردہ اور حجاب نہیں۔ اس کے بعد باپ، بیٹا اور بھائی ہیں۔ اس کے بعد خاوند کا بیٹا ہے۔ جو چیز اول الذکر کے سامنے ظاہر کی جا سکتی ہے وہ آخر الذکر افراد کے سامنے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ بدأ تعالى بالازواج لان اطلاعهم يقع على اعظم من الزينة ثم ثنى بالمحارم وسوى بينهم في ابداء الزينة ولكن تختلف مراتبهم في الحرمة بحسب ما في النفوس البشرية فالاب والاخ ليس كابن الزوج فقد يبدى للاب ما لا يبدى لابن الزوج (قرطبی)

یعنی جن لوگوں کے سامنے اظہار زینت ممنوع نہیں ان میں سر فہرست خاوند ہے کیونکہ اس سے کسی طرح کا بھی حجاب نہیں۔ اس کے بعد محرم لوگ ہیں لیکن ان کے مراتب مختلف ہیں۔ جو مرتبہ باپ اور بھائی کا ہے وہ خاوند کے بیٹے کا نہیں اس لیے اظہار زینت میں بھی فرق ہوگا۔

۵۸ جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ عورتوں سے مراد مسلمان عورتیں ہیں غیر مسلم عورتوں کے سامنے اپنی پوشیدہ زینت کی چیزوں کو کھولنا ممنوع ہے۔

۵۹ اس سے مراد کنیزیں ہیں اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوں تب بھی ان کے سامنے اظہار زینت کی اجازت ہے

مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪

یا اُن بچوں پر جو (ابھی تک) آگاہ نہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں پر ؎

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا

اور نہ زور سے ماریں (زمین پر) اپنے پاؤں ؎ تاکہ معلوم ہو جائے وہ بناؤ سنگار (زیور) جو وہ چھپائے ہوتی ہیں اور توبہ کرو

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا لا تغرنکم هذه الآیات او ما ملکت ایمانهن انما عنی بها الاماء کہ تمہیں یہ آیت دھوکہ نہ دے یہاں ما ملکت سے مراد لونڈیاں ہیں۔

؎ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں عورتوں کی خواہش نہیں ہوتی جیسے عنین نامرد خصی وغیرہ۔ لا حاجة له فی النساء ومن یجالسهن ویجتمع فیهن لا فهم له ولا همة تنبهه الی امر النساء۔

؎ وہ بچے جو عورتوں کے خفیہ معاملات سے بے خبر ہوں۔ جب کوئی لڑکا اگرچہ وہ نابالغ بھی ہو ان معاملات سے آگاہ ہو جائے تو ان سے اجنبیوں والا سلوک کیا جائے گا۔

؎ کئی عورتیں پازیب وغیرہ پہن کر نکلتیں اور مردوں کے مجمع سے جب ان کا گزر ہوتا تو وہ دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تاکہ مرد پازیب کی جھنکار سن کر ان کی طرف متوجہ ہوں۔ اس آیت میں اس حرکت سے باز آنے کا حکم صادر فرما دیا۔ ان تمام احکام کا مقصد یہ ہے کہ ایسے تمام اشتعال انگیز اطوار اور عوامل پر قدغن لگا دی جائے جن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں بدکاری اور بے حیائی کی راہیں کھل سکتی ہیں اور جن کی موجودگی میں وعظ و نصیحت بلکہ قانون کی شدت بھی گناہوں کا انسداد کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس آیت میں صرف پاؤں مار کر مردوں کی مجلس سے گزرنا ممنوع قرار نہیں دیا جا رہا بلکہ ہر ایسی چیز جو ان کو نامحرموں کی توجہ کا مرکز بنا دے اس سے بھی منع کیا گیا ہے۔ بھڑکیلے لباس پہن کر یا تیز خوشبو لگا کر مجمع عام میں جانا بھی عورت کے لیے جائز نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو آگے جاتے دیکھا اس سے خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ آپ نے اُسے فرمایا یا امة الجبار اے خداوند جبار کی بندی کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کیا تو نے خوشبو لگائی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا "سمعت حبی ابا القاسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول لا یقبل اللہ صلوٰة امرأة طیبت لهذا المسجد حتی ترجع فتغتسل غسلها من الجنابة" میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے جب تک کہ وہ گھر لوٹ کر غسل جنابت نہ کرے۔

وہ عورتیں جو زرق برق بھڑکیلے لباس پہن کر خراماں خراماں گشت کرتی اجنبی مردوں کے پاس آ جاتی ہیں۔ مختصراً اسلام

إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ

کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ تم (دونوں جہانوں میں) بامراد ہو جاؤ ف۴۳ اور نکاح کر دیا کرو جو

مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ

بے نکاح ہیں تم میں سے ف۴۴ اور جو نیک ہیں ف۴۵ تمہارے غلاموں اور کنیزوں میں سے اگر وہ تنگ دست ہوں تو (فکر نہ کرو)

اس کے متعلق اپنے پیارے رسول کریم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیں میمونہ بنت سعد کہتی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا الرافلة فی الزینة فی غیر اھلھا کمثل ظلمة یوم القیامة لا نور لھا۔ وہ عورت جو آراستہ پیراستہ ہو کر نامحرموں میں اِتراتی پھرتی ہے قیامت کے دن وہ مجسم تاریکی ہوگی جہاں نور کی کرن تک نہ ہو (ترمذی)۔

ف۴۳ یعنی بلا چون و چرا احکام الٰہی اور ارشادات نبوی کی تعمیل کے لیے جھک جاؤ۔ اسی میں تمہاری دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد اب اہل جاہلیت کے رسم و رواج کو اور اخلاق و عادات کو نہ چھوڑنا بڑی بے انصافی ہے۔ فان الفلاح کل الفلاح فی فعل ما امر اللہ به و رسوله و ترك ما نھیا عنه واللہ تعالیٰ ھو المستعان (ابن کثیر)

ف۴۴ ایامیٰ جمع ہے۔ اس کا واحد ایّم ہے۔ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ اصل میں اس کا اطلاق اس عورت پر ہوتا ہے جس کا خاوند نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ بطور استعارہ اب اس کا اطلاق ایسے مرد پر ہونے لگا ہے جس کی بیوی نہ ہو۔ قال ابو عبیدة رجل ایّم و امراة ایّم و ھو کالمستعار فی الرجال (قرطبی)۔

اسلام جو دین فطرت ہے وہ معاشرہ کو پاکیزہ رکھنے اور بے حیائی سے بچانے کے متعلق صرف وعظ ہی نہیں کرتا بلکہ وہ عملی تجاویز اور مشکلات کا صحیح حل بھی پیش کرتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیں جس معاشرہ میں بن بیاہی عورتیں بکثرت ہوں گی وہاں جذبات کو کب تک قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ بڑے تحفظ اور احتیاط کے باوجود شدت جذبات سے مجبور ہو کر وہ غلط قدم اٹھا سکتی ہیں شیطان بڑی آسانی سے انہیں ورغلا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ بدکاری کا یہ بھی ایک دروازہ تھا جس کی طرف سے اسلام اگر اغماض کرتا تو اسے حقیقت پسندی نہ سمجھا جاتا چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان ایسے مردوں اور ایسی عورتوں کی طرف سے غفلت اور بے پروائی نہ کریں بلکہ ان کا نکاح کرکے ان کو گھروں میں بسانا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں۔ اس طرح ایک تو ان کی حالت زار بدل جائے گی اور ان کی پریشانیاں ختم ہو جائیں گی۔ وہ مایوسی کے گوشہ سے نکل کر عملی دنیا میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا نفع بخش مظاہرہ کر سکیں گی۔ دوسرا معاشرہ ان کی لغزش کے نتائج سے محفوظ ہو جائے گا۔ اس حقیقت کو حضور نبی اکرم نے اس طرح واضح فرمایا ہے "یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءة فلیتزوج فانه اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء" (صحیحین)۔ اے جوانوں کے گروہ جو تم میں طاقت رکھتا ہو

يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ

غنی کر دیگا انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ۳۲؎ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور چاہیے کہ پاکدامن بنے رہیں

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَالَّذِيْنَ

وہ لوگ جو نہیں پاتے شادی کرنے کی قدرت ۳۳؎ یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے۔ اور جو

وہ ضرور شادی کرے کیونکہ شادی کرنا اس کی نظر کو پاک کر دے گا اور اس کو گناہ سے بچائے گا اور جو شادی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے۔

۳۱؎ یہ حکم صرف آزاد مردوں اور عورتوں کے لیے نہیں بلکہ غلام مرد اور کنیزیں بھی اس میں شامل ہیں۔ آخر وہ بھی انسان ہیں، ان کے بھی فطری جذبات ہیں۔ اگر تم ان کی اس معاملہ میں اعانت نہیں کرو گے تو وہ بدکاری کریں گے۔ لیکن غلام اور کنیز کے ساتھ صالح کی قید لگا دی۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا غلام اور ایسی لونڈی جن میں خانہ داری کا بوجھ اٹھانے اور ذمہ داریاں نبھانے کی صلاحیت ہو۔ اگر کسی نا اہل غلام کے ساتھ کسی کنیز کو تم جکڑ دو گے تو وہ ساری عمر تمہیں کوستی رہے گی۔ اسی طرح کسی غلام کو کسی ایسی لونڈی کے ساتھ باندھ دیا گیا تو وہ اپنی قسمت کو روتا رہے گا۔ اس لیے ان کا نکاح کرنے سے پہلے تسلی کر لو کہ یہ زندگی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ انکحوا امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ وجوب شرعی اور قانونی ہے لیکن اکثر علماء کی رائے میں یہ اخلاقی وجوب ہے یعنی اخلاقی طور پر تمہارا اس طرح کرنا لازمی ہے۔

۳۲؎ اکثر لوگ افلاس اور غربت کو شادی نہ کرنے کا سبب بنائے رہتے ہیں۔ لڑکی والے چاہتے ہیں کہ لڑکا بڑا متمول ہو۔ لڑکے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکی کے والدین بڑے امیر ہوں تاکہ خوب جہیز ملے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فقر و تونگری عارضی چیزیں ہیں۔ اگر شریف قابل اور نیک رشتہ مل رہا ہے تو قبول کر لو۔ باقی رہا افلاس تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو وہ اس افلاس کو جب چاہے تونگری سے بدل دے۔ قرآن ہو یا حدیث دونوں میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اطیعوا اللّٰہ فیما امرکم بہ من النکاح ینجز لکم ما وعدکم من الغنا۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا جو حکم دیا ہے تم اس کی اطاعت کرو۔ اس نے تمہیں غنی کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ اسے پورا کرے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں جن کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی ہے۔

۱۔ وہ نکاح کرنے والا جس کی غرض پاکدامن رہنا ہو۔
۲۔ وہ مکاتب جو زرِ مکاتبت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔
۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا۔ (ابن کثیر)

۳۳؎ ضروری نہیں کہ ہر شخص کو اس کی پسند کا رشتہ مل جائے یا وہ اتنا خوشحال ہو کہ شادی کے اخراجات برداشت

يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ

مکاتب بننا چاہیں | تمہارے غلاموں سے | تو مکاتب بنا لو انھیں اگر تم جانو ان میں

خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ

کوئی بھلائی ؎ اور دو انہیں (بدل کتابت ادا کرنے کے لیے) اللہ تعالیٰ کے مال سے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے اور نہ مجبور کرو اپنی

عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ

لونڈیوں کو بدکاری پر ؎ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں ؎ تاکہ تم حاصل کرو اس بدکاری سے | دنیوی زندگی کا کچھ

کرسکے۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی یہ تنگدستی اسے اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ شادی نہ کر سکنے کے باعث بدکاری کرتا رہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ تنگی سے عفت کا دامن پکڑے رہیں اور انتظار کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس مشکل کو آسان کر دے۔

؎ شریعت میں غلاموں کو آزاد کرنے کا ایک یہ طریقہ بھی ہے کہ غلام اپنے مالک سے کہے کہ میں اتنی مدت میں اتنی رقم تمہیں ادا کر دوں گا تم مجھے آزاد کر دو یا میں فلاں خدمت انجام دیتا ہوں اس کے بعد تم مجھے آزاد کر دینا۔ اس معاہدہ کو شریعت میں مکاتبت کہتے ہیں اور معاہدہ کرنے والا غلام مکاتب کہلاتا ہے۔ جب وہ اپنی مقررہ رقم ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا۔ یہاں مسلمانوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر تمہارا غلام مکاتبت کے لیے تمہارے پاس آئے اور تم دیکھو کہ وہ اس معاہدہ کو پورا کر سکتا ہے یا آزاد ہو جانے کے بعد وہ دوسروں کے لیے اذیت کا باعث نہ ہوگا تو تم اس کے ساتھ مکاتبت کا معاہدہ کر لو۔

؎ کفر اپنے ساتھ صرف عقیدہ کی گمراہی نہیں لاتا بلکہ اخلاقی انحطاط اور مروّت کا فقدان بھی اپنے جلو میں لاتا ہے۔ معمولی عقل و فہم کا انسان جس کام کو کرتے جھجکتا ہے جہاں کفر کی تاریکی چھا جاتی ہے وہاں بڑے بڑے حیا سوز کام کھلے بندوں کیے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے رئیس کرتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے۔ عرب کے قبائل اپنی غیرت اور تکبر کی وجہ سے مشہور ہیں لیکن کفر کی گمراہی ان کے رگ و ریشے میں سما گئی تھی۔ اس لیے ایسی گھناؤنی حرکتیں دن کے اجالے میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتیں بلکہ وہ خود ان کا ارتکاب کیا کرتے اور قطعاً نہ شرماتے۔ زمانہ جاہلیت میں لونڈیاں قحبہ گری کا پیشہ عام طور پر اختیار کرتی تھیں۔ بڑے بڑے رئیس خاندان اپنی جوان اور خوبصورت لونڈیوں کو اس مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے۔ انہیں الگ مکان مہیا کیے جاتے جنہیں مواخیر کہا جاتا تھا۔ ہر ایک پر جھنڈا لگا ہوا ہوتا اور اس لونڈی کا قحبہ خانہ اس کے مالک قبیلہ کے نام سے مشہور ہوتا۔ امام ابن جریر عطاء سے نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قبیلہ اور خاندان کی لونڈیاں

ہوا کرتی تھیں جو ان کی طرف منسوب ہوتیں کہا جاتا یعنی اھل فلان وبغی اھل فلان۔ یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے یہ فلاں قبیلہ کی رنڈی ہے۔ ان کے دروازوں پر جھنڈے گڑے ہوتے۔ امام ابن جریر نے ان متعدد جھنڈے والیوں میں سے نو کے نام گنائے ہیں اور ان کے قبیلہ کا ذکر بھی کیا ہے نہ یہ بات معیوب تھی، نہ ان کے پاس کسی کا آنا جانا باعث عار و بدنامی تھا۔

ان کے علاوہ متعدد دوسری لونڈیاں بھی تھیں جو یہ پیشہ کھلے بندوں کیا کرتی تھیں۔ کئی لوگ ان کے ساتھ شادی کر لیتے تاکہ ان کی حرام کمائی سے عیش کریں۔ عن سعید بن جبیر ان نساء فی الجاھلیۃ کن یواجرن انفسھن وکان الرجل انما ینکح احداھن یرید ان یصیب منہا عوضا (ابن جریر)

یثرب کے حالات بھی مکہ سے کچھ مختلف نہ تھے وہاں اس کا سب سے بڑا کاروبار کرنے والا خود عبداللہ بن ابی تھا جسے اوس و خزرج کے قبیلے اپنا بادشاہ مقرر کرنے والے تھے اور جب حضورﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما ہوئے اس کے لیے سونے کا تاج سنار کے پاس تیار ہو رہا تھا اس حیثیت کا انسان وہاں سب سے بڑا احترام کا تھا۔ اس نے اپنے چکلہ میں چھ نوجوان اور خوبصورت لونڈیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقررہ رقم کا کما لانا بہرحال ضروری تھا۔ اگر کوئی لونڈی مقررہ رقم پیش نہ کرتی تو اسے زدوکوب کی جاتی اور مقررہ رقم پوری کرنے پر مجبور کیا جاتا۔ یہ صاحب ان لونڈیوں سے صرف دولت ہی نہ کمایا کرتے بلکہ سیاسی فائدے بھی حاصل کرتے عرب قبائل کا کوئی رئیس اگر یثرب آتا تو یہ اپنی ایک لونڈی معاذہ کو شب باشی کے لیے اس کے پاس بھیج دیتا تاکہ وہ ابن ابی کے احسان کو ہمیشہ یاد رکھے اور ضرورت کے وقت یہ اسے اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کرسکے۔ علامہ ابن کثیر، علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے تصریح کی ہے کانت لہ جاریۃ تدعی معاذۃ وکان اذا نزل بہ ضیف ارسلہا الیہ لیواقعہا ارادۃ الثواب منہ والکرامۃ لہ۔ یہ بیچاری لونڈی معاذہ ایک روز تنگ آ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی اور اپنی داستان غم بیان کی آپ نے بارگاہ رسالت میں اس کی گزارش پیش کر دی حضورﷺ نے فرمایا اسے اپنے قبضہ میں لے لو فامر بقبضہا۔ عبداللہ بن ابی کو جب پتہ چلا تو اس نے بڑا شور و شغب مچایا کہ دیکھو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہماری لونڈیوں کو بھی اپنے قبضہ میں لے رہے ہیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس طرح قانونی طور پر قحبہ گری کی قباحت اسلامی معاشرہ سے ختم کر دی گئی جسے یورپ میں آج بھی قانون کی پشت پناہی حاصل ہے۔

۵۱۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر وہ پاکدامن رہنے کا ارادہ نہ کریں تو پھر ان سے یہ پیشہ کرا لینے میں کوئی مضایقہ نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ مالک کی طرف سے اکراہ کی یہی صورت ہے کہ لونڈی کی مرضی نہ ہو وہ اس سے نفرت کرے لیکن بے غیرت مالک اسے پیشہ کرنے پر مجبور کرے۔ اس صورت میں ساری ذمہ داری اور سارا گناہ اس مالک پر ہو گا لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے اس فعل قبیح کا ارتکاب کرے تو اب مجرم اس کا ہو گا اور اس کا گناہ اور اس کی سزا بھی اسے ہی ملے گی یا اس آیت سے ان مالکوں کو غیرت دلانا مقصود ہے کہ تم سے بڑھ کر بھی کوئی بے غیرت ہو گا کہ تمہاری لونڈی تو عفت شعار رہنا چاہتی ہے اور تم اسے غلاظت کے اس گڑھے میں پھینکنے پر مصر ہو۔ خود ہی فیصلہ کرو کیا یہ بات تمہیں زیب دیتی ہے؟

مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ وَلَقَدْ

سامان[۳۳] اور جو کوئی مجبور کرے انہیں (تو) بیشک اللہ تعالیٰ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد غفور رحیم ہے اور بیشک

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

والا اور ان پر بار بار رحم فرمانے والا ہے۔ اور ہم نے اتاری ہیں تمہاری طرف روشن آیتیں[۳۴] اور بعض حالات ان لوگوں کے جو گزر چکے ہیں تم

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ

سے پہلے اور نصیحت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا[۳۵] اس کے نور کی مثال ایسی ہے

۳۳ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ایک گروہ زنا کی اجرت وصول کرتے تھے۔ دوسرے اگر اس لونڈی سے اولاد ہوتی تو اس کو اپنا غلام بنا لیتے اور اسے فروخت کر کے قیمت وصول کرتے۔ اور اگر زانی قبیلہ کا کوئی رئیس ہوتا اور اس کے عمل سے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو وہ اس لونڈی کو ایک سو اونٹ بطور فدیہ ادا کر کے اپنا بچہ لے جاتا اور لونڈی وہ سو اونٹ اپنے مالک کو دے دیتی۔ اس طرح انتہائی بے غیرتی سے وہ دولت کمانے میں لگے رہتے۔ اس آیت میں بھی ایسی کمائی کو حرام قرار دیا گیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صاف الفاظ میں فرما دیا مہر البغی خبیث کہ زانیہ کی کمائی ناپاک ہے۔

۳۳ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو یہ پیشہ اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے تو وہ مالک گنہگار ہوگا۔ وہ لونڈی معذور تصور کی جائے گی۔ نہ اس کے نامۂ عمل میں یہ گناہ لکھا جائے گا اور نہ اسے اس کی سزا ملے گی۔

۳۴ اب تک مختلف اور متعدد احکامات بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے جن کا مقصد معاشرہ کو ہر قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں سے پاک کرنا اور پاک رکھنا ہے۔ یہ احکامات اتنے واضح ہیں کہ ان کے متعلق یہ کہنے کی جسارت کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ وہ انہیں سمجھ نہیں سکا۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ان قوموں کے حالات بھی بڑی تفصیل سے متعدد بار بیان کیے گئے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سنائے گئے، سمجھائے گئے لیکن وہ باز نہ آئے حتیٰ کہ وہ غضب الٰہی کا شکار ہو گئے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

اے فرزندانِ اسلام! اگر اب بھی تم نے اصلاح احوال کی کوشش نہ کی اور یورپ جدید جاہلیت کے بحر میں بہہ کر اپنا ستیاناس کر ڈالا اور دوسری بے حیا قوموں کی تقلید میں اپنی شرم و حیا کی چادر کو تار تار کر دیا تو تمہیں ذلیل و خوار ہونے سے کون بچا سکتا ہے۔ پھر مکافاتِ عمل کے قانون کے مطابق اگر تم پر غضبِ الٰہی کی بجلیاں گریں تو تمہارا اپنا قصور ہوگا۔ تمہارے کریم پروردگار نے تو تمہیں برے کاموں سے بڑی وضاحت سے آگاہ کر دیا اور ان پر مترتب ہونے والے نتائج کو کھول کر بیان کر دیا۔

۳۵ علامہ ابو الفضل جمال الدین ابن منظور اپنی شہرہ آفاق کتاب لسان العرب میں النور کی وضاحت کرتے

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا

جیسے ایک طاق ہو اس میں چراغ ہو لے وہ چراغ شیشہ کے ایک فانوس میں ہو۔ وہ فانوس گویا ایک

بہت لکھتے ہیں کہ النور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ سے ہے کیونکہ ارض و سما اللہ تعالیٰ کے نور سے ہی روشنی پاتے ہیں اور گمراہ اسی کی ہدایت سے راہ راست پر گامزن ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو نور کہا جاتا ہے۔ نور کا لغوی معنی بیان کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں: الظاهر فی نفسه المظهر لغيره يسمى نورا (لسان العرب)۔ جو خود ظاہر ہو اور اپنی روشنی سے دوسروں کو آشکارا کر دے اسے نور کہا جاتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اسماء حسنیٰ کی تشریح کرتے ہوئے النور کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ نور اس کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔ کسی چیز کے ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو۔ جو چیز موجود نہیں ہوگی اس کا ظاہر ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات واجب الوجود ہے۔ وہ ازل سے موجود ہے اور ابد تک موجود رہے گی۔ نیز وہ اپنے موجود ہونے میں کسی سبب کسی علت اور کسی فاعل کا محتاج بھی نہیں۔ اس لیے وہی ہے جو صفت نور و ظہور سے متصف ہونے کا مستحق ہے۔ وہ خود بھی موجود ہے اور اس کے امر کُن سے ہر چیز کو خلعت وجود ارزانی ہوئی ہے اس لیے وہ ہر چیز کے لیے نور ہے یعنی مظہر ہے اس لیے اکثر علماء تفسیر نے اس آیت میں نور کا معنی موجد اور مبدع کیا ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا۔ اس کے علاوہ آیت میں نور سے مراد مدبر بھی لیا گیا ہے کیونکہ قوم کا وہ رئیس جو ان کے تمام کاموں کے متعلق صحیح سوچ بچار کرتا ہے اور انہیں صحیح راستہ پر چلاتا ہے اسے نور القوم کہا جاتا ہے یعنی سب اسی کی راستی کی روشنی میں اپنے جملہ امور طے کرتے ہیں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم سے نور کا معنی ہادی بھی منقول ہے۔ آیت کا مطلب ہوگا هادی اهل السموات والارض فهم بنوره بهدايته الى الحق يهتدون وبهداه من حيرة الضلالة ينجون یعنی آسمان اور زمین والوں کا وہی ہادی ہے پس وہ اسی کے نور ہدایت سے حق کی طرف ہدایت پاتے ہیں اور گمراہی کی حیرانی سے نجات پاتے ہیں۔ قيل فی تفسيره هادی اهل السموات والارض (لسان العرب)

یہ تمام تفسیریں اکابر علماء سے منقول ہیں۔ ان میں سے ہر ایک درست ہے اور ہر ایک کی اپنی شان ہے۔ امام ابن جریر نے ابن عباس کے قول کو زیادہ پسند فرمایا ہے اور حجۃ الاسلام کے نزدیک پہلی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے۔

سلہ بہتر یہ ہے کہ پہلے اس آیت کے مشکل الفاظ کی تشریح کر دی جائے جب ان کا مفہوم ذہن نشین ہو جائے گا تو پھر علماء کرام کے متعدد اقوال کی روشنی میں اس کا مصداق متعین کرنا آسان ہوگا۔ مَثَل کا معنی ہے صفت والمراد بالمثل الصفة العجيبة ای صفة نوره العجيبة وبديع البيان یعنی اس کے نور کی عجیب و غریب صفت یوں بیان کی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ اس مخصوص جگہ کو کہتے ہیں جو دیوار میں چراغ رکھنے کے لیے بنائی جاتی ہے جو صرف ایک طرف سے کھلی اور باقی اطراف سے بند ہوتی ہے کوة غير نافذة فی الجدار۔ چراغ دان۔ مصباح: بڑے چراغ کو کہتے ہیں جو

كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا

ستارہ ہے جو موتی کی طرح چمک رہا ہے جو روشن کیا گیا ہے برکت والے زیتون کے درخت سے نہ مشرقی ہے نہ

خوب روشنی دیتے۔ سراج بمعنی چراغ۔ زجاجۃ: شیشے سے بنا ہوا فانوس جس میں چراغ رکھا جاتا ہے۔ شفاف شیشے سے بنے ہوئے فانوس میں اگر جلتا چراغ رکھا ہوا ہو اور اس چراغ کو مشکوٰۃ (چراغ دان) میں رکھ دیا جائے جس کی روشنی ہر سمت سے بند ہو کر ایک ہی سمت میں پھیل رہی ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ روشنی کتنی تیز ہو گی۔ اگر چراغ روشن کر دیا جائے اور اسے فانوس میں نہ رکھا جائے، ایک تو ہر وقت ہوا کے کسی جھونکے سے اس کے بجھ جانے کا خطرہ ہوتا ہے نیز اس کی روشنی مدھم ہوتی ہے۔ اور اگر اس چراغ کو شیشے کے فانوس میں رکھ دیا جائے تو بجھنے کا خطرہ بھی نہ رہے گا اور جب تیز ہوا کے شفاف فانوس سے اس کی روشنی چھن چھن کر آئے گی تو اس میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا اور اگر یہ فانوس کھلے میدان میں رکھا ہوا ہو اور اس کی روشنی چاروں طرف پھیل رہی ہو تو بھی اس کی چمک ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے کم ہو جائے گی۔ اور اگر اس فانوس کو اٹھا کر کسی ایسے چراغ دان میں رکھ دیا جائے جو صرف ایک طرف کھلا ہو تو ساری روشنی ایک سمت میں پھیلنے کی وجہ سے کئی گنا تیز ہو جائے گی۔ وہ چراغ بالکل اس طرح دکھائی دے گا جیسے تاریک رات میں آسمان پر کوئی چمکتا ہوا ستارہ ہو جو روشن بھی ہو اور حسین بھی۔

سلف اس زمانہ میں چراغ جلانے کے لیے مختلف قسم کے تیل استعمال کیے جاتے تھے۔ ان تیلوں میں سے زیتون کے تیل کی روشنی بڑی تیز، صاف اور دھوئیں سے پاک ہوتی۔ جس چراغ میں زیتون کا تیل ڈالا جاتا اس کی چمک دمک کا مقابلہ کوئی اور چراغ نہ کر سکتا۔ پھر زیتون کے درخت اور ان سے نکالا ہوا تیل ایک قسم کا نہیں ہوتا۔ بعض زیتون کے درخت اپنے علاقہ اور آب و ہوا کی وجہ سے دوسرے زیتون کے درختوں سے زیادہ عمدہ ہوتے ہیں اور ان سے نکالا ہوا تیل کہیں صاف اور روشن ہوتا ہے۔ خصوصاً زیتون کا وہ درخت جو کسی پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں اگا ہوا ہو، طلوع آفتاب کے وقت بھی اس کی شعاعیں اسے زندگی بخش اثرات سے سرشار کر دیں اور عین غروب ہونے تک بھی ہوا ہر طرف سے اسے لگتی ہو۔ اس قسم کا درخت اپنے قدوقامت میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور اس کا تیل بھی بڑا لطیف ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی لگائی جائے تو از خود روشنی کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ آیت کے پہلے حصہ میں چراغ کا ذکر تھا۔ پھر شیشے کے فانوس کا اور اس جگہ کا جہاں اسے رکھا جاتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جو تیل اس میں جل رہا ہے وہ سرسوں یا تارامیرا کا معمولی تیل نہیں بلکہ زیتون کے ایک خاص درخت کا ہے۔ اب اس مثال کی عظمت کا اندازہ لگائیے کہ ایسے چراغ کی روشنی کی کیا کیفیت ہو گی۔ اس کی چمک دمک دوسرے چراغوں کو مات کر رہی ہو گی اور اپنی صفائی اور لطافت کے باعث دل و نگاہ کو مسحور کر رہی ہو گی۔ ان امور کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب علمائے کرام نے اس تمثیل کے جو مختلف مطالب بیان فرمائے ہیں انہیں ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے کہا اخبرنی عن قولہ تعالیٰ مثل نورہ کمشکوٰۃ ... الآیۃ مجھے اس آیت کا مطلب بتاؤ۔ قال کعب ھذا مثل ضربہ اللہ لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فالمشکوٰۃ صدرہ و الزجاجۃ قلبہ و المصباح فیہا النبوۃ یکاد نور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم و امرہ یتبین للناس ولو لم یتکلم انہ نبی کما کان یکاد ذلک الزیت یضیئ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور (مظہری)

ترجمہ: حضرت کعب نے کہا یہ مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کے متعلق بیان کی ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد سینہ مبارک ہے۔ زجاجۃ سے مراد قلب انور ہے۔ مصباح سے مراد نبوت ہے۔ یعنی حضور کا نور اور حضور کی شان لوگوں کے سامنے خود بخود عیاں ہو رہی ہے اگرچہ حضور اپنی نبوت کا اعلان نہیں کرتے۔ عارف باللہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی یہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ ولنعم ما قال کعب ھا انا اذکر فصلا فی ظہور امر نبوتہ قبل ان یبعث وقبل ان یتکلم انہ نبی یعنی کعب نے بہت عمدہ بات کہی ہے اور میں یہاں ایک فصل تحریر کرتا ہوں جس سے پتہ چل جائے کہ حضور کی نبوت اور رفعت شان اعلان نبوت سے پہلے ہی ظاہر و باہر تھی۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ایک طویل فصل لکھی ہے جس میں حضور نبی کریم فخر آدم و بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ان معجزات کا ذکر کیا جو اعلان نبوت سے قبل ظہور پذیر ہوئے۔ دل تو چاہتا ہے کہ اہل محبت کی تسکین خاطر کے لیے اس کا ترجمہ پیش کروں لیکن یہاں اس کی گنجائش نہیں اور بالکل محروم رہنا بھی گوارا نہیں۔ صرف ایک واقعہ ذکر کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ حضور ابھی کمسن ہی تھے کہ تمام علاقہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ حضرت ابو طالب بارش کی دعا کرنے کے لیے حرم میں گئے اور حضور اقدس کو بھی ہمراہ لے گئے۔ حضور کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور دعا مانگی اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دعا مانگنے کی دیر تھی فاقبل السحاب من ھھنا وھھنا واغدق واغدق وانفجر لہ الوادی وفی ذلک قال ابو طالب شعر

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ۔ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

یعنی اسی وقت بادل ادھر ادھر سے ہجوم کر آئے۔ خوب موسلا دھار بارش برسی۔ یہاں تک کہ وادیاں بہنے لگیں۔ اسی وقت ابو طالب نے یہ شعر کہا کہ وہ سفید مکھڑے والا جس کے رخ تاباں کے صدقے بادل کی التجا کی جاتی ہے وہ تیموں کا آسرا اور بیوہ عورتوں کی ناموس کا محافظ ہے۔ لا شرقیۃ ولا غربیۃ فرما کر یہ بتا دیا کہ نبوت مصطفوی کا فیض عام ہے۔ جس طرح زمانہ کی پابندی نہیں اسی طرح مکان کی قید بھی نہیں۔ اہل مشرق و مغرب سب کے لیے در رحمت کھلا ہے اور دامن لطف و کرم کشادہ ہے۔

۲۔ ابو العالیہ نے ابی بن کعب سے نقل کیا ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے۔ مشکوٰۃ اس کا نفس ہے زجاجۃ اس کا سینہ مصباح نور ایمان اور نور قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں پیدا فرماتا ہے۔ اور شجرہ مبارکہ سے مراد اخلاص ہے۔

۳۔ حسن بصری اور ابن زید کہتے ہیں کہ یہ قرآن کی مثال ہے۔ مصباح سے مراد قرآن کریم ہے۔ جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجۃ سے مراد قلب مومن ہے۔ مشکوٰۃ سے

غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ

غربی ہے۔ قریب ہے اس کا تیل روشن ہو جائے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ وہ نور ہی نور ہے۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ

پہنچا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے علاوہ ازیں بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ طرح طرح کی مثالیں لوگوں کی خاطر

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ

کے لیے کہ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ ان گھروں میں (جن کے متعلق) حکم دیا ہے اللہ نے کہ بلند کیے جائیں اور ان میں اس کا نام لیا جائے

سے مراد اس کا منہ اور اس کی زبان ہے جسے شجرہ مبارکہ سے مراد اس کی وحی ہے۔ علامہ ابن حیان اندلسیؒ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں یہ تین قول درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان صورتوں میں مثل نورہ کی ضمیر کا مرجع ایسی چیزیں ہوں گی جو پہلے مذکور نہیں ہیں۔ اسی لیے مکی نے اللہ نور السمٰوٰت والارض پر وقف کیا ہے۔ اور آیت کے پچھلے حصہ کو کلام مستانف قرار دیا ہے۔ فهذه الاقوال الثلاثة عاد فيها الضمير على غير مذكور ..... ولذلك قال مكي يوقف على الارض في تلك الاقوال الثلاثة۔ (بحر محیط)۔

۴۔ یا نورہ کی ضمیر کا مرجع اللہ ہوگا اس صورت میں مصباح سے مراد ذات خداوندی ہوگی، مشکوٰۃ سے مراد ساری کائنات ہوگی اور فانوس زجاجہ اس کا وہ نوری پردہ ہوگا جس کے باعث وہ عیاں اور آشکارا ہونے کے باوجود اپنی مخلوقات کی نگاہوں سے مخفی اور پنہاں ہے۔ یہ خفا اس لیے نہیں کہ اس کے ظہور میں کچھ کمی ہے بلکہ تجلیات کی فراوانی اور انوار کی کثرت اس بات سے مانع ہے کہ کوئی آنکھ کھول کر دیکھنے کی جرأت کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم بمراده واسرار الكتاب ورموزه۔

۶۳ انسان محض اپنی کوشش اور علم و فضل سے اس نور محض تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جس پر چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے فرما دیتا ہے۔

۶۴ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بندہ پروری ہے کہ وہ ان حقائق و معارف کو حسّی مثالوں کے ذریعہ ہمیں سمجھا دیتا ہے ورنہ ان کو سمجھنا کسی انسان کے بس کا روگ نہ تھا۔

۶۵ جن خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ اپنے نور ہدایت و معرفت سے مالا مال فرما دیتا ہے۔ ان کے چند ظاہری اور باطنی احوال بیان کیے جا رہے ہیں۔ فی بیوت کا متعلق یُسَبِّحُ ہے یعنی یہ لوگ ان گھروں میں اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کے بلند کرنے کا اس نے حکم فرمایا ہے۔ فیہا کا مرجع بیوت ہے اور اسے جملے کے آخر میں اس لیے ذکر کیا

گیا ہے تاکہ تکرار اور تذکیر کا فائدہ دے جس طرح فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ میں فِيْهَا مکرر ہے۔ تُرْفَعَ سے مراد مساجد کا بلند کرنا ہے یعنی ان کی عمارت بھی شاندار ہو اور وہ نہایت پاک اور ستھری بھی ہوں۔ کوڑے کرکٹ کا نام نشان تک نہ ہو۔ دیواروں اور فرش پر بدنما دھبے اور داغ طبع سلیم پر گراں نہ گزر رہے ہوں۔ چھتوں پر مکڑی نے جالے نہ تن دیئے ہوں۔ تُرْفَعَ معناه تُبْنٰى وتُعْلٰى (قرطبی)۔

حدیث پاک میں ہے مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ جو شخص رضائے الٰہی کے لیے مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لیے گھر تعمیر فرماتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے تُرْفَعَ کا معنی کیا ہے تُعَظَّمُ وَتُرْفَعُ شَانُهَا وَتُطَهَّرُ مِنَ الْاَنْجَاسِ وَالْاَقْذَارِ یعنی مسجدوں کی تعظیم و تکریم کی جائے انہیں ہر قسم کی غلاظت اور آلودگی سے پاک رکھا جائے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کو ساگوان کی لکڑی سے مزین کیا اور اسے خوبصورت بنایا۔ حضرت امام صاحب فرماتے ہیں۔ لَا بَاْسَ بِنَقْشِ الْمَسْجِدِ بِمَاءِ الذَّهَبِ یعنی اگر مسجدوں میں سونے کے پانی کے ساتھ نقش و نگار بنائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے زمانہ میں مسجد نبوی کی تعمیر پر زر کثیر صرف کیا۔ اسے نقش و نگار سے مزین و آراستہ کیا اور کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ اَحَدٌ ذٰلِكَ۔

جس طرح مسجد کو حسی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک رکھنے کا حکم ہے اسی طرح ان اعمال سیئہ کا ارتکاب بھی مسجد میں ممنوع قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کی بدبو اور سڑاند سے فرشتوں کو اذیت ہوتی ہے۔ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ الْكِذْبَةَ فَيَتَبَاعَدُ عَنْهُ الْمَلَكُ مِنْ نَتْنِ رِيْحِهٖ یعنی انسان جھوٹ بولتا ہے اور اس کی بدبو سے فرشتہ بھاگ جاتا ہے۔ اسی لیے ایسے آدمی کا مسجد سے نکال دینا ضروری ہے جو مسجدوں میں جھوٹی باتیں بکے۔ فَعَلٰى هٰذَا يُخْرَجُ مَنْ عُرِفَ مِنْهُ الْكِذْبُ وَالتَّقَوُّلُ بِالْبَاطِلِ فَاِنَّ ذٰلِكَ يُؤْذِيْ۔ صحابہ کرام مسجد نبوی کو صاف ستھرا رکھتے۔ اس کو منور کرنے کا خاص اہتمام فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت تمیم الداری شام سے مدینہ طیبہ آئے تو قندیلیں، زیتون کا تیل اور عمدہ بٹی ہوئی رسیاں لے آئے۔ اتفاق سے جس روز پہنچے وہ جمعرات کا دن تھا۔ آنے والی رات جمعہ کی تھی۔ عصر کے بعد انہوں نے اپنے غلام ابو البزاد کو حکم دیا کہ ان رسیوں سے قندیلوں کو باندھ کر لٹکائے۔ قندیلوں میں زیتون کا تیل ڈالے اور بتیاں درست کر دے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ جب سورج غروب ہوا انہیں جلا دیا۔ مسجد بقعۂ نور بن گئی۔ حضور تشریف لائے۔ پوچھا یہ کس نے کیا ہے۔ عرض کی گئی تمیم الداری نے۔ حضور نے خوش ہو کر دعا دی۔ فرمایا نَوَّرْتَ الْاِسْلَامَ نَوَّرَ اللّٰهُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ تو نے اسلام کو روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری آخرت اور دنیا کو منور فرمائے۔ اسی لیے علماء نے اس بات کو مستحب جانا ہے کہ وہ مکان جس میں قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے اس میں قندیلیں آویزاں کی جائیں۔ شمعیں رکھی جائیں اور ماہ رمضان میں مساجد کی روشنی میں اضافہ کیا جائے۔

اِنَّ تَنْوِيْرَ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُقْرَاُ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ بِتَعْلِيْقِ الْقَنَادِيْلِ وَنَصْبِ الشَّمْعِ فِيْهِ وَيُزَادُ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيْ اَنْوَارِ الْمَسَاجِدِ (قرطبی)

فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ

ان میں اللہ تعالیٰ کا نام۔ اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں ان گھروں میں صبح اور شام۔ وہ رجال (مرد) جنہیں غافل نہیں

تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ

کرتی تجارت اور نہ خرید و فروخت یاد الٰہی سے [۱] اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے۔

يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ

وہ ڈرتے رہتے ہیں اس دن سے۔ گھبرا جائیں گے جس میں دل۔ اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی [۲] تاکہ جزا دے انہیں

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ ان کے بہترین اعمال کی [۳] اور اس سے بھی زیادہ عطا فرمائے انہیں اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو

یہاں مسجد میں داخل ہونے کے آداب کا ذکر کر دینا موزوں معلوم ہوتا ہے حضرت سیدہ زہرا خاتون جنت علی ابیہا و علیہا افضل الصلوات والتسلیمات سے ابن ماجہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ آپ نے فرمایا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو فرماتے بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک اور جب حضور مسجد سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے بسم اللہ والصلوۃ علی رسول اللہ اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک وفضلک۔

اور جب مسجد میں داخل ہو تو پہلے ہی بیٹھ نہ جائے مستحب یہ ہے کہ اگر نفل پڑھنے کا وقت ہو تو دو رکعت نفل پڑھے۔ اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس (قرطبی)

[۱] یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ دنیا کے مشاغل کی کثرت کے باوجود نہ ذکر الٰہی سے غافل ہوتے ہیں نہ نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی کرتے ہیں۔ ہر وقت قیامت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

[۲] روز حشر کی ہولناکی اور دہشت کا بیان ہے یعنی اس میں دل شدت خوف سے گھبرا جائیں گے۔ آنکھیں منظر کی ہولناکی کو دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ای تتقلب القلوب من الخوف فترجع الی الحنجرۃ فلا تنزل ولا تخرج وتتقلب الابصار ای تشخص من ھول الامر وشدتہ یعنی دل ڈر کے مارے گلے میں اٹک جائیں گے اور آنکھیں تارے لگ جائیں گی۔

[۳] اس کا متعلق لیجزیھم، لا تلھیھم، یخافون سارے ہو سکتے ہیں لیکن علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے

بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ

چاہتا ہے بے حساب۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چمکتی ریت کسی چٹیل میدان میں

الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِنْدَهُ

خیال کرتا ہے اسے پیاسا کہ وہ پانی ہے حتیٰ کہ جب اپنچتے ہے اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور پاتا ہے اللہ تعالیٰ کو

فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ

اپنے قریب تو پورا چکا دیا اس نے اس کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے یا (ان کے اعمال) ایسے ہیں جیسے اندھیرے ہوں گہرے

لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَاتٌ

گہرے سمندر میں جسے ڈھانپ رکھا ہو ایک موج نے اس کے اوپر ایک اور موج (ہو) اور اس کے اوپر بادل (چھایا ہوا ہو) اندھیرے

کہ اس کا متعلق محذوف مانا جائے پھر ان تمام معانی کو شامل ہو مثلاً یفعلون ما یفعلون لیجزیہم یعنی وہ جو کچھ کرتے ہیں اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی جزا بھی دے گا صرف جزا ہی نہیں بلکہ اپنے فضل و کرم کے غیر متناہی خزانوں سے انہیں وہ نعمتیں دے گا جن کا یہ ابھی تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ارشاد الٰہی ہے اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر یعنی میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا تک نہیں جن کے بارے میں کسی کان کو خبر نہیں اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال آیا ہے۔ آیت کے آخر میں واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب فرما کر اپنی بندہ نوازی کی حد کر دی۔

؎ اب کفار کے اعمال کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اعمال جنہیں وہ اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور اجر عظیم کی امید رکھتے ہیں ان کی مثال سراب کی سی ہے جو دور سے نظر آتا ہے۔ اور پیاسا دوڑ کر اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ پانی پی کر اپنی پیاس بجھائے۔ وہاں پہنچ کر اسے پتہ چلتا ہے کہ پانی کا دکھنا تو محض نگاہ کا فریب ہے۔ یہاں تو خدا کا قہر اور غضب ہے جس میں اسے مبتلا کر دیا گیا ہے۔ سراب وہ چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی نظر آتی ہے۔ قیعۃ اس کی جمع قیعان ہے کشادہ اور ہموار زمین کو کہتے ہیں۔ ھی الارض المنبسطۃ المستویۃ۔

؎ کفار کے اعمال کی ایک دوسری مثال بیان کی جا رہی ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی تحریر فرماتے ہیں:-

بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۚ إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكَدْ يَرَاهَا ۗ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ

ہیں ایک دوسرے کے اوپر۔ جب وہ نکالتا ہے اپنا ہاتھ تو نہیں دیکھ پاتا اسے اور جس کے لیے

اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي ع ۱۱

اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے ملہ تو اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے ملہ جس کی تسبیح بیان کرتے

السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ

ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی

ملہ ایک اندھیرا دریا کی گہرائی کا، اس پر ایک اور اندھیرا موجوں کے تلاطم کا، اس پر اور اندھیرا بادلوں کی گھری ہوئی گھٹا کا۔ ان اندھیروں کی شدت کا یہ عالم کہ جو اس میں ہو وہ اپنا ہاتھ جو نہایت ہی قریب اور اپنے جسم کا جزو ہے جب وہ بھی نظر نہ آئے تو اور دوسری چیز کیا نظر آئے گی۔ ایسا ہی حال کافر کا ہے کہ وہ اعتقاد باطل اور قول ناحق اور عمل قبیح کی تاریکیوں میں گرفتار ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ دریا کی گہرائی سے کافر کے دل کو اور موجوں سے جہل و شک و حیرت کو جو کافر کے دل پر چھائے ہوئے ہیں اور بادلوں سے مہر کو جو ان کے دلوں پر ہے تشبیہ دی گئی (خزائن العرفان) بحر لجی۔ لجی لجۃ کی طرف منسوب ہے گہرا سمندر جس کی تہ معلوم نہ ہو سکے۔ منسوب الی اللجۃ والذی لا یدرک قعرہ۔

سلہ ہدایت یافتہ وہی ہو سکتا ہے جس کی دستگیری توفیق الٰہی کرے عقل، علم، کوشش اس کی توفیق کے بغیر سب بے سود اور بے حاصل ہیں۔

کلہ جب اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت ہر جگہ ضوفشانی کر رہا ہے تو کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ اس کا انکار کرے اور اس کی بارگاہ صمدیت کے علاوہ کسی اور جگہ جبین عبادت جھکائے اور جو لوگ اس نور کی تجلیوں سے روشنی حاصل نہیں کرتے ان کی مثال وہی ہے جس کا ذکر ابھی گزرا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کے نور کے جلوے ہر جگہ نظر آ رہے ہیں۔ کائنات ارضی و سماوی میں کوئی ایسی چیز ہے جو اس کے دربار میں قالاً یا حالاً طوعاً یا کرہاً سر نیاز نہ جھکا رہی ہو یا اس کی تسبیح و تہلیل میں زمزمہ سنج نہ ہو۔ فضائے بسیط میں محو پرواز پرندوں کی طرف دیکھیں، وہ کس کی عظمت کا اعتراف کر رہے ہیں۔ صافات ای باسطات اجنحتہم فی الھواء۔ ہوا میں پر پھیلائے ہوئے۔

تَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ

تسبیح کو ١؎ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے بادشاہی ہے سارے آسمانوں کی اور

وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿٤٢﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ

ساری زمین کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی (سب کو) لوٹنا ہے کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ چلاتا ہے بادل کو پھر جوڑ

ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ

ہے اس کے (بکھرے ہوئے ٹکڑوں) کو پھر اسے تہ بہ تہ کر دیتا ہے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے ٢؎ اس کے درمیان سے اور اتارتا

السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ

ہے اللہ تعالیٰ آسمان سے برف جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے ٣؎ پس نقصان پہنچاتا ہے اس سے جسے چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے اس کو

عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿٤٣﴾ يُقَلِّبُ اللَّهُ

جس سے چاہتا ہے ٤؎ قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک لے جائے آنکھوں کی بینائی کو۔ بدلتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ

١؎ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی مخصوص عبادت اور تسبیح کا طریقہ سکھا دیا ہے اور ہر ایک اپنے مخصوص انداز میں اپنی بندگی کا اظہار کر رہا ہے۔

٢؎ اپنی قدرت کاملہ کا ایک اور ثبوت پیش فرما رہے ہیں۔ مشکل الفاظ کی تشریح: یزجی: یسوقہم۔ دھکیلنا۔ ردی چیزوں کو بضاعۃ مزجاۃ کہا جاتا ہے جو پونجی سے ماخوذ ہے ان کا مالک انہیں ناپسند کر کے دھکیل دیتا ہے۔ رکاما۔ الرکم جمع الشیء یقال منہ رکم الشیء یرکمہ رکما اذا جمعہ والقی بعضہ علی بعض۔ الرکمۃ الطین المجموع والرکام الرمل المتراکم وکذالک السحاب یعنی رکم کا معنی کسی چیز کو اکٹھا کرنا جب کسی چیز کو اکٹھا کیا جائے اور اسے اوپر نیچے رکھ دیا جائے تو عرب کہتے ہیں رکم الشیء یرکمہ۔ مٹی کے ڈھیر کو الرکمۃ کہتے ہیں اور ریت کے ڈھیر کو رکام کہتے ہیں۔ اسی طرح بادل جب گھر آجائے اور وہ گہرا ہو تو اسے بھی رکام کہا جاتا ہے۔ الودق المطر: بارش۔

٣؎ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ من الجبال اور من برد دونوں جگہ من زائدہ ہے تقدیر کلام یوں ہے ای ینزل من السماء بردا یکون کالجبال یعنی آسمان سے برف اتارتا ہے جو پہاڑوں کی طرح ہوتی ہے علامہ پانی پتی نے یہ ترجمہ بھی کیا ہے ینزل من السماء بعض جبال من برد یعنی آسمان سے جب برف برستی ہے تو آتی

الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۞ وَاللّٰهُ خَلَقَ

رات اور دن کی؎ بیشک اس میں عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے پیدا

كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

فرمایا ہے ہر جانور کو پانی سے؎ تو ان میں کچھ تو رینگتے ہیں پیٹ کے بل۔ اور ان میں سے بعض

یَّمْشِیْ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّمْشِیْ عَلٰۤی اَرْبَعٍ ؕ یَخْلُقُ اللّٰهُ

چلتے ہیں دو ٹانگوں پر۔ اور ان میں سے بعض چلتے ہیں چار ٹانگوں پر پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ

مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۞ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ

جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم نے اتاری ہیں ایسی آیتیں جو حق کی صاف صاف

وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۞ وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

بیان کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ پہنچا دیتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ تک۔ اور وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں

کثرت سے کہ معلوم ہوتا ہے برف کے پہاڑ ہیں جو آسمان سے اتر رہے ہیں۔

؎ بادلوں کے مختلف ٹکڑے جو آسمان پر ادھر اُدھر بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو ہوائیں دھکیل کر یکجا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ گہری گھٹائیں گھر کر آجاتی ہیں۔ ان سے بارش بھی برستی ہے اور برف باری بھی ہوتی ہے ضروری نہیں کہ جو بادل آئے وہ برسے اور جہاں آئے وہاں برسے بلکہ یہ سب ہمارے حکم کے منتظر ہیں۔ جب اور جہاں ہمارا حکم ہوتا ہے برستے ہیں ورنہ یوں ہی نگاہوں کو ترساتے ہوئے ناامید چھوڑ جاتے ہیں۔ سناء، ضیاء، روشنی جب بجلی چمکتی ہے تو اتنی تیز روشنی ہوتی ہے کہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ آنکھوں کی بینائی کو سلب کر لے گی۔

؎ گردش لیل و نہار بھی اسی کے حکم سے رونما ہوتی ہیں۔

؎ یہ گوناگوں مخلوق جو تمہیں دکھائی دے رہی ہے یہ سب ایک قطرۂ آب سے پیدا کی گئی ہے ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو پیٹ کے بل زمین پر رینگتے ہیں بعض دو ٹانگوں (انسان اور پرندے) اور بعض چار ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ ہر ایک اپنی ہیئت اور خصوصیات سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی پاکی کی گواہی دے رہا ہے۔

بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور ہم فرمانبردار ہیں پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان سے (ایمان و اطاعت کے) اس عہد

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ

کے بعد اور یہ لوگ ایماندار نہیں ہیں ؎ اور جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ

بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا

فیصلہ کرے ان کے درمیان تو اس وقت ایک جماعت ان میں سے روگردانی کرنے لگتی ہے اور اگر فیصلہ ان کے حق میں ہونا ہو تو آ جاتے ہیں

؎ یہ آیات ایک منافق کے بارے میں نازل ہوئیں۔ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کا ایک یہودی سے تنازعہ ہو گیا اس یہودی نے بشر کو کہا کہ چلو رسول اللہ کے پاس جو آپ فیصلہ فرما دیں اس پر عمل کریں۔ بشر کے دل میں چور تھا وہ یہودی سے ناحق الجھ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ بارگاہ رسالت میں گئے تو وہاں کوئی سفارش نہیں چلے گی نہ ہی طرفداری کی امید کی جا سکتی تھی اس لیے اس نے کہا ان محمدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یحیف علینا آپ تو ہم پر ظلم کرتے ہیں۔ چلو کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ صرف بشر کو ہی نہیں بلکہ اس قماش کے جتنے لوگ ہیں اس کے ہم عصر یا اس کے بعد آنے والے سب کو بتا دیا کہ جب کسی کو خدا اور رسول کے فیصلہ کی طرف بلایا جائے اور وہ نہ آئے تو وہ سمجھ لے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود خدا اور رسول کے حکم سے سرتابی ناممکن ہے۔ اپنے آپ کو مومن کہلانا اور پھر بارگاہ رسالت میں فیصلہ کے لیے حاضر نہ ہونا۔ اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ اس کے دل میں ابھی کفر والحاد کی بیماری ہے محض دکھلاوے کے لیے اس نے اسلام کا جامہ پہن رکھا ہے یا ابھی تک اس کے ذہن سے شک دور نہیں ہوا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اسلام کے احکام پر کاربند ہونے سے شاید اس کو نقصان پہنچے گا یا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول بھی کسی وجہ سے اس کے ساتھ بے انصافی کرے گا۔ ان چیزوں میں سے کوئی چیز بھی اگر کسی کے دل میں ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں۔

ان آیات سے علمائے اسلام نے چند مسائل اخذ کیے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اگر دونوں فریق مسلمان ہوں یا ایک فریق مسلمان ہو تو ان کا فیصلہ مسلمان قاضی کرے گا۔ اور اگر دونوں فریق کافر ہیں تو ان کا فیصلہ ان کا ہم مذہب قاضی کرے گا اگر وہ دونوں کسی مسلمان قاضی کے پاس تصفیہ کے لیے جائیں تو قاضی کو اختیار ہے چاہے تو فیصلہ کرے اور چاہے تو انہیں ان کے ہم مذہب قاضی کی طرف بھیج دے۔ نیز اگر کوئی شخص کسی کو باہمی تنازعہ کے تصفیہ کے لیے کسی عادل قاضی کے پاس جانے کے لیے کہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ ضرور اس کے ساتھ قاضی کے پاس جائے۔ قال ابن خویز منداد واجب علی کل من دعی الی مجلس الحاکم ان یجیب۔ (قرطبی)

إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ

ہیں اس کی طرف تسلیم کرتے ہوئے ۔ کیا ان کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے یا وہ (اسلام کے متعلق) شک میں مبتلا ہیں یا انہیں

أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ إِنَّمَا ع ۱۲

یہ اندیشہ ہے کہ ظلم کرے گا اللہ تعالیٰ ان پر اور اس کا رسول۔ بلکہ (در حقیقت) وہ خود ظالم ہیں۔ ایمانداروں

كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

کی بات تو صرف اتنی ہے ۵۷ کہ جب انہیں بلایا جاتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ وہ فیصلہ فرمائے ان کے

أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَن يُطِعِ

درمیان تو وہ کہتے ہیں ہم نے (فیصلہ) سن لیا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں بامراد ہیں۔ اور جو شخص اطاعت کرتا ہے

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

اللہ کی اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہتا ہے اللہ سے اور بچتا رہتا ہے اس کی نافرمانی سے تو یہی لوگ کامیاب ہیں ۵۸

۵۷ مومن کا تو یہ شیوہ ہونا چاہئیے جب اسے خدا و رسول کی طرف فیصلہ کے لیے بلایا جائے تو بلا چون و چرا حاضر ہو جائے۔

۵۸ فوز و کامرانی سے وہی مشرف ہوگا جس کا طریقہ کار وہ ہوگا جو اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم مسجد نبوی میں کھڑے تھے کہ روم کے دہقانوں میں سے ایک دہقان حاضر ہوا اور کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا رسول اللہ۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا بات ہے۔ اس نے عرض کی میں مشرف باسلام ہو گیا ہوں۔ آپ نے کہا تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر دین اسلام کیوں قبول کیا ہے اس نے کہا میں نے تورات، انجیل، زبور اور دیگر کتب انبیاء کا مطالعہ کیا۔ میں نے ایک مسلمان قیدی کو ایک ایسی آیت پڑھتے ہوئے سنا جس میں وہ تمام چیزیں جمع کر دی گئی ہیں جو سابقہ آسمانی کتابوں میں موجود ہیں مجھے یقین ہو گیا کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے۔ اس لیے میں مسلمان ہو گیا ہوں۔ آپ نے دریافت فرمایا وہ کون سی آیت ہے اس نے یہی آیت پڑھی اور ساتھ ساتھ اس کا مطلب بھی بیان کر دیا۔ قال قوله تعالیٰ (ومن یطع اللہ) فی الفرائض (ورسولہ) فی السنن (ویخش اللہ) فیما مضی من عمرہ (ویتقہ) فیما بقی من عمرہ (فاولئک ھم الفائزون) الفائز من نجا من النار وادخل الجنۃ۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوتیت جوامع الکلم۔ یعنی جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۭ قُلْ

اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑے زور شور سے ۸۸ کہ اگر آپ انھیں حکم دیں تو وہ (گھروں سے بھی) نکل

لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ

جائیں گے۔ فرمائیے قسمیں نہ کھاؤ۔ تمہاری فرمانبرداری خوب معلوم ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ آپ فرمائیے

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ رسول کے ذمہ اتنا ہے جو

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ۭ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا

ان پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا۔ اور اگر تم اطاعت کرو گے اس کی تو ہدایت پا جاؤ گے اور نہیں رسول

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

کے ذمہ مگر اس کے کہ وہ صاف صاف پیغام پہنچا دے۔ ۸۹ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کیے

اور مستقبل میں اس کے رسول کی پیروی کرتا ہے اور گزشتہ عمر میں جو غلطیاں اس سے ہوئیں ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور آنے والی زندگی میں تقویٰ اختیار کرتا ہے یہی لوگ کامیاب ہیں اور کامیاب وہ شخص ہے جسے آتش جہنم سے نجات مل گئی اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔

۸۸ منافقوں کے طریقہ کار کو بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ زبانی دعوے کرنے میں بڑے تیز طرار ہیں۔ قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے ہیں کہ حضور آپ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنا گھر بار، بال بچے، مال و متاع چھوڑنے کے لیے بھی تیار ہیں۔ جہاد پر جانے کا اشارہ پاتے ہی سر پر کفن باندھ کر میدان جہاد کی طرف چل پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو ارشاد فرماتا ہے کہ انھیں کہو زبانی قسمیں اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری اطاعت کا حال خوب معلوم ہے جب قربانی دینے کا وقت آئے گا تو تم اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ رہو گے۔

طاعة معروفة کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ زیادہ مبالغہ آمیزی کی ضرورت نہیں عام معمول کے مطابق حکم الٰہی بجا لاتے رہو تمہارے لیے اتنا ہی کافی ہے لیکن پہلا مفہوم متن سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۸۹ حضور رحمت عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام کو کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سہتے سہتے عرصہ دراز گزر چکا تھا۔

انہوں نے اپنے وطن مکہ کو چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں آکر پناہ لی تھی مکہ کو الوداع کہتے وقت وہ دولت ایمان تو ساتھ لا سکتے تھے لیکن اپنی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں اور عمر بھر کا اندوختہ وہیں چھوڑ کر چلے آئے تھے۔ کفار کی آتش غضب اب بھی بھڑک رہی تھی۔ میدان بدر میں رسوا کن شکست کے بعد ان کا جذبۂ انتقام تیز تر ہو گیا تھا صحابہ کرام ہر وقت مسلح رہتے۔ رات دن دشمن کی یلغار کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ ایک روز ایک صحابی نے اپنے آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ اما یاتی علینا یوم نامن فیہ ونضع السلاح یا رسول اللہ کیا ایسا دن نہیں آئے گا جب ہمیں امن نصیب ہو گا اور ہتھیار رکھ دینے کی نوبت آئے گی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ لا تلبثون الا یسیرا حتی یجلس الرجل منکم فی الملأ العظیم محتبیا لیس علیہ حدیدۃ۔ (بحر محیط)

بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم آرام سے بے خوف ہو کر مجمع عام میں بیٹھو گے اور تمہارے جسم پر کوئی ہتھیار نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے اس ارشاد کی تائید فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔

تاریخ کی ناقابل تردید شہادت اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔ عہد رسالت ہی میں مکہ مکرمہ، حجاز، خیبر، بحرین، یمن اور جزیرۂ عرب کے سارے علاقے اسلامی قلمرو میں شامل ہو گئے۔ قیصر روم، مقوقس مصر اور کئی دیگر بادشاہوں نے بارگاہ رسالت میں تحائف اور نذرانے ارسال کیے۔

حضور کریم کی رحلت کے بعد عہد صدیقی میں فتنۂ ارتداد اور دیگر خبیث فتنوں کی لگائی ہوئی آگ بجھی اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔ اسی عہد ہمایوں میں اسلام کی عالمی فتوحات کا آغاز ہوا۔ مشرق میں حضرت خالدؓ اور مغرب میں حضرت ابو عبیدہؓ کی قیادت میں افواج اسلامیہ نے فتح و نصرت کے علم گاڑنے شروع کر دیئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بابرکت دس سالہ خلافت میں تو فتوحات کی انتہا ہو گئی۔ قیصر اپنی ایشیائی مملکت سے دست بردار ہو کر قسطنطنیہ میں جا کر مقیم ہوا۔ اور رومی مملکت کے ایشیائی حصہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مصر بھی فتح ہوا۔ کسریٰ کی چار ہزار سالہ شان و شوکت خاک میں مل گئی۔ جہاں ملک کے گوشہ گوشہ میں آتش کدے روشن تھے اور آگ کی پوجا ہوتی تھی وہاں اشھد ان لا الہ الا اللہ اور اشھد ان محمدا رسول اللہ کی دلنواز صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں شمالی افریقہ کے ممالک فتح ہوئے۔ بحیرہ روم میں جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ مشرق میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ چین کی سرحد تک پھیل گیا۔ سندھ کے ریگزاروں میں بھی نعرۂ اسلام سے آباد ہونے لگا۔ ہر علاقہ میں امن و سکون قائم ہوا۔ ہر جگہ اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔ مسلمان جو ہر وقت کفار کی یلغار سے سہمے سہمے رہتے تھے اور انہیں رات دن یہی کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کفر کا سیلاب اُمڈے گا اور انہیں بہا کر لے جائے گا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے وہ ہیبت اور سطوت بخشی کہ جس راستہ سے گزر جاتے تھے بڑے بڑے سرداروں کی گردنیں جھک جاتیں۔ کوئی متعصب اور حق ناپسند انسان تاریخ کے ان بیّن حقائق دیکھنے کے بعد یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں ہوا۔

حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا کہ ایک صحابی حاضر ہوا اور اس نے فقر و فاقہ

کی شکایت کی۔ دوسرا آیا اس نے راہزنوں کی دست درازیوں کا شکوہ کیا۔ حضور نے فرمایا اے عدی! کیا تو نے حیرہ کا شہر دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن میں نے لوگوں سے اس کے بارے میں سنا ہے۔ حضور نے فرمایا اگر تیری زندگی دراز ہوئی تو تو دیکھے گا ایک عورت اونٹنی پر سوار ہو کر حیرہ سے روانہ ہوگی اور آکر کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے بغیر اسے کسی کا ڈر نہیں ہوگا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ بنی طے قبیلہ کے قزاق اور راہزن کہاں چلے جائیں گے پھر حضور نے فرمایا اے عدی! تم کسریٰ کے خزانوں کو فتح کرو گے۔ میں نے عرض کی کیا کسریٰ بن ہرمز یعنی شہنشاہ ایران؟ حضور نے فرمایا ہاں کسریٰ بن ہرمز۔ پھر حضور نے فرمایا تم دیکھو گے لوگ ہاتھوں میں سونا اور چاندی لیے ہوئے کسی غریب کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے لیکن مملکت اسلامیہ میں انہیں کوئی غریب نہیں ملے گا۔ عدی کہتے ہیں میں نے حیرہ سے اونٹنی پر سوار ہو کر آنے والی عورت کو بھی کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور میں خود ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانے فتح کیے تھے۔ بعض لوگ جو صحابہ کرام کی عظمت شان کا انکار کرنا ہی اپنے ایمان کا کمال سمجھتے ہیں وہ اگر اپنی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی گوارا کر لیتے تو اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوتے۔ انہیں یقین ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جو وعدہ فرمایا ہے اور حضور کریم نے جو وعدے فرمائے ہیں جن کا ذکر خود ان لوگوں کی کتابوں میں موجود ہے وہ وعدے خلفاء راشدین کے عہد سعادت آثار میں ہی پورے ہوتے ہیں۔ ان کے امام کلینی جن کی کتاب کافی ان کے ہاں حدیث کی معتبر ترین کتاب ہے ان کی روایت ملاحظہ فرمایئے۔

عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال لما حفر رسول اللہ الخندق مروا بکدیۃ فتناول رسول اللہ المعول من ید امیر المؤمنین او من ید سلمان فضرب بہا ضربۃ فتفرقت بثلاث فرق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لقد فتحت علی فی ضربتی ہذہ کنوز کسریٰ وقیصر (فروع کافی کتاب الروضۃ)

ترجمہ: حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو راستہ میں ایک چٹان حائل ہو گئی۔ حضور نے گینتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دست مبارک سے یا حضرت سلمان فارسی سے لے لی اور اس چٹان پر ایک ضرب لگائی اور اس کے تین ٹکڑے ہو گئے۔ حضور نے فرمایا لقد فتحت علی فی ضربتی ہذہ کنوز کسریٰ وقیصر۔ میری اس ضرب سے میرے لیے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح کر دیئے گئے ہیں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ خزانے حضرت فاروق اعظم کے زمانہ میں فتح ہوئے۔ روایت میں فتحت علی کے الفاظ ایک حق بین کے لیے روشنی کا مینار ہیں جس سے شک وشبہ کا ادنیٰ احتمال بھی باقی نہیں رہ سکتا۔ اسی واقعہ کو صاحب حملہ حیدری نے ان اشعار میں ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔

بیاراں چنیں گفت خیر البشر کہ چوں جست برق نخست از حجر
نمودند ایوان کسریٰ بمن دوم قیصر روم، سوم از یمن
سبب ماچنیں گفت روح الامین کہ بعد از من اعوان و انصار این

بریں مملکت ہا مسلط شوند — بآئین من اہل آں بگروند
بریں مژدہ و شکر لطف خدا — سہ بار تکبیر کردم ادا
شنیدند آں مژدہ چوں مومناں — کشیدند تکبیر شادی کناں

ترجمہ :-

۱- حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا کہ جب اس چٹان کو ضرب لگانے سے پہلی مرتبہ آگ کا شعلہ نکلا۔

۲- تو مجھے کسریٰ کا محل دکھایا گیا۔ دوسری مرتبہ قیصر روم کا محل اور تیسری مرتبہ یمن۔

۳- اس کی وجہ جبرئیل امین نے یہ بیان کی کہ میرے بعد دین کے مددگار اور انصار

۴- ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں کے باشندوں کو میری شریعت کا پابند کریں گے۔

۵- اس خوشخبری کو سن کر اور اس کا شکریہ ادا کرنے کے لیے میں نے تین بار اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

۶- جب اہل ایمان نے حضور کی زبان پاک سے یہ خوشخبری سنی تو سب نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

یہ چیز خود طلب ہے کہ حضور نے ان ملکوں کی فتوحات کو اپنی فتوحات قرار دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کا لطف اور احسان فرمایا ہے اور اظہار شکر کے لیے حضور نے اور حضور کے غلاموں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ اگر معاذ اللہ حضرت صدیق و فاروق خلیفہ برحق نہ ہوتے بلکہ نعوذ باللہ جابر اور غاصب ہوتے تو کیا ان کے زمانہ خلافت میں جو فتوحات ہوئیں انہیں حضور کی فتوحات کہنا درست ہوتا؟ اور ایسی فتوحات پر حضور فرحت و شادمانی کا اظہار فرماتے؟ کوئی ادنیٰ عقل و فہم رکھنے والا انسان بھی ان واقعات کی روشنی میں شیخین کی خلافت پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مزید تسکین خاطر کے لیے خود حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا وہ ارشاد گرامی پیش کرتا ہوں جو آپ نے حضرت فاروق اعظم کے متعلق فرمایا۔ مسلمانوں کی فوجیں ایران میں کسریٰ کی افواج سے برسر پیکار تھیں۔ محاذ جنگ سے اطلاع آئی کہ کسریٰ خود ایک لشکر عظیم لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے آ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے ارادہ کیا کہ کسریٰ کے مقابلہ میں وہ لشکر اسلام کی قیادت خود فرمائیں۔ مجلس شوریٰ طلب کی گئی اور اس موضوع کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس بات کی تائید نہ کی کہ حضرت عمر خود جنگ میں شرکت کریں اور اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ آپ خود انہیں پڑھیں۔ اگر حق کی طلب صادق آپ کے دل میں ہوگی تو یقیناً آپ پر حق واضح ہو جائے گا۔

آپ نے فرمایا: ان هذا الامر لم يكن نصره ولا خذلانه بكثرة ولا قلة وهو دين الله الذي اظهره وجنده الذي اعده وامده حتى بلغ ما بلغ وطلع حيث ما طلع ونحن على موعود من الله والله منجز وعده وناصر جنده ومكان القيم بالامر مكان النظام من الخرز يجمعه ويضمه فاذا انقطع النظام تفرق الخرز وذهب ثم لم يجتمع بحذافيره ابدا والعرب اليوم وان كانوا قليلا فهم كثيرون بالاسلام عزيزون

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن

کر دے گا ان کے لیے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا ہے ان کے لیے اور وہ ضرور بدل دیگا انہیں ان

بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ

کی حالت خوف کو امن سے۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، کسی کو میرا شریک نہیں بناتے اور جس نے ناشکری کی

بالاجتماع الخ (نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اس کام کی کامیابی کثرت تعداد کی وجہ سے اور اس کی ناکامی تعداد کی قلت کی وجہ سے نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا دین ہے جس کو اس نے غلبہ عطا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لشکر ہے جس کو اس نے خود تیار کیا ہے اور جس کی مدد اس نے خود فرمائی ہے یہاں تک کہ وہ ترقی وکامیابی کی اس منزل تک پہنچا۔ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے (یہاں آپ نے اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا وعد اللہ الذین آمنوا) اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائے گا اور اپنے لشکر کی مدد فرمائے گا۔ خلیفہ اسلام کی حیثیت اس دھاگے کی ہے جس میں دانے پروئے ہوتے ہیں اگر دھاگا ٹوٹ جائے تو دانے بکھر جاتے ہیں اور پھر ان سب کو جمع کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ عرب اگرچہ تعداد میں آج کم ہیں لیکن اسلام کی برکت سے وہ کثیر ہیں اور باہمی اتفاق و اتحاد کی وجہ سے وہ ہر میدان میں غالب ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ باب مدینۃ العلم نے حضرت عمرؓ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر کہا اور وضاحت سے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اس آیت میں مسلمانوں سے کیا ہے وہ آپ کے زمانہ میں پورا ہو گا۔ اب بھی اگر کوئی شخص خلفاء راشدین کی خلافت کو برحق نہیں سمجھتا اور ان کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی کرتا ہے تو وہ بیک وقت اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم اور امیر المومنین اسد اللہ الغالب کے ارشادات پر ایمان نہ رکھنے کا جرم کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے فتنوں سے بچائے اور اسلام کے جاں نثار سپاہیوں کی عزت و تکریم کرنے اور ان کے نقش قدم پر چل کر دین کو سربلند کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ ابھی پورا نہیں ہوا جب امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے تو اس وقت یہ وعدہ پورا ہو گا۔ جذبات تعصب کا کوئی علاج نہیں لیکن حق کی جستجو کرنے والے کے لیے یہ تصریحات ہی منکم کا ایک لفظ ہی کافی ہے یعنی صحابہ کرام جو اس آیت کے مخاطب تھے وہی منکم کا مرجع ہیں اور اولین وعدہ ان سے ہے نیز اگر ان کی اس بات کو صحیح مان لیا جائے تو ثابت ہو گا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں بھی یہ وعدہ ایفا نہ ہوا حالانکہ ہم ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں اور صحیح صحیح ادا کیا کرو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۵۶ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور اطاعت کرو رسول (پاک) کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ خیال ہرگز نہ کیجیے کہ کفار عاجز

مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۵۷

کرنے والے ہیں (ہمیں) زمین میں اور ان کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے اور یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ

ایمان والو! اذن طلب کیا کریں تم سے (گھروں میں داخل ہوتے وقت) تمہارے غلام اور وہ (لڑکے)

لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ

جو ابھی جوانی کو نہیں پہنچے۔ تم میں سے تین مرتبہ، نماز فجر سے پہلے،

وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ

اور جب تم اپنے کپڑے اتارتے ہو دوپہر کو اور نماز عشاء کے

الْعِشَاۗءِ ڜ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ

بعد۔ یہ تین پردے کے وقت ہیں تمہارے لیے۔ نہ تم پر اور نہ ان پر گناہ کوئی حرج ہے

۸۴ ؎ اسلامی طرزِ معاشرت کا ایک اور اصول بیان کیا جارہا ہے۔ پہلے حکم دیا گیا تھا کہ جب تم کسی کے گھر داخل ہونے لگو تو اجازت طلب کرو لیکن اگر اپنے بچوں کو اور گھر کے خدام کو جن کا ہر وقت گھر میں آنا جانا ہوتا ہے ان پر بھی یہ لازم کر دیا جاتا کہ وہ اذن کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے تو بڑے تکلف اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا اس لیے ان کے متعلق اس آیت میں وضاحت فرمادی کہ بچے اور خدام اگر ان تین اوقات میں گھر میں داخل ہوں جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے تو وہ بھی اجازت لے کر داخل ہوں کیونکہ ان اوقات میں انسان استراحت میں سستی کرتا ہے ہوسکتا ہے

بَعْدَهُنَّ ۚ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۚ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ

ان اوقات کے علاوہ۔ کثرت سے آنا جانا رہتا ہے تمہارا ایک دوسرے کے پاس یوں صاف صاف بیان فرماتا

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ

ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (اپنے) احکام۔ اور اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے۔ اور جب پہنچ جائیں تمہارے بچے

الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذٰلِكَ

حد بلوغ کو تو وہ بھی اذن طلب کیا کریں جس طرح اذن طلب کیا کرتے ہیں وہ لوگ جن کا ذکر پہلے ہو چکا یوں

یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ۚ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ

صاف صاف بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام کو۔ اور اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے۔ اور بڑی عمر کی خانہ نشین بوڑھی عورتیں

الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ

جنہیں آرزو نہ رہی ہو نکاح کی تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ رکھ دیں اپنے بالائی کپڑے

اس کے جسم کا کوئی حصہ ننگا ہو رہا ہو ایسی حالت میں ہرگز بلا اجازت اپنے بچوں اور خدام کا گھر میں آ جانا کسی کو بھی اسے پسند نہ ہو لیکن ان اوقات کے علاوہ وہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہو سکتے ہیں۔

آیت کے اس جملہ کا ترجمہ علامہ ابن حیان نے اس طرح کیا ہے هم طوافون عليكم ويطوف بعضكم على بعض یعنی وہ کثرت سے آتے جاتے ہیں تمہارے ہاں تم بھی ایک دوسرے کے پاس کثرت سے آتے جاتے ہو۔

پہلی آیت میں نابالغ بچوں کی گھر میں آمد و رفت کے قواعد بتائے۔ اس آیت میں جب وہ بچے بالغ ہو جائیں تو ان کے گھر میں آنے جانے کا طریقہ ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

قواعد جمع ہے۔ اس کا واحد قاعد ہے قاعدۃ نہیں۔ تا تانیث کی اس لیے حذف کی گئی تاکہ پتہ چلے کہ یہ بیٹھنا بڑھاپے کی وجہ سے ہے جس طرح امراۃ حامل کہتے ہیں حاملۃ نہیں کہتے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ عورت اپنے شکم میں بچے کو اٹھائے ہوئے ہے۔ قواعد سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بچہ جننے سے عاجز ہو جائیں اور جنہیں حیض آنا بند ہو جائے۔ ربیعہ کہتے ہیں هن اللتى اذا رأيتها تستقذرها من كبرها یعنی وہ عورت کہ جب تو اسے دیکھے تو اس کی پیرانہ سالی کی وجہ سے اس سے نفرت کرنے لگے ایسی عورت کو اجازت دی جا رہی ہے کہ وہ اوپر اوڑھنے والی

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

بشرطیکہ وہ ظاہر کرنے والی نہ ہوں (اپنی) آرائش۔ اور ان کا اس سے بھی اجتناب کرنا ان کے لیے بہت بہتر ہے اور اللہ سب

عَلِيْمٌ ۝۶۰ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا

کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ نہ اندھے پر کوئی حرج ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے ۵۸ اور نہ

عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ تم پر اس بات میں کہ تم کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ

اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا

چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا جن

چادر اگر استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ اجازت اس وقت ہے جبکہ اس چادر کو استعمال نہ کرنے سے اس کے پیش نظر اپنی آرائش اور زینت کی نمود نہ ہو۔

۵۸ اس آیت کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں لیکن سب سے پسندیدہ وہ قول ہے جسے علامہ قرطبی نے ترجیح دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں اس آیت کا ایک حصہ ولا علی المریض حرج پر ختم ہوتا ہے یعنی اگر کوئی شخص نابینا، لنگڑا اور بیمار ہو تو اس پر ایسے اعمال کا ادا کرنا ضروری نہیں جن سے اسے تکلیف ہوتی ہو۔ اسی لیے جہاد وغیرہ سے یہ لوگ مستثنیٰ قرار دیے گئے ہیں۔ آیت کا دوسرا حصہ ولا علی انفسکم سے شروع ہوتا ہے جس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ رشتہ دار یا احباب جن سے بے تکلفی ہو اور اگر ان کے ہاں سے کھا لیا جائے تو ان کے لیے زحمت اور عزت کا موجب ہو تو ایسے قریبی رشتہ داروں اور بے تکلف دوستوں کے ہاں سے کوئی چیز کھا لینا مباح ہے لیکن اگر وہ رشتہ دار یا دوست اس چیز کو ناپسند کریں تو پھر بلا اجازت ان کے ہاں سے کچھ کھانا درست نہیں جیسے متعدد احادیث سے واضح ہے۔ یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں فهذا معنى صحيح وتفسير بيّن مفيد يعضده الشرع والعقل (القرطبی) یعنی آیت کا یہی معنی صحیح ہے اور آیت کی یہ تفسیر واضح اور مفید ہے۔ شریعت اور عقل دونوں اس کی تائید کرتے ہیں۔

مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا

گھروں کی کنجیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے۔ نہیں ہے تم پر کوئی حرج اگر تم کھاؤ سب مل کر

اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ

یا الگ الگ۔ پھر جب تم داخل ہو گھروں میں تو سلامتی کی دُعا دو اپنوں کو۔ یہ وہ دُعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے

٨ ع ١٤ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾

مقرر ہے جو بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے ۲۸؎ یونہی کھول کر بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام تاکہ تم سمجھو

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓي

بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی

اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

اجتماعی کام کے لیے تو وہاں سے اُٹھ کر نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں ۲۹؎ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ

ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تو پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی

۲۸؎ جب انسان کسی گھر میں داخل ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہاں پہلے سے کوئی مسلمان موجود ہے تو کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور اگر وہاں کوئی شخص موجود نہ ہو تو کہے السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین۔ اور اگر کوئی غیر مسلم وہاں رہائش پذیر ہو تو کہے السلام علی من اتبع الهدیٰ۔

۲۹؎ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب ابوسفیان قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب کو لے کر مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ بلا کی سردی تھی مسلمانوں کے پاس خوراک کے ذخیرے بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تو تعمیلِ ارشاد میں ہمہ تن مصروف تھے لیکن منافق چپکے چپکے کھسکنے لگے یا جھوٹے عذر پیش کر کے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی یعنی اہلِ ایمان کا یہ شیوہ نہیں کہ وہ ایسے نازک موقع پر بغیر اجازت حاصل کیے ہوئے کھسکنے

شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

کام کے لیے تو اجازت دیجیے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجیے ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بےشک اللہ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ

تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو لہ

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ

اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے انھیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر پس ڈرنا چاہیے انھیں جو

عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦٣﴾ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ

خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم کے فرمان کی کہ انھیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انھیں دردناک عذاب نہ آلے لہ سن لو بلاشبہ

مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ

اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے وہ خوب جانتا ہے جس حالت پر تم ہو اور جس دن جب وہ لوٹائے

إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٦٤﴾

جائیں گے اس کی بارگاہ کی طرف تو وہ انھیں آگاہ کرے گا جو انھوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے

تھیں یا مجبوری بیان کر کے واپس لوٹنے کی اجازت حاصل کی تھی۔

لہ بارگاہ رسالت کا ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس طرح خطاب کرنے سے منع کیا جا رہا ہے جس طرح عام لوگ آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں۔ بارگاہ رسالت میں شور مچانے، بلند آواز اور دیہاتیوں کے بھونڈے انداز سے ندا کرنے کی ممانعت ہے۔ المعنی قولوا یا رسول اللہ فی رفق ولین ولا تقولوا یا محمد بتجھم۔ یعنی نرمی اور ملاطفت کے ساتھ یا رسول اللہ کہو اور گستاخانہ انداز سے یا محمد مت کہو۔ وقال قتادۃ : امرھم ان یشرفوہ ویفخموہ۔

لہ حضور کی نافرمانی پر مرتب ہونے والے عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے۔

تعارف سورۃ الفرقان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس کا نام سورۃ الفرقان ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ رکوع ستتر آیتیں اور آٹھ سو بانوے کلمات تین ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

مضامین: ابتدائی آیتوں میں اس سورۃ کا ماحصل بڑی جامعیت سے بیان فرما دیا۔ قرآن، رسالت اور توحید اس کے بعد ان میں سے ہر ایک موضوع پر مشرکین کے جو اعتراضات و شبہات تھے ان کو ذکر کیا اور اپنے مؤثر انداز بیان اور مخصوص طرز خطاب سے ان کے جوابات دیئے اور ان کے شکوک کا ازالہ کیا۔ ساری سورۃ میں اگر آپ غور فرمائیں گے تو دیگر ضمنی مسائل کے علاوہ یہی تین بنیادی چیزیں آپ کو نظر آئیں گی۔

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفرقان مکی ہے اور اس کی ۷۷ آیتیں اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝1

بڑی (خیر و) برکت والا ہے (1) وہ (رب) جس نے اتارا ہے الفرقان اپنے (محبوب) بندہ پر تاکہ وہ بن جائے سارے جہان (والوں) کو (بروقت) ڈرانے والا

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ

(ڈرانے والا) وہ جس کے لیے حکومت ہے آسمانوں اور زمین کی اور نہیں بنایا ہے اس نے کسی کو بیٹا اور نہیں اس کا

1 کیونکہ اس سورت میں معاندین سے خطاب ہو رہا ہے اور انہی کی اصلاح کی کوشش کی جا رہی ہے اس لیے اس سورت کا آغاز بڑے پرجلال انداز میں فرمایا گیا۔

تبارک ایسا فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے مخصوص ہے نیز فعل ہونے کے باوجود اس سے دیگر مشتقات مضارع، امر، فاعل وغیرہ نہیں بنتے۔ یہ برکۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے خیر و نفع رسانی میں زیادتی۔ اس لیے تبارک کا معنی ہوگا تمام خیر و عطا کا منبع و مصدر، اس کی خیر اور اس کی جود و عطا بہت زیادہ ہے۔ عقل سلیم کو اس روشن حقیقت کے تسلیم کرنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ اگر اس کی خیر اور نفع رسانی بے اندازہ نہ ہوتی، اگر اس کے جود و عطا کا دستر خوان ہر وقت بچھا ہوا نہ ہوتا تو نہ یہ عالم رنگ و بو ہوتا اور نہ اس کی یہ رونقیں اور رنگینیاں ہوتیں۔ اس کے فیض سرمدی اور برکات لامتناہی کا سرچشمہ یہ صحیفہ ہدایت ہے جس کی حیات آفریں موجیں جہاں سے گزرتی ہیں وہاں خیر و صلاح کے چمن لہلہانے لگتے ہیں۔ یہ آفتاب کی روشنی سے ہر سو حیات کے سارے گوشے جگمگا رہے ہیں۔ اس کے نزول سے حق و باطل میں اختلاط و التباس کا اندھیرا ختم ہو گیا۔ اس لیے یہاں قرآن کی یہی صفت کہ یہ الفرقان ہے بیان کی گئی۔ اس کا نزول اس عبد کامل پر ہوا جہاں عبدیت کی انتہا ہو جاتی ہے۔ عبدیت کے اس اعلیٰ و ارفع مقام پر صرف اسی محبوب کی رسائی ہے۔ اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ محبوب ترین اور اکمل ترین بندہ سارے جہان کو اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کے خوفناک انجام سے بروقت متنبہ فرما دے۔ کیونکہ یہاں روئے سخن سرکشوں اور معاندین کی طرف ہے اس لیے یہاں حضور کی صفت نذیری کا بیان ہی مناسب تھا۔ للعالمین کے لفظ سے واضح ہو گیا کہ حضور کی نبوت و رسالت مکان و زمان کی حدود سے آشنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا

لَهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝۲

کوئی شریک سلطنت میں اور اس نے پیدا فرمایا ہے ہر چیز کو پس اس نے مقرر کیا ہے ہر چیز کا ایک اندازہ ۳

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَ

اور بنا لیے ہیں انھوں نے خدا تعالیٰ برحق کو چھوڑ کر ایسے خدا جو پیدا نہیں کر سکتے کسی چیز کو ۴ اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں

کائنات کی پستیاں اور بلندیاں ہیں جو کچھ ہے سب کے لیے آپ رسول ہیں اور جب تک یہ عالم برقرار رہے گا حضور کی رسالت کا پرچم لہراتا رہے گا۔

۲ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال کو بیان فرمایا جا رہا ہے۔ بتایا کہ قرآن نازل کرنے والا وہ پروردگار ہے جس کی حکومت و بادشاہی کا ڈنکا آسمانوں اور زمینوں میں ہر جگہ بج رہا ہے۔ اس نے کسی کو اپنا فرزند نہیں بنایا نہ اسے اس کی کوئی ضرورت ہے۔ کوئی شخص اس کی حکومت و سلطانی میں حصہ دار نہیں ہے کہ کچھ اس کا ہو اور کچھ اس کے شریک کا۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہی خالق ہے اور وہی مالک ہے۔

۳ اس کی حکمت و علم کا یہ عالم ہے کہ اس جہان میں ان گنت قسموں کی بے شمار چیزیں ہیں لیکن کیا مجال کہ کوئی چیز اپنے اندازے سے کم یا زیادہ ہو۔ چیونٹی سے لے کر ہاتھی تک، ریت کے ذرے سے لے کر پہاڑوں تک ہر چیز اس حقیقت کی شہادت دے رہی ہے کہ جاننے والے نے ہر چیز کو پورے اندازے سے بنایا ہے۔ انسان اپنے آپ میں ہی غور کرے۔ اگر آنکھیں آگے کے بجائے سر کے پیچھے ہوتیں، یا آنکھوں پر پپوٹوں کا غلاف نہ ہوتا یا اس پر پلکیں نہ ہوتیں تو کیا اس نازک ترین چیز کی حفاظت ممکن تھی؟ اگر دل جہاں ہے وہاں سے ایک انچ اوپر نیچے ہوتا یا بائیں طرف کی بجائے دائیں طرف ہوتا تو یہ اعضاء و وظیفے کا دم بھرنے والا انسان لمحہ بھر بھی زندہ رہ سکتا؟ غرضیکہ سارا انتظام عالم اس دانائی اور کمال مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ہر چیز کی وضع و قطع اور محل و مکان ایسی عمدگی سے مقرر کیا گیا ہے کہ اگر اس میں بال برابر بھی رد و بدل کیا جائے تو ہر چیز پاش پاش ہو جائے۔ خود سوچیے جس کی سلطانی کا یہ عالم ہے کہ ساری بلندیاں اور پستیاں اس کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں، جو ہر چیز کا خالق ہے، جس کے علم و حکمت کی گواہی ہر چیز دے رہی ہے، سوچو اور انصاف کرو کہ ایسے خداوند عالم و عالمیان کو بیٹے کی کوئی ضرورت ہے اور اس کا کوئی شریک ہو سکتا ہے۔ اے غافلو! تم کس چکر میں پھنسے ہوئے ہو تم کیوں اس روشن حقیقت کو نہیں سمجھتے۔

۴ مقام حیرت ہے کہ ان مشرکین نے جنھیں اپنی دانشمندی پر بڑا ناز ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے لیے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو ہر قسم کے عیوب و نقائص کا مجموعہ اور تمام خوبیوں سے یکسر معرا ہیں۔

لَا يَمْلِكُونَ لِأَنفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً

اور نہیں قدرت رکھتے اپنے آپ کو نقصان دینے کی اور نہ نفع پہنچانے کی اور نہیں طاقت رکھتے کسی کو مارنے کی اور نہ زندہ کرنے

وَلَا نُشُورًا ۝ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ

کی اور نہ مرنے کے بعد اٹھانے کی۔ اور کہنے لگے کفار کہ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر محض بہتان جو گھڑ لیا ہے اس نے

وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَ

اور مدد کی ہے اس کی اس معاملہ میں ایک دوسری قوم نے سو یہ (کہہ کر) انہوں نے بڑا ظلم کیا ہے اور سفید جھوٹ بولا ہے۔ اور

ف کفار مکہ انکار توحید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی بڑے شد و مد سے انکار کیا کرتے تھے انہوں نے یہاں تک بہتان تراشی کی کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے بلکہ انہوں نے خود اسے تصنیف کیا ہے۔ یہ بات جوش غضب میں زبان سے تو نکل گئی لیکن خود ہی خیال آیا کہ وہ شخص جو امی ہے جس نے کسی انسان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا جو آج تک کسی ادیب اور فلسفی کی صحبت میں نہیں بیٹھا وہ ایسی عظیم کتاب کا مصنف کیسے ہو سکتا ہے جس کی ہر سطر سے اسرار و معارف کے دریا بہہ رہے ہیں چنانچہ وہ کہنے لگے کہ وہ تنہا اس کتاب کے مصنف نہیں ہیں بلکہ چند اور لوگ بھی اس کی تصنیف میں شریک ہیں جب ان سے پوچھا گیا کہ بتاؤ وہ نابغۂ روزگار لوگ کون ہیں جن کی زبان سے علم و حکمت کے ایسے چشمے پھوٹ رہے ہیں جن کی ہر بات سے چشم دل تازہ اور جن کی مہک سے مشام روح معطر ہو جاتا ہے تو تلملا کر دیوانوں کی طرح کبھی کسی کا نام لیتے ہیں اور کبھی کسی کا کہیں قدم نہیں جمتے کبھی عبید بن الحضر حبشی کاہن کا نام لیتے ہیں اور کبھی ابو فکیہہ یسار، عداس اور جبر کا نام لیتے ہیں جو انہی مشرکین مکہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آخر ایسے لوگ جن کی مادری زبان عربی نہیں جن کی ساری زندگی اپنے بے مہر آقاؤں کی خدمت میں بسر ہوتی، جن کے احوال و اطوار، گفتگو سے کبھی بھی معمولی قابلیت اور ذہانت کی بو تک نہیں آئی وہ اس کتاب کے مصنف کیسے بن گئے جس کی فصاحت و بلاغت، جس کے حسن بیان اور زور استدلال نے عرب بھر کے ادیبوں اور دانشوروں کے چھکے چھڑا دیے اور بار بار چیلنج دینے کے باوجود انہیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ سارے عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اپنی ساری قوتوں کو بروئے کار لا کر اس جیسی ایک کتاب یا کم از کم ایک چھوٹی سی سورت ہی پیش کر سکتے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے شور و شر کے جواب میں اتنا کہہ کر ہی بات ختم کر دی کہ وہ ظالم ہیں اور سفید جھوٹ بول رہے ہیں گویا ان کا یہ اعتراض اس قابل ہی نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے یا اس کی طرف توجہ کی جائے۔

وَقَالُوٓا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ

کہا انھوں نے کہ یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے ــه اس شخص نے لکھوا لیا ہے انھیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے صبح

أَصِيلًا ۝ قُلْ أَنزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

وشام (تاکہ ازبر ہو جائیں) آپ فرمایئے اتارا ہے اس کو اس (دانائے راز) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو

إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ

واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ــه اور (کفار) کہتے ہیں کیا ہو گیا ہے اس رسول کو ــه کہ کھانا کھاتا ہے

الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ

اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں ۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اتارا جاتا اس کی طرف کوئی فرشتہ اور وہ اس کے

ــه پھر کہتے اس میں رکھا ہی کیا ہے یہی چند من گھڑت قصے اور پرانے لوگوں کی داستانیں جنھیں کئی لوگوں سے صبح وشام سنیں ۔ انھیں ایک سرے سے لکھوا لیا اور ہمیں آ کر سنا دیا کیا ایسی کتاب بھی اس قابل ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اکتتبها ۔ استکتبها کسی سے لکھوا لی ۔ قرطبی

ــه اس کے جواب میں اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ تم فرماؤ کہ یہ قصے سنانے والے نہیں بلکہ اس علیم و خبیر کا کلام ہے جو زمین و آسمان کے ہر راز سے باخبر ہے۔ اگر تم اب بھی اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دو اور حق کو قبول کر لو تو وہ اپنی مغفرت کی چادر سے تم کو ڈھانپ لے گا اور اپنی رحمت کا دروازہ تمہارے لیے کھول دے گا تمہاری سابقہ خطائیں سب معاف کر دی جائیں گی یہاں غفورا رحیما کا ذکر کتنا دلکش اور معنی خیز ہے۔

ــه اپنی باتوں کی بے سروپائی ان پر بھی عیاں تھی وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ ان کی یہ بہتان تراشیاں کسی خرد مند کو متاثر نہیں کر سکیں گی اور ان کی اس خرافات آرائی سے لوگ اس دین حق سے متنفر نہیں ہوں گے اس لیے انھوں نے ایک نیا شوشہ چھوڑا اور کہنے لگے یہ عجیب رسول ہے ہماری طرح کھاتا پیتا ہے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ نہ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا ہے جو لوگوں کو بتاتا کہ یہ خدا کا رسول ہے اور اگر تم نے اس کی پیروی نہ کی تو ہلاک کر دیے جاؤ گے۔ آنکھیں بند کر کے ہم ایسے شخص کو کیسے رسول تسلیم کریں۔

مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَ

ساتھ مل کر وہ لوگوں کو ڈراتا یا ڈال دیا جاتا اس کی طرف خزانہ لے یا ہوتا اس کا ایک باغ ہی جس سے کھایا کرتا

قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

اور یہ ظالم کہنے لگے کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک ایسے شخص کی جس پر جادو کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے لے

لے اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ اس کے پاس زر و جواہرات کا خزانہ ہوتا خود بھی آرام و راحت سے زندگی بسر کرتا اور اپنے ماننے والوں کو بھی فکر روزگار سے آزاد کر دیتا یا اس کا ایک باغ ہی ہوتا جس کی آمدنی سے یہ اپنا وقت عزت و آرام سے گزارتا اور عسرت و تنگدستی سے پریشان نہ ہوتا پھرتا۔ آخر میں کہتے کہ اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اس لیے تو یہ (معاذ اللہ) ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے کفار مسلمانوں کو طعنے دیتے کہ یہ ہے تمہارا رسول جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ تم ایسے آدمی کی پیروی کر رہے ہو جس پر جادو کر دیا گیا ہے اور اس کی عقل کا توازن برقرار نہیں رہا۔

لے ان کور باطنوں کے پاس وہ آنکھ کہاں جو نور محمدی کو دیکھ سکے۔ ان کے بشری حواس بھی کفر و شرک کے تعفن کے باعث ایسے ماؤف ہو چکے ہیں کہ بشریت کاملہ کے اس پیکر زیبا اور پیکر حسن و جمال کی رعنائیوں کو بھی دیکھنے سے یکسر قاصر ہیں۔ ان کی کوتاہ بینی صرف یہاں تک ہے کہ وہ اس کا چلنا پھرنا دیکھ سکیں لیکن عرش کی بلندیوں پر اس کا محو خرام ہونا انہیں دکھائی نہ دے سکا۔ یہ کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی فرشتہ نہیں ہوتا فرشتوں کے سردار تو اس کی رکاب تھامنے اور باگ پکڑنے کو اپنے لیے باعث عز و افتخار سمجھتے ہیں۔ سامنے تو ہر وقت میری معیت حاصل ہے جو فرشتوں کا خالق و مالک ہوں۔ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا "تو ہماری قدرت کی نگاہوں میں بس رہا ہے" ایسی شان سے وہ بے خبر ہیں۔ وہ یہی دیکھتے رہے کہ یہ پھٹے پرانے کپڑے زیب تن فرماتا ہے۔ اس کے ہاں اکثر جو کی روٹی پکتی ہے بلکہ کئی کئی ماہ تک اس کے ہاں چولہا بھی گرم نہیں ہوتا اور اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ مفلس ہے، نادار ہے۔ لیکن انہوں نے اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ انہوں نے میرے محبوب کی یہ بات سننے سے کان بند کر لیے اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ (بخاری) "مجھے ساری زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں دے دی گئی ہیں۔" دنیا اور دنیا کی متاع فانی کو اس نے اپنے دامن استغنا سے گرد کی طرح جھاڑ دیا ہے۔ اس کی نگاہ مازاغ کو تو حوروں کا حسن، جنت کی بہاریں، عرش و کرسی کی عظمتیں اپنی طرف ملتفت نہ کر سکیں۔ وہ تو ہر دم حسن حقیقی کے مشاہدہ میں لذت استغراق سے سرشار ہے اور یہ کافر اپنی نادانی اور کم ظرفی کے باعث یہ سمجھنے لگے ہیں کہ مفلس ہے، نادار ہے۔ انہیں کیا معلوم۔ ؎

دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

وہ سمجھتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی باغ نہیں کتنے کور دل ہیں یہ سمجھنے والے یہ سارا گلشن عالم اس کا ہے جس کی بہاریں جن کے

لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ

کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس اب نہیں پا سکتے (ہدایت کی) راہ۔ بڑی خیر و برکت والا

شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ہے اللہ تعالیٰ جو اگر چاہے تو بنا دے آپ کے لیے بہتر اس سے (یعنی) ایسے باغات رواں ہوں جن کے نیچے نہریں۔

در و دیوار، قصور و اشجار پر اسی کا عالم نقش ہے۔ اے محبوب! تیرے مقام کو نہ پہچان کر تیری عظمت سے بے خبر ہو کر تیری شان کا انکار کر کے وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ کاش! انہیں صدیق کی آنکھ اور بلال کا دل نصیب ہوتا تو انہیں تیرے حسن سرمدی اور تیری محبوبیت کا پتہ چلتا۔ بارگاہ رسالت کا شاعر مسجد نبوی میں منبر پر کھڑا ہو کر یہ کہہ رہا ہے، ذرا اسے سنو تو ؎

وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ ... وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ ... كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

چشم فلک نے اے محبوب کہیں بھی اور کبھی بھی تجھ سا حسین و جمیل پیکر بشریت کوئی نہیں دیکھا اور کسی عورت نے کسی زمانہ میں آپ سے زیادہ حسین و جمیل بچہ نہیں جنا۔ پیدا کرنے والے نے تجھے ہر عیب سے پاک پیدا کیا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیری تخلیق اس طرح کی گئی ہے جیسے تیری مرضی تھی۔ اور یہی حسان ایک دوسرے موقع پر یوں حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

لَهٗ هِمَمٌ لَا مُنْتَهٰى لِكِبَارِهَا ... وَهِمَّتُهُ الصُّغْرٰى اَجَلُّ مِنَ الدَّهْرِ

اس کے بڑے بڑے حوصلوں اور ہمتوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس کا سب سے چھوٹا حوصلہ زمانے سے بھی بزرگ تر ہے۔ لیکن نہ وہ عشق و محبت کی راہ پر چلے اور نہ انہیں تیری معرفت نصیب ہوئی۔ وہ بدنصیب اعتراضات اور الزامات کے خارزاروں میں ہی سر پٹخ کر رہ گئے۔ اسی لیے تو کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادو زدہ ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ نہیں اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں خود کلام گھڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں بہت سے لوگ اس کی امداد کرتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں شاعر ہے۔ غرضیکہ کوئی بات بن نہیں آتی۔ کہیں قدم نہیں جمتے۔ یوں ہی وادی تباہی میں بھٹک رہے ہیں۔ حقیقت کا راستہ گم کر بیٹھے ہیں اور ظن و تخمین کے ریگزاروں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی جود و عطا سے کیا بعید ہے کہ وہ آپ کو یہ ظاہری باغ بھی دے دیتا۔ اس میں نہریں رواں ہوتیں اور آپ کی رہائش کے لیے بڑے بڑے خوبصورت اور شاندار محل ہوتے۔ لیکن جس دین حق کی تبلیغ کی عزت آپ کو بخشی گئی ہے اس کے سامنے یہ ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رضوان (خازن جنت) بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ رضوان نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا پھر کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! رب العزت آپ کو

وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿١٠﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

اور بنادے آپ کے لیے بڑے بڑے محلات - بلکہ یہ تو جھٹلاتے ہیں قیامت کو ١٣ اور ہم نے تیار کر رکھی ہے ان کے

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿١١﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا

لیے جو جھٹلاتے ہیں قیامت کو بھڑکتی ہوئی آگ ۔ جب یہ آگ دیکھے گی انھیں دور سے تو سنیں گے اس کا جوش مارنا

وَّزَفِيْرًا ﴿١٢﴾ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿١٣﴾

اور چنگھاڑنا - اور جب انھیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو

سلام فرماتے ہیں اور یہ ایک صندوقچی ہے اس صندوقچی میں سے نور چمک رہا تھا ۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ھذہ مفاتیح خزائن الدنیا - اس میں دنیا کے سارے خزانوں کی کنجیاں ہیں ، آپ یہ لے لیں ، اس کی وجہ سے آپ کے آخرت کے اجر میں مچھر کے پر کے برابر بھی کمی نہیں ہوگی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل کی طرف دیکھا ۔ گویا آپ اس کی بابت پوچھ رہے تھے ۔ جبرئیل نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا یہ اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ تواضع اختیار کریں ۔ حضور نے فرمایا ۔ یا رضوان لا حاجة لی فیھا الفقر احب الی وان اکون عبدا صابرا شکورا ۔ اے رضوان مجھے ان کی ضرورت نہیں ۔ مجھے فقر زیادہ پسند ہے اور مجھے یہ چیز زیادہ مرغوب ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا صابر اور شکر گزار بندہ بنوں ۔ فقال رضوان اصبت اللہ لک (قرطبی) آپ کا یہ فیصلہ درست ہے اللہ آپ کا ہے ۔ اللہ اللہ اس میں جو لطف ہے اس سے اہل ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں ۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا ہے ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — اور محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عرض علی ربی ان یجعل لی بطحاء مکة ذھبا وقلت لا یا رب ولکن اشبع یوما واجوع یوما (مظہری) میرے رب نے میرے سامنے یہ چیز پیش کی کہ میرے لیے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دے ۔ میں نے عرض کی لا یا رب نہیں میرے مولا بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں (اور تیرا شکر ادا کروں) اور ایک دن بھوکا رہوں (اور صبر کروں) ؎

گزیدم فقر بر فرماں روائے ملک ابد — بمشتِ خاک ندادم ہوائے سلطانی

١٣ ان کی یہ تنگ بینیاں اور زبان درازیاں اسی لیے تو ہیں کہ انھیں قیامت پر یقین نہیں ۔ اگر انھیں یہ علم ہو جاتا کہ کل روز محشر ان سرپھرے سرکشوں کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی تو ایسی بے ادبیاں نہ کرتے ۔

١٤ اس روز کفار و مشرکین پر جو گزرے گی اس کا حال بیان فرمایا تاکہ وہ اب ہی غوایت و ضلالت سے باز آ جائیں

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿١٤﴾ قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ

(کہا جائے گا) بدبختو! آج ایک موت کو نہ پکارو سللہ بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو۔ ان سے پوچھئے: کیا یہ (انجام)

أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿١٥﴾

بہتر ہے یا دائمی جنت شلہ جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے جو ان کے اعمال کا صلہ اور (آخری) ٹھکانا ہوگی

لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَسْئُولًا ﴿١٦﴾

اُن کے لیے اس میں ہر وہ نعمت ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے شلہ وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ تیرے رب کے ذمہ ایسا وعدہ ہے جس کا ایفا لازم ہے

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنْتُمْ

اور جس روز (مشرکوں کو) اللہ انہیں اکٹھا کرے گا اور ان کے باطل معبودوں کو بھی جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں تو اللہ پوچھے گا: کیا تم نے

أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ

معبودوں سے: کیا تم نے گمراہ کیا تھا میرے ان بندوں کو یا یہ خود ہی سیدھی راہ سے بھٹک گئے تھے؟ وہ کہیں گے: تو پاک ہے

اور دوزخ کی ان تنگیوں سے اپنے آپ کو بچا لیں جن کے ذکر سے ہی کلیجہ منہ کو آ جاتا ہے۔ تغیظ: صوت تغیظها صوت غلیانها شبیها بصوت المتغیظ۔ شعلوں کے بھڑکنے سے ایسی آواز پیدا ہوگی جیسے کوئی غیظ و غضب سے بڑبڑا رہا ہو۔ زفیر: تردد النفس حتی تنتفخ الضلوع منه (مفردات) یعنی سانس کے گھٹنے کی آواز جس سے پسلیاں پھول جائیں۔ گدھا جب ہینگتا ہے تو اس کی آواز کے پہلے حصہ کو زفیر اور آخری کو شہیق کہتے ہیں۔ مقرنین: زنجیروں اور سلاسل میں جکڑے ہوئے۔

سللہ انہیں جب زنجیروں اور سلاسل میں جکڑ کر بھرے ہوئے اور غصہ سے پھنکارتے اور چنگھاڑتے ہوئے دوزخ میں پھینکا جائے گا تو ہر ایک یہ کہے گا ہائے میں تباہ و برباد ہو گیا، ہلاک ہو گیا۔ سب سے پہلے شیطان واثبوراہ کہہ کر چلائے گا اور اس کے بعد اس کے چیلے

شلہ دوزخ اور اس کی ہولناکیوں کا ایسا مؤثر منظر پیش کیا گیا ہے گویا وہ ابھی اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور ان سے یہ پوچھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

شلہ اہل جنت کی عزت افزائیوں کا ذکر فرمایا کہ اس دنیا میں انہوں نے ایسی تنگی گزاری [illegible] اور جنت میں ہم ان کی ایسی دلداری کریں گے کہ جو وہ چاہیں گے ان کو مہیا کر دیا جائے گا، یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں۔

سللہ تمام مشرکین کو بتایا جا رہا ہے کہ جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے اور ہر وقت ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہو

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ

(وہ عرض کریں گے) ہمیں یہ بات زیبا نہ تھی کہ ہم بنالیتے تیرے سوا کسی غیر کو دوست لیکن تو نے

مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ

آرام و آسائش عطا کی انھیں اور ان کے آباء کو یہاں تک کہ انھوں نے بھلا دیا تیری یاد کو اور یہ لوگ تباہ و برباد ہونے والے تھے۔ تو

كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ

تمہارے معبودوں نے تمہیں جھٹلا دیا ہر اس چیز میں جو تم کہتے تھے پس اب نہ تم ہٹا سکتے ہو عذاب کو اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہو اور جس نے

يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ

ظلم کیا تم میں سے تو ہم چکھائیں گے اسے عذاب بڑا۔ اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں اپنی بارگاہ میں طلب فرمائے گا اور تم بھی ان کے ساتھ ہو گے۔ اس وقت ان معبودوں سے پوچھا جائیگا کہ کیا تم نے انھیں کہا تھا کہ ہمیں خدا بناؤ اور ہماری عبادت کرو۔ اے مشرکین سن لو اس وقت تمہارے سارے معبود دیوی دیوتا سب کہیں گے اے خداوند عالم تو ہر قسم کے شرک سے پاک اور منزہ ہے ہم یہ جسارت کیونکر کر سکتے تھے کہ لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم دیں۔ ان لوگوں کی گمراہی کی وجہ یہ نہیں کہ ہم نے انھیں ایسا کہا تھا بلکہ دولت و ثروت کی فراوانی اور جہالت کی طوالت نے انھیں بت پرست بنا دیا اور وہ تیری یاد سے غافل ہو گئے۔

وہ کون معبود ہیں جن کو قیامت کے روز طلب کیا جائے گا۔ ضحاک اور عکرمہ نے کہا ہے کہ وہ بت ہیں جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اس صورت میں ان کو قوت گویائی بخشی جائے گی اور وہ جواب دیں گے۔ لیکن مجاہد اور ابن جریر نے کہا ہے کہ تمام معبودوں کو بلایا جائے گا فرشتے، جن، انسان، مسیح، عزیر وغیرہم۔ وہ سب اپنی براءت کریں گے کہ ہم نے کسی کو اپنی پوجا کرنے کی تلقین نہیں کی۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے تاکہ ساری مشرک قوموں کے معبودوں کا ذکر آجائے۔ ان میں سے بعض نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہو گا بلکہ لوگوں نے ناحق انھیں معبود بنا لیا ہو گا۔ ان کا تو یہ جواب صداقت پر مبنی ہو گا لیکن فرعون و نمرود جیسے جنھوں نے اپنی الوہیت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ انھیں خدا مانیں، وہ بھی اس سے مکر جائیں گے۔

بُوْرٌ: ہلاک۔ بار یبور بوراً۔ یہ اسم مصدر ہے۔ واحد، جمع، تذکیر و تانیث سب حالتوں میں استعمال ہوتا ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہ بائر کی جمع ہے جس طرح عائذ کی عوذ اور ہائد کی ھود۔ (قرطبی)

الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ يَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَ

رسول ؂ مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں اور

جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۠﴿۲۰﴾

ہم نے بنا دیا تمہیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش ؂ کیا تم (اس آزمائش میں) صبر کرو گے؟ اور آپکا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ

اور کہا ان لوگوں نے جو امید نہیں رکھتے تھے ہم سے ملنے کی کہ کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے ؂

؂ یعنی کفار کا آپ پر اعتراض کرنا کہ آپ کھانا تناول فرماتے ہیں اور بازاروں میں جاتے ہیں بالکل لغو ہے۔ آپ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھایا کرتے اور کام کاج کے لیے بازاروں میں تشریف لے جاتے۔ کھانا کھانا اور بازاروں میں جانا مقامِ رسالت اور شانِ نبوت کے منافی نہیں۔ جیسے ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار کے اس اعتراض سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رنجیدہ خاطر ہوئے۔ فوراً جبرئیل آپہنچے۔ وقال السلام علیك یا رسول اللہ اللہ ربك یقرئك السلام ویقول لك وما ارسلنا قبلك الآیۃ۔ یعنی جبرئیل نے آکر عرض کیا السلام علیک یا رسول اللہ تعالیٰ جو آپ کا رب ہے وہ سلام فرما رہا ہے اور اس کا ارشاد ہے وما ارسلنا الآیۃ (قرطبی) یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ خاطرِ حبیب کی اتنی گرانی بھی گوارا نہ ہوئی۔

؂ یعنی ہر شخص اپنے مقابل سے آزمایا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی نے بڑی جامع اور مختصر بات لکھی ہے فالفتنۃ ان یحسد المبتلٰی المعافی ویحتقر المعافی المبتلٰی۔ کسی مصیبت، مرض یا فقر میں مبتلا ہونے والے کا خیر و عافیت سے زندگی بسر کرنے والے پر حسد کرنا اس کے لیے فتنہ ہے اور خیر و عافیت سے زندگی بسر کرنے والے کا کسی گرفتارِ بلا کو حقیر سمجھنا اس کے لیے فتنہ ہے۔ اس بھری آزمائش میں کامیاب ہونے کا طریقہ بتا دیا اتصبرون یعنی صبر کا دامن اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یہ جملہ مستفہمیہ اصبروا امر کے معنی میں ہے یعنی صبر کرو جیسے فھل انتم منتہون کا معنی انتہوا ہے۔ اس فتنہ سے بچنے کے لیے رحمتِ عالم کا یہ ارشادِ گرامی بھی ڈھال کا کام دیتا ہے ارشاد ہے اذا نظر احدکم الٰی من فضل علیہ فی المال والجسم فلینظر الٰی من ھو اسفل منہ (بخاری، مسلم) جو شخص کسی ایسے آدمی کو دیکھے جو مال اور حسن و صحت میں اس سے افضل ہے تو اسے چاہیے کہ فوراً نگاہ ان کی طرف پھیرے جو اس سے بھی زیادہ نادار ہیں یا جسمانی لحاظ سے کمزور ہیں۔

؂ اللہ تعالیٰ سب کو دیکھ رہا ہے اور ہر شخص کا طریقِ کار اس پر عیاں ہے۔

؂ کفار ایمان لانے کے لیے عجیب عجیب شرطیں عائد کرتے ہیں۔ کبھی کہتے کہ فرشتے اتر کر ہمارے پاس آئیں،

أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾

یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو بے شک اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنے لگے تھے اپنے دلوں میں اور انھوں نے حد سے بڑھ کر سرکشی کی

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ

جس روز وہ دیکھیں گے فرشتوں کو تو کوئی خوشی کی بات نہ ہوگی اس روز مجرموں کے لیے ۲۲؎ اور فرشتے کہیں گے تمہارے

حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾ وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ

لیے جنت کا داخلہ قطعاً حرام ہے ۲۳؎ اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف ۲۴؎ اور انھیں گرد و غبار

کبھی کہتے اللہ تعالیٰ بے حجاب ہو کر ہمارے سامنے آئے تاکہ ہم اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ کر تسلی کر لیں۔ ارشاد ہوتا ہے ان مغروروں نے اپنے آپ کو سمجھ کیا رکھا ہے کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خدا و رسول کو ان کے ایمان لانے کی بڑی ضرورت ہے اس لیے وہ جو مطالبہ کریں گے خواہ کتنا نامعقول ہی ہو اسے ضرور پورا کیا جائے گا۔ وہ اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دیں

۲۲؎ اگر ان کی خواہش کے مطابق فرشتے ان کے پاس اتر کر آ بھی گئے تو وہ دن ان کے لیے فرحت و مسرت کا دن نہیں ہوگا۔ فرشتے ان کے لیے کوئی خوشخبری لے کر نہیں آئیں گے بلکہ انھیں یہ بتانے آئیں گے کہ توبہ کی مہلت ختم ہو گئی اور تمہارے لیے جنت کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اس میں تمہارا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ تقول الملائکۃ حرامًا محرمًا ان یدخل الجنۃ الا من قال لا الہ الا اللہ واقام شرائعہا (مظہری) محجورا صفۃ تؤکد معنی حجرا کما قالوا موت مائت و ذیل ذائل۔ یعنی فرشتے کہیں گے کہ جنہوں نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا اور شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کی ان کا جنت میں داخلہ قطعاً حرام اور ممنوع ہے۔ اس صورت میں حجرا مصدر ہے محجورا صفت برائے تاکید ہوگی جیسے کہتے ہیں موت مائت وغیرہ۔ یہ ترجمہ کی جائے تو یقولون کا فاعل ملائکہ ہوں گے لیکن بعض علماء کے نزدیک اس کا فاعل کفار ہیں۔ ابن جریج کہتے ہیں عرب جب کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو کہتے ہیں حجرا محجورا معناہ عوذا معوذا۔ پناہ پناہ۔ (مظہری) علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں وہی کلمۃ تقول العرب عند لقاء عدو وموت او هجوم نازلۃ هائلۃ یضعونها موضع الاستعاذۃ حیث یطلبون من اللہ تعالیٰ ان یمنع المکروہ فلا یلحقهم فکان المعنی نسأل اللہ تعالیٰ ان یمنع ذلك منعا ویحجرہ حجرا (روح المعانی)

۲۵؎ ان کے وہ اعمال جن پر ان کو بڑا گھمنڈ ہوتا تھا وہ سب خاک کے ذروں کی طرح منتشر کر کے اڑا دیئے جائیں گے کیونکہ عامل میں ایمان اور عمل میں اخلاص مفقود تھا۔ روشندان سے جب دھوپ اندر آ رہی ہو اس میں جو ایک باریک ذرے نظر آتے ہیں ان کو ھباء کہا جاتا ہے۔ آیت میں قدمنا بمعنی قصدنا مستعمل ہے۔ یقال قدم فلان الی

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ

بنا کر اڑا دیں گے۔ اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانا ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی

مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾

آرام دہ ہوگی ۳۳ اور یاد کرو جس روز پھٹ جائیگا آسمان اور بادل نمودار ہوگا ۳۴ اور اتارے جائینگے فرشتے گروہ در گروہ۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

اس دن سچی بادشاہی (صرف) خداوند رحمٰن کی ہوگی ۳۵ اور وہ دن کافروں کے لیے بڑا مشکل ہوگا ۳۶

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰي يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ

اور اس روز ظالم (فرط ندامت سے) کاٹے گا اپنے ہاتھوں کو (اور) کہے گا کاش! میں نے اختیار کیا ہوتا رسول

اسی کی ای قصدہ وقال مجاہد قدمنا ای عمدنا (قرطبی)

۳۳ اب جنتیوں کے ساتھ جو سلوک ہوگا وہ سنیے اور کوشش کیجیے اس عمر ناپائیدار کو یوں خرچ کرنے کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اس کا محبوب خوش ہو جائے تاکہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ نعمت دیدار سے بھی لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ مقیل: قیلولہ کرنے کی جگہ۔

۳۴ وقوع قیامت کا ہولناک منظر بتایا جا رہا ہے۔ مفسرین کرام نے اس آیت کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کی جگہ سفید رنگ کا پتلا سا بادل لے لیگا جو کہر کی مانند ہوگا۔ وعنی ان السماء تتشقق عن سحاب ابیض رقیق مثل الضبابة (قرطبی)۔

۳۵ فانی بادشاہیاں اور جھوٹی حکومتیں اور ان کے دعویدار سب ناپید ہو جائیں گے اور حقیقی شہنشاہی اور سلطانی کے تخت پر اللہ تعالیٰ نزول اجلال فرمائے گا۔ علامہ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور دوسرے ہاتھ میں زمینیں لے لیگا پھر فرمائے گا: انا الملك انا الديان این ملوك الارض این الجبارون این المتكبرون۔ یعنی بادشاہ میں ہوں۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ، کہاں ہیں وہ سرکش اور متکبر۔ ہر طرف سناٹا چھا جائے گا کوئی دم نہ مار سکے گا۔

۳۶ وہ دن کفار کے لیے انتہائی ندامت اور مصیبت کا دن ہوگا۔ لیکن اہل ایمان اس روز خرم و شاداں ہوں گے۔ لا یحزنهم الفزع الاکبر۔ انہیں وہ دل ہلا دینے والی گھبراہٹ تک نہ ہوگی۔ حضرت ابو سعید خدری

الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝

رسول (کریم) کی معیت میں (نجات کا) راستہ ۔ ہائے افسوس! کاش نہ بنایا ہوتا میں نے فلاں کو اپنا دوست۔

فرماتے ہیں کہ بارگاہ رسالت میں عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! قیامت کا دن تو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ اتنی طویل مدت کیسے کٹے گی؟ حضور نے فرمایا والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المومنین حتی یکون اخف علیہ من صلاۃ مکتوبۃ یصلیہا فی الدنیا (مسند امام احمد، ابن کثیر)

مجھے اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یہ طویل مدت مومن کے لیے اتنی ہلکی ہوگی جتنی فرض نماز جسے وہ دنیا میں ادا کرتا ہے۔

۲۸۔ مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ عقبہ بن ابی معیط جب کبھی سفر سے واپس آتا تو دعوت عام کرتا جس میں اہل مکہ شریک ہوتے۔ یہ اکثر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حضور کی باتیں سنتا اور انہیں پسند کرتا۔ ایک دفعہ وہ سفر سے واپس آیا تو اس نے حسب دستور دعوت عام کا اہتمام کیا اور حضور کو بھی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تو مشرف باسلام نہ ہوگا میں تیری دعوت قبول نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ ابی بن خلف سے عقبہ کا بڑا یارانہ تھا۔ اس نے سنا تو آکر کہا کہ اے عقبہ! سنا ہے تم مرتد ہو گئے ہو۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں نے محض ایک غرض کے لیے اسلام کا اظہار کیا ہے۔ ابی کہنے لگا میں تو تجھ سے اس وقت تک راضی نہیں ہوں گا جب تک تو اس کے پاس جا کر ایسی ایسی گستاخیاں نہ کرے۔ عقبہ اپنے یار کو خوش کرنے کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور وہ ساری گستاخیاں کیں جن کی فرمائش اس کے یار نے کی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے رخ انور پر تھوکنے کی جسارت بھی کی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی تھوک کو آگ کا انگارا بنا کر لوٹا دیا اور اس کے منہ پر پڑے اور جس سے اس کا منہ جل گیا اور مرتے دم تک کا اس پر داغ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب سرزمین مکہ سے باہر تیری ملاقات ہوگی تو علوت رأسک بالسیف تیرا سر تلوار سے اڑا دوں گا۔ یہ بات اس کے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی۔ کئی سال بعد جب اہل مکہ بدر کو جانے لگے تو اس نے پہلو تہی کرنا چاہی اور کہا تمہیں معلوم ہے اس شخص نے مجھے جو دھمکی دی تھی اور جو بات اس کے منہ سے نکلتی ہے پوری ہو کر رہتی ہے۔ مجھے یہیں رہنے دو۔ انہوں نے کہا تم بھی عجیب آدمی ہو۔ پہلے تو اس کے غالب آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر بفرض محال کوئی ایسی صورت پیش آ بھی گئی تو تمہارے پاس تیز رفتار سرخ اونٹ ہے اس پر سوار ہو کر بھاگ جانا۔ چنانچہ اسے اپنی بدبختی لے گئی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ یہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر بھاگا لیکن وادیوں کے پیچ و خم میں الجھ کر رہ گیا اور اسے گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا سر قلم کر دیا۔ قیامت کے روز جب یہ قبر سے اٹھے گا تو اس کی حسرت و ندامت کی یہ حالت ہوگی جو ان آیات میں مذکور ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہر اس بدبخت اور بدنصیب کا یہی حال ہوگا جو اس قسم کی روش اختیار کرے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ

واقعی اس نے بہکا دیا مجھے اس قرآن سے اس کے میرے پاس آجانے کے بعد۔ اور شیطان تو ہمیشہ سے انسان کو (مشکل کے وقت)

خَذُوْلًا ۝ وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ

بے یار و مددگار چھوڑنے والا ہے [۴۹] اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا

مَهْجُوْرًا ۝ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ؕ وَ

تھا [۵۰] اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے بنا دیئے ہر نبی کے لیے دشمن جرائم پیشہ لوگوں میں سے [۵۱] اور کافی ہے آپ کا

کی سنگت کو چھوڑ کر غیروں کی دوستی کا دم بھرے گا۔ بارگاہ رسالت میں گستاخی کرکے اپنے شیطانوں کو راضی کرنا چاہے گا۔ یہ سب ندامت سے ہونٹ چبائیں گے اور ہاتھ کاٹیں گے اور اپنی نادانی اور کج فہمی پر چیخ چیخ کر پکاریں گے۔ الذکر سے مراد قرآن حکیم بھی ہے اور حضور کی ذات والا صفات بھی۔ عن القرآن والایمان به وقیل عن الذکر ای عن الرسول یعنی کو دوست بناتے وقت دیکھنا چاہیے کہ کسی ایسے شخص کو دوست نہ بنالے جو اسے ابدی ہلاکت کے گڑھے میں پھینک دے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک اور صالح دوست منتخب کرنے کی اور بدکار لوگوں کی دوستی سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس ہر شخص کو چاہیے کہ وہ خوب غور کرے کہ وہ کسے دوست بنا رہا ہے۔ حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا المرء مع من احب کہ انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی۔ اس لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے دوستی اور محبت کا رشتہ استوار کرے۔ فساق و فجار اور بدعقیدہ لوگوں کی محبت سے دور رہا کرے۔ مبادا ان کے برے اعمال اور گمراہ کن عقائد اسے بھی لے ڈوبیں [۴۹] ہر شیطان خواہ وہ انسان ہو یا جن اس کا یہ شیوہ ہے کہ پہلے طرح طرح کے ہتھکنڈے کرکے بڑا پاس آتا ہے بڑے سبز باغ دکھاتا ہے اور بلطف حیلہ انسان کو اپنے رب کے ذکر سے غافل کر دیتا ہے اور ساتھ ہی قسمیں اٹھا اٹھا کر اپنی دوستی اور وفاداری کا یقین دلاتا ہے کہ آپ بے خوف و خطر یہ کام کرتے جائیں اور کسی قسم کا فکر و اندیشہ نہ کریں پہلے تو میری ہر خطرے سے بالکل محفوظ ہے اور اگر بفرض محال کوئی خطرہ پیش آبھی گیا یا کسی مصیبت نے راستہ روک بھی لیا تو میں جان کی بازی لگا دوں گا اور تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن جب ان بدکرداریوں کا انجام کسی لاعلاج بیماری یا کسی تباہ کن معاشی بدحالی یا کسی ناقابل برداشت مصیبت میں رونما ہوتا ہے تو یہ شیطان بالکل آنکھیں پھیر کر الگ ہو جاتا ہے۔

[۵۰] قوم کے اس معاندانہ رویہ سے غمزدہ ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا میری قوم نے تجھ کو

كَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

رب آپ کے لیے راہنمائی فرمانے کے لیے اور مدد فرمانے کے لیے۔ اور کہتے ہیں کفار از راہِ اعتراض کیوں نہیں اتارا گیا

عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَ

ان پر سارا قرآن یکبارگی ۳۳ اسی طرح اس لیے کیا کہ ہم مضبوط کر دیں اس کے ساتھ آپ کے دل کو

رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ

۳۴ اور اسی لیے ہم نے ٹھہر ٹھہر کر اسے پڑھا ہے اور نہیں پیش کرتے آپ کے پاس کوئی اعتراض مگر ہم لاتے ہیں آپ کے پاس اس کا صحیح جواب

رشد کے اس صحیفہ کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتے۔ شب بھر ترنم واستعداد سے قصے کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔ اپنے شعراء کے فحش قصیدے مزے لے لے کر پڑھتے ہیں لیکن اس کتاب مقدس کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے۔

۳۲ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے پیارے انداز میں تسلی دیتے ہیں کہ اے میرے رسول! ہمیشہ سے چلا آتا ہے کہ مجرم لوگ انبیاء کرام کی دشمنی اور عداوت میں لگے رہتے ہیں۔ اس لیے آپ مت گھبرائیے۔

۳۳ غور سے دیکھیے کَفٰی بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا میں جس پیارے انداز سے تسلی دی جا رہی ہے اور جس طرح دلجوئی کی جا رہی ہے اس کے بعد کوئی مصیبت ہے جو پریشان کر سکے، کوئی دشمن ہے جو ہراساں کر سکے۔ جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی سچا پورا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کے ساتھ بھی یہ عنایت و بندہ پروری فرما رہا ہے الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔

۳۴ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے پر انہیں یہ اعتراض بھی تھا کہ قرآن بیک وقت ایک مرتب اور مدون کتاب کی صورت میں کیوں نہیں آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب اسے خود تصنیف کرتے ہیں یا ان کے معاون لوگ اس کو لکھتے ہیں۔ جتنا قدر یہ خود بنا لیتے ہیں یا ان سے سیکھتے ہیں اتنا قدر آکر سنا دیتے ہیں۔

۳۵ اس ایک جملہ میں قرآن کریم کو تدریجاً نازل کرنے کی کئی حکمتیں بیان فرمائیں۔

۱۔ اس طرح لوحِ قلب پر یہ اچھی طرح نقش ہو جاتا ہے۔

۲۔ ہر آیت کا مفہوم خوب ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

۳۔ ضرورت کے موقع پر آیات کا نزول ہو گا تو واقعاتِ لفظیہ کے ساتھ جب قرائنِ حالیہ بھی مل جائیں گے تو آیات کا مفہوم اور مصداق زیادہ واضح ہو جائے گا۔

۴۔ ہر موقع پر جب وحی الٰہی اترے گی تو دل کو اطمینان رہے گا کہ میرے مالک نے مجھے اس کارِ عظیم کو سرانجام دینے کے

تَفْسِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ

اور عمدہ تفسیر (یہ اعتراض کرنے والے وہ ہیں) جو لوگ ہانکے جائیں گے اوندھے منہ جہنم کی طرف ان کا

شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ

بہت برا ٹھکانا ہوگا اور وہ سب سے زیادہ گم کردہ راہ ہوں گے۔ اور بیشک ہم نے عطا فرمائی موسیٰ کو کتاب اور مقرر کیا ان کے

جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۝ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

ساتھ ان کے بھائی ہارون کو (ان کا) وزیر۔ پھر ہم نے حکم دیا دونوں جاؤ اس قوم کی طرف جنہوں نے جھٹلایا ہے ہماری

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا

آیتوں کو (دونوں گئے) تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا تو ہم نے ان کو بالکل برباد کر دیا اور قوم نوح کو یاد کرو جب انہوں نے جھٹلایا

لیے مقرر فرمایا ہے اس کی نظر عنایت ہر وقت میرے شامل حال ہے۔

کیونکہ یہ ایک دستور حیات ہے اس کو تدریجاً نازل کرنا ہی مناسب ہے تاکہ اس کو اپنانے میں آسانی ہو اگر کسی قوم کو اپنے تمام اطوار و رسوم کو یکبارگی ترک کر کے بالکل جدید دستور حیات اپنانے کا حکم دیا جائے تو اس کے لیے بڑا مشکل ہو جاتا ہے لیکن اگر آہستہ آہستہ احکام نازل ہوں تو اس طرح ان پر عمل کرنے میں بڑی آسانی ہوتی ہے۔

مثل کا معنی ہے ایسی بات جس میں تعجب انگیز ندرت پائی جائے یہاں اس سے مراد ان کے اوٹ پٹانگ عجیب و غریب اعتراضات ہیں مقصد یہ ہے کہ جب بھی وہ آپ پر کوئی اعتراض کریں گے تو ہم آپ کو اس کا صحیح اور مدلل جواب سکھا دیں گے اور اس کی ایسی وضاحت فرمائیں گے کہ پھر ضمیر کو مجال شک نہ رہے گی۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور نبی کریم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن بعض لوگ سوار ہوں گے بعض پیدل چل رہے ہوں گے اور بعض کو منہ کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا۔ عن معاویۃ حیدۃ قال سمعت رسول اللہ یقول انکم تحشرون رجالا و رکبانا و تجرون علی وجوھکم (رواہ الترمذی)

حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کا انکار گویا تمام رسولوں کا انکار ہے اس لیے یہاں الرسل جمع استعمال ہوا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان کے برہمنوں کی طرح وہ نفس نبوت و رسالت کے ہی منکر ہوں۔ کذبوا نوحا وما قبله او جعل تكذيبهم لنوح تكذيبهم للجميع او لم يروا بعثة الرسل كالبراهمة (زمخشری)

الرُّسُلَ أَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

رسولوں کو تو ہم نے انہیں غرق کر دیا اور بنا دیا انہیں دوسرے لوگوں کے لیے عبرت۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ظالموں کے لیے

عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۳۷﴾ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًا بَيْنَ

دردناک عذاب اور یاد کرو قوم عاد و ثمود اور اصحاب الرس کو ۲۶ اور ان کثیر التعداد قوموں کو جو ان کے

ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ﴿۳۹﴾ وَ

درمیان گزریں۔ حق سمجھانے کے لیے ہم نے بیان کیں ہر ایک کے لیے مثالیں اور ہم نے سب کو نیست و نابود کر دیا۔ اور

لَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا

کئی بار گزرے ہیں ۲۷ یہ مشرک اس قصبے کے پاس سے جس پر پتھراؤ کیا گیا تھا بری طرح کیا وہاں سے گزرتے ہوئے

يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ﴿۴۰﴾ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ

وہ اسے نہیں دیکھا کرتے ۲۸ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جینے کی امید ہی نہیں ہے اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا

---

۲۶ یہ کون لوگ تھے ان کے متعلق مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں لیکن بجزم و یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی اس سوال کا کوئی یقینی جواب نہیں۔ البتہ الرس کے لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے نبی کو تہ کر کے کنوئیں میں پھینک دیا اور ان پر عذاب نازل ہوا۔ الرس: البئر المطوية بالحجارة (قاموس)

وملخص هذه الاقوال انهم قوم اهلكهم الله بتكذيب من أرسل اليهم (بحر)

۲۷ اہل مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جب تمہارے تجارتی کارواں شام کی طرف جاتے ہیں تو تمہارا گزر سدوم اور اس کی نواحی اُجڑی ہوئی بستیوں پر ہوتا ہے جہاں کبھی لوط کی قوم آباد تھی۔ اور جب انہوں نے اپنے رسول کی دعوت کو ٹھکرایا اور اپنی بدکاریوں سے باز نہ آئے تو ان پر پتھر برسائے گئے اور ان کے آباد اور بارونق شہروں کو برباد کر کے رکھ دیا گیا۔

مطر السوء: الحجارة التي امطرت عليهم من السماء (بحر)

۲۸ ان اُجڑے ہوئے شہروں کو دیکھ کر ان کے دل خوف سے کیوں نہیں کانپ جاتے یہ کیوں ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اس کی وجہ بیان فرما دی کہ قیامت پر کیونکہ انہیں یقین نہیں اس لیے اصلاح احوال کی انہیں فکر ہی نہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ بھی یہاں اپنی زندگی بسر کر کے چلے گئے اور انہیں بھی ایک روز چلا جانا ہے۔ اس زندگی کے بعد کوئی اور

إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ﴿٤١﴾ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ

مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں (کہتے ہیں) کیا یہ وہ صاحب ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص ہمیں بہکا

آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ

دیتا اپنے خداؤں سے اگر ہم ثابت قدم نہ رہتے ان کی پوجا پر۔ اور عنقریب! یہ جان لیں گے جب دیکھ لیں گے عذاب

الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ

کو (اور دیکھیں گے) کہ کون بھٹکا ہوا ہے راہ راست سے۔ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا اس (احمق) کو جس نے بنا لیا اپنا خدا

أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ﴿٤٣﴾ أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ

اپنی خواہش کو۔ کیا آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر لوگ سنتے ہیں یا (سمجھتے ہیں)

زندگی تو ہے نہیں اس لیے اس چند روزہ زندگی میں زیادہ سے زیادہ جتنا لطف اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ ماہرین آثار قدیمہ نے تحقیق و کاوش سے ہزارہا سال پہلے مدفون بستیوں کو کھود کر نکال لیا ہے۔ وہ ان اسباب کا تجزیہ کرنے میں بھی بڑی مہارت کا ثبوت دے رہے ہیں کہ کون سی افتاد اس بستی پر پڑی جس کی وجہ سے یہ برباد ہو گئی۔ ان تمام علمی کمالات کے باوجود انہیں اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کا کبھی خیال تک نہیں آیا۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے جو اس آیت میں بیان کر دی گئی۔ گویا اصلاح احوال کے لیے آخرت پر ایمان بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے بغیر اصلاح کی کوئی کوشش کامیاب اور دیرپا نہیں ہو سکتی۔

یعنی اگر ہم تعصب اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیتے تو اس شخص کا زور بیان اور طرز استدلال ایسا ہے کہ اپنے ساتھ لے گیا ہوتا۔ ہم اپنے بتوں سے متنفر ہو چکے ہوتے لیکن ہم اپنی ہٹ پر ڈٹے رہے اور اس کی زد سے محفوظ رہے۔ وہ گویا اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو تلقین کر رہے ہیں کہ اس شخص کی باتیں بڑی مؤثر ہیں، دل میں گھر کر لیتی ہیں اور دماغ میں جم جاتی ہیں۔ تم نہ دل کی بات ماننا اور نہ اپنی عقل کا فیصلہ تسلیم کرنا ورنہ تم اپنے قدیم آبائی مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس سے بچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ آنکھیں بند رکھو، کانوں میں انگلیاں ٹھونس لو اور نہ مانوں نہ مانوں کا سبق ہمیشہ ورد زبان رکھو۔

جن لوگوں نے عقل کا چراغ گل کر دیا ہے جو کسی قوی سے قوی دلیل کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، جو حق کے نور کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتے ہیں، جو صرف اپنی خواہش نفس کے عبادت گزار ہیں ان کا نفس ہی ان کا خدا ہے۔ جدھر وہ چاہتا ہے ادھر انہیں ہانک کر لے جاتا ہے۔ وہ اسی کی پوجا کرنے میں مگن ہیں۔ اے حبیب مکرم! کیا ایسے لوگوں کی ہدایت کے لیے آپ فکر مند ہیں۔ یہ تو ڈنگروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں کیونکہ وہ اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور اس کا حکم بجا لاتے ہیں

أَوْ يَعْقِلُونَ ۚ إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ ۖ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٤٤﴾ أَلَمْ

سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں یہ مگر ڈنگروں کی مانند، بلکہ یہ تو ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ کیا آپ نے

تَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا

نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف، کیسے پھیلا دیتا ہے سایہ کو ٹک اور اگر چاہتا تو بنا دیتا اسے ٹھیرا ہوا۔ پھر ہم نے بنا دیا

الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿٤٥﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿٤٦﴾ وَهُوَ

آفتاب کو اس پر دلیل ٹک پھر ہم سمیٹے جاتے ہیں سایہ کو اپنی طرف آہستہ آہستہ ٹک اور وہی ہے

اور جو خدمت ان کی شایاں ہے اس کے ادا کرنے میں سستی نہیں کرتے۔ اور یہ نہ اپنے خالق کو پہچانتے ہیں نہ اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہیں نہ اس کا حکم بجا لاتے ہیں۔ اس لیے ایسے لوگوں کی اصلاح کی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ باطل پر ڈٹے رہیں اور حق کو قبول نہ کریں تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں۔

ٹک ان آیات میں قدرت کاملہ کے ان کرشموں کو بیان فرمایا جا رہا ہے جو انسان کے لیے سراپا لطف و رحمت ہیں اگر قدرت حقیقی اور بیدار دل سے ان کو ملاحظہ کرتی تو انسان کی آفاقی توجہات کا آغاز ہی کیا اس کا ذخیرہ تک بھی تباہ ہو جاتا۔ اگر آفتاب کے طلوع و غروب کا موجودہ نظام نہ ہوتا بلکہ ہمیشہ رات ہی رہتی تو انسانی زندگی تو کجا حیوانی اور نباتاتی زندگی کے امکانات بھی ختم ہو جاتے۔ اگر سورج کبھی غروب ہی نہ ہوتا تو اس کی کرنوں کی تمازت و حرارت روئیدگی کو جلا کر رکھ دیتی۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جو سایہ صبح کے وقت ہوتا ہے اسے ظل کہتے ہیں اور دوپہر کے بعد جو سایہ ہوتا ہے اسے فئی۔ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہر چیز سایہ میں لپٹی ہوئی ہے۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز کا سایہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ سورج جیسے جیسے بلند ہوتا جاتا ہے وہ سایہ بھی سمٹنے لگتا ہے تو غور کرو جس طرح یہ سایہ فانی ہے اسی طرح تمہاری زندگی اور اس کا یہ جاہ و جلال بھی فانی ہے۔ نیز یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ مانا کفر و شرک کا سایہ بہت پھیلا ہوا ہے اور باطل کی تاریکیوں نے ہر جگہ اپنے خیمے گاڑ دیے ہیں لیکن اب آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا۔ تھوڑی دیر انتظار کرو پھر دیکھو گے کہ نور ہدایت کیسے پھیلتا ہے۔

ٹک اہل معرفت نے آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ سایہ سے مراد فترہ کا زمانہ ہے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور کی بعثت کا درمیانی زمانہ ہے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا تھا یہاں تک کہ آفتاب محمدی ابھرا اور ظلمکدہ عالم کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اور اگر یہ سورج طلوع نہ ہوتا تو ساری مخلوق ظلمت کی تاریکی میں بھٹکتی رہتی اور نور حق کی کوئی تجلی انہیں فیضیاب نہ کرتی۔ یہ آفتاب محمدی کی فیاضیاں ہیں جن کے باعث دل کی آنکھوں کو نور توحید دیکھنا نصیب ہوا۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ

جس نے بنایا ہے تمہارے لیے رات کو لباس اور نیند کو باعث راحت اور بنایا ہے دن کو (طلب معاش کے

نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ

لیے) دوڑ دھوپ کا وقت اور وہ وہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے اور

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْیِ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ

اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی تاکہ ہم تر و تازہ کریں اس پانی سے کسی غیر آباد شہر کو اور ہم پلائیں یہ پانی

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ

اپنی مخلوق سے کثیر التعداد مویشیوں اور انسانوں کو۔ اور ہم بانٹتے رہتے ہیں بارش کو لوگوں کے درمیان

لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤی اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ

تاکہ وہ غور و فکر کریں پس انکار کر دیا اکثر لوگوں نے مگر یہ کہ وہ ناشکر گزار رہیں گے۔ اور اگر ہم چاہتے تو بھیجتے ہر گاؤں میں

گر نہ خورشید جمال یار گشتے رہنموں   از شب تاریک ظلمت کس نبردے راہ برون

یہاں اس امر کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ ساری تبدیلیاں تدریجی طور پر وقوع پذیر ہوں ورنہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ کبھی آپ نے دھوپ کے تغیر پر غور کیا کس طرح آہستہ آہستہ سردیاں گرمیوں میں اور گرمیاں سردیوں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ اگر سخت گرمی کے فوراً بعد سخت سردی شروع ہو جائے تو اس کے اثرات کی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ قدرت ہر کام میں تدریج کو ملحوظ رکھتی ہے اور اسی میں اس کی حکمت کے سینکڑوں جلوے نظر آتے ہیں۔ یہی نہیں کفر کی ظلمت دھیرے دھیرے چھٹے گی اور ہدایت کی روشنی آہستہ آہستہ پھیلے گی۔

آٹھ پہروں کو رات دن میں تقسیم کرنے کے جو فوائد ہیں ان کا ذکر کر کے لوگوں کو اس احسان عظیم پر شکر بجا لانے کی تلقین فرمائی۔

اپنے ایک اور احسان عظیم کا ذکر فرمایا اور اس امر کی طرف بھی اشارہ کیا کہ جس طرح ظاہری قحط سالی کے بعد ہم رحمت کا مینہ برسا کر خنک کرتے ہیں اور جہاں خاک اڑتی ہوتی تھی وہاں چند دنوں کے بعد شاداب کھیت لہلہاتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی طرح ہم روحانی خشک سالی کے بعد رسالت کا ابر رحمت بھیجتے ہیں جو برستا ہے تو گلشن انسانیت میں بہار آ جاتی ہے۔

كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾

ایک ڈرانے والا ۵ پس کافروں کی پیروی نہ کریں اور خوب ڈٹ کر مقابلہ کریں ان کا قرآن (کی دلیلوں) کے ساتھ ۶

وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهٰذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے ملا دیا ہے دو دریاؤں کو یہ ایک بہت شیریں ہے اور یہ دوسرا سخت کھاری ہے ش ۷

کتنی پیاسی روحیں اس سے سیراب ہوتی ہیں کتنے آرزو مند اس کے چھینٹوں سے وصل کر ایک صاحب ہو جاتے ہیں مطلع حیات پر کتنے حامل قرآن کی صورت میں پھر یہی ابر رحمت گھر کر آیا ہے۔ اس کی گھنگھور گھٹائیں اب برسا چاہتی ہیں۔ آسمان سے شبنم برس رہی ہے تو نفس و خیر زار یہ سعید لمحے غفلت میں برباد ہو جاتیں یہ لیلۃ القدر سوتے میں ہی بیت جاتے۔

ش ۵ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی میں علیحدہ علیحدہ نبی بھیج دیتے لیکن حکمت کا اب یہ تقاضا نہیں۔ انسانیت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنے کا موزوں وقت اب آپہنچا ہے۔ بہت سی امتوں کی نہیں اب ایک امت کی ضرورت ہے جو حق کی امین بنائی جائے اور اس کی یہی صورت ہے کہ ساری اقوام عالم کا ایک ہی ہادی ہو۔ اب رات گزر گئی جب ہر گھر میں الگ الگ چراغ جلائے جاتے تھے۔ اب دن طلوع ہو گیا ہے۔ اب آفتاب محمدی شرق و غرب نشیب و فراز دور و نزدیک سب کو منور کرے گا۔

ش ۶ جہاد کی وضاحت سورۂ حج کی آخری آیت کے ضمن میں ہو چکی ہے ملاحظہ فرمائیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں جهادا كبيرا اي شديدا بالقلب واللسان والسيف والسنان یعنی سخت جہاد کرو دل سے زبان سے تلوار اور نیزہ سے (مظہری)

ش ۷ قدرت خداوندی کے ایک اور حیران کن کرشمے کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے کہ پانی دو قسم کے ہیں میٹھے خوش ذائقہ اور تلخ و نمکین لیکن ہر پانی اپنی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ ان کو الگ الگ رکھنے کے لیے قدرت نے رکاوٹیں قائم کر دی ہیں تاکہ یہ باہم مل نہ سکیں۔ یہ رکاوٹیں کبھی تو آنکھ یا طبیعت اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ انسان دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے بسا اوقات دیکھا گیا ہے کہ ایک جگہ نلکا لگایا تو پانی میٹھا نکلا پھر چند فٹ کے فاصلہ پر دوسرا نلکا لگایا تو پانی کھارا نکلا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دیوار کے اندر والا پانی میٹھا اور باہر والا کھاری۔ اس سے بھی زیادہ حیران کن یہ بات ہے کہ سمندر میں جب مد ہوتا ہے تو سمندر کا آب شور دور تک خشکی کے دریاؤں اور ندی نالوں میں داخل ہو جاتا ہے لیکن باہم وہ ان کے میٹھے پانی کے ساتھ مخلوط نہیں ہوتا اور جزر کے وقت یہی آب شور واپس ہو جاتا ہے اور ان دریاؤں کا میٹھا پانی حسب سابق رواں رہتا ہے اور اس کے ذائقہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دریائے نیل جب بحیرۂ روم میں جا کر گرتا ہے تو کئی میلوں تک اس کا پانی سمندر میں جھیل کی طرح چلا جاتا ہے نہ اس کی رنگت بدلتی ہے اور نہ اس کا ذائقہ تبدیل ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز یہ امر ہے کہ کھارے کڑوے سمندر کے وسط میں پانی کے ایسے ذخیرے دریافت ہوئے ہیں جن کا پانی بالکل میٹھا ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابی الحیان اندلسی لکھتے ہیں وقد المياه تتلاقى في وسط البحر الملح فيتبين لهذا امارة تدل فيستقون منه من وسط البحر (بحر محیط)

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُورًا ۝ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ

اور بنا دی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے درمیان آڑ اور مضبوط رکاوٹ۔ اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا انسان کو

الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ وَيَعْبُدُوْنَ

پانی (کی بوند) سے اور بنا دیا اسے خاندانی رشتہ اور سسرال والا۔ اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ اور وہ پوجتے ہیں

اس کی تصدیق تفہیم القرآن کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے۔

"ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مرآۃ الممالک میں جو سولہویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لیے پانی پینے کا حاصل کرتا رہا ہوں۔"

موجودہ زمانے میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداً وہ بھی خلیج فارس کے انہی چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنوئیں کھود دیئے گئے اور ان سے پانی لیا گیا۔

(تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۴۵۰)

اب غور فرمایئے وہ کس کی طاقت ہے جو زیر زمین میٹھے پانی کے ذخیروں کو کڑوے پانی سے الگ رکھتی ہے۔ جو حالت زیر زمین کے کڑوے پانی کی موجوں کو میٹھے پانی پر چڑھ آنے کے باوجود ملنے نہیں دیتی۔ وہ کس کی صنعت ہے جس نے سمندروں میں میٹھے پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔ یہ اللہ کی ذات ہے جس کی حکمت کے کرشمے آپ کو جگہ جگہ اس کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتے ہوئے نظر آئیں گے۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ میٹھے پانی سے مراد حق ہے اور کڑوے کھاری پانی سے مراد باطل ہے۔ باطل اپنی ساری کثرت اور شوکت کے باوجود حق کو فنا نہیں کر سکتا۔ گو حق کے کتنے اندھیروں میں بھی ہدایت کے چراغ فروزاں رہیں گے ان میں شگاف اور اندھیروں کے باوجود حق کا علم لہراتا ہی رہے گا۔

اب تک توحید کے آفاقی دلائل و شواہد کا ذکر ہوتا رہا جو ایک طرف اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر دلالت کرتے ہیں تو دوسری طرف انسان کے لیے اس کی رحمت عامہ کے ناقابل انکار شواہد ہیں۔ اب انفسی دلائل کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جو انسان کی اپنی ذات میں موجود ہیں۔ پہلے بتایا کہ اسے اپنی عظمت، زیادہ شعور اور عقل اور قامت پر بڑا ناز ہے ذرا دیکھو ہم نے تجھے پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا ہے۔ کہاں وہ قطرۂ آب اور کہاں یہ تیرا حسین و جمیل سراپا۔ یہ تبدیلی اور یہ تدریجی ارتقاء کس کی حکمت کاملہ کی شہادت دے رہا ہے۔ ذرا مزید غور کرو اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صنف ہی مرد یا عورت پیدا نہیں کی بلکہ دونوں کو پیدا فرمایا۔ دونوں کے ظاہری اعضاء میں واضح اختلاف ہے، ان کے ذہنی رجحانات اور قلبی احساسات و جذبات

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰي رَبِّهٖ

اللہ تعالیٰ کے سوا ان چیزوں کو جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں انہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب کے مقابلے میں پشت پناہ

ظَهِيْرًا ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ قُلْ مَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ

شیطان کا مددگار ہوتا ہے اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا فرمایئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَي

(خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے اور بھروسہ کیجئے

میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن اس بیّن تفاوت کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے لیے جز ولاینفک ہیں۔ مرد کی ساری ترقی کا راز عورت میں ہے عورت اپنے تمام کمالات کے باوجود مرد کی محتاج ہے۔ دونوں کو ایک کامل انسان بنتے ہیں۔ یہ وحدت باہم نہیں بلکہ ہر دو فریق ہیں۔ ان کے ساتھ بھائیاں بھی بہنیں ہوں گی اور بچے بھی کسی کے سسرال بنیں گے اور کوئی ان کے بچوں کے سسرال بنیں گے باہمی رشتے بنیں گے۔ قرابتیں بڑھیں گی اس طرح ایک انسانی معاشرہ معرض وجود میں آئے گا جس کا ہر فرد دوسرے افراد سے محبت و پیار، شفقت و احترام کے رشتوں سے بندھا ہوا ہوگا وکان ربک قدیرا فرما کر اپنے قادر مطلق ہونے کی تصدیق فرما دی۔

۱۰۳؎ ان آفاقی و انفسی آیات بینات کے بیان کرنے کے بعد اب ان لوگوں کی حماقت کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا معبود بنا لیتے ہیں۔ ظہیرا کا معنی معین اور مددگار بھی لیا گیا ہے ای معینا للشیطان (قرطبی)۔ اس کا دوسرا معنی ذلیل بھی کیا گیا ہے یعنی وہ چیز جسے پس پشت پھینک دیا جائے۔ ای ذلیلا من ظهرت الشئ اذا جعلته خلف ظهرك ولم تلتفت اليه (قرطبی)۔

۱۰۴؎ اجر مستثنیٰ منہ ہے من شاء مستثنیٰ ہے یعنی میں اشاعت دین میں جو شب و روز مصروف ہوں تمہارے طعنے سن کر خاموش ہو جاتا ہوں۔ تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کرتا ہوں۔ تمہاری گالیاں سن کر دعائیں دیتا ہوں یہ سب کچھ جو میں کر رہا ہوں اس کے بدلے میں نہ تم سے کوئی معاوضہ کوئی اجر طلب نہیں کروں گا میرا اجر یہی ہے کہ تم میں سے جو لوگ حق قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں وہ حق قبول کر لیں۔ حریص علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم کی کیا پیاری دلنواز تفسیر اس آیت نے فرما دی یعنی تمہارا حق قبول کر لینا تمہارا راہ ہدایت پر گامزن ہو جانا۔ ہر طرف سے منہ موڑ کر تمہارا طالب مولیٰ بن جانا ہی میری ان ساری جانکاہیوں، جانفشانیوں، دل گدازیوں اور مشقتوں کا بہترین صلہ ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الرؤف الرحیم وسلم

الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ

آپ بھروسہ کیجئے ہمیشہ زندہ رہنے والے پر جسے کبھی موت نہیں آئے گی ف۹۵ اور (اس کی حمد کے ساتھ) اس کی پاکی بیان کیجئے اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے

خَبِيرًا ﴿٥٨﴾ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

گناہوں سے باخبر ہونا کافی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ف۹۶ اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں -

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ﴿٥٩﴾ وَإِذَا قِيلَ

پھر وہ متمکن ہوا عرش پر (جیسے اس کی شان ہے) وہ رحمن ہے سو پوچھو اس کے بارے میں کسی واقف حال سے ف۹۷ اور جب کہا

لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَ

جاتا ہے انہیں کہ رحمن کے حضور سجدہ کرو تو وہ پوچھتے ہیں رحمن کون ہے ف۹۸ کیا ہم سجدہ کریں اس کو جس کے متعلق تو ہمیں حکم

زَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ﴿٦٠﴾ تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ

دیتا ہے اور وہ زیادہ نفرت کرنے لگتے ہیں - بڑی خیر و برکت والا ہے جس نے بنائے ہیں آسمان میں برج ، اور بنایا ہے اس

ف۹۵ اگر ان کافروں کو اپنی تعداد کی کثرت، اپنے وسائل کی بہتات اور اپنے دوستوں کی امداد پر بھروسہ ہے تو کیا ہوا یہ سب فانی ہیں یہاں کی کسی چیز کو ثبات نہیں۔ اے حبیب آپ اپنے رب کریم پر بھروسہ کریں جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے جس کا معین و مددگار وہ ہو فتح و نصرت اسی کے قدم چومتی ہے۔

ف۹۶ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان بیان کی جا رہی ہے تاکہ جو اس پر توکل کرے اسے مخالف کی قوت و سطوت ہراساں نہ کر سکے۔ اس آیت کی توضیح پہلے کئی بار گزر چکی ہے۔

ف۹۷ علامہ عثمانی اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں۔ وما قدروا الله حق قدره۔ اپنی شئون و کمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے انت كما اثنيت على نفسك لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیئے خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے (حاشیہ عثمانی)۔

ف۹۸ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے الرحمن کا اسم مبارک اہل عرب میں معروف نہ تھا اس لیے جب انہیں اس کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ بدکے اور ان کا جذبۂ منافرت اور بڑھ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ از راہ تمسخر اپنی کافرانہ سرکشی کے باعث کہا گیا ہو۔

فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا ﴿٦١﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً

میں چراغ (آفتاب) اور چاند چمکتا ہوا اور وہی ہے جس نے بنایا ہے رات اور دن کو ایک دوسرے کے

لِّمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٦٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ

پیچھے آنے والا اس کے لیے جو یہ چاہتا ہے کہ وہ نصیحت قبول کرے یا چاہتا ہے کہ شکر گزار بنے۔ اور رحمن کے بندے تو

يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا

وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر آہستہ آہستہ اور جب گفتگو کرتے ہیں ان سے جاہل تو وہ صرف یہ کہتے

سَلَامًا ﴿٦٣﴾ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٦٤﴾ وَالَّذِينَ

ہیں کہ تم سلامت رہو اور جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے حضور سجدہ کرتے ہوئے اور کھڑے ہوئے اور جو

سورۂ الحجر میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو الحجر آیت ١٦ ضیاء القرآن جلد دوم۔

قدرت کا یہ شاہکار صرف ان لوگوں کے لیے ہی مفید ہے جو حق کو قبول کرنا چاہتے ہوں اور اس کی طلب کا جذبہ رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں پر شکریہ ادا کرنے کے خواہشمند ہوں۔

جب اہل مکہ نے الرحمن سے اپنی لاعلمی اور بے تعلقی کا اظہار کیا تو اب انہیں گویا یہ بتایا جا رہا ہے کہ رحمن کی معرفت تو تمہیں کہاں حاصل ہو سکتی ہے اس کے بندوں کی روشن سیرت اور دلکش زندگی کو دیکھو پھر پتہ چلے گا کہ وہ دامن اور بے ثمر پیروں پر نظر ڈالو خود ہی یہ حقیقت تم پر منکشف ہو جائے گی کہ تم کتنے خود فراموش اور نادان واقع ہوئے ہو۔ جس رحمن کے دامن سے وابستگی پیدا کرنے سے چہروں پر نور برسنے لگتا ہے جس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لینے سے کردار و اخلاق کو پاکیزگی نصیب ہونے لگتی ہے۔ جس رحمن کے حبیب حضرت محمد رسول اللہ کے اسوۂ حسنہ کو اپنا لینے سے نفس امارہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے اس رحمن سے تم دور کیوں بھاگ رہے ہو۔

یہاں سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی صفات حمیدہ کا تفصیلی تذکرہ شروع ہوتا ہے یعنی ان کی چال ہی نرالی ہے۔ ان کی رفتار دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وقار و متانت کا ایک پیکر چلا جا رہا ہے جس میں نہ مغرور لوگوں کی رعونت کا کوئی نشان ہے اور نہ بے فکرے بے عمل مزاجوں کا چھچھورا پن ہے۔

ان کے اخلاق عالیہ کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی کہ جب کوئی شخص ان سے جاہلوں جیسی گفتگو کرتا ہے اور متانت کی روش ترک کر دیتا ہے تو یہ اس کی سطح پر اتر کر اس سے ہم کلام نہیں ہوتے اور جوابی کارروائی کے جوش میں آکر

يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ

(بارگاہِ الٰہی میں) عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! دُور فرما دے ہم سے عذابِ جہنم کو بیشک اس کا عذاب

غَرَامًا ﴿٦٥﴾ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٦٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا

بڑا مہلک ہے بیشک وہ بہت بُرا ٹھکانا اور بہت بُری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ

لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾ وَالَّذِينَ

فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی ہی کرتے ہیں بلکہ ان کا خرچ کرنا اسراف اور بخل کے درمیان اعتدال سے ہوتا ہے اور وہ

اس سے اُلجھ نہیں پڑتے بلکہ سلام کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جاہلوں کے ساتھ اُلجھنا اور ان کی بیہودہ باتوں کا ترکی بترکی جواب دینا قطعاً ضروری نہیں بلکہ اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ اگر تم دیکھو کہ کوئی شخص بدزبانی پر اتر آیا ہے تو تم بدزبانی کرنے کے بجائے اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔

۶۳ سابقہ آیت میں ان کے دنوں کی مصروفیتوں کا ذکر ہوا۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کی راتیں کیسے بسر ہوتی ہیں۔ جب دنیا خوابِ راحت کے مزے لوٹ رہی ہوتی ہے تو وہ جاگ کر اپنے پروردگار کو یاد کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے خالق کی ناراضگی کے خوف سے ان کی آنکھیں نمناک ہوتی ہیں کبھی سجدہ ریز ہو کر اس کی پاکی اور کبریائی بیان کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی ادب و تواضع کی تصویریں بن کر دست بستہ اس کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں اور یوں ان کی راتیں اسی حالت میں گزر جاتی ہیں۔ کسی کافر نے صحابہ کرام کے لشکر میں چند راتیں اور چند دن بسر کیے اور جا کر اپنے بادشاہ کو بتایا ہُم فرسانٌ بالنہار ورہبانٌ باللیل کہ وہ سارا دن برق رفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر دادِ شجاعت دیتے ہیں اور رات کے وقت راہبوں کی طرح ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔

۶۴ شب و روز احکامِ الٰہی کے بجا لانے اور یادِ خداوندی میں بسر کرنے کے باوجود بھی اپنی ریاضت و طاعت پر دل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا۔ انہیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں کا شدید احساس ہر وقت بے چین رکھتا ہے بڑی عاجزی سے اپنی مغفرت اور بخشش کے لیے رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ غراما ای لازماً دائماً غیر مفارق۔ ہمیشہ رہنے والا جو کبھی جدا نہ ہو۔ قرض خواہ کو غریم اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قرض لیے بغیر جان نہیں چھوڑتا۔ ابو عبیدہ نے اس کا معنی ہلاکت کیا ہے (قرطبی)۔ میں نے اس کا ترجمہ اسی کے قول کے مطابق کیا ہے۔

۶۵ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ نہ فضول خرچ ہیں نہ بخیل بلکہ میانہ روی اور اعتدال کی راہ پر ہمیشہ گامزن رہتے ہیں۔ اسراف کسے کہتے ہیں اور اقتار (بخل) کیا ہوتا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے علماء نے متعدد اقوال لکھے ہیں لیکن نحاس کا

لَا يَدْعُونَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو ؎۵۳ اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام

اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿۶۸﴾ يُّضٰعَفْ

کر دیا ہے مگر حق کے ساتھ اور نہ بدکاری کرتے ہیں۔ اور جو یہ کام کرے گا تو وہ پائے گا (اس کی) سزا۔ دوگنا کر دیا جائیگا

لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا ﴿۶۹﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ

اس کے لیے عذاب روز قیامت اور ہمیشہ رہے گا اس میں ذلیل وخوار ہو کر۔ مگر وہ جس نے توبہ کی

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

اور ایمان لے آیا اور نیک عمل کیے ؎۵۴ تو یہ وہ لوگ ہیں بدل دے گا اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں سے

پسندیدہ قول یہ ہے کہ جو روپیہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بغیر خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے۔ اور دولت کو اس کی اطاعت میں خرچ کرنے سے رک جانا بخل ہے۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کیا یہی میانہ روی اور اعتدال پسندی ہے۔ قال النحاس ومن احسن ما قیل فی معناہ ان من انفق فی غیر طاعۃ اللہ فھو الاسراف ومن امسک عن طاعۃ اللہ عزوجل فھو الاقتار ومن انفق فی طاعتہ فھو القوام (قرطبی)

؎۵۳ پہلے وہ صفات حمیدہ بیان کی گئیں جن سے اللہ تعالیٰ کے بندے متصف ہوا کرتے ہیں۔ اب ان صفات ذمیمہ کا ذکر ہو رہا ہے جن کی آلائش سے خدائے رحمٰن کے بندوں کا دامن پاک ہوتا ہے۔ ان میں سرفہرست شرک ہے۔ قتل ناحق کا دوسرا درجہ ہے اور اس کے بعد زنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہی چیزیں عزو افتخار کا سبب بھی جاتی تھیں وہ اپنی عزت وبڑائی شرک میں سمجھتے تھے۔ قتل وغارت کو شجاعت اور بہادری کی علامت سمجھا جاتا تھا اور زنا کا رواج اس قدر عام تھا کہ پیشہ ور عورتیں اپنے گھروں پر جھنڈے لہرا کر دعوت عام دیا کرتی تھیں اور بے حسی کا یہ عالم تھا کہ اس فعل بے حیائی پر کسی کی جبین غیرت پر پسینہ نہیں آتا تھا اور کسی کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی تھی۔ اس ماحول میں ان رذائل سے محفوظ رہنا کوئی معمولی بات نہیں تھی بلکہ بہت بڑا مجاہدہ تھا۔ اسی لیے ان قبائح سے محفوظ کو مقام مدح میں ذکر کیا گیا۔

؎۵۴ ساری عمر کفر وشرک اور فسق وفجور میں ضائع کرنے کے بعد اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنا چاہے گا تو اللہ کی رحمت کے دروازے کو وہ بند نہیں پائے گا۔ اگر اس نے کفر وشرک سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کیا اور عمل صالح سے اس نے اپنی توبہ کی تصدیق اور اپنے ایمان کی توثیق کر دی تو رحمت الٰہی کا مینہ برسے گا اور اس کی سیرت کے تمام بدنما داغوں کو

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے | اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کیے تو اس نے رجوع کیا اللہ تعالیٰ

دھو کر پاک صاف کر دے گا۔

ﷺ بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ توبہ کی وجہ سے ان کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اس کے بعد جو نیک عمل وہ کریں گے انھیں ان کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نافرمانی اور سرکشی کی قوت کو اطاعت و انقیاد کی قوت سے بدل دیا جائے گا پہلے وہ ارتکاب گناہ پر اپنے آپ کو مجبور پاتا تھا اب طاعت الٰہی کے بغیر اسے چین نصیب نہیں ہوگا لیکن اس آیت کا صحیح مفہوم اس حدیث پاک سے سمجھ میں آتا ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يُؤْتٰى بالرجل يوم القيامة فيقال اعرضوا عليه صغار ذنوبه فتعرض عليه صغارها وتخبأ كبارها فيقال عملت كذا وكذا وهو يقر ليس ينكر وهو مشفق من الكبائر فيقال اعطوه مكان كل سيئة حسنة فيقول ان لي ذنوبا لا اراها هٰهنا ولقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ضحك حتى بدت نواجذه (رواه مسلم)۔

حضور نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو۔ اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ پیش کیے جائیں گے اور کبیرہ گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا وہ اقرار کرے گا اور بڑے گناہوں سے خوفزدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اسے ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دے دو۔ جب وہ رحمت الٰہی کا یہ نرالا انداز دیکھے گا تو کہے گا میں نے تو اور بہت سے گناہ کیے تھے وہ مجھے آج دکھائی نہیں دیتے ہیں دیکھے ان کے بدلے میں بھی نیکیاں ملتیں۔ میں نے رسول اکرم کو دیکھا کہ حضور ہنس پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ بعید نہیں کہ جب اس کا بندہ صحیح توبہ کرے تو اس کے ہر گناہ کے بدلے نیکی عطا فرمائے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بندوں سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ندامت اور شرم کے باعث وہ پانی پانی ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو از حد حقیر سمجھنے لگتے ہیں اور بڑی عاجزی سے التجائیں کرتے ہیں۔ خوف عذاب سے کانپنے لگتے ہیں۔ اس کے باوجود مغفرت کے امیدوار بھی ہوتے ہیں۔ فاستغفروه حتى صاروا مهبطا لكمال الرحمة بحيث لو لم يذنبوا لم يصيروا بهٰذه المثابة فصل هٰذه اصابهم معصيا نهم الذي كان سببا للعقاب سببا للثواب۔ یعنی یہ رحمت طلب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مہبط بن جاتے ہیں۔ اگر انھوں نے یہ گناہ نہ کیا ہوتا تو دل میں نہ سوز گداز پیدا ہوتا نہ احساس ندامت سے بے چین کرتا اور نہ وہ اس مرتبہ پر فائز ہوتے۔ اس طرح ان کی وہ غلطیاں جو عذاب کا سبب تھیں ان کے لیے باعث ثواب ہو گئیں۔ آخر میں کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا فرما کر ہر شک و شبہ کا ازالہ کر دیا۔

إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ

کی طرف جیسے رجوع کا حق ہے۔ اور جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے ٦٩ اور جب گزرتے ہیں کسی لغو چیز کے پاس

مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا

سے تو گزر جاتے ہیں باوقار ہو کر ٧٠ اور وہ جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر ٧١

کر اس بات پر انتہا حیرت کرے گا کہ میری شان غفران کی طرف دیکھو میری صفت رحمت پر نگاہ ڈالو میں غفور بھی ہوں اور رحیم بھی۔ مجھ جیسے رو سیاہوں کے لیے اپنی تمام رو سیاہیوں اور اپنی تمام غفلتوں کے باوجود اپنے مولا کے قدموں کی یہی صفات کریمانہ وجہ صبر و قرار ہیں۔ میرے کریم! اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اپنے اس گنہگار رو سیاہ اور زیاں کار بندے پر اپنی مغفرت کا دامن پھیلا دے اور اپنی رحمت سے نواز دے۔ آمین یا رب العالمین۔ رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا۔ رب اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

٦٩ یشہدون کے دو معنی ہیں، حاضر ہونا اور گواہی دینا۔ پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی باطل سرگرمی میں شریک نہیں ہوتے۔ ایسی محفلیں جو لہو و لعب کے لیے منعقد ہوں، ایسے اجتماعات جہاں غلط نظریات کا پرچار کیا جاتا ہو ان میں شامل نہیں ہوتے۔ اور اگر دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ بیشک آیت کے دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا یہ شیوہ ہے کہ نہ وہ کبھی باطل و نفاق کی ہنگامہ آرائیوں کی رونق دوبالا کرتے ہیں اور نہ جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دن نبی کریم نے فرمایا کیا میں تمہیں خبردار نہ کروں کہ سب سے بڑے گناہ کون کون سے ہیں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ضرور خبردار فرمایئے۔ حضور نے فرمایا الشرك بالله وعقوق الوالدين وكان متكئا فجلس فقال الا وقول الزور فما زال يكررها حتى قلنا ليته سكت یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ پہلے حضور تکیہ لگائے تھے پھر بیٹھ گئے اور فرمایا خبردار! جھوٹی گواہی اور اس آخری لفظ کو حضور بار بار دہراتے رہے۔ جھوٹی گواہی سے جو مفاسد مرتب ہوتے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے لگاتے، اس کا منہ کالا کرتے، اس کا سر منڈا دیتے اور اسے بازار میں پھراتے تاکہ اس کی خوب تشہیر ہو۔

٧٠ وہ ارادۃً تو ایسی بیہودہ مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے لیکن اگر اتفاقاً ان کا گزر ادھر سے ہو جاتا ہے تو وہاں بیٹھ کر لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں اور اس طرف ذرا توجہ نہیں کرتے۔

٧١ اس آیت میں لم یخروا کا لفظ قابل غور ہے۔ خر یخر کا معنی گرنا ہے لیکن یہاں یہ محض اس معنی میں مستعمل نہیں بلکہ اعراض اور بے رخی کا مفہوم ادا کرنے کے لیے لایا گیا ہے جس طرح اہل عرب کہتے ہیں قعد فلان یشتمنی

صُمًّا وَّعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

ان پر بہرے اور اندھے ہو کر۔ اور وہ جو عرض کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! مرحمت فرما ہمیں ہماری بیویوں

وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ﴿٧٤﴾ أُولَٰئِكَ

اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور بنا ہمیں پرہیزگاروں کے لیے پیشوا۔ یہی وہ خوش نصیب ہیں

وقام فلان يبكي۔ فلاں آدمی بیٹھ کر گالی دیتا رہا اور فلاں آدمی روتا رہا۔ یہاں قعد (بیٹھا) قام (کھڑا ہوا) کا لغوی معنی مقصود نہیں بلکہ محض کلام کا آغاز کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح یہاں خروا اگر پڑنے کے مفہوم پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی روگردانی اور سرتابی کا مفہوم ادا کرتا ہے۔ في صفة الكفار وهي عبارة عن اعراضهم وقرين ذالك بقولك قعد فلان يشتمني وقام فلان يبكي وانت لا تقصد الاخبار بقعود ولا قيام منهما وانما هي توطئات في الكلام (قرطبی، بحر محیط)

یہ سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا مفہوم واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو جب آیات قرآنی پڑھ کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ بہروں اور اندھوں کا طریق عمل اختیار نہیں کرتے بلکہ ان آیات کو گوش ہوش سے سنتے ہیں۔ ان میں جھلکتے ہوئے انوار کو دیدۂ دل سے دیکھتے ہیں۔ غور و فکر کی خداداد قوتوں کو کام میں لا کر آیات کے اسرار و معارف تک آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

خداوند رحمٰن کے بندوں کی صفات حمیدہ آپ نے پڑھ لیں۔ اب ان کی وہ دعا سنیے جو وہ اپنے مولائے کریم سے مانگا کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا انسانی سیرت کے مخفی گوشوں کو بے نقاب کرتی ہے۔ اس کے ارادے، اس کی بلند نظری اور عالی ظرفی اس کے مطلب کے آئینہ میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔ عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا فرما جنہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور دل مسرور ہوں۔ قرۃ کا لفظ یا قرۃ بمعنی ٹھنڈک سے یا قرار بمعنی سکون سے ماخوذ ہے۔ عرب چونکہ خنکی اور ٹھنڈک کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور گرمی کا تصور بھی ان کے لیے اذیت ناک ہے اس لیے یہاں یہ دعا مانگی کہ ہمیں ایسی بیویاں اور بچے عطا فرما جن کے اخلاق و اطوار اتنے پسندیدہ ہوں کہ انہیں دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ نیز اگر کسی کی رفیقۂ حیات شکل و صورت میں بھی اچھی ہو، عفت و پاکدامنی کے جوہر سے بھی آراستہ ہو، وفا شعار اور خدمت گزار بھی ہو تو اس کی ان خوبیوں کے باعث نگاہ اسی پر جم کر رہ جاتی ہے۔ اور ادھر ادھر دیکھنا اسے گوارا ہی نہیں ہوتا۔ نیز اولاد اگر صحت مند، ذہین و فطین، پاک سیرت اور نیک بخت ہوگی تو بھی والدین کی آنکھوں کو ایسا قرار نصیب ہوگا کہ وہ دوسروں کی طرف حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کریں گے۔ اس لیے قرۃ کے دونوں ماخذ معنی کے لحاظ سے درست ہیں۔

ان کی اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ زندگی کے جھمیلوں سے دور بھاگنے والے نہیں۔ ان کے دامن کی

يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٧٥﴾

جن کو بدلہ میں ملے گا (جنت کا) بالاخانہ ان کے صبر کرنے کے باعث اور ان کا استقبال کیا جائیگا وہاں دعا اور سلام

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٧٦﴾ قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ

وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ بہت عمدہ ٹھکانا اور قیام گاہ ہے۔ آپ فرمائیے کیا پروا ہے تمہاری

رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۖ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

میرے رب کو اگر تم اس کی عبادت نہ کرو۔ سو تم نے تو (اسے) جھٹلا دیا ہے تو عنقریب یہ جھٹلانا تمہارے گلے کا ہار بن جائیگا۔

پاکی اور اخلاق کی بلندی کی یہ وجہ نہیں کہ وہ ترک لذات کر کے راہبانہ زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہ بندے شادی بھی کرتے ہیں۔ ان کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ گھریلو زندگی کی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی انہوں نے اٹھایا ہوا ہوتا ہے۔ زندگی کی شورشوں میں سے گزرنے کے باوجود ان کی سیرت آئینہ کی طرح چمک رہی ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام نے تقویٰ و پارسائی کا جو بلند معیار مقرر کیا ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے گھریلو مسرتوں سے دست بردار ہونا ضروری نہیں بلکہ وہ گھر جہاں سلیقہ شعار بیوی اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کا دلکش پیکر ہو، جہاں خوبصورت اور نیک سیرت بچے پھولوں کی طرح دل لبھا رہے ہوں۔ اسی گھر کی فضا اس قابل ہے کہ وہاں کے بسنے والے تقویٰ کی رفعتوں تک پہنچنے کے لیے کمر ہمت باندھیں۔

دعا کا آخری حصہ یہ ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔ (اے اللہ ہمیں متقی اور پرہیزگار لوگوں کا امام اور رہنما بنا یعنی تقویٰ میں ہمیں وہ مقام عطا فرما کہ لوگ ہماری پیروی کر کے نجات حاصل کریں۔ ایسا نہ ہو کہ ہم اپنی خانگی زندگی کی الجھنوں میں ایسے پھنس کر رہ جائیں کہ تیری یاد کی بھی ہمیں فرصت نہ ملے یا دولت کی طلب میں ہم ایسے حواس باختہ ہو جائیں کہ حلال و حرام میں تمیز بھی نہ کر سکیں۔ ہو سب کچھ لیکن دل تیری یاد سے سرشار ہو۔ زبان تیری حمد و ثنا کے گیت گا رہی ہو۔ پیشانی پر تیری بندگی کا نشان چمک رہا ہو۔ ہمیں دیکھ کر لوگوں کو تیری یاد آ جائے۔ ہماری باتیں سن کر ان کے دل تیری محبت سے آشنا ہو جائیں۔ ہمارے پاس بیٹھ کر ان کی بے چین روحوں کو قرار آ جائے۔ ہمیں ان پاک بندوں کا سراپا عطا فرما جن کے متعلق تیرے حبیب نے فرمایا هم قوم لا يشقى جليسهم یعنی اولیاء اللہ وہ ازلی سعادت مند ہیں کہ جو بدبخت ایک لمحہ ان کے پاس بیٹھ جاتے وہ بھی بدبخت نہیں رہتا۔ اس دعا سے معلوم ہوا کہ معرفت الٰہی کے بلند ترین مقام پر پہنچنے کی آرزو کرنا اور اس کے لیے دامن طلب پھیلانا عباد الرحمٰن کا شیوہ ہے۔

۳؎ جن کے اخلاق اتنے پاکیزہ اور جن کی امنگیں اتنی حسین ہیں جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی پذیرائی

اس طرح ہوگی جیسے آیت میں مذکور ہے۔ بما صبروا کا جملہ بڑا غور طلب ہے۔ انسانی زندگی کے ضمن میں یہ نکھار کردار میں یہ پختگی طبیعت میں یہ لطافت اور رویوں میں یہ علو ہمت خود بخود پیدا نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لیے ہمیں طویل جدوجہد کی ضرورت ہوگی۔ بیرونی رکاوٹوں سے بھی نبرد آزما ہونا ہوگا، اور ذاتی جذبات اور احساسات کا مقابلہ بھی کرنا پڑے گا۔ اس کشمکش اور جدوجہد میں ہم صبر و استقامت کا جتنا مظاہرہ کریں گے اسی نسبت سے جنت میں ہمارے درجات بلند ہوں گے اسی کے مطابق ہمارے استقبال میں فرشتے گرمجوشی کا اظہار کریں گے۔

تعارف سورۃ الشعراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورۃ کا نام الشعراء ہے۔ کیونکہ اس کی آیت ۲۲۴ میں یہ لفظ مذکور ہے اس لیے اسی لفظ کو اس سورۃ کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس سورت میں گیارہ رکوع اور ۲۲۷ آیتیں ہیں یہ ۱۲۷۹ کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول سے پتہ چلتا ہے کہ سورۃ طٰہٰ کے بعد سورۃ الواقعہ نازل ہوئی۔ اور اس کے بعد الشعراء کا نزول ہوا۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سورۃ کی چار آخری آیتیں جو والشعراء یتبعھم سے شروع ہوتی ہیں وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ (خزائن العرفان)

مضامین: نبی رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔ دن بھر اپنی قوم کو بلاتے ہیں۔ ان کے شکوک کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں قرآن کریم کی آیات پڑھ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں۔ اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے تو یہ رسول مکرم بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں کبھی دست بستہ کھڑے ہو کر اور کبھی سر بسجود ہو کر بڑے سوز و گداز سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے التجائیں کرتے ہیں جب زبان مصروف دعا ہوتی ہے تو آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرتے رہتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ زمین آسمان کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں یوں دن بسر ہو رہے ہیں یوں راتیں گزر رہی ہیں۔ لیکن کفار کی ہٹ دھرمی اور بہتان تراشی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے جس سے طبیعت اداس رہتی ہے اور خاطر عاطر پر غم کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تم کیوں رنجیدہ خاطر اور ملول ہو رہے ہو۔ آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا یہ ان کی عقل کا قصور ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کر رہے۔ تمہارا شفیق دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی گمراہ نہ رہے سب ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ اور ایسا کرنا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہم انہیں ایسی نشانی دکھانے پر قادر ہیں۔ جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ اور اسلام قبول کرنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ لیکن جبر و اکراہ سے انہیں راہ حق پر گامزن کرنا ہماری حکمت کے بھی خلاف ہے اور شرف انسانی بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا۔

اس کے بعد سات جلیل القدر انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو اور کفار و مشرکین ان نافرمان قوموں کے دردناک انجام سے باخبر ہو کر اپنی بروقت اصلاح کر لیں۔

آخری رکوع میں بتایا کہ جس قرآن کو یہ کلام الٰہی ماننے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہ کلام ہے جسے رب العلمین نے نازل کیا ہے۔ اسے لے کر آنے والا روح الامین ہے۔ اور جس کے قلب پاک پر یہ نازل ہوا وہ نذیر للعالمین ہے۔ اس کے ذکر خیر سے پہلے انبیاء کرام کی کتابیں بھری پڑی ہیں اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کسی شیطان کا کلام ہے یا کسی شاعر کا طبع زاد ہے انتہائی حماقت اور نادانی ہے کہاں شیاطین کی واہی تباہی باتیں اور کہاں اس کتاب مقدس کا اعجاز بیان اور حسن و جمال۔ کچھ سوچو، ان میں کوئی ادنیٰ سی مناسبت بھی ہے۔

سورۃ الشعراء مکیۃ

سورۃ شعراء مکی ہے اور اس کی ۲۲۷ آیتیں اور ۱۱ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

طاسین میم [1] یہ آیتیں ہیں [2] روشن کتاب کی۔ (اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے [3] اپنے آپ کو اس

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے [4] اگر ہم چاہیں تو اتار دیں ان پر [5] آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں

[1] بعض نے اسے اسماء الٰہی میں شمار کیا ہے بعض کی رائے میں یہ سورۃ کا نام ہے اور بعض علماء کے نزدیک مختلف اسماء پر دلالت کرنے کے لیے یہ حروف بطور رمز ذکر کیے گئے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے درمیان یہ ایک راز ہے۔ والحق انه رمز بین اللہ ورسوله (مظہری)

[2] مبین کا معنی ہے خود روشن یا دوسری چیزوں کو روشن کرنے والی۔ یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں کون سی ایسی گرہ ہے جسے اس کتاب نے نہیں کھولا کون سا ایسا عقیدہ ہے جس کا حل قرآن نے پیش نہیں کیا۔ حقیقت پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے سب کو اس نے تار تار کر کے حقیقت کو آشکارا کیا۔ اگر ایسی کتاب، کتاب مبین نہیں تو پھر کون سی کتاب ہے جو اس لقب سے نوازے جانے کے قابل ہو۔

[3] جو رگ ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتی ہوئی گردن میں پہنچتی ہے اسے بخاع کہتے ہیں جب ذبح کرتے وقت چھری یہاں تک پہنچ جائے تو ذبح مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی سے باخع ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے ایسا ذبح کرنے والا جس نے چھری بخاع تک پہنچا دی ہو غم و اندوہ سے جب کوئی اپنی جان گنوا دے تو کہتے ہیں بخع نفسه ای قتلها غمًا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود کفار کی ضد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے کفر پر وہ اور پختہ ہوتے جاتے ہیں۔ اسلام سے ان کی نفرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس المناک صورت حال کو دیکھ کر اس قلب شفیق پر جو گزرتی ہوگی اس کا اندازہ خداوند تعالیٰ کے سوا اور کون لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے محبوب! ان لوگوں کے غم میں کیوں گھلا جا رہا ہے۔ اتنا دلگیر اور غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ تو نے اپنا

أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ﴿٤﴾ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ

ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی رہتی ؎ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمٰن کی جانب سے

مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿٥﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ

مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بیشک انہوں نے تکذیب کی سو عنقریب آ جائے گی انہیں اطلاع اس کی

غرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ان کا اپنا کام ہے۔ ایمان نہیں لائیں گے تو خود اس کی سزا بھگتیں گے۔
؎ اگر ہماری مرضی ہوتی کہ یہ سب کے سب لوگ بالجبر مسلمان ہو جائیں تو ہم انہیں کوئی ایسی نشانی دکھلاتے جس کے بعد انہیں انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان کو عقل و تمیز کی قوتیں دے کر اسے کافی حد تک آزادی دی جاتی ہے۔ حق و باطل اس کے سامنے واضح کر دیا جاتا ہے پھر اس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ اپنی مرضی سے ان دو راہوں میں سے کوئی راہ اختیار کر لے تاکہ اگر کوئی نیکی کا راستہ اختیار کرے تو وہ اجر کا مستحق قرار پائے اور اگر کوئی بدی کی راہ پر چلے تو سزا کا مستوجب ہو۔ جبر و تشدد سے کسی انسان کو راہ حق پر چلانا نہ اس کی شان کے شایاں ہے اور نہ یہ بات اسے پسند ہے۔
؎ اعناقھم ظلت کا اسم ہے۔ خاضعین اس کی خبر ہے۔ نحوی قاعدہ کے مطابق خاضعۃ ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسم اگر مرکب اضافی ہو تو اس کی خبر اس کے فعل میں مضاف سے مطابقت کا خیال رکھنے کے بجائے مضاف الیہ کی مطابقت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ راجز کا شعر ہے ؎

طول اللیالی اسرعت فی نقضی | طوین طولی وطوین عرضی

یہاں اسرعت اور طوین کا فاعل طول اللیالی ہے اور طول کیونکہ مذکر ہے اس لیے اسرع اور طوی ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں طول مضاف کو نظر انداز کر کے اللیالی کا لحاظ رکھا گیا اور فعل مؤنث لایا گیا۔ جریر کا شعر ہے ؎

اری مر السنین اخذن منی | کما اخذ السرار من الہلال

یہاں بھی سنین کی وجہ سے اخذن مؤنث لایا گیا۔ اگر مر السنین کا لحاظ ہوتا تو اخذ کہا جاتا لیکن ایسا کرنا قطعاً اس کلام پر درست ہو گا جہاں اگر مضاف کو گرا دیا جائے تو معنی میں فساد نہ واقع ہو۔ فراء اور ابوعبیدہ نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔
وعلی ھذا اعتمد الفراء وابو عبیدہ۔ (قرطبی)
لیکن اعناق رؤساء کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے پھر اس تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ قال مجاہد اعناقھم کبراؤھم۔ اور نحاس نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی لغت میں معروف ہے۔
وقال النحاس و معروف فی اللغۃ۔
؎ ان کفار کا یہ پرانا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٦ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الْأَرْضِ كَمْ أَنْبَتْنَا

اس کی جس کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے

فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ۝٧ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ

ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے شہ بیشک اس میں (ذکر) یقیناً قدرتِ الٰہی کی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ

مُؤْمِنِينَ ۝٨ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝٩ وَإِذْ نَادَىٰ رَبُّكَ

ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے

مُوسَىٰ أَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۚ أَلَا يَتَّقُونَ ۝١١

رب نے موسیٰ کو شہ اور فرمایا کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس شہ یعنی قوم فرعون کے پاس کیا وہ (میری) گرفت سے ڈرتے نہیں

ع ٥

جھٹلایا اور اس کی بات سننے سے انکار کر دیا لیکن انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عناد و تعصّب کا جو راستہ انہوں نے اختیار کر رکھا تھا وہ غلط تھا۔ سچی اور حق بات وہی تھی جو اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں بتائی تھی۔

شہ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ جس سے ہمیں آپ کی دعوت کی صداقت کا یقین ہو جائے۔ جواب میں فرمایا کہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے سرسبز مرغزار، لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور شاداب باغوں کو دیکھو کیا ان کے پتّے پتّے پر قدرت کی ایسی روشن نشانیاں موجود نہیں۔ اگر تم ہدایت پذیری کے لیے کسی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو تو پھر تو تمہیں یہی نشانیاں حقیقت کی طرف رہنمائی کریں گی۔ لیکن اگر تمہاری مطلوبہ نشانی سے مراد وہ عذاب ہے جو منکرین پر نازل ہوتا ہے تو ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے۔ لیکن اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ وہ دن تو تمہاری تباہی و بربادی کا دن ہوگا۔ نادان نہ بنو اپنے منہ سے اپنی تباہی کا مطالبہ نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان روشن نشانیوں کو غور سے دیکھو جو تمہارے اردگرد بڑے قرینے سے سجا دی گئی ہیں اور ایمان لا کر اپنی ابدی فلاح کا اہتمام کر لو۔ کریم کا معنی ہے کثیر المنفعۃ۔ آیت میں کَمْ کثرت اور کُلّ احاطہ کثرت پر دلالت کر رہا ہے۔ (مظہری)

شہ مزید اطمینان دلانے کے لیے سابقہ انبیاء کے واقعات بیان فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح انہیں بڑی اور جابر دشمنوں سے واسطہ پڑا اور ہماری تائید و نصرت سے وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے اور ان کے اعداء اور بدخواہ تباہ و برباد ہو گئے۔ اسی طرح نصرت خداوندی آپ کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کو گزند نہیں پہنچا سکے گی۔ ان کی کوئی کوشش اسلام کے سیلِ رواں کو روک نہیں سکے گی

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ ﴿١٢﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا

آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے

يَنطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَارُونَ ﴿١٣﴾ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنبٌ فَأَخَافُ

نہیں چلتی میری زبان سو (کرم فرما) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (نیز) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے

أَن يَقْتُلُونِ ﴿١٤﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّا مَعَكُم مُّسْتَمِعُونَ ﴿١٥﴾

اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ أَنْ أَرْسِلْ

ساتھ ہیں (اور) سب باتیں سننے والے ہیں۔ سو تم دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العالمین کے۔ (ہم یہ کہنے آئے ہیں) کہ

شکوک و شبہات کا غبار چھٹ جائے گا اور نور توحید سے وحشت و جہل کے دھندلکے چھٹ جائیں گے۔ سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

٩ فرعون اور اس کی قوم کو ظالم کہنے کی کئی وجوہ ہیں۔ وہ اس لیے بھی ظالم تھے کہ خداوند کریم کو چھوڑ کر انھوں نے فرعون اور دیگر اصنام کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ نیز بنی اسرائیل کو انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ بڑی بے دردی سے ان سے جسمانی مشقت کا کام کراتے اور ان کو مناسب اجرت بھی نہ دیتے۔ پھر یہ کہ ان کے معصوم بچوں کے قتل عام کا فرمان نافذ کر کے انھوں نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ اگر یہ لوگ ظالم نہیں کہلائے جا سکتے تو پھر ظالم کہلانے کا کون مستحق ہوگا۔ نبوت و رسالت کی نازک ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے انھوں نے بارگاہ الٰہی میں التجا کی کہ میں بسا اوقات دل میں تنگی محسوس کرتا ہوں۔ میری زبان میں لکنت بھی ہے۔ میرے ذمے ان کا ایک قتل بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں تبلیغ کا حق ادا کرنے سے قاصر رہوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اگر اسے میرا معاون بنا دیا جائے تو ہم دونوں مل کر بہتر طریقہ سے اپنا فرض ادا کر سکیں گے۔

١٠ موسیٰ تمہاری درخواست منظور ہے حضرت ہارون کو تمہارا شریک کار بنا دیا گیا ہے۔ بے فکر رہو فرعون تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ جاؤ میں تم سب کی باتوں کو سنوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا۔

١١ اپنی معیت اور نصرت کا یقین دلا کر انھیں نازک ترین مہم پر روانہ کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے کہا کہ ہمیں رب العالمین نے بھیجا ہے اور ہم اس لیے آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو

مَعَنَا بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ۝١٧ قَالَ أَلَمۡ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدٗا وَلَبِثۡتَ

بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے دیکھ کر کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا

فِينَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِينَ ۝١٨ وَفَعَلۡتَ فَعۡلَتَكَ ٱلَّتِي فَعَلۡتَ وَ

اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال ؎ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو

أَنتَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ۝١٩ قَالَ فَعَلۡتُهَآ إِذٗا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ۝٢٠

بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جبکہ میں ناواقف تھا ؎

فَفَرَرۡتُ مِنكُمۡ لَمَّا خِفۡتُكُمۡ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكۡمٗا وَجَعَلَنِي

تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے۔ جبکہ میں تم سے ڈرا پس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم۔ اور بنا دیا مجھے

اپنی غلامی سے آزاد کر دے تاکہ ہم انھیں لے کر اپنے آبائی وطن شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

؎ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں باتیں اس کے لیے ناقابل برداشت تھیں پہلی بات سے براہ راست اس کی خدائی پر زد پڑتی تھی۔ اس نے تو یہ ڈھونگ رچا رکھا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ۔ اور انھیں یقین دلاتا تھا کہ ما علمت لکم من الٰہ غیری میں اپنے سوا تمہارے لیے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ اب وہ کیسے گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے پرستاروں کے مجمع میں رب العالمین کا کوئی ذکر کرے۔ رہی بنی اسرائیل کی آزادی کا مسئلہ تو اس پر بھی وہ غور کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو ہجرت کی اجازت دے کر اپنی قوم کو ایسے جفاکش مزدوروں کی خدمات سے محروم کر دینا نہیں چاہتا تھا جو اپنے قبطی آقاؤں کی زمین میں کھیتی باڑی کرتے، ان کے لیے شاندار محلات تعمیر کرتے، اور ان کو راحت و آرام پہنچانے کے لیے انتھک ہو کر بے زبان چوپاؤں کی طرح کام میں جتے رہتے تھے۔ اس طرح تو ملک کے سارے معاشی نظام کے تلپٹ ہو جانے کا خطرہ تھا چنانچہ آپ کی دونوں باتیں سن کر وہ بپھرا اور کہنے لگا کہ تمہاری یہ جرأت کہ مجھ سے ایسی بڑھ بڑھ کر باتیں کرو۔ تم وہی نہیں جسے ماں نے ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا تھا اور ہم نے تجھے تابوت سے نکالا اور بڑے ناز و نعم سے تمہیں پالا۔ جوش جوانی تک تم ہمارے پاس رہے اور ہم تمہاری ہر طرح کی نازبرداریاں کرتے رہے۔ تم آج ہمیں آنکھیں دکھانے اور اپنے مطالبات منوانے آئے ہو۔ تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ تم ہمارے قاتل بھی ہو۔ اس سے پہلے تو آپ نے کبھی ہماری خدائی پر اعتراض نہ کیا اور نہ کبھی بنی اسرائیل کی لیڈری کا دعویٰ کیا۔

؎ آپ نے پہلے اس کی دوسری بات کا جواب دیا کہ ٹھیک ہے ایک قبطی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا میرا

مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢١﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِي

رسولوں سے۔ ؎ اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے۔ حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے

إِسْرَاءِيلَ ﴿٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

بنی اسرائیل کو ؎ فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العٰلمین کی؟ ؎ آپ نے فرمایا وہ رب العٰلمین وہ

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ مُّوقِنِينَ ﴿٢٤﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ

ہے جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ؎ فرعون نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں

اُسے قتل کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ جو میرے قومی بھائی سے ہاتھا پائی کر رہا تھا۔ میں نے اسے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ مر گیا۔ یہاں ضالین نادانستہ کے معنی میں مستعمل ہے۔

؎ اب میرے رب نے مجھ پر کرم کیا ہے مجھے حکمت اور رسالت سے نوازا اور اسی نے یہ پیغام پہنچانے کے لیے تیرے پاس بھیجا۔

؎ دوسرے الزام کا جواب دے کر اب اس کی پہلی بات کا رد فرمایا کہ تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے۔ یہ احسان جتلاتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی۔ تو نے میری ساری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں۔ تیری قوم ان سے جو بے رحمی اور سنگدلی کا سلوک کر رہی ہے ایسے کام لیتی ہے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تُو نے مجھ پر احسان جتلانے والے کیا تو وہی نہیں جس نے بنی اسرائیل کے معصوم بچوں کو قتل کرنے کا سفاکانہ قانون نافذ کیا تھا۔ تیرے اس ظلم سے بچانے کے لیے مجھے میری ماں نے اپنے کلیجہ پہ پتھر رکھ کر نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا تو تو بھی مجھے قتل کرنے کے درپے تھا۔ دلوں کے مالک نے تیرا دل پھیر دیا اور تو قتل کرنے کے بجائے مجھ سے پیار کرنے لگا۔ مجھے تیرے محل میں لا کر تیری گود میں پلوانے میں میرے رب کی یہ حکمت تھی کہ وہ مجھے بتانا چاہتا تھا کہ جس بچے سے بچنے کے لیے تو معصوموں کا خون بہا رہا ہے۔ دیکھ وہ بچہ ہے جس کو ہم تیرے محل میں لے آئے ہیں اور تجھے اس کی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اُسے خدائی کے جھوٹے دعویدار تو اگر خدا ہوتا تو کیا اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہو جاتا اور جس بچے کی ولادت سے تجھے تیرے نجومیوں نے ڈرایا تھا۔ وہ تیری گود میں پلا اور تو اسے پہچان نہ سکا۔ کیا ایسے بے بس اور بے خبر انسان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے۔

؎ موسیٰ علیہ السلام کے دندان شکن جواب نے اس کو اپنے کلام کا رخ بدلنے پر مجبور کر دیا کہنے لگا یہ رب العالمین کہ تم فرستادہ ہو ذرا اس کی حقیقت تو بیان کرو۔

أَلَا تَسْتَمِعُونَ ﴿٢٥﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٦﴾ قَالَ

کیا تم سن نہیں رہے؟ آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی فرعون بولا

إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے آپ نے (مزید) فرمایا جو مشرق و

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ

مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو اس نے (مرعوب ہو کر) کہا

إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ

(یاد رکھو) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دوں گا فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس

کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا ہو تو ما سے سوال کیا جاتا ہے جیسے فرعون نے کہا ما رب العلمین؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی حقیقت پر آگاہ ہونا انسان کے لیے ناممکن ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ میں الجھنے کے بجائے ان دلائل و شواہد کی طرف اس کی توجہ مبذول کی جن پر اگر غور و فکر کیا جائے تو انسان رب العلمین کو پہچان سکتا ہے۔

جواب کو سوال کے مطابق نہ پاکر اس نے اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا سن رہے ہو یہ صاحب میرے سوال کا جو جواب دے رہے ہیں میں نے رب العلمین کی حقیقت پوچھی ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ حالانکہ علمائے فلسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ آسمان قدیم ہے وہ کسی خالق کا محتاج نہیں یہ جواب سوال سے ہم آہنگ نہ ہونے کے باوصف علم فلسفہ کے بھی صراحتہً خلاف ہے۔

آپ نے فرمایا رب العلمین وہ ہے جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا اور اپنے آباؤ اجداد کو وہ بھی قدیم تسلیم نہیں کرتے تھے۔

ازراہ استخفاف کہنے لگا تمہارا یہ رسول دیوانہ ہے جو عقل و فہم سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں میں پوچھتا کچھ ہوں جواب کچھ دیتا ہے۔

آپ نے پھر وار کیا اور فرمایا اے مصر کی محدود مملکت پر اترا کر الوہیت کا دعویٰ کرنے والے میرا بھیجنے والا وہ ہے جس کی ربوبیت اور سلطانی کا نقارہ مشرق و مغرب میں بج رہا ہے۔ حدود مصر کے باہر تو تیرا حکم پرکاہ کی قیمت بھی نہیں رکھتا لیکن میرے پروردگار کا حکم قریہ قریہ ہر جگہ نافذ ہے۔

بِشَيْءٍ مُّبِينٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَأْتِ بِهِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾

ایک روشن چیز ؎ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۳۲﴾ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا

پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو

هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ

یکایک وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔ دیکھ کر فرعون نے کہا اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہ واقعی یہ

عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِ فَمَاذَا

ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمہیں اپنے ملک سے اپنے جادو کے زور سے ؎ تو اب بتاؤ تمہاری

تَأْمُرُونَ ﴿۳۵﴾ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۶﴾

کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے ؎ تاکہ وہ

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۳۸﴾

لے آئیں تیرے پاس ہر ایک ماہر جادوگر کو۔ الغرض جمع کیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن

؎ بحث و مناظرہ کے میدان میں لاجواب ہو کر فرعون دھمکی دینے پر اتر آیا ہے۔

؎ آپ اپنے معجزات دکھا کر اپنے دعویٰ نبوت کی صداقت ثابت کرتے ہیں۔

؎ وہ آپ پر ماہر جادوگر ہونے کا الزام لگاتا ہے اور اپنے درباریوں کو بھڑکانے کے لیے کہتا ہے کہ نبوت کا ڈھونگ رچا کر یہ اپنا تسلط جمانا چاہتا ہے یہ اقتدار کا بھوکا ہے۔ اپنے جادو کے زور سے ہمارا تخت و تاج چھیننا چاہتا ہے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے کیا پیچھے سے عنان حکومت ان کے حوالے کر دی جائے اور کل تک ان کا آقا رہنے کے بعد انھیں اپنا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔

؎ انھوں نے مشورہ دیا کہ ملک بھر کے ماہر جادوگروں کو بلا کر اسے عبرت ناک شکست دی جائے۔

وَقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ

اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی

اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ

اگر وہ (مقابلہ میں) غالب آ جائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر ؎ تو انھوں نے فرعون سے پوچھا

اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آ جائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت

اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۲﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۴۳﴾

میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انھیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

انھوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے غرور سے) کہا، قسم ہے فرعون کی عزت کی ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۴۵﴾

یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا عصا تو وہ یکایک نگلنے لگا جو فریب انھوں نے بنا رکھا تھا ؎

فَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ رَبِّ

پس (یہ معجزہ دیکھ کر) بے ساختہ جادوگر سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے ؎ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں رب العالمین پر جو رب ہے

؎ ساحران مصر کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا۔ انھیں یقین تھا کہ وہ جیت جائیں گے۔ اس لیے پہلے ہی فرعون سے انعامات کا وعدہ لے رہے ہیں۔ فرعون انھیں انعامات سے مالا مال کر دینے کے وعدہ کے ساتھ ساتھ انھیں یہ بتا رہا ہے کہ میں تمھیں اپنے مقربین کی صف میں شامل کر لوں گا اور شاہی دربار میں وزراء مملکت کے پہلو بہ پہلو تمھارے لیے سنہری کرسیاں بچھائی جایا کریں گی۔

؎ مقابلہ شروع ہوا۔ عصائے موسیٰ بپھرے ہوئے اژدہا کی طرح منہ کھولے ہوئے ان کی رسیوں اور سونٹیوں

مُوسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے (دھمکی دیتے ہوئے) کہا: تم تو ایمان لا چکے تھے اس سے پہلے کہ میں تمہیں

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۚ لَاُقَطِّعَنَّ

اجازت دیتا یقیناً یہ تمہارا بڑا گرو ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ ابھی (اس سازش کا) انجام تمہیں معلوم ہو جائیگا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

میں ضرور کاٹ دوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۖ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا

نے جواب دیا: کچھ ہرج نہیں ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دیگا

رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ع ۳

ہمارا رب ہماری خطائیں کیونکہ ہم (تیری قوم میں) سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف

اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

وحی کی کہ رات کو میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ پس بھیجے فرعون نے شہروں میں

کی طرف پھینکا جو بڑے والوں کو سانپوں کی طرح لہراتی اور بل کھاتی ہوئی دکھائی دیتے تھے۔ یہی تھیں اور انہیں ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔

شہ ساحران مصر پر آپ کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی اور وہ اپنے ایمان لانے کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدے میں گر پڑے۔

شہ فرعون کی جھنجھلاہٹ: ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا گرو ہے اور تم اس کے چیلے ہو تم سب نے مل کر حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کی ہے پس تمہیں وہ سزا دوں گا کہ تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔

شہ ایمان کی شمع روشن ہوئی تو خوف و ہراس کے سارے اندھیرے دور ہو چکے تھے۔ جرأت و شجاعت کے تمام جذبات جوان ہو گئے۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر انہوں نے اعلان کر دیا: لا ضیر انا الی ربنا منقلبون۔ ان تمام امور کی تفصیل سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرما لیجیے۔

حٰشِرِيْنَ ۝ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَإِنَّهُمْ لَنَا

ہرکارے ۵۳ تاکہ (لشکر) اکٹھا کر لائیں (کہ) یہ لوگ ایک مٹھی بھر سی جماعت ہیں ۵۴ اور انھوں نے ہمیں سخت

۵۳ مصر کے گوشہ گوشہ سے سمٹ کر آنے والے ہزاروں لوگوں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ملک کے مایہ ناز ساحروں کا ایک جم غفیر غلام قوم کے دو آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اکٹھا تھا۔ اپنے آبائی دین کو بچانے کے لیے فرعون کے لرزتے ہوئے تخت کو سہارا دینے کے لیے اپنی قومی حکومت کو نئے ابھرتے ہوئے خطرے سے محفوظ رکھنے کے لیے کوئی ساحر ایسا نہ ہوگا جو انھوں نے نہ کیا ہوگا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ایک ڈنڈے نے اژدھا بن کر ان کے سارے تماشے ہڑپ کر دیئے۔ اس شکست فاش سے ان کے طبعی طور پر سامعین کے ذہن متاثر ہوئے ہوں گے اور جادوگروں کے برملا ایمان لانے سے ناظرین کے قلوب میں جو ہلچل پیدا ہوئی اس کا اندازہ لگانا بھی زیادہ مشکل نہیں لیکن فرعون کی چال بھی کامیاب رہی۔ اس نے ساحروں پر سازش کا الزام لگا کر اپنا بھرم رکھ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخصی استبداد نے مصریوں سے غور و فکر کی ساری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ وہ فرعون کے الزام کو ہی سچ ماننے لگے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جادوگروں کی ایمانی شجاعت کا مشاہدہ کیا۔ اس بے پایاں مسرت کو بھی دیکھا جس کا اظہار انھوں نے شہادت کا جام نوش کرتے ہوئے کیا۔ لیکن انھیں کچھ عبرت حاصل نہ ہوئی جس طرح پہلے آنکھیں بند کر کے وہ فرعون کی بندگی کرتے آ رہے تھے اسی طرح آنکھیں موند کر اس کی بندگی کرنے لگ گئے۔ تاریخ ہمیں کوئی ایسی شہادت مہیا نہیں کرتی جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ انھوں نے فرعون کی اس شکست فاش سے کوئی اثر قبول کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ (یونس)۔ چنانچہ اسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ بنی اسرائیل پر ان کی سختی میں اور اضافہ ہو گیا۔ ان کے خلاف ان کا رویہ دن بدن شدت اختیار کرتا گیا۔ بنی اسرائیل نے ان الفاظ میں شکایت حضرت کلیم سے کی بھی: قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ کئی معجزات دکھائے جن کا ذکر الاعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو راتوں رات ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

۵۳ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل رات کی تاریکی میں یہاں سے کوچ کر گئے ہیں تو اس نے ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے وہ دل ہی دل میں بڑا خائف تھا۔ اس لیے تعاقب کرنے سے پہلے بڑی تیاری کرنا ضروری تھا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں قاصد بھیج دیئے گئے کہ فرعونی فوج کے دستے جہاں جہاں ہوں جلد از جلد پایۂ تخت پہنچ جائیں۔

۵۴ ملک بھر میں اس افراتفری اور عام ہنگامی بندی سے خوف و ہراس کا پھیلنا ایک قدرتی امر تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے فرعون نے یہ بات بتائی کہ ہمیں اسرائیلیوں سے کسی شدید مقابلہ کی ہرگز توقع نہیں۔ وہ مٹھی بھر آدمی ہیں ہم

لَغَآئِظُونَ ﴿٥٥﴾ وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَٰذِرُونَ ﴿٥٦﴾ فَأَخْرَجْنَٰهُم مِّن جَنَّٰتٍ

برافروختہ کر رہا ہے۔ تاہم ہم تو گروہ ہیں ہم سب ان کے متعلق بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انہیں باغوں سے اور سرسبز باغوں

وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾ كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَٰهَا بَنِىٓ

اور بہتے ہوئے چشموں اور بھرپور خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں

إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿٥٩﴾ فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَٰٓءَا ٱلْجَمْعَانِ قَالَ

کا وارث بنا دیا۔ پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے ؎ اشراق کے وقت۔ پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے

ان کی کیا جرأت ہی کب کر سکتے ہیں لیکن ہم ان کو اس فرار کی پوری پوری سزا دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ فوج کا ایک مختصر دستہ بھی ان سے نمٹ سکتا ہے لیکن دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں تساہل نہ برتا جائے تم بے فکر رہو، ہم نے ساری تدبیریں اور انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ بظاہر تو وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ لرز رہا تھا اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق ڈر کے مارے اس کا پیشاب بھی نکل جاتا تھا۔

الشرذمة الجمع القليل المحتقر۔ مختصر اور حقیر گروہ کو شرذمہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع الشراذم ہے۔

قال الجوهری الشرذمة الطائفة من الناس۔ حاذرون اخذنا حذرنا واستعددنا۔ ہم نے پوری احتیاط کر لی ہے اور اسلحہ بھی فراہم کر لیا ہے۔

؎ یہ ہو سکتا تھا کہ بنی اسرائیل کی اس ہجرت کو وہ نظر انداز کر دیتے اور خاموش ہو جاتے۔ یا فوج کے کسی افسر کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے بھیج دیتے لیکن قدرت نے ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ خود فرعون اپنے وزراء اور امراء کو ہمراہ لے کر اپنی ساری فوجوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب عذاب الٰہی آئے تو سب کے سب ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ایک ضرب سے ہی ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ اور ان ظالموں کی بربادی پر ماتم کرنے کے لیے بھی کوئی پیچھے نہ رہے۔ اس اہتمام کے ساتھ فرعون اور اس کے امراء کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلنا چونکہ قدرت کے خاص انتظام اور خفیہ تدبیر کے ماتحت ہو رہا تھا اس لیے اخرجناهم کے الفاظ سے ان کے خروج کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے ان کو اس طرح نکلنے پر اکسایا۔

؎ جب سورج طلوع ہو تو عرب کہتے ہیں شرقت الشمس اور جب اس کی روشنی پھیل جائے تو کہتے ہیں اشرقت الشمس۔ اس لیے مشرقین کا معنی ہو گا کہ جب سورج چڑھ آیا اور اس کی روشنی ہر طرف پھیل گئی تو فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔

أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي

تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے (یقیناً) ہم تو پکڑے گئے [61] آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بلاشبہ میرے ساتھ میرا

سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۖ

رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا [62] پس ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو [63]

فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ﴿٦٣﴾ وَأَزْلَفْنَا ثَمَّ

تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ جیسے بہت بڑا پہاڑ ہو [64] اور ہم نے قریب کر دیا وہاں

[61] فرعون جب اتنا قریب پہنچ گیا کہ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو بنی اسرائیل کے ہوش باختہ ہو گئے۔ سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور پیچھے سے فرعون کے لشکر جرار نے گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ گھبرا کر کہنے لگے ہم پکڑے گئے۔ اب کیا ہو گا۔ تو بہ! ایک دوسرے کو دیکھنا۔

[62] موسیٰ علیہ السلام کے توکل علی اللہ کی شان ملاحظہ ہو انہیں بھی نظر آ رہا ہے کہ سامنے بحر بیکراں ہے جس کی تند تیز موجیں ساحل سے آ آ کر ٹکرا رہی ہیں اور ادھر فرعون ہے جو غیظ و غضب سے دیوانہ ہو رہا ہے لیکن کیا مجال کہ ان خطرناک و صبر شکن حالات میں بھی کلیم کی پیشانی پر شکن تک پڑا ہو یا دل میں گھبراہٹ کا گزر تک ہوا ہو۔ گھبراتے ہوئے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں کلا ہمیں وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتا۔ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ میں اس کے حکم سے تمہیں لے کر نکلا ہوں وہ ضرور ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ کتنا پختہ ہے آپ کا یقین، کتنا محکم ہے آپ کا توکل اور کیا جلال ہے آپ کے اس جملے میں۔ نبوت کی عظمت ایسے ہی نازک حالات میں پوری آب و تاب سے جلوہ نما ہوتی ہے۔

[63] فوراً ارشاد ہوا اپنے عصا کی ایک ضرب لگاؤ اس سمندر کو، پھر دیکھو یہ راستہ دیتا ہے یا نہیں۔

[64] آپ نے ایسا ہی کیا۔ سمندر کی اچھلتی اور شور مچاتی ہوئی آتی ہوئی موجوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جیسے کسی نے سرکش گھوڑے کے منہ میں لگام دے دی ہو۔ سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا اور پانی کی لہریں اونچے اونچے پہاڑوں کی طرح جامد و ساکت ہو کر کھڑی ہو گئیں اور آپ اپنی قوم سمیت اس راستہ پر چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھا دوں جو موسیٰ نے اس وقت کہے تھے جب آپ نے سمندر کو پھاڑا تھا۔ میں نے عرض کی میرے آقا ضرور کرم فرمائیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللّٰھم لک الحمد و الیک المشتکی و بک المستغاث و انت المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضور ﷺ سے ان کلمات کو سنا ہمیشہ ان کا ورد کیا کرتا ہوں۔ (روح البیان)

الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾ وَأَنجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ

دوسرے فریق کو (غرق کرنے کو) اور ہم نے بچا لیا (ان تند موجوں سے) موسیٰ کو اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے

اس قسم کا ایک واقعہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا۔ ہجرت کی رات جب حضور غار ثور میں اپنے رفیق صدیق کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کفار بڑی تلاش کرتے ہوئے اس غار کے دہانے تک آ پہنچے حضرت صدیق کو تشویش ہوئی کہ مبادا وہ جھانک کر دیکھیں اور ہمیں پالیں۔ ان کے اطمینان کے لیے زبان مصطفیٰ سے نکلا تھا۔ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا اے صدیق! میرے پیارے! فکر مند نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ان الفاظ میں اور حضرت کلیم کے الفاظ میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا مقام حبیب اور مقام کلیم میں ہے۔ کلیم نے پہلے اپنا ذکر کیا بعد میں ربی کہا۔ حبیب نے پہلے إِنَّ اللَّهَ فرمایا بعد میں مَعَنَا فرمایا۔ پھر انہوں نے ربی جو اسم صفاتی ہے اس کو ذکر کیا اور حضور نے اللہ جو اسم ذات ہے استعمال کیا۔ معیت ربانی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے مَعِيَ میرے ساتھ فرمایا اور حبیب نے مَعَنَا فرما کر اپنے صدیق کو بھی معیت الٰہی کے شرف سے مشرف فرمایا۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وکلیمہ وسائر انبیائہ وبارک وسلم۔

لہ فرعون سمجھا کہ یہ راستے ہمارے لیے بھی بنا ہے کہ لہریں اسی طرح کھڑی رہیں گی چنانچہ وہ بھی اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں اتر گیا جب وہ اچھی طرح سمندر میں داخل ہو گیا تو وہ پانی کے پہاڑ جو ایک لمحہ پہلے چپ چاپ کھڑے تھے متحرک ہو گئے اور ٹھاٹھیں مارتی موجیں گرجتی ہوئی ان کی طرف لپکیں اور چشم زدن میں ان سب کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر نے راستہ کیسے چھوڑ دیا اور اس کی موجیں کیسے رک گئیں۔ اور جب فرعون آیا تو ان میں یک لخت روانی کیسے پیدا ہو گئی۔ اس کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورۂ بقرہ آیت ۵۰ و دیگر مقامات۔

مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر غالب ہے۔ ندی کا پانی ہو یا سمندر کا۔ شعلہ ہو یا بارش، حیوان ہوں یا انسان، ہر چیز اپنے خالق کے اشارہ کی تعمیل کرتی ہے۔ بعض لوگ جو معجزات کو تسلیم کرنے سے بچتے ہیں وہ اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مدوجزر کی حالت میں یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام گزرے تو جزر کی وجہ سے سمندر کا پانی ہٹ گیا تھا اور جب فرعون گزرنے لگا تو مد کی حالت نمودار ہو گئی اور وہ ڈوب گیا۔ اور بعض لوگ یہ تاویل بھی کرتے ہیں کہ راستے میں تیز جھکڑ چلا کر سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا۔ یہ دونوں باتیں انتہائی طور پر مضحکہ خیز ہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے ہزاروں افراد تھے۔ انہیں سمندر کو عبور کرتے ہوئے کافی وقت لگا ہوگا۔ پھر فرعون کا لشکر جو ہزارہا گھڑ سوار اور پیادہ فوجی دستوں پر مشتمل تھا اسے بھی سمندر میں اچھی طرح داخل ہونے کے لیے کافی وقت درکار تھا کیا جزر اتنا طویل ہوتا ہے یا جھکڑ کی وجہ سے اتنے عرصہ دراز تک سمندر میں شگاف باقی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نیز سورۂ طٰہٰ میں صراحۃً مذکور ہے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا کہ عصا مار کر سمندر میں ان کے لیے ایسا راستہ بنا دو جو خشک ہو تو اس طرح کا خشک راستہ بنانا نہ جھکڑوں کا کام ہے اور نہ مدوجزر سے کبھی ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے لیکن ہے

أَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بھی) بڑی واضح نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

والے نہیں۔ اور بیشک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور آپ بیان فرمائیے

اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

ان کے سامنے ابراہیم کا قصہ[1] جب آپ نے اپنے باپ[2] اور اپنی قوم سے کہا تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم پوجتے

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ

ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک رہتے ہیں[3]۔ آپ نے پوچھا (بھلا یہ بتاؤ) کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب

تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کوئی) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں؟[4] انہوں نے (لاجواب ہو کر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا

قرآن کریم کی ایسی آیات میں کریم کا بطور تثبیت ہے اللہ کا واسطہ بھی نہ ہو اسلام کی کوئی خدمت نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی فرمایا ہے۔

[1] اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت خلیل علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا جا رہا ہے کیونکہ آپ قبائل قریش کے جد اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو ان کی نسل سے ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسی وجہ سے وہ کعبہ کے متولی تھے اور ملک بھر میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرمائے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم کو اپنا جد اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم کے رب اکبر پر بھی ایمان لائیں۔ جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے دامنوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

[2] اس سے مراد آزر ہے جو آپ کا چچا تھا کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لیے باپ کہا گیا۔
ای اذ سماہ اللہ ابا لکونہ عما و مربیا لہ (مظہری)

[3] یہاں اس کا معنی ہے ندوم اور عکوف کہتے ہیں الاقامۃ متعلق الشیٔ کسی چیز پر مستقل رہنا گویا وہ آپ کو

كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿٧٤﴾ قَالَ أَفَرَأَيْتُم مَّا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٧٥﴾ أَنتُمْ وَ

اپنے باپوں کو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھا (بھی) ان (بتوں) کی بے بسی کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو تم اور

آبَاؤُكُمُ الْأَقْدَمُونَ ﴿٧٦﴾ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٧﴾

تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد ۔ پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العٰلمین کے

چڑانے کے لیے کہہ رہے ہیں کہ ہم تو ہمیشہ ہمیشہ انہی کی بندگی کیا کریں گے۔ جوہری عکفت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
عکفت ای اقبل علیہ مواظبا (صحاح)

کیا پیارا اسلوب ہے افہام و تفہیم کا۔ انہی سے ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہم ان کی تقلید سے دستکش ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔

آپ محبت بھرے اسلوب سے انہیں سمجھا رہے ہیں کہ نادان نہ بنو یہ جاہلانہ ضد اچھی نہیں۔ اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ تم دنیاوی معاملات میں جب عقل و فہم کو استعمال کرتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر پہنچنے کا وقت آتے ہی تم اپنی سمجھ کا چراغ گل کر دو، یہ تو اچھی بات نہیں۔

ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو سمجھتے رہو میں تو انہیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھتا ہوں۔ میری بندگی کا تعلق صرف اس معبود برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو پیدا بھی کرتا ہے پھر حالات پیہم سے ہر چیز کو اس کے مرتبہ کمال تک بھی پہنچاتا ہے۔ اس کی جسمانی و روحانی تربیت بھی کرتا ہے۔ ان کی نشوونما کے لیے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو مہیا کرتا ہے۔ ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العٰلمین (ہر چیز کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کتنا معنی خیز ہے۔ آیت میں یہ نکتہ بھی غور طلب ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا انداز نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے اور یہ تعریض تصریح سے بدرجہا زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے۔ فانھم کی ضمیر اصنام (جمع) ہے، یعنی چاہیے تھی کہ عدو واحد کیوں لائی گئی۔ اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ جو صفت فعول یا فعیل کے وزن پر ہو اس کا استعمال واحد جمع دونوں کے لیے ہی ہوتا ہے کیونکہ عدو اصل میں عدوو فعول کے وزن پر ہے اس لیے یہاں اس کا استعمال درست ہے۔ اس لیے یہ ائمہ لغت کا مسلک ہے۔ یجوز اطلاق العدو والصدیق علی الواحد والجمع لان کل صفة علی وزن فعول و فعیل یستوی فیہ کما یقال رجل عدو وقوم عدو۔ (مظہری)

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَ الَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾

جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر وہی ہر قدم پر میری رہنمائی کرتا ہے ۔ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے

وَ اِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَ الَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے ۔ اور وہ جو مجھے مارے گا ۔ پھر مجھے زندہ کرے گا ۔

وَ الَّذِیْۤ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓــٴَـتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ

اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بخش دیگا میرے لیے میری خطاؤں کو روز جزا کو ۔ اے میرے رب عطا فرما

حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَ اجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی

مجھے علم و عمل میں کمال اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ ۔ اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَ اغْفِرْ لِاَبِیْۤ

آئندہ آنے والوں میں ۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں ۔ اور بخش دے میرے باپ کو

۷۹ رب العالمین کی شان ربوبیت کے مختلف مظاہر کی طرف جن میں سے کسی ایک پر بھی ان کے بت قادر نہیں ہیں حضرت خلیل علیہ السلام ان کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں جس کی وضاحت الذی اعطی کل شیء خلقه ثم هدی میں گزر چکی ہے (طٰہٰ)۔

۸۰ حضرت خلیل کا بارگاہ الٰہی میں حسن ادب ملاحظہ ہو بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی اللہ تعالیٰ کی طرف حالانکہ بیماری اور صحت دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں ۔

۸۲ یہاں بھی حسن ادب ہے ۔ اللہ کا خلیل ہونے کے باوجود ساری عمر اس کی عبادت و اطاعت میں گزارنے کے باوجود اور ہر آزمائش میں کامیاب ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بے نیازیوں سے دل سہما جاتا ہے کہتے ہیں مجھے یہ آرزو ہے کہ وہ کریم مجھ پر کرم فرمائے گا اور میری خطاؤں کو بخش دیگا ۔ بندے کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کی نظر اپنی کمیوں پر ہو بجائے اپنی خوبیوں پر ہو ۔

۸۳ اپنے خالق کی حمد و ثنا کرنے کے بعد اب دعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہیں اور طلب کا دامن پھیلاتے ہیں ۔ حکماً سے مراد علم و عمل کا کمال ہے تاکہ خلافت الٰہیہ کا منصب جلیل سنبھالنے کی مکمل استعداد اور اس کی مخلوق کی سیاست کا صحیح ملکہ پیدا ہو جائے ۔ ای کمالا فی العلم والعمل بحیث یستعد لخلافة الحق ورياسة الخلق ۔ (مظہری)

۸۴ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی رفاقت وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کی تمنا حضرت خلیل جیسے اولوالعزم

إِنَّهُۥ كَانَ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِى يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا

وہ گمراہوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ جس دن نہ

يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى ٱللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ

مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم۔ اور قریب کر دی

ہستیاں بھی کیا کرتی ہیں۔

۲؎ لسان صدق سے مراد ہے الثناء الحسن بہترین تعریف۔ یعنی تیرے نیک بندوں کی زبانیں میری ستائش کرتی رہیں۔ اظہار بندگی میں جن توفیقات مخصوصہ اور کمالات عظیمہ سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے رہتی دنیا تک ان کا ذکر ہوتا رہے۔ بعض نے لسان صدق کا معنی الدعا الحسن یعنی نیک دعا کیا ہے۔ یعنی لوگ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔ اگرچہ لسان کا معنی زبان ہے لیکن اس کا اطلاق اس بات پر بھی ہوتا ہے جو زبان سے نکلتی ہے جیسے لغت کو زبان کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ آپ کے بعد جتنے نبی آئے سب آپ کی عظمت و رفعت شان کا اعتراف کرتے رہے۔ آج بھی سلسلہ نبوت و رسالت پر ایمان رکھنے والی قومیں بلا استثناء آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے آپ کی اس دعا کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کے دین حنیف کا احیاء ہوا۔ آپ کے عقائد حقہ کی اشاعت ہوئی اور ہر مسلمان جب بھی نماز میں اپنے ہادی کامل پر درود عرض کرتا ہے تو وہ ابراہیم اور آل ابراہیم پر بھی درود بھیجتا ہے۔

۳؎ الٰہی اگر تیری یاد میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے تو اس کی وجہ سے مجھے روز حشر شرمندہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر کمال عنایت ہو گی۔ اگر وہ اس روز اس کی آبرو رکھ لے اور اہل ایمان کے ساتھ مولائے کریم کا سلوک کیسا ہی طرح کا ہو گا۔ صحیحین میں ہے کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے کانوں میں چپکے سے کیا بات فرمائی تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا یدنو احدکم من ربہ حتی یضع کنفہ علیہ فیقول عملت کذا وکذا فیقول نعم ثم یقول انی سترتہا علیک فی الدنیا وانا اغفرہا لک الیوم ثم یعطی کتاب حسناتہ بیمینہ۔ یعنی تم میں سے کوئی آدمی اپنے رب کے بالکل نزدیک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا ہاں میں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں میں نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور آج میں ان خطاؤں کو تیرے لیے بخش رہا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دی جائے گی۔ کفار اور منافقین کو برسر عام رسوا کیا جائے گا۔ (مظہری)

۴؎ قلب سلیم سے مراد مومن کا دل ہے کیونکہ وہ کفر و نفاق کی بیماریوں سے محفوظ ہوتا ہے اور کافر کا دل مریض

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ﴿٩١﴾ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا

جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ بہکنے والوں کے لیے ف۳ اور کہا جائے گا انہیں کہاں

كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿٩٢﴾ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ﴿٩٣﴾

ہیں وہ جن کی تم پوجا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔

فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿٩٥﴾ قَالُوا

پھر اوندھے منہ پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں ف۴ وہ کہیں گے

ہو گا جیسے ارشاد ہے "فی قلوبهم مرض" آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر نے نیک کاموں میں جتنا روپیہ بھی خرچ کیا ہو اسے اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی طرح اگر کسی کافر کی اولاد مومن اور صالح بھی ہو تو بھی اس کی شفاعت اس کافر کے حق میں مقبول نہیں ہو گی۔ لیکن جس شخص کا دل کفر و نفاق کی بیماری سے محفوظ ہے اس نے راہِ حق میں جو مال خرچ کیا ہو گا اس کا کئی گنا اجر بروز قیامت اُسے دیا جائے گا۔ نیز اس کی نیک اور صالح اولاد کی دعائیں اس کے گناہوں کی بخشش اور اس کے درجات کی بلندی کا باعث ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی شفاعت اپنے والدین کے حق میں مقبول ہو گی اور انہیں نفع پہنچائے گی۔ واما المؤمن فينفعه ماله الذي انفقه في الطاعة وولده بالشفاعة والاستغفار (مظہری)

علامہ ابوحیان زمخشری کا قول ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ولا يمتنع ويقدر الى حسنت سلامة الا اذ قد نفاد لكن من اتى الله بقلب سليم ينفعه ذالك۔

جسے سانپ نے ڈس لیا ہو اسے بھی سلیم کہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا یہاں سلیم لدیغ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے یعنی وہ شخص جس کا دل سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے بے چین اور تڑپتا رہتا ہو وہی روزِ حشر کامیاب ہو گا۔

وقال الجنيد: السليم في اللغة اللديغ فمعناه انه قلب كاللديغ من خوف الله (قرطبی)

ف۳ قیامت کے دن گمراہوں اور سرکشوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا ان آیات میں اس کا ذکر ہے۔

ف۴ صاحب قاموس لکھتے ہیں: کب، اکب، و کبکب سب کا ایک معنی ہے یعنی سر کے بل اوندھا کر کے نیچے پھینک دینا۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ کب کو مکرر کر کے کبکب بنایا گیا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہیں دوزخ میں پھینکا جائے گا تو قلابازیاں کھاتے ہوئے نیچے جا گریں گے۔ ھُم کی ضمیر کا مرجع جھوٹے معبود ہیں یعنی جھوٹے معبود ان کے پرستار اور ابلیس اور

وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ

اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہوں گے ۔ خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے جب ہم

نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا

تمہیں رب العٰلمین کے برابر بناتے ہوئے تھے ۔ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر ان نابکار مجرموں نے ۔ تو آج نہیں ہے

مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ

ہمارا کوئی سفارشی ۔ اور نہ کوئی غم خوار دوست ۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا دنیا میں واپس جانا تو

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

ہم اہل ایمان سے ہو جاتے ۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ

لانے والے ۔ اور (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ جھٹلایا قوم نوح نے رسولوں کو

اس کے معاون و مددگار سب کو دوزخ میں الٹا کر کے پھینک دیا جائے گا۔

وہاں تُو تُو لعن طعن، تکرار بازیاں، ابلیس اور اس کے پیروکاروں میں نوک جھونک شروع ہو جائے گی۔

تکراری کہیں گے ہم نے تمہیں پروردگار عالم کا ہم پلہ اور برابر یقین کر کے اپنے اوپر ظلم عظیم کیا تھا۔ اذ نسویکم فی العبادۃ (قرطبی) فی استحقاق العبادۃ (مظہری) یعنی ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کا مستحق سمجھتے تھے۔

وہ بصد حسرت کہیں گے جس طرح اہل ایمان کی شفاعت ان کے نبی، فرشتے اور نیک مسلمان کر رہے ہیں کاش ہمارا بھی کوئی ایسا شفیع ہوتا۔ کاش ہمارا بھی کوئی ایسا قریبی دوست ہوتا۔ حضرت حسن بصری کا ارشاد ہے استکثروا من الاصدقاء المؤمنین فان لہم شفاعۃ یوم القیامۃ (مظہری)

یعنی اہل ایمان کو کثرت سے دوست بناؤ کیونکہ قیامت کے دن انہیں شفاعت کرنے کا اذن دیا جائے گا۔

اے محبوب! آپ کا پروردگار عزیز ہے، وہ چاہے تو دم بھر میں ان کی ساری مخلوق کو پامال کر کے رکھ دے لیکن وہ عزیز ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہے۔ اسی لیے انہیں مہلت پر مہلت دی جا رہی ہے شاید ان میں سے کوئی کسی وقت ایمان قبول کر لے یا ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ العزیز القادر علی الانتقام - الرحیم بامھال الکفار لکی یؤمنوا بہ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوْهُمْ نُوْحٌ أَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ إِنِّيْ لَكُمْ

رسولوں کو جب کہا انھیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو بیشک میں تمہارے لیے

رَسُوْلٌ أَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ) پر

أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾

کوئی اجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔

قَالُوْا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا

انھوں نے کہا کیا ہم (تمہاری قوم کے رئیس) ایمان لائیں تم پر حالانکہ تمہاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس

او لمعنی من بعث فیھم (مظہری)۔

اب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

یہ اخوت اور بھائی چارہ نسبی ہے، دینی نہیں۔ نیز آپ کو ان کا بھائی کہہ کر اس جذبۂ اخلاص و خیر خواہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو ایک بھائی کے دل میں اپنے بھائیوں کے متعلق فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ بتایا کہ کوئی اجنبی نہیں جسے تمہاری خوشی اور غم سے کوئی واسطہ نہ ہو بلکہ یہ تمہارا بھائی بند ہے۔ تمہاری فلاح اور کامیابی اس کے لیے فرحت و انبساط کا باعث ہے اور تمہاری گمراہی سے اس کے دل میں درد و غم کی لہریں اٹھتی ہیں۔

میری صداقت اور امانت کے تم خود گواہ ہو۔ اب میری بات ماننے میں کیوں پس و پیش کر رہے ہو۔ میں تو تمہیں اپنے مالک حقیقی کی ناراضگی سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میرے پیش نظر کوئی ذاتی اور مادی منفعت نہیں۔ میں تم سے کسی اجر و معاوضہ کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ میری ان دلسوزیوں پر میرا خدا ہی مجھے اجر دیگا۔

وہ کہتے تھے آپ پر ایمان لانے والے سب کے سب ایسے لوگ ہیں جو خاندانی لحاظ سے بڑے گھٹیا ہیں۔ مالی لحاظ سے بڑے مفلس اور کنگال ہیں۔ معاشرہ میں انھیں کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ایسے کمین اور پسماندہ لوگوں کے پیشوا پر ایمان لا کر ہم اپنی ہتک نہیں کر سکتے۔ ارذلون: ارذل کی جمع ہے اس کی جمع تکسیر اراذل ہے۔ مونث رذلیٰ اور جمع رذل (قرطبی)۔ اس کا معنی صاحب قاموس نے الدون الخسیس کیا ہے۔ قال البیضاوی الاقل جاھا و مالا یعنی جاہ و مال میں سب سے کمتر کو ارذل کہتے ہیں۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾ وَ

نیت سے ایمان لاتے ہیں ١ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ اگر تمہیں حقیقت کا شعور ہے۔ اور

مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوْا لَئِنْ

نہیں ہوں میں خود بخود ہٹانے والا غریب و مسکین مومنوں کو ٢ نہیں ہوں میں مگر صاف صاف ڈرانے والا ٣ انہوں نے

لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ

کہا: اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو یقیناً تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا ٤ آپ نے عرض کی میرے مالک!

كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ

میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے پس تو فیصلہ فرما دے میرے اور ان کے درمیان جو فیصلہ ہو ٥ اور اپنے فضل سے نجات دے مجھے

١ اس جملہ کی متعدد تشریحیں کی گئی ہیں (۱) ان کے پیشے اور حرفت کیا کیا تھی مجھے ان سے کیا سروکار میں تو اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے میری دعوت قبول کر لی ہے اور دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں (۲) کفار ان ایمان لانے والوں پر یہ اعتراض کیا کرتے کہ ان لوگوں نے اس دین کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ یہ دین حق ہے بلکہ وہ اس طرح اپنی تشہیر اور چرچا چاہتے ہیں تاکہ ہر محفل میں یہ دین موضوع بحث بنے ان کا ذکر بھی کیا جائے ان کا نام بھی لیا جائے کہ فلاں فلاں شخص نے یہ دین قبول کر لیا ہے۔ اس جملہ سے ان کے اس اعتراض کا رد ہے کہ تم ان کی نیت پر شبہ کرتے ہو تو کر مجھے تو اس سے بحث نہیں۔ دلوں اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے میں تو اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا۔ اس کے دین کو قبول کیا۔

٢ انہوں نے مطالبہ کیا ہو گا کہ ان نادار لوگوں کو اپنے پاس سے اٹھا دو جب ہم آپ کے پاس آتے ہیں ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا ہمارے لیے ننگ و عار کا موجب ہے۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ میں ان لوگوں کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اپنی محفل سے نہیں نکال سکتا۔ تمہارے نزدیک عزت و شرف کا معیار دولت کی کثرت ہے تو ہوا کرے میرے نزدیک ایمان سے گراں بہا اور عزیز تر متاع کوئی نہیں۔ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی قسم کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

٣ میرا کام ہر ایک کو نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے کوئی امیر ہو یا غریب، معزز ہو یا حقیر، میرا پیغام سب کے لیے عام ہے جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے رد کر دے کیونکہ کوئی اسے قبول کر کے مجھ پر احسان نہیں۔

٤ کفر اور باطل کی یہی پرانی عادت ہے جب دلائل کے میدان میں حق کو نیچا نہیں دکھا سکتا تو وہ طاقت کے

منزل ۵

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١١٩﴾ ثُمَّ

اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان سے۔ پس ہم نے نجات دی انہیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی

أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ﴿١٢٠﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

پھر ہم نے غرق کر دیا اس کے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٢١﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٢﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ

ایمان لانے والے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ جھٹلایا عاد نے (بھی) اپنے

ع ١٠

الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾ إِنِّي لَكُمْ

رسولوں کو ٢٦ جب فرمایا انہیں ان کے بھائی ہود نے کیا تم (خدا سے) ڈرتے نہیں ٢٧ بیشک میں تمہارے لیے

رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٢٦﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں ٢٨ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت)

لیتے، پر اسے دبانا چاہتا ہے چنانچہ اب وہ آپ کو دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہیں۔

٢٥ جب آپ ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ دعا کی یہاں فتح کا معنی قطعی فیصلہ ہے۔

مشحون: مملو، بھری ہوئی۔ کشتی میں جو چیز لادی جائے، انسان، حیوان یا دیگر سامان اسے شحنۃ الفلک کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ الاعراف، آیات ۵۹ تا ۶۴۔

٢٦ قوم عاد کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد انہیں عروج حاصل ہوا۔ جسمانی ڈیل ڈول اور قوت و وسعت میں یہ بے نظیر تھے۔ فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے ضیاء القرآن، جلد دوم، الاعراف کی آیات ۶۵ تا ۷۲ ملاحظہ ہوں۔

٢٧ آپ کی اخوت کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ ان پر آپ کا اخلاص اور خیر اندیشی واضح ہو جائے۔

٢٨ آپ نے بھی اپنی صداقت کے لیے اپنی گزشتہ زندگی کو بطور گواہ پیش کیا جب کل تک میرا دامن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک رہا، تم خود میری اخلاقی برتری اور دیانت کو تسلیم کرتے رہے ہو میں ایک رات میں بدل تو نہیں گیا حسب سابق آج بھی تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں اور تمہاری بھلائی ہی میرے پیش نظر ہے۔ یہ وعظ و نصیحت میں نے

أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٧﴾ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ

کا کوئی صلہ۔ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک

آيَةً تَعْبَثُونَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿١٢٩﴾ وَإِذَا

یادگار بے فائدہ ۔ اور اپنی رہائش کے لیے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٣١﴾ وَاتَّقُوا

پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بیدرد بن کر گرفت کرتے ہو۔ پس ڈرو اللہ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور ڈرو

پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا کہ تم سے اجرت اور فیس لیا کروں۔ میری اس محنت اور اخلاص کی قدر فرمانے والا رب العالمین ہے۔

ریع اونچی جگہ کو بھی کہتے ہیں اور وہ راستہ جو دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا ہو اس کو بھی ریع کہا جاتا ہے

الریع ما ارتفع من الارض وقال مجاهد هو الفج بين الجبلين (قرطبی)

ان کا یہ دستور تھا جہاں کہیں اونچا ٹیلہ نظر آیا وہاں بطور یادگار کوئی عمارت تعمیر کر دی تاکہ ان کا نام زندہ رہے نیز وہ اپنی رہائش کے لیے بڑی بڑی کشادہ حویلیاں اور شاندار محلات تعمیر کرتے اور ان کی مضبوطی اور زیب و زینت پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان دونوں باتوں پر انہیں سرزنش کر رہے ہیں یعنی ایسی یادگاریں بنانا اور ان پر زر کثیر صرف کرنا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو قطعاً قرین دانشمندی نہیں۔ اور اسی طرح ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اچھے اچھے محل تعمیر کرنا اور اپنی امارت کی نمائش کے لیے ان پر دولت صرف کرنا بھی نامعقول حرکت ہے اگر تمہارے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اس سے اپنے نادار اور غریب پسماندہ ہم وطنوں کی خدمت کرو ان کے لیے آسائش کے سامان فراہم کرو۔ اسی میں تمہاری فلاح دارین ہے۔ تم ان مکانوں میں ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں ایک نہ ایک دن یقیناً یہاں سے کوچ کرنا ہے جب موت کی اٹل گھڑی آپہنچی تو ان مکانوں کو چھوڑتے ہوئے تمہیں بڑا دکھ ہوگا۔ ان شاندار اور فلک بوس محلات کو دیکھ کر تمہارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہوگا۔ مصانع ای منازل، رہائش کے مکانات وقیل حصونا مشیدۃ یعنی مضبوط قلعے۔ وقیل قصورا مشیدۃ، پختہ محلات۔ حضور نبی کریم نے رہائشی مکانات پر تکلف بنانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببعض جسدی

فقال کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک من اصحاب القبور۔ (رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کر گویا تو غریب الوطن ہے یا راہ رو مسافر، اور اپنے آپ کو اصحاب قبور سے شمار کر۔

الَّذِيٓ أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝١٣٢ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝١٣٣ وَجَنَّٰتٍ

ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں

وَعُيُونٍ ۝١٣٤ إِنِّيٓ أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝١٣٥ قَالُوا۟ سَوَآءٌ

اور باغات اور چشموں سے بے شک میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔ انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے

عَلَيْنَآ أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ ٱلْوَٰعِظِينَ ۝١٣٦ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا خُلُقُ

لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہوں آپ نصیحت کرنے والوں سے بے شک نہیں ہے یہ (محلات کا شوق)

ایک طرف تو ان کی دنیاداری کا یہ عالم کہ بے ضرورت یادگاریں، وسیع حویلیاں اور شاندار مکانات تعمیر کرنے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے اور دوسری طرف ان کی سنگدلی کا یہ عالم کہ اُن کی زد سے نہ اپنے محفوظ تھے نہ بیگانے۔ جو قابو میں آیا تیغ جفا سے اس کا کام تمام کر دیا۔ کسی سے کوئی ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوگئی تو وہ خونخوار بھیڑیے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے۔ اتنے تندخو تھے اور طبیعتوں میں انتقام کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ گویا رحم و کرم، عفو و درگزر کا انہوں نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ البطش: الاخذ بالعنف بڑی بے دردی سے گرفت کرنا۔ جبار اس متکبر کو کہتے ہیں جس کے دل میں کسی کے لیے رحم کا جذبہ نہ پایا جائے۔ الجبار والمتکبر و قلب لا یدخله رحمة۔ قرآن کریم نے جو اطوار بیان کیے ہیں ان کے آئینے میں آپ ان کے کردار اور معاشرہ کے خدوخال کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی نمود و نمائش پر جب خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں لیکن کسی دردمند کو دیکھ کر کسی آشفتہ حال کو دیکھ کر ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہونا ناممکن ہے۔ جاہ پسند دنیا پرست قوموں میں یہی قدر مشترک ہے۔

ان کی خرابیوں کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت ہود انہیں خدا کا خوف دلاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا غضب جوش میں آجائے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ اور اپنی اطاعت و پیروی کا حکم دیتے ہیں کیونکہ ان کی نجات کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے نبی کا دامن پکڑ لیں اور اس کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنائیں۔

دوبارہ تاکید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آؤ جس نے تمہیں طرح طرح کی عنایات اور احسانات سے سرفراز فرمایا ہے جنہیں تم خوب جانتے ہو۔ ایسے منعم اور محسن کی حکم عدولی تمہیں زیب نہیں دیتی۔

ان انعامات کا اب تفصیلی ذکر فرما دیا۔ سورۃ الاعراف کے حواشی میں بتایا گیا ہے کہ یہ قوم احقاف کے علاقہ میں آباد تھی۔ اس کا پایہ تخت حضرموت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بڑا زرخیز اور شاداب تھا اور بعد میں جب ان کی پیہم سرکشیوں کے باعث ان پر عذاب الٰہی آیا تو یہ علاقہ ریگزار بن کے رہ گیا۔ جہاں کبھی آباد شہر بارونق بستیاں اور لہلہاتے درختوں کے باغات تھے

الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ ۗ إِنَّ فِي

مگر پہلے اسلاف کا دستور شے اور آپ فکر نہ کریں ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا پس انھوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انھیں ہلاک کر

ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ

دیا شے بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب

اب وہاں ریت کے انبار ہی ہے جہاں ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے نظر آتے ہیں۔ مکانات سے خالی علاقہ ہے جنوب میں حضرموت اور شمال میں بلاد نجد جہاں اللہ معاونت یا نجد بحر ہیں قوم عاد ممالک اور حضرموت کے درمیان علاقوں میں آباد تھی وہ سرسبز و شاداب تھا جسے اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر صحرا بنا دیا۔

شے انھوں نے حضرت ہودؑ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ آپ خواہ مخواہ سر کھپا رہے ہیں ہم آپ کی کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔

شے یہاں خلق میں دو قرأتیں ہیں خَلْقُ اور خُلُقُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی اختلاق یعنی جھوٹی اور گھڑی ہوئی بات اور دوسری صورت میں اطوار و عادات۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم جو دھمکیاں ہمیں دے رہے ہو کہ اگر ہم نے تمہاری دعوت قبول نہ کی تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے یہ محض کذب و افترا اور من گھڑت افسانے ہیں تمہاری قوم کے لوگ پہلے بھی ہمارے آباؤ اجداد کو ایسے جھوٹے من گھڑت قصے سنایا کرتے تھے تم نے بھی وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ خود تو اپنی خشک مزاجی کے باعث زندگی کی ان لذتوں سے محروم ہو اب یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی تمہاری طرح سوکھے ٹکڑے کھائیں اور پھٹے پرانے کپڑے پہنیں اور دنیا کی ان نعمتوں سے لطف اندوز نہ ہوں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح یادگاریں بنانا اور شاندار مکانات تعمیر کرنا اور عیش و نشاط کی محفلوں میں داد عیش دینا ہمارے اسلاف کا وطیرہ رہا ہے ہم تو انہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر یہ کام اتنے ہی قابل گرفت اور برے ہیں تو ان پر عذاب آیا ہوتا۔ آج تک تو وہ عذاب آیا نہیں۔ تم یقین رکھو کہ ہم پر بھی نہیں آئے گا۔ خلق الاولین ای اختلاقھم و کذبھم والعرب تقول حدثنا فلان بالاحادیث الخلق ای بالخرافات و خلق الاولین معناہ عادتھم۔

شے آخر ان کی تباہی کا وقت آگیا۔ افق پر ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر ان کے دل باغ باغ ہو گئے سب کو موسلا دھار مینہ برسے گا اور خوشحالی کا مقدر ہوگا۔ لیکن وہ گھٹا تو قہر الٰہی بن کر آئی تھی۔ آٹھ دن اور سات راتیں گرم آندھی چلتی رہی۔ وہ اتنا تند و تیز تھا کہ ان کی مضبوط عمارتیں بنیادوں سے اکھڑ گئیں اور اس میں اتنی بلا کی تپش تھی کہ سرسبز کھیت راکھ بن گئے باغات اور تناور درخت یوں برنیدہ ہو گئے معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں پرانے ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ الحاقہ میں اس عذاب کا ذکر اس طرح فرمایا۔ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ (ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد پنجم، الحاقہ آیت ۶ تا ۷)۔

الرَّحِيمُ ﴿١٤٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ

بیشک آپ کا رب وہی زبردست رحم فرمانے والا ہے۔ جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو لہ جب کہا انھیں ان کے بھائی صالح نے

أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٤٣﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٤٤﴾ وَ

کیا تم (خدا کی نافرمانی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور

مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٤٥﴾

میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ ﴿١٤٦﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٤٧﴾ وَزُرُوعٍ

کیا تمھیں رہنے دیا جائیگا اس عیش و طرب میں جس میں تم یہاں ہو امن سے۔ ان باغات میں اور چشموں میں اور شاداب

وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ ﴿١٤٩﴾

کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جن کے خوشے نرم و نازک ہیں لہ اور تم تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر بڑے ماہر اور اتراتے ہوئے

لہ اب قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے جس نے اپنے مخلص نبی کی نصائح اور دعوت کو اسی طرح سے ٹھکرا دیا جس طرح پہلی قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی پہلے اپنی قوم کو اپنی دیانت، پاکبازی اور خیر اندیشی کا یقین دلاتے ہیں اور انھیں بتلاتے ہیں کہ میں تم سے کسی مادی منفعت کا خواستگار نہیں۔ میرے پیش نظر محض تمھاری خیر خواہی ہے۔ میری یہی آرزو ہے کہ تم رشد و ہدایت کی راہ پر چلو۔ تمھارا دل نور ایمان سے منور ہو۔ تمھارا معاشرہ حق تلفی، ظلم، طغیان اور بے جا غرور کے امراض سے پاک ہو۔ تم تنگی اور عسرت کی زندگی بسر کرو۔ تمھاری قوتیں، تمھارے مادی وسائل اور فنی مہارت اس طرح استعمال ہو جس سے خستہ حالوں اور آشفتہ دلوں کو سکون نصیب ہو۔ قوم کے کمزور افراد کو سہارا ملے۔ لیکن جو قوم عیش و عشرت میں بدمست ہو اور جس پر بے راہ روی کی ہوس غالب ہو چکی تھی اسے ایسے مواعظ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگانے شروع کر دیے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تحقیر کی۔ آخر کار ان سرکشیوں کا وہی نتیجہ نکلا جو ایسے افعال کا نکلا کرتا ہے۔

لہ ان باغات، بہتے ہوئے چشموں، کھیتوں اور پھلوں سے لدے ہوئے نخلستانوں کو دیکھ کر تم پھولے نہیں سماتے کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم ہمیشہ اسی طرح ان سے لطف اندوز ہوتے رہو گے اور تمھیں موت کا ذائقہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ یہ سراسر تمھاری نادانی ہے۔ هضیم: یتهشم فی الفم جو مٹھاس سے اٹی ہوئی نرم اور گداز ہو کر منہ میں ڈالتے ہی گھل جائے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَلَا تُطِیْعُوْۤا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِیْنَ

پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی جو

یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مِنَ

فساد برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔ جواب دیا (اے صالح!) یقیناً تم ان لوگوں میں سے ہو جن

الْمُسَحَّرِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَاۤ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ فَاْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

پر جادو کر دیا گیا ہے نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند پس لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے

الصّٰدِقِیْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہاری باری ہے

سنگ تراشی کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی اس پر انہیں بڑا ناز بھی تھا اور اسی وجہ سے گرد و نواح میں دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ فارھین: حاذقین بصنعتها یعنی چٹانیں تراش کر مکان بنانے میں تم بڑے ماہر اور حاذق ہو۔ اس میں دوسری قرأت فرھین بھی آئی ہے۔ اس کا معنی ہے اشرین بطرین، مغرور اور سرکش۔

آپ نے ان کے سیاسی لیڈروں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا یہ تو مفسد لوگ ہیں۔ ان سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑا کر تماشا دیکھتے ہیں۔ غریبوں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس قابل نہیں کہ قوم کی قیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں دے دی جائے ورنہ وہ تمہارا بیڑا غرق کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری پیروی کرو میں تمہیں ہدایت اور راستی کی طرف لے چلوں گا۔

وہ کہنے لگے صالح! تم عجیب آدمی ہو۔ ہماری ہر بات تمہیں بری نظر آنے لگی ہے۔ ہمیں اپنے بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہو۔ ہمیں اپنے لیڈروں سے برگشتہ کر رہے ہو۔ ہمارے آداب معاشرت تمہیں پسند نہیں اور ہمارے فن سنگ تراشی پر بھی تمہیں اعتراض ہے جس کی وجہ سے ہماری شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے۔ یقیناً تمہیں کسی نے کچھ کر دیا ہے ورنہ تمہارے جیسا زیرک اور دانشمند آدمی جس سے ہم نے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس سے ایسے خیالات کا اظہار ممکن نہیں۔

آپ ہماری طرح بشر ہی تو ہیں۔ ہم آپ کو رسول کیسے مان لیں۔ کوئی معجزہ دکھاؤ جس سے تمہاری صداقت کا ہمیں یقین آ جائے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ثمودیوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے سرخ رنگ کی اونٹنی نکلے

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥٦﴾ فَعَقَرُوهَا

اور نہ پہنچانا اسے کوئی اذیت ورنہ آ لے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب۔ ان بدبختوں نے اس کی کونچیں کاٹ

فَأَصْبَحُوا نَٰدِمِينَ ﴿١٥٧﴾ فَأَخَذَهُمُ ٱلْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً ۖ وَ

ڈالیں پھر ہو گئے ندامت زدہ افسوس کرتے ہوئے پس آ لیا انہیں عذاب نے بیشک اس واقعہ میں بھی عبرت کی نشانی ہے اور

مَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٥٨﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٥٩﴾ كَذَّبَتْ

نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے۔ جھٹلایا

قَوْمُ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٦٠﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٦١﴾

قوم لوط نے اپنے رسولوں کو لـــه جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے؟

إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٦٢﴾ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٦٤﴾ أَتَأْتُونَ ٱلذُّكْرَانَ

اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو اسی کے ذمہ ہے جو رب العالمین ہے۔ کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس

جو دس ماہ کی حاملہ ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے بچہ جنے تو ہم تمہیں رسول مان لیں گے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ وہاں کیا مشکل تھا اور ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا۔ اور اس چٹان سے ان کی مطلوبہ اونٹنی نکل آئی۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ اب یوں ہوگا کہ ایک دن تنہا یہ پانی پیے گی اور دوسرے دن تمام انسان اور تمہارے مویشی پانی پئیں گے۔ یاد رکھنا اس اونٹنی کو کوئی اذیت نہ پہنچانا ورنہ تمہاری خیر نہیں۔

لـــه لیکن وہ باز آنے والے کب تھے۔ انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر بھونچال آیا جس نے ان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ فاخذتہم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جثمین (الاعراف)۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد دوم، آیات ۷۳ تا ۷۹۔

لـــه سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود میں ان کا مفصل تذکرہ گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن، جلد دوم، متعلقہ آیات

آپ کا انداز تبلیغ بعینہٖ وہی ہے جو پہلے انبیاء کا تھا۔ من القالين اى المبغضين والقلاء البغض۔

منزل ۵

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ

ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے

قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (بدبخت) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا

قَالَ اِنِّىْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ رَبِّ نَجِّنِىْ وَاَهْلِىْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

آپ نے فرمایا (سن لو) میں تمہارے اس (گندے) عمل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس (کے انجام) سے

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۰﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۳﴾

دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش۔ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا اور وہ باز

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

نہ آئے۔ بے شک اس (واقعہ) میں (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب

ف: پھر بستیوں کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ بائیبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا "تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا۔

مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔

اور ابرہام صبح سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔

اور اس نے سدوم اور عمورہ اور ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔"

(پیدائش، باب ۱۹۔ آیت ۲۴ تا ۲۸)

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ

پروردگار ہی عزیز رحیم ہے ۔ جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو سلا جب فرمایا

لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ

انہیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ

وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

سے اور میری پیروی کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ۝ وَزِنُوا

جہانوں کو پالنے والا ہے ۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم تولنے والوں سے ۔ اور وزن کیا کرو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

صحیح ترازو سے ۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں ، اور نہ پھرا کرو

سلا سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں حضرت شعیبؑ آپ کے مواعظ ، آپ کی قوم میں جو شرک نیز دیگر باطل عقائد اور اخلاقی خرابیوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں بھی آپ کے مواعظ کا وہی انداز ہے اور اپنے مخاطبین کو انہی خرابیوں سے باز آنے کی پرزور اور مخلصانہ تلقین فرما رہے ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے دونوں کی ہدایت کے لیے ایک نبی حضرت شعیبؑ کو مقرر فرمایا گیا۔ نیز یہ دونوں قومیں بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے قریب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔ الایکۃ الشجر الکثیف الملتف الواحدۃ ایکۃ نحو الغیضۃ۔ وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں ایکہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقہ میں آباد تھی وہاں درخت بکثرت تھے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لیے انہیں اصحاب الایکہ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ۝

زمین میں فساد برپا کرتے پھرتے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو۔ انہوں

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ۝ وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَإِنْ

نے (جھٹلا کر) کہا تم ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۱۲ اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند ۱۳ اور ہم تو تمہارے

نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنْ

متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو (اگر ہماری بات نہیں مانتے ہو تو اب) گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ۱۴ اگر

كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُ

تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انہوں نے جھٹلایا

کا نام تھا لیکن جنھوں نے لیکہ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لیکہ ایک بستی کا نام تھا۔ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ایکہ اور لیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام تھے جس طرح مکہ اور بکہ دونوں۔

جبلة قال مجاهد هی الخليقة یعنی اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔

۱۲ ان کی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا۔ وہ بھلا اس کے لیے کب تیار تھے کہ حضرت شعیب کی نصیحت سن کر ان سے باز آجاتے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے ہی انکار کر دیا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔ اُلٹا حضرت شعیب پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جبھی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو ہماری تجارت ٹھپ ہو جائے، ہماری دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔ اے شعیب! یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا۔ پہلے اپنا علاج کراؤ پھر آکر ہمیں نصیحت کرنا۔

۱۳ وہی پرانا اعتراض۔

۱۴ جب آپ نے زیادہ اصرار کیا ہو گا کہ ان دھوکہ بازیوں سے باز آجاؤ تو انہوں نے سیخ پا ہو کر اور شرم و حیا کی چادر اتار کر کہہ دیا کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

تو پکڑ لیا انہیں چھتری والے دن کے عذاب نے ۹۵ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ

بے شک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب

۱۰ ع لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ

ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے ۹۶ اترا ہے لے

الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ

کر روح الامین (یعنی جبرئیل) ۹۷ آپ کے قلب (منیر) پر ۹۸ تاکہ ہو جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ ایسی عربی

۹۵ ان پر جو عذاب اترا اس کی صحیح کیفیت کیا تھی اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا اس لیے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ الظلۃ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان پر کوئی ایسا عذاب نازل کیا گیا جس نے چھتری یا سائبان کی طرح ان پر سایہ کر لیا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔

۹۶ سورۃ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ کفار قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف پہنچتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسکین فرمانے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان فرمائے۔ اب پھر سلسلہ کلام کفار کے انہی اعتراضات کی طرف لوٹتا ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا وضع کردہ نہیں بلکہ اسے اس خدا نے اتارا ہے جو رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت جس نے انسان کی جسمانی ضروریات کو بہم پہنچایا۔ اس کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ اس کی روحانی ترقی کے لیے کوئی انتظام نہ فرماتا۔ چنانچہ انسان کے اس روحانی پیکر کو معراج کمال تک پہنچانے کے لیے یہ کتاب مقدس نازل فرمائی۔

۹۷ اور جس فرشتہ کے ذریعے یہ کتاب نازل ہوئی وہ روح الامین ہے یعنی وہ سراپا روحانیت بھی ہے اور امین بھی ہے۔ نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ کر دی ہو اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ جو چیز اس کی امانت حفاظت میں دی گئی ہے کوئی اس میں ادنیٰ سا رد و بدل بھی کر سکے۔ متکلم کی نزاکت کے پیش نظر یہاں جبرئیل یعنی علم کی جگہ اس کی دو عظیم صفتیں بیان کی گئیں ہیں۔

۹۸ یعنی اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منیر پر ہوا اور جو چیز دل میں اترتی ہے اس میں کسی کی شک کا

عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾ أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً

زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے۔ اور اس کا ذکر یقیناً پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے (لغت) کیا نہیں تھی ان (مشرکین) کے لیے

احتمال ہوتا ہے اور نہ یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھا نہ گیا ہو۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کتاب کو انسان کی جسمانی اور ظاہری ضروریات کو بہم پہنچانے والے پروردگار نے اس کی روحانی اور باطنی قوتوں کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اتارا ہے اور اسے لانے والا وہ فرشتہ ہے جو روح الامین کی صفت سے موصوف ہے اور اس کے نزول کی جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا قلب مبارک ہے۔ اے کفار! جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا اس کتاب مقدس کے متعلق بہکی بہکی باتیں کرنا حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قلب اقدس پر نزول قرآن کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیے جاتے تھے اسی طرح الفاظ بھی اسی کی طرف سے ہوا کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف معانی کا القا کر دیا گیا ہو اور جبرئیل نے اپنے الفاظ میں انہیں آکر پیش کیا ہو۔ جب جبرئیل ان الفاظ و معانی کو لے کر اترتا تو بحالت وحی حاضر ہوتے تو حضور قوت قدسیہ کے ساتھ انہیں سنتے اور محفوظ رکھتے۔ اس کا حصول بشری حواس سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے نزول وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر اخفا کی سی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ والقول الراجح ان الالفاظ منه تعالى كالمعاني لا مدخل لجبريل عليه السلام فيها اصلا وكان النبي يسمعها ويعيها بقوى الهية قدسية لا بسماع البشر ولهذا منه عليه الصلوة والسلام يشتغل عند ذالك قواه البشرية ولهذا يظهر على جسده الشريف صلى الله عليه وسلم ما يظهر (روح المعانی)۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضور کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جہت ملکی جس سے حضور فیضان حاصل کرتے اور ایک جہت بشری جس سے حضور لوگوں کو فیض پہنچایا کرتے۔ اسی لیے یہاں نزول کو قلب مقدس یعنی شعور صوری عالم سے متعلق کیا ہے کیونکہ وہی صفات ملکی سے متصف ہے۔ لما كان له صلى الله عليه وسلم جهتان جهة ملكية يستفيض بها من الروح الامين۔ آگے چل کر علامہ موصوف امام اصفہانی کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین سے وحی قبول کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ حضور جامہ بشری کو اتار کر صورت ملکی کی طرف عروج فرماتے اور جبرئیل سے وحی لیتے۔ دوسرا یہ کہ فرشتہ مقام ملکی سے مقام بشریت کی طرف نزول کرتا اور حضور کو وہ وحی پہنچاتا۔ وفی ذالک طریقان احدهما ان النبي انخلع من الصورة البشرية الى الصورة الملكية واخذه من جبريل عليه السلام وثانيهما ان الملك انخلع الى البشرية حتى ياخذ النبي منه والاول اصعب الحالين عندهما (روح المعانی)۔ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ بیشتر قرآن کریم کا نزول پہلے طریقہ کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

لغت زُبُر، زبور کی جمع ہے جس کا معنی کتاب ہے۔ اولین سے مراد سابقہ انبیاء و رسل ہیں یعنی اس کتاب مقدس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے۔ اِنَّهٗ کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا

أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ

آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء تلہ اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی

الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾ كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ

پر سلہ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے یہی ہم نے داخل کر دی

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾

ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں سملہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک دیکھ نہیں لیں گے دردناک عذاب کو

سچی ہونے کا کہ جس رسول کے قلب مطہر پر یہ کتاب نازل کی گئی اس کے محامد و صفات سے سابقہ آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ سب انبیاء نے اپنی امتوں کو حضور کی آمد کی اطلاع دی اور حضور پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔

تلہ اہل مکہ یہود کو صاحب کتاب اور اہل علم خیال کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک وفد یثرب کے علماء یہود کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ نبی کریم کے متعلق ان سے کچھ دریافت کریں۔ علماء یہود نے بتایا ان ہذا الزمان زمانہ وانا لنجد فی التوراۃ نعتہ وصفتہ۔ کہ ان کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی نعت اور صفات تورات میں موجود ہیں لیکن اہل مکہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

سلہ کفار کا انکار کسی معقول دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ ایک ضد تھی جس کی بنا پر وہ اڑے ہوئے تھے اور اپنے سراسر غلط موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیا کرتے تھے جن میں سے بیشتر کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کا ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ حضور خود عربی ہیں اور فصیح و بلیغ بھی ہیں۔ ان کے لیے ایسا کلام بنانا کیا مشکل ہے۔ ان کے رد کے لیے فرمایا جا رہا ہے اگر ہم کسی عربی کے بجائے کسی عجمی پر بھی یہ کتاب نازل کر دیتے تب بھی تم اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ یہ محض تمہارے حیلے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم دل سے اس کلام کی عظمت کو تسلیم کرتے ہو لیکن زبان سے اقرار کرتے ہوئے اپنی توہین محسوس کر رہے ہو۔

سملہ یعنی اس کلام پاک کی صداقت تمہارے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ تمہارے دل مان چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن کفر اور گمراہی میں تم یہاں تک دور نکل گئے ہو کہ تم پر حق تعصب اور عناد کا رنگ چڑھ رہا ہے اور تمہیں یہ کہتے ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں ہوتی کہ یہ ایک کاہن کی بات ہے۔ وہ دیکھو تمہارے کھڑا ہے ہیں۔ سلکنٰہ کہتے ہیں داخل کرنے کو اور مجرمین کا لفظ فرما کر قرآن کی دل میں گھر کر لینے والی تاثیر کی طرف اشارہ کر دیا۔ بعض علماء نے اس آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ سلکنا التکذیب فی قلوبھم کہ قرآن کریم کے جھٹلانے کو ہم نے ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾

سو وہ آجائے گا ان پر اچانک اور انہیں اس کی آمد کا احساس بھی نہ ہوگا تب وہ بصد حسرت کہیں گے کیا ہمیں مزید مہلت مل سکتی ہے

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَءَيْتَ إِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ

کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں کیا آپ نے کچھ غور کیا کہ اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال تک پھر ان پر وہ آپہنچے

مَّا كَانُوْا يُوعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ أَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ أَهْلَكْنَا

کے بعد آجائے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا تو کیا فائدہ دے سکتی ہے انہیں اس وقت وہ ساز و سامان جن سے وہ لطف اندوز ہوتے

مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا

رہتے تھے اور ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا جب تک اس کی طرف ڈرانے والے نہ بھیجے نصیحت کرنے کے لیے اور ہم ظالم نہیں تھے۔ اور نہیں اترے

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ

اس قرآن کو لے کر شیاطین ۔ اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۔ انہیں

۔ اب تو شور مچاتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا لیکن جب عذاب انہیں آ گھیرے گا اس وقت وہ ندامت و حسرت سے کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دو ہم اپنی تمام سابقہ تقصیروں کی تلافی کر دیں گے لیکن اس وقت کوئی بات نہ سنی جائے گی۔

۔ یعنی چند دن تک اگر وہ ہر طرح کے آرام و آسائش اور ناز و نعم سے زندگی بسر کرتے رہیں پھر جب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوگا تو پہلی ساری عیش و عشرت فراموش ہو جائے گی۔ وہ دولت و ثروت، وہ ساز و سامان، وہ جاہ و حشمت ان کے کسی کام نہیں آسکے گی۔ انہیں کوئی نفع نہیں پہنچا سکے گی۔ یعنی ما يغنى عنهم ما (الصحاح)

۔ کفار یہی کہا کرتے کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ شیاطین کی طرف سے القا کیا جاتا ہے اس کا پُر زور رد فرمایا۔

۔ شیطان کا کام گمراہ کرنا اور کفر و شرک کی ترغیب دینا ہے اور قرآن کریم صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت دیتا ہے اخلاق حمیدہ کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کی ہر آیت کفر و شرک کے عقیدہ کی جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک رہی ہے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ نور توحید سے سارا عالم چمکا اٹھے۔ خود فیصلہ کرو کیا شیطان توحید قبول کرنے اور کفر و شرک سے تائب ہونے اور خصائل حمیدہ کو اپنانے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ کوئی بات تو سوچ کر کہی ہوتی کیا کہ رہے ہو کہ یہ اس کی ترغیب ہیں اور یہ ان شیطان کی کیا مجال کہ یہ ترغیب

عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿٢١٢﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

(شیطانوں) کو تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ پس نہ پکارا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو ورنہ تو ہو جائیگا

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿٢١٣﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿٢١٤﴾ وَاخْفِضْ

ان لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرایئے اپنے قریبی رشتہ داروں کو۔ اور آپ بچھائے رکھیے اپنے پَر

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

ان لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمایئے

میں جھانک کر بھی دیکھ سکے۔

ف نیز انہیں فرشتوں کا کلام اور ان کی گفتگو سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اگر وہ اس قسم کی جرأت کرتے ہیں تو شہاب ثاقب سے ان کی تواضع کی جاتی ہے اور انہیں بھگا دیا جاتا ہے۔

ف اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہے اس کے ساتھ کسی غیر کو خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ یہ فرمایا رسول کو اور مخاطب اصل میں امت ہے۔

ف صحیحین میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے پکارا یا بنی فہر یا بنی عدی (یہ قریش کے قبائل تھے) ان کا نام لے لے کر بلایا یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آ سکا اس نے کوئی آدمی بھیج دیا تاکہ بات سن کر اسے بتائے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو حضور نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس وادی میں سواروں کا دستہ ہے جو تم پر شبخون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے۔ سب نے جواب دیا ضرور مانیں گے کیونکہ آج تک ہم نے آپ کو غلط بیانی کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضور نے فرمایا فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔ (کہ میں تمہیں عذاب شدید کے آنے سے پہلے متنبہ کر رہا ہوں کہ کفر و شرک سے باز آ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لا شریک مان لو ورنہ تمہیں برباد کر دیا جائے گا)۔ یہ سن کر ابولہب آگ بگولہ ہو گیا اور کہنے لگا تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا (تمہیں سارا دن خرابی ہو کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا) حضور خاموش رہے لیکن اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیتے ہوئے پوری سورت نازل فرمائی جس کی پہلی آیت ہے تبت یدا ابی لھب وتب (یعنی ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ) جن کی ایک انگلی سے اس نے محبوب کی طرف گستاخانہ اشارہ کیا ہے اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔

ف اہل ایمان کے ساتھ کریمانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیے اور نرمی کا برتاؤ کیجیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر حضور رحمت مجسم کی شفقتوں میں ہی کمی پیدا ہو جائے تو ناکس کہیں اس دامن رحمت کا سہارا لیجیے

إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢١٦﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِي

میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو۔ اور بھروسہ کیجیے سب پہ غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر۔ جو آپ کو

يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿٢١٩﴾ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٢٢٠﴾

دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور دیکھتا رہتا ہے جب آپ پھرتے ہیں سجدہ کرنے والوں میں۔ بیشک وہی سب کچھ

سکتے وہ اس چشمۂ فیض سے اپنی آتش شوق کو ادراک کیونکر بجھا سکتے۔ فرمایا اپنے پروں کو نیچے کر دو تاکہ تیری رداء رحمۃ للعالمین کا سایہ ان کے سروں پر بھی پڑے۔ رانی اپنے ریوڑ کی کمزور اور لاغر بکریوں کو پیچھے چھوڑ کر چلا نہیں جاتا۔ تیز رفتار قافلہ کو اپنے ضعیف اور شکستہ رو ساتھیوں کا لحاظ رکھنا ہی پڑتا ہے۔

اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ علامہ آلوسی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ اِنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔ یہ حکم نہیں دیا فَقُلْ إِنِّي بَرِيٓءٌ مِّنْكُمْ کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روز محشر گناہ گاروں کی شفاعت کون کرتا۔ انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لو امر بالبراءة منهم ما بقي شفيعا للعصاة يوم القيامة۔ (روح المعانی)

فرمایا اپنے اس رب پر توکل یعنی کامل بھروسہ کرو جو عزیز ہے یعنی ہر طاقت پر غالب ہے اور رحیم ہے جس کا ابر رحمت ہر ایک کے لیے کشادہ ہے۔ اس سے حضور کو مزید تسلی دی جا رہی ہے وفي العزة والرحمة المضمنة للتوكل والرحمة الداعية اليه۔ (روح المعانی)

اے حبیب کرم اپنے اس مولا کریم پر توکل کر جو عزیز بھی ہے اور رحیم بھی۔ اور اس کے علاوہ وہ اس کی چشم عنایت و رحمت ہر وقت تجھے دیکھ رہی ہے تیری زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں جو اس خصوصی توجہ سے سرفراز نہ ہو یہاں تک کہ جب تو اٹھتا ہے تو اس وقت بھی وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

اس آیت کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں (۱) یعنی جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور ہیں قیام سے رکوع کی طرف اور رکوع سے سجدہ کی طرف منتقل ہوتے ہیں تو جو تقلبات آپ سے سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کو دیکھ رہا ہوتا ہے (۲) حضرت ... نے روایت کی کہ ... کے بعد حضور ... ایسا کرنے سے منع فرمایا ... آپ ... تمہاری حرکات و سکنات ... مخفی نہیں ... اور نہ جانتا ہے ... اور پیچھے بھی ... اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب آپ اپنے صحابہ کی ظاہری و باطنی کیفیات ملاحظہ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کی اس حالت کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے ... بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ... حضور ... کے وقت سے

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ

والا بتانے والا ہے۔ کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ۲۲۱ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے

أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾

بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ۲۲۳ اور جو شاعر ہیں ان کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں

اور صحابہ کرام کے گھروں کا چکر لگایا یہ دیکھنے کے لیے کہ فرضیت کے ختم ہونے کے بعد کیا وہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں۔ حضور جس صحابی کے گھر کے پاس سے گزرے تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی آوازیں اس طرح آرہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ فوجدها کبیوت النحل لما سمع لها من دندنتهم بذکر الله تعالیٰ والتلاوۃ۔

(۲) ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے کہ تقلب سے مراد تنقل فی الاصلاب ہے یعنی جب آپ کا نور یکے بعد دیگرے آپ کے اجداد کی پشتوں سے منتقل ہوتے چلا آرہا تھا تو اس وقت بھی آپ کا رب دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ آپ کے آباؤ اجداد کو قرآن کریم نے الساجدین (سجدہ کرنے والے) کہا ہے۔ اسی لیے اکثر علماء نے اس آیت سے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے کثیر التعداد جلیل القدر علماء کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وجوز حمل التقلب على التنقل في الاصلاب ان یراد بالساجدین المؤمنین واستدل بالآیۃ علی ایمان ابویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما ذهب الیه کثیر من اجلة اهل السنة۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور کے والدین کریمین کے حق میں بے ادبی کے کلمات کہتا ہے تو مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے وانا اخشی الکفر علی من یقول فیهما رضی الله عنهما علی رغم انف علی القاری واضرابه (روح المعانی)۔

اس قول کی تائید میں علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیرهما فاخرجت من بین ابوی فلم یصبنی شیء من عهد الجاهلیة وخرجت من نکاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتهیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا (مظہری)

یعنی حضور نے فرمایا کہ جب بھی نسل انسانی دو حصوں میں بٹی تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھا جو ان دونوں سے بہتر تھا۔ اپنے والدین کے ہاں میری ولادت ہوئی اس حال میں کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے ملوث نہیں کیا۔ آدم سے لے کر اپنے والدین تک میرے آباؤ اجداد میں کوئی بھی بدکاری سے پیدا نہیں ہوا۔ میں تم سب سے نفس کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں اور باپ کے لحاظ سے بھی [illegible]

شانِ پہلے بتایا کہ شیطان کی مجال نہیں کہ وہ میرے محبوب کے قریب بھی آسکے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ شیطان کا آنا جانا

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۝

گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں اور وہ کہا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر خود عمل نہیں کرتے

کس کے پاس ہوتا ہے فرمایا ہر جھوٹے اور بدکار کے پاس شیطانوں کی آمدورفت ہوتی ہے۔ افاك كثير الافك بہت جھوٹ بولنے والا۔ اثیم کثیر الاثم بڑا بدکار نابکار۔

۲۲۲ یہ کذاب اور نابکار لوگ بڑے غور سے شیطان کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں پھر اس میں سو گنا اپنی طرف سے اضافہ کر کے بات کا بتنگڑ بناتے ہیں اور لوگوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔

۲۲۳ کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ شاعر ہیں اس لیے ان کی نبوت کا دعویٰ کسی طرح روا نہیں۔ ان آیات میں اس الزام کا ابطال کیا جا رہا ہے فرمایا کہ شاعروں کے پیروکار تو گمراہ اور عیاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیز شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کو کسی ایک مقصد کے حصول کے لیے وقف نہیں کیا کرتے بلکہ ہر گلی کوچہ میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں جہاں سے انعام کی توقع ہوئی اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے جس سے برہم ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی کبھی شراب کے گن گا رہے ہوتے ہیں اور کبھی قمار بازی کی ستائش ہو رہی ہوتی ہے کبھی حسن کی تعریفیں اور عشق کی چیرہ دستیوں کی منظر کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان شعراء کی ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ اے میرے محبوب پر شاعر ہونے کا بہتان لگانے والو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس کے دامن کرم کو تھامنے والے کس قماش کے لوگ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے ان کی کیا حالت تھی اور اب ان کا کیا حال ہے۔ کیا اس قسم کے فرشتہ سیرت اور سراپا خیر و تقویٰ لوگ کسی شاعر کے پیروکار ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کلام پاک کی یک رنگی اور مقصدیت پر نظر ڈالو۔ اللہ کی توحید، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال قبیحہ سے دور رہنے کی تلقین کے بغیر اس میں کسی اور چیز کی تم نشان دہی کر سکتے ہو؟ پھر یہ بتاؤ کیا اس رسول مکرم کے قول و فعل میں تمہیں کوئی تفاوت نظر آتا ہے؟ بلکہ یہ جو فرماتا ہے پہلے خود کر کے دکھاتا ہے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کیا یہ صفات کسی شاعر میں پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم انصاف سے کہو کہ تمہارا یہ الزام کیا سراسر لغو اور بیہودہ نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ شعر کی تعریف تو یہ کی جاتی ہے الکلام المنظوم المقفی یعنی منظوم اور مقفی کلام کو شعر کہا جاتا ہے۔ ایک بے علم بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی تو اہل عرب کے متعلق ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو اس وجہ سے شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں والظاهر انهما قصدوا رميه صلی اللہ علیہ وسلم بانه بماشاء شاعرا ... یعنی حضور پر یہ الزام لگانے میں ان کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ آپ ایسا کلام سناتے ہیں جس میں محض خیال آرائی ہوا کرتی ہے اور جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ علامہ راغب اصفہانی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ شعر کو وہ جھوٹ کے معنی میں استعمال کرتے تھے

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن

بجز ان شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے ۱۵۵ اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں

۱۱
ع
۱۵
بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾

اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب جان لیں گے جنھوں نے ظلم و ستم کیے کہ وہ کس انجام کی طرف لوٹ کر جاتے ہیں ۱۵۶

اور شاعر سے مراد ان کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے اہل عرب جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں۔ شاعر و معنی بالکاذب لان الشعر یری بہ من الکذب والشاعر الکاذب حتی سمی قوم الادلۃ الکاذبۃ الشعریۃ ولہذا قیل احسن الشعر اکذبہ

یعنی جھوٹ کثرت سے بولنے کی وجہ سے شاعر کہا جانے لگا یہاں تک کہ جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں نیز وہ شعروں میں جھوٹ بکثرت بولتے ہیں یہاں تک کہا گیا بہترین شعر وہ ہے جو زیادہ جھوٹا ہے۔

۱۵۵ جب پہلی آیتیں نازل ہوئیں تو حضرت حسان، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! شاعروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کی ہیں ہم تو شاعر ہیں ہم ہلاک ہو گئے ہماری نجات کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس سے واضح ہو گیا کہ جن شعراء کی مذمت کی گئی ہے وہ وہ شاعر ہیں جو کفر و شرک کی ترویج کے لیے اور فسق و فجور کی اشاعت کے لیے اپنے ملکہ شعر گوئی کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی شعلہ نوائی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے جذبات کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں ہجو کہہ کے اہل ایمان کی دل آزاری کرتے ہیں۔ لیکن وہ شعراء جن کی ساری توجہ اسلام کی خدمت میں، عقائد حقہ کی تبلیغ میں صرف ہو رہی ہیں وہ اس زمرہ میں داخل نہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے جلیل المرتبت شعراء موجود تھے۔ حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھا جاتا اور وہ کافر شعراء کا جواب دیتے۔ چنانچہ ایک دن ابوسفیان کی ہرزہ سرائی کے جواب میں حضرت حسان نے فرمایا ؎

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ ... وَعِنْدَ اللّٰهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ
فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَهُ وَعِرْضِي ... لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ
أَتَشْتُمُهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ ... فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ
لِسَانِي صَارِمٌ لَا عَيْبَ فِيهِ ... وَبَحْرِي لَا تُكَدِّرُهُ الدِّلَاءُ

"اے ابوسفیان! تو نے میرے محبوب کی جناب میں نازیبا باتیں کہیں اور میں اس ہجو کا تجھے جواب دے رہا ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں مجھے اس کی جزاء خیر ملے گی۔

سنو! تمہاری بدزبانی سے حضور کی عزت کو بچانے کے لیے میرا باپ، میری ماں اور میری عزت بطور سپر کام دیں گے یعنی میں اپنے باپ، اپنی ماں اور اپنی عزت تک کو حضور کی عزت پر قربان کر دوں گا۔

تو اس کی جناب میں نازیبا بات کہتا ہے جس کا تو اہم پایہ نہیں ہے۔ ہم دونوں میں سے جو برا ہے وہ اس پر فدا ہو جو تم میں سب سے اچھا ہے۔

میری زبان تیز تلوار ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور میرا بحر فصاحت اتنا گہرا ہے کہ ڈول نکلنے سے وہ سکتا نہیں ہوتا۔

——— حدیث پاک میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حسن الشعر کحسن الکلام وقبیحہ کقبیح الکلام کہ اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور برا شعر برے کلام کی طرح ہے۔ دوسری حدیث میں ہے ان من الشعر لحکمۃ بعض شعروں میں بڑی دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ آخر میں کفار کو تنبیہ فرمائی کہ آج تم طرح طرح کی بےجا باتیں کرتے ہو۔ عنقریب تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم کتنے غلط کار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر کے اور اس کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیہودہ الزامات لگا کر تم نے اپنے اوپر کتنا ظلم عظیم کیا تھا۔ منقلب: مرجع ومصیر۔ لوٹ کر آنے کی جگہ۔

اللہ تعالیٰ دعوت حق کو قبول کرنے، نور حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی ہدایت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تعارف سورۃ النمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام:

اس سورت پاک کا نام النمل ہے جو آیت ۱۸ میں مذکور ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ترانوے ہے۔ یہ ایک ہزار تین سو کلموں اور چار ہزار سات سو ننانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول:

اس سورت کا تعلق بھی مکی زندگی کے درمیانی عہد سے ہے جب کفار کی عداوت اپنے عروج پر تھی۔ غلط الزامات، طعن و تشنیع، بہتان طرازی کے طوفان برپا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ اہل اسلام پر ظلم و ستم کی انتہا کر رہے تھے۔

مضامین:

۱۔ آغاز میں قرآن کریم کا تعارف کرایا گیا ہے کہ یہ اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت ہے۔ نیز یہ کسی انسان کی تصنیف نہیں جس میں قدم قدم پر زمانی اور مکانی حد بندیاں یا ماحول کے تقاضے اس کی ابدیت اور اس کی عالمگیر حیثیت کو مشکوک بنا دیتے ہوں بلکہ یہ خداوند کائنات کا کلام ہے جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔ جس کی حکمت اور علم ہر نقص اور خامی سے بالاتر ہیں۔

۲۔ یہاں اس حقیقت کو بھی واضح کیا گیا ہے کہ اسلام نے روز قیامت پر ایمان لانے کو کیوں ضروری قرار دیا۔ یہ عقیدہ انسانی زندگی کو سنوارنے میں ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ متعدد مثالیں دے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ فرعون (منکر قیامت) کا ذکر کیا گیا ہے کہ جب اسے ملک مصر کی محدود سلطنت ملی تو اس نے اپنے خالق کا ہی انکار کر دیا اور اپنی رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنا ہی اس کی زندگی کا مقصد وحید بن گیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر بہیمانہ اور وحشیانہ حرکت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ جب اس کے اپنے تجویز کردہ معیار کے مطابق حق واضح ہو گیا پھر بھی اس نے حق کو تسلیم کرنا اپنے لیے موجب عار سمجھا۔ اہل حق کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر تختہ دار پر لٹکا دیا۔ اس کی ذات حجاب اکبر بن کر لوگوں کی بصیرت کے سامنے حائل ہو گئی یہاں تک کہ وہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے پس گیا۔ اور اپنے مظالم کے طوفان میں تنکوں کی طرح بہ کر فنا ہو گیا۔

اس کے بعد سیدنا سلیمان کی سیرت بیان کی گئی۔ آپ کی سلطنت کی حدیں فرعونی مملکت سے کہیں وسیع تھیں۔ آپ کے حکم کے آگے جن و انس سرنگوں ہیں۔ پرندے قطار اندر قطار اشارے کے منتظر ہیں۔ ہوا کا وسیع کرہ بھی زیر نگیں کر دیا گیا ہے۔ ان کے درباریوں میں ایسے ایسے باکمال لوگ بھی ہیں جو ملک سبا سے ملکہ سبا کا تخت چشم زدن میں اٹھا کر قدموں میں لا کر رکھ دیتے ہیں۔ ایں ہمہ کمال و جلال کیا مجال کہ دماغ میں غرور و نخوت پیدا ہو۔

آپ غور فرمایئے تاج و تخت، جاہ و جلال، زر و جواہر کے بھرے خزانے، حکمرانی کے وسیع اختیارات حضرت سلیمان کو کبھی خدا فراموش نہ بنا سکے۔ ان کا دامن ظلم و تعدی کے ہر داغ سے کیسا پاک اور صاف دکھائی دے رہا ہے۔ یہ بیرنگی کہ ملکہ سبا کے نذرانہ اور قبول تحائف کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس کے زرنگار تخت کو اپنے سامنے دیکھ کر اترا اٹھے اور آسمان ہو گئے۔ اسے اپنی کسی خوبی سے منسوب نہیں کیا بلکہ برملا کہہ دیا ھذا من فضل ربی۔ یہ محض میرے رب کا فضل ہے۔ مزید برآں احساس ذمہ داری کا اظہار ان الفاظ سے کیا لیبلونی ءاشکر ام اکفر۔ کہ میرا رب ان احسانات سے مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ کیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ ان ساری خوبیوں کا سرچشمہ یوم قیامت پر پختہ یقین ہے۔

وہ پستی اور یہ بلندی جس عقیدہ کا ثمرہ ہو کیا انسان کی فلاح و کامرانی کے لیے اس کی اہمیت کا انکار کیا جا سکتا ہے؟

قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات بیان کر کے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ جس سوسائٹی میں آخرت پر ایمان نہیں ہوگا وہاں انفرادی اور اجتماعی کردار ان خصلتوں سے آلودہ ہو جاتا ہے جن کے تعفن سے ہی انسان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ حق پذیری کی صلاحیت اس حد تک مفلوج ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی خیر اندیش محض ان کی خیر خواہی کے لیے انہیں ان بد افعال سے باز آنے کی تلقین کرتا ہے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ کبھی وہ انہیں شہر بدر کرنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون (آیت ۵۶)۔ اور کبھی شبخون مار کر اس کو اور اس کے اہل و عیال کو تہ تیغ کرنے کی سازش کرتے ہیں۔ انہیں اپنے معاشرہ پر اتنا بھروسا ہوتا ہے کہ جب وہ صرف زبانی اپنی صفائی پیش کریں گے تو سب مطمئن ہو جائیں گے اور ان سے باز پرس کی زحمت تک گوارا نہیں کی جائے گی۔ تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصدقون (آیت ۴۹)

قرآن کریم کو یہ گوارا نہیں ہے کہ اس کے دامن عاطفت میں پرورش پانے والی امت کا دامن ایسے بدنما داغوں سے آلودہ ہو۔

۳۔ مکہ کے باشندے تجارت پیشہ تھے ان کا ذہن کاروباری قسم کا تھا جو سود و زیاں کی گتھیاں ہی سلجھاتا رہتا۔ دنیاوی لحاظ سے زیرک و دانا ہونے کے باوجود وہ پتھر اور مٹی کے گھڑے ہوئے بتوں کو خدا یقین کرتے۔ پانچویں رکوع میں شرک کے بطلان پر ایسے مسکت اور دندان شکن دلائل پیش کیے گئے جن کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اور شرک میں مبتلا ہونے والی کسی قوم کے پاس آج بھی ان کا جواب نہیں۔

۴ ـ آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو یہ فرما کر تسلی دے رہا ہے کہ ان کفار و مشرکین میں حق پذیری کی استعداد ہی نہیں۔ اگر اندھا سورج کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتا تو یہ اس کی بدنصیبی ہے۔ نہ سورج کی روشنی کا قصور ہے اور نہ اس کی تابناکی میں کوئی کمی ہے۔

۵ ـ سرداران مکہ کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس غلط فہمی میں آج بھی کئی رؤساء اور نامور لوگ مبتلا ہیں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے اسلام قبول کر لیا تو یہ ہمارا اللہ اور رسول پر بڑا احسان ہوگا۔ اور اگر ہم نے اسلام کی دعوت کو رد کر دیا تو اس سے خدائی میں کوئی کمی آجائے گی یا آفتاب نبوت کی ضیا پاشیاں مدھم پڑ جائیں گی۔ سب کو فرما دیا فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ (آیت ۹۲) یعنی یہ تمہاری خوش نصیبی ہے اگر تم اس دعوت کو قبول کر لو تو تم دونوں جہاں میں سرخرو ہو جاؤ گے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یہ تمہاری اپنی بدنصیبی ہوگی۔

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ النمل مکی ہے اور اس کی ۹۳ آیتیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝١ هُدًى وَّبُشْرٰى

طا سین سلہ یہ آیتیں ہیں قرآن (حکیم) اور روشن کتاب کی سلہ (یہ) سراپا ہدایت اور خوشخبری ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ

اہل ایمان کے لیے سلہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز، اور دیا کرتے ہیں زکوٰۃ سلہ اور وہ

سلہ یہ حروف مقطعات سے ہیں۔

سلہ یہاں قرآن کو معرفہ اور کتاب کو نکرہ لایا گیا ہے لیکن سورۃ الحجر میں قرآن کو نکرہ اور کتاب کو معرفہ ذکر کیا گیا ارشاد ہے تلك آيات الكتاب وقرآن مبين۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ قرآن اور کتاب کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ دونوں اس کلام الٰہی کے علم (نام) ہیں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ دوسری یہ کہ یہ اس کلام کی صفتیں ہیں یعنی قرآن سے مراد وہ جو پڑھا جانے والا اور کتاب سے مکتوب جو لکھا جاتا ہے جہاں انہیں معرفہ ذکر کیا جاتا ہے وہاں بحیثیت علم (نام) مذکور ہیں اور جہاں نکرہ وہاں بحیثیت صفت (مظہری)۔ بعض نے کتاب مبین سے لوح محفوظ مراد لی ہے اور اس کی تنکیر عظمت شان کے لیے ہے۔

سلہ اگر للمؤمنین کا تعلق دونوں سے ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اہل ایمان ہی اس کتاب مبین سے فیضیاب ہوتے ہیں اس کی تعلیمات پر عمل کر کے فلاح دارین کی سعادت حاصل کرتے ہیں اس لیے یہ انہی کے لیے باعث ہدایت ہے اور یہی اس بات کے مستحق ہیں کہ دنیا و آخرت کی کامیابی کی انہیں بشارت دی جائے۔ منکرین نے جب اس کی روشن نشانوں کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں اور اس چشمۂ شیریں سے اپنے خشک ہونٹوں کو تر ہی نہیں کیا تو اس کی درخشانیاں اور اس کی سیرابیاں ان کے لیے نہیں تھیں اور نہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں یہ کتاب کوئی خوشخبری دے۔

ایک توجیہ یہ بھی کی گئی ہے کہ للمؤمنین کا تعلق صرف بشریٰ سے ہے یعنی اس کتاب میں ہدایت کا پیغام تو مومن و کافر سب کے لیے یکساں ہے لیکن بشارت کی مستحق فقط وہ جماعت ہوگی جس نے اسے قبول کیا اور اس کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالا

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں ٣ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے خوبصورت بنا دیئے ان کی

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

نظروں میں ان کے اعمال پس وہ سرگرداں پھر رہے ہیں ٤ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بدترین عذاب ہے اور یہی آخرت

لیکن جو بدنصیب ہمہ وقت اعتراضات و شبہات ہی کرتے رہتے ہیں وہ اس بات کے اہل نہیں کہ انہیں یہ کتاب کوئی دل خوش کن خبر سنائے۔

٣ یہ بتا دیا کہ مومن وہ نہیں جو صرف زبان سے ایمان لانے کا دعویٰ کرے بلکہ ایمان لانے کے بعد احکام الٰہی کی بجا آوری کے لیے کمر ہمت باندھنا بھی ضروری ہے۔ ان احکام میں سے سب سے اہم نماز کو شرائط و آداب کی پابندی سے ہمیشہ ادا کرنا اور اپنے مال سے زکوٰۃ نکالنا ہے۔

٤ اسلام کے تمام عقائد میں اس عقیدہ کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے اسے علیحدہ ذکر کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ اسلام پر کاربند ہونا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اپنا مال اور اپنی خواہشات، اپنے آرام اور اپنے اوقات، اپنی دولت اور بسا اوقات اپنی جان عزیز تک کا نذرانہ بھی بارگاہ الٰہی میں پیش کرنا پڑتا ہے اور ان مرحلوں سے وہی کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے جس کا اخروی زندگی پر یقین ہو۔ جہاں یہ اعتقاد ناپید ہو گا اور جس کے نزدیک زندگی اسی حیات مستعار کا نام ہو تو اسے کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ اپنے عیش و طرب کو بے مزہ اور تلخ بناتا رہے۔

٥ اہل ایمان کے ذکر کے بعد منکرین کے متعلق بتایا کہ وہ اپنے گناہوں اور بدکاریوں میں ایسے محو ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے بھی ان سے دست کش ہونے کے لیے تیار نہیں۔ جہاں نیکی کے پھول کھلتے ہیں اور جدھر سے اعمال حسنہ کی مہک آتی ہے اُدھر قدم اٹھاتے ہوئے ان کا دل گھبراتا ہے۔ گندگی کے کیڑے کی طرح ان کی ساری خوشیاں اور لذتیں غلاظت کے اس ڈھیر میں مرکوز ہو کر رہ گئی ہیں جس کی شرانڈ سے ایک سلیم الطبع انسان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ یہاں فرمایا ہم نے ان کے لیے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا ہے لیکن دوسری جگہ ہے وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ شیطان نے ان کے برے عملوں کو ان کی نگاہوں میں خوبصورت بنا دیا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ فعل کی نسبت کبھی سبب کی طرف کی جاتی ہے اور کبھی مسبب کی طرف اور دونوں درست ہیں۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ میں تزئین کی نسبت سبب کی طرف کی گئی ہے اور اس آیت میں مسبب کی طرف۔

٦ یعنی ان کے دل کی آنکھ اندھی ہے۔ وہ بدکاریوں کے انجام کو نہیں دیکھ سکتی۔ اسی لیے [illegible]
علامہ جوہری لکھتے ہیں العمه: التحیر والتردد (الصحاح) حیرت اور تردد۔ یہی مفہوم امام راغب اصفہانی کی تشریح سے بھی واضح ہو

فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝ وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ

یہی سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور بیشک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم بڑے دانا سب

حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا سَآتِيكُمْ

کچھ جاننے والے کی جانب سے شہ یاد فرماؤ! جب کہا موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے کہ میں نے دیکھی ہے آگ۔ ابھی لے آتا ہوں تمہارے

مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ۝

پاس وہاں سے کوئی خبر یا لے آتا ہوں تمہارے پاس اس آگ سے کوئی شعلہ سلگا کر شہ تاکہ تم اسے تاپو۔ پھر جب

فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ

اس کے پاس پہنچے تو ندا آئی شہ کہ بابرکت ہو جو اس آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے۔ اور پاکیزگی ہے

التلقیۃ التردد فی التلقین والتفہیم (مفردات) یعنی کسی کلام میں تکرار کے باعث پختہ ہونا۔

شہ یعنی آپ کو یہ قرآن کسی انسان یا جن کی طرف سے نہیں سکھایا جاتا بلکہ وہ خداوند کریم تمہیں قرآن سکھاتا ہے جو حکمت اور علم کی صفات جلیلہ سے متصف ہے۔

شہ حضرت شعیب علیہ السلام کی دس سال تک بکریاں چرانے کے بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ مصر واپس جا رہے ہیں۔ جاڑوں کا موسم ہے رات کا وقت ہے۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ سخت خنک محسوس کر رہے ہیں۔ اپنی منزل کا راستہ بھی معلوم نہیں۔ اسی کشمکش میں دور سے آگ چمکتی ہوئی نظر آئی۔ اپنی اہلیہ سے فرمایا تم یہاں ٹھہرو میں وہاں جاتا ہوں۔ آگ جل رہی ہے ضرور کوئی آبادی ہوگی کسی سے مصر کا صحیح راستہ بھی دریافت کر لوں گا ورنہ آگ کا شعلہ لے آؤں گا۔ الاؤ جلائیں گے اور آگ تاپیں گے۔

(اصطلاء: آگ سینکنا۔ شہاب: شعلة نار ساطعة۔ آگ کا چمکتا ہوا شعلہ (صحاح))

والقبس اسم لما یقتبس من جمر وما شبھہ (قرطبی) یعنی وہ آگ جو کسی انگارہ وغیرہ سے سلگائی جائے آپ کا مقصد یہ ہے کہ وہاں جو آگ جل رہی ہے اس سے کوئی لکڑی وغیرہ سلگا کر لے آؤں گا اور یہاں اس سے الاؤ جلائیں گے۔

شہ جب وہاں پہنچے تو وہاں عجیب منظر دیکھا۔ آگ ہے بڑی روشن آگ لیکن نہ دھواں ہے اور نہ تپش۔ پاس کھڑے ایک سرسبز درخت کو اسے جلا نہ رہی بلکہ اس کی رنگت کو اور نکھار رہی ہے اچانک آواز آئی بڑی بابرکت ہے وہ ذات جو اس آتش نور میں ہے اور اس کا سارا ماحول بابرکت ہے۔

اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٨﴾ یٰمُوْسٰۤى اِنَّهٗۤ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿٩﴾

دیکھنے سے) پاک ہے اللہ جو رب العالمین ہے [11] اے موسیٰ! وہ میں اللہ ہی ہوں [12] عزت والا دانا [13]

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۚ

اور ذرا زمین پر ڈال دو اپنے سونٹے کو [14] اب جو اسے دیکھا تو وہ (اس طرح) لہرا رہا تھا جیسے سانپ ہو آپ پیٹھ پھیر کر

یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ

وہاں سے چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا فرمایا اے موسیٰ! ڈرو نہیں بے شک میرے حضور خوفزدہ نہیں ہوا کرتے رسول بجز اس کے جس نے ظلم کیا ہو پھر

[11] آگ کا ایک شعلہ جگر جگر کر رہا تھا اس سے انا اللہ کی آواز کا سنائی دینا اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی مخصوص مکان میں سما جاتا ہے اور انسانوں کی طرح مخصوص زبان سے گفتگو فرماتا ہے کیونکہ اس تجلی اور ظہور کی کیفیت کے ادراک سے ہمارے حواس قاصر ہیں اس لیے اس شبہ کے ازالہ کا یہی بہترین طریقہ تھا جو اختیار کیا گیا۔ فرمایا سبحان اللہ رب العالمین یعنی اللہ تعالیٰ پاک اور منزہ ہے جہت و مکان سے اور ان تمام عیوب سے جو حدوث کو مستلزم ہیں۔

[12] انہ کی ضمیر شان بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اس کا مرجع ندا کرنے والا (یعنی اللہ تعالیٰ) ہو میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

[13] یہ آگ نما جو چیز تمہیں نظر آ رہی ہے یہ میں خدا ہوں جو عزیز و حکیم ہے۔

[14] موسیٰ علیہ السلام کو پہلی بار یہ تجربہ ہوا تھا۔ ان کے دل میں یہ یقین راسخ کرنے کے لیے کہ یہ آواز خدا کی آواز ہے کسی جن یا شیطان کی آواز نہیں اور جو کچھ وہ دیکھ رہے ہیں یہ حسن ازل کی جلوہ نمائی ہے تخیل کی شعبدہ کاری نہیں۔ آپ کو چند معجزے بھی عطا فرما دیئے۔

قرآن کریم میں عصا کے سانپ بننے کو مختلف الفاظ سے بیان کیا گیا ہے کبھی اسے حیۃ کہا گیا اور کبھی ثعبان اور کبھی جآن۔ حیۃ مطلق سانپ کو کہتے ہیں چھوٹا ہو یا بڑا۔ ثعبان اژدہا کو کہا جاتا ہے اور جآن اس سانپ کو کہتے ہیں جو چھوٹا اور پتلا ہو۔ تعبیر میں اس اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ بعض علماء نے تو یہ جواب دیا کہ عصا جب سانپ بنتا تو ایک ہی شکل اختیار نہ کرتا۔ جب عام سانپ کی شکل اختیار کرتا تو اسے حیۃ کہا گیا جب باریک سا سانپ بنا تو اسے جآن کہا اور فرعون کے دربار میں ساحران مصر کے سانپوں پر جب جھپٹا تو اس وقت اژدہا کی صورت میں نمودار ہوا۔ اور بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ تھا تو اژدہا لیکن اس میں پھرتی اور تیزی اس بلا کی تھی جیسے جآن میں ہوتی ہے۔ اس کی جسامت اور حجم کا لحاظ کیا تو اسے ثعبان کہہ دیا اور اس کی پھرتی اور تیزی کا خیال کیا تو اسے جآن کہا۔ السعی انقلبت ثعبانا تهتز كانها

ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ اَدْخِلْ یَدَكَ

جو زیادتی کرے شلہ وہ بھی پھر بدل کر نیکی کرے برائی کے بعد تو بے شک میں غفور رحیم ہوں شلہ اور ذرا اپنا

فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں شلہ وہ نکلے گا سفید چمکتا ہوا بغیر کسی تکلیف کے یہ دو معجزے ان نو معجزات سے ہیں جن کے

وَ قَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً

ساتھ آپ کو فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا گیا بے شک وہ بڑے سرکش لوگ ہیں پس جب آئیں ان کے پاس ہماری نشانیاں

قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۳﴾ وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا

بصیرت افروز تو کہنے لگے یہ تو جادو ہے کھلا ہوا اور انھوں نے انکار کر دیا ان کا حالانکہ یقین کر لیا تھا ان کی صداقت کا ان کے

وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا

دلوں نے ان کا انکار محض ظلم اور تکبر کے باعث تھا پس آپ ملاحظہ فرمائیے کیسا ہوا انجام فساد برپا کرنے والوں کا اور یقیناً ہم نے

ع ۱ ۲

جآن لعظم الثعبان وخفۃ الجآن واهتزازہ وھی حیۃ تسعیٰ (قرطبی)

شلہ یہ عصا جو ہمیشہ ان کے پاس تھا جب آپ نے اسے اچانک خوفناک سانپ بنتے دیکھا تو ڈر گئے اور وہاں سے بھاگے۔ ندا آئی موسیٰ! تمہیں منصب رسالت پر فائز کیا گیا ہے اور رسول جب بارگاہ میں حاضر ہوں تو وہ ڈرا نہیں کرتے۔

سلہ ڈرتا وہ ہے جو ظالم ہو اور تم تو ہمارے رسول ہو۔

شلہ اگر ظلم کرنے کے بعد بھی کوئی سچے دل سے تائب ہو جائے تو میں اس کے گناہ بخش دیتا ہوں اور خوف و حزن سے نجات عطا کر دیتا ہوں۔ ترغیب و ترہیب کا کیا عمدہ امتزاج ہے۔ نافرمانی کے انجام سے ڈرایا بھی گیا اور پھر بھی اس کو اپنی رحمت واسعہ سے مایوس ہونے کا موقعہ نہیں دیا۔

شلہ دوسرا معجزہ ید بیضا کا عطا ہوا اس کے علاوہ سات اور معجزوں سے مزید فرما کر فرعون کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ راہ راست اختیار کرے۔

شلہ موسیٰ علیہ السلام نے اسے راہ راست پر چلنے کی دعوت دی۔ اسے بتایا کہ میں خدا کا رسول ہوں اور اس نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے اسے اور اس کی قوم کو اپنی صداقت کے روشن معجزات بھی دکھائے۔ ان کے دلوں کو یقین

دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی

عطا فرمایا داؤد اور سلیمان کو علم [۱] اور انھوں نے کہا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے برگزیدہ کیا

كَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَ وَرِثَ سُلَیْمٰنُ دَاوٗدَ وَ قَالَ

ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر [۲] اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے [۳] اور فرمایا :

پیدا ہو گیا کہ ریشی غلط نہیں کہہ رہا واقعی وہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے لیکن اپنا تخت و تاج بچانے کے لیے اور دیگر ذاتی مفادات کے پیش نظر وہ یہی کہتے رہے کہ یہ جادوگر ہے۔ اس انکار اور تعصب کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھیں سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہالے گئیں اور کوئی ایسی آنکھ بھی نہ بچی جو ان کی بربادی پر دو آنسو ہی بہاتی۔

[۱] فرعون کو مصر کی حکمرانی ملی تو اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا اور غریب رعایا پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی شاہی خزانے کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھ لیا۔ اس کے مقابلے میں اب ایک ایسی ہستی کا ذکر ہو رہا ہے جو سلطنت کی وسعت، دولت کی کثرت کے اعتبار سے کئی گنا زیادہ ہے جس کے جاہ و جلال کا یہ عالم ہے کہ شیاطین جن و انس اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے رہتے ہیں۔ جو اکاکر دار اس کے زیر فرمان ہے۔ اس کے باوجود نہ وہ خدائی کا مدعی ہے نہ وہ ظالم و جابر ہے نہ عیاش و بدکار، اس کا ہر لمحہ رب کی یاد میں بسر ہوتا ہے اور اپنے منعم حقیقی کا ہر وقت شکر ادا کرتا رہتا ہے۔ ان دو فرمانرواؤں کے اس طرز عمل میں اس قدر تفاوت کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو دیا اور جس سے فرعون محروم تھا۔ اس علم سے مراد ذات خداوندی اور صفات الٰہی کی معرفت، دنیا کی ناپائیداری کا یقین، روز قیامت پر پختہ ایمان۔ ای علماً بذات الله تعالیٰ سبحانه تعالیٰ حسب الطاقة البشرية وبصفاته وبأحكامه وبأحوال المبدأ والمعاد (مظہری)۔ جہاں بھی یہ علم پایا جاتا ہے انسان عزت و عظمت کے بلند ترین مقامات پر فائز ہونے کے باوجود بھی بدمست نہیں ہوتا۔ ناشکری اور نافرمانی کی روش کبھی اختیار نہیں کرتا۔ یہ حقیقت ایک لمحہ کے لیے بھی اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتی کہ اسے ایک روز اپنے مالک حقیقی کے دربار میں اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے حاضر ہونا ہے۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کے دل و دماغ کو اسی علم کی روشنی سے منور کرنا چاہتا ہے جسے یہ علم حاصل ہو گیا وہ انطاکیہ سے مرشد آباد تک کا فاتح ہونے کے باوجود پیوند لگا ہوا کرتا پہنتا ہے سوکھی روٹی کھاتا ہے اور اپنے کوڑے کا تکیہ بنا کر فرش زمین پر سو جاتا ہے۔ اس کے عدل و انصاف سے گلشن ہستی میں پھر بہار آجاتی ہے۔

[۲] اس نعمت عظمیٰ پر جس انداز میں وہ اپنے منعم حقیقی کی حمد و ثنا کر رہے ہیں وہ بتا رہا ہے کہ انہیں اس نعمت کی قدر و قیمت کا پورا پورا احساس ہے۔

[۳] حضرت داؤد علیہ السلام کے متعدد فرزند تھے اور ہر ایک میں سے ان کی کثیر اولاد تھی حضرت سلیمان علیہ السلام

يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ

اے لوگو! ہمیں سکھائی گئی ہے پرندوں کی بولی اور ہمیں عطا کی گئی ہیں ہر قسم کی چیزیں بے شک

هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ

یہی تو وہ نمایاں بزرگی ہے (جو ہمیں مرحمت ہوئی) اور فراہم کیے گئے سلیمانؑ کے لیے لشکر جنوں

آپ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ جس میراث کا یہاں ذکر ہو رہا ہے اگر اسے مال و جائداد کی میراث سمجھا جائے اور کہا جائے کہ آپ کے سارے مال و جائداد کے وارث صرف حضرت سلیمانؑ بنے اور باقی تمام بیٹے اور بیٹیاں محروم کر دی جائیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت سلیمانؑ کو جو وراثت ملی وہ ملک اور نبوت کی وراثت تھی اور احادیث صحیحہ بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کہ نبی مال و جائداد کی میراث نہیں چھوڑتا بلکہ علم و حکمت کی دولت چھوڑ جاتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت سورۂ مریم کی آیت ۶ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسرے تاریخی حوالوں کے علاوہ بائبل کی تصریحات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے کثیر التعداد فرزند تھے۔ چنانچہ سلاطین باب اول میں ہے۔

"جب حضرت داؤد بیمار ہوئے تو ان کے ایک بیٹے ادونیاہ نے سر اٹھایا اور کہنے لگا میں بادشاہ ہوں گا۔ اس نے ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا اور اپنے سب بھائیوں یعنی بادشاہ کے بیٹوں اور سب یہوداہ کے لوگوں کو جو بادشاہ کے ملازم تھے پر . . . اپنے بھائی سلیمان کو نہ بلایا۔" آیت نمبر ۵-۹-۱۰

؎ اللہ تعالیٰ نے جن خصوصی انعامات سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا ان میں سے ایک یہ انعام بھی تھا کہ آپ پرندوں کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ ہمارا یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ مختلف پرندے مختلف اوقات اور حالات میں مختلف قسم کی آوازیں نکالتے ہیں۔ آپس میں جب محبت کر رہے ہوتے ہیں تو ان کی آواز اور ہوتی ہے جب ایک دوسرے سے لڑتے ہیں تو اور۔ جب کوئی شکاری پرندہ ان پر جھپٹتا ہے تو اور۔ غرضیکہ مختلف حالات میں ان کی صوتی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں جنہیں دوسرے پرندے اچھی طرح سمجھتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں اظہارِ خیال کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے قوتِ نطق ارزانی فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے ایک پیغمبر کو ان کے کلام کے مفہوم پر مطلع کر دے تو کیا بعید ہے۔

؎ اس کا مفہوم حضرت ابن عباسؓ سے یوں منقول ہے ما ینعمہ علیہ السلام من امر الدنیا والاخرۃ یعنی جن چیزوں کی انھیں دنیا و آخرت میں ضرورت تھی وہ بکثرت آپ کو عطا کی گئیں۔

؎ ان سب نعمتوں کے ذکر کے بعد یہ تصریح کر دی کہ ان میں سے کوئی چیز میری ذاتی نہیں ہے بلکہ میرے رب نے مجھے یہ بخشی ہیں اور یہ بخشش و عطا محض اس کا فضل و کرم ہے

وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ

انسانوں اور پرندوں سے تھیں وہ نظم و ضبط کے پابند ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گزرے چیونٹیوں کی وادی

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ

سے تو ایک چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ کہیں کچل نہ ڈالیں تمہیں سلیمان اور

۱۶ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ تین حصوں پر مشتمل تھا جن، انسان اور پرندے۔ بعض لوگ جو قرآن کریم کو اپنے خیالات اور نظریات کا لباس پہنانا ہی قرآن دانی کا کمال سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جن سے مراد جنات نہیں بلکہ وہ پہاڑی قبائل ہیں جو بدنی لحاظ سے بڑے طاقتور تھے اور جن کو حضرت سلیمان نے اپنا باجگزار بنا لیا تھا اور طیر سے مراد پرندے نہیں بلکہ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار فوجی دستے مراد ہیں۔ کاش وہ "انس" کا بھی کوئی ایسا معنی کر لیتے جس سے یہاں اس کا استعمال درست ہو جاتا۔ جب جن سے مراد جنگلی قبائل ہیں جو انسان ہیں اور طیر سے مراد گھوڑ سوار ہیں اور وہ بھی انسان ہیں تو ان دونوں لفظوں کے درمیان الانس یعنی انسان بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے جو عطف تغایر پر دلالت کرتا ہے اور اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جن اور طیر، انس کی طرح دو الگ الگ نوع ہیں۔

کوئی لفظ اگر بطور مجاز کسی دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ اب جہاں یہ لفظ مستعمل ہو گا وہاں اس کا مجازی معنی ہی مراد ہو گا بلکہ مجازی معنی لینے کے لیے شرط اول یہ ہے کہ وہاں اس کا حقیقی معنی نہ لیا جا سکتا ہو۔ نیز کوئی ایسا قرینہ بھی موجود ہو جو اس مجازی معنی کا تعین کرے۔ جب یہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہیں تو ان الفاظ کے حقیقی معنوں کو نظر انداز کر کے دور از کار تاویلات کرنا یقیناً جاہلانہ جسارت ہے۔

۱۷ وزع کے معنی ہیں روکنے اور منع کرنے کو۔ اصل الوزع الکف والمنع (روح المعانی)

اس سے مدعا یہ ہے کہ افواج کی کثرت کے باوجود وہاں بدنظمی اور انتشار کا نام و نشان تک نہ تھا۔ فوج کا ہر حصہ لشکر کا ہر دستہ سفر و حضر میں ترتیب، نظم و ضبط کی سختی سے پابندی کیا کرتا۔ یہاں ایک امر کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مقام پر بعض مفسرین نے حضرت سلیمان کے لشکر، آپ کے تخت اور مملکت کے متعلق بڑی مبالغہ آمیز اور عجیب غریب باتیں لکھی ہیں۔ ان کو نقل کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ان میں اکثر روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ ہمیں صرف انہی باتوں پر یقین کرنا چاہیے جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اگر آپ ان مبالغہ آمیز باتوں کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں تو آپ گویا بے دین لوگوں کے لیے دین کا مذاق اڑانے کا دروازہ اپنے ہاتھوں سے کھول رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مبالغہ آمیز قصے لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کے لیے زندیقوں نے وضع کیے ہوں۔ سوا ایاک من الاغترار بما لا صحۃ لہ ..... من مبالغات شنیعۃ ..... فتفتح بہ الباب السخریۃ بالدین العیاذ باللہ و

لا یبعد ان یکون اکثر ما قصتین مثل ذٰلک من وضع الزنادقۃ یریدون بہ التنفیر من دین الاسلام (روح المعانی)

ھ ایک دفعہ آپ اپنے لشکر جرار کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے جہاں سے آپ نے گزرنا تھا وہاں چیونٹیوں کی ایک آبادی تھی اس کے سردار نے جب دیکھا کہ حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر کے ساتھ ادھر سے گزرنے والے ہیں تو اس نے تمام چیونٹیوں کو اپنی اپنی بلوں میں گھس جانے کا حکم دیا ایسا نہ ہو کہ آپ کا لشکر گزرے اور وہ بے خبری میں ان کو روندتا چلا جائے اور یہ سب کی سب پس کر رہ جائیں۔ حضرت سلیمانؑ ابھی اس وادی سے تین میل کے فاصلہ پر تھے جبکہ آپ نے اس چیونٹی کی آواز کو سنا۔ آپ سن کر ہنس دیئے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی جمیل القدر نعمتوں پر شکر کی توفیق مانگنے لگے جس نے آپ کو دیگر انعامات کے ساتھ اتنی قوت سمع عطا فرمائی کہ اتنی دور سے آپ نے ننھی سی چیونٹی کی آواز سن لی ہے۔

آیت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جب چیونٹی جب انھیں ہدایت دے رہی ہے تو جمع مذکر کے صیغے اور ضمائر استعمال کر رہی ہے۔ حالانکہ قاعدے کے مطابق جمع غیر ذوی العقول کے لیے واحد مؤنث کا صیغہ اور ضمیر استعمال ہونی چاہیے اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ہماری نسبت سے بیشک وہ غیر ذوی العقول ہیں لیکن وہ ایک دوسرے کی بات سمجھتی ہیں اور اس کے مطابق عمل کرتی ہیں اس لیے وہ اپنی نسبت سے ذوی العقول ہیں۔ اگر ان چیونٹیوں کے افعال و کردار کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی انسان کی طرح اتنی عقل دی ہے جو کلیات کا ادراک کر سکتی ہے۔ وہ انسانوں کی طرح مختلف قبائل اور خاندانوں میں بٹی ہوتی ہیں۔ ہر کام کے لیے الگ الگ چیونٹیاں متعین ہوتی ہیں۔ مثلاً خوراک کی بہم رسانی کے لیے الگ اور اپنی بستی کی نگہبانی اور دفاع کے لیے الگ اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کا علیحدہ لشکر ہوتا ہے جو مختلف حصوں میں بٹا ہوتا ہے اور اس کی نگرانی کے لیے علیحدہ علیحدہ جرنیل متعین ہوتے ہیں۔ نیز جب وہ گندم وغیرہ کے دانے اپنے گوداموں میں ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کو کاٹ کر دو ٹکڑے کر دیتی ہیں تاکہ اگر انھیں نمی پہنچے تو وہ اگ نہ پائیں لیکن جب وہ مسور اور دھنیا کا ذخیرہ کرتی ہیں تو ان کے چار چار ٹکڑے کرتی ہیں کیونکہ ان کا نصف حصہ بھی اگ جاتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں ھذا وأمثالہ یحتاج الی علم کلی استدلالی وھو یحتاج الی نفس ناطقۃ و. قد جوّز شیخ الاشراق ولعلہ شیخ الاشراق یعنی ثبوت النفس الناطقۃ لجمیع الحیوان (روح المعانی)۔ یہاں بھی اسلام کے منکرین نے یہ تاویل کی ہے کہ وادی نمل اس وادی کا نام ہے جہاں ایک بنی نمل نامی قبیلہ آباد تھا اور نملۃ سے مراد ان کا ایک فرد ہے جس نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو دیکھ کر اپنی قوم کو بروقت متنبہ کیا۔

لیکن ان کی پہلی تاویلات کی طرح یہ تفسیر بھی قرآنی سیاق اس تاویل کو بھی رد کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے نبی اور عادل فرمانروا کا لشکر اتنا ظالم ہو کہ وہ ایک انسانی بستی کو روندتا ہوا گزر جائے اور اس کو تاخت و تاراج کر دے نیز اگر اس قبیلے کے سردار کو یہ خدشہ پیدا ہوا تھا تو اسے چاہیے تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کو یہ مشورہ دیتا کہ یہاں سے بھاگ جاؤ اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لو تاکہ لشکر سلیمانی کی تاخت و تاراج سے تم محفوظ رہو۔ سب سے بڑی بات جو ان کی تاویل کو مسخرہ بناتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا اس کی بات پر تعجب کرنا، پھر شکر کرتے ہوئے ہنس دینا اور پھر اس کو اللہ

وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۸ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ

ان کے لشکر اور انھیں معلوم بھی نہ ہو (کہ تم پر کیا گزری) تو سلیمان ہنستے ہوئے مسکرا دیے اس کی اس بات سے اور عرض

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

کرنے لگے میرے مالک! مجھے توفیق دے تاکہ میں شکر ادا کروں تیری نعمت (عظمیٰ) کا جو تو نے مجھ پر فرمائی اور میرے والدین پر

وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ

نیز مجھے توفیق دے کہ ایسے نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے اور شامل کر لے مجھے اپنی رحمت کے باعث اپنے نیک بندوں

الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۹ وَتَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَا لِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ

میں۔ اور آپ نے (ایک روز) پرندوں کا جائزہ لیا تو فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے (آج) ہُدہُد نظر نہیں آرہا یا وہ

تعالیٰ کی ایک نعمت عظمیٰ قرار دے کر شکر کی توفیق مانگنا بالکل بے محل ہوگا۔

۲۹؎ حضرت سلیمان کے لشکر میں پرندوں کا بھی ایک دستہ ہوا کرتا تھا۔ ایک بیدار مغز اور مدبر فرمانروا ہونے کی وجہ سے آپ اپنے لشکر کی کڑی نگرانی کیا کرتے تھے تاکہ کوئی اپنی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہ ہو اور فوجی نظم و ضبط میں کسی طرح کی کمزوری پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آپ نے جب پرندوں کے دستہ کا جائزہ لیا تو ہُدہُد کو غیر حاضر پایا۔ آپ جیسا منتظم اور مدبر بادشاہ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا کوئی لشکری جدھر چاہے چلا جائے۔ آپ نے ازراہ حیرت فرمایا کہ کیا ہُدہُد دکھائی نہیں دے رہا وہ کہاں لاپتہ ہو گیا۔ اگر اس نے اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ بیان نہ کی تو اسے فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنے کے سنگین جرم کے باعث عبرتناک سزا دی جائے گی۔ تفقد: تطلب ما غاب عنک من شیء یعنی کسی گم شدہ چیز کو تلاش کرنا۔ طیر: اسم جمع ہے اس کا واحد طائر ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے طاقتور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں۔ ان کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر رہا کرتے۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا لو ان سخلۃ علی شاطئ الفرات اخذها الذئب لیسأل عنها عمر یعنی اگر یہاں سے دور دراز علاقہ میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کے لیے بھی عمر کو جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس کے بعد علامہ موصوف حسرت و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اپنے زمانہ کے حکام کی بے حسی اور فرض ناشناسی پر گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں۔

مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ﴿٢٠﴾ لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ

سے ہی غیر حاضر ہے۔ اگر وہ غیر حاضر ہے تو میں ضرور اسے سخت سزا دوں گا یا اسے ذبح ہی کر ڈالوں گا یا اسے لازماً کوئی

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢١﴾ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ

میرے پاس کوئی روشن سند۔ پس کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ وہ آگیا اور کہنے لگا میں ایک ایسی اطلاع لے کر آیا ہوں

بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ

جس کی آپ کو خبر نہیں اور وہ یہ کہ میں سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر حکومت کرتی ہے

۲۲ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ہدہد حاضر ہو گیا اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا علم آپ کو نہیں۔ میں سبا کے ملک میں گیا تھا وہاں کے حالات کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے اور وہی چشم دید یقینی حالات عرض خدمت کرتا ہوں۔ سبا اسم مدينة تعرف بمأرب باليمن بينها وبين صنعاء مسيرة ثلاثة ايام (قرطبی)۔ یاقوت حموی معجم البلدان میں سبا کے متعلق لکھتے ہیں: ارض باليمن مدينتها مأرب بينها وبين صنعاء مسيرة ثلاثة ايام؛ سبا یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے جس کا مرکزی شہر مآرب ہے جو صنعاء (یمن کا موجودہ دارالحکومت) سے تین دن کی مسافت پر ہے۔ یشجب بن یعرب بن قحطان کے بیٹے سبا نامی کی اولاد وہاں آباد ہوئی اس لیے یہ علاقہ سبا کہلایا (معجم البلدان جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ طبع بیروت)۔

علامہ قزوینی نے آثار البلاد میں اس کے متعلق تفصیلاً لکھا ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے: سبا ایک شہر کا نام ہے جسے سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان نے آباد کیا تھا۔ یہ شہر صنعاء کے علاقہ سے بہت مستحکم اور گنجان آباد تھا۔ اس کی ہوا بڑی پاکیزہ اور پانی بہت میٹھا تھا۔ باغات کی کثرت تھی جن کے پھل بڑے لذیذ تھے۔ طرح طرح کے میوہ جات بکثرت پائے جاتے تھے یہاں تک کہ یہ حال تھا کہ مکھی مچھر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ ادھر گرد پہاڑوں کا سلسلہ تھا۔ بارش ہوتی پانی بہہ کر ریگستانوں میں ضائع ہو جاتا۔ ملکہ بلقیس کے عہد حکومت میں دو پہاڑوں کے درمیان ایک زبردست بند (Dam) تعمیر کیا گیا جس سے بارش کا پانی جمع ہو جاتا۔ اس بند میں پانی کے اخراج کے اوپر نیچے کئی سوراخ تھے جب ضرورت انہیں کھول کر پانی لے لیا جاتا جو مختلف نہروں کے ذریعہ تمام علاقہ کو سیراب کرتا۔ لوگ بہت خوشحال ہو گئے۔ خوشحالی اپنے ہمراہ عیش و عشرت اور فسق و فجور لے آئی۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو قہر الٰہی سیلاب کی صورت میں نمودار ہوا۔ بند ٹوٹ گیا، سارا علاقہ برباد ہو گیا۔ اس کا ذکر قرآن میں کسی موقع پر آیا ہے۔ وہاں مزید وضاحت کی جائے گی۔

۲۳ ہدہد وہاں کے حالات بتا رہا ہے۔ ملکہ سبا کے تخت کے متعلق علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے

وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا

اور اسے دی گئی ہے ہر قسم کی چیز سے اور اس کا ایک عظیم الشان تخت ہے۔ میں نے پایا ہے اسے اور اس کی قوم کو کہ وہ

يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

سب سجدہ کرتے ہیں سورج کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور آراستہ کر دیئے ہیں ان کے لیے شیطان نے ان کے

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿٢٤﴾ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ

(مشرکانہ) اعمال پس اس نے روک دیا ہے انہیں (سیدھے) راستہ سے پس وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ وہ کیوں نہ سجدہ

الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَ

کریں اللہ تعالیٰ کو جو نکالتا ہے پوشیدہ چیزوں کو آسمانوں اور زمین سے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو

مَا تُعْلِنُونَ ﴿٢٥﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩ ﴿٢٦﴾ قَالَ سَنَنظُرُ

تم ظاہر کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے وہ مالک ہے عرش عظیم کا۔ آپ نے فرمایا ہم پوری تحقیق کریں گے

قال ابن عباس كان طول عرشها ثمانين ذراعا وعرضه اربعين ذراعا وارتفاعه في السماء ثلاثين ذراعا یعنی اس کا طول اسی ہاتھ عرض چالیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ۔

٢٣ اس کے مذہب کے متعلق بتایا کہ وہ اور اس کی قوم سورج کی پوجا کیا کرتی ہے۔

٢٤ یعنی شیطان نے اس کھلی گمراہی کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کیا ہے اور وہ اس پر اس طرح فریفتہ ہو گئے ہیں کہ عقل کے سارے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

٢٥ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الخ ہدہد کا کلام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور اس میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کو خطاب کیا جا رہا ہے۔

٢٦ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم تیری اس بات کی پوری تحقیق کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کے سامنے اگر کوئی ملزم عذر پیش کرے تو وہ اس کو ٹھکرا نہ دے بلکہ اسے قبول کرے اور اس کی چھان بین کرے اور تحقیق کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے لیس احد احب الیہ العذر من اللہ من اجل ذالک انزل الکتاب وارسل الرسل یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ عذر کو پسند کرنے والا کوئی نہیں اسی لیے اس نے

أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ

اس بات کی کہ تو نے سچ کہا ہے یا تو بھی غلط بیانی کرنے والوں سے ہے۔ لے جا میرا یہ مکتوب ۴۳ اور پھینک دے ان کی

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ

طرف پھر پیٹھ کر کھڑا ہو جا ان سے اور دیکھ ۴۴ وہ آپس میں ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرتے ہیں۔ (خط پڑھ کر) ملکہ نے

اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾

کہا اے سرداران قوم! پھینکا گیا ہے میری طرف ایک عزت والا خط ۴۵ یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں

ع ٢/١٧ ١٢ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ

جو رحمن اور رحیم ہے۔ کہ تم میرے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آؤ۔ ملکہ نے کہا اے سرداران قوم! مجھے مشورہ دو میرے

قرآن نازل کیا اور رسول مبعوث فرمائے۔

۴۳ چنانچہ آپ نے بلقیس کی طرف ایک خط لکھا جس کا مضمون اگلی آیت میں مذکور ہے۔ اسے ہدہد کو دیا کہ اسے لے جا کر بلقیس کو پہنچا دے اور پھر اس کے ردعمل سے مطلع کرے۔ القی کا معنی کسی چیز کو اس طرح پھینکنا کہ وہ تجھے دکھائی دیتی ہے۔

الالقاء طرح الشیء حیث تلقاه ای تراه (مفردات)

لیکن جب کہ ترکیب کلام قول ہو جیسے اس آیت میں ہے تو پھر اس کا معنی پہنچا دینا ہے۔ صاحب مفردات اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں والقی الشیء الی الارض طرحه الیه والقی الیه القول وبالقول ابلغه ایاه۔

۴۴ خط پھینک کر بھاگ نہ آنا۔ الگ کھڑے ہو کر دیکھنا کہ اس کے بارے میں باہم کیا بات چیت کرتے ہیں۔ ای ماذا یرجع بعضهم الی بعض من القول (مظہری)

۴۵ لکھتے ہیں کہ جب ملکہ سبا اپنے درباریوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی تو ہدہد نے وہاں ان کے سروں پر پہنچ کر پھڑپھڑانا شروع کیا۔ جب بلقیس نے نگاہیں اوپر اٹھائیں تو اس نے وہ خط اس کی گود میں پھینک دیا اور بعض نے لکھا ہے کہ وہ سو رہی تھی اور ہدہد روشن دان سے داخل ہوا اور چپکے سے وہ خط اس کے سینے پر رکھ دیا۔ بہر حال اس نے خط پڑھا تو اس کے ایجاز اور اس کے پرجلال اسلوب کو دیکھ کر لرز گئی۔ فوراً شاہی مشیروں کی مجلس مشاورت منعقد کی اور اس میں اس نے وہ خط پڑھ کر سنایا اور ان سے رائے دریافت کی اور انہیں کہا کہ میں ہر معاملہ میں تم سے مشورہ کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا کرتی ہوں۔ اب بتاؤ اس خط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ حتی تشهدون ای حتی تحضرونی وتشیرونی او تشهدوا انه اعلی و انفع۔

أَمْرِي مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ ﴿٣٢﴾ قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَ

اس معاملہ میں۔ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا کرتی جب تک تم موجود نہ ہو۔ وہ کہنے لگے ہم بڑے طاقت ور اور

أُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿٣٣﴾ قَالَتْ إِنَّ

سخت جنگجو ہیں ۵۲ اور فیصلہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے آپ غور کریں کہ آپ کیا حکم دینا چاہتی ہیں۔ ملکہ نے

الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً ۖ وَكَذَٰلِكَ

کہا ۵۳ اس میں شک نہیں کہ بادشاہ جب داخل ہوتے ہیں کسی بستی میں تو اسے برباد کر دیتے ہیں اور بنا دیتے ہیں وہاں کے معزز

يَفْعَلُونَ ﴿٣٤﴾ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ

شہریوں کو ذلیل اور یہی ان کا دستور ہے ان سے جنگ کرنا قرین دانشمندی نہیں اور میں بھیجتی ہوں ان کی طرف ایک تحفہ پھر دیکھتی ہوں کہ کیا جواب

۵۲ جو اہل الرائے وہاں جمع ہوتے انہوں نے کہا کہ جہاں تک فوجوں کی تعداد، سامان جنگ کی فراہمی اور شجاعت و مردانگی کا تعلق ہے وہ تو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ آپ خود جانتی ہیں کہ وقت آنے پر ہم اپنی بہادری اور جوانمردی کے جوہر دکھائیں گے۔ بہرحال جنگ کی ذمہ داری لینے کے لیے ہم تیار ہیں۔ اس کے متعلق قطعی فیصلہ وہ ہوگا جو آپ کریں گی ہم آپ کے ہر حکم کو ماننے کے لیے بسر و چشم تیار ہیں۔

۵۳ یقیناً وہ حضرت سلیمان کی قوت و طاقت اور ان کے عظیم لشکر سے باخبر ہوگی اس لیے وہ انہیں بتا رہی ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کا مقابلہ کر کے ہم خود اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دینے کی حماقت نہیں کر سکتے۔ کوئی اور تدبیر سوچنا ہوگی۔

اس آیت میں ملوکیت کے مزاج سے کیسا پردہ اٹھایا گیا ہے کہ بادشاہوں کے ناپاک قدم جہاں پہنچتے ہیں اور جس ملک کو وہ فتح کرتے ہیں اس کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس کے معاشی وسائل پر اپنی اجارہ داری قائم کر لیتے ہیں اور وہاں کے اصلی باشندوں کو افلاس و غربت کی سختیاں سہنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں اور جو شخص غلامی کی ذلت کو گوارا نہیں کرتا اور ان کے اس استحصال اور سیاسی استبداد پر صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ اس کو اتنا ذلیل و رسوا کرتے ہیں کہ اس کا نام لیوا بھی کوئی نہیں رہتا۔ وکذلک یفعلون فرما کر اس حقیقت کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان استعماری قوتوں کے قدم جہاں پہنچے ہیں وہاں کے رہنے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔ وہ تفرقہ و فاقہ کے شکنجہ میں کس دیئے جاتے ہیں۔ فرانس، آزادی اور انسانی اقدار کا سب سے بڑا علمبردار ہونے کا مدعی ہے۔

الْمُرْسَلُونَ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ

کیا جواب لے کر لوٹتے ہیں۔ سو جب قاصد آپ کے پاس (ہدیہ لے کر) آیا تو آپ نے فرمایا ۳۴؎ کیا تم لوگ مال سے میری مدد کرنا

خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُم بَلْ أَنتُم بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿٣٦﴾ ارْجِعْ إِلَيْهِمْ

چاہتے ہو؟ سو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے رکھا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے بلکہ تم ہی لوگ اپنے ہدیہ پر خوش ہوتے ہو۔ (اے قاصد!) واپس چلا جا

فَلَنَأْتِيَنَّهُم بِجُنُودٍ لَّا قِبَلَ لَهُم بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُم مِّنْهَا أَذِلَّةً وَهُمْ

ان کے پاس، ہم ان پر ایسے لشکر لے کر آئیں گے جن کے مقابلہ کی ان میں تاب نہیں اور ہم ضرور انہیں نکال دیں گے

صَاغِرُونَ ﴿٣٧﴾ قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي

انہیں اس شہر سے ذلیل کر کے اور وہ خوار ہو کر رہیں گے۔ آپ نے فرمایا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے پاس

لیکن جہاں اس نے اپنے استعمار کے حق میں جو نتائج حاصل کیے وہاں کے لوگوں کی خوشیاں (پاکستان، الجزائر وغیرہ) نو آبادیات کے رہنے والوں سے پوچھیے۔

۳۳؎ ایسے عظیم بادشاہ کے ساتھ جنگ کرنا قرین دانشمندی بھی نہیں لیکن یوں ہی اس کے دین کو قبول کر لینا بھی معقولیت سے بعید ہے۔ یعنی یہ ہدیہ دے کر قاصد اس کی طرف بھیجتی ہوں اس کے رویے سے پتہ چل جائے گا کہ وہ بادشاہ ہے یا نبی؟ اگر بادشاہ ہوا تو اس کے ساتھ ایسا معاملہ کریں گے جو بادشاہوں کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اگر نبی ہوا تو پھر بھی معلوم ہو جائے گا۔ وہ ہدیہ جو بلقیس نے آپ کی طرف بھیجا تھا وہ کیا تھا۔ امام رازی فرماتے ہیں فاکثر الناس في صفة الهدية لكن لا ذكر لها في الكتاب یعنی اگرچہ لوگوں نے اس ہدیہ کے بارے میں بڑی مبالغہ آرائیوں سے کام لیا ہے لیکن قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔ بہرحال وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہوگی بلکہ بڑی قیمتی اور نادر اشیاء ہوں گی۔

۳۴؎ قاصد جب ہدیہ لے کر پہنچے تو آپ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تمہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا گھمنڈ ہے اور اپنے جواہرات سے بھرے ہوئے خزانوں پر بڑے اتراتے ہو اور میری طرف یہ تحفہ بھیج کر تم خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ سمجھتے ہو کہ تم نے بڑی ہی قیمتی اور نادر چیزیں میری طرف بھیجی ہیں لیکن کان کھول کر سن لو۔ میری نظر میں تمہارے ان تحائف اور نوادرات کی پرکاہ کے برابر بھی قیمت نہیں جو خزانے اور جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی ہیں ان کے سامنے یہ ہیچ ہیں۔ انھیں اپنی ملکہ کے پاس لے جاؤ اور جا کر اسے میری طرف سے یہ بات صاف صاف سنا دو کہ اگر تم نے سورج کی پرستش ترک کر کے میرے لائے ہوئے دین کو قبول نہ کیا تو میں ایسا لشکر جرار لے کر تم پر چڑھائی کروں گا کہ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔

مُسْلِمِينَ ﴿٣٨﴾ قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن

اس کے تخت کو اس سے پہلے کہ وہ آجائیں میری خدمت میں فرمانبردار بن کر۔ عرض کی ایک عفریت نے جنات میں سے (حکم ہو تو)

مَّقَامِكَ ۖ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿٣٩﴾ قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ

میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس پیش ازیں کہ آپ کھڑے ہوں اپنی جگہ سے اور بے شک میں اس کو اٹھالانے کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امین

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِندَهُ

بھی ہوں۔ عرض کی اس نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ (اجازت ہو تو) میں لے آتا ہوں اسے آپ کے پاس اس سے پہلے کہ آپ کی آنکھ جھپکے پھر جب

لاقبل لهم بها: ای لاطاقة لهم بالقاعة وقبل کا معنی طاقت ہے۔

۳۲ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کے تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے قاصد انہیں واپس لے گئے اور سارا ماجرا اپنی ملکہ سے جا کر کہا وہ سمجھ گئی کہ آپ بادشاہ نہیں ہیں اور ان کا مقابلہ کرنے کی اس میں جرات نہیں لیکن ایمان لانے سے پہلے وہ آپ کو اور آپ کے احوال کا خود مشاہدہ کرنا چاہتی تھی چنانچہ شاہی تزک و احتشام کے ساتھ وہ آپ کی طرف روانہ ہوئی جب وہ قریب پہنچ گئی تو آپ نے چاہا کہ اپنے رب قدوس کی قدرت کاملہ کا ایک اور یقینی ثبوت دکھائیں نیز اس پر یہ امر بھی واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کتنی عزت اور کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ کے غلاموں میں بھی ایسے باکمال لوگ موجود ہیں جو ایسے کرشمے دکھا سکتے ہیں چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے کون بلقیس کے شاہی تخت کو اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے لا سکتا ہے جنوں میں سے ایک طاقتور جن اٹھا اور دست بستہ عرض کرنے لگا کہ اگر اس خادم کو حکم ہو تو اس مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے اسے یہاں پہنچا دوں۔ اگرچہ وہ تخت بھاری بھرکم ہے اور مسافت بھی ڈیڑھ ہزار میل سے زیادہ ہے لیکن میں قوی ہوں، ایسا کر سکتا ہوں اور میں امین بھی ہوں جو قیمتی جواہرات اس میں جڑے ہوئے ہیں ان میں ہرگز خیانت نہیں کروں گا آپ نے اس کی پیش کش کو قبول نہ فرمایا۔ گویا آپ کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کا کوئی نمازی اس معمولی کام کے لیے اتنی لمبی مہلت مانگے چنانچہ ایک اور آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے مؤدبانہ التماس کیا کہ اگر مجھے ارشاد ہو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت کو وہاں سے اٹھا کر آپ کے قدموں میں لا کر رکھ دوں۔ آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور جب آپ نے آنکھ کھولی تو تخت وہاں موجود تھا آپ نے اپنے ایک خادم کی اس قوت کا مشاہدہ کیا تو دل میں غرور و نخوت کے جذبات پیدا نہیں ہوئے بلکہ فوراً سراپا نیاز بن کر اپنے مولیٰ کریم کا شکر ادا کرنے لگے عرض کیا یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے جس نے مجھے اتنی عزت اور سرفرازی بخشی ہے کہ میرے خدام ایسا کام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا یہ فضل بہت بڑی آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں اس کی عنایات جلیلہ پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں یا ناشکری کا اظہار کرتا ہوں۔

قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ

آپ نے اسے اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو پکار اٹھے یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿۴۰﴾ قَالَ نَكِّرُوْا

اور جس نے شکر کیا تو وہ شکر کرتا ہے اپنے بھلے کے لیے(۴۰) اور جو ناشکری کرتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے بلاشبہ میرا رب بے نیاز ہے اور بڑا کریم ہے

مصیبت اور تکلیف کو تو ہم سب امتحان اور آزمائش سمجھا کرتے ہیں لیکن جب خوشحالی اور فراوانی کا زمانہ آتا ہے جب اس کے انعامات کی بے بہا بارش ہونے لگتی ہے تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ بھی امتحان ہے اور پہلی قسم کے امتحان سے بڑا سخت امتحان ہے اس میں کامیاب ہونا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تکالیف و مصائب کے امتحان میں کامیاب وہ ہوتا ہے جو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے اور آرام و آسائش کی آزمائش میں کامیابی کا سہرا اس کے سر باندھا جاتا ہے جو شکر گزار ہو اور شکر کا صرف یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف زبان سے ہی شکریہ ادا کرتے رہیں بلکہ حقیقی شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو اس طرح استعمال کیا جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہو۔

۴۰ یعنی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کا شکر کرے گا تو اس پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اپنے ہی لیے مزید نعمتوں کا دروازہ کھول رہا ہے اور اگر تم نے ناشکری کی تو مزید عنایات کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا بلکہ پہلے انعامات سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا اللہ تعالیٰ غنی اور کریم ہے اگر کوئی اس کا شکر گزار بندہ بنا رہے تو اسے اور زیادہ دیا جائے گا کیونکہ وہ غنی ہے اس کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور وہ کریم ہے اس کا دست جود و عطا سخاوت کرتا ہی رہتا ہے۔

ایک چیز ابھی تحقیق طلب ہے کہ وہ کون شخص تھا جس نے دم بھر میں بلقیس کا شاہی تخت پندرہ سو میل کی مسافت سے سبا سے بیت المقدس پہنچا دیا جبکہ یہ تخت کہیں صحن میں تو پڑا نہیں ہوگا بلکہ قصر شاہی کی کسی محفوظ ترین جگہ میں رکھا ہوگا اور اس کی نگہبانی کے لیے خصوصی پہرے داروں کا انتظام بھی ہوگا۔ اس کے متعلق کسی نے حضرت خضر کا نام لیا ہے اور کسی نے جبرئیل کا اور کسی نے آصف بن برخیا کا۔ اور یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے۔ لیکن قرآن نے اس کا نام نہیں لیا بلکہ اس کی صفت سے اس کا تعارف کرا دیا یعنی اس شخص نے یہ بات کہی جس کے پاس کتاب کا علم تھا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس کی یہ صفت ایسی تھی جس کا اس محیر العقول کارنامے کی انجام دہی کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ امام رازی لکھتے ہیں: وان لهذا الوصف تاثیرا فی نقل ذلك العرش (تفسیر کبیر) امام عبدالقاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ میں تصریح کی ہے کہ جب کسی فاعل کی توصیف صفت سے کی جائے تو اس فعل کے صدور میں اس صفت کو خصوصی دخل ہوتا ہے۔ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اس شخص میں یہ قوت اور طاقت پیدا ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پاس علم من الکتاب (کتاب کا علم) تھا۔ اس آیت سے کرامات اولیاء کا ثبوت بھی ہو گیا اور یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک امتی الکتاب کے علم

لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ أَتَهْتَدِيْٓ أَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۱﴾

آپ نے حکم دیا شکل و صورت بدل دو اس کے لیے اس کے تخت کی تاکہ ہم دیکھیں کہ وہ حقیقت پر آگاہ ہوتی ہے یا ہو جاتی ہے ان لوگوں میں سے جو حقیقت کو نہیں

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهٗ هُوَ ۚ وَأُوْتِيْنَا الْعِلْمَ

پہچانتے۔ سو جب وہ آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا تخت ایسا ہی ہے؟ کہنے لگی یہ تو گویا وہی ہے۔ اور ہمیں اطلاع مل گئی تھی اس

مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

واقعہ کی اس سے پہلے اور ہم تو فرمانبردار بن کر حاضر ہو رہے ہیں اور روک رکھا تھا اسے (ایمان لانے سے) ان چیزوں نے جن کی وہ پوجا کر

کی برکت سے ایسا کام کر سکتا ہے تو سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا ولی جو الکتاب کا نہیں بلکہ الکتب قلبین کا عالم اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہ ہے اس سے ایسے امور کا صدور کیا مشکل ہے۔ وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء کاملین کی کرامات کا انکار کرتے ہیں انہیں قرآن کریم کی اس آیت میں غور کرنا چاہیے۔

ہمارے تجدد پسند مفسرین لکھتے ہیں کہ آپ نے جب بلقیس کی آمد کی خبر سنی تو اپنے درباریوں سے کہا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو بلقیس کے بیٹھنے کے لیے کوئی تخت بنا دے تاکہ جب وہ یہاں آئے تو اسے اس پر بٹھایا جائے ان کی اس تاویل کو دیکھ کر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یا تو وہ عربی لغت کے مبادیات سے بھی ناواقف ہیں ورنہ وہ أَيُّكُمْ يَأْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا کا ترجمہ تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لا سکتا ہے کا یہ ترجمہ ہرگز نہ کرتے۔ اور اگر انہیں اتنا علم ہے تو یہ اور کہنے میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ قرآن کی تصریحات پر ان کا دل نہیں جمتا لیکن وہ اس کا انکار کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے اور بزدلی کے باعث اپنی قلبی منافقت کو تحریف کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

۵۳؎ آپ نے حکم دیا کہ اس تخت کی شکل و صورت میں کچھ رد و بدل کر دو۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ اپنے تخت کو پہچان سکتی ہے یا نہیں۔

۵۴؎ جب بلقیس آئی تو اس سے پوچھا گیا کیا تیرا شاہی تخت بھی اسی قسم کا ہے جیسے یہ ہے۔ وہ فوراً بھانپ گئی اور کہنے لگی یہ تو بعینہٖ وہی معلوم ہوتا ہے اور ہمیں اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل چکی ہے کہ تخت آپ کے پاس پہنچ گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اپنی شان و عظمت دکھلانے کے لیے آپ نے یہ معجزہ دکھایا ہے ہم تو اس سے پہلے ہی جان چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اس نے آپ کو نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا ہے اور ہم تو مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے

۵۵؎ وہ ایسی سلیم الطبع خاتون تھی جس نے حق کو دیکھ کر فوراً پہچان لیا اور بلا تامل اسے قبول کر لیا۔ اب تک سورج کی پوجا

إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِينَ ﴿٤٣﴾ قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ

کیا کرتی تھی اللہ تعالیٰ کے سوا۔ بیشک وہ قوم کفار سے تھی۔ اسے کہا گیا کہ اس محل میں داخل ہو جا تو جب اس نے دیکھا اس

لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ

(کے بلوریں فرش) کو تو اس نے خیال کیا کہ یہ گہرا پانی ہے اور اس نے کپڑا اٹھا لیا اپنی دونوں پنڈلیوں سے آپ نے فرمایا وہ پانی نہیں یہ

ع ۳ ۱۸ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٤٤﴾

چکنا محل ہے بلور کا بنا ہوا اس نے کہا اے میرے رب! بیشک میں نے ظلم ڈھایا اپنی جان پر اور اب ایمان لائی ہوں

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلٰى ثَمُودَ أَخَاهُمْ صٰلِحًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَإِذَا هُمْ

سلیمان کے ساتھ اللہ پر جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو کہ عبادت کرو اللہ کی تو وہ

کیسے کر سکتی تھی اس کی وجہ بیان فرما دی کہ وہ پیدا ہی ایسے ماحول میں ہوئی تھی جہاں سورج کی پرستش کی جاتی تھی۔ اسے آج تک کسی نے یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ سورج عبادت کے لائق نہیں بلکہ عبادت کے لائق تو وہ ہستی ہے جس نے سورج کو پیدا کیا۔ اس کو نور و حرارت کا سرچشمہ بنایا۔ اور اسے اپنے قانون کا پابند بنا کر انسان کی خدمت پر مامور کر دیا۔

له آپ کا ایک عظیم الشان محل تھا جس کا فرش آبگینہ کا بنا ہوا تھا۔ اس کے نیچے پانی رواں رہتا تھا آپ نے اپنا تخت اس محل کے وسیع صحن میں بچھایا اور اسے شرف باریابی حاصل کرنے کی اجازت دی۔ وہ جب اندر داخل ہونے لگی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ وہاں پانی کی لہریں موجزن ہیں۔ اس نے اپنے پائنچے چڑھا لیے تاکہ پانی میں بھیگ نہ جائیں۔ اسے یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ پانی صحن میں نہیں بلکہ صحن آبگینہ کا بنا ہوا ہے اور پانی اس کے نیچے بہہ رہا ہے۔

له آپ نے اس کی غلطی پر اسے متنبہ فرمایا۔ قواریر: شیشہ، بلور۔ مُمَرَّد: مسلّی، صاف شفاف، چمکدار۔ [امرد: اس نوجوان کو کہتے ہیں جس کے رخساروں پر ابھی بال نہ اگے ہوں۔

له دل تو پہلے ہی نور ایمان سے روشن ہو گیا تھا۔ اب جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بے اختیار ہو کر اپنی سابقہ گمراہی پر ندامت کا اظہار کیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ آپ نے بلقیس کو اپنا محرم بننے کی عزت بخشی اور اس سے آپ کی اولاد بھی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اعلم

له اب پھر حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم ثمود کا حال بیان ہو رہا ہے۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی تو چند سعید روحوں نے آپ کی دعوت کو قبول کر لیا۔ لیکن اس کی بھاری اکثریت اپنے

فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ

کہ دو گروہ ہو گئے اور آپس میں جھگڑنے لگے۔ صالح نے فرمایا اے میری قوم! کیوں جلدی کرتے ہو برائی کے لیے نیک

الْحَسَنَةِ ۖ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَ

کام کرنے سے پہلے ۱۳؎ تم کیوں نہیں بخشش طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے ۱۴؎ شاید تم پر رحم کیا جائے کہنے لگے ہم تو بدشگون سمجھتے ہیں

بِمَن مَّعَكَ ۚ قَالَ طَائِرُكُمْ عِندَ اللَّهِ ۖ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿٤٧﴾ وَ

تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو ۱۵؎ آپ نے فرمایا تمہارا بدشگون تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے بلکہ تم ایسی قوم ہو جو فتنہ میں مبتلا کر دی گئی ہے ۱۶؎

تقریر بھی رہی۔ جس طرح سورۃ اعراف میں گزر چکا ہے۔

۱۳؎ انھوں نے سرکشی کی انتہا کر دی اور اپنے نبی کو چیلنج دے دیا کہ آپ جو عذاب ہم پر لانا چاہتے ہیں بے شک لے آئیں ہم آپ پر ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ آپ نے انھیں سمجھایا کہ تم کتنے نادان ہو گناہوں سے توبہ تو کرتے نہیں ہو اور عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ اگر عذاب آ گیا تو کہاں سر چھپاؤ گے۔ السیئۃ سے مراد عذاب ہے۔ یٰصٰلح ائتنا بما تعدنا ان کنت من المرسلین۔

۱۴؎ اگرچہ تم نے کفر و شرک میں عمریں برباد کر دی ہیں اور میری دعوت کو عرصہ دراز سے ٹھکرا رہے ہو لیکن آج بھی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو تو میرا کریم و رحیم خدا تمہاری توبہ کو قبول فرمالے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

۱۵؎ انھوں نے جواب دیا تم نے ہماری قوم میں انتشار پیدا کر دیا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دی۔ ہم بڑی محبت اور پیار سے وقت گزار رہے تھے تم نے آکر ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ ہم تیرے جیسے فتنہ پرداز پر ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ نیز جب سے تم یہاں آئے ہو ہر قسم کی نحوستوں نے ہمیں گھیر لیا ہے کبھی وقت پر بارش نہیں ہوتی۔ لوگ بوند بوند کے لیے ترستے رہتے ہیں۔ ہمارے کھیتوں میں خاک اڑ رہی ہے طرح طرح کی وبائیں ہمارے لیے بربادی کا پیغام لے کر آ رہی ہیں۔ آپ اور آپ کے یہ ساتھی ہمارے لیے تو وبال جان ثابت ہو رہے ہیں اور تمہاری نحوست سے ہمارا سارا علاقہ ویران ہوتا جا رہا ہے۔ اگر کسی کام کو جا رہے ہوں اور راستہ میں تم سے یا تمہارے کسی مرید سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ہم خائب و خاسر واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ ہم آپ کی برکتوں کا اندازہ کر چکے ہیں۔ ہم سے یہ امید نہ رکھو کہ ہم کبھی تم پر ایمان لائیں گے کیونکہ عرب عام طور پر اڑتے ہوئے پرندوں اور ان کی آوازوں سے شگون لیا کرتے تھے اس لیے مطلق شگون کو بھی طائر کہا جاتا ہے۔

۱۶؎ آپ نے فرمایا یہ مصائب اور تکالیف جنہیں تم میری طرف منسوب کر رہے ہو حقیقت میں یہ تمہاری اپنی بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نازل ہو رہی ہیں۔ تم حقیقت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے اور خواہ مخواہ مجھ پر الزام لگائے چلے جاتے ہو

كَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿٤٨﴾

اور اس شہر میں نو شخص تھے ؎ جو فتنہ و فساد برپا کیا کرتے تھے اس علاقہ میں اور اصلاح کی کوئی کوشش نہ کرتے۔

قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا

انھوں نے کہا آؤ اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کریں ؎ کہ شب خون مار کر صالح اور اس کے اہل خانہ کو ہلاک کر دیں گے پھر کہہ دیں گے اس کے وارث

مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٤٩﴾ وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ

سے کہ ہم تو موجود ہی نہ تھے جب انھیں ہلاک کیا گیا اور یقین کرو ہم بالکل سچ کہہ رہے ہیں اور انھوں نے بھی خفیہ سازش کی ؎ اور ہم نے بھی خفیہ

؎ تین سے لے کر دس تک یا سات سے لے کر دس تک کے گروہ کو رھط کہتے ہیں۔ اس قبیلہ کے نو سردار تھے ان کے لڑکے حضرت صالح علیہ السلام کی مخالفت میں ہمیشہ سرگرم رہا کرتے۔ ہر ایک سردار کے ساتھ اس کے حواریوں کی ایک ٹولی بھی ہوا کرتی اس لیے انھیں تسعۃ رھط کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔ تسعۃ رھط سے بعض حضرات نے نو شخص بھی مراد لیے ہیں اور ان کے نام بھی گنوائے ہیں لیکن ایک تو ان ناموں میں اختلاف ہے دوسرا ان کے نام جاننے سے فہم قرآن میں کوئی مدد نہیں ملتی اس لیے ان کا یہاں ذکر بے سود ہے۔

؎ جب انھوں نے دیکھا کہ ہماری ایذا رسانیوں کے باوجود حضرت صالح اور ان کے ساتھی باز نہیں آتے تو انھوں نے ایک جگہ بیٹھ کر یہ سازش کی کہ رات کو بے خبری میں صالح اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر کے انھیں تہ تیغ کر دو۔ اگر ان کے کسی وارث نے ہم سے دریافت کیا تو ہم انھیں یقین دلا دیں گے کہ ہمیں قطعاً کوئی علم نہیں کہ انھیں کس نے قتل کیا اور نہ ہم وہاں موجود تھے جب ہم انھیں یقین دلا دیں گے کہ ہمارا ان کے قتل کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں تو وہ خاموش ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت صالح کے وارث کڑوا گھونٹ پی لیں اور ان کے متعلق انھیں یہ خیال ہو کہ جب ہم نو سارا قوم ایک بار یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے انھیں قتل نہیں کیا تو ان کی یہ مجال کہاں کہ وہ ہم سے مزید تکرار کریں اور اس شہر میں کون ایسا ہے جو ہمارے خلاف گواہی دینے کی جرأت کرے تھوڑا سا ہنگامہ برپا ہو گا اور وہ دھو کر چپ ہو جائیں گے۔ اس طرح یہ باغی عنصر جو سر اٹھا رہا ہے اس کی بروقت سرکوبی ہو جائے گی۔ تقاسموا ای تحالفوا لنبیتنہ البیات مباغتۃ العدو ومفاجاتہ لیلاً یعنی کسی غافل دشمن پر بے خبری میں شب خون مارنے کو بیات کہتے ہیں۔

؎ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ سازش اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے بعد کی تھی جب حضرت صالح نے انھیں بتایا کہ تمھیں تین دن کی مہلت ہے اس کے بعد تم پر عذاب آئے گا جو تمھیں نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ اس آخری سرزنش سے چونکتے ہوش میں آتے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر گڑگڑا کر معافی مانگتے انھوں نے الٹا حضرت صالح کو

لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ

(انہیں خبر ہی نہ تھی)۔ پس دیکھو کیسا ہوا انجام ان کے مکر کا، ہم نے تباہ و برباد کر دیا انہیں اور ان کی

أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ

ان کی ساری قوم کو۔ پس یہ ان کے گھر ہیں جو اجڑے پڑے ہیں ان کے ظلم کے باعث۔ بیشک اس میں بڑی عبرت ہے اس قوم کے لیے

يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾ وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾ وَلُوطًا إِذْ قَالَ

جو جانتی ہے۔ اور ہم نے بچا لیا انہیں جو ایمان لائے تھے اور (اللہ سے) ڈرتے رہتے تھے۔ اور یاد کرو لوط کو جب آپ نے

لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ

اپنی قوم کو فرمایا کیا تم ارتکاب کرتے ہو بے حیائی کا حالانکہ تم دیکھ رہے ہوتے ہو۔ کیا تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی

شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ

کے لیے (اپنی) بیویوں کو چھوڑ کر۔ بلکہ تم تو جاہل لوگ ہو۔ پس نہیں تھا آپ کی قوم کا جواب

قتل کرنے کی سازش شروع کر دی۔ انھوں نے کہا ہم پر عذاب آئے گا تو دیکھا جائے گا۔ اس کے آنے سے پہلے ہم صالح (علیہ السلام) کے گھر والوں کا کام تمام کر دیں۔ جس رات انھوں نے حضرت صالح کے مکان پر شب خون مارنے کا پروگرام بنایا تھا اس رات اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے رسول کی حفاظت کے لیے بھیج دیا۔ جب یہ اپنی بے نیام تلواریں لہراتے ہوئے آپ پر حملہ کرنے کے لیے لپکے تو فرشتوں نے ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ انھیں پتھر تو نظر آتے تھے لیکن مارنے والے دکھائی نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ ان سب کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا اور یہ مہلت کی آخری رات تھی۔ چنانچہ قوم کے باقی افراد بھی تباہ و برباد کر دیے گئے۔ ان رهطا تسعة تعاقدوا في صدر الثلاثة الايام بعد عقر الناقة وقد اخبرهم صالح بمجيئ العذاب ان يقتلوا صالحا واهله (قرطبی) اسی رات عذاب الٰہی آیا جس نے ساری قوم کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔

لہ جس طرح پہلے عرض کیا جا چکا ہے ان کی بستیاں وادی القریٰ میں تھیں جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیانی علاقہ میں تھا جب حضور غزوہ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تو اسی علاقہ سے گزر ہوا۔ حضور نے صحابہ کو فرمایا لا تدخلوا على هؤلاء المعذبين الا ان تكونوا باكين (روح المعانی) یعنی اس عذاب شدہ قوم کے علاقہ میں داخل ہو تو روتے ہوئے داخل ہو۔

لہ اگرچہ اس کا ذکر اتأتون الفاحشة آیت سابقہ میں آگیا تھا لیکن اس کی قباحت و شناعت کو ظاہر کرنے کے لیے

قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ

بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکال دو آلِ لوط کو اپنی بستی سے، یہ لوگ تو بڑے پاکباز

يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

بنے پھرتے ہیں ۵۶ سو ہم نے بچا لیا لوط کو اور ان کے اہلِ خانہ کو سوائے ان کی بیوی کے ہم نے فیصلہ کر دیا اسکے متعلق کہ وہ

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۵۸﴾ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ

پیچھے رہنے والوں میں ہوگی ۵۷ اور ہم نے برسایا ان پر (پتھروں کا) مینہ پس کتنا برا مینہ تھا ڈرائے جانے والوں پر آپ فرمائیے سب تعریفیں اللہ

وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾

تعالیٰ کے لیے ہیں ۵۸ اور سلام ہو اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے چن لیا ہے کیا اللہ بہتر ہے یا جنہیں وہ شریک بناتے ہیں ۶۰

۵۶ اسے دوبارہ مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ ۵۷ انتہائی فاسق و فاجر وہ کیا کرتے تھے۔

۵۸ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے حالات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی زبان پاک سے اپنے خداوند کریم کی حمد و ثنا کریں جس نے ہمیشہ حق کا بول بالا کیا اور اہل حق کو اپنی تائید و نصرت سے سرفراز فرمایا اور جس کی یہ شان ہے وہی اس قابل ہے کہ انسان ہمیشہ ہمیشہ اس کی حمد کے ترانے گاتا رہے اور اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرتا رہے۔ اس کی حمد کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوس قدسیہ کو فراموش نہ کیا جائے جو اپنے مولا کریم کا نام بلند کرنے کے لیے مصائب و آلام کے سربفلک پہاڑوں سے ٹکرا گئے۔ دنیا بھر کی مخالفتوں کے باوجود ان کے عزم میں کبھی لچک پیدا نہ ہوئی۔ جبر و تشدد کے ہر تیر کو اپنے سینے پر لیا اور پھر بھی مسکراتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اقتضا ہے کہ جب اس کی حمد کی جائے تو ان پاکیزہ ہستیوں پر بھی درود و سلام کے گلدستے نچھاور کیے جائیں۔ نیز اس آیت کے بعد مسئلہ توحید کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے اس لیے اس بیان کی اہمیت کے پیش نظر اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر صلوٰۃ و سلام سے ہو رہا ہے۔ اسی لیے علماء اسلام جب بھی تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں یا کوئی خطبہ دیتے ہیں یا کوئی کتاب تالیف کرتے ہیں تو اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور اس کے نبی کریم پر درود و سلام سے کرتے ہیں۔ وقد توارثت العلماء والخطباء والوعاظ کابرا عن کابر هذا الادب فحمدوا الله وصلوا على رسول الله صلى الله عليه وسلم امام كل علم مفاد وقبل كل عظة وخطبة (قرطبی)۔

بعض علماء نے الذین اصطفیٰ سے صحابہ کرام مراد لیے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی رفاقت کے لیے چن لیا۔

۵۹ خیر اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور اسم تفضیل سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ صفت دونوں میں پائی جاتی ہے

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

بھلا وہ کون ہے جس نے بنایا آسمانوں کو اور زمین کو شہ اور جس نے اتارا تمہارے لیے آسمان سے پانی ۔

فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ

پھر ہم نے اگائے اس پانی سے خوش منظر باغات ۔ تمہاری طاقت نہ تھی کہ تم اگا سکتے ان کے درخت ۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ﴿٦٠﴾ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ

کیا کوئی دوسرا خدا ہے اللہ کے ساتھ شہ بلکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو راہ راست سے ہٹ رہے ہیں شہ بھلا کس نے بنایا ہے زمین کو شہ

لیکن ایک میں زیادہ دوسرے میں کم جیسے زید اعلم من عمرو کا معنی ہے کہ زید عمرو سے زیادہ عالم ہے ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمرو بالکل جاہل ہے ۔ لیکن یہاں تو بتوں میں خیر کا وہم تک بھی نہیں ۔ اس لیے علماء نے تصریح کی ہے کہ یہ یہاں اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں بلکہ محض خیر و خوبی کے اظہار کے لیے ہے یا اس لیے کہ کفار اپنے زعم باطل میں کچھ نہ کچھ خیر و بھلائی تو اپنے بتوں میں یقین کرتے تھے ۔ اسی لیے قرآن کی پوجا کرتے تھے ۔

شہ یہاں سے بت پرستوں اور مشرکوں سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو ۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہے ہر قسم کے انعامات و احسانات کا سرچشمہ فقط اسی کی ذات والا صفات ہے تو پھر کسی اور کو خدا کیوں بنایا جاتے ۔ چنانچہ کائنات کی مختلف چیزوں کو مشرکین کے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کیا جا رہا ہے اور ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ان کی تخلیق ، ان کی تحسین و تزئین اور ان کی نشوونما میں کسی اور کا بھی کوئی حصہ ہے تاکہ اسے خدا بنایا جائے اور اسے پوجا جائے ۔ پہلا سوال ان سے یہ کیا گیا کہ یہ آسمان اور زمین کس نے پیدا فرمائے ۔ پھر یہ بتاؤ آسمان سے پانی کون برساتا ہے ۔ تمہارے وادیوں باغوں میں یہ خوش منظر باغات جو لہلہا رہے ہیں کس نے اگائے ہیں ۔ تم میں تو اتنی طاقت بھی نہیں کہ تم اپنی مرضی سے ایک پودا بھی اگا سکو ۔

شہ اے بتوں کو پوجنے والو! بتاؤ کیا آسمان و زمین کی تخلیق یا ان باغات کی آرائش میں کوئی اور خدا بھی شریک ہے ۔ اگر تم جانتے ہو کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کیوں نہیں کرتے ۔

شہ یہ کافر بھی عجیب و غریب مخلوق ہیں ۔ اتنے واضح دلائل کے باوجود اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہیں یا ان بتوں کو اس کا ہمسر سمجھتے ہیں ۔ یعدلون من العدول بمعنی الانحراف وقیل من العدل بمعنی المساواۃ ای یساوون به غیرہ تعالیٰ من المتعم (روح المعانی)

شہ قرار کا معنی ہے مستقر یعنی ٹھہرنے کی جگہ جہاں تم آباد ہو اور اپنی زندگی خوشی اور آرام سے بسر کر رہے ہو ۔ قرار کے

قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ

ٹھہرنے کی جگہ اور جاری کر دیں اس کے درمیان نہریں (ف) اور بنا دیئے زمین کے لیے مضبوط پہاڑوں کے لنگر اور بنا دی دو سمندروں

ایک نظام میں آپ جتنا غور کریں گے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی شان ربوبیت کے ان گنت کرشمے آپ کو بے نقاب ہوتے نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کی بقا اور نشو و نما کے لیے زمین میں کن عناصر حیات کا پایا جانا ضروری ہے، کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو اگر موجود نہ ہوں تو انسانی زندگی ان رعنائیوں اور مسرتوں سے یکسر خالی ہو جائے اب اس کا دامن معمور ہے، کون کون سی ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا سراغ نہ لگایا جا سکے تو ایجادات و اختراعات کی بے پناہ قوتیں جو اس کی فطرت میں مضمر ہیں وہ ہمیشہ کے لیے بے کار پڑی رہیں۔ ان تمام وسائل اور اسباب کی بہم رسانی کے بعد ہی انسانی زندگی کو بقا اور نشو و نما نصیب ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ قرار کے نظام میں آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے معارف و معانی کا ایک لا انتہا سلسلہ آپ کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں میں نیویارک سائنس اکیڈمی کے پریذیڈنٹ اے سی مورین کے مضمون کا ایک مختصر اقتباس پیش کرتا ہوں جس سے آپ کو امن جعل الارض قرارا کا مفہوم مزید واضح ہو جائے گا۔

"زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چکر کاٹ رہی ہے۔ اگر اس کی رفتار ایک ہزار میل کی بجائے ایک سو میل ہوتی تو دن اتنے لمبے ہوتے کہ سورج کی تپش تمام کھیتوں کو جھلس کر رکھ دیتی اور راتیں اتنی لمبی اور سرد ہوتیں کہ زندگی کی اگر کچھ رمق سورج کی تپش سے بچ جاتی تو رات کی سردی اسے منجمد کر کے رکھ دیتی۔ سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری فارن ہیٹ ہے لیکن زمین کو اس سے اتنی مناسب دوری پر رکھ دیا گیا ہے کہ وہاں سورج کی حرارت اتنا فقط پہنچتی ہے جو حیات بخش ہے اور اگر سورج کا درجہ حرارت بارہ ہزار ڈگری کی بجائے چھ ہزار ڈگری ہوتا تو کرہ زمین برف کے نیچے دب جاتا اور اگر اٹھارہ ہزار ڈگری ہوتا تو ساری زمین اس کی تمازت سے جل کر راکھ ہو جاتی۔ زمین کا جھکاؤ تئیس درجے کا زاویہ بناتا ہے۔ اور اسی جھکاؤ سے ہمارے موجودہ موسم مناسب وقفوں کے بعد باری باری آتے ہیں۔ اگر اس میں یہ جھکاؤ نہ ہوتا تو سمندر سے اٹھنے والے بخارات جنوب اور شمال میں حرکت کرتے اور اتنی زور سے برف باری ہوتی کہ ساری زمین ڈھک جاتی۔ اگر چاند کی دوری زمین سے اتنی نہ ہوتی جتنی اب ہے بلکہ صرف پچاس ہزار میل ہوتی تو سمندروں میں مد و جزر اس شدت سے آتا کہ پہاڑوں تک کو بھی بہا کر لے جاتا اگر زمین کی سطح موجودہ سطح سے صرف دس فٹ زیادہ موٹی ہوتی تو یہاں آکسیجن ہی نہ ہوتی اور کوئی جاندار زندہ نہ رہتا اور اگر سمندر چند فٹ اور گہرے ہوتے تو ساری کاربن ڈائی آکسائڈ اور آکسیجن صرف ہو جاتی اور روئے زمین پر کوئی سبزہ نظر نہ آتا۔ اس حکیمانہ نظام پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کارخانہ ہستی اتفاقاً معرض وجود میں نہیں آگیا بلکہ ایک حکیم و دانا خالق نے اس کی تخلیق فرمائی ورنہ زندگی کا کوئی امکان نہ تھا۔" (ضیاء القرآن، جلد اول، الانعام، ۷۳ کا حاشیہ)

الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ أَإِلَٰهٌ مَّعَ اللَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

کے درمیان آڑ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔

أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ

بھلا کون قبول کرتا ہے ایک بےقرار کی فریاد جب وہ اسے پکارتا ہے اور دور کون فرماتا ہے تکلیف کو اور (کون) بنا

اب آپ نے غور فرمایا کہ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا کا کیا مفہوم ہے۔

اس کو تمھاری قرارگاہ بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بے حد وحساب پانی کی بہم رسانی کے لیے ندیاں رواں کر دی ہیں۔ کچھ ظاہری سطح پر دریاؤں، چشموں کی شکل میں تمھیں نظر آتی ہیں اور کچھ زیرِ زمین ہیں جن سے تم کنویں کھود کر، ٹیوب ویل لگا کر اور دوسرے مختلف طریقوں سے پانی نکالتے ہو۔ ہموار میدان ہوں یا اونچے پہاڑ، ہر جگہ ہم نے تمھارے لیے پانی کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ ذرا غور کرو جہاں پانی نایاب ہے یا اس کی سطح کو ہم نے اتنا گہرا کر دیا ہے جہاں تک اپنی مشینی ذرائع سے بھی تمھاری رسائی نہیں ہوتی وہاں تم کوئی بستی آباد کر کے کوئی باغ لگا کر یا کوئی فصل کاشت کر کے دکھاؤ تو کوئی بات بھی ہو۔

کرۂ زمین جیسا ہوا میں معلق ہے۔ اگر ہم اس کو پہاڑوں کے لنگروں سے ایک حالت پر قرار نہ بخشتے تو یہاں آبادی کا امکان تک نہ ہوتا۔ ہر وقت اسی قسم کے خوفناک جھٹکے آتے رہتے۔ جن کا مشاہدہ تم کبھی کبھی زلزلے کی صورت میں کرتے ہو جن کی وجہ سے آن واحد میں تمھاری املاک برباد ہو جاتی ہیں اور گنجان آبادیاں پیوند خاک ہو جاتی ہیں، دریاؤں کے رخ بدل جاتے ہیں، زمین کے شکم سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں۔ ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے پہاڑوں کے کیل گاڑ کر اس کا توازن ایسا برقرار رکھا ہے کہ وہ اپنی طبعی حرکت سے متحرک ہونے کے باوجود تمھارے لیے کسی اضطراب کا باعث نہیں بنتی۔

میٹھے اور کھاری پانی کو باہم ملنے سے ہم نے روکا ہوا ہے اور بسا اوقات یہ رکاوٹیں اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ تم ان کا انکشاف بھی نہیں کر سکتے لیکن اتنی لطافت کے باوجود وہ اتنی پختہ اور مضبوط ہوتی ہیں کہ کیا مجال کہ دونوں پانی آپس میں خلط ملط ہو سکیں۔

اب بتاؤ یہ سب کچھ کس کی قدرت، حکمت اور علم کی جلوہ نمائی ہے۔ کیا کوئی اور خدا ہے جس کو تم شریک کار بتا سکو؟ یقیناً نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کسی کو اِلٰہ اور معبود کیوں بناتے ہو۔ کیا اس سے بڑی حماقت کوئی اور بھی ہو سکتی ہے۔

مُضطر اس مصیبت زدہ کو کہتے ہیں جسے مصائب اور شدائد نے اتنا گھبرا دیا ہو کہ وہ ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی پناہ لینے پر مجبور ہو جائے۔ قال ذو النون هو الذي قطع العلائق عما دون الله (قرطبی)

سہل بن عبداللہ سے اس کا ایک یہ مفہوم بھی منقول ہے کہ وہ گنہگار جس کی ساری عمر گناہوں میں گزری، اس کا نامۂ اعمال نیکیوں اور طاعتوں سے یکسر خالی ہو۔ اور جب وہ دعا کے لیے بارگاہِ الٰہی میں ہاتھ اٹھائے تو اسے کوئی نیکی نظر نہ آئے جس کے

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

بنایا ہے تمہیں زمین میں اگلوں کا خلیفہ۔ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ تم بہت کم غور و فکر کرتے ہو۔

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ

بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بر و بحر کے اور کون بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے

وسیلے سے وہ دعا کر سکے۔ اس کا بھروسہ محض اللہ تعالیٰ کی شان رحمت پر ہو۔ قال سہل بن عبداللہ: المضطر ھو الذی اذا رفع یدیہ الی اللہ داعیا لم یکن لہ وسیلۃ من طاعۃ قدمھا (قرطبی)

کفار سے اب ایک اور بات پوچھی جا رہی ہے جس کا تعلق کسی بیرونی چیز کے ساتھ نہیں جس کو وہ ٹھیک طور پر نہ دیکھ سکتے ہوں بلکہ اس کا تعلق ان کی اپنی ذات سے ہے اور جس کا وہ تجربہ کر چکے ہیں۔ ان کو ہر شخص خواہ وہ کتنا ہی زور آور، ذی مال ہو اس پر زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسی گھڑی آتی ہے جب اس کی ذاتی قابلیتیں، ذاتی وسائل، اس کے دوست احباب سب بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کا وجود اعتراف بھی کرتا ہے کہ اس گرداب ہلاکت سے اسے اس کی کوئی تدبیر کوئی حیلہ بچا نہیں سکتا۔ اس وقت اس کی نگاہ اللہ تعالیٰ کی طرف اٹھتی ہے اور وہ یقین کرتا ہے کہ اب اس کی چارہ سازی کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ کیونکہ اس قسم کے حالات سے ہر شاہ و گدا، امیر و فقیر، ہر عالم و جاہل کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس لیے ان سے سوال کیا جا رہا ہے کہ اس وقت تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ تمہارے بت، یہ معبودان باطل تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ہے جو طوفانوں میں گھری ہوئی تمہاری کشتی کو سلامتی سے کنارے لگا دیتا ہے تو پھر تم کیوں نصیحت قبول نہیں کرتے اور کیوں اس کی توحید پر سچے دل سے ایمان نہیں لاتے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کو حالت اضطرار میں جس طرح اپنے مولا کریم کے سامنے دعا کرنے کا سبق دیا ہے وہ تحریر ہے تاکہ سب غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اس سے استفادہ کر سکیں۔ عن ابی بکرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دعاء المضطر:

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ (قرطبی عن ابی داؤد الطیالسی)

"اے اللہ! میں صرف تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ مجھے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔ میرے کام درست فرما دے۔ تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔"

پھر ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جب رات کی تاریکیوں میں تم سفر کر رہے ہوتے ہو، اس وقت منزل مقصود کا پتہ تمہیں کون دیتا ہے۔ اسی کے روشن کیے ہوئے ستاروں کو دیکھ کر تم اپنا راستہ دریافت کرتے ہو۔ اگر دن کے وقت جبکہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوتی ہے یا رات کے وقت جب ستارے چمک رہے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں بھٹکا دے تو

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا

(یعنی بارش) اپنی رحمت سے پہلے ۵۲؎ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ برتر ہے اللہ تعالیٰ ان سے جنھیں

يُشْرِكُونَ ﴿٦٣﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ

وہ شریک بناتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو آغاز کرتا ہے آفرینش کا پھر دوبارہ پیدا کرے گا اسے اور کون ہے جو رزق دیتا ہے

مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ ۚ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ

تمہیں آسمان سے اور زمین سے ۵۳؎ کیا کوئی اور خدا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ؟ فرمائیے (اے مشرکو) پیش کرو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٤﴾ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

اپنی کوئی دلیل اگر تم سچے ہو ۵۴؎ آپ فرمائیے (خود بخود) نہیں جان سکتے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں غیب کو

الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٦٥﴾ بَلِ ادَّارَكَ

سوائے اللہ تعالیٰ کے ۵۵؎ اور وہ یہ بھی نہیں سمجھتے کہ انھیں کب اٹھایا جائے گا ۵۶؎ بلکہ گم ہو گیا ہے ان کا

کوئی اور خدا ہے جو اس وقت تمہاری دستگیری کے لیے آگے بڑھے اور تمہیں تمہاری منزل پر پہنچا دے۔ ہرگز نہیں۔

۵۲؎ اس کی ایک اور مہربانی پر غور کرو جب مینہ برستا ہے تو اچانک ہی برسنا شروع نہیں ہو جاتا بلکہ اس سے پہلے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے شروع ہوتے ہیں جس سے فرحت ہوتی ہے، تمہاری بجھی ہوئی طبیعت اور افسردہ مزاج شگفتہ ہو جاتا ہے بلکہ بارش سے پہلے جو احتیاطی تدابیر تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کے لیے تمہیں کافی موقع مل جاتا ہے۔ تو تم ایسے رحیم اور کریم خدا کو چھوڑ کر کیوں دوسری چیزوں کو اپنا خدا بناتے ہو۔ کچھ تو سوچو عقل سے کچھ تو کام لو۔

۵۳؎ اللہ تعالیٰ کو وہ خالق تو مانتے تھے لیکن اعادۂ حیات اور وقوعِ قیامت کے وہ قائل نہ تھے۔ انھیں سمجھایا جا رہا ہے کہ جب وہ پیدا کر سکتا ہے جو بہت پیچیدہ اور مشکل کام ہے تو وہ اعادہ کیوں نہیں کر سکتا جو پہلے کام سے بدرجہا آسان ہے۔

۵۴؎ اپنے تمام افعال اور صفات کمال میں وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ آخر میں فرمایا کہ یہ روشن حقیقتیں جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہیں اگر تمہارے پاس ان کے خلاف یا ان میں سے کسی ایک کے خلاف بھی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو۔ تمہیں اذنِ عام ہے۔

۵۵؎ اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ ذکر کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا بیان ہو رہا ہے۔

اور بتایا جا رہا ہے کہ تخلیق کائنات، تدبیر شئون عالم، خستہ دلوں اور آشفتہ حالوں کی فریادرسی، رزق رسانی وغیرہا صفات میں جس طرح اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ غیب کسے کہتے ہیں، اس کا مفہوم کیا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: مالا یقع تحت الحواس ولا تقتضیہ بداھۃ العقل (المفردات) یعنی وہ علم جو حواس کی رسائی سے بالاتر ہو اور جو قوت عقل سے بھی حاصل نہ کیا جا سکے اسے غیب کہتے ہیں۔ آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو بھی موجود ہیں، فرشتے، جنات، انسان جن میں علماء، اولیاء، انبیاء اور اولوالعزم رسل بھی داخل ہیں اور دیگر لوگ کوئی بھی الغیب کو نہیں جان سکتے۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ عالم الغیب ہے جس طرح اس کی ذات میں اور اس کی دیگر صفات میں کوئی ہمسری کا دم نہیں مار سکتا۔ اسی طرح اس کی صفت علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی شخص اس کی صفت علم میں کسی کو شریک بنائے گا تو وہ بھی اسی طرح مشرک ہوگا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوگا جس طرح اس کی دوسری صفات میں کسی کو شریک بنانے والا یا اس کی ذات کی طرح کسی کو واجب الوجود ماننے والا مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

قرآن کریم کی آیات کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان اس بات کا خیال رکھے کہ آیات کا ایسا مفہوم اور تشریح نہ بیان کی جائے جو قرآن کی دوسری آیات کے سراسر خلاف ہو۔ ورنہ وہ قرآن حکیم کی حقانیت ثابت کرنے کے بجائے اپنے سامعین کے دل میں یہ غلط فہمی پیدا کرنے کا سبب بن جائے گا کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیتوں سے ٹکراتی ہیں اور تکذیب کرتی ہیں (العیاذ باللہ) اور وہ کتاب جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کا ابطال کر رہا ہو اسے کسی عقلمند انسان کا کلام بھی نہیں کہا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خداوند علیم و حکیم کا کلام مانا جائے جو ہمہ بین بھی ہے اور ہمہ دان بھی۔

قرآن کریم نے اپنے کلام الٰہی ہونے پر دیگر دلائل کے علاوہ ایک یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں پایا جاتا۔

ارشاد ہے: لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (۴: ۸۲)

یعنی یہ اگر اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا تو تم اس میں جگہ جگہ پر اختلاف اور تضاد پاتے۔ گویا قرآن میں اختلاف کا نہ پایا جانا اس بات کی محکم دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

اگر تدبر و فکر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر اس آیت کا ترجمہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین و آسمان میں جو مخلوق بھی ہے وہ غیب کو نہیں جانتی۔ حالانکہ قرآن کی بے شمار آیتوں سے ہمیں فرشتوں کا، نزول وحی کا، قیامت، جنت و دوزخ کا علم ہے اور ان پر ہمارا ایمان ہے۔ حالانکہ یہ تمام عالم غیب کی چیزیں ہیں نیز کثیر آیات اور متواتر صحیح احادیث سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا امور غیبیہ پر مطلع ہونا ثابت ہے اس لیے ہمیں اس آیت میں غور کرنا چاہیے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے اور بتلائے بغیر کوئی بھی غیب پر آگاہ نہیں ہو سکتا۔ خود قرآن حکیم نے بھی اس قول کی تصدیق فرما دی۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (۷۲: ۲۶، ۲۷) "اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے اور وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوائے

اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اس آیت نے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی دوسری تمام صفات کی طرح اس کی یہ صفت بھی قدیم ہے، ذاتی ہے اور غیر متناہی ہے یعنی ایسا نہیں کہ وہ پہلے کسی چیز کو نہیں جانتا تھا اور اب جاننے لگا ہے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ سے ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی، اس کی عین حیات میں بھی اور اس کے مرنے کے بعد بھی اپنے علم تفصیلی سے جانتا ہے۔ نیز اس کا یہ علم اس کا اپنا ہے کسی نے اس کو سکھایا نہیں ہے۔ نیز اس کے علم کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت۔ اگر کوئی شخص کسی بھی چیز کا یکسانیت کے اعتبار سے، تعداد اور کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا کسی کے لیے اثبات کرے تو وہ حاست نزدیک شرک کا مرتکب ہوگا۔

اس لیے حضور پر نور امام الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا علم مبارک خداوند کریم کے علم کی طرح قدیم نہیں بلکہ حادث ہے یعنی پہلے نہیں تھا بعد میں اللہ تعالیٰ کے تعلیم کرنے سے حاصل ہوا۔ خداوند کریم کے علم کی طرح ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سکھانے سے حاصل ہوا نیز حضور سرور عالم کا علم خداوند کریم کے علم کی طرح غیر متناہی اور غیر محدود نہیں بلکہ متناہی اور محدود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ حضور پرنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی نسبت اتنی بھی نہیں جتنی پانی کے ایک قطرہ کو دنیا بھر کے سمندروں سے ہے۔

ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حادث، عطائی اور محدود علم اتنا محدود نہیں جتنا بعض حضرات نے سمجھ رکھا ہے۔ اس کی وسعتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے یا لینے والا یا سکھانے والا کر سکتا ہے یا سیکھنے والے کو۔ ہم تم کس گنتی میں ہیں جبریل امین بھی وہاں دم مارنے کی مجال نہیں رکھتا۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ اس نے جو کچھ وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی علم و معرفت کی وہ وسعتیں اور بے کرانیاں جس پر بیان کا ہر جامہ تنگ ہے۔ اس کی حد بندی ہم کرنے لگیں گے تو سوائے اس کے نہیں کہ اپنی سمجھ کی تباہی کا اظہار کیا ہوگا۔

اس تکبیر رحمن نے اپنی زبان حق ترجمان سے ہمیں خود جو کچھ بتایا ہے ہم اس کو حق تسلیم کرتے ہیں اور اسی پر ہمارا ایمان ہے اسی کی زبان پاک سے نکلا ہوا یہ قول طیب ہم نے سنا ہے:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأیت ربی عز وجل فی احسن صورۃ قال فیم یختصم الملأ الاعلی قلت انت اعلم قال فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردہا بین ثدیی فعلمت ما فی السموات والارض۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آج میں نے اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی زیارت کی ہے بڑی حسین اور پیاری صورت میں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی۔ جس کی ٹھنڈک میں نے سینے میں محسوس کی۔ پھر میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں تھا اور زمین میں تھا:

اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینہا بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں"

ترجمہ: پس جو چیز آسمانوں میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا اور جو چیز زمین میں تھی اسے بھی میں نے جان لیا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی .... یعنی اس ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزوی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور ان کا میں نے احاطہ کر لیا۔

علامہ علی القاری علیہ الرحمۃ اپنی کتاب المرقاۃ شرح المشکوٰۃ میں پہلے اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد شارح بخاری علامہ ابن حجر کا قول نقل کرتے ہیں۔ میں یہاں اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے فقط علامہ ابن حجر کے قول پر اکتفا کرتا ہوں:

قال ابن حجر اى جميع الكائنات التى فى السمٰوٰت بل وما فوقها ...... والارض هى بمعنى الجنس اى وجميع ما فى الارضين السبع وما تحتها ...... وفيه ايماء بانه تعالى ارى ابراهيم عليه الصلوٰة والسلام ملكوت السمٰوٰت والارض وكشف له ذالك وفتح على ابواب الغيب۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۴۰۳)

ترجمہ: علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات ساتوں زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ میں نے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھائی تھی اور اسے آپ پر منکشف کیا تھا اور مجھ پر اللہ تعالیٰ نے غیب کے دروازے کھول دیئے ہیں۔

ممکن ہے اس حدیث کی سند کے بارے میں کسی کو شک ہو اس لیے اس کے متعلق مشکوٰۃ کے مصنف کی رائے خود سے سن لیجئے جو انہوں نے یہ حدیث متعدد طرق سے نقل کرنے کے بعد تحریر کی ہے۔ اگر دل میں حق پذیری کا جذبہ موجود ہے تو تشفی یقیناً تسلی ہو جائے گی۔

رواه احمد والترمذى وقال حسن صحيح وسألت محمد بن اسمٰعيل البخارى عن هذا الحديث فقال هذا حديث صحيح۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الصلوٰۃ)

اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا هذا حديث صحيح: یہ حدیث صحیح ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

قام فينا رسول الله صلى الله عليه وسلم مقاما ما ترك شيئا يكون فى مقامه ذالك الى قيام الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه قد علمه اصحابى هؤلاء وانه ليكون منه الشئ قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا راٰه عرفه۔

ترجمہ: ایک روز حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہوئے اور قیامت تک ہونے والی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا ذکر حضور نے نہ فرمایا ہو۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا۔ بھلا دیا اسے

جس نے بھلا دیا میرے یہ سارے صحابہ اس کو جانتے ہیں۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ کوئی ایسی شے وقوع پذیر ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں تو اسے دیکھتے ہی مجھے یاد آجاتا ہے (کہ حضور نے یونہی فرمایا تھا) بالکل اس طرح جیسے تیرا کوئی واقف آدمی کافی عرصہ تجھ سے غائب رہا ہو۔ اور جب تو اسے دیکھے تو تو اسے پہچان لیتا ہے۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے:۔

عن عمرؓ قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذلک من حفظہ ونسیہ من نسیہ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام فرما ہوئے اور تخلیق کائنات کی ابتداء سے لے کر اہل جنت کے اپنی منازل میں اور اہل دوزخ کے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہونے تک کے تمام حالات سے ہمیں خبر دی۔ یاد رکھا اس کو جس نے یاد رکھا بھلا دیا اسے جس نے بھلا دیا"

علامہ ملا علی القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ طیبی کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

قال الطیبی حتی غایۃ اخبرنا ای اخبرنا مبتدأ من بدء الخلق حتی انتھی الی دخول اھل الجنۃ الجنۃ ووضع الماضی موضع المضارع مبالغۃ للتحقیق المستفادۃ من قول الصادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں حتیٰ کا لفظ بیان غایت کے لیے ہے یعنی حضور نے اپنے اس جامع خطبہ میں کائنات کی آفرینش سے لے کر اس وقت تک کے تمام حالات بیان فرمائے جبکہ جنتی اپنے اپنے محلات میں قیام پذیر ہو جائیں گے۔ پھر فرماتے ہیں کہ جنتیوں کا جنت میں دخول تو زمانہ مستقبل میں ہوگا اس لیے حتی یدخل یعنی مضارع کا صیغہ استعمال ہونا چاہیے تھا۔ حدیث میں ماضی کا صیغہ (حتی دخل) کیوں استعمال ہوا ہے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ کیونکہ یہ خبر دینے والا صادق (سچا) اور امین (دیانتدار) رسول ہے۔ اس لیے آئندہ کے متعلق جو فرمایا کہ ایسا ہوگا اس کا ہونا بھی اتنا ہی یقینی ہے جتنا اس بات کا جو پہلے واقع ہو چکی ہو۔

اللہ تعالیٰ اسلاف کرام کا نور ایمان عطا فرمائے تب ہی کتاب و سنت کے آئینہ میں حق کا رخ زیبا نظر آتا ہے ورنہ ساری عمر شک وشبہ کی تنہائیوں میں دامن الجھا رہتا ہے۔ اور قیل وقال سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

قرآن کریم کی آیات طیبات اور ان احادیث صحیحہ کے بعد ہم کسی سے اپنے مومن ہونے کا سرٹیفکیٹ لینے کے لیے یہ مانتے۔ یا زبان پہ لاتے یا اس کا تصور کرنے کے لیے بھی تیار نہیں کہ شیطان کا علم حضور عالم کے علم سے زیادہ ہے یا ایسا علم ہر کافر اور ہر سفیہ کو بھی حاصل ہے۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔

اس آیت کا جو مفہوم میں نے بیان کیا علماء کرام کی تصریحات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی بغدادی

اس پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

ولعل الحق ان یقال ان علم الغیب المنفی عن غیرہ جل وعلا هو ما کان للشخص لذاتہ ای بلا واسطۃ فی ثبوتہ لہ . . . وما وقع للخواص لیس من هذا العلم المنفی فی شیء ضرورۃ انہ من الواجب عز وجل افاضہ علیہم بوجہ من وجوہ الافاضۃ۔ (روح المعانی جلد ۲۰ صفحہ ۱۱)

ترجمہ: یعنی حق بات یہ ہے کہ جس علم غیب کی نفی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اسے خود بخود نہیں جان سکتا۔ اور خاص بندوں کو جو علم حاصل ہے وہ یہ علم نہیں جس کی آیت میں نفی کی گئی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فیض رسانی سے انہیں حاصل ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی فیض رسانی کے متعدد وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے انہیں مرحمت فرمایا ہے۔

علامہ موصوف اس سے آگے چل کر لکھتے ہیں:

وبالجملۃ علم الغیب بلا واسطۃ کلا او بعضا مخصوص باللہ جل وعلا لا یعلمہ احد من الخلق اصلا

ترجمہ: یعنی ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ علم الغیب بلا واسطہ کلاً او بعضاً اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہے یعنی نہ سارا علم غیب بغیر اس کے بتائے کوئی جان سکتا ہے اور نہ بعض کوئی جان سکتا ہے۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وغیرہ تعالیٰ لا یعلم الا بتعلیمہ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جان سکتا مگر اس کے بتانے اور سکھانے سے۔"

آخر میں اپنی رائے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قلت ویمکن ان یکون التقدیر لا یعلم من فی السموات والارض الغیب شیئا الا باللہ ای بتعلیمہ (مظہری)

"یعنی میں کہتا ہوں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھانے کے بغیر غیب کو نہیں جان سکتی۔"

اس تحقیق کے بعد بھی اگر کوئی صاحب ہم اہل السنت پر شرک کا الزام لگائے تو اس کی مرضی۔ اس آزادی کے دور میں ہم اس کے لیے دعائے ہدایت کے بغیر کیا کہہ سکتے ہیں۔ البتہ اسے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس بہتان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ اور اس پر آشوب دور میں امت مصطفیٰ علی نبیہا افضل الصلوات وانکی التسلیمات میں تفرقہ و فساد کا دروازہ کھولنے پر اسے روز حشر جوابدہ ہونا ہوگا۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

۶۶ کفار مکہ نے حضور سے پوچھا کہ جس قیامت سے آپ صبح و شام ہمیں ڈراتے رہتے ہیں وہ ذرا یہ تو بتایئے وہ

عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُمْ

علم آخرت کے متعلق ختم ہو گیا بلکہ وہ تو اس کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ وہ اس سے

مِّنْهَا عَمُونَ ﴿٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا

اندھے ہیں۔ اور کفار کہنے لگے کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا

لَمُخْرَجُونَ ﴿٦٧﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِن قَبْلُ إِنْ

بھی تو کیا ہمیں (پھر) نکالا جائے گا۔ بیشک قیامت کے آنے کا وعدہ ہم سے بھی کیا گیا اور ہمارے باپ دادا سے بھی اس سے پہلے (بھی)

کس سن میں کس تاریخ کو آئے گی۔ ان کے جواب میں فرمایا کہ ان کو اس کا شعور نہیں کہ وہ کب آئے گی۔

۱۰۸؎ اِدّٰرَکَ اصل میں تدارک ہے۔ تا کو دال میں ادغام کیا اور ہمزہ وصل بڑھایا گیا تا کہ ابتدا بالساکن سے بچا جائے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اِدّٰرَکَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا معنی انتہا کو پہنچنا، فنا ہو جانا ہے۔ جب پھل پک جاتا ہے اور توڑ لینے کے قابل ہو جاتا ہے تو عرب کہتے ہیں ادرکت الثمرۃ۔ پھل نے اپنی پختگی کی نہایت کو پالیا ہے۔ اس کے بعد اسے توڑ لیا جاتا ہے اور پھر وہ اپنی شاخ پر چمکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ نیز جب کوئی قوم یکے بعد دیگرے قتل ہو جاتی ہے، برباد ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے تدارک بنو فلان اذا تتابعوا فی الھلاک۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کا یہی مفہوم منقول ہے۔ اضمحل علمھم یعنی قیامت کے متعلق ان کا علم مضمحل ہو گیا۔ وقوع قیامت پر انہیں یقین ہی نہ رہا۔ اور یہ آیت سابقہ آیت کے آخری حصہ وما یشعرون کی تفسیر ہے۔ (کبیر)

علامہ قرطبی نے بڑی سادگی اور عمدگی سے اس کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے۔ بل معنی ہل و غاب علمھم فی الآخرۃ فلیس لھم فیھا علم (قرطبی) یعنی قیامت پر انہیں پختہ یقین ہے۔ دل ہی دل میں اس کے وقوع کو مانتے ہیں لیکن ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اقرار کی جرأت نہیں کر سکتے۔

۱۰۹؎ قیامت کے متعلق وہ ہمیشہ ایک ہی رٹ لگاتے رہتے تھے کہ آج ہمیں بھی بار بار قیامت کے آنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ جیسے پہلے ہمارے آبا و اجداد کو بھی اسی قسم کی دھمکیاں دی جاتی تھیں۔ صدیاں بیت گئی ہیں ابھی تک تو قیامت کے آنے کے آثار ہی نظر نہیں آئے۔ یہ ایک انہونی سی بات ہے۔ خواہ مخواہ ان پادریوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ خود تو تھوڑی ہی خشک مزاج ہیں ہماری عیش و طرب کی اس دلفریب زندگی اور خوشیوں سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔

هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

یہ وعدہ مگر پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے۔ آپ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں پھر (اپنی) آنکھوں سے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٦٩﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ

دیکھو کہ کیسا ہولناک انجام ہوا مجرموں کا۔ اور اے محبوب! آپ غمزدہ نہ ہوں ان (کے رویہ) پر اور دل تنگ

فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ

نہ ہوا کریں ان کے مکر و فریب سے۔ اور وہ پوچھتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے

صٰدِقِيْنَ ﴿٧١﴾ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ

ہو۔ آپ فرمائیے قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگا ہو اس عذاب کا کچھ حصہ جس کے لیے

تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ

تم جلدی مچا رہے ہو۔ اور بیشک آپ کا رب بہت فضل و کرم کرنے والا ہے لوگوں پر۔ لیکن

۶۹؎ ان کے اس اعتراض کا جواب اس آیت میں دے دیا گیا کہ تم انہی لوگوں کی پیروی کر رہے ہو جنہوں نے تم سے پہلے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ ان کی دعوت کو قبول نہ کیا قیامت کا انکار کرتے رہے۔ تم زمین میں سیر و سیاحت کرو اور اپنی آنکھوں سے ان مجرموں کا عبرتناک انجام دیکھو۔ اگر تم یہ نہیں چاہتے کہ تم بھی اس قسم کے انجام سے دوچار ہو تو ان کے انکار و عناد کی روش ترک کر دو اور اطاعت و انقیاد کا راستہ اختیار کرو۔

۷۰؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۷۲؎ یکون اور ردف دونوں فعل ہیں۔ اور ان کا فاعل بعض ہے۔ تنازع فعلین کی وجہ سے ایک کا فاعل اسم ظاہر ہوگا اور دوسرے کا اسم ضمیر جس کا مرجع وہ اسم ظاہر ہوگا۔

علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ عسی، لعل اور سوف کے الفاظ سے جب بادشاہ وعدہ کریں تو وہ جزم اور یقین کا فائدہ دیتے ہیں بادشاہ اور بڑے لوگ ایسے ہی اپنے ارادہ کا اظہار کرتے ہیں تاکہ انہیں جلد بازی کی شہرت نہ ہو۔ اسی لیے جب اللہ اپنے وعدہ اور وعید میں یہ الفاظ فرماتے تو ان سے مراد یقین و جزم ہی ہوتا ہے۔ وعلیہ جری وعد اللہ ووعیدہ (بیضاوی)

أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ

اکثر لوگ ناشکری کرتے ہیں ۷۱ اور یقیناً آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپا رکھا ہے

صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ

ان کے سینوں نے اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور نہیں کوئی پوشیدہ چیز آسمان اور زمین

وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٧٥﴾ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَىٰ

میں مگر اس کا بیان کتاب مبین میں موجود ہے ۷۲ بلاشبہ یہ قرآن ۷۳ بیان کرتا ہے

بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٧٦﴾ وَإِنَّهُ

بنی اسرائیل کے سامنے اکثر ان امور کی حقیقت، کہ جن میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور بلاشبہ یہ

۷۱ ورنہ ادھر وہ گناہ کا ارتکاب کرتے ادھر ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا۔ اس کی اتنی واضح رحمتوں کے باوجود بھی لوگ شکر نہیں کرتے۔

۷۲ ہر مخفی سے مخفی چیز کتاب مبین میں لکھ دی گئی ہے۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور مبین کی صفت اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جن ملائکہ کو لوح محفوظ دیکھنے کی اجازت ہے وہ جب اسے دیکھتے ہیں تو یہ مخفی امور ان پر واضح ہو جاتے ہیں۔

ما من شيء شديد الغيبوبة والخفاء... إلا أثبته الله في اللوح المحفوظ والمبين الظاهر لمن ينظر فيه من الملائكة (رازی) — الظاهر لمن ينظر فيه من الملائكة (مظہری)

علامہ آلوسی نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ کتاب مبین سے مراد قرآن حکیم ہے پھر لکھتے ہیں کہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض عارفوں نے سلاطین عثمانی کے نام ہر ایک کی مدت حکومت یہاں تک کہ سب سے آخری سلطان ان میں سے کون ہو گا یہ سب چیزیں سورۃ فاتحہ سے استخراج کی ہیں۔ (روح المعانی)

۷۳ یہود و نصاریٰ کا باہمی اختلاف تو اظہر من الشمس ہے۔ لیکن ہر قوم آپس میں بھی سینکڑوں فرقوں میں بٹی ہوئی ہے جو ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نصاریٰ کے باہمی اختلاف کو دیکھو کہ بات کہاں تک چلی گئی ہے۔ کوئی آپ کو خدا، کوئی خدا کا بیٹا، کوئی تین اقانیم سے ایک اقنوم اور کوئی آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول کہتا ہے۔ اسی طرح بیشمار مسائل میں ان کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے۔ قرآن کریم نے انہیں حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر وہ اس کی دعوت

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَمَآ أَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۚ

قرآن سراپا ہدایت اور مجسم رحمت ہے مومنوں کے لیے ۶۷ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ۶۸ ان کے درمیان اپنے حکم سے اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا۔ سو آپ بھروسہ کریں اللہ تعالیٰ پر بیشک آپ روشن حق پر ہیں ۶۹ بیشک آپ نہیں سنا سکتے مردوں کو ۷۰ اور نہ آپ سنا سکتے ہیں بہروں کو اپنی پکار جب وہ بھاگے جا رہے ہوں پیٹھ پھیر کر۔ اور نہیں آپ ہدایت دینے والے (دل کے) اندھوں کو ان کی

قبول کریں قرآن کا یہ باہمی جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔

۶۷ اگرچہ یہ کتاب سارے جہان کے لیے ہدایت و رحمت ہے لیکن اس سے فائدہ اٹھانے والے صرف اہل ایمان ہیں اس لیے گویا یہ انہی کے لیے ہدایت و رحمت ہے فانهم هم المنتفعون به دون الكفار من اهل الكتاب وغيرهم (مظہری)

۶۸ ایک دن وہ آنے والا ہے جب خود مولا کریم ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔

۶۹ سارا باطل اگرچہ اسلام کو مٹانے کے لیے ایک دوسرے سے مکمل تعاون کر رہا ہے لیکن آپ خوفزدہ نہ ہوں۔ اپنے رب پر کامل بھروسہ کریں۔ وہ عزیز و حکیم ضرور آپ کی مدد فرمائے گا کیونکہ حق و صداقت کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ سچائی کا نور پھیلانے کے لیے آپ شب و روز کوشاں ہیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کی امداد نہ فرمائی جائے۔ انك على الحق المبين کہہ کر حضور کو اطمینان دلا دیا کہ واقعی آپ صراط مستقیم پر ثابت قدمی سے چلے جا رہے ہیں۔ اور جب کسی رہرو کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ سیدھا منزل محبوب کی طرف گامزن ہے۔ کہیں ادھر ادھر کسی پگڈنڈی پر مارا مارا نہیں پھر رہا تو پھر جس طرح اس کی ہمت جوان ہوتی ہے اور اس کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی جانکاہیوں کو محبوب حقیقی کی طرف سے اس قسم کی داد ملی ہو۔ جن کی جانفشانیوں پر کبھی تحسین و آفرین کے گلدستے نچھاور کیے گئے ہوں۔

۷۰ اے نبی کرم! جن لوگوں نے کفر و شرک کی تیغ قاتل سے اپنے قلب و روح کو مردہ بنا رکھا ہے انھیں پند و نصیحت

إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾ وَإِذَا وَقَعَ

گمراہی سے۔ نہیں سنا سکتے آپ بجز ان کے جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیتوں پر پس وہی فرمانبردار بن جاتے ہیں ۱۰۳ اور جب جاری ہو جائے گا

یہ تبلیغ و نصیحت اور یہ آیات قرآنی کا پڑھ پڑھ کر سنانا قطعاً فائدہ مند نہیں۔ انھوں نے خود اپنے ہاتھوں اپنی عقل وفہم کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ انھوں نے خود پھونکیں مار مار کر غور وفکر کا چراغ بجھا دیا ہے۔ انھیں یہ روشن سے روشن معجزات بھی حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ان کے ہدایت پذیر ہونے کے لیے مزید کوششیں کرنا یا ان کے کفر پہ جمے رہنے سے آزردہ خاطر ہونا مناسب نہیں۔ آپ نے اپنا فرض باحسن وجوہ ادا کر دیا۔ یہ ان کی اپنی بدبختی ہے کہ وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۱۰۳ آپ تو صرف ان لوگوں کو حق کی آواز سنا سکتے ہیں۔ آپ کی تبلیغ ان کے لیے ہی کارگر ہو سکتی ہے یہ آیاتِ بینات تو ان کو راہ ہدایت پر لا سکتی ہیں جن میں اب تک حق قبول کرنے کی استعداد ہو اور جن کا مشرف باسلام ہونا ہم نے مقدر کر دیا ہو۔

کئی ایسے حضرات بھی ہیں جو ان آیات کو لوگوں کے سامنے پڑھتے ہیں اور مقصد حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی تنقیص ہوتا ہے۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ دیکھو وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ کسی کو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔ بالکل کوئی اختیار نہیں رکھتے وغیرہ وغیرہ۔ کاش! وہ آیت کے اس حصہ کو بھی قابل غور تصور کرتے۔ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ الآیہ۔ اگر زیادہ غور وفکر کی فرصت نہیں ملتی تو اتنی سی بات کو ہی سمجھنے کی کوشش کرتے کہ اگر اندھے کے لیے سورج کی روشنی سود مند نہیں تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ سورج روشن ہی نہیں یا اس کی روشنی سے کسی کو فائدہ ہی نہیں۔ اگر چند اندھے دن کے اجالے میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ان گنت مخلوق تو آفتاب کی تابانیوں سے مستفید ہو رہی ہے یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں نے کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آپ کو مردہ، اپنی آنکھوں کو اندھا اور اپنے کانوں کو بہرا فرض کر لیا ہو اور اس لیے شور مچا رہے ہوں کہ دیکھو ہمیں تو کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا ہے کہاں ہے وہ تمہارا سورج جس کے متعلق تم کہتے ہو کہ وہ طلوع ہو گیا ہے اور اس کی کرنوں نے مشرق ومغرب کو منور کر دیا ہے۔ کیا اہل قبور سنتے ہیں یا نہیں۔ اس پر مفصل بحث سورۃ الروم میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں آپ اتنا ہی یاد رکھیں کہ آیت میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے۔ سمع (سننے) کی نفی نہیں۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب جنت البقیع میں آرام فرمانے والے اپنے غلاموں کے پاس تشریف لے جاتے یا شہداء احد کے مزارات پر قدم رنجہ فرماتے تو ان الفاظ سے اہل قبور کو سلام فرمایا کرتے۔

السلام علیکم یا اھل القبور۔

اے قبروں میں رہنے والو! تم پر سلام ہو۔

الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ

کہ ان پر پورا ہونے کا وقت آجائیگا تو ہم نکالیں گے ان کے لیے ایک چوپایہ زمین سے ۱۲۲؎ جو ان سے گفتگو کریگا کیونکہ

النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ

لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ اور جس روز ہم اکٹھا کریں گے ہر اُمت سے ایک

فَوْجًا مِّمَّن يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿٨٣﴾ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا

گروہ ان کا جو جھٹلایا کرتا تھا ہماری آیتوں کو پھر ان کو روک دیا جائیگا تاکہ پیچھے والے آملیں یہاں تک کہ جب وہ آجائیں گے تو اللہ

اور قبروں کی زیارت کے جو آداب حضورؐ نے اپنی اُمت کو تعلیم فرمائے ان میں بھی اسی طرح انھیں سلام کہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اور ایک بچہ بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کا کلام انہی سے کیا جاتا ہے جو سُن سکتے ہوں۔ اگر اہل قبور سُنا نہ کرتے تو سلام فرمانے کا یہ اعادہ نہ ہوتا۔ آمنا باللہ وما جاء بہ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

۱۲۲؎ قیامت کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے جو چیزیں بطور علامت ظاہر ہوں گی ان میں سے ایک خروج دابہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث ذکر کی ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

عن عبد اللہ بن عمرو قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اول الآیات خروجا طلوع الشمس من مغربها وخروج الدابة على الناس ضحى وايتهما كانت قبل صاحبتها فالاخرى على اثرها قريبا (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سُنا کہ قیامت کی اولین علامتوں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت دابۃ الارض کا نکلنا ہے۔ ان دونوں سے جو بھی پہلے واقع ہوا دوسرا اس کے فوراً بعد ہوگا۔

اس کے علاوہ اس کے قد و قامت، مقام خروج وغیرہ کے متعلق بڑی تفصیلات روایات میں مذکور ہیں لیکن امام رازی فرماتے ہیں:

واعلم انه لا دلالة في الكتاب على شيء من هذه الامور فان صح الخبر فيه عن الرسول صلى الله عليه وسلم قبل والا لم يلتفت اليه (كبير)

خوب جان لو کہ کتاب اللہ میں ان امور پر کوئی دلالت نہیں۔ جو چیزیں احادیث سے ثابت

قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ

فرمائیگا کیا تم نے جھٹلایا میری آیتوں کو حالانکہ تم نے اچھی طرح انھیں جانا بھی نہ تھا ف یا اس کے علاوہ اور کیا تھا جو

تَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ﴿٨٥﴾

تم کیا کرتے تھے ف اور پوری ہوگئی (راستی کی) بات ان پر بوجہ ان کے ظلم کے ف تو وہ (اس وقت) بول بھی نہ سکیں گے

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا

کیا انھوں نے غور نہ کیا کہ ہم نے بنایا ہے رات کو اس لیے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور بنایا ہے دن کو بینا ف

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٨٦﴾ وَيَوْمَ يُنفَخُ فِي

بیشک اس میں (ہماری قدرت کی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔ اور جس دن پھونکا جائے گا ف

الصُّورِ فَفَزِعَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن

صور تو گھبرا جائے گا ہر کوئی: جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ مگر جنھیں

ہوگی وہ مان لی جائے گی ورنہ اس کی طرف التفات نہیں کیا جاتے گا۔

ف قیامت کے روز تمام قوموں کے منکروں کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا جائیگا کسی میں جرأت نہیں ہوگی کہ اپنی جگہ سے ادھر ادھر سرک سکے۔

ف یعنی تم اتنے مغرور تھے کہ تم نے ہماری آیتوں میں تدبر کرنا ہی کسر شان سمجھا اور غور و فکر کے بغیر ہی ان کو جھٹلا دیا۔

ف یعنی اگر تم نے میری آیتوں کی تکذیب نہیں کی تو بتاؤ تم نے کیا کیا۔ اس الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل پیش کرو۔

ف یعنی جس ظلم و عدوان کا ارتکاب وہ عمر بھر کرتے رہے اور بار بار سمجھانے کے باوجود بھی وہ اس سے باز نہ آتے اس کی وجہ سے ہی انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اس وقت وہ اپنی صفائی پیش کرنے سے قاصر ہوں گے۔ کوئی عذر بھی پیش نہ کر سکیں گے چپ کھڑے رہیں گے گویا ان کے لبوں کو کسی نے سی دیا ہے۔ یا ان کی قوت گویائی سلب کر لی گئی ہے۔

ف اپنی رحمت بے پایاں اور حکمت بالغہ کی نشانیوں کی طرف ایک بار پھر ان کی توجہ مبذول کرا دی۔

ف جب حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم ملے گا کہ اب صور پھونکو کہ قیامت قائم ہو تو جب وہ خدائی بگل بجے گا

شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

نسے اللہ بچانا چاہے گا اور سب اس کے حضور عاجز بنے حاضر ہوں گے ۔ اور (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ

وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ

ٹھیرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال یہ کاریگری ہے اللہ کی جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا

بیشک وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ جو شخص نیک عمل لے کر آئے گا تو اسے کہیں بہتر بدلہ ملے گا اس نیک عمل سے

تو آسمان و زمین کی ہر چیز گھبرا جائے گی۔ ہر سمت خوف اور دہشت طاری ہو جائے گی۔ البتہ بعض ہستیاں ایسی بھی ہوں گی جو اس دن بھی مطمئن ہوں گی گویا کچھ تشویشناک بات ہوئی ہی نہیں۔ وہ لوگ کون ہوں گے؟ علامہ پانی پتی نے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء، ملائکہ اور شہداء کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی لا یفزعون البتۃ باذن اللہ (مظہری)۔

۹۰ داخرین کا معنی عاجز و درماندہ۔

۹۱ قیامت کے ہولناک مناظر میں سے ایک اور دل کو لرزا دینے والا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ اس روز پہاڑ اپنے حجم اور جسامت کے باعث دیکھنے والوں کو تو حسب سابق کھڑے ہوئے نظر آئیں گے لیکن حقیقت میں وہ بادلوں کی طرح تیزی سے حرکت کر رہے ہونگے۔ اس کے بعد اچانک ایسا جھٹکا ہوگا کہ پاش پاش ہو جائیں گے۔ ایک بم پھٹنے سے کیا آفت ٹوٹ پڑتی ہے اور جب پہاڑ جنبش میں آ جائیں گے اور پھر یکدم انہیں پھونک سے اڑا دیا جائے گا اس وقت کی ہولناکیوں کا کیونکر اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۹۲ کسی چیز کو محبت و مہارت سے مضبوط بنانے کو عربی میں اتقن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بنائی اسے ایسا مضبوط اور مستحکم بنایا کہ وقت سے پہلے فرسودگی یا ٹوٹ پھوٹ کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ آسمان ہزاروں صدیوں سے یونہی تنا ہوا ہے۔ اس کا کوئی گوشہ ڈھیلا نہیں ہوا۔ کوئی جگہ مرمت طلب نہیں۔ اس کی بنائی ہوئی کسی چیز کو دیکھو۔ پانی کی مقدار جو اس نے پہلے دن پیدا فرمائی ہے ساری دنیا اسے استعمال کر رہی ہے لیکن اس کی مقدار میں کمی نہیں ہوئی اور نہ ہی مزید پانی بنانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور نہ ہوگی۔ ہوا کا جو ذخیرہ روز اول سے فراہم کیا گیا۔ ساری چیزیں اس میں سانس لے رہی ہیں لیکن اس میں کمی نہیں ہوتی اور نہ ہوگی۔ ہر چیز ہمیں بتا رہی ہے کہ وہ صنع اللہ الذی اتقن کل شیء کی صنعت کا شاہکار ہے۔ حضور کریم کا ایک ارشاد گرامی بھی سماعت فرمائیے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا نبی کریم اس بات کو کتنا پسند کرتا ہے کہ حضور کا امتی جو کام کرے اس میں اپنی فنی پختگی اور صنعتی مہارت کا ناقابل تردید

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿۸۹﴾ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ

اور وہ نیک بندے اس دن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے [illegible] اور جو برائی لے کر آئے گا تو ان کو منہ کے بل اوندھا

وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

پھینک دیا جائے گا آگ میں (اسے بدکارو) کیا تمہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ [illegible]

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ

مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت و حرمت والا

ثبوت بہم پہنچاتے۔ کسی کام کو نیم دلی اور بے ترتیبی سے کرنا یا اس میں کوئی خامی اور نقص باقی رہنے دینا ہمارے آقا کو ہرگز پسند نہیں۔ ارشاد گرامی ہے:۔

ترجمہ: اللہ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا فَاَتْقَنَهٗ۔ خدا اس پر رحم کرے جو بھی کام کرے بڑی عمدگی سے کرے۔

پختگی، پائیداری اور نفاست کونسی چیز ہے جس کا ذکر اس مختصر سے جملہ میں نہ آگیا ہو۔ حضور اپنے غلاموں سے اسی چیز کی توقع رکھتے ہیں اور اسی کی تلقین فرماتے ہیں۔ علمی، تحقیقی اور دیگر میدانوں میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس حدیث کو ہمیشہ اپنے سامنے آویزاں کریں۔ علامہ اقبال نے بھی کیا خوب فرمایا ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر

[illegible] قیامت کے ہولناک مناظر اور دہشت خیز واقعات کا ذکر کرکے فرمایا کہ اس روز میرے وہ بندے جو میری رضا کے حصول کے لیے اپنی زندگیاں قربان کرکے حاضر ہوں گے وہ پریشان اور بے حال نہیں ہوں گے۔ بلکہ آج کا دن تو ان کے لیے بڑی مسرتوں اور شادمانیوں کا دن ہوگا اس دن تو انہیں نیک اعمال کا اجر ملے گا۔ اور اجر دینے والا خود رب العالمین ہوگا جو بڑا غنی اور بڑا کریم ہے جب دیتا ہے تو بے حساب دیتا ہے۔

[illegible] نافرمانوں کا جو حال ہوگا اس کو بھی بیان کر دیا تاکہ جو اپنے لیے اس انجام کو پسند نہیں کرتے وہ بروقت اپنی اصلاح کر لیں۔

[illegible] خانہ کعبہ کی وجہ سے مکہ مکرمہ کو جو عزت و شرف ارزانی ہوا ہے اس کی طرف توجہ دلانے کے لیے رب کی اضافت اس شہر کی طرف فرما دی۔ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی میں کسی لات و ہبل کا پرستار نہیں۔ کسی مجسمے نے خدا کا عبادت گزار نہیں۔ میری عبادتیں، میری نیاز مندیاں اور جبہ سائیاں تو فقط اس ذات یکتا و بے ہمتا کے لیے مخصوص ہیں جو اس بلدہ مبارکہ کا، اس شہر مقدس کا رب ہے۔ اور جس نے اس شہر کو لازوال سعادتوں کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ﴿۹۱﴾ وَ اَنْ اَتْلُوَا

بنایا ہے اس کو اور اسی کی ہے ہر شے ۹۸ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں نیز یہ بھی کہ میں

الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ

تلاوت کیا کروں قرآن کی ۹۹ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت قبول کرتا ہے اور جو

فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ وَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ

گمراہ ہوتا ہے (تو اس کی قسمت) فرما دیجیے میں تو صرف ڈرانے والوں سے ہوں اور آپ کہیے سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے

فَتَعْرِفُوْنَهَا ۚ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

ہیں ۱۰۰ وہ ابھی دکھائے گا تمھیں اپنی نشانیاں۔ تو تم انھیں پہچان لو گے اور نہیں ہے آپ کا رب بےخبر ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو

۹۸ میرا رب فقط اسی شہر کا رب نہیں بلکہ کائنات کی ہر چیز کا وہ مالک ہے۔ عرش اسی کا ہے فرش بھی اسی کا۔ حرم بھی اسی کا تم بھی اسی کے۔ مجھے تو اس نے یہی حکم دیا ہے کہ اسی کی عبادت کروں اور اس کی جناب میں اپنا سر نیاز جھکاؤں۔

۹۹ آخر میں پھر ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ آپ خود یہ کتاب تصنیف کرتے ہیں یا کسی سے سیکھ کر آتے ہیں اور پھر لوگوں کو سناتے ہیں تاکہ لوگ انھیں اپنا پیشوا مان لیں اور ہر طرف ان کی عزت و تکریم ہونے لگے۔ فرمایا نادانو! ایسا نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو مجھے تو اپنے مالک و خالق نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کا کلام پڑھ کر تمھیں سناؤں تاکہ تم لوگ گمراہی سے بچ جاؤ، تاکہ تمھیں اللہ کی معرفت کا سیدھا اور صحیح راستہ معلوم ہو جائے اور جب قیامت کے روز بارگاہ الٰہی میں تم حاضر ہو تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی رفاقت نصیب ہو اور جنت کی ابدی نعمتوں سے تمھیں سرفراز کر دیا جائے۔ غور سے سنو! یہ نبوت میرا کاروبار نہیں کہ میں تم سے کوئی دولت بٹورنا چاہتا ہوں۔ نہ میں سیاسی لیڈروں کی طرح اپنی ایک جماعت بنا کر مسند اقتدار پر قابض ہونا چاہتا ہوں۔ میں تو تمھارا سچا خیر خواہ ہوں۔ تمھیں بروقت فسق و فجور اور گمراہی کے انجام بد سے خبردار کر رہا ہوں۔ اگر تم نے میری بات مان لی تو اس کا فائدہ تمھیں ہی ہو گا اور اگر انکار ہی کرتے رہے تو اس کا وبال بھی تمھیں ہی اٹھانا ہو گا۔

۱۰۰ اے محبوب! ہم نے آپ پر جو فضل و کرم فرمایا ہے، جو عزت و شان بخشی ہے، رحمۃ للعالمینی کی جو خلعت فاخرہ آپ کو ارزانی فرمائی ہے، اور تیرے سر نیاز پر محبوبیت کا جو درخشاں تاج رکھا ہے، ختم رسالت کے جس عظیم و

اس بلند منصب پر تجھے فائز کیا ہے اور اس کے علاوہ جو بے اندازہ عنایات فرمائی ہیں ان پر ہماری حمد و ثنا کرتے رہو۔ ان شکر یوں پر ایک روز حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی۔

تعارف سُورۃ القصص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام القصص ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اٹھاسی، چھ رکوع، کلمات چار سو اکتالیس اور حروف پانچ ہزار آٹھ سو ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ بھی مکی زندگی کے درمیانی عہد میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک سورت ہے۔

مضامین: ویسے تو قرآن کریم کی تمام آیات کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی روشنی کا مینار ہے جس سے جادۂ حیات جگمگا رہا ہے لیکن یہاں تین امور کی طرف میں ضیاء القرآن کے قاری کی توجہ خصوصیت سے مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ استعماری طاقتوں، نیز ایمان سے محروم جابر حکمرانوں کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے اپنی رعایا کے مختلف طبقات میں منافرت پیدا کرتے رہتے ہیں ان کی ساری توجہ باہمی عداوت کی آگ بھڑکانے میں صرف ہو جاتی ہے۔ انھیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ منافرت و عداوت کی جو آگ وہ اپنی رعایا میں بھڑکا رہے ہیں کتنی جوانیاں اس میں بھسم ہو جائیں گی کتنی سہاگ لٹ جائیں گے کتنی ہنستی مسکراتی بستیاں اجڑ جائیں گی، ملک کی ترقی رک جائے گی۔ ان کے سامنے تو صرف اپنے ایوان اقتدار کو مستحکم بنانا ہوتا ہے۔ اگر ان کی رعایا میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے تو یہ ایک دن کے لیے بھی ان کی اس ظالمانہ حکومت کو برداشت نہ کریں۔ یہ لوگ اس خطرے سے بخوبی آگاہ ہیں۔ قرآن کریم نے اس سورت میں فرعونی سیاست کے خدوخال کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا ہے تاکہ کوئی شخص ان کے بلند بانگ دعووں سے دھوکا نہ کھائے اور ہر زمانہ کے اہل ملک ہمیشہ اس قسم کے حکمرانوں سے ہوشیار رہیں۔

۲۔ دوسری چیز جو اس سورت میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے وہ ایک سرمایہ دار کے ذہن کا تجزیہ ہے۔ قارون کے پاس دولت کی افراط ہے۔ اس کے خزینوں اور دفینوں میں بھری ہوئی دولت کا شمار آسان نہیں۔ صرف اس سے اندازہ لگائیے کہ اس کے خزانوں کی چابیوں کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ اسے ایک تنومند جماعت بھی آسانی سے نہیں اٹھا سکتی۔ دولت کی اس ریل پیل کے باوجود دل اتنا سخت اور سینہ اتنا تنگ ہے کہ اگر اس کو کلیم اللہ جیسا رسول نصیحت کرتا ہے کہ احسن کما احسن اللہ الیک تو وہ اسے خاطر میں لانے کے لیے تیار نہیں بلکہ بڑی بے حیائی سے اپنے کریم رازق کی

کرم گستری کا انکار کر دیتا ہے اور برملا کہتا ہے کہ مجھے یہ سیم و زر کے یہ انبار خدا نے نہیں دیئے بلکہ یہ میری ذہانت، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کا ثمرہ ہے۔ جب ذہن میں یہ چیز سما جاتی ہے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ اپنی دولت کو خلق خدا کی امداد کے لیے صرف کرے۔ ایسے ہی اہل ثروت کے شبستانوں کے سایوں میں انسانیت سسکتی رہتی ہے ایسے ہی دولت مند شرف انسانی کی قبا کو تار تار کرتے ہیں۔ انہی کے عشرت کدوں میں گناہ اور بداطواریوں کا کھوک بیوپار ہوتا ہے۔ یہیں غربت و افلاس کے چنگل میں پھنسے ہوئے انسانوں کو ٹھوکریں ماری جاتی ہیں اور آخر کار یہی ٹھوکریں ان بیاکوں کے ڈھیروں میں انتقام کی چنگاری کو سلگاتی ہیں جو بھڑک کر جہنم زار بن جاتی ہیں۔ جب ضبط و تحمل کے بند ٹوٹ جاتے ہیں تو سرخ سیلاب ہر اچھی بری چیز کو زیر و زبر کر دیتے ہیں۔ اہل ثروت کی سنگدلی، کنجوسی اور سرد مہری سے جو برائیاں جنم لیتی ہیں ان تمام کے دروازے پر ملامت کرتے ہوئے حضرت شعیب نے ان کی طرف واضح اشارہ فرمایا لا تبغ الفساد فی الارض یعنی اپنے اس طریقہ کار سے تو ملک میں فساد برپا نہ کر۔ یہ الفاظ اہل نظر کے لیے اپنے دامن میں پند و موعظت کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہیں۔

۴ - آخر میں میں آپ کی توجہ آیت ۸۳ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

اسلام کے نظام معاشیات، اسلام کے نظام قانون، اسلام کے نظام اخلاق کو اپنے ملک میں رائج کرنے سے ہمارے کوتاہ نظر اعیان حکومت کو جو خدشے اور خطرے دکھائی دیتے ہیں ان کا ازالہ فرما دیا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بیسویں صدی میں ہم نے چودہ سو سال پرانا نظام جاری کر دیا تو دنیا کی ترقی یافتہ قومیں ہم سے آنکھیں پھیر لیں گی اور ہم تنہا رہ جائیں گے۔ اس آیت میں غور کرنے سے یہ تمام غلط فہمیاں کافور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سُورَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَثَمَانُونَ آيَةً وَتِسْعُ رُكُوعَاتٍ

سورۃ القصص مکی ہے اور اس کی ۸۸ آیتیں اور ۹ رکوعات ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

طسٓمٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۲﴾ نَتْلُو عَلَيْكَ مِن

طا سین میم [1] یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی [2] ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو موسیٰ

نَّبَإِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳﴾ إِنَّ

اور فرعون کا کچھ واقعہ ٹھیک ٹھیک ان لوگوں کے فائدہ کے لیے جو ایمان لاتے ہیں [3] بیشک

فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ

فرعون متکبر و سرکش ابن گیا سرزمین (مصر) میں اور اس نے بنا دیا وہاں کے باشندوں کو کئی گروہ۔ وہ

[1] یہ حروف مقطعات ہیں:

[2] یعنی خود بھی روشن ہے۔ اور وہ احکام اور قصص وغیرہ جو اس میں مذکور ہیں ان کو بھی بڑی وضاحت سے بیان کرتی ہے۔

[3] موسیٰ علیہ السلام کا قصہ متعدد مقامات پر بیان ہوا ہے لیکن یہاں اس قصہ کی چند ایسی کڑیاں ذکر کی جا رہی ہیں جو کسی اور جگہ مذکور نہیں۔ اور اس کا مقصد وہ داستان سرائی نہیں بلکہ ان اہل ایمان کے دلوں کو توانائی اور شگفتگی بخشنا ہے جو ان دنوں مشرکین کے مظالم کا ہدف بنے ہوئے تھے تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ جس خداوند کریم نے فرعون جیسے تند خو اور متعصب مطلق العنان بادشاہ اور اس کی کثیر التعداد اور تنگ دل قبطی قوم کو غرق کر دیا تھا اور بنی اسرائیل جیسی کمزور قوم کو کامیاب کیا تھا وہی خدا ان کی مدد فرما رہا ہے۔ آخرکار کامیابی کا سہرا انہی کے سر باندھا جائے گا۔

[4] یہاں فرعونی سیاست کے سارے خدوخال کو مختصر الفاظ میں جس عمدگی سے بیان کر دیا گیا ہے یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قرآن حکیم خداوند علیم و خبیر کا کلام ہے جس سے کسی جابر بادشاہ کے اسرار سربستہ بھی مخفی نہیں۔ پہلے یہ بتایا کہ فرعون مصر کا حکمران تھا لیکن اس کے دل میں اپنی رعایا کیلئے ہمدردی، شفقت اور خیر خواہی کا قطعاً کوئی جذبہ نہ تھا۔ وہ

طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ

کمزور کر رکھا تھا ایک گروہ کو ان میں سے ۵ ذبح کیا کرتا ان کے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑ دیتا ان کی عورتوں کو بیشک

كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

وہ تھا برپا کرنے والوں سے تھا ۔ اور ہم نے چاہا کہ احسان کریں ان لوگوں پر جنہیں کمزور بنا دیا گیا تھا

ایک مغرور اور متکبر بادشاہ تھا جس کے پیش نظر فقط اپنا ذاتی مفاد اپنی حکومت کا استحکام اور اپنی شوکت و صولت کا بقا تھا اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر غیر اخلاقی بلکہ ہر غیر انسانی تجویز پر عمل کرنے سے گریز نہ کرتا تھا۔ خود سوچیے جس بادشاہ کی روش ایسی ظالمانہ اور سنگدلانہ ہو کیا اس کی رعایا اس سے محبت کرے گی۔ کیا اس کے لیے خیر سگالی کا کوئی جذبہ ان کے سینوں میں موجود ہو گا؟ اگر ان میں فکر و عمل کی وحدت پیدا ہو جائے تو وہ ایسے بے رحم حاکم کی حکومت کا تختہ الٹنے میں ذرا تامل نہیں کرے گی۔ ایسے بادشاہوں کی کامیابی کا راز فقط اسی میں مضمر ہوتا ہے کہ ان کی رعایا میں پھوٹ پڑی رہے وہ ایک دوسرے سے دست و گریباں رہیں اور انہیں ایک لمحہ بھی ایسا میسر نہ ہو جس میں وہ ایسے ظالم بادشاہ سے رہائی حاصل کرنے کے متعلق غور و فکر کر سکیں جس بادشاہ کی یہ سیاسی پالیسی کامیاب رہتی ہے وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہتا ہے چنانچہ فرعون نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور اپنی رعایا میں طرح طرح کے تفرقے کھڑے کر دیئے جس نے ان کے اتفاق کا دامن تار تار کر کے رکھ دیا۔ ممکن ہے کہ فرعون ہی اس موثر طریقہ کار کا موجد ہو جس کو اس کے پیروکار آج تک بڑی احتیاط سے اپنی سیاسی پٹاری میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور جب بھی ضرورت پڑتی ہے تو اسی تیر بہدف نسخہ کو استعمال کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی وجعل اھلھا شیعا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں اوقع بینھم العداوۃ کیلا یتفقوا علیہ (مظہری) یعنی اس نے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا اور ان کے درمیان عداوت کی آگ بھڑکا دی تھی تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے خلاف علم بغاوت نہ بلند کر سکیں۔

علامہ جوہری علا کا معنی کرتے ہیں علا فی الارض ای تکبر۔ (الصحاح) یعنی اس نے تکبر کیا۔

۵ اپنی قوم کے ساتھ تو اس کا یہ رویہ تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اس کی زیادتیاں ناقابل بیان ہیں کیونکہ بنی اسرائیل سے اسے بغاوت کا خطرہ کہیں زیادہ تھا۔ یہ خاندان یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں آبائی وطن سے ہجرت کر کے مصر میں اقامت پذیر ہوا تھا۔ تھوڑے سے عرصہ میں ان کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اپنی ذہنی تربیت اور عددی کثرت کے باعث فرعون کے لیے ہر وقت پریشانی کا باعث بنے رہتے تھے۔ اس نے ان کی طاقت کو توڑنے کے لیے متعدد منصوبے بنائے تھے۔ سب سے پہلے اس نے اپنی قوم کے دلوں میں قوم پرستی کا تعصب پیدا کیا اور انہیں ان کو بھڑکایا کہ یہ اجنبی ہماری زمینوں کے مالک بنے بیٹھے ہیں۔ تجارت میں یہ دخیل ہیں۔ سیاست کے ہر شعبے میں ٹانگ اڑانے سے یہ باز

فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ وَ

ملک (مصر) میں اور بنا دیں انہیں پیشوا [1] اور بنا دیں انہیں (فرعون کے تاج و تخت کا) وارث۔ اور (یوں) اقتدار

نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا

بخشیں انہیں سرزمین (مصر) میں اور ہم دکھائیں فرعون اور ہامان اور ان کی فوجوں کو ان کی

مِنْهُمْ مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ

جانب سے (وہی خطرہ) جس کا وہ اندیشہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے الہام کیا موسیٰ کی والدہ کی طرف کہ اسے

نہیں آتے۔ اگر تم نے ان کو یونہی بے لگام چھوڑے رکھا اور ان کے خلاف اپنا قومی محاذ استوار نہ کیا تو یہ کسی وقت بھی انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ صدیوں سے پہلو بہ پہلو شیر و شکر ہو کر رہنے والی دو قوموں (قبطی اور اسرائیلی) میں نفرت و حقارت کی خلیج وسیع کر دی اور قبطیوں کے دلوں میں اپنے ہمسایہ اسرائیلیوں کے لیے ہمدردی کے جتنے جذبات تھے ان کا قلع قمع کر دیا۔ ان کی بڑھتی ہوئی تعداد کو ختم کرنے کے لیے اس نے یہ سنگدلانہ تجویز سوچی کہ اسرائیل کے ہاں اگر کوئی لڑکا پیدا ہو تو گورنمنٹ کی طرف سے اسی وقت اس کو مار ڈالا جائے۔ چنانچہ بائیبل میں ہے:

"تب مصر کے بادشاہ نے عبرانی دائیوں سے کہا کہ جب عبرانی عورتوں کے تم بچہ جناؤ اور ان کو پتھر کی پیڑھیوں پر بیٹھی دیکھو تو اگر بیٹا ہو تو تم اسے مار ڈالنا اور اگر بیٹی ہو تو وہ جیتی رہے۔" (خروج ۱: ۱۵، ۱۶)

[1] فرعون کے ظالمانہ عزائم تو یہ تھے کہ بنی اسرائیل کو مختلف طریقوں سے بے بس اور کمزور کر دیا جائے تاکہ وہ اپنی قومی انفرادیت کو برقرار نہ رکھ سکیں اور آہستہ آہستہ قبطی قوم میں گھل مل جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی نہ تھی۔ وہ فیصلہ بدل کر رکھ دینے کو برقرار رکھنا چاہتا تھا چنانچہ فرمایا کہ ہم نے چاہا کہ جس قوم کو بہت سے ظلم و ستم کی چکی میں پیسا جا رہا ہے ان پر ہم اپنا فضل و کرم فرمائیں اور ان سرکشوں اور ظالموں کا تخت و تاج ان سے چھین کر بنی اسرائیل کو بخش دیں تاکہ فرعون اور اس کے بدنفس مشیر ہامان اور اس کے لشکریوں کو پتہ چل جائے کہ حقیقی بادشاہ ہم ہیں جس کو چاہتے ہیں تخت سلطانی پر بٹھا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں خاک مذلت پر رلنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔ تمہاری ساری احتیاطی تدبیریں، سیاسی حربے اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ عملی صورت میں کس طرح رونما ہوا اب اس کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ بھارت کی برہمن حکومت آج وہاں کی مسلم اقلیت سے بعینہ وہی سلوک کر رہی ہے جو فرعون نے کیا تھا۔ ہمیں یقین ہے قدرت خداوندی اس ستم زدہ اقلیت کی دستگیری کے لیے وہی ارادہ فرما رہی ہوگی۔

أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي

اسے دودھ پلاتی رہ پھر جب اس کے متعلق تمہیں اندیشہ لاحق ہو تو ڈال دینا اسے دریا میں اور نہ ہراساں ہونا

وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۷﴾

اور نہ غمگین ہونا۔ یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے ؎

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ

پس دریا سے نکال لیا اسے فرعون کے گھر والوں نے تاکہ ؎ وہ انجام کار بن جائے ان کا دشمن اور باعث رنج والم بیشک

فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿۸﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ

فرعون، ہامان اور ان کے لشکری خطا کار تھے ؎ اور کہا فرعون کی بیوی

فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا

نے (دیکھو) یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اسے قتل نہ کرنا۔ شاید یہ ہمیں نفع دے۔

؎ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا اپنے لخت جگر کو حکم الٰہی کے مطابق ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دینا پھر اس صندوق کا بہتے بہتے فرعون کے محل کے نزدیک سے گزرنا اور فرعون کی اہلیہ کا اسے اٹھانا پھر قصر شاہی میں اس کی تربیت کا انتظام فرما دینا وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام واقعات کی تفصیل سورہ طٰہٰ کے حواشی میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

؎ اگرچہ انہوں نے اس تابوت کو دریا سے اس لیے نہیں نکالا تھا کہ اس میں جو معصوم بچہ ہے وہ ان کی تباہی وبربادی کا باعث بنے۔ لیکن جب ان کے اس فعل کا انجام یہ ظاہر ہوا تو اس لیے لِيَكُونَ کا لفظ استعمال کیا۔ اس لام کو اہل لغت لام عاقبت کہتے ہیں۔

؎ بتایا جا رہا ہے کہ فرعون کو خدائی کا دعویدار تھا لیکن وہ یہ بھی نہ جان سکا کہ یہ بچہ انجام کار اس کی ہلاکت کا باعث بنے گا تو یہ عجیب خدا ہے جس کی بے علمی اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ اپنے دشمن کو بھی نہیں پہچان سکا۔ ہامان کو بھی اپنی فراست اور سمجھ بوجھ پر بڑا ناز تھا، وہ بھی اس چیز کو نہ سمجھ سکا۔ یقیناً ایسا جاہل خدا بننے کے قابل نہیں اور ہامان جیسے بدھو وزیر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ فرعون کی خدائی کا پرچار کرتا رہے۔

أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ

یا ہم اسے اپنا فرزند بنا لیں اور وہ (اس تجویز کے انجام کو) نہ سمجھ سکے[9] اور موسیٰ کی ماں کا دل بے قرار

مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ

ہو گیا[10] قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دے اس راز کو اگر ہم نے مضبوط نہ کر دیا ہوتا اس

قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠﴾ وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ ۖ

کے دل کو تاکہ وہ رہے اللہ کے وعدہ پر یقین کرنے والی۔ اور اس نے کہا موسیٰ کی بہن سے کہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لے

فَبَصُرَتْ بِهِ عَن جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١١﴾ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ

پس وہ اسے دیکھتی رہی دور سے۔ اور وہ اس (حقیقت) کو نہ سمجھتے تھے۔ اور ہم نے حرام کر دیں اس پر[12]

الْمَرَاضِعَ مِن قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ

ساری دودھ پلانے والیاں اس سے پہلے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کیا میں پتہ دوں تمہیں ایسے گھر والوں کا جو اس کی

يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ ﴿١٢﴾ فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ

پرورش کریں تمہاری خاطر اور وہ اس بچے کے خیر خواہ بھی ہوں گے۔ تو (اس طرح) ہم نے لوٹا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف

[9] فرعون اور اس کے تمام حواری اس بات کو نہ سمجھ سکے کہ اسی بچے کی وجہ سے سمندر کی موجیں انھیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائیں گی۔

[10] موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے نور نظر کی جدائی سے بے چین ہو گئیں۔ ان کا دل اپنے بچے کی یاد اور خیال کے سوا ہر چیز سے خالی ہو گیا۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ انھیں وہ وعدہ بھی یاد نہ رہا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا تھا کہتے ہیں کہ شیطان نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جا کر کہا کہ تو نے بچے کو اس بے رحم دریا کی موجوں کی نذر کیا کہ فرعون اسے قتل نہ کر دے لیکن تیرے بچے کو تو فرعون نے ہی اٹھایا ہے وہ اسے کب زندہ رہنے دے گا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو گھبراہٹ کی وجہ سے انھیں یہ بات بھول گئی — ان کادت: ان اصل میں انّ تھا اور اس کا اسم ضمیر شان ہے۔ ای انها کادت۔

[12] مراضع جمع مرضع کی یعنی ہم نے تمام دودھ پلانے والیوں کو آپ پر حرام کر دیا یا مرضع کی جمع ہے

تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ

تاکہ اسے دیکھ کر اس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور وہ اس کے فراق میں آزردہ نہ ہو اور وہ یہ بھی جان لے کہ بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ

لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ اور جب پہنچ گئے موسیٰ اپنے شباب کو اور ان کی نشوونما مکمل ہوگئی تو ہم نے انہیں

حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَدَخَلَ

حکم اور علم عطا فرمایا۔ اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ اور وہ شہر میں داخل

الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا

ہوئے ۲۲ اس وقت جب بے خبر سو رہے تھے اس کے باشندے۔ پس آپ نے پایا وہاں

اس صورت میں یا تو مصدری ہوگا تو اس کا معنی ہے لقد جو ہا یا ظرف ہوگا یعنی مُدتِ چڑھنے کی جگہ۔

۲۲ جس طرح ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل میں پروان چڑھ رہے ہیں جو نوجوان فرعون کا نورِ نظر بنا ہوا ہو وہ تو جب کسی شہر میں داخل ہوتا ہوگا بڑے تزک و احتشام سے داخل ہوتا ہوگا اور حکومت کے ملازمین اس کے استقبال کے لیے موجود ہوتے ہوں گے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ شہر میں اس وقت داخل ہوا جب لوگ آرام کر رہے ہوں اور لوگوں کو آپ کی آمد کا پتہ نہ چلے۔ یہ صورت حال آپ کی شاہزادگی کے ذرہ سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اس لیے مجھے تو اس کی یہی توجیہ زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وقتاً فوقتاً اپنی والدہ کے پاس جانے اور ان کی باتیں سننے کا موقع مل گیا تھا۔ ساری صورت حال سے آپ اچھی طرح آگاہ ہو گئے تھے نیز آپ کو اپنے جلیل القدر آباؤ اجداد کے منصب نبوت کا بھی آگاہی ہو چکی تھی۔ آپ نے جب دیکھا کہ فرعون خود خدا بنا بیٹھا ہے اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا ہے تو آپ کا موحد ذہن اس شرک صریح کو زیادہ عرصہ گوارا نہ کر سکا اور آپ کے پُرجلال مزاج نے فرعون کو اس ناشائستہ حرکت پر ٹوکا یہاں تک کہ قطع تعلق تک نوبت پہنچی اور آپ کو مجرم اور باغی سمجھا جانے لگا۔ چنانچہ اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے روپوش ہو گئے اور اگر کسی ضروری کام کے لیے آپ کو شہر میں آنا پڑتا تو آپ ایسے وقت میں آتے کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ یہ واقعہ بھی اس وقت پیش آیا جب آپ ایسے وقت شہر میں آئے جبکہ لوگ آرام کر رہے تھے۔ چنانچہ علامہ قرطبی اور دیگر محققین نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ قال ابن اسحٰق وكان في هذا الوقت قد اظهر خلاف فرعون وعاب عليهم عبادة فرعون والاصنام فدخل مدينة فرعون يوما على حين غفلة من اهلها۔ اور اس کے

رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۫ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَ هٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ

دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے علہ یہ ایک ان کی جماعت سے تھا اور یہ دوسرا ان کے دشمنوں سے پس مدد کے

الَّذِيْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِيْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى

لیے پکارا آپ کو اس نے جو آپ کی جماعت سے تھا اس کے مقابلہ میں جو آپ کے دشمن گروہ سے تھا تو آپ نے اسے گھونسا مارا

فَقَضٰى عَلَيْهِ ۫ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ

موسیٰ نے اس کو اور اس کا کام تمام کر دیا آپ نے فرمایا یہ کام شیطان کی انگیخت سے ہوا ہے بیشک وہ کھلا دشمن ہے بہکانے

مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ

والا۔ آپ نے عرض کی میرے پروردگار میں نے ظلم کیا اپنے آپ پر ملہ پس بخش دے مجھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا اسے

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ

بیشک وہی غفور رحیم ہے۔ عرض کرنے لگے میرے رب! مجھے اُن انعامات کی قسم جو تو نے مجھ پر

پیشے علامہ قرطبی لکھتے ہیں فکان لا یدخل مدینۃ فرعون الا خائفا مستخفیا (قرطبی)

سلہ جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں دست و گریباں ہیں ایک اسرائیلی ہے اور دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے آپ کو دیکھ کر مدد کے لیے پکارا۔ آپ آگے بڑھے کہ قبطی کو دست درازی سے منع کریں جب اُس نے بات نہ مانی تو آپ نے اسے ایک مکا رسید کیا۔ اُسے قتل کرنے کا آپ کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن وہ مکا جان لیوا ثابت ہوا اور اس کا قصہ تمام ہو گیا۔ اچانک جب یہ حادثہ رونما ہوا تو یقیناً آپ کو بڑی ملال و اذیت بھی ہوئی ہوگی کہ ناحق ایک جان تلف ہو گئی اور پھر یہ خدشہ بھی پیدا ہو گیا ہوگا کہ فرعون پہلے ہی درپئے آزار ہے جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوگا تو وہ مجھے جیتا نہ چھوڑے گا۔ چنانچہ جذبات و افکار کی اس کشمکش میں آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا ہوگا ھذا من عمل الشیطان۔

ملہ اس قتل میں اگرچہ آپ کے ارادہ و قصد کو قطعاً کوئی دخل نہ تھا بہرحال ایک جان تو تلف ہو گئی تھی اس لیے بارگاہ الٰہی میں بخشش و مغفرت کی التجا کرنے لگے۔ مغفرت کا معنی ڈھانپنا ہے ممکن ہے یہ بھی پیش نظر ہو کہ الٰہی پردہ پوشی فرما دے اور میرے دشمنوں کو اس فعل کی اطلاع نہ ملے۔ چنانچہ اس غفور رحیم نے اپنے بندے کی اس التجا کو قبول فرمایا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔

أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿١٧﴾ فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا

فرمائے ۱۱؎ اب میں ہرگز مجرموں کا مددگار نہیں ہوں گا۔ پھر آپ نے صبح کی اس شہر میں ڈرتے ہوئے۔ اس

يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اسْتَنصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ ۚ قَالَ

انتظار میں کہ کیا ہوتا ہے تو اچانک وہی شخص جس نے کل ان سے مدد طلب کی تھی آج پھر انہیں مدد کے لیے پکارتا ہے

قرآن کریم نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ قتل آپ سے بلا ارادہ صادر ہوا لیکن آپ کے اقبال کے جس طرح بائیبل میں اس واقعہ کو بیان کیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔

• اتنے میں موسیٰ جب بڑا ہوا تو باہر اپنے بھائیوں کے پاس گیا اور ان کی مشقتوں پر اس کی نظر پڑی اور اس نے دیکھا کہ ایک مصری اس کے عبرانی بھائی کو مار رہا ہے۔ پھر اس نے ادھر ادھر نگاہ کی اور جب دیکھا کہ وہاں کوئی دوسرا آدمی نہیں ہے تو اس مصری کو جان سے مار کر اسے ریت میں چھپا دیا۔

(خروج ۲: ۱۱، ۱۲)

قرآن کریم کا یہ کتنا احسان ہے کہ اس نے انبیاء کرام کے۔ من پہ لگے ہوئے سارے داغوں کو دھو کر صاف کر دیا، خواہ وہ داغ ان کے دشمنوں نے دانستہ لگائے تھے خواہ ان کے نادان دوستوں نے کرم فرمائی کی تھی۔

علامہ قرطبی نے ان دونوں کی لڑائی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ وہ قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا ایک بھاری گٹھا اٹھانے کا حکم دے رہا تھا۔ اس نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ اس قبطی نے ظالم قوم کا فرد ہوتے ہوئے اسے زدوکوب شروع کیا۔ اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور اسرائیلی نے آپ سے فریاد کی اور حضرت موسیٰ اس کی فریاد رسی کے لیے محض اس لیے نہیں گئے کہ فریاد کنندہ اسرائیلی تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہر مظلوم کی مدد کرنا ہر دین میں فرض ہے۔ و انما اغاثه لان نصر المظلوم دين في الملل كلها على الامم وفرض في جميع الشرائع (قرطبی)

لفظ وکز کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الوكز واللكز واللهز واللهد بمعنى واحد وهو ضرب بجمع الكف یعنی یہ چاروں لفظ ہم معنی ہیں ان کا معنی مکا مارنا ہے۔ (قرطبی)

۱۱؎ آپ نے عرض کی میرے رب! تو نے جو مجھ پر انعامات فرمائے ہیں ان کی قسم یا تیری عنایت کی قسم میں آئندہ مجرموں کا ساتھی نہیں بنوں گا۔ اس آیت سے علمائے اسلام نے یہ استدلال کیا ہے کہ ظالموں کی امداد و اعانت حرام ہے۔ واحتج اهل العلم بهذه الآية على المنع من معونة الظلمة وخدمتهم (روح المعانی)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سماعت فرمائیے: من مشى مع مظلوم ليعينه على مظلمته ثبت الله قدميه على الصراط يوم القيامة يوم تزول فيه الاقدام ومن مشى مع ظالم ليعينه على ظلمه ازل الله قدميه

لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ يَّبْطِشَ

موسیٰ نے اُسے فرمایا بیشک تو کھلا ہوا گمراہ ہے پس جب آپ نے ارادہ کیا کہ جھپٹ پڑیں اس پر

بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ

جو ان دونوں کا دشمن تھا وہ کہنے لگا اے موسیٰ! کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے بھی قتل کر ڈالے

كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا

جیسے کل تو نے ایک شخص کو قتل کیا تھا۔ تو نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تو ملک میں بڑا جابر بن جائے

فِي الْاَرْضِ وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۹﴾ وَ

اور تو نہیں چاہتا کہ اصلاح کرنے والوں میں سے ہو ۔ اور

جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ

آیا ایک آدمی شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا۔ اس نے (آکر) بتایا اے موسیٰ!

على الصراط يوم تدحض فيه الاقدام (قرطبی)

یعنی جو شخص کسی مظلوم کی مدد کے لیے اس کے ساتھ چلے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جو قدموں کے پھسلنے کا دن ہے اس کے قدموں کو پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا اور جو شخص ظالم کے ساتھ اس کے ظلم پر اس کی مدد کرنے کے لیے جاتا ہے تو اس دن اس کے قدم پل صراط سے پھسل جائیں گے۔

۱۸؎ موسیٰ علیہ السلام کو راز کے افشا ہونے اور اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ تھا۔ رات اسی طرح گزر گئی۔ دوسرے دن پھر آپ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی ایک دوسرے شخص سے گتھم گتھا ہو رہا ہے۔ اس نے آپ کو دیکھا تو پھر مدد کے لیے پکارا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شخص لڑاکا ہے۔ ہر روز کسی نہ کسی کے ساتھ الجھا رہتا ہے۔ چنانچہ آپ نے غصہ سے اُسے ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔ انک لغوی مبین۔ آپ آگے بڑھے تاکہ انھیں چھڑا دیں۔ وہ سمجھا کہ جس طرح آپ نے مجھے غوی مبین کہہ کر ڈانٹا ہے، شاید مجھے ہی مارنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس لیے یا موسیٰ اتریدُ کہہ کر سارا راز فاش کر دیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ دوسرے روز لڑنے والے بھی ایک قبطی اور ایک اسرائیلی تھے لیکن بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ دونوں اسرائیلی تھے۔ قرآن اس کی تردید نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الْمَلَاَ يَأْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ

سردار لوگ سازش کر رہے ہیں آپ کے بارے میں کہ آپ کو قتل کر ڈالیں۔ اس لیے نکل جائیے (یہاں سے) بیشک

النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ

میں آپ کا خیر خواہ ہوں ۱۸ پس آپ نکلے وہاں سے ڈرتے ہوئے (اپنی گرفتاری کا) انتظار کرتے ہوئے ۱۹ عرض کی میرے

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى

رب! بچا لے مجھے ظلم و ستم کرنے والی قوم سے۔ اور جب آپ روانہ ہوئے مدین کی جانب (تو دل میں) کہنے لگے امید ہے کہ میرا

رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ

رب میری رہنمائی فرمائے گا سیدھے راستہ کی طرف ۲۰ اور جب آپ مدین کے پانی پر پہنچے تو دیکھا کہ

وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ

وہاں پر لوگوں کا ایک انبوہ ہے جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہا ہے ۲۱ اور دیکھیں ان سے الگ

۱۸ اس اسرائیلی کی بات سے راز فاش ہو گیا۔ فرعون اور اس کے اعیانِ حکومت کو بھی اطلاع مل گئی کہ کل کے مقتول قبطی کا قاتل موسیٰ ہے۔ انہوں نے آپ کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنانا شروع کیا۔ حضرت موسیٰ کے ایک مخلص کو پتہ چلا تو وہ دوڑا دوڑا آیا اور حکومت کے ارادے سے آپ کو مطلع کر کے کہا کہ آپ یہاں سے جلد نکلنے کی کوشش کیجیے۔ آپ کو گرفتار کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔

۱۹ چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ دل میں ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا کہ پیچھے سے آ کر کوئی پکڑ نہ لے اس لیے بارگاہِ ایزدی میں یوں ہاتھ اٹھاتے۔ یترقب : ینتظر طلبہ

۲۰ جب مصر میں ٹھہرنا ناممکن ہو گیا تو آپ نے مدین کا رخ کیا کیونکہ یہی ایک ایسا علاقہ تھا جو فرعون کی مملکت سے باہر تھا اور اس کے علاوہ آباد بھی تھا اور قریب بھی تھا نیز آپ کو یہ بھی خبر ہو گی کہ وہاں کے باشندے بھی حضرت ابراہیم کے فرزند مدین کی اولاد ہیں اور ان سے نسلی قرابت بھی ہے اس لیے آپ مدین کی طرف روانہ ہوئے لیکن پاس نہ سواری ہے نہ زادِ راہ۔ راستہ بھی معلوم نہیں لیکن دل میں یقین ہے کہ میرا پروردگار ضرور میری راہنمائی فرمائے گا۔

۲۱ آپ چلتے چلتے مدین کے باہر ایک کنوئیں پر پہنچے تو دیکھا لوگوں کا ایک جمگھٹ ہے اور ہر ایک اپنے

اِمْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى

دو عورتیں کہ اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں۔ آپ نے پوچھا تم کیوں اس حال میں کھڑی ہو؟ ان دونوں نے کہا ہم نہیں پلا سکتیں

يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۫ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى

جب تک کہ چرواہے اپنے مویشیوں کو لے کر واپس نہ چلے جائیں اور ہمارا والد بہت بوڑھا ہے پس آپ نے پانی پلا دیا ان کے

الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

ریوڑ کو پھر لوٹ کر سایہ کی طرف آ گئے اور عرض کرنے لگے میرے مالک! میں اس خیر و برکت کا جو تو نے میری طرف

فَجَاۗءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَاۗءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ

اتاری ہے محتاج ہوں پھر آئی آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک خاتون شرم و حیا سے چلتی ہوئی اور کہا میرے

اپنے جانوروں کو پانی پلانے میں مصروف ہے۔ لیکن دور ایک گوشہ میں دو عورتیں الگ تھلگ کھڑی ہیں اور اپنے ریوڑ کو روکے ہوئے ہیں تاکہ بھیڑ بکریاں ادھر ادھر منتشر نہ ہو جائیں۔ آپ نے ان کو یوں چپ چاپ کھڑے ہوئے دیکھا تو پوچھا تم اس طرح کیوں کھڑی ہو تمہارا کیا مقصد ہے۔ خطبک : مطلبک۔

۳۲؎ انھوں نے کہا کہ ہم بھی اپنے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے آئی ہیں لیکن جب تک یہ چرواہے اپنے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے نہیں جاتے۔ ہمارے لیے اس بھیڑ میں گھس کر پانی پلانا ممکن نہیں جب یہ چلے جائیں گے تو پھر ہم آگے بڑھ کر انھیں پانی پلائیں گی۔

۳۳؎ انھوں نے خود آگے بڑھ کر پانی نہ پلانے کی وجہ بیان کر دی۔

۳۴؎ آپ اٹھے، ڈول لیا اور پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو سیراب کر دیا۔ آپ کی طبعی شرافت اس کو گوارا نہ کر سکی کہ عورتیں یونہی کھڑی رہیں اور دوسرے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلاتے رہیں۔ وہ اپنے ریوڑ کو ہانک کر چل دیں۔ حضرت موسیٰ کی یہاں کسی سے جان نہ پہچان۔ پاس ہی ایک سایہ دار درخت تھا۔ ایک غریب الدیار آدمی کی طرح اس کے نیچے ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔ اس بے کسی و بے بسی کے عالم میں اپنی غریب الوطنی کا شکوہ کرتے ہوئے رحم کی التجا کی۔ اس فقرے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ ۱۔ انزلت ماضی کا صیغہ ہے لیکن مستقبل کے معنی میں استعمال ہوا ہے کہ جو مہربانی تو مجھ پر نازل فرمائے مجھے اب اس کی اشد ضرورت ہے۔ ۲۔ انزلت بمعنی قد ثبت انزالہ یعنی جو مہربانی فرمانے کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے اس کی طرف میں سخت محتاج ہوں۔

لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ

والد تمھیں بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے اس کا تمھیں معاوضہ دیں۔ پس جب آپ انکے پاس آئے اور اپنا قصہ

الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

ان کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا ڈرو نہیں تم بچ کر نکل آئے ہو ظالم لوگوں (کے پنجہ) سے ۲۳

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ۖ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ

ان دونوں میں سے ایک خاتون نے کہا میرے محترم باپ! اسے نوکر رکھ لیجئے بیشک بہترین آدمی جس کو آپ نوکر رکھیں وہ ہے

الْأَمِيْنُ ﴿۲۶﴾ قَالَ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ

جو طاقتور بھی ہو دیانتدار بھی ہو ۲۴ ۔ آپ نے کہا میں چاہتا ہوں کہ میں بیاہ دوں تمھیں ایک ان اپنی دو بچیوں سے

۲۲ تھوڑی دیر گزری ہو گی کہ ان دو عورتوں میں سے ایک آئی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو اپنے والد کے خیال سے آگاہ کیا کہ وہ آپ کو پانی پلانے کا معاوضہ دینا چاہتے ہیں اور ساتھ ہی کھانے کی دعوت دی۔ جب وہ خاتون آئی تو کس طرح آئی۔ اس کو خصوصی طور پر بیان کیا تاکہ امت مسلمہ کی بچیاں اس سے سبق سیکھیں۔ فرمایا شرم و حیا کی چادر اوڑھے شرماتی لجاتی چلی آئی۔ عمر بن میمون کہتے ہیں لم تكن سلفعا من النساء خراجة ولاجة (قرطبی)

یعنی وہ ان عورتوں کی طرح نہ تھی جو مردوں کے پاس بڑی بے حیائی سے آتی جاتی ہیں اور انھیں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان لڑکیوں کے والد کا نام کیا تھا لیکن اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیاں تھیں۔ بائیبل میں بھی یہ واقعہ تقریباً اسی طرح مذکور ہے۔

۲۳ موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ اور اپنا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انھوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا اب فکر و اندیشہ دل سے نکال دو۔ تم ظالموں کی گرفت سے نکل آئے ہو یہاں اب تمھیں کسی قسم کا خطرہ نہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ اجرت لینے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے پیش نظر ایک بزرگ کی زیارت کرنا تھی۔ چنانچہ ابن عساکر لکھتے ہیں کہ حضرت شعیب نے کھانا پیش کیا تو آپ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ وجہ پوچھی تو بتایا کہ میں اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو اپنے نیک عمل کو کسی قیمت پر بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا ہم بھی مہمان کی تواضع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اسے اجرت خیال نہ کرو بلکہ یہ ضیافت ہے جو ہمارے آبائے کرام کی سنت ہے۔

۲۴ بکریوں کو ریوڑ چرانے، اس کی حفاظت کرنے اور پھر ان کو اس بھیڑ میں پانی پلاتے وقت بڑی بڑی قوتوں کا سامنا کرنا

عَلٰٓى اَنْ تَاْجُرَنِىْ ثَمٰنِىَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ

بشرطیکہ تو میری خدمت کرے آٹھ سال تک ۳۸ پھر اگر تم پورے کرو دس سال تو یہ تمہاری اپنی مرضی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِىْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ

اور میں نہیں چاہتا کہ تم پر سختی کروں۔ تم پاؤ گے مجھے اگر اللہ نے چاہا نیک لوگوں سے (جو وعدہ

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ

ایفا کرتے ہیں) موسیٰ نے کہا یہ بات میرے اور آپکے درمیان طے پا گئی ۳۹ ان دو میعادوں سے جو میعاد میں پوری کروں

فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى

تو مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ جو قول و قرار ہم کر رہے ہیں اس پر نگہبان ہے پھر جب موسیٰ علیہ السلام

پڑا تھا۔ انہوں نے آپ کی جسمانی قوتوں کا اندازہ لگایا تھا کہ کس طرح بھیڑ کو چیرتے ہوئے انہوں نے تھوڑے سے وقت میں ان کے سارے ریوڑ کو سیراب کر دیا۔ پھر ان کے شرم و حیا کو دیکھا کہ وہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تو اپنے والد بزرگوار سے یہ عرض کی۔

۳۸ حضرت شعیب کو بھی ان دشواریوں کا احساس تھا جن کا ذکر ان کی صاحبزادی نے کیا۔ اور بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے جوان بچیوں کو مال مویشی کی حفاظت، گھر بار کا انتظام اور دیگر ذمہ داریاں انجام دینا پڑتی تھیں۔ اس سے آپ کو یقیناً بڑی کوفت ہوتی ہوگی۔ حضرت موسیٰ کی داستان سن کر ان کے حسب نسب سے آپ آگاہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ نے موسیٰ سے کسی مناسب وقت پر اس امر کا اظہار کیا کہ اگر تم یہاں آٹھ دس سال ٹھہرو اور میرا دست و بازو بننا منظور کرو تو میں تم کو اپنی ایک بچی کا نکاح کر کے دے دوں گا۔ یوں تمہارا میرے گھر میں ٹھہرنا آسان ہو جائے گا۔ موسیٰ نے اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ نے اپنی ایک بچی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا۔ آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ یہ گفتگو محض بطور مشورہ ہوئی۔ اس گفتگو سے نکاح منعقد نہیں ہو جاتا کہ وہ مباحث یہاں چھیڑے جائیں جو عموماً اس آیت میں بیان کیے جاتے ہیں۔

۳۹ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ شرط منظور کر لی لیکن کہا کہ ان دونوں میعادوں میں سے جو میعاد میں اپنی مرضی سے پوری کروں آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔ اس وعدہ کو پختہ کرنے کے لیے آپ نے واللہ علی ما نقول وکیل کے الفاظ فرما دیئے۔

الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا ۖ قَالَ

نے مقررہ مدت پوری کر دی ۳۱ اور وہاں سے چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر تو آپ نے دیکھی طور کی ایک طرف آگ ۳۲

لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ

آپ نے اپنے اہل خانہ سے کہا تم ذرا ٹھیرو میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں جاتا ہوں شاید میں لے آؤں تمہارے پاس وہاں سے

جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿٢٩﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن

کوئی خبر یا آگ کی کوئی چنگاری تاکہ تم اسے تاپ سکو ۔ پس جب آپ وہاں پہنچے تو ندا آئی وادی کے دائیں

شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن

کنارے سے ۳۳ اس بابرکت مقام میں ایک درخت سے کہ اے

يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٠﴾ وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۖ فَلَمَّا

موسیٰ! بلاشبہ میں ہی ہوں اللہ جو رب العالمین ہے ۔ اور (فرمایا) ڈال دو زمین پر اپنے عصا کو

رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يَا مُوسَىٰ أَقْبِلْ

اب جو اسے دیکھا تو وہ اس طرح لہرا رہا تھا جیسے وہ سانپ ہو تو آپ پیٹھ پھیر کر چل دیئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (آواز آئی)

۳۱ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے دس سال پورے کیے ۔ قال قضی اکملهما واوفاهما (قرطبی) ۔

۳۲ موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے کر مصر روانہ ہوئے ۔ راہ میں سردی کی وجہ سے آگ ڈھونڈنے کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر سورۃ النمل اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے ۔ جذوۃ : قطعة من النار یعنی چنگاری ۔

۳۳ جب آپ آگ لینے کے ارادہ سے اس جگہ پہنچے تو اس بابرکت علاقہ میں وادی طویٰ کی دائیں جانب ایک درخت نظر آیا جس میں سے یہ صوت سرمدی سماع نواز ہو رہی تھی ۔ اس آواز کی کیفیت کیا تھی کیا وہ الفاظ حروف اور اصوات سے عبارت تھی اور کیا اس کا سماع ان ظاہری کانوں سے ہوا اس کے متعلق علامہ قرطبی کی یہ عبارت بڑی بصیرت افروز ہے :

قال ابو المعالی: اهل المعانی واهل الحق یقولون من کلمه الله تعالی وخصه بالرتبة العلیا والغایة القصوی

وَلَا تَخَفْ ۖ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ ﴿٣١﴾ اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ

اے موسیٰ! سامنے آؤ اور ڈرو نہیں یقیناً تم (ہر خطرہ سے) محفوظ ہو ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں

تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ

وہ نکلے گا سفید (چمکتا ہوا) بغیر کسی تکلیف کے اور دبا کر رکھو اپنے سینہ پر اپنا ہاتھ خوف

الرَّهْبِ ۖ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ ۚ

دور کرنے کے لیے تو یہ دو دلیلیں ہیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا

بھیجے جانے کے لیے بیشک وہ نافرمان لوگ ہیں آپ نے عرض کی اے میرے رب! میں نے قتل کیا تھا ان سے ایک شخص

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿٣٣﴾ وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا

سو میں ڈرتا ہوں کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ اور میرا بھائی ہارون وہ زیادہ فصیح ہے مجھ سے گفتگو کرنے میں تو اسے

فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿٣٤﴾

بھیج میرے ساتھ میرا مددگار بنا کر تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

فیدرك كلامه القديم المنزه من مشابهة الحروف والاصوات والعبارات والنغمات وضرب اللغات۔ یعنی اہل حق کہتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنی ہم کلامی کا شرف بخشتا ہے تو اسے ایسی قوت تمیز عنایت کر دیتا ہے کہ وہ کلام الٰہی کو حرف و صوت و لغت وغیرہ کی قیود کے بغیر ادراک کر لیتا ہے۔

عصا کے سانپ بننے والا معجزہ عطا ہوا جس کی تفصیل سورۃ نمل میں گزر چکی ہے۔

اس کے بعد ید بیضا کا اعجاز مرحمت ہوا۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کو اپنے سینے کے ساتھ ملاؤ تاکہ اللہ تعالیٰ اس خوف کو دور کر دے جو آپ اپنے دل میں محسوس کر رہے ہیں۔ المعنى اضمم يدك الى صدرك يذهب الله ما في صدرك من الخوف (قرطبی)

فرمایا تمہارے رب نے تمہیں یہ دو معجزے عطا فرمائے ہیں۔ اب فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم مضبوط کریں گے تیرے بازو کو تیرے بھائی سے اور ہم عطا کریں گے تمھیں ایسا غلبہ (اور شوکت)

يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ ﴿٣٥﴾

کہ وہ تمھیں (اذیت) نہیں پہنچا سکیں گے ہماری نشانیوں کے باعث تم دونوں اور تمھارے پیروکار ہی غالب آئیں گے ۳۵

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ

پھر جب آئے فرعونیوں کے پاس موسیٰ (علیہ السلام) ہماری روشن نشانیاں لے کر، انھوں نے کہا نہیں ہے یہ مگر جادو

مُفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٣٦﴾ وَقَالَ

گھڑا ہوا ۳۶ اور ہم نے نہیں سنیں اس قسم کی باتیں اپنے پہلے آباؤ اجداد کے زمانہ میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام)

مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ

نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی بارگاہ سے (نور) ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کا انجام

جاتا اور انہیں کہا تو انھوں نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔

۳۴ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہی مجھ سے ایک قبطی قتل ہو گیا تھا میں اگر فرعون کے پاس گیا تو مجھے گرفتار کر لیں گے اور ان سے کوئی بعید نہیں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ اس کے علاوہ میری زبان میں وہ روانی نہیں جو ایک مبلغ میں ہونی چاہیے۔ اس لئے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور میرا معاون بنا دیجئے تاکہ وہ میری دل جمعی کا باعث ہو اور ہم دونوں اچھی طرح تیرے حکم کی تعمیل کر سکیں۔ ردءا، معینا مشتق من اردأتہ ای اعنتہ والردء العون۔ یہ واقعہ بھی تفصیلاً بیان ہو چکا۔

۳۵ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمھاری دعا منظور ہو گئی۔ ہم تیرے بھائی (ہارون) سے تیرے بازو کو تقویت دیں گے۔ فکر مت کرو جب میں تمھارا معاون ہوں تو پھر بیچارے فرعون کی کیا مجال کہ تمھیں کوئی گزند پہنچا سکے۔ تم بے دھڑک جاؤ اسے میرا پیغام پہنچاؤ۔ اور یقین رکھو کہ تم اور تمھارے پیروکار ہی غالب ہوں گے۔

۳۶ حضرت موسیٰ علیہ السلام حکم الٰہی کے مطابق فرعون کے پاس گئے۔ اسے دعوت دی۔ اپنے معجزات دکھائے۔ انھوں نے ایمان لانے کے بجائے آپ کو جادوگر، آپ کے معجزوں کو جادو کا کرشمہ کہہ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا بے راہ روی اور ظلم و تعدی سے باز آ جاؤ ورنہ برباد کر دیئے جاؤ گے۔

تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّٰلِمُونَ ۝ وَقَالَ

اچھا ہوگا۔ بے شک بامراد نہیں ہوتے ظلم وستم کرنے والے۔ ؎ اور کہا فرعون نے

فِرْعَوْنُ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي

اے اہل دربار! ؎ میں تو نہیں جانتا کہ تمہارا کوئی اور خدا ہے میرے سوا۔ پس آگ جلا میرے لیے

؎ موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کے بھرے دربار میں رب العالمین کا ذکر کیا تو اسے سخت ناگوار گزرا۔ اس نے اپنے وزراء اور رؤساء مملکت کی طرف دیکھا۔ پھر شیخی بگھارتے ہوئے کہا کہ موسیٰ کی بات کی طرف التفات نہ کرنا۔ میں نے خوب تحقیق کر لی ہے میرے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں۔ میں ہی تمہارا الٰہ ہوں۔

اس کے بعد اس نے اپنے مشیر خصوصی ہامان کو حکم دیا کہ موسیٰ جس خدا کا ذکر کر رہا ہے وہ زمین پر تو کہیں بھی کسی کو نظر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے آسمان پر ہو۔ اس لیے ہامان تم ایک نہایت بلند محل یا مینار تعمیر کرو تاکہ ہم اس پر چڑھیں اور آسمان میں بھی جھانک کر اچھی طرح تسلی کر لیں۔ اگر موسیٰ کا خدا وہاں ہوا تو ہمیں نظر آ جائے گا۔ اور اگر وہاں بھی نظر نہ آیا تو پھر تم سب کو یقین ہو جائے گا کہ میرے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے میں تو موسیٰ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔

آیت کا مفہوم سمجھنے کے لیے یہاں دو چیزیں توجہ طلب ہیں:

(۱) فرعون اپنے آپ کو الٰہ کہتا تھا اس سے اس کا مقصد کیا تھا؟

(۲) اس نے ہامان کو بلند مینار بنانے کا حکم کیوں دیا اور کیا وہ بنایا بھی گیا یا نہیں؟

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا اپنے آپ کو الٰہ کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہ تھا کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ کیونکہ اس کے اس دعویٰ کو تو کوئی احمق ترین آدمی بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس دنیا میں آئے ہوئے اسے چند سال ہی گزرے تھے۔ ایسے لوگ بھی بکثرت موجود ہوں گے جن کے سامنے اس کی پیدائش ہوئی۔ وہ چھوٹا بڑا ہوا اور بادشاہ بنا۔ اور یہ زمین و آسمان اور دیگر مظاہر فطرت تو اس سے لاکھوں سال پہلے کے ہیں اور وہ اتنا نادان ہرگز نہ تھا کہ ایسی بات کا دعویٰ کرتا جو بدیہی البطلان ہو۔ الٰہ کے دعویٰ سے اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو ساری رعایا کا معبود بنا دے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ لوگ اس کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ کسی کو دم مارنے کی اور اعتراض کرنے کی جرات نہ ہو۔ وہ کہتا میرے ملک میں میرا ہی حکم چلے گا۔ موسیٰ یا ان کے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ میرے کسی طرز عمل پر یہ کہہ کر اعتراض کریں کہ میرا یہ کام رب العالمین کی مرضی کے خلاف ہے یا میرا حکم اس کے حکم کے خلاف ہے اور میں اس کی حکم عدولی کا ارتکاب کر رہا ہوں۔ بل الالٰه هو المعبود فالرجل ما كان ينفي الصانع ويقول بتعطيل على الناس الا ان يطيعوا بحكمه ويثبتوا بالامر فهذا هو المراد من اقسامه الوجيه (کبیر) علامہ آلوسی کے قول سے بھی امام کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں (من الظلمين مكان

يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى

اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لیے ایک اونچا محل تعمیر کر۔ شاید اس پر چڑھ کر میں جھانک لوں

مشعرا بعتقد ان من ملك قطرا كان الهه ومعبود اهله (روح المعانی) یعنی اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر بادشاہ اپنے علاقہ اور سلطنت کا خدا اور معبود ہوتا ہے۔

رہی دوسری بات کہ اس نے ہامان کو یہ حکم کیوں دیا تھا اور کیا یہ مینار تعمیر ہوا بھی تھا یا نہیں تو اس کے بارے میں امام رازی لکھتے ہیں کہ اس کا مقصد قطعاً یہ نہ تھا اور نہ اس کا یہ خیال تھا کہ ایک ایسا اونچا مینار بنایا جا سکتا ہے جس پر چڑھ کر انسان آسمان میں جھانک سکے۔ اس نے یہ بات از راہ مذاق کہی تھی یا اپنی رعایا کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا کیا تھا تاکہ لوگوں کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جائے کہ بادشاہ سلامت موسیٰ کے دعویٰ کی تحقیق کر رہے ہیں جب تک اس تحقیق کے نتائج سامنے نہ آ جائیں ایک نووارد کی بات سن کر اپنے قدیم عقائد کو ترک کر دینا بڑی جلد بازی ہے اور پھر فرعون جیسے جابر بادشاہ کی دشمنی مول لینا بھی کوئی عقلمندی نہیں۔ ابھی کچھ دیر صبر کرو اور دیکھو اس تحقیق کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ فرعون اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جب ایک مرتبہ موسیٰ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹ گئی تو پھر کون آ کر زحمت اٹھا کر یہ پوچھنے آئے گا کہ جہاں پناہ! آپ نے جس تحقیق کا وعدہ کیا تھا اس کا کیا نتیجہ نکلا جس بلند مینار کو تعمیر کرنے کا حکم آپ نے ہامان کو دیا تھا وہ کہاں بنایا گیا۔

انه قال ذلك على سبيل التهكم او قصد به التلبيس على قومه (کبیر)

یعنی اس نے لوگوں کو اس وہم میں ڈالا تھا کہ وہ ایسا مینار بنانے لگا ہے اس کے لیے تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ ماہر کاریگر اور مسالہ فراہم ہو رہا ہے۔ بےفکر رہو عنقریب کام شروع ہو جائے گا۔ ایسی باتیں کر کے اس نے حضرت موسیٰ کی طرف سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی اور یہی اس کا مقصد تھا۔

باقی رہا وہ قول جو کئی کتابوں میں نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ اس نے ایک اونچا مینار تعمیر کیا۔ پھر وہ اس کے اوپر چڑھا اور ایک تیر انداز کو آسمان کی طرف تیر چلانے کا حکم دیا۔ جب تیر واپس آیا تو وہ خون سے آلودہ تھا اور اس نے لوگوں کے سامنے اعلان کر دیا کہ دیکھو میں نے موسیٰ کے خدا کا (نعوذ باللہ) کام تمام کر دیا ہے۔ اس قول کے متعلق امام موصوف بڑے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس بات کو تو پاگل اور مجنون بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن کریم کے قصوں کی ایسی تشریح کرنا جو بدیہۃ البطلان ہو اس کی اجازت نہ عقل دیتی ہے اور نہ دین اسے برداشت کرتا ہے۔ اس طرح تو ہم ان لوگوں کے لیے راہ ہموار کر دیں گے جو قرآن پر اعتراض کرنے کے لیے ایسے نازیبا موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

فلا يليق بالعقل والدين حمل القصة التي حكاها الله تعالى في القرآن على محمل يعرف فساده بضرورة العقل فيصير ذلك شرعا قويا لمن احب الطعن في القرآن - (کبیر)

إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٣٨﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ

معبود موسیٰ کے خدا کا۔ اور میں تو اس کے بارے میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ اور تکبر کیا اس نے اور اس کی

وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا

فوجوں نے زمین میں ناحق ؎ اور وہ یہ گمان کرتے رہے کہ انہیں ہماری طرف

لَا يُرْجَعُونَ ﴿٣٩﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانظُرْ

نہیں لوٹایا جائے گا۔ پس ہم نے پکڑ لیا اسے اور اس کے لشکریوں کو اور پھینک دیا انہیں سمندر میں۔ دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى

ہیبتناک ہوا انجام ظلم و ستم کرنے والوں کا۔ اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلاتے تھے (اپنی رعایا)

النَّارِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَٰذِهِ

کو آگ کی طرف۔ اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ؎ اور ہم نے ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی

الدُّنْيَا لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿٤٢﴾

ع ۴ ۷

لعنت لگا دی۔ اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار معتوبوں میں ہوگا۔ ؎

؎ اس نے غرور و سرکشی کی راہ اختیار کی اور اس کا انجام جو ہوا ان آیات میں مذکور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کے بغیر جو بھی تکبر کرتا ہے وہ ناحق کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے "الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فی واحد منهما قذفته فی النار رواه احمد ورواه الو... صحیح عن ابی هریرة بلفظ الکبریاء ردائی فمن نازعنی فی ردائی قصمته" یعنی تکبر میری صفت خصوصی ہے جو اس میں شریک ہونا چاہے گا اس کی میں کمر توڑ دوں گا اور اسے دوزخ میں پھینک دوں گا۔

؎ فرعون اور اس کے وزراء اور رؤساء کے متعلق فرمایا کہ وہ ایسے منحوس لیڈر اور پیشوا تھے جو خود بھی تباہ و برباد ہوئے اور اپنے ماننے والوں کو بھی جہنم رسید کرکے دم لیا۔

؎ اس کا معنی مطرودین کیا گیا ہے حضرت ابن عباس نے اس کا معنی فرمایا ہے جن کے چہرے بگڑ گئے ہوں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ

اور ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب اس کے بعد کہ ہم نے ہلاک کر دیا تھا پہلی زمانہ کی قوموں کو

الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

کو۔ (یہ کتاب) لوگوں کے لیے بصیرت افروز اور سراپا ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ

اور آپ نہیں تھے (طور) کی مغربی سمت میں جب ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف (رسالت کا) حکم

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ

بھیجا اور نہ آپ گواہوں میں شامل تھے لیکن ہم نے پیدا فرمائیں کئی قومیں (ان کے بعد) پھر گزرے ان پر

سیاہ ہو اور آنکھیں نیلی اور جس کو ہر بھلائی سے دور رکھ دیا گیا ہو اسے بھی مقبوح کہتے ہیں۔ یقال قبحه قبحاً اذا ابعده من كل خير (مظہری)

آپ کو جو کتاب (تورات) عطا فرمائی گئی اس کی خصوصیات بیان کی جا رہی ہیں۔ کتاب نور الحال اور بصائر وغیرہ حال ہیں۔ بصائر بصیرۃ کی جمع ہے جس کا معنی ہے النور فی القلب یبصر به تلو بصر حقائق الاشیاء بقدر الطاقة البشریة یعنی دل کی وہ روشنی جس سے انسانی طاقت کے مطابق حقیقت اشیاء پر آگاہی ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ جس صحت اور وضاحت سے آپ نے بیان کیا ہے اس کی یہ وجہ نہیں کہ آپ اس وقت موجود تھے اور تمام حالات کا مشاہدہ کر رہے تھے بلکہ اس کا علم آپ کو وحی کے ذریعہ بخشا گیا ہے۔ آپ کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ سینکڑوں سال پہلے کا واقعہ بلاکم و کاست بیان کر دیا جائے اور تمام غلطیوں کا ازالہ کر دیا جائے جن میں وہ لوگ مبتلا تھے۔

یعنی جب ہم نے آپ کو نبوت بخشی یا جس وقت ہم نے آپ کو تورات دی۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسے محبوب! ہم نے تیری ان گزری ہوئی بعثت اور تیری آمد کا ذکر موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ ای اذ قضینا الی موسیٰ امرك و ذكرناك بخیر ذکر۔ (قرطبی)

لیکن موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد کئی نسلیں گزر گئیں۔ بعد میں لوگوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا۔ تورات میں تحریف کر دی اور دین موسوی کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو

کافی لمبا عرصہ گزر گیا (ان پر) اور انھوں نے عہد خداوندی بھلا دیا اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے ۴۵ کہ آپ

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٤٥﴾ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ

پڑھ کر سناتے ہوں انھیں ہماری آیتیں لیکن ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے تھے۔ اور آپ (اس وقت) طور کے کنارے پر بھی

الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا

نہ تھے ۴۶ جب ہم نے (موسیٰ کو) ندا فرمائی لیکن یہ آپ کے رب کی محض رحمت ہے کہ اس نے آپ کو ان حالات پر آگاہ کر دیا تاکہ آپ

مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٤٦﴾

(قہر الٰہی سے) ڈرائیں اس قوم کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے شاید وہ نصیحت قبول کریں ۴۷ اور اس کی وجہ یہ

کی آمد کی جو اطلاع دی تھی اور ایمان لانے کی تاکید کی تھی اس کو بھی فراموش کر دیا اور ان کے دل سخت ہو گئے اور انھوں نے اپنے نبی کی مخالفت شروع کر دی۔

۴۵ ثاوی: مقیم یعنی آپ اہل مدین میں ہی اقامت فرما نہ تھے بلکہ ہم نے آپ کو مکہ میں مبعوث فرمایا۔

۴۶ علامہ قرطبی نے اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ندا کرتے ہوئے فرمایا: یا امۃ محمد قد اجبتکم قبل ان تدعونی واعطیتکم قبل ان تسألونی وغفرت لکم قبل ان تستغفرونی ورحمتکم قبل ان تسترحمونی۔

ترجمہ: اے امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے دعا کرنے سے پہلے میں نے تمہاری دعا کو قبول کیا تمہارے مانگنے سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا۔ تمہاری استغفار سے پہلے میں نے تمہیں بخش دیا اور رحم فرمایا۔ حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے حضور کی فضیلت اور حضور کی امت کی شان بیان فرمائی تو آپ نے خواہش ظاہر کی کہ مجھے دیدار کرایا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ اگر تو چاہے تو میں ان کو بلاؤں اور ان کی آواز تمہیں سنا دوں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی بیشک اے رب۔ ہاں مجھے آواز ہی سنوا دے۔ فقال اللہ تعالیٰ یا امۃ محمد۔ اللہ تعالیٰ نے ندا دی۔ اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت تو اپنے باپوں کی پشتوں سے امت محمدیہ نے جواب دیا تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آپ اس وقت طور کے پاس نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور آپ کی امت کو آواز دی اور موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم نے تجھے اور تیری امت کو اتنی بڑی شان دی ہے۔ وہ معنی

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا

کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہنچے انھیں کوئی مصیبت ان اعمال کے باعث جو انھوں نے کیے ہیں تو وہ یہ شکوہ کرنے لگیں

رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ

ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف کوئی رسول تاکہ ہم پیروی کرتے تیری آیات کی اور ہم ہو جاتے ایمان

الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

والوں سے ۶۰ پھر جب آگیا ان کے پاس حق ہماری جناب سے تو وہ کہنے لگے کیوں نہ دیے گئے انھیں

اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى

اس قسم کے معجزے جو موسیٰ کو دیے گئے تھے ۶۱ (ان نابکاروں سے پوچھو) کیا انھوں نے انکار نہیں کیا تھا ان معجزات کا جو موسیٰ کو

مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ

دیے گئے تھے ۶۲ انھی نے کہا (موسیٰ و ہارون) دونوں جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ۶۳ نیز انھوں نے کہا تھا

الآية على هذا: ما كنت بجانب الطور إذ كلمنا موسى ونادينا أمتك وأخبرناه بما كتبناه لك ولأمتك من الرحمة إلى آخر الدنيا (قرطبی)

۵۹ یعنی ہم نے آپ کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جس میں عرصہ دراز سے کوئی نبی نہیں آیا تھا۔ ہدایت کی روشنی مدت سے ناپید تھی ہر طرف جہالت اور کفر کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی تاکہ آپ انھیں عذاب الٰہی سے بروقت ڈرائیں شاید وہ اس پیغام حق کو قبول کر لیں یا ہدایت پر گامزن ہو جائیں۔

۶۰ حضور کی بعثت کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔

۶۱ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میرا رسول ان میں تشریف لے آیا اور انھیں توحید کی دعوت دی تو کہنے لگے یہ نبی کیسے ہو سکتا ہے نبی تو تھے موسیٰ جن کو طرح طرح کے عظیم معجزے دیے گئے تھے اور یکبارگی کتاب عنایت کی گئی تھی ان کے ہاتھ میں نہ عصا ہے اور نہ ید بیضا اور نہ ایسی مرتب اور مدون کتاب بھلا ایسے شخص کو آنکھیں بند کیے ہوئے ہم کیسے نبی مان لیں۔

۶۲ کتنا دندان شکن جواب ہے۔ جن معجزات موسوی کا ذکر تم کر رہے ہو کیا انھیں دیکھ کر تمہارے آباؤ اجداد

كُفِرُوْنَ ﴿٤٨﴾ قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ

ہم ان تمام کا انکار کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے تم لے آؤ کوئی کتاب اللہ کے پاس سے جو زیادہ ہدایت بخش ہو ان دونوں (یعنی

اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ

تورات سے قرآن) سے تو میں اس کی پیروی کروں گا اگر تم سچے ہو تو۔ پس اگر وہ قبول نہ کریں ۵۰ آپ کے اس ارشاد کو تو جان لو

اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

کہ وہ صرف اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو پیروی کرتا ہے اپنی خواہش کی بغیر

نے موسیٰ کو بھی مان لیا تھا۔ جب تمھارے سرپرست بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اگر یہی معجزات تمھیں بھی دکھا دیئے جائیں تو تم بھی ایمان نہیں لاؤ گے بلکہ اپنی ضد پر اڑے رہو گے اور جادوگر ہونے کا الزام لگا دو گے۔ ہدایت کے نور سے وہی آنکھ روشن ہو سکتی ہے جس پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو۔

۴۷ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اہل مکہ نے تحقیق حال کے لیے ایک وفد یثرب بھیجا۔ علمائے یہود نے انھیں بتایا کہ تورات میں ایک نبی کی آمد کی بشارت موجود ہے اس کی یہی نشانیاں ہیں اور ان کے ظہور کا یہی زمانہ ہے تو کفار مکہ نے حضور کے ساتھ موسیٰ کا بھی انکار کر دیا اور کہا دونوں جادوگر تھے۔ ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ساحران سے مراد موسیٰ اور ہارون ہیں۔

۴۸ اگر ان سے پہلوں نے بھی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو تم بھی ایسا ہی کرتے ہو۔

۴۹ جب ان کا انکار شدت اختیار کر گیا اور وہ کسی طرح ایمان لانے پر آمادہ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے حضور کو حکم دیا کہ انھیں یہ کہیں کہ قرآن و تورات دونوں کا تم انکار کرتے ہو اب تم کوئی ایسی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے آؤ جو قرآن و تورات سے زیادہ ہدایت بخش ہو مجھے کوئی ضد نہیں۔ میں اس کی پیروی کرنے لگوں گا۔ میں تمھارے خلاف کوئی محاذ قائم کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقصد وحید تو صرف یہ ہے کہ ہدایت کا نور پھیلے اور جہالت کی ظلمت کافور ہو اور تم کوئی ایسی کتاب لا سکتے ہو تو لے آؤ میں بسر و چشم اس کو ماننے کے لیے اور اس کے احکام بجا لانے کے لیے تیار ہوں۔

۵۰ اے حبیب! اگر یہ لوگ آپ کی اس پیش کش کو بھی قبول نہ کریں تو پھر آپ کو یقین ہو جانا چاہیے کہ ان کا حق سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ان کے دلوں میں حق کی طلب ہے۔ یہ محض اپنی خواہشات نفسانی کے پیروکار ہیں۔ ان کے سامنے ہزاروں معجزے بھی پیش کیے جائیں تو یہ اسلام قبول نہیں کریں گے۔ اور بندگان نفس اگر آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ رنجیدہ خاطر بھی نہ ہوا کریں۔

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ

تعالیٰ کی جانب سے کسی رہنمائی کے بغیر ؎ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو اور ہم مسلسل

وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ

بھیجتے رہے ان کی طرف اپنا کلام تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ؎ جن کو ہم نے عطا فرمائی

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا

کتاب (نزول) قرآن سے پہلے وہ اس پر ایمان لاتے ہیں ؎ اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے

اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ۔ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ؎ ہم اس سے پہلے ہی سرتسلیم خم کر چکے تھے

؎ ان لوگوں سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو سکتا ہے جنہوں نے اپنی باگ ڈور اپنے نفس کے ہاتھ میں دے دی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ کہ تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میرے حکم کی تابع نہ ہو جائے۔ (قرطبی)

؎ یعنی ان کے انکار کے باوجود بھی نزول قرآن کا سلسلہ جاری رہا حسب حال اور حسب ضرورت آیات اترتی رہیں شاید کسی وقت ان کا دل پسیج جائے۔ خواب غفلت سے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ ہدایت قبول کریں۔

؎ حضرت جعفرؓ نے جب نجاشی کے دربار میں اسلام کی حقانیت اور حضور سرور کونینؐ کی صداقت پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی اور اس کے درباری اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے نجاشی نے تحقیق حال کے لیے بیس آدمیوں کا ایک وفد مکہ مکرمہ روانہ کیا تاکہ رسول کریمؐ سے بالمشافہ گفتگو کر کے اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ جب یہ وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا ابوجہل اور اس کے حواری بھی تماشائیوں کی حیثیت سے جمع ہو گئے۔ ان لوگوں کی فطرتیں سلیم تھیں۔ دل کے آئینے صاف تھے۔ اسی مجلس میں مشرف باسلام ہو گئے جب وہ لوگ وہاں سے اٹھے تو ابوجہل اور اس کے ساتھی ان کے پیچھے ہو لیے۔ آوازے کسنے شروع کر دیئے۔ دوسرے ملک کے باشندے تھے۔ ان کے پاس بطور مہمان آئے تھے۔ ابوجہل نے میزبانی کے جملہ آداب کو پس پشت ڈالتے ہوئے انہیں کہا خیبکم اللہ تعالیٰ من رکب بعثکم من وراءکم من اھل دینکم ترتادون لھم لتاتوھم بخبر الرجل فلم تطمئن مجالسکم عندہ حتی فارقتم دینکم وصدقتموہ بما قال ما نعلم رکبا احمق منکم او کما قال۔

ترجمہ: خدا تمہارے وفد کو نامراد اور ذلیل کرے تم نے آن واحد میں اس کی تصدیق بھی کر دی۔ ہم نے آج تک

أُولَٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ

یہ لوگ ہیں جنہیں دیا جائے گا ان کا اجر دو مرتبہ بوجہ ان کے صبر کے اور وہ دُور کرتے ہیں نیکی کے

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ۝ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا

ساتھ برائی کو؎ نیز اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں اور جب وہ سنتے ہیں کسی بیہودہ بات کو تو

عَنْهُ وَقَالُوا لَنَآ أَعْمَٰلُنَا وَلَكُمْ أَعْمَٰلُكُمْ سَلَٰمٌ عَلَيْكُمْ

منہ پھیر لیتے ہیں اس سے اور کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں تم سلامت رہو ہم

لَا نَبْتَغِي الْجَٰهِلِينَ ۝ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ

جاہلوں سے الجھنے کے خواہاں نہیں ہیں؎ بیشک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ پسند کریں البتہ اللہ تعالیٰ

اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَآءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَقَالُوٓا

ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے؎ اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔ اور انہوں نے کہا

ایسا احمق اور نادان وفد کبھی نہیں دیکھا۔

اتنے ناشائستہ الفاظ کے باوجود اس نیک فطرت جماعت نے تلخ کلامی نہیں کی۔ صرف اتنا کہا تم سلامت رہو تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے ہمیں تم سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ قال عروۃ بن الزبیر (قرطبی) ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ اہل نظر کو غیرت محسوس ہو رہی ہے کہ آفتاب اسلام کی کرنیں حبشہ کے رہنے والوں کے دلوں کو روشن کر رہی ہیں اور تم یہاں رہتے ہوئے اس نعمت سے محروم ہو۔

؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت عیسیٰ کے ماننے والے تھے۔ دین پر قائم تھے اور انجیل میں حضور کی آمد کے بارے میں جو پیش گوئیاں موجود تھیں اور حضور پر ایمان لانے کی تاکید تھی اس لیے وہ پہلے ہی اس بشیر نبی کی رسالت کو تسلیم کر چکے تھے۔

؎ ان کے اخلاق عالیہ کا ذکر فرمایا کہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ نیکی سے دیتے ہیں۔

؎ یعنی ہم اس بات کے خواہش مند نہیں کہ ان کے ساتھ مباحثہ کرتے رہیں، ترکی بہ ترکی جواب دیتے رہیں اور گالی گلوچ پر اتر آئیں۔ ای لا نطلب لهم الجدال والمراجعة والشاتمة (قرطبی)

إِن نَّتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا ۚ أَوَلَمْ نُمَكِّن

اگر ہم اتباع کریں ہدایت کا آپ کی معیت میں تو ہمیں اچک لیا جائے گا ہمارے ملک سے کیا ہم نے بسا نہیں دیا

گئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو اس بات پر از حد حریص تھے کہ سب لوگ اسلام کے اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے بندے اس کی بارگاہ میں سر نیاز جھکائیں اور اپنے اہل شہر، اپنے قبیلے، اپنے رشتہ داروں کے متعلق حضور کریم کی انتہائی دلی آرزو ہو گی کہ ان میں سے کوئی بھی نعمتِ ایمان سے محروم نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے حبیب! ہدایت بخشنا تیرا کام نہیں کہ جس کو تو چاہے ہماری مرضی نہ ہو تو بھی اس کو ہدایت دے دے بلکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ کون اس قابل ہے کہ اس کے دل میں ایمان کی شمع فروزاں کی جائے کس میں اس نعمت جلیلہ کو قبول کرنے کی استعداد ہے۔

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضور کے چچا ابو طالب کا آخری وقت آپہنچا تو حضور نے جا کر کہا کہ چچا تم صرف اتنا کہہ دو کہ لا الٰہ الا اللہ تا کہ میں اپنے رب سے تیری شفاعت کر سکوں لیکن انہوں نے ایسا کہنے سے انکار کر دیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بات بھی مروی ہے کہ آخری وقت میں حضرت ابو طالب کے ہونٹ ہل رہے تھے حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سنا۔ حضور نے جب پوچھا کہ کیا کہہ رہے تھے تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ وہی کہہ رہے تھے جس کا آپ نے ان سے مطالبہ فرمایا (سیرت ابن ہشام)۔

لیکن اگر کسی کے نزدیک دوسری روایتیں اس روایت سے زیادہ قابل اعتبار ہوں تب بھی اسے آپ کے حق میں کوئی ناشائستہ بات کہنے سے احتراز کرنا چاہیے۔ آپ کی بے نظیر خدمات کا یہ صلہ تو ہماری طرف سے نہیں دیا جانا چاہیے کہ ہم منبروں پر کھڑے ہو کر اپنا سارا زور بیان ان کو کافر ثابت کرنے اور ان کو کافر کہنے اور کہتے چلے جانے پر ہی صرف کرتے رہیں۔ اس سے بڑھ کر ناشکری اور احسان فراموشی کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

مسئلة اسلامه خلافية . . . ثم انه على القول بعدم اسلامه لا ينبغي سبه والتكلم فيه بفضول الكلام فان ذلك مما يتاذى به العلويون بل لا يبعد ان يكون مما يتاذى به النبي عليه الصلوٰة والسلام الذي نطقت الاية بناء على هذه الروايات بحبه اياه والاحتياط لا يخفى على ذي فهم۔

لاجل عين الف عين تكرم

ترجمہ: حضرت ابو طالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی مسئلہ ہے اور جو لوگ آپ کے ایمان کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی نازیبا کلمہ لے آئیں کیونکہ اس سے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد کو اذیت پہنچتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ حضور سرور عالم کا دل مبارک بھی رنجیدہ ہوتا ہو جس کا تعلق آدمی جانتا ہے

لَهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

انھیں حرم میں جو امن والا ہے کھچے چلے آتے ہیں اس کی طرف ہر قسم کے پھل یہ رزق ہے ہماری طرف سے

کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

کفار کا ایک اور عذر رنگ پیش کر کے اس کا رد کیا جا رہا ہے کہ جب ہر طرح سے لاجواب ہو جاتے تو کہتے آپ کی باتیں سچی ہیں، آپ کا دین بھی برحق ہے اور یہ کتاب بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن ذرا آپ یہ بھی سوچیں کہ ہمارے ارد گرد بسنے والے سارے قبیلے مشرک ہیں۔ اگر ہم آپ کا دین قبول کر لیں تو وہ اکٹھے ہو کر ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور ہمیں اس طرح اُچک کر لے جائیں گے جس طرح باز چڑیا کو جھپٹ کر لے جاتا ہے۔ ہم اپنی بقا اور سلامتی کے لیے مجبور ہیں کہ اپنے پرانے مذہب پر چلتے رہیں۔ بہر صورت آپ کا دین قبول کرنا مصلحت کے خلاف ہے اس لیے آپ ہمیں زیادہ تنگ نہ کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید فرماتے ہیں کہ یہ سارے خطرات فرضی ہیں۔ یہ پہلے تم کو اپنے حرم کی مجاوری اور پاسبانی کا شرف حاصل ہے۔ اس حرم کے احترام کی وجہ سے کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ لوگ اپنے باپ کے قاتل کو بھی یہاں دیکھ کر اس سے آنکھ نیچی کر لیتے ہیں۔ کسی کو کیا مجال کہ تم اسلام قبول کر لو تو وہ تم پر حملہ کر کے تمہارا بال بیکا کر سکے بلکہ دوسرے قبائل تو اس انتظار میں ہیں کہ تم پیغمبر اسلام کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔ اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو سورج غروب ہونے سے پہلے فوج در فوج لوگ اسلام کے حلقہ بگوش بن جائیں گے۔ تمہارا یہ کہنا محض بہانہ ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں
المعرفۃ کن ای عالم فسکنہما [illegible] (غریب القرآن)۔

اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ اسلام لانے کی صورت میں مشرک قبائل تمہارا اقتصادی بائیکاٹ کر دیں گے تو یہ بھی درست نہیں۔ ذرا غور تو کرو مکہ اور اس کا گرد و نواح ریگستان ہی ریگستان ہے۔ یہاں معمولی کھیتی باڑی بھی نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود دنیا بھر کے پھلوں سے تمہارے بازار بھرے پڑے ہیں۔ اس حرم کے زیر سایہ جو امن و عافیت تمہیں حاصل ہے اور جس کثرت سے پھل تمہاری طرف کھچے چلے آتے ہیں اس کی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ تم خود سوچو اگر کفر کی حالت میں تمہیں اپنی عنایات سے محروم نہیں کیا تو اگر تم اسلام لاؤ گے تو کیا اس کی رحمت یہ گوارا کرے گی کہ لوگ تم پر حملہ کر کے تمہیں تباہ کر دیں یا رزق کے دروازے بند کر دیں۔ یجبی یعنی جمع کرنا۔ عرب کہتے ہیں جبی الماء فی الحوض ای جمعہ والجابیۃ الحوض العظیم۔ یعنی پانی حوض میں جمع ہو گیا۔ بڑے حوض کو اسی مناسبت سے جابیہ کہتے ہیں۔

مِنْ لَّدُنَّا فرما کر یہ بتا دیا کہ ہر چیز کی فراوانی میں تمہاری کسی تدبیر اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں۔ اگر حضرت ابراہیم کو یہاں کعبہ بنانے کا حکم ہی نہ دیا جاتا بلکہ کوئی اور جگہ منتخب کی جاتی یا اولاد اسمعیل کو اس کی خدمت پر مقرر نہ کیا جاتا بلکہ حضرت اسحاق یا کسی اور کو منتخب کیا جاتا تو پھر کیا یہ مرکزیت، یہ امن و عافیت، یہ معاشی خوشحالی جو آج تمہیں نصیب ہے تمہیں میسر ہوتی، ہرگز نہیں۔ یہ سب کچھ ہم نے تمہیں پہنچایا ہے اور تم پر لازم ہے کہ ہماری بات مانو اور اس دین رشد و ہدایت

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ بَطِرَتْ

لیکن ان کی اکثریت کچھ نہیں جانتی ۵۶؎ اور ہم نے کتنے شہر برباد کر دیئے جب وہ فخر کرنے

مَعِيشَتَهَا ۖ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَن مِّن بَعْدِهِمْ إِلَّا

لگے اپنی خوش حالی پر۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جن میں سکونت نہیں کی گئی ان کے بعد مگر بہت

قَلِيلًا ۖ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ

کم عرصہ۔ اور (آخرکار) ہم ہی ان کے وارث بنے تھے اور نہیں ہے آپ کا رب ہلاک کرنے والا بستیوں

حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا

کو یہاں تک کہ بھیجے ان کے مرکزی شہر میں کوئی رسول جو پڑھ کر سناتا ہے وہاں کے بسنے والوں کو ہماری آیتیں اور ہم نہیں ہیں

مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ۝ وَمَا أُوتِيتُم مِّن

ہلاک کرنے والے بستیوں کو مگر جبکہ ان کے بسنے والے ظالم ہیں ۵۷؎ اور جو چیز دی گئی ہے تمہیں ... تو

کہ کسی مزید تنبیہ کے بغیر فوراً قبول کر لو ورنہ پچھتاؤ گے۔

۵۶؎ یعنی اکثر لوگ اپنے خود ساختہ اندیشوں میں کھوئے جا رہے ہیں اور یہ حقیقت ان کی آنکھوں سے مستور رہتی ہے کہ عزت و عافیت بخشنے والا، پاکیزہ اور فراخ رزق عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

اس میں مسلم حکومتوں اور مجالس قانون ساز کے اراکین کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم دین اسلام کے احکام و قوانین سے اس لیے گھبرا رہے ہو کہ لوگ تمہیں پسماندہ اور رجعت پسند کہیں گے بڑی بڑی حکومتیں تمہاری اقتصادی اعانت سے دست کش ہو جائیں گی تو ان کو راضی کرنے کی سعی لاحاصل میں اپنے پروردگار کو ناراض نہ کرو۔ اس کو راضی رکھو، اس کے احکام بجا لاؤ۔ وہ خود تمہاری پاسبانی کرے گا اور خود تمہاری معاشی خوشحالی کے سامان فراہم کرے گا۔

۵۷؎ خدا کی نافرمانی کے ہولناک انجام سے بچنے کے لیے انہیں گزشتہ قوموں کے کھنڈرات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ البطر الطغیان بالنعمة (قرطبی)۔ ای عاشوا فی البطر واکلوا رزق اللہ وعصوه وعبدوا الاصنام (مظہری)

۵۸؎ یہ اجڑی ہوئی بستیاں جو تمہیں دکھائی دے رہی ہیں انہیں یونہی ویران نہیں کر دیا گیا تھا بلکہ آپ کے رب نے

شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ

یہ سامان ہے دنیوی زندگی کا اور اس کی زیب و زینت ہے ۷۷ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر

وَّأَبْقٰى ۚ أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ٦٠ أَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ

اور دیرپا ہے۔ کیا تم اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ تو تم خود سوچو کیا وہ (نیک بخت) جس کے ساتھ ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا

لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

وعدہ تو وہ اسے پانے والا بھی ہے کیا اس کی مانند ہو سکتا ہے جسے ہم نے دنیوی زندگی کا سامان دیا ہے پھر وہ روز قیامت

مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ٦١ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ

(چند روزہ) آسائش کے بعد روز قیامت مجرموں کے کٹہرے میں پیش کیا جائے گا ۷۸ اور (یاد کرو) جس روز انھیں ندا دے گا تو فرمائے گا کہاں

اپنی سنت کے مطابق ان کے مرکزی شہروں میں اپنے رسول بھیجے لیکن جب وہاں کے باشندے انکار اور عناد پر اڑے رہے تو انھیں تباہ کر دیا گیا۔ اے اہل مکہ! تمھارے پاس بھی ہم نے رسولوں کا سردار بھیجا۔ ایسا نہ ہو کہ تم اپنے ان محدود اور فانی دنیاوی مفادات کو بچانے کے لیے میرے رسول کی دعوت کو ٹھکرا دو اور اسی انجام سے دوچار ہو جس سے تمھارے پیشرو ہو چکے ہیں۔

۷۷ یہ جو کچھ تمھارے پاس ہے یہ صرف اس دنیا میں کام آئے گا پھر فنا ہو جائے گا لیکن اللہ نے اہل ایمان کے لیے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں وہ لازوال اور ابدی ہیں۔ تم تو بڑے سیانے بنے پھرتے ہو کہ کاروباری لوگ ہو۔ تم جواہرات دے کر کوڑیاں کیوں لے رہے ہو۔

۷۸ وہاں کے مالدار غریب مسلمانوں کو دیکھ کر گمان کرتے تھے کہ اپنی بہتری اور سلامتی اسی میں سمجھا کرتے کہ اسلام کو قبول نہ کیا جائے ورنہ وہ بھی ان لوگوں کی طرح افلاس کے شکنجہ میں کس دیئے جائیں گے۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ بھی فریب نفس ہے کیا ہوا تم نے اگر چار روز عیش و طرب میں گزار دیے اور انھیں فاقوں پر فاقے کھینچنے پڑے لیکن ذرا یہ بھی تو خیال کرو کہ ہم نے ان پاک طینت لوگوں سے بندہ نوازی کے جو وعدے کیے ہوئے ہیں ان کے مقابلہ میں تمھاری یہ ساری نعمتیں پر کاہ کی وقعت بھی نہیں رکھتیں۔

۷۹ اے چار روزہ زندگی پر گھمنڈ کرنے والو! میرے رسول اکرم کی دعوت کو ٹھکرانے والو! اس دن کا بھی خیال کرو جب تمھیں کہا جائے گا کہ کہاں ہیں تمھارے وہ معبود جن کو تم ہمارا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ اس وقت تم کف افسوس

الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾ قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا

ہیں وہ شریک جنھیں تم (میرا شریک) گمان کیا کرتے تھے کہیں گے وہ لوگ جن پر عذاب کا فرمان ثابت ہو چکا اے ہمارے رب

هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ

یہ ہیں وہ جنھیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انھیں بھی گمراہ کیا جیسے ہم خود گمراہ ہوئے ہم ان سے بیزار ہو کر تیری

مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾ وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور وہ ہماری تو عبادت نہیں کیا کرتے تھے اور (انھیں) کہا جائے گا اب پکارو اپنے شریکوں کو تو وہ انھیں

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿٦٤﴾

پکاریں گے لیکن وہ انھیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور دیکھ لیں گے عذاب کو۔ کیا اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿٦٥﴾ فَعَمِيَتْ

اور جس دن اللہ تعالیٰ آواز دے گا انھیں پھر پوچھے گا کہ تم نے کیا جواب دیا تھا (ہمارے) رسولوں کو تو گم ہو جائیں گی

عَلَيْهِمُ الْأَنبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿٦٦﴾ فَأَمَّا مَن تَابَ

ان پر خبریں اس دن۔ پس وہ (مارے دہشت کے) ایک دوسرے سے کچھ پوچھ نہ سکیں گے تو وہ جس نے توبہ کی

لگے لیکن بے سود، اس لیے آج ہی اصلاح کر لو۔

؎ علامہ قرطبی نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ای استغیثوا بالھتکم التی عبدتموھا فی الدنیا لتنصرکم وتدفع عنکم کہ جن خداؤں کی تم دنیا میں عبادت کرتے رہے تھے اب ان کے سامنے فریاد کرو تاکہ اب تمھاری مدد کریں اور خدا کے عذاب سے بچائیں۔

؎ پھر ان سے پوچھا جائے گا جو ہمارے رسول تمھارے پاس آئے تھے تم نے ان کو کیا جواب دیا اس وقت ان پر سکتہ طاری ہو جائے گا اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ ان کی اس حیرت زدگی اور لاجواب ہونے کی کیفیت کو قرآن نے فعمیت علیہم الانباء کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ اس کا لفظی معنی قریب یہ ہے کہ فعمیت الانباء علیہم کا مطلب یعنی ان کی دلیلیں اندھی ہو کر رہ جائیں گی اور جہاں وہ کھڑے ہوں گے وہاں تک نہ پہنچ سکیں گی۔ مقصد یہ ہے کہ دلیلوں کے وہ بالکل عاجز ہو گئے۔

وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿٦٧﴾

اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے یقیناً وہ کامیاب و کامران لوگوں میں ہوگا ۔ اور

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ

آپ کا رب پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے اور پسند کرتا ہے (جسے چاہتا ہے) نہیں ہے انھیں کوئی اختیار ۔ پاک ہے

اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جو وہ شریک کرتے ہیں اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں سینے ان کے

وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى

اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۔ اور وہی اللہ ہے نہیں کوئی معبود بجز اس کے اسی کے لیے ہے ہر قسم کی تعریف دنیا میں اور

وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٧٠﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ

آخرت میں اور اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۔ آپ فرمائیے بھلا بتاؤ تو سہی اگر

وہ گھڑتے رہتے ہیں قیامت کے دن انھیں نظر نہیں آئیں گے۔

ڈر کے مارے کسی اور سے بھی پوچھنے کی جرأت نہ ہوگی۔

کفار حضور کو طرح طرح کے مشورے دیتے۔ ان کی ساری نامعقول تجاویز کے رد میں ایک ہی سلطانی فیصلہ سنا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ وہ علیم و خبیر، حکیم و قدیر ہے جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اس کی نگاہ کرم جس کو منصب نبوت کے لیے چن لیتی ہے اسے فائز کر دیا جاتا ہے۔ تم اس سے بہتر انتخاب نہیں کر سکتے۔

جب وہ وحدہٗ لاشریک ہے تو اس کے کاموں میں کسی کو دخل دینے کا کیا حق ہے۔

اے محبوب! انھیں بتا دو کہ آج تم ہزار سو بہانے بنا سکتے ہو۔ اپنی خبث باطن کو تم اپنے دلوں میں چھپا سکتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا کوئی راز مخفی نہیں۔ اس کے سامنے تمہاری فریب کاری اور چرب زبانی کسی کام نہیں آسکتی۔

اس ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی کو بیان کر کے ان کے تمام شکوک اور اعتراضات کا جواب دے دیا۔

انھیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ غور کرو اور سوچو یہ گوناگوں نعمتیں جن سے تم بہرہ ور ہو رہے ہو کہیں کس نے عطا

جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر رات ہمیشہ کے لیے قیامت کے دن تک تو کون خدا ہے

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۭ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ

اللہ تعالیٰ کے سوا جو لا دے تمھیں روشنی کیا تم سن نہیں رہے ہو۔ فرمائیے بھلا بتاؤ تو سوچو

اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

اگر بنا دے اللہ تعالیٰ تم پر دن ہمیشہ کے لیے روزِ قیامت تک تو کونسا خدا ہے

اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا جو دے تمھیں رات جس میں تم آرام کر سکو کیا تمھیں دکھائی نظر نہیں آتا؟

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

اور محض اپنی رحمت سے اس نے بنا دیا ہے تمھارے لیے رات اور دن کو تاکہ تم آرام کرو رات میں اور تلاش

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

کرو (دن میں) اس کے فضل (رزق) سے اور تاکہ تم شکر گزار رہو۔ اور جس دن اللہ تعالیٰ انھیں آواز دے کر

فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَنَزَعْنَا

فرمائے گا کہاں ہیں وہ جنھیں تم میرا شریک خیال کرتے تھے۔ اور ہم نکالیں گے

کی ہیں کیا کوئی اور خدا ہے جو ان نعمتوں کے بہم پہنچانے میں حصہ دار ہو۔ جب نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم کیوں کسی کو اس کا شریک سمجھتے ہو۔ علامہ راغب اصفہانی اَرَءَيْتُمْ کا معنی لکھتے ہوئے کہتے ہیں فیہ معنی التنبیہ۔ اس میں تنبیہ اور سرزنش کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ رأی کا لفظ آنکھ سے دیکھنے اور عقل سے غور و فکر کرنے کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ رأی نظر بالعین او بالعقل (المنجد)

گذشتہ قیامت کے دن کفار کی رسوائی اور بے بسی کا دوبارہ ذکر کر کے لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔

مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ

ہر اُمت سے گواہ پھر (ان اُمتوں کو) ہم کہیں گے لے آؤ اپنی دلیل تو وہ جان لیں گے کہ بیشک حق

لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ

اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور گم ہو جائیں گے اُن سے جو افترا وہ باندھا کرتے تھے۔ بیشک قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم

ع ٧ ١٠

قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ ۖ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ

میں سے تھا۔ پھر اس نے سرکشی کی ان پر اور ہم نے دے رکھے تھے اسے اتنے خزانے کہ ان کی

ہر اُمت پر گواہی دینے کے لیے گواہ پیش کیا جائے گا جو ان کے اعمال پر گواہی دیگا۔ اس کے بعد انھیں انکار کی مجال نہیں رہے گی۔ سارے شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کا یقین بھی آجائے گا اور دنیا میں وہ جس طرح باتوں کا بتنگڑ بنایا کرتے تھے اور بال کی کھال اتارا کرتے تھے وہ سب چیزیں بھول جائیں گی۔

یہاں ایک ضمیر فروش اور قوم فروش انسان کا کردار اور اس کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ قارون بنی اسرائیل کا فرد تھا۔ مفسرین کی رائے میں یہ موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار تھا۔ بعض نے چچازاد اور بعض نے خالہ زاد بھائی لکھا ہے لیکن اسے اپنی قوم کی خستہ حالی اور ان کے مصائب و آلام سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ فرعونی حکومت کا ایجنٹ تھا اور اس کا کام صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو اس غلامانہ زندگی پر مطمئن رکھے۔ اور انھیں یہ بات ذہن نشین کرا دے کہ آزاد ہونے سے انھیں طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب وہ فرعون کے ظل سلطانی میں بے فکر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں میں غلامی کی بیڑیاں اور گلے میں غلامی کے طوق باعث ننگ و عار نہیں بلکہ ان کے لیے باعث صد عزت ہیں۔ اسی قوم فروشی کی وجہ سے فرعون نے اس پر اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے تھے اور اس کو اپنی سلطنت کا رکن بنا لیا تھا۔ اسی لیے قرآن کریم نے یہ تصریح کی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون، ہامان کے علاوہ قارون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ ولقد ارسلنا موسیٰ بآیتنا و سلطان مبین الی فرعون وھامان وقارون فقالوا ساحر کذاب۔ (سورۃ مومن)

موسیٰ علیہ السلام پر ساحر اور کذاب کا بہتان لگانے میں بنی اسرائیل کا یہ قوم فروش سیٹھ قارون بھی اپنے ولی نعمت فرعون کے ساتھ تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اس کی ساری دولت و ثروت اسی وقت تک ہے جب تک فرعون شہریار مصر ہے۔

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ قارون اپنی قوم کے مفاد کو فرعون کے مفاد پر قربان کر دیا کرتا تھا۔ اور بنی اسرائیل کے حقوق کو کچلنے اور ان کو ذلیل و رسوا کرنے میں بڑا اہم کردار انجام دیا کرتا تھا۔

ایسے شخص کو فرعون یا اس کی حکومت سے کوئی دلی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے تو محض اپنا ذاتی وقار اور مالی

مَفَاتِحَهُ لَتَنُوٓأُ بِالْعُصْبَةِ أُولِى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ

چابیاں بڑا اپنے بوجھ سے جھکا دیتی تھیں ایک طاقتور جتھے (کی کمروں) کو۔ جب کہا اسے اس کی قوم نے ۷۸ زیادہ

لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ۝ وَابْتَغِ فِيمَآ ءَاتَىٰكَ

خوش نہ ہو بے شک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس مال و زر سے جو دیا ہے تجھے

اللَّهُ الدَّارَ الْءَاخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن

اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر ۷۹ اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے ۸۰ اور احسان کیا کر (لوگوں پر)

۷۷ مطلب یہ تھی سامراجی طاقتوں کی طرح فرعون ایسے ضمیر فروش کے مزاج سے خوب واقف تھا اور اسے بھی بھر کر عزت دیتا تھا۔ اسے کاروباری مراعات اور ٹھیکے دئیے جس سے اس کا کاروبار خوب چمکا اور مصر کا رئیس اعظم بن گیا۔ اس کی دولت کا ذکر قرآن کریم نے جس انداز سے فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد و حساب دولت کا مالک تھا۔ اس کے خزانوں کے قفلوں کی کنجیاں اتنی بھاری تھیں کہ ایک مضبوط اور طاقتور جتھہ جب انہیں اٹھاتا تو اس کی کمر جھک جاتی۔ مفاتح، مفتح کی جمع ہے اس کا معنی ہے کنجی اور اگر اسے مفتح کی جمع کہا جائے تو اس کا معنی خزانہ ہو گا۔

عصبہ دس تا پندرہ کی جماعت کو کہتے ہیں۔

تنوء ای تمیل بثقلها بوجھ سے کمر کا جھک جانا۔

جب بنی اسرائیل مصر سے روانہ ہوئے تو اس نے بھی اپنے ساز و سامان سمیت حضرت موسیٰ کی معیت میں بحر احمر کو عبور کیا۔

۷۸ قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے اسے یہ بات فرمائی کہ مال و دولت کی فراوانی سے تو بہت اترا رہا ہے اور تیرے دل میں احساس برتری اس حد تک پیدا ہو گیا ہے کہ اپنی قوم کے افراد یا ان کے حقوق کی پاسبانی کا تجھے خیال تک بھی نہیں آیا۔ اس روش سے باز آ جا کیونکہ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔

۷۹ آپ نے اسے فرمایا یہ دولت جو تجھے اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کو اس طرح خرچ کر کہ قیامت کے روز تیری نجات کی صورت پیدا ہو جائے۔ مومن کا دولت کے متعلق یہی نظریہ ہوتا ہے وہ اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اس کے دین کو سربلند کرنے کے لیے صرف کرتا ہے۔ وہ یہ جانتا ہے کہ دنیا اور اس کی ساری متاع چند روزہ ہے۔ اگر یہاں میں اپنے مال و زر کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروں گا تو یہ چیزیں میری آنے والی زندگی میں میرے کام آئیں گی۔

كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ ٱلْفَسَادَ فِى ٱلْأَرْضِ ۖ إِنَّ

جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ و فساد کی ملک میں ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ

ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ

نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو ۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے ملی ہے یہ (دولت و ثروت) اس علم کی وجہ سے

عِندِىٓ ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِۦ مِنَ

جو میرے پاس ہے کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے

اس کی اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ مومن اس دنیا کی لذتوں سے بالکل دست کش ہو جاتا ہے۔ فرمایا اسراف سے بچتے ہوئے اچھا کھاؤ، اچھا پہنو، اپنے آرام و آسائش میں مناسب وسائل استعمال کرو، یہ قطعاً ممنوع نہیں ہیں۔

لیکن ان تمام حالات میں اس بات کو مت فراموش کرو کہ یہ سب اللہ کی عطا ہے اور اس کے اس انعام کا صحیح شکر یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو آرام پہنچانے کے لیے اسے خرچ کیا جائے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے اسے استعمال نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فتنہ برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اگر آپ اس آیت میں غور و تامل فرمائیں گے تو مومن کی سیرت کے خدوخال آپ کو صاف نظر آئیں گے اور دنیا کے مال و متاع کو وہ جس نقطۂ نظر سے دیکھتا ہے اس پر آپ کو آگاہی حاصل ہو جائیگی۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مال و دولت اس لیے نہیں کہ تم عیش و عشرت کرتے رہو اور تمہارے شبستانوں کے سایہ میں زندگی کاٹنے والے غریب لوگ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہوں۔ مومن یہ سمجھتا ہے کہ جاہ و منزلت اس لیے نہیں کہ لوگوں پر ظلم کرتے رہو اور ان کے حقوق کو تلف کرتے رہو۔ بلکہ اس لیے ہے کہ خود بھی جائز حد تک اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے ہمسایوں، رشتہ داروں اور بنی نوع انسان کے لیے بھی تمہارا وجود، تمہارا اثر و رسوخ اور تمہاری دولت فائدہ مند ثابت ہو۔

یہاں سے ایک دنیا پرست انسان کی ذہنیت کو بے نقاب کیا جا رہا ہے کہ وہ یہ نہیں سمجھتا یہ چیزیں اور نعمتیں اس خالق و مالک نے اسے عطا فرمائی ہیں اس لیے اس پر اس کا شکر لازم ہے اور شکر کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اس کی مخلوق کو آرام پہنچایا جائے بلکہ وہ سرے سے اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ بڑے فخر و غرور سے یہ کہتا ہے۔ اوتیتہ علی علم عندی مجھے خدا نے نہیں دیا۔ یہ سب میری قابلیت، کاروباری مہارت اور مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ جب زمین میں یہ نظریہ سما جائے تو پھر اسے خرچ کرنے اور خرچ نہ کرنے کے معاملہ میں کچھ سمجھانا بے سود ہے۔ وہ کوئی پابندی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ آپ اسے یہ نہیں سمجھا سکتے کہ اس میں تیرے پڑوسیوں، غریب رشتہ داروں، ناداروں، قیمیوں اور بے سہارا

الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ۭ وَلَا يُسْـَٔلُ

قرنیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت

عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ

کیے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ۔ الغرض وہ ایک دن وہ نکلا اپنی قوم کے سامنے بڑی زیب و زینت

قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ

کے ساتھ۔ کہنے لگے وہ لوگ جو آرزومند تھے دنیوی زندگی کے۔ اے کاش! ہمیں بھی اسی قسم کا جاہ و جلال

اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ

نصیب ہوتا جیسے دیا گیا ہے قارون کو۔ یقیناً وہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ اور کہا ان لوگوں نے جنہیں

اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ

(دنیا کی بے ثباتی کا) علم دیا گیا تھا حیف تمہاری عقل پر۔ اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لیے جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے

جو افلاس کا بھی کچھ حصہ ہے اتنا وہ انہیں بے کار رکھتے، نا اعلیٰ صفت تو یہ کہ دل آزار لفظوں سے یاد کرتا ہے اور ان کی حیثیت پر انہیں ناقابل برداشت بوجھ تصور کرتا ہے۔ ان کے لیے رحم اور ہمدردی کے جذبات اس کے دل میں پیدا نہیں ہوتے بلکہ نفرت و حقارت سے وہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔ یہ نظریہ صرف عہد موسوی کے قارون کا نہ تھا بلکہ تمام قارون صفت انسانوں میں یہ قدر مشترک ہے۔

اس کی کم نگاہی اور غلط فہمی کو کتنے واضح الفاظ میں بیان کر دیا۔ اس قسم کے بے رحم سرمایہ داروں کی وجہ سے عالم انسانیت پر جو مصیبتیں آئیں اور ہلاکت و بربادی کے جو خونی انقلاب آئے وہ تاریخ کی ایک مسلم حقیقت ہے۔ کوئی مانے تو اس کی مرضی لیکن اس کی صداقت میں کسی کو کلام نہیں۔

جب وہ اپنے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ سے نکلا تو اسے دیکھ کر ظاہر بین لوگوں کے منہ میں پانی بھر آتا۔ وہ کہتے کتنا خوش نصیب ہے یہ قارون۔ کاش ہمیں بھی اس دولت کی کثرت سے کچھ حصہ ملتا۔

لیکن جو دنیا کی اس ناپائیداری کو جانتے ہیں اور اس کی حقیقت سے باخبر ہیں ان کے دلوں میں اس قسم کی کوئی خواہش پیدا نہیں ہوتی وہ دوسرے لوگوں کو بھی اس امر پر آگاہ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب عالی سے جو اجر مومن صالح کو

صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ

اور نہیں مرحمت کی جاتی یہ نعمت بجز صبر کرنے والوں کے ۸۰ پس ہم نے غرق کر دیا اسے بھی اور اس کے

الْاَرْضَ ۣ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۤ

گھر کو بھی زمین میں، تو نہ تھی اس کے حامیوں کی کوئی جماعت جو (اس وقت) اس کی مدد کرتی اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ

اور وہ خود بھی اپنا انتقام نہ لے سکا ۸۱ اور صبح کی ان لوگوں نے جو کل تک اس کے مرتبہ کی

بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

آرزو کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے اوہو! (اب پتہ چلا) کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق کو ۸۲ جس کے لیے چاہتا ہے

ملنے والا ہے اس کے سامنے اس جاہ و حشمت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ تم قارون بننے کی التجائیں نہ کرو، تم اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے کی کوشش کرو جب انسان اس مقام کو پالیتا ہے تو اس کی ساری حسرتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

۸۰ یہ بھی بتا دیا۔ یہ ابدی نعمت اور سرمدی دولت فقط باتیں بنانے، خالی دعوے کرنے اور ہوائی قلعے تعمیر کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ اس کے لیے بڑے صبر کے ساتھ اخلاص و عمل کی راہ پر قدم بڑھاتے چلے جانا شرط اول ہے۔

۸۱ اس کے متعلق مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس نے ایک فاحشہ عورت کے ساتھ سازش کی کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے وعظ کر رہے ہوں تو وہ مجمع عام میں آپ پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس طرح وہ موسیٰ کی عزت کو ختم کر کے دینی منصب بھی خود سنبھالنا چاہتا تھا۔ اس نے اس عورت کو کئی ہزار درہم بطور رشوت دیئے۔ ایک روز آپ وعظ فرما رہے تھے۔ آپ کے وعظ کا موضوع بھی یہی تھا کہ جو چور ہو گا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ جو بدکاری کا ارتکاب کرے گا اسے رجم کر دیا جائے گا۔ قارون نے اسے بہترین موقع سمجھا اور اٹھ کر کہنے لگا یہ قانون سب کے لیے ہے یا بعض لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ نے فرمایا سب کے لیے ہے۔ اس نے پوچھا کیا آپ پر بھی یہ لاگو ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا بیشک۔ اس نے کہا فلاں عورت آپ کے متعلق ایسا ایسا کہتی ہے اور اس نے کل بھی تو اقرار کیا ہے۔ اس لیے اس قانون کے مطابق آپ کو بھی رجم کی سزا ملنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا اس عورت کو مجمع عام میں پیش کرو۔ جب وہ آئی تو حضرت نے کہا تجھے اس خدا کی قسم جس نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو شق کیا، جس نے ہمیں تورات عطا فرمائی تو سچ سچ بتا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جھوٹ بولنے کی ہمت نہ دی اور ساری حقیقت بیان کر دی کہ مجھے قارون نے آپ پر الزام لگانے کے لیے رشوت دی ہے۔ آپ کو قارون کی اس

مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ

اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں گاڑ دیتا۔

وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا ع ۱۱

اور ہائے افسوس! پتہ چلا کہ کفار بامراد نہیں ہوتے۔ یہ آخرت کا گھر ہم مخصوص کر دیں گے اس (کی نعمتوں) کو

لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ

ان لوگوں کے لیے جو نہیں رکھتے زمین میں بڑا بننے کی ۸۳ اور نہ فساد برپا کرنے کی ۸۴ اور اچھا انجام

مجرم شخص پر حسرت صدمہ بھی بجا اور غضب بھی آیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے حواریوں کے ساتھ زمین میں غرق کر دیا۔

۸۲ اب ان لوگوں کی آنکھیں کھلیں جو قارون کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اب انہیں یہ پتہ چلا کہ دولت کی قلت و کثرت سعادت و شقاوت کا کوئی معیار نہیں۔ انسان جس حال میں ہو اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اس کے شامل حال ہو تو وہ کامیاب ہے ورنہ اس کا بھی وہی انجام ہوتا ہے جو قارون کا ہوا۔

۸۳ دنیا کے جاہ و جلال میں مست ہونے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ آخرت کی سرخروئی اور سرفرازی ان کے حصہ میں آئے گی جو یہاں علو کے خواہشمند نہیں۔ علو کا کیا معنی ہے، علماء لکھتے ہیں لوگوں پر اپنا غلبہ و تسلط جمانا اور ان کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ قال علماء غلبة وقهرا على الناس وتعاليا یعنی مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے حقوق کو پامال کر کے ان کے اموال کو غصب کر کے سردار بننا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ اس سے بظاہر شاید کوئی یہ سمجھے کہ کسی اچھے منصب پر فائز ہونا اور صاحب اقتدار بننا، معاشرہ میں کوئی معزز و محترم مقام حاصل کرنا بھی قرآن کریم کی نظر میں پسندیدہ نہیں اور آخرت کی کامیابی تب ہی حاصل ہو سکتی ہے جب کہ انسان زندگی بھر کی محرومیوں اور نامرادیوں کی گٹھڑی اپنے سر پر اٹھائے رکھے۔ اگر کوئی شخص ایسا سمجھتا ہے تو یہ اس کی اپنی کج نگاہی ہے۔ قرآن کریم تو آیا ہی اس لیے ہے کہ اپنے ماننے والوں کے سر پر انتم الاعلون کا زرنگار تاج سجے۔ شاید اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے سیدنا حضرت علیؓ نے اس آیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان فرمایا: وعن علی کرم اللہ وجهه انها نزلت فی اهل التواضع من الولاة واهل القدرة۔ یہ آیت ایسے حکمرانوں اور ذی استطاعت لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے عمر بھر تواضع اور انکسار کو اپنا شعار بنائے رکھا۔

۸۴ فساد سے مراد عام فساد ہے۔ عقیدہ کا فساد ہو یا عمل کا۔ اگر کوئی کفر و شرک کی ترویج کریگا تو وہ بھی مفسد ہے اور اگر کوئی فسق و فجور کا ارتکاب کرے گا اور اس کا بازار گرم کرنے کے لیے کوشش کرے گا تو وہ بھی مفسد ہے۔

لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ

پرہیزگاروں کے لیے ہے۔ جو کرتا ہے نیکی ۸۱ تو اس کے لیے بہتر صلہ ہے اس نیکی سے۔ اور جو ارتکاب کرتا

بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا

ہے برائی کا تو نہ بدلہ دیا جائے گا انھیں جنھوں نے بدکاریاں کیں مگر اتنا، جتنا انھوں نے

يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى

کیا۔ (اے محبوب!) یقیناً وہ (کارساز مطلق) جس نے آپ پر قرآن کی تبلیغ فرض کی ہے آپکو واپس لے جائے گا

مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِيْ

جہاں آپ جانا چاہتے ہیں ۸۲ آپ فرمائیے میرا رب خوب جانتا ہے اسے جو آیا ہدایت لیکر اور اسے بھی جو کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ

گمراہی میں ہے۔ اور آپ کو تو یہ امید نہ تھی کہ نازل کی جائے گی آپ کی طرف کتاب ۸۳ مگر

---

۸۱ جو نیکی کریگا اس کو اس کی نیکی کا اجر صدہا گنا عطا فرمایا جائے گا۔ اور جو گناہ کا مرتکب ہوگا اس کو سزا ایک گناہ کی ہی ملے گی۔ ادھر رحمت وکرم کی بیکرانیاں ہیں۔ اُدھر عدل و انصاف کے تقاضے۔

۸۲ معاد کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ۔ اس سے مراد مکہ شریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم سے وعدہ فرمایا کہ جس ذات پاک نے آپ پر قرآن نازل کیا اور اس کی تلاوت اور اشاعت کو آپ پر فرض کیا۔ وہ آپ کی پشت پناہی فرما رہی ہے۔ ایک دفعہ آپ کو مکہ سے ہجرت کرنی پڑے گی لیکن پھر یہاں آپ کی واپسی اس شان و شوکت سے ہوگی کہ سارے دشمن سر جھکائے ہوئے آپ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ان کی قسمت کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ چنانچہ فتح مکہ کے دن یہ وعدہ پورا ہوا۔ اور صرف مکہ ہی اسلامی قلمرو میں داخل نہیں ہوا بلکہ اس کے بعد قلیل عرصہ میں سارے جزیرۂ عرب پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ معاد کا معنی جنت بھی کیا گیا ہے۔

۸۳ یعنی جس نعمت نبوت سے آپ کو سرفراز فرمایا گیا ہے اس کے لیے تو کبھی آپ نے دعا کی نہ اس منصب کو حاصل کرنے کے لیے آپ نے کبھی کوئی جدوجہد کی اور نہ کبھی آپکے دل میں ہی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ کو نبی بنا کر وحی سے مشرف کیا جائے۔

إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٦﴾

یہ محض رحمت ہے آپ کے رب کی (جو آپ کو صاحب قرآن بنا دیا) تو آپ ہرگز کافروں کے مددگار نہ بنیں۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذْ أُنزِلَتْ إِلَيْكَ وَادْعُ

اور دھیان رہے (وہ ہرگز نہ روکیں آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے اس کے بعد کہ وہ اتاری گئیں آپ کی طرف اور بلائیے

إِلَىٰ رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ

دوسروں کو اپنے رب کی طرف اور ہرگز نہ ہو جانا شرک کرنے والوں سے۔ اور نہ پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ

إِلَٰهًا آخَرَ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

کسی اور معبود کو۔ نہیں ہے کوئی معبود بجز اس کے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے ۹۲ سوائے اس کی ذات کے

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾ ع ۹ ۱۲

اسی کی حکمرانی ہے۔ اور اسی کی طرف تمھیں لوٹایا جائے گا ۹۳

۹۲ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو خدا بنا کر مت پکارو۔ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت و یاد میں اپنی زندگی گزار دو۔ یہ ساری دنیا اپنی جملہ نعمتوں، وسعتوں اور کثرتوں کے باوجود فانی ہے۔ عرش و فرش بحر و بر سب فنا ہو جائیں گے ایک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک باقی رہے گی۔ الا وجہہ کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے مگر وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیے گئے ہیں انھیں ہی بقا و دوام حاصل ہوگا۔

۹۳ اسی کا حکم ہے جو ہر جگہ نافذ ہے چھوٹی بڑی ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہے کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے اور تمھیں یہاں چند روزہ زندگی گزارنے کے بعد آخر کار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں اس طرح وقت گزارو کہ قیامت کے دن جب تم بارگاہ رب العلمین میں حاضر ہو تو تمھاری جبین پر اس کی بندگی کا روشن نشان چمک رہا ہو تمھارا دل اس کی محبت کے بادۂ دوام سے سرشار ہو۔ تمھارا سینہ اس کے نور معرفت سے منور ہو۔ اور جب تم قبروں سے نکلو تو رحمت کے فرشتے تمھارے استقبال کے لیے پرے باندھے کھڑے ہوں اور تمھیں مرحبا اور خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔

وجہہ: وجہ عربی میں چہرے کو کہتے ہیں لیکن بطریق مجاز اس کا اطلاق ساری ذات پر ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں وجہہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ ای ذاتہ عزوجل (روح المعانی)

تعارف سُورۃ العنکبُوت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورت کا نام العنکبوت ہے جس کا ذکر آیت ۴۱ میں آیا ہے۔ آیات کی تعداد انہتر ہے۔ اس میں نو سو اسی کلمات اور چار ہزار ایک سو پچانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: حسن، عکرمہ، عطاء اور جابر رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین:

۱۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور دعوتِ توحید سے سارا مکہ آتش زیر پا ہو گیا۔ انھوں نے اسلام کی شمع کو گل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ وہ سلیم الطبع لوگ جو کفر و شرک کی نحوستوں سے دل برداشتہ ہو گئے تھے اور حق کے حسن سے مسحور ہو کر دامنِ حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثنا میں پناہ لے لیتے، ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی۔ بعض لوگ اسلام کی صداقت کے تو معترف تھے لیکن ان مظالم کو برداشت کرنے کی ہمت ان میں نہ تھی اس لیے ان حالات میں اپنی قسمت کو اسلام کے ساتھ وابستہ کرنا تقریباً دانشمندی نہیں سمجھتے تھے۔ بعض اس قسم کے بھی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کو قبول کیا لیکن مصائب و آلام کی آندھیوں میں وہ اپنی شمعِ ایمان روشن نہ رکھ سکے۔ ان سب لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف وہی لوگ سرفراز ہوتے ہیں جو آزمائش کی کٹھن گھڑیوں میں ثابت قدم رہتے ہیں اور امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ جو زبان سے اسلام کا دم بھرتے ہیں اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن امتحان کے میدان میں صبر و استقامت کا مظاہرہ نہیں کر سکتے وہ قطعاً قابلِ التفات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور یہی کسوٹی ہے جس پر اس نے اہلِ ایمان کو پہلے بھی پرکھا اور قیامت تک پرکھے گا۔

۲۔ کفارِ مکہ کو اپنے بے شمار خداؤں پر بڑا گھمنڈ تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب اتنے خدا ہماری پشت پناہی کرنے کے لیے موجود ہیں تو ہمیں محمد (روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ایک خدا سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ مادی وسائل کی بھی ان کے ہاں کوئی کمی نہ تھی۔ وہ کعبہ کے متولی اور خدمتگار تھے۔ سب قبائل ان کی دل سے عزت کرتے اور کسی ہنگامی صورتِ حال کے وقت ان کے ادنیٰ اشارہ پر شمشیر بکف میدان میں آنے کے لیے تیار تھے۔ شجاعت و مردانگی اور جنگی مہارت میں بھی ان کا جواب نہ تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر انھیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی تشویش نہ تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے

کہ ان کا قلعہ اتنا مستحکم اور محفوظ ہے کہ اس پر کوئی یلغار کارگر ثابت نہیں ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتے ہیں کہ اے حبیب! انکے یہ سارے سہارے ایسے بے سہارے ہیں مکڑی کے جالے کی مانند ہیں وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت اور تمام گھروں سے کمزور ترین گھر مکڑی کا گھر ہی ہے جو ایسے کمزور و بودے گھر میں بستا ہو اور پھر قہر خداوندی کی بجلیوں کو دعوت دے رہا ہو اس سے زیادہ احمق بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔

۳ - اس کے بعد دلائل توحید بیان کیے گئے جو آسان اور زود فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اتنے مؤثر ہیں کہ خود بخود قلب پر نقش ہوتے چلے جاتے ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی شخص اٹھاتا ہے جس کے دل میں حق کی طلب ہو اور جس کی آنکھوں پہ تعصب کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہو۔

۴ - آخر میں والذین جاھدوا فینا فرما کر اس جانگسل اور کٹھن راہ کے مسافروں کی تسکین اور حوصلہ افزائی کی انتہا فرما دی۔ واقعی اللہ تعالیٰ بڑا بندہ نواز اور قدردان ہے وہ اپنے چاہنے والوں کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَسِتُّوْنَ اٰيَةً وَسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ العنکبوت مکی ہے اور اس کی ۶۹ آیتیں اور ۷ رکوعات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿١﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ

الف لام میم ۱؎ کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں

لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ

آزمایا نہیں جائے گا ۲؎ اور بیشک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزر چکے ۳؎ پس اللہ تعالیٰ ضرور

۱؎ حروف مقطعات ہیں۔

۲؎ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا اور حضور کے دامن سے وابستہ ہونا کفار مکہ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ خون اور قرابت کے سارے رشتے، دوستی اور محبت کے سارے تعلقات ٹوٹ جاتے حتیٰ کہ مروت و احسان کے سارے احساسات بھی یک قلم ختم ہو جاتے۔ حق قبول کرنے کے جرم میں ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی۔ کئی کمزور طبع لوگ اسلام کی صداقت پر یقین رکھنے کے باوجود اسے قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکتے۔ جو توحید سے سرشار ہو کر جور و ستم کی اذیتوں کو بخوشی برداشت کرنے والوں کو اللہ تسلی دے رہا ہے کہ ہماری یہ سنت ہے کہ ہم ہر ایمان لانے والے کو آزمائش کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ صرف کسی کا یہ کہہ دینا کہ میں مومن ہوں کافی نہیں۔ اس لیے امتحان کے ان مرحلوں کو ہمت، صبر اور عزم سے طے کرتے جاؤ۔ اس کا انجام بڑا دل خوش کن ہوگا۔

۳؎ پہلے جو ایمان والے تھے ان کو بھی ہم نے اسی طرح آزمایا جس طرح تم آزمائے جا رہے ہو۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے سایہ میں اپنی چادر سے تکیہ لگائے تشریف فرما تھے کہ ہم نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ہم پر مصائب کی حد ہوگئی کیا حضور ہمارے لیے دعا نہیں فرماتے۔ حضور نے فرمایا یہ مصیبتیں صرف تم ہی برداشت نہیں کر رہے بلکہ تم سے پہلے کفار کا یہ طریقہ تھا کہ مومن کو پکڑتے اس کے لیے ایک گڑھا کھودتے پھر اس گڑھے میں اسے کمر تک گاڑ دیتے پھر آری لا کر اس کے سر پر چلائی جاتی اور کاٹ کر اس کے دو حصے کر دیئے جاتے۔ بعض پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں۔ ان کے گوشت اور ہڈیوں کو ادھیڑ کر رکھ دیا جاتا۔ اس کے باوجود وہ

اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳ اَمْ حَسِبَ

دیکھے گا کہ انھیں جو دعوئ ایمان میں سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے دعویداروں کو۔ کیا خیال کر رکھا ہے

الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴

انھوں نے جو کر رہے ہیں برے کرتوت کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے؟ بڑا غلط فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ۭ وَهُوَ

جو شخص امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ملنے کی تو وہ سن لے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا وقت ضرور آنے والا ہے

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ

اور وہی ہر بات سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے (حق کو سربلند کرنے کی) تو وہ اپنے فائدہ کے لیے

مومن اپنے دین پر ثابت قدم رہتے۔ اے خباب! اللہ کی قسم یہ دین ہر صورت پھیلے گا۔ اس کے نقل جانے میں اتنا امن و امان ہوگا کہ صنعا سے چل کر ایک شخص حضرموت تک سفر کرے گا اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوگا۔ آخر میں فرمایا ولکنکم تستعجلون۔ لیکن تم جلد بازی سے کام لیتے ہو۔

؎ علامہ قرطبی اس کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں فليعلمن الله الذين صدقوا اى ليظهرن الله تعالىٰ جو لوگوں کے صدق اور کذب کو اپنے علم ازلی قدیم سے جانتا ہے اس کو عالم واقع میں ظہور پذیر ہوتے دیکھ لے۔ علامہ آلوسی بھی اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ليتعلقن علمه حاليا يتميز به الذين صدقوا فى الايمان من الذين كذبوا فيه ويتوط به ثوابهم وعقابهم۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم ازلی سے ہر شخص کے جملہ احوال کو ازل تا آخر جانتا ہے۔ فلاں نیک کام کرے گا۔ فلاں بدکاریوں میں مشغول رہے گا۔ فلاں اس سن میں جہاد کرے گا۔ فلاں اس سال میں قتل کرے گا وغیرہ۔ لیکن اس علم قدیم پر جزا و سزا مرتب نہیں ہوتی جس شخص کا قاتل ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اسے ارتکاب قتل سے پہلے سزا نہیں دے دیا جاتا۔ اسی طرح مجاہد کو اس کا اجر میدان جہاد میں داد شجاعت دینے کے بعد ملے گا۔ اس لیے یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کے بعد کوئی شخص اپنے نیک و بد اعمال کے لیے جزا اور سزا کا حقدار ہوتا ہے۔ مزید تحقیق کے لیے ضیاء القرآن جلد اول سورۂ بقرہ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

؎ یعنی کیا بدکردار لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ہم ان کو سزا دینے کا ارادہ کریں گے تو وہ کہیں بھاگ جائیں گے اور ہم انھیں پکڑ نہ سکیں گے۔ انھیں چاہیے کہ اس غلط فہمی کو اپنے دل سے نکال دیں جب ہمارا عذاب انھیں گھیرے گا تو

إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

ہی کوشاں ہے شہ بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے تمام کائنات سے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے

الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ

تو ہم دور کر دیں گے ان سے ان کی برائیاں (دلی نحوست) ضرور اور ہم انہیں بہت عمدہ بدلہ دیں گے ان (اعمال حسنہ)

الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٧﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

کا جو وہ کیا کرتے تھے شہ۔ اور ہم نے حکم دیا انسان کو کہ وہ اچھا والدین کے ساتھ

حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

اچھا سلوک کرے شہ اور اگر وہ یہ کوشش کریں تیرے ساتھ کہ تو شریک بنائے کسی کو میرا جس کے متعلق تجھے کوئی علم نہیں

فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

تو اس بات میں ان کی اطاعت نہ کر شہ میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے پھر میں آگاہ کروں گا تمہیں ان اعمال سے جو تم کیا کرتے تھے

مارے دہشت کے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں گے چہ جائیکہ وہ بھاگ کر ہم سے روپوش ہو جائیں۔

شہ جو شخص اسلام کی سربلندی کے لیے مصروف جہاد رہتا ہے وہ خداوند کریم پر احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں سراسر اس کا اپنا فائدہ ہے کیونکہ اگر اس نے جہاد نہ کیا اور کافر غالب آ گئے تو اس کی آزادی چھن جائے گی اسے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔ اس کا گھر بار مال و متاع غارت و تاراج کر دیا جائے گا۔ اس کی آبرو خاک میں مل جانے کی امید بھی ممکن ہے کہ منافق اور خدا ناترس دشمن اس کو اسلام چھوڑنے پر مجبور کر دے۔ ان تمام حالات میں نقصان اسی کا ہوگا جہاد کی اہمیت کی طرف کس عمدگی سے توجہ دلائی گئی ہے۔

شہ جو لوگ صدق دل سے ایمان لے آتے ہیں اور پھر اعمال صالحہ سے اسے آراستہ کرتے ہیں ہم ان کی غلطیوں اور گناہوں کو اپنے دامن رحمت سے ڈھانپ دیں گے کسی عیب چین کو تہمت کی مجال نہ ہوگی کہ وہ کبھی اس کی سیرت کا دامن آلودہ افکار تھا۔ ای لنغطینها عنهم بالمغفرة لهم (قرطبی)۔ علامہ پانی پتی نے لکھا ہے نذهب سیاٰتهم عنا تهم ہم ان کی برائیوں کو نیکیوں سے مٹا دیں گے۔

شہ قرآن حکیم میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے ان کی خدمت و دلجوئی میں کوشاں رہنے کا بڑا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۝٩

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال بھی کیے تو ہم ضرور شامل کر لیں گے انھیں نیکوں (کے زمرہ) میں ٭۱۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ پر پھر جب ستایا جاتا ہے اسے راہ خدا میں تو بنا لیتا ہے لوگوں

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ

کی آزمائش کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے برابر ٭۱۱ اور اگر آجائے نصرت آپ کے رب کی طرف سے تو وہ کہنے

حکم دیا گیا ہے جس طرح متعدد مقامات پر اس کا تفصیلاً ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پھر اس ارشاد گرامی کو دہرایا جا رہا ہے۔ ووصینا، اوصینا یعنی ہم نے حکم دیا۔

۹ والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرنے کے بعد یہ امر بھی واضح کر دیا کہ اگر والدین بھی شرک کا حکم دیں تو یہ حکم ان کا بھی نہ مانا جائے۔ یہ درست ہے کہ ماں باپ کے بڑے حقوق ہیں لیکن اللہ کا حق دنیا بھر کے حقداروں کے حقوق سے اعلیٰ و ارفع ہے حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی۔ میں اپنی ماں کا بڑا فرمانبردار اور خدمت گزار تھا جب میں مشرف باسلام ہوا تو میری ماں نے کہا یا تو تم اپنے نئے دین کو چھوڑ دو ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی اور اسی طرح بھوکی پیاسی مر جاؤں گی پھر لوگ تمہیں یہ کہہ کر عار دلائیں گے یا قاتل امہ۔ اسے اپنی ماں کے قاتل۔ دو دن تو میں نے انتظار کیا کہ جب اسے بھوک تنگ کرے گی خود بخود کھانا کھا لے گی لیکن میں نے دیکھا کہ وہ اپنی ضد پر قائم ہے تو میں نے اس کو صاف الفاظ میں بتا دیا یا اماہ لو کانت لک مائۃ نفس فخرجت نفسا نفسا ما ترکت دینی۔ اے ماں اگر ایک کے بجائے تیری سو جانیں ہوں اور بھوک کی وجہ سے وہ ایک ایک کر کے بھی نکل جائیں تب بھی میں اپنا دین نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے میرا یہ عزم مصمم دیکھا تو اس نے کھانا شروع کر دیا۔

۱۰ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی سنگت اور ان کی معیت بہت بڑی نعمت ہے اور ایمان اور عمل صالح کی بہترین جزا ہے۔

۱۱ وہ لوگ جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ راستہ ہموار ہے یہاں کوئی نشیب و فراز نہیں۔ کوئی زحمت گوارا کیے بغیر منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے لیکن ان کی توقع کے خلاف جب منکرین اسلام کے کالے بادل گھر کر آجاتے ہیں تو اس وقت وہ اپنے بچاؤ کی خاطر اسلام سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ انھیں رحمت الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا کیونکہ دشمنان اسلام کے ظلم و ستم سے تو وہ خائف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ

لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۚ أَوَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ

کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ تھے ؎ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اس چیز کو جو لوگوں کے سینوں میں

الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿١١﴾

پنہاں ہے اور ضرور دیکھے گا اللہ تعالیٰ انھیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھے گا منافقوں کو ۔ اور

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ

کہا کافروں نے ؎ ایمان والوں سے تم چلو ہماری راہ پر اور ہم اٹھا لیں گے

خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنَّهُمْ

تمہارے گناہوں (کے بوجھ) کو ۔ اور وہ نہیں اٹھا سکتے ان کے گناہوں سے کچھ بھی ؎ وہ بالکل جھوٹ

لَكَاذِبُونَ ﴿١٢﴾ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَ

بول رہے ہیں ۔ اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ ؎ اور دوسرے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھوں کے

کے قہر وغضب سے انھیں ڈر نہ آیا۔ محض اپنی جان بچانے کے لیے یا دیگر مالی منفعتوں کی خاطر انھوں نے عہد وفا توڑ ڈالا۔ وہ اس قابل نہیں کہ انھیں بلال و صہیب، عمار و یاسر جیسے عاشقان باوفا کے زمرہ میں شامل کیا جائے۔ یہ عشق کی توہین ہے یہ حسن ازل کی ناقدری ہے اور خدائے غیور اس کو برداشت نہیں کرتا۔

؎ جو لوگ ہوا کا رخ دیکھ کر اپنے نظریات و عقائد میں رد و بدل کر لینے کے خوگر ہیں اگر وہ اسلام قبول کرنے کا اقرار بھی کر لیں جبکہ انھیں اپنی جان اور اپنے مال کا کوئی خطرہ نہ ہو تو ان کا اقرار قابل اعتماد نہیں۔ یہ کھوٹے سکے ہیں اخلاص و وفا کے بازار میں چلنے کے قابل نہیں۔

؎ کفار مسلمانوں کو کہا کرتے کہ پہلے تو عقل اس کو تسلیم ہی نہیں کرتی کہ مرنے کے بعد ہمیں پھر زندہ کیا جائے گا اور ہمیں اپنے نیک اور برے عملوں کی کوئی جزا یا سزا ملے گی۔ بفرض محال اگر ایسا ہوا بھی تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ بھی خود اٹھا لیں گے۔ اس لیے تم بے فکر ہو جاؤ اور اس دین کو چھوڑ کر اپنے پرانے مذہب پر پکی کار بند رہو۔ دنیا تو ظاہر ہے کہ آرام اور ٹھاٹھ باٹھ سے گزار رہے ہو باقی رہی قیامت تو اس کے لیے تمہیں فکرمند ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہم خود نمٹ لیں گے۔

لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا

ساتھ - اور ان سے بازپرس ہوگی قیامت کے دن ان دعووں کے متعلق جو وہ گھڑا کرتے تھے۔ اور بیشک ہم نے بھیجا نوح

اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا فَاَخَذَهُمُ

(علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف تو وہ ٹھہرے رہے ان میں پچاس کم ہزار سال پھر آ پکڑا انہیں

۲۲ کتنا سفید جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان سے تو اپنا بوجھ بھی نہ اٹھایا جاسکے گا چہ جائیکہ وہ کسی دوسرے کا بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتے ہوں۔

۲۳ البتہ جن لوگوں کو انہوں نے گمراہ کیا، اپنے گناہوں کے بارگراں کے ساتھ ساتھ ان کی پشت پر ان گمراہ ہونے والوں کا بوجھ بھی لاد دیا جائے گا کیونکہ ان کے گمراہ ہونے میں ان گمراہ کرنے والوں کا بھی حصہ ہے۔ بلکہ ان کی گمراہی ان کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ اس لیے گویا یہ بھی ان ہی کا عمل ہے اور وہ اس کی سزا کے بجا طور پر مستحق ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من دعا الی الھدی فاتبع علیہ وعمل بہ فلہ مثل اجور من اتبعہ ولا ینقص ذالک من اجورھم شیئا وایما داع دعا الی ضلالۃ فاتبع علیھا وعمل بھا بعدہ فعلیہ مثل اوزار من عمل بھا ومن اتبعہ لا ینقص ذالک من اوزارھم شیئا۔ (قرطبی)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور لوگوں نے اس ہدایت کو قبول کیا اور اس پر عمل کیا تو سارے عمل کرنے والوں کا ثواب اس داعی کو ملے گا اور ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جس نے گمراہی کی دعوت دی اور لوگوں نے اسے قبول کیا اور اس کے مطابق عمل کیا تو سب گمراہوں کی گمراہی کا بوجھ اس پر لادا جائے گا اور ان کے بوجھ میں بھی کمی نہیں ہوگی۔

۲۴ جب انسان کو کسی اچھے کام کے لیے شدائد و مصائب برداشت کرنے کی تلقین کی جا رہی ہو اور پھر اس کے سامنے ایک ایسے شخص کی مثال بیان کر دی جائے جس نے آزمائشوں اور تکلیفوں میں صبر و استقامت کا بہترین نمونہ پیش کیا ہو تو انسان بڑی تسکین محسوس کرنے لگتا ہے اور اس کی ہمت بلند ہو جاتی ہے۔ وہ یہ سمجھ لیتا ہے کہ مجھ سے پہلے بھی خدا پرستوں پر امتحان کی گھڑیاں آچکی ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان و یقین کی پختگی کا ایک شاندار مظاہرہ کیا۔ اسی مقصد کے پیش نظر اس موقع پر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کیونکہ جس ضدی قوم سے آپ کو واسطہ پڑا تھا اور جتنا طویل عرصہ دس بیس یا سو دو سو سال نہیں بلکہ پوری ساڑھے نو صدیاں ان کے ظلم و ستم کو سہتے ہوئے گزاری تھیں لیکن اپنی روش اور عزیمت میں ذرا لچک نہ آنے دی۔ اس وقت کے حالات کے مطابق یہ بہترین مثال تھی بلکہ قیامت تک اہل حق کے لیے اس میں صبر و ثبات قدمی کا ایک دلنشیں درس ہے کہتے ہیں آپ نے اپنی رہائش کے لیے سرکنڈوں کا ایک مکان بنایا ہوا تھا

الطُّوفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُونَ ﴿۱۴﴾ فَأَنجَيْنٰهُ وَأَصْحٰبَ السَّفِينَةِ وَ

طوفان نے ۱۳؎ اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے نجات دی نوح کو اور کشتی والوں کو اور

جَعَلْنٰهَا آيَةً لِّلْعٰلَمِينَ ﴿۱۵﴾ وَإِبْرٰهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا

ہم نے بنا دیا اس کشتی کو ایک نشانی سارے جہان والوں کے لیے۔ اور ابراہیم کو یاد کرو جب آپ نے فرمایا اپنی قوم کو عبادت کرو

اللّٰهَ وَاتَّقُوهُ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ

اللہ تعالیٰ کی ۱۴؎ اور اس سے ڈرتے رہا کرو یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم حقیقت کو جانتے ہو۔ تم تو پوجا کرتے ہو

مِن دُونِ اللّٰهِ أَوْثٰنًا وَتَخْلُقُونَ إِفْكًا إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی اور تم گھڑا کرتے ہو نرا جھوٹ۔ بیشک جن کو تم پوجتے ہو

مِن دُونِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِندَ اللّٰهِ الرِّزْقَ

اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر وہ مالک نہیں تمہارے رزق کے پس طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے رزق ۱۵؎

کسی نے عرض کی حضرت! اگر آپ پختہ اور عمدہ مکان بنا لیتے۔ فرمایا: ھٰذا کثیر لمن یموت، جس نے مرنا ہے اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں آپ کا یہ نسب نامہ بیان کیا ہے: نوح بن لامک بن متوشلخ بن ادریس ہو اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث ابن آدم علیہما السلام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳؎ جب سمجھاتے سمجھاتے ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ گزر گیا لیکن انھوں نے ہدایت کو قبول نہ کیا تو انھیں اس مسلسل نافرمانی کی پاداش میں غرق کر دیا گیا اور نوح اور آپ کے غریب ساتھیوں کو بچا لیا گیا جنھیں دیکھ کر کفار حقارت سے آنکھیں پھیر لیا کرتے تھے اور انھیں خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ نوح کا ذکر مفصل طور پر سورۃ الاعراف، ہود، المؤمنون، الشعراء میں گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱۴؎ اب ابو الانبیاء جد حبیب کبریا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ انھوں نے اپنی بت پرست قوم کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی کیسی دعوت دی۔

۱۵؎ یہاں بت پرست قوموں کی ایک مخصوص ذہنیت کو واضح کیا جا رہا ہے کہ انھوں نے پتھر اور لکڑی سے تراشے ہوئے ان بتوں کو جو خدا بنا رکھا تھا تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ انھیں راہِ ہدایت پر چلنے کی تلقین کرتے تھے

وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ

اور اسی کی عبادت کیا کرو ۱۶؎ اور اس کا شکر ادا کیا کرو اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۱۷؎ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو یہ کوئی

كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

نئی بات نہیں) ۱۸؎ جھٹلایا (اپنے نبیوں کو) ان امتوں نے بھی جو تم سے پہلے تھیں اور رسول پر فرض نہیں بجز اس کے کہ وہ (اللہ) کا

انہیں برائیوں سے روکتے تھے، ان کے معاشرہ کو فسق وفجور سے پاک کرنے کے اصول بتاتے تھے یا ان کی روحانی قوتیں ان کی توجہ سے نشوونما پاتی تھیں ان میں سے کوئی چیز بھی انہیں ان بتوں سے حاصل نہیں ہوتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ان چیزوں کی ان کی نظروں میں کوئی اہمیت بھی نہیں تھی اور نہ ان کی طلب کا ولولہ ان کے قلوب میں کبھی پیدا ہوا تھا۔ ان کے سامنے دولت کا حصول ہی مقصد حیات بن کر رہ گیا تھا۔ وہ بتوں کے سامنے اس لیے ہاتھ پھیلاتے، ان کی پوجا کرتے، ان کے بھجن گاتے کہ ان کا کاروبار ترقی کرے۔ ان کی دولت میں اضافہ ہو۔ اس لیے ان کی ذہنی سطح کے مطابق انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ جن کے لیے تم ان کے چرنوں میں اپنے سر جھکاتے ہو ان کے پاس تو اس کا ایک دانہ تک نہیں۔ یہ بیچارے اندھے، بہرے، بے جان مجسمے تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتے۔ اگر تمہیں دولت کی ہی طلب ہے تو خداوند ذوالجلال کی بارگاہ عظمت میں حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ جس کے پاس رزق کے خزانے بھرے پڑے ہیں اور جو بڑا سخی اور کریم ہے۔ جس کی شان کریمی یہ گوارا ہی نہیں کرتی کہ کوئی خالی ہاتھ اس کے سامنے اٹھائے اور وہ انہیں یونہی خالی واپس کر دے۔ جو کچھ تمہارے پاس فی الحال موجود ہے وہ بھی رب کریم کی عطا ہے اور مزید کچھ لینا ہے تو اسی سے مانگو وہی دے گا۔

۱۶؎ رزق اور دولت کوئی ایسی چیز نہیں کہ انسان سے کہ اسی پر قانع ہو جائے بلکہ اس کی عبادت کرو اور مقام عبدیت کی رفعتوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اسی میں انسانی عظمت کا راز مضمر ہے یہی کمال انسانیت ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان اسے حاصل ہو جائے۔ اے خود فراموشو! کہاں مارے مارے پھر رہے ہو۔ اس نے بن مانگے جن گراں بہا نعمتوں یا زندگی صحت وغیرہ سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے ان کا شکریہ ادا کرو۔ وہ ان نعمتوں سے بھی اعلیٰ نعمتوں کے خزانے تمہارے لیے کھول دیگا۔

۱۷؎ اگر تم پھر اپنے معبود برحق سے منہ موڑے رہے اور دنیا کی فانی لذتوں کے حصول میں ہی مگن رہے تو یاد رکھو تمہیں ایک روز اس کے حضور میں پیش کیا جائے گا اس دن تمہیں معلوم ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر جو فرمایا کرتے تھے وہی سچ تھا۔

۱۸؎ حضرت ابراہیم نے جب کفر پر ان کے اصرار اور حق سے ان کے عناد کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے لیے تمہارا یہ رویہ قطعاً باعث حیرت نہیں۔ مجھ سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے جو رسول آئے ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہی سلوک کیا جو تم مجھ

أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى

حکم صاف صاف طور پر پہنچا دے۔ کیا انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ کس طرح آغاز فرماتا ہے اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کا پھر وہ (کس طرح)

اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿١٩﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ

اس کا اعادہ کرتا ہے۔ بلاشبہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں ۲۸؎ اور غور سے دیکھو

ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

کس طرح اس نے خلق کی ابتدا فرمائی۔ پھر اللہ تعالیٰ (اسی طرح) پیدا فرمائے گا دوسری بار۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے

يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ ۖ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿٢١﴾

سزا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور رحم فرماتا ہے جس پر چاہتا ہے ۲۹؎ اور اسی کی طرف تم پھیرے جاؤ گے۔

ساتھ کر رہے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ جو عبرتناک انجام ان کا ہوا تمہیں بھی اس سے دوچار ہونا پڑے۔ رسول کا فرض تو یہ ہے کہ وہ پورے اخلاص اور کمال دلسوزی سے حق کی دعوت دے۔ بہر حال وہ فرض میں نے پوری طرح ادا کر دیا ہے۔

۲۸؎ قل میں خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہے یا سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ مقصد یہ ہے کہ ان منکرین کو کہیے! تم مختلف ممالک کی سیر کرو۔ وہاں تمہیں رنگا رنگ مخلوق نظر آئے گی۔ جو اپنی شکل و صورت، اپنی خصوصیات، اپنے اثرات وغیرہ سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ غور کرو جس قادر مطلق نے ان کو یہ خوبیاں اور مخصوص صلاحیتیں عطا فرما کر پیدا کیا ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ پھر انہیں زندہ کر دے۔

۲۹؎ وہ جس کو چاہتا ہے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت بے پایاں سے نوازتا ہے۔ علماء ربانی نے لکھا ہے کہ عذاب الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ میں پھینکنا بھی عذاب ہے اور دنیا میں ذلیل و خوار کرنا۔ دل میں حرص و طمع پیدا کر دینا، بداخلاق بنا دینا، اپنی یاد اور ذکر سے دل کو پھیر دینا، اتباع سنت کے بجائے بدعات کا شیدائی بنا دینا، یہ سب اس کے عذاب کی متنوع شکلیں ہیں۔ الٰہی تجھے واسطہ ہے اپنے محبوب بندے محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا کہ اس روسیاہ اور خطاکار کو اپنے ہر قسم کے عذاب سے بچالے۔ میرے ماں باپ کو بھی اور میری ذریت کو بھی اور حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کو بھی اپنے ہر قسم کے عذاب سے محفوظ فرما۔ یا ارحم الراحمین! جس طرح اس کے عذاب کی کئی صورتیں ہیں اسی طرح اس کی رحمت کے بھی کئی انداز ہیں۔ آخرت میں جنت الفردوس میں داخل کرنا۔ اپنے دیدار کی نعمت بخشنا۔ اور دنیا میں اپنی مدد سے سرفراز رکھنا۔ قناعت و حسن خلق کے زیور سے

وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُم

اور نہیں ہو تم بے بس کرنے والے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں (بھاگ کر) اور نہ آسمان میں (پناہ لے کر) ٢٢ اور نہیں ہے تمہارے

مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِ

لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ۔ اور جن لوگوں نے انکار کیا اللہ تعالیٰ کی آیات کا

ٱللَّهِ وَلِقَآئِهِۦٓ أُو۟لَٰٓئِكَ يَئِسُوا۟ مِن رَّحْمَتِى وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمْ

اور اس کی ملاقات کا، وہ لوگ مایوس ہو گئے ہیں میری رحمت سے اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٣﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوا۟ ٱقْتُلُوهُ

عذاب الیم ہے ۔ آپ کی قوم سے کوئی جواب نہ بن آیا بجز اس کے کہ انھوں نے کہا کہ اسے قتل کر ڈالو

أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنجَىٰهُ ٱللَّهُ مِنَ ٱلنَّارِ ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ

یا اسے جلا دو ۔ سو بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے آگ سے ٢٣ بےشک اس واقعہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے

آراستہ کرنا اور اپنی محبت اور اپنی یاد کی طرف دل کو مائل کرنا اور اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق بخشنا۔ الٰہی! اپنے حبیب کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے اس روسیاہ اور خطاکار کو اپنی ہر قسم کی رحمتوں سے بہرہ ور فرما، میرے ماں باپ کو بھی، میری ذریت کو بھی اور حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کو بھی۔ آمین یا رب العالمین یا اکرم المسئولین۔

٢٢ ۔ تم یہ چاہو کہ زمین و آسمان میں کوئی گوشہ تمہیں چھپا لے جائے جہاں تم اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ جاؤ، ناممکن۔

٢٣ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب انھیں توحید کی دعوت دی اور ناقابل تردید دلائل سے ان کے بتوں کی بے بسی کو اظہر من الشمس کر دیا اور آخر وہ لاجواب ہو گئے تو انھوں نے ان سے نمٹنے کے لیے باہمی مشورہ کیا۔ کسی نے رائے دی کہ اسے قتل کر دو۔ کسی نے کہا انھیں آگ میں ڈال دو۔ آخر کار فیصلہ یہی ہوا کہ ایک بڑا الاؤ جلا کر اس میں انھیں پھینک دیا جائے جل کر راکھ ہو جائے گا اور جان چھوٹ جائے گی۔ چنانچہ انھوں نے بڑے اہتمام اور مذہبی جوش و خروش سے ایندھن کے انبار لگا دیئے اور اسے آگ لگا دی۔ جب اس کے شعلے خوب بھڑک اٹھے اور الاؤ خوب تپنے لگے تو آپ کو ایک منجنیق پر رکھ کر پھینک دیا۔ انھیں خیال تھا ابھی معافی مانگ لے گا۔ ابھی اپنے دین سے بیزاری کا اعلان کر دے گا۔ ان بیچاروں کو کیا خبر کہ جب ایمان

يُّؤْمِنُوْنَ ۝۲۴ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ

جو ایمان لاتے ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت و پیار کا

بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ

ذریعہ اس دنیوی زندگی میں ؁ پھر قیامت کے دن تم انکار کرو گے ایک دوسرے کا،

بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا

اور پھٹکار بھیجو گے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا

لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۲۵ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ

تمہارا کوئی مددگار۔ تو ایمان لے آئے ان پر لوط ؁ اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں ہجرت

کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے جب یقین کی قوت رگ رگ میں سما جاتی ہے تو انسان کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ اس وقت وہ خطرات کی ہولناکیوں سے ہراساں نہیں ہوتا بلکہ وہ ان خطرات سے برسرپیکار ہونے میں بڑی لذت محسوس کرتا ہے چنانچہ

؎ بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق۔

اور جب عشق نے اپنی پختگی کا ثبوت مہیا کر دیا تو حسن ازل کی دلربائیوں کے بے نقاب ہونے کا وقت آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل پر اس آگ کو گلزار بنا دیا۔ سورۃ الانبیاء اور دیگر مقامات پر یہ واقعہ تفصیلاً مذکور ہے۔

؁ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ آج تو تم ان بتوں کے پجاری ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بڑی محبت اور پیار کا مظاہرہ کر رہے ہو اور کفر و شرک کے پرچم تلے جمع ہو کر تم نے میرے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا ہے لیکن قیامت کے روز تمہیں اس محبت اور دوستی کا انجام معلوم ہوگا اس وقت تمہاری حالت دیدنی ہوگی تم ایک دوسرے کو پہچانو گے بھی نہیں۔ ایک دوسرے پر پھٹکار بھیجو گے۔ ہر شخص دوسرے کو اس بدبختی اور عذاب الیم میں مبتلا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ اس دن تم اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لیے بڑا شور مچاؤ گے۔ لیکن تمہاری فریاد نہیں سنی جائے گی اور تم سب کو ایک ساتھ دھکا دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور تم میں سے کوئی بھی کسی کی اعانت نہیں کر سکے گا۔ مودۃ بینکم ای سبب مودۃ بینکم (مظہری)

؁ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے صحیح سلامت نکل آئے تو آپ نے پھر تبلیغ کا کام شروع کر دیا اور ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ اتنا عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود بھی صرف حضرت ابراہیم پر

إِلَىٰ رَبِّيٓ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُۥٓ إِسْحَٰقَ وَ

کرنیوالا ہوں اپنے رب کی طرف ٥٣ بیشک وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اور ہم نے عطا فرمایا آپ کو اسحاق (جیسا فرزند) اور

يَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِى ذُرِّيَّتِهِ ٱلنُّبُوَّةَ وَٱلْكِتَٰبَ وَءَاتَيْنَٰهُ

یعقوب (جیسا پوتا) ٥٤ اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب۔ اور ہم نے دیا ان کو ان کی نیکی کا

ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی پہلے کی طرح اپنے کفر و شرک پر ڈٹے رہے۔ ساری قوم میں ایک لوط ایسے شخص تھے جنہوں نے آپ کی صداقت کو تسلیم کیا اور آپ کی دعوت کو قبول کیا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت لوط پہلے نعوذ باللہ اپنی قوم کی طرح شرک کے مرتکب رہے اور اب اس سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہو گئے۔ کیونکہ آپ کو آگے چل کر شرف نبوت سے نوازا جانے والا تھا اور ہر نبی نبوت سے پہلے بھی کفر و شرک اور قبائح اور رذائل سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے علامہ آلوسی لکھتے ہیں اس آیت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس قوم سے صرف لوط علیہ السلام آپ پر ایمان لائے اور آپ کے سوا کسی دوسرے کو یہ سعادت نصیب نہ ہوئی۔

٥٣ جب آپ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی توقع نہ رہی تو آپ نے اپنے وطن سے ہجرت کا عزم کر لیا کیونکہ وہ زمین اتنی سنگلاخ تھی کہ وہاں ایمان کا درخت بار آور نہیں ہو سکتا تھا اس لیے وہاں مزید وقت صرف کرنا مناسب نہ تھا۔ آپ اپنے شہر کوثا سے ہجرت کر کے پہلے حران آئے۔ وہاں سے چل کر شام میں اقامت اختیار کی۔ اس سفر میں آپ کی اہلیہ حضرت سارہ اور آپ کے بھتیجے حضرت لوط ہمراہ تھے۔

٥٤ یہاں تک تو حضرت ابراہیم کی شان بندگی کا بیان تھا کہ آپ نے اپنے رب کریم کے نام کو بلند کرنے کے لیے اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کن کن مشکلات کا مسکراتے ہوئے مقابلہ کیا۔ ساری قوم کی دشمنی مول لی۔ حکومت کی نگاہوں میں معتوب بلکہ باغی قرار پائے۔ آگ میں پھینکے گئے اور آخر کار اپنے وطن کو بھی چھوڑ دیا۔ شان بندگی کے ذکر کے بعد اب اللہ کریم اپنی شان بندہ نوازی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جب ابراہیم نے مجبور و ضعیف ہونے کے باوجود اپنی بندگی کا ایسا شاندار مظاہرہ کیا تو ہم جو قادر و توانا بھی ہیں اور غنی و کریم بھی ہم نے اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا ہم نے اسے اسحق جیسا فرزند اور یعقوب جیسا پوتا مرحمت فرمایا پھر ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری کیا بڑے بڑے نامی گرامی عظیم المرتبت رسول و نبی پیدا ہوئے۔ یوسف، موسیٰ، داؤد و سلیمان علیہم السلام کی عظمت کا کسے علم نہیں۔ یہ سب ابراہیمی شجرہ کے تابندہ موتی ہیں۔ اور سب سے بڑا احسان اور انعام یہ بخشا کہ سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان کی ذریت طاہرہ سے پیدا کیا۔ اور ان تمام انبیاء کو الہامی کتابیں اور صحیفے عطا کیے جو رحمت و ہدایت کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں۔

أَجْرَهُۥ فِى ٱلدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُۥ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ لَمِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾

کا اجر اس دنیا میں ۱؎ اور بلاشبہ وہ آخرت میں صالحین (کے زمرہ) میں ہوں گے۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِۦٓ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ ٱلْفَٰحِشَةَ مَا

اور (ہم نے) لوط کو (رسول بنا کر بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو کہ نہیں پہل کی

۱؎ سلسلۂ نبوت کو ماننے والی جتنی قومیں اس سطح زمین پر بستی ہیں خواہ آپس میں ان کے کتنے ہی اختلافات ہوں لیکن وہ سب دل سے حضرت خلیل کا احترام کرتی ہیں بلکہ اپنی اس نسبت پر فخر کرتی ہیں۔ پھر رحمۃ للعالمین کی مسند نشینی کی عزت جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارزانی ہوئی ہے عظمت ابراہیمی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ان کے اس دین کا احیاء ہوا جس کو آپ کے ماننے والوں اور آپ کے ہم قوموں نے فراموش بلکہ مسخ کر دیا تھا۔ آپ کا بنایا ہوا کعبہ پھر آباد ہوا حرم کی آوارہ فضا نغمہائے توحید سے پھر گونجنے لگی۔ جہاں بھی اسلام کا کوئی فرزند موجود ہے اس کی زبان خلیل اور آل خلیل پر درود وسلام کے تحائف بھیجتی ہی رہتی ہے۔ بلکہ نماز ختم کرنے سے پہلے ہر مسلمان اپنے نبی کریم اور آپ کی آل پر درود وسلام پڑھنے کے ساتھ ساتھ حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر درود وسلام پڑھتا ہے۔ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ اعظم، کسی فاتح عالم کو کیا عزت واحترام نصیب ہوا ہو گا جو بارگاہ رب العزت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عنایت ہوا۔ یہ انعام تو وہ ہے جو اس دنیا میں آپ کو مرحمت فرمایا گیا اور آخرت میں جو ملنے والا ہے اس کا تو تصور کرنا بھی ہمارے لیے ممکن نہیں۔

وہ تھی شان بندگی اور یہ ہے شان بندہ نوازی۔ دونوں کا حسن اور دونوں کا بانکپن اہل دل کے لیے حشر بپا کر رہا ہے۔ فقط یہاں ہی نہیں جہاں بھی بندے نے اپنی بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی اس کے معبود برحق نے اپنی شان بندہ نوازی کے پھول نچھاور کرنے میں بڑی فیاضی دکھائی ؎

چوں تمام افتد سراپا ناز می گردد نیاز   قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے ما

ہمیں اپنے محبوب نے جس خدا کی وحدانیت کا طوق زیب گلو کرنے کی دعوت دی، جس کی کبریائی اور عظمت کے گیت گانے کا حکم دیا وہ تو یہ خدا ہے جس کی شان بندہ نوازی کا یہ عالم ہے جو تشنہ لب آیا سیراب کر دیا گیا۔ جو خالی دامن حاضر ہوا مالامال ہو کر لوٹا۔ اور جس نے اس کی محبت کا جام بڑے شوق سے لگایا اس کے لیے حریم ناز کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اور اس کی چشم مشتاق اور دل بیتاب کو اس کی استعداد اور ہمت کے مطابق اپنے جلووں کا دیدار کرا دیا۔ ہم تو ایسے خدا کے بندے ہیں۔

سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ ۝ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ

تم سے اس (بے حیائی) کی طرف کسی قوم نے دنیا بھر میں لے کیا تم بدفعلی کرتے ہو مردوں

الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ ۙ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ

کے ساتھ اور ڈاکے ڈالتے ہو عام راستوں پر۔ اور اپنی کھلی مجلسوں میں گناہ کرتے

الْمُنكَرَ ۖ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا ائْتِنَا

ہو سکے تو نہیں تھا کوئی جواب آپ کی قوم کے پاس بجز اس کے کہ انھوں نے کہا اے لوط لے آؤ ہم پر

بِعَذَابِ اللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ۝ قَالَ رَبِّ

اللہ کا عذاب سکے اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ آپ نے عرض کی میرے مالک!

لے حضرت لوط علیہ السلام کو جس نابکار اور ذلیل قوم سے واسطہ پڑا وہ صرف بدکار اور فاسق و فاجر ہی نہ تھے بلکہ فسق و فجور کی گھناؤنی صورتوں کے موجد بھی تھے گناہ کی جس پستی میں ان کے پیش رَوؤں کو جھانکنے کی جرأت بھی نہ ہوئی تھی وہ ان پستیوں میں بھی گر چکے تھے خلاف وضع فطرت کام کیا کرتے، وہ بھی پس پردہ اور چھپ کر نہیں بلکہ برسر مجلس، دن کی روشنی میں اور تمام حاضرین کی آنکھوں کے سامنے۔ اس کے علاوہ راہزنی اور قزاقی بھی ان کا پیشہ تھا، راستہ میں اگر کوئی مسافر مل گیا اُسے لوٹ لیا، اس کے کپڑے تک بھی اُتار لیتے۔ اگر کوئی مہمان ان کے ہاں آکر ٹھہرتا تو صبح کو اس کا سامان گم ہو چکا ہوتا۔ مہمان کی جوتیاں تک چُرانا بھی ان کے نزدیک معیوب نہ تھا۔

سکے نادی کا معنی ہے محفل، مجلس یعنی جس چیز کا نام شرم و حیا ہے وہ عرصہ سے ان کے ہاں سے رخصت ہو چکی تھی۔ بلکہ انھوں نے غیرت اسے دھکے مار مار کر اپنے ہاں سے نکال دیا تھا۔ فحش گفتگو، قماربازی، راہگیروں سے ٹھٹھا مذاق، ان پر کنکریاں پھینکنا اور پھر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جانا، غرضیکہ ہر گھٹیا سے گھٹیا اور کمینہ سے کمینہ فعل وہ اپنی بیٹھکوں اور عام محفلوں میں کرتے اور اس پر اتراتے اور فخر کرتے۔

سکے حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو ان پستیوں سے نکالنے کے لیے بڑے جتن کیے۔ انھیں ہر طرح سمجھایا۔ انھیں انسانیت کا واسطہ دیا۔ آخر انھیں عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن سب بے سود کیونکہ انھیں یقین تھا کہ لوط خواہ مخواہ ایسے ہی اپنی طرف سے کہہ رہا ہے۔ قیامت نہ اب تک آئی ہے اور نہ آئندہ آئے گی۔ اس لیے انھوں نے آپ کو چیلنج دے دیا کہ تم ہم پر بڑی دیر سے غضب کا نشانہ بنے ہو اگر تمھاری ان دھمکیوں میں کچھ سچائی ہے تو انتظار کیوں کر رہے ہو لے آؤ اس

انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿٣٠﴾ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا

مدد فرما میری اے اللہ فسادی لوگوں کے مقابلہ میں ۳۰؎ اور جب آئے ہمارے فرشتے

إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُو أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ

ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر۔ انھوں نے بتایا کہ ہم ہلاک کرنے والے ہیں۔ اس گاؤں کے باشندوں کو

إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا قَالُوا

بےشک یہاں کے رہنے والے بڑے ظالم تھے ۳۱؎ آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا لَنُنَجِّيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ

کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں۔ ہم ضرور بچا لیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے وہ

كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٢﴾ وَلَمَّا أَن جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ

پیچھے رہ جانے والوں سے ہے۔ اور جب آئے ہمارے فرشتے لوط (علیہ السلام) کے پاس تو بڑے غمزدہ

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ

ہوئے ان کی آمد سے اور دل تنگ ہوئے اور (انھیں پریشان دیکھ کر) فرشتوں نے کہا نہ خوفزدہ ہو اور نہ رنجیدہ خاطر

عذاب کو جس کے بار بار کے ذکر سے تو نے ہمارا ناک میں دم کیا ہوا ہے۔

۳۰؎ آخر ان کے مظالم سے تنگ آ کر اور ان کی اصلاح سے مایوس ہو کر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی۔

۳۱؎ فرشتے جب بیٹے کی بشارت دینے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انھوں نے قوم لوط کو برباد کرنے کے الٰہی فیصلے سے آپ کو آگاہ کیا۔ آپ نے فرمایا وہاں تو اللہ تعالیٰ کا نبی لوط بھی ہے۔ انھوں نے عرض کی ہمیں خوب معلوم ہے اس پر کوئی آنچ نہیں آنے دی جائے گی۔ اس کو اور اس کے خاندان کو بچا لیا جائے گا لیکن اس کی بیوی کو نہیں بچایا جائے گا۔ چنانچہ علاقہ سدوم پر پتھراؤ کیا گیا اور ان کی ساری بستیاں تہ و بالا کر دی گئیں۔ فرشتوں کی آمد پر حضرت لوط کی پریشانی کا مفصل ذکر سورۂ ہود اور الحجر میں گزر چکا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

إِنَّا مُنَجُّوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٣٣﴾

ہم نجات دینے والے ہیں تجھے اور تیرے کنبہ کو سوائے تمہاری بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے ۔

إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ

بیشک ہم اتارنے والے ہیں اس بستی کے باشندوں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾ وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ

کہ وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے ۔ اور بیشک ہم نے باقی رہنے دیئے اس بستی کے کچھ واضح آثار ان لوگوں کی

يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا

عبرت کے لیے جو عقلمند ہیں ۔ اور ہم نے بھیجا مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو ۳۱؎ چنانچہ آپ نے کہا اے

اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾

میری قوم عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور امید رکھو پیچھے آنے والے دن کی اور ملک میں فتنہ وفساد برپا نہ کرو ۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾

پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا تو آ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے پس صبح ہوئی تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے پڑے تھے

وَعَادًا وَثَمُودَ وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن مَّسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور ہم نے برباد کیا عاد اور ثمود کو ۔ اور واضح ہیں تمہارے لیے ان کے مکانات ۔ اور آراستہ کر دیا تھا ان کے لیے

الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾

شیطان نے ان کے برے عملوں کو اور روک لیا انہیں راہ (راست) سے حالانکہ وہ اچھے بھلے سمجھدار تھے ۳۲؎

۳۱؎ اہل مدین کی طرف حضرت شعیب کو مبعوث فرمایا گیا ۔ آپ نے بھی اپنے پیغمبرانہ فرائض کو بڑی دلسوزی، انہماک اور کوشش سے ادا کیا لیکن اہل مدین اپنی گمراہی پر اڑے رہے ۔ انجام کار انہیں بھی اپنے کیے کی سزا مل گئی مزید ملاحظہ ہو سورۃ الاعراف

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۖ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اور (ہم نے ہلاک کر دیا) قارون، فرعون اور ہامان کو۔ اور بلاشبہ تشریف لائے ان کے پاس موسیٰ روشن دلیلوں کے ساتھ

فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سٰبِقِينَ ﴿٣٩﴾ فَكُلًّا أَخَذْنَا

پھر بھی وہ غرور و تکبر کرتے رہے زمین میں اور وہ (ہم سے) آگے بڑھ جانے والے نہ تھے پس ہر ایک (سرکش) کو ہم نے پکڑا

بِذَنْۢبِهٖ ۖ فَمِنْهُمْ مَّنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اس کے گناہ کے باعث پس ان میں سے بعض پر ہم نے برسائے پتھر اور ان میں سے بعض کو آ لیا

أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ

شدید کڑک نے اور بعض کو ہم نے غرق کر دیا زمین میں۔ اور بعض کو ہم نے

مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ

(دریا میں) ڈبو دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے

يَظْلِمُونَ ﴿٤٠﴾ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ

رہتے تھے۔ ان نادانوں کی مثال جنہوں نے بنا لیے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور دوست۔ مکڑی کی سی ہے جو

اور سورۃ ہود میں ان کا تذکرہ تفصیلاً بیان ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمایا جائے۔

؎ شیطان نے ان کو بھی راہ راست پر نہ آنے دیا۔ وہ حق کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد بھی اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ جیسا کہ مستبصرین کے لفظ سے واضح ہے۔ مستبصرین: قد عرفوا الحق من الباطل بظهور البراهين (قرطبی) یعنی واضح اور روشن دلائل کی وجہ سے انہوں نے حق کو خوب پہچان لیا تھا۔

؎ حق سے دانستہ اعراض کرنے والی اور باطل پر ڈٹے رہنے والی ہر قوم کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔ حاصب اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو اپنے ساتھ پتھر، روڑے اور کنکریاں اڑا کر لے آئے۔ اب ہر قسم کے عذاب پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ حاصب: ریح یاتی بالحصباء وھی الحصی الصغار و تستعمل فی کل عذاب (قرطبی)۔

؎ پہلے مختلف اقوام کی اعتقادی اور عملی خرابیوں کا ذکر ہوا جس کے تجزیہ اور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی اخلاقی

الْعَنْكَبُوتِ ۚ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ

اس مکڑی جیسی ہے کہ اس نے گھر بنایا ۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ تمام گھروں سے کمزور ترین مکڑی کا

الْعَنْكَبُوتِ ۘ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٤١﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِنْ

گھر ہوا کرتا ہے ۔ کاش! وہ بھی اس (حقیقت) کو جانتے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس چیز کو وہ پوجتے ہیں

دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ

اس کو چھوڑ کر سوائے ۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے ۔ اور یہ مثالیں ہیں

نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿٤٣﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ

ہم بیان کرتے ہیں انھیں لوگوں (کو سمجھانے) کے لیے اور نہیں سمجھتے انھیں مگر اہل علم ۔ پیدا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

بے راہروی اور دیگر بدکاریوں کا سبب ان کے عقیدہ کی خرابی تھی۔ نہ انھیں خداوند کریم کی توحید پر ایمان تھا اور نہ روز قیامت پر یقین تھا اس لیے وہ بڑے مزے سے حیوانی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ بسا اوقات ان پستیوں میں گرنے میں بھی کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے جہاں قدم رکھتے ہوئے حیوانوں پر بھی کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اپنے بتوں کو معبود بنا رکھا تھا جن کی طرف سے کوئی اخلاقی پابندی عائد نہیں کی جاتی تھی کسی چیز کے کرنے کے لیے اور کسی سے باز رہنے کا کوئی حکم صادر نہیں ہوتا تھا۔ ان کے زعم باطل میں ان کے ان معبودوں کا یہ کام تھا کہ وہ انھیں مصیبتوں سے چھڑائیں اور ان کی دولت و ثروت میں اضافہ کرتے چلے جائیں لیکن جب بھی اللہ نے ان کی نافرمانیوں کے باعث ان پر عذاب نازل کیا تو یہ بت ان کے کسی کام نہ آسکے۔ اس حقیقت کو جو سابقہ آیات میں تفصیل سے بیان کی گئی ہے یہاں بڑے اختصار سے اور بڑے دلنشین انداز میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا وہ بدبخت جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے معبودوں کو اپنا سرپرست اور دوست سمجھتے ہیں اور ان سے یہ امیدیں وابستہ کیے بیٹھے ہیں کہ جب ان پر کوئی افتاد پڑے گی تو وہ آکر انھیں بچا لیں گے۔ فرمایا ان کی یہ توقعات مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔ مکڑی کا جالا تو ہوا کے ایک جھونکے کی تاب نہیں لا سکتا چہ جائیکہ عذاب الٰہی کے طوفانوں کے سامنے ٹھہر سکے۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑ کر غیروں کے ساتھ تعلق قائم کرنے والے اور ان پر بھروسہ کرنے والے ایسے ہی ہیں جیسے وہ نادان جو مکڑی کے جالے پر اپنی امیدوں کے محلات تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد بھی قابل توجہ ہے: طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت فان تركه في البيت يورث الفقر (قرطبی)۔ گھروں کو مکڑی کے جالوں سے صاف رکھا کرو کیونکہ مکڑی کے جالوں کا گھر میں رہنا افلاس کا باعث ہے۔

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝۴۴

اور زمین کو حق کے ساتھ۔ بیشک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے ایمان والوں کے لیے۔ ۴۴

اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

آپ تلاوت کیجئے اس کتاب کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف ۴۵ اور نماز صحیح صحیح ادا کیجئے ۴۶ بیشک نماز

۴۴؎ ان معبودان باطل کی ناتوانی اور کمزوری سے اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایسی حکمت سے پیدا فرمایا کہ اگر ان میں بال برابر رد و بدل کر دیا جائے تو سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نے ان کو پیدا فرمانے کے بعد نظر انداز نہیں کر دیا بلکہ اپنی قدرت اور اپنے علم سے اس کی تدبیر بھی فرما رہا ہے اہل ایمان کے لیے اس میں اس کی قدرت و حکمت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

مظاہر فطرت میں جو قوتیں پنہاں ہیں، جو اثرات مخفی ہیں جس پیچیدہ اور نازک نظام کے تحت باقاعدگی سے اپنا اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں ان سے نقاب اٹھانا بندۂ مومن کا کام تھا اور ہر مناسب موقع پر قرآن کریم نے مومن کو اس فرض کی طرف بڑے معنی خیز اشارے فرمائے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بندۂ مومن آج اپنے فرض سے یکسر غافل ہے۔ ان نوجوانان ملت کے دل میں کبھی بھولے سے بھی اس فرض کی اہمیت کا احساس پیدا نہیں ہوا۔ ان کے سامنے تحصیل علم کا مقصد اور سائنسی علوم میں ڈگریوں کا حصول اس لیے نہیں کہ ان کے دل میں تحقیق کے ارمان مچل رہے ہیں اور وہ قرآن کریم کے ارشادات کے مطابق تسخیر کائنات کے میدان میں سب سے پہلے اپنی کامیابی اور اولوالعزمی کا پرچم لہرانا چاہتے ہیں بلکہ وہ ان ڈگریوں کے ذریعہ فقط اعلیٰ ملازمتوں کے خواہش مند ہیں جہاں تنخواہ بہت زیادہ ہو اور کام کچھ بھی نہ ہو جہاں آسائشیں تمام میسر ہوں لیکن محنت، عرق ریزی اور جانفشانی کا مرحلہ شاذ و نادر ہی پیش آئے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا — کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

الٰہی! وہ صبح سعید کب طلوع ہوگی جب بندۂ مومن کی بے خبری اور بے حسی کا طلسم ٹوٹے گا اور وہ کب خود آشنا ہوگا وہ کب تیری مخلوقات کے آئینوں میں تیرے حسن کے چمکتے ہوئے جلووں کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائے گا۔ رب کریم! ہم پر کرم فرما اور ہمیں ؎

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

۴۵؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور حضور کے ذریعہ آپ کی ساری امت کو یہاں دو باتوں کا حکم دے رہا ہے۔ پہلا حکم ہے تلاوت قرآن اور دوسرا اقامت صلوٰۃ۔ تلاوت قرآن کے روحانی، اخلاقی، اصلاحی، علمی، ذہنی اور تمدنی اتنے فوائد و برکات ہیں جن کا حصر ممکن نہیں۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھتا ہے تو اس پر انوار و

تجلیات کی بارش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی توجہ اس کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ اس کے دل کا زنگار صاف ہوتا ہے۔ اس کی کسل مندی دور ہو جاتی ہے۔ وہ ایک نئی تازگی اور شگفتگی محسوس کرنے لگتا ہے۔ یہ ایسی واضح کیفیت ہے جس سے قرآن کریم کا ہر پڑھنے والا اپنی صلاحیت اور اپنے ظرف کے مطابق سرشار ہوتا ہے۔

جب وہ قرآن کریم میں انبیاء کرام اور مومنین کاملین کی زندگیوں کا مطالعہ کرتا ہے، ان کی عالی ظرفی اپنے بیگانوں کے لیے ان کے جذبۂ خیر خواہی کو دیکھتا ہے، مسرت و کامیابی کے لمحوں میں ان کا انداز تشکر اور ان کی بے مثال تواضع و انکساری، مصائب و شدائد کے ہجوم میں ان کا صبر اور صبر میں مسرت و لذت کے احساسات سے وہ آگاہ ہوتا ہے اور پھر ان کے مبارک انجام سے واقف ہوتا ہے تو اس کے دل میں بھی اس راہ پر چلنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جس راہ پر چلنے والوں کی آبلہ پائی کے طفیل انسانیت کا سر افتخار بلند ہے جن کے زخموں سے اٹھتے ہوئے خونچکاں تابندہ اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ کے حسن کو دل فریبیاں اور رعنائیاں بخشتی ہیں ان کے مقابلہ میں جب وہ سرکشوں اور نافرمانوں کی گمراہ کن زندگی کا جائزہ لیتا ہے، پھر انہیں اپنے گناہوں کے سیلاب میں حقیر تنکوں کی طرح بہتا ہوا دیکھتا ہے تو اسے دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے اس جاہ و جلال کا کھوکھلا پن صاف دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ حتی المقدور کوشش کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی راہ اختیار نہ کرے جو خود بھی برباد ہوئے اور اپنی قوموں کا بیڑا بھی غرق کر دیا۔ اسی قرآن کے صفحات کا مطالعہ کرتے وقت قرآن کا پیش کردہ دستور حیات اس کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے اعمال و اطوار کو اس دستور حیات کے سانچے میں ڈھال لے۔ یہی قرآن کے چشمے سے جب وہ سیراب ہو کر اٹھتا ہے تو انسان کامل بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوتا ہے اور اپنی خیرات و برکات سے اپنوں اور بیگانوں کو بلا استثناء مستفید کرتا ہے۔

لیکن ان برکات سے صرف وہی فیضیاب ہو سکتا ہے جو قرآن کو کلام الٰہی یقین کرتا ہے جو اس کو اس نیت سے پڑھتا ہے کہ وہ اس سے ہدایت کی روشنی حاصل کرے گا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے میں کسی تذبذب کا مظاہرہ نہیں کرے گا کیونکہ قرآن کی تلاوت ان فوائد کی حامل تھی اس لیے اسے پڑھنے اور بار بار پڑھنے کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متوجہ کیا۔

دوسرا حکم ہے کہ نماز قائم کرو۔ پھر فرمایا نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اس پر کئی صاحبان اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نے کئی نمازیوں کو دیکھا ہے کہ ساری عمر نماز پڑھتے پڑھتے گزر گئی لیکن وہ جھوٹ بولتے ہیں، چور بازاری سے وہ باز نہیں آتے۔ کم تولنے اور کم ناپنے سے انہیں احتراز نہیں تو ہم کیسے یہ تسلیم کر لیں کہ نماز کے متعلق قرآن کا یہ ارشاد مبنی برحقیقت ہے۔ ان کی خدمت میں بصد ادب یہی گزارش کی جائے گی کہ آپ نے یہ اعتراض کرنے میں بڑی جلد بازی سے کام لیا ہے اور قرآن کے کلمات میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ قرآن کریم نے نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے جس کا معنی ہے إقامة الشئ: توفیة حقه (مفردات)

یعنی نماز کو اس کے تمام ظاہری اور باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرو۔ نماز کے ظاہری حقوق تو یہ ہیں کہ سنت نبوی کے مطابق تمام ارکان بجا لائے جائیں اور باطنی حقوق یہ ہیں کہ تو سراپا عجز و نیاز بنا ہوا ہو۔ احسان کی کیفیت تجھ پر طاری ہو یعنی

تو محسوس کر رہا ہو کہ جانتے تو اللہ کو گویا تو اپنے رب کریم کو دیکھ رہا ہے ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہو کہ فانہ یراک : تیرا رب کریم تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس ذوق و شوق اور خضوع و خشوع سے ادا کی ہوئی نماز ہی وہ نماز ہے جو دین کا ستون اور مومن کی معراج ہے یہی وہ نماز ہے جو گناہوں کے قریب نہیں جانے دیتی اور بے حیائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہی نہیں بلکہ متنفر کر دیتی ہے۔ مومن کی ساری خوشیاں اور مسرتیں انہیں چند لمحوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہیں جب وہ سراپا نیاز بن کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوتا ہے اور دل و زبان سے اس کی تعریف و ثنا کرتا ہے۔ وہ عذاب سے ڈر کر وہاں حاضری لگوانے کے لیے نہیں جاتا بلکہ اس کا قلب و ضمیر اس کی روح بیتاب کشاں کشاں اسے کوئے محبوب کی طرف لے جاتی ہے۔

وہ نماز جس کا آغاز بھی غفلت سے ہوا اور جس کی انتہا بھی غفلت سے ہو اور ان کے مابین بھی بے خبری کی حالت طاری رہی ہو اسے پتہ ہی نہ ہو کہ وہ کہاں ہے اور کس کے آگے کھڑا ہے تو اس نے نماز پڑھی تو سہی لیکن اس نے نماز قائم تو نہ کی جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ نماز پڑھنا بھی اسے کبھی نہ کبھی اس کیفیت و مستی سے سرشار کر دے گا جو نماز قائم کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نوجوان انصاری کی شکایت کی گئی کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے لیکن کسی گناہ سے بھی باز نہیں آتا لا یدع شیئا من الفواحش والسرقۃ الا ارتکبہ۔ تو حضور نے ارشاد فرمایا ان الصلوٰۃ ستنہاہ۔ یہ نماز ایک نہ ایک دن اسے ان بے حیائیوں سے روک دے گی۔ چنانچہ چند ہی روز گزرے کہ اس کی حالت یکسر بدل گئی۔ اس نے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کر لی۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا الم اقل لکم۔ کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا۔

اس لیے وہ صاحبان جو چند نماز پڑھنے والوں کو، نماز قائم کرنے والوں کو نہیں، بعض گناہوں میں مبتلا دیکھ کر نماز سے بیزار اور اس کی برکات کا انکار کر دیتے ہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ ان گنہگاروں کے اصلاح پا جانے کا تو امکان ہے کیونکہ جس راہ پر وہ چل رہے ہیں وہ ان لوگوں کی راہ ہے جو صالح اور پارسا تھے، ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ ان شکستہ بال پرندوں پر نظر رحمت فرمائے اور انہیں اپنی بارگاہ میں حاضری کی لذت سے آشنا کر دے کیونکہ ؎

شود از جذبہ پیدا اختیار

لیکن آپ لوگ تو اس راستہ سے ہی دور بھاگ رہے ہیں آپ نے کبھی اپنے انجام پر غور کیا۔

بہر حال حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان غافل نمازیوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے متنبہ فرمایا ہے۔ ارشاد گرامی ہے من لم تنہہ صلاتہ عن الفحشاء والمنکر لم تزدہ من اللہ الا بعدا و لم یزدد بہا من اللہ الا مقتا جس آدمی کو اس کی نماز بے حیائی اور برے کاموں سے نہیں روکتی۔ وہ نماز اسے خدا سے دور کر دے گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا نہیں بلکہ ناراضگی کا باعث ہوگی۔

نیز آیت میں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ لیکن ان امور سے رکنا باز رکنا ہمارا کام ہے۔ نماز تو ہمارے قلب و ذہن کی تربیت کا نہایت موزوں فراہم کرتی ہے۔ دنیا کے جھمیلوں سے نکال کر احکم الحاکمین کی بارگاہ میں لے جا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ اب بھی اگر کسی کی طبیعت متاثر نہیں ہوتی اور اسے یہ خیال نہیں آتا کہ میں

تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

منع کرتی ہے بے حیائی اور گناہ سے ۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے

مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

جو تم کرتے ہو ۔ اور (اے مسلمانو!) بحث مباحثہ نہ کیا کرو اہل کتاب سے مگر شائستہ طریقہ

اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

سے بجز ان کے جنہوں نے ظلم کیا ان سے اور تم کہو ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا

کے وقت تو مجھے اپنے رب کے حضور میں جا کر کھڑا ہونا ہے اگر یہ خیال پختہ ہو اور اس کی پابندی سے دلدار کر لیا تو میں کس منہ سے اس کے حضور میں حاضر ہوں گا۔ اس طرح تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد دربار الٰہی میں حاضری سے دل میں اطاعت و انقیاد کا جذبہ یقیناً پیدا ہو جاتا ہے اور اس کو گناہوں سے نفرت سی ہو جاتی ہے۔

؎ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں جس کو یہ سعادت حاصل ہو گئی جس کو یہ نعمت بخش دی گئی گویا اس نے سب کچھ پا لیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک روز تشریف لائے تو اپنے صحابہ کو حلقہ بنائے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ پوچھا کیوں اس طرح بیٹھے ہو عرض کیا جلسنا نذکر اللہ ونحمدہ علی ما ھدانا للاسلام ومن بہ علینا: یا رسول اللہ ہم اس لیے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں اور جو اس نے اسلام کی دولت سے ہمیں مالا مال فرمایا ہے اس کے اس احسان پر اس کا شکریہ ادا کریں۔ حضور نے ارشاد فرمایا ان اللہ عزوجل یباھی بکم الملائکۃ (مظہری) اے اللہ کے ذکر و شکر کیلئے بیٹھنے والو اللہ تعالیٰ تم پر فرشتوں سے فخر کر رہا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے اگر کوئی شخص یاد الٰہی میں مصروف رہنے والوں کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اگرچہ وہ کسی دوسرے مقصد کے لیے آیا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور فرماتا ہے لہ غفرت ھم القوم لا یشقی بھم جلیسھم یعنی میں نے ان کی محفل میں بیٹھنے والے کو بھی معاف کر دیا۔ میری یاد کرنے والے ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب بندہ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے تو رب کریم بھی اپنے اس بندے کو یاد فرماتا ہے اور رب کریم کا اپنے مسکین بندے کو یاد فرمانا سب سے بڑا ذکر ہے۔ ذکر اللہ ایاکم افضل من ذکرکم ایاہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی معنی نقل کیا گیا ہے [illegible] ولذکر اللہ [illegible] یاکم افضل من ذکرکم ایاہ [illegible] تمہیں یاد کرنا اس سے بڑا ہے کہ تم اس کو یاد کرو۔

؎ اہل کتاب کو جب سمجھانے لگو تو تمہارا اسلوب تبلیغ بڑا شائستہ اور پسندیدہ ہونا چاہیے۔ دلیل کی قوت اور

إِلَيْنَا وَأُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَإِلَٰهُنَا وَإِلَٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٤٦﴾

ہماری طرف اور اتارا گیا تمہاری طرف اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اس کے سامنے گردن جھکانے والے ہیں ۴۹

وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ ۚ فَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ

اور (اے حبیب!) اسی طرح ہم نے نازل کی آپ کی طرف کتاب۔ پس وہ جنہیں ہم نے دی تھی کتاب (تورات) وہ ایمان لاتے

يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمِنْ هَٰؤُلَاءِ مَن يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَمَا يَجْحَدُ

ہیں قرآن پر۔ اور ان اہل مکہ سے بھی کئی لوگ ایمان لا رہے ہیں قرآن پر ۵۰ اور نہیں انکار کرتے ہماری

بِآيَاتِنَا إِلَّا الْكَافِرُونَ ﴿٤٧﴾ وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن

آیتوں کا مگر کفار ۵۱ اور نہ آپ پڑھ سکتے تھے اس سے پہلے کوئی

بُرہان کی پختگی تو برقرار رہے لیکن اس میں خشونت اور سخت کلامی کی بو تک نہ پائی جائے۔ اپنے عقائد کی حقانیت اور اپنے دین کی صداقت کا روشن بیان ہو لیکن اس میں دل آزاری کا اثر نہ ہو۔

۴۹ حسن مجادلہ کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ تم انہیں پہلے ہی بیگانہ اور مدمقابل حریف بنا کر خطاب نہ کرو بلکہ انہیں یوں کہو کہ تمہارے انبیاء کرام (علیہم السلام) جو دین لے کر آئے تھے ہمارے نبی مکرم بھی وہی دین لے کر آئے ہیں۔ تمہارے انبیاء نے بھی اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا حکم دیا۔ ہمارے نبی مکرم بھی یہی حکم دیتے ہیں۔ ہم صرف قرآن کریم کو ہی کلام الٰہی نہیں مانتے بلکہ تورات و انجیل کے متعلق بھی ہمارا یہی ایمان ہے۔ ہدایت کی جو شمع تمہارے انبیاء نے روشن کی ہم بھی اسی کو روشن رکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں جو وجہ اختلاف اور باعث افتراق ہو۔ مرور وقت سے جو عملی اور عقیدے کی خرابیاں تمہارے ہاں رائج ہو چکی ہیں ان کی اصلاح کر لو پھر ہم سب ایک ہی ملت مسلمہ کے فرد بن جائیں گے۔

۵۰ جس طرح ہم نے پہلے انبیاء پر آسمانی صحیفے نازل کیے اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآن حکیم اتارا۔ ان اہل کتاب میں ایسے سلیم الطبع لوگ بھی ہیں جنہوں نے جب قرآن مجید میں وہ نور ہدایت درخشاں دیکھا تو بلا تامل اس پر بھی ایمان لے آئے اور اہل مکہ سے بھی کئی لوگ کفر و شرک سے بیزار ہو کر دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

۵۱ جن کے دلوں پر کفر کی سیاہی جم چکی ہے وہی اس کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے ورنہ کوئی سلیم الفطرت انسان انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ

کتاب اور نہ ہی اسے لکھ سکتے تھے اپنے دائیں ہاتھ سے [1] ورنہ (اگر آپ پڑھ سکتے) تو ضرور شک کرتے اہل باطل۔ بلکہ

هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ

وہ روشن آیتیں ہیں جو ان کے سینوں میں محفوظ ہیں جنھیں علم دیا گیا۔ اور نہیں انکار کرتے ظالموں کے بغیر

بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ

ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اور انھوں نے کہا کیوں نہ اتاری گئیں ان پر نشانیاں ان کے رب کی

رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

طرف سے۔ آپ فرمایئے نشانیاں تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ

کیا انھیں یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر اتاری ہے کتاب جو انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ

اس میں رحمت اور نصیحت ہے مومنوں کے لیے [2] آپ فرمایئے کافی ہے اللہ تعالیٰ

[1] قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی ایک اور روشن دلیل پیش کی جارہی ہے کہ اعلانِ نبوت سے پہلے کا چالیس سالہ دور آپ نے ان لوگوں کے سامنے گزارا ہے۔ ان سب کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس اثنا میں نہ آپ نے کبھی کسی کتاب کا مطالعہ کیا اور نہ کبھی کچھ لکھا۔ اگر آپ پہلے کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق رہا کرتے اور لکھنے کا شغف ہوتا تو کوئی یہ شبہ کرنے میں حق بجانب ہوسکتا تھا کہ سب کچھ انھیں کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان شکوک و شبہات سے پاک رکھا۔ اب کوئی یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ یہ آپ کا اپنا کلام ہے بلکہ یقیناً یہ کلام الٰہی ہے جو اس نے آپ پر اتارا ہے۔ صرف ظالم لوگ ہی اس درخشاں حقیقت کا انکار کرسکتے ہیں۔

[2] کس نشانی اور معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہو کیا قرآن حکیم سے بڑھ کر بھی کوئی اور نشانی اور کوئی دوسرا معجزہ تمھیں درکار ہے۔ اگر اس سے تم نصیحت قبول نہیں کرتے اگر تمھیں یہ راہِ راست پر نہیں لے جاسکتا تو پھر کسی اور معجزہ سے تمھارے ہدایت پاجانے کی

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ

میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۱۱

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں باطل پر اور انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا۔ وہی لوگ گھاٹے میں ہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُسَمًّى لَجَاءَهُمُ

وہ آپ سے جلدی عذاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر میعاد مقرر نہ ہوتی تو آ جاتا ان پر

الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ يَسْتَعْجِلُونَكَ

عذاب ۱۲ اور (اپنے وقت پر) وہ ان پر اچانک آ جائیگا اور انھیں ہوش تک نہ ہوگا۔ وہ آپ سے جلدی عذاب

بِالْعَذَابِ ۚ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ

لانے کا مطالبہ کرتے ہیں (ذرا سی دیر ہے) جہنم یقیناً گھیرے گا ان کافروں کو۔ جس دن ڈھانپ لیگا انھیں

الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا

عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب چکھو

بھاگنے کی کوئی امید ہی نہیں۔

۱۱ اے حبیب! آپ ان منکرین کو فرما دیجئے کہ مجھے اپنی صداقت کے ثبوت کے لیے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی معجزہ کی۔ میرے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ میری صداقت اور میری رسالت کی گواہی دے رہا ہے۔ وہ خدا جو ہر چیز کو جانتا ہے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ جب وہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ میں اس کا سچا رسول ہوں تو اب ساری دنیا بیشک انکار کر دے اور میری تکذیب کرے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

۱۲ پہلی گمراہ قومیں بھی جب دلائل کے میدان میں شکست کھا جاتیں تو اپنا دل بہلانے کے لیے اپنے نبی کو کہتیں کہ ہم تیرے دین کو قبول نہیں کرتے۔ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب نازل کر دو۔ یہی وطیرہ اہل مکہ کا ہے۔ وہ بھی کسی قیمت پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ بلکہ کہہ رہے ہیں کہ ہم جو سالہا سال سے تمہاری دعوت کو ٹھکرا رہے ہیں اور تمہیں طرح طرح کی

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ

اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھو۔ اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو میری زمین بڑی

وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۞ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

کشادہ ہے سو میری ہی تم عبادت کیا کرو۔ ہر ایک موت کا مزہ چکھنے والا ہے

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

پھر ہماری طرف ہی تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے۔

تکلیفیں پہنچا رہے ہیں اگر تم سچے ہو تو ہم پر جلدی عذاب آ کیوں نہیں جاتا۔ فرمایا تمہارے عذاب کے لیے قدرت نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو تمہیں خود ہی عذاب کی چکی میں پیس دیا جائیگا تمہیں خبر بھی نہ ہوگی اور تمہیں چشم زدن میں نیست و نابود کر دیا جائے گا۔

۷۲ اے حبیب! انھیں فرمائیے دوزخ میں آگ تمہارے لیے بھڑکائی جا رہی ہے تمہیں اس میں پھینکا جائے گا۔ تمہارے اوپر بھی تہ در تہ آگ ہوگی اور تمہارے نیچے بھی اس وقت تمہیں اپنی سرکشی کا لطف آ جائے گا۔

۷۳ مکہ میں مسلمانوں پر مشرکین کے شدائد و مظالم کے ایسے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے کہ پہاڑوں کے دل بھی لرز جاتے۔ ان اذیتوں سے ڈر کر بعض لوگ اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کیا کرتے تھے۔ انھیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی سرزمین ایسی ہو جہاں مومن اپنی مومنانہ زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہو۔ وہ اپنے رب کی عبادت نہ کر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ بے خوف و خطر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی عبادت میں مصروف رہ سکے۔ اس کا یہ عذر ہرگز قابل قبول نہ ہوگا کہ میں دل سے تو اسلام کو سچا دین تسلیم کرتا تھا لیکن میرے شہر یا علاقہ کے حالات اس قدر نا موافق تھے کہ اگر میں اپنے قلبی ایمان کا اظہار کرتا تو مجھے جان سے مار ڈالا جاتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میری زمین بڑی فراخ ہے۔ یہاں نہیں تو وہاں چلے جاؤ جہاں تمہیں میری یاد سے روکنے والا کوئی نہ ہو۔

۷۴ یہ زندگی فانی ہے۔ ہر شخص نے ایک نہ ایک دن موت کا پیالہ ہونٹوں سے لگانا ہے اس وقت گھر بار بھی چھوٹ جائے گا۔ فرزند و زن، دوست احباب بھی پیچھے رہ جائیں گے بجائے اس کے کہ مرتے وقت حالت اضطرار میں تم ان چیزوں کو چھوڑو کیا بہتر نہیں کہ اپنی خوشی اور اختیار سے اپنے معبود برحق کو راضی کرنے کے لیے ان سب تعلقات کو قطع کر دو۔ اگر ضروری ہو تو خوشی خوشی اپنے ہاتھ سے محبت کی ان زنجیروں کو کاٹ دو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جاں بجاناں دہ وگرنہ از تو بستاند اجل فیصلہ بر گشت آے دل ایں کنی یا آں کنی

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

انہیں ہم ٹھہرائیں گے جنت کے بالاخانوں میں ۶۶ رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا ۚ نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿۵۸﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ

وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ کتنا عمدہ صلہ ہے نیک کام کرنے والوں کا۔ وہ جنہوں نے (ہر حال میں) صبر کیا اور

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾ وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا

اپنے رب پر بھروسہ کیے ہوتے ہیں۔ اور کتنے ہی زمین پر چلنے والے ہیں ۶۷ جو اٹھائے نہیں پھرتے اپنا رزق

اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۰﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم

اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے انہیں بھی اور تمہیں بھی اور وہ سب باتیں سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور اگر آپ

مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

پوچھیں ان (مشرکوں) سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور کس نے فرمانبردار بنا دیا ہے سورج اور چاند کو تو

۶۶ غُرَفًا غُرْفَۃ کی جمع ہے اس کا معنی بالاخانہ ہے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ان فی الجنۃ لغرفا یری ظہورہا من بطونہا وبطونہا من ظہورہا یعنی جنت میں ایسے بالاخانے ہیں کہ ان کی دیواریں آئینہ شفاف ہوں گی کہ نگاہ کے سامنے حجاب نہیں ہوگی۔ باہر والے لوگ اندر والوں کو اور اندر والے لوگ باہر والوں کو دیکھ سکیں گے۔ ایک اعرابی نے جب حضور کا یہ ارشاد سنا تو کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا یا رسول اللہ یہ کس کو ملیں گے۔ قال ہی لمن اطاب الکلام واطعم الطعام وادام الصیام وصلی للہ باللیل والناس نیام (ترمذی) حضور نے فرمایا یہ ان لوگوں کو ملیں گے جن کی گفتگو پاکیزہ ہوتی ہے جو لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے ہیں جو ہمیشہ روزہ رکھا کرتے ہیں اور آدھی رات کو اٹھ کر جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔

۶۷ جب کفار مکہ نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ ایمان کو بچانے کے لیے اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا کہ مکہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ کو اپنا مسکن بنایا جائے جہاں ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! نہ وہاں ہمارا کوئی پڑوسی نہ کوئی رشتہ دار۔ ہم جب یہاں سے نکلے وہاں جائیں گے تو ہمارے کھانے پینے کا انتظام کون کرے گا۔

لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٦١ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ

وہ ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، پھر وہ کہاں (توحید سے) پھیرے جاتے ہیں ۸۶ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لیے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٦٢

چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۸۷

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ

اور اگر آپ پوچھیں ان سے کہ کس نے اتارا آسمان سے پانی، پھر زندہ کر دیا اس کے ساتھ

انھیں اطمینان دلانے کے لیے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ذرا دیکھو یہ اتنی کثرت قسم قسم کے بے شمار جانور جو تمہیں ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں کیا انھوں نے اپنی پشت پر اپنی خوراک کے ذخیرے لادے ہوئے ہیں۔ اگر انھیں اللہ تعالیٰ وقت پر خوراک مہیا فرما دیتا ہے تو فکر نہ کرو وہ تمہیں فراموش نہیں کرے گا بلکہ وہ تمہارے کھانے پینے، رہائش وغیرہ کے جملہ انتظامات اپنی حکمت سے اس طرح کرے گا کہ تم حیران ہو کر رہ جاؤ گے۔ اس لیے اس چیز کے فکر میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان نہ کرو جس کی ضمانت اللہ تعالیٰ نے لے رکھی ہے اور جو حکم تمہیں تمہارا آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیتا ہے بلا تامل اسے قبول کرو۔

۸۶ کفار کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعتراف کرایا جا رہا ہے پھر ان کی روش پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے۔ یعنی اگر ان سے پوچھا جائے کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے۔ سورج اور چاند کس کے حکم کے مطابق اپنے طبعی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ کس کی بندگی کا طوق ان کے گلے میں آویزاں ہے تو کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے اور سورج اور چاند بھی اسی کے حکم سے بے چون و چرا مصروف خدمت ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے بتوں کو بھی خدا مانتے ہیں ان کی عبادت کرتے ہیں۔ عجیب ہیں یہ لوگ کہ ایسی چیزوں کو الوہیت اور خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں جن کا آفرینش عالم یا تدبیر عالم میں قطعاً کوئی حصہ نہیں۔ کسی راستے سے پھر جانے یا کسی نظریہ سے روگردانی کرنے کو عربی میں افک کہتے ہیں۔ افک عن رأیہ: قلب رأیہ۔

۸۷ کفار مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے کہ تم کہتے ہو کہ تم خدائے برحق کے پرستار ہو جو ہر چیز کا مالک ہے۔ اگر تمہاری اس بات میں ذرا بھی صداقت ہوتی تو تمہاری خستہ حالی کا یہ عالم ہوتا۔ پاؤں میں جوتا نہیں۔ بدن پر چیتھڑے ہیں۔ کھانے کو باسی روٹی بھی کبھی کبھار میسر ہوتی ہے۔ کیا خدا کے ماننے والے ایسے ہوا کرتے ہیں۔ اس کا رد فرمایا کہ دولت کی کثرت و قلت حق و باطل کی شناخت کا کوئی معیار نہیں۔ وہ اپنے بندوں کے حالات کو خود بہتر جانتا ہے۔ دولت کی تقسیم اس کی حکمت کے مطابق کی جاتی ہے۔ اور اس حکمت کو تم نہیں جان سکتے۔ وہی خوب جانتا ہے۔

مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

زمین کو اس کے بنجر ہو جانے کے بعد تو ضرور کہیں گے اللہ تعالیٰ نے ؎ آپ فرمائیے الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) ؎

لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَ

بلکہ ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں۔ اور نہیں ہے یہ دنیوی زندگی مگر لہو و لعب ؎ اور

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٦٤ فَاِذَا

دارِ آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے (جسے موت نہیں) کاش! وہ اس حقیقت کو جانتے۔ پھر جب

رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ

سوار ہوتے ہیں کشتی میں تو دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ سے خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو ؎ پھر جب

؎ پھر ان سے توحید کا اقرار کرایا جا رہا ہے۔

؎ جس توحید کا وہ انکار کیا کرتے تھے اسی کا اقرار اپنی زبان سے کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حمد و شکر بجا لانے کا حکم فرما رہے ہیں کہ آپ کی دعوت کی صداقت اتنی عیاں ہے کہ دشمن بھی اسے ماننے پر مجبور ہو گیا۔ علی تصدیقک واظہار حجتک (مظہری)

؎ کفار اس دنیوی زندگی کی لذتوں پر فریفتہ تھے۔ اور آخرت کا کبھی انہیں خیال تک بھی نہ آتا تھا۔ انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ یہ دنیا اور اس کی زیب و زینت تو ایک کھیل تماشا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ لمحہ بھر کے لیے تو بڑی رونق ہوتی ہے تماشا دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو جاتے ہیں۔ لیکن ادھر کھیل ختم ہوا اور ہر ہر کوئی اپنے اپنے گھر کو سدھار گیا۔ وہی میدان جہاں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی وہاں اب خاک اڑنے لگتی ہے کتنا نادان ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ یہ محفل یونہی بجی رہے گی۔ یہ تماشا یونہی جاری رہے گا۔ یہ قہقہے اسی طرح بلند ہوتے رہیں گے۔ بس یہی مثال اس دنیائے ہستی کی ہے۔ مانا آج ہر طرف بڑی چہل پہل ہے۔ پھول کھل رہے ہیں کلیاں مسکرا رہی ہیں۔ ہری ہری شاخوں پر بیٹھے ہوئے طیور نغمہ سنجی کر رہے ہیں لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہے گا۔ اس لیے نادان نہ بنو اپنی اس ابدی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے فرصت کے ان لمحوں کو غنیمت جانو۔ تمہیں تو اپنی دانشمندی اور زیرکی پر بڑا ناز ہے تم اتنا بھی نہیں سوچتے کہ ابدی اور دائمی زندگی کو نظر انداز کر کے اس ناپائیدار زندگی کی عشرتوں میں محو رہنا کتنے گھاٹے کا سودا ہے۔

؎ کفار کی ایک دوسری حماقت بلکہ نیازی اور بے انصافی کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ بھی عجیب لوگ ہیں جب یہ

إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا

سلامتی سے پہنچا دیتا ہے انھیں خشکی پر تو اس وقت وہ شرک کرنے لگتے ہیں سو ناشکری کریں جو نعمت ہم نے انھیں دی ہے تاکہ لطف

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ

اٹھالیں پس عنقریب جان لیں گے (حقیقت کو) کیا انھوں نے غور سے نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اچک لیا

النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ

جاتا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں

کشتیوں پر سوار ہو کر سمندری سفر پر روانہ ہوتے ہیں اور راستہ میں کوئی طوفان انھیں گھیر لیتا ہے کشتی ہچکولے کھانے لگتی ہے، سمندر کی بپھری ہوئی موجیں کشتی سے آکر ٹکرانے لگتی ہیں اور نجات کی بظاہر کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو اس وقت اپنے بتوں سے منہ پھیر لیتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی جناب میں بڑے خلوص سے فریادیں کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انھیں سلامتی کے ساتھ ساحل پر پہنچا دیتا ہے تو پھر خداوند کریم کو بھلا دیتے ہیں۔ فوراً شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہمارے فلاں معبود نے اس طوفان کی زد سے بچا لیا۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب سمندری سفر پر جاتے تو اپنے ساتھ اپنے بتوں کو بھی لے جاتے اور ہوا تیز ہو جاتی اور آندھی آجاتی تو ان بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے اور کہتے یارب یارب۔ اے ہمارے رب، اے ہمارے رب۔ (مظہری)

یہ لام امر ہے۔ مقصد انھیں ڈرانا اور دھمکی دینا ہے کہ کر لو کفر اور اٹھا لو لطف اس فانی زندگی کی لذتوں سے ابھی تمھیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اعملوا ما شئتم انہ بما تعملون بصیر کرو جو تم چاہتے ہو میں تمہارے سارے کرتوتوں کو خوب دیکھ رہا ہوں۔ یہاں اعملوا امر ہے لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ انھیں اجازت دی جا رہی ہے کہ جو تمہاری مرضی ہے کرتے رہو بلکہ مقصد دھمکی دینا ہے۔ اور بعض علماء نے اسے "لام کی" کہا ہے یعنی ہم نے ان کو اس لیے نجات دی کہ وہ کفر کریں عیش و عشرت کریں۔

اپنا ایک عظیم احسان جتلا رہا ہے کہ ملک بھر میں کہیں امن نہیں، ہر طرف لوٹ کھسوٹ کی گرم بازاری ہے کسی کی جان کسی کا مال محفوظ نہیں۔ ہم نے تم کو حرم شریف کا پڑوسی بنا کر ہر قسم کی دست درازیوں سے بچا لیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم صرف مجھے جو تمہارا خالق بھی ہے مولیٰ اور رازق بھی، اپنا الٰہ اور معبود بناتے۔ الٹا تم نے میری عبودیت و بندگی کا رشتہ توڑ کر پھینک دیا اور ۳۶۰ بتوں کو اپنا خدا، معبود اور حاجت روا سمجھ رہے ہو۔ آخر ناشکری اور احسان فراموشی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔

يَكْفُرُونَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان لگایا ۷۱ یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى

حق کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا ۷۲ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا کفار

لِلْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ

کے لیے۔ اور جو (بغرض جنت) مصروف جہاد رہتے ہیں ہمیں راضی کرنے کے لیے ہم ضرور دکھا

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

دیں گے انھیں اپنے راستے۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ (ہر وقت) محسنین کے ساتھ ہے ۷۳

۷ ع ۲

۷۱ اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے کا یہ مطلب ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھیرایا جائے۔ یا کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی تسلیم کیا جائے حالانکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کی وحدانیت پر گواہی دے رہی ہے۔ وہ ہر قسم کی ضرورت اور احتیاج سے پاک ہے تاکہ اسے بیٹے اور بیٹی کی حاجت ہو۔ واقعی اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس کا کسی کو شریک بنایا جائے یا اس کے لیے اولاد کی احتیاج ثابت کی جائے۔

نیز کفار کو جب ان کی بدکرداریوں پر ٹوکا جاتا اور فسق و فجور سے منع کیا جاتا تو بجائے اس کے کہ وہ نادم ہو کر توبہ کرتے وہ نہایت بے حیائی سے یہ کہا کرتے کہ یہ کام ہم بحکم الٰہی کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے وجدنا علیہ آباءنا واللہ امرنا بھا۔ یہ بھی ان کی افترا پردازیوں میں سے ایک سنگین قسم کی افترا پردازی تھی۔

۷۲ حق سے مراد قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے اور ذات حبیب کبریا محمد مصطفیٰ بھی۔ یعنی جب قرآن کریم ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے وہ اس میں غور و فکر ضروری نہیں سمجھتے اور فوراً اس کا انکار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کا رسول جب انھیں اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے تو اس کو بھی جھٹلا دیتے ہیں۔ خود غور کرو جو قوم اللہ تعالیٰ پر افترا باندھے اور قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جھٹلانے میں شرم محسوس نہ کرے تو اس کا ٹھکانا جہنم کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۷۳ اس آیت سے سورۃ عنکبوت کا اختتام ہو رہا ہے۔

منزل محبت کی راہ بڑی طویل اور کٹھن ہے۔ قدم قدم پر کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ مشکلات کی چٹانیں سینہ تانے کھڑی ہیں

مہیب جنگلوں اور سنسان صحراؤں کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ اس راہ پر قدم بڑھاتے چلے جانا بڑے دل گردے کا کام ہے لیکن اس آیت طیبہ میں سالکِ راہِ حقیقت کو جو لطیف جانفزا سنائی جا رہی ہے اس کے بعد کانٹے پھولوں سے بھی پیارے لگنے لگتے ہیں۔ راستہ کی ویرانیاں، فردوس بداماں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ ہر رکاوٹ، ہر مشکل راہوارِ شوق کے لیے مہمیز کا کام دینے لگتی ہے۔ آئیے! اس آیت طیبہ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔

لغتِ عرب میں جہاد کا یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے: الجهاد والمجاهدة استفراغ الوسع في مدافعة العدو۔ یعنی دشمن سے بچاؤ کرنے کے لیے اپنی امکانی قوت وطاقت کو صرف کر دینا جہاد اور مجاہدہ کہلاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی کوشش جس میں بے دلی سے کام لیا گیا ہو اُسے جہاد نہیں کہیں گے۔ جن دشمنوں کے خلاف جہاد کرنے کی رغبت دلائی جا رہی ہے۔ ان سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں دشمن ہیں۔ یعنی اسلام کے ظاہری دشمنوں کے خلاف میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دینا بھی جہاد ہے اور اپنے نفس اور شیطان کے وسوسوں سے برسرِپیکار رہنا بھی جہاد ہے۔ حدیث پاک میں ہے: جاهدوا أهواءكم كما تجاهدون أعداءكم۔ کہ جس طرح تم اپنے ظاہری دشمنوں سے جہاد کرتے ہو، اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف بھی جہاد کرو۔

"فِيْنَا" کا لفظ بڑا پُرمطلب ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس جہاد اور پُرزور کوشش کے پیشِ نظر کوئی دنیوی مقصد نہ ہو۔ ساری دوڑ دھوپ اپنی ناموری اور حصولِ جاہ و منصب کے لیے نہ ہو بلکہ اس ساری جدوجہد کا مدعا اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اگر اس میں ذرا سا فتور بھی آگیا تو اسے بھی قرآن کی اصطلاح میں جہاد نہیں کہا جائے گا۔

ان الفاظ کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگ ہماری رضا کے حصول کے لیے دینِ حق کی سربلندی کے لیے ظاہری و باطنی دشمنوں سے برسرِپیکار رہتے ہیں۔ ان پر جو مہربانی کی جاتی ہے جس کا ذکر اگلے فقرے میں آرہا ہے یعنی لنهدينهم سبلنا۔ الهداية کا معنی ہے الدلالة إلى ما يوصل إلى المطلوب ایسی چیز تک رسائی جو مطلوب تک پہنچا دے۔ نون تاکید ثقیلہ اور لام تاکید سے کلام میں جو زور پیدا ہو گیا ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں۔ سُبُل جمع ہے سبیل کی اس کی تشریح کرتے ہوئے امام راغب فرماتے ہیں: السبيل: الطريق الذي فيه سهولة۔ یعنی وہ راستہ جو منزل تک بآسانی پہنچا دے یہاں سُبُل جمع کا لفظ استعمال ہوا کیونکہ ہر بندہ کا اپنے مولا کریم سے راز و نیاز اور رابطۂ بندگی جدا ہوتا ہے۔

ہر گدا را بر درست نازِ دگر

مطلب یہ ہوا کہ جو اولو العزم کلمۂ حق بلند کرنے کے لیے خلوصِ نیت کے ساتھ سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے ہم انہیں ایسی راہوں تک پہنچا دیں گے جن پر چل کر وہ بآسانی منزلِ مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

وان الله لمع المحسنين۔ یہ ارشاد کتنا اطمینان بخش ہے۔ بتا دیا کہ راہِ محبت کے راہرو اپنے آپ کو تنہا خیال نہ کریں ان کا کریم پروردگار ان کے ساتھ ہے۔ قدم قدم پر ان کی راہنمائی فرما رہا ہے۔ ہر مشکل مرحلہ پر ان کی دستگیری کر رہا ہے۔ جب بھی ان کے قدم پھسلنے لگتے ہیں اس کی توفیق آگے بڑھ کر ان کو سنبھال لیتی ہے اور گرنے نہیں دیتی۔ اور جس مسافر کو محبوب

حقیقی کی معیت نصیب ہو تو منزل کتنی ہی بلند، دور اور کٹھن کیوں نہ ہو، خود بخود ان کے قریب ہو جایا کرتی ہے نیز اپنے بندوں کے بدخواہوں کو بھی خبردار کر دیا کہ وہ انہیں اکیلا اور بے یار و مددگار نہ سمجھیں۔ میری نصرت، میری تائید ان کے شریکِ حال ہے۔ تمہارا کوئی مکر و فریب، تمہارا کوئی حیلہ اور تدبیر انہیں گزند نہیں پہنچا سکتی۔

اِنَّ تاکید کے لیے ہے پھر جملہ پر لام تاکید ہے۔ نیز یہاں علم ذات مذکور ہے تاکہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

بے شک جنہیں اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے نہ انہیں نفس فریب دے سکتا ہے، نہ انہیں شیطان بہکا سکتا ہے اور نہ کوئی جابر دشمن ان کا بال بیکا کر سکتا ہے۔ خلوص نیت سے مصروفِ جہاد رہنا۔ اپنی توانائیوں اور وسائل کو آخری حد تک بروئے کار لانا ان کا کام ہے اور منزلِ مقصود تک پہنچانا ان کے رب کریم کی ذمہ داری ہے۔ و ان اللہ لا یخلف المیعاد۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الروم

نام: اس سورت کا نام الروم ہے جو دوسری آیت "غُلِبَتِ الرُّوْمُ" سے ماخوذ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس میں چھ رکوع، ساٹھ آیتیں، آٹھ سو انیس کلمات، تین ہزار پانچ سو چونتیس حروف ہیں۔

شانِ نزول: اس سورت کی پہلی پانچ آیتیں اس بات کی ناقابلِ تردید دلیل ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو علیم بھی ہے اور خبیر بھی جس کے علم محیط کے سامنے ماضی اور مستقبل کا ہر واقعہ عیاں ہے اور حضور نبی رحمت محمد مصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ افضل التحیۃ واجمل الثناء اسی پروردگار عالم رب العالمین کے سچے رسول ہیں۔ لیکن یہ حجت قاطعہ اس وقت تک اپنی عظمت و جلالت کے ساتھ جلوہ نما نہیں ہوتی جب تک کہ روم و فارس کی باہمی طویل اور خونریز آویزش کا تذکرہ نہ کیا جائے۔ اس لیے طوالت سے دامن بچاتے ہوئے ان آیات کا تاریخی پس منظر قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

خسرو اول جو نوشیرواں عادل کے نام سے معروف ہے کی وفات کے بعد اس کا چہیتا بیٹا ہرمز تخت ساسان کا وارث بنا۔ اپنے نامور باپ کی وسیع و عریض مملکت کے علاوہ اسے ورثہ میں باپ کی شہرت، نیک نامی، عادلانہ اور دانشمندانہ آئین جہانبانی بھی ورثہ میں ملا۔ مزید براں اسے بزرجمہر جیسے نیک نفس اور پاک طینت استاد اور اتالیق کی سرپرستی بھی میسر آئی جو اپنی علمی قابلیت اور فلسفیانہ انداز فکر میں بے مثال تھا۔ لیکن جب بزرجمہر پیرانہ سالی کے باعث امور سلطنت سے الگ ہو کر گوشہ نشین ہو گیا تو اس کے قدردان شاگرد ہرمز کے اردگرد خوشامدی اور بددیانت لوگوں کا جمگھٹا ہو گیا۔ انہوں نے چن چن کر نوشیرواں کے مخلص اور وزیر کے چہیتوں کو دربار شاہی سے نکال دیا اور آہستہ آہستہ ہرمز کے دل کو عدل و انصاف، نیکی اور رعایا پروری کے جذبات سے متنفر کر دیا۔ رفتہ رفتہ ملک کا نظم و نسق تباہ ہونے لگا۔ جن لوگوں نے از راہِ خیر خواہی بادشاہ کی توجہ بگڑتے ہوئے حالات کی طرف مبذول کرائی انہیں قتل کر دیا گیا۔ جہاں کہیں اس ظلم و ستم کے خلاف فریاد اور احتجاج کی آواز بلند ہوئی اسے عسکری قوت سے کچل دیا گیا۔ ہرمز نے اعلان کر دیا کہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں حاکم مطلق بھی ہے اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے۔ شاہی محلات کے در و دیوار، شاہی دربار کا کروفر، مملکت کے تمام شہر اور دیہات اور دجلہ کا پانی بے گناہوں کے خون سے رنگین نظر آنے لگا اور اسی بیدردی سے ہر روز تختہ دار پر اظہار فرمانروائی کیا گیا۔

آخر تنگ آ کر ملک کے مختلف صوبوں، بابل، سوسا اور کارمینیا نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ عرب، یمن اور ہند کے باجگزار سلاطین نے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ ایران کے ان ملکی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے بھی از سر نو اپنی ترک تازیاں اور یلغاریں

کا سلسلہ شروع کر دیا۔

ترکستان کا خاقان اپنی چار لاکھ ترکوں کی جمعیت لے کر ایران کی مشرقی سرحد پر آ پہنچا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ رومیوں کے مقابلہ میں ہرمز کی مدد کرنے کے لیے پیش قدمی کر رہا ہے۔ ناعاقبت اندیش ہرمز اس دام فریب میں پھنس گیا۔ اس نے اپنے شہروں کے دروازے ترکوں کے لیے کھول دیئے۔ جب وہ اپنی قوم کے چھکے تو اسے اس وقت معلوم ہوا کہ وہ تو فقط مملکت ساسانی کا چراغ بجھانے کے لیے قتل کرنے کے لیے آئے تھے۔ وہ ترک بڑی بے رحمی سے ساتھ ساسانی مرکز کے بہادروں کو ذبح کر رہا تھا۔ اب ایران دو جابر اور طاقتور دشمنوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔ سلطنت خوشامدی اور بزدل امرا تھے ہرمز خود پریشان تھا۔ اس وقت بہرام آگے بڑھا اور دس بارہ ہزار بہادر سپاہیوں کو لے کر ترکوں کی ٹڈی دل افواج کو شکست فاش دی۔ ہرمز کے دل میں اس کے خلاف حسد کی آگ بھڑکنے لگی۔ اس کے حواریوں نے بھی کان بھرے کہ بہرام نے ترک کے مال سے قیمتی اشیاء اپنے لیے مختص کر لی ہیں۔ اس سے وہ اور بھی بدظن ہو گیا لیکن رومیوں کے اچانک حملے نے اسے مجبور کیا کہ بہرام کو بڑی پھرتی سے آگے بھیجے اور اسے رومیوں کے مقابلے کے لیے مقرر کر دیا گیا۔ اس جنگ میں بہرام کو ایک جزئی شکست ہوئی۔ بادشاہ کو بہانہ مل گیا اور اس نے اسے معزول کر کے ایک شاہی قاصد کے ذریعے اسے ایک تحفہ اون کاتنے کی تکلی اور چرخہ اور ایک زنانہ جوڑا بھیجا۔ اس نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ زنانہ لباس پہنا اور اسی طرح اپنے لشکر کے سامنے آیا۔ اپنے بہادر جرنیل کی اس بے عزتی پر افواج کو بڑا رنج ہوا، انہوں نے بادشاہ سے بغاوت کر دی اور بہرام کے ساتھ حلف وفاداری اٹھایا۔ دوسرا شاہی قاصد جو بیڑیاں لے کر آیا تھا کہ بہرام کو ان میں جکڑ کر حاضر دربار کرے۔ لوگوں نے شدت غضب سے اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا قلیل عرصہ میں لوگ بہرام کے پرچم کے نیچے جمع ہو گئے۔ سارا ملک اور دارالسلطنت مدائن بھی ہرمز کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا بڑا لڑکا خسرو جو اس شورش میں شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک ساسانی شہزادہ جنرل [illegible] کی ترغیب پر وہ واپس آیا اور تاج شاہی اس کے سر پر رکھ دیا گیا۔ ایک عام عدالت میں ہرمز کو بطور مجرم پیش کیا گیا۔ اس کا اترا ہوا چہرہ خلعت شاہی کے بجائے اس کے بدن پر چیتھڑے۔ اس کی ایک بار آنکھیں وہ زنجیر جن میں اسے جکڑا گیا تھا، قیدیوں کے وہ نشان جو اس کے جسم پر جگہ جگہ نظر آ رہے تھے اس کے ناقابل برداشت مظالم اور وحشیانہ افعال کی شدت کو کم نہ کر سکے۔ اس نے مطالبہ کیا کہ خسرو کو معزول کر دیا جائے اور اس کے چھوٹے بیٹے کو تخت نشین کیا جائے لیکن اس کی یہ خواہش ٹھکرا دی گئی۔ بلکہ اس کے سامنے اس کی ملکہ اور اس کے لڑکے کی لاش رکھ دی گئی۔ اس کی آنکھوں میں گرم سوئیاں چبھو دی گئیں۔ ہرمز کو یہ لرزہ خیز سزا دینے کے بعد اس کے بیٹے خسرو کی رسم تاجپوشی بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔ خسرو نے اپنے باپ کو زنداں قید خانہ سے نکالا اور اسے محل میں ٹھہرایا۔ اس کے آرام و آسائش کے سامان فراہم کیے اور جیسے ہی تحمل سے اس کی گالی گلوچ کو برداشت کرتا رہا لیکن بہرام نے خسرو کو بادشاہ تسلیم نہ کیا اور اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ خسرو میں مقابلہ کی تاب نہ تھی۔ حالات بھی اس کے موافق نہ تھے اسے اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔ چنانچہ اپنے دوستوں سے طویل مشورہ کے بعد ترکوں کے ہاں پناہ لینے کے بجائے اس نے رومی حکومت میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ رومی سلطنت کی سرحد بھی قریب تھی اور وہاں پہنچنا بھی آسان تھا۔ چنانچہ وہ اپنی داشتہ شیریں کو لے کر صرف تیس بہادر سپاہیوں کی معیت میں رومی مملکت میں پناہ گزین ہو گیا۔ سرحدی حکام نے اسے پناہ دی۔ بڑے احترام کے ساتھ اسے بزنطینیہ کے بادشاہ ماریس MAURICE کے پاس پہنچا دیا گیا۔ رومی بادشاہ نے اس کا شایان شان استقبال کیا۔ سابقہ رنجشوں کو بھلا کر اس کی امداد و نصرت کی حامی بھری۔ جلا وطن شہزادہ کو اس نے قیمتی تاج پہنایا۔ بہترین لباس زیب تن کرایا، بطور تحفہ دیے اور اپنے بہادر مشہور جرنیل نارسیس [NARSES] کو ایک لشکر جرار دے کر ہمراہ کیا

دوبارہ کھویا ہوا تخت اسے واپس دلانے میں مدد کی۔ اس عرصہ میں لوگ بہرام سے دل برداشتہ ہو چکے تھے اور اپنے کیے پر نادم تھے۔ جب خسرو رومی لشکر لے کر واپس آیا تو ایرانیوں نے اپنے معزول بادشاہ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا اور اس کی فوج میں شامل ہو گئے۔ بہرام نے دو مقامات دریائے زاب کے کنارے اور میڈیا کی سرحد پر خسرو کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی۔ وہاں سے بھاگ نکلا راستے میں کسی نے زہر دیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس طرح خسرو نے رومی بادشاہ ماریس کی اعانت سے اپنا کھویا ہوا تخت واپس لیا۔

خسرو ماریس کی اس اعانت اور عنایت کے باعث اسے اپنا باپ کہا کرتا تھا۔ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ خسرو کی خواہش پر رومی بادشاہ نے اپنی بیٹی مریم کی اس سے شادی کر دی۔ ایک فائدہ اس کا یہ ہوا کہ ایران اور روم کے درمیان آئے روز جنگوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور دونوں حکومتوں میں صلح ہو گئی اور امن قائم ہو گیا۔ رومی مملکت ایرانی بادشاہ کی دھاک بیٹھ گئی اور ایران میں اس کا اثر و نفوذ اس حد تک بڑھ گیا کہ خیال کیا جانے لگا کہ خسرو عیسائیت قبول کرنے والا ہے لیکن [illegible] کی شخصیت نے اس تصور کو بالکل ملیا میٹ کر دیا۔

مشرق میں ماریس کا طوطی بول رہا تھا لیکن یورپ میں حالات کا رخ اس کے خلاف تھا۔ ماریس سے چند ایسی غلطیاں ہوئیں جن کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ رومیوں کے لوگ اس سے متنفر ہو گئے اور انہوں نے ایک معمولی فوجی افسر (PHOCAS) کو اپنا سپہ سالار مقرر کر لیا اور قسطنطنیہ پر چڑھائی کر دی لیکن باشندوں کو ابتداً اس جلد بازی پر ندامت ہونے لگی۔ اس کے باوجود ماریس کو بادشاہ بنائے رکھنے پر رضامند نہ ہوئے البتہ اس کے بیٹے تھیوڈوسس (THEODOSIUS) یا اس کے خسر جرمانوس (GERMANOS) کے ساتھ دوستانہ خط و کتابت شروع کر دی۔ فوکاس ایک بالکل غیر معروف آدمی تھا۔ شاہ روم اس کے نام تک سے واقف نہ تھا جب اسے بتایا گیا کہ فوکاس سازشی ہونے کے ساتھ بزدل بھی ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اگر یہ بزدل ہے تو یقیناً ایک قاتل ثابت ہو گا۔

حالات تیزی سے بگڑتے گئے آخر کار بدقسمت ماریس اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر ایک چھوٹی سی کشتی میں ایشیائی ساحل کی طرف نکل گیا مگر باد مخالف کی شدت نے اسے مجبور کر دیا کہ کالسیڈن کے قریب سینٹ آٹونومس پر جا اترے۔ یہاں سے اس نے اپنے لڑکے کو ایران بھیجا تاکہ خسرو شاہ ایران سے امداد طلب کرے لیکن لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ اسے طرح طرح کی جسمانی اذیتیں دی گئیں لیکن وہ بڑے صبر سے برداشت کرتا رہا۔ جب اسے شاہی تخت سے اتار دیا گیا تو اس کے جانشین کے بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ آخر کار نظر انتخاب فوکاس پر پڑی اور اس کے سر پر بزنطینی مملکت کا تاج رکھ دیا گیا۔ اس نے اپنے حامیوں پر انعام و اکرام کی بارش کر دی۔ ان کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ پادریوں نے بھی اس کی شاہی کا اعلان کر دیا چنانچہ یوحنا کے کلیسا میں لے جا کر اسے اعزاز و عقیدت پیش کیا گیا۔ تیسرے روز وہ ایک شاہی رتھ پر سوار ہو کر جسے چار سفید براق گھوڑے کھینچ رہے تھے نکلا تو ہر طرف شور برپا تھا۔ عوام نے اس پر داد و تحسین کے پھول برسائے۔

اسے معلوم ہوا کہ ماریس ابھی زندہ ہے۔ اس نے جلادوں کو بھیجا کہ اسے پکڑ لائیں۔ چنانچہ ماریس اپنے پانچ بیٹوں کے ساتھ اس مقدس کلیسا سے پکڑ لایا گیا۔ اس کے سامنے اس کے پانچوں بیٹوں کو یکے بعد دیگرے قتل کر دیا گیا۔ جب بھی جلاد اس کے کسی بیٹے کا سر قلم کرنے کے لیے ضرب لگاتا تو وہ بڑی جرأت سے کہتا: "اے خدا تو عادل ہے اور تیرے فیصلے درست ہیں۔" آخر اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک دیا گیا اور ان کے سروں کو سر بازار لٹکا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۶۳ سال تھی اور اس کا دور حکومت بیس سال۔

پھر ماریس کی بیوہ کانسٹینٹینا (CONSTANTINA) کو اس کی تین معصوم بچیوں سمیت کالسیڈن کے ایک میدان میں تہ تیغ کر

دیا گیا جہاں چند روز پہلے اس کے فرزند اور اس کے پانچ بچوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔

جب ان خونی واقعات کا علم خسرو کو ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور اعلان کیا کہ وہ اپنے محسن اور باپ ماریس اور اس کی بیوی، اس کے بچوں اور بچیوں کا انتقام فوکس سے ضرور لے گا چنانچہ خسرو نے فوکس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور رومی مملکت پر چڑھائی کر دی۔ جلد ہی الرہا، دارا، امیڈا اور ایڈیسا کے قلعوں کا محاصرہ کیا اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ دریائے فرات کو عبور کر کے اس نے شام کے مشہور شہروں الیپو وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ دوسری طرف فوکس کے مظالم اور ایرانیوں کے مقابلہ میں اس کی شکست کے باعث لوگ اس سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اشراف نے افریقہ کے گورنر ہرقل سے ساز باز شروع کی کہ وہ روم کا تخت سنبھالے اور رومی سلطنت کو تباہی اور بربادی سے بچائے۔ ہرقل بوڑھا ہو چکا تھا اس لیے اس نے اپنے جوان سال بیٹے ہرقل ثانی کو اس مہم کے لیے نامزد کیا۔ اس نے بڑی جرأت اور تیزی سے پیش قدمی کی اور فوکس کو اس کے محل کی اس وقت خبر ہوئی جب اس نے اپنے محل کی کھڑکیوں سے ہرقل کے جنگی بیڑے کے بادبان اور جھنڈے لہراتے ہوئے دیکھے۔ معمولی جھڑپ کے بعد ہرقل فتح کے شادیانے بجاتا ہوا قسطنطنیہ میں داخل ہوا۔ فوکس کو پابجولاں حاضر کیا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ اس کی لاش کو نذر آتش کر دیا گیا اور ہرقل نے فوکس کے حامیوں پر بھی ظلم و ستم کے وہ پہاڑ توڑے جو انہوں نے زمام اقتدار سنبھالتے وقت اپنے دشمنوں پر توڑے تھے۔ یہ واقعہ ۶۱۰ عیسوی کا ہے۔ یہ وہی سال ہے جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا تھا ——— خسرو جو اپنے محسن کا انتقام لینے کے بہانے چڑھ آیا تھا اس کو پتہ چل گیا کہ اس کے محسن کا قاتل فوکس کیفر کردار کو پہنچ چکا ہے۔ اگر اس کی چڑھائی کا مقصد صرف انتقام لینا تھا تو وہ پورا ہو چکا تھا اسے چاہیے تھا کہ وہ اب واپس لوٹ آتا۔ لیکن اس نے ایک جھوٹے شخص کو ماریس کا بیٹا ظاہر کیا اور اپنا حملہ جاری رکھا۔ رومی مملکت کے کئی علاقوں پر اس کا قبضہ ہو گیا انہیں تاخت و تاراج کر دیا اور عام طور پر کہا کہ میں ماریس کے اس بیٹے کو تخت نشین کرانا چاہتا ہوں۔ یہ محض بہانہ تھا حقیقت میں وہ رومی مملکت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی اس مہم کو زیادہ زور دار اور پرجوش بنانے کے لیے اسے مذہبی رنگ دے دیا اور اسے مجوسیت اور عیسائیت کے درمیان جنگ قرار دے دیا۔ دوسری مذہبی اقلیتیں جو رومیوں کے متعصب حاکموں اور تنگ دل پادریوں کے مظالم کا شکار چلی آ رہی تھیں انہوں نے ایرانیوں کا ساتھ دیا۔ چنانچہ چھبیس ہزار یہودی خسرو کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔ صرف غیر عیسائی اقلیتیں ہی نہیں بلکہ وہ عیسائی فرقے جن کو کلیسا نے ملحد قرار دے دیا تھا نسطوری، یعقوبی وغیرہ وہ بھی خسرو کے ساتھ ہو گئے:

ایرانی فوجوں نے انطاکیہ پر قبضہ کر لیا۔ ۶۱۳ عیسوی میں دمشق میں داخل ہوئیں۔ ۶۱۴ عیسوی میں بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہیلینا اور قسطنطین کے شاہی قصبے مسمار کر دیئے گئے۔ کلیساؤں کی ساری دولت لوٹ لی گئی۔ وہاں کا لاٹ پادری گرفتار کر لیا گیا اصل صلیب جس پر عیسائیوں کے خیال کے مطابق حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی وہ ایران بھیج دی گئی اور نوے ہزار عیسائیوں کو یہودیوں نے خرید کر ذبح کر دیا۔ انہیں ایام میں مکہ میں توحید و شرک کی آویزش بھی سنگین صورت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ مکہ اور مضافات کے مشرکین اسلام کی شمع کو بجھانے کے درپے ہو گئے تھے۔ مسلمان بڑی قوت ایمانی کے بل بوتے پر ان کے ہر ظلم کو برداشت کر رہے تھے اور وہ نور اسلام کو بجھانے کے لیے ہر طرح سے کوشاں تھے۔ جب شام اور فلسطین میں ایرانی مجوسیوں کی کامیابی اور رومی عیسائیوں کی شکست کی خبریں پہنچیں تو کفار کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور کہنے لگے جس طرح ہمارے آتش پرست مشرک بھائیوں نے عیسائیوں کو شکست دی ہے ہم مسلمانوں اہل کتاب کی مرمت کر رہے ہیں اور قدم قدم پر انہیں شکست دے رہے ہیں ہم تمہیں بھی اسی

طرح نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔

حالات کا تقاضا کچھ ایسا ہی تھا۔ رومیوں کی قوت دن بدن دم توڑ رہی تھی۔ ایرانی فوج اور ان کے شہنشاہ کی طاقت میں اضافہ ہو رہا تھا۔ حملہ آور لشکر کے مفتوحہ علاقوں کے خزانے شاہ کسریٰ کے قدموں میں ڈھیر ہو رہے تھے۔ اس کی فوجیں جدھر کا رخ کرتیں فتح و کامیابی ان کے قدم چومتی۔ شام، فلسطین، ملطیہ، لبنان پر خسرو کا پرچم لہرانے لگا۔ افریقہ میں مصر سے لیبیا تک کا علاقہ فتح کر لیا گیا۔ دوسرے محاذ پر ایرانی فوجیں قسطنطنیہ کے دروازے پر دستک دینے لگیں اور ۶۱۷ء میں شہر کے سامنے ایک بلند پہاڑی پر ایرانی فوجوں نے اپنا کیمپ قائم کر لیا۔ ان حیرت انگیز فتوحات کے علاوہ مشہور انگریز مؤرخ گبن (Gibbon) خسرو کے جاہ و حشم کا یوں ذکر کرتا ہے:

"ایرانی شہنشاہ کی سطوت کے اظہار کے لیے ۹۶۰ ہاتھی ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب وہ کوئی محل بدلتا تو اس کا سامان سفر لے جانے کے لیے شاہی اصطبل میں بارہ ہزار اونٹ اور اصیل گھوڑے موجود رہتے تھے۔ جن میں سے شبدیز نامی گھوڑا اپنی تیز رفتاری کی وجہ سے لازوال شہرت حاصل کر چکا تھا۔ محل کے دروازوں کے سامنے چھ ہزار مسلح پہرے دار ہر وقت تعینات رہتے تھے۔ محل کے اندر بارہ ہزار غلام مختلف خدمات سرانجام دینے کے لیے مامور تھے۔ تین ہزار کنواری دوشیزائیں ان کے علاوہ تھیں جو نسوانی حسن و جمال کی مظہر تھیں۔ شیریں کا نام کون نہیں جانتا۔ وہ خسرو کے محل کو چار چاند لگا رہی تھی۔ ملکہ شیریں کے ساتھ شیریں کی موجودگی اسے ہر قسم کی آسائش کے لیے دنیا کی تمام نعمتیں مہیا تھیں۔ جواہرات، سونے چاندی کے ذخائر کا شمار ہی نہ تھا۔"

گبن نے یہاں خوب لکھا ہے:

"جب خسرو اپنی عظمت و سطوت کے نشہ میں مخمور تھا اسے مدینہ طیبہ سے ایک گمنام شخص کا خط موصول ہوا۔ اس وقت اسے ایک مکتوب موصول ہوا۔ ایک ایسی ہستی کی طرف سے جو مکہ کا باشندہ ہے اور غیر معروف ہے۔ اس خط میں خسرو کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم سلامتی چاہتے ہو تو اسلام قبول کرو، اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آؤ۔ خسرو نے اس دعوت کو مسترد کر دیا اور اس خط کو پرزے پرزے کر دیا۔ اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد فرمایا کہ خسرو نے میرا مکتوب پھاڑا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی سلطنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر دیا ہے۔" (روح المعانی جلد ۴۔ صفحہ ۱۶۷)

خسرو کی نخوت اور غرور کا اندازہ اس خط سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔ اس کی عبارت پڑھ کر انسان کانپ اٹھتا ہے۔ خسرو نے ہرقل کو لکھا:

"سب خداؤں سے بڑے خدا، تمام روئے زمین کے مالک خسرو کی طرف سے اس کے کمینے اور بے شعور بندے کے نام۔
تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچا لیا۔"

ایک ایرانی مؤرخ طبری (.....) لکھتا ہے کہ جب ہرقل کو یہ شعور ہوا کہ وہ صلح کے لیے اپنا سفیر خسرو کی خدمت میں بھیجے تاکہ جان بخشی کی صورت نکل آئے، اس زمانہ کی تحریر کو ہرقل نے قبول کر لیا اور اپنا سفیر امن اور معذرت خواہی کے لیے خسرو کے دربار میں بھیجا۔ اس نے جب یہ درخواست پیش کی تو خسرو غصہ سے بے قابو ہو گیا اور گرج کر بولا:

"سفیر نہیں بلکہ خود ہرقل کو زنجیروں میں جکڑ کر میرے تخت کے سامنے لایا جائے اور میں تب تک اس کو ہرگز معاف نہیں کروں گا جب تک...

اپنے مصلوب خدا کا انکار کر کے سورج دیوتا کی پوجا شروع کر دے اور مجوسی مذہب اختیار کر لے۔"

یہ حالات تھے جب قرآن کریم کی یہ آیات طیبات اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور آخری رسول پر نازل فرمائیں جن میں یہ مژدہ سنایا گیا کہ چند سالوں میں رومی غالب آجائیں گے اور ایرانیوں کو شکست ہوگی۔ چنانچہ گبن لکھتا ہے :

"جس وقت یہ پیشین گوئی کی گئی تھی۔ اس وقت اس کا پورا ہونا ناممکن تھا کیونکہ ہرقل کے عہد حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں ہر وقت یہ خطرہ لاحق تھا کہ رومی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔" تاریخ گبن جلد چہارم صفحہ ۷۴

AT THE TIME THIS PREDICTION IS SAID TO HAVE BEEN DELIVERED, NO PROPHECY CHUD BE MORE DISTANT FROM ITS ACCOMPLISHMENT SINCE THE FIRST TWELVE YEARS OF HERACLIUS ANNOUNCED THE APPROACHING DISSOLUTION OF THE EMPIRE.

جب اس ظالم وسفاک کے پنجۂ استبداد سے نجات کی کوئی راہ نظر نہ آئی تو ہرقل نے اپنی عظیم مملکت کو بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ سب سے پہلے اسے جنگی تیاریوں کے لیے روپیہ کی ضرورت تھی۔ شاہی خزانہ تو جنگ وجدال اور فتنہ وفساد کی وجہ سے خالی ہو چکا تھا، چنانچہ اس نے کلیساؤں میں جمع شدہ دولت حاصل کرنے کی کوشش کی اور بڑی منت سماجت کے بعد پادری رقم بطور قرض دینے پر رضامند ہوئے۔ انہوں نے تقاضے سے پہلے وعدہ لیا کہ وہ یہ رقم سود سمیت واپس کر دے گا۔ مالی مشکلات پر قابو پانے کے بعد اس نے آزمودہ کار سپاہیوں کا ایک لشکر فراہم کیا اور ایسٹر کی عید کے دوسرے دن اس نے جنگ کا طبل بجا دیا۔ اس نے شاہی خلعت اتروا دی اور سپاہیانہ سادہ لباس زیب تن کیا اور اس عظیم تاریخی مہم پر روانہ ہو گیا۔ اس نے خشکی کے راستہ کے بجائے بحری راستہ اختیار کیا اور بڑی سرعت سے اپنے جنگی بیڑے کو شام کے ساحل پر لنگر انداز کر دیا۔ ایران کی فوجیں جو روم سے قسطنطنیہ کے قریب ہو چکی تھیں ان کے نرغے سے قیصر کس طرح نکلا اس کی تفصیل علامہ ابن کثیر نے لکھی ہے جس کو یہاں لکھنا گنجائش نہیں۔ قیصر اپنے جنگی بیڑے کے ساتھ شام کے ساحل پر لنگر انداز ہو گیا اور آرمینیا کے کوہستانی دشوار راستوں سے ہوتا ہوا ایران کے قلب پر حملہ آور ہوا اور ابن کثیر کے قول کے مطابق وہ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ایران کے پایہ تخت مدائن پر قبضہ کر لیا۔ وہاں بے شمار لوگوں کو تہ تیغ کیا اور خزانوں میں جو دولت تھی اسے لوٹ لیا۔ کسریٰ کی بیویوں اور اس کے اہل خانہ کو گرفتار کر لیا۔ اس کے لڑکے کا سر منڈوا دیا اور اسے گدھے پر سوار کر کے کسریٰ کی طرف بھیج دیا۔ کسریٰ خود اس جنگ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ چالیس ہزار کا لشکر لے کر واپس لوٹا۔ ہرقل کی پیش قدمی جاری رہی۔ اس نے ان کے سب سے بڑے مقدس آتش کدہ کو بجھا دیا جس کی عبادت کا اہل ایران ہمیشہ اہتمام کرتے تھے اور زرتشت کے مقام پیدائش آرمیا کو تباہ کر دیا۔ اس طرح اس نے اپنے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کا انتقام لیا۔

یہی وہ سال ہے جب لشکر اسلام کی پہلی جنگ بدر کے میدان میں لڑی گئی جس میں کفار کو ذلت ومات کے باوجود شکست فاش ہوئی اور سارے کے سارے سرداران باطل کے باوجود مسلمان کامیاب وکامران ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں جو دونوں پیش گوئیاں فرمائی تھیں اور رومیوں کی فتح اور مسلمانوں کی جو خوشخبری تھی وہ دس سال کے کم عرصہ میں پوری ہوئیں اور وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ کی عملی تفسیر ہر شخص کو غالب حق کی شاہراہ حیات کو منور کرنے لگی۔

الحمد للہ علیٰ کبریائہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید انبیائہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

نوٹ: یہ معلومات مندرجہ ذیل کتب سے حاصل کی گئیں:

تاریخ زوال روما ایمپائر۔ گبن۔ تاریخ ابن خلدون۔ تفسیر ابن کثیر۔ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا ۱۹۵۰ء جلد ۱۹

مضامین سورۃ | اس تاریخی پس منظر کو سمجھنے کے بعد اب اس سورۃ کے مضامین اپنی بھرپور معنویت اور اثر انگیزی کے ساتھ عیاں ہو گئے ہیں۔

ابتدائی آیات میں بتایا کہ انسان اپنی ظاہری جاہ وحشمت پر اتنا مغرور ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اعمال بد کے نتائج سے بھی بے فکر ہو جاتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس کا آفتاب اقبال تا ابد یونہی چمکتا رہے گا اس کے حسن وشباب کی بہاریں کبھی خزاں آشنا نہیں ہوں گی۔ معنوی عوامل بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں جو عنقریب اس کی ہیبت وشان کو خاک میں ملا دینے والے ہوتے ہیں۔

انسان کو خواب غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو نظام حیات اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے بھیجا اسے دین فطرت کہا گیا ہے جس سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہ دین انسان کی فطری صلاحیتوں کو ختم نہیں کر دیتا، اس کی ترقی کی راہ میں سنگ راہ نہیں بنتا بلکہ ان کی اس طرح آبیاری کرتا ہے کہ وہ برگ وبار لا کر اس خاکدان ارضی کی زینت اور رونق میں اضافہ کرتی ہیں۔ اس لیے اس کی پابندی ہر سلیم الفطرت آدمی کے لیے ضروری ہے۔

سورۃ کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی روشن دلیلیں ذکر کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ وہی خدا ہے جو ان صفات کمال سے متصف ہے اس کے علاوہ سب اس کے عاجز بندے ہیں کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ اس کی ہمسری کا خیال کرے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو اس کا شریک بنائے۔

دیگر مضامین اپنے اپنے مقام پر ملاحظہ فرمائیے اور حسب توفیق قرآن کریم کے خیابان عرفان سے گل چینی کر کے جیب و دستار بھر لیجیے۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الروم مکی ہے اس کی آیتیں ۶۰ اور رکوع ۶ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ② فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

الف لام میم ۱ مغلوب ہو گئے رومی ۲ پاس کی زمین میں اور وہ ہار جانے کے بعد

۱ الف لام میم۔ یہ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے متعلق تفصیلی بحث اس سے پہلے متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔ یہاں علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نادر تحقیق پیش خدمت ہے۔ فرماتے ہیں عالم تین ہیں: عالم امر، عالم ارواح اور عالم ملک۔ عالم امر اس عالم کو کہتے ہیں۔ جہاں ہر چیز کو اس کا تعین اور تشخص دیا جاتا ہے۔ ھو المبدأ یعنی ہر چیز کو اس کی وجود و صورت اور خصوصیات مرحمت کی جاتی ہیں۔ ھو المبدأ لجمیع التعینات۔ الف سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ عالم ارواح ایک درمیانی کڑی ہے۔ الذی ھو الوسط بین طرفی الموجودات لام سے اسی کی طرف اشارہ ہے اور عالم ملک تنزلات اور استرسالات کا آخری درجہ ہے۔ میم سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ پھر فرماتے ہیں ثم اسرار الحروف المقطعات والمتشابہات القرآنیۃ مما ینکشف لاھل اللہ بعد الوصول الی غایۃ المراتب یعنی جب بندگان خدا قرب و معرفت کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز ہو جاتے ہیں تو حروف مقطعات اور متشابہات کے اسرار و معارف ان پر آشکارا ہو جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعطاؤہ اتم وھباتہٗ لا تعد ولا تحصیٰ۔

۲ غلبت الروم: اَدْنٰی: قریب سے ہے جس کا معنی ہے بہت قریب۔ الارض: ملک اور علاقہ۔ حجاز کے شرق میں ایرانیوں کی وسیع و عریض مملکت تھی جو مشرک اور آتش پرست تھے۔ مغرب میں رومی سلطنت تھی جو اہل کتاب اور حضرت مسیح کے پیروکار تھے۔

ان کا پرچم یورپ، افریقہ، ایشیا کے مغربی ممالک، شام، اردن، فلسطین کی فضاؤں میں لہرا رہا تھا جب مکہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توحید کی تبلیغ شروع کی تو مکہ کی آبادی دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ مشرکین کا تھا جو بت پرست تھے اور دوسرا گروہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کا تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو دل و جان سے تسلیم کر چکے تھے اور ہر قسم کے شرک جلی اور خفی سے ان کا دل پاک ہو چکا تھا۔ کفر و اسلام کی یہ کشمکش دن بدن شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ مکہ میں جب یہ اطلاع پہنچی کہ ایران اور روم باہم برسرپیکار ہیں، تو طبعی طور پر مشرکین مکہ کی دلچسپیاں ایران کے آتش پرست مشرکوں کے ساتھ تھیں اور فرزندان اسلام کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں جو اہل کتاب تھے۔ انہی ایام میں خسرو کسریٰ ایران کی جنگ قیصر روم کی فوجوں کے ساتھ شام کے نواحی علاقہ میں ہوئی جس میں ایرانیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اپنے ہم مشربوں کی کامیابی کی خبر سن کر مشرکین مکہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور لگے ڈینگیں مارنے

غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ﴿٣﴾ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۗ لِلَّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ

ضرور غالب آجائیں گے ۳ چند برس کے اندر ۴ اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی

وَمِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللَّهِ ۚ يَنْصُرُ

اور بعد بھی اور اس روز خوش ہوں گے اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے۔ وہ مدد

کہ جس طرح آگ کے پجاریوں نے شام کے علاقہ میں اہل کتاب کو شکست دی ہے اسی طرح یہاں بھی بہت جلد بت پرست کچل کر اللہ تعالیٰ کی توحید کے علمبرداروں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیں گے۔ مسلمانوں کے دل بھی رومیوں کی شکست سے بڑے رنجیدہ ہوئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر کے ایرانیوں کی شکست فاش اور رومیوں کی فتح مبین کی پیشگوئی فرمائی۔ اور اپنے بندوں کو تسلی دی کہ کفر کی یہ کامیابی عارضی ہے۔ چند سالوں میں حالات کا رخ بدل جائے گا اور رومیوں کا بول بالا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کا مفصل بیان اس سورۃ کے تعارف میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

۳ یہاں سین تاکید کے لیے ہے یعنی رومی ضرور غالب ہوں گے۔ مستقبل قریب کا معنی فی بضع سنین سے واضح ہے۔ ایک مفہوم ادا کرنے کے لیے دو لفظ شان فصاحت سے بعید ہیں۔ وفی ذلک تاکید لما یفهم من السین ای سیغلبون البتۃ۔ (روح المعانی)

۴ علامہ جوہری اپنی لغت کی مشہور کتاب الصحاح میں اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں والبضع فی العدد بکسر الباء وبعض العرب یفتحها وهو ما بین الثلاث الی التسع۔ (بضع تین سے لے کر نو تک کے اعداد پر بولا جاتا ہے) جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کے پاس گئے اور کہا کہ اپنے مشرک بھائیوں کے غلبہ پر زیادہ خوشیاں نہ مناؤ کیونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ عنقریب رومی ایرانیوں کو شکست دیں گے۔ یہ سن کر ابی بن خلف سے رہا نہ گیا اور کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ابوبکر! تم جھوٹ بول رہے ہو۔ حضرت صدیق نے فرمایا۔ انت اکذب یا عدو اللہ۔ اے اللہ کے دشمن تم مجھ سے بڑے جھوٹے ہو۔ میں اس پر شرط بدنے کے لیے تیار ہوں اگر تین سال تک ایرانی غالب آگئے تو میں دس اونٹ دوں گا اور اگر رومی فتح یاب ہو گئے تو تمہیں دس اونٹ دینا ہوں گے۔ ابی نے یہ شرط منظور کر لی۔ حضرت صدیق وہاں سے بارگاہ رسالت میں آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بضع سنین کا لفظ تین سے نو تک بولا جاتا ہے۔ آپ واپس جائیں اور ابی بن خلف سے مدت میں توسیع اور شرط میں زیادتی کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ مدت نو سال قرار پائی اور اونٹوں کی تعداد دس سے سو کر دی گئی۔ وقت گزرتا گیا جس دن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو میدان بدر میں فتح مبین سے شاد کام فرمایا اسی روز یہ خبر بھی پہنچی کہ رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی ہے۔ مسلمانوں کو ایک وقت میں دو خوشیاں نصیب ہوئیں۔ ابی بن خلف اس واقعہ سے پہلے ہلاک ہو چکا تھا چنانچہ حضرت صدیق نے شرط کے سو اونٹ اس کے وارثوں سے وصول کیے اور انہیں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا تصدق بها

مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ

(مدد فرماتا ہے) جس کی چاہتا ہے اور وہی سب پر غالب ہے ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے ؎ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کی

وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا

خلاف ورزی نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے ؎ وہ جانتے ہیں دنیوی زندگی کے

تَصَدَّقْ بِهٖ - سے جو کچھ جیتا ہے انہیں صدقہ کر دو۔ اپنے آقا کا ارشاد پاتے ہی ابو بکر نے بصد تسلیم و رضا سب کے سب اونٹ راہِ خدا میں صدقہ کر دیے اور شیدایانِ محبت کے سامنے ارشادِ محبوب کی تعمیل کی ایک تابندہ مثال پیش کر دی۔

مسئلہ: شریعتِ اسلامی میں شرط بدنا حرام ہے۔ جس وقت حضرت صدیق نے یہ شرط لگائی تھی اس وقت تک اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ بعد میں اسے حرام کر دیا گیا۔ اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان اونٹوں کو صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔

؎ یہ مفعول مطلق ہے۔ اس کا عامل محذوف ہے۔ تقدیرِ کلام یوں ہے وَعَدَ اللّٰهُ وَعْدًا۔ اس کا مقصد کلامِ سابق کی تاکید بالائے تاکید ہے یعنی رومی ضرور غالب آئیں گے اور مسلمانوں کو یقیناً اس روز خوشی ہوگی۔

؎ کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے اور جو شخص وعدہ خلافی کرتا ہے وہ اپنی بے بسی اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ اس وعدہ کو پورا کرنا چاہتا تھا لیکن اپنی بے بسی کے باعث ایسا نہ کر سکا نیز وعدہ خلافی کرنے والے کے خبثِ باطن کی دلیل ہے کہ اس نے جو وعدہ کیا وہ اسے پورا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے محض دوسرے آدمی کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے یہ وعدہ کر لیا تھا۔ یہ سب عیب ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ تمام عیوب سے منزہ اور مبرّا ہے۔

ان آیات کی ایک دلآویز تفسیر علامہ کلینی نے اپنی مشہور کتاب الکافی میں حضرت امام باقر علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام افضل الصلوٰۃ والسلام سے نقل کی ہے ممکن ہے اس کے مطالعہ سے کسی کے دل میں صحابہ کرام خصوصاً حضرت فاروق اعظم کے خلاف جو بغض و عناد ہے وہ دور ہو جائے اس لیے اس روایت کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے۔

ابو عبیدہ نے حضرت امام ابو جعفر باقر والد ماجد حضرت جعفر صادق سے ان آیات کا مطلب پوچھا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا ان آیات کی ایک ایسی تاویل ہے جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ راسخون فی العلم کی صفت سے متصف ہیں وہ جانتے ہیں۔ پھر فرمایا حضور جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضور نے ایک گرامی نامہ قیصرِ روم کو لکھا اور اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ شاہِ روم کے پاس جب قاصد نامۂ مبارک لے کر پہنچا تو اس نے بڑی تعظیم کی اور قاصد سے بھی بڑی عزت و احترام سے پیش آیا۔ لیکن شاہِ ایران نے والا نامہ کی بے ادبی کی اور اسے پارہ پارہ کر دیا اور قاصد کی بھی توہین کی۔ ان دنوں میں شاہِ ایران اور شاہِ روم کی لڑائی شروع تھی۔ مسلمانوں کی آرزو تھی کہ شاہِ روم کامیاب ہو۔ لیکن جنگ کا نتیجہ مسلمانوں کی خواہش کے برعکس نکلا۔ ایرانی کامیاب ہو گئے۔ رومیوں کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ خبر سنی تو انہیں بہت دکھ ہوا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ان کا مطلب یہ ہے

مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷ اَوَلَمْ

ظاہری پہلو کو شہ اور وہ آخرت سے بالکل غافل ہیں۔ کیا انہوں نے

کہ رومی قریب کے علاقہ میں شام و اردن میں شکست کھا گئے۔ وھم یعنی وفارس من بعد غلبھم (الروم) سیغلبون یعنی یغلبھم المسلمون فی بضع سنین للہ الامر من قبل ومن بعد ویومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ عز وجل۔ ترجمہ: اور یہ ایرانی رومیوں کو شکست دینے کے بعد خود مغلوب ہو جائیں گے یعنی مسلمان ان پر غالب آ جائیں گے۔ چند سالوں میں۔ اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اس دن اہل ایمان خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے۔ اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے جس کی چاہتا ہے۔

جب مسلمانوں نے ایران پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا تو مسلمان اللہ کی امداد اور نصرت سے خوش ہوئے۔ ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اے امام عالی مقام قرآن نے تو بضع سنین (چند سال) کی مدت مقرر کی ہے اور مسلمانوں نے ان آیات کے نزول کے کئی سال بعد حضور کی معیت میں گزارے پھر حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ گزرا۔ پھر یہ ملک حضرت عمر کی امارت میں فتح ہوا۔ تو آپ نے فرمایا اے ابو عبیدہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ ان آیات کی ایسی تاویل اور تفسیر ہے جسے اللہ تعالیٰ اور ائمہ اہل بیت ہی جانتے ہیں۔ (کتاب الروضہ جلد دوم ص ۳۰، ۱۲۹ مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ تہران ایران)

حضرت امام باقر کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات میں فتح ایران کی بشارت دی گئی ہے اور یہ فتح محض اللہ تعالیٰ کی تائید، نصرت اور امداد سے حاصل ہوئی اور اس فتح سے اہل ایمان کو خوشی اور شادمانی نصیب ہوئی۔ اب آپ خود ہی اندازہ فرمائیں جس خلیفہ کی افواج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی امداد ہو، جس خلیفہ کی فتوحات کی خوشخبریاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں دی ہوں، جس خلیفہ کی فتوحات سے اہل ایمان کے دلوں میں فرحت و شادمانی کی بہار آ گئی ہو، اسلام کی عظمت و اقبال کا آفتاب نصف النہار پر آ گیا۔ کیا اس خلیفہ کے برحق ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہے؟ جو لوگ اس عظیم المرتبت خلیفہ کے درخشاں کارناموں کے باوجود اس پر زبان طعن دراز کریں یا اس کے ایمان پر معترض ہوں ان کا انجام کیا ہو گا۔ آیات ربانی کے اس شفاف آئینہ میں اور حضرت امام باقر کی اس تفسیر کی روشنی میں لوگ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کیوں نہیں کرتے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو راہ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور تعصب اور ہٹ دھرمی سے رہائی بخشے! آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین صلی اللہ علیہ وسلم۔

شہ یعنی ظاہری حالات تو ایسے ہی تھے کہ رومیوں کی کامیابی کا قطعاً کوئی امکان ہی نہ تھا اور صرف ظاہری احوال و اطوار پر نظر رکھنے والے کبھی یہ باور نہیں کر سکتے تھے کہ تباہ حال رومی قہر و جبروت کے پیکر خسرو پرویز کو ناک چنے چبوا دیں گے۔ اور خسرو کے سر غرور کو اس کے بیٹے کی تلوار قلم کر کے رکھ دے گی۔ اس لیے وہ لوگ قرآن کریم کی اس پیشگوئی کو تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے لیکن اللہ تعالیٰ جس نے سبب اور مسبب، علت اور معلول میں ایک مستحکم رابطہ قائم کیا ہے وہ اس رابطہ کو بے اثر بھی بنا سکتا ہے اور اسباب و علل کی اثر انگیزی کو یک قلم موقوف بھی کر سکتا ہے اور انہیں بدل دینے کا بھی پورا اختیار رکھتا ہے اس لیے جس بات کو مکہ کے تاریک دل اور ناقص فہم سرداران قریش نہ سمجھ سکے صدیق کے نور فراست نے دیکھ بھی لیا اور ان کے دل نے اسے تسلیم بھی کر لیا۔

يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِم ۗ مَّا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

کبھی غور نہیں کیا اپنے جی میں ت نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ

کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور ایک مقررہ مدت تک کے لیے۔ اور بلاشبہ اکثر لوگ

النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ ﴿٨﴾ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں

فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَشَدَّ

تاکہ وہ دیکھتے کیسا ہوا انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ث وہ زیادہ تھے

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ جن کا آخرت والی زندگی پر ایمان نہیں وہ اس دنیوی زندگی کو پرلطف اور باوقار بنانے کے لیے ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کی فہم و فراست کو دیکھ کر انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ تجارت، حرفت، صنعت، زراعت اور دیگر دنیاوی امور میں ان کی جدت طرازیاں اور ندرت آفرینیاں لوگوں کو حیران کر دیتی ہیں۔ لیکن یہی لوگ جو عقل و دانش میں اپنی عاقبت سنوارنے کی طرف توجہ نہیں دیتے اور انہیں نیکیاں کرنے کا شوق ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا جو انسان [illegible]۔ اس معاملہ میں ان کی کوتاہیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو ان کی نادانی اور حماقت پر ہنسی آجاتی ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

ومن البلية ان ترى لك صاحبا — فی صورة الرجل السميع المبصر

فطن بكل مصيبة فی ماله — واذا اصاب بدينه لم يشعر (القرطبی)

یعنی یہ بڑی الم انگیز بات ہے کہ تیرا ایک دوست جو عقل و دانش میں لاجواب ہے اور اپنے مالی نقصان سے بچنے کے لیے بڑی عقلمندی کا ثبوت دیتا ہے لیکن اسکے دین پر قیامت ہی کیوں نہ ٹوٹ پڑے اور اس کے ایمان کا چراغ بجھ ہی کیوں نہ جائے اسے احساس تک نہیں ہوتا۔

ت کفر و گمراہی کی اندھیری رات میں غور و تدبر کا چراغ روشن کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اپنے جسم کی ظاہری ساخت اس کی ظاہری اور باطنی قوتوں مختلف اعضاء اور ان کے مختلف وظائف میں غور و فکر کرو۔ آسمان کی بلندی، زمین کی پستی پر نگاہ عبرت ڈالو۔ ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کو پیدا کرنے والا ان کو مختلف خوبیوں اور خصوصیتوں سے متصف کرنے والا قادر بھی ہے اور حکیم و علیم بھی۔ اس غور و فکر سے کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کافور ہو جائیں گے توحید و رسالت کا اجالا ان کی زندگی کے سارے گوشوں کو منور کر دے گا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ اکثر لوگ آیات الٰہی میں غور و تدبر کی زحمت گوارا نہیں کرتے اور ساری عمر بھٹکتے رہتے ہیں۔ ث غور و فکر کی صلاحیت ہر شخص میں یکساں نہیں ہوتی۔ اور جس میں یہ صلاحیت کم پائی جاتی ہے ان میں

مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا

ان سے تنومند تھے اور انہوں نے خوب ہل چلائے زمین میں ۱۱؎ اور انہوں نے اسے آباد کیا اس سے زیادہ جتنا انہوں نے آباد کیا

بہت کم اس سے استفادہ کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ یہ گزری ہوئی قوموں کے اجڑے ہوئے محلات اور قصبوں کے کھنڈرات ہر ملک میں بکثرت موجود ہیں اور ہر آنکھ ان کا تماشا کیا کرتی ہے۔ اس لیے اب دنیا کی بے ثباتی اور مٹنے کا مونس کے ہولناک نتائج سے انہیں باخبر کرنے کے لیے سرکش اقوام کے اجڑے ہوئے کھنڈروں اور برباد محلات کو نگاہ عبرت سے دیکھنے کی طرف انہیں راغب کیا جا رہا ہے۔ فرمایا تمہارے تجارتی کارواں مشرق و مغرب کا سفر کرتے ہیں۔ راستے میں تم نے کئی اجڑی ہوئی بستیاں، کئی ویران محلات، کئی شکستہ قلعے دیکھے ہوں گے۔ کبھی ان کے پاس ٹھہرے ہو کر ان سے پوچھو کہ تمہارے بنانے والے اور بسانے والے اور تمہاری ترئین و آرائش پر پانی کی طرح روپیہ بہانے والے کہیں ہیں؟ سب انہیں چھوڑ کر کدھر چلے گئے ہیں۔ آج تمہارے شبستانوں میں چراغ کیوں نہیں جلتے۔ آج تمہارے گلستانوں میں پھول کیوں نہیں کھلتے۔ جہاں زندگی اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ رقص کیا کرتی تھی وہاں آج خاک کیوں اڑ رہی ہے؟ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بسانے والے اپنے رب کی یاد سے غافل ہو گئے تھے انہوں نے گناہ اور بدی کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ وہ غریبوں پر ظلم ڈھاتے، وہ حقداروں کا حق چھین کر اپنی عیش و نشاط کی بزمیں سجاتے۔ وہ اپنے خالق کے منکر ہو گئے تھے اور قیامت کے دن پر ان کا ایمان نہ رہا۔ مکافات عمل کے اٹل قانون سے غافل ہو کر انہوں نے ظلم اور گناہ کی جو کاری انہیں کے گناہ، انہیں کے مظالم، انہیں کا فسق و فجور، انہیں کے کرتوت قہر و عذاب کی بجلی بن کر گرے اور انہیں اور ان کے سامان عیش کو خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ ان کی جاہ و حشمت افسانہ بن کر رہ گئی۔ یہ شکستہ دیواریں اور اجڑی ہوئی روشیں صرف ان کی تباہی و بربادی کی داستان سنانے کے لیے باقی رہ گئی ہیں اور اپنے پاس سے گزرنے والوں کو اپنی زبان حال سے یہ نصیحت کر رہی ہیں کہ اپنی قوت و طاقت پر اپنی ہمت و جوانی پر اپنے وسائل کی کثرت اور ثروت کی فراوانی پر مغرور مت ہو۔ اپنے خالق کا انکار کر کے اس کی مخلوق پر ظلم ڈھانا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ اس پر جبروت کی وادی تمہارا حشر بھی وہی ہو گا جو تم سے پہلے سرکش لوگوں کا ہو چکا ہے۔

۱۱؎ عام طور پر اثاروا الارض ــــــ کا معنی زمین میں ہل چلانا کیا جاتا ہے لیکن علامہ ابن حیان نے اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے۔ قلبوا وجه الارض لاستنباط المياه واستخراج المعادن والقاء البذر فيها للزراعة : والاثارة تحريك الشئ حتى ترتفع ترابه (البحر) یعنی اثار کا لغوی معنی تو کسی چیز کو اس طرح متحرک کرنا اور اسے جنبش دینا ہے کہ اس کی گرد وغبار اڑنے لگے لیکن اہل عرب اثاروا الارض کا یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ زمین کی سطح کو اس طرح الٹ پلٹ کرنا تاکہ اس سے پانی نکالا جائے۔ معدنیات نکالی جا سکیں اور کھیتی باڑی کے لیے اس زمین میں بیج ڈالا جا سکے۔ اس لفظی تشریح کے بعد اب آیت کا مفہوم سمجھئے یعنی وہ برباد شدہ قومیں جن کے کھنڈرات تمہیں درس عبرت دے رہے ہیں وہ قوت و طاقت میں، زرعی مہارت اور صنعتی قابلیت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں۔ انہوں نے پہاڑوں کے جگر چیر کر معدنیات کے چھپے ہوئے خزانے نکالے۔ انہوں نے زمین کھود کر کنویں بنائے۔ نہریں نکالیں۔ بند باندھے اور بنجر زمینوں میں ہل چلا کر انہیں زراعت کے قابل بنا دیا۔ ان کی عقلمندی اور ہنرمندی کے باعث وہاں سرسبز کھیت لہلہانے لگے۔ جگہ جگہ شہر اور گاؤں آباد ہو گئے لیکن یہ ساری مہارتیں اور قابلیتیں انہیں ان کے جرائم کی پاداش سے نہ بچا سکیں۔ جب ان کی سرکشیاں حد سے بڑھ

وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ

اور آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر۔ پس نہ تھی اللہ کی یہ شان کہ وہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہ

كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا

خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے تھے۔ آخرکار ان کا انجام جنہوں نے برائی کی تھی، بہت برا

السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع اَللّٰهُ

ہوا [۱۱] کیونکہ انہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور وہ ان کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

ابتداء کرتا ہے تخلیق کی پھر (فنا کرنے کے بعد) دوبارہ پیدا کرے گا اسے پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس روز

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا

برپا ہوگی قیامت مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی [۱۲] اور نہیں ہوں گے ان کے لیے ان کے شریکوں میں سے سفارش کرنے والے [۱۳]

کہیں تو مکافاتِ عمل کا قانون جلال میں آیا اور انہیں تنکوں کی طرح بہا کر لے گیا۔ اے کفار مکہ! اگر تم بھی اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔

[۱۱] حُسنیٰ کے وزن پر اَسْوَأ کی تانیث ہے۔ عاقبۃ کان کی خبر مقدم ہے اور السُّوٓاٰی اس کا اسم ہے اور بعض نے عاقبۃ کو رفع پڑھا ہے اور اسے کان کا اسم بنایا ہے اور السُّوٓاٰی کو خبر۔ عاقبۃ مؤنث غیر حقیقی ہے اس لیے کان کی تذکیر جائز ہے۔ بعض علماء نے اَنْ حذف ہوا کے تعلیل کو کان کا اسم بنایا ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑایا ان کی ان بداعمالیوں کے باعث انہیں ہولناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔

[۱۲] جب انسان لاجواب ہو جائے، اس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل نہ رہے اور اس پر حیرت و یاس کی کیفیت طاری ہو جائے تو عرب کہتے ہیں۔ اَبْلَسَ الرجلُ اذا سکت و انقطعت حجتہ وقریب منہ تحیّر۔ قرطبی۔ مجرموں کی کیفیت کی کتنی موثر تصویر کشی ہے۔

[۱۳] یعنی دنیا میں جن بتوں کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا جن کو وہ خدائے واحد کا شریک ٹھہراتے تھے اور جن کی عبادت اور پوجا کیا کرتے تھے وہ اس روز ان کی کوئی سفارش نہیں کریں گے۔

شُرَكَآىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو جائیں گے ۲۶؎ اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس دن وہ جدا جدا ہو جائیں گے ۲۷؎

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تو وہ جو ایمان لائے تھے اور نیک عمل کرتے رہے تھے وہ باغ (جنت) میں مسرور (اور خرم) ہوں گے ۲۸؎

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي

اور جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو تو وہ عذاب میں حاضر

الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

رکھے جائیں گے ۲۹؎ سو پاکی بیان کرو اللہ تعالیٰ کی جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو ۳۰؎

۲۶؎ جب ایسے لوگ روز حشر خلاف توقع اپنی قبروں سے نکال کر کھڑے کر دیے جائیں گے اور جہنم کے خوفناک شعلوں کو بھسم کرنے کے لیے لپکتے ہوئے دیکھیں گے اور ان کے یہ جھوٹے معبود ان کی سفارش کرنے اور ان کی دستگیری کرنے سے انکار کر دیں گے تو ان کے پجاری ان کا انکار کر دیں گے اور وہ معبودان باطل سے اپنی قلبی تعلق کا انکار کرنے لگیں گے۔ شفاعت کے منصب پر انبیاء اور صلحاء فائز ہوں گے جھوٹے خداؤں کی کیا مجال کہ کوئی کریں۔ نیز شفاعت اہل ایمان گنہگاروں کے لیے ہے۔ کفار و مشرکین کے لیے تو شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۲۷؎ روز حشر اہل ایمان کو کفار کے زمرہ سے الگ کر دیا جائے گا۔ ۲۸؎ روضۃ: جنت اور باغ۔ يُحْبَرُوْنَ: حبور یعنی مسرت۔ حبرت کہتے ہیں جس کے ساتھ عزت و اکرام بھی ہو۔ چنانچہ علامہ جوہری اس آیت کی لغوی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ای ینعمون ویکرمون ویسرون۔ مسرت و فرحت بلاشبہ بڑی اعلیٰ چیز ہے لیکن ایسی مسرت جس کے ساتھ انعام و اکرام بھی ہو اس کا کیا کہنا۔ یحبرون کے اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے مومنین کی شادمانی کا اندازہ لگائیں تو آیت کا صحیح مفہوم آپ کی سمجھ آ سکے گا۔

۲۹؎ اہل ایمان کی عزت افزائی کے ذکر کے بعد اب جو برتاؤ کفار کے ساتھ کیا جائے گا اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ محضرون کا لفظ قابل غور ہے۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ المحضر ... علی ما لا یحبون۔ یعنی جب تم کسی شخص کو کسی ایسی جگہ پر حاضر کرو جہاں وہ جانا نہ چاہتا ہو اور وہاں سے کھسک جانے کا کوئی ارادہ مندر کشمکش ہو اہل عرب اس کو احضرتہ کہتے ہیں۔ آیت میں محضرون کا معنی یہ ہے کہ انہیں عذاب جہنم میں مبتلا کر دیا جائے گا نہ اس کی میعاد ختم ہوگی نہ وہ کسی حیلہ سے وہاں سے راہ فرار اختیار کرنے پر قادر ہوں گے یعنی ہمیشہ ہمیشہ اس میں مبتلا رہیں گے۔ یہی علامہ قرطبی نے محضرون کی تفسیر محققین سے کی ہے۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ مدخلون لا یغیبون عنه۔ اہل ایمان کے لیے یحبرون مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو تجدد پر دلالت کرتا ہے یعنی ان پر انعامات کی نت

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں آسمانوں میں اور زمین میں نیز (پاکی بیان کرو) سہ پہر کو اور جب تم دوپہر کرتے ہو۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ

نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے ۴ اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ

ہونے کے بعد اور یونہی (قبروں سے) تمہیں نکالا جائے گا اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ

سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو ۶ اور اس کی (قدرت کی)

اور ہر لحظہ انہیں نئے کرم سے نوازا جاتا ہے۔ اس کے برعکس کفار کے لیے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے جو دوام اور ثبوت پر دلالت کرتا ہے۔

۳ سبحان مصدر ہے۔ اس کا فعل محذوف ہے۔ اصل میں ہے فسبحوا اللہ سبحانہ یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو۔ حضرت ابن عباس اور دیگر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہاں تسبیح اور حمد سے مراد نماز ہے۔ ان دو آیتوں میں پانچ نمازوں کے اوقات بیان کیے گئے ہیں۔ مغرب، عشاء، صبح، عصر اور ظہر۔ عشاء کی نماز کا ذکر ایک دوسری آیت میں مذکور ہے وزلفا من اللیل اور ابن عباس کی یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ محض تسبیح اور حمد کے لیے وقت کی پابندی ضروری نہیں وہ ہر وقت اور ہر لمحہ کی جا سکتی ہے جبکہ عبادت میں وقت کی پابندی شرط ہے جو نماز ہے۔

۴ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت و قدرت کا مشاہدہ تم ہر روز کرتے رہتے ہو جو ایسی عظیم قدرت والا ہے اس کے لیے یہ کیا مشکل ہے کہ وہ تمہیں مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ ۵ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، کبریائی، اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ یہ دلائل بڑے دلنشین اور یقین افزا ہیں کہ انسان جب ان پر غور کرتا ہے تو اس کا دل و دماغ بے ساختہ یہ شہادت دینے لگتا ہے کہ لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ۔

۶ انسان کو مٹی سے پیدا کیا وہ مٹی جو محض بے جان ہے۔ دیکھئے کتنی صلاحیت سے محروم، عقل و فہم سے یکسر عاری۔ ایسی مٹی سے انسان کو پیدا کیا اور اسے احسن تقویم کے شرف سے نوازا۔ چاند کی چاندنی اس کے نور جمال کے سامنے شرمندہ ہے۔ اس کی قامت زیبا کے آگے سرو بھی خجل ہے۔ پھولوں کا تبسم اس کی مسکراہٹ پر قربان۔ پھولوں کی تازگی اور لطافت اس کی رعنائی و دلربائی پر نثار۔ غرضیکہ حسن و جمال کے سارے مظاہر اس آئینہ جمال الٰہی کے سامنے سرافگندہ ہیں۔ اس کی عقل و فہم کی پرواز کے سامنے افلاک کی بلندیاں سرنگوں اور فضا کی وسعتیں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ تم ہی بتاؤ جس رب قدیر نے اس بے جان مٹی سے ایسا شاہکار تخلیق فرمایا اس کی قدرتوں کا کیا ٹھکانہ۔

أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوٓا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم

ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لیے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے

مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ وَمِنْ

درمیان محبت اور رحمت (کے جذبات) بیشک اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ۲۲ اور اس کی

ءَايَٰتِهِۦ خَلْقُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَٰنِكُمْ

نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے نیز تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔

۲۱ زندگی کی شاہراہ بڑی پر کٹھن ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں۔ ہجوم مصائب ہے غموں کے اندھیرے ہیں۔ ناکامیوں کے چرکے اور مایوسیوں کی ڈستیاں ہیں۔ اس کے باوجود حکم یہ ہے کہ اپنے خالق کریم کا پیغام اس کی مخلوق تک پہنچاؤ اور رحمت بن کر یوں قدم بڑھاؤ [illegible] اور ہر لمحہ ہوشیار باش کا فرمان بھی سنا دیا گیا ہے۔ ؎

یہ طول سفر یہ نشیب و فراز مسافت کہاں تک چلتا رہے

لیکن رب کریم نے انسان کے شکستہ و نڈھال کو بلند رکھنے کے لیے اس کے دل کو تقویت اور ثبات بخشنے کے لیے تمام مصائب کے بوجھ کو ہلکا کرنے کیلئے اسی کی جنس سے بیوی کی صورت میں اسے ایک رفیق سفر بھی عطا کر دیا ہے جنسی لگاؤ کے علاوہ دونوں کے دلوں کو محبت اور رحمت کے پاکیزہ اور مضبوط تعلقات سے جوڑ دیا ہے۔ یہ محبت صرف ان دنوں تک محدود نہیں جب صحت و شباب کا آفتاب چمک رہا ہو جب حالات سازگار ہوں بلکہ محبت و پیار اور شفقت و ہمدردی کا یہ رشتہ کسی صورت میں بھی نہیں ٹوٹتا۔ غموں کے اندھیرے جیسے جیسے گہرے ہوتے جاتے ہیں محبت کی یہ شمع زیادہ فروزاں ہونے لگتی ہے جب حالات ناسازگار ہوں اس کی رفاقت میں مزید پختگی آجاتی ہے۔ نیز ان کی تخلیق اس طرح کی گئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے جزو لاینفک ہیں۔ دونوں کی مسرتیں، آرزوئیں، امنگیں اور خوشیوں کی تکمیل کا راز ایک دوسرے سے وابستہ رہنے میں ہے۔

خود سوچئے اگر محبت کا چراغ زندگی کی اس کٹھن راہ کو روشن نہ کرتا اور رحمت کا جذبہ ایک دوسرے کی دلجوئی پر آمادہ نہ کرتا تو اس سفر حیات کا انجام کتنا حسرت ناک ہوتا۔ تو ہزار جان قربان ہو اس خالق کریم پر جس نے مرد کی جنس سے عورت کو پیدا کیا اور پھر انہیں محبت اور رحمت کے رشتوں میں یوں پرو دیا کہ عقل کا تصور تک پریشان کر دیتا ہے۔

میاں بیوی کے تعلقات پر انسان جتنا غور کرے پھر آیت کے ان کلمات طیبات میں "جعل بینکم مودۃ و رحمۃ" چھپا ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت، حکمت اور قدرت کے جلوے اتنے ہی نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔

۲۲ مرد اور عورت کی آفرینش اور ان میں محبت و رحمت کے یہ تعلقات اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی صرف ایک دلیل نہیں بلکہ اس میں بے شمار دلیلیں مضمر ہیں۔ جتنا کوئی سوچے گا اتنی ہی اسے معرفت نصیب ہوتی جائے گی۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ ﴿٢٢﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ

بیشک اس میں بھی نشانیاں ہیں اہل علم کے لیے ۲۳ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا سونا رات

وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

کے وقت اور دن کے وقت اور تمہارا تلاش کرنا اس کے فضل کو ۲۴ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں

يَسْمَعُونَ ﴿٢٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَزِّلُ

کے لیے جو (غور سے) سنتے ہیں اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور امید

مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

دلانے کے لیے ۲۵ اور وہ اتارتا ہے آسمان سے پانی اور زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد یقیناً اس میں بہت سی

لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَن تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین

بِأَمْرِهِ ۚ ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿٢٥﴾

اس کے حکم سے ۲۶ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے۔ ۲۷

۲۳ ایک آدم کی اولاد اور اتنی کثیر زبانیں اور اتنے مختلف رنگ۔ پھر ہر زبان اپنی اپنی جگہ علم و دانش اور معارف و اسرار کی! بوقلموں گلکاریاں اور دل موہ لینے والا سامان لیے ہوئے ان امور میں غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ خالق نے ایک آدم سے کتنی اولاد پیدا فرمائی اس کی حکمت و قدرت کا کون انکار کر سکتا ہے۔

۲۴ یہ بھی اس کی شانِ رحمت ہے کہ اس نے دن کام کے لیے اور رات آرام کے لیے مخصوص فرما دی تاکہ ہر شخص آرام سے تازہ دم ہو کر نئے جوش و نشاط کے ساتھ نئے دن کا استقبال کرے۔ ۲۵ یہ بھی اس کی قدرت و رحمت کی نشانیاں ہیں۔

۲۶ آسمان کا سائبان طناب و چوب کا محتاج نہیں۔ یہ کرۂ زمین کسی نے کسی ستون پر نہیں اٹھایا۔ پھر بھی کیوں کر اپنی اپنی جگہ قائم ہیں لاکھوں برسوں سے قائم ہے آج تک اس کی ایک چول بھی ڈھیلی نہیں ہوئی۔ آج تک کہیں اس میں شگاف پیدا نہیں ہوا۔ اس نظام عالم کی تخلیق اور پھر اس کی بقا اس کی وحدانیت اور کبریائی کی گواہ ہے۔ ۲۷ جب تم مر جاؤ گے اور زمین میں دفن کر دیے جاؤ گے اور تمہاری ہڈیاں

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع فرمان ہیں اور وہی ہے جو

يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ

تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے اور اسی کے لیے برتر شان

الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾ ضَرَبَ

ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے

لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

تمہارے لیے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے (ذرا بتاؤ) کیا تمہارے غلام تمہارے حصہ دار

صیغہ میں بیٹے جانیں گی اور اللہ تعالیٰ جب تمہیں زمین سے باہر نکل آنے کا حکم دے گا تو تم یک لخت اس میں سے یوں باہر نکل آؤ گے۔

؎ طرح طرح کے دلائل و براہین ذکر کرنے کے بعد اس سلسلہ کا اختتام اپنی جلال اور تحسین کلمات طیبات سے فرمایا! المثل الاعلیٰ یعنی

اعلیٰ و برتر شان۔ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کلمہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: المثل ای الوصف العجیب الشان کالقدرۃ العامۃ

والحکمۃ التامۃ وسائر صفات الکمال الاعلٰی الذی لیس لغیرہ ما یدانیہ فضلا عما یساویہ یعنی مثل اعلیٰ سے مراد وہ عظیم الشان وصف کرتے ہیں جیسے قدرت

عامہ، حکمت تامہ اور دیگر صفات کمالیہ اعلیٰ و بلند تر جس کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

؎ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور وقوع قیامت پر گوناگوں دلائل پیش کیے گئے۔ اب شرک کا ابطال کر کے توحید کے عقیدہ کی صداقت

اور حقانیت کو ثابت کیا جا رہا ہے۔ اس کے لیے ایک ایسی مثال پیش کی جا رہی ہے جو عام فہم ہے اور دلنشین بھی۔ پوچھا جا رہا ہے کہ اے مشرکو!

کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارے غلام تمہارے مال و دولت میں برابر کے شریک ہوں؟ جو رزق ہم نے تمہیں عطا کیا ہے کیا تمہارے زر خرید غلام اس میں اس طرح کے حصہ دار بن

جائیں کہ جیسے کوئی شریک اپنی مرضی سے تصرف کرنے کے جملہ اختیارات رکھتا ہے۔ جیسے خواہ استعمال کرے، کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ تم اور وہ یکساں ہو جائیں اور تم پھر بھی

ان کی اجازت کے بغیر خرچ کرنے سے ڈرتے رہو، ان کی طرف سے مزاحمت کرنے اور اعتراض کرنے بلکہ ان کے فساد کرنے کا اندیشہ ہو۔ اگر ایسا نہیں ہو

سکتا، یقیناً ایسا نہیں تو تم خود ہی انصاف کرو کہ اگر تم اپنے غلاموں کی اس قسم کی شرکت گوارا نہیں کرتے تو تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ جو کائنات کا بھی مالک

ہے، خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، تم اس کے ساتھ بے جان مورتیوں یا فنا ہو جانے والے انسانوں کو شریک بناتے ہو۔ تم خود ہی سوچو یہ کتنی بے انصافی ہے؟ کتنی

بڑی حماقت ہے؟ کیا اس سے بڑھ کر کوئی دوسری حماقت ہو سکتی ہے؟ تم تو بڑے عقلمند ہو، تمہارا ذہن رسا باریک باتوں کو سمجھتا ہے۔

تمہاری ذہانت اور معاملہ فہمی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایسی بے انصافی، حماقت اور ناسمجھی تمہیں زیب نہیں دیتی۔

مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ

ہوتے ہیں اس مال میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے یوں کہ تم (اور وہ) اس میں برابر کے حصہ دار بن جاؤ۔ حتیٰ کہ تم ڈرنے لگو ان سے

كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

جیسے تم ڈرتے ہو آپس میں ایک دوسرے سے۔ یوں ہم کھول کر بیان کرتے ہیں (اپنی) نشانیاں اس قوم کے لیے جو عقلمند ہے۔

اس قدر آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے من انفسکم ای من احوال انفسکم یعنی یہ مثال تمہارے معاملات سے ماخوذ ہے جن سے تم روز مرہ اس کا تجربہ کرتے رہتے ہو۔ هل لکم، یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں ہوگا۔ لکم خبر مقدم ہے اور من شرکاء مبتدا مؤخر یہاں من زائدہ ہے اور استفہام انکاری معنی کی تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ من یہاں تبعیضیہ ہے اور من ما ملکت ایمانکم حال ہے اور من شرکاء فی المال کی تاکید کرتا ہے اس لیے اس کا حال پہلے ذکر کیا جا سکتا ہے۔ فانتم فیہ سواء جملہ مستقلہ ہے یعنی تم اور وہ یا انتم یعنی بطور تغلیب مخاطبین اور ان کے غلاموں کو شامل ہے۔ سواء ای مستوون فیہ لا فرق بینکم و بینھم فی التصرف فیہ یعنی تم اور تمہارے غلام اس مال کی ملکیت میں برابر کے شریک ہیں اور یکساں قسم کے تصرف کا اختیار رکھتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کفار عرب حج کے لیے احرام باندھتے تو ان الفاظ سے تلبیہ کہتے: لبیک لا شریک لک لبیک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جس کو تو نے خود اپنا شریک بنا لیا ہے تو اس کا بھی مالک ہے اور اس چیز کا بھی تو مالک ہے جس کا وہ مالک ہے۔

غور فرمایئے کفار کس حماقت کا ارتکاب کر رہے ہیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ کفار ایک طرف تو اپنے معبودوں کو خدا کا مملوک قرار دے رہے ہیں اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی میں اور تصرف میں اس کا ایسا شریک بنا رہے ہیں جو اس کا ہم پایہ ہو۔ ان کے شرک پر مزید یہ کہ یہ سفید جھوٹ اور صریح کذب بیانی کر رہے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے اور انہیں مساوی حقوق ملکیت بخش دیئے ہیں۔ العیاذ باللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم الذی لا الہ الا ھو۔

بعض حضرات کفار کی اس تلبیہ کو اور اس آیت کو پڑھ کر اہل سنت پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے جو کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں تھا۔ آیت کی اس سادہ توضیح کے بعد آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ یہ لوگ یہ الزام لگانے میں کتنی زیادتی کرتے ہیں۔ کیا کوئی کلمہ گو کسی کو خواہ اس کا مرتبہ کتنا بلند اور اس کی شان کتنی ارفع ہو کیا کسی چیز میں کسی پہلو سے کسی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ خیال کرتا ہے۔ اور تمام اہل اسلام تو اپنے آقا و مولا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضور محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سید الاولین والآخرین، صاحب مقام محمود، حامل لواء الحمد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ——

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَهْدِي

بلکہ پیروی کرتے رہے ظالم اپنی نفسانی خواہشات کی بغیر کسی دلیل کے ۱ پس کون ہدایت دے

مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ ۖ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ

سکتا ہے جسے وہ پیہم نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے۔ اور ان لوگوں کا کوئی مددگار نہیں۔ پس آپ کر لیں اپنا رخ دین

حَنِيفًا ۚ فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ

اسلام کی طرف پوری یکسوئی سے ۲ مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے کوئی ردوبدل

۱ یہ لوگ نہ خود عقل سے کام لیتے ہیں نہ کسی خیرخواہ کی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ جہالت و بے خبری کے گھپ اندھیروں میں اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے سرپٹ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے ہٹ دھرم اور سرکش لوگ تو اس کے مستحق نہیں کہ ہدایت کے دروازے ان کے لیے کھول دیے جائیں۔ پیہم نافرمانی اور مسلسل سرکشی کے باعث انہوں نے ہدایت پذیری کی صلاحیت کو ختم کر دیا ہے اور توفیق الٰہی سے وہ محروم کر دیے گئے ہیں۔ اب انہیں راہ راست پر نہیں لایا جا سکتا۔

۲ یہاں مقدمہ تمہید کے طور پر یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت کاملہ دلائل و شواہد سے ثابت ہو گئی۔ قیام قیامت کے بارے میں جو شکوک و شبہات تھے ان کا ازالہ ہو چکا۔ اب ہر طرف سے رخ پھیر کر اور توجہ ہٹا کر اس دین حق پر مرتکز کر دو۔ اقم اقامۃ العود سے ماخوذ ہے۔ یعنی لکڑی کو ایسا درست اور سیدھا کرنا کہ اس میں کجی کا نام و نشان تک نہ رہے۔ مراد یہ ہے کہ دین اسلام پر پوری طرح کاربند ہو جاؤ اور ارشادات ربانی کی تعمیل میں استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔

بعض فضلاء نے لکھا ہے کہ اقامۃ الوجہ للشئ عبارۃ عن کمال الاهتمام به والتوجه التام اليه۔ یعنی کسی چیز کی طرف پوری توجہ کو اس عبارت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حنیفاً حال ہے اور اقم کی ضمیر فاعل انت ذوالحال ہے۔ واصل الحنف الميل من الضلال الى الاستقامة۔ گمراہی سے رخ پھیر کر ہدایت و راستی کی طرف متوجہ ہونے کو عربی میں حنف کہتے ہیں جس طرح ہدایت سے روگردانی کر کے کجی و گمراہی کی طرف مائل ہونے کو جنف کہتے ہیں۔

۳ عرب جب کسی کام پر کسی کو برانگیختہ کرتے ہیں تو فعل کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے مفعول کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ کلام میں اس طرح جو زور پیدا ہوتا ہے وہ اظہار فعل سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی فطرت اللہ سے پہلے الزموا فعل محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ الزموا فطرة الله تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اسی پر کاربند ہو جاؤ۔

فطرۃ کا وزن فعلۃ ہے اور معنی خلقت ہے یعنی آفرینش، اختراع۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم و عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فطرت اللہ کا معنی دین اسلام بیان فرمایا ہے۔ عن انس رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم

اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں تبدیلی یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱

اے غلامان مصطفیٰ تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کر لو اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور صحیح صحیح نماز ادا کرو اور نہ ہو جاؤ ان مشرکوں

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ

میں سے۔ جنہوں نے پارہ پارہ کر دیا اپنے دین کو اور خود گروہ گروہ ہو گئے ہر گروہ جو اس کے پاس ہے

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا دین اللہ تعالیٰ۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ المراد بفطرھم علیہ جعلہم قابلین له غیر نابین عنه ولا منکرین له لکونه مجاوبا للعقل مساوقا للنظر الصحیح (روح المعانی)

یعنی کیونکہ یہ دین عقل سلیم سے کلیۃً ہم آہنگ اور فہم صحیح کے عین مطابق ہے اس لیے فطری طور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔

نیز انسانی فطرت کے جتنے تقاضے ہیں وہ جسمی ہوں، معاشی ہوں، اخلاقی ہوں، عقلی ہوں یا روحانی یہ دین ہر قسم کے تقاضوں کو بصورت شاندار پورا کرتا ہے جس کے باعث زندگی کا دامن کیف و مسرت کے پھولوں سے بھر جاتا ہے اور ابدی سعادت کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کی خلافت کے منصب جلیلہ کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے جو صلاحیتیں اور استعدادیں اس کو ودیعت کی گئی ہیں ان کی صحیح نشوونما کا اہتمام صرف یہی دین کرتا ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے اس مفہوم کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ فابواہ یھودانه او ینصرانه او یمجسانه کما تنتج البھیمة بھیمة جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء (یعنی حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں جس طرح جانور کا بچہ صحیح و سلامت پیدا ہوتا ہے بعد میں اس کے کان وغیرہ کاٹے جاتے ہیں۔

۴۲ تمہیں اس نے اپنا بندہ بنا کر پیدا فرمایا ہے تو تم کو اس کی بندگی سے نکل جانا ناممکن ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا خدا بنا لو قطعاً محال ہے۔ اس آیت کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ دین اسلام نے جو نظام حیات تمہیں دیا ہے وہ تمہاری فطرت کے عین مطابق ہے اگر تم چاہو کہ اس نظام فطرت کو چھوڑ کر کوئی خود ساختہ نظام حیات تجویز کرو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۴۳ قیم مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے المستوی الذی لا عوج فیه ولا انحراف عن الحق بوجه من الوجوہ۔

یعنی ایسا سیدھا جس میں ذرا کجی نہیں۔ ایسا صحیح جس میں غلطی کا ادنیٰ احتمال تک نہیں۔

فَرِحُوْنَ ۝ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ

اسی پر خوش ہیں۔ اور جب پہنچتی ہے لوگوں کو کوئی تکلیف تو پکارنے لگتے ہیں اپنے رب کو رجوع کرتے ہوئے

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ

اس کی طرف پھر جب (ان کی فریاد کو قبول فرما کر) چکھاتا ہے انہیں رحمت اپنی جناب سے تو یکایک ایک گروہ ان میں سے اپنے

يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمْ

رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ تاکہ (وہ) ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے دی انہیں۔ پس (اے ناشکرو!) لطف اٹھا لو۔

یہاں سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کو دین فطرت کی پیروی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ منیبین الیہ ای راجعین الیہ بالتوبۃ والاخلاص (قرطبی)۔ فراء نے تقدیر کلام یوں ذکر کی ہے۔ فاقم وجھک ومن معک منیبین یعنی آپ اور آپ کے ساتھی توبہ اور اخلاص سے دین فطرت کی طرف متوجہ ہوں۔

امت میں اتحاد و اتفاق تب ہی برقرار رہ سکتا ہے جب سب صدق دل سے احکام اسلامیہ کی پیروی کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات کا پیروکار بن جائے اور اپنی رائے کو ہی واجب الاتباع خیال کرے تو پھر وہ وحدت برقرار نہیں رہ سکتی اور ایک امت مختلف فرقوں میں بٹ جاتی ہے جس سے اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ پہلی امتوں میں بھی اس قسم کی تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ ان کے علماء اور امراء نے اپنے ذاتی رسوخ اور اپنے سیاسی اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے مذہب کو اپنی اغراض کا تختہ مشق بنانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک امت کئی فرقوں میں بٹ کر رہ گئی اور ہر فرقہ کے درمیان نفرت اور تعصب کی ایسی خلیج حائل ہو گئی کہ وہ آپس میں مل بیٹھنے کے بھی روادار نہ رہے۔ یہودی اور عیسائی ایسے گروہوں میں بٹ گئے تھے کہ ہر ایک گروہ اپنے سوا سب کو گمراہ کہتا اور قابل گردن زدنی خیال کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو اس قسم کی تفرقہ اندازی سے منع فرما رہا ہے۔ قال ابو ھریرۃ وعائشۃ وابو العالیۃ انہ فی اھل القبلۃ من اھل الاھواء والبدع (قرطبی)

یعنی ان کفار و مشرکین کا یہ عمل ہے کہ جب رنج و غم کے بادل گھر کر آ جاتے ہیں۔ جب قحط سالی کا عفریت منہ کھولے آ موجود ہوتا ہے تو سامنے سے ہر طرح کی آس ٹوٹ جاتی ہے۔ اس وقت ہر طرف سے منہ موڑ کر بارگاہ رب العزت میں فریادیں کرنے لگتے ہیں لیکن جب وہ کریم و رحیم پروردگار ان کی عاجزی پر نگاہ کرم فرماتا ہے اور ان کی مشکل آسان ہو جاتی ہے تو پھر اپنے باطل خداؤں کو خداوند کریم کا شریک بنانے لگتے ہیں اور ان کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ای یشرکون بہ فی العبادۃ

یہاں امر کا صیغہ ہے اور تہدید و دھمکی کا معنی دے رہا ہے کہ چاہے وہ کفر کی روش اختیار کریں اور چند روزہ زندگی میں خوب لطف اندوز ہوں عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے چلائیں گے لیکن بے سود۔ ھو امر فیہ معنی التھدید (قرطبی) وغیرہ بعض

أَنزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ وَإِذَا

تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل، پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک کی سچائی کی جو وہ کرتے ہیں اور

أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا ۖ وَإِن تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

جب ہم چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت کا مزہ، تو وہ اس پر پھولے نہیں سماتے اور اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی تکلیف بوجہ ان کرتوتوں کے

أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

جو آگے بھیجے ہیں ان کے ہاتھوں نے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں لٹ کیا انہوں نے (دیکھا) مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا ہے رزق

علما نے اس ام کو ام منقطعہ قرار دیا ہے۔ ام فیہ منقطعۃ قیل عسب۔ ام کی (ذات) طبری، ضمیر ... سے بھی
اور خطاب کی دوسری صورت میں اس میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہوگا۔ فیہ التفات من الغیبۃ
الی الخطاب۔

ش سابقہ آیت میں خطاب کا صیغہ تھا اب صیغہ غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے۔ یہاں امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ انہیں شرف تخاطب سے نوازا جائے۔ ام ابتدائیہ یا بل اضراب عنہم۔ سلطان سے مراد اگر رسول یا فرشتہ ہو تو تکلم سے مراد کلام کرنا گفتگو کرنا ہوگا۔ اگر سلطان سے مراد دلیل و حجت ہو تو پھر اس کا معنی دلالت کرنا ہوگا۔ نطقا اور دلالۃ یعنی کفر و شرک پر ان کے اس طرح جمے رہنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کسی فرشتہ یا کسی پیغمبر نے کہا ہے کہ کفر و شرک کی راہ ہی سیدھی راہ ہے جو تمہارے سامنے ہے یا انہیں کوئی ایسی محکم دلیل مل گئی ہے کہ جس کے باعث اس باطل کی صداقت کا یقین ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے لیکن نہ کوئی نبی اور نہ کوئی فرشتہ ایسی بات کہہ سکتا ہے اور نہ سراسر باطل پر انہیں کوئی دلیل مل سکتی ہے۔ ان کا اس باطل سے چمٹا رہنا محض ان کی نادانی، اکھڑ پن اور ہٹ دھرمی کے باعث ہے۔

ش مومن کو جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتا ہے تو وہ اپنے منعم حقیقی کی بارگاہ میں سجدۂ شکر ادا کرتا ہے اور جب اسے تکلیف یا رنج پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا مالک اور کارساز اس کی تکالیف کو دور کر دے گا۔ لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں ہوئی ان کا رد عمل دونوں صورتوں میں بالکل مختلف ہوتا ہے۔ خوشی کے لمحوں میں وہ پھولے نہیں سماتے اپنی کامیابی کے نشہ میں بدمست ہو جاتے ہیں ان میں نیک و بد کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی اور اگر انہیں ان کی کارستانیوں کی پاداش میں رنج و الم سے دوچار کر دیا جاتا ہے تو مایوس ہو کر امید ہار کر بیٹھ جاتے ہیں

کحمار السوء ان عالقتہ ... رمح الناس و ان جاع [illegible]

یعنی بدخصلت گدھے کی طرح اگر تم کامیابی سے اس کا ہاتھ پکڑ دو تو لوگوں کو دولتیاں مارنے لگتا ہے اور اگر فقیر کا ہو تو بھیگا شروع کر دیتا ہے۔
ان دونوں صورتوں میں کامیابی اور ناکامی کے عام طور پر دو نتیجے نکلتے ہیں یا تو کام کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ ہم توڑ دیتا ہے اور زندگی کی ہماہمی سے
الگ ہو کر گمنامی کے اندھیروں میں گم ہو جاتا ہے اور یا غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور یہ دونوں چیزیں انسان کے لیے تباہ کن ہیں

لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاٰتِ

کہ جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں ۵۲ پس

ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

دو رشتہ دار کو اس کا حق نیز مسکین اور مسافر کو ۵۳ یہ بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو

۵۲ اس آیت کا آخری جملہ بڑا معنی خیز ہے کسی کے لیے رزق کا کشادہ ہونا اور کسی کے لیے اس کا تنگ ہو جانا۔ اس کا مشاہدہ ہم روز کرتے رہتے ہیں۔ ہر شخص پر بھی مختلف قسم کے حالات وارد ہوتے رہتے ہیں کبھی تنگدستی پیچھا نہیں چھوڑتی کبھی دولت کی ریل پیل ہوتی ہے لیکن کبھی جیب میں دمڑی تک بھی نہیں ہوتی۔ اہل ایمان کو حالات کے اس رد و بدل میں حکمت الٰہی کے صدہا جلوے نظر آتے ہیں۔

۵۳ یہاں خطاب حضور انور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے اور حضور کی وساطت سے ساری امت کو یہ حکم دیا جا رہا ہے۔

سابقہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنی حکمت سے اس کی مناسب تقسیم فرماتا ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو ہدایت کی جا رہی ہے جنہیں کشادہ رزق دیا گیا ہے کہ تم دولت کو جمع کرنے کے لالچ میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ سانپ بن کر اس پر بیٹھے نہ رہو۔ اس کو عیش و عشرت میں لٹانا شروع نہ کر دو بلکہ جتنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دولت دی ہے اس کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرو۔ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تمہیں تو عیش و آرام کے سارے وسائل میسر ہوں اور تمہارے اپنے سگے بھائی زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہوں۔ اللہ کریم نے جو رزق تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں صرف تمہارا حق نہیں بلکہ اس میں تمہارے نادار رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔ وہ مسافر جن کے پاس زاد راہ نہیں اور وہ غریب و مفلس لوگ جو ضروریات زندگی کے لیے ترس رہے ہیں ان کا بھی تمہارے مال میں حق ہے۔ اس لیے ان کو تلقین کی جا رہی ہے کہ خدا کے دیئے ہوئے رزق سے بڑی فراخدلی اور کشادہ دلی سے ان کا حق ادا کرو۔

آیت میں حَقَّهٗ کا لفظ بڑا غور طلب ہے یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں اور مسافروں اور دوسرے محتاج انسانوں کو جو کچھ تم دیتے ہو وہ کوئی انعام نہیں کر رہے کہ تم ان پر احسان جتلاتے پھرو اور ان کو ہر محفل میں رسوا کرتے رہو بلکہ یہ ان کا حق ہے جو تمہارے ذمہ واجب الادا ہے اور جو تمہیں ضرور ادا کرنا چاہیے۔ وہ تم سے بھیک نہیں مانگ رہے بلکہ اپنا حق لے رہے ہیں۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر غریب اور مفلس رشتہ دار کی ضروریات کی بہم رسانی اس کے متمول رشتہ دار پر فرض ہے۔

وحکی عن ابی حنیفۃ استدلالہ بالآیۃ علی وجوب النفقۃ لکل ذی رحم محرم ذکرا کان او انثٰی اذا کان فقیرا عاجزا عن الکسب (روح المعانی)

نیز یہاں صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم نہیں دیا جا رہا ہے بلکہ ان لوگوں کا زکوٰۃ کے علاوہ بھی متمول لوگوں کے اموال میں حق ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں

بل للقریب حق لازم فی البر علی کل حال وھو الصحیح قال مجاہد وقتادۃ صلۃ الرحم فرض من اللہ تعالیٰ حتی قال مجاہد لا تقبل الصدقۃ علی احد۔ یعنی قریبی رشتہ دار سے ہر حالت میں بھلائی کرنا ایسا حق ہے جس کا ادا کرنا لازم ہے اور یہی قول صحیح ہے۔ مجاہد اور

يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ وَمَا آتَيْتُم

رضائے الٰہی کے طلبگار ہیں اور وہی لوگ دونوں جہانوں میں کامیاب ہوں گے۔ ۵۳ اور جو روپیہ تم دیتے

مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا

بیاج پر تاکہ وہ بڑھتا رہے لوگوں کے مالوں میں (مل کر) تو اللہ کے نزدیک یہ نہیں بڑھتا ۵۴ اور جو

آتَيْتُم مِّن زَكَاةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾

زکوٰۃ تم دیتے ہو رضائے الٰہی کے طلبگار بن کر پس یہی لوگ ہیں (جو اپنے مالوں کو) کئی گنا کر لیتے ہیں

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۖ هَلْ

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تمہیں رزق دیا پھر وہ (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا کیا

کتنا فرق ہے ان میں اللہ تعالیٰ نے تو صدقہ کو قرض کہا ہے خواہ غنی ہو یا فقیر اگر اس آدمی کا صدقہ قبول نہیں ہوتا جس کا کوئی رشتہ دار محتاج ہو۔
۵۳ دوسری قوموں میں دولت مند لوگ جمع کرتے ہیں اور وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں تاکہ جو بیچارے لوگ ہیں ان سے کمائی کریں۔ اس آیت میں ذکر ہے کہ ان کا خرچ کرنا فقط اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

۵۴ اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ ربا سے مراد بیاج ہے اس کا مشہور معنی سود ہے اور حرمت سود کا حکم جو بڑی وضاحت سے مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد نازل ہوا۔ اس آیت میں اس حکم کی طرف پہلا قدم ہے۔ قرآن حکیم کا یہ دستور ہے کہ وہ برائی جس کی جڑیں معاشرہ میں بڑی گہری پھیلی ہوئی ہوں اس کی حرمت کا یک لخت حکم نہیں دے دیا جاتا بلکہ تدریجی انداز سے پہلے ایسی فضا تیار کی جاتی ہے کہ لوگوں کی دلچسپی اس سے ختم ہو جائے اور اس سے نفرت کے جذبات پیدا ہو جائیں پھر اس کی حرمت کا قطعی حکم صادر فرمایا جاتا ہے جس طرح شراب وغیرہ کے احکام میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ سود خوری جاہلی معاشرہ میں مروج تھا اور لوگ اپنی نجی اور کاروباری ضروریات کے لیے سودی قرض لیا کرتے تھے۔ اس آیت میں سود کے متعلق اس تصور کا ابطال کیا گیا کہ اس سے مال بڑھتا ہے اور دولت میں زیادتی ہوتی ہے۔ بتا دیا کہ سودی کاروبار سے مال و دولت میں اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے بلکہ جو لوگ محض رضائے الٰہی کے لیے صدقہ و خیرات کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ہی اپنی برکتوں سے مالا مال فرما دیتا ہے۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ بعض لوگ تحفے اس لیے دیتے ہیں کہ تحفہ لینے والا اس سے کئی گنا زیادہ اس کے بدلے میں تحفہ دے۔ اگرچہ ایسا کرنا حرام نہیں لیکن یہ غیر محمود ہے۔ فرما دیا کہ ایسے تحفے دینے سے مال میں برکت نہیں ہوتی۔

۵۵ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عنایات بے پایاں کے ذکر سے شرک کا ابطال کیا جا رہا ہے۔

مِّنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

تمہارے (خود ساختہ) شریکوں میں بھی کوئی ہے جو کر سکتا ہو ان کاموں میں سے کوئی۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ (ہر)

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي

عیب سے، اور بلند ہے ان سے جنہیں یہ شریک ٹھیراتے ہیں۔ پھیل گیا ہے فساد بر اور بحر میں بوجہ ان کرتوتوں کے جو لوگوں نے ؎

؎ دنیا میں امن و سکون اور ترتیب تبھی برقرار رہ سکتی ہے کہ ہر شخص اپنا فرض پوری دیانتداری سے ادا کرے، ہر شخص کے حقوق محفوظ ہوں اور ان سے بہرہ اندوز ہونے کی پوری آزادی ہو۔ جب لوگ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور بد دیانتی سے کام لینے لگتے ہیں یا جب کسی کے حقوق غصب کر لیے جاتے ہیں تو پھر بحر و بر میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔

ہر شخص کے فرائض کیا ہیں جو اسے ادا کرنا چاہئیں، ہر شخص کے حقوق کیا ہیں جو اسے ہر قیمت پر ملنے چاہئیں، ان کا تعین دین اسلام نے کیا ہے جو دین فطرت ہے اور جو اس خالق و مالک کا دین ہے جس نے کائنات کی ہر چیز کو فطری تقاضوں کے ساتھ پیدا کیا اور ان کی تکمیل کے سامان بھی فیاضی سے مہیا فرما دیے۔ جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام حیات کو اپنایا اسی قوم کی زندگیاں اور اس کا ماحول خوشی اور مسرت سے ہمکنار ہوا۔ اور جہاں بھی کسی قوم نے اس نظام سے روگردانی کی وہاں اسی انداز سے امن و سکون رخصت ہوا۔ بے چینی اور اضطراب کے اندھیرے پھیلنے لگے۔ عقائد کی درستی یا عدم درستی کے عملی زندگی میں جو دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جب عقائد صحیح ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات عالیہ پر ایمان پختہ ہوتا ہے وہاں قلب و روح کی دنیا میں بہار آ جاتی ہے۔ عملی دنیا میں بھی دیانتداری، خلوص، حق گوئی، جرأت، بے نیازی اور استغنا کے پھول مہکنے لگتے ہیں اور جہاں بندے کا تعلق اپنے رب کریم سے ٹوٹ جاتا ہے، جہاں کفر و شرک کی عفونت پھیل جاتی ہے تو وہاں انسان کی عملی زندگی بھی بیکار اور بد اعمالیوں کی آماجگاہ بن کر رہ جاتی ہے۔ اگر وہ طاقتور ہے تو وحشیوں کی طرح کمزوروں کے حقوق پامال کرنے لگتا ہے۔ اگر وہ کمزور ہے تو گیدڑ کی طرح دبکے ہوئے بچے کی طرح بھیگنے لگتا ہے، اسے کہیں قرار نہیں ملتا۔ وہ گھٹیا حرکات کے ارتکاب سے بھی نہیں شرماتا۔

جس معاشرہ میں انسان کی جان، عزت و ناموس اور مال محفوظ نہ ہو کیا وہاں امن و سکون میسر آ سکتا ہے؟ آپ عہد جاہلیت کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں ہر طرف آپ کو اس آیت کی عملی تفسیر دکھائی دینے لگے گی۔ اور اگر آپ عصر حاضر کے حالات کا جائزہ لیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ انسان کو تباہ و برباد کر دینے والی فطرت سے سرتابی اور اسلام کے پیش کیے ہوئے نظام حیات سے روگردانی کی سزا کس طرح مل رہی ہے۔ خشکی پر کہیں امن ہے نہ سمندر کی پہنائیوں میں کوئی گوشہ عافیت نظر آتا ہے۔ زمین پر جگہ جگہ میزائل کے اڈے قائم ہیں جہاں سے ایک بر اعظم سے دوسرے بر اعظم پر ایٹم بم برسا کر ہر چیز کو خاک سیاہ بنایا جا سکتا ہے۔ سمندر کی سطح بلکہ سمندروں کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپے ہوئے جہنم میں تبدیل ہو سکتی ہے کہ فضا ہوائی بڑی بڑی طاقتوں یا امریکہ کا ہوائی بیڑہ جو جنگی جہازوں پر مشتمل ہے ہر وقت مصروف پرواز رہتا ہے اس میں مہلک قسم کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم لاد دیئے گئے ہیں، ایک سگنل سے وہ کسی بڑے سے بڑے شہر کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ بڑی بڑی قومیں ملک سے ملک اسلحہ بنانے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت

النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ

سے کیے ہیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ چکھائے انہیں کچھ سزا ان کے (بعض) اعمال کی شاید وہ باز آجائیں ؎۴۱ آپ فرمائیے

سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ ۚ

آپ (انہیں) فرمائیے سیر و سیاحت کرو زمین میں اور دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے

كَانَ أَكْثَرُهُم مُّشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِن

ان میں سے اکثر مشرک تھے۔ پس کرو اپنا رُخ اس دین قیم کی طرف ؎۴۲ اس سے

قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾

پہلے کہ آجائے وہ دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جسے ٹلنا نہیں اس روز یہ لوگ جدا جدا ہو جائیں گے ؎۴۳

لے جانے کے لیے ملکی ثروت کو پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ خانگی زندگی بھی بداعمالیوں سے جنم لینے والے مفاسد سے محفوظ نہیں۔ میاں بیوی کے درمیان اعتماد جو خانگی زندگی کی مسرتوں کے لیے شرطِ اول ہے تیزی سے مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ماں باپ اپنی عیش کوشی کے باعث اولاد کی صحیح تربیت سے قاصر ہیں۔ غیر تربیت یافتہ اولاد بڑی ہو کر اپنے والدین کا ادب ملحوظ نہیں رکھتی بلکہ انہیں ایک ناقابلِ برداشت بوجھ خیال کرتی ہے۔ بڑوں کے دلوں میں چھوٹوں کے لیے رحم اور شفقت نہیں رہی۔ چھوٹوں کی آنکھیں شرم و حیا کے نور سے محروم ہو گئی ہیں اور اپنے سے بڑوں کی پگڑی اچھالنا فیشن بن گیا ہے۔ جب ہمارے گردوپیش اس قسم کے حالات ہوں تو پھر اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی۔

؎۴۱ یعنی اپنے جن حیات کش ناسوروں اور بیماریوں سے لوگوں نے دوچار کیا ہے اس کے کانٹوں کی چبھن تو وہ بھی محسوس کریں۔ اپنے گناہوں اور بدکرداریوں کی سزا وہ بھی تو چکھیں۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شاید وہ لوگ اپنے اعمالِ بد کی تباہ کاریوں سے عبرت حاصل کریں اور موت سے قبل اپنی اصلاح کر لیں۔

؎۴۲ مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کے دوران تم نے اجڑے ہوئے امصار و دیار دیکھے ہوں گے جن کے ویران اور سنسان کھنڈرات پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ یہاں بسنے والوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، فسق و فجور میں مبتلا رہے اور ظلم و ستم کی حد کر دی تو مکافاتِ عمل کے بے لاگ قانون نے انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ جس طرح پہلے لوگ تمہارے لیے عبرت کا باعث ہیں تم آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے موجبِ عبرت نہ بنو بلکہ دینِ قیم پر مضبوطی سے کاربند ہو جاؤ اور اس دن سے پہلے پہلے اپنی اصلاح کر لو جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ علامہ راغب اصفہانی نے الدین القیم کی یہ تشریح کی ہے: ای الذی به قوام امور معادهم ومعاشهم۔ یعنی وہ دین جو ان کی دنیوی معیشت کی ترقی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

؎۴۳ اس دن کی ایک خصوصیت یہ ہوگی کہ اس روز اولادِ آدم کی تقسیم عربی، عجمی، زردی، حبشی، امیر و فقیر، شاہ و گدا کی بنیادوں پر نہیں ہوگی،

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ

جس نے کفر کیا تو اسی پر ہے اس کے کفر کا وبال ۵۸ اور جنہوں نے نیک عمل کیے تو وہ اپنے لیے ہی راہ ہموار

يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ

کر رہے ہیں ۵۹ تاکہ اللہ تعالیٰ بدلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اپنے فضل وکرم سے ۶۰

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ

بیشک وہ پسند نہیں کرتا کفار کو۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہواؤں کو

وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ

(بارش کا) مژدہ سناتے ہوئے۔ نیز تاکہ وہ تمہیں چکھائے اپنی رحمت سے اور تاکہ چلیں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم طلب کرو

جبکہ کفر و اسلام پر ہوگی۔ کفر کرنے والوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

یصدعون کا مادہ الصدع ہے جس کا معنی پھاڑ دینا۔ الصدع الشق یقال صدعته فانصدع ای انشق تصدع القوم ای تفرقوا (الصحاح) یعنی صدع کا معنی پھاڑ دینا ہے اور تصدع القوم کا معنی ہے قوم کا جدا جدا ہوجانا، مختلف فرقوں میں بٹ جانا۔

۵۸ جو لوگ کفر کو اختیار کرتے ہیں وہ اللہ جل مجدہ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ وہ اپنا ہی ستیاناس کرتے ہیں اور جو لوگ نیکی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کر رہے بلکہ اپنے ہی دونوں جہان سنوار رہے ہیں۔ دنیا میں بھی ان کی راہ میں آنکھیں بچھائی جائیں گی اور حشر کے روز بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتوں کا ان پر نزول ہوگا۔

۵۹ یَمْهَدُونَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: منه مهد الصبي والمهاد: الفراش وقد مهدت الفراش مهدا بسطته ووطأته (یعنی بچے کے گہوارے کو مہد اور بستر کو مہاد کہتے ہیں۔ بستر بچھانے اور اسے نرم و گداز کرنے کو مہدت الفراش سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس آیت میں یمہدون کا معنی ہوگا کہ وہ اپنی ابدی آرام گاہ کو درست و ہموار بنا رہے ہیں۔) ای یوطئون لانفسهم فی الآخرة فراشا ومسکنا وقرارا بالعمل الصالح (قرطبی) علامہ جوہری نے بھی الصحاح میں اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے۔

۶۰ اس آیت میں من فضلہ کا لفظ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ اہل ایمان کے ایمان اور صالحین کے اعمال صالحہ کو شرف پذیرائی بخشتا ہے اور انہیں بڑے بڑے اجر عطا فرماتا ہے تو یہ محض اس کا فضل وکرم ہے۔ ہماری نیکیاں اگر کوئی شخص ساری عمر اس کی یاد اور بندگی میں بسر کر دے تو اس کی کسی ایک نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام کو بڑی پیاری نصیحت فرمائی۔ فرمایا: سَدِّدُوا وَقَارِبُوا وَأَبْشِرُوا فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ. قَالُوا: وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللَّهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا

اس کے فضل سے اور تاکہ تم شکر ادا کرو ۱ اور بیشک ہم نے بھیجے آپ سے پہلے پیغمبر

اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا

ان کی قوموں کی طرف۔ پس وہ لے کر آئے ان کے پاس روشن دلیلیں۔ پس ہم نے بدلہ لیا ان سے جنہوں نے جرم کیے۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ

اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے اہل ایمان کی امداد فرمانا ۲ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو

فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا

پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے

فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ

ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ نکلتی ہے اس میں سے پھر جب پہنچاتا ہے اسے جس کو چاہتا ہے

(رواہ البیہقی)

ترجمہ: راہ راست اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب چاہو اور خوش رہو کیونکہ کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ کا عمل بھی۔ فرمایا: ہاں میرا عمل بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے دامن مغفرت و رحمت میں ڈھانپ لے۔

۱ اب پھر اپنی قدرت کاملہ کے دلائل باطنہ کا بیان ہو رہا ہے۔

۲ یہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی عزت افزائی فرمائی ہے یعنی جنہوں نے میری اطاعت و بندگی کو اپنا شیوہ بنا لیا ہے تو میں نے بھی ان کی اعانت فرمانا اور ہر میدان میں ان کی فتح و اعانت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

قال سمعت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ما من مسلم یرد عن عرض اخیہ الا کان حقا علی اللہ تعالیٰ ان یرد عنه نار جهنم یوم القیامة ثم تلا وكان حقا علینا نصر المؤمنین۔

ترجمہ: میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان اپنے بھائی کی ناموس کو بچاتا ہے اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے آتش جہنم سے بچائے۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔

مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ

اپنے بندوں سے اس وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ۷۶ اگرچہ وہ پہلے اس سے پہلے کہ ان

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ

پر بارش ہو (بالکل) مایوس ہو چکے تھے۔ پس (اے چشم بینا) دیکھ رحمت

اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ

الٰہی کی علامتوں کی طرف (دیکھ) کیسے زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد۔ بیشک وہی زندہ کرنے والا ہے مُردوں کو

وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا

اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور اگر ہم بھیج دیں ایسی ہوا (جس کے اثر سے) وہ دیکھیں اپنی سرسبز

لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ۝ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ

کھیتیوں کو زرد ہوتے ہوئے تو اس کے بعد وہ کفر پر اڑے رہتے ہیں ۷۷ پس آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے ۷۸ اور نہ آپ بہروں کو

۷۶ ایسی ہوا بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہے اور سارا آسمان اس سے ڈھک جاتا ہے۔ پھر سحاب ابر کو وہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔ کِسَفًا کسفۃ کی جمع ہے اس کا معنی ٹکڑا ہے۔ الودق: بارش۔

۷۷ ایسی ہوائیں بھی ہیں کہ جب چلتی ہیں تو سرسبز و شاداب کھیت زرد ہو کر خشک ہو جاتے ہیں۔

۷۸ اس آیت میں الموتٰی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں۔ کفر و شرک پر ہٹ دھرمی اور اصرار نے جن کی عقل و فہم کے چراغ بجھا دیے ہیں۔ ان کی ذات میں سنجیدگی اور متانت سے غور و فکر کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔ علامہ خازن الموتٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی موتی القلوب وھم الکفار (الخازن)۔ علامہ بغوی فرماتے ہیں یعنی الکفار (معالم التنزیل) اسی طرح علامہ قرطبی نے فرمایا موتی القلوب (قرطبی) اور الصم سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے کان بہرے ہو چکے ہیں جنہوں نے اپنے گوش ہوش میں تعصب کی گولیاں ٹھونس دی ہیں تاکہ انہیں حق کی صدا سنائی نہ دے۔

آیت کا مقصد یہ ہے کہ توحید پر مسکت دلائل ان کے سامنے پیش کیے گئے۔ انہیں بار بار دل نشین انداز سے دعوت حق دی گئی۔ اس کے باوجود کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان کے اس طرز عمل سے اے محبوب! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ ان کے دل مر چکے ہیں۔ ان کے کانوں سے حق سننے کی طاقت سلب ہو گئی ہے۔ آپ نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرنے میں ذرا کوتاہی نہیں کی۔ اگر یہ کفر و گمراہی کے اندھیروں سے باہر

نہیں نکالا جا سکتا قرآن کی قسمت۔

آج کل یہ بحث بڑے زوروں پر ہے کہ میت کوئی آواز سن سکتی ہے یا نہیں۔ سماع موتی کے منکرین استدلال کے طور پر یہ آیت پیش کرتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتے ہوئے بڑے اختصار کے ساتھ آیات قرآنیہ، احادیث طیبہ اور علمائے ربانیین کے اقوال سے جو کچھ سمجھا ہوں وہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم رسول اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل کجروی سے بچائے اور راست روی کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ اس کی توفیق اور دستگیری کے بغیر علم، عقل اور سن سب بے حاصل ہیں۔

یہ مسئلہ صدر قدیم سے متنازعہ فیہ ہے اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بڑے سے بڑے فضلا نے اس گتھی کو سلجھانے کی سعی کی ہے شیخ ابن تیمیہ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور اس مسئلہ کے مختلف گوشوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے جس کا مطالعہ کرنا بہت سے اہل علم کا حصہ ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ موت کیا چیز ہے۔ اس کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ موت عدم محض اور فنائے مطلق کا نام نہیں کہ انسان مرنے کے بعد بالکل نیست و نابود ہو کر رہ جائے بلکہ ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل ہو جانے کو موت کہتے ہیں۔ ان الموت لیس بعدم محض وانما هو انتقال من حال الی حال (کتاب الروح ص ۳۴)

اللہ تعالیٰ نے شہداء کے متعلق فرمایا ہے کہ احياء عند ربهم يرزقون فرحين مستبشرين یعنی وہ مجاہدین جنہیں کفار قتل کر دیتے ہیں تو پھر بھی وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے بڑے خوش اور مسرور رہتے ہیں جب ظاہری موت طاری ہونے کے باوجود شہداء کا یہ حال ہے تو صدیقین اور انبیاء جن کا رتبہ شہداء سے بدرجہا اعلیٰ اور ارفع ہے ان کی کیا کیفیت ہوگی علامہ ابن قیم نے یہاں حیات انبیاء پر متعدد دلائل بیان کیے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ شب معراج بیت المقدس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات انبیاء کرام کے ساتھ ہوئی۔

۲۔ اسی سفر معراج میں مختلف آسمانوں پر مختلف انبیاء سے ملاقات ہوئی۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات اور نمازوں کی تعداد پچاس سے گھٹا کر پانچ کروانے کا واقعہ ہر خاص و عام کے علم میں ہے۔

ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد ابن قیم لکھتے ہیں فيحصل من جملته القطع بان موت الانبياء انما هو راجع الى ان غيبوا عنا بحيث لا ندركهم وان كانوا موجودين احياء (کتاب الروح ص ۴۴) کہ مذکورہ دلائل سے اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے جن سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ انبیاء کرام کی موت کا فقط یہ مطلب ہے کہ وہ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے ہیں ہم ان کو نہیں پا سکتے حالانکہ وہ زندہ موجود ہیں۔

موت کا مفہوم ذہن نشین کر لینے کے بعد اب آپ یہ سمجھنے کی کوشش فرمائیں کہ موت کے بعد روح اور جسم کا باہمی تعلق کیسے باقی رہتا ہے۔ اس کے بارے میں علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کے تعلق کی پانچ حالتیں ہیں۔ ہر حالت پر مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں۔

(۱) شکم مادر میں جب جسم میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (۲) جب انسان اس جہان میں قدم رکھتا ہے۔ (۳) حالت خواب میں۔ (۴) عالم برزخ میں اگرچہ روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے لیکن یہ جدائی کلی نہیں ہوتی بلکہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ کسی نہ کسی طرح باقی رہتا ہے تنتهما

به في البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقاً كلياً بحيث لا يبقى لها التفات اليه البتة اور اسی تعلق کی وجہ سے وہ اپنے زائر کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کا اسے علم ہوتا ہے۔ (تفصیل بیان آگے آرہا ہے)

(۵) قبروں سے اٹھنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے۔ اس تعلق کے متعلق علامہ لکھتے ہیں: فهو اكمل انواع التعلق اذ هو تعلق لا يقبل البدن معه موتاً ولا نوماً ولا فساداً (یعنی روح کا جسم کے ساتھ یہ تعلق تمام تعلقات سے اکمل ہے کیونکہ اس کے بعد جسم کو نہ موت آتی ہے نہ نیند آتی ہے اور نہ اس کے عناصر میں فساد رونما ہوتا ہے۔

موت کے بعد حشر تک روح کا مستقر اور مقام کہاں ہے؟ اس کے متعلق علماء نے تقریباً سولہ قول لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ موت کے بعد روح بھی معدوم ہو جاتی ہے جسم کی دوسری صفات علم، قوت وغیرہ کی طرح (حیاۃ) بھی اس کی ایک صفت ہے جسم کے فنا ہونے سے جس طرح دوسری صفات فنا ہو جاتی ہیں اسی طرح روح بھی فنا ہو جاتی ہے لیکن یہ قول سراسر باطل ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کے علاوہ دلائل عقلیہ بھی اس کی تردید کرتے ہیں۔ يا ايتها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية فادخلي في عبادي وادخلي جنتي (اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ) یہاں خطاب روح مطمئنہ کو ہو رہا ہے اور اس وقت ہو رہا ہے جب وہ جسم سے الگ ہوتی ہے اگر روح کا اپنا مستقل وجود نہ ہوتا تو پھر اس سے خطاب کیسے کیا جاتا۔ احادیث کثیرہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ روح کا اپنا مستقل وجود ہے۔ وهو قول لم يقل به احد من سلف الامة ولا من الصحابة والتابعين ولا ائمة الاسلام (ابن قیم) یعنی یہ ایسا قول ہے جسے سلف صالحین میں سے کسی نے تسلیم کیا ہے نہ صحابہ، تابعین اور ائمہ اسلام کا یہ خیال ہے۔

۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بارے میں یہ قول ہے کہ مومنین کی ارواح برزخ میں ہیں اور جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ انّ ارواح المؤمنين في برزخ من الارض تذهب حيث شاءت هذا مروي عن سلمان الفارسي۔ والبرزخ هو الحاجز بين الشيئين۔ وكان سلمان اراد بها في ارض بين الدنيا والآخرة مرسلة هناك تذهب حيث شاءت۔

برزخ کے متعلق تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں انه الحاجز بين الشيئين دو چیزوں کے درمیان جو چیز حائل ہو اس کو برزخ کہا جاتا ہے یہاں برزخ سے مراد دنیا اور آخرت کا درمیانی جہان ہے۔

۔ فالبرزخ ههنا ما بين الدنيا والآخرة۔

تیسرا قول: مومنین کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب ہیں اور کفار کی روحیں آپ کی بائیں جانب۔

چوتھا قول: ابو محمد بن ابی حزم کا قول یہ ہے کہ اجسام کے پیدا کرنے سے پہلے روح جہاں تھی موت کے بعد لوٹ کر پھر وہاں ہی چلی جاتی ہے۔ ان مستقرها حيث كانت قبل خلق اجسادها۔

پانچواں قول: بعض نے یہ کہا کہ مومنین کی روحیں اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ ان لوگوں نے مزید کہنے کی جرأت نہیں کی اور جتنا کچھ قرآن میں ہے ادب اور احترام کے تقاضے کے پیش نظر اتنا کہنے پر ہی توقف کرتے ہیں۔ ارواح المؤمنين عند الله ولم يزد على ذلك فانه تأدب مع لفظ القرآن حيث يقول الله عز وجل بل احياء عند ربهم يرزقون۔

چھٹا قول: بعض کی رائے یہ ہے کہ ارواح اپنی مزارات کے اوپر ہوتی ہیں۔ الارواح علی افنیۃ قبورها۔

ساتواں قول: اہل ایمان کی روحیں اگر کوئی گناہ کبیرہ یا قرض رکاوٹ نہ بنے تو وہ جنت میں ہوتی ہیں لیکن اپنے جسد خاکی پر ان کی توجہ اس طرح ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے مزارات پر حاضر ہو تو وہ اسے دیکھتے ہیں اور اگر کوئی سلام کہے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ اس شبہ کا ازالہ کرنے کے لیے کہ روح اگر جنت میں یا اعلیٰ علیین میں ہو تو اپنی قبر پر آنے والے کو اتنی دور سے کس طرح پہچانتی ہے اور کس طرح اس کا سلام سنتی ہے اور پھر اس کا جواب دیتی ہے۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں۔ ولا يضيق عطنك عن كون الروح في الملاء الاعلى تسرح في الجنة حيث شاءت وتسمع سلام المسلم عليها عند قبرها وتدنو حتى ترد عليه السلام وللروح شأن آخر غير شأن البدن (كتاب الروح ص ٦٠)

یعنی تو اس چیز کو تسلیم کرنے سے تنگ دل نہ ہو کہ روح جب ملاء اعلیٰ میں ہے اور جنت میں سیر و سیاحت میں مصروف ہے تو وہ کس طرح اہل قبر پر آنے والے کا سلام سنتی ہے پھر کس طرح نزدیک ہو کر اس سلام کہنے والے کو جواب دیتی ہے کیونکہ روح کی شان اور ہے اور جسم کی شان اور۔ علامہ نے بڑی شرح و بسط سے اس چیز کو ثابت کیا ہے کہ روح کے لیے یہ بُعد کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور مسافت کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ وہ ایک لمحہ میں ملاء اعلیٰ سے زمین پر اور زمین سے اعلیٰ علیین پر آ جا سکتی ہے۔ وہ لوگ سخت دھوکہ میں ہیں جو روح کو جسم کی طرح ان مسافتوں کے طے کرنے سے قاصر سمجھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کیا تم نہیں جانتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب شب معراج موسیٰ علیہ السلام کے مزار کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا اور جب حضور ایک لمحہ بعد پایاں افلاک کی بے پایاں وسعتوں کو عبور کرتے ہوئے بلند پہنچے آسمان تک پہنچا تو وہاں پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنا منتظر پایا۔ جبرئیل امین ایک لمحہ پہلے آسمان کی بلندیوں پر پہنچ کر نظر آتے تو دوسرے لمحے بارگاہ رسالت میں دست بستہ پیش ہونے حاضر ہو جاتے۔ لیکن ابن القیم کو کوئی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں صحیح روایتوں کو بے استنادی حالت سے بیان حقائق کرتے ہیں جنہیں تسلیم بھی کرتے ہیں اور اس پر یقین بھی رکھتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ نے ایک مستقل فصل تحریر کی ہے جس میں انہوں نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے کہ ساری روحوں کی حالت یکساں نہیں ہوتی بلکہ قوت اور ضعف، کبر اور صغر کے اعتبار سے ہر ایک کا مرتبہ الگ الگ ہوتا ہے۔ عظیم اور کبیر روحوں کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے جس کو ان سے کم درجہ والی روحیں نہیں پا سکتیں۔ روحوں کے درمیان یہ تفاوت ہم اس مادی عالم میں بھی مشاہدہ کرتے رہتے ہیں اور جب روح جسمانی علائق، مادی پابندیوں سے رستگاری حاصل کر لیتی ہے تو اسے جو قدرت، قوت، ہمت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں جو مقام نصیب ہوتا ہے وہ ان روحوں کو نصیب نہیں ہوتا جو جسم کے اس قفس میں قید ہیں اور جنہیں مادی دنیا کی زنجیروں نے جکڑ رکھا ہے۔ عظیم روحیں جب قفس عنصری کو توڑ کر آزاد ہوتی ہیں تو ان کی شان اور طاقت کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ اور ان سے ایسے ایسے کارنامے نمایاں ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کا تصور کرنا بھی ہمارے بس کی بات نہیں۔ پھر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ بارہا لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت کی کہ حضور کے ساتھ ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم بھی ہیں اور انہوں نے کفار و مشرکین کے جرار لشکروں کو شکست فاش دی اور ان کو مغلوب و مقہور کر دیا حالانکہ مسلمانوں کی فوج ہر لحاظ سے کمزور تھی۔ علامہ کی عبارت غور سے پڑھیے آپ کا ایمان تازہ ہو جائے گا۔

وذكر رأى النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ومعه ابوبكر وعمر في النوم قد هزمت ارواحهم عساكر الكفر والظلم فاذا بجيوشهم مغلوبة مكسورة مع كثرة عددهم وعددهم وضعف المسلمين وقلتهم (كتاب الروح ص ١٠٢)

ان کے علاوہ مصنف نے متعدد دوسرے قول ذکر کیے ہیں جن میں سے بعض سراسر باطل ہیں اور بعض کی کچھ تاویل کی جا سکتی ہے۔ آخر میں علامہ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ ان متعدد اقوال میں سے تمہارے نزدیک راجح قول کونسا ہے جس کے مطابق اعتقاد رکھا جائے تو جواب میں کہا جائے گا کہ ساری روحیں یکساں نہیں ان میں بڑا تفاوت ہے اور اسی تفاوت کی وجہ سے ان کی منزلیں جدا جدا ہیں اور مختلف احادیث میں روحوں کے مختلف ٹھکانوں کا جو ذکر ہے ان میں تضاد نہیں بلکہ مختلف ارواح کے مختلف مقامات ذکر کیے گئے ہیں۔ اس بحث کو سمیٹتے ہوئے علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ روح اور بدن کے احکام اور حالات مختلف ہیں۔ روح جنت میں ہونے کے باوجود اپنی قبر سے اور اس میں مدفون اپنے بدن سے اتصال رکھتی ہے اور اوپر جانے اور نیچے اترنے میں، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں اس کی سرعت رفتار کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) آزاد روحیں (۲) مقید روحیں (۳) علوی روحیں (۴) سفلی روحیں۔

وان لها شانا غير شان البدن وانها مع كونها في الجنة فهي في السماء وتتصل بفناء القبر وبالبدن فيه وهي اسرع شيء حركة وانتقالا وصعودا وهبوطا وانها تنقسم الى مرسلة ومحبوسة وعلوية وسفلية (كتاب الروح ص ۱۴۲)

احادیث صحیحہ کثیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صاحب مزار اپنے زائر کو پہچانتا ہے اور اس کی آواز کو سنتا ہے۔ ان میں سے چند حدیثیں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اخرج الشيخان وغيرهما من طريق قتادة عن انس قال قال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم ان العبد اذا وضع في قبره وتولى عنه اصحابه انه ليسمع قرع نعالهم۔

ترجمہ: امام بخاری، امام مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے کہا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے دوست دفن کرنے کے بعد واپس لوٹتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا

(۲) اخرج ابن ابي شيبة والطبراني في الاوسط وابن حبان في صحيحه والحاكم والبيهقي في حديث ابي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم والذي نفسي بيده ان الميت اذا وضع في قبره انه ليسمع خفق نعالهم حين يولون عنه۔

ترجمہ: ابن ابی شیبہ، طبرانی، ابن حبان، حاکم اور بیہقی (جیسے جلیل القدر محدثین) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ اسے دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کی جوتیوں کی آہٹ سنتی ہے۔

(۳) اخرج ابن ابي الدنيا في كتاب القبور عن عائشة رضي الله عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من رجل يزور قبر اخيه ويجلس عنده الا استأنس ورد عليه حتى يقوم۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی راحت ہوتی ہے اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۴) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ واذا مر بقبر لا یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام (البیہقی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے جاننے والے کی قبر پر آتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو صاحب مزار اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اسے پہچانتا بھی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کے مزار پر آتا ہے جس سے جان پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کہتا ہے تو قبر والا اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۵) بعینہٖ یہی الفاظ علامہ ابن عبدالبر نے بروایت ابن عباس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیے ہیں۔

یہ احادیث اور ان کے علاوہ متعدد دیگر حدیثیں نقل کرنے کے بعد علامہ ابن قیم نے سماع موتی کے متعلق اپنی تحقیق کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں: والسلف مجمعون علی ھذا وقد تواترت الآثار عنہم بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہ ویستبشر۔
یعنی سلف صالحین کا سماع موتی پر اجماع اور اتفاق ہے بلکہ ان سے درجہ تواتر تک ایسی روایات مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ میت کی زیارت کے لیے جب کوئی شخص آتا ہے تو میت کو اس کی آمد کا علم بھی ہوتا ہے اور اس سے اسے بڑا سرور حاصل ہوتا ہے۔

علامہ عثمانی نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ متعدد احادیث اور اقوال علماء تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والذی یحصل لنا من مجموع النصوص واللہ اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ۔

یعنی ان متعدد روایات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صحیح اور کثیر التعداد احادیث سے سماع موتی کا مسئلہ ثابت ہے۔ واللہ اعلم

یہ ثابت کرنے کے بعد کہ میت سنتی ہے علامہ مفسرین نے ان آیات کا مفہوم واضح کیا ہے جن سے بظاہر سماع موتی کی نفی ہوتی ہے۔
مولانا محمد قاسم صاحب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ افعال کی دو قسمیں ہیں (۱) افعال عادیہ یعنی جن کا وقوع عادت کے مطابق اسباب ظاہرہ کے پائے جانے سے ہوتا ہے مثلاً کسی نے کسی پر بندوق سے فائر کیا اور وہ مر گیا ایسے افعال کی نسبت اس بندوق چلانے والے کی طرف کی جاتی۔ (۲) افعال غیر عادیہ جو ظاہری اسباب وعلل کے پائے جانے کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے کسی نے کنکریوں کی مٹھی پھینکی اور ایک لشکر جرار کو شکست دے دی۔ ایسے افعال کی نسبت اس ظاہری فاعل کی طرف نہیں کی جاتی بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے جیسے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔

یہاں بھی میت زیر زمین دفن ہے۔ اس کے اوپر منوں مٹی کا انبار لگا ہے۔ نہ وہاں ہوا کا گذر ہے اور نہ روشنی کا۔ آواز کسی تک پہنچنے کے لیے ظاہری سبب ہوا ہے جو یہاں قطعاً مفقود ہے۔ اس لیے میت اگر سنتی ہے تو اس کو سنانے والا وہ تو نہیں کہ یہ ہوا کے فقدان کے باوجود آواز کو سنا دیا بلکہ یہ انسان کے بس کا روگ نہیں۔ چنانچہ ان آیات میں اس بات کی نفی نہیں کی گئی کہ میت نہیں سنتی بلکہ اس کی نفی کی گئی ہے کہ تم نہیں سنا سکتے۔ ما انت بمسمع من فی القبور لیکن اس سے تو ہرگز ثابت نہیں کہ جسے تم نہیں سنا سکتے اسے خدا تو ہر عالم کو بھی سنا سکتا۔ اس کی قدرت اسباب اور علل کی محتاج نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

سید انور شاہ صاحب فیض الباری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں:

ولہ جواب آخر وھو ان النفی فی الآیۃ ھو الاسماع دون السماع (فیض الباری جلد دوم ص ۴۷)

علامہ موصوف اسی کتاب کی اسی جلد کے صفحہ ۵۸۸ پر اپنا عقیدہ تحریر فرماتے ہیں:

اقول: والاحادیث فی سمع الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفی حدیث صححہ ابن عبد البر ان احدا اذا سلم علی المیت فانہ یرد علیہ ویعرفہ ان کان یعرفہ فی الدنیا۔

ترجمہ: میں (سید انور شاہ) کہتا ہوں کہ سماع موتی کے ثبوت کے لیے اتنی احادیث ہیں جو حد تواتر تک پہنچ گئی ہیں اور حدیث صحیح میں ہے کہ جب کوئی شخص میت کو سلام دیتا ہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے اور اگر صاحب مزار اس کو دنیا میں پہچانتا تھا تو اب بھی وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔

اکابر علماء دیوبند کی تصریحات کا مطالعہ آپ نے فرمایا۔ معلوم نہیں اب ان کے شاگرد اور پیروکار اپنے ان بزرگوں کے عقیدہ کے برعکس سماع موتی کا انکار کیوں کرتے ہیں اور اولیائے کرام کی مزارات پر بغرض زیارت حاضر ہونے والوں پر کفر و شرک کا فتویٰ کیوں لگاتے ہیں۔

بعض علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ آیات میں مطلق سماع کی نفی نہیں بلکہ ایسے سماع کی نفی ہے جو مفید اور نفع رساں ہو۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سماع موتی کلام الخلق قاطبۃ ۔۔۔ قد صح فیہا لنا الآثار بالکتب

وآیۃ النفی معناہا سماع ہدی ۔۔۔ لا یسمعون ولا یصغون للادب

ترجمہ: میت کا لوگوں کے کلام کو سننا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ اور جن آیات میں سنانے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد ایسا سنانا ہے جو ہدایت کا باعث ہو اور نفع رساں ہو۔

جنگ بدر میں جب بڑے بڑے مشرکین کفار ہلاک ہو گئے تو ابوجہل، عتبہ، شیبہ وغیرہ مشرکین کی لاشیں ایک گڑھے میں پھینک دی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا: یا فلان بن فلان، یا فلان بن فلان هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا فانی وجدت ما وعدنی ربی حقا؟ اے فلاں فرزند فلاں، اے فلاں پسر فلاں! ذلت اور عذاب کا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا کیا اس کو تم نے سچا پایا؟ بے شک میرے رب نے نصرت و کامرانی کا جو وعدہ میرے ساتھ فرمایا تھا میں نے تو اسے سچا پایا۔

قال لہ عمر یا رسول اللہ! ما تخاطب من اقوام قد جیفوا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے لوگوں کو خطاب فرما رہے ہیں جو بے جان لاشے ہیں۔

فقال والذی بعثنی بالحق ما انتم باسمع لما اقول منہم ولکنہم لا یستطیعون جوابا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

اس حدیث سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان تو مسلمان کفار و مشرکین کے مردے بھی سنتے ہیں۔

سماع موتی کے منکرین نے اس حدیث کے جواب میں کہا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس حدیث کی تاویل کی ہے اس لیے یہ حدیث اس مسئلہ کی دلیل نہیں بن سکتی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ جمہور محدثین نے حضرت صدیقہ کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا بلکہ حضرت ابن عمر کی روایت کو قبول کیا ہے کیونکہ اسے بہت سے صحابہ کی تائید حاصل ہے جو خود اس موقع پر بارگاہ رسالت میں حاضر تھے اور حضرت صدیقہ تو وہاں خود موجود نہ تھیں۔ نیز ام المومنین نے سماع موتی کی نفی پر اس آیت سے (انک لا تسمع الموتی) جو استدلال کیا ہے اس کا

جواب بعض محدثین نے یہ الفاظ دیا ہے :

ما انت لا تسمع بقوله تعالى انك لا تسمع الموتى فقالوا معنا ها لا تسمعهم سما عا ينفعهم اولا تسمعهم الا ان

یشاء الله ۔ یعنی تم ان کو کوئی ایسی بات نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع پہنچائے یا تم خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر انہیں کچھ نہیں سنا سکتے ۔

کتب حدیث میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے حضرت صدیقہؓ کا اس مسئلہ سے رجوع ثابت ہوتا ہے ۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جو ابن اسحٰق نے المغازی میں یونس بن بکیر سے بسند جید نقل کی ہے جس کے الفاظ بعینہٖ حدیث ابی طلحہ جیسے ہیں ۔

ومن الغريب ان في المغازي لابن اسحق رواية يونس بن بكير باسناد جيد عن عائشة مثل حديث ابي طلحة وفيه

ما انتم باسمع لما اقول منهم یعنی جو میں کہہ رہا ہوں اسے تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے ۔

اس کے علاوہ علامہ ابن عبدالبر نے حضرت صدیقہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے ۔

قال بعدي من حديث عائشة رضي الله تعالى عنها انها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما من رجل

يزور قبر اخيه فيجلس عنده الا استأنس به حتى يقوم ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کے لیے جاتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے تو صاحب مزار کو اس سے بڑی تسکین اور راحت ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ وہاں سے اٹھ جائے ۔

اس روایت سے بھی حضرت صدیقہؓ کا رجوع ثابت ہوتا ہے ۔

علامہ عثمانی نے سماع موتی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ محمود الآلوسی صاحب روح المعانی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے ۔

قال العلامة الالوسي البغدادي والحق ان الموتى يسمعون في الجملة ۔ حق یہ ہے کہ مردے یقیناً سنتے ہیں اور اس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ۔ فتح الملہم جلد دوم ص ۲۰۸ ، ۲

علامہ ابن کثیر نے بھی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو صحیح فرمایا ہے کیونکہ اس کی تائید دیگر شواہد کثیرہ سے ہوتی ہے

والصحيح عند العلماء رواية عبد الله بن عمر لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة ۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۳۸

حجرۂ مقدسہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفن ہونے سے پہلے حضرت صدیقہؓ کا یہ معمول تھا کہ جب زیارت کے لیے حاضر ہوتیں تو اوڑھنی کا زیادہ اہتمام نہ کرتیں ۔ فرماتیں یہاں ایک میرے سرتاج ہیں اور دوسرے میرے والد محترم ، مجھے پردہ کی ضرورت نہیں ۔ لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وہاں دفن ہونے کے بعد جب سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوتیں تو بڑے اہتمام سے سر کو اوڑھنی سے ڈھانپ کر حاضر ہوتیں ۔

علامہ ابن کثیر اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں اس آیت کی توضیح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

والسلف مجمعون على هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له ويستبشر

یعنی سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے اور متواتر روایات سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ میت اپنے زیارت کرنے والے کو پہچانتی ہے اور اس سے خوش ہوتی ہے ۔

الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿۵۲﴾ وَمَا أَنْتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَنْ

سنا سکتے ہیں اپنی پکار خصوصاً جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں۔ اور نہ آپ ہدایت دے سکتے ہیں اندھوں کو

ضَلَالَتِهِمْ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۵۳﴾

ان کی گمراہی سے۔ آپ نہیں سناتے مگر انہیں جو ایمان لاتے ہماری آیتوں پر بس وہ گردن جھکائے ہوئے ہیں ۵۳

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ

اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور پیدا فرمایا ۵۴ پھر عطا کی (تمہیں) کمزوری کے بعد

علامہ مذکور نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں کئی دیگر مسائل بھی شرح و بسط سے بیان کیے ہیں۔ جن کا مطالعہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے بہت مفید ہے۔

۵۳ آیت کریمہ کے اس جملہ نے یہ بات واضح کر دی کہ یہاں موتیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور الصمّ (بہرے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل کے کان حق بات سننے سے بہرے ہو چکے ہیں اور العمی (اندھے) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل کی آنکھیں نورِ حق دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہیں۔ اور سماع سے مراد فقط سننا نہیں بلکہ وہ سننا ہے جو سود مند اور نفع بخش ہو۔ چنانچہ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(ای وضحت الحجج یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکنہم لالفھم تقلید الاسلاف فی الکفر ماتت عقولھم وعمیت بصائرھم فلا یتھیأ لک اسماعھم ولا [illegible] وھذا رد علی القدریة (القرطبی)

یعنی اے حبیب ! آپ نے حق کو دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے لیکن وہ اپنے گمراہ اور مشرک آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں اتنے مگن ہیں کہ ان کی عقلیں مر چکی ہیں ان کی بصیرت اندھی ہو گئی ہے پس آپ نہ ان کو سنا سکتے ہیں اور نہ ہدایت دے سکتے ہیں۔ ان آیات سے قدریہ کی تردید ہوتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

۵۴ اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے یعنی اگر تمہاری نگاہ کائنات کی دوسری اشیاء تک نہیں پہنچ سکتی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے دیگر دلائل و شواہد سے تم استفادہ کرنے سے قاصر ہو تو کم از کم اپنی ذات پر ہی نگاہ ڈالو۔ جب تم پیدا ہوئے تمہاری ناتوانی اور بے بسی کی کیا کیفیت تھی، پھر رفتہ رفتہ تم جوان ہوئے، پھر تمہاری بدنی اور عقلی قوتوں پر شباب آگیا، لیکن اس کے بعد تمہاری ظاہری اور باطنی قوتوں میں کمزوری اور بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگے یہاں تک کہ تم اپنا مقررہ وقت ختم کرنے کے بعد موت کی آغوش میں جا پہنچے۔ زندگی کے اس مختصر عرصہ میں جن گوناگوں حالات سے تمہیں دوچار ہونا پڑا۔ قدم قدم پر جو حیرت انگیز تبدیلیاں تمہارے اعضاء میں اور

قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ

قوت ۔ پھر پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دے دیا ۔ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۵۴﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ۙ

اور وہی سب کچھ جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ۔ اور جس روز قیامت قائم ہوگی قسمیں اٹھائیں گے مجرم ۸؎

مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ﴿۵۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

کہ نہیں ٹھہرے وہ (دنیا میں) مگر ایک گھڑی یونہی وہ (پہلے بھی) غلط بیانی کیا کرتے تھے ۔ اور کہیں گے وہ لوگ

أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ

جنہیں علم اور ایمان دیا گیا (انہیں) کہ تم ٹھہرے رہے ہو نوشتہ الٰہی کے مطابق روز حشر تک ۹؎

دیکھو ان تمام چیزوں کو اگر تم نے نظر غائر سے مطالعہ کیا ہوتا تو تم کبھی اپنے رب کی نافرمانی نہ کرتے بلکہ صدق دل سے اس کی عظمت اور کبریائی کے سامنے سرنیاز خم کردیتے اور شرح صدر سے پورے یقین کے ساتھ یہ اعلان کرتے کہ میرا خدا جس طرح چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے۔ نہ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی ہے اور نہ اس کی قدرت کے سامنے کوئی چیز ناممکن ہے۔

آیت میں مِنْ ضَعْفٍ کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق کمزور مادے سے ہوتی ہے ای من نطفة ضعيفة اور یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ انسان کی پیدائش ایسی حالت میں ہوتی ہے جب کہ وہ بالکل بے بس اور ناتواں ہوتا ہے۔ ای فی حال ضعف وهو ما كانوا عليه فی الابتداء من الطفولة والصغر۔

۸؎ روز حشر جب مجرموں کو بارگاہ الٰہی میں جواب دہی کے لیے پیش کیا جائے گا تو وہ قسمیں اٹھا اٹھا کر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں بس تھوڑا عرصہ رہے ہیں ہم سے اتنا سخت محاسبہ کیوں کیا جارہا ہے۔ ان کی یہ صریح کذب بیانی قطعاً تعجب انگیز نہیں کیونکہ ان کا تو یہ پرانا دستور ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور واضح حقائق کا انکار کردیتے ہیں۔

"یُؤْفَکُوْنَ" کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

ای کانوا یکذبون فی الدنیا۔ یعنی دنیا میں بھی جھوٹ بولا کرتے تھے۔

پھر فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص سچائی اور بھلائی سے روگرداں ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں۔ اُفِکَ الرجل اور وہ زمین جہاں مینہ برسنا بند ہو جائے اس کو "ارض مأفوكة" کہا جاتا ہے۔

۹؎ اہل علم اور اہل ایمان ان کی اس کذب بیانی کی پُرزور تردید کریں گے۔

فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ

پس یہ آ گیا ہے یوم حشر لیکن تم نہیں جانتے تھے۔ پس اس دن نفع نہ دے گی

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا

ظالموں کو ان کی معذرت خواہی اور نہ انہیں اجازت ہو گی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لیں اور بے شک ہم نے بیان

لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ

فرمائی ہے لوگوں (کے سمجھانے) کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال اور اگر آپ لے آئیں ان کے پاس کوئی

لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ

نشانی تو (جواباً) یہی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہو تم مگر باطل پرست [1] یونہی مہر لگا دیتا ہے اللہ

عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ

تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو (حق کو) نہیں جانتے سو آپ صبر فرمائیے [2] بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور

[1] یعنی قرآن کریم میں لوگوں کو گمراہی کی ظلمتوں سے نکالنے کے لیے ہر طرح کی مثالیں دی گئی ہیں اور طرح طرح کے دلنشین دلائل پیش کیے گئے ہیں جن سے عقیدہ توحید کی حقانیت اور رسول کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو رہی ہے۔ اگر وہ ذرا بھی تدبر سے کام لیتے تو وادیٔ ضلالت میں سرگرداں نہ پھرتے لیکن ان عقل کے اندھوں کا ہمیشہ سے یہی وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی آپ نے ان کے سامنے کوئی دلیل پیش کی یا اپنی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے انہیں کوئی معجزہ دکھایا تو انہوں نے اسے ماننے بلکہ اس پر غور و فکر کرنے سے ہی انکار کر دیا۔ اور الٹا آپ پر اور آپ کے متبعین پر یہ الزام لگا دیا کہ تم اہل باطل ہو، تمہارا ہدایت سے کوئی واسطہ نہیں اور یہ عجیب و غریب امور جو تم ہمیں دکھاتے ہو یہ محض جادو کے کرشمے ہیں۔ مبطلون ای تابعون اباطیل والسحر۔

[2] یہاں اگرچہ خطاب سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہے لیکن اس سے مراد حضور کی امت ہے۔ والخطاب للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم والمراد امتہ۔ یعنی اے غلامان مصطفیٰ! غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ فتنوں کے طوفان آئیں، مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں لیکن تم چٹان کی طرح سینہ تانے کھڑے رہو۔ شکوک و شبہات کی آندھیاں چلیں لیکن تمہاری شمع ایمان کو بجھا نہ سکیں۔ تمہیں تو اپنے اسلاف سے ابھی ابھی ورثہ ملا ہے انہوں نے ظلم و جفا کے ہر تیر کو اپنے صبر کی ڈھال پر روکا ہے۔ آج حق کے علمبردار تم ہو۔ اس کی لاج تمہارے ہاتھ میں ہے۔ بازو کٹ جائیں، سر قلم ہو جائیں لیکن خبردار! دین محمدی کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔

لَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾

آپ کو پھسلا نہ دیں (راہ حق سے) وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے ۶۲

امتحان کے میدان میں ثابت قدم رہئے ۔ آزمائش کے مورچوں میں تم صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کی نصرت آئے گی اور یقیناً آئے گی جو باطل قوتوں کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دے گی اور آفتاب کے سر پر فتح و کامرانی کا تاج سجا دے گی۔

۶۲ کسی کو بہلا پھسلا کر گمراہ کر لینے کو اہل عرب استخف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ علامہ قرطبی یستخفون کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: استخف فلان فلانا ای استجهله حتی حمله على اتباعه فی الغی۔ یعنی فلاں شخص نے فلاں کو بے وقوف بنا لیا اور اسے راہ حق سے ہٹا کر گمراہی کے راستے پر گامزن کر دیا جس پر وہ خود چل رہا تھا۔

اس آیت میں لا یوقنون کا لفظ بڑا قابل توجہ ہے یعنی اہل ایمان کے یقین کو برباد کرنے والے وہ لوگ ہیں جو خود بے یقینی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں اور جن کے دلوں میں نور یقین اجالا کر رہا ہے وہ اگر ایسے لوگوں کا اتباع شروع کر دیں جو اس نعمت سے بے بہرہ ہیں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا۔

آج جن حالات سے ہم دوچار ہیں ایسے سنگین حالات سے امت مصطفویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام کو شاید ہی کبھی واسطہ پڑا ہو۔ اسلام کے دشمنوں کے پاس مہلک ترین اسلحہ کی جتنی فراوانی آج ہے پہلے کبھی نہیں ہوئی ہو گی۔ ہر اسلامی ملک ان کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ ہر اسلامی حکومت ان کی سازشوں سے لرزہ براندام ہے لیکن یہ باتیں اتنی اہم نہیں جتنا زیادہ خطرہ شکوک و شبہات کے ان لشکروں سے ہے جن سے وہ ہماری نظریاتی سرحدوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے ہیں اور ہمارے عقائد کے ہر مورچہ پر شب خون مار رہے ہیں۔ کاش ہمارے نوجوان اور ہمارے سیاسی اور فکری قائدین اس آیت کے مضمون پر سنجیدگی سے غور کریں اور شیاطین جن و انس میں سے جب بھی کوئی شیطان چرب زبان ان کے یقین کے چراغ کو گل کرنا چاہے تو بے ساختہ اس آیت طیبہ کا ورد کرنے لگیں۔ یہی ایک ہتھیار ہے جس سے آپ اپنے جان و ایمان کے ہر دشمن کا وار بڑے وثوق سے روک سکتے ہیں لیکن جرأت اور حوصلہ مندی شرط ہے۔ ایک مرتبہ پھر پڑھئے۔

"فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ۔"

یعنی ہر مومن کو حکم ہے ہر سنگین حوادث میں، شکوک و شبہات کی ہر طوفانی یورش کے سامنے ثابت قدم رہو۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ تمہاری دستگیری اور نصرت کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ سچا ہے۔ یقیناً اس کی مدد تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ وہ بدنصیب جو وہم و گمان کے اندھیروں میں عرصہ دراز سے بھٹک رہے ہیں وہ بدبخت جنہیں بے یقینی کے اژدہا ڈس رہے ہیں۔ خبردار ان کے بہکانے میں نہ آ جانا۔ وہ ڈوب رہے ہیں وہ تمہیں بھی اپنے ساتھ ڈبونا چاہتے ہیں۔ دانشمند لوگ ایسی حماقت کا ارتکاب نہیں کیا کرتے۔

کتنی زور دار ہے یہ آیت کتنا ایمان افروز ہے یہ پیغام۔ شان نزول اور آغاز کی یہ کتنی دلفریب انتہا ہے۔ بیشک قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ بحمد تعالیٰ وبفضلہ وکرمہ فرغت من تسوید هذه السطور فی صباح یوم الخمیس ۱۰ ربیع الاول

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ عبدہ الضعیف: محمد کرم شاہ

تعارف

سورۂ لقمان

اس سورت کا نام لقمان ہے یہ ہجرت سے قبل مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں چار رکوع، چونتیس آیتیں، پانچ سو اڑتالیس کلمے، اور دو ہزار ایک سو دس حروف ہیں۔

قرآن کریم کی پاکیزہ حکمت تعلیمات انسانی زندگی کو جن بے پایاں برکتوں سے مالا مال کرتی ہیں اور اپنے ماننے والوں کے عقیدہ، عمل اور سیرت میں جو خوشگوار انقلاب برپا کرتی ہیں ان کے ذکر جمیل سے اس سورت کا آغاز ہوا ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ جو لوگ قرآن کی دعوت حق کو قبول نہیں کرتے ان کی زندگیاں ہر قسم کی حسن و خوبی اور مقصدیت سے محروم ہوتی ہیں۔ ان کے سامنے سفلی جذبات کی تسکین اور دولت سمیٹنے کے بغیر کوئی منزل ہی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے وہ ہر قسم کی لغویات و خرافات کا بیوپار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ انہیں اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ ان کے طریقہ کار سے ان کی قوم اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ ہو جائے گی اور ہر شعبہ حیات میں بری طرح پٹ جائے گی۔ ان بدبختوں کے دلوں میں قبول حق کی استعداد ہی دم توڑ چکی ہے۔ وہ اندھیروں کے خوگر ہیں، روشنی کی ایک کرن بھی ان کے لیے ناقابل برداشت ہے۔ جس بھی سمت سے حق کی صدائے دلنواز آتی ہے وہ اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لیتے ہیں اور یوں بگٹٹ بھاگ نکلتے ہیں گویا وہ اونچا سنتے ہیں کہ حق کی آواز انہیں سنائی نہیں دیتی۔

اس سورۂ پاک کی خصوصیت یہ ہے کہ تعلیمات اسلامی کا اعلان ایک مرد دانا لقمان سے کرایا جا رہا ہے جو عرب کے تمام اہل دانش طبقہ کا پسندیدہ ہے اور جس کی رنگت حبشیوں کی طرح سیاہ ہے اور اسی کے نام سے سورۃ کو معنون فرمایا۔ لقمان نے پیارے انداز سے اپنے لخت جگر کو نصیحت کرتے ہوئے جو دانائی کے موتی بکھیرے ہیں، اس میں یہ حکمت اس حقیقت کا اظہار کرنا ہے کہ ان محاسن سے جو بھی اپنے آپ کو آراستہ کر لے وہ اہل انسانیت کی نگاہوں میں محترم ہو جاتا ہے، عرب کی قومیں اس کا ذکر بڑی عزت سے کرتی ہیں اور اس کی حکمت آمیز باتوں کو اپنے دلوں میں جگہ دیتی ہیں۔ عقائد صحیحہ کا نور، اعمال صالحہ کا حسن اور سیرت کی دلکشی ایک حبشی کو بھی سب کا محبوب بنا دیتی ہے۔ جسمانی حسن سے سیرت کا جمال کہیں دلکش ہے۔ اس کی برکت سے حبشی نقوش اور کالی رنگت پر بھی ایک ایسا روپ آ جاتا ہے کہ بڑے بڑے حسین عالم مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ انسان کو انسان کامل بنانے کے لیے جن تعلیمات کی ضرورت تھی وہ دلنشین اسلوب میں حضرت لقمان کی زبان سے کہلوائی گئیں اور انہیں کے ضمن میں علوم اسلامیہ اور قرآن کی اہمیت کا اظہار کر دیا گیا۔

علاوہ ازیں ان ظاہری و باطنی انعامات کا ذکر فرمایا جو بڑی فیاضی سے انسان کو بخشے گئے، لیکن اس کے باوجود بعض لوگ جہالت و تکبر اور ناشکری کی روش سے باز نہیں آتے، بعض جہالت اور ہٹ دھرمی سے اہل حق سے جھگڑتے رہتے ہیں۔ گویا وہ اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ وہ شیطان کا دامن کسی قیمت پر نہ چھوڑیں گے خواہ وہ انہیں جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ہی کیوں نہ پھینک دے۔ لیکن سب انسان یکساں نہیں ان میں ایسے سلیم الطبع افراد بھی ہیں جنہوں نے صدق دل سے اللہ تعالیٰ کے رسول کی دعوت کو قبول کر لیا ہے۔ اپنے آپ کو اپنے تمام معاملات

کر کے اپنے پروردگار کے سپرد کر دیا ہے۔ بتا دیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک ایسے حلقہ کو پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔

متعدد طریقوں سے دلائل ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور علم محیط کو ثابت کیا گیا ہے۔ آخر میں بتا دیا کہ ظاہری علوم تو بجائے خود اس کی ہمہ دانی کا تو یہ حال ہے کہ پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اس سے مخفی نہیں۔ وہ امور جن کو جاننے سے انسان کی ظاہری و باطنی قوتیں اور اس کے سائنسی آلات سراسر عاجز ہیں جن اسرار پر آگاہی حاصل کرنا انسان کے حیطۂ امکان سے بھی خارج ہے۔ وہ واقعات جو ابھی وقوع پذیر ہی نہیں ہوئے بلکہ پردۂ غیب میں مستور ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔ اس کا علم اتنا کامل اور محیط ہے کہ ہر چیز ہر سو اس پر منکشف ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ لقمان مکی ہے اس کی آیتیں ۳۴ اور رکوع ۴ ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

الف۔ لام۔ میم ۱ یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی ۲ سراپا ہدایت اور رحمت ہے ۳ نیکوکاروں کے لیے ۴

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

وہ جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور یہی لوگ ہیں جو آخرت پر پختہ

۱ یہ حروف مقطعات ہیں ان کی تفصیل متعدد مقامات پر پہلے تحریر کی جا چکی ہے۔

۲ اس آیت میں حکیم کا لفظ قابل غور ہے۔ یہ لفظ یہاں کتاب کی صفت واقع ہوا ہے۔ علامہ ابن منظور نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ جب یہ لفظ قرآن کریم کی صفت ہو تو اس کا معنی اَلْحَاكِمُ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ ہوتا ہے (لسان العرب) یعنی قرآن کریم ایک ایسی حاکم ہے جس کا فیصلہ دو ٹوک اور بے لاگ ہوتا ہے۔ اگر تم راستی اور سچائی پر ہو تو اس کا فیصلہ تمہارے حق میں ہوگا اور اگر تم راہ حق سے روگردانی کرنے لگے تو وہ تمہیں تمہاری غلطی پر آگاہ کرے گا اور اس کے نتائج بد سے تمہیں بروقت متنبہ کرے گا۔

قرآن کریم کو حکیم کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ کتاب حکمت و دانش کا خزینہ ہے۔ بِتَضَمُّنِهِ بِالْحِكْمَةِ۔ اس کا ایک معنی محکم بھی کیا گیا ہے یعنی اس میں کسی قسم کا خلل اور تناقض نہیں۔ اى لا تخلل فيه ولا تناقض۔

۳ فرمایا یہ کتاب سراپا ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ یہاں ہدایت اور رحمت کا امتزاج بڑا خوبصورت ہے یعنی شریعت اسلامیہ اس کے اوامر و نواہی، اس کا ملی اور معاشی نظام، عبادات ان کے طریقے، حقوق و فرائض سراپا رشد و ہدایت بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ رحمت خداوندی کا مظہر بھی ہیں۔ ایسا نظام جو ہدایت بھی ہو اور رحمت بھی ہو اس کے احکام کی بجا آوری سے تغافل قرین دانشمندی نہیں۔

۴ اگرچہ اس کا آفتاب ہدایت انسانی زندگی کے گوشہ گوشہ کو منور کر رہا ہے اور اس کا ابر رحمت ہر جگہ برس رہا ہے، لیکن اس سے استفادہ کرنے والے صرف محسنین ہیں۔

لانهم انتفعوا و نظروا و هم بصيرين ـ بالحقيقة۔

(بحر محیط)

هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ

یقین رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ہدایت پر ہیں اپنے رب کی توفیق سے اور یہی لوگ دونوں جہانوں میں

الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ

کامران ہیں ؎ اور کئی ایسے لوگ بھی ہیں جو بیوپار کرتے ہیں (مقصد حیات سے) غافل کر دینے والی باتوں کا ؎ تاکہ

؎ وہ محسنین کون ہیں جن کے لیے قرآن کریم ہدایت اور رحمت ہے۔ اس کی وضاحت ان آیات میں کر دی۔ ان آیات کی تشریح سورہ بقرہ کے پہلے رکوع میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول، البقرہ : ۳، ۴ ؎۔

؎ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا جو تصور پیش کیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی بڑی قیمتی چیز ہے۔ اس کا ایک ایک لمحہ گراں بہا ہے۔ یہ ایسی مہلت ہے جو صرف ایک مرتبہ ہی ارزانی ہوتی ہے۔ انسان جب اپنا مقررہ وقت بسر کر چکتا ہے تو پھر دنیا بھر کے خزانے دے کر بھی اس میں ایک گھڑی کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یاد رہے کہ جو اعمال وہ کر کے جاتا ہے ان کے اچھے یا برے نتائج ضرور مرتب ہوتے ہیں اور وہ اپنے تمام اعمال و افعال کے لیے اپنے خالق و مالک کے ہاں جواب دہ ہے۔ اسی محدود اور مقررہ مہلت میں اس نے اپنی عاقبت کو سنوارنا ہے۔ اپنی دنیوی زندگی کو بھی بامقصد، باوقار اور حقیقی راحت و آرام دہ بنانا ہے۔ مزید برآں اپنی ذہنی، فکری اور روحانی صلاحیتوں کو نکھار کر گلشن ہستی کے حسن اور بہار میں بھی اضافہ کرنا ہے۔

جو دین زندگی کو اتنی اہمیت دیتا ہے اس سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو عیش و عشرت اور لہو و لعب کی کھلی چھٹی دے گا اور انہیں بے مقصد زندگی بسر کرنے کی اجازت دے گا۔ اسی لیے قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں تمام ایسے کاموں سے اجتناب کی بار بار تاکید کی گئی ہے جو لغو اور لایعنی ہوں۔ زیر نظر آیت طیبہ میں بھی اسی قسم کا تاکیدی فرمان ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لہو الحدیث کی یہ تفسیر نقل کی ہے۔ عن الحسن ھو کل ما شغلک عن عبادۃ اللہ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا (روح المعانی) یعنی ہر وہ بات لہو الحدیث ہے جو تجھے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر سے غافل کر دے۔ رات گئے تک قصہ گوئی، ہنسانے والے چٹکلے، بے سروپا خرافات، گانا وغیرہ اس میں شامل ہیں۔

بے شک ہر وہ چیز جو عبادت الٰہی اور ذکر خداوندی سے محرومی کا باعث ہو اسلام میں اس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

بعض جلیل القدر صحابہ اور تابعین مثلاً ابن مسعود، ابن عباس، حسن، عکرمہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم نے لہو الحدیث کی تشریح غنا اور گانے بجانے سے کی ہے کیونکہ یاد الٰہی سے غافل کرنے کا یہ ایک قوی سبب ہے۔ اس لیے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو خصوصیت سے ذکر کیا لیکن آیت کا لفظ خاص نہیں بلکہ عام ہے اس لیے لہو الحدیث کے مفہوم کو غنا میں منحصر کرنا درست نہیں۔ لکن اللفظ عام والعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب (مظہری)

علامہ آلوسی نے اسباب النزول واحدی کے حوالہ سے اور دیگر مفسرین نے اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ؎

کفار مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود جب دین اسلام روز بروز پھیلتا چلا گیا اور قرآن کا حسن اعجاز لوگوں کے دلوں کو موہنے لگا تو اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو ختم کرنے کے لیے نضر بن حارث نے ایک چال چلی یہ تجارت پیشہ آدمی تھا۔ اپنے کاروبار کے سلسلہ میں مختلف ممالک ایران، عراق، شام وغیرہ میں اس کی بکثرت آمد و رفت تھی۔ وہاں سے وہ رستم و اسفندیار کے قصے، بادشاہوں کی جنگوں کی کہانیاں اور افسانے خرید کر لے آیا اور جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو کلام الٰہی پڑھ کر سناتے تو یہ جا بجا اپنی مجلس جماتا اور لوگوں کو دلچسپ افسانے بے ہودہ کہانیاں سناتا جو کم فہم لوگوں کی تفریح طبع کا باعث ہوتیں۔ چنانچہ کئی لوگ قرآن کریم سننے کے بجائے اس کی مجلس میں شرکت کو ترجیح دیتے۔ اس بدبخت نے فقط اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے کئی پری پیکر لونڈیاں بھی خرید رکھی تھیں جو رقص و سرود کے فن میں بھی ماہر تھیں۔ جب اسے پتہ چلتا کہ فلاں شخص اسلام کی طرف مائل ہو رہا ہے تو وہ ان مہ وشوں کو اس کے آگے پیش کر دیتا جو گاتیں، ناچتیں اور بہر نوع حرکت سے اس کے دل کو لبھاتیں تاکہ وہ حق کے حسن و کشش سے بے خبر ہو جائے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی اور فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ فرما کر ایسے لوگوں کے انجام بد سے پردہ اٹھا دیا۔

علمائے کرام کے ایک طبقہ نے غنا کے مطلق حرام ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور اس میں انہوں نے موقع، محل، گانے والے اور سننے والے میں کوئی تفریق نہیں کی بلکہ ہر غنا کو حرام قرار دیا ہے۔ علاوہ وہ کہتے ہیں کہ خوشی کی کسی مخصوص تقریب کے موقع پر ہو خواہ اس سے جذبات محبت الٰہی کو تقویت حاصل ہوتی ہو۔ چنانچہ سماع میں انہوں نے صوفیائے کرام کے سماع کو بھی بہت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور ان پر خوب برسے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ انما الاعمال بالنیات کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ان اکابر فضلاء کے حسن نیت کے متعلق کسی کو بھی شک و شبہ کی مجال نہیں۔

لیکن علمائے محققین نے ان کے اس فتویٰ کی تائید نہیں کی بلکہ بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ ہر غنا حرام نہیں، بلکہ بعض ایسے مقامات بھی ہیں جہاں اس کی اباحت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وَهُوَ الْغِنَاءُ الْمُعْتَادُ عِنْدَ الْمُشْتَهِرِيْنَ بِهِ الَّذِيْ يُحَرِّكُ النُّفُوْسَ وَيَبْعَثُهَا عَلَى الْهَوٰى وَالْغَزَلِ وَالْمُجُوْنِ الَّذِيْ يُحَرِّكُ السَّاكِنَ وَيَبْعَثُ الْكَامِنَ وَهٰذَا النَّوْعُ إِذَا كَانَ فِيْ شِعْرٍ يُشَبَّبُ فِيْهِ بِذِكْرِ النِّسَاءِ وَوَصْفِ مَحَاسِنِهِنَّ وَذِكْرِ الْخُمُوْرِ وَالْمُحَرَّمَاتِ لَا يُخْتَلَفُ فِيْ تَحْرِيْمِهِ لِأَنَّهُ اللَّهْوُ وَالْغِنَاءُ الْمَذْمُوْمُ بِالْاِتِّفَاقِ فَأَمَّا مَا سَلِمَ مِنْ ذٰلِكَ فَيَجُوْزُ الْقَلِيْلُ مِنْهُ فِيْ أَوْقَاتِ الْفَرَحِ كَالْعُرْسِ وَالْعِيْدِ وَعِنْدَ التَّنْشِيْطِ عَلَى الْأَعْمَالِ الشَّاقَّةِ۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی)

ترجمہ: اس غنا سے مراد وہ غنا ہے جو نفس کو حرکت دیتا ہے اور اسے ہوا و ہوس اور فسق و فجور پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اس قسم کا غنا جس میں عورتوں کے حسن و جمال کا بیان ہو جس میں شراب اور دیگر محرمات کی تعریف ہو اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں بالاتفاق یہ غنا مذموم ہے۔ لیکن وہ غنا جو اس قسم کی قباحتوں سے پاک ہو اس کا قلیل وقت کے لیے خوشی کے مواقع پر سننا جائز ہے مثلاً شادی اور عید وغیرہ یا مشقت طلب کاموں پر جوش دلانے کے لیے (قرطبی) اس کے بعد علامہ موصوف نے صوفیا کے سماع کے بارے میں اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں۔

علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ غنا حرام ہے اور یہ آیت اس کی حرمت کی دلیل ہے کیونکہ غنا لہو الحدیث ہے اور لہو الحدیث حرام ہے۔ اس کی حرمت اس آیت اور متعدد احادیث سے ثابت ہے لیکن یہ غنا حرام ہے اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ صوفیائے کرام نے اپنے سماع کے جواز کے لیے چند شرطیں مقرر کی ہیں۔ (۱) سننے والے کا دل ذکر الٰہی سے معمور ہو۔ اسی کی یاد میں مستغرق ہو کسی غیر کی طرف التفات نہ ہو (۲) گانے والا محل شہوت نہ ہو یعنی عورت یا نوخیز لڑکا نہ ہو۔ (۳) محفل سماع فضول باتوں سے خالی ہو (۴) نماز اور دیگر عبادات کی ادائیگی کا وقت بھی نہ ہو۔ جب یہ شرائط پائی جائیں تو سماع جائز ہے بلکہ مستحب ہے کیونکہ سماع کی یہ تاثیر ہے کہ دل میں محبت کا جو جذبہ پوشیدہ اور پنہاں ہوتا ہے سماع اس محبت کی آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں عورتوں کا عشق سمایا ہوتا ہے ان کے لیے سماع حرام ہے کیونکہ وہ نفس کو برائی پر ابھارتا ہے لیکن جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت خیمہ زن ہوتی ہے۔ سماع ان کے ذوق و شوق میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے ان کے لیے سماع مستحب ہے۔

وہ نصوص جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے ان کا جواب دیتے ہوئے علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لہو الحدیث کو حرام کیا گیا ہے اور صوفیا کا سماع لہو الحدیث کے زمرہ میں نہیں۔ وہ احادیث جن سے غنا کی حرمت ثابت ہوتی ہے وہ بھی مخصوص بالبعض ہیں کیونکہ ایسی احادیث بھی ہیں جن سے اس کا مباح اور جائز ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دونوں قسم کی احادیث میں ہم تطبیق اس طرح کریں گے کہ جو غنا فسق و فجور کا محرک ہو وہ حرام ہے اور جو یاد الٰہی کی آگ کو بھڑکا دے وہ جائز ہے۔ آپ نے متعدد ایسی احادیث لکھی ہیں جن سے غنا کا مباح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خادمہ تھیں اس کا نکاح انہوں نے انصار کے قبیلہ میں کر دیا۔ حضور کریم تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ اس بچی کو تم نے کچھ تحائف دیے ہیں۔ عرض کی گئی ہاں یا رسول اللہ! پھر پوچھا ارسلتم معہا من تغنی کیا اس کے ساتھ تم نے کوئی گانے والیاں بھی بھیجی ہیں۔ حضرت صدیقہ نے عرض کیا نہیں۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان

الانصار قوم فیہم غزل فلو بعثتم معہا من یقول۔ اتیناکم اتیناکم — فحیانا و حیاکم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصار گیتوں کو پسند کرتے ہیں اچھا ہوتا اگر دلہن کے ساتھ تم بھیجتے جو یہ گیت گاتے اتیناکم الخ

ہم آئے ہیں تمہارے پاس، ہم آئے ہیں تمہارے پاس۔ سلام ہو ہم پر سلام ہو تم پر

عید کا دن تھا۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں کپڑا اوڑھے آرام فرما رہے تھے دو بچیاں دف بجا بجا کر گا رہی تھیں۔ اچانک صدیق اکبر تشریف لائے اور انہیں ڈانٹنا شروع کیا۔ حضور نے رخ انور سے پردہ اٹھایا اور فرمایا دعهما یا ابا بکر فانها ایام عید۔ رواہ البخاری۔ و عند ابن ماجہ۔ ان لکل قوم عیدا و هذا عیدنا۔ اے ابو بکر انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ یہ عید کے دن ہیں۔

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ جس روز حضور نبی کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ جعل النساء والولائد و الصبیان یقلن ۔ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

ایها المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

یعنی عورتیں، بچیاں اور بچے یہ گا رہے تھے طلع البدر الخ وداع کی گھاٹی سے چودھویں کے چاند نے ہم پر طلوع کیا ہے جب تک کوئی

اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والا باقی رہا اس وقت تک اس نعمت کا شکر پیدا ہوا ہے۔ اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ بھی نبی ہیں کر تشریف لانے والے آپ ایسا حکم دے کر گئے ہیں جس کی تعمیل کی جائے گی۔

یہ احادیث اور متعدد دوسری احادیث ذکر کرنے کے بعد علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ قلت: فی المحرم حین اعیذناه ما یجر الی الفحش ویشغل عن ذکر الله وما لیس کذلک فلیس بحرام غیر انه لم یثبت عن النبی صلی الله علیه و اله وسلم ولا من الصحابة رضی الله عنهم استماع الغناء تقربا الی الله ولاجل ذلک ما اختار الکرام من النقشبندیه به وعلیهم ما ارتکبوا به وان لم یحکموا الانکار علیه والله اعلم۔

یعنی ان احادیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ صرف وہ غنا حرام ہے جو فسق و فجور کا باعث بنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دے اور جو غنا ایسا نہیں وہ حرام نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ امر ثابت نہیں کہ انہوں نے غنا کو تقرب الی اللہ تعالیٰ کا ذریعہ سمجھ کر سنا ہو اس لیے خاندان نقشبندیہ کے صوفیا سماع نہیں سنتے اگرچہ انہوں نے سماع کے قائلین پر بھی اعتراض نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مقام پر علامہ موصوف نے حاشیہ لکھا ہے جس میں امام غزالی علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت درج کی ہے: وفی الاحیاء السماع فی اوقات السرور تاکیدا للسرور وتهییجا له مباح ان کان ذلک السرور مباحا کالغناء فی ایام العید وفی العرس وفی وقت قدوم الغائب وفی الولیمة والعقیقة وعند ولادة المولود وختانه وعند حفظ القرآن۔ قلت وکذلک عند تعریف الولد للمعلم لاجل التعلیم۔ یعنی احیاء العلوم میں ہے کہ اگر سرور مباح قسم کا ہو تو اس پر اظہار مسرت کے لیے سماع جائز ہے۔ جیسے عید، شادی کے ایام، کسی غائب کے سفر سے واپس آنے کے وقت، ولیمہ، عقیقہ، لڑکے کی پیدائش، اس کا ختنہ اور حفظ قرآن کے وقت، اسی طرح لڑکے کو جب پڑھنے کے لیے استاد کی خدمت میں حاضر کیا جائے۔

علامہ پانی پتی نے فقہ کی چند جلیل القدر کتابوں کے حوالے بھی حاشیہ میں نقل کیے ہیں۔ چند ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فی شرح الکافی واعلم ان المکروه من السماع عند علمائنا ما یکون علی سبیل اللهو وارادة الشیطان بان یجتمع الفساق علی ذلک ویترکون الصلوٰة وقراءة القرآن واما ما کان من اهل الصلاح واهل القرآن من جملة الصالحین۔ فمباح هولاء فلا خلاف بین علمائنا اذ لا یریدون بذلک الا وجه الله وهمتهم ویذکرون الله فی خوف الآخرة فکل ذلک محمود غیر مذموم والتواجد والرقص ایضا غیر مذموم بهذا المعنی۔ یعنی شرح کافی میں ہے کہ اچھی طرح جان لو کہ ہمارے علماء کرام کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو لہو و لعب کے طور پر ہو۔ جیسے فاسقوں کا جمع ہونا جو تارک صلوٰۃ ہوں اور قرآن کریم کی تلاوت سے غافل ہوں لیکن جس سماع سے اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہو وہ محمود ہے مذموم نہیں۔ وجد وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔

علامہ ابو القاسم بن محمد بن عبد اللہ الدمشقی نے شرح البزدوی میں اس مسئلہ کے متعلق اپنی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف میں لکھتے ہیں: السماع یستجلب الرحمة من الله الکریم۔

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

تاکہ بھٹکاتے رہیں راہِ خدا سے ف (اس کے نتائج کو) جانے بغیر ہی ف اور اسکا مذاق اڑاتے رہیں ف یہ لوگ ہیں جنکے

عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٦﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّىٰ مُسْتَكْبِرًا كَأَنْ

لیے رسوا کن عذاب ہے ف اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اسے ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے تکبر کرتے ہوئے گویا

کہ سماع اللہ تعالیٰ کی رحمت کا جاذب ہے۔ لیکن یہ سب اسی وقت جائز ہے جب ان شرائط کا سختی سے التزام کیا جائے جن کا ذکر پہلے ہوچکا

ف نضر بن حارث اور اس کی قماش کے لوگ کم فہم عوام کے سفلی جذبات کو مشتعل کرنے اور ان کی نفسانی شہوات میں آگ لگانے کا جو بیوپار کر رہے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹکا دیں جس پر چل کر وہ اپنی منزلِ حیات کو پاسکتے ہیں جس پر چل کر انہیں عرفانِ ذات اور معرفتِ خداوندی کی نعمت مل سکتی ہے۔

ف یعنی انہیں خبر ہی نہیں کہ جو کاروبار انہوں نے شروع کر رکھا ہے اس کے نتائج کتنے ہولناک ہیں۔ وہ لہو لعب کی عیش و نشاط کے لیے اپنی دولت، صحت اور نیک نامی کو برباد کر رہے ہیں اور اپنے رب کریم کی آتشِ غضب کو بھڑکا کر اپنی عاقبت بھی تباہ کر رہے ہیں۔

ف ھا کی ضمیر کا مرجع سبیل ہے۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تقویٰ اور پارسائی کی راہ پر چلنے والوں پر طرح طرح کے آوازے کستے ہیں۔ ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ تو خود ہیں ہی، ان کے حواری بھی راہِ راست کو چھوڑ کر خار زاروں میں بھٹک رہے ہیں۔ مگر یہ ترقی کی روز افزوں ہوا کی شکست ان حقیقت شناسوں پر لگا رہے ہیں جنہوں نے سچے دل سے حق کو قبول کیا ہے اور ہر قیمت پر اس کا ساتھ دینے کا عزمِ مصمم کر لیا ہے۔

ف جو لوگ اپنی قوم کو راہِ حق سے بھٹکاتے ہیں، اپنے نوجوانوں کے شہوانی جذبات کو مشتعل کرنے کے اسباب فراہم کرکے انہیں بیکار بنا دیتے ہیں۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں اور سنگین ذمہ داریوں سے غافل کرکے انہیں عیش و نشاط کا خوگر بنا دیتے ہیں۔ ان کی حیا و عصمت کی چادر کو اپنے ہاتھ سے تار تار کرتے ہیں اور انہیں فسق و فجور کے بازار میں لا کر نیلام کر دیتے ہیں، وہ خوب جان لیں یہ کان کھول کر سن لیں کہ رسوا انہیں ہونا پڑے گا۔ انہیں یہاں بھی اور وہاں بھی رسوا کن حالات سے دوچار کر دیا جائے گا۔

آج ہم اپنے معاشرہ میں عریانی اور بے حیائی کا اُمڈتا ہوا سیلاب دیکھ رہے ہیں جس کی تند و تیز اچھلتی ہوئی موجوں کی ہیبت سے دین اور اخلاقِ حسنہ کے مضبوط قلعے تھرتھرا رہے ہیں۔ ہماری مخصوص اخلاقی، عرفانی، روحانی قدریں ایک ایک کرکے تلف کی جا رہی ہیں۔ ہماری زندگی کا ہر اسلوب بدلتا جا رہا ہے۔ سنجیدگی اور متانت کا عنصر ہی سے ناپید ہو رہا ہے۔ جاہ طلبی، لذت کوشی اور زر و سیم کی ہوس کی قربان گاہ پر ملی اور قومی مفادات کو بھینٹ چڑھا دینا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہمارے اہلِ قلم کی عظیم اکثریت، ہماری فلم انڈسٹری، تھیٹر، کلب، ثقافتی تقریبیں اور مینا بازار قیامت برپا کر رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کھلے بندوں ہو رہا ہے۔ لوگ ہماری اسلامی مملکت کے مسلمان حکام کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی باز پرس نہیں کرتا۔ بلکہ ان تباہ کن عوامل کو حکومت کی سرپرستی اور حکام کی حمایت حاصل ہے۔ یہ صورتِ حال

لَمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِيٓ أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٧

اس نے انہیں سنا ہی نہیں ۱۱ گویا اس کے دونوں کان بہرے ہیں سو آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں ۱۲

إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ الصَّٰلِحَٰتِ لَهُمْ جَنَّٰتُ النَّعِيمِ ۝٨ خَٰلِدِينَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے نعمتوں والے باغات ہیں ۱۳ وہ ان میں ہمیشہ

فِيهَا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٩ خَلَقَ السَّمَٰوَٰتِ

رہیں گے۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے ۱۴ اس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو ۱۵

بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۖ وَأَلْقَىٰ فِى الْأَرْضِ رَوَٰسِىَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ

ایسے ستونوں کے بغیر جنہیں تم دیکھ سکو اور گاڑ دیے ہیں زمین میں اونچے اونچے پہاڑ تاکہ زمین تمہیں لے کر ڈول نہ جائے

جاسکے کہ کہیں ہم اپنے آپ کو عذاب مہین کے لیے تو تیار نہیں کر رہے۔ العیاذ باللہ

۱۱ ان لوگوں کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ شرافت اور نیکی کا جذبہ دم توڑ چکا ہے۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے کہ خدارا اپنی نوخیز نسل پر رحم کرو، اپنی قوم پر ترس کھاؤ، معاشرہ کے امن و سکون کو غارت نہ کرو، دولت کی محبت میں اتنے دیوانے نہ بن جاؤ کہ تمہیں اپنے انجام کا بھی ہوش نہ رہے تو ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا انتہائی غرور سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اکڑ کر گزر جاتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے گویا انہوں نے کوئی بات سنی ہی نہیں۔ کیا ان کے کان بہرے ہیں انہیں کچھ سنائی ہی نہیں دیتا۔ "وقر" کانوں کی گرانی جس کے باعث بات سنائی نہیں دیتی۔

۱۲ اے حبیب! ایسے نابکار لوگوں کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔

۱۳ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ان لوگوں کو شرف پذیرائی بخشا جائے گا جن کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن ہے اور اس کی پاکیزہ کرنوں سے ان کے عمل کی دنیا بھی منور و تاباں ہو رہی ہے۔ ان کا ہر عمل شائستگی اور متانت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ان کا ہر کلام تعمیری ہوتا ہے۔ وہ بگاڑتے نہیں سنوارتے ہیں۔ ان کے ہنر، ان کے علم اور دولت سے حیات کی زلفیں سنورتی ہیں۔ انسانیت کے حسن و جمال پر بہار آتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے جنت کی بہاریں چشم براہ ہیں اور فردوس کی حوریں جن کے لیے منتظر نگاہیں بچھائے ان کی راہ دیکھ رہی ہیں۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کے عزیز اور حکیم ہونے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔

۱۵ ترونھا کی ضمیر کے دو مرجع بیان کیے گئے ہیں (۱) آسمان (۲) عمد و ستون۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا ہے اور تم مشاہدہ کر رہے ہو کہ آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہیں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ آسمان کے لیے ایسے ستون نہیں ہیں جو تمہیں نظر آتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں ستون ہوں لیکن غیر مرئی ہوں جنہیں تم آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا

اور پھیلا دیئے ہیں اس میں ہر قسم کے جانور اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پس اگائے ہم نے

فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿١٠﴾ هَٰذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ

زمین میں ہر قسم کے نفیس جوڑے یہ تو ہے اللہ کی تخلیق ۹ (اے منکرو!) اب ذرا دکھاؤ مجھے کیا بنایا

الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ

ہے اوروں نے اس کے سوا؟ (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں اور ہم نے

آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ ۚ وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ

عنایت فرمائی لقمان کو حکمت ۱۰ (دانائی) ۱۱ اور فرمایا اللہ کا شکر ادا کرو ۱۲ اور جو شکر ادا کرتا ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے

یہ دونوں قول لکھنے کے بعد فرماتے ہیں فیہ۔ قُدْرَۃُ اللّٰہِ وَ اِرَادَتُہٗ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ارادہ ہے جس کے سہارے یہ عالم افلاک اپنے ان گنت بدر و نجوم، ستاروں، سیاروں، کہکشاؤں اور نظام ہائے شمسی کے ساتھ قائم و دائم ہے۔ سائنس کی جدید اصطلاح میں آپ اسے جذب و کشش کا قانون کہیں یا کوئی اور نام دیں اور توجیہ پیش کریں بہرحال یہ نظام شمسی اپنی عظمت اور حیرت انگیزیوں سمیت اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مظہر اور اس کے ارادے کا محتاج ہے۔

۹ آسمان کا یہ رفیع الشان گنبد جسے تھامنے کے لیے کوئی ستون اور سہارا نظر نہیں آتا، یہ کشادہ زمین اور اس میں گڑے ہوئے فلک بوس پہاڑ، یہ رنگا رنگ جانور، مناسب اوقات پر بارش کا برسنا، رنگا رنگ فصلوں، سبزیوں، درختوں کا اگنا، پھل، پھول اور ان کے علاوہ جو کچھ تمہیں نظر آرہا ہے اسے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے تخلیق فرمایا ہے اور تم بھی اس کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اب یہ بتاؤ جن جھوٹے خداؤں کی پوجا پاٹ میں تم روز و شب مشغول رہتے ہو اور جنہیں اپنا خدا یقین کرتے ہو انہوں نے آخر اپنی قدرت اور حکمت کا کون سا کمال دکھایا ہے کہ تم ان کو بھی خدا ماننے لگے ہو۔ شرک کے بطلان کی یہ کتنی زبردست اور عام فہم دلیل ہے۔

۱۰ یہ لقمان کون تھے۔ مؤرخین اور مفسرین نے ان کے بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ کسی نے انہیں نوبہ کا باشندہ قرار دیا ہے اور کسی نے انہیں ثمود کے خاندان سے منسوب کیا ہے۔ کسی نے انہیں آزاد کردہ غلام کہا ہے اور کسی کے نزدیک یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے بھانجے یا خالہ کے لڑکے ہیں۔ بعض نے ان کی نبوت کا قول کیا ہے لیکن جمہور علماء نے انہیں فقط مرد دانا اور حکیم تسلیم کیا ہے۔ قرآن کریم نے ان تفصیلات کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہے۔ فقط ان کے حکیمانہ پند و نصائح کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ ہمیں بھی اس لاحاصل بحث و تمحیص میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ علامہ ابو حیان الاندلسی لکھتے ہیں: وَکَثُرَ الاِضْطِرَابُ فِیْ کَوْنِهٖ حُرًّا اَوْ عَبْدًا وَفِیْ جِنْسِهٖ وَفِیْمَا کَانَ یَمْتَهِنُ بِهٖ

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ

اپنے بھلے کے لیے ہے ث اور جو کفران نعمت کرتا ہے تو بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے حمید ہے۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے

أن لا يكتب شيء من ذلك ولا يذكر لكن المفسرين مولعون بنقل المضطربات حشوا وتفسيرا والصواب تركه ۔ (بحر محیط)

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عمر سے ایک روایت نقل کی ہے۔ اس سلسلہ میں اسی کا ذکر کر دینا کافی ہے۔ عن ابن عمر قال سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم يقول لم يكن لقمان نبيا ولكن كان عبدا كثير التفكر حسن اليقين احب الله تعالى فاحبه ومن عليه بالحكمة وخيره في ان يجعله خليفة يحكم بالحق فقال رب ان خيرتني قبلت العافية وتركت البلاء وان عزمت علي فسمعا وطاعة فانك ستعصمني۔ ذكره ابن عطية۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ آپ نے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لقمان نبی نہیں تھے بلکہ وہ بڑے غور و فکر کرنے والے اور دولت یقین سے مالا مال بندے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرتے اور انہیں حکمت کی نعمت عطا فرمائی اور فرمایا اگر تم پسند کرو تو تمہیں خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ تم عدل و انصاف کو قائم کرو۔ انہوں نے عرض کی میرے پروردگار! اگر تو آپ مجھے اختیار دیتے ہیں تو میں عافیت کو قبول کروں گا اور اس آزمائش سے بچوں گا اور اگر منصب خلافت سنبھالنے کے متعلق قطعی حکم ہے تو میں دل و جان سے حاضر ہوں کیونکہ مجھے تیرے کرم پر بھروسہ ہے کہ تو مجھے غلطی سے بچائے گا۔

ث حضرت ابن عباس نے حکمت کی تشریح عقل، فہم اور فراست سے کی ہے۔ عن ابن عباس العقل والفهم والفطنة۔
علامہ راغب کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد موجودات کا صحیح علم اور اچھے کام کرنا۔ امام رازی فرماتے ہیں علم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق حکمت ہے۔ قال الامام هي عبارة عن توفيق العمل بالعلم۔ (روح المعانی)

ث یہاں یا اَنْ تَشْكُرْ مقدر ہے یا اَیْ یہاں مقدر ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے اسے دانائی عطا فرمائی یعنی اسے شکر کی توفیق بخشی۔ اس صورت میں حکمت سے مراد شکر ہوگا۔ ويفهم ايضا ان الحكمة هو الشكر۔

شکر اظہار نعمت کو کہتے ہیں اور اس کے مقابل میں کفر ہے یعنی نعمت کو چھپانا اور اس کا اعتراف نہ کرنا۔ وفی القاموس الشكر عرفان الاحسان۔ نعمت کے اظہار اور اعتراف کی تین صورتیں ہیں (۱) دل میں یہ تصور کرنا کہ میرے اللہ نے مجھ پر یہ نوازش فرمائی ہے (۲) زبان سے اس کی بندہ پروری کی تعریف کرنا۔ (۳) اعضاء سے کہ جب اللہ تعالیٰ انعام و اکرام فرمائے تو اس کی عبادت و اطاعت میں انسان زیادہ سے زیادہ مصروف ہو جائے اور ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اس کی رضا کے حصول میں خرچ کرے۔

ث اولاً شکر کا حکم دینے کے بعد اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ اس کے شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی میں اضافہ نہیں ہوتا اور کسی کی ناشکری سے اس کی شان عظمت میں کمی نہیں آتی۔ اگر کوئی شکر کرے گا تو اس کا اپنا بھلا ہو گا۔ ناشکری کرے گا تو خود ہی نقصان اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ سارا جہان اس کا محتاج ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ حمید ہے۔ اگر کسی کی زبان قال اس کی حمد و ثنا سے گنگ بھی ہے تو کائنات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے اس کی حمد کے قصیدے گا رہا ہے۔

وَهُوَ يَعِظُهُ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۗ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۝١٣

تو کہا اسے نصیحت کرتے ہوئے اے میرے پیارے فرزند! کسی کو اللہ کا شریک نہ بنانا۔ یقیناً شرک ظلم عظیم ہے ۲۱

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ

اور ہم نے تاکیدی حکم دیا انسان کو ۲۲ کہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ شکم میں اٹھائے رکھا اسے ۲۳ اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود

آیت میں اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ کا اَنْ مصدریہ ہے تقدیر کلام یوں ہے بِاَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ وَمَا یَشْکُرُ لِلّٰہِ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر اپنے فائدہ کے لیے کرتا ہے اس میں سراسر اسی کا فائدہ ہے۔ کسی عارف نے کیا خوب فرمایا ہے: اَلشُّکْرُ قَیْدٌ لِلْمَوْجُوْدِ وَصَیْدٌ لِلْمَفْقُوْدِ وَمُوْجِبٌ لِلْمَزِیْدِ وَثَوَابٌ فِیْ دَارِ الْخُلُوْدِ یعنی شکر کرنے سے جن لطف و احسان سے نوازا گیا انہیں بقا و دوام نصیب ہوتا ہے اور جن انعامات سے ابھی تک وہ محروم ہیں ان کو بھی شکار کر لاتا ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تقرب کا باعث ہے اور اس کا ثواب دارالخلد میں ملے گا۔

۲۱ حضرت لقمان کے پر حکمت کے چند بیش بہا موتی قرآن کریم کے قارئین کی خدمت میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

آپ نے اپنے فرزند دلبند کو سب سے پہلے جو نصیحت کی وہ یہ ہے کہ شرک سے بڑا اور کوئی ظلم نہیں۔ اسے چاہیے کہ ہر حالت میں اپنے دامن کو شرک کی آلودگی سے پاک رکھے۔ لقمان حکیم ہیں انہوں نے اپنے حکیمانہ کلام سے صرف اپنے بیٹے کو ہی نوازا نہیں ہوگا بلکہ عام لوگوں کو بھی اپنی دانش و پند و نصائح سے سرفراز کیا ہوگا لیکن قرآن کریم میں ان کے صرف وہ چند اقوال ذکر کیے گئے ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو فرمائے۔ مقصد یہ بھی ہے کہ دوسروں کے ساتھ تو معاملہ کی بنیاد ریاکاری، تصنع اور فریب دہی بھی ہو سکتی ہے لیکن ایک باپ جب اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اس میں سراسر خیر خواہی اور اخلاص ہی ہوتا ہے۔ وہاں غلط بیانی اور ریاکاری کا احتمال تک نہیں ہوتا۔ اہل عرب جو بری طرح شرک میں مبتلا تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ لقمان کو تم بھی حکیم اور دانا تسلیم کرتے ہو ان کے اقوال کو اپنے اشعار میں اور اپنے خطبات میں بڑے فخر سے نقل کرتے ہو ذرا اس کی تعلیم پر غور کرو! اس کی ان نصیحتوں کو گوش ہوش سے سنو جو انہوں نے اپنے لخت جگر کو کیں۔ کیا اس کے بعد بھی تمہیں شرک کی قباحت میں شک باقی رہے گا۔ اب تو تم اس قسم کی خرافات سے باز آ جاؤ۔

پہلی آیت میں شرک کے بطلان پر عقلی دلیل پیش کی۔ اس آیت میں نقلی دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ گویا عقل اور نقل دونوں شرک کے بطلان پر متفق ہیں۔ اب تو اس حقیقت کو سمجھ لو اور اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ۔

۲۲ یہ دو آیتیں حضرت لقمان کے وعظ کے درمیان بطور جملہ معترضہ ذکر کی گئی ہیں۔ ان سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ آپ کے کلام کی تصدیق ہو جائے۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت لقمان نے از راہ اخلاص و محبت اپنے بیٹے کو شرک سے باز رہنے کی تلقین کی اور اسے ظلم عظیم کہہ کر نفرت دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پدری خلوص و شفقت کے جذبے کے پیش نظر اولاد کو اپنے ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا حکم دیا اور وہ حدود بھی متعین کر دیں جہاں تک ماں باپ کے ارشاد کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ ۲۳ بیشک ماں باپ دونوں کا اپنی اولاد پر بڑا حق ہے لیکن دونوں میں

وَفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾ وَ

اور اس کا دودھ چھڑانے میں دو سال لگے، اس لیے ہم نے حکم دیا کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا ۲۴ آخر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے

اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اور اگر وہ دباؤ ڈالیں تم پر کہ تو میرا شریک ٹھہرائے اسے جس کا تجھے علم تک نہیں، تو ان کا یہ کہنا نہ مان ۲۵

ماں کا حق بہت زیادہ ہے فرمایا کہ وہ بچہ کو شکم میں باضعف پھرتی ہے۔ مزید بیٹے ہی وہ ضعیف کمزور ہوا کرتی ہے اور اس پر حمل کی گرانی اس کو مزید کمزور اور ناتواں بنا دیتی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ وضع حمل کے وقت اسے طرح طرح کی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر پیدائش کا مرحلہ بڑا جانگسل اور صبر آزما ہوتا ہے۔ اگر ماں ان جانگسل مراحل سے نکل کر زندہ رہ جائے تو وہ اسے اپنا خون جگر پلاتی ہے۔ اس کے علاوہ دن رات ماں اپنے اس لخت جگر کی خدمت میں لگی رہتی ہے۔ یہ ساری مشقتیں اور خدمات کسی لالچ کی وجہ سے نہیں، کسی احسان جتلانے کے خیال سے نہیں بلکہ محض محبت اور پیار کے جذبہ سے سرشار ہو کر انجام دی جاتی ہیں۔ اسی لیے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار ماں کی تکریم کی تلقین فرمائی ہے جن کی تفصیل اپنے مناسب مقامات پر گزر چکی ہے یہاں فقط ایک ارشاد نبوی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کسی شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہ! مَنْ اَبَرُّ؟ میں کس کے ساتھ احسان کروں۔

فرمایا: اُمَّكَ۔ اپنی ماں کے ساتھ۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: ثُمَّ مَنْ؟ اس کے بعد کس کے ساتھ۔

فرمایا: اُمَّكَ۔ اپنی ماں کے ساتھ۔ تیسری بار عرض کی ثُمَّ مَنْ؟ اس کے بعد کس کے ساتھ۔ فرمایا: اُمَّكَ۔ اپنی ماں کے ساتھ۔ چوتھی بار جب اس نے پوچھا: ثُمَّ مَنْ؟

فرمایا: اَبَاكَ۔ اپنے باپ کے ساتھ۔

۲۴ یہاں اپنا شکر کرنے کے ساتھ والدین کا شکر ادا کرنے کا حکم بھی فرما دیا۔ اس طرح حق شناسی و قدردانی کی حد کر دی اور اسلامی معاشرہ میں والدین کا جو بلند اور ارفع مقام ہے اس کی وضاحت فرما دی۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی بدبخت اپنے والدین کی خدمت میں کوتاہی کرے یا ان کے ساتھ حسن سلوک کرکے ان کی دعائیں نہ لے تو اس کی بدقسمتی ہے۔

۲۵ والدین کی اطاعت کا بار بار تاکیدی حکم قرآن کریم میں دیا گیا۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی کہ والدین کا ہر حکم ماننا اور ان کی ہر خواہش کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ وہ شرک کرنے اور نافرمانی کرنے کا بھی حکم دیں۔ اس آیت میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا اور بتا دیا کہ بیشک والدین کا بڑا حق ہے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا بہت بڑی سعادت ہے لیکن بہرحال ان کا حق اللہ تعالیٰ کے حق سے کم ہے۔ اگر وہ اس کے ساتھ شرک کرنے پر اصرار کریں گے یا کسی ارشاد الٰہی سے سرتابی پر مجبور کریں گے تو اس وقت ان کے حکم کو مسترد کر دینا ضروری ہوگا کیونکہ اب وہ اپنی حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق کسی مخلوق کی ایسی اطاعت نہ کرو جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۖ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ

البتہ گزران کرو ان کے ساتھ دنیا میں خوش اسلوبی سے ۲۳ اور پیروی کرو اس کے راستہ کی جو میری طرف مائل ہوا ۲۴

۲۳ چاہیے تو یہ تھا کہ جب والدین اپنے خالق اور مالک کے سرکش ہوں اور شرک کے مرتکب ہوں تو ان سے قطع تعلق کر لیا جاتا اور کسی قسم کی شفقت اور محبت کا مظاہرہ ان سے نہ کیا جائے لیکن احسان قربان جائے اس دین فطرت کی پاکیزہ تعلیمات پر۔ فرمایا ان کی یہ بات تو نہ ماننا اس کے علاوہ ان کے ساتھ حسن سلوک کے سارے تقاضے پورے کرو۔ وہ بیمار ہوں تو ان کی تیمارداری کرو۔ وہ مفلس ہوں تو ان کے اخراجات کا بوجھ تم اٹھاؤ۔ ان کا ادب اور احترام ہر حالت میں ملحوظ رکھو۔ ان کی دلجوئی کرتے رہو۔ لیکن بایں ہمہ تمہاری طرف سے تلخ کلامی اور بے رخی کی نوبت نہ آنے پائے۔ بیشک قرآن خداوند عالم کا کلام ہے۔ بیشک اسلامی شریعت پر عمل پیرا ہو کر ہم دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی۔ میں اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار اور اطاعت گزار تھا۔ اس کی خدمت اور دلجوئی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب مجھے نعمت ایمان سے مشرف کیا تو میری ماں سخت برافروختہ ہوئی۔ مجھے کہنے لگی اے سعد! تم نے یہ کیا حرکت کی ہے۔ اگر تم نے اس نئے دین کو نہ چھوڑا تو میں کھانا پینا ترک کر دوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں اور لوگ تجھے اپنی ماں کا قاتل کہہ کر عار دلائیں گے اور تو ہمیشہ رسوا ہو گا۔ میں نے کہا اماں! ایسا نہ کرو میں کسی قیمت پر بھی یہ دین نہیں چھوڑوں گا لیکن وہ بضد رہی۔ دن بھر کچھ نہ کھایا اور نہ پیا۔ رات بھی یونہی گزار دی۔ جس کے باعث وہ بہت کمزور ہو گئی۔ دوسرا دن اور رات اسی فاقہ سے گزارا۔ یہاں تک کہ اس کی کمزوری حد کو پہنچ گئی۔ جب میں نے اس کی یہ ضد دیکھی تو میں نے کہا:

یَا اُمَّہْ تَعْلَمِیْنَ وَاللہِ لَوْ کَانَتْ لَکِ مِائَۃُ نَفْسٍ فَخَرَجَتْ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَکْتُ دِیْنِیْ ھٰذَا لِشَیْءٍ فَاِنْ شِئْتِ فَکُلِیْ وَاِنْ شِئْتِ لَا تَاْکُلِیْ۔ اے ماں! تو خوب جان لے اگر تیری سو جانیں ہوں اور سب ایک ایک کر کے نکل جائیں تو خدا کی قسم میں اپنے دین کو پھر بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب تیری مرضی ہے تو کھا اور نہیں ہے تو بے شک نہ کھا۔ میں اپنا دین چھوڑنے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ میرا عزم مستحکم دیکھ کر میری ماں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی۔

اللہ تعالیٰ دین حق پر ہمیں بھی اسی قسم کی استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۴ کسی کے ساتھ حسن خلق کا مظاہرہ کرنا، خندہ پیشانی سے پیش آنا، مروت و احسان کرنا اور بات ہے لیکن کسی کی اطاعت و اتباع کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ اتباع فقط اسی کی کرنی چاہیے جو ہر طرف سے رخ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو۔ محبت و مودت کے سلسلے توڑ کر اس نے ایک خدا کی محبت اپنے دل میں بسائی اور جس کسی کے ساتھ وہ محبت کرے فقط اسی لیے کہ وہ اس کے محبوب کا محبوب اور پیارا ہے۔

علماء نے تفسیر فرمایا ہے کہ مَنْ اَنَابَ سے یہاں مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ کی انابت الی اللہ کی شان دیکھنی ہو تو آپ کی کتاب زندگی کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ اللہ کے بندے کیسے ہوتے ہیں اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں باصفا کا کیا مقام ہے۔ آپ جب مشرف باسلام ہوئے تو حضرات سعد ابن ابی وقاص، عبدالرحمن ابن عوف، عثمان، طلحہ، زبیر اور سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو فہم و فراست، دینداری و وجاہت کا معیاری عبارت میں مکہ کے برگزیدہ لوگوں میں سے تھے۔ ابو بکر ہی نے ان کے

ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ

پھر میری طرف ہی تمہیں لوٹنا ہے۔ پس میں آگاہ کروں گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ (لقمان نے کہا) پیارے فرزند! اگر

اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی

اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر وزن میں ہو ۲۳ پھر وہ کسی چٹان میں یا

السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝۱۶

آسمانوں یا زمین میں (چھپی) ہو تو لے آئے گا اسے اللہ تعالیٰ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ

میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو ۲۴ نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو

پاس آئے اور آکر دریافت کیا:

"اے ابوبکر! کیا تم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی ہے اور ان پر ایمان لے آئے ہو؟" آپ نے کہا "ہاں میں تو ایمان لے آیا ہوں اور بصدق دل سے ان کی رسالت کو تسلیم کر لیا ہے۔" اتنا جواب سنتے ہی یہ حضرات بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوئے۔ کلمہ شہادت پڑھا اور مشرف باسلام ہو گئے۔ کیونکہ ان نیک اور صاحب فہم لوگوں کے نزدیک اسلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہی تھی کہ ابوبکر جیسا دانا اور ہوشمند شخص اس کو قبول کر چکا ہے۔

الٰہی! ہمیں بھی ان لوگوں کی پیروی نصیب کر جو تیری یاد، تیرے ذکر اور تیری محبت میں سرشار رہتے ہیں۔ آمین

۲۳ اب پھر حضرت لقمان کی موعظت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے بچے کو شرک سے باز رہنے کا حکم دیا۔ اب وہ اسے اللہ تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت کاملہ کا درس دے رہے ہیں۔ رائی کے دانے کی کیا حقیقت ہے۔ سامنے رکھا ہو تب دکھائی دیتی ہو پھر بھی وہ بمشکل ہی نظر آتا ہے لیکن اتنی باریک چیز اگر پتھر کی کسی چٹان میں مستور ہو یا کوئی ذرہ زمین کی وسعتوں اور آسمان کی پہنائیوں میں گم ہو جائے تو کوئی انسان ایسا ہے یا کوئی آلہ ہے جس کی مدد سے اس ذرہ کا سراغ لگایا جا سکے ہمارے لیے بیشک یہ ازحد مشکل کام ہے لیکن یہی چیز کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

۲۴ مومن کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ اپنی ذات کی تکمیل اور دوسروں کی صلاحیتوں کی حتی الوسع نشوونما۔ اپنی ذات کی تکمیل کے لیے نماز کا حکم دیا۔ دوسروں کی تربیت اور تکمیل کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: اَقِمِ الصَّلٰوةَ تَكْمِیْلًا لِنَفْسِكَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ تَكْمِیْلًا لِغَیْرِكَ۔ (روح المعانی)

عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ

ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بےشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور تکبر کرتے ہوئے نہ پھیر اپنے رخسار کو

لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

لوگوں کی طرف سے اور نہ چلا کر زمین میں اتراتے ہوئے۔ بےشک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتا کسی

مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ

مغرور کو شیخی بگھارنے والے کو اور میانہ روی اختیار کر اپنی رفتار میں اور دھیمی کر اپنی آواز کو

۳۸ اپنے نفس کی اصلاح میں کوئی آسان کام نہیں ہے۔ صبح شام اپنی خواہشات سے برسرپیکار رہنا۔ نفس کی سرکشی اور غفلت پر اسے ہر وقت متنبہ کرتے رہنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اس کے لیے بڑے صبر و حوصلہ کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو جو نیکی سے کوسوں دور ہیں سرکشی اور بدعملی کی دلدل میں گلے گلے تک پھنس گئے ہیں ان کے دلوں میں نیکی کی الفت پیدا کرنا انہیں بغاوت و عصیاں کی زندگی سے باز رہنے کا حکم دینا ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ طعن و تشنیع کے تیروں سے گھائل ہونا پڑتا ہے۔ مالی خساروں اور جسمانی اذیتوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کبھی جان کی بازی بھی لگانی پڑتی ہے۔ یہ مرحلہ بھی صبر اور استقامت کے بغیر طے نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حضرت لقمان اپنے فرزند دلبند کو تکمیل ذات اور اصلاح معاشرہ کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ یہ راہ بڑی پرخطر اور کٹھن ہے۔ مردانِ باصفا ہی اس پر گامزن ہوسکتے ہیں۔

۳۹ علامہ راغب اصفہانی نے عزم کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اَلْعَزْمُ وَالْعَزِيْمَةُ عَقْدُ الْقَلْبِ عَلٰى اِمْضَاءِ الْاَمْرِ (المفردات) یعنی کسی کام کو کرنے کا پختہ ارادہ کرلینا۔ یعنی مذکورہ احکام ان اہم امور سے ہیں جن کو انجام دینے کے لیے انسان کو ہمت اور مردانگی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ اَيْ اَنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْاُمُوْرِ الَّتِيْ يَعْزِمُ عَلَيْهَا لِوُجُوْبِهَا (مظہری) یا یہ وہ احکام ہیں جن کو بجا لانے کا اللہ تعالیٰ نے قطعی حکم دیا ہے۔ اَيْ مِمَّا عَزَمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَقَطَعَهٗ قَطْعَ اِيْجَابٍ (روح المعانی)

۴۰ اس آیت کا مطلب بیان کرنے سے پہلے اس کے چند کلمات کی تشریح ضروری ہے۔ تُصَعِّرْ: علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ صعر اونٹوں کی ایک بیماری کا نام ہے جس سے اونٹ کی گردن ٹیڑھی ہوجاتی ہے۔ اَلصَّعَرُ دَاءٌ يَاْخُذُ الْبَعِيْرَ فَيَلْوِيْ مِنْهُ عُنُقَهٗ وَيُمِيْلُهٗ۔ اسی مناسبت سے جب کوئی شخص ازراہِ غرور و نخوت اپنا منہ لوگوں کی طرف سے موڑ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں قَدْ صَعَّرَ خَدَّهٗ وَصَاعَرَهٗ (اَمَالَهٗ مِنَ الْكِبْرِ) اسی مفہوم کی تائید کے لیے انہوں نے جریر کا یہ شعر نقل کیا ہے۔

وَكُنَّا اِذَا الْجَبَّارُ صَعَّرَ خَدَّهٗ — اَقَمْنَا لَهٗ مِنْ مَيْلِهٖ فَتَقَوَّمَا (لسان العرب)

یعنی جب کوئی جابر شخص اترا کر تکبر سے اپنا رخسار پھیر لیتا ہے تو ہم بزور شمشیر اس کی کج روی کو دور کر دیتے ہیں اور وہ درست ہوجاتا ہے۔

مَرَحًا: فی المفردات المرح شدۃ الفرح والتوسع فیہ ومرح مرحًا اذا خف قالہ ابن الاثیر۔ (تاج العروس)۔ شدت فرح وسرور کو مرح کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور نے اس کی مزید وضاحت کی ہے لکھتے ہیں: المرح شدۃ الفرح والنشاط حتی یجاوز قدرہ۔ وفی حدیث علی کرم اللہ وجہہ زعم ابن النابغۃ انی تلعابۃ تمراحۃ قال ابن الاثیر ہو من المرح وہو النشاط والخفۃ۔ وقد قیل فی مرحت العین انہا بمعنی اسبلت الدمع وکذلک السحاب اذا اسبل المطر (لسان العرب) یعنی مرح اس شدت فرح ونشاط کو کہتے ہیں جو حد سے بڑھی ہوئی ہو۔ علامہ ابن اثیر کا یہ قول دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک مرح اس نشاط کو کہتے ہیں جس میں خفت یعنی ہلکا پن اور سبکی پائی جائے۔ جس طرح کم ظرف لوگ خوشی اور مسرت کے وقت ادب و اخلاق کے تقاضوں کو بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ حیا اور مروت کی چادر بھی اتار کر پرے پھینک دیتے ہیں اور ایسی ناشائستہ حرکتیں کرتے ہیں جنہیں دیکھ کر شرم کی آنکھ نمناک ہو جاتی ہے۔

مختال: اس متکبر کو کہتے ہیں جس میں تکبر کے علاوہ خود پسندی کا عیب بھی پایا جاتا ہو۔ المختال متکبر ذو خیلاء معجب بنفسہ (تاج) علامہ ابن منظور نے اس لفظ کی تشریح کے ضمن میں ابو اسحاق کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ قال ابو اسحاق المختال الصلف التیاہ الجہول الذی یانف من ذوی قرابتہ اذا کانوا فقراء ومن جیرانہ اذا کانوا کذلک ولا یحسن عشرتہم (لسان العرب) یعنی مختال اس لاف زنی کرنے والے نادان کو کہتے ہیں جو اپنے غریب رشتہ داروں سے نفرت کرتا ہے اور مفلس پڑوسیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک نہیں کرتا۔ فخور۔ مبالغہ کا صیغہ ہے بہت اترانے والا۔ فخر کرنے والا خصوصاً وہ شخص جو ایسی چیزوں پر فخر کرے جو اس کے ذاتی کمالات سے نہیں بلکہ خارجی امور کی بنا پر ہوں مثلاً مال و دولت، جاہ و منصب وغیرہ ان کلمات کی لغوی تحقیق کے بعد اب اس آیت کریمہ کو پڑھیے اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کیجیے آپ کو مزہ آ جائے گا اور قرآن کے حسن و اعجاز پر آپ سو جان سے قربان ہونے لگیں گے۔ آیت کا مدعا تو تکبر و غرور سے اجتناب کرنے کی تاکید کرنا ہے لیکن غرور کی کوئی ایک شکل تو نہیں۔ اس کے متعدد مظاہر اور روپ ہیں۔ کبھی چال اور کبھی گفتگو۔ ایک جملہ میں سب کی نشاندہی بھی کر دی اور ان سے نفرت کا حکم بھی دے دیا۔ اس جامعیت اور اعجاز نے فصحائے عرب کو جو فصاحت کی انتہا پر ناز کرتے تھے دنگ کر دیا تھا۔ اس کلام معجز نظام کو سن کر بڑے بڑے شعراء نے شعر گوئی ترک کر دی تھی۔ اسلام کے دشمن قرآن کی اس رعنائی کے باعث شمع اسلام کے پروانے بن گئے تھے۔

سُبْحَانَ مَنْ اَنْزَلَهٗ وَصَلَّی عَلٰی مَنْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ وَاَرْسَلَهٗ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔

علامہ آلوسی نے لا تصعر کا ایک معنی ابن خویز منداد سے نقل کیا ہے۔ وہ بھی خوب ہے۔ کہ اپنے نفس کو کسی کے سامنے بلا وجہ ذلیل نہ کرے اور احساس کمتری سے کسی کے سامنے ہر وقت گردن نہ جھکائے رکھے۔ وقال ابن خویز منداد نہی ان یذل نفسہ من غیر حاجۃ فیلوی عنقہ (روح المعانی) بیشک غرور خود بھی بری چیز ہے لیکن بے جا تواضع، ذلت نفس اور اپنے آپ کو بے وقعت حقیر بنائے رکھنا اس سے بھی بری بات ہے۔ قرآن نے ان دونوں چیزوں سے اپنے ماننے والوں کو باز رہنے کا حکم دیا ہے۔

۳۲ رفتار اور گفتار کے آداب سکھائے کہ چلو تو وقار و متانت کے ساتھ۔ بات کرو تو بلا ضرورت آواز کو بلند نہ کرو کہ طبع سلیم پر گراں گزرے اور سننے والا وحشت محسوس کرنے لگے۔ جس طرح گدھا زور سے چیختا ہے اور سارا ماحول ناگوار شور سے بھر جاتا ہے۔

إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿١٩﴾ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُم

بیشک سب سے وحشت انگیز آواز گدھے کی آواز ہے ۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمانبردار بنا

مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَ

دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے ۳۴ اور تمام کر دی ہیں اس نے تم پر ہر قسم کی نعمتیں

بَاطِنَةً ۗ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى

ظاہری بھی اور باطنی بھی ۳۵ اور بعض ایسے نادان لوگ بھی ہیں جو جھگڑتے ہیں (رسول کریم سے) اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے

وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ

اور بغیر ہدایت اور بغیر کسی روشن کتاب کے ۳۶ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے ۳۷ تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم تو پیروی

۳۴ حضرت لقمان کا بیان ختم ہوا اب پھر منکرین توحید کے سامنے آیات تکوینیہ سے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں اور ان میں غور و فکر کی پرخلوص دعوت دی جا رہی ہے۔

کسی چیز کو مجبور و مقہور کر کے کسی خاص مقصد کے لیے مصروف کار کر دینے کو تسخیر کہتے ہیں۔

التسخیر سیاقۃ الی الغرض المختص قہرًا (المفردات) ارشاد ہے ذرا چاندوں اور سیاروں پر نظر عبرت ڈالو، آسمان، ستارے، ہوا، زمین، پانی، لہلہاتے میدان جن میں غلے اگتے، ہرے بھرے کھیت، اونچے اونچے پہاڑ، سرسبز وادیاں، طیور و وحوش ہر چیز تمہاری مختلف قسم کی خدمات انجام دے رہی ہے بعض سے تم خود کام لیتے ہو اور بعض تمہاری دسترس سے باہر ہیں لیکن خالق کریم نے اپنے امر تکوینی سے انہیں تمہاری خدمت پر کمربستہ کر دیا ہے۔

۳۵ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کی تم پر انتہا کر دی ہے۔ اگر انہیں گنا جائے تو گن نہ سکو، ساری عمر سجدہ شکر ادا کرتے رہو تو شکر کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اتنی نوازشات اور عنایات کے باوجود اگر تم اپنے رب کریم سے بیزار ہو تو کفر کی انتہا ہے۔

ظاہری نعمتوں سے مراد حسن صورت، صحت، اعضا کا صحیح و کامل ہونا، رزق، عافیت اور دنیوی و مادی نعمتیں ہیں۔ ان کے علاوہ ایمان، قرآن، محبوب رب العالمین کی غلامی کا شرف، اطاعت نبوی کی توفیق، اسلام کی فتح، کفر کی شکست بھی اللہ تعالیٰ کی ظاہری جلیل القدر نعمتیں ہیں اور باطنی نعمتوں کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: دل، عقل، حواس باطنہ، حسن اخلاق، الہام سے رہنمائی، گناہوں کا ڈھانپنا اور جلدی مؤاخذہ نہ کرنا۔ آخر میں فرماتے ہیں: ومعرفۃ ذاتہ وصفاتہ و محبتہ و محبۃ نبیہ وشفاعتہ ومحبتہ یعنی باطنی نعمتوں میں سے سب سے بڑی اللہ کی معرفت کا نور، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے عشق کی آتش سوزاں اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت۔

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ

کریں گے اس کی جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادا کو۔ کیا وہ (انہیں کا اتباع کریں گے) خواہ شیطان انہیں (اس طرح) دعوت دے

السَّعِيرِ ﴿٢١﴾ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

رہا ہو بھڑکتے ہوئے عذاب کی طرف اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے درآں حالیکہ وہ محسن ہو تو بیشک

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ ۗ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٢٢﴾ وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ

اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا (مضبوط حلقہ کو تھام لیا) اور اللہ کی طرف ہی ہے تمام کاموں کا انجام اور جس نے کفر کیا تو رنجیدہ نہ کرے

جو شخص علم سے بے بہرہ ہو، نور ہدایت سے محروم ہو، اس کے پاس کوئی ایسی کتاب بھی نہ ہو جو اپنی روشنی سے جہالت کی تاریکیاں کو دور کر سکتی ہو، اس شخص کو قطعاً یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس ہستی سے اُلجھے جس کے سینے میں علم و فضل کے سمندر موجزن ہیں جس کی ذات اقدس رشد و ہدایت کا منبع ہے اور جو قرآن کریم جیسی تابندہ اور روشن کتاب کا امین ہے۔ مگر یہ مشرک بھی کیا کند ناتراش ہیں جو میرے مصطفےٰ سے اُلجھ رہے ہیں۔

جب انہیں قرآن کریم کی پیروی کی دعوت دی جاتی ہے تو عقل کے دشمن اسے ٹھکرا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اسی ڈگر پر عقل و دانش کا منہ چڑاتے ہوئے آنکھیں بند کیے چلے جائیں گے جس پر ہمارے باپ دادا چلتے رہے تھے۔

ان کی یہ بہکی بہکی باتیں شیطان کی وسوسہ اندازی کا نتیجہ ہیں۔ اس لعین کی تو یہ کوشش ہے کہ وہ انہیں جہنم کے دہکتے ہوئے شعلوں میں دھکیل دے۔ یہ نادان کاش غور کرتے۔ اس لیے اللہ کے انعام سے بہت وقت گزر جانے سے پہلے اپنی اصلاح کر لیتے لیکن یہ تو اصرار کیے بیٹھے ہیں کہ ہر حال میں وہ شیطان کی پیروی کریں گے خواہ ان کی یہ احمقانہ حرکت انہیں جہنم رسید کر دے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ تسلیم کی طرح یہاں اسلام کا معنی بھی تفویض ہے یعنی اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔ اپنے جسم اور روح کو، اپنے قالب اور قلب کو اس کے احکام کے سامنے سرافگندہ کر دینا۔ لیکن اس لیے صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں اور سچے اور جھوٹے کی پہچان کیسے ہوگی۔ اس لیے ساتھ ہی وَهُوَ مُحْسِنٌ فرمایا کہ زبان سے بھی یہ کہے کہ میرے سارے کام اللہ کے سپرد ہیں اور حسن عمل سے اپنے اس قول کی صداقت بھی ثابت کر دے۔ اگر اس نے یہ دونوں کام کر لیے تو اس نے ایک ایسی مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گی اور اسے مضبوطی سے پکڑ لینے کے بعد اسے گرنے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

مُحْسِنٌ احسان سے ہے۔ احسان کی تشریح حدیث جبریل میں مذکور ہے۔ حضرت جبریل بارگاہ رسالت میں نہایت ادب سے بیٹھے ہیں اور سوال پوچھ رہے ہیں۔ ان میں ایک سوال یہ تھا۔ مَا الْاِحْسَانُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اے اللہ کے رسول! احسان کا کیا مطلب ہے۔ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ یعنی احسان اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت

كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

آپ کو اس کا کفر۔ ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پس ہم آگاہ کریں گے انہیں جو انہوں نے کیا تھا۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو

الصُّدُورِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٢٤﴾

کچھ سینوں میں (چھپا) ہے ؎ ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر پھر ہم انہیں بےبس کر کے لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف ؎

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ

اور اگر آپ دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے فرمایئے

الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٥﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

الحمد للہ (حق واضح ہو گیا) مگر ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے ؎ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ

یقیناً اللہ ہی بے نیاز ہے (اور) ہر تعریف کے لائق ؎ اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں قلمیں بن جائیں اور

عبادت کرو گویا تم اس کے نور جمال کا مشاہدہ کر رہے ہو اور اگر تمہاری اس منزل پر رسائی نہیں تو کم از کم یہ تصور تو پختہ ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

؎ سب کاموں کا انجام اسی کے دست قدرت میں ہے۔ اس سے روگردانی کر کے غیروں کو اس کا شریک بنانا کہاں کی دانشمندی ہے۔

؎ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہے ہیں۔

؎ اہل حق باطل پرستوں کی شان و شوکت اور کروفر سے مرعوب نہ ہوں یہ تو محض چار دن کی چاندنی ہے اور پھر اندھیری رات۔

؎ کفر و شرک میں کیوں یہ لوگ غرق مستیاں کر رہے ہیں۔ ان خود فراموشوں سے پوچھو کہ آسمانوں کا خالق کون ہے؟ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کیا تمہارے ان معبودوں نے؟ جنہیں تم نے کل اپنے ہاتھوں سے گھڑا اور آج انہیں اپنا معبود بنا لیا۔ کیا ارض و سماء کے خالق یہ ہیں؟ انہیں بچارے کہنا پڑے گا کہ ارض و سماء کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ اے مسلمانو! اللہ کا شکر ادا کرو کہ حقیقت واضح ہو گئی۔ حق ظاہر ہو گیا اور منکرین توحید کو بھی توحید کا اقرار کرنا پڑا۔

؎ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہی ہے اور ان میں جو کچھ ہے اس کا مالک بھی وہی ہے۔ زبان حال سے ہر شے ہر چیز زبان حال

وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ

سمندر سیاہی بن جائے اور اس کے علاوہ سات سمندر اسے (مزید) سیاہی مہیا کریں تو پھر بھی ختم نہیں ہوں گی اللہ کی باتیں بیشک

اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ

اللہ سب پر غالب بڑا دانا ہے ۲۸ نہیں ہے تم سب کو پیدا کرنا اور مارنے کے بعد پھر زندہ کرنا (اللہ کے نزدیک) مگر ایک شخص کی مانند

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے ۲۹ کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن

فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۡ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ

کو رات میں اور اس نے کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک چل رہا ہے (اپنے مدار میں) وقت مقررہ تک اور

سے تو اس کی شکر گزاری میں زمزمہ سنج ہے۔ وہ غنی ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں سب کو اسی کی ضرورت ہے۔

۲۸ روئے زمین پر جتنے درخت ہیں ان کی قلمیں بنالی جائیں اور سمندر روشنائی بن جائے اور جب ایک سمندر کا پانی ختم ہونے لگے تو یکے بعد دیگرے سات سمندروں کے پانی روشنائی بنتے چلے جائیں قلمیں گھس کر رہ جائیں گی سات سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا لیکن علم الٰہی کا ایک کلمہ بھی ابھی ختم نہیں ہو سکا ہوگا۔ دانائے شیراز نے بھی اپنی فکر کا خوب کہا ہے۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر ۔۔۔ ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

کاغذ ختم ہو گیا عمر تمام ہو گئی ہم ساری زندگی صفحہ قرطاس پر لکھتے رہے تیری صفات کا احاطہ تو کجا ابھی تو تیری پہلی صفت کا بیان بھی مکمل نہیں ہوا۔
اب ذرا آیت کے کلمات میں غور کیجیے وَّالْبَحْرُ کے بعد لفظ مِدَادٌ مقدر ہے کیونکہ يَمُدُّهٗ کا لفظ اس کے معنی پر دلالت کر رہا ہے اس لیے اس کا صریح ذکر باعث ثقل تھا۔
وَالْبَحْرُ مبتدا ہے يَمُدُّهٗ اس کا حال بھی بن سکتا ہے اور خبر بھی۔ پھر یہ جملہ حال واقع ہوگا۔ كَلِمٰتُ اللّٰهِ سے مراد اللہ تعالیٰ کے علوم ہیں کیونکہ وہ غیر متناہی ہیں اس لیے ان کی گنتی اور شمار محال ہے۔ والمراد بكلماته تعالى كلمات علمه سبحانه وحكمته جل ثناؤه (روح المعانی)

۲۹ کفار وقوع قیامت کے قائل نہ تھے۔ انہیں یہ بات سمجھ نہ آتی تھی کہ صدہا بلکہ ہزارہا ہزار سال گزرنے کے بعد مُردوں کو کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ ایسا کرنے والا تم جیسا کمزور انسان نہیں جس کا علم بھی ناقص ہو اور قدرت بھی ناتمام بلکہ مُردوں کو دوبارہ زندگی بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے جس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو محیط ہے اور جس کی قدرت کے سامنے

أَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر اس عمل سے جو تم کرتے ہو خوب جاننے والا ہے ۔ یہ ہیں اس کی قدرت کے کرشمے تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ہی حق ہے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ أَلَمْ تَرَ ع ۱۲

اور بلاشبہ جنہیں وہ پکارتے ہیں اس کے سوا وہ سب باطل ہیں اور بلاشبہ اللہ ہی بڑی شان والا بزرگ ہے کیا تم نے ملاحظہ

أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهِ ۚ إِنَّ فِيْ

نہیں کیا کہ کشتی چلتی ہے سمندر میں محض اس کی مہربانی سے تاکہ وہ دکھائے تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا

اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے اور جب ڈھانپ لیتی ہے انہیں پہاڑوں جیسی موج

کوئی چیز محال نہیں۔ اس کے لیے ایک آدمی کو پیدا کرنا اور اس کو مار کر دوبارہ زندہ کرنا جس طرح آسان ہے اسی طرح سب کو پیدا کرنا اور انہیں مار کر دوبارہ زندہ کرنا بھی اس کے لیے قطعاً مشکل نہیں۔

۳۸؎ پہلی آیت میں بتایا کہ ایک فرد کو پیدا کرنا، مارنا اور مار کر جلانا اور کروڑوں کھربوں انسانوں کو پیدا کرنا اور انہیں مار کر جلانا اللہ تعالیٰ کے لیے یکساں ہے۔ اس آیت میں قدرت خداوندی کے چند عظیم شاہکاروں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کرائی اور ان کی غلط فہمی کا ازالہ کر دیا۔

۳۹؎ اللہ تعالیٰ کا علم محیط، قدرت کاملہ، آرائش عالم میں اس کی حکمت بالغہ کی جلوہ آرائیاں اس بات کی تصدیق کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود حق ہے۔ اس کی قدرت حق ہے۔ اس کی کبریائی اور عظمت حق ہے۔ وہی اور صرف وہی معبود برحق ہے۔ اس کے علاوہ وہ جسے خدا سمجھ کر پکارتے ہیں یا جس کی عبادت کرتے ہیں وہ باطل ہے۔ باطل کا مفہوم علامہ آلوسی یوں تحریر فرماتے ہیں: اَلْمَعْدُوْمُ فِیْ حَدِّ ذَاتِهٖ وَهُوَ الْمُمْكِنُ الَّذِیْ لَا یُوْجَدُ اِلَّا بِغَیْرِهٖ۔ جو چیز اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہو اور خالق کے ارادہ کے بغیر وہ ہستی سے بہرہ ور نہ ہو سکتی ہو۔ وَاِنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ (اِلٰهًا) اَلْبَاطِلُ (روح المعانی) یعنی جنہیں وہ خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ علامہ پانی پتی نے بھی یہی لکھا ہے۔ وَاِنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْاٰلِهَةِ الْبَاطِلُ (مظہری) علامہ قرطبی نے مِنْ دُوْنِهٖ کی تفسیر شیطان سے کی ہے۔ ایک قول یہ بھی لکھا ہے: مَا اَشْرَكُوْا بِهٖ اللّٰهَ تَعَالٰی مِنَ الْاَصْنَامِ وَالْاَوْثَانِ۔ یعنی وہ بت جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے وہ باطل ہیں۔ علامہ تھانوی نے اس جملہ کا یوں ترجمہ کیا ہے: اور جن چیزوں کی یہ اللہ کے سوا عبادت کر رہے ہیں بالکل لچر ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: آنچہ مے پرستند بجز وے باطل است۔ ۴۰؎ قدرت خداوندی کے مزید دلائل بیان

اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا

اس وقت پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کو خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے عقیدہ کو پھر جب بچا لاتا ہے انہیں ساحل تک تو ان میں سے

يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٢﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا

(کچھ ہی) حق پر رہتے ہیں اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا بجز ہر اس شخص کے جو عہد شکن ناشکرا ہے۔ اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو

کیے جا رہے ہیں۔ سمندر کی وسعتیں، اس کی گہرائیاں، اس میں حبابوں کی طرح اٹھنے والی موجیں، قدم قدم پر حلقہ ہائے گرداب۔ ان میں ایک کشتی اپنی پشت پر سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو بٹھائے، اپنے دامن میں لاکھوں ٹن سامان لیے بپھری ہوئی لہروں سے آنکھ مچولی کرتی، گرداب سے دامن بچاتی اپنی منزل کی طرف چلی جا رہی ہے۔ کیا یہ قدرت خداوندی کا اعجاز نہیں؟ سمندر میں بھی آیات ربانی کا مینا بازار سجا ہوا ہے اور اس کے ایک ایک قطرے میں کئی جہان آباد ہیں۔ کتنے خزانے چھپے ہیں، کتنی قیمتی خوابیدہ ہیں لیکن قدرت کے ان جلوؤں سے معرفت کی بات لوگوں کے لیے اپنے رخ سے نقاب اٹھاتے ہیں جو صبر کی صفت سے متصف ہیں۔ مصیبت و تکلیف کے وقت بے صبری، ناکامیوں سے شکستہ خاطر نہیں ہوتے بلکہ ہمت سے آگے ہی بڑھتے ہیں۔ ان کی تیوری پر بل نہیں پڑتا۔ ایسے باہمت لوگوں پر انعام و اکرام کی بارش ہوتی ہے۔ صَبَّار شَکُور کے کلمات کیا ہمارے نوجوانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے، تن آسانی اور آرام طلبی کے گڑھوں سے باہر نکال دینے کے لیے، ان کے منجمد جذبات میں آتش شوق بھڑکانے کے لیے کافی نہیں؟ کاش! ہم اس کتاب حکیم کی طرف ایسی توجہ کرتے جس کی وہ مستحق ہے تو آج ہم اپنی پستی پر سر دھنتے نہ پھرتے اور اغیار کی سرعت رفتار پر تصویر حیرت بنے کھڑے نہ ہوتے۔ ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

ہمارے اسلاف جنہوں نے قرآن کریم کو پڑھا جس طرح اس کو پڑھنے کا حق تھا، جنہوں نے اس میں غور و تدبر کیا جس طرح اس میں غور و تدبر کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور جنہوں نے اس پر عمل کرنا باعث سعادت جانا۔ ان کے کارواں جن صحراؤں سے گزرے وہاں علم و حکمت کے گلشن آباد ہو گئے۔ جن ویرانوں سے گزرے وہاں شہر بسا دیے۔ جس بنجر تاریک کو چھوا اسے جنتِ ارضی کا مظہر بنا دیا۔ انہوں نے نئے علوم کو حیات نو بخشی اور نئے علوم کی تخم ریزی کی۔ جب اپنے اسلاف کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی کارناموں سے فائدہ اٹھانے کا وقت آیا تو ہم غفلت کی چادر تان کر سو گئے۔ شاعر مشرق نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:

دانہ آں صحرا نشیناں کاشتند
حاصلش افرنگیاں برداشتند

یعنی علم و حکمت کا بیج تو صحرا نوردوں نے بویا تھا لیکن جب فصل پک گئی تو ان کی نااہل نسلیں سو گئیں اور فرنگی اس فصل کو کاٹ کر لے گئے۔ صَبَّار اور شَکُور دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں یعنی بہت صبر کرنے والے، طویل مدت تک انتھک کوشش کرنے والے، بہت شکر کرنے والے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی مخلوق کی بہبود اور فلاح میں خرچ کر کے حق شکر ادا کرنے والے۔ معلوم ہوا کہ یہاں تھوڑے صبر سے کام نہیں چلے گا اور زبانی شکر بھی کافی نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے صبار و شکور کے معیار پر پورا اترنا پڑے گا۔ ختّار غدر و عہد شکنی کی

يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ عَن وَلَدِهِ ۖ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَن وَالِدِهِ

اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب

شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم

سے کچھ بھی بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور نہ دھوکہ دے تمہیں دنیوی زندگی ۵۸ اور نہ فریب میں

ان کی شدت اور شان کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ ظلل کا واحد ظلہ ہے جو چیز سایہ کرے پہاڑ، بادل وغیرہ سے ظلل کہتے ہیں۔ مقتصد، میانہ رو۔ ختّار ختر سے ہے اس کا معنی سخت قسم کا دھوکہ اور بدعہدی ہے۔

۵۸ دلائل توحید کے اثر انگیز بیان کے بعد سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور بڑی دلسوزی سے ان کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ اسلام نے اصلاح نفس کے لیے قبر پرستی اور مزاروں پر اتنا اصرار نہیں کیا جتنا انسان کے دل کی دنیا بدلنے اور اس کے نظریات میں انقلاب برپا کرنے پر زور دیا ہے۔ انسان بعض غلط فہمیوں میں مبتلا ہو کر گناہ کا ارتکاب کرتا رہتا ہے اس لیے ضرورت ہے کہ سب سے پہلے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے۔ پہلی غلط فہمی انسان کو گناہ پر برانگیختہ کرتی ہے کہ اس کا بوجھ کوئی اور اٹھائے گا۔ اس کا بار گناہ کسی دوسرے کی گردن پر لاد دیا جائے گا اور وہ بری ہو جائے گا۔ جب اس دنیا میں باپ اور بیٹے کا تعلق محتاج بیان نہیں۔ والدین اپنی اولاد کے آرام کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے گریز نہیں کرتے اور اولاد بھی والدین کی خوشنودی اور تکلیف کی قیمت پر بھی خدمت نہیں کرتی۔ لیکن قیامت کے روز کوئی باپ اپنے بیٹے کو عذاب الٰہی میں مبتلا دیکھ کر یہ نہیں کہے گا کہ مجھے اس کے بدلے پکڑ لو، اپنے بیٹے کی جگہ خود کو پیش نہیں کر سکتا کہ اسے بخش دو اور اس کی جگہ مجھے دوزخ میں ڈال دو۔ اسی طرح کوئی بیٹا بھی اپنے باپ کے بار گناہ کو اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا۔ ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا خود بھگتنی ہوگی۔ دوسری غلط فہمی جس کا ازالہ یہاں مقصود ہے یہ ہے کہ دنیا کی زیب و زینت دل کو موہ لیتی ہے۔ بڑے بڑے دانشور اس کے دام ہوس میں پھنسے جاتے ہیں۔ ان کا نشہ کچھ ایسا ہوش ربا ہوتا ہے کہ بڑے بڑے نیک صاحب دین و ہوش اس کے قدموں پر نثار کر دیتے ہیں۔ خیال یہ کہ اس عیش و عشرت میں ہزاروں سال کے قریب ہیں، نہ آنا اب نے آج تک کسی کے ساتھ وفا نہیں کی تم اس سے وفا کی توقع کیوں رکھتے ہو۔ ہوش کرو اس طرح چشم زدن میں یہ سب کچھ اپنے رب کریم سے تعلق منقطع نہ کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔ یہ دنیا تمہارا ساتھ نہ دے گی لیکن جیسے دوسری غلط فہمی کا ازالہ مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حلم پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ اگر تمہاری پے در پے سرکشیوں کے باوجود اس نے تمہیں عذاب کے شکنجہ میں نہیں کسا تو یہ نہ سمجھو کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ محض نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ اس کریم نے مہلت کی جو گھڑیاں تمہیں عطا فرمائی ہیں انہیں غنیمت جانو اور توبہ کر لو ایسا نہ ہو کہ کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ کہ نجات کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں۔ حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ غرور کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انسان گناہ کرتا رہے اور مغفرت کی تمنا بھی کرے۔ ھُوَ اَنْ يَّعْمَلَ بِالْمَعْصِيَةِ وَيَتَمَنَّى الْمَغْفِرَةَ۔

علامہ زبیدی لفظ غرور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَالْغُرُوْرُ اَيْضًا مَا غَرَّكَ مِنْ اِنْسَانٍ وَشَيْطَانٍ وَغَيْرِهِمَا

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَ

دغا کرے تمہیں اللہ سے وہ بڑا دھوکہ باز۔ بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم اور وہی اتارتا ہے مینہ اور

يَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۗ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۗ وَمَا تَدْرِيْ

جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحموں میں ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کمائے گا۔ اور کوئی نہیں جانتا

نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

کہ کس سرزمین میں مرے گا بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے۔

ہو ومن یرتکب المعصیۃ فی البحر من مال وجاہ وشہوۃ وشیطان او یلبس بالشیطان لانہ یغر الناس بالوعد الکاذب والتمنیۃ وبہ فسر قولہ تعالیٰ ولا یغرنکم باللہ الغرور (روح المعانی) ترجمہ: ہر چیز جو دھوکہ دے اسے غرور کہتے ہیں۔ چاہے انسان ہو، شیطان ہو، کوئی اور۔ یہ بحر کا قول ہے بعض نے بیان کیا ہے کہ مال، جاہ، شہوت اور شیطان سب کو غرور کہا جاتا ہے۔ یا اس لفظ سے مراد صرف شیطان ہے کیونکہ وہ جھوٹے وعدوں اور جھوٹی تمناؤں سے انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ اس آیت میں الغرور کی تفسیر شیطان سے ہی کی گئی ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کسی کے دل میں اس آیت سے یہ شبہ پیدا ہو کہ حدیث شریف میں تو مذکور ہے کہ جس آدمی کے تین کمسن بچے فوت ہو جائیں تو اسے دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ الا تحلۃ القسم مگر صرف قسم پوری کرنے کے لیے۔ دوسری حدیث شریف میں ہے: من ابتلی بشیء من ھذہ البنات فاحسن الیھن کن لہ حجابا من النار۔ جس کو بیٹیوں کا باپ بننے کے امتحان میں مبتلا کیا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا تو وہ بچیاں اس کے لیے دوزخ سے حجاب بن جائیں گی۔

احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کمسن بچے اور بچیاں والدین کی نجات کا باعث بنیں گی لیکن آیت سے اس کے برعکس۔ علامہ فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہو گا کہ اگر بیٹے نے جرم کیا ہو تو اس کے باپ کو پکڑ لیا جائے اور اگر باپ نے جرم کیا ہو تو اس کی جگہ پکڑا جائے اس کے بیٹے کو۔ بلکہ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہو گا۔ البتہ شفاعت کا دروازہ کھلا ہو گا اور جس کو اذن شفاعت ملے گا وہ شفاعت کرے گا اور ان لوگوں میں نابالغ بچے بھی ہوں گے اور بچیاں بھی۔ علامہ آلوسی نے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کی ہے۔ واما قولہ فیہ والد مومن عن ولدہ الکافر ولا مولود مومن عن والدہ الکافر (روح المعانی) یعنی مومن والد کافر بیٹے کے کام نہیں آئے گا اور نہ مومن بیٹا کافر والد کی بخشش کا ذریعہ بنے گا۔ اس تفسیر کے بعد کوئی شبہ پیدا ہی نہیں ہوتا کیونکہ شفاعت گنہگار اہل ایمان کی ہو گی نہ کہ کافر کے لیے۔

۳۴ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابن عباس ھذہ الخمسۃ لا یعلمھا الا اللہ ولا یعلمھا ملک مقرب ولا نبی مرسل فمن ادعی انہ یعلم شیئا من ھذہ فقد کفر بالقرآن لانہ خالفہ ثم ان الانبیاء یعلمون کثیرا من الغیب بتعریف اللہ تعالیٰ ایاھم والمراد ابطال کون الکھنۃ والمنجمین ومن یستسقی بالانواء۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ نہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل بھی انہیں خود بخود نہیں جان سکتا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز خود بخود جانتا ہے اس نے قرآن کریم کا انکار کیا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی مخالفت کی ہے۔ البتہ انبیاء ان امور غیبیہ میں سے بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کا یہ جاننا اللہ تعالیٰ کی تعلیم اور سکھلانے سے ہے۔ اس آیت سے مراد انبیاء کے علم کی نفی نہیں بلکہ کاہنوں، نجومیوں اور جو لوگ بارش کے نزول کو مخصوص ستاروں کے طلوع و غروب سے وابستہ سمجھتے ہیں ان کی تردید ہے۔

علامہ موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں کہ کبھی کبھی طویل تجربہ کے باعث حمل کے لڑکا یا لڑکی ہونے کا علم ہو جاتا ہے لیکن اسے یقینی علم نہیں کہا جا سکتا۔ بڑے بڑے تجربہ کاروں کے تخمینے غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی بات کی تصدیق ہوتی ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رقمطراز ہیں:

انما جعل العلم لله والدراية للعبد لان فيها معنى الحيلة فيشعر بالفرق بين العلمين في القاموس دريته علمته او يقرب من حيلة ففيه اشارة الى ان العبد ان عمل حيلة وبذل فيها وسعه لم يعرف ما هو لاحق به من كسبه وعاقبته فكيف بغيره مالم يحصل له علم بتعليم من الله تعالى بتوسط الرسل او بنصب دليل عليه

ترجمہ: آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف علم کی نسبت کی گئی ہے اور بندہ کے لیے درایت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ درایت اس جاننے کو کہتے ہیں جس میں ذاتی حیلہ اور غور و فکر کو دخل ہو۔ اس سے دونوں علموں (علم اور درایت) کا فرق معلوم ہو جاتا ہے۔ قاموس میں ہے دريته علمته او يقرب من حيلة کہ درایت کا معنی جاننا یا حیلہ اور غور و فکر سے کسی چیز کو سمجھنا۔ آیت میں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ خواہ کتنا ہی حیلہ کرے اور اپنی ساری ظاہری اور باطنی قوتوں کو صرف کر دے وہ ان چیزوں کو بھی نہیں جانتا جن کا تعلق اس کے ذاتی کسب اور انجام سے ہے تو وہ دوسری چیزوں کو کیسے جان سکتا ہے۔ ان امور کے جاننے کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا علم سکھا دے خواہ رسولوں کے ذریعے سے یا ان پر دلائل قائم کر کے۔

علامہ ابن کثیر نے ایک فقرے میں ہی ساری الجھن کا ازالہ کر دیا ہے۔ لکھتے ہیں: هٰذه مفاتيح الغيب التي استأثر الله تعالى بعلمها فلا يعلمها احد الا بعد اعلامه تعالى بها۔ یعنی یہ امور غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ساتھ مختص کر لیا ہے پس انہیں کوئی نہیں جان سکتا سوائے اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ اس کا علم سکھائے۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری شرح بخاری میں علامہ قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے: فمن ادعى علم شيء منها غير مسنده الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم كان كاذبا في دعواه۔ یعنی اگر کوئی شخص ان پانچ امور میں سے کسی کے جاننے کا دعویٰ کرے اور یہ نہ کہے کہ مجھے یہ علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہوگا۔

ان تصریحات سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ امور غیبیہ کے متعلق یہ خیال کرنا کہ کوئی خواہ وہ کتنا رفیع المرتبت ہو خود بخود انہیں جان لیتا ہے یہ کذب صریح اور افترا محض ہے بلکہ قرآن کریم کی آیات کثیرہ کا انکار ہے۔ اسی طرح یہ گمان کرنا کہ ان امور کو اللہ تعالیٰ

کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا یا سرورِ کون و مکان فخرِ زمین و زمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ علومِ غیبیہ کثیرہ کا انکار بھی سراسر جہالت اور بدنصیبی ہے اور آیاتِ کثیرہ اور احادیثِ عدیدہ کا انکار ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: علماء فرماتے ہیں کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور انبیاء و اولیاء کو غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے بطریقِ معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔ یہ اس اختصاص کے منافی نہیں اور کثیر آیتیں اور حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ بارش کا وقت، حمل میں کیا ہے اور کل کو کیا کرے گا اور کہاں مرے گا، ان امور کی خبریں بکثرت اولیاء و انبیاء نے دی ہیں۔ اور قرآن و حدیث سے ثابت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں نے حضرت اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی اور حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی خبریں دیں۔ تو ان فرشتوں کو پہلے سے معلوم تھا کہ ان حملوں میں کیا ہے اور ان حضرات کو بھی جنہیں فرشتوں نے اطلاعیں دی تھیں اور ان سب کا جاننا قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔ تو آیت کے معنی قطعاً یہی ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدہا آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ (خزائن العرفان)

امید ہے کہ ان تفصیلات سے اہلِ سنت کے متعلق طرح طرح کی جو غلط فہمیاں پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، بفضلہ تعالیٰ ان کا ازالہ ہو جائے گا۔ مزید وضاحت کے لیے سورۃ الاعراف آیت ۱۸۸ ضیاء القرآن جلد دوم اور سورۃ النمل آیت ۶۵ ضیاء القرآن جلد ہذا کا مطالعہ بھی فرمائیے۔

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر بتوفیقک ایای فرغت من تسوید ھذہ السطور۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبک و محبوبک سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

صباح یوم الثلاثاء ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۱ھ

محمد کرم شاہ

تعارف

سُورۃ السجدۃ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام السجدۃ ہے جو اس کی آیت ۱۵ کے مضمون سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول: یہ مکی سورت ہے۔ نازل ہونے والی آیات کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا تعلق مکی زندگی کے درمیانی دور سے ہے جب کہ اسلام کے خلاف کفار نے طعن و تشنیع، استہزاء و تمسخر کی مہم نہ صرف شروع کر دی تھی لیکن ابھی ظلم و ستم اور جبر و جفا کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس سورت کی آیات کی تعداد تیس ہے۔ یہ تین سو اسی کلمات پر مشتمل ہے اور اس کے ایک ہزار پانچ سو اٹھارہ حروف ہیں۔

(خزائن العرفان)

مضامین: اس سورت کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم کو تین امور کے ماننے کی دعوت دی تھی اور وہ کسی قیمت پر انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ (۱) اللہ تعالیٰ ہے اور وحدہ لاشریک ہے (۲) وہ کتاب جس کی آیتیں میں تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں یہ اسی وحدہ لاشریک نے تمہاری ہدایت کے لیے مجھ پر نازل کی ہے (۳) تمہیں مرنے کے بعد بھلا نہیں دیا جائے گا بلکہ قیامت کے روز تمہیں اپنی قبروں سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور تمہارے ایک ایک عمل کی تم سے باز پرس کی جائے گی۔ یہی تین باتیں تھیں جن کی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں بار بار دعوت دیتے تھے اور یہی تین باتیں ایسی تھیں جن سے انہیں چڑ تھی وہ انہیں ماننے کے لیے قطعاً آمادہ نہ تھے۔ اس سورت میں ان امور کے متعلق ان کے شکوک و شبہات کا بڑے حقیقت پسندانہ اور دلربا اسلوب میں رد کیا گیا ہے۔ اگر انسان خود فکری قوتوں سے محروم نہ ہو گیا ہو تو وہ ان پر ایمان لانے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

منکرین کا یہ عام دستور ہے کہ جب انہیں ان کی بدکرداریوں سے روکا جاتا ہے اور انہیں روزِ قیامت سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ عبرت پذیری کے بجائے یہ سوال کرنے لگتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ حالانکہ ان کا فائدہ قیامت کا انتظار کرنے میں نہیں بلکہ اپنی اپنی اصلاح حال کرنے میں ہے۔ جب قیامت قائم ہو گی تو ان کی کوئی آہ و فغاں سنی نہیں جائے گی۔

سورت کی آخری آیت میں اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ اب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کی اصلاح کے لیے خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو۔ یہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ تمہاری دعوت کو سمجھ سکیں اور اسے قبول کر سکیں۔

سورة السجدة مكية بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ آياتها ۳۰ ركوعاتها ۳

سورہ السجدہ مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی آیتیں ۳۰ اور دو رکوع ۳ ہیں

الٓمّٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٢ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

الف۔ لام۔ میم ۱ اس کتاب کا نزول ۲ اس میں قطعاً شک نہیں سب جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں

افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

کہ اس شخص نے اسے خود گھڑ لیا ہے ۳ ہرگز نہیں بلکہ یہی حق ہے آپ کے رب کی طرف سے تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو نہیں آیا جن کے پاس

۱ حروف مقطعات کے بارے میں اس کی وضاحت متعدد مقامات پر گزر چکی ہے۔

۲ بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی دانشور یا کسی فلسفی کسی منجم کی تصنیف نہیں ہے۔ فصاحت و بلاغت کے کسی امام کا شاہکار نہیں ہے کسی شاعر رنگین نوا کی طبع رسا کا کرشمہ نہیں ہے ورنہ یہ نا تمام اور ادھوری ہوتی۔ اس کی تعلیمات زندگی کے سارے شعبوں کو محیط نہ ہوتیں اس میں اپنے مصنف کا جزوی کمال بھی بخوبی آب و تاب سے جلوہ گر ہوتا لیکن اس میں یہ جامعیت مفقود ہوتی اور دنیائے انسانیت کو جس صحیفہ رشد و ہدایت کی شدید ضرورت تھی وہ اس کتاب سے پوری نہ ہوتی بلکہ اس کو نازل فرمانے والا رب العالمین ہے یعنی وہ ذات جو کائنات کے ذرہ ذرہ کا خالق ہے اور ایک ایک چیز نے جو کچھ اس کی استعداد کے مطابق اسے جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں پھر ان کی نشو و نما کر کے انہیں مرتبہ کمال تک پہنچایا ہے۔ اس کتاب کا نازل کرنے والا اپنی قدرت میں بھی اپنی حکمت میں بے مثال ہے اپنی خلاقی و ربوبیت کے اظہار میں بڑا فیاض اور کریم ہے اس لیے قدرتی ہے کہ کتاب جامع اور مکمل بھی ہے اور ہر شعبہ علم و عمل میں رہنمائی کا سامان دینے کی اہلیت بھی رکھتی ہے اور ہر زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی تکمیل کر سکتی ہے۔ درمیان میں "لاریب فیہ" فرما کر یہ بتا دیا کہ اس کتاب کا نزول من اللہ ہونا ایسی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی ذرا گنجائش نہیں۔

اس کی ترکیب میں علماء کے متعدد اقوال ہیں:

۱۔ تنزیل مصدر بمعنی منزل ہے اور یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ ای ھذا تنزیل الخ

۲۔ تنزیل مبتدا ہے اور اس کی خبر لاریب فیہ ہے اور من رب العالمین فیہ کی ضمیر کا حال ہے یا من رب العالمین خبر ہے اور لاریب فیہ جملہ معترضہ ہے۔ اور اسی ترکیب کو علامہ قرطبی نے زیادہ پسند کیا ہے۔ لکھتے ہیں: قَالَ مَكِّيٌّ هُوَ اَحْسَنُهَا (قرطبی)

۳ کفار کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے شدید عداوت تھی اس نے انہیں غور و فکر کی نعمت سے محروم کر دیا تھا۔ اس اسلام دشمنی کے باعث وہ شروع سے نہایت روشن اور واضح صداقتوں کا انکار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ اگرچہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت نے ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا اس کی تعلیمات اور آیات اور دلیلوں کے باعث وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے تھے لیکن پھر بھی وہ

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

کوئی ڈرانے والا آپ سے پہلے تاکہ وہ ہدایت پا جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو

الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت (سلطانی) پر۔

یہ رٹ لگائے رہتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے انہوں نے خود بنا لیا ہے مگر از راہ خود اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ ان کے اس اعتراض کی لغویت سب جہان پر اور خود ان پر بھی آشکارا تھی۔ اس لیے صاف کہہ دیا کہ اس اعتراض کی تردید کے لیے ضرورت نہیں، اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ۔ جس نظریہ کا بطلان اظہر من الشمس ہو اس کے ابطال کے لیے دلائل گنانا وقت ضائع کرنا ہے۔

۴ یہاں قرآن کریم کے نازل کرنے کی غرض و غایت بیان کر دی کہ وہ لوگ جو مدت دراز سے دشت ضلالت میں بھٹک رہے تھے اپنے نفس کی رذیل خواہشات کی تکمیل کے جن کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا اپنے انجام سے بے خبر فسق و فجور کا ارتکاب کر رہے تھے جنہیں عرصہ دراز سے کسی نے ڈرایا نہیں تھا۔ اے محبوب! ہم نے یہ کتاب آپ پر اس لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ انہیں خواب غفلت سے بیدار کر دیں اور کفر و شرک کے ہیبت ناک انجام سے بروقت متنبہ کر دیں تاکہ وہ راہ ہدایت اختیار کریں۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں اَلْاِنْذَارُ الْاِبْلَاغُ وَلَا يَكُوْنُ اِلَّا فِي التَّخْوِيْفِ۔ (لسان العرب) یعنی ایسی بات پہنچانا جس میں خوف دلانا مقصود ہو۔ علامہ زرکشی نے اپنی مشہور کتاب "البرهان فی علوم القرآن" میں لکھا ہے۔ حکی البغوی فی تفسیرہ عن الواقدی ان جمیع ما فی القرآن من لعل فانها للتعلیل … کہ بغوی نے اپنی تفسیر میں واقدی سے نقل کیا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں بھی لعل استعمال ہوا ہے اس کا مقصد علت بیان کرنا ہے یعنی آپ کے ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہدایت پا جائیں اور جن لوگوں نے بعض مقامات پر لعل کا ترجمہ شاید اور امید کے معنی میں استعمال کیا ہے تو وہ اردو محاورہ یا مخاطب کی طرف سے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی کیونکہ یہ جہالت کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ اس عیب سے پاک ہے۔

۵ یہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے متعدد نمونے ذکر کر کے اس کی وحدانیت پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے اس سارے کارخانہ ہستی کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ پیدا فرمانے کے بعد وہ اس سے بے تعلق ہو کر کہیں گوشہ نشین نہیں ہو گیا بلکہ تخت فرمانروائی پر وہ متمکن ہے اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے مطابق چل رہی ہے۔

مَا لَكُمْ … فرما کر انہیں متنبہ کر دیا کہ اگر تم اپنے خالق کریم سے اپنی عبودیت کا رشتہ منقطع کر دو گے اور کسی دوسری چیز کے ساتھ اپنی بندگی کا رشتہ استوار کرو گے تو یاد رکھو اس وقت نہ تمہارا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کسی میں یہ جرأت ہوگی کہ وہ تمہاری سفارش کر سکے۔ (چھ دنوں سے کیا مراد ہے، استوٰی علی العرش کا کیا مفہوم ہے، اس کا تفصیلی بیان متعدد مقامات پر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ یونس)

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ يُدَبِّرُ

نہیں تمہارے لیے اس کے بغیر کوئی مددگار اور نہ کوئی سفارشی ۃ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ۃ تدبیر فرماتا ہے

الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ

ہر (چھوٹے بڑے) کام کی آسمان سے زمین تک ۃ پھر چڑھے گا ہر کام اس کی طرف اس روز جس کی

مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

مقدار ہزار سال ہے اس اندازہ سے جس سے تم شمار کرتے ہو۔ وہی جاننے والا ہے ہر پوشیدہ اور ظاہر کا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ

سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ۃ وہ جس نے بہت خوب بنایا جس چیز کو بھی بنایا ۃ اور ابتدا فرمائی انسان کی

ۃ تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حامی و ناصر خیال کرتے ہو سمجھتے ہو کہ اگر خدا نے تم پر کوئی عذاب بھیجا تو یہ معبود اور دیوتا تمہیں چھڑا لیں گے یا تمہاری سفارش کریں گے۔ یہ خیال باطل و فاسد ہے کسی کی کیا مجال، کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تمہیں بچالے۔ شفاعت کے متعلق کفار و مشرکین کا جو غلط تصور تھا اس کو رد کر دیا۔ اسلام نے جس شفاعت کو جائز قرار دیا ہے وہ شفاعت انبیاء و اولیاء، علماء، شہداء باذن الٰہی کریں گے اور معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کی بخشش کا باعث بنیں گے۔

ۃ یہ بتانے کے بعد کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور کائنات کے تخت حکومت پر وہی متمکن ہے اب اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چھوٹی بڑی چیز کا وہ خود انتظام فرماتا ہے۔ ہر چیز اس کے لطف و کرم سے فیضیاب ہو رہی ہے کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف انجام نہیں پا سکتا اور جب قیامت برپا ہو گی تو تمام امور اس کے حضور پیش ہوں گے اور وہ ان کے متعلق فیصلہ فرمائے گا۔ وہ دن کوئی چھوٹا سا دن نہیں ہو گا بلکہ انسانی اندازوں کے مطابق وہ ہزار سال کے برابر ہو گا۔

مفسرین کرام نے اگرچہ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ کی اور بھی تاویلیں کی ہیں لیکن مجھے سب سے زیادہ یہی تفسیر پسند ہے اور ثُمَّ کا لفظ اس کی تائید کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ

قیامت کے دن کا اندازہ ہزار سال بھی بتایا گیا ہے اور پچاس ہزار سال بھی (المعارج)، اور احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ قیامت کا دن اتنا طویل ہو گا جتنے وقت میں چند رکعت نماز ادا کی جا سکتی ہے۔ اس کی توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کفار جس کرب و اضطراب میں مبتلا ہوں گے اس کی وجہ سے انہیں یہ دن پچاس ہزار سال لمبا معلوم ہو گا اور گنہگاروں کو ہزار سال کے برابر اور اہل ایمان کے لیے وہ دن خوشی اور مسرت میں بسر ہو گا۔ اس لیے انہیں وہ بہت مختصر معلوم ہو گا۔ ۃ پہلی آیت میں اس کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا۔ دوسری میں اس کی حکمت بالغہ کا اور

الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٧﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ﴿٨﴾

تخلیق کی گارے سے ٹ پھر پیدا کیا اس کی نسل کو ایک جوہر سے یعنی حقیر پانی سے ٹ

اس آیت میں اس کے علم محیط کا بیان ہوا اور الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ فرما کر سابقہ مضامین کی تصدیق فرما دی کیونکہ صرف وہی ہستی اتنی عظیم اور محیر العقول چیزوں کو پیدا کر سکتی ہے جو العزیز (سب پر غالب) ہو اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی تربیت اور نشو و نما کا وہی ہستی اہتمام کر سکتی ہے جو الرحیم ہو۔ اسی مناسبت سے ان دو صفات کا یہاں ذکر فرمایا گیا۔

ٹ اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ میں سے ایک اور صفت بیان کی جا رہی ہے۔

پہلے ارشاد فرمایا کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اس نے جس چیز کو پیدا کیا اس کے مقصد تخلیق کے نقطہ نظر سے از حد حسین و جمیل اور کامل و مکمل پیدا کیا۔ جس طرح ہونا چاہیے تھا ویسا ہی بنایا۔ مچھر ہو یا شاہین، بچھو ہو یا ہاتھی، سانپ، ان میں لاکھ نقص ڈھونڈیں آپ اس میں ادنیٰ ترمیم کی گنجائش نہیں نکال سکتے۔ ہر چیز ایسی ہے جیسی اسے ہونی چاہیے تھی۔ اگر آپ چیونٹی کی کمزور اور پتلی ٹانگوں کو بدلنا چاہیں یا ان کی قد میں کمی بیشی کرنا چاہیں تو آپ ایسا نہیں کر سکیں گے۔ نباتات، حیوانات بلکہ جمادات تک جس چیز کو جس شکل و صورت، وضع قطع اور حجم میں پیدا فرمایا اس سے عمدہ شکل و صورت کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت ابن عباس نے اَحْسَنَ کا مفہوم بتایا ہے: اَتْقَنَهُ وَ اَحْكَمَهُ۔ قتادہ سے مروی ہے اَحْسَنَ خَلْقَ كُلِّ شَيْءٍ هُوَ اَعْلَمُهُ مَا يَسْتَحِقُّهُ وَ يَلِيقُ بِهٖ خَلْقًا وَ خُلُقًا۔ الحکمۃ (مطلب یہ ہے کہ) ہر چیز کی استعداد اور مقصد تخلیق کے مطابق اسے شکل عطا فرمایا۔

ٹ پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے سب کا خالق ہے۔ پھر جس حکمت اور رحمت سے وہ اس کائنات کی تدبیر فرما رہا ہے اس کو بیان کیا۔ پھر تصریح کی کہ ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا کہ اس میں رد و بدل یا ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اپنی کاریگری اور تکمیل مقصد کے لیے اس میں کسی اصلاح یا تحسین کا امکان نہیں۔ ان تمام امور کا ذکر کرنے کے بعد حضرت انسان کی آفرینش کا حال بیان کیا جو اس کی شان تخلیق کا شاہکار ہے۔

انسان کی پیدائش کے متعلق دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جس کا ذکر قرآن کریم نے کیا اور سابقہ آسمانی صحائف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان اول (آدم علیہ السلام) کو براہ راست پیدا فرمایا اور اس کو اپنی قدرت کی جلوہ گاہ بنایا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اس کے سینے کو علوم و معارف سے منور کیا، اس کو نور نبوت عطا فرمایا اور اسے خلافت ارضی کے تخت پر متمکن کیا یہی اشرف المخلوقات ہے اور سارا نظام ہستی اس کی خدمت اور چاکری کے لیے سرگرم عمل ہے۔ دوسرا نظریہ ڈارون کا نظریہ ارتقا ہے کہ زندگی رینگتی رینگتی ہزار ہا سال صدیوں میں مختلف ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی بندر اور بندر سے انسانی شکل میں نمودار ہوئی۔ ڈارون نے جب اپنے اس نظریہ کا اعلان کیا اس وقت یورپ مذہب دشمنی کی رو میں بہتا چلا جا رہا تھا۔ لوگ مسیحیت کی خلاف عقل ناقابل فہم تعلیمات سے اکتا گئے تھے۔ عقل و فہم کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اب وہ بغاوت پر آمادہ تھے۔ مسیحیت کے علمبرداروں کی انسانیت سوز حرکات کے خلاف اس وقت ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ہر وہ بات جو مسیحی تعلیمات سے متصادم ہوتی لوگ اسے دیوانہ وار قبول کر لیتے۔

ہر قدیم نظریہ کو مسترد کر دینا فیشن بن گیا تھا نیز مذہب بیزاری کا جو عام رجحان پیدا ہو گیا تھا اس کے باعث ڈارون نے جب یہ نظریہ پیش کیا تو لوگوں نے آنکھیں بند کر کے اس کو خوش آمدید کہا۔ اس نظریہ کو معرض وجود میں آئے ہوئے تقریباً ڈیڑھ صدی کا طویل عرصہ گزر چکا ہے اس کے پرستاروں نے بڑی سعی صرف کر دی ہے کہ اس نظریہ کے لیے کوئی ٹھوس بنیاد فراہم کی جائے اور ایسے دلائل مہیا کیے جائیں، جن کے باعث اس نظریہ کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہو جائے لیکن انہیں اس میں بُری طرح ناکامی ہوئی۔ روز اول کی طرح آج بھی ان کے پاس ظن و تخمین کے بغیر اور کوئی سرمایہ نہیں۔ کہتے ہیں فلاں غار سے ایک انسانی ڈھانچہ ملا ہے جو دس لاکھ سال پرانا ہے۔ اس کے سر کی ساخت فلاں قسم کے بندر کی ساخت سے کچھ کچھ مشابہت رکھتی ہے، اس لیے انسان بندر کی ترقی یافتہ صورت ہے۔ پھر فرماتے ہیں مختلف جانوروں میں نسل کشی کے ذریعے مختلف قسم کی تبدیلیاں پیدا کی جا سکتی ہیں، اس لیے انسان میں اگر تبدیلی رونما ہو گئی ہو تو کیا بعید ہے۔ کبھی ارشاد ہوتا ہے تشریح الابدان کے ماہرین نے ثابت کیا ہے کہ انسانی جسم میں چند ایسے اعصاب ہیں جن کا اب کوئی مصرف نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پہلے یہ جن اعضاء کو حرکت دیا کرتے تھے وہ مختلف ارتقائی منزلوں میں ناپید ہو گئے اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ معلوم ہوا کسی زمانہ میں انسان کی دم بھی تھی جو آہستہ آہستہ گھستی چلی گئی اور یہ اعصاب باقی رہ گئے۔ کبھی فرماتے ہیں کہ ہم آج بھی جغرافیائی اثرات اور آب و ہوا کے اختلافات کے باعث ایک براعظم کے انسان کو دوسرے براعظم کے انسان سے کسی نہ کسی صورت میں مختلف دیکھتے ہیں۔ جب یہ اختلاف موجود ہے تو انسان میں تدریجی اختلاف کا پایا جانا کچھ بعید از امکان نہیں۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے دلائل بلکہ قیاسات فاسدہ ہیں جن پر یہ نظریہ قائم ہے۔ آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس قسم کے تخمینوں اور اندازوں سے حتمی طور پر کوئی چیز ثابت ہو سکتی ہے۔ نظریہ ارتقاء کے ثبوت کے لیے انہوں نے ڈیڑھ سو سال میں جتنے دلائل پیش کیے ہیں وہ فکر و نظر کے کسی معیار پر پورے نہیں اترتے۔ کیا ایسے نظریہ کو سائنٹیفک کہا جا سکتا ہے جس کا اساس محض ظنون و تخمینات ہوں اور جس کی ہر دلیل سے عقل کو وحشت ہوتی ہو اور ایک پیچیدگی کو دور کرنے کے لیے انسان جو قدم اٹھائے وہ ہزاروں پیچیدگیوں سے دوچار کر دے۔

سیدھی سی بات ہے کہ ہر چیز کی تخلیق براہ راست ہوئی اور اس کے بعد ہر نوع میں ایسی خصوصیات رکھ دی گئیں اور ایسے خود کار انتظامات کر دیے گئے کہ آگے اس نوع کی افزائش نسل خود بخود ہوتی جائے۔

اگر انسان مذہب دشمنی کی وبا میں اس طرح مبتلا نہ ہو کہ اس کی عقل و فکر کی قوتیں ہی اپاہج ہو چکی ہوں تو اسے ماننا پڑے گا کہ تخلیق انسان کے متعلق جو نظریہ قرآن کریم نے پیش کیا ہے وہی برحق ہے۔

۱۔ انسان اول کو براہ راست گارے سے پیدا کیا گیا۔ اس کے بعد اس کی افزائش نسل کا ایسا انتظام کر دیا گیا کہ طبعی عوامل کے باعث خود بخود اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ نئی نسل کی پیدائش، پرورش اور تربیت کے لیے جتنے نوع بنوع خطرات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اپنے عیش و آرام، اپنی صحت، دولت اور وقت کی جو گرانقدر قربانیاں دینی پڑتی ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں۔ لیکن اس نے اپنی حکمت کاملہ سے ان تمام چیزوں کو ایک ایسی زبردست لذت سے وابستہ کر دیا کہ انسان اس کے حصول کی خاطر یہ ساری قربانیاں خوشی سے دینے کے لیے تیار بلکہ بیقرار ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

پھر اس کے قد و قامت کو درست فرمایا ١٢ اور پھونک دی اس میں اپنی روح ١٣ اور بنائے تمہارے لیے کان اور آنکھیں

کسی چیز کے نچوڑ اور خلاصہ کو سُلٰلَة کہتے ہیں کیونکہ نطفہ بھی سارے جسم کا نچوڑ اور خلاصہ ہوا کرتا ہے اس لیے اسے بھی سُلٰلَة کہا گیا ہے۔ مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی وہ خلاصہ جو حقیر پانی ہے اور اگر مِنْ بعضیہ ہو تو سُلٰلَة سے مراد وہ جرثومہ ہے جو استقرار حمل کا باعث بنتا ہے۔

١٢ رحم مادر میں اس بے قدر و قیمت پانی کا قطرہ یا اس قطرہ میں سے ان گنت جرثوموں میں سے ایک جرثومہ قرار پذیر ہوتا ہے تو اس میں طرح طرح کی عجیب و غریب تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے لگتی ہیں۔ بصورت خوردبین سے دکھائی دینے والا جرثومہ چند دنوں میں ایک لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ وہ لوتھڑا کچھ دیر کے بعد گوشت بن جاتا ہے۔ اس گوشت میں قدرت کی آفرینیوں کے باعث طرح طرح کی ہڈیاں چھوٹی بڑی، سیدھی ٹیڑھی بننے لگتی ہیں پھر وہیں مختلف قسم کے بیرونی اعضاء ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، ناک وغیرہ نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اسی گوشت کے لوتھڑے میں سے ایک حصہ کو دل بنا دیا جاتا ہے۔ کوئی جگر اور معدہ بنتا ہے۔ پھر جسم کے ان مختلف حصوں کے درمیان رگوں اور شریانوں کا جال بچھ جاتا ہے۔ اعصاب کے ذریعے تمام اعضاء کے درمیان مراسلاتی نظام قائم ہو جاتا ہے۔ ایک دماغ کی ساخت ہی پر نظر ڈالیے یہ نازک مشینری کتنے پیچیدہ اور کیسے عجیب و غریب کل پرزوں سے مرکب ہے۔ اس قطرۂ آب یا جرثومہ کو مختلف مدارج طے کر کے انسان کامل بننے میں صرف نو ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔

نظریہ ارتقاء کے حاملین کے نزدیک تو ایسی تبدیلیاں وقوع پذیر ہونے کے لیے اربوں سال چاہئیں تھے لیکن علم جدید علم تشریح الابدان، علم الجنین اور عام مشاہدہ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ سارے حیران کن تغیرات نو ماہ میں ہو گئے جب ہم روز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یوں مشاہدہ کرتے ہیں تو پھر انسان اول کے معرض وجود میں آنے کے لیے جو افسانوی طرز ڈارون اور اس کے شاگردوں نے اختیار کر رکھا ہے کیونکر اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔ سَوّٰى کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: عَدَّلَهُ بِتَكْمِيْلِ اَعْضَائِهِ فِي الرَّحِمِ وَتَصْوِيْرِهَا عَلٰى مَا يَنْبَغِيْ۔ (روح المعانی) یعنی رحم میں اس کے تمام اعضاء کو مکمل اور درست کر دیا اور جس طرح اس کے مختلف اعضاء کی تصویر کشی کرنی چاہیے تھی اس طرح کر دی۔

١٣ جب انسانی ڈھانچہ شکم مادر میں تیار ہو جاتا ہے تو پھر اس میں ایک معزز و محترم روح پھونک دی جاتی ہے جو اسے زندگی سے روشناس کرا دیتی ہے۔ انسانی روح کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی مِنْ رُّوْحِهٖ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی روح کا کوئی حصہ اس سے جدا کر کے انسان میں پھونک دیا جاتا ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ اضافت تشریفی ہے۔ اور لغت عرب میں اس کا استعمال عام ہے۔

اس آیت سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بھی بطلان ہو گیا کہ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں کیونکہ ان میں روح خداوندی پھونکی گئی اور قرآن کریم نے انہیں رُوْحٌ مِّنْهُ فرمایا ہے۔ اگر عیسائیوں کا یہ استدلال ایک لمحہ کے لیے مان بھی لیا جائے

وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ

اور دل ؎ تم لوگ بہت کم شکر بجا لاتے ہو۔ اور کہنے لگے کیا جب ہم (مرنے کے بعد) گم ہو جائیں گے زمین میں

ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۰ قُلْ

تو کیا ہم از سر نو پیدا کیے جائیں گے ؎ درحقیقت یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات سے انکار کر رہے ہیں ؎ فرما دیجئے

ع ۱ ۱۴ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

جان قبض کرے گا تمہاری موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے ؎ پھر اپنے رب کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

آپ پر حضرت مسیح کی اس میں کون سی خصوصیت ہے۔ ہر انسان کو فرشتہ بن کر مانا پڑے گا۔ تعالیٰ اللہ عن ذٰلک علوًا کبیرا۔

؎ یہاں ان ظاہری اور باطنی قوتوں اور صلاحیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس پیکر خاکی کو سرفراز کیا گیا۔

؎ قیامت کے متعلق وہ جس شبہ میں مبتلا تھے اس کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد جب ہم خاک میں مل جائیں گے اور ہماری خاک کے ذرے زمین کی وسعتوں میں منتشر کر دیے جائیں گے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ہزاروں سال سے ہمارے ان بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کر کے انہیں پھر زندہ کر دیا جائے۔ پہلے تو ان ذروں کا سراغ لگانا ہی محال ہے اور اگر کوئی سراغ لگا بھی لے تو انہیں یکجا کرنا اور پھر ان میں زندگی پیدا کرنا تو بالکل بعید از فہم ہے۔ اس لیے ہم دین ایسی باتوں کو تسلیم کرنے کی دعوت دیتا ہے جو بعید از امکان ہیں اس کو مان لینا اور اس پر ایمان لانا عقلمندی اور دانشمندی نہیں۔

؎ ان کی اس حجت بازی کا رد فرمایا کہ تم اس قسم کی یاوہ گوئی کا سہارا کیوں لیتے ہو صاف صاف کہہ دو کہ تم اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہو تمہاری اس بات سے تو پتہ چلتا ہے کہ تمہارے نزدیک تمہارا رب بھی تمہارے منتشر ذروں کو یا تو جانتا نہیں کہ کہاں کہاں ہیں یا جانتا تو ہے لیکن ان کو یکجا کرنے سے عاجز ہے۔ اے حقیقت ناشناسو! کیا اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی تمہیں کوئی شک ہے کیا اس کی قدرت کے بارے میں بھی تم متردد ہو جس کی قدرت و حکمت کی آیات بینات کا تذکرہ ابھی تم سن چکے ہو کیا اس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کیسے نادان ہو تم۔ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ کے لفظ بول کر ان کے مجملاً اعتراض کی تردید کر دی۔

آیت کی ابتداء میں ضَلَلْنَا کا لفظ مذکور ہے جو تحقیق طلب ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کوئی تھوڑی سی چیز زیادہ مقدار والی چیز میں مل جائے یہاں تک کہ اس کا کوئی اثر یا نام و نشان بھی باقی نہ رہے تو عرب کہتے ہیں ضَلَّ یعنی فلاں چیز فلاں چیز میں گم ہو گئی جب بہت سے دودھ میں پانی کا ایک گلاس انڈیل دیا جائے تو عرب کہتے ہیں: ضَلَّ الْمَاءُ فِی اللَّبَنِ وَالْعَرَبُ تَقُوْلُ لِلشَّیْءِ غَلَبَ عَلَیْهِ غَیْرُهٗ حَتّٰی خَفِیَ فِیْهِ اَثَرُهٗ: قَدْ ضَلَّ اور جب میت کو زمین میں دفن کر دیا جائے تب بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِندَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا

اور کاش! تم دیکھو جب مجرم اپنے سر جھکائے ہوئے اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے (کہیں گے) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا

(آنکھوں سے) دیکھ لیا اور (کانوں سے) سن لیا پس ایک بار ہمیں پھر دنیا میں بھیج دے اب ہم نیک عمل کریں گے۔ ہمیں اب پورا یقین آگیا ہے اور اگر ہم چاہتے

يُقَالُ ضَلَّ الْمَيِّتُ إِذَا دُفِنَ (قرطبی)

ملے جس فرشتہ کو روح قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کا نام عزرائیل علیہ السلام ہے۔ عزرائیل کا معنی عبداللہ (اللہ کا بندہ) ہے۔ مومن و کافر ہر شخص کی روح یہی قبض کرتے ہیں لیکن جب کافر کی روح قبض کی جاتی ہے تو اس وقت ان کی شکل بڑی خوفناک اور ڈراؤنی ہوتی ہے اور ان کا رویہ بڑا سخت ہوتا ہے اور جب کسی مومن کی جان نکالتے ہیں تو سراپا حسن و جمال بن کر تشریف لاتے ہیں اور بڑے محبت بھرے انداز سے مومن کی روح قبض کرتے ہیں۔ حضرت امام جعفر نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ملک الموت کو ایک انصاری کے سرہانے دیکھا تو فرمایا اِرْفَقْ بِصَاحِبِیْ فَاِنَّهٗ مُؤْمِنٌ۔ میرے صحابی کے ساتھ نرمی اور شفقت کے ساتھ پیش آنا کیونکہ وہ مومن ہے۔ ملک الموت نے عرض کی، طِبْ نَفْسًا وَقَرَّ عَيْنًا فَاِنِّیْ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ رَفِيْقٌ۔ اے مصطفیٰ! آپ خوش ہوں، آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، میں آپ پر ایمان لانے والے ہر شخص کے ساتھ بڑی نرمی اور شفقت سے پیش آتا ہوں۔

ملے آج کفار و مشرکین غرور و نخوت سے منہ بنائے پھرتے ہیں۔ حق سننے سے اور حق کو ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔ ذرا اس وقت کا خیال کرو جب انہیں خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں لا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت فرط ندامت سے ان کے سر جھکے ہوئے ہوں گے شرم کے مارے آنکھیں نہ اٹھا سکیں گے اور عرض کریں گے۔

"اے ہمارے رب! تیرے رسول نے جن حقائق کے متعلق ہمیں خبردار کیا تھا اور دنیا میں جن کو تسلیم کرنے سے ہم انکار کرتے رہے تھے آج ہم نے ان حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اپنے کانوں سے سن لیا۔ اب ہم غفلت کی نیند سے بیدار ہو گئے ہیں اور پکا وعدہ کرتے ہیں کہ تیری نافرمانی نہیں کریں گے اگر ہمیں ایک مرتبہ پھر موقع دیا جائے تاکہ ہم اپنی بندگی کا اظہار کر سکیں اور تیری اطاعت و فرمانبرداری کرکے سابقہ نافرمانیوں کے داغ دھو سکیں۔"

لیکن ان کی درخواست ٹھکرا دی جائے گی۔

دانائے شیراز نے کیا خوب کہا ہے۔

سر از جیب غفلت برآور کنوں — کہ فردا نماند خجالت نگوں

(اب غفلت کے گریبان سے سر کو اٹھا لو تاکہ کل ندامت و خجالت کے باعث وہ جھکا نہ رہے۔)

كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہم دے دیتے ہر شخص کو اس کی ہدایت ۲۰ لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھر دوں گا

الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ

جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے ۲۱ پس اب چکھو سزا اس جرم کی کہ تم نے بھلا دیا تھا اپنے اس دن کی

کنونت کہ چشمست اشکے ببار — زبان در دہانست عذرے بیار

(اب جب کہ تیری آنکھیں سلامت ہیں اپنے گناہوں پر آنسو بہا اور آج جب کہ تیرے منہ میں زبان ہے معذرت خواہی کرلے۔)

نہ پیوستہ باشد روان در بدن — نہ ہموارہ گردد زبان در دہن

(یاد رکھو جسم میں جان ہمیشہ نہیں رہے گی اور نہ منہ میں زبان ہمیشہ رہے گی)

۱۹ اور انہیں بتایا جائے گا کہ اگر ہم چاہتے تو کوئی شخص گمراہ نہ ہوتا۔ ہر شخص کی جبلت اور فطرت میں ہدایت کا نور رکھ دیا جاتا۔ سرکشی اور گناہ کرنے کی کسی میں طاقت ہی نہ ہوتی۔ فرشتوں کی طرح سب انسان متقی اور پرہیزگار ہوتے۔ لیکن ہماری حکمت کا یہ تقاضا نہیں۔ اس طرح نوعِ انسانی کی پیدائش کا مقصد فوت ہو جاتا اور انسان کو جس شرف و کرامت سے سرفراز کرنا مقصود تھا اس کے لیے کوئی وجہ جواز نہ رہتی۔

انسان کی تخلیق سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اسے عقل اور فہم کا نور بخشا جائے۔ حق اور باطل کی راہوں کو اس کے سامنے واضح کر دیا جائے۔ انبیاء کرام آکر اسے راہِ حق پر چلنے کی دعوت دیں اور غلط روی سے بچنے کی تلقین کریں۔ اس کے بعد انسان کو ایک گونہ آزادی دی جائے کہ چاہے تو ایمان لائے اور چاہے تو کفر کرے۔ چاہے تو راہِ حق کو اطمینانِ خاطر قبول کرے اور چاہے تو قوت کی طلب میں غلط راستے پر دوڑنا شروع کر دے۔ جب وہ اپنی مرضی سے ہماری رضا کی خاطر ساری رکاوٹوں کو روندتا ہوا مشکلات کا مقابلہ کرتا ہوا آئے گا تو ہم اپنے دستِ کرم سے اس کے سر پر اپنی رضا کا تاج رکھ دیں گے اور اگر اس نے عقل و فہم کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا، انبیاء کی دعوت کو جان بوجھ کر ٹھکرا دیا، ہماری آیات سنتے، سمجھتے ان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تو اسے واصل بجہنم کر دیا جائے گا اور اس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

۲۰ لیکن میری بارگاہ والا سے یہ فیصلہ صادر ہو چکا ہے کہ جبر و اکراہ سے کام نہیں لیا جائے گا۔ نہ کسی کو زبردستی راہِ حق پر چلنے کے لیے مجبور کیا جائے گا اور نہ کسی کو جبراً فسق و فجور میں مبتلا کیا جائے گا۔ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ۔ دعوتِ حق دے دی گئی ہے۔ حق و باطل میں امتیاز کر دیا گیا۔ اب جس کا جی چاہے وہ ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرلے۔

۲۱ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام جنوں اور انسانوں سے دوزخ کو بھر دیا جائے گا۔ بلکہ الجنۃ اور الناس پر الف لام عہد خارجی ہے اور اس سے سرکش جن اور نافرمان انسان مراد ہیں۔

هٰذَا ۚ إِنَّا نَسِينَاكُمْ ۖ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا

ملاقات کو۲۲ ہم نے تم کو نظر انداز کر دیا اور چکھو ابدی عذاب ان (بداعمالیوں) کے عوض جو تم کیا کرتے تھے۔ صرف

يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ

وہی لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب ہماری آیتوں سے نصیحت کی جاتی ہے تو گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۩ ﴿١٥﴾ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

پاکی بیان کرتے ہیں اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اور وہ غرور نہیں کرتے ۲۳ دور رہتے ہیں ان کے پہلو اپنے بستروں سے ۲۴

يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿١٦﴾ فَلَا تَعْلَمُ

پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اور ان نعمتوں سے جو ہم نے انہیں دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ پس نہیں جانتا

۲۲ نسیان کا معنی بھلا دینا اور فراموش کر دینا ہے لیکن کسی چیز کو ترک کر دینے اور نظر انداز کر دینے کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے خصوصاً جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ وہاں بھول جانا اور فراموش کر دینا مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اس لیے فقط ترک کرنا، نظر انداز کرنا کے معنی میں یہ لفظ مستعمل ہو گا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: قوله عزوجل. نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ إنما معناه تركوا الله فتركهم (لسان العرب)

کفار کو کہا جا رہا ہے کہ تم نے روز قیامت کو آج تک بھلائے رکھا اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں نظر انداز کر دیا اور اپنی رحمت سے تمہیں محروم کر دیا۔ اب اس عذاب کا مزا چکھو جس سے بچنے کی تلقین تمہیں صد بار کی گئی لیکن تم نے پروا نہ کی۔ اب ہمیشہ کے لیے تمہیں جہنم میں رہنا ہو گا یہاں سے نکلنے کے لیے سارے راستے بند کر دیئے گئے ہیں۔

۲۳ حضور نبی کریم علیہ وعلی آلہ اطیب الصلوٰۃ وازکی التسلیم نے کفار کو سمجھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دلائل سے بصیرت سے اپنی شیریں باتوں سے اپنے دلکش عمل سے انہیں حق کی طرف بلایا لیکن ان کی ہٹ دھرمی میں ہرگز فرق نہ آیا۔ ان سے حضور کے قلب مبارک کو جو اذیت پہنچی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ اس لیے ایمان سے محروم نہیں ہیں کہ آپ نے تبلیغ میں کوئی کوتاہی کی ہے بلکہ قبول حق کی ان میں سرے سے اہلیت ہی نہیں۔ اگر شپرہ چشم سورج کی کرنوں سے چشم روشن نہیں ہوتا تو یہ اس کی نااہلی ہے سورج کی کرنوں کی تابانی تو ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ایمان کی دولت تو ان لوگوں کو عطا کی جاتی ہے جن میں یہ صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات میں کیا ہے۔ ان بدبختوں میں تو ان صفات کا نشان تک نہیں انہیں نعمت ایمان کیسے بخشی جا سکتی ہے۔

۲۴ اہل ایمان کی مذکورہ بالا صفات کے علاوہ ایک یہ صفت بھی ہے کہ جب دوسرے لوگ اپنے نرم و گداز بستروں پر محو استراحت

نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ۝١٧

کوئی شخص جو نعمتیں چھپا کر رکھی گئی ہیں ان کیلئے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی ۲۱ یہ صلہ ہے ان (اعمال حسنہ) کا جو وہ کیا کرتے تھے

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُۥنَ ۝١٨ أَمَّا ٱلَّذِينَ

تو کیا جو شخص ایمان دار ہو وہ اس کی مانند ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو (نہیں) یہ یکساں نہیں ۲۲ پس جو لوگ ایمان لائے

ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ فَلَهُمْ جَنَّٰتُ ٱلْمَأْوَىٰ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوا۟

اور نیک عمل کرتے رہے ۲۳ تو ان کے لیے جنتیں ہیں جو ان کا ٹھکانا ہیں بطور ضیافت ان (نیکیوں) کے عوض جو وہ

رہتے ہیں۔ گرمی اور میٹھی نیند کے مزے لوٹتے ہیں تو یہ درد محبت کے مارے اپنے پہلوؤں کو اپنے بستروں سے دور رکھتے ہیں۔ اپنے رب کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہو کر کبھی اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ کبھی اس کی بارگاہ اقدس میں جبین نیاز جھکاتے ہیں، کبھی دعا کے لیے دامن پھیلا دیتے ہیں اور اپنے کریم و رحیم پروردگار سے اس کے فضل و کرم کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان کے دعا کرنے اور مانگنے کا انداز بھی نرالا ہے۔ ساری رات اس کے ذکر میں گزر گئی لیکن پھر بھی اپنی کوتاہیوں کا احساس بے چین کر رہا ہے اور اس کی بے نیازی کا تصور کر کے دل کانپ رہا ہے لیکن اس کی بے نیازی اور اپنی کوتاہیوں کے شدید احساس کے باوجود مایوس نہیں ہیں بلکہ اس کے فضل و کرم پر تکیہ کیے ہوئے دامن پھیلا رہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کا رب بڑا رحیم و کریم ہے۔ جو شخص اس کے حضور میں دست سوال پھیلاتا ہے اس کی شان کریمی اسے خالی واپس نہیں کرتی۔ یہ ہے وہ کشمکش جس میں وہ اپنے شب و روز گزارتے ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو رات ڈھلنے کے بعد اپنے بستروں سے اٹھتے ہیں اور نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔ بعض علماء نے اس سے وہ نوافل بھی مراد لیے ہیں جو مغرب اور عشاء کی نمازوں کے درمیان پڑھے جاتے ہیں۔ "تجافی" کا معنی دوری اور علیحدگی ہے۔ مضاجع مضجع کی جمع ہے۔ اس کا معنی سونے کی جگہ ہے۔

۲۱ یعنی کوئی شخص ان نعمات اور نوازشات کا تصور بھی نہیں کر سکتا جو ہم نے اپنے بندوں کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ عن ابی ہریرة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ حضرت ابوہریرہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جن کو آج تک کسی آنکھ نے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سنا اور کوئی انسان اپنے دل میں ان کا تصور کر سکتا ہے۔ اس کے بعد حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

۲۲ ارشاد ہوتا ہے کہ مومن اور فاسق یکساں نہیں ہیں۔ فاسق سے مراد یہاں باغی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک کر کے خود مختاری کا دعویٰ کرتا ہے۔ یا غیر خدا کی اطاعت اختیار کرتا ہے۔

۲۳ مومن اور کافر کی زندگی، عمل اور انجام میں واضح تضاد ہے اس لیے وہ یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ ان آیات میں اس تضاد کی وضاحت

يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن

کیا کرتے تھے۔ اور جنھوں نے نافرمانی کی تو ان کا ابدی ٹھکانا آگ ہے۔ جتنی مرتبہ وہ ارادہ کریں گے کہ

يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي

(کسی طرح) یہاں سے نکل جائیں تو (ہر بار) انہیں لوٹا دیا جائے گا اسی میں اور انہیں کہا جائے گا چکھو آگ کا عذاب جسے

كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ

تم جھٹلایا کرتے تھے۔ اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں چھوٹا عذاب

الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ

بڑے عذاب سے پہلے ۲۳ تاکہ وہ (سرکشی و بغاوت سے) باز آ جائیں۔ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جسے نصیحت کی گئی

رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ

اس کے رب کی آیتوں سے پھر اس نے روگردانی کی ان سے۔ بیشک ہم مجرموں سے ضرور بدلہ لیں گے۔ اور بیشک ہم نے

آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَلَا تَكُن فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَائِهِ ۖ وَجَعَلْنَاهُ

عطا فرمائی تھی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب۔ تو آپ شک میں مبتلا نہ ہوں ایسی کتاب کے ملنے سے ۲۴ اور ہم نے بنایا تھا

فرمادی۔ ۲۳ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابدی عذاب میں گرفتار ہونے سے پہلے ان نافرمان اور سرکشوں کو ہم طرح طرح کی مصیبتوں اور سختی والم میں مبتلا کر دیتے ہیں تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی اصلاح کریں اور عذاب جہنم سے بچنے کی تدبیر سوچ لیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت کو انسان کی اصلاح کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ وہ نعمت و راحت جو انسان کو غافل اور سرکش بنا دے اس سے وہ مصیبت ہزار درجہ بہتر ہے جو انسان کو گناہوں سے باز رکھنے کا سبب بن جائے۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۴ اعلان نبوت سے پہلے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں نبی بننے کی کبھی خواہش پیدا ہوئی تھی اور نہ آپ کو یہ توقع تھی کہ آپ پر وحی خداوندی نازل ہوگی۔ توقع کے خلاف یکایک جبرئیل امین کا وحی لے کر آنا حیرت اور شک کا باعث بن سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمادیا کہ جبرئیل کے آنے اور وحی کے اترنے سے آپ کو کسی شک میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ کوئی نیا

هُدًى لِّبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلۡنَا مِنۡهُمۡ أَئِمَّةٗ يَهۡدُونَ بِأَمۡرِنَا

اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے ۔ اور ہم نے بنایا ان میں سے بعض کو پیشوا ، وہ رہبری کرتے رہے ہمارے حکم سے

لَمَّا صَبَرُواْۖ وَكَانُواْ بِـَٔايَٰتِنَا يُوقِنُونَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفۡصِلُ بَيۡنَهُمۡ

جب تک وہ صابر رہے اور جب تک وہ ہماری آیتوں پر پختہ یقین رکھتے تھے ۔ بیشک آپ کا پروردگار وہی فیصلہ کرے گا

يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُواْ فِيهِ يَخۡتَلِفُونَ ﴿٢٥﴾ أَوَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ

ان کے درمیان قیامت کے دن جن امور میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے ۔ کیا یہ چیز ان کی ہدایت کا باعث نہ بنی کہ

أَهۡلَكۡنَا مِن قَبۡلِهِم مِّنَ ٱلۡقُرُونِ يَمۡشُونَ فِي مَسَٰكِنِهِمۡۚ إِنَّ

کتنی قومیں تھیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا حالانکہ یہ چل پھر رہے ہیں ان کے مکانوں میں ۔ بیشک

نہیں ہے جو آج تک کبھی نہ ہوا ہو۔ آپ سے پہلے بھی انبیاء تشریف لاتے رہے۔ ان پر وحی نازل ہوتی۔ انہیں صحائف اور کتابوں سے مشرف کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا نام کس نے نہیں سنا۔ وہ بھی منصب نبوت پر فائز کیے گئے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تورات جیسی کتاب مرحمت فرمائی گئی۔ اب قدرت کی نگاہ انتخاب نے سارے جہاں کی راہنمائی کے لیے اسے حبیب مکرم! آپ کو چن لیا اور قرآن حکیم جیسے صحیفہ رشد و ہدایت کے نزول کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس میں قطعاً نہ حیران ہونے کی بات ہے اور نہ شک و شبہ کی گنجائش ہے۔ آیت میں بظاہر اگرچہ خطاب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے لیکن مراد وہ لوگ ہیں جو حضور کی نبوت میں اور قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک اور تعجب کا اظہار کیا کرتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے ہم نے بعض کو امام اور پیشوا بنا دیا تاکہ وہ ہمارے فرمان کے مطابق لوگوں کی راہنمائی کریں۔ امامت و پیشوائی کے اس اعلیٰ منصب کے لیے وہی لوگ چنے گئے جو صبر و استقامت سے عبادت و طاعت کی کٹھن اور دشوار راہ پر گامزن رہے۔ دین حق کی تبلیغ میں مخالفین کی طرف سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے گئے مگر وہ گھبرائے نہیں بلکہ بڑی ثابت قدمی اور جوانمردی سے اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ جو لوگ عبادت و طاعت سے تنگ آ جاتے ہیں اور مصائب و آلام کے مہیب بادلوں کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں انہیں امامت کے عظیم منصب کے لیے منتخب نہیں کیا جاتا۔ ائمہ سے مراد یا بنی اسرائیل کے انبیاء تھے کہ وہ اپنے اپنے زمانہ میں دین موسوی کی دعوت دیتے رہے یا ان کے وہ علماء و فقہاء تھے جو نبی کے نائب کی حیثیت سے نبوت کے مشن کی تکمیل میں عمر بھر کوشاں رہے۔

اہل مکہ کے تجارتی کارواں مشرق و مغرب کا سفر کرتے تھے۔ ان کے راستوں میں کئی اجڑی ہوئی بستیاں آتی تھیں۔ کئی ویران

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ۭ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَاۗءَ اِلَى

ان میں (عبرت کی) کھلی نشانیاں ہیں۔ کیا وہ (ان در و دیوار سے داستانِ عبرت) نہیں سنتے۔ کیا انہوں نے ملاحظہ نہیں کیا کہ ہم بہا لے جاتے

الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ۭ

ہیں پانی بنجر زمین کی طرف ٣٣ پھر ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے سے کھیتی، کھاتے ہیں اس سے ان کے چوپائے اور وہ خود بھی

اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

کیا وہ (پھر بھی) نہیں دیکھتے؟ اور (بار بار) پوچھتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا؟ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو ٣٤

قبیلوں اور بستیوں کے پاس سے ان کا گزر ہوتا رہتا ہے جن کے شکستہ در و دیوار پکار پکار کر اپنے مکینوں کی بداعمالیوں اور بربادیوں کی عبرت آموز داستانیں دہراتے رہتے ہیں۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کیا تم نے ان عبرت بھری داستانوں کو سننے کی زحمت کبھی گوارا کی۔ اگر ان میں سننے کی صلاحیت ہوتی تو وہ ضرور اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جاتے۔ کفر و شرک کو چھوڑ کر دعوتِ توحید کو بصد شوق قبول کر لیتے۔

٣٣ قدرتِ الٰہی کا ایک اور ثبوت پیش کیا جا رہا ہے۔ "الْجُرُز" اس زمین کو کہتے ہیں جو پہلے تو زرخیز ہو لیکن پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بنجر ہو گئی ہو۔ گھاس اور چارہ جڑ سے اکھڑ گیا ہو یا مویشیوں نے کھا پی کر اسے ختم کر دیا ہو اور اب وہاں سبزہ کا نشان تک دکھائی نہ دیتا ہو۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں: الجرز الارض التی جرز نباتها ای قطع اما لعدم الماء و اما لانه رعی و ازیل۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: جو زمین شور اور ریتلی ہونے کی وجہ سے ناقابلِ کاشت ہو گئی ہو اسے جرز نہیں کہتے بلکہ ایسی زمین جو ہو تو قابلِ کاشت لیکن پانی نہ ملنے کی وجہ سے بالکل سوکھ گئی ہو۔ ولا یقال للتی لا تنبت کالسباخ جرز۔

کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ نہیں کہ جب خشک سالی کے باعث زرخیز زمینیں بنجر ہو جاتی ہیں اور ان میں کوئی چیز نہیں اگتی تو اللہ تعالیٰ بارانِ رحمت نازل فرما کر انہیں از سر نو سرسبز و شاداب کر دیتا ہے۔ اگر وہ اسی ایک چیز میں غور کریں تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے سے باز آ جائیں۔

اس سے اس امر کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ تم اسلام کی ظاہری کمزوری دیکھ کر اس کے مستقبل سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ اگر بارش کے ایک چھینٹے سے چشمِ زدن میں بنجر زمین کی کیفیت بدل جاتی ہے اور وہاں چند روز کے بعد سرسبز کھیت لہلہانے لگتے ہیں تو اس سے کوئی بعید نہیں کہ وہ مسلمانوں کی حالتِ زار پر بھی اپنی نظرِ رحمت فرمائے اور چشمِ زدن میں ان کی پستی کو بلندی سے، ان کی پریشانی کو خوشحالی سے اور ان کی شکست کو فتح سے بدل دے۔

٣٤ "الفتح" سے مراد فیصلہ کا دن یعنی روزِ قیامت ہے۔ قال مجاهد یعنی یوم القیامۃ۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝۲۹

آپ فرمائیے فیصلہ کے دن نہ فائدہ پہنچائے گا کافروں کو ان کا ایمان لانا ۲۹ اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝۳۰

پس (اے حبیب!) آپ رخ انور پھیر لیجیے ان سے ۳۰ اور انتظار فرمائیے وہ بھی منتظر ہیں

اہل ایمان کفار کو کہا کرتے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ نیک لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا ملے گی اور بدکاروں کو آتش جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ کفار ازراہ تمسخر پوچھتے کہ وہ فیصلہ کا دن جس کی آمد سے تم ہمیں ہروقت ڈرایا کرتے ہو ذرا لطف و کرم سے یہ تو بتا دو کہ وہ کب آئے گا۔

۲۹ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب! ان ستم کیشوں سے کہو کہ فیصلہ کا دن آئے گا اور ضرور آئے گا۔ لیکن اگر تم نے پہلے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور اس کے بعد ایمان لانے پر آمادہ ہوئے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اس دن تمہاری ندامت اور خجالت تمہارے کسی کام نہیں آئے گی۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اب آنکھیں کھولو، اب ہوش میں آؤ اور دعوت محمدی علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واجمل السلام قبول کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں فلاح دارین کا مژدہ سنایا جائے گا اور رحمت خداوندی تمہیں اپنے انعامات سے مالا مال فرمادے گی۔

۳۰ اے محبوب! آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ان کو ہلاکت کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن یہ باز نہیں آتے۔ اب ان کی طرف سے رخ انور پھیر لیجیے۔ اب یہ نگاہ والتفات کے مستحق نہیں ہیں۔

اور آپ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امداد کا انتظار فرمائیے اور انہیں اپنی بربادی اور تباہی کی گھڑی کا انتظار کرنے کے لیے چھوڑ دیجیے

اللّٰهم رب العباد و مولاهم نحمدك لما يسّرت وصلّ وسلّم على حبيبك الاكرم ونبيك الاعظم وعلى آله وصحبه واتباعه وتقبّل منّي بفضلك انك انت السميع العليم ووفقني لاتمامه انك انت العزيز الرحيم۔

قد فرغت من تسويد هذه السطور في ضحى يوم الاحد

١٨ جمادى الثاني ١٤٠٣ وانا نزيل بمسجد ضاحية من ضواحي قرية مگھال۔

التحقیقات اللغویہ

حاشیہ نمبر	سورت نمبر		حاشیہ نمبر	سورت نمبر	
		ا	۳۴	۲۱	تبہتھم
۵۳	۱۸	استبرق	۸۸	۲۱	لبلاغا
〃	〃	ارائک	۲۶	۲۲	آلتباذ
۸۳	۱۸	موئلا	۲۸	۲۲	بوّأنا
۹۵	۱۸	إمرا	۴۹	۲۲	بُدن
۷۱	۱۹	اثاثا	۵۶	۲۲	بیع
۶۸	۱۹	آتیّ	۱۷	۲۵	بُورا
۸۵	۱۹	إدّا	۱۲	۳۰	یُبلس
۶	۲۰	آنست	۴	۳۰	بدع
۱۸	۲۰	آزری			**ت**
۷۸	۲۰	امتا	۲۷	۲۳	تترا
۷۶	۲۱	امۃ			**ث**
۹۱	۲۶	ایکہ	۵۵	۱۸	ثمر
۵۸	۲۹	یؤفکون	۴	۲۰	ثری
〃	۳۰	ء	۱۰	۳۰	اثاروا
۵۲	۲۳	اساطیر	۵۳	۳۰	تثیر
۱۵	۲۴	افک			**ج**
۵۰	۲۴	ایامٰی	۲۵	۱۹	اجاء
		ب	۲۷	۱۹	جنیا
۸	۱۸	بخع	۶۷	۱۹	جثیا
۴۰	۱۹	بغیا	۳۸	۲۳	یجئرون

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
س ————		
سرادق	۱۸	۵۱
اساور	۱۸	۵۲
سندس	۱۸	۵۳
سمیّا	۱۹	۸
سریّا	۱۹	۲۴
یبسً	۲۰	۵
نسفت	۲۰	۳۴
یسطون	۲۲	۸۹
سامرا	۲۳	۴۱
سراب	۲۴	۴۹
سوای	۳۰	۱۱
سلالة	۳۲	۱۱
سوّی	۳۱	۱۲
سَخّر	۳۱	۲۳
ش ————		
یشوی	۱۸	۵۱
شِعر	۲۶	۱۶
شہاب	۲۷	۹
ص ————		
صعیدا	۱۸	۴۳
صدفین	۱۸	۱۱۵
صدیقا	۱۹	۴۳
صفصفا	۲۰	۷۸
صوافّ	۲۲	۴۹

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
صوامع	۲۲	۵۶
صلوات	۲۲	۵۶
صبغ	۲۳	۱۵
صافات	۲۴	۴۲
اصطفی	۲۷	۹
یصّدّعون	۳۰	۴۸
تصعّر	۳۱	۳۳
ض ————		
ضنکا	۲۰	۹۱
الضامر	۲۲	۳۰
ضللنا	۳۲	۱۵
ط ————		
طرائق	۲۳	۱۱
ظ ————		
ظُلل	۳۱	۵۰
ع ————		
عوج	۱۸	۲
عقبا	۱۸	۴۶
عتیّا	۱۹	۹
[illegible]	۱۹	۹۸
العاکف	۲۲	۲۹
عمیق	۲۲	۳۰
معتر	۲۲	۴۹
عقیم	۲۲	۶۹
عزم	۲۰	۳۱

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
عاکفین	۲۶	۴۳
ع		
غفلة	۲۱	۱
غثاء	۲۳	۳۶
ف		
فتية	۱۸	۱۳
فرطا	۱۸	۴۹
فريا	۱۸	۳۱
يفترون	۲۱	۱۶
فجاجا	۲۱	۴۶
ففتقنا	۲۱	۲۳
فارهين	۲۶	۸۳
الفتح	۳۲	۳۳
فخور	۳۱	۳۲
ق		
قيما	۱۸	۳
قبلا	۱۸	۸۰
قطرا	۱۸	۱۱۵
قصيا	۱۹	۲۵
قبس	۲۶	۹
قاعا	۲۰ ۲۰	۵ ۷۸
قصصا	۲۱	۱۲
نقذف	۲۱	۱۵
نقدر	۲۱	۷۳
القانع	۲۲	۳۹

	سورت نمبر	حاشیہ نمبر
قيمة	۲۴	۶۹
قواعد	۲۴	۸۷
مقرنين	۲۵	۱۳
لم يقتروا	۲۵	۶۵
مقبوحين	۲۸	۴۳
اقم	۳۰	۳۱
قيم	۳۰	۳۴
	۳۰	۴۷
مقتصد	۳۱	۵۰
ک		
كهف	۱۸	۱۲
كان	۱۹	۳۵
اكاد	۲۰	۱۴
الكرب	۲۱	۹۰
كالحون	۲۳	۶۹
كبكبوا	۲۶	۵۶
كسفا	۳۰	۵۳
ل		
ملتحدا	۱۸	۴۵
لسان صدق	۱۹	۵۲
لدا	۱۹	۸۵
تلقف	۲۰	۵۴
لهو	۲۱	۳
لجي	۲۴	۷۰
لعل	۲۶	۴

التحقیقات النحویہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فہرست مطالب

اللہ جلّ مجدہٗ

۲۔ دلائل توحید

	سورت نمبر	آیت نمبر
زمین کی زینتیں اسی نے پیدا فرمائی ہیں۔	۱۸	۷
اس نے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں راستے بنائے۔	۲۰	۵۳ تا ۵۵
اگر کوئی دوسرا خدا ہوتا تو نظام عالم درہم برہم ہو جاتا	۲۱	۲۲ حاشیہ
زمین و آسمان جڑے ہوئے تھے ان کو الگ کیا	۲۱	۳۰ تا ۳۳
پھر ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا اور دیگر دلائل فلک اور سیارہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس کی تحقیق	۲۱	۳۳ حاشیہ
لیل و نہار، شمس و قمر کا وہی خالق ہے	۲۱	۳۳
آسمانوں کو بلند کرنا، شمس و قمر کی تسخیر، تدبیر امر، زمین کا بچھانا، انہار و اشجار پیدا فرمانا	۲۲	۶۱ تا ۶۵
کفار کا اعتراف توحید۔	۲۳	۸۴ تا ۹۰
وہ پانی کو اندازے سے اتارتا ہے۔	۲۳	۱۸
کھجوروں اور انگوروں کے باغات	۲۳	۱۹
زیتون کا درخت	۲۳	۲۰
جانوروں میں قدرت کی نشانیاں	۲۳	۲۱،۲۲
وہی زندہ کرنے والا وہی مارنے والا ہے	۲۳	۸۰
اختلاف لیل و نہار۔	//	//
دلائل تکوینی	۲۴	۴۱ تا ۴۴
سایہ کا پھیلنا وغیرہ، آیات تکوینیہ	۲۵	۴۵ تا ۵۰
میٹھے کڑوے پانی کا یکجا ہونے کے باوجود آپس میں نہ ملنا۔	۲۵	۵۳
دلائل توحید	۲۷	۶۰ تا ۶۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
توحید کے قرآنی دلائل	۳۰	۲۰ تا ۲۶
وجعل لکم من انفسکم ازواجا کی تشریح	۳۰	۲۱ حاشیہ
آسمانوں اور زمین کی تخلیق، زبانوں اور رنگوں میں اختلاف اہل علم کے لیے ان میں روشن نشانیاں ہیں۔	۳۰	۲۲
رات کی نیند، دن کی تگ و دو میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے آیات ہیں۔	۳۰	۲۳
بجلی کا چمکنا، بارش کا برسنا، پھر زمین کا زندہ ہونا اہل عقل کے لیے روشن نشانیاں ہیں	۳۰	۲۴
آسمان و زمین اسکے حکم سے اپنی اپنی جگہ قائم ہیں	۳۰	۲۵
اس کی قدرت سے قبروں سے تمام مخلوق نکل کھڑی ہوگی	۳۰	۲۵
جب تم اپنے اموال میں اپنے غلاموں کو برابر کا حصہ دار بنانا گوارا نہیں کرتے تو خدا کی خدائی میں کون اس کا حصہ دار بن سکتا ہے	۳۰	۲۸
مشرکین کے تقلید سے اہل سنت پر اعتراض اور اس کا رد۔	۳۰	۲۸ حاشیہ
جہازوں کا چلنا، پانی میں کشتیوں کا تیرنا اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔	۳۰	۴۶
ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا چھانا، بارش کا برسنا اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۳۰	۴۸
آسمانوں اور زمین کی چھ دنوں میں تخلیق	۳۲	۴
آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کیا اور زمین میں پہاڑ جمائے تاکہ وہ ڈولتی نہ رہے	۳۱	۱۰
زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، ظاہری باطنی نعمتوں کی بارش کر دی	۳۱	۲۰

مضمون	سورت نمبر	آیت نمبر
رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ تسخیر شمس و قمر، ہر چیز اپنے وقت مقررہ تک رواں دواں ہے۔	۳۱	۲۹
کشتی کے سطح آب پر چلنے میں صبار شکور کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔	۳۱	۳۱
انسان کی تخلیق کے مراحل۔	۲۲	۵
مٹی سے انسان کی تخلیق	۳۰	۲۰
سلسلہ ازدواج اور باہمی مودت و رحمت	۳۰	۲۱
کمزوری سے قوت پھر قوت سے ضعف و بڑھاپا	۳۰	۵۵
جس چیز کو بنایا خوب بنایا۔	۳۲	۷
انسان کی تخلیق طین سے	۳۲	۷
اس کی نسل ماء مہین سے	۳۲	۸

۳۔ صفات الٰہی

(ا) علم الٰہی

مضمون	سورت نمبر	آیت نمبر
وہ ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔	۲۰	۷
وہ گزشتہ نسلوں کے سب حالات کو جانتا ہے۔	۲۰	۱۱۰
اس کی حقیقت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔	۲۰	۱۱۰
وہ ہر بات کو جانتا ہے۔	۲۱	۱۱۰
وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔	۲۲	۱۷
وہ لطیف خبیر ہے۔	۲۲	۶۳
	۳۱	۱۹
سمیع بصیر ہے۔	۲۲	۶۱
وہ العلی الکبیر ہے۔	۲۲	۶۲
وہ غنی حمید ہے۔	۲۲	۶۴
وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے۔	۲۲	۷۰
وہ دلوں کے راز جاننے والا ہے۔	۲۸	۶۹،۶۸
" " "	۲۷	۷۴
" " "	۳۱	۲۳
وہ عالم الغیب ہے۔	۲۷	۶۵
علم غیب کی تفصیلی بحث۔ حاشیہ آیت مذکورہ		
زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۲۹	۵۲
وہ سمیع علیم ہے	۲۹	۶۰، ۵
بکل شیء علیم	۲۹	۶۲
عالم الغیب والشہادۃ	۳۲	۶
رائی سے بھی چھوٹی چیز یا چٹان کے اندر چیز ہو اس کو جانتا ہے۔	۳۱	۱۶
سارے درخت قلمیں اور سارے سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی اس کے علم کا بیان مکمل نہیں ہوتا	۳۱	۲۷
وہ سمیع بصیر ہے۔	۳۱	۲۸
بما تعملون خبیر۔	۳۱	۲۹

(ب) رحمت و مغفرت الٰہی

مضمون	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کا رب غفور اور رحمت والا ہے۔	۱۸	۵۸
وہ مجرم کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔	۱۸	۵۸
اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر خصوصی رحمت	۱۹	۲
انبیاء پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کے لیے ذکر خیر	۱۹	۵۰
اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے لیے غفار ہے	۲۰	۸۲
وہ لوگوں کے لیے رؤف رحیم ہے	۲۲	۶۵
عفو غفور ہے	۲۲	۶۰
اس کی رحمت اور اس کا فضل نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی پاک نہ ہوتا۔	۲۴	۲۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
وہ برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے وہ غفور رحیم ہے۔	۲۵	۷۰
آپ کا رب لوگوں پر فضل و کرم فرمانے والا ہے	۲۷	۷۳
وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔	۲۹	۴۰
جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحمت فرماتا ہے۔	۲۹	۲۱
اس کے عذاب اور رحمت کی مختلف صورتیں	حاشیہ آیت بالا	
وہ عزیز رحیم ہے۔	۳۰ ۳۱	۵ ۶
وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔	۳۰	۹
نجات اس کی رحمت سے ہی ہوگی	۳۰	۴۵
مومنوں کی مدد ہمارے ذمہ کرم پر ہے كان حقا علينا نصر المومنين	۳۰	۴۷
اللہ تعالیٰ کی مختلف قسم کی نعمتیں ان میں عرفان الٰہی اور آتش عشق سر فہرست ہے۔	۳۱	حاشیہ
(ج) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے		
زمین اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس کے ہم وارث ہیں۔	۱۹	۴۰
آسمانوں اور زمین کا وہ خالق ہے	۱۹	۶۵
آسمانوں زمین اور ما فیہا کا وہی مالک ہے	۲۲ ۲۰ ۲۴ ۲۱ ۲۵ ۳۱	۶۴ ۶ ۶۴ ۱۹،۲۰ ۲-۱ ۲۶
ہر چیز کو پیدا کیا اور اسے فطری ہدایت بخشی (اعطى كل شيء خلقه ثم هدى)	۲۰	۵۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
تمہاری ظاہری اور باطنی نعمتیں اسی نے پیدا کیں	۲۳	۷۸
اسی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا تمہیں زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔	۲۳	۸۰-۷۹
ہر جانور کو پانی سے پیدا کیا اور جیسے چاہا۔	۲۴	۴۵
اس نے زمین و آسمان کو حق کے ساتھ پیدا کیا	۲۹	۴۴
وہ غنی عن العالمین ہے۔	۲۹	۶
تخلیق کی ابتداء اور اس کا اعادہ اس کے لیے آسان ہے۔	۲۹	۲۰-۱۹
زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کی فرمانبردار ہے	۳۰	۲۶
تخلیق، رزق، موت و حیات سب اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔	۳۰	۴۰
وہ غنی حمید ہے	۳۱	۲۶
(د) وہ ہر چیز پر قادر ہے		
جیسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۱۸	۱۷
بڑھاپے میں بچہ دینا اس کے لیے آسان ہے	۱۹	۹
بغیر باپ بیٹا دینا اس پر آسان ہے۔	۱۹	۲۱
اس کے امر کن سے ہر چیز ہو جاتی ہے	۱۹	۳۵
اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔	۲۱	۲۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے	۲۲	۱۸،۱۴
وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے	۲۲	۶۶
جس کو وہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں۔	۲۲	۱۸
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے	۲۴	۴۶،۳۵
ہر چیز پر قادر ہے۔	۲۹	۲۰-۱۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
تمہارا رازق اللہ تعالیٰ ہے بت نہیں۔	۲۹	۱۷
آفرینش کا آغاز اس نے کیا اور اعادہ	۳۰	۱۱، ۲۷
اس پر مشکل نہیں۔	۲۹	۱۹، ۲۰
وہ ہر چیز پر قادر ہے۔	۲۹	۲۰
جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور		
جس پر چاہتا ہے رحمت فرماتا ہے۔		
اسکے عذاب اور رحمت کی مختلف صورتیں	۳۱	۲۱
جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔	۳۰	۵
زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے	۳۰	۱۹
جس کو چاہتا ہے وسیع رزق دیتا ہے اور	۳۰	۳۷
جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔		
اس کی ہر تخلیق میں اس کی حکمت کی نشانیاں ہیں۔	۰	۰
وہ مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے	۳۰	۵۰
وہ جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ علیم و قدیر ہے	۳۰	۵۴
تم سب کو پیدا کرنا پھر مرنے کے بعد زندہ	۳۱	۲۸
کرنا اس کے لیے آسان ہے۔		
وہ علی کبیر ہے۔	۳۱	۳۰
(۵) اللہ تعالیٰ کسے ہدایت دیتا ہے		
جسے وہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے۔	۱۸	۱۷
جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔	۱۹	۲۲
ایمان والوں کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے	۲۲	۵۴
جس کو چاہتا ہے اور اسی کو ہدایت دیتا ہے	۲۴	۴۶
تمہارا اور حیوانات کا بھی رازق ہے	۲۹	۶
جسے چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے، جسے	۲۹	۶۲
چاہتا ہے مفلس کر دیتا ہے۔		

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ محسنین کے ساتھ ہے	۲۹	۶۹
(ی) کس کو ہدایت نہیں دیتا اور محبت نہیں کرتا		
وہ گمراہ کرنے والوں کا حامی نہیں۔	۱۸	۵۱
وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔	۲۸	۵۰
وہ مفسدین کو پسند نہیں کرتا۔	۲۸	۷۷
اتباع اہواء کے باعث جسے خدا گمراہ کر دے	۳۰	۲۹
اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔		
وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا	۳۰	۴۵
متفرق		
اگر سارے سمندر سیاہی بن جائیں۔ الخ	۱۸	۱۰۹
ہم باطل پر حق سے چوٹ لگاتے ہیں اور	۲۱	۱۸
اسے پاش پاش کر دیتے ہیں۔		
جسے خدا ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں	۲۲	۱۸
جو اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرتا ہے	۲۲	۴۰
جن پر ظلم ہو ان کی اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔	۲۲	۶۰
اللہ تعالیٰ ہی معبود حق ہے اور اس کے سوا سب معبود باطل ہیں	۲۲	۶۲
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا	۲۲	۶۹
بیشک اللہ تعالیٰ قوی عزیز ہے۔	۲۲	۷۴
سمیع بصیر ہے۔	۲۲	۷۵
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو ایک اندازے سے پیدا کیا ہے	۲۵	۱، ۲
بیشک آپ کا رب عزیز رحیم ہے۔	۲۶	۹
(یہ آیت اس سورت میں کئی بار آئی ہے)		
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نہایت عمدہ طریقے سے بنایا ہے	۲۷	۸۸
شرک مستقل اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت	حاشیہ آیت بالا	
وہ غنی عن العالمین ہے۔	۲۹	۶
وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔	۳۰	۶

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

	سورت نمبر	آیت نمبر
۱۔ نبوت و رسالت		
انبیاء کی میراث کی تحقیق	۱۹	۵ حاشیہ
نبوت و رسالت کا مفہوم	۱۹	۵۱ حاشیہ
انبیاء پر اللہ تعالیٰ کے انعامات	۱۹	۵۸
انسانوں کی طرف انسان ہی نبی بن کر آئے افادہ و استفادہ کے بغیر نا ممکن ہے۔	۲۱	۷
رسول ہمیشہ مرد ہی آئے ہیں	۲۱	۷
ہم نے انبیاء سے کیا وعدہ پورا کیا وہ نجات پاگئے اور ان کے دشمن ہلاک ہو گئے۔	۲۱	۹
میں تمہارے لیے نذیر مبین ہوں۔	۲۲	۴۹
ہر امت کے لیے ایک شریعت ہے۔	۲۲	۶۷
بیشک آپ ہدایت پر ہیں۔	۲۲	۶۷
اگر وہ آپ سے جھگڑیں تو آپ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں	۲۲	۶۸
حضور سارے عالموں کے لیے نذیر ہیں۔	۲۵	۱
حضور کی رسالت پر کفار کے اعتراضات اور ان کے جوابات	۲۵	۷ تا ۱۱
آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔	۲۶	۲۱۴
رسول کے ذمہ بلاغ مبین ہے۔	۲۹	۱۸
حضور کی ذات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے	۲۹	۴۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
۲۔ رحمت و خلق عظیم		
کیا آپ ان کے غم میں جان دے دیں گے	۱۸	۶ حاشیہ
آپ انکی رفاقت پر صبر فرمائیں جو اہل ایمان ہیں	۱۸	۲۸
غربائے امت پر آپ کی نگاہ شفقت رہنی چاہیے	۱۸	۲۸
ستر ہزار اصحاب ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار بخش دیے جائیں گے۔	۱۹	۹۶ حاشیہ
حضور کی رحمت للعالمینی کے سبب کفار پر فوراً عذاب نہیں ہوتا	۲۰	۱۲۸ حاشیہ
ہر نبی کا تعارف فرمایا بعض کا متکلم نہیں فرمایا۔ اس کی حکمت۔	۲۶	۲۱۶
۳۔ شان مصطفیٰ		
اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندے پر کتاب نازل کی	۱۸	۱
حضور کی بشریت کی حقیقت۔	۱۸	۱۱۰ حاشیہ
شان بندگی میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں	۱۸	۱
نور محمدی کی تخلیق۔	۱۸	۱۱۰ حاشیہ
ربک، ربوبیت کی نسبت اپنی طرف (آپ کا رب)	۱۹	۲
شفاعت کا ضابطہ	۱۹	۸۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضورﷺ کا علم خداداد تفصیلی بحث	۲۷	۶۵ حاشیہ
کسریٰ کی حکومت کی تباہی کی پیشینگوئی پر لیکن	تعارف سورہ روم	

۵۔ حضورﷺ کی اطاعت

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو حضورﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہی کامیاب ہیں	۲۴	۵۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۴	۵۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۴	۵۴
حضورﷺ کے نافرمان روزِ حشر ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔	۲۵	۲۷
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۲۵	۲۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
حضورﷺ کے نافرمان روزِ حشر ندامت سے ہاتھ کاٹیں گے۔	۲۵	۲۹

۶۔ اظہارِ عبودیت

	سورت نمبر	آیت نمبر
قُل انما انا بشر مثلکم		
حضورﷺ کی بشریت کے بارے میں تفصیلی بحث	۱۸	۱۱۰
آپ مجرموں کی امداد نہ کیجیے۔	۲۸	۸۶
آپ مشرکوں میں سے نہ بنیے۔	۲۸	۸۸
آپ مُردہ دلوں کو نہیں سُنا سکتے۔	۳۰	۵۲
سماعِ موتیٰ کی تفصیلی بحث۔	۳۰	۵۲

اسلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
مبلغِ اسلام کو نرم خو اور خوش گفتار ہونا چاہیے	۲۰	۴۴
سب انبیاء دینِ توحید لے کر آئے تھے	۲۱	۹۲
اہلِ غرض نے اسے پارہ پارہ کر دیا	۲۱	۹۳
۔ ۔ ۔ ۔	۲۳	۵۲
ہر گروہ اپنے نظریات پر خوش ہے	۲۳	۵۳
اگر حق لوگوں کی نفسانی خواہشات کی	۲۳	۷۱
پیروی کرے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے	۹	۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
والدین سے حُسنِ سلوک کا حکم	۲۹	۸
اہلِ کتاب کو اسلام کی دعوت کیسے دی جائے۔	۲۹	۴۶
اسلام دینِ فطرت ہے؛ اس کی تشریح۔	۳۰	۳۰ حاشیہ
یہ دینِ قیم ہے۔ قیم کی تشریح	۳۰	۳۰ حاشیہ
دینِ قیم کی پیروی کا حکم	۳۰	۴۳ حاشیہ

انبیاء علیہم السلام

	سورت نمبر	آیت نمبر
سب انبیاء ایک دین لے کر آئے	۲۱	۹۲
خود غرضوں نے دین کو پارہ پارہ کر دیا	۲۱	۹۳
" " " " "	۲۳	۵۳
انبیاء کے اخلاق، وہ نیکی کرتے ہیں	۲۱	۹۰
ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں	"	"
اُمید و بیم سے ہمیں پکارتے ہیں۔	"	"
اور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔	"	"
و۔ آدم علیہ السلام		
فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم	۱۸	۵۰
سجدہ آدم کا حکم	۲۰	۱۱۶
اولاد آدم کو نصیحت کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسکو دوست نہ بناؤ۔	۱۸	۵۰
یہ تمہارا دشمن ہے تمہیں گمراہ کر دے گا۔	۲۰	۱۱۷
آپ کی بھول لیکن عزم نہیں تھا۔	۲۰	۱۱۵
شیطان کی فریب دہی۔	۲۰	۱۲۰
عصیٰ آدم ربہ فغویٰ کی تحقیق۔	۲۰	۱۲۱
آدم کو چن لیا۔	۲۰	۱۲۲
آپ کا جنت سے زمین پر ہبوط اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت۔	۲۰	۱۲۳
ب۔ ابراہیم علیہ السلام		
آپ صدیق نبی تھے۔	۱۹	۴۱

	سورت نمبر	آیت نمبر
اپنے باپ کو دعوت توحید اور اس کا انداز	۱۹	۴۲ تا ۴۸
آپ کو اولاد صالح، رحمت خاص اور لسان صدق علیا سے سرفراز کیا گیا۔	۱۹	۴۹، ۵۰
ابراہیم علیہ السلام اور بتوں کو توڑنے کا واقعہ آگ کا گلزار ہونا۔	۲۱	۵۱ تا ۷۰ مع حواشی
آپ کا اپنی قوم کو دعوت توحید دینا۔ بتوں کی بے بسی کا بیان۔	۲۱	۶۶، ۶۷
کفار کا آگ میں جلانے کا منصوبہ اور	۲۱	۶۸ تا ۷۰
آپ کیلئے آگ کا گلزار ہونا۔	۲۹	۲۴
تعمیر بیت اللہ کی جگہ کا تعین، شرک سے بچنے کی تاکید اور کعبہ کو پاک صاف رکھنے کی تاکید۔	۲۲	۲۶
حج کے بارے میں اعلان عام کرنے کا حکم	۲۲	۲۷
حج کے لیے بعض ہدایات اور احکام	۲۲	۲۸، ۲۹
آپ کی دعوت توحید	۲۶	۶۹ تا ۸۲
اپنے لیے دعا	۲۶	۸۳ تا ۸۵
اپنے باپ کے لیے دعائے مغفرت	۲۶	۸۶، ۸۸
آزر بچا تھا	حاشیہ آیت بالا	
آپ کی دعوت توحید	۲۹	۱۶، ۱۷
آپ پر انعامات الٰہی اسحاق و یعقوب نبوت، کتاب	۲۹	۲۷، ۲۸
آپ کی شان بندگی اور رب کریم کی	حاشیہ آیات بالا	

	سورت نمبر	آیت نمبر
شانِ بندہ نوازی۔		
(ج) ادریس علیہ السلام		
آپ صدیق نبی تھے۔	۱۹	۵۶
آپ صاحبِ مقامِ رفیع تھے	۱۹	۵۷
(د) اسحٰق علیہ السلام		
آپ صالح پیشوا اور ہدایت یافتہ تھے	۲۱	۷۳،۷۲
اسمٰعیل علیہ السلام		
آپ صادق الوعد اور رسول نبی تھے۔	۱۹	۵۴
آپ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے۔	۱۹	۵۵
آپ اپنے رب کے پسندیدہ بندے تھے۔	۱۹	۵۵
ایوب علیہ السلام		
آپ کی آزمائش اور کامیابی	۲۱	۸۴،۸۳
بائبل میں قصۂ ایوب کا ذکر اور تقابلی مطالعہ۔	۲۱	۸۳ حاشیہ
داؤد علیہ السلام		
کھیتی کے جھگڑے کا فیصلہ	۲۱	۷۹،۷۸
آپ کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا۔	۲۱	۸۰
زرہ سازی کا فن عطا ہوا	۲۱	۸۰
آپ کو علم مرحمت ہوا اور دیگر عزت افزائیاں	۲۷	۱۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
سلیمان علیہ السلام آپ کے وارث بنے	۲۷	۱۶
انبیاء کی وراثت کی تحقیق	حاشیہ آیت بالا	
ذوالقرنین		
اس کے متعلق تفصیلی بحث	۱۸	۸۳ تا ۹۸
یہ کون تھے؟ کیا یہ پیغمبر تھے یا نہیں۔ انکے مذکورہ سفروں کی تفصیل	حواشی آیات بالا	
زکریا علیہ السلام		
آپ کی دُعا، اندازِ دُعا۔ دُعا کی قبولیت	۱۹	۲ تا ۱۱
آپ کی نیازمندی بیٹے کا مژدہ		
حضرت زکریا اور یحییٰ کا ذکر قرآن کے آئینے میں۔	۱۹	۱۲
بائبل یا کے متعلق بیانات کا تقابلی مطالعہ	حاشیہ آیت بالا	
اولاد کے لیے دُعا۔	۲۱	۸۹
سلیمان علیہ السلام		
کھیتی کے جھگڑے کا تصفیہ	۲۱	۷۹،۷۸
آپ کے لیے ہوا اور جنات کو مسخر کر دیا	۲۱	۸۲،۸۱
وادیِ نمل پر آپ کا گزر اور عنایاتِ ربانی پر اظہارِ تشکر۔	۲۷	۱۸
حضرت داؤد علیہ السلام کے کئی بیٹے تھے	۲۷	۱۶
ہُدہُد کا قصہ] ملکۂ سبا کا واقعہ اور دیگر] ضمنی مباحث]	۲۷	۲۰ تا ۴۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
آپ کے اُمتی کی کرامت	۲۷	۴۰
کرامات اولیاء کا ثبوت	حاشیہ آیت بالا	
آپ کے مکتوب کا پُر جلال مضمون	۲۷	۳۰ تا ۳۱
بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اسے برباد کر دیتے ہیں۔	۲۷	۳۴
شعیب علیہ السلام		
اپنی قوم کو وعظ و نصیحت	۲۶	۱۷۷، ۱۷۸
تقویٰ اور اطاعت کی دعوت	۲۶	۱۷۹
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا	۲۶	۱۸۰
ناپ تول صحیح رکھو ورنہ فساد برپا ہو جائے گا۔	۲۶	۱۸۱ تا ۱۸۳
قوم کا ردِ عمل اور اس کا عبرتناک انجام	۲۶	۱۸۴ تا ۱۹۱
آپ کی دعوت، قوم کا ردِ عمل اور اس کا عبرتناک انجام۔	۲۹	۳۶، ۳۷
صالح علیہ السلام		
آپ کی دعوت	۲۶	۱۴۱ تا ۱۴۴
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔	۲۶	۱۴۵
تم باغوں، چشموں، کھیتوں میں عیش کرنے کے لیے چھوڑ نہیں دیے جاؤ گے۔	۲۶	۱۴۶ تا ۱۴۸
سنگ تراشی کی مہارت	۲۶	۱۴۹
آپ کی دعوت	۲۶	۱۵۰ تا ۱۵۲
قوم کا ردِ عمل آپ ہماری طرح بشر ہیں۔	۲۶	۱۵۳، ۱۵۴
آپ پر جادو کر دیا گیا ہے۔	۲۶	۱۵۳
اونٹنی بطور معجزہ۔	۲۶	۱۵۵، ۱۵۶
انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور برباد کر دیے گئے۔	۲۶	۱۵۷ تا ۱۵۹
عیسیٰ علیہ السلام		
آپ کے اُمتیوں اصحاب الکہف والرقیم کے تفصیلی حالات۔	۱۸	۹ مع حواشی
آپ کی ولادت کا تفصیلی بیان۔	۱۹	۱۶ تا ۳۵
حضرت مریم کے تفصیلی حالات	۱۹	۱۶ تا ۳۵
بن باپ ولادت پر طرح طرح کے شکوک اور ان کا ازالہ	حواشی آیات مذکورہ بالا	
اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کہنے کا وقت	۱۹	۳۰
حضرت مسیح کے بارے میں عیسائیوں کا اختلاف اور صحیح عقیدہ کہ مسیح اللہ کے بندے ہیں۔	۱۹	۳۷
آپ اور آپ کی والدہ آیت ربانی ہیں۔	۲۱ ۲۳	۹۱ ۵۰
لوط علیہ السلام		
آپ کی قوم کا اخلاقی انحطاط، آپ کا اضطراب، قوم کا انجام	۲۱	۷۴، ۷۵
آپ کی قوم کی بدکاری، آپ کی دعوت کا ردِ عمل اور انجام	۲۶	۱۶۰ تا ۱۷۳
آپ کی قوم کے جرائم کی فہرست	۲۹	۲۸، ۲۹
آپ کی سرزنش اور قوم کا ردِ عمل	۲۹	۲۹

انسان

اور اسکی عظمت کا قرآنی تصور

	سورت نمبر	آیت نمبر
ہم اپنے انعامات سے انسان کو آزماتے ہیں۔	۱۸	۷
انسان کو سجدہ کرنے کا حکم شیطان کا انکار اور اس کا راندہ جانا۔	۱۸	۵۰
انسان بڑا جھگڑالو ہے۔	۱۸	۵۴
اے اولادِ آدم تم اپنے دشمن کو اپنا دوست نہ بناؤ۔	۱۸	۵۰
انسان کی تخلیق مٹی سے ہوئی پھر اسی میں اسے لوٹایا جائیگا پھر اسی سے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔	۲۰	۵۵
اللہ تعالیٰ انسان کا رازق ہے۔	۲۰	۱۳۲
فکر آخرت کرنے والا اور فکر دنیا کرنے والا دونوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔	۲۰	۱۳۴ و حاشیہ
انسان بڑا جلد باز ہے۔	۲۱	۳۷
انسان فطرۃً سعید ہے	۲۱	۱۰۱ حاشیہ
تخلیق انسان کے مختلف مرحلے اور زندگی کے مختلف مدارج	۲۳	۱۲ تا ۱۴
روح پھونک کر انسان کو ایک نئی مخلوق بنا دیا	۲۳	۱۴
ہم نے انسان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔	۲۳	۱۱۵
ایمان بچانے کے لیے ترک وطن ناگزیر ہو جائے تو وہاں سے ہجرت کرلو۔	۲۹	۵۶
ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور پھر	۲۹	۵۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹنا ہے۔	۲۹	۵۷
دنیوی زندگی لہو و لعب ہے۔ آخرت کی زندگی ہی دائمی ہے۔	۲۹	۶۴
ہجرت پذیری کے لیے زمین میں سیر و سیاحت کی دعوت۔	۳۰	۹، ۴۲
انسان پر رحمت کی جاتی ہے وہ پھولے نہیں سماتا تکلیف آتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔	۳۰	۳۶
انسان کے کفر کا نقصان اور نیک اعمال کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے۔	۳۰	۴۴، ۴۵
تخلیق انسان کا آغاز کیچڑ سے ہوا اس کی نسل ماء مہین سے۔	۳۲	۷، ۸
تخلیق انسان کے بارے میں اسلامی نظریہ اور ڈارون کا نظریہ	۳۲	۸،۷ حاشیہ
اس ماء مہین میں محیر العقول تبدیلیاں	۳۲	۹ و حاشیہ
زمین و آسمان کی ہر چیز کو تمہارے لیے مسخر کر دیا۔	۳۱	۲۰
ظاہری اور باطنی نعمتوں سے تمہیں نوازا	۳۱	۲۰
اوامر		
جب کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو تو ان شاء اللہ کہو۔	۱۸	۲۳، ۲۴
اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور خود بھی پابند رہو۔	۲۰	۱۳۲
اے ایمان والو عبادت کرو اور نیک کام کرو۔	۲۲	۷۷
حلال روزی کھاؤ اور نیک عمل کرو۔	۲۳	۵۱
برائی کا بدلہ نیکی سے دو۔	۲۳	۹۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
لوگوں کو معاف کیا کرو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔	۲۴	۲۲
مساجد کو عزت کے ساتھ صاف ستھرا رکھنے چراغاں کرنے کی ہدایت	۲۴	۳۶ حاشیہ
مسجد میں داخل ہونے کے آداب	۲۴	۳۶
غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادیاں کرنے کا حکم	۲۴	۳۲
والدین سے حسن سلوک کا حکم	۲۹	۸
اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو	۲۹	۱۷
اپنے بندوں کو اپنی عبادت کا حکم	۲۹	۵۶
اس کا شکر کرو شکر میں تمہاری بھلائی ہے	۳۱	۱۲
ماں باپ کی خدمت کا حکم	۳۱	۱۴ حاشیہ
ماں کا حق سب سے زیادہ ہے	۳۱	۔ ۔
والدین کی فرمانبرداری کی حدود	۳۱	۱۵
اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ قیامت سے خوف کرو جب نہ باپ بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کے۔	۳۱	۳۳
تمہیں دنیوی زندگی اور دھوکہ باز شیطان فریب میں مبتلا نہ کر دے۔	۳۱	۱۳
بنی اسرائیل		
اصحاب الکہف والرقیم کے تفصیل حالات دقیانوس کا عہد جبر و تشدد	۱۸	۹
اصحاب کہف کا وطن، ایفسوس، رقیم کی تعریفات و دیگر مباحث	حواشی آیت بالا	
بنی اسرائیل کو انعامات کی یاد دہانی	۲۰	۸۰
سرکشی نہ کرو ورنہ غضب الٰہی آئیگا۔	۲۰	۸۱
پادریوں کی سود خوری کی انتہا۔	تعارف سورۃ روم	
جبر و قدر		
جنہوں نے آیات سے منہ موڑا ہم نے ان کے دل اور کان بیکار کر دیئے۔	۱۸	۵۷
گمراہوں کو نشانیاں گمراہ کر دیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۵
راہ ہدایت پر چلنے والوں کے لئے ہدایت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۵
آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں۔	۲۲	۴۶
جو ہدایت اختیار کرتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے	۲۷	۹۲
اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ایسی نشانیاں نازل کریں جو ان کو عاجز کر دیں۔	۲۶	۴
جہاد		
میدان بدر میں شجاعت و جاں نثاری کا منظر	۲۲	۱۹
مسلمانوں کو اذن جہاد کیوں دیا گیا جہاد کی	۲۲	۳۹
حکمت اگر جہاد کی اجازت نہ ہوتی تو کسی کا جان و مال اور دین محفوظ نہ رہتا۔	۲۲	۴۰
اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔	۲۲	۷۸
جہاد کی لغوی تحقیق، اسلامی جہاد اور	حواشی آیت بالا	

دُعائیں

سیاست

	سورت نمبر	آیت نمبر
کافروں کی خدمت اور اعانت حرام ہے۔	۲۸	۱۷ حاشیہ
اس اندیشہ سے شریعت کا انکار نہ کرو کہ یہی حکومتیں تم سے قطع تعلق کرلیں گی۔	۲۸	۵۷
لوگوں کی بداعمالیوں کے باعث بحروبر میں فساد کا برپا ہونا۔	۳۰	۴۱
شرک کا ابطال		
مشرک اپنے معبودوں کو پکاریں گے لیکن وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے۔	۱۸	۵۲
اصنام دوزخ کا ایندھن ہیں۔	۲۱	۹۸ تا ۱۰۰
شرک کی ممانعت	۲۲	۳۰
مشرک کی مثال	۲۲	۳۱
بت تو مکھی بھی پیدا نہیں کرسکتے۔	۲۲	۷۳
یہ مکھی سے بھی کمزور ہیں۔	۲۲	۷۳
اگر اس کا کوئی بیٹا یا شریک ہوتا تو نظام عالم درہم برہم ہوجاتا۔	۲۳	۹۱
اس کا نہ کوئی بیٹا ہے نہ شریک۔	۲۵	۲
ان کے معبود نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان	۲۵	۵۵
نہ مار سکتے ہیں نہ زندہ کرسکتے ہیں۔	۲۵	۵۵
والدین بھی شرک کا حکم دیں تو نہ مانو	۲۹	۸
حضرت سعد اور ان کی ماں کا واقعہ	حاشیہ آیت بالا	
شرک کا ابطال: تم اپنے غلاموں کو اپنے اموال میں شریک نہیں مانتے تو خدا کی مخلوق میں کسی کو اس کا ہمسر ماننا بہت بڑا جرم ہے۔	۳۰	۲۸ حاشیہ
اللہ تعالیٰ تخلیق، رزق، موت، حیات پر قادر ہے۔	۳۰	۴۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
لیکن معبودان باطل کچھ بھی نہیں کرسکتے۔	۳۰	۴۰
یہ کائنات تو خدا تعالیٰ نے پیدا فرمائی تمہارے معبودوں نے کیا پیدا کیا۔	۳۱	۱۱
شرک ظلم عظیم ہے۔	۳۱	۱۳
جب طوفان میں گھر جاتے ہیں تو اسکو پکارتے ہیں جب ساحل پہ اترتے ہیں تو شرک کرنے لگتے ہیں۔	۳۱	۳۲

شریعت

۱۔ شریعت اسلامیہ کی خصوصیات

	سورت نمبر	آیت نمبر
دین میں کوئی حرج نہیں۔	۲۲	۷۸
کسی ولی کے مزار کے قریب مسجد بنانے کا حکم	۱۸	۲۱
کوئی کام کرنے کا ارادہ کرو تو ان شاء اللہ کہو۔	۱۸	۲۳
توسل و وسیلہ کا ثبوت	۱۹	۱۵
کافر کو سلام دینے کا حکم	۱۹	۴۷ حاشیہ
حرم مکہ میں سب مسلمان یکساں حقوق رکھتے ہیں۔	۲۲	۲۵

۲۔ نماز

	سورت نمبر	آیت نمبر
نماز فحشا اور منکر سے روکتی ہے	۲۹	۴۵
اس پر شبہ اور اس کا جواب	۲۹	۴۵ حاشیہ
اوقات نماز	۳۰	۱۸،۱۷
جو اذان دے وہی اقامت کہے	۱۹	۲۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
۳۔ حج		
تعمیر کعبہ	۲۲	۲۶ حاشیہ
تطہیر کعبہ	۲۲	،،
اعلان حج	۲۲	۲۷
احکام حج	۲۲	۲۸ تا ۲۹
حج کی دینی اور دنیوی حکمتیں	حواشی آیات بالا	
حرم مکہ میں سب مسلمانوں کے حقوق یکساں ہیں	۲۲	۲۵
حرم میں الحاد و زندقہ باعث عذاب الیم ہیں۔	۲۲	۲۵
شعائر اللہ کی تعظیم تقویٰ کی علامت ہے	۲۲	۳۲
قربانی کی حقیقت تقویٰ کے قریب ہے۔	۲۲	۳۷
قربانی کے جانور ذبح کرنے کا طریقہ اور اس کی حکمت۔	۲۲	۳۶،۳۷
۴۔ جرائم و عقوبات		
(ا) زنا		
شرک کی حرمت	۲۳	۵ حاشیہ
حرمت زنا اور اس کی حکمت	۲۴	۲
اس کی سزا	۲۴	۲
اس پر تفصیلی بحث	حاشیہ آیت بالا	
سزا میں نرمی نہ کرو	۲۴	۲
سزا مجمع عام میں دی جائے۔	۲۴	۲
زانی اور زانیہ کے نکاح کا حکم	۲۴	۳
کنیزوں سے بدکاری کرانے کی ممانعت	۲۴	۳۳ حاشیہ
کفار کے طریق بد کا استیصال	۲۴	۳۴ حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
قحبہ گری کا انسداد	۲۴	۳۳
غیر شادی شدہ مردوں، عورتوں کی شادیاں کرانے کا حکم	۲۴	۳۲
(ب) حد قذف		
قذف کیا ہے	۲۴	۴،۵ حاشیہ
حد قذف کا حکم	۲۴	۴،۵
تہمت لگانے والے پر حد	۲۴	۴،۵
(ج) لعان		
لعان کیا ہے؟ اس کا حکم، اس کا طریقہ۔	۲۴	۶ تا ۹
تہمت گراں کی سزا	۲۵	۲۳ حاشیہ
(د) پردہ کے احکام		
مومن مرد بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	۲۴	۳۰
مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں	۲۴	۳۱
اس کی حکمت	حواشی آیات بالا	
اسلامی پردہ کے تفصیلی احکام	۲۴	۳۱ حاشیہ
گھر میں بچوں اور غلاموں کے داخلہ کا قانون	۲۴	۵۸
بوڑھی عورتوں کے پردہ کا حکم	۲۴	۶۰
کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو	۲۴	۲۷
اس کی حکمت	۲۴	۲۷ حاشیہ
کسی کے گھر میں داخل ہو تو سلام کہو	۲۴	۶۱
اپنے قریبی رشتہ داروں کے ہاں سے کھانے کا حکم۔	۲۴	۶۱
شیطان		
شیطان جنات سے تھا	۱۸	۵۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
کیا تم اپنے دشمن کو دوست بناتے ہو	۱۸	۵۰
شیطان کفار کو گمراہی پر برانگیختہ کرتا ہے۔	۱۹	۸۳
شیطان اپنے ماننے والوں کو گمراہ کرتا ہے اور دوزخ کی طرف لے جاتا ہے۔	۲۲	۳-۴
شیطان بے حیائی اور نافرمانی کا حکم دیتا ہے	۲۴	۲۱
شیطان ہر افاک اثیم پر نازل ہوتا ہے۔	۲۶	۲۲۱ تا ۲۲۳
شیطان نے عاد و ثمود کے اعمال مزین و آراستہ کر دیا	۲۹	۳۸
صحابہ کرام اور امت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا		
حضرت سیدنا علیؓ نے فرمایا ان الذین سبقت لہم منا الحسنیٰ سے مراد ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	۲۱	۱۰۱ تا ۱۰۳ مع حاشیہ
میدان بدر میں حمزہ، علی، عبیدہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری	۲۲	۱۹ کا حاشیہ
جنہوں نے ہجرت کی اور شہادت پائی انہیں رزق حسن دیا جائے گا۔	۲۲	۵۸
انہیں پسندیدہ ٹھکانہ مرحمت ہوگا	۲۲	۵۹
حضور کی رشتہ داری قیامت کو بھی نفع دیگی	۲۳	۱۰۱
حضرت سیدۃ النساء کی فضیلت	۲۳	۱۰۱ حاشیہ
حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی براءت	۲۴	۱۱ تا ۲۰
واقعہ افک کا تفصیلی بیان	حواشی آیات مذکورہ	
حضرت صدیقؓ کی فضیلت	۲۴	۲۲

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے خلافت کا وعدہ فرمایا اور اسے پورا کیا۔	۲۴	۵۵
خلفاء راشدین کی خلافت	حواشی آیت بالا	
حضرت ابوطالب کے ایمان کا مسئلہ اختلافی ہے۔	۲۸	۵۶ و حاشیہ
رومیوں کی کامیابی کے لیے حضرت صدیق کا شرط لگانا سو اونٹ جیتنا پھر حکم حبیب سب کو صدقہ کر دینا۔	۳۰	۴ حاشیہ
حضرت امام باقر کی تفسیر آیات و حضرت فاروق کی خلافت کی حقانیت	۳۰	۳ حاشیہ
فاتبع سبیل من اناب الی سے مراد حضرت صدیق اکبر ہیں۔	۳۱	۱۵ حاشیہ
عمل صالح		
باقی رہنے والی نیکیاں اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ اجر کی مستحق ہیں۔	۱۸	۴۶
" " " "	۱۹	۷۶
دنیا کی بے ثباتی کی مثال	۱۸	۴۵
مال و اولاد دنیوی زندگی کی زینت ہیں	۱۸	۴۶
اپنے اعمال کو ریا سے بچاؤ	۱۸	۱۱۰
راہ ہدایت پر چلنے والوں کو مزید نور مرحمت کیا جاتا ہے۔	۱۹	۷۶
اعمال صالحہ قبر پر آکر عامل کا استقبال کریں گے	۱۹	۸۵ و حاشیہ
مومن کے اعمال اکارت نہیں جائیں گے۔	۲۱	۹۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
عورت		
مشرک کی عورت۔	۲۴	حاشیہ
عورت کی عصمت وناموس کی حفاظت کے احکام	۲۴	۲
کنیزوں سے بدکاری کرانے کی ممانعت۔	۲۴	۳۳
زمانہ جاہلیت میں بدکار عورتوں کے گھروں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔	۲۴	۳۳ حاشیہ
تہمت گوئی کا انسداد	۲۴	۔ ۔
مومن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔	۲۴	۳۱
اسلامی پردہ کے تفصیلی احکام	۲۴	۳۱ حاشیہ
بوڑھی عورتوں کے پردہ کے احکام	۲۴	۶۰
خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے۔	۲۴	۲۶
قبیلہ		
سبا کے مسکنوں میں امن وامان نصیب تھا اس نعمت کی ناشکری نہ کرو۔	۳۴	۱۷
قرآن کریم		
قرآن کریم میں کوئی کجی نہیں	۱۸	۱، ۲
ہر چیز کو درست کرنے والا ہے۔	۱۸	۲
قرآن میں ہر طرح کے مضامین ہیں۔	۱۸	۵۴
یہ اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے۔	۱۸	۲، ۳
مشرکین کو بروقت متنبہ کرتا ہے۔	۱۸	۴، ۵
ہم نے قرآن کو آسان کردیا ہے تاکہ آپ	۱۹	۹۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
متقین کو بشارت دیں۔	۱۹	۹۷
قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہیں اتارا گیا۔	۲۰	۲
یہ ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔	۲۰	۳
اسے خالق ارض وسما نے اتارا۔	۲۰	۴
قرآن وتورات کا تقابلی مطالعہ	۲۰	سورہ حاشیہ
. . . . .	۲۰	۹۰
قرآن ذکر مبارک ہے	۲۱	۵۰
قرآن فلاح دارین کے لیے کافی ہے۔	۲۱	۱۰۶

نوٹ: قصص الانبیاء جہاں جہاں مذکور ہیں وہاں قرآن کریم اور مروجہ بائیبل کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے خصوصاً سورۂ یوسف کے تفاسیر میں یہ چیز بڑی وضاحت سے لکھی گئی ہے ان امور کا احاطہ کرنے سے متعدد حقیقتیں بے نقاب ہو جاتی ہیں۔

۱۔ قرآن نے یہ قصص بائیبل سے نقل نہیں کیے جیسے بعض مستشرقین کا خیال ہے۔

۲۔ قرآن کریم تمام انبیاء کے تقدس اور احترام کا داعی ہے اور ان کی عصمت وناموس کا محافظ ہے۔

۳۔ مروجہ بائیبل طرح طرح کی تحریفات سے آلودہ ہے۔

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قرآن پر تلک الغرانیق العلی کے اعتراض کا دندان شکن جواب۔	۲۲	۵۲ حاشیہ
کفار کا یہ الزام کہ کوئی شخص آپ کو قرآن سکھاتا ہے	۲۵	۴
قرآن کو یکبارگی نازل نہ کرنے کی حکمت۔	۲۵	۳۲، ۳۳
یہ سب اہل جہان کے لیے ڈرانے والا ہے۔ (نذیر للعالمین)	۲۵	۱
کفار کے نظریہ کی تردید	۲۵	۶
یہ مومنوں کے لیے سراپا ہدایت ہے۔	۲۷	۷۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
اس میں ہر چیز کا بیان ہے	۲۷	۱
یہ مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت کا مژدہ ہے	۲۷	۲، ۱
قرآن کریم قلب مبارک پر نازل ہوا	۲۶	۱۹۲ تا ۱۹۵
نزول قرآن کی کیفیت	۲۶	۱۹۴ تا ۹۶
کیا صرف معانی کا نزول ہوا یا معانی اور	۲۶	۱۹۴
الفاظ دونوں کا۔	-	-
شیطان قرآن کریم نہیں اتار سکتے	۲۶	۲۱۰ تا ۲۱۲
آپ کو یہ قرآن علم و حکمت سکھاتا ہے۔	۲۷	۶
آسمان و زمین کی ہر چیز کتاب مبین میں ہے	۲۷	۷۵
تلاوت قرآن کا حکم اور اس کی برکات	۲۹	۴۵
قرآن کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل۔	۲۹	۴۸
اس کا صرف ظالم ہی انکار کر سکتے ہیں۔	۲۹	۴۹
قرآن میں اہل ایمان کے لیے رحمت و نصیحت ہے	۲۹	۵۱
رومیوں کی فتح کی پیشگوئی۔	۳۰	۲ تا ۶
لوگوں کی ہدایت کے لیے قرآن میں ہر	۳۰	۵۸
طرح کی مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔		
اسے رب العالمین نے نازل فرمایا اس لیے	۳۲	۲
یہ تا قیامت رشد و ہدایت ہے۔		
اس کا مقصد خواب غفلت سے بیدار کرنا ہے۔	۳۲	۳
یہ کتاب حکیم ہے	۳۱	۲
محسنین کے لیے ہدایت و رحمت ہے	۳۱	۳
تورات و انجیل		
تورات متقین کے لیے روشنی ہے	۲۱	۴۸
تورات لوگوں کے لیے ہدایت و رحمت ہے	۲۸	۴۳

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت		
قیامت کے دن پہاڑوں اور دوسرے	۱۸	۴۷، ۴۸
مظاہر فطرت کی حالت۔		
سب لوگ صف بستہ پیش ہوں گے۔	۱۸	۴۷، ۴۸
اپنا نامۂ اعمال دیکھ کر پکار اٹھیں گے یہاں	۱۸	۴۹
تو ہر چھوٹی بڑی چیز لکھ دی گئی ہے۔		
منکرین قیامت کا اعتراض اور اس کا دندان شکن جواب	۱۹	۶۶ تا ۷۲
" " " " "	۲۰	۱۰۰ تا ۱۰۴
اکاد اخفیہا	۲۰	۱۵
قیامت کا منظر	۲۰	۱۰۵ تا ۱۰۹
" " "		۱۱۱
قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔	۲۱	۱۰۴
قیامت کا زلزلہ بہت سخت ہوگا۔	۲۲	۲، ۱
قیامت کی دلیل۔	۲۲	۵
قیامت کی دوسری دلیل۔	۲۲	۵
قیامت کے دن تمام اہل مذاہب کے	۲۲	۱۷
درمیان فیصلہ ہوگا۔		
اس دن بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی	۲۲	۵۶، ۵۷
کفار کا قیام قیامت پر اعتراض۔	۲۳	۸۲، ۸۳
منکرین قیامت کا اعتراض اور ان کا	۲۵	۱۱ تا ۲۵
دردناک حشر		
اس دن بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کی ہوگی۔	۲۵	۲۵ تا ۲۶
انکار قیامت کی وجہ	۲۷	۶۸
اس کا رد	۲۷	۶۹
کفار پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی۔	۲۷، ۳۴	۷۱، ۷۲، ۲۸

	سورت نمبر	آیت نمبر
قیامت کی نشانی خروج دابہ	۲۷	۸۲
جو مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے وہ مُردوں کو روزِ قیامت زندہ کرے گا۔	۳۰	۵۰
قیامت کا دن کتنا بڑا ہو گا	۳۲	وضع حاشیہ
قیامت کے بارے میں کفار کے شبہات	۳۲	۱۰
قیامت کے روز نیک و بد میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔	۳۲	۲۵

کفّار و مُشرکین

ان کا عقیدہ، انکے اطوار، عبرتناک انجام

	سورت نمبر	آیت نمبر
کفار کے مادہ پرستانہ ذہن کی مثال (لاحدهما جنتين)	۱۸	۴۴،۳۲
اپنے مال پر فخر کرنا	۱۸	۳۴
اس کا خیال کہ اس کے باغات ہمیشہ سرسبز رہیں گے۔	۱۸	۳۵
اگر قیامت قائم ہوئی تو تب بھی وہ اچھی حالت میں ہوں گے۔	۱۸	۳۶
مسلمان ساتھی کا اس کے ساتھ مکالمہ	۱۸	۳۷ تا ۴۱
اسکے پھل کا برباد ہونا اور اسکا کفِ افسوس ملنا	۱۸	۴۲، ۴۳
کفار باطل دلیلوں سے حق کو مٹانا چاہتے ہیں	۱۸	۵۶
انکی ساری کوششیں دنیوی زندگی کے لیے وقف ہو گئی ہیں، وہ سب سے زیادہ خسارے میں ہیں۔ (ضل سعيهم)	۱۸	۱۰۳ تا ۱۰۴
کیا کفار عذاب کا انتظار کر رہے ہیں	۱۸	۵۵
وہ ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔	۱۸	۵۶

	سورت نمبر	آیت نمبر
آیاتِ الٰہی سے اعراض بڑا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ ہدایت سے محرومی ہے۔	۱۸	۵۷
کفار اپنی خوشحالی کو اپنے برحق ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔	۱۹	۷۳، ۷۴
وہ کہتے قیامت کے دن بھی وہی سرفراز ہوں گے	۱۹	۷۷ تا ۸۰
ان کے شرک کی وجہ	۱۹	۸۱، ۸۲
کسی کو خدا کا بیٹا بنانا بہت بڑی بات ہے	۱۹	۸۸ تا ۹۲
مجرم سب کو روزِ قیامت جہنم کی طرف ہانکا جائیگا	۱۹	۸۶
انکارِ قیامت	۱۹	۶۶، ۶۷
شیطان کو کفار پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ وہ انہیں ہمیشہ اکساتا رہتا ہے۔ (تؤزهم ازًا)	۱۹	۸۳
مجرم جہنم میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ جئیں گے	۲۰	۷۴
ذکرِ الٰہی سے منہ موڑنے والوں کی سزائیں۔	۲۰	۱۲۴، ۱۲۵
(معيشة ضنكا)		۱۲۶
برباد شدہ قوموں سے یہ کفار عبرت کیوں نہیں پکڑتے۔	۲۰	۱۲۸
کفار کی ثروت، اولاد کی کثرت انکے حق ہونے کی دلیل نہیں بلکہ اللہ کی آزمائش ہے۔	۲۰	۱۳۱
آیاتِ قرآنی کے نزول پر کفار کا ردِ عمل	۲۱	۱ تا ۵
ان کے معبود بالکل بے بس ہیں۔	۲۱	۴۳، ۴۴
ان کے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں	۲۱	۹۸
اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں، ان کا انجام	۲۲	۸، ۹
یہ لوگ کنارے پر کھڑے ہو کر اسلام لائے (يعبد الله على حرف)	۲۲	۱۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آگ اور کھولتا پانی	۱۸	۲۹
جو اللہ سے بہرے بنے رہے ان کے سامنے دوزخ ظاہر کر دیا جائیگا۔	۱۸	۱۰۱،۱۰۰
مصری سورج دیوتا کے پرستار تھے	۲۱	۴۶ تا ۴۹
طول مہلت ملنے کی وجہ سے وہ غافل ہو گئے۔	۲۱	۴۴،۴۳
نزول عذاب کے وقت بھاگ دوڑ ہے شروع	۲۱	۱۳،۱۲
ان کا اعتراف گناہ اور بربادی	۲۱	۱۵،۱۴
ظالم برباد ہوئے اور ان کی جگہ دوسری قوم نے لے لی	۲۱	۱۱
کفار جن کی پوجا کرتے ہیں وہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔	۲۲	۱۳،۱۲
کفار کو اذیت ناک عذاب	۲۲	۲۰،۱۹
آگ کا لباس اور گرز ہیں۔	۲۲	۲۱،۱۹
بعض لوگ جہالت اور غرور کے باعث اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔	۲۲	۱۰،۹،۸
جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مدد نہیں کرے گا انہیں خودکشی کر لینی چاہیے۔	۲۲	۱۵
کفار آیات قرآنی پڑھنے والوں کو تو پچھاڑ ڈالنا چاہتے ہیں۔	۲۲	۷۲
کفار نے اللہ کی شان نہیں پہچانی	۲۲	۷۴
قوم نوح، عاد و ثمود نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں برباد کر دیا۔ ان کے کنویں، محلات اور شہر ویران پڑے ہیں۔	۲۲	۴۲ تا ۴۵
مصائب و آلام میں بھی ضد نہیں چھوڑتے۔	۲۳	۷۵ تا ۷۷
تعصب و ہٹ دھرمی	۲۳	۸۱ تا ۸۳
اللہ تعالیٰ سے مانگنے والوں پر کفار کا استہزاء	۲۳	۱۱۰،۱۰۹
کفار فلاح نہیں پا سکتے۔	۲۳	۱۱۷
ان کے نزدیک فقط یہ دنیوی زندگی ہی ہے	۲۳	۳۷
کفار کے اطوار گستاخیاں، خوش فہمیاں، حرم میں قصہ گوئی کی محفلیں۔	۲۳	۶۳ تا ۶۷
دلائل توحید سننے کے بعد ان کا رد عمل	۲۳	۸۱ تا ۸۹
کفار کا انجام	۲۳	۱۰۲ تا ۱۱۵
روز محشر کفار کی معذرت خواہی	۲۳	۱۰۳ تا ۱۰۸
کفار کا انکار قیامت	۲۳	۸۳،۸۲
مشرکین کی کیفیت اپنی نذیروں سے بچنے کیلئے۔	۲۴	۴۳
کفار کے اعمال کی تمثیل	۲۴	۴۰،۳۹
کفار اور منافقین کو جب خدا و رسول کی فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو انکار کرتے ہیں۔	۲۴	۴۸ تا ۵۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استہزاء اور تعصب۔	۲۵	۴۱،۴۲
وہ اپنی ہوائے نفس کے پرستار ہیں۔	۲۵	۴۳
وہ حیوانوں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔	۲۵	۴۴
طوق و سلاسل میں جکڑ کر دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔	۲۵	۱۱ تا ۱۴
کفار کی سرکشی اور ان کا حال زار	۲۵	۲۱ تا ۲۳
. . . . .	۰	۲۵ تا ۲۹
گمراہ شعراء اور ان کی صفات ذمیمہ	۲۶	۲۲۴ تا ۲۲۶
کفار کے لیے ان کے برے اعمال مزین کر دیے گئے۔	۲۷	۵،۴
روز حشر کفار و ابلیس کی ذلت جھونک	۲۶	۹۲ تا ۱۰۲
کفار کا عذر کہ لوگ انہیں اچک لیں گے۔	۲۸	۵۷

	سورت نمبر	آیت نمبر
ان کی خوشحالی تکبر کا باعث بنی۔	۲۸	۵۸
قرآن کا انکار کافر ہی کرسکتے ہیں۔	۲۹	۴۷
〃 〃 ظالم ہی کرسکتے ہیں۔	۲۹	۴۹
وہ کہتے ہیں تم کفر اختیار کرو ہم تمہارے بوجھ اٹھالیں گے	۲۹	۱۲،۱۳
کفار نے بتوں کو باہمی محبت کا ذریعہ بنالیا ہے لیکن روز قیامت ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے۔	۲۹	۲۵
جو لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی کو دوست بناتے ہیں ان کی مثال عنکبوت کی سی ہے۔	۲۹	۴۱
ان کے معبود عنکبوت کی طرح کمزور ہیں۔	۲۹	۴۱
کیا بدکار خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے۔	۲۹	۴
تم خدا سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے، نہ زمین میں نہ آسمان میں۔	۲۹	۲۲
خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہیں۔	۲۹	۲۲
کفار خدا کی رحمت سے مایوس ہوگئے ہیں۔	۲۹	۲۳
اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے والے گھاٹے میں ہیں۔	۲۹	۵۲
کفار کے مطالبے کے باوجود نزولِ عذاب میں تاخیر	۲۹	۵۳ تا ۵۵
دنیوی زندگی لہو و لعب ہے۔ آخرت ہی ابدی ہے۔	۲۹	۶۴
اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے اور حق کو جھٹلانے والے سب سے زیادہ ظالم ہیں۔	۲۹	۶۸
جو قومیں قوت اور عمران میں ترقی یافتہ	۳۰	۹
تھیں جب وہ گمراہ ہوئیں تو انہیں برباد کردیا گیا۔	۳۰	۹
جھٹلانے والوں اور مذاق کرنے والوں کا انجام بہت برا ہوگا۔	۳۰	۱۰
کفار کے معبود ان کی شفاعت نہیں کریں گے بلکہ اس روز وہ ان کا انکار کردیں گے۔	۳۰	۱۳
مرض و الم کے وقت موحد بن جاتے ہیں۔	۳۰	۳۳،۳۴
آلام و مصائب کے وقت پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔	۳۱	۳۲
رحمت کے وقت اترانے لگتا ہے اور تکلیف کے وقت مایوس ہوجاتا ہے	۳۰	۳۶
روزِ حشر کفار کہیں گے کہ وہ دنیا میں صرف ایک پل ٹھہرے۔	۳۰	۵۵
ان کی تردید	۳۰	۵۶
اس دن ان کا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا اور نہ توبہ کی اجازت ہوگی۔	۳۰	۵۷
ان کا کوئی ولی و شفیع نہیں۔	۳۲	۴
وقوعِ قیامت پر ان کا اعتراض	۳۲	۱۰
روزِ حشر کفار کی ندامت اور واپسی کی درخواست	۳۲	۱۲
تم نے ہمیں بھلا دیا ہم نے اپنی رحمت سے تمہیں فراموش کردیا۔	۳۲	۱۴
ذکرِ الٰہی سے روگردانی کرنے والا بڑا ظالم ہے۔	۳۲	۲۲
انہیں چاہیے کہ گزشتہ برباد شدہ قوموں سے عبرت حاصل کریں۔	۳۲	۲۶ حاشیہ

	سورت نمبر	آیت نمبر
منافقین		
منافقین کا حال	۲۹	۱۰،۲۰
سانحہ افک اور رئیس المنافقین عبداللہ	۲۴	۱۱ تا ۲۰
بن ابی کی فتنہ انگیزی اور حضرت صدیقہؓ	-	-
کی براءت ودیگر تفصیلات	-	-
منافقین کا حال، تخفیف میں اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔	۲۹	۱۰،۱۱
مومنین ومتقین		
اہل ایمان کے لیے بشارت	۱۸	۲،۳
مزارات اولیاء کے نزدیک برائے تبرک	۱۸	۲۱ حاشیہ
مسجد بنانے کا حکم	۱۸	-
مادہ پرست کے مقابلہ میں مومن کی سیرت اور ذہنیت۔	۱۸	۳۷
نیک بندے کی اولاد کو بھی اللہ تعالیٰ نوازتا ہے۔	۱۸	۸۲
اہل ایمان کے لیے جنت الفردوس ہے	۱۸	۱۰۷،۱۰۸
پرہیزگاروں کی "اہل اولاد" وانکا انجام اور کیا	۱۹	۵۹ تا ۶۲
بارگاہ الٰہی میں پرہیزگاروں کی حاضری	۱۹	۸۵
اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔	۱۹	۹۶
پرہیزگاروں کے لیے جنت	۱۹	۶۱ تا ۶۳
راہ ہدایت پر چلنے والوں کو مزید نور ہدایت بخشتا ہے۔	۱۹	۷۶
	-	-

	سورت نمبر	آیت نمبر
من تقرب شبراً ذا الحدیث جو ایک بالشت میرے نزدیک ہوتا ہے میں ایک گز اس کے نزدیک ہوتا ہوں۔	۱۹	۷۱ حاشیہ
عمل صالح قبر پر سواری بن کر آئے گا۔	۱۹	۸۵ حاشیہ
اہل ایمان کا عہد ان کے رب کے نزدیک	۱۹	۸۷
اہل ایمان کے لیے بلند درجات	۲۰	۷۶
مرشد کامل کی توجہ سے سلوک کی طویل مسافتیں چند دنوں میں طے ہو جاتی ہیں۔	۲۰	۷۲ حاشیہ
مرنے کے بعد مومن کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔	۲۰	۵۵ حاشیہ
ساحران فرعون کا ایمان اور نعرۂ حق فاقض ما انت قاض	۲۰	۷۰ تا ۷۲
صرف وہ لوگ شفاعت کریں گے جنہیں اذن شفاعت ہوگا۔	۲۰	۱۰۹
جو میری پیروی کرتا ہے وہ بدبخت نہیں ہوتا	۲۰	۱۲۳
انبیاء اولیاء شفاعت کریں گے	۲۱	۲۸ حاشیہ
متقین کی صفات	۲۱	۴۹
	۲۳	۱۰-۱۱
قیامت کے دن صالحین کے ساتھ خصوصی سلوک	۲۱	۱۰۱
انہیں کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی	۲۱	۱۰۲،۱۰۳
زمین کے وارث صالحین ہیں۔	۲۱	۱۰۵
اہل ایمان کی مساعی بار آور ہوں گی	۲۱	۹۴
اہل ایمان پر گوناگوں انعامات	۲۲	۲۳،۲۴
متقین کی صفات	۲۲	۳۵
مومنین صالحین کو جنت میں داخل کیا جائیگا	۲۲	۱۴

	سورت نمبر	آیت نمبر
دیگر علامات	۲۲	۲۳،۲۴
اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا ہے	۲۲	۳۸
نیکوں کے لیے مغفرت اور رزق کریم	۲۲	۵۰
مخبتین کی تعریف جن کو مژدہ دیا گیا۔	۲۲	۳۴،۳۵
اعمال صالحہ کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں۔	۲۳	[illegible]
مومن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔	۲۳	۹۹ حاشیہ
پاک مرد پاک عورتوں کے لیے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے	۲۴	۲۶
مومن کو جب شرعی فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ سرتسلیم خم کر دیتا ہے	۲۴	۵۱
مومن کی روز محشر حسرت افزائی	۲۵	۲۴
عباد الرحمٰن کی صفات اور ان کی جزا	۲۵	۶۳ تا ۷۶
توبہ سے برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے	۲۵	۷۰
اہل ایمان شعراء	۲۶	۲۲۷
کرامات اولیاء	۲۷	۴۰
اولیاء اللہ روز قیامت گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے۔	۲۷	۸۹
اہل ایمان کی صفات	۲۸	۵۲ تا ۵۵
توبہ، ایمان، عمل صالح موجب فلاح ہیں	۲۸	۶۷
دار آخرت کی نعمتیں انہیں ملیں گی جو دنیا میں جاہ و حشمت کے طالب نہ تھے۔	۲۸	۸۳
اہل ایمان کو آزمانا سنت الٰہیہ ہے۔	۲۹	۲،۳
ایمان اور عمل صالح سے سابقہ برائیاں مٹ جاتی ہیں۔	۲۹	۷،۹

	سورت نمبر	آیت نمبر
اہل ایمان کے لیے ہی زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔	۲۹	۴۴ مع حاشیہ
اہل صبر اور توکل کو بہترین اجر	۲۹	۵۸،۵۹
اہل ایمان شاداں و فرحاں ہوں گے۔	۳۰	۱۵
اے اہل ایمان دین فطرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔	۳۰	۳۱
ان مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو پارہ پارہ کر دیا اور خود گروہوں میں بٹ گئے۔ کانوا شیعا۔	۳۰	۳۲
اہل ایمان کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔	۳۰	۴۷
اہل ایمان قبروں میں سُنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، مُردہ فرقے ہیں۔	۳۰	۵۲
سماع موتیٰ کی تفصیل بحث	۳۰	۵۳ مع حاشیہ
اہل ایمان کو آزمائش کے وقت صبر کی تاکید اور فتح کا مژدہ۔	۳۰	۶۰
اہل ایمان کی صفات جب انہیں آیات نصیحت کی جاتی ہے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اپنے بستروں کو چھوڑ دیتے ہیں بیم و رجا سے دعائیں مانگتے ہیں، اس کے لیے سے خرچ کرتے ہیں۔	۳۲	۱۶
جو انعامات ان پر کیے جائیں گے انہیں کوئی نہیں جانتا۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔	۳۲	۱۷
مومن اور فاسق یکساں نہیں۔	۳۲	۱۸ تا ۲۰

	سورت نمبر	آیت نمبر
جو لوگ احکام الٰہی کی اطاعت کرتے تھے ان میں سے بعض کو امام بنایا گیا	۳۲	۲۴
محسنین کی صفات	۳۱	۴-۵
مومنین کے لیے جنات نعیم کا پکا وعدہ	۳۱	۹
لقمان مرد دانا۔ ان کے مواعظ	۳۱	حاشیہ ۱۰ و ۱۱
جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، درآنحالیکہ وہ محسن ہے تو اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا۔	۳۱	۲۲
معاشیات		
قرآن میں باغ لگانے کا طریقہ	۱۸	۳۳
قارون کا معاشی نظریہ	۲۸	۷۸
مالدار پر اپنے قریب رشتہ دار کا نفقہ واجب ہے حق کا لفظ غور طلب	۳۰	۴۰ حاشیہ
اقربا، فقراء اور مسافروں کا حصہ	۳۰	۳۸
وہ محض رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرتے ہیں	۳۰	۳۸
سود سے مال میں برکت نہیں ہوتی	۳۰	۳۹
زکوٰۃ سے مال میں کئی گنا اضافہ ہوتا ہے	۳۰	۳۹
جہاز رانی بحری تجارت سے کسب معاش کرو	۳۰	۴۵

	سورت نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ کا فضل کہا گیا ہے۔	۳۰	۴۵
نواہی		
معاشرہ میں بے حیائی پھیلانے کی ممانعت ایسا کرنے والوں کے لیے عذاب الیم۔	۲۴	۱۹
فلمیں، رسائل، ٹیلیویژن وغیرہ کی ممانعت	۲۴	۱۹ حاشیہ
شیطان کی پیروی نہ کرو۔ وہ برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔	۲۴	۲۱ حاشیہ
تہمت لگانے والوں پر لعنت	۲۴	۲۳
قحبہ گری کی ممانعت	۲۴	۳۳
الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعاً میں سے نہ ہو جاؤ۔	۳۰	۳۲
من یشتری لھو الحدیث، لھو الحدیث کا بیوپار کرنے والوں کے لیے عذاب مہین ہے۔	۳۱	۶
سماع کا حکم تفصیلی بحث	۳۱	۶ حاشیہ
لقمان نے بیٹے سے کہا شرک مت کرو شرک ظلم عظیم ہے	۳۱	۱۳
تمہیں دنیوی زندگی اور مکار شیطان دھوکہ میں مبتلا نہ کرے۔	۳۱	۳۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

ضیاء القرآن

جلد چہارم

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ ۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ضیاء القرآن پبلی کیشنز محفوظ ہیں

مطبع ـــــــــ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور

کتابت ـــــــــ اقبال اظہر۔ عبدالرحمن ناصر۔ خوشی محمد ناصر

متن ـــــــــ بشکریہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

فوٹوگرافی ـــــــــ حاجی رحیم بخش (الیف آر پروسیسنگ)

تعداد ـــــــــ تین ہزار

تاریخ طباعت ـــــــــ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

ناشر ـــــــــ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تعارف

سورۃ الاحزاب

نام : اس سورۂ پاک کا نام الاحزاب ہے۔ جو اس سورت کی آیت ۲۰ میں مذکور ہے۔ نیز اس میں غزوۂ احزاب کا تفصیلی تذکرہ ہے، جو نتائج کے اعتبار سے ایک فیصلہ کن جنگ تھی۔ اس لیے اس سورت کو اسی نام سے معنون کیا گیا۔ اس میں نو رکوع، تہتر آیتیں اور ایک ہزار دو صد اسی کلمات اور پانچ ہزار سات صد نوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اس میں جن واقعات کا تذکرہ ہے یعنی غزوۂ احزاب، بنی قریظہ اور نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا، وہ اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کا نزول ۵ھ میں ہوا۔

مضامین : اس سورۂ مبارکہ میں تاریخ اسلام کے اہم واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ عرب کے جاہلانہ رسم و رواج میں دُور رس اور انقلابی نوعیت کی اصلاحات کی گئی ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خانگی زندگی کے کئی گوشوں کو آشکارا کیا گیا ہے ازواجِ مطہرات اور خاندانِ رسالت کو خصوصی ہدایات اور ارشادات فرمائے گئے ہیں۔ مسلم معاشرہ میں مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کو روکا گیا ہے۔ پردہ کے نظام کو بروئے کار لانے کے لیے ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا اعلان فرما دیا گیا ہے۔ اِن تمام اُمور نے اس سورت کو بڑی اہمیت بخش دی ہے۔ ہر چیز کا تفصیلی بیان تو اپنے اپنے مقام پر آئے گا۔ اس تعارف میں صرف اجمالی اشارات کیے گئے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام سورت کا مطالعہ کرنے سے پہلے ان امور کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیں اور جب ان کے تفصیلی ذکر کے مقام سے ان کا گزر ہو تو وہ بے خبری میں ہی نہ گزر جائیں بلکہ وہاں توقف کریں، غور و تدبر کریں اور قرآن کریم کی روشنی سے اکتسابِ نور کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

اس سورت کے آغاز میں عہدِ جاہلیت کی رسوم و عادات پر ضرب کاری لگائی گئی ہے لیکن اس سے پہلے یہ فرما دیا کہ بندۂ مومن پر لازم ہے کہ اپنے خداوند ذوالجلال کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل کرے اور اگر ایسا کرتے ہوئے اُسے لوگوں کی ملامت کا ہدف بننا پڑے یا لوگوں کی برہمی اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑے تو ذرا نہ گھبرائے بلکہ اپنے ربِ کریم پر توکل کرے اور اپنے سارے کام اس کے سپرد کر دے اس سے بہتر کارساز اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ نکتہ بھی بیان کر دیا کہ دل ایک ہی ہوتا ہے، یا اس دل میں دُنیا اور اہلِ دُنیا کی محبت خیمہ زن ہوگی یا خدا کی بندگی کا جذبہ اپنا پرچم لہرائے گا ان دو میں سے ایک کا انتخاب ناگزیر ہے اگر انسان کے پہلو میں دو دل ہوتے تو ممکن تھا کہ ایک دل میں خدا اور دُوسرے میں دُنیا کو وہ جگہ دے دیتا اور بیک وقت دونوں

کشتیوں میں سوار رہ سکتا لیکن دل صرف ایک ہے اب یہ تمہاری مرضی چاہے اسے بیت اللہ بنا دو چاہے اسے دنیا کی آلائشوں کے سپرد کر دو۔

اس اثر آفرین اور دلنشین تمہید کے بعد عہدِ جاہلیت کی دو رسموں کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت یہ رواج تھا کہ اگر کسی کی زبان سے اپنی بیوی کے بارے میں یہ لفظ نکل جاتے کہ تُو میرے لیے میری ماں کی طرح ہے تو وہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جاتی یہ بالکل لغویات تھی صرف زبان ہلا دینے سے ایک عورت اس کی ماں کیسے بن سکتی ہے۔ اس لیے اس رسم کو باطل قرار دیا لیکن بیوی کو ماں کہنا بھی پرلے درجے کی حماقت ہے اس لیے ایسا کہنے سے بھی روک دیا اور اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کرنے والے پر کفارہ ادا کرنا لازم قرار دے دیا۔ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

دوسرا رواج ان میں یہ تھا کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنّٰی بنا لیتا تو وہ ہر لحاظ سے اس کا حقیقی بیٹا شمار ہوتا حقیقی بیٹے کے تمام حقوق اور سب مراعات اسے حاصل ہو جاتیں۔ وہ وراثت میں حصہ دار بن جاتا۔ اس کی بیوی متبنّٰی بنانے والے پر حرام ہو جاتی۔ گھر کی مستورات کے ساتھ اس کا اختلاط حقیقی بیٹے کی طرح بے تکلفانہ اور بے حجابانہ ہوتا۔ یہ قبیح رسم طرح طرح کی حق تلفیوں اور اخلاقی قباحتوں کا سبب بن کر رہ گئی تھی۔ متوفی کے حقیقی وارث جدی جائیداد سے محروم ہو جاتے اور ایک اجنبی لے پالک سب کچھ ہڑپ کر جاتا۔ ایک اجنبی نوجوان بے حجابانہ وقت، بے وقت جب آنے جانے لگتا تو اس طرح کئی اخلاقی قباحتیں جنم لینے لگتیں۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس قبیح رسم کی بیخ کنی کر دی جاتی لیکن صدہا سال سے یہ رسم چلی آ رہی تھی۔ اس کی جڑیں وہاں کی سوسائٹی میں بڑی گہری ہو چکی تھیں۔ لہٰذا ناگزیر تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود عملی طور پر اس رسم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے۔ چنانچہ حضرت زید جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبنّٰی تھے ان کی زوجہ حضرت زینب سے بعد طلاق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح فرما کر اس قبیح رسم کا خاتمہ کر دیا۔ اگرچہ بدفطرت لوگوں نے طوفانِ بدتمیزی برپا کیا، لیکن حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آفتاب سے تابندہ تر زندگی اور سیرت کے سامنے وہ فتنہ اپنی موت آپ مر گیا۔

غزوۂ اُحد میں گھاٹی کے تیراندازوں کی فروگزاشت کے باعث مسلمانوں کو سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ کفارِ مکہ کے دلوں میں اپنی بالادستی کا خیال جم گیا۔ اُنہوں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ صحرائی بدو قبائل نے بھی جب مسلمانوں کے جانی نقصانات کا چرچا سنا تو اُنہوں نے بھی شرارتیں شروع کر دیں۔ مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے جو قبائل بنی نضیر اور بنی قریظہ آباد تھے باوجود دوستی کے معاہدوں کے وہ بھی مسلمانوں کو آنکھیں دکھلانے لگ گئے۔ مسلمانوں کے ایک دستہ نے لاعلمی سے بنی عامر کے دو آدمی مار ڈالے۔ ان کی دیت میں حسبِ معاہدہ بنی نضیر کو بھی اپنا حصہ ادا کرنا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے محلہ میں تشریف لے گئے اور انہیں اپنا حصہ ادا کرنے کے لیے کہا۔ وہ بظاہر بڑے احترام سے پیش آئے اور ایک مکان کی دیوار کے نزدیک حضور کو بٹھایا۔ چھت پر چکی کا ایک بھاری پاٹ رکھا تھا۔ اُنہوں نے سازش کی کہ پیچھے سے کوئی آدمی اُوپر چڑھ جائے اور اس کو نیچے پھینک دے۔ ان کا ارادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کا تھا۔ جبرئیل امین نے حسبِ حکمِ الٰہی فوراً مطلع کر دیا۔ حضور وہاں سے اُٹھ کر چلے آئے۔ بنی نضیر کو اس غدر کے باعث حکم دیا کہ وہ دس دن کے اندر مدینہ سے نکل جائیں۔ عبداللہ بن اُبی کی انگیخت پر پہلے تو وہ اکڑ گئے اور مدینہ چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ کوئی منافق ان کی امداد کے لیے نہ آیا۔ آخر انہوں نے جان بخشی کی التجا کی جو قبول کر لی گئی اور ایک ایک اونٹ پر جتنا گھریلو سامان وہ لے جا سکتے تھے، انہیں لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ لوگ خیبر اور وادی القریٰ میں جا کر آباد ہو گئے۔ انہوں نے مشرکین عرب کو مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اکسایا اور عرب کے بدو قبائل کے پاس بھی ان کے وفد گئے۔ انہیں بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ دس بارہ ہزار کے لشکر نے ایک چھوٹی سی بستی پر ہلہ بول دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو خائب و خاسر کیا اور اپنے رسول مکرم کو فتح مبین عطا فرمائی۔ تفصیل حالات آیات کے ضمن میں مذکور ہیں۔ اس سے ایک تو یہ فائدہ ہوا کہ کفار کے غبارہ سے ہمیشہ کے لیے ہوا نکل گئی پہلے وہ حملہ آور تھے اور مسلمان صرف دفاعی جنگ لڑ رہے تھے۔ اب مسلمان آگے بڑھ کر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہو گئے اور کفار صرف دفاع اور وہ بھی "بے دلی" سے کرنے پر قانع ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس روز اعلان فرما دیا: "لن تغزوکم قریش بعد عامکم ھذا ولکنکم تغزونھم"۔ یعنی آج کے بعد قریش تم پر لشکر کشی نہ کر سکیں گے، اب تم ہی ان پر لشکر کشی کرو گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ منافق بے نقاب ہو گئے۔ اس نازک مرحلہ میں انہوں نے جس بزدلی اور بداخلاقی کا ثبوت دیا، اس نے ان کو بے نقاب کر دیا۔ اب مسلمان ان کو خوب پہچان گئے اور ان کی اذیت رسانیوں سے محتاط ہو گئے۔ تیسرا فائدہ یہ ہوا کہ بنی قریظہ یہودی قبیلہ جس کے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان تھے اس نے جنگ کے دوران میں عہد شکنی کی اور دشمن کے ساتھ مل گیا، لیکن حضور کی حکمت عملی سے مشرکین اور یہود کی اجتماعی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ آخر کار یہ قبیلہ بھی کیفر کردار کو پہنچا۔ تفصیلات اپنے اپنے مقام پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دشمنانِ حق کے دلوں پر اسلام کی دھاک بٹھا دی۔ عرب کے سارے قبائل سہم گئے۔ ان کے دلوں میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے جو فاسد خیالات وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے تھے، وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ مدینہ طیبہ کی فضا اب یہود کی اذیت رسانیوں سے محفوظ ہو گئی۔

عام طور پر سیاسی رہنماؤں کی خانگی زندگی اور پبلک زندگی الگ الگ ہوا کرتی ہے۔ ان میں بیّن تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو تو سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین کرتے ہیں اور ان کے اپنے گھروں میں تکلفات اور سامانِ عشرت کی بھرمار ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کو بلند کردار اور پاکیزہ سیرت کی تلقین کرتے ہیں، لیکن ان کے اہلِ خانہ کا دامن غفلت، سہل انگاری اور طرح طرح کی آلودگیوں سے ملوث ہوتا ہے لیکن رہبر انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی آسائشیں اور آرائشیں عزیز ہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول کے گھر کی زینت نہیں بن سکتی ہو۔ سارے خاندانِ نبوت کے لیے اخلاق، عبادات، تزکیہ باطن اور پاک نفسی کا ایک مخصوص منشور پیش کیا جا رہا ہے۔ انہیں ان کے مقامِ رفیع کا احساس دلا کر اس کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھانے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

پردے کا جو حکیمانہ نظام قرآن کریم سارے مسلم معاشرہ میں نافذ کرنا چاہتا ہے اس کے ابتدائی احکامات بھی یہاں ذکر کر دیئے گئے ہیں لیکن کردار کی بلندی، اخلاق کی پاکیزگی، عباداتِ الٰہی میں ذوق و شوق صرف خانوادہ نبوت تک ہی محدود نہیں بلکہ امتِ مسلمہ کے ہر مرد و زن کو جن خوبیوں سے متصف ہونا چاہیے آیت ۳۵ میں بڑی تفصیل سے ان کو بیان کر دیا گیا۔

ان تمام امور کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جن خصوصی انعامات، عظیم احسانات اور غیر متناہی کمالات سے سرفراز فرمایا ہے ان کو بڑے دلفریب انداز میں اس سورت میں بیان کر دیا گیا تاکہ جن و انس بلکہ ساری کائنات کو پتہ چل جائے کہ وہ ہستی جو قرآن کریم جیسی عظیم البرکت کتاب لے کر تشریف لائی ہے، جو اسلام جیسے دین فطرت کی داعی بن کر آئی ہے جس نے نوع انسانی کو قیامت تک کے لیے شریعت بیضاء کی صورت میں ایک جامع ضابطۂ حیات مرحمت فرمایا ہے اس کی شان اپنے بھیجنے والے کی بارگاہ میں کیا ہے تاکہ کوئی کند ذہن کسی تاویل سے اللہ تعالیٰ کے محبوب مکرم کی رفعت شان کا انکار نہ کر سکے۔ فرمایا: وہ اللہ تعالیٰ کا فرستادہ اور خاتم النبیین ہے۔ اس سراج منیر کے افق وجود پر طلوع ہونے کے بعد چراغوں، ستاروں اور چاند کی روشنی کی ضرورت نہیں رہی۔ اب کوئی نیا نبی نہیں بھیجا جائے گا۔ نیز فرمایا کہ وہ سب صداقتوں کی سچائی کا گواہ ہے۔ اس کا وجود، اس کی صفات، اس کے اقوال، اس کے اعمال، اس کے سارے احوال اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ یہ سراج منیر بن کر تشریف لایا ہے۔ پھر فرمایا: میں اور میرے فرشتے سب اس کی ثناگستری کر رہے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی میرے محبوب رسول پر، قائد انسانیت پر، اس آفتاب عالمتاب پر درود و سلام بھیجا کرو۔

ان کے علاوہ کئی دلآویز حقائق ہیں جو اپنے اپنے مقام پر پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے استفادہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الاحزاب مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی آیتیں ۷۳ ، اسکے رکوع ۹

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اے نبی (مکرم!) (حسب سابق) ڈرتے رہیے اللہ تعالیٰ سے[1] اور نہ کہنا مانیے کفار اور منافقین کا[2] بے شک اللہ تعالیٰ

[1] اس مبارک سورت کا آغاز یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ کے پُرجلال کلمات سے کیا گیا ہے براہ راست اس خصوصی خطاب کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں چند ایسی اصلاحات کا حکم دیا جارہا ہے جو قدامت پرست اہلِ عرب کے رسم و رواج کے سراسر خلاف تھیں۔ معاشرہ میں جب کوئی فعل رواج پکڑ جاتا ہے اور پُشت ہا پُشت سے لوگوں کا اس پر تعامل ہوتا ہے تو اسے ایک تقدس اور احترام حاصل ہوجاتا ہے وہ لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس بارے میں اتنے جذباتی ہوجاتے ہیں کہ اس میں کسی اصلاح اور ترمیم کو برداشت نہیں کرتے۔ اور کسی بڑی سے بڑی ہستی کو بھی اس میں ردّ و بدل کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قوموں کی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے سب سے صبر آزما لمحے وہی ہوتے ہیں جب وہ اپنی قوم کے غلط اور مضرت رساں رسم و رواج کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سورت میں عرب کے قدامت پسند معاشرہ اور ان کے غلط رواجوں کی اصلاح کرنا مقصود ہے اور قوم کے شدید ردِّعمل کا اندیشہ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خصوصی طور پر خطاب فرما کر چند ہدایات سے سرفراز کررہے ہیں۔ تاکہ حضور کے خلاف کذب و افتراء کے جو طوفان اٹھنے والے ہیں، ان میں آپ ثابت قدمی اور استقامت کا مظاہرہ کریں۔

دُوسرے انبیاء کو ہمیشہ ان کے نام سے مخاطب کیا جاتا ہے یا آدم، یا نُوح یا ابراہیم۔ اے آدم، اے نُوح، اے ابراہیم۔ لیکن اپنے حبیب کو جب بھی خطاب فرمایا تو نام سے نہیں بلکہ اسمِ وصفی سے۔ اس سے مقصود حضور کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کا اظہار ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے: نَادَاہُ جَلَّ وَعَلَا بِوَصْفِهٖ دُوْنَ اِسْمِهٖ تَعْظِيْمًا لَهٗ وَتَفْخِيْمًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبُوب کی تعظیم و تکریم اور اظہارِ شان کے لیے وصفِ نبوّت سے یاد فرمایا اور نام لے کر ندا نہیں دی۔

صاحب لسان العرب لفظ "نبی" کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ اس کے ماخذ اشتقاق کے متعلق اہل لغت کے تین قول ہیں۔ (۱) یہ نَبَاٌ سے مشتق ہے (۲)۔ یا نَبْوَۃٌ سے (۳)۔ یا نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔ پہلے قول کے مطابق نَبِیٌّ بروزنِ فَعِیْلٌ بمعنی مُفْعِلٌ مُخْبِر ہوگا یعنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا ہو۔

علامہ جوہری اور فرّاء دونوں کی رائے یہی ہے کہ یہ نَبَاٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔

الجوھری: وَالنَّبِیُّ الْمُخْبِرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِاَنَّهٗ اَنْبَأَ عَنْهُ وَهُوَ فَعِيْلٌ بِمَعْنٰى مُفْعِلٌ۔

قَالَ الْفَرَّاءُ: اَلنَّبِیُّ هُوَ مَنْ اَنْبَأَ عَنِ اللّٰهِ فَتُرِكَ هَمْزُهٗ

اور اگر اس کا ماخذ اشتقاق اَلنَّبْوَۃُ یا اَلنَّبَاوَۃُ ہو تو اس کا معنی ہے بلند اور اُونچی چیز۔ کیونکہ نبی دُوسروں سے ہر

لحاظ سے ارفع واعلیٰ ہوتا ہے، اس لیے اُسے نبی کہتے ہیں۔ وَاِنْ اُخِذَ مِنَ النَّبْوَةِ والنَّبَاوَةِ وَهِيَ الْاِرْتِفَاعُ عَنِ الْاَرْضِ اَوْهِيَ الشَّيْءُ الْمُرْتَفِعُ اَيْ اِنَّهٗ اَشْرَفُ عَلٰى سَائِرِ الْخَلْقِ۔ (لسان العرب)

لیکن علامہ اصفہانی نے مزید تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "نبأ" ہر خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ صرف اس خبر کو نبأ کہتے ہیں جس میں یہ تین اوصاف ہوں (۱) فائدہ مند ہو (۲) اہم اور عظیم ہو (۳) اور ایسی ہو کہ اس کے سننے سے علم یا کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو۔ النَّبَأُ ذُوْ فَائِدَةٍ عَظِيْمَةٍ يَحْصُلُ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ غَلَبَةُ ظَنٍّ وَلَا يُقَالُ لِلْخَبَرِ فِي الاصل نَبَأٌ حَتّٰى يتضمن هذه الاشياء الثلاثة۔

اس لفظ پر تفصیل بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ النبوّة سفارةٌ بين الله وبين ذوي العقول من عباده لِاِزَاحَةِ عِلَّتِهِمْ فِيْ اَمْرِ مَعَادِهِمْ وَمَعَاشِهِمْ وَالنَّبِيُّ لِكَوْنِهٖ مُنَبِّئًا بِمَا تَسْكُنُ اليه العقول الذكية وهو يصح ان يكون فعيلا بمعنى فاعلٍ، وان يكون بمعنى المفعول۔ (المفردات) یعنی نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان پیغام رسانی کو کہتے ہیں جس سے ان کی دُنیا اور عقبےٰ کی بیماریاں دُور ہوتی ہیں اور نبی کیونکہ ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس سے عقلِ سلیم کو تسکین ہوتی ہے۔ اس لیے یہ فاعل اور مفعول دونوں معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

شاید انہی تحقیقات کے پیشِ نظر اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب قدس سرہٗ نے "النبی" کا ترجمہ غیب کی خبریں دینے والا کیا ہے۔ مولانا بدر عالم نے بھی نبی کا یہی معنی ذکر کیا ہے۔ ترجمان السنہ۔ جلد سوم صہ ۱۴۴

سلہ تقویٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شعار تھا۔ حضور کے دامنِ تقدس پر کسی ناپسندیدہ فعل کی گرد تک بھی نہیں پڑی تھی، جس سے پرہیز کا حکم دیا جا رہا ہو۔ اس لیے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ اے حبیب! جس طرح آج تک آپ نے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اسی طرح اب بھی ہمیشہ کی طرح بڑی استقامت کے ساتھ راہِ تقویٰ پر گامزن رہیے۔ اَلْمَقْصُوْدُ الدَّوَامُ وَالثَّبَاتُ عَلَيْهَا۔ (روح المعانی)

سلہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کفار ومنافقین کے ساتھ بھی بڑے لطف وکرم سے پیش آیا کرتے اور ان کی دلداری کا خیال رکھتے۔ اس سے انہیں یہ غلط فہمی ہوگئی کہ اب اگر وہ کوئی صلاح ومشورہ دیں گے تو حضور قبول کر لیں گے۔ چنانچہ جنگِ اُحد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور ابوالاعور مدینہ میں آئے اور عبداللہ بن اُبی کے ہاں مہمان ٹھہرے۔ پہلے انہوں نے امان طلب کی اس کے بعد خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور کچھ معروضات پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ ان لوگوں کی معیت میں عبداللہ بن ابی، طعمہ بن ابیرق بھی چلے آئے۔

اثنائے گفتگو ابوسفیان وغیرہ نے کہا کہ آپ لات، منات، عزّیٰ ہمارے معبودوں کے خلاف کہنا ترک کر دیجیے اور اعلان کر دیجیے کہ یہ بت بھی شفاعت کریں گے اور جو لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں یہ ان کو بچا لیں گے۔ تو ہم آپ سے اور آپ کے رب سے اس کے بعد کوئی تعرض نہیں کریں گے۔ ان کا یہ بیہودہ اور لغو مشورہ سن کر حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو سخت کوفت ہوئی۔ حضرت عمر بھی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں ان (گستاخوں) کے سر قلم کر دوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

خوب جاننے والا، بڑا دانا ہے ۔ اور پیروی کرتے رہیے جو وحی کیا جاتا ہے آپ کیطرف اپنے رب کیجانب سے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ

كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾

جو کچھ تم کرتے رہتے ہو اس سے اچھی طرح باخبر ہے ۴؎ اور (اے محبوب!) بھروسہ رکھیے اللہ پر اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپکا) کارساز ۵؎

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ

نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں ۶؎ اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں

الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ

کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں ۷؎ اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند

نے فرمایا کہ میں انہیں پہلے امان دے چکا ہوں۔ پھر ان کو حضور نے مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفار اور منافق اس قابل نہیں کہ ان کی بات مانی جائے۔ آپ صرف ان احکام کی پیروی فرمایئے جو علیم و حکیم خدا نے آپ پر نازل فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جو تمہاری انفرادی، اجتماعی، سیاسی اور معاشی ضرورتوں سے باخبر ہے اور اس کا ہر حکم حکمتوں سے پر ہے۔ ایسے علیم و حکیم خدا کی فرمانبرداری سے ہی تم دونوں جہانوں میں سرخرو ہو سکتے ہو۔

۴؎ آپ صرف ان احکام کی پابندی کریں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ پر نازل فرماتے ہیں اور وہ تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

۵؎ باقی رہیں کفار کی دھمکیاں اور منافقین کی ریشہ دوانیاں اور شرارتیں تو آپ ان کی قطعاً پروا نہ کریں، اپنے رب پر بھروسہ کریں۔ اپنے سارے کام اسی کے سپرد کر دیں، اس کارساز کی تائید و نصرت کے بعد آپ کو کسی بد اندیش کی ایذا رسانی کا ہرگز کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔

۶؎ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو دو ہاتھ، دو پاؤں، دو کان اور دو آنکھیں دی ہیں لیکن دل صرف ایک ہی دیا ہے۔ یہاں متضاد خیالات اور عقائد کی گنجائش نہیں۔ ایک دل میں ایک ہی عقیدہ سما سکتا ہے یا انسان خدا کا بندہ بن جائے یا اسے چھوڑ کر غیر کی بندگی اختیار کر لے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کفر اور اسلام دونوں کے علمبردار بنے رہیں، حق اور باطل دونوں سے رشتہ عقیدت جوڑے رکھیں۔ زندگی کے اس پُرشور سمندر کو دو کشتیوں میں سوار ہو کر جو عبور کرنا چاہتا ہے وہ غرق ہو جاتا ہے یا صدیق و فاروق کی صف میں شامل ہو جاؤ یا ابولہب اور ابوجہل کی سنگت اختیار کرو۔ عبداللہ بن اُبی جیسے منافق لوگوں کی یہاں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۷؎ یہ بتا دینے کے بعد کہ یہاں دورنگی کی گنجائش نہیں۔ اسلام کو تن من دھن اس کے سارے تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا ہوگا یا

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۖ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿٤﴾

یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی ۸

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ

بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔ یہ زیادہ قرینِ انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔ اگر تمہیں علم نہ ہو ان کے باپوں کا تو پھر

فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۗ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ

وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں ۹ اور نہیں ہے تم پر کوئی گرفت جو تم

اسے چھوڑ دینا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم دورِ جاہلیت کے غلط رسم و رواج کو بھی اپنائے رکھو اور مسلمانی کا دم بھی بھرتے رہو۔ اس
وضاحت کے بعد اب دورِ جاہلیت کے قبیح رسم و رواج میں اصلاح کا آغاز ہوتا ہے۔

۸ ان کے ہاں ایک رواج یہ تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یوں کہتا: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ۔ کہ تو مجھ پر اس طرح ہے
جس طرح میری ماں کی پشت۔ ان الفاظ کو طلاق شمار کیا جاتا۔ اور وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی۔ اسلام نے اس کی اصلاح کی اور فرمایا
کہ یوں ہی زبان سے کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جایا کرتی کہ کسی کو ماں کہہ دیا تو وہ ماں بن گئی۔ اس لیے ان الفاظ سے بیوی کو طلاق
نہیں ہوتی۔ لیکن اسلام کے شائستہ معاشرہ میں اس قسم کا اندازِ گفتگو از حد ناپسندیدہ ہے۔ اس لیے ایسا کہنے والے پر اسلام نے کفارہ ادا
کرنا ضروری قرار دیا۔ ظہار کے مسائل کی تفصیل سورہ المجادلہ میں بیان کی جائے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

۸ اسی طرح ان کے ہاں یہ رواج بھی تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو اپنا متبنّٰی بنا لیتا تو اسے حقیقی بیٹے کی طرح اس متبنّٰی بنانے والے
کی طرف منسوب بھی کیا جاتا اور اس متبنّٰی کو وہ تمام حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی صلبی بیٹے کے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ بات حقیقت
کے سراسر خلاف تھی، دوسرا اس سے طرح طرح کی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا ہو جاتیں۔ کئی مستحق لوگوں کی حق تلفی ہوتی اور خاندان کے افراد
میں تلخیاں پیدا ہو جاتیں۔ اس لیے اسلام نے اس رواج کو بھی منسوخ کر دیا اور بتا دیا کہ کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا کہہ دینے سے وہ حقیقت
میں تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا۔

۹ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ جب انہیں بلاؤ تو ان کو ان کے حقیقی باپوں کی نسبت سے بلاؤ۔ انہیں ان لوگوں
کا بیٹا کہہ کر مت پکارو جنہوں نے انہیں متبنّٰی بنایا ہے۔ اور اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہیں ہے، تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔
انہیں بھائی یا دوست کہہ کر پکارو۔ عربی زبان میں وہ لڑکا جسے اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا جائے اسے الدّعیّ
کہتے ہیں۔ اس کی جمع الادعیاء ہے جو یہاں مذکور ہے۔ اس کا مصدر الدعوۃ ہے۔
اس آیت سے اپنے نسب کی حفاظت کا حکم بھی دیا گیا ہے اور اس بات سے سختی سے روک دیا کہ کوئی شخص دانستہ اپنے آپ کو

أَخْطَأْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۵

نادانستہ کر بیٹھو۔ البتہ وہ کام جو تمہارے دل قصداً کرتے ہیں (ان پر ضرور گرفت ہوگی) اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ؎ہ

بکسی غیر کا بیٹا کہے۔ علامہ قرطبی نے اس موقع پر بہت سی احادیث نقل کی ہیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔

؎ہ گفتگو میں جو بات ارادہ اور نیت کے بغیر زبان سے نکل جائے۔ اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ البتہ جو خلافِ شرع باتیں تم جان بوجھ کر قصداً کروگے اس کی سزا تمہیں ضرور دی جائے گی۔ اگر غلطی کرنے کے بعد تمہیں ندامت ہو اور تم سچے دل سے توبہ کرلو، تو تمہاری توبہ قبول ہوگی۔ بیشک اس کی بخشش بڑی عام ہے اور اس کا دامنِ رحمت بڑا وسیع ہے۔

تمام علماءِ تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے حق میں نازل ہوئی۔ یہ شام کے باشندے تھے۔ تہامہ کے چند سواروں کا ادھر سے گزر ہوا، یہ ابھی بچے ہی تھے انہوں نے انہیں پکڑ لیا۔ اپنے ساتھ لائے اور انہیں فروخت کردیا۔ حکیم بن حزام بن خویلد نے جو ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے انہیں خرید لیا اور خرید کر اپنی پھوپھی صاحبہ کو تحفۃً پیش کیا۔ حضرت ام المومنین نے زید کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ حضور نے انہیں آزاد کردیا اور اپنا متبنّٰی بنالیا۔

زید کے والد حارثہ اپنے لڑکے کے فراق میں دیوانہ ہوگئے اور اس کی تلاش میں ملک ملک کی خاک چھان ماری۔ اپنے بیٹے کے فراق میں جو قصیدہ انہوں نے لکھا اسے پڑھ کر آج بھی دل پسیج جاتا ہے۔ چند شعر آپ بھی ملاحظہ فرمائیے اور ایک بدو کی بلاغت اور اس کے درد و سوز سے آگاہی حاصل کیجئے۔

بَكَيْتُ عَلٰى زَيْدٍ وَلَمْ أَدْرِ مَا فَعَلْ ۔۔۔ أَحَيٌّ فَيُرْجٰى أَمْ أَتٰى دُوْنَهُ الْأَجَلْ

میں زید کے فراق میں روتا رہتا ہوں، مجھے اس کے حال کا کوئی علم نہیں۔ کیا وہ زندہ ہے تاکہ اس کے لوٹ آنے کی امید کی جائے یا موت کی آغوش میں سو چکا ہے۔

تُذَكِّرُنِيْهِ الشَّمْسُ عِنْدَ طُلُوْعِهَا ۔۔۔ وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ إِذَا غَرْبُهَا أَفَلْ

سورج جب طلوع ہوتا ہے تو وہ اسکی یاد تازہ کردیتا ہے اور جب وہ غروب ہونے لگتا ہے تو پھر بھی اسکی یاد مجھے ستانے لگتی ہے۔

وَإِنْ هَبَّتِ الْأَرْيَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ ۔۔۔ فَيَا طُوْلَ مَا حُزْنِيْ عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ

جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی آتشِ شوق کو بھڑکا دیتی ہیں، اس کی جدائی میں میرا غم اور اس کے متعلق میرے اندیشوں کا سلسلہ کتنا طویل ہے۔

سَأُعْمِلُ نَصَّ الْعِيْسِ فِي الْأَرْضِ جَاهِدًا ۔۔۔ وَلَا أَسْأَمُ التَّطْوَافَ أَوْ تَسْأَمُ الْإِبِلْ

میں اپنی اعلیٰ نسل کی سانڈنی کو زمین میں چلاتا رہوں گا اور نہ میں اسکی تلاش میں طواف کرنے سے تھکوں گا اور نہ ہی میری اونٹنی۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ وَ

نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ اُنکے قریب ہیں ۱۱؎ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں ۱۲؎ اور

حَیَاتِی اَوْ تَاْتِیْ عَلَیَّ مَنِیَّتِیْ فَکُلُّ امْرِءٍ فَانٍ وَاِنْ غَرَّہُ الْاَمَلُ

مجھے اپنی زندگی کی قسم! میں اس کی تلاش جاری رکھوں گا حتی کہ میری موت آجائے۔ ہر شخص فانی ہے۔ اگرچہ اُمید اسے دھوکہ میں رکھے۔

حارث اپنے بھائی کے ہمراہ بچے کو تلاش کرتا ہوا مکہ آیا اور یہاں اپنے نورِ نظر کو دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، آپ اس کا فدیہ لے لیجیے اور اسے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اگر یہ بچہ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو کوئی فدیہ لیے بغیر اسے تمہارے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے گی۔ تم اسے اختیار دے دو چاہے یہاں رہے یا اپنے وطن لوٹ جائے۔ انہوں نے زید کو اختیار دے دیا۔ خوش بخت زید نے اپنے وطن واپس جانے پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کو پسند کر لیا۔ حضور نے بھی ازراہِ بندہ پروری زید کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ اس روز کے بعد زید کو زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہا جانے لگا۔

قرآن کریم کی جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو سب سے پہلے زید کو اپنے باپ کی طرف منسوب کیا جانے لگا اور انہیں پھر سے زید بن حارثہ کہہ کر پکارا جانے لگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی نے زید کے بختِ خفتہ کو بیدار کر دیا۔ یہی وہ زید ہیں جنہیں اس لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا جو قیصرِ روم کی پیشقدمی کو روکنے کے لیے سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔ ان کی قیادت میں اس روز بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ تھے حتیٰ کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہی وہ زید ہے جس نے غزوہ موتہ میں دو لاکھ دشمن کی سپاہ کے مقابلہ میں لشکرِ اسلام کی قیادت کی اور اسلام کے پرچم کو بلند رکھنے کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔ مصطفیٰ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کے صدقے میں تاجِ شہادت نصیب ہوا۔ اسی آقا کی نظرِ کرم نے ان کے نام کو، ان کے ذکر کو جاوداں بنا دیا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ من احبہ واطاعہ وسلم وبارک اللھم اجعلنا منھم۔ آمین

۱۱؎ اللہ تعالیٰ اس تعلق کی کیفیت اور نوعیت بیان فرماتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے غلاموں کے ساتھ ہے۔ بتایا تمہاری خیر خواہی، اصلاحِ احوال، فلاحِ دارین اور تم پر لطف و کرم فرمانے میں میرا محبوب تم پر تمہارے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہے۔ جتنا میرے نبی کو تمہاری عزت، خوشحالی، اخلاقی برتری کا خیال ہے تمہیں خود بھی اپنا اس قدر خیال نہیں۔ اس حقیقت کی وضاحت ایک دوسری آیت میں بھی کر دی گئی ہے: عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم یعنی جو چیز تمہارے لیے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی بڑی گراں گزرتی ہے، وہ تمہارے متعلق حریص ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے بڑے مہربان اور رحیم ہیں۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے۔ اسے بھی پڑھیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَجَعَلَتِ الدَّوَابُّ وَالْفَرَاشُ

اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ

قریبی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں، کتاب اللہ کی رُو سے عام

يَقَعْنَ فِيْهِ وَاَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ وَاَنْتُمْ تَقْتَحِمُوْنَ فِيْهِ (قرطبی) یعنی میری اور میری اُمت کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اس میں گرنے کے لیے دوڑتے چلے آرہے ہوں۔ میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں اور تم اس میں گرنے پر اصرار کر رہے ہو۔

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰى بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اقرؤا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ من انفسهم وايما مومن مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا فليرثه عصبته مَنْ كَانُوْا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا او ضياعًا فليأتنى فَاَنَا مَوْلَاهُ۔

یعنی کوئی ایسا مومن نہیں جس کا دنیا و آخرت میں میں والی نہیں۔ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو النبی اولی بالمومنین الآیہ اور جو مومن فوت ہو اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو اس کے قریبی رشتہ دار اس کے وارث ہوں گے اور جو مومن قرضہ وغیرہ چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آئے، میں اس کا والی ہوں۔

حضور کی شانِ کریمی پر انسان قربان جائے کتنی شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمارے ساتھ ایسا تعلق ہے، حضور کی خیر خواہی اور لطف و کرم کا یہ عالم ہے تو پھر حیف ہے ہم پر اگر ہم حضور کی شریعت کو چھوڑ کر اپنے نفسوں کی خواہشات کی پیروی میں لگ جائیں، اپنے دوستوں کو خوش کرتے کے لیے اعلیٰ حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہم اپنے نبی پاک کی اطاعت سے سرتابی کریں۔ نیز اسلامی حکومتوں اور قانون ساز اداروں کو بھی اس امر کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے کہ وہ کس رؤف و رحیم کا دامن چھوڑ رہے ہیں اور کس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا رہے ہیں۔ وكونه عليه السلام اولى بالمؤمنين من انفسهم اى ارأف بهم واعطف عليهم اذ هو يدعوهم الى النجاة وانفسهم تدعوهم الى الهلاك۔ یعنی حضور کے اولیٰ بالمومنین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ان پر ان کے نفسوں سے بھی زیادہ مہربان اور شفقت کرنے والے ہیں کیونکہ حضور انہیں نجات کی طرف بلاتے ہیں اور ان کے نفس انہیں ہلاکت کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت سہل فرماتے ہیں: مَنْ لم ير نفسه فى مِلْكِ الرَّسُوْلِ ولم يَرَ ولايته عليه فى جميع احواله لم يَذُقْ حَلَاوَةَ سُنَّتِهٖ: یعنی جو شخص اپنے آپ کو حضور کا غلام نہ سمجھے اور اپنے تمام حالات میں اپنے آپ پر حضور کی حکمرانی تسلیم نہ کرے، اس نے سنت کی شیرینی کا مزہ ہی نہیں چکھا۔

۱۲ حضور رسالتمآب علیہ التحیات والتسلیمات کی ازواج مطہرات کی عزت افزائی فرمائی جا رہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی مائیں ہیں اس تعلق کے باعث ہر مومن کا فرض ہے کہ ان کا اسی طرح احترام کرے جس طرح اپنی ماں کا احترام کرتا ہے۔ اگر ان جسمانی ماؤں

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ۭ كَانَ

مومنوں اور مہاجرین سے ۱۳؎ مگر یہ کہ تم کرنا چاہو اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (تو اس کی اجازت ہے) یہ

ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ

(حکم) کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا ہے ۱۴؎ اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور

مِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا

آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی ۱۵؎ اور ہم نے ان

کا احترام نہ کرنے والا رحمتِ الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے تو جو بدنصیب اپنی روحانی ماؤں کے متعلق گستاخیاں کرنے سے باز نہیں آتے انہیں اپنے حشر کا ابھی سے اندازہ کر لینا چاہیے۔

۱۳؎ ہجرت کے بعد وارث کا مہاجر ہونا ضروری تھا اگر کوئی شخص دار حرب میں رہ جاتا، تو وہ ورثہ سے محروم کر دیا جاتا۔ نیز ہجرت کے بعد مہاجرین اور انصار میں جو بھائی چارہ قائم کیا گیا تھا وہ بھی کچھ عرصہ کے لیے وراثت کا سبب بنا رہا لیکن بعد میں ان عبوری احکام کو منسوخ کر دیا گیا اور ورثہ کی تقسیم قریبی رشتہ داروں کے درمیان محصور کر دی گئی۔

۱۴؎ وراثت کے متعلق تو صراحتہً یہ بتا دیا گیا کہ یہ وارثوں کا حق ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی محسن یا دوست کی خدمت کرنا چاہتا ہے، تو اسے بھی موقع دیا گیا کہ مال کے تیسرے حصہ تک اس کے لیے وصیت کر سکتا ہے جس کی تفصیل سورۂ نساء میں گزر چکی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن کریم بھی ہو سکتا ہے اور لوح محفوظ بھی جس میں تکوینی اور تشریعی امور تفصیل سے درج کر دیئے گئے ہیں۔

۱۵؎ انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ پختہ وعدہ لیا گیا کہ تبلیغِ دین کی جو ذمہ داری انہیں سونپی گئی ہے۔ اس میں وہ سرِ مو غفلت نہیں کریں گے۔

پہلے اجمالاً جملہ انبیاء کا ذکر فرمایا۔ بعد میں چند اولوالعزم رسولوں کے نام کی تصریح کر دی جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت تھے۔ ان میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا تاکہ حضور کی عظمت و شوکت کا اظہار ہو جائے۔ نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگرچہ حضور کی بعثت تمام انبیاء کے بعد ہوئی، لیکن تخلیق میں اولیت کا شرف حضور فخر الاولین والآخرین کو ہی حاصل ہے۔

چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے جب اس آیت کا مطلب پوچھا گیا تو حضور نے فرمایا:

"کنت اولھم فی الخلق و آخرھم فی البعث۔"

یعنی پیدائش میں میں سب سے پہلے تھا اور بعثت میں سب نبیوں کے بعد۔

مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٧ لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ

سب سے پختہ عہد لیا تھا۔ یہ کہ (آپ کا رب) پوچھے سچوں سے انکے سچ کے متعلق اور اس نے

ع ۱ ۸ ۱۷ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝٨ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے دردناک عذاب۔ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو ۱۱ جو اس نے

۱۱ ان آیات میں اس تائید اور عنایت کی طرف اشارہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو سرفراز فرمایا تھا۔ ان آیات کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے ان نازک حالات کا جائزہ لینا ازحد اہم ہے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا تھا، اس لیے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا پس منظر پیشِ خدمت ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود کے دو مشہور قبیلے آباد تھے بنی نضیر اور بنی قریظہ۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی ان سے دوستی کا معاہدہ کر رکھا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام سے عداوت کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ وہ ہر ایسے موقع کی تلاش میں رہتے جب کہ وہ اپنی اس باطنی خباثت کا مظاہرہ کر سکیں۔ غزوۂ احد میں جب گھاٹی پر متعین تیر اندازوں کی عجلت اور غلطی کے باعث اسلامی لشکر کو سخت جانی نقصان ہوا، تو یہود کے حوصلے بڑھ گئے۔ دوستی کے معاہدہ کے باوجود بنی نضیر نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شہید کرنے کی ناپاک سازش کی جس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔ اس عہد شکنی اور غداری کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم دیا۔ عبد اللہ بن ابی نے انہیں جا کر شہ دی کہ وہ اپنے گھروں میں ڈٹے رہیں۔ اگر لڑائی کی نوبت آئی تو وہ اپنی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرے گا اور اس نے یقین دلایا کہ دوسرے کئی بدو قبائل بھی ان کی امداد کے لیے مدینہ پر دھاوا بول دینگے، اس لیے بنی نضیر نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا اور صاف صاف کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ آپ سے جو کچھ ہو سکتا ہے کر گزریئے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مہلت کی مدت ختم ہوتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔ عبد اللہ بن اُبی دبک کر اپنے گھر میں بیٹھا رہا۔ کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ ان کے دوش بدوش کھڑا ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ جب بنی نضیر نے حالات کو اپنی توقع کے خلاف پایا تو انہوں نے مدینہ طیبہ چھوڑنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ چنانچہ تین آدمیوں کو ایک اونٹ پر جتنا سامان وہ لاد سکتے تھے لاد کر لے جانے کی حضور نے اجازت دے دی۔ بنی نضیر جلاوطنی کے بعد کچھ خیبر میں آکر آباد ہو گئے اور بعض وادی القریٰ میں فروکش ہو گئے۔ لیکن انہوں نے یہاں آکر بھی اسلام کے خلاف سازش کرنی شروع کر دی۔ ان کا ایک وفد جس میں سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق، سلام بن مشکم اور حیی بن اخطب، قبیلہ بن نضیر سے اور بنی وائل سے ابو عمارہ شریک تھے، مکہ پہنچا اور قریش کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف جنگ پر اُبھارنا شروع کیا اور انہیں یقین دلایا کہ وہ اس جنگ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ یہاں تک کہ اسلام اور بانی اسلام کو ختم کر کے دم لیں گے۔ قریش نے ان سے پوچھا کہ اے علماءِ یہود! تم صاحبِ کتاب ہو اور علم و فضل

میں تمہارا مقام بہت اُونچا ہے۔ تُم جانتے ہو کہ محمد (فداہٗ ابی دامی) سے ہم برسرِ پیکار ہیں۔ ہمیں ذرا یہ تو بتاؤ کہ ہم راہِ راست پر ہیں یا وہ۔ یہودی وفد نے کہا: تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور اُن سے کہیں زیادہ تم راہِ حق پر گامزن ہو۔ بیوقوف اتنی سی بات پر خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گئے۔ چنانچہ وہ بھی اس معاہدہ میں شریک ہو گئے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا عزم کر لیا۔

اس وفد کی مُلاقات جب ابوسفیان سے ہُوئی تو اُس نے ان کا بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور انہیں کہا کہ ہمارے نزدیک سب سے پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو محمد (فداہ روحی) کی عداوت پر ہمارے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں۔ یہودی اور کیا چاہتے تھے اُنہوں نے ابوسفیان کی اس آمادگی کو دیکھ کر کہا کہ آپ قریش میں سے پچاس سردار چُن لیں اور آپ بھی اُن میں ہوں پھر ہم سب جا کر کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اور اپنے سینے کعبہ کی دیواروں کے ساتھ ملا کر وعدہ کریں کہ ہم پیغمبرِ اسلام کی عداوت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ اور جب تک ہم میں سے ایک شخص بھی زندہ رہا وہ اسلام کے خلاف جنگ جاری رکھے گا۔ چنانچہ قریش کے پچاس سرداروں اور یہودیوں کے اس وفد نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر اسلام اور مُسلمانوں کو ختم کرنے کا معاہدہ کیا۔ (مظہری)

یہاں سے وہ بنی غطفان کے پاس پہنچے، انہیں اسلام کے خلاف خوب بھڑکایا۔ قریش کے ساتھ جو طے پایا تھا اُسے بھی خُوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا اور ساتھ ہی یہ لالچ بھی دیا کہ اگر تم اس جنگ میں ہمارا ساتھ دو گے تو ہم خیبر کے باغات کی کھجوروں کا سارا پھل اس سال تمہاری نذر کریں گے۔ چنانچہ بنی غطفان کا سردار عُیینہ بن حصین اپنے قبیلے سمیت اس سازش میں شریک ہو گیا۔ عُیینہ نے اپنے دوست قبائل بنی اسد، بنی مُرّہ۔ اشجع کو بھی اس جنگ میں شرکت کی دعوت دی جو اُنہوں نے قبول کر لی۔

قریش کے لشکر کا کمانڈر ابوسفیان تھا۔ غطفان اور ان کے حلیف قبیلوں کا پرچم عُیینہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس طرح یہ دس بارہ ہزار کا لشکرِ جرار مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دینے کے لیے روانہ ہوا۔ سرزمینِ عرب میں اتنا عظیم لشکر آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی اپنے دُشمنوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھا۔ مختلف قبائل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو غلام تھے اُنہوں نے ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ حضور نے صحابہ کرام کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ حالات بڑے نازک تھے۔ ایک چھوٹی سی بستی پر اتنے لشکرِ جرار کی یلغار کیسے روکی جائے؟ جبکہ اس بستی میں بھی مارہائے آستین کی کمی نہ تھی۔ حضرت سلمان نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہمارے ملک فارس میں جب دُشمن یُوں حملہ کرنے کی نیت سے دھاوا بول دیتا، تو ہم اپنے شہر کے اردگرد خندق کھود کر اس کی پیشقدمی کو روک دیتے تھے۔ ارشاد ہو، تو مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھود دی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس تجویز کو بہت پسند فرمایا اور شہر کی اس جانب جدھر سے چڑھائی کا خدشہ تھا، خندق کھودنے کے لیے نشانات لگا دیئے گئے۔ ہر دس آدمی کو چالیس گز خندق کھودنے کا فریضہ سونپا گیا۔ خندق کھودنے کے کام میں سب مُسلمان شریک تھے کوئی بھی مستثنیٰ نہ تھا۔ فخرِ دوجہاں سرورِ کون و مکان اپنے دستِ مبارک میں کُدال لیے اپنے غلاموں کے دوش بدوش خندق کھودنے میں مصروف تھے اور مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ شکمِ مُبارک کے بال مٹی سے اَٹ گئے تھے اور جلدِ مُبارک دکھائی نہیں دیتی تھی۔

بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جاڑے کا موسم تھا۔ غضب کی سردی تھی۔ صحابہ کرام بھوک سے نڈھال

ہیں، تھکاوٹ سے چُور ہیں، لیکن اپنے محبوب قائد کے ارشاد کی تعمیل میں سرگرمِ عمل ہیں۔ شمعِ توحید کے ان پروانوں کو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب نے جانبازی اور فدائیت کا یوں مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا :

اِنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْاٰخِرَة   فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَة

یعنی زندگی تو آخرت کی زندگی ہی ہے۔ میرے پروردگار انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اپنے حق میں یہ دُعائیں کر صحابہ کرام پر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، کیف وسرور سے بے خود ہو کر یہ گانے لگے :

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا   عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

یعنی ہم منزلِ عشق ومحبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی ومرشد کے دستِ مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے کلمۂ حق کو بلند کرنے کیلئے مصروفِ جہاد رہیں گے۔

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھی اپنے شیریں اور دلنواز لہجہ سے اپنے ایک غلام حضرت عبداللہ بن رواحہ کے یہ شعر بھی پڑھتے : ؎

اللهم لولا انت ما اهتدينا   ولا تصدقنا ولا صلينا

فانزلن سكينة علينا   وثبت الاقدام ان لاقينا

یعنی اے میرے مولا کریم! اگر تیری مہربانی نہ ہوتی تو ہم راہِ ہدایت پر گامزن نہ ہوتے، نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہمیں نماز کی توفیق ملتی۔ اے اللہ! ہم پر اطمینان وسکون نازل فرما اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

عمرو بن عوف کہتے ہیں کہ میں، سلمان، حذیفہ، نعمان بن مقرن المزنی اور چھ انصاری اپنے حصّہ کی چالیس گز خندق کھود رہے تھے، تو اتفاق سے ایک چٹان آگئی۔ ہم نے سارا زور لگایا بڑے جتن کیے لیکن وہ نہ ٹوٹی۔ میں نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کریں تاکہ جو ارشاد ہو اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت سلمان خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور چٹان کے متعلق گزارش کی کہ ہمارے بازو شل ہو گئے ہیں۔ ہماری کدالیں کند ہو گئی ہیں لیکن وہ ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ یہ سن کر حضور خود اُٹھے اور اس جگہ کی طرف روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر حضرت سلمان کے ہاتھ سے گینتی پکڑی اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر ضرب لگائی۔ اس سے اتنی روشنی پیدا ہوئی جیسے کسی نے گھُپ اندھیرے میں اچانک چراغ جلا دیا ہو۔ اور اس کا تیسرا حصّہ ٹوٹ کر الگ جا گرا۔ حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطيت مفاتيح الشام۔ مجھے مُلکِ شام کی کنجیاں دے دی گئیں۔ دُوسری مرتبہ پھر حضور نے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ضرب لگائی، پھر اسی طرح روشنی نمودار ہوئی اور تیسرا حصّہ ٹوٹ گیا۔ حضور نے فرمایا: اللہ اکبر اعطيت مفاتيح فارس۔ مجھے مُلکِ ایران کی کنجیاں بخش دی گئیں۔ تیسری مرتبہ چوٹ لگائی، باقیماندہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوگئی اور حضور نے فرمایا اللہ اکبر اعطيت مفاتيح اليمن۔ مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت کر دی گئیں۔ اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ضربوں سے نہ صرف اس چٹان کو پارہ پارہ کر دیا، بلکہ دُنیا کی دو بڑی عالمی طاقتوں روم اور ایران کے سنگین قلعوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا اور ان ممالک کی فتح کی نوید بھی اپنے غلاموں کو سُنا دی ظاہری حالات کی نزاکت کسی سے مخفی نہیں۔ سارا عرب اُمڈ کر آ رہا ہے۔ مدینہ کا ماحول بھی سازگار نہیں۔ یہاں بھی یہودیوں اور منافقوں کی ایک بھاری جمعیت موجود ہے۔ فوج کے لیے نہ سازوسامان ہے اور نہ خوراک کا معقول انتظام ہے۔ ان حالات میں جب بظاہر دشمن کے کس زبردست

حملہ کے پیشِ نظر اپنی سلامتی بھی مشکوک ہو اتنی عظیم سلطنتوں کی فتح کی بشارت صرف اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ہی دے سکتا ہے جس کی نگاہِ نبوّت کے سامنے مستقبل کے واقعات بھی صاف دکھائی دے رہے ہیں۔

یہاں ایک اور بات غور طلب ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بشارت دیتے ہوئے ہر بار یہ فرمایا: اُعْطِيتُ کہ مجھے ان ملکوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ ملک حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح ہوئے اور حضور کی یہ بشارت پوری ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت فاروقِ اعظم حضور نبی کریم کے خلیفہ برحق تھے اسی لیے جو ممالک آپ کی خلافت کے زمانہ میں فتح ہونے والے تھے انہیں حضور نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔ اگر آپ خلیفۂ برحق نہ ہوتے بلکہ غاصب اور ظالم ہوتے جیسے بعض نادان لوگ کہا کرتے ہیں تو اس بشارت کا قطعاً کوئی محل نہ ہوتا۔ کبھی کوئی شخص اپنے دشمن اور مخالف کی فتوحات کو اپنی طرف منسوب نہیں کیا کرتا۔ ہمیشہ اپنوں کی فتوحات اور انہیں کے کارناموں کو اپنی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن ملکوں کی فتح کا وعدہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیا تھا اس وعدہ کا خلافتِ فاروقی میں پورا ہونا آپ کے خلیفہ برحق ہونے کی اتنی روشن دلیل ہے کہ کسی حق پسند اور منصف مزاج کو کسی دوسری دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

یہ روایت صرف اہلِ سنّت کی کتابوں میں ہی نہیں تاکہ کوئی یہ کہہ کر اپنے دل کو بہلا لے کہ یہ سُنّیوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے بلکہ شیعہ حضرات کی صحیح ترین حدیث کی کتابوں میں موجود ہے جس سے خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت ثابت ہوتی ہے ناظرین کے فائدہ کے لیے شیعہ کتب کی روایت بھی درج ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے کسی کی ہدایت کا سبب بنا دے۔

فروع کافی جلد دوم کتاب الروضہ صہ ۲۵ مطبوعہ تہران میں درج ہے: عَنْ اَبِیْ عبد اللّٰه قال لما حَضَرَ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلْخندق مَرُّوا بِکُدْیَةٍ فتناول رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم المِعْوَل من یَدِ امیر المؤمنین اَوْ من یَدِ سَلْمان فَضَرَبَ بھا ضَرْبَةً فتفرقت بثلاث فرق فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فُتِحَ علیّ فی ضَرْبتی ھذہ کنوز کسریٰ وقیصر۔ یعنی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا، تو ایک چٹان آگئی۔ حضور نے حضرت امیر المومنین یا حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال پکڑی اور اس چٹان پر ضرب لگائی۔ اس کے تین ٹکڑے ہوگئے۔ حضور نے فرمایا۔ میری اس ضرب سے میرے لیے کسریٰ اور قیصر کے خزانے فتح ہوگئے ہیں۔

حملہ حیدری میں اس واقعہ کو اس طرح نظم کیا گیا ہے:

بپاسخ چنیں گفت خیر البشر ۔۔۔ کہ چوں جست برق نخست از حجر

حضور نے جواب فرمایا کہ جب پہلی ضرب سے پتھر سے آگ نکلی (بجلی کوندی)

نمودند ایوانِ کسریٰ بمن ۔۔۔ دوم قصرِ رُوم سوم از یمن

مجھے کسریٰ کے محلات دکھائے گئے اور دوسری ضرب پر روم کا محل، تیسری ضرب کے وقت یمن۔

سبب را چنیں گفت روح الامین کہ بعد از مَن اعوان و انصارِ دیں

جبرئیل علیہ السلام نے اس کا سبب یہ بیان کیا کہ میرے بعد دین اسلام کے مددگار اور جان نثار

بریں مملکت ہا مسلّط شوند بآئینِ من اھل آں بگروند

ان ملکوں پر قابض ہوں گے اور وہاں میری شریعت کا قانون نافذ کریں گے۔

بریں مژدہ و شکر لطفِ خدا بہر بار تکبیر کردم ادا

اس بشارت اور اللہ تعالیٰ کے لطف پر میں نے ہر بار تکبیر کہی۔

شنیدند آں مژدہ چوں مومناں کشیدند تکبیر شادی کناں

مومنوں نے جب یہ مژدہ سنا تو سب نے خوش ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

اسی طرح دیگر کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

شب و روز کی محنتِ شاقہ سے کفار کے لشکر کے آنے سے پہلے خندق تیار کر لی گئی۔ مدینہ طیبہ کے تین اطراف ایسے تھے، جہاں سے عمومی حملہ کی توقع نہ تھی۔ جنوب کی طرف گھنے باغات تھے۔ مشرق اور مغرب کی طرف پتھریلا علاقہ اور سخت چٹانیں تھیں۔ جہاں جگہ جگہ گہری اور چوڑی دراڑیں تھیں۔ صرف شمال کی سمت ہی کھلی اور غیر محفوظ تھی اور حملہ کا اسی جانب سے خطرہ تھا؛ چنانچہ کوہ سلع کو پشت کی طرف رکھ کر شہر کی شمالی جانب پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھود کر مکمل کر لی گئی۔ دشمن کے وہاں پہنچنے سے پہلے حضور تین ہزار جان نثاروں کو لے کر موزوں مقامات پر خیمہ زن ہو گئے۔ کفار کا لشکر جو ایک طوفان کی صورت میں آگے بڑھا چلا آ رہا تھا اسے یہ خیال تھا کہ وہ مدینہ کی بستی کو پہلے ہلّہ میں ہی نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ انہوں نے جب اپنے سامنے اتنی چوڑی اور گہری خندق دیکھی تو حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جنگی منصوبہ بندی میں ایسی تدبیر کا سان گمان بھی نہ تھا۔ مجبوراً خندق کی دوسری طرف ہی انہوں نے اپنے خیمے نصب کر لیے اور مسلمانوں کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور حملہ کے لیے مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔

ایک روز ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، عمرو بن عبدِ وُدّ عرب کا مشہور شہسوار اور جنگجو اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر خندق کا چکر کاٹنے لگے۔ ایک جگہ خندق نسبتاً تنگ تھی۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑا بجلی کی سرعت کے ساتھ کود کر خندق کے دوسرے کنارے پر جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر اس نے بلند آواز سے للکارا: ھل من مبارز۔ ہے کوئی میرے ساتھ مقابلہ کرنے والا۔ کافر کی یہ للکار سن کر اللہ اور اس کے رسول کا شیر علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنی تلوار ہوا میں لہراتے ہوئے سامنے جا کھڑے ہوئے اور فرمایا: "اے عبدِ وُدّ کے بیٹے! میں نے سنا ہے کہ تو نے یہ عہد کیا ہوا ہے کہ اگر کوئی قریشی تجھ سے دو چیزوں کا مطالبہ کرے گا تو تو ان دو میں سے ایک ضرور دے گا"۔ اس نے بڑی نخوت سے کہا ہاں، میں نے ایسا عہد کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک پر ایمان لے آ اور اسلام قبول کر لے۔ ادعوك الى الله والى رسوله والى الاسلام۔ اس نے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ شیرِ خدا نے فرمایا: پھر میری دوسری درخواست یہ ہے کہ آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ وہ کہنے لگا: میرے آپ کے والد ابوطالب کے ساتھ بڑے دوستانہ مراسم تھے۔ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ آپ میری تلوار سے قتل ہوں۔ اسلام کے

شیر نے کفر کی لومڑی کو فرمایا! لیکن میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری ذوالفقار تیرا سر قلم کرے۔ یہ سن کر وہ غصے سے دیوانہ ہوگیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگادی۔ اس کی کونچوں کو کاٹ دیا اور حیدر کرار سے پنجہ آزمائی کے لیے آگے بڑھا سارا کفر سارے اسلام کے مدِمقابل تھا۔ دونوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پے در پے حملے کرنے کے لیے ایک دوسرے پر جھپٹتے رہے اتنی گرد وغبار اڑی کہ دونوں اس میں چھپ گئے۔ دونوں لشکر اپنے اپنے بہادروں کی تلواروں کی جھنکار اور ان کے آپس میں ٹکرانے کی آوازیں سن رہے تھے۔ دکھائی کچھ نہیں دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب اپنی چشمِ اشکبار سے سیدنا علی کی کامیابی کے لیے مصروفِ دعا ہوگیا۔ علی کی تلوار صاعقہ بن کر چمکی۔ اس کے فولادی خود کو اور اس کی زرہ کو چیرتی ہوئی دشمن خدا کو دو ٹکڑے کرتی ہوئی زمین پر آ رکی چند لمحوں کے لیے سناٹا چھا گیا۔ یہ لمحے مسلمانوں کے لیے قیامت کے لمحے تھے۔ جب غبار چھٹا تو دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا شیر مصطفےٰ کریم کی آغوشِ ناز میں پروان چڑھنے والا بھائی اور حسنین کریمین کا پدرِ بزرگوار اس کافر کی چھاتی پر چڑھا بیٹھا ہے اور تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ مسلمانوں کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی مسرت وشادمانی کی کیا کیفیت ہوگی، انکا حال اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ یہی وہ ضربِ حیدری ہے جس نے کفر کے چھکے چھڑا دیئے اور ان کے سارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک مہینہ کے قریب کفار محاصرہ کیے رہے لیکن پھر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کی چھاؤنی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

اگرچہ یہ سب ہنگامہ یہود کے ایک قبیلہ بنی نضیر کی ریشہ دوانیوں سے رونما ہوا تھا لیکن دوسرا یہودی قبیلہ بنی قریظہ اس میں بالکل ملوث نہیں تھا۔ اس کے سردار کا نام کعب بن اسد قرظی تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ کیے ہوئے دوستی کے معاہدہ کی پوری طرح پابندی کر رہے تھے۔ ایک دن موقع پا کر بنی نضیر کا رئیس حیّ بن اخطب بنی قریظہ کے سردار کعب کو ملنے کے لیے گیا تاکہ اس کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔ جب کعب کو اس کے آنے کی خبر ہوئی تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے اندازہ کر لیا کہ ضرور کوئی خباثت کرے گا۔ اس نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور اس کو ملنے سے انکار کر دیا۔ حیّ نے کہا: اے کعب! دروازہ کھول۔ کعب نے کہا تم بدبخت آدمی ہو، مجھے بھی تم کسی بلا میں مبتلا کر دو گے، اس لیے میں تمہارے لیے دروازہ نہیں کھولوں گا۔ حیّ نے اسے طعنہ دیتے ہوئے کہا تم اس لیے دروازہ نہیں کھول رہے کہ تمہیں روٹی نہ کھلانی پڑے۔ بخل کا یہ الزام کعب کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس نے بادلِ نخواستہ دروازہ کھول دیا۔ جب دونوں تنہائی میں بیٹھے تو حیّ نے کہا: یاکعب! جئتک بعزّ الدھر بحرٍ طامٍ۔ جئتک بقریش علی قادتھا وسادتھا۔ اے کعب! میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزت لے کر آیا ہوں۔ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس قریش کے جنگجو ان کے سرداروں سمیت لے کر آیا ہوں۔ بنی غطفان اور کئی دوسرے قبائل کے نوجوان بھی اس لشکرِ جرار میں شامل ہیں۔ ہم نے یہ پختہ وعدہ کیا ہے کہ جب تک ہم حضور کا خاتمہ نہ کر دیں گے اور اسلام کو جڑوں سے اکھیڑ کر نہ پھینک دیں گے اس وقت تک یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا ایسا زریں موقع پھر نہیں ملے گا۔ اس موقع کو غنیمت جانو اور ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ ہم باہر سے حملہ کریں گے اور تم پشت کی طرف سے ہلہ بول دینا۔ کعب نے پہلے تو صاف صاف انکار کر دیا اور کہا: جئتنی بذلّ الدّھر وبجھام قد اُھرِق ماءُہٗ۔ اے حیّ تم میرے پاس زمانہ بھر کی عزت

نہیں لائے بلکہ جہان بھر کی ذلت اور رسوائی لے کر آئے ہو۔ اور جو لشکر تمہارے ساتھ ہے یہ ایسا بادل ہے جو صرف گرجتا اور کڑکتا جاتا ہے۔ اس میں بارش کا ایک قطرہ بھی نہیں۔ پیغمبر اسلام سے ہمارا دوستی کا معاہدہ ہے اور آج تک ان کی طرف سے اس کی معمولی خلاف ورزی بھی نہیں ہوئی۔ میں اس معاہدہ کو توڑنا نہیں چاہتا۔ لیکن حیی اس کو عہد شکنی پر برانگیختہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کامیاب ہو گیا اور کعب نے آخر کار مسلمانوں سے دوستی کے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ دیا اور حیی اور لشکر کفار کے ساتھ اپنی قسمت وابستہ کر دی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ بات سنی تو اس کی تصدیق کے لیے قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور خزرج کے رئیس حضرت سعد بن عبادہ کو چند خاص آدمیوں کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ اگر یہ اطلاع غلط ہو تو بھرے مجمع میں آکر بتا دینا لیکن اگر درست ہو تو کنایۃً بتانا۔ ایسا نہ ہو کہ اس حادثہ سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔ یہ حضرات جب بنی قریظہ کی گڑھی میں پہنچے تو وہاں کا سماں ہی بالکل نرالا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی تھیں۔ تلواریں، بھالے، تیر کمانیں اسلحہ خانے سے نکال کر تقسیم کی جا رہی تھیں۔ انہوں نے کعب سے گفتگو کرنا چاہی اور اسے سمجھانا چاہا، لیکن وہاں تو نیتوں میں فتور پیدا ہو چکا تھا، وہ کوئی معقول بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔ تو تو میں میں تک نوبت پہنچی۔ بنی قریظہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے درمیان اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان قطعاً کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھیوں کو ان کے ساتھ الجھنے سے روکا اور فرمایا اب یہ معاملہ گالی گلوچ سے طے نہیں ہو گا، اب معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ واپس آکر انہوں نے اس عہد شکنی کی اطلاع حضور کی خدمت میں اشارۃً کر دی۔ رفتہ رفتہ یہ بات عام ہو گئی۔ مسلمانوں کی پریشانی کی حد ہو گئی پہلے تو صرف بیرونی حملہ آور سے مقابلہ تھا اب گھر بھی محفوظ نہ رہا۔ بنی قریظہ کے نوجوان کسی وقت بھی عقب سے حملہ کر کے حالات کو سنگین بنا سکتے تھے۔

منافقین جواب تک مصلحت بینی کے پیش نظر بادل نخواستہ اسلامی لشکر میں شامل تھے انہوں نے برملا کھسکنا شروع کر دیا۔ وہ طرح طرح کی بہانہ سازیاں کرنے لگے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے محبوب کے سچے خادم ان حالات میں بھی ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفار کی جمعیت اور طاقت کو منتشر کرنے کے لیے بنی غطفان کے سرداروں عیینہ اور ابوالحارث بن عمرو سے بات چیت شروع کی۔ اگر تم محاصرہ اٹھا کر چلے جاؤ تو مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دے دیا جائے گا۔ انہوں نے آمادگی کا اظہار کیا۔ ابھی یہ بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا۔ وہ حاضر ہوئے تو انہیں ساری گفتگو سے خبردار کر دیا گیا۔ انہوں نے عرض کی: اے ہمارے آقا! اگر یہ معاہدہ حضور کو پسند ہے اور خوشی کا باعث ہے تو ہمیں منظور ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے تو بھی ہمیں مجال انکار نہیں۔ اگر حضور محض ہماری سلامتی کے پیش نظر یہ معاہدہ کر رہے ہیں، تو ہم ہم یہ معاہدہ کرنے کے لیے تیار نہیں۔ جب ہم کافر اور مشرک تھے اس وقت بھی ہم ان قبائل کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بطور مہمان یا خرید کر تو یہ مدینہ کی کھجوریں کھا سکتے تھے، ویسے زبردستی کسی کو کھجور کا ایک دانہ لینے کی بھی جرأت نہیں تھی۔ اب تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت اسلام سے مشرف کیا ہے۔ ہماری غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی کب گوارا کر سکتی ہے کہ وہ یونہی ہماری کھجوروں میں حصہ دار بن جائیں۔ رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے محض تمہاری سلامتی کے پیش نظر ان سے یہ بات چیت شروع کی ہے۔ اس تاریک ماحول میں، ان صبر آزما مشکلات میں غیرت و جرأت کا یہ مظاہرہ دیکھ کر حضور کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے عرض کی: واللہ لا نعطیھم الا السیف

حتی یحکم اللہ بیننا وبینھم ؛ ہمارے پاس انہیں دینے کے لیے صرف تلوار ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے۔

اہلِ ایمان کے صبر و خلوص کا جب امتحان ہو چکا تو نصرتِ خداوندی رونما ہونے لگی۔ بنی غطفان کا ایک نوجوان نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا، اور عرض کرنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو نورِ ایمان سے منور کر دیا ہے۔ میرے مسلمان ہونے کی کسی کو خبر نہیں اگر میں کسی خدمت کے قابل ہوں تو ارشاد فرمایئے دل و جان سے حاضر ہوں۔ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم تنہا تو اس آڑے وقت میں اسلام کی کوئی نمایاں خدمت نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر کسی طرح تم دشمن کی صفوں میں انتشار پیدا کر دو تو یہ ہماری بڑی امداد ہو گی۔ الحرب خدعۃ، یہ جنگ ہے اور جنگ میں ایسی تدبیر جائز ہے۔ نعیم کے بنی قریظہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے وہ اپنے قبیلہ سے کھسک کر ان کے ہاں گیا اور انہیں جا کر کہا میری جو دلی محبت اور دیرینہ تعلقات تمہارے ساتھ ہیں ان کا تمہیں بخوبی علم ہے۔ انہوں نے کہا بیشک ہمیں تم پر کسی قسم کا شبہ نہیں۔ پھر اس نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا۔ قریش اور غطفان کے قبائل مدینہ پر حملہ کے لیے آئے ہیں اور تم نے مسلمانوں سے دوستانہ معاہدہ توڑ کر ان کی امداد کا اعلان کر دیا۔ لیکن تمہاری اور ان کی حالت یکساں نہیں۔ تمہاری یہاں رہائش ہے، تمہارے بال بچے۔ مال و منال، زمین و مکان سب یہیں ہیں تم کسی حالت میں انہیں چھوڑ کر یہاں سے نہیں جا سکتے۔ لیکن ان کے اہل و عیال اور مال و متاع یہاں سے بہت دور اپنے اپنے علاقہ میں محفوظ ہیں۔ انہیں موقع ملا تو وہ مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور کامیابی کی صورت میں ان کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں گے بصورتِ دیگر وہ یہاں سے چلے جائیں گے اور تمہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔ خود سوچ لو کیا ایسی صورت میں تم تنہا اس شخص کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میرا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ تم جنگ چھڑنے سے پہلے انہیں کہو کہ وہ چند معتبر لوگ تمہارے پاس بطورِ یرغمال بھیج دیں تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ وہ کسی حال میں تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر اپنے وطن نہیں لوٹیں گے۔ یہود قریظہ اس کی بات سے بڑے متاثر ہوئے کہنے لگے۔ قد اشرت بنصح ؛ تم نے ہمیں صحیح مشورہ دیا ہے۔

وہاں سے نکل کر وہ قریش کے پاس آیا اور ابوسفیان اور چند چیدہ قریشیوں سے جا کر ملا اور کہا میرے تمہارے ساتھ عرصہ دراز سے دوستانہ مراسم ہیں اسے تم خوب جانتے ہو۔ اور پیغمبرِ اسلام سے مجھے جو عداوت ہے وہ بھی تمہیں معلوم ہے۔ مجھے ایک خبر ملی ہے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ میں تمہارے گوش گزار کر دوں لیکن خدارا کسی کو نہ بتانا اور یہ راز فاش نہ کرنا۔ انہوں نے اسے یقین دلایا کہ یہ راز افشا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نعیم نے کہا کہ تم جانتے ہو کہ بنی قریظہ کا دوستانہ معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ تھا جو انہوں نے توڑ دیا اور تمہارے ساتھ مل گئے۔ اب وہ اس عہد شکنی پر بڑے پچھتا رہے ہیں۔ انہوں نے اظہارِ ندامت کرتے ہوئے معاہدہ کی تجدید کے لیے گفت و شنید شروع کر دی ہے انہوں نے حضور کو کہا ہے کہ ہم اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے قریش اور غطفان کے چند معتبر آدمی کسی طرح بلا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ آپ ان کو قتل کر دیجیے۔ پھر ہم آپ کے ساتھ مل کر کفار پر حملہ کر دیں گے اور انہیں مار بھگائیں گے پیغمبرِ اسلام نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی ہے۔ اگر یہودی تم سے بطورِ رہن چند آدمی طلب کریں تو خبردار ایک آدمی بھی نہ بھیجنا۔ بعینہٖ یہ بات اس نے غطفان کے سرداروں کو جا کر بتائی۔

اتفاق کی بات ہے کہ ہفتہ کی رات کو ابوسفیان نے عکرمہ بن ابی جہل اور ورقہ بن غطفان کو چند دوسرے سرداروں کے ساتھ یہود

کے پاس روانہ کیا۔ اور انہیں کہلا بھیجا کہ ہم یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتے۔ حالتِ سفر میں ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں خود بھی ہم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ محاصرہ کو اب مزید طول دینا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے اب مزید تاخیر کیے بغیر ہمیں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا چاہیے۔ کل ہم سامنے سے مسلمانوں پر حملہ کریں گے اور تم پیچھے سے ہلّہ بول دو تاکہ اس قضیہ سے جان چھوٹے اور ہم فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ یہود نے جواب دیا کہ کل یوم سبت (ہفتہ) ہے اور ہم اس روز کوئی کام نہیں کرتے۔ دوسرا ہم مسلمانوں سے دشمنی کا خطرہ مول لینے سے پہلے یہ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ تم کسی وقت ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے نہیں جاؤ گے اور ہمیں تب یقین آئے گا جب چند معزز آدمی تم ہمارے پاس بطور رہن بھیج دو۔ اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں تو پھر ہم محمد (فداہ ابی وامی) کے مقابلہ کی تاب نہیں رکھتے۔ تم تو کل گھروں کو چلے جاؤ گے۔ ہم یہاں سے بھاگ کر کہاں سر چھپائیں گے۔ جب وفد نے بنی قریظہ کی گفتگو ابوسفیان وغیرہ کو جا کر بتائی، تو وہ کہنے لگے کہ بخدا نعیم نے جو اطلاع ہمیں دی تھی وہ درست ہے۔ ابوسفیان نے ان کی یہ شرط ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح بنی قریظہ کو یقین ہو گیا کہ نعیم نے جو مشورہ دیا تھا وہ صحیح تھا۔ انہوں نے حملہ آور لشکر کو کہلا بھیجا کہ جب تک تم اپنے آدمی بطور یرغمال ہمارے پاس نہیں بھیجو گے ہم تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے اور اسلام کے خلاف ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

جاڑے کا موسم تھا۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی سامانِ رسد بھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا۔ یہود کے ساتھ تعلقات بھی ٹوٹ چکے تھے۔ حوصلے پست اور ہمت ٹوٹ چکی تھی۔ ایک رات کو سخت آندھی آئی۔ ان کے خیموں کی طنابیں ٹوٹ گئیں۔ ہانڈیاں الٹ گئیں۔ گھوڑے رسے تڑا کر بھاگ نکلے۔ سارے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔ وہ سمجھے کہ یہ تند و تیز آندھی انہیں تباہ کر کے رکھ دے گی۔ ابوسفیان جو اس ساری شرارت کا سرغنہ تھا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور کہا یارو! میں تو جا رہا ہوں تم بھی کوچ کرو۔ تم دیکھ نہیں رہے کہ جھکڑ کیا قیامت ڈھا رہا ہے۔ ابوسفیان پر ایسی بدحواسی طاری تھی کہ اونٹ پر سوار ہونے سے پہلے اس کا عقال (رسّی) کھولنا یاد نہ رہا۔ جب اس نے اسے ایڑ لگا کر اٹھانا چاہا تب اسے پتہ چلا کہ اس کا پاؤں رسّہ سے بندھا ہوا ہے۔ اسی حالت میں اس نے عقال کو تلوار سے کاٹا اور سر پر پاؤں رکھ کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ قریش اور غطفان نے جب اپنے کمانڈر انچیف کو یوں بزدلی کا مظاہرہ کرتے اور فرار ہوتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے بھی بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔

حضرت حذیفہ نے ابوسفیان اور اس کے لشکر کے فرار کا آنکھوں دیکھا حال بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، تو رحمتِ مجسم علیہ الصلوٰۃ والسلام خوشی سے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ حضور کے دندان مبارک کی سپیدی ظاہر ہو گئی۔ مسلمان جب صبح بیدار ہوئے اور لشکرِ کفار کے پڑاؤ کی طرف دیکھا تو وہاں ٹوٹی ہوئی طنابوں، الٹی ہوئی ہانڈیوں، بجھی ہوئی آگ اور بکھرے ہوئے سامان کے سوا کوئی چیز نظر نہ آئی۔ کفر کی کالی گھٹا ناپید ہو چکی تھی۔ یثرب نگر کا مطلع صاف ہو چکا تھا۔ جہاں سورج کی سنہری کرنیں مسرت، کامیابی اور اطمینان کی نوید سنا رہی تھیں۔

یہ ان حالات کا اجمالی خاکہ ہے جن میں یہ آیات نازل ہوئیں اس کی روشنی میں اگر آپ ان آیات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو ان کا مفہوم سمجھنے میں بڑی آسانی ہو گی۔

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اگر حضور کو رحمۃ للعالمین بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ آندھی لشکرِ کفار کے ہر سپاہی کو ہلاک

عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط

تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آگئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے ط

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَاءُوكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ

اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا۔ ۹ جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور

کر دیتی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمۃ للعالمینی کے طفیل کفار کو بھی عذابِ الٰہی سے پناہ ملی۔ اللّٰھم احینا علٰی دینہ وامتنا علٰی ملتہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لواء حمدہ وارزقنا شفاعتہ فی الدنیا والآخرہ۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علٰی حبیبک المکرم ورسولک المعظم وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔

۹ اے فرزندانِ اسلام! کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو فراموش کر سکتے ہو جو اس نے اس وقت تم پر فرمایا جب عرب کے سارے قبائل ایک لشکرِ جرار کی صورت میں تم پر حملہ آور ہوئے تھے، ان کے مقابلہ میں تمہاری تعداد بھی بہت کم تھی۔ تمہاری مالی حالت بھی بڑی کمزور تھی، تمہاری صفوں میں جو منافق گھسے ہوئے تھے وہ بھی قدم قدم پر تمہیں اذیت پہنچا رہے تھے۔ بنو قریظہ نے کفار کے ساتھ سازباز کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان نازک اور ناگفتہ بہ حالات میں تمہاری امداد کے لیے جھکڑ اور تیز آندھی بھیج دی جنہوں نے کفار کے کیمپ میں کھلبلی مچا دی، پھر فرشتوں کا ایسا لشکر بھیج دیا جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے، لیکن ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے کفار کے دل دہل گئے۔ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ذلت آمیز پسپائی پر مجبور ہو گئے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت تم پر ترس نہ کھاتی تو کفار کا یہ ریلا تمہیں خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا اور آج تمہارا نام ونشان بھی نہ ملتا۔

یہ احسان صرف ان مسلمانوں پر ہی نہیں جو اس روز حبیبِ خدا کے ہمرکاب تھے اور غزوۂ احزاب میں شریک تھے بلکہ قیامت تک آنے والے ہر مسلمان پر ہے، اس لیے سب فرزندانِ اسلام پر فرض ہے کہ وہ اس احسان کو ہمیشہ یاد رکھیں اور شکرِ الٰہی میں کوتاہی نہ کریں اور اگر کبھی ان حالات سے انہیں دوچار ہونا پڑے تو مایوس اور دل شکستہ نہ ہو جائیں بلکہ اپنے ربِ کریم پر کامل بھروسہ کر کے کفر کے مقابلے میں ڈٹے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے جاں نثار صحابہ کی برکت سے ان کی بھی ضرور مدد فرمائے گا۔

۹ جس جاں نثاری کا تم نے ثبوت دیا، بھوک اور سردی کی شدت میں پیٹ پر پتھر باندھ کر جس طرح تم نے خندق کھود کر تیار کی، ایک ماہ تک جس طرح تم کفر کی سرکش لہروں کے سامنے سینہ سپر رہے، اللہ تعالیٰ ان تمام حالات کو دیکھتا رہا۔ جب تم نے اپنی بندگی کا حق ادا کر دیا تو اس کی شانِ بندہ نوازی نے تمہیں فتح مبین عطا فرمائی۔

ایک مخلص کارکن کے لیے یہ بات کتنی ہمت افزا ہے کہ اس کا کریم رب اس کی ہر کوشش کو دیکھ رہا ہے۔ دنیا اگر اس سے باخبر نہ ہو اور اس کی قدر نہ کرے، جب ربِ کریم دیکھ رہا ہے اور وہ قدر افزائی فرما رہا ہے، تو پھر مزید کسی چیز کی خواہش باقی نہیں رہتی۔

مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ

نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے ۱۹ اور تم

تَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝١٠ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا

اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے ۲۰ اس موقع پر خوب آزمایا گیا ایمان والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے

شَدِيدًا ۝١١ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

گئے ۲۱ اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ

مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝١٢ وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ

نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے مگر فریب دینے کیلئے ۲۲ اور یاد کرو جب کہنے لگی تھی ان میں سے ایک جماعت

۱۹ یعنی دشمن نے ہر طرف سے گھیر لیا تھا۔ صورت حال اتنی بھیانک تھی کہ دہشت کے مارے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور شدت خوف سے کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ حناجر جمع ہے۔ اس کا واحد حنجرہ۔ حلق کی نچلی طرف کو حنجرہ کہتے ہیں۔ جب انسان حد درجہ خوفزدہ ہو تو اسے یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل اچھل کر باہر نکل رہا ہے۔ واشارة الی ما یداخلہم من الخوف حتی اظلمت ابصارہم (مفردات) یعنی خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پتھرا جانا۔

۲۰ ان کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ سب لوگوں کی سوچ اور اندیشے یکساں نہ تھے۔ منافق تو یہ خیال کر رہے تھے کہ اب اسلام کا درخت جڑوں سے اکھڑ جائے گا۔ یہ آندھی اس چراغ کو بجھا دے گی۔ بزدل لوگ میدان جنگ سے بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگے تھے طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے واپس لوٹنے کی اجازت طلب کرنے لگے تھے۔ بعض نے تو اجازت مانگنے کو بے جا تکلف خیال کیا۔ جونہی موقع ملا مورچہ کو خالی چھوڑ کر پیچھے سے کھسک گئے۔ لیکن مردان پاکباز کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے وعدوں پر پختہ یقین تھا۔ حالات بیشک حوصلہ شکن تھے۔ فضا خطرات کے مہیب بادلوں سے اٹی ہوئی تھی، لیکن ان وفاکیشوں کے عزم و ثبات میں ذرا فرق نہ آیا۔ ان اندھیروں میں ان کے نور یقین کی تابندگی دید کے قابل تھی۔

۲۱ آزمائش بڑی سخت تھی ایک بھونچال تھا۔ ہر چیز تھر تھر کانپ رہی تھی۔ امتحان کی اس بھٹی سے مسلمان کندن بن کر نکل رہے تھے جن لوگوں نے نفاق کا لباس پہنا ہوا تھا، وہ ننگے ہو کر سامنے آ رہے تھے۔

۲۲ منافق دل میں تو خوش تھے کہ اچھا ہوا مسلمانوں کی بربادی کی گھڑی آ گئی جس کا وہ بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے سرگوشیاں کیں اور پھر لوگوں کے سامنے برملا یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ فتح اور کامیابی کا وعدہ کہاں گیا۔ ابھی کل تک تو یہ خوشخبریاں سنائی جا رہی تھیں کہ تم قیصر و

يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ

کہ اے یثرب والو! تمہارے لیے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) ۲۳ اور اجازت مانگنے لگا انمیں سے ایک

النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ

گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر کہ (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے ۲۴ (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض

اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا

(میدان جنگ سے) فرار تھا ۲۵ اور اگر گھس آتے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی

الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ كَانُوْا

فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے ۲۶ اور توقف نہ کرتے اسمیں مگر بہت کم ۲۷ حالانکہ یہی لوگ پہلے

مع
عند المتقدمین ۱۲

کسریٰ کے ممالک فتح کرو گے اور آج مدینہ میں اپنی جان کے لالے پڑے ہیں۔ لوگوں کو فریب دینے کے لیے وہ صرف باتیں ہی بناتیں اور محض دھوکہ دیکر سادہ لوح لوگوں کو اپنے جتھ میں شامل کرنا تھا۔ اس قسم کی ہرزہ سرائی میں بشیر بن معتب ایک منافق پیش پیش تھا۔

۲۳ منافقین کی سرگرمیاں مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلانے تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ وہ تو انہیں یہ مشورے بھی دینے لگے تھے کہ جان کی ضرورت ہے تو میدان چھوڑ کر چپکے سے گھر واپس چلے جاؤ۔ وہ اپنے دوستوں کو ناصح مشفق بن کر سمجھاتے کہ تم اچھے بھلے سیانے لوگ ہو اپنی بے سروسامانی کو دیکھو، اپنی تعداد کی قلت کو دیکھو اور ادھر دشمن کے سازوسامان اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی فوجوں کو دیکھو کہ جب حرکت میں آتی ہیں تو زمین کانپنے لگتی ہے۔ حملہ ہونے کی دیر ہے وہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گی۔ یارو! اسی کشتی کے سوار کیوں بنتے ہو جو ڈوب رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جیسے بن پڑے یہاں سے نکل جاؤ، ورنہ پھر یہ نہ کہنا کسی نے ہمیں بروقت مشورہ نہ دیا تھا۔

۲۴ دشمنوں کے اس پراپیگنڈے کا اثر بھی ظاہر ہونے لگا تھا، وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ تھا یا جو کمزور اور بزدل تھے وہ گھر لوٹنے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے لگے۔ کوئی آکر کہتا یارسول اللہ! ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں ہو سکتا ہے دشمن کسی وقت حملہ کر دے اور ہمارے بال بچوں کو تہ تیغ کر دے اور ہمارا گھر بار لوٹ لیا جائے مہربانی فرما کر ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم واپس جا کر اپنے گھروں کی حفاظت کریں۔ ۲۵ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! یہ سب ان کی حیلہ سازیاں ہیں۔ ان کے گھر محفوظ ہیں۔ انہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں، صرف میدان جہاد سے بھاگنے کے لیے بہانے بنا رہے ہیں۔

۲۶ اگر خدانخواستہ دشمن کا لشکر شہر میں داخل ہو جائے اور وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دے تو یہ لوگ اس اسلام دشمنی کے باعث جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اسی وقت ہتھیار سجا کر دشمن کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں گے، پھر نہ انہیں

عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ

اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے ۲۸ اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے

مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ

اُس کے متعلق باز پرس کی جاتی ہے ۲۹ فرمادیجئے (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو موت سے یا

الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ

قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت ۳۰ فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں

اپنے بال بچے کا خیال ستائے گا اور نہ اپنے گھروں کی حفاظت کا فرض یاد رہے گا۔ تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اسلام کو مٹانے کے جوش میں کفار کے لشکر میں شریک ہو جائیں گے۔

ان آیات میں کفار و منافقین کی ذہنیت کا کتنا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جا رہا ہے اور ان کے اندازِ فکر اور طریقِ کار کی کیسی صحیح تصویر کھینچی جا رہی ہے۔

۲۷ کفار کی دعوت پر لبیک کہنے میں وہ صرف اتنی مہلت مانگیں گے کہ گھروں میں رکھے ہوئے ہتھیار لے آئیں اور پوری طرح مسلح ہو کر اسلام کو مٹانے کے لیے ان کے لشکر میں شریک ہو جائیں۔

۲۸ آج تو ان کا یہ عالم ہے کہ بھاگ جانے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں لیکن پہلے تو بڑے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم اسلام کے لیے جان دے دیں گے، خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ سر کٹا دیں گے مگر پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ کہاں گئے ان کے وعدے اور کہاں گئے ان کے دعوے۔ منافقوں کا ہمیشہ یہی شعار ہوتا ہے کہ جب باتیں بنانے کا وقت ہوتا ہے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا کر رکھ دیتے ہیں اور اپنے اخلاص اور بہادری کے بارے میں ایسی ڈینگیں مارتے ہیں کہ سننے والا حیران ہو جاتا ہے لیکن جب عمل کا وقت آتا ہے تو ان کی قلعی کھل جاتی ہے اور ان کا غلیظ باطن آشکارا ہو جاتا ہے۔

۲۹ وہ یہ گمان نہ کریں کہ جو وعدے انہوں نے خداوند عالم سے کیے تھے انہیں بھلا دیا جائے گا۔ اور ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں ہوگی ان کا یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے ہر بات کے متعلق باز پرس کرے گا۔

۳۰ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے محبوب! انہیں کہیے کہ اگر تم موت اور قتل سے بچنے کے لیے میدانِ جنگ سے بھاگ جانا چاہتے ہو تو تمہارے جیسا نادان اور کون ہوگا۔ یاد رکھو! موت سے کسی کو مفر نہیں۔ یہاں میدانِ جنگ میں قتل ہونے سے اگر آج تم بچ بھی گئے تو کیا پھر ہمیشہ کے لیے زندہ رہو گے؟ آج نہیں تو کل بہرحال تم نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اس لیے چند روزہ زندگی کے لیے اپنے نام پر بزدلی اور نامردی کی تہمت نہ لگنے دو۔

مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ

اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کرلے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے ۳۱ اور

لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿١٧﴾ قَدْ

نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ۳۲ اللہ تعالیٰ

يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ

خوب جانتا ہے جہاد سے روکنے والوں کو تم میں سے اور انہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں (اسلامی کیمپ چھوڑ کر)

اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٨﴾ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا

ہماری طرف آجاؤ ۳۳ اور خود بھی جنگ میں شرکت نہیں کرتے مگر برائے نام ۳۴ پرلے درجے کے کنجوس ہیں تمہارے معاملہ میں ۳۵ پھر

۳۱ سن لو اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کسی عذاب کے شکنجہ میں کسنا چاہے تو کوئی ایسا نہیں جو تمہیں زبردستی چھڑا لے۔ اور اگر وہ تمہیں اپنی کسی نوازش سے سرفراز کرنا چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ وہ رکاوٹ بن کر کھڑا ہو جائے۔ اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً سے پہلے یہ عبارت مقدر ہے مَنْ ذَا الَّذِيْ يُصِيْبُكُمْ بِسُوْءٍ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً لیکن اختصار کے لیے اسے مقدر کر دیا کیونکہ ہر ذی فہم یہ سمجھ سکتا ہے۔ عرب کہتے ہیں مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّرُمْحًا۔

۳۲ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد کا ہاتھ کھینچ لیا اور اپنی تائید سے محروم کر دیا تو پھر کون تمہاری امداد کرے گا، اس لیے جھوٹی امیدوں میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو خواہ مخواہ عذاب کا مستحق نہ بنا دو۔

۳۳ تعویق کہتے ہیں کسی کو کسی کام سے پھیر دینا۔ معوق پھیرنے والا، موڑنے والا۔ منافقین کو بتایا جا رہا ہے کہ تم لوگوں کے دلوں میں خوف وہراس پیدا کرتے ہو اور انہیں اسلام کے درخشاں مستقبل سے بدظن کرتے ہو اور جہاد میں شرکت سے روکتے ہو۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری ان حرکتوں کا اللہ تعالیٰ کو علم نہیں۔ یقیناً وہ تمہاری جملہ سازشوں سے باخبر ہے اور تمہیں وہ سزا بل کر رہے گی جس کے تم مستحق ہو۔

۳۴ تم محض دکھلاوے کے لیے دن بھر میں ایک آدھ چکر میدانِ کارزار میں لگا جاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے بے خبر نہیں، وہ تمہاری چالوں کو خوب جانتا ہے۔

۳۵ حالتِ جنگ اور امن میں منافقین کا جو رویہ ہے اس کا مزید انکشاف کیا جا رہا ہے۔ اَشِحَّةً جمع ہے شَحِيْحٌ کی۔ اس کے دو معنی ہیں بخیل اور حریص۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے اور اگلی آیت میں اس کا دوسرا معنی مراد ہے۔

صاحبِ لسان العرب لفظ شُحٌّ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شُحٌّ صرف بخل کو نہیں کہتے بلکہ شدید بخل کو کہتے ہیں اَلشُّحُّ اَشَدُّ

جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِىْ

جب خوف (ودہشت) چھا جائے تو آپ انہیں ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہ آپ کی طرف یوں دیکھنے لگتے ہیں کہ ان کی آنکھیں چکرا رہی

يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ

ہوتی ہیں اس شخص کی مانند جس پر موت کی غشی طاری ہو[۳۶] پھر جب خوف دُور ہو جائے تو تمہیں سخت اذیت پہنچاتے ہیں اپنی تیز زبانوں سے

حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ

بڑے حریص ہیں مالِ غنیمت کے حصول میں[۳۷] (درحقیقت) یہ لوگ ایمان ہی نہیں لے آئے[۳۸] پس اللہ نے ضائع کر دیئے ہیں ان کے عمل

البخل اور بعض علماء لغت نے شُحّ اور بخل کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مال خرچ کرنے میں کنجوسی کو تو بخل کہتے ہیں لیکن مال خرچ کرنے اور کسی کے ساتھ بھلائی کرنے میں کنجوسی کو شُحّ کہتے ہیں۔ البُخْلُ بِالْمَالِ وَالشُّحُّ بِالْمَالِ وَالْمَعْرُوْفِ یعنی غریب اور مسکین مسلمانوں کی امداد کے لیے یا جہاد کی تیاری کے لیے انہیں مال دینے کی دعوت دی جاتی ہے تو ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے اور پرلے درجہ کی کنجوسی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

[۳۶] اور جب خوف طاری ہوتا ہے تو پھر ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ آنکھیں گھومنے لگتی ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے نے اپنا ہاتھ ان کی شہ رگ پر رکھ دیا ہے اور وہ دبوچ رہا ہے۔ مرنے والے کی جو حالت ہوتی ہے وہی ان بزدلوں کا حال ہوتا ہے۔ کنجوسوں کی بزدلی کی کتنی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔

اپنے ہاں کے دولتمندوں کو دیکھیے کہ انہیں اپنے پڑوس میں بسنے والے مسکینوں اور اپنے خاندان کے خستہ حال یتیموں اور بیواؤں پر کبھی ترس نہیں آتا۔ ان کے لیے ایک کوڑی خرچ کرنا بھی انہیں مشکل معلوم ہوتا ہے لیکن جب اشتراکیت کے علمبردار ان کی فیکٹریوں پر دھاوا بول دیتے ہیں اور ان کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں، اس وقت ان کا حال بعینہٖ وہی ہوتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ کاش اُمت کے اغنیاء اپنے غریب اور محتاج بھائیوں کی امداد فیاضی سے کریں اور یتیم بچوں کی صحیح تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کریں، تو قطعاً انہیں ان روح فرسا حالات سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

[۳۷] جب جانباز مجاہدین کی کوششوں سے دشمن پسپا ہو جاتا ہے تو ان کے ہوش ٹھکانے لگتے ہیں۔ اس وقت ان کی خسیس فطرت دوسرے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کے لیے جھپٹنے لگتے ہیں۔ ان کی بھوکی للچائی ہوئی نظریں ہر چیز کو ہڑپ کرنے کے لیے بے چین ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ جانباز مجاہدوں پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگتے ہیں۔ یوں پتہ چلتا ہے کہ اس فتح و کامیابی کا سہرا صرف ان باتونی لوگوں کے سر ہے۔ وہ مجاہدین جو فولادی چٹان بن کر دشمن کے سامنے سینہ تان کر کھڑے رہے اور دشمن کے ہر حملہ کو پسپا کرتے رہے، ان کا اس فتح میں کوئی حصہ ہی نہیں کبھی کہتے ہیں کہ تمہارا جنگی منصوبہ ناقص تھا، تم نے اپنا فرض

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ

اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (دشمن بھاگ گیا لیکن یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ ابھی جتھے

يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي

نہیں گئے ۳۹ اور اگر جتھے (دوبارہ پلٹ کر) آجائیں تو یہ پسند کریں گے کہ کاش! وہ صحرا میں

الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا

بدوؤں کے ہاں ہوتے (آنے جانے والوں سے) تمہاری خبریں پوچھتے ۴۱ اور اگر یہ (بزدل) تم میں موجود بھی ہوتے تو یہ (دشمن سے) جنگ

ادا کرنے میں غفلت برتی ہے تم نے گولا بارود استعمال کرنے میں بڑے اسراف سے کام لیا ہے تم نے دشمن کو قتل کرنے میں انسانی جذبات کا احترام نہیں کیا وغیرہ وغیرہ۔ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح ان بہادروں کے کردار کو داغدار اور مشکوک ثابت کر دیں اور اپنی بدعملی کے باوجود سارا کریڈٹ خود لے لیں سَلَقَ کا لغوی معنی تو یہ ہے کسی چیز سے چمٹ جانا لیکن اس کا استعمال عیب جوئی اور طعن و تشنیع کرنے میں ہوتا ہے اَلْسِنَه کا واحد لِسَان ہے "زبان"۔ حِدَاد "نہایت تیز دھار"۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اس عیب جوئی اور الزام تراشی میں عفو و درگزر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ تیز دھار والی تلوار کی طرح ان کی زبانیں بڑی بے رحمی سے ان پر پیہم برستی رہتی ہیں۔

آپ نے اگر کبھی نکمے لوگوں کو مخلص کارکنوں پر الزامات لگاتے دیکھا ہو تو بالکل یہی منظر آپ کو دکھائی دیا ہو گا اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ مالِ غنیمت میں سے زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کے لیے آپ ان کو حریص پائیں گے۔ یہاں یہ لفظ (اَشِحَّةً) دوسرے معنی (حریص) میں مستعمل ہوا ہے۔ دونوں جگہ اَشِحَّةً منصوب ہے۔ یا تو یہ حال ہے یا مخصوص بالذم۔ کیونکہ دونوں جگہ اس کا معنی علیحدہ علیحدہ ہے اس لیے تکرار کا اعتراض بے جا ہے۔

۳۸ بتا دیا کہ اس قسم کی کمینہ حرکتیں صرف انہی لوگوں سے صادر ہوتی ہیں جن کے سینے میں نورِ ایمان نہیں ہوتا۔ جب ایمان کا چراغ جگمگانے لگتا ہے تو انسان اس قسم کی رذیل حرکتیں نہیں کر سکتا۔

۳۹ لوگوں کو دکھانے کے لیے اگر وہ کچھ نیک عمل کرتے ہیں تو وہ باطل قرار دے دیئے جاتے ہیں۔

۴۰ اِن کی بزدلی کا ایک اور منظر پیش کیا جا رہا ہے کہ شجاعت و بہادری کی ڈینگیں مارنے والوں کا حال یہ ہے کہ جب سے دشمن کا لشکر جرار مدینہ طیبہ کے باہر خیمہ زن ہوا رستم و سہراب کے یہ فرزند دبک کر اپنے تہ خانوں میں جا بیٹھے اب دشمن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ بھی گیا ہے لیکن یہ ابھی تک اپنے بلوں میں گھسے بیٹھے ہیں اور باہر نکلنے کا نام نہیں لیتے۔ انہیں بار بار بتایا جا رہا ہے کہ مطلع صاف ہو چکا ہے اب کوئی خطرہ نہیں نکل آؤ اپنی ان بلوں سے لیکن انہیں یقین نہیں آتا۔

۴۱ خدانخواستہ اگر چند قبائل اکٹھے ہو کر پھر حملہ کر دیں تو یہ اپنا سر پیٹ لیں اور واویلا کرتے ہوئے کہیں کاش ان مضبوط اور خوبصورت

ع ۲ / ۱۲ / ۱۸

إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

کرتے مگر برائے نام ۔ بیشک تمہاری رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے ۲۲ ہر اس کے لیے جو

مکانات اور ان میں آرام دہ محلات کے بجائے وہ کسی صحرا میں بدوؤں کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ جہاں دشمن کے حملہ کا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا۔ آیت میں بَادُوْنَ "بدو" سے ہے۔ اس کا معنی جنگل میں نکل جانا اور وہاں آباد ہو جانا ہے۔ یقال بدا یبدو بدواً بداوۃ اذا خرج الی البادیۃ = الاعراب: سُکّان البادیۃ خاصّۃً والواحد منھم الاعرابی نسبۃ الی الاعراب۔ (المنجد) یعنی جنگل میں رہنے والوں کو اعراب کہتے ہیں اس کا واحد اعرابی ہے۔

۲۲ نظریات جب تک صرف نظریات ہوں نہ اُن کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے نہ اُن میں کشش اور جاذبیت پائی جا سکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر اکسا سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجیے، فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیجیے لوگ تحسین و آفرین ضرور کریں گے، لیکن ان نظریات کو اپناتے اور اس اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نباہنے کی راہ میں جو خطرات ہیں اُن کو وہ اُٹھانے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوعِ بحث بنائیں۔ اپنے ذہنِ رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں، مجلسِ مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا، بلکہ یہ تو ایک نظامِ حیات ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر راہنمائی کرتا ہے اور ہر مرحلہ پر پیغام دیتا ہے۔ اس پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لیے اپنے محبوب کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشاداتِ خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے اس کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ جو حق کے متلاشی ہیں وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر دیکھ کر اس کو اپنے سینہ سے لگا لیں۔

یہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جس موقع پر اس کا نزول ہوا، اُس نے اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ آیت غزوۂ خندق کے ایّام میں نازل ہوئی جب کہ دعوتِ حق پیش کرنے والوں کے راستہ میں پیش آنے والی ساری مشکلات اور آلام و مصائب پوری شدت سے رُونما ہو گئے۔ دشمن سارے عرب کو ساتھ لے کر آ دھمکا ہے۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہے کہ اس کو پسپا کرنے کے لیے جس تیاری کی ضرورت ہے اس کے لیے خاطر خواہ وقت نہیں۔ تعداد کم ہے۔ سامانِ رسد کی اتنی قلت ہے کہ کئی وقت فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے عین وقت پر دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے۔ ان کی غداری کے باعث حالات مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ دشمن سیلاب کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے قبل مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ بنا دینا از حد ضروری ہے۔

اِن حالات میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کے دوش بدوش موجود ہیں۔ خندق کھودنے کا موقع آتا ہے، تو ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے لگتے ہیں۔ مٹی اُٹھا اُٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔ دُوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی تکلیف بھی

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا رَاَ

جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے ۴۳۔ (منافقین کا حال آپ پڑھ چکے)

برداشت فرماتے ہیں۔ اگر صحابہ نے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے تو شکم رسالت پر دو پتھر بندھے دکھائی دیتے ہیں۔ مہینہ بھر شدید سردی میں میدانِ جنگ میں صحابہ کے ساتھ دن رات قیام فرما ہیں۔ دشمن کے لشکرِ جرار کو دیکھ کر بھی پریشان نہیں ہوتے۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوتا ہے تب بھی جبینِ سعادت پر بل نہیں پڑتے۔ منافقین طرح طرح کی حیلہ سازیوں سے میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کرنے لگتے ہیں تب بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ ان تمام ناگفتہ بہ حالات میں عزم و استقامت کا پہاڑ بنے کھڑے ہیں۔ قدم قدم پر صحابہ کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ منافقین سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔ دشمن کو مرعوب کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔

پھر جنگی اور سیاسی خطوط پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ دشمن آپس میں ٹکرا جاتا ہے اور حملہ آور خود بخود محاصرہ اٹھا کر ایک دوسرے پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے، ایک دوسرے پر غداری اور عہد شکنی کے الزامات لگاتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ ایک ماہ کا عرصہ ایسا ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے سارے پہلو اپنی پوری دلفریبیوں کے ساتھ اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ ان مہیب خطرات میں تم نے میرے پیارے رسول کا طریقۂ کار دیکھ لیا۔ یہ کتنا استوار، کتنا سچا اور اخلاص وللہیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ یہی تمہاری زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے لیے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ اس کے نقشِ قدم کو خضرِ راہ بنالو۔ اس کے دامنِ شفقت کو مضبوطی سے تھام لو یقیناً منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

اُسوۃ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابنِ منظور لکھتے ہیں۔ اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ یعنی پیشوا۔ راہنما۔ امام۔ اس کا دوسرا معنی یوں رقم فرمایا ہے: اَلْاُسْوَۃُ وَالْاِسْوَۃُ لُغَتَانِ وَھُوَ مَا یَتَاَسّٰی بِہِ الْحَزِیْنُ اَیْ یَتَعَزّٰی بِہٖ۔ یعنی جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلّی حاصل کر سکے۔ یعنی غمگسار۔

حضور کی ذاتِ اقدس میں تمہارے لیے شانِ غم گساری ہے۔ علامہ جوہری نے صحاح میں بھی یہی معنی کیا ہے۔ اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ بالکسر والضم لغتان ھی مایتاسّٰی بہ الحزین یتعزّٰی بہ۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اَلْاُسْوَۃُ اَلْقُدْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ مَا یُتَاَسّٰی بِہٖ اَیْ یُتَعَزّٰی بِہٖ فَیُقْتَدٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَیُتَعَزّٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَفْعَالِہٖ وَیُتَعَزّٰی بِہٖ فِیْ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَقَدْ شُجَّ وَجْھُہٗ وَکُسِرَتْ رُبَاعِیَتُہٗ وَقُتِلَ عَمُّہٗ وَجَاعَ بَطْنُہٗ وَلَمْ یُلْفَ اِلَّا صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَشَاکِرًا رَاضِیًا۔

ترجمہ: اُسوہ کا ایک معنی راہنما ہے اور اس کو بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلّی کا باعث ہو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رُخِ انور زخمی کیا گیا، دندان مبارک توڑے گئے، حضور کے چچا کو شہید کیا گیا۔ بھوک برداشت کی لیکن ان تمام حالات میں صابر و شاکر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار اور اس کی قضا پر راضی۔

۴۳۔ ہر آدمی کے لیے حضور بہترین نمونہ نہیں بلکہ ان نیک بختوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کی اور روزِ محشر دوبارہ زندہ ہونے کی اُمید رکھتے ہیں وہی اس بہترین نمونہ سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ انہی کے دلوں کو جمالِ مصطفوی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے۔

الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ

اور جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرطِ جوش سے پکار) اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا

صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِیْمَانًا وَّ تَسْلِیْمًا ؕ﴿۲۲﴾ مِنَ

تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور دشمن کے لشکرِ جرار نے ان کے ایمان اور جذبۂ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا۴۴ اہلِ

الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ

ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ۴۵ ان جوانمردوں سے کچھ

قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ٘ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ۙ﴿۲۳﴾ لِّیَجْزِیَ

تو اپنی نذر پوری کر چکے۴۶ اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں۴۷ (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) انکے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں کی

۴۴ ان خوفناک حالات میں منافقین کی بزدلی اور بدباطنی کا ذکر ہوا اب اہلِ ایمان کے ایمان افروز حالات اور جذبات کا بیان شروع ہو رہا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کے قدموں میں اپنی جان اور اپنا دل نثار کر دیا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ کفار کا لشکرِ جرار دیکھ کر اور اپنے آپکو مہیب خطرات میں گھرا دیکھ کر مسلمانوں کے یقین اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ نورِ ایمان میں اور جلا پیدا ہو گئی قضائے الٰہی کے سامنے تسلیم و رضا کا جو درس انہیں دیا گیا تھا وہ پھر تازہ ہو گیا اور کہنے لگے یہ تو بعینہٖ وہی چیز ہے جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا۔ جس طرح اس حملہ کا وعدہ پورا ہوا اسی طرح غلبۂ اسلام کا وعدہ بھی یقیناً پورا ہو گا جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے، گزشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ جب خندق کھودتے ہوئے چٹان نمودار ہوئی تو حضور نے تین ضربیں لگا کر اسے پارہ پارہ کر دیا نیز شام، ایران اور یمن کی فتح کی خوشخبری بھی دے دی۔

۴۵ رِجَالٌ پر تنوین تعظیم کی ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قوت و مردانگی میں بے نظیر تھے۔ یقال فلان رجل فی رجال ای کامل الرجولیة بینهم (المنجد) یعنی اہل ایمان میں ایسے جواں مرد اور پاکباز عشاق بھی ہیں جنہوں نے اپنے رب کریم سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ خندق کھودتے ہوئے مل کر وجد آفریں لہجہ میں وہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نحن الذین بایعوا محمدا — علی الجهاد ما بقینا ابدا

وہ صرف لاف زنی نہ تھی بلکہ جب وقت آیا تو انہوں نے سر کٹا کر، جان دے کر اپنے دعویٰ محبت کی لاج رکھ لی اور قیامت تک آنیوالے عاشقانِ باصفا کے لیے ایک زندہ مثال قائم کر دی کسی قیمت پر انہوں نے اپنے ایمان پر حرف نہیں آنے دیا۔

۴۶ نَحْبٌ کہتے ہیں نذر اور عہد کو۔ لبید کا شعر ہے:

اَلَا تَسْأَلَانِ المرءَ مَاذَا يُحَاوِلُ   اَنَحْبٌ فَيُقْضٰى اَمْ ضَلَالٌ وَبَاطِلُ

کیا تم اس سے نہیں پوچھتے کہ وہ کیا ارادہ کر رہا ہے کیا اس نے کوئی وعدہ کیا ہے جسے پورا کیا جائے گا یا یہ صرف گمراہی اور جھوٹی لاف زنی ہے۔

یعنی بعض تو وہ بیدار بخت ہیں کہ انہوں نے سرفروشی اور جانبازی کی جو نذر مانی تھی اُسے پورا کر دیا اور جان دے کر شہدا کی صف میں شامل ہو گئے۔ اسلام کے ان جانباز مجاہدین کا شمار نہیں کیا جا سکتا جس کو دیکھو محبتِ رسول اور عشقِ خدا کے بادۂ گلفام سے مخمور ہے اور جریدۂ عالم پر عشق و وفا کے ایسے تابندہ نقوش ثبت کرکے جا رہا ہے جن کی چمک قیامت تک ہر لمحہ فزوں تر ہوتی رہے گی۔

حضرت مصعب بن عمیر اپنے مالدار باپ کے بڑے لاڈلے بیٹے تھے، بڑے خوش پوش تھے۔ ان کا زرق برق قیمتی لباس آنکھوں کو خیرہ کر دیتا تھا، ناز و نعم میں پلے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہِ کرم نے انہیں اسلام کے لیے چن لیا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر درِ مصطفےٰ کی غلامی اختیار کی۔ انصارِ مدینہ نے جب عقبہ کے میدان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تو حضور نے ہجرت سے پہلے حضرت مصعب کو انکے ہمراہ یثرب روانہ کیا تا کہ وہاں جا کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ انکی تبلیغی سرگرمیوں سے اوس و خزرج کے کئی سردار مشرف باسلام ہوئے اور گھر گھر میں توحید کا نور جگمگانے لگا۔ کوہ احد کی ترائی میں جب کفر حق سے پنجہ آزما ہوا تو یہ بھی دیگر غلامانِ حبیبِ کبریا کی طرح شوقِ شہادت سے جھومتے ہوئے دادِ شجاعت دینے لگے۔ کیف و مستی کا یہ عالم تھا کہ اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اپنی ذات کا فکر نہ تھا۔ صرف ایک ہی دھن تھی کہ اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ کے حبیبِ کریم کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ زخموں سے چور ہو کر گرے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔ جنگ ختم ہوئی تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ آلہ وسلم سرہانے تشریف لائے۔ اسلام کے اس بہادر سپاہی کی نعش کے قریب کھڑے ہو گئے، اس کے لیے دعا فرمائی اور پھر یہ آیت تلاوت کی: من المؤمنين رجال (الآیہ) پھر فرمایا: اشهد ان هٰؤلاء شهداء عند الله تعالىٰ يوم القيامة فأتوهم فزوروهم والذى نفسى بيده لا يسلّم عليهم احد الى يوم القيامة الّا ردّوا عليه (قرطبی عن بیہقی) یعنی حضور نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ لوگ قیامت تک شہید ہیں۔ پس ان کے پاس آؤ۔ ان کے مزارات کی زیارت کرو۔ اس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے قیامت تک جو بھی انہیں سلام کرے گا، وہ جواب دیں گے۔

حضرت انس بن نضر کو بدر میں شریک نہ ہونے کا از حد ملال تھا۔ ہمیشہ کہتے کہ افسوس کہ میں کفر و اسلام کے پہلے معرکہ میں شرکت سے محروم رہا۔ اب اگر خدا نے موقع دیا تو دنیا دیکھے گی کہ شمعِ جمالِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا کے پروانے جاں سپاری کا کیا منظر پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ جنگِ احد میں شامل ہوئے۔ لشکرِ اسلام میں جب کھلبلی مچی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ تو بعض مسلمان دل شکستہ ہو کر بیٹھ رہے۔ یہ پاس سے گزرے، پوچھا یوں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا حضور شہید ہو گئے۔ آپ نے انہیں للکارا کہ رسولِ پاک کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے آؤ اس بات پر ہم بھی جان دے دیں جس پر حضور نے جان دیدی ہے۔ پھر تلوار بے نیام کی اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ کفار پر پے در پے وار کرتے جا رہے تھے اور زبان سے یہ کہتے جا رہے تھے: يا سعد هاورنع الجنّة ورب النضر انى لأجد ريحها دون احد۔ اے سعد نضر کے رب کی قسم! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے یہ خوشبو کوہِ احد کے پیچھے سے آ رہی ہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ جب ان کے زخم گنے گئے تو اسی سے زیادہ تھے اور کوئی عضو بھی سلامت

اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ

(ان جہاد میں ایک حکمت یہ بھی ہے) کہ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اپنا وعدہ سچا کرنے والوں کو ان کے سچ کے باعث ۴۸ اور عذاب دے منافقوں کو اگر اس کی

اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

مرضی ہو یا ان کی توبہ قبول فرمائے ۴۹ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے

نہ بچا تھا کہ ان کی پہچان ہو سکے۔ ان کی ہمشیرہ نے ان کی انگلیوں کے پورے دیکھ کر انہیں پہچانا۔

تپید یک دم و کردند زیب فتراکش

خوشا نصیبِ غزالے کہ زخم او کاریست

۴۷ اور جو لوگ میدانِ جہاد سے سلامت واپس آئے انہیں اپنے صحیح و سلامت واپس آنے پر خوشی نہیں ہے، بلکہ وہ شہادت سے محرومی کے باعث بڑے غمزدہ اور دل گرفتہ ہیں اور وہ اس سہانی گھڑی کا بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں جب وہ خونِ شہادت سے سرخرو ہو کر بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہوں گے۔

انہی جانثاروں کی بے لوث اور بے دریغ قربانیوں کے باعث اسلام کو یہ عزت و شوکت نصیب ہوئی۔ انہوں نے اپنے خونِ ناب سے آبیاری کر کے شجرِ اسلام کو سدا بہار بنایا، انہی کی کوششوں کی برکت سے آج ہمیں ایمان کی نعمت نصیب ہے، لیکن امت میں ایک ایسا بدقسمت فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو خود تو اسلام کے لیے کچھ کر نہیں سکتے، اُلٹا اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اسلام کے لیے باعثِ ننگ و عار ہیں، ہر قدم خلافِ شریعت اٹھاتے ہیں، سنتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تارک ہیں، شکل، عمل، سیرت اور کردار سے اسلام کا منہ چڑا رہے ہیں، لیکن ان وفا شعار غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا اور دین کے جوانمرد سپاہیوں پر زبانِ طعن دراز کرنا کمالِ ایمان خیال کرتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ ان اولوالعزم ہستیوں کو جتنا برا کہیں گے اتنا ہی ان کے گناہ جھڑیں گے اور ان کے رتبے بلند ہوں گے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ زبانِ قدرت تو ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے، قرآن کے صفحات تو ان کی پاک باطنی کی شہادت دے رہے ہیں، فرشتے ان کی شجاعت، بسالت، سخاوت اور عدالت کی قسمیں کھا رہے ہیں، حورانِ فردوس ان کی راہ میں اپنی آنکھیں بچھانے کے لیے بے تاب ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا بے عمل انسان ان پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتا۔

۴۸ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیوں کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اپنی شانِ کریمی کے مطابق انہیں جزا دے گا۔

۴۹ باقی رہے منافقین تو ان کے متعلق جیسی اس کی مرضی ہو گی ایسا کرے گا، چاہے تو ان کی بداعمالیوں کے باعث انہیں قعرِ ضلالت میں گرا ہوا چھوڑ دے۔ اسی حالت میں انہیں موت آ جائے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ میں پھینک دیئے جائیں۔ اور چاہے تو اپنی رحمت اور مہربانی سے انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کر دے اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق مرحمت فرما دے۔ وہ بڑا غفور رحیم ہے۔ اس کی شانِ پوزش پذیری اور اس کی صفتِ رحمت سے یہ چنداں بعید بھی نہیں کہ وہ ایسا کرم فرما دے اور ڈوبتے ہوؤں کا بازو پکڑ کر

كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ

کفار کو ر آنحالیکہ اپنے غصّہ میں (ذیبچ وتاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے ۵۰

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝ ۲۵ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔ اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا

انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم

تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ ۲۶ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَ

قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو ۵۱ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں، ان کے مکانوں اور

انہیں کنارے پر لگا دے۔

۵۰ مسلمانوں پر اپنے خصوصی لطف و کرم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے دیکھا کہ کفر کس طمطراق سے مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا اور ہم نے کس طرح ان کو خائب و خاسر، مخذول و مردود کر کے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔ اللہ تعالیٰ کی قوت و غلبہ کا تم نے نظارہ کیا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی اسی طرح چارہ سازی فرماتا ہے اور ان کے دشمنوں کو اسی طرح ذلیل و رسوا کرتا ہے۔

۵۱ آپ بنو قریظہ کی غداری اور عہد شکنی کا تذکرہ تفصیلاً پڑھ چکے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے عالم غیب سے اسباب پیدا کر کے ان کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دیا ہوتا تو مسلمانوں پر جو گزرتی اس کا تصور کرنا مشکل نہیں لیکن حبیب تقدیر الٰہی نے تدبیر کے شاطروں کو مات دیدی۔ قریش و غطفان اور بنی اسد وغیرہ قبائل اپنے جنگجو بہادروں سمیت پسپا ہو گئے تو اب بنو قریظہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ حضور ایک ماہ تک کھلے میدان میں کفار کے سامنے سینہ سپر رہنے کے بعد اپنے غلاموں سمیت گھروں میں پہنچے ہی تھے اور سر مبارک دھونے کی تیاری ہی فرما رہے تھے کہ جبرئیل نمودار ہوئے عرض کی یا رسول اللہ! ہم نے تو ابھی تک ہتھیار اتارے ہی نہیں اور آپ نے اتار بھی دیئے۔ میں ملائکہ کے ایک گروہ کے ساتھ کفار کے تعاقب میں تھا اور انہیں روحاء تک بھگا کر واپس آیا ہوں اور حکم خداوندی یہ ہے کہ جب تک بنی قریظہ کا خاتمہ نہ کر لیا جائے اس وقت تک ہتھیار اتارنے کی اجازت نہیں۔ فرمان الٰہی ملتے ہی حضور نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ وہ اذان دے اور بلند آواز سے یہ اعلان کر دے مَنْ كَانَ سَامِعًا مُطِيْعًا فَلَا يُصَلِّيَنَّ الْعَصْرَ اِلَّا بِبَنِيْ قُرَيْظَة یعنی ہر اطاعت گزار مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ میں ادا کرے۔ مدینہ طیبہ میں منادی کرنے کے لیے ایک اور آدمی دوڑایا جو یہ اعلان کر رہا تھا: يَا خَيْلَ اللّٰهِ ارْكَبِيْ اے اللہ تعالیٰ کے شہسوارو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ یہ اعلان سنتے ہی مسلمان ہتھیار سجائے اپنے گھروں سے

نکلنے لگے۔ حضور گھوڑے پر سوار تھے جس کا نام "لحیف" تھا۔ تو صحابہ کے ایک دستے نے گھوڑوں پر سوار ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارد گرد حلقہ بنا لیا جن کے پاس سواری کا انتظام نہ تھا وہ پیادہ چل پڑے۔ اس روز لشکر اسلام کا پرچم سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو عطا فرمایا گیا۔ یہ لشکر جلد ہی بنو قریظہ کی گڑھی کے قریب پہنچ گیا۔ حضرت علی نے قلعہ کی دیوار کے نزدیک پرچم گاڑ دیا۔ یہودیوں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو دروازے بند کر دیئے اور مرد و زن چھت پر چڑھ گئے اور مسلمانوں پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے لگے۔ حضرت اُسید بن حضیر نے ان کی اس حرکت پر غضبناک ہو کر فرمایا: يَا أَعْدَاءَ اللهِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حُصُونِكُمْ حَتَّى تَمُوتُوا جُوعًا۔ کہ اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا ایسا محاصرہ کریں گے کہ تم بھوک کے مر جاؤ گے۔ انہوں نے اپنی دیرینہ دوستی کا واسطہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان سب تعلقات منقطع ہو گئے ہیں۔ حضور نے رات وہاں بسر کی، صبح ہوتے ہی ان کے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور مختلف مقامات پر تیرانداز بٹھا دیئے۔ یہود بھی پتھر اور تیر برساتے رہے۔ مسلمان بھی ان کا مؤثر جواب دیتے رہے۔ جب ان کی شرارت شدت اختیار کرنے لگی تو حضور کے ارشاد سے مسلمانوں نے انہیں باقاعدہ اپنی زد میں لے لیا۔ انہوں نے پتھر برسانے بند کر دیئے اور گفتگو کرنے کی اجازت طلب کی جو انہیں بخش دی گئی۔

یہود نے نباش بن قیس کو اپنا نمائندہ بنا کر بارگاہِ رسالت میں بھیجا۔ اس نے آ کر کہا کہ جن شرائط پر آپ نے بنو نضیر کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دی تھی، انہی شرائط پر ہمیں بھی یہاں سے نکل جانے کی اجازت دے دیجیے۔ ہم اپنی عورتوں، بچوں اور بار شتر کے ساتھ مدینہ چھوڑ جاتے ہیں باقی ہر چیز آپ سنبھالیے۔ حضور نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے کہا ہم سارا مال و متاع یہاں چھوڑ جاتے ہیں، صرف ہماری جان بخشی کی جائے۔ یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے متعلق میرا فیصلہ اگر ماننے کے لیے تیار ہو، تو تمہارے ساتھ مفاہمت کی بات چیت کی جا سکتی ہے۔ وہ مشورہ کرنے کے لیے قلعہ میں واپس گیا اور سارا ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ ان کے سردار کعب بن اسد نے کہا: اے میری قوم! تین تجویزیں ہیں ان میں سے کوئی ایک پسند کر لو۔ انہوں نے پوچھا بتائیے۔ اس نے کہا سب سے بہتر تو یہ ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اب اس امر میں ذرا شبہ نہیں رہا کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہی رسول مکرم ہے جس کی بشارت اور ذکر ہماری کتابوں میں موجود ہے۔ آج تک محض حسد کے باعث ہم ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اب وقت ہے ایمان لے آؤ تم۔ تمہاری جان بچ جائے گی اور مال و متاع سب بچ جائیگا اور نعمتِ ہدایت سے بھی مالا مال ہو جاؤ گے میں تو مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدہ کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھا اس بدبخت (حیّی بن اخطب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کی نحوست نے ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کیا۔ قوم نے کہا کہ ہم ایمان تو کسی قیمت پر لانے کے لیے تیار نہیں۔ اس نے کہا دوسری تجویز یہ ہے کہ اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو اور پھر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو، نتیجہ دیکھا جائے گا۔ قوم نے کہا ان معصوم بچوں اور عورتوں کو بلا گناہ ذبح کر دینا کہاں کی انسانیت ہے ہم ایسا نہیں کریں گے۔ اس نے کہا تیسری تجویز یہ ہے کہ آج سبت کی رات ہے۔ مسلمانوں کو علم ہے کہ یہودی آج حملہ نہیں کریں گے، وہ بالکل مطمئن اور بے خوف و خطر بیٹھے ہوں گے۔ آؤ ان کی اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اچانک ان پر حملہ بول دیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم انہیں شکست دے دیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ تو ہمیں سبت کی بے حرمتی کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ پہلے جن لوگوں نے اس کی بے حرمتی کی تھی انہیں اس کی عبرتناک سزا ملی۔ ان کے سردار کعب نے کہا: مَا بَاتَ مِنْكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً حَازِمًا؛ تم سب ہمیشہ سے گومگو کا شکار رہتے

ہو کسی چیز کے متعلق فیصلہ کن بات کرنے کی تم میں صلاحیت نہیں۔ پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار جب وہ عاجز آ گئے اور ان میں تاب مقاومت نہ رہی تو حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیصلہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ان کے جوانوں کو الگ کر کے انہیں رسیوں میں جکڑ دیا گیا اور بچوں اور عورتوں کو الگ ایک محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا۔ مسلمان جب ان کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انہوں نے اسلحہ کے وہ انبار دیکھے جو یہودیوں نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے تیار کر رکھے تھے۔ ان میں پندرہ سو تلواریں۔ دو ہزار نیزے۔ پانچ سو ڈھالیں اور دیگر اسلحہ تھا، اس کے علاوہ شراب کے مٹکوں کے مٹکے بھرے ہوئے رکھے تھے۔ شراب تو ساری کی ساری انڈیل دی گئی۔ دوسرے ساز و سامان پر قبضہ کر لیا گیا۔ ان میں کثیر التعداد مویشی اور اونٹ وغیرہ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام الگ ایک جگہ تشریف فرما تھے کہ بنی اوس قبیلہ کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! یہودی قبیلہ بنو نضیر کے دوستانہ تعلقات بنی خزرج کے ساتھ تھے ان کی سفارش پر حضور نے بنی نضیر کی جان بخشی فرما دی اور ہر آدمی کو ایک بار شتر لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔ بنی قریظہ کے ساتھ ہمارے قدیم سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ اب وہ اپنی غلطی پر از حد پشیمان بھی ہیں، اس لیے حضور نے جس طرح بنو خزرج کی عزت افزائی فرمائی تھی اسی طرح ہماری وجہ سے ہمارے اس دوست قبیلہ کو بھی بخش دیں۔ وہ بار بار اپنی یہ درخواست پیش کرتے رہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاموش رہے۔ جب ان کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ تمہارے قبیلہ اوس سے کوئی شخص ان کے متعلق فیصلہ کر دے۔ انہوں نے عرض کی بجا ہے۔ حضور نے فرمایا میں سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ منظور ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ یہودیوں نے خود حضرت سعد کا نام تجویز کیا تھا۔ حضرت سعد خندق میں زخمی ہو گئے تھے حضور نے انہیں مسجد کے قریب رفیدہ کے خیمہ میں ٹھہرایا ہوا تھا تاکہ اپنی نگرانی میں ان کی مرہم پٹی کرائی جائے اور ان کی عیادت میں آسانی ہو۔ بنی اوس اپنی حسب پسند حضرت سعد کو حکم مقرر کرا کے ان کو لینے کے لیے خیمہ میں گئے اور ایک گدھے پر سوار کر کے انہیں بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ راستہ میں آپ کو ہموار کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ حکم مقرر ہوئے ہیں۔ بنی قریظہ سے ہمارے قدیمی دوستانہ تعلقات ہیں ان کے ساتھ نرم برتاؤ کرنا۔ تم نے دیکھا نہیں بنی خزرج نے بنی نضیر کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا جب انہوں نے افہام و تفہیم اور منت و سماجت کی حد کر دی تو سعد نے صرف اتنا جواب دیا:

قَدْ آنَ لِسَعْدٍ اَنْ لَا يَأْخُذَهُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ۔ اب سعد کا ایسا وقت آگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت اسے متاثر نہیں کر سکتی۔ جب سعد کی سواری حضور کی قیام گاہ کے قریب پہنچی تو حضور نے حاضرین کو فرمایا: قُومُوا اِلٰى سَيِّدِكُمْ۔ اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ سعد کو اتارا گیا۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُحْكُمْ فِيهِمْ يَا سَعْدُ۔ اے سعد! ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ انہوں نے عرض کی: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ اَحَقُّ بِالْحُكْمِ: کہ اللہ اور اس کا رسول ہی فیصلہ فرمانے کا حق دار ہے۔ ارشاد ہوا: اَمَرَكَ اللّٰهُ اَنْ تَحْكُمَ فِيهِمْ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ سعد نے پھر اپنی قوم سے پوچھا کہ بنی قریظہ کے بارے میں جو حکم کروں تمہیں منظور ہے۔ انہوں نے کہا بیشک منظور ہے۔ آپ نے فرمایا: میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کے مال اور جائیدادیں مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دی جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ حَكَمْتَ فِيهِمْ بِحُكْمِ اللّٰهِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَةِ اَرْقِعَةٍ۔ اے سعد!

اَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۳ ۷ ۱۹

ان کے مال و متاع کا اور وہ مُلک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے ۵۲ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا

اے نبی مکرم! آپ فرما دیجیے اپنی بیبیوں کو ۵۳ کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی آرائش (و آسائش) کی خواہاں ہو

تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فیصلہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کو ان کی غداری، عہد شکنی اور دشمن سے ساز باز کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ ظاھن: عَاوَنُ: مدد کرنا۔ صیاصیھم جمع ہے اس کا واحد صیصۃ ہے اس کا معنی قلعہ اور گڑھی ہے۔

۵۲ تمہیں ان کی زمینوں اور مکانوں اور مال و متاع کا وارث بنا دیا اور ایسی زمین کی فتح بھی تمہارے مقدر میں لکھ دی جہاں تک ابھی تم نہیں پہنچے۔

۵۳ فخرِ کائنات، باعثِ ایجادِ عالم، سلطانِ دنیا و دین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی صرف آرام و آسائش کے اسباب سے ہی خالی نہ تھی بلکہ ضروریاتِ زندگی بھی اکثر فراہم نہ ہوتی تھیں۔ مسلسل کئی کئی دنوں تک چولہے میں آگ نہیں جلائی جاتی تھی اور کھجور وغیرہ پر بسر اوقات کی جاتی اکثر جو کی روٹی یا گندم کے ان چھنے آٹے کی روٹی دسترخوان کی زینت ہوتی۔ لباس کا معاملہ بھی خوراک سے مختلف نہ تھا۔ موٹا جھوٹا جیسا میسر آیا خود بھی پہن لیا اور امہات المومنین کو بھی دے دیا۔ مسلمانوں کے مالی حالات جب تک ناساز گار رہے۔ امہات المومنین بڑے صبر و شکر سے یہ سب کچھ برداشت کرتی رہیں۔ کوئی مطالبہ نہیں کوئی فرمائش نہیں۔ کسی چیز کے نہ ملنے کا شکوہ نہیں۔ شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی رفیقہ حیات بننے کی سعادت پر زندگی کی ساری مسرتیں اور راحتیں انہوں نے قربان کر دی تھیں۔ اگرچہ وہ سب کی سب امیر والدین کی بیٹیاں تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی نورِ نظر تھیں جو مکہ کے خوشحال اور کامیاب تاجر تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروقِ اعظم کی لختِ جگر تھیں جو اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اسی طرح دیگر ازواج مطہرات کا بھی حال تھا۔ ماں باپ نے انہیں بڑے ناز و نعم سے پالا تھا۔ اس وقت وہاں کے معاشرہ میں جن آسودگیوں کا تصور کیا جا سکتا تھا وہ سب انہیں میسر تھیں اور ان کی پہلی ازدواجی زندگی بھی امیرانہ بلکہ شاہانہ ماحول میں بسر ہوئی تھی یکایک اس فرحت انگیز اور آرام بخش زندگی کو ترک کر کے امہات المومنین نے درویشانہ زندگی کو جس خوشی سے اپنایا اور جس خوبصورتی سے اسے نبھایا وہ انہی کا حصہ تھا۔ وہ اس فقر و درویشی کی زندگی پر ناز کرتیں اور ان ساری کلفتوں کو اپنے لیے دارین کی سعادتوں کا باعث سمجھتیں۔

لیکن جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور مالِ غنیمت کثرت سے تقسیم ہونے لگا۔ عام مسلمانوں کی معاشی حالت تیزی سے بدلنے لگی۔ خصوصاً مدینہ کے یہودی قبائل بنی نضیر، قینقاع اور قریظہ کا مال و متاع، ان کی زرعی زمینیں، باغات اور رہائشی مکانات مسلمانوں میں بطور غنیمت تقسیم کیے گئے، تو مسلمانوں کی سابقہ محرومیاں اور تنگ دستیاں قصہ ماضی بن گئیں۔ مسلمان خواتین کی بود و باش اور لباس و خوراک میں بھی خوش آئند تبدیلیاں پیدا ہو گئیں۔ اس وقت امہات المومنین نے اقلیم فقر و غنا کے تاجدار کے سامنے دامنِ طلب پھیلایا۔ علامہ ابو حیان لکھتے

آئیں: فقعدن حوله قلن یا رسول الله بنات کسریٰ وقیصر فی الحلی والحلل والاماء والخول ونحن علی ما تراه من الفاقة والضیق۔ یعنی ایک روز ازواج مطہرات حضور کے اردگرد بیٹھ گئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! قیصر اور کسریٰ کی بیٹیاں زیور اور طرح طرح کے لباسوں میں ملبوس ہیں۔ ان کے پاس لونڈیاں اور خادمائیں کی کمی نہیں اور فقر و فاقہ کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہے۔ اس لیے ازراہِ کرم ہمیں بھی اب پہننے کے لیے اچھے لباس اور کھانے کے لیے لذیذ کھانا ضرور ملنا چاہیے۔ بنظر انصاف اگر دیکھا جائے تو اس میں قطعاً کوئی نازیبا بات نہ تھی کوئی بے ادبی کا پہلو نہ تھا جب عام مسلمان خواتین اچھا کھانے لگی تھیں اور اچھا پہننے لگی تھیں تو ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ کسی طرح بھی ناجائز نہ تھا۔ لیکن رحمت عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاطر عاطر پر یہ بھی ناگوار گزرا۔ حضور کی ذات عام حکمرانوں کی طرح نہ تھی جس کی کارگزاری کے اثرات اس کی اپنی ذات تک محدود ہوں۔ آپ تو ساری اولادِ آدم کے لیے قیامت تک راہنما تھے اگر حضور اس قسم کے مطالبات کو تسلیم کر لیتے اور آپ کے اہل بیت کی خورد و نوش، لباس وغیرہ میں آرائش اور تکلف کا دامن تک بھی پایا جاتا تو آنے والے فرمانرواؤں کیلئے دروازہ کھل جاتا اور وہ تکلفات تصنع اور آرائش کو سنت نبوی کہہ کر اپناتے اور ایک ایسی ابتری اور بدنظمی رونما ہوتی جسکا تدارک ممکن نہ رہتا۔ حضور اپنے منصب بلند کو اپنے مقام نبوت کی ذمہ داریوں کو ملاحظہ فرما رہے تھے اور قلب نازک پر یہ مطالبہ بھی گراں گزر رہا تھا چنانچہ ایک روز صدیق اکبر کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے ان کے بعد فاروق اعظم بھی آ گئے۔ دیکھا کہ ازواج مطہرات اردگرد حلقہ بنائے بیٹھی ہیں اور حضور بالکل خاموش درمیان میں تشریف فرما ہیں اور حضور کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار ہیں۔ حضرت عمر نے سوچا اب ایسی بات کرنی چاہیے جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑیں اور اس افسردگی کا خاتمہ ہو۔ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اگر میری بیوی بنت خارجہ مجھ سے خرچ مانگنے کی جرأت کرے تو حضور دیکھیں گے کہ میں اس کے سر کا قیمہ بنا کر رکھ دوں گا۔ یہ سن کر حضور ہنس دیئے اور پھر سکوت توڑتے ہوئے فرمایا! اے عمر انہیں دیکھو یہ میرے اردگرد اس لیے حلقہ بنائے بیٹھی ہیں کہ مجھ سے خرچ کا مطالبہ کریں۔ حضرت صدیق نے اپنی بیٹی حضرت عائشہ کو پکڑا اور ان کی گردن پر تھپڑ رسید کیے اسی طرح حضرت عمر نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کو گردن سے پکڑ کر تھپڑ رسید کیے۔ اور کہا کہ کیا آج کے بعد تم حضور سے ایسی چیز کا سوال کرو گی جو حضور کے پاس نہ ہو۔ دونوں نے کہا آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گی۔

اسکے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتیس یا تیس دن عزلت نشینی اختیار فرما لی۔ ایک ماہ بعد یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور بالاخانہ سے اترے اور سب سے پہلے حضرت صدیقہ کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ ارشاد فرمایا: اے عائشہ! میں آج تجھ سے ایک بات پوچھنے آیا ہوں تم اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا۔ جواب دینے سے پہلے اپنے والدین سے ضرور مشورہ کر لینا۔ انہوں نے عرض کی: ارشاد فرمائیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دو آیتیں پڑھ کر سنائیں حضرت صدیقہ نے آیتیں سننے کے بعد گزارش کی: أفی هذا استأمر ابوی فانی ارید الله و رسوله والدار الآخرة۔ کیا میں اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں گی۔ میں نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور دار آخرت کو پسند کر لیا ہے۔ اس کے بعد حضور نے دیگر ازواج سے بھی یہی بات کہی۔ سب نے یہی جواب دیا۔ انسان قربان جائے حضور کی ازواج طاہرات امہات المسلمین کی ہمتوں پر جنہوں نے زندگی کی ساری لذتوں کو ٹھکرا دیا۔ فقر و فاقہ، غربت و درویشی کو قبول کیا اور مصطفیٰ علیہ اطیب التحیة والثناء کی کنیز بننے کی سعادت کو نہ چھوڑا۔

باتیں کر لینا بہت آسان ہے لیکن کر کے دکھانا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔

فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿٢٨﴾ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ۵۴ اور اگر تم چاہتی ہو

اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا

اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے انکے لیے جو تم میں نیکوکار ہیں

عَظِيمًا ﴿٢٩﴾ يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ

اجر عظیم ۵۵ اے نبی کریم کی بیبیو! جس کسی نے تم میں سے کھلی ہوئی بیہودگی کی تو اس کے لیے

يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

عذاب کو دو چند کر دیا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ۵۶

۵۴ یعنی اگر تم دنیا اور متاع دنیا کو پسند کرو گی تو پھر کاشانہ نبوت کی زینت نہیں بن سکتیں۔ تمہیں علیحدہ کر دوں گا لیکن علیحدگی بڑی خوبصورتی سے اور آبرومندانہ طریقے سے ہو گی۔ یہاں سے یہ سبق بھی دیا گیا کہ اگر تعلقات منقطع کرنے کا موقع آجائے، تو اس وقت بھی تمہارے ہاتھوں سے شائستگی کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

۵۵ تمام ازواج مطہرات نے بصد مسرت اپنے مطالبات ترک کر دیئے اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دار آخرت کو پسند فرمایا اور وہ اس بشارت کی مستحق ہو گئیں جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔
صد حیف! ان کم فہموں اور بدبختوں پر جو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پڑھ کر بھی ازواج مطہرات کی شان میں گستاخی اور ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے۔

۵۶ تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں ہو۔ ساری امت کی بچیوں اور خواتین کے لیے تمہاری زندگی ایک نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا بڑا اونچا مقام ہے، لیکن اس رفعت شان اور عظمت مقام کے تقاضے پورا کرنا بھی تم پر لازم ہے خبردار! تمہارے اجلے دامن پر کوئی داغ لگنے نہ پائے۔ اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو یاد رکھو تمہیں اس کی سزا بھی دگنی دی جائے گی، اور اللہ تعالیٰ پر ایسا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ

اور جو تم میں سے فرماں بردار رہی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نیک عمل کرتی رہی تو ہم اس کو

اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ

اس کا اجر بھی دو چند دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت والی روزی تیار کر رکھی ہے ۵۷ اے نبی کی ازواج مطہرات! تم

كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ

نہیں ہو دوسری عورتوں میں سے کسی عورت کی مانند۔ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو ۵۸ پس ایسی نرمی سے بات نہ کرو کہ طمع کرنے لگے وہ دبے حیا

الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ

جس کے دل میں روگ ہے ۵۹ اور گفتگو کرو تو باوقار انداز سے کرو ۶۰ اور ٹھہری رہو اپنے

۵۷ اسی طرح تم میں سے جس نے اطاعت و فرمانبرداری کا شیوہ اختیار کیا اُسے اجر بھی دگنا ملے گا اور اسے ہم باعزت رزق عطا فرمائیں گے۔

۵۸ یہاں پھر اس حقیقت کو دوسرے عنوان سے بیان کر دیا کہ تمہارا حال دوسری عورتوں کا سا نہیں۔ ان سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی وہ خود ذمہ دار ہیں اور مطعون ہوں گی تو اُن کی اپنی ذات مطعون ہو گی۔ لیکن اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو دامنِ نبوت داغدار ہو جائے گا۔ رشد و ہدایت کا وہ چشمہ گدلا ہو جائے گا جس سے دُنیا بھر کے پیاسوں نے پیاس بجھانی ہے۔ وہ آفتاب گہنا جائے گا جس کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے سارے عالم کو منور کرنا ہے، تم ذرا ان بھیانک نتائج کا تصور کرو جو تمہاری معمولی سی لغزش پر مترتب ہو سکتے ہیں۔ تم ذرا ان مشکلات کا اندازہ لگاؤ جو تمہاری کج روی سے دعوتِ اسلامی کی راہ میں پیدا ہو سکتی ہیں، اس لیے جادۂ زیست پر ہر قدم پھونک پھونک کر رکھو، ہر کام سوچ سمجھ کر کرو۔ تقویٰ و پارسائی کا وہ بلند معیار قائم کرو کہ نکتہ چینوں کی آنکھیں پتھرا جائیں، لیکن انہیں کوئی داغ نظر نہ آئے، وہ اپنی زبان درازی کے باوجود اپنے آپ کو گونگا محسوس کریں۔

۵۹ اگر کسی مجبوری کے باعث تمہیں کسی نامحرم سے بات کرنی پڑے تو اس کے ساتھ ایسے باوقار انداز سے بات کرو کہ اس کے بیمار دل میں کوئی فاسد خیال پیدا ہی نہ ہو۔ گفتگو کا لہجہ کئی غلط فہمیوں اور بدکاریوں کا سبب بن سکتا ہے۔ اس دروازے کو ہی بند کر دیا۔

۶۰ اس کے ساتھ ساتھ گفتگو میں کوئی ایسی تلخی اور ناشائستگی بھی نہ ہو جسے شریعت ناپسند کرے اور لوگوں کی دل شکنی اور دل آزاری ہو۔

فالقول المعروف الذي لا تنكره الشريعة ولا النفوس ـــ (قرطبی)

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ

اور ٹکی رہو اپنے گھروں میں اور اپنی آرائش کی نمائش نہ کرو جیسے سابق دورِ جاہلیت میں رواج تھا [۶۱] اور نماز قائم

[۶۱] آیت میں جو اہم الفاظ ہیں پہلے ان کا مفہوم ذہن نشین کر لیجیے۔ اس کے بعد اس آیت کا مقصد اور مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔ وَقَرْنَ : یہ لفظ یا قرار سے مأخوذ ہے یا وقار سے، دونوں سے مقصد یہ ہے کہ اُمہات المؤمنین کو اپنے گھروں میں سکون و وقار سے ٹھہرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور بلا ضرورت گھروں سے نکلنے کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے اور زمانہ جاہلیت میں عورتیں جس طرح بن ٹھن کر بازاروں میں بے حجاب پھرا کرتی تھیں اور اپنے حسن و جمال کی نمائش کیا کرتی تھیں اس سے سختی سے روکا جا رہا ہے اگرچہ یہاں خطاب صرف ازواجِ الرسول سے ہے لیکن اُمت کی ساری خواتین کے لیے یہی حکم ہے۔ تَبَرُّج : علامہ ابنِ منظور اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہر اونچی چیز جو دُور سے نمایاں ہو، اس کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وکلّ ظاہر مرتفع وقد برج۔ (لسان العرب) بُرج کو بھی بُروج اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دُور سے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی سے تبرج ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے عورت کا اپنے حسن و جمال اور آرائش کو غیر مردوں کے سامنے ظاہر کرنا۔ التبرج اظہار المرأۃ زینتها ومحاسنها للرّجال۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عورتیں ناز و ادا سے مٹکتی اور لچکتی ہوئی سرِ بازار ٹہلا کرتی تھیں۔ اس سے باز رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

اسلام کے نزدیک عفت و عصمت کی جو قدر و منزلت ہے۔ اس کے پیشِ نظر یہ احکام صادر فرمائے جا رہے ہیں۔ ان راستوں کو ہی بند کیا جا رہا ہے۔ ان اسباب کا ہی قلع قمع کیا جا رہا ہے جن کے ذریعہ اس متاعِ گرانمایہ کے لُٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کوئی زیرک قیمتی جواہرات رکھ کر اپنے گھر کے دروازے چوروں کے لیے نہیں کھولتا، جو لوگ اس زعمِ باطل میں مُبتلا ہیں کہ ان کے گھروں کی خواتین، ان کی بچیاں، بہنیں پختہ کردار کی مالک ہیں وہ اگرچہ قیمتی اور بھڑکیلے ملبوسات پہن کر بے پردہ گھومتی رہیں تو ان کی عزت و آبرو پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔ انہیں ہم نرم سے نرم الفاظ میں "بھولا" کہہ سکتے ہیں۔ اور ان کا یہ بھولا پن انہیں ایک روز ایسے گڑھے میں پھینک دے گا جس سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ فطرتِ انسانی کے حیوانی تقاضوں کی شدت سے ان کی دانستہ چشم پوشی انہیں ایسے بھیانک نتائج سے دوچار کر دے گی کہ ان کا قلبی سکون برباد اور ذہنی توازن بگڑ کر رہ جائے گا۔ اس وقت وہ پچھتائیں گے جب چڑیاں کھیت چُگ گئی ہوں گی۔ اس وقت وہ زار زار روئیں گے، لیکن ان کو اپنے درد کا درماں نہیں ملے گا۔

اسلام نے مسلمانوں کو جو ثقافت اور تہذیب عطا کی ہے، وہ قرآن آیات میں مذکور ہے۔ اب اگر ہمارے قائدین اپنی ملت کی بچیوں کو کوئی دوسری ثقافت سکھانا چاہیں اور مغربی تمدن و معاشرت کے آداب کی تعلیم دینا چاہیں تو اُن کی مرضی۔ اسلام نے، قرآن نے اور حاملِ قرآن نے تو مسلمان عورتوں کے لیے اس حیا سوز اور غیرت باختہ طرزِ معاشرت سے سختی سے روکا ہے۔ بزار نے حضرت انس رض سے روایت کی ہے کہ عورتیں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی :

یارسول اللہ! مرد ساری فضیلتیں لے گئے۔ جہاد میں شرکت کا شرف بھی صرف انہیں نصیب ہوتا ہے۔ کیا کوئی عمل ایسا ہے

جو ہم کریں اور ہمیں مجاہدین کا درجہ حاصل ہو"

فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔ مَنْ قعدت منکن فی بیتھا فانھا تُدرك عمل المجاھدین فی سبیل اللہ ۔ ارشاد فرمایا تُم میں سے جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی اُسے مجاہدین فی سبیل اللہ کا درجہ ملے گا ۔ (روح المعانی)

امام ترمذی اور بزّار نے حضرت ابن مسعود سے یہ حدیث نقل کی ہے ۔ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اِنّ المرأۃ عَوْرَۃٌ فاذا خرجت من بیتھا استشرفھا الشیطان واقرب ما تکون من رحمت ربھا وھی فی قعر بیتھا یعنی حضور نے فرمایا : عورت کا مستور اور باپردہ رہنا ہی بہتر ہے جب وہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اُسے جھانکنے لگتا ہے ، جب تک وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں رہتی ہے ۔ وہ رحمت الٰہی سے قریب تر ہوتی ہے ۔

پاکستان ، جسے مملکت اسلامیہ ہونے کا دعویٰ ہے ۔ وہاں مردوں اور عورتوں کا بے دریغ اختلاط ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم ، عورتوں کا ان دفتروں میں ملازمت کرنا جہاں مرد ہوتے ہیں ، ایسے اجتماعات اور مذاکروں میں شرکت کرنا ، عام بازاروں اور شاہراہوں پر ننگے سر چُست لباس پہنے نیم عُریاں ہو کر گھومنا پھرنا ایک بہت بڑا المیہ ہے ۔ اور ہمارا طرزِ عمل اسلام کی تہذیب و ثقافت پر ناروا زیادتی بلکہ اُسے مسخ کرنے کے مترادف ہے ۔

شیعہ ، حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر ایک اعتراض کرتے ہیں ، اس کے متعلق بھی یہاں کچھ وضاحت کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا ۔

وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو گھروں میں ٹھہرے رہنے کی تاکید کی لیکن حضرت عائشہ نے اس کی خلاف ورزی کی ۔ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ گئیں ۔ وہاں سے بصرہ کا رُخ کیا ۔ صرف اسی پر اکتفا نہیں بلکہ خلیفہ برحق حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف جنگ لڑی ۔ یہ حکم الٰہی کی صریح خلاف ورزی ہے اور سخت گناہ ہے ۔

اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ حضرت اُم المؤمنین حج کی نیت سے مکہ مکرمہ روانہ ہوئیں اور حج کے لیے گھر سے نکلنے کی قطعاً ممانعت نہیں ۔ اس آیت کے نزول کے بعد بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اُمہات المؤمنین نے حج اور عمرہ کے لیے سفر کیے بلکہ اکثر غزوات میں بھی کسی نہ کسی رفیقۂ حیات کو شرفِ ہمرکابی سے مشرف فرمایا ۔ معلوم ہوا کہ اس آیت سے مطلقاً گھروں سے نکلنے کی ممانعت نہیں بلکہ بلا ضرورت بن سنور کر باہر نکلنا ممنوع ہے ۔ نیز اس سفرِ حج میں حضرت اُمِّ سلمہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں ۔ اور یہ بھی نہیں کہ کسی محرم کی معیت کے بغیر آپ تشریف لے گئی ہوں بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت اسماء کے فرزند اور آپ کی بہن حضرت اُم کلثوم زوجہ طلحہ کے بیٹے بھی ساتھ تھے ۔

مناسک حج سے جب فارغ ہوئیں اور واپسی کی تیاری کر رہی تھیں تو اطلاع ملی کہ باغیوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے مدینہ طیبہ میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑکنے لگے ہیں اور یہ باغی حضرت سیدنا علی کے لشکر میں داخل ہو گئے ہیں ۔ یہ المناک خبریں سُن کر آپ کے غم واندوہ کی حد نہ رہی ۔ مسلمانوں میں رونما ہونے والے اس خونی انقلاب نے آپ کو حد درجہ متاثر کر دیا ۔ آنے والے خطرات کا تصور کر کے مضطرب و پریشان ہو رہی تھیں ۔ آپ ابھی اسی حالت میں تھیں کہ باغیوں سے خوفزدہ ہو کر حضرت طلحہ ، زبیر ، نعمان بن بشیر ، کعب بن

رضی اللہ عنہم کئی دوسرے صحابہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ آگئے اور آکر بتایا کہ حضرت عثمان کو شہید کر دینے کے بعد باغیوں نے بڑی ڈینگیں مارنی شروع کر دیں اور خلیفہ شہید کو گالیاں بکنے لگے۔ جس سے یہ لوگ بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور ان ظالموں کو ان کی قبیح اور مذموم حرکتوں پر سرزنش کی۔ وہ اپنی طاقت کے نشہ میں اس قدر مخمور تھے کہ انہوں نے ان حضرات کا صفایا کرنے کا بھی منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔ انہیں اس امر کا بھی اطمینان ہوا کہ اگر وہ باغی انہیں قتل کرنا چاہیں گے تو ان کو کوئی روک نہیں سکے گا، اس لیے وہ مکہ چلے آئے۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ جب تک حالات پرسکون نہ ہو جائیں اور حضرت علی ان ظالموں کو اپنے ہاں سے دور نہ بھگا دیں اس وقت تک ہمیں واپس نہیں جانا چاہیے فی الحال کسی محفوظ مقام پر ٹھہر کر حالات کے روبہ اصلاح ہونے کا انتظار کرنا چاہیے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا اور اپنے عارضی قیام کے لیے بصرہ کو منتخب کیا۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کے لشکر موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت ام المومنین کو بھی بصرہ جانے پر مجبور کیا تاکہ انکی معیت سے حالات کو معمول پر لانے میں مدد ملے کیونکہ ہر دل میں ان کی عظمت اور ان کا احترام موجود ہے۔ آپ بھی صرف اس خیال سے ان کے ساتھ بصرہ جانے پر آمادہ ہوئیں کہ ان کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کئی جلیل القدر صحابہ باغیوں کی دست درازی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ان باغیوں کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے بڑے غلط رنگ میں یہ خبر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کی اور آپ کو چڑھائی کرنے پر برانگیختہ کیا۔ وحملوه على ان يخرج اليهم ويعاقبهم۔ حضرت امام حسن، امام حسین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہنوز یہ اقدام مصلحت کے خلاف ہے اور ہمیں انتظار کرنا چاہیے تاکہ صحیح حالات معلوم ہو جائیں لیکن تقدیر الٰہی میں کچھ اور تھا۔ حضرت علی نے اپنے فرزندوں اور مخلص بھتیجوں کے اس مشورہ کو قبول نہ فرمایا اور بصرہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب بصرہ کے قریب پہنچے تو امیر المومنین نے قعقاع کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کی: يا أمّاه ما أشخصك وأقدمك هذه البلدة۔ اے مادر محترم! آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے، یعنی کیا آپ اس پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئی ہیں۔ فقالت اى بُنَىَّ الاصلاح بين الناس — میرے فرزند! میرے یہاں آنے کا مقصد تو اس آتش فساد کو بجھانا اور لوگوں کے درمیان صلح کرانا ہے۔ آپ نے وہیں حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی بلا لیا۔ قعقاع نے ان حضرات سے پوچھا صلح کی پھر کیا صورت ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اقامة الحد على قتلة عثمان وتطييب قلوب اوليائه۔ قاتلان عثمان سے قصاص اور آپ کے وارثوں کے دلوں کو خوش کرنا۔ قعقاع نے کہا یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک باہمی انتشار ختم نہیں ہوتا ہم سب متحد ہو جائیں، فتنہ و فساد کی آگ بجھ جائے۔ حالات معمول پر آجائیں تو پھر ان باغیوں سے انتقام لیا جا سکے گا۔ اس لیے پہلے آپ لوگ صلح کے لیے اپنی آمادگی کا اظہار کریں۔ قالا اصبت و احسنت۔ طلحہ و زبیر نے کہا اے قعقاع تم نے بجا کہا ہے اور نہایت عمدہ بات کی ہے۔ ہم صلح کے لیے کلیۃً آمادہ ہیں۔ قعقاع نے واپس جا کر حضرت امیر المومنین کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کیا اور ان حضرات کے صلح کرنے کی خواہش سے حضرت امیر المومنین بڑے خوش ہوئے۔ فسُرَّ به واستبشر۔ صلح ہونے میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اپنے اپنے گھروں کو واپس جانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

تین راتیں گزر گئیں۔ اگلے روز صلح کا اعلان ہونے والا تھا اور صبح سویرے حضرت امیر المومنین اور حضرات زبیر و طلحہ کی ملاقات کا پروگرام بن چکا تھا۔ جب قاتلان عثمان کو ان حالات کا علم ہوا تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ انہیں یقین تھا کہ ان کی سلامتی مسلمانوں کے

باہمی انتشار میں ہے۔ اگر صلح ہو گئی تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ ساری رات مشورہ کرنے میں گزر گئی۔ آخر یہ طے پایا کہ کچھ باغی حضرت ام المومنین کے لشکر میں گھس جائیں اور کچھ یہیں رہیں۔ صبح کے دھندلکے میں ام المومنین کے لشکر پر تیر برسانا شروع کر دو۔ وہ یہ خیال کریں گے کہ امیر المومنین نے صلح کو توڑ دیا ہے اور امیر المومنین سمجھیں گے کہ صلح شکنی کی ابتداء دوسری جانب سے ہوئی ہے۔ جب تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے گی اور لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو جائیں گے تو اس وقت یہ تحقیق کرنے کی کسے فرصت ہو گی کہ ابتداء کس نے کی ہے اس طرح صلح کا یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا اور ہم رسوا ہونے سے بچ جائیں گے۔

اسی سازش کے مطابق عمل کیا گیا چنانچہ دونوں لشکروں میں اتنی خونریز جنگ چھڑ گئی جس کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا حضرت ام المومنین اونٹ پر سوار تھیں۔ آپ کے لشکر کے جوان ایک ایک کر کے ناموسِ رسالت پر سر کٹا رہے تھے اور پسپا ہونے کا نام نہ لیتے تھے سینکڑوں بہادر اپنی ہی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ڈھیر ہو رہے تھے۔ اسلام کے لیے یہ حادثہ بڑا جانکاہ تھا۔ دشمنانِ اسلام کی چال کتنی گہری اور خطرناک تھی۔ یہ گھاؤ ابھی تک مندمل نہیں ہوئے۔

یہ ہے جنگِ جمل کے اسباب و عوامل کی صحیح اور سچی تصویر جو علامہ طبری اور دیگر ثقہ مؤرخین نے مختلف طرق سے حضرت امام حسن عبداللہ بن جعفر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اس کے علاوہ جس کسی نے لکھا ہے وہ ان رافضیوں کی اختراع اور بہتان تراشی ہے جو ان قاتلانِ عثمان کے پیروکار تھے۔ کسی حق کے متلاشی کو ان لغویات کی طرف التفات نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں ان باغیوں کے اثر و نفوذ کا کیا عالم تھا اس کے لیے صرف نہج البلاغۃ کی یہ عبارت پڑھ لیجیے: قال لامیر بعض اصحابہ لو عاقبت قوما اجلبوا علی عثمان فقال یا اخوتاہ انی لست اجھل ما تعلمون ولکن کیف لی بھم والمجلبون علی شوکتھم یملکونا ولا نملکھم وھاھم ھؤلاء قد صارت معھم عبدانکم والتفت الیھم اعرابکم وھم خلالکم یسومونکم ما شاؤوا۔

ترجمہ: حضرت امیر سے آپ کے بعض نیازمندوں نے کہا اگر آپ ان لوگوں کو سزا دیں جنہوں نے حضرت عثمان پر چڑھائی کی تھی تو سارا فتنہ ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اے بھائیو! میں اس چیز سے بے خبر نہیں ہوں جسے تم جانتے ہو لیکن ہم ابھی انہیں سزا نہیں دے سکتے کیونکہ حملہ آور طاقتور ہیں، وہ ہم پر غالب ہیں۔ ہمیں ان پر غلبہ نہیں ہے اور اب تو تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ مل کر شور مچا رہے ہیں اور تمہارے بدو ان کے ساتھ مل گئے ہیں اور وہ تمہارے ہاں موجود ہیں جس طرح چاہتے ہیں سلوک کرتے ہیں۔

ان حالات کو پڑھنے کے بعد ایک منصف مزاج حضرت صدیقہ پر کوئی الزام لگانے کی جرأت نہیں کر سکتا اور بدباطن کو کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ ام المومنین اپنے محرم بھانجوں کی معیت میں حج کی نیت سے روانہ ہوئیں اور ازواجِ طاہرات سے حضرت ام سلمہ اور حضرت صفیہ بھی ہمراہ تھیں۔ حج سے فراغت کے بعد حضرت عثمان کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ آپ کا بصرہ کی طرف سفر بھی جس غرض سے تھا۔ وہ بھی آپ نے پڑھ لی۔ آپ قطعاً بغاوت یا امیر المومنین کے خلاف جنگ کرنے کی نیت سے ادھر تشریف نہیں لے گئی تھیں۔ بدسرشت لوگوں کی دسیسہ کاری سے بلاتوقع جنگ چھڑ گئی۔ اس میں کسی کا قصور نہ تھا۔ نہ امیر المومنین کا اور نہ ام المومنین کا۔

اس کے بعد حضرت صدیقہ کے تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی یہ آیت پڑھتیں، تو اس قدر روتیں کہ دوپٹہ آنسوؤں

ہے جنگ جاتا۔

حضرت امیر المومنین کو بھی اس اچانک لڑائی پر از حد افسوس تھا۔ اس معرکہ میں اپنے لشکر کی فتح پر آپ کو قطعاً کوئی خوشی نہ تھی جنگ ختم ہوئی آپ میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے۔ قدم قدم پر بہادر اور غیور جوانوں کی لاشوں کے ڈھیر دیکھے تو فرطِ غم سے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے، یالیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً۔ کاش! اس سے پہلے میری زندگی کا چراغ بجھ گیا ہوتا اور میں بھلا دیا گیا ہوتا۔

دشمنانِ اہلِ بیت کی طرف سے حضرت صدیقہ پر یہ الزام بھی بڑی شد و مد سے لگایا جاتا ہے کہ پہلے آپ لوگوں کو حضرت عثمان کے قتل پر ابھارا کرتی تھیں اور آپ کو ایک یہودی "نعثل" کے نام سے پکارا کرتی تھیں اقتلوا نعثلا فقد فجر۔ نعثل کو قتل کرو وہ فاسق ہو گیا ہے اور جب ان کے اکسانے پر لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا اور حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیا تو آپ قصاص کا مطالبہ کرنے لگیں۔ یہاں تک کہ امیر المومنین سے جنگ شروع کر دی۔ اس اعتراض کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے۔

حضرت علامہ محمود البغدادی الآلوسی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں کہ کذبٌ لا اصل له وهو مفتريات ابن قتيبة وابن اعثم الكوفي والسماطي وكانوا مشهورين بالكذب والافتراء۔ یعنی یہ روایت سراپا کذب و افترا ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ ابن قتیبہ، ابن اعثم الکوفی اور سماطی کی گھڑی ہوئی روایتوں میں سے ہے اور یہ لوگ جھوٹ اور افترا پردازی میں مشہور تھے۔

ایک جھوٹی روایت کو سند بنا کر حضرت ام المومنین پر اعتراض کرنا حد درجے کی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اسی طرح یہ الزام بھی اصلاً بے بنیاد ہے کہ حضرت صدیقہ کے دل میں امیر المومنین سے بغض و عناد تھا اسی وجہ سے آپ نے ان سے جنگ کی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت صدیقہ کبھی حضرت امیر المومنین کے مناقب اور اوصافِ جمیلہ بیان نہ کرتیں۔ حالانکہ آخر دم تک حضرت سیدنا علی کے اوصافِ جمیلہ بیان کرتی رہیں۔

دیلمی نے یہ حدیث حضرت ام المومنین سے ہی روایت کی ہے۔ انها قالت قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه واله وسلم حبُّ علي عبادة کہ حضرت علی سے محبت عبادت ہے۔ اس واقعہ کے بعد بھی آپ حلفیہ بیان فرمایا کرتیں۔ والله لم يكن بيني وبين علي الا ما يكون بين المرءة واحمائها۔ یعنی خدا کی قسم میرے اور علی مرتضیٰ کے درمیان قطعاً کوئی ناراضگی یا دشمنی نہ تھی بجز اس کے کہ جو عورت اور سسرال والوں کے درمیان ہوا کرتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس جنگ کے اختتام کے بعد حضرت ام المومنین کو بڑی عزت و تکریم اور ادب و احترام کے ساتھ مدینہ طیبہ روانہ کیا۔ اس بات کا پورا انتظام کیا کہ راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ بصرہ کی معزز و محترم خواتین کو آپ کے ہمراہ روانہ کیا۔ آپ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو بھی ساتھ بھیجا اور سب کو تاکید فرمائی کہ ام المومنین کو راستہ میں کسی طرح کی بھی تکلیف نہ پہنچے۔ اس برتاؤ سے پتہ چلتا ہے کہ امیر المومنین کے دل میں حضرت صدیقہ کا کتنا احترام تھا۔

جنگِ جمل کا واقعہ بلاشبہ تاریخ اسلام کے ان المناک واقعات میں سے ایک ہے جس پر قلبِ سلیم آج بھی گریاں اور سوگوار ہے۔ لیکن ان انتہائی ناخوشگوار حالات میں بھی ان حضرات کے باہمی عزت و احترام کا یہ حال تھا۔

الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ

کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ٦٢ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا

اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ

ہے کہ تم سے دُور کر دے پلیدی کو اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک

تَطْهِيْرًا ۳۳ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ

صاف کر دے ٦٣ اور یاد رکھو اللہ کی آیتوں اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں۔

٦٢ پردہ کے احکام ذکر کرنے کے بعد عبادات و اعمالِ صالحہ کا حکم دیا تاکہ کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابت کے باعث اگر وہ نماز و زکوٰۃ کا تارک ہو گا، تو اس سے کسی قسم کی باز پُرس نہیں ہو گی۔ نیز پردہ کے احکام کو پہلے ذکر کر کے انکی اہمیت سے خبردار کر دیا۔

٦٣ رکوع کے آغاز سے روئے سخن محبوبِ رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کی طرف ہے۔ پہلے فرمایا اگر تم دنیا اور دُنیا کی آسائشوں اور زیبائشوں کی طلبگار ہو تو تم کاشانۂ نبوت کی زینت بننے کے قابل نہیں پھر آؤ متاعِ دُنیا کی جتنی تمہیں ہوس ہے وہ لے لو اور یہاں سے رخصت ہو جاؤ۔ اس کاشانۂ اقدس میں دُنیا کے چاہنے والوں کی قطعاً گنجائش نہیں اور اگر تم اپنے دل سے دُنیا کی چاہت نکال کر پھینک دو اللہ تعالیٰ اور اسکے پیارے رسول کی محبت اور لگن تمہارا مقصدِ حیات بن جائے، تو پھر یہ عزت و کرامت تمہیں مبارک ہو تمہیں ایسے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہیں اپنے مقام کی بلندی اور اس کی نزاکتوں کا ہر لحظہ پاس رکھنا چاہیے۔ اگر تم نے ذرا غفلت سے کام لیا تو تمہیں دوگنی سزا دی جائے گی۔ اور اگر تم نے اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دیا تو تمہیں اجر بھی دوگنا ملے گا۔ اس کے بعد انہیں بات کرنے کا طریقہ سکھایا۔ گھروں میں باوقار طریق سے رہنے اور اظہارِ زینت سے باز رہنے کی ہدایات دیں: لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ کے کلمات سے دل میں کہیں عُجب اور غرور نہ پیدا ہو جائے اور عبادات کی ادائیگی میں سستی نہ کرنے لگیں، اس لیے نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا اور آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لو۔

یہ ہدایات، یہ پند و موعظت، یہ تاکیدات، یہ خصوصی احکام آخر کیوں؟ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارا دامن ہر داغ سے منزہ ہو۔ تمہاری سیرت اپنی تابندگی اور درخشندگی میں مہر و ماہ سے فزوں تر ہو۔ کیونکہ آدھی اولادِ آدم کی ہدایت پذیری کا تعلق تمہاری ذات سے ہے۔ اگر تمہارا کردار ذرا بھی مشکوک ہوا تو ہدایت کا یہ سرچشمہ گدلا ہو جائے گا۔ حق کے رُخِ زیبا پر شکوک کی گرد چھا جائے گی اور ہدایت پذیری کا عمل سُست ہو جائے گا۔ تمہارا کردار جتنا روشن، تمہاری سیرت جتنی تاباں اور تمہارے اعمال جتنے پاکیزہ ہوں گے، اسلام کی اشاعت میں اتنی ہی ترقی ہو گی اور اس معیار پر تم تب ہی پُوری اُتر سکتی ہو جب تم ان احکام، ہدایات اور ارشادات پر پابندی سے عمل پیرا رہو۔

اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو یہ بات سمجھائی کہ تمہارے حجرے ظاہری سج دھج سے بیشک خالی ہیں۔ یہ اتنے سادہ ہیں کہ انہیں لبرِ قات

شمار معلوم نہیں ہوتی، لیکن تمہارے انہی سادہ سادہ حجروں کو اللہ تعالیٰ نے نزولِ وحی کے لیے چن لیا ہے اور یہ وہ اعزاز ہے جس سے بڑے بڑے محلات محروم ہیں، اس لیے اس نعمت کی قدر کرو اور جو وحی نازل ہوتی ہے اور حضور کی عملی زندگی کے جو حسین مناظر تمہیں دیکھنے نصیب ہوتے ہیں ان کو لوحِ دل پر نقش کر لو اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو سیرتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آگاہ کرتی رہو۔

یہ ہے اس آیت کا سیاق و سباق۔ اسے دیکھنے کے بعد تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ آیت کے اس جملہ (انما یرید اللہ) میں بھی وہی مخاطب ہیں جن سے پہلے اور بعد میں خطاب ہو رہا ہے۔ اور وہ ازواجِ مطہرات ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اہلِ بیت سے بھی ازواجِ مطہرات مراد ہیں۔

فرقہ وارانہ تعصب سے بلند اور خالی الذہن ہو کر اگر ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو ان آیات کا یہی مفہوم ہے جو بلا تکلف سمجھ آ جاتا ہے۔ خدا بھلا کرے فرقہ وارانہ تعصبات کا کہ وہ حق فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

شیعہ حضرات کو اس بات پر اصرار ہے کہ اہلِ بیت میں ازواجِ مطہرات داخل نہیں اس سے مراد فقط حضرات خمسہ ہیں یعنی امام المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت سیدہ طاہرہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اپنے اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے جو دلائل انہوں نے پیش کیے ہیں وہ پیشِ خدمت ہیں۔ انہیں پڑھیے سنجیدگی سے ان میں غور کیجیے اور از راہِ انصاف فیصلہ کیجیے کہ راہِ حق سے کون بھٹک گیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

(۱) آیت کے اس جملہ میں ضمیریں مذکر ذکر کی گئی ہیں۔ (عنکم اور یطہرکم) اگر ان کا مرجع ازواجِ مطہرات ہوتیں تو مؤنث کی ضمیریں ذکر کی جاتیں۔ عنکم کی بجائے عنکن اور یطہرکم کی بجائے یطہرکن ہوتا۔

(۲) آیت کے اس حصہ میں "بیت" واحد مذکور ہے۔ یہ چیز ازواج کی نفی کرتی ہے کیونکہ جہاں ان کے گھروں کا ذکر ہے وہاں بیت کی جمع بیوت مذکور ہے۔ جیسے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ اور وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ

(۳) اس سلسلہ میں جو بڑی وزنی بات انہوں نے کہی ہے وہ یہ ہے کہ "انما" حصر کے لیے آتا ہے یعنی جو چیز اس کے بعد مذکور ہے اس کے لیے فعل ثابت ہے اور جو مذکور نہیں اس سے یہ فعل منفی ہے۔ نیز ارادہ کی دو قسمیں ہیں ارادہ محضہ یعنی وہ ارادہ جس کو مراد کا پایا جانا یا نہ پایا جانا لازم نہیں، دوسرا وہ ارادہ جس کے ساتھ مراد کا پایا جانا ضروری ہے یعنی ایسا ارادہ جس پر تطہیر اور اذہاب رجس ضرور مترتب ہوگا۔ اس مقام پر ارادہ محضہ نہیں ہے کیونکہ ایسا ارادہ تو ہر مومن کے لیے ہے کہ وہ ہر ناپاکی سے منزہ ہو، ظاہری اور باطنی نجاستوں سے اس کا دامن طہارت پاک ہو۔ اہلِ بیت کی اس میں کوئی خصوصیت نہیں حالانکہ یہ مقام مدحِ اہلِ بیت کا ہے۔ یہاں تو کسی ایسی چیز کا ذکر ہونا چاہیے جو ان کے ساتھ مخصوص ہو اور وہ ارادہ کا دوسرا معنی ہے جس سے ان حضرات کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن ازواج کی عصمت کا کوئی بھی قائل نہیں، یہاں وہی لوگ مراد ہوں گے جن کی عصمت ثابت ہے اور وہ یہ حضرات خمسہ ہی ہیں۔ اس لیے ثابت ہوا کہ یہاں اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں ہیں۔ امید ہے یہ پیچ در پیچ دلیل آپ نے سمجھ لی ہو گی۔

(۴) کتبِ اہلسنت میں بھی ایسی احادیث بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے مراد ازواج نہیں بلکہ حضرات خمسہ ہیں۔ شیخ الطائفہ طوسی نے التبیان میں اور شیخ طبرسی نے مجمع البیان میں اور اسی فرقہ کے دوسرے مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہی دلائل

پیش کیے ہیں۔

آئیے! ان دلائل کا بنظر انصاف جائزہ لیں۔

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر ازواج مراد ہوتیں تو ضمیریں مؤنث کی ذکر کی جاتیں۔ اس لیے گزارش ہے کہ آیت کے اس حصہ میں اہلبیت کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ مذکر ہے اگرچہ معنی مؤنث ہے اور عربی زبان میں بسا اوقات معنی کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، صرف لفظ کے مطابق ضمیر ذکر کر دی جاتی ہے۔ قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ سورۂ ہود کی آیت ۷۱، ۷۲، ۷۳ ملاحظہ فرمائیے جہاں فرشتے حضرت ابراہیم کی خدمت میں حاضر ہیں، حضرت اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنا رہے ہیں۔ پاس ہی حضرت سارا کھڑی ہیں۔ آپ دفورِ مسرت سے ہنس پڑتی ہیں۔ ساتھ ہی اظہار تعجب کرتے ہوئے فرماتی ہیں، یاویلتیٰ أَلِدُ وانا عجوز و ھذا بعلی شیخا ان ھذا لشئ عجیب یعنی میں بوڑھی اور میرا شوہر بھی بوڑھا، کیا میرے ہاں بچہ ہوگا! یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ فرشتے حضرت سارا کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں: اتعجبین من امر اللہ رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت۔ "اے حضرت خلیل کی رفیقۂ حیات! کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کر رہی ہو۔ اے اہل بیت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں"۔ تعجبین" مؤنث کا صیغہ ہے لیکن بعد میں اہلبیت کے لفظ کے پیش نظر "علیکم" میں مذکر کی ضمیر استعمال ہوئی ہے۔ آپ دور کیوں جاتے ہیں اسی صفحہ کی پہلی آیت میں من یقنت منکن پر غور کیجیے۔ "یقنت" مذکر کا صیغہ ہے لیکن بلا اختلاف اس سے مراد ازواج ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ "من تقنت" ہوتا لیکن مَنْ کے لفظ کو ملحوظ رکھتے ہوئے "یقنت" فرمایا گیا۔ اس لیے ان کا یہ استدلال کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

دوسری دلیل کے بارے میں عرض ہے کہ ازواج مطہرات کے حجروں کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت تو یہ ہے کہ امہات المومنین کی قیام گاہیں ہیں۔ دوسری حیثیت یہ ہے کہ ان حجروں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اقامت گزیں ہیں۔ جب ان حجروں کا ذکر ازواج کی قیام گاہوں کی حیثیت سے ہو تو انہیں جمع ذکر کیا جاتا ہے اور جب حضور کی نسبت سے ہو تو واحد۔ "وقرن فی بیوتکن" میں ہر زوجہ محترمہ کو حکم ہے کہ وہ اپنے اپنے حجرہ میں ٹھہرے۔ اسی طرح "ما یتلیٰ فی بیوتکن" میں بھی ہر بی بی کا حجرہ مراد ہے کیونکہ وحی کا نزول مختلف حجرات میں ہوتا تھا۔ لیکن اہل البیت میں "بیت" سے مراد حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیام گاہ ہے اس لیے اس کو واحد ذکر کیا گیا۔

تیسرا استدلال بھی بڑا انوکھا ہے۔ آپ کی دلیل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ مقام مدح اہل بیت کا ہے۔ حالانکہ یہ مقام مقام مدح نہیں بلکہ مقام موعظت وارشاد ہے جو باتیں اور جو خوبیاں اہل بیت کو اپنانی چاہئیں اور جس ضابطۂ حیات کی انہیں پابندی کرنا چاہیے اس کا تفصیلی ذکر ہو رہا ہے، اس لیے اس دلیل کی بنیاد ہی درست نہیں۔ نیز عصمت انبیاء کا عقیدہ تو متفق عقیدہ ہے لیکن دوسرے حضرات کی عصمت آپ کا اپنا مفروضہ ہے اس پر دلیل کی عمارت کیسے تعمیر کی جاسکتی ہے۔ نیز اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہاں سے عدم عصمت ثابت ہوتی ہے ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی یعنی جو ہستیاں پہلے ہی معصوم اور ہر طرح کے رجس سے منزہ اور مبرا ہیں ان کے متعلق یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو پاک اور طاہر کرنا چاہتا ہے اس کا کوئی مطلب نہیں۔ اس کے علاوہ اگر اہلبیت کی عصمت کا ذکر ہی بطور مدح کرنا مقصود ہوتا تو آیت یوں ہونی چاہیے تھی: انما اراد اللہ واذھب عنکم الرجس اھل البیت و طھرکم تطھیرا لیکن سب

فرمائیں کہ آیت اس طرح نہیں ہے۔

ان صاحبان نے چوتھی دلیل یہ پیش کی ہے کہ اہلسنت کی کتب میں بھی بکثرت ایسی احادیث ہیں جو اکابر صحابہ ابوسعید خدری، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع، ام المومنین عائشہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت سے مراد حضرات خمسہ ہی ہیں اور ازواج اہل بیت میں داخل نہیں۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ وہ احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ یہ آیت فقط ان حضرات قدسی صفات کے حق میں نازل ہوئی ان کے راوی مجروح اور ساقط الاعتبار ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے اور جن کے راوی ثقہ اور قابلِ اعتماد ہیں۔ ان میں کوئی تخصیص مذکور نہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ امہات المومنین اور یہ حضرات سب اہلِ بیت ہیں۔ یہی حق ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ہے۔

پہلی حدیث : حضرت انس سے مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ صبح کے لیے تشریف لاتے تو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے الصلوٰۃ یا اھل البیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔ چھ ماہ تک حضور کا یہ معمول رہا۔

گزارش ہے کہ حضرت انس سے روایت کرنے والے کا نام علی بن یزید ہے۔ اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کی رائے ملاحظہ فرمائیے: لیس بالقوی۔ منکر الحدیث عن الثقات وقال ابن عدی احادیثہ لاتشبہ احادیث الثقات (تہذیب التہذیب) یعنی یہ قوی نہیں ہے۔ ثقات سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابنِ عدی فرماتے ہیں کہ اس کی مرویات ثقات کی احادیث سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔

اسی مضمون کی ایک حدیث اور مروی ہے جس کے راویوں میں ابو داؤد ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس کے بارے میں لکھا ہے ابوداؤد الاعمی ھو نفیع بن حارث کذاب۔ اندھے ابوداؤد کا نام نفیع بن حارث ہے وہ کذاب ہے بہت بڑا جھوٹا ہے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: متروک الحدیث ضعیف یضع الحدیث لیس بشئ کان یغلو فی الرفض۔ یعنی محدثین نے اس کی حدیث کو ترک کر دیا ہے یہ ضعیف ہے اپنی طرف سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ یہ کوئی چیز نہیں ہے رفض میں بڑا غالی تھا۔ (تہذیب التہذیب)

تیسری حدیث واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں ان سے یہ منقول ہے وہ کہتے ہیں میں حضرت سیدہ کے ہاں گیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں پوچھا۔ سیدہ نے بتایا کہ بارگاہِ رسالت میں گئے ہیں۔ میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں حضور تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت علی اور دونوں شہزادے بھی تھے۔ حضور نے دونوں کو اپنے ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ گھر تشریف لائے پس شہزادوں کو اپنی رانوں پر بٹھایا اور سیدنا علی اور حضرت سیدہ کو اپنے قریب کیا۔ پھر ان پر اپنی چادر ڈالی پھر یہ آیت پڑھی: انما یرید اللہ الآیہ پھر فرمایا: اللھم ھولاء اھل بیتی و اھل بیتی احق۔ یا اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں اور میرے اہلبیت زیادہ حقدار ہیں۔ واثلہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا میں بھی آپ کی اہلبیت میں سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: "و انت من اھلی۔" تو بھی میرے اہل سے ہے۔ واثلہ کہا کرتے: "انھا من ارجیٰ ما ارتجی۔" یعنی حضور کا یہ ارشاد وَاَنْتَ مِنْ اَھْلِیْ۔ میرے لیے سب سے بڑی امید ہے۔

اس سند میں محمد بن مصعب ایک راوی ہے۔ اس کے متعلق بھی علماء جرح کی رائے سُنیئے : قال یحیی۔ لم یکن من اصحاب الحدیث کان مغفلاً کان کثیر الغلط۔ یعنی یحیٰی کہتے ہیں کہ اس شخص کا شمار علماء حدیث میں نہیں ہے۔ یہ بالکل احمق آدمی تھا اور روایات میں بکثرت اُلٹ پھیر کر دیا کرتا تھا۔ نیز اس میں تو واثلہ کو بھی حضور نے اپنی اہل میں شمار کیا، تو تخصیص کہاں رہی۔

حضرت ام سلمہ سے ایک حدیث مروی ہے جس میں حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ یہ آیت انما یرید اللہ الآیہ میرے گھر میں نازل ہوئی اور یہ حضرات خمسہ کے لیے خاص ہے۔ اس کے راویوں میں ایک عبداللہ بن عبدالقدوس ہے جس کے متعلق علامہ ابن حجر نے لکھا ہے : قال ابن معین لیس بشئ رافضی خبیث۔ یہ کچھ نہیں ہے رافضی ہے اور خبیث النفس ہے۔

حضرت ام سلمہ کی ایک روایت میں یہ ہے کہ جب ان حضرات پر آپ نے اپنی چادر ڈالی تو میں نے عرض کی : وَاَنَا یارسول اللہ حضور کریم نے فرمایا : "وَ اَنْتِ" یعنی تو بھی میرے اہلبیت میں سے ہے۔ اس سے ازواج مطہرات کا اہلبیت میں شامل ہونا صراحت سے ثابت ہوا۔

ایک اور روایت جو اُمّ سلمہ سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ یہ آیت میرے گھر میں نازل ہوئی تو اس کے راوی عطیہ ہیں۔ اس کے متعلق بھی علماء کی رائے سُنیئے : قال احمد ھو ضعیف الحدیث۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث ہے۔ پھر آپ نے کہا کہ عطیہ، کلبی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس کی کنیت اُس نے ابوسعید مقرر کر رکھی تھی۔ جب لوگ اس سے پُوچھتے کہ تم نے یہ حدیث کس سے سُنی ہے، وہ کہتا کہ میں نے ابوسعید سے سُنی ہے۔ کلبی کا نام نہ لیتا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ ابوسعید سے مراد ابوسعید خدری مشہور صحابی ہیں حالانکہ اس نے وہ حدیث کلبی سے سُنی ہوتی اور کلبی کے متعلق علامہ ابن حجر نے لکھا ہے : کان بالکوفۃ کذابان احدھما الکلبی کوفہ میں دو کذاب تھے ان میں ایک یہ کلبی تھا۔ تمام علماء جرح و تعدیل نے اس کو مردود قرار دیا ہے۔

یہاں بھی عن عطیہ عن ابی سعید عن اُمّ سلمہ مذکور ہے۔ اس سند میں عطیہ کا آجانا ہی اس روایت کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیتا ہے۔

حضرت اُمّ سلمہ سے اسی مفہوم کی ایک اور حدیث منقول ہے جس کے راویوں میں عبدالحمید بن بہرام ہے جو شہر بن حوشب سے روایت کرتا ہے۔ اس کے متعلق حاتم سے پُوچھا گیا : "ھل یحتج بحدیثہ قال حاتم لا۔ ولا بحدیث شھر ولکن یکتب حدیثہ رآہ کثیر من العلماء انہ لیس بحجۃ" تو انہوں نے کہا کہ اس کی حدیث اور شہر بن حوشب کی حدیث دونوں حجت نہیں ہیں البتہ اس کی حدیث لکھنے کی اجازت ہے۔ اکثر علماء کے نزدیک یہ قابلِ سند نہیں ہے۔

حضرت ابوسعید خدری سے ایک اور حدیث مروی ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ یہ آیت ان پانچوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے راویوں میں ایک عطیہ ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے، دوسرا مندل ہے جس کے متعلق ابن حجر لکھتے ہیں : قال احمد ضعیف الحدیث قال یحیی لیس بشئ البخاری ادخلہ فی الضعفاء۔ (تھذیب التھذیب) امام احمد نے کہا کہ مندل ضعیف الحدیث ہے یحیٰی کہتے ہیں کہ وہ کچھ بھی نہیں۔ امام بخاری نے بھی اس کا شمار ضعفاء میں کیا ہے۔

اس تفصیل سے یہ چیز واضح کرنا مقصود ہے کہ اس قسم کی احادیث جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ یہ آیت صرف حضرات خمسہ کے بارے میں نازل ہوئی یا ازواج مطہرات اس میں داخل نہیں۔ وہ تمام روایات قابلِ حجت نہیں تاکہ ان ضعیف احادیث کے پیشِ نظر

کریم کی اس نص کا انکار کر دیا جائے اور سیاق و سباق سے جو معنی سمجھا جاتا ہے، اس کی نفی کر دی جائے۔ احادیث اگر صحیح بھی ہوں تو قرآن کریم کے مفہوم کی ناسخ نہیں ہو سکتیں۔ نہ ان کی وجہ سے قرآن کریم کی نصوص میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے، چہ جائیکہ جب وہ ایسے راویوں سے مروی ہوں جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

اب آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل کے لفظ کا اطلاق بیوی پر ہوتا ہے یا نہیں۔

ایک آیت تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ حضرت سارا کا ذکر ہے۔ گھر میں کوئی بچہ ہے نہ بچی۔ حضرت سارا زوجہ خلیل ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد ہے: وَرحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اھل البیت انہ حمید مجید۔ (ھود) کوئی آدمی بھی یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ یہاں اہلبیت کے لفظ سے حضرت سارا کو نکال سکے۔ اسی طرح حضرت کلیم علیہ السلام مدین سے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنے بچوں کے ہمراہ مصر واپس جا رہے ہیں۔ ان کا گزر وادئ سینا سے ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی ہے، جاڑے کا موسم ہے، ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ دور سے ایک آگ جلتی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس منظر کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "فلما قضی موسی الاجل وسار باھلہ آنس من جانب الطور نارا۔ قال لاھلہ امکثوا انی آنست نارا" یعنی جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ مقرر کی ہوئی مدت پوری کر لی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوئے تو کوہ طور کی ایک سمت میں انہوں نے آگ دیکھی اور اپنے اہل کو کہا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو، میں نے آگ دیکھی ہے۔ یہاں بھی اہل سے بیوی اور بچے سب مراد ہیں۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے وَقال لاھلہ امکثوا انی آنست نارا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس سفر میں آپ کی زوجہ آپ کے ہمراہ نہ تھیں۔ قرآن کریم کی ان متعدد آیات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہلبیت سے ازواج مطہرات کو خارج کرنے پر مصر ہو تو اس کی ہٹ دھرمی کی داد دینی چاہیے۔

حدیث شریف میں ہے: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطی الآھل حظین والعزب حظا۔ الآھل الذی لہ زوجۃ وعیال۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آھل کو مال غنیمت میں دو حصے دیئے اور اکیلے آدمی کو ایک حصہ دیا۔ آھل کا معنی بتایا گیا ہے کہ جس کی بیوی بھی ہو اور بچے بھی ہوں۔

آخر میں اہل لغت کی توضیح بھی ملاحظہ فرما لیں۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں: اھل الرجل، اھل الدار ..... وقد اھل فلان یاھل ویاھل اھولا ای تزوج وکذلک تاھل قال ابو زید آھلک اللہ فی الجنۃ ای ادخلکھا وزوجک فیھا (صحاح)

ہم اپنے محاورہ میں بھی بیوی کو اہل خانہ یا گھر والی کہتے ہیں۔ یہ حضرات فرمائیں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کی زوجہ محترمہ آپ کی اہلبیت سے تھیں یا نہیں؟ حضرت شہربانو حضرت سید الشہداء کے اہل خانہ میں سے تھیں یا نہیں؟

آپ کی اپنی بیوی صاحبہ آپ کے اہل خانہ میں سے ہے؟ ذرا آپ اپنی بیگم صاحبہ کو یہ کہہ کر تو دیکھیں کہ وہ آپ کی اہل خانہ یا گھر والی نہیں ہے تو آپ کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ تو آپ کی اہل خانہ ہوں۔ ائمہ کبار کی ازواج طاہرات تو ان کے اہل میں شمار ہوں۔ کیا آپ کو صرف حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾ إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمٰتِ ع ۷

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا لطف فرمانے والا، ہر بات سے باخبر ہے۔ بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِينَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِينَ

مومن مرد اور مومن عورتیں فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، سچ بولنے والے مرد

وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِينَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِينَ وَالْخٰشِعٰتِ

اور سچ بولنے والی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں

وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِينَ وَالصّٰئِمٰتِ وَالْحٰفِظِينَ

خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اپنی عصمت کی حفاظت

سے جنہیں قرآن کریم نے امہات المومنین فرمایا ہے، بَیر ہے کہ آپ انہیں اہلبیت میں شمار نہ کرنے پر بضد ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔

ہم اہلسنت کے نزدیک حضور سرور کائنات کی ازواج مطہرات بھی اہلبیت ہیں، سیدنا علی مرتضیٰ، سیدہ طاہرہ، حسنین کریمین بھی اہلبیت میں سے ہیں، جس طرح متعدد صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خصوصی طور پر ان کو اپنی عباء کے سایہ میں لینے اور ان کو ھٰولاء اھل بیتی فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ عرب میں ہی بلکہ ہر جگہ مسلّمہ دستور یہ ہے کہ نسب باپ کی طرف سے چلتی ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔ مثلاً اگر باپ گوندل ہو اور ماں راجپوت ہو تو اس کے بطن سے جو اولاد ہوگی، وہ گوندل کہلائے گی نہ کہ راجپوت۔ اس بین الاقوامی طور پر مسلّم قاعدہ کے مطابق حضرت سیدنا علی کے فرزندان ارجمند حضرت ابوطالب کی اولاد اور نسل سے شمار ہونے چاہئیں تھے نہ کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور نسل سے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جس طرح دیگر بیشمار خصوصیات سے نوازا ہے یہ خصوصیت بھی بخشی ہے کہ حضرت سیدنا علی کی اولاد حضرت سیدہ طاہرہ کے بطن سے اولاد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء شمار ہوئی نہ کہ ذریت ابوطالب۔ اسی نسبت کی برکت سے سادات کرام میں سے جو حضرات شریعت اسلامیہ کی پابندی کرتے اور راہوار عزیمت پر سوار ہو کر ریاضت اور مجاہدہ کے میدان میں قدم رکھتے ہیں وہ دیگر حضرات سے گوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء۔ یہاں پر علامہ آلوسی نے بڑی ایمان افروز بحث کی ہے جسے خوف طوالت سے نقل نہیں کر سکا۔ اہل ذوق سے استدعا ہے کہ روح المعانی کے اس مقام کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خانوادۂ نبوت کی سچی محبت اور غلامی نصیب فرمائے۔ قیامت کے دن النبی کی سنگت میں لواء الحمد کے نیچے ہمارا حشر ہو۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واھل بیتہ الطاھرین واولیاء ملتہ الکاملین آمین یا ارحم الراحمین۔

وْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ

اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں تیار کر رکھا

اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا

ہے اللہ نے ان سب کے لیے مغفرت اور اجرِ عظیم ۶۴ نہ کسی مومن مرد کو یہ حق پہنچتا ہے اور نہ کسی

۶۴ یہ اُمّت جسے خیر الامم کے لقب سے نوازا گیا ہے اس کے افکار اور اس کا کردار، نظریات اور اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں انہیں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بتا دیا کہ یہاں مرد اور عورت میں کوئی امتیاز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ واجمل التحیۃ کے ہر مرد اور ہر عورت کو ان صفاتِ عالیہ سے متصف اور اخلاقی اور عملی لحاظ سے اس مقامِ رفیع پر فائز دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں حکم کی صورت میں ان صفات کو ذکر نہیں کیا کہ یُوں کرو اور ایسے بنو، بلکہ حکایۃً بتایا گیا کہ اسلام کو قبول کرنے والے مرد اور عورتیں ایسی ہُوا کرتی ہیں ① مسلمین اور مسلمات۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول اکرمؐ کے سامنے سر جھکا دینے والے، اپنے ہر کام کو اپنے ربِ کریم کے سپرد کر دینے والے، سراپا اطاعت و انقیاد، پیکرانِ تسلیم و رضا۔
② مومنین اور مومنات۔ یعنی اس دینِ قیّم کے ہر حکم کی صداقت اور سچائی کو دل سے ماننے والے، ان کے عمل اور اعتقاد میں تضاد کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس ضابطۂ حیات کے مطابق وہ زندگی بسر کر رہے ہیں، دل کی گہرائی سے وہ اس کی عظمت اور افادیت کے قائل ہیں، ان کے ہاں کسی ذہنی کشمکش کا نام و نشان تک نہیں۔ اس اُمّت کے مرد ہوں یا عورتیں۔ ان کا عقیدہ بھی ایک ہے اور ان کا عمل بھی یکساں ③ قانتین اور قانتات۔ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ جی میں آیا تو دست بستہ حاضر ہو گئے اور جی نہ چاہا تو مفرور غیر حاضر رہے۔ قنوت ایسی اطاعت کو کہتے ہیں جس میں نافرمانی کی آمیزش نہ ہو۔ القنوت: القیام بالطاعۃ التی لیس معہا معصیۃ (لسان العرب) ④ صادقین اور صادقات۔ وہ قول میں بھی سچے ہیں اور عمل میں بھی کھرے ہیں۔ نہ ان کی زبان پر ایسی بات آتی ہے جس میں کذب بیانی سے کام لیا گیا ہو اور نہ ان کے عمل میں کھوٹ پن کی ملاوٹ پائی جاتی ہے ⑤ صابرین اور صابرات: جس راہ کو انہوں نے حق یقین کر لیا ہے اور جو منزل انہوں نے اپنے لیے مقرر کی ہے اس کی طرف ثابت قدمی سے بڑھے چلے جا رہے ہیں۔ راہ میں پیش آنے والی مشکلات نہ انہیں ہراساں کر سکتی ہیں اور نہ منزل سے رُخ موڑنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ نہ وہ نیک اعمال میں سستی کرتے ہیں اور نہ اپنا دامن گناہوں سے آلودہ ہونے دیتے ہیں۔ وہ بڑی سختی سے اپنے طے کیے ہوئے لائحہ عمل پر کاربند ہیں اور بڑے ذوق شوق سے اپنی منزل کی طرف رواں ہیں ⑥ خاشعین اور خاشعات۔ اس کے باوجود غرور و نخوت کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ عجز و انکسار ان کا شیوہ ہے۔ جلوت و خلوت میں یہی ان کا شعار ⑦ متصدقین اور متصدقات۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے اور صدقات دینے میں کبھی بُخل سے کام نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال سے اس کی راہ میں خرچ کرنا اپنے لیے باعثِ سعادت تصور کرتے ہیں

مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

مومن عورت کو کہ جب فیصلہ فرما دے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اپنے اس

مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

معاملہ میں ۵۶ اور جو نافرمانی کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا

(۸) صائمین اور صائمات ۔ فرضی روزے بھی رکھتے ہیں اور نفلی روزے رکھنے کا شوق بھی دامنگیر رہتا ہے (۹) الحافظین والحافظات : اپنے دامنِ عصمت کو آلودہ نہیں ہونے دیتے ۔ جذبات کتنے شدید ہوں، ماحول کتنا اُدمان انگیز ہو یہ اپنے رب کی حکم عدولی کی جراءت نہیں کرتے بلکہ ان کا یہ بھی ہے کہ ان تمام ذرائع سے کلیۃً اجتناب کرتے ہیں جو اس فعلِ بد کے ارتکاب کا ذریعہ یا محرک بنتے ہیں (۱۰) ذاکرین اور ذاکرات : آخر میں سب سے اہم اور جامع صفت کا ذکر فرما دیا کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں محو رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی یاد کا شوق کبھی مدہم نہیں پڑتا ۔ سوتے، جاگتے، اُٹھتے، بیٹھتے لین دین کرتے ہوئے، ہل چلاتے ہوئے، دفتر میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے غرضیکہ زندگی کی ہر ضرورت کو پورا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کی یاد میں کوشاں رہتے ہیں ۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی مجھے پہنچا ہے ۔ حضور نے فرمایا :

ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین وذاکر اللہ فی الغافلین کغصن شجر اخضر فی شجر یابس وذاکر اللہ فی الغافلین مثل مصباح فی بیت مظلم وذاکر اللہ فی الغافلین یریہ اللہ مقعدہ من الجنۃ وھو حیٌّ ۔ رواہ رزین (مظہری) ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جس طرح میدان جنگ سے بھاگنے والوں میں مجاہد ہوا کرتا ہے، جس طرح خشک درخت میں سبز شاخ، جس طرح اندھیرے گھر میں روشن چراغ اور غافلوں میں اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کرنے والے کو اس زندگی میں ہی جنت میں اس کا محل دکھا دیتا ہے ۔

آپ نے ان صفات کا تفصیل سے مطالعہ کر لیا جو ایک مومن مرد اور عورت میں پائی جاتی ہیں ۔ اب آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ جس اُمت کے مرد و زن کا یہ کردار ہو اور جس معاشرہ میں ان اخلاقی قدروں کی بالادستی ہو وہ اُمت کتنی عظیم ہو گی اور وہ معاشرہ کتنا پاکیزہ ہو گا ۔

۵۶ حضرت قتادہ، مجاہد، ابن عباس اور دیگر ائمہ تفسیر کا یہ قول ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پھوپھی اُمیمہ کی صاحبزادی اور اپنے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کی نواسی، خاندان بنی ہاشم کی معزز خاتون حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے شادی کا پیغام بھیجا اور انہوں نے اور ان کے بھائی عبداللہ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کیا ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبرئیل یہ آیت طیبہ لے کر حاضر ہوئے کسی مومن مرد اور عورت کے لیے اس بات کی اجازت نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا رسول مکرم اسے کوئی حکم دے تو وہ انکار کر دے ۔ جب یہ ارشادِ خداوندی

مُّبِينًا ﴿۳۶﴾ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ

ہو گیا ۶۵ اور یاد کیجیے جب آپ نے فرمایا اس شخص کو جس پر اللہ نے بھی احسان فرمایا اور آپ نے بھی

أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ

احسان فرمایا اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ مخفی رکھے ہوئے تھے اپنے جی میں وہ بات

مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ

جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ کو اندیشہ تھا لوگوں (کے طعن و تشنیع) کا حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے

زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ

ڈریں ۶۶ پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اسکا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ (اس عمل سنت کے بعد) ایمان والوں

حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ نے سنا تو فوراً زید سے نکاح کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کا نکاح حضرت زید سے پڑھا دس دینار مہر ادا کیا کچھ پارچات، گھریلو ضرورت کا سامان اور خورد و نوش کی چیزیں ان کے ہاں بھیج دیں۔

اگرچہ یہ آیت اس خاص موقع پر نازل ہوئی لیکن اپنے الفاظ کے اعتبار سے یہ عام ہے کسی مسلمان فرد، قوم، حکومت یا حکومت اسلامیہ کے مقرر کیے ہوئے کسی کمیشن اور قانون ساز ادارہ کو اس امر کا اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو نظر انداز کر کے اپنے لیے کوئی نئی راہ عمل تجویز کرے۔ مسلمان ہوتے ہوئے اطاعت رسول کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ ایک طرف ہم سچے مسلمان ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں اور دوسری طرف ادنیٰ سے فائدہ کے لیے ہم احکام اسلام کو بڑی آسانی سے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ ہماری اس دوغلی روش کے باعث اسلام رسوا ہو رہا ہے اور ہم اس چشمۂ فیض سے فیضیاب نہیں ہو رہے بلکہ دوسروں کی محرومی کا باعث بن رہے ہیں۔

۶۵ یہاں صاف فرما دیا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کے رسول مکرم کے حکم سے سرتابی کی، وہ کان کھول کر سن لے کہ وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ رشد و ہدایت کے اجالے سے نکل کر گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے بچائے۔ آمین

۶۶ جو رسمیں کسی معاشرہ میں جڑ پکڑ جاتی ہیں لوگ ان کے اتنے گرویدہ ہو جاتے ہیں کہ ان سے دست کش ہونا پسند نہیں کرتے۔ خواہ وہ رسمیں لغو اور بیہودہ کیوں نہ ہوں۔ عوام الناس تو محض قدامت پسندی اور کورانہ تقلید کے باعث ان رسوم کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور اہل دانش و فہم اس خوف سے ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرتے کہ اس طرح ان کا معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

قوم ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اور لاقانونیت پھیل جائے گی۔ اس لیے عوام اپنے نقطہ نظر سے اور خواص اپنے اندیشوں کے باعث مروجہ رسوم کو نہیں چھیڑتے اور اگر کوئی شخص ان میں رد و بدل اور اصلاح کی کوشش کرتا ہے تو اس کے خلاف مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ عرب میں دیگر لغو رسموں کے علاوہ یہ بیہودہ رسم بھی تھی کہ جب کوئی شخص کسی کو اپنا متبنّٰی بنا لیتا تو اسے وہی حقوق حاصل ہو جاتے جو حقیقی فرزند کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ متبنّٰی بنانے والے کے مرنے کے بعد اس کا وارث ہوتا۔ اس کی زوجہ کی بھی وہی حیثیت ہوتی جو سگے بیٹے کی بہو کی ہو۔ وہ اجنبی لڑکا اس قبیلہ کا فرد شمار ہونے لگتا۔ اس طرح اس رسم کے باعث طرح طرح کی خرابیاں مترتب ہو رہی تھیں نسب ہی غلط ہو رہا تھا۔ بیٹا وہ کسی کا ہوتا لیکن متبنّٰے بننے سے اپنے خاندان سے کٹ جاتا اور دوسرے خاندان کا فرد شمار ہوتا۔ اگر کسی کی حقیقی اولاد نہ ہو تو اس کے دوسرے قریبی رشتہ دار اس کے مال متروکہ کے حقدار بنتے ہیں لیکن متبنّٰے ہونے کی صورت میں یہ اجنبی بچہ ان کے سارے حقوق کو غصب کر لیتا اور حقیقی اور نسبی قرابت رکھنے والے قریبی رشتہ دار بھائی بھتیجے محروم کر دیئے جاتے جو صریح ظلم تھا، پھر ایسے متبنّٰی کی بہو کے ساتھ اگر بعینہٖ وہی سلوک کیا جائے تو حرمت مصاہرت کا دائرہ بہت وسیع ہو جاتا ہے۔ متبنّٰی بنانے والے پر اس کے متبنّٰی کی بیوی حرام، اس کی بیوی کی ماں حرام، اگر کوئی اس کی بیٹی ہو تو وہ حرام۔ یہ عورتیں جن سے نکاح حلال ہے ان سے اس رسم کے باعث نکاح حرام ہو جاتا تھا۔ اس جاہلانہ رسم سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو رہی تھیں اور معاشرہ گوناگوں مشکلات میں مبتلا تھا لیکن سماج کے اس رواج کی اصلاح کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم فرماتے ہوئے حبیب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا تو حضور نے ان تمام رسوم و رواج کو ختم کر دیا۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم سوسائٹی کے دباؤ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسا جرأت مندانہ اقدام نہ فرماتے تو اور کون اصلاح کرتا۔ اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جاتا تو قیامت تک ان محرومیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔

سورہ پاک کے آغاز میں حکم دیا کہ متبنّٰی تمہارا حقیقی بیٹا نہیں۔ یوں ہی صرف زبان ہلا دینے سے کسی کا بیٹا اپنا بیٹا نہیں بن سکتا۔ اس لیے نہ ان کو اپنا بیٹا سمجھو نہ زبان سے اس کی فرزندی کی نسبت اپنی طرف کرو۔ اس ارشاد پر عمل کی ابتداء بھی ذاتِ رسالتمآب سے ہوئی۔ حضرت زید جنہیں زید بن محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کہہ کر پکارا جاتا تھا، اب پھر اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہو کر زید بن حارثہ کہے جانے لگے۔

لیکن ابھی تک اس رسم و رواج کے کئی غلط اثرات باقی تھے جن کے متعلق قوم کے جذبات از حد حساس واقع ہوئے تھے، ان کے خلاف سوچنا بھی ان کے اختیار میں نہ تھا۔ اپنے متبنّٰی کی زوجہ ان کے نزدیک بعینہٖ اس حیثیت کی مالک تھی جو اپنے حقیقی بیٹے کی بہو کی حیثیت تھی۔ عرب کا قانون بھی اپنے بیٹے کی بیوی مطلقہ ہو یا بیوہ سے نکاح کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ قرآن نے بھی اس کی حرمت کو برقرار رکھا۔ متبنّٰی کی بیوی کی حیثیت بھی وہی تھی، اس کے حرام ہونے میں انہیں قطعاً کوئی شبہ نہ تھا۔ اسلام نے اس قبیح رسم اور اس پر مترتب ہونے والے نتائج کو منسوخ کر دیا۔ جب حضرت زید نے حضرت زینب کو طلاق دے دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق انہیں اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ اس طرح اس رسم بد پر کاری ضرب لگا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کا خاتمہ کر دیا۔

واقعہ کی صحیح صورت تو یہ ہے جو آپ کے سامنے بلا کم و کاست پیش کر دی گئی لیکن یورپ کے متعصب اور تنگ نظر پادریوں نے جنہوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لیے مؤرخ، محقق اور مستشرق کا لباس اوڑھ رکھا ہے تاریخ اسلام کے اس سادہ سے واقعے کو یوں اچھالا اور اسے ایسا رنگ دیا کہ اچھے اچھے سمجھ دار ان کے دام فریب میں پھنس گئے اور دولت ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ آیئے! قرآن کریم کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں اور جہاں جہاں انہوں نے ٹھوکر کھائی یا دانستہ اپنی بدباطنی کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نشاندہی کریں تاکہ حقیقت اپنی رعنائیوں کے ساتھ آشکارا ہو جائے۔

بعض غلط اور بالکل باطل روایات کا سہارا لے کر یہ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت زینب کا نکاح حضرت زید سے ہو گیا۔ تو ایک روز اچانک حضور ان کے گھر تشریف لے گئے۔ وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت زینب بے دھیانی کے عالم میں بیٹھی تھیں۔ اچانک جب ان پر نظر پڑی تو حضور ان پر فریفتہ ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے: سُبْحَانَ اللهِ مُقَلِّبِ الْقُلُوبِ۔ پاک ہے دلوں کو بدلنے والا۔ یہ آواز حضرت زینب نے سن لی۔ زید آئے ساری بات کہہ سنائی۔ حضرت زید نے یوں ہی مناسب سمجھا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں تاکہ حضور ان سے نکاح کر سکیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ حضور نے زبان سے تو یہ فرمایا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق نہ دے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے لیکن حضور کی دلی خواہش یہی تھی کہ زید طلاق دیدے تو حضور ان سے نکاح کریں۔ محض ظاہر داری کے طور پر نبی کریم نے انہیں طلاق دینے سے منع فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر عتاب فرمایا اور کہا کہ تم زبان سے کچھ کہہ رہے ہو اور دل میں کچھ چھپاتے ہو۔ میں تمہارے دل کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر کر دوں گا۔ چنانچہ ان بدباطنوں نے اس آیت کے ان جملوں "امسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ما الله مبديه" کا یہی معنی لیا ہے اور اپنی خبث باطنی کے باعث بارگاہ رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات میں گستاخی کی جرأت کی دل ہرگز برداشت نہیں کرتا کہ ان کی اس یاوہ گوئی کو لکھنے کی جرأت کرے لیکن جب تک اسے لکھا نہ جاتا اس کا رد ممکن نہ تھا۔ میں آپ کو ایک عقیدتمند کی حیثیت سے نہیں ایک حقیقت پسند کی حیثیت سے ان کی اس ہرزہ سرائی میں غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں، صداقت خود بخود نکھر کر سامنے آجائے گی۔

اگر حضرت زینب ایک اجنبی خاتون ہوتیں کسی غیر قبیلہ کی فرد ہوتیں جنہیں حضور نے کبھی نہ دیکھا ہوتا، تو پھر ان کی اس بے سروپا حکایت کو ماننے کی وجہ بھی ہوتی کہ اچانک دیکھا اور دل میں ان کی خوبصورتی کو دیکھ کر جذبۂ الفت پیدا ہوا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں۔ آپ حضور کی پھوپھی زاد ہیں، حضرت عبدالمطلب کی نواسی ہیں، حضور کے سامنے ولادت ہوئی، حضور کے گھر کے صحن میں ان کا بچپن گزرا۔ حضور کی آنکھوں کے سامنے وہ جوان ہوئیں۔ صبح و شام اپنی پھوپھی کے ہاں آمد و رفت رہتی۔ کونسی ایسی بات تھی جس کا حضور کو علم نہ تھا۔ ان کی زندگی کا کونسا ایسا پہلو تھا جو حضور پر مخفی تھا اور اس روز اچانک آشکارا ہوا اور محبت کا طوفان امڈ آیا۔ نعوذ باللہ اور سنیئے۔ حضرت زینب ان سعادتمند خواتین میں سے تھیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں ایمان سے مشرف ہوئیں پھر حضور کی ہجرت کے بعد مکہ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں آگئیں۔

مزید غور فرمایئے۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حضرت زید کے لیے شادی کا پیغام بھیجا تو انہوں نے اور

ان کے بھائی نے یہ خیال کیا کہ حضور اپنی ذاتِ اقدس کے لیے رشتہ طلب فرما رہے ہیں۔ اس خیال کے پیشِ نظر انہوں نے بطیبِ خاطر بعد مسرت اس پیغام کو قبول کیا۔ لیکن جب پتہ چلا کہ یہ پیغام زید کے لیے تھا، تو پھر وہ صورتِ حالات پیدا ہوئی جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو کوئی غیرت مند اور حقیقت پسند شخص اس داستان سراپا ہذیان کو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب حضرت زینب کنواری تھیں اور حضور کے حرم کی زینت بننے کو اپنے لیے اور اپنے کنبہ کے لیے باعثِ صد عزت محسوس کرتی تھیں، اس وقت تو حضور کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ ہوئی اور جب ایک سال سے زائد عرصہ آپ کے آزاد کردہ غلام کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کر چکیں تو اچانک یہ صورت پیدا ہو گئی جو ان عقل کے اندھوں کو نظر آنے لگی۔

آپ پوچھ سکتے ہیں کہ پھر قرآن کریم کے ان جملوں کا مطلب کیا ہے۔ ۱۔ امسك عليك زوجك واتق الله کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس روکے رکھو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضور کو یہ فرمانے کی کیا وجہ تھی؟ ۲۔ تخفی فی نفسك وہ کیا بات تھی جسے حضور اپنے دل میں چھپانا چاہتے تھے۔ ۳۔ تخشی الناس کا معنی کیا ہے۔ حضور لوگوں سے کیوں خوف فرما رہے تھے؟

آیئے یہ بھی سن لیجیے تاکہ آپ کے دل کی ہر خلش دور ہو جائے۔ بفضلہٖ تعالیٰ۔

حضرت زینب نے ارشادِ نبوی کے مطابق حضرت زید سے نکاح تو کر لیا تھا لیکن مزاج اور طبیعت کا تفاوت قائم رہا۔ آپ کو اپنے عالی خاندان اور شریف النسب ہونے پر جو فخر تھا اس سے ان کی خانگی زندگی تلخیوں سے دوچار ہوتی رہتی تھی۔ وہ اپنے خاوند کے ساتھ وہ سلوک روا نہ رکھتیں جو روا رکھنا چاہیے تھا۔ تلخ کلامی اور تو تو میں میں کی نوبت اکثر آتی رہتی تھی۔ حضرت زید بھی غیرت مند جوان تھے۔ وہ آئے دن کی یہ بے عزتی اور تذلیل برداشت کرتے کرتے تھک گئے تھے، ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ خانگی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے ان کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ سال بھر کی ترش کلامی کے باعث زید دل برداشتہ ہو گئے۔ باہمی مودت و الفت کی جگہ شدید نفرت نے لے لی اور طلاق کے بغیر اس الجھن کا انہیں کوئی حل نظر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ یہ نکاح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود کیا تھا، اس لیے ان کی یہ مجال نہ تھی کہ چپکے سے طلاق دے کر انہیں فارغ کر دیتے۔ حضور کی خدمت میں عرض کرنا ضروری تھا، چنانچہ حاضر ہوئے اور اپنی ساری بپتا کہہ سنائی۔ حضور کو بھی زید کے اس ارادے سے بڑی تشویش ہوئی اور یہ بالکل قدرتی عمل تھا۔ کل اتنا مجبور کر کے نکاح کیا اور آج زید نے طلاق دے دی، لوگ کیا کہیں گے۔ چنانچہ حضور نے انہیں یہی سمجھایا کہ تم طلاق دینے سے باز آؤ اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ کل میں نے بڑے شوق سے تمہارا نکاح کیا ہے آج اگر تم طلاق دیدو تو حضرت زینب اور ان کے عزیزوں کی دل شکنی ہو گی لیکن حضرت زید کے لیے یہ ممکن نہ رہا تھا۔ اصلاحِ احوال کے لیے انہوں نے سارے جتن کیے تھے اور ہر امکانی کوشش کی تھی، لیکن حضرت زینب کے مزاج کو بدلنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اس جملہ سے یہ معنی اخذ کرنا کہ حضور محض ظاہر داری کی وجہ سے یہ فرما رہے تھے انسانیت، شرافت اور حقیقتِ حال کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے بلکہ اس جملہ کا یہ مفہوم ہے جو میں نے عرض کیا۔ وتخفی فی نفسك پر ان عیاروں نے بڑی لے دے کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس چیز کو حضور چھپا رہے تھے، وہ حضرت زینب سے محبت تھی، لیکن ان کی اس ہرزہ سرائی کو آیت کا اگلا حصہ

…ہے۔ ارشاد ہے : ما الله مبدیه ۔ یعنی آپ وہ چیز دل میں چھپا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔ معلوم …حضور چھپا رہے تھے وہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔ اب آپ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کو ظاہر فرمایا ہے تو جس …اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا وہی وہ چیز ہے جس کو حضور چھپا رہے تھے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور کرنا باطل، کذب اور …افترا ہے، خود بتائیے کسی جگہ اللہ تعالیٰ نے اس عشق و محبت کو ظاہر کیا صراحۃً نہ سہی کنایۃً، لفظاً نہ سہی اشارۃً۔ اگر ایسی کسی بات …کا نشان نہیں تو پھر تخفی فی نفسك کا یہ معنی بیان کرنا جو ان لوگوں نے کیا ہے کتنی بڑی گستاخی ہے۔

…وہ بات جسے حضور چھپا رہے تھے اور جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا، وہ کیا تھی، اس کے متعلق وضاحت سیدنا امام …العابدین علی بن حسین علیہ وعلی ابیہ وجدہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ اوحی الله تعالیٰ ما اوحی الله …الیه ان زینب سیطلقها زید وتتزوجها بعد علیه الصلوٰۃ والسلام الی هذا ذهب اهل التحقیق من المفسرین …کالزهری وبکر بن علاء والقشیری والقاضی ابوبکر بن العربی وغیرهم (روح المعانی، قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے …حبیب پر یہ وحی فرمائی تھی کہ زید حضرت زینب کو طلاق دے دیں گے اور آپ ان سے نکاح فرمائیں گے۔ مفسرین میں سے اہلِ تحقیق …کا یہی قول ہے۔ کیونکہ یہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ نے زوجنا کہا سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی حکمت بھی خود ہی بیان فرما دی کہ پہلے جو …یہ خیال ہے کہ اپنے متبنّٰی کی زوجہ سے نکاح حرام ہے، اس کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ لوگ اس رسمِ قبیح کے باعث جن پریشانیوں …سے دوچار ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔

ایک بار پھر وتخشی الناس کے کلمات پر بھی غور کیجیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو بتا دیا کہ اس رسمِ بد کو ختم کرنے کے لیے اس …کا فیصلہ ہے کہ زید طلاق دے گا اور آپ ان سے نکاح کریں گے۔ حضور جانتے تھے کہ کفار و منافقین اس پر بہتان طرازی کا طوفان …کھڑا کر دیں گے۔ حقیقت کو مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کریں گے اور پراپیگنڈہ کا جو مؤثر موقع انہیں ملا ہے اس سے پورا پورا فائدہ …اٹھائیں گے۔ ان کی زبان درازیوں کے باعث ہو سکتا تھا کہ بعض کمزور ایمان والے پھسل جائیں۔ یہ اندیشہ تھا جو حضور دل ہی دل میں …محسوس فرما رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پسند نہیں کہ ایسے اندیشوں کو اس کا محبوب رسول پرکاہ کی بھی وقعت دے۔ جھوٹ کے طوفان باندھنے …والے باندھا کریں۔ دینِ اسلام کا پرچم سرنگوں نہیں ہوگا۔ حضور کی عزت و عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اگر کوئی بدبخت ان کی …بیہودہ سرائی سے متاثر ہو کر اسلام سے اپنا رشتہ توڑتا ہے تو آپ کو میرے محبوب کیا پروا۔ ایک بار نہیں سو بار اسے ٹوٹنے دو۔ …اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

فلما قضی زید منها وطرا کا مطلب یہ ہے کہ جب زید طلاق دے دے اور وہ عدت گزار لیں اور زید کا ان کے ساتھ …رابطہ کلی طور پر منقطع ہو جائے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زید حضرت زینب کو طلاق دینے کے لیے بڑے بے چین ہیں، وہ …اپنی اس خواہش کو پورا کر لیں۔ قضاء الوطر کنایة عن الطلاق۔

آخر میں ایک چیز کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم خواہ مخواہ یورپ کے مستشرقین اور مؤرخین پر برس رہے ہو …انہوں نے اپنے پاس سے تو نہیں گھڑیں تفسیر کی کتابوں میں ایسی روایتیں موجود ہیں اس میں ان کا کیا قصور؟ جواباً گزارش

فِيٓ أَزۡوَٰجِ أَدۡعِيَآئِهِمۡ إِذَا قَضَوۡاْ مِنۡهُنَّ وَطَرٗاۚ وَكَانَ أَمۡرُ ٱللَّهِ

پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کرلیں اور اللہ کا حکم تو

مَفۡعُولٗا ﴿٣٧﴾ مَّا كَانَ عَلَى ٱلنَّبِيِّ مِنۡ حَرَجٖ فِيمَا فَرَضَ ٱللَّهُ لَهُۥۖ

ہر حال میں ہو کر رہتا ہے [68] نہیں ہے نبی پر کوئی مضائقہ ایسے کام کرنے میں جنہیں حلال کر دیا ہے اللہ نے اس کے لیے [69]

سُنَّةَ ٱللَّهِ فِي ٱلَّذِينَ خَلَوۡاْ مِن قَبۡلُۚ وَكَانَ أَمۡرُ ٱللَّهِ قَدَرٗا

اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے ان (انبیا) کے بارے میں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم ایسا فیصلہ ہوتا ہے جو طے پا چکا

ہے کہ علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر روایت قابلِ قبول نہیں۔ صرف وہ روایت ہی مقبول ہے جو نقد و بحث کی کسوٹی پر پوری اُترے ہمارے علماء محققین نے اس روایت کو مسترد کر دیا ہے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: ذکر ابن ابی حاتم و ابن جریر ههنا آثاراً عن بعض السلف احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها کہ بعض علماء نے یہاں کئی روایتیں نقل کی ہیں لیکن وہ صحیح نہیں اس لیے ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ علامہ ابن حیان الاندلسی نے لکھا ہے کہ لبعض المفسرین کلام فی الآیۃ یقتضی النقص من منصب النبوۃ ضربنا عنه صفحاً۔ یعنی بعض مفسرین نے یہاں ایسی باتیں کی ہیں جو شانِ رسالت کے منافی ہیں، اس لیے ہم نے اُن کو نظر انداز کر دیا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اما ماروی ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم هوی زینب امراۃ زید وربما اطلق بعض المجان لفظ عشق فهذا انما یصدر عن جاهل لعصمة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم عن مثل هذا او مستخف بحرمته (قرطبی) کہ یہاں جو افسانہ گھڑا گیا ہے یہ ان لوگوں کی طرف سے ہے جنہیں نبی کریم کی عصمت کا علم نہیں ہے یا اُنہوں نے دانستہ شانِ نبوت کو گھٹانے کی کوشش کی۔ علامہ آلوسی کی بھی یہی رائے ہے۔

[68] یہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا۔ اس پر عمل ضروری تھا؛ چنانچہ اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تعمیل کر کے اس جاہلانہ رسم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا۔

[69] یہود اور منافقین یہ اعتراض کیا کرتے کہ پیغمبر اسلام دوسروں کو تو صرف چار بیویاں کرنے کی اجازت دیتے ہیں لیکن اپنے لیے یہ پابندی نہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس کے ردّ میں یہ آیات نازل ہوئیں اور معترضین کو کہا گیا کہ اگر پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام پر کثرتِ ازواج کی وجہ سے تم اعتراض کرتے ہو تو حضرت داؤد جن کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام جن کے تین سو حرم تھے ان پر تو تم اعتراض نہیں کرتے۔ انہیں نبی مانتے ہو۔ زبور اور دیگر صحیفے تمہاری مقدس بائیبل میں درج ہیں تمہیں چاہیے کہ ان پر بھی اعتراض کرو اور ان کی نبوت کا بھی انکار کرو۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر

مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ

ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں وہ نہیں ڈرا کرتے کسی

اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ

سے اللہ تعالیٰ کے سوا ؎ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ حساب لینے والا نہیں ہیں محمد (فداہ روحی) کسی کے باپ تمہارے

رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

مردوں میں سے ؎ بلکہ وہ اللہ کے رسول ؎ اور خاتم النبیین ہیں ؎ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو

حلال کی ہیں کسی کو حرف گیری کا حق نہیں پہنچتا۔ حضور سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو خصوصی رخصت عطا فرمائی تھی۔

؎ جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر فائز کرتا ہے اور اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ حضرات صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی سے ان کے دل میں خوف و ہراس پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوفزدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت و نبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ کسی کی خاطر احکام الٰہی کی تبلیغ میں کوتاہی کریں، تو ان کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچا سکتا ہے۔

؎ حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جب حریم نبوت میں رونق افروز ہوئیں تو بہتان تراشی کے جس طوفان کا اندیشہ تھا وہ امنڈ کر آ گیا اور بد باطن یہودیوں اور منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو اپنے بیٹے کی بہو کو اپنی زوجہ بنا لیا۔ کبھی ایسا اندھیر بھی ہوتا ہے جیسے انہوں نے کر دکھایا۔ چلو ہمارے رسم و رواج کو تو رہنے دو، وہ خود بھی آج تک یہی بتاتے رہے کہ بیٹے کی بیوی سے باپ نکاح نہیں کر سکتا۔ اب پھر خود اپنے بیٹے زید کی مطلقہ اہلیہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

ان کی اس ہرزہ سرائی کو قرآن حکیم نے اس ایک جملہ سے ختم کر کے رکھ دیا کہ تم میں سے حضور کسی مرد کے باپ نہیں۔ جب باپ نہیں ہیں تو زید بیٹا کیسے بن گیا۔ وہ تو اپنے باپ حارثہ کا بیٹا ہے۔ تمہارا یہ اعتراض محض تمہارے خبث باطن کی پیداوار ہے حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

؎ باپ ہونے کی نفی کی اور اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کا اعلان فرما دیا۔ بیشک باپ اپنی اولاد پر بڑا مہربان اور شفیق ہوتا ہے لیکن رسول کو جو قلبی تعلق اپنی امت کے ہر ہر فرد سے ہوتا ہے اور جو لطف و کرم وہ فرماتا ہے اس کے مقابلہ میں باپ کی ساری شفقتیں ہیچ ہیں۔ باپ کی مہربانیاں، اولاد کی جسمانی اور مادی دنیا تک محدود ہوتی ہیں۔ رسول کی نگاہ کرم سے امتی کا جسم اور روح، ظاہر اور باطن، دل اور عقل سب فیضیاب ہوتے ہیں۔ باپ کی شفقتیں، روز حشر کسی کام نہیں آئیں گی بلکہ سارے دنیاوی رشتے اس دن ٹوٹ جائیں گے۔ یوم یفر المرء من اخیه و امه و ابیه و صاحبته و بنیه لیکن رسول کے لطف و

عنایت سے دُنیا اور آخرت دونوں میں اس کا اُمتی شاد کام ہوتا ہے۔

۴۳۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی نہایت شفقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی نبوّت کا سلسلہ جاری رہتا تو حضور اتنی شدت ہی سے اُمت کے سامنے دینِ اسلام کے سارے گوشے آشکارا کرنے کی شاید زحمت نہ فرماتے لیکن اب جبکہ نبوّت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور حضور ہی اس سلسلۂ ذہبیہ کی آخری کڑی ہیں تو آپ کی محبّت اور اُلفت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی چیز بھی ادھوری نہ رہنے دی جائے۔ ساری بُری رسموں کا قلع قمع کر دیا جائے کیونکہ اگر باطل کا کوئی پہلو اصلاح سے محروم رہا تو پھر اس کی اصلاح ممکن نہیں ہوگی اور اگر دورِ جاہلیت کی قبیح رسول کو مٹایا نہ گیا تو پھر ایسی ہستی پیدا ہی نہیں ہوگی جو ان کو مٹا سکے۔ اتنی محبوبیت، اتنی جامعیت اور اتنا تقدّس کہاں پایا جائے گا تاکہ دُنیا اس کے اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لیے تیّار ہو جائے۔

ختمِ نبوّت کا عقیدہ اسلام کے ان چند بُنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر اُمّت کا اجماع رہا ہے۔

اگرچہ بدقسمتی سے اُمّتِ اسلامیہ کئی فرقوں میں بٹ گئی ہے۔ باہمی تعصب نے بارہا ملّت کے امن و سکون کو درہم برہم کیا اور فتنہ و فساد کے شعلوں نے بڑے المناک حادثات کو جنم دیا لیکن اتنے شدید اختلافات کے باوجود سارے فرقے اس پر متفق رہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم آخری نبی ہیں اور حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ چنانچہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جس نے بھی نبی بننے کا دعویٰ کیا اس کو مُرتد قرار دے دیا گیا اور اس کے خلاف عَلَم جہاد بلند کر کے اس کی جھُوٹی عظمت کو خاک میں ملا دیا گیا۔ مسیلمہ نے جب نبوّت کا دعویٰ کیا تو حضرت صدّیق اکبر نے نتائج کی پروا کیے بغیر اس کے خلاف لشکر کشی کی اور تب چین کا سانس لیا جب اس جھُوٹے نبی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بیشک اس جہاد میں ہزاروں کی تعداد میں مسلمان بھی شہید ہوئے۔ جن میں سینکڑوں حُفّاظ قرآن اور جلیل المرتبت صحابہ تھے لیکن حضرت صدّیق نے اتنی قُربانی دے کر بھی اس فتنے کو کچلنا ضروری سمجھا۔ آپ نُورِ صدّیقیت سے دیکھ رہے تھے کہ اگر ذرا تساہل برتا تو یہ اُمّت سینکڑوں گروہوں میں نہیں سینکڑوں اُمتوں میں بٹ جائیگی۔ ہر اُمّت کا اپنا نبی ہوگا اور وہ اسی کی شریعت اور سُنّت کو اپنائے گی۔ اس طرح اس رحمت للعالمین کے زیر سایہ اسلام کے پلیٹ فارم پر انسانیّت کے اتحاد کی ساری اُمیدیں ختم ہو جائیں گی اور اِنّی رسول اللہ الیکم جمیعاً کا سُہانا منظر کبھی بھی نظر نہیں آئے گا۔ ناظرین کو یہ بات بھی مدِنظر رکھنی چاہیے کہ مسیلمہ حضور کی نبوّت کا منکر نہیں تھا بلکہ اپنے دعوئے نبوّت کے ساتھ ساتھ وہ حضور کی رسالت کو بھی تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضور خاتم الانبیاء والرسل کی ظاہری زندگی کے آخری ایّام میں اُس نے جو عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

مِن مسیلمة رسول الله الی محمّد رسول الله۔ کہ یہ خط مسیلمہ کی طرف سے جو اللہ تعالیٰ کا رسول ہے محمد رسول اللہ کی طرف لکھا جا رہا ہے۔

علّامہ طبری نے اس امر کی بھی تصریح کی ہے کہ اس کے ہاں جو اذان مروّج تھی اس میں اشهد ان محمّدا رسول الله بھی کہا جاتا تھا۔ بایں ہمہ حضرت صدّیق نے اس کو مرتد اور واجب القتل یقین کر کے اس پر لشکر کشی کی اور اس کو واصل بجہنّم

سے آرام کا سانس لیا۔

اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں جب بھی کسی سر پھرے، طالع آزما یا فتنہ پرداز نے اپنے آپ کو نبی کہنے کی جرأت کی اس کو کیفر کردار تک پہنچا دیا گیا۔

انگریزی غلامی کے دور میں ملت اسلامیہ کو جس طرح دوسرے کئی مصائب سے دوچار ہونا پڑا، اسی طرح ایک جھوٹی نبوت کے ذریعہ امت میں انتشار پیدا کیا گیا۔ وہ مدعی نبوت بظاہر عیسائیت کا رد کرتا تھا اور پادریوں سے مناظرے کرتا تھا۔ اس کے باوجود انگریز کا پرلے درجے کا وفادار تھا، ملکۂ انگلستان کی شان میں اس نے ایسے تعریفی پمفلٹ لکھے کہ کوئی باغیرت مسلمان ان کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ انگریز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے جنہوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کا تختہ الٹا، سلطنت عثمانیہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ ایسی ظالم اور اسلام دشمن حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا اسلام سے غداری نہیں تو اور کیا ہے۔ انگریز نے اس کی نبوت کو اپنی سنگینوں کے سایہ میں پروان چڑھنے کا موقع دیا اور اس کو قبول کرنے والوں کے لیے بے جا نوازشات کے دروازے کھول دیئے۔ ہر مرزائی کے لیے کسی استحقاق کے بغیر اچھی سے اچھی ملازمتیں مختص کر دی گئیں۔ سیاسی میدان میں بھی ان کو آگے بڑھانے کی کوشش کی گئی۔ بیشک وہ شخص عیسائیت کے خلاف لکھتا اور بولتا تھا لیکن انگریز نے اس کے ذریعہ امت مسلمہ میں ایک نئی امت پیدا کرکے اور ان کے متفق علیہ بنیادی عقیدہ میں تشکیک پیدا کرکے جو مقصد عظیم حاصل کیا وہ بہت بڑا کارنامہ تھا اور اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بڑا اہم تھا۔ اگر ایسا شخص عیسائیت کے خلاف کچھ بولتا ہے تو بولا کرے۔ اس سے انگریزی سیاست کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ عیسائیوں کی مخالفت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے وہ انگریزی استعمار کی خدمت پوری دل جمعی سے انجام دے سکتا تھا، اگر وہ عیسائیوں کے خلاف کچھ نہ کرتا تو اس کی بات کوئی آدمی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

مرزا غلام احمد کی نبوت کا پیغام لے کر جب مرزائی مبلغ اسلامی ممالک میں گئے، وہاں ان کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ کئی ممالک میں تو انہیں مرتد قرار دے کر توپ سے اڑا دیا گیا۔ عالم اسلام کے تمام علماء نے بالاتفاق اس مدعی نبوت کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دیا۔

یہ عرض کرنے کا مقصد صرف اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ ان بنیادی عقیدوں میں سے ایک ہے جن پر گوناگوں اختلافات کے باوجود تیرہ صدیوں تک امت کا کلی اتفاق اور قطعی اجماع رہا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید، قیامت، حضور کی رسالت کسی دلیل کی محتاج نہیں اسی طرح ختم نبوت کا مسئلہ بھی کبھی زیر بحث نہیں آیا اور اس کے ثبوت کے لیے کسی مسلمان کو کسی دلیل یا بحث و تمحیص کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن مرزا قادیانی نے وہ کام کر دکھایا جس کی جرأت آج تک شیطان کو بھی نہیں ہوئی تھی، اس لیے ضروری ہے کہ اس مسئلہ پر شرح و بسط سے لکھا جائے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا امتی کسی غلط فہمی کے باعث اپنے آقائے کریم سے کٹ کر نہ رہ جائے۔ رہے وہ لوگ جو شکم کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں اور مال و دولت کے حصول کی خاطر اپنا دین بدلنے میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے بلکہ اسے کمال ہوشمندی سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کا علاج کسی کے پاس نہیں۔ ہمیں ان کے لیے ملول نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ایسے ابن الوقتوں کی خدا کو ضرورت ہے اور نہ اس

کے رسول کو۔

ہمارا دعویٰ بلکہ ہمارا غیر متزلزل عقیدہ اور ایمان یہ ہے:
"حضور سرورِ عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں حضور کی تشریف آوری
کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا حضور کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ اور جو شخص اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے
اور جو بدبخت اس کے اس دعوے کو سچا تسلیم کرتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مُرتد ہے اور اسی سزا کا مستحق
ہے جو اسلام نے مُرتد کے لیے مقرر فرمائی ہے۔"
اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے ہم ایسے دلائل پیش کریں گے جو قطعی اور یقینی ہیں اور جن میں شک وشبہ کی کوئی
گنجائش نہیں۔ سب سے پہلے ہم قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:
مَا كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين وكان الله بكل شئ عليما۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم گرامی لے کر فرمایا ہے کہ محمد (فداہ ابی وامی) اللہ
تعالیٰ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں یعنی انبیاء کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں۔ جب مولا کریم جو بکل شئ علیم ہے نے یہ فرمایا
کہ محمد مصطفےٰ نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں تو حضور کے بعد جس نے کسی کو نبی مانا، اس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تکذیب
کی اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ارشاد کو جھٹلاتا ہے، وہ مُسلمان نہیں رہ سکتا۔
خاتم النبیین کا جو معنی یہاں کیا گیا ہے اہلِ لُغت نے اس کا یہی معنی لکھا ہے۔ اس وقت میرے پاس علم لُغت کی دوسری کتب
کے علاوہ الصحاح للجوہری اور لسان العرب لابن منظور موجود ہیں جن کا شمار لُغتِ عرب کی امہات الکتب میں ہوتا ہے۔ آؤ انکے
مطالعہ سے اس لفظ کی تحقیق کریں۔ ایک چیز پیشِ نظر رہے کہ صحاح کے مؤلف علامہ حماد بن اسماعیل الجوہری کا سن ولادت ۳۳۲ھ
اور سالِ وفات ۳۹۳ھ یا ۳۹۸ھ ہے اور لسان العرب کے مؤلف علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری
کا سنِ ولادت ۶۳۰ھ اور سالِ وفات ۷۱۱ھ ہے۔ یہ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ انکار ختم نبوت سے صدہا سال پہلے یہ کتابیں
لکھی گئی ہیں ان کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے مذہبی تعصب یا ذاتی عقیدہ کے باعث یہ لکھا ہے تاکہ ان کا قول حجت
نہ رہے بلکہ ان کی نگارشات اور ان کی تحقیقات اہل لغت کے اقوال کے عین مطابق ہیں۔ پہلے صحاح کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔
ختم الله له بخير خدا اس کا خاتمہ بالخیر کرے وختمت القرآن: بلغت آخره۔ یعنی میں نے قرآن آخر تک پڑھ
لیا۔ اختتمت الشئ: نقیض افتتحته: افتتاح کی نقیض اختتام ہے۔ والخاتَم والخاتِم بکسر التاء وفتحها والخِتام
والخاتام كله بمعنى وخاتمة الشئ آخره۔ یعنی خاتَم خاتِم۔ خِتام۔ خاتام سب کا ایک ہی معنی ہے اور کسی چیز کے
آخر کو خاتمة الشئ کہتے ہیں۔ ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم خاتم الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام۔ حضور علیہ الصلوٰة
والسّلام تمام نبیوں سے آخر میں تشریف لے آئے۔
علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: ختام الوادی: اقصاہ وختام القوم وخاتِمهم وخاتَمهم۔

آخرھم ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خاتم الانبیاء علیہ وعلیھم الصلوٰۃ والسلام۔ وادی کے آخری کو ختام الوادی کہتے ہیں۔ قوم کے آخری فرد کو ختام خاتَم اور خاتِم کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم الانبیا فرمایا گیا ہے۔ لسان العرب میں التہذیب کے حوالہ سے لکھا ہے: والخاتِم والخاتَم من اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفی التنزیل العزیز ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ای آخرھم ومن اسمائہ العاقب ایضاً ومعناہ آخر الانبیاء۔ یعنی خاتِم اور خاتَم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء گرامی میں سے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ یعنی سب نبیوں سے پیچھے آنے والا۔ اور حضور کے اسماء میں سے العاقب بھی ہے اس کا معنی آخر الانبیاء ہے۔

اہلِ لغت کی ان تصریحات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خاتم کی تاء پر زیر ہو یا زبر اس کا معنی "آخری" ہے۔ اس معنی کی تائید کے لیے اہلِ لغت نے ایک دوسری آیت سے بھی استدلال کیا ہے وختامہ مسک ای آخرہ مسک یعنی اہلِ جنت کو جو شروب پلایا جائے گا اس کے آخر میں انہیں کستوری کی خوشبو آئے گی۔

ختمِ نبوت کے منکرین اس موقع پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ خاتم کا جو معنی آپ نے بیان کیا ہے (آخری) وہ یہاں مراد نہیں بلکہ اس کا دوسرا معنی مراد ہے اور یہ معنی بھی ان لغت کی کتابوں میں موجود ہے جن کا حوالہ آپ نے دیا ہے۔ جب ایک لفظ کے دو معنی ہوں تو وہاں ایک معنی مراد لینے پر بضد ہونا اور دوسرے معنی کو ترک کر دینا تحقیق حق کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں۔ وہ کہتے ہیں ہم بھی اس آیت کو مانتے ہیں اور اس کے معنی اپنی طرف سے نہیں گھڑتے تاکہ ہم پر تحریفِ قرآن کا الزام لگایا جائے بلکہ لغت عرب کے مطابق ہی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔ کسی کو ہم پر اعتراض کا حق نہیں پہنچتا۔

صحاح اور لسان العرب دونوں میں خاتم کا معنی مہر یا مہر لگانے والا مذکور ہے۔ آیت کا یہی معنی ابلغ اور شانِ رسالت کے شایان ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انبیا پر مہر لگانے والے ہیں جس پر حضور نے مہر لگا دی وہ نبوت کے شرف سے مشرف ہوگا اور جس پر مہر نہ لگائی، وہ نبوت کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ بیشک لغت کی کتابوں میں خاتم کا معنی مُہر یا مُہر لگانے والا مرقوم ہے لیکن انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ مذکورہ آیت میں خاتم النبیین کا معنی آخر النبیین ہے۔ یہاں فقط یہی معنی مراد ہے اور یہ لوگ اگر مصر ہوں کہ یہاں خاتم کا دوسرا معنی مراد ہے تو اس سے بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کرتے ہوئے غور و تدبر سے کام نہیں لیا۔ انہوں نے مہر سے مراد ڈاکخانہ کی مہر یا کسی افسر کی مہر سمجھی ہے کہ لفافہ یا کارڈ پر مُہر ٹھپہ لگایا اور اُسے آگے بھیج دیا یا کسی کی درخواست پر اپنی مہر ثبت کی اور اسے مناسب کارروائی کے لیے متعلقہ دفتر روانہ کر دیا۔ حالانکہ مُہر کا جو مفہوم اہلِ لغت نے لیا ہے وہ قطعاً اس کے خلاف ہے۔ کاش انہیں بے جا تعصب اس امر کی اجازت دیتا کہ وہ ائمہ لغت کی عبارتوں میں غور کرتے۔

آئیے! ہم آپ کی خدمت میں یہ عبارتیں پیش کرتے ہیں تاکہ آپ کسی صحیح فیصلہ پر پہنچ سکیں۔ لسان العرب میں ہے: ختمہ یختمہ ختماً وختاماً: طبعہ فھو مختوم ومختّم شُدِّد للمبالغۃ۔ یعنی ختم کا معنی مُہر لگانا ہے اور جس پر مُہر لگا دی جائے اس کو مختوم اور مبالغہ کے طور پر مختّم کہتے ہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: ومعنی ختم وطبع فی اللغۃ واحد وھو التغطیۃ علی الشیء والاستیثاق عن ان لا یدخلہ شیء کما قال جلّ وعلا۔ ام علی قلوب اقفالہا ۔ اس عبارت کا ترجمہ ذرا غور سے سُنیئے یعنی ختم اور طبع کا لغت میں ایک ہی معنی ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا اور مضبوطی سے بند کر دینا کہ اس میں باہر سے کسی چیز کے داخلہ کا امکان ہی نہ ہو۔

پہلے زمانہ میں خلفاء، امراء، سلاطین وغیرہ اپنے خطوط کو لکھنے کے بعد کسی کاغذ کے لفافہ اور کپڑے کی تھیلی میں رکھ کر سر بمہر کر دیتے کہ جو کچھ لکھا جا چکا اب اس کو سر بمہر کر دیا گیا ہے تاکہ اس مُہر کی موجودگی میں اس میں کوئی ردّ و بدل نہ کر دے۔ اگر کوئی ردّ و بدل کرے گا تو وہ پہلے مُہر توڑے گا اور جب مُہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا۔ اس پر احکامِ سلطانی میں تغیّر و تبدل کرنے اور امانت میں خیانت کرنے کے سنگین الزامات میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ اس صورت میں خاتم النبیین کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے انبیاء کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اور اس پر مُہر لگا دی گئی تاکہ کوئی کذّاب، دجّال اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اگر کوئی شخص بزور دستی اس زمرہ میں گھسنا چاہے گا تو پہلے مُہر توڑے گا اور جب مُہر توڑے گا تو پکڑا جائے گا اور اسے جہنّم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں عربی زبان کی لغات سے بھی بڑی مدد ملتی ہے لیکن اس سلسلے میں بھی قولِ فیصل اور حرفِ آخر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بیان کردہ تشریح ہوتی ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ارشاد فرماتے ہیں۔

آیئے اب احادیث نبویہ کا بغور مطالعہ کریں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے خاتم النبیین کے کلمات کا کیا مفہوم بیان فرمایا ہے۔

خاتم النبیین کے معنی کی وضاحت کے لیے بے شمار صحیح احادیث کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ سب کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں فقط چند احادیث یہاں تحریر کی جاتی ہیں جن کے دلوں میں ہدایت کی سچی طلب ہوگی۔ مولا کریم اپنے حبیب رؤف رحیم علیہ صلوٰۃ والتسلیم کے طفیل ہدایت کی راہیں ان کے لیے کھول دے گا اور اس کی توفیق ان کی دست گیری کرے گی۔

۱۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا فاحسنہ واجملہ الا موضع لبنۃ من زاویۃ فجعل الناس یطوفون بہ و یعجبون لہ ویقولون ھلا وضعت ھذہ اللبنۃ فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین۔

بخاری کتاب المناقب

باب خاتم النبیین

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین وجمیل بنائی مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ لوگ اس عمارت کے ارد گرد پھرتے اور اس کی خوبصورتی پر حیران ہوتے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی تو وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

اگر آپ اس ایک حدیث میں غور کریں گے تو بلاغت نبوی کے اعجاز کا آپ کو اعتراف کرنا پڑے گا۔ جب ایک عمارت مکمل ہو

ہی ہے اور اس میں کوئی خالی جگہ نہیں رہتی تو کوئی ماہر سے ماہر انجینیئر بھی اس میں ایک اینٹ کا اضافہ نہیں کر سکتا۔ ہاں اس کی ایک ہی صورت ہے کہ پہلی اینٹوں میں سے کوئی اینٹ توڑ کر وہاں سے نکال لی جائے اور پھر اس خالی کرائی ہوئی جگہ پر کوئی نئی اینٹ لگا دی جائے۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قصرِ نبوت مکمل ہو گیا۔ اب اس میں کسی اور نبی کی گنجائش نہیں۔ بجز اسکے کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی نبی کو وہاں سے نکالا جائے اور مرزا غلام احمد کے لیے جگہ بنائی جائے۔ کیا کوئی عقلِ سلیم اس کو گوارا کرے گی۔ قصرِ نبوت کی اس توڑ پھوڑ کو کیا اللہ تعالیٰ کی غیرت برداشت کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ یہ ایک حدیث ہی اتنی جامع اور اتنی معنی خیز اور اتنی بصیرت افروز ہے کہ ختمِ نبوت کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو امام بخاری کے علاوہ امام مسلم نے کتاب الفضائل باب خاتم النبیین میں اور امام ترمذی نے کتاب المناقب اور ابو داؤد طیالسی نے اپنی مسند میں مختلف اسناد سے نقل کیا ہے۔

۲۔ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضلت علی الانبیاء بستٍّ اعطیت جوامع الکلم ونصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطهورا وارسلت الی الخلق کافّة وختم بی النبیّون۔

(مسلم۔ ترمذی۔ ابن ماجه)

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے چھ باتوں میں انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلم سے نوازا گیا یعنی الفاظ مختصر اور معانی کا بحرِ بے پیدا کنار (۲) رُعب کے ذریعے میری مدد فرمائی گئی (۳) میرے لیے غنیمت کا مال حلال کیا گیا۔ (۴) میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا اور اس سے تیمم کی اجازت دی گئی۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا اور (۶) میری ذات سے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

۳۔ حضرت انس ابن مالک سے مروی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان الرسالة والنبوة قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسالت اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ کوئی نبی۔

سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس تصریح کے بعد جس کی کوئی تاویل ممکن نہیں کسی کا نبوت کا دعویٰ کرنا اور کسی کا اس باطل دعوے کو تسلیم کرنا سراسر کفر اور الحاد ہے۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان اللہ لم یبعث نبیا الاحذّر امتهٗ الدجال وانا آخر الانبیاء وانتم آخر الامم وهو خارج فیکم لامحالة۔

(ابنِ ماجه)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی نہیں بھیجا جس نے اپنی اُمت کو دجال کے خروج سے نہ ڈرایا ہو۔ اب میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔ وہ ضرور تمہارے اندر ہی نکلے گا۔

اس حدیث سے جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا آخر الانبیاء ہونا ثابت ہو رہا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کا آخر الامم ہونا بھی ثابت ہو رہا ہے۔

۵۔ امام ترمذی نے کتاب المناقب میں یہ حدیث روایت کی ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب۔ — اگر میرے بعد کسی کا نبی ہونا ممکن ہوتا تو عمر بن الخطاب نبی ہوتے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے فضائل صحابہ کے عنوان کے نیچے یہ ارشادِ نبوی نقل کیا:

۶۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک پر روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ آپ کچھ پریشان ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میرے ساتھ تمہاری وہی نسبت ہے جو موسیٰ کے ساتھ ہارون کی تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمائیے اور اسی کے ذکر پر احادیث کی نقل کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔

۷۔ عن ثوبان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون۔ کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی۔ (ابوداؤد۔ کتاب الفتن) — حضرت ثوبان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ .... میری امت میں تیس کذاب ہونگے جن میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

علامہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: فقد اخبر اللہ تعالیٰ فی کتابہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم فی السنۃ المتواترۃ عنہ انہ لا نبی بعدہ لیعلموا ان کل من ادعی ھذا المقام بعدہ فھو کذاب افاک دجال۔ ضال مضل۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنت متواترہ میں بتایا ہے کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں تاکہ ساری دنیا جان لے کہ جو شخص بھی حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ کذاب ہے، جھوٹا ہے دجال ہے گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ روح المعانی میں لکھتے ہیں:

وکونہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین مما نطق بہ الکتاب وصرحت بہ السنۃ واجمعت علیہ الامۃ فیکفر مدعی خلافہ ویقتل ان اصر۔ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا ایسا عقیدہ ہے جس کی تصریح قرآن و سنت نے کی ہے جس پر امت کا اجماع ہے۔ پس جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ کافر ہو جائے گا اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور اس دعویٰ پر مصر رہا تو اس کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن حیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اپنی تفسیر بحر محیط میں رقمطراز ہیں:

ومن ذھب الی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع او الی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق یجب قتلہ وقد ادعی ناس النبوۃ فقتلھم المسلمون علی ذلک وکان فی عصرنا شخص من الفقراء ادعی النبوۃ بمدینۃ مالقۃ فقتلہ السلطان بن الاحمر ملک الاندلس بغرناطۃ وصلب حتی تناثر لحمہ۔ یعنی جس شخص کا یہ نظریہ ہو کہ نبوت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور اسے اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یا جس کا یہ عقیدہ ہو کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے وہ زندیق ہے اور واجب القتل

آج تک جن لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا، مسلمانوں نے ان کو قتل کر دیا۔ ہمارے زمانے میں بھی فقراء میں سے ایک شخص نے شہر مالقین میں نبوت کا دعویٰ کیا تو اندلس کے بادشاہ نے غرناطہ میں اس کا سر قلم کر دیا اور اس کی لاش کو سولی چڑھا دیا، وہ اسی حالت میں لٹکا رہا یہاں تک کہ اس کا گوشت گل کر گر پڑا۔

ان مذکورہ بالا اقتباسات سے امت کا ختم نبوت کے عقیدہ پر اجماع ثابت ہو گیا اور ہر زمانے کے علماء نے مدعی نبوت کو گردن زدنی قرار دیا۔ آخر میں ہم ختم نبوت پر عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

ختم نبوت کے عقلی دلائل (قدرت کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت جملہ اقوام عالم کے لیے اور قیامت تک کے لیے ہے، جب حضور پر نازل شدہ کتاب بغیر کسی ادنیٰ تحریف کے جوں کی توں ہمارے پاس موجود ہے، جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ اپنی ساری تفصیلات کے ساتھ اس کتاب کی تشریح و توضیح کر رہی ہے، جب کہ شریعت اسلامیہ روز اول کی طرح آج بھی انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں ہماری راہنمائی کر رہی ہے، جب قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ آج بھی اعلان کر رہی ہے: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ تو پھر کسی اور نبی کی بعثت کا کیا فائدہ ہے اور اس سے کس مقصد کی تکمیل مطلوب ہے۔ آفتاب محمدی طلوع ہو چکا۔ عالم کا گوشہ گوشہ اس کی کرنوں سے روشن ہو رہا ہے۔ تو پھر دن کے اجالے میں کسی چراغ کو روشن کرنا قطعاً قرین دانشمندی نہیں ہے۔

مزید غور فرمایئے۔ نبی کی آمد کوئی معمولی واقع نہیں ہوتا کہ نبی آیا۔ جس نے چاہا مان لیا اور جس نے چاہا انکار کر دیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ نبی کی بعثت کے بعد کفر اور اسلام کی کسوٹی نبی کی ذات بن کر رہ جاتی ہے۔ کوئی کتنا نیک، پاکباز، پارسا اور عالم باعمل ہو اگر وہ کسی سچے نبی کی نبوت کو تسلیم نہیں کرے گا تو اس کا نام مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔ اور کفار و منکرین کے زمرہ میں اس کا نام درج کر دیا جائے گا اور یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔

اب ذرا عملی دنیا میں مرزا صاحب کی آمد کا جائزہ لیجیے:

مسلمانوں کی تعداد کم سے کم اعداد و شمار کے مطابق پچاس کروڑ سے زائد ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں۔ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ ان کی نبوت اور صداقت کا اقرار کرتے ہیں۔ قیامت کی آمد کے قائل ہیں۔ عملی طور پر غافل و کاہل سہی لیکن احکام خداوندی اور ارشادات نبوی کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔ ضروریات دین میں سے ہر چیز پر ان کا ایمان ہے اور اس امت میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں ایسے بندگان خدا بھی ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو شریعت پر پوری طرح کاربند، عبادات کے سختی سے پابند رہے ہیں۔ ان کے اخلاص و للہیت پر فرشتے رشک کرتے ہیں اور ان کے کارہائے نمایاں پر خود ان کے خالق کو ناز ہے۔

اسی پاک امت میں آکر مرزا صاحب نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ان کی آمد سے پہلے تو یہ سارے کے سارے مسلمان تھے۔ چلو بعض

میں عملی کوتاہیاں ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن کم از کم نعمتِ ایمان سے تو وہ بہرہ ور تھے۔ اب حقیقتِ حال یہ ہے کہ پچاس سالہ کوششوں کے باوجود چند لاکھ کی نفری نے مرزا جی کو نبی مانا اور باقی پچاس کروڑ نے ان کو دجال اور کذاب قرار دیا۔ نبی کو ماننا اسلام ہے اور انکار کفر ہے مرزا صاحب نے اپنا سبز قدم جب دنیائے اسلام میں رکھا تو یہ بہار آئی کہ سارے کے سارے مرتد قرار پائے اور اسلام سے محروم ہو کر کفر میں مبتلا ہو گئے۔ صرف گنتی کے چند آدمی مسلمان باقی رہے۔ ان میں بھی غالب اکثریت بلیک مارکیٹ کرنے والوں، رشوت لینے والوں، اقربا نوازی اور مرزائیت پروری کی قربان گاہ پر لاکھوں حقداروں کے حقوق بھینٹ چڑھانے والوں کی ہے۔ ان میں اکثر بے نماز، ڈاڑھی منڈے اور آوارہ مزاج لوگ ہیں۔ ہر قسم کی رذیل حرکتیں کرنے والوں کا ایک لشکرِ جرار ٹھاٹھیں مارتا ہوا آپ کو نظر آئے گا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ دنیائے اسلام کے لیے عملی طور پر مرزا صاحب کی آمد برکت کا باعث بنی یا نحوست کا۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اس کو پسند نہیں کرتی کہ مرزا صاحب کو سچا نبی بنا کر بھیجا جائے تاکہ اسلام کے سارے ہرے بھرے پیڑ اپنے خنک سایوں، میٹھے پھلوں، رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیے جائیں اور چند خاردار جھاڑیوں کے جھرمٹ پر گلشنِ اسلام" کا بورڈ آویزاں کر دیا جائے۔ متقیوں، پرہیزگاروں، عالموں اور عاشقوں کی امت پر کفر کا فتویٰ لگا دیا جائے اور چند زاغ صفت طالع آزما افراد کو مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا جائے۔

مرزا صاحب کے امتی بڑی ڈینگیں مارتے ہیں کہ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں اسلام پہنچا رہے ہیں ہماری کوششوں سے یورپ میں اتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اتنے لوگوں کو ہم نے کلمہ پڑھایا۔

گزارش ہے تم تو مرزا صاحب کو اس لیے نبی کہتے ہو کہ انہوں نے چند کافروں کو کلمہ پڑھایا۔ ہم اولیاء کرام کے زمرہ سے آپ کو ایسے ایسے مبلغ دکھاتے ہیں جنہوں نے ہزاروں لاکھوں کفار کو کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کر دیا۔ خواجۂ خواجگان سلطان الہند معین الحق والدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لاکھوں مشرکوں کے زنار توڑے اور ان کی پیشانیوں کو بارگاہِ رب العزت میں شرفِ سجود بخشا۔ داتا گنج بخش ہجویری نے اس کفرستان میں راوی کے کنارے پر توحید کا جو پرچم گاڑا تھا، وہ آج بھی لہرا رہا ہے اور لاکھوں خفتہ بختوں کو خوابِ غفلت سے جگا رہا ہے۔ مشائخِ چشت اور دیگر اولیاء کرام نے اسلام کی جو تبلیغ کی اور جو فرشتہ صفت مرید بنائے ان کے مقابلہ میں ساری امتِ مرزائیہ کی تبلیغی کوششوں کی نسبت سمندر اور قطرہ کی بھی نہیں۔ ان کارہائے نمایاں کے باوجود ان حضرات نے نہ نبوت کا دعویٰ کیا، نہ مہدیت کا، نہ مسیحیت کا، نہ ظلی کا، نہ بروزی کا، بلکہ اپنے آپ کو غلامانِ مصطفیٰ ہی کہا اور اسی کو اپنے لیے باعثِ صد افتخار اور موجبِ سعادتِ دارین سمجھا۔

مرزا قادیانی کو اپنی نبوت تک پہنچنے کے لیے بڑا دور کا چکر کاٹنا پڑا۔ آخر کار آپ کی کمندِ فکر یہاں آ کر رکی کہ یہ تو احادیث سے ثابت ہے کہ عیسیٰ بن مریم آئیں گے میں کیوں نہ اپنے آپ کو مسیحِ موعود کہنا شروع کر دوں تاکہ مجھے لوگ مسیح مان لیں لیکن اس میں مشکل یہ پیش آئی کہ حضرت مسیح تو زندہ ہیں ان کی زندگی میں میں مسیح کیسے بن سکتا ہوں۔ خیال آیا کہ پہلے مسیح کو مردہ ثابت کر دو جب وہ مردہ قرار پا گئے تو پھر میرے لیے میدان صاف ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سارا زور وفاتِ مسیح علیہ السلام ثابت کرنے پر لگا دیا۔

بلاشبہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے

نزول فرمائیں گے۔ جن احادیث میں نزولِ مسیح کے متعلق تشریح کی گئی ہے وہ اس کثرت سے مروی ہیں کہ معنوی طور پر وہ درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ آیئے آپ بھی ان احادیث کی جھلک ملاحظہ کیجیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ نبیٔ برحق نے کوئی مبہم پیش گوئی نہیں کی کسی ایسے مسیح کی آمد کی اطلاع نہیں دی جس کی پہچان نہ ہو سکے اور جس شاطر کا جی چاہے وہ آنے والا مسیح بن بیٹھے، بلکہ نبی کریم نے اپنی اُمت کو اس کا نام بتایا، اس کی والدہ کا نام بتایا، اس کے لقب سے خبردار کیا، اس وقت اور مقام کی نشاندہی کی جس وقت اور جس مقام پر وہ نزول فرمائے گا۔ جو کارہائے نمایاں وہ انجام دے گا، اس کی تفصیل بیان فرمادی اور اس کے مدفن کا بھی تعین فرما دیا اور اس کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ اب اگر وہ احادیث صحیح ہیں جن میں حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دی گئی ہے تو ان تفصیلات کو بھی من و عن صحیح اور سچ تسلیم کرنا پڑے گا جو ان کے متعلق بتائی گئی ہیں اور اگر کوئی شخص ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کر دے گا تو پھر اسے ان تمام احادیث کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جن میں ان کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ تحقیق اور انصاف کا یہ کیسا معیار ہے کہ ایک روایت کی مفید مطلب آدھی بات تو مان لی اور اسی روایت کی دیگر تفصیلات کو نظرانداز کر دیا۔

ان کثیر التعداد احادیث میں سے چند احادیث جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا ذکر ہے۔

پہلی حدیث جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب حدیث میں روایت کیا ہے:

۱۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفسی بیده لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الحرب و یفیض المال حتی لا یقبله احد حتی تکون السجدة الواحدة خیر من الدنیا وما فیها۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء، باب نزول عیسی بن مریم۔ مسلم، باب بیان نزول عیسی۔ ترمذی، ابواب الفتن باب فی نزول عیسی۔ مسند احمد مرویات ابی هریرة)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُس خدا کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے ضرور اتریں گے تمہارے درمیان ابنِ مریم عادل حاکم کی حیثیت سے۔ پھر وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو مار ڈالیں گے اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے اور مال کی اتنی فراوانی ہوگی کہ اسے کوئی لینے والا نہ ہوگا اور (دینداری کا یہ عالم ہوگا) کہ اپنے پروردگار کی جناب میں ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔

۲۔ امام بخاری نے کتاب المظالم باب کسر الصلیب میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

لا تقوم الساعة حتی ینزل عیسی بن مریم۔

اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم کا نزول نہ ہو۔

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت ابی ہریرہ سے منقول ہے:

فبینما هم یعدون للقتال یسوون الصفوف اذا اقیمت الصلوٰة فینزل عیسی بن مریم فامهم فاذا راه عدو الله یذوب کما یذوب الملح فی الماء فلو ترکه لانذاب حتی

حضور علیہ السلام نے خروجِ دجال کے ذکر کے بعد فرمایا۔ اس اثنا میں کہ مسلمان اس سے لڑنے کی تیاری کر رہے ہوں گے صفیں درست کر رہے ہوں گے اور نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی ہوگی کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور مسلمانوں کی امامت

يهلك ولكن يقتله الله بيده فيريهم دمه في حربته۔

گرائیں گے اور دشمن خدا دجال ان کو دیکھے گا تو پگھلنے لگے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے اگر آپ اس کو اپنی حالت پر ہی چھوڑ دیں تو وہ از خود پگھل کر مر جائے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے نیزے میں اس کا خون لگا ہوا لوگوں کو دکھائیں گے۔

۴۔ عن ابی هريرة ان النبی صلی الله عليه وسلم قال ليس بينی وبينه نبی (يعنی عيسٰی) وانه نازل فاذا رايتموه فاعرفوه رجلا مربوعًا الی الحمرة والبياض بين ممصرتين كان راسه يقطر وان لم يصبه بلل فيقاتل الناس على الاسلام فيدق الصليب ويقتل الخنزير ويضع الجزية ويهلك الله فی زمانه الملل كلها الا الاسلام ويهلك المسيح الدجال فيمكث فی الارض اربعين سنة ثم يتوفی فيصلی عليه المسلمون۔

(ابو داؤد، كتاب الملاحم، باب خروج الدجال، مسند احمد مرويات ابی هريرة)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اور ان (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور یہ کہ وہ اُترنے والے ہیں پس جب تم ان کو دیکھو تو پہچان لینا۔ ان کا قد درمیانہ، ان کی رنگت سُرخ و سپید، دو زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوں گے۔ ان کے سر کے بال ایسے ہوں گے گویا اب ان سے پانی ٹپکنے والا ہے حالانکہ وہ بھیگے ہوئے نہ ہوں گے۔ وہ اسلام پر لوگوں سے جنگ کریں گے۔ صلیب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ خنازیر کو مار ڈالیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے زمانہ میں اسلام کے بغیر تمام ملتوں کو ختم کر دے گا اور وہ مسیح دجال کو قتل کر دیں گے اور وہ زمین میں چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر وہ وفات پا جائیں گے اور مسلمان اُن کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔

۵۔ عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم...... فينزل عيسٰى بن مريم صلى الله عليه وسلم فيقول اميرهم تعال فصلّ فيقول لا ان بعضكم على بعض امراء تكرمة الله هذه الامّة۔

(مسلم، بيان نزول عيسٰى عليه السلام بن مريم، مسند احمد، مرويات جابر بن عبد الله)

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا: "عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم اُتریں گے مُسلمانوں کا امیر ان سے عرض کرے گا کہ حضور تشریف لائیے اور امامت فرمائیے۔ تو آپ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض دوسروں کے امیر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اُمّت کی تکریم کے طور پر ہے۔"

۶۔ عن النواس بن سمعان (فی قصة الدجال) فبينما هو كذلك اذ بعث الله مسيح بن مريم فينزل عند المنارة البيضاء شرقی دمشق بين مهرودتين واضعا كفيه على اجنحة ملكين اذا طاطا راسه قطر

حضرت نواس بن سمعان نے دجّال کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ اس اثنا میں اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم کو بھیج دے گا اور وہ دمشق کے مشرقی حصّہ میں سفید مینار کے پاس زرد رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے دو فرشتوں کے پروں پر اپنے ہاتھ رکھے

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿٤١﴾ وَ

خوب جاننے والا ہے ۔ اے ایمان والو! یاد کیا کرو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے اور

وإذا رفعه تحدر منه جمان كاللؤلؤ فلا يحل لكافر يجد ريح نفسه الا مات ونفسه ينتهي الى حيث ينتهي طرفه فيطلبه حتى يدركه بباب لدٍّ فيقتله
(مسلم، ذکر الدجال - ابو داؤد، کتاب الملاحم ترمذی، ابواب الفتن)

ہوئے اتریں گے۔ جب وہ سر جھکائیں گے تو یوں محسوس ہوگا کہ قطرے ٹپک رہے ہیں اور جب سر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح قطرے ڈھلکتے نظر آئیں گے۔ اُن کے سانس کی ہوا جس کافر تک پہنچے گی اور وہ ان کی حدِ نظر تک جائے گی، وہ زندہ نہ بچے گا۔ پھر ابنِ مریم دجال کا پیچھا کریں گے اور لُد کے دروازے پر اسے جا پکڑیں گے اور قتل کر دیں گے۔

آخر میں ایک اور حدیث سماعت فرمائیے:

عن ثوبان مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النبي صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتي احرزهما الله تعالى من النار عصابة تغزو الهند وعصابة تكون مع عيسى بن مريم عليه السلام۔ (نسائی: کتاب الجهاد مسند احمد، مرویات ثوبان)

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ثوبان سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا میری اُمت کے دو لشکر ایسے ہیں جن کو اللہ نے دوزخ کی آگ سے بچا لیا۔ ایک وہ لشکر جو ہندوستان پر حملہ کرے گا، دُوسرا وہ جو عیسیٰ بن مریم کے ساتھ ہوگا۔

آپ نے ان احادیث کا مطالعہ فرما لیا۔ ان میں مسیح موعود کا حلیہ، نام، والدہ کا نام، مقام اور وقتِ نزول، آپ کے کارہائے نمایاں سب کے سب مذکور ہیں۔ خدا کی شان ملاحظہ ہو کہ یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کا نام بھی عیسیٰ نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان اس نام کے موجود ہیں۔ اس کی والدہ کا نام بھی مریم نہیں، حالانکہ ہزاروں مسلمان عورتیں اس نام کی اب بھی ہیں اور خود قادیان میں اس نام کی کئی لڑکیاں ہوں گی۔ صلیب کو توڑنا، خنزیر کو قتل کر کے عیسائیت کو نیست و نابود کرنا تو کجا میاں جی ساری عمر عیسائی حکومت کے جھولی چُک بنے رہے اور اس کی خیرات پر پلتے رہے اور اس کی اسلام کش سرگرمیوں پر تعریف و توصیف کے قصیدے لکھتے رہے ساری دُنیا کو دارالاسلام بنا کر جزیہ ختم کرنا تو بڑی دُور کی بات، خدائے مصطفےٰ نے یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ قادیان کا خطہ پاکستان کا حصہ بنے۔ اب بھی جو لوگ انہیں مسیح موعود مانتے ہیں، ان کی نادانی قابلِ صد افسوس ہے۔

۲۷؎ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے محبوب کو اپنا رسول بنایا اور پھر اس کی ذاتِ پاک پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے ـــــ دنیا کے حالات ہزاروں پلٹے کھائیں۔ معاشی اور سیاسی میدانوں میں کتنے ہی انقلاب کیوں نہ برپا ہوں، ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں فلاحِ دارین کا راستہ دکھلانے کے لیے اب کسی دُوسرے نبی کی ضرورت نہیں، یوں نہیں ہے کہ سلسلہ نبوت بند کرنے کا فیصلہ کسی ایسی ہستی نے کیا ہو جو آنے والے حالات سے بے خبر ہے، مختلف قوموں اور ملکوں کی ضرورتوں سے ناواقف ہے بلکہ یہ فیصلہ اس ذاتِ والاصفات کا ہے جو کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے اور ان تمام امور سے بھی باخبر ہے جن پر عالمِ انسانیت

سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ

اس کی پاکی بیان کیا کرو صبح و شام ۔ اللہ وہ ہے جو رحمت نازل کرتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے بھی ؎ (تم پر نزول رحمت کی)

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾

دعا کرتے ہیں) تاکہ وہ نکال کر لے جائے تمہیں (طرح طرح کے) اندھیروں سے نور کی طرف ؎ اور وہ مومنوں پر ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰٓاَيُّهَا

انہیں یہ دعا دی جائے گی جس روز وہ اپنے رب کریم سے ملیں گے ہمیشہ سلامت رہو ؎ اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کیلئے عزت والا

کی فلاح و بقا کا انحصار ہے اس لیے اس کے فیصلے اٹل ہیں، وہ منسوخ نہیں ہو سکتے۔ ان میں کسی ترمیم کی قطعاً گنجائش نہیں۔

۵ے جس رب کریم نے تمہیں اپنے محبوب کی امت بننے کا شرف بخشا ہے اس کی اس نعمت عظمیٰ پر شکر ادا کرنے کے لیے کثرت سے اس کا ذکر کرو۔ تمہارے دن کا آغاز بھی اور اس کی انتہا بھی اس کی پاکی بیان کرنے میں ہو۔

۶ے اپنے بندے پر اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ بھیجنے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے سامنے اپنے مقبول بندے کی تعریف فرماتا ہے۔ (۲) اس پر اپنی رحمت نازل فرماتا ہے۔ اور فرشتوں کے صلوٰۃ بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ وہ اس کے لیے مغفرت اور بخشش کی التجائیں کرتے ہیں۔ چنانچہ امام بخاری سے مروی ہے: والصلوٰۃ من اللہ تعالیٰ علی العبد ثناؤہ علی العبد عند الملائکۃ حکاہ البخاری۔ وقال غیرہ الصلوٰۃ من اللہ عزوجل الرحمۃ واما الصلوٰۃ من الملائکۃ بمعنی الدعاء للناس والاستغفار کقولہ تعالیٰ الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا۔

۷ے اعتقاد کی کسی خرابی، عمل کی کسی کوتاہی یا غفلت اور سستی کے باعث وہ جس قسم کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں وہاں سے نکال کر ہدایت کی روشنی اور اجالے میں لے آتا ہے۔ یا حالت قبض کی وجہ سے ان کے سلوک میں اور کیفیات میں جو جمود اور کمی واقع ہوتی ہے اس سے نکال کر بسط کی کیفیت سے دوچار کر دیتا ہے۔ اس کی رحمت کا بادل اپنے بندوں پر ہمیشہ برستا ہی رہتا ہے۔

۸ے اس جملہ کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب اہل ایمان بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے اور شرف دیدار نصیب ہوگا تو ایک دوسرے کو السلام علیکم کے دلنواز کلمات سے امن و سلامتی کی نوید دیں گے۔ دوسرا مطلب یہ بتایا گیا ہے کہ جب نور خداوندی بے نقاب ہوگا۔ چشم شوق اور دل حسرت مند لذت دید سے لطف اندوز ہوں گے، تو محبوب حقیقی کی طرف سے دعا دی جائے گی۔ "سلام" یعنی سلامت رہو۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ﴿۴۵﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى

اے نبی مکرم! ہم نے بھیجا ہے آپ کو (سب سچائیوں کا) گواہ بنا کر وفہ اور خوشخبری سنانے والا ۵۰ اور بروقت ڈرانے والا اور دعوت دینے

حسن مے گفت کہ شنامے نہ پذیرد سحرم　　عشق مے گفت تب و تابِ دوامے دارم

کون کہتا ہے حسن کو عشق عزیز نہیں یا محبوب کو اپنے عاشقِ دلفگار کی پروا نہیں۔ یہاں جمالِ مطلق اور حسنِ کامل دعائیں دے رہا ہے عشق کی بے چینیو! اور بے تابیو! تم سلامت رہو! اے چشمِ شوق تو سدا بیدار ہے! اے دلِ دردمند تیرے ارمانوں کی خیر تیری تڑپ کی خیر!

عشق کو یہ پذیرائی حاصل تو ہوتی ہے لیکن امتحانوں کے کئی مرحلے ذوق و یقین سے طے کرنے کے بعد بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ حسن بے نقاب کی برملا دعائیں، تو اسی وقت سامع نواز ہوتی ہیں لیکن جب کوئی نیاز مند درد و سوز سے بے چین ہو کر سوئے منزل چل پڑتا ہے تو اسی وقت سے حسن کی نوازشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اسے بڑا خیال رہتا ہے کہ عاشقِ زار دل شکستہ نہ ہو جائے۔ بظاہر تغافل ہے حقیقت میں اس تغافل میں بھی توجہ کی کشش صاف معلوم ہوتی ہے جو مایوس نہیں ہونے دیتی۔ ہر لمحہ قدم قدم پر راہ نوردِ عشق کی رہبری کی جاتی ہے کہ کوئی راہ زن اس کی متاعِ شوق کو لوٹ نہ لے۔ یہ نوازشیں ہوتی ہیں تب ہی کوئی مسکین بے نوا ہجر کی طویل راتوں کو کاٹتا ہوا جدائی کے عریض صحراؤں کو طے کرتا ہوا سرِ نیاز قدمِ یار پر رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ میں اسی طرف ارشارہ ہے۔

سچ تو یہ ہے عشق بھی حسن کا فیض ہے۔ عشق کی بے تابیاں بھی حسن کی عطا ہیں۔ عاشق کے صبر و استقامت میں بھی اسکی دستگیری اور اس کی کرم فرمائی شامل ہوتی ہے۔ حریمِ ناز کے دروازے عشق نہیں کھولتا اور نہ کھول سکتا ہے بلکہ حسن کی دلنوازیاں آگے بڑھ کر اپنے آبلہ پا مہمانوں کا استقبال کرتی ہیں اور خود ہی ازراہِ بندہ پروری اپنے رخ سے نقاب الٹ دیتی ہیں۔ تب ہی وہ گھڑی آتی ہے جب کوئی خسرو یوں زمزمہ سنج ہوتا ہے۔

نخفت خسروِ مسکیں ازیں ہوس شبہا　　کہ بوسہ برکفِ پائت نہد بخواب رود

وفہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بڑے محبت بھرے انداز سے خطاب فرماتا ہے اور اس کے بعد ان جلیل القدر خطابات کا ذکر کرتا ہے جن سے اس نے اپنے محبوب کو سرفراز فرمایا۔ ان کے ذکر سے اگر ایک طرف اپنے پیارے رسول کی عزت افزائی مقصود ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی حوصلہ دیا جارہا ہے کہ تم ان طوفانوں سے نہ گھبراؤ۔ ان تند و تیز لہروں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ یہ منہ کھولے ہوئے گرداب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اس ملت کا سفینہ ہم نے کسی ایسے ملاح کے سپرد نہیں کیا جو کم ہمت، دوں حوصلہ، نا اہل اور ناتجربہ کار ہو۔ بلکہ اس کشتی کا ناخدا وہ نبی برحق ہے جس کو ہم نے ان صفاتِ جلیلہ سے متصف کیا ہے۔ تم صبر و استقامت سے اس کا دامنِ اطاعت مضبوطی سے پکڑے رہو۔ یقیناً تمہیں ساحلِ مراد تک رسائی نصیب ہوگی۔ ساتھ ہی دشمنانِ اسلام کی ان ناپاک آرزوؤں کو بھی خاک میں ملا دیا جو اپنی سازشوں اور حیلہ سازیوں سے حق کی اس شمع فروزاں

کو بجھانا چاہتے تھے۔

ارشاد فرمایا، اے میرے نبی! ہم نے تجھے شاہد بنایا ہے۔ شاہد کا معنی گواہ ہے اور گواہ کے لیے ضروری ہے کہ جس واقعہ کی وہ گواہی دے رہا ہے وہ وہاں موجود بھی ہو اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بھی۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے مفردات میں لکھا ہے:

الشهادة والشهود الحضور مع المشاهدة إما بالبصر او بالبصيرة یعنی شہادت وہ ہوتی ہے کہ انسان وہاں موجود بھی ہو اور وہ اسے دیکھے بھی خواہ آنکھوں کی بینائی سے یا بصیرت کے نور سے۔ یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ ہم نے تجھے شاہد بنایا لیکن جس چیز پر شاہد بنایا، اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی ایک چیز ذکر کر دی جاتی تو شہادتِ نبوت وہاں محصور ہو کر رہ جاتی۔ یہاں اس شہادت کو کسی ایک امر پر محصور کرنا مقصود نہیں بلکہ اس کی وسعت کا اظہار مطلوب ہے یعنی حضور گواہ ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی تمام صفات کمالیہ پر کیونکہ جب ایسی باکمال ہستی اور ہمہ صفت موصوف ہستی یہ گواہی دے رہی ہو کہ لا الٰہ الا اللہ تو کسی کو اس دعوت کے حق ہونے میں شک نہیں رہتا۔ دولت، حکومت، شخصی وجاہت، علم اور فضل و کمال یہ ایسے حجابات ہیں جن میں لوگ کھو جاتے ہیں اور اپنے خالق کریم کی ہستی سے غافل ہو جاتے ہیں حضور کی اس شہادت سے وہ سارے حجاب تار تار ہو گئے اور اس جلیل المرتبت نبی کی شہادتِ توحید کے بعد کوئی سلیم الطبع آدمی اس کو تسلیم کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرے گا۔ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسلام، اس کے عقائد، اس کے نظام عبادات و اخلاق اور اس کے سارے قوانین کی حقانیت کے بھی گواہ ہیں۔ اسی کے اتباع میں فلاح دارین کا راز مضمر ہے۔ اسی آئین کے نفاذ سے اس گلشن ہستی میں بہار جاوداں آسکتی ہے اور جب قیامت کے روز سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی دعوت کا انکار کر دیں گی کہ نہ ان کے پاس کوئی نبی آیا اور نہ کسی نے ان کو دعوتِ توحید دی اور نہ کسی نے انہیں گناہوں سے روکا۔ اس وقت بھرے مجمع میں اللہ تعالیٰ کا یہ رسول انبیاء کی صداقت کی گواہی دے گا کہ الٰہ العالمین! تیرے نبیوں نے تیرے احکام پہنچائے، اور تیری طرف بلانے میں انہوں نے کسی کوتاہی کا ثبوت نہیں دیا۔ یہ لوگ جو آج تیرے انبیاء کی دعوت کا سرے سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نبیوں پر پتھر برسائے۔ ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ انہیں جھٹلایا اور بعض نے تو تیرے نبیوں کو تختۂ دار پر کھینچ دیا۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ فلاں نے کیا کیا اور فلاں سے کیا غلطی سرزد ہوئی۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "شاهدًا على امتك" یعنی حضور اپنی امت پر گواہی دینگے اپنی اس تفسیر کی تائید میں انہوں نے یہ روایت پیش کی ہے: اخرج ابن المبارك عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الا ويُعرَض على النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم ولذلك يشهد عليهم (مظہری) یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ ہر روز صبح شام حضور کی امت حضور پر پیش کی جاتی ہے اور حضور ہر فرد کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں اسی لیے حضور ان پر گواہی دیں گے۔

علامہ ابن کثیر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فقوله تعالى: شاهدًا على الله بالوحدانية وانه لا إله غيره وعلى الناس باعمالهم يوم القيامة۔

یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی توحید کے گواہ ہیں کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اور قیامت کے روز لوگوں کے اعمال پر گواہی دیں گے۔

علامہ آلوسی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شاھدا علی من بعثت الیھم تراقب احوالھم و تشاھد اعمالھم و...... وتؤدیھا یوم القیامۃ اداء مقبولاً فی مالھم وما علیھم (روح المعانی) یعنی حضور گواہی دیں گے اپنی امت پر کیونکہ حضور ان کے احوال کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روز قیامت ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

آگے چل کر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان اللہ تعالیٰ قد اطلعہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی اعمال العباد فنظر الیھا ولذلک اطلق علیہ شاھدا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو بندوں کے اعمال پر آگاہ فرما دیا ہے اور حضور نے انہیں دیکھا ہے اس لیے حضور کو شاہد کہا گیا۔

اس قول کی تائید میں علامہ آلوسی نے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

در نظر بودش مقامات العباد   زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

کہ بندوں کے مقامات حضور کی نگاہ میں تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا اسم پاک شاہد رکھا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ موصوف فرماتے ہیں فتامل ولا تغفل کہ اس بیان کردہ حقیقت میں خوب غور و فکر کرو اور غفلت کا مظاہرہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس مقام پر جو حاشیہ لکھا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لکھتے ہیں: اور محشر میں بھی امت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ الغرض وہ تمام ابدی صداقتیں جنہیں انسان سمجھنے سے قاصر ہے عالم غیب کی وہ حقیقتیں جو عقل و خرد کی رسائی سے ماوراء ہیں ان سب کی سچائی کے آپ گواہ ہیں۔

ث: آنحضرت کا دوسرا لقب مبشر ہے۔ یعنی خوشخبری دینے والے۔ جو اس دین پر ایمان لائے گا، اس کے ارشادات پر عمل کرے گا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہوگا۔

علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: مبشراً لاھل الایمان والطاعۃ بالجنۃ ولاھل المحبۃ بالرؤیۃ کہ اہل ایمان اور اہل طاعت کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں اور اہل محبت کو دیدار محبوب کی۔

تیسرا لقب نذیر ہے۔ نذیر کا معنی ہے کسی شخص کو نافرمانی کے نتائج سے بروقت آگاہ کر دینا۔ یہ بھی حضور کی شان ہے۔

وداعیا الی اللہ باذنہ: یہ حضور کا چوتھا لقب ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور یہ کام کیونکہ بہت ہی کٹھن اور دشوار ہے۔ کوئی آدمی اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لیے بآسانی تیار نہیں ہوتا۔ خصوصاً مشرک جو کورانہ تقلید اور آباء پرستی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ جنہوں نے غور و فکر کے سارے دیئے گل کر دیئے تھے ان کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر نور حق کی طرف لے آنا از حد دشوار تھا۔ یہی حالت یہود اور دوسرے اہل کتاب کی تھی۔ اس لیے ساتھ ہی "باذنہ" کا کلمہ بڑھا دیا۔ یعنی اے محبوب! ہم نے اس دشوار کام کو آپ کے لیے آسان بنا دیا ہے۔ باذنہ ای بتسھیلہ وتیسیرہ تعالیٰ (روح المعانی) اور اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان گوناگوں خوبیوں

اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ

والا اللہ کی طرف اسکے اذن سے اور آفتاب روشن کرنیوالا ۴۶۔ اور آپ مژدہ سنا دیں مومنوں کو کہ ان کے لیے اللہ کی

اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ

جناب سے بڑا ہی فضل ہے ۴۷۔ اور نہ کہنا مانئے کافروں اور منافقوں کا اور پروا نہ کیجئے ان کی

اور لغزیدیوں سے مُتنبہ فرمایا گیا کروں خود بخود اس طلعتِ زیبا کی طرف کھچے چلے جاتے تھے۔ وہ لوگ جن میں حق پذیری کا ادنیٰ سا بھی ملکہ موجود تھا وہ اس شمعِ جمال پر پروانہ وار نثار ہوتے تھے اور دُنیا نے دیکھا کہ عرب کے اُجڈ اور سخت مزاج لوگ کس طرح اپنے بھرے بھرے اپنے آباد گھروں، قیمتی مال و متاع اور وطنِ عزیز کو چھوڑ کر در مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف کشاں کشاں جا رہے ہیں۔ ابھی چند روز پہلے خالد بن ولید نے میدانِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیا لیکن وہی فاتح خالد مکہ کا ادوان کہہ رہا ہے اور اپنے گلے میں غلامی کا قلادہ ڈال کر سرکار مدینہ کی حاضری کے لیے کوہ و دمن، دشت و صحرا کو چھوڑتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ یہ بھی داعیًا الی اللہ باذنہ کی شان کا ایک ظہور ہے۔

۴۶ فرمایا، اے محبوب! میں نے تجھے سراجاً منیراً بنا کر بھیجا ہے۔ ان دو لفظوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جن الطاف و عنایات کی بارش فرمائی ہے اس کی بیکرانیوں کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ آفتاب اور آفتاب بھی عالمتاب، روشن اور تابندہ روشن کر دوسروں کو بھی نُور و ضیا کا منبع و مصدر بنا دینے والا۔ اہلِ دل نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے میں فقط حضرت عارف باللہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی کا ایک جملہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں: انه صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کان بیانه داعیًا الی اللہ تعالیٰ وبقلبه وقالبه کان مثل السراج یتنور المومنون بانواره ویتنورون بانواره یعنی حضور زبانِ فیض ترجمان سے داعی تھے اور اپنے قلبِ مبارک اور قالبِ منور کی وجہ سے سراج منیر تھے۔ اہلِ ایمان اس آفتاب کے رنگوں میں رنگے جاتے ہیں اور اس کے انوار سے درخشاں و تاباں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار سے درخشاں راہِ حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۴۷ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے جو لطف و کرم اپنے حبیبِ کریم اور محبوبِ دلنواز صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرمایا، اس کا ذکر ہوا۔ اب اس ابرِ رحمت کا بیان ہو رہا ہے جو اُمّتِ مسلمہ پر برسایا جانے والا ہے۔ ارشاد ہے: اے میرے نبی! اپنے غلاموں کو بھی یہ بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ان پر بھی ہو گا اور وہ فضل و کرم قلیل اور محدود نہیں ہو گا بلکہ فضلاً کبیرًا ہو گا۔ آپ خود ہی غور فرمائیے کہ وہ ربّ العزت جس کے سامنے ساری دُنیا متاعِ قلیل ہے یعنی تھوڑا سا سامان، تو جس فضل کو وہ کبیر فرما رہا ہے اس کی وسعتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ یہ سب صدقہ ہے محبوبِ کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جن کی غلامی کے باعث ہمیں یہ شرف حاصل ہے۔ کاش! ہم اس غلامی کی قدر کو پہچانتے اور اس جمالِ جہاں افروز پر اپنی جان، اپنا دل اور ہوش و خرد قربان کرتے جو صحابہ کرام کا طریقہ

أَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اذیت رسانی کی اور بھروسہ کرو اللہ پر ۳؎ اور کافی ہے اللہ تعالیٰ (آپ کا) کارساز ۔ اے ایمان والو!

اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ

جب تم نکاح کرو مومن عورتوں سے پھر تم انہیں طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم انہیں

تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

ہاتھ لگاؤ پس تمہارے لیے ان پر عدت گزارنا ضروری نہیں جسے تم شمار کرو لہٰذا انہیں کچھ مال

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ

دے دو اور انہیں رخصت کر دو خوبصورتی سے ۴؎ اے نبی (مکرم)! ہم نے حلال کر دی ہیں آپ کے لیے آپ کی ازواج

الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ

جن کے مہر آپ نے ادا کر دیئے ہیں اور آپ کی کنیزیں جو اللہ نے بطور غنیمت آپ کو عطا کی ہیں ۵؎

تھا۔ تب ہمیں اس فضلِ کبیر کا صحیح احساس ہوتا۔

۳؎ اے محبوب! جب ہم نے آپ کو ان عظمتوں سے نوازا ہے تو آپ کو کفار و منافقین کا کہنا ماننے کی کیا ضرورت ہے آپ ان کی اذیت رسانیوں سے خائف کیوں ہوں۔ آپ انہیں پرکاہ کی وقعت بھی نہ دیں اور صاف صاف اعلان کر دیں کہ جو تکلیف اور اذیت وہ پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں۔ آپ کا پروردگار آپ کے ساتھ ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور آپ کے دین کی ترقی میں روڑا نہیں اٹکا سکتی۔

۴؎ یہاں شرعی حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر تم اپنی کسی ایسی منکوحہ کو طلاق دو جس سے تم نے خلوت صحیحہ نہیں کی تو اس مطلقہ کا عدت گزارنا لازمی نہیں۔ لیکن جب ان کو اپنی قید نکاح سے آزاد کرو تو بے مروتی کا ثبوت نہ دو۔ طلاق دے کر تم نے ان کا دل توڑا ہے۔ ان کی کچھ مالی اعانت کر دو، تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ اگر ایسی عورت کا مہر مقرر تھا تو نصف مہر ادا کرنا ضروری ہے۔ مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں ایک جوڑا کپڑوں کا دینا لازمی ہے۔

۵؎ اسلام نے مردوں کو بشرط عدل کے ساتھ چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ جس کی حکمتیں سورۂ نساء میں بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خاص حکمتوں کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو چار سے زیادہ ازدواج کی اجازت مرحمت

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ

اور آپ کے چچا کی بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی

الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

بیٹیاں جنہوں نے ہجرت کی آپ کے ساتھ اور مومن عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کردے۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ (اجازت) صرف آپ کے لیے ہے دوسرے مومنوں کے لیے نہیں۔ لہ

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ

ہمیں خوب علم ہے جو ہم نے مقرر کیا ہے مسلمانوں پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں

فرمائی۔ دشمنانِ اسلام نے اس بات کو بھی ہدفِ تنقید بنایا خصوصاً عیسائی پادریوں نے لیکن اگر نظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو یہاں بھی عجیب حکمت نظر آتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سب سے پہلے جس خاتون کو حضور نے شرفِ زوجیت بخشا ان کا اسمِ گرامی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ اس وقت حضور کا عنفوانِ شباب تھا۔ عمر مبارک پچیس سال تھی۔ حضرت خدیجہ دوبارہ بیوہ ہونے کے بعد اپنی چالیسویں سال میں تھیں لیکن ان کے ساتھ زوجیت کے تعلقات اتنے خوشگوار رہے کہ ان کے وصال تک حضور نے کسی دوسری کا کبھی خیال بھی نہیں فرمایا اور ان کے وصال کے بعد بھی اکثر ان کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے یہاں تک کہ حضرت عائشہ بھی رشک کرنے لگتیں۔ حضرت خدیجہ کے وصال کے بعد ایک سن رسیدہ خاتون حضرت سودہ بنت زمعہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہ سے عقد اگرچہ ہجرت سے پہلے ہو چکا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں جن کی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی تھی وہ اُحد میں شدید زخمی ہو گئے اور زخموں کی تاب نہ لا کر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ حضرت عمر بھی اس صاحبزادی کے مستقبل کے متعلق بڑے پریشان تھے۔ حضور کا انہیں شرفِ زوجیت بخشنا نہ صرف ان کی دلجوئی کا باعث ہوا بلکہ اس سے حضرت فاروق اعظم کی بہت بڑی پریشانی دور ہوئی۔ حضور کی جتنی شادیاں ہوئیں ان سے دین کی تبلیغ اور اس کی اشاعت میں بڑا فائدہ ہوا ان سے مقصود یا تو اپنے غلاموں کی دلجوئی تھی اور یا دشمن قبائل کے ساتھ محبت اور مودّت کے تعلقات قائم کرنے تھے۔ ان شادیوں میں سے کسی شادی کو عشرت کوشی کی علامت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لہ اس کا تعلق یا تو اِنْ وَّهَبَتْ کے ساتھ یعنی کوئی مومن عورت اپنے آپ کو بغیر مہر کے پیش خدمت کرے اور حضور اسے قبول فرمائیں تو اس کا مہر لازم کرنا ضروری نہیں۔ یہ حکم صرف حضور کے ساتھ مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے بغیر مہر کے نکاح جائز

لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ تُرْجِيْ

تاکہ آپ پر کسی قسم کی تنگی نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ (آپ کو اختیار ہے) دور

مَنْ تَشَاۗءُ مِنْهُنَّ وَتُـــْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاۗءُ ۭ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ

کردیں جس کو چاہیں اپنی ازواج سے اور اپنے پاس رکھیں جس کو آپ چاہیں۔ اور اگر آپ (دوبارہ) طلب کریں جو

مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ

آپ نے علیحدہ کردیا تھا تب بھی آپ پر کوئی مضائقہ نہیں۔ اس (رخصت) سے پوری توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی

وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور وہ آزردہ خاطر نہ ہوں گی اور سب کی سب خوش رہا کریں گی جو کچھ آپ انہیں عطا فرمائیں گے اور (اے لوگو!) اللہ تعالیٰ

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ۞ لَا يَحِلُّ لَكَ

جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا بردبار ہے۔ حلال نہیں آپ کے لیے

النِّسَاۗءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ

دوسری عورتیں اس کے بعد اور نہ اس کی اجازت ہے کہ آپ تبدیل کریں ان ازواج سے دوسری بیویاں

ہیں۔ لیکن اس رخصت کے باوجود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ایک کا اعزاز کیا۔ اور یا اس لفظ کا تعلق چار سے زیادہ شادیاں کرنے کی رخصت سے ہے یعنی یہ اجازت صرف حضور کو ہے اور کسی کو نہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کریں لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا کہ آپ پر کوئی پابندی نہیں لیکن اس کے باوجود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ ہر بیوی کے ساتھ مساویانہ اور عادلانہ سلوک فرماتے۔ اس رخصت کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ حضور کی طبع مبارک اتنی عادل اور انصاف پسند تھی کہ حکم نہ ہونے کی صورت میں بھی بے انصافی ممکن نہ تھی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ازواج طاہرات میں باہمی تنازع پیدا نہ ہو۔ چھوٹی چھوٹی بات کو بڑھا کر گھر کے سکون کو مکدر نہ کریں۔ اب جب حضور پر پابندی نہ رہی تو جس کو بھی حضور شرف بخشیں اور جتنا وقت شرف بخشیں اسی کو وہ غنیمت سمجھے گی اور کسی قسم کا مطالبہ کرکے یا جھگڑا کرکے خاطر عاطر کو مشوش نہ کرسکے گی۔ اسی چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت کے ان کلمات میں

أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ

اگرچہ آپ کو پسند آئے ان کا حسن۔ بجز کنیزوں کے ۸ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿٥٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ

پر نگران ہے۔ اے ایمان والو! نہ داخل ہوا کرو نبی کریم کے گھروں میں ۹ بجز اس

النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ

(صورت) کے کہ تم کو کھانے کے لیے آنے کی اجازت دی جائے (اور نہ) کھانا پکنے کا انتظار کیا کرو

إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ

لیکن جب تمہیں بلایا جائے، تو اندر چلے آؤ پس جب کھانا کھا چکو، تو فوراً منتشر ہو جاؤ اور نہ وہاں جا کر دل بہلانے

لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ ۖ وَاللَّهُ

کیلئے باتیں شروع کر دیا کرو، تمہاری یہ حرکتیں (دکھ) نبی کے لیے تکلیف کا باعث بنتی تھیں پس وہ تم سے حیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ

تفسیر زوادی: ذلک ادنیٰ ان تقر اعینھن۔

۸ جب اللہ تعالیٰ نے امہات المومنین کو اجازت دیدی کہ چاہے تو وہ اس فقر وفاقہ کے ساتھ اس کے رسول کی خدمت میں رہیں یا چاہیں تو الگ ہو جائیں۔ ان سب نے دنیا اور آسائش دنیا کو ٹھکرا کر کاشانۂ نبوت میں عسرت اور تنگی کی زندگی کو خوشی سے قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ ایثار بہت پسند آیا اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اب کسی اور کو شرف زوجیت نہ بخشا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور نے کسی دوسری آزاد عورت کے ساتھ نکاح نہیں فرمایا، البتہ کنیزوں کے متعلق رخصت بدستور باقی رکھی گئی۔

۹ یہاں مسلمانوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حجروں میں داخل ہونے یا نہ ہونے کے متعلق ہدایات دی جا رہی ہیں۔ فرمایا جب تک حضور اجازت نہ دیں تمہارا داخل ہونا قطعاً ممنوع ہے اور جب اجازت ملے تو داخل ہو سکتے ہو اور وہ بھی اتنے وقت کے لیے کہ کھانا کھاؤ اور اس کے بعد فوراً اٹھ کر چلے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگو اور حضور کو اس طرح تمہارے دیر تک بیٹھنے سے تکلیف پہنچے۔ حضور تو اپنے شرم کی وجہ سے تمہیں اٹھ کر چلے جانے کا حکم نہیں فرمائیں گے اور خاموش رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی باتوں پر خبردار کرنے سے حیا نہیں کرتا جن کا جاننا تمہارے لیے ضروری ہے۔ آیت میں غیر ناظرین انہ کا فقرہ توجہ طلب ہے۔ انی کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب قاموس لکھتے ہیں: انی الشیء یانی اینا وانا وانا فھو انی کغنی حان وادرک یعنی بلغ غایتہ او

لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ کسی کا شرم نہیں کرتا حق بیان کرنے میں۔ اور جب تم مانگو ان سے کوئی چیز تو مانگو

وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۚ وَمَا كَانَ لَكُمْ

پس پردہ ہو کر ۹۰ یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے تمہارے دلوں کے لیے نیز ان کے دلوں کے لیے ۹۱ اور تمہیں یہ

أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ

زیب نہیں دیتا کہ تم اذیت پہنچاؤ اللہ کے رسول کو ۹۲ اور تمہیں اس کی بھی اجازت نہیں کہ تم نکاح کرو ان کی ازواج سے ان کے بعد کبھی ۹۳

إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿٥٣﴾ إِنْ تُبْدُوا شَيْئًا أَوْ تُخْفُوهُ

بے شک ایسا کرنا اللہ کے نزدیک گناہ عظیم ہے۔ چاہے تم کسی بات کو ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ

فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥٤﴾ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب آگاہ ہے۔ کوئی حرج نہیں ان پر اگر ان کے ہاں آئیں ان کے باپ

نضجہ یعنی کھانے کے پک کر تیار ہو جانے کو انی کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی حجرہ شریفہ سے دھواں اٹھتا دیکھتے تو باہر آکر اس انتظار میں بیٹھ رہتے کہ ابھی کھانا تیار ہوگا اور ہمیں بھی کھانے کی دعوت دی جائیگی۔ بن بلائے مہمان بننے کی ممانعت کی جا رہی ہے۔

۹۰ یہاں دوسرا ادب سکھایا جا رہا ہے کہ تمہیں حضور کے اہل خانہ سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر مانگو۔ اندر گھس آنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ۹۱ یہ طریقہ کار تمہارے لیے اور امہات المومنین کے لیے قلب کی پاکیزگی کا باعث ہے۔

یہاں اس تساہل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو کبھی استاد کی اہل خانہ اپنے شاگردوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں سمجھتیں۔ اس آیت نے تنبیہ فرما دی کہ جب مسلمانوں کی ازواج طاہرات کے ہاں گھس آنے کی اجازت نہیں تو اور کون ہے جو اس رخصت کا مستحق ہو۔ شیطان کسی کے بھی دل میں فاسد خیال پیدا کر سکتا ہے۔ پردے کا حکم جو تمہیں دیا گیا ہے اس میں ہرگز تساہل نہ کرو بلکہ سختی سے اس پر عمل کرو۔

۹۲ ارشاد فرمایا کہ تمہیں کسی ایسے کام کے کرنے کی اجازت نہیں جس سے میرے رسول کو تکلیف پہنچے۔ تمہارا فرض ہے کہ ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گرانی طبع کا سبب بن سکتا ہو۔

۹۳ یہاں ایک اور حکم بیان فرمایا کہ حضور کے وصال کے بعد حضور کی ازواج مطہرات سے کسی کو نکاح کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ تمہاری مائیں ہیں اور تم پر قطعاً حرام ہیں۔ تم اس چیز کو معمولی بات مت خیال کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت ہی بڑا جرم ہے کبیرہ گناہ ہے۔

وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ

ان کے بیٹے ‏ ان کے بھائی ‏ ان کے بھتیجے ‏ اور ان کے

اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۚ

بھانجے ‏ اسی طرح مسلمان عورتوں اور لونڈیوں کی آمد و رفت پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ ڈرتے رہو عورتو، ڈرا کرو اللہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ

(کی نافرمانی) سے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ ٩٤ بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے

يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا

درود بھیجتے ہیں اس نبی مکرم پر ٩٥ اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجا کرو اور (بڑے ادب و محبت سے) سلام عرض کیا

٩٤ اس آیت میں ان رشتوں کا ذکر کیا گیا جو محرم ہیں اور جن سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

٩٥ اسلام کو مٹانے کے لیے کفر کے سارے حربے ناکام ہو چکے تھے۔ مکہ کے بے بس مسلمانوں پر انھوں نے مظالم کے پہاڑ توڑ لیکن ان کے جذبۂ ایمان کو کم نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنے وطن، گھر بار، اہل و عیال کو خوشی سے چھوڑنا گوارا کیا لیکن دامنِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو مضبوطی سے پکڑے رہے۔ کفار نے بڑے کروفر اور لشکر و طمطراق کے ساتھ مدینہ طیبہ پر بار بار یورش کی لیکن انھیں ہر بار ان مٹھی بھر اہلِ ایمان سے شکست کھا کر واپس آنا پڑا۔ اب انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ اقدس و اطہر پر طرح طرح کے بیجا الزامات تراشنے شروع کر دیئے تاکہ لوگ رشد و ہدایت کی اس نورانی شمع سے نفرت کرنے لگیں اور یوں اسلام کی ترقی رک جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر ان کی ان امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔ بتایا کہ یہ میرا حبیب اور میرا پیارا رسول وہ ہے جس کی وصف و ثنا میں اپنی زبانِ قدرت سے کرتا ہوں اور میرے سارے ان گنت فرشتے اپنی نورانی اور پاکیزہ زبانوں سے اس کی جناب میں ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہیں۔ تم چند لوگ اگر اس کی شانِ عالی میں ہرزہ سرائی کرتے ہو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ جس طرح تمہارے پہلے منصوبے خاک میں مل گئے اور تمہاری کوششیں ناکام ہو گئیں اسی طرح اس ناپاک مہم میں بھی تم خائب و خاسر ہو گے۔

اس آیت کریمہ کی جلالتِ شان کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کے لیے پہلے اس کے کلمات طیبات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آیت کریمہ میں فعل صلوٰۃ (درود) کے تین فاعل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ (۲) فرشتے (۳) اہلِ اسلام

جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی بھری محفل میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و ثنا کرتا ہے۔ فہی منہ عزوجل ثناءہ علیہ عند الملائکۃ و تعظیمہ۔ رواہ البخاری عن ابی العالیہ۔

علامہ آلوسی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وتعظیمه تعالیٰ ایاہ فی الدنیا باعلاء ذکرہ واظہار دینه وابقاء العمل بشریعته وفی الآخرۃ بتشفیعه فی امته واجزال اجرہ ومثوبته وابداء فضله للاولین والآخرین بالمقام المحمود وتقدیمه علی کافة المقربین بالشہود (ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے درود بھیجنے کا یہ مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ذکر کو بلند کر کے اس کے دین کو غلبہ دے کر اور اس کی شریعت پر عمل برقرار رکھ کے اس دنیا میں حضور کی عزت و شان بڑھاتا ہے اور روز محشر امت کے لیے حضور کی شفاعت قبول فرما کر اور حضور کو بہترین اجر و ثواب عطا کر کے اور مقام محمود پر فائز کرنے کے بعد اولین اور آخرین کے لیے حضور کی بزرگی کو نمایاں کر کے اور تمام مقربین پر حضور کو سبقت بخش کر حضور کی شان کو آشکارا فرماتا ہے۔

اور جب اس کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو صلوٰۃ کا معنی دعا ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے پیارے رسول کے درجات کی بلندی اور مقامات کی رفعت کے لیے دست بدعا ہیں۔ اس جملہ میں ان اللہ وملئکته الخ میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جملہ اسمیہ ہے لیکن اس کی خبر جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہاں دونوں جملے جمع کر دیے گئے ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ جملہ اسمیہ استمرار اور دوام پر دلالت کرتا ہے اور فعلیہ تجدد و حدوث کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہر دم، ہر گھڑی اپنے نبی مکرم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور آپ کی شان بیان فرماتا ہے۔ اسی طرح اس کے فرشتے بھی اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ جامی نے کیا خوب لکھا ہے: ؎ شکنے زلف در رخسار تو اے ماہ ملائک ورد صبح و شام کردند

جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے پر ہمیشہ اپنی برکتیں نازل فرماتا رہتا ہے اور اس کے فرشتے اس کی ثنا گستری میں زمزمہ سنج رہتے ہیں اور اس کی رفعت شان کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں تو اے اہل ایمان تم بھی میرے محبوب کی رفعت شان کے لیے دعا مانگا کرو۔ علامہ ابن منظور صلوٰۃ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب مومن بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے: اللّٰھم صل علی سیدنا محمد معناہ عظمه فی الدنیا باعلاء ذکرہ واظہار دعوته وابقاء شریعته وفی الآخرۃ بتشفیعه فی امته وتضعیف اجرہ ومثوبته (یعنی اے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذکر کو بلند فرما، اس کے دین کو غلبہ دے اور اس کی شریعت کو باقی رکھ کر اس دنیا میں ان کی شان بلند فرما اور روز محشر ان کی شفاعت قبول فرما۔ اجر و ثواب کو کئی گنا کر دے۔

اگرچہ صلوٰۃ بھیجنے کا ہمیں حکم دیا جا رہا ہے لیکن ہم نہ شان رسالت کو کما حقہ جانتے ہیں اور نہ اس کا حق ادا کر سکتے ہیں اس لیے اعتراف عجز کرتے ہوئے ہم عرض کرتے ہیں: اللّٰھم صل الخ۔ یعنی مولا کریم تو ہی اپنے محبوب کی شان کو اور قدر و منزلت کو صحیح طور پر جانتا ہے اس لیے تو ہی ہماری طرف سے اپنے حبیب پر درود بھیج جو اس کی شان کے شایاں ہے۔ وقیل المعنی لما امرنا اللہ تعالیٰ سبحانه بالصلوٰۃ علیه ولم نبلغ قدر الواجب من ذلک احلنا علی اللہ وقلنا اللّٰھم صل انت علی محمد لانک اعلم بما یلیق به (لسان العرب)

اس آیت میں ہمیں بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور احادیث کثیرہ صحیحہ میں بھی درود شریف کی شان بیان فرمائی گئی ہے۔ چند احادیث تبرکاً ذکر کر دیتا ہوں تاکہ آپ کے دل میں بھی اپنے رسول مکرم، ہادی اعظم، مرشد اکمل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا شوق پیدا ہو۔

(۱) عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لحاجۃ فلم یجد احداً یتبعہ ففزع عمر واتاہ بمطھرۃ من خلفہ فوجد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساجداً فی مشربۃ فتنحی عنہ من خلفہ حتی رفع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأسہ فقال احسنت یا عمر حین وجدتنی ساجداً فتنحیت عنی ان جبریل اتانی فقال من صلی علیک من امتک واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشر صلوات ورفعہ عشر درجات۔

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ حضور کے ساتھ کوئی اور آدمی نہیں تھا۔ حضرت عمر نے پانی سے بھرا ہوا لوٹا لیا اور پیچھے چل دیئے۔ جب آپ پاس آئے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک وادی میں سربسجود پایا اور چپکے سے ایک طرف ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ حضور نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا اے عمر! تم نے بہت اچھا کیا کہ جب مجھے سربسجود دیکھا تو ایک طرف ہٹ کر بیٹھ گیا۔ جبرئیل میرے پاس آئے اور انہوں نے آکر یہ بتایا کہ جو امتی آپ پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور اس کے دس درجے بلند کرے گا۔

(۲) عن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جاء ذات یوم والسرور یری فی وجھہ فقالوا یا رسول اللہ! انا لنری السرور فی وجھک فقال انہ اتانی الملک فقال یا محمد اما یرضیک ان ربک عز وجل یقول انہ لا یصلی علیک احد من امتک الا صلیت علیہ عشراً ولا یسلم علیک احد من امتک الا سلمت علیہ عشراً قلت بلی۔ (ترجمہ) ایک دن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے کہ رخِ انور پر خوشی اور مسرت کے آثار نمایاں تھے۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آج تو چہرہ مبارک خوشی سے تاباں ہے۔ فرمایا میرے پاس فرشتہ آیا ہے اور اس نے آکر کہا کہ اے سراپا حسن وخوبی! کیا آپ اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ آپکے رب نے فرمایا ہے کہ آپکا جو امتی آپ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا اور آپکا جو امتی آپ پر ایک بار سلام پڑھے گا اللہ تعالیٰ دس بار اس پر سلام بھیجے گا۔ میں نے جواب دیا ہے کہ میں اپنے مولا کریم کی اس نوازش پر از حد خوش ہوں۔

(۳) عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ذکرت عندہ فلیصل علی ومن صلی علی مرۃ واحدۃ صلی اللہ تعالیٰ علیہ عشراً۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اس پر لازم ہے کہ وہ مجھ پر درود پڑھے اور جو شخص ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود پڑھے گا۔

(۴) عن عبد اللہ بن علی بن الحسین عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال البخیل من ذکرت عندہ ثم لم یصل علی۔ حضرت عبد اللہ حضرت زین العابدین کے فرزند نے اپنے والد بزرگوار سے انہوں نے اپنے والد گرامی سیدنا امام حسین سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے پھر وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

(۵) عن طفیل بن ابی بن کعب عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا ذھب ثلثا اللیل قام وقال یا ایھا الناس اذکروا اللہ۔ اذکروا اللہ۔ جاءت الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ۔ جاء الموت بما فیہ۔ جاء الموت بما فیہ۔ قال ابی قلت

یا رسول اللہ انی اکثر الصلاۃ علیک فکم اجعل لک من صلاتی قال ما شئت قلت الربع قال ما شئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالنصف قال ما شئت وان زدت فھو خیر لک قلت فالثلثین قال ما شئت وان زدت فھو خیر لک قلت اجعل لک صلاتی کلھا قال اذاً تکفی ھمک ویغفر لک ذنبک۔

ابی بن کعب کے فرزند طفیل اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جب رات کے دو حصے گزر جاتے تو حضور اُٹھ کھڑے ہوتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ ہلا دینے والی آگئی۔ اس کے پیچھے اور آنے والی ہے۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی۔ موت اپنی تلخیوں کے ساتھ آپہنچی۔ میرے باپ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں حضور پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں ارشاد فرمایئے کہ میں کس قدر پڑھا کروں۔ فرمایا: جتنا دل چاہے۔ میں نے عرض کیا وقت کا چوتھائی حصہ۔ فرمایا جتنا تیرا جی چاہے اور اگر اس سے زیادہ پڑھے تو تیرے لیے بہتر ہے۔ عرض کی نصف وقت۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے اور اگر زیادہ کرے تو بہتر ہے۔ میں نے عرض کی دو تہائی۔ فرمایا: جتنا تیرا جی چاہے۔ اگر زیادہ کرے تو افضل ہے۔ میں نے عرض کی میں اپنا سارا وقت حضور پر درود شریف پڑھتا رہوں گا۔ فرمایا:

" تب یہ درود تیرے رنج والم کو دُور کرنے کے لیے کافی ہے اور تیرے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔"

عن الطفیل بن ابی عن ابیہ قال قال رجل یا رسول اللہ۔ ارأیت ان جعلت صلاتی کلھا علیک قال اذاً یکفیک اللہ ما اھمک من دنیاک وآخرتک۔ طفیل کہتے ہیں میرے والد نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں اگر اپنا تمام وقت حضور پر درود پڑھنے میں صرف کر دوں۔ حضور نے فرمایا: تب اللہ تعالیٰ تیری دُنیا و آخرت کی مشکلیں آسان کر دے گا۔

آیت طیبہ اور ان احادیث مبارکہ سے درود شریف کی برکتیں اور فضیلتیں معلوم ہو گئیں۔ ایسا کم فہم اور نادان کون ہو گا جو محرومی کے اس خزانے سے اپنی جھولی بھرنے کی کوشش نہ کرے لیکن بعض اوقات اور بعض مقامات ایسے ہیں جہاں درود شریف پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے اور وہاں پڑھنے کی خصوصی تاکید کی گئی ہے۔ ان میں سے بھی چند اہم مقامات اور اوقات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ہر محفل اور مجلس میں درود شریف پڑھنے کی ہدایت عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما جلس قوم مجلسا ولم یذکروا اللہ فیہ ولم یصلوا علی نبیھم الا کان علیھم ترۃ یوم القیامۃ وان شاء عذبھم وان شاء غفر لھم۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا جب لوگ کسی مجلس میں بیٹھتے ہیں اور اس میں نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور نہ اس کے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے وبال ہو گی چاہے تو ان کو عذاب دے اور چاہے تو ان کو بخش دے۔

ہر محفل کے اختتام کے وقت حضرت ابو سعید سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا جب لوگ بیٹھتے ہیں اور پھر کھڑے ہوتے ہیں اور حضور پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن وہ مجلس ان کے لیے باعث حسرت ہو گی اگر وہ جنت میں داخل ہو بھی جائیں تو ثواب سے محرومی کے باعث انہیں ندامت ہو گی۔

اذان کے بعد: حضرت عبد اللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جب مؤذن کو تم اذان دیتے ہوئے سنو تو وہی کلمے

دہراؤ جو وہ کہہ رہا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ درود پڑھتا ہے۔ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علی فانہ من صلی علی صلی اللہ علیہ بہا عشرا۔ الخ

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت حضرت عبداللہ بن حسن اپنی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت حسین رضی اللہ عنہا اپنی دادی صاحبہ حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل المسجد صلی علی محمد وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک واذا خرج صلی علی محمد وسلم ثم قال اللھم اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب فضلک۔

دُعا کرتے وقت: حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے کہ دُعائیں جب تک درود پاک نہ پڑھا جائے وہ قبول نہیں ہوتی اور زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتی ہے۔

نماز کے بعد دُعا سے پہلے حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صدیق اور حضرت فاروق اعظم تشریف فرما تھے جب میں نماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تو پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کی پھر میں نے درود پاک پڑھا پھر اپنے لیے دُعا مانگنے لگا تو حضور نے فرمایا اب مانگ! تجھے دیا جائے گا۔

عن عبد اللہ قال کنت اصلی والنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وابوبکر وعمر معہ فلما جلست بدأت بالثناء علی اللہ تعالیٰ ثم بالصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سل تعطہ

امام ترمذی اپنی سنن میں نقل کرتے ہیں:

بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قاعد اذ دخل رجل فصلی فقال اللھم اغفرلی وارحمنی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجلت ایھا المصلی اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ قال ثم صلی رجل آخر بعد ذلک فحمد اللہ وصلی علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایھا المصلی ادع تجب (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور دُعا مانگی یا اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے نمازی تو نے بڑی جلدبازی سے کام لیا ہے جب نماز پڑھ چکو تو بیٹھو اللہ کی حمد و ثنا کرو اور مجھ پر درود پڑھو پھر دُعا مانگو۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد و ثنا کی پھر حضور پر درود پڑھا۔ حضور نے فرمایا "اے نمازی اب دُعا مانگ قبول ہوگی"۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہم اہل سنت نماز کے بعد جو ذکر اور درود شریف پڑھتے ہیں۔ یہ سنت ہے اور قبولیت دُعا کا باعث ہے۔ نیز اس سے باآواز بلند ذکر اور درود شریف پڑھنا ثابت ہوا۔ ۱۲

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم مبارک لیا جائے تو درود شریف پڑھے۔ جب نام گرامی لکھے تو ساتھ ہی پلک لکھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ خلف نے بیان کیا کہ ان کا ایک دوست حدیث کا طالب علم تھا وہ فوت ہو گیا میں نے اسے خواب میں دیکھا کہ سبز پوشاک پہنے خوش و خرم گھوم رہا ہے۔ میں نے کہا کہ تم تو وہی میرے ہم مکتب نہیں ہو؟ اس نے کہا ہاں

تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي

کرو۔ بیشک جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿٥٧﴾ وَالَّذِينَ

ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے رسوا کن عذاب ۹۷ اور جو لوگ دل

يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا

دکھاتے ہیں مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کا بغیر اس کے کہ انہوں نے کوئی عیب کا کام کیا ہو تو انہوں نے اٹھایا

بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ

(اپنے سر پر) بہتان باندھنے اور کھلے گناہ کا بوجھ ۹۸ اے نبی مکرم! آپ فرمائیے اپنی ازواج مطہرات کو اپنی صاحبزادیوں کو

میں رکی ہوئی ہوں۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ اس نے کہا میری یہ عادت تھی کہ جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی لکھتا وہاں درود شریف بھی لکھتا۔ فکافانی ربی عزوجل الذی تری علی۔ یہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے میرے رب نے مجھے اس عمل کا بدلہ دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حکم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت امام شافعی کو دیکھا۔ پوچھا فرمائیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آپ نے فرمایا: رحمنی وغفرلی وزفنی الی الجنۃ کما تزف العروس ونثر علی کما ینثر علی العروس۔ میرے رب نے مجھ پر رحم فرمایا۔ مجھے بخش دیا۔ مجھے دلہن کی طرح آراستہ کر کے جنت میں بھیجا گیا اور مجھ پر جنت کے پھول نچھاور کیے گئے جس طرح دلہن پر درہم و دینار نچھاور کیے جاتے ہیں۔ میں نے اس عزت افزائی کی وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ اپنی کتاب "الرسالہ" میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر میں نے جو درود لکھا ہے اس کا یہ اجر ہے۔ عبداللہ بن حکم کہتے ہیں میں نے امام سے پوچھا۔ وہ خاص درود شریف کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ میں نے وہاں یہ درود شریف لکھا ہے: وصلی اللہ علی محمد عدد ما ذکرہ الذاکرون وعدد ما غفل عن ذکرہ الغافلون۔

میں بیدار ہوا تو کتاب الرسالہ کو کھولا تو وہاں بعینہٖ اسی طرح درود شریف لکھا ہوا تھا۔

۹۷ سابقہ آیت میں اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو پیہم رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اس کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں ان لوگوں کی بدبختی اور بدنصیبی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کو اپنی بداعمالیوں یا نازیبا اقوال سے اذیت پہنچاتے ہیں۔

۹۸ ساتھ ہی ان لوگوں کو سرزنش کر دی جا رہی ہے جو اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی قصور کے ستایا کرتے ہیں۔ کبھی ان پر جھوٹی تہمتیں لگاتے ہیں، کبھی راہ چلتے ان کی بے عزتی کر دیتے ہیں، کبھی انہیں زدوکوب کرتے ہیں۔ وہ سن لیں کہ وہ بہتان تراشی اور کھلے گناہ کا بوجھ اپنے اوپر

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ

اور مجملہ اہل ایمان کی عورتوں کو کہ (جب وہ باہر نکلیں تو) ڈال لیا کریں اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو ۹۵؎ اس طرح

لاد دیے ہیں۔ جب عام مسلمانوں کی دل آزاری کا یہ حکم ہے تو جو بدنصیب ازواج مطہرات، آل پاک اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جناب میں گستاخیاں کرتا ہے اور ان کے دلوں کو دکھاتا ہے اس کا انجام کیا ہوگا۔ یہاں ایک حدیث پاک سماعت فرمائیے:

عن عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اللہ فی اصحابی اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن آذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔

ترجمہ: اللہ کے رسول نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے تو وہ مجھ سے بغض کے باعث ایسا کرتا ہے جس نے انہیں اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی اور جو ایسا کرتا ہے اسے پکڑ لیا جاتا ہے۔ (مظہری)

۹۵؎ تمام جاہلی تہذیبوں میں خواہ شرقی ہوں یا غربی، قدیم ہوں یا جدید عورت کو ایک کھلونا ہی سمجھا گیا اور سمجھا جاتا ہے جس کا تعاقب کرنے میں ذرا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ جب تک عورت اپنے حقوق سے بے خبر اور محروم تھی اس وقت تک اسکا استحصال رقص و سرود کی زینت بنتے پیکر کیا جاتا رہا۔ اور جب اسے اپنے حقوق سے آگاہی ہوئی تو ان شکاریوں نے اس کو پھانسنے کیلئے نیا جال بچھا دیا۔ انہوں نے اپنا سارا فلسفہ اور زور قلم اس کو یہ باور کرانے میں صرف کر دیا کہ اب تو آزاد ہے۔ تجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ تو بن سنور کر سات سنگھار کر کے گھر سے نکلے اس کے بعد تیرا جی چاہے تو بازاروں اور شاہراہوں پر محو خرام رہے، چاہے کسی قہوہ خانے کی آرائش میں اضافہ کرے، چاہے کسی نائٹ کلب میں یا بزم عیش و طرب میں اپنے حسن کی نمائش کرے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ تیری اس آزادی میں روڑا اٹکائے۔

اللہ تعالیٰ جس طرح مردوں کا خالق ہے اسی طرح عورتیں بھی اس کی مخلوق ہیں، وہ دونوں سے پیار کرتا ہے اور اسے دونوں کی خیر خواہی مطلوب ہے۔ وہ جس طرح مردوں کو آبرو مندانہ اور با وقار زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح وہ عورت کو بھی عفت عصمت اور شرم و حیا کا پیکر بن کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں یہود و مشرکین کی کافی تعداد تھی جن کے اوباش زر جو شرم و حیا کی قدروں سے نا واقف اور فسق و فجور کے دلدادہ تھے۔ ان کی دوسری کمینہ حرکات کے علاوہ ایک رذیل عادت یہ بھی تھی کہ جب عورتیں اپنے گھروں سے کسی ضروری کام کے لیے نکلتیں تو وہ ان کا دور تک تعاقب کرتے۔ خصوصاً شام کے دھندلکے میں جب مستورات قضائے حاجت کے لیے باہر جاتیں تو راستوں پر تنگ جگہوں پر درختوں کی اوٹ میں کھڑے ہو جاتے اور جب کوئی عورت ادھر آ نکلتی تو اس کو پھانسنے کی کوشش کرتے۔ یہاں کچھ عام دستور تھا اسکو زیادہ معیوب بھی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان کے بڑے بوڑھے بھی ایسی حرکتوں کو جوانی کی مستیاں کہہ کر ٹال مٹول کر دیتے

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یثرب کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف کیا اور مسلمان خواتین کو بھی حوائج ضروری کاموں کے لیے گھر سے نکلنا پڑتا تو وہ اوباش بھی رذیل حرکتیں کرتے۔ اگر انہیں پکڑا جاتا تو وہ کہتے ہم پہچان نہیں سکے کہ یہ مسلم خاتون ہے ورنہ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم ایسا کرتے۔ چنانچہ مسلمانوں نے اپنی اس تکلیف کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اے نبی مکرم! آپ اپنی ازواج مطہرات، اپنی دختران پاک نہاد اور ساری مسلمان عورتوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو ایک بڑی چادر سے اپنے آپ کو اچھی طرح لپیٹ لیا کریں پھر اس کا ایک پلو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ مسلمان خاتون ہے۔ اس طرح کسی بدباطن کو تمہیں ستانے کی جرأت نہ ہوگی۔

جلابیب جمع ہے اس کا واحد جلباب ہے اور جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ انما الثوب الذی یستر جمیع البدن۔ علامہ زمخشری یدنین کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یرخینها علیهن ویغطین بها وجوههن و اعطافهن۔ یعنی اپنی چادروں کو اپنے اوپر ڈال لیں اپنے چہروں اور کندھوں کو چادر سے چھپالیں۔ علامہ زمخشری کے اس قول سے معلوم ہو گیا کہ لغوی طور پر یدنین علیهن کا یہ مفہوم ہے کہ چادر کو اپنے اوپر اس طرح ڈالا جائے کہ سارا جسم ڈھک جائے کندھے اور چہرہ بھی برہنہ نہ رہے۔ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں کہ ہمارے ہاں اندلس میں مسلمان خواتین اس طرح پردہ کرتی ہیں کہ سارا چہرہ چھپا ہوا ہوتا ہے صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ وکذا عادة بلاد الاندلس لا یظهر من المرأة الا عینها الواحدة (بحر)

پردہ کے احکام بالتفصیل آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہیں۔ یہاں بھی واضح طور پر اُمّہات المومنین اور دختران رسالتماب کو تصریحاً اور تمام مسلمان عورتوں کو عموماً حکم دے دیا گیا کہ وہ باہر نکلیں تو بڑے وقار اور بڑے دستانہ طریقہ سے نکلیں، ایک بڑی چادر سے اپنے سارے جسم اور سارے چہرہ کو ڈھانکا ہوا ہو۔ آج ہمارے معاشرے کا جو حال ہے اور نوجوان عورتوں نے جس طرح شرم و حیا کی چادر کو اتار کر پھینک دیا ہے جتنے نیم عریاں لباس پہن کر جس طرح وہ بن سنور کر بازاروں میں پھرتی اور عام محفلوں میں شرکت کرتی ہیں انہیں دیکھ کر کون یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ دختران اسلام ہیں۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں بنو تمیم قبیلہ کی چند عورتیں حاضر ہوئیں۔ انہوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا انہیں دیکھ کر ام المومنین نے فرمایا: ان کنتن مومنات فلیس هذا بلباس المومنات وان کنتن غیر مومنات فتمتعن (قرطبی) یعنی اگر تم مومن عورتیں ہو تو سن لو کہ یہ لباس مومن خواتین کا نہیں ہوتا اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ آقائے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی نہ بھولیے: نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات رؤسهن مثل اسنمة البخت لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها۔ یعنی کئی عورتیں جنہوں نے لباس پہنا ہوا ہوگا لیکن وہ ننگی ہوں گی ہیں مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور جھکاتی ہیں ان کے سر اس طرح ہیں جس طرح بختی نسل کے اونٹوں کی کوہان ہیں یہ جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ انہیں اس کی ہوا لگے گی۔

اب آپ دیکھیے کہ ہماری فیشن پرست لڑکیاں جو لباس پہنتی ہیں کیا وہ اس لباس کے باوجود ننگی نہیں ہوتیں۔ وہ کس طرح مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور سروں پر جو انہوں نے مصنوعی جوڑے (Wig) رکھے ہوتے ہیں کیا وہ اونٹ کی کوہان کی طرح نظر نہیں آتے۔ وہ اپنا انجام دیکھ لیں۔ حضور نے اپنے نور نبوت سے چودہ سو سال پہلے ہی آج کی مغربی تہذیب کی دلدادہ عورت کی کس طرح نشاندہی فرمادی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں شرم و حیا عطا فرمائے۔

اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

وہ بآسانی پہچان لی جائیں گی پھر انہیں ستایا نہیں جائے گا ؏ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہر دم رحم فرمانے والا ہے ؏

یہاں حضور کی صاحبزادیوں کا جب ذکر آیا تو قرآن نے بنت ایک صاحبزادی نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال کیا جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور کی ایک صاحبزادی نہ تھی بلکہ متعدد صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ کی معتبر کتابوں میں بھی اس بات کی تصریح ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں یہاں خفظ دو حوالے پیش کرتا ہوں۔ اصول کافی جو اس فرقہ کی معتبر ترین کتاب ہے اس میں لکھتے ہیں:

وتزوج خديجة وهو ابن بضع وعشرين سنة فولد له منها قبل مبعثه عليه السلام القاسم ورقية و زينب و ام كلثوم وولد له بعد المبعث الطيب والطاهر وفاطمة عليها السلام۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہؓ سے شادی کی جب کہ حضور کی عمر مبارک پچیس سال کے قریب تھی اور حضرت خدیجہ کے بطن سے حضور کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب اور امّ کلثوم اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام پیدا ہوئیں۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران)

ان کی دوسری کتاب حیات القلوب میں علامہ مجلسی رقمطراز ہیں:

" در قرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادق روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم از خدیجہ متولد شدند طاہر و قاسم و فاطمہ و امّ کلثوم و رقیہ و زینب۔ (حیات القلوب ص ۷۱۸)

ترجمہ: قرب الاسناد میں معتبر سند سے حضرت جعفر صادق سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ اولاد پیدا ہوئی: طاہر، قاسم، فاطمہ، امّ کلثوم، رقیہ اور زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان روشن تصریحات کے باوجود جو لوگ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں بغض علیٰ ترک کے ان کی بے مہری اور بے مروتی محتاج بیان نہیں۔

؏ یعنی اگر وہ اس طرح چادر اوڑھ کر چہرہ ڈھانک کر باہر نکلیں گی تو انہیں دور سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ عفت مآب اور عصمت شعار ہیں تب کسی کو جرأت نہیں ہوگی کہ ان کی طرف بری نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ نیز اگر عورت شرم وحیا کا دامن مضبوطی سے پکڑ لے اور بن سنور کر باہر نہ نکلے اپنے لباس اپنی چال سے کسی کو دعوت نظارہ نہ دے تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ اس کی طرف ہوسناک نگاہ سے دیکھے۔ اس جملہ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ اگر تم اس طرح چادر اوڑھ کر نکلو گی تو تمہارے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کرے گا اور تم ہر قسم کی اذیت سے بچ جاؤ گی۔ اسلام نے پردہ اور شرم وحیا کے جو اصول تمہیں بتائے ہیں ان پر عمل کرنے سے تمہارا ہی بھلا ہوگا۔

؏ یعنی اسلام قبول کرنے سے پہلے جو غلطیاں تم سے سرزد ہوئیں یا اب نادانستہ کوئی لغزش ہو گئی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ تم توبہ کرو گے وہ توبہ قبول فرمائے گا تم اظہار ندامت کرتے ہوئے معافی مانگو گے تو تمہاری خطائیں بخش دی جائیں گی۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

اگر (اپنی حرکتوں سے) باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور شہر میں جھوٹی افواہیں

فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا

اڑانے والے تو ہم آپ کو مسلط کردیں گے ان پر پھر وہ نہ ٹھہر سکیں گے آپ کے پاس مدینہ طیبہ میں مگر

قَلِيْلًا ۝۶۰ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝۶۱

چند روز (اور) وہ بھی اس حال میں کہ ان پر لعنت برس رہی ہوگی جہاں پائے جائیں گے پکڑ لیے جائیں گے اور وہاں سے مار ڈالے جائیں گے

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ

اللہ کی سنت ان (دریدہ دہنوں) کے متعلق بھی یہی تھی جو پہلے گزر چکے۔ اور آپ سنت الٰہی میں ہرگز کوئی تغیر و تبدیلی

تَبْدِيْلًا ۝۶۲ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ

نہ پائیں گے لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ فرمائیے اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ کے

۱۱۱؎ اگر منافقین مسلمان خواتین کو تنگ کرنے سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹی افواہیں اڑانے والوں نے اپنی زبانیں بند نہ کیں تو وہ یاد رکھیں انہیں من مانی کرنے کے لیے آزاد نہیں چھوڑا جائے گا۔ بلکہ ہم آپ کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا فرمائیں گے اور وہ آپ کے فیصلہ کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

المرجفون: ارجاف سے ہے۔ اس کا معنی ہے جھوٹی اور غلط افواہیں پھیلانا۔ الارجاف اشاعة الکذب والباطل لنغرینك ای لنسلطنك علیھم فتستاصلھم بالقتل (قرطبی)۔ یعنی ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور آپ ان کے قتل کا حکم دے کر انہیں نیست و نابود کر دیں گے۔ قلیلاً ترکیب میں کیا ہے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں: پہلا یہ کہ یجاورون میں ھُم ضمیر کا حال ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ وہ نہایت قلیل تعداد میں کچھ عرصہ یہاں رہیں گے۔ پھر انہیں قتل کر دیا جائے گا۔ ای لا یجاورونك الا فی حال قلتھم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قلیلاً وقت محذوف کی صفت ہے۔ ان یکون المعنی الا وقتا قلیلا۔ یعنی وہ بہت قلیل عرصہ مدینہ طیبہ میں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔

۱۱۲؎ منافقوں اور بدباطن لوگوں کے لیے اے حبیب! تیرے پڑوس میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ چند روز یہاں رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ جہاں جائیں گے ان پر لعنت اور پھٹکار رہے گی۔ جہاں بھی وہ پائے جائیں گے انہیں بے دریغ

اللّٰهِ ۗ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ۝٦٣ إِنَّ اللّٰهَ

کے پاس ہے اور (اے سائل!) تم کیا جانو شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو بیشک اللہ تعالیٰ

لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝٦٤ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا أَبَدًا ۚ

نے اپنی رحمت سے محروم کر دیا کفار کو اور تیار کر رکھی ہے اس نے ان کے لیے بھڑکتی آگ۔ وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں تا ابد

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝٦٥ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي

نہ پائیں گے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ جس روز وہ منہ کے بل

النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا اللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝٦٦ وَقَالُوْا

آگ میں پھینکے جائیں گے تو (حسرت و یاس) کہیں گے اے کاش! ہم نے اطاعت کی ہوتی اللہ تعالیٰ کی اور ہم نے اطاعت کی ہوتی رسول (مکرم) کی

کی پاداش میں انہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور انہیں بڑی رسوائی اور ذلت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

[illegible] یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے کہ جو لوگ اس کے رسول کے ساتھ منافقانہ رویہ اختیار کرتے ہیں اور مارِ آستین بن کر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے رہتے ہیں ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم کے ایمان کی یہ بھی ایک قطعی دلیل ہے کہ اگر ان کے دل میں نفاق ہوتا، یا وہ اسلام کے بدخواہ ہوتے، جس طرح کئی بدباطن کہتے ہیں، تو اس ارشادِ ربانی کے مطابق وہ مدینہ میں نہ ٹھہر سکتے اور ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھا جاتا جو پہلی آیتوں میں مذکور ہے اور حال یہ ہے کہ وہ آج بھی صرف مدینہ طیبہ میں نہیں، بلکہ جوش بریں سے بھی زیادہ متبرک اور مقدس گنبد خضرا میں اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پہلو میں آرام سے محو خواب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ان گنت اور بے شمار رحمتیں اور برکتیں جو اس کے حبیب پر نازل ہو رہی ہیں، اس سے وہ بھی محظوظ ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم اس کا مشاہدہ کریں جو کوئی بھی نہیں دیکھ سکتے۔ کے اندھے نورِ حق کو پھر بھی نہیں دیکھ سکتے۔

[illegible] جب انہیں عذاب جہنم سے ڈرایا جاتا تو وہ ازراہِ مذاق پوچھتے۔ جناب! ذرا یہ تو فرمائیے وہ قیامت آئے گی کب؟ جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ وہ اس لیے نہیں پوچھتے تھے تاکہ وہ توبہ کریں اور اپنے کرتوتوں سے باز آجائیں، اس لیے ان کے حسب حال جواب دیا گیا۔ (علم قیامت کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔)

[illegible] جب انہیں آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور آگ میں جلنے کے باعث ان کے چہرے کی رنگت ہر لحظہ بدلتی رہے گی کبھی زرد، کبھی سرخ، کبھی سیاہ۔ ھذا التقلیب تغیر الوانہم بلفح النار فتسود مرۃ وتخضر اخری (قرطبی)، دیگر حضرات نے اس کا معنی کیا ہے

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾ رَبَّنَآ

کی۔ اور عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم نے پیروی کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بڑے بزرگوں کی پس انہوں نے ہمیں بہکا دیا سیدھی راہ سے ۔ اے ہمارے رب

اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾ يٰٓاَيُّهَا

ان کو دوگنا عذاب دے اور لعنت بھیج ان پر بہت بڑی لعنت ۔ اے

ع ۵

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا

ایمان والو! نہ بن جانا ان (بدبختوں) کی طرح جنہوں نے موسیٰ کو ستایا۔ پس بری کر دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس تہمت سے جو انہوں

قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

نے کہا تھا اور آپ اللہ کے نزدیک بڑے شان والے تھے۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو

یہی حسرت ان الفاظ سے ترشح ہو رہی ہے۔ جب منہ کے بل انہیں آگ میں گھسیٹا جائے گا اس وقت وہ کفِ افسوس ملیں گے لیکن بے سود۔

۶۷ معذرت خواہی کرتے ہوئے عرض کریں گے اے ہمارے رب! اس میں ہمارا اتنا قصور نہیں۔ ہمارے سردار اور پیشوا ہمیں جس راہ پر چلاتے رہے ہم چلتے رہے انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔

۶۸ الٰہی ہم بے قصور ہیں ہمیں معافی ملنی چاہیے لیکن اگر ہمیں معافی نہیں ملتی تو ہماری یہ درخواست ضرور قبول ہو کہ ان سرداروں اور سرغنوں کو دوچند عذاب دیا جائے۔ ان ظالموں نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور ہمارا بیڑا بھی غرق کر دیا ان کا دوہرا جرم ہے، انہیں سزا بھی دوگنی ملنی چاہیے۔

۶۹ بنی اسرائیل اپنے پیغمبر اور اپنے نجات دہندہ موسیٰ علیہ السلام کو بات بات پر دکھ دیتے تھے، قدم قدم پر مخالفت کرتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں اپنا رسول مانتے تھے، لیکن ان کے ہر حکم سے سرتابی کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ تورات کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے اس جلیل القدر پیغمبر کی دلآزاری کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ یہ داستان بڑی طویل ہے لیکن چند جملے آپ بھی پڑھ لیں۔

بنی اسرائیل مصر میں غلامی اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم ربانی کے مطابق مصر سے ہجرت کا حکم دیا۔ چند قدم چلے تو بھٹکنے لگے اور اپنے نجات دہندہ اور اللہ تعالیٰ کے کلیم سے یوں گویا ہوئے۔

"تب انہوں نے ان سے کہا کہ خداوند ہی دیکھے اور تمہارا انصاف کرے کیونکہ تم نے ہم کو فرعون اور اس کے خادموں کی نگاہ میں ایسا گھناؤنا کیا ہے کہ ہمارے قتل کے لیے ان کے ہاتھ میں تلوار دے دی ہے"

(خروج باب ۵، آیات ۲۱، ۲۲)

انھوں نے سمندر کو بخیروخوبی عبور کر لیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ضرب سے اس کی بپھری ہوئی موجیں رک گئیں ان کے لیے راستے بن گئے۔ یہ ساحل پر بسلامت پہنچ گئے۔ فرعون اور اس کا لشکر اُن کی آنکھوں کے سامنے تباہ ہوا ان معجزات کے دیکھنے کے بعد جب سینا میں وہ پہنچے تو اپنے رسول سے یوں خطاب کیا۔

" اور موسیٰ سے کہنے لگے کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو وہاں سے مرنے کے لیے بیابان میں لایا۔ تو نے ہم سے یہ کیا کیا کہ ہم کو مصر سے نکال لایا۔ کیا ہم تجھ سے مصر میں یہ بات نہ کہتے تھے کہ ہم کو رہنے دے کہ ہم مصریوں کی خدمت کریں کیونکہ ہمارے لیے مصریوں کی خدمت کرنا بیابان میں مرنے سے بہتر ہوتا۔" (خروج - ب ۱۴: ۱۱، ۱۲)

دشت سینا میں جب دھوپ لگی اور پیاس نے تنگ کیا تو یوں گلفشانی کرنے لگے:

" اور اس بیابان میں بنی اسرائیل کی ساری جماعت موسیٰ اور ہارون پر بڑبڑانے لگی اور بنی اسرائیل کہنے لگے کاش کہ ہم خداوند کے ہاتھ سے ملک مصر میں جب ہی مار دیے جاتے جب ہم گوشت کی ہانڈیوں کے پاس بیٹھ کر دل بھر کر روٹی کھاتے تھے کیونکہ تم تو ہم کو اس بیابان میں اسی لیے لے آئے ہو کہ سارے مجمع کو بھوکا مارو۔" (خروج ب۱۶: ۲-۳)

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

کتاب الخروج ۱۴، ۱۵، ۱۶

کتاب گنتی ۱۱: ۱ تا ۱۵ - ۱۴: ۱ تا ۱۰ - ۱۶ تا ۲۰: ۱ - ۵۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو! تم بنی اسرائیل کی روش اختیار کر کے میرے محبوب کی دلآزاری نہ کرنا ورنہ تم کو اس گستاخی کی ایسی سزا ملے گی جس سے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ چیز جس سے نبی کریم کو تکلیف پہنچے، وہ قطعاً ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی صفات کمال کا انکار کرنا، حضور کی ذات اقدس و اطہر پر بہتان باندھنا، اللہ تعالیٰ نے حضور کو جن کمالات سے سرفراز فرمایا ہے ان کا انکار کرنا، حضور کے دین اور شریعت کے قوانین کو ناقابل عمل کہنا، حضور کی آل اطہار پر معترض ہونا، حضور کے صحابہ پر زبانِ طعن دراز کرنا، یہ سب ایسے امور ہیں جن سے حضور کے قلب مبارک کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے۔

۱۱۹ ۔ بنی اسرائیل کے اوباش موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کیا کرتے تھے اور ان کی عیب جوئی کر کے ان کا دل دکھاتے تھے حالانکہ اللہ رب العالمین کے نزدیک ان کا مقام بہت اونچا اور مرتبہ بہت ہی بلند تھا۔ "وجیہ" کہتے ہیں بلند مرتبہ۔ الوجیہ ذوجاہ و منزلۃ (کشاف) الوجیہ عند العرب العظیم القدر والرفیع المنزلۃ۔ جس کی شان بہت بڑی ہو، جس کا رتبہ بہت بلند ہو عربی میں اس کو وجیہ کہتے ہیں۔

اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اور ہمیشہ سیدھی (اور درست) بات کہا کرو۔ ۱۱۰ تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اعمال کو درست کردے گا ۱۱۱ اور بخش دے

ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾

گناہوں کو بھی بخش دے گا ۱۱۲ اور جو شخص حکم مانتا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا تو وہی شخص حاصل کرتا ہے بہت بڑی کامیابی ۱۱۳

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ

ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے

اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ

انکار کردیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے اس سے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے، بے شک یہ

۱۱۰ اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کا دل دکھانا اور اس کی شان کا انکار کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے تمہیں تو تقویٰ اور پارسائی کا شیوہ اختیار کرنا چاہیے اور جب بات کرو تو سچی اور درست بات کرو، کوئی جھوٹی بات تمہارے منہ سے نہ نکلے۔

۱۱۱ یعنی اگر تم اپنے عمل میں تقویٰ اور راست روی کو اور اپنے قول میں حق و صداقت کو اپنا شعار بنا لوگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو ہر کجی سے پاک فرما دے گا اور انہیں شرف قبول بخشے گا۔ بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے گا۔

۱۱۲ اور اس سے پہلے جو لغزشیں تم سے سرزد ہوئی تھیں، وہ سب معاف کردی جائیں گی۔ وہ لوگ جن کے سامنے تم گناہ کرتے رہتے تھے ان کے حافظے سے بھی انکی یاد مٹ جائے گی، بلکہ فرشتوں نے جو دفتر عمل تمہارا تیار کر رکھا ہے وہاں سے بھی تمہارے گناہوں کی تحریر محو کردی جائے گی۔ انس و ملک کی آنکھوں میں تم محترم و مکرم بنا دیئے جاؤ گے۔ واقعی اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے پر نظر لطف و کرم فرماتا ہے اور اس کے دل کو اپنی یاد اور ذکر کی لذت سے آشنا کر دیتا ہے تو اس کی کایا ہی پلٹ جاتی ہے اور اس کے چہرہ پر کیف و نور برستا ہوا نظر آتا ہے۔ بے ساختہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

۱۱۳ فوز عظیم اور فلاح دارین کا تاج صرف اس کے سر پر رکھا جاتا ہے جو بکمال تسلیم و رضا اپنے کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم کے ہر ارشاد کے سامنے بصد شوق اور بہر صورت اپنا سر نیاز جھکا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی بندگی کی اور اپنے پیارے حبیب محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فداہ ابی وامی کی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ

ظلوم بھی ہے (اور) جہول بھی ۱۳۷ تاکہ عذاب دے اللہ تعالیٰ نفاق کرنے والوں اور نفاق کرنے والیوں کو

۱۳۷ ارباب لغت، علماء شریعت اور عارفین نے اپنی اپنی حد فہم اور ذوق کے مطابق اس کی وضاحت کی ہے قرآن کریم کے اسرار و معارف کو آشکارا کرنے میں ان حضرات نے جو مخلصانہ کوششیں کی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور ہمیں انکے ذریعہ سے حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں یہاں ہر مکتب فکر کا نقطہ نظر پیش کرتا ہوں۔ اہل لغت نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص امانت کو واپس کرنے سے انکار کر دے اور اس میں خیانت کرے تو عرب کہتے ہیں، حمل الامانة یعنی اس نے امانت واپس کرنے سے انکار کیا اور اس کا بوجھ اٹھالیا۔ اس آیت طیبہ میں حمّل اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس لغوی تحقیق کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا: ہم نے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر اس امانت کو پیش فرمایا۔ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا۔ تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا۔ جو حکم ربانی ملا بے چون و چرا اس کی تعمیل میں لگ گئے ہر گز انحراف اور سستی نہیں کی۔ وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا۔ وہ اس بات سے ڈرے کہ کہیں امانت میں خیانت کرنے سے وہ غضب الٰہی کا شکار نہ ہو جائیں۔ وحملها الانسان لیکن انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اس کا بوجھ گردن پر اٹھایا۔ انه كان ظلوما جهولا بیشک انسان بڑا ظالم اور نادان ہے۔

لسان العرب کی عبارت ملاحظہ فرمایئے: وكل من خان الامانة فقد حملها وكذلك كل من اثم فقد حمل الاثم والسموات والارض ابين ان يحملنها يعنى الامانة واديتها واداؤها طاعة الله تعالى فيما امرها به — و حملها الانسان قال الحسن اراد الكافر والمنافق اى حملا الامانة اى خاناها ولم يطيعا: قال هذا المعنى والله اعلم صحيح. ومن اطاعه من الانبياء والصديقين فلا يقال كان ظلوما جهولا۔

اہل لغت کی بیان کردہ تفسیر کے بعد اب علماء کرام کا نقطہ نظر ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے نزدیک امانت سے مراد تکلیفات شرعیہ ہیں جن میں عبادات، اخلاقیات اور ہر قسم کے قوانین داخل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کو فرمایا کہ ہم تمہیں اختیار اور ارادہ کی آزادی دیتے ہیں کیا تم اس اختیار و آزادی کے ساتھ اس امانت کا بار اٹھانے کے لیے تیار ہو۔ انہوں نے اعتراف عجز کرتے ہوئے معذرت خواہی کر دی اور اپنی بے بسی کا اقرار کیا۔ یہ بوجھ بہت گراں ہے، ہم اسے اٹھانے سے قاصر ہیں، ہمیں طاعت کے ثواب کی امید سے عصیان و نافرمانی کے عذاب کا اندیشہ زیادہ ہے۔ ہم تیرے مسخر اور پابند حکم ہو کر تیرے ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے اختیار و ارادہ کی آزادی میں جو خطرات پنہاں ہیں، ان کو برداشت کرنے کی طاقت ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اب یہی چیز جب انسان کے سامنے پیش کی گئی، تو اس نے اپنی ناتوانیوں اور کمزوریوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس امانت کو اٹھانے کی حامی بھر لی اور اس بار گراں کو اٹھا کر اپنے آپ کو ابتلاء و آزمائش میں مبتلا کر دیا اور اس نے کسی عقلمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ اس سے انسان کی مذمت مقصود نہیں بلکہ بیان واقعہ کے طور پر انه كان ظلوما جهولا فرمایا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے بڑی پیاری بات فرمائی:

شیخ جنید فرمود کہ نظر آدم بر عرض حق بود نہ بر امانت، لذت عرض، ثقل امانت را بروے فراموش گردانید لاجرم لطف ربانی بزبان حمایت فرمود کہ برداشتن از تو، ونگاہ داشتن از من۔ (روح البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب یہ امانت حضرت آدم پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت اور ثقل پر نہ تھی، بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی۔ اور اس کے پیش فرمانے میں جو لذت وسرور تھا، اس نے امانت کی گراں باری کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ جنید فرماتے ہیں یقیناً لطف ربانی نے آدم کی اس نیاز مندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اٹھانا تیرا کام ہے اور اٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے۔

اب صوفیائے کرام کا مسلک ملاحظہ فرمائیے۔ اس کی ترجمانی کا حق حضرت علامہ پانی پتی نے ادا کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں جو امانت مذکور ہے۔ اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکام شرعیہ ہوں تو انسان کی خصوصیت نہیں بلکہ جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں۔ اس طرح ملائکہ کی افضلیت انسان پر لازم آئے گی کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے: یسبحون اللیل والنہار ولا یفترون۔ وہ دن رات تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے اور انسان کی یہ حالت نہیں۔ اس لیے صوفیائے کرام نے امانت کی تفسیر نور العقل اور نار العشق سے کی ہے یعنی نور عقل استدلال کے ذریعہ معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر معرفت الٰہی تک پہنچاتی ہے۔ ومن ثم قالت الصوفیۃ العلیۃ المراد بالامانۃ نور العقل ونار العشق ونور العقل یحصل بہ معرفۃ اللہ تعالیٰ بالاستدلال ونار العشق یحصل بہا معرفۃ اللہ تعالیٰ سبحانہ بحرق الحجب

بیشک فرشتے بھی اس کے محرم بنے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مخصوص مقام ہے جس سے آگے وہ تجاوز نہیں کر سکتا اور سوز عشق کے باعث غیر متناہی درجات تک ترقی کرتے جانا یہ حضرت انسان کی خصوصیت ہے۔ فالترقی الی المراتب الغیر المتناہیۃ بنار العشق انما ھو من خصائص الانسان۔

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات سے جو نتیجہ میں نے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ امانت سے مراد وہ استعداد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ماہیت انسانیہ میں ودیعت کی ہے جو تجلیات ذاتیہ دائمہ کو قبول کرتی رہتی ہے۔ صالح جن بھی عبادت وریاضت سے ملائکہ کی صف میں شامل ہو جاتے ہیں پھر بھی ان کے حصہ میں تجلیات صفاتی آتی ہیں تجلیات ذاتیہ کی اہلیت نہیں ہوتی۔

آخر میں علامہ موصوف "ظلوماً جھولاً" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ہیں۔ ایک ہے جہل وبے خبری کا سبب۔ سفلی قوتوں سے اس کے دل میں تفوق اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت کی اونچی سے اونچی چوٹیوں کو سر کرتا ہے اور بہیمی طاقتوں کے باعث اس میں جفاکشی اور مشقت جھیلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کے باعث وہ طویل ریاضتوں اور کٹھن مجاہدوں کو صبر وتحمل سے برداشت کرتا ہوا منزل محبوب کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ دو قوتیں انسان میں نہ ہوتیں تو وہ بھی ساحل عافیت پر خیمہ زن رہتا اور کبھی آزمائش کے تند وتیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار نہ ہوتا۔

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۚ

شرک کرنے والوں اور شرک کرنے والیوں کو اور نگاہ لطف و کرم فرمائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور ایمان والیوں پر ۱۵۵

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٧٣﴾ ع ۹

اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہر دم رحم فرمانے والا ہے ۱۵۶

مولانا جامی ؒ نے بھی ظلوماً جہولاً کا معنی خوب کیا ہے۔

؎ جز انساں کس نشد محمد قبول
تا نکہ انسان ظلوم بود و جہول

(انسان کے بغیر اس امانت کو کسی نے قبول نہ کیا کیونکہ انسان ظلوم اور جہول تھا۔)

ظلم او آں کہ ہستی خود را
ساخت فانی بقائے سرمد را

(اس کا ظلم یہ تھا کہ اس نے اپنی ہستی کو فنا کر دیا تاکہ بقائے سرمدی حاصل کرے)

جہل او آں کہ ہر چہ جز حق بود
صورت آں ز لوح دل بزدود

(اور اس کی جہالت یہ ہے کہ حق کے بغیر جو کچھ تھا اس نے اپنے دل کی لوح سے مٹا دیا۔)

نیک ظلمے کہ عین معدلت است
نغز جہلے کہ مغزِ معرفت است (روح البیان)

(وہ ظلم بہت اچھا ہے جو عین عدل ہے اور وہ جہالت بہت عمدہ ہے جو معرفت کا مغز ہے۔)

یہاں ان صفات ظلوم و جہول کے ذکر کرنے سے دو فائدے حاصل ہوئے، ایک تو اس صفت کا پتہ چل گیا جس کی وجہ سے انسان اس بار امانت کو اٹھانے کے لیے آمادہ ہوا اور دوسرا اس پیکر خاکی کی منقبت اور توصیف کر دی گئی کہ یہاں صفاتِ عالیہ سے متصف ہے۔ فهو تعليل ومنقبة له۔ الله تعالى ورسوله الكريم اعلم باسرار القرآن الكريم۔

۱۵۵ یہ لام عاقبت ہے یعنی اس امانت کے اٹھانے کا انجام یہ ہوا کہ جن مردوں اور عورتوں نے منافقانہ روش اختیار کی یا جن مردوں اور عورتوں نے کھلم کھلا شرک کیا وہ تو عذاب الیم کے مستحق ٹھہرے اور جن مردوں اور عورتوں نے ایمان قبول کیا ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم کی نگاہ فرمائی اور اس مشکل مرحلہ کو ان کے لیے آسان کر دیا۔ یہاں یتوب اللہ کا معنی توبہ قبول کرنا نہیں بلکہ لطف و کرم سے متوجہ ہونا ہے۔ اى يرجع بالرحمة والمغفرة والجذب والاجتباء واعطاء مراتب القرب یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، مغفرت، کشش، اجتباء اور قرب کے مراتب عالیہ عطا کر کے ان پر نگاہِ کرم فرماتا ہے۔ (مظہری)

آیت میں مومنین اور مومنات سے مراد وہ لوگ ہیں جو امانت کو ادا کرتے ہیں اور تجلیات میں مستغرق رہتے ہیں۔ الـمؤدين للامانات المستغرقين فى التجليات۔ (مظہری)

۱۵۶ اس کے بندوں سے جو لغزشیں صادر ہو گئی ہیں ان کو وہ معاف فرما دیتا ہے اور جو نیکی کا کام ان سے سرزد ہوتا ہے،

اس کو بس اپنی رحمت کے طفیل منزل تک رسائی کا ذریعہ بنا دیتا ہے ورنہ کہاں وہ بارگاہِ ناز اور کہاں یہ پیکرِ عجز و نیاز۔ ربِ کریم کی انہی دو صفتوں غفور اور رحیم کے صدقے سالکِ راہِ محبت ٹھوکریں کھاتا اُفتاں و خیزاں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے اور آخر کار وصالِ حبیب سے شاد کام ہوتا ہے۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ اللّٰھم صل علی سیدنا محمد رسولک المرتضی وعبدک المصطفیٰ من الصلوات اطیبھا ومن التسلیمات ازکاھا ومن التحیات اسناھا وعلی آلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ الی یوم الدین۔

محمد کرم شاہ

۶ رجب ۱۳۹۱ھ، ۲۹ اگست ۱۹۷۱ء

تعارف

سُورۂ سبا

نام: اس سورۂ پاک کا نام سبا ہے یہ لفظ آیت نمبر ۱۵ میں مذکور ہے۔ اس کی آیتوں کی تعداد چوّن ہے، آٹھ سو تینتیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو بارہ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکی ہے۔ حتمی طور پر اس کی تاریخ نزول کا تعین نہیں کیا جا سکتا لیکن اس کے مضامین سے یہ اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی جب کہ اسلام کی دعوت نے اہل مکہ کو چونکا دیا تھا اور وہ محض طعن و تشنیع اور استہزاء و تمسخر سے ہی اس دعوت کو ناکام بنا دینا چاہتے تھے۔ ابھی انہیں اس حقیقت کا پوری طرح احساس نہیں ہوا تھا کہ یہ دعوت ایک ایسے ہمہ گیر انقلاب کی دعوت ہے جو ان کے ظاہری ماحول، معاشرتی رسم و رواج اور معاشی نظام کو ہی درہم برہم کر دے گی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ان کے دلوں اور ذہنوں کی دنیا کو بھی بدل دے گی۔

مضامین: سورت کی ابتداء حمد باری تعالیٰ سے کی جا رہی ہے اور اس کی کبریائی اور عظمت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد وقوعِ قیامت پر کفار کو جو اعتراض تھا اس کا جواب "بلیٰ وربی لتاتینکم عالم الغیب" کے زوردار الفاظ سے دیا جا رہا ہے کہ اس رب کی قسم جو عالم الغیب ہے قیامت ضرور آئے گی۔ ساتھ ہی "لیجزی" سے وقوعِ قیامت کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس کے بغیر عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمالِ حسنہ پر جزا اور بدکاروں کو ان کی سیاہ کاریوں کی سزا قیامت کے روز ہی پوری طرح مل سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور مقبول بندوں کو اس دنیا میں بھی انعامات و احسانات سے سرفراز کرتا ہے اور عزت و شرف بخشتا ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے ذکر سے اس کا اظہار فرما دیا۔ اس ہیبت و جلال کے باوصف جس طرح وہ اپنا حق بندگی ادا کرتے رہے اور اپنے منعم حقیقی کے شکر گزار بنے رہے، اس کا بیان کر کے ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب دلائی اور سمجھا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے نعمتوں اور آسائشوں کے باوجود اطاعت و انقیاد کا طریقہ اپنائے رکھتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی میں ان کی یہ سرافگندگی ان کی عظمت کو کم نہیں کرتی بلکہ اسے چار چاند لگا دیتی ہے۔

ان کے ذکر کے معاً بعد ایک ایسی بستی کا حال بیان کیا جو خوشحالی کی زندگی بسر کر رہی تھی جن کا آبپاشی کا نظام بڑا ترقی یافتہ تھا ان کا ملک سرسبز و شاداب باغات اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور ان میں رواں نہروں کے باعث رشکِ فردوس بنا ہوا تھا لیکن جب وہ

اپنے ربِ غفور کو بھول گئے۔ نفس پرستی اور شیطان کی پیروی اختیار کی تو ہر چیز ملیا میٹ کر دی گئی۔ ان کا وہ مضبوط ڈیم جو ان کی خوشحالی کا ضامن تھا وہی ان کی تباہی و بربادی کا سبب بن گیا جس کی تفصیل آپ آیات کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔ اس واقعہ کا ایک دلنشین پیرایہ میں ذکر کر کے ناشکر گزاری اور سرکشی کرنے والوں کو یہ سمجھا دیا کہ ان کا انجام بڑا حسرتناک ہو گا۔

اس سورت کی یہ آیت "ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ" الآیہ بڑی فکر طلب اور عبرت انگیز ہے۔ ابلیس کو حکم ہوا کہ ابو البشر کو سجدہ کرو جسے میں نے علومِ لدنیہ اور معارفِ حقانیہ سے بہرہ ور فرما کر اپنی خلافت کا منصب بخشا ہے۔ اس نے ازراہِ تکبر تعمیلِ حکم سے انکار کیا۔ جس کی پاداش میں اسے راندۂ درگاہ بنا دیا گیا۔ اس نے چیلنج دیا کہ میں آدم کی اولاد کو تیرا نافرمان اور ناشکر گزار بنا کر چھوڑوں گا۔ دانشمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اولادِ آدم اپنے اس ازلی دشمن کے مکر و فریب سے چوکنی رہتی اور اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری میں سرگرمِ عمل رہتی لیکن صد حیف! کہ انسان کوتاہ اندیش ثابت ہوا۔ اس نے اپنے بدترین دشمن کے ورغلانے سے اپنے ربِ کریم کی اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ اس طرح شیطان کو فخر کرنے کا موقع دیا۔ ہر مومن کو یہ آیت پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ شیطان تو صرف دلوں میں وسوسہ اندازی کر سکتا ہے۔ اس کو کسی پر ایسا قابو ہرگز نہیں جو اس کو مجبورِ محض بنا دے۔ اس لیے جو حماقت اہلِ سبا سے سرزد ہوئی اور شیطان کو اپنی کامیابی پر بغلیں بجانے کا موقع مل گیا ہم ایسی حماقت سے باز رہیں اور اپنے دشمن کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں۔

نیز بتا دیا کہ حضور نبیِ رحمت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت تمام نوعِ انسانی کے لیے ہے تا قیامِ قیامت حضور راہنما بن کر تشریف لے آئے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد نہ کسی نئے نبی کی ضرورت ہے اور نہ ہی کوئی نیا نبی مبعوث ہو گا۔

اکثر اہلِ ثروت اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ جو کرتے ہیں وہی درست ہے۔ جو وہ سوچتے ہیں وہی حق ہے۔ دوسروں پر لازم ہے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہیں۔ افلاس و احتیاج بھی اکثر لوگوں کو ہوش و خرد سے محروم کر دیتا ہے اور انجام سے بے نیاز ہو کر یہ لوگ اہلِ ثروت کے پیچھے چلنے لگتے ہیں اور ان کے اشاروں پر ایسی ایسی خرمستیاں کرتے ہیں کہ آنکھیں نمناک ہو جاتی ہیں۔ غلط راہ پر جو بھی چلے امیر ہو یا غریب، راعی ہو یا رعایا ان کے نتائج سے لامحالہ اسے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ جب یہ زیردست لوگ جن کی دنیوی زندگیاں محرومیوں کا شکار رہیں، روزِ محشر جب دوزخ کے شعلوں کو اپنی طرف لپکتے ہوئے دیکھیں گے تو اپنے لیڈروں اور اپنے زعماء کو بے نقط سنائیں گے اور ان کے لیڈر جو جواب انہیں دیں گے اس کا تذکرہ قرآن کریم میں دیگر مقامات کے علاوہ یہاں بھی بڑے مؤثر انداز میں کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ کسی کی دنیا کے لیے اپنی آخرت برباد نہ کرتے رہیں۔

ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ شرفِ انسانی کا انحصار کثرتِ مال و جاہ پر نہیں اور نہ محض مال و اولاد کی وجہ سے کسی کو قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو صرف ایمان اور عملِ صالح وجہِ شرف اور باعثِ قرب ہے۔ جو خدا کی رضا کا طلبگار ہو وہ ایمان کی شمع کو فروزاں کر کے اعمالِ حسنہ کے پھول کھلاتا ہوا آگے بڑھتا آئے۔ حریمِ کبریائی کے دروازے وہ اپنے لیے کھلے ہوئے پائے گا۔

ان مضامین کے علاوہ دوسرے کئی حقائق ہیں جو آپ سورۂ طیبہ کے مطالعے کے دوران میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ سَبَا مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورت سبا مکیہ ہے — اس کی چون آیات ہیں — اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ

سب تعریفیں اللہ کے لیے جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور ہر اس چیز کا جو زمین میں ہے [1] اور اسی

الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ① يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي

کے لیے ساری تعریفیں ہیں آخرت میں [2] اور وہی بڑا دانا، ہر بات سے باخبر ہے [3] وہ جانتا ہے جو زمین میں

الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ

داخل ہوتا ہے۔ اور جو اس سے نکلتا ہے۔ نیز وہ جانتا ہے جو آسمان سے نازل ہوتا اور جو آسمان کی طرف چڑھتا

---

[1] یعنی کائنات کی بلندیوں اور پستیوں میں ہر چھوٹی اور بڑی چیز کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے، مالک بھی وہی ہے اور ہر چیز اسی کے فرمان کے سامنے سرافگندہ ہے۔ جو زیبائی، جو خوبی کہیں نظر آرہی ہے اسی کے لطف و کرم کا پرتو ہے۔ جو جمال و کمال کسی میں پایا جاتا ہے اسی کے حسن ازل کی جلوہ نمائی ہے۔ اس لیے ہر قسم کی حمد و ثنا کا وہی مستحق ہے۔

الذی (صلہ) یا تو للّٰہ کی صفت ہے اور مجرور ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مرفوع ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ھو الذی یا اعنی (فعل) یہاں مقدر ہے اور جملہ اس کا مفعول ہے اس لیے منصوب ہے۔

[2] اس سے یہ بتایا کہ صرف اس جہان فانی کی ہر چیز اس کی نہیں بلکہ عالم آخرت کی ہر شے کا خالق و مالک بھی وہی ہے۔ وہاں بھی اسی کی حکمرانی ہوگی۔ جو نعمت کسی کو ملے گی اسی کی جود و عطا کا کرشمہ ہوگا۔ اس لیے وہاں بھی ہر قسم کی حمد و ستائش کا سزاوار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ "لہٗ" خبر کو یہاں مقدم ذکر کر کے اس امر کی طرف اشارہ کر دیا کہ اس دنیا میں ترکی غلط اندیش یا تو کر کے ہم دیگر چیزوں کی حمد کرتے رہتے ہیں لیکن قیامت کے دن سارے حجاب اٹھ جائیں گے۔ حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ عیاں ہو جائے گی۔ وہاں حمد ہوگی تو صرف اس مالک یوم الدین کی۔

[3] اللہ تعالیٰ کا ہر ارشاد، ہر کام اور اس کی شریعت کا ہر قانون بلکہ قضا و قدر کے سارے فیصلے اس کی حکمت و دانائی کے آئینہ دار

فِيهَا ۚ وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

کرتا ہے ۵ اور وہی ہمیشہ رحم فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ۶ اور کفار کہتے ہیں

لَا تَأْتِينَا السَّاعَةُ ۖ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ عَالِمِ الْغَيْبِ ۖ

ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ فرمایئے ضرور آئے گی۔ مجھے اپنے رب کی قسم جو عالم الغیب ہے تم پر قیامت ضرور آئے گی

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَ

نہیں چھپی ہوئی اس سے ذرہ برابر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور

لَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۳﴾ لِيَجْزِيَ

نہ کوئی چھوٹی چیز ذرہ سے اور نہ کوئی بڑی چیز مگر وہ کتاب مبین میں (درج) ہے (قیامت آئے گی) تاکہ

ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کے حالات اور ضروریات سے پوری طرح باخبر ہے۔

۵ اللہ کی ہمہ دانی کا بیان ہو رہا ہے۔ زمین میں جو چیز داخل ہوتی ہے۔ بارش کے قطرے، بیج، پانی، معدنیات وغیرہ اور جو چیز نکلتی ہے، نیز آسمانوں سے جو چیز اترتی ہے اور جو نیچے سے اوپر جاتی ہے۔ وہ ہر چیز کو تفصیل سے جانتا ہے۔

۶ وہ مجرموں اور نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ وہ سالہا سال ظلم و شرارت جاری رکھتے ہیں اور دندناتے پھرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ انہیں سزا نہیں دے سکتا یا یہ لوگ زیادہ طاقتور ہیں اور اس کے قابو سے باہر ہیں، بلکہ یہ اس کی شان رحیمی ہے کہ وہ قادر مطلق ہونے کے باوجود انہیں مہلت دے رہا ہے اور جب بھی کوئی اپنے کیے پر شرمسار ہوتا ہے تو وہ اپنی مغفرت اور بخشش کے دامن میں اسے پناہ دے دیتا ہے۔

۷ کفار وقوع قیامت کے منکر تھے اور اس انکار میں بڑے متشدد اور متعصب تھے، وہ بڑے وثوق سے کہا کرتے کہ قیامت نہیں آئے گی، اس لیے ان کا رد بھی بڑے زوردار اور مؤثر طریقہ سے فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ قسم اٹھا کر فرمایئے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ قسم کے الفاظ بھی بڑے مؤثر اور پرجلال ہیں۔ فرمایا مجھے اپنے پروردگار کی قسم جو عالم الغیب ہے۔ قیامت ضرور آئے گی۔ "عالم الغیب" ربی کی صفت، عطف بیان اور بدل سب بن سکتے ہیں۔ یہاں عالم الغیب کی صفت ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ قیامت کا انکار اس وجہ سے کیا کرتے تھے کہ جب وہ مر جائیں گے اور انہیں مرے ہوئے صدیاں بیت جائیں گی، اس طویل مدت میں ان کی ہڈیاں، ان کا گوشت پوست مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔ ہوا کے جھونکے ان ذروں کو کہاں سے کہاں پھینک دیں گے۔ ان منتشر ذروں کو جمع کرنا اور پھر پہلی جیسی ترکیب کے ساتھ زندہ کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ عالم الغیب

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

اللہ تعالیٰ جزا دے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے یہی وہ (نیک بخت) لوگ ہیں جن کے لیے بخشش اور رزق

كَرِيمٌ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کریم ہے اور جو (بدبخت) کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہماری آیتوں کو جھٹلا کر ہمیں ہرا دیں یہی ہیں جن کے لیے

مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿٥﴾ وَيَرَى الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ

بدترین قسم کا دردناک عذاب ہے شہ اور جانتے ہیں وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا کہ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا

دوبارہ زندہ کر دیا کہ ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنا تمہارے لیے ناممکن ضرور ہے جن کا علم محدود اور قدرت ناقص ہے لیکن قیامت برپا کرنے والا وہ خداوند علیم ہے جو ہر غیب کو جاننے والا ہے اور زمین و آسمان کی بیکراں وسعتوں میں کوئی ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ذرا مشکل نہیں۔ کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔

ک قیامت برپا کرنے کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔

ے یعنی جو لوگ ہماری آیتوں کو غلط ثابت کرنے اور جھٹلانے میں شب و روز کوشاں رہتے ہیں اور اس طرح وہ ہمیں مغلوب کرنا چاہتے ہیں۔ ای فی ابطالہا ولتکذیب بآیاتنا۔

• معٰجزین کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کو مغلوب کر دے اور اس سے آگے بڑھ جائے تو عربی میں کہا جاتا ہے عاجزہ واعجزہ اذا غالبہ وسبقہ (قرطبی)

علامہ راغب اس کے ضمن میں لکھتے ہیں: اعجزت فلاناً وعجزتہ وعاجزتہ جعلتہ عاجزاً۔ یعنی کسی کو عاجز کر دینا۔

علامہ ابن حیان فرماتے ہیں: ای معجزین قدرۃ اللہ تعالیٰ فی زعمھم۔ یعنی اپنے گمان کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو عاجز کر دینا چاہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے میں نے اس کا ترجمہ ہرا دینا کیا ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم تو بار بار اس امر کا اعلان کر رہے ہیں کہ قیامت آئے گی انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی لیکن یہ لوگ ان آیتوں کو جھٹلانے میں کوشاں ہیں اور اس پر طرح طرح کی بے معنی حجت بازیاں کرتے ہیں اور اپنی طرف سے عقلی و نقلی دلائل کا انبار لگاتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اپنا ارادہ بدل دیں گے اور قیامت برپا کرنے کا فیصلہ منسوخ کر دیں گے یہ محض ان کی خام خیالیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہمارا یہ فیصلہ قطعی ہے اور ہماری حکمت بالغہ کا یہ تقاضا ہے کہ قیامت قائم ہو۔ نیکوں کو ان کی نیکیوں کا اجر ملے۔ بدکار اور سرکش اپنے کرتوتوں کی سزا پائیں۔ اس فیصلہ کو کوئی بدل نہیں سکتا اور نہ ہمیں اس کو عملی جامہ پہنانے سے کوئی باز رکھ سکتا ہے۔

إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِىٓ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝٦

ہے آپ کے رب کی طرف سے وہی (دین) حق ہے اور عزت والے مستحق خوبیوں سراہے (خدا) کا راستہ دکھاتا ہے ۝

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا

اور منکرین (قیامت) کہتے ہیں (اے یارو!) کیا ہم بتا دیں تمہیں اس شخص کا جو تمہیں خبردار کرتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد

مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝٧ أَفْتَرَىٰ عَلَى

ریزہ ریزہ کر دیئے جاؤ گے تو تم از سر نو پیدا کیے جاؤ گے؟ ۝ باقی اس نے (یہ) کس

اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي

اللہ پر جھوٹا بہتان لگایا ہے یا یہ دیوانہ ہے۔ (بیرا حبیب نہ مفتری ہے نہ دیوانہ) بلکہ وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ دکھ(

الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝٨ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

عذاب میں اور (آج) دور کی گمراہی میں مبتلا ہیں ۝ کیا انہیں نظر نہیں آتا کہ انہیں آگے

"رجز الیم"، رجز بدترین اور شدید ترین عذاب کو کہتے ہیں۔ "من" بیانیہ ہے یعنی انہیں جو عذاب دیا جائے گا وہ معمولی کم درجہ کا نہیں ہوگا بلکہ بڑا شدید اور المناک ہوگا۔ علامہ زبیدی رجز کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابو اسحٰق هو العذاب المقلقل لشدته وله قلقلة شديدة متتابعة (تاج العروس) یعنی اپنی شدت کے باعث لرزا دینے والا عذاب سے پے در پے پہنچے۔

ہے یہاں یری بمعنی یعلم مستعمل ہے۔ "اوتوا العلم" سے مراد صحابہ کرام اور ان کے بعد آنے والے یا اہل کتاب کے وہ علماء جو قرآن پر ایمان لے آئے۔ حمید کا معنی علامہ آلوسی نے کیا ہے: المحمود في جميع شؤونه جو اپنی تمام شانوں میں تعریف و ستائش کا مستحق ہو۔ (روح المعانی)

ہے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب انہیں انکار کے باوجود قیامت سے ڈراتے تو وہ ازراہ تمسخر اپنے دوستوں سے باتیں کرتے اور وقوع قیامت کو محال ثابت کرنے کے لیے بڑی عبادت آرائی سے کام لیتے۔ ممزق باب تفعیل کا اسم مفعول کا ہے، لیکن یہ مصدر ہے۔ تمزیق کہتے ہیں کسی چیز کو پھاڑ کر پارہ پارہ اور ریزہ ریزہ کر دینا۔ تمزيق الشئ تخريقه وجعله قطعا قطعا۔

ہے کفار یہ الزام لگایا کرتے کہ یہ بیان بوجھ کر جھوٹ بولتے ہیں اور کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ حالانکہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ قیامت کا برپا ہونا محال ہے اور یا یہ بات ہے کہ ان کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے اور یہ مرض جنون میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اس لیے بہکی

وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ

اور ان کے پیچھے سے آسمان اور زمین نے گھیر رکھا ہے ۱۲ اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں

الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

زمین میں یا گرا دیں ان پر چند ٹکڑے آسمان سے درحقیقت اس میں کھلی نشانی ہے

لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا

ہر اس بندے کے لیے جو خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہے ۱۳ بے شک ہم نے داؤد کو اپنی جناب سے بڑی فضیلت بخشی ۱۴

ع ۱ / ۷

مہمل باتیں کرتے ہیں اور جنون کے مریض کی طرح اس پر اصرار بھی کرتے ہیں علامہ مظہری لکھتے ہیں : والجنۃ : الجنون ومنہ قولہ تعالیٰ ام بہ جنۃ (الصحاح) یہی معنی لسان العرب اور مفردات میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے الزامات کا رد فرماتا ہے کہ میرا رسول نہ تو مجھ پر بہتان باندھتا ہے اور نہ وہ دیوانہ ہے۔ وہ تو حق اور سچ فرما رہا ہے لیکن تم لوگ اپنے کفر کے باعث اس عذاب میں مبتلا کر دیئے گئے ہو کہ تم میں عقل و فہم کی قوت سلب ہو گئی ہے اور راہ ہدایت سے بہت دور ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہو۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے نقل کیا ہے کہ اس انکار کے باعث کل وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے اور آج کھلی گمراہی میں ہیں۔ فہم فی العذاب والیوم فی الضلال (قرطبی)

۱۲ چاروں طرف سے تم نرغے میں ہو۔ نیچے زمین ہے اوپر آسمان۔ بھاگ نکلنے کا کوئی رستہ نہیں۔ تمہاری کارستانیوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمہیں زمین نگل جائے یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گر کر تمہیں نیست و نابود کر دیا جائے لیکن اللہ تعالیٰ رحمان و رحیم ہے۔ وہ عذاب دینے میں عجلت نہیں کرتا۔ وہ علیم و حکیم ہے اس کے سارے کام پر از حکمت ہوتے ہیں۔ اس لیے اس نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے۔ الی مابین ایدیہم وما خلفہم : ای انما احاط بجوانبہم۔ (مظہری)

۱۳ یعنی ہم اپنی مختلف صفات جلیلہ کا جس طرح مظاہرہ فرماتے ہیں اس میں ایک عبد منیب کے لیے ہماری عظمت و کبریائی کی بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں۔ منیب : راجع الی اللہ بقلبہ (مظہری) یعنی جو دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا۔

۱۴ اب چند ان برگزیدہ بندوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو انابت کی صفت سے متصف ہیں۔ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنی نوازشات اور عنایات کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے داؤد پر اپنا خصوصی فضل فرمایا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ گمنامی سے نکال کر تاج و تخت کا مالک بنا دیا۔ عوام کی صفوں سے چنا اور خواص کا سردار بنا دیا اور ایسی ایسی خصوصیتوں اور کمالات سے نوازا کہ سب قوم کو ان کی عظمت کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔ فضلاً مفعول ہے آتینا کا اور منا اس کا حال ہے اور اسی حال نے فضلاً کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ فضل الٰہی کا حصر مشکل ہے۔ وہ کریم جب اپنا دست کرم کشادہ کرتا ہے تو کون ہے جو اس کی کرم بخشیوں کی حد متعین کر سکے۔ نبوت، حکمت، حکومت :

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ

(ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کرو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا تھا نیز ہم نے نرم کر دیا اس کے لیے لوہا ۱۰ (اور حکم دیا) کہ

سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

زرہیں بناؤ اور (ان کے) حلقے جوڑنے میں اندازے کا خیال رکھو۔ اے آلِ داؤد! نیک کام کیا کرو، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو میں

کتاب، حسن صوت، بدنی قوت۔ سبھی اس کے فضل کے مظاہر ہیں۔ ان میں سے چند کو یہاں خصوصی طور پر بیان فرمایا۔

۱۰ پہاڑوں کو حکم ملا کہ جب میرا یہ حبیب میری تسبیح میں مشغول ہو تو تم بھی بصرف زبانِ حال سے نہیں بلکہ زبانِ قال سے بھی اس کے ساتھ مل کر میری پاکی بیان کرو۔ اور اے پرندو! تم بھی میرے اس بندے کے ساتھ مل کر تسبیح و تہلیل میں نغمہ سرا ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوش آوازی کی صفت سے متصف فرمایا تھا۔ دل میں محبتِ الٰہی کے چشمے اُبلتے تھے اور شوق کی چنگاریاں دہکتی تھیں۔ جب آپ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی شیریں اور میٹھی آواز سے ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوتے تو سارے ماحول پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ پہاڑوں کے پتھر جھومنے لگتے اور شجر بن کے سب تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جاتے۔ پرندے بھی اڑنا بند کر دیتے اور آپ کے ارد گرد حلقہ باندھ کر جمع ہو جاتے اور آپ کے ساتھ مل کر اپنے رب کی حمد و ثنا کے گیت گاتے۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ صرف پہاڑوں اور پرندوں پر ہی یہ کیا موقوف تھا۔ ہر چیز پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ولکن المراد انه فی اثناء ربه خص الجبال والطیر۔ دیکھیں
"اَوِّبِي" کا معنی ہے تسبیح۔

۱۱ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لوہا نرم کر دیا۔ کہتے ہیں کہ لوہا ان کا ہاتھ لگنے سے موم اور آٹے کی طرح نرم ہو جاتا اور جس طرح چاہتے اس کو اس شکل میں ڈھال دیتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کو لوہا پگھلانے کا فن سکھا دیا گیا ہو جس سے آپ بڑی آسانی سے اسے پگھلا کر مختلف قالبوں میں ڈھال لیتے۔ ساتھ ہی زرہ سازی کا ہنر بھی سکھا دیا اور اس ہنر کی باریکیوں سے بھی باخبر کر دیا تھا کہ زرہیں تنگ اتنی نہ بنائیں کہ پہننے والے کی تکلیف کا باعث بھی ہوں گی اور اس کی پوری حفاظت بھی نہ ہو سکے گی۔ نیز فرمایا کہ جب اس کے حلقوں کو پرونے لگو تو قد اور اندازے کا پورا پورا خیال رہے۔ جو حلقہ چھوٹا یا بڑا، موٹا یا پتلا جیسے مناسب ہو بڑے سلیقہ اور مہارت سے اسے وہاں جوڑا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ جوڑنے میں غلطی ہو جائے اور معمولی سی بے پرواہی کی وجہ سے زرہ ناکارہ ہو جائے۔

ان آیات میں ہمارے لیے بھی دو سبق ہیں۔ (۱) دستکاری کرنا کوئی عیب نہیں۔ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے روزی کمانا پیغمبروں کا شیوہ ہے۔ (۲) جو کام کرو بڑے سلیقہ اور ہنرمندی سے کرو۔ جو چیز بناؤ اس میں پختگی اور نفاست دونوں کا پورا پورا خیال رکھو۔ بے دلی اور بے احتیاطی سے کوئی کام کرنا مسلمان کو زیبا نہیں۔ کاش ہم قرآن کریم کی نازل ہوئی ہدایات پر چلیں۔ ہماری صنعت و حرفت کو چار چاند لگ جائیں۔ ہر منڈی میں ہماری مصنوعات کی مانگ بڑھ جائے۔ ہماری ہنرمندی اور فنی مہارت کی دھاک بیٹھ جائے اور ساتھ ہی ساتھ ہماری معاشی حالت بھی قابلِ رشک ہو جائے۔ آج ہم میں سے کتنے ہیں جنہوں نے ان ہدایات پر عمل کرنے کی کبھی کوشش کی ہو۔

بَصِيْرٌ ﴿١١﴾ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ

انہیں خوب دیکھ رہا ہوں ف اور ہم نے مسخر کر دی سلیمان کے لیے ہوا۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی،

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ہم نے جاری کر دیا ان کیلئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ ف اور کئی جن (انکے تابع کر دیئے) جو کام میں جتے رہتے انکے سامنے انکے رب کے

بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ

اذن سے اور جو سرتابی کرتا ان میں سے ہمارے حکم (کی تعمیل) سے تو ہم اسے چکھاتے بھڑکتی ہوئی آگ کا

السَّعِيْرِ ﴿١٢﴾ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ

عذاب ف وہ بناتے آپ کے لیے جو آپ چاہتے پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے

كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۭ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ مِّنْ

حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں ف اے داؤد کے خاندان والو! (ان نعمتوں پر) شکر ادا کرو ف اور بہت کم ہیں

ف اے آلِ داؤد! دنیاداری کے کاموں میں ہی مشغول ہو کر نہ رہ جاؤ بلکہ نیک کاموں کے لیے بھی وقت نکالا کرو۔ ایسا کام جن سے اوروں کو بھی فائدہ پہنچے اور تزکیۂ نفس کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے تمہارا کوئی کام مخفی نہیں۔ اگر نیک کام کرو گے تو اسکے اجرِ عظیم کے مستحق قرار پاؤ گے۔

ف جس طرح ہم نے حضرت داؤد پر اپنا خصوصی فضل فرمایا اسی طرح ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہما السلام پر بھی اپنی خصوصی عنایات فرمائیں۔ ہم نے آپ کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا۔ جب آپ اپنی وسیع و عریض مملکت کے دورے پر جاتے تو آپ کے تخت کو ہوا اپنے کندھوں پر اٹھا کر بڑی سرعت سے رواں دواں ہو جاتی اور وہ بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے۔ صبح کے وقت وہ اتنا سفر کر لیتے جتنا ایک سوار سریع السیر گھوڑے پر ایک ماہ میں طے کرتا۔ اسی طرح شام کے وقت بھی۔ نیز ہم نے آپ کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا تاکہ وہ حسبِ منشا اس کو اپنے مصرف میں لائیں۔ القطر، النحاس المذاب یعنی پگھلا ہوا تانبا۔

ف۱۹ ہوا کے علاوہ ہم نے جنات کو بھی حضرت سلیمان کا تابع فرمان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ جن ہر وقت ان کی خدمت بجا لانے میں مصروف رہتے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ اپنی ڈیوٹی میں ذرا غفلت یا پہلوتہی کرے۔ سرتابی کرنے والوں کو آگ سے جلا دیا جاتا۔

ف۲۰ حضرت سلیمان کے حکم کی تعمیل میں جو خدمات وہ انجام دیا کرتے تھے یہاں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ محاریب: اس کا واحد محراب ہے۔ اس سے مراد قلعے، اونچی اونچی عبادت گاہیں اور رہنے کے لیے بہترین اور خوشنما محلات: ان کو محاریب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر

عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى

میرے بندوں سے جو شکرگزار ہیں ۲۳ے پس جب ہم نے سلیمان پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا تو نہ بتایا جنات کو آپ کی

مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ

موت کا مگر زمین کے دیمک نے جو کھاتا رہا آپ کے عصا کو ۲۴ے پس جب آپ زمین پر آ رہے تو

کوئی قبضہ کرنا چاہے تو انہیں بے دقعت جان کر بغیر لڑے دشمن کے حوالے نہیں کر دیا جاتا بلکہ لوگ ان کے بچانے کے لیے مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔

قصور رامية ومساجد رفيعة ومساكن شريفة سميت بها لانها يذب عنها ويحارب عليها (مظہری)

تماثیل: اس کا واحد تمثال ہے یعنی جنات ان کے لیے بڑے بڑے پتھر وغیرہ کے مجسمے تراشتے یا ڈھالتے تھے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے مجسموں کا جواز ثابت کیا ہے۔ حالانکہ احادیث پاک میں ان کے متعلق سخت وعید ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نفس کے اتباع سے محفوظ رکھے۔

جِفَانٌ: اس کا واحد جفنة ہے وہ بڑے بڑے لگن جن میں کھانا ڈالا جاتا ہے اور لوگ اس کے اردگرد بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ بتایا کہ جو لگن جنات آپ کے لیے تیار کرتے تھے وہ عام قسم کے لگن نہیں ہوتے تھے بلکہ اتنے بڑے اور چوڑے ہوتے جیسے پانی کے حوض اور تالاب ہوا کرتے ہیں۔ قدور راسیات یعنی ایسی بڑی بڑی بھاری بھرکم دیگیں بناتے جو اپنی جسامت اور بوجھ کے باعث آسانی سے ادھر ادھر نہیں کی جا سکتی تھیں بلکہ چولہوں پر مضبوطی سے جما دی جاتی تھیں۔

۲۲ے یعنی جب ہم نے داؤد اور آلِ داؤد علیہ السلام پر اتنا احسان فرمایا ہے اور ایسے ایسے انعامات سے ممتاز کیا ہے۔ تو آلِ داؤد پر واجب ہے کہ وہ شکرگزاری میں سرگرم رہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے خاندان والوں کے لیے اس طرح اوقات تقسیم کر دیے تھے کہ آٹھ پہر میں کوئی ایسا لمحہ نہ ہوتا تھا جب کہ آپ کے خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد شکر الٰہی میں مصروف نہ ہو۔

۲۳ے اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کی بارش تو ہر شخص پر ہر لحظہ برس رہی ہے لیکن بہت کم ایسے بندے ہیں جو شکر کا حق ادا کرتے ہوں۔ شکر کی حقیقت اور شکر کا طریقہ اس کے متعلق تفصیلی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

۲۴ے جنات غیب دانی کا دعویٰ کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے وہ انسانوں پر اپنا رعب بٹھاتے اور انہیں طرح طرح کی ایسی باتیں بکتے جن کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی غیرت نے ان کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس وقت موت سے ہمکنار کیا جب وہ عصا پر ٹیک لگائے معروفِ عبادت تھے آپ کی روح پرواز کر گئی لیکن آپ کا جسم مبارک عصا کے سہارے یوں کا توں کھڑا رہا۔ جنات جو آپ کے حکم سے بڑے کٹھن اور مشقت طلب کاموں میں جتے ہوئے تھے وہ آپ کے خوف سے سستی نہ کر سکتے تھے۔ وہ آپ کو کھڑا ہوا دیکھتے تو سمجھتے کہ آپ زندہ و سلامت ہیں ذرا غفلت برتی تو کھال ادھیڑ لیں گے۔ اسی طرح پورا سال گزر گیا۔ بحکم الٰہی دیمک نے عصا کو چاٹنا شروع کر دیا۔ نیچے سے اوپر تک اسے کھوکھلا کرنے میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ جب وہ بالکل کھوکھلا ہو گیا اور آپ کا بوجھ نہ سہار سکا تو ٹوٹ گیا اور آپ نیچے زمین پر آ رہے تب جنات کو پتہ چلا کہ جس کے

الْجِنُّ أَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ

جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کو جانتے ہوتے تو اتنا عرصہ نہ رہتے اس رسوا کن

الْمُهِيْنِ ۝۱۴ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ

عذاب میں قوم سبا کے لیے ان کے مسکن میں ہی نشانی موجود تھی دو باغ تھے ایک دائیں

يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۗ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۚ بَلْدَةٌ

طرف اور دوسرا بائیں طرف ۲۶ کھاؤ اپنے رب کا دیا ہوا رزق اور اس کا شکر ادا کرو ۲۷ اتنا پاکیزہ

خوف سے انہوں نے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا رکھا، تو سرے وفات پا چکا ہے تو اب ان کے دعویٰ کی حقیقت فاش ہو گئی۔ بیہودہ لوگ جو ان جنات کے غیب دانی کے دعویٰ کو سچا سمجھ رہے تھے انہیں بھی پتہ چل گیا کہ یہ اپنے دعویٰ میں سراسر جھوٹے ہیں۔ دابة الارض: دیمک۔ منساة: عصا۔ یہ لفظ نسأت الغنم سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے میں نے ریوڑ کو ہانک دیا، اسی سے منساة یعنی ہانکنے کا آلہ۔

تبینت کا فاعل یا تو جن ہیں۔ یعنی تمام جنوں پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ان کے سردار جو غیب دانی کی لافیں مارا کرتے تھے وہ بالکل جھوٹے تھے اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ سال بھر بلا وجہ جان کر اس مصیبت میں نہ ڈالے رکھتے یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں پر یہ حقیقت کھل گئی کہ جنات کو غیب کا کوئی علم نہیں۔

جنات کے سر غرور کو خاک میں ملانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے نشان قدرت کا مشاہدہ بھی کرا دیا۔ عام انسان اگر عصا پر ٹیک لگا کر کھڑا ہو اور روح اڑ جائے تو اس کا توازن برقرار نہیں رہتا۔ اور فوراً زمین پر گر پڑتا ہے۔ پھر موت کے بعد چہرے کی رنگت بدل جاتی ہے جسم میں طرح طرح کے تغیرات رونما ہونے لگتے ہیں لیکن یہاں آپ سال بھر ٹیک لگائے کھڑے رہے، چہرہ اسی طرح پھول کی طرح شگفتہ رہا، بدن بالکل تر و تازہ رہا، تعفن اور بوسیدگی تو کجا لباس بھی ویسے ہی پاک صاف رہا۔ نہ موسم گرما کی حدت اور حبس نے جسد اطہر کو متاثر کیا اور نہ موسم سرما کا کوئی اثر ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بے بصیرت لوگوں کو ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا کہ نبی کی ظاہری زندگی کا جاہ و جلال تو تم دیکھتے رہے۔ اب اس کے انتقال کے بعد بھی اس کی شان دیکھ کر دیکھو۔

۲۶ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کسی صحابی نے دریافت کیا: یا رسول اللہ! سبا کسی مرد کا نام ہے، کسی عورت کا نام ہے یا کسی وادی کا؟ حضور نے فرمایا: بل هو رجل ولد له عشرة فسكن اليمن منهم ستة والشام منهم اربعة ، یہ ایک آدمی کا نام ہے۔ اس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں سکونت پذیر ہو گئے اور چار شام میں آ کر آباد ہو گئے۔ صاحب لسان العرب نے اس کا نسب نامہ یوں لکھا ہے: هو سبا بن يشجب بن يعرب بن قحطان۔ علامہ ابن کثیر نے علماء نسب کے حوالے سے اس کی تشریح کی ہے۔ صرف اتنا اضافہ کیا ہے کہ اس کا نام عبد الشمس تھا اور سبا اس کا لقب تھا کیونکہ اس نے جنگ میں سب سے پہلے قیدی بنائے

طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۝ فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

شہر اور ایسا رب غفور! (اہل سبا) ناشکری تو مت کیا کرو ۱۶ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا

لذلك اول من سنها في العرب۔

ان کا واقعہ یہ ہے کہ یمن کا اکثر حصہ کوہستانی ہے یہاں کوئی دریا نہیں بہتا۔ برسات کے موسم میں بارش کا پانی برساتی نالوں کے ذریعے آتا اور اس سے کہیں کہیں کھیتی باڑی کی جاتی۔ اہل یمن نے مارب کے قریب ایک وادی میں بڑا زبردست بند DAM تعمیر کیا۔ کہتے ہیں یہ بند ملکہ بلقیس کے زمانہ میں سنگلاخ چٹانوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اوپر نیچے اس کے تین دروازے تھے۔ اس سے نیچے ایک بہت بڑا وسیع تالاب تھا جس سے بارہ نہریں نکالی گئی تھیں جو ملک کے ہر حصہ کو سیراب کرتیں۔ جب ڈیم بھرا ہوتا تو سب سے اونچا دروازہ کھولا جاتا اس سے پانی نکل کر نیچے ذخیرہ میں آتا اور وہاں سے حسب ضرورت مختلف نہروں میں چھوڑ دیا جاتا۔ پانی کی سطح کم ہوتی تو درمیانی دروازہ کھولا جاتا اور جب بالکل پانی کم ہوتا تو نیچے والا دروازہ کھول دیا جاتا۔ یہ ڈیم اتنا بڑا تھا کہ موسم برسات میں ذخیرہ کیا ہوا پانی ان کی سال بھر کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو جاتا۔

آبپاشی کا اتنا اعلیٰ نظام تھا کہ اس زمانہ میں بابل کے علاوہ کہیں اس کی نظیر نہ تھی۔ جب یمن کی زمین کو بروقت پانی دستیاب ہونے لگا تو ہر طرف سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگے۔ وادی کے دونوں طرف دائیں بائیں دُور دُور تک باغات کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ امام قرطبی کہتے ہیں جنتین کا یہ مطلب نہیں کہ ملک بھر میں صرف دو باغ تھے ایک دائیں طرف دُوسرا بائیں طرف۔ بلکہ مقصد یہ ہے دائیں بائیں ہر طرف باغات ہی باغات تھے۔ جو رنگا رنگ پھلوں سے لدے ہوئے سرسبز درختوں پر مشتمل تھے (قرطبی)

خود سوچیے جہاں آب رسانی کا اتنا بہترین نظام ہو، ہر طرف پھل دار درخت جھول رہے ہوں۔ باغات سے سارا ملک جنت نظیر بنا ہو، زمین سونا اگل رہی ہو، وہاں کے باشندوں کی خوشحالی کا کیا عالم ہوگا۔ مشرق و مغرب میں ان کی دولت و ثروت کے چرچے تھے۔ اس وقت کے سیاحوں نے ان کے مکانات کی تزئین اور آرائش کے جو چشم دید حالات لکھے ہیں، انہیں پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔

۲۵ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے رب کریم کے دیے ہوئے رزق سے کھاؤ۔ رنگا رنگ خوش ذائقہ پھلوں سے لطف اٹھاؤ لیکن خیال رہے جس کے خوان کرم سے تمہیں یوں اعلیٰ اور بے حساب نعمتیں عطا کی جا رہی ہیں اس کی شکر گزاری میں سستی نہ کرنا۔ جتنا تم شکر ادا کرو گے وہ کریم اتنا ہی مزید لطف و کرم تم پر کرے گا۔

۲۶ تم کتنے خوش نصیب ہو تمہیں ملک عطا ہوا تو ایسا جو آب و ہوا کے لحاظ سے بڑا پاکیزہ ہے، زمین زرخیز ہے، پانی وافر ہے، باغ خوب پھلتے ہیں۔ ہوا اتنی لطیف ہے کہ اس کا ہر جھونکا نسیم بہار کی طرح غنچۂ دل کو شگفتہ کر دیتا ہے۔ مچھر مکھی وغیرہ کا یہاں نام تک نہیں۔ مزید برآں تمہارا رب بہت بڑی بخشش کرنے والا ہے اگر بھولے سے کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو فوراً پکڑ نہیں لیتا، تم توبہ کے دروازہ کو کھٹکھٹاؤ، وہ تمہارے گناہ بخش دیتا ہے۔

۲۷ کچھ عرصہ تو وہ عنایات ربانی سے لطف اندوز ہوتے رہے اور شکر بجا لاتے رہے لیکن جب عرصہ دراز اس لطف و تنعم میں

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ

اور ہم نے بدل دیا ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے جن کے پھل ترش اور کڑوے تھے اور انہیں جھاؤ کے پیڑ تھے اور

مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ

چند بیری کے درخت تھے ۳۱ یہ بدلہ دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کی احسان فراموشی کے ۳۲ اور ہم احسان فراموش کو

گزرا تو ان میں سرکشی اور بے راہروی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے نبی مبعوث فرمائے جنہوں نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان نہ بنو۔ یہ عیش و نشاط، یہ دولت کی فراوانی اور غلوں اور پھلوں کی بہتات تمہاری کسی ذاتی محنت کا نتیجہ نہیں بلکہ تمہارے پروردگار کی دین ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم گناہ کرتے رہو اور ناشکر گزار بنے رہو اور وہ تمہیں ان نعمتوں سے محروم کر دے لیکن شیطان نے ان کو ایسا ورغلایا تھا کہ انہوں نے اپنے مخلص ناصحین کے پند و نصیحت کو سننے سے انکار کر دیا اور برملا کہنا شروع کر دیا: ما نعرف لله علینا نعمة فقولوا لربکم فلیحبس هذه النعمة عنا ان استطاع۔ یعنی ہمیں تو کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے تم بیشک اپنے رب کو کہو کہ اگر اس میں طاقت ہے تو جو انعام اس نے ہم پر کیا ہے وہ واپس لے لے۔ جب ان کے فسق و فجور کی حد ہو گئی تو مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا۔ غضب الٰہی موسلا دھار بارشوں کی شکل میں ظاہر ہوا اس نے اتنے خوفناک سیلاب کی صورت اختیار کر لی کہ جب اس کی موجیں ان چٹانوں سے بنے ہوئے بند سے جا ٹکرائیں تو ان کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا چند جھٹکوں کے بعد وہ بند جس کی پختگی پر انہیں بڑا ناز تھا اس میں دراڑیں نمودار ہونے لگیں کچھ لمحوں کے بعد پانی کا تند ریلا اس کے بھاری بھرکم پتھروں کو تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔ کئی روز سے موسلا دھار بارش کے باعث سارے علاقے میں ہر طرف پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا۔ اوپر سے بند ٹوٹنے سے اس کا پانی بھی آ گیا۔ جب یہ سارا پانی بلندی سے پستی کی طرف بجلی کی تیزی سے رواں ہوا تو راستے میں جتنے شہر تھے ملیا میٹ ہو گئے۔ باغات اجڑ گئے۔ درخت اکھڑ گئے اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا تو نام و نشان تک کہیں باقی نہ رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان ناشکروں اور ان فاسقوں کو تباہی اور بربادی کی چکی میں پیس ڈالا۔

عَرِم کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں (۱) سدٌّ یعترض به الوادی وہ بند جو وادی کے سامنے تعمیر کیا گیا ہو (۲) العرم الاحباس تبنى فى اوساط الاودية: پانی کے وہ ذخیرے جو وادی کے وسط میں جگہ جگہ بنائے گئے ہوں۔ (۳) العرم السیل الذی لا یُطاق: ایسا سیلاب جس کو روکنے کی کسی میں طاقت نہ ہو۔ وقیل المطر الشدید: سخت بارش۔ یہاں یہ سارے معانی چسپاں ہو سکتے ہیں

۳۱ کچھ عرصہ پہلے جہاں جنت نظیر وادیاں دعوت نظارہ دے رہی تھیں، جس ملک کا ہر گوشہ فردوس بر روئے زمین ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا وہاں الو بولنے لگے، وہاں تباہی و بربادی نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ سنسان ویرانے تا حد نظر پھیلے ہوئے تھے، پھل دار درختوں کا نشان تک نہ رہا تھا۔ وہ شہر اور گاؤں جہاں زندگی اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ محو خرام تھی

إِلَّا الْكَفُورَ ﴿١٧﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا

ہم کسے ایسی سزا دیتے ہیں ۲۰ اور ہم نے بنادی تھیں ان کے درمیان اور ان شہروں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی بہت

قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ ۖ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا

کئی بستیاں سرِ راہ ۲۱ اور ہم نے منزلیں مقرر کردی تھیں ان میں آنے جانے کی ۲۲ سیر و سیاحت کرو ان میں جب چاہو راتوں اور دنوں کو

وہاں خاک اڑنے لگی یوں دکھائی دیتا جیسے یہاں کبھی کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔ وہ چمن بندیاں، وہ روشیں، وہ خیاباں اور پھولوں سے لدی ہوئی کیاریاں سب قصۂ ماضی بن چکی تھیں۔ اب خودرو بوٹے، خاردار جھاڑیاں اور کہیں کہیں جنگلی گھاس اگی ہوئی نظر آتی تھی۔ جہاں سیب، انار اور انگور تھے وہاں کڑوے اور ترش پھل، جھاؤ کے درخت اور چند بیری کے بے رونق پودے نظر آتے تھے۔

اُکُل: پھل۔ خمط: وہ پھل جو ترش یا کڑوا ہو۔ اثل: جھاؤ کا درخت۔ سدر: بیری۔

۱۹ یہ تو ان کے باغات کا حال ہوا۔ اور ان ناشکروں اور نئے پندار سے سرشار مغروروں پر کیا بیتی۔ اس کا کیا پوچھنا۔ ایک کثیر تعداد تو سیلاب میں بہہ گئی جو بچ گئے وہ اپنے ملک کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں تتر بتر ہوگئے۔ ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ جہاں گئے وہاں کی آبادی میں جذب ہو کر رہ گئے۔ نہ وطن رہا نہ ٹھکانا۔ باقی تھا قوم کا نام، اس کو بھی مٹا کر رکھ دیا گیا۔

۲۰ یہ سزا ان کی نافرمانی اور ناشکری کے باعث انہیں دی گئی۔ ہم یونہی قوموں کو بلاوجہ تباہ و برباد نہیں کر دیتے، بلکہ یہ ان کے اعمالِ بد ہی ہیں جو انہیں اس ہولناک انجام سے دوچار کر دیتے ہیں۔

۲۱ جب وہ خوشحال اور آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے اس وقت اس علاقہ کی چہل پہل کا یہ عالم تھا کہ یمن سے لے کر شام فلسطین تک سارا راستہ آباد تھا۔ جگہ جگہ پُررونق بستیاں تھیں۔ ایک شہر سے نکلے تو دوسرے شہر کے اونچے اونچے مکانوں کی منڈیریں دکھائی دینے لگتیں۔ ابھی ایک شہر کی چہل پہل ختم نہ ہوتی تو دوسری بستی کی دلچسپیاں مسافروں کی توجہ کو جذب کرنے لگتیں۔

"بینھم" سے مراد سبا کا علاقہ ہے۔ "القری التی بارکنا" سے مراد شام و فلسطین کے قصبے اور شہر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بابرکت کیا تھا۔ "قری ظاھرۃ" سے مراد وہ گاؤں اور بستیاں ہیں جو کسی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے مسافروں کو دور سے نظر آنے لگتی ہیں۔ یا وہ شہر جن میں اونچے اونچے محلات اور ایوان راہگیروں کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔ "ظاہرہ" کا ایک معنی عامرہ بھی ہے یعنی آباد۔ قیل ظاھرۃ ای عامرۃ۔ (البحر المحیط)

۲۲ یعنی ہم نے سفر کی منزلیں ان میں مقرر کر دی تھیں۔ کوئی شب باشی کے لیے کوئی دوپہر کا قیلولہ کرنے کے لیے۔ ہر جگہ ہر طرح کا سامانِ راحت میسر۔ آرام دہ سرائیں اور شاندار ہوٹل اپنے مہمانوں کے لیے چشم براہ۔

۲۳ یہاں سفر کے لیے ضروری نہیں تھا کہ دن کے اجالے میں ہی ہو۔ رات ہو یا دن ہر مسافر امن و امان سے اپنا سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ نہ دل کو کسی قزاق کا اندیشہ نہ مال و متاع کے لٹ جانے کا خوف۔

آمِنِينَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ

کے وقت امن وامان سے۔ پھر وہ بولے اے ہمارے رب! دور دراز کر دے ہماری مسافتوں کو ۲۲ (یہ کہہ کر) انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم

فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ

کیا۔ پس ہم نے انہیں افسانہ بنا دیا اور ہم نے ان (کی جمعیت) کو پارہ پارہ کر دیا ۲۳ (قوم سبا کی اس داستان) میں عبرت کی

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ

نشانیاں ہیں ہر بہت صبر بہت شکر کرنے والے کے لیے ۲۴ اور بے شک سچ کر دکھایا ان (ناشکروں) پر شیطان نے اپنا گمان ۲۵

۲۲ لیکن اس آرام دہ زندگی سے کچھ مدت کے بعد وہ اکتا گئے، وہ خدا سے دعا کرنے لگے کہ ہماری مسافتوں کو طویل کر دے۔ ایک پڑاؤ دوسرے پڑاؤ سے کافی دور ہو، ان کے درمیان وسیع و عریض سنسان صحرا ہوں، غیر آباد ویرانے ہوں۔ انہیں چلچلاتی دھوپ جلائے، گرم ریت جھلس ڈالے، پیاس کی شدت سے ہونٹ خشک ہوں، سفر کا مزا تو تب ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں:

فلما طالت بهم مدة النعمة بطروا وملوا العافية وطلبوا استبدال الذي هو ادنى بالذي هو خير... فتمنوا ان يجعل الله بينهم وبين الشام المفاوز۔ (بحر)

۲۳ ان نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے انہوں نے ناشکری کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ وہ قوم جو فارغ البالی اور خوشحالی کے باعث آفاق عالم میں رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھی جاتی تھی، جس کا آفتاب اقبال بڑی بلندی پر چمک رہا تھا جب بہکنے لگے پکڑا تو اسے داستان پارینہ بنا کر رکھ دیا۔ اب صرف ان کی کہانیاں باقی رہ گئی ہیں۔ اس قوم کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ ان کی جمعیت کو ہم نے اس طرح منتشر اور تتر بتر کر دیا کہ جب کوئی جماعت یا قبیلہ منتشر ہوتا ہے تو اہل عرب بطور مثال کہتے ہیں: ذهبوا ايدي سبا۔ کہ اس قبیلہ کے لوگ یوں بکھر گئے جس طرح سبا کی قوم کو مختلف راستوں نے ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔

وقيل للقوم اذا تفرقوا في جهات مختلفة ذهبوا ايدي سبا اي فرقتهم طرقهم التي سلكوها واليد الطريق (لسان)

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ قبیلہ غسان شام چلا گیا۔ انمار یثرب میں، جذام تہامہ میں اور قبیلہ ازد عمان میں جا کر آباد ہو گئے۔ (کشاف)

۲۴ ان کی تباہی کی درد بھری داستان سے وہی لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں جو صبر و شکر کی صفات سے پوری طرح متصف ہوں۔

۲۵ جب شیطان نے مہلت ملنے کے بعد خالق کائنات کے حضور میں یہ لاف زنی کی تھی۔ فبعزتك لاغوينهم اجمعين ولا تجد اكثرهم شاكرين۔ یعنی مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس وقت اسے یہ یقین نہ تھا کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں پورا اترے گا لیکن جب اہل سبا نے اس کی انگیخت پر غوایت وضلالت کی راہ پر چلنا شروع کر دیا اور ناشکری کی انتہا کر دی، تو اب اس کا وہ گمان درست ثابت ہو گیا۔

فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ

سو وہ اس کی تابعداری کرنے لگے بجز مومنوں کے ایک گروہ کے (جو حق پر ڈٹا رہا)۔ اور نہیں حاصل تھا شیطان کو ان پر ایسا قابو

مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا

(کہ وہ بے بس ہوں) [۲] مگر یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ہم دکھانا چاہتے تھے کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے

فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ

متعلق شک میں مبتلا ہے اور (اے حبیب!) آپ کا رب ہر چیز پر نگہبان ہے [۳] آپ فرمائیے (اے مشرکو!) تم پکارو جن کو

انما قال له ظنًا فلما اتبعوه واطاعوه صدق عليهم ما ظنه فيهم (مظہری)۔ یعنی پہلے تو اس کا یہ غالب گمان تھا کہ وہ انہیں گمراہ کر دے گا لیکن جب اہل سبا نے اس کے اشارہ پر ناچنا شروع کر دیا اور اس کی پیروی اختیار کر لی تو اب کے گمان کی تصدیق ہو گئی۔ وقال مجاهد: ظن ظنًا فكان كما ظن فصدق ظنه (قرطبی)۔ کہ اس نے ایک گمان کیا تھا اور وہ گمان پورا ہو گیا تو اب گویا اس کے ظن کی تصدیق ہو گئی۔

[۲] یعنی شیطان کے پاس ایسی کوئی قوت نہ تھی جس کے زور سے وہ انہیں جبراً اپنا پیروکار بنا لیتا اور وہ اپنی مرضی اور ارادہ کے علی الرغم اس کے پیچھے چلنے پر مجبور ہوتے۔ اس کا کام تو صرف وسوسہ اندازی کرنا اور لطائف الحیل سے ورغلانا اور بہکانا تھا اس نے صرف گمراہ کیا اور یہ صاحبان وقار و متانت کر بالائے طاق رکھ کر گل کھلانے لگ گئے۔ اس نے صرف مکر پھیلایا اور یہ بد قسمت کہ نہ صرف اس کی چکنی چپڑی باتوں پر یوں فریفتہ ہو گئے کہ اپنے خالق کو بھی بھلا دیا اور اپنے مخلص راہنماؤں کی پند و موعظت کو بھی ٹھکرا دیا۔

[۳] یہ استثناء منقطع ہے اور اِلَّا۔ لکن کے معنی میں استعمال ہوا ہے (قرطبی)۔ نعلم کے معنی کی تحقیق کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ مختصر خلاصہ یہ ہے کہ نعلم (نظہر کرنا)، نمیز (تمیز کرنا) اور نری (دیکھنا) کے معانی میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ یہاں یہ سارے معانی چسپاں ہو سکتے ہیں اور اگر نعلم جاننے کے معنی میں ہی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک علم تو وہ ہے جو کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے اسے حاصل ہے لیکن اس علم پر جزا و سزا مرتب نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی عمل عالم واقع میں ظہور پذیر ہو سکتا ہے کہ نیکو کار کو جزا کا اور بدکار کو سزا کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں علم سے مراد یہی علم ہے۔ يريد علم الشهادة الذي يقع به الثواب والعقاب (قرطبی)۔

لیکن علم الٰہی کے بارے میں جو تحقیق علامہ سیالکوٹی نے کی ہے۔ اہل حق کے نزدیک وہی اوج بالقبول ہے جس کا خلاصہ چند سطور میں پیش خدمت ہے:

فرماتے ہیں: "زمانہ اور زمانیات، اسی طرح مکان اور مکانیات سب حادث ہیں اور ان تمام امور کے

زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ

جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا معبود خیال کرتے ہو۔ یہ تو ذرہ برابر کے بھی مالک نہیں ہیں نہ آسمانوں میں

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

اور نہ زمین میں اور نہ ان کا زمین و آسمان میں کچھ حصہ ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ان میں سے

مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهٗ ۚ حَتّٰىٓ

کوئی مددگار ہے ۲۳ اور نہ نفع دے گی سفارش اس کے ہاں مگر جس کے لیے اس نے اجازت دی ہو یہاں تک

متعلق، اللہ تعالیٰ کا علم قدیم، ازلی اور ابدی ہے۔ تقدیم و تاخیر جس کا تعلق زمانہ سے ہے اور تحت و فوق جس کا تعلق مکان سے ہے یہ حادث ہے اور اللہ تعالیٰ تو زمان و مکان کا خالق ہے وہ زمانی تقدیم و تاخیر اور مکانی فوق و تحت سے مبرا اور منزہ ہے"۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مظہری سورہ سبا کی آیت ۳ اور ۴)

۲۳ زعمتم کا مفعول ثانی آلہۃ مقدر ہے۔ ای زعمتوهم آلهة عبارت یوں ہے کہ ای زعمتوهم الالهة۔ مظہری)

یعنی جن کو تم اپنا خدا یقین کرتے ہو انہیں پکارو۔ کیا وہ تمہاری کیا مدد کرتے ہیں۔ وہ بیچارے تو بے بس اور بے نوا ہیں۔ وہ تو زمین آسمان میں سے کسی ذرہ کے بھی مالک نہیں۔ مِنْ شِرْكٍ میں مِنْ زائدہ ہے اور شرک یعنی شرکت یعنی حصہ ہے۔ یعنی ان کا زمین و آسمان میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، ای ادعوا الذین زعمتم انهم الالهة (قرطبی) یعنی انہیں پکارو جنہیں تم خدا خیال کرتے ہو۔ علامہ ابن حیان لکھتے ہیں، زعمتوهم الالهة من دونه (بحر) یعنی جنہیں تم اللہ کے سوا خدا سمجھتے ہو۔ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود بنائے ہوئے تھے۔ تقریباً سب مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

۲۴ کفار علی سبیل التنزل کہتے تھے کہ چلو ہم مان لیتے ہیں کہ ہمارے ان بتوں کو زمین و آسمان کی کسی چیز پر اختیار نہیں اور نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ حصہ دار لیکن قیامت کے روز یہ ہماری شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کے باعث ہم نجات پا جائیں گے۔ ان کے اس گمان کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ ان کا یہ خیال بھی سراسر ہذیان ہے۔ قیامت کے دن ایسا نہیں ہوگا کہ جس کا جی چاہے گا شفاعت کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے گا بلکہ شفاعت کے لیے صرف وہ آدمی لب کشائی کرے گا جس کو بارگاہ الٰہی سے شفاعت کرنے کی اجازت ملے گی اور فقط ان لوگوں کے لیے وہ شفاعت کرے گا جن کی شفاعت کرنے کا اسے اذن ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کے جن مقبول بندوں کو شفاعت کرنے کی اجازت ہوگی۔ وہ تو انبیاء و اولیاء ہوں گے اور انہیں صرف ان گنہگاروں کے لیے سفارش کرنے کا اذن ملے گا جو ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے ہوں۔ رہے تمہارے یہ بت تو انہیں سرے سے سفارش کرنے کی اللہ تعالیٰ

إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ

کہ جب دُور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں حق فرمایا ہے اور

الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ

وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے[٤٢] آپ دریافت فرمائیے کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے خود ہی فرمائیے

اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤﴾ قُل

اللہ تعالیٰ[٤٣] اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے[٤٤] فرمائیے

نے اجازت ہی نہیں دی۔ ان کی کیا مجال ہے کہ وہ شفاعت کر سکیں اور وہ بھی ان بدنصیبوں کی جنہوں نے ساری عمر کفر و شرک میں بسر کر دی اور دمِ واپسیں تک ایمان نہ لائے۔

٤٢ فُزِّعَ کا معنی ہے جب دل سے گھبراہٹ اور پریشانی دُور ہو جائے گی۔ قال ابن عباس خلّی عن قلوبهم الفزع. قطرب: اُخرج ما فیہما من الخوف۔ یعنی قیامت کے دن جنہیں اذنِ شفاعت نہ ملا ہو گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے خوف سے ڈر رہے ہوں گے اور ان کے دل لرز رہے ہوں گے کہ دیکھیے ان کے ساتھ آج کیا سلوک کیا جاتا ہے اور جب مولا کریم اپنے فضل و کرم سے انہیں اذنِ شفاعت بخشے گا اور یہ خوف و ہراس دُور ہو گا اس وقت وہ ایک دوسرے سے اطمینان کے لہجہ میں پوچھیں گے کہ پروردگار نے کیا فرمایا۔ دوسرے انہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ بات فرمائی ہے جو عین حق ہے یعنی اس نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم اہلِ ایمان گنہگاروں کی شفاعت کرو۔ واقعی اس کی شان سب سے اعلیٰ و ارفع ہے اور وہ بہت بڑا ہے۔

٤٣ کفار کو لاجواب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ کریم کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے پوچھیں کہ تمہارے رزق کا اہتمام کرنے والا کون ہے۔ کون بادلوں کے مشکیزے میٹھے پانی سے بھر کر ہواؤں کے کندھوں پر لاد کر لاتا ہے اور تمہارے کھیتوں پر آکر برساتا ہے۔ سورج کی کرنیں اور چاند کی شعاعیں کس کے حکم سے ہر چیز کی مناسب نشو و نما کر رہی ہیں اور ان کو رنگ اور ذائقہ سے مستفید کر رہی ہیں۔ کون ہے جو یہ تمام انتظامات حسن و خوبی سے انجام دے رہا ہے۔ تمہارے کھانے کے لیے ہر طرح کا اناج، سبزیاں اور پھل تیار کر رہا ہے۔ کفار کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اگر یہ کہتے کہ ان کے بت یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو سفید جھوٹ تھا اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تو پھر شرک سے چمٹے رہنے کے لیے ان کے پاس کوئی وجہ جواز باقی نہ رہتی۔ اس لیے خود ہی حکم دیا۔ قُلِ اللہ: اے محبوب! یہ اس سوال کا جواب نہیں دیں گے۔ آپ فرما دیجیے اللہ تعالیٰ۔

٤٤ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں اور تم شرک میں مبتلا ہو۔ ہم دونوں تو راہِ راست پر ہو نہیں سکتے۔ لہٰذا اگر ہم راہِ راست پر ہیں تو تم گمراہ ہو۔ اور اگر تم راہِ راست پر گامزن ہو تو ہم بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ توحید کے ماننے والے اور شرک کرنے والے

لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ

تم سے باز پرس نہیں ہوگی ان جرموں کی جو ہم نے کیے اور نہ ہم سے باز پرس ہوگی تمہارے کرتوتوں کی ۵۵ فرمائیے جمع کرے گا ہم سب

بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۭ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ

کو ہمارا رب پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (و انصاف) کے ساتھ۔ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے ۵۶ فرمائیے

اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَاۗءَ كَلَّا ۭ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

مجھے بھی دکھاؤ وہ شریک جنہیں تم نے اللہ کے ساتھ ملا دیا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں۔ بلکہ صرف وہی اللہ ہے جو زبردست ہے دانا ہے ۵۷

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر ۵۸ لیکن (اس حقیقت کو) اکثر لوگ

دونوں راہ حق پر چل رہے ہوں۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ حق پر کون ہے ہم یا تم۔ دلائل کس کی تائید کرتے ہیں، عقل سلیم کا فیصلہ کس کے حق میں ہے اور خود تمہارے دل کیا کہہ رہے ہیں۔ قیاس استثنائی کی یہ بہترین مثال ہے۔

۵۵ ہر شخص اپنے گناہوں کا بوجھ خود اٹھائے گا۔ اب وقت ہے سمجھنے کی کوشش کرو اور اگر اس حقیقت کو جو سورج سے بھی روشن تر ہے، سمجھ چکے ہو تو نادان بچوں کی طرح بے جا ہٹ اور ضد نہ کرو ورنہ پچھتانا پڑے گا۔

۵۶ اللہ تعالیٰ ہم سب کو میدان حشر میں جمع کرے گا اور ہمارے جھگڑے کا خود فیصلہ فرمائے گا۔ اس سے بہتر اور کون فیصلہ کر سکتا ہے۔ کون سی بات ہے جس کا اسے علم نہ ہو۔ یفتح ای یحکم و یفصل (مظہری)

۵۷ مجھے دکھاؤ وہ کون ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شریک بنتے ہیں یا جنہیں بنایا جاتا ہے۔ "اَرُوْنِیْ" کا پہلا مفعول ضمیر متکلم منصوب متصل، دوسرا مفعول "الذین الحقتم به" اور تیسرا مفعول "شرکاء" ہے۔

۵۸ اس آیت کی تفسیر اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔

"عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فُضِّلْتُ عَلَى الانبیاء بستٍ۔ اُعطیتُ جوامع الکلم۔ وَنُصِرْتُ بالرعب۔ واُحِلَّتْ لِیَ الغنائم وجُعِلَتْ لِیَ الارض مسجداً وطهوراً۔ واُرسلتُ الی الخلق کافۃ۔ وخُتِمَ بِیَ النبیون"

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی ہے۔ مجھے اس نے جوامع الکلم عطا فرمائے یعنی قلیل الفاظ میں کثیر معانی کو بیان کر دینا۔ اس نے رعب سے میری مدد کی۔ میرے لیے غنیمت حلال کی

النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ

نہیں جانتے۔ اور وہ کہتے ہیں کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم

صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً

سچے ہو۔ فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لیے وعدہ کا دن مقرر ہے۔ نہ تم اس سے ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور

وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ

نہ ایک لمحہ آگے بڑھ سکو گے۔ کفار (اب تو) کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اس قرآن پر اور

وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ

اور نہ ان کتابوں پر جو اس سے پہلے نازل ہوئیں۔ کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کیے جائیں گے

عِندَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ

اپنے رب کے روبرو۔ اس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں)

گئی۔ میرے لیے تمام روئے زمین مسجد قرار دی گئی اور طہارت کا ذریعہ بنایا اور مجھے تمام مخلوقات کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا اور مجھ پر تمام نبیوں کے آخر میں بھیج کر سلسلہ نبوت ختم کیا۔

* کَافَّةً کے مفہوم اور ترکیب کے بارے میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ زجاج کے نزدیک کافۃ کا معنی جامع ہے۔ قال الزجاج ای وما ارسلناک الا جامعاً للناس بالانذار والابلاغ۔ بعض کے نزدیک یہ کفّ کا اسم فاعل ہے جس کا معنی روکنا ہے اور "ۃ" مبالغہ کے لیے ہے یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے کہ آپ سب لوگوں کو کفر و عصیان سے روکیں۔ معناہ کافا للناس تکفہم عن ما ہم فیہ من الکفر۔ اور آخرت میں آپ انہیں دوزخ میں گرنے سے روکیں گے۔ اس کی ترکیب میں بھی متعدد قول ہیں۔ بعض نے اسے مصدر محذوف کی صفت بنایا ہے۔ اس تقدیر پر عبارت یوں ہوگی۔ وما ارسلناک الا ارسالۃ کافۃ یعنی عامۃ شاملۃ ... اور بعض نے اسے ارسلناک کی ضمیر خطاب کا حال بنایا ہے اور للناس جار مجرور اس کے ساتھ متعلق ہے اور بعض نے اسے للناس کا حال بنایا ہے۔ اگرچہ اکثر نحوی مجرور پر حال کو مقدم کرنا درست نہیں سمجھتے لیکن یہاں اہتمام کی وجہ سے تقدیم جائز ہے۔ وکافۃ حال من الناس قدم علیہ للاہتمام (ای) ارسلناک للناس کافۃ عامۃ احمرہم واسودہم (مظہری)

۴ آج کفار بڑے تکبر و غرور سے قرآن پر ایمان لانے سے انکار کر رہے ہیں اور اپنی اس ہٹ دھرمی کو دانشمندی قرار دے رہے ہیں لیکن

اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿٣١﴾ قَالَ

کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ

متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا

الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ ۖ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

ہدایت قبول کرنے سے جب وہ ہدایت تمہارے پاس آ گیا تھا درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ

اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا

کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں روکے رکھا جب تم ہمیں حکم

أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۚ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا

دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور دیتے تھے کہ اس کا ہمسر بنائیں ش اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے

جب قیامت کے دن انہیں قبروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیا جائے گا اس وقت ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ سارا خمار اتر چکا ہوگا، گردنیں مسکین بنے فرط ندامت سے ہونٹ کاٹ رہے ہوں گے۔ جب غضب الٰہی کے بھڑکتے ہوئے شعلے دیکھیں گے تو آپس میں الجھنا شروع کر دیں گے۔ ان آیات کا مفہوم واضح ہے۔

ش اس کی ترکیب غور طلب ہے۔ کمزور اور ضعیف لوگ کہیں گے کہ اے سردارو! تم رات دن اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ کبھی قرآن کی کسی آیت پر اعتراض کرتے کبھی حامل قرآن پر پھبتیاں کستے، کبھی مسلمانوں کی خستہ حالی کا مذاق اڑاتے اور ہمیں بار بار اس امر کی یقین دہانی کراتے تھے کہ جس راہ پر تم چل رہے ہو یہی سیدھی راہ ہے۔ مبادا کسی کے کہنے سے اس سے بھٹک جاؤ۔ دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں، آنکھیں بند کیے ہمارے پیچھے چلے آؤ۔ تم خود سوچو اگر مسلمانوں کا مذہب سچا ہوتا تو ہم جو اتنے زیرک اور دانا ہیں اور اپنے ملک کے لیے وجہ افتخار ہیں اسے قبول نہ کر لیتے ہم نے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کیا ہے، ہم نے اس کی باریک بینی سے تحقیق کی ہے۔ ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان اپنا آبائی دین چھوڑ کر گمراہ ہو گئے ہیں۔ اے ہمارے سردارو! ہمیں راہ حق سے روکنے کے لیے تم شب و روز اسی قسم کے مکر و فریب کرتے رہتے تھے۔ کیا تمہاری بیٹھکوں پر ہر وقت اسی قسم کی گفتگو نہیں ہوا کرتی تھی۔ تم لوگوں کو کفر پر اڑے رہنے کی ہر وقت ترغیب نہیں دیا کرتے تھے؟ ہمیں تو تمہاری ان مکاریوں نے ڈبویا اور برباد کیا

الْعَذَابَ ۚ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ هَلْ يُجْزَوْنَ

عذاب کو اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں

إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٣﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا

بدلہ دیا جائیگا بجز اسکے جو وہ کیا کرتے تھے ۴۰ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا مگر یہ کہ

قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٣٤﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ

کہہ دیا وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے ہم اس دین کا جو دیکر تم بھیجے گئے ہو انکار کرتے ہیں ۔ اور کہتے ہیں ہم کہیں بڑھے ہوئے ہیں

أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٣٥﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ

مال میں (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد میں بھی ۴۲ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا ۴۳ آپ فرمائیے بیشک میرا رب کشادہ کرتا ہے

اپنی عاقبت برباد کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ ان کی حیلہ سازیوں اور فریب کاریوں کے لیے عرف زبان میں اس لیے مکر کی نسبت بطور مجاز ان کی طرف کر دی گئی۔ اغلال ۔ اس کا واحد غل ہے۔ وہ زنجیر جو گلے میں ڈال جاتی ہے۔

۴۱ آخر میں یہ بات واضح کر دی کہ ہر شخص کو ارادہ اور اختیار کی آزادی دی گئی ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے ارادہ اور اختیار کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں صرف کرے۔ اگر کوئی نادان کسی کی خوشنودی کے لیے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور کسی کی کورانہ تقلید کی وجہ سے گمراہی کے راستہ پر گامزن رہتا ہے تو وہ سن لے کہ قیامت کے دن اس کا یہ عذر ہرگز مقبول نہ ہوگا کہ اس نے فلاں شخص کے مجبور کرنے سے ایسی حرکت کی۔ اگر وہ اس کو مجبور کرتا یا اسے اپنے فریب میں مبتلا کرتا تو وہ ہرگز یہ فعل نہ کرتا۔ فرمایا جیسا کرو گے ویسا بھرو گے جو جنس کاشت کرو گے وہی کاٹو گے۔ اب اچھی طرح سوچ لو تمہیں کیا کرنا چاہیے۔

۴۲ طبقہ امرا کا ہمیشہ سے یہی رویہ رہا ہے انہیں زندگی کے سارے عیش و آرام نصیب ہوتے ہیں۔ روپے پیسے کی ریل پیل ہوتی ہے جس طرف سے گزرتے ہیں لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ انہیں اور کیا چاہیے۔ اگر غریبوں پر ظلم ہوتا ہے تو ہوا کرے کسی کی آبرو لٹتی ہے تو لٹتی رہے مگر ہمارا عالیہ کا ان کے معاشرہ میں مذاق اڑایا جاتا ہے قرآن کی بلا سے۔

ان حالات میں جب کسی انقلاب کا کوئی داعی اٹھتا ہے تو سب سے زیادہ پریشانی انہیں لاحق ہوتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ انقلاب برپا ہو گیا تو ان کی عیش و نشاط کی بساط الٹ دی جائے گی۔ اسی لیے جب کبھی عقائد کی اصلاح اور معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی اللہ کا بندہ تشریف لایا تو اس طبقہ امرا نے اس کی دعوت کو قبول کرنے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

۴۳ اور کہا تم کون ہو ہماری اصلاح کرنے والے۔ یہ عالیشان حویلیاں تمہاری ہیں یا ہماری، یہ باغات اور مرغزار جن کے سلسلے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَ

رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کیلئے چاہتا ہے) لیکن اکثر لوگ (ان حکمتوں کو) نہیں جانتے ۵۴ اور

مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ

(یاد رکھو) نہ تمہارے اموال اور نہ ہی تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخشیں مگر جو ایمان لایا اور

اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ

نیک عمل کرتا رہا (ایسے ہی کو ہمارا) قرب نصیب ہوگا ۵۵ پس یہی لوگ ہیں جن کے لیے دوگنا صلہ ہے ان کے عملوں کا اور

هُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ

وہ بالاخانوں میں امن وامان سے رہیں گے ۵۶ اور جو لوگ کوشاں ہیں ہماری آیتوں کی تکذیب میں تاکہ ہمیں ہرا دیں ۵۷

بیٹے کیسے کس کے ہیں۔ یہ وہ جھول بچے جن کی جوانی اور طاقت کی بلائیں زمانہ لے رہا ہے۔ ان کا باپ کون ہے۔ اگر ہم گمراہ ہوتے تو ہمارے ہاں دولت کی یوں فراوانی ہوتی، سامانِ عیش و عشرت کی یوں کثرت ہوتی۔ تم گمراہ ہو، اسی وجہ سے تمہیں کھانے کو روکھی سوکھی ملتی ہے اور نہ پہننے کو کپڑا، جاؤ اپنا کام کرو۔ ہماری پرسکون زندگی میں بے جا الجھاؤ کا زہر مت گھولو۔

۵۳ پہلے تو قیامت کا تصور ہی خلافِ عقل ہے۔ اگر بفرضِ محال تمہارے کہنے کے مطابق قیامت آ بھی گئی تو کس کی مجال ہے کہ ہم جیسے اکابر ملت اور رہنماؤں قوم کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

۵۴ یہ غلط فہمی صرف دورِ قدیم کے اغنیاء، امراء اور رؤساء کو ہی نہ تھی، بلکہ اس روشن زمانہ کے اکثر متمول اور خدا فراموش لوگوں کا یہی حال ہے۔ اس لیے اس آیت میں اس کا ازالہ کر دیا کہ رزق کی کمی بیشی کسی کے گمراہ یا ہدایت یافتہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ رزق کی تقسیم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنی حکمت کے پیش نظر کسی کو رزق زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم۔ ہدایت چیز ہی الگ ہے۔ یہ نعمت انہیں بخشی جاتی ہے جن کے دل میں اس کی طلب ہو اور اسے قبول کرنے کی صلاحیت ہو۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ وہ رزق کے پیمانے سے ہدایت کو ماپتے رہتے ہیں۔

۵۵ یہ نہ سمجھو کہ اگر تمہارے پاس مال بکثرت ہوگا اور بچوں کی تعداد زیادہ ہوگی تو تم خدا کے مقرب بن جاؤ گے۔ یہاں تو شرفِ پذیرائی اسے بخشا جاتا ہے جس کے دل میں ایمان کا چراغ روشن ہو اور جو اپنے حسنِ عمل سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی قلبی دنیا میں اجالا کر دے۔

۵۶ ایسے نیک بختوں کو ان کے اعمالِ حسنہ کا کئی گنا اجر ملے گا۔ فردوسِ بریں کے بالاخانوں میں وہ قیام کریں گے۔ کسی قسم کا غم و اندیشہ ان کی راحتوں میں خلل انداز نہیں ہوگا۔ ۵۷ اس کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ ملاحظہ ہو اسی سورت کی آیت ۵۔

أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۳۸﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ

وہی لوگ عذاب میں ہمیشہ گرفتار رہیں گے ۳۸ آپ فرمائیے بے شک میرا پروردگار کشادہ کر دیتا ہے رزق

لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۚ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ

کو جس کے لیے چاہتا ہے اپنے بندوں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے۔ اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو تو وہ اس کی جگہ

فَهُوَ يُخْلِفُهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۳۹﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ

اور لے آتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر

يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَٰؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ

فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے۔ لٹ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر

أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم

شرک سے ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر

بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَلَا

ان پر ایمان رکھتے تھے۔ پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ

ثلہ ان بدبختوں کو پکڑ کر عذابِ الٰہی میں جھونک دیا جائے گا۔ وہ ادھر ادھر نہیں بھاگ سکیں گے۔

لٹ بعض مشرک قبائل فرشتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ فرشتے (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ قیامت کے دن انہیں شرمندہ کرنے کے لیے فرشتوں سے پوچھا جائے گا (ای تبکیتا لہم) اے ملائکہ! یہ ہیں تمہارے پجاری تم انہیں خوب پہچانتے ہو گے اور ان سے تمہارے بڑے گہرے مراسم ہوں گے۔ فرشتے کہیں گے اے ہمارے مالک! اے معبودِ برحق! تو ہر قسم کے شرک سے منزہ ہے۔ ہماری بندگی بھی تیرے لیے، ہماری دوستی بھی تیرے ساتھ۔ تو ہی ہمارا آقا اور تو ہی ہمارا مالک۔ ان سے تو ہمارا قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ "ای انت ربنا الذی نتولاہ ونطیعہ ونعبدہ ونخلص فی العبادۃ" (قرطبی)، علامہ آلوسی لکھتے ہیں (ای انت الذی نوالیہ من دونہم لا موالاۃ بیننا وبینہم (روح المعانی)۔ یہ لوگ شیطان اور اس کے حواریوں کی پوجا کرتے تھے اور انہیں فرشتہ کہتے تھے۔

ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا

نقصان کی۔ اور ہم کہیں گے جنہوں نے ظلم کیا تھا کہ چکھو آتش (جہنم) کا عذاب جس کو تم

تُكَذِّبُوْنَ ۝۴۲ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا

جھٹلایا کرتے تھے۔ ۵۴ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں انہیں ہماری آیتیں درآنحالیکہ وہ بالکل واضح ہیں کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر

رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ

ایسا شخص جس نے ارادہ کر لیا ہے کہ روک لے تمہیں ان (معبودوں) سے جن کی تمہارے باپ دادا پوجا کیا کرتے تھے نیز کہتے ہیں نہیں ہے

اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۙ اِنْ

یہ (قرآن) مگر جھوٹ گھڑا ہوا۔ اور کفار کہتے ہیں حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آیا کہ نہیں ہے

هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۴۳ وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ

یہ مگر جادو کھلا کھلا ۵۵ اور نہ ہی ہم نے انہیں کوئی کتابیں دیں جنکا یہ مطالعہ کرتے ہوں اور نہ

اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝۴۴ وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ

ہی ہم نے بھیجا ان کی طرف آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا ۵۶ اور (انبیاء کی) تکذیب کی جو ان سے پہلے گزرے ہیں

۵۳ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی عبادت کرتے تھے اور ان کو اپنا معبود یقین کرتے تھے۔ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کو کوئی نفع یا نقصان نہ پہنچا سکیں گے بلکہ حکم خداوندی کے مطابق انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا۔ تاکہ وہ اپنے کرتوتوں کی سزا چکھیں۔

۵۴ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بارے میں ان کے بے سروپا الزامات کا ذکر ہو رہا ہے۔ میرا نبی تو ان کی بہتری کے لیے کوشاں ہے۔ اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں راہ حق سے بھٹکانا چاہتا ہے۔ قرآن کریم کا نور تو ظلمت کدہ عالم کو رشک طور بنا رہا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ انہیں معجزات دکھائے جاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں یہ تو سحر مبین ہے۔ ایسے الٹی کھوپڑی کے لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں۔

۵۵ ان کی جہالت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۵۶ ان سے پہلے بھی میرے انبیاء تشریف لائے اور ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا، ان کو طرح طرح سے ستایا۔ آخر کار ہم

وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾ ع ۱۱

اور یہ کفار مکہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو بھی جو (دولت و قوت) ہم نے ان کو دیا تھا پس جب انھوں نے جھٹلایا میرے رسولوں کو تو کتنا ہولناک تھا میرا عذاب۔

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ

اے حبیب! آپ (انہیں) فرمائیے میں تمہیں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں (وہ یہ کہ) تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو اور اکیلے اکیلے

تَتَفَكَّرُوا ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ

پھر غور سے سوچو (تمہیں ماننا پڑے گا) تمہارے اس رفیق میں جنون کا شائبہ تک نہیں ہے ۶۲ نہیں ہے وہ مگر بروقت خبردار کرنے والا تمہیں

نے ان کو برباد کر دیا۔ قریش مکہ جو آج میرے حبیب مکرم سے اکڑ اکڑ کر باتیں کرتے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے ان کے پاس تو اس کا دسواں حصہ بھی نہیں جو ہم نے پہلی قوموں کو دیا تھا ان کا ملک بھی زیادہ وسیع تھا، ان کی زمین بھی بڑی زرخیز تھی، ان کی حکومت بھی بڑی مستحکم تھی لیکن جب انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی تو ہم نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا جس نے انہیں بالکل تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ یہ بیچارے کس باغ کی مولی ہیں اور اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہیں۔ مِعْشَار اور عُشْر ہم معنی ہیں یعنی دسواں حصہ۔ بعض اہل لغت نے کہا ہے کہ عُشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور مِعشار دسویں حصے کے دسویں حصے کو کہا جاتا ہے۔ المعشار والعشر سواء لغتان، وقیل المعشار عشر العشر: قال الجوہری معشار الشئ عشرہ۔ کبیر: اسی طرح تفسیر میں تھا۔ وقیل المعشار عشر العشیر والعشیر ہو عشر العشر فیکون جزءا من الف جزء قال الماوردی وہو الاظہر: ان المراد بہ المبالغۃ فی التقلیل یعنی بعض نے کہا ہے کہ مِعشار عشیر کے دسویں حصہ کو کہتے ہیں اور عشیر عُشر کا دسواں حصہ ہوتا ہے تو اس طرح معشار ہزارویں حصہ کو کہیں گے۔ ماوردی کہتے ہیں یہ معنی بہت مناسب ہے کیونکہ یہاں مقصد ان کے مال کی قلت بیان کرنا ہے۔

۶۲ حضور فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف جو لوگ طوفان بدتمیزی برپا کیا کرتے تھے اور ناروا الزامات لگا کر سادہ لوح لوگوں کو متنفر کیا کرتے تھے انہیں کہا جا رہا ہے کہ ہم اس تنازعہ کا فیصلہ تم پر چھوڑتے ہیں۔ کسی غیر کو یہاں حکم بنانے کی ضرورت نہیں۔ تم میری صرف ایک نصیحت مان لو وہ یہ ہے کہ تم دو دو مل کر یا اکیلے تنہائی میں بیٹھ کر اس امر پر غور کرو کہ تم جو اپنے رفیق اور بچپن کے ساتھی کو مجنون کہتے ہو۔ اس کی تمہارے پاس کوئی معقول وجہ بھی ہے۔ کیا تم نے انہیں مجنونوں کی طرح بے سروپا باتیں کرتے کبھی سنا ہے؟ دیوانوں کی طرح شور مچاتے ہنگامہ آرائی کرتے کبھی دیکھا ہے؟ تم انہیں کتنا دق کرتے ہو، کتنی اذیت پہنچاتے ہو۔ اس کے باوجود کبھی وہ آپے سے باہر ہو کر تم سے دست بگریباں ہوئے ہیں۔ کبھی انہوں نے ناشائستہ کلمات تک بھی کہے۔ ان کا ہر کلام متانت و سنجیدگی کا لاجواب نمونہ ہوتا ہے۔ ان کا ہر فعل اتنا دلربا اور روح افزا ہوتا ہے کہ قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ گفتگو کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکمت کے موتی بکھیر رہے ہیں۔ متانت، وقار، سچائی اور بردباری میں ان کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔ کل تک تم بھی انہیں

يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿٤٦﴾ قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ

سخت عذاب کے آنے سے پہلے ۔ فرمایئے (لوگو!) جو معاوضہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ تم اپنے پاس

إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿٤٧﴾ قُلْ

رکھو میری (رسالت) کا اجر تو بس اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے ۔ فرمایئے

إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿٤٨﴾ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا

بیشک میرا رب (باطل پر) حق سے ضرب لگاتا ہے وہ سب غیبوں کو جاننے والا ہے ۔ (اے محبوب!) اعلان کر دیجئے حق آگیا

يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿٤٩﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُ فَإِنَّمَا أَضِلُّ

اور باطل کی حرکت کا خاتمہ ہو گیا ۔ فرمایئے (تمہارے گمان کے مطابق) اگر میں بہک گیا ہوں تو اسکا وبال

صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ ان میں یکایک کون سی تبدیلی آگئی ہے کہ تم نے ان کے بارے میں اپنی رائے بدل لی ہے۔ سارا معاملہ اکیلے بیٹھ کر غور کرو یا پھر اپنے میں سے جن کو تم باشعور اور زیرک سمجھتے ہو انہیں بلا کر ان سے تبادلہ خیال کرو۔ لیکن خدارا تعصب اور ضد کو ایک طرف رکھ دو۔ محض حق سمجھنے کے لیے اگر ایسا کرو گے تو یقیناً تم اس نتیجہ پر پہنچو گے کہ اللہ کا محبوب نہ مجنون ہے نہ اس پر آسیب کا اثر ہے۔ نہ یہ شعری ہے اور نہ اس کے پیش نظر کوئی سیاسی مفاد ہے۔ یہ جو کچھ کر رہا ہے محض تمہاری خیر خواہی کے لیے کر رہا ہے۔ وہ تمہیں عذاب الٰہی سے بچانا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں بر وقت خواب غفلت سے بیدار کرنا چاہتا ہے۔ دل کی آنکھوں سے انہیں دیکھو، انہیں پہچانو، ان کی قدر کرو، ان کے بر وقت انتباہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ تم تو بڑے دور اندیش اور معاملہ فہم لوگ ہو ایسی نافہمی کی حرکتیں تمہیں تو زیب نہیں دیتیں۔

سے اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم کو حکم دیتے ہیں کہ آپ انہیں فرمایئے کہ اگر میں نے کبھی تم سے کوئی معاوضہ طلب کیا ہو، اپنے لیے کچھ فراہم کیا ہو تو وہ تم مجھ سے واپس لے لو۔ میں اس خیر خواہی کا اجر تم سے آخر کیوں مانگوں۔ تم مجھے دے کیا سکتے ہو۔ زیادہ سے زیادہ چند درہم اور چند دینار ہی مجھے دو گے۔ میری نگاہ میں تو دنیا بھر کے سیم و زر کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے میرا اجر دینے والا میرا رب کریم ہے جو غنی بھی ہے اور سخی بھی ہے نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں اور نہ دیتے ہوئے اس کے ہاتھ رکتے ہیں۔ اور اس نے مجھے اتنا دیا ہے کہ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ میرا رب وہ ہے جو میرے اور ہر شخص کے ظاہری اور باطنی احوال کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ اس علیم و خبیر رب پر ایمان رکھتے ہوئے میں یہ جراءت کیسے کر سکتا ہوں کہ ناحق نبوت کا دعویٰ کر بیٹھوں۔

شے آپ فرمایئے میرا رب وہ جبار و قہار ہے کہ باطل کی طاغوتی قوتوں پر حق کا وار کرتا ہے اور انہیں ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا

عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ

میری جان پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو (یہ محض) اس وحی کے باعث ہے جو میرا رب میری طرف بھیجتا ہے بیشک وہ سب کچھ سننے

قَرِيْبٌ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ

والا، بالکل نزدیک ہے۔ کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے، بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لیے

قَرِيْبٍ ۝ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ

جائیں گے ثلہ اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ہیں اس پر ثلہ لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی

بَعِيْدٍ ۝ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ

دور جگہ سے ثلہ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے ثلہ اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں

ہے۔ یرمی بہ الباطل فیہ منہ۔ (زمخشری)

ثلہ آپ اعلان کر دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا باطل کے مٹنے کو "ما یبدئ الباطل وما یعید" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ عربی محاورہ میں جب کسی چیز کی ہلاکت اور بربادی کا ذکر کرنا ہو تو انہی الفاظ سے کرتے ہیں۔ لا یبدی ولا یعید، صار قولهم لا یبدئ ولا یعید مثلاً فی الهلاك، کیونکہ جو ہلاک اور تباہ ہو جائے نہ وہ کوئی نیا کام شروع کر سکتا ہے اور نہ کسی کام کا اعادہ کر سکتا ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بے بس اور کمزور ہو جائے اس وقت کہتے ہیں فلان ما یبدئ وما یعید ای لم تکن له حیلة۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے یعنی اسلام کو قوت و غلبہ نصیب ہو گیا اور باطل کے مقدر میں ذلت و رسوائی لکھ دی گئی، اب یہ نہ اسلام کو مٹا سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ثلہ اب تو بڑی ڈینگیں مار رہے ہیں۔ ذرا اس منظر کا تصور کیجئے جب روز حشر انہیں ہانک کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کیا جائے گا، اوسان خطا ہوش اڑے ہوئے، آنکھیں پھٹی پھٹی، کوشش کریں گے کوئی راہ مل جائے تو فرار ہو جائیں لیکن وہاں بھلا کون انہیں بھاگنے دے گا۔ اسی وقت فرشتے ہتھکڑیاں ڈال کر انہیں گرفتار کر لیں گے۔ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ میں ایک خاص لطف ہے وہ یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ ابھی انہیں کسی نے نہیں دیکھا اب وقت ہے فرار کا۔ کانوں کان کسی کو خبر ہی نہیں ہوگی کہ کہاں تھے اور کدھر غائب ہو گئے۔ لیکن اس وقت ان کے بالکل قریب سے انہیں پکڑنے والے اچانک نمودار ہو جائیں گے اور بھاگ جانے کی جو تدبیریں وہ کر رہے تھے وہ یکایک خاک میں مل جائیں گی۔

ثلہ اس وقت چلانے لگیں گے کہ ہم تو اس نبی مکرم پر دل و جان سے ایمان لے آئے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول اور

مَّكَانٍۭ بَعِيدٍ ۝٥٣ وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ

کرتے رہے ملکہ — اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان ملکہ جو وہ

ادنیٰ برحق ہیں۔

ملکہ کفار اب ایمان لانا چاہتے ہیں اللہ تو یہ کرنا چاہتے ہیں۔ اب وہ وقت بیت گیا۔ اب وہ گھڑیاں دُور بہت دُور ماضی بعید میں کھو گئیں۔ وہ روز و شب کتنے قیمتی تھے جب انہیں حق کی طرف بلانے والا ان کے پاس آ کر دعوت دیتا تھا۔ جب سعادتِ دارین بانٹنے والا ان کے دروازوں پر آ کر دستک دیا کرتا تھا۔ افسوس انہوں نے اس وقت اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا آج قیامت کے روز وہ چاہتے ہیں کہ ہدایت کا نور انہیں مل جائے۔ ان کی توبہ قبول ہو جائے۔ "لیکن از بس محال"۔

تناوش کا معنی بتاتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ والتناوش: التناول، وقوله تعالیٰ وانی لهم التناوش من مکان بعید یقول انی لهم تناول الایمان فی الآخرة وقد کفروا به فی الدنیا یعنی تناوش کا معنی کسی چیز کو پالینا اور لے لینا ہے۔ اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ آج قیامت کے دن وہ ایمان کو کس طرح پا سکتے ہیں جب کہ دنیا میں وہ اس کا انکار کرتے رہے۔

قرآن کریم ہمیں ان حقائق سے اس لیے آگاہ نہیں کرتا کہ ہم دوسروں کی نادانیوں کے قصہ خواں بنے رہیں۔ مقصد ہمیں خبردار کرنا اور ہمیں تنبیہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں چشم بینا عطا فرمائے۔

ملکہ یعنی آج ایمان لانے کا کیا فائدہ۔ دنیا میں تو وہ ہمارے رسول کے ساتھ کفر ہی کرتے رہے اور ان کی دل آزاری میں مشغول رہے۔ میرے نبی مکرم کے کمالات کا انکار کرنے کے سوا ان کا کوئی مشغلہ ہی نہ تھا۔

ملکہ جب کوئی شخص بے تکی باتیں کرتا ہے اور ہرزہ سرائی کرتا ہے تو عرب کہتے ہیں۔ یقذف بالغیب۔ العرب تقول لکل من تکلم بما لا یحقہ، هو یقذف و یرجم بالغیب۔ (قرطبی)

کفار کا بھی یہی حال ہے۔ بغیر کسی عقلی دلیل کے اپنے کفر پر جمے ہوئے اور اڑے ہوئے ہیں کبھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار کرتے ہیں، کبھی قرآن کو من گھڑت افسانہ کہتے ہیں اور کبھی قیامت کے عقیدہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ "من مکان بعید" کہہ کر ان کی بیہودہ گوئی کی مزید وضاحت کر دی کہ ایک تو اندھیرے میں تیر مار رہے ہیں دوسرا نشانہ سے بہت دور کھڑے ہو کر کیا ایسے تیر اندازوں کا تیر بھی نشانہ پر لگ سکتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ اس آیت میں بھی روزِ محشر ان کا جو حال ہو گا اس کو بیان کیا گیا ہے۔

ملکہ اس آیت میں بھی قیامت کے دن ان پر جو گزرے گی اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔

یعنی اس وقت ان کی بڑی خواہش ہو گی کہ ان کا ایمان قبول کر لیا جائے اور انہیں عذاب سے نجات مل جائے لیکن آج وہ اپنی اس آرزو کو نہیں پا سکتے۔ ان کے درمیان اور ان کی آرزو کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی گئی ہے جس کو پھاندنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ آج یوں ہی کفِ افسوس ملتے، اشکِ ندامت بہاتے اور اپنی قسمت کو کوستے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿٥٤﴾

والے چاہتے ہوں گے جیسا کہ ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا بے شک وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا

ٹ اشیاع، جمع الجمع ہے شیع کی، اور شیع جمع ہے شیعۃ کی یعنی ان کے ہم عقیدہ دوسرے کفار کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔

ث مریب باب افعال کا اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے دوسرے کو شک میں ڈالنا۔

أَرَبْتُ الرجلَ جعلتُ فيه ريبةً (وريبةً) أو صلتُ اليه الريبة (لسان العرب)

یعنی وہ کم بخت شک میں یوں مبتلا ہوئے کہ دوسرے لوگ بھی ان کے باعث شک میں مبتلا ہوتے چلے گئے، یعنی ان کا شک اتنا سنگین قسم کا تھا کہ وہ دوسروں کو بھی لے ڈوبا اور ان کے یقین کا چراغ بھی گل کر گیا۔

إياك نعبد وإياك نستعين ۔ اهدنا الصراط المستقيم ۔ صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۔ آمين ثم آمين۔

وصلى الله تعالى على حبيبه الكريم ورسوله الرؤف الرحيم وعلى آله وصحبه وبارك وسلم۔

قد فرغت بتوفيقه تعالى من هذه التعليقات وقد اخذ المؤذن يعلن بصوته الرخيم اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله

لا زالت كلمة الله هي العليا

وكلمة الذين كفروا السفلى

اللهم ارفع ذكره وعظم شانه وبين برهانه وامتنا على دينه وعلى حبه واحشرنا يوم القيامة تحت لوائه انت يارب كريم جواد وهاب۔

محمد کرم شاہ

وقت العصر
يوم الثلاثاء ١٠ رجب ٩١ھ
٣١ اغسطس ١٩٧١ء
گھیال

نظر ثانی
وقت الضحى ۔ يوم السبت
١٥ رجب ٩٢ھ ٢٦ اغسطس ١٩٧٢ء
بھیرہ سرگودھا

تعارف

سُورَۃ فاطر

نام: یہ سورت دو ناموں سے مشہور ہے۔ فاطر اور ملائکہ۔ یہ دونوں لفظ پہلی آیت میں مذکور ہیں۔ اس کی آیتوں کی تعداد پینتالیس ہے۔ اس میں نو سو ستر کلمات اور تین ہزار ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکی عہد میں نازل ہوئی۔ مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ سبا اور فاطر کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔

مضامین: کفر و شرک، فسق و فجور کے گھپ اندھیروں میں انسانیت کا کارواں مدت سے ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ وہ ان اندھیروں سے اب اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ اسے ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے سے گھبراہٹ یا ندامت تک محسوس نہ ہوا کرتی۔ ایسے لوگوں کو ان تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی چمکتی دمکتی شاہراہ پر گامزن کرنے کا فریضہ اس سورت میں بھی انجام دیا جا رہا ہے۔ اس میں افہام و تفہیم بھی ہے اور زجر و توبیخ بھی، اس میں دلجوئی اور دلداری بھی ہے اور سرزنش اور جھڑکی بھی۔ انتہائی صراحت اور بڑی وضاحت سے اپنے قارئین کو بتایا جا رہا ہے کہ ان کے اعمال نیک و بد پر کیا نتائج مرتب ہونے والے ہیں۔ یوں تو سورۂ پاک کی ہر آیت گنجینۂ معرفت اور مخزنِ ہدایت ہے لیکن چند مضامین خصوصی توجہ کے مستحق ہیں۔

۱۔ عقیدۂ توحید کو ثابت کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظمتوں اور اس کی شانِ کبریائی کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے پہلو بہ پہلو وہ معبودانِ باطل جن کی پرستش مشرکین مکہ بلکہ دنیا بھر کے مشرک کیا کرتے تھے ان کی بے بسی کا بڑے مؤثر پیرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اگر انسانیت دم توڑ چکی ہو تو انسان کی آنکھیں ضرور کھل جاتی ہیں اور اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک کے بغیر کسی کی عبادت عقل و خرد کی رسوائی اور انسانیت کی انتہائی تذلیل ہے۔ جو ذات یہ اختیار رکھتی ہو کہ جس کو جیسے چاہے پیدا کر دے جو چاہے جتنا چاہے دے دے اور جس وقت چاہے اپنی نعمتیں واپس لے لے اور زمین و آسمان میں کوئی ایسی قوت نہ ہو جو اس کے فیصلے کو بدل دے تو وہی ذات اور صرف وہی ساری کائنات کا معبود اور پروردگار ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی ایسا نہیں جسے خدا سمجھا جائے یا اس کی پرستش کی جائے۔ اس مضمون کو مختلف انداز سے کئی بار اس سورت میں دہرایا گیا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں توحید کا سبق پوری طرح منقش ہو جائے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا محبوب نبی اور برگزیدہ بندہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو سراپا رأفت و رحمت بن کر تشریف لایا تھا جس کے پاکیزہ دل

میں شفقت و خلوص کا سمندر موجزن تھا۔ جس کی اولوالعزمی کا یہ تقاضا تھا کہ انسانیت کے دامن پر کفر و فسق کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے بھولا ہوا انسان، بھٹکا ہوا انسان، منزل سے دور، بہت دور درماندہ راہ انسان، پھر اپنے آپ کو پہچان لے۔ اس کا سینہ علوم لدنیہ کا مخزن بن جائے۔ اس کی پیشانی انسانی سعادت کا عنوان بن جائے تاکہ فرشتے پھر اس کے سامنے سر جھکانے لگیں۔ وہ رؤف و رحیم مرشد و راہنما اور ہادی کفار کے عناد اور بے جا تعصب کو دیکھتا تو اسے بڑا ہی دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو بار بار تسلی دے رہے ہیں کہ اے حبیب! آپ نے تو اپنا فرض بحسن طریق ادا کر دیا اگر یہ ہدایت قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت۔ آپ افسردہ نہ ہوں، آپ غمزدہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی جو انبیاء تشریف لائے ان کی قوموں نے بھی ان کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کیا۔

۳۔ جو لوگ راہ راست کو چھوڑ کر گمراہی اختیار کرتے ہیں، صاف ستھری پاکیزہ زندگی کے بجائے فسق و فجور سے آلودہ غلیظ زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے اسباب کا ذکر فرما دیا۔ پہلا سبب تو یہ بتایا کہ دنیوی زندگی کی چمک دمک ان کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ اہل دنیا جس سرور و عیش اور جاہ و جلال سے اپنا وقت بسر کرتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی ریس پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں کہ انہیں بھی یہ عیش و نشاط میسر ہو اور وہ بھی جس راستے سے گزریں زمین ان کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ وہ اس ظاہری چمک دمک کے اندر جھانک کر نہیں دیکھ سکتے۔ ورنہ اس کی تہ میں جتنے تاریک اندھیرے ہیں وہ انہیں نظر آجاتے اور وہ یوں اس پر لٹو نہ ہو جاتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگرچہ فطرت انسانی طبعی طور پر گناہوں سے متنفر ہوتی ہے لیکن شیطان ان گناہوں کو اس طرح آراستہ پیراستہ کر کے ان کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور فطرت سلیمہ کے پر زور احتجاج کے باوجود وہ گناہوں کی دلدل میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنا اللہ، دین و ایمان بلکہ ناموس و عزت کو بھی بے دریغ ان راہوں میں لٹا دیتے ہیں۔ آیت نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں بڑی واضح تنبیہ فرما دی کہ اے لوگو! کان کھول کر سن لو تمہیں دنیا کی زندگی کے ہنگامہ ہائے رنگ و بو حق سے برگشتہ نہ کر دیں۔ یہ سراب ہے چمکتا ہوا سراب، جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے۔ ابلیس اور اس کے عیار گماشتے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں بدکاریوں کا خوگر نہ بنائیں۔ یاد رکھو شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے اپنی سلامتی چاہتے ہو تو اس کو اپنا دشمن ہی سمجھا کرو، ورنہ وہ تمہیں ایسی لڑکھنیاں دے گا کہ تم جہنم میں جا گرو گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس محبت و شفقت سے اپنے ازلی دشمن کی فریب کاریوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔

۴۔ پہلے اپنی قدرت و حکمت اور کبریائی کی تکوینی دلیلیں پیش فرمائیں۔ ان میں غور و تدبر کی دعوت دی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ اس طرح اہل علم کی عزت افزائی بھی فرما دی اور یہ بھی بتا دیا کہ اہل علم وہ ہیں، جو آیات ربانی میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان اسرار و رموز کا سراغ لگاتے ہیں جو کائنات کے مختلف مظاہر میں جلوہ نما ہیں۔

آخر میں بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم نہ ہوتا تو ہر بدکار کو چشم زدن میں نیست و نابود کر دیتے لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کو بار بار سنبھلنے کی مہلت دی جائے اور ان پر قبول ہدایت کا دروازہ کھلا رکھا جائے۔ مقررہ گھڑی سے پہلے جو چاہے آئے اور رحمت خداوندی سے اپنے دامن حیات کو معمور کر لے۔

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَاٰيَاتُهَا خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ

سورۃ فاطر مکی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ — ۴۵ آیتیں اور ۵ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں ہے جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا سے جس نے بنایا ہے فرشتوں کو پیغام رساں سے

اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ

جو پروں والے بازوؤں والے ہیں کسی کے دو کسی کے تین اور کسی کے چار سے — وہ زیادہ کرتا ہے بناوٹ میں جو چاہتا ہے

لہ حمد کہتے ہیں کسی کے کمالاتِ اختیاریہ پر اس کی توصیف و ثنا کرنا۔ کیونکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تمام کمالات اختیاریہ سے موصوف ہے اس لیے حقیقی حمد و ثنا اسی کے لیے سزاوار اور اسی کے لیے مخصوص ہے۔ باقی جہاں کہیں کوئی خوبی اور کمال پایا جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہی ہے۔ اس لیے جس چیز کی بھی ثنا کی جائے در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ثنا ہوگی جس نے اس شخص یا چیز کو اس کمال و خوبی سے متصف فرمایا ہے۔

سے یہاں اللہ تعالیٰ کے چند کمالاتِ قدرت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔
کسی چیز کو بغیر کسی پہلے نمونہ کے عدم محض سے موجود کرنے کو فطر کہتے ہیں۔ الفطرة، الابتداء والاختراع یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو نیست سے ہست فرمایا ہے۔ ان کا پہلے کوئی نمونہ نہ تھا جس کو دیکھ کر اس کی نقل اتاری گئی ہو۔ اس کے علم، قدرت اور حکمت کا اندازہ کیونکر لگایا جا سکتا ہے جس نے اتنی بڑی کائنات کو یوں آراستہ پیراستہ کر کے تخلیق فرمایا اور اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ ان گنت سال گزر گئے۔ اس میں کوئی شگاف، بوسیدگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ فطر کے لفظ کا صحیح مفہوم مجھے اس وقت معلوم ہوا جب دو اعرابی ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑتے ہوئے میرے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے کہا: انا فطرتها۔ یعنی اس کنوئیں کو میں نے ابتداءً کھودا ہے۔ ای انا ابتدأت حفرها (لسان)

سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنے انبیاء اور رسل تک پیغام رسانی کی خدمت فرشتوں کے ذمہ لگائی ہے۔ وہ جناب الٰہی سے وحی لے کر انبیاء و رسل تک پہنچاتے ہیں اور الہام والقاء سے اولیاء کاملین کو مشرف فرماتے ہیں۔ یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے اس میں ذرا سی خیانت اور معمولی سی غفلت ناقابلِ برداشت ہے لیکن فرشتے اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں کہ خیانت و غفلت کا ان کے متعلق گمان تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

سے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کی تنفیذ بھی ان کا کام ہے اس لیے ہر فرشتہ کو اس کی ذمہ داریوں کے

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِن رَّحْمَةٍ

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے ۔ ؎ جو عطا فرمائے اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اپنی) رحمت سے تو

فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۖ وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِن بَعْدِهِ ۚ وَ

اسے کوئی روکنے والا نہیں اور جو روک دے تو اسے کوئی بھیجنے والا نہیں اسے روکنے کے بعد ۔ؒ اور

هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ② يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے ۔ اے لوگو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو اس نے تم پر فرمائی ہے

پیشِ نظر مختلف درجہ کی قوت ارزانی فرمائی گئی ہے ۔ احتمال ہے اس کا واحد جناح ہے ۔ بازو یعنی کسی کو دو، کسی کو تین، کسی کو چار پر بخشے گئے ہیں اور بعض جلیل القدر فرشتے ایسے بھی ہیں جنہیں اس سے بھی زیادہ پر عنایت کیے ہیں ۔ صحیح حدیث میں ہے :

عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای جبرئیل علیہ السلام له ستمائة جناح ۔ (مسلم)

ترجمہ : حضرت ابن مسعود کہتے ہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے ۔

اس سے ایک طرف فرشتوں کی قوت اور غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار فرمایا ، دوسری طرف ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید کر دی جو ان کو اپنا خدا مانتے ہیں ۔ بتا دیا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نہایت ہی فرمانبردار کرامی مخلوق ہے تعمیلِ حکم ربانی میں دن رات کمربستہ رہتے ہیں ۔

؎ اللہ تعالیٰ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق پر جسامت، قوت، حسن، علم اور دیگر بے شمار کمالات میں جس طرح چاہتا ہے برتری اور بزرگی عنایت فرماتا ہے ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی امر اس کے لیے دشوار نہیں اور نہ اس کی عطا پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق ہے ۔

؎ اس کی رحمت بے پایاں ہے ۔ اس کے رحمت فرمانے کے انداز نرالے ہیں ۔ اپنی رحمت کا دروازہ وہ جس کے لیے کھول دے کسی کی مجال نہیں کہ اگر جبراً اسے بند کر دے اور اگر وہ کسی پر اپنے در رحمت کو بند کر دے تو کسی کی طاقت نہیں کہ زبردستی اسے کھول سکے ۔ وہ قادر مختار ہے ۔ اس کا ہر کام اس کی شانِ حکمت کا آئینہ دار ہے ۔

یفتح کا اصلی معنی تو یہ ہے کہ کسی بند چیز کو کھول دینا ۔ یہاں بطور مجاز عطا کے معنی میں مستعمل ہوا ہے یعنی عطا کرنا ، بخشش کرنا ۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے ۔ ای ما یطلق اطلاق الفتح وعبر بالاطلاق واراد به الاعطاء تجوزا اطلاقا للسبب علی المسبب ۔ (مظہری)

؎ قدرت الٰہی کے چند مظاہر پیش کرنے کے بعد روئے سخن سب انسانوں کی طرف ہے کہ اے انسانو! زندگی، صحت، علم، عزت، دولت وغیرہا جن نعمتوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالا مال کیا ہے انہیں یاد رکھو اور اس محسنِ حقیقی کا شکر ادا کیا کرو ، وحشی

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ

(بھلا یہ تو بتاؤ کیا اللہ کے بغیر کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے ش۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ

نہیں کوئی معبود بجز اس کے سو (اس سے) منہ پھیر کر کدھر جا رہے ہو ؟ ـه اور اے حبیب ! اگر یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں (تو یہ کوئی نئی

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ

بات نہیں) آپ سے پہلے بھی رسولوں کو جھٹلایا گیا اور آخر کار اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جاتے ہیں ـه اے لوگو ! (یاد رکھو) یقیناً

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دھوکہ میں نہ ڈال دے تمہیں یہ دنیوی زندگی ـلہ اور نہ فریب میں مبتلا کر دے تمہیں اللہ کے

هذا الذکر الشکر (قرطبی)

ش اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی خالق نہیں، تمہیں بھی اس نے پیدا فرمایا اور تمہارے رزق کے سارے سامان بھی اسی نے پیدا فرمائے تخلیق میں جب اس کا کوئی شریک نہیں تو رزق رسانی میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب خالق بھی وہی ہے اور رازق بھی وہی تو پھر خود انصاف کرو اور کون ہے جو عبادت کرنے کے لائق ہو۔ ہرگز نہیں سب کہو۔ لا الٰہ الا ھو۔

ـه تُؤْفَكُوْنَ کے دو ماخذ ہو سکتے ہیں۔ الأفك والإفك ، الأفك کا معنی پھیرنا ہے اور الإفك کا معنی جھوٹ بولنا۔ علامہ قرطبی اور دیگر علماء تفسیر نے یہاں الأفك کو تؤفکون کا ماخذ قرار دیا ہے یعنی تم کتنے نادان ہو کہ اپنے خالق، رازق اور اپنے معبود حقیقی سے منہ موڑ کر شیطان کی پیروی میں در بدر دھکے کھاتے جا رہے ہو۔ من الافك (بالفتح) وهو الصرف يقال ما افكك عن كذا اى ما صرفك عنه (قرطبی)

ـه حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب راہ حق سے ان کی روگردانی ملاحظہ فرماتے تو از حد افسردہ خاطر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے حبیب ! ان کا انکار کوئی انوکھا نہیں ہمیشہ سے باطل پرستوں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا ہے۔ اس لیے رنجیدہ نہ ہوا کریں۔ سب معاملات آخر کار اللہ تعالیٰ کے پاس ہی لوٹ کر آنے والے ہیں وہ خود فیصلہ فرما دے گا۔

ـلہ پہلے یایھا الناس فرما کر لوگوں کو توحید کی دعوت دی اور شرک سے اجتناب کرنے کی تاکید فرمائی۔ اب یایھا الناس فرما کر ان امور سے باخبر کر دیا جو انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اس دوسرے خطاب کا آغاز اس چیز سے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت آنے گی اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ یہ وعدہ کسی عام آدمی کا نہیں جو مجبور ہو کر وعدہ کرنے میں ترمیم

الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا

بارے میں وہ بڑا فریبی۔ یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھا کروط وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو

مگر کسی نے دو کر ے یا اپنی کمزوری کی وجہ سے اس کو پورا نہ کر سکے۔ ایسا نہیں ہے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد زندگی کی ان ناپائیدار لذتوں میں اس حد تک نہ کھو جاؤ کہ تمہیں قیامت کا دن سرے سے یاد ہی نہ رہے۔ نیز ہوشیار رہنا کہیں وہ فریبی اور دھوکہ باز تمہیں کوئی چکمہ دے کر راہ حق سے برگشتہ نہ کر دے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے پہلے جملے کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: غرور الحیوۃ الدنیا ان یشتغل الانسان بنعیمہا ولذاتہا عن عمل الآخرۃ۔ یعنی دنیوی زندگی کا دھوکہ یہ ہے کہ انسان اس کی نعمتوں اور لذتوں میں یوں مشغول ہو جائے کہ آخرت کے لیے کوئی عمل کرنے کی اس کے پاس فرصت ہی نہ رہے۔

اور دوسرے جملہ کا معنی سمجھنے کے لیے غرور کا مفہوم ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ قال الاصمعی الغرور الذی یغرک: والغرور الاباطیل۔ (لسان العرب)۔ یعنی اصمعی جو فقہ لغت اور ادب کے امام ہیں کہتے ہیں۔ غرور اسے کہتے ہیں جو تجھے دھوکا اور فریب میں مبتلا کر دے۔ فریبی، مکار، دھوکہ باز اور غرور ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن کی محبت اور چاہت کے باعث انسان دھوکہ کھا جاتا ہے اور فریب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: اے لوگو! تمہیں کوئی فریبی، کوئی دھوکہ باز دھوکہ میں مبتلا نہ کر دے۔

کیونکہ سب سے بڑا دھوکہ باز شیطان ہے اس لیے بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں غرور سے مراد شیطان ہے۔ چونکہ شیطان دھوکہ بازی کے فن میں بے نظیر ہے، وہ ہر شخص کو ایک قسم کے دام فریب میں پھانسنے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ ہر شخص کی نفسیات کو جانتا ہے، وہ ہر انسان کے کمزور پہلوؤں سے خوب واقف ہے اور ہر انسان پر اس کا حملہ اس کے کمزور پہلو سے ہوا کرتا ہے۔ عقل کے پجاریوں کو وہ ایسا چکمہ دیتا ہے کہ وہ کبھی تو خدا کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں کبھی اس کا شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور کبھی اس کائنات کے کارخانہ سے اس کو لاتعلق قرار دیتے ہیں اور کبھی نزول وحی اور وقوع قیامت کو عقل کے منافی ثابت کرتے ہیں اور جو لوگ علم و عقل سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے انہیں کبھی دولت کا لالچ دے کر کبھی اقتدار کے سنہرے خواب دکھا کر کبھی شہرت دوام کے چکر میں اسیر کر کے ان سے ایسی ایسی خسیس اسفلانہ اور مروت سے گری ہوئی حرکتیں کراتا ہے کہ انہیں دیکھنے والے ہکا بکا رہ جاتے ہیں اور جو خدا پر اور قیامت پر ایمان محکم رکھتے ہیں ان کی شمع ایمان اگر بجھا نہیں سکتا تو ان کے کانوں میں چپکے سے یہ افسوں پھونک دیتا ہے کہ تیرا رب غفور رحیم ہے بیشک نماز نہ پڑھو، بیشک داد عیش دیتے رہو۔ اس کی مغفرت کے سامنے تیرے گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس جملہ کی بہترین تشریح حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمائی ہے:

" قال الغرور باللہ ان یعمل بالمعاصی ثم یتمنی علی اللہ تعالیٰ المغفرۃ "

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ غرور کا مطلب یہ ہے کہ انسان دھڑا دھڑ گناہ کرتا رہے اور تمنا یہ کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخش دے گا۔

۱۲؎ شیطان تمہاری خیر خواہی کے ہزار دعوے کرے، وہ تم سے دوستی کے عہد و پیمان کرتے ہوئے کتنی سخت قسمیں کھائے مگر وہ

حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۶ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

دعوت دیتا ہے اپنے گروہ کو تاکہ وہ جہنمی بن جائیں۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے لیے سخت

شَدِيْدٌ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ

عذاب ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا

كَبِيْرٌ ۝۷ اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

ع ۲ ۱۲

اجر ہے۔ بس کیا وہ شخص جس کے لیے مزین کر دیا گیا ہے اسکا برا عمل اور وہ اسکو خوبصورت نظر آتا ہے (اس کیلئے کچھ چارہ ہے)

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ

گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جسکو چاہتا ہے [۱۳] پس نہ نکلے آپ کی جان انکے لیے

وہ مجھنا ہے وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ تمہاری دوستی جو جتاتا ہے اس کی کچی ہے اس کی قسمیں کم نہیں ہوئیں، اگر تم اس کی میٹھی میٹھی باتوں میں آجاتے ہو سنو زہر لو ایسے موقع کی تلاش میں ہے کہ فرصت ملے تمہیں ایسی لات دے کہ تم اپنے بلند مقام سے منہ کے بل خاک مذلت پر پہ پامال سے گرو اور وہ زور سے قہقہہ لگائے اور تمہارا مذاق اڑائے۔ نادان زنہار ایسے خطرناک دشمن سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ جب وہ تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو تب ہی تم اس کے فریب سے بچ سکتے ہو۔

[۱۳] علامہ قرطبی کہتے ہیں۔ افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا، یہ سارا جملہ مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے جس پر فلا تذہب نفسک دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ افمن زین لہ سوء عملہ فراٰہ حسنا ذہبت نفسک علیہم حسرات۔ یعنی کیا ایسے لوگ جو اپنے برے اعمال کو خوشنما سمجھتے ہیں ان کے لیے ازراہ کرم آپ اپنی جان کھلا رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ایسی ہمدردی اور دلسوزی کے مستحق نہیں۔

ابتدا میں جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کا دل اسے ملامت کرتا ہے۔ اس کے سدیہ کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے لیکن اگر وہ باز نہیں آتا تو دل کی آواز مدھم پڑ جاتی ہے یا اس کے کان بہرے ہو جاتے ہیں کہ فطرت سلیم کی صدائے احتجاج سنائی نہیں دیتی۔ اس کے بعد ایک اور مرحلہ آتا ہے کہ گناہ گناہ محسوس ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی عین صواب نظر آنے لگتا ہے جب کوئی شخص اس مرحلہ پر پہنچتا ہے تو وہ ایک لاعلاج مریض ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل دنیوی زندگی کے فریب سے بھی بچائے اور اس شاطر و عیار دشمن کے شر سے بھی محفوظ رکھے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ

فرطِ غم سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے جو (کرتوت) وہ کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو بھیجتا ہے

الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ

ہواؤں کو وہ اٹھا لاتی ہیں بادل کو پھر ہم لے جاتے ہیں بادل کو مردہ شہر کی طرف پھر ہم زندہ کر دیتے ہیں اس بادل

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ

(کے مینہ) سے زمین کو اسکے مردہ ہو جانے کے بعد۔ یونہی (انسانوں کو) قبروں سے اٹھایا جائے گا ۱۴ جو عزت کا طلبگار ہو (وہ جان لے)

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ

کہ ہر قسم کی عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ۱۵ اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور نیک عمل

۱۴ تم مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کو محال سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہیں حصولِ حق میں منظور ہے تو ذرا اپنے آنکھوں کو کھولنے کی زحمت اٹھاؤ اور ہر طرف دیکھو کیا تمہیں ایسے مناظر بار بار دکھائی نہیں دیتے۔ خشک سالی کے باعث زمین اجاڑ ہو جاتی ہے۔ زندگی کی کوئی رمق بھی اس میں باقی نہیں رہتی۔ یکایک ٹھنڈی ہوا اپنے کندھوں پر بارش کے بادل اٹھائے اٹکھیلیاں کرتی گھومتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے جل تھل اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے۔ اسی مردہ زمین میں پھر زندگی انگڑائی لینے لگتی ہے اور طرح طرح کی سبز بیلیں لہلہانے لگتی ہیں۔ جو قادرِ مطلق پانی کے چند قطروں سے زمین کو از سرِ نو زندہ کر دیتا ہے کیا اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات ہے کہ تمہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ خدارا غور کرو۔ ذرا عقل سے تو کام لو۔

۱۵ ارشاد ہے جو عزت و آبرو کا آرزو مند ہے اسے بتا دو کہ ساری عزتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کو عزت ملی ہے اسی کی بارگاہِ اقدس سے ملی ہے۔ تم بھی اس کی جناب میں حاضر ہو کر سرِ نیاز جھکا دو۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار بنا لو وہ تمہیں بھی سرفراز کر دے گا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"من طلب العزة من الله وصدقه في طلبها
بافتقار وذل وسكون وخضوع وجدها عنده إن شاء الله تعالى غير ممنوعة ولا محجوب عنه۔ (قرطبی)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کی جناب سے عزت طلب کرتا ہے اور اپنی اس طلب کی صداقت کو اپنے انکسار، عاجزی اور نیاز مندی سے سچا ثابت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس عزت کو پا لے گا، وہ عزت اس سے روکی بھی نہیں جائے گی اور اس سے چھپائی بھی نہیں جائے گی" انشاء اللہ

يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ

پاکیزہ کلام کو بلند کرتا ہے اور جو لوگ برے برے کاموں کی تدبیر کاریاں کرتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے۔ اور

کسی نے کیا خوب کہا ہے: ؎

تا داغِ غلامی تو داریم ہر جا کہ روی بدیم پادشاہیم

الکلم الطیب، یعنی پاکیزہ کلمہ، اس سے مراد ذکرِ الٰہی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی مسلمان یہ کہتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ ۔ تو ان کلمات کو ایک فرشتہ اپنے پروں کے نیچے محفوظ کر لیتا ہے اور آسمان کا رخ کرتا ہے۔ فرشتوں کے جس مجمع کے پاس سے اس کا گزر ہوتا ہے وہ فرشتے ان کلمات کے قائل کے لیے استغفار کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لے کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی۔ (ابن کثیر) اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ پاکیزہ کلام سے مراد الذکر والتلاوۃ والدعاء (ذکر، تلاوت اور دعا) ہے۔ (ابن کثیر) علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ کلام ہے جس میں یا تو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا وہ کلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیا گیا ہو جس طرح کسی کو وعظ و نصیحت کرنا یا علم سکھانا۔ والمختار انه كل كلام هو ذكر الله او هو لله سبحانه كالنصيحة والعلم (روح المعانی) نیز علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ صعود کلام سے مراد اس کی مقبولیت ہے۔ صعود الكلام اليه مجاز مرسل عن قبوله ۔ (روح المعانی)

یرفعہ کا فاعل عمل صالح اور ضمیر مفعول کا مرجع الکلم الطیب ہے یعنی پاکیزہ کلام کو عمل صالح بارگاہِ الٰہی میں قبولیت سے مشرف کرتا ہے۔ اگر اعمال اچھے ہوں، لیکن عمل اس کے خلاف ہو تو وہ باتیں مسترد کر دی جاتی ہیں۔

بعض حضرات نے یرفعہ کا فاعل اللہ تعالیٰ کو بنایا ہے اور ضمیر کا مرجع العمل الصالح ہے اور عمل صالح سے مراد وہ اعمال ہیں جن میں ریاء نہ ہو بلکہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کیے جائیں۔ ای ما كان خالصا لوجه الله لا يكون مشوبا برياء وسمعة يرفعه الله تعالى اى يقبله ۔ لیکن زیادہ واضح اور صحیح یہ قول ہے کہ "المراد ان الكلم الطيب يصعد الى الله تعالى وان كان معه عمل صالح يرفع شان تلك الكلمة ويزيد في ثوابها" (مظہری) یعنی پاکیزہ کلام بارگاہِ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ عمل صالح بھی ہو تو اس کی شان بلند ہو جاتی ہے اور اس کے ثواب میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

والحق ان العاصى التارك للفرائض اذا ذكر الله تعالى وقال كلاما طيبا فانه مكتوب له متقبلة منه وله حسناته وعليه سيئاته (قرطبی)

یعنی حق یہ ہے کہ اگر کوئی گنہگار جو فرائض کا تارک ہو، جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور اچھی باتیں کرتا ہے تو انہیں لکھ دیا جاتا ہے اور انہیں قبول بھی کیا جاتا ہے۔ ہر شخص کی نیکیوں کا اسے ثواب ملے گا اور اس کی برائیوں کی اسے سزا ملے گی۔

مَكْرُ أُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُورُ ﴿١٠﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

ان کا مکر (و فریب) تباہ ہو کر رہ جائے گا [۱۸] اور اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تمہیں مٹی سے، پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثٰى وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ

پھر تمہیں بنا دیا جوڑے جوڑے اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ بچہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ إِلَّا فِي كِتٰبٍ ۚ إِنَّ

اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر اس کی تفصیل کتاب میں درج ہے۔ بیشک

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿١١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے [۱۹] اور یکساں نہیں ہو سکتے پانی کے دو ذخیرے۔ یہ (ایک) میٹھا ہے بہت شیریں [۲۰]

[۱۸] یعنی جو لوگ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف مکر و فریب اور سازشیں کرتے رہتے ہیں، مسلمانوں کو شکست دینے اور ان کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے سکیمیں چلاتے ہیں انہیں شدید عذاب ہو گا اور ان کا مکر و فریب ناکام ہو جائے گا۔ یقال بَارَ یَبُورُ: اذا هلك وبطل، وبارت السوق اى كسدت (قرطبی)۔ جب کوئی چیز ہلاک و فنا ہو جائے تو عرب کہتے ہیں بار یبور۔ اور جب کوئی بازار ٹھنڈا پڑ جائے بے رونق ہو جائے تو کہتے ہیں بارت السوق۔

[۱۹] تمہارے آغاز آفرینش سے تمہارے سفر حیات کے اختتام تک کے تمام حالات سے اللہ تعالیٰ تفصیلاً آگاہ ہے اور تمام جزئیات اور تفصیلات لوح محفوظ میں درج کر دی گئی ہیں۔

[۲۰] اردو تراجم میں عام طور پر البحران کا معنی دو سمندر یا دو دریا کیا گیا ہے حالانکہ سمندر سارے کھاری ہیں کوئی میٹھا نہیں اور دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے کھاری نہیں ہوتا۔ اس لیے جب تک لفظ "بحر" کی لغوی تحقیق نہ کی جائے یہ الجھن دور نہیں ہوتی۔ علامہ ابن منظور نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: البحر: الماء الكثير ملحا كان او عذبا۔ یعنی پانی کی کثیر مقدار اور وسیع ذخیرہ کو بحر کہتے ہیں۔ خواہ وہ نمکین ہو یا شیریں۔ بحر کو بحر کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں وسعت اور انبساط کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسے کوئی شخص بہت سخی ہو تو اسے کہتے ہیں إنه لبحر کہ وہ بحر ہے۔ یہ درست ہے کہ عام طور پر بحر کا اطلاق سمندر پر ہوتا ہے لیکن میٹھے پانی کے وسیع ذخیرہ کو بھی اہل عرب بحر کہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ مذکور نے ابن مقبل کا یہ شعر بطور استشہاد پیش کیا ہے۔

ونحن منعنا البحران يشربوا به   وقد كان منكم ماءه بمكان

یہاں بحر میٹھے پانی کے معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ میٹھے پانی کو ہی پینے سے روکا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۭ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا

اس کا پینا بڑا خوشگوار ہے اور یہ دوسرا سخت نمکین، کھاری تلخ۔ اور دونوں میں سے تم کھاتے ہو تروتازہ گوشت ۲۰

وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ

اور نکالتے ہو زینت کا سامان، جسے تم پہنتے ہو۔ ۲۱ اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو پانی میں کہ چیرتی چلی

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ

جا رہی ہیں ۲۲ تاکہ تم تلاش کرو اس کے فضل کو اور (یہ سب اس لیے) تاکہ تم شکر ادا کرو ۲۳ وہ داخل کرتا ہے (کبھی) رات کے ایک حصہ کو

اس تحقیق کے بعد اب وہ خلش باقی نہیں رہتی۔ عذب: میٹھا۔ فرات: شدید العذوبۃ: بہت شیریں پانی جو پیاس کو بجھا دے۔ قیل ما ھو یکسر العطش (مظہری)۔ سائغ: سھل الانحدار جس کا پینا بہت خوشگوار ہو۔ خود بخود گلے سے نیچے اترتا چلا جائے۔ ملح: نمکین۔ اجاج: شدید الملوحۃ: از حد کھاری۔ وقیل ھو ما یحرق بملوحتہ۔ جو اپنے کھارے پن کی وجہ سے جلا دے۔ (مظہری) علامہ جوہری لکھتے ہیں: ماء اجاج: ای ملح مر (الصحاح) یعنی کھاری تلخ۔

۲۰ ذائقہ کے اس تفاوت کے باوجود وہاں مچھلیوں کا تازہ گوشت تمہارے کھانے کے لیے دستیاب ہوتا ہے۔ طویل سمندری سفر میں اگر خوراک کے ذخائر ختم بھی ہو جائیں تو مچھلی کے گوشت پر انسان گزر اوقات کر سکتا ہے۔ پھر اس کی قدرت کا کرشمہ ملاحظہ ہو، میٹھے پانی کے دریائی مچھلیوں کا گوشت لذیذ اور کھانے کے قابل ہو اور کھاری سمندروں کی مچھلیوں کا گوشت نمکین اور کھاری ہو۔ مگر جس پانی میں وہ پیدا ہوئیں، خوراک کھاتی رہیں، وہ کڑوا اور کھاری ہے۔ یکساں نہیں پایا جاتا، لیکن اس کی مچھلیوں میں وہ سمندر کی بدبو ہے اور نہ وہ ناپسندیدہ ذائقہ۔ اس خالق کی قدرت کا اس سے زیادہ روشن تر ثبوت کوئی اور بھی تمہیں دکھا سکتا ہے۔

۲۱ اس کا مزید کرم ملاحظہ ہو کہ اسی سمندر میں تمہیں موتی، جواہرات اور مرجان ملیں گے جن کو زیوروں کی طرح پہن کر تم اپنی زیب و زینت کو چار چاند لگا سکتے ہو۔

۲۲ اس کی عنایت کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ تم ان کشتیوں، ان بھاری بھرکم سمندری جہازوں کو دیکھو، اپنی پشتوں پر ہزاروں ٹنوں کو اٹھائے، ہزاروں میل لاکھوں من سامان سے لدے، سمندر کی موجوں کو چیرتے ہوئے اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں تاکہ تم اپنے ملک سے دوسرے ملکوں میں جا کر علم اور ہنر سیکھو۔ اپنا سامان تجارت لے جا کر وہاں کی منڈیوں میں فروخت کرو، وہاں کے زائد اور ضرورت کی مصنوعات خریدو اور انہیں اپنے وطن میں لا کر بیچو اور ایک سفر سے دوہرا نفع کماؤ۔ ان تمام امور کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کا فضل کہا ہے۔ مواخر جمع ہے اس کا واحد ماخرۃ ہے کشتیاں۔ علامہ جوہری مخر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اذا جرت تشق الماء مع صوت (صحاح) یعنی مخر کہتے ہیں پانی کو اس طرح چیرنا کہ اس سے شور پیدا ہو۔ کشتی جب پانی کو چیرتی

وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي

دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور اس نے پابند حکم کر دیا ہے سورج اور چاند کو، ہر ایک رواں ہے

لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

مقررہ میعاد تک یہ ہے اللہ جو تمہارا رب ہے اسی کی ساری بادشاہی ہے۔ اور وہ (بت) جن کی تم پوجا کرتے ہو

مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝۱۳ۭ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا

اللہ تعالیٰ کے سوا وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ۲۵ اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے

جہاں گہرائی ہی تو تشویہ پیدا ہوتا ہے اس لیے انہیں ہمارا ذکر کیا گیا۔

۲۳ تاکہ تم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہو اور اپنے منعم حقیقی کا شکر بجا لاؤ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے رسول مکرم پر ایمان لاؤ۔ اس کے تمام اوامر و نواہی کی سختی سے پابندی کرو تاکہ تم پر مزید لطف و کرم کی بارش کی جائے۔

۲۴ سال بھر موسم بھی ایک سا نہیں ہوتا اور دن رات بھی گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ ورنہ تم اس یکسانیت سے اکتا جاتے۔ نیز طرح طرح کی سبزیاں گرمی اور سردی کے پھل، ان سے بھی تم محروم ہو جاتے۔ پس اپنی قدرت کاملہ سے اس نے یہ انتظام فرما دیا ہے کہ مناسب وقفوں کے بعد موسم بدلتے رہیں۔ گرمی کے بعد سردی، خزاں کے بعد بہار کی آمد کا تسلسل قائم رہے۔ دن اور راتیں گھٹتی بڑھتی رہیں۔ تاکہ اس کی قدرت کے مختلف شئون ظہور پذیر ہوتے رہیں۔ اس نے سورج اور چاند کے لیے بھی ایک نظام الاوقات مقرر کر دیا ہے۔ وہ اسی کے مطابق سرگرم عمل ہیں۔

جو اتنی قدرتوں کا مالک، جو اتنی حکمتوں والا اور پیہم لطف و احسان فرمانے والا ہے وہ ہے تمہارا خدا جو تمہارا رب ہے۔ جو تمہیں ضعف سے قوت کی طرف، نقص سے کمال کی طرف، جہالت سے علم کی طرف تدریجاً تدریجاً لیے جا رہا ہے۔ سارا ملک اسی کا ہے سب جہانوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔

۲۵ اے کفار و مشرکین! اپنے رب کریم، معبود برحق، منعم حقیقی کو چھوڑ کر اس کی معبودیت کا رشتہ توڑ کر جن بتوں وغیرہ کو تم نے خدا بنا رکھا ہے اور جن کی پوجا پاٹ میں تم مشغول رہتے ہو ان کے افلاس اور بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ زمین و آسمان کے خزانے تو کجا وہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا سفید چھلکا (پردہ) ہوتا ہے اس کے بھی مالک نہیں۔ جو اتنے مفلس، قلاش اور بے بس ہوں ان کو اپنا معبود بنانا، ان کی پوجا کرنا، اور رب قدیر و حکیم اور مالک الملک کو چھوڑ دینا کہاں کی دانائی اور عقلمندی ہے۔ کچھ تو سوچو۔ تم کیا کر رہے ہو۔ ذرا غور تو کرو تم کدھر جا رہے ہو۔ مختلف مفسرین نے اس آیت کی جو تفسیر کی ہے، ملاحظہ ہو:

تدعون من دونہ ای الاصنام (قرطبی) ای الذین تعبدونھا من الاصنام (مظہری)، تدعون من دونہ ھو

دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ

تمہاری پکار اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کرسکیں گے اور روز قیامت وہ صاف انکار کردیں گے

بِشِرْكِكُمْ ۗ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

تمہارے شرک کا اور حقیقت حال سے تجھے کوئی آگاہ نہیں کرسکتا خدائے خبیر کی مانند شلہ اے لوگو! تم سب محتاج ہو

اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

اللہ تعالیٰ کے اور اللہ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا شلہ اگر اس کی مرضی ہو تو تم سب کو نابود کردے اور لے آئے

الاوثان بھر سب کا مفہوم ایک ہے یعنی وہ بت جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت بتوں اور ان کے پجاریوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ قطمیر: لفافة رقيقة على النواة۔ (مظہری) وہ باریک پردہ جو گٹھلی پر ہوتا ہے۔

شلہ مشرکین کے معبودوں کی بے بسی کا نقشہ بیان ہے کہ یہ بے جان مورتیاں تم دیکھو، فریاد کرو انہیں کیا خبر کہ تم کیا کہتے ہو اور بالفرض یہ سن بھی لیں تو یہ تمہاری کیا مشکل حل کرسکتی ہیں۔ تمہاری کیسے مدد کرسکتی ہیں۔ جب ان کے پاس سرے سے کوئی اختیار ہی نہیں، کوئی طاقت ہی نہیں۔ قیامت کے روز جنہیں دنیا میں معبود بنایا گیا تھا، وہ صاف انکار کردیں گے اور کہیں گے کہ ہم معبود تھے نہ ہم نے ان کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا اور نہ ہی ہمارا ان سے کا باہمی کوئی تعلق تھا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ بت تو اس لیے جواب نہیں دیں گے کہ وہ بے جان نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں، لیکن جو کرامت فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کے مقربین کو پکارتے ہیں وہ اس لیے جواب نہیں دیں گے کہ ان لوگوں نے انہیں خدا سمجھ رکھا تھا حالانکہ وہ خدا بننے سے بالکل الگ تھے بس وہ ایسے لوگوں کی فریاد کا کیوں جواب دیں گے جو ان پر اتنی بڑی تہمت لگاتے تھے۔ وكيف يجيبون زاعم ذلك فيهم وقد من النعمة ما فيه (روح المعانی)

معلوم ہوا کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خدا اور معبود مانتے تھے ان بدبختوں کی جو ماں نصیبی کا یہ حال ہوگا۔

شلہ اے سننے والے! صحیح حالات سے تمہیں آگاہ کیا جارہا ہے اور آگاہ کرنے والا وہ رب ہے جو ظاہر و باطن جلی و خفی ہر چیز سے خبردار ہے۔ اب تو خود ہی سوچ لے کہ کوئی اور ایسی ہستی ہے جو اس خبیر علیم کی طرح حقائق اور صداقتوں سے تجھ کو اس طرح آگاہ کرسکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بقیہ کلام یوں ہے: لا ينبئك اى لا يخبرك بحقيقة الامر الا مخبرٌ مثل خبير (مظہری)

شلہ اے لوگو! تم اپنے وجود میں، اپنی بقا میں، اپنی نشو و نما میں غرضیکہ دونوں جہاں کی زندگی میں ہر ہر قدم پر اس کے فضل و کرم کے محتاج ہو۔ اگر وہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے بھی کم کے لیے اپنی نگاہ لطف پھیر لے تو تمہیں ہوش آجائے۔ تم سب اس کے محتاج ہو اور وہ بے نیاز ہے۔ کوئی اس کی تعریف نہ بھی کرے تب بھی وہ سب خوبیوں والا ہے۔

جَدِيْدٍ ۝۱۶ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۱۷ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

ایک نئی مخلوق۔ اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر کچھ دشوار نہیں۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا (گنہگار) کسی دوسرے

اُخْرٰى ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّلَوْ

کا بوجھ نہ اٹھائے گا[1] اور اگر کوئی بوجھ سے لدا ہوا شخص اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے (کسی کو) پکارے تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی نہ اٹھایا جائے گا اگرچہ

كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا

کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو[2] آپ صرف ان کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور نماز ادا کرتے

[1] وازرۃ: صفت ہے اس کا موصوف نفس محذوف ہے۔ اس کا مطلب ہے: ولا تحمل نفس آثمۃ اثم نفس اخری (ذنوب المعاصی) یعنی کوئی گنہگار جو پہلے ہی اپنے بارِ گناہ کے نیچے دبا چلا جا رہا ہے وہ کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ کیا اٹھا سکتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کی آیت ہے: ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم کہ وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے علاوہ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ دو آیتیں متضاد ہیں۔ کیونکہ سورۂ عنکبوت میں جن لوگوں کا ذکر ہے وہ وہ لوگ ہیں جو کفر اور باطل کے سرغنے تھے۔ خود بھی گمراہ، بدکار اور مشرک تھے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے بھٹکانا انہیں گناہوں اور شرک میں مبتلا کرنا ان کا اصول تھا۔ ایسے لوگوں پر دوہرا بوجھ ہوگا۔ ایک اپنی بدکاریوں کا اور دوسرا ان بدکاریوں کا جن میں ان کے ورغلانے سے دوسرے لوگ مبتلا ہوئے۔ یعنی خود گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے دو بوجھ ان کی گردن پر ہوں گے۔ گمراہ ہونا جس طرح ان کا فعل ہے اسی طرح لوگوں کو گمراہ کرنا بھی انہیں کا فعل ہے۔

[2] پہلے مفہوم کی مزید توضیح کی جا رہی ہے۔ مثقلۃ: بوجھ سے لدا ہوا یعنی بھاری۔ یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (قرطبی) ای نفس اثقلتھا الاوزار۔ حمل: ماکان علی الظہر اس بوجھ کو کہتے ہیں جو پیٹھ پر لادا ہوا ہو۔ جو پیٹ میں یا درختوں کی شاخوں میں ہو اسے حَمل کہتے ہیں۔ والحَمل حمل المرأۃ والنخلۃ (قرطبی)

حضرت فضیل بن عیاض سے منقول ہے اس سے مراد وہ عورت ہے جس نے بچہ جنا ہوگا اور وہ اس دن اپنے بچے کو کہے گی: یا ولدی! الم یکن بطنی لک وعاء، الم یکن ثدیی لک سقاء، الم یکن حجری لک وطاء۔ فیقول بلی یا اماہ: اے میرے بیٹے! کیا میرا پیٹ تیرے لیے قرار گاہ نہ تھا، کیا میری چھاتیاں تیرے لیے مشکیزہ نہ تھیں، کیا میری گود تیرے لیے آرام کی جگہ نہ تھی؟ وہ کہے گا ہاں میری اماں جان!

فتقول یا بنی قد اثقلتنی ذنوبی فاحمل عنی منھا ذنبا واحدا۔ فیقول الیک عنی یا اماہ فانی بذنبی عنک مشغول (قرطبی) پھر وہ کہے گی میرے بیٹے! میرے گناہوں نے میری کمر توڑ دی ہے بس اس انبار سے ایک گناہ تو اٹھا لو

الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

بھی نماز لتے اور جو پاکیزگی اختیار کرتا ہے سو وہ اپنی بھلائی کے لیے ہی پاکیزگی اختیار کرتا ہے لتے اور اللہ ہی کی طرف

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ وَ

ہی لوٹنا ہے۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور نہ (یکساں ہیں) اندھیرے اور نور۔ اور

لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ

نہ یکساں ہے سایہ اور تیز دھوپ۔ اور نہ ایک جیسے ہیں زندے اور مردے لتے بیشک

وہ کہے گا ماں! تو دور ہٹ جا میں اپنے گناہوں میں مشغول ہوں میں تیری طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

اس آیت یا اس روایت سے مطلق شفاعت کا انکار کم فہمی یا تعصب کے سوا کچھ نہیں۔ شہید، حافظ قرآن بیٹا اپنے والدین کو بخشوائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقام محمود پر فائز ہوں گے اور اپنی امت کے گنہ گاروں کی بخشش کے لیے التجا کریں گے جو قبول ہوگی۔ اسی طرح دیگر انبیاء و اولیاء اور علماء ربانیین اپنے اپنے درجہ کے مطابق شفاعت کریں گے۔

آیت کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ایسے لوگ جو خود گناہوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں گے جنہوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی میں بسر کی ہوگی، جنہوں نے اس دنیا میں حضور کی شفاعت کا انکار کر کے اپنے آپ کو شفاعت محمدی سے محروم کر دیا ہوگا یہاں ایسے لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ نیز انبیاء و اولیاء کی شفاعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گنہ گاروں کے گناہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیں گے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کی بخشش کے لیے دعا کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے ان کے گناہ معاف کر دے گا۔ اور گناہوں کا بوجھ سرے سے باقی ہی نہیں رہے گا۔

لتے حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ سب کو آنے والے عذاب سے ڈراتے تھے سب مخاطبوں کو بروقت متنبہ کرتے تھے لیکن حضور کی اس تنبیہ سے فائدہ اٹھانے والے فقط وہی خوش نصیب تھے جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے۔

لتے جو شخص اپنے دامن کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے تقویٰ اور پارسائی کو اپنا شعار بناتا ہے کسی پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس میں سراسر اس کا اپنا مطلب ہے۔ اسی کے مراتب بلند ہوں گے اور اسی کو بارگاہ رب العزت میں شان رفیع بخشی جائے گی۔

لتے ان آیات میں ذرا غور فرمائیے

اعمٰی سے مراد کافر۔ بصیر سے مراد مومن۔ ظلمت سے مراد باطل۔ نور سے مراد حق۔ ظل (سایہ) سے مراد ثواب حرور (سخت گرمی) سے مراد عقاب ہے۔ اسی طرح احیاء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل زندہ ہیں جن کی آنکھیں نور حق کو دیکھ سکتی ہیں جن کے کان آواز حق کو سن سکتے ہیں اور اموات سے مراد وہ مردہ دل ہیں جن کی ظاہری اور باطنی

اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنْ أَنتَ

اللہ تعالیٰ سناتا ہے جس کو چاہتا ہے ۳۲ اور آپ نہیں سنانے والے جو قبروں میں ہیں ۳۳ نہیں ہیں آپ

إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ

مگر بروقت ڈرانے والے۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔ اور کوئی اُمت ایسی

إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن

نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو ۳۴ اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں) بیشک جھٹلاتے رہے

قوتیں بیکار ہو چکی ہیں۔

۳۲ یہاں سماع سے مراد فقط سننا نہیں بلکہ ایسا سننا جو ہدایت پذیری کا سبب بن جائے جس سننے کے بعد انسان کفر کے اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی کی طرف آجائے۔ ان المراد يسمع من يشاء سماع تدبر وقبول لآياته عزوجل

۳۳ یہاں بھی سماع سے مراد مطلق سننا نہیں بلکہ وہ سننا ہے جس کا ذکر پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔ والمراد بالاسماع هنا ما اريد به في ما سبقه (روح المعانی) علامہ قرطبی اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں، ای بمنزلة اهل القبور في انهم لا ينتفعون بما يسمعونه ولا يقبلونه (قرطبی) یعنی یہ کفار اہل قبور کی طرح ہیں کہ اگر انہیں کوئی نصیحت کی جائے تو وہ اس سے نہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں۔ سماع موتیٰ کے متعلق مفصل بحث سورہ روم آیت ۵۲ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

۳۴ یعنی نبوت کا سلسلہ کسی ملک، علاقہ یا قوم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں بھی انسانوں کا کوئی گروہ آباد تھا وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا ان کے پاس بھیجا گیا۔ خواہ وہ نبی ہو یا کسی نبی کا پیروکار جس نے تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ اس میں عرب، مصر یا فلسطین کی کوئی خصوصیت نہیں۔ ہند، چین، جاپان، افغانستان اور دیگر بڑے ملکوں میں بھی نذیر تشریف لے آتے رہے۔ یہ جملہ ایمان ہے۔ اب جن انبیاء کرام کے اسماء گرامی قرآن کریم یا صحیح حدیث میں مذکور ہیں۔ ان کی نبوت پر ایمان لانا شرط اسلام ہے اور جن کے اسماء مذکور نہیں ان پر بھی اجمالی طور پر ایمان لانا ضروری ہے یعنی ان علاقوں میں کسی زمانہ میں جس کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہم اس کی نبوت کو مانتے ہیں۔ لیکن حضور ختمی مرتبت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کیونکہ سلسلہ نبوت ہی ختم ہو گیا۔ اس آفتاب عالمتاب کے طلوع ہونے کے بعد کسی چراغ کی ضرورت ہی نہ رہی۔ اس لیے اب تا قیامت کوئی نبی نہیں آسکتا۔ آیت میں بھی خَلَا (یعنی گزر چکے) ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو گزشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ اب ہر قوم کے لیے ہر زمانہ میں حضور سید الانبیاء وخاتم الرسل کی ذات پاک ہی مرجع ہدایت اور اسوۂ حسنہ ہے۔

اب تبلیغ کا فریضہ حضور کی اُمت کے اولیاء و علماء انجام دیں گے۔ حضور کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کذاب اور دجال ہے۔

قَبْلِهِمْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ

جو ان سے پہلے تھے۔ تشریف لائے تھے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں، آسمانی صحیفے اور نورانی کتاب لے کر ۴۹ پھر جب

ع ۳ أَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۲۶﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ

ان کی سرکشی کی حد ہو گئی) تو میں نے پکڑ لیا کفار کو پس (ساری دنیا جانتی ہے) میرا غضب کیسا تھا ۵۰ کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ اتارتا ہے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ

آسمان سے پانی پس ہم نکالتے ہیں اس کے ذریعے طرح طرح کے پھل جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ۵۱ اور

الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

پہاڑوں سے بھی رنگ برنگ کے ٹکڑے ہیں کوئی سفید کوئی سرخ۔ مختلف رنگوں میں (کوئی شوخ کوئی مدھم) اور بعض بہت گہرے سیاہ ۵۲

جس طرح احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ نیز ان آیات پر غور کرو: یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔ نیز وما ارسلناک الا کافۃ للناس۔ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس ارشاد خداوندی کے مطابق تمام بنی نوع انسان کے لیے تاقیامت رسول ہیں، تو پھر کسی مزید رسول کی گنجائش نہیں رہتی۔

۵۰ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں۔

۵۱ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بوقلمونیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ایک زمین ہے اور ایک ہی پانی لیکن پھلوں کی قسمیں گنی بھی نہیں جاسکتیں۔ رنگ، ذائقہ اور مہک سب کی الگ الگ۔ خصوصیات اور اثرات بھی ایک دوسرے سے یکسر جدا۔ ماء واحد کی اس یکسانی میں یہ نیرنگی، حکمت ربانی کی کتنی بڑی دلیل ہے۔

۵۲ مختلف پہاڑوں کی بناوٹ، ان کی بلندی و پستی میں قدرت ربانی کے جلوے نظر آرہے ہیں۔ نیز ان کے رنگوں کو ملاحظہ فرمائیے۔ کہیں تو بالکل سفید چٹانیں چلی گئی ہیں، کہیں رنگت سرخ ہے اور سرخی بھی ایک جیسی نہیں۔ اس رنگ کی بھی کئی رنگتیں ہیں۔ کوئی ہلکا سرخ، کہیں گہرا سا، کہیں مٹیالی، کہیں مائل، اور کہیں سیاہ ہے تو ایسا سیاہ کہ بس حد ہی ہو گئی۔ جُدَدٌ کا معنی طرائق راستے بھی کیا گیا ہے یعنی پہاڑوں کا اپنا رنگ ہے لیکن ان کی گھاٹیوں میں سے جو راستے گزرتے ہیں ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں۔ وهی ما خالف من الطریق فی الجبال۔ اور بعض نے جُدَد کا معنی قطع ٹکڑے کیا ہے۔ یعنی پہاڑوں کے مختلف حصوں کے مختلف رنگ ہیں۔ جُدَد، قطع من قولک جددت الشیء اذا قطعته یعنی جب کسی چیز کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے تو کہتے ہیں جددتہ۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ

اور انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے رنگ بھی اسی طرح جدا جدا ہیں ۵۷

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں ۵۸ بیشک اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت بخشنے والا ہے

پہاڑوں کے مختلف رنگوں کی طرف خصوصی طور پر توجہ کر کے ان معدنیات کا کھوج لگانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جو ان کے سینوں میں مدفون ہیں اور مدت سے کسی جواں ہمت اور باہمت انسان کی ضرب کاری اور انکشاف کے لیے چشم براہ ہیں اور پہاڑوں کی یہ مختلف رنگتیں ان مدفون خزانوں کا پتہ بتا رہی ہیں۔ افسوس وہ قوم جسے قرآن کریم جیسی کتاب منیر عطا کی گئی تھی وہ اسے ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر سو گئی اور یورپ کی وحشی قومیں اس چشمہ معانی سے اپنی کشت حیات کو سیراب کرنے میں سبقت لے گئیں۔

غرابیب: غربیب ای شدید السواد: یعنی بہت سیاہ۔

۵۷ قدرت کی قدرت آفرینیاں یہاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ بستور فطرت کا موقلم انسانوں، چوپایوں اور جانوروں کو مختلف رنگ آمیزیوں سے یوں آراستہ و پیراستہ کر رہا ہے کہ دل کھچے چلے جاتے ہیں۔ آنکھیں ہزار بار دیکھنے کے باوجود سیر نہیں ہوتیں اور بار بار دیدِ جمیل کی آرزو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بس صرف انسان اپنے قد و قامت، خد و خال، صباحت و ملاحت میں ہی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، اپنی باطنی قوتوں، ذہنی صلاحیتوں، فطری استعدادوں میں بھی ایک حیرت انگیز تنوع پیش کرتی ہیں۔ انسانوں میں اگر یہ تفاوت نہ پایا جاتا، تو عروس کائنات کے گیسو کون سنوارتا۔ ان لق و دق صحراؤں کو گلستان کیسے بنایا جاتا۔

۵۸ اللہ تعالیٰ کی ان جہاں آفرینیوں کا جتنی دقت نگاہ سے لوگ مطالعہ کریں گے حکمت ربانی کے نئے نئے جلوے رونما ہوتے جائیں گے انہیں اس تدبر اور مطالعہ سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا ایسا علم نصیب ہوگا جو انہیں عین الیقین کی منزل تک پہنچا دے گا اور وہاں سے حق الیقین کی منزل زیادہ دور نہیں۔ طلب صادق ہوگی تو توفیق کا ہاتھ بڑھے گا اور انہیں ان بلندیوں پر فائز کر دے گا جہاں حق الیقین کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے۔ جہاں شک و شبہ کا غبار نہیں۔ وہاں پہنچ کر انہیں اپنے رب ذو الجلال والاکرام کی معرفت نصیب ہوگی اور ان کی خشیت سے ان کے دل معمور رہیں گے۔ ہمارے لیے اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے کہ علماء سلف کے نزدیک علم کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے لیے چند اقوال ملاحظہ کیجئے:

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا لیس العلم عن کثرۃ الحدیث لکن العلم عن کثرۃ الخشیۃ۔

ترجمہ: زیادہ باتیں بنانا علم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ سے خشیت (ڈرنا) کو علم کہتے ہیں۔

۲۔ امام مالک فرماتے ہیں: ان العلم لیس بکثرۃ الروایۃ وانما العلم نور یجعلہ اللہ فی القلب

ترجمہ: بکثرت روایت کرنے کا نام علم نہیں، بلکہ علم ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ کسی دل میں ڈال دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا

بیشک جو لوگ غور و تدبر سے تلاوت کرتے ہیں اللہ کی کتاب کی اور نماز قائم کرتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں اس

رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ

مال سے جو ہم نے انہیں دیا ہے راز داری سے اور اعلانیہ، وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں ۲۹ تاکہ اللہ

أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِيٓ

انہیں پورا پورا اجر عطا فرمائے اور مزید اضافہ کرے ان کے اجر میں اپنے فضل سے۔ بیشک بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے ۳۰ اور جو

۳۔ مجاہد فرماتے ہیں: انما العالم من خشی اللہ عزوجل۔ (ترجمہ) عالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ عزوجل سے ڈرتا ہے۔

۴۔ ربیع بن انس کا ارشاد ہے: من لم یخش اللہ تعالیٰ لیس بعالم

ترجمہ: جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں وہ عالم نہیں۔

۵۔ حضرت ابن مسعود سے ایک قول مروی ہے: کفیٰ بخشیۃ اللہ تعالیٰ علما وبالاغترار جهلا۔

ترجمہ: اگر دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہو جائے تو انسان کے لیے اتنا علم ہی کافی ہے اور اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ انسان خدا سے مغرور کرنے لگے۔

۶۔ سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ اس شہر میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

من افقہ اهل المدینۃ قال اتقاهم لربه عزوجل۔

۷۔ سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ ارشاد گرامی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے:

"ان الفقیه حق الفقیه من لم یقنط الناس من رحمة الله ولم یرخص لهم فی معاصی الله تعالیٰ ولم یؤمنهم من عذاب الله تعالیٰ ولم یدع القرآن رغبة عنه الی غیره"

ترجمہ: یعنی صحیح معنوں میں فقیہ اور عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور خدا کی نافرمانی پر انہیں جری نہ کرے۔ خدا کے عذاب سے انہیں بے خوف نہ کر دے اور قرآن کے بغیر اسے کوئی چیز اپنی طرف راغب نہ کر سکے۔ (قرطبی)

۲۹؎ یعنی یہ لوگ ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں نفع ہی نفع ہے جس میں خسارے اور گھاٹے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۰؎ ایسے پاکباز لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال حسنہ کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور صرف اسی اجر پر بس نہیں بلکہ ویزیدھم من فضلہ، انہیں اپنے فضل و کرم سے مزید بخشے گا۔ اس فضل مزید کا اندازہ کون لگائے؟ اس کو کس ترازو سے تولا جائے اور

وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ

کتاب بذریعہ وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے وہی سراسر حق ہے۔ وہ تصدیق کرتی ہے پہلی کتابوں کی۔

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ۝ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سارے احوال سے باخبر ہے (اور) خوب دیکھنے والا ہے ۴۲ پھر ہم نے وارث بنایا اس کتاب کا ان کو

اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ

جنہیں ہم نے چن لیا تھا اپنے بندوں سے۔ پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں

وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ۝

اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے ۴۳ یہی (اللہ تعالیٰ کا) بہت بڑا فضل و کرم ہے ۴۴

کس پیمانے سے ناپا جائے۔ وہ شکور بھی ہے اور غفور بھی۔ خالص عمل اگر تھوڑا بھی ہو تو وہ اس کو قبول فرماتا ہے اور اس پر ثواب بے اندازہ عطا کرتا ہے۔ یقبل القلیل من العمل الخالص و یثیب علیہ الجزیل من الثواب (قرطبی)

۴۲ اس آیت میں بھی ختم نبوت کی دلیل ہے۔ فرمایا یہ کتاب حق ہے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان کی تصدیق کرتی ہے۔ اگر اس کتاب کے بعد بھی نبوت اور وحی کا سلسلہ جاری رکھنا مقصود ہوتا تو یہاں بھی یہ فرمایا جاتا کہ پہلی کتابوں کی طرح یہ بعد میں نازل ہونے والی کتابوں کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

۴۳ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کے متعلق یہ قول نقل کیا ہے:

هم امة محمد صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم۔ یعنی جن لوگوں کو کتاب کا وارث کیا گیا وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت ہے۔ اس اُمت میں ایک گروہ وہ ہے جس سے غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور فرائض کی ادائیگی میں بھی سستی ہو جاتی ہے اور بعض وہ ہیں جو میانہ رو ہیں۔ جو فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ محرمات کے نزدیک نہیں پھٹکتے لیکن مستحبات میں سستی کرتے ہیں اور بعض مکروہ چیزیں ان سے سرزد ہوتی ہیں۔ اور تیسرا گروہ ان پاکبازوں اور وفا شعاروں کا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی ہے۔ دُنیا کی لذتوں سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ دُنیا کے مشاغل یاد حق سے انہیں غافل نہیں کر سکتے۔ ہر نیک کام میں سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کا سارا وقت، ان کا سارا مال، بلکہ ان کا دل و جان بھی رضائے جاناں پر قربان ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اس آیت کی یہی تفسیر لکھی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر یوں نقل کی ہے:

هم امة محمد صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم ظالمهم یغفر له ومقتصدهم یحاسب حسابا یسیرا وسابقهم

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ

سدا بہار باغات! یہ ان میں داخل ہوں گے۔ پہنائے جائیں گے انہیں وہاں سونے کے کنگن اور

لُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ

موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی۔ (بطور تشکر) کہیں گے سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے

عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ

دور کر دیا ہم سے غم (واندوہ)، یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ جس نے ہمیں لا بسایا ہے ابدی ٹھکانے پر اپنے فضل

مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

(واحسان) سے۔ نہ پہنچے گی ہمیں یہاں کوئی تکلیف اور نہ پہنچے گی ہمیں یہاں کوئی تھکن

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ

اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لیے دوزخ کی آگ (تیار) ہے۔ نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور

يدخل الجنة بغير حساب ۱ھ

ترجمہ: کہ اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر ہے (وہ) ان سب میں سے ان میں جو گنہگار ہیں ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اور جو درمیانہ رو ہیں ان سے آسان حساب لیا جائے گا۔ جو سابقین ہیں ان کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

۴۱ قرآن مجید کا وارث بنانا اور پھر تم میں ایسے گروہ کا پیدا کرنا، یہی اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا فضل و کرم ہے جو اس کریم نے تم پر فرمایا ہے۔

۴۲ ان آیات میں اس انعام و اکرام کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر فرمائے گا۔

چند الفاظ: اساور، اس کا واحد اسورہ ہے کنگن جو کلائیوں میں پہنے جاتے ہیں۔ الحزن، غم واندوہ۔

مکرمہ نے حزن کی وضاحت کی ہے۔ خوف الذنوب والسیئات وخوف رد الطاعات (مظہری)

یعنی گناہوں اور خطاؤں کا ڈر۔ اور عبادتوں کے مسترد ہونے کا اندیشہ۔

دار المقامۃ، دار الاقامۃ، مقامہ، مصدر میمی ہے۔ دار الاقامۃ کا معنی ٹھہرنے کی جگہ۔ نصب، تعب، تھکاوٹ۔

لغوب، کلال واعیاء من التعب، تھکاوٹ سے بدن میں جو اضمحلال اور ذہن میں جو پژمردگی پائی جاتی ہے۔

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ

نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر ناشکر گزار کو ۳۶ اور وہ

يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا

اس میں چیختے چلاتے ہوں گے (فریاد کریں گے) اے ہمارے رب! (ایک بار) ہمیں یہاں سے نکال۔ ہم نیک کام کریں گے ایسے

نَعْمَلُ ۚ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ ۖ

نہیں جیسے ہم پہلے کیا کرتے تھے، (جواب ملے گا) کیا ہم نے تمہیں اتنی لمبی عمر نہیں دی تھی جس میں (بآسانی) نصیحت قبول کر سکتا جو نصیحت

فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ ﴿٣٧﴾ إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ ع

قبول کرنا چاہتا اور تشریف لے آیا تھا تمہارے پاس ڈرانے والا، سو اب (عذاب کا) مزہ چکھو، ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۳۷ بیشک

وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ

اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز کو۔ بیشک وہ خوب جانتا ہے دلوں کے رازوں کو۔ وہی ہے جس نے تمہیں دوسروں کا جانشین بنایا

۳۶۔ پہلے تو اہل ایمان اور ان کے تین گروہوں کا حال بیان کیا گیا اب کفار کے حالات کا ذکر ہو رہا ہے۔ لا یقضی علیھم ای لا یحکم علیھم بالموت۔ یعنی کفار کو جو جہنم رسید کر دیا جائے گا اس وقت وہ تمنا کریں گے کاش موت ہی آجاتی اور اس عذاب سے ہماری جان چھوٹ جاتی لیکن نہ انہیں موت آئے گی اور نہ عذاب میں تخفیف ہوگی۔ ہمیشہ اسی طرح اپنے کفر اور ناشکری کی سزا جھیلتے رہیں گے۔

۳۷۔ دوزخی جہنم میں رونا اور چلانا شروع کر دیں گے اور یا دوزخ سے نکالے جانے کی درخواست کریں گے اور وعدہ کریں گے کہ اگر ایک بار ہمیں موقع مل گیا تو ہم ہر بھر نیک کام ہی کرتے رہیں گے۔ انہیں کہا جائے گا کہ اب ایسی باتیں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم دنیا میں پل بھر کے لیے جاتے اور پھر وہاں سے رخصت کر دیے جاتے تو تم یہ عذر پیش کر سکتے تھے کہ بلاشبہ ہمارے نمائندے ہم دنیا میں گئے ضرور لیکن صرف پل بھر کے لیے۔ نہ ہمیں کچھ سوچنے کا موقع ملا نہ دیکھنے کا۔ نہ کوئی ہمیں سمجھانے آیا اگر کسی نے ہمارے سامنے کوئی دلیل پیش کی۔ اس لیے ہم معذور تھے خطا کار ضرور ہیں لیکن ہماری مجبوری اور معذوری بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اگر تم جانتے ہو ایسا تو نہیں ہوا عمر صد سالہ تک تم دنیا میں رہے۔ تمہیں سوچنے اور سمجھنے کے لیے لمبی مہلت دی گئی۔ ہمارے نبیوں نے خوب جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر تمہیں خواب غفلت سے بیدار کیا۔ لیکن تم نے کسی نصیحت سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اب تمہارا رونا اور چلانا بے سود ہے

خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ

جانشین بنایا زمین میں۔ پس جس نے کفر کیا اس کے کفر کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ اور نہیں اضافہ کرے گا کفار

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْكٰفِرِیْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا

کے لیے ان کا کفر اللہ کی جناب میں بجز ناراضگی کے اور نہ اضافہ کرے گا کفار کے لیے ان کا کفر بجز گھاٹے (اور

خَسَارًا ۝۳۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

خسارے) کے۔ نشہ آپ فرمائیے کیا تم نے دیکھے ہیں اپنے شریک جنہیں تم پکارتے ہو اللہ تعالیٰ کے سوا۔

اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ

مجھے بھی تو دکھاؤ زمین کا وہ گوشہ جو انہوں نے بنایا ہے یا ان کی کوئی شراکت ہے آسمانوں (کی تخلیق) میں یا ہم نے

اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ

انہیں کوئی کتاب دی ہو اور وہ اس کے روشن دلائل پر (قائم) ہوں اللہ (کچھ بھی نہیں) بلکہ یہ ظالم محض ایک دوسرے کے ساتھ

تمہیں اچھی طرح آزما لیا گیا ہے۔ اب دوبارہ آزمانے کی ضرورت نہیں۔

نشہ یعنی کفر و سرکشی کا جو رویہ ان کفار نے اختیار کر رکھا ہے اس سے اور تو کچھ نہ ہوگا بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی آتش غضب ان پر اور بھڑکے گی اور زندگی کی اس بازی میں وہ شکست پر شکست کھاتے چلے جائیں گے اور ان کا کاروبار حیات گھاٹے کا کاروبار ہی رہے گا۔

لشہ ان کے مشرکانہ عقائد پر ضرب کاری لگائی جا رہی ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم جن کو خدا کا شریک ٹھہرا رہے ہو ان کے حالات اور کمالات سے ہم تو بالکل بے خبر ہیں لیکن تمہیں تو ان کے حالات و کمالات پوری طرح معلوم ہوں گے۔ ذرا ہمارے علم میں بھی تو اضافہ کر دو تاکہ ہم بھی تمہارے معبودوں کی معبودیت کا اعتراف کرنے لگیں۔ اگر تمہارے معبودوں نے زمین کا کوئی گوشہ کوئی پہاڑ یا کوئی چھوٹا سا جزیرہ ہی بنایا ہو تو بتلاؤ ہم بھی جا کر اسے دیکھیں اگر انہوں نے آسمانوں کی تخلیق میں کوئی اہم حصہ لیا ہو کوئی مشورہ دیا ہو کوئی نقشہ پیش کیا ہو اور کچھ نہیں تو کوئی چھوٹا سا ستارہ ہی اس آسمان کی چھت میں آویزاں کیا ہو وہی ہمیں دکھا دو۔ اور اگر وہ زمین کے کسی گوشے کے خالق ہیں اور نہ آسمان کی تخلیق میں ان کا کوئی حصہ ہے اور تم بھی اس کو تسلیم کرتے ہو تو پھر ہمیں اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کسی کتاب میں اپنے شرک کی کوئی دلیل دکھا دو۔ اور اگر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں تو پھر فساد انگیزی سے کیوں باز نہیں آتے اور ایک دوسرے کو گمراہ کرنے اور دھوکہ دینے کے لیے جھوٹے وعدے کیوں کیا کرتے ہو۔

بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ

بجز فریب کے جو ایک دوسرے سے کرتے رہتے ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو تاکہ وہ اپنی جگہ سے سرک نہ جائیں۔

وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

اور اگر وہ سرکنے لگیں (تو) کوئی نہیں روک سکتا انہیں اللہ تعالیٰ کے بعد بیشک وہ بڑا حلیم (اور) بہت بخشنے

غَفُوْرًا ﴿٤١﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ

والا ہے ۸۰ اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا

لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ

تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے ۸۱ پس جب آگیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی

۷۹ یہ تو تم نے بھی مان لیا کہ تمہارے شریکوں کا آسمان و زمین کی تخلیق میں کسی قسم کا برائے نام حصہ بھی نہیں ہے۔ اب ہم سے سنو! ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ اس کارخانۂ ہستی کو بنانے والا بھی وہی ہے اور چلانے والا بھی وہی ہے۔ زمین کا یہ کشادہ فرش اسی نے بچھایا ہے آسمانوں کا یہ محیر العقول سائبان اسی نے تانا ہے اور ہر چیز کو اپنے اپنے مقام پر ٹھہرایا ہوا بھی اسی نے ہے۔ سارے آسمان اسی کے حکم سے اپنے اپنے مقام پر ایستادہ ہیں اور کرۂ زمین کو اس بیکراں فضا میں جہاں اس نے ثبت کر دیا ہے وہاں سے ایک انچ بھی ادھر نہیں ہو سکتا۔ اگر زمین و آسمان اپنے اپنے مقررہ مقام سے مشیت الٰہی کے مطابق ٹلنے لگیں تو اس کے بغیر کوئی زور آور اور طاقتور ہستی نہیں ہے جو آگے بڑھ کر گرتے ہوئے آسمانوں کو تھام سکے یا ڈگمگاتی ہوئی زمین کو سنبھال سکے۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا بردبار ہے جو گنہگاروں سے بیزار نہیں ہوتا بلکہ وہ انہیں مہلت پر مہلت دیتا چلا جاتا ہے اور بردبار ہونے کے ساتھ ساتھ وہ غفور بھی ہے۔ یعنی اگر کوئی توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو وہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

۸۰ واؤ ضمیر فعل متصل ذوالحال ہے۔ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ حال ہے۔ یعنی جاهدين في ايمانهم۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے جب کفار مکہ کے سامنے ان قوموں کے حالات بیان کیے جاتے جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھٹلایا، سرکشی اور عصیان کوشی میں مگن رہے جن کے نتیجہ میں خدا کا عذاب ان پر نازل ہوا اور وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ حالات سن کر یہ ان تباہ ہونے والی قوموں پر بڑا لعن طعن کرتے اور کہتے کہ وہ لوگ بڑے بدبخت اور بدسرشت تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا دیا۔ وہ قسمیں اٹھاتے، سادہ سی قسم نہیں بلکہ انتہائی سخت قسم کی قسمیں کھا کر کہتے کہ اگر ہمارے پاس کوئی نبی آیا تو ہم اس کی پیروی کریں گے اور راہ راست پر یوں ثابت قدمی سے گامزن رہیں گے کہ گزشتہ زمانے میں جن قوموں نے

اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیِٴ ؕ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ

(حق سے) نفرت اور بڑھ گئی ۵۵ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے زمین میں اور گھناؤنی سازشیں کرنے لگے ۵۶ اور نہیں گھیرتی گھناؤنی

السَّیِّیُٴ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ

سازش بجز سازشیوں کے ۵۷ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو پہلے نافرمانوں سے کیا گیا تھا

لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ۬ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾ اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا

اگر یہ بات ہے تو آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی اور آپ نہیں پائیں گے اللہ کی سنت میں کوئی تغیر ۵۸ کیا انہوں نے سیر نہیں کی

ہدایت قبول کی ان سے بھی بازی لے جائیں گے اور کوئی قوم راست روی اور ثابت قدمی میں ہماری ہمسر نہیں ہوگی۔

مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی لکھتے ہیں:

"من کان من الامم السالفة علی هدی فنحن نکون اهدی منهم" (مظہری)

۵۵ے اور جب وہ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی بزم امکان میں رونق افروز ہوا اور اس کی طلعت زیبا سے ہدایت کے انوار تاریکیوں کو شکست پر شکست دینے لگے تو یہ کور باطن جو پہلے لمبے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے انہوں نے مخالفت شروع کر دی اور دن بدن ان کے عناد اور ان کی نفرت میں اضافہ ہونے لگا۔ انہیں وہ اپنی قسمیں بھول گئیں۔ انہیں یاد ہی نہ رہا کہ کل وہ حلفیہ طور پر کیا کہتے تھے اور آج وہ کیا گل کھلا رہے ہیں اور اپنے عہد و پیمان کو توڑ رہے ہیں۔

۵۶ے اس آیت کا پہلی آیت سے کیا تعلق ہے، اس کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے اسے حال بنایا اور بعض نے نفوراً کا بدل۔ اور بعض نے مفعول لاجلہ۔ لیکن میرے نزدیک احسن یہ ہے کہ یہ نفوراً پر عطف ہو۔ یعنی فلما جاءهم نذیر ما زادهم الا نفورا وما زادهم الا استکبارا فی الارض وما زادوا الا مکر السیئ یعنی جب وہ نذیر تشریف لایا تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے وہ اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی آمد کے بعد ان کے غرور اور سرکشی میں اضافہ ہو گیا اور انہوں نے اس کے خلاف بڑھ چڑھ کر گھناؤنی سازشیں شروع کر دیں۔

۵۷ے حاق یحیق کا معنی ہے احاطہ کرنا۔ چاروں طرف سے گھیر لینا۔ یعنی وہ سازشیں تو اسلام کے خلاف کرتے تھے لیکن اس سازش کا وبال خود ان پر پڑتا تھا۔ جو چال کی منہ کی کھائی۔ اسلام کے خلاف ہر منصوبہ خاک میں مل گیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتے اور طرح طرح کے بہتان لگا کر بدنام کرنے کی کوششیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو اور زیادہ بلند کر دیتا۔ حضور کی عظمت کا ڈنکا دور دور تک بجنے لگتا۔ غرضیکہ جو تدبیر بھی کی الٹی پڑی۔

۵۸ے ینظرون یعنے ینتظرون ہے۔ کفار بار بار ٹھوکریں کھانے کے باوجود نہیں سنبھلتے اور اپنی خبیث حرکتوں سے باز نہیں آتے۔

فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَكَانُوا

نہیں کی زمین میں تاکہ وہ دیکھ لیتے کہ کیسا ہولناک انجام ہوا ان (سرکشوں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے حالانکہ وہ

أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِن شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ

قوت و طاقت میں ان سے کئی گنا زیادہ تھے ۵۸ اور (سنو) اللہ تعالیٰ ایسا کمزور نہیں ہے کہ اسے آسمانوں اور

وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ

زمین کی کوئی چیز بے بس کرسکے۔ وہ ہر بات جاننے والا بڑی قدرت والا ہے ۵۹ اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو

بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا ہے

مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٤٥﴾ ع ۵ ۱۷

انہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر جب ان کی میعاد آجائے گی تو بیشک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں ۶۰

کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر بھی ایسا عذاب نازل ہو جو ان سے پہلے گزری ہوئی سرکش قوموں پر نازل ہوا تھا اگر ان کی یہی مرضی ہے تو پوری کردی جائے گی کیونکہ نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی سنت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔

۵۸ گزشتہ تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات جو داستان عبرت سنا رہے ہیں کیا ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے وہ کافی نہیں۔ وہ لوگ (کثرت) دولت اور وسائل ہر اعتبار سے ان سے زیادہ تھے عذاب الٰہی سے وہ اپنے آپ کو نہ بچا سکے ان بیچاروں کی کیا حقیقت ہے۔

۵۹ لیعجزہ کا فاعل شیء ہے۔ من زائدہ ہے تاکید پر دلالت کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمزور نہیں ہے آسمان یا زمین پر بسنے والی کوئی چیز خواہ وہ کتنی گرانڈیل، طاقتور، حیلہ ساز ہو اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کرسکتی۔ اس کے علم اور اس کی قدرت کا کون مقابلہ کرسکتا ہے۔

۶۰ عذاب دینے میں اللہ تعالیٰ عجلت اور جلد بازی نہیں کرتا ورنہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی چیز سلامت نہ رہتی، لیکن وہ بڑا حلیم اور بڑا کریم و رحیم ہے۔

اللھم لک الحمد ولک الشکر وعلی نبیک وصفیک وحبیبک سیدنا ومولٰنا

محمد افضل الصلوات وازکی التسلیمات واطیب التحیات واسنی البرکات وعلیٰ آلہ واصحابہ واولیاء امتہ اجمعین۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین

اللھم آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسٓ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

محمد کرم شاہ

نظر ثانی	
وقت الاشراق	صلوٰۃ الظہر
یوم الاحد	یوم الخمیس
۱۴ رجب ۱۳۹۲ھ	۱۰ رجب ۱۳۹۱ھ
۲۴ اگست ۱۹۷۲ء	۲ ستمبر ۱۹۷۱ء

تعارف

سُورۃ یٰسٓ

نام : اس سورہ مبارکہ کا نام یٰسٓ ہے جو اس کی پہلی آیت ہے۔ اس میں پانچ رکوع، تراسی آیات، کلمات سات سو تیئیس اور حروف تین ہزار۔

ترمذی کی حدیث شریف میں ہے کہ ہر چیز کے لیے قلب ہے اور قرآن کا قلب یٰسین ہے۔ ابوداؤد کی حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات پر یٰسین پڑھو، اسی لیے قربِ موت حالت نزع میں مرنے والے کے پاس یٰسین پڑھی جاتی ہے۔ (خزائن العرفان)

زمانۂ نزول : مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب اہل مکہ بڑی شدت اور پوری قوت سے اسلام کی تعلیمات سے انکار کر رہے تھے اور اسلامی دعوت اپنے فطری حسن و جمال کے باعث سعادتمند روحوں کو اپنی طرف تیزی سے کھینچنے لگی تھی۔ اسلام کی روز افزوں مقبولیت سے مشرکین گھبرا گئے تھے۔

مضامین : اس میں اسلامی دعوت کے تین بنیادی اصولوں پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے یعنی توحید، رسالت اور قیامت سب سے پہلے حضور کی رسالت کو قرآن کی قسم کھا کر بیان کیا گیا اور یہ بھی بتا دیا کہ آپ صراطِ مستقیم پر ہیں۔

مدت دراز سے سرزمین عرب نورِ نبوت سے محروم چلی آ رہی تھی۔ صدیاں بیت گئی تھیں اس علاقہ میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا تھا جو مسلسل گمراہ رہنے کے باعث فہم و فکر کی قوتیں بانجھ ہو گئیں۔ اس لیے انہوں نے حضور پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ ان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے ایک تباہ شدہ بستی کا حال انہیں سنایا گیا۔ انہیں بتایا کہ اس بستی کے رہنے والوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا اور وہ برباد ہو گئے تھے تم ان کی روش اختیار نہ کرنا۔ اس ضمن میں ایک بندۂ مومن کا تذکرہ بھی آ گیا ہے جس کی قوتِ ایمانی اور جذبۂ جانفروشی آج بھی ہمارے مردہ دلوں کو نئی زندگی بخش رہا ہے۔

اس کے بعد اپنی توحید، اپنی قدرت اور حکمت پر تکوینی دلائل پیش فرمائے۔ بنجر زمین پر کون مینہ برساتا ہے کس کے حکم سے غذائی اجناس اور رنگ برنگے پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ سورج اور چاند کے طلوع و غروب اور ان کی مقررہ رفتار کی طرف متوجہ کیا اور بتایا کہ سب اپنے اپنے مدار میں محوِ خرام ہیں نہ کبھی باہمی ٹکر ہوئی ہے اور نہ کوئی اپنے مقررہ وقت سے ایک لمحہ بھر لیٹ ہوا ہے اور نہ کبھی کسی نے آگے گزرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ پیچیدہ نظم و نسق اس حکیم

سے کس کی تدبیر سے مصروف عمل ہے۔ دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں کس کے حکم سے سامان اور مسافروں کو اٹھائے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک کو جا رہی ہیں۔

انسان جس کی تخلیق ایک قطرۂ آب سے کی گئی ہے وہ کس ڈھٹائی سے قیامت کا انکار کرتا ہے اور دور از کار قیاسات پر شبہات و اعتراضات کے انبار لگاتا ہے۔ وہ پوچھتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ اے حبیب! آپ اس ناہنجار کو بتا دیجئے: وہی جس نے انہیں پہلے زندگی بخشی تھی، وہی جس کے امر کن سے یہ جہانِ رنگ و بو عرصۂ شہود میں آگیا، وہی جس کے دستِ قدرت میں زمین و آسمان کی حکومت ہے، جو ہر چیز کا جاننے والا ہے، وہی قیامت کے دن تمہیں قبروں سے زندہ کر کے اٹھائے گا اور جواب دہی کے لیے اپنی عدالت میں پیش کرے گا۔

اس سورت میں دو چیزیں آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ آیت ۴۷ میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کو بے نقاب کیا گیا ہے کہ جب انہیں اپنے ان ضرورتمند بھائیوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ جن کو اللہ نے رزق نہیں دیا ہم کون ہیں ان کو رزق دینے والے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے۔ درحقیقت ان کا یہ جواب محض اپنی کنجوسی اور بخل پر پردہ ڈالنے کی ایک بھونڈی کوشش ہے۔ اگر وہ ایسے ہی راضی بقضا ہیں تو پھر کسبِ معاش میں وہ کسی ضابطے اور قانون کی پابندی کو بھی گراں سمجھتے ہیں۔ دولت کے لالچ میں تمام حدود کو روندتے چلے جاتے ہیں۔ انہیں بھلا ایسی بات کرنے کا کیسے حق پہنچتا ہے۔ ان کے دلوں میں اپنی دولت کی اتنی محبت ہے کہ وہ اس سے کچھ خرچ کرنا نہیں چاہتے اور کسی محروم کی محرومی پر انہیں خدا ترس نہیں آتا۔ کسی یتیم اور بیوہ کی حالتِ زار کو دیکھ کر ان کے دل میں رحم کا جذبہ نہیں ابھرتا۔

دوسری بات یہ ہے جس کا ذکر آیت ۶۹ میں کیا گیا ہے، بتا دیا کہ میرے نبی کریم کے علوم و معارف کا ماخذ خیال آفرینی، مبالغہ آرائی اور شعراء کی کذب بیانی نہیں بلکہ ان کا سرچشمہ وہ کتابِ مقدس ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے اس نے اپنے حبیب مکرم پر نازل فرمایا ہے تاکہ ہر اس شخص کو بروقت خبردار کر دے جس میں انسانیت کی زندگی کا کچھ نہ کچھ اثر موجود ہے۔

سُوْرَةُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ وَّ هِیَ ثَلٰثٌ وَّ ثَمَانُوْنَ اٰیَۃً وَّ خَمْسُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ یٰس مکی ہے اس کی آیتیں ۸۳ ہیں اس کے رکوع ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰسٓ ۝۱ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝۲ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝۳ عَلٰی

اے سید (محبوب دلکش)! قسم ہے قرآن حکیم کی ۲؎ بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (بھیجے) آپ

۱؎ اس کے متعلق علماء تفسیر کے متعدد اقوال ہیں (۱) یہ سورت کا نام ہے (۲) قرآن کے اسماء سے ہے۔ (۳) یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے۔ (۴) یاسین کا معنی لغت طے میں یا انسان ہے اور اس سے مراد انسان کامل یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ (۵) رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ سے ہے۔ (۶) ابوبکر وراق کہتے ہیں: یہ مخفف ہے یا سید البشر کا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیث پاک میں ہے،

الله تعالى المعطى وانا القاسم فمنزلته صلى الله تعالى عليه وآله وسلم من العالم بأسره بمنزلة القلب من البدن فالحق افتتاح قلب القرآن بقلب الأكوان۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "دینے والا اللہ تعالیٰ اور بانٹنے والا میں ہوں"۔ اس حدیث پاک کے مطابق کائنات کے جسم میں حضور دل کی مانند ہیں اور سورۂ یاسین قرآن کریم کا دل ہے تو کتنا لطیف اور پیارا نکتہ ہے اس سورت کا کہ قرآن کے دل کو ساری کائنات کے دل کے ذکر سے شروع کیا جا رہا ہے۔

۲؎ کفارِ مکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور طرح طرح کے الزامات اور اتہامات پیش کرتے رہتے۔ یہاں خداوند عالم قسم اٹھا کر اپنے رسول کی رسالت کی شہادت دے رہے ہیں۔ فرمایا اے انسان کامل! یا اے عرب و عجم کے سردار! مجھے اس قرآن حکیم کی قسم ہے کہ آپ ان برگزیدہ انسانوں میں سے ہیں جن کو میں نے رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور مجھے قرآن حکیم کی قسم ہے کہ آپ سیدھے راستے پر گامزن ہیں۔

اے حبیب! جب تیرا پروردگار تیری رسالت کی شہادت دے رہا ہے اور وہ بھی قرآن حکیم کی قسم اٹھا کر۔ اس کے بعد اگر کوئی بدبخت تیری رسالت کو ماننے سے انکار کرے تو آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

قسم اٹھاتے ہوئے صرف والقرآن نہیں فرمایا بلکہ والقرآن الحکیم فرمایا یعنی قرآن جس کی قسم اٹھائی جا رہی ہے یہ کوئی عام کتاب کی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝٤ تَنزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝٥ لِتُنذِرَ قَوْمًا

راہ راست پر ہیں۔ نازل فرمایا ہے (قرآن حکیم کو) عزیز (اور) رحیم نے سے تاکہ آپ ڈرا سکیں اس قوم

مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غَافِلُونَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ

کو جن کے باپ دادا کو (طویل عرصے) نہیں ڈرایا گیا اس لیے وہ غافل ہیں ستہ بے شک (انکے کفر و عناد کے باعث) یہ

عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٧ إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ

بات لازم ہو چکی ہے ان میں سے اکثر پر سو وہ ایمان نہیں لائیں گے شہ ہم نے ڈال دیے ہیں ان کی گردنوں میں طوق

أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُم مُّقْمَحُونَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِن

پس وہ ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اسلئے ان کے سر اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں ہے اور ہم نے بنا دی ہے

کتاب نہیں بلکہ یہ کتاب حکیم ہے یعنی پر از حکمت ہے۔ یا یہ ایسی محکم کتاب ہے کہ باطل کسی گوشہ سے اس پر حملہ نہیں کر سکتا۔ ظاہری طور پر یہ کسی فلسفی، کسی دانشور، کسی سحر بیان ادیب کی تصنیف نہیں بلکہ اسے عزیز و رحیم نے نازل فرمایا ہے۔ تنزیل فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ ای نزّل الله ذالك تنزیلا (قرطبی)

سے عزیز و رحیم نے اسے کیوں نازل فرمایا؟ بتا دیا کہ اس کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسی قوم کو بروقت خبردار کر دیا جائے جن کے پاس عرصہ دراز سے کوئی ڈرانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا نہیں آیا۔ یہ اہل عرب تھے جن کے پاس حضرت اسماعیل علیہ السلام والسلام کے بعد کوئی نبی اور رسول تشریف نہیں لایا تھا اور انہوں نے اپنی عقل خداداد سے کام لینا بھی چھوڑ دیا تھا۔ ان کے اردگرد دلائل توحید کا گلشن آراستہ تھا۔ اس کی طرف بھی توجہ نہ کی۔ ان کے تجارتی کاروانوں کا گزر ان اجڑی ہوئی بستیوں پر بھی ہوتا تھا جن کے لاوارث کھنڈر اپنے بسانے والوں کی داستان عبرت ہر اس شخص کو سناتے تھے جو وہاں سے گزرتا تھا۔ انہوں نے اس سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور آنکھیں موند کر غفلت اور بے خبری کی زندگی بسر کرتے رہے۔

شہ جن کو ڈرانے کے لیے اے حبیب آپ تشریف لے آئے ہیں، جن کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قرآن کریم نازل کیا گیا ہے ان میں ایسے لوگوں کی تعداد بھی کافی ہے جن کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ کا ایندھن بنیں گے کیونکہ وہ تعصب اور ہٹ دھرمی کی ایسی روش اختیار کریں گے جہاں کوئی پند و موعظت کارگر نہیں ہوگی۔ وہ وعظ سننے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ یہاں قول سے مراد انہیں عذاب دینے کا خدائی فیصلہ ہے اور حق کا معنی واجب ہونا، لازم ہونا۔ ای وجب العذاب علی اکثرھم۔

لے پہلے آیت کا لغوی معنی ذہن نشین فرما لیجیے۔ اس کے بعد اس کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ اعناق عنق کی جمع ہے اس

بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ

ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے پس وہ کچھ

فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ

نہیں دیکھ سکتے ۔ اور یکساں ہے ان کے لیے چاہے آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں

کا معنی ہے گردن ۔ مقمحون : ائمہ لغت کے امام الاصمعی کہتے ہیں : یقال اقمحت الناقۃ اذا اخذت لجامہ لترفع راسہا ، یعنی گھوڑے کی جب باگ زور سے کھینچی جائے تاکہ وہ اپنا سر اوپر اٹھائے ۔ تو عرب کہتے ہیں اقمحت الدآبۃ اور جب کسی کے گلے میں طوق ڈالا جائے اور اسے کھینچ دیا جائے تاکہ اس کا سر اوپر اٹھا ہوا رہ جائے اور جھکا نہ جائے ۔ اقمحہ الغل ، (قرطبی) حضرت عبداللہ بن یحییٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ہمیں اس لفظ کا معنی سمجھانے کے لیے اس طرح کیا کہ پہلے اپنی ڈاڑھی مبارک کے نیچے اپنے دونوں ہاتھ رکھے اور سر کو اوپر اٹھایا کہ وہ پھر نیچے نہ ہو سکے

یعنی ان منکرین اور معاندین کی ایسی حالت ہے جیسے ان کے ہاتھوں میں زنجیر اور گلے میں طوق ڈال کر انہیں گردن کے ساتھ اس سختی سے جکڑ دیا ہو کہ ان کا سر اوپر اٹھ کر رہ گیا ہو۔ وہ یوں اکڑے اور جکڑے ہوئے ہوں کہ آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی ہوں نہ مڑ سکیں ، نہ دائیں بائیں دیکھ سکیں ۔ اس حالت میں جو شخص جکڑا ہو نہ وہ دیکھ سکتا ہے اور نہ غور و تدبر کر سکتا ہے اور نہ کسی کی بات کو تسلی سے سن سکتا ہے ۔ بس یہی حال ان نابکاروں کا ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے متعلق یہ روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل نے قسم اٹھائی کہ اگر اس نے حضور کو نماز پڑھتے دیکھ لیا تو پتھر سے سر مبارک کو چور چور کر دے گا ۔ ایک دن حضور نماز پڑھ رہے تھے تو ایک بھاری پتھر اٹھا کر حضور کی طرف بڑھا جب پتھر مارنے کے لیے اٹھایا تو ہاتھ گردن کے ساتھ چمٹ کر رہ گیا اور پتھر ہاتھ کے ساتھ چمٹ گیا ۔ وہاں سے واپس لوٹتے ہوئے بھی سلامتی نہ کی جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو سارا ماجرا انہیں بتلایا۔ یہ سن کر ولید بن مغیرہ اٹھا اور کہا کہ اے ابوجہل ! تم تو بڑے ہی بزدل نکلے میں جاتا ہوں اور اس کو ختم کر کے آتا ہوں ۔ جب وہ اس نیت سے نزدیک گیا تو اللہ تعالیٰ نے بینائی سلب کر لی اور اندھا ہو گیا ۔ حضور کی آواز سن رہا تھا لیکن حضور نظر نہ آتے تھے ۔ اس نے بھی واپس آ کر اپنا قصہ سنایا تو ایک اور کافر غصے سے بے قابو ہو کر اٹھا اور کہنے لگا ۔ واللّٰہ لاشدخن انا رأسہ : بخدا میں ان کے سر کو چور چور کروں گا ۔ وہ پتھر لے کر نزدیک پہنچا تو گھبرا کر پیچھے بھاگا اور غش کھا کے منہ کے بل گر پڑا ۔ ساتھیوں نے آ کر اٹھایا ، پوچھا تم پر کیا بیتی ۔ اس نے کہا مت پوچھو جو مجھ پر گزری ہے ۔ جب میں ان کے قریب ہوا تو ایک بہت بڑا بیل دم ہلاتا ہوا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ۔ فواللات والعزی لو دنوت منہ لاکلنی مجھے لات و عزیٰ کی قسم ! اگر میں قریب جاتا تو وہ بیل مجھے کچا چبا جاتا ۔

کے سدًّا : دیوار یعنی ہم نے ان کے آگے بھی دیوار چن دی ہے اور ان کے پیچھے بھی دیوار کھڑی کر دی ہے ۔ ان کی آنکھوں پر پردہ

تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ

وہ ایمان نہیں لائیں گے ۸ آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو اتباع کرتا ہے قرآن کا اور ڈرتا

الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١ اِنَّا نَحْنُ

ہے رحمٰن سے بن دیکھے ۹ پس خوشخبری سنا دیجئے ایسے شخص کو مغفرت کی اور بہترین اجر کی ۱۰ بیشک ہم ہی

نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ

زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے ان آثار کو جو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہر چیز کو

اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ

ہم نے شمار کر رکھا ہے روشن کتاب میں ۱۲ اور بیان فرمائیے ان کے (سمجھانے کے) لیے مثال اس

ڈال دیا ہے۔ اب ان کا یہ حال ہے کہ نہ آگے جا سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ انہیں کچھ دکھائی دیتا ہے۔

۸ ان کے کفر و انکار کا مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کا اپنے ہاتھ سے گلا گھونٹ دیا ہے۔ اس آنکھ کو پھوڑ ڈالا ہے جو نور حق کو دیکھ سکتی ہے اور ان کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر بہرا کر دیا ہے جو حق کی آواز کو سن سکتے ہیں۔ اب ان کو اسلام کی طرف بلانا اور ہدایت کی دعوت دینا بے سود ہے۔ جگایا تو اس کو جاتا ہے جو سو رہا ہو اور جو مر گیا ہو وہ تو حشر سے پہلے نہیں جاگ سکتا۔

۹ آپ کا خبردار کرنا اور ڈرانا انہی لوگوں کے لیے سودمند ہو سکتا ہے جن میں حق پذیری کی استعداد ہو۔ جن کے دل میں راہ راست پانے کی تڑپ ہو۔ جن کو آپ نصیحت فرمائیں تو وہ اس پر عمل کرنے لگیں اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہوں۔ یہ لوگ ہی اس قرآن کو مانیں گے، آپ کی رسالت کو تسلیم کریں گے۔

۱۰ آپ ان لوگوں کو مغفرت کا مژدہ سنا دیجئے کہ بشری تقاضوں کے باعث جو قصور و تقصیر سرزد ہوتے ہیں، تمہارا مہربان خدا انہیں بخش دے گا اور جو نیکیاں تم نے کی ہیں ان پر تمہیں اجر عطا فرمائے گا۔ صرف اجر نہیں بلکہ اجر عظیم۔

۱۱ یعنی تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ اس زندگی کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے اور مرنے کے بعد نہ تمہیں زندہ کیا جائے گا اور نہ تم سے کسی قسم کی باز پرس کی جائے گی۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ ہم مردوں کو ضرور زندہ کریں گے اور اس روز انہیں نیک و بد اعمال کی جزا یا سزا ضرور دیں گے۔

۱۲ ہمارے لیے ان سے حساب لینا کوئی مشکل نہیں جو کام انہوں نے خود کیے ہیں ہم ان کو بھی لکھ رہے ہیں اور جو طریقے ایجاد کر کے وہ آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں گے۔ ان کو بھی ہم ضبط تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس لیے جو نیک کام انہوں نے خود کیے یا جو نیک طریقے

الْقَرْيَةِ ۘ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١٣﴾ إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

گاؤں کے باشندوں کی جب آئے وہاں ہمارے پیغمبر رسول [13] جب (پہلے) ہم نے بھیجے ان کی طرف دو رسول تو

انہوں نے رائج کیے جن پر آنے والی نسلیں گامزن رہیں ان کی سزا سے فرد بشر کی شکل نہیں ہوگا اسی طرح جو بُرے کام کسی نے خود کیے اور جن اجتماعی اور تمدنی خرابیوں کے جراثیم وہ اپنے معاشرہ کو بطور وراثت دے گئے یہاں سے سب کا ریکارڈ ہمارے پاس محفوظ ہے اس لیے ان کو سزا دینے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

علامہ راغب لفظ امام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الامام المؤتم به انسانا كان يقتدى بقوله او فعله او كتابا او غير ذلك محقا كان او مبطلا وجمعه ائمة ، یعنی امام اس کو کہتے ہیں جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ انسان ہو یا کتاب وہ حق پر ہو یا باطل کا علمبردار۔ اس کی جمع ائمہ ہے۔ آیت میں امام مبین سے مراد لوح محفوظ ہے۔

[13] عام طور پر ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ جس گاؤں کا یہاں ذکر ہے اس سے مراد انطاکیہ ہے جو ملک شام کا ایک شہر ہے اور پہلے دو رسول جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بھیجے تھے ایک کا نام صادق اور دوسرے کا نام مصدوق تھا جب ان کو ستایا گیا اور تکلیف پہنچائی گئی تو ان کی مدد کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیسرا رسول بھیجا اس کا نام شمعون تھا اور وہ شخص جو شہر کے پرلے کنارے سے دوڑ کر آیا تھا اس کا نام حبیب نجار تھا۔

لیکن محققین نے ان تفصیلات کو ماننے سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ تفصیلات کئی وجوہ سے قابل اعتماد نہیں۔

۱۔ جن حضرات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ اپنا تعارف لوگوں سے یوں کراتے ہیں، قالوا ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون۔ کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ ہمیں صرف تمہاری طرف بھیجا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے رسول تھے نہ کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواری اور فرستادہ تھے۔ اگر وہ حواری ہوتے تو ان کے کلام کا انداز یہ نہ ہوتا۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں جس گاؤں کا ذکر ہے اس کے باشندوں نے ان رسولوں یا فرستادوں کا انکار کیا ہے ان کو طرح طرح سے اذیتیں دیں۔ ان کو منحوس تک کہا اور اپنی ساری تکلیفوں کا باعث انہیں قرار دیا۔ یہاں تک کہ ان کو سنگسار کرنے کی دھمکیاں دیں۔ ان حضرات کے بار بار سمجھانے کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا یہاں تک کہ عذاب الٰہی ایک کڑک کی صورت میں نازل ہوا اور اس بستی اور اس میں بسنے والوں کو خاک سیاہ بنا دیا۔ جب ہم انطاکیہ کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ وہ شہر ہے جس نے مسیحی دین کو سب سے پہلے قبول کیا اس کی ساری آبادی حضرت مسیح پر ایمان لائی، اس لیے آج تک اس کا شمار ان چار شہروں میں ہوتا ہے جو عیسائیوں کے نزدیک مقدس ہیں۔ نیز یہ بھی کسی تاریخ میں مذکور نہیں کہ اس شہر پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور یہ نیست و نابود ہو گیا ان حقائق کے پیش نظر قرآن میں مذکورہ قریہ کو انطاکیہ اور دو رسولوں سے مراد حضرت عیسیٰ کے حواری لینا بعید از قیاس ہے۔

اس لیے مناسب یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس گاؤں کا نام ذکر نہیں کیا اور ان رسولوں کا تعین بھی نہیں فرمایا تو ہم اپنے آپ کو

فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ﴿١٤﴾ قَالُوْا

انہوں نے ان کو جھٹلایا پس ہم نے تقویت دی انہیں ایک تیسرے رسول سے تو ان تینوں نے کہا بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ۱۴؎

مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ

بستی والوں نے کہا نہیں ہو تم مگر انسان ہماری مانند اور نہیں اتاری رحمٰن نے کوئی چیز نہیں ہو تم

اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿١٥﴾ قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ﴿١٦﴾

مگر جھوٹ بول رہے ہو ۱۵؎ رسولوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم یقیناً تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ۱۶؎

اس الجھن میں نہ ڈالیں اور دانستہ طور پر یورپ کے مستشرقین کو قرآن کریم پر اعتراض کرنے کا ایک نیا موقع بہم نہ پہنچائیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے پیارے رسول! کفار مکہ اور مشرکین عرب آپ سے الجھ رہے ہیں۔ آپ ان کے سامنے ان لوگوں کا واقعہ بطور نصیحت پیش کیجیے جن کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول آئے اور انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا اور انہیں تباہ کر دیا گیا۔ شاید یہ واقعہ سن کر انہیں عبرت حاصل ہو، اپنے طریقہ کار پر نظر ثانی کریں اور گمراہی سے باز آ جائیں۔

۱۴؎ پہلے دو رسول اس شہر میں تشریف لائے اور وہاں کے لوگوں کو راہ ہدایت پر چلنے کی دعوت دی لیکن وہاں کے باشندے بپھر گئے اور انہیں جھٹلانا شروع کر دیا اور طرح طرح سے اذیت پہنچانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقویت کے لیے ایک تیسرا رسول بھیج دیا اور انہوں نے مل کر تبلیغ کا کام زور شور سے شروع کر دیا۔ وہاں کے لوگ حقیقت شناس نہ تھے۔ وہ اس نور نبوت کو نہ دیکھ سکے جو ان کی جبین سعادت سے چمک رہا تھا۔ وہ روحانیت کی ان لطافتوں کے ادراک سے قاصر تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان نفوس قدسیہ کو بخشی تھیں۔ وہ ان کے ظاہر کو دیکھ کر فریب کھا گئے، کہنے لگے کہ تمہارا قد و قامت ہماری طرح، تمہارا چہرہ مہرہ ہماری طرح، تم کھاتے پیتے بالکل ہماری طرح ہو تم رسول کیسے بن گئے۔

۱۵؎ انہیں ان پاک ہستیوں کے اس دعوے پر بھی اعتراض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوق کی راہنمائی کے لیے کوئی صحیفہ ہدایت لے آئے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ پہلے تو خدا ہے ہی نہیں اور اگر واقعی کوئی اتنی جلیل القدر ہستی ہے جس نے آسمانوں، زمینوں، پہاڑوں، سمندروں جیسی بڑی بڑی عظیم الشان چیزیں بنائی ہیں تو اتنی بڑی ہستی کو یہ زیب ہی نہیں دیتا کہ انسان جیسی حقیر مخلوق کے لیے وہ قواعد و ضوابط مرتب کرتا رہے۔ اس لیے ان رسولوں کا یہ دعویٰ ہرگز قابل قبول نہیں۔

۱۶؎ ان حضرات نے حلف اٹھا کر انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس نے ہی انہیں ان کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ اذ تشھّد وا بعلم اللہ تعالیٰ (رہو بجری مجری القسم (مظہری)، انہوں نے اہل قریہ کو بتا دیا کہ ہمارا فرض صرف اس قدر ہے کہ پیغام حق نہایت مؤثر انداز میں اور پوری دلسوزی سے تمہیں پہنچا دیں۔ اس کو قبول کرنا

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿17﴾ قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ

اور نہیں ہم پر کوئی ذمہ داری بجز اس کے کہ پیغام حق کھول کر پہنچا دیں۔ وہ کہنے لگے ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں ١٥ اگر تم

تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿18﴾ قَالُوْا

باز نہ آئے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیں گے اور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب ١٦ رسولوں نے فرمایا

طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿19﴾

تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے ١٧ (کیا یہ) حیرت ہے، اگر تمہیں نصیحت کی جاتی ہے ١٨ (تو تم دھمکیاں دینے لگتے ہو) بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو

یاد کرنا تمہارا کام ہے ہم نے اپنی ذمہ داری باحسن طریق پوری کر دی ہے۔

١٥ لیکن ان لوگوں کا انکار بڑھتا چلا گیا۔ وہ کہنے لگے جس روز سے تمہارے منحوس قدم ہمارے شہر میں آئے ہیں۔ ہم طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ کبھی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہم قحط سالی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کبھی کوئی وبا پھوٹ پڑتی ہے کبھی کساد بازاری شروع ہو جاتی ہے۔ ہمارے نزدیک ان سب مصائب کا سبب تم ہو۔ تمہاری نحوست سے ہماری ہنستی کھیلتی زندگی غم واندوہ کا شکار ہو گئی ہے۔ ہماری معاشی خوشحالی افلاس و تنگدستی میں بدلتی جا رہی ہے۔ تمہاری گستاخیوں سے ہمارے دیوتا ہم پر ناراض ہو گئے ہیں۔

١٦ اب بہتر تو یہ ہے کہ تم اپنے وعظوں کا یہ سلسلہ بند کر دو، ہمارے معبودوں کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے باز آ جاؤ، ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو اور ہمیں بار بار تنگ نہ کرو۔ ورنہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہو گا۔ ہمارے شہر میں تم صرف تین ہو۔ ہم تمہیں پکڑ لیں گے اور ایک ایک کو یہاں کھڑا کر کے اتنی سنگباری کریں گے کہ تمہاری بوٹی بوٹی الگ ہو جائے گی اور ہم تمہیں سخت المناک سزا دیں گے۔

١٧ ان حضرات نے فرمایا تمہاری بدبختی اور بدفالی تو تمہارے ساتھ ہے۔ جب تم اس دنیا میں آئے تھے تو تمہارا طائر تمہارے گلے میں لٹکا دیا گیا تھا۔ اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں۔ تم اپنے مقدر کو کوسو جس کے باعث تم تلخ و ترش حادثات کا شکار ہو رہے ہو۔

جہالت اور توہم پرستی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ عہد جاہلیت میں نیک و بد شگون کا بڑا رواج تھا۔ کئی چیزیں ان کے نزدیک منحوس تھیں۔ اگر صبح سویرے ان میں سے کوئی چیز انہیں دکھائی دیتی تو سمجھتے تھے کہ آج کا دن بڑا منحوس ہے۔ اگر سفر پر جا رہے ہوتے اور ایسی چیز سے آمنا سامنا ہو جاتا تو گھر واپس آ جاتے۔ سفر کا ارادہ ترک کر دیتے۔ تطیّر کا معنی ہے کسی سے برا شگون لینا اور اسے منحوس سمجھنا۔

١٨ یہ شرط ہے اس کی جزا محذوف ہے۔ ان ذکرتم تطیرتم بنا وتوعدتمونا۔

یعنی ہم اگر تمہیں نصیحت کرتے ہیں تو تم ہم سے بدفالی پکڑنے لگتے ہو اور ہمیں سنگسار کرنے کی دھمکیاں دینے لگتے ہو۔ تمہارا یہ رویہ ہرگز معقول نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم ہماری باتوں میں غور و فکر کرتے، لیکن تمہارے طریقہ کار سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی معاملہ میں سنجیدگی سے غور و فکر کرنا تمہارا شیوہ نہیں۔ تم اس معاملہ میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے ہو۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا

اسی اثنا آیا شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا۔ اس نے کہا اے میری قوم! پیروی کرو

الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۰ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۱

رسولوں کی۔ پیروی کرو ان (پاکبازوں) کی جو تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتے اور وہ سیدھی راہ پر ہیں ۲۱

وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۲ ءَاَتَّخِذُ مِنْ

اور مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں عبادت نہ کروں اس کی جس نے مجھے پیدا فرمایا اور اسی کی طرف تم (سب) نے لوٹ کر جانا ہے ۲۲ کیا

دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ

میں اپنے لیے عبادت کے لیے بنا لوں اسے چھوڑ کر کوئی اور خدا؟ (ہرگز نہیں)، اگر رحمٰن مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش مجھے ذرا فائدہ نہ

۲۱ جب حالات زیادہ خراب ہو گئے اور وہاں کے باشندوں نے ان حضرات کو سنگسار کرنے کی تیاری شروع کر دی تو اسی شہر کے ایک دور دراز گوشہ میں ایک سلیم الفطرت آدمی رہتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا آیا اور اپنی قوم سے کہنے لگا کہ اے میری قوم جن لوگوں کے پیچھے تم ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہو کافی عرصہ سے یہاں مقیم ہیں اور بڑی دلسوزی سے تمہیں اس دعوت کو قبول کرنے کی تلقین کر رہے ہیں جسے وہ حق سمجھتے ہیں اور تم ان پر برابر اعتراضات کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہو۔ میں بھی تمہارے شہر کا باشندہ ہوں اور تمہاری قوم کا ایک فرد ہوں میرا مخلصانہ مشورہ تو یہ ہے کہ تم ان پر ایمان لے آؤ اور ان کا اتباع شروع کر دو۔ ان کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ انہوں نے کبھی تم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ چندہ کی اپیل نہیں کی۔ اگر یہ سچے نہ ہوتے اور اپنی دعوت میں مخلص نہ ہوتے بلکہ کسی دنیاوی مقصد کے لیے انہوں نے یہ ڈھونگ رچایا ہوتا تو دو چار ماہ، سال دو سال میں ان کا بھرم کھل جاتا ان کی خودغرضی سامنے آجاتی۔ لیکن آج اتنا عرصہ گزر گیا۔ کیا تم ان کے اخلاص پر کوئی اعتراض کر سکتے ہو۔ نیز وہ خود بھی ان احکام پر بڑے اہتمام کے ساتھ عمل پیرا ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم وہ تمہیں دیتے ہیں۔ خود بھی اسی راستہ پر گامزن ہیں جس پر چلنے کی وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں۔ ایسے مخلصین کی نیت پر شک کرنا اور ان پر ایمان نہ لانا بڑی بے انصافی ہے۔

۲۲ تم اپنے لیے جو چاہو راستہ اختیار کرو۔ البتہ میں تو اپنے خالق کی عبادت سے سرتابی نہیں کر سکتا اور اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا الٰہ اور معبود مان سکتا ہوں۔ نیز یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ تمہیں ہمیشہ اس دنیا میں زندہ نہیں رہنا ہے۔ ایک دن آنے والا ہے جب تم یہاں سے کوچ کر جاؤ گے اور اپنے رب کے حضور پیش کر دیے جاؤ گے۔ خود سوچو اگر ساری عمر اس کی نافرمانی میں برباد ہو گئی، تو کس منہ سے وہاں حاضر ہو گے۔

شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ

پہنچا سکے گی اور نہ وہ مجھے چھڑا سکیں گے ۲۳ اگر میں شرک کروں، تو میں بھی اس وقت کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جاؤں گا ۲۴ میں ایمان لے آیا ہوں

بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ

تمہارے رب پر پس (کان کھول کر) میرا اعلان سن لو ۲۵ حکم ہوا (جا) جنت میں داخل ہو جا ۲۶ وہ بولا کاش! میری قوم بھی

یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ وَمَاۤ

جان لیتی کہ بخش دیا ہے مجھے میرے رب نے اور شامل کر دیا ہے مجھے باعزت لوگوں میں ۲۷ اور نہ

۲۳ آخر میں اپنے رب حقیقی کے بغیر کسی بے بس اور ضعیف چیز کو خدا کیونکر مان لوں۔ ان کی تو یہ مجال ہی نہیں کہ اگر میرا رحمان مجھے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو وہ اگر زبردستی مجھے اس کی گرفت سے چھڑا لیں یا میری سفارش ہی کر سکیں۔ ایسے نکمے اور بیکار خداؤں کو مان کر میں کیا کروں گا۔

۲۴ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اگر میں بھی شرک میں مبتلا ہو جاؤں تو مجھ سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوگا۔

۲۵ حق کتنا جری ہوتا ہے۔ حق کا علمبردار کتنا نڈر اور بیباک ہوتا ہے اس آیت کو پڑھ کر ہی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سارا شہر ایک طرف ہے۔ قوم کے تمام رئیس اور سردار ایک طرف ہیں۔ سارے مذہبی پیشوا اور سارے سیاسی حکام الگ کھڑے ہیں۔ سارا ماحول غم و غصہ سے بھرا ہوا ہے۔ حالات کے بگڑتے تیوروں کے اس آتشکدہ میں کھڑا ہو کر ایک مومن ہی یہ اعلان کر سکتا ہے۔ اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ۔ سارے سن لو میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لا چکا ہوں اور میرا جس نے کچھ بگاڑنا ہے بیشک بگاڑ لے مجھے اس کی ذرا پروا نہیں۔ اس مرد پاکباز نے آمنت بربی (میں اپنے رب پر ایمان لایا ہوں) نہیں کہا بلکہ بِرَبِّكُمْ فرمایا تاکہ انہیں یہ احساس دلائے کہ جس خدا کا وہ بندہ ہے وہ صرف اس کا پروردگار نہیں بلکہ ان سب کا پروردگار بھی ہے۔

۲۶ لوگوں نے اس پر پتھروں کی بارش کر دی اور چند لمحوں میں اس کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
(مرزا مظہر جان جاناں)

جسم کا قیمہ ہو رہا ہے اور ادھر سے صدا آ رہی ہے اے عاشق دلفگار آ جاؤ۔ جنت کی بہاریں تمہارا انتظار کر رہی ہیں خیابان رحمت کے رنگین پھولوں کے ہار پرو کر حوریں تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں اور میرا حسن لازوال تیرے دل بیتاب اور چشم مشتاق کی حسرتیں پوری کرنے کے لیے نقاب اٹھانے ہی والا ہے۔

۲۷ قوم نے ظلم کی حد کر دی، لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، لیکن ہمدردی کا جذبہ سرد نہیں ہوتا۔ کہتا ہے کاش میری قوم کو پتہ چل جائے۔ اسے جا کر کوئی بتا دے کہ سرفروشی اور جانبازی کی راہ پر چل کر تمہارے اس مقتول اور شہید بھائی نے کچھ کھویا نہیں بلکہ بہت کچھ پایا ہے۔

أَنزَلْنَا عَلَىٰ قَوْمِهِۦ مِنۢ بَعْدِهِۦ مِن جُندٍ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ وَمَا كُنَّا

اتارا ہم نے اس کی قوم پر اس (کی شہادت) کے بعد کوئی لشکر آسمان سے اور نہ ہمیں اس کی

مُنزِلِينَ ﴿٢٨﴾ إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَٰحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَٰمِدُونَ ﴿٢٩﴾

ضرورت تھی۔ ۲۲ نہ تھی مگر ایک گرج پس وہ بجھ جھنے کوئلے بن گئے۔

يَٰحَسْرَةً عَلَى ٱلْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا۟ بِهِۦ

صد افسوس ان بندوں پر۔ نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر وہ اس کے ساتھ

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٣٠﴾ أَلَمْ يَرَوْا۟ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ ٱلْقُرُونِ أَنَّهُمْ

مذاق کرنے لگ گئے۔ کیا انہیں علم نہیں کہ کتنی امتوں کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کر دیا اور وہ (آج تک) ان کی

بیہ قصور میرے رب نے معاف کر دیے ہیں اور مجھے ان لوگوں کی صف میں جگہ دے دی ہے جن کو اس نے ابدی عزت اور لازوال کرامتوں سے سرفراز کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اس پر سچے دل سے ایمان لایا تھا اور حبیب امتحان کے میدان میں کھڑا کیا گیا میں نے جان دے دی لیکن اپنے ایمان پر آنچ نہیں آنے دی۔ حضرت علامہ مرحوم کا ارشاد ملاحظہ ہو ؎

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس شخص کا نام حبیب نجار تھا۔ علامہ قزوینی تحریر فرماتے ہیں کہ حبیب اہل انطاکیہ نے اسے شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ انطاکیہ میں مومن اور کافر دونوں آباد تھے۔ وہ خوفناک کڑک جس نے کفار کو موت کی نیند سلا دیا اہل ایمان کو اس سے محفوظ رکھا گیا یہاں تک کہ جو اہل ایمان محو خواب تھے وہ بدستور سوئے رہے ان کی آنکھ بھی نہ کھلی۔ انطاکیہ کے بازار میں ایک مسجد ہے اس مسجد کو مسجد حبیب کہا جاتا ہے۔ اس کے صحن میں ان کا مزار پر انوار ہے۔ لوگ اس کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہیں۔

(آثار البلاد و اخبار العباد للقزوینی صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ بیروت)

مشہور جغرافیہ دان علامہ یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ اپنی کتاب معجم البلدان میں انطاکیہ کے عنوان کے نیچے لکھتے ہیں :

" انطاکیہ میں حبیب نجار کی قبر ہے دور نزدیک سے لوگ اس کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ آیات انہی حبیب کے حق میں نازل ہوئیں وجاء من اقصی المدینۃ رجل یسعٰی الخ۔ لیکن یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ علامہ ابن کثیر کی رائے آپ چند صفحے پہلے پڑھ آئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۲ ہمیں ان سرکشوں کی سرکوبی کے لیے آسمان سے فرشتوں کا لشکر اتارنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ جب ہم نے ان کو تباہ کرنے کا

اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾ وَ

طرف لوٹ کر آتے ۔ اور ان سب کو ہمارے سامنے حاضر کر دیا جائے گا اور

اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ

ایک نشانی ان کے لیے یہ مُردہ زمین ہے ۷۹ ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے نکالا اس سے غلہ پس وہ

يَاْكُلُونَ ﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا

اس سے کھاتے ہیں ۸۰ اور ہم نے اگائے اس میں باغات کھجور اور انگوروں کے اور جاری کر دیے اس میں

فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾ لِيَاْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيهِمْ ۖ

چشمے ۸۱ تاکہ کھائیں وہ اس کے پھلوں سے اور نہیں بنایا ہے اس کو ان کے ہاتھوں نے۔

فیصلہ کیا تو ایک ایسی گرج اور کڑک پیدا کی کہ وہ چشم زدن میں ہی بجھی ہوئی راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ خامدین، امبر کی ہوئی آگ کے بجھ جانے کو خمد کہتے ہیں۔ یعنی پہلے وہ آگ کے انگاروں کی طرح دہک رہے تھے اور اس کے شعلوں کی طرح لپک رہے تھے۔ ایک گرج نے ان مغروروں کا قصہ تمام کر دیا جیسے کسی نے ان پر پانی ڈال دیا ہو۔

۷۹ یہاں سے ان تکوینی دلائل کے بیان کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو توحید اور قیامت کے منکرین کے سامنے پیش کیے جا رہے ہیں۔ ایسے دلائل نہیں کہ وقتی طور پر تو مخالف کو خاموش اور لاجواب کر دیں۔ لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد بغاوت کا مادہ پھر ابھرنے لگے۔ بلکہ ان دلائل میں غور کرنے سے دل کو یقین کامل نصیب ہو جاتا ہے اور روح کو اطمینان اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ پہلی دلیل یہ بیان فرمائی کہ بنجر اور مردہ زمین جس میں سبزہ اور زندگی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی۔ جب اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے تو اس میں زندگی انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ اس زمین کی مردہ قوتیں اپنی ساری شوخیوں اور رعنائیوں کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے رنگ رنگ کے پھولوں سے چمن مسکرانے لگتے ہیں۔

۸۰ کسان جو تخم ریزی کرتا ہے اس کی بالیں زمین کے جگر کو چیرتی ہوئی باہر نکل آتی ہیں۔ چند مہینوں میں فصل پک جاتی ہے جس سے تم غذا حاصل کرتے ہو۔

۸۱ اور ہم باغ اگا دیتے ہیں اور ان باغوں میں کھجور کے لانبے لانبے درخت بھی اگتے ہیں جو آسمان کو چھو رہے ہوتے ہیں اور دوسری طرف انگور کی نازک بیلیں ہیں جو زمین پر بچھی چلی جاتی ہیں۔ جن کو اوپر اٹھانے کے لیے تم چھپر بناتے ہو۔ وہاں چشمے ابل رہے ہوتے ہیں جن سے تمہارے باغ آبپاش ہوتے ہیں۔ تم ان پھلوں کو یا تو جوں کا توں کھاتے ہو یا ان کو مختلف شکلوں میں بدل کر ان سے

أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٥﴾ سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ

کیا وہ (ان نعمتوں پر) شکر ادا نہیں کرتے۔ ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا فرمایا جنہیں زمین اگاتی ہے

الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ

اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ (ابھی) نہیں جانتے ۳۲ اور دوسری نشانی ان کے لیے رات ہے

نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا

ہم اتار لیتے ہیں اس سے دن کو تو یکلخت وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے ہیں ۳۳ اور (ایک) آفتاب ہے جو چلتا رہتا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف۔

لطف اندوز ہوتے ہو ایک آم کے پھل ہی کو لیجیے۔ ابتدائی حالت میں اس سے بڑی لذیذ چٹنی بنتی ہے۔ جب وہ پھل کچھ بڑا ہوتا ہے تو اس کا اچار بنایا جاتا ہے۔ چند ماہ بعد اس کا مربہ بنا کر چینی اور شیشے کے خوبصورت مرتبانوں میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ جب آم پک جاتے ہیں یا تو تم ان ہی کو ان کا رس چوس لیتے ہو یا ان کو کاٹ کر کھاتے ہو یا کہیں مکھن بن رہی ہوتی ہے کہیں آئس کریم۔ وما عملتہ ایدیھم میں انہی چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ وما عملت آلایہ کا ایک دوسرا مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ سرسبز و شاداب کھیت، یہ بہار آفریں باغات اور رنگین اور لذیذ پھلوں سے لدی ہوئی ڈالیاں، یہ رنگارنگ مہکتے جھومتے پھول ان میں سے کوئی ایک چیز بھی ایسی نہیں جو تمہارے ہاتھوں نے بنائی ہو۔ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت آفرینیوں کا اعجاز ہے۔ اس صورت میں ما موصولہ نہیں بلکہ نافیہ ہوگا۔

۳۲ یہ دیکھو کہ انسان اور حیوانات کو ہی مذکر و مؤنث پیدا فرمایا ہے اور اسی طرح ان کی بقا اور نشوونما کا اہتمام کر دیا ہے بلکہ اس سبوح و قدوس نے زمین سے جو چیزیں اگائی ہیں انہیں جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ نر اور مادہ کا سلسلہ درختوں، پودوں، بیلوں، پھولوں جھاڑیوں، گھاس غرضیکہ ہر چیز جو زمین سے اگتی ہے اس کو نر و مادہ میں تقسیم کر دیا ہے اور جعلنا الریاح لواقح سے بتا دیا کہ نر درخت کے زیرہ کی اجزاء کو ہوائیں اٹھا کر مادہ کے پاس لے جاتی ہیں اور اسے باردار کرتی ہیں۔ تلقیح کا عمل صرف حیوانات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ حیوانات، نباتات اور ایسی اجناس جن کو ابھی تم جانتے بھی نہیں ہو۔ وہاں تک پھیلا ہوا ہے۔

(مزید تحریر کے لیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۃ حجر آیت ۲۲ کا حاشیہ ملاحظہ کریں)

۳۳ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک اور دلیل بیان کی جا رہی ہے۔ جب دن ہوتا ہے تو ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے جب رات آجاتی ہے نور غائب ہو جاتا ہے اور ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا چھا جاتا ہے۔ اگر ہمیشہ دن کا اجالا رہتا یا ہر وقت رات کی تاریکی پھیلی رہتی تو یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ نیرنگی فطرت کے کرشمے ختم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عروس کائنات کو شب و روز کا تسلسل قائم کر کے سجایا۔ پھر اس میں مسند کرامت بچھائی اور حضرت انسان کو اس پر بٹھا دیا۔ اب بھی اگر انسان اپنے کریم رب کا

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ

یہ اندازہ مقرر کیا ہوا ہے اس (خدا) کا جو عزیز (و) علیم ہے۔ ۳۷ اور (ذرا) چاند کو دیکھو ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں

كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿٣٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ

آخر (کار) ہو جاتا ہے کھجور کی پرانی شاخ کی مانند ۳۸ نہ سورج کی یہ مجال کہ (وہ) پیچھے سے چاند کو آ پکڑے اور نہ

وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿٤٠﴾ وَآيَةٌ لَهُمْ

رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے۔ اور سب (ستارے) اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں۔ ۳۹ اور ایک نشانی ان

أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿٤١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ

کے لیے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی ۴۰ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لیے اس (کشتی) کی مانند

شکر ادا کرے تو اس سے بڑی احسان فراموشی اور نادانی کیا ہو سکتی ہے۔

نسلخ کہتے ہیں بھیڑ بکری کو ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتارنا۔ دن کے وقت روشنی کا لبادہ جو دنیا کو پہنایا جاتا ہے، جب رات آتی ہے تو آہستہ آہستہ اس لبادہ کو اتار لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر طرف سیاہی پھیل جاتی ہے۔

۳۷ سورج اپنے مقررہ مقام کی طرف محو حرکت ہے اور اس کی مجال نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ تاخیر سے وہاں پہنچے یا وہاں سے سرک کر کسی اور جگہ پہنچ جائے جو مدار اس کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔ جو نظام عمل اس کے طلوع و غروب، ارتفاع و انخفاض کا مقرر کر دیا گیا ہے اس میں کمی بیشی کا امکان تک نہیں۔ نظام الاوقات عزیز و علیم کا مقرر کیا ہوا ہے۔ نہ اس میں رد و بدل کی گنجائش ہے اور نہ کوئی چیز اس کی خلاف ورزی کر سکتی ہے۔

۳۸ ہماری قدرت پر ایمان لانے کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت ہو تو چاند کو دیکھو اور اس کے گھٹنے بڑھنے کو دیکھو کیسے ناخن کے تراشے کی طرح نمودار ہوتا ہے۔ بڑھتے بڑھتے بدر تمام بن جاتا ہے پھر گھٹنے لگتا ہے یہاں تک کہ آخری راتوں میں کھجور کی ایک پرانی سوکھی اور زرد ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ ۳۹ سورج اپنے مدار میں مصروف گردش ہے اور چاند اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ اسی طرح دیگر تمام سیارے بلکہ ثوابت بھی اپنے اپنے مقررہ مداروں میں تیر رہے ہیں کوئی کسی سے ٹکراتا نہیں۔ کوئی کسی سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ کوئی کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ کیا قدرت اور حکمت کے اس کارخانہ عظیم کی یہ کہ ان گنت ستارے محو حرکت ہیں اور کبھی کوئی حادثہ رونما نہیں ہوا۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ الانبیاء آیت ۳۳ کے حاشیہ۔ تیرنے کے متعلق علماء اسلام کی تحقیقات وہاں تفصیل سے مذکور ہیں۔

۴۰ ہماری قدرت کی مذکورہ بالا آیات کبریٰ اور روشن نشانیوں کو اگر تم پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تو یہ بات تو ہر روز تمہارے مشاہدہ

مَا يَرْكَبُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾

اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کردیں پس کوئی ان کی فریاد رسی کرنے والا نہ ہو اور نہ وہ بچائے جاسکیں

إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا

بجز اس کے کہ ہم ان پر رحمت فرمائیں اور انہیں کچھ وقت تک لطف اندوز ہونے دیں ۵۱ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ڈرو اس سے

بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٥﴾ وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ

جو تمہارے سامنے ہے اور جو تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ ۵۲ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی

ہی آ رہی ہے کہ ہم نے دریاؤں اور سمندروں کو تمہارا تابع فرمان بنا دیا ہے۔

فلك مشحون: وہ کشتی جو سامان اور سواریوں سے بھری ہوئی ہو۔ اس سے مراد سفینہ نوح ہے کس طرح وہ اس عظیم سیلاب کی تند و تیز موجوں اور ہولناک گردابوں سے تمہیں بچا کر لائی۔ پھر ہم نے تمہیں کشتیاں بنانے کا فن سکھا دیا۔ اب دخانی جہاز، بجلی اور ایٹمی طاقت سے چلنے والے جہاز، آبدوزیں، تیل بردار ٹینکر تم نے بنا لیے ہیں اور دور دراز کی مسافتیں بڑی آسانی سے طے کرتے ہوئے تم اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاتے ہو۔

۵۰ وہ یہ خیال نہ کریں کہ انہوں نے جو مضبوط کشتیاں بنالی ہیں یا آج کل جو بڑے مضبوط اور کوہ پیکر جہاز بن گئے ہیں اور ان میں برقی ہوا اور سلامتی آلات نصب کر دیے گئے ہیں اب یہ غرق نہیں ہوں گے۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں ایسا خیال ہے تو یہ اس کی کوتاہی ہے ہم جب چاہیں انہیں غرق کردیں۔ اس وقت ان کی فریاد کو کوئی نہیں پہنچ سکے گا اور سمندر کی لہروں سے انہیں کوئی نہیں چھڑا سکے گا۔ آئے دن ہم اخبارات میں یہ پڑھتے رہتے ہیں کہ وہ جہاز اپنے سامان اور اپنے ہزاروں مسافروں سمیت سمندر میں غرق ہو گیا جس جہاز کے بنانے والوں نے اسے اس طرح بنایا تھا کہ وہ کبھی ڈوبے گا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہمیشہ انسان کے غرور کا بت توڑتی رہی ہے اور توڑتی رہتی ہے اور جابر و ناہنجار انسان کو اپنی بے بسی اور ناتوانی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

خدائیں ان کی ہوائیں ان کی منشا کے جہاز لنگر — گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

۵۱ اگر بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل جیسے وسیع و بیکراں سمندروں کو تم سلامتی کے ساتھ عبور کر لیتے ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم تم پر اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتے ہیں۔ تمہارے بوڑھے ماں باپ، جوان بیوی اور ننھے معصوم بچوں کے صدقے تم کو ساحل مراد تک پہنچا دیا جاتا ہے یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تمہیں کچھ مدت تک یہاں زندہ رہنے اور اس دنیا سے لطف اٹھانے کی مہلت دینا چاہتے ہیں اور ہماری حکمت کا یہی تقاضا ہے۔

۵۲ اور جب انہیں از راہ نصیحت کہا جاتا ہے کہ اب تو ہوش کرو، اب تو سنبھل جاؤ۔ ساری عمر گناہوں میں اور فسق و فجور

اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِذَا قِیْلَ

نشانی ان کے رب کی نشانیوں سے مگر وہ اس سے روگرداں کرنے لگتے ہیں ۔ اور جب انہیں کہا جاتا

لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا

ہے کہ خرچ کرو اس مال سے جو تمہیں اللہ نے دیا ہے ۔ تو کافر کہتے ہیں اہل ایمان کو کیا ہم انہیں

اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۷﴾

کھانا کھلائیں جنہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود کھلا دیتا ۔ (اے ناصحو!) تم تو بالکل بہک گئے ہو ۔ [۵۶]

میں برباد کردی ہے ۔ اب تو باز آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہو کر معافی مانگو ۔ وہ رحیم و کریم تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں نئی اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کا ایک اور زریں موقع دستیاب ہو جائے گا ۔ لیکن وہ باز نہیں آتے اور جتنے دلائل ان کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں ان کو بڑی بے پروائی سے پس پشت ڈال دیتے ہیں ۔

[۵۶] اگر وہ طنز کرتے تلقین کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اس کے نادار اور مفلس بندوں کی خدمت کے لیے کچھ خرچ کرو ، تو وہ بڑی بے حیائی سے اس دعوت کا مذاق اڑاتے ہیں کہ تم ان بھکمنگوں کے لیے ان ناداروں اور مفلسوں کے لیے ہم سے مدد کی اپیلیں کرتے ہو ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے مفلسی کے عذاب میں مبتلا کیا ہوا ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو یوں محتاج نہ کرتا ہم اس کی مرضی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے ۔

اس آیت میں سرمایہ دارانہ ذہنیت کی کتنی صحیح عکاسی کی گئی ہے ۔ پہلے بھی اس کا یہی حال تھا اور آج بھی اس ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے چند لوگ اس متعفن ذہنیت کے مالک ہوتے تھے اور آج اس مادی ترقی کے دور میں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے ۔ پہلے مروت و احسان کی کوئی نہ کوئی جھلک ان لوگوں میں بھی نظر آجاتی تھی ۔ آج یورپ کے اس مشینی دور نے احساس مروت کو بھی کچل کر رکھ دیا ہے ۔ دولت کی ہوالمانہ محبت ان کو کس مقام پر لاکر کھڑا کر دیتی ہے ۔ وہ کتنے حجت باز اور حیلہ ساز بن جاتے ہیں جو سیدھی اور صاف بات انہیں کہی جاتی ہے اس کا کتنا اوٹ پٹانگ جواب دیتے ہیں کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ نہ تو خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی انہیں توفیق نصیب ہوتی ہے اور نہ اپنے بھائیوں کی خستہ حالی اور تنگ دستی پر ان کا دل پسیجتا ہے ۔ ایسی بیمار ذہنیت کے باعث ہی دنیا میں خونی انقلاب آئے کئی شاہی خاندان خون کے طوفان میں بہہ گئے ۔ جھونپڑیوں میں بسنے والوں نے تنگ آکر محلات اور امراء کی حویلیوں کو جلا کر خاک سیاہ بنا دیا ۔ اس کے باوجود دولت کی ہوس کا نشہ کم نہیں ہوا ۔ یہی لوگ جو کل سرمایہ داری کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھے تھے اور اس بے درد ذہنیت سے ٹکرا کر اسے پاش پاش کر دیا تھا آج جب اقتدار اور دولت کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں آئیں تو انہیں وہ نعرے ہی

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ

اور کافر کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو (تو اس کا مقررہ وقت بتادو) ۴۸ یہ (نابکار) نہیں انتظار

إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

کر رہے مگر اس ایک کڑک کا جو (اچانک) انہیں دبوچ لے گی جب وہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے ۴۹ پس نہ وہ اس کی طاقت

فراموش ہو گیا۔ انہوں نے بھی اپنے پیش روؤں کی طرح ظلم و دلیری کی پوری شدت کردی اور سانپ بن کر خزانوں پر بیٹھ گئے۔ مزدور، محنت کشوں اور کسانوں وغیرہ کے ساتھ انہوں نے وہی بے رحمانہ سلوک شروع کردیا۔ ان خونی انقلابات کی تاریخ کا جب انسان مطالعہ کرتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے حساب کا یقین دل میں پیدا نہ ہو جائے اس وقت تک جور و ستم کو مٹانے کے لیے جو کوشش کی جائے گی اس سے جور و ستم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ صرف اقتدار پر فائز ہونے کے بعد اور ملکی خزانوں پر تصرف کا مکمل اختیار رکھنے کے باوجود ہی لوگ دنیا کی محبت سے اپنا دامن بچا سکتے ہیں جنہیں فیضِ نبوت سے کچھ حصہ نصیب ہوتا ہے۔

۴۸ وہ یہ سوال اس لیے نہیں پوچھتے تھے تاکہ وہ بروقت اپنی اصلاح کرلیں بلکہ از راہ استہزاء پوچھا کرتے تھے۔

۴۹ یہاں قیامت کی آمد کا حال بیان ہو رہا ہے۔ قیامت اس طرح نہیں آئے گی کہ پہلے اس کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں تاریخ کو اتنے بج کر اتنے منٹ پر کائنات کا نظام درہم برہم کردیا جائے گا بلکہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں گے قیامت بپا ہونے کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔ اچانک حضرت اسرافیل کو بارگاہ الٰہی سے حکم ملے گا کہ صور پھونک کر دنیا کے خاتمے کا اعلان کردو۔ پھر ایک ہولناک کڑک ہوگی جس سے ہر چیز درہم برہم ہو جائے گی۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وقوعِ قیامت کا جو منظر بیان فرمایا ہے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ملاحظہ فرمائیے:

تقوم الساعة والرجلان قد نشرا ثوبهما يتبايعانه ۔ فلا يطويانه حتى تقوم الساعة والرجل يليط حوضه ليسقي ماشيته فما يسقيها حتى تقوم الساعة والرجل يخفض ميزانه وما يرفعه حتى تقوم الساعة والرجل يرفع اكلته الى فيه فما يبتلعها حتى تقوم الساعة۔

ترجمہ: یعنی قیامت اس حال میں قائم ہوگی کہ دو آدمی کپڑے کی خرید و فروخت کر رہے ہوں گے۔ انہوں نے کپڑے کا تھان کھولا ہوا ہوگا اس سے پیشتر کہ وہ اس تھان کو لپیٹیں قیامت برپا ہو جائے گی۔ اسی طرح ایک شخص اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لیے حوض کی لپائی کر رہا ہوگا تو انہیں پانی پلانے سے پہلے ہی قیامت برپا ہو جائے گی۔ ایک آدمی کوئی چیز تول رہا ہوگا اس سے پہلے کہ وہ ترازو اوپر کرے قیامت برپا ہو جائے گی۔ انسان لقمہ منہ میں ڈالے گا اور اسے نگلنے سے پہلے

تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ

کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے ۴۹ اور (دوبارہ) جب صور پھونکا جائے گا تو فوراً وہ

مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ

اپنی قبروں سے نکل نکل کر اپنے پروردگار کی طرف تیزی سے جانے لگیں گے ۵۰ (اس وقت) کہیں گے ہائے ہم برباد ہو گئے! کس نے

مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾ اِنْ كَانَتْ

ہمیں اٹھا کھڑا کیا ہے ہماری خواب گاہ سے ۵۱ (ہماری آنکھیں کھل گئیں) یہ وہی ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ فرمایا تھا اور سچ کہا تھا اس کے رسولوں نے نہیں

قیامت برپا ہو جائے گی۔

۴۹ اس افراتفری میں نہ وہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں کو واپس لوٹ سکیں گے۔

۵۰ جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو نظام کائنات تہ و بالا ہو جائے گا۔ نہ آسمان اپنی جگہ پر قائم رہے گا اور نہ زمین باقی رہے گی پہاڑ بھی روئی کے گالے کی طرح ہوا میں تیرنے لگیں گے۔ انسان بھی بکھرے ہوئے کیڑے پتنگوں کی طرح بے شعور ادھر ادھر گرتے پڑتے نظر آئیں گے کچھ عرصہ بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا اور سب اپنی قبروں سے آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور تیزی سے خداوند ذوالجلال کی عدالت میں حاضر ہونے کے لیے چل پڑیں گے کہ کہیں دیر نہ ہو جائے۔ اجداث؛ اس کا واحد جَدَث ہے، قبر۔ ینسلون کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں، وَنَسَلَ فِي الْعَدْوِ يَنْسِلُ نَسَلًا وَنَسَلَانًا اي اسرع وَ قال تعالى الى ربهم ينسلون (صحاح) نَسَلَ کا معنی ہے تیزی سے بھاگنا، علامہ قرطبی لکھتے ہیں: هو الاسراع في المشي۔ فالمعنى يخرجون مسرعين: یعنی تیزی سے چلنا۔ آیت کا معنی ہے کہ وہ بڑی سرعت اور عجلت سے قبروں سے باہر نکل رہے ہوں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پہنچنے میں تاخیر نہ ہو جائے۔ (قرطبی)

۵۱ منکرین قیامت قبروں سے نکل کر جب میدانِ حشر میں کھڑے ہوں گے تو اپنا سر پیٹ لیں گے اور کہیں گے آج تک ہم اس کا انکار کرتے رہے۔ اسے محال عقلی گردانتے رہے۔ لیکن ہمیں پکڑ کر یہاں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ پوچھیں گے کون ہے جس نے ہمیں اپنی خواب گاہوں سے جگا کر یہاں لا کر کھڑا کر دیا۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں پہلے نفخ اور دوسرے نفخ کی درمیانی مدت میں کفار سے عذاب قبر ہٹا لیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے۔

۵۲ اس وقت تعصب کی پٹی آنکھوں سے کھل جائے گی۔ یاد آ جائے گا کہ یہ تو وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا اور ہم اس کو جھٹلاتے رہے اور اس کے پیغمبروں کو جھوٹا کہتے رہے اور ان پر یہ الزام لگاتے رہے کہ یہ لوگ ایسی انہونی باتیں اپنی طرف سے گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ ہائے آج پتہ چلا کہ یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا ہی تھا اور اس کے پیغمبروں نے

إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾ فَالْيَوْمَ

ہوگی مگر ایک زور دار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے ۴۸ پس آج نہیں

لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٥٤﴾ إِنَّ أَصْحَابَ

ظلم کیا جائے گا کسی پر ذرہ بھر اور نہ ہی بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر ان اعمال کا جو تم کیا کرتے تھے ۴۹ بیشک اہل

الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ﴿٥٥﴾ هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى

جنت آج (حسب مراتب) اپنے اپنے شغل سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ۵۰ وہ اور ان کی بیویاں سایہ میں (مرصع)

جو کچھ ہمیں بتایا تھا وہ سچ تھا ہم ہی کم بخت اور نادان تھے کہ اس کو نہ مانا اور آج ان حالات سے دوچار ہیں کوئی جائے امن نہ پائے رفتن۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کے سوال کا جواب فرشتے دیں گے۔

۴۸ پھر ایک اور ہولناک قسم کی آواز آئے گی اور سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے۔

۴۹ اس روز کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں ہوگی۔ عدل و انصاف کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔

۵۰ اہل جنت پر نعیم جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہ وہاں کی لذتوں اور لطف و سرور میں اس طرح کھو جائیں گے کہ انہیں دوسری کسی بات کی خبر تک نہ ہوگی۔ وہ اور ان کی نیک بخت بیویاں ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں مرصع اور آراستہ تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر قسم کے پھل زریں تھالوں میں رکھ کر حور و غلمان ان کی خدمت میں پیش کریں گے۔ ان کی ہر خواہش پوری کی جائے گی جو چیز طلب کریں گے مہیا کر دی جائے گی۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :

" والاولی ان یقال فی شغل مایشتھرونہ فالصوفیۃ العلیۃ الذین لامقصود لھم الا اللہ تعالیٰ شغلھم الانھماک والاستغراق فی التجلیات الذاتیۃ علی حسب مدارجھم وغیرھم کان شغلھم بالسماع والریاح والاکل والمشرب والجماع علی حسب شھواتھم ورغباتھم ۔" (مظہری)

ترجمہ : یعنی ہر ایک اپنی خواہش کے مطابق مشغول ہوگا۔ صوفیائے کرام جن کا مقصود اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں ان کا شغل یہ ہوگا کہ وہ اپنے مدارج کے مطابق تجلیات ذاتیہ کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق ہوں گے اور دوسرے لوگ اپنی دنیاوی لذتوں میں اپنی خواہش کے مطابق مشغول ہوں گے۔

علامہ مذکور نے ابن نعیم سے بایزید بسطامی کا ایک قول نقل کیا ہے وہ بھی سننے کے قابل ہے :

الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ﴿٥٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَا يَدَّعُونَ ﴿٥٧﴾

تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ان کے لیے وہاں (طرح طرح کے لذیذ) پھل ہوں گے اور انہیں ملے گا جو وہ طلب کریں گے

سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبٍّ رَحِيمٍ ﴿٥٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

تم سلامت رہو (انہیں) یہ کہا جائے گا اپنے رحیم رب کی طرف سے [50] اور (حکم ہوگا) اے مجرمو! (جنت کے مکینوں سے) آج الگ ہو جاؤ [51]

"اخرج ابو نعیم عن شیخ طریقتنا ابی یزید البسطامی انہ قال ان للہ خواص من عبادہ لو حجبھم عن رؤیتہ لاستغاثوا کما یستغیث اھل النار بالخروج من النار"

ترجمہ: آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے خاص بندے بھی ہیں کہ اگر انہیں دیدار جمال خداوندی سے روک دیا جائے تو وہ جنت میں اس طرح آہ و فغاں اور فریاد کرنا شروع کر دیں جس طرح جہنمی آگ سے نکلنے کے لیے چیخ و پکار کریں گے۔

[50] سب نوازشیں، سب راحتیں بجا، لیکن رب کریم خداوند ذوالجلال وہ محبوب حقیقی جس کو راضی کرنے کے لیے وہ عمر بھر ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔ جب وہ انہیں اپنے خطاب جاں افروز سے نوازے گا۔ تو اس وقت ان کی مسرت اور فرحت افزائی کی انتہا ہو جائے گی۔

اس آیت کی جو تفسیر زبان رسالت نے فرمائی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

"عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بینا اھل الجنۃ فی نعیمھم اذ سطع علیھم نور فرفعوا رؤسھم فاذا الرب تعالیٰ قد اشرف علیھم من فوقھم۔ فقال السلام علیکم یا اھل الجنۃ کذلک قولہ تعالیٰ سلام قولا من رب رحیم۔ قال فینظر الیھم وینظرون الیہ فلا یلتفتون الی شئ من النعیم ما داموا ینظرون الیہ حتی یحتجب عنھم ویبقی نورہ وبرکتہ علیھم وفی دیارھم" (رواه ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس وقت اہل جنت اپنی نعمتوں میں مشغول ہوں گے اچانک اوپر سے ایک نور چمکے گا جب وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان کا رب کریم ان کی طرف جھانک رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے جنتیو! السلام علیکم۔ سلام قولا من رب رحیم سے یہی مراد ہے۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اس کی طرف دیکھتے رہیں گے۔ محویت کا یہ عالم ہوگا کہ جب وہ جمال حقیقی کا دیدار کر رہے ہوں گے جنت کی کسی دوسری نعمت کا انہیں خیال تک بھی نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ حسن حقیقی پردہ فرمائے گا۔ لیکن اس کا نور اور اس کی برکت ان پر اور ان کے مکانوں پر ضیاء بار رہے گی۔

[51] اہل جنت پر تو یہ کرم ہوگا اور مجرموں کو حکم ہوگا کہ الگ الگ صفیں بناؤ۔ کوئی فرقہ دوسرے فرقہ کے ساتھ گڈمڈ نہ ہو۔ چنانچہ یہودی، عیسائی، آتش پرست، بت پرست، ملحد، دہریے سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہو کر جمع ہو جائیں گے۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ

کیا میں نے تمہیں یہ تاکیدی حکم نہیں دیا تھا اے اولادِ آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا بلاشبہ وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ

کھلا دشمن ہے ۵۳ اور میری عبادت کرنا۔ یہ سیدھا راستہ ہے ۵۴ (بایں ہمہ) گمراہ

أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ

کر دیا شیطان نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو ۵۵ کیا تم عقل (و خرد) نہیں رکھتے تھے۔ ۵۶ یہ ہے وہ جہنم

الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾ الْيَوْمَ

جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج اس کی آگ تاپو اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ آج ہم

پھر دوزخ میں ہر فرقہ کے لیے الگ الگ زندان خانے موجود ہوں گے۔ ہر گروہ کو اس کے مخصوص جیل میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا جائے گا جو پھر نہ کھل سکے گا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من سخطہ وعذابہ۔ یا اللہ ہم تیری ناراضگی اور تیرے عذاب سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔

اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ ابتدا میں حشر کے میدان میں مومن کافر سب ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔ بعد میں مجرموں کو حکم ملے گا تم اہلِ ایمان سے علیحدہ ہو جاؤ۔

۵۲ ان مجرموں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آج منہ بسورنے اور چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ہم نے اپنے انبیاء اور ان کے نائبین علماء ربانیین کے ذریعے تمہیں تاکیدی حکم دیا تھا اور بار بار وصیت کی تھی کہ دیکھنا شیطان کی بندگی اور اطاعت شروع نہ کر دینا کیونکہ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے وہ تمہیں جہنم رسید کر کے رہے گا۔

۵۳ شیطان کی بندگی کو چھوڑ کر میری عبادت کرنا کیونکہ میں ہی تمہارا خالق ہوں، میں نے ہی تمہاری بقا اور نشو و نما کے لیے بڑی فیاضی سے سارے وسائل بہم پہنچا دیے ہیں اور تمہاری ابدی زندگی کے متعلق بھی فیصلہ کرنے کا اختیار صرف مجھے ہے اور مجھ سے بڑھ کر تم پر کوئی شفقت اور رحمت فرمانے والا نہیں۔ اگر تم میرا حکم مانو گے، میری اطاعت کرو گے تو یہی صراطِ مستقیم ہے جس پر چل کر تم منزلِ مقصود پا سکتے ہو۔

۵۵ اتنے تاکیدی احکام کے باوجود تم نے ہوشمندی سے کام نہ لیا۔ ہماری ہدایت کو پس پشت ڈال دیا۔ اس طرح شیطان تم میں سے ایک انبوہِ کثیر کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جبلًا: الجماعۃ العظیمۃ اطلق علیہم تشبیہا بالجبل فی العظم یعنی انبوہ کثیر کیونکہ یہ پہاڑ کی طرح عظیم ہوتا ہے اس لیے

نَخۡتِمُ عَلٰۤی اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا

مُہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر اور بات کریں گے ہم سے ان کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں ان

كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ ﴿۶۵﴾ وَ لَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰۤی اَعۡیُنِهِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ

(اعمال) پر جو وہ کیا کرتے تھے ۶۵ اور اگر ہم چاہتے تو ہم ان کی آنکھوں کا نشان تک محو کر دیتے پھر وہ راستہ کی طرف دوڑ

بھاگا کیا۔ (مفردات)

۶۴ واقعی اس سے بڑی حماقت اور نادانی کیا ہوسکتی ہے۔

۶۵ پہلے فرمایا گیا کہ آج کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔ سب کے ساتھ خواہ کوئی باغی یا سرکش ہی کیوں نہ ہو پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جو فیصلہ کیا جائے گواہوں کی گواہی اور دیگر دلائل کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ اگر فیصلہ کرتے وقت گواہوں کو سرے سے نظرانداز کر دیا جائے کسی ثبوت کی ضرورت ہی محسوس نہ کی جائے تو وہ فیصلہ اگرچہ مبنی بر حق ہو تب بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کرتے وقت صحیح طریقہ کار اختیار نہیں کیا گیا۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قاضی پوری احتیاط سے ساری کارروائی مکمل کرتا ہے۔ گواہ پیش ہوتے ہیں۔ دوسرے دستاویزی ثبوت فراہم کیے جاتے ہیں پھر قاضی اپنے فیصلے کا اعلان کرتا ہے اس پر دوسرا تو کوئی انگشت نمائی نہیں کر سکتا۔ لیکن جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوتا ہے وہ سراپا احتجاج بن کر گواہوں کو جھوٹا اور دستاویزوں کو جعلی قرار دے دیتا ہے۔ اگرچہ ایسے آدمی کا شور و غل قطعاً کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بہرحال اس کے دل میں تو ایک قسم کی موہوم سی خلش باقی رہ جاتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جو فیصلہ فرمائے گا تو اتنا قطعی اور ہر شک و شبہ سے بالا ہوگا کہ خود وہ شخص جس کے خلاف فیصلہ سنایا گیا ہوگا وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بالکل درست اور سراسر حق ہے۔

اس لیے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ مجرمین جب عدالتِ خداوندی میں پیش ہوں گے۔ ان پر فردِ جرم عائد کیا جائے گا، تو وہ اقبالِ جرم سے مکر جائیں گے۔ کراماً کاتبین گواہی دیں گے۔ ان کے صحائف عمل پیش کیے جائیں گے لیکن وہ تسلیم کی رٹ لگانے سے باز نہ آئیں گے۔ بزبانِ غالب کہیں گے:

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دمِ تحریر بھی تھا

ان کی ہٹ دھرمی جب حد سے تجاوز کر جائے گی، اس وقت ان کے منہ بھی سی دیے جائیں گے۔ ان کی زبانوں سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی۔ ان کے ہاتھوں اور پاؤں کو حکم ملے گا کہ تم بتاؤ انہوں نے کیا کیا کرتوت کیے۔ ہاتھ اور پاؤں عینی شاہد کی حیثیت سے سارا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس کے بعد ان کی وہ ساری حجت بازی ختم ہو جائے گی اور بجز خاموشی اور تسلیم کے ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہے گا۔

فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿٦٦﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا

کر آتے پھر تو انہیں (اندھوں) کو راستہ کیسے نظر آتا ۵۸ اور اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں مسخ کرکے رکھ دیتے ان کی جگہوں پر

مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا

پھر وہ نہ آگے جا سکتے اور نہ پیچھے پلٹ سکتے ۵۹ اور جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں تو کمزور کردیتے ہیں اس کی طبعی قوتوں کو کیا پھر بھی یہ

يَعْقِلُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ۶۰ اور نہیں سکھایا ہم نے اپنے نبی کو شعر، اور نہ یہ ان کے شایان شان ہے یہ نہیں ہے مگر

۵۸ کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ قیامت کے دن تو اللہ تعالیٰ انہیں سزا دینے پر قادر ہوگا لیکن اس دنیا میں وہ آزاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر ہیں جو چاہیں کرتے پھریں انہیں کوئی روک نہیں سکتا اس آیت میں اس کا ازالہ کردیا فرمایا ایسا نہیں۔ اگر ہم اس وقت چاہیں تو ان کو آن واحد میں عذاب کے ایسے شکنجے میں کس دیں کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ اگر چاہیں تو ان کی آنکھوں کو ہی مٹا کر رکھ دیں کہ آنکھ رہے نہ بینائی۔ یوں دکھائی دے کہ یہاں آنکھ نام کی کوئی چیز پہلے سے تھی ہی نہیں۔ الطمس : ازالة الاثر بالمحو۔ یعنی کسی چیز کو یوں مٹا دینا کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔ اور پھر وہ راہ بھی ان کو دکھائی نہ دے جس پر ہر روز ان کی آمد و رفت تھی۔

۵۹ ہمارے اختیار اور قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جہاں یہ اب بیٹھے ہوئے ہیں وہاں سے اٹھنے ہی نہ پائیں کہ ہم ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ انہیں پتھر بنا دیں۔ کسی نہ کسی بدنما جانور کی شکل میں انہیں تبدیل کردیں یہ نہ آگے جا سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔ ہم نے انہیں جو ڈھیل دے رکھی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہمارے قابو سے باہر ہیں یا وہ اتنے طاقتور ہیں کہ ہم ان سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ تو محض ہمارا کرم ہے کہ ہم نے انہیں مہلت دی ہوئی ہے۔

۶۰ جس کو ہم طویل عمر دیتے ہیں اس کی قوتیں آہستہ آہستہ جواب دینے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس طرح چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے جس طرح وہ بچپن میں تھا۔ نکست الشیء انکسه نکسا، قلبته علی رأسه۔ کسی کو سر کے بل اوندھا گرا دینا۔

۶۱ کفار قرآن کریم کو شعر اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس الزام کی تردید فرما دی اور بتایا کہ ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ شعر کہنا حضور کے شایان شان ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کفار کس معنی میں قرآن کو شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے اور کس معنی میں اس کی نفی کی گئی ہے۔ شعر کا عرفی معنی تو یہ ہے کہ الکلام الموزون المقفیٰ (وہ کلام جس کا وزن بھی ہو اور قافیہ بھی)۔ اور شاعر اسے کہتے ہیں جو قصداً اور ارادۃً موزوں اور مقفیٰ کلام کہے۔ اس معنی کے مطابق نہ قرآن کو شعر کہا جا سکتا ہے اور نہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شاعر۔ اور اہل عرب جو قادر الکلام لغت

وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۶۹﴾ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى

نصیحت اور قرآن جو بالکل واضح ہے۔ (۷۰) تاکہ وہ بروقت خبردار کرے اسے جو زندہ ہے اور تاکہ حجت تمام

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۰﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا

کردے کفار پر۔ (۷۱) کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے پیدا فرمائے ان کے لیے اس مخلوق سے جو ہم نے اپنے ہاتھوں

فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا

سے بنائی مویشی پھر اب یہ ان کے مالک ہیں۔ اور ہم نے تابعدار بنا دیا انہیں ان کا بھی ان میں سے بعض پر یہ سواری کرتے

سے واقف تھے وہ ایسی غلط بات کیونکر کر سکتے تھے۔ اس لیے یہاں شعر سے مراد جھوٹ اور خیالی تک بندی ہے۔ اور شاعر سے مراد وہ آدمی جو حقائق اور صداقتوں کو نظر انداز کر دے اور وہم و گمان کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے۔ کسی کی مدح کرے یا ذم مبالغہ آرائی اور خیال آفرینی سے باز نہ آئے۔ شاعری میں کمال کو تک بندی کہا جاتا ہے۔ جھوٹ کی ملاوٹ کے بغیر شعر میں رنگینی اور جاذبیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے عرب کہتے ہیں: اَعْذَبُ الشِّعْرِ اَكْذَبُهٗ۔ بہتر اور عمدہ شعر وہ ہے جس میں زیادہ سے زیادہ جھوٹ بولا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

"وقال بعض المحصلين لم يقصدوا هذا المقصد فى ما رموه به وذلك انه ظاهر من الكلام انه ليس على اساليب الشعر ولا يخفى ذلك على الاغتام من العجم فضلا عن بلغاء العرب وانما رموه بالكذب فان الشعر يعبر به عن الكذب والشاعر الكاذب حتى سمى المقوم الادلة الكاذبة الشعرية۔" (مفردات)

ترجمہ: بعض اہل علم نے کہا ہے کہ کفار جب حضور پر شعر کہنے کی تہمت لگاتے تو اس سے ان کی مراد شعر کا اصطلاحی معنی نہیں ہوتا تھا کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن کریم شعر کے اسلوب پر نہیں ہے اور یہ حقیقت عجمی جاہلوں پر بھی مخفی نہیں چہ جائیکہ عرب کے بلغاء اس حقیقت سے ناواقف ہوں۔ بلکہ وہ حضور پر کذب کی تہمت لگاتے تھے کیونکہ جھوٹ کو شعر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور جھوٹے کو شاعر کہا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹی دلیلوں کو ادلہ شعریہ کہتے ہیں۔

(۷۰) یہ کتاب مبالغہ آرائی، خیال آفرینی اور جھوٹ کا پلندہ نہیں ہے یہ تو سراسر نصیحت و موعظت ہے۔ جو بات اس میں بیان کی گئی وہ محض حق ہے۔ نہ اس میں مبالغہ ہے نہ عبارت آرائی ہے۔ نہ بیان حقیقت میں بال برابر تجاوز یا کمی کی گئی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس میں احکام الٰہی، حقائق عالم اور زندگی کی صداقتوں کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

(۷۱) اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو بروقت متنبہ کر دیا جائے جن کے ضمیر ابھی مردہ نہیں۔ جن میں حق پذیری کی قوتیں ابھی موجود ہیں اور جن کے دل مر چکے ہیں اور جن میں حق قبول کرنے کی استعداد ختم ہو چکی ہے ان پر عذاب الٰہی کے نزول کی

يَأْكُلُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۖ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾ وَاتَّخَذُوا

ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کے لیے ان (چوپایوں) میں اور بھی کئی منفعتیں ہیں اور پینے کی چیزیں ہیں کیا وہ شکر ادا نہیں کرتے اور

مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ ﴿٧٤﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ

ان (ظالموں) نے بنا لیے ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور خدا کہ شاید وہ ان کی مدد کریں ۶۴ یہ مجبور نے تو انہیں مدد کر سکتے ان کی ۶۵

وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ مُّحْضَرُونَ ﴿٧٥﴾ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا

اور یہ کفار ان معبودوں کے لیے تیار شدہ لشکر ہیں ۶۵ پس نہ رنجیدہ کرے آپ کو (اے حبیب!) ان کا قول۔ ہم خوب جانتے ہیں

يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ

جس بات کو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ۶۶ کیا انسان (اس حقیقت کو) نہیں جانتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا

حجت تمام کردے۔

۶۳ یعنی ان لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے کہ رزق ہمارے دسترخوان سے کھاتے ہیں، وہ جانور جن پر یہ سواری کرتے ہیں، جن کا گوشت کھاتے ہیں، جن کا دودھ پیتے ہیں وہ سب ہم نے پیدا کیے ہیں اور انہیں ان کا تابع فرمان بنا دیا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں چھوڑ کر وہ دوسری چیزوں کو اپنا خدا بنا رہے ہیں اور شیطان نے ان کے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ اگر تم پر کوئی مشکل آن پڑی تو یہ تمہاری مدد کو آئیں گے اور عذاب الٰہی کے شکنجہ سے تمہیں بزور چھڑا لیں گے۔

۶۴ ان کی اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ تمہارا کچھ بھلا نہیں کر سکتے۔ ان کی کیا طاقت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کو چھڑا سکیں۔

۶۵ "ھم" ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں۔ لھم کا مرجع ان کے معبودان باطل ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسے تمام کفار نے باطل کی آن کا پرچم بلند کرنے کے لیے انہوں نے لشکر جمع کر رکھے ہیں جب کوئی توحید الٰہی کی دعوت دینے کے لیے آتا ہے تو زور اس کے خلاف برسرپیکار ہو جاتے ہیں۔ معدون لحفظھم والذب عنھم فی الدنیا۔ ایک مفہوم اس کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن ہر بت کے پجاری یکجا کر دیے جائیں گے اور انہیں ایک ساتھ واصل جہنم کر دیا جائے گا۔

۶۶ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہا ہے اور دلجوئی فرما رہا ہے۔

۶۷ اگر انسان اپنے مادۂ تخلیق کی طرف ہی غور کرتا تو سرکشی اور بغاوت کا راستہ اختیار نہ کرتا۔ ہم نے اسے پانی کی ایک بوند سے پیدا کیا، پھر اسے صحت، جوانی، حسن اور دولت کی نعمتیں بخشیں۔ شکر کرنے اور ایک اطاعت گزار بندہ بننے کے بجائے وہ ہم سے

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۝٧٧ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ

پس اب وہ ہمارا کھلا دشمن بن بیٹھا ہے ۔ اور بیان کرنے لگا ہے ہمارے لیے عجیب و غریب مثالیں اور اپنی تخلیق کو بھول بیٹھا ہے

مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝٧٨ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ

پیدائش کو فراموش کر کے کہتا ہے (ابی!) کون زندہ کر سکتا ہے ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں ۔ آپ فرمائیے (اے کج فہم!) زندہ فرمائے گا انہیں وہی

مَرَّةٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝٧٩ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ

جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر مخلوق کو خوب جانتا ہے ۔ جس نے (اپنی حکمت سے) رکھ دی تمہارے لیے سبز درختوں میں

الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ۝٨٠ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ

آگ پھر تم اس سے اور آگ سلگاتے ہو ۔ کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا

ہی الجھ رہا ہے ہماری انکار کر رہا ہے اور اس کے لیے مناظرانہ انداز اختیار کر رہا ہے ۔

لـه یہ حق نا آشنا نابکار ہمارے لیے طرح طرح کی مثالیں پیش کرتا ہے ۔ خدا ہوتا تو ہمیں کہیں نظر آتا ۔ اتنے بڑے کارخانہ حیات کو ایک ہستی کیسے چلا سکتی ہے ۔ یہ قیامت کی دھمکیاں مذہبی لوگوں نے لوگوں پر محض اپنا تسلط جمانے اور انہیں ذہنی غلامی میں مبتلا کرنے کے لیے گھڑی ہوئی ہیں ۔ —— بھلا کبھی قیامت قائم ہو سکتی ہے کیا ایسی ان ہونی بات کو عقل تسلیم کر سکتی ہے ۔ بڑے خیر و خیر اس قسم کی ہرزہ سرائی میں تو انہیں بڑا کمال حاصل ہے ۔ اس کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اسے کس مادہ سے پیدا کیا گیا ہے کیا اس کا یہ سراپا وہاں تھا جب یہ پیدا ہوا تھا ، کیا یہ شوخیاں اس میں موجود تھیں ۔

ـه اے میرے محبوب ! آپ ان منکرین قیامت کو بتا دیجئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرنا محال ہے ۔ آپ انہیں تعلیم دیں کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو وہ ہستی زندہ کرے گی جو خلاق علیم ہے ۔ جس کی قوت تخلیق کا یہ عالم ہے کہ آسمان ، مہر و ماہ ، ستارے ، فضائیں ، ہوائیں ، زمین سب اشیاء اس نے محض اپنے امر کن سے پیدا کی ہیں اور جس کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے کہ غیب و شہادت ظاہر و باطن ، جلی و خفی سب امور کو جاننے والا ہے ۔ ذرا عقل سے کام لو کیا ایسے خلاق و علیم کے لیے تمہاری بوسیدہ ہڈیوں میں روح ڈالنا کچھ مشکل ہے ، ہرگز نہیں ۔

ثـه ان اسرار و رموز کو سمجھنے کی تو تم میں اہلیت نہیں جن کے باعث کروڑوں سال گزرنے کے باوجود اس نظام عالم میں کہنگی کے آثار کہیں نظر نہیں آتے لیکن یہ تو ایک معمولی سی بات ہے کہ پانی اور آگ میں طبعی تضاد ہے ۔ آگ کا بس چلے تو پانی کو جلا کر اڑا دیتی ہے اور اگر دہکتی ہوئی آگ پر ایک چھاج پانی ڈال دیا جائے تو وہ بجھ جاتی ہے ۔ اس طبعی تضاد کے باوجود اس سرسبز

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ

آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک! (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی

الْعَلِيْمُ ۝۸۱ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۸۲

پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ اسے کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۳

پس وہ (ہر عیب سے) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔

درختوں میں آگ اور پانی کو یکجا کر دیا ہے۔ یہی گیلی لکڑی جب کاٹ کر اس سے آگ جلائی جاتی ہے تو اس سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب میں دو درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک کو "المرخ" اور دوسرے کو "العفار" کہتے ہیں۔ اگر ان کی شاداب ٹہنیاں کاٹی جائیں جن سے رس بہہ رہا ہو اور انہیں ایک دوسرے سے رگڑا جائے تو آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جو ذات ان امور پر قادر ہے اس کے لیے تمہاری بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

۸۱ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جن کی بلندی، وسعت اور گہرائیوں کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ کیا ایسی قادر و توانا ہستی کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا کوئی مشکل بات ہے؟ اس کی دیگر تخلیقات کے سامنے تمہاری حیثیت ہی کیا ہے۔ ذرا پہاڑ کے ساتھ سر جوڑ کر کھڑے ہو تو تمہیں اپنی قامت کی درازی کا پتہ چل جائے۔ ذرا ہاتھی کے ساتھ اپنا وزن تو کرو، اس کا ایک پاؤں بھی تم سے زیادہ وزنی ہے۔ ذرا ہرن کے ساتھ دوڑ تو لگاؤ دیکھیں کون آگے نکلتا ہے۔ ایک بھینس کے ساتھ کھانے میں ہی مقابلہ کر کے دکھاؤ۔ یہ قامت، یہ طاقت اور یہ حیثیت۔ اور اس کے باوجود ایسی خر مستیاں کہ قدرت الٰہی پر حرف گیری کرنے کی جرأت کرنے لگے ہو۔

۸۲ تمہیں تو ایک معمولی سی چیز بنانی ہو تو اس کے لیے تمہیں بیسیوں اجزاء فراہم کرنے پڑتے ہیں۔ اگر ایک جز بھی نایاب ہو جائے تو تمہاری ساری مہارتیں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و جبروت کا یہ عالم ہے کہ ادھر ارادہ کیا اور کن کہا تو وہ چیز خواہ وہ کتنی بڑی ہو، عدم محض سے عالم وجود میں آجاتی ہے۔

۸۳ بیشک ہر نقص، ہر خامی، ہر کمزوری، ہر عیب اور ہر شریک سے وہ ذات اعلیٰ و ارفع اور پاک ہے۔ اس کا علم محیط، اس کی قدرت ہمہ گیر، اس کا حکم ہر عالم و ادنیٰ پر جاری و ساری۔ ہر چیز اس کے زیر نگیں اور تابع فرمان۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہر چیز کا اختیار اس کے اپنے دست قدرت میں ہے اور انجام کار ہر چیز نے اسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شیئ و الیہ ترجعون۔

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة ورب العرش العظيم۔

اللهم لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الظالمين۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنيا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحين۔

يا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبيبك خير الخلق كلهم

ولن يضيق رسول الله جاهك بی … اذا الكريم تجلی باسم منتقم
يا نفس لا تقنطی من زلة عظمت … ان الكبائر فی الغفران كاللمم
ومن يكن برسول الله نصرته … ان تلقه الاسد فی آجامها تجم

يا رب صل وسلم دائما ابدا
علی حبيبك خير الخلق كلهم

محمد کرم شاہ

۱۵ رجب المرجب ۱۳۹۱ھ
۵ ستمبر ۱۹۷۱ء
یوم الاحد فی بھکھال

نظر ثانی
۱۷ رجب ۱۳۹۲ھ
۲۷ اغسطس ۱۹۷۲ء
یوم الاحد ۔ بھیرہ سرگودھا

تعارف

سُورہ الصّافات

نام: اس کا نام سورہ الصافات ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں پانچ رکوع، ایک سو بیاسی آیتیں اور آٹھ سو ساٹھ کلمات اور تین ہزار آٹھ سو چھبیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مضامین میں غور و فکر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکی دور کے اس حصہ میں نازل ہوئی جب اسلامی دعوت نے اہل مکہ کو چوکنا کر دیا تھا اور انہوں نے تعصب کا سہارا لیتے ہوئے اس کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اسلامی دعوت اور داعی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آوازے کسنے شروع کر دیے تھے۔ یہ سورت مکی زندگی کے درمیانی دور کے آخر میں نازل ہونے والی سورتوں سے واضح مشابہت رکھتی ہے۔

مضامین: کفار عرب شرک کی لعنت میں بری طرح گرفتار تھے۔ آیات ۴ - ۳۵ میں بتایا گیا ہے کہ اگر انہیں لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو وہ ازراہ غرور و نخوت اس دعوت کو مسترد کر دیتے اور کہتے ایک شاعر مجنون کی بات مان کر ہم اپنے خداؤں کی خدائی کے عقیدہ کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ بھلا کائنات کا یہ وسیع اور پیچیدہ کاروبار ایک خدا انجام دے سکتا ہے؟ ناممکن۔

سورت کا آغاز عقیدہ توحید کو دلوں میں جاگزیں کرنے کے لیے تین قسمیں کھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا وہی پروردگار ہے۔

قیامت کے بارے میں بھی ان کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ عقل اس کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس کے بارے میں بھی دو ٹوک انداز میں فرما دیا: قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ۔ ہاں قیامت ضرور آئے گی اور تمہیں ذلیل و رسوا کر کے حشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا۔

قیامت کے دن منکرین قیامت جس طرح آپس میں الجھیں گے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اس کا ذکر بھی کر دیا تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضور کے جاں نثار غلام بڑے زہرہ گداز حالات سے دوچار تھے۔ لمحہ بہ لمحہ مصائب و آلام کے اندھیرے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی تسلی کے لیے انبیاء کرام کے ایمان افروز حالات بیان فرما دیے کہ مخالفت اور عداوت سے انہیں بھی واسطہ پڑا تھا۔ مشکلات کے پہاڑ ان کے راستہ میں بھی حائل ہوتے

تھے لیکن اُنہوں نے صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھا، اپنے خدا پر توکل کیا اور مصروفِ جہاد رہے آخر کار فتح و نصرت کا سہرا انہی کے سر پر باندھ دیا گیا۔ ساتھ ہی فرمادیا جو بھی انبیاء کرام کے نقشِ قدم پر چلے گا، اسلام کا علمبردار بنے گا وہی ہمیشہ غالب رہے گا۔ اِن جندنا لھم الغٰلبون۔

اہلِ مکہ کو تنبیہ فرمادی کہ آج جس کو تم کمزور سمجھ رہے ہو سارے عرب پر اس کا پرچم لہرائے گا اور سارے عالم کو اسی کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی۔

سُوْرَةُ الصّٰفّٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاثْنَتَانِ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ الصّٰفّٰت مکی ہے اس کی آیتیں ١٨٢ اور رکوع پانچ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝١ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝٢ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝٣ اِنَّ اِلٰهَكُمْ

قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی پھر خوب جھڑکنے والوں کی پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی۔ کہ تمہارا معبود

لَوَاحِدٌ ۝٤ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥

ایک ہی ہے [1] جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا [2]

[1] توحید خداوندی کا مضمون شروع کرنے سے پہلے تین قسمیں اٹھائیں تاکہ اس مضمون کی اہمیت سننے والے کے ذہن میں نقش ہو جائے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر وہ ارشاد خداوندی کو سنے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری مخلوق ہیں۔ انہیں حسب مدارج مختلف قسم کے فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر فرمایا گیا ہے۔ یعنی فرائض کے مطابق ان کی گروہ بندی کر دی گئی ہے۔

پہلے ان فرشتوں کی قسم اٹھائی جو عبودیت و نیاز کے مقام میں صف بستہ کھڑے ہیں۔ اکثر علماء تفسیر نے الصافات کا معنی صفیں باندھ کر کھڑے ہونے والے کیا ہے۔ بعض علماء نے الصافات کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پر پھیلا کر منتظر حکم کھڑے ہونے والے۔ اس کے بعد فرشتوں کے اس گروہ کی قسم اٹھائی جو تکوینی امور کی تکمیل کے لیے مقرر ہیں۔ ہوا، بادل، بارش، سمندر، کواکب و سیارے وغیرہ پر متعین ہیں۔ اور احکم الحاکمین کے فرمان کے مطابق تعمیل ارشاد کر رہے ہیں: الزجر فی الاصل الدفع عن الشئی بتسلط و صیاح (روح المعانی) کسی کو بارعب اور زوردار آواز سے کسی بات سے روکنا۔ ویسے کسی چیز کو چلانے پر انگیختہ کرنے اور ہانکنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

فالزاجرات: ما ینط بها زجره من الاجرام العلویة والسفلیة وغیرها علی وجه یلیق بالمزجور یعنی اجرام علویہ اور سفلیہ کو ان کے شایان شان اور مناسب حال زجر کے لیے جو فرشتے مقرر ہیں ان کی قسم اٹھائی گئی۔ اس کے بعد جو فرشتے آیات الٰہی کی تلاوت میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں ان کی قسم اٹھائی گئی۔

[2] فرشتوں کے ان تین مقدس گروہوں کی قسمیں اٹھانے کے بعد بتایا کہ تمہارا خدا وحدہ لا شریک ہے۔

[3] یہ دلائل توحید بھی ہیں اور صفات خداوندی بھی۔ یعنی وہی ذات جو ان صفات جلیلہ سے متصف ہے وہی خدا ہو سکتی ہے اور چونکہ

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۝٦ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے ؎۲ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی ریشہ دوانی) سے ؎۳

مَّارِدٍ ۝٧ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ

نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر

یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ میں ہی پائی جاتی ہیں، اس لیے وہی معبود برحق ہے۔ مشارق، مشرق کی جمع ہے۔ یہ ظرف زمان بھی ہے اور ظرف مکان بھی۔ سورج ہر روز نئے مطلع سے اور مختلف اوقات میں طلوع ہوتا ہے۔ اس لیے مشارق جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب وہ مشارق کا رب ہے تو مغارب کا بھی وہی رب ہوگا، اس لیے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا۔ نیز طلوع آفتاب میں قدرت الٰہی کا ظہور زیادہ نمایاں ہے اس لیے اس کو ترجیح دی۔ دوسرے مقام پر رب المشارق والمغارب بھی مذکور ہے۔ (روح المعانی)

؎۲ السماء موصوف ہے۔ الدنیا اس کی صفت ہے۔ دنیا ادنیٰ (قریب ترین) کی تانیث ہے۔ یعنی وہ آسمان جو زمین کے بالکل قریب ہے اس میں کروڑوں بلکہ ان گنت ستارے قندیلوں کی طرح آویزاں دکھائی دیتے ہیں اور اس کے حسن دو لفریبی میں اضافہ کر رہے ہیں اور تاریک رات میں جو دلکش منظر پیش کرتے ہیں، ہر عالم اور جاہل اس سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ ہر ستارہ کہیں بھی ہو اس سے قرآن کریم کو بحث نہیں کیونکہ یہاں علم الافلاک کی تفصیلات بتانا مقصود نہیں ہے لیکن یوں نظر آتا ہے کہ قریب ترین آسمان کی پہنائیوں میں چراغ روشن ہے۔

؎۳ یہاں دو چیزیں بڑی وضاحت سے بتا دی گئیں کہ یہ بیکراں بلندیاں اور یہ فضائے بسیط جہاں کوئی ٹھوس چیز ہمیں دکھائی نہیں دیتی انہیں بغیر محفوظ مت سمجھو بلکہ قادر مطلق اور خالق حکیم نے یہاں ایسی حد بندیاں قائم کر دی ہیں جنہیں عبور کرنا از حد مشکل ہے۔ یہ حد بندیاں بظاہر نظر نہیں آتیں۔ لیکن ان حد بندیوں کو توڑنے کی جب کوئی کوشش کرتا ہے اسے ہی ان کی پختگی اور مضبوطی کا احساس ہوتا ہے۔ خلائی تسخیر کے لیے جو تجربات کیے گئے ہیں یا کیے جا رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ مولا کریم نے کس طرح اپنی کائنات کو ایک محکم نظام کے مطابق پیدا کیا ہے۔ کس طرح درجہ بندی فرمائی ہے اور حدود کا تعین کیا ہے۔ دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا۔ ہر جگہ اس قسم کے لوگ کثرت سے مل جاتے تھے جو غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہ ان کا پیشہ تھا۔ اس سے انہیں بے اندازہ آمدنی ہو جاتی تھی کسی کی کوئی چیز گم ہو گئی، کسی کا کوئی عزیز بیمار ہو گیا، کسی نے تجارت کا پروگرام بنایا، کوئی لمبے سفر کے لیے تیار ہوا، ان تمام مواقع پر وہ توہم پرست لوگ ان جھوٹے غیب دانوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان کے پاس پہنچ جاتے۔ یہ پیشہ ور کاہن بڑے شاطر قسم کے لوگ ہوتے تھے ایسی دو رخی باتیں کرتے کہ پوچھنے والا مطمئن ہو کر چلا جاتا۔ ان کاہنوں کے متعلق اہل عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ کوئی جن ان کے ماتحت ہے اور وہ اسے غیب کی خبریں لا کر بتاتا ہے۔

جَانِبٍ ﴿٨﴾ دُحُورًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ

طرف سے ان کو بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے

فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ

تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ۔ پس آپ ان سے پوچھیے آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا وہ دوسری

خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿١١﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿١٢﴾

چیزیں جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے۔ لہ آپ تو (انکار پر) تعجب کرتے ہیں اور وہ (آپ کے تعجب پر) تمسخر کرتے ہیں

جب حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور لوگوں کو بتایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ وحی لے کر میرے پاس آتا ہے تو اہلِ عرب نے حضور کو بھی ایک کاہن خیال کیا اور وحی کو ان کاہنوں کے اقوال پر قیاس کیا اور یہ سمجھنے لگے کہ ان کے پاس بھی کوئی جن آتا ہے اور انہیں یہ باتیں آکر سکھاتا ہے۔

ان آیات میں ان کے اس گمانِ باطل کی تردید کر دی کہ جس دن سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منصبِ نبوت پر فائز کیے گئے ہیں اس دن سے آسمانوں کے پہرے سخت کر دیے گئے اور اب کسی شیطان کی مجال ہی نہیں کہ عالمِ بالا میں اعلانِ عالم کے متعلق جو فیصلے ہو رہے ہیں ان پر آگاہ ہونے کی جرأت کر سکے اور وہاں کے رازِ نہاں افشا کر سکے۔ پہلے تو کسی جن یا شیطان کو ایسا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر کوئی اپنی شریر طبیعت کے باعث ایسا کرتا ہے تو شہابِ ثاقب سے اس کی تواضع کی جاتی ہے جو اسے جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ اس لیے اب نہ کہانت رہی اور نہ کاہن۔

یہ میرا نبی ہے اس پر میرا کلام نازل ہوتا ہے۔ اس کلام کو لے کر آنے والا میرا نورانی فرشتہ ہے، جو میرے اذن سے اترتا ہے۔ بس یہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو کہ یہ کاہن ہے۔

چند مشکل الفاظ کی تشریح: المارد: العاتی من الجن والانس سرکش جن ہو یا انسان۔ للملا الاعلیٰ: اہل السماء الدنیا وما فوقہا۔ آسمانوں پر بسنے والی مخلوق۔ یقذفون: یرمون۔ دحورا: یہ مصدر ہے، اس کا معنی دھکے دے کر نکال دینا۔ مصدر لقولہ تعالیٰ دحرتہ دحرا و دحورا ای طردتہ۔ واصب: دائم، ہمیشہ رہنے والا۔ شہاب ثاقب: اس کے متعلق تفصیل بحث ضیاء القرآن جلد دوم سورہ الحجر آیت نمبر ۱۸ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لہ ان آیات میں مشرکین کے غیر معقول رویہ کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیے کہ سارے کرۂ نور ستاروں، سورج اور چاند اور فلک بوس پہاڑوں کو بنانا ہمارے لیے مشکل ہے یا تمہیں دوبارہ بنانا جنہیں ہم نے لیس دار کیچڑ سے پیدا کیا ہے۔

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿١٤﴾ وَقَالُوا إِنْ

اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے (13) اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق اڑانے لگتے ہیں، (14) اور کہتے ہیں نہیں

هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿١٦﴾

ہے یہ مگر کھلا جادو۔ (15) کیا جب ہم مر جائیں گے اور (مر کر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے (16)

أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿١٧﴾ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ﴿١٨﴾ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (17) فرمائیے ہاں ضرور، اس حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے ؎۷ (18) پس قیامت تو فقط ایک

وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٩﴾ وَقَالُوا يَا وَيْلَنَا هَٰذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿٢٠﴾

جھڑکی ہوگی پس وہ ناگہاں ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے ؎۸ (19) اور کہیں گے ہم برباد ہو گئے! یہ تو یوم جزا ہے (20)

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢١﴾ احْشُرُوا الَّذِينَ ع ۵ / ۲۱

(ہاں ہاں) یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (21) (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے

ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ

ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے ؎۹ (22) اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو

؎۷ آپ فرمائیے تم تو اس کو محال سمجھ رہے ہو لیکن میں کہتا ہوں کہ میرے رب کا فرمان سچا ہے وہ ضرور تمہیں اور تمہارے گزرے ہوئے باپ دادا کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور تمہیں اس روز اس کے انکار کے باعث ذلیل و خوار کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمہارے سر جھکے ہوں گے، مایوسی کے چہرے زرد، ہونٹ خشک، آنکھیں بے نور ہوں گی، سینوں میں دل دھڑک رہے ہوں گے۔ داخرون: صاغرون اذلّاء (قرطبی)

؎۸ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کسی بڑے اہتمام اور کوشش کی ضرورت نہ ہوگی۔ بس صرف ایک جھڑک سنتے ہی مارے خوف کے سراسیمہ خود بخود قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

؎۹ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو فرمائیں گے ان سب کالی بھیڑوں کو اکٹھا کرو جتنے مشرک اور کافر ہیں اور ان کے ساتھیوں اور ان کے بت وغیرہ جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے سب کو لے جاؤ اور انہیں سیدھا لے جا کر جہنم میں دھکیل دو۔ الحشر: اخراج الجماعۃ عن مقرھم و [illegible] (لعلہ) یعنی کسی جماعت کو ان کی آرام گاہوں سے نکال کر لے جانا۔ ان کفار کو ان کی قبروں سے باجمال [illegible]

إِلَىٰ صِرَاطِ الْجَحِيمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوهُمْ ۖ إِنَّهُم مَّسْئُولُونَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ

انہیں جہنم کی راہ کی طرف ۔ اور (ذرا) روک لو انہیں ان سے باز پرس کی جائے گی ۱۰ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ

لَا تَنَاصَرُونَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿٢٦﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے ۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں ۱۱ اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی

عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٧﴾ قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ﴿٢٨﴾

طرف (اور) سوال جواب کریں گے ۱۲ (پیروکار سرداروں سے) کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفر سے ۱۳

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ

(اور ہمیں کفر پر مجبور کرتے تھے) وہ جواب دیں گے بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) ۱۴ اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا۔

ہوئے ہوں گے فرشتے نکالیں گے اور انہیں ہانک کر اس میدان میں لے آئیں گے اور سب کو وہاں جمع کریں گے

۱۰ پہلے جہنم میں پھینکنے کا حکم دیا جائے گا لیکن ان کی رسوائی میں اضافہ کرنے کے لیے انہیں پھر ٹھہرانے کا حکم ہو گا کہ ابھی نہیں ذرا ان کا حساب ہو لینے دو تاکہ تمام اہلِ محشر کو ان کے کفر و شرک، ان کی حرام خوریوں اور ناشکریوں کا علم ہو جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ دنیا میں جن کی عظمت کے ڈنکے بجتے تھے ان کا کیا حشر ہو رہا ہے

۱۱ دنیا میں جو بات بات پر برہم ہو جایا کرتے تھے اور ازراہِ نصیحت اگر انہیں کوئی اچھی بات کہی جاتی تھی تو اکڑ جاتے تھے بڑے بڑے فرعون اور نمرود، بڑے بڑے ابوجہل اور یزید آج حکمِ الٰہی کے سامنے مسکینوں کی طرح گردن جھکا دیں گے اور ہر ارشاد کی تعمیل کریں گے

۱۲ یہاں اس گفتگو کا ذکر کیا جا رہا ہے جو قوم کے گمراہ سرداروں اور ان کے گمراہ پیروکاروں کے درمیان ہو گی۔ اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کریں۔ وہ دوستی اور تعلق جس کی بنیاد اسلام سے روگردانی، قرآن و سنت سے انحراف، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بغاوت پر ہو گی وہ قیامت کے دن تارِ عنکبوت سے بھی کمزور بلکہ وبالِ جان ثابت ہو گی۔

۱۳ اس آیت میں الیمین کا معنی کروفر اور شان و شوکت ہے۔ الیمین: القدرة والقوة (لسان العرب) عام لوگ اپنے سرداروں کو کہیں گے کہ تم بڑی شان و شوکت اور کروفر سے ہمارے پاس آتے تھے اور ہمیں اسلام سے ہٹا کر کبھی سوشلزم کی دعوت دیتے تھے کبھی یورپ کی نقالی اور عریانی و تہذیب کو اپنانے کا مشورہ دیتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ تم آنکھیں بند کر کے ہمارے پیچھے چلے آؤ ہم دونوں جہانوں میں تمہارے ذمہ دار ہیں۔ آج کہو مر گئیں تسلیاں و دلجوئیاں۔ ۱۴ ان متعدد آیتوں میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ گنہگار لوگ ہیں

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾

بلکہ تم بذاتِ خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم۔ اب خواہ مخواہ ہم اس (عذاب) کو چکھنے والے ہیں

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ

پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا (ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا

حصّہ دار ہوں گے۔ ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں

قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا

کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو

اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ ؕ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔ ۱۵؎ (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دینِ حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی۔

اور لیڈر اس روز کوئی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوں گے بلکہ اُلٹا الزام اپنے پیروکاروں پر لگائیں گے اور انہیں کہیں گے کہ تم خود کافر تھے۔ تم نے اسلام کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ ہم نے قطعاً تمہیں مجبور نہیں کیا تھا کہ تم دعوتِ حق کو قبول نہ کرو۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر کوئی اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہو گا کسی دوسرے پر اپنی گمراہی کا الزام لگانے سے کام نہیں بنے گا۔ اس لیے قوم کے سردار اور ان کے پیروکار دونوں اس حقیقت کو خوب ذہن نشین کر لیں تاکہ روزِ محشر انہیں کفِ افسوس ملنا نہ پڑے۔

۱۵؎ ان مشرکین کو اگر یہ کہا جاتا کہ شرک کرنا چھوڑ دو صرف ایک خدا کو مانو اور کہو لا الٰہ الا اللہ۔ تو اس حق کی دعوت کو قبول کرنے کے بجائے وہ اکڑنے لگتے اور کہتے کیا اس شاعر اور مجنون کے کہنے سے ہم اپنے خداؤں کو چھوڑ دیں بھلا یہ بھی کبھی ہو سکتا ہے۔

ان آیات سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان مشرکین کا اپنے بتوں کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ قرآن نے صاف بتا دیا کہ وہ انہیں الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے۔ اگر آج بھی کوئی کسی کو الٰہ اور معبود سمجھے خواہ وہ بت ہو، درخت ہو، دریا ہو، انسان ہو یا اجرام سماوی میں سے کوئی چیز۔ وہ مشرک ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

آج ہر اس مسلمان کو جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہو اور اولیاء کرام سے عقیدت ہو اس کو مشرک کہنا ایک فیشن بن کر رہ گیا ہے۔ ان آیات میں غور کرنے سے ہمیں کفار کے عقائد پر پوری طرح واقفیت حاصل ہو جاتی

إِنَّكُمْ لَذَائِقُو الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ

(اے مجرمو!) تم ضرور چکھو گے دردناک عذاب کو۔ اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم

تَعْمَلُونَ ﴿٣٩﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ

کیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے) وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی

مَّعْلُومٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۖ وَهُم مُّكْرَمُونَ ﴿٤٢﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٤٣﴾ عَلَىٰ

کیفیت معلوم ہے۔ لذیذ پھل۔ اور ان کا بڑا احترام و اکرام کیا جائے گا (اور وہ) نعمت کے باغوں میں ہوں گے (زرنگار) پلنگوں

سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿٤٥﴾ بَيْضَاءَ

پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پُر کر کے۔ (بلحاظ رنگ) سفید

لَذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيهَا غَوْلٌ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنزَفُونَ ﴿٤٧﴾ وَ

بڑے لذیذ، پینے والوں کے لیے نہ اس میں مضرت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے [26] اور

ہے، (و) قیامت کے منکر تھے وہ اپنے بتوں کو اللہ اور معبود یقین کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کرتے تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخی کرتے تھے اور حضور کو شاعر اور مجنون کہتے تھے۔ جو لوگ خواہ مخواہ مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں اور ان کے متعلق یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ان کے بھی وہی عقائد ہیں جو مشرکین مکہ اور کفار عرب کے تھے۔ وہ ان آیات میں بار بار غور کریں۔ خدا کرے انہیں اپنی اس زیادتی کا احساس ہو جائے اور مسلمانوں کو مشرک ثابت کرنے کے لیے جو وقت، سرمایہ اور علمی قابلیت ضائع کر رہے ہیں، اسے وہ منکرین، ملحدین اور دہریوں کو مشرف با سلام کرنے میں خرچ کریں۔

[26] نافرمانوں اور سرکشوں کے انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مخلص بندوں پر اپنے انعام و اکرام کا حال بیان فرمایا جا رہا ہے۔

چند مشکل الفاظ: فواکہ: جمع فاکہۃ: وہی الثمار کلہا رطبہا و یابسہا: ہر قسم کے پھل تر اور خشک۔ سرر: جمع ہے سریر کی۔ تخت۔ متقابلین: آمنے سامنے۔ کأس: اس پیالہ کو کہتے ہیں جو شراب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی پیالے کو قدح یا اناء کہتے ہیں، کاس نہیں کہتے۔ وان کان فارغا فلیس بکاس (قرطبی)۔ بیضاء: خمر کی صفت بھی ہو سکتی ہے اور کاس کی بھی۔ غول: جسمانی بیماری، سر درد، پیٹ میں درد وغیرہ۔ لا ینزفون: ای لا تذہب عقولہم بشربہا: بیہوش ہونا۔ مخمور ہونا۔ قاصرات الطرف: جھکی ہوئی نگاہوں والیاں جو اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتی ہی نہیں۔

عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

ان کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (حوریں)، گویا وہ شتر مرغ کے انڈوں کی مانند گرد و غبار سے محفوظ۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) سوال جواب کریں گے ۱؎ کہے گا ان میں سے ایک کہ

اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿۵۱﴾ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا

میرا ایک گہرا دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ (مجھے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت پر) ایمان لانے والوں سے ہے۔ کیا جب ہم مر جائیں

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور (مر کر) مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزا دی جائے گی۔ ارشاد ہوگا کیا تم انہیں دیکھنا چاہتے ہو؟

باشرم و باحیا۔ عین، جمع ہے عیناء کی، یعنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والیاں۔ جن کی آنکھوں کا سیاہ حصہ بہت سیاہ اور سفید حصہ نہایت سفید۔ بَيْضٌ: انڈا، خصوصاً شتر مرغ کا انڈا۔ اس میں سفید اور زرد رنگ کی آمیزش بڑی لطیف ہوتی ہے۔ عرب عورتوں کے اس رنگ کو بہت پسند کرتے تھے۔

۱؎ اب اہل جنت کی ایک باہمی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کا مقصد بھی غافلوں اور سرکشوں کو بروقت متنبہ کرنا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ عالم آخرت میں دیکھنے اور سننے کی قوتوں کا کیا حال ہوگا۔ جنت میں بیٹھا ہوا ایک جنتی لاکھوں میل بلکہ غیر محدود مسافت پر دوزخ میں ایک دوزخی کو دیکھ بھی لے گا اور اس سے بات بھی کرے گا اور اس کا جواب بھی سن لے گا۔ وہاں نہ ریڈیو، لاسلکی ٹیلی ویژن ہوگی اور نہ کوئی اور جدید ترین مواصلاتی آلہ کار فرما ہوگا۔

ان آیات سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی فراوانی کیا ہوگی تو وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے دور سے سننا یا دیکھنا اللہ تعالیٰ کی صفت میں شرک نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں جس طرح اس دنیا میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا اسی طرح دار آخرت میں بھی اس کی صفات میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ اگر اہل جنت کی طرح اس دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو یہ قوت سمع و بصر دے دے تو اس کی قدرت و رحمت سے کوئی بعید نہیں۔ یہاں بیٹھ کر اگر ہم درود شریف پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے روضہ مطہرہ مقدسہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے سماعت فرما رہا ہے تو اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا ورنہ تمام اہل جنت کو شرک فی السمع والبصر کا مرتکب ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ حق کی سمجھ عطا فرمائے اور جو لطف عمیم اور فضل کبیر و کثیر اس نے اپنے محبوب

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾

پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دیتا

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾

اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہے گا) کیا اب تو ہمیں نہ مرنا ہوگا

اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا بیشک یہی وہ عظیم الشان

الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا

کامیابی ہے ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا

اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ

زقوم کا درخت [1] ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لیے [2] یہ ایک درخت ہے

بندوں پر فرمایا ہے ہم ناچیزوں کو بھی اس سے حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

[1] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ نعمتیں اور ضیافتیں جن سے ہم اپنے مخلص بندوں کو سرفراز کریں گے اچھی ہیں یا زقوم کا درخت۔ خود فیصلہ کرو۔

زقوم: ایک بدنما اور بدصورت درخت ہے اس کا ذائقہ سخت کڑوا، اس کی بو ناگوار، اس سے جو پانی بہے وہ جسم کو چھو جائے تو ورم ہو جائے اور اس پر تیز زہردار کانٹے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ درخت تہامہ کے علاقہ میں پیدا ہوتا ہے بڑا کڑوا اور بدبودار۔ قال قطرب: انها شجرة مرة تكون بتهامة من اخبث الشجر (قرطبی) البتہ بعض نے کہا ہے کہ اس نام کا کوئی درخت اس دنیا میں نہیں یہ جہنم کے ایک درخت کا نام ہے۔ والقول الثانی انها لا تعرف فی شجر الدنیا۔

[2] علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار قریش کہنے لگے، ما نعرف هذه الشجرة۔ یہ زقوم کیا ہے؟ ہم تو اس نام کا کوئی درخت نہیں جانتے۔ اتفاق سے افریقہ کا ایک آدمی آگیا۔ انہوں نے اس کے بارے میں اس سے پوچھا۔ اس نے کہا: هو عندنا الزبد والتمر۔ ہمارے ہاں تو مکھن اور کھجور کو زقوم کہتے ہیں۔ بس پھر کیا تھا اس لفظ کو یا بہا استعمال کر کے مذاق اڑایا جانے لگا۔ ابن الزبعری نے کہا: اكثر الله فی بيوتنا الزقوم: اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں زقوم

تَخْرُجُ فِيٓ أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿٦٤﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ ﴿٦٥﴾

جو اُگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں ۲۰

فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿٦٦﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ

پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ پھر انہیں زقوم کھانے کے

عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿٦٧﴾ ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿٦٨﴾

بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا ۲۱ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلَىٰٓ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿٧٠﴾ وَلَقَدْ

انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں ۲۲ اور بیشک

ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٧١﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِم مُّنذِرِينَ ﴿٧٢﴾

گمراہ ہو گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے۔

کی کثرت کرے۔ ابوجہل نے اپنی لونڈی سے کہا: زقمینا، تو وہ کھجور اور مکھن لے کر آگئی۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تزقموا ھذا الذی یخوفنا بہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وسلم)، مکھن اور کھجور کھاؤ یہ ہے وہ جس سے ہمیں وہ ڈرایا کرتے ہیں۔

۲۰ یعنی زقوم کا درخت جو جہنم کے وسط میں اُگے گا۔ اس کے شگوفے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ اگرچہ کسی نے شیطانوں کے سروں کو نہیں دیکھا لیکن جس طرح کسی خوبصورت اور حسین کو فرشتہ سے تشبیہ دی جاتی ہے اسی طرح بدصورتی بیان کرنے کے لیے شیطان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ و رؤس الشیاطین متصور فی النفوس وان کان غیر مرئی (قرطبی)

۲۱ بتایا جہنمیوں کو کھانے کے لیے زقوم ملے گا اور اس زقوم سے بھرے ہوئے پیٹ میں کھولتے ہوئے پانی سے سینچا جائے گا یعنی پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ حمیم کھولتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ شَوْبًا شاب یَشُوْبُ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو کسی چیز میں ملا دینا۔ خلط ملط کر دینا۔ وہ چیز جس کو ملایا جاتا ہے اس کو بھی شوب کہتے ہیں۔

۲۲ ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ انہوں نے عقل و ہوش کے چراغ بجھا دیئے۔ سوچنے سمجھنے کی قوتوں کو معطل کر دیا اور اپنے گمراہ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے رہے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ﴿٧٣﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿٧٤﴾

پس (اے مخاطب!) دیکھ کیسا انجام ہوا انہیں ڈرایا گیا تھا مگر وہ نہ سنبھلے تھے سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے ۲۳

وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿٧٥﴾ وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ

اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریادرس ہیں ۲۴ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے

الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿٧٦﴾ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿٧٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

گھر والوں کو اس مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر

فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ ﴿٧٩﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي

کو پیچھے آنے والوں میں۔ نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ ۲۵ ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٠﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾

محسنین کو بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو۔

۲۳ عام لوگوں کی تو یہ روش ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ایسا نہیں کیا کرتے وہ حق کے پیروکار ہوتے ہیں۔ اگر ان کے آباء اجداد ہدایت کی راہ پر چلنے والے، حق کو بلند کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں اپنی عمریں بسر کرنے والے ہوتے ہیں تو وہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور اگر وہ بھٹکے ہوئے اور گم کردہ راہ ہوتے ہیں تو یہ ان سے اپنا تعلق منقطع کر لیتے ہیں۔ انہیں صرف حق سے سروکار ہے۔ حق کی شمع جہاں بھی ہو یہ پروانے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حق کا پرچم اٹھا کر جو جماعت میدان میں آئے یہ اس کے شانہ بشانہ صف بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۲۴ حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغی سرگرمیوں اور آپ کی قوم کے آپ کے ساتھ ناشائستہ اور غیر منصفانہ رویے کے متعلق آپ کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں جب طوفان آیا تو صرف آپ اور آپ کے دین والے بچے باقی سب غرق ہو گئے آج نسل انسانی جہاں کہیں موجود ہے یہ اس کشتی میں سوار لوگوں کی اولاد ہے۔

۲۵ اس آیت میں چند کلمات مقدر ہیں:

ترکنا علیہ ثناءً حسناً فی کل امۃ: یعنی ہم نے آنے والی امتوں میں آپ کی شہرت اور نیک نامی کو برقرار رکھا ہر قوم آپ کی ثناخواں اور ہر امت آپ کی تعریف کرتی ہے۔

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرٰهِيمَ ﴿٨٣﴾ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾

اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم علیہ السلام بھی تھے جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ

جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو ٣٣ کیا جھوٹ گھڑے ہوئے خدا اللہ تعالیٰ کے

اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٨٧﴾ فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي

علاوہ چاہتے ہو ٣٤ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں ٣٥ سو آپ نے ایک بار

النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلٰى

دیکھا ستاروں کی طرف۔ پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے تب آپ

٣٢ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر خیر شروع ہوتا ہے۔ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا ہر دوسری محبت اور تعلق سے محفوظ ہو۔ ای سليم من الاشتغال بغير الله تعالى خاليا عن الغير وحبه (مظہری)

٣٣ یہ استفہام برائے توبیخ ہے۔ یعنی تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم کس کی عبادت کرتے ہو۔

٣٤ یہ استفہام بھی توبیخ کے لیے ہے۔ آیت کی ترکیب یہ ہے۔ تریدون فعل۔ انتم ضمیر مستتر فاعل، آلھۃ مفعول بہ۔ دون اللہ اس کی صفت اور افکا مفعول لہ۔ اس کی اہمیت کے لیے اس کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ اتریدون آلھۃ دون اللہ افکا۔ بتانا یہ ہے کہ ان کا یہ سارا کاروبار جھوٹ اور باطل پر مبنی ہے۔ محض جھوٹ سے انہوں نے چند بت تراشے اور پھر خود بخود انہیں معبود بنا لیا۔ نہ خدا کا یہ ارشاد۔ نہ خدا کے بندوں نے ایسا کہا۔ نہ عقل سلیم اس کو گوارا کرتی ہے۔

٣٥ یعنی ان خود تراشیدہ اصنام کو تم نے خدا بنا لیا ہے اور انہیں امور کائنات میں رب العالمین کا شریک خیال کرتے ہو تمہارا کیا خیال ہے کہ اتنی بڑی بغاوت کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ باز پرس نہیں کرے گا۔ اس کے غضب سے ڈرو اس بغاوت سے باز آ جاؤ۔ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور اس کی وحدانیت کو تسلیم کرو۔

٣٦ یہاں جو واقعہ اجمالاً مذکور ہے وہ تفصیلاً سورۃ الانبیاء میں گزر چکا ہے۔ وہاں اس کے حواشی کا بھی مطالعہ کر لیا جائے۔ فنظر نظرۃ فی النجوم کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ آپ نے ستاروں کی طرف دیکھا، لیکن جب کوئی شخص کسی امر میں غور و فکر کرنے لگے تو بطور محاورہ اس وقت بھی یہ جملہ بولتے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں مفسرین کرام نے علم نجوم کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔ خصوصاً روح المعانی جلد ٢٣ صفحات ٩٨ تا

اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝۹۱ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ۝۹۲ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ

چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاتے؟ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب

ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ۝۹۳ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ۝۹۴ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا

لگائی ان پر دائیں ہاتھ سے۔ (رنگ رلیاں منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے ۳۱ آپ نے فرمایا کیا تم پوجتے ہو انہیں

تَنْحِتُوْنَ ۝۹۵ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۶ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا

جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ ۳۲ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا بناؤ اس

فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِيْمِ ۝۹۷ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۝۹۸

کے لیے (وسیع آتشکدہ) پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں ۳۳ انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا ۳۴

۱۲۲ دیکھنے کے قابل ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی میلہ یا جشن منانے کے لیے شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جایا کرتے تھے اور اس روز طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں طشتریوں میں رکھ کر صبح سویرے اپنے بتوں کے سامنے رکھ جاتے شام کو واپس آتے تو اٹھا لیتے۔ انہیں تبرک سمجھ کر خود بھی کھاتے اور یار دوستوں میں بھی تقسیم کرتے۔

آپ نے سوچا ایسا نادر موقع پھر جلدی نہیں ملے گا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ان کے بتوں کی بے بسی ان پر ظاہر کر دینی چاہیے۔ وہ لوگ آزادی سے دادِ عیش دینے کے لیے شہر سے باہر چلے گئے اور یہ مردِ خدا ہاتھ میں ہتھوڑا لیے چپکے سے صنم کدہ میں گھس آیا۔ پہلے تو ان آراستہ پیراستہ بتوں کو ازراہِ تمسخر فرمایا ایسی لذیذ مٹھائیاں سامنے رکھی ہیں تم ٹک ٹک دیکھ رہے ہو کھاتے کیوں نہیں۔ اور پھر ہتھوڑا اٹھایا اور پوری قوت سے ان پر پے در پے ضربیں لگانے لگے۔ کسی کا ہاتھ نہ تھا کسی کا پاؤں نہ تھا، کسی کا سر غائب اور کسی کی ناک ندارد۔ غرضیکہ انہیں چند لمحوں میں توڑ پھوڑ کر اطمینان سے گھر چلے آئے۔ شام کے وقت جب لوگ میلہ سے فارغ ہو کر بتکدہ میں پہنچے اور اپنے بتوں کی یہ درگت بنی دیکھی تو کہرام مچ گیا۔ فوراً مجرم کی تلاش کے لیے قیاس آرائیاں شروع ہو گئیں۔ بتوں کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کا رویہ ہر خاص و عام کو معلوم تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ابراہیم کے بغیر یہ حرکت کوئی نہیں کر سکتا۔

۳۱ تیزی سے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آئے۔ یزفون حال ہے اور اقبلوا کی ضمیر مرفوع متصل ذوالحال۔ زفّ النعام، شتر مرغ تیزی سے چلا سے ماخوذ ہے۔

۳۲ آپ نے اسی مقصد کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ جب وہ منہ لٹکائے آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا، نادانو! تم ان بہرے اور بے جان مجسموں کی پوجا کرتے ہو جن کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے کچھ تو عقل سے کام لو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ

اور آپ نے کہا میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری رہنمائی فرمائے گا ۳۶ (دعا مانگی) میرے رب! عطا فرما دے

الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ

مجھے ایک نیک بچہ ۳۷ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ

یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ

کر سکے۔ آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں اب بتا تیری کیا رائے ہے ۳۸

جو تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔

۳۳ وہ حضرت خلیل اللہ کی اس دلیل کا تو کوئی جواب نہ دے سکے اور انتقامی کارروائی کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے ایک الاؤ تیار کرو اور اسے اس میں پھینک دو۔

۳۴ انہوں نے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لیے یہ منصوبہ بنایا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حسن تدبیر سے ان کے اس منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آتشکدہ میں گرے تو وہ ٹھنڈا ہو گیا اور آپ کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

۳۵ انہوں نے حضرت ابراہیم کی صداقت کی کتنی روشن دلیلیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں، لیکن وہ اپنے شرک کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر کار حضرت ابراہیم کو یقین ہو گیا کہ ان میں ہدایت پذیری کی ادنیٰ رمق بھی موجود نہیں۔ ایسے معاشرہ میں دعوت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ تو آپ نے ان کو صاف صاف کہہ دیا کہ میں تمہارے اس مشرکانہ ماحول سے رخصت ہو رہا ہوں تم جانو اور تمہارا کام۔ میں وہاں جاؤں گا جہاں دلجمعی سے اپنے رب کو یاد کر سکوں گا اور اس کے بندوں کو اس کے قریب لانے کی کوشش کروں گا۔ اِلٰى رَبِّیْ سے مراد الی حیث امرنی ربی او حیث اتجرد فیہ لعبادتہ (روح المعانی) یعنی جہاں میرے رب نے مجھے جانے کا حکم دیا یا جہاں میں تسکین کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں گا چنانچہ آپ وہاں سے سفر اور مصر سے ہوتے ہوئے شام تشریف لے گئے۔

۳۶ اس وقت تک آپ کا کوئی فرزند نہ تھا۔ شام پہنچ کر آپ نے ایک صالح بیٹے کے لیے التجا کی جو قبول ہوئی۔

۳۸ جب وہ فرزند دلبند تیرہ چودہ برس کا ہو گیا تو ایک نیا امتحان شروع ہوا۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں کیونکہ انبیاء کے خواب بھی بمنزلہ وحی ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ سمجھ گئے کہ میرا خداوند کریم مجھے اپنا فرزند ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ فوراً اپنے لخت جگر کو فرمانِ خداوندی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ایک بیٹا دے کر مولا کریم کی رضا حاصل ہو جائے تو یہ سودا بڑا سستا ہے۔ آپ نے سارا ماجرا اپنے نورِ نظر بیٹے کو بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

عرض کیا میرے پدرِ بزرگوار کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ

پس جب دونوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۲۸؎ اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک

صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ

تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو بے شک یہ بڑی کھلی

فانظر ماذا تریٰ۔ اب تم بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ ان الفاظ سے حضرت اسماعیل کا مشورہ نہیں لے رہے تھے کہ اگر اس کی مرضی نہ ہو تو تعمیلِ حکم سے معذرت کر دی جائے بلکہ مقصد اپنے بچے کا امتحان مقصود تھا کہ جس بچے نے خلیل کی گود میں پرورش پائی ہے اور ہاجرہ کا دودھ پیا ہے اور جس کو روزِ اول سے درس ہی یہ دیا جاتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اگر جان بھی دینی پڑے تو اس میں قطعاً تامل نہ کرنا۔ اب یہ بچہ تیرہ چودہ سال کی عمر کو پہنچ گیا ہے۔ ذرا دیکھیں اس شبانہ روز تربیت کا اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ نیز آپ اس ثواب بلکہ امتحان میں اپنے فرزندِ گرامی کو برابر کا شریک کرنا چاہتے تھے تاکہ کامیابی کی صورت میں رضائے الٰہی کا تاج صرف باپ کے سر پر ہی نہ جگمگائے بلکہ باپ بیٹا دونوں اس عزت و شرف سے سعادت اندوز ہوں۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل سے جب یہ خواب بیان کیا تو اس پیکرِ تسلیم و رضا نے جو جواب دیا وہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں ہی پڑھیے۔ ان نازک اور پاکیزہ و عالی جذبات کو اگر ہم اپنے الفاظ میں بیان کریں گے تو ان کا حق ادا نہ ہوگا: قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ۔ اے میرے بزرگ باپ حکمِ الٰہی کی تعمیل فوراً فرمائیے۔ باقی رہا میں! تو مجھے آپ صابروں میں سے پائیں گے۔ اور ان شاء اللہ کے کلماتِ طیبات کا اضافہ کر کے اپنے مقامِ عبدیت اور نیاز کو چار چاند لگا دیے یعنی میں کیوں کا لیکن تب جب میرے رب کو منظور ہوا۔ یعنی اگر میں نے مقامِ رضا میں کامیابی حاصل کر لی اور اس نازک امتحان میں سرخرو ہوا۔ تو اس میں میرا کوئی کمال نہ ہوگا۔ محض میرے رب کا احسان اور کرم ہوگا کہ مجھے صابر بننے کی توفیق عطا فرمائی۔ جس اسلام کی دعوت حضرت ابراہیم دیا کرتے تھے اس کا عملی مظاہرہ حضرت اسماعیل کی اس ادا سے زیادہ حسین اور دلکش کیونکر پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاعرِ مشرق فیلسوفِ اسلام نے یوں ہی تو نہیں کہا:

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی!

۲۸؎ دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے لیے صبح کے دھندلکے میں ہی گھر سے روانہ ہو گئے۔ بیٹا اپنی جوانی اپنا حسن

اپنی رعنائی اور اپنی اُمیدوں اور اُمنگوں کی دُنیا قربان کرنے کے لیے شاداں شاداں جا رہا ہے اور باپ اپنی سو سالہ دعاؤں کے رنگین ثمر کو اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کو قربان کرنے جا رہا ہے۔ دونوں خوش ہیں اور از حد مسرور۔

شیطان نے سوچا آج تک ابراہیم نے مجھے ہر قدم پر زک پہنچائی اور نیچا دکھایا۔ آج اگر اس کا بنا بنایا کھیل بگاڑ کر نہ رکھ دوں تو ابلیس میرا نام نہیں۔ وہ دوڑتا ہوا آپ کے گھر پہنچا۔ حضرت ہاجرہ تشریف فرما تھیں۔ پوچھا میاں جی کہاں ہیں اور ننھا اسماعیل آج نظر نہیں آ رہا۔ ہاجرہ نے بتایا دونوں باپ بیٹا سیر و تفریح کے لیے باہر گئے ہیں۔ کہنے لگا نہیں تم دھوکے میں ہو۔ ابراہیم آج تیرے بچے کو ذبح کرنے کے لیے لے گیا ہے۔ دوڑو اور ذرا اپنے بچے کو بازو سے پکڑ لو۔ ورنہ چند لمحوں بعد اس کی مردہ لاش پاؤ گی۔ دفناں کر رہی ہو گی۔ آپ نے فرمایا کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے اور ابراہیم کو تو اپنے اس بیٹے سے بڑا پیار ہے۔ تم جھوٹ بک رہے ہو۔ نکل یہاں سے۔ شیطان نے کہا تم بھولی ہی بیٹھی ہو، وہ آج ضرور تیرے بچے کو ذبح کر دے گا کیونکہ اس کے رب نے اسے یہ حکم دیا ہے۔ ہاجرہ نے جواب دیا، اگر رب کریم کا حکم ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہزار اسماعیل ہوں تو بھی اس کے اشارہ پر تصدق کر دوں۔ ماں کا دل بڑا نرم ہوتا ہے یہاں اسے اپنی کامیابی کی سو فیصد امید تھی لیکن منہ کی کھائی۔ ظالم نے ہمت نہیں ہاری۔ دوڑتا ہوا اسماعیل کے پاس پہنچا وہاں سے بھی اسی قسم کا جواب ملا۔ دل کڑا کر کے آخری وار آزمانے کے لیے حضرت خلیل سے جا کر الجھ پڑا اور کہنے لگا کہ تم تو بڑے زیرک اور عاقل ہو کر بچے کو ذبح کرنے چلے ہو۔ یہ کہاں کی ہوشمندی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اور سینکڑوں طریقے ہیں۔ بڑھاپے میں ایک بچہ ملا۔ وہ بھی اتنا حسین جسے دیکھ کر چاند شرما جائے۔ اس کو ذبح کرنے چلے ہو۔ تمہارا تو نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا۔ نسل ختم ہو جائے گی۔ خاندان مٹ جائے گا اور یہ جو خواب خواب کی رٹ لگا رکھی ہے۔ یہ شیطانی وسوسہ بھی ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دینا ہوتا تو جبرئیل آپ کے پاس یہ حکم لے آتے۔ آپ نے زمین سے پتھر اٹھایا اور دے مارا۔ تین دفعہ ایسا ہی اس کے ساتھ سلوک کیا۔ شیطان کی آنکھیں کھل گئیں۔ اسے پتہ چل گیا آج اللہ تعالیٰ کے بندے کے ساتھ اسے واسطہ پڑا ہے۔ اسی کے متعلق العبد الصالحین فرمایا گیا ہے۔ جب دونوں ایک گوشہ تنہائی میں پہنچے تو حضرت اسماعیل نے عرض کی پدر محترم! میرے ہاتھ اور پاؤں رسی سے باندھ دیجیے۔ مبادا بے خبری میں انہیں ہلا بیٹھوں اور آپ پر میرے خون کے چھینٹے پڑ جائیں۔ نیز میرا منہ زمین کی طرف کر دیجیے تاکہ میرا چہرہ دیکھ کر آپ کو ترس نہ آ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب حضرت ابراہیم نے آپ کو منہ کے بل زمین پر لٹایا اور تیز چھری گلے پر رکھ کر پھیرنی شروع کر دی تو عالم بالا میں لرزہ طاری ہو گیا ہو گا۔ اور فرشتوں کو اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کی تفسیر کا علم ہوا ہو گا۔ آپ تیزی سے چھری گردن پر پھیر رہے ہیں۔ ادھر سے ندا آتی ہے: بس اے میرے خلیل بس۔ ہو گیا تیرا امتحان اور تو امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔

یہ ہے اسلام کی ساری تعلیم کا خلاصہ۔ اپنے آپ کو، اپنی ہر چیز کو اپنے مالک حقیقی کی رضا کے لیے قربان کر دینا۔ ؎

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم — نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمٰعیل

یہاں ایک مسئلہ حل طلب ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس فرزند کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ کون سے تھے اسماعیل یا اسحاق علیہما السلام۔ ہمارے نزدیک دونوں حضرات محترم اور مکرم ہیں۔ ہم دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ نیز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿١٠٧﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي

آزمائش تھی اور ہم نے بچا لیا اسے فدیے میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر

الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿١٠٩﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١١٠﴾

آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١١﴾ وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی اور وہ بھی ہوگا نبوا

آپ کی ذاتِ اقدس والا مرخود اتنی عوبہاں اور کمالات سے متصف ہے کہ حضرت اسمٰعیل اگر اس شرف سے مشرف نہ ہوں تب بھی رحمتِ دو عالم کی عظمتِ شان میں ذرہ برابر کمی کی شبہ ہوتی۔ اس لیے ہمیں یہودیوں کی طرح کوئی تعصب نہیں ہے کہ ہم خواہ مخواہ ایک بزرگ کا کمال اس سے چھین کر دوسرے بزرگ کو دینے پر اصرار کریں لیکن دلائل۔ تاریخی حالات اور شواہد جس بات کو ثابت کریں اس کو نہ ماننا اور اس کے برعکس کسی اور خیال کو اپنے دل میں جمالینا بھی قطعاً جائز نہیں۔ اس لیے از راہِ تعصب نہیں بلکہ تحقیق حق کے لیے ہمیں دلائل کا موازنہ کرنا چاہیے۔

یہودی اس امر کے مدعی ہیں کہ یہ فرزند حضرت اسحاق تھے۔ چنانچہ کتاب پیدائش باب ۲۲ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی قربانی کا تذکرہ موجود ہے لیکن اس باب میں کئی جگہ کئی مرتبہ یہ تصریح بھی ہے کہ جس بیٹے کو قربانی کے لیے آپ لے گئے تھے وہ آپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ کیا یہودی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ حضرت اسحاق اکلوتے بیٹے تھے بلکہ کتاب پیدائش باب ۲۱ میں بصراحت مذکور ہے کہ حضرت اسحاق سے پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے آپ کا ایک فرزند تولد ہوا تھا (ملاحظہ ہو آیت ۸۔ ۹) "اور وہ لڑکا (اسحاق) بڑھا اور اس کا دودھ چھڑایا گیا اور اسحاق کے دودھ چھڑانے کے دن ابراہام نے بڑی ضیافت کی اور سارہ نے دیکھا کہ ہاجرہ مصری کا بیٹا جو اس کے ابراہام سے ہوا تھا ٹھٹھے مارتا ہے۔" اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق کے دودھ چھڑاتے وقت حضرت اسماعیل کی عمر کافی بڑی تھی۔

جب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ سال تھی اور جس وقت حضرت سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے تھے اس وقت آپ کی عمر سو سال تھی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حضرت اسحاق کی ولادت کے وقت حضرت اسماعیل اپنے چودھویں، پندرھویں سال میں تھے اور تیرہ سال کی عمر تک جب ان کو قربانی دینے کے لیے حضرت ابراہیم لے گئے تھے اس وقت آپ کے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل تھے نہ حضرت اسحاق۔

اب قرآن کریم کی طرف آئیے! پہلے انہی آیات کو پڑھیے۔ حضرت ابراہیم ولد صالح کے لیے دعا مانگتے ہیں، دعا قبول ہوتی

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ؕ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ

صالحین میں سے ۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحٰق پر ۔ اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہو گا

وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ ع ۳ / ۷

اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہو گا ۔ ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا

اور ہم نے بچا لیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم و اندوہ سے ۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے

ہے۔ بچہ جوان ہوتا ہے۔ اس کو قربان کرنے کا خواب میں اشارہ ہوتا ہے جب آپ حکم الٰہی کی تعمیل کر چکتے ہیں۔ انه من عبادنا المؤمنين کا مژدہ انہیں سنایا جاتا ہے۔ تو اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے وبشرنٰه باسحٰق۔ کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی اور اگلی آیت میں ہے وبٰركنا عليه وعلٰى اسحٰق اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ علیہ کی ضمیر اس فرزند کی طرف عود کرتی ہے جو ذبیح تھا اور اسحاق کو مستقل طور پر ذکر کر کے ان کی مغایرت کی تصریح کر دی۔

نیز جب اسحاق کی ولادت کا مژدہ سنایا جاتا ہے تو ساتھ ہی ان کے بیٹے حضرت یعقوب کی بشارت دی جاتی ہے۔ فبشرنٰها باسحٰق ومن وراء اسحٰق يعقوب۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسحاق صاحب اولاد ہوں گے اور ان کے فرزند کا نام یعقوب ہو گا۔ ذرا غور فرمایئے ایک طرف تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مژدہ ملتا ہے کہ اسحاق اور اس کے بیٹے یعقوب ہوں گے اور دوسری طرف انہیں جوان ہونے سے پہلے قربان کرنے کا حکم ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں یہ تضاد متصور نہیں۔ بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ حضرت اسحاق کو قربانی دینے کے لیے آپ اس وقت لے گئے جب حضرت یعقوب تولد ہو گئے۔ یہ جواب قطعاً قابل تسلیم نہیں کیونکہ قرآن کریم میں ہے: فلما بلغ معه السعي۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ وہ دنبہ جو آپ کے فدیہ کے طور پر ذبح کیا گیا اس کے سینگ خانہ کعبہ میں آویزاں تھے اور حضرت ابراہیم نے جس میدان میں اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کی کوشش کی وہ منیٰ کا میدان ہے وہ بھی مکہ میں ہے۔ یہ سارا کا سارا واقعہ عرب میں ساڑھے چار ہزار سال سے معروف و مشہور تھا اور تاریخ میں کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے پتہ چلے کہ حضرت اسحاق مکہ میں تشریف لائے ہوں۔ مکہ میں آنے والے حضرت اسماعیل ہیں اور وہی ذبیح ہیں۔ دلائل اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب (مزید تحقیق کے لیے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ ہو)

سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ وعلی ابنیہ وعلی آلہما افضل الصلوٰۃ والسلام کے ذکر خیر کے بعد اب حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ بچپن سے لے کر آخر تک جو احسانات اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر فرمائے ان کا تفصیلی ذکر جا بجا گزر چکا ہے۔ آپ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو صدیوں کی غلامی سے نجات ملی۔ ان کے لیے مند پایاب

هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَیْنٰهُمَا

وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخشی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے اور ہم نے ہدایت دی انہیں

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰی

سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں سلام ہو

مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ

موسیٰ اور ہارون پر ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بیشک وہ دونوں

عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ

ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں اور بیشک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ

اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑتے ہو سب سے بہتر احسن الخالقین کو جو (یعنی) اللہ کو جو

رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا

ہوگیا اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کا دشمن فرعون اپنے لاؤ لشکر سمیت غرق ہوگیا پھر انہیں تورات جیسی کتاب رحمت ارزانی فرمائی اور جب تک دنیا قائم ہے حضرت موسیٰ اور ہارون کا ذکر خیر دلوں کو گرماتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور ایماندار بندوں کو اسی طرح سرفراز فرماتا ہے۔

۱؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل مختلف قبیلوں میں بٹ گئے اور ہر قبیلے نے اپنی اپنی علیحدہ سلطنت بنالی۔ بنی اسرائیل کے انہی قبائل میں سے ایک قبیلہ لبنان کے اس علاقہ میں آباد ہوگیا جہاں اب مشہور تاریخی شہر بعلبک کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اس قبیلہ نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کی۔ ان کے بڑے بت کا نام بعل تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ بیس گز لمبا سونے کا مجسمہ تھا جس کے چار منہ تھے جس کے مندر کے خدام کی تعداد چار سو تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو راہ راست دکھانے کے لیے حضرت الیاس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے انہیں سمجھانے کی انتہائی کوشش کی لیکن وہ لوگ آپ کو جھٹلاتے رہے۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۲۹﴾

بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے پچھلا ان کے ذکرِ خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔

سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿۱۳۰﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾ إِنَّهُ

سلام ہو الیاس پر ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو بیشک وہ

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِذْ

ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھا اور بیشک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔ (یاد کرو) جب

نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۴﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ

بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہلِ خانہ کو مگر ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی پھر ہم نے

دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِاللَّيْلِ ۚ

برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو ۱۳۵ اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِذْ أَبَقَ إِلَى

کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے۔ اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں ۱۳۶ جب وہ بھاگ کر

یہاں تک کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترا اور وہ نیست و نابود ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی پر بڑے احسانات و انعامات فرمائے اور ان کے ذکرِ جمیل کو تا قیامت زندہ جاوید کر دیا۔

۱۳۵ سورہ شعراء میں حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ تفصیل سے گزر چکا ہے (آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵) ان کی قوم اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہوئی۔ کفارِ مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تمہارا گزر سدوم کے علاقے سے ہوتا ہی رہتا ہے۔ صبح و شام تم اس اجڑے ہوئے شہر کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہو کیا تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تمہارا انجام ایسا ہی ہو۔

۱۳۶ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ تفصیلاً سورہ الانبیاء (آیات ۸۷، ۸۸) میں گزر چکا ہے۔ مختصراً عرض ہے کہ آپ نے متعدد بار کوشش کی کہ آپ کی قوم کفر و گمراہی کو چھوڑ کر راہِ راست پر گامزن ہو جائے لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ آپ نے انہیں بتا دیا کہ تین دن کے بعد تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو گا۔ تیسرے روز بغیر اذنِ الٰہی وہاں سے چل دیئے۔ قوم نے آپ کو تلاش کیا آپ نہ

الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿١٤٠﴾ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿١٤١﴾ فَالْتَقَمَهُ

گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لیے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے پس نگل

الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿١٤٢﴾ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ

لیا انہیں حوت نے اور وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے تو پڑے رہتے

فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿١٤٤﴾ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿١٤٥﴾

مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک [1] پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔

[1] عذاب ابھی آیا نہیں تھا اس کے آثار آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگے تھے۔ قوم میں چند زیرک لوگ موجود تھے ان کے کہنے پر سب مرد و زن، بیر و جوان، شیر خوار بچے سب کھلے میدان میں نکل آئے اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا، ان کی توبہ کو قبول کیا اور عذاب ٹل گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو جب پتہ چلا تو خیال کیا اب میں کس منہ سے اپنی قوم کے پاس جاؤں گا وہ مجھے دیکھیں گے تو جھوٹا کہیں گے۔ چنانچہ آپ نے کہیں دور چلے جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ بھی اذن الٰہی کے بغیر تھا۔ ایسی لغزش اگر کسی دوسرے سے ہو تو قابل برداشت ہو لیکن نبی سے یہ چیز برداشت نہیں کی جاتی۔ آپ کشتی میں سوار ہوئے کشتی پہلے بھری ہوئی تھی وہ ڈوبنے لگی۔ ملاحوں نے وزن کم کرنے کے لیے ایک آدمی کو دریا میں گرانا چاہا تاکہ باقی مسافر بچ جائیں۔ اس کے لیے قرعہ اندازی ہوئی۔ تینوں بار قرعہ حضرت یونس کے نام نکلا۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ اس غلطی کی سزا ہے۔ چنانچہ آپ نے چھلانگ لگا دی۔ مچھلی نے نگل لیے گویا خطر بھی ذرا نگل لیا۔

[2] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یونس میرا بندہ تھا وہ ہمیشہ میرے ذکر میں مشغول رہتا تھا اس لیے ہم نے اسے بچا لیا ورنہ وہ قیامت تک مچھلی کے شکم میں ہی رہتا۔ حکم الٰہی کے مطابق مچھلی آپ کو لیے ہوئے ساحل پر آئی۔ جہاں کھلا میدان تھا آپ کو وہاں اگل دیا۔ عرصہ تک مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے باعث گوشت گل سڑ گیا تھا۔ بال اور ناخن جھڑ گئے تھے۔ اٹھنے کی سکت نہ رہی تھی۔ اسی وقت کدو کی ایک بیل اگی اور اس نے اپنے چوڑے چوڑے پتوں سے آپ کو ڈھانپ لیا تاکہ سورج کی گرمی سے بھی تکلیف نہ پہنچے اور مکھی وغیرہ بھی اذیت نہ پہنچائیں۔ جب قوت بحال ہوئی تو حکم ملا اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ جس کی تعداد ایک لاکھ یا اس سے زائد تھی۔ چنانچہ جب قوم نے آپ کو دیکھا تو بڑی عزت و تکریم کی آپ کی دعوت کو دل و جان سے قبول کیا اور آپ کی اطاعت کو وظیفۂ حیات بنا لیا۔ چند مشکل الفاظ: آبق: غلام کا بھاگ جانا۔ ساہم: حصہ لیا: اس سے مراد قرعہ اندازی میں شریک ہونا۔ مدحضین: مغلوبین: حوت: بڑی مچھلی: ملیم: داخل فی الملامۃ: عراء: چٹیل میدان، جہاں سبزہ درخت بوٹہ جھاڑی۔ یقطین: بیل کدو۔

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَیْهِ شَجَرَةً مِّنْ یَّقْطِیْنٍ ﴿۱۴۶﴾ وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ

اور ان کی حفاظت کے لیے ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے

اَوْ یَزِیْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۴۸﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ

زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک۔ ذرا پوچھیے ان (نادانوں)

الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓىِٕكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ

سے کیا آپ کے رب کے لیے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ۱۶۴ آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ

شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَیَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ

موجود تھے۔ خبردار! وہ محض اپنی تہمت تراشی سے کہتے ہیں کہ اللہ نے بچے جنے اور وہ بلاشبہ

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِیْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ٚ كَیْفَ

جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں اپنے لیے بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر ۱۶۵ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے

۱۶۴ سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کفار مکہ سے چند سوالات پوچھنے کا حکم دیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ ان کی کم فہمی اور گمراہی خود ان کے قول یا عمل سے عیاں ہو جائے۔ یہاں ان کی ایک اور حماقت کے متعلق ان سے استفسار کرنے کا ارشاد ہو رہا ہے۔ عرب کے کئی قبائل جہینہ، سلیم، خزاعہ اور بنی ملیح (روح المعانی) وغیرہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ العیاذ باللہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ان سے پوچھیے کہ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہو اور اگر کسی کے گھر بچی پیدا ہو جائے تو اس کے چہرے کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ شرم کے مارے کسی کو منہ نہیں دکھاتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کی تو وہ بھی لڑکیاں۔ کتنی حماقت اور بے انصافی ہے۔

۱۶۵ تم جو اتنے وثوق سے یہ دعویٰ کر رہے ہو تو تمہارے پاس ضرور کوئی پکی دلیل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو پیدا فرمایا کیا اس وقت تم پاس موجود تھے اور تم نے دیکھا کہ وہ لڑکیاں ہیں یا تمہارے پاس اس بات کا کوئی تحریری ثبوت ہے کسی نبی کا نوشتہ، کوئی آسمانی صحیفہ۔ جب ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت بھی نہیں، نہ تم فرشتوں کی آفرینش کے وقت پاس تھے اور نہ تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت موجود ہے تو کتنی نادانی ہے کہ ایک غلط بات پر یوں اڑے ہوئے ہو اور اگر کوئی دستاویز اس بارے میں تمہارے پاس ہے تو اسے چھپا کیوں رہے ہو؟ سب کے سامنے پیش کر دو تاکہ دوسرے لوگ بھی تمہارے ہمنوا بن جائیں۔

تَحْكُمُونَ ﴿١٥٤﴾ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٥﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٥٦﴾ فَأْتُوا

فیصلے کر رہے ہو۔ کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔ تو اپنی وہ

بِكِتَابِكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ

دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿١٥٩﴾

حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جانے والا ہے۔ پاک ہے اللہ ان (الزامات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٠﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿١٦١﴾ مَا أَنتُمْ

مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی بیہودہ باتیں نہیں کرتے)۔ پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی تم پوجا کرتے ہو۔ تم (سب مل کر)

عَلَيْهِ بِفَاتِنِينَ ﴿١٦٢﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿١٦٣﴾ وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ

اللہ کے خلاف کسی کو نہیں بہکا سکتے بجز اس کے جو جہنم میں جانے والا ہے۔ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے

مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿١٦٤﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ ﴿١٦٥﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿١٦٦﴾

کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لیے مقام متعین ہے۔ اور ہم ہی صف بستہ کھڑے ہیں اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

کلبی کہتے ہیں کہ بعض کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے العیاذ باللہ جنوں میں شادی کی اور اس سے فرشتے پیدا ہوئے۔ اس احمقانہ نظریہ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کفار کو چیلنج فرما رہے ہیں کہ تم اور تمہارے باطل معبود خواہ کتنی کوشش کریں تم کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے، بجز ان بدبختوں کے جن کے مقدر میں عذاب جہنم لکھا جا چکا ہے۔ یہی مفہوم علامہ قرطبی نے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"أهل التفسير مجمعون فيما علمت على أن المعنى ما أنتم بمضلين أحدا إلا من قدر الله عز وجل أن يضل" (قرطبی)

یہ فرشتوں کا قول ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے صفیں باندھے یا پر پھیلائے ہر لحظہ تیار کھڑے ہیں اور ہر وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول ہیں۔

وَإِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿١٦٧﴾ لَوْ أَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦٨﴾

اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٦٩﴾ فَكَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿١٧٠﴾

تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پس (جب نصیحت آئی) تو اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ عنقریب اپنا انجام جان لیں گے ۹

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿١٧١﴾ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿١٧٢﴾

اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے۔ کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ ۱۰

وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿١٧٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٤﴾ وَأَبْصِرْهُمْ

اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے پس آپ رخ (انور) پھیر لیجیے ان سے تھوڑی دیر اور وہ عذاب آتا دیکھ کر

فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿١٧٥﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٧٦﴾ فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ

وہ (خود بھی) اپنا انجام دیکھ لیں گے کیا وہ ہمارے عذاب (کے اترنے) کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے صحن

فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿١٧٧﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿١٧٨﴾ وَأَبْصِرْ

میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا اور رخ انور پھیر لیجیے ان سے تھوڑی دیر کے لیے ۱۱ اور دیکھتے رہیے

۹ قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے وہ یہ کہا کرتے تھے اور جب قرآن نازل ہوا تو انہوں نے کیا طرز عمل اختیار کیا اس کے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے۔

۱۰ ارشاد خداوندی ہے کہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ فتح و نصرت، عزت اور غلبہ ہمارے رسولوں کو اور ان کے ماننے والوں کو نصیب ہوگا۔ یہ نصرت و غلبہ ظاہری طور پر بھی ہو سکتا ہے اور اس طرح بھی کہ دنیا ان کی صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے اور دل ان کی محبت و تکریم کے جذبات سے معمور ہو جائیں۔

۱۱ یہ نادان ہمارے عذاب کے نزول کے لیے بیتاب ہیں اور آپ کی صداقت کا معیار انہوں نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ اگر ان پر ہمارا عذاب نازل ہوا تو آپ سچے اور اگر نہ اترا تو پھر آپ کی نبوت کو وہ تسلیم نہیں کریں گے لیکن وہ کتنے نادان ہیں۔ اگر عذاب نازل ہو گیا اور انہیں اپنے مقرر کردہ معیار کے مطابق آپ کی نبوت کی تصدیق ہو گئی تو انہیں اس سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔

فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

تماشا) دیکھتے رہیے یہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ پاک ہے آپ کا رب جو عزت کا مالک ہے ان (باتوں) سے جو یہ بیان کرتے ہیں

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور سلامتی ہو سب رسولوں پر ۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

کتنا کریما حسن اختتام ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من قال دبر کل صلوٰۃ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین ثلاث مرات فقد اکتال بالمکیال الاوفیٰ من الاجر۔ یعنی جس شخص نے نماز کے بعد یہ تین آیتیں تین مرتبہ پڑھیں گویا اس نے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر لیا۔

اللّٰھم صل وسلم علی انبیائک ورسلک لاسیما علی افضلھم واکرمھم سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعٰلمین شفیع المذنبین اکرم الاولین والآخرین سیدنا ومولانا وحبیبنا وشفیعنا محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ من امتہ الی یوم الدین یارب العٰلمین۔

محمد کرم شاہ

یوم الجمعہ ۱۵ رجب ۱۰ ستمبر } مگھال

یوم الاثنین ۱۰ رجب ۲۸ اگست } نظر ثانی بھیرہ شریف

تعارف

سُورۃ صٓ

نام : اس کا نام صٓ ہے جو پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کی آیات کی تعداد اٹھاسی اور کلمات کی تعداد سات سو بتیس اور حروف کی تعداد تین ہزار ستر شمار ہے۔ اس کے پانچ رکوع ہیں۔

زمانۂ نزول : اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ لیکن نبی کی زندگی کے کس دور میں اس کا نزول ہوا، اس بارے میں کوئی صراحت تو نہیں ملتی البتہ مفسرین کرام نے اس کے شانِ نزول کے بارے میں جو روایت لکھی ہے اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے۔

روایت یہ ہے کہ جناب ابوطالب بیمار ہو گئے۔ بیماری نے شدت اختیار کر لی۔ مکہ کے رئیسوں نے سوچا کہ ایسا نہ ہو کہ اسی بیماری میں فوت ہو جائیں۔ ان کی وفات کے بعد اگر ہم نے نبی مکرم پر سختی کی تو عرب ہمیں طعنے دیں گے کہ کل تک ابوطالب زندہ تھے تو انہیں کچھ نہ کہا اب ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی تم نے تشدد شروع کر دیا ہے اس لیے بہتر ہے کہ ہمارا ایک وفد ان کے پاس چلا جائے شاید باہمی مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے۔ چنانچہ ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب، اسود بن یغوث چند دوسرے سرداروں کے ساتھ ابوطالب کے پاس گئے اور کہا: يَا أَبَا طَالِبٍ أَنْتَ كَبِيرُنَا وَسَيِّدُنَا فَأَنْصِفْنَا مِنِ ابْنِ أَخِيكَ فَمُرْهُ فَلْيَكُفَّ عَنْ شَتْمِ آلِهَتِنَا وَنَدَعُهُ وَإِلٰهَهُ (ابن کثیر)

"اے ابوطالب! آپ ہم سب کے بڑے اور ہمارے سردار ہیں۔ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیں آپ انہیں حکم دیں کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں ہم انہیں اور ان کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔"

چنانچہ آپ نے حضور کو بلا بھیجا۔ حضور جب تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا کہ یہ آپ کی قوم کے شیوخ اور سردار ہیں ان کا یہ مطالبہ ہے۔ حضور نے فرمایا چچا جان! کیا میں ان کو ایسی بات کی دعوت نہ دوں جو ان کے لیے سراپا خیر ہے۔ پوچھا کیا بات ہے حضور نے فرمایا: أَدْعُوهُمْ أَنْ يَتَكَلَّمُوا بِكَلِمَةٍ تَدِينُ لَهُمْ بِهَا الْعَرَبُ وَيَمْلِكُونَ بِهَا الْعَجَمَ یعنی میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک کلمہ کہیں۔ اس کی برکت سے سارا عرب بھی ان کا باجگزار بن جائے گا اور عجم کے بھی وہ مالک بن جائیں گے۔

ابوجہل کہنے لگا ہم ایک نہیں ایسے دس کلمے بھی کہنے کے لیے تیار ہیں بتاؤ وہ کلمہ کونسا ہے۔ حضور نے فرمایا تم کہو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔ یہ سن کر وہ بھڑک اٹھے اور جھاگ بہاتے ہوئے اس محفل سے چلے گئے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

اگر یہ واقعہ جناب ابوطالب کے مرض وفات کا ہے تو پھر اس سورت کا سال نزول نبوت کا دسواں سال ہوگا لیکن علامہ

میں ابن جریر نے تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ کسی دوسری بیماری کا ہے بہرحال اس سے بھی اتنا ضرور پتہ چل جاتا ہے کہ یہاں دنوں کا واقعہ ہے جب اسلام کی شمع بجھانے کے لیے تمسخر اور استہزاء کے حیلے ناکام ہو چکے تھے بلکہ کفار مکہ کا جورو ستم اور جبر و تشدد بھی اسلام کی ترقی کو روکنے سے عاجز آچکا تھا اسی لیے تو وہ اس کمزور شرط پر بھی مصالحت کرنے کے لیے تیار تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بتوں کو کچھ نہ کہیں اور بیشک اپنے خدا کی عبادت کرتے رہیں اس قیاس کے مطابق کی زندگی کا درمیانی دور اس سورت کا زمانہ نزول ہو سکتا ہے

مضامین : اس سورت میں انہی تین مزمن بیماریوں کا علاج فرمایا جا رہا ہے جن میں اہل مکہ بری طرح مبتلا تھے۔

۱۔ وہ حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے انہیں اس انتخاب میں کوئی حکمت نظر نہ آتی تھی کہ جزیرہ عرب کے بڑے بڑے رؤساء کو تو نظر انداز کر دیا جائے اور منصب نبوت کے لیے ایک ایسی ہستی کو چن لیا جائے جس کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ اعوان و انصار ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبوت تو میرا انعام ہے جس کو میں اس کے قابل سمجھتا ہوں سرفراز کرتا ہوں۔ کیا میری رحمت کے خزانوں کے تم ہی مالک ہو کہ جس کو چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔

۲۔ حضور کو نبی نہ ماننے کی ان کے پاس ایک دلیل یہ بھی تھی کہ یہ کہتے ہیں کہ سارے جہانوں کا ایک خدا ہے بھلا خود سوچو کہ واحد کائنات کا یہ وسیع و عریض نظام کو کیا ایک خدا چلا سکتا ہے جو شخص ایسی خلاف عقل باتیں کرے ہم اس کو نبی کیسے مان لیں۔ لیکن عقیدہ توحید کو قرآن کریم نے ایسے زور دار دلائل سے ثابت کر دیا تھا جن کا کفار کے پاس کوئی جواب نہ تھا بجز اس کے کہ وہ لوگوں کی اندھی عصبیت کو بھڑکائیں اور انہیں کہیں کہ اپنے آباء و اجداد کے خداؤں سے چمٹے رہو اور آنا فانا ان کو ترک نہ کرو ان کے سامنے پیش کی جائیں ان کو ماننے سے صاف انکار کر دو۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی اس نادانی اور ان کے اس احمقانہ رویے سے کتنا دکھ ہوتا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو صبر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اپنے جلیل القدر انبیاء کے حالات اور انہیں پیش آنے والی مشکلات کا تذکرہ کر کے حضور کی دلجوئی فرماتا ہے۔

ایک بات غور طلب ہے یہاں اولین مقصد اہل عرب کے شرک اور عقائد کا ابطال ہے۔ اسی سلسلہ میں انبیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ساتھ ہی ان کے بے مثل کمالات نے بے پایاں انعامات اور غیر محدود اختیارات کا ذکر بھی بڑے موثر پیرایہ میں کیا جا رہا ہے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے کمالات و اختیارات بیان کرنے سے عقیدہ توحید کمزور نہیں ہوتا بلکہ مستحکم اور قوی ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھی ان آیات کو ذرا ہوش کھول کر پڑھیں جو حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات اور حضور پر آپ کے رب کریم کے بے پایاں احسانات بیان کرنے میں اس لیے بخل سے کام لیتے ہیں کہ عقیدہ توحید کو ضعف نہ پہنچے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی شان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء زیادہ آشکارا کی جائے گی اسی قدر اس کو بھیجنے والے خدا کی عظمت و کبریائی کا نقش لوح قلب پر ثبت ہوتا جائے گا۔ سورہ کے اختتام سے پہلے تخلیق آدم کا تذکرہ فرمایا اور نفخت فیہ من روحی فرما کر ان ان گنت صلاحیتوں اور بے کراں استعدادوں کی طرف اشارہ کر دیا جن کا آدم کو امین بنایا گیا ہے ساتھ ہی بتا دیا کہ شیطان نے آدم کی بے ادبی کی کہ اپنے آپ کو ابدی لعنتوں کا مستحق قرار دے دیا۔ خود سوچو جو شخص محبوب رب العالمین کی شان رفیع کا انکار کرے گا اس کے بے ادبی کا مرتکب ہوگا اس کی تباہی و بربادی کا کیا حال ہوگا۔ —— آخر میں فرمایا کہ یہ کتاب ذکر للعالمین ہے کسی مخصوص قوم کے لیے کسی مخصوص زمانہ کے لیے یہ پیغام ہدایت نہیں بلکہ سارے جہان اس کے نور سے تاباں و درخشاں ہیں جب یہ کتاب ذکر للعالمین ہے اس کو لانے والا رحمۃ للعالمین ہے اور اس کو نازل فرمانے والا رب العالمین ہے تو سارے نوع انسانی کا ایک دین اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ دین اسلام ہے۔

سُورَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ ص مکی ہے اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ﴿۲﴾

ص [1] قسم ہے قرآن کی سراپا نصیحت کی (دعوتِ محمدی حق ہے) [2] لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں (اندھے ہو گئے) ہیں [3]

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾ وَ

بہت سی امتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے۔ پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا [4] اور

[1] حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سورۃ کا نام ہے۔

[2] واؤ قسم کے لیے ہے یعنی ہمیں قرآن کی قسم ہے جس میں تمہاری دینی اور دنیوی سعادتوں کا مفصل بیان ہے اور جوابِ قسم محذوف ہے یعنی دینِ محمدی حق ہے۔ جوابِ قسم کے بارے میں اور قول بھی ہیں لیکن یہ اولیٰ ہے۔

[3] اگرچہ اسلام کی حقانیت اور دعوتِ محمدی کی صداقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے لیکن کفار ازراہِ غرور و عناد اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

علامہ پانی پتی اس کا شانِ نزول بحوالہ احمد و ترمذی یہ بیان کرتے ہیں کہ جناب ابوطالب ایک دفعہ بیمار ہو گئے قریش آپ کی عیادت کے لیے آئے، اتنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی تشریف لائے۔ قریش نے ابوطالب سے حضور کی شکایت کی آپ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا میرے بھتیجے! تم اپنی قوم سے کس بات کا مطالبہ کرتے ہو۔ حضور نے فرمایا:

"ارید منهم كلمة تدين لهم بها العرب وتؤدي اليهم العجم جزية. كلمة واحدة قال ما هي؟ قال لا اله الا الله"

ترجمہ: حضور نے فرمایا: میں ان سے صرف ایک بات ماننے کا مطالبہ کرتا ہوں۔ اگر وہ مان لیں گے تو سارا عرب ان کا مطیع ہو گا اور عجم ان کو خراج پیش کرے گا۔ آپ نے پوچھا: وہ کونسی بات؟

حضور نے فرمایا: وہ صرف یہ کہ دیں لا الٰہ الا اللہ۔

کفار نے ازراہِ تعجب کہا: صرف ایک خدا یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے۔ ہم یہ کیسے مان سکتے ہیں اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی کفار کا انکار کسی معقولیت پر مبنی نہیں محض غرور و عناد کی وجہ سے مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ عزۃ: استکبار عن الحق و حمیۃ جاهلیۃ۔ یعنی حق سے نخوت اور زمانہ جاہلیت کی عصبیت۔ شقاق: خلاف وعداوۃ: مخالفت اور عداوت۔

[4] کفار کی اس ہٹ دھرمی پر انہیں سرزنش کی جا رہی ہے کہ تم سے پہلے بھی جو لوگ نے پندار سے مست تھے اور پیرے

عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾

وہ اس پر، حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہی میں سے اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے کذاب ہے ؎

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ

کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا، بیشک یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے ؎ اور ان کے سردار یہ کہتے چل دیے

بلندی سے جلا وہ سلامت رکھتے تھے ان پر جب ہمارا عذاب آیا تو ان کے سارے نخرے ہرن ہو گئے۔ ساری دشمنیاں بھول گئے اور لگے چلانے اور فریاد کرنے۔ لیکن انہیں صاف صاف بتا دیا گیا کہ مہلت کی گھڑیاں ختم ہو چکی ہیں اب یہ داویلا بے سود ہے۔

* لات حین مناص، کی ترکیب میں نحویوں کے متعدد اقوال ہیں۔ سیبویہ کے نزدیک لا مشابہ لیس۔ مبالغہ اور تاکید کے لیے تا زائد کر دی گئی ہے۔ حین مناص: اس کی خبر ہے اس لیے منصوب ہے۔ اور اس کا اسم "حِیْنٌ" محذوف ہے۔ اور اخفش کے نزدیک لا نفی جنس کے لیے ہے۔ حین مناص اس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای لهم ای لا حین مناص لهم:

مناص کا معنی ملجاء اور مفر، جائے پناہ۔

جب میدان جنگ میں کوئی قبیلہ دشمن کے حملے کی تاب نہیں لا سکتا تھا تو وہ ایک دوسرے کو کہتے تھے: مناص ای علیکم بالفرار، یعنی بھاگ کر جان بچاؤ۔ پہلی قوموں پر جب عذاب الٰہی آیا اور اس کے مقابلے کی طاقت اپنے اندر نہ پائی تو حسب دستور کہنے لگے، مناص، مناص، یعنی جس طرح ہو سکتا ہے بھاگ کر جان بچاؤ۔ اسی وقت انہیں کہا گیا۔ لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ، اب تم کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ بھاگ جانے کا وقت اور بچ جانے کا وقت اب گزر گیا ہے۔ (روح المعانی)

بعض نحویوں نے کہا ہے کہ لات یہ لیس کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ یا کو الف سے اور سین کو تا سے بدل دیا۔ بعض نے کہا کہ لات فعل ماضی ہے اس کا معنی نَقَصَ رقل ہے۔

؎ وہ اس بات پر بڑے حیران تھے کہ ان میں سے ایک شخص کو کیونکر چن لیا گیا ہے اور پھر اسے نبوت کی ذمہ داریاں کیوں سونپ دی گئی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حضور کو ماننے سے انکار کر دیا اور ساحر و کذاب کے بہتان لگانے لگے۔

کفار کا پہلے ذکر ہو چکا تھا۔ قال الکفرون میں پھر اسم ظاہر ذکر کرنے کے بجائے ضمیر ہی کافی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اظہار غضب کے لیے اور ان کی مذمت کرنے کے لیے اسم ظاہر ذکر کیا تاکہ یہ بھی پتہ چلے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی طرف سحر و کذب کی جو نسبت کی ہے اس کی وجہ محض ان کا کفر ہے۔ وَضْعُ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الضَّمِيْرِ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَذَمًّا لَّهُمْ وَاِشْعَارًا بِاَنَّ كُفْرَهُمْ جَسَّرَهُمْ عَلٰى مَا قَالُوْا۔

؎ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تو کفار کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ان کی پریشانی اور اضطراب کی حد نہ رہی۔ ولید بن مغیرہ نے سرداران قریش کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔ پچیس کے قریب اکابر قوم اکٹھے ہو گئے اور حالات

مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝۶

قوم کے سردار (رسول کے پاس سے) اور (قوم سے کہا) یہاں سے چلو اور جمے رہو اپنے خداؤں پر بیشک اس میں اس کی کوئی غرض ہے

کی تبلیغ پر تبادلہ خیال کرنے لگے۔ ولید جو ان میں سب سے بڑا تھا اس نے مشورہ دیا کہ چلو ابوطالب کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے کہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے باز آ جائے۔ چنانچہ سب اکابر حضرت ابوطالب کے پاس جمع ہوئے اور اپنی آمد کی غرض و غایت بیان کی۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا بھیجا اور انہیں سمجھایا کہ ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ رحمت عالم نے ارشاد فرمایا: یا عماہ أفلا أدعوهم إلى ما هو خير لهم۔ اے چچا کیا میں اپنی قوم کو اس بات کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی خیر و فلاح ہے۔ ابوطالب نے پوچھا وہ کونسی دعوت ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میں انہیں ایک کلمہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اگر یہ اس کو قبول کر لیں تو عرب و عجم پر ان کی فرمانروائی ہوگی۔ قال ابو جهل ما هي وأبيك لنعطيكها وعشر أمثالها ابوجہل نے کہا کہ تیرے باپ کی قسم۔ وہ کون سا ایسا کلمہ ہے ہم صرف ایک کلمہ نہیں بلکہ اس طرح کے دس کلمے بھی ماننے کے لیے تیار ہیں قال صلى الله تعالى عليه وسلم تقولون لا إله إلا الله۔ فنفروا من عنده غضابا۔ (ابن کثیر) حضور نے فرمایا تم صرف یہ مان لو لا الٰہ الا اللہ۔ یہ سنتے ہی بڑے غضبناک ہو کر وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بکنے لگے۔ اجعل الآلهة الٰها۔ ان کے نزدیک یہ بات ناممکن تھی کہ ایک خدا کائنات کی بے شمار چیزوں کے بے شمار احوال اور ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے انہوں نے بہت سے خدا بنا لیے تھے اور ہر ایک کو زندگی کا ایک ایک شعبہ تفویض کر دیا تھا۔

ان کے ذہن میں خدا کا کتنا ناقص تصور تھا۔ وہ اپنی طرح اس کی قوتوں کو بھی محدود تصور کرتے تھے۔ لیکن وہ خدا جو تنہا خدا ہے اور جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں۔ اس کی قوتیں، اس کی عظمتیں لامحدود ہیں۔ اس کے علم سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ مالک بھی وہی ہے اور اپنی حکمت سے ان کی بقا اور نشوونما کے سارے اسباب مہیا فرماتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کفار کا اپنے بتوں کے بارے میں کیا اعتقاد تھا۔ وہ انہیں صفت الوہیت سے متصف سمجھتے تھے وہ انہیں اپنا الٰہ اور معبود یقین کرتے تھے لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ شہادت دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ لا إله إلا أنت سبحانك لا شريك لك لك الملك ولك الحمد وأنت على كل شيء قدير ہمارا یہی عقیدہ ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اسی پر زندہ رکھے اور اسی پر ہم یہاں سے رخصت ہوں۔

۵ عُجَاب، بليغ في العجب: انتہائی حیرت انگیز یعنی ایک خدا کا عقیدہ بڑا تعجب انگیز ہے بھلا کوئی شخص اسے کیسے قبول کر سکتا ہے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ العُجاب، العُجّاب والعجب سواء۔ یعنی یہ تینوں لفظ ہم معنی ہیں۔ وقد فرق الخليل بين عجيب وعجاب، فقال والعجيب العجب، والعجاب الذي قد تجاوز حد العجب خلیل نے عجیب اور عجاب میں فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عجیب حیرت انگیز چیز کو کہتے ہیں اور عجاب اس کو کہتے ہیں جو تعجب انگیزی میں حد سے تجاوز کر گئی ہو۔ ۶ جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝٧ ءَاُنْزِلَ

ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی۔ یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ ۹ کیا نازل کیا گیا ہے

عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا

اس پر "الذکر" (قرآن) ہمارے درمیان میں سے ۱۰ بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق۔ بلکہ ابھی تک انہوں نے

يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩

نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا ۱۱ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے ۱۲ جو عزت والا بہت عطا کرنے والا ہے

نبی دعوت اور اس دعوت کی قبولیت پر مرتب ہونے والے نتائج بڑے موثر اور فیصلہ کن انداز میں ان کے سامنے پیش کیے تو کفار گھبرا گئے۔ انہیں اپنے غلاموں کی کھوکھلی خدائی کا تخت ڈولتا ہوا نظر آنے لگا۔ فوراً خود بھی اس مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے عوام کو بھی بڑے مشفقانہ اور حکیمانہ انداز میں ہدایت کی کہ یہاں سے نکلو۔ ان کی چکنی چپڑی باتیں مت سنو۔ اپنے مشرکانہ عقیدہ پر سختی سے جمے رہو۔ یہ دعوت دینی حکومت اور اپنے تسلط کو قائم کرنے کے لیے دی جا رہی ہے۔ اس کا صداقت و حقانیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لشئ یراد ای انما یرید محمد بما یقول الاستیلاء لیعلو علینا و نکون له اتباعاً۔ الانطلاق: الذهاب بالسرعة: جلدی سے چلے جانا۔

۹ یہ بالکل نئی اور من گھڑت بات کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے۔ اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا تو عیسائیت جو آخری ملت ہے اس میں بھی اس کا کوئی ثبوت ملتا۔ اختلاق: کذب اختلقه: ایسا جھوٹ جسے خود گھڑا گیا ہو۔

۱۰ وہ اپنے پیروکاروں کو کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے واقعی کوئی پیغمبر بھیجنا تھا تو سارے مکہ اور عرب میں سے انہیں کیوں منتخب کیا۔ نہ مال و زر ہے نہ کوئی یار و مددگار۔ ہم بڑے بڑے رؤسا، امراء اور سرداران قوم موجود تھے جن کے رعب و دبدبہ کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے۔ ہم میں سے کسی کو اس خدمت کے لیے مامور کیا جانا چاہیے تھا تاکہ لوگ ہمارے اثر و رسوخ کے باعث اس دین کو قبول کرتے۔

۱۱ وہ ایسی باتیں اس لیے بنا رہے ہیں کہ ابھی ہمارے عذاب کا کوڑا ان کی پشت پر نہیں لگا۔ ایک تھپیڑا رسید ہوا تو سارا خمار اتر جائے گا۔ خود بخود عقل درست ہو جائے گی۔

۱۲ رحمت کے خزانوں کے مالک ہم ہیں ان کو بانٹنے والے ہم ہیں۔ جس کو چاہیں، جتنا چاہیں اور جس وقت چاہیں عطا فرما دیں۔ یہ کون ہیں ہماری بخشش و عطا پر اعتراض کرنے والے۔

اس آیت میں ان لوگوں کو جھڑکا جا رہا ہے اور سرزنش کی جا رہی ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت پر اعتراض کیا کرتے تھے۔

أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

کیا ان کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ۱۳؎ اگر ہے تو چاہیے کہ چڑھ جائیں (آسمان پر) سیڑھیاں لگا کر

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ

(در حقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بدر میں) شکست دی جائے گی ۱۴؎ جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح،

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾ وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ

عاد اور میخوں والے فرعون نے ۱۵؎ اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔

۱۳؎ نبوت کا مقام تو بہت اونچا ہے کسی کو نبوت کی نعمت سے سرفراز کرنے کا اختیار تو بہت جلیل اور عظیم امر ہے انہیں تو اس مادی دنیا کی معمولی چیزوں کے دینے اور چھیننے کا بھی کوئی اختیار نہیں۔ اگر ان کے پاس کوئی قوت و اختیار ہے تو اسے کام میں لا کر عرش تک رسائی حاصل کر لیں اور وہاں قبضہ جما کر بیٹھ جائیں اور کائنات کی حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ مشرکین مکہ کا یہ اعتراض اور اس کا رد مختلف مقامات پر اور مختلف انداز سے مذکور ہے۔ اسباب سے مراد یا تو وہ رستے ہیں جن سے آسمان تک پہنچا جاتا ہے یا اس سے مراد آسمانوں کے دروازے ہیں۔ ہر وہ چیز جس سے کسی چیز تک پہنچا جاسکے۔ اُسے سبب کہتے ہیں۔ قال قتادة ومجاهد اراد بالاسباب ابواب السماء وطرقها من سماء الى سماء وكل ما يوصلك الى شيء من باب او طريق فهو سببه۔ (مظہری) یعنی قتادہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ اسباب سے مراد آسمان کے دروازے ہیں یا وہ رستے جو ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جاتے ہیں۔ الغرض ہر وہ چیز جو کسی تک پہنچنے کا ذریعہ ہو اسے سبب کہتے ہیں۔

۱۴؎ یعنی یہ مٹھی بھر تھوڑی سی فوج جسے کچھ عرصہ بعد میدان بدر میں پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ اس کی حقیقت ہی کیا ہے کہ ہماری عطا پر اعتراض کر سکے۔

۱۵؎ ان سے پہلے بڑی بڑی سرکش قومیں اور فرعون جیسے جابر اور طاقتور بادشاہ گزرے ہیں جب انہوں نے ہماری نافرمانی کی تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر انہیں ہلاک و تباہ کر دیا اور ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ فرعون کو ذی الاوتاد فرمایا گیا ہے۔ اس کی مختلف تاویلیں کی گئی ہیں۔ لغت میں وتد اس کھونٹی کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں یعنی اس سے یا تو اس کے لشکر کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کا لشکر اتنا کثیر تھا کہ جہاں وہ پڑاؤ کرتا اس کے لیے خیمے نصب ہونے تو ہر طرف کھونٹیاں ہی کھونٹیاں نظر آنے لگتیں جن کے ساتھ ان کے خیموں کی رسیاں باندھی جاتیں۔ بعض علماء نے کہا کہ اس کی حکومت کے استحکام اور پختگی کا ذکر ہے۔ اور بعض نے فرعون کو ذوالاوتاد کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس کا دستور تھا کہ جب وہ کسی مجرم کو سزا دیتا تو زمین میں چار میخیں گاڑ دیتا۔ پھر اس شخص کے ہاتھ پاؤں کو ان کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دیتا یہاں تک

أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾ إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾ وَ ع

یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا) ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب ۔ اور

مَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾ وَقَالُوا

نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ (کفار مکہ) مگر ایک کڑک کی چنگھاڑ کا جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی ۱۲؎ اور (مذاقاً) کہتے ہیں

رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾ اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے ۱۳؎ (اے حبیب!) صبر کرو ان کی (ناشائستہ) باتوں پر

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾ إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ

اور یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا ۱۴؎ وہ ہماری طرف بہت رجوع کرنے والا تھا ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو

کر دیتا جس سے وہ شخص تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا یا اس کو زمین پر پٹک کر اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا۔

۱۲؎ علامہ جوہری نے مالھا من فواق کا معنی لکھا ہے کہ مالھا من نظرۃ وراحۃ وافاقۃ (صحاح جوہری) یعنی نہ مہلت دی جائے گی نہ انہیں آرام نصیب ہوگا اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔ علامہ آلوسی فواق کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس میں دو لغتیں ہیں۔ فَواق۔ فُواق۔ بعض کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی ہیں اور بعض علماء لغت کا خیال ہے کہ فَواق اسم مصدر ہے سافاق المریض سے جب وہ بیماری سے صحت کی طرف رجوع کرے اسی لیے فراء نے اس کی تفسیر افاقۃ اور استراحت کے ساتھ کی ہے اور اگر فُواق ہو تو اس کا معنی وہ وقت ہے جب ایک مرتبہ دودھ دوہ لینے کے بعد تھنوں میں دوبارہ دودھ بھر جائے۔ (روح المعانی)

۱۳؎ کہنے لگے صبح شام آپ ہمیں عذاب قیامت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں تو ہم دعا کرتے ہیں کہ ہم پر تو ہمارے حصے کا عذاب آج ہی نازل کر دیا جائے اور ہمارے ساتھ جو کچھ ہونا ہے آج ہی ہو جائے۔ یہ باتیں وہ ازراہ مذاق کیا کرتے تھے۔ قال مجاہد قطنا : عذابنا ، وکذا قال قتادۃ نصیبنا من العذاب (قرطبی)

۱۴؎ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ گوئی پر صبر کی تلقین فرماتے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام جن گراں قدر انعامات سے سرفراز کیا گیا تھا ان کا ذکر کر کے تسلی دیتے ہیں۔ عبدنا (ہمارا بندہ) فرما کر حضرت داؤد کو سرفراز و مشرف کیا۔ ذی الاید کا لغوی معنی ہے بہت ہاتھوں والا۔ اس سے مراد طاقتور اور قوی ہے کیونکہ آپ عبادت اور جہاد میں بڑی قوت اور توانائی کا مظاہرہ فرماتے اس لیے آپ کو ذا الاید کہا گیا۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے

يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾ وَ

وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت ۱۸ اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے تھے سب اس کے فرمانبردار تھے ۱۹ اور

شَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾ وَهَلْ أَتَاكَ

ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ ۲۰ اور کیا آئی ہے آپ

اور یہ روزہ نفس پر بڑا گراں اور اللہ کے نزدیک بڑا فضیلت والا ہے۔ آپ نصف رات عبادت میں گزارتے میدان جہاد میں دشمن کا سامنا ہوتا تو جم کر مقابلہ کرتے اور وہاں سے بھاگنے کا خیال تک دل میں نہ لاتے اور جب اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا مانگنے کے لیے کھڑے ہوتے تو عجز و نیاز کی انتہا کر دیتے۔ والقوۃ فی العبادۃ کان یصوم یوما و یفطر یوما و ذلک اشد الصوم افضلہ و کان یصلی نصف اللیل و کان لا یفر اذا لاقی العدو و کان قویا فی الدعاء الی اللہ تعالیٰ (قرطبی)، اواب: بہت رجوع کرنے والا۔ رجّاعٌ الی اللہ تعالیٰ و طاعتہ عز و جل۔

ف اللہ تعالیٰ نے جن خصوصی عنایات سے آپ کو نوازا ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں فرمایا جا رہا ہے۔ آپ جب ذکر الٰہی میں مشغول ہوتے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ مل کر ذکر کیا کرتے۔ پہاڑوں کی اس تسبیح سے کیا مراد ہے بعض نے کہا ہے کہ جب آپ ذکر کرتے تو آپ کی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے۔ اسی گونج کو پہاڑوں کا ذکر کہا گیا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ پہاڑ زبان حال سے ذکر الٰہی کیا کرتے اور بعض حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ جب آپ مصروف ذکر ہوتے تو پتھر، سنگریزے، چٹانیں اور پہاڑوں کی ڈھلانیں سب زبان قال سے آپ کے ساتھ مل کر ذکر کیا کرتیں۔ علامہ قرطبی نے اسی قول کو صحیح فرمایا ہے۔ ان ذلک تسبیح مقال علی الصحیح من الاقوال۔ اشراق اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج کافی اونچا ہو جائے جسے چاشت کا وقت کہتے ہیں۔ اس وقت جو نوافل پڑھے جاتے ہیں انہیں صلوٰۃ الضحیٰ کہتے ہیں۔ حدیث پاک میں صلوٰۃ الضحیٰ کی بڑی فضیلت مذکور ہے ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَةِ الضُّحٰی غُفِرَ لَہٗ ذُنُوْبُہٗ وَاِنْ کَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ، کہ جو شخص پابندی سے ضحیٰ کے وقت دو نفل پڑھے گا، اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ کے مانند ہوں۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال اوصانی خلیلی بثلاث لا ادعھن حتی اموت۔ صوم ثلاثۃ ایام من کل شھر۔ صلوٰۃ الضحیٰ و نوم علی وتر۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میرے خلیل نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی ہے اور تادم مرگ میں انہیں نہیں چھوڑوں گا۔ ۱۔ ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھنا۔ ۲۔ نماز ضحیٰ۔ ۳۔ سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا۔ ضحیٰ کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں، زیادہ سے زیادہ بارہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ف آپ کی آواز اتنی شیریں، دلکش اور سوز و گداز سے بھری ہوئی تھی کہ جب آپ ذکر کرتے تو اڑتے ہوئے پرندے بھی رک جاتے اور آپ کے ارد گرد حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور آپ کی آواز کے ساتھ آواز ملا کے اپنے مولا کریم کی تسبیح کرتے۔ ف لہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت داؤد

نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ

پاس اطلاع فریقین مقدمہ کی جب انھوں نے دیوار پھلانگی عبادت گاہ کی ٢٤ اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ گھبرا

قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ

گئے ان سے۔ انھوں نے کہا کہ ڈریئے نہیں ہم دو فریق مقدمہ کے دو فریق ہیں زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے

وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَ

فیصلہ فرما دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھائیے ہمیں سیدھا راستہ صورت نزاع یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے اور اس کی ننانوے

علیہ السلام ہیں یعنی پہاڑ اور پرندے سب آپ کے اطاعت گزار تھے۔ کل لہ ای لداؤد ، اواب ای مطیع (قرطبی) اور بعض نے لہ کا مرجع ذاتِ باری کو بتایا ہے۔ قیل الهاء للّٰہ عزّ وجل۔

٢٢ نیز ہم نے ان پر مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی حکومت کو مستحکم کر دیا۔ آپ کی ہیبت دلوں میں جاگزیں تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ بغاوت اور سرکشی کا خیال تک دل میں لا سکے۔ اس کے علاوہ آپ کے سینہ کو نورِ حکمت سے روشن فرما دیا اور آپ کو ایسی بے نظیر فصاحت و بلاغت بخشی کہ آپ کی گفتگو کے بعد کسی کو تکرار یا انکار کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ سب جھگڑے ختم ہو جاتے۔ فصل الخطاب: البیان الفاصل بین الحق والباطل ، ایسا بیان ، ایسی تقریر جو حق و باطل کو الگ الگ کر دے۔

٢٣ اس سے پہلے کہ اس قصہ کی تحقیق کی جائے جو عام طور پر یہاں بیان کیا جاتا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ان آیات کی تشریح کر دی جائے اور آخر میں اس قصہ کے متعلق محققین علماء کی رائے قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے۔

جب کسی واقعہ کی اہمیت پر مخاطب کو متوجہ کرنا ہوتا ہے تو اس کا آغاز اس قسم کے استفہام سے کیا جاتا ہے تاکہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو کر اس واقعہ کو سنے اور اس سے عبرت حاصل کرے۔ الاستفهام التنبیه علی جلالة القصة ومستتبعه الیها والاعتبار بها، یعنی کیا آپ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی ہے کہ جب مقدمہ کے مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریق دیوار پھاند کر حضرت داؤد علیہ السلام کے عبادت خانہ میں اچانک جا گھسے۔

تسوروا الحائط ، تسلق : دیوار پر چڑھ کر اترنا۔ محراب سے مراد آپ کی عبادت کا حجرہ ہے۔ اس کا ماخذ حرب ہے کیونکہ وہاں آپ اپنے نفس سے برسرِ پیکار رہتے، اس لیے اس کو محراب کہا گیا۔ مسجد کے محراب کو بھی اسی لیے محراب کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی جماعت مسلمین کا امام ہوائے نفس، تسویلِ ابلیس اور طرح طرح کے ضلالات اور مشکلات کے خلاف اپنی قوم کو جہاد کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

مساجد میں محراب کی موجودہ شکل عہدِ رسالت میں نہ تھی۔ صنع الجلال السیوطی ان المحاریب التی فی المساجد بهیئتها المعروفة الیوم لم یکن فی عهد النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وآله وسلم (روح معانی)

٢٤ آپ کا معمول تھا کہ آپ ایک روز حکومت کے کاروبار کو انجام دیتے، مقدمات کا فیصلہ کرتے۔ ایک روز اپنے گھر کے

تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي

دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے شکلہ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے

الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ وَاِنَّ كَثِيْرًا

ساتھ گفتگو میں شکلہ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں ملا دے اور بیشک اکثر شرکاء

مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر شکلہ سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے

زانو تلمذ تہہ کیے تیسرا دن انہوں نے صرف عبادت کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا اور اس دن اپنی عبادت گاہ پر پاسبان مقرر کر دیتے تاکہ لوگ ان کی عبادت میں مخل نہ ہوں۔ اس روز کسی کی مجال نہ ہوتی تھی کہ اندر آنے کی جرأت کر سکے۔ ایک دفعہ آپ اپنے عبادت کے حجرے میں مصروف تھے ایسے وقت میں ان دو اجنبیوں کا دیوار پھاند کر بغیر اجازت طلب کیے حجرے کے اندر گھس آنا بڑا حیرت انگیز واقعہ تھا۔ آپ کو گھبراہٹ سی لاحق ہوئی وہ بھی اس چیز کو بھانپ گئے اور کہنے لگے ڈریے نہیں ہم تو دو فریق ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ ازراہ نوازش حق و انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ فرما دیجیے اور ہم میں سے کسی پر بھی ظلم و زیادتی نہ ہو۔ جو فریق بھی ظلم و عدوان کی راہ پر گامزن ہے کہ عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائیے۔ ولا تشطط ای ولا تجور

شکلہ اب وہ اپنا تنازعہ پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ شخص میرا بھائی ہے اس کے پاس ۹۹ دنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہی دنبی ہے۔ یہ مجھے کہتا ہے کہ یہ ایک دنبی بھی مجھے دے دو میں اس کی حفاظت کروں گا۔ اس طرح میری دنبیوں کی تعداد پوری سو ہو جائے گی اور تو اس دنبی کی حفاظت کے جھنجھٹ سے چھوٹ جائے گا۔

شکلہ یہ جب بات کرتا ہے تو یوں جاتا ہے اور سننے والا یوں محسوس کرتا ہے کہ یہ سچا ہے اور میری داد رسی کرنے کی بجائے الٹا مجھے ہی مجرم قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اس رعب سے مجھ سے بات کرتا ہے کہ میں جواب دینے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا۔ ای غاطبنی ایاہ محاجۃ بان جاء بحجاج لم اطق ردہ (معانی)

شکلہ آپ نے فریقین کی باتیں سننے کے بعد فیصلہ دیا کہ یہ اس کی صریح زیادتی ہے۔ یہ اتنا حریص ہے کہ ننانوے دنبیوں سے بھی اس کی چشم آز سیر نہیں ہوئی۔ بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے پاس صرف ایک دنبی دیکھ کر اسے رحم آئے اور اسے دس بیس دنبیاں اپنے پاس سے دیدے تاکہ اس کی حالت سنبھل جائے اور برادرانہ تعلقات کی لاج بھی رہ جائے، وہ اس کے پاس ایک دنبی بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اسے بھی چھین لینا چاہتا ہے یہ سراسر ظلم ہے، یہ صریح زیادتی ہے۔

شکلہ فرمایا اکثر حصہ داروں کا یہی دستور ہے بڑے حصے والا اپنے سے کم حصہ والے کا حصہ ہڑپ کر کے اس کی قلیل پونجی سے محروم

الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ

ہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۲۲ اور فوراً خیال آگیا داؤد کو کہ ہم نے اُسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے

خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۗ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ

اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں ۲۳ اور دل سے رجوع کیا ۲۴ اس کی طرف متوجہ ہوگئے پس ہم نے بخش دی انکی یہ لغزش اور بیشک ان کیلئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے

کردیتا ہے الا یہ کہ وہ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نیک اعمال کے خوگر ہیں وہ اپنے دوسرے حصہ داروں پر جبر نہیں کرتے ان کا حق نہیں چھینتے بلکہ حق و انصاف اور مروت و اخلاص کے تقاضوں کو ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔

۲۲ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے، انہیں انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔

۲۳ یہ فیصلہ سنانے کے بعد معاً حضرت داؤد کو کوئی اپنی بات یاد آگئی اور یہ خیال کیا کہ یہ تو میری آزمائش کی جارہی ہے فوراً مغفرت طلب کرنے لگے اور سجدہ میں گر گئے۔ یہاں راکع سے مراد ساجد ہے۔ اور رکوع سجود کے معنی میں اکثر استعمال ہوتا رہتا ہے۔ جیسے اس شعر میں ہے۔

فخر علی وجھہ راکعا ... وتاب الی اللہ من کل ذنب

(روح المعانی)

یعنی وہ سجدہ کرتے ہوئے منہ کے بل گر پڑا اور بارگاہِ الٰہی میں ہر گناہ سے توبہ کی۔ اس شعر میں راکعا کا معنی ساجد ہے سجدہ کرنے والا۔

۲۴ بیشک داؤد کا مقام ہمارے نزدیک بہت بلند ہے اور ان کے پلٹ کر آنے کی جگہ بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔

آیات کی اس تشریح کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کرتے ہیں جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا گیا ہے ضیاء القرآن میں آپ مختلف مقامات پر پڑھ آئے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے انبیاء کرام پر ایسی ناپاک تہمتیں لگانے میں کتنے بیباک تھے ایسی چیزیں جو ایک عام شریف آدمی کی طرف بھی منسوب کرتے ہوئے انسان جھجکتا ہے۔ وہ بے دریغ اپنے نبیوں، اپنے محسنوں اور اپنے رہنماؤں کی طرف منسوب کردیتے تھے۔ انہی خرافات میں سے ایک یہ واقعہ بھی ہے جو بائبل میں بڑی تفصیل سے نمک مرچ لگا کر لکھا گیا ہے۔ میں تو نہیں چاہتا کہ قارئین کے ذوق کو مجروح کیا جائے، لیکن عرض حال کے لیے چند سطور لکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔

کتاب ۲ سموئیل باب ۱۱ میں مذکور ہے:

"اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اُٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت کیا اور کسی نے کہا کیا وہ اِلعام کی بیٹی بت سبع نہیں جو حتی اوریاہ کی بیوی ہے؟ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اُسے بلا لیا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی۔ پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی اور وہ عورت حاملہ ہوگئی۔ سو اس نے داؤد کے

پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں۔" آیات ۲ تا ۵۔

اس سے آگے جل کر وہ لکھتے ہیں کہ حضرت داؤد نے یوآب جو فوج کا کمانڈر تھا کو لکھا کہ جب دشمن سے جنگ شروع ہو تو حتی اوریاہ کو ایسی جگہ پر تعینات کیا جائے کہ اس کا قتل ہو جانا یقینی ہو۔ ملاحظہ ہو:

"صبح کو داؤد نے یوآب کے لیے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جان بحق ہو اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا۔"

کتاب ۲۔ سیموئیل، باب ۱۱۔ آیت ۱۴ تا ۱۷

علماء یہود نے اپنی مقدس کتب میں جو الزام حضرت داؤد پر لگایا۔ اس کو بعض لوگوں نے اچھالا کر زبان زد عام ہو گیا حتی کہ بعض مفسرین نے ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اس واقعہ کو من وعن ذکر کر دیا۔

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصے کے متعلق خوب تحقیق کی ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے فرماتے ہیں:

"کہ یہاں ایک افسانہ بیان کیا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے تو اس افسانہ کو ایسا رنگ دیا ہے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر بندے کی طرف ہوتی ہے اور بعض نے اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب لازم آتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں: وَالَّذِي أَدِينُ بِهِ وَأَذْهَبُ إِلَيْهِ أَنَّ ذٰلِكَ بَاطِلٌ"۔ کہ میرا عقیدہ اور میری تحقیق یہ ہے کہ یہ واقعہ سراسر باطل اور لغو ہے۔ پھر اس کے بطلان پر کئی دلیلیں پیش کی ہیں فرماتے ہیں:

اگر ایسی حرکت فاسق ترین آدمی کی طرف بھی منسوب کی جائے تو وہ بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ اور جس بدبخت نے ایسی لغو بات اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرف منسوب کی ہے اگر خود اس پر ایسا الزام لگایا جائے تو وہ اپنی کمینگی اور خباثت طبع کے باوجود اس کی پرزور تردید کرے گا اور بہتان لگانے والے پر لعنت بھیجے گا۔ اپنی طرف ایسے گھناؤنے جرم جیسا کہ ادنیٰ درجہ کا احمق اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔ ایک نبی کا دامن عصمت اس سے کب آلودہ ہو سکتا ہے۔ نیز اگر قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو حضرت داؤد پر دو سنگین جرم ثابت ہوں گے۔ ایک قتل بے گناہ (۲) فعل قبیح۔ قرآن میں یہ آیات اس لیے نازل کی گئیں تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلجوئی ہو اور حضرت داؤد کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو کفار کی دل آزاری سے کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ اگر حضرت داؤد سے یہ حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے ذکر سے اپنے محبوب کی دلجوئی نہ فرماتا جو اپنی خواہش نفس کے سامنے بے بس ہے اور قتل بے گناہ کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے۔ نیز سابقہ آیات میں حضرت داؤد کو جن صفات عالیہ سے موصوف فرمایا گیا ہے۔ عبدنا (ہمارا بندہ)، ذا الاید (عبادت وطاعت میں بڑا طاقتور)، اواب (ہر وقت رجوع کرنے والا)، صاحب فصل الخطاب وغیرہ۔ اگر آپ سے ایسی رذیل حرکت سرزد ہوئی ہوتی تو آپ کو ان اوصاف جمیلہ سے موصوف کرنے کا پھر کوئی مقصد نہ رہتا۔ اور آپ کو عندنا لزلفیٰ اور حسن مآب کی خوشخبری ہرگز

سنا دی جاتی۔ اس لیے آیات کا سیاق و سباق دونوں اس قصہ کی پرزور تردید کرتے ہیں اور اسے سراپا لغو اور بے ہودہ قرار دیتے ہیں۔ دیکھیے

حضرت سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

"من حدثکم بحدیث داؤد علٰی ما یرویہ القصاص جلدتہ مائۃ و ستین۔"

ترجمہ: یعنی جو شخص حضرت داؤد کے متعلق ایسی بات کرے جس طرح قصہ گو کیا کرتے ہیں تو میں اسے ایک سو ساٹھ دُرّے لگاؤں گا۔

بعض حضرات نے ان آیات کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ اس زمانے میں یہ عام رواج تھا اور اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی جاتی تھی کہ اگر کسی کی منکوحہ کی طرف کسی کا میلان ہو جاتا تو وہ اس سے کہتا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو تاکہ میں اس کے ساتھ نکاح کر لوں، چنانچہ بنا بر اقتضائے عادت وہ شخص اپنے دوست کی یہ درخواست قبول کر لیتا اور وہ آدمی عدت گزرنے کے بعد اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیتا۔ لیکن نبی کی شان بڑی اونچی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات پر تنبیہ فرمادی۔

امام ابو بکر جصاص نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابھی اس عورت کی شادی اوریاہ کے ساتھ نہیں ہوئی تھی صرف منگنی طے پائی تھی اور حضرت داؤد نے اس عورت کے گھر والوں سے اس کا رشتہ طلب کیا اور انہوں نے وہ رشتہ دے دیا۔ لیکن یہ ساری باتیں قیاس آرائیوں کے بغیر اور کچھ نہیں۔

ان تمام توجیہات کے بعد علامہ رازی فرماتے ہیں کہ مناسب یہ ہے کہ آیات میں مذکورہ اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ گناہ کبیرہ کی نسبت آپ کی طرف ثابت ہو اور نہ گناہ صغیرہ کی بلکہ آپ کی مدح و ثنا کا پہلو نکلے۔ بنی اسرائیل میں ایک گروہ آپ کا مخالف ہو گیا تھا اور انہوں نے آپ کے قتل کرنے کی تدبیریں سوچنا شروع کر دی تھیں۔ آپ ہر تیسرے دن خلوت نشین ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں مشغول ہو جایا کرتے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور دیوار پھاند کر اندر آ گئے تاکہ تنہائی میں آپ کا کام تمام کر دیں اور پہرے داروں کو بھی اس کا پتہ نہ چلے۔ جب وہ آپ کے حجرہ میں پہنچے تو وہاں بہت سے آدمی موجود تھے جن کی وجہ سے وہ اپنے منصوبہ پر عمل جامہ نہ پہنا سکے اور اپنے آنے کی ایک جھوٹی اور من گھڑت وجہ بیان کر دی کہ ہم تو آپ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے، دروازہ بند پایا۔ پہرہ داروں نے اندر آنے کی اجازت نہ دی اس لیے مجبوراً ہم دیوار کر پھاند کر اندر آ گئے۔ آپ ان کی دشمنی پر آگاہ ہو گئے پہلے تو آپ کو غصہ آیا اور ان سے انتقام لینے کا ارادہ کیا لیکن بعد میں عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں معاف کر دیا اور استغفار اس لیے مانگی کہ ان کے دل میں اپنی ذات کے متعلق انتقام لینے کا خیال ہی پیدا کیوں ہوا۔ علامہ رازی آخر میں فرماتے ہیں: "وکان تفسیرنا اولٰی لھذا ما عندنا فی ھذا الباب۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔" (کبیر) یعنی ہماری یہ توجیہ سب اقوال سے بہتر ہے اور اس ضمن میں ہماری یہی تحقیق ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے اسرار و رموز کو بہتر جانتا ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں اپنی تحقیق کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی پیش خدمت ناظرین ہے۔

"ہماری تحقیق یہ ہے کہ دیوار کو پھاند کر محراب میں آنے والے انسان تھے۔ وہ ایسے راستے سے داخل ہوئے تھے، جو داخل ہونے کا راستہ نہ تھا اور ایسے وقت آئے تھے جو آپ کی عدالت کا وقت نہ تھا۔ آپ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں لیکن جب واضح ہو گیا کہ یہ دونوں تو کسی مقدمہ کا فیصلہ کرانے کے لیے آئے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے تو حضرت داؤد کو پتہ چل گیا کہ یہ سارا واقعہ یعنی ان لوگوں کا بے وقت آدھمکنا اور غیر معروف راہ سے آنا اور آپ کا ان کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ یہ قتل کے ارادہ سے آئے ہیں اور اس وجہ سے آپ کا گھبرا جانا، یہ سب آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے آزمانا چاہا ہے اور ان کے بارے میں ان کا سوء ظن کرنا آپ کی شان نبوت سے فروتر ہے۔ اس لیے آپ مغفرت طلب کرنے لگے۔ آخر میں علامہ مذکور لکھتے ہیں:

ونعلم قطعا ان الانبياء عليهم السلام معصومون من الخطايا لا يمكن وقوعهم في شيء منها ضرورة انا لو جوزنا عليهم شيئا من ذلك بطلت الشرائع ولم يوثق بشيء مما يذكرون انه وحي من الله تعالى فما حكى الله تعالى في كتابه يمر على ما اراده الله وما حكى القصاص مما فيه نقص لمنصب الرسالة طرحنا ونحن كما قال الشاعر:

ونحن بحكم العقل في كل شبهة اذا آثر الاخبار جلّاس قصاص

یعنی ہمارا قطعی یقین ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہ اور خطا سے معصوم ہوتے ہیں۔ ان سے ایسے امور قطعاً سرزد نہیں ہو سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو شرعی احکام پر اعتماد باقی نہ رہتا اور انبیاء کے ارشادات سے اعتبار اٹھ جاتا۔ قصہ گو لوگوں نے منصب نبوت کے منافی جو کہانیاں گھڑ لی ہیں ہم ان کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک تو وہ ہے جو شاعر نے اس شعر میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے:

"جس بارے میں شک و شبہ ہو وہاں ہم عقل کا فیصلہ مانتے ہیں جبکہ قصہ گوؤں کے ہم نشین حکایتوں اور کہانیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔"

شیخ اکبر حضرت ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں خوب لکھا ہے:

واعظوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وعظوں میں غلط قصے اور جھوٹی کہانیاں بیان نہ کیا کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کی بدبو کے باعث فرشتے اس سے تیس میل دور بھاگ جاتے ہیں اور اس آدمی کو بہت برا جانتے ہیں۔ جب واعظ یہ جانتا ہے کہ فرشتے مجلس وعظ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس پر لازم ہے کہ وہ سچ بولنے کی پوری کوشش کرے۔

پھر فرماتے ہیں:

ولا يتعرض لما ذكره المؤرخون عن اليهود من زلات من اثنى الله عليهم واجتباهم ويجعل ذلك تفسيرا لكتاب الله - (فتوحات مکیہ، جلد دوم، صفحہ ۲۵۱ - مطبوعہ مصر)

حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ

اور خوبصورت انجام ہے۔ اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں ۲۲ پس فیصلہ کیا کرو لوگوں

واضح یہ عرض ہے کہ ایسی باتوں سے کلیۃً اجتناب کرے جو مفسرین نے بلا تحقیق یہودیوں سے نقل کی ہیں جن میں ان مقدس ہستیوں کی لغزشوں کا بیان ہوتا ہے جن کی اللہ تعالیٰ نے ثنا و توصیف فرمائی ہے اور انہیں دوسرے لوگوں سے چن لیا ہے اور پھر ان لغویات کے بارے میں کہے کہ وہ قرآن کی تفسیر بیان کر رہا ہے۔

امید ہے ان سطور کے مطالعہ سے حقیقت حال واضح ہو گئی ہوگی اور قارئین کے ذہن سے وہ غبار چھٹ گیا ہوگا، جو داستان سرائی کرنے والے لوگوں کی تحریر پڑھنے اور تقریر سننے کے بعد ہر سلیم الطبع انسان محسوس کرنے لگتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم باسرار کتابہ وحبیبہ الاکرم اعرف بحقائق آیات ربہ۔

۲۲ے حضرت داؤد علیہ السلام کو بتایا جا رہا ہے کہ تم کسی شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو کہ تمہیں یہ حکومت اور تخت ورثہ میں ملا ہو۔ تم ایک غیر معروف چرواہے تھے ہم نے اپنے فضل و کرم سے آپ کے لیے یہ راہ ہموار کی اور اپنی مہربانی سے بنی اسرائیل کا تاجدار بنا دیا اور وسیع و عریض سلطنت مرحمت فرما دی اور مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔ اس احسان کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فیصلہ عدل و انصاف کے مطابق کرو اور اپنی پسند و ناپسند کو اپنے فیصلوں پر کسی طرح اثر انداز نہ ہونے دو۔ اگر تم نے خواہش نفس پر انصاف کو قربان کیا تو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ کی راہ سے بھٹک جاؤ گے۔ اس کی توفیق کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔ اور جو شخص راہ حق سے بھٹک جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں جو نکتہ تحریر فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے:

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا: ما الخليفة من الملك؟ یعنی خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرت طلحہ اور زبیر نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ حضرت سلمان نے عرض کیا: الخليفة الذي يعدل في الرعية ويقسم بينهم بالسوية ويشفق عليهم شفقة الرجل على اهله ويقضي بكتاب الله۔

یعنی خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرتا ہے۔ ان میں مال مساوی طور پر تقسیم کرتا ہے اور وہ اپنی رعایا پر یوں مہربان اور شفیق ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر شفیق ہوتا ہے اور اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔

سلیمان بن ابی العرجاء سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حاضرین سے دریافت کیا ہے ما ادری اخليفة انا ام ملك۔ میں نہیں جانتا میں کیا ہوں۔ خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔

ایک شخص کہنے لگا اے امیر المومنین دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آپ نے فرمایا کیا فرق ہے؟ قال الخليفة لا يأخذ الا حقا ولا يضعه الا في حق وانت بحمد الله كذلك والملك يعسف الناس فيأخذ من هذا ويعطي هذا، فسكت عمر۔

اس نے کہا خلیفہ وہ ہے جو لیتا ہے تو حق و انصاف سے اور خرچ کرتا ہے تو صحیح جگہ پر اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ ایسا

النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ۚ إِنَّ

کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے ۔ بیشک

الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ

جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا

الْحِسَابِ ۚ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ

روز حساب کو ۳۳ اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ ۳۴ یہ تو گمان ہے کافروں کا

ع ۱۲

بھی کیا کرتے ہیں اور بادشاہ وہ ہوتا ہے جو لوگوں پر جور و ستم کرتا ہے۔ اس سے لیتا ہے اس کو دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت طلحہ خاموش ہو گئے۔ (حاشیہ تفسیر مظہری)

سربراہ مملکت کے لیے اسلام نے بادشاہ، سلطان، پریزیڈنٹ وغیرہ کلمات پسند نہیں کیے کیونکہ ان میں خود سری اور انانیت کی بو آتی ہے بلکہ خلیفہ کا لفظ تجویز کیا ہے جس کا معنی خودسر اور مختار کا نہیں بلکہ نائب اور قائم مقام ہے۔ یہ لفظ ہی بتا رہا ہے کہ مملکت اسلامیہ کا سربراہ اپنے رب کا نائب ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور اس کے ارشادات کے مطابق اس کے دیے ہوئے اختیارات کو استعمال کرنا ہے۔ یہ وہ فرق ہے جو دنیا کے دیگر نظامہائے اور اسلام کے نظام سیاست میں بنیادی اہمیت کا مالک ہے۔

۳۳ قرآن کریم نے یہاں خلیفہ کی ذمہ داریوں کو بڑے مؤثر پیرائے میں بیان کر دیا کہ اس کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ فیصلہ کرتے وقت کوئی خارجی چیز سفارش، رشوت، کوئی طمع، کوئی خوف حتیٰ کہ اپنے ذاتی جذبات کو بھی اس پر اثر انداز نہ ہونے دے۔ جو حاکم ایسا نہیں کرتا گویا اس نے روز جزا کو فراموش کر دیا۔ قیامت کے دن پر اس کا ایمان نہ رہا۔ زبان سے وہ ہزار دعوے کرے کہ وہ وقوع قیامت پر ایمان رکھتا ہے لیکن اگر وہ فیصلہ کرتے وقت میزان عدل کو برابر نہیں رکھتا تو اس کو یہ دعویٰ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہیں اور جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے یا اسے فراموش کر دیتے ہیں ان کے لیے عذاب شدید ہے۔

اللھم انا نعوذ بک ان نضل عن سبیلک ونعوذ بک من عذاب القبر وعذاب الحشر وعذاب النار۔

۳۴ کفار اور ملحد لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اس میں خوب عیش و عشرت کر لو۔ خوب مزے اڑاؤ۔ دولت کما سکتے ہو کماؤ۔ حلال و حرام کے چکر میں نہ پڑو۔ یہ تو ملاؤں کی من گھڑت باتیں ہیں۔ جاہ و منصب حاصل کرنے کے لیے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے تو ہونے دو۔ مکر و فریب کی ضرورت پڑے تو ہرگز نہ گھبراؤ۔ قیامت کس نے دیکھی ہے۔ ہزارہا سال سے یہ مولوی لوگ قیامت کی دھمکیاں دیتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی باتوں میں آ کر اپنی زندگی کا لطف برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس مغالطہ کا رد فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری باتیں درست ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کا یہ سارا

الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿٢٧﴾ أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ

گمان ہے ... پس بربادی ہے کفار کے لیے آگ (کے عذاب) سے۔ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ

ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے' ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو

كَالْفُجَّارِ ﴿٢٨﴾ كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو

فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف' بڑی بابرکت' تاکہ وہ غور کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ

الْأَلْبَابِ ﴿٢٩﴾ وَوَهَبْنَا لِدَاوُودَ سُلَيْمَانَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿٣٠﴾ إِذْ

نصیحت پکڑیں عقلمند۔ اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) ۳۳؎ بڑی خوبیوں والا بندہ بہت رجوع کرنے والا۔ جب

عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ ﴿٣١﴾ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ

پیش کیے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے ۳۴؎ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت

کام عبث اور بے مقصد ہے۔ ایک نیکوکار مومن اور ایک مفسد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ متقی اور پرہیزگار اور فاسق و فاجر سب یکساں ہیں۔ ہرگز نہیں! اس کائنات کے خالق ہم ہیں اور ہم نے کوئی چیز بھی عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کی۔ ہم علیم بھی ہیں حکیم بھی۔ ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز متقی اور پرہیزگار ہمارے انعامات سے مالا مال ہوں گے اور فاسق و فاجر ذلیل و رسوا ہوں گے۔ حق کا بول بالا ہوگا اور ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

۳۳؎ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو بے اندازہ انعامات فرمائے گئے تھے، ان کے ذکر کے بعد اب ایک خصوصی لطف و کرم کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کو حضرت سلیمان جیسا باکمال، بلند اقبال فرزند عطا فرمایا جسے بارگاہ رب ذوالجلال سے نعم العبد اور اوّاب کے معزز القاب ارزانی ہوئے۔

۳۴؎ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عظمت و کمال کا ایک پہلو اس آیت میں ذکر کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس آیت کے مشکل الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کا مطلب اور اس بارے میں مفسرین کے اقوال پیش کیے جائیں گے۔

ظہر سے لے کر طلوع صبح تک کے وقت کو "عشی" کہتے ہیں۔ الصّافنات: اس کا واحد الصافن وہ گھوڑا جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھے قدم کے سُم کا کنارہ زمین پر ٹیکتا ہے۔ وھی من الصفات المحمودة من الخیل۔ آگے

کی خوبیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ جیاد ج جواد کی: تیز رفتار، بہترین گھوڑا۔ وھو الذی یسرع فی جریہ ۔ توارت: چھپ جانا، اوجھل ہو جانا۔ حجاب: پردہ۔ سُوق ج ساق کی: پنڈلی۔ اَعناق ج عنق: گردن۔

اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت سلیمان کے سامنے آپ کے شاہی اصطبل کے گھوڑے پیش کیے جانے لگے۔ آپ بیٹھے ہوئے ان کو ملاحظہ فرماتے رہے اور اس طرح محو ہو گئے کہ سورج ڈوب گیا، عصر کی نماز یا اس وقت کا مقررہ وظیفہ فوت ہو گیا۔ جب تاریکی چھا گئی تو آپ کو خبر ہوئی کہ میں گھوڑوں کے دیکھنے میں یوں محو ہوا کہ عبادت سے غفلت ہو گئی۔ گھوڑے جو اس غفلت کا باعث بنے تھے انہیں پھر واپس بلایا اور تلوار سے ان کی گردنیں اور ٹانگیں کاٹ ڈالیں۔ اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہو گا کہ میں نے ترجیح دی ہے مال کی محبت کو اپنے رب کے ذکر پر۔ توارت کی ضمیر کا مرجع سورج ہو گا۔ حجاب سے مراد افق مغرب۔ طفق مسحا کا مفہوم تلوار پھیرنا یعنی تلوار سے کاٹتے چلے جانا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاویل کو سخت ناپسند کیا ہے اور ان لوگوں پر اپنی انتہائی برہمی کا اظہار کیا ہے جنہوں نے آیت کی یہ تاویل کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ آیت کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اپنے والد ماجد حضرت داؤد کے بعد آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ کفار سے جہاد کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔ اس لیے آپ کو گھوڑوں سے بڑی محبت تھی جن پر سوار ہو کر مجاہدین دشمنان دین سے جنگ لڑا کرتے تھے۔ آپ گاہے گاہے جہاد کے لیے تیار کیے جانے والے گھوڑوں کا خود معائنہ فرماتے۔ ایک روز آپ نے شاہی اصطبل کے داروغوں کو گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا۔ یکے بعد دیگرے گھوڑے آپ کے سامنے سے گزرتے رہے۔ آپ ان کو صحت مند، چاق و چوبند دیکھ کر بہت خوش ہوتے اور فرماتے: انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی کہ مجھے ان گھوڑوں سے محض اس لیے محبت اور پیار ہے کہ یہ راہ خدا میں جہاد کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ان کی وجہ سے دین کو شوکت حاصل ہوتی ہے۔ میں ان سے اس لیے ہرگز محبت نہیں کرتا کہ یہ خوبصورت ہیں یا بہت قیمتی ہیں۔ میری ان سے یہ محبت محض رضائے الٰہی کے لیے ہے۔

آپ کے سامنے سے گھوڑوں کے گزرنے کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ سب گھوڑے آپ کے ملاحظہ فرمانے کے بعد اپنے تھانوں پر پہنچ گئے۔ آپ نے پھر حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو میرے سامنے دوبارہ پیش کرو۔ اب جب گھوڑے پیش ہونے شروع ہوئے تو آپ ہر گھوڑے کی گردن پر بھی پیار سے ہاتھ پھیرتے اور اس کی پنڈلیوں کو بھی ٹٹولتے۔ اس سے گھوڑوں کے ساتھ آپ کی محبت کا اظہار ہوتا ہے، نیز یہ کہ گھوڑوں کی بیماریوں کے بھی آپ ماہر تھے۔ ٹانگیں ٹٹولتے، چھونے پر بھی خیال رکھتے کہ کسی گھوڑے میں کوئی نقص تو نہیں۔ نیز خلیفہ وقت ہو کر خود یہ کام کرنا آپ کی عظمت اور فرض شناسی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ آپ جہانبانی امور دوسرے لوگوں کے سپرد ہی نہیں کر دیتے تھے بلکہ خود ہر چیز پر توجہ کرتے تھے۔

امام رازی اپنی اس توجیہ کی صحت ثابت کرنے کے لیے فرماتے ہیں کہ یہاں حضرت سلیمان کا ذکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں آپ کے فضائل و کمالات کا ذکر کیا جائے تاکہ حضور کو اطمینان حاصل ہو۔ لہٰذا اس واقعہ کو یہاں بیان کرنے کا مقصد پورا ہو۔ اگر اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جائے کہ آپ ذرا سی بات پر غفلت کا شکار ہو گئے اور فریضہ عبادت کو ترک کر بیٹھے پھر سینکڑوں اصیل گھوڑوں کو مار ڈالا تو اس سے وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جس کے لیے

الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ۚ حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ رُدُّوهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ

پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لیے پھر انہیں چلانے کا حکم دیا یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔ حکم دیا واپس لاؤ انہیں میرے پاس پھر لگے

مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ

ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر۔ اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے

كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿٣٤﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا

تخت پر ایک بے جان جسم ۳۲؎ پھر وہ (ہماری) طرف متوجہ ہوئے۔ عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے

یہ قصہ بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر کبیر)

جن لوگوں نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے۔ انہوں نے لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ سے استدلال کیا ہے کہ فتنہ میں مبتلا کرنے کا یہی مطلب ہے کہ ان سے کوئی فروگذاشت سرزد ہو گئی جس کی وجہ سے وہ آزمائش میں مبتلا کر دیے گئے۔ شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اس تکلف کی قطعاً ضرورت نہیں کیونکہ واقعہ اتنی تھی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ان گھوڑوں سے کیوں محبت کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یا اس لیے کہ گھوڑے بڑے قیمتی اور خوبصورت ہیں۔ آپ نے فرمایا اِنِّي اَحْبَبْتُ لِلّٰہِ یعنی میں گھوڑوں سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند ہو گا۔ مجاہد ان پر سوار ہو کر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کفار سے جہاد کریں گے حق کو غلبہ ہو گا اور حق کا پرچم اونچا لہرائے گا۔

۳۲؎ یہاں بھی علماء یہود اور تاریخ بنی اسرائیل کی سند سے ایسی چیزیں نقل کر دی گئی ہیں جن کی تردید کرنے کی نیت سے بھی نقل کرنا طبع سلیم کو گوارا نہیں۔ جن لوگوں کو شانِ نبوت اور مقامِ سلیمانی کا ادنیٰ سا بھی علم ہے وہ ان خرافات کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ علامہ ابن حیان کہتے ہیں، ان ھذہ المقالۃ من اوضاع الیھود و زنادقۃ السوفسطائیۃ (یعنی یہ روایت یہودیوں اور زندیقوں کی وضع کردہ ہے۔ علامہ ابن کثیر، امام رازی، علامہ آلوسی اور دیگر محققین شدومد سے اس کی تکذیب اور تردید کی ہے۔

ان آیات کی توجیہ بیان کرتے ہوئے امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کسی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ بیماری اتنی شدید اور اس کا عرصہ اتنا طویل تھا کہ آپ کا قوی جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ گیا۔ وہ عظیم شاہی تخت جس پر آپ جب بیٹھتے تھے تو آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے جن و انس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اب ضعف اور نقاہت کے باعث جسم بہت لاغر ہو گیا تھا تخت پر جب تشریف رکھتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ایک بے روح اور بے جان جسم ہے جو کسی نے اٹھا کر کرسی پر ڈال دیا ہے۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں بڑے عجز و نیاز سے اپنی صحت کے لیے دعا کی جو قبول ہو گئی۔ آپ بالکل صحت یاب ہو گئے اور حسبِ سابق کے فرائض پہلے کی طرح بڑی شان و شوکت سے انجام دینے لگے۔

يَنۢبَغِى لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ ٱلْوَهَّابُ ﴿٣٥﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ ٱلرِّيحَ

ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بیشک تو ہی سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ پس ہم نے ہوا کو آپ کے زیر فرمان

تَجْرِى بِأَمْرِهِۦ رُخَآءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَٱلشَّيَٰطِينَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَ

بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے۔ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیے کوئی معمار اور

غَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾ وَءَاخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِى ٱلْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾ هَٰذَا عَطَآؤُنَا فَٱمْنُنْ

کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیے گئے زنجیروں میں۔ اے سلیمان! یہ ہماری عطا ہے

۳۸؎ پہلے مغفرت کے لیے التجا کی۔ اس کے بعد ملک و حکومت بخشے جانے کا سوال کیا۔ ہر شخص کا سوال اپنے ظرف کے مطابق ہوا کرتا ہے نیز جس سے سوال کر رہا ہے اس کی قدرت و اختیار اور جود و عطا کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں مانگنے والے حضرت سلیمان ہیں اور جس سے مانگ رہے ہیں وہ رب العالمین ہے اور وہ اکرم الاکرمین ہے۔ اس سے بڑا صاحب قدرت و اختیار بھی کوئی نہیں اور اس جیسا سخی اور کریم بھی کوئی نہیں۔ حضرت علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ حضرت سلیمان کا مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑا ہے۔ حضور نے اپنی مرضی سے نبی ملک (بادشاہ نبی) بننے کے بجائے نبی عبد بننا پسند فرمایا۔ وکان النبي علیه الصلوٰة والسلام نافذ الحکم علی الجن والانس۔

ے تنادی بہ خوتہ الاشجار ساجدۃ تمشی الیہ علی ساق بلا قدم

یعنی حضور کریم کا حکم ہر جن و انس پر نافذ ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ کہتے ہیں کہ حضور جب درختوں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے قدموں کے بغیر اپنے تنے کے سہارے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں اور یہی حال خلفاء راشدین کا تھا جنہوں نے خلافت اور نبوت دونوں کو جمع کیا اور تمام فضائل کے جامع بنے (مظہری)۔ صاحب روح البیان نے یہاں بڑی پیاری رباعی لکھی۔

در بزم احتشام تو سیارہ بہفت جام در مطبخ نوال تو افلاک نہ طبق

ہر خلعت کمال بنام تو رشتہ اند کس تا ابد ز لوح نمی خواندہ ایں سبق (روح البیان)

۳۹؎ تو جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ تیرے دست سخا کو کوئی روکنے والا نہیں۔ جو ذات پاک بخشش اور سخاوت میں وہاب کی صفت سے موصوف ہو وہ اپنے محبوب بندوں کے دامن طلب کو جن لازوال نعمتوں سے بھرتا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

۴۰؎ گردو ہوائی کو آپ کے زیر فرمان کر دیا۔ ہواؤں کی رفتار آپ کے اختیار میں دے دی۔ شیطانوں کو آپ کا ماتحت کر دیا۔ ان میں سے کئی فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور کئی سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر طرح طرح کے قیمتی موتی نکال لانے کے فن میں ماہر تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو آپ کے حکم کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ آپ کے اذن کے بغیر نہ وہ کہیں جا سکتے اور نہ کچھ کر سکتے۔

أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝

(کسی کو بخش دیں) احسان کرو یا اپنے پاس روکے رکھو تم سے کوئی باز پرس نہ ہوگی اور بے شک انہیں ہمارے ہاں قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام ۴۰

۴۱ یہ نعمتیں عطا فرمانے کے بعد ہر چیز کو اپنی مرضی سے خرچ کرنے نہ کرنے کا اختیار بھی دے دیا۔ بغیر حساب کہہ کر اس خدشہ کو بھی دور کر دیا کہ تم جس طرح چاہو استعمال کرو تم سے اس کے بارے میں باز پرس تک نہ کی جائے گی۔ فَاعْطِ مَن شِئْتَ اَوْ اَمْسِكْ عَمَّنْ شِئْتَ بِغَيْرِ حِسَابٍ اي غير محاسب على منه وامساكه لتفويض التصرف فيه اليه۔ یعنی جس کو چاہیں آپ دیں اور جس کو چاہیں آپ نہ دیں۔ آپ سے اس معاملہ میں کوئی باز پرس نہ ہوگی کیونکہ ان میں تصرف کرنے کا اختیار آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ (مظہری)

علامہ آلوسی فرماتے ہیں: انه مفوض اليه تفويضا كلياً۔ کہ یہ نعمتیں کلی طور پر ان کے حوالے کر دی گئی ہیں۔ (روح معانی)

صاحب روح البیان لکھتے ہیں۔ هذا عطاؤنا يشير الى ان الانبياء بتائيد الفيض الالهي ولاية افاضة الفيض على من هو اهله عند استفاضته ولهم امساك الفيض عنه عدم الاستفاضة من غير اهله (روح البیان)

ترجمہ: قرآن کریم کے یہ الفاظ ھٰذَا عَطَاؤُنَا اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو فیض خداوندی کی تائید سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جس طالب فیض پر جتنا چاہیں لطف و کرم فرما سکتے ہیں اور اپنے فیضانِ کرم سے اسے مالا مال کر سکتے ہیں اور جو نااہل ہو اس کو فیضان سے محروم کر سکتے ہیں۔

علامہ عثمانی یہاں رقمطراز ہیں:

"یعنی کسی کو بخش دو یا نہ دو، تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ دیا اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا حساب معاف کر کے لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے ٹوکرے بنا کر۔" حاشیہ عثمانی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ کرم ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو جو سرمدی نعمتیں اور طرح طرح کے بیشمار خزانے عطا فرمائے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے کیا حضور مختار نہیں ہوں گے۔ یہ کتنی بڑی جسارت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ رفیع گھٹانے کے لیے اور خداداد اختیارات کا انکار کرنے کے جوش میں واضح آیات سے بھی اغماض کر لیا جاتا ہے اور آنکھیں بند کر لی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کور باطنی سے بچائے۔

۴۲ صرف یہ ملک و سلطنت اور ان میں ہر طرح کے تصرف کے اختیارات دینے پر ہی بس نہیں۔ بلکہ یہ مژدہ بھی سنایا کہ انہیں ہماری بارگاہ عزت میں بڑا قرب حاصل ہے اور انہیں حسن مآب کی خوشخبری بھی دے دی یعنی ان کا انجام بھی بہت اچھا ہوگا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کو حسن انجام کی بشارت سے نوازا گیا تو جو لوگ یہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ حضور مخبر کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کو اپنے انجام کے بارے میں خبر نہ تھی۔ ان کے متعلق آپ خود ہی فیصلہ کر لیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ

اور یاد فرمایئے ہمارے بندے ایوب کو ۲۸؎ جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف

وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَ

اور دکھ ۲۹؎ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ یہ نہانے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لیے ۳۰؎ اور

وَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل (وعیال) اور ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لیے ۳۱؎

۲۸؎ حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو سلطنت عطا فرمانے، ظاہری اور باطنی نعمتیں اور وسیع اختیارات دے کر آزمایا گیا تھا اب اپنے اس بندے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جسے تکلیف و مصائب نے گھیر لیا۔ ان کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا۔ بچے بچیاں عالم شباب میں لقمۂ اجل بن گئے۔ کھیت اور باغات برباد ہو گئے۔ اپنوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ غرضیکہ ہر قسم کے رنج و آلام کی انتہا ہو گئی۔ لیکن اس کے باوجود اپنے رب سے گلہ ہے اور نہ کسی سے کوئی شکایت۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے اور غم و اندوہ کے سمندر میں اپنی زندگی کا سفینہ لیے جا رہے ہیں۔ آپ کی اسی ادا نے رحمتِ خداوندی کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ کس محبت بھرے انداز سے ان کے ذکر کا آغاز ہو رہا ہے۔ اذکر عبدنا ایوب، اے میرے محبوب! ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو۔ اہلِ محبت حسنِ ازل کی ایسی ہی ایک نگاہِ لطف کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دیتے ہیں اور لٹا کر پھر پھولے نہیں سماتے۔

۲۹؎ اگرچہ تکلیف اور صحت، مرض اور صحت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ اچھی چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جائے اور تکلیف دہ امور کی نسبت اپنی طرف یا شیطان کی طرف کی جائے۔ حضرت خلیل نے بھی تو اسی طرح عرض کی تھی۔ واذا مرضت فھو یشفین کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے۔ نُصب، مشقت اور تکلیف۔ اس سے مراد جسمانی بیماریاں۔ عذاب سے مراد دل میں شیطان کی وسوسہ اندازی۔

۳۰؎ زور سے زمین پر پاؤں مارنے کو رکض کہتے ہیں۔ حکم خداوندی کے مطابق آپ نے زمین پر پاؤں مارا۔ قدرتِ الٰہی سے چشمہ جاری ہو گیا۔ یہاں عبارت میں حذف ہے۔ فرکض فنبعت عین ماء، اس پانی سے غسل کیا تو جسم کی ساری بیماریاں دُور ہو گئیں پھر اسے پیا تو اندر کے سارے روگ ختم ہو گئے۔

۳۱؎ اجڑے ہوئے چمن میں پھر بہار آ گئی۔ وہ گھر جہاں اداسی اور افسردگی چھائی ہوئی تھی وہاں پھر چہل پہل ہونے لگی۔ بچے بچیاں، عزیز رشتہ دار نیاز مند سب کا ایک میلہ سا لگ گیا۔ باغوں میں پھل اور کھیتوں میں فصلیں لہلہانے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ رونق پہلے سے بھی دو چند ہے۔ یہ سب ہماری خصوصی رحمت کی جلوہ نمائی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ سمجھدار لوگ اس سے عبرت پکڑیں

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ

اور (حکم ملا) پکڑلو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو ۶۲ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

بڑا اچھا بندہ بیشک وہ ہر وقت ہماری طرف متوجہ رہتے ۶۳ اور یاد فرمائیے ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کو

اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾

بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے ۶۴ ہم نے مخلص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دار آخرت کی یاد تھی ۶۵

اور اگر وقتی طور پر کوئی تکلیف آبھی جائے تو ہماری رحمت سے مایوس نہ ہوں جس طرح ہم نے ایوب علیہ السلام پر کرم فرمایا اور ان کی زندگی کے اُفق کو طویل تاریکی کے بعد پھر خوشیوں، مسرتوں اور راحتوں کی روشنی سے منور کر دیا اسی طرح ہم تمہارے ساتھ بھی مہربانی کا سلوک کریں گے۔ (حضرت ایوب علیہ السلام کی حیات طیبہ کے متعلق ضیاء القرآن جلد سوم۔ سورۃ الانبیاء: آیات ۸۳-۸۴ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔)

۶۲ ابتلاء و آزمائش کے اس طویل اور ہوشربا دور میں جب کہ سب لوگوں نے آپ سے منہ پھیر لیا آپ کی وفا شعار بیوی آپ کی خدمت میں سرگرم رہی۔ ان کی زبان سے کوئی ایسی بات نکل گئی جو آپ کی غیرت ایمانی کو سخت ناگوار گزری۔ آپ نے قسم کھائی کہ میں تجھے سو کوڑے لگاؤں گا جب آپ صحت یاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ایسی ترکیب بتائی کہ قسم بھی نہ ٹوٹے اور اس خدمت گزار اور نیک سرشت بیوی کو اذیت بھی نہ پہنچے۔ فرمایا گھاس کا ایک گٹھا لو جس میں سو تیلیاں ہوں اس سے مارو دونوں مطلب پورے ہو جائیں گے

اس آیت سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ شرعی احکام سے بچنے کے لیے حیلوں سے کام لینا جائز ہے حالانکہ یہ ہرگز درست نہیں۔ اس طرح احکام شرعیہ بچوں کا کھیل بن جائیں گے اور اغیار کو مذاق کرنے کا موقع مل جائے گا نیز جن مقاصد کے لیے یہ احکام جاری کیے گئے ان کا حصول ناممکن ہو جائے گا۔ علامہ آلوسی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے بڑی محتاط اور جامع بات فرمائی ہے: عندی ان کل حیلة اوجبت ابطال حکمة شرعیة لا تقبل کحیلة سقوط الزکوٰة وحیلة سقوط الاستبراء (روح المعانی)، یعنی ہر وہ حیلہ جس سے حکم شرعیہ کی اس حکمت کا ابطال ہوتا ہو جس کے لیے یہ حکم شرعی نافذ کیا گیا۔ ایسا حیلہ قطعاً باطل ہے جیسے زکوٰۃ ساقط کرنے کے لیے لوگ حیلہ سازیاں کرتے ہیں اور استبراء سے بچنے کے لیے۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ ایسا کر کے وہ اپنے رب سے دھوکہ کر رہے ہیں۔ ۶۳ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے حضرت ایوب کو کیا اعلیٰ اعزازات مرحمت ہو رہے ہیں ان ہی اعزازات کے حصول کے لیے رشک کرنے والوں کو رشک کرنا چاہیے۔

۶۴ اب حضرت ابراہیم اور ان کی آل پاک کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔ یہ حضرات بڑی قوتوں والے تھے۔ ان کو جسمانی قوتوں کا تو ساتھ

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ

اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چُنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں اور یاد فرمایئے اسمٰعیل، یسع

وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾ هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ

اور ذی الکفل کو ۵۱؎ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں۔ یہ نصیحت ہے ۵۲؎ اور بیشک پرہیزگاروں کے لیے بہت عمدہ

مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ

ٹھکانا ہے۔ سدا بہار باغات کھلے ہوں گے ان کے لیے سب دروازے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں۔

فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾

طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات ۵۳؎ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر بیویاں ہوں گی

یقین کی قوت، اعمالِ صالحہ بجالانے کی قوت اور روحانی قوت عطا فرمائی گئی تھی۔ اس کے علاوہ انہیں دین کی بصیرت اور معرفت الٰہی بھی عنایت کی گئی تھی۔

ای اولی القوۃ فی الطاعۃ والبصیرۃ فی الدین والمعرفۃ باللہ۔

۵۰؎ ہم نے خصوصی نعمت کے ساتھ انہیں مخصوص کیا تھا یعنی انہیں آخرت کی یاد بخشی تھی وہ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی فکر میں رہتے تھے۔ انا اخلصناھم بان یذکروا الدار الاخرۃ ویتاھبوا لہا (قرطبی)

۵۱؎ اس آیت میں چند اور برگزیدہ شخصیتوں کا ذکر ہے۔

۵۲؎ یعنی ان کے اوصافِ حمیدہ کا یہ بیان جو قرآن میں کیا جا رہا ہے یہ ذکر خیر ہے۔ ان کی پاکیزہ حیات کی یاد کو تازہ رکھنے کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ جن اُخروی انعامات سے انہیں نوازا جائے گا ان کا بیان اگلی آیتوں میں قدرے تفصیل سے ہے۔

۵۳؎ ای بالوان الفواکہ (قرطبی) یعنی ایک ہی قسم کے پھل بکثرت نہیں ہوں گے بلکہ مختلف اقسام کے رنگا رنگ میوے ہوں گے۔ ان نفوسِ قدسیہ کو جنت میں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا جائے گا اس کی کیا پیاری اور دلنشین تصویر پیش کی گئی ہے۔ قاصرات الطرف: مراد یہ ہے کہ وہ حوریں اپنے خاوندوں کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔ اتراب: ہم عمر یا آپس میں محبت و پیار کرنے والیاں۔ ای علی سن واحد فلہ تساوین فی الحسن والشباب۔ یعنی ہم عمر حسن و شباب میں یکساں۔ وعن مجاھد متواخیات لایتباغضن کما تتباغض الضرات فی الدنیا یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے پیار کریں گی اور ان میں سوکنوں کی سی رقابت نہیں ہوگی۔

هٰذَا مَا تُوعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ إِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهُ مِن نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا روزِ حساب تمہیں ملے گا بیشک یہ ہمارا دیا ہوا رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطَّاغِينَ لَشَرَّ مَآبٍ ﴿٥٥﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٥٦﴾

یہ تو ہے پرہیزگاروں کے لیے، اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے بُرا ٹھکانا ہوگا (یعنی) جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں تو کتنی تکلیف دہ بچھونا ہے۔

هٰذَا فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿٥٧﴾ وَآخَرُ مِن شَكْلِهِ أَزْوَاجٌ ﴿٥٨﴾ هٰذَا

یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہیے کہ وہ اسے چکھیں ٥٤ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب ٥٥ یہ (دوسری)

فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۖ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُو النَّارِ ﴿٥٩﴾ قَالُوا بَلْ أَنتُمْ

دوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ ٥٦ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں ٥٧ یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے (نہیں) بلکہ تمہیں

لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾ قَالُوا رَبَّنَا مَن

کوئی خوش آمدید نہ ہو ٥٨ تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کو ہمارے لیے، سو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ کہیں گے اے ہمارے رب جس

٥٤ اپنے محبوب بندوں کے ذکرِ خیر اور ان پر اپنے احسانات و انعامات کے بیان کے بعد اب ان بدنصیبوں کے عبرتناک انجام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن کی ساری عمریں سرکشی اور نافرمانی میں گزر گئیں۔

مشکل الفاظ: حمیم سخت کھولتا ہوا پانی۔ ھو الماء الحار الذی انتھی حرہ۔ غساق: پیپ أی یسیل من القیح والصدید من جلود اھل النار۔

٥٥ پینے کے لیے تو کھولتا ہوا پانی اور بدبودار پیپ ملے گی۔ اسی پر بس نہیں اسی قسم کے اذیت ناک عذاب اور بھی ہیں جن میں وہ مبتلا کیے جائیں گے۔

٥٦ پہلے بدکاروں کے سرداروں کو دوزخ میں پھینکا جائے گا ان کے پیچھے ان کے چیلے قطار در قطار، فوج در فوج جہنم میں جھونکے جائیں گے اور جب ایک فوج جہنم میں گرائی جا رہی ہوگی تو دوزخ کے داروغے ان سرداروں کو کہیں گے یہ لو تمہارے چیلوں کا ایک اور ٹولہ آگیا۔

٥٧ یہ سنکر وہ سردار کہیں گے ہم ان کو خوش آمدید کہنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ان کے لیے یہ جگہ کبھی فراخ اور آرام دہ نہ ہو۔

٥٨ آنے والے وہی بددعا اپنے ان سرداروں کے لیے لوٹا دیں گے۔ غرضیکہ اسی طرح ایک دوسرے کو جلی کٹی سناتے رہیں گے۔

قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰى

(اپنی قسمت) سے آگے کیا ہے ہمارے لیے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دوگنا آگ میں۔ اور کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر

رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٦٢﴾ أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ

نہیں آرہے (یہاں) وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے بُرے لوگوں میں ۵۹ کیا ہم ان کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف

الْأَبْصَارُ ﴿٦٣﴾ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ﴿٦٤﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَ

ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے ۶۰ دوزخی آپس میں جھگڑیں گے۔ (اے حبیب) آپ فرمائیے میں تو (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والا ہوں

مَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٦٥﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا

اور نہیں ہے کوئی خدا بجز اللہ کے جو یکتا ہے سب پر غالب ہے ۶۱ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ

بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٦٦﴾ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيمٌ ﴿٦٧﴾ أَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُونَ ﴿٦٨﴾

ان کے درمیان ہے بڑی عزت والا بہت بخشنے والا۔ فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے ۶۲ تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔

۵۹ آپس میں خوب الجھنے کے بعد وہ ادھر ادھر دیکھیں گے اور غلامانِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو ان کی آنکھیں ڈھونڈیں گی جب وہ نظر نہ آئیں گے تو ایک دوسرے سے دریافت کریں گے کہ وہ لوگ جن کو ہم برا بھلا کہا کرتے تھے وہ کہاں ہیں وہ تو یہاں کہیں دکھائی نہیں دے رہے۔ وہ یہاں ہیں ہی نہیں یا ہماری نگاہیں پھسل گئی ہیں اور ہم کو وہ نظر نہیں آرہے۔

۶۰ یعنی دوزخیوں کا آپس میں اس طرح جھگڑنا بالکل درست ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

۶۱ اہل ایمان پر جو لطف و کرم کیا جانے والا ہے کفار و مشرکین کو جس دردناک عذاب میں مبتلا ہونا ہے ان کا ذکر کرنے کے بعد اپنے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی قوم کو بتا دیجیے کہ تم جس راہ پر گامزن ہو وہ تو سیدھی جہنم کی طرف جاتی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ میں تمہیں بروقت متنبہ کر دوں تاکہ تم اپنی اصلاح کر لو اور شرک کو ترک کر کے توحید خداوندی پر ایمان لاؤ تاکہ تمہیں بھی نعیم جنت سے بہرہ ور کیا جائے۔

۶۲ میری تعلیم کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ اپنی ذات میں اور اپنی جملہ صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے مگر کوئی اس سے زیادہ طاقتور نہیں کوئی اس سے بڑا گنہگار جس کا دامن گناہوں سے آلودہ ہو جب سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اتنا مہربان ہے کہ اس

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٦٩﴾ إِنْ يُوحَىٰ إِلَيَّ

مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں | جب وہ جھگڑ رہے تھے [۵] | نہیں وحی کی جاتی میری طرف

مجرم کو بھی بخش دیتا ہے۔

[۳] "ھو" کا مرجع قرآن کریم ہے۔ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑی اہم ہو بعض نے "ھو" کا مرجع قیامت بتایا ہے۔

[۴] ملأ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں: الملأ جماعة الاشراف لانهم يملأون العيون رواء منه والنفوس جلالة وبهاءً (روح المعانی) یعنی سرداران قوم اور رؤسا کی جماعت جو اپنی خوبصورتی اور شگفتگی کے باعث آنکھوں کو بھر دیتی ہے اور اپنے جاہ و جلال کے باعث دلوں کو لبریز کر دیتی ہے۔ یہاں ملأ اعلیٰ سے مراد فرشتوں کی جماعت ہے جو اپنے خوف و قہر کے علاوہ عالم بالا کی مکین ہے ان کے ذریعے سے احکام کونیہ کی تنفیذ ہوتی ہے اور تدابیر خداوندی کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔ اسی لیے ان میں اپنے متعلقہ فرائض کو انجام دینے کے لیے قیل و قال اور بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ امور جو وہاں زیر بحث آتے ہیں ان میں تخلیق آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ان امور کی اطلاع مجھے صرف بذریعہ وحی ہوتی ہے جن کو جاننے کا دوسرا کوئی ذریعہ نہیں۔ مذکورہ بحث و تمحیص کے متعلق ایک صحیح حدیث ہے جو ناظرین کے مطالعہ کے لیے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز کا وقت تھا اور حضور حسب معمول کے مطابق تشریف نہ لائے۔ قریب تھا کہ صبح طلوع ہو جائے پھر حضور تیزی سے تشریف لائے تکبیر ہوئی۔ حضور نے نماز پڑھائی سلام کے بعد ارشاد فرمایا: على مصافكم اپنی صفوں پر بیٹھے رہو پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تمہیں دیر سے آنے کی وجہ بتاتا ہوں۔ انی قمت الليلة فقمت وصليت ما قدر لی فنعست فی صلاتی حتی استثقلت فاذا انا بربی تبارك وتعالیٰ فی احسن صورة فقال يا محمد، قلت لبيك ربی۔ قال فيم يختصم الملأ الاعلیٰ قلت لا ادری فوضع كفه بين كتفی فوجدت بردانامله بين ثديی فتجلی لی كل شیء وعرفته فقال يا محمد، قلت لبيك قال فيم يختصم الملأ الاعلیٰ قلت فی الدرجات والكفارات الی آخره۔ فقال ما الدرجات فقلت اطعام الطعام وافشاء السلام والصلوة بالليل والناس نيام قال صدقت فما الكفارات قلت اسباغ الوضوء فی المكاره۔ وانتظار الصلوة بعد الصلوة ونقل الاقدام الی الجماعة قال صدقت قال سل يا محمد۔ فقلت اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَتَرْحَمَنِيْ وَاِذَا اَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِيْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوْهُنَّ وَادْرُسُوْهُنَّ فَاِنَّهُنَّ حَقٌّ۔

ترجمہ: میں آج رات ذکر الٰہی میں کھڑا ہوا اور جتنا مقدر تھا اتنی نماز پڑھی، پھر مجھے نماز میں ہی نیند آگئی یہاں تک کہ مجھے گرانی محسوس ہونے لگی۔ پھر میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرا رب کریم بڑی پیاری صورت میں تشریف فرما ہے اور فرمایا یا محمد

إِلَّآ أَنَّمَآ أَنَا۠ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ إِنِّى خَـٰلِقٌۢ بَشَرًا

مگر یہ کہ میں تو فقط کھلا ڈرانے والا ہوں (اے حبیب!) یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں

میں نے عرض کی، لبیک ربی اے میرے رب حاضر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا یہ آسمان کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی میں نہیں جانتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی یہاں تک کہ میں نے اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں پائی۔ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ اس کی برکت سے میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے اس کو پہچان لیا۔ دوسری روایت میں ہے: فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا میں نے اسے جان لیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر فرمایا یا محمد! میں نے عرض کی حاضر ہوں۔ پوچھا آسمان کے فرشتے کس بات پر جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی درجات اور کفارات میں۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: اطعام الطعام وافشاء السلام والصلوٰۃ باللیل والناس نیام کھانا کھلانا، سلام پھیلانا اور رات کے وقت جب لوگ سو رہے ہوں اس وقت اٹھ کر نماز پڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے۔ اب بتاؤ کفارات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی: اسباغ الوضوء فی المکارہ وانتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ ونقل الاقدام الی الجماعۃ۔ تکلیف کی حالت میں بھی مکمل وضو کرنا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور جماعت میں شریک ہونے کے لیے چل کر جانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب تو نے سچ کہا۔ اب مانگو جو مانگنا چاہتے ہو۔ میں نے عرض کی، الٰہی میں تجھ سے نیک کام کرنے کی، بُرے کاموں کو چھوڑنے کی اور مسکینوں سے محبت کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔ اور میں التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور جب اپنے بندوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنا چاہے تو مجھے فتنہ سے بچا کر اپنی طرف بلا لے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اپنی محبت عطا فرما اور جو تجھ سے محبت کرتا ہے اس کی محبت عطا فرما۔ اس کام کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔ حضور نے صحابہ کو فرمایا دعا کے یہ فقرے تم بھی سیکھ لو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ حق ہے۔

اس حدیث کے متعلق امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے متعلق امام بخاری سے پوچھا۔ آپ نے بھی فرمایا: ھذا حدیث صحیح۔ اس حدیث شریف کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتنا علم عطا فرمایا اور جب قدرت کا ہاتھ حضور کی پشت پر رکھا گیا تو سینے میں علم کے سمندر موجزن ہو گئے اور زمین و آسمان کی ہر چیز منکشف ہو گئی اور فرشتے جن معاملات میں بحث و تمحیص کر رہے تھے ان کا بھی علم ہو گیا اور جب وہی سوال اللہ تعالیٰ نے دہرایا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے مفصل جوابات عرض کیے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صدقت۔ اے میرے محبوب تو نے صحیح جواب دیا ــــــ نیز اس حدیث میں ایک دعا ہے جو اس مخصوص وقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مولا کریم سے مانگی اور اپنے صحابہ کو بھی اس دعا کو یاد کرنے اور دوسروں کو سکھانے کی تلقین فرمائی۔ اس لیے یہاں اس دعا کو نمایاں طور پر لکھ دیا گیا ہے تاکہ ضیاء القرآن کا مطالعہ کرنے والا ان کلمات طیبات کو یاد کرے اور جب اس کریم اور غنی کی خدمت میں دامن طلب پھیلائے تو

مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ

بشر کو کیچڑ سے ف پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی طرف کی خاص روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے

سٰجِدِيْنَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿٧٣﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ

سجدہ کرتے ہوئے ف پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے۔ اس نے گھمنڈ کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ

اور ہو گیا کافروں میں سے۔ ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا

بِيَدَيَّ ۭ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ﴿٧٥﴾ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۭ خَلَقْتَنِيْ

اپنے دونوں ہاتھوں سے ف کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے ف وہ (گستاخی) بولا میں بہتر ہوں اس سے

ان کلماتِ طیبات سے بھیک مانگے یقین ہے اللہ کریم اپنے فضل فراواں سے اس کے دامنِ طلب کو بھر دے گا۔

ف حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر حواشی متعدد مقامات پر گزر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

ف سویتہ ای اتممت خلقہ: یعنی جب میں اس کی تخلیق مکمل کر لوں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں۔ روحی: اضافت جزئیت اور بعضیت کی نہیں بلکہ تشریف کی ہے یعنی وہ روح جس کو میں نے اپنی خاص قدرت سے بنایا ہے اور جس میں گونا گوں صلاحیتیں اور قوتیں مضمر کر دی ہیں۔ جب ان کی صحیح آبیاری اور تربیت کی جاتی ہے تو فرشتے بھی اس کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

ف اس کا لفظی معنی تو یہ ہے کہ جس کو میں نے اپنے دو ہاتھوں سے پیدا فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ ہیں؟ اسلاف کا مسلک یہ ہے کہ وہ ان کلمات کی تاویل نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ ان اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جس طرح آیت میں مذکور ہے لیکن وہ کیسے ہیں۔ ان کی حقیقت کیا ہے ہمیں اس کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود ہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے۔ اور متاخرین علماء کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے انسانوں کو میں نے ماں باپ کے واسطے سے پیدا کیا۔ لیکن آدم کو بلا واسطہ محض اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔ کہ یہاں یَدٌ کا معنی قدرت ہے اور یہ استعمال لغت عرب میں عام ہے۔ اور دو ہاتھ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان دو مختلف الحقیقت چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم جو مادی ہے اور روح جو مجردات میں سے ہے۔ گویا ایک ہاتھ سے اس کے ظاہری جسم کو اور دوسرے ہاتھ سے اس کے باطن یعنی روح کو تخلیق فرمایا۔

ف شاید ابلیس کے سجدہ نہ کرنے کی دو وجہیں ہو سکتی تھیں۔ اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تو نے کس وجہ سے سجدہ نہیں کیا۔ کیا تو نے بلا وجہ گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے میرے حکم کو نہیں مانا یا تو نے یہ تصور کر لیا ہے کہ تو بہت عالی مرتبت ہے تجھے آدم کو سجدہ

مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۷۷﴾

تُو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (نکل جا) جنت سے بیشک تو دھتکارا گیا۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ

اور بیشک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا (اگر یہی اٹل فیصلہ ہے) تو میرے رب! مجھے مہلت دے

يُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾

روزِ حشر تک۔ جواب ملا بیشک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے۔ (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۸۳﴾

کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔

قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمایا کہ یہی حق ہے اور میں سچ ہی کہتا ہوں کہ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں

اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

سے۔ آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

سجدہ کرنا چاہیے۔ یہ حکم فقط ان فرشتوں کو ہے جو کم درجے کے ہیں۔ اگر محض گھمنڈ کے باعث تُو نے ایسا کیا ہے تو تُو نے بہت بُرا کیا اور اگر تو اس دوسری غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے تو یہ بھی تیری کم فہمی اور نالائقی ہے۔ توبیخ علی الشق الاول وانکار علی الشق الثانی (مظہری)

ف٢ شیطان اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کی قسم اٹھا کر دعویٰ کر رہا ہے کہ جس آدم کی وجہ سے تُو نے مجھے دھتکار دیا ہے میں اس کی ساری اولاد کو تباہی و بربادی کا سبب بنا دوں گا۔ سب تجھ کو چھوڑ کر میرے پیچھے چلنے لگیں گے صرف تیرے وہ بندے جن کو تُو نے چن لیا ان پر میرا جادو نہیں چلے گا۔

ف٣ پہلا الحق مرفوع اور دوسرا منصوب۔ پہلا حق یا تو خبر ہے اور اس کی مبتدا محذوف ہے یعنی انا الحق۔ یا یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے یعنی الحق انا۔ اور دوسرا الحق اقول کا مفعول ہے اور منصوب ہے۔

ف٤ میں جو تمہیں رات دن راہِ حق کی طرف بلاتا رہتا ہوں۔ تم پتھر مارتے ہو میں مسکرا دیتا ہوں تم گالیاں بکتے ہو میں دعائیں دیتا ہوں تم میری راہوں میں کانٹے بچھاتے ہو اور میں تمہارے لیے فردوس کی راہ ہموار کرنے میں مصروف رہتا ہوں اور یہ محنت شدید

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾ ع ۵ ۱۴

نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لیے ۔ اور (اے کفار!) تم ضرور جان لوگے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد ۔

سے تمہارے دامن کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کرنا چاہتا ہوں تم شاید یہ خیال کرتے ہو کہ اس میں میری کوئی ذاتی غرض ہے اس طرح میں دولت جمع کرنا چاہتا ہوں یا اقتدار کی کرسی سنبھالنا چاہتا ہوں ہرگز ہرگز نہیں میں نے تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا سوال نہ آج تک کبھی کیا ہے اور نہ آئندہ کبھی کروں گا۔

۸۶ نیز میں اس معاملہ میں قطعاً کسی تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لے رہا یعنی میرے دل میں تو کچھ اور ہے اور محض دکھاوے کے لیے میں تم سے اقدار عالیہ اور اخلاقِ حسنہ کی باتیں کرتا ہوں ۔ ایسا ہرگز نہیں مجھے تکلف اور تصنع سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ میں تمہارے سامنے حقیقت کا اظہار کرتا ہوں اور سچی بات کہتا ہوں ۔ میرے مواعظ، میری نصیحتیں میرا عمل ہیں نقطہ قال نہیں ۔

متکلفین الذین یتصنعون ویتحلون بما لیسوا من اہلہ ۔

۸۷ یہ کتاب مقدس جو میں تمہیں صبح و شام پڑھ پڑھ کر سنایا کرتا ہوں یہ تو سارے جہانوں کے لیے صحیفہ رشد و ہدایت ہے۔

۸۸ اگر اب تم اس کی بیان کردہ حقیقتوں کو تسلیم نہیں کرتے تو بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب تم طوعاً و کرہاً اس کی صداقت کا اعتراف کرو گے۔

الحمد للہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعہ الیٰ یوم الدین ۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

محمد کرم شاہ

ظہر ثلاثاء ۱۹ رجب ۹۲ھ
۳۰ اگست ۷۲ء
بھیرہ سرگودھا

۱۹ رمضان المبارک ۹۱ھ
۹ نومبر ۷۱ء

تعارف

سُورۃ زُمر

نام: اس سورت کی آیات نمبر ۷۱ اور نمبر ۷۳ میں زُمر کا لفظ مذکور ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ اس سورت میں آٹھ رکوع ۷۵ آیات، ایک ہزار ایک سو بہتر کلمات اور چار ہزار نو سو آٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفار و مشرکین کا بغض و عناد اور ظلم و ستم انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ مکہ کی فضا میں ان کے لیے اطمینان کا سانس لینا ممکن نہ رہا تھا اور وہ یہاں رہ کر اپنے دین کے ارشادات کے مطابق اپنے پروردگار کی عبادت نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ بتا دیا کہ اگر یہاں رہ کر تم اپنے بندگی کے فرائض انجام نہیں دے سکتے تو اللہ تعالیٰ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ کسی ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تمہارا ایمان بھی محفوظ ہو اور تمہیں عبادت کرنے کی بھی آزادی ہو۔ چنانچہ مفسرین کرام نے آیت نمبر ۱۰ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ضمن میں لکھا ہے کہ یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب حضرت جعفر بن ابی طالب اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوئے۔ سورت کے مضامین اور اس قسم کی روایات سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سورت اس زمانہ میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن مل گیا تھا۔

مضامین: ابتدا میں مشرکین مکہ کے شرک کی حقیقت بیان کر دی کہ وہ اپنے بتوں کو خدا سمجھتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ ان بتوں کی عبادت ان کے لیے قرب الٰہی کا باعث ہے۔ ان کے اس زعم باطل کا قلع قمع کرنے کے لیے سورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے تو صرف اسی کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ اگر کسی غیر کی عبادت کرو گے تو وہ عبادت مردود اور نامنظور ہوگی۔ عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ باقی ہر چیز مخلوق ہے، حادث ہے، اپنے وجود اور اپنی بقا میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کی محتاج ہے۔ وہ اس قابل کہاں کہ اس کی عبادت کی جائے اور اسے معبود مانا جائے۔

عقیدہ توحید کو ثابت کرنے کے لیے تکوینی آیات کو بیان کیا۔ آسمانوں اور زمینوں کو اس حسن و خوبی اور محیر العقول نظم و ضبط کے ساتھ پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ گردش لیل و نہار کا تسلسل قائم رکھنے والا وہی ہے۔ مہر و ماہ اسی کے حکم کے پابند ہیں اور اپنے مقررہ راستہ پر چل رہے ہیں۔ اسی نے تمہیں شکم مادر کے تہ در تہ اندھیروں میں اس حسن و خوبی کے ساتھ تخلیق فرمایا۔

اس سورت کے مضامین میں سے زیادہ غور طلب یہ مضمون ہے کہ انسان دو قسم کے ہیں، ایک وہ خود فراموش ہیں جنہیں

جب مصائب و آلام اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں تو چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریادیں کرتے ہیں اور پکے وعدے کرتے ہیں کہ اگر اس مصیبت سے بچ گئے تو عمر بھر تیری بندگی اور تیری فرمانبرداری میں گزار دیں گے لیکن جب ہماری رحمت ان کی فریاد رسی کرتی ہے تو انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ ان پر کس کا کرم ہے۔ بعض احمق اس تبدیلی کو اپنے علم و فضل، اپنی مہارت اور کاروباری فراست کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ چند روز پہلے جب وہ بوکھلائے ہوئے فریادیں کر رہے تھے تو ان کی علمیت قابلیت تجربہ و فراست تو اس وقت بھی ان میں موجود تھا۔

دوسری قسم ان خود شناس لوگوں کی ہے جو اپنی زندگی کی ہر ساعت اپنے کریم پروردگار کی یاد اور بندگی میں بسر کرتے ہیں۔ ان کی راتیں عبادتِ الٰہی میں گزر جاتی ہیں کبھی دست بستہ کھڑے ہیں کبھی جبین نیاز سجدہ میں جھکائے ہوئے ہیں ایس کے باوجود اپنے رب کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔ اپنی کسی عبادت اور نیکی پر انہیں ناز نہیں ہوتا انہیں اگر آس ہے تو اس کی رحمت کی۔ اگر سہارا ہے تو اس کے فضل و کرم کا۔

کفار اپنے دل میں سوچا کرتے کہ ہم پیغمبر اسلام اور اس کے ماننے والوں کو کسی نہ کسی وقت اپنے سانچے میں ڈھال لیں گے ان کی اس خام خیالی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم کو حکم دیا کہ کفار سے کہہ دیں: قُلْ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِّي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ: اے میرے حبیب! آپ انہیں فرمائیے اے جاہلو اے نادانو! کیا تم مجھے حکم کرتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں:

کیا جلال ہے اس آیت کریمہ کا اور کیا رعب ہے ان چند کلمات میں۔

ایسے معاشرے کی اصلاح کی کوششیں ہو رہی تھیں جس کی کوئی کل بھی سیدھی نہ تھی۔ شرک و کفر کے علاوہ فسق و فجور، ظلم و ستم، رہزنی و قزاقی وغیرہ ہر قسم کی خرابیوں میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے نامۂ عمل کی سیاہی کو دیکھ کر اپنی اصلاح اور اپنی نجات سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ اسی مایوسی نے انہیں عیش پرستی اور گناہوں سے بھرپور زندگی بسر کرنے کا متوالا بنا دیا تھا۔ آیت ۵۳ میں لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ کا مژدۂ جانفزا سنایا اور انہیں بتا دیا کہ اگر اب تک تم نے اپنے نفس پر ظلم کی حد کر دی ہے لیکن اگر اس کے درِ رحمت پر آ کر دستک دو گے تو اس کی رحمت تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔ تمہارے گزشتہ جرائم کو معاف کر دیا جائے گا اور تمہیں از سر نو پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا ایک بار پھر موقع دے دیا جائے گا۔

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۂ زمر مکی ہے۔ اس کی ۷۵ آیات اور ۸ رکوع ہیں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝١ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ

اتری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز (اور) حکیم ہے [1] ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝٢ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ

حق کے ساتھ [2] پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو [3] خبردار! صرف اللہ کے لیے ہے دین خالص [4]

[1] کفار اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ کتاب فصیح و بلیغ سہی لیکن یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو خود بناتے ہیں اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ خوش فہمی بھی تھی کہ ہماری موجودگی میں اس دین کے پھیلنے اور اس کے ترقی کرنے کا کوئی امکان نہیں اور نہ اس دین میں یہ صلاحیت ہے کہ گردش زمانہ اور اس کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں کی تکمیل کر سکے۔ اس لیے اس کی یہ مقبولیت عارضی ہے۔ یہ دعوت خود بخود ختم ہو جائیگی اس کی عارضی کامیابی پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کی باتیں کر کے وہ ایک دوسرے کا دل بہلاتے اور اسلام کی بے پناہ مقبولیت کے باعث ان کے دلوں میں اضطراب کی جو آگ بھڑک اٹھی تھی اس پر وہ ایسی باطل تسلیوں کا پانی چھڑکا کرتے۔ اس آیت میں ان کی انہی غلط فہمیوں اور خوش فہمیوں کا ابطال کیا جا رہا ہے۔ پہلے یہ بتایا کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نازل فرمودہ ہے اور جس خداوند عالم نے اسے نازل فرمایا ہے وہ عزیز ہے یعنی سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر۔ اس کے نافذ کیے ہوئے احکام کو رد کرنے کی کسی میں قوت نہیں۔ نیز وہ حکیم ہے زبردست دانا ہے۔ زمانہ اور زمانہ کے جلی و خفی تقاضے اس کے علم میں ہیں۔ زمانہ کتنی ترقی کر جائے، اس کے تمدنی، معاشرتی اور معاشی تقاضے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہیں۔ قرآن کی روشنی قیامت تک زندگی کے ہر افق کو منور کرتی رہے گی۔

[2] اس کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔ اس میں باطل کی ذرا آمیزش نہیں۔ (مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول۔ آل عمران کی دوسری آیت کا حاشیہ)

[3] شرک ایک ایسا گناہ ہے جس سے بڑا اور برا کوئی دوسرا گناہ نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی بھی عبادت کرتا ہے اور ساتھ ساتھ کسی دوسرے کی بھی عبادت و پرستش کرتا ہے، اس کی ساری نیکی اکارت جائے گی اس لیے یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اسی کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ اپنے خالق حقیقی کے بغیر کسی کی بندگی کا تصور تک کرنا اور اپنے بادشاہ حقیقی کے احکام کو نظر انداز کر کے کسی غیر کی اطاعت کا دم بھرنا مرد مومن کے لیے زیبا نہیں، بلکہ ایسی حرکت کے ارتکاب

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى

اور جنھوں نے بنا لیے ہیں اس کے سوا اور والی (اور کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ کا

اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ

مقرب بنا دیں ۵ بیشک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں ۵ بلاشبہ

کے بعد اس کا نام اہل ایمان کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا۔

ک دوبارہ تنبیہ فرمادی کہ اطاعت کاملہ کا حقیقی مستحق فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ ابن مردویہ نے یزید الرقاشی سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کسی شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کی یا رسول اللہ! ہم شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کرتے ہیں کیا ہمیں اس پر کوئی اجر ملے گا۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ پھر اس شخص نے گزارش کی یا رسول اللہ! ہم مال خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پیش نظر ثواب اور شہرت دونوں کا حصول ہوتا ہے۔ کیا اس صورت میں مال خرچ کرنے پر ہمیں اجر ملے گا۔ فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و آله وسلم ان الله تعالیٰ لا یقبل الا من اخلص له ثم تلا رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم هذه الآية الا لله الدين الخالص۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس کے عمل کو قبول کرتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ علامہ قرطبی نے الدین کا معنی الطاعت دفرمانبرداری کیا ہے اور بعض کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ الدین سے مراد عبادت ہے۔ الدین ای الطاعة وقیل العبادة (قرطبی)

ل کفار کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اپنے بتوں اور مصنوعی خداؤں کی پرستش کرتے اور اگر انہیں ٹوکا جاتا کہ تم یہ کیا حماقت کر رہے ہو۔ ہر لحظہ جو ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہو کیا انھوں نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ کیا اس عالم رنگ و بو کے خالق وہ ہیں؟ زمین کا فرش انھوں نے بچھایا ہے؟ آسمان کا نیلگوں سائبان اور اس میں آویزاں ان گنت ضیا بار قندیلیں انکی قدرت کا کرشمہ ہیں؟ جواب دیتے نہیں تو پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو تو کہتے ہیں کہ ان کی عبادت سے قرب الٰہی نصیب ہوتا ہے یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیتے ہیں۔

اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے بغیر کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت کرے گا تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ مشرکین عرب نے اللہ تعالیٰ کی عبادت قطعاً ترک کی ہوئی تھی وہ کہتے ہم گنہگار اس قابل نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ہم تو فقط ان بتوں کی عبادت کریں گے اور ان کی عبادت سے ہمیں قرب الٰہی نصیب ہوگا۔ امام رازی رقمطراز ہیں: "حاصل الكلام لعباد الاصنام ان قالوا ان الاله الاعظم اجل من ان يعبده البشر لكن اللائق بالبشر ان يشتغلوا بعبادة الاكابر من عباد الله مثل الكواكب ومثل الارواح السماوية ثم انها تشتغل بعبادة الاله الاكبر فهذا هو المراد من قولهم ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى (كبير)

اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ ۝ لَوْ اَرَادَ اللّٰہُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا

اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے

ترجمہ (یعنی بُت پرستوں کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ کہتے کہ اللہ اکبر (سب سے بڑا خدا) کی شان اس سے بلند ہے کہ انسان اس کی عبادت کرے۔ انسان کے لائق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بندوں کی عبادت میں مشغول ہو۔ مثلاً ستارے، آسمانی مخلوق اور پھر یہ چیزیں خداوند اکبر کی عبادت میں مشغول ہوں۔ مشرکین کے اس قول کی کہ مَا نَعْبُدُھُمْ کا یہی مفہوم اور مطلب ہے۔

بعض صاحبان حصولِ دُعا کے لیے اولیاء کرام کی خدمت میں حاضری کو بھی اسی ضمن میں شمار کرتے ہیں اور اس طرح بہت سے مسلمانوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ خود ہی انصاف فرمادیں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دُعا کے لیے عرض کرتا ہے تو کیا وہ ان کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ اگر صرف طلبِ دُعا کے لیے بھی کسی کے پاس جانا عبادت اور شرک ہے تو ان صاحبان کا صحابہ کرام کے متعلق کیا فتویٰ ہے جو حضور سرورِ عالم رحمتِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس و اطہر میں کبھی بارش کے نزول کے لیے کبھی بارش کے رُکنے کے لیے کبھی بیماری سے شفایاب ہونے کے لیے کبھی دیگر مقاصد کے لیے حاضر ہوتے اور دُعا کے لیے عرض کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دُعا کے لیے دستِ مبارک بارگاہِ الٰہی میں اٹھاتے تو مشکلیں آسان ہوجاتیں، لاعلاج مریض شفایاب ہوجاتے، طویل خشک سالی کے بعد آنِ واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں اور برستے ہی کھل جاتیں۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کفر ہے، شرک ہے، گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ شمعِ توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کریں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمادیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور ان کی قوم کا بھی بھلا ہو۔

آیت میں زلفیٰ مفعول مطلق ہے کیونکہ تقریباً ہم معنی ہے اور فعل کے مصدر کا مترادف مفعول مطلق ہوسکتا ہے جیسے قُمْتُ جلوساً۔

سے مشرکین کا اپنے معبودوں کے بارے میں بڑا اختلاف ہے کوئی سورج کو، کوئی چاند کو، کوئی گنگا جمنا کو اور کوئی ہمالیہ پہاڑ کی بلند چوٹیوں کو اپنا معبود بنائے بیٹھا ہے اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ اس وقت انہیں اپنی گمراہی کی حقیقت معلوم ہوگی۔

سے ہدایت کوئی ایسی جنس ارزاں نہیں کہ خواہ مخواہ ہر ایک کی جھولی میں ڈال دی جائے۔ یہ دُرِ شہوار فقط اسے ملتا ہے جس کے دل میں اس کی سچی طلب اور تڑپ ہو۔ جو لوگ ازراہِ غرور و نخوت انبیاء کرام کی تکذیب کرتے ہیں اور ان کی دعوتِ حق کو ٹھکراتے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اس نعمت سے محروم کردیا کرتا ہے۔

سے حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جھوٹا اس بات میں کہ بتوں کو اللہ تعالیٰ سے نزدیک کرنے والا بتائے اور خدا کے لیے اولاد ٹھہرائے اور ناشکرا ایسا کہ بتوں کو پوجے۔ (خزائن العرفان)

لَاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا ۹ وہ پاک ہے ۱۰ وہی اللہ ہے جو ایک ہے، سب سے زبردست

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ

اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ ۱۱ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے

النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

دن کو رات پر ۱۲ اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقرر میعاد تک

اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ

خوب سن لو! وہی عزت والا بہت بخشنے والا ہے ۱۳ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں فرد واحد سے ۱۴ پھر بنایا اسی سے

۹ بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کی اولاد کے قائل تھے۔ ان کے اس باطل نظریہ کی تردید کی جا رہی ہے۔

۱۰ اولاد کا ہونا تمہارے لیے تقویت اور عزت ووقار کا باعث ہے کیونکہ تم کمزور ہو ضعیف ہو۔ دشمنوں کا تنہا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو۔ تمہاری اولاد ہوگی تو تم طاقتور بن جاؤ گے۔ نیز تم فنا ہونے والے ہو تمہیں اولاد کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارا نام تمہاری اولاد کے ذریعے باقی رہے لیکن اللہ تعالیٰ جو قہار ہے جو حی لایموت ہے اس کے لیے اولاد کی ضرورت کا تصور بھی گستاخی اور بے ادبی ہے۔ وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے۔ اس لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اس کی شانِ کبریائی سے جہالت کی دلیل ہے۔

۱۱ اللہ تعالیٰ کی توحید، قدرت اور حکمت کے دلائل تکوینی بیان فرمائے جا رہے ہیں۔

۱۲ تکویر اللیل علی النهار تغشیته ایاه: صحاح۔ یعنی دن کی روشنی جہاں سے سمٹی جاتی ہے رات کی تاریکی وہاں پھیلتی جاتی ہے۔ اسی طرح رات کا اندھیرا جہاں سے ختم ہوتا ہے دن کا اجالا وہاں نور افشانی کرتا جاتا ہے یہ تسلسل کبھی ٹوٹنے نہیں پاتا علامہ جوہری تکویر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: کار العمامة علی رأسه یکورها کورا ای لاثها۔ کل دور کور۔ صحاح یعنی عمامہ کو سر پر لپیٹنا اور بیل پر بیل دیتے چلے جانا ہر بیل کو "کور" کہتے ہیں۔

۱۳ اس کی قدرت غالبہ کا تو یہ عالم ہے کہ وہ اگر چاہے تو تمہاری سرکشی کے باعث چشم زدن میں تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے لیکن اس کے ساتھ وہ غفار بھی ہے۔ اس کی بخشش اور پردہ پوشی کی بھی حد نہیں۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت قاہرہ کی مزید دلیلیں بیان کی جا رہی ہیں۔ پہلے صرف حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ

اس کا جوڑا اور پیدا کیے تمہارے لیے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے وہ پیدا فرماتا ہے

فِي بُطُونِ أُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ

تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں ۱۰

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ ﴿٦﴾ إِنْ

یہ (قدرت والا) اللہ تمہارا رب ہے اسی کی حکومت ہے ۱۱ نہیں کوئی معبود بجز اس کے پھر تم کدھر پھیرے جا رہے ہو۔ اگر تم

تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۖ وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ وَإِنْ

ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اور اگر تم

تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ۗ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ

شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے اسے تمہارے لیے ۱۲ اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ پھر اپنے رب

حضرت حوا کی تخلیق کی یہاں تک کہ نسلِ انسانی کرۂ زمین کے دور دراز گوشوں تک پھیل گئی نیز ان کو پیدا کر کے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ اس کی خوراک کا بندوبست فرمایا، نقل و حمل کے ذرائع اور وسائل مہیا کیے خصوصی طور پر اونٹ، ابل، بھیڑ بکری کے جوڑے جوڑے کا ذکر کر دیا۔

۱۰ انسان کی آفرینش کی طرف تمہیں متوجہ فرمایا یعنی جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو تخلیق و تکمیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ وہ قطرۂ آب جو ایک ننھا سا جرثومہ ہے مختلف مرحلوں سے گزر کر کامل انسان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے ہر ہر مرحلہ پر جو باریکیاں لطافتیں اور پیچیدگیاں ہیں یہ سب دن کی روشنی میں انجام پذیر نہیں ہوتیں بلکہ تہ در تہ اندھیروں میں یہ تکوینی عمل جاری رہتا ہے تین اندھیروں سے مراد پیٹ کا اندھیرا، رحم کا اندھیرا اور رحم کے اندر جھلی کا اندھیرا جس میں بچہ کی تخلیق مکمل ہوتی ہے۔

۱۱ یہ بڑی شان والا، عظیم قدرتوں والا، بالغ حکمتوں والا اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے۔ بلندی و پستی میں، بحر و بر میں، کوہ و دمن میں، ارض و سما میں ہر جگہ اس کی حکومت اور بادشاہی کا نقارہ بج رہا ہے اس کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اے لوگو! اس سے منہ موڑ کر تم کدھر جا رہے ہو۔ اگر تم انکار و کفر کی روش نہ چھوڑو گے تو خود عبرتناک انجام سے دوچار ہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تم کیا بگاڑ سکتے ہو، تم ہر بات میں اس کے محتاج ہو اسے تمہاری قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔

۱۲ وہ اس لیے تمہیں کفر سے منع نہیں کرتا کہ اس سے اس کی کبریائی میں فرق پڑ جائے گا۔ بلکہ وہ بار بار تمہیں اس لیے کفر

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۞

کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً

اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (اس وقت) پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف پھر جب عطا

ہے کہ تم جس کی قدرت کے شاہکار ہو اس کو تم سے بڑا پیار ہے۔ کفر سے تم اپنی ہستیاں ناس کر دو گے، تمہاری عظمتیں خاک میں مل جائیں گی اللہ تعالیٰ تمہاری اس ذلت و رسوائی کو پسند نہیں کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم شکر گزار بندے بن جاؤ تاکہ اس کے جود و کرم کی بارش تم پر برستی رہے اور ہر گھڑی تم بلند سے بلند تر منزل کی طرف مصروفِ پرواز رہو۔

علماء تفسیر نے یہاں ایک خاص بحث ذکر کی ہے جس کا اختصار سے بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں، وہ فرماتے ہیں یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اللہ تعالیٰ کی رضا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دنیا میں کسی خیر و شر کا اچھی یا بری چیز کا ظہور مشیت الٰہی کے بغیر نہیں ہو سکتا، لیکن خیر اور نیکی پر وہ راضی ہوتا ہے اور شر اور برائی پر وہ راضی نہیں ہوتا۔ چور چوری کرتا ہے۔ ڈاکو ڈاکہ ڈالتا ہے۔ قاتل قتل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں سے یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ اگر اس کی مشیت اور ارادہ نہ ہو تو کوئی فعل بھی صادر نہیں ہو سکتا لیکن ان میں سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث نہیں بلکہ یہ سارے اس کے قہر و غضب کو دعوت دیتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ ارادہ اور مشیتِ الٰہی اور چیز ہے اور رضائے الٰہی اور چیز ہے ان دونوں کو مترادف سمجھنا غلطی ہے۔ فان ارادته يتعلق بالخير والشر لقوله ما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن، ويستحيل تخلف المراد من ارادته کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ خیر و شر سب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ یہ محال ہے کہ وہ کسی کام کا ارادہ کرے اور وہ کام نہ ہو۔ (مظہری)

۱۸ یعنی وہ شخص جو اپنے گناہوں کے بوجھ کے نیچے دبا چلا جا رہا ہے وہ کسی دوسرے کا بوجھ کیوں کر اٹھا سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ کا عدل اس بات کو برداشت نہیں کرتا کہ کسی کا بوجھ کسی پر لاد دیا جائے۔ یہ انصاف کے خلاف ہے۔

۱۹ جب انسان کسی تکلیف سے دوچار ہوتا ہے مصائب و آلام کے سیاہ بادل اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور نجات کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو پھر ہر طرف سے منہ موڑ کر بڑے عجز و نیاز سے رب کریم کی بارگاہ میں فریاد کرتا ہے، لیکن جب اس کی مصیبت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ٹل جاتی ہے اور اس پر طرح طرح کے انعامات کیے جاتے ہیں تو وہ اکڑ جاتا ہے۔ اُسے وہ گھڑیاں بھول جاتی ہیں جب وہ درد و غم سے نڈھال ہو کر چیخا چلایا کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبیں سائی کیا کرتا تھا۔ خولہ: اعطاہ: عطا کرنا۔ اور دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے: ادجعله ذا حشم واتباع والخولی الحشم والاتباع۔ نوکر، خادم، غلام

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیتا ہے جس نے اپنے لطف و کرم سے اس کی چارہ سازی فرمائی تھی۔ اس صورت میں ما كان يدعوا اليه میں ما بمعنی مَنْ ہو گا اور ما بمعنی مَنْ بکثرت استعمال ہوتا ہے جیسے وما خلق الذكر والانثى۔

مِنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوٓا إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلَّ

کرتا ہے اسے نعمت اپنی جناب سے تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لیے فریاد کیا کرتا تھا اس سے پہلے اور بنا لیتا ہے اللہ کے ہمسر ۲۰ تاکہ بہکا دے

عَن سَبِيلِهِۦ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ ﴿٨﴾

دوسروں کو اس کی راہ سے۔ (اے مصطفیٰ!) آپ اسے فرمائیے لطف اٹھا لے اپنے کفر سے تھوڑے دن۔ بیشک تو دوزخیوں میں سے ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَٰنِتٌ ءَانَآءَ ٱلَّيْلِ سَاجِدًا وَقَآئِمًا يَحْذَرُ ٱلْءَاخِرَةَ وَيَرْجُوا۟

بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوکر (نیز) ڈرتا ہے آخرت سے اور امید

رَحْمَةَ رَبِّهِۦ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ

رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی ۲۱ آپ پوچھیے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل ۲۲

ع ۱۵ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٩﴾ قُلْ يَٰعِبَادِ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ

البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ آپ فرمائیے! اے میرے بندو جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے ۲۳

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۟ فِى هَٰذِهِ ٱلدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ ٱللَّهِ وَٰسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا

(اور یاد رکھو) ان کے لیے جنہوں نے نیک اعمال کیے اس دنیا میں نیک بدلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ صرف صبر کرنے والوں کو

۲۰ اور اس پر ستم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے اور اس کے شریک ٹھہرا دیتا ہے۔ انداد: ای شرکاء۔ علامہ بیضاوی نے ندّ کی تشریح ان الفاظ کی ہے: المثل المنادی یعنی جو کسی کا ہم پایہ بھی ہو اور اس کا مخالف بھی ہو اس کو ند کہتے ہیں۔

۲۱ مومن کے شب و روز کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ نیاز مندیوں کا عالم یہ ہے کہ رات بھر درد انگیز نالے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے در اقدس پر جبین نیاز جھکائے رہتے ہیں۔ اس کے باوجود اپنی عبادت پر نازاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی سے ہر وقت ڈرتے بھی رہتے ہیں اور اس کی رحمت کے امیدوار بھی رہتے ہیں۔

۲۲ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کو جانتے ہیں ان کی امید و بیم کا یہ عالم ہے اور جو شانِ الٰہی سے بالکل ناواقف ہیں ان کی سرکشی کی حد نہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ یکساں ہو سکتے ہیں؟

۲۳ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اپنے بندوں کو یہ پیغام پہنچا رہا ہے کہ ایمان لانے کے بعد تقویٰ کو اپنا شعار بنا لو۔

يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝١٠ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا ۲۴ فرمائیے: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی

اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝١١ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝١٢ قُلْ

عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اطاعت کو ۲۵ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں۔ آپ

اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٣ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ

فرمائیے میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے اللہ کی ہی میں عبادت کرتا

مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ۝١٤ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ

ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لیے اپنے دین کو پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا ۲۶ (نیز) فرما دیجیے اصل نقصان اٹھانے

۲۴ اس کی تفصیل اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جو میدانِ صبر و استقامت کے شہسوار سید الابرار حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے جدِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ قال سمعت جدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول: ادّ الفرائض تکن اعبد الناس وعلیک بالقنوع تکن من اغنی الناس یا بنی ان فی الجنۃ شجرۃ یقال لھا شجرۃ البلوی یؤتی باھل البلاء فلا ینصب لھم میزان ولا ینشر لھم دیوان یصب علیھم الاجر صبّا ثم قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما یوفی الصابرون الآیۃ (قرطبی)

ترجمہ: میں نے اپنے جدِ پاک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے حسین! فرائض ادا کیا کرو تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو بڑے عبادت گزار ہیں۔ اے حسین! قناعت اختیار کرو تم سب لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے اے حسین! جنت میں ایک درخت ہے جسے شجرۃ البلوی یعنی (تکلیف کا درخت) کہتے ہیں۔ وہ لوگ جو تکالیف و مصائب میں مبتلا رہے ان کو وہاں لایا جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی ترازو رکھا جائے گا اور نہ ان کا دفترِ عمل کھولا جائے گا بلکہ یوں ہی موسلا دھار بارش کی طرح ان کا اجر ان پر برسے گا۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

۲۵ راہِ حق میں ثابت قدم رہنے اور شمعِ توحید کو روشن رکھنے کی تاکید میں صرف تمہیں نہیں کر رہا بلکہ میرے رب نے مجھے بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ اس مقام پر علامہ آلوسی لکھتے ہیں: "چنانچہ آپ عالمِ شہادت میں اس کی حسب کے لحاظ سے اور عالمِ غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔"

۲۶ اگر تم میری دعوت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور میری نصیحت تمہارے لیے قابلِ قبول نہیں تو پھر جیسا تمہارا جی چاہتا ہے

الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ

والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ سنو! یہی کھلا گھاٹا

الْمُبِيْنُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ

ہے۔ ان (بدبختوں) کے لیے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے شلہ اس

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ

(عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو۔ اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔ اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ

کہ اس کی عبادت کریں شلہ اور (دل سے) رجوع کرتے ہیں اللہ کی طرف انہی کے لیے خوشخبری ہے، پس آپ مژدہ سنائیے میرے ان بندوں کو جو غور

يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ

سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے

وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ

اور یہی لوگ دانشمند ہیں۔ بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم۔

اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ

تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے؟ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے بالا خانے ہیں جن کے

کرتے رہو خواہ کسی پتھر کی پوجا کرو، خواہ کسی دریا کو خدا بناؤ، خواہ کسی جن اور انسان کو اپنا مسجود تصور کرو، تم جانو اور تمہارا کام۔ لیکن یاد رکھو کہ کفر و شرک اختیار کرنے سے تم ایسا نقصان اٹھاؤ گے اور تمہیں ایسا خسارہ ہو گا کہ پھر اس کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔

شلہ ظلل: ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کا سایہ کسی پر پڑتا ہو۔ مراد یہ ہے کہ اوپر اور نیچے سے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے انہیں اپنی گرفت میں لے لیں گے۔

شلہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پیارے بندوں کا ذکر فرماتا ہے۔

فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ وَعْدَ اللَّهِ ۖ لَا يُخْلِفُ

اوپر اور بالاخانے بنے ہوئے ہیں رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ

اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي

اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے ف۱ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر چلا دیا

الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا

اسے زمین کے چشموں سے۔ پھر اگاتا ہے اس کے ذریعہ فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس

ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾ أَفَمَن

تو دیکھتا ہے اسے زرد ہوا پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اس ذکر شدہ مثال میں نصیحت ہے اہل عقل کے لیے۔ بھلا وہ

شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ

(سعادت مند) کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے تو وہ اپنے رب کی طرف سے عطا کیے ہوئے نور پر ہے ف۲ پس ہلاکت ہے ان

ف۱ یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے تکوینی دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ یَھِیْجُ: خشک ہو جاتی ہے۔

ف۲ یہ اللہ تعالیٰ کا محض کرم ہے اگر وہ اسلام قبول کرنے کے لیے سینہ کھول دے۔ تعصب اور ضد کے پردے اٹھ جائیں اور نور حق اس کو نظر آنے لگے۔ اس وقت انسان بے ساختہ حق کی طرف لپکتا ہے اور اسے قبول کر لیتا ہے۔ اس کی راہ میں آگ کے سمندر بھی حائل ہو جائیں وہ پرواہ نہیں کرتا۔ اس وقت تک اسے چین ہی نہیں آتا جب تک وہ شمع حق پر پروانہ وار نثار نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک آدمی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی:

"یا رسول اللہ! ای المؤمنین اکیس" کہ اہل ایمان میں سے زیادہ عقلمند کون ہے۔

قال اکثرھم للموت ذکرا واحسنھم لہ استعدادا۔ فرمایا جو موت کو کثرت سے یاد کرے اور اس کے لیے اچھی طرح تیاری کرے۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا جب دل میں نور داخل ہوتا ہے تو دل کشادہ اور وسیع ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی اے اللہ تعالیٰ کے نبی اس کی علامت کیا ہے: قال الانابۃ الی دار الخلود والتجافی عن دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزول الموت۔ فرمایا اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ شخص ہر وقت دار آخرت کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ وہ اس دھوکہ والی دنیا سے کنارہ کشی

قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٢﴾ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ

دلوں کے لیے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے ۳۱ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے سب سے

الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ

عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ

جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف ۳۲

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

یہ اللہ کی ہدایت ہے راہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ ۳۳ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو

اختیار کرتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے اس کے لیے تیاری شروع کر دیتا ہے۔

۳۱ ان لوگوں کی بدنصیبی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے جن کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا شوق ان کے دلوں میں کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ انہیں یہ کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ ان کا ایک خالق بھی ہے اور انہیں ایک دن اس دنیا سے کوچ کرنا ہے۔

۳۲ یعنی یہ دل موہ لینے والی باتیں جو ایک کتاب کی صورت میں تمہارے پاس موجود ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے۔ ان کے مضامین ہم آہنگ ہیں سب ایک دوسرے کی موافقت اور تائید کرتے ہیں ان میں کسی قسم کا تضاد نہیں۔ اس کی یہ صفت بھی ہے کہ اس کو بار بار پڑھنے سے طبیعت نہیں اکتاتی۔ بلکہ ہر بار نئی لذت اور نیا سرور حاصل ہوتا ہے اس کی اثر انگیزی کا یہ عالم ہے کہ جب غضب الٰہی کا ذکر ہوتا ہے تو ہر گنہگار دل پر خوف اور دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ کانپنے لگتے ہیں اور جب اس کی رحمت کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل اور چہرے خوشی سے چمک اٹھتے ہیں اور اس کے ذکر میں شوق و رغبت سے مشغول ہو جاتے ہیں تقشعر میں پہلی حالت کی طرف اشارہ ہے۔ ثم تلین میں دوسری کیفیت کا ذکر ہے۔ متشابھا ای یشبہ بعضہ بعضا فی الحسن والحکمۃ ویصدق بعضہ بعضا یعنی حسن اور حکمت میں اس کی آیتیں مشابہ ہیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔ ان میں کوئی تناقض اور اختلاف نہیں ہے اور مثانی کا معنی بیان کیا گیا ہے ثنی لتکررہ ملا یمل۔ کہ جب اسے بار بار پڑھا جائے تو انسان اکتاتا نہیں۔ اس کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ اس میں مواعظ اور قصص بار بار دہرائے جاتے ہیں۔ مثانی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں، مثانی مثناۃ کی جمع ہے جو اسم ظرف ہے اور یہ کتاب کی دوسری صفت ہے صفۃ اخری جمع مثناۃ اسم ظرف فانہ محل ثنی لذکر الوعد والوعید والامر والنہی والاخبار والاحکام۔

مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾ اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ

کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روزِ قیامت (وہ کتنا بدنصیب

لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٢٤﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

ہوگا) اور کہا جائے گا ظالموں کو (اب) چکھو جو تم کمایا کرتے تھے ۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے

فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٥﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ

تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے ۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾

دنیوی زندگی میں اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے ۔ کاش! وہ جان لیتے ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ

اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن حکیم میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ

يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ

نصیحت قبول کریں اور ہم نے دیا ہے (انہیں) قرآن جو عربی زبان میں ہے جس میں ذرا کجی نہیں تاکہ وہ (غضب الٰہی سے) ڈریں

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ

بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال کہ ایک غلام ہے جس میں کئی جھگڑالو شریک ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام پورا ایک شخص کا ہے۔

۳۳؎ خشوع و خضوع کی یہ حالت محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نصیب ہوتی ہے جس کو چاہتا ہے اس کو یہ نعمت مرحمت فرماتا ہے۔

۳۴؎ اللہ تعالیٰ مشرک اور موحد کا حال بیان کرنے کے لیے مثال ذکر فرماتے ہیں۔ ایک غلام جس کے کئی آقا ہوں اور وہ آقا آپس میں ہر وقت برسرِ پیکار رہتے ہوں چنانچہ ایک آقا اسے حکم دیتا ہو اور دوسرا اس کے برعکس حکم دیتا ہو۔ اس بیچارے غلام کی جان تو عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ وہ ہر وقت پریشان اور خستہ حال رہے گا۔ ایک وہ غلام ہے جس کا صرف ایک آقا ہے۔ اب ان دونوں غلاموں کی حالت کا اندازہ کرو اور خود فیصلہ کرو کہ تمہارے لیے ایک خدا کا بندہ بننے میں آرام و راحت اور تسلی و تشفی ہے یا بہت سے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۚ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ

کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں بلکہ اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے بیشک آپ نے بھی

وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۱﴾

(دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انھوں نے بھی مرنا ہے۔ پھر تم سب روزِ حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے

بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ۚ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے؟

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ

اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو

الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے یہ صلہ ہے

جھگڑالو خداؤں کا بندہ بنتے ہیں۔ لفظ متشاکسون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ رَجُلٌ شَكِسٌ اي صعب الخلق۔ یعنی بداخلاق۔ راجز کہتا ہے شكس عبوس عنبس عذور۔

ف۵ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر جلتے تھے اور یہ کہہ کر اپنے دلوں کو تسلی دیتے تھے کہ یہ چند روزہ کھیل ہے۔ یہ نبوت ہم جانتے ہیں کہ ان کی زندگی ہے ان کے بعد یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے محبوب! اس دار فنا سے آپ نے رخت سفر باندھنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ دیکھئے نادان ہیں کس طرح اپنے آپ کو طفل تسلیاں دے رہے ہیں۔

ف۳ یہ کفار ایک تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ پر جھوٹے بہتان لگاتے ہیں اور غلط باتیں منسوب کرتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کون ظالم ہوگا۔

ف۳ یعنی وہ نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو اس ابدی صداقت کو لے کر تشریف لائے اور وہ اہل ایمان جنہوں نے

الْمُحْسِنِينَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا

محسنوں کا حق تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو

وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِن

کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لیے؟ (یقیناً کافی ہے) اور وہ (نادان) ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں سے

دُونِهِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَن يَهْدِ

جو اللہ کے سوا ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے

سچے دل سے اس صداقت کو قبول کیا ہے یہی متقی اور پرہیزگار ہیں۔

۵۳ یہ پاک لوگ جس چیز کی آرزو کریں گے اللہ تعالیٰ کی جناب سے انہیں عطا فرمائی جائے گی۔ کیا مقام ہے نبی کریم کا اور کیا شان ہے آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ ہونے والوں کی اور آپ کی دعوت پر صدقِ دل سے ایمان لانے والوں اور قربان ہونے والوں کی کہ جو وہ دعا کریں گے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ پوری ہوگی

۵۴ ان پر مزید کرم یہ کیا جائے گا کہ ایمان لانے سے پہلے جو سنگین جرم ان سے سرزد ہوئے تھے اور جن فحش گناہوں کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا ان کو اس طرح ڈھانپ دیا جائے گا کہ ان کا سراغ تک بھی کسی کو معلوم نہ ہو گا۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں لکھتے ہیں: اصل الکفر تغطیۃ الشئ تغطیۃ تستھلکہ یعنی کفر کا اصل معنی یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح ڈھانپ دینا کہ اس چیز کا نام و نشان بھی دکھائی نہ دے۔

۵۵ اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو نیکیاں وہ کریں گے ان کا بہترین اجر انہیں دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نوازشات کا کیا کہنا ساری عمر برباد کرنے کے بعد بھی اگر کوئی نادم اور شرمسار ہو کر در اقدس پر حاضر ہو تو اس کے لیے آغوشِ رحمت کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کے سابقہ نامۂ اعمال کی سیاہی دھودی جاتی ہے اور اس پر ایسے ایسے کرم فرمائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر دنیا حیران ہو جاتی ہے۔

۵۶ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہے ہیں کہ آپ کے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ خود آپ کا حافظ و ناصر ہے اور جس کا حافظ و ناصر خود اللہ تعالیٰ ہو کیا ایسے شخص کو کسی دوسرے سہارے اور مددگار کی ضرورت باقی رہتی ہے، ہرگز نہیں۔

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِعَزِیْزٍ ذِی انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست انتقام لینے والا؟

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے

اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ

اللہ نے۔ آپ فرمائیے پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے

اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ

تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا

هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَیْهِ یَتَوَكَّلُ

وہ روک سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو۔ فرما دیجیے مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ۔ فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں

اے محبوب! ساری دنیا بھی اگر آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائے تو آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے یہ لوگ کتنے احمق اور نادان ہیں جو آپ کو اپنے معبودانِ باطل کے غیظ و غضب سے ڈراتے ہیں۔

ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے نورِ ہدایت بخش دیتا ہے پھر اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

جن بتوں کے غیظ و غضب سے یہ لوگ آپ کو ڈرا رہے ہیں اور ان کے بے پایاں اختیارات کے افسانے گھڑ گھڑ کر پیش کرتے ہیں آپ ذرا ان سے یہ تو پوچھیے کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے۔ تو ناچار ہو کر کہیں گے اللہ تعالیٰ۔ ان سے پھر پوچھیے کیا تمہارے بتوں میں یہ دم خم ہے کہ میرا رب اگر مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو یہ آڑے آ جائیں اور مجھے اس تکلیف سے بچا لیں یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کرم فرمانا چاہے تو یہ رکاوٹ پیدا کر دیں اور مجھے اس کے کرم سے محروم کر دیں۔ جب یہ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان تو پھر ایسے خداؤں کے لئے اور ان کی پرستش کرنے کا کیا فائدہ؟

یہ لوگ آپ کو طرح طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں آپ کو اپنے بتوں کی اذیت رسانی سے ڈراتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے حسبی اللہ۔ مجھے میرا اللہ تعالیٰ کافی ہے تم مجھے جتنی اذیتیں پہنچا سکتے ہو ان میں ذرا کمی نہ کرو۔ تم اسلام کو ناکام کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہو انہیں زور و شور سے جاری رکھو۔ حسبی اللہ۔ مجھے میرا اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ

الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٣٨﴾ قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ

بھروسہ کرنے والے۔ فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کیے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ پس

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ

تم عنقریب جان لوگے کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کردے گا اور کون ہے جس پر

عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٤٠﴾ إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ

دائمی عذاب اترتا ہے۔ (اے حبیب!) ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لیے حق کے ساتھ۔

فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ

پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے اور جو بھٹکتا ہے تو وہ بھٹکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لیے

وَمَا أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ ع

اور آپ ان (بدبختوں) کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: من احب ان یکون اقوی الناس فلیتوکل علی اللہ ومن احب ان یکون اغنی الناس فلیکن بما فی ید اللہ عزوجل اوثق بما فی یدیہ ومن احب ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ عزوجل (ابن کثیر) جو شخص اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ طاقتور بن جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور جو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جو دولت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ وہ اس پر یقین رکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ مکرم و محترم بن جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرے (ابن کثیر)

۴۱ اے محبوب! ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جو سراپا حق ہے۔ جس کی روشنی سے جو فائدہ اٹھائے گا اس کے خود اس کا بھلا ہو گا اور جو آنکھوں پر پٹی باندھے رہے گا تو اس زندگی میں عمر بھر ٹھوکریں کھاتا رہے گا اور آخرکار کسی ایسے گڑھے میں گر جائے گا جس سے باہر نکلنا اس کے لیے دشوار ہو جائے گا۔ آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں تاکہ آپ سے یہ باز پرس کی جائے کہ فلاں شخص کیوں ایمان نہیں لایا، فلاں شخص کیوں شرک کرتا رہا، فلاں شخص فسق و فجور کی دلدل میں کیوں عمر بھر پھنسا رہا۔ آپ کا کام تبلیغ ہے اور مؤثر انداز میں بڑی دلسوزی اور اخلاص کے ساتھ پیغام حق پہنچا دینا ہے۔ آپ نے اپنا فرض احسن طریق سے ادا کر دیا ہے۔ اب ان کی

مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى

اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی رُوحیں) بحالت نیند ~~~ پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت

عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ

کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری رُوحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک

فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ

اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غور وفکر کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے بنا لیے ہیں اللہ کو چھوڑ کر

اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور سفارشی۔ پوچھیے اگرچہ وہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں اور نہ عقل و شعور رکھتے ہوں [44]

گرامی کے متعلق آپ سے کسی طرح کا محاسبہ نہیں ہوگا۔

[43] آیت کا مفہوم واضح ہے حضور نے سوتے وقت یہ دُعا مانگنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ بھی اسے یاد کرلیں اور سوتے وقت یہ دُعا مانگ کر سویا کریں: بِاسْمِكَ رَبِّيْ وَضَعْتُ جَنْبِيْ وَبِكَ اَرْفَعُهٗ اِنْ اَمْسَكْتَ نَفْسِيْ فَارْحَمْهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصّٰلِحِيْنَ۔

ترجمہ: اے اللہ! میں تیرے نام سے اپنا پہلو بستر پر رکھتا ہوں اور تیرے نام کے ساتھ ہی اسے اٹھاؤں گا۔ اس اثنا میں اگر تو میری رُوح قبض کرے تو اس پر رحم کرنا اور اگر واپس کرنا تو اس کی اس سے حفاظت کرنا جس سے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

یتوفّٰی کا لغوی معنی ہے کسی کو پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لینا۔ توفیۃ الشئ بذلہ وافیا واستیفاء تناولہ وافیا۔ قال تعالٰی ووفیت کل نفس ما کسبت وقد عبّر عن الموت والنوم بالتوفی (مفردات)

اس توفّی کی دو قسمیں ہیں ایک ہمیشہ کے لیے رُوح کو اپنے قبضہ میں کرنا اور دُوسرا عارضی طور پر کچھ وقت کے لیے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی موت ہوگا۔ دُوسری صورت میں یہ نیند کے معنی میں مستعمل ہوگا اور یہ مفہوم مجازی ہوگا۔

[44] یعنی یہ مشرک بھی عجیب دماغ کے لوگ ہیں کہ ایسے معبودوں کو انہوں نے اپنا سفارشی فرض کر لیا ہے جن کے پاس معمولی کوڑی بھی نہیں اور عقل و فہم سے بھی بالکل کورے ہیں۔ یہ ان کے پتھر لکڑی کے بُت اور تانبے پیتل کے اصنام تھے جو بے جان ہونے کے باعث ہر قسم کے فہم و شعور سے اور حرکت و اختیار سے محروم تھے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

آپ فرمائیے سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے ۵۷ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ

پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ

جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی

اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں ۵۸ آپ عرض کیجیے اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے

۵۷ آپ ان کو فرما دیجیے کہ شفاعت کرنے کا اختیار تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اس کے اذن کے بغیر تو کسی کی مجال نہیں کہ لب کشائی بھی کر سکے اور ان کے معبودوں کو تو شفاعت کا کوئی اختیار نہیں دیا گیا یہ کیسے ان کی شفاعت کریں گے۔

۵۸ جب اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل گھٹنے لگتے ہیں۔ ان کے چہروں پر افسردگی چھا جاتی ہے اور جب کسی محفل میں ان کے بتوں اور جھوٹے خداؤں کی تعریف کی جاتی ہے تو ان کے چہرے خوشی اور فرط مسرت سے دمکنے لگتے ہیں۔

اشْمَاَزَّتْ: نفرت وانقبضت، یعنی دل کا نفرت کرنا اور گھٹ جانا۔

ہمارے بعض مہربان اپنی شوخیٔ مزاج سے مجبور ہو کر اس آیت کو خوب جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے ثنا خوانوں اور اولیاء اللہ کی مدح سرائی کرنے والوں پر اس آیت کی تطبیق کرتے ہیں۔ بڑے جوش خطابت میں ان کے منہ شریف سے جھاگ اڑ رہی ہوتی ہے اور فرماتے ہیں کہ یہ نبی بیہودہ جتنی یہ ہستی ہر وقت نبی کی توصیف میں رطب اللسان رہتے ہیں۔ ہر وقت اولیاء کرام کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ دیکھو قرآن ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟

ان حضرات والا صفات سے اتنا ہی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ پہلے قرآن کریم کی ان بیشمار آیات کو نکال دیجیے جن میں قرآن نازل فرمانے والے نے اپنے انبیاء، خصوصاً سید الانبیاء اس کے صحابہ کرام اور اس کے غلاموں کی تعریف و توصیف کی ہے۔ پھر ہم گستاخانِ حجر تسلیم پر مشق ستم فرمائیے۔ زیادہ نہیں تو کم از کم سورۃ والضحیٰ، الم نشرح، الکوثر کی تلاوت کو نمازوں میں ہی بند کر دینے کا حکم صادر فرما دیجیے۔ اگر آپ ایسا کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔ ورنہ جب تک یہ سورتیں اور بے شمار آیات اور بیانات اعوذ قرآنی مسودہ میں قرآن میں موجود ہیں اس الزام سے آپ بھی نہیں بچ سکتے۔ خدارا تعصب سے اتنے بے قابو نہ ہو جایا کریں کہ حق و صداقت کا دامن بھی

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا

اے جاننے والے غیب اور شہادت کے تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان، ان امور میں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ

جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا زمین میں جو کچھ ہے

جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ

سب ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو جا ہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کر دیں اسے بُرے عذاب کے عوض، قیامت

الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝

کے دن ؎ اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ بُرے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں (وہ عذاب) جس کا یہ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ

مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے ؎ پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں

ہاتھ سے چھوٹ جائے۔

؎ آج تو یہ ایک دمڑی پر جان دیتے ہیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے انہیں کہا جائے تو مرنے لگتے ہیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب عذابِ الٰہی انہیں چاروں طرف سے گھیرے گا اس وقت اپنا زندگی بھر کا سرمایہ فدیہ کے طور پر ادا کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے بلکہ دُنیا کے سارے خزانے بھی اگر ان کا بس چلے تو اپنی جان بچانے کے لیے بطور رشوت دے دیں۔ اس وقت ان کی صرف ایک ہی آرزو ہو گی کہ عذاب سے نجات مل جائے خواہ انہیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ کرنا پڑے۔

؎ جب انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس وقت ہمیں پکارتا ہے گڑگڑاتا ہے، فریاد کرتا ہے۔ لیکن جب اسے اس عذاب سے نجات مل جاتی ہے اور ہم اس پر اپنی گوناگوں رحمتوں کا مینہ برسا دیتے ہیں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا ہے بلکہ کہتا ہے کہ یہ میری ذاتی قابلیت اور مہارت کا نتیجہ ہے۔ میرے جیسا لائق فائق انسان اس خوشحالی

نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ

اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم و فضل کے باعث، ایسا نہیں بلکہ یہ

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ

آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۷۱ کہی تھی یہی بات ان لوگوں نے جو ان سے

قَبْلِهِمْ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ فَاَصَابَهُمْ

پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال و دولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے ۷۲ پس پہنچ گئے

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۤءِ سَيُصِيْبُهُمْ

کام انہوں نے کیے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب اپنی

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَوَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ

بداعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک

اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اللہ تعالیٰ کشادہ عطا فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کا چاہتا ہے)، یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی حکمت کی

کا مستحق ہے۔ یہ نگار یہ کوشش میرے کام کا نتیجہ ہے اور میری زندگی کی ساری تگ و دو اور تقدیر ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رحمت کا عمل دخل کا یہ نتیجہ کوئی بات نہیں۔ اے یہ شخص نہ صرف خود بے حقیقت مال سے بالکل بے خبر ہے اسے علم نہیں کہ ہم کس کو یہ ساری باتیں اس لیے بخش دیتے ہیں کہ اس کا امتحان لیں۔ رنج و اندوہ کے زمانہ میں جس رب کریم کو وہ ہر وقت یاد کیا کرتا تھا اب عیش و آرام کے زمانہ میں بھی وہ اپنے منعم حقیقی کو یاد کرتا ہے یا اس کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا نہیں لیکن اکثر لوگ اس آزمائش کی طرف خیال ہی نہیں کرتے اور یوں ناکام ہو جاتے ہیں اور اپنے آپ کو تباہی کے گڑھے میں پھینک دیتے ہیں۔

۷۲ ایسی بے سروپا باتیں اس سے پہلے بھی فریب خوردہ لوگ کیا کرتے تھے۔ ناشکری کے باعث ان سے ملتے جلتے کئی لوگ ہر قسم کے انعام سے محروم کر دیے گئے۔ پھر نہ ان کی علمی قابلیت اور نہ ہنر مندی ان کو ہماری گرفت سے بچا سکی اور نہ زر و مال جو جمع کیا تھا انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکی۔

رکوع ٥

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے ٭ آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر،

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ

مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے ٭ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو

اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ

بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سر تسلیم خم کر دو اس کے لیے

٭ رزق کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں جتنا چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے کسی کو مجال اعتراض نہیں۔ اس تقسیم رزق میں بھی اس کی حکمت کی صد ہا نشانیاں ہیں لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل میں نور ایمان ہے۔

٭ جب نفسانی جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے انسانیت سوز حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جب انتقام کے شعلے بھڑکتے ہیں تو بڑے بڑے حلیم الطبع لوگوں کے ہاتھ سے بھی عدل و انصاف کا دامن چھوٹ جاتا ہے۔ غلط ماحول کے باعث غلط عقائد دلوں میں جم جاتے ہیں۔ ان حالات میں اگر کوئی شخص گناہوں اور بدکاریوں سے اپنا دامن آلودہ کرے اور اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے تو وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوگا اور گناہ و عصیاں کی دلدل میں بڑی بیباکی سے بڑھتا چلا جائے گا۔ اس طرح خود بھی برباد ہوگا اور کئی معصوم زندگیوں کو بھی ذبح کر کے رکھ دے گا۔

اسی طرح اگر یہ بات کسی کے ذہن نشین ہو جائے کہ گناہ کرنے سے کوئی مضرت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت واسعہ کے سامنے ہمارے ان گناہوں کی کیا حقیقت ہے۔ ہم کچھ بھی کرتے رہیں وہ بخش دے گا اور جنت کے دروازے ہمارے لیے کھول دیے جائیں گے۔ ایسا انسان بھی عمر بھر اپنی نفسانی خواہشات کے اشاروں پر کٹھ پتلی بنا رہتا ہے۔ خونریزی۔ بدکاری۔ راہزنی حق تلفی سے اسے کوئی نفرت نہیں ہوتی۔ لوگوں کے حقوق پامال کرنے کے باوجود اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے کے باوجود اس کے دل میں خلش بھی پیدا نہیں ہوتی جو اس کو بے چین کر دے۔

یہ دونوں کیفیتیں انسان کے لیے سم قاتل ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف دوسروں کے لیے وبال جان بن جاتا ہے بلکہ اپنی ذات پر بھی ظلم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کو جو تعمیری صلاحیتیں اور نیکی کی قوتیں بخشی گئی تھیں ان سے اگر وہ صحیح کام لیتا تو آسمان شہرت پر مہرو ماہ بن کر چمکتا اور قیامت تک دنیا اس کی نیکیوں کو یاد کرتی۔ اسے کوئی نہیں دیتی۔ اب وہ بیکار پڑی رہیں اور بے برگ و بار لا حاصل ختم ہو گئیں۔

اسلام جو دین فطرت ہے جس کا مقصد اولین فرد کی صحیح نشوونما اور راہنمائی کرنا ہے تاکہ سلیم ہو سکے اور اصلاح یافتہ افراد سے

ایک ایسی قوم سرِ عرب و عجم میں آئے جو قیادتِ اُمم کی ذمہ داری سنبھال سکے اور ساری انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کر سکے۔ اس لیے اسلام نے انسان کو نہ تو بالکل بے لگام چھوڑ دیا ہے کہ وہ خرمستیاں کرتا رہے، چمنِ حیات کی نازک اور معصوم کلیوں کو مسلتا رہے، ان کی رنگت و نکہت کو لوٹتا رہے اور اس کے باوجود دل میں اپنی بخشش کا بھی یقین رکھے اور نہ ہی اسلام نے انسان کو مایوسیوں اور ناامیدیوں کے گہرے گڑھے میں دھکیل دیا بلکہ صحیح خطوط پر اس کی تربیت کا پروگرام پیش کیا۔ ایک طرف اُسے اپنے اعمال نیک و بد کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اُسے ان نتائج سے آگاہ کیا جو اس کے اچھے یا بُرے اعمال پر سنتِ الٰہی کے مطابق مترتب ہو کر رہیں گے تاکہ کوئی کام کرنے سے پہلے وہ ان نتائج کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لے اور یہ فیصلہ کرے کہ کیا وہ ان نتائج کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس کے ساتھ اس کو مایوس بھی نہیں ہونے دیا۔ اُسے بتایا کہ گناہوں اور بدکاریوں سے تائب ہو کر جب اور جہاں سے وہ نئی پاکیزہ زندگی کا آغاز کرنا چاہے اُسے اس کا موقع دیا جائے گا۔

اس آیتِ طیبہ مبارکہ میں بھی ان لوگوں کو نویدِ رحمت دی جا رہی ہے جو عمر بھر اپنے اوپر زیادتیاں کرتے رہے جن کے شب و روز فسق و فجور میں بسر ہوتے رہے جنہوں نے کفر و شرک کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو بالکل برباد کر دیا۔ ایسے لوگوں کو کہا جا رہا ہے کہ آؤ میری رحمت کا دروازہ تمہارے لیے کھلا ہوا ہے۔ اگر تم سچے دل سے تائب ہو کر نئی اور پاکیزہ زندگی شروع کرنے کا عزم کر چکے ہو تو تمہارے گناہ بے شمار اور نہایت سنگین کیوں نہ ہوں معاف کر دیے جائیں گے۔ تمہیں یہاں سے مایوس نہیں لوٹایا جائے گا۔

حدیث پاک میں اس کا شانِ نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ،

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان ناسا من اھل الشرک کانوا قد قتلوا و اکثروا و زنوا و اکثروا فاتوا محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقالوا ان الذی تقول وتدعو الیہ لحسن لو تخبرنا ان لما عملنا کفارۃ و نزل قل یعبادی الذین اسرفوا - الآیۃ

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ چند مشرک جنہوں نے سابقہ زندگی میں بکثرت قتل کیے تھے اور بکثرت زنا کا ارتکاب کیا تھا حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کرنے لگے کہ جو آپ فرماتے ہیں اور جس چیز کی دعوت دیتے ہیں وہ بہت اچھی ہے لیکن آج سے قبل ہم اتنے گناہ کر چکے ہیں جن کی بخشش کی کوئی صورت نہیں کیا آپ اس کے کفارے سے ہمیں آگاہ فرما سکتے ہیں یعنی مقصد یہ تھا کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں تو کیا ہمیں ہمارے سابقہ گناہوں پر تو عذاب نہ ہوگا۔ اگر اسلام لانے کے بعد بھی ہم جہنم میں جھونک دیے جائیں تو ہمیں اپنے آبائی دین کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

جب کفار و مشرکین کے ساتھ رحمتِ الٰہی کا یہ برتاؤ ہے تو اہلِ ایمان کے ساتھ خواہ وہ کتنے گنہگار کیوں نہ ہوں اگر وہ سچے دل سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ اسی لیے حضور رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما احب ان لی الدنیا وما فیھا بھذہ الآیۃ۔ یعنی اگر اس آیت کے عوض مجھے دنیا اور مافیہا کی دولت بھی دی جائے تو میں اس سودا کو پسند نہیں کروں گا۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا

اس سے پہلے کہ آجائے تم پر عذاب ف پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو

اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر آجائے

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ

عذاب اچانک ف اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔ (اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے

يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ

صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں ف اور میں تو

السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ

تمسخر اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا

السرف: تجاوز الحد فی کل فعل۔ ہر کام میں حد سے بڑھ جانا۔ القنوط: الیاس من الخیر۔ خیر و بھلائی سے مایوس ہو جانا۔
ان اللہ یغفر الذنوب کا مفہوم بتاتے ہوئے علامہ آلوسی فرماتے ہیں: المراد بمغفرة الذنوب التجاوز عنها وعدم المؤاخذة فی
الدنیا والآخرۃ وہو المراد بستره وقیل المراد به محوها من الصحائف بالکلیة مع التجاوز عنها۔ یعنی مغفرت ذنوب
سے مراد یہ ہے کہ ان کے متعلق نہ ظاہر میں مؤاخذہ کیا جائے اور نہ باطن میں۔ اور بعض نے فرمایا کہ دفتر عمل سے ان کو بالکل مٹا دیا جائے
اور ان کے بارے میں کوئی مؤاخذہ نہ ہو۔

ف اس کا عطف لا تقنطوا پر ہے۔ پہلے تم اپنے رب کریم کی جانب سے رخ موڑے ہوئے تھے اور گمراہی کے راستہ پر
گامزن تھے۔ اب سچے دل سے اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ سرکشی
کی حالت میں ہی پیغام اجل آجائے اور تم عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ۔ اس وقت کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکے گا۔

ف ہم نے جو بہترین کلام تمہاری طرف نازل کیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس کی اطاعت و پیروی شروع کر دو۔ ایسا
نہ ہو کہ اچانک عذاب الٰہی نازل ہو اور تمہیں نیست و نابود کر کے رکھ دے۔

ف اس وقت تم پچھتاؤ گے اپنی نالائقیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرو گے لیکن سب بے سود۔

الْمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾ أَوْ تَقُولَ حِينَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ أَنَّ لِي كَرَّةً

پرہیزگاروں میں سے ۵۸ یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے

فَأَكُونَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾ بَلَىٰ قَدْ جَاءَتْكَ آيَاتِي فَكَذَّبْتَ

تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں ہاں! آئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا

بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى

اور تو نے تکبر کیا تھا اور تو کفر کرنے والوں میں سے تھا ۵۹ اور روز قیامت آپ دیکھیں گے

الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى اللَّهِ وُجُوهُهُمْ مُسْوَدَّةٌ ۚ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ

انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا

مَثْوًى لِلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾ وَيُنَجِّي اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

تکبر کرنے والوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے ساتھ

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦١﴾ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۶۰ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا

۵۸ ان کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی۔ کبھی کچھ کہیں گے اور کبھی کچھ۔

۵۹ بارگاہ الٰہی سے ایک ہی مسکت جواب ملے گا۔

۶۰ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی یہ تفسیر نقل کی ہے:

قال: کہ حضور نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال سمیت حشر میں حاضر کرے گا۔ مومن کے عمل کی شکل بڑی خوبصورت اور اس کی مہک بڑی دل افروز ہوگی۔ جب کبھی ڈر اور خوف ہوگا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہے گا کہ مت گھبراؤ یہ خوف اور ڈر تمہارے لیے نہیں۔ وہ مومن کہے گا تو نے مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں تو ہے کون؟ وہ جواب دے گا تم مجھے نہیں پہچانتے، میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ دنیا میں تو نے میرے بوجھ کو اٹھائے رکھا اب میں تمہیں اٹھاؤں گا۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے — وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

کنجیوں کا[۶۰] — اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا — وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْۗنِّىْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ

آپ فرمایئے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں[۶۱] — اور بے شک وحی کی

اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ

گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ — کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے

اور مجھ سے ہر مصیبت کو دور کروں گا۔ فھی التی قال اللہ تعالیٰ ونجنی اللہ الآیۃ۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ملایہ

[۶۰] مقالید جمع ہے اس کا واحد مقلید یا مقلاد ہے اور اقلید کثیر الاستعمال ہے۔ اس کا معنی ہے المفتاح یعنی کنجی۔ وقیل الذی خزائن السمٰوٰت والارض : مقالید سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔

علامہ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ حضور نے فرمایا آج تک کسی نے مجھ سے یہ تفسیر دریافت نہیں کی۔ پھر فرمایا آسمانوں اور زمین کی کنجیاں یہ کلمات طیبات ہیں۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وسبحان اللہ وبحمدہ۔ استغفر اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ھو الاول والآخر والظاھر والباطن یحیی ویمیت بیدہ الخیر وھو علیٰ کل شیء قدیر۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے مقالید کی تفسیر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھی تو حضور نے یہی کلمات دس مرتبہ صبح اور دس مرتبہ شام پڑھنے کی ہدایت کی۔ جو شخص اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی کنجیوں سے خزائن ارض و سما کے قفلوں کو کھولتا ہے وہی کاسہ بھرتا ہے اور وہی ان خزانوں کی قدر و قیمت کو پہچان سکتا ہے۔ اولوالعزم اولیاء کرام اپنے ہادی و مرشد کی انہیں تعلیمات پر عمر بھر عمل پیرا رہے۔ ان وظائف و اوراد کا پابندی سے ورد کرتے رہے۔ انہیں کی برکت سے حریم قرب کے دروازے ان کے لیے کھلتے گئے۔ یہ اپنی ہمت کے پروں سے ان رفعتوں پر آشیانے بناتے رہے جہاں لوگوں کے طائر عقل و فکر کی رسائی ناممکن ہے۔ اے راہ عشق کے مسافرو! اے منزل محبت کے رہ نوردو! اٹھو ہمت سے کام لو اپنے مرشد برحق کے بتائے ہوئے کلمات طیبات کو حرز جاں بناؤ۔ تمہیں بھی ان بلندیوں پر سرفراز کیا جائے گا۔

[۶۱] کفار بارگاہ رسالت میں آئے اور کہنے لگے کہ آپ بھی (نعوذ باللہ) بتوں کی پوجا

عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ

آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ

مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا

شکر گزاروں میں سے اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور اس کی شان تو یہ ہے ساری

قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ

زمین اس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي

عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے۔ اور پھونکا جائے گا صور پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ

میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر ان کے جنہیں اللہ چاہے گا پھر دوسری بار صور پھونکا جائے

کریں۔ آپ کے بزرگوں کا بھی یہی دین تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ ان خالوں کو رد کر دیجئے۔

؎ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان بیان کی جارہی ہے کہ قیامت کے دن زمین اپنی وسعتوں، فلک بوس پہاڑوں، بیکراں سمندروں سمیت ایک چھوٹی سی گیند کی طرح اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان لپیٹ کر وہ اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے: قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقبض اللہ الارض یوم القیامۃ ویطوی السماء بیمینہ ثم یقول انا الملک این ملوک الارض (شیخین)۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے دست قدرت میں لے لے گا اور آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں، پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

؎ حضرت صدر الافاضل لکھتے ہیں یہ پہلے نفخہ کا بیان ہے۔ اس نفخہ سے جو بے ہوشی طاری ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ ملائکہ اور زمین والوں میں سے اس وقت جو لوگ زندہ ہوں گے جن پر موت وارد نہ ہوئی ہوگی وہ اس سے مر جائیں گے اور جن پر موت وارد ہو چکی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات عنایت کی۔ وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں جیسے انبیاء، شہداء ان پر اس نفخہ سے بے ہوشی کی سی کیفیت طاری ہوگی۔ اور جو لوگ قبروں میں مرے پڑے ہیں انہیں اس نفخہ کا شعور بھی نہ ہوگا۔

؎ اس استثناء میں کون داخل ہے اس میں مفسرین کے بہت اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نفخہ

أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ ۝ وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ

اس میں پھونکا جائے گا تو یکایک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے۔ اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے

رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ

نور سے ۲۹ اور رکھ دیا جائے گا دفترِ عمل اور حاضر کیے جائیں گے انبیاء اور دوسرے گواہ ۳۰ اور فیصلہ کر دیا

بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا

جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر ذرّہ بھر ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو

عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ

اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام وہ کرتے ہیں۔ اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف

ع

جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ

گروہ در گروہ ۳۱ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیے جائیں گے اس کے دروازے اور کہیں گے

صعق سے تمام آسمان اور زمین والے مر جائیں گے سوائے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و ملک الموت کے پھر اللہ تعالیٰ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہے اس میں ان فرشتوں کو بھی موت دے دے گا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ شہدا ہیں جن کے لیے قرآن کریم میں بل احیاء آیا ہے۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ وہ شہداء ہیں جو تلواریں حمائل کیے گرد عرش حاضر ہوں گے۔ تیسرا قول حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مستثنیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ آپ طور پر بیہوش ہو چکے ہیں۔ اس لیے اس نفخہ سے آپ بیہوش نہیں ہوں گے بلکہ آپ متیقظ اور ہوشیار رہیں گے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ مستثنیٰ جنت کی حوریں اور عرش و کرسی کے رہنے والے ہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ مستثنیٰ رضوان، حوریں اور وہ فرشتے جو جہنم پر مامور ہیں وہ اور جہنم کے سانپ بچھو ہیں۔ (خزائن العرفان)

۲۹ زمین سے مراد یہ زمین نہیں بلکہ میدانِ حشر ہے۔ نور سے مراد سورج اور چاند وغیرہ کا نور نہیں بلکہ یہ ایک خاص نور ہے جو اس روز اللہ تعالیٰ سے ہر چیز کو روشن کر دے گا۔

۳۰ تمام لوگوں کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ ان کے اعمال کے صحیفے رکھ دیے جائیں گے تو انبیاء تشریف لائیں گے جو اپنی اپنی امتوں پر گواہی دیں گے اور دوسرے شہداء (گواہ) بھی طلب کیے جائیں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۳۱ عدالتِ عالیہ میں جن کو جہنم رسید کرنے کا فیصلہ صادر ہو چکا ان کو کس طرح ہانک کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ

ان سے دوزخ کے پہرے دار کیا نہیں آتے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ

کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے۔ کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثابت ہو چکا ہمارے متعلق

الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

یعنی عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے ہمیشہ رہو گے

فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٧٢﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے پس کتنا برا ٹھکانا ہے مغروروں کا۔ اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے (اپنے رب)

اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ

سے جنت کی طرف گروہ در گروہ ف۷۱ حتی کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیے گئے ہوں گے

لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿٧٣﴾ وَقَالُوا

اور کہیں گے انہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور وہ (جنتی)

ف۷۱ اور جن خوش نصیبوں کے بارے میں بخش دینے کا فیصلہ ہوگا ان کو بڑی عزت و اکرام سے نعیم جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ وہ
کیا دلکش منظر ہوگا، ان پاک نفس لوگوں کو گروہ در گروہ جنت میں داخل کیا جائے گا اور سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقا و مولیٰ
حضور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں گے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: انا اول من یقرع باب الجنۃ۔ یعنی حضور نے فرمایا،
میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آتی باب الجنۃ یوم القیامۃ
فاستفتح فیقول الخازن من انت فاقول محمد (فداہ روحی وقلبی) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ قال فیقول بک امرت
الا افتح لاحد قبلک (مسند احمد) حضور نے فرمایا قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آؤں گا اور اسے کھولنے کے
لیے کہوں گا تو جنت کا خازن پوچھے گا۔ آپ کون ہیں۔ میں اپنا نام بتاؤں گا تو وہ کہے گا کہ مجھے آپ کے متعلق ہی حکم دیا گیا ہے کہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ

کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے ہیں جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس زمین کا ہم رہیں

مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۷۴﴾ وَتَرَى

اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔ پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا اور اے حبیب! آپ

الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے ارد گرد ؎ تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے

ع ۸

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے ؎

آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔

؎ دوزخی جہنم میں پھینک دیے جائیں گے اور اہل جنت فردوس بریں میں اقامت گزیں ہو جائیں گے۔ اس وقت نورانی ملائکہ اللہ تعالیٰ کے عرش کے ارد گرد حلقہ باندھے اپنے رب کریم کی حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہوں گے۔

؎ یہ حمد کہنے والا کون ہوگا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں، ای نطق الکون اجمع ناطقہ وبحمدہ للہ رب العالمین۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اپنے خالق و مالک کریم و رحیم پروردگار کی حمد کرے گی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین شفیع المذنبین وعلی آلہ و
اصحابہ ومن تبعہ واحبہ الی یوم الدین۔ ربنا اغفر لی ولوالدی وللمومنین
یوم یقوم الحساب۔

محمد کرم شاہ

۲۵ رمضان المبارک یوم الاثنین ۹۱ھ
۱۵ نومبر ۱۹۷۱ء

نظر ثانی: ۳۰ رجب المرجب یوم جمعہ ۹۲ھ
۱۰ ستمبر ۱۹۷۲ء

تعارف

سُورۃ المومن

نام: اس سورہ مبارکہ کا نام المومن ہے جو آیت ۲۸ "وقال رجل مومن من آل فرعون" سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورہ غافر اور سورہ الطول بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں نو رکوع اور پچاسی آیتیں ہیں۔ یہ ایک ہزار ایک سو ننانوے کلمات اور چار ہزار نو سو ساٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ جابر بن زید سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورہ زمر کے مابعد ہوا۔ (روح المعانی)
جمہور علماء تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تمام آیتیں مکی ہیں۔ بعض نے ان الذین یجادلون الخ کو مدنی کہا ہے لیکن جمہور کا قول ہی صحیح ہے۔

زمانہ نزول: مکی دور کے اس مرحلہ میں یہ سورت نازل ہوئی جب اسلام اپنی دلآویز تعلیمات کے باعث دلوں کو فتح کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر قسم کی مشکلات کے باوجود سلیم الطبع لوگ اس کی دعوت کو تیزی سے قبول کرنے لگے تھے۔ کفر کے سرغنوں کو اپنے پاؤں تلے سے زمین سرکتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھی۔ انہوں نے مشتعل ہو کر بے بنیاد الزامات اور جھوٹے بہتان لگانے کی مہم تیز کر دی تھی۔ کبھی حضور کی آفتاب سے تابندہ سیرت پر انگشت نمائی کی جاتی۔ کبھی حضور کے عملی اقدامات پر اعتراض کیے جاتے۔ کبھی قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا جاتا اور کبھی وقوع قیامت پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی جاتی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح لوگ اسلام سے بدگمان ہو جائیں اور اسلام قبول کرنے کی جو تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے وہ ختم ہو جائے۔ اس سورت میں انہی کے اٹھائے ہوئے شکوک و شبہات کو دور کیا جا رہا ہے۔

مضامین: اس سورت کا آغاز اتنا پر شکوہ اور پر جلال ہے کہ قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرمایا یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف نہیں بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ عزیز و علیم بھی ہے، غافر الذنب و قابل التوب اور صاحب جود و کرم بھی ہے۔ کیا ایسے خدا کی نازل کردہ کتاب میں کوئی نقص تلاش کیا جا سکتا ہے۔
دیگر مضامین کے علاوہ اس سورت میں دو امور کی طرف خصوصی توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہر بات پر جھگڑتے اور تکرار کیا کرتے جس سے حضور کے قلب نازک کو اذیت پہنچتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو تسلی دے رہے ہیں کہ گزشتہ اقوام کے کفار کا رویہ بھی اپنے رسولوں کے ساتھ اسی نوعیت کا تھا۔ وہ بات بات پر اپنے انبیاء سے جھگڑتے، ان کا مذاق اڑاتے، انہیں طرح طرح کی اذیتیں پہنچاتے، اس کا انجام یہ ہوا کہ غضب الٰہی کی بجلی کوندی اور

انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ اگر کفار مکہ نے اپنی یہ روش ترک نہ کی تو وہ بھی اسی ہولناک انجام کے لیے تیار ہو جائیں۔
ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اے میرے حبیب! اگر یہ لوگ مجھے اپنا رب تسلیم نہیں کرتے، میری وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ وہ مخلوق نوری مخلوق جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہے اور اس کے اردگرد مصروف طواف ہے وہ ہر وقت میری حمد بھی کر رہی ہے میری تسبیح بھی کر رہی ہے نیز تیرے غلاموں کے لیے وہ ہر وقت میری جناب میں مغفرت کی دعائیں مانگ رہی ہے۔ یہ فرشتے صرف نیک اور متقی لوگوں کی بلندی درجات کے لیے دعا گو نہیں بلکہ ان کے والدین، ان کے اہل و عیال کی بخشش اور بلندی درجات کے لیے بھی مصروف التجا رہتے ہیں۔
دوسری چیز جو بڑی اہمیت سے اس سورت میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت حق دی اور اپنے قول کی صداقت کو روشن معجزات سے ثابت کر دیا تو اس نے اعیان حکومت کی مجلس مشاورت طلب کی، اس میں اس کا وزیر ہامان اور دیگر اہم شخصیتیں شریک ہوئیں۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبہ کے لیے ان کی تائید حاصل کرنا چاہی۔ انہیں اس دعوت کے خطرناک مضمرات سے آگاہ کیا اور انہیں بتایا کہ اگر تم نے موسیٰ کو کھلی ہی کھلی چھٹی دیے رکھی تو وہ تمہارے عقائد کو بگاڑ کر رکھ دے گا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا بہتر یہ ہے کہ حالات کے بے قابو ہونے سے پہلے حضرت موسیٰ کو ختم کر دیا جائے۔ اس وقت قبطی قوم کا ایک فرد جس نے ابھی تک اپنا ایمان ظاہر نہیں کیا تھا، اٹھ کھڑا ہوا اور اس جرأت سے اس نے موسیٰ علیہ السلام کا دفاع کیا کہ فرعون لاجواب ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے کارناموں اور آپ کی دعوت کی برکات کو بڑی وضاحت سے ذکر کیا کہ سامعین پر سناٹا چھا گیا۔ عاد و ثمود کے حالات سنا کر ان کو عبرتناک انجام سے بچنے کی ہدایت کی۔ اس مرد مومن کے نعرۂ قلندرانہ نے فرعون کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔
اب فرعون نے پینترا بدلا اور ایک نئی چال چلی۔ ہامان کو ایک بہت بلند مینار تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کے اوپر چڑھ کر آسمان میں جہاں تک ہو سکے تسلی کر لی جائے کہ موسیٰ کا خدا زمین میں بھی نہیں اور آسمان میں بھی نہیں تو اب ہم اسے ڈھونڈنے کہاں جائیں۔
اس سے واضح ہوا کہ بندۂ حق کیش جب نعرۂ مستانہ بلند کرتا ہے تو باطل اپنے تمام کر و فر کے باوجود اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سورت میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی پر تکوینی دلائل پیش کیے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والے کو حق الیقین نصیب ہو جائے کہ جس کی قدرت کے یہ کرشمے ہیں وہی رب السموٰت والارض ہے۔
قیامت کے روز کفار و مشرکین کا جو حسرتناک انجام ہوگا، اس کی بھی تصویر کشی کر دی گئی ہے تاکہ جو لوگ اس ہولناک انجام سے بچنا چاہتے ہیں، وہ ابھی سے سنبھل جائیں۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   آيَاتُهَا ۸۵ رُكُوْعَاتُهَا ۹

سورہ المومن مکی ہے   اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔   ۸۵ آیتیں، ۹ رکوع

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝٢ غَافِرِ

حا۔ میم سلہ اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے ۲ے گناہ بخشنے والا

سلہ حٰم حروف مقطعات میں سے ہے ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے بعض کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

قال عكرمة قال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم حٰمٓ اسمٌ من اسماء الله تعالى وهي مفاتيح خزائن ربك (قرطبی)

علامہ اسماعیل حقی اس ضمن میں لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ہر اسم اس کے غیر ازلی خزانوں میں سے کسی خزانہ کی کنجی ہوا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی اسم الٰہی کا ورد کرتا ہے تو اس شخص کی روح اور اس اسم میں ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ اسے ذات خداوندی کے قریب کر دیتی ہے۔ اس وقت اس بندہ پر انوار الٰہی کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اور حسب استعداد وہ فیضان حاصل کرتا ہے۔ فحينئذ يتجلى له الحق سبحانه من مرتبة ذلك الاسم ويفيض عليه ما شاء بقدر استعداده وكل اسمائه تعالى اعظم عند الحقيقة۔ (روح البیان)

سلہ تنزیل مصدر ہے لیکن منزل (اسم مفعول) کے معنی میں ہے۔ تنزيل مصدر لكن المراد منه المنزل (کبیر) اس کی ترکیب میں متعدد اقوال ہیں یہ خبر ہے مبتدا محذوف (هذا) کی یا حٰمٓ مبتدا ہے اور تنزیل اس کی خبر۔ یا یہ خود مبتدا ہے اور من اللہ اس کی خبر۔

جن ایام میں یہ سورت نازل ہوئی کفار نے بہتان طرازیوں اور افترا پردازیوں کا ایک طوفان برپا کر رکھا تھا ہر طرح کے جھوٹے الزامات لگانے کی مہم زوروں پر تھی۔ ذات پاک مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کی ذات اقدس پر اور اسلامی عقائد پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع تھی۔ اس جھوٹے پراپیگنڈہ سے کفار لوگوں کی توجہ اسلام سے ہٹانے کی کوشش میں سرگرم معروف تھے۔ اس لیے اس سورت کا آغاز انتہائی پرجلال اور پرشکوہ انداز سے کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ ہمہ تن گوش بن کر اس کی طرف متوجہ ہوں۔ بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب کسی انسان کی تصنیف شدہ نہیں تاکہ اس میں طرح طرح کی خامیوں کا احتمال ہو بلکہ یہ آسمان سے اتاری گئی ہے اور اس کا اتارنے والا خداوند ذوالجلال ہے جو عزیز ہے یعنی سب سے زبردست اور سب پر غالب اور علیم ہے یعنی ماضی، حال، مستقبل اس کے علم کے سامنے یکساں ہیں۔ وہ ہر چھوٹی بڑی ظاہر و مخفی چیز کو جاننے والا ہے وہ کتاب جو آسمان سے اتری ہو اور اس کا اتارنے والا ان عظمتوں اور قدرتوں کا مالک ہو وہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے توجہ سے سنا

الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلٰهَ

اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا فضل وکرم فرمانے والا ہے نہیں کوئی خدا

جائے خوب سمجھا جائے اور اس کے ارشادات کو تسلیم کیا جائے۔

۳ قرآن نازل فرمانے والے خداوند قدوس کی چند دوسری صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

سورہ زمر کے آخر میں کفار کے ہولناک انجام کا ذکر کیا گیا تھا اب اپنی مغفرت و رحمت کی نوید سنا کر انہیں مایوسی کے اندھیروں سے نکالا جا رہا ہے۔ وہ غافر الذنب ہے یعنی گناہوں کی پردہ پوشی فرمانے والا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی بدکار ہو جب وہ اس کے دربار میں ندامت و شرمندگی کی تصویر بن کر آ جاتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کو اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانپ دیتا ہے کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس نے کبھی کوئی گناہ یا قصور کیا تھا۔

قابل التوب، یعنی جب کوئی توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی سابقہ سرکشیوں کے باعث اپنے باب کرم سے دھتکار نہیں دیتا بلکہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے گناہوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں چھوڑتا۔ توب، مصدر ہے تاب یتوب کا اس کا لغوی معنی ہے رجوع کرنا، لوٹنا۔ اور اہل شریعت نے توبہ کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے:

والتوبة فی الشرع ترک الذنب لقبحه والندم علی ما فرط منه
والعزيمة علی ترک المعاودة وتدارک ما امكنه ان يتدارك من الاعمال
بالاعادة (روح البيان)

یعنی شریعت میں توبہ ان چار چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے کہ گناہ کو قبیح سمجھتے ہوئے چھوڑ دے جو قصور سرزد ہو چکا ہے اس پر دل سے شرمسار ہو۔ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو گزشتہ اعمال کا تدارک کرے۔

غافر اور قابل کے درمیان واؤ عطف ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ دونوں الگ الگ صفتیں ہیں وہ توبہ کرنے والے کی توبہ بھی قبول کرتا ہے اور جو توبہ نہیں کرتے وہ اتنا کریم ہے کہ جس کو چاہتا ہے توبہ کے بغیر بھی بخش دیتا ہے کیونکہ توبہ کے بغیر بخشش میں اس کی شان کریمی کا ظہور زیادہ ہے اس لیے غافر الذنب کو پہلے ذکر کیا۔

۶ اس کا عذاب بھی بہت شدید ہے جب پکڑتا ہے تو کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ یہاں شدید عقاب کی صفت مقدر ہے۔

۷ طَول کہتے ہیں فضل و انعام کو۔ الطول بالفتح: المن يقال منه طال عليه وتطول عليه اذا امتن عليه (صحاح) ابن منظور نے اس کا معنی قدرت بھی لکھا ہے۔

ذی الطول ای ذی القدرة (لسان العرب)

إِلَّا هُوَ ۖ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿٣﴾ مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ

اس کے سوا ۔ اسی کی طرف واپس لوٹنا ہے ۔ نہیں جھگڑا کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر

۔ جو ذات ان صفات جلیلہ کاملہ کی مالک ہے وہی عبادت کے لائق بھی ہے اس کے سوا کوئی ان صفات جلیلہ سے متصف ہے اور نہ کوئی معبود بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

۔ اس میں اطاعت گزاروں کے لیے مژدہ ہے اور عاصی نافرمانوں کے لیے سرزنش ہے۔

علمائے تفسیر نے یہاں بڑا روح افزا اور بصیرت افروز واقعہ بیان کیا ہے اس کا یہاں لکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ شام کا ایک آدمی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اس کی پارسائی، تقویٰ اور دین کے لیے اس کی حمیت کے باعث آپ اس کو اپنا بھائی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ شام سے ایک آدمی آیا۔ آپ نے اس سے اپنے دوست کی خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ وہ تو تباہ ہو گیا ہے۔ شراب پیتا ہے، کھاتا پیتا ہے اور وہ فسق و فجور کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ سن کر آپ کو از حد رنج ہوا۔ فرمایا جب واپس جانے لگو تو مجھے بتے جانا۔ روانگی کے وقت وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اپنے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو:

"من عمر بن الخطاب الی فلان سلام علیکم فانی احمد الیک اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھو غافر الذنب وقابل التوب شدید العقاب ذی الطول لا الٰہ الا ھو الیہ المصیر۔"

ترجمہ: یہ خط عمر بن الخطاب سے فلاں شخص کی طرف۔ تم پر سلام ہو میں تیری طرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے۔ گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت عذاب والا۔ بڑی قدرت والا اس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔"

پھر خود بھی اس کی ہدایت کے لیے دعا مانگی اور حاضرین مجلس سے بھی اس کے لیے دعا منگوائی اور یہ خط اس شخص کو دیا اور فرمایا کہ یہ میرے دوست کو پہنچا دینا۔ جب اس دوست نے خط پڑھا، تو اس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسنے لگا۔ روتا تھا اور خط کو بار بار پڑھتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہوں سے توبہ کی فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے اطاعت و اتقیاء کی زندگی بسر کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب اس کی توبہ کی اطلاع ملی تو آپ بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے: ھکذا فاصنعوا اذا رأیتم اخاکم زل زلۃ فسددوہ ووفقوہ وادعوا اللّٰہ لہ ان یتوب علیہ ولا تکونوا اعوانا للشیاطین علیہ۔ یعنی تم بھی جب اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ راہ راست سے اس کا قدم پھسل گیا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا کرو۔ اسے سیدھی راہ پر لانے کی کوشش کرو۔ اس کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ یعنی اگر تم اسے برا بھلا کہنا شروع کر دو گے اس پر طعن و تشنیع کے تیر برسانے لگو گے تو وہ اپنی ضد پر پکا ہو جائے گا اور اسے اپنی عزت نفس کا سوال بنا کر گمراہی میں دور نکل جائے گا۔

سبحان اللہ! دعوت و ارشاد اور تبلیغ و اصلاح کا کیا حکیمانہ انداز ہے۔

كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

کافر ۳؎ پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا دبدبے کے ساتھ پھرنا، آنا جانا مختلف شہروں میں ۴؎ جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم

نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ

نوح نے اور کئی دوسرے گروہوں نے ان کے بعد۔ اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق

لِيَأْخُذُوهُ ۖ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ

کہ اسے گرفتار کر لیں اور جھگڑتے رہے (اس کے ساتھ) ناحق تاکہ جھٹلا دیں اسکے ذریعے حق کو۔ پس میں نے پکڑ لیا انہیں۔

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ

پس کیا شدید تھا میرا عذاب ۵؎ اور اسی طرح واجب ہو گیا اللہ کا فیصلہ

۳؎ بحث و تکرار کبھی افہام و تفہیم کے لیے، کوئی مشکل مسئلہ حل کرنے کے لیے، کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے اور منکرین حق کے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ بحث و تکرار مستحسن ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور قرآن میں اسے جدال بالتی ھی احسن فرمایا گیا ہے لیکن ایسا جدال اور مناظرہ جس سے مقصد فضول شبہات پیدا کر کے حق کو مشکوک کرنا، آیات الٰہی میں باہمی تناقض ثابت کرنا، ان کی تضحیک کرنا یا ان کی ایسی تاویل کرنا جس سے دوسری آیات کی نفی ہوتی ہو۔ ایسے جدال کی جرأت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں خدا اور رسول پر ایمان نہ ہو۔ مشرکین مکہ کا دن رات یہی شغل تھا، وہ قرآن کے بیان کردہ عقائد کو غلط ثابت کرتے۔ ایک آیت کو دوسری آیت سے متضاد ثابت کرتے۔ طرح طرح کے شکوک و شبہات کا غبار اڑا کر حق کے حسن و جمال کو مستور کرتے۔ ان کی اس نازیبا اور غیر شائستہ حرکت پر انہیں سرزنش کی جا رہی ہے۔

۴؎ بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہ پیدا ہوتا کہ اگر واقعی یہ حق کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سچے رسول کو جھٹلاتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کو تباہ و برباد کیوں نہیں کر دیتا۔ یہ کیوں بڑے کروفر سے کبھی اپنے تجارتی قافلے لے کر شام کی طرف اور کبھی یمن کی طرف جا رہے ہیں اور ہر بار دولت و ثروت کے ڈھیر سمیٹ کر واپس آتے ہیں۔ ارشاد ہے: اے دیکھنے والے! تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈال دے۔ ہم نے کچھ عرصہ کے لیے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ اگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کی تباہی یقینی ہے۔ خدا کا عذاب آئے گا اور ان کا نام و نشان مٹا کر رکھ دے گا۔

۵؎ ان سے پہلے بھی کئی بدبخت قوموں نے یہ وطیرہ اختیار کیا۔ انہوں نے اپنے رسولوں کو اپنا قیدی بنانے کے منصوبے بنائے اور غلط طریقوں سے ان کے ساتھ جھگڑتے رہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح وہ حق کو مٹا دیں گے لیکن ہمارے عذاب نے

كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ

کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں ۔ ؎ جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو ؎ اور وہ جو

حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ

عرش کے ارد گرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں ؎ حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں

اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ

ایمان والوں کے لیے ؎ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو نے گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے سو بخش دے

انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور ان کا انجام تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ اَدْحَضَ الحجۃ ابطلہا (منجد) کسی دلیل کے باطل کرنے کو عربی میں اَدْحَضَ کہتے ہیں۔

؎ صرف دنیا میں ہی ان پر عذاب نہیں آئے گا بلکہ اللہ تعالیٰ نے حتمی فیصلہ فرما دیا ہے کہ جو کفر پر مرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ کے لیے جھونک دیا جائے گا۔

؎ کفار و مشرکین مسلمانوں کی جس طرح دلآزاری کیا کرتے تھے اور ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس و اطہر پر جھوٹے بہتان لگاتے تھے ان کا ذکر پہلے گزرا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یہ بتا کر تسلی دے رہے ہیں کہ یہ اوباش اور کمینے لوگ اگر ایسا کرتے ہیں تو کیا ہوا۔ وہ عظیم المرتبت فرشتے جو عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ مقرب ملائکہ جو ہر لحظہ عرش الٰہی کے طواف میں سرگرم ہیں اور اپنے رب کریم کی حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں وہ تو ہر لمحہ تمہارے لیے بارگاہ الٰہی میں دست بدعا رہتے ہیں اور تمہارے لیے استغفار کرتے ہیں۔ تمہارے مراتب کی بلندی، تمہارے اور تمہارے ماں باپ، ازواج و اولاد کے لیے دخول جنت کی التجائیں کرتے ہیں، پھر تمہیں بے مزہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

؎ یہ فرشتے اپنے رب کی تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس کی حمد و ثنا بھی کرتے ہیں۔ وہ کن کلمات سے تسبیح کرتے ہیں اس کے بارے میں ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: سبحان ذی العزۃ والجبروت۔ سبحان ذی الملک والملکوت سبحان الحی الذی لا یموت۔ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ ان کے حیا اور ادب کا یہ عالم ہے کہ یہ ہمیشہ سر جھکائے رہتے ہیں آنکھ اوپر اٹھا کر دیکھتے ہی نہیں، جلال الٰہی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

یؤمنون بہ کے کلمات سے مشرکین عرب کی غلطی کا ازالہ کر دیا کہ فرشتے نعوذ باللہ اس کی بیٹیاں نہیں بلکہ وہ بھی اس کے وجود پر اس کی توحید و کبریائی پر اسی طرح ایمان لے آئے ہیں جیسے دوسری مخلوق۔

؎ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے علاوہ ان ملائکہ کا دوسرا وظیفہ یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کی مغفرت کے لیے سراپا دعا بنے رہتے ہیں

تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ

انھیں جنھوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے تیرے راستہ کی اور بچا لے انھیں عذاب جہنم سے ۱۲ اے ہمارے رب! داخل فرما

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ

انھیں سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین،

اَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَقِهِمُ

ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے بیشک تو ہی سب پر زبردست اور حکمت والا ہے ۱۳ اور بچا لے انھیں

۱۱ اصل عبارت یوں تھی وسعت کل شیء رحمتک وعلمک یعنی تیری رحمت اور علم ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے لیکن اس کے بجائے وَسِعْتَ فرمایا کہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ ذات باری سراپا رحمت اور سراسر علم ہے۔ اور یہاں علم سے رحمت کو مقدم کیا کیونکہ بخشش کا ذکر ہو رہا ہے۔ آداب دعا میں سے یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف و تمجید کی جائے پھر حمد باری کے بعد اس رحیم و کریم کے حضور دستِ سوال دراز کیا جائے۔

۱۲ یہاں ملائکہ کی دعا کا ذکر ہو رہا ہے۔ الٰہی کیونکہ تیری رحمت کا دامن بڑا وسیع ہے اس لیے تو ان کی توبہ کو قبول فرمالے الٰہی جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرے نبی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے ان کو بخش دے اور انھیں عذاب جہنم سے بچالے اور انھیں جنتِ عدن میں داخل فرما۔

۱۳ الٰہی! ان کے ماں باپ، ان کی ازواج اور اولاد کو بھی بخش دے جو مغفرت کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بخشے جانے کے قابل ہیں۔ بخشش اور مغفرت کا وہی مستحق ہوتا ہے جو ایماندار ہو۔ ان لوگوں کا متقی، عابد اور زاہد ہونا ضروری نہیں کیونکہ ایسے لوگ تو بلاتِ خود بخش دیے جاتے ہیں۔ ان کو اپنی بخشش کے لیے اپنی اولاد یا والدین کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: لعل المراد بالصلاح ههنا نفس الايمان۔ یعنی یہاں صلاح کا معنی صرف ایمان ہے۔ کیونکہ انسان جب صفتِ ایمان سے متصف ہو جاتا ہے تو وہ بخشش کے لائق ہو جاتا ہے۔ پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات ہم نے اس لیے کہی ہے تاکہ مغفرت اور سلوک علیہ میں تغایر پایا جائے۔ یہاں بھی صلح سے مراد زہد، تقویٰ اور نیکی ہو تو پھر یہ الذین تابوا کے زمرہ میں داخل ہو گئے ان کو علیحدہ ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ امام بغوی سعید بن جبیر سے روایت کرتے ہیں کہ جب مومن جنت میں داخل ہوگا تو پوچھے گا میرا باپ کہاں ہے؟ میری ماں کہاں ہے؟ میرے بچے کہاں ہیں۔ میری بیوی کہاں ہے؟ اسے بتایا جائے گا کہ انھوں نے تیری طرح نیک اعمال نہیں کیے؛ اس لیے وہ یہاں موجود نہیں۔ تو وہ جنتی جواب میں کہے گا کہ میں اپنے لیے اور ان کے لیے نیک اعمال کیا کرتا تھا پھر کہا جائے گا کہ ان لوگوں کو بھی جنت میں داخل کر دو۔ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن مرفوع کے

السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ

سزاؤں سے ف۹ اور جس کو تو نے بچا لیا سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر اور یہی ہے

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ⑨ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ

بہت بڑی کامیابی ف۱۰ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں پکارا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے)

اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩

بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہو رہی ہے، جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے تھے ف۱۱

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا

وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندہ کیا پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

کا۔ سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے ف۱۲ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم

حکم میں ہے۔ اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں صَلَحَ سے مراد نفس ایمان ہے۔ (مظہری)

ف۹ سیئات کا ایک معنی عقوبات کیا گیا ہے یعنی الٰہی ان کو ہر قسم کی سزاؤں سے بچا۔ اور اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ الٰہی دنیا میں ان کو گناہوں اور اعمال قبیحہ سے بچا۔ خود ان کی نگہبانی فرما اور نفس و شیطان کی فتنہ انگیزی سے محفوظ رکھ۔

ف۱۰ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا کہ قیامت کے روز جن کو تو عذاب سے بچا لے ان پر تو نے رحمت فرمائی۔ دوسری صورت میں معنی ہوگا کہ اس دنیا میں جن کو تو نے گناہوں سے محفوظ رکھا ان پر تو نے بڑا احسان فرمایا۔ فرشتوں کے دل میں ہمارے لیے خلوص اور خیر خواہی کے یہ پاکیزہ جذبات کیونکر پیدا ہوئے اس کی وجہ محض ایمان ہے۔

ف۱۱ قیامت کے دن کفار کو جب جہنم رسید کر دیا جائے گا اس وقت انہیں اپنی حماقتوں کا احساس ہوگا اور انہیں اپنے آپ پر بڑا غصہ آئے گا اپنی عقل و فہم پر نفرین بھیجیں گے اور اپنی ہٹ دھرمی کو کوسیں گے اور غصے سے پیچ و تاب کھائیں گے۔ فرشتے ان کی یہ حالت دیکھ کر انہیں کہیں گے کہ جتنا غصہ آج تمہیں اپنے آپ پر آ رہا ہے کل دنیا میں جب اللہ تعالیٰ کا رسول تمہیں ایک خدا کی دعوت دیتا تھا تم اس کو ٹھکرا کر کفر و شرک کا ارتکاب کرنے کا فیصلہ کر لیا کرتے تھے اور تم ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کا تم پر غضب بھڑک اٹھا تھا اور اس کا غضب اس سے کہیں زیادہ تم پر آتا تھا۔ ف۱۲ کفار کہیں گے دو مرتبہ تو نے ہمیں موت کا مزا چکھایا اور دو مرتبہ زندہ کیا۔ دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے

كَفَرْتُمْ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾ هُوَ

انکار کر دیتے اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے تھے ۲۲ پس حکم کا اختیار اللہ کے لیے ہے جو برتر اور بزرگ ہے ۲۳

الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ

وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں ۲۴ اور اتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے رزق ۲۵ اور نہیں نصیحت

إِلَّا مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ

قبول کرتا مگر وہ جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا ہے ۲۶ تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لیے دین کو

پارہ میں گزر چکا ہے۔ کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون۔ کفار کو جب دوزخ میں پھینک دیا جائے گا تو وہ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے اور تسلیم کریں گے کہ حیات بعد الموت جس کا آج تک وہ انکار کرتے رہے عین حق ہے۔ اعتراف گناہ کے بعد پوچھیں گے کہ کیا اب اس دوزخ سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے۔ جواب ملے گا نہیں بالکل نہیں اب تمہیں یہیں رہنا پڑے گا۔

۲۲ یہ کس جرم کی سزا ہے کیا تم جانتے ہو؟ یہ اس جرم کی سزا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر کیا جاتا تو تم اسے ماننے سے انکار کر دیتے اور اس کے ساتھ جب تمہارے معبودان باطل کو شریک ٹھہرایا جاتا تو تم فوراً اس بات کو تسلیم کر لیا کرتے تھے۔ خدا کی توحید کے انکار کی یہ سزا ہے جس میں تم مبتلا ہو۔

۲۳ تمہارے متعلق فیصلہ کرنے کا کلی اختیار اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ تمہارے وہ معبود جن کو تم بڑے اصرار سے خدا کا شریک بنایا کرتے تھے وہ اس خدائی فیصلہ میں رد و بدل کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں اس لیے نہیں بخشے گا کہ تم اس پر ایمان ہی نہیں لائے اور جب بھی اس کی توحید پر ایمان لانے کی تمہیں دعوت دی گئی تم فوراً بپھر جاتے تھے اور جن خداؤں کی پوجا میں تم مگن رہا کرتے تھے ان کا آج کوئی بس نہیں چلتا، بلکہ آج تو ان کا نام و نشان تک بھی نہیں ملتا اس لیے اب تمہارے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔

۲۴ یعنی وہ تمہیں ایسی نشانیاں دکھاتا ہے جن کے دیکھنے کے بعد اس کی وحدانیت، اس کی حکمت بالغہ، قدرت کاملہ اور علم محیط کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔

۲۵ اس کی وحدانیت اور اس کی حکمت کی ایک واضح نشانی بیان کر دی۔ رزق سے مراد یہاں بارش ہے۔ رزقا ای مطرا یکون سببا لرزقکم فیہ۔ مگر اسی ایک نشانی پر غور کیا جائے تو سارے حجاب اٹھ جاتے ہیں۔

۲۶ لیکن اس سے فائدہ صرف وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں رجوع الی اللہ کا جذبہ موجود ہو۔

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ

اگرچہ ناپسند کریں کفار۱۸ بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک ۱۹ نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ۲۰ تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ۲۱ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے ۲۲

۱۸ کفار نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک بنایا، ان کا انجام تم نے دیکھ لیا تم یہ غلطی ہرگز نہ کرنا۔ فقط اسی کی عبادت کرنا اور اپنے عقیدہ میں شرک کی ذرا آمیزش نہ ہونے دینا کفار کی برہمی اور اہل باطل کی تعنما پرواہ نہ کرنا۔ اگر اس غلطی کا ارتکاب تم نے بھی کیا تو تمہارا انجام بھی بڑا اندوہناک ہوگا۔

۱۹ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ کی مزید تین صفات کمال بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ (۱) رفیع الدرجات یعنی وہ اپنی مخلوق کے مراتب و درجات کو ان کی طبعی استعداد اور ان کے حوصلہ و ہمت اور سعی پیہم کے مطابق یا محض اپنی جود و عطا سے بلند فرمانے والا ہے ——— اس صورت میں یہ رفیع بمعنی رافع ہوگا اور اگر رفیع بمعنی مرتفع ہو تو پھر اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی شان سب سے ارفع ہے کوئی چیز کسی حیثیت سے اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ (۲) ذوالعرش، وہ عرش کا مالک ہے یعنی عالم امکان کی فرمانروائی کا تخت اس کے تصرف میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے مطابق ظہور پذیر ہو رہی ہے۔ اس کے اذن کے بغیر پتہ جنبش نہیں کر سکتا، کوئی ذرہ اپنی جگہ سے سرک نہیں سکتا۔ زندگی اور موت، عزت و ذلت، صحت و بیماری، غربت و ثروت سب اس کی شان ربوبیت کی جلوہ نمائیاں ہیں۔ (۳) یلقی الروح، روح سے مراد یہاں وحی ہے یعنی جس طرح آسمان سے بارش اتار کر انسان کی مادی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی گئی ہے۔ ہر چیز کو اس کی طبیعت، مزاج اور ضرورت کے مطابق رزق بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کی اخلاقی، روحانی ترقی اور نشوونما کے لیے اللہ تعالیٰ وحی نازل فرماتا ہے۔

۲۰ حضرت ابن عباس نے من امرہ کا معنی من قضائہ کیا ہے۔ (مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کو چن لیتا ہے اور اس پر وحی نازل کرتا ہے۔ کسی پر وحی کا نزول محض اس کا فضل و کرم ہے۔

۲۱ انبیاء کرام کو وحی سے سرفراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو خواب غفلت سے بیدار کریں اور انہیں غلط روی کے خطرناک انجام سے بروقت خبردار کریں۔ یوم التلاق سے مراد قیامت کا دن ہے کیونکہ اگلے پچھلے سب وہاں ملاقات کریں گے۔ ۲۲ سب قبروں سے نکل کر دست بستہ بارگاہ رب ذوالجلال میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کا ظاہر و باطن عیاں ہوگا۔ بڑے بڑے تاجدار، کشور کشا، فاتح عالم جو بڑے مغرور اور متمرد تھے اور انا ربکم الاعلیٰ کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ بڑے بڑے چنگیز اور ہلاکو وہاں کھڑے ہوں گے اس وقت اعلان کیا جائے گا۔ لمن الملک الیوم: اے سرکشو! اے متکبرو! جابرو! آج فرمانروائی کس کی ہے۔ ہر طرف سناٹا طاری ہو جائے گا، ہر طرف خاموشی اور سکوت ہوگا۔ کسی کو ہمت نہ ہوگی

لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے کس کی بادشاہی ہے آج ؟ کسی کی نہیں، صرف اللہ کی جو یکتا

الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ

اور قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ

بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔ اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل (خوف سے)

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ڛ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ

حلق تک آجائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے نہ ہوگا ظالموں کے لیے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی

کو جواب دے سکے لہذا وہی خالقِ کائنات جواب دے گا۔ للّٰہ الواحد القہار۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو حکم دے رہا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہولِ قیامت سے ڈرایئے تاکہ وہ توبہ کریں اور اس کے خشم و غضب کے عذاب سے بچ جائیں۔ آزِفَہ کا معنی ہے بہت جلد آنے والی۔ قرآن مجید میں متعدد بار قیامت کے بارے میں یہی بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ وہ بالکل قریب آ پہنچی ہے۔ اس کے آنے میں دیر نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ ابھی سے اس کی تیاری شروع کر سکیں۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے عقائد کی درستی اور اخلاق کی اصلاح کا اہتمام شروع کر دیں۔

قیامت کی ہولناکی اور شدت کی تصویر کشی کی گئی ہے یعنی اس روز ہولناک مناظر کو دیکھ کر لوگوں پر اتنی دہشت اور خوف طاری ہوگا کہ دل پہلو سے اچھل کر گلے میں اٹک کر رہ جائیں گے۔ نہ اپنی جگہ پر واپس جا سکیں گے تاکہ سکون نصیب ہو اور نہ گلے سے باہر نکل سکیں گے تاکہ رشتۂ حیات منقطع ہو اور قصہ ختم ہو بلکہ گلے میں اٹکے رہ جائیں گے موت آئے گی کہ جان چھوٹے اور نہ ایسے آرام و سکون ہوگا۔

ایسے مشکل وقت میں کوئی جگری دوست انہیں نظر نہیں آئے گا جو ان کا غم غلط کر سکے یا ان کے دکھ کو ہلکا کر سکے اور نہ کوئی ایسا سفارشی انہیں ملے گا جس کی شفاعت بارگاہِ الٰہی میں قابلِ قبول ہو۔

ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے لوگوں سے یارانے گانٹھے تھے لیکن اس دن کوئی یار ان کے نزدیک تک سے گزرنا بھی روا نہ رکھے گا۔ یہ بتوں کی پوجا ذوق و شوق سے اس لیے کیا کرتے تھے کہ قیامت اگر آ بھی گئی اور انہیں دھر بھی لیا گیا تو یہ بت ان کی سفارش کریں گے اور ان کو آتشِ جہنم سے نکال لیں گے لیکن ان بیچارے بتوں کو تو لب کشائی کی جرأت ہی نہ ہوگی۔ وہ اس

يُطَاعُ ﴿۱۸﴾ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ

سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے چھپائے ہوئے ہیں ۲۵ اور اللہ

يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ

فیصلہ فرماتا ہے حق کے ساتھ ۲۶ اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں

بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي

کر سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی

ع ۲

الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

زمین میں تاکہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے ۲۷

دن ان کے کسی کام نہیں آئیں گے۔

۲۵ اللہ تعالیٰ کے علم محیط سے ظالموں کی کوئی حرکت اور کوئی کرتوت پوشیدہ نہیں بلکہ اس کو تو ان کی آنکھوں کی خیانت [illegible] کا بھی علم ہے اور ان کے سینوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔

۲۶ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام حقائق سے آگاہ ہے اس لیے اس کا فیصلہ برحق ہوگا اور کفار کے معبودانِ باطل جو اندھے، بہرے جاہل بلکہ بے جان پتھر یا دھات کے مجسمے ہیں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔

۲۷ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول انہیں عرصہ سے دعوتِ حق دے رہا ہے۔ اپنی دعوت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے شواہد اور معجزات پیش کر رہا ہے لیکن یہ لوگ بدستور گوش ہیں اور اخلاص بھری دعوت کو لائقِ التفات ہی نہیں سمجھتے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے یہ ٹھاٹھ سدا یوں ہی رہیں گے۔ ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے۔ جزیرۂ عرب کے جس علاقے میں ان کا گزر ہوتا ہے لوگ فرطِ عقیدت سے اپنی آنکھیں فرشِ راہ کر دیتے ہیں۔ انہیں کیا ضرورت ہے کہ اس نبی کی دعوت کو قبول کریں جس کا لباس پھٹا ہوا ہے جس کی مالی حالت ناگفتہ بہ ہے جس کے ماننے والوں کو وہ مار مار کر ادھ موا کر دیتے ہیں اور ان کو ان سے بچانے کی جرأت بھی کسی کو نہیں ہو سکتی۔

اس آیت سے ان کی غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ تم دنیا میں پہلے لوگ تو نہیں ہو جنہیں یہ جاہ و حشمت، دولت و ثروت میسر آئی ہو اور جنہیں بے کس و بے نوا لوگوں پر جور و ستم کی کھلی چھٹی ملی ہو۔ تم سے پہلے بھی یہاں صدہا قومیں آباد رہ چکی ہیں جو دولت و قوت میں تم سے کہیں زیادہ تھیں ان کے بنائے ہوئے فلک بوس محلات، پہاڑ کی مانند مستحکم قلعے، ان کے بسائے ہوئے شہر

كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

وہ قوت کے لحاظ سے بھی ان سے طاقتور تھے اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی۔ تو پکڑ لیا انہیں اللہ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ

ان کے گناہوں کے باعث اور نہیں تھا ان کے لیے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لیے کہ آتے رہے تھے

تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِيٌّ

پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے (پھر بھی) ماننے سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے۔ بے شک وہ بڑا طاقتور

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

سخت سزا دینے والا ہے۔ اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔ ۳۳

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾ فَلَمَّا

فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب

ان کے کھلائے ہوئے باقت کے نشانات آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں اور ان کی شان و شوکت کی گواہی دے رہے ہیں اور تم جب اپنے تجارتی کارواں لے کر مختلف ممالک میں جاتے ہو تم نے بھی ان اجڑے ہوئے محلوں، قلعوں اور بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھا ہو گا۔ تم جانتے ہو کہ انہیں کیوں تباہ و برباد کر دیا گیا؟ انہوں نے بھی تمہاری روش اختیار کی تھی۔ انہوں نے بھی اپنے نبیوں کی دعوت کو ٹھکرایا تھا اور وہ فسق و فجور اور بے راہروی کے خوگر ہو گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب ان پر بھڑکا اور انہیں خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا۔ اس وقت انہیں بچانے کے لیے کوئی سامنے نہ آیا۔ یاد رکھو! اگر تم نے بھی اس روش کو ترک نہ کیا تو تمہارا بھی وہی انجام ہو گا اس وقت کوئی حیلہ کوئی منت تمہیں بچا نہ سکے گا۔

۳۳ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے حضرت موسیٰ اور فرعون کے حالات بیان فرما رہا ہے کہ جو الزامات کفار حضور پر لگاتے ہیں اسی طرح کے الزامات فرعون اور اس کے وزیروں نے ایک جلیل القدر رسول پر لگائے تھے لیکن آخر کار الزام لگانے والے کفر کرنے والے بارہا خائب و خاسر ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ یقیناً یہی حال کفار مکہ کا بھی ہو گا۔

آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جن کا ذکر لقد اٰتینا موسیٰ تسع اٰیات بینات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔

جَآءَهُم بِالْحَقِّ مِنْ عِندِنَا قَالُوا اقْتُلُوٓا أَبْنَآءَ الَّذِينَ ءَامَنُوا

موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے۔ تو انہوں نے کہا کہ قتل کر ڈالو ان لوگوں کے لڑکوں کو جو ایمان لائے

مَعَهُۥ وَاسْتَحْيُوا نِسَآءَهُمْ ۚ وَمَا كَيْدُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِى ضَلَالٍ ﴿۲۵﴾

ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو ۴۰ اور نہیں ہے کافروں کا مکر مگر رائیگاں ۴۱

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِىٓ أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُۥٓ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ

اور فرعون نے (جھنجلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کیلئے) ۴۲ مجھے اندیشہ

أَن يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَن يُظْهِرَ فِى الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿۲۶﴾ وَقَالَ

ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔ ۴۳ اور موسیٰ (علیہ السلام)

سلطان مبین: حجۃ واضحۃ بینۃ یعنی واضح اور روشن دلیل اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد تورات ہے۔

۳۹ اہل باطل جب دلیل و برہان کے میدان میں زچ ہو جاتے ہیں تو وہ جھوٹے الزامات پر اتر آتے ہیں۔ اور بہتان تراشی کا شیوہ اختیار کرتے ہیں۔ یہی حال فرعون اور اس کے امراء کا ہے۔

۴۰ جب موسیٰ علیہ السلام دین حق لے کر ان کے پاس آئے اور اپنی صداقت اور اپنے دین کی حقانیت کو براہین قاطعہ سے ثابت کر دیا تو ان لوگوں نے آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہنا شروع کر دیا۔ اس سے بھی جب بات نہ بنی تو تشدد پر اتر آئے۔ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے، بچے مار ڈالے جائیں، لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں۔ اس طرح بنی اسرائیل کی عددی قوت ختم ہو جائے گی اور وہ کسی طرح ہمارے لیے خطرہ کا باعث نہ بنیں گے۔ لیکن ان کی یہ سازش بھی ناکام ہو گئی۔

۴۱ کیا پیارے الفاظ ہیں، وما کید الکافرین الا فی ضلال یعنی انہوں نے جو منصوبہ موسیٰ علیہ السلام کو کمزور کرنے کے لیے اور آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لیے سوچا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کی یہ چال سیدھی راہ سے بھٹک گئی اور اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ ۴۲ فرعون جھوٹی بہادری جتانے کے لیے کہتا ہے کرنے احیان تکلف! اگر تم مجھے کچھ نہ کہو تو میں چشم زدن میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں۔ مجھے تو تمہاری رائے کا پاس ہے ورنہ اسے کچھ نہیں کہتا۔ گویا موسیٰ علیہ السلام پر اپنے حکومت کی پاسداری کی وجہ سے اب تک ہاتھ نہیں اٹھایا گیا۔ حالانکہ فرعون دل میں ڈر رہا تھا کہ اگر اس نے زیادتی کی تو کہیں موسیٰ کا اللہ اسے ملیامیٹ کر کے نہ رکھ دے۔

۴۳ اپنی رعایا کو اپنی پالیسی کے بارے میں مطمئن کرنے کے لیے فرعون نے دو خطروں کا ذکر کیا۔ پہلی بات تو یہ بتائی کہ اگر تم

مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اُس متکبر کے شر سے جو روزِ حساب پر

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾ وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ

ایمان نہیں رکھتا۔ ۳۵ اور کہنے لگا ایک مرد مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے

نے موسیٰ کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہ کی تو یہ تمہارے عقائد و نظریات کی عمارت کو منہدم کر کے رکھ دے گا۔ دوسری یہ بات ہے کہ اب تو تم چاہے امن و سکون اور خیر و عافیت سے خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہو اسے بیرونی حملے کا خطرہ ہے اور نہ اندرونِ ملک کوئی شورش برپا کر سکتا ہے نیز بنی اسرائیل کے مرد اور عورتیں تمہارے غلام بنے ہوئے ہیں۔ تم انہیں جو حکم دیتے ہو اسے بجا لاتے ہیں اور ذرا سستی نہیں کرتے۔ اگر موسیٰ کی دعوت کو پذیرائی نصیب ہوگئی تو یاد رکھو بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ پسماندہ اور مفلوک الحال لوگ تمہاری بالادستی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور ملک بھر میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دیں گے۔ عقلمندی اور دوراندیشی کا تقاضا یہ ہے کہ اس ابھرتے ہوئے خطرہ کا آج ہی مکمل طور پر انسداد کر دیا جائے۔ حقیقت میں اس کی ذات اور اس کا تختِ شاہی خطرے سے دوچار تھا۔ وہ صرف مصریوں کا بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ ان کا خدا بھی تھا۔ اس نے سوچا اگر موسیٰ علیہ السلام اپنی تبلیغ میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو لوگ اس کی خدائی کو ماننے سے انکار کر دیں گے۔ وہ صرف اللہ کی بندگی کو قبول کریں گے۔ نیز وہ اس ظلم و ستم کی پھر اس حاکم قوم کو اجازت نہ دیں گی۔ دراصل دعوتِ موسیٰ سے اس کی ذات کو خطرہ لاحق تھا۔ سارے موسیٰ کی ہیبت سے اس کا تخت کانپ اٹھا تھا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل پر اپنی قوم کو رضامند کرنا چاہتا تھا تاکہ اس کی ذات اور اس کا اقتدار سلامت رہے لیکن ایک چالاک اور شاطر سیاست دان کی طرح ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ یہ اقدامات قوم کے مذہب کی سلامتی اور ملک میں امن و امان برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہیں۔ صدہا سال پہلے فرعون نے جو چال چلی زمانۂ حال کے سیاستدان آج بھی حرف بحرف اس کی تقلید کر رہے ہیں۔ جب بھی کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ ان کی دھاندلیوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے اور اس ظالمانہ نظام کو بدلنے کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو ان عقل کے اندھوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ وہ اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیں جور و ستم کا جو بازار انہوں نے گرم کر رکھا ہے اس کی جگہ عدل کی فرمانروائی بحال کریں۔ الٹا وہ لٹھ لے کر ان نیک بندوں کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ان کو فسادی، اقتدار کا بھوکا اور معلوم نہیں کن کن الزامات سے بدنام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

۳۵ موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس منصوبہ کا علم ہوا تو آپ گھبرائے نہیں، پریشان نہیں ہوئے بلکہ آپ کی زبان سے وہی جملہ نکلا جو موسیٰ علیہ السلام جیسے برگزیدہ رسول کے شایانِ شان تھا۔ فرمایا مجھے اکیلا نہ سمجھو۔ مجھے اس ذوالجلال کی پناہ اور حمایت حاصل ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی مالک ہے تم لاکھ اس کی بندگی کا رشتہ توڑنا چاہو تم فرعون کو اپنا خدا کہتے رہو تم حقیقت کو بدل نہیں سکتے۔ بندے پھر بھی تم اسی رب کے ہو جس کا میں بندہ ہوں۔ میں نے ہر متکبر اور سرکش کے شر سے اس کے

إِيمَانَهُۥٓ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ ٱللَّهُ وَقَدْ جَآءَكُم

ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ

بِٱلْبَيِّنَٰتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ كَٰذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُۥ ۖ وَإِن

حالانکہ وہ لے کر آیا ہے تمہارے پاس روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اسے اپنے حال پر رہنے دو اگر وہ حقیقۃً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی سزا

يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ ٱلَّذِى يَعِدُكُمْ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى

اسی پر ہوگی اور اگر وہ سچا ہوا اور تم نے اس کو گزند پہنچایا تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يَٰقَوْمِ لَكُمُ ٱلْمُلْكُ ٱلْيَوْمَ ظَٰهِرِينَ

نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو ۔ اے میری قوم ! مانا آج حکومت تمہاری ہے بڑے زبردست ہو تمہیں غلبہ حاصل ہے

فِى ٱلْأَرْضِ فَمَن يَنصُرُنَا مِنۢ بَأْسِ ٱللَّهِ إِن جَآءَنَا ۚ قَالَ

اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچا سکے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آجائے فرعون کہنے لگا

دامن رحمت میں پناہ مل جاتی ہے تو تم بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

۵۳ قبطی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا لیکن اس نے ابھی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اس نے جب سنا کہ فرعون حضرت کلیم کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس نے ان کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی تلقین شروع کی۔ پہلے تو انہیں سمجھایا کہ تم سوچو کہ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرو اس نے تمہارا کیا جرم کیا ہے۔ اس نے کونسی تمہاری حق تلفی کی ہے محض اس لیے تم اسے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور اس نے اپنے عقیدہ کی حقانیت دلائل و معجزات سے ثابت کر دی ہے تمہارا اس سے تو بڑا ترقی یافتہ ہے تم ان کے ذاتی عقیدہ میں کیوں دخل دیتے ہو۔ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اگر بالفرض وہ غلط کہہ رہا ہے تو خود ہی کیفر کردار کو پہنچ جائے گا تمہیں اپنے ہاتھ اس کے لہو سے سرخ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۵۴ آج کل ہم بڑی عزت و اکرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حکومت ہماری ہے۔ ہمارے اشارۂ ابرو پر لوگوں کی قسمتیں بدلتی ہیں کسی کی مجال نہیں کہ ہمارے فرمان سے سرتابی کرے۔ دولت، سامان عیش و عشرت کی فراوانی ہے۔ ہم اس حالت کو بدلنا نہیں چاہتے۔ ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ یہ حالات برقرار رہیں اگر موسیٰ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں تو خدا مسرف کذاب سے خود نپٹ لے گا۔ اور اگر وہ سچا ہے اور ہم نے اسے قتل کر دیا تو یاد رکھو خدا کا غضب جوش میں آئے گا اور عیش و عشرت کی یہ

فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ

میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے

الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾ وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ

راستہ کی طرف ؎ اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (کہیں) پہلی قوموں کی

يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ

تباہی کے دن جیسا دن نہ آجائے ؎ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾ وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ

ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں

عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ

تمہارے بارے میں پکار کے دن سے ؎ جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے نہیں ہوگا تمہارے لیے اللہ کے عذاب

بعد الٹ کر رکھ دی جائے گی۔ اس لیے مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ ہم تحقیق کر لیں۔ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور مطلق مداخلت سے ہاتھ کھینچ کر کوئی ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں کہ خدا کے عذاب میں یوں گرفتار ہو جائیں کہ نکلنے کی پھر کوئی صورت نہ رہے۔

؎ فرعون نے کہا کہ میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے میرے نزدیک وہ درست ہے اور میں تمہیں اسی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہوں جس میں تمہاری بھلائی ہے۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ فرعون مطلق العنان فرمانروا ہونے کے باوجود آج کل کے فرعونوں کی طرح تنک مزاج اور کم ظرف نہیں تھا کہ اگر کسی نے خلاف رائے کوئی بات کہہ دی تو وہ بدحواس ہو کر زمین آسمان ایک کر دیتا بلکہ وہ اختلاف رائے کو بڑے تحمل سے برداشت کرتا تھا۔

؎ اس مرد مومن نے جب دیکھا کہ اس کی پند و نصیحت اثر انگیز نہیں ہو رہی تو اس نے مزید کھل کر گفتگو شروع کی اور گزشتہ زمانوں میں اپنی بداعمالیوں کے باعث تباہ و برباد ہونے والی قوموں کا ذکر شروع کر دیا اور بتایا ان تباہ ہونے والی قوموں کے حالات سے عبرت پکڑو اور اس غلط روش کو چھوڑ دو۔

؎ ذرا سا زلزلہ آجائے یا کوئی ناگہانی مصیبت آجائے تو اتنا شور و غل مچتا ہے کہ کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جب لوگ یکایک قیامت کی ہولناکیوں سے دوچار ہوں گے۔ قدموں کے نیچے زمین انگارے کی طرح تپ رہی ہوگی، اوپر سے سورج

مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ

سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ اور بیشک

يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ ۖ

آئے تمہارے پاس یوسف (علیہ السلام) اس سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے ان میں جو وہ لے کر آئے تھے ۴۱

حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذَٰلِكَ

یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول ۔ ۴۲ یونہی

يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي

گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا شک کرنے والا ہوتا ہے (یعنی گمراہ کرتا ہے ان کو) جو جھگڑے کرتے ہیں

کی کیسی آگ برسا رہی ہوں گی۔ سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ ہر طرف سے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا۔ اس سراسیمگی کے عالم میں شور و غل کا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس لیے اس دن کو یوم التناد یعنی ایک دوسرے کو پکارنے کا دن کہہ دیا ہے۔ لوگوں کی حالت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

۴۱ پہلے جن قوموں کا ذکر ہوا وہ دور دراز علاقوں میں بسنے والی تھیں۔ اب اس نبی اور اس کے منکرین کا ذکر ہو رہا ہے جو کچھ عرصہ پہلے اسی ملک کے باشندے تھے۔ یوسف علیہ السلام کے نام سے کون ایسا مصری تھا جو واقف نہ تھا۔ ان کا دور حکومت مصر کی تاریخ کا وہ درخشاں دور تھا جب کہ ہر طرف عدل و انصاف کا نور برس رہا تھا۔ قانون کی بالادستی قائم تھی۔ غریبوں اور مظلوموں کی اس طرح دلداری کی جاتی تھی کہ سبحان اللہ! اس قوم اور شدید قحط کی تباہ کاریوں سے انہیں حضرت یوسف کے حسن انتظام کے باعث ہی پناہ ملی تھی۔ اس نبی اور عادل فرمانروا کے ساتھ اس کی قوم نے جو برتاؤ کیا مومن آل فرعون اس کا ذکر فرما کر انہیں تنبیہ کر رہا ہے۔ ان کی بے داغ سیرت، ان کے بے مثل نظام حکومت، ان کی عدل گستری اور ان کی رعایا پروری کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود وہ ان کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ ان کی ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی کہ یہ نبی ہے یا نہیں۔ قطعی اور یقینی دلائل کے باوجود وہ تذبذب کا ہی شکار رہے اور شک کی وادیوں میں ہی بھٹکتے بھٹکتے عمر گزار دی۔

۴۲ اور جب وہ نیر تاباں غروب ہو گیا تو پھر کف افسوس ملنے لگے اور کہنے لگے ایسی ہستی اب دوبارہ پیدا نہیں ہوگی۔ ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا کہ پہلے ہدایت سے یوں محروم رہے۔ اب امکان یہ تھا کہ کوئی دوسرا نبی تشریف لاتے تو یہ اپنی گزشتہ غفلت اور کوتاہی کی تلافی کر لیتے۔ یہ کہہ کر کہ اب اور کوئی ایسا نہیں آئے گا انہوں نے اس امکان کو بھی ختم کر دیا۔

أيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ

اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵

اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مُہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور سرکش کے دل پر ؎

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶

اور فرعون نے کہا اے ہامان! بنا میرے لیے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ پاؤں گا ؎

؎ آخر میں ایک اصول بیان فرما دیا کہ جس فرد یا قوم میں یہ تین عیوب پیدا ہو جائیں ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں رہتی۔ کوئی معجزہ کوئی پند و نصیحت انہیں چاہ ضلالت سے نہیں نکال سکتی۔ وہ ان عیبوں سے اتنے مانوس ہو جاتے ہیں کہ دور سے انہیں گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ وہ تین عیب یہ ہیں:

۱۔ مُسرِف: حد سے بڑھنے والا جو احکام (اوامر) اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں ان کی پابندی نہ کرنے والا۔ اسے ہزار سمجھایا جائے وہ اپنی ہٹ سے باز آ جانے کا نام ہی نہیں لیتا۔

۲۔ مُرتاب: وہ شخص جو شک کی بیماری کا مریض ہو۔ اس کے سامنے روشن دلائل کے انبار لگا دو شک کے وہم اس کے ذہن سے نکلتے ہی نہیں۔

۳۔ من یجادل: جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں بے جا تاویل کرتا ہے ان میں عیب لگاتا ہے۔ تضاد ثابت کرتا ہے جس فرد میں یہ تین عیب ہوں خدا انہیں کبھی ہدایت نہیں دیتا۔

؎ فرعون نے جب یہ محسوس کیا کہ اس مرد مومن کی گفتگو حاضرین کو متاثر کر رہی ہے تو اس نے فوراً پینترا بدلا اور کہنے لگا کہ موسیٰ کی صداقت کو پرکھنا کوئی اتنا مشکل کام نہیں کہ ہم اس کے بارے میں پریشان رہیں اور کسی حتمی فیصلہ پر نہ پہنچ سکیں۔ ابھی ایک بلند مینار تعمیر کرتے ہیں اور اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کا سراغ لگائیں گے زمین پر تو کہیں ہے نہیں اگر آسمان پر مل گیا تو ہم بھی مان لیں گے اور اگر آسمان پر بھی اس کا سراغ نہ ملا تو پھر سب کو یقین ہو جائے گا کہ موسیٰ کی بات غلط ہے پھر ہامان کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ہامان! اے وزیر با تدبیر! یہ کام تم کرو میں ایک اونچا بہت اونچا مینار تعمیر کردو۔ اس پر چڑھ کر ہم آسمان پر چڑھنے کا راستہ دریافت کرلیں گے اور آسمان کا کونہ کونہ چھان ماریں گے۔ (ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ قصص آیت ۳۸)

ہر وہ چیز جس کے ذریعہ کسی جگہ تک رسائی حاصل کی جائے اُسے سبب کہتے ہیں یہاں اسباب سے مراد وہ راستے ہیں جو آسمان کی طرف جاتے ہیں یا ان سے مراد آسمان کے دروازے جن کے ذریعہ آسمان میں داخل ہوتے ہیں۔ کذا مایرید دی

أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذَٰلِكَ

یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے ۵۳ اور

زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا كَيْدُ

یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لیے اس کا بُرا عمل اور روک دیا گیا اسے راہ (راست) سے اور نہیں تھا

فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿٣٧﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ

فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لیے ۵۴ اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! میرے پیچھے چلو

أَهْدِكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يَا قَوْمِ إِنَّمَا هَٰذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ

میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ ۵۵ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چند روزہ) لطف اندوزی ہے

وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ

اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے جو بُرے کام کرتا ہے اسے سزا دی جائے گی

إِلَّا مِثْلَهَا ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اسی قدر اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ

الی شئ فھو سبب کالرشاء للماء، واسباب الثانی بیان لاول۔

۵۳ ساتھ ہی اپنی رائے بھی ظاہر کر دی کہ میرا تو یہ خیال ہے کہ موسیٰ کی بات میں سچائی نام کو نہیں۔ ظن: بمعنی گمان غالب بھی لیا جا سکتا ہے اور بمعنی یقین بھی۔

۵۴ یعنی اس کی مکاری، عیاری، حیلہ سازی اور دانستہ انکارِ حق کے باعث اس کے بُرے اعمال اسے حسین و خوشنما نظر آنے لگے، وہ انہی کے پیچھے پڑا رہا اور جو حیلہ سازیاں اس نے حضرت موسیٰ کے خلاف کی تھیں وہ سب خود اس کی تباہی اور بربادی کا سبب بنیں۔

۵۵ یعنی بھلائی اور نجات کا راستہ وہ نہیں جس پر فرعون تمہیں چلانا چاہتا ہے بلکہ آؤ میں تمہیں رشد و ہدایت کا راستہ دکھاتا ہوں جس پر چل کر تم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾ وَ

ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بے حساب اور

يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾ ط

اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں بلاتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف ۵۸

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا

تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں اور میں

اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ

حال یہ ہے کہ میں تمہیں بلاتا ہوں اس خدا کی طرف جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ یقینی بات تو یہ ہے کہ جس کی دعوت کی طرف

لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ

تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں ۵۹ اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے

مرد مومن کا سلسلۂ وعظ شروع ہے اب اس نے مصلحت کے سارے حجاب تار تار کر دیے ہیں اور اس کے نتائج اور خطرات سے بے نیاز ہو کر اعلان حق کرنا شروع کر دیا ہے۔

۵۸ یعنی میرے ساتھ بھی تم لوگوں کا رویہ عجیب و غریب ہے۔ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ میں گرنے کی دعوت دیتے ہو۔ میں تمہیں اس خدائے واحد کی بندگی کی تلقین کرتا ہوں جو سب پر زبردست بھی ہے اور اس کے باوجود بڑا بخشنے والا ہے۔ عمر بھر خطائیں کرکے بھی اگر اس کے در کرم پر کوئی آ جائے تو معاف کر دیتا ہے اور تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کر دوں اور اس کے ساتھ ایسے شریک بناؤں جو بالکل بے بس اور بے اختیار ہیں اور جن کی خدائی کا مجھے کوئی علم نہیں۔ میں تو تمہاری خیرخواہی میں سرگرم ہوں اور تم ہو کہ اپنے ساتھ مجھ غریب کو بھی ڈبو دینا چاہتے ہو تم میرے عجیب دوست ہو۔ مجھے تمہاری ایسی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مہربانی فرما کر مجھے اس قسم کی نصیحتیں نہ کیا کرو۔

۵۹ یعنی جن معبودان باطل کی عبادت اور بندگی کی تم مجھے نصیحت کر رہے ہو یہ تو ایسے ہیں کہ انہیں یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ دنیا میں یا آخرت میں انہیں خدا تسلیم کیا جائے اور نہ انہوں نے خود کبھی اپنی خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اتنے بے بس اور بے اختیار ہیں کہ نہ دنیا میں ان کو پکارنے کا کوئی فائدہ ہے اور نہ قیامت کے دن کسی کی فریاد سنیں گے۔

الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذْكُرُونَ مَآ أَقُولُ لَكُمْ

اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں ۱۰

وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰهُ

اور میں اپنا سارا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے (اپنے) بندوں کو ۱۱ پس بچا لیا اسے

اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جو پہنچانے کا انہوں نے فیصلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے ۱۲

اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۟

دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہو گی (حکم ہو گا)

أَدْخِلُوٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ وَإِذْ يَتَحَآجُّونَ فِي النَّارِ

داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں ۱۳ اور (کتنا عبرتناک منظر ہو گا) جب وہ جھگڑ رہے ہوں گے دوزخ میں

۱۰ فرعون جو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہلواتا تھا اس کے رُوبرو اور بھرے دربار میں اتنی حق گوئی ایک مرد مومن کو ہی زیبا ہے۔ لیکن جب سامعین کو اس نے متاثر ہوتے نہ دیکھا تو اس نے صاف کہا کہ آج تو تم میری بات نہیں مان رہے اور میری گفتگو تمہیں گراں گزر رہی ہے۔ عنقریب وہ وقت آئے گا جب عذاب الٰہی تم پر نازل ہو گا۔ اس وقت تم میری ان باتوں کو یاد کرو گے۔

۱۱ تمہارے پاس طاقت و اقتدار ہے اور میں نے مجمع عام میں تمہاری غلط روی پر تمہیں صاف الفاظ میں سرزنش کی ہے مجھے علم ہے کہ تم مجھے میری اس حق گوئی پر عتاب کرو گے اور مجھے قتل کرنے سے بھی باز نہ آؤ گے لیکن مجھے تمہاری ان دھمکیوں کی ذرا پروا نہیں۔ میں نے اپنے سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے ہیں وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔

۱۲ چنانچہ فرعونیوں نے اس مرد حق کیش کو قتل کرنے کی سازشیں کیں لیکن وہ سب ناکام رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی خود حفاظت فرمائی اور کوئی اس کا بال بیکا نہ کر سکا۔ اُلٹا فرعون اپنے لاؤ لشکر اور جاہ و حشمت سمیت غرق کر دیا گیا۔

۱۳ فرعون اور اس کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا لشکر سمندر میں غرق ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر سلامتی سے کنارے پر پہنچ گئے۔ دنیا میں ہی حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو گیا۔ ان کا قصہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ فرعون اور اس کے پیروکاروں کو ہر صبح و شام دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے اور انہیں بتایا جاتا ہے کہ جب عالم برزخ کی میعاد ختم ہو گی تو قیامت قائم

فَيَقُولُ الضُّعَفَٰٓؤُا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور

أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوٓا

کرسکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا ۶۳ جواب دیں گے متکبر

إِنَّا كُلٌّ فِيهَآ إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾ وَقَالَ الَّذِينَ

ہم سب آگ میں (اکٹھے جل رہے) ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق ۶۴ اور کہیں گے جو آگ

فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ

اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما

الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾ قَالُوٓا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَٰتِ ۖ قَالُوا

دے ۶۶ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ وہ

ہوگی۔ اس کے بعد انہیں اسی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس آیت سے علماء اہلِ سنت نے عذابِ قبر کا اثبات کیا ہے۔ قبر سے مراد صرف وہ گڑھا ہی نہیں جس میں کسی کو دفن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ قبر تو کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے مراد عالمِ برزخ ہے۔ مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کے وقت کو عالمِ برزخ کہتے ہیں۔ آلِ فرعون کو دیے جانے والے دو عذابوں کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ ایک وہ جس میں قیامت سے پہلے وہ مبتلا ہیں، دوسرا وہ جو قیامت کے بعد انہیں دیا جائے گا۔ هذه الآية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبور۔

۶۳ کافر سردار اور ان کے پیروکار سب اکٹھے آتشِ جہنم میں جل رہے ہوں گے۔ پیروکار کہیں گے اے ہمارے سردارو! دنیا میں تو تم بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے کہ ہم یوں کر دیں گے ہم یاں کر دیں گے۔ اب اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر ہمارے عذاب میں کچھ تخفیف کرا دو۔

۶۵ ان کی بے بسی دیدنی ہوگی۔

۶۶ پھر دوزخی ان فرشتوں کی منت سماجت کریں گے جو جہنم کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں کہ تم ہمارے لیے دعا کرو

بَلٰى ۭ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰۗؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝۵۰ۧ اِنَّا

کہیں گے بیشک! (وہ فرشتے) کہیں گے تم خود ہی دعا مانگو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بیکار ۔ بیشک ہم

لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ

(اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی۔ اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے)

الْاَشْهَادُ ۝۵۱ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ

جس دن گواہ (گواہی دینے کے لیے) کھڑے ہوں گے ۵۱ جس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی معذرت خواہی اور ان کے لیے لعنت ہوگی

وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝۵۲ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا

اور ان کیلئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو (نور) ہدایت اور وارث بنایا

بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝۵۳ۙ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۵۴

بنی اسرائیل کو کتاب کا جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لیے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

پس (اے حبیب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں پر) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہیے اپنے بظاہر کوتاہی پر ۵۲ اور پاکی بیان

کہ کسی دن تو ہمارے عذاب کی شدت کم کر دی جائے۔ فرشتے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے جیسے نافرمانوں اور نابکاروں کے لیے دعا مانگنے سے رہے۔ اس لیے تم جانو اور تمہارا کام۔

۵۰ اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرمایا کہ کفار کی دعا تو راہِ راست سے بھٹکی ہوئی ہے۔ قبولیت کی منزل تک کبھی پہنچ نہیں سکتی۔ آج ان کا رونا پیٹنا، چیخنا چلانا، فریادیں کرنا سب بے سود ہے۔

۵۱ ہماری مدد چند رسولوں کے لیے اور اہل ایمان کے لیے مخصوص ہے۔ کافر وقتی طور پر کتنے ہی خوشحال اور کامگار ہوں، حقیقی کامیابی و کامرانی فقط ان کو نصیب ہو گی جن کی ہم دستگیری کریں گے۔

۵۲ افضل اور اولیٰ کا ترک عام لوگوں کے لیے جرم اور گناہ تصور نہیں ہوتا، لیکن مقربین بارگاہ صمدیت سے غیر اولیٰ کا صدور بھی قابل مواخذہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی جس ذنب سے استغفار کی ہدایت کی جا رہی ہے اس سے مراد ایسے امور سے استغفار

رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ

کیجیے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت ۔ بے شک جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں

بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ

بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو وہ

بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾ لَخَلْقُ

پا نہیں سکیں گے ؂ تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجیے بے شک وہی سب کچھ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے ۔ یقیناً پیدا

بہ منزلتِ خود اگرچہ صالح اور جائز ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام رفیع اور شانِ عالی کے شایانِ شان نہیں اور سالکانِ راہِ محبت سے یہ چیز مخفی نہیں کہ منزلِ محبوب کی طرف ان کے سفر میں ایک لمحہ کے لیے توقف بھی ناقابلِ برداشت ہے اور اس کو وہ استغفار ہے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ امر محض امر تعبدی ہو تاکہ اُمّت کے لیے استغفار سُنّت نبوی بن جائے اور کوئی شخص خواہ اس کا رتبہ کتنا بلند ہو اعترافِ قصور اور طلبِ عفو میں کوتاہی نہ کرے ۔ بعض علما نے اس عبارت میں اُمّت کا لفظ مقدر مانا ہے ۔ اس صورت میں عبارت یوں ہوگی : واستغفر لذنب اُمتك یعنی حضور اپنی اُمّت کے گناہوں کی معافی طلب کریں ۔ علامہ قرطبی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں : هذا تعبد للنبي عليه السلام بالدعاء والفائدة زيادة الدرجات وان يصير الدعاء سنة لمن بعده (قرطبی) یعنی یہ محض تعمیلِ ارشادِ الٰہی ہے تاکہ حضور دعا مانگا کریں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ استغفار سے حضور کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے اور اُمت کے لیے دعا ، واستغفار ان کے پیارے رسول کی سُنّت بن جائے گی ۔

؂ مشرکینِ مکہ کا رویہ قرآن ، اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے متعلق بڑا حیرت انگیز تھا ۔ نکتہ چینی ، حجت بازی ، بغیر کسی معقول دلیل کے بحث و تکرار ان کا شیوہ بن گیا تھا ۔ اچھے بھلے فہیدہ قسم کے لوگ بھی نادان بچوں کی طرح بات بات پر اُلجھنے لگتے ۔ انسان یہ دیکھ کر حیران ہو جاتا تھا کہ باوجود فصیح و بلیغ ہونے کے وہ قرآن کریم جیسی کتاب کی آیات پر بلا وجہ کیوں اعتراض کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اقتدارِ اعلیٰ کی ہوس تھی انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر انہوں نے اس رسولِ کریم کو اپنا ہادی اور پیشوا مان لیا تو ان کی سرداری اور چودھراہٹ ختم ہو جائے گی اور وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے ۔ علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابنِ عباس کا قول پیش کرتے ہیں : قال ابن عباس ای ما يحملهم على تكذيبك الا ما في صدورهم من الكبر والعظمة يتكبرون عليك ويتطلبون انفسهم عن اتباعك (مظہری)

اللہ تعالیٰ نے ما هم ببالغيه فرما کر ان کی اُمیدوں پر پانی پھیر دیا کہ وہ اب اپنے منصوبوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے اللہ تعالیٰ نے عزت و سروری اپنے محبوب کو ارزانی فرما دی ہے ۔ اب جسے بڑائی اور عزت کی خواہش ہے وہ اپنے محبوب کے در کا خادم رہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس)

النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ

(کی اصل حقیقت کو) نہیں جانتے۔ ۵۷ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا ۵۸ اور (اسی طرح)

کی غلامی کا طوق ڈال کر حاضر ہو۔ صرف ایسے شخص کو ہی دونوں جہانوں کی عزتوں سے سرفراز کیا جائے گا۔

۵۶ وہ سازشیں کرتے ہیں تو انہیں کرنے دو۔ وہ شمع اسلام کو بجھانے کے لیے منصوبے بناتے ہیں تو انہیں بنانے دو۔ وہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو قتل کرنے کی دھمکیاں دیتے ہیں تو پروا نہ کرو، آپ اپنے رب کی پناہ طلب کرو جس کو وہ اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لیتا ہے ساری دنیا بھی اگر اس کے خون کی پیاسی ہو تو اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ وہ آپ کی دعاؤں اور التجاؤں کو بھی سن رہا ہے اور ان کے منصوبوں کو بھی خوب دیکھ رہا ہے۔

۵۷ کفار کا اسلام پر سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ وہ قیامت پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ یہ بات انہیں خلاف عقل نظر آتی وہ خود سوچتے اور دوسروں کو کہتے کہ بھلا ہزارہا سال تک قبروں میں رہنے کے بعد پھر ہم زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے یہ بات صراحۃً باطل ہے اور عقل سلیم اس کو تسلیم کرنے سے قاصر ہے۔ ان کے اس اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے کہ مانا کسی مردے کو ہزارہا سال گزرنے کے بعد زندہ کرنا جب کہ اس کی خاک کے ذرے بھی کائنات کی وسعتوں میں گم ہو چکے ہوں گے بڑا مشکل کام ہے لیکن یہ تو سوچو کہ یہ کس کے لیے مشکل ہے۔ بادشاہ کے لیے تو واقعی مشکل ہے لیکن کیا خداوند تعالیٰ جو آسمانوں اور زمینوں کو اپنے امر کن سے پیدا فرمانے والا ہے اس کے لیے بھی مشکل ہے ؟ تم خدا کی قدرت اور علم کو اپنی بے بسی اور بے علمی کا کیوں قیاس کرتے ہو۔ سوچ کا یہ انداز عالمانہ نہیں جاہلانہ ہے۔

۵۸ یہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو کہ اندھے اور بینا میں بڑا فرق ہے۔ اسی طرح جو لوگ عمر بھر نیکی کی راہ پر گامزن رہتے ہیں اپنے نفس کی خواہشات پر اپنے رب کی رضا کو ترجیح دیتے ہیں، اپنا ذاتی نقصان برداشت کر لیتے ہیں لیکن کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کرتے۔ ان میں اور ان لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جن کی عمر نفس پرستی اور عیش کوشی میں بسر ہوئی۔ انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کی قربان گاہ پر دوسرے لوگوں کے مفادات کو قربان کر دیا۔ بلکہ اپنی ذاتی وجاہت اور عارضی رفاہ کی خاطر اپنی قوم اور اپنے ملک کی عزت و آزادی کو قربان کر دیا۔ جب تم بھی اندھے اور بینا، نیک اور بدکو یکساں کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے، بلکہ ان میں تفاوت کے قائل ہو تو اگر موت کو ہی سفر حیات کی آخری منزل یقین کر لیا جائے تو پھر یہ فرق کہاں نمایاں ہوگا۔ نیک کو اپنی نیکی کا کیا صلہ ملا اور برے کو اپنی بدکاری کی کونسی سزا بھگتنی پڑی بلکہ اس نظریہ کے مطابق تو وہ بدکار جس نے اپنے دل کی بھڑاس نکال لی اور خوب داد عیش دی۔ وہ اس نیک سے بدرجہا بہتر ہے جس نے اپنے آپ کو اخلاقی ضابطوں کا پابند رکھا اور

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝

مومن نیکوکار اور بدکار بھی یکساں نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو ۵۹

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

یقیناً قیامت آکر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر)

لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ

ایمان نہیں لاتے ۶۰ اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا ۶۱ بیشک

ہر طرح کی محرومی کا طلب گار گوارا کیا۔ اس لیے عقلِ سلیم کا فیصلہ یہ ہے کہ اس دارالعمل کے بعد ایک دارالجزا ہو۔ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں نیک لوگوں کو جنت کی ابدی نعمتوں سے سرفراز کیا جائے اور منکرین کو اپنے کیے کی سزا ملے۔

۵۹ تم قرآن حقائق میں غور و فکر کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے اگر تم سوچ بچار کی تھوڑی سی تکلیف بھی برداشت کرو تو یہ حقائق کھل کر تمہارے سامنے آجائیں۔

۶۰ تمہارے انکار سے قیامت ٹل نہیں جائے گی بلکہ قیامت ضرور آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کا حتمی فیصلہ ہے۔

۶۱ حضرت ابن عباس سے ادعونی استجب لکم کی یہ تفسیر منقول ہے۔ اعبدونی اثیبکم۔ تم میری عبادت کرو میں تمہیں اس کا ثواب اور اجر عطا کروں گا۔ یہ قول ضحاک، مجاہد اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے۔ دیگر علماء نے اس کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے۔ اسئلونی اعطکم۔ یعنی تم مجھ سے مانگو میں تمہیں دوں گا۔ (معانی) حقیقت میں یہ دونوں تفسیریں ہم معنی ہیں۔ ان میں اصلاً کوئی تفاوت نہیں۔ دعا عبادت کی روح اور اس کا مغز ہے۔ کیونکہ انسان در رب کی عاجزی اور نیازمندی کو عبادت کہتے ہیں اور اس کا ظہور صحیح معنوں میں اسی وقت ہوتا ہے جب انسان مصائب میں گھرا ہو۔ دوست ساتھ چھوڑ گئے ہوں۔ ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہو۔ حالات کی سنگینی نے اس کی قوت و طاقت کو ریزہ ریزہ کر ڈالا ہو جب ہر طرف سے امیدیں منقطع کر کے اپنے رب کریم کے درِ اقدس پر آکر وہ سرِ نیاز جھکا دے۔ اس کی زبان گنگ ہو، دل دردمندی کی داستان، اشک بار آنکھیں سنا رہی ہوں اور اسے کو یقین ہو کہ وہ اس قادرِ مطلق کے سامنے اپنا قصۂ غم پیش کر رہا ہے اور اپنی مشکل کو بیان کر رہا ہے جس کے سامنے کوئی مشکل، مشکل ہی نہیں نیز اسے یہ پختہ اعتماد ہو کہ یہاں سے کبھی کوئی سائل خالی نہیں گیا۔ میں کیسے خالی اور محروم نہیں لوٹایا جاؤں گا۔ جو عجز و نیاز، جو غایت تذلل، جو خضوع و خشوع اس وقت ظہور پذیر ہوتا ہے اس کی مثال کہاں ملے گی۔

اسی لیے نورِ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الدعاء مخ العبادۃ۔ دعا کی اہمیت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کلمات طیبات سے ذکر فرمایا ہے۔ الدعاء سلاح المومن وعماد الدین ونور السموٰت والارض

یعنی دعا مومن کا ہتھیار ہے، دعا دین کا ستون ہے اور زمین و آسمان اس کے نور سے منور ہیں۔ (المستدرک) دوسری حدیث میں ہے: عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من فتح له منكم باب الدعاء فتحت له ابواب الرحمة، وما سئل اللہ شيئا احب اليه من ان يسأل العافية (ترمذی) یعنی حضور نے فرمایا کہ جس شخص کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا گویا اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا بہت ہی پسندیدہ ہے۔

مرشد برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا مانگنے والے کو یہ تلقین بھی فرمائی ہے کہ جب وہ دعا مانگے تو اس کے دل میں یہ یقین ہو کہ میرا کریم و رحیم پروردگار میری اس عاجزانہ التجا کو ضرور قبول فرمائے گا۔ عَنْ اَبِیْ هریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِّنْ قَلْبٍ لَاهٍ۔ یعنی اللہ سے دعا مانگو تو اس یقین سے مانگو کہ وہ قبول فرمائے گا اور جان رکھو اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول نہیں کرتا جو غافل دل سے مانگی جائے۔

دعا کی قبولیت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دعا مانگنے والا جس چیز کے لیے دعا مانگ رہا ہے اس کے بارے میں اپنی شدت احتیاج اور افتقار کا اظہار کرے تاکہ پتہ چلے کہ اگر اس کی یہ التجا منظور نہ ہوئی تو اس کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اور یہ خسارہ برداشت کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ حدیث نبوی میں ہے: "اذا دعا احدكم فلا يقل اللهم اغفر لي ان شئت ولكن ليعزم وليعظم الرغبة فان اللہ تعالیٰ لا يتعاظمه شیء اعطاه۔" (مسلم) یعنی جب تم میں سے کوئی دعا مانگے تو یوں نہ کہے کہ یا اللہ اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما بلکہ یہ عرض کرے کہ الٰہی مہربانی فرما کر ضرور بخش دے۔

حضرت فضالہ بن عبید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اتنے میں ایک آدمی مسجد میں آیا۔ نماز ادا کی۔ پھر فوراً دعا مانگنے لگا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ۔ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ حضور نے اس کی کیفیت دیکھ کر فرمایا: عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّیْ۔ اے نمازی تو نے بڑی عجلت کی۔ دعا یوں تو نہیں مانگی جاتی۔ اس کو دعا کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا: اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمَدِ اللّٰهَ تَعَالٰی بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَیَّ ثُمَّ ادْعُهٗ۔ یعنی جب تو نماز پڑھ چکے تو بیٹھ جا اور اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کر پھر مجھ پر درود بھیج، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ۔

اس شخص کے چلے جانے کے بعد ایک دوسرا آدمی آیا۔ اس نے پہلے نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر حضور پاک پر درود بھیجا۔ فقال له النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ايها المصلی اُدْعُ تُجَبْ۔ حضور نے اس کو فرمایا اے نمازی! اب دعا مانگ تمہاری دعا قبول کی جائے گی (رواہ الترمذی، ابوداؤد والنسائی) اس سے معلوم ہوا کہ اہل سنت نماز ادا کرنے کے بعد جو ذکر الٰہی کرتے ہیں، پھر درود پاک پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دعا مانگتے ہیں یہی دعا مانگنے کا مسنون طریقہ ہے اور جو لوگ اس چیز سے روکتے ہیں وہ بے خبر لوگ ہیں۔

اگر کسی ولی سے اس کی ظاہری زندگی یا اس کے وصال کے بعد دعا کے لیے التماس کیا جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ

الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝۶۰

جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر ^ک^

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

اللہ ہی ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لیے رات تاکہ تم آرام کرو اس میں اور بنایا ہے دن کو روشن ^ک^

کیا جائے تو اسے بھی بعض لوگ عبادت شمار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو بلا تامل مشرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے والا نہ ان کو خدا مانتا ہے نہ ان کو قادر مطلق سمجھتا ہے اور نہ اس کے دل میں یہ واہمہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی یہ حضرات اس کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں کو اپنے سے بہتر متقی اور بندہ اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار سمجھتے ہیں اور یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے اور کسی غیر سے دعا منگوانا ہرگز شرک نہیں۔ حضور سرور عالم نے تو حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی مرتضیٰ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ اویس قرنی سے اپنے لیے اور امت مسلمہ کے لیے دعا کروائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں افراط و تفریط سے بچائے اور عقیدہ توحید پر ہر حالت میں ثابت قدم رکھے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

^ک^ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر کرتے ہیں یا جو اس کی جناب میں دست دعا دراز کرنے کو اپنی توہین خیال کرتے ہیں ایسے مغرور اور سرکش لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر کے جہنم رسید کیا جائے گا۔

^ک^ یہاں توحید باری کی ایسی دلیل پیش کی جا رہی ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی بڑی عقل و فراست یا علم و فضل کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ان پڑھ بھی اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے اور اس سے ہر لحظہ استفادہ کر رہا ہے۔ یہ رات اور دن کا تسلسل ہزاروں لاکھوں برس سے قائم ہے اور بڑی باقاعدگی سے آج سے لاکھوں سال پہلے اس تاریخ کو جس افق سے سورج طلوع ہوا اور جس افق پر غروب ہوا اور جتنے بجکر جتنے منٹ پر ہوا اس میں سرمو تفاوت نہیں۔ اگر کوئی اور بھی کارخانہ قدرت میں شریک ہوتا تو کبھی تو اس کا حکم چلتا۔ معلوم ہوتا کہ ایک خدا کے حکم کے مطابق تو سورج ۵ بجکر ۲ منٹ پر طلوع اور ۶ بجکر ۴۰ منٹ پر غروب ہوتا تھا لیکن آج دوسرے خدا کا فرمان ہے کہ دس منٹ پہلے طلوع ہو اور دس منٹ دیر سے غروب ہو۔ جب ایسا کبھی نہیں ہوا تو معلوم ہوا خدا وہی ہے جس کا حکم ہمیشہ سے جاری اور نافذ العمل ہے۔

آپ نے پہلے رات اور دن میں تقسیم کرنے میں جو حکمتیں اور فائدے ہیں ان سے تو بچہ بچہ آگاہ ہے۔ اس وحدہٗ لاشریک کے بنائے ہوئے شب و روز سے فائدہ بھی اٹھاتے ہو اور اس کی وحدانیت کا انکار بھی کرتے ہو۔ اس سے بڑی ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ مُبْصِرًا: مضیئًا و روشن۔

إِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں کا)

لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ إِلٰهَ إِلَّا

شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب، پیدا کرنے والا ہر چیز کا، کوئی عبادت کے لائق

هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

نہیں بجز اس کے۔ پس کیسے راہِ حق سے تم روگردانی کرتے ہو ۶۲ اسی طرح (راہِ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان بدنصیبوں کا جو

يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ

اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لیے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت کی طرح

۶۲ — یہ اللہ تعالیٰ جس کی یہ شانیں اور قدرتیں ہیں جس کی وحدانیت اور کبریائی پر گلشنِ ہستی کی ہر کلی شہادت دے رہی ہے یہی تمہارا پروردگار ہے۔ ہر چیز کو خلعتِ وجود سے اسی نے نوازا ہے۔ اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تمہیں یہ جرأت کیسے ہو رہی ہے کہ تم اس کی عبادت سے روگردانی کر کے اِدھر اُدھر باطل معبودوں کے آستانوں پر مارے مارے پھرو۔ علامہ قرطبی [illegible] میں لفظ افک کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ای قلبه وصرفه عن الشيء" یعنی کسی چیز سے روگردانی کرنا، منہ پھیر لینا۔ لیکن علامہ راغب اصفہانی نے اس لفظ کا صحیح مفہوم یوں تحریر فرمایا:

"الافك كل مصروف عن وجهه الذي يحق ان يكون عليه" یعنی ایسی چیز سے منہ پھیر لینا جس سے وابستہ رہنا اس پر لازم تھا۔ ایسی سمت سے منہ پھیر لینا جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔

۶۴ — اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے مزید دلائل پیش کیے جا رہے ہیں جن میں قدرت کے ساتھ حکمت اور رحمت کی صفات کی جلوہ گری بھی نمایاں ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو قرارگاہ بنایا۔ نہ وہ اتنی سخت ہے کہ تم اس پر چل ہی نہ سکو اور نہ آرام کر سکو اور نہ اس میں کھیتی باڑی کر سکو، اور نہ اتنی نرم ہے کہ قدم رکھو تو نیچے دھنستے جاؤ۔ تمہارے سروں پر نیلگوں افلاک تان دیا گیا ہے جو دیکھنے والے کو گنبد نما نظر آتا ہے۔ اس طرح تم کو کئی ناگہانی آفتوں سے بچا لیا گیا ہے جن کا تمہیں شعور بھی نہیں اور یہ طاقت بھی نہیں ہے کہ خود تم ان سے اپنا بچاؤ کر سکو۔

بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ

اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو ۸۱ اور کھانے کے لیے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں ۸۲

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَاۤ اِلٰهَ

ایسی خوبیوں والا اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۸۳ وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے

اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

کوئی معبود نہیں بجز اس کے پس اسی کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے ۸۴ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ

کا پروردگار ہے۔ آپ فرما دیجیے کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو

۸۱ اسی نے تمہاری تصویر کشی بھی فرمائی ہے اور تمہاری صورتوں کو بڑا حسین اور دلکش بنایا ہے۔ ہمارے ذہنوں میں حسن کا ایک محدود تصور ہے ناک ایسی ہو، آنکھ ایسی ہو، رخسار یوں ہوں، لیکن حقیقی دلکشی اور رعنائی تو یہ ہے کہ جس مقصد کے لیے اس کی تخلیق کی گئی ہے اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے پاس پوری پوری صلاحیتیں ہوں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حيث خلق كلا منكم منتصب القامة بادى البشرة متناسب الاعضاء والتخطيطات متهيئا لمزاولة الصنائع واكتساب الكمالات (روح المعانی)

یعنی یہاں حسن سے مراد یہ ہے کہ تمہیں قامت بالا بخشی اور تمہیں متناسب اور موزوں اعضا عطا کیے۔ تمہارے خدوخال کو دلکش بنایا تم ہر قسم کی صنعت و حرفت کے تقاضے پورے کر سکتے ہو۔ تمہیں کسب کمال کے لیے جمالی، دماغی اور روحانی ترقی کی صلاحیت بخشی۔

۸۲ اور تمہارے پیدا کرنے سے پہلے ہی تمہارے لیے اپنی رنگا رنگ نعمتوں کا ایک دسترخوان بچھا دیا۔ یہ نعمتیں صرف تمہاری غذائی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتیں بلکہ تمہارے ذوق لطیف کی تسکین کا سامان بھی بنتی ہیں۔ غذائیت اور ذائقہ دونوں سے مالا مال ہیں۔

۸۳ یعنی وہ ذات پاک جس کی یہ صفات ہیں وہ اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مزید صفات کمال کا ذکر ہو رہا ہے۔

۸۴ جب اس کی یہ شان ہے تو اور کون ہے جسے اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ اس لیے اپنے عقیدہ کو ہر قسم کے جلی و خفی شرک کی آمیزش سے پاک کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو۔ فادعوه: فاعبدوه (روح المعانی)

فادعوه اى فاعبدوه واسلموا له جو اتجھے یہ فادعوہ کا مطلب فاعبدوہ ہے۔ یہاں دعا عبادت کے معنی میں مذکور ہے۔

دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

اللہ کے سوا جن کی عبادت کیسے کر سکتا ہوں جب آ گئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ

سر تسلیم خم کر دوں رب العالمین کے سامنے ٥٦ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر

نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تاکہ

اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ

تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر (تمہیں زندہ رکھا) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی اور

وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ

(یہ سارا انتظام اس لیے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تاکہ تم (اپنے رب کی حکمتوں کو) سمجھ سکو ٥٧ وہی ہے جو جلاتا ہے

٥٦ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور حضور کو اپنے آبائی دین کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی۔ خدا معلوم انہوں نے کیسی چکنی چپڑی باتیں کی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان بیہودہ لوگوں کو صاف صاف یہ بتا دیں کہ مجھے تو میرے رب نے تمہارے خداؤں کی عبادت سے روک دیا ہے میں تو اپنے رب کے ارشاد کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے (اپنی توحید کے لیے) ایسے دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ارزانی فرمائے ہیں کہ میں اب تمہاری اس لچر اور لغو دعوت کی طرف ذرا بھر بھی التفات نہیں کر سکتا۔ نیز مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العالمین کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں۔ اس لیے مجھ سے کبھی یہ توقع نہ کرنا کہ میں تمہاری خوشنما باتوں میں پھنس کر تمہارے جھوٹے خداؤں کی پرستش کا تصور تک بھی کر سکتا ہوں۔

٥٧ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور رحمتوں کے رخ سے مزید نقاب سرکایا جا رہا ہے۔ انسان کی تخلیق کے نقطہ آغاز سے لے کر اس کی آخری منزل تک نیز وہ تمام مرحلے جہاں سے اس کی زندگی کا قافلہ گزرتا ہے ان کو بڑی عمدگی سے بیان کر دیا۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ جس انسان کو ہم پیدا فرماتے ہیں، ہم نے اس کی موت کا وقت بھی پہلے ہی متعین کر دیا ہوتا ہے۔ کوئی بچپن میں ہی موت کی نیند سو جاتا ہے کسی کو عنفوان شباب میں پیغام اجل پہنچتا ہے اور کسی کو بڑھاپے تک پہنچنے کی مہلت ملتی ہے۔ اگر تم سمجھنے کی کوشش کرو تو اس

وَيُمِيتُ ۚ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝٦٨ أَلَمْ

اور مارتا ہے پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ کیا تم

تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ۝٦٩ الَّذِينَ

نہیں دیکھا ان نادانوں کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں اللہ کی آیات میں۔ یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۷؎ جن لوگوں نے

كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝٧٠

جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو بھی جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہیں (اپنی تکذیب کا انجام) معلوم ہو جائیگا ۸؎

إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۝٧١ فِي الْحَمِيمِ

جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائیگا کھولتے ہوئے پانی میں۔

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ۝٧٢ ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ

پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے ۹؎ پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم

میں اہلِ دانش کے لیے بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۂ حج کی آیت ۵ کے حواشی۔

۷؎ ان شواہد اور قطعی دلیلوں کے باوجود وہ ہدایت قبول نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں جھگڑا ان کی فطرت بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولوں کے ساتھ انہیں چڑ سی ہو گئی ہے۔ بے سوچے سمجھے ہر وقت وہ ان کی تکذیب میں لگے رہتے ہیں۔ ان گوناگوں خرابیوں کے باعث ان کی ہدایت پذیری کی صلاحیت دم توڑ چکی ہے۔

۸؎ اس بے جا عناد اور ہٹ دھرمی کا انجام انہیں عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔

۹؎ ان کے گلے میں طوق اور زنجیر ہو گی۔ انہیں گھسیٹ کر کھولتے ہوئے پانی کے چشموں پر لے جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ تم نے ہائے پیاس! ہائے پیاس! کا شور مچا رکھا تھا، اب پیٹ بھر کر پانی پی لو۔ جب وہ بادلِ نخواستہ چند گھونٹ زہر مار کر لیں گے، تو پھر انہیں آتشِ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

یسحبون سحب سے ہے، اس کا معنی ہے گھسیٹ کر لے جانا۔ یُسْجَرُونَ، مجاہد اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں، سجرت التنور، اوقدته وملأته۔ تنور کو ایندھن سے بھر دینا پھر اسے جلانا اسی مناسبت سے یسجرون کا معنی کیا گیا ہے یطرحون فیها فیکونون وقود النار۔ یعنی انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائیگا اور وہ اس کا ایندھن بن جائیں گے۔ (قرطبی)

تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُوا

شریک ٹھہراتے تھے، اللہ کے سوا ۹۰ وہ جواب دیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے ۹۱ بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ

مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾ ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ

تھے اس سے پہلے ۹۲ اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو ۹۳ یہ (سزا) اس وجہ سے (ملی) بدلہ ہے

تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾ ادْخُلُوا

اس لیے کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں اپنے عارضی اقتدار پر ناحق اور اس لیے کہ تم (اپنے اقتدار پر) اترایا کرتے تھے ۹۴ اب داخل ہو جاؤ

أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ پس یہ بہت برا ٹھکانا ہے تکبر و غرور کرنے والوں کا۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي

(اے حبیب!) آپ (ان کی ناروا حرکتوں پر) صبر فرمائیے، اللہ کا وعدہ سچا ہے ۹۵ سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا

۹۰ اس وقت ان سے پوچھا جائے گا کہ اب بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔ تمہیں ہمارے رسولوں نے بار بار سمجھایا کہ شرک سے باز آجاؤ لیکن تم نے ایک نہ سنی۔ اب بھگتو اپنے کرتوتوں کی سزا۔ نیز تمہارے وہ بت کہاں ہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کیوں تمہیں دوزخ سے نکال کر اور اس عذاب الیم سے چھڑا کر کہیں نہیں لے جاتے۔

۹۱ اس وقت ان کی پشیمانی کی انتہا ہو جائے گی وہ کہیں گے کہ آج تو وہ بت کہیں نظر ہی نہیں آتے۔

۹۲ اس کے معاً بعد مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کسی غیر خدا کی پرستش کیا ہی نہیں کرتے تھے۔

۹۳ ان کی گمراہی اور نور ہدایت سے محرومی کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۹۴ بڑی مخلصانہ سرزنشوں کے باوجود کفار اپنی روش کو ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوتے تھے اور اسلام کے خلاف ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی جاتی تھیں۔ مولا کریم اپنے حبیب مکرم کو صبر کی تلقین فرما رہے ہیں نیز بتایا جا رہا ہے کہ دین اسلام کی سربلندی اور مسلمانوں کی کامیابی کا جو وعدہ آپ کے ساتھ کیا گیا ہے، وہ پورا ہو کر رہے گا۔ دنیا کی کوئی طاغوتی قوت اس وعدہ کے ایفاء میں مزاحم نہیں ہو سکتی۔ کفار اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ کس طرح ان کے بتوں کی خدائی کا تختہ الٹ دیا جاتا ہے اور کس طرح دین محمدی کا پرچم اونچا بہت اونچا بلندیوں فضاؤں میں لہراتا ہے اور اگر بعض کافر دین کے مکمل غلبہ کا نظارہ کرنے سے پہلے مر جائیں تو

نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

ان سے ہم نے وعدہ کیا ہے یا اس سے پہلے ہی آپ کو دنیا سے اٹھا لیں (بہرحال وہ) نہیں بچ سکتے آخر کار ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے اور ہم نے بھیجے تھے

رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ

پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا

لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا [95] اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی نشانی

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ

اللہ کی اجازت کے بغیر۔ پس جب آئے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائیگا حق (و انصاف) کے ساتھ اور باطل پرست

ان کو اپنی عمر بھر کی کوششوں کی ناکامی کا صدمہ دیکھنا نصیب نہ ہو تو آخر کار انہیں لوٹ کر ہمارے پاس ہی آنا ہے وہاں ان کا کچھ نہ کیا جائیگا۔ علامہ ابوحیان اندلسی فرماتے ہیں کہ یہ صبر کی تلقین محض تانیس اور اطمینان کے لیے ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو صبر کا دامن پہلے ہی مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ آمر تعالیٰ نبیہ بالصبر تانیساً لہٗ والا فھو علیہ السلام فی غایۃ الصبر (بحر)

[95] اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم کو مزید تسلی دے رہے ہیں کہ مشرکین مکہ طرح طرح کے معجزات کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں، اس سے آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے رسول بھیجے۔ بعض کا تفصیلی حال قرآن میں مذکور ہے اور بعض کا تفصیلی ذکر ہم نے قرآن میں ابھی بیان نہیں کیا۔ ان کی قوموں نے بھی ان سے اسی قسم کے بیہودہ مطالبے کیے تھے۔ انہیں تو اپنے کیے کی سزا مل گئی یہ بھی کیفر کردار کو پہنچیں گے۔

اس سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ جن انبیاء و رسل کا قرآن کریم میں ذکر ہے ان کا علم تو حضور کو ہے اور جن کا ذکر نہیں ان کو حضور نہیں جانتے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ایما کان لا دلالۃ فی الآیۃ علی عدم علمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعدۃ الانبیاء والمرسلین کما توھم بعض الناس ۔۔۔۔ (روح المعانی)

یعنی کچھ بھی ہو اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور کو انبیاء اور مرسلین کی تعداد کا علم نہ تھا جس طرح بعض لوگوں نے وہم کیا ہے۔ تمام انبیاء و رسل نے شب معراج امام الانبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۷۸﴾ اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا

وہاں (سراسر) گھاٹے میں رہیں گے ۹۶ اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لیے مویشی تاکہ انہیں سے کسی پر سواری کرو

مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا

اور کسی کا گوشت کھاؤ ۹۷ اور تمہارے لیے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان پر چڑھ کے

حَاجَةً فِىْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو ۹۸

۹۶ یعنی کوئی رسول اپنی مرضی سے اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر معجزے نہیں دکھایا کرتا۔ یہ کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب بھی چند بے فکرے اکٹھے ہو کر آگئے اور انہوں نے کسی معجزے کا مطالبہ کیا تو جھٹ معجزہ دکھا دیا گیا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ معجزہ تو ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ جو لوگ معجزہ طلب کریں اور اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود ایمان لانے میں پس و پیش کرنے لگیں تو پھر انہیں مزید مہلت نہیں دی جاتی۔ فوراً عذاب الٰہی آتا ہے اور ان کا کام تمام کر دیتا ہے۔ اس لیے کوئی نبی اس وقت تک معجزہ نہیں دکھاتا جب تک حکم الٰہی نہ ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے اذن سے نبی معجزہ دکھاتا ہے اور پھر بھی لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے تو قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ کا روح فرسا منظر سامنے آ جاتا ہے۔

۹۷ اپنی مزید عنایات، نوازشات اور انعامات کا ذکر فرما کر حق کو قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات اگر ایک طرف اس کی قدرت کی گواہی دے رہے ہیں تو دوسری طرف اس کی حکمت اور رحمت کے آئینہ دار بھی ہیں۔ یہ جانور جن کا ہم دودھ پیتے ہیں، ذبح کر کے گوشت کھاتے ہیں۔ جن کی پیٹھ پر سوار ہو کر دور دراز کا سفر آسانی سے طے کر کے اپنی منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔ ان میں سے کئی کی پشت پر بھاری بوجھ لاد کر یا انہیں گاڑیوں اور گڈوں میں جوت کر آرام سے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمارا تابع فرمان نہ بنا دیا ہوتا تو کیا ہم ان سے یہ خدمت لے سکتے تھے۔ یہ کس کی مہربانی ہے کہ گھوڑے جیسا تیز رفتار طاقتور، گرانڈیل جانور ہمارے سامنے سرافگندہ حاضر ہے۔ چاہیں تو زین ڈال کر اس پر سوار ہو جائیں اور چاہیں تو اس کی پیٹھ پر منوں بوجھ لاد دیں۔ چاہیں تو کسی گاڑی میں جوت دیں۔ بہر حال اسے تعمیل حکم سے کوئی انکار نہیں۔ یہی حال دوسرے جانوروں کا بھی ہے۔ گائے، بیل، بھینس غرضیکہ یہ بیشمار جانور جو خدمت انجام دینے کے قابل ہیں، اس کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

۹۸ سمندروں اور دریاؤں کو اس قابل بنایا کہ ان میں جہازرانی ہو سکے۔ کشتیوں اور جہازوں میں ہزاروں ٹن بھاری بھرکم سامان لاد کر دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لے جا سکتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پانی میں یہ صلاحیت

وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۸۱ أَفَلَمْ يَسِيرُوا

اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کون کون سی آیتوں کا تم انکار کرو گے کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت

فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آجاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے ۹۹

كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَىٰ

وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (بھی) بڑھ کر تھے

عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۸۲ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

پس یہ بتائیے کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر

فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ

تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا۔ اور گھیر لیا انہیں جس کا وہ

يَسْتَهْزِئُونَ ۸۳ فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحْدَهُ وَ

مذاق اڑایا کرتے تھے ۱۰۰ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور

تو کبھی ہوتی تو صنعت و تجارت کی یہ گرم بازاری کبھی نہ ہوتی۔

۹۹؎ سابقہ قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرنے کی طرف مزید توجہ دلائی۔

۱۰۰؎ یعنی ان قوموں کا یہ دستور رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب کوئی رسول صحیح علم لے کر آیا تو انہوں نے یہ کہہ کر اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ تمہارے علم سے وہ علم جو ہمارے پاس ہے وہ زیادہ صحیح اور لائق اعتماد ہے۔ جو محض سنائی باتیں ان کے پاس تھیں جو فلسفیانہ نظریات انہوں نے اپنے فلسفیوں سے سیکھے تھے یا اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں جو من گھڑت افسانے انہوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں سے سن رکھے تھے ان کو ہی انہوں نے اپنی فلاح و نجات کے لیے کافی سمجھ لیا اور انبیاء کرام کی پاکیزہ تعلیمات کی طرف ہرگز توجہ نہ دی۔ موسیٰ علیہ السلام اور سقراط فلسفی کا زمانہ ایک ہے۔ سقراط نے جب آپ کا چرچا سنا اور لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ بہتر ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل

كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ

ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جنکو ہم اسکا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے

لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ

جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اسکے بندوں میں جاری ہے اور

خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے[1]

کر دو اس نے کہا: نحن قوم مهذبون فلا حاجة لنا الى مايعه ينا کہ ہم مہذب و شائستہ قوم ہیں۔ ہمیں کسی ہادی کی ضرورت نہیں۔

لے ان ناہنجاروں نے مہلت کی گھڑیاں انبیاء کرام کا مذاق اڑانے اور ان پر پھبتیاں کسنے گزار دیں اور جب انجام کار طلائع الٰہی نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس وقت ایمان کا اظہار کرنے لگے اور کفر سے بیزاری اور برأت کا اعلان شروع کر دیا۔ لیکن یہ بعد از وقت ایمان لانا ان کے کسی کام نہ آیا اور وہ تباہ و برباد کر دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہی دستور ہے کہ وہ قوموں کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کی مہلت دیتا ہے اور جب وہ دعوتِ حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہیں تو انہیں صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جاتا ہے۔

الحمد لله الذی تمم بتوفيقه الطاعات والصلوٰة والسلام على رسوله المكرم الذی بجاهه تقبل الحسنات وعلى آله وصحبه ومن تبعهم الى يوم الدين ۔ ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

۲ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ عبدہ المسکین

۱۲ دسمبر ۱۹۷۲ء محمد کرم شاہ

تعارف

سُورۃ حٰم السجدہ

نام: متعدد سورتیں ہیں جن کی ابتدا حٰم سے ہوتی ہے۔ اس سورت کی ابتدا بھی حٰم سے ہوئی۔ لیکن اس قسم کی دوسری سورتوں سے جو چیز اسے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی آیت ۳۸ آیت سجدہ ہے اس لیے اس کو حٰم السجدۃ سے موسوم کیا گیا۔ اس کا دوسرا نام فصلت بھی ہے۔ یہ کلمہ تیسری آیت میں مرقوم ہے۔ یہ چھ رکوعوں اور چون آیات پر مشتمل ہے اس کے کلمات کی تعداد سات سو چھیانوے اور حروف کی تعداد تین ہزار تین سو پچاس ہے۔

زمانۂ نزول: یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے زمانۂ نزول کا تعین علمائے تفسیر نے یوں کیا ہے کہ یہ سورت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کے بعد اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے درمیانی وقفہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: قریش مکہ کی شدید مخالفت اور مزاحمت کے باوجود آہستہ آہستہ مگر مضبوطی سے اسلام اپنے قدم آگے بڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسی ہستی اسلام قبول کر لیتی جس کے باعث کفار پر کوہ الم ٹوٹ پڑتا۔ اور اسلام کے خلاف ان کی انتقامی کارروائیوں میں بڑی شدت پیدا ہو جاتی۔ حضرت حمزہ جو اپنی شجاعت اور ناموری میں بے نظیر تھے چند روز ہوئے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے وہ شدید ذہنی صدمہ سے دوچار ہو گئے۔ اس مشکل کا حل سوچنے کے لیے ان کی ایک میٹنگ حرم میں منعقد ہوئی۔ قریش کے دوسرے سرداروں کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ بھی وہاں موجود تھا۔ اثنائے گفتگو اس نے اپنے آپ کو پیش کیا کہ وہ حضور کے پاس جاتا ہے اور انہیں سمجھا کر راہ راست پر لاتا ہے جس کی تفصیل زیر آیت ۱۳ کے حاشیہ میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ جب اس نے اپنی لمبی چوڑی تقریر ختم کی تو اس کے جواب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی سورت تلاوت فرمائی جسے سن کر وہ دم بخود ہو گیا اور اپنا سا منہ لے کر واپس آ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کفار کے وہی سابقہ اعتراضات تھے جنہیں وہ ہر موقع پر بڑی شد و مد سے دہرایا کرتے تھے۔ ان کا پہلا اعتراض اس پر تھا کہ قرآن کلام الٰہی ہے یہ بات ان کے ذہن میں آتی ہی نہ تھی۔ کبھی کہتے یہ خود گھڑ کر ہمیں سناتے ہیں، کبھی کہتے کسی سے سیکھ کر آتا ہے اور پھر ہمیں سکھاتا ہے۔ یہ شبہ اتنا لغو تھا کہ اس کو ذکر کرنا بھی مناسب نہیں سمجھا گیا بلکہ بڑے قطعی انداز میں یہ فرما دیا کہ یہ اس رب کا کلام ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس ارشاد الٰہی سے وہ شکوک و شبہات خود بخود ختم ہو گئے جو کفار کے ذہنوں میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔

دوسرا اعتراض توحید باری پر تھا وہ اس بات کو تسلیم ہی نہیں کرتے تھے کہ خدا ایک ہے بلکہ بہت سے بتوں کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا یہاں بھی ان کے اس خیالِ باطل کی تردید کرنے کے لیے دلائلِ تکوینیہ کا ذکر کیا گیا جس کے آئینہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، علمِ محیط اور کبریائی کے جلوے جھلک رہے ہیں۔

نیز انہیں متنبہ کیا کہ میرے محبوب کے خلاف جو روش تم نے اختیار کر رکھی ہے اس کا انجام بڑا ہولناک ہوگا تم سے پہلے بھی بڑی بڑی طاقتور اور زور آور قومیں گزر چکی ہیں۔ جن کی مادی ترقی اور معاشی خوشحالی سن کر آج بھی تم حیران و ششدر ہو جاتے ہو۔ انہوں نے اپنے انبیاء کے ساتھ جب اس قسم کا سلوک کیا تو انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں بھی اسی قسم کے عذاب سے دوچار کر دیا جائے گا۔

قیامت کا ذکر کرتے ہوئے انہیں بتایا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو تمہارے اعضاء بطور سلطانی گواہ کی حیثیت سے تمہارے خلاف شہادت دیں گے اس وقت تم اپنے جرائم پر کیسے پردہ ڈال سکو گے۔

کفار اپنے تمام حیلے بروئے کار لا چکے تھے تاکہ اسلام کی پیش قدمی کو روک دیں لیکن کلامِ الٰہی کی اثر انگیزی نے ان کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ اب انہوں نے یہ طے کیا کہ جب بھی قرآن کریم کی تلاوت کی جائے اس محفل میں غوغا آرائی شروع کر دو تاکہ شور و شغب میں کوئی قرآن نہ سن سکے لیکن ان کی یہ تدبیر بھی ناکام ثابت ہوئی۔

اس سورت میں اہلِ حق کی شانِ استقامت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد ان انعامات و عنایات کا تذکرہ کیا جو اللہ تعالیٰ اپنے ایسے بندوں پر فرماتا ہے۔ ساتھ ہی ان مکارمِ اخلاق کا ذکر کیا جن سے ان کی سیرت مزین و آراستہ ہے۔

آخر میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کا خود محافظ و نگہبان ہے باطل کی یہ مجال نہیں کہ اس میں کسی جانب سے بھی گھسنے کی جرأت کر سکے۔

سورۃ حٰم السجدۃ مکیۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیاتہا ۵۴ رکوعاتہا ۶

سورۃ حٰم السجدہ مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۵۴ آیتیں ۶ رکوع

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

حا میم[1] اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن و رحیم (خدا) کی طرف سے[2] یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے[3]

[1] اگر حٰم کو سورت یا قرآن کا نام قرار دیا جائے تو پھر یہ مبتدا اور تنزیل اس کی خبر ہوگا۔ ورنہ تنزیل مبتدا محذوف کی خبر ہوگا۔ بعض نے تنزیل کو مبتدا اور کتاب فصلت کو خبر کہا ہے۔

[2] کفار اس بات پر بضد تھے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود گھڑ کر یا کسی سے سیکھ کر (نعوذ باللہ) لوگوں کو سنا دیتے ہیں۔ ان کے اس زعم باطل کو مسترد کرنے کے لیے ان گنت روشن دلائل پیش کیے گئے۔ لیکن وہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ ایسے لوگوں کے سامنے مزید دلائل پیش کرنا بے سود تھا۔ اس لیے یہاں بطور دعویٰ فرما دیا کہ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ یعنی تم تسلیم کرو یا نہ کرو یہ صحیفۂ رشد و ہدایت کسی انسانی دماغ کی تخلیق نہیں بلکہ اسے رحمٰن و رحیم نے نازل فرمایا ہے۔ آج نہیں مانتے تو کل تمہیں بھی ماننا پڑے گا۔

یہاں وہ اسمائے الٰہی ذکر کیے گئے جو اس کی رحمت بے پایاں اور اس کی عنایت بے اندازہ پر دلالت کرتے ہیں تاکہ سننے والوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہو اور وہ خود بخود کھچے چلے آئیں اور برضا و رغبت اس کے ارشادات کی تکمیل کو اپنا شعار بنا لیں۔ نیز قیامت تک آنے والی نسلوں کے دل سے اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ قرآن کی تعلیمات کسی وقت بھی ان کی معاشی، تمدنی، علمی اور اخلاقی ترقی میں رکاوٹ بن سکتی ہیں۔ بتا دیا کہ یہ کسی ایسے آمر مطلق کا آئینی مسودہ نہیں جس میں اس کو سب سے زیادہ اپنے جاہ و جلال اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کا فکر ہو اور اسے اس کی قطعاً کوئی پروا نہ ہو کہ اس کی رعایا پر کیا گزرتی ہے۔ ان کے جذبات کا کیسے خون ہوتا ہے یا وہ کس قسم کی ذہنی گرفت یا معاشی پسماندگی کا شکار ہوتے ہیں۔ فرمایا یہ اس ذات پاک کا نازل کیا ہوا صحیفہ ہے جو رحمان و رحیم ہے۔ اس کی شان رحمانی تو تمہیں پھولتا پھلتا، ترقی کی بلند منزلیں طے کرتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔

اگر تم اپنے خداوند کریم کے احکام بجا لاؤ گے تو دین و دنیا کی سعادتیں تم پر نثار ہوں گی اور اگر تم نے اس کی طرف سے بے رخی برتی تو آخر کوئی نہ کوئی دستور تمہیں اپنانا پڑے گا۔ اس میں اور تو شاید بہت کچھ ہو لیکن اس میں رحمت و رافت کا وہ عنصر ہرگز نہیں ہوگا جو رحمان و رحیم پروردگار کے ارشادات میں موجود ہے۔ یہ تمہاری بدبختی ہوگی کہ خداوند رحمٰن کی ہدایات کو چھوڑ کر تم کسی جاہل، خود سر، خود غرض اور کوتاہ فہم کے بنائے ہوئے دستور کو اپنانے پھرو۔

[3] رحمٰن و رحیم نے جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بالکل واضح اور عام فہم ہے۔ اس میں کوئی پیچیدگی

قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ③ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ

بیان کر دی گئی ہیں یہ قرآن عربی زبان میں ہے سے ان لوگوں کیلئے جو علم و فہم رکھتے ہیں شے یہ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہے

فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ ④ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ

پس منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے پس وہ قبول نہیں کرتے شہ اور انہوں نے کہا ہمارے دل غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں اس بات

وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا

جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں شہ اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام

عٰمِلُوْنَ ⑤ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ

کر رہے ہیں۔ آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند شہ۔ (البتہ) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خدائے

نہیں۔ اس میں التباس کا شائبہ تک نہیں جس کی تہ تک پہنچنے کے لیے غیر معمولی عقل و خرد کی ضرورت ہو۔ یہ ایسی کھلی اور واضح کتاب ہے کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

سے یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو تمہاری مادری زبان ہے جس کے اسرار و معارف سمجھنے کی تم میں پوری استعداد ہے۔ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا منصوب علی المدح ہے۔

شہ اس سے فائدہ وہی لوگ اٹھا سکتے ہیں جو علم و فہم کی صفت سے موصوف ہیں۔ بے عقل اور اجڈ لوگ اس کی قدر و قیمت کو کیا جانیں۔

سے بشیراً و نذیراً قرآن کی دو صفتیں ہیں یعنی یہ ان لوگوں کو تو نجات و فلاح کی خوشخبری دیتا ہے جو اس کے احکام بجا لاتے ہیں اور جو لوگ اس کی ہدایات پر کاربند نہیں ہوتے انہیں بروقت ان کے انجام بد سے ڈراتا ہے تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

شہ کفار کی ہٹ دھرمی اور تعصب کا ذکر ہو رہا ہے۔ تمام باطل فرقے اپنی ہٹ پر اسی طرح قائم رہتے ہیں۔ انہیں لاکھ سمجھاؤ وہ سمجھنے کا نام نہیں لیتے۔ باطل پرستوں کے پاس حق کی یورش کے مقابلہ میں یہی ایک گوشۂ عافیت ہے کہ وہ ان ہی ترانوں کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ اَكِنَّةٌ، كِنَانٌ کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ کپڑا یا غلاف ہے جس میں کسی چیز کو اچھی طرح لپیٹ کر رکھ دیا جاتا ہے۔ وَقْرٌ: صَمَمٌ یعنی بہرہ پن۔ حِجَابٌ: پردہ۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان ایسی دیوار حائل ہے کہ تمہارے حق کا نور اس سے نفوذ کر کے ہم تک نہیں پہنچ سکتا۔

شہ کفار کہتے تھے کہ ہمارے درمیان ایسا پردہ حائل ہے کہ افادہ اور استفادہ ممکن ہی نہیں۔ نہ آپ کا پیغام حق ہم تک

وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾

یکتا ہی ہے [۱۰] پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لیے [۱۱]

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں [۱۲] بے شک

ع ۱ ۱۵

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾ قُلْ

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا [۱۳] آپ فرمائیے

پہنچ سکتا ہے اور نہ ہم اسے قبول کر سکتے ہیں۔ ان کے اس قول کی تردید کی جارہی ہے کہ تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے۔ اگر میں انسان نہ ہوتا فرشتہ یا جن ہوتا تو ہم ایک دوسرے کی بات نہ سمجھ سکتے نہ سمجھا سکتے۔ جب تم بھی انسان ہو اور میں بھی انسان ہوں تو پھر ہم میں منافرت کی کونسی ایسی دیوار چن دی گئی ہے کہ افہام و تفہیم کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو۔ تمہارا یہ کہنا سراسر لغو اور باطل ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: لست ملکا ولا جنیا لا یمکنکم التلقی منه ولا موجود لقولهم بیننا وبینک حجاب (روح المعانی)

یعنی میں نہ فرشتہ ہوں اور نہ جن ہوں تاکہ تم اس سے استفادہ نہ کر سکو۔ اس آیت سے ان کے اس قول کی تردید کر دی گئی جس کا ذکر سابقہ آیت میں ہے بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اظہار تواضع کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ کہنے کا حکم دیا۔ قال الحسن علمه الله التواضع۔

(اس مسئلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد سوم، سورۃ کہف آیت ۱۱۰)

[۱۰] انہیں کے قول کی تردید ہو رہی ہے یعنی اگر میں تمہیں کسی ایسی بات پر ایمان لانے کی دعوت دیتا جس کو تسلیم کرنے پر عقل سلیم تیار نہیں تو تمہاری یہ بے رخی کچھ معنی بھی رکھتی تھی لیکن میں تو تمہیں اس سچائی کی طرف بلا رہا ہوں جس سے بڑی سچائی اس کائنات میں ہے ہی نہیں یعنی میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے رہا ہوں۔ اس لیے تمہاری بہتری اس میں ہے کہ تم اس سچی دعوت کو قبول کر لو اور جو لغزشیں تم سے پہلے صادر ہو چکی ہیں ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔

[۱۱] جن کا دامن شرک سے آلودہ ہے ان کے مقدر میں تباہی و بربادی رقم ہو چکی ہے ان سے بڑھ کر اور کون بدبخت ہو سکتا ہے۔

[۱۲] ان کی ہلاکت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بخل نے ڈیرہ جما لیا ہے۔ کسی غریب پر انہیں رحم ہی نہیں آتا۔ کسی یتیم یا بیوہ کے لیے وہ اپنی دولت سے کچھ خرچ کرنے کے لیے تیار ہی نہیں۔ ایسے سنگدل اور بے رحم انسانوں پر بہار نہ ہوگی تو کیا رحمت کے پھول برسیں گے۔ وہ تباہ و برباد نہ ہونگے تو کیا پھلیں پھولیں گے، ہرگز نہیں۔ ان کی اس بے حسی اور سنگدلی کی وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں۔

[۱۳] ان کے برعکس ایک دوسرا گروہ ہے جو نور ایمان سے بھی بہرہ ور ہے اور ان کی زندگی کا دامن نیکیوں کے گجرے ہوئے

أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ

پوچھیے کیا تم انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں [۱۱] اور ٹھہراتے ہو

لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن

اس کے لیے ہمسر۔ وہ تو رب العلمین ہے (اس کا کوئی مقابل کیسے ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے گاڑ دیے ہیں زمین میں گڑے ہوئے

فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً

جو اس کے اوپر ابھرے ہوئے ہیں پہاڑ اور برکت رکھ دی ہے اس میں اور مقرر کر دی ہیں اس میں غذائیں سب ضرورت مندوں کے لیے یکساں چار دنوں میں [۱۲] (یہ سب مکمل ہوا)

پھلوں سے بھرا ہوا ہے۔ بارگاہ الٰہی سے انہیں جو اجر ملے گا وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ غَيْرُ مَمْنُونٍ أَيْ غَيْرُ مَقْطُوعٍ۔ سلسلہ نہ ٹوٹنے والا، ختم نہ ہونے والا۔

[۱۱] ان چار آیتوں میں اپنی توحید، اپنی قدرت کاملہ اور علم و حکمت کے ایسے دلائل و شواہد پیش کیے ہیں کہ کوئی سمجھدار آدمی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ ان دلائل کو بیان کرنے کے بعد کفار سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ جن کو تم نے میرا ہمسر اور شریک بنا رکھا ہے، جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو ذرا انصاف سے بتاؤ ان میں ان صفات عالیہ جلیلہ میں سے کسی صفت کا معمولی ذرہ تک بھی موجود ہے اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر تم سے بڑا ظالم اور احمق کون ہوگا جو ذرے کو آفتاب کا ہمسر اور قطرے کو سمندر کا ہم پایہ خیال کرتا ہے۔ پہلی آیت میں بتایا کہ یہ زمین جس پر تم آباد ہو اور جس کی فضا میں تم سانس لیتے ہو اس کو تمہارے کسی بت یا کسی دیوتا نے پیدا نہیں کیا ہے۔ یہ ساری چیزیں تو کل نیست سے ہست ہوئیں۔ زمین تو تمہارے ان معبودوں کی تخلیق سے پہلے موجود تھی۔ اس وسیع و عریض زمین کا پیدا فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو تمہیں حیا نہیں آتی کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور اپنے ان بتوں کو اس کا ہمسر یقین کرتے ہو۔ نیز اس کو یہ زمین بنانے میں عرصہ دراز صرف نہیں کرنا پڑا بلکہ دو دنوں میں اس کی آرائش مکمل کر دی۔ اس کی قدرت تو اس کو چشم زدن میں بھی پیدا کر سکتی تھی لیکن یہ تدریج اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

یوم سے مراد یہ دن نہیں بلکہ مطلق وقت ہے یا تخلیق کا دور۔ پہلے کئی مرتبہ اس لفظ کی وضاحت گزر چکی ہے۔

[۱۲] رَوَاسِيَ جمع ہے رَاسِيَةٌ کی: ہر چیز زمین میں گڑی ہوئی ہو۔ بندرگاہ کو عربی میں مَرْسیٰ کہتے ہیں کیونکہ کشتیاں اور جہاز یہاں پہنچ کر اپنے لنگر ڈال دیتے ہیں۔ پہاڑوں کو رواسی اس لیے کہا کہ ان کی جڑیں زمین میں دور تک چلی گئی ہوتی ہیں۔ یوں نہیں کہ بس زمین کی سطح پر رکھ دیے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کرہ زمین کو اضطراری حرکت سے محفوظ کرنے کے لیے زمین میں جابجا پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دی ہیں لیکن یہ پہاڑ کسی میخ کی طرح زمین میں سارے کے سارے دھنسے ہوئے نہیں

لِّلسَّآئِلِیْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ

یکساں ہے طلبگاروں کے لیے ۱۲ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف وہ اس وقت محض دھواں تھا ۱۳ پس فرمایا اسے

بلکہ زمین سے بہت اونچے اُٹھے ہوئے ہیں۔ پہاڑوں کو اس طرح بنانے میں جو حکمتیں ہیں ان سے کچھ کچھ واقف ہے۔ ان ان گنت حکمتوں سے ایک یہ بھی ہے کہ پہاڑوں کے جسم گوناگوں دھاتوں اور معدنیات سے بھرے پڑے ہیں۔ کوئلے سے لے کر سونے تک، کرومیل سے لے کر پلاٹینم تک کے یہاں انبار لگے ہوئے ہیں۔ انسان آسانی سے انہیں کھود کر نکال سکتا ہے۔ اگر یہ پہاڑ سارے کے سارے زمین میں دھنسے ہوتے تو ان معدنیات کو نکالنا مشکل ہو جاتا۔

۹ اللہ تعالیٰ نے زمین میں بے شمار خیرات و برکات رکھ دی ہیں ہزارہا لاکھوں سالوں سے ہم اور ہمارا انہیں استعمال کیا جا رہا ہے لیکن کسی چیز کا سٹاک ختم نہیں ہوتا۔ پانی ہی کو لیجیے لاکھوں سال سے طرح طرح سے استعمال ہو رہا ہے لیکن چشمے پھر بھی ابل رہے ہیں۔ پہاڑی ندیاں شوخی و مستی سے اب بھی بہتی چلی جا رہی ہیں۔ دریا اپنی طوفانی موجوں سمیت رواں دواں ہیں اور سمندر کی بیکرانی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

۱۰ سطح زمین پر جتنی بھی جاندار مخلوق ہے ان سب کے لیے مختلف قسم کی جتنی غذا مطلوب ہے ان سب کا اہتمام پہلے دن ہی سے کر دیا۔ بور و ملخ، ممولا اور شہباز، شیر ببر اور ہاتھی۔ غرضیکہ ہوا میں اڑنے والوں، زمین پر رینگنے والوں، دو ٹانگ والوں، چارہ کھانے والوں، گھاس سے شکم پُر کرنے والوں، گوشت، لہو، چیچڑے اور کیڑے کھانے والوں غرضیکہ ہر ایک نوع کی طبعی ضرورت کے مطابق ہر فرد کی انفرادی پسند کے مطابق قدرت کے وسیع و عریض دستر خوان پر ہر چیز چن دی گئی ہے۔ ان کے علاوہ کائنات کی اس رنگا رنگی بارات کے دولہا حضرت انسان کے لیے کیا کچھ موجود نہیں۔ جس ہستی نے اتنا وسیع اور حیرت انگیز انتظام ہمارے پیدا ہونے سے ہزاروں صدیاں پہلے کر دیا کیا اس کے علم، اس کی حکمت اور اس کی قدرت کے بارے میں ادنیٰ سا شک بھی کیا جا سکتا ہے۔

۱۱ یعنی زمین کی تخلیق اور ان میں نباتاتی، حیوانی اور انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لیے یہ سارے انتظامات صرف چار دنوں میں یعنی چار مرحلوں میں مکمل کر دیئے گئے۔

۱۲ یہ رزق و نعمت کے خزانے کسی خاص طبقہ یا فرد کی اجارہ داری نہیں جس میں طلب ہوگی ہمت اور حوصلہ ہوگا، ہنرمندی اور فہم و فراست کا جوہر پایا جائیگا اسے اس کی ہمت اور حوصلہ کے مطابق ان نعمتوں سے حصہ دیا جائے گا۔

اس آیت سے سوشلسٹ نظام کی تائید کے لیے جو استدلال کیا جاتا ہے وہ بالکل بے محل ہے۔

۱۳ استویٰ کا صلہ جب اِلیٰ ہو تو اس کا معنی توجہ کرنا ہوتا ہے۔ یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ یہ پہلے ایک دھواں سا تھا۔ سحابی اور دخانی جسم کا مادہ تھا جس سے اس نے اپنی قدرت کاملہ سے سات آسمان پیدا فرمائے۔

لِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضَاهُنَّ

زمین کو کہ آ جاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لیے) خوشی سے یا مجبوراً ان دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی حاضر ہیں ۲۰ ۲۱ پس مکمل کر دیا

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا

انہیں سات آسمان بنا کر دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال احکام کی ۲۲ اور ہم نے مزین کر دیا

السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ

آسمان دنیا کو چراغوں سے ۲۳ اور اسے خوب محفوظ کر دیا ۲۴ یہ (سارا) نظام سب پر غالب سب کچھ جاننے

الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ

والے (خدا) کا ہے ۲۵ پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو

۲۰ زمین و آسمان کو حکم دیا کہ جس خدمت کی ادائیگی کے لیے جس فرض کو انجام دینے کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اسے پورا کرنے کے لیے حاضر ہو جاؤ۔ اس میں تمہاری مرضی کا کوئی دخل نہیں بلکہ ہمارے حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ تم چاہو یا نہ چاہو ہر حال میں تمہیں ہمارے فرمان کی تعمیل کرنا ہو گی۔

۲۱ زمین و آسمان نے بیک زبان جواب دیا۔ اے ہمارے خالق و مالک ہم بصد خوشی تعمیل ارشاد کے لیے حاضر ہیں۔

۲۲ چنانچہ سات آسمان بنا دیے گئے اور ہر آسمان کے حسب حال وہاں احکام و ہدایات نازل فرما دیے تاکہ ہر آسمان کی مخلوق منشاء خداوندی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔

۲۳ جب سورج غروب ہو جاتا ہے، شام کا دھندلکا پھیلنے لگتا ہے تو ٹمٹماتے ہوئے ستارے اپنی محفل شروع کر دیتے ہیں رات کی وحشت اور تاریکی کی گھٹن ان چراغوں سے کافور ہو جاتی ہے۔ چرخ نیلوفری کی یہ سجی ہوئی چھت دل کو نیا سرور اور تازگی بخشتی ہے۔

۲۴ یہ مفعول مطلق ہے یعنی حَفِظْنَاهَا حِفْظًا۔ یعنی ہم نے آسمان کو جتنا خوبصورت اور دلآویز بنایا ہے اتنا ہی مضبوط اور مستحکم بھی بنایا ہے جس میں کوئی دراڑ نظر نہیں آتی کوئی شگاف دکھائی نہیں دیتا۔ ہر طرح کی بیرونی دخل اندازیوں سے اسے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

۲۵ یعنی یہ سارا نقشہ، ہر چیز کے لیے مناسب محل اور مقام کا تعین، ہر چھوٹی بڑی چیز کے لیے فرائض و واجبات کا تعین یہ محیر العقول انتظام، یہ ساری منصوبہ بندی اور اس منصوبہ بندی کی عملی تطبیق اس خداوند قدوس کی قدرت کا کرشمہ ہے

عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿١٣﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ

عاد و ثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت لینے والی کڑک سے) جب آئے تھے انکے پاس رسول سامنے سے اور

جو سب سے زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔

اگرچہ قرآن حکیم ایسی کتاب نہیں جس میں کائنات کی تخلیق اور تخلیق کے ادوار اور مدارج کا کوئی مفصل ہوا البتہ جابجا ارض و آفرینش عالم کے متعلق قرآن کے مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ سائنس کی تحقیقات بھی مختلف مرحلوں سے گزر کر اسی طرف آرہی ہے علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

اِنَّ عرشهٗ تعالٰی کان قبل خلق السمٰوٰت والارض علی الماء فاحدث الله تعالٰی فی الماء سخونة فارتفع زبدٌ و دخانٌ فاما الزبد فبقی علٰی وجه الماء وخلق الله تعالٰی فیه الیبوسة واحدث سبحانه منه الارض واما الدخان فارتفع وعلا۔ فخلق الله تعالٰی منه السمٰوات۔ (روح المعانی)

یعنی زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں حرارت پیدا کردی۔ اس سے جھاگ اور دھواں بلند ہوا۔ جھاگ پانی کی سطح پر باقی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں خشکی پیدا کی اور اس سے زمین بنائی اور دھواں اوپر اٹھا بلند ہوا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو پیدا فرمایا۔

سائنس کی جدید تحقیقات بھی اس نظریہ سے بہت قریب ہیں۔

۱۶ ان آیات بینات کے مشاہدے کے بعد بھی وہ کفر و ضلال کی راہ کو چھوڑ کر اگر راہ راست پر گامزن نہیں تو دیار کفر جس عذاب نے عاد و ثمود جیسی قوموں کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا تھا وہ عذاب انہیں بھی راکھ کا ڈھیر بنا دے گا جب عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گا تو وہ یہ کہنے کے حقدار نہ ہوں گے کہ انہیں کسی نے بروقت خبردار ہی نہیں کیا تھا، ورنہ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے۔

انذرتُ کا عام طور پر اتنا ہی مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ میں نے ڈرایا۔ حالانکہ نَذَرَ کے مادہ کا اطلاق اس ڈرانے پر ہوتا ہے جس میں کم از کم دو خصوصیتیں ہوں۔ ایک تو وہ ڈرانا بروقت ہو۔ یوں نہیں کہ جب پتھر آسمان سے برسنے شروع ہو جائیں تو خطرہ کا الارم بجنے لگے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انذار سے مقصد صرف عذاب کی خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اصل مقصد اس شخص کی خیر خواہی ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچاؤ کا انتظام کرلے۔ لسان العرب میں ہے کہ عرب کہتے ہیں: أَنْذَرْتُ القوم سیر العدو الیهم فحذروا ای علمتهم ذلك فعلموا وتحرزوا۔ یعنی میں نے قوم کو دشمن کے حملے سے خبردار کیا پس انہوں نے اپنا بچاؤ کرلیا صاعقة بادل کی اس شدید کڑک کو کہتے ہیں جس کے ساتھ بجلی بھی گرے۔ الصاعقة: الصوت الشدید من الرعد یسقط معها قطعة نار۔ یہ اس کا لغوی معنی ہے لیکن اب اس کا اطلاق ہر مہلک عذاب پر بھی ہوتا ہے خواہ اس کی نوعیت کسی قسم کی ہو۔ کل عذاب مهلك صاعقة (لسان العرب)

خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً

پیچھے سے (یعنی ہر طرف سے یہ سمجھانے کیلئے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی (کہ ہمیں سمجھائے)

فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ

تو فرشتے نازل کرتا پس ہم جو دیکر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں ۲۸؎ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں

۲۷؎ اس سے مراد یا تو رسولوں کی کثرت ہے یعنی کثیر التعداد رسول ان کے پاس تشریف لائے اور راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی انہیں دعوت دی اور یا اس کا معنی یہ ہے: مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ کہ انہوں نے گزری ہوئی قوموں پر جو بیتی تھی اس کا تفصیلی تذکرہ بھی ان سے کیا۔ (وَمِنْ خَلْفِهِمْ) مستقبل میں اس ہٹ دھرمی کی جو سزا انہیں ملنے والی تھی اس سے بھی ڈرایا۔

۲۸؎ لیکن انہوں نے دعوت حق قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے پیغمبر ان کی ہدایت کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کرتے تھے انہوں نے الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ وہ کہتے کہ آپ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں اور ہماری مزید سمع خراشی سے باز آجائیں۔ اگر خدا نے کسی کو رسول بنا کر بھیجنا ہوتا تو وہ کسی نوری فرشتہ کو ہماری راہنمائی کے لیے بھیجتا۔ آپ تو ہماری طرح محض گوشت پوست کے انسان ہیں اور ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ آپ کو ہم رسول ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ ہم ہرگز آپ کی رسالت کو نہیں مانیں گے۔ اہل باطل کی یہ حجت بازیاں ہیں جن سے وہ اہل حق کا دل دکھایا کرتے ہیں۔ کتب احادیث و تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ سے مروی ہے کہ ایک روز ابوجہل اور چند دوسرے قریش کے سردار اکٹھے ہوئے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں گفتگو چھڑ گئی۔ کہنے لگے کہ اس شخص کی حقیقت ابھی تک ہم پر نہیں کھلی۔ اگر کوئی ایسا آدمی مل جائے جو سحر و کہانت کے فن میں ماہر ہونے کے ساتھ بہترین شاعر بھی ہو تو اسے ہم اس کے پاس بھیجیں تاکہ ان سے گفتگو کے بعد وہ ہمیں بتلائے کہ یہ شاعر ہیں، جادوگر ہیں یا کاہن۔ عتبہ بن ربیعہ بولا "مجھ سے زیادہ ماہر اور کون ہوگا"۔ چنانچہ طے پایا کہ عتبہ جائے اور ان سے گفتگو کرے اور پھر آکر ان کے متعلق اپنے تاثرات بتائے۔ عتبہ گیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد کہنے لگا آپ خواہ مخواہ ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتے ہیں، ہمارے معبودوں کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ اگر اس تحریک سے آپ کا مقصد حکومت حاصل کرنا ہے تو ہم آج ہی آپ کی بادشاہی کا اعلان کر دیتے ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو ہم ایک نہیں دس دوشیزائیں جن کی طرف آپ اشارہ کریں پیش کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اگر روپیہ جوڑنے کے لیے یہ دھندا شروع کیا ہے تو ہم سونے چاندی کے ڈھیر آپ کے قدموں میں لگا دیں گے جو آپ کی کئی پشتوں تک کے لیے کافی ہوں گے۔ یہ کہہ کر جب وہ خاموش ہوا تو فخر عالم نے پوچھا اے عتبہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں جو کہنا چاہتا تھا کہہ دیا۔ اس کے بعد حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورہ حم کی تلاوت شروع کی۔ نبوت کی زبان رب کریم کا کلام بلاغت نظام تلاوت کر رہی ہے۔ سوز دروں اور ہمدردی کے جذبات نے اس قرأت

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ

ناحق ۲۹؎ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس

الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿١٥﴾

نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے اور وہ ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحِسَاتٍ لِنُذِيقَهُمْ

پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا ۳۰؎ منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں

کو صدمہ اثر انگیز بنا دیا ہے۔ عتبہ دم سادھے بیٹھا سنتا رہا گویا اس پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا جب حضور مثل صاعقۃ عاد و ثمود تک پہنچے تو وہ تلملا کر اٹھا اور حضور کے لب مبارک پر ہاتھ رکھ دیئے۔ کہنے لگا میں تمہیں رحم کا واسطہ دیتا ہوں کہ بس کیجیے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے۔ وہاں سے اٹھا اور اس مجلس میں جانے کے بجائے جہاں قریش بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے وہ سیدھا گھر چلا گیا اور خانہ نشین ہو گیا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد ابوجہل سب کو لے کر اس کے گھر پہنچا اور وہاں پہنچتے ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ عتبہ! معلوم ہوتا ہے کہ تو نے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا دین اختیار کر لیا ہے۔ یا اس کے دستر خوان نے تیرا دل موہ لیا ہے اگر تمہارے پاس لنگر کھانے کیلئے پیسے نہیں تو ہم چندہ جمع کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ عتبہ اس طعنہ سے بہت برہم ہوا۔ لیکن یہ برہمی بھی جہالت کی برہمی تھی۔ کہنے لگا مجھے قسم ہے اس کے بعد میں ان سے بات تک نہ کروں گا۔ اے ابوجہل تم خوب جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ دولتمند ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں حسب پروگرام ان کے پاس گیا۔ میں نے کھل کر اس موضوع پر ان سے تبادلہ خیال کیا۔ لیکن انہوں نے مجھے جو جواب دیا بخدا نہ وہ شعر ہے نہ جادو ہے اور نہ کہانت۔ اس نے سورۃ حم کی آیات پڑھنی شروع کر دیں سننے لگا جب وہ صاعقۃ عاد و ثمود تک پہنچے تو میں نے انہیں رحم کا واسطہ دے کر خاموش ہونے کو کہا اور ان کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور تم خوب جانتے ہو کہ محمد جب گفتگو کرتا ہے تو جھوٹ نہیں بولتا۔ میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ ولقد علمتم ان محمدا اذا قال شیئا لم یکذب فخفت ان ینزل علیکم عذاب۔

۲۹؎ قوم عاد پر عذاب اس لیے نازل ہوا کہ وہ ناحق تکبر کرتے تھے اور انہیں اپنی قوت و طاقت پر اتنا ناز تھا کہ وہ کسی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی ان کے دل سے نکل گیا تھا۔ ارشاد فرمایا اے جاہلو! تمہیں گھمنڈ ہے کہ تمہاری تعداد کثیر ہے۔ مال و دولت فراواں ہے۔ تمہارے جوان بڑے جنگجو اور بہادر ہیں۔ آج کوئی قوم تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتی تم درست کہتے ہو لیکن یہ بتاؤ کہ کیا اللہ جو تمہارا خالق ہے جو یہ سارا ساز و سامان بخشنے والا ہے کیا تم اس سے بھی طاقتور ہو کہ اس کی نافرمانی کی جرأت کر سکتے ہو

۳۰؎ الصرّ: البرد والصیحة ... وریح صرصر ای باردة (صحاح) سخت ٹھنڈی ہوا کو صرصر کہتے ہیں۔ شدید

عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

ذلت آمیز عذاب اس دنیوی زندگی میں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى

اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔ باقی رہے ثمود ۳۱؎ تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی اندھا پن پسند کیا انہوں نے

عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا

ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ

کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے ۳۲؎ اور ذرا خیال

اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ

کرو، اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش جہنم کی طرف پھر وہ گروہوں میں بانٹ دیے جائیں گے ۳۳؎ یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں گے

الرعد وقیل شدیدۃ الصوت (لسان العرب)۔ سخت ٹھنڈی ہوا کو صرصر کہتے ہیں۔ نیز وہ ہوا جو شدید شور مچائے اس کو بھی صرصر کہتے ہیں۔ یعنی ان پر ایسی سخت ٹھنڈی ہوا بھیجی جس کے شور سے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے وہ سات دن اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہی۔ اس نے ان کے مکانوں کو بنیادوں سے اکھیڑ کر پھینک دیا وہ خود اس کی شدت کی تاب نہ لا کر یوں زمین پر دھڑام سے گرتے جیسے کھجور کا بوسیدہ تنا اکھڑ جاتا ہے۔ جس کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے اور آئندہ بھی مختلف مقامات پر آئیگا۔

۳۱؎ ہدایت کا لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا کسی کو منزل کی راہ دکھانا۔ یہاں فَهَدَيْنٰهُمْ میں دوسرا معنی مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انبیاء کرام نے انہیں بتایا کہ یہ سیدھا راستہ ہے اس پر چلو گے تو نجات پاؤ گے لیکن انہوں نے گمراہی کے اندھیروں کو پسند کیا اور ہدایت کی روشنی کو مسترد کر دیا ان پر ایسی کڑک آئی جس نے انہیں تباہ کر دیا۔

۳۲؎ اللہ تعالیٰ کی قدرت ملاحظہ ہو کہ جس کڑک نے تمام قوم عاد کو موت کی نیند سلا دیا لیکن اہل ایمان کو ذرا گزند نہ پہنچائی اسی طرح ثمود پر جو عذاب آیا اس کی زد سے حضرت صالح اور ان کے پیروکار بالکل محفوظ رہے۔

۳۳؎ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو قبروں سے نکال کر جہنم کے کنارے تک ہانک کر لے جائیں گے اور وہاں جو پہلے پہنچیں گے انہیں روک لیا جائے گا تاکہ بعد میں آنے والے بھی آ جائیں پھر ایک ساتھ سب کا حساب شروع ہو کیونکہ عدل و انصاف کا

عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

آجائیں گے دوزخ تک تو اس وقت گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے ۳۴

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي

اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے ۳۵ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی - وہ کہیں گے ہم بے بس ہیں ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ

أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو ۳۶ اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اسی کی طرف تم لوٹائے جا رہے ہو۔

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا

اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی دیں گے تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ

تقاضا یہ ہے کہ سب حاضرین کی موجودگی میں ہر شخص کے مقدر کا فیصلہ ہو تاکہ اگر کسی کو کوئی بطور گواہ پیش کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کا نام لے اور گواہ حاضر ہو جائیں نیز نیک بندوں کے اعمال حسنہ سے بعد میں آنے والی نسلوں کو جو فائدہ اور فیض پہنچا اس کا بھی اندازہ لگایا جا سکے اور بدکاروں کی بداعمالیوں کے باعث معاشرہ کو جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑا انہیں سزا دیتے وقت ان کا بھی لحاظ رکھا جا سکے۔ یوزعون: الوزع کف النفس عن ھواھا و یقال وزعت الجیش اذا حبست اولھم علی آخرھم وفی التنزیل فھم یوزعون ای یحبس اولھم علی آخرھم (لسان العرب)

نفس کا اپنی خواہش سے رک جانا۔ اس کو عربی میں الوزع کہتے ہیں جب لشکر کے ہراول دستے کو پیش قدمی سے روکا جائے تاکہ لشکر کا آخری حصہ بھی جمع ہو جائے نیز وزع کا معنی تقسیم کر دینا۔ الگ الگ گروہوں میں بانٹ دینا بھی ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۳۴ گویا ہر چیز ٹیپ ریکارڈر کا کام دے رہی ہے اور ہمارے اعمال و افعال کا ناقابل تردید ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔ قیامت کے روز اگر کوئی شخص کراماً کاتبین کی گواہی ماننے سے انکار کرے گا تو ان اعضاء کو بولنے کا حکم دیا جائے گا۔ اس کے بعد کسی کو یارائے انکار نہ ہوگا۔

۳۵ وہ بڑے پچھتائیں گے اور اپنی کھالوں کو کوسنے لگیں گے۔

۳۶ وہ جواب دیں گے ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں ناحق مطعون کر رہے ہو ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا بولو تو ہم بولنے لگے۔ ہماری کیا مجال کہ حکم عدولی کر سکیں اور صرف ہم ہی نہیں ہر چیز بول رہی اور گواہی دے رہی ہے۔

أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ

تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں ۲۷ بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے

كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم

اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو۔ ۲۸ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا

بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ

کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا

مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾ وَ

ٹھکانا ہے ۲۹ اور اگر وہ اس وقت منانا بھی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا ۳۰

۲۷ تم دوسرے لوگوں سے تو گناہ کرتے وقت پردہ بھی کر سکتے تھے ان کی نظروں سے چھپ بھی سکتے تھے لیکن اپنے آپ اپنے اعضا سے تمہارے لیے پردہ کرنا کیسے ممکن تھا۔

۲۸ بلکہ تمہارا تو یہ خیال تھا کہ تمہارے بعض اعمال کی خبر تو اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہوتی اسی لیے تم نے فسق و فجور کا بازار گرم رکھا اور تمہارا یہی خیال تمہیں لے ڈوبا۔

۲۹ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ (۱) جب انہوں نے دنیوی زندگی میں دوزخیوں کے اعمال پر صبر کیا تو اب وہ آتش جہنم میں جلیں۔ جو کام زندگی بھر وہ کرتے رہے ہیں اب اس کی سزا بھگتیں۔ (۲) یہاں او یجزعوا کا لفظ مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے۔ فان یصبروا او یجزعوا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ چاہے وہ صبر کریں یا جزع فزع کریں اب آگ سے نجات پانے کا کوئی راستہ انہیں نہیں ملے گا۔

۳۰ استعتب کا معنی ہے طلب العتبہ۔ العتبۃ: الرضا کسی کی خوشنودی اور رضا طلب کرنا۔ عرب کہتے ہیں! استعتبتہ فاعتبنی ای استرضیتہ فارضانی (الصحاح) یعنی میں نے اس سے گزارش کی کہ وہ راضی ہو جائے تو وہ راضی ہو گیا۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین قیامت کے دن جب جہنم کے کنارے پر لا کر کھڑے کر دیے جائیں گے وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں کو دیکھیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے۔ بڑی معذرتیں پیش کریں گے زمین پر ناک رگڑ رگڑ کر معافی مانگیں گے لیکن سب بے سود۔ و ما ھم من المعتبین۔ یعنی یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا۔

۲۵ وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور ہم نے مقرر کر دیے ان کے لیے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو ؎۳۳

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ

اور ثابت ہو گیا ان پر فرمان (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں

الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾ ۲۶ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

جنوں اور انسانوں سے - وہ سب (اگلے پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے اور کہنے لگے وہ کافر

لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾

مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان ؎۳۴ شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ۔

؎۳۳ ان لوگوں کو شاید کبھی یہ خیال تو آتا ہو کہ وہ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں انہیں اپنے برے اعمال پر شاید شرمندگی اور ندامت بھی محسوس ہوتی ہو لیکن ان کے مصاحب جن کا کام ہی خوشامد کرنا اور ناخوب کو خوب ظاہر کرنا ہوتا ہے' وہ ان کو بد اعمالیوں سے باز نہیں آنے دیتے۔ ان کے برے کاموں کو بھی ایسے دلکش پیرایہ میں پیش کرتے ہیں کہ ان پر نیکی کا گمان ہونے لگتا ہے۔ ظالم اور جابر حکمران اپنے سیاسی مخالفین کا قتل عام کرتے رہتے ہیں لیکن ان کے مصاحب انہیں باور کراتے رہتے ہیں کہ سرکار عالی! جو اقدام آپ نے کیا ہے اسی میں ملک اور ملت کی بقا کا راز مضمر ہے۔ یہ تعزیری قوانین جو آپ بنا رہے ہیں ناگزیر تھے۔ جب تک یہ قانون نافذ نہ ہو گا حکومت چل ہی نہیں سکتی اور جب ان ظالمانہ اور جابرانہ قوانین کے خلاف ملک کے گوشہ گوشہ سے صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے تو احتجاج کرنے والوں پر دشمن کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوشامدی ٹولہ اپنے ممدوح کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔ ہر شخص کو اس قسم کے خوشامدیوں اور بد قماش دوستوں سے اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے۔ خصوصاً ارباب اقتدار کا فرض ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی گمراہ کن باتوں میں آ کر اپنے آپ کو اور اپنی قوم و ملک کو تباہ و برباد نہ کر دیں۔

؎۳۴ کفار قرآن کی ہیبت سے خوفزدہ ہیں۔ اس کی دل میں گھر کر جانے والی تاثیر سے لرزہ براندام ہیں۔ اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر انہیں سوجھی ہے کہ جس وقت قرآن پڑھا جائے تو اس وقت شور مچانا شروع کر دیا جائے نہ خود قرآن کو سنیں اور نہ کسی دوسرے کو سننے دیں۔

فقط اسی تدبیر سے اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھا جا سکتا ہے۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ

پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب (کا مزہ) اور انہیں بدلہ دیں گے

اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ

بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی

النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

یعنی آگ۔ ان کے لیے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا

يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ

انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں دکھا دو دونوں (شیطان)

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا

جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں

مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

پست ترین لوگوں سے بیشک وہ (سعادتمند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس (قول) پر ثابت قدم

لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جرم کی جو سزا مقرر ہے بڑی سخت ہے۔ اس تجویز پر عمل کرنے سے پہلے وہ اپنی قوت برداشت کا جائزہ لے لیں کیا ان میں اس عذاب الیم کو برداشت کرنے کی ہمت ہے۔

جب انہیں دوزخ کے ابدی عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ اس وقت انہیں وہ لیڈر اور قائد یاد آئیں گے جن کے ورغلانے سے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول کو ستایا کرتے تھے اور قرآن پر طرح طرح کے لغو اعتراضات کیا کرتے تھے۔ انہیں وہ رہ کر ان لیڈروں پر غصہ آئے گا اور دانت پیسیں گے اور کہیں گے:

"اے رب! ایک دفعہ ہمیں وہ شیطان دکھا دے جو جنوں اور انسانوں میں سے ہمیں گمراہ کیا کرتے تھے۔ اگر وہ آج ہمارے ہتھے چڑھ جائیں تو ہم ان کو اپنے پاؤں تلے رگید کر رکھ دیں اور ان کا حلیہ بگاڑ ڈالیں تاکہ اہل جہنم کی نظروں میں بھی ان کی ذلت اور پستی آشکارا ہو جائے۔" اہل زیغ و باطل کی دنیوی زندگی اس میں ان کی طفلانہ حرکتیں اور آخرت میں جب

تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا

اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو نہ ملول ہو تمہیں بشارت ہو

عذاب الیم میں انہیں مبتلا کیا جائے گا اور وہ کس طرح ایک دوسرے سے الجھیں گے۔ ان تمام کے اثر آفرین تذکرہ کے بعد اب اللہ تعالیٰ کے بندوں کا ذکر ہو رہا ہے اور دنیا و آخرت میں جو عزتیں اور سرفرازیاں ان کو بخشی جانے والی ہیں ان کا دلنشین بیان کیا جا رہا ہے تاکہ دل خود بخود ان کے نقش پا کو خضر راہ بنانے کے لیے بے تاب ہو جائیں۔

المختصر آیات میں دو حقیقتیں آشکارا کی گئی ہیں۔ شان بندگی کیا ہے؟ اور شان بندہ نوازی کس کو کہتے ہیں۔ شان بندگی تو یہ ہے کہ انسان زبان سے اقرار کرے کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے اور پھر آخر دم تک اپنے عمل سے اپنے قول و فعل سے اپنے احساسات اور جذبات سے اپنی خلوتوں اور جلوتوں میں اس کی تصدیق کرتا رہے۔ زبان سے یہ کہہ دینا کہ میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے آسان ہے لیکن عمر بھر ثابت قدمی سے اس پر ڈٹے رہنا بڑی ہمت و مردانگی کا کام ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر کہا، قد قال الناس ثم کفر اکثرھم فمن مات علیھا فھو ممن استقام (ترمذی) یعنی لوگ کتنے کثرت سے کہہ دیتے ہیں کہ ربنا اللہ، لیکن پھر اکثر اس کا انکار کر دیتے ہیں جو آدمی آخر دم تک اس بات پر ثابت قدم رہا اس کا شمار اس زمرہ میں ہوگا۔

علامہ آلوسی نے خلفاء راشدین سے اس آیت کی تفصیل نقل کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

ایک بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی پھر پوچھا اس کا کیا مطلب ہے۔ لوگوں نے کہا لم یذنبوا کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ صادر نہ ہو قال لقد حملتم الامر علی اشدہ؛ فرمایا تم نے تو یہ کام بڑا مشکل بنا دیا ہے۔ عرض کی گئی آپ ہی فرمائیے ثم لم یلتفتوا الی عبادۃ الاوثان، یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا رب ماننے کے بعد اس پر استقامت کا یہ مطلب ہے کہ پھر بتوں کی پوجا نہ شروع کر دیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے استقاموا کی تفسیر یوں کی:

استقاموا للہ تعالیٰ بطاعتہ ولم یروغوا روغان الثعلب یعنی وہ ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور لومڑی کی طرح حیلہ سازیاں کر کے راہ فرار اختیار نہیں کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اخلصوا العمل، جو عمل کرتے ہیں اخلاص سے کرتے ہیں۔ ریا اور نمائش کا وہاں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ نے فرمایا فرائض کی ادائیگی استقامت ہے۔

عارف باللہ مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں کہ استقامت ایک مختصر لفظ ہے۔ اس سے مراد شریعت کے تمام احکام کی بجا آوری اور جن امور سے روکا گیا ہے ان سے اجتناب اور آخر دم تک اس طریقہ کار پر ثابت قدمی۔

حضرت سفیان بن عبداللہ الثقفی نے عرض کی یا رسول اللہ! قل لی فی الاسلام قولا لا اسئل عنہ احدا بعدک۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتلائیے کہ حضور کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔

بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي

جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا — ہم تمہارے دوست ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُلْ آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر عمر بھر اس پر ثابت قدم رہ۔

لطائف شانِ بندگی کے ذکر کے بعد اب شانِ بندہ نوازی کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کو طرح طرح سے تسلی دیتے ہیں کہ قبر و حشر سے بھی خوفزدہ ہونے کی تمہیں ضرورت نہیں اور اپنی اولاد اور عزیز و اقارب جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے ان کے بارے میں بھی تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہے۔ اور سنو ہم تمہیں یہ خوشخبری دیتے ہیں کہ جنت کے دروازے تمہارے لیے کھول دیے گئے ہیں اور وہاں کی سرمدی بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں پر فرشتوں کا نزول کس وقت ہوتا ہے اور کیا وہ فرشتوں کی باتوں کو اپنے ظاہری کانوں سے سنتے ہیں۔ بعض علماء کا یہ قول ہے کہ فرشتوں کا نزول موت کے وقت ہوتا ہے۔ لیکن اہل تحقیق کا یہ قول ہے کہ یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہتا ہے جب بھی بندہ مومن اپنے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اور اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے راہِ عمل پر گامزن ہوتا ہے تو قدم قدم پر تیر کانٹے اس کے پاؤں کی تواضع کرتے ہیں، ہر موڑ پر حسرت و الم صفیں اس کی منتظر ہوتی ہیں۔ اور رنج و آلام کے بادل ہر طرف سے گھر کر آ جاتے ہیں، اس وقت ملائکہ اس کی دلجوئی کے لیے نازل ہوتے ہیں بعض مقبول بندے فرشتوں کی یہ باتیں اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور جو اُن کی باتیں نہیں سن سکتے اُن کے دلوں میں طمانیت و تسکین کی ایک ایسی کیفیت نمودار ہو جاتی ہے کہ ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم جاتے ہیں۔ باطل کے مقابلہ میں ان کی قوت مدافعت تند و تیز ہو جاتی ہے اور نئے ولولوں سے سرشار ہو کر وہ منزلِ مقصود کی طرف بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی چیز ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔ مرتے وقت، لحد میں اور روزِ حشر ان تمام مقامات پر انہیں ملائکہ کی رفاقت حاصل ہو گی۔ چنانچہ علامہ آلوسی رقمطراز ہیں:

تتنزل عليهم تمدهم فيما يعن ويخرج لهم من الامور الدينية والدنيوية بمايشرح صدورهم ويدفع عنهم الخوف والحزن بطريق الالهام كما ان الكفرة يغويهم ما قيض لهم من قرناء السوء:

یعنی فرشتے ان پر اُترتے ہیں اور دینی اور دنیوی مشکلات جو انہیں پیش آتی ہیں ان میں ان کی یوں امداد کرتے ہیں کہ ان کے سینے کھل جاتے ہیں اور بذریعہ الہام ان کے خوف و حزن کو دور کر دیتے ہیں جس طرح کافروں کو ان کے برے ساتھی برے کاموں پر اکساتے ہیں۔

اس کے بعد علامہ مذکور فرماتے ہیں کہ کلام کے اطلاق اور عموم کے پیشِ نظر یہی قول اظہر ہے اور ہم تمہیں پہلے بتا چکے ہیں کہ بہت لوگوں کا یہ قول ہے کہ فرشتے اکثر اوقات متقیوں پر نازل ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ (روح المعانی)

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ

دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی [۴۵] اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ؕ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَ

اور تمہارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے [۴۶] یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے [۴۷] اور

مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ

اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف [۴۸] اور نیک عمل کیے [۴۹] اور کہا کہ

[۴۵] یعنی نیک کاموں کی ادائیگی میں ہم تمہارے مددگار ہیں بذریعہ الہام حق بات تمہارے دلوں میں ڈال دیتے ہیں اور ان امور کی طرف تمہاری راہنمائی کرتے ہیں جن میں تمہارا بھلا اور کامیابی ہے اور آخرت میں ہم دوستی کا حق یوں ادا کریں گے کہ شفاعت سے تمہاری امداد کریں گے اور جب قبر سے اٹھو گے تو تمہارا شاندار استقبال کریں گے۔ (روح معانی)

[۴۶] تم جو چاہو گے اور جو مانگو گے وہ دیا جائے گا۔

[۴۷] یہ عنایاتِ خسروانہ، یہ انعامات بے پایاں تمہارے اعمال کا معاوضہ نہیں ہوگا بلکہ رب غفور رحیم کی طرف سے میزبانی ہوگی۔ بندہ مہمان اور خداوند عرش میزبان۔ سبحان اللہ کیا شان ہے۔ کیسا اعزاز ہے اور کتنا کرم ہے۔ اللّٰھم اجعلنا منھم بجاہ عبدک الکریم و نبیک المحتشم و مرشدنا المعظم۔ اللّٰھم صل علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

[۴۸] بیشک ایمان لانا اور اس پر ثابت قدم رہنا بہت بڑی بات ہے لیکن اس سے اونچا ایک اور مقام ہے جس پر فائز ہونے کے لیے کوشاں رہنا ہر مخلص مومن پر لازم ہے۔ وہ یہ کہ لوگوں کو بھی خداوند قدوس کی وحدانیت و کبریائی پر ایمان لانے کی دعوت دے۔ اس کے سچے رسول کی فرمانبرداری، اس کی نازل کی ہوئی کتاب کے احکام کو بجا لانے کی ترغیب دے۔ صرف اسی بات پر مطمئن نہ ہو جائے کہ اس نے اسلام کے چشمہ شیریں سے اپنی پیاس کو بجھا لیا، بلکہ ان تشنہ لبوں کا درد بھی اس کو بیقرار کر دے جو ریگزار حیات میں ایک قطرہ آب کے لیے ترس رہے ہیں۔ اس کے دل میں یہ شدید جذبہ ہو کہ جس طرح اس نے اپنی تاریک زندگی میں ایمان کی شمع روشن کر لی ہے۔ گمراہی کی ظلمتوں میں ٹھوکریں کھانے والا کوئی شخص بھی اس نور یقین سے محروم نہ رہے۔ خود سوچیے اس مقام کو مقام رفیع کیوں نہ کہا جائے۔ کیا اس سے بھی زیادہ خیرخواہی اور خلق کا کوئی جذبہ ہے۔

آیت کا عموم اس امر کا متقاضی ہے کہ اس کو کسی کے ساتھ مختص نہ کیا جائے بلکہ جو ایسا کرے اس کے لیے یہ مدحت کشادہ ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تبلیغ و ارشاد میں حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جو مقام ہے اس سے کسی کو

إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ

میں تو (اپنے رب کے) فرمانبردار بندوں سے ہوں ۴۲ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی ۴۳

کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ حضرت حسن بصری اگرچہ اس آیت کریمہ کہتے تھے اس کے باوجود جب کبھی یہ آیت تلاوت کرتے اور اس کی تشریح کرنے لگتے تو ان پر وجد کی ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور یوں گوہر افشانی فرماتے۔ کان الحسن اذا قرأ ھذہ الآیة یقول ھذا رسول اللہ۔ ھذا حبیب اللہ۔ ھذا ولی اللہ۔ ھذا صفوة اللہ۔ ھذا خیرة اللہ۔ ھذا واللہ احب اھل الارض الی اللہ (قرطبی) کہ اس اونچی شان کے مالک رسول اللہ ہیں، حبیب اللہ ہیں۔ ولی اللہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ تمام اہل زمین سے خدا تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہیں۔

۴۱ لوگوں کو دعوت دے کر خود غافل نہیں ہو جاتا جس طرح عام طور پر دیکھا جاتا ہے۔ بلکہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پوری شدہی سے کرتا ہے۔

۴۲ زبان سے یہ کہہ دینا کہ میں مسلمان ہوں، کون سے کمال کی بات ہے کہ اتنے اہتمام سے یہاں اس کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم سب اپنی مسلمانی کے دعوے کرتے ہیں لیکن اس سے حق کو کیا فائدہ پہنچتا ہے یا باطل کو کیا زک پہنچتی ہے۔ آج کل یہ خطرہ بھا ہے لیکن آپ ذرا تصور کریں اس ماحول کا جس ماحول میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس وقت جو شخص اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا تھا وہ گویا لوگوں کو دعوت عام دیتا تھا کہ آؤ مجھ پر پتھر برساؤ، میری مشکیں کس کر مجھے تپتی ہوئی ریت پر لٹاؤ، بھاری بھرکم پتھر میری چھاتی پر رکھ دو، سلگا دو دہکائی اور بھڑکاؤ دہکتے ہوئے انگاروں پر بچھا دو۔ میری دلجوئی کے لیے کوئی نہیں آئے گا تم سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ ایسے ماحول میں یہ کہنا کہ میں مسلمان ہوں۔ رب العالمین کا بندہ اور رحمۃ للعالمین کا غلام ہونے کا اعلان کرنا بھلا ایسا اعلان کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہ تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آج بھی اس اعلان کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے کا پورا احساس کرتے ہوئے یہ کہنا انني من المسلمين بڑے ہی دل گردے کا کام ہے۔ اسی لیے تو علامہ مرحوم نے فرمایا تھا:

چو گویم من مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

اور اپنے انداز میں جگر مراد آبادی کا یہ شعر بھی خوب ہے:

یہ عشق نہیں آساں اتنا ہی سمجھ لیجیے   اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

۴۳ بیان حقیقت کے طور پر پہلے بتا دیا کہ نیکی اور برائی یکساں نہیں۔ نیکی ہر حال میں نیکی ہے خواہ معاشرہ میں اس کی پذیرائی نہ ہو اور برائی اپنی انتہائی مقبولیت کے باوجود برائی ہے۔ خواہ اس کو اپنانے والی بڑی بڑی ہستیاں ہوں۔ برائی کا خوگر برائی کا ارتکاب کیوں نہ کرتا ہو لیکن اس کے دل میں یہ خلش ہمیشہ رہتی ہے کہ وہ برائی کر رہا ہے اور اس طرح اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ

برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے ۵۴ پس ناگہاں وہ شخص کہ تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت

كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ

ہے ایسا بن جائیگا گویا تمہارا جانی دوست ہے ۵۵ اور نہیں توفیق دی جاتی اس خصائل حمیدہ کی مگر انکو جو صبر کرتے ہیں نیز

۵۴ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم کو اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعہ سے تمام داعیانِ حق کو یہ ارشاد فرما رہا ہے کہ جس جگہ میں تم خیر کے علمبردار بن کر نکلے ہو ان کی مخالفت میں کچھ ایسے لوگ کوشش کریں گے جو تمہیں زیادہ سے زیادہ ضرر پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ وہ لوگ تم پر پتھر برسائیں۔ پتھر کھا کر پتھر مارنا نیکی ہے لیکن ان پر پھول برسانا تمہارا شیوہ ہونا چاہیے۔ لوگ تمہیں گالیاں دیں تم پر جھوٹے بہتان تراشیں، تمہارے خلاف غلط الزامات لگائیں اور پھیلائیں اور تم چپ رہو یہ بھی قابل تعریف بات ہے، لیکن لطف تو تب ہے کہ تم رات کو اٹھا کر سجدہ میں سر نیاز رکھ کر ان کی ہدایت پذیری کے لیے دعائیں مانگو۔

۵۵ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خیر و شر کے اس معرکہ میں خیر کو فتح نصیب ہوگی اور شر کو ہزیمت، خواہ خیر کے پاس اسلحہ اور سازوسامان کی قلت ہو۔ خیر کے علمبرداروں کی تعداد بھی تھوڑی ہو اور شر کے لشکر قاہرہ سے زمین کا نپ رہی ہو، پھر بھی خیر کو کامیابی اور شر کو ناکامی نصیب ہوگی بلکہ وہی لوگ جو شر کو پھیلانے اور اس کو غالب کرنے کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے تھے وہ اس سے سارے ناطے توڑ کر شمع حق پر پروانہ وار نثار ہونے لگیں گے جو پہلے تمہارے اسلام لانے کی وجہ سے تمہاری جان کے دشمن اور تمہارے خون کے پیاسے بن گئے تھے اب وہ سو جان سے تم پر تصدق اور نثار ہونے لگیں گے اگر یقین نہ آئے تو خالد بن ولید، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کرو۔

یہ تو مسلمان کی قومی اور دینی زندگی کا حال ہے انفرادی زندگی میں بھی صحیح اور پائیدار کامیابی حاصل کرنے کا یہی طریقہ ہے کسی شخص نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کچھ نازیبا جملے کہے مکتب رسالت کے اس تربیت یافتہ نے جواب دیا کہ:

ان كنت صادقا فغفر الله لی۔ و ان كنت كاذبا فغفر الله لك۔ (قرطبی) اگر تو سچا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

سیدنا علی المرتضیٰ کے خادم قنبر کو کسی نے گالی دی۔ آپ سن رہے تھے۔ قنبر کو بلند آواز کر کے فرمایا: یا قنبر دع شاتمك

واله عنه ترضى الرحمن وتسخط الشیطان وتعاقب شاتمك فما عوقب احمق بمثل السكوت عنه (قرطبی)

اے قنبر! اپنے گالی نکالنے والے کو چھوڑ دو۔ اور اس کو بھلا دو اس طرح تو رحمان کو راضی کرے گا اور شیطان کو غضبناک کرے گا اور اپنے گالی دینے والے کو سزا دے گا، کیونکہ بیوقوف کی یہی سزا ہے کہ اس سے الجھنے کی بجائے خاموشی اختیار کی جائے۔

۵۶ اس مقام رفیع پر پہنچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں جب تک صبر کا دامن مضبوطی سے نہ پکڑ لیا جائے اس وقت

مَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ

اور نہیں توفیق دی جاتی اس کی مگر بڑے خوش نصیب کو ۔ اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے

الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اس کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ ۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی، سورج بھی ہے اور چاند بھی ۔ مت سجدہ کرو

تک یہاں قدم رکھنا کسی نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب اور بلند اقبال ہے جس کو اس مقام تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ ابن منظور یُلَقّٰی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں : قال الازھری : والتلقی ھو الاستقبال ومنہ قولہ تعالٰی وما یلقاھا الا الذین صبروا الخ ۔ وقیل فی قولہ مایلقاھا ای ما یُعلّمھا ویوفق لھا الا الصابر (لسان) ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

ث اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک اور بڑی پیاری بات کہہ دی۔ جب تم اپنے حسن عمل سے خوبصورت روایات قائم کرنے کی کوشش کرو گے شیطان بھی تمہیں پچھاڑنے کے لیے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دے گا۔ وہ بھلا یہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ تمہاری ذات میں نیکی، حسن خلق اور پاکبازی کا ایک ایسا حسین پیکر دنیا کے سامنے پیش ہو جسے دیکھ کر دل بے ساختہ اس کی طرف کھچے چلے آئیں وہ ضرور ڈنگ مارے گا اور پوری جدوجہد کرے گا کہ تجھ سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جس کا بتنگڑ بنا کر وہ تیری سیرت کی دلکشی اور جاذبیت کو ختم کر دے۔ اس لیے اپنے دشمن کے اس وار سے تجھے بھی ہمیشہ چوکنا رہنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ تو پکڑا جائے جب بھی شیطان کوئی ایسی بات تیرے دل میں ڈالے تجھے چاہیے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنے کے لیے التجا کر تاکہ وہ شیطان کے شر سے تجھے محفوظ رکھے۔ تو اس بلا کا تنہا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تجھے اللہ تعالیٰ کی امداد و توفیق کی ضرورت ہے اس لیے اپنی بے بسی اور ناتوانی کا اعتراف کرتے ہوئے بڑی عاجزی سے درخواست کر کہ وہ تجھے شیطان کی اس سازش سے بچا لے۔ وہ تیری درخواست سنے گا اسے قبول فرمائے گا۔ وہ تیرے حال دل سے خوب آگاہ ہے۔

نَزَغَ يَنْزَغُ نَزْغًا کا معنی دل میں وسوسہ ڈالنا۔ وہ وسوسے جن کی وجہ سے انسان گناہ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے آ نَزَغَ الشیطن کہتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں : نزغ الشیطن وساوسہ ونخسہ فی القلب بما یسول للانسان من المعاصی (لسان)

ث اب پھر شرک کے بطلان اور توحید کی حقانیت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں۔ سورج اور چاند اکثر مشرک قوموں

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ

سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے ۵۹ اگر تم

كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ

واقعی اسی کے پرستار ہو۔ پھر بھی اگر وہ تکبر کرتے رہیں (تو ان کی قسمت)، پس وہ (فرشتے) جو آپ کے

رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز ۶۰ اور وہ نہیں تھکتے ۶۱

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا

اور اسی (کی قدرت) کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ (کسی وقت) خشک بنجر ہے پھر جب ہم اتارتے

الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ

ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو وہ جھومنے لگتی ہے اور پھول جاتی ہے ۶۲ بیشک وہ (قادر مطلق) جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ

کے سجود و معبود رہے ہیں۔ بتایا جا رہا ہے کہ یہ خود کچھ نہیں۔ یہ تو اس خالق کائنات کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ جو کام اس نے ان کے سپرد کیا ہے اس کو انجام دینے میں مصروف ہیں۔ رات کو چاند طلوع ہوتا ہے اور سورج کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ صبح ہوتی ہے تو سورج نور افشانیاں کرتا ہوا نمودار ہوتا ہے اور چاند کو آنکھوں سے اوجھل کر دیتا ہے۔ اگر یہ معبود ہوتے تو ہر وقت ہر جگہ موجود رہتے۔ مزید غور فرمائیے۔ دونوں روشن ہیں لیکن ہر ایک کی روشنی کی مقدار الگ الگ اور تاثیر جدا جدا ہے۔ رفتار کسی کی تیز کسی کی سست۔ ان گوناگوں اختلافات میں بھی ہزاروں حکمتیں ہیں جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

۵۹ ان کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ہستی کو سجدہ کرو جو ان کی خالق ہے۔

۶۰ اگر کفار اس کھلی صداقت کو تسلیم نہ کریں اور غرور و تکبر سے باز نہ آئیں تو یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اپنی عاقبت کو ہی تباہ کر رہے ہیں۔ ان گنت نوری فرشتے اپنی پاک زبانوں سے اس کی حمد و ثنا میں محو ہیں۔ نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں بلکہ اسی ذکر و تسبیح پر ہی ان کی زندگی کا انحصار ہے۔

۶۱ یہاں سجدۂ تلاوت کرنا چاہیے احناف کے نزدیک۔ امام مالک اور شافعی ایاہ تعبدون پر سجدۂ تلاوت لازم کہتے ہیں۔

۶۲ اپنی قدرت کی ایک اور روشن نشانی کا ذکر فرمایا جس کا مشاہدہ وہ آئے روز کیا کرتے تھے۔ اهتزت: خوشی سے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا

کرنے والا ہے مردوں کو بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں الٹی طرف سے اضافے کرتے ہیں ۲۳

لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا

وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن و سلامتی کیساتھ

يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰

قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) (عمل) کرو جو تمہاری مرضی یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو وہ خوب دیکھ رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ۙ

بیشک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا (کتنے ناعاقبت اندیش ہیں) اور بیشک یہ بڑی عزت والی کتاب ہے۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ

اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے ۴۵ یہ اتری ہوئی ہے

حرکت کرنا۔ جھومنا۔ بحث کرنا۔ پھلنا۔ چھونا۔ بڑھنا۔

۴۳ علامہ ابن منظور الحاد کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اَلْمُلْحِدُ الْعَادِلُ عَنِ الْحَقِّ الْمُدْخِلُ فِيْهِ مَا لَيْسَ فِيْهِ: یعنی ملحد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق سے روگردانی کرے اور اس میں ایسی چیز کی آمیزش کرے جو اس میں نہیں ہے۔ اس کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے: يُلْحِدُوْنَ اى يَعْتَرِضُوْنَ۔ یعنی وہ اعتراض کرتے ہیں۔

وہ لوگ جو خود حق سے روگردانی کیے ہوئے ہیں لیکن صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حق میں ایسی چیزوں کی ملاوٹ کرتے رہتے ہیں جن کے باعث لوگ حق سے ہی نفرت کرنے لگتے ہیں یا جو لوگ آیات الٰہی میں قطع و برید کرکے طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ وہ کتنے مکار اور عیار کیوں نہ ہوں ان کی فاسد نیت کتنی ہی چھپی ہوئی کیوں نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ قیامت کے دن انہیں دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ وہ خود سوچیں اور فیصلہ کریں کہ ان کی یہ حالت اچھی ہوگی یا اس شخص کی حالت بہتر ہوگی جسے قیامت کے دن کسی مواخذہ کا اندیشہ نہ ہوگا ہر خطرہ سے محفوظ ہوگا امن و اطمینان سے وہاں اپنے جنت میں داخل ہونے کے اعلان کا انتظار کر رہا ہوگا۔

۴۴ موصول اور صلہ مل کر مبتدا اور هالكون یا معاندون اس کی خبر محذوف مقدر ہے۔

۴۵ یہ ایسی کتاب ہے کہ کسی شیطان کی مجال نہیں کہ اس میں کمی بیشی کر سکے یا اس میں بیان کی ہوئی کسی سچائی کی تکذیب

مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿۴۲﴾ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ

بڑے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ

مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَلَوْ

سے پہلے ۶۶ بےشک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کے لیے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لیے) دردناک عذاب دینے والا ہے۔ اور

جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ

بالفرض اگر ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں ۶۷ کیا (عجیب بات ہے کہ) کتاب عجمی

وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور نبی عربی ۶۸ آپ فرمائیے یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے ۶۹ اور جو

کرسکے۔ یہ ایسا مضبوط قلعہ ہے جس کے تمام اطراف محفوظ ہیں کسی جہت سے اس کے اندر کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ کفار مکہ نے اس میں گڑبڑ کرنے کی کوشش کی اور بہت زور لگایا۔ ملحدین نے اس کی آیتوں میں رد و بدل کرنے کی ناپاک کوششیں کیں لیکن ہمیشہ ناکام رہے۔

۶۶ کفار جو اعتراض آج آپ پر کرتے ہیں بعینہٖ اسی قسم کے اعتراضات آپ سے پہلے جو رسول تشریف لے آئے ان کی امت کے نابکاروں نے ان پر کیے تھے۔ یہ لوگ پہلے معترضین کا انجام دیکھ لیں اگر یہ باز نہ آئے تو ان کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو ان کے پیشروؤں کے ساتھ روا رکھا گیا تھا۔

۶۷ ان کفار کا بھی عجیب حال ہے قرآن کریم فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے۔ اس کی آیات بالکل واضح اور ان کا مفہوم بالکل آشکارا ہے، لیکن یہ اسے قبول نہیں کرتے۔ اور اگر یہ قرآن کسی عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو یہ کہتے کہ یہ کیسی کتاب ہے۔ لانے والا رسول تو عربی اور جس زبان میں یہ کتاب اس پر نازل ہوئی وہ عجمی ہے۔ ہمیں کیا خبر کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ غرضیکہ انہیں تو فقط اعتراض کرنے سے کام ہے عربی میں ہے تب بھی اعتراض کرتے ہیں، کسی عجمی زبان میں نازل ہوتی تب بھی اعتراض کرتے خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار والی بات ہے۔

۶۸ تقدیر کلام یوں ہے: ای کتابٌ اعجمیٌّ و رسولٌ عربیٌّ ۔ یعنی کتاب عجمی ہے اور رسول عربی۔

۶۹ اے محبوب! آپ فرما دیجئے۔ قرآن کریم اہل ایمان کے لیے تو سراپا ہدایت اور پیغام شفا ہے۔ وہ تو اس کی تعلیمات کو دل سے قبول کرتے ہیں اور اس کے احکام کو صدق دل سے بجا لاتے ہیں اور اس کی نواہی سے دور رہتے ہیں البتہ جن کے

لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ ان پر (بہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں

يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا ہے شہ اور اگر ایک بات طے نہ ہو گئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (کبھی کا) فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا

کر دیا جاتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے۔ جو نیک عمل کرتا ہے

فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

تو وہ اپنے بھلے کے لیے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ

اسی اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم لکھ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور

دلوں میں کفر کے اندھیرے خیمہ زن ہیں انہیں اعتراضات سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ اس پیغام حق کو سننے سے ان کے کان بھرے ہیں اور وہ ہر وقت شک و شبہ میں ہی گرفتار رہتے ہیں۔

عمی کا معنی دل کا اندھا ہونا ہے۔ یہاں اس سے مراد شبہ میں مبتلا ہونا۔ ای ظلمة و شبهة۔

شہ موسیٰ علیہ السلام جو بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے ان پر تورات نازل ہوئی تو اس میں بھی اہل نفاق نے کئی طرح کے اختلافات کا دروازہ کھول دیا۔ وہ شک جو انسان کو قلق و اضطراب سے دوچار کر دے اور سکون قلب کی دولت اس سے چھین لے اس کو شکٌ مُّرِيْبٌ کہتے ہیں۔

لکھ یہاں اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہو رہا ہے۔

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي

نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اسکے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟

قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ

کہیں گے ہم پہلے ہی عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اب) اس کی گواہی دینے والا نہیں اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت

مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ

کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں۔ نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے

الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا

سے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب

مِن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَٰذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً

سے اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔

٦٢ قیامت کے روز ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارے وہ من گھڑت خدا جن کو تم میرا شریک بنائے ہوئے تھے، وہ کہاں ہیں تو وہ مکر جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے تو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم ان کی خدائی پر گواہی دینے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ یا اس آیت کے اس حصہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آج یہاں نظر نہیں آ رہے۔ ہم میں سے کوئی بھی ان کو آج یہاں نہیں دیکھ رہا۔

٦٣ جب یہ دعائیں مانگنے لگتا ہے تو تھکتا ہی نہیں یعنی خیرات و برکات کا یہ مطالبہ کرتا ہے ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آتی لیکن اگر ذرا تکلیف پہنچے تو پھر بالکل مایوس ہو کر ہمت ہار بیٹھتا ہے اور اسے یوں لگتا ہے کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔

٦٤ اور اگر ہم اس کو اپنی رحمت سے نوازتے ہیں تو پھر یہ احسان فراموش عجیب و غریب باتیں بناتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں اپنی قابلیت، ذہانت اور تجربہ کے لحاظ سے اس کا حق تھا کہ یہ نعمت مجھ پر کی جاتی اور اس منصب پر مجھے فائز کیا جاتا۔ یہ خشک مزاج ملا مجھے قیامت کی ہر وقت دھمکی دیتا ہے اور میرے عیش و عشرت میں رخنہ ڈالنا چاہتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت آئے گی ہی نہیں یہ یوں ہی ہمیں خواہ مخواہ ڈراتے رہتے ہیں۔ اور اگر بالفرض آ بھی گئی تو ہم لوگوں کو جو

وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ

اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لیے اس کے پاس بھی آرام ہی آرام ہوگا سو ہم آگاہ

كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝۵۰ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا

کر دیں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کیے۔ اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان کرتے

عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَاۗءٍ

ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں

عَرِيْضٍ ۝۵۱ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ

کرنے لگ جاتا ہے۔ آپ فرمائیے (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون

اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۲ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ

زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق عالم میں

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب

یہاں وزارت و صدارت کے منصب پر فائز ہیں قیامت کے روز بھی انہیں یہی اکیس توپوں کی سلامی دی جائے گی اور ان کے حسب اعمال کو تو وہاں بھی کوئی نہیں پوچھے گا۔

۵۳ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم برسوں سے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دے رہے تھے۔ اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے ناقابل تردید عقلی اور تکوینی دلائل پیش فرما رہے تھے لیکن کفار نے اپنے اردگرد تعصب اور ضد کی ایسی دیوار کھڑی کر دی تھی جسے وہ کسی طرح قائم رکھے ہوئے تھے۔ اسلام کے خلاف ان کے جذبات بڑے شدید اور ان کے ارادے نہایت جارحانہ تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب چاہیں گے پھونک مار کر یہ چراغ بجھا دیں گے۔ یہ مٹھی بھر مسلمان جن میں اکثریت غلاموں، ناداروں اور نچلے طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کی ہے ان کی یہ مجال کہاں کہ ہمارے بتوں کی خدائی کا تختہ الٹ سکیں۔ ہم جب چاہیں گے ان کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیں گے۔ ایک ظاہر بین ان نازک حالات میں اسلام کے روشن مستقبل کے بارے میں کیا

بھی نہیں سکتا تھا ان حالات میں ہر چیز کو جاننے والے اور ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے خداوند تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس میں ایک پیشگوئی فرمائی جس کے الفاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ ہو کر رہے گا لیکن واقعات وحالات بتا رہے تھے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا بظاہر قطعاً کوئی امکان نہیں۔

فرمایا ہم انہیں آفاق عالم میں اور خود ان کی اپنی ذات میں ایسی نشانیاں دکھائیں گے جن کے بعد جس حق کا وہ آج انکار کر رہے ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہی حق اور سچ ہے اور سالہا سال تک عناد وحسد کی روش پر قائم رہنے کے بعد انقیاد وتسلیم کے بغیر ان کے لیے کوئی چارہ نہ رہ جائے گا تعصب کی پٹی اتر جائے گی آنکھیں آفتاب اسلام کی نور افشانیوں سے مستنیر ہونے لگیں گی۔ دلوں پر لگے ہوئے قفل ٹوٹ جائیں گے اور ان کے تاریک سینے نور توحید سے جگمگانے لگیں گے۔ وہ دن آنے والا ہے اور اس دن کے آنے میں اب کوئی زیادہ دیر بھی نہیں۔ جب ان کے ہاتھ میں ہتھوڑے ہوں گے اور وہ ان باطل معبودوں کو ریزہ ریزہ کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے ہوں گے۔ ان بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑیں گے جو صدیوں سے ان کے آباء واجداد کے معبود اور ان کی عقیدت کا مرکز بنے رہے ہیں۔

وہ آیات بینات کون سی ہیں اس میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں:

وہ فتوحات جو ان بے سروسامان اور اپنے گھروں سے نکالے ہوئے لوگوں کو اندرون ملک اور بیرون ملک حاصل ہوئیں۔ مکہ کے کثیر اور منظم لشکر بدر کے میدان میں جس شکست سے دوچار ہوئے۔ کیا اس کا ان کے دلوں میں کبھی خیال تک بھی آیا تھا۔ وہ تو مسلمانوں کا شکار کھیلنے کے لیے بدر تک چلے آئے تھے انہیں تو یہ شوق یہاں کھینچ لایا تھا کہ وہ ایک ایک مسلمان کو پکڑیں گے اس کو گھائل کریں گے اور رقص بسمل کا تماشا دیکھیں گے لیکن قدرت نے جو کرشمہ دکھایا اس نے ان کی آنکھیں کھول دیں اور وہ اسلام کے متعلق ایک بار پھر سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ بھلا کوئی یہ بھی سوچ سکتا تھا کہ یہ چھپ چھپ کر اپنی متاع ایمان کو لے کر مکہ سے ہجرت کرنے والے زندگی میں پھر کبھی مکہ واپس آسکیں گے لیکن ابھی چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ وہ نبی مکرم ﷺ دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مکہ کا رخ کر رہا تھا اور اس لشکر کے مختلف دستوں کے پرچم تھامنے والے وہی مکہ کے قریشی تھے جنہوں نے مسلمانوں کو یہاں سے نکالا تھا آج کفر وشرک میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ اس لشکر کی پیشقدمی کو روک سکے یا اس پر اپنی ناگواری کا ہی اظہار کر سکے۔ پھر یہی لوگ مشرق ومغرب میں ظلم وستم کے قلعوں پر جب حملہ آور ہوئے تو نہ کسریٰ اور نہ اس کے رستم واسفندیار ان کا راستہ روک سکے اور نہ قیصر اپنی ہزارہا سالہ قوت وحشمت کے ساتھ ان کے مقابلہ میں ٹھہر سکا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے میدان جنگ میں دشمن کو پے در پے شکست دی اور ممالک فتح کیے بلکہ یہ لوگ جہاں گئے وہاں ابر رحمت بن کر برسے۔ انسانیت کے چہرے سے ذلت ونکبت کے غبار کو صاف کیا۔ ملوک وسلاطین کی غلامی کی زنجیروں کو پارہ پارہ کیا اور غیر اللہ کی خدائی سے بھی ان کے مغلوب عوام کو رہائی دلائی اور جہاں جہاں یہ پہنچے گلشن انسانیت میں بہار آ گئی۔ وہاں کے لوگ اپنے فاتحین کے اخلاق، ان کے اطوار اور ان کی سیرت کی پختگی اور پاکیزگی سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عرب کے ان صحرا نشینوں کا دین قبول کیا۔ اپنی مادری زبان چھوڑ کر عربی زبان کو اپنا لیا۔ اپنے قدیم تمدن وثقافت کو الوداع

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ

ہر چیز پر گواہ ہے ۔ سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے

رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝

کے بارے میں سنو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

ع ۶

کی اور عرب کے تمدن اور ثقافت کو اختیار کیا۔ اسلام کے برحق ہونے کی اس سے بڑی روشن دلیل اور کیا ہو سکتی تھی کہ اس نے عرب جیسی قریہ، جاہل، اُجڈ اور غیر شائستہ قوم کی چند سالوں میں کایا پلٹ کر کے رکھ دی۔ کہاں وہ دن کہ سارا جزیرہ جہالت و وحشت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ مدارس و مکاتب علم کی وہاں کوئی چیز نہ تھی مکہ جیسے مرکزی شہر میں گنتی کے چند آدمیوں کے سوا لکھنا تک کوئی نہ جانتا تھا اور کہاں وہ صبح نور کہ ہر طرف علم کے آفتاب و ماہتاب ضیا پاشیاں کرنے لگے۔ کہاں وہ بربریت اور سنگدلی کہ اپنی بچیوں کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا کرتے تھے اور کہاں یہ احساس ہمدردی و شفقت کہ عمرو بن العاص فتح مصر کے کام میں اس خیمہ کو اکھیڑنے سے روک دیتے ہیں جس میں ایک کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ فتوحات بھی اعجاز سے کم نہ تھیں اور لوگ سوچنے پر مجبور ہو جاتے تھے کہ کون سی قوت ہے جو ان کے ہاتھوں میں بجلی بن کر کوند رہی ہے لیکن اس سے بھی زیادہ حیرت آفرین یمن و سعادت، خیر و برکت کا عالم وہ انقلاب تھا جو ان فتوحات کی رہنمائی کر رہا تھا۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب انہیں مظاہر فطرت میں غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے لیکن لوگ ان میں غور و فکر کی زحمت برداشت نہیں کرتے۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں جو جہانِ معنی مستور ہے اس سے یہ غافل ہیں۔ اگر صرف اپنی آنکھ کی ساخت پر غور کریں، اس میں جو نزاکتیں اور لطافتیں ملحوظ رکھی گئی ہیں، جسم انسانی کے مختلف اعضاء کس طرح بنائے گئے ہیں اور کیا کیا کام انجام دیتے ہیں۔ ان کی بناوٹ میں ان کاموں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو مناسبتیں رکھی گئی ہیں، صرف ہاتھ کی وضع قطع کو دیکھتے ہی یقین آ جاتا ہے کہ یہ کسی علیم و حکیم ہستی کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے ارد گرد جو چھوٹی بڑی چیزیں ہیں ان میں غور کرو تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ جس خداوند ذوالجلال کو ماننے کی قرآن دعوت دے رہا ہے اس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں، نہ پہاڑ، نہ دریا، نہ کواکب، نہ چاند، نہ سورج اور نہ ہی کوئی بڑے سے بڑا انسان۔

اے محبوب! ان گم کردہ راہ انسانوں کو راہ ہدایت پر چلانے کے لیے جس خلوص، جاں سوزی اور استقامت سے آپ شب و روز کوشش فرما رہے ہیں اور جس ہٹ دھرمی، عناد، کج فہمی اور ایذا رسانی کا طریقہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے یہ دونوں باتیں ہم جانتے ہیں ہم ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم آپ کے دشمنوں کو ناکام کریں گے اور آپ کے سر مبارک پر کرامت و فلاح کا تابندہ تاج رکھیں گے۔

آخر میں بتا دیا کہ جس کے دل میں قیامت کے بارے میں شبہ ہوتا ہے وہ سرکشی اور نافرمانی کی روش سے باز نہیں آتا ایسے

سامنے ہزاروں دلائل پیش کیے جائیں وہ انہیں لائق التفات ہی نہیں سمجھتا۔ وہ اسی دنیوی زندگی کو ہی سب کچھ جانتا ہے اس لیے اس کی ساری کوششیں ایک ہی نقطہ پر مرکوز ہو کر رہ جاتی ہیں کہ وہ زندگی کے ان ماہ و سال میں زیادہ سے زیادہ لطف اُٹھا لے۔ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرلے اور اونچے سے اونچے منصب تک رسائی حاصل کرلے۔ اس کے لیے اسے اپنے شرفِ انسانی، عزتِ نفس اور اخلاقِ عالیہ کی قربانی بھی دینا پڑے تو وہ کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ وہ فقط اپنی ذلت کو سنوارنے اور اس کو اونچا کرنے کے لیے پوری بستی بلکہ پوری اُمت کی قسمت کے ساتھ کھیل جاتا ہے۔ لیکن یہ سب انہیں آخرکار بھگتنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور یہ لوگ بھی اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔ جب وہ علیم و قدیر ان سے انتقام لے گا تو انہیں اپنی عاقبت معلوم ہو جائے گی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی۔

انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

محمد کرم شاہ

لیلۃ الجمعۃ ۹۔ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ

۱۴۔ دسمبر ۱۹۷۲ء

تعارف

سُورۃ الشُّوریٰ

نام: آیت نمبر ۳۸ میں شوریٰ کا لفظ ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ اس سورت میں پانچ رکوع، ترپن آیتیں، آٹھ سو ساٹھ کلمات اور تین ہزار پانچ سو اٹھاسی حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: سورۂ مومن سے الاحقاف تک یہ سات سورتیں ہیں جن کا آغاز حٰمٓ سے ہوا۔ ان سب کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔ مضامین کی یکسانیت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جبکہ کفار کا عناد اور مخالفت اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔

مضامین: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اہل مکہ سراپا حیرت و تعجب بن کر رہ گئے۔ انسان جس کا دامن ہر طرح کی آلائشوں سے آلودہ ہے، ان میں سے کسی کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا ہو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ان کی اس حیرت کا ازالہ یہ کہہ کر کیا کہ نوع انسانی میں ظاہر ہونے والے اگر یہ پہلے نبی ہوتے، تو تم اظہار تعجب میں حق بجانب تھے۔ لیکن یہ سلسلۂ نبوت تو آدم علیہ السلام سے شروع ہے۔ ان میں سے کسی نبی کی نبوت پر تمہیں اعتراض نہیں۔ اعتراض ہے تو اس نبی برحق پر جو تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو ساحل پر پہنچانے کے لیے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی کا انکار، اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار اور بے شمار معبودوں کی پوجا پاٹ کا جو گھناؤنا کاروبار تم نے شروع کر رکھا ہے اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ آسمان پھٹ جاتا، نظام عالم درہم برہم ہو جاتا اور تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا، لیکن اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ وہ تمہیں فوراً ہلاک نہیں کر دیتا، بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ تم غور و فکر کر سکو۔

یہ بھی بتا دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو فرشتوں کی طرح سارے انسان بھی ذکر و فکر، عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے اور کوئی بھی سرمو انحراف نہ کرتا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ انسان کو اختیار و ارادہ کی نعمت سے نوازا جائے تاکہ ان بلندیوں کی طرف جانے کا راستہ اس کے لیے ہموار ہو جائے جہاں کسی اور مخلوق کی رسائی نہیں۔ جو لوگ اپنی مرضی سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی اختیار کرتے ہیں ان کو اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

اس حقیقت سے بھی پردہ اٹھا دیا کہ جس طرح وہ تمہارا خالق اور مالک ہے، اسی طرح اسی کو یہ زیبا ہے کہ وہ تمہارے لیے ایک ایسا نظام حیات تجویز کرے جس کو اپنا کر تم دارین کی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکو۔ جس طرح کسی غیر کو خالق نہیں مانا جا سکتا اسی طرح اس کے بغیر اس کی مخلوق کے لیے کسی کو ضابطۂ حیات مقرر کرنے کا اختیار بھی نہیں دیا جا سکتا۔

تمام انبیاء ابتداء سے ایک ہی دین کی دعوت دیتے آئے ہیں۔ انہوں نے انسانی معاشرے میں افتراق وانتشار کی کبھی تخم ریزی نہیں کی۔ البتہ ان کے بعد آنے والے اہل غرض نے اپنی سرداری کا سکہ جمانے کے لیے باہمی تفرقہ بازی کا آغاز کیا۔
آیت نمبر ۱۵ خصوصی توجہ کی مستحق ہے جس میں دس احکام دیے گئے ہیں۔

نبوت میرا کاروبار نہیں، اس کے ذریعے سے میں دولت کمانا نہیں چاہتا۔ میں اپنی اس دلسوزی کا تم سے کوئی اجر، کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ ہاں میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ تم باہم شیر وشکر ہو جاؤ، ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو تاکہ تمہاری یہ دنیوی زندگی ہر قسم کی بے چینیوں اور تکالیف سے محفوظ ہو جائے اور تم یکسوئی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت انجام دے سکو۔

رزق کی تقسیم وہ اپنے حکیمانہ انداز سے کرتا ہے۔ اگر ہر ایک کو رزق فراواں مل جائے تو لوگ سرکش اور باغی ہو جائیں۔
اہل ایمان کی متعدد خوبیاں پہلے بیان کیں۔ ان میں سے ایک یہ خوبی بھی بیان کی کہ وہ اپنے گھریلو، معاشی اور سیاسی تمام معاملات باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں۔ اسلامی ریاست کا یہ وہ اصول ہے جس پر اگر عمل کیا جائے تو اسلامی سوسائٹی میں آمریت، مطلق العنانی اور ڈکٹیٹرشپ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

ان کی خوبیوں میں سے اس خوبی کو بطور خاص ذکر کیا (آیت ۳۹) کہ مسلمان بے غیرت اور بے حمیت نہیں ہوتا کہ مخالف اسے جوتیاں مارتا ہے، اس پر ظلم وتشدد روا رکھے اور یہ سر جھکائے خاموشی سے اس تذلیل کو برداشت کرتا رہے، بلکہ وہ انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور جب تک بدلہ نہ لے لے اسے چین نہیں آتا۔ دشمن پر قابو پالینے کے بعد اس کو معاف کر دینا بھی مومن کا شیوہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بھی مختلف طریقوں سے وحی پہنچاتا ہے ان کا ذکر بھی کر دیا تاکہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ شوریٰ مکی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۵۳ آیات — ۵ رکوع

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ

حا میم۔ عین سین قاف۔[1] اسی طرح کے مطالب پر مشتمل وحی فرماتا ہے آپ کی طرف[2] اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ

گزرے ہیں۔ اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے[3] اور وہی سب

الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ

سے اعلیٰ (اور) بڑی عظمت والا ہے۔ قریب ہے کہ (جلال الٰہی کے خوف سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے[4] اور ایسا ہی ہوتا کیونکہ، فرشتے

[1] یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تشریح بارہا گزر چکی ہے۔

[2] حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی نازل ہوئی ہے اور جو کلام میں کہیں سناتا ہوں یہ میرا نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔ اس اعلان نے کفار مکہ کو گوناگوں حیرانیوں میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اسے ایک انہونی بات سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک آج تک ایسا نہیں ہوا اور ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ کسی بندے سے ہمکلام ہو۔ ان کی اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے کو [illegible] سے آیت کا آغاز کیا یعنی یہ کلام جو تم سن رہے ہو سراسر حکمت و برکت ہے۔ ایسا کوئی انوکھا نہیں بلکہ اسی طرح کی وحی رسالت سے پہلے بھی ہم نے پہلے بھی انبیاء پر نازل فرمایا ہے۔ تمہارا یہ خیال کہ ایسا نہیں ہو سکتا باطل ہے۔ ایسا ہونا بعید نہیں بلکہ اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے۔ جب اس نے انسان کی جبلی زندگی کے تقاضوں کو نظر انداز نہیں کیا تو اس کی حکمت انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کی بے شمار ضروریات کو کیونکر پس پشت ڈال سکتی ہے۔ اسی لیے العزیز اور الحکیم کے اسمائے حسنیٰ یہاں ذکر کیے گئے۔

[3] جب زمین اور آسمانوں میں جو چیز ہے وہ سب اس کی ملکیت ہے تو اس کے بغیر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انسان کے لیے کوئی ضابطہ حیات تجویز کرے بلکہ اس کے لیے ناروا [illegible] ہے جس کے پاس اتنا علم اور وسعت ہو کہ اس نہایت پیچیدہ اور نازک اہم کام کو حسن و خوبی سے انجام دے سکے۔ جن کو اس کا سر بنایا جاتا ہے، یا جو خود سے اس کا سر بننے کا ناکام کوشش کرتے ہیں، وہ تو سب اس کی مخلوق اور اس کے مملوک ہیں۔ ان کا علم بھی محدود ہے اور ان کی وسعت بھی تنگ ہے۔ خود ہی خالق و خلق، ملک و مملوک، عالم اور جاہل، محدود اور عاجز بھی کبھی یکسر ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ سب سے اونچا اعلیٰ اور سب سے زیادہ عظمت و سطوت والا ہے۔

[4] اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت اور شان بخشی ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے رب کریم کی اطاعت سے سرمو انحراف

يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ

تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لیے ۔ ؎ سن لو یقیناً

اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ اللَّهُ

اللہ ہی بہت بخشنے والا ، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے ۔ ؎ اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا اور دوست

حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا

اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں ۔ ؎ اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعہ آگاہ کیا ہے

کرتا اس کی خوشنودی کے حصول کے لیے اپنی ساری کوشش صرف کر دیتا لیکن اس نے تنگ دلی اور بے وفائی سے اللہ تعالیٰ کے ہر حکم سے سرتابی نہیں کی بلکہ اس کی عظمت و کبریائی پر بھی حرف گیری شروع کر دی کبھی اس کی صفت کمالیہ کا انکار کیا کبھی اوصاف رحیمیہ کی نسبت اس کی طرف کرنے کی گستاخی کی۔ کبھی عاجز اور درماندہ مخلوق کو اس کا شریک ٹھہرایا اور کبھی سرے سے اس کے وجود کا ہی انکار کر دیا انسان کی ان بیہودہ گستاخیوں اور بے وفائیوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ نظام کائنات یک لخت درہم برہم ہو جاتا آسمانوں کی چھتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر آ گرتیں لیکن اللہ تعالیٰ حلیم اور کریم ہے اس کے حلم کی انتہا نہیں اس کے جود و کرم کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا وہ ان سرکشوں کو پھر بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت دیے رہا ہے۔

؎ اکثر انسانوں کا تو یہ حال ہے لیکن فرشتے جو پاک باطن اور نوری نہاد ہیں وہ ان تمام عیوب و نقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں جن کی نسبت یہ ناعاقبت اندیش اپنے خالق کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی صفات کمال کا ذکر کر کے اس کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اولاد آدم کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے غضب الٰہی ٹلا رہتا ہے اور قہر و غضب کی گرم بازاری کے باوجود یہ عالم الٹ نہیں دیا جاتا۔

؎ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی شان مغفرت اور اس کی رحمت بے پایاں کے باعث ہی یہ نظام قائم ہے۔

؎ کفار نے اپنی خواہشات کے پیچھے چل کر رب کریم کو ترک کر دیا اور بتوں کے ساتھ جوڑ لیا اور سمجھتے ہیں کہ ان کی کرتوتوں سے کوئی آگاہ نہیں اور ان سے ان کے متعلق کوئی باز پرس نہیں ہو گی اس لیے وہ مطمئن ہیں کہ وہ جو چاہیں کریں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔

اللہ حفیظ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے اور انہیں آگاہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان کا ریکارڈ محفوظ کیا جا رہا ہے۔ ولی کا معنی حمایتی اور دوست ہے۔ کفار نے بتوں کو اپنا حمایتی بنا رکھا تھا اور بہت کچھ اس کے متعلق بتوں ہی کو حاجت روا سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کے خداوندی کے الفاظ کا ترجمہ دوست کیا گیا۔ ولی کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی المتولی ہے یعنی امور کا والی اور سرپرست۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اسی معنی میں کسی کو ولی کہنا شرک ہے۔

؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی سے انہیں ہدایت کی طرف بلاتے، ان کے سامنے اپنے دعوے کی صداقت کو عیاں

إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ

آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو ؎ اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے

الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿٧﴾ وَلَوْ

ہونے کے دن سے جس (کی آمد) میں کوئی شبہ نہیں۔ (اس دن) ایک فریق ؎ جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا اور اگر

شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ فِي

چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت ؎ لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی

اور دلائل سے ثابت کرتے، ان کے شکوک و شبہات کا بڑے موثر طریق پر قلع قمع فرماتے، اس کے باوجود جب وہ باطل سے چمٹے رہتے پر اصرار کرتے تو حضور کو انتہائی دکھ ہوتا اور بڑے افسردہ خاطر ہوتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب! آپ کیوں رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں۔ آپ پر ان کی گمراہی کی کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پرس ہوگی۔ آپ کا فرض تبلیغ حق تھا وہ آپ نے احسن طریق پر ادا کر دیا۔ اب یہ جانیں اور ان کی قسمت۔ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا۔ اس کی کرنوں سے سارا عالم جگمگا رہا ہے۔ لیکن یہ اب بھی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھے کفر و شرک کے اندھیروں میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ الوکیل، الکفیل: جو کسی کا ضامن اور ذمہ دار ہو۔

؎ اے حبیب! یہ قرآن ہم نے عربی زبان میں آپ پر نازل فرمایا ہے تاکہ مکہ جو تمام بستیوں کی اصل ہے، اس کے باشندوں کو آپ بروقت خبردار کر دیں اور اس کے شرق و غرب میں پھیلے ہوئے جتنے دیہات، قصبے اور شہر ہیں، ان کو آگاہ کر دیں کہ قیامت کا دن آنے والا ہے، اس کے آنے میں قطعاً کوئی شبہ نہیں۔

؎ اس روز انسانوں کی تقسیم عربی و عجمی، گورے اور کالے، امیر و غریب، سفید فام اور سیاہ فام کی بنیاد پر نہ ہوگی بلکہ نیک و بد اعمال کی بنا پر ہوگی۔ نیکوکار جنت میں اور بدکار دوزخ کی بھڑکتی آگ میں پھینک دیے جائیں گے۔

؎ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو بھی ارادہ کی آزادی اور اختیار نہ دیتا جس طرح دوسری مخلوقات بے چون و چرا اس کے احکام کی تعمیل کر رہی ہے اسی طرح حضرت انسان بھی اس کے احکام کے سامنے سرافگندہ رہتا۔ لیکن رحمت الٰہی نے یہ گوارا نہ کیا کہ اس کی صنعت تخلیق کا یہ شاہکار عمل کی آزادی سے محروم ہو۔ گدھے اور بیل کی طرح بے ارادہ اور بے اختیار زندگی گزار کر راہی ملک عدم ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ارادہ اور عمل کی ایک گونہ آزادی عطا فرمائی تاکہ وہ راہ حق پر گامزن ہو تو اپنی مرضی سے، اور اگر کفر و گمراہی پر کاربند ہو تو اپنی مرضی سے۔ جو لوگ ہدایت قبول کریں گے اور سیدھی راہ پر چلتے رہیں گے قدم قدم پر نصرت الٰہی ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہے گی اور جو بدنصیب دانستہ غلط راہ منتخب کریں گے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر ہلاکت کے گڑھے میں گرنے پر وہ تُلے ہوئے ہوں تو

رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا

رحمت میں اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ کیا انہوں نے بنالیے

مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَهُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰی ؗ وَهُوَ عَلٰی

ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز۔ پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور وہ زندہ کرتا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر

ان کی منت سماجت نہیں کی جائے گی کہ بخلاف بالسوم ایسا کرو۔

لے جو لوگ جان بوجھ کر اور اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بجائے اس کی نافرمانی کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ایسے ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار ——— کتنے احمق ہیں کہ کارساز حقیقی پروردگار کو چھوڑ کر بتوں کو انہوں نے اپنا کارساز بنالیا ہے۔ بھلا یہ بس اور ناتواں بتوں کو اپنا کارساز بنا کر انہیں کیا فائدہ، جو کچھ جو اپنی بگڑی نہیں بنا سکتے وہ ان کا کیا بھلا کریں گے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسی ہستی کو اپنا کارساز اور مددگار بنائے جو ہر قسم کی قدرت کا مالک ہو اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کی قدرت اور طاقت کا یہ عالم ہے کہ چاہے تو مُردہ کو آن کی آن میں زندہ کر دے مشکل سے مشکل کام کو آسان کر دے اور پیچیدہ سے پیچیدہ گرہ کو کھولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف مُردہ جسموں کو ہی زندہ نہیں کرتا بلکہ مُردہ دلوں کو بھی زندہ فرماتا ہے۔ قال الواسطی رحمہ اللہ یحیی القلوب بالقبول ویمیت الانفس بالاستدراج؛ واسطی فرماتے ہیں کہ جب کسی دل پر اپنی تجلی فرماتا ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب چھپ جاتا ہے تو نفوس اس سے مر جاتے ہیں۔ لیکن یہ سعادت فقط ان کو نصیب ہوتی ہے جو سرکشی اور نافرمانی کی روش کو ترک کرکے اطاعت و انابت کی راہ اختیار کرتے ہیں، جو غرور و کبر کے انداز چھوڑ کر عجز و نیاز کو اپنا شعار بناتے ہیں۔ مولانا روم نے خوب کہا ہے ۔

۱— پیش یوسف نازش و خوبی مکن — جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

۲— در بہاراں کے شود سرسبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

۳— سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزموں را یک زمانے خاک باش

ترجمہ:

۱— یوسف کے سامنے ناز و ادا مت کرو۔ انکسار، نیاز اور آہ یعقوبی کے بغیر اس کے سامنے کچھ نہ کرو۔

۲— موسم بہار میں پتھر سرسبز نہیں ہو سکتے مٹی بن جاؤ تاکہ تجھ سے رنگ برنگے پھول اگنے لگیں۔

۳— اے نادان! سالہا سال تو دل دکھانے والا پتھر بنا رہا۔ چاہئے! بات کو آزمانے اور کچھ عرصہ کے لیے مٹی بن جاؤ۔

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى

پوری طرح قادر ہے۔ اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے ۱۲ تو اس کا فیصلہ اللہ

اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝ فَاطِرُ

کے سپرد کرو۔ یہی اللہ میرا رب ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں ۱۳ وہ پیدا کرنے

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ

والا ہے آسمانوں اور زمین کا ۱۴ اس نے بنائے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں

۱۲ کسی نظریہ کے حق یا باطل ہونے، کسی چیز کے حلال و حرام ہونے یا کسی عمل کے مفید اور ضرر رساں ہونے میں اگر تمہارا کسی قوم سے اختلاف ہو یا آپس میں تمہارا کسی بات میں تنازع ہو تو اگر تم اپنی عقل و فہم سے اسے حل کرنے کی کوشش کرو گے تو جھگڑا بڑھتا ہی جائے گا، اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی جائے گی۔ اس انتشار و افتراق سے نجات پانے کا یہی ذریعہ ہے کہ اپنی عقل نارسا کو حکم بنانے کے بجائے اپنے خداوند قدوس کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ جو علیم بھی ہے اور حکیم بھی اور جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی۔

۱۳ وہ ذات جو عدل و احسان دونوں صفات سے موصوف ہے یہ اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی میرا پروردگار ہے۔ میں نے اپنے تمام کام اسی کے سپرد کر دیے ہیں اور جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میری نگاہیں اسباب و وسائل کے جال میں الجھ کر نہیں رہ جاتیں، میں خلوص دل سے اسی کی بارگاہ بیکس پناہ میں رجوع کرتا ہوں۔ تم خود دیکھ لو کہ کامیابی کس کے قدم چوم رہی ہے اور فتح و نصرت کا تاج کس کے سر پر جگمگا رہا ہے۔ تم اپنے وسائل کی کثرت، ساز و سامان کی فراوانی اور طویل تجربات کے باوجود پسپا ہو رہے ہو اور میں اپنے بے سر و سامانی کے باوجود اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے میدان جیت لیا کرتے ہیں۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت جلیلہ کا بیان ہو رہا ہے کہ بلندیوں اور پستیوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے اور ان کو آباد و بارونق بنانے والا بھی وہی ہے۔ اس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ملاحظہ ہوں کہ اس نے تنہا آدم علیہ السلام کو ہی پیدا نہیں کیا بلکہ زندگی کی جدوجہد میں ان کا دل بہلانے والی، ان کے حوصلوں کو بلند رکھنے والی، انہی کی جنس سے حوا کو بھی پیدا کر دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کا انتظام بھی فرما دیا تاکہ جب تک خالق کائنات کی مرضی ہو یہ گلشن آباد رہے، اس کی رعنائی برقرار رہے، اس میں نئی نئی کونپلیں پھوٹتی رہیں، ہر رنگ کے غنچے کھل کر پھول بنتے رہیں۔

صرف انسانوں کی افزائش نسل کا انتظام نہیں فرمایا بلکہ طرح طرح کے حیوانات جو انسان کی گوناگوں ضروریات سرانجام دیتے ہیں

الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ

سے بھی جوڑے بنائے۔ وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعے۔ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز ۱۵ اور وہی

السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١١﴾ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ

سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی۔ ۱۶ کشادہ کر دیتا ہے

الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢﴾ شَرَعَ لَكُم

رزق کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے) بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اس نے مقرر فرمایا ہے

مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا

تمہارے لیے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا

انہیں بھی نر اور مادہ پیدا کیا تاکہ ان کی نسل بھی بڑھتی رہے اور انسان کی روز افزوں ضروریات کی تکمیل کا اہتمام بھی ہوتا رہے۔ یذرؤکم: ای یکثرکم من الذرء۔ البث۔ (مظہری) یذرؤ سے مشتق ہے اس کا معنی ہے پھیلانا یعنی وہ تمہاری تعداد کو بڑھاتا ہے اور تمہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلا رہا ہے۔ فیہ کی ضمیر کا مرجع التدبیر ہے ای فی ھذا التدبیر وھو جعل الناس ازواجا۔ (مظہری) یعنی انسانوں اور حیوانوں کو جوڑا جوڑا پیدا کر کے اس نے ان کی نسل کے پھیلنے اور بڑھنے کا اہتمام کر دیا۔

۱۵ کوئی چیز ذات میں یا صفات میں اللہ تعالیٰ کی مانند نہیں تاکہ اگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی پناہ لی جائے تو کام بن جائے انسان کو اپنے خالق کا در چھوڑ کر کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔ وہ سمیع اور بصیر ہے۔ اپنی ہر مخلوق کی فریاد اور اس کا نالہ درد بھی سن رہا ہے اور اس کی حالتِ زار کو دیکھ بھی رہا ہے۔ اور کون ہے جس کی یہ شان ہو۔

۱۶ بسا اوقات انسان نفع عاجل کے لیے بادشاہوں اور ارباب ثروت کی محبت کا دم بھرنے لگتا ہے۔ اس طرح ان کے ظلم و ستم کا آلۂ کار اور لوٹ کھسوٹ کی سرگرمیوں میں ان کا شریک بن جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جو کام وہ کر رہا ہے اور جو کام اس سے لیا جا رہا ہے وہ سراسر ظلم ہے، اس میں خدا کی نافرمانی، اس کے بندوں کی حق تلفی اور دل آزاری ہے۔ اس کا ضمیر بھی اس کو ملامت کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ باز نہیں آتا کیونکہ اس کو یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ اگر اس نے ایسا کیا تو اس کا رزق [illegible] اور اپنے منصب سے اسے محروم کر دیا جائے گا۔ ایسے لوگوں کو بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں تو اللہ رب العالمین کے دستِ قدرت میں ہیں۔ رزق کی تقسیم کا کلی اختیار اسی کو حاصل ہے۔ وہ جس کو چاہے بے حد و حساب عطا فرمائے اور جس کو چاہے تنگ دست کر دے۔ جو نعمت وہ اپنے کسی بندے کو عطا فرمانا چاہے اسے کوئی جابر و قاہر سلطان بھی روک نہیں سکتا اور جس کو محروم

وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ

ہم نے حکم دیا تھا ف ابراہیم ، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا ف اور

کرنا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اس لیے بندہ بننا ہے تو اس کا بنو، حکم ماننا ہے تو احکم الحاکمین کا مانو، رزق و عزت کے طلبگار ہو تو اکرم الاکرمین کے دربار پر حاضر ہو کر دامن پھیلاؤ تو کیوں اس کے دشمنوں کے سامنے بھکاری بن کر جاتے ہو۔ اس طرح تم اپنی عبدیت کو بھی داغدار بناؤ گے اور اپنے رب کریم کو بھی ناراض کرو گے۔

ف پہلے اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت و کبریائی کا بیان ہوا۔ اب اس دین قیم کے تمام کرنے اور قائم رکھنے کا حکم صادر فرمایا جا رہا ہے جس کی تاسیس اور تکمیل کے لیے سارے اولوالعزم رسول مصروف جہاد رہے۔ شرع کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ شرع : سَنَّ، کوئی طریقہ مقرر کرنا۔ شرع : اظہر، اوضح وبین۔ کسی مخفی چیز کو ظاہر کرنا۔ اس کو ایسا عیاں اور آشکارا کر دینا کہ شک و شبہ کی کوئی گنجائش تک باقی نہ رہے۔

ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کی جلالت شان کے تذکرے ہو رہے ہیں اسی نے اس دین کو تم پر واضح اور روشن کر دیا جس کا حکم اس نے رسول اول حضرت نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس پر آپ کو اے ختم الانبیاء بندہ بے عدیل! کاربند کیا ہے اور یہ وہ دین ہے جس کے بارے میں حضرات ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو وصیت فرمائی گئی تھی۔ سپہر رسالت کے یہ وہ درخشندہ و تابندہ ستارے ہیں جنہیں اولوالعزم رسول کے جلیل لقب سے نوازا گیا ہے۔ نیز پہلا اور آخری رسول اور مختلف دہور و عصور میں تشریف لانے والے یہ جلیل القدر رسول ایک ہی دین اور ایک ہی نظام حیات کے داعی اور مبلغ تھے۔ صرف داعی اور مبلغ ہی نہیں بلکہ اس کے خوش اسلوبی کو پروان چڑھانے والے بھی تھے۔ انبیائے کرام نے ایک دوسرے کی تکذیب نہیں کی اور اپنے اپنے دور میں علیحدہ ادیان قبول کرنے کے لیے نہیں کہا بلکہ ایک اور صرف ایک دین کے لیے کوشاں رہے۔

ف آیت کے اس حصے کا پہلے حصے سے کیا تعلق ہے؟ اس کے متعلق دو قول ہیں : یا تو یہ شرع کے مفعول کا بدل ہے، اس صورت میں یہ محلاً منصوب ہوگا یا یہ جملہ مبتدائے محذوف کی خبر ہے۔ کلام کے پہلے حصے کو سننے کے بعد یہ سوال دل میں کھٹکنے لگتا تھا کہ وہ کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان اولوالعزم رسولوں کو دیا تھا؟ فرمایا: ھو اقامۃ الدین یعنی اَنْ اَقِيْمُوا خبر ہے اور ھُوَ محذوف مبتدا۔ اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ اس دین کو قائم کرو۔ لوگوں کی عملی زندگیوں میں اسے رائج کرو۔ تاکہ لوگوں کے اعمال اسی دین کے قالب میں ڈھل جائیں۔ صرف زبانی دعوت دینا اور اس دعوت کے محاسن کو بیان کرتے رہنا ہی انبیاء کا فریضہ نہ تھا بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ جہاں یہ نظام حیات رائج نہیں وہاں اسے رائج کیا جائے اور جہاں یہ رائج ہے وہاں یہ اہتمام کیا جائے کہ یہ رواج پذیر رہے۔ ایسے عوامل اور محرکات سے اس کی پوری پوری حفاظت کی جائے جو اس کو عملی زندگی سے بے دخل کرنے پر منتج ہوں۔

یہ نصب العین جو انبیاء و رسل کی عظیم البرکات زندگیوں کا نصب العین تھا یہی نصب العین آج امت محمدیہ علیٰ صاحبہا

لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ

تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔ بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں [52] اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے [53]

افضل الصلوات واکمل التسلیمات کے لیے ہی جناب اللہ مقرر کیا گیا ہے اور انہیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آراء و اہواء کا اتباع کر کے ملی جمعیت کو انتشار کا شکار نہ بنا دیں اور ایک امت کو متعدد فرقوں میں بانٹ کر بے وقار نہ کر دیں کیونکہ اگر انہوں نے اپنی وحدت اور یکجہتی کو فرقہ بازی کی نذر کر دیا تو پھر اقامت دین کے فریضہ سے وہ عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے۔ ان کا اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔ ان کی ہوا اکھڑ جائے گی نئے انسانی معاشروں میں اس کو قائم کرنا تو بڑی بات ہے جہاں ان کے اسلاف کی کوششوں کے باعث دین قائم ہو چکا ہے وہاں اس کا باقی رہنا بھی مشکوک ہو جائے گا اور اس کا مشاہدہ ہم اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر متحد و متفق رہنے کی ہدایات دی گئی ہیں اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار اپنے ارشادات عالیہ سے امت کو بے اتفاقی سے ڈرایا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ جس نے بالشت بھر کے لیے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی اس نے گویا اپنے گلے سے اسلام کا رشتہ اتار پھینکا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ید اللہ علی الجماعة۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رحمت کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک بڑی پیاری حدیث منقول ہے، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم یاخذ الشاذة والقاصیة والناحیة وایاکم والشعاب وعلیکم بالجماعة والعامة (رواہ احمد) یعنی حضور نے فرمایا جس طرح بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے اسی طرح شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے۔ بھیڑیا اپنے ریوڑ سے الگ ہو جانے والی یا دور آگے چلی جانے والی یا ایک طرف ہو جانے والی کو ہی پکڑتا ہے اور تمہیں اس بات سے ڈرایا جاتا ہے کہ تم گروہ گروہ ہو جاؤ تم پر لازم ہے کہ تم جماعت کے ساتھ اور عام لوگوں کے ساتھ رہو۔ (مظہری)

[52] اے محبوب! یہ دین حق جس کی دعوت آپ دے رہے ہیں، مشرکین کو انتہا گراں ہے۔ اس دین کو قبول کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ اپنے ان معبودوں سے قطع تعلق کر لیں جن کی پوجا پاٹ یہ کئی نسلوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں، نیز اپنے تمام رسم و رواج جن پر ان کا معاشرہ قائم ہے اور جن کے وہ مدت سے خوگر ہیں ان تمام کو یکلخت پرے پھینک دیں۔ وہ مشرک اس تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔

[53] علامہ ابن منظور "یجتبی" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اجتباہ ای اصطفاہ یعنی اس کو چن لیا۔ ابن سیدہ کہتے ہیں اجتبی الشیء ای اختارہ یعنی اس کو پسند کر لیا وھو مشتق من جبیت الشیء اذا خلصته لنفسک۔ جب کسی چیز کو اپنے لیے مخصوص کر لے تو عرب کہتے ہیں جبیت الشیء۔ اسی سے ہے جبیت الماء فی الحوض۔ یعنی میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا۔ (لسان العرب) علامہ راغب اصفہانی اس لفظ کی لغوی تحقیق کرنے کے بعد لکھتے ہیں، واجتباء اللہ العبد تخصیصه

إِلَيْهِ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾ وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا

اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف ہر اس کو جو رجوع کرتا ہے۔ اور نہیں تفرقہ ڈالا انہوں نے مگر

مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اس کے بعد کہ آگیا ان کے پاس (سچا) علم۔ (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا

ای ما بیعض الناس یتحصل له منه انواع من النعم بلا سعی من العبد وذلک للانبیاء وبعض من یقاربهم من الصدیقین والشهداء۔ یعنی حبیب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو چن لیتا ہے تو اسے ایسے فیض الٰہی سے مخصوص کرتا ہے جس سے بغیر سعی کے اسے طرح طرح کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ نعمت انبیائے کرام اور صدیقین اور شہداء میں سے بعض مقربین کو مرحمت ہوتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں: (۱) ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ محض اپنی مہربانی سے کسی کو اپنے قرب اور محبت کے لیے چن لے اور اس کو گوناگوں انعامات واحسانات سے سرفراز فرمائے۔ یہ نعمت عظمیٰ انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کو دیا جاتا ہے۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ انسان ہر طرف سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنی ہمت وقف کر دے جب کوئی شخص خلوص نیت سے راہ طلب پر گامزن ہوتا ہے، آزمائش وابتلاء کے ابتدائی مرحلوں میں سرخرو ہو جاتا ہے تو پھر توفیق الٰہی اس کی دستگیری کرتی ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

تخت ار طالبی ازجملہ بگسل بد بدو آور کزاں حضرت ندا آید کہ اے سرگشتہ راہ اینک

ترجمہ: اگر تو اس کا طالب ہے تو پہلے سب سے قطعی تعلق کر لے اور اس کی طرف رخ پھیر لے یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی سے یہ ندا آنے لگے کہ اے میرے دیوانے یہ راستہ ہے۔

علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: قالت الصوفیۃ من یجتبیه ویجذبه الی نفسه من غیر اختیار فهو مراد اللہ تعالیٰ هم الانبیاء والصدیقون ومن اناب الی اللہ فهداه اللہ تعالیٰ فهو المرید وهم اولیاء اللہ الصالحون من عباده (مظہری) یعنی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس کو اللہ تعالیٰ خود چن لیتا ہے اور اسے اپنی ذات کی طرف کھینچ لیتا ہے جس میں اس بندے کے اختیار کا کوئی دخل نہیں ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی مراد ہوتا ہے اور وہ انبیاء اور صدیقین ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی رہنمائی فرماتا ہے تو وہ مرید ہے جیسے اولیاء کرام اور اس کے نیک بندے۔

لکھ بتا دیا کہ لوگوں کا راہ حق سے انحراف اور الگ الگ فرقوں کا معرض وجود میں آنا کسی کی محض بے علمی اور غلط فہمی کے باعث نہیں ہوا بلکہ اکثر وبیشتر اس افتراق وانتشار کا باعث ان کا باہمی حسد وعناد اور رقابت ہوا کرتی ہے۔ اپنی برتری کا سکہ جمانے کے لیے اپنا الگ ساز بجاتے ہیں اور اس طرح ملت کی وحدت میں نقب لگانے کا آغاز کر دیتے ہیں۔ وہ یہ خوب جانتے ہیں کہ جس راہ کو وہ چھوڑ رہے ہیں وہی سیدھی راہ ہے اور جو راستہ وہ اپنا رہے ہیں وہ ان کو اپنی منزل سے دور پھینک دے گا لیکن اپنی انا، اغراض اور اپنی دنیاوی مصلحتیں سے مغلوب ہو کر ایسا

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا

آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے گی تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان[۲۲] اور جو لوگ وارث بنائے گئے

الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۞ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ

تھے کتاب کے، ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے[۲۳] پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے[۲۴]

اکسنے پر یوں کیوں نہیں رہ جاتے ہیں جو بیٹے ہوئے غلط اور پرچل نکلتے ہیں۔ بغیاً بینھم کے الفاظ ہم سب کے لیے بڑے توجہ طلب ہیں۔

[۲۲] ان کے کرتوتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ انہیں ابھی تہس نہس کر کے رکھ دیا جائے لیکن آپ کے رب نے اپنی رحمت اور حکمت کے پیش نظر انہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے دی ہے اس لیے اس وقت تک ان کی رسی ڈھیلی رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس اثنا میں ان کی چشم ہوش کھلے اور انہیں اپنی غلط کاریوں پر ندامت ہو اور وہ توبہ کر کے اپنی بخشش کا سامان کر لیں اور اگر ان کی بے ہودگی کا یہی عالم رہا اور مقررہ میعاد تک انہوں نے سنبھلنے کی کوشش نہ کی تو جب مقررہ وقت آ جائے گا تو ہم انہیں یوں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہے گا۔ ان کی عبرتناک تباہی پر رونے والا بھی کوئی نہ ہو گا۔

[۲۳] یعنی کہ مشرکین جیسی گزشتہ قوموں کی تباہی کے بعد قرآن حکیم جیسی کتاب کا وارث بننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی وہ عقل کے اندھے اسی تذبذب میں مبتلا ہیں کہ کیا یہ کتاب خدا کی نازل کردہ ہے یا نہیں۔ مُرِيْبٍ ، مُقْلِقٍ او مُدْخِلٍ فِي الرِّيْبَةِ (مظہری) جس شک و شبہ سے دل میں قلق اور بے چینی پیدا ہو اس کو مریب کہتے ہیں۔ (مظہری)

[۲۴] علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں دس کلمات ہیں۔ ہر کلمہ اپنی جامعیت اور افادیت کے باعث ایک مستقل حکم ہے اور اگر اسے سیاق و سباق سے قطع نظر کر کے بھی دیکھا جائے تو اس کی افادیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس آیت کی نظیر صرف آیۃ الکرسی ہے جس میں اسی طرح کے دس احکام بیان کیے گئے ہیں۔

اب بڑے اختصار کے ساتھ الگ الگ ہر کلمہ کی وضاحت کی جاتی ہے:

۱۔ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ ہے۔ اس کے مشار الیہ کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ باہمی حسد و عناد کی وجہ سے لوگ مختلف فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو حق و صداقت کا ٹھیکیدار سمجھتا ہے۔ اے حبیب! آپ انہی کی خاطر انہیں حق قبول کرنے کی دعوت دیں تاکہ وہ اس انتشار کے ہولناک ذلیل و خوار کرنے سے بچ جائیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ دین ہے جس کے اتباع کا حکم تمام انبیاء و رسل کو دیا گیا ہے اور جس پر کاربند ہونے کی آپ کو بھی ہدایت کی گئی ہے۔ آپ خلق خدا کو اسے قبول کرنے کی دعوت دیں۔ اس نظام صداقت سے صرف آپ اپنے خاص نفوس ہی بہرہ یاب نہ ہوں بلکہ شرق و غرب میں بسنے والا جو بھی اس دعوت کی دل آویزی سے متاثر ہو کر اسے قبول کرے وہ اس سے فیض یاب ہو سکے۔

۲۔ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۔ صرف اس دعوت کو قبول کر لینا ہی کافی نہیں بلکہ اس کو قبول کر کے اس پر ڈٹ جانا اور جم

وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ

اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور نہ اتباع کیجیے ان کی خواہشات کا اور اعلان فرما دیجیے کہ میں ایمان لایا ہر

اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۗ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۗ لَنَآ

اس کتاب پر جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی

آلام و مصائب میں ثابت قدم رہنا اور شدائد و مشکلات کے اس معیار پر پورا اترنا جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے شیوۂ مردانگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس استقامت کا حکم اپنے محبوب کو دیا اور حضور کے طفیل ساری امت اسلامیہ بلکہ جملہ بنی نوع انسان کو دیا جا رہا ہے۔ اس فرمان الٰہی کی بدولت شان کا اندازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی سے لگایا جا سکتا ہے۔ شیبتنی سورۃ ھود واخواتھا وقیل لہ علیہ السلام لما ذا یا رسول اللہ فقال لان فیھا فاستقم کما امرت (روح البیان) حضور نے فرمایا کہ سورۂ ہود اور اس کی مثل سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ تعالیٰ کے رسول یہ کیسے؟ ارشاد فرمایا کیونکہ اس میں فاستقم کما امرت کا حکم ہے یعنی اس طرح استقامت کا مظاہرہ کرو جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔

ف نفس کے پجاریوں اور خبیث خواہشات کے پرستاروں کی پیروی کرنا آپ کا کام نہیں بلکہ ان احکام کو بجا لانا ہی آپ کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں۔ بفرض محال اگر آپ لوگوں کی پیروی کرنے لگیں تو انسانیت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اور اس کی کشتی کی سلامتی کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی۔

ف آپ تو بکھری ہوئی انسانیت کی شیرازہ بندی کے لیے تشریف لائے ہیں۔ یہ کام تب ہی سرانجام پا سکے گا کہ آپ حق کو جزوی طور پر نہیں بلکہ کلی طور پر تسلیم کریں۔ حق جہاں بھی ہو اور جس روپ میں ہو آپ اس کی تصدیق فرمائیں۔ اس لیے آپ یہ اعلان فرما دیں کہ میں صرف اس کتاب پر ہی ایمان نہیں لایا جو مجھ پر نازل کی گئی ہے بلکہ رب نے جو کتابیں نازل فرمائی ہیں میں ان سب کتابوں کو برحق مانتا ہوں۔

ف مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں ہر قسم کے ظلم و ستم کا خاتمہ کر دوں۔ تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دوں۔ زندگی کے ہر شعبے میں ایسا نظام رائج کر دوں کہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ تبلیغ اسلام میں بھی اور تنفیذ احکام میں بھی امیر غریب، شاہ و گدا، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز روا نہ رکھوں۔ گویا انسانی معاشرے سے ہر قسم کے جور و جفا کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور کی ذمہ داری ہے اور جب اسلام کو غلبہ اور اقتدار نصیب ہوا تو دوست و دشمن نے دیکھا، اپنوں اور بیگانوں نے دیکھا، ساری دنیا والوں نے دیکھا کہ کتنی بھلائی سے اور اس کے خلوص سے کس خوبصورتی سے اس ذمہ داری کو ادا کیا گیا۔ حق کے پیاسوں کے ساتھ بھی کوئی زیادتی روا نہیں رکھی گئی اور حق کے مخالف کے ساتھ بھی بے جا رعایت نہیں کی گئی۔

ف ہمارا پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہے اور تمہارا پروردگار بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ عبادت کریں گے تو اسی کی۔ کارساز حقیقی سمجھیں گے تو اسی کو۔ توکل کریں گے تو اسی پر۔ اس کے در اقدس کو چھوڑ کر کسی معبود کی طرف جانا تو کجا آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی ہماری غیرت ایمانی

أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ ۖ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ۖ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا

ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ۲۸ کوئی بحث و تکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ۲۹ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا باہم

وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا

اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے ۳۰ اور جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں بعد اس کے کہ لوگ اس کو قبول

اسْتُجِيبَ لَهُ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ

کر چکے ہیں۔ سو ان کی حجت بازی لغو ہے ۳۱ ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے

گوارا نہیں کرتی۔

۲۸ ہمارے نیک اعمال کا ثواب اور بُرے اعمال کی سزا تمہیں نہیں ملے گی۔ تمہارے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ہمیں نہیں ملے گی۔ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ گمراہ اور غلط ہیں اور جانے دیں یا لاپرواہی کریں اور حق ہے چلو۔ اس لیے جب تمہارے اچھے اعمال کا اجر تمہیں ملنا ہے تو تم نیکی کرنے میں سستی کیوں کرتے ہو اور جب سزا تمہیں اپنے کرتوتوں کی لامحالہ بھگتنی ہے تو پھر اتنی بے پروائی سے گناہوں کا ارتکاب کیوں کرتے ہو۔

۲۹ حق واضح ہو گیا، روشن اور قوی دلائل نے شک و ارتیاب کے حجابات کو تار تار کر دیا ہے۔ پھر بھی تم باطل سے چمٹے ہوئے ہو اور حق کو قبول نہیں کرتے تو تمہاری قسمت۔ اب مزید بحث و تکرار کی کوئی گنجائش ہے نہ ضرورت اور نہ ہمارے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ ہم بے مقصد تمہارے ساتھ سر کھپاتے رہیں۔

۳۰ آخر فیصلہ کا وہ دن آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ ہم سب کو جمع کرے گا اور ہم سب سے باز پرس ہو گی۔ اس روز معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے اور غلط راستوں پر کون بھٹک رہا ہے۔

۳۱ سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اگر کوئی خوشی سے وہاں جانے کے لیے آمادہ نہ ہو گا تو اسے جبراً دھکیل کر لے جایا جائے گا۔

۳۲ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا۔ لوگ خواب غفلت سے بیدار ہو گئے۔ تاریک سینے روشن اور سیاہ دل منور ہو گئے۔ سلیم العقل لوگ ایک ایک کر کے کفر و شرک کی زنجیروں کو توڑ کر نعمت توحید سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں جو بے جا حجت حق قبول کرنے والوں پر اعتراض کی بوچھاڑ کرتے ہیں ان پر خدا کی پھٹکار ہو اور وہ عذاب الیم میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ دحض: برجلہ: فحص بہا، کسی چیز کو پاؤں کے ساتھ روندنا (تاج العروس)۔ ومن المجاز دحضت الحجۃ دحوضا بطلت۔ مجازاً باطل اور فضول دلیل کو حجت داحضہ کہتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ حق کی تردید کے لیے جو دلائل یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ بالکل غلط اور بے کار ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے پاؤں کے نیچے روندی ہوئی کوئی چیز۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۝١٦ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ

اور ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور نازل کیا ہے میزان کو؎

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝١٧ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ

اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو؎ جلدی مچاتے ہیں اس کے لیے وہ لوگ

لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ

جو ایمان نہیں رکھتے اس پر؎ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں

أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝١٨

کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں۔

اللَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝١٩

اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر؎ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔

؎ بالحق کی تشریح کے لیے دیکھیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ آل عمران آیت ۳۔ میزان سے مراد شریعت ہے جس سے حقوق کا وزن کیا جا سکتا ہے اور لوگوں کے درمیان عدل اور مساوات قائم کی جا سکتی ہے۔ المیزان الذی یوزن بہ الحقوق ویسوّی بین الناس۔

؎ تم لیت و لعل کر رہے ہو، بڑے بڑے طویل منصوبے بنانے کا اہتمام کر رہے ہو، تمہیں کیا خبر کہ وہ گھڑی قریب آگئی ہو جس کے آنے کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ خواب غفلت سے فوراً آنکھیں کھولو اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

؎ یعنی وہ لوگ جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے وہ تو اس کے جلدی بپا ہونے کے لیے بے تاب ہیں اور ازراہِ مذاق کہتے ہیں کہ قیامت جلدی بپا ہو جائے تاکہ ہمارا یہ روز کا جھگڑا ختم ہو جائے اور سب کو پتہ چل جائے کہ حق پر کون ہے۔ ہم یا یہ نئے دین کا پرچار کرنے والے۔ قیامت کے لیے تقاضا کی یہ عجلت اس لیے نہ تھی کہ وہ واقعی اس کے منتظر تھے اور دل سے چاہتے تھے کہ وہ فیصلہ کن گھڑی آجائے بلکہ ان کا یہ کہنا محض ازراہِ مذاق تھا۔ جن لوگوں کو قیامت کی آمد کا یقین ہے وہ تو اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

؎ لطیف اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ علامہ ابن منظور اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابن الاثیر فی تفسیرہ اللطیف ھو الذی اجتمع لہ الرفق فی الفعل والعلم بدقائق المصالح وایصالھا الی من قدرھا لہ من خلقہ۔ یعنی لطیف اس کو کہتے ہیں جس میں یہ تین چیزیں جمع ہوں، اول کام کرنے میں نرمی اور شفقت، دوم جو کچھ زندگی اور رفق

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ

جو طلبگار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے ۳۵ اور جو شخص

يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝

خواہش مند ہے صرف دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ

کا پہلو نمایاں ہو۔ نیز وہ اپنے بندوں کی باریک سے باریک ضرورتوں اور مشکلوں پر آگاہ ہے اور ہر کسی کی ضرورت کے مطابق اسے عطا فرمانے پر قادر ہے۔ سید الطائفہ جنید بغدادی فرماتے ہیں: اللطیف من نور قلبک بالھدٰی وربّٰی جسمک بالغذٰی ویخرجک من الدنیا بالایمان ویجیرک من نار اللظٰی ھذا اللطف اللطیف بالعبد الضعیف۔ لطیف اس ذاتِ پاک کو کہتے ہیں جو تیرے دل کو ہدایت سے منور کر دے۔ غذا سے تیرے جسم کی نشوونما کرے۔ تجھے دنیا سے ایمان کے ساتھ نکالے اور دوزخ کی آگ سے تجھے بچائے۔ (روح المعانی)

آیت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر لطف فرمانے والا ہے اور جس کو چاہتا ہے جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ کسی کو علم دے یا کسی کو دولت دے دی۔ کسی کو حسن صورت سے نوازا، کسی کو حسن سیرت سے سرفراز فرمایا۔ کسی کو تخت و تاج کے شاہانہ بخش دیے اور کسی کو قناعت کی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس کے انعامات بے شمار اور اس کی عنایات بے پایاں ہیں۔ اس کے بخشنے اور عطا کرنے کے انداز لا تعد ولا تحصیٰ۔

۳۵ انسان جن مشاغل میں ہر وقت مشغول رہتا ہے جن مقاصد کے حصول کے لیے وہ تگ و دو کرتا ہے ان سے اگر وہ اپنی آخرت سنوارنا چاہتا ہے، طلب رضائے حق کرنا چاہتا ہے تو اسے بشارت ہو کہ اس کی محنت سے کم از کم کئی گنا زیادہ ثمر ہوں گے اور اگر اس کے پیش نظر محض دنیا ہو تو بھی اسی حاجت سے بہت کم ملے گا۔ اس کی آخرت سنور جائے گی اور جو لوگ صبح سے لے کر شام تک اپنے پیٹ کی خاطر دوڑتے پھرتے ہیں، دولت جمع کرنے اور سونے کے گھروندے بنانے میں جتنیاں کرتے رہتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد آخرت سنوارنا نہیں بلکہ دنیا میں جاہ و جلال حاصل کرنا اور دولت و ثروت کے انبار جمع کرنا ہے، تو ان کے متعلق ایک بات تو یہ ہے کہ آخرت کی زندگی میں ان کے لیے کوئی آرام و آسائش اور کوئی نعمت میسر نہیں ہوگی اور دوسری یہ کہ جس دنیا کے لیے وہ دیوانوں کی طرح بھاگے پھرتے ہیں وہ اس سے بھی انہیں اتنا نہیں ملے گا جتنی ان کی حسرت ہے بلکہ اتنا ہی ملے گا جتنا انہیں پہلے ہی دے دیا جا چکا ہے۔ اس آیت کی صحیح تفسیر ایک ارشادِ نبوی سے ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من کانت نیتہ الاخرۃ جمع اللہ شملہ وجعل غناہ فی قلبہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن کانت نیتہ الدنیا فرق اللہ علیہ امرہ وجعل فقرہ بین عینیہ ولم یاتہ من الدنیا الا ما کتب لہ

یعنی جو آخری زندگی کی بہتری کے لیے عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پریشانیوں کو ختم کر دیتا ہے، اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس حاضر ہوتی ہے اور جو آدمی دنیا کی نیت سے کام کاج میں مصروف رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی یکسوئی اور طمانیت کو درہم برہم کر دیتا ہے اور اس کے فقر کو اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اور دنیا میں سے اسے اتنا ہی ملتا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے لکھا ہے۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَأْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ

کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ ٤٠

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَإِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ

اور اگر فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا ٤١ اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لیے

عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿٢١﴾ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ

دردناک عذاب ہے۔ آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان کرتوتوں سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ

پر واقع ہو کر رہے گا ٤٢ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے وہ بہشتوں کے باغوں میں

الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿٢٢﴾

ہوں گے۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہی بڑا فضل ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے

٤٠ وہ دین جو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لیے پسند فرمایا ہے کفار اس کو تو مانتے نہیں اور ان قواعد و ضوابط کی ہر آن نافرمانی کرتے ہیں جو رحیم و کریم پروردگار نے اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کے لیے مقرر کیے ہیں۔ حیرت ہے بندوں کے لیے دین تو وہی قبول ہونا چاہیے جو ان کے خدا نے انہیں دیا ہے۔ کفار جن قواعد و ضوابط کی پیروی کر رہے ہیں، یہ خلا سے ٹپک کے نیچے گرتے تو ہیں نہیں، پھر انہوں نے یہ کہاں سے لیے ہیں۔ کیا انہوں نے کوئی اور خدا بنا رکھے ہیں اور یہ ان کا نازل کیا ہوا ہے اور ان کے مقرر کردہ قواعد ہیں جن پر یہ اتنی سختی سے کاربند ہیں۔ لا حول ولا قوۃ۔ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی اور خدا نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور قانون ساز نہیں ہو سکتا۔

٤١ اللہ تعالیٰ نے انسان کے فیصلے کے لیے ایک دن مقرر کیا ہے اس لیے یہ تاخیر ہو رہی ہے ورنہ کبھی کا ان کا کچومر نکل گیا ہوتا۔

٤٢ قیامت کے روز ان ظالموں کی جو کیفیت ہوگی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۭ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ

آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا اس (دعوتِ حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے۔ ٣٤ اور جو شخص کمائے گا

---

٣٤ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے جو طرح طرح کی گمراہیوں کے باعث اپنے رب سے بہت دور جا چکے ہیں پھر قریب ہو جائیں۔ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر پھر نور ہدایت سے اپنے قلب و نظر کو روشن کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور کی لگن کا یہ عالم تھا کہ دن رات اسی میں مشغول رہتے ان کو سمجھانے وعظ کرتے تو حضور مسکرا دیتے، وہ گالیاں بکتے تو حضور دعائیں دیتے، وہ روشن معجزات دیکھ کر اور آیات الٰہی سن کر بھی کفر سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے تو حضور کے شفیق دل پر غم و اندوہ کے بادل گھر آتے اور آپ رات بھر اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی مغفرت اور ہدایت کے لیے دعائیں مانگتے۔ اخلاص و محبت کے یہ بے مثل انداز کفار کتنے عرصہ تک کھلی آنکھوں دیکھتے رہے وہ دل ہی دل میں یہ خیال کرتے کہ اس ساری جد و جہد اور شبانہ روز تگ و دو کے پس منظر میں کوئی بڑا مقصد ہے جس کے حصول کے لیے یہ شخص یہ مسلسل محنت اور مشقت برداشت کر رہا ہے اور ہمارے جور و جفا پر اتنے حوصلہ اور حلم کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یہ دولت جمع کرنا چاہتا ہے یا اقتدار کی ہوس ہے یا ہمارا بادشاہ بننا چاہتا ہے۔ آخر کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے جس کے باعث انہوں نے اپنا یہ حال بنا رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ اے نادانو! تم کس ادھیڑ بن میں ہو۔ سن لو میں ہرگز ان باتوں کا امیدوار نہیں۔ تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرنا چاہتا، نہ آج نہ کل اور نہ کبھی قیامت تک۔ البتہ میری یہ خواہش ضرور ہے کہ تم نے آپس میں قتل و غارت کا جو بازار گرم کر رکھا ہے اور ایک دوسرے کو فنا کرنے میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہو اس سے باز آ جاؤ اور آپس میں محبت اور پیار کرو۔ تمہاری باہمی رشتہ داریاں اور قرابتیں ہیں۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ بھائی بھائی کا گلا کاٹے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پگڑی اچھالے، کسی کی جان، کسی کا مال محفوظ نہ ہو۔ مجھے تمہارا یہ انداز پسند نہیں۔ میں تم سے یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ ایک دوسرے سے محبت اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو تاکہ تمہاری زندگی میں ایک خوشگوار تبدیلی نمودار ہو جائے۔

اِلَّا حرفِ استثناء ہے۔ یہاں مستثنیٰ منقطع ہے یعنی المودۃ فی القربیٰ جو مستثنیٰ ہے۔ یہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہے کہ آیت کا یہ مفہوم ہو کہ میں تم سے کوئی اجر کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا، مگر یہ اجر طلب کرتا ہوں کہ تم آپس میں پیار اور محبت کرو۔ تقریباً یہی مفہوم ایک دوسری آیت میں بیان کیا گیا قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا الفرقان۔ یعنی میں اس پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا یہی اجر ہے کہ تم میں سے کوئی معرفت الٰہی کی راہ پر گامزن ہو جائے۔ اس آیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ میں تم سے اپنے لیے کوئی اجر طلب نہیں کرتا سوائے اس کے کہ تم آپس میں محبت اور پیار کرنے لگو۔ مجھے صرف تمہاری بھلائی اور خیر خواہی مطلوب ہے۔ اگر تم سدھر جاؤ اور تمہارے طور اطوار درست ہو جائیں تو یہی میری کاوشوں کا بہترین معاوضہ ہے۔ اظہارِ خلوص کے لیے اس سے زیادہ اثر انگیز اسلوب بیان اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر مختلف انبیاء کے یہ اعلانات مذکور ہیں۔ لَا اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ میں تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کرتا میرا اجر تو رب العالمین

کے مذہب جب دیکھا گیا۔ اپنی قوموں سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتے کسی مال یا اپنی منفعت کی خواہش نہیں کرتے تو حضور امام الانبیاء سید الرسل کے متعلق یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ حضور نے کسی قسم کی منفعت کی خواہش کی ہو۔ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت کسی قارون کے بھرے ہوئے خزانے، ربع مسکون کی فرمانروائی اور اعلانیہ نیم شبی ان گریہ ہائے سحرگاہی کا بدل نہیں ہو سکتی جن سے اس رحمتِ عالمیان نے بنی نوع انسان کو مشرف فرمایا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس رحمتِ مجسم کی چشمانِ مبارک سے گرنے والا ایک آنسو سارے عالم سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر حضور ان دلسوزیوں، ان اشکباریوں کے معاوضہ کا تصور بھی کرتے تو کفار بے پناہ خوش ہوتے کیونکہ ان کے دشمنوں کو انگشت نمائی کا موقع مل جاتا اور وہ کہتے کہ یہ بھی ہماری طرح دنیا کے طالب ہیں جو مدعی بن سکتے ہیں۔ انہوں نے تو یہ اعلان کیا کہ وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العالمین اور کیا ایسے رسول نے موقع قرابت کا مطالبہ کر کے اپنی محنت و مشقت کا معاوضہ طلب کیا۔ معاذ اللہ

اس آیت سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا، جو شخص دنیا کی کھیتی کا خواہاں ہوگا ہم اسے اس میں سے دیں گے۔ اس سیاق و سباق کو پیش نظر رکھتے ہوئے میرے نزدیک اس آیت کی یہی تفسیر زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ قرابت دار اور خاندان بنو ہاشم خصوصاً اہل بیت کرام کی محبت ان کا ادب و احترام عین ایمان بلکہ جانِ ایمان ہے۔ جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ اس بات کو سمجھے کہ اس کی شمع ایمان بجھ چکی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کسی کی قرابت حضور سے زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی محبت و احترام زیادہ مطلوب ہوگا۔ ایک نہیں صدہا ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے لیکن یہ حضور کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجر ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک ہے۔ یہ اس خورشید کی چمک ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں محبت آل مصطفیٰ ضرور ہوگی۔

یہ گروہ اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک محبت آل مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے لیے بغض صحابہ شرط ہے۔ یہ شرط کہاں سے ماخوذ ہے۔ حضور نے اپنے اہل بیت کی محبت کا اگر حکم دیا ہے تو اپنے صحابہ کے احترام و اکرام کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں اہل بیت کے بارے میں فرمایا: مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِي كَمَثَلِ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَ فِيْهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ۔ یعنی میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے۔ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ تو دوسرا ارشاد گرامی یہ بھی ہے اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ میرے صحابہ درخشاں ستاروں کی طرح ہیں۔

بحمدہ تعالیٰ یہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ ہم اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ہماری نگاہیں صحابہ کرام کی جگمگاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں۔ ہم زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات میں عبور کر رہے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝ اَمْ

کوئی نیکی ہم دو بالا کر دیں گے اس کے لیے اس میں حسن ۵۳ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے ۵۴ کیا یہ

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى

لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے ۵۵ پس اگر اللہ چاہتا تو مُہر لگا دیتا آپ کے

۵۳ ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے ہم اس کے اعمال کے حسن اور ان کی خوبی میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس کی سعی و کوشش کے باوجود جو خامی رہ جاتی ہے ہم اپنے فضل و کرم سے وہ پوری کر دیتے ہیں۔ اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا کہ ایک نیکی کے بدلے کم از کم دس نیکیوں کا اجر دیتے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ جتنا جتنا اس کے عجز و نیاز میں اور اس کے درد و سوز میں اضافہ ہوتا جائے گا اس کے اجر میں اتنا ہی اضافہ ہوتا جائے گا۔ یقترف، یکتسب: الاقتراف الاکتساب: واصل القرف الکسب۔ (قرطبی) یقترف کا معنی کماتا ہے۔

آیت میں "حسنة" نیک عمل سے مراد ہر نیک عمل ہے اور ان اعمال حسنہ کے سرفہرست حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے اہل بیت اور صحابہ کرام کی محبت ہے۔ جس کی یہ نعمت بخشی جاتی ہے اس کے مدارج رفیع سے رفیع تر ہوتے جاتے ہیں جو خوش نصیب اہل بیت کرام اور صحابہ کرام سے محبت کرتا ہے اسے عشق مصطفوی کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے اور جس دل میں عشق حبیب کی شمع روشن ہو جائے اسے محبت الٰہی کی شراب طہور کے جام پر جام پلائے جاتے ہیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: من ههنا قالت الصوفية يحصل للصوفي اولا الفناء في الشيخ ثم الفناء في الرسول ثم الفناء في الله تعالى والفناء عبارة عن شدة الحب بحيث يذهل نفسه عند ذكر المحبوب حتى لا يرى من نفسه ولا من غيره عينا ولا اثرا ما عدا الحبيب۔ (مظہری)

ترجمہ: اسی لیے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ صوفی کو پہلے فنا فی الشیخ کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ پھر وہ فنا فی الرسول کے درجہ پر فائز ہوتا ہے پھر وہ فنا فی اللہ کی منزل تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ فنا کا مطلب محبت کی وہ کیفیت ہے جب انسان اپنے محبوب کے ذکر کے وقت اپنے آپ کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے محبوب کے علاوہ اسے کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی۔

علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ آپ کے دل میں آل بیت کرام کی از حد محبت تھی اور وہ اپنی اولاد پر خانوادۂ مصطفوی کو ہر لحاظ سے ترجیح دیتے تھے۔

۵۴ اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں اور اس کے احسانات لا محدود ہیں۔ وہ اپنے بندوں کے بے شمار گناہوں کو بخشنے والا ہے اور ان کی قلیل اور ناقص نیکیوں کو قبول فرمانے والا ہے۔ قال قتادة غفور للذنوب شكور للحسنات۔ وقال السدی غفور لذنوب آل محمد علیہ السلام شكور لحسناتهم۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ گناہوں کو بخشنے والا نیکیوں کو قبول کرنے والا ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ آل مصطفیٰ کے گناہ بخشنے اور ان کی نیکیاں قبول کرنے والا ہے۔

۵۵ کفار و مشرکین بڑی ڈھٹائی سے کہتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کہنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے سراسر غلط اور بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس

قَلْبِكَ ۚ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

دل پر۔ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو [٣٠] اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے۔ بے شک وہ جاننے والا

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ

ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی [٣١] اور

پہلوں پر اظہار حیرت کرتے ہیں اور اس کی تردید فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو ہر آن اپنے رب سے ڈر رہا ہو، جس کا دل اس کے خوف سے ہر وقت لبریز رہتا ہو، جس کی احتیاط کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنی زبان پر اس کے اذن کے بغیر کوئی حرف بھی نہ لاتا ہو، کیا ایسی ہستی سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے خداوند ذوالجلال کی طرف غلط باتیں منسوب کرے گا۔ ہاں اگر آپ کا دل رب جلیل اللہ تعالیٰ کے خوف سے معمور نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مہر لگا دی ہوتی پھر تو ایسا ممکن تھا لیکن آپ کا قلب منور تو اپنے رب کے انوار و تجلیات کا مہبط ہے۔ آپ کے بارے میں تو اس افترا پردازی کا وہم تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

[٣٠] اگر یہ کلام حضور نبی کریم کا نازل شدہ نہ ہوتا بلکہ آپ نے گھڑ لیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام و نشان بھی مٹا دیتا۔ اس کو یہ ترقی، یہ عروج ہرگز نصیب نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ باطل کو آخر کار مٹا دیتا ہے اور حالات کتنے ہی سنگین کیوں نہ ہوں، حق کا بول بالا ہو کر رہتا ہے۔

اگر دجل و فریب کے باعث باطل کو چند روزہ فروغ نصیب ہو اور اہل حق کی غفلت اور فرض ناشناسی کی وجہ سے حق کمزور اور ضعیف ہو جائے تو اس سے نہ باطل حق ہو جاتا ہے اور نہ حق باطل۔ آج کل کیمونزم کو جو عروج حاصل ہو رہا ہے اس کا کون انکار کر سکتا ہے اباحیت اور فسق و فجور کو جو روز افزوں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے یہ کیمونزم کے حق اور اباحیت اور اخلاق باختگی کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بین الاقوامی سازشوں سے مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لیے مرزا کی جھوٹی نبوت کو اگر چند لوگ یا ملک تسلیم کر لیں تو اس سے مرزا کی نبوت کی سچائی ثابت نہیں ہو سکتی۔ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ فتنہ ضلالت کی آگ بجھ جائے گی اور اس کو لگانے والے اس پر پچھتا رہیں گے اور اس سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے، انشاء اللہ۔

[٣١] ان نابکاروں کے گھناؤنے جرم کے ذکر کے بعد بتایا جا رہا ہے کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ جس کا جی چاہے آئے۔ اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی میں آیا اور کہنے لگا: اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ وکبر۔ اے اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں، پھر اس نے تکبیر تحریمہ کہی اور نماز پڑھنے لگا جب نماز سے فارغ ہوا تو سیدنا علیؓ نے فرمایا ان سرعة اللسان بالاستغفار توبة الكذابين وتوبتك تحتاج الى التوبة کہ زبان سے تیز تیز توبہ کرنا جھوٹوں کی توبہ ہے۔ یہ ایسی توبہ ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اس نے عرض کیا یا امیر المؤمنین توبہ کیا ہے؟

يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ

درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ

ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور ان کو (ان کے حق سے) زیادہ اجر دیتا ہے اپنے فضل سے اور کفار

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا

ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے تمام بندوں کے لیے تو وہ سرکشی

فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ

کرنے لگتے زمین میں لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں کے احوال سے خوب آگاہ ہے

بَصِيْرٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَيَنْشُرُ

سب کچھ دیکھنے والا ہے اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے

آپ نے فرمایا جب یہ چیزیں پائی جائیں تو توبہ مقبول ہوتی ہے۔ گزشتہ گناہوں پر ندامت۔ فوت شدہ فرائض کی قضا جو کسی کا مال چھینا ہے اس کی واپسی۔ جس طرح تو نے اپنے نفس کی پرورش کی ہے اسی طرح اطاعت سے اسے گلا۔ اسے جس طرح تو نے گناہوں کی مٹھاس چکھائی ہے اسی طرح اس کو فرمانبرداری کی تلخی چکھا اور کثرت گریہ۔

اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی صرف دعائیں ہی قبول نہیں فرماتا بلکہ اپنے فضل و کرم سے بن مانگے انہیں ان گنت نعمتیں مرحمت فرماتا ہے۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو کثرت دولت و ثروت دے دے تو وہ سرکشی اور نافرمانی کو اپنا شعار بنا لیں۔ فسق و فجور کا بازار گرم کر دیں۔ ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص احسان ہے کہ وہ اندازہ اور تقاضا کے مطابق ہر ایک کو رزق دیتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں۔ خیر العیش ما لا یلھیک ولا یطغیک۔ بہترین زندگی وہ ہے جو تمہیں غافل بھی نہ کرے اور سرکش بھی نہ بنائے۔ (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس کے لیے دولت کی کثرت تباہی کا باعث بنے گی اور کس کے لیے تنگدستی وجہ ہلاکت ثابت ہوگی۔ اس کی جود و عطا کا سلسلہ اس کی حکمت کا آئینہ دار ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جلوہ نمائی کے مصداق بے شمار ہیں ان میں سے ایک کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ

اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی اور سب تعریفوں کے لائق ہے۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق

وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ

ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیے ہیں آسمان و زمین میں۔ اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر

اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ

پوری قدرت رکھتا ہے [۵۰] اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچتی ہے

اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ

اور وہ درگزر فرما دیتا ہے (تمہارے) بہت سے کرتوتوں سے [۵۱] اور تم عاجز نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں۔

ع

[۵۰] اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کی مزید نشانیاں بیان فرمائی جارہی ہیں۔

[۵۱] قرآن کریم نے اہل نعمت کو شکر کا حکم دیا ہے اور اہل بلا کو صبر کی تلقین کی ہے۔ شکر کو نعمت کی بقا اور اس میں اضافہ کا سبب قرار دیا ہے اور صبر کو مصیبتوں اور تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے لیکن عام انسان خوشحالی اور اقبال مندی کے دنوں میں ناشکری کرتے ہیں دولت مند ہیں تو فخر و غرور اور بے ترانی پر اتر آتے ہیں اور ان کی بجائے ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اقتدار مل گیا ہے تو ظلم و تعدی کی آندھیاں چلنے لگتی ہیں۔ تاجر ہیں تو ساری قوم کو لوٹ کر دونوں ہاتھوں سے اپنی خالی کا شمار بن جاتے ہیں۔ دیانت و امانت کو اپنے کاروبار اور معاملات سے دھکا دے کر نکال دیتے ہیں اور جب ان کی دعا لیلوں کی مدد ہو جاتی ہے اور رکاوٹیں عمل کو پکڑ لینے لگتی ہے تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، سر پھوڑتے ہیں۔ ان کا ذہن ان اسباب و حالات کی طرف متوجہ نہیں ہوتا جو ان کی بربادی کا باعث بنے ہیں۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کی آنکھوں سے غفلت کا پردہ اٹھایا جارہا ہے اور انہیں کہا جارہا ہے کہ ذرا اپنے اعمال نامے پر ایک سرسری نظر ڈال کر دیکھو تو تمہیں جلد ہی یہ حقیقت خود عیاں ہو جائے گی کہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی سزا مل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا کریم ہے۔ اس نے تمہاری بے شمار غلطیوں اور سرکشیوں کو معاف کر دیا ہے۔ اگر تمہیں تمہاری بدکاریوں کی پوری سزا دی جاتی تو تمہارا نام و نشان ہی مٹ گیا ہوتا۔ یہ معاملہ تو سرکشوں اور بدکاروں کا ہے لیکن نیکوکار اور بندوں کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن کثیر نے یہ صحیح حدیث لکھی ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ والذی نفسی بیدہ ما یصیب المؤمن من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن الا کفر اللہ عنہ بھا عن خطایاہ حتی الشوکۃ یشاکھا۔ ترجمہ: یعنی اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے مومن کو کوئی تکلیف، کوئی دکھ، کوئی غم نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی غلطیوں کا کفارہ بنا دیتا ہے یہاں تک کہ کانٹا

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهِ

اور نہیں تمہارا اللہ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار ۳۲ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں

الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ

سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں ۳۳ اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

سمندر کی پشت پر۔ بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے اور شکر کرنے والے کے لیے

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

یا اگر وہ چاہے تو تباہ کر دے ان کو ۳۴ ان لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور وہ درگزر فرماتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور (اس لیے) تاکہ جان لیں وہ جو

جو مومن کو پہنچتا ہے۔ بعض بندوں کا امتحان کے لیے مصائب و آلام میں مبتلا کر دیا جاتا ہے اور بعض مقربین کے مدارج اور مناصب بلند کرنے کے لیے انہیں گوناگوں تکالیف سے دوچار کر دیا جاتا ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام معصوم نبی تھے لیکن بدکار یہودیوں نے آپ کو ذبح کیا اور آپ کا سر بنی اسرائیل کی ایک پیشہ ور رنڈی کو بطور تحفہ پیش کیا۔

ف ولی کا معنی ہے متولیا الشیء من امورکم بالاستقلال یحمیکم من المصائب ؛ یعنی وہ شخص جو مستقلاً تمہارے کسی کام کا متولی ہو اور تمہیں ان مصیبتوں سے بچائے۔ نصیر : یدفعها عنکم ، جو مصیبتوں کو تم سے دور کرے۔

ف اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور رحمت کی ایک اور دلیل پیش فرماتا ہے کہ اے اہل مکہ تم تجارت پیشہ ہو، تم بحری سفر کرتے رہتے ہو، یہ بادبانی جہاز جو پہاڑوں کی طرح بلند و بالا اور محلوں کی طرح عالیشان ہوتے ہیں اور سامان اٹھائے پانی کی سطح پر تیرتے جاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ہواؤں کو چلنے سے روک دے تو تم کس طرح ان بھاری بھرکم جہازوں کو گھسیٹ کر منزل مقصود تک پہنچاؤ گے یا ان دیوہیکل جہازوں کے چلنے کے لیے ہوا کے رخ پر تمہارے جہاز فراٹے بھرتے ساحل کی طرف بڑھتے رہیں۔ اگر تند و تیز طوفان بھیج کر تمہارے بیڑوں کو غرق کر دے تو تم کیا کر سکتے ہو۔ اس کے بے بس اور ضعیف ہو کر رب العالمین سے کٹ رہے ہو، اپنی حقیقت کو پہچانو اور سرکشی سے باز آ جاؤ۔ جواری ، کا واحد جاریہ ہے، یعنی کشتی کیونکہ یہ سطح آب پر رواں رہتی ہے۔ اعلام ، جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی پہاڑ بھی ہے اور محل بھی۔ الاعلام الجبال وقال مجاهد الاعلام القصور. (قرطبی)

ف اوبق کا معنی ہے ہلاک کرنا۔ یہاں اس کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہواؤں کا چلنا ہمیشہ کے لیے موقوف کر دیا جائے یہاں تک کہ جہاز وسط سمندر میں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سخت طوفان آ جائیں اور جہازوں کو الٹ کر رکھ دیں۔ بادبانی

يُجَادِلُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٣٥﴾ فَمَآ أُوتِيتُم مِّن

جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں کہ ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ

شَيْءٍ فَمَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ وَمَا عِندَ ٱللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ لِلَّذِينَ

دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو

ءَامَنُوا۟ وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٣٦﴾ وَٱلَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَٰٓئِرَ

ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ۵۷ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے

ٱلْإِثْمِ وَٱلْفَوَٰحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا۟ هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَٱلَّذِينَ

گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضبناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں ۵۸ اور جو اپنے

جہازوں کی جگہ آج کل سٹیم، بجلی اور ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہازوں نے لے لی ہے لیکن سمندر میں اٹھنے والے طوفانوں کی موجوں کے سامنے ان کی حیثیت بھی تنکے سے زیادہ نہیں۔ پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے بادبانی کشتیاں ساحل تک پہنچتی تھیں آج بھی اسی کے کرم کے طفیل ایٹمی توانائی سے چلنے والے جہاز سلامتی سے منزل مقصود تک پہنچتے ہیں۔

سفینے ان کے، جہاز ان کے، ہوائیں ان کی، فضائیں ان کی
گرہ جو بندوں کی کھلے تو کیونکر، گرہ ہے تقدیر کا بہانہ

۵۷ یہ دولت و ثروت، یہ حویلیاں اور محلات، یہ زمینیں اور کارخانے یہ سارے ٹھاٹھ فانی ہیں اور چند روزہ دنیوی زندگی میں کام آنے والی چیزیں ہیں۔ جس کم عقل نے ان فانی چیزوں کو اپنا ماحصلِ حیات بنایا اس سے بڑا گھاٹے والا کون ہوگا۔ ادھر زندگی کا چراغ بجھے گا ادھر سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ البتہ اہل ایمان کے لیے اور توکل کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو لازوال نعمتیں اپنے پاس محفوظ کی ہیں وہ باقی اور سرمدی ہیں۔ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال راہ خدا میں قربان کر دیا تو کئی لوگ انہیں ملامت کرنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (قرطبی)

۵۸ سابقہ آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو خصوصی انعامات ہیں وہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے جنہیں یہ ابدی نعمتیں بخشی جائیں گی۔ بتایا کہ یہ اہل ایمان کا حصہ ہے۔ ان اہل ایمان کی خوبیوں اور خصائل حمیدہ کا بیان شروع ہے۔ ایک خوبی تو ان کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں۔ اس آیت میں ان کی دو خوبیاں بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک خوبی تو یہ ہے کہ وہ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے دور رہتے ہیں۔ اپنے دامن کو ان سے آلودہ نہیں ہونے دیتے اور ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ جب انہیں

اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں فٹ اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں ثلہ

ستایا جاتا ہے یا انہیں مشتعل کیا جاتا ہے تو بجائے اس کے کہ مغلوب الغضب ہو کر اپنے آپ سے باہر ہو جاتے اور بے قابو نہیں ہو جاتے بلکہ بڑے حلیم اور بردبار ہیں۔ کوئی کتنا انہیں مشتعل کرنے کی کوشش کرے یہ اشتعال میں آنے کا نام نہیں لیتے۔ متانت اور سنجیدگی کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے بلکہ دل دکھانے والوں کو، برا بھلا کہنے والوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

صاحب لسان العرب لفظ اثم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الاثم: الذنب وقیل ان یعمل ما لا یحل له۔ اثم کا معنی گناہ ہے یا ایسا کام کرنا جس کا کرنا حلال نہ ہو۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ ہر وہ کام جو نیک اعمال میں تاخیر کا باعث ہو اسے اثم کہتے ہیں۔ الاثم الذنب وهو فعل مبطئ عن الثواب۔ (تاج العروس) اثم اس گناہ کو کہتے ہیں جو ثواب میں تاخیر کا باعث ہو۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء کی آیت ۳۱ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

فواحش بھی اگرچہ گناہ کبیرہ میں داخل ہیں لیکن ان کبیرہ گناہوں کو فواحش کہتے ہیں جن میں پرلے درجے کی بے حیائی اور قباحت ہو۔ ہر صورت میں عطف الخاص علی العام ہوگا اور بعض کا خیال ہے کہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں صرف تعدد الفاظ کی وجہ سے بطور تاکید ذکر کیے گئے ہیں۔

فلہ وہ سعادت مند جن کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ابدی نعمتیں ہیں ان کی چند مزید صفات حمیدہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ استجابہ کسی کی دعوت پر لبیک کہنا یعنی جب اللہ تعالیٰ کے رسول نے حق قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے صدق دل سے اس پر لبیک کہی۔ پھر نہایت ذوق و شوق سے اس کی عبادت اس کے احکام کے مطابق بجا لاتے ہیں۔

ثلہ علامہ راغب شوریٰ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: التشاور والمشاورة والمشورة استخراج الرأی بمراجعة البعض الى البعض من قولهم شرت العسل اذا اتخذته من موضعه واستخرجته منه۔ یعنی آپس میں تبادلہ خیال اور بحث و تکرار کے بعد کوئی رائے قائم کرنے کو تشاور، مشاورت اور مشورہ کہتے ہیں۔ اسی لیے جب چھتے سے شہد نکالا جائے تو عرب کہتے ہیں شرت العسل۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی مشکل یا پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو سب مل کر اس کے ہر پہلو پر گفتگو کرتے اور آخر کار ایک نتیجہ پر پہنچتے۔ لہذا فرمایا امرھم شوریٰ بینھم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم مشکل پیش آتی تو صحابہ کو بلا کر مجلس مشاورت منعقد فرماتے اور بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ فرماتے۔ صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ کار رہا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس شوریٰ مقرر کر رکھی تھی جو جلیل القدر صحابہ پر مشتمل تھی اور تمام ملکی، سیاسی، جنگی اور انتظامی معاملات زیر بحث آتے اور مجلس کے فیصلہ کے مطابق عمل کیا جاتا۔ کسریٰ اور قیصر کے مقابلہ کے لیے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس تشریف لے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی مخالفت کی اور خود جانے سے روکا اور آپ نے ان کی رائے کے مطابق عمل کیا۔ اس آیت میں اسلامی سیاست کا ایک اہم ترین اصول بتایا گیا ہے جب ہر طرف ملوکیت اور شخصی آمریت کا عمل دخل تھا، بادشاہ اور آمر اپنی ساری رعایا اور اپنے ملک کے لیے

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ

اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا ؎۶۱

قانون بنانے کے مجاز تھے لیکن جن کے لیے قانون بنایا جارہا ہوتا ان کی پسند اور ناپسند ان کے فائدہ اور نقصان کا جائزہ لینا قطعاً ضروری نہ خیال کیا جاتا۔ اس مطلق العنان حکمران کی جو مرضی ہوتی جو کہا جاتا وہی ملک کا قانون قرار پاتا خواہ اس سے سارا ملک ہی گوناگوں مشکلات میں گھر جائے۔ اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں ناقابل تصور دور رس اور انقلابی نوعیت کی تبدیلیاں کیں وہاں سیاسی زندگی کو بھی نئے اصولوں سے آشنا کیا۔ ان میں ایک شورائی نظام ہے۔ یعنی ہر کام جس کا تعلق عوام سے ہو اس کے بارے میں ان لوگوں سے ضرور صلاح مشورہ کیا جائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ رعایا کی دلجوئی ہوتی ہے بلکہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور استبدادی طریقہ کار سے جو مجبوری اور دلوں کی گھٹن قلب و ذہن کو ڈس رہی ہوتی ہے اس سے نجات حاصل ہوتی ہے نیز قومی سطح پر کسی اہم معاملہ کے متعلق فرد واحد کا فیصلہ غلط ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے محدود علم، ناقص تجربہ یا اپنی ذاتی منفعت کے باعث کوئی غلط فیصلہ کر دے جس کا نقصان ساری قوم کو برداشت کرنا پڑے اور پھر بھی اس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ اس لیے مشورہ کا حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی قابلیت، تجربہ اور علمی صلاحیتوں کے مطابق مشورہ دے اور اس کی برکت سے منزل مقصود تک رسائی آسان ہو جائے گی۔

؎۶۱ اس سے پہلے اہل ایمان کی جو خصوصی صفات بیان کی گئی ہیں ان میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر انہیں تکلیف دی جاتی ہے یا ستایا جاتا ہے تو وہ غضبناک ہو کر اول فول حرکتیں نہیں کرنے لگتا بلکہ بردباری اور صبر سے کام لیتا ہے۔ اس آیت میں بندۂ مومن کی ایک اور خوبی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر کوئی اس پر پیہم زیادتی کرتا رہتا ہے اور اسے کمزور سمجھ کر اس کو ڈرانا چاہتا ہے یا اس کے دینی قدروں کے خلاف کوئی محاذ قائم کر لیتا ہے تو پھر یہ شیر نر کی طرح میدان میں اتر آتا ہے اور اس وقت تک پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا جب تک باغیوں اور سرکشوں کے غرور کو خاک میں ملا نہ دے اور ان کی قوت کو پاش پاش کر کے نہ رکھ دے۔ اس وقت وہ طوفان بن کر امڈتا ہے۔ ظلم و تعدی اور طغیانی کے منہ زور دہکتے سیلابوں کو تنکوں کی طرح بہائے جاتا ہے۔ عفو و درگزر اور چیز ہے۔ ذلت و بے چارگی اور چیز۔ مومن عفو و درگزر تو کر سکتا ہے لیکن کوئی سرکش اس سے ذلت اور بے چارگی کی توقع کرے تو یہ عبث ہے۔ مومن مغلوب اور ضعیف پر تو رحم کرتا ہے لیکن جو قوت و طاقت کے نشہ میں مغرور ہو کر اس کو ڈرانا چاہے تو اس کی وہ ٹانگیں توڑ دیتا ہے وہ ہاتھ جن میں ظلم کی تلوار ہوتی ہے کاٹ دیے جاتے ہیں اور وہ آنکھ پھوڑ دی جاتی ہے جو ان کی طرف بری نیت سے اٹھتی ہے۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ینتصرون ای ینتقمون یعنی بدلہ لیتے ہیں۔ الانتصار: الانتقام وانتصر منہ ای انتقم (لسان)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں ای اذا نالهم ظلم من ظالم لم یستسلموا لظلمہ۔ یعنی اگر کوئی ظالم ان پر ظلم کرتا ہے تو وہ اس کے سامنے سر نہیں جھکا دیتے بلکہ اس کے مقابلہ کے لیے ڈٹ جاتے ہیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ایمان کے طرز عمل کو یوں بیان

هُمْ يَنْتَصِرُونَ ۝ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا

(مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ ۱ے پس جو معاف کردے

فرمایا ہے۔ انہم کانوا یکرھون ان یذلوا انفسھم فیجترأ علیھم الفساق یعنی اہل ایمان اس بات کو ازحد ناپسند کرتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل وخوار بنادیں تاکہ فاسق اور فاجران پر دست درازی کر سکیں۔ بلکہ ایسے لوگوں کے سامنے وہ فولاد کی چٹان بن جاتے ہیں اور بدمست مغروروں کو کچل کر رکھ دیتے ہیں۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں خوب لکھا ہے۔ وقال البیضاوی وصفھم بسائر امہات الفضائل منہا کراھۃ التذلل وھو لا یخالف وصفھم بالغفران فانہ ینبأ عن عجز المغفور والانتصار عن مقاومۃ الخصم والحلم عن العاجز محمود وعن المتغلب مذموم لانہ اجراء واغراء۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی بنیادی خوبیوں سے توصیف فرمائی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کسی کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل وخوار ظاہر کرنے کو ازحد ناپسند کرتے ہیں۔ اس سے یہ نہ کہا جائے کہ یہ آیت پہلی آیت کے مخالف ہے جس میں غفران ان کی صفت بیان کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ عاجز اور درماندہ سے عفو ودرگزر کرنا بہتر ہے اور مدمقابل دشمن سے انتقام لینا مبنی بر حکمت ہے۔ کمزور سے حلم محمود ہے اور زبردست سے حلم مذموم ہے کیونکہ اس طرح وہ ظلم کرنے پر اور زیادہ جری ہو جائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

اذا انت اکرمت الکریم ملکتہ
وان انت اکرمت اللئیم تمردا

اگر تو کسی شریف آدمی کی عزت کرے گا تو وہ منت احسان ہوگا اور اگر تو کسی کمینہ فطرت آدمی کی عزت کرے گا تو وہ اور زیادہ سرکش ہو جائے گا۔

فوضع الندیٰ فی موضع السیف بالعلیٰ
مضر کوضع السیف فی موضع الندیٰ

یعنی جہاں تلوار استعمال کرنا چاہیے وہاں سخاوت سے کام لینا مضر ہے جس طرح سخاوت کے موقع پر تلوار کا استعمال خطرناک ہے۔

۱ے کیونکہ ظالم سے انتقام لینے کو مستحسن قرار دیا گیا تھا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ انتقام لینے والا حد سے تجاوز کر جائے اور کل کا مظلوم جوش انتقام میں خود ظالم بن جائے۔ اس لیے فوراً تنبیہ کر دیا کہ انتقام میں بھی انصاف کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جتنی زیادتی کسی نے تم پر کی ہے اتنی ہی زیادتی تم اس پر بھی کر سکتے ہو۔ انتقام کی اجازت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ اب اسے کھلی چھٹی مل گئی ہے جس طرح چاہے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔

وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٤٠﴾ وَلَمَنِ

اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے ۶۳ بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ۶۴ اور جو

انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ ﴿٤١﴾ إِنَّمَا

بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں ۶۵ بے شک

السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ

ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ

ناحق - یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے - اور جو شخص (اس ظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے

۶۳ بسا اوقات انتقام لینے سے ظالم کا دماغ درست ہو جاتا ہے اور وہ لوگوں پر ظلم و ستم کرنے سے باز آ جاتا ہے اور بسا اوقات انتقامی کارروائی سے فتنہ بڑھتا ہے اور شور و شر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اہل ایمان کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے کہ اگر عفو و درگزر سے بگڑے ہوئے حالات اصلاح پذیر ہو جاتے ہوں اور مشتعل جذبات ٹھنڈے پڑ جاتے ہوں تو اگر کوئی شخص انتقام لینے کی اجازت کے باوجود معاف کر دے اور اپنے احساسات اور جذبات پر قابو پالے تو گو وقتی طور پر اسے تکلیف ضرور ہو گی لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا اجر خدا وند کریم ایسا عطا فرمائے گا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہو جائے گا۔

۶۴ وہ شخص جو ظلم کی ابتدا کرتا ہے اور وہ مظلوم جو جوشِ انتقام میں اندھا ہو جاتا ہے اور حد سے تجاوز کر جاتا ہے، دونوں ظالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ظالم کو پسند نہیں کرتا۔

۶۵ بعض لوگ ضرورت سے زیادہ امن پسند ہوتے ہیں۔ مظلوم اگر ظالم کا دستِ ظلم کاٹنے کے لیے تلوار بے نیام کرتا ہے تو شور مچانا شروع کر دیتے ہیں اور اس کو جوابی کارروائی پر ملامت کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے ظالم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ دل کھول کر لوگوں پر جور و جفا کے تیر چلاتا ہے۔ قرآن کا یہ فلسفہ نہیں ہے۔ صاف اعلان کیا جا رہا ہے کہ ظالم سے انتقام لینے کے لیے مظلوم جو کارروائی کرے گا، بشرطیکہ وہ حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرے، اس پر کسی قسم کی ملامت نہ ہو گی۔ ملامت کے مستحق تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ظلم و زیادتی کا آغاز کیا اور زمین میں ناحق فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی۔

إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ

یا درکھو معاف کر دینا تو یقینا یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے [۶۸] اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی

مِن وَلِيٍّ مِّن بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ

کارساز نہیں اس کے بعد [۶۹] اور آپ ملاحظہ فرمائیں گے ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب (تو چیختا چلاتا جائیں گے)

يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا

پوچھیں گے کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ [۷۰] اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ جب پیش کیے جا رہے ہوں گے دوزخ

خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنظُرُونَ مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ

پر اس حال میں کہ عاجزی کر رہے ہوں گے ذلت کے باعث دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری [۷۱] اور کہیں گے

[۶۸] لفظ عزم کی تحقیق کرتے ہوئے علماء لغت نے لکھا ہے قال اللیث ما عقد علیہ قلبک من امر انک فاعلہ۔ ایسے کام پر جس کو تو کرنے والا ہے تیرے دل کا پختہ ارادہ کرنا عزم کہلاتا ہے (لسان العرب) علامہ جوہری کہتے ہیں عزمت علی کذا اذا اردت فعلہ وقطعت علیہ۔ جب تو کسی کام کا قطعی ارادہ کرے تو عرب کہتے ہیں عزمت علی کذا (الصحاح) علامہ راغب کہتے ہیں۔ العزم والعزیمۃ عقد القلب علی امضاء الامر کسی کام کی تکمیل پر دل کا پختہ ارادہ کرنا عزم اور عزیمہ کہلاتا ہے۔ آیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی کہتے ہیں کہ صبر اور مغفرت ان امور میں سے ہیں جنہیں بندہ کو اپنے نفس کے لیے واجب کر لینا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محمود اور پسندیدہ ہیں ای من معزومات الامور ای مما یجب العزم علیہ من الامور یا یطلب العبد علی نفسہ مکونہ من الامور المحمودۃ عند اللہ تعالیٰ (روح البیان)

[۶۹] جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کس کو گمراہ کرتا ہے اس کے متعلق قرآن کریم میں بار بار وضاحت بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ہٹ دھرمی اور نافرمانی اور سرکشی سے اپنی صلاحیتوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ دعوت حق کو سننے اور اسے سمجھنے سے اپنے کانوں اور آنکھوں کو بند کر دیتے ہیں ان لوگوں کو گمراہ کر دیا جاتا ہے کیونکہ گمراہی کے بغیر اور کسی چیز کے طلبگار ہی نہیں اور جس دل میں ہدایت کی خواہش پیدا ہو، بلکہ حق کی مخالفت سے جسے تسکین ملتی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کو ہدایت قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

[۷۰] آج تو انکار کر رہا ہے لیکن یہ چند روزہ مہلت ختم ہو جانے پر جب قیامت کے روز جب اپنی آنکھوں سے جہنم دیکھیں گے تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور یہ شور مچائیں گے۔ اس وقت راہ فرار کی تلاش کریں گے لیکن اس روز نجات کے تمام راستے بالکل بند ہوں گے۔

[۷۱] حضرت سعید بن جبیر نے طرف خفی کا معنی کیا ہے یسارقون النظر من شدۃ الخوف یعنی شدت خوف کے باعث

اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ

اہل ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے

الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَمَا كَانَ لَهُمْ

روز۔ سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے نشہ اور نہیں ہوں گے (اس روز)

مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

ان کے لیے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ

فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾ اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

تو اس کے لیے (بچنے کی) کوئی راہ نہیں۔ (لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ

وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں لکے نہ ہوگی تمہارے لیے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف کوئی روک ٹوک

مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ

کرنے والا ہوگا لکے پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا

چھپی چوری کن انکھیوں سے دیکھیں گے (ترچھی یا نیم کشادہ نظر کو کہتے ہیں کہ یہ حالت بن جاتی ہے۔ اسی منظر کو ینظرون من طرف خفی یا ضعیف من الذل والخوف سے بیان ذلت اور خوف کے باعث ان کی آنکھوں کی بینائی کمزور ہو چکی ہوگی اسی کمزور آنکھوں سے جہنم کی طرف دیکھیں گے۔

نشہ اہل ایمان جب جنت میں ان بدنصیبوں کی حالت زار کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے کہ ان ظالموں سے زیادہ گھاٹا کس کا ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو جہنم کا ایندھن بنایا اور اپنے اہل و عیال کو بھی تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

لکے قیامت کے روز کفار کی حالت زار بیان کرنے کے بعد انہیں پھر قبول اسلام کی دعوت دی جا رہی ہے اور انہیں اس پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے تاکہ اس روز کف افسوس ملنے اور اشک ندامت بہانے کے بجائے آج ہی توبہ کر لیں۔ جب وہ دن آئے گا تو کوئی اس کو روک نہ سکے گا۔ اے مشرکو! تمہارے لیے اس روز کوئی پناہ لینے کی جگہ نہ ہوگی۔

لکے آیت کے اس آخری فقرے کے متعدد مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ نکیر کا معنی انکار کرنا ہے یعنی قیامت

عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَإِنَّآ إِذَآ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ

فرض تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے ٣٣ اور ہم جب مزا چکھاتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے۔

وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَإِنَّ الْإِنْسَانَ كَفُورٌ ۝

اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث (تو فوراً ناشکری کرنے لگتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے ٣٤

کے روز جب ان کا دفتر عمل کھول کر ان کے سامنے رکھا جائے گا تو انہیں یہ طاقت نہ ہوگی کہ اس کے مندرجات کا انکار کر سکیں (دوسرا) مجاہد نے نکیر کا معنی ناصر اور مددگار کیا ہے یعنی قیامت کے روز ان کا کوئی ایسا مددگار نہ ہوگا جو انہیں عذاب الٰہی سے چھڑا سکے بعض نے نکیر یعنی منکر یعنی بدل دینے والا تبدیل کر دینے والا لکھا ہے۔ یعنی کوئی ایسا آدمی انہیں نہیں ملے گا جو اس عذاب میں رد و بدل کر سکے۔ النکیر والانکار تغییر المنکر (قرطبی) ابن کثیر نے یہ مفہوم بتایا ہے تتنکرون عنها وتغیبون عن بصره عز و جل یعنی تم اپنی شکل و صورت کو بدل کر اس لباس علیہ کا استعمال کی آنکھوں سے چھپ نہیں سکتے ہو اور غائب نہیں ہو سکتے ہو۔

٣٣ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دے رہے ہیں کہ یہ کفار آپ کی اتنی مخلصانہ کوششوں کے باوجود حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ روگردانی کیے جا رہے ہیں تو آپ دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ان کی گمراہی اور تباہی کے بارے میں آپ سے قطعاً کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ آپ کا فرض پیغام حق کا پہنچانا تھا آپ نے اپنا فرض بااحسن وجوہ پورا کر دیا ہے۔ اب بھی اگر وہ باز نہیں آتے ہیں تو ایمان کی اپنی ہی حق تلفی ہے اور اس کی سزا یہ خود بھگتیں گے۔ حفیظ کا لفظ پہلے گزر چکا ہے۔ علامہ پانی پتی نے اس کا معنی لکھا ہے رقیبا مواخذا اعلی اعمالهم ایسا نگہبان جس سے ان کی روگردانی پر مواخذہ اور باز پرس کی جائے۔ تاج العروس میں اس کا یہ مفہوم بتایا گیا ہے الحفیظ الموکل بالشیء یحفظه۔ حفیظ اسے کہتے ہیں جسے کسی کا سپردار بنا دیا جائے اور اس کی نگہداشت و حفاظت اس کے ذمہ ہو۔ علامہ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے الحفیظ المحافظ نگہبان۔ ان تمام تصریحات سے حفیظ کا یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ ایسے نگہبان اور محافظ کو حفیظ کہتے ہیں جو ہر طرح سے کسی کا ذمہ دار ہو اور اس کے افعال کے لیے جوابدہ ہو۔

٣٤ انسان کی ذہنی پستی اور سفلہ مزاجی کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ حضرت بھی عجیب شے ہے۔ اگر راحت و آرام کے دن آجائیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماتا اور اگر یہی جاہ و مال کی پاداش میں مصائب دو معن کے ادبار میں گھر جائے تو ناشکری کی انتہا کر دیتا ہے کہ میں تو ہمیشہ سے ایسی ہی خستہ حالی میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں نے تو عمر بھر کبھی خوشی دیکھی ہی نہیں۔ مسرت و شادمانی کے گزرے ہوئے سارے دن اُسے بھول جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی گزشتہ تمام مہربانیوں کا انکار کر دیتا ہے بلکہ اس وقت بھی جب اپنے آپ کو مصائب میں گھرا ہوا پاتا ہے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار ایسی نعمتیں ہیں جن سے وہ لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے اُن کا بھی اعتراف نہیں کرتا۔ نہ بسورے ہوئے اپنے رب سے نوحہ خوانی کرتا ہے اور آخرت کے لیے بھی (اپنی) دنیا تباہ کر کے جاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے

اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ

بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند۔ یا ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں۔

وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ

اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے ۵۸ اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ

اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاۗئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا

کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ)

فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ

اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے ۵۹ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا

۵۸ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر چیز اسی کے تصرف میں ہے۔ جس کو چاہے جتنا چاہے دیدے اور اگر کسی کو کسی نعمت سے محروم رکھنا چاہے تو زبردستی اسے دینے پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اولاد کے سلسلہ میں بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں ① وہ لوگ جن کو صرف بچیاں ہی دیتا ہے۔ بچے کے لیے وہ ترستے رہتے ہیں اور ان کی حسرت پوری نہیں ہوتی ② وہ لوگ جن کو صرف بچے دیے جاتے ہیں ③ جن کو ملے جلے بچے اور بچیاں عطا فرماتا ہے۔ ④ وہ لوگ جو بانجھ ہیں جن میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہے۔ ان کے ہاں نہ بچہ پیدا ہوتا ہے اور نہ بچی۔ آخر میں فرمایا کہ میں علیم بھی ہوں اور قدیر بھی۔ میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ کس کو کیا دینا ہے اور کس کو کچھ نہیں دینا ہے۔

۵۹ اس مقام پر وحی کے لغوی لغوی تحقیق اور پھر اس کا اصطلاحی مفہوم ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ صاحب تاج العروس لفظ وحی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل الایحاء ان یُسِرَّ بعضھم الی بعض کما فی قولہ تعالیٰ یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورًا، ھذا اصل الحرف ثم قُصِر ایحاءہ علی معنی الھمہ فقال ابو اسحاق اصل الوحی فی اللغۃ اعلام فی خفاء ولذلک صار الالھام یسمی وحیا قال الازھری وکذلک الاشارۃ والایماء یسمی وحیا والکتابۃ تسمّٰی وحیا۔ (تاج العروس ج ۱۰، صفحہ ۳۸۵) یعنی ایحاء کا اصل معنی تو یہ ہے کہ رازداری سے کسی کو کوئی بات کہنا۔ قرآن کریم میں ہے یوحی بعضھم

الی بعض یہ اس کا اصل معنی ہے۔ پھر کبھی اس کا اطلاق صرف الہام پر ہوتا ہے۔ ابو اسحاق کہتے ہیں وحی کا اصل لغوی معنی پوشیدہ طور پر کسی کو کوئی چیز بتلانا ہے۔ اسی وجہ سے الہام کو بھی وحی کہتے ہیں۔ ازہری کہتے ہیں اشارہ کرنے اور لکھ کر کوئی چیز دینے کو بھی وحی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہم تیسرے آدمی کو خبر نہیں ہوتی۔

علامہ راغب اصفہانی نے اس کی مزید وضاحت کی ہے۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ بھی ہدیۂ ناظرین ہے:

"اصل الوحی الاشارة السریعة . . . . وذالك یكون بالكلام علی سبیل الرمز . . . . وباشارة بعض الجوارح وبالكتابة . . . . وعلی هذه الوجوه قوله وكذلك جعلنا لكل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا فذلك الوسواس المشار الیه بقوله من شر الوسواس الخناس. ویقال للكلمة الالٰهیة التی تلقی الی انبیاءه واولیاءه وحی وذالك اضرب حسبما دل علیه قوله تعالٰی وما كان لبشر الآیة وذلك اما برسول مشاهد تری ذاته ویسمع كلامه كتبلیغ جبرئیل للنبی فی صورة معینة واما بسماع كلام من غیر معاینة كسماع موسٰی كلام الله تعالٰی واما بالقاء فی الروع كما ذكر علیه السلام ان روح القدس نفث فی روعی واما بالالهام نحو اوحینا الی ام موسٰی ان ارضعیه واما بتسخیر نحو قوله تعالٰی واوحی ربك الی النحل او بمنام كما قال علیه الصلوٰة والسلام انقطع الوحی وبقیت المبشرات رؤیا المؤمن فالالهام والتسخیر والمنام دل علیه قوله الا وحیا وسماع الكلام معاینة دل علیه قوله او من وراء حجاب وتبلیغ جبرئیل فی صورة معینة دل علیه قوله او یرسل رسولا فیوحی الیه"

ترجمہ:

وحی کا اصل معنی اشارۂ سریعہ ہے۔ یہ کبھی ایسے کلام سے ہوتا ہے جو بطور رمز مستعمل ہو۔ . . . یا بعض اعضاء کے اشارے سے یا کتابت سے۔ ان مذکورہ وجوہات کے لیے ملاحظہ ہو یہ آیت وکذلك جعلنا الآیة یعنی اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن یعنی سرکش انسان اور جن چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں۔ دوسروں کو دھوکہ دینے کے لیے۔ شیطانوں کی اس باہمی گفتگو کو وسواس کہتے ہیں جس کی طرف من شر الوسواس الخناس سے اشارہ کیا گیا ہے اور کلمۂ الٰہی جس کا القاء انبیاء یا اولیاء کی طرف کیا جاتا ہے اسے وحی کہتے ہیں اور اس وحی کی کئی قسمیں ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے وما كان لبشر الآیة۔ یہ وحی یا تو بذریعہ فرشتہ ہوگی جس کو وہ نبی دیکھے گا اور اس سے کلام کرتے گا جس طرح جبرئیل شکل معین میں حاضر ہوتے تھے یا یہ وحی اس صورت میں ہوگی کہ کلام کو سنائی دے رہا ہے لیکن متکلم دکھائی نہیں دے رہا جس طرح موسیٰ علیہ السلام کا کلام الٰہی کو سننا یا یہ وحی بصورت القاء ہوگی جیسے حضور نے فرمایا ان روح القدس نفث فی روعی روح القدس نے یہ بات میرے دل میں ڈال دی یا بذریعہ الہام ہوگی جیسے واوحینا الی ام موسیٰ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی بھیجی یعنی انہیں بذریعہ الہام بتایا یا یہ وحی بذریعہ تسخیر ہوگی یعنی اس چیز کی فطرت اور طبیعت میں کوئی بات ڈال

اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے ۵۳ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے ۵۴

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ

لیکن ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے اور بلاشبہ آپ

دی گئی جس کو پکا آدمی پردہ چیز ظاہرا ہی ہے جیسے ارشاد ربانی واوحی ربک الی النحل ہے۔ آپ کے سبب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی یا بذریعہ خواب ہوتی ہے حضور نے فرمایا وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا اب تو صرف خبریں رہ گئیں یعنی سچے خواب دکھائے جاتے ہیں یہی الہام اور خواب کی شکل میں ہوتی ہے اس آیت کے اس فقرہ نے دلالت کی ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا۔ اور پس پردہ کلام سننے کی صورت میں ہوتی ہے اسے او من وراء حجاب سے تعبیر کیا اور تیسری جبرئیل لے کر آتے تھے اس آیت کے اس فقرہ او یرسل رسولا نے روشنی ڈالی ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ یہ تیسری قسم انبیاء کرام سے مخصوص ہے۔ بلکہ یہ مخصوص بالانبیاء علیہم السلام (روح المعانی)

۵۳ یہاں روح سے مراد قرآن کریم ہے۔ جس طرح روح جسم کو زندہ کرتی ہے اسی طرح قرآن حکیم دلوں کو حیات جاوید عطا کرتا ہے اس لیے اسے یہاں روح فرمایا گیا۔ کذالک سے مراد وحی کی مذکورہ تمام قسمیں ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کی ان تمام قسموں کا نزول ہوتا تھا۔

۵۴ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ کتاب کا علم تھا اور نہ ایمان کا۔

تحقیق طلب امر یہ ہے کہ کیا انبیاء کرام کو بعثت سے پہلے ایمان و کتاب کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ جب ہم قرآن حکیم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ آیت پڑھتے ہیں وآتیناہ الحکم صبیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ ہم نے انہیں علم و حکمت سے مشرف فرمایا۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق آپ کی عمر تین سال تھی اور حکم سے مراد تفقہ فی الدین ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں ہی اعلان فرمایا انی عبداللہ اٰتٰنی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکا این ما کنت۔ یعنی میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور اس نے مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی ہوں۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی کمسن ہی تھے کہ جب بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینک دیا تھا۔ اس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ مژدہ سنایا کہ واوحینا الیہ لتنبئنھم بامرھم ھذا یعنی ہم نے ان کی طرف وحی کی کہ آپ انہیں ان کے اس عمل پر آگاہ کریں گے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بچپن میں ہی حضرت خلیل سے عرض کیا تھا یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اے پدر بزرگوار! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجیے اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے

اگر ان حضراتِ انبیاء کو بچپن میں ہی ایمان اور اس کا ہی بخش دی گئی تھی اور ان سے صدق نیا النفول کا تنا صادر ہوئے جو معرفت اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان کا ہی ثمر ہو سکتے ہیں تو حضور فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ حضور کو ایمان اور کتاب کا علم نہ تھا۔ سرورِ کائنات کی قبل از اعلانِ نبوت زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ بھی اس مفروضے کی تکذیب کرتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ لما نشأت بغضت الی الاوثان وبغض الی الشعر ولم اھم بشیء مما کانت الجاھلیۃ تفعلہ الا مرتین فعصمنی اللہ منھما ثم لم اعد۔ جب میں بڑا ہوا تو میرے دل میں بتوں اور شعر گوئی کے متعلق بغض اور نفرت پیدا کر دی گئی۔ میں نے جاہلیت کے کاموں کا کبھی ارادہ نہیں کیا صرف دو مرتبہ خیال آیا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اس کے بعد میں نے ان کا قصد نہیں کیا۔

حضور بچپن میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ملک شام گئے۔ اسی سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے حضور میں نبوت کی علامات دیکھیں تو آزمانے کے لیے اس نے حضور کو لات و عزیٰ کی قسم کھانے کے لیے کہا حضور نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ارشاد فرمایا۔ لا تسئلنی بھما فواللہ ما ابغضت شیئا قط بغضھما۔ یعنی اے راہب! مجھ سے ان بتوں کے واسطے کوئی بات مت پوچھو۔ بخدا مجھے جتنی نفرت ان دو سے ہے اور کسی سے نہیں۔

انبیاء کے بچپن کے احوال لکھنے کے بعد علامہ قرطبی فرماتے ہیں، ثم یتمکن الامر لھم وتترادف نفحات اللہ علیھم وتشرق انوار المعارف فی قلوبھم حتی یصلوا الغایۃ ویبلغوا باصطفاء اللہ تعالیٰ لھم بالنبوۃ فی تحصیل الخصال الشریفۃ دون ممارسۃ ولا ریاضۃ۔ پھر ان کے حالات میں پختگی پیدا ہونے لگتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول پے در پے ہوتا ہے۔ ان کے دلوں میں معرفت کے انوار چمکنے لگتے ہیں یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے انہیں چن لیتا ہے وہ اوصافِ حمیدہ میں کمال حاصل کر لیتے ہیں۔ انہیں کسی مشق اور ریاضت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

علامہ موصوف فرماتے ہیں الصواب انہ معصوم قبل النبوۃ من الجھل باللہ وصفاتہ والتشکک فی شیء من ذلک وقد تعاضدت الاخبار والآثار عن الانبیاء بتنزیھھم عن ھذہ النقیصۃ منذ ولدوا ونشاتھم علی التوحید والایمان بل علی اشراق انوار المعارف ونفحات الطاف السعادۃ ومن طالع سیرھم منذ صباھم الی مبعثھم حقق ذلک۔ (قرطبی) یہی صحیح ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے بھی اس بات سے معصوم ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے جاہل ہوں یا ان میں سے کسی بات میں ان کو شک ہو۔ بکثرت ایسی احادیث و آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء بچپن ہی سے اس عیب سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی نشو و نما توحید اور ایمان پر ہوتی ہے بلکہ معرفت کے انوار ان پر ضوفشاں رہتے ہیں سعادت و خوش بختی کے الطاف کی مہک سے وہ معطر رہتے ہیں۔ جنہوں نے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک یہ امر مسلم ہے۔

جب حقیقتِ حال یہ ہے تو اب اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ علامہ قرطبی نے متعدد جواب نقل کیے ہیں مجھے یہ جواب ان میں سے زیادہ پسند ہے:

ما کنت تدری ما الکتاب لولا انعامنا علیک ولا الایمان لولا ھدایتنا لک۔ یعنی آپ پر اگر ہمارا لطف و انعام نہ ہو

لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

رہنمائی فرماتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف ۵۲ جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے ۵۳ خوب سن لو سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے ۵۴

تو آپ کتاب کو نہ جان سکتے اور اگر ہم آپ کی رہنمائی نہ فرماتے تو آپ کو ایمان کا علم بھی نہ ہوتا۔

(ملخصاً عن تفسیر القرطبی)

نیز درایت کی نفی سے علم کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ درایت کہتے ہیں المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الختل (مفردات) یعنی کسی چیز کو ظن و تخمین سے اٹکل پچو سے جاننا۔ تاج العروس میں اس کا یہ معنی لکھا گیا ہے دریتہ ودریت بہ علمتہ او علمتہ بضرب من الحیلۃ ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ۔ یعنی حیلے سے کسی چیز کے جاننے کو درایت کہتے ہیں۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جنہیں دلائل عقلیہ سے پہچانا جا سکتا ہے اور دوسری وہ ہیں جن کی معرفت دلائل سمعیہ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ دوسری قسم کی معرفت نبوت سے پہلے نہ تھی۔ (کبیر)

بعض علماء نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے۔ ای کنت من قوم اُمّیین لا یعرفون الکتاب ولا الایمان حتی تکون قد اخذت ما جئتہم بہ عن من کان یعلم ذلک منہم وھو کقولہ تعالیٰ۔ وما کنت تتلو من قبلہ من کتاب ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون۔

۵۲ یعنی ہم نے قرآن کو نور بنایا ہے اس کے ذریعہ ہم جس کو چاہتے ہیں منزلِ مقصود تک پہنچا دیتے ہیں اور اے محبوب! آپ بھی صراطِ مستقیم کی طرف لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہتے ہیں۔ یہ صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

۵۳ آخر میں پھر اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان کا ذکر فرما دیا کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب کا خالق و مالک وہی ہے اور اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

۵۴ اس میں اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کے لیے بشارت ہے اور سرکشوں اور نافرمانوں کے لیے دھمکی اور سرزنش ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ سب تعلقات کے ٹوٹنے اور اسباب کے منقطع ہو جانے کے باوجود آخرت میں انجام ہر ایک کا، ہر چھوٹے بڑے کام کی تدبیر اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ اس کی گرفت سے بچ کر کوئی بھی نکل نہیں سکتا۔ علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: تنبیہ ... اسلام سلامت و احوال بحضرت ... [illegible] ... ولذلک تعالیٰ معاً کل شیء و مرجعہ مصیرہ اما بالفناء والاختیاری او بالفناء الاضطراری یعنی اہلِ حق کے نزدیک اسلام اشارت اور جملہ احوال و ہر کام کی بازگشت

اس کی جانب میں ہے جب پردے ہٹتے ہیں اور حقائق واشگاف ہوتے ہیں تب اس علم کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چیز کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ سے ہوا اور انتہا بھی اسی کی طرف۔ اب چاہیے کہ اپنی مرضی اور اختیار سے اپنے آپ کو اس کی رضا میں فنا کر دے ورنہ اضطراراً تو آنا ہی ہے کہ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس چیز سے مفر نہ ہو اسے خوشی سے قبول کر لیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک جنازے کی تدفین میں شریک ہوئے۔ جب اس پر مٹی ڈال دی گئی تو آبدیدہ ہو گئے کہ آنسوؤں سے مٹی تر ہو گئی پھر فرمایا لے مردماں آخر دنیا نگر کہ گور است اول آخرت نگر کہ گور است پس ما نازید بجائے کہ آخرش این است و چرا نہ ترسید از جائے کہ اولش این است۔ (روح البیان) اے لوگو! دنیا کا انجام قبر ہے اور آخرت کی ابتدا قبر ہے۔ اس جہان پر ناز کرنا کتنی حماقت ہے جس کا انجام قبر ہے اور اس جہان سے کیوں نہیں ڈرتے جس کی پہلی منزل قبر ہے۔

الحمد لله والصلوٰة والسلام على من ولى نور اشرق من شمس الازل اللهم اجعل دنيانا خير مزرعة للآخرة واجعل قبورنا روضة من رياض الجنة واكس وجوهنا بانوارك وبرؤية الوجه الصبيح الذى لا زلنا مشتاقين الى رؤياه اللهم صل على صاحب الوجه الجميل والقائد الى سبيل الطريق الكحيل وعلى آله وصحبه وبارك وسلم۔

تعارف

سُورۃ زخرف

نام : اس کا نام زخرف ہے۔ یہ کلمہ آیت ۳۵ میں مستعمل ہوا ہے۔ اس سورت میں سات رکوع نواسی آیات اور تین ہزار چار سو حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ بھی ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کی ابتدا حٰمٓ سے ہوتی اور اس کا زمانۂ نزول بھی اس سلسلے کی سورتوں کے زمانۂ نزول کے قریب قریب ہے۔

مضامین : ویسے تو قرآن کریم کی ہر سورت کی طرح اس سورت کی ہر آیت بھی قیمتی نسخہ ہے جو شاہراہ حیات کو منور کر رہی ہے جب آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو اس سے لطف اندوز ہوں گے، البتہ چند ایسی باتیں ہیں جو آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں :

۱۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اگر محسن کے احسان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، بلکہ الٹا ناشکری اور سرکشی کو اپنا شعار بنا لیا جائے تو محسن اپنے احسان کا سلسلہ بند کر دیتا ہے۔ لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے از راہ لطف و احسان انبیاء کی بعثت اور وحی کے نزول کا سلسلہ جاری کیا تاکہ لوگ ہدایت کی راہ سے بھٹک نہ جائیں، لیکن اس نعمت کی قدر کرنے کے بجائے کفار نے اس کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کی ناشکری کے باعث یہ سلسلہ بند کر دیا جاتا اور گمراہی کے گھپ اندھیرے میں انہیں دھکے کھانے کے لیے چھوڑ دیا جاتا، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ انتقامی کارروائی نہیں کی جائے گی، تمہیں نفس اور شیطان کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا جائے گا، بلکہ قرآن کریم آفتاب ہدایت بن کر سارے مطلع حیات پر چمکتا رہے گا تاکہ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر جس وقت بھی کوئی شخص اپنی منزل کی طرف بڑھنا چاہے، تو وہ بڑھ سکے۔ ہم تم سے تمہاری سرکشیوں کے باعث ناراض ہو کر یہ نعمت سلب نہیں کر لیں گے۔

۲۔ تم خود مانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، پھر تم ان اندھے بہرے بتوں کو خدا کیوں بنائے ہوا اور ان کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اس وقت کہتے کہ اس ہم تو جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو رہی ہے۔ اس نے چاہا، تو ہم نے بتوں کو پوجا، اگر وہ نہ چاہتا تو بھلا ہماری کیا مجال تھی کہ ان بتوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے۔ ہم پر یہ اعتراض نہ کرو، بلکہ ہمارے خدا پر کرو جس کے ارادہ و مشیت کے ہم پابند ہیں۔ ان کے اس مغالطے کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ محض جہالت اور حماقت ہے۔ اگر ان کی اس توجیہہ کو قبول کر لیا جائے، تو پھر دنیا بھر کے گناہوں کو سند جواز مل جائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو قتل کر دیا

زنا وغیرہ) ہوتے ہیں، اگر وہ نہ چاہتا تو کسی کی کیا مجال تھی کہ وہ کوئی ذرا سی حرکت کرتا اور جب خدا کے چاہنے سے سب کچھ ہو رہا ہے تو پھر یہ سارے کام ثواب ہونے۔ یہ جاہل لوگ رضا اور مشیت کا فرق بھی نہیں جانتے۔ بے شک اس جہان میں جو کچھ ہو رہا ہے' اس کے ارادہ و مشیت سے ہو رہا ہے' لیکن ضروری نہیں کہ وہ اس پر راضی اور خوش بھی ہو۔ اس کی رضا انہی کاموں سے حاصل ہوتی ہے جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے۔

۳۔ انہیں اس بات پر بھی سخت اعتراض تھا کہ منصب نبوت کے لیے ایسے شخص کو چنا گیا ہے جس کے پاس نہ مال و زر ہے اور نہ اعوان و انصار کا جتھہ۔ وہ کہتے جزیرۂ عرب میں دو مشہور شہر ہیں' مکہ اور طائف' ان میں بڑے بڑے رئیس ہیں جن کی ثروت و امارت کی گرد و نواح میں دھوم مچی ہوتی ہے' جن کے اثر و اقتدار کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں' ان میں سے اگر کسی کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا تو یہ دعوت بڑی سرعت سے ملک عرب کے کونے کونے میں پھیل جاتی۔ ان کے اس اعتراض کو یہ فرما کر ٹھکرا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کو تقسیم کرنے کا انہیں قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کی اہلیت کس میں پائی جاتی ہے اور اس انعام کا کون حقدار ہے۔

یہ بھی بتا دیا کہ یہ کتاب جو حسن و صحیفۂ رشد و ہدایت جو ہم نے آپ پر نازل فرمایا ہے' اس کا نزول آپ کے لیے اور آپ کی ساری قوم کے لیے وجہ عزت و شرف ہے۔ اس کی برکت سے تمہیں سند رکی جہانبانیاں' مہر و ماہ کی تابانیاں اور عرش کی بلندیاں نصیب ہوں گی۔ اس کے فیضان سے تاقیامت انسانیت کی قیادت کا منصب تمہیں سونپ دیا جائے گا۔ اے اہل مکہ! اس کی تعلیمات کو اپنی ترقی کی راہ میں رکاوٹ مت خیال کرو' بلکہ شرح صدر سے اسے قبول کر لو اور خوشی خوشی اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اسی ضمن میں حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے حالات کی طرف بھی اختصار کے ساتھ اشارہ فرما دیا تاکہ ہجوم مصائب میں ان کی اولوالعزمی باعث تسکین ثابت ہو۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الزخرف مکی۔ اس کی نواسی آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝١ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ

حا میم ۱ قسم ہے اس کتاب روشن کی ۲ ہم نے اتارا ہے اسے قرآن، عربی زبان میں ۳ تاکہ تم (اس کے

۱۔ یہ حروف مقطعات ہیں ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے ارشاد فرمایا کہ "حا" حی اور "میم" قیوم کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ واؤ قسم کے لیے ہے یعنی کتاب مبین کی قسم۔ "مبین" ابان یبین باب افعال کا اسم فاعل ہے۔ یہ لفظ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ اس کتاب کی قسم جو بالکل واضح، ظاہر اور روشن ہے۔ اس کے مطالب اور معارف شک و شبہ سے پاک ہیں۔ اختلاف و تضاد کا یہاں شائبہ تک نہیں۔ متعدی ہونے کی صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ اس کتاب کی قسم جو حق اور باطل کو واضح کرنے والی ہے۔ راہ ہدایت کو راہ ضلالت سے ممتاز کرنے والی ہے۔ گویا کہ ایک لفظ سے قرآن کریم کی دو اعلیٰ صفات کو بیان کر دیا کہ یہ کتاب بذات خود بڑی واضح اور روشن ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام اور التباس نہیں، نیز یہ حق و باطل کو نمایاں اور آشکارا کرنے والی ہے۔ جن لوگوں کے دل کی آنکھیں اس کے نور سے بینا ہو گئی ہیں وہ کسی گومگو کی حالت میں نہیں رہتے۔ وہ بڑی آسانی سے ہدایت اور گمراہی کو پہچان لیتے ہیں۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ابان، استبان، تبين تتعدّى هذه الثلاثة ولا تتعدّى وقالوا ابان الشيء واستبان وتبين وابان بمعنى واحد والكتاب المبين اي الكتاب البين وقيل معنى المبين الذي ابان طرق الهدى من طرق الضلالة وابان كل ما تحتاج اليه الامة."

ترجمہ: یعنی ابان، استبان اور تبین متعدی اور لازم دونوں طرح سے استعمال ہوتے ہیں۔ والکتاب المبین کا ایک معنی یہ ہے کہ یہ کتاب بذات خود واضح اور روشن ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ ہدایت کے راستوں کو گمراہی کی راہوں سے الگ کرنے والی ہے اور ہر وہ چیز جس کی طرف امت کو احتیاج ہے اس کو کھول کر بیان کرتی ہے۔

۳۔ کتاب مبین کی قسم اٹھانے کے بعد جواب قسم کے طور پر بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عربی میں، جو تمہاری مادری زبان ہے، نازل فرمایا۔ اسے اس زبان میں نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم ان حقائق و معارف کو اچھی طرح سمجھ لو، ان قواعد و ضوابط کو پوری طرح ذہن نشین کر لو

تَعۡقِلُوۡنَ ۝ وَ اِنَّهٗ فِیۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَكِیۡمٌ ۝ اَفَنَضۡرِبُ

مطالب کو سمجھو۔ اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوح محفوظ میں ثبت ہے بڑی اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔ کیا ہم روک لیں گے

جن پر تمہاری سعادت وارجمندی کا دار و مدار ہے۔ وہ قوم کتنی خوش بخت ہے جس کو ایسی کتاب سے سرفراز کیا گیا ہو۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جَعَلَ کے لفظ کی تحقیق ذکر کی جائے کیونکہ اس لفظ میں تدبر نہ کرنے کے باعث ایک بہت بڑا فتنہ خلق قرآن کا رونما ہوا جس نے کئی صدیوں تک امت کو گوناگوں ذہنی پریشانیوں اور دیگر مصائب و آلام میں مبتلا رکھا۔

علامہ راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں اس کی جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ وہ کہتے ہیں جَعَلَ پانچ وجوہ پر استعمال ہوتا ہے:

۱۔ صار اور طفق کا ہم معنی۔ اس وقت یہ لازمی ہوتا ہے جیسے جعل زید یقول (زید کہنے لگا)

۲۔ یہ اوجد اور خلق یعنی پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اس وقت یہ فقط ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے جعل الظلمات والنور (اس نے اندھیروں اور نور کو پیدا فرمایا)

۳۔ کسی چیز سے کوئی اور چیز بنا دینا جیسے جعل لکم من الجبال اکنانا (یعنی اس نے تمہارے لیے پہاڑوں میں گھر بنا لیے)

۴۔ کسی چیز کو ایک حالت پر مخصوص کر دینا جیسے الذی جعل لکم الارض فراشا (اس نے تمہارے لیے زمین کو بستر بنا دیا) اسی ضمن میں علامہ راغب نے یہ آیت ذکر کی ہے۔ یعنی ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا دیا۔

۵۔ کسی چیز پر کسی چیز کا جھوٹا یا سچا حکم لگا دینا ویجعلون لله البنات یا انا رادوه الیک وجاعلوه من المرسلین۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ جعل کا معنی یہاں خلقنا نہیں ہے۔ ورنہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا حالانکہ یہاں دو مفعول مذکور ہیں۔

صاحب قرطبی نے اس کا ترجمہ کیا ہے: ای انزلناه بلسان العرب۔ خازن نے بھی لکھا ہے وقیل انزلناه یعنی ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا ہے۔ میں نے ترجمہ انہی حضرات کی تحقیق کے مطابق کیا ہے۔

۴۔ ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض علماء نے ام الکتاب کی تعبیر العلم الازلی سے کی ہے۔ تعبیریں جداجدا ہیں مدلول ایک ہی ہے۔ قیل العلم الازلی (روح المعانی)

۵۔ یہ قرآن کریم کوئی معمولی کتاب نہیں۔ جس ذات قدوس نے اسے نازل فرمایا ہے اس کے حضور تو اس کا مرتبہ بہت اونچا اور شان بڑی بلند ہے۔ کوئی دوسری کتاب لفظی اور معنوی اعجاز اور اسرار و معارف میں اس کی ہم پایہ نہیں۔ ای رفیع الشان بین الکتب لاعجازه واشتماله علی عظیم الاسرار۔ (روح المعانی) لفظ حکیم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ حکیم بمعنی حکمة بالغة او محکم لا ینسخه غیره او حاکم علی غیره من الکتب (روح المعانی)

یعنی حکیم کے کئی معانی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ یہ سراسر حکمت ہے یا یہ محکم ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کے احکام کو کوئی دوسری

عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ اَرْسَلْنَا

تم سے اس ذکر کو (ناراضگی) کے باعث اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو ۝ شہ اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں

مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

نبی پہلے لوگوں میں ۝ شہ اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا

شریعت منسوخ نہیں کر سکتی۔ یا یہ حاکم ہے یعنی جتنے بھی نظام ہائے حیات ہیں ان سب پر اس کا فیصلہ اٹل ہے اور اس کا حکم نافذ ہے۔

شہ بڑی پیاری آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو بے پایاں محبت ہے اور ان کے حال پر خصوصی نظر عنایت ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفار و مشرکین کو آیاتِ ربانی پڑھ کر سنایا کرتے۔ عظیم معجزات سے اسلام کی صداقت ثابت کرتے۔ حضور کی پاکیزہ زندگی کا ہر پہلو آفتاب سے تابندہ تر تھا۔ یہ کوشش تب سے خلوص اور جانکاہی سے برسوں سے شروع تھی۔ اس کے باوجود ان کا انکار اور اس انکار پر ان کا بے جا اصرار آئے روز بڑھتا ہی جاتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ایسے ناشکر گزاروں سے چشم عنایت پھیر لی جاتی۔ ان کو ہمیشہ کے لیے نظر انداز کر دیا جاتا تاکہ وہ ابدی محرومیوں کے سنسان اندھیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھٹکتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میری رحمت، میری رأفت اور میری شفقت ایسا نہیں کرے گی۔ ہم ہر حالت میں انہیں دعوتِ حق دیتے رہیں گے۔ خواہ وہ قبولِ حق سے انکار کرتے رہیں اور اسلام کو ناکام بنانے میں عقل و دانش کے تمام تقاضوں کو پسِ پشت ڈال دیں۔

اس آیت کے کلمات بھی غور طلب ہیں۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے منہ پھیر لے اور اسے نظر انداز کر دے تو عرب کہتے ہیں "قد ضربت عنه صفحا اذا اعرضت عنه وتركته" (قرطبی)

علامہ ابن منظور اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اي نهملكم ولا نعرفكم ما يجب عليكم لان كنتم قوما مسرفين اي لان اسرفتم" (لسان العرب) یعنی کیا ہم تم کو نظر انداز کر دیں گے اور تمہیں ان فرائض و واجبات سے مطلع نہیں کریں گے جن کی تعمیل تم پر لازم ہے اور یہ اس لیے کہ تم اسراف کے خوگر ہو۔ "صفحا" کے متعلق علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ "نضرب" کا مفعول مطلق ہے جیسے "قعدت جلوسا"۔ اسے مفعول لہ اور حال بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس وقت صفحا صافحین کے معنی میں ہو گا۔ (روح المعانی)

شہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب معطر کو تسلی دیتے ہیں کہ کفار کا آپ کے ساتھ یہ نامعقول طرزِ عمل کوئی نرالی بات نہیں۔ جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہی سلوک کیا تھا۔ "کم" یہاں استفہامیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے۔ "کم ههنا خبرية والمراد بها التكثير" (قرطبی)

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۷ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۸

مذاق اڑایا کرتے۔ پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے ۸ اور گزر چکی ہے مثال پہلے لوگوں کی ۹

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو ۱۰ تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ہے انہیں بڑے

الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝۹ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ

زبردست سب کچھ جاننے والے نے۔ جس نے بنا دیا ہے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ ۱۱ اور بنا دیئے ہیں تمہارے لیے

۸ جب ان لوگوں کا عناد حد سے تجاوز کر گیا اور ان کی ہدایت پذیری کے سارے امکانات ختم ہو گئے تو ہم نے ان کو تہس نہس کر دیا۔ ان بیچارے مکہ والوں کی کیا حقیقت ہے۔ بڑی بڑی طاقتور اور ترقی یافتہ قومیں ہمارے عذاب کے سامنے لمحہ بھر کے لیے نہ جم سکیں۔ یہ تو مہلت کی گھڑیاں ہیں جو ہم نے ان کو سوچنے سمجھنے اور سنبھلنے کے لیے ارزانی فرمائی ہیں اور یہ نادان اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ وہ اپنی تدبیر یا قوت بازو سے عذاب الٰہی کو روکے ہوئے ہیں۔ وہ اسی طرح سدا داد عیش دیتے رہیں گے حق کا منہ چڑاتے رہیں گے اور اہل حق کو ذلیل و رسوا کرتے رہیں گے۔ یہ ان کی کم فہمی ہے۔ جونہی مہلت کی گھڑی ختم ہوگی انہیں فوراً دھر لیا جائے گا۔

۹ گزشتہ نافرمان قوموں کا جو عبرتناک حشر ہوا اس کا تذکرہ جابجا قرآن کریم میں بیان ہو چکا ہے اور وہ بارہا اسے پڑھ چکے ہیں۔ کیا پھر بھی وہ کوئی عبرت حاصل نہیں کرتے۔

۱۰ اگرچہ وہ داعی اسلام کو قتل کر دینے کے درپے ہیں، اگرچہ وہ پیغمبر اسلام کے خون کے پیاسے ہیں، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ سینکڑوں بتوں کی پوجا پاٹ بڑی شد و مد سے کرتے ہیں، لیکن حق اتنا واضح اور اتنا بین ہے کہ اس کے انکار کی ہمت ان میں بھی نہیں۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق کون ہے تو انہیں علی الاعلان کہنا پڑے گا کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے جو عزیز بھی ہے اور علیم بھی ــــ لات و ہبل یا کسی دوسرے دیوی دیوتا کا ان کی تخلیق میں رائی کے برابر بھی کوئی حصہ نہیں۔ اس اعتراف کے بعد ان کا کسی کو خدا سمجھنا اور اس کی عبادت کرنا اتنی بڑی بیہودگی اور نادانی ہے کہ اس کے بطلان کے لیے کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔

۱۱ اللہ تعالیٰ اپنی شان کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے۔ یعنی میں وہ عزیز اور علیم ہوں جس نے تمہارے لیے اس زمین کو یوں آرام دہ بنا دیا ہے جس طرح بچے کے لیے گہوارا۔ تمہاری آسائش و راحت کے جملہ اسباب فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ پھر اس میں طرح طرح کی گزرگاہیں بنا دی ہیں تاکہ تم ان پر چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکو۔

فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اس میں راستے تاکہ تم منزلِ مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے

بِقَدَرٍ فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾ وَالَّذِي

مطابق۔ پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو۔ یونہی تمہیں بھی (قبروں سے) نکالا جائے گا ۱۳ اور جس نے

خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا

ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ۱۴ اور بنا دیں تمہارے لیے کشتیاں اور مویشی جن پر تم

اگر تم ان احسانات کی قدر پہچانو گے اور ان کا شکر ادا کرو گے تو تمہیں وہ راہ بھی مل جائے گی جو تمہیں حریمِ ذات تک لے جائے گی اور تم اس کے (پر) انوار سے اپنے دل کی دنیا کو روشن کر لو گے۔

"مہد" گہوارے کو کہتے ہیں۔ آلوسی فرماتے ہیں: "مكانا ممهدا اي موطأ ومآله بسطها لكم تستقرون فيها ولا ينافي ذلك كرويتها لمكان العظم"۔ (روح المعانی) یعنی یہ زمین کے کروی ہونے کے منافی نہیں کیونکہ زمین کا کرہ اتنا بڑا اور عظیم ہے کہ یہاں اس کی کرویت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ حدِ نگاہ تک صاف چٹیل میدان دکھائی دیتا ہے۔

۱۳ ایک اور شانِ کبریائی بیان فرمائی جا رہی ہے۔ اس کا ہر کام ایک اندازے کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش برستی ہے تو اندھا دھند نہیں بلکہ ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ وہ بستی جس پر چند لمحے پہلے خاک اڑ رہی تھی، ہر طرف افسردگی اور مردنی چھائی تھی، یکایک اس میں تازگی اور شادابی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی فرما دیا کہ جو خداوند ذوالجلال لمحہ بھر میں ایک اجڑی ہوئی بستی کو آباد کر دیتا ہے وہی تمہیں قبروں سے زندہ کر کے میدانِ حشر میں لا کھڑا کرے گا۔ اس کے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں۔

۱۴ زوج سے مراد یہاں صنف اور نوع ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: "اي اصناف المخلوقات فالزوج هنا بمعنى الصنف لا بمعناه المشهور"۔ اس کی تائید میں انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے۔ عن ابن عباس الازواج الضروب والانواع كالحلو والحامض والابيض والاسود والذكر والانثى۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اور قسم قسم کی مخلوق پیدا کی۔ ذائقہ کے اعتبار سے کوئی میٹھا، کوئی ترش، رنگ کے اعتبار سے کوئی سپید کوئی سیاہ۔ پھر کوئی بے جان اور جاندار، پھر کوئی نر اور کوئی مادہ۔ یہ تنوع اتنا وسیع، اتنا دلچسپ اور اتنا مفید ہے کہ انسان اس میں جتنا غور کرے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔

تَرْكَبُونَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا

سوار ہوتے ہو ۱۲ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب

اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا

تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور زبان سے یوں کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لیے اور ہم اس پر قابو پانے

كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿١٣﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ

کی قدرت نہ رکھتے تھے ۱۳ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور بنا لیا ہے (مشرکوں نے) اس کے لیے

۱۲ بحر و بر میں تمہاری سواری کا بندوبست کر دیا گیا ہے تاکہ تم اپنے ساز و سامان کے ساتھ دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے آسانی سے اپنی منزل پر پہنچ سکو۔ کشتیوں اور جہازوں میں بیٹھ کر تم دریاؤں اور بیکراں سمندروں کو عبور کرتے ہو۔ اور گھوڑوں، اونٹوں، ریل گاڑیوں، کاروں پر سوار ہو کر تم خشکی کا سفر کرتے ہو۔

۱۳ تاکہ جب تم ان کی پیٹھ پر بیٹھ کر سوئے منزل رواں ہو تو تمہارے دل اپنے رب کریم کے شکر سے لبریز ہوں، تمہاری زبانیں اس کے احسانات کی یاد سے سرشار ہوں اور اپنی ناتوانی اور بے بسی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان پاکیزہ کلمات سے اپنے رب کی پاکی کے نغمے گا رہے ہو۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارا مطیع اور فرمانبردار بنا دیا، ورنہ اتنا گرانڈیل اور طاقتور سرکش اونٹ تو کسی کو نزدیک نہ پھٹکنے دے۔ ایک سدھایا ہوا ہاتھی تو بڑے طاقتور انسان کا کچومر نکال دے۔ اتنی طاقت والا حیوان ہمیں اپنی پشت پر لادے ہوئے کوسوں کی مسافت پے بہ پے طے کرتا جا رہا ہے۔ نہ تھکاوٹ کی شکایت اور نہ بھوک و پیاس کا شکوہ۔ (سراپا اطاعت) یہ سرافگندگی اسے میرے رب تو نے اس کے دل میں ڈال دی ہے۔ ہم اس حقیقت کو بصدق دل تسلیم کرتے ہیں کہ ہم سب نے تیری جناب میں لوٹ کر حاضر ہونا ہے۔

اسلام کی جامعیت کی یہ بین دلیل ہے کہ اس کی روشنی سے زندگی کے سارے گوشے منور ہو رہے ہیں اور اس کے فیض سے ہماری زندگی کا ہر شعبہ بہرہ ور ہو رہا ہے۔ ان آیات میں کسی مرکب پر (جانور ہو یا کشتی ہو یا کوئی اور) پر سوار ہونے کے اسلامی آداب سکھائے جا رہے ہیں۔ ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو جس وقت رکاب میں قدم رکھا تو فرمایا بسم اللہ۔ جب اس کی پشت پر تشریف فرما ہوئے تو الحمد للہ۔ پھر یہ آیت پڑھی سبحان الذی . . الی لمنقلبون۔ اس کے بعد تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پھر تین مرتبہ کہا لا الہ الا انت ظلمت نفسی فاغفر لی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ پھر آپ ہنس پڑے۔ عرض کی گئی امیر المومنین ہنسنے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دیکھا کہ حضور نے ایسا کیا جیسا میں نے کیا۔ وہی کلمات کہے جو میں نے کہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے۔ ہم نے عرض کی حضور!

عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ؕ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ

اس کے بندوں سے اس کا جزو ۱۰ بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے ۱۱ کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں اپنے لیے اپنی

بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ

مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ ۱۲ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے

آپ کیوں ہنستے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ جب بندہ یہ الفاظ کہتا ہے رب اغفرلی الخ تو اللہ تعالیٰ اس کے یہ کلمات سن کر بہت خوش ہوتا ہے تعجب کا اظہار کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا بندہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ گناہوں کو بخشنے والا میں ہی ہوں، اور کوئی نہیں بخش سکتا۔

جب منزل مقصود پر پہنچ جائے اور سواری سے اترے تو اس وقت یہ کہے۔ اللھم انزلنا منزلا مبارکا وانت خیر المنزلین کشتی یا جہاز میں سوار ہونے کے بعد یہ پڑھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ جب گھر سے سفر پر روانہ ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ دعا پڑھے۔ آپ بھی اسے یاد کر لیں۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِي الْاَهْلِ وَالْمَالِ۔ اے اللہ! سفر میں تو میرا ساتھی ہے اور میرے اہل اور مال کا نگہبان ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقتوں سے اور تنگ حالی سے اور عادات کی درستی کے بعد ابتری سے اور اپنے اہل و مال میں برے منظر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اب آیات کے چند کلمات پر غور فرمائیے۔ استوٰی "سوار ہو، جم کر بیٹھنا"۔ ظھورہ ضمیر کا مرجع الفلک اور الانعام ہے جو جمع ہے۔ تو معنی کے مطابق ظھورھا ہونا چاہیے تھا لیکن ما ترکبون میں ما موصولہ کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے واحد مذکر کی ضمیر ذکر کر دی۔ "مقرنین" قال الجوھری واقرن لہ ای اطاقہ وقوی علیہ قال اللہ تعالیٰ وما کنا لہ مقرنین ای مطیقین (الصحاح) یعنی کسی چیز کا طاقت پانا اور اسے اپنا مطیع کر لینا۔

۱۰ کفار فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور بیٹی اپنے باپ کا جزو ہوا کرتی ہے۔ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے اقوال کس قدر قابل دید ہیں۔ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر کہتے ہیں کہ اس کی بیٹیاں بھی ہیں۔ انسان ذرا غور کرے ان کے یہ خرافات کتنے لغو اور بیہودہ ہیں۔ انسان کو اولاد کی اس لیے خواہش ہوتی ہے کہ بڑھاپے میں وہ عصائے پیری ثابت ہو۔ غربت اور بیماری کی حالت میں اس کی خدمت کرے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کی وارث بنے اور اس کی یاد کو تازہ رکھے۔ لیکن خالق کائنات بڑھاپے، مرض، موت وغیرہ سے پاک ہے۔ وہ ان ضرورتوں سے بالاتر ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ عقل و فہم سے جو لوگ بے بہرہ ہیں اور جن کے ہوش و خرد کے چراغ بجھ چکے ہیں وہی یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

۱۱ الانسان سے مراد یہاں کافر ہے۔ کفور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ انتہائی ناشکر گزار۔

۱۲ اللہ تعالیٰ جس طرح بیٹیوں سے منزہ ہے اسی طرح بیٹوں سے بھی مبرا ہے۔ یہاں مشرکین کی اسی بیہودہ بات کے بیہودہ پن

لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿١٧﴾ اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا

رحمان کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرطِ غم سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے ۔ کیا وہ (اللہ کی اولاد ہے) جو

فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿١٨﴾ وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ

پرورش پاتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی ۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو

کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے لیے تو بیٹوں کو پسند کرتے ہیں اور بیٹیوں کو اللہ تعالیٰ کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔

۱۷ یعنی ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ اگر ان کو بتایا جائے کہ ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو ان کے گھر میں صفِ ماتم بچھ جاتی ہے چہروں پر مایوسی کی سیاہی پھیل جاتی ہے۔ دل غم و اندوہ سے بھر جاتا ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ ایسی جنس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں انہیں حیا نہیں آتی۔ ان کی بیوی بیٹی جنے تو گھر میں آنا جانا بند کر دیتے ہیں، ان کی بیاہتا بیگم ان کو چڑیل کی مانند ڈراؤنی نظر آنے لگتی ہے۔ ایک عرب عورت اپنے خاوند کی اس بے رخی کو یوں بیان کرتی ہے :

ما لابی حمزۃ لا یاتینا   یظل فی البیت الذی یلینا

غضبان ان لا نلد البنینا   والله ما ذلک فی ایدینا

یعنی میرے خاوند ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ اب وہ ہمارے پاس آتا ہی نہیں اور ساتھ والے مکان میں ہی رہتا ہے۔ وہ اس لیے غضب ناک ہے کہ ہم بیٹے کیوں نہیں جنتیں۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہمیں جو ملتا ہے وہی ہم لیتی ہیں۔

۱۸ ان کی اس تقسیم کے بیہودہ ہونے کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی بچیاں تو نازو نعم میں پلتی ہیں اور کسی مجلس میں اپنا مدعا واضح طور پر بیان کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ کیا ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ مملکت خداوندی کے فرائض دقیق کو کامیابی سے انجام دے سکیں۔ نہ ان میں زور بازو کہ شمشیر و سناں بکف میدان میں اتر سکیں اور نہ ان میں جرأت و بیان کی استعداد کہ وہ زبان سے حق کا بول بالا کر سکیں۔ ایسی بے مصرف اولاد کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے۔

اس آیت سے علماء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے۔ حدیث نبوی سے بھی اس کی تائید ملتی ہے :

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لبس الحریر والذھب حرام علی ذکور امتی وحلال لاناثھا۔ یعنی ریشم اور سونے کا استعمال میری امت کے مردوں پر حرام ہے اور عورتوں کے لیے حلال ہے۔

علامہ ابوبکر جصاص متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ صحیح ثابت سے لے کر آج تک صحابہ و تابعین زیور پہنتی آئی ہیں اور کسی نے اس کو ناجائز نہیں کہا۔ اس لیے اخبارِ آحاد سے عورتوں کے لیے زیور کی ممانعت ثابت نہیں ہو سکتی۔ (احکام القرآن جلد ۳)

الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ

جو (خدائے) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں ۲۱ کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت؟ لکھی جائے گی

شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ

ان کی گواہی اور ان سے بازپرس ہوگی ۲۲ اور (کفار) کہتے ہیں کہ اگر چاہتا (خدائے) رحمٰن تو ہم انہیں نہ پوجتے ۲۳

۲۱ یہ ان کی لاف زنیاں اور لن ترانیاں حقیقت کے سراسر خلاف ہیں۔ فرشتے تو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو ہر وقت اس کے ذکر میں محو رہتے ہیں اور اس کے جملہ احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو ظالموں نے خدا کی بیٹیاں کہنا شروع کر دیا ہے۔ یہ کتنا ظلم اور کس قدر ناانصافی ہے۔

۲۲ ایسی نامعقول اور لغویات پر ان کا یقین و اذعان آخر اس کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔ کیا یہ لوگ اس وقت موجود تھے جب اس نے فرشتوں کو پیدا کیا اور اپنی آنکھوں کے مشاہدہ کی بنا پر یہ ان کو بیٹیاں کہہ رہے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو وہ اس پر شہادت پیش کریں۔ ان کی یہ شہادت قلمبند کر لی جائے گی۔ جب روز قیامت یہ لوگ روبرو پیش ہوں گے تو ہم اس شہادت کے متعلق ان سے بازپرس کریں گے۔ ان کو جواب دہی کے لیے آج ہی سے تیار ہو جانا چاہیے۔

۲۳ اگر کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار ہو جائے کہ وہ بڑا زیرک اور دانا ہے یا اگر کوئی جاہل اپنی جہالت کو علم و عقل خیال کرنے لگے تو افہام و تفہیم کا مرحلہ بڑا پیچیدہ ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجہ خیز ہونے کے امکانات بہت قلیل رہ جاتے ہیں۔ وہ اپنی سراسر نامعقول بات کو معقولیت کی جان یقین کرتا ہے اور اگر اس کو اس کی نامعقولیت کی طرف متوجہ کیا جائے تو وہ بات تک سننے کا روادار نہیں ہوتا۔

اہل مکہ اسی قسم کی صورت حال سے دوچار تھے۔ جب انہیں سمجھایا کہ فرشتوں کی عبادت نہ کیا کرو، وہ تو اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ یہ بڑی نامناسب بات ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کی بندگی شروع کر دی جائے تو کہنے لگے کہ ہم تو بڑے عرصہ سے ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوتی تو ہماری مجال نہ تھی کہ ہم ایسا کر سکتے۔ اس نے ہمیں ایسا کرنے سے باز نہیں رکھا۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کام اسے پسند ہے۔ یہ دلیل پیش کر کے وہ سمجھتے کہ انہوں نے اپنے موقف کی حقانیت کو ایسی دلیل سے ثابت کر دیا ہے جس کی صداقت میں شک و شبہ کی ادنیٰ گنجائش ہی نہیں۔ لیکن اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ دلیل تار عنکبوت سے بھی کمزور اور ضعیف ہے۔ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو پھر چوری، ڈاکہ کی قسمیں ہر شب بھی ہیں، ظلم و ستم کی مشق ہر لمحہ مظلوموں اور کمزوروں پر بھی ہوتی ہے۔ قتل، زنا، چوری، ڈاکہ زنی، ملک و قوم سے غداری کی جو وارداتیں ہر روز وقوع پذیر ہوتی ہیں ان کے بارے میں بھی اس اصول کے مطابق یہی صواب ہے اور نہ ان پر کسی کو اعتراض کا حق ہے اور نہ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو کوئی سزا ملنی چاہیے۔ کیا وہ اپنی پیش کردہ دلیل کے مطابق ان سب جرائم کو جائز اور مستحسن قرار دینے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۲۰ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا

انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض قیاس آرائیاں کر رہے ہیں ۲۲ کیا ہم نے دی انہیں کوئی کتاب

مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝۲۱ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا

اس سے پہلے پس وہ اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ۲۳ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادا کو

عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝۲۲ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ

ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نقش پا پر چل رہے ہیں ۲۴ ۔ اور اسی طرح جب بھی ہم نے بھیجا

قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ

آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا تو کہا وہاں کے عیش پرستوں نے کہ ہم نے پایا

اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝۲۳ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ

اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر اور ہم ان کے نشانات قدم کی پیروی کرنے والے ہیں ۲۵ اس نبی نے فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تمہارے

تو پھر وہ عقیدہ توحید اور دینی معاملات میں ہی اس دلیل پر اعتماد کیوں کرتے ہیں۔

۲۲ بالکل اٹکل اور جاہلانہ تیر۔ علم و فہم کی انہیں ہوا تک نہیں لگی۔ اپنی قیاس آرائیوں کو انہوں نے دلیل سمجھ رکھا ہے۔

۲۳ اگر ہم نے ان کی طرف کوئی ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہم نے انہیں شرک کرنے کی اجازت دی ہو یا ان افعال مذمومہ کی پابندی کا حکم دیا ہو تو وہ سب لوگوں کے سامنے پیش کریں تاکہ ہمیشہ کا جھگڑا ختم ہو اور دنیا کو معلوم ہو جائے کہ ان کے عقائد و اعمال اس کتاب کے مطابق ہیں جو انہیں عطا کی گئی ہے۔

۲۴ ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ کوئی نقلی دلیل۔ جب ہر طرف سے عاجز اور لاجواب ہو جاتے ہیں تو اپنے گم کردہ راہ آباء و اجداد کی تقلید کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو جس راہ پر چلتے دیکھا ہم اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ الامۃ : الطریقۃ والدین۔ کسی طریقہ اور دین کو امت کہتے ہیں۔ (لسان، قرطبی)

۲۵ یہ اہل مکہ کا ہی انداز فکر نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی جو اہل زیغ و ضلال گزرے ہیں اپنے رسولوں کے ساتھ وہ بھی اسی طرح کی حجت بازی کیا کرتے تھے۔ اپنے موقف کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے جب کوئی عقلی اور نقلی دلیل دستیاب نہ ہوتی تو وہ بھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید کا ڈھونگ رچایا کرتے تھے۔ یہ بات خور طلب ہے کہ انبیاء کی اصلاحی تحریکوں کی مزاحمت کرنے والے ہمیشہ خوشحال طبقہ کے عیش پرست

بِأَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

پاس زیادہ درست چیز اس سے جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو (تب بھی؟) انہوں نے جواب دیا ہم تو جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو

كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾

نہیں مانتے ۲۴ پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا (المناک) انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ۲۵

لوگ کیوں ہوگئے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب وہ فکر معاش سے آزاد ہیں، معاشرہ میں ہر شخص ان کا احترام کرتا ہے، انہیں اپنی رائے کے اظہار میں ہر طرح کی آزادی میسر ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ آگے بڑھ کر حق کا جھنڈا تھام لیتے۔ سابقین اولین میں ان کا نام سرفہرست ہوتا۔ راہ حق پر انہیں گامزن دیکھ کر دوسرے لوگ بھی باطل سے اپنا رشتہ منقطع کر کے ہدایت کو قبول کرتے۔ ان کے اخلاص اور سعی اور کوشش سے سارا معاشرہ گمراہی و ضلالت کی گھمبیر ظلمتوں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں آجاتا، لیکن وہ اس کے بجائے اہل حق سے محاذ آرائی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے چیلوں کو درغلا کر اہل حق کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیتے ہیں۔ اس کی آخر وجہ کیا ہے؟ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ ان لوگوں کے پاس دولت کی فراوانی ہوتی ہے اور اس کے نشہ میں یہ اس طرح مدہوش ہوتے ہیں کہ کسی کا ٹھیک اور فرمانبردار بن لینے میں اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ سیادت کی جس مسند پر وہ بیٹھے ہوتے ہیں اس کو خالی کرنا ان پر سخت گراں گزرتا ہے۔ نیز معاشرہ میں لوٹ کھسوٹ کی جو گرم بازاری ہوتی ہے اس میں وہ برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ غریب طبقہ کا معاشی استحصال ان کی دولت و ثروت کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اصلاح معاشرہ کی ان کوششوں میں مخلصین کا ساتھ دیں تو عیش و آرام کی زندگی جس کے وہ عادی ہو چکے ہوتے ہیں اس کا بساط الٹ جاتا ہے اور سب سے بڑی دھونس یہ ہے کہ وہ دین اور مذہب کو مفلسوں اور کنگالوں کا دھندا سمجھتے ہیں جنہیں رونے کے لیے آرام دہ بنگلے سواری کے لیے بہترین کاریں اور جو ہر نفیس کھانے کے لیے دولت فراواں میسر ہو ان کو کیا پڑی کہ وہ مذہب کے بارے میں سوچتا ہے۔ اسی قسم کی دیگر رکاوٹیں ان لوگوں کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بدلنے کی تکلیف برداشت کرنے کے بجائے یہ آسان سمجھتے ہیں کہ حق کی بات کو حقیقی سے دبا لیں اور اہل حق کو پنپنے پھولنے کا موقع نہ دیں۔ اگرچہ وہ اس کوشش میں بری طرح ناکام ہوتے ہیں۔

۲۴ اللہ تعالیٰ کے سچے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اس حقیقت کو روز روشن کی طرح واضح کر دیتے ہیں کہ ان کے آباء و اجداد کا طریقہ گمراہی اور ان کی ذہنی، مادی اور روحانی ترقیوں میں حائل ہونے کی حیثیت رکھتا ہے اور زندگی کا جو پروگرام ہم نے پیش کیا ہے وہ ہر حیثیت سے تمہارے لیے مفید ہے تو اس وقت وہ اعلان کی روش اختیار کرتے ہیں کہ تم لاکھ دلیلیں پیش کرو ہمارے سامنے علم و حکمت کی ہزاروں قندیلیں روشن کرو ہم تمہیں مانیں گے ہرگز نہیں مانیں گے۔

۲۵ جب ان کی اصلاح پذیر ہونے کے تمام امکانات ختم ہو جاتے ہیں پھر قدرت ان سے عبرتناک انتقام لیتی ہے۔ اگر کہیں دیکھنا چاہو اور تمہیں فرصت میسر ہو تو ان اجڑے ہوئے کھنڈروں کی شکستہ دیواروں سے پوچھو جہاں حق کو جھٹلانے والے کبھی بڑے ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا

اور یاد کیجیو! جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو ٣٤ بجز

الَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِى

اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے پس وہی میری رہنمائی کرے گا ٣٥ اور آپ نے بنا دیا اس (توحید) کو باقی رہنے والی بات اپنی

٣٤ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن معجزات دیکھنے کے باوجود، قرآن کریم کی دل ربا میٹھی آیات کو سننے کے باوجود کفار کفر و شرک پر اڑے ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنے باپ دادا کی پیروی چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اندھی تقلید کی آہنی زنجیروں میں یوں جکڑ دیا تھا کہ عقل و دانش کے تقاضوں کو وہ بڑی خوش دلی سے نظر انداز کر دیا کرتے۔ ان کے سامنے ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کار پیش کیا جا رہا ہے کہ دیکھو حضرت خلیل نے جب اپنے اسلاف کو اور اپنی قوم کو راہ حق سے بھٹکا ہوا پایا تو ان سے قطع تعلق کر لیا۔ تم لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہو اور ان کے بنائے ہوئے کعبہ کے متولی اور خدمت گزار ہو، اسی نسبت کے باعث تمہیں عرب میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جب انہوں نے اپنے گمراہ پیشروؤں کی روش کو اعلانیہ ترک کر دیا تھا تو تم بھی آپ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گمراہ آباء و اجداد سے اپنی برأت کا اعلان کر دو۔ گھبراؤ مت، آسمان نہیں گر پڑے گا۔ نیز ان آیات سے انہیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ اگر تم عقل و دانش سے کام لینا نہیں چاہتے اور تقلید کرنے پر ہی مُصر ہو کر پھر تقلید کرنا ہے تو ابراہیم علیہ السلام کی کرو۔ یہ کیا مذاق ہے کہ عقل کا چراغ بھی گل کر رکھا ہے اور تقلید کے لیے ابراہیم جیسے صدق شعار اور راستباز کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کی تقلید پر اُدھار کھائے بیٹھے ہو جو انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں۔

بَرَآءٌ: مصدر ہے اور اسم صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ واحد، تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث سب حالتوں میں یہ اسی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ علامہ قرطبی امام لغت جوہری کا قول نقل کرتے ہیں قَالَ الْجَوْهَرِيُّ: وَتَبَرَّأْتُ مِنْ كَذَا وَأَنَا مِنْهُ بَرَاءٌ لَا يُثَنَّى وَلَا يُجْمَعُ لِأَنَّهُ مَصْدَرٌ فِي الْأَصْلِ۔ اور اگر بَرِيءٌ مستعمل ہو تو وہ تثنیہ، جمع، تذکیر و تانیث میں اپنے موصوف کے مطابق ہوگا۔

٣٥ شرک سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں تمہارے ان تمام معبودوں سے بیزار ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ میں صرف اس کا پرستار ہوں جس نے مجھے پیدا فرمایا۔ وہی مجھے راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے گا اور بلند سے بلند مقامات اور درجات کی طرف میری رہنمائی فرمائے گا۔ ای سيثبتنی علی الهداية ويرشدنی فوق ما ارشدنی اليه۔ تم جن معبودوں کی پوجا کرتے ہو وہ نہ کسی چیز کے خالق ہیں اور نہ وہ کسی کی رہنمائی کر سکتے ہیں اور جس پروردگار کی بارگاہ میں میری جبین نیاز سجدہ ریز ہے وہ میرا خالق بھی ہے اور میرا دستگیر بھی۔ میں اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف کیوں دیکھوں؟

عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

اولاد میں ۴۲ تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں ۴۳ بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک

جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا

کہ آگیا ان کے پاس حق اور رسول کریم بیان کرنے والا ۴۴۔ اور جب آگیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے یہ تو جادو

سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۞ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ

ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان

مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۞ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا

دو شہروں میں بڑا ہے ۴۵۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے

۴۲ حضرت خلیل خود ہی عقیدۂ توحید پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنی آل اولاد کو بھی تاکید کی کہ خبردار اس راہِ حق سے بھٹک نہ جانا۔ اپنا رشتۂ عبودیت اپنے رب کریم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پختہ اور مستحکم رکھنا۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ملاحظہ ہو وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ الآیۃ کہ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور اپنے پوتے یعقوب کو دینِ حق پر ثابت قدم رہنے کی وصیت فرمائی۔ العقب: الذریۃ۔ یعنی اولاد اور نسل۔

۴۳ یعنی اے محبوب! آپ قریش مکہ کو حضرت ابراہیم کے حالات سنائیے شاید وہ اس طرح راہِ حق کو قبول کر لیں اور راہِ ہدایت پر گامزن ہو جائیں۔

۴۴ ان لوگوں نے عرصہ دراز سے مسلکِ ایمان کو ترک کر دیا تھا اور شرک و کفر کا عقیدہ اختیار کر لیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انہیں اس ناشکری اور سرکشی کی فوراً سزا دی جاتی اور ان کو نیست و نابود کر دیا جاتا لیکن ہماری رحمت نے ان کو مہلت دی اور یہ زندگی کے ساز و سامان سے اور عیش و آرام سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ عرصہ دراز کے بعد ان کے افقِ حیات پر آفتابِ حق طلوع ہوا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس نورِ ہدایت سے اپنے سینوں کو روشن کرتے اور ہمارے رسول کریم کی حیات آفریں تعلیمات اور زریں ہدایات پر عمل کرتے لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہ کیا۔ اُلٹا اسے جادو کے نفرت انگیز لفظ سے تعبیر کیا اور اس پر ایمان لانے سے صاف صاف انکار کر دیا۔

۴۵ پہلے تو کفارِ عرب اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہی تیار نہ تھے کہ کوئی انسان نبوت کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ایسا ہو سکتا ہے تو پھر اس منصب کے لیے کسی ایسے شخص کا انتخاب ہونا چاہیے جو خود بڑی دولت کا مالک ہو، سرداری اور قیادت اس کا منصب ہو، اس کا رعب سب پر ہو، ہر کسی کے دل میں بیٹھا ہو۔ اس ملک کے دو مشہور شہر ہیں۔ مکہ اور طائف۔ ان میں بڑے بڑے زندہ دل اور رئیس سردار موجود

بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں ۳۲؎ اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب

ہیں۔ منصب نبوت کے لیے ان میں سے کس کو منتخب کرنا چاہیے تاکہ لوگ اس کی زبان سے نکلی ہوئی دعوت کو فوراً قبول کر لیں اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں چنانچہ ولید بن مغیرہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا لو کان ما یقوله محمد صلی الله علیه وسلم حقا لنزل علیّ او علی ابی مسعود۔ یعنی جو کچھ یہ کہتے ہیں اگر یہ حق ہوتا تو یہ مجھ پر نازل ہوتا یا طائف کے سردار ابو مسعود ثقفی پر۔

بے شک اس بار نبوت کے اٹھانے کا حوصلہ ہر کس و ناکس میں نہیں۔ بے شک کوئی عظیم انسان ہی اس امانت عظمیٰ کا متحمل ہو سکتا ہے اور اس منصب جلیل کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے لیکن اے کفار! عظمت کا جو معیار تم نے مقرر کر رکھا ہے کہ زیادہ دولت مند ہو، سونے چاندی کی بہتات ہو، خدم و حشم کا لشکر جرار اس کے ساتھ ہو، اس منصب کی اہلیت کے لیے حشمت و شان کا یہ معیار نہیں بلکہ اس کا معیار یہ ہے کہ دل ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو، کردار بے داغ اور سیرت آفتاب سے تابندہ تر ہو، عزم و حوصلہ کا یہ عالم ہو کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں تو نہ گھبرائے اور نہ پسپائی اختیار کرے بلکہ ڈٹ سکے اور ثابت قدمی کے ساتھ منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے۔ علامہ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: فان الرسالة من الله منصب عظيم لا يليق الا لعظيم ولم يعلموا انها رتبة روحانية تستدعي عظم النفس بالتحلي بالفضائل والكمالات القدسية وكمال الاستعداد للتجليات الذاتية والصفاتية لا التزخرف بالزخارف الدنيوية۔

ترجمہ: یعنی رسالت ایک منصب عظیم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جاتا ہے اور یہ کسی عظیم ہستی ہی کو سزاوار ہے۔ کفار یہ نہیں سمجھتے کہ یہ ایک روحانی رتبہ ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ نفس فضائل اور قدسی کمالات کے زیور سے آراستہ ہو اور اس میں ذاتی اور صفاتی تجلیات کو برداشت کرنے کی کامل استعداد ہو۔ دنیوی زیب و زینت اور ساز و سامان کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔

۳۲؎ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کی مخصوص اور خاص رحمت ہے۔ کیا یہ لوگ اس کی رحمت کے خزانوں کی تقسیم پر مقرر ہیں، جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ یہ ان کا کام نہیں ہے اور نہ اس بخشش و عطا میں ان کی پسند و ناپسند کا کچھ دخل ہے۔ یہ تو بہت بالا ہے۔

یہ ملک و دولت جس پر یہ پھولے نہیں سماتے اور جس کو یہ نبوت کی اہلیت کے لیے بنیادی شرط قرار دیتے ہیں یہ بھی تو ہم ہی نے ان کو حسب مصلحت عطا فرمائی ہے۔ اس عطا میں ہماری کئی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔ کسی کو غنی کر دیا، کسی کو فقیر، کسی کو جسمانی صحت و توانائی بخش دی، کسی کو فنی مہارت اور کسی کو ہنر میں کمال عطا فرمایا، کسی کو حکیم اور صاحب دانش، کسی کو سلطان بنا دیا، کسی کو ریاضی اور سائنس کے دقیق اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کی قابلیت بخش دی، کسی کو دولت دی اور کسی کو ذہن رسا اور انتظامی صلاحیتوں سے مالا مال کر دیا تاکہ دنیا کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ اگر سب سائنس دان ہی ہوتے تو تجربہ گاہوں میں تو رونق ہوتی لیکن ہل کون چلاتا اور کارخانوں میں کام کون کرتا۔ اگر سب لوگ انتظامی صلاحیت کے مالک ہوتے تو انتظام کس کا کرتے۔ اگر سارے شاعر ہوتے، خواہ وہ کتنے بلند پایہ شاعر ہوتے تو ساری دنیا مجلس مشاعرہ بن

دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا

میں تاکہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں ۲۷؎ اور آپ کے رب کی رحمت (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو

يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ

جمع کرتے ہیں ۲۸؎ اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لیے جو انکار

يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

کرتے ہیں رحمٰن کا ، ان کے مکانوں کے لیے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی)

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ

اور ان کے گھروں کے دروازے (بھی چاندی کے) اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں (وہ بھی چاندی اور سونے کے) ۲۹؎ اور یہ سب

حال لیکن کھانے پینے کے لیے من و سلویٰ کا انتظار کرنا پڑتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ سے بعض لوگوں کو بعض امور میں فضیلت دی اور بعض کو دوسرے کاموں میں فوقیت بخشی تاکہ سب ایک دوسرے سے کام لے کر اس جہان ہستی کی رونق کا باعث بنیں۔

۲۷؎ علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ لیستعمل بعضهم بعضا في مصالحهم ويتخدم فيمتهنهم ويسخرهم في اشغالهم حتى يتعايشوا ويترافدوا ويصلوا الى مرافقهم (روح المعانی) یعنی تاکہ بعض لوگ دوسروں کو اپنی مصلحت میں استعمال کریں اور مختلف چیزوں میں ان سے خدمت لیں اور مختلف کاموں میں ان سے کام اٹھائیں تاکہ مل جل کر آرام و راحت کی زندگی بسر کریں اور اپنی آسائشوں پر رسائی حاصل کریں۔

۲۸؎ اے حبیب ! تیرے رب کریم کی خصوصی رحمت یعنی منصب رسالت و ختم نبوت جس سے اس نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا بھر کے تاجروں کے خزانوں کی کیا حیثیت ؟ "رحمت ربک" کے کلمات میں کیا لطف ہے !اب تک سارے جہانوں کا جو مالک ہے اس کی شانِ ربوبیت کی جو خصوصی نسبت آپ کی ذات سے ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ آپ کا اس سے تعلق اور جو محبت دنیا کی تقسیم میں ان کا کوئی دخل نہیں ۔ تو رحمت جو رب کی خاص ہو گئی تو وہ کہاں رہا ہے جو اس کی بخشش میں ان کی رائے کو دخل ہو جاتا ہے۔

۲۹؎ ارشاد ہے کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سارے لوگ گمراہ ہو جائیں گے تو ہم کفار کو اتنی دولت دیتے ان کے اس سونے چاندی کی اتنی افراط ہوتی کہ ان کے بنگلوں کی چھتیں چاندی کی بنی ہوتیں۔ ان کے زینے، ان کے مکانوں کے دروازے اور پلنگ بھی چاندی کے بنے ہوتے اور زیب و آرائش یہاں تک ہوتی کہ ان کی چمک دمک سے بعض جاہل لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں ہم صرف ناپسندیدہ لوگوں کو ہی دیتے لیکن ایسا نہیں کیا گیا مبادا کم فہم لوگ کفار کی یہ دھج دیکھ کر ان کو ہدایت یافتہ سمجھنے لگیں اور سب انہی کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۳۵ ع

(سونے اور چاندی کی) یہ چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لیے ہے

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۳۶

اور جو شخص روگردانی کرتا ہے (خدائے) رحمان کے ذکر سے تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے ایک شیطان پس وہ (ہر وقت) اس کا ساتھی رہتا ہے

" زخرف " کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: الزخرف: الزينة المزوقة ومنه قيل للذهب زخرف یعنی وہ زینت جو رنگ برنگی نقش و نگار سے آراستہ ہو اور اسی وجہ سے سونے کو بھی زخرف کہتے ہیں کیونکہ یہ زیب و آرائش کا ذریعہ ہے۔

علامہ آلوسی: زخرفا کا عطف سقفا پر ہے اس صورت میں اس کا معنی آرائش و زینت ہوگا۔ قال الحسن ای نقوشا وتزويقا وقال ابن زيد الزخرف اثاث البيت وتجملته۔ اور اگر زخرف سے مراد سونا ہو تو پھر اس کا عطف "من فضة" پر ہوگا اور اس کی نصب محل کی وجہ سے ہوگی اور آیت کا معنی ہوگا ان کی چھتیں ان کے زینے ان کے دروازے ان کے پلنگ بعض سونے کے بنے ہوتے اور بعض چاندی کے جیسے کہ الاصل سقفا من فضة وزخرف يعنى بعضها من فضة وبعضها من ذهب ونصب عطفا على المحل (روح المعانی)

یہ سب کچھ محض چند روزہ دنیا میں کام آنے والا سامان ہے۔ اس آیت میں دنیا کے ساز و سامان کی بے مائیگی اور حقیر کو بیان کر کے تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بنانے کی رغبت دلائی جا رہی ہے۔ یہاں ایک حدیث پاک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ سہل بن سعد سے مروی ہے:

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى منها كافرا شربة ماء"

(ترمذی، ابن ماجہ) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔

ے قیامت کے دن یہ ساری سرفرازیاں اور سرخروئیاں فقط متقی لوگوں کو بخش دی جائیں گی۔

ے اس آیت کی تشریح سے پہلے چند الفاظ کی لغوی تحقیق اشد ضروری ہے۔ "یعش" علامہ زبیدی تاج العروس میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العشا مقصورا سوء البصر بالليل والنهار يكون فى الناس والدواب والابل والطير كما فى المحكم. وقال الراغب: ظلمة تعترض فى العين ... العشا ... قوله تعالى ومن يعش عن ذكر الرحمن ... [illegible]

جو انسان دن رات ... [illegible] ... راغب کہتے ہیں ... [illegible]

علامہ زبیدی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں من یعش کا معنی ... [illegible] ... اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ... [illegible]

ہوئے لکھتے ہیں ... [illegible] ... لسان العرب ... [illegible]

... [illegible] ... القرآن المشہور ... [illegible]

ہیں ... [illegible] ... اور اس آیت قرآنی میں من یعش ... قال الفراء ... ومن يعرض عن ذكر الرحمن (لسان العرب) ... [illegible]

وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ۝٣٧

اور وہ شیاطین روکتے رہتے ہیں ان (اندھوں) کو راہِ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ۳۷

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ

یہاں تک کہ جب وہ حاضر ہوگا ہمارے پاس تو (شیطان سے) کہے گا اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی۔ تو بہت برا

یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ جو رحمان کے ذکر سے منہ پھیر لے۔

سے قیض کہتے ہیں اس خول کو جو انڈے پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نقیض لہ شیطانا کا معنی ہوگا کہ ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس پر اس طرح چھا جاتا ہے اور اس کو ہر جانب سے اس طرح گھیر لیتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے رہتا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ ای نتیح لہ شیطانا یستولی علیہ استیلاء القیض علی البیض وھو القشر الاعلی۔ یعنی ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس پر اس طرح چھا جاتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے پر چھایا ہوتا ہے۔ علامہ راغب نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ای نتیح لیستولی علیہ استیلاء القیض علی البیض وھو القشر الاعلی۔ یعنی ہم اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔ ہماری توفیق اس کو نظر انداز کر دیتی ہے تاکہ اس پر شیطان یوں مسلط ہو جائے جس طرح چھلکا انڈے پر مسلط ہوتا ہے۔

ان الفاظ کی لغوی تحقیق آپ پڑھ چکے اب اس کی روشنی میں اس آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ لطف آ جائے گا۔ یعنی وہ شخص جو ذکرِ رحمن سے اندھا بن جاتا ہے یا اپنی بینائی کی کمزوری کی وجہ سے انوارِ ربانی اور تجلیاتِ رحمانی کی تاب نہ لا کر آنکھیں میچ لیتا ہے یا جو شخص ذکرِ رحمن سے منہ پھیر لیتا ہے اور دوسری لغویات میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اس کی کوتاہی کی یہ سزا دیتے ہیں کہ ہماری توفیق اس سے الگ ہو جاتی ہے اور شیطان کو اس پر یوں مسلط کر دیا جاتا ہے جس طرح انڈے کا خول انڈے کو ہر طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ وہ بدنصیب مکمل طور پر شیطان کے سامنے سپر انداز ہو جاتا ہے۔ اس کی انفرادیت شیطان کی اطاعت و رہنمائی میں کھو جاتی ہے۔ اس کے شعور و تحت الشعور پر عقل و فہم کے جتنے دیے روشن تھے بجھ جاتے ہیں۔ وہ شیطان کے پھیلائے ہوئے اندھیروں سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ اسے روشنی کی ایک کرن بھی گوارا نہیں ہوتی ہے اور شیطان کی یہ رفاقت پل دو پل کے لیے نہیں ہوتی بلکہ وہ زندگی بھر اس کا رفیق اور ساتھی رہتا ہے۔ قرین: ایسے ساتھی کو کہتے ہیں جو ہر وقت ساتھ رہے جیسے وہ رسی سے بندھا ہوا ہو۔

اب آپ اپنے ماحول کی اندھیروں کا مطالعہ کریں تب آپ کو اس آیت کی ہوبہو تصویر وہاں نظر آئے گی۔

سلام شیطان انہیں راہِ حق پر چلنے سے روک دیتے ہیں۔ انہیں فسق و فجور کا خوگر بنا دیتے ہیں۔ دنیا کی ہوس ان کے دلوں میں یوں جڑ پکڑ لیتی ہے کہ وہ ساری قوم کا خون چوسنے کے باوجود تشنہ لب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ قوم کی آزادی کا سودا کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔ ان تمام بدکاریوں کے باوجود وہ اپنے بارے میں بڑے خوش فہمی کا شکار ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں بس وہی صحیح ہے۔ جو راہ انہوں نے اختیار کی ہے وہی ہدایت کی راہ ہے۔ قوم کی ترقی و خوشحالی کے لیے جو پروگرام انہوں نے طے کر رکھا ہے اس سے بہتر سوچا ہی نہیں جا سکتا۔

الْقَرِيْنُ ۝ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ

بہت برا ساتھی ہے ۳۸ اور ہرگز نفع نہ دے گا تمہیں آج یہ (معذرت) جبکہ تم (دنیا میں) ظلم کرتے رہے کہ تم سب اس عذاب میں

مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ

حصہ دار ہو ۳۹ کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور اس کو جو

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۝ اَوْ

کھلی گمراہی میں ہے ۴۰ پس اگر ہم لے جائیں آپ کو (اس دنیا سے) تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا ہم

نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ۝ فَاسْتَمْسِكْ

آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے بے شک ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں ۴۲ پس مضبوطی سے پکڑے رہیے

۳۸ اس خوشحالی اور غرور و فریب میں زندگی کا سورج ڈوب جاتا ہے۔ موت کی تاریک شام نمودار ہوتی ہے۔ وہ بزم نشاط جو انہوں نے بڑے ارمانوں سے سجائی تھی اس سے انہیں اٹھا کر جہنم کے تنور میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ اب آنکھیں کھلتی ہیں اور سارے حسرت و ندامت کے کفِ افسوس ملتے رہ جاتے ہیں۔ بہت پچھتاتے ہیں، کف افسوس ملتے ہیں اور اپنے اس دوست کے باعث جس پر وہ جان چھڑکتے رہے اور اس کے اشارے پر ناچتے رہے اس کے باعث جب وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں گھرا ہوا پاتے ہیں تو فرطِ ندامت سے چیخ اٹھتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یالیت بینی الخ کاش ایسا ہوتا کہ اس منحوس کو نہ جانتا ہوتا۔ کاش میرے اور اس کے درمیان اتنا بعد ہوتا جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ اے بدبخت، منحوس اور بدتمیز ساتھی اللہ کرے [illegible]۔

۳۹ اب صورت حال یہ ہے کہ اظہار افسوس سب بے کار ہے تم ظلم و طغیان کرتے رہے۔ اب کس سے بچ سکتے ہو۔ تم بھی اور تمہارے ان جانی دشمنوں کو بھی اکٹھی سزا دی جائے گی اور ایک ہی جہنم کا ایندھن بنایا جائے گا۔

۴۰ اے محبوب! یہ بہرے، یہ اندھے نہ سنیں اور نہ کچھ دیکھیں، آفتاب چمکتا ہے، انہیں کیا دکھائی دے گا۔ دنیا بقعۂ نور بنی ہے ان کے دلوں میں گھپ اندھیری رات ہوگی۔ حق کی دلنواز صدا نے سوئے ہوئے بختوں کو بیدار کر دیا لیکن ان ازلی بدبختوں نے ان کو نہ سنا اور نہ ہدایت کو قبول کیا۔ آپ ان کی حرماں نصیبی پر رنجیدہ نہ ہوں۔

۴۲ ہر بدکار کو سزا ملے گی، ہر نابکار کو اپنی کشتِ عمل کا ثمر پانا پڑے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے سارے کام حکمت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس نے ہر کام کے لیے ایک مناسب وقت مقرر کر رکھا ہے۔ لوگوں کے جلدی مچانے سے وہ اپنے فیصلوں کو بدلنے کا روادار نہیں۔ تقدیم و تاخیر سے کام تنگ ظرف جلد بازی کرتا ہے جسے یہ اندیشہ ہو کہ اگر حریف اب قابو سے نکل گیا پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو ایسا کوئی خطرہ نہیں۔

بِالَّذِيٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ

اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں ۴۳ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے ۴۴

وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے اور عنقریب تم (سب) سے جواب طلبی ہوگی ۴۵ اور آپ پوچھیے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے

کسی سرکش کو کتنی ڈھیل دے اور وہ اس عرصہ میں بظاہر کتنا طاقتور ہو جائے' اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کی حیثیت ایک چیونٹی سے بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو فرما رہے ہیں کہ ان کفار کو سزا ملے گی اور ضرور ملے گی لیکن ہر شخص کو سزا دینے کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔ بعض تو آپ کے سامنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں گے اور جو بچ جائیں گے انہیں آپ کے وصال کے بعد عذاب کے شکنجہ میں کس دیا جائے گا۔

۴۳ اے میرے رسول! آپ ان کی شر انگیزیوں کا کوئی اثر قبول نہ کریں۔ جو کتاب ہدایت ہم آپ پر نازل فرما رہے ہیں، اس کو بڑی مضبوطی سے تھامے رہیں۔ بلاشبہ آپ راہ راست پر گامزن ہیں۔ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ آپ کے دین کو غلبہ نصیب ہوگا۔ آپ کا آفتاب عظمت ہمیشہ ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہے گا۔ ناکامیاں اور محرومیاں فقط ان لوگوں کا مقدر ہیں جنہوں نے تیرا دامن چھوڑ دیا۔ تیری ذات اقدس کے بغیر کسی اور کو اپنی عقیدت کا مرکز بنا لیا۔

۴۴ ذکر کا معنی یہاں شرف عظیم ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں لَشَرَفٌ اي لشرف عظيم (روح المعانی) یعنی یہ قرآن حکیم کوئی معمولی چیز نہیں، یہ ایسی نعمت عظمیٰ ہے کہ آپ کے لیے بھی یہ باعث صد عز و شرف ہے اور آپ کی امت کے لیے بھی سرمایہ افتخار و نازش ہے۔ کیا پیاری بات فرمائی۔ جس نبی کریم، رسول معظم اور حبیب محتشم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو رب العزت نے یہ لازوال تحفہ مرحمت فرمایا اس کی شان رفیع کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور جس امت کو یہ جامع نظام حیات مرحمت فرمایا گیا وہ اس پر شکر کے جتنے سجدے کرے، بجا ہے۔

۴۵ امت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واطیب التحیۃ کو ذمہ داری کا احساس دلایا جا رہا ہے' یعنی یہ نور ہدایت تمہیں اس لیے نہیں دیا گیا کہ اس سے تم صرف اپنے قلب و نگاہ کو روشن کرو بلکہ تمہارا فرض ہے کہ جہاں جہاں اندھیروں نے اپنے خیمے گاڑ رکھے ہیں' وہاں پہنچو اور اس نور سے وہاں اجالا کر دو۔ ہم تم سے اس کے بارے میں پوچھیں گے اور اچھی طرح باز پرس ہوگی۔

شومئی قسمت ملاحظہ ہو۔ آج حالت یہ ہے کہ سب سے زیادہ اندھیرا وہیں ہے جہاں حاملین قرآن کی بستیاں ہیں۔ معاشی پسماندگی، اخلاقی انحطاط اپنے عروج پر ہے۔ کہیں کہیں حسرت کدے آباد ہیں۔ اس کے برعکس جگہ جگہ غربت و افلاس کی اُداسیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کل ہم کیا منہ لے کر جائیں گے؟ ہاں ایک یہی آسرا ہے کہ ہمارا آقا دنیا والوں کے بار (گناہ) جو محبوب خدا کے پاس شفاعت کر سکتے

مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَقَدْ ع ۱۰

اپنے رسولوں سے کیا ہم نے بنائے ہیں خدائے رحمٰن کے علاوہ اور خدا تاکہ ان کی پوجا کی جائے ۳۱؎ اور ہم نے

اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ

بھیجا موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ۳۲؎ پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رب العالمین کا

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا

فرستادہ ہوں ۳۳؎ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں

نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے۔ اور ہم نے جکڑ دیا انہیں عذاب میں

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

تاکہ وہ باز آجائیں ۳۴؎ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگیے ہمارے لیے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے

خداوند عالم! تو ہی رحم فرما! اے اس کارواں کے سالار! تم ہی لاج رکھیں!

۳۱؎ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا نہیں۔ سب رسولوں سے بھی اگر آپ پوچھیں گے تو وہ اس کی تصدیق کریں گے۔

۳۲؎ اس رکوع میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے یہ تسلی دینا چاہتے ہیں کہ قوم کا یہ معاندانہ رویہ صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں پہلے بھی گمراہ اور سرکش لوگ اپنے انبیاء کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھا کرتے تھے ساتھ ہی کفار کو یہ تنبیہ کر دی کہ فرعون کے عبرتناک انجام سے پتا چلتا ہے سرکشی سے کام نہ لو اور اس نبی رحمت پر ایمان لے آؤ۔

۳۳؎ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے۔ وہاں اعیان مملکت اور سرداران قوم بھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے آپ نے جا کر اعلان کر دیا کہ میں سارے جہانوں کے مالک کا فرستادہ ہوں۔ میری بات سنو اور اپنے رب کو پہچانو اور اس کی اطاعت کرو یہ سنتے ہی ان لوگوں نے آپ کی بات کو ذرا اہمیت نہ دی الٹا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

۳۴؎ موسیٰ علیہ السلام انہیں راہ حق پر چلانے کے لیے پے در پے معجزات پیش کرتے رہے اور ہر معجزہ پہلے معجزہ سے اعلیٰ ہوتا لیکن یہ بدستور اکڑے رہے۔ ان کو سرکشی سے انہیں باز رکھنے کے لیے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کر دیا گیا تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں اور حق کو قبول کریں۔

۳۵؎ فرعون کی قوم مصائب و آلام میں گھر گئی۔ رہائی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی۔ آخر کار حضرت موسیٰ سے دعا کی درخواست

إِنَّنَا لَمُهْتَدُونَ ﴿٤٩﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿٥٠﴾

ہم ضرور ہدایت قبول کر لیں گے۔ پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَ

اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور

هَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ

یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں

هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٢﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ

اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا (تھے) (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر

کرتے ہیں لیکن اس وقت بھی اسے رسول کے الفاظ سے آپ کو خطاب نہیں کرتے بلکہ ایتھا الساحر کہہ کر آپ کو پکارتے ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ساحر ان کے نزدیک بڑا معزز اور محترم ہوا کرتا تھا۔ جو کہ وہ اشرف العلوم تصور کرتے تھے یہاں ایہا الساحر تحقیر کے لیے نہیں بلکہ احترام کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ غرور و سرکشی میں وہ اتنے بڑھ چکے تھے کہ اپنی انتہائی بے بسی کے باوجود آپ کو یا دو گر کہہ کر پکارتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام معمولی دل گردے کے آدمی نہ تھے کہ ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے آپ نے ان کی اس بدتمیزی کے باوجود دعا مانگی۔ عذاب ٹل گیا لیکن ساحروں نے حق کو قبول کرنا تھا اور نہ کیا نیز مکمل بربادی جو ان کا مقدر بن چکی تھی اس کی طرف وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے کہ ادھر سے انعامات ہوتے رہے اور ادھر سے سرکشی۔ ادھر سے پیہم عفو و درگزر، ادھر سے مسلسل کفر و طغیان۔ حتیٰ کہ جب وہ غرق ہو گئے تو ان کی اس تباہی پر کسی کو حیرت نہ ہوئی۔

لاشعے انسان کو چاہیے کہ ان آیات کو بار بار پڑھے اور ان میں غور و فکر کرے۔ ان آیات میں مادہ پرست ذہنیت کے خسیس نظریات نیز آمر اور ڈکٹیٹر کی نفسیات کی ایسی سچی تصویر پیش کی گئی ہے جو آج بھی اسی طرح حقیقت ہے جس طرح ہزاروں سال پہلے مصر کے فراعنہ کے زمانے میں ایک حقیقت تھی۔

فرعون نے جب محسوس کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اس کی قوم ان کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہے ایسا نہ ہو کہ کسی روز وہ اس کو خدا ماننے سے برملا انکار کر دیں اور اس کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔ اس نے بھرے دربار میں اپنی ساری قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا اے میری قوم! مصر کے وسیع و عریض علاقہ میں کس کی شاہی کا نقارہ بج رہا ہے اس کی نیلگوں فضاؤں میں کس کا پرچم لہرا رہا ہے۔ دریائے نیل سے نہریں کس نے نکالی ہیں اور کس کی تدبیر کا یہ کرشمہ ہے کہ ندی نالے

مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلَٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ۝ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ

سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار ؎ پس اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو ؎

ملک جہاں لوگ ایک ایک بوند پانی کے لیے ترستے تھے نہروں کا جال بچھا دیا گیا۔ تمہارے ریگزاروں میں یہ لہلہاتے ہوئے کھیت اور شاداب باغات کس کی حسن تدبیر کا ثمر ہے۔ ان نہروں کا میں مالک ہوں۔ ان میں پانی میرے حکم سے بہتا ہے۔ اے اہل مصر! یہ ایسی حقیقت ہے جس کا تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہو۔ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ میں بہتر ہوں یا یہ موسیٰ جس کی نہ تو کوئی عزت ہے اور نہ اس کی کوئی اہمیت ہے اور باتیں بھی ایسی اٹک اٹک کر کرتا ہے کہ کچھ پلے نہیں پڑتا۔ تم بتاؤ کہ تم میرے جیسے صاحب عظمت و جبروت، وسیع اختیارات کے مالک فرمانروا کے تخت و تاج کے وارث کی اطاعت کرنا پسند کرو گے یا موسیٰ جیسے فقیر کی غلامی اختیار کرتے ہو جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور اس کی ساری قوم صدیوں سے تمہاری غلام چلی آرہی ہے۔

مھین: ضعیف الحقیر۔ لا یکاد یبین اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی زبان میں لکنت تھی۔ اگرچہ دعا سے اس میں شفا ہو گئی تھی لیکن اس کا اثر ابھی کچھ باقی تھا۔ فرعون نے اس لفظ سے اسی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس کی باتیں بڑی الجھی ہوئی ہیں۔ عقل کے معیار پر پوری نہیں اترتیں۔

؎ ان کے ہاں یہ رواج تھا کہ بادشاہ جس کو وزارت و سفارت کے منصب پر فائز کرتا تو اسے خلعت فاخرہ سے نوازتا اور ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہناتا۔ اس کے خدام کا ایک دستہ بھی دیا جاتا جو اس کے آگے پیچھے موجود رہتا اور اس کے احکام بجا لاتا۔ فرعون اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم تو اگر کسی کو کسی اہم منصب پر فائز کرتے ہیں تو اسے سونے کے کنگن پہناتے ہیں۔ موسیٰ کہتا ہے کہ میں سارے جہان کے مالک کا فرستادہ ہوں۔ اگر ایسا ہے تو اس کی کلائیاں بھی سونے کے مرصع کنگنوں سے مزین ہوتیں۔ اس کے ہمراہ بھی فرشتوں کا ایک دستہ ہوتا جو ہاتھ باندھے دست بستہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا۔ اس کی کلائیاں بھی ننگی ہیں اور جیب میں کوئی پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ فرشتوں کا جھمگٹا تو بڑی بات ہے، نہ تو زادراہ ہے، سامان بھی خود اٹھا کر لاتا ہے۔ کیا خدائے قدیر اللہ تعالیٰ کا رسول اور یہ خستہ حالی! کیا تم اس کا دعویٰ تسلیم کرنے کے لیے تیار ہو؟

؎ قرآن کریم کے ان کلمات نے مطلق العنان بادشاہوں، آمروں اور ڈکٹیٹروں کی نفسیات کا پردہ چاک کر دیا۔ یعنی وہ یہ باتیں اس لیے نہیں کرتا تھا کہ وہ انہیں حقیقت اور سچ مانتا تھا یا وہ اپنی قوم کا بہی خواہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام سے اپنی قوم کو اس لیے دور رکھنا چاہتا تھا کہ وہ ان کی راہ اختیار کر کے ادبار و انحطاط کی پستیوں میں نہ گر جائیں یا ان کی خوشحالی، تنگدستی و بدحالی سے نہ بدل جائے۔ اسے محض اپنے اقتدار کی فکر تھی۔ اسے صرف اپنے تاج و تخت کی سلامتی سے مطلب تھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے، وہ ان چکنی چپڑی باتوں سے اپنی قوم کو دھوکہ دینا چاہتا تھا اور ان کو اپنی ہمدردی اور بہی خواہی کا یقین دلا کر اپنے دام فریب میں پھانسے رکھنا چاہتا تھا۔ ایسے جابر سلطانوں، ظالم ڈکٹیٹروں اور خود سر آمروں کا یہی دستور پہلے تھا، آج بھی یہی ہے اور جب تک لوگ اپنی سادہ لوحی کے باعث ایسے شاطروں اور خود سر بادشاہوں کے بچھائے ہوئے جالوں میں پھنسنے کے لیے آمادہ ہوں گے، ایسا ہوتا رہے گا

فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿٥٤﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انتَقَمْنَا

سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے ۵۴ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے

مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنَاهُمْ سَلَفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿٥٦﴾

انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا ۵۵ اور بنا دیا انہیں پیشرو اور نمونہ عبرت پچھلوں کے لیے ۵۶

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿٥٧﴾ وَ

اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور و غل مچا دیتی ہے ۵۷ اور

ابن الاعرابی فاستخف کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں فاستخف قومہ فاستجھل قومہ۔ اپنی قوم کو احمق اور جاہل بنا دیا اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے انہیں دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا۔

۵۴ فرعون کی قوم اس کے دھوکے میں آ گئی۔ انہوں نے اس ظالم کو فراموش کر دیا جو وہ ان پر توڑتا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم شخصیت ان کے بے داغ کردار اور پاکیزہ سیرت کو نظر انداز کر دیا۔ فرعون کی اطاعت کا جو بے معنی شور سے اس نے برپا کیا قرآن کریم نے ان کے اس طرز عمل کی وجہ بتا دی کہ وہ فاسق لوگ تھے۔ حق و صداقت کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔ انہیں اپنی لذت اور اپنے مفادات کا تحفظ مطلوب تھا۔ اس لیے اگر انہیں کسی ظالم کی غلامی بھی قبول کرنی پڑتی تو انہیں اپنی عزت نفس اور قومی مفادات کو بھی قربان کرنے کے لیے آمادہ تھے۔ مظلوموں کی چیخیں، بے بسوں کی آہیں ملک و قوم کی اخلاقی اور معاشی تباہی کی انہیں کوئی پروا نہیں تھی بشرطیکہ ان کی ذات محفوظ ہو اور ان کے مفادات پر کوئی آنچ نہ آئے۔ ظالم کے سامنے ڈٹ جانا، حق کی سربلندی کے لیے جان کی بازی لگا دینا، مظلوموں اور بے کسوں کی امداد کے لیے تمام مصلحتوں کو پس پشت ڈال کر میدان میں کود پڑنا فاسقوں کو زیب نہیں دیتا اور یہ ان کے بس کا روگ ہے۔ اس کے لیے تو اولوالعزم ہستیاں ہی منتخب کی جاتی ہیں۔

۵۵ حضرت ابن عباس آسفونا کا معنی کرتے ہیں اغضبونا واسخطونا: جب انہوں نے ناراض کر دیا ان لوگوں نے جو نامعقول رویہ اختیار کیا تھا وہ ان کو غضب الٰہی سے بچا نہ سکا بلکہ سب غرق کر دیئے گئے۔

۵۶ سلف کہتے ہیں پیش رو کو۔ والسلف المتقدم اور مثلا کا معنی عبرت اور پند و موعظت ہے مثلا ای عبرۃ لھم یعنی قوم فرعون کے بعد جو نسلیں آئیں ان کے لیے ان کے حالات میں پند و نصیحت اور عبرت ہے اور ان کا تذکرہ ضرب المثل کے طور پر کیا جاتا ہے۔

۵۷ اس مقام پر حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے سامنے یہ آیت پڑھی وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم (یعنی اے مشرکو! تم اور جو چیز اللہ کے سوا تم پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن ہیں)

وَقَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ

کہنے لگے کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر جھگڑنے کے لیے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی

خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيٓ

جھگڑالو۔ نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے اس پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی

اِسْرَآءِيْلَ ﴿٥٩﴾ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿٦٠﴾

اسرائیل کے لیے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بنا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے ۶۱

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ

اور بے شک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لیے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کیا کرو ۶۲ یہ سیدھا

یہ سن کر مشرکین کو بہت غصہ آیا اور ابن زبعری کہنے لگا کہ یا محمد! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا یہ خاص ہمارے اور ہمارے معبودوں ہی کے لیے ہے یا ہر امت اور ہر گروہ کے لیے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تمہارے اور تمہارے معبودوں کے لیے بھی ہے اور سب امتوں کے لیے بھی۔ اس پر اس نے کہا کہ آپ کے نزدیک عیسیٰ ابن مریم نبی ہیں اور آپ ان کی والدہ کی تعریف کرتے ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ نصاریٰ ان دونوں کو پوجتے ہیں اور حضرت عزیر اور فرشتے بھی پوجے جاتے ہیں تو اگر یہ حضرات (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں تو ہم راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود بھی ان کے ساتھ ہوں اور یہ کہہ کر کفار خوب ہنسے۔ اس پر یہ آیت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ اور یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ الخ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب ابن زبعری نے اپنے معبودوں کے لیے حضرت عیسیٰ ابن مریم کی مثال پیش کی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مجادلہ کیا کہ نصاریٰ انہیں پوجتے ہیں تو قریش اس کی بات پر خوب ہنسے (خزائن العرفان)۔ علامہ ابن منظور نے يَصِدُّوْنَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے صَدَّ يَصِدُّ صَدًّا، اِسْتَغْرَبَ ضَحِكًا کہ حیرت و تعجب کے باعث ہنسنا اور اس کا دوسرا معنی ہے ضَجَّ وَعَجَّ، مِنْهُ يَصِدُّوْنَ يَضِجُّوْنَ وَيَعِجُّوْنَ۔ شور و غل مچانا۔ وَقَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا کا مطلب یہ تھا کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہتر ہیں تو اگر (معاذ اللہ) وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بت بھی ہوا کریں۔ (خزائن العرفان)

۶۱ علامہ قرطبی اس آیت کا مفہوم یہ لکھتے ہیں وجعلنا بدلا منکم یعنی اگر ہم چاہتے تو تم کو ہلاک کر دیتے اور فرشتوں کو تمہاری جگہ آباد کر دیتے۔ تمہیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم نے تمہیں نیست و نابود نہیں کیا، الٹا تم انکار کرتے ہو۔

۶۲ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، حسن اور دیگر مفسرین کا قول یہ ہے کہ انہ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں کیونکہ

مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾ وَلَمَّا

راستہ ہے۔ تمہیں روک نہ دے کہیں شیطان اس راستہ سے بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب

جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُم بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُم

آئے عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور تاکہ میں بیان کردوں تم سے

بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللَّهَ هُوَ

کچھ وہ باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس ڈرتے رہو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو ۶۳؎ بیشک اللہ تعالیٰ ہی

آپ کا قیامت سے پہلے تشریف لانا وقوع قیامت کی شرائط میں سے ہے اس لیے جب آپ نازل ہوں گے تو لوگوں کو علم ہو جائے گا کہ اب قیامت قائم ہونے کا وقت قریب آگیا ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ ای شرط من اشراطها تعلم به فسمی الشرط علما لحصول العلم به (کشاف) یعنی وقوع قیامت کی علامتوں میں سے ایک ہیں اور اس علامت اور شرط کو علم کہا گیا کیونکہ اس سے علم حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن کے انکار کی جرأت کوئی ایماندار انسان نہیں کر سکتا۔ ان متعدد صحیح احادیث میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمایئے جسے صحیح مسلم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لینزلن عیسی ابن مریم حکما عادلا فلیکسرن الصلیب ولیقتلن الخنزیر ولیضعن الجزیۃ ولتترکن القلاص فلا یسعی علیها ولتذھبن الشحناء والتباغض والتحاسد ولیدعون الی المال فلا یقبله احد۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل کی حیثیت سے آسمان سے نازل ہوں گے صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ اٹھا لیا جائے گا اور اونٹنیوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ عداوت بغض اور حسد کا نام و نشان نہ رہے گا۔ لوگوں کو مال قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی لیکن اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ فرمایئے سورۃ الاحزاب کی آیت ۴۰ کا حاشیہ ضیاء القرآن۔

۶۳؎ عیسیٰ علیہ السلام کو جلیل القدر معجزات سے متصف کر کے بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔ اس وقت بنی اسرائیل کی حالت یہ تھی کہ مذہبی بحثیں اور مناظرے روز مرہ کا معمول تھے۔ ایک دوسرے کی تکفیر پسندیدہ مشغلہ تھا۔ دین ان کے لیے اتحاد و اتفاق کا منبع نہ رہا تھا بلکہ خلفشار و انتشار کا سبب بن گیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ میں نور حکمت لے کر آیا ہوں۔ اگر تم تعصب اور بے جا ضد کا طریقہ چھوڑ دو گے تو تمہارے بہت سارے مختلف فیہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ مناظرہ بازی کا چکر ختم ہو جائے گا۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ میری رہنمائی سے وہی فائدہ اٹھا سکے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا اور وہ میری اطاعت کرنے کے لیے تیار ہو۔

رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخْتَلَفَ

میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اسی کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے ؎ پھر اختلاف کرنے لگ گئے

الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ

(ان کے) گروہ آپس میں ؎ پس ہلاکت ہے ظالموں کے لیے دردناک عذاب کے دن

اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

سے ۔ کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا

خبر تک نہ ہو ۔ گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ الَّذِيْنَ

پرہیزگار) ہیں ؎ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم آج افسردہ ہو گے ۔ (یعنی) وہ بندے جو

؎ نیز آپ نے انہیں فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ میرا اور تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی کی عبادت کرنا ہی صراط مستقیم ہے۔ آپ نے اپنی امت کو پہلے ہی ان اختلافات پر متنبہ کر دیا جن میں وہ مبتلا ہونے والے تھے۔

؎ ان کے باہمی اختلافات کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورۃ آل عمران آیت ۵۵ نیز ضیاء القرآن سورہ مریم آیت ۳۷ ۔ جلد سوم

؎ قیامت کے دن دنیا کے سارے جگری یار اور پکے دوست، دوستیاں ختم ہو جائیں گی۔ ہر شخص یہ چاہے گا کہ اس کے حصے کا عذاب بھی اس کے دوست پر ڈال دیا جائے۔ وہ ایک دوسرے سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک دوسرے سے بیزاری کا اعلان کریں گے لیکن وہ لوگ جو پرہیزگار تھے اور محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کی دوستی تھی اس روز بھی سلامت رہے گی۔ چنانچہ امام مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یقول یوم القیامۃ این المتحابون بجلالی الیوم اظلهم فی ظلی یوم لا ظل الا ظلی یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں وہ آپس میں محبت کرنے والے، جو میرے جلال کی قسم کھاتے تھے، آج میں ان کو اپنے سائے کے نیچے جگہ دوں گا جبکہ میرے سائے کے بغیر اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ حدیث ذکر کی ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان عبدین تحابا فی اللہ عز وجل واحد فی المشرق وآخر فی المغرب لجمع اللہ بینهما یوم القیامۃ یقول هذا الذی کنت تحبه فیّ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿٦٩﴾ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ

ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے [۱] (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں

تُحْبَرُونَ ﴿٧٠﴾ يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا

خوش خوش [۲] گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام اور وہاں

مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٧١﴾ وَ

ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (نیز بتایا) تم وہاں ہمیشہ رہو گے [۳] اور

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٧٢﴾ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ

یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لیے یہاں بکثرت پھل

اگر دو بندے اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا تھا تو کیا ہے کہ میدان میں اللہ تعالیٰ ان کو اکٹھا کرے گا اور فرمائے گا کہ یہی وہ آدمی ہے جس کے ساتھ تو میرے لیے محبت کیا کرتا تھا۔ (مظہری)

[۱] یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کیا کرتے تھے، انہیں یہ شرف و اعزاز بخشا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے المرء مع من احب کہ روزِ حشر ہر آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اسے محبت تھی۔ تو فرمائیے کہ جب عشاقِ جمالِ مصطفیٰ صاحب لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنگت اور رفاقت میں ہوں گے تو پھر خوف کیسا اور حزن کیسا؟

[۲] ان خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور تمہاری بیویاں بھی۔ علامہ پانی پتی تحبرون کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای تسرون سرورا یظهر حبارہ علی وجوهکم یعنی تم اس روز اتنے خوش ہو گے کہ مسرت کی نشانیاں تمہارے شگفتہ چہروں اور چمکتی ہوئی آنکھوں سے نمایاں ہوں گی۔ تحبرون کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے۔ قال الزجاج فی قوله تعالیٰ انتم و ازواجکم تحبرون معناه تکرمون اکراما یبالغ فیه (لسان العرب) یعنی تمہیں اور تمہاری بیویوں کو بڑی شان و عزت سے جنت میں جانے کا اذن ملے گا۔

[۳] نفس جو چاہیں گے اور آنکھیں جس سے محظوظ ہوں گی، ہر شخص کو دے دیا جائے گا۔ البتہ سب نفس ایک ہی چیز کے طلب گار نہیں ہوں گے سب آنکھیں ایک جیسی چیزوں کو دیکھ کر مسرور نہیں ہوں گی۔ ہر شخص کا اپنا ذوق اور ہر شخص کی اپنی چاہت ہوگی۔

ہے تو پسند اہل جنت کو یہاں —

نگاہ اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی

كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٧٣﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿٧٤﴾

بکثرت ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے) ۷۱ بے شک مجرم عذاب جہنم میں ہمیشہ رہیں گے ۷۲

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا

نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے (یہ عذاب) اور وہ اس میں مایوس پڑے رہیں گے ۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنے آپ پر) خود ہی ظلم

هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ إِنَّكُم

ڈھانے والے تھے ۷۳ اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا تمہیں

مَّاكِثُونَ ﴿٧٧﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُم بِالْحَقِّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ ﴿٧٨﴾

یہاں ہمیشہ رہنا ہے ۷۴ بے شک ہم لے آئے تمہارے پاس دین حق لیکن تم میں سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔

حضرت ثوبان، زید ابن کعب اور ان کے ہم مشرب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ رسالت کی حاضری پر سب کچھ قربان کرنے والے ہوں گے،
بس دیدار الٰہی کی تشنگی دور ہو اور حاضر ہوں گے۔ فما تقصر التی تشتھی الوصل العریان بلا کیف مع دوام رؤیۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ
وما تحصیہ فلہ من نعم الملک تعالیٰ ما یشتھیہ۔ (مظہری) یعنی وہ صوفی جس کو اشتیاق دید الٰہی کا ہے یا جواب اس وصل کا متمنی ہے اسے یہ نعمت
بخشی جائے گی اور اس کے علاوہ دوسرے لوگوں کو جنت کی نعمتوں سے ان کی چاہت کے مطابق نوازا جائے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا
جنت میں گھوڑے ہوں گے؟ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ اونٹ ہوں گے؟ حضور نے فرمایا اگر تمہیں خدا جنت میں لے گیا تو تمہاری ہر خواہش پوری ہوگی۔ (مظہری)

۷۲ پہلے اپنے مخلص متقی بندوں پر اپنے بے پایاں انعامات اور بیش بہا احسانات کا ذکر فرمایا اب ان کے مقابل نافرمانوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے جو عمر بھر
بغض و عداوت اور سرکشی کا علم بلند کیے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی، قرآن کی، اور اس کے رسولوں کی دل آزاری ان کا شعار رہا اور ہر نیکی کی شدت سے مخالفت کرتے رہے۔
فتر کہتے ہیں جب کسی چیز کا جوش کم پڑ جائے۔ فترت عنہ الحمی اذا سکنت قلیلا۔ مبلسون: آیسون من الرحمۃ۔ (قرطبی) اس
جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے عذاب میں کمی نہیں کی جائے گی وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور وہاں سے نکلنے کی امید بھی ختم ہو جائے گی
لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ مایوس ہو جائیں گے اور سمجھ لیں گے کہ اب اس عذاب سے رہائی کی کوئی امید نہیں۔
۷۳ یعنی ان کا اپنا قصور ہے۔ ہم نے ان پر ظلم کوئی زیادتی نہیں کی۔ انہیں عقل و فہم کی نعمت بخشی۔ ان کے پاس اپنے رسول بھیجے۔ پھر انہیں
عرصہ دراز تک سوچنے اور سمجھنے کی مہلت دی۔ پھر انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے طرح طرح کے آلام و مصائب میں مبتلا کیا تاکہ
وہ سنبھلیں لیکن وہ کفر پر اڑے رہے۔ اب اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں۔
۷۴ زندگی بڑی پیاری چیز ہے۔ موت کو کوئی پسند نہیں کرتا لیکن وہ دن بھی آئے گا جب وہ جہنم سے کہیں گے کہ ہماری ساری کوشش کی

أَمْ أَبْرَمُوٓا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ ۝ أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ

ہاں اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں ۵۵ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشی

نَجْوٰىهُمْ ۚ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ۝ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

کو۔ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے ہی رہتے ہیں ۵۶ آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی

وَلَدٌ ۖ فَأَنَا أَوَّلُ الْعٰبِدِينَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ

بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا ۵۷ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور)

کوئی صورت نہیں تو اے مالک! اپنے رب سے عرض کر کہ وہ ہمیں موت دے دے، ہمارا کام تمام کر دے۔ جواب ملے گا اب موت کہاں، تم یونہی رہو گے اور انہی اذیتوں پر آتشہ ہو گے یہی تمہارا مقدر ہے اور یہی جہنم تمہارا ابدی ٹھکانہ ہے۔

۵۵ جوہری لکھتے ہیں ابرمت الشیئ: احکمتہ (صحاح) کسی چیز کو پختہ کرنا۔ کفار نے دارالندوہ میں جلسہ مشاورت منعقد کیا۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دینے پر سب متفق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے میرے محبوب کو شہید کرنے کا پختہ فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی غافل نہیں، ہم نے بھی یہ حتمی فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے محبوب کی حفاظت کریں گے۔ تم ان کا بال بھی بیکا نہ کر سکو گے اور تمہاری یہ سازشیں تمہارے لیے ہی ناکامی و نامرادی کا سبب بنیں گی۔

۵۶ کیا کفار یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ وہ چھپ چھپ کر چپکے چپکے جو منصوبے بنا رہے ہیں ان کا ہمیں علم نہیں اس لیے بالا بالا جو چاہیں گے کر گزریں گے۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں۔ اے کفار! ہمارے فرشتے تمہاری ہر محفل میں شریک ہوتے ہیں۔ جو سرگوشیاں تم کرتے ہو ہم ان کو سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے تمہاری زبان پر آنے والا ہر لفظ لکھ رہے ہیں۔ تمہاری کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں۔

۵۷ جس طرح اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کا بیٹا ہو، اسی طرح وہ اس سے بھی منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ خدا واجب الوجود ہے۔ بیٹا ہوگا بلکہ ممکن ہو جائے گا اور جو ممکن ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے خدا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے منزہ ہو۔ اس مضمون کو پہلے بھی نہایت مدلل اور موثر انداز سے کئی بار ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ مضمون ایک اچھوتے اسلوب سے بیان کیا جا رہا ہے۔

اے کفار! تم سب جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پرستار اور عبادت گزار ہوں۔ تم سب معبودانِ باطل کے آستانوں پر جبہ سا ہو۔ ایک میں ہوں کہ تمہارے طعنے سنتا ہوں، تمہاری زبان درازیاں سنتا ہوں، تمہاری ایذا رسانیاں برداشت کرتا ہوں، لیکن اس کے باوجود اپنے معبودِ برحق اور اپنے مالک و خالق کے بغیر کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ تم دیکھ رہے ہو جس کے دل میں اپنے رب کی اتنی محبت اور اتنا عشق ہو جس کی زبان اپنے مالک کی تعریف میں ہر وقت زمزمہ سنج رہتی ہو، جس کی راتیں سجدوں میں بیت جاتی ہوں، اگر اس کا کوئی بیٹا

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٨٢﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا

عرش کا رب ہر اس عیب سے جو وہ بیان کرتے ہیں ۔ پس رہنے دیجئے انہیں کہ بیہودہ باتیں کرتے رہیں اور کھیل تماشا کرتے رہیں حتی کہ

يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿٨٣﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي

ملاقات کر لیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۔ اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی

الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿٨٤﴾ وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ

خدا ہے ۔ اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے ۔ اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٥﴾

اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۔

ہوتا تو کیا میں اس کے سامنے بے ساختہ طور پر سربسجود نہ ہو جاتا ۔ میرا ایسا نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اس کی کوئی اولاد نہیں وہ اس سے پاک اور بہت پاک ہے کہ کسی کو اس کا بیٹا یا بیٹی کہا جائے ۔

یہاں شرط بھی محال ہے اور جزا بھی محال ہے اور ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا بھی محال اور بیٹا اس کی عبادت کرنا بھی محال ہے ۔

اس آیت کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہاں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا نہیں ۔ عابدین کا معنی آنفین ہے یعنی میں اس کذب و افترا کو تسلیم کرنے سے سب سے پہلے انکار کرنے والا ہوں اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوں ۔

قال الجوہری : وقال ابو عمرو قولہ فانا اول العابدین من الانف والغضب ۔ قال ابن الاعرابی فانا اول العابدین ای الغضاب الآنفین (قرطبی)

۲؎ کفار کی ان ہرزہ سرائیوں کے ذکر کے بعد اب اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا بیان ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات جو آسمانوں کا خالق بھی ہے اور مالک بھی اور زمین بنانے والا بھی اسی نے ہے اور اس میں حکم بھی اسی کا چلتا ہے ۔ عرش پر بھی اسی کی کبریائی کا پرچم لہرا رہا ہے وہ ایسی عظیم و جلیل ہستی کو اولاد کی کیا ضرورت نہیں ۔ ہر چیز اس کی محتاج ہے اور وہ صمد اور بے نیاز ہے ۔

۳؎ محبوب ! آپ انہیں نظر انداز کر دیجئے اور ان کے بارے میں فکرمند نہ ہوئیے ان میں ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ۔ اُترکھم یخوضوا فی باطلھم ویلعبوا فی دنیاھم (قرطبی) جب قیامت کا دن آئے گا تو اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی ۔

۴؎ آسمانوں میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے اور زمین میں بھی اسی کی عبادت کی جاتی ہے وہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَن شَهِدَ

اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

دیں (حق کی) اور جانتے بھی ہوں ۸۱؎ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے

فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٨٧﴾ وَقِيلِهِ يَا رَبِّ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ فَاصْفَحْ

پھر کدھر بہکائے پھرتے ہیں ۸۲؎ اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی اے میرے رب! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے ۸۳؎ پس درگزر فرمائیے

عَنْهُمْ وَقُلْ سَلَامٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

حبیب! ان سے اور فرمائیے بس سلام، عنقریب انہیں (انجام) معلوم ہو جائے گا ۸۴؎

اس کی کوئی اولاد ہے۔

۸۱؎ کفار اس گھمنڈ میں تھے کہ یہ بت اور فرشتے ان کی شفاعت کریں گے۔ بتلایا کہ ایسا نہیں ہوگا۔ ہر ایک کی مجال نہیں کہ بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے کی جرأت کر سکے اور نہ ہر شخص اس قابل ہے کہ اس کی شفاعت کی جائے۔ شفاعت کرنے کا وہ مجاز ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے اور اس کی یہ گواہی علم و یقین پر مبنی ہو۔ اسی طرح شفاعت اس کی کی جائے گی جس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہو۔ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ شفاعت صرف ان گناہگاروں کے لیے ہوگی جو ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے اور جن کا خاتمہ کفر یا شرک پر ہوگا ان کے لیے شفاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

۸۲؎ عجیب احمق لوگ ہیں، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر اس کے علاوہ دوسروں کو اپنا معبود بناتے ہیں اور اس طرح راہ حق سے دور گمراہ ہو گئے ہیں۔

۸۳؎ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کو آشکارا کر دیا، شک و شبہ کے بادل چھٹ گئے۔ قرآن کریم کے اعجاز نے ان منکرین کے چھکے چھڑا دیئے اور ان پر سکتہ طاری کر دیا۔ اس کے باوجود وہ اپنے باطل سے چمٹے رہنے پر مصر تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں عرض کی الٰہی! یہ ہیں عنادی اور ہٹ دھرم لوگ جو ایمان لاتے ہی نہیں۔ آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا ہے لیکن یہ اسے تسلیم ہی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ اس قول کی قسم کھائی جو لب مصطفیٰ علیہ افضل التحیۃ والثناء سے نکلا۔

۸۴؎ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے میرے حبیب! آپ بھی ان سے منہ پھیر لیجئے۔ اب ان سے الجھنے کی ضرورت نہیں

ان کے لیے سلامتی اور ہدایت کی دعا مانگتے رہیے۔ عنقریب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی اور حقیقت حال جان لیں گے اگر حق کو قبول نہ کیا تو اپنی سزا پائیں گے اور اگر توبہ کر لیا تو فردوس بریں کے دروازے ان پر کھول دیے جائیں گے۔

علامہ ابو حیان الاندلسی اور علامہ محمود آلوسی کی رائے یہ ہے کہ یہاں سلام تحیۃ نہیں بلکہ ان سے اپنی براءت اور قطع تعلق کے اعلان کے لیے مستعمل ہوا ہے۔ فلیس ذلک امرا بالسلام علیهم والتحیة وانما امر بالمتارکة وحاصله اذا ابیتم القبول فامری التسلم منکم (روح المعانی) علامہ ابو حیان لکھتے ہیں وعید لهم وتهدید وموادعة (بحر محیط) یعنی قل سلام میں کفار کو عذاب کی دھمکی دی جا رہی ہے اور ان سے جدائی کا اعلان ہے۔

اللّٰهم لك الحمد ولك الشكر على ما انعمت علیّ ووفقتني وعلى حبيبك وصفيك ونبينا وشفيعنا محمد وآله واصحابه افضل الصلوات واجمل التسليمات واحسن التحيات۔ ربنا اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب فاطر السموات والارض انت وليّ في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

تعارف
سُورۃ الدُّخان

نام: اس سورت کا نام الدخان ہے۔ یہ کلمہ آیت ۱۰ میں مذکور ہے۔ اسی سے اس کا نام ماخوذ ہے۔ اس میں تین رکوع، ستاون یا انسٹھ آیتیں، تین سو چھیالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو اکتیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: وہ سورتیں جن کی ابتدا حٰم سے ہوتی ہے ان سب کا زمانۂ نزول قریب قریب ہے۔ اگرچہ سال و ماہ کے تعین کے لیے ہمارے پاس کوئی قطعی دلیل نہیں، لیکن جس واقعہ کا ذکر سورۂ دخان میں ہے اس سے اس کے زمانۂ نزول کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

کفار کا عناد اور اسلام سے ان کی عداوت جب حد سے بڑھنے لگی اور انہوں نے اسلام قبول کرنے کے جرم میں نہتے اور بے کسوں پر ظلم و تشدد شروع کر دیا، سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی الٰہی! ان کو حضرت یوسف کے قحط کی طرح قحط میں مبتلا کر تاکہ دولت کا خمار ان کے دماغوں سے نکلے اور جب پے در پے فاقوں سے جان لبوں پر آئے تو شاید ان کے دل پسیج جائیں اور یہ حق کو قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کی دعا قبول فرمائی۔ مینہ برسنا بند ہو گیا۔ خشک سالی سے ہر طرف خاک اڑنے لگی۔ اشیائے خوردنی بازار میں نایاب ہو گئیں۔ وہ مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ حضور کی دعا کا اثر ہے اور جب تک حضور کے دست مبارک دعا کے لیے بارگاہ الٰہی میں نہیں اٹھیں گے، یہ بلا نہیں ٹلے گی۔ چنانچہ ان کے متکبر سرداروں کا ایک وفد جس میں ابوسفیان بھی تھا، بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا اور التجا کی کہ حضور دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمیں اس قحط سے نجات بخشے۔ ہم ضرور ایمان لائیں گے۔ سراپا رحمت و رافت نبی کے مبارک ہاتھ دعا کے لیے اٹھے، مینہ برسنا شروع ہو گیا اور قحط کی ہلاکت انگیزیوں سے انہیں نجات مل گئی۔

مضامین: اہل مکہ کی وہی دیرینہ بیماریاں ہیں ان ہی کا علاج یہاں مقصود ہے۔ قرآن کریم کو وہ کلام الٰہی ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس سلسلہ میں شکوک و شبہات کے وہ انبار لگا دیا کرتے۔ ان کے ازالہ کے لیے فرمایا یہ تو کتاب مبین ہے۔ اس کا انداز بیان، اس کے پرحکمت مضامین خود بتا رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اس کتاب کے نزول سے تم گوناگوں مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے ہو اور تمہیں نحوست نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، یہ تمہاری کم فہمی ہے۔ یہ کتاب تو یمن و برکت کا سرچشمہ ہے۔ وہ رات جس میں یہ نازل ہوئی، اس کے نزول کے باعث دوسری راتوں پر فوقیت لے گئی۔ سال کے بعد جب وہ رات لوٹ کر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آ جاتا ہے اور ان گنت گنہگاروں کو ردائے بخشش پہنا دی جاتی ہے۔

دوسرا روگ جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے، شرک تھا جس نے ان کی توانائیوں کا آخری قطرہ تک چوس لیا تھا۔ اس سورت میں اس کے علاج کی طرف توجہ مبذول کی جا رہی ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ جن بتوں اور معبودانِ باطل کو تم اپنا خدا سمجھتے ہو، جو کل تک ان گھڑے پتھر کی صورت میں کسی پہاڑ میں پڑے ہوئے تھے، تمہارے سنگتراش نے انہیں اٹھایا اپنے فن کی قوت سے اس سے ایک صورت تراش دی، تم خود ہی بتاؤ یہ بے جان پتھر بھلا کہیں تمہارے نفع و نقصان کے مالک بن سکتے ہیں۔

کفار کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی دولت اور اثر و رسوخ پر بڑے نازاں ہو اور اپنے حالات پر پوری طرح مطمئن ہو۔ تمہارا یہ خیال ہے کہ تمہیں اصلاحِ احوال کے لیے کسی نئی دعوت کو قبول کرنے کی ضرورت نہیں، تم نے زندگی بسر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ بالکل صحیح ہے، جن نظریات و افکار کی بنیادوں پر تم اپنے اعمال کی دنیا تعمیر کر رہے ہو وہ بالکل صحیح ہیں، تم نے زندگی بسر کرنے کے جو انداز اختیار کر رکھے ہیں، ان میں کسی اصلاح کی گنجائش نہیں، اس لیے تم آیاتِ الٰہی میں غور کرتے ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کی مخلصانہ کوششوں کو بار آور ہونے دیتے ہو۔ یہ گھمنڈ تمہیں مہنگا پڑے گا تم سے پہلے فرعون نے یہی روش اختیار کی تھی اور تم خوب جانتے ہو کہ اس جاہ و جلال اس کا انجام کتنا عبرتناک ہوا تھا۔

وہ لوگ قیامت کے بھی منکر تھے اور اس انکار پر انہیں شدید اصرار تھا۔ وقوعِ قیامت کی حکمت بیان فرما دی کہ اگر قیامت کے عقیدے کو خارج کر دیا جائے، تو یہ جہان ایک کھیل تماشا بن کر رہ جائے گا جس میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون نافذ ہوگا۔

سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃٌ وَّہِیَ تِسۡعٌ وَّخَمۡسُوۡنَ اٰیَۃً وَّثَلٰثُ رُکُوۡعَاتٍ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۂ دخان مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — آیات ۵۹ رکوع ۳

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا

حا میم[1] قسم ہے اس روشن کتاب کی[2]۔ بیشک ہم نے اتارا ہے اسے[3] ایک بابرکت رات میں[4] بیشک ہماری یہ شان ہے کہ ہم ڈر سنانے والے ہیں

[1] یہ بھی حروف مقطعات میں سے ہیں ان کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حٓ اور میم قیوم کی طرف اشارہ ہے۔

[2] اس کی وضاحت بھی سورۂ زخرف میں گزر چکی ہے۔

[3] یہ جواب قسم ہے۔ یعنی ہمیں اس کتاب مبین کی قسم۔ اس کتاب کو ہم نے ہی نازل فرمایا ہے۔ شیاطین، انسانوں اور جنوں میں سے کسی فرد یا ان کی تصنیف ہے اور نہ دانشوروں کے کسی بورڈ نے باہمی مشوروں سے اس کا مسودہ تیار کیا ہے۔

[4] یعنی ہم نے ہی اس کو نازل کیا ہے اور بڑی خیر و برکت والی رات میں اس کو نازل کیا ہے۔ وہ کون سی رات تھی؟ علماء کے اس میں دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ لیلۃ القدر تھی کیونکہ سورۂ قدر میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ لیکن عکرمہ اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ پندرہ شعبان کی رات تھی لیکن صحیح پہلا قول ہے۔

ویسے نصف شعبان کی رات بھی بڑی خیر و برکتوں والی رات ہے۔ اس کی فضیلت میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت لیلۃ النصف من شعبان فقوموا لیلہا وصوموا نہارہا فان اللہ تعالیٰ ینزل فیہا لغروب الشمس الی سماء الدنیا فیقول الا مستغفر فاغفر لہ۔ الا مسترزق فارزقہ۔ الا مبتلی فاعافیہ۔ الا کذا الا کذا حتی یطلع الفجر۔ ابن ماجہ وبیہقی (روح المعانی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شعبان کی پندرھویں رات ہو تو رات کو جاگا کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو جب سورج غروب ہوتا ہے اس وقت سے اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا تاکہ میں اس کو بخش دوں، ہے کوئی رزق طلب کرنے والا تاکہ میں اس کو رزق دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کو اس سے نجات دوں۔ یہ اعلان طلوع فجر تک ہوتا رہتا ہے۔

دوسری حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ کہتی ہیں کہ ایک رات میں نے حضور کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں حضور کی تلاش میں نکلی۔ میں نے حضور کو جنت البقیع میں پایا کہ آسمان کی طرف حضور نے سر اٹھایا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر حضور نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب۔ رواہ الترمذی وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر جلوہ گر ہوتا ہے اور قبیلہ کلب کی بکریوں کے جس قدر بال ہیں اتنے ہی

مُنْذِرِيْنَ ۝ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا

خبردار کرنا کہ تنبیہ شہ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا ستہ ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے ہم ہی

لوگوں کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

علمائے کرام نے اس آیت کے ضمن میں یہ بحث بھی کی ہے کہ بعض اوقات اور مقامات کو ذاتی لحاظ سے دوسروں پر فضیلت ہے یا نہیں۔ عزبن عبدالسلام کہتے ہیں کہ ذاتی طور پر کوئی فضیلت نہیں البتہ کسی خاص وقت یا مکان میں بعض اعمال کے وقوع پذیر ہونے کے باعث ان کو فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔ نیز ان کی نسبت کسی مقدس شخصیت کی طرف ہو جائے تو اس کے باعث وہ وقت اور وہ جگہ مشرف و محترم ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر علامہ آلوسی لکھتے ہیں البقعۃ التی ضمت حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فانہا افضل البقاع الارضیۃ والسماویۃ حتی قیل وبہ اقول انہا افضل من العرش (روح المعانی)

ترجمہ: وہ جگہ جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استراحت فرما ہیں وہ زمین و آسمان کے تمام مقامات سے افضل ہے۔ یہاں تک کہا گیا ہے اور میرا مذہب بھی یہی ہے کہ وہ جگہ عرش سے بھی افضل ہے۔ اصحاب طریقت و معرفت فرماتے ہیں اشتد اللیالی برکۃ وقدرا لیلۃ یکون العبد فیہا حاضر القلب مشاھد الرب یتنعم فیہا بانوار الوصل۔ یعنی وہ رات برکت اور منزلت کے اعتبار سے بہت بڑی ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے حاضر ہوتا ہے اپنے رب کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے اور نور وصال سے لذت حاصل کرتا ہے۔

شہ نزول کتاب کی حکمت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی ہماری شان یہ ہے کہ ہم آنے والے مصائب و آلام سے بروقت آگاہ کر دیا کرتے ہیں تاکہ جو ان سے بچنا چاہے وہ اپنا بچاؤ کر لے۔ والمعنی انا انزلناہ لان من شاننا الانذار والتحذیر من العقاب (کشاف)

سہ امام لغت جوہری نے فرق یفرق کا معنی بَیَّنَ کیا ہے یعنی کسی چیز کو واضح کر دینا (صحاح) صاحب تاج العروس نے اس معنی کے علاوہ دوسرا معنی یقضی کیا ہے یعنی فیصلہ کرنا (تاج العروس) حکیم، ذو الحکمۃ او ھو المحکم ای الذی لا اختلاف فیہ ولا اضطراب (لسان العرب) حکیم کے دو معنی ہیں حکمت والا اور پختہ جس میں کوئی اختلاف نہ ہو۔

بتایا جا رہا ہے کہ اس بابرکت رات میں وہ فیصلے جو عالم تکوین میں مختلف فرائض کی انجام دہی کے لیے متعین ہیں سال بھر کے لیے ان کو ان کے متعلقہ فرائض کے بارے میں تفصیل سے بتایا جاتا ہے اور اگر یفرق بمعنی یقضی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ آنے والے امور کے متعلق اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔ امر حکیم سے مراد یہ ہے کہ ایسا کام جو سراسر حکمت ہی حکمت ہو یا حکیم سے مراد محکم ہے یعنی جو فیصلہ کرتا ہے اس میں کسی طرح کا تغیر ممکن نہیں۔

شہ یعنی یہ فیصلے میری بارگاہ اقدس و جلالت سے صادر ہوتے ہیں اور جو فیصلہ ہماری بارگاہ سے صادر ہوگا یقیناً وہ خیر و برکت کا حامل ہوگا، عدل و احسان کا آئینہ دار ہوگا۔ اس مبارک رات میں جو فیصلے کیے جاتے ہیں ان کی عظمت شان کے اظہار کے لیے امرا من عندنا کے الفاظ ذکر کیے گئے۔ امام رازی نے امرا کے منصوب ہونے کی وجوہ جو ذکر فرمائی ہیں ان میں سے ایک نصب علی

مُرْسِلِيْنَ ۝ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبِّ السَّمٰوٰتِ

(کیونکہ) ہم رسول بھیجنے والے ہیں۔ (یہ) رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے، بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ جو رب ہے آسمانوں

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ

اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

وقف لازم

الاختصاص کہ خصوصیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ ہمارا یہ حال ہے اس کا ذوالحال انزلناہ کی ضمیر فاعل ہوگی۔ یا ضمیر مفعول۔

۹ ہم قرآن کریم کو نازل کرنے والے اور صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مبعوث فرمانے والے ہیں۔ قرآن جیسی کتاب مبین کا نزول اور آپ جیسے رسول مکرم کی بعثت آپ کے رب کریم کی رحمت بے پایاں ہے۔ آپ کے رب کی رحمت کا اثر یہ حال ہے کہ وہ حکیم اور علیم ہے کہ [illegible] کے تمام وسائل مہیا فرماتا ہے۔ اس سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جہالت اور ہوس کے تند و تیز طوفانوں کے حوالے کر دے اور ان کی دستگیری نہ کرے۔ انہیں گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دے اور ان کی ہدایت نہ کرے۔

۱۰ وہ اپنی مخلوق کی التجاؤں کو سنتا بھی ہے اور انہیں قبول بھی فرماتا ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی ہر طرح کی ضروریات سے باخبر ہے انسان کے دل کے احساسات و جذبات کو بخوبی جانتا ہے۔

۱۱ اس آیت سے جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا پتہ چلتا ہے جس کی وسعتیں بلندیوں اور پستیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہیں اور جس کی [illegible] وہاں قرآن کی رفعت شان اور رسالت مصطفیٰ کا لزوم بھی حاصل ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا کہ جب ہر چیز کا پروردگار وہ ہے تو حکم بھی اسی کا نافذ ہوگا۔ کسی بندے کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ چون و چرا کرے۔ ان کنتم موقنین سے کفار کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ زبان سے تو تم بھی اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر تمہارے دل بھی اس کو مانتے ہیں اور تمہیں یقین ہے تو پھر اس کتاب اور صاحب کتاب کی اطاعت سے سرتابی و انحراف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ رب ماننا اور اس کا حکم نہ ماننا کہاں تک درست ہے اور اس کے بھیجے ہوئے رسول سے مخاصمت کرنا یہ حماقت نہیں تو کیا ہے۔

۱۲ یہ حقیقت جب روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ بلندیوں اور پستیوں میں جو کچھ ہے اس کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں۔ اس کا ہر فیصلہ اس کی رحمت کا مظہر ہے۔ اب اس حقیقت سے انکار بڑے درجے کی حماقت ہے کہ لا الٰہ الا ھو۔ بے شک صرف وہی معبود ہے، وہی اس کا سزاوار ہے کہ اس کی بندگی اور عبادت کی جائے۔ زندہ کرنا اور مارنا اسی کی شان ہے۔ [illegible] تمہارا خالق و مالک بھی وہی ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی۔ [illegible] کسی کی طرف [illegible] نسبت [illegible] جاہل آباؤ اجداد کے [illegible] ان کا خالق اور مالک بھی وہی ہے۔ ایسے اکمل اور ذوالجلال والاکرام رب پر ایمان نہ لانا بڑی نادانی ہے۔

رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ ﴿٩﴾ فَارْتَقِبْ

تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ ۱۱؎ پس آپ انتظار کریں

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ ﴿١٠﴾ يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں۔ جو چھا جائے گا لوگوں پر۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ

(اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب! دور کر دے ہم سے یہ عذاب۔ ہم (اب) ایمان لاتے ہیں۔ ۱۲؎ ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان

۱۱؎ یہ لوگ درحقیقت نورِ یقین سے محروم ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ خالق اللہ تعالیٰ ہے، ان کے دل کی آواز نہیں۔ حالات کی سنگینیاں جب انہیں اپنے شکنجے میں لے لیتی ہیں، اس وقت وہ اپنے معبودانِ باطل کو بے بس پاتے ہیں تو مجبوراً مان لیتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے اور جب حالات کی شدت میں تخفیف ہونے لگتی ہے تو پھر وہ اپنے پرانے کفر کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ شک کی وادیوں میں بھٹکتے ہوئے ہیں۔ زندگی کو انہوں نے ایک دل لگی بنا رکھا ہے۔ جسم و نفس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو پھر انہیں کسی اور چیز سے سروکار نہیں۔ خدا کو ماننا یا نہ ماننا ان کے نزدیک کوئی اتنی اہم بات نہیں۔ ان کی ساری توجہ اور ساری کوششیں ایک نقطہ پر مرکوز ہیں اور وہ ہے ان کی معاشی خوشحالی۔ اس کے علاوہ تمام چیزیں کھیل اور مذاق ہیں۔

۱۲؎ انہیں اپنی دولت و ثروت پر بڑا ناز ہے۔ ان کے تجارتی کارواں بلا روک ٹوک سفر کرتے ہیں۔ اس خوشحالی نے انہیں مغرور بنا دیا ہے۔ وہ حق کی آواز کو توجہ سے سنتے ہی نہیں۔ قرآن کریم کی آیاتِ بینات میں غور و فکر کرنے کی ضرورت انہوں نے کبھی محسوس ہی نہیں کی۔ اے محبوب! آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ ہم انہیں قحط سالی کے شکنجہ میں یوں کس دیں گے کہ انہیں ہر چیز کا دھواں دھواں نظر آنے لگے گا۔ نہ بادل گھر کر آئیں گے نہ مینہ برسے گا۔ ان کے مرغزاروں میں لہلہاتے کھیت برباد ہو جائیں گے۔ ان کے کھیت اور چراگاہیں ویران ہو جائیں گی، ہر طرف خاک اڑنے لگے گی، ساری فضا گرد آلود ہو جائے گی۔ یوں محسوس ہوگا کہ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا ہے۔ یا بھوک کی وجہ سے اتنی نقاہت ہو جائے گی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جائے گا اور یوں محسوس ہوگا جیسے ہر چیز دھوئیں میں چھپ گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اہلِ مکہ اور گرد و نواح میں بسنے والوں کو قحط نے آ لیا۔ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ مردار اور ہڈیاں کھا کر وقت گزارنے لگے۔ اپنے چھوٹے بڑے سب بتوں کے سامنے بڑی دردناک التجائیں کیں لیکن سب بے سود۔ آخر ابوسفیان بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ یہ خیال فرماتے ہیں کہ آپ کو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ آپ کی قوم بھوک سے ہلاک ہو گئی ہے۔ آپ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے ہمیں نجات بخشے۔ فدعا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسقوا الغیث۔ چنانچہ حضور نے دعا فرمائی اور بارش برسنے لگی۔

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾ اِنَّا

کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے دیوانہ ہے ۱۲ ہم

كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿١٥﴾ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ

دور کرنے والے ہیں عذاب کو تھوڑی مدت کے لیے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے

الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ

(اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے رہے ہوں گے ۱۳ اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس

یہ آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں قحط شدید کی آمد کی اطلاع دی گئی پھر اس قحط سے بے بس ہو کر مشرکین کے وفد میں جو تبدیلی آئی تھی اس کا ذکر کیا گیا۔ اَنّٰی لَهُمُ سے بتایا گیا کہ ان کا یہ کہنا (انا مؤمنون) محض وقتی مجبوری کے باعث تھا ورنہ جب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات اور روشن معجزات کے باوجود ایمان قبول نہیں کیا تو اب اتنی سی بات سے وہ ہدایت کیسے قبول کر سکتے ہیں۔ انا کاشفوا الخ سے بتا دیا گیا کہ اس سے وہ عذاب ایک عرصہ کے لیے ٹال دیا جائے گا لیکن وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آئیں گے۔

آیات کی یہ تفسیر جو بخاری سے منقول ہے اس کو ان احادیث سے متعارض کہنا جن میں دخان علامات قیامت کے ضمن میں مذکور ہے قطعاً درست نہیں۔ بے شک قیامت سے پہلے بھی دھواں ظاہر ہوگا جیسے حدیث میں مذکور ہے۔ وہ دھواں علامات قیامت میں سے ہوگا اور یہ الگ واقعہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہے۔ اس لیے قطعاً کوئی تعارض نہیں جیسے بعض حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

۱۲ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کے روشن معجزات اور کمالات دیکھ کر بھی نصیحت قبول نہیں کی اور حق سے منہ موڑ لیا اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے لگے۔ کوئی کہتا کہ کسی سے سن کر یہ باتیں سکھاتی ہیں، کوئی کہتا نہیں، دماغ چل گیا ہے اسی لیے ایسی ان ہونی باتیں کرتا ہے کہ کوئی عقل مند انہیں مان نہیں سکتا یقیناً انہیں جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ قال بعضهم معلم وقال بعضهم مجنون۔ (مظہری)

۱۳ جب پہلے عذاب کا کوڑا ان کی پیٹھ پر لگا تو بلبلا اٹھے منتیں کرنے لگے کہ اگر یہ عذاب ایک مرتبہ ٹل گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ ہمیں علم ہے کہ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی کج روی سے باز نہیں آئیں گے۔ پھر بھی ہم کچھ مدت کے لیے ان سے عذاب ٹال دیتے ہیں اور اس طرح سے انہیں بتا دیتے ہیں کہ تم دوبارہ کفر کرنے لگو گے۔ البتہ جس روز ہم تمہیں گرفت میں پکڑیں گے تو بدلہ لے کر چھوڑیں گے۔ اس دن سے مراد بدر کا دن بھی ہو سکتا ہے اور قیامت کا دن بھی۔

رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ ؕ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۸﴾ وَّ

معزز رسول ۱۷ (اس نے فرمایا تھا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لیے معتبر رسول ہوں ۱۸ اور

اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۚ۱۹﴾ وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ

نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں ۱۹ میں لے آیا ہوں تمہارے پاس اپنی رسالت کی روشن دلیل ۲۰ اور میں نے پناہ لے لی ہے

۱۷ مشرکین مکہ کے معاندانہ رویہ کے ذکر کے بعد اب فرعون اور اس کی قوم کے حالات بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ اہل مکہ فرعونیوں کے حسرتناک انجام سے عبرت حاصل کریں۔ "فتنا" کا معنی آزمانا ہے۔ یہاں ان کی آزمائش کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت موسیٰ کو بھیج فرمایا۔ پس دیکھنا یہ ہے کہ وہ ان کے باطل عقائد و نظریات پر تنقید کیا ان کی سیاسی دھاندلیوں پر انہیں ٹوکا۔ وہ جن اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے تھے ان سے باہر نکلنے کی انہیں دعوت دی اور اپنی صداقت کو عیاں کرنے کے لیے بڑے بڑے معجزات دکھائے۔ اس کے باوجود وہ لوگ اپنی مصلحتوں اور سیاسی مفادات کے باعث حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں یا ان کی آزمائش تھی۔ رسول کریم وہ رسول جو بارگاہ رب العزت میں بڑی قدر و منزلت ہے نیز اپنے اخلاق حسنہ اور اطوار جمیلہ کے باعث لوگوں کی نگاہوں میں بڑی عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔

۱۸ فرعون اور اس کی قوم قبطی تھے۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن کنعان تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں یہ کنعان سے نکل کر مصر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ یہاں رہتے انہیں صدیاں بیت گئیں۔ چونکہ وہ صاحب علم اور محنت و جفاکشی کے باعث انہوں نے مصر میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ ان کی خوشحالی کے باعث مصری ان سے حسد کرنے لگے۔ قبطیوں نے قومی عصبیت کے جذبہ کو ہوا دے کر ان کے خلاف ایک منظم محاذ قائم کر لیا۔ حکومت کو بھی ان کے خلاف اکسایا جانے لگا۔ حکومت کا اقتدار قبطیوں کے ہاتھ میں تھا۔ کیونکہ ان کے ہاتھ میں شہریت کے حقوق سے محروم کر کے غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا اور ہر طرح طرح کے مظالم ان پر ڈھائے جانے لگے۔ بات بات پر انہیں سزائیں دی جاتیں۔ ان سے جبراً مشقت کے ایسے کام لیے جاتے جو بہت ہی ذلت آمیز ہوتے۔ اس کے علاوہ فرعون اپنی بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتے۔ ان کی بڑی مدت ان کی حقیقی بانیاں کی منزلوں کو گرا دیا جاتا۔ مصر میں کسی لڑکے کی پیدائش پر قتل عام کیا جاتا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان مظلوموں کی فریاد سنی اور ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف رسالت سے مشرف کر کے فرعون کی طرف بھیجا کہ آپ اس کو توحید کی دعوت دیں اور اس سے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا مطالبہ بھی کریں۔ آپ نے سب سے بڑا مطالبہ یہ کیا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جن کو تم نے مدت سے اپنا غلام بنا رکھا ہے اور ان کا استحصال کر رہے ہو اور ان کو ہر قسم کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ اب تم ان سے باز آجاؤ اور ان کو میرے حوالے کر دو اور میری بات کو یقیناً بجا سمجھو کیونکہ میں رب العالمین کے مقرر کیے ہوئے رسول ہوں جس کی ایک جگہ آیت میں ہے۔ اسلامی نظام میں اس پر کافی اشکال آیا ہے۔

۱۹ یہاں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی سے باز آ جاؤ کیونکہ تمہاری خود سرانہ کا جذبہ لیا جاتا ہے اس کو کمال نہ کرو۔ بندہ کو بندگی ہی زیب دیتی ہے۔ بندہ اگر خدا بننے لگے تو خود بھی برباد ہو گا اور اپنے ماننے والوں کو بھی تباہ کرے گا۔

۲۰ میرا دعویٰ رسالت بے دلیل نہیں۔ میں اپنی صداقت کے روشن معجزات لے کر تمہارے پاس آیا ہوں کہ ان کا انکار ممکن نہیں۔

بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اپنے رب کی اور تمہارے رب کی اس سے کہ تم مجھ پر پتھراؤ کرو ۲۰ اور اگر تم ایمان نہیں لاتے میری بات پر تو مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ ۲۱

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ

پھر (موسیٰ نے) اپنے رب کو پکارا کہ بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں ۲۲ (حکم ملا) لے جاؤ میرے بندوں کو راتوں رات۔ تمہارا تعاقب کیا

مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَمْ تَرَكُوْا

جائے گا ۲۳ اور چھوڑ دو سمندر کو تھما ہوا۔ بیشک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا ۲۴ کتنے وہ چھوڑ گئے

۲۰؎ فرعون اور اس کی قوم موسیٰ علیہ السلام کی جرأت اور بیباکی پر سیخ پا ہو گئی اور لگے آپ کو دھمکیاں دینے جیسے ہوش باختہ اہل اقتدار کا شیوہ ہوتا ہے۔ آپ نے ان کی اس بوکھلاہٹ پر بڑے وقار اور تمکنت سے فرمایا تم شاید مجھ پر گرم ہو رہے ہو اور دھمکیاں دے رہے ہو تم میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے تم جانتے ہو کہ مجھے کس قادر و توانا کی پناہ حاصل ہے۔ کان کھول کر سن لو میں اس کی پناہ میں ہوں جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ اگر مجھ پر ہاتھ اٹھایا تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ تَرْجُمُوْنِ سے مراد پتھر برسانا بھی ہے اور بدکلامی کرنا بھی۔

۲۱؎ بہتر تو یہ ہے کہ تم میری بات مان لو اور ایمان لے آؤ اسی میں تمہارا بھلا ہے اور دارین کی سلامتی ہے لیکن اگر تمہاری بدنصیبی تمہیں راہ ہدایت پر گامزن ہونے کی اجازت نہیں دیتی اور تم اپنی بدمستیوں ہی میں گم رہنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔ میں نے نصیحت و خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ البتہ ایک بات سن لو میرے راستہ سے ہٹ جاؤ، مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ میرے فرض کی ادائیگی میں حائل نہ ہو ورنہ اس کا انجام بڑا دردناک ہو گا۔ فَاعْتَزِلُوْنِ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: دعونی کفافا لا لی ولا علی وخلوا سبیلی وکفوا عن اذای۔ یعنی میرا راستہ چھوڑ دو اور مجھے اذیت پہنچانے سے باز رہو۔

۲۲؎ جب وعظ و تبلیغ کرتے کرتے عرصہ دراز گزر گیا، بڑے بڑے معجزات دکھائے گئے لیکن وہ متاثر نہ ہوئے بلکہ ان کے ظلم و ستم میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو کلیم نے اپنے رب کریم کے حضور عرض حال کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ الٰہی! میں نے ان کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن یہ لوگ جرائم کے خوگر ہو گئے ہیں۔ یہ باز نہیں آتے اب تو ہی ان سے سمجھ۔

۲۳؎ حکم ہوا میرے بندوں کو راتوں رات لے کر روانہ ہو جائیں لیکن یہ خیال رہے کہ فرعونی آپ کا تعاقب کریں گے۔ رات کو سفر کرنے کی دو حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ تاکہ گھر سے نکلتے وقت پکڑے نہ جائیں۔ یا دن کو گرمی میں سفر دشوار ہوتا ہے۔ اس لیے ٹھنڈے ٹھنڈے رات کو سفر کریں تاکہ سورج طلوع ہونے سے پہلے اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔

۲۴؎ موسیٰ علیہ السلام جب سمندر سے بخیر و عافیت پار ہو گئے تو آپ نے چاہا کہ عصا مار کر سمندر کو اپنی پہلی حالت پر لوٹا دیا جائے۔ فرعون اور اس کا لشکر جو پیچھا کرتا چلا آ رہا ہے انہی راستوں سے سمندر کو عبور کر کے ہمیں پکڑ لے۔ حکم ہوا موسیٰ! سمندر کو یونہی رہنے دو اور تم

مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٢٥﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿٢٦﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا

بہت سے باغات اور چشمے۔ اور سرسبز کھیتیاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سا سامان عیش و عشرت جس میں وہ

فٰكِهِيْنَ ﴿٢٧﴾ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿٢٨﴾ فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ

عیش کیا کرتے تھے ۲۵؎ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔ پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان

وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ

اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔ اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو

الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿٣٠﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

رسوا کن عذاب سے ۲۶؎ (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے، بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰي عِلْمٍ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ

اور ہم نے چن لیا تھا بنی اسرائیل کو (ان کے حالات) جاننے کے باوجود سارے جہان والوں پر ۲۷؎ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں

کہ وہ دالوں میں سے ایک بھی کوئی کر نہیں بچ سکے گا ہم سب کو غرق کر دیں گے۔ قال الحسن والربیع البصرۃ فاسکنوا وسکنوا عبرات انتِ البصر ... کھتے ہیں کہ رھو کا معنی سکون نہیں بلکہ اس کشادہ راستے کو کہتے ہیں جو دو چیزوں کے درمیان ہو۔ یہ قول ابی عبیدہ الرھو المکان بینہما ... متفرقین اشتین ...

۲۵؎ کتنا عبرت انگیز منظر ہے اور حسرت مآل کہ صاحب دل کے لیے کیا درس ہے۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے دم قدم سے ہی بزم ہستی کی رونق ہے اگر وہ نہ ہوں تو گلشن عالم میں خزاں آجائے۔ نہ کوئی گل کھلے نہ کوئی غنچہ چٹکے نہ کوئی عندلیب نغمہ سرا ہو بلکہ کائنات کے سارے چراغ گل ہو جائیں ہر سو ویرانی ہی ویرانی ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ ان کی خوش فہمی تھی کہ وہ اپنے آپ کو اتنا اہم سمجھتے تھے۔ جب اللہ کا عذاب آیا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے تو ان کی تباہی پر کوئی دل نہ تڑپا، کوئی آنکھ اشکبار نہ ہوئی اور کسی نے دو آنسو نہ بہائے بلکہ ان کی رعونت اور ان کی اکڑ سے تنگ آئے ہوئے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا کہ اچھا ہوا کہ ان کے ظلم سے چھٹکارا ملا۔ وہ ان کی کوششوں کو پامال کرنے کی کوششیں کرتے رہے لیکن ان کو مٹانے اور ان کو ذلیل کرنے کی انہیں توفیق نہ ہوئی نصیب نہ ہوئی۔ کیا ان کو یاد کرنے والا کوئی ہے اور ان کے فراق میں آنسو بہانے والے آگئے ہیں؟

۲۶؎ غلامی کو عذاب مہین کہا گیا ہے یعنی رسوا کن عذاب۔ بے شک کسی قوم کے لیے اس سے بڑا عذاب تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی آزادی اس سے سلب کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ہر عذاب سے خصوصاً کفار و مشرکین کی غلامی سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین!

۲۷؎ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جملہ اقوام عالم سے چن لیا اور دعوت حق کا شرف انہیں ارزانی فرمایا یہ سب کچھ باوجود یہ تھا

مَا فِيهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ﴿٣٤﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا مَوْتَتُنَا

جن میں صریح آزمائش تھی ۳۳ بے شک یہ (کفار مکہ) یہی کہتے ہیں ۳۴ نہیں ہے (یہ) مگر ہماری یہی

الْأُولٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنشَرِينَ ﴿٣٥﴾ فَأْتُوا بِآبَآئِنَآ إِن كُنتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٣٦﴾

پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا ۳۵ بھلا لے آؤ ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر کے) اگر تم سچے ہو ۳۶

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے ان کو اس منصب جلیل کے لیے منتخب فرمایا کیونکہ اس زمانہ میں جتنی قومیں تھیں ان سب سے اس بار امانت کو اٹھانے کی اہلیت صرف بنی اسرائیل میں تھی۔

۳۳ ان کے دلوں کو نور یقین سے منور کرنے کے لیے انہیں بے شمار معجزات دکھائے گئے در حقیقت یہ ان کا امتحان تھا، یہ ان کی آزمائش تھی کہ آیا وہ اس اعزاز کا حق رکھتے ہیں جو انہیں بخشا گیا ہے یا نہیں۔

۳۴ پہلے گفتگو کفار مکہ سے ہو رہی تھی اور ان کو کفر سے باز آنے کی تلقین کی جا رہی تھی، لیکن جب ان کی ضد میں کوئی فرق نہ آیا تو ان کو سمجھانے کے لیے فرعون اور اس کی قوم کا ذکر کر دیا۔ بتایا کہ ان کی روش بھی ہٹ دھرمی اور تعصب کی تھی جس طرح تمہاری ہے لیکن ان کی جاہ و حشمت اور حکومت و سلطنت سے تم کو تو ذرہ بھر بھی نسبت نہیں۔ وہ بہت بڑی سلطنت کے مالک تھے، ان کے محلات سونے چاندی سے بھرے تھے، ان کے پاس بے حد و حساب زرخیز زرعی زمینیں تھیں جن کو دریائے نیل سے نکلی ہوئی نہریں سیراب کرتی تھیں۔ جب انہوں نے قبول حق سے انکار کر دیا تو یہ ساری جاہ و حشمت ان کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا۔ تم خود سوچو کہ تم میں یہ طاقت ہے کہ غضب الٰہی کا مقابلہ کر سکو۔

اس ضمنی بحث کے بعد اب پھر گفتگو اہل مکہ کے بارے میں ہو رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمیں خواہ مخواہ قیامت اور عذاب جہنم سے ڈراتے رہتے ہیں۔ پہلی دفعہ جب ہم موت کا پیالہ پی لیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اس کے بعد کوئی زندگی ہے نہ کوئی حشر و نشر۔

الموتۃ الاولیٰ سے مراد پہلی موت۔ پہلی موت کے لیے ضروری نہیں کہ کوئی دوسری موت بھی ہو۔ قال الالوسی فی التمہید الاول لغۃ ابتداء الشیء ثم قد یکون لہ ثان وقد لا یکون۔ آلوسی اپنی کتاب التمہید میں کہتے ہیں کہ لغت میں اول شے کی ابتدا کو کہتے ہیں۔ کبھی اس کے بعد دوسرا ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

۳۶ ذکر قیامت پر ان کے سامنے جیسے دلائل پیش کیے گئے۔ وہ ان دلائل کا توڑ نہ کر سکتے تو کہتے کہ ہم تمہاری اس بات کو تب تسلیم کریں گے جب تم ہماری مطلوبہ دلیل پیش کرو۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد جو مر چکے ہیں تم ان کو زندہ کر دو ہم مان لیں گے کہ ہم بھی زندہ ہوں گے اور قیامت بھی قائم ہو گی۔ ان کا یہ مطالبہ سراسر ناحق تھا۔ بھلا ان سے کس نے یہ کہا تھا کہ وہ اسی دنیا میں مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ أَهْلَكْنَاهُمْ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا

والے لوگوں کا انجام سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ہم نے انہیں برباد کر دیا بیشک وہ

لفظ تبع: جس طرح ایران کے بادشاہ کو کسریٰ اور چین کے سلطان کو خاقان کہا جاتا تھا اسی طرح یمن اور حضرموت کے فرمانروا کا لقب تبع ہوتا تھا۔ یہ علاقہ اس وقت آبپاشی کے ترقی یافتہ نظام کے باعث بڑا زرخیز اور آباد تھا۔ یہاں کے لوگ متمول اور خوشحال تھے۔ یہاں کے سلاطین کے خزانے بھرے رہتے تھے۔ ان کی شوکت اور سطوت کے باعث ان کے ہمعصر سلاطین اور ملوک میں ان کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور سب ان سے خائف رہا کرتے تھے۔

اہل مکہ کو کہا جا رہا ہے کہ تم اتنے بدمست کیوں بنے پھرتے ہو۔ تمہاری تو بساط ہی کیا ہے۔ تبع کی قوم تم سے کہیں زیادہ دولت مند اور طاقتور تھی، انہیں زندگی کی جو راحتیں اور سہولتیں میسر تھیں تمہیں تو ان کا عشر عشیر بھی نصیب نہیں۔ ان کی عظمت و شوکت کے افسانے خود تمہارے ہاں زبان زد خاص و عام ہیں۔ تمہیں خوب علم ہے کہ جب انہوں نے راہ راست سے منہ موڑا اور ہماری نافرمانی اور بغاوت پر آمادہ ہو گئے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔ بلکہ تم سے پہلے جتنی قومیں گزری ہیں انہوں نے جب سرکشی کو اپنا شیوہ بنا لیا تو ان کو اسی حسرت ناک انجام سے دوچار ہونا پڑا۔ اب ذرا یہ بتاؤ کہ تم کس بل بوتے پر ہمارے رسول کی عداوت پر کمربستہ ہو اور ہماری آیات کو جھٹلاتے ہو۔ کیا کبھی تم نے اس بات پر غور کیا کہ تمہاری اس روش کا انجام کس قدر خوفناک ہے۔ ہوش میں آؤ! عقل سے کام لو!

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس خاندان میں سے ایک تبع مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ اس کا نام ابوکرب بتایا جاتا ہے۔ اسی نے سب سے پہلے خانہ کعبہ پر قیمتی غلاف چڑھایا۔ جب اس کا گزر مدینہ طیبہ کے مقام سے ہوا تو اس کے لشکر کے علماء نے اسے بتایا کہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ اس فضا میں اسے ایک کشش اور روحانی جاذبیت محسوس ہوئی تو اس نے حضور کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا اور یہ التجا کی کہ میرا ایمان قبول ہو اور روز قیامت مجھے اپنی شفاعت سے محروم نہ کیا جائے۔ علامہ قرطبی اور دیگر علماء تفسیر نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ علامہ قرطبی نے وہ خط تحریر کیا ہے جس میں تبع نے اپنے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"فان لم ادرکک فاشفع لی ولا تنسنی یوم القیامۃ فانی من امتک الاولین الخ۔"

ترجمہ: اگر میں اس حیات مستعار میں حضور کی زیارت سے بہرہ مند نہ ہو سکوں تو میری شفاعت فرمانا اور قیامت کے دن مجھے فراموش نہ کیجئے کیونکہ میں آپ کے ان امتیوں میں سے ہوں جو پہلے گزرے ہیں۔"

اس کے ہمراہ علماء بھی تھے۔ ان میں سے ایک جماعت نے اسی جگہ اقامت کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے ان کی رہائش کے لیے مکانات تعمیر کرائے۔ ان کو زندگی کی ضروریات فراہم کیں اور ان میں جو سب سے بڑا عالم تھا اپنا مکتوب اس کے حوالے کیا اور اسے وصیت کی کہ اگر تجھے زیارت نصیب ہو تو میرا عریضہ پیش خدمت کرنا۔ ورنہ اپنی اولاد کو ہدایت کر کے جانا کہ جس کو یہ سعادت نصیب

مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا

مجرم تھے۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر ۳۲ نہیں

خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت کو نہیں جانتے۔ یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کے لیے

مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ

ندا کرنے کے لیے مقررہ وقت ہے ۳۳ جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی

جو وہ میرا خط پیش کرے۔ تُبّع کا زمانہ عہد رسالت سے ایک ہزار سال پہلے کا ہے۔ جب رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے تو جس گھر کے سامنے ناقہ مبارکہ بیٹھی وہ حضرت ابوایوب انصاری کا دولت کدہ تھا اور یہ اسی عالم کی اولاد سے تھے جس کو یہ خط ملا تھا۔ انہوں نے وہ عریضہ پیش کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو حکم دیا کہ پڑھ کر سنائیں۔ حضور نے یہ خط سن کر اس کا ادب سے قبول فرمایا اور اس کی شفاعت کی درخواست کو بھی منظور فرمایا۔

۳۲ تُبّع کی قوم نے بھی یوم الحساب کا انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رنگ رلیاں منانا اور جی بھر کر عیش کرنا ان کی زندگی کا مقصد بن گیا جو ان کی تباہی کا باعث ہوا۔ اے اہل مکہ! تم بھی روز قیامت کا انکار کر کے مکافاتِ عمل کے اٹل اصول سے غافل بن گئے ہو۔ کبھی اس کے انجام پر بھی غور کیا کرو۔ اس آیت میں ان کی توجہ کائنات کے حکیمانہ و دقیق نظام کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

اس کارخانہ ہستی کے ہر پرزہ میں جو نظم و ضبط پایا جاتا ہے اس کے نظام میں جو یکسانیت اور گیرائی نظر آ رہی ہے اس کے مشاہدہ کے بعد کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یہ سب کچھ کھیل تماشا ہے اس کے بنانے والے نے اسے محض تفریح طبع کے لیے بنایا ہے۔ کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا صانع بڑا حکیم ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ ہر چیز بامقصد ہے۔ جب پتھر اور روڑے بھی بیکار نہیں تو اس خلاقِ عظیم کا یہ حسین و جمیل شاہکار حضرت انسان جسے دیگر ان گنت نعمتوں کے علاوہ عقل و شعور کی نعمت بھی بخشی گئی ہے اس کی زندگی بھلا بے مقصد کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے اعمال و افعال بے نتیجہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی۔ اس روز تم اپنے خالق کے رو برو پیش کیے جاؤ گے جہاں بیگانوں سے بیگانگی کا اظہار کیا جائے گا اور اپنے عاشقانِ دلفگار پر لطف و کرم کی بارش ہو گی۔

۳۳ وقوع قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہو چکا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں پہلے سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب یہ تمہاری صوابدید پر منحصر ہے کہ چاہے اس پر ایمان لے آؤ اور اس دن کی کامیابی کے لیے تیاری شروع کر دو اور چاہے تو اس دن

يُنصَرُونَ ﴿٤١﴾ إِلَّا مَن رَّحِمَ اللَّهُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤٢﴾ إِنَّ شَجَرَتَ

مدد کی جائے گی ۴۱ بجز اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ۴۲ بیشک وہی سب پر غالب ہمیشہ رحم کرنے والا ہے ۴۳ بلاشبہ زقوم کا

الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿٤٥﴾ كَغَلْيِ

درخت گنہگار کی خوراک ہو گا ۴۴ پگھلے تانبے کی مانند، پیٹوں میں جوش مارے گا جیسے کھولتا پانی جوش

الْحَمِيمِ ﴿٤٦﴾ خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٤٧﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ

مارتا ہے ۴۶ (حکم ہو گا) اس (بدبخت) کو پکڑو پھر اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم کے وسط میں (لے جاؤ) ۴۷ پھر انڈیلو اس کے سر کے

سے بے خوف ہو کر اور عیش میں مست رہا اور جب قیامت برپا ہو گی اور تمہیں قبروں سے نکال کر بارگاہ رب ذوالجلال میں کھڑا کیا جائے گا تو اس وقت ندامت و خجالت سے سر جھکائے کف افسوس مل رہے ہو گے۔

میقات کہتے ہیں وہ وقت جو کسی کام کے لیے متعین کر دیا گیا ہو۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے وقوع قیامت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ تمہاری جلد بازی سے اس پروگرام میں رد و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ تم کہتے ہو کہ ہم قیامت پر تب ایمان لائیں گے کہ ہم سے پہلے جو لوگ مر چکے ہیں ان میں سے کسی کو زندہ کر کے تمہارے سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اس دنیا میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا کوئی پروگرام ہی نہیں۔ جب قیامت کا مقررہ وقت آ جائے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۴۱ مولیٰ قرابت دار تعلق جس کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی امداد و اعانت کرتا ہے اسے مولیٰ کہتے ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسب کا ہو یا دوستی کا ہو یا ہم عقیدہ ہونے کا ہو یا آزاد کرنے کا۔ والمولی الذی یتوقع منہ النصرۃ اما القریب فی الدین او النسب او المعتق کل ہؤلاء یسمون بالمولیٰ۔ آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کوئی قریبی رشتہ دار یا دوست کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ کسی کی مدد کی جائے گی۔ پہلے وقوع قیامت کا ذکر کیا گیا، اب احوال قیامت کا بیان شروع ہے۔

۴۲ البتہ وہ خوش نصیب جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گی ان کی دوستی بھی کام آئے گی اور ان کی رشتہ داری بھی۔ ان کے ساتھ کسی قسم کا بھی رابطہ ہو گا تو وہ بے سود نہ ہو گا۔

۴۳ یہاں دشمنوں اور دوستوں دونوں کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ایسے دو اسم یہاں ذکر کیے گئے جن سے اس سلوک کا پتہ چل جائے جو دونوں گروہوں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ فرمایا وہ العزیز ہے یعنی سب سے زبردست اور سب پر غالب۔ اگر اپنے دشمنوں سے انتقام لینا چاہے تو وہ اس پر قادر ہے اور اپنے دوستوں کے ساتھ وہ الرحیم ہے۔ ای المنتقم من اعدائہ الرحیم باولیائہ۔

۴۴ اہل نار کو جو غذا دی جائے گی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ الزقوم: دوزخ کا ایک درخت ہے۔ نہایت کڑوا، کسیلا، ترش، نہ پھل نہ پھول۔ تصویر سے ایک گروہ ملامت کے باعث الزقوم کہا گیا ہے۔ الاثیم: بدکار، فاجر۔ المہل: النحاس المذاب۔

رَأْسِهِ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿٤٨﴾ ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿٤٩﴾ إِنَّ

اوپر کھولتا پانی ڈالو، عذاب دینے کے لیے ٢٩ (چکھو) تم بڑے معزز و مکرم ہو۔ بےشک

هَٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿٥٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾

یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔ یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے ٣٠

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾ يَلْبَسُونَ مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

باغات میں اور بہتے چشموں میں۔ پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا۔

مُتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا

آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ٣١ اسی طرح ہو گا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آنکھوں والی حوروں سے۔ وہ طلب کیا کریں گے وہاں

پگھلا ہوا تانبا۔ اس کا دوسرا معنی تیل کا تلچھٹ بھی کیا گیا ہے۔

٢٨ علامہ قرطبی فاعتلوہ کا معنی لکھتے ہیں العتل: ان تاخذ بتلابیب الرجل وتعتله ای تجره الیک۔ کسی کو گریبان سے پکڑ کر کھینچنا۔ علامہ آلوسی نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: یقصفوہ کما یقصف الحطب یعنی اس کو آگ میں جھونک دو جس طرح ایندھن جھونکا جاتا ہے۔ سواء الجحیم: ای وسط الجحیم یعنی جہنم کے وسط میں۔ صبوا: انڈیلو۔

٢٩ اس عذاب الیم پر یہ سرزنش، اللہ کریم! کون ہے جو اسے برداشت کر سکے۔

٣٠ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں، تقویٰ و پارسائی کا دامن مضبوطی سے پکڑنے والوں پر جو لطف و کرم اس روز فرمایا جائے گا اب اس کا تذکرہ شروع ہے۔ بتایا کہ جہاں انہیں ٹھہرایا جائے گا وہاں انہیں کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو گا، خرابی کا، دکھ درد کا، غم و اندوہ کا۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے، ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے کبھی خستہ حال نہ ہو گے، ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بڑھاپا نہ آئے گا۔ جہاں انسان ان تمام آفات اور پریشانیوں سے ہر طرح محفوظ ہو اس سے بڑھ کر کون سی پرامن جگہ ہو سکتی ہے۔

السندس، الرقیق من الدیباج۔ باریک ریشمی کپڑا۔ الاستبرق: غلیظہ۔ دبیز ریشمی کپڑا۔

٣١ روبرو۔ آمنے سامنے یعنی دلوں میں ظاہراً و باطناً کوئی ایسی کدورت نہیں ہو گی کہ ایک دوسرے کی طرف پشت کیے بیٹھے ہوں۔ بلکہ باہمی محبت و مودت کی ایسی کیفیت ہو گی کہ ایک دوسرے کے روبرو بیٹھیں گے جیسے باہمی دیدار کا شوق ہو اور نگاہیں ایک دوسرے

يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ

ہر قسم کا پھل اطمینان سے ۵۲ نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس

الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ

پہلی موت کے۔ اور اللہ نے بچا لیا ہے انہیں عذاب جہنم سے ۔ محض آپ کے رب کی مہربانی سے ۵۳ یہی وہ

هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

بڑی کامیابی ہے (جس کی انہیں آرزو تھی) پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۳ ۱۷ ۱۶

سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ۵۴

کی بنائیں لے رہی ہوں۔ حُور ۔ حَوْرَاءُ کی جمع، اس کا معنی ہے گوری رنگت والی۔ عِین، جمع ہے عَیْنَاء کی، وہ عورت جس کی آنکھیں بڑی اور خوبصورت ہوں۔

۵۲ جو پھل طلب کریں گے جتنی بار اور جتنی مقدار میں وہ فوراً پیش کر دیا جائے گا۔ نہ یہ فکر ہوگا کہ مطلوبہ مقدار نہیں ملے گی اور نہ ذخیرہ ختم ہونے کا اندیشہ ہوگا۔

۵۳ یہ سب نعمتیں ارزانیاں، یہ سب ذوقہ پروریاں، یہ سب کرم گستریاں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ثمر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دنیا میں ہی ایسے ایسے انعامات کیے ہیں کہ ہم عمر بھر شکر ادا کرتے رہیں تو کسی ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ہم میں سے بڑے سے بڑا متقی اور پارسا یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس کے اعمالِ صالحہ ہر لحاظ سے مکمل ہیں اور ان میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں۔ اس لیے قیامت کے روز جو عنایات وہ اپنے مقبول بندوں پر فرمائے گا اسے اس کا فضل و احسان ہی کہا جا سکتا ہے۔

۵۴ ہم نے قرآن کریم کو آپ کی مادری زبان میں نازل فرمایا جس کا سمجھنا ان کے لیے آسان ہے اب بھی اگر وہ نصیحت قبول نہیں کرتے تو ان کی قسمت۔ پس اے حبیب مکرم! آپ بھی انتظار فرمائیں اور وہ بھی انتظار کریں۔ جب ان کی بربادی کی مقررہ ساعت آپہنچے گی تو ان کو ان کے کرتوتوں کی سزا مل کر رہے گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمَبْعُوْثِ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

تعارف

سُورۃ الجاثیہ

نام: اس کا نام جاثیہ ہے۔ یہ لفظ آیت نمبر ۲۸ میں مذکور ہے۔ اس سورت میں چار رکوع، سینتیس آیات، چار سو اٹھاسی کلمات اور دو ہزار ایک سو اکیانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: ان سات سورتوں میں سے ایک ہے جن کا آغاز حٰمٓ سے کیا گیا ہے۔ مضامین و مطالب میں یکسانیت اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہے کہ ان کا نزول یکساں حالات میں ہوا۔

مضامین: ① عقیدۂ توحید کو تسلیم کرنا ان کے لیے بڑا دشوار تھا۔ اسی دشواری کی دیوار کو منہدم کرنے کے لیے عالم رنگ و بو کی بلندیوں اور پستیوں میں بکھری ہوئی ان روشن نشانیوں کی طرف قارئین کی توجہ مبذول کرائی جو پکار پکار کر اپنے بنانے والے کی حکمت بالغہ، قدرت کاملہ اور علم محیط کی شہادت دے رہی ہیں۔ ہم چشم خرد کھول کر زمین و آسمان کی پہنائیوں کو دیکھو، خود اپنے وجود اور اس کی بوقلمونیوں کی سیر کرو، حیوانات کے بے شمار انواع و اقسام پر نگاہ ڈالو، گردش لیل و نہار کے دقیق نظام میں غور و فکر کرو، ہر چیز تمہیں اس خالق علیم کا پتہ دے گی جو قدیر و حکیم بھی ہے اور وحدہ لاشریک بھی۔ البتہ کذاب اثیم کا گروہ محروم بد نصیب ان روشن دلیلوں کو نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ان بے شمار احسانات کا ذکر فرمایا جن سے انسان کو بہرہ ور کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ ان کی قدر و منزلت وہی لوگ جان سکتے ہیں جو تفکر اور تدبر کے خوگر ہیں۔

② بنی اسرائیل پر جو بے پایاں الطاف کیے گئے انہیں بیان کیا۔ بتایا کہ ہم نے اس قوم کو کتاب، حکمت اور نبوت کی گراں بہا نعمتیں ارزانی فرمائیں۔ انہی عنایات کے باعث انہیں زمانے کی تمام اقوام عالم پر فضیلت اور برتری بخشی، لیکن کچھ عرصہ بعد ان میں باہمی حسد و عداوت کی وبا پھوٹ پڑی۔ وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے مختلف دھڑوں میں بٹ گئے اور اس آسمانی دین کو انہوں نے اس طرح پارہ پارہ کر دیا کہ وہ ان کی اجتماعی زندگی میں رہنمائی کی قوت سے محروم ہو گیا۔

اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو بھی ایک شریعت، ایک جامع نظام حیات عطا فرمایا ہے۔ آپ پر لازم ہے کہ اس کا اتباع کریں اور ان جاہلوں اور نادانوں کی اطاعت نہ کریں جو اپنے نفسوں کی خواہشات کے بندے بن کر رہ گئے ہیں۔ اگر آپ نے بفرض محال ایسا کیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت ہماری گرفت سے آپ کو نہ بچا سکے گی۔

اے غلامانِ مصطفیٰ! اے سرزمین پاکستان میں بسنے والے فرزندانِ اسلام! اپنے خالق و مالک کا فرمان سن رہے ہو! کیا

اس کے بعد بھی ہمارے سربراہانِ مملکت کو، ہمارے قانون ساز اداروں کو اور ملک کے مقرر کردہ کمیشنوں کے اراکین کو مزید کسی تذکیر اور سرزنش کی ضرورت ہے۔ صاف صاف بتادیا کہ ہماری دی ہوئی شریعت پر عمل کرو ورنہ عذابِ الٰہی سے تمہاری نجات کی سب راہیں بند ہو جائیں گی۔

آیت نمبر ۲۳ میں بھی غور فرمایئے۔ ارشاد ہے جو ہمارے قانون پر عمل نہیں کرتا گویا وہ ہمیں خدا نہیں مانتا اور جو نفس کی ہر خواہش کو پورا کرتا ہے گویا اس نے اسے اپنا خدا اور معبود بنا لیا ہے۔ ایسا شخص علم و فضل کا پتلا ہی کیوں نہ ہو، وہ راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ ایسے بدبخت سے فہم و تدبر کی قوتیں سلب کر لی جاتی ہیں اور اس کے ہدایت قبول کرنے کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ بس یہی زندگی ہے۔ گردشِ زمانہ ان کی موت کا پیغام لاتی ہے۔ نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ دوبارہ جی اٹھنے کا سوال پیدا ہوگا۔ یہ عقیدہ انہیں اپنے آباء و اجداد سے ورثے میں ملا تھا۔ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔

سورت کے اختتام سے پہلے ان کو اس باطل سے گلو خلاصی کی طرف توجہ فرمائی گئی اور ارشاد ہوا کہ قیامت کا برپا ہونا خلافِ عقل نہیں، بلکہ عین حکمت ہے اور عقل کے تقاضوں سے کلیۃً ہم آہنگ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جس نے عمر بھر تقویٰ کو اپنا شعار بنائے رکھا اور ایک عیش پرست شخص دونوں یکساں ہوں۔ دنیاوی عیش و عشرت نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے؛ ورنہ وہ اس روشن حقیقت سے انکار نہ کرتے۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفِيْهَا اَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ جاثیہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — ۳۷ آیتیں ۔ ۴ رکوع

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝۲ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ

حا میم ۔ اتارنا ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے ۱؎ بے شک آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۳ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ

میں (اس کی وحدانیت اور قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لیے ۲؎ اور خود تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو وہ پھیلا دیتا ہے

اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۴ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۔ نیز گردش لیل و نہار میں اور جو اتارا ہے اللہ تعالیٰ نے

۱؎ پہلی دو سورتوں کی طرح اس سورت کا آغاز بھی اس حقیقت کو آشکارا کرنے سے ہوا ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ۔ کفار کا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود اس کے مصنف ہیں یا کوئی اور شخص آپ کو یہ کلام سکھاتا ہے ۔ کفار کی یہ آراء بالکل لغو اور بیہودہ ہیں ۔ اس کا پرشکوہ اسلوب بیان، اس کے علاوہ جگہ جگہ مواعظ، اس کا بیان کردہ فلسفہ حیات سب بتا رہے ہیں کہ یہ اس ارفع، اعلیٰ، ہمہ دان، ہمہ بین ہستی کا کلام ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ۔ اس لیے تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اس عزیز و حکیم کے ارشادات پر بصد اطمینان عمل پیرا ہو اور یقین کرو کہ اسی ہستی کی فرمانبرداری میں ہی تمہاری کامیابی اور کامرانی کا راز مضمر ہے ۔

تنزیل : مصدر ہے اسم مفعول مُنَزَّل کے معنی میں ۔

۲؎ اسلام کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ لوگ غفلت کی چادر تانے سوتے رہیں ۔ عیش و عشرت کا گھن زندگی کی تعمیری صلاحیتوں کو کھوکھلا کر رہا ہے ۔ فسق و فجور کے بدنما داغ ان کی انسانیت کو مسخ کر رہے ہیں ۔ اسلام اس صورت حال کے خلاف علم جہاد بلند کرتا ہے اور انہیں یکسر بدل ڈالنے کے لیے اپنی ساری قوت بروئے کار لاتا ہے ۔ لیکن بایں ہمہ وہ جبر و تشدد کا قائل نہیں ۔ وہ زبردستی اپنے نظریات کسی پر نہیں ٹھونس دیتا ۔ وہ صرف غور و فکر کی دعوت دیتا ہے ۔ وہ آیات بینات جو خالق کون و مکان کی وحدانیت اور اس کی صفات کاملہ پر ناقابل تردید شہادت دے رہی ہیں، ان کی طرف ضرور متوجہ کرتا ہے تاکہ اگر دل میں حق پذیری کی صلاحیت موجود ہے تو وہ اسے شوق و رغبت سے قبول کرے ۔ اگر آنکھوں میں بینائی ہے تو وہ حسن ازل کی دلنوازیوں سے لطف اندوز ہو سکے ۔ اسی مقصد کے لیے قرآن کریم اپنے قارئین کو آفاق عالم کی ان تابندہ آیات میں غور کرنے کی دعوت دے رہا ہے ۔

مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ

آسمان سے رزق (کا سبب مینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد سے اور ہواؤں کی گردش میں

الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝۵ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

نشانیاں ہیں ان کے لیے جو عقلمند ہیں سے یہ سب نشانیاں ہیں اللہ (کی قدرت) کی جو ہم پڑھ کر سناتے ہیں آپ کو حق کے ساتھ۔

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝۷

پس وہ کونسی ایسی بات ہے جس پر اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے شہ ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لیے ےہ

ے اگر ہمیشہ رات ہوتی یا ہمیشہ دن رہتا تو دنیا کا منظر اس طرح خوشنما اور دلفریب نہ ہوتا جس طرح اب ہے۔ رات دن کا بڑی باقاعدگی سے یکے بعد دیگرے آنا، پھر ایک کا آہستہ آہستہ گھٹتے چلے جانا اور دوسرے کا بڑھنا اپنے اندر انگنت فوائد رکھتا ہے جو اہل بصیرت کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ اس نظام کا برپا کرنے والا بڑی قدرت، وسیع علم اور گہری حکمت کا مالک ہے۔

ے اس کرۂ ہوائی پر نظر ڈالو، اس کی یکسانیت میں حیران کن تنوع ہے اور اس تنوع میں جو انگنت اثرات مضمر ہیں ان کا اندازہ لگانا ارباب فہم کے لیے مشکل نہیں۔ کہیں باد نسیم کے جھونکے خواب آلود غنچوں کو جگا رہے ہیں، کہیں سبز پتوں پر شبنم کے موتی بکھیر رہے ہیں اور کہیں طوفان بپا کر رہے ہیں، کہیں بادل کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کرنے کی خدمت انجام دی جا رہی ہے، کہیں گلستانوں کو آپس میں ... رہے ہیں۔ کبھی بہار کا پیغام لا رہے ہیں، کبھی خزاں کی چیرہ دستیوں میں اضافہ کر رہے ہیں۔ کہیں یہ انسان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو تمام کرۂ ہوائی میں آناً فاناً پھیلا رہے ہیں۔ کرۂ ہوائی کی ان گلکاریوں کو دیکھتے ہی انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پیدا کرنے والے کی قدرت، حکمت اور علم بے نظیر اور لاجواب ہے۔ ان حقائق کے مشاہدہ کے بعد ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان اور یقین کا نور موجود ہے اور جس کی عقل و فہم کا چراغ روشن ہے اسے آسانی سے عرفان الٰہی نصیب ہو سکتا ہے۔

شہ سورج طلوع ہو چکا ہو، اس کی کرنوں سے زمین کا گوشہ گوشہ جگمگا رہا ہو، پھر بھی اگر کسی کو کچھ نظر نہ آئے اسے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہو تو کیا ایسے شخص کی بیماری کی کوئی دوا ہو سکتی ہے اور اس کو کچھ نظر آئے گا۔ قرآن کریم کی آیات بینات کے بعد بھی اگر کسی کو نور ایمان نصیب نہیں ہوتا تو اس کے ظلمت کدۂ دل میں کسی اور ذریعہ سے اجالا کرنا ناممکن ہے۔

ے ان آیات میں کفار کے ایک مخصوص گروہ کے طرز عمل کو بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ آیات الٰہی کو سنتے ہیں لیکن ماننے اور ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ ان کو جھٹلانے کے لیے۔ ان کا پہلے سے طے شدہ پروگرام ہے کہ وہ آیات قرآنی کو ہرگز نہیں مانیں گے بلکہ اس خیال سے سنیں گے کہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں یا اس کا مذاق اڑا سکیں۔ ایسے لوگوں کو رسوا کن عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا جس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو گا۔ نہ ان کی کمائی ہوئی دولت ان کے کام آئے گی اور نہ ان کی آل اولاد ان کو اس مصیبت سے بچا سکے گی۔ نہ وہ بت جن کی

يَسْمَعُ آيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ

جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ اکڑتا ہوا اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٨﴾ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ِۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ۭ

پس آپ اسے دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیں۔ اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩﴾ مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ مَّا

یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور ان کے کام نہ آسکے گا جو انہوں نے

كَسَبُوْا شَيْــــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠﴾

کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنا رکھا تھا شہ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہوگا

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾

یہ قرآن سراپا ہدایت ہے ف اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لیے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے ںے

عبادت کیا کرتے تھے اور جو وہ رؤسا، جن کو خوش کرنے کے لیے نبی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کے پیروکاروں کو اذیت دیا کرتے تھے ان کی دستگیری کر سکیں گے۔ افاک: کذاب، بہت جھوٹا۔ اثیم: بڑا بدکار۔

ے ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں کہ آیاتِ قرآنی پر انہیں کوئی معقول اعتراض ہے۔ جن عقائد کی تلقین کی گئی ہے وہ بلند ہیں۔ جس نظامِ حیات کو پیش کیا گیا ہے وہ فطرت کے مطابق ہے اور انسان کی ترقی میں ممد ہے۔ ان میں سے کوئی وجہ ان کو ایمان لانے سے باز نہیں رکھتی بلکہ غرور و نخوت انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ اس نبی کریم کی اطاعت قبول کریں۔ اس لیے وہ باطل پر اڑ گئے ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ آیاتِ الٰہی کا تمسخر اڑانا ان کا شیوہ ہے۔

شہ اس سے مراد یا تو وہ بت ہیں جن کی وہ پوجا کیا کرتے تھے یا وہ رئیس، سردار اور سیاسی لیڈر ہیں جن کی خوشامد میں وہ ہر طرح کی خسیس حرکت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ حتیٰ کہ قرآن اور منزلِ قرآن کی نافرمانی بھی ان کا شعار بن گئی تھی۔

ف یعنی یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ جو اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے گا منزلِ مقصود پر پہنچ جائے گا۔ جو اس کے ذریعے اکتسابِ نور کرے گا اس کا دل بھی منور ہو جائے گا۔

ںے اس آیت میں رِجز کا لفظ غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابو اسحٰق

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا

اللہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے ۱۲ اور تاکہ تم (بحری تجارت)

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

کوشش کرو اس کا فضل ۱۳ اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو۔ اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

الرجز فی القرآن ھو العذاب المقلقل لشدتہ ولہ قلقلۃ شدیدۃ متتابعۃ (لسان العرب) یعنی ابواسحاق کہتے ہیں کہ رجز کا لفظ جو قرآن میں مذکور ہے اس کا معنی ہے ایسا عذاب جو اپنی شدت کے باعث لرزہ خیز ہو۔ اس کے جھٹکے شدید اور لگاتار ہوں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بدبخت جو ازراہ غرور و تکبر اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں انہیں شدید عذاب میں سے بڑے دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

۱۱ے پہلے ان آیات بینات کے ذکر کا سلسلہ شروع تھا جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی صفت کمال پر دلالت کرتی تھیں۔ درمیان میں کفار کے ایک گروہ کی ہٹ دھرمی کا ذکر آگیا اب پھر انہی آیات کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔

علماء لغت لفظ تسخیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ سخرہ تسخیرا، کلفہ عملا بلا اجرۃ (الصحاح للجوہری) کسی کو اجرت اور معاوضہ دیئے بغیر کوئی کام کرنے پر مجبور کرنا۔ علامہ ابن منظور لسان العرب میں تسخیر کا یہی مفہوم نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ قال الزجاج: تسخیر ما فی السموات تسخیر الشمس والقمر والنجوم للآدمیین وھو الانتفاع بھا فی بلوغ منابتھم والاقتداء بھا فی مسالکھم وتسخیر ما فی الارض تسخیر بحارھا وانھارھا ودوابھا وجمیع منافعھا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے سمندر کو تمہاری بیش قیمت خدمات انجام دینے پر مقرر کر دیا ہے۔ اس کی سطح کو اس طرح نرم بنا دیا ہے کہ تم اس میں غوطہ لگا سکتے ہو۔ تمہارے بڑے بڑے مسافر بردار جہاز، مال بردار جہاز اور دیو ہیکل بحری کشتیاں تیل اٹھا کر دور دراز مقامات تک پہنچتے ہیں وہ اس پر تیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ تم اس میں غوطہ لگا کر آبدار موتی نکالتے ہو، مچھلیاں پکڑ کر ان کو بیچتے بھی ہو اور کھاتے بھی ہو۔ اس کے علاوہ اور بے شمار خدمات ہیں جو سمندر انجام دے رہا ہے اور تم سے ان خدمات کا کوئی معاوضہ بھی طلب نہیں کیا جاتا۔

خود سوچو اگر سمندروں کی سطح سخت ہوتی تو تم اس میں غوطہ کیسے لگا سکتے۔ اگر ان میں بھاری بھرکم جہازوں کو اٹھانے کی سکت نہ ہوتی تو بین الاقوامی تجارت کی یہ گرم بازاری سرے سے مفقود ہوتی۔ یہ سب اس کا فضل ہے جس کو تم تلاش کرتے ہو۔

۱۲ے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کسب حلال کا شوق دلاتا ہے اور پاکیزہ رزق تلاش کرنے کے لیے بحر و بر میں سفر اختیار کرنے والوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ میرے فضل کے متلاشی ہیں۔ اس سے اسلام میں کسب حلال کی جو عزت افزائی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

الْاَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ

زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے ۱۳ بے شک اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ۱۴ آپ فرمائیے (اے حبیب!)

اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا

فرما دیجیے اہل ایمان کو کہ درگزر کریں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا

۱۳ صرف سمندر ہی پر کیا منحصر ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ تمہاری خدمت گزاری کے لیے وقف ہے اور اس تسخیر میں تمہارا یا تمہارے سرپرستوں کا کوئی دخل نہیں۔ یہ محض اس کا فضل و کرم ہے۔ سائنس دان اپنی محیر العقول ایجادات کے باوجود کسی چیز کے خالق اور موجد نہیں۔ انہوں نے تو صرف ان مستور رازوں کو آشکارا کر دیا ہے جو پہلے سے موجود تھیں اور نامعلوم تھیں۔ مثلاً جب انسان بولتا ہے اور سانس کے متحرک ہونٹ ہوائی لہروں سے ٹکراتے ہیں تو سارے کرۂ ہوائی میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوتا ہے اور وہ آواز دنیا کے کونے کونے تک گونج جاتی ہے۔ سائنس کے قدیم ماہرین کو اس راز کی خبر نہ تھی اس لیے وہ اس سے استفادہ نہ کر سکے۔ اب انہوں نے اس راز کو پا لیا، اس لیے اب ریڈیو وغیرہ کے ذریعے آپ دور دراز کی آوازیں سن لیتے ہیں۔ منہ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

امریکہ کا شہرۂ آفاق سائنس دان تھامس ایڈیسن جس نے ایک ہزار سے زیادہ ایجادات کیں، ایک روز کہنے لگا میرے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت بڑا موجد ہوں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ میں قطعاً ایسا موجد نہیں جو قابلِ ذکر ہو۔ جب میں سوچتا ہوں کہ میں ایک زیرک انسان تو کجا ایک بے وقوف آدمی بنانے پر بھی قادر نہیں جو العقول کی سی باتیں کر سکے اس کے باوجود مجھے موجد کہنا بڑی بے انصافی ہے۔ پھر اس نے اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ 'THAT IS THE REAL INVENTOR' حقیقی موجد اس کی ذات ہے۔

(ریڈرز ڈائجسٹ، اگست ۱۹۷۲ء)

۱۴ ان آیات کے آئینوں میں حسنِ حقیقی اور کمالِ لایزال کا عکسِ جمیل وہی دیکھ سکتے ہیں جو غور و فکر کرنے کے عادی ہوں۔ لیکن جنہوں نے غور و فکر کی حسین وادیوں میں قدم رنجہ فرمانے کی کبھی زحمت نہیں کی، انہیں ان جلووں کی رعنائیوں کی کیا خبر۔ تاریخ کا یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ وہ قوم جو قرآن جیسی کتاب کی حامل ہے، بے حس اور جمود کے آغوش میں اونگھ رہی ہے۔ اسے اونگھتے صدیاں بیت چکی ہیں اور ابھی تک وہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔ اقبال نے اسی لیے بددعا یا دعا کی تھی۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ

کرتے تھے ۱۵ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لیے کرتا ہے۔ اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہوگا ۱۶ پھر

اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ

اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا۔ اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب۔ حکومت

وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

اور نبوت ۱۷ اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا ۱۸ اور انہیں برتری دی اپنے زمانے کے، اہل جہاں پر ۱۹

۱۵ اہل ایمان کو عفو و درگزر کی تلقین کی جا رہی ہے کہ کفار جنہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب کا کوئی خوف نہیں وہ تمہیں طرح طرح کی اذیتیں دیتے ہیں اور دکھ دیتے ہیں، تم ان سے الجھنا شروع کر دو اور ان سے انتقام لینے کے درپے ہو جاؤ۔ عفو و درگزر سے کام لیا کرو۔ تمہارے مقام رفیع کو یہی بات زیب دیتی ہے۔ رہا ان کی سزا کا معاملہ تو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو، وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے ہر ایک کے جرم کا علم بھی ہے اور وہ حکیم بھی ہے۔ جب مناسب ہوگا ان کو عذاب کے شکنجہ میں کس لے گا۔ قوماً سے مراد اہل ایمان بھی ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں معنی ہوگا کہ اہل ایمان قدرت و طاقت کے باوجود حکم الٰہی کی تعمیل کرتے ہوئے ان منکرین سے درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا۔

بڑی اہمیت کے تاریخی واقعات کو بجائے الایام کہا جاتا ہے، چنانچہ وہ جنگیں جو زمانہ جاہلیت میں لڑی گئیں جو صدیوں جاری رہیں انسانی خون پانی کی طرح بہایا گیا جن کی تلخ یادیں مدت مدید تک تازہ رہیں انہیں ایام العرب کہتے ہیں۔ نیز ایام کا معنی عذاب بھی کیا گیا ہے، اس صورت میں یرجون، یخافون کا ہم معنی ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

۱۶ ہر شخص اپنے اعمال نیک و بد کا خود ذمہ دار ہے۔

۱۷ بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے گئے اب ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلے ان انعامات کا ذکر کیا جو دین سے متعلق ہیں یعنی ہم نے ان کو تورات جیسی عظیم کتاب مرحمت فرمائی۔ پھر انہیں حکم سے سرفراز فرمایا۔ حکم سے مراد حکومت ہے یعنی ہم نے ان کو حکومت عطا فرمائی تاکہ وہ احکام الٰہی کی تنفیذ کر سکیں اور ارشادِ خداوندی کے مطابق اپنے مقدمات کا فیصلہ کر سکیں اور حکم کا دوسرا معنی کتاب کا فہم اور اس کے مطالب کا ادراک بھی ہو سکتا ہے یعنی ہم نے انہیں کتاب بھی دی اور اس کے اسرار و معارف کی سمجھ بھی ارزانی فرمائی۔

۱۸ ان دینی عنایات کے علاوہ انہیں پاکیزہ رزق بھی عطا فرمایا۔ جب تک دشت تیہ میں رہے من و سلویٰ اترتا رہا۔ جب شام و فلسطین پر ان کی حکومت قائم ہوئی تو وہاں کے سرسبز و شاداب زرخیز خطوں نے ان کو مالا مال کر دیا۔

۱۹ یعنی اس زمانہ میں جتنی قومیں موجود تھیں ان میں سب سے زیادہ یہی لوگ باصلاحیت اور حکمرانی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیے ۱۹ پس آپس میں انہوں نے جھگڑا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ آچکا تھا ان کے پاس

الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

صحیح علم محض باہمی حسد و عناد کے باعث ۲۰ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٧﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا

میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ۲۱ پھر ہم نے گامزن کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں ۲۲ پس آپ اس کی

لیے انہیں بھی ساری اقوام عالم پر فضیلت بخشی گئی اور تبلیغ حق کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی۔

۱۹ے الامر سے مراد دین ہے یعنی دین کے معاملہ میں انہیں کسی قسم کے ابہام میں نہیں رہنے دیا گیا بلکہ عقائد صحیحہ، اعمال حسنہ اور اخلاق پسندیدہ کے بارے میں انہیں واضح ہدایات دے دی گئیں اور پختہ دلائل سے انہیں ثابت کر دیا گیا۔ دلائل ظاہرۃ فی امر الدین۔ (روح المعانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ الامر سے مراد حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے یعنی حضور کے متعلق انہیں واضح نشانیاں انہیں بتا دی گئیں جن سے وہ آسانی حضور کو پہچان کر ایمان لا سکتے تھے۔ (روح المعانی۔ قرطبی)

۲۰ے بنی اسرائیل متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان کا باہم اختلاف شدید نوعیت کا تھا اس انتشار نے ان کی دینی اور اخلاقی زندگی کو گوناگوں خرابیوں کی آماجگاہ بنا دیا تھا۔ فرقہ بندی کے باعث ان کی ظاہری قوت بھی پاش پاش ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے اس اختلاف اور انتشار کی وجہ ان کی بے علمی اور جہالت نہ تھی۔ سب کچھ جانتے تھے۔ محض باہمی حسد اور کینے کے باعث وہ الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹ گئے تھے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرنے لگے۔

۲۱ے قیامت کے روز ان کے باہمی اختلاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۲۲ے لغت میں شریعت نہر یا دریا کے اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگ بآسانی بیٹھ کر پانی پی سکتے ہیں اور غسل وغیرہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہ راستہ جو منزل کی طرف لے جاتا ہے اس کو عربی میں شارع کہتے ہیں۔ یہاں شریعت کا معنی ہے ماشرع اللہ لعبادہ من الدین۔ یعنی وہ عقائد، عبادات اور معاملات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی سے وہ اپنے مالک کے شکر گزار بندے کہلا سکتے ہیں اور ان کا وجود ان کے اپنے لیے اور سارے معاشرہ کے لیے یمن و برکت کا باعث بن جاتا ہے۔

بنی اسرائیل پر جب عنایات کی گئیں اور انہوں نے باہمی حسد و بغض سے جس طرح اپنے آپ کو مختلف دھڑوں میں تقسیم کر کے

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ

پیروی کیجئے اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کریں جو بے علم ہیں ۲۴ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کوئی فائدہ نہ ۲۵

اپنی افادیت کھو دی تھی اور اب وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ دعوتِ حق کے منصب پر فائز رہیں۔ ان کے حالات بیان کرنے کے بعد روئے سخن اپنے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو دین کے معاملہ میں ایک واضح شریعت عطا فرمائی ہے جس میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ دین و دنیا کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے والی ہے اور اس پر عمل کرنے والا فرد ہو یا اُمت فلاحِ دارین کے شرف سے مشرف ہو گا۔

۲۴ اے میرے پیارے حبیب! اب آپ پر فرض ہے کہ آپ اس کی پیروی کریں۔ نفس کے پرستار اور دنیا کے پجاری لاکھ شور مچائیں آپ ان کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ بڑی ثابت قدمی اور استقامت کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں۔ جس ذات نے آپ کو یہ جامع شریعت عطا فرمائی ہے وہ علیم و خبیر ہے اور اعتراض کرنے والے لوگ جاہل اور نفس پرست ہیں۔ اگر علیم و خبیر کے احکام پامال ہوں اور جاہلوں کی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی جائے گی تو اس پر جو نتیجہ مرتب ہو گا وہ واضح ہے۔

۲۵ یاد رکھو اگر تم نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ کی نظرِ لطف و کرم سے محروم کر دیئے گئے تو پھر اس کے غضب سے دنیا کی کوئی طاقت تمہیں بچا نہیں سکے گی۔

اہلِ پاکستان کے لیے یہ آیات خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ہم آزادی کے بعد ابتدائی سالوں میں یورپ اور امریکہ کی مادی ترقی سے مرعوب ہو کر سب نے اپنی پاکیزہ ثقافت اور خوبصورت تمدن کو مغربی تہذیب کی کنیز بنانے پر مُصر رہے۔ ان کے ادنیٰ اشارے پر اپنی سیاست کو رنگ دیتے رہے۔ بیس پچیس سال تک مغرب کی کورانہ تقلید کا تجربہ ہم نے کر لیا۔ ہماری معاشیات سرمایہ داری نظام کے سانچے میں ڈھل گئی۔ چند خاندان امیر بن گئے۔ باقی ساری قوم قلاش ہو گئی۔ اس تباہ کن پالیسی کے خطرناک اثرات ظاہر ہوئے تو ہم بوکھلا گئے اور اپنے آپ کو سوشلزم کے حوالے کر دیا لیکن شکست خاطر ہو کر پہلے اندر ہی اور روس سے منگنی ہمارا مرکزِ عقیدت تھا اب ماسکو ہمارا قبلہ حاجات بنتا جا رہا ہے اور یہ خطرہ بڑھتا جا رہا ہے کہ ہمارے موجودہ قائدین ہمیں سوشلزم کی دلدل میں پھنسا کر دم لیں گے۔ کاش! کوئی سوچتا ان نازک لمحوں میں ہمیں قرآن کریم کے بتلائے ہوئے نظام پر عمل پیرا کر دیتا اور اسلام کا وہی نظام جسے رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرب کے بے آب و گیاہ ریگزار میں نافذ کر کے اسے رشکِ فردوس بنا دیا تھا، اسی کو اس پاکستان میں نافذ کر کے ہماری کشتی کو بھی ساحلِ مراد سے آشنا کر دیتا۔ ہم کب تک در در کی ٹھوکریں کھاتے رہیں گے۔ اپنے تہی دستی کے دامن کو پھیلا کر اغیار کے سامنے دریوزہ گر بنے رہیں گے؟ اس انقلاب کے لیے ضروری ہے کہ قوم میں فکری اتحاد ہو اور قیادت کسی ایسے مردِ قلندر کے پاس ہو جو ایمان سے مالا مال ہو کر مخالفین کی نکتہ آرائی کی پروا کیے بغیر قرآن کی اس آیت پر فاتبعہا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون پر عمل پیرا ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں

گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

اللّٰهِ شَيْـًٔا ۚ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

دینا کچھ بھی۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْ حَسِبَ

یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لیے اور باعث ہدایت و رحمت ہیں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتے ہیں ۲۸ کیا خیال کر رکھا ہے

الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنا دیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ

ع ۲ ۱۸ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ

یکساں ہو جائے ان دونوں کا جینا اور مرنا ۲۹ بہت غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں

۲۷ اگر تم قرآن کریم کے بتائے ہوئے راستہ کو چھوڑ دو گے تو ظالم ہو جاؤ گے پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے مستحق نہیں ہو گے۔ اللہ تعالیٰ تو صرف ان لوگوں کی اعانت فرماتا ہے اور دستگیری کرتا ہے جو اس کی نافرمانی سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنی زندگی کا شعار بناتے ہیں۔

۲۸ قرآن کریم تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ جو اس سے مستفید ہونا چاہے وہ محروم واپس نہیں جاتے۔ بالخصوص جو اس کی بیان کردہ حقیقتوں پر یقین رکھتے ہیں ان کے لیے یہ سراپا ہدایت و رحمت ہے۔ اس کو اپنا رہنما اور اس کے ارشادات کو مشعل راہ بنا کر ہم اپنی منزل مراد تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔

۲۹ کفار عرب قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اس کا بڑے زور سے انکار کرتے تھے ان کی زندگی کا سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ وہ خوب مالدار ہوں اور معاشرہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جائیں۔ جب اسلام نے انہیں قیامت کے حساب سے ڈرایا اور انہیں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی تلقین کی تو وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو ان میں سے جو بڑے سرکش تھے وہ کہنے لگے کہ پہلے تو قیامت کا برپا ہونا ہی خلاف عقل اور محال ہے۔ لیکن بالفرض ایسا ہو بھی گیا تو وہی معاملہ وہاں ہو گا جو یہاں ہے۔ جب اس نے ہمیں یہاں گوناگوں نعمتوں اور آسائشوں سے بہرہ ور کیا ہے تو ہمیں اس روز بھی محروم نہیں رکھے گا۔ وہ بڑی شوخی سے کہا کرتے لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى: اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف لوٹا دیا گیا تو مجھے وہاں بڑی عمدہ چیزیں ملیں گی۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ کیا یہ کافر اور فجار اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی زندگی اور موت ان لوگوں جیسی ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سچے دل سے ایمان لائے اور ساری عمر اطاعت و فرمانبرداری میں گزار دی؟ کیا وہ لوگ ان کے ہم پلہ ہو سکتے ہیں جو عمر بھر شرک کرتے رہے

وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (۲۲)

اور زمین کو حق کے ساتھ ۲۹؎ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى

بھلا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنا لیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو ۳۰؎ اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگا دی

نفس کی سفلی خواہشات کی تسکین کے لیے تمام اخلاقی ضابطوں کو روندتے رہے اور حصول مال و جاہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ہر قسم کا ظلم روا رکھتے رہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کو یکساں کر دیا جائے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ بلکہ جس طرح ان کی دنیوی زندگیاں یکساں نہیں تھیں اسی طرح ان کی آنے والی زندگیاں بھی یکساں نہیں ہوں گی۔ اطاعت گزاروں اور فرمانبرداروں کو فردوس بریں میں بصد عزت و اکرام داخل کیا جائے گا اور بدکاروں اور سرکشوں کو دھکے دے کر جہنم کے شعلہ زاروں میں پھینک دیا جائے گا۔

اس آیت کی ترکیب پر علامہ آلوسی نے طویل بحث کی ہے۔ اَمْ منقطعہ ہے اس کا کوئی خاص مدلول نہیں بعض ایک بیان سے دوسرے بیان کی طرف انتقال کے لیے ذکر کیا گیا ہے یا استفہام انکار کے لیے ہے یعنی ان ما زعمو ولانه لا ينبغي لظهور خلافه۔ حسب کا فاعل الذین ہے۔ قاعدے کے مطابق حسب کے دو مفعول ہونے چاہئیں یہاں صرف ایک مفعول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نجعلهم اگرچہ بظاہر ایک مفعول ہے لیکن دو کے قائم مقام ہے۔ نجعل کا حق نصب ہے۔ هم اس کا مفعول اول ہے اور کالذین آمنوا مفعول ثانی ہے۔ سواء بدل ہے اور کاف سے بدل ہے جو یہاں مثل کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ سواء مصدر ہے اور مستو کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ محیاهم ومماتهم اس کا فاعل ہیں۔ اگرچہ اور بھی اقوال ہیں لیکن زیادہ صحیح اور صاف یہی ترکیب ہے۔

اب آیت کا مطلب واضح ہو گیا کہ بدکاروں کا یہ خیال باطل محض ہے۔ ہم انہیں اور اہل ایمان کو ایک جیسا کر دیں گے ان دونوں سے یکساں سلوک کیا جائے گا۔ یعنی ہم کفار کی زندگی اور موت، اہل ایمان کی زندگی اور موت کی طرح کر دیں گے۔ ان کا خیال بالکل غلط ہے۔

۲۹؎ یہ کارخانہ ہستی کھیل تماشا نہیں بلکہ بڑی سنجیدگی اور متانت سے اس کی تخلیق کی گئی ہے اور اس کو برقرار رکھنے کے انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔

۳۰؎ اپنی خواہش کو خدا بنانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کام کو کرتا ہے جو اس کے نفس کو پسند ہو اور ہر ایسے کام سے گریز کرتا ہے جس سے اس کا نفس انکار کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کی خلاف ورزی ہیں کہ جب کسی شخص پر اس کی خواہشات کا اس طرح سے قابو ہو جائے تو گویا وہ اپنی خواہش کا بندہ ہو گیا ہے اور اس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ قرآن کریم نے بھی ہوائے نفس کی اتباع کی جگہ جگہ مذمت کی ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ شداد بن اوس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والفاجر من اتبع نفسه

سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۭ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ

ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر مہر لگا دی ہے اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ ۳۲؎ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے

ھواھا وتمنّٰی علی اللہ۔ یعنی دانا وہ ہے جس کا نفس حکم الٰہی کا پابند ہو چکا ہے اور آنے والی زندگی کے لیے عمل کرتا ہے اور نادان وہ ہے جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا رہتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کرتا ہے۔ وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاث مھلکات وثلاث منجیات۔ تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں اور تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ المھلکات شح مطاع، وھوی متبع، واعجاب المرء بنفسہ۔ والمنجیات خشیۃ اللہ فی السر والعلانیۃ، والقصد فی الغنی والفقر، والعدل فی الرضا والغضب۔ پس ہلاک کرنے والی یہ چیزیں ہیں۔ بخل جو مسلط ہو جائے۔ خواہش نفس جس کی پیروی کی جانے لگے اور خود بینی یعنی اپنے آپ کو سب کچھ سمجھنے کی عادت۔ اور نجات دینے والی چیزیں یہ ہیں، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا خوف، خوشنودی اور ناراضگی میں عدل و انصاف اور تونگری حال اور افلاس میں میانہ روی۔

مردانگی یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کا مقابلہ کرے، اس کی ترغیبات و تحریصات کے باوجود راہِ حق پر ثابت قدم رہے اور اگر کوئی شخص ایسی عزیمت کا مظاہرہ کرتا ہے تو نفس سپر اطاعت خم کر دیتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی خواہشات اور مطالبات احکام الٰہی سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔ صاحب قصیدہ بُردہ کہتے ہیں۔

النفس کالطفل ان تھملہ شب علی

حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے اگر تم اس کو خود سر چھوڑ دو تو وہ اسی عادت پر جوان ہو جائے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند دن رونے کے بعد دودھ پینا چھوڑ دے گا۔ یعنی اگر نفس کا مطالبہ ماننا شروع کر دیا جائے تو نفس کے مطالبات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

ابو عبید الطوسی کہتے ہیں۔ والنفس ان اعطیتھا مناھا

فاغرۃ نحو ھواھا فاھا

ترجمہ: اگر تو نفس کی خواہشات کی تکمیل کرتا رہے تو یہ نئی نئی خواہشات کی طرف منہ کھولے ہوئے بڑھتا جائے گا۔

علی علم: حال ہے۔ اس کا ذوالحال اضل کا فاعل اللہ جل جلالہ بھی ہو سکتا ہے اور مفعول "اضلّہ" ہو ضمیر بھی۔ پہلی صورت میں معنی ہوگا کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ شخص صرف اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرے گا۔ دعوت حق کی طرف قطعاً التفات نہ کرے گا۔ نہ اس کے دل میں ہدایت کا شوق ہے اور نہ اس نے حصول ہدایت کے لیے کوئی کوشش کی ہے اس لیے اس کو گمراہ کر دیا گیا۔ دوسری صورت میں آیت کا معنی ہوگا کہ یہ شخص جانتے بوجھتے حق سے گریزاں رہا اور باطل سے چمٹا رہا۔ وہ اسی قابل تھا کہ اسے ہدایت سے محروم کر دیا جائے اور اسے ضلالت میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا جائے۔

۳۲؎ اس انداز بیان کی خوبصورتی ملاحظہ ہو کہ کان آواز حق سننے سے بہرے ہو گئے، دلوں میں عرفان و صداقت کی جو

اللّٰهِ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا

بعد (اللہ) کے؟ کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور وہ کہتے ہیں نہیں ہے کوئی دوسری زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (اس میں) ہم مرتے اور زندہ

وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا

رہتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہمیں مگر زمانہ ۲۳ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین سے

استعداد تھی وہ ختم ہو گئی۔ آنکھوں سے نورِ حق کو دیکھنے کی بینائی سلب کر لی گئی۔ اب ایسے بدبخت کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔

۲۳ کفارِ عرب کی ذہنیت یہاں بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے۔ وہ صرف قیامت اور حیات بعد الموت کے ہی منکر نہ تھے بلکہ وہ ایسی ہستی کے بھی قائل نہ تھے جو اس سارے جہان کی خالق ہو اور اس میں رونما ہونے والے واقعات، تغیرات اور احوال کی حقیقی فاعل ہو۔ حیات اور موت، فتح و شکست، عروج اور زوال اس کے قبضۂ قدرت میں ہو۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ زمانہ ہی مؤثر حقیقی ہے۔ رنج و راحت، ادبار و اقبال، کامیابی و ناکامی، صحت اور مرض، بہار اور خزاں سب کا تعلق فلک الافلاک کی گردش سے ہے جب وہ خالقِ کائنات کے ہی منکر تھے تو پھر رسالت، قیامت، نزولِ وحی پران کا ایمان کیسے ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ اسی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے اسی کو خوب سے خوب تر بنانا ان کے تخیل کی پرواز کی انتہا تھی۔

"الدھر" کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: الدھر فی الاصل اسم لمدۃ العالم من مبدا وجودہ الی انقضائہ۔۔۔ ثم یعبر بہ عن کل مدۃ کثیرۃ۔ یعنی دہر اصل میں جہان کی ابتدا سے لے کر اس کے اختتام تک کی مدت کو کہتے ہیں۔ پھر طویل مدت کو بھی دہر کہا جاتا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے "فان اللہ ھو الدھر" کہ زمانہ ہی اللہ تعالیٰ ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال یقول اللہ تعالیٰ یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنھار۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے کیونکہ وہ دہر کو برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ وانا الدھر میں زمانہ کا موجد ہوں۔ سارا اختیار میرے دست قدرت میں ہے۔ میں رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں۔

اس حدیث میں الدھر مرفوع نہیں ہے تاکہ اس کا معنی ہو کہ میں دہر ہوں ورنہ الدھر بھی اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ سے ہوتا بلکہ انا الدھر ہے اور الدھر ظرفیت کے باعث منصوب ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفارِ عرب مصائب و آلام کا حقیقی فاعل دہر کو سمجھتے ہیں اور دہر کو برا بھلا کہتے ہیں، حالانکہ حقیقی فاعل دہر نہیں ہے بلکہ میں ہوں۔ جس نے زمانہ کو پیدا کیا اور مختلف تغیرات کا اس کو سبب بنایا۔ گویا ان کا سب و شتم میری طرف منسوب ہوتا ہے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں: انما غلط بعض الرواۃ فنقل المعنی عندہ فقال لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر (احکام القرآن للجصاص) یعنی بعض راویوں نے اس حدیث کے بعینہٖ الفاظ نقل نہیں کیے بلکہ روایت بالمعنیٰ کی ہے۔

يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ مَا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ

کام لے رہے ہیں ۳۴ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو ان کے جواب میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں

قَالُوا ائْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللَّهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ

ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو ۳۵ فرمائیے اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

پھر جمع کرے گا تمہیں روز قیامت جس میں ذرا شک نہیں ۳۶ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو)

اس طرح ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی اور انہوں نے فان اللہ ھو الدھر نقل کیا حالانکہ حدیث کے صحیح الفاظ یہ تھے انا الدھر۔

یہ نظریہ عرب کے بادیہ نشینوں کا تھا جو جہالت اور بربریت کی آغوش میں پروان چڑھے تھے۔ اسی نظریہ کو عصر حاضر کے کئی فلسفی اور مادہ پرست سائنس دان بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں اور ہمارے سادہ لوح نوجوان جو جدید علم و حکمت کے بحر بے پایاں کی غواصی کی جرأت نہیں کرتے کیونکہ ان کی تن آسانی اور غفلت کیشی انہیں ان جانفشانیوں اور دماغ سوزیوں کی اجازت نہیں دیتی جو ایک طالب علم کے لیے ناگزیر ہیں۔ وہ صرف خوشہ چینی پر ہی قانع ہیں اور وہی طوطے کی طرح رٹتے رہتے ہیں کہ وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ کوئی پرانا، بوسیدہ اور ازکار رفتہ نظریہ ہے جس کو عرب کے گنواروں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ عہد جدید کے بعض علامہ اگر یہی جتا سکتے ہیں تو اس کو ترقی یافتہ اور محققانہ نظریہ نہیں کہا جا سکتا۔ ترقی یافتہ اور محققانہ نظریہ وہی ہے جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے اور جس کا اعلان اور تبلیغ محبوب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے۔

۳۴ خالق عالم کے انکار اور بعث و قیامت کے جھٹلانے کے لیے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین کے گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔

۳۵ وقوع قیامت کے امکان بلکہ اس کے ضروری اور مبنی بر حکمت ہونے پر تو ٹھوس اور ناقابل تردید دلائل پیش کیے جا چکے ہیں لیکن ان کے پاس انکار قیامت کی کوئی دلیل نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اگر وہ کچھ کہتے ہیں تو اتنا ہی کہتے ہیں کہ ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر دکھاؤ ہم مان جائیں گے کہ قیامت برپا ہو گی۔ ان کے اس قول کی لغویت واضح ہے۔ ان سے یہ کس نے کہا ہے کہ اس دنیا میں انہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دعویٰ تو یہ ہے کہ روز قیامت انہیں زندہ کیا جائے گا۔ ان کے اس غلط قول کو حجت اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اسے ایک قوی حجت کے طور پر پیش کرتے تھے۔ (ای انہم ادلوا بہ کما یدلی المحتج بحجتہ او لانہ فی حسبانہم وتقدیرہم حجۃ)۔

۳۶ ان کے تمام نظریات باطلہ کی تردید کر دی گئی۔ انہیں بتا دیا گیا کہ زمانہ بیچارہ خود مخلوق ہے۔ اسی کی قسمیں اور شاخیں اس کی

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

نہیں جانتے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی ۳۷ اور جس روز برپا ہوگی قیامت

يَوْمَىِٕذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ

اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست ۔ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا ۳۸ ہر گروہ کو بلایا جائے

تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا

گا اس کے صحیفۂ عمل کی طرف (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے ۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے

يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَمَّا

جو بولتا ہے تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک ۳۹ ہم لکھوا لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے ۔ پس

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔

بہار اور خزاں، اس کے خالق کے اشارہ کی مرہونِ منت ہیں۔ نہ اس میں شعور و ادراک، نہ قدرت و اختیار، وہ کیسے مؤثرِ حقیقی ہو سکتا ہے۔ دہر میں نہیں بلکہ خالقِ دہر تمہیں زندہ کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ وہی تمہیں قیامت کے دن ایک جگہ جمع کرے گا۔ اس میں ذرا شک نہیں۔ ناواقف اور بے خبر لوگ ہی اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے۔

۳۷ آسمانوں اور زمین کا خالق بھی وہی ہے اور مالک بھی وہی۔ ایسے قادر و قیوم کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔ اس حقیقت کو آج تسلیم کر لو ورنہ قیامت کے روز تو بادلِ ناخواستہ ماننا پڑے گا اور اس وقت حسرت و ندامت کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

۳۸ حساب کے خوف اور باز پرس کی ہیبت سے لوگ اتنے مرعوب اور دہشت زدہ ہوں گے کہ ان کے لیے سیدھا کھڑا ہونا مشکل ہو جائے گا۔ بڑے بڑے سرکش اور مغرور لوگ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے۔ ہر گروہ کو ان کے صحیفۂ عمل کی طرف بلایا جائے گا اور اسی کے مطابق ان سے باز پرس ہوگی۔

۳۹ انہیں کہا جائے گا یہ صحیفۂ اعمال ہے جو آج تمہارے متعلق بلا کم و کاست سچی گواہی دے گا۔ تمہارے اعمال میں سے کسی کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور تمہیں مجرم گرداننے کے لیے تم پر غلط الزامات نہیں لگائے گئے۔ جو نیک و بد اعمال تم کرتے رہے یہ اسی کا مستند ریکارڈ ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿٣٠﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۗ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ

یہی وہ روشن کامیابی ہے اور جو لوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے

تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾ وَاِذَا قِيْلَ

سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (ان کے ماننے سے) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔ اور جب (تمہیں) کہا جاتا کہ

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا

اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (جھٹ سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت

السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَبَدَا لَهُمْ

کیا ہے۔ ہمیں تو (یوں ہی) ایک گمان سا ہوتا ہے اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں۔ اور ظاہر ہو گئیں ان کے لیے

سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَقِيْلَ

برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور ہر طرف سے گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہہ دیا گیا

ہمارے حکم سے فرشتے تمہارے اعمال کو ضبط تحریر میں لاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح ہمارے جملہ اعمال کو لکھواتا ہے اس کی حقیقت کے ادراک سے اگرچہ ہم قاصر ہیں لیکن اس کا انکار ممکن نہیں۔ کسی کی گفتگو کو بعینہٖ اس کے طول لہجہ کے ساتھ محفوظ کرنے کے کتنے طریقے چند سالوں میں ایجاد کر لیے گئے ہیں جن کا کل تک ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ٹیپ کی ایک چھوٹی سی ریل میں کیا کچھ محفوظ نہیں کر لیا جاتا۔ یہی ممکن ہے کہ کل ہم اس سے بھی زیادہ محیر العقول طریقے دریافت کر لیں جن کے ذریعے الفاظ، حرکات و سکنات کو اسی طرح منضبط کیا جا سکے۔ جب انسانی مہارت کا یہ عالم ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے کہ وہ ہماری زندگی کے روز و شب کی سرگرمیوں کو پوری طرح ریکارڈ کر لے۔

وہ اہل ایمان جو عمر بھر صراط مستقیم پر گامزن رہے نفس و شیطان کے بہکانے میں نہ آئے ان کو اللہ تعالیٰ اپنے خیابانِ رحمت میں داخل فرمائے گا۔ اس رحمت خاصہ کی شان ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ طالب صادق کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ اس کا رب کریم اس کا محبوب حقیقی اس کو شاندار کامیابی کا مژدہ سنائے۔ اے میرے بندے! تمہیں تمہارا عمل مبارک ہو تو نے اس امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کر لی ہے۔

ان آیات میں کفار کے عبرت ناک انجام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہیں خواب غفلت سے

الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ

آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کیے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور

مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۳۴ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ

تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۳۵

تمہیں دنیوی زندگی نے پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا ۴۲

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۳۶ وَلَهُ

پس اللہ کے لیے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا اور سارے جہانوں کا پروردگار ہے ۴۳ اسی سبحانہ وتعالیٰ

الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۳۷

کے لیے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے۔

پیدا کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ سرکشی اور نافرمانی کی جو راہ تم نے اپنے لیے پسند کی تھی ہم نے اس کے ہولناک انجام سے تمہیں بار بار آگاہ کیا لیکن تم ہٹ دھرمی سے انکار کرتے رہے اور ہماری آیتوں کا مذاق اڑاتے رہے۔ جاؤ جہنم میں! آج تمہاری فریاد رسی کرنے والا کوئی نہیں۔

۴۲ الاستعتاب: طلبت الی المسیء الرجوع من اساءتہ۔ یعنی کسی بدکار سے یہ مطالبہ کرنا کہ وہ اپنی بدکاری سے رجوع کرے۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے روز جب حقیقت ان پر عیاں ہو جائے گی، ان کی ساری غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی اپنے غرور و سرکشی کے برے نتائج ان کو اپنے نرغہ میں لے لیں گے۔ دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ اس وقت وہ چاہیں گے کہ انہیں ایک بار توبہ کا موقع دیا جائے، ان کو ایک مرتبہ اپنے کریم و رحیم پروردگار کو راضی کرنے کی مہلت مل جائے لیکن ایسا نہ ہوگا۔ ای لا یطلب منہم ان یرضوا ربہم بالتوبۃ لفوات اوانہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لیس بعد الموت من مستعتب۔ (مظہری) حضور نے ارشاد فرمایا کہ موت کے بعد پھر توبہ کرنے کی فرصت نہیں ملے گی۔

۴۳ اس سورت کا اختتام کس شاہانہ اور ناز آفریں انداز سے ہو رہا ہے۔ عالم کے صانع مختار کا انکار کرنے والے انکار کرتے رہیں اور اس پر اپنے باطل دلائل کا انبار لگاتے رہیں۔ شرک کرنے والے اپنے بتوں کا راگ الاپتے رہیں اور شرک کو ثابت کرنے کے لیے دلائل

جتن کرتے رہیں، ان کے انکار سے حقیقت نہیں بدل جائے گی کہ کوئی مانے یا نہ مانے ہر قسم کی تعریفیں اور شکر گزاریاں کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو آسمانوں کا رب اور زمین کا رب بلکہ سب جہانوں کا رب ہے۔ یہی اور سرمدی عظمتیں اور ہر طرح کی بڑائیاں اسی کو زیبا ہیں۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی کبریائی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہی سب پر غالب اور بڑا دانا ہے۔

فللّٰہ الحمد رب السموات ورب الارض رب العلمین وله الکبریاء فی السموات والارض وهو العزیز الحکیم

والصلوة والسلام علی رسوله النبی الامی سیدنا ومولانا محمد شفیع المذنبین انیس الغرباء والمساکین وعلی اٰله وصحبه ومن تبعه الی یوم الدین.

فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والاخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین.

رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا.

تعارف

سُورۃ الاحقاف

نام: آیت ۲۱ میں الاحقاف کا کلمہ مذکور ہے یہی اس سورۂ مبارکہ کا نام ہے۔ اس سورت میں چار رکوع اور پینتیس آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد چھ سو چوالیس اور حروف کی تعداد دو ہزار پانچ سو چھ الف ہے۔

زمانۂ نزول: یہ سورت ہجرت سے کچھ عرصہ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی آخری آیت فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (اے حبیب! آپ اسی طرح صبر فرمائیے جس طرح اولوالعزم رسولوں کا شیوہ تھا) کے کلمات صاف بتا رہے ہیں کہ یہ آیت ملکی کے اس دور میں نازل ہوئی جب کفار کے ظلم و تشدد کی انتہا ہو گئی تھی۔ وہ اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھ کر غضب ناک ہو رہے تھے دہر قیمت پر اس شمع کو بجھا دینا چاہتے تھے۔ قرابت، رشتہ داری، ہمسائیگی کے سارے رشتوں کو پاؤں تلے روند چکے تھے۔ ہم وطنی اور ہم قوم ہونے کا بھی کوئی پاس نہ رہا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے مکہ کے تمام کافر قبائل کو جمع کر کے بنو ہاشم اور مسلمانوں سے معاشرتی قطع تعلق اور سوشل بائیکاٹ کا تحریری معاہدہ کیا تھا اور اس کو ایک صندوقچی میں بند کر کے بڑی حفاظت سے کعبہ میں رکھ دیا تھا۔ اس معاہدہ میں یہ تحریر کیا گیا کہ سارے قبائل بنو ہاشم سے لین دین، شادی بیاہ کا سلسلہ کلیۃً بند کر دیں گے کھانے پینے کی اشیاء بھی انہیں فروخت نہیں کریں گے تین سال تک حضور اپنے خاندان اور اپنے جان نثاروں کے ہمراہ شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ الغرض کفار نے اذیت رسانی کی حد کر دی مکی زندگی کے یہ آخری سال تھے جب اس سورۂ کریمہ کا نزول ہوا۔

اس سورت میں جنات کی حاضری کا بھی ذکر ہے۔ جنات نے متعدد بار شرفِ باریابی حاصل کیا۔ جس حاضری کا ان آیات میں ذکر ہے، اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوق عکاظ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ حضور کے ہمراہ چند صحابہ بھی تھے اور صبح کی نماز ادا کی جا رہی تھی۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، مجاہد اور دیگر اکابر کا خیال یہ ہے کہ جب حضور طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے، اس وقت جنات نے حاضری دی۔ اس قول کے مطابق سورت کا زمانہ نزول نبوت کا دسواں سال یا گیارھویں سال کا آغاز ہوگا کیونکہ دسویں سال میں جناب ابوطالب کی وفات ہوئی۔ ایک ماہ بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا انتقال فرما گئیں۔ حضور کے قلبِ نازک کو سخت صدمہ پہنچا۔ اس سال کو حضور نے عام الحزن (یعنی رنج و اندوہ کا سال) فرمایا۔ کفار کے جور و ستم میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ ان اندوہ فرسا حالات میں حضور نے طائف کا رخ کیا کہ شاید بنی ثقیف کے سردار اس دعوت کو قبول کر کے پرامن ہو جائیں، لیکن انہوں نے انتہائی شقاوت کا مظاہرہ کیا۔ تین بھائی تھے، عبدیالیل، مسعود، حبیب، قریش کی ایک خاتون بھی ان کے ہاں بیاہی ہوئی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو ایمان لانے کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک صاحب کہنے لگے: اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہو تو میں غلافِ کعبہ نوچ کر پھینک دوں گا۔

دوسرے نے کہا: کیا خدا کو آپ کے سوا رسول بنانے کے لیے کوئی اور مرد نہ ملا؟ تیسرے بد بخت نے یوں اظہار خیال کیا: بخدا میں آپ سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو آپ کی شان اتنی ارفع ہے کہ میری مجال نہیں کہ میں آپ کی بات کا جواب دوں اور اگر آپ خود ساختہ رسول ہیں تو پھر آپ اس قابل نہیں کہ آپ سے گفتگو کی جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب واپس جانے لگے تو انہوں نے شہر کے لفنگوں اور اوباشوں کو پیچھے لگا دیا۔ وہ طرح طرح کے آوازے کستے، گستاخیاں کرتے اور پتھر مارتے پیچھے چلے۔ حضور کی پنڈلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں، جوتیاں خون پاک سے بھر گئیں۔ اسی حالت میں طائف سے باہر تشریف لائے۔ قریب ہی ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا ایک باغ تھا۔ حضور وہاں سستانے کے لیے ٹھہرے اور اپنے علیم و دستگیر، فریاد رس، کریم اور قدیر رب کی بارگاہ میں یہ الفاظ پیش کیے:

"الٰہی! اپنی کمزوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے مائیگی کا شکوہ میں تیری جناب میں کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین! کمزوروں کا تو ہی آسرا ہے اور میرا رب تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے؟ ایسے بندے کی طرف جو ترش روئی سے مجھ سے پیش آتا ہے۔ کیا کسی دشمن کو تو نے میرے کام کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیری ناراضگی نہ ہو تو مجھے ان آلام (مصائب) کی ذرا پرواہ نہیں۔ لیکن تیرا دامن عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے رخِ پاک کے نور کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر اترے۔"

"لک العتبیٰ حتیٰ ترضیٰ لا حول ولا قوۃ الا باللہ" (ترجمہ) عتبہ اور شیبہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حالت میں دیکھا تو ان کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے اپنے غلام عداس کو بلایا اور کہا کہ انگوروں کا ایک گچھا توڑ لاؤ اس کو ایک طشتری میں رکھو اور اس کے پاس لے جاؤ۔ جب عداس نے وہ طبق حضور کی خدمت میں پیش کیا تو حضور نے بسم اللہ کہا اور کھانا شروع کیا۔ عداس نے تعجب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھا اور کہا کہ اس علاقہ کے لوگ کھانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا کرتے۔ حضور نے پوچھا تم کس علاقہ کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ کہنے لگا میں نصرانی ہوں اور نینویٰ کا رہنے والا ہوں۔ حضور نے پوچھا کیا تم مرد پاک یونس بن متی کے شہر کے رہنے والے ہو۔ وہ کہنے لگا آپ کو یونس کا کیسے علم ہے؟ فرمایا وہ تو میرے بھائی ہیں۔ وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ عداس نے جھک کر حضور کے سر مبارک کو بوسہ دیا اور دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو چوم لیا۔ واپس گیا تو عتبہ اور شیبہ نے پوچھا تم نے اس کی قدم بوسی کیوں کی؟ کہنے لگا اس وقت روئے زمین پر ان سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ انہوں نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا۔

وہاں سے روانہ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وادی نخلہ میں پہنچے۔ وہاں شب باش ہوئے۔ صبح کی نماز میں حضور تلاوت فرما رہے تھے کہ نصیبین کے جنات کا ایک گروہ وہاں سے گزرا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلاوت سنی تو سب وہیں رک گئے اور اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو اس کے نبی کی پاک زبان سے سننے میں محو ہو گئے۔ جب اپنی قوم میں واپس گئے تو قرآنی تعلیمات سے انہیں بھی آگاہ کیا۔

مضامین: جیسے مندرجہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ یہ سورت نبوت کے دسویں سال کے آخر یا گیارہویں سال کے آغاز میں مکہ میں نازل ہوئی۔ اس لیے اس میں ان کی اصلاح کی طرف پوری توجہ مبذول کی گئی ہے۔ ان کے معبودانِ باطل کی بے بسی اور بیکسی کا پردہ چاک کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر استدلال کیا گیا ہے۔ قیامت کے بارے میں وہ جن شبہات میں بری طرح الجھے ہوئے تھے، ان سے نکلنے کا انہیں راستہ بتایا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے سرداران جس خودستائی اور خودفریبی کے مرض کا شکار تھے اس کو عیاں کیا گیا ہے۔

عوام الناس اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متاثر ہو کر اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت و صورت سے مسحور ہو کر اسلام کی طرف راغب ہونے لگتے تو یہ لوگ ان سادہ منش عوام کو یہ کہہ کر اسلام سے برگشتہ کر دیتے کہ اے لوگو! ذرا دیکھو اس بھرے شہر میں، اس سارے علاقہ میں، علم و فہم میں ہمارے پائے کا کوئی دوسرا آدمی ہے؟ کوئی ایسا شخص ہے جسے احوالِ عالم کا تجربہ ہم سے زیادہ ہو، تمہارا مشاہدہ ہے کہ جنگ اور صلح، ہر حالت میں ہماری رائے ہی صائب اور درست ہوتی ہے۔ مزید برآں ہماری قسمت کا ستارہ بڑی بلندی پر ہے۔ اپنے بخت کی ارجمندی کے باعث ہر اچھی بات کی طرف ہم سب لوگوں پر سبقت لے جاتے ہیں۔ اگر اسلام کوئی اچھا دین ہوتا تو اپنے علم و فہم، تجربہ اور فراست کے باوجود اس کو قبول کرنے میں ہم پیچھے رہ جاتے اور یہ گئے گزرے لوگ اس معاملے میں ہم سے سبقت لے جاتے، یہ کیونکر ممکن تھا۔ اس لیے ہمارا اس دین کو قبول نہ کرنا اس بات کے لیے کافی ثبوت ہے کہ یہ دین کسی مصرف کا نہیں، بیکار محض ہے۔

یہی ان کی ابلہ فریبی تھی جس میں وہ عمر بھر مبتلا رہے۔ خود بھی اسلام کے سرچشمۂ خیر سے فیض یاب نہ ہوئے اور جہاں تک بن پڑا عوام کو بھی اس سے دور رکھتے رہے۔

اسلام کی پاکیزہ تعلیمات جس قدر پرزور انقلاب سے اپنے ماننے والوں کو ہمکنار کر رہی ہیں، اس کی وضاحت دو آدمیوں کے خیالات کا ذکر کر کے فرمادی۔ ایک مومن اور دوسرا کافر۔

آیت ۱۵ کے آخر میں جو دعا ہے اس کے آئینہ میں بندۂ مومن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا عکسِ جمیل آپ کو نظر آئے گا اور آیت ۱۷ میں ایک کافر کی کج خلقی اور کج فہمی کی تصویر صاف دکھائی دے رہی ہے۔

اہلِ مکہ کو قومِ عاد کے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کی بربادی کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی قوت و طاقت عطا فرمائی تھی۔ انہیں ظاہری اور باطنی صلاحیتیں مرحمت کی تھیں۔ وہ اگر چاہتے تو اپنے پروردگار کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے اور مزید انعامات و احسانات کے مستحق بن جاتے لیکن آیاتِ الٰہی سے بے اعتنائی، بلکہ ان کا استہزاء اور انبیاء کی تکذیب کی عادت نے انہیں برباد کر کے رکھ دیا۔ پھر مال و دولت ان کو ہمارے عذاب سے بچا سکی نہ علم و فن میں ان کا کمال و مہارت ان کے کسی کام آئی۔ اپنی بدکاریوں کے باعث وہ حرفِ غلط کی طرح نیست و نابود کر دیے گئے۔

کفار و مشرکین کی طرف سے جب حسد و عناد و عداوت کا اظہار کیا جانے لگا، وہ مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے، خود ذاتِ پاک حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی ہجو کر سکتے، تو ان کی بربریت کا مقابلہ کرنے کے لیے

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو صبر کی ڈھال استعمال کرنے کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔ بے شک اہل حق کے لیے ہمیشہ سے صبر ہی ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے وہ دشمن کے مکر و فریب کا بھی مقابلہ کرتے رہے اور اسی سے مسلح ہو کر دشمنان حق کے جدید ترین مہلک جنگی اسلحہ کو بھی ناکارہ کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی ہتھیار سے باطل کو شکست دی اور حق کا پرچم بلند کیا اور ہم غلاموں کے لیے بھی کامیابی اور فلاح کا یہی طریقہ ہے۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الاحقاف مکی ہے اور اس کی پینتیس آیات اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢ مَا خَلَقْنَا

حا میم۔ اتارنا ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب بہت دانا ہے ۱؎ نہیں پیدا فرمایا ہم نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ ۲؎ اور مدت مقررہ تک ۳؎

۱؎ کفار کی مخالفت اپنے شباب پر ہے۔ وہ بڑی شدومد سے اس بات کا انکار کر رہے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ سورۂ جاثیہ کی طرح یہاں بھی سورت کا افتتاح کرتے ہی بڑی فصاحت و بلاغت سے بتا دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ قرآن پاک کی ہر آیت اس کی عزت اور اس کی حکمت کی گواہی دے رہی ہے۔ تنزیل مصدر ہے اور اسم مفعول منزل کے معنی میں یہاں مستعمل ہوا ہے۔

۲؎ آسمانوں اور زمین کی تخلیق بے مقصد اور محض کھیل تماشا نہیں بلکہ اس میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ علامہ آلوسی آیت کے اس حصے کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: خلقنا متلبسا بالحق الذی تقتضیه الحکمة التکوینیة والتشریعیة (روح المعانی) یعنی تکوینی اور تشریعی حکمتوں اور مصلحتوں کا پورا لحاظ کرتے ہوئے ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ بنانے والے نے اسے اس خوبی اور مہارت سے بنایا ہے کہ اس میں کسی قسم کی اصلاح اور ترمیم کی گنجائش نہیں۔ جو چیز جیسی بنا دی ویسی ہی بننی چاہیے تھی۔ جو چیز جہاں سجا دی گئی ہے وہی اس کی موزوں ترین جگہ ہے۔ کوئی شخص، کوئی مصور، کوئی صاحب ذوق لطیف یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر یوں نہ ہوتا یا ایسا ہوتا تو زیادہ مفید، زیادہ دلکش اور حسن و خوبی کے اعتبار سے زیادہ دلکش ہوتا۔ جتنا زیادہ کوئی غور و فکر کرے گا اس نظام کی خوبیوں اور لطافتوں کو دیکھ کر دنگ رہ جائے گا۔ کمال انسانی، اگر تو اس خلاق حکیم کا شاہکار ہے، تیرے بارے میں اس نے خود یہ فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ ذرا اپنی رعنائیوں اور زیبائیوں کو آئینہ فطرت میں دیکھ، تجھے محسوس ہوگا کہ زمین کی وسعتیں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی گہرائیاں، آسمانوں کی پہنائیاں تیری عظمتوں کو سلام کر رہی ہیں۔ تو ان میں نہ کھو جا۔ تو مخدوم ہے، خادم نہیں۔ تو مطلوب ہے طالب نہیں۔ اگر طالب بننا ہے تو اس کا بن جس نے تجھے یہ حسن، یہ رعنائی عطا فرمائی ہے۔

۳؎ اَجَلٍ مُّسَمًّى فرما کر بتا دیا کہ اس جہان کی کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں، ہر چیز کو اس کے خالق نے جس طرح بڑی حکمت

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ③ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ

اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔ فرمائیے (اے کفار!) کبھی تم نے غور سے دیکھا ہے جنہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ

تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین سے کیا پیدا کیا ہے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں

فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ

کچھ حصہ ہے لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت ۵؎

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ④ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ

اگر تم سچے ہو۔ اور کون زیادہ گمراہ ہے اس بدبخت سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر

سے پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اس کے لیے ایک میعاد بھی مقرر کر دی ہے۔ جب مقررہ میعاد پوری ہو جائے گی تو یہ چیز فنا ہو جائے گی۔ تم آسمانوں کی پختگی اور زمین وغیرہ کی مضبوطی کو دیکھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ یہ دنیا یونہی رہے گی کبھی فنا نہ ہو گی۔ اس دنیا کی عمر طویل ہو سکتی ہے لیکن اسے ایک روز ختم ضرور ہونا ہے۔ اس کے بعد تمہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو گی۔ خوش نصیب وہ ہے جو ہر وقت ہوشیار و چوکنا رہتا ہے اور اپنے مستقبل کو روشن کرنے کے لیے سرگرم عمل رہتا ہے۔ وہ لوگ جو شرک و فسق کے باعث قلب سلیم کی نعمت سے محروم ہو چکے ہیں وہ اس تنبیہ و نصیحت کی قدر نہیں کرتے بلکہ الٹا ناراضگی اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔

۴؎ مشرکین بڑے زور شور سے اپنے بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے اور اگر اس سے انہیں ٹوکا جاتا تو بہت برہم ہوتے۔ اللہ تعالیٰ پوچھ رہا ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر تم نے ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔ کیا اس کی کوئی معقول وجہ بھی تم بتا سکتے ہو۔ کیا کسی زمین کی کسی چیز کے وہ خالق ہیں۔ آسمان کی آفرینش میں کیا ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر تمہارے پاس کوئی تحریری ثبوت ہے تو پیش کرو۔ اور اگر تم خود اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اس وسیع و عریض کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق تنہا اللہ ہے تو پھر اس خالق حکیم کو چھوڑ کر کسی پتھر کسی بے جان ساکت و جامد بت کی پوجا کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ ما تدعون: ما تعبدون (روح المعانی) اس آیت میں ما تدعون کا معنی ما تعبدون ہے یعنی یہ کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو۔ ما تدعون، ما تعبدون، ما تدعون، تعبدون (بحر)

۵؎ اگر تمہارے بتوں نے زمین و آسمان کی تخلیق میں کچھ حصہ لیا ہے تو اسے دلیل سے ثابت کرو۔ قرآن کریم کو تو تم تسلیم نہیں

اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ

ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی

غٰفِلُوْنَ ۝۵ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ

غافل ہیں ۱؎ اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روز محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف

کرتے۔ آخر اس سے پہلے بھی کئی آسمانی کتابیں نازل ہو چکی ہیں، ان میں سے کسی میں یہ لکھا ہوا دکھاؤ کہ تمہارے فلاں بت یا فلاں معبود نے زمین و آسمان کی فلاں چیز بنائی ہے۔ اگر تم اس قسم کا کوئی حوالہ کسی آسمانی کتاب سے نہیں دکھا سکتے تو پھر کوئی عقلی ثبوت ہی پیش کرو۔

علامہ ابن حیان اندلسی اثارة من علم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ای بقیة من علم ای من علوم الاولین۔ یعنی وہ علم جو پہلے علماء و حکماء سے منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ ابو بکر بن عبدالرحمن نے ارشاد فرمایا او خاصة من علم یعنی وہ علم جو صرف تمہیں حاصل ہوا تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کی رسائی اس تک نہیں ہوئی۔ اگر تمہارے پاس نہ کوئی نقلی دلیل ہے اور نہ عقلی دلیل، تو پھر یوں جان بوجھ کر ایسی غلطی نہ کرو جس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

۱؎ مشرکین بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بیت اللہ شریف میں ۳۶۰ بت نصب کر رکھے تھے۔ اپنے اپنے گھروں میں جو مورتیاں انہوں نے سجا رکھی تھیں وہ ان کے علاوہ تھیں۔ ان کی اس گمراہی اور حماقت کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے کہ اے عقل کے اندھو! تم ان پتھروں کی پوجا کرتے ہو جو نہ سن سکتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں۔ بھلا کسی مشکل وقت میں تمہاری مدد کیا خاک کریں گے۔ اس سے زیادہ نادان اور گمراہ اور کون ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای لا اضل ممن یدعو من دون اللہ اصناما ویطلب منها ما لا تستطیعه الی یوم القیامة وهی غافلة عما یقول لا تسمع ولا تبصر ولا تبطش لانها جماد حجارة صم (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس آدمی سے زیادہ گمراہ اور کوئی نہیں جو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرتا ہے اور ان سے ایسی چیزیں مانگتا ہے جو وہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ جو وہ کہہ رہا ہے وہ اس سے غافل ہیں، نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ پکڑ سکتے ہیں کیونکہ وہ بے جان پتھر ہیں، وہ بالکل بہرے ہیں۔

علامہ ابو حیان اندلسی کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

یدعون من دونه جمادا لا یستجیب لهم ولا قدرة له علی استجابة۔

یعنی وہ ایسے بے جان پتھر کو پکارتے ہیں جو انہیں نہ جواب دے سکتا ہے اور نہ اس میں جواب دینے کی طاقت ہے۔

بعض نام نہاد بزرگ جو وقت کے تقاضوں کو اتحاد کا شکار بنانا چاہتے ہیں اس دھن میں لگے رہتے ہیں کہ امت میں نئی ملت تخلیق کریں۔ وہ یہ آیت اہل سنت پر چسپاں کرتے ہیں۔ معاذ اللہ [illegible]

کسی کی الوہیت اور ربوبیت کا عقیدہ فاسد نہیں رکھتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب تمام نبیوں کے سردار، تمام رسولوں کے سرتاج اپنے آقا و مولا اور وہ نور جہان کے آبرو گستد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اشہد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہٗ اور نماز میں کئی کئی بار اس شہادت کا اعادہ کرتا ہے تو وہ کسی اور کو کیونکر خدا یا خدا کا ہمسر اور شریک تصور کر سکتا ہے۔ یہ محض بہتان اور افتراء عظیم ہے کہ اہل سنت کسی کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔ ھذا افک مبین وبہتان عظیم۔

ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر اس کی تشریح کی جا چکی ہے۔

خارجیوں اور جدید اور قدیم ... کے علاوہ تمام امت اس بات پر متفق ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ بیکس پناہ میں جب کوئی غلام صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے تو حضور اس کے سلام کا جواب لوٹاتے ہیں جس کو خواص اپنے کانوں سے سنتے ہیں اور قسمت جواب سے سرشار ہوتے ہیں۔ عصر کے مشہور ولی کامل حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب روضہ اقدس پر حاضر ہوئے اور بصد عجز و نیاز عرض کی السلام علیک یا جدی۔ اے میرے نانا پاک آپ پر صلوٰۃ وسلام ہو۔ روضۂ اقدس سے جواب آیا۔ وعلیک السلام یا ولدی اے میرے بچے تجھ پر بھی سلام۔ یہ سن کر آپ پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی اور فی البدیہہ یہ التجا عرض کی:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی وھی نائبتی

جب میرا جسم خاکی یہاں سے دور تھا تو میں آستانہ بوسی کے لیے اپنی روح کو بھیجا کرتا تھا

وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

اب تو میں خود بارگاہ اقدس میں حاضر ہوں۔ دست پاک نکالیے تاکہ میں بوسہ دے کر دل کی حسرت پوری کر سکوں۔

دست مبارک باہر آیا جس کو آپ نے بوسہ دیا اور ہزاروں آدمیوں نے اس کو دیکھا۔

اس واقعہ کو دیگر علماء کے علاوہ علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں اور مولانا تھانوی نے اپنے رسائل میں بیان کیا ہے۔

حضرت شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو فالج کا مرض لاحق ہوا نصف جسم بے کار ہو گیا آپ نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں فریاد کی اسی رات زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور نے دست مبارک اس حصہ پر پھیرا تو فوراً شفایاب ہو گئے مولانا اشرف علی تھانوی نشر الطیب مطبوعہ دیوبند ص ۲۴۲ پر اس واقعہ کو لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں، آگے آپ لکھتے ہیں:

اور یہ اپنے گھر سے نکلے تھے کہ ایک درویش سے ملاقات ہوئی اور اس نے درخواست کی کہ مجھ کو وہ قصیدہ سنا دیجیے جو آپ نے مدح نبوی میں کہا ہے۔ انہوں نے پوچھا کون سا قصیدہ؟ اس نے کہا جس کے اول میں ہے اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيرَانٍ بِذِي سَلَمٍ۔ ان کو تعجب ہوا کیونکہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی تھی۔ اس درویش نے کہا واللہ! میں نے اس کو اس وقت سنا ہے جب یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پڑھا جا رہا تھا اور آپ خوش ہو رہے تھے۔

یہ قصیدہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے پسند فرمایا ہے۔ اس کا ایک شعر آپ بھی سن لیں۔ اس شرک ساز علم کے نقول کی حقیقت کھل جائے گی۔

كٰفِرِيْنَ ﴿٦﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

انکار کرنے والے ہوں گے۔ اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار

لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ

حق کے بارے میں جب ان کے پاس آیا کہ یہ کھلا جادو ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ فرمائیے

يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِيْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ ... سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے ساری مخلوق سے زیادہ مکرم! مصائب و آلام کے وقت حضور کے بغیر میں کس کے دامن میں پناہ لوں۔

ہمارے عہد کے نابغۂ روزگار شاعر عبدالعزیز خالد کے چند اشعار بھی سن لیجیے:

ز خورشید محشر کیوں ڈرے بندہ کمال، سہارا تیرا ... نگاہیں مشک آگیں عنبر افشاں یا رسول اللہ

تیری رحمت کے دامن تلے ہیں ہر کس و مہ ... ہے گرویدہ ہر بیمار و مستمنداں یا رسول اللہ

غریب خاطر آشفتہ حالاں کس کا ذمہ ہے میں ... تیرے بدلے نگہ کس کا ملال یا رسول اللہ

آخر میں شاہ اسماعیل دہلوی کی یہ عبارت بھی پیش نظر رکھیے۔ وہ اپنے پیر سید احمد بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم اور حضرت بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہما نے ان کو بیک وقت قادری اور نقشبندی سلسلہ کا فیض بخشا۔ چشتی سلسلے سے حصول فیض و نسبت کے متعلق دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

"روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگاں خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند و بر مرقد مبارک در ظل مراقب نشستند در آں اثنا بروح پر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہ بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائی حصول نسبت چشتیہ متحقق شد" (صراط مستقیم صفحہ ۱۶۶ مطبع فخر المطابع لکھنؤ)

یعنی ایک روز سید احمد صاحب حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر تشریف لے گئے اور وہاں مراقبہ میں بیٹھے۔ اسی اثنا میں حضرت کی روح پر فتوح سے ملاقات نصیب ہوئی۔ خواجہ خواجگان نے آپ پر بڑی توجہ فرمائی۔ اس توجہ کی برکت سے نسبت چشتیہ کے حصول کی ابتدا ہوئی۔

مشرکوں کو بتایا جا رہا ہے کہ روز محشر جب تمہیں پکڑ کر لایا جائے گا تو تمہارے عقیدت مند اولیاء جن کی تم پرستش کیا کرتے تھے وہ تمہارے دشمن بن جائیں گے اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ جن کو تم اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ تمہاری تباہی و بربادی کا سبب بن گئے ہیں وہ تمہاری پوجا پاٹ کا صاف صاف انکار کر دیں گے۔ سابقہ آیت میں یہ معنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ میں تصریح نمایاں کا سمجھ میں معنی اور عبادتہم سے کیا ہے اس آیت نے ان کی اس تفسیر کی تصدیق کر دی فرمایا وکانوا بعبادتہم کافرین۔

شعار انصاف اور عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ آیات ربانی کو سن کر وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز آجاتے حق کو قبول کر لیتے اور ان کے

إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَا

اگر میں نے اس کو خود گھڑ لیا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے بچا لو۔ وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم

تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۖ وَهُوَ الْغَفُورُ

مشغول ہو سکے وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان نیز وہ بہت بخشنے والا

الرَّحِيمُ ۝ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ

رحم فرمانے والا ہے۔ آپ کہیے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں سکے اور میں (از خود) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے

وہ لوگ جہاں سفر جاتے لیکن ان بدبختوں نے اسلام کو نشر ورح کر دیا کہ یہ صاف جانتے ہیں۔

شے کفار کے اس الزام اور بہتان کا جواب دینے کا حکم مل رہا ہے۔ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی نہیں بلکہ میں نے خود اس کو گھڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی جھوٹی نسبت کر دی ہے تو میں ایک سنگین جرم کا مجرم ہوں جس کی سزا بڑی ہولناک ہے اور تم میں سے کسی میں یہ ہمت اور قوت نہیں کہ اگر مجھے سزا ملنے لگے تو تم مجھے چھڑا سکو۔ تم خود سوچو کیا میں ایسی جسارت کر سکتا ہوں کہ اپنے اوپر ایسا ظلم ڈھا سکتا ہوں اور اپنے آپ کو خدا کے غضب کا مورد بنا سکتا ہوں۔ ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ تم جو بے سروپا باتیں کر رہے ہو اور جس شغل میں تم لگے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے اور تمہاری اس بہتان تراشی کی سزا ضرور تمہیں ملے گی۔

تفیضون: الافاضۃ فی الشیء الخوض فیہ والاندفاع (افاضوا فی الحدیث اندفعوا فیہ) کسی کام میں کود جانا۔ مشغول ہو جانا۔ کسی گفتگو میں مصروف ہو جانا۔

سکے میں حق پر ہوں یا تم اس کا گواہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس کی گواہی کے بعد کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ ب زائدہ ہے اور ضمیر محل فاعل ہے۔ فالباء زائدۃ والضمیر فی محل الرفع علی الفاعلیۃ۔ (مظہری)

سکے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر کفار طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے۔ کبھی کہتے تو بشر ہے بھلا بشر بھی منصب نبوت پر فائز ہو سکتا ہے؟ کبھی کہتے یہ تو بالکل ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے بھلا رسول سے کیا ایسے معمولی کام سرزد ہوتے ہیں؟ کبھی کہتے اگر خدا کو رسول بنانا ہی تھا تو کیا ایسے شخص کو رسول بنانا تھا جس کے پاس نہ مال نہ دولت نہ خدم نہ حشم نہ جاہ و جلال ... بھلا یہ کیا حق رکھتا ہے؟ ہمارے ہاں بڑے بڑے سردار ہیں جو نیک بھی ہیں اور تجربہ کار بھی ان کے ... عرب کے تمام قبائل کے دلوں پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے ان کی دولت و ثروت کے افسانے دور دور تک مشہور ہیں۔ منصب رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی کو منتخب نہ کیا۔ پھر وہ فرمائش کرتے کہ ہم تب مانیں کہ ... ملک کے پہاڑ یہاں سے دور ہٹا دیے جائیں، یہ جگہ ایک ہموار میدان ہو جائے اس میں چشمے ابلنے لگیں، نہریں بہنے لگیں ...

بِيْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَمَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨

میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔ میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف کی جاتی ہے اور نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا ۔

ان سب بیہودہ سوالوں کے جواب میں صرف ایک ہی پُر مغز بات فرمانے کا حکم دیا کہ اے سرورِ بزمِ ہستی! اے شمعِ محفلِ امکان! آپ انہیں کہیں کہ کیا میں نرالا رسول ہوں؟ مجھ سے پہلے کوئی نبی اور رسول نہیں آیا؟ اگر میں پہلا رسول ہوتا تو تمہاری ان اکھڑی اکھڑی باتوں میں کچھ وزن ہوتا اور ان کے جواب کی طرف توجہ کی جاتی۔ جب مجھ سے پہلے کثیر تعداد میں پیغمبر آ چکے ہیں اور ان میں سے بعض کو تم بھی مانتے ہو اور ان کا احترام کرتے ہو کیا وہ انسان نہ تھے؟ کیا وہ کھاتے پیتے نہ تھے؟ کیا وہ زر و سیم کے انباروں کے مالک تھے؟ کیا وہ اپنی امت کی ایسی بے ہودہ فرمائشوں کو پورا کیا کرتے تھے؟ جب ایسا نہیں تھا تو تم میرے متعلق یاوہ گوئی کیوں کرتے ہو۔ میرا کام ظاہری چشمے جاری کرنا نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی کے چشموں سے تمہارے اجڑے ہوئے چمنِ حیات کو ازسرِ نو بہار آشنا کرنے آیا ہوں۔ ان بہاروں کو اگر تم ذرا شناسائی سے پہچان سکتے ہو۔ میں ایسے حجابات اٹھانے کے لیے آیا ہوں جنہوں نے تمہارے دلوں کی آنکھوں کو اندھا بنا رکھا تھا۔ مجھ سے خوابوں میں دیکھنے کے عجائبات نہ پوچھو۔ مجھ سے اپنے ربِ کریم کا قرب و رضا کے طریقے سیکھو۔ میں تمہیں اس تنگ و تاریک تصورات سے نکال کر عرشِ ذات تک لے جاؤں گا۔ مجھ سے اس چیز کے بارے میں سوال نہ کرو جو تمہارا گمشدہ اونٹ چرا کر لے گیا ہے۔ بلکہ مجھ سے اس لٹیرے اور ڈاکو کا پتہ پوچھو جو دن دہاڑے تمہارے ایمان و ایقان کے خزانوں پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ اس کا پورا پتہ اور نشان بتاؤں گا تم اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لو گے۔ کیا ہوا اگر میرے پاس خزانے نہیں۔ کیا دنیا کے شہنشاہوں کے خزانوں کے ذخیرے بھی ہوتے، علوم و معارف، اسرار و لطائف کے ان دریاؤں کا مقابلہ کر سکتے ہیں جن سے میرے رب نے مجھے سرفراز فرمایا ہے۔ پیغمبر کا کام یہ نہیں ہوتا کہ تمہاری فرمائشوں کی تکمیل میں لگا رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ اور تمہارا آقا ہے۔ وہ تو صرف اور صرف اپنے رب کی فرمانبرداری کرے گا۔ ہاں! تمہاری عزت و شرف اسی میں ہے کہ تم بے چون و چرا اس کی اطاعت کرو۔

ایک ہی نعرہ سے ان کی تمام خرافات کا دندان شکن رد فرما دیا۔

۱۱ آیت کے اس حصہ کی تفسیر کرتے ہوئے علماء کرام نے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ پہلے میں ان کے ارشادات نقل کروں گا اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جو مفہوم میں سمجھا ہوں اسے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی عاقبت اور انجام کے بارے میں (معاذ اللہ) کچھ خبر نہ تھی اسی طرح دوسرے لوگوں کے احوالِ آخرت کا کوئی علم نہ تھا۔ اس قول کے مطابق آیت کا معنی ہوگا کہ مجھے علم نہیں کہ قیامت کے روز میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا اور نہ مجھے یہ علم ہے کہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا۔

کفار، یہود اور منافقین نے جب یہ آیت سنی تو کہنے لگے کہ ایسے نبی پر ایمان لانے سے کیا حاصل! جسے اپنے انجام کی بھی خبر نہیں۔ ہم کہتے تھے کہ یہ قرآن ان کا اپنا گھڑا ہوا ہے۔ اگر یہ نازل من اللہ ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ انہیں یہ بھی نہ بتاتا کہ روزِ حشر ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہر اعتراض کو ختم کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ

مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ اس آیت سے وہ پہلی آیت (وَمَا اَدْرِیْ) منسوخ ہو گئی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مبارک ہو بیشک حضور کو اپنے بارے میں علم ہو گیا لیکن ہم غلاموں کا کیا حال ہوگا؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اللہ تعالیٰ ایماندار مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے گا جہاں نہریں بہتی ہیں۔

علماء محققین نے اس قول کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ یہ خبر ہے اور نسخ اخبار کا نہیں ہوتا، امر و نواہی کا ہوتا ہے نیز یہ آیت مکی ہے اور سورۂ فتح کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر یعنی اتنا سال بعد نازل ہوئی حالانکہ اگر کسی آیت میں اجمال ہو تو اس کے بیان میں تاخیر جائز ہے۔ نیز سورت کی ابتداء سے خطاب کفار و مشرکین سے ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیں کہ تم کفار کو بتا دو کہ مجھے اپنے انجام کی کوئی خبر نہیں۔ کفار بڑی آسانی سے یہ کہہ کر حضور کی دعوت کو مسترد کر سکتے تھے کہ جب آپ کو اپنے بارے میں کچھ خبر نہیں تو پھر ایک غیر یقینی چیز کی طرف دعوت دینے کے لیے یہاں کیسے آ گئے؟ جائیے تشریف لے جائیے۔ چنانچہ ابن جریر طبری، قرطبی، زمخشری اور دیگر اکابر نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو روز اول سے اپنی نجات کا یقین تھا۔

قرآن کریم کی کثیر التعداد آیات ہیں جن میں اہل ایمان کو مغفرت کا مژدہ ہے اور منکرین کو دوزخ کی وعید۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعزازات کا ذکر قرآن میں بڑی شرح و بسط سے مرقوم ہے اور احادیث طیبہ میں مقام محمود، مقام شفاعت کبریٰ، کوثر وغیرہ ان امور کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے؟ ایک مرتبہ حضور نے ارشاد فرمایا اَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ بِيَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَآدَمُ وَمَا سِوَاهُ تَحْتَ لِوَائِیْ وَلَا فَخْرَ۔ قیامت کے روز اولاد آدم کا میں سردار ہوں گا۔ حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا۔ آدم اور دیگر پیغمبروں کو میرے جھنڈے کے نیچے پناہ ملے گی۔ یہ باتیں فخریہ طور پر نہیں کہہ رہا، حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں۔

ایسی بے شمار احادیث ہیں جن میں حضور کے مقامات رفیعہ اور درجات سنیہ کا ذکر مرقوم ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کئی اپنے غلاموں کے بارے میں نام لے کر ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی۔ عشرہ مبشرہ کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں حسنین کریمین کے متعلق فرمایا سیدا شباب اہل الجنۃ۔ یہ دونوں شہزادے اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس جن کا مفصل ذکر سورۂ حجرات میں آ رہا ہے کے متعلق فرمایا اے ثابت! اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَعِيْشَ حَمِيْدًا وَتُقْتَلَ شَهِيْدًا وَتَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ تم عزت و آرام سے زندگی بسر کرو۔ تمہیں شہادت کا شرف بخشا جائے اور تم جنت میں داخل ہو۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔

ان آیات محکمات اور احادیث صحیحہ کی موجودگی میں یہ کہنا بڑی گستاخی ہے کہ حضور کو اپنے انجام کی خبر نہ تھی۔ (معاذ اللہ)

دوسرا قول یہ ہے کہ دنیا کے حالات سے بے خبری کا اظہار مقصود ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ دنیا میں میرا کیا حال ہوگا۔ میں شہید کیا جاؤں گا یا یہاں سے نکال دیا جاؤں گا۔ اسلام کامیاب ہوگا یا کفر کو غلبہ ہوگا۔ مسلمانوں کا مستقبل تابناک ہوگا یا تاریک وغیرہ وغیرہ لیکن اگر اس آیت کو دوسری قرآنی آیات کی روشنی میں دیکھا جائے اور صحیح حدیث کی طرح تمام احادیث کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ قول بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے دین حق کے غلبہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیابی کا ذکر قرآن کریم میں بارہا فرمایا ہے

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ دوسری جگہ ہے اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ ارشاد ہے قَوْلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت اور کامیابی کا پختہ وعدہ کیا گیا ہے۔ وَكَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ہمارے ذمہ کرم پر یہ لازم ہے کہ ہم اہل ایمان کی مدد کریں گے۔

وہ آیات جو عہد نبوت کے بالکل ابتدائی ایام میں نازل ہوئیں ان کے متعلق کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضور کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ سورۃ والضحیٰ میں صاف طور پر ارشاد فرمایا وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔ اے حبیب! آپ کا ہر آنے والا لمحہ گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہو گا۔ آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

غزوۂ خندق پر نگاہ ڈالیے صرف کفار مکہ نہیں بلکہ جزیرہ عرب کے بلا مشرک قبائل نے مدینہ پر حملہ کیا ہے۔ ان کا ایک لشکر جرار مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ ان کے دفاع کے لیے خندق کھودی جا رہی ہے کڑاکے کی سردی ہے۔ کئی کئی وقت کا فاقہ ہے۔ یہودی جو مدینہ طیبہ میں آباد ہیں انہوں نے کفار مکہ کے ساتھ ساز باز کر رکھی ہے کہ باہر سے تم یلغار کر دینا اندر سے ہم یلغار کر دیں گے ظاہری حالات اس قدر مخدوش ہیں اور فضا اتنی ناساز گار ہے کہ ایک عام شخص بڑی خوش فہمی کے باوجود مسلمانوں کی کامیابی کی پیشگوئی نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کا محبوب جب ایک چٹان کو توڑنے کے لیے ضرب لگاتا ہے تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی زبان نبوت سے یہ اعلان ہوتا ہے کہ مجھے ملک ایران کی کنجیاں دے دی گئیں مجھے قیصر کے شاہی خزانے دیے گئے۔ مجھے یمن کی کنجیاں دے دی گئیں اور دیگر ممالک کی کنجیاں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائی تھیں ان کا مکمل طور پر ظہور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ہوا۔

حضرت حذیفہ بن یمان جن کا لقب راز دار رسول ہے فرماتے ہیں واللّٰہ انی لاعلم الناس بکل فتنۃ ھی کائنۃ فیما بینی وبین الساعۃ وما بی الا یکون رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم اسرالی فی ذالک شیئا لم یحدثہ غیری (مسلم شریف جلد دوم ص ۳۹۰)

حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ آج سے لے کر قیامت تک آنے والے جتنے فتنے ہیں ان میں سے ہر فتنہ کے متعلق میں تمام لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ان فتنوں کی خبریں دیں۔

عن ثوبان رضی اللّٰہ عنہ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وانہ سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی (ابو داؤد کتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں تیس کذاب ہوں گے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد اور کوئی نبی نہیں ہو گا۔

ان آیات واحادیث کی موجودگی میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضور کو یہ علم نہیں تھا کہ دنیا میں آپ کے ساتھ آپ کے دین کے ساتھ اور آپ کی امت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ تمام امور کے تفصیلی علم کی نفی ہے کہ میں تفصیلاً نہیں جانتا اگرچہ اجمالاً جانتا ہوں۔ ان تینوں اقوال سے

کوئی بھی ایسا نہیں جو دل کو مطمئن کر سکے۔ لیکن اگر ما ادری کی تحقیق کی جائے تو ساری تشویش دور ہو جاتی ہے۔ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔

علامہ راغب اصفہانی اپنی شہرۂ آفاق مفردات القرآن میں اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدرایۃ: المعرفۃ المدرکۃ بضرب من التختل یقال دریتہ ودریت بہ دریۃ نحو فطنت وشعرت . . . . والدرایۃ لا تستعمل فی اللہ تعالیٰ وقول الشاعر لاھم لا ادری وانت الداری فمن تعجرف اجلاف العرب (مفردات) یعنی درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو ظن و تخمین سے حاصل ہوتی ہے۔ فہم و ذہانت سے کسی چیز کو سمجھنا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ درایت کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ شاعر کا یہ مصرع جس میں اللہ تعالیٰ کو الداری کہا گیا ہے، یہ شاعر کا جاہلانہ اُجڈپن ہے۔

علامہ زبیدی شارح قاموس اپنی مایۂ ناز تصنیف تاج العروس میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

دریتہ ودریت بہ . . . . علمتہ. قال شیخنا صرح بعضہ اتحاد العلم والدرایۃ۔ وصرح غیرہ بان الدرایۃ اخص من العلم وھی العلم بضرب من الحیلۃ ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ واما قول الراجز لاھم لا ادری وانت الداری فمن عجرفۃ الاعراب (تاج العروس)

ترجمہ: یعنی درایت بذات خود بھی متعدی ہوتا ہے اور با کے ساتھ بھی اس کا تعدیہ کیا جاتا ہے۔ درایت کا معنی ہے میں نے جان لیا۔ میرے شیخ کہتے ہیں کہ علم و درایت ہم معنی ہیں لیکن دوسرے علماء لغت نے تصریح کی ہے کہ درایت علم سے خاص ہے یعنی حیلہ و قیاس سے کسی کو جاننا درایت کہلاتا ہے۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر نہیں کیا جاتا اور ایک رجز گو نے درایت کی نسبت اس مصرعہ میں ذات باری کی طرف کی ہے، یہ اس کا گنوار پن ہے۔

علامہ ابن عابدین نے درایت کی تشریح ان الفاظ سے کی ہے الدرایۃ ای ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ۔ یعنی عقل کا بذریعہ قیاس کسی چیز کو جاننا۔ (رد المحتار جلد اول ص ۷۹)

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ درایت کا مفہوم یہ ہے کہ غور و فکر، ظن و تخمین اور قیاس آرائی سے کسی چیز کا علم حاصل کرنا۔ یہ مفہوم ذہن نشین کر کے اب آیت میں غور کریں، ادنیٰ سا شبہ بھی باقی نہ رہے گا، نہ تخصیص کی ضرورت پڑے گی، نہ نسخ کا قول کرنا پڑے گا۔ آیات قرآنی میں باہمی تضاد رہا، احادیث صحیحہ سے تعارض کی نوبت بھی نہ آئے گی۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ آپ ان کفار کو بتا دیجئے کہ میں اپنی عقل و فہم، ذہانت و فطانت اور قیاس کے ذریعہ جانتا ہوں کہ آخرت میں میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ نہ میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس دنیا میں میرا، مجھ پر ایمان لانے والوں کا اور میری اس دعوت کا انجام کیا ہو گا یا تمہاری سرکشی کی تمہیں کب اور کیا سزا ملے گی۔ ان امور کو میں اپنے فہم و فراست سے نہ تفصیلاً جان سکتا ہوں اور نہ اجمالاً۔ میرا علمی سرمایہ میری عقل و شعور کا اثر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اگر میں نے غور و فکر سے ان حقائق کو جانا ہوتا تو اس میں شک و شبہ کی گنجائش ہو سکتی تھی اور تمہیں یہ حق پہنچتا تھا کہ اس کو جانچو اور اپنی کسوٹی پر پرکھو لیکن میرا علم تو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ اس میں شک و شبہ کا ذرا شائبہ نہیں۔

تھا اور عقل سے درایت کی نفی ہے۔ حالانکہ علم خداوندی کا شرف ہے۔ سکھلانے والا اللہ تعالیٰ ہو اور سیکھنے والا مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا ہو۔ استاذ عالم الغیب والشہادہ ہو اور تلمیذ فاران کا گوشہ نشین ہو۔ بھیجنے والا رب العالمین ہو اور آنے والا رحمۃ للعالمین ہو' وہاں کمی سبکی آئے کیسے؟ کوئی نقص ہو گا تو کس جانب سے؟

آخر میں مفسرین کرام کی چند آراء بھی ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کا آئینۂ دل ہر قسم کے گرد وغبار سے پاک ہو جائے گا۔

علامہ ابن جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متعدد اقوال لکھے ہیں ان میں سے ایک قول حضرت حسن بصریؒ کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: اما فی الآخرۃ فمعاذ اللہ قد علم انہ فی الجنۃ حین اخذ میثاقہ فی الرسل ولکن قال ما ادری ما یفعل بی ولا بکم فی الدنیا أخرج کما أخرجت الانبیاء.

یعنی یہ کہنا کہ حضور کو یہ علم نہ تھا کہ آخرت میں حضور کے ساتھ کیا کیا جائے گا ایسی نازیبا بات ہے جس سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ حضور کو اس وقت سے اپنے ناجی ہونے کا علم تھا جب روز اول ارواح انبیاء سے حضور پر ایمان لانے کا وعدہ لیا گیا تھا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نہیں جانتا کہ دنیا میں مجھے سابقہ انبیاء کی طرح جلا وطن کر دیا جائے گا یا نہیں۔ ابن جریر، حسن بصری کے قول کو صحیح قرار دیتے ہیں ولکن ذلک کما قال الحسن ثم بین اللہ لنبیہ ما ھو فاعل بہ وبمن کذبہ بما جاء بہ من قومہ وغیرہ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس دنیا میں جو معاملہ حضور سے کیا جانے والا تھا اور جو سلوک آپ کی قوم اور دوسرے مکذبین کے ساتھ ہونے والا تھا اس کو بیان کر دیا۔

علامہ نیشاپوری لکھتے ہیں: وانہ لم ینف الا الدرایۃ من قبل نفسہ وما نفی الدرایۃ من جہۃ الوحی۔ یعنی خود بخود جان لینے کی نفی کی گئی ہے اور جو بذریعہ وحی علم ہوا اس کی نفی نہیں۔

علامہ آلوسی نے تو بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے۔ والذی اقول ان المعنی علی نفی الدرایۃ من غیر جہۃ الوحی سواء کانت الدرایۃ تفصیلیۃ او اجمالیۃ وسواء کان ذلک فی الامور الدنیویۃ والاخرویۃ واعتقد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لم ینتقل من الدنیا حتی اوتی من العلم باللہ تعالیٰ وصفاتہ وشئونہ والعلم باشیاء یعد العلم بھا کمالا ما لم یؤتہ احد غیرہ من العالمین. (روح المعانی)

ترجمہ: میرے نزدیک پسندیدہ قول یہ ہے کہ نفی اس درایت کی ہے جو وحی کے بغیر ہو خواہ تفصیلی ہو یا اجمالی، اس کا تعلق دنیوی واقعات سے ہو یا اخروی حالات سے۔ آلوسی کہتے ہیں کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس دنیا سے انتقال نہیں فرمایا جب تک حضور کو اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات اور اس کے شئون کا علم اور تمام ایسی اشیاء کا علم جو وجہ کمال ہے' عطا فرما دیا گیا۔

واللہ اعلم بالصواب وعندہ حسن الثواب والیہ المآب۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ

فرمائیے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ (کتاب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو (تو تمہارا انجام کیا ہوگا) ١٢ حالانکہ گواہی دے چکا

شَاهِدٌ مِّنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ

ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا ١٣

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ⑩ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ ع ١

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔ اور کفار اہل ایمان کے بارے میں

اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ۭ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف ١٤ اور چونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی اس (قرآن) سے تو یہ

١٢ اے کفار! مجھے بتاؤ کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہو اور تم اس کا انکار کر رہے ہو تو تم نے کبھی سوچا اس کا انجام کس قدر ہولناک ہوگا اس لیے عناد اور حسد کو دل سے نکال دو اور اس کتاب الٰہی کو تسلیم کر لو۔

١٣ تعجب ہے کہ بنو اسرائیل کے پاس موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے انہیں تورات عطا کی گئی۔ بنی اسرائیل نے اس کتاب کو بھی مان لیا اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر بھی ایمان لے آئے۔ تمہارے پاس قرآن کریم جیسی عظیم الشان بے مثل کتاب آئی ہے اور اس کتاب کو لے کر آنے والی وہ ہستی ہے جس کی عظمتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے باوجود تم کتاب پر ایمان لائے ہو اور نہ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول پر۔ تم نے غرور و سرکشی کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ سن لو! جو قوم ظلم کو اپنا شعار بنا لیتی ہے اللہ تعالیٰ حق قبول کرنے کی توفیق سے اس کو محروم کر دیتا ہے۔

بعض مفسرین نے شَاهِدٌ سے مراد عبداللہ بن سلام کو لیا ہے لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ ہجرت کے بعد ایمان لائے تھے اور یہ آیت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت مسروق کا قول ہے: "قال مسروق فالتوراة مثل القرآن وموسٰی مثل محمد فاٰمنوا بالتوراة وبرسولهم وكفرتم" (ابن جریر)

١٤ غرور اور تکبر نے انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا کہ وہ عقل کل ہیں جس بات کو وہ پسند کریں وہی پسندیدہ ہے اور جس کو وہ مسترد کر دیں اسے درخور اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے۔ حق و باطل کے پرکھنے کے لیے وہ اپنے آپ کو معیار قرار دیتے تھے چنانچہ جب دعوت اسلام لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے لگی اور ان میں اکثریت غلاموں، کنیزوں، غریبوں اور فقیروں کی تھی تو انہوں نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر اس دین میں کوئی خوبی ہوتی تو بھلا ہم اس کو رد کرتے۔ کیا یہ ممکن ہے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ۝۱۱ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ وَ

اب خود کہیں گے کہ یہ (وہی) پرانا جھوٹ ہے ۔۱۱ حالانکہ اس سے پہلے کتاب موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آچکی ہے ۔ اور

هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى

یہ کتاب (قرآن) ہے اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کرے ظالموں کو اور خوشخبری ہے

لِلْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۲ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ

نیکوکاروں کے لیے ۔۱۲ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے تو ان کو کوئی خوف نہیں

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۳ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ

انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔۱۳ یہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہیں گے اس

کیا ایک ایسی چیز کو قبول کرنے میں یہ لوگ جو علم، تجربہ، دولت، شہرت ہر لحاظ سے ہم سے فروتر ہیں، سبقت لے جاتے؟ — ہرگز نہیں — ہم نے اسلام کو خوب جانچا ہے۔ اس میں ایسی خرابیاں دیکھی ہیں جن کی وجہ سے ہم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ اے لوگو! تم خود سوچو کہ تم ان غلاموں، مفلسوں جیسے بے علم بدو ہیں، کم سمجھ لڑکے ہیں اور ناتجربہ کار ہیں، ان کا منتخب کیا ہوا راستہ اپنے لیے پسند کرنا چاہتے ہو یا جو راہ ہم دانشوروں اور یہاں کے مشائخ و سرداروں نے اختیار کی ہے اس پر چلنا چاہتے ہو۔

۱۱ یہ لوگ خود بدنصیب تھے۔ شقاوت نے ان کو قبولِ حق سے محروم رکھا۔ اب ان کی مرضی ہے کہ ساری دنیا اس نعمت سے محروم رہے، اس لیے وہ بڑی شد و مد سے اسلام کے بارے میں جھوٹا پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ جھوٹ ہے، ایسا جھوٹ جو بہت پہلے سے بولا جا رہا ہے۔ خبردار! اس کے نزدیک نہ جانا۔

۱۲ ان کے اس دعوے کے رد میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قدیم جھوٹ نہیں بلکہ قدیم سچائی ہے۔ ایسی سچائی جس کو ہر زمانہ کے پاکباز لوگوں نے قبول کیا اور حرزِ جان بنایا۔ قرآن کریم سے پہلے ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی جو بعینہٖ وہی دعوت دیتی رہی جس کی دعوت قرآن دے رہا ہے۔ قرآن کریم تورات کی تصدیق کرتا ہے اور جو لوگ ظلم اور نافرمانی کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں ان کو بروقت ہولناک انجام سے آگاہ کرتا ہے اور جن لوگوں نے تقویٰ و پارسائی کو اپنا شعار بنا رکھا ہے انہیں خوشخبری سناتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

۱۳ اس کا بیان حٰم السجدہ میں گزر چکا ہے۔ آیات ۳۰، ۳۱، ۳۲ کے حواشی ملاحظہ ہوں۔

فِيهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ وَوَصَّيْنَا ٱلْإِنسَـٰنَ بِوَٰلِدَيْهِ

میں۔ یہ جزا ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا

إِحْسَـٰنًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُۥ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُۥ وَفِصَـٰلُهُۥ

سلوک کرے ۱۹ اپنے شکم میں اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے اور اس کے حمل اور اس کے دودھ

۱۹ عام طور پر قرآن کریم میں توحید، دلائلِ توحید اور فرائضِ بندگی کے ذکر کے بعد حقوقِ والدین کی طرف زوردار الفاظ میں توجہ دلائی جاتی ہے۔ یہاں بھی مشرکین کی غلط فہمیوں کے ازالے کے بعد اور اہلِ استقامت کی کامرانیوں کے بیان کے بعد قارئین کی توجہ والدین کی خدمت اور دلجوئی کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں کہ وصیت کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو تو اس کا معنی فرض کرنا ہوتا ہے۔ لان الوصیۃ من اللہ انما ھی فرض (لسان العرب) اگرچہ ماں باپ دونوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت اور ہر طرح سے دلجوئی کا حکم بار بار دیا ہے، بایں ہمہ اس آیت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ یہاں ان تکالیف اور مشقتوں کا مفصل تذکرہ ہے جو بچے کے سلسلہ میں صرف ماں برداشت کرتی ہے۔ جس روز رحمِ مادر میں حمل قرار پکڑتا ہے اس وقت سے ماں کی ساری جسمانی قوتیں جنین کی پرورش اور نگہداشت میں صرف ہونے لگتی ہیں، اس کی اپنی صحت کا نظام بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ نیند، بھوک وغیرہ معمولات میں نمایاں فرق رونما ہوتا ہے، طبیعت گراں بار اور افسردہ رہتی ہے اور آئے دن ان مشقتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ پیدائش کے لمحے تو ماں کو جاں کنی کی کیفیت سے دوچار کر دیتے ہیں۔ ان جاں لیوا مرحلوں سے گزرنے کے بعد پھر ایک طویل ریاضت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ دودھ پلانا، صبح و شام اس کی نگہداشت کرتے رہنا، بیماری کی صورت میں رات رات بھر اس کو گود میں اٹھائے رکھنا، اس کے آرام کی خاطر اپنا آرام بڑی خوشی اور رغبت سے قربان کرنا صرف ماں کا حصہ ہے۔ ان تمام مشقتوں کا ذکر کر کے بتا دیا کہ ماں کی خدمت کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے۔ ایک شخص نے رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! میں کس سے نیکی کروں؟ فرمایا ماں سے۔ اس نے عرض کی اس کے بعد، فرمایا ماں سے۔ عرض کی اس کے بعد۔ فرمایا ماں سے۔ عرض کی اس کے بعد۔ چوتھی بار فرمایا اپنے باپ سے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ جو مفسر ہونے کے علاوہ اپنے عہد کے مایہ ناز فلسفی بھی تھے۔ انہوں نے اس آیت کے ضمن میں ان تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے جنین کو مختلف مراحل میں گزرنا پڑتا ہے۔ آپ بھی اس کا خلاصہ سماعت فرمائیے اور دیکھیے کہ وہ خلاقِ عظیم انسان کی پیچیدہ ترین شخصیت کو کس طرح بناتا ہے۔

امام لکھتے ہیں کہ جب منی رحمِ مادر میں پہنچتی ہے تو وہاں کی حرارت کی وجہ سے اس کی ہیئت میں گوناگوں تبدیلیاں رونما ہونے لگتی ہیں۔ چھٹے دن وہ جھاگ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر کئی دن خون کے سرخ نقطے ظاہر ہونے لگتے ہیں، درمیانی نقطہ

ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ

چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے [۱۳] یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا

بعد یہ جما ہوا خون بنتا ہے اور پھر ملا دماغ اور اس میں طرف والا جگر، پھر سرخ رنگ کے دھاگے ظاہر ہوتے ہیں جو ان کو اوپر نیچے ملاتے ہیں یہ علقہ اب دل بن جاتا ہے۔ نو دن کے بعد یہ سارا مادہ خون میں بدلنے لگتا ہے اور چھ روز کی مدت میں وہ لوتھڑا بن جاتا ہے۔ چند روز کے بعد یہ لوتھڑا گوشت کی شکل اختیار کرنے لگتا ہے۔ بارہ دن کی مدت میں تینوں اعضاء رئیسہ جدا ہو جاتے ہیں اور حرام مغز پھیلنے لگتا ہے۔ ستائیس دن کے بعد پانچواں مرحلہ شروع ہوتا ہے سر کندھوں سے الگ ہونے لگتا ہے پسلیاں، ہاتھ اور پیٹ اپنی ابتدائی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اس تبدیلی میں نو دن لگتے ہیں۔ چھٹا مرحلہ چار دن کا ہوتا ہے اس میں مختلف اعضاء اپنی مخصوص شکلیں اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح چالیس دن کے عرصہ میں حضرت انسان کا ابتدائی ڈھانچہ تیار ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی یہ عرصہ پینتالیس دن کا ہوتا ہے اور اس کی کم از کم مدت تیس دن ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ ان طبی تحقیقات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی تصدیق کر دی۔ یجمع خلق احدکم فی بطن امہ اربعین یوما یعنی ماں کے شکم میں تمہاری آفرینش چالیس دن میں پوری ہوتی ہے۔ اگرچہ اس ڈھانچہ کو کامل ڈھلنے تک نشو و نما اس کی اگلی ایک ایک مدت میں صرف ہوتا ہے۔

سبحان من یصور فی الارحام کیف یشاء۔ یقیناً ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جو رحموں میں تصویر کشی کرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔

[۱۳] اس آیت سے اہل علم نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے کیونکہ یہ تیس مہینے حمل اور دودھ چھڑانے کی مجموعی مدت ہے۔ دودھ چھڑانے کی مدت دوسری آیت میں دو سال متعین ہے۔ والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین یعنی مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ اس کے بعد چھ ماہ بچتے ہیں اور یہی حمل کی اقل مدت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پیش کی گئی جس نے شادی کے چھ ماہ بعد بچہ جنا تھا آپ نے اس کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس پر کوئی رجم نہیں۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وحملہ وفصالہ ثلاثون شہرا۔ اس کے حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ پھر فصال کی مدت کے متعلق فرمایا وفصالہ فی عامین دودھ چھڑانے کی مدت دو سال ہے۔ اس کے بعد حمل کے لیے صرف چھ ماہ رہ جاتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ (قرطبی)

قدیم اطباء کی بھی یہی تحقیق ہے۔ حکیم جالینوس سے منقول ہے کہ میں اس امر کی کھوج میں لگا رہا کہ حمل کی کم سے کم مدت کتنی ہے۔ یہاں تک کہ میں نے ایک ایسی عورت دیکھی جس نے ۱۸۴ دن (چھ ماہ چار دن) میں بچہ جنا۔ جدید تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بچے کو کم از کم ۲۸ ہفتے یعنی ۱۹۶ دن رحم میں رہنا پڑتا ہے جو چھ ماہ اور سولہ دن بنتے ہیں۔ دنوں کا یہ شمار اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب عورت حیض سے فارغ ہوتی ہے اور اس طہر کا آغاز ہوتا ہے جس میں حمل قرار پاتا ہے۔ عموماً عورتیں طہر کے پہلے

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ

ہو گیا [۱۲] تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکر ادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور

وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ

میرے والدین پر فرمائی اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صالح (و رشید) کر دے میرے لیے میری اولاد

دلوں میں ہی حمل قرار پائے بلکہ جدید تحقیقات سے تو یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آئندہ حیض سے ۱۴ دن پہلے دو چار روز کے عرصہ میں حمل تلقیح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ سولہ دن کا فرق بھی نہیں رہتا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ کتنی مدت ہے، قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں۔ البتہ بو علی سینا نے اپنی مشہور کتاب "الشفاء" کے نادر مقالہ میں لکھا ہے کہ مجھے نہایت با وثوق ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک عورت کے اس حمل کے چوتھے سال بچہ پیدا ہوا اس کے منہ میں دانت نکل آئے تھے۔ یہ وہ زندہ سلامت رہا۔ ارسطاطالیس نے کہا ہے کہ دیگر حیوانات کے لیے تو حمل کی مدت مقرر ہے لیکن انسان کے بارے میں یقینی تحدید مشکل ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ قرآن کریم نے دودھ پلانے کی تو زیادہ سے زیادہ مدت بیان کی اور حمل کی کم سے کم مدت؟ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ان المقصود من تقدیر اقل الحمل ستة اشهر وتقدیر اکثر الرضاع حولین کاملین السعی فی دفع الضرر والفواحش وانواع التهمة عن المرأة فسبحان من له تحت کل کلمة من هذا الکتاب اسرار عجیبة ونفائس لطیفة تعجز العقول عن الاحاطة بکمالها (تفسیر کبیر)

ترجمہ: یعنی اس میں حکمت یہ ہے تاکہ عورت سے ہر قسم کی تہمت کا انسداد کیا جائے سنگ رسانی اور فحاشی کا قلع قمع ہو سکے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کتاب کے ہر کلمہ میں ہزاروں حکمتیں اور لطیفے ودیعت فرمائے ہیں جن کے احاطے سے عقل عاجز ہے۔

[۱۲] جب انسان کی عمر چالیس سال ہو گئی ہے تو اس کی جسمانی اور ذہنی قوتیں پورے شباب پر ہوتی ہیں۔ اس وقت نہ عنفوان شباب کا وہ منہ زور جوش باقی رہتا ہے نہ بڑھاپے کی کمزوریوں نے پنجے گاڑے ہوتے ہیں۔ جسمانی اور ذہنی اعتبار سے یہ وقت بڑا معتدل ہوتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان الشیطان یجر یدہ علی وجه من زاد علی الاربعین ولم یتب ویقول بابی وجه لا یفلح۔ یعنی وہ آدمی جس کی عمر چالیس سال سے تجاوز کر جائے اور پھر بھی وہ تائب نہ ہو تو شیطان اس کے منہ پر ہاتھ پھیرتا ہے (یعنی پیار کرتا ہے) اور کہتا ہے کہ میں قربان ایسے چہرے پر جو کبھی سرخرو نہ ہو گا۔ حضرت ابن عباس سے منقول ہے من اتی علیه الاربعون سنة فلم یغلب خیرہ شرہ فلیتجهز الی النار (روح المعانی)

ترجمہ: جس کے چالیس سال گزر جائیں پھر بھی اس کی نیکی اس کی برائی پر غالب نہ ہو تو ایسے شخص کو دوزخ کی تیاری کر لینی چاہیے۔

ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝١٥ أُولٰٓئِكَ

میں راسخ فرما دے۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں ۲۲ یہی وہ

الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ

(خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے،

۲۲ بندۂ مومن کے عقائد و نظریات، اس کے افکار اور سوچ کا انداز، اس کی آرزوؤں اور امنگوں اور اس کی منزل مراد کا عکس جمیل اس آیت کے آئینے میں دیکھا جا سکتا ہے۔

سب سے پہلے وہ ان انعامات و احسانات کا اعتراف کرتا ہے جو اس پر کیے گئے ہیں، جن سے نہ صرف اس کو بلکہ اس کے والدین کو بھی نوازا گیا ہے۔ اعترافِ نعمت پر بس نہیں کرتا بلکہ ان کا کما حقہٗ شکر ادا کرنے کی توفیق مانگتا ہے اور یہ توفیق وفقنی کے لفظ سے نہیں بلکہ اَوْزِعْنِیْ کے کلمہ سے طلب کی جا رہی ہے کیونکہ اس لفظ سے طلب توفیق کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کی توفیق مانگی جا رہی ہے اس کے دل میں اس کی شدید لگن اور صد درجہ شیفتگی بھی پائی جاتی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں رغبنی و وفقنی من اوزعته بكذا اى جعلته مولعا به راغبا فی تحصیله (روح المعانی) علامہ ابن منظور فرماتے ہیں اس آیت میں اوزعنی کا معنی یہ ہے کہ میرے دل میں شکر کا جذبہ الہام کر اور مجھے اس کا شوق دے

ومعنى اوزعنى، ألهمنی وأولعنی (لسان العرب)

اس لفظ نے اس دعا کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

اس کے بعد عمل صالح کے لیے التجا کی جا رہی ہے، لیکن وہ عمل صالح نہیں جس کو لوگ تو صالح کہیں، لوگ تو تحسین و آفرین کے پھول برسائیں لیکن ریا یا کسی دوسری خرابی کے باعث بارگاہِ الٰہی میں اسے مسترد کر دیا جائے۔ اس لیے عرض کی کہ ایسے نیک اعمال کی توفیق مرحمت فرما جنہیں تو بھی پسند کرے۔ پھر عرض کرتا ہے کہ الٰہی ایسا نہ ہو کہ جب تک میری شمع حیات روشن ہے نیکی اور خلوص کا اجالا پھیلتا رہے، ادھر یہ شمع گل ہو اور ادھر غفلت کا اندھیرا چھا جائے۔ میرے اللہ! جو اولاد تو نے اپنے اس بندے کو عطا فرمائی ہے میرے سفید بالوں کی لاج رکھنا، ان کو شیطان کے نرغے میں پھنسنے سے بچا، ان کی جبینیں تیرے حضور میں جھکتی رہیں، ان کے دلوں پر تیرے انوار رحمت کی برکھا برستی رہے۔ ان کے سینوں کو اپنے محبوب کریم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی غلامی اور زندہ عشق کی دولت سے مالا مال فرما، جب تک زندہ رہیں تیرے بندے بن کر، تیرے پیارے رسول کے غلام بن کر اور تیرے دین حنیف کے سچے مخلص اور وفا شعار خادم بن کر زندہ رہیں۔

واصلح لی فی ذریتی میں "لی" اور "فی" کے الفاظ بڑے معنی خیز ہیں۔

دعا کے آخری جملے کیا ہیں، اظہار بندگی کی انتہا، تسلیم و رضا کا مظہر اتم، بندہ عرض کرتا ہے میرے رب! سب سے منہ

فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝۱۶ وَالَّذِيْ

یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (ان سے) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے ۲۳؎ اور جس نے

قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

کہا اپنے والدین کو تُف ہے تم پر کیا تم مجھے یہ دھمکی دیتے ہو کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گزر چکی ہیں کئی صدیاں

مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی واپس نہیں آیا) اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوئے (کہتے ہیں) تیرا ستیاناس ہو ایمان لے آ۔

حَقٌّ ښ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۷ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ

یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے تو وہ (جواباً) کہتا ہے نہیں ہیں یہ چیزیں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں ۲۴؎ یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر

حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ

ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں

موڑ کر میں تیری طرف، صرف تیری طرف رجوع کرتا ہوں نیز میں ان لوگوں میں سے ایک ہوں جنہوں نے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ترانۂ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا نعرۂ مستانہ لگایا اور اپنی گردنیں جھکا دیں۔

مومن کو چاہیے کہ اس دعا کو یاد کرے اور صدق دل سے ہر وقت ان پاکیزہ کلمات سے صدا دیتا رہے۔

۲۳؎ پہلے شانِ بندگی کا اظہار تھا یہاں شانِ بندہ نوازی ہے یعنی اللہ تعالیٰ دلبری سے جلوہ نما ہے۔ انسان کو یہ مقام نصیب ہو جائے تو اسے اور کیا چاہیے۔

۲۴؎ سابقہ آیات میں بندۂ مومن کا کردار بیان کیا گیا کہ وہ ہمیشہ رب کا اطاعت گزار اور اپنے والدین کا فرمانبردار ہوتا ہے جن کی گود میں اس نے پرورش پائی۔ اب ایسے شخص کا کردار بیان کیا جا رہا ہے جسے آخرت پر ایمان نہیں۔ وہ اپنے خالق سے تو کٹ گیا ہے اپنے ماں باپ کا گستاخ ہے انہیں بات بات پر جھڑکتا ہے۔ اگر وہ اس کی اصلاحِ احوال کے لیے کوشش کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتا ہے۔ جب ان کی حق بات سنتا ہے تو کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ ان دونوں کرداروں کا تقابلی مطالعہ کیجیے آپ کو خود پتہ چل جائے گا کہ آخرت پر ایمان لانے والے اور آخرت کا انکار کرنے والے میں کتنا اور کیسا فرق ہوتا ہے۔

۲۵؎ ماں باپ کی شفقت ملاحظہ ہو بیٹا بگڑ گیا ہے پھر بھی اس کے ہدایت یافتہ ہونے کی عاجزانہ دعائیں کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ

الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٨﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا ۖ

اور انسانوں میں سے بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے ۔ اور ہر ایک کے لیے درجے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق

وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ

اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس روز لا کر کھڑا کر دیا جائے گا

كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ

کفار کو آگ کے سامنے (انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر لیا تمام اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھا لیا تم نے

بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي

ان سے سو آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم

اسے ہی بھاری ہیں۔

۲۶ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبرؓ کے بیٹے عبدالرحمن یا عبداللہ کے حق میں نازل ہوئی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا کرتے تھے۔ اس آیت سے اس رائے کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے ان کے بارے میں عذاب کا فیصلہ قطعی ہے، لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہما دونوں مشرف باسلام ہوئے اور ان کا شمار اکابر اسلام میں ہوتا ہے۔

۲۷ اہل ایمان درجے وشاں کریں اور دوزخ میں ان کے اعمال کے مطابق جگہ ملے گی۔

۲۸ کفار کو روز حشر جہنم کے کنارے لا کر کھڑا کیا جائے گا۔ انہیں اپنی دنیوی شان و شوکت یاد آئے گی۔ دنیا میں جو اچھے کام انہوں نے کیے تھے وہ انہیں یاد کریں گے۔ انہیں بتایا جائے گا کہ تم نے جو اچھے کام کیے تھے ان کا معاوضہ تمہیں دنیا ہی میں دے دیا گیا تھا، تمہیں دولت دی گئی، عزت دی گئی، شہرت دی گئی، تمہارا سارا حساب چکا دیا گیا، اب تو تمہیں بس تکبر و سرکشی کی سزا دی جائے گی جو تم کرتے رہے اور بار بار سمجھانے کے باوجود باز نہیں آئے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمداً زندگی کی آسائشوں، لذیذ کھانوں اور شاندار مکانات سے اجتناب فرمایا کرتے تھے ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول ایک چٹائی پر کروٹ لیے ہے جو ریت پر بچھی ہوئی ہے اور ریت بدن مبارک پر لگی ہوئی ہے چمڑے کا ایک گدا ہے جس میں کھجور کے پتے بھرے ہیں۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ تو بڑے آرام و عشرت کی زندگی بسر کریں اور اللہ تعالیٰ کا حبیب یوں بیت المقدس پر بیٹھے۔ یا رسول اللہ دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو بھی رزق عطا فرمائے۔ سرور کائنات نے فرمایا: اما ترضٰی ان تکون لھم الدنیا ولنا الاٰخرۃ

الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ

زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے۔ اے حبیب! ذکر سنایئے انہیں قوم عاد کے بھائی

اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ

(ہود) کا جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ۲۸؎ اور گزر چکے تھے ڈرانے والے اس سے پہلے بھی اور

سے عمر! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ انہیں دنیا دے دی جائے اور ہمیں آخرت۔

اس حسن تربیت اور نگہِ شفقت کا نتیجہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم ہمیشہ ملذات و عشرت سے کنارہ کش رہے اپنے عہد خلافت میں بھی سادگی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ فتح بیت المقدس کے سلسلہ میں آپ شام تشریف لے گئے آپ کے اعزاز میں بھی پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ دستر خوان پر چنے ہوئے رنگ برنگ کھانوں کو دیکھ کر فرمایا یہ ہمارے لیے ہے ان فقیر مسلمانوں کو کیا ملا جنہوں نے عمر بھر جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہ کھائی۔ حضرت خالد نے عرض کی لہم الجنۃ: انہیں تو جنت مل گئی۔ یہ سن کر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کاش ہمارے لیے دنیا کا یہ ایندھن ہے اور انہیں جنت مل گئی ہے تو وہ ہم سے بہت آگے نکل گئے۔

۲۸؎ قریش کو ایک ایسی قوم کی تباہی کا حال سنایا جا رہا ہے جو ان سے جسمانی قوت، مال و دولت کے اعتبار سے کہیں بڑھے ہوئے تھے اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کے باعث سارے عرب میں معروف تھے لیکن جب انہوں نے راہ حق سے انحراف کر لیا اور اپنے نبی حضرت ہود علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود باز نہ آئے تو ان کو نیست و نابود کر دیا گیا۔

الاحقاف: مشہور جغرافیہ دان یاقوت حموی اس عنوان کے ضمن میں لکھتے ہیں:

الاحقاف جمع حقف من الرمل والعرب تسمی الرمل المعوج حقافا واحقافا والاحقاف المذکور فی الکتاب العزیز: الاحقاف رمل فیما بین عمان الی حضرموت۔ (معجم البلدان جلد دوم)

ترجمہ: احقاف، حقف کی جمع ہے اور عرب ریت کے ان ٹیلوں کو جو ٹیڑھے ہوں حقاف یا احقاف کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں احقاف سے مراد وہ ریگستان ہے جو عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا ہے۔

اس کا کل رقبہ تین لاکھ مربع میل بتایا جاتا ہے آج کل اسے الربع الخالی کہتے ہیں۔ بعض مقامات پر ریت اتنی باریک ہے کہ جو چیز وہاں پہنچے اندر دھنستی چلی جاتی ہے۔ بڑے بڑے مہم جو سیاح بھی اس کو عبور کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔

یہی وہ علاقہ ہے جہاں کسی زمانہ میں اپنے عہد کی ایک طاقتور، زبردست اور متمدن قوم آباد تھی جس کی دولت و ثروت کے افسانے دور و نزدیک ہر زبان زد عام تھے۔ جب انہوں نے اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیا تو عذاب الٰہی نے ان کا نام و نشان تک صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ آج اس علاقہ کی ویرانی اور بربادی کو دیکھ کر یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ بلاد قوم عاد کا مسکن تھا۔ یہاں

صحرائے الاحقاف ۔ متعلقہ آیت ۲۱ سورہ الاحقاف

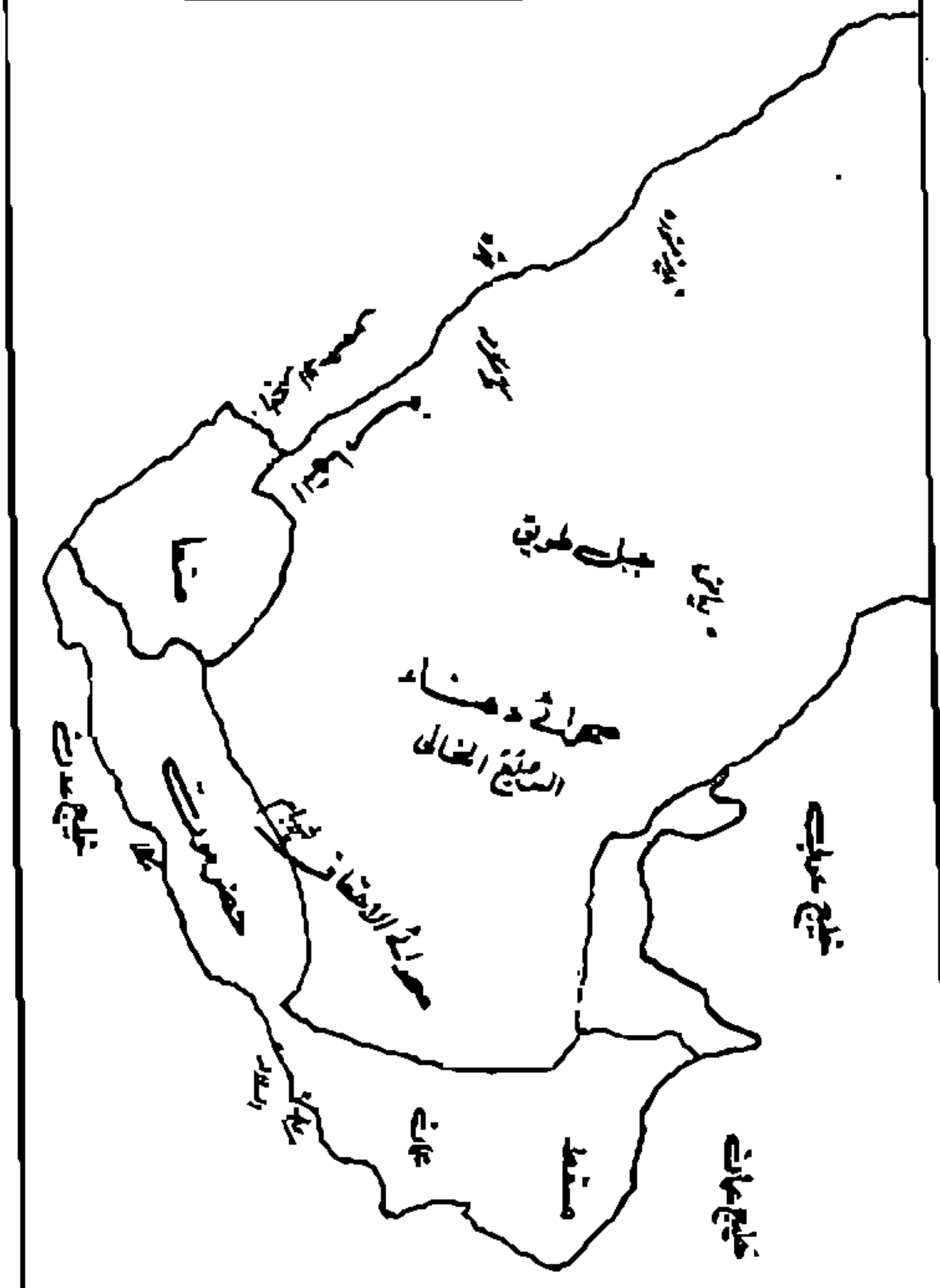

مِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ

ان کے بعد بھی (یہ کہتے ہوئے) کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ

عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

آجائے۔ سے وہ (بڑے غضبناک ہو کر) بولے (اے ہود!) کیا تم اس لیے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کر دو پس لے آؤ وہ عذاب جس

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۡ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ

کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے ۳۲ اور میں تو پہنچا رہا ہوں

اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا

تمہیں وہ پیغام جو دے کر مجھے بھیجا گیا ہوں لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو

مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا

بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم پر برسنے والا ہے ۳۳ (نہیں نہیں) بلکہ یہ تو وہ

کبھی گنجان شہر اور بارونق بستیاں آباد تھیں، یہاں کبھی پھل پھولتے تھے اور بلبلیں چہچہاتی تھیں، یہاں کبھی میٹھے پانی کے چشمے ابلتے اور نہریں بہتی تھیں۔ لیکن ان کی سرکشی نے انہیں برباد کر دیا۔ کیا تم ایسے عبرت ناک انجام کے لیے تیار ہو؟

۳۰ یہ جملہ معترضہ ہے بتایا کہ حضرت ہود ان میں آنے والے پہلے نبی نہ تھے بلکہ ان سے پیشتر کئی نبی تشریف لا چکے تھے اور بعثت انبیاء کا سلسلہ ان کے بعد بھی جاری رہا۔

۳۱ انہوں نے ہود علیہ السلام کی دعوت کو سنا تو غصہ سے لال پیلے ہو گئے کہنے لگے اچھا تم اس لیے آئے ہو کہ ہمیں اپنے خداؤں سے برگشتہ کر دو، ہمیں اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے بہکا دو۔ جاؤ ہم تمہاری بات نہیں مانتے جس عذاب سے تم ہمیں ہر وقت ڈراتے رہتے ہو اسے لے آؤ۔

۳۲ آپ نے فرمایا عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ جب موعود گھڑی آئے گی تو عذاب خود بخود آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس نے تمہاری تباہی کے لیے کون سی تاریخ مقرر فرمائی ہے۔ میرا کام تمہیں بروقت خبردار کرنا ہے اور تم ہو کہ جہالت اور نادانی کی سی باتیں بنا رہے ہو۔

۳۳ جب مقررہ وقت آپہنچا تو افق پر انہیں کالی گھٹا نظر آئی جو ان کی وادی کی طرف مستانہ وار بڑھتی چلی آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر

اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ

عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے (یہ تو) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے

رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ

رب کے حکم سے پس وہ ایسے ہو گئے کہ نہیں دکھائی دیتی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے

الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِیْمَاۤ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِیْهِ وَجَعَلْنَا

ہیں مجرموں کو۔ اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کیے تھے

لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖؗ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَاۤ

انہیں کان، آنکھیں اور دل ۲٦ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ

اَبْصَارُهُمْ وَلَاۤ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ

ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی آیتوں

کہ ان کے باغ سرسبز ہو گئے۔ بادل آیا، ابھی برسے گا، کرہ ارض سیراب ہو جائیں گے، ندیاں، نالے اور وادیاں پانی سے لبریز ہو جائیں گی۔

۲۴ نادانو! یہ بارش نہیں، اللہ کا عذاب ہے جو شدید تیز آندھی کی شکل میں نمودار ہو رہا ہے۔ چنانچہ سات راتیں اور آٹھ دن مسلسل جھکڑ چلتا رہا۔ وہ ملک ریت کے نیچے دفن ہو گئے۔ ان کی بستیوں کا نام و نشان تک مٹ گیا اور ان کے محلات کی بنیادیں لرز گئیں۔

۲٦ قوت و طاقت میں وہ تم سے کہیں زیادہ تھے۔ انہیں سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سمجھنے کے لیے دل دیئے گئے تھے لیکن انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور آیات الٰہی کا پیہم انکار کرتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی ساری صلاحیتیں بیکار ہو کر رہ گئیں اور ان کا انجام تباہ و برباد ہونا ہوا۔

ان آیات کو پڑھ کر یونہی آگے نہ بڑھ جائیے بلکہ لمحہ دو لمحہ کے لیے توقف فرمائیے۔ ان آیات میں آپ کے لیے جو درس عبرت ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

قرآن حکیم نے ان واقعات کو کہانی اور داستان کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ اپنے قارئین کے شعور کو بیدار کرنے کے لیے، ان کو اپنا محاسبہ کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے، ان کے اعمال کے آئینہ میں انہیں ان کا چہرہ دکھانے کے لیے ان واقعات کو پیش کیا ہے۔ غور کیجیے اور بتائیے کیا ہم اپنے کانوں، اپنی آنکھوں اور فہم و فراست کی قوتوں کو صحیح استعمال کر رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ رحمت کے تقاضے اٹل ہیں۔ یہ

اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا

کا اور احاطہ کر لیا ان کو اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیں وہ بستیاں

حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا

جو تمہارے ارد گرد آباد تھیں ۲۷ اور ہم نے مختلف انداز سے اپنی نشانیاں بیان کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔ پس کیوں

نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا

مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر (اس کا) قرب حاصل کرنے کے لیے اپنا خدا بنا رکھا تھا ۲۸ بلکہ وہ تو ان سے

عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ

غائب ہو گئے اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے۔ اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی

ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ کسی کی خاطر ان میں رد و بدل نہیں کیا جاتا۔

۲۷ اے اہل مکہ! تمہارے قریب ہی عاد و ثمود، قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیوں اور ویران بستیوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ تمہارے تجارتی قافلے ان کے پاس سے گزرتے ہیں۔ ان کے در و دیوار سے پوچھو کہ ان پر کیا بیتی۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں نے یہاں بسنے والوں کو کتنا سمجھایا، طرح طرح کے معجزات دکھلائے، لیکن بدبختوں نے ان پر اپنی ضد جاری رکھا تھا کہ انہوں نے ان کی ایک نہ سنی۔ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر معبودانِ باطل کی بندگی کا دم بھرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہو گئے۔

۲۸ انہیں اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی قوت پر بڑا ناز تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تو وہ یوں غائب ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ اس آڑے وقت میں انہوں نے اپنے پجاریوں کی خبر تک نہ لی۔ ان بتوں کی خدائی کا دعویٰ، ان بے جان معبودوں کی مدد پر بھروسا اور ان کی شفاعت پر یقین یہ سراسر فریب ہے۔ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ اس آیت سے یہ بھی کفار کے عقیدہ کی حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اپنے بتوں کو الٰھۃ یعنی خدا اور معبود یقین کیا کرتے تھے۔ جو بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوا خدا اور معبود تسلیم کرتا ہے اس کا یہی حال اور انجام ہو گا۔

۲۹ علامہ قرطبی الذین اتخذوا من دون اللہ قربانا الھۃ کی ترکیب کرتے ہوئے لکھتے ہیں اتخذوا کا مفعول اول ضمیر محذوف ہے جس کا مرجع الذین ہے اور الھۃ مفعول ثانی ہے اور قربانا حال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قربانا کو مفعول ثانی اور الھۃ کو اس کا بدل بنانا درست نہیں۔

نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ

طرف جنات کی ایک جماعت تاکہ وہ قرآن سنیں تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو (آپس میں) کہنے لگے خاموش ہو کر سنو۔

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝۲۹ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا

پھر جب تلاوت ختم ہو گئی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے بن کر۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم!

سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۰ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ

رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف

۲۹؎ جنات بھی حضور کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ اس آیت میں بارگاہ رسالت میں جنات کی پہلی حاضری کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق یہ واقعہ وادی نخلہ میں پیش آیا جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عشاء کی نماز یا صبح کی نماز میں تلاوت فرما رہے تھے۔ جنوں کے ایک گروہ کا گزر اس وادی سے ہوا۔ یہ ایمان افروز کلام سن کر وہ رک گئے اور ایک دوسرے کو تاکید کی کہ خاموشی سے سنیں۔ جب انہوں نے قرآن کریم کی آیات کو سنا تو ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ خود اسلام قبول کیا اور اسلام کے داعی اور مبلغ بن کر اپنی قوم کے پاس پہنچے۔ انہیں بتایا کہ کس طرح انہیں کلام الٰہی سننے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ وہ ایسا کلام ہے جو گزشتہ انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، راہ حق کو واضح کرتا ہے۔ ان جنوں نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ ایک سچے داعی کے پیغام پر ایمان لائیں۔ ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ انہیں عذاب الٰہی سے نجات مل جائے گی۔

اس کے علاوہ ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد جنات کی حاضری کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ حضور کی زبان اقدس سے کلام الٰہی سنتے۔ شریعت کے مسائل دریافت کرتے اور اپنی قوم میں جا کر ان کی تبلیغ کرتے۔ علامہ خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے چھ بار جنات حاضر خدمت اقدس ہوئے تھے اس طرح وہ احادیث جن میں اس واقعہ کو مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے ان میں بھی تطبیق ہو جائے گی۔

جنات کی تبلیغ کا ایک عجیب واقعہ علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"حضرت عباد بن ماتب بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں سے ارشاد فرما رہے تھے کہ آپ نے پوچھا تم میں سواد بن قارب ہے؟ خاموشی طاری رہی۔ آئندہ سال پھر آپ نے یہ سوال دہرایا۔ میں نے عرض کی یہ سواد کون صاحب ہیں؟ فرمایا ان

نقشہ متعلقہ سورہ الاحقاف
آیت نمبر۲۹

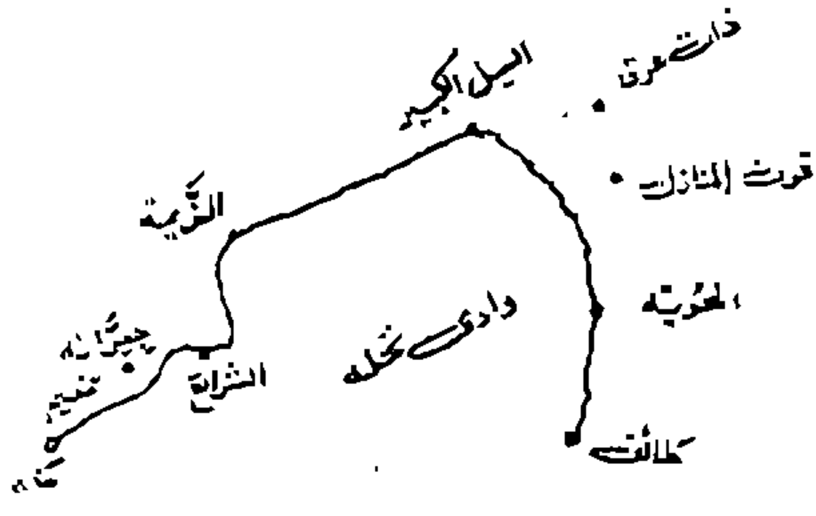

اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ

بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور بچالے گا تمہیں دردناک عذاب

اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ

سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں کہ اس سے نکل کر

لَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَوَلَمْ

بھاگ نکلے اور نہیں ہیں اس کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (سرکش لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں۔ کیا انہوں نے

کے ایمان لانے کا واقعہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ اسی اثناء میں حضرت سواد بھی آپہنچے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اے سواد! اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرو۔ سواد نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں ہند میں تھا اور ایک جن میرا دوست تھا۔ ایک شب میں سویا ہوا تھا اور اس نے آکر مجھے خواب میں کہا اٹھو اور میری بات غور سے سنو۔ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ لوی بن غالب سے ایک نبی مبعوث فرمایا ہے۔ وہ بار بار اس پر ایمان لاؤ۔ تین رات یونہی ہوتا رہا۔ اس کے بار بار کہنے سے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہو گئی۔ میں اونٹنی پر سوار ہوا اور مکہ کو چل پڑا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ حضور کے آس پاس حلقہ بنائے بیٹھے ہیں۔ جب حضور کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمایا مرحبا بک یا سواد بن قارب! قد علمنا ما جاء بک۔ اے سواد! خوش آمدید جو تجھے لے آیا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے چند شعر عرض کیے ہیں۔ اجازت ہو تو پیش کروں۔ حضور نے اجازت دی۔ انہوں نے قصیدہ پیش کیا۔ ابتدا میں اپنے خواب کا واقعہ بیان کیا۔ پھر بڑے محبت بھرے انداز میں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ چند شعر آپ بھی سنیے:

① فَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ — وَأَنَّكَ مَأْمُوْنٌ عَلٰى كُلِّ غَائِبِ

② وَأَنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِيْنَ وَسِيْلَةً — إِلَى اللّٰهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِيْنَ الْأَطَايِبِ

③ فَمُرْنَا بِمَا يَأْتِيْكَ يَا خَيْرَ مُرْسَلٍ — وَإِنْ كَانَ فِيْمَا جَاءَ شَيْبُ الذَّوَائِبِ

④ وَكُنْ لِيْ شَفِيْعًا يَوْمَ لَا ذُوْ شَفَاعَةٍ — سِوَاكَ بِمُغْنٍ عَنْ سَوَادِ بْنِ قَارِبِ

ترجمہ ① میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی رب نہیں ہے اور آپ کو ہر قسم کے غیبوں کا امین بنایا گیا ہے۔
② اے بزرگوں اور پاکیزہ لوگوں کے فرزند تمام رسولوں سے آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت قریب ہے۔
③ جو حکم آپ کے پاس آئے آپ ہمیں اس کا حکم دیجیے ہم سر کے اشارہ سے تعمیل کریں گے خواہ اس حکم کی تعمیل میں ہمارے بال بھی سفید ہو جائیں۔
④ یا رسول اللہ! اس روز سواد بن قارب کی شفاعت فرمانا جبکہ حضور کے بغیر کسی کی شفاعت کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی۔

يَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ

نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں

بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى إِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

وہ قادر ہے اس پر کہ مُردوں کو زندہ کر دے ۴۲؎ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ أَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ

اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں۔

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

کہیں گے ہاں اپنے رب کی قسم یہ حق ہے ۴۳؎ اللہ فرمائے گا اچھا اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔

عشق و محبت، ایمان و یقین سے لبریز یہ اشعار سن کر حضور مسکرا پڑے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے اور مجھے فرمایا افلحت یا سواد! اے سواد! تم دونوں جہانوں میں کامیاب ہو گیا۔

امیر المومنین نے پوچھا کیا وہ جن اب بھی تمہارے پاس آتا ہے؟ عرض کی جب سے میں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا پھر نہیں آیا۔ میں خوش ہوں کہ اس جن کے عوض مجھے قرآن کریم جیسا صحیفہ ہدایت مل گیا۔

اس آیت میں جن اجنبیوں کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ جن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔

۴۲؎ مُردے زندہ کرنے کی طرف ہے جو قیامت کے منکر تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ تھک نہیں گیا کہ اب وہ تمہاری موت کے بعد تمہیں زندہ نہ کر سکے۔ اس کی قدرت اعلیٰ کی طاقت کے سامنے تمہارا دوبارہ حیات [illegible] کام تھا۔ اس کا [illegible] جس نے اس کائنات کو پیدا کیا اس کے لیے یہ مشکل ہے کہ تم کو خاک میں مل جانے کے بعد [illegible] جب وہ نہیں [illegible] زندہ کرتا چلا [illegible] آسمان و زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن اپنی تھکاوٹ دور کرنے کے لیے [illegible] آرام کیا [illegible] بھی ملاحظہ فرمائیے۔ چنانچہ تورات کتاب خروج باب ۳۱ کی آیت ۱۷ یہ ہے،

"اس لیے کہ چھ دن میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کر کے تازہ دم ہوا۔"

ذات باری کے متعلق قرآن کریم نے جو تصور پیش کیا ہے اس کی روشنی میں تورات کی اس آیت کا مطالعہ فرمائیے۔

۴۳؎ کفار کو کتنی بار سمجھایا کہ ضلالت و گمراہی سے باز آ جاؤ اور دین اسلام کو قبول کر لو۔ قیامت کے دن جب انہیں

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ ۚ

پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجیے جس طرح اولو العزم رسولوں نے صبر کیا تھا ۶۰ اور ان کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کیجیے

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ ۚ

جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے (دنیا میں) مگر دن کی ایک گھڑی۔

بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

یہ پیغام حق ہے۔ پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا ۶۱

روز قیامت کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کیا یہ وہ روز نہیں جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔ بتاؤ یہ ایک حقیقت ہے یا نہیں۔ اس وقت انہیں تسلیم کیے بغیر چارہ نہ ہوگا لیکن اب بخشش کہاں، انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

۶۰ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محبوب! کفار کی شر انگیزیاں، فتنہ پردازیاں اور اسلام کے خلاف ان کی سازشیں آپ کو دل برداشتہ نہ کر دیں بلکہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ آپ سے پہلے جو انبیاء و رسل ہو گزرے ہیں جو مبعوث فرمائے گئے ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں کا سلوک بڑا ظالمانہ اور سنگدلانہ تھا۔ انہوں نے ہمیشہ عزیمت و حوصلے سے کام لیا۔ ان کی مخالفت کی پروا نہ کی اور اپنا فریضہ دعوت انجام دیتے رہے۔ آپ بھی انہی کی سنت پر عمل کرتے رہیں۔ بڑی اولو العزمی اور پامردی سے اسلام کی دعوت پہنچاتے رہیں۔ فریضہ تبلیغ پوری قوت سے انجام دیں۔ اگر یہ کفر و عصیان سے باز نہیں آئیں گے تو خود ہی پچھتائیں گے۔ آیت میں بلاغ کا لفظ ہے، یہ مرفوع ہے اور اس کی مبتدا ہذا محذوف ہے۔

۶۱ وہی لوگ ہلاک ہوتے ہیں جو نافرمانی کی راہ پر گامزن رہتے ہیں اور فسق و فجور میں اپنی قیمتی زندگی اور گراں بہا صلاحیتیں برباد کرتے رہتے ہیں۔ جو لوگ اطاعت و انابت کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں اللہ تعالیٰ خود ان کا محافظ و نگران ہوتا ہے۔ دشمن کی شر انگیزیوں سے خود ان کو بچاتا ہے، نفس و شیطان کے مکر و فریب سے خود ان کی نگہداشت کرتا ہے۔

○

الحمد للہ الحمد ولہ الشکر

وعلی حبیبہ المصطفیٰ وصفیہ المجتبیٰ التحیۃ والثناء

اللہم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

تعارف

سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نام: اس سورۂ مبارکہ کے دو مشہور نام ہیں۔ سورۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، اور سورۃ القتال۔ اس سورت میں چار رکوع، اڑتیس آیتیں، پانچ سو انچاس کلمات اور دو ہزار چار سو پچھتر حروف ہیں۔ دوسری آیت میں یہ نام نامی مذکور ہے۔ یہی اس سورت کا نام بھی مقرر کر دیا گیا۔ بلکہ انسانیت کو یہاں دو حصوں، گروہ اہل اللہ اور اہل کفر میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس کا دارومدار اس کتاب ہدایت پر ایمان لانے یا نہ لانے پر ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل ہوئی۔ نیز اس سورت کی آیت نمبر ۲۰ میں قتال کا ذکر بکثرت ہے۔ اس کو اس سورت کا عنوان بنا دیا گیا۔ اس سورت میں اسلام اور کفر کے مابین جنگ کا ذکر اور اس کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

زمانۂ نزول: جب مکہ کی سرزمین کفار کے ظلم و ستم کے باعث اہل اسلام کے لیے تنگ ہو گئی تو وہ اپنی دولت ایمان کو ان کی دست برد سے بچانے کے لیے اپنے گھربار، زمینیں اور کاروبار سب چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ پہنچ گئے۔ سب کچھ ان سے چھن گیا تھا لیکن وہ خوش تھے کہ اب یہ مصطفیٰ کریم ان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اب وہ یہاں پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے رب کے ذکر اور اس کی عبادت میں اپنے شب و روز بسر کریں گے۔ دعوت دین کا جو کام مکہ میں پوری طرح نہیں ہو سکا، یثرب کے پرامن ماحول میں آسانی سے تکمیل پذیر ہوگا۔ لیکن اہل مکہ نے انہیں یہاں بھی آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ ان کی مختلف ٹولیاں آتیں، مدینہ کے گرد و نواح میں لوٹ مار مچاتیں، اونٹ، بھیڑ بکریاں ہانک کر لے جاتیں۔ اکا دکا مسلمان ہتھے چڑھ جاتا تو اس کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کرتیں۔

غریب الوطن مسلمانوں کے لیے انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ اگر مسلمان بے حسی کا مظاہرہ کریں، یہاں تک کہ ان سے اٹھنے والی آندھیاں کہیں دین اسلام کی شمع ہی کو گل کر دیں۔ اور ان کو کوئی غور و فکر سے منادیں۔ اگر وہ اس دین کو جو فرزندان عرب کو جان و دل سے بھی زیادہ عزیز ہے، اس کے چراغ کو بجھتا نہیں دیکھ سکتے اور اپنی اہمیت کا بھی احساس ہے کہ بزم عالم کو نور ہدایت سے منور کرنے کے لیے ان کا زندہ رہنا بلکہ شان و شوکت اور قوت و سطوت کے ساتھ زندہ رہنا ضروری ہے تو پھر انہیں معرکۂ میدان جنگ میں آنا ہوگا۔ انہوں نے تیرہ سال صبر کیا، بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ مظالم برداشت کیے۔ اس بارے میں اب مزید صبر خودکشی کے مترادف ہے۔ لیکن وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول کے حکم کے پابند تھے، از خود تو کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ سورۃ الحج کی آیت نمبر ۳۹ میں کفار سے جنگ کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰ نے جہاد کا حکم دیا۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں۔ حد سے تجاوز نہ کرو۔ بے شک

اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

حالات بے شک اس امر کا تقاضا کر رہے تھے کہ کفار کے ساتھ پنجہ آزمائی کی جائے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا مسلمان اس پوزیشن میں تھے کہ وہ کفار کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔

افرادی طاقت بہت قلیل تھی پہلے معرکے میں صرف تین سو تیرہ مجاہد شریک ہو سکے تھے۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی جس کے وسائل نہایت محدود تھے کیا جنگ کی ضروریات اسلحہ، خوراک، سواری کے جانور مہیا کر سکتی تھی؟ مدینہ کے مقابلے میں مکہ بڑا شہر تھا وہاں کے اکثر لوگ تجارت پیشہ تھے۔ دولت کی وہاں کمی تھی نہ وسائل کی قلت۔ افرادی تعداد میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی لیکن ان ناسازگار حالات کے باوجود مسلمانوں کے لیے فیصلہ کن گھڑی آپہنچی تھی۔ یہ حالات تھے جب یہ سورۂ مبارکہ نازل ہوئی۔

مختصراً مضمون: اس سورت کے نزول سے تذبذب کی کیفیت ختم ہوگئی۔ کفار کی تعداد کی کثرت، وسائل کی فراوانی کے باعث مسلمانوں کو جو خدشہ تھا وہ دور ہو گیا۔ ابتدائی آیتوں ہی میں واضح طور پر بتا دیا کہ کفار جو خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو حق کو قبول کرنے سے بھی روک رہے ہیں، اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف ان کی جدوجہد کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ ان کی ساری محنت اور کوشش خاک میں مل جائے گی۔ اہل ایمان کی کمزوریوں کو دور کر دیا جائے گا اور کامیابی کا تاج ان کے سر پر سجایا جائے گا۔

یہ فرمانے کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ میدانِ جنگ میں وہ کفار کے پرخچے اڑا دیں۔ اسیرانِ جنگ کے ساتھ جو برتاؤ کرنا ہے اس کے اصول بتا دیے۔ ساتھ ہی واضح کر دیا کہ میدانِ جہاد میں جو مسلمان قتل ہوگا اسے شہادت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازا جائے گا۔ اسلام کے جس گلشن کی آبیاری وہ اپنے خون سے کریں گے وہ سدا شاداب و سرسبز رہے گا اور ان کی قربانیوں کے طفیل آنے والی نسلیں بھی نورِ حق سے اپنے دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔

اہل ایمان کو صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اگر تم نے سچے دل سے اپنی پوری قوت اور توانائیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دینِ اسلام کی مدد کی تو کفر کے تند و تیز ریلے کے سامنے اللہ تعالیٰ تمہیں تنہا نہیں چھوڑے گا بلکہ اس کی نصرت تمہاری پشت پناہی کرے گی۔ آسمان کے فرشتے تمہارے دوش بدوش کفار سے نبرد آزما ہوں گے اور اس کی تائید تمہیں نازک حالات میں بھی ثابت قدم رکھے گی۔ کفار کی ظاہری سج دھج کو دیکھ کر مت گھبراؤ۔ کفر کا انجام تباہی اور نامرادی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اگرچہ کمزور ہو لیکن تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی قوت و طاقت کا مالک ہے۔ کفار کو تائیدِ الٰہی نصیب نہیں اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کامیاب وہی ہوتا ہے جس کی مدد خدا کرتا ہے۔

اس ضمن میں منافقین کے ایمان کا حال بھی آشکارا کر دیا۔ جو جہاد کے حکم کے نزول سے پہلے بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے، اپنی بہادری اور جاں نثاری کے لیے چوڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ کہتے ہم بڑی بے تابی سے اس گھڑی کا انتظار کر رہے ہیں جب ہمیں کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا اذن ملے گا۔ اس کے بعد دنیا دیکھے گی کہ ہم کس طرح شمعِ اسلام پر پروانوں کی طرح جان قربان کرتے ہیں۔ اب جبکہ جہاد کے نقارے پر چوٹ لگ گئی ہے ان کی حالت قابلِ دید ہے۔ یوں پتہ چلتا ہے جیسے موت کی غشی طاری ہو گئی ہو۔ آنکھیں پتھرائی ہیں، چہرے کی رنگت زرد ہو گئی ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کی آزمائش کی گھڑیوں میں یہ حالت ہوا کرتی ہے

اسلام کے جانباز اور مجاہد سپاہیوں کو آیت ۳۵ میں ایک خصوصی حکم دیا کہ جنگ میں حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں، کمزوری اور بے ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے صلح کی درخواست مت کرو۔ اگر تم نے کمزوری کا مظاہرہ کیا یا صلح کے لیے اپنی بے تابی کا اظہار کیا تو دشمن جری ہو جائے گا۔ تمہاری اس پیشکش کو کمزوری اور بزدلی پر محمول کرے گا۔ تم خوب جانتے ہو کہ اس کا انجام کتنا خطرناک ہوتا ہے۔ سن لو تم ہی سربلند ہو گے کیونکہ خدا تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔ تمہاری محنت اور کوشش کو وہ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

آخر میں مالی جہاد کی طرف متوجہ کیا۔ اگر اسلام کو تمہارے مال کی ضرورت پڑے تو بڑی دریادلی سے اس کو پیش کرو۔ اگر تم نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا البتہ تمہارا ستیاناس ہو جائے گا اور تمہاری جگہ یہ عزت کسی اور کو بخش دی جائے گی۔ پھر تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے دین کا علم کوئی لہراتا رہے گا۔ اگر کوئی قوم اس کا بار اٹھانے سے جھجکے گی تو دوسری قوم شوق سے یہ خدمت بجا لانے کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے گی۔

اہل سنت کے علماء و مشائخ اس پر جلال آیت کو بار بار پڑھیں۔ وَإِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ۔

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَمَانٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ محمد مدنی | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | ۳۸ آیات رکوع ۴

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو) روکتے رہے اللہ کی راہ سے، اللہ نے ان کے عملوں کو برباد کر دیا ۱؎

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو (قرآن) اتارا گیا (حضرت) محمد پر ﷺ اور وہی

۱؎ جو لوگ حق کو قبول نہیں کرتے اور باطل سے چمٹے رہنے پر اصرار کرتے ہیں وہ دو گونہ خرابیوں کا باعث بنتے ہیں۔ پہلی خرابی تو یہ کہ ان کی اپنی زندگی نورِ ہدایت سے محروم رہتی ہے، وہاں اندھیرا ہی اندھیرا چھایا رہتا ہے، ان کی ساری عمر ٹھوکریں کھاتے گزر جاتی ہے، جو بیش بہا صلاحیتیں قدرت نے انہیں ودیعت کی ہیں وہ صحیح پرورش نہیں پاتیں، ان کا دم گھٹ کر رہ جاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ ان کا وجود دوسرے لوگوں کے لیے حجاب بن جاتا ہے۔ سادہ لوح عوام جو غور و فکر کرنے کے عادی نہیں ہوتے وہ انہیں دیکھ کر ان کی گمراہی کی تقلید کرنے لگتے ہیں۔ نیز حق سے انہیں جو عناد اور بغض ہوتا ہے وہ انہیں مجبور کرتا ہے کہ وہ حق اور اہلِ حق کی ترقی میں روڑے اٹکاتے رہیں اور لوگوں کو لطائف الحیل سے حق سے متنفر کرتے رہیں۔ خود بھی اندھے بنے رہے اور لوگوں کی آنکھوں میں بھی دھول ڈالتے رہے۔ خود بھی حق کو قبول کرنے سے گریزاں رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی حق سے دور کرنے کے لیے جتن کرتے رہے۔ اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ان کے اعمال ضائع اور رائیگاں ہو گئے ہیں۔ انہیں کامیابی اور کامرانی نصیب نہیں ہوتی۔ بظاہر جو نیک کام وہ کرتے ہیں آخرت میں انہیں ان کا کوئی صلہ نہیں ملے گا۔ نہ انہوں نے رضائے الٰہی کے لیے کوئی قدم اٹھایا اور نہ انہیں رضائے الٰہی کی سعادت سے نوازا گیا۔ دنیا میں شہرت، نیک نامی، کاروباری ترقی وغیرہ جو چیزیں انہیں مطلوب تھیں وہ ان کو دے دی گئیں۔

وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے جو جتن انہوں نے کیے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو سازشیں انہوں نے کیں، شمعِ اسلام کو گل کرنے کے لیے جو منصوبے انہوں نے بنائے وہ سب ناکام ہو کر رہ گئے۔ ان کی ساری کوششوں کے باوجود اسلام کا آفتابِ اقبال بلند ہوتا گیا، قدم قدم پر انہیں منہ کی کھانا پڑی۔ ان کی ہر تدبیر الٹی ہو گئی۔ المعنی اَبْطَلَ مَا عَمِلُوْا مِنَ الْكَيْدِ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَصْرِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَاِظْهَارِ دِيْنِهٖ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ لَعَلَّهٗ اَوْلٰى لِمَا بَعْدَهٗ۔ (روح المعانی)

الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ

حق ہے ان کے رب کی طرف سے، اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو۔ (یہ) اس

بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا

لیے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو

الْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ ۝ فَإِذَا لَقِيتُمُ

ان کے رب کی طرف سے تھا۔ اسی طرح اللہ بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے ان کے حالات۔ پس جب (میدان جنگ میں)

الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا

تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو (باقی کو) کس کر باندھ دو

صَدَّ لغت میں لازمی اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مناسب دوسرا معنی ہے کیونکہ لازمی کا مفہوم کفروا میں آ گیا۔

سے ان کے برعکس جو خوش نصیب دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے، گویوں کہ پہنچ کر انہوں نے راست روی اختیار کی، اپنے اعمال کو رضائے الٰہی اور اطاعتِ مصطفوی کے سانچے میں ڈھال لیا، قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نازل کیا اس کو تسلیم کر لیا، ان کے ساتھ ہمارا رویہ یہ ہو گا کہ جو گناہ وہ کرتے چلے آئے ہیں وہ سب معاف کر دیئے جائیں گے عادات و شمائل کی طرح طرح کی جو خرابیاں ان میں پیدا ہو گئی ہیں وہ دور کر دی جائیں گی اب وہ سوچیں گے تو صحیح، قدم اٹھائیں گے تو سیدھی راہ پر۔

سے لفظ بال کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ مجاہد نے اس کا معنی شان، قتادہ نے اس کا معنی حال اور ابن عباس نے اس کا معنی امر کیا ہے۔ مفہوم کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات کو درست کر دیا ہے۔ پہلے وہ مفلس و نادار ہوتے تھے اب وہ تونگر اور مالدار ہیں۔ پہلے وہ کفار کے جور و تشدد کا نشانہ بنے رہتے تھے اب کفار ان کے دامنِ رحمت میں پناہ تلاش کرتے ہیں۔ پہلے وہ آزادی سے عبادت بھی نہیں کر سکتے تھے اب ان کی عظمت کا پرچم سارے جزیرۂ عرب میں لہرا رہا ہے۔

سے ان دونوں گروہوں کے ساتھ جو الگ الگ برتاؤ کیا جا رہا ہے اس کی وجہ بتا دی۔ پہلا گروہ باطل کا پرستار ہے۔ جو شخص جھوٹ اور گناہ کا پیروکار بنے گا اسے حقیقی نقصان اٹھانا پڑے گا اور جو شخص نورِ حق کی پیروی کرے گا منزل خود کھنچ کر اس کے قریب آ جائے گی۔ فوز و کامرانی بے تابانہ اس کی طرف بڑھے گی۔

ہ پہلے کفار کے معاندانہ اور جاہلانہ طرز عمل کے بارے میں بتایا گیا اور ان کے مقابلہ میں فرزندانِ اسلام کی حق پرستی اور راست

الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛ۟

رسیاں سے بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لے کر یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے

کا ذکر کیا گیا۔ ان حالات میں ان دستوں اور قوتوں کا کچلنا ناگزیر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر جنگ کے بغیر چارہ نہ ہو تو پھر کسی نرمی یا سستی، کسی اندیشہ اور بزدلی کا مظاہرہ مت کرنا بلکہ بڑی جرأت اور بہادری سے باطل کے ساتھ ٹکرا جاؤ اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا۔ اس وقت رحم و شفقت کا اظہار کمزوری اور دہشت کی علامت ہے۔ جو کافر سامنے آئے اس کی گردن اڑا کر رکھ دو۔ باطل کا کوئی سرغنہ تمہاری ضرب سے جان بچا کر بھاگ نہ جائے۔ ایسے مواقع بار بار میسر نہیں آتے۔ دشمن کی طاقت کو کچل کر رکھ دو تاکہ وہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔ یہاں ضَرْبَ مصدر اِضْرِبُوْا امر کا قائم مقام ہے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے جو عرب اور جلال ضرب الرقاب میں ہے وہ فَاقْتُلُوْا مفسرین کے الفاظ میں نہیں۔

۲ے دیکھا جس کی جمع اَثْخَن اور معنی ہوتے ہیں۔ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ کہتے ہیں ابوالعباس نے اس کا معنی غلبتموهم وکثر فیهم الجراح کیا ہے یعنی جب تم ان پر غالب آ جاؤ اور ان کی اکثریت زخمی ہو جائے۔ ابن اعرابی نے اس کا معنی کیا ہے الاثخان فی الشیء المبالغة فیه والاکثار منه یعنی کسی چیز میں مبالغہ کرنا اور اس میں کثرت کرنا۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم ان کے کشتوں کے پشتے لگا دو اور انہیں زخموں سے چور چور کر دو حتیٰ کہ وہ بالکل مقہور و مغلوب ہو کر رہ جائیں تو اس وقت جنگ بند کر دو اور بقیۃ السیف کو اسیر کر لو تاکہ مغلوب و بے کس کر کے ایسا نہ ہو کہ وہ بھاگ جائیں اور تمہارے لیے نئی مصیبت کھڑی کریں۔

۳ے اسیرانِ جنگ کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جانا چاہیے، اس کو بیان کیا جا رہا ہے۔ بعض علماء ابن جریج، سدی اور قتادہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں اور اسیر کو قتل کرنا جائز نہیں۔ اسیر کے ساتھ وہی معاملہ کیا جا سکتا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے۔ چنانچہ استدلال کے طور پر وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حجاج نے حضرت ابن عمر کو کہا کہ فلاں اسیر جنگ کو قتل کر دو۔ آپ نے فرمایا لیس بهذا امرنا، ہمیں قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز بھی اسیرانِ جنگ کو قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ علامہ ابن جریر یہ اقوال لکھنے کے بعد اپنی تحقیق کا یوں اظہار کرتے ہیں:

والصواب من القول عندنا ان هذه الآية محكمة ليست منسوخة کہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بیان کر دی کہ نسخ کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو۔ یہاں ایسی صورت نہیں۔ وغیر مستنكر ان يكون جعل الخيار في المن والفداء والقتل الى الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم والى القائمين بعده بامر الامة۔ یعنی یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے ساتھ مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرنے کا حق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خلفاء کے سپرد فرما دیا ہو۔ کہتے ہیں کہ یہاں قتل کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

احادیث میں جہاں کسی اسیر کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں خصوصی حالات کی بنا پر دیا گیا ہے۔ اس آیت کی وضاحت امام ابو عبید القاسم ابن سلام (ولادت ۱۵۴ھ وفات ۲۲۴ھ) نے اپنی تصنیف کتاب الاموال میں کی ہے جو بہت عمدہ ہے۔ ناظرین کرام کی خدمت میں اس کا خلاصہ پیش ہے۔

ابو عبید فرماتے ہیں حدیث نبوی سے پتہ چلتا ہے کہ مشرک اسیران جنگ کے ساتھ تین طرح کا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ من، فدا، قتل۔ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ہے فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً۔ اس میں پہلی اور دوسری صورت کا بیان ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ میں تیسری صورت کا ذکر ہے۔ احسان و مروت کی مثال اہل مکہ سے حضور کا سلوک ہے۔ اس روز حضور کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا أَلَا لَا يُجْهَزَنَّ عَلَى جَرِيحٍ وَلَا يُتْبَعَنَّ مُدْبِرٌ وَلَا يُقْتَلَنَّ أَسِيرٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ۔ یعنی زخمی کا کام تمام نہ کرنا، پیٹھ پھیرنے والے کا تعاقب نہ کرنا، کسی قیدی کو قتل نہ کرنا اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اسے امن۔ فتح مکہ کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار آدمیوں کے سوا سب کو امان دے دی اور معاف فرما دیا اور جن چار کو مستثنیٰ فرمایا ان کی خاص وجوہات تھیں۔ خیبر فتح ہوا تو وہاں کے یہودیوں کو بھی حضور نے امان دی اور معاف فرما دیا۔ بدر کے اسیران جنگ کے بارے میں جبیر بن مطعم نے بتایا کہ میں جنگی قیدیوں کی سفارش کرنے کے لیے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور مغرب یا عشاء کی نماز پڑھا رہے تھے جب حضور نے یہ آیت تلاوت کی إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ یعنی تیرے رب کا عذاب ضرور واقع ہو گا اور اسے کوئی روک نہیں سکتا تو دہشت کے مارے میرا دل بیٹھنے لگا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنی حاضری کی وجہ بیان کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا شيخ لو كان أتانا فيهم شفعناه یعنی أباه مطعم بن عدی یعنی اس سردار کا مطلب ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس ان لوگوں کی شفاعت کرنے آتا تو ہم ان کی شفاعت قبول کرتے۔

یہ واقعات نقل کرنے کے بعد امام ابو عبید لکھتے ہیں فهذه أحكام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في المن وقد عملت بها الأئمة بعده (کتاب الاموال صفحہ ۱۱۲)

یہ تو قیدیوں کے ساتھ احسان کرنے کا طریقہ ہے جو حضور نے ہمارے لیے سنت بنایا۔ علاوہ ازیں انہوں نے خلافت راشدہ کے عہد کے ایسے واقعات لکھے ہیں جہاں حضرت صدیق و فاروق نے جنگی قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

فدیہ کے متعلق علامہ ابن کثیر نے تفصیلاً لکھا ہے کہ امام صاحب کا ایک قول یہ ہے کہ مسلمان قیدیوں کے ساتھ غیر مسلم قیدیوں کا تبادلہ نہ کیا جائے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ امام محمد، امام ابو یوسف، امام شافعی، مالک اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں للامام أن يختار أحد أربعة أمور القتل والاسترقاق والمن وهو الإطلاق من غير عوض والفداء بالأسرى المسلمين أو بالمال (نیشاپوری)۔ یعنی امام قیدیوں کے ساتھ ان چار امور سے کوئی ایک اختیار کر سکتا ہے۔ مناسب سمجھے تو قتل کر دے، چاہے قیدی بنا لے، یا بلا معاوضہ آزاد کر دے یا فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں قد روى رواية في السير الكبير وقيل هو أظهر الروايتين عن الامام أبي حنيفة یعنی السیر الکبیر امام محمد کی ہے اور حضرت امام کا یہ دوسرا قول اظہر اور راجح ہے۔

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ

یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو

بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝

بعض سے لے اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ قیدیوں کی تقسیم سے پہلے اگر یہ تبادلہ ہو تو جائز ہے لیکن تقسیم کے بعد نہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک ہر وقت جائز ہے۔ اس کی دلیل میں انہوں نے یہ حدیث پیش کی ہے حضرت سلمہ سے مروی ہے کہ حضور کریم نے حضرت ابو بکر کی قیادت میں ایک سریہ روانہ کیا۔ میں بھی اس میں شریک تھا۔ غنیمت میں ایک کنیز مجھے ملی۔ دوسرے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بازار میں شرف ملاقات حاصل ہوا۔ حضور نے فرمایا سلمہ وہ کنیز مجھے دے دو جو تجھے غنیمت میں ملی ہے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے بہت پسند ہے۔ دوسرے روز پھر ملاقات ہوئی۔ حضور نے پھر یہی ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کی وہ لڑکی یا رسول اللہ! میں حضور کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ پس حضور نے اسے مکہ بھیجا اور انہوں نے اس کے بدلے میں مسلمان قیدی چھڑا لیے۔

کیا مال لے کر اسیران جنگ کو رہا کرنا درست ہے؟ اس کے متعلق آلوسی لکھتے ہیں کہ احناف کا مشہور مذہب تو یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ یہ قیدی رہا ہو کر پھر ہمارے خلاف نبرد آزما ہوں گے لیکن السیر الکبیر میں ہے انہ لا باس بہ اذا کان بالمسلمین حاجۃ (روح المعانی) اگر قیدیوں کا آزاد کرنا مصلحت ملکی کے خلاف ہو اور مشرکین فدیہ ادا کرنے کے لیے تیار نہ ہوں اور مسلمان جنگی قیدیوں کے تبادلہ کی صورت بھی نہ ہو تو پھر انہیں ہمیشہ کے لیے قیدی بنا کر نہیں رکھا جائے گا بلکہ غازیوں میں انہیں تقسیم کر دیا جائے گا ان کو ملکی زندگی میں بھرپور حصہ لینے کی اجازت ہوگی، اپنے مالک کی اجازت سے وہ کاروبار وغیرہ میں بھی حصہ لے سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسیران جنگ کا معاملہ حکومت وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ مندرجہ بالا طریقوں میں سے جو طریقہ مناسب حال پائیں اہل شوریٰ سے مشورہ کے بعد جنگی قیدیوں کے بارے میں اسے اختیار کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ے ذٰلک یعنی خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ یا فضربوا وغیرہ فعل محذوف کا مفعول ہے۔ یعنی ایسا ہی کرو۔ ذلک حکم الکفار یعنی کفار کے بارے میں یہی حکم ہے۔ بعض اوقات ایسا کرتے ہیں کہ جب کوئی اہم بات کہہ کر دوسرے کلام کی طرف منتقل ہونا چاہتے ہیں تو اسے استعمال کیا جاتا ہے۔

ف یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں زحمت جہاد نہ دیتا اور خود بخود ان سرکشوں کا غرور خاک میں ملا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ میدان کارزار گرم ہو، اہل حق باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائیں تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اہل باطل کو ہلاک کرنے کے لیے وہ جان کی پروا نہیں کرتے۔ سب کو پتہ چل جائے کہ مومن و کافر میں کتنا فرق ہے۔ مومن کا نصب العین کتنا بلند اور کافر کا مقصد کتنا گھٹیا اور ذلیل ہے۔

سلہ احد کے معرکہ میں مسلمان کثرت سے شہید اور زخمی ہوئے۔ ابو سفیان نے خوشی سے دیوانہ ہو کر نعرہ لگایا اُعْلُ ھُبَل اُعْلُ ھُبَل یعنی ہبل کی جے۔ مسلمانوں نے جواباً نعرہ لگایا اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ۔ اللہ تعالیٰ بلند اور بزرگ ہے۔ ابو سفیان نے کہا کہ یہ دن، بدر کا بدلہ ہو گیا

سَيَهْدِيْهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

وہ پہنچائے گا انہیں بلند مقامات پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو ۱۱ اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی ہے ۱۲

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدان جنگ میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا ۱۳

لڑائی کا پانسہ پلٹ رہا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے فرزندانِ اسلام! اس سے کہو تم ہم سے برابری کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہو۔ ہمارے مقتول اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ کا ایندھن۔ مشرکین نے کہا اِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔ فقال المسلمون اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ مسلمانوں نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

فلن يضل اعمالهم کا جملہ بڑا معنی خیز ہے یعنی ان شہیدانِ حق کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی بلکہ ان پر بڑے خوش آئند نتائج مرتب ہوں گے۔ اس قربانی کا صلہ انہیں یہ ملے گا کہ جنت میں رفیع الشان محلات میں وہ تشریف فرما ہوں گے اور ان کی ملت کو ان کی جانفشانیوں کے صدقے عزت و سربلندی نصیب ہوگی اور جس مقصد کے لیے انہوں نے اپنی جانیں نثار کی تھیں، وہ مقصد حاصل ہوگا۔ حق کی روشنی سے کرہ ارض میں اجالا ہو جائے گا۔ ان پاکبازوں نے جان دے کر اتنے عظیم مقاصد حاصل کر لیے، ان سے بڑھ کر کون خوش نصیب ہو سکتا ہے۔

۱۱ یعنی جنت اور رضائے الٰہی کی جو شاندار منزل ہے وہاں تک انہیں رسائی حاصل ہو جائے گی۔ راہ کی رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی۔ فاصلے سمٹ کر رہ جائیں گے اور ان کے حالات سنور جائیں گے یعنی جو لغزشیں ان سے سرزد ہوئی تھیں، جن گناہوں کا انہوں نے ارتکاب کیا تھا وہ سب معاف کر دیے جائیں گے۔ مقربین اور متقین کے زمرہ میں ان کا شمار ہوگا۔

اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی برکت سے دوسرے لوگ راہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں گے۔ ان کی قوم کی بگڑی ہوئی حالت سنور جائے گی۔ شکست و نامرادی کے جو داغ ان کی قوم کے چہرے کو بدنما بنا رہے تھے وہ دور ہو جائیں گے۔ عزت و اقبال کا آفتاب ان پر ضوفشانی کرنے لگے گا۔

۱۲ جب جنت میں قدم رنجہ فرمائیں گے تو اپنے محلات کی طرف اس طرح جائیں گے جیسے وہ مدت سے یہاں آباد ہیں اور سارے راستے ان کے جانے پہچانے ہیں۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

۱۳ دین اسلام اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امداد کو اللہ تعالیٰ کی امداد فرمایا گیا ہے۔ جان کی بازی لگانے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔ وہ مجاہد جن کی نصرت اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی کرتی ہو، ہر نازک مرحلہ پر تائید ایزدی جن کے دلوں کی ڈھارس ہو، دشمن کا کوئی طوفانی حملہ ان کے قدموں میں لغزش پیدا کر سکے گا؟ ایسے جانباز مجاہدوں کو دنیا کی کوئی طاقت

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا

اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا تو ان کے لیے منہ کے بل گرنا ہے اور اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا سلہ یہ اس لیے کہ انہوں نے ناپسند کیا

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو اس نے ضائع کر دیے ان کے اعمال سلہ تو کیا انہوں نے سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ وہ خود دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

کہ کیسا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزر چکے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کر دی اور کافروں کے لیے ایسا ہی انجام

اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ

کی مثالیں ہیں سلہ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے سلہ اور کفار کا کوئی

شکست نہیں دے سکتی شرط یہ ہے کہ یہ جنگ وہ دنیاوی مفادات کے لیے نہ کر رہے ہوں یہ خونریزی کسی حقیر مقصد کے لیے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کے لیے ہو اور دین حق کو غالب کرنے کے لیے ہو۔

سلہ اب کفار کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔ تعس کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں التعس: الانحطاط والعثور۔ گر پڑنا، ٹھوکر کھا کر گر پڑنا۔ پھسلنا، علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ یہاں تعسًا مصدر منصوب ہے اور بطور مفعول مطلق ذکر ہوا ہے۔ فقال الذی انتصب علی المصدر علی سبیل الدعاء۔ ابن منظور لکھتے ہیں یہاں تعسهم الله لعنتهم کا مطلب یہ ہے کہ منہ کے بل گرائے گئے۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

اضل اعمالهم سے ان کی محرومی اور بدنصیبی کا ذکر کیا کہ انہوں نے حق کو نیچا دکھانے کے لیے مال و دولت بے دریغ لٹایا۔ دشمنوں سے مل کر منصوبے بنائے، اپنے سروں کو کٹوایا اور اپنی جانیں بھی دیں لیکن نتیجہ؟ دنیا میں ذلت و رسوائی، آخرت میں عذاب الیم۔

سلہ اتنے زیرک اور تجربہ کار ہو کر کیوں منہ کے بل گر کر رہ گئے؟ کیوں ان کی قربانیاں رائیگاں گئیں؟ اس کی وجہ بتلائی کہ انہوں نے احکام الٰہی کو ناپسند کیا تھا۔ یہ اعمال چونکہ وہ بحکم خداوندی نہیں بجا لاتے تھے بلکہ اس کے خلاف کرتے تھے نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی ساری زندگی ضائع ہو گئی۔

سلہ وہ دور دراز ملکوں کی سیاحت پر گئے، انہوں نے کئی بار قوموں کے اجڑے ہوئے کھنڈرات دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کو نیست و نابود کیا تھا اس سے بھی بے خبر نہیں۔ لیکن انہوں نے خود سیر و سیاحت سے کوئی عبرت حاصل نہ کی اور ان پر بھی عذاب نازل ہو جو ان جیسے کفار پر پہلے نازل ہو چکا تھا۔

سلہ اہل ایمان اور ان کے مدمقابل ظاہری صورت کے اعتبار سے تو یکساں تھے۔ اہل ایمان نے بھی مال خرچ کیا اور انہوں نے بھی

لَا مَوْلٰى لَهُمْ ⑪ إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

مددگار نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے

جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَ

سدا بہار باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں ؎۱۲ اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور

يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْاَنْعٰمُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ

خوب کھانے پینے میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں

هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ

جو زور و قوت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس نے بڑی بے دردی سے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کر دیا

مال خرچ کیے، وہ بھی میدانِ جہاد میں زخمی ہوئے، یہ بھی زخمی ہوئے۔ انہوں نے بھی شمع حق پر جانیں قربان کیں، انہوں نے بھی خرچ کرنے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ نتائج بالکل مختلف رونما ہوئے؟ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا حامی و ناصر تھا۔ اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ سو اس نے اپنے مخلص بندوں کی تائید و حمایت کی اور ان کفار کا نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تھا، نہ اس نے ان کی دستگیری کی۔ جن بتوں کو انہوں نے اپنا معبود بنا رکھا تھا وہ ان کے کسی کام نہ آئے۔ اس لیے نتائج کا اختلاف ایک طبعی امر ہے۔

؎۱۲ اہل ایمان تو خلوص نیت اور نیکی عمل کی برکت سے جنت کی بہاروں سے لطف اندوز ہوں گے اور کفار کا ٹھکانا دوزخ کا بھڑکتا ہوا آتش کدہ ہوگا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد ہی نہ پہچانا۔ ساری عمر عیش و عشرت میں گزار دی۔ ڈنگروں کی طرح محض لذیذ اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں کھانا کھانا ہی ان کا محبوب مشغلہ بنا رہا۔ نہ انہوں نے اپنے انجام کے بارے میں سوچنے کی زحمت گوارا کی اور نہ اپنے خالق کو پہچانا، نہ اس کو راضی کرنے کا شوق ان کے دل میں پیدا ہوا۔ ان کے طرز عمل کا انجام وہی ہونا چاہیے تھا جس سے وہ اب دوچار ہیں۔

؎۱۳ اہل مکہ کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم نے اپنے نبی مکرم کو بڑی سنگدلی سے اپنا پیارا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ سنو! یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اس پر تمہیں کوئی سزا نہ ملے گی، بلکہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اپنے نبیوں کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا وہ اگرچہ تم سے زیادہ طاقت ور، زورآور اور خوشحال تھے، لیکن ہم نے ان کو ملیامیٹ کر دیا اور کسی کو جرأت نہ پڑی کہ ان کی مدد کرے۔ سن لو! اگر تم باز نہ آئے اور توبہ نہ کی تو تمہارے ساتھ بھی ایسا سلوک ہی کیا جائے گا۔

لَهُمْ ﴿١٣﴾ أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ

پس کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہوں اپنے رب کے پاس سے ۲۱ اس (بدبخت) کی مانند ہے کہ آراستہ کر دیے گئے جس

وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ

کے لیے اس کے برے عمل اور پیروی کرتے ہوں وہ اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے اس میں نہریں ہوں گی ایسے

مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ

پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا ۲۲ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب

خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا

کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لیے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لیے اس میں

مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ

ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں) ان کے لیے بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے (کیا یہ) اس کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں

وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ

رہیں گے اور انہیں کھولتا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو ۲۳ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف

۲۱ بتا دیا کہ جس کے پاس اپنے رب کی طرف سے روشن دلائل ہیں اور ایمان کی روشنی میں زندگی کی مسافت طے کر کے منزل مقصود کی طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اس کا انجام اس بدبخت کے انجام سے بالکل مختلف ہوگا جس کے برے اعمال اس کی نگاہوں میں خوشنما بن گئے ہیں اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں گم رہتا ہے۔

۲۲ متقی اور پرہیزگار لوگوں کو جو نعمت عطا ہوگی اس کا مختصر تفصیلی بیان ہو رہا ہے۔ غیر آسن کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: ای غیر متغیر الرائحة یقال اسن الماء یأسن اسنا اذا تغیرت رائحته۔ وہ چیز جس کی بو بدل جائے اس کو عربی میں کہتے ہیں۔ اس کا مادہ اسن یا سن الخ ہے جس کا معنی ہے بو کا بدل جانا۔

۲۳ اس جنت میں لطف و سرور کی زندگی بسر کرنے والے خوش نصیب کے ساتھ اس بدنصیب کو کیا نسبت جسے کفر کی پاداش میں جہنم میں پھینک دیا گیا۔ اس کی رہائی پانے کی امید بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ انہیں ایسا گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں

حَتّٰىٓ اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا

حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (از راہ تمسخر) کہ حضرت صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے ۲۳

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ

یہی وہ (بدبخت) ہیں کہ مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہ

اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا ہے ان کے نور ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشی ہے ۲۴ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ

قیامت کا کہ آجائے ان پر اچانک ۲۵ بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں ۲۶ تو جب قیامت ان پر آ پہنچی تو اس وقت ان

کو نصیحت کیسے کام دے گی۔

۲۳ جمعہ کے خطبوں اور دیگر اجتماعات میں اہل ایمان کے ساتھ منافقین بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات طیبات، اہل ایمان تو ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور اپنے دلوں میں انہیں محفوظ کر لیتے لیکن منافقین حضور کے فرامین سنتے اگر ان کی طبیعت پر بڑے گراں گزرتے۔ جب محفل برخاست ہوتی تو صحابہ کرام سے پوچھتے کہ ابھی ابھی انہوں نے کیا فرمایا ہے، ذرا بتائیے تو انہوں نے کیا فرمایا ہے، ہمیں تو پلے نہیں پڑا یا ہم کچھ نہیں سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہریں لگا دی ہیں اور وہ صرف اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی میں لگے رہتے ہیں، اس لیے انہیں سرور عالم کے ارشادات کیسے یاد رہ سکتے ہیں۔

۲۴ جو نیک بخت حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات اور کلام بلاغت نظام سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان پر مزید کرم یہ کیا جاتا ہے کہ انہیں علم و بصیرت اور شرح صدر کی دولت سے مالا مال کر دیا جاتا ہے اور انہیں احکام الٰہیہ پر عمل کی توفیق بھی بخشی جاتی ہے، یا ان چیزوں سے بچا لیا جاتا ہے جو دوزخ میں لے جانے کا باعث ہوتی ہیں۔ تقویٰ کے یہ دونوں مفہوم درست ہیں۔

۲۵ حق واضح ہو گیا، دلائل و براہین سے شک و شبہ کا غبار چھٹ گیا، اس کے باوجود یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ کیا وہ اس انتظار میں ہیں کہ اچانک قیامت برپا ہو جائے تب وہ ایمان لے آئیں گے۔

۲۶ قیامت کی علامات کے بارے میں احادیث نبویہ میں واضح ارشادات ہیں۔ مندرجہ ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمائیے۔ (قرطبی)

① عن ابی ھریرۃ قال بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث اذ جاء اعرابی فقال متی الساعۃ قال اذا ضیعت الامانۃ فانتظر الساعۃ قال کیف اضاعتھا قال اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ (رواہ البخاری)

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا۔ اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی۔ ارشاد فرمایا جب امانت کو ضائع کیا جائے گا تو اس وقت قیامت کا انتظار کرنا۔ اس نے عرض کی امانت ضائع کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ فرمایا جب کام نااہلوں کے سپرد کیے جائیں گے تو پھر قیامت کا انتظار کرنا۔

② حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد گرامی ہے جس میں ہم سب کے لیے عبرت کے ہزاروں سامان ہیں۔ ذرا غور سے پڑھیے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اتخذ الفیء دولا والامانۃ مغنما والزکاۃ مغرما وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امراتہ وعق امہ وادنی صدیقہ واقصی اباہ وظھرت الاصوات فی المساجد وساد القوم فاسقھم وکان زعیم القوم ارذلھم واکرم الرجل مخافۃ شرہ وظھرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا فارتقبوا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلۃ وخسفا ومسخا الخ (ترمذی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مال غنیمت کو باہم بانٹ لیا جائے گا اور امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے گا اور زکوٰۃ کو تاوان خیال کیا جائے گا اور دنیوی مقاصد کے لیے دینی تعلیم حاصل کی جائے گی، جب مرد اپنی بیوی کا فرمانبردار اور اپنی ماں کا نافرمان ہو جائے گا، جب وہ اپنے دوست کو قریب کرے گا اور اپنے باپ کو دور دھکیلے گا، جب مسجدوں میں طرح طرح کی آوازیں بلند ہونے لگیں گی، جب فاسق، قوم کا سردار بن جائے گا، جب رذیل شخص قوم کا قائد ہوگا، جب کسی شخص کی عزت اس کی خوبیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے کی جائے گی، جب گانے والیاں اور گانا بجانا عام ہو جائے گا، جب کھلے بندوں شراب پی جائے گی، جب بعد میں آنے والے امت کے پہلے حضرات پر لعنت بھیجیں گے۔ اس وقت سرخ آندھی کا، زلزلہ کا، خسف اور مسخ کا انتظار کرو۔

علامہ آلوسی نے اس موضوع پر مکمل کر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے قیامت کے بارے میں مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ کسی نے چودہ صدیاں، کسی نے کم و بیش مدت مقرر کی ہے۔ بعض نے فلاسفہ یونان سے دنیا کی عمر ستر ہزار سال نقل کی ہے۔ بعض نے پچاس ہزار برس۔ کل ذلک خبط لا دلیل علیہ۔ یہ سب تک بندیاں ہیں۔ اس پر کوئی دلیل نہیں۔ اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات وہ ہے جو بعض اسماعیلیوں سے منقول ہے کہ قیامت پندرہ سو سات ہجری میں قائم ہوگی۔ علامہ موصوف آخر میں لکھتے ہیں: ولست تعلم ان مثل ھذہ منھا الا شیئا لا ما قیل ان یعول علیہ او یلتفت الیہ والعزم والجزم بانہ لا یعلم ذلک الا اللطیف الخبیر۔ (روح المعانی)

یعنی تو جانتا ہے کہ عقل مند کو ایسے اقوال کی طرف التفات ہی نہیں کرنا۔ احتیاط اور یقین کا فیصلہ ہے کہ قیامت کے وقوع کے لمحے کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو لطیف و خبیر ہے۔"

ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

تو کہاں نصیب ہوگا انہیں اس وقت نصیحت قبول کرنا۔ پس جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے ۳۰ اور استغفار کریں تاکہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کیجئے

۲۹؎ اہل ایمان کی سعادت اور کفار کی شقاوت کا حال بیان کرنے کے بعد اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ توحید کا عرفان کامل جو آپ کو بخشا گیا ہے اسے ہمیشہ یاد رکھیے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس بات میں تو ادنیٰ شائبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا علم حضور کو ان آیات سے حاصل نہیں ہوا بلکہ روز الست سے حاصل ہے۔ اس لیے یہاں اِعْلَمْ بمعنی اُثْبُتْ ہے یعنی آپ اس پر ثابت قدم اور پختہ رہیے۔ لیکن بعض ائمہ نے فرمایا کہ حضور کو اس عقیدہ پر ثبات اور پختگی بھی پہلے سے حاصل ہے اس لیے فاعلم بمعنی تذکر ہے یعنی اس حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھیے۔

۳۰؎ علامہ قرطبی نے اس کے دو معنی ذکر کیے ہیں یعنی ① اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اَنْ يَّقَعَ مِنْكَ ذَنْبٌ۔ یعنی آپ اس بات سے اللہ کی مغفرت طلب کریں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد ہو۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

② اِسْتَغْفِرِ اللّٰهَ لِيَعْصِمَكَ مِنَ الذُّنُوْبِ۔ یعنی استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درجات میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اوپر والے درجے پر پہنچ کر جب نیچے والے درجے پر نگاہ پڑتی تو موجودہ رفعت کے مقابلہ میں وہ قصور محسوس ہوتا اس لیے حضور کثرت سے استغفار کیا کرتے۔ وقد یکون ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کل لحظۃ عرج الی مقام اعلیٰ مما کان فیہ فیکون ما عرج منہ فی نظرہ الشریف ذنبا بالنسبۃ الی ما عرج الیہ فیستغفر منہ (روح المعانی)

عارف باللہ حضرت مولانا ثناء اللہ لکھتے ہیں: اس حکم میں دو حکمتیں ہیں ① اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے احکام کی بجا آوری میں خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے انسان پر لازم ہے کہ اپنے قصور کا اعتراف کرتا رہے اور یہ کہے کہ جیسا مجھے کرنا چاہیے تھا مجھ سے نہیں ہو سکا۔ منعم حقیقی نے جو بے پایاں احسانات مجھ پر کیے ہیں میں ان کا حق شکر ادا نہیں کر سکا۔ یہ عجز انسان کا کمال ہے نقص نہیں۔ منفعتہ التعلیم باظہار التقصیر فی العبادۃ بالنسبۃ الی جلال ربہ وعظمتہ یعنی آپ از راہ تواضع یہ کہیے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے پیش نظر اپنی تقصیر کا اعتراف کیجیے۔

② دوسری حکمت یہ ہے کہ استغفار امت کے لیے سنت بن جائے۔

امام فخر الدین رازی نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس آیت کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ خطاب اگرچہ حضور سے ہے لیکن مراد امت ہے۔ یہ توجیہ درست نہیں کیونکہ مومنین کے لیے استغفار کا علیحدہ حکم ہے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں ذَنْبٌ سے مراد گناہ یا خطا نہیں بلکہ ترک افضل ہے۔ امام لکھتے ہیں وحاشاہ من ذالک کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اس سے منزہ ہے کہ وہ افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کریں۔ اس لیے امام رازی نے اپنی توجیہ پیش کی ہے فرماتے ہیں ان المراد توفیق العمل الحسن واجتناب العمل السیٔ۔ اچھے کام کی توفیق اور برے کاموں سے اجتناب۔ کیونکہ استغفار کا معنی طلب غفران

وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿١٩﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو۔ اور اہل ایمان کہتے ہیں

اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا

کیوں نہ اتاری گئی کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) سو جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر

الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ

ہوتا ہے تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف

ہے اور غفران کا معنی کسی قبیح چیز کا ڈھانپ دینا۔ اس کی دو صورتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی قبیح چیز کے ارتکاب سے بچا لے معصومین کے حیطہ جیسا کہ حضور کی شان ہے۔ یا گناہ کے ارتکاب کے بعد اس کو ڈھانپ دے جس طرح کہ مومنین اور مومنات کا حال ہے۔

آپ کے سامنے علماء محققین کے ارشادات پیش کر دیے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ وہی ہے جو علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے۔

٢٩ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کے لیے مغفرت مانگنے کا حکم اپنے محبوب کو دیا۔ علامہ بغوی لکھتے ہیں هذا اكرام من الله تعالى لهذه الامة حيث امر نبيهم صلى الله تعالى عليه وسلم ان يستغفر لذنوبهم وهو الشفيع المجاب فيهم یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کی عزت افزائی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ امت کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کریں اور حضور کی ذات پاک وہ شفیع ہے جس کی شفاعت اللہ کے ہاں مقبول ہے۔

٣٠ مسلمان ہجرت سے پہلے بڑے صبر و سکون کے ساتھ کفار کے مظالم برداشت کرتے رہے اور زیادتیاں سہتے رہے، یہاں تک کہ انہیں ہجرت کی اجازت مل گئی۔ ان کا خیال تھا کہ اب انہیں سہولت ہو گی۔ خود مدینہ طیبہ میں آرام کا سانس لینا نصیب ہو گا لیکن کفار مکہ کی دست درازیوں نے یہاں بھی جینا حرام کر دیا۔ کوئی مسلمان اکیلا دکیلا آتا تو اسے قتل کر دیتے۔ مدینہ کی چراگاہوں میں جو چوپائے چرتے، ان پر دھاوا بول دیتے اور جو مویشی چرتے، ہانک کر بھاگ جاتے۔ مسلمان اس صورت حال سے تنگ آ گئے تھے۔ وہ بڑی بے چینی سے اذن جہاد کے منتظر تھے۔ منافقین بھی بڑی ڈینگیں مارتے رہتے تھے کہ اگر جہاد کا اذن مل گیا تو ہم کافروں کو عبرت انگیز سزائیں دیں گے اور میدان جہاد میں اپنی شجاعت کے ایسے کارنامے دکھائیں گے کہ دنیا عش عش کر اٹھے گی۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ جہاد کرنے کا اذن دے دیا تو اہل ایمان نے شکر الٰہی ادا کیا لیکن اس وقت منافقین کی حالت دیدنی تھی۔ حواس باختہ ہو گئے تھے، اوسان خطا ہو گئے۔ یوں محسوس ہوتا کہ نزع کا عالم ہے۔ موت کی غشی ان پر طاری ہو گئی ہے سلب ہو کے رہ گیا ہے۔ بے شک امتحان کے وقت ہی مومن اور منافق کی پہچان ہوتی ہے۔ پا امن زمانے میں تو منافقین بڑے چرب زبان ہوتے ہیں۔

الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ

جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لیے بہتر یہ تھا ۲۱ کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾ فَهَلْ عَسَيْتُمْ

پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا۔ پھر تم سے یہی توقع ہے کہ

إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾ أُولَٰئِكَ

اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کرو گے اپنی قرابتوں کو ۲۲ یہی وہ لوگ ہیں جن پر

۲۱؎ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے اور جب جہاد کے بارے میں قطعی حکم نازل ہو گیا تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے کے جو وعدے اور دعوے انہوں نے کیے تھے انہیں پورا کر دکھاتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے دونوں جہان سنور جاتے۔ لیکن ان کے دل ایمان کے نور سے محروم ہیں۔ ان سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اہل ایمان کی طرح اسلام کو سربلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دیں گے۔

لفظ اَوْلٰی کی تحقیق کرتے ہوئے علماء سے دو قول منقول ہیں ① اَوْلٰی بمعنی اَلْیَقُ وَاَحَقُّ یعنی زیادہ مناسب، زیادہ حق۔ اس صورت میں طاعۃ مبتدا مؤخر ہوگا اور یہ خبر مقدم۔ ای الطاعۃ اَوْلٰی وَاَلْیَقُ بِہِمْ۔ ② وَیْلٌ سے اَفْعَلُ کے وزن پر بنایا گیا ہے پہلے وَیْلٌ میں قلب کیا گیا یعنی یا کو لام کی جگہ اور لام کو یا کی جگہ رکھ دیا گیا پھر اَفْعَلُ کے وزن پر اَوْلٰی بنا لیا گیا۔ اس صورت میں اس کا معنی ہلاکت و بربادی ہوگا۔ اصمعی نے اَوْلٰی لَهُمْ کا یہ معنی کیا ہے مُقَارَبَةُ مَا يُهْلِكُهُ۔ یعنی اس کو ہلاک کرنے والی چیز قریب ہو گئی۔ ثعلب کہتے ہیں لَمْ يَقُلْ اَحَدٌ فِی اَوْلٰی اَحْسَنَ مِمَّا قَالَ الْاَصْمَعِیُّ (قرطبی) یعنی اولیٰ کی تحقیق میں اصمعی کا قول نہایت نفیس ہے۔

۲۲؎ اس آیت میں خطاب ان منافقین سے ہے جو جہاد کا حکم سن کر بدحواس ہو گئے تھے۔ آیت میں تَوَلَّيْتُمْ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ اول، تَوَلَّيْتُمْ ای اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْاِسْلَامِ (بحر محیط) یعنی اگر تم اسلام سے منہ پھیر لو تو پھر تم زمانہ جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ گے زمین میں فتنہ و فساد برپا کر دو گے، ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگو گے، تمہیں عدل و انصاف کے تقاضے یاد نہیں رہیں گے اور تم ایک دوسرے کے ساتھ احسان و مروت کا سلوک کرو گے، سابقہ وحشت و بربریت کا دور پھر آ جائے گا۔

دوم: تَوَلَّيْتُمْ، ولایت سے ہے یعنی اگر نظام اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے تو تم سے کسی بھلائی کی توقع عبث ہے تم جیسے بزدل جو راہِ حق میں جہاد کرنے سے جی چراتے ہیں ان سے یہ کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مسند اقتدار پر بیٹھ کر عدل و انصاف قائم کریں گے یا بندگانِ خدا کے حقوق ادا کریں گے۔ ان نااہلوں کو اگر حکومت مل جائے تو وہ جبر و ستم کی آگ بھڑکائیں گے، ملک کے امن و سکون کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ بزدل ہمیشہ ظالم اور ستم گر ہوا کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

اللہ نے لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ۳۲؎ کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے

الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ

قرآن میں یا ان کے دلوں پر قفل لگا دیے گئے ہیں ۔ بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے

مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

باوجود یکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی ۳۳؎

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ

یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا کہ ہم تمہاری کسی بات میں اطاعت

الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۤىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ

کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے ۳۴؎ پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور ضربیں

۳۲؎ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ ان کی جہالت اور ان کے ظلم و عدوان کے باعث ان کے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ وہ حق کی صدائے دلنواز سن ہی نہیں سکتے۔ ان کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ نور ہدایت انہیں نظر ہی نہیں آتا۔

۳۳؎ حق جب نکھر کر سامنے آجاتا ہے تو اس کی کشش خود بخود دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے لگتی ہے۔ اس کے باوجود لوگ حق کو قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں اور باطل سے چمٹے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان باطل عقائد اور برے اعمال کو ان کے سامنے آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کرتا ہے۔ ان کو جھوٹی امنگوں سے لبھاتا ہے۔ ان کے دل میں ڈالتا ہے کہ ابھی تو عنفوانِ شباب ہے موت کو ابھی دیر ہے کہ آئے گی۔ ان لوگوں کو ضلالت کے دریا میں ... سول لهم زين لهم خطاياهم یعنی ان کے گناہوں کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ املی لهم ای مدّ لهم الشیطان فی الامل ووعدهم طول العمر۔ یعنی شیطان انہیں طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے اور ان سے وعدہ کرتا ہے کہ تمہاری عمر بڑی لمبی ہوگی۔ توبہ کرنے کی آخر جلدی کیا ہے۔ جب بڑھاپا آجائے گا اس وقت توبہ کر لینا۔

۳۴؎ منافقین درپردہ مشرکوں سے ساز باز کرنے میں مصروف رہتے تھے اور انہیں یقین دلاتے تھے کہ اگرچہ ہم بظاہر مسلمان

وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهَ وَكَرِهُوا

مارتے ہیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ یہ درگت اس لیے بنے گی کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھی اور ناپسند کیا اس کی

رِضْوَانَهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

خوشنودی کو پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیے ۲۷ کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ

أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُم

ظاہر نہیں کرے گا ان کے دل کی کدورتوں کو ۲۸ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ ۲۹ سو آپ پہچان لیتے ہیں

بیٹھے ہوئے ہیں لیکن اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارے مقابلہ کے لیے میدان جنگ میں نہیں آئیں گے تم ہماری طرف سے مطمئن رہو۔ منافقین کی یہ خفیہ دوانیاں اگرچہ بڑی مخفی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کی سازشوں سے آگاہ کر دیا۔

قالوا کا فاعل منافق و یہودی ہیں۔ للذین کرھوا سے مراد مشرکین مکہ ہیں۔ بعض الامر سے مراد جنگ کی صورت میں مسلمانوں کے ساتھ تعاون نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔

۲۷ ان کی موت اتنی اندوہناک کیوں ہوگی اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۲۸ منافقین تصنع اور ریاکاری کے پردے ڈال کر اپنے دلوں کے بغض کو چھپانے کی بڑی کوشش کر رہے ہیں لیکن کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفاق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں کسی کو ان کی خبر نہ ہوگی یہ ان کی خام خیالی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا پردہ چاک کرنے گا اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے سارے راز آشکارا ہو جائیں گے۔ اضغان جمع ہے۔ اس کا واحد ضغن ہے بغض اور کینہ۔ الضغن والضغینۃ: الحقد (جوہری)

۲۹ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ماخفی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد ھذہ الآیۃ احد من المنافقین۔ یعنی اس آیت کے نزول کے بعد کوئی منافق حضور پر مخفی نہ رہا۔ علامہ ابو حیان نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو منافقین کا علم عطا فرما دیا تھا۔

حضور کی آیات کی تکمیل اسی وقت ہو سکتی ہے جب حضور کو منافقین کے بارے میں پورا پورا علم ہو۔ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ (دیکھو) آپ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور کسی کی قبر پر تشریف نہ لے جائیے۔ فَقُل لَّن تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَن تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا۔ اے محبوب! آپ منافقین کو فرمائیے کہ اس کے بعد تم کبھی میرے ساتھ جہاد کے لیے روانہ نہ ہو گے اور نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن کے ساتھ جنگ کرو گے۔

بِسِيمَاهُمْ ۚ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾

ان کو ان کے چہرے سے [39] اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے انداز گفتگو سے اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تاکہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروف جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِن بَعْدِ

بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے ہیں رسول (کریم) کی باوجودیکہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

ظاہر ہو چکی تھی ان کے لیے راہ ہدایت وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا [40]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (کریم) کی اور ضائع نہ کرو اپنے عملوں کو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

بے شک جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے ہیں پھر مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز

فَلَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾ فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ

نہیں بخشے گا۔ پس (اے فرزندان اسلام!) ہمت نہ ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو [41] تم ہی غالب آؤ گے۔

[39] اس جملہ کا یہ ترجمہ کیا ہے جو مولانا محمود الحسن صاحب نے کیا ہے۔

[40] اسلام کے خلاف ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔ ان کی ہر سازش ناکام ہو گی یا جو نیکیاں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کی ہیں ان کا انہیں کوئی اجر نہ ملے گا۔

[41] اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شفقت ہے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے جنہیں چاروں طرف سے کفار نے نرغہ میں لے رکھا ہے جن کی تعداد کم ہے جن کے وسائل محدود ہیں اور سارا ماحول جن کے خلاف ہے انہیں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت مت ہارو

وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں) کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾

اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ طلب نہیں کرے گا تم سے تمہارے مال ۷۲

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ

اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال پھر اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ ظاہر کر دے گا تمہاری ناگواریوں کو۔ ہاں تم ہی

دشمن کی کثرت و قوت سے ڈر کر صلح کی خواہش مت کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مغلوب نہیں کر سکتی۔ تم سربلند اور غالب رہو گے۔ اسلام کی سربلندی کے لیے جو مخلصانہ کوششیں کر رہے ہو گلشن توحید کو سیراب کرنے کے لیے جس طرح تم اپنے خون کے دریا بہا رہے ہو وہ ضائع نہیں جائیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو صلح کی درخواست میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔ اس طرح دشمن دلیر ہو جائے گا اور اپنے لوگ اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر بے بس محسوس کرنے لگیں گے۔ دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے ڈٹ جاؤ، ان کا بے جگری سے مقابلہ کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے ساتھ ہے چنانچہ علمائے اسلام نے تصریح کی ہے: فَلَا يَجُوْزُ مُهَادَنَةُ الْكُفَّارِ اِلَّا عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ (قرطبی) یعنی کفار کے ساتھ جنگ بندی شدید ضرورت کے بغیر جائز نہیں۔

۷۲ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم نہیں دے گا کہ تم اپنا سارا سرمایہ اس کی راہ میں خرچ کر دو۔ اس کو تمہاری ضرورتوں اور کمزوریوں کا بخوبی علم ہے۔ اگر وہ تمہیں اپنی ساری دولت خرچ کرنے کا حکم دے تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہارے دلوں میں مال و دولت کی محبت جو مخفی ہے وہ آشکارا ہو جائے گی۔

صاحب تاج العروس مضمون کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں قد ضغن اليه مال واشتاق وحن۔ اس لفظ کے حقیقی معنی ہیں کسی چیز کی طرف مائل ہونا، کسی چیز کا شوق دل میں پیدا ہونا اور کینہ، بغض۔ اس آیت میں اگر روئے سخن منافقین کی طرف ہو تو پھر اس کا معنی ہو گا کہ تمہارے دلوں میں اسلام کے بارے میں جو بغض و عناد ہے جسے تم بڑی مہارت سے چھپائے ہو وہ ظاہر ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس سے مراد اہل ایمان ہوں تو پھر اس سے مراد دولت کی محبت ہو گی کیونکہ ہر شخص صدیق اکبر تو نہیں ہو سکتا کہ اپنے محبوب کریم کے اشارہ ابرو پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر لے آئے اور اس کے قدموں میں ڈھیر کر دے۔ بعض لوگوں کو دنیا سے محبت ہوتی ہے وہ کسی مد کے لیے تو قربانی کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن اگر انہیں سارا مال خرچ کرنے کا حکم دیا جائے اور اس پر اصرار کیا جائے تو بعض لوگ دولت سے اپنے دلی لگاؤ کو چھپا نہیں سکتے۔ ضغن کے یہ متعدد معانی ہیں محل اور موقع کی مناسبت سے اس کا معنی

هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ

وہ لوگ ہو تمہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں ۴۳ پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں اور جو

مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے کسی کا محتاج نہیں اور تم (اس کے) محتاج ہو۔

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۠﴿۳۸﴾

اور اگر تم روگردانی کرو گے تو (اس سعادت سے محروم کر دیے جاؤ گے) بدل دے گا تمہاری جگہ دوسری قوم کو پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے ۴۴

تعین کیا جائے گا۔

۴۳۔ ما قبل ترکیب ہے۔ انتم مبتدا اور ھٰٓؤُلَآءِ خبر ہے۔

اللہ تعالیٰ تمہیں دعوت دیتا ہے کہ تم اس کی راہ میں اپنے مال خرچ کرو۔ اس میں سراسر تمہارا ہی بھلا ہے۔ زکوٰۃ نکالو گے اور اپنے معاشرہ کے غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی ضروریات بہم پہنچاؤ گے تو تمہیں معاشی سکون و اطمینان نصیب ہوگا۔ اگر جہاد کے موقع پر مجاہدین کی ضروریات کا انتظام کرو گے اور وہ میدان جنگ میں دشمن کو شکست دیں گے تو تمہاری عزت میں اضافہ ہوگا۔ تمہاری مالی حالت میں خوش آئند تبدیلی ہوگی۔ اس میں سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اپنے لیے آپ سے کچھ طلب نہیں کرتے۔ اس کے باوجود تم میں ایسے کوتاہ اندیش لوگ بھی ہیں جو اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ درحقیقت وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے بلکہ اپنے آپ کو ثواب سے محروم کر رہے ہیں۔ [illegible] ان کے خلاف نفرت کے جذبات پرورش پائیں گے اور ان کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے۔ اس کو تمہاری دولت کی ضرورت نہیں۔ تم محتاج ہو تمہیں اس کی عنایت و رحمت کی ہر لحظہ حاجت ہے۔ [illegible] اس کی رہنمائی کے بغیر تم منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت ابن مسعود سے مروی ہے ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا تم میں سے کون شخص ہے جس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال محبوب ہو۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ عزیز ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ کہ انسان کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے راہ خدا میں خرچ کر دیا اور جو پیچھے چھوڑ گیا وہ اس کا مال نہیں بلکہ اس کے وارث کا مال ہے۔

۴۴۔ اللہ تعالیٰ جس قوم کو اپنے دین کا علمبردار بننے کی سعادت بخشتا ہے اور اصلاح عالم کا اہم اور عظیم فریضہ [illegible] کرتا ہے جب تک وہ قوم اپنے فرائض کی انجام دہی میں کوشاں رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے شامل حال رہتی ہے اس [illegible]

کی ہر تدبیر ہم آہنگِ تقدیر ثابت ہوتی ہے۔ اس کا ہر قدم منزل کی طرف اٹھتا ہے اور ہر کرم کی عزتیں اور سرفرازیاں اس پر نچھاور کی جاتی ہیں۔ لیکن جب کوئی قوم اس نعمت کی قدر نہیں کرتی، اللہ کی راہ میں جان دینے سے کتراتی ہے اور مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لینے لگتی ہے، اس کی قوتِ عمل میں کاہلی اور سستی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں تو اس کو مناسب انداز سے اس کی کوتاہیوں پر متنبہ کیا جاتا ہے۔ اگر پھر بھی وہ اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اسے اس منصبِ جلیل سے ہٹا دیا جاتا ہے اور کسی دوسری قوم کو یہ منصبِ جلیلہ کی عزت بخش دی جاتی ہے۔ وہ نئی قوم جو جان کی بازی لگانے میں پیش پیش رہتی ہے اور مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کرتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے اور قرآن حکیم کا فیصلہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ جو قومیں یا جو افراد اس منصب پر فائز ہیں انہیں اپنے اس منصب کی نازک ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے اور انہیں ہر لحظہ چوکنا رہنا چاہیے کہ ادائے فرض میں ان سے کوئی کوتاہی سرزد نہ ہونے پائے۔

الحمد لله رب العالمين الذي جعلنا من امة حبيبه سيد المرسلين
ومن حملة كتابه القرآن العظيم.
اللهم صل عليه وعلى آله واصحابه وبارك وسلم
نسألك التوفيق لنقتفي آثار سلفنا الصالحين
الذين بذلوا ارواحهم واموالهم وضحوا بكل ما لديهم من قوة وعلم ونباهة
لتكون كلمة الله هي العليا وكلمة الذين كفروا السفلى
لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم

تعارف

سُورۃ الفتح

نام: یہ سورۃ مبارکہ الفتح کے نام سے موسوم ہے۔ جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ اس کا نام بھی ہے اور اس میں بیان کیے گئے مضامین و مطالب کا عنوان بھی۔ یہ چار رکوع اور انتیس آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد پانچ صد ترسٹھ اور حروف کی تعداد دو ہزار پانچ صد اٹھاون ہے۔

زمانۂ نزول: اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ یہ سورت ماہ ذی القعدہ سنہ ۶ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر مشرکین مکہ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد مدینہ طیبہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔

تاریخی پس منظر: مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمان مکہ کو چھوڑ کر اڑھائی تین سو میل دور مدینہ طیبہ میں جا کر آباد ہوئے۔ یہاں بھی کفار نے انہیں آرام کا سانس نہ لینے دیا۔ اکادکا جھڑپوں کے علاوہ یکے بعد دیگرے بدر، احد اور خندق کی جنگیں ہوئیں۔ جنگ و جدال کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل مکہ نے مسلمانوں کے لیے مکہ کے دروازے بند کر دیے۔ خانہ کعبہ کے طواف و زیارت کے لیے سرزمین عرب کا ہر شخص آ سکتا تھا لیکن مسلمانوں پر یہ قدغن تھی کہ وہ حرم شریف کی زیارت کا قصد نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ناروا اقدام کی متعدد مقامات پر مذمت کی ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے: وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یعنی اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو کیوں عذاب نہ دے حالانکہ انہوں نے اہل ایمان کو مسجد حرام میں آنے سے روک دیا ہے۔

مدینہ طیبہ میں مہاجرین و انصار کو بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہر وقت بے چین رکھتا تھا۔ اپنی اس خواہش کا اظہار وہ بارگاہ رسالت میں بھی کرتے رہتے تھے۔ حضور انہیں صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یقین دلاتے کہ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جب یہ سب رکاوٹیں دور ہو جائیں گی اور تم بڑی آزادی سے حج و عمرہ کے ارکان ادا کر سکو گے۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو یہ نوید جانفزا سنائی کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن و سلامتی کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ سن کر صحابہ کرام کی خوشی کی حد نہ رہی۔ انہوں نے اللہ کریم کی حمد و شکر کے نعرے بلند کیے اور یہ خبر آن واحد میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ صحابہ کرام یہ جانتے تھے کہ نبی کریم کا خواب محض خواب نہیں ہے بلکہ یہ وحی الٰہی ہے اور اس میں ہماری دیرینہ آرزو کے بر آنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اتنا تو انہیں یقین تھا کہ

ایسا ضرور ہوگا لیکن کس طرح ہوگا اس کے بارے میں مختلف وسوسے ان کو پریشان کرنے لگے۔ کیا قریش کے ساتھ جنگ ہوگی اور وہ انہیں شکست دے کر مسجد حرام میں داخل ہوں گے؟ کیا وہ زور بازو سے اہل مکہ کو شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیں گے؟ کیا اہل مکہ خود بخود ان کے لیے شہر کے دروازے کھول دیں گے۔ بہرحال سفر کی تیاریاں زور شور سے شروع ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ کے باہر جو قبائل مسلمان ہو چکے تھے انہیں بھی دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں شریک ہوں۔

یکم ذیقعدہ کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں عشاق کا یہ قافلہ سوئے حرم روانہ ہوا۔ اس کی تعداد چودہ صد اور پندرہ صد کے درمیان تھی۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار تھے۔ ستر اونٹ قربانی کے لیے ساتھ تھے۔ ان کے گلوں میں قلادے ڈال دیے گئے تھے تاکہ پہچان ہو سکے کہ یہ قربانی کے جانور ہیں۔ یہ قافلہ جب مدینہ طیبہ سے چھ سات میل دور ذوالحلیفہ نامی گاؤں میں پہنچا تو سب نے عمرہ کا احرام باندھا۔ ان کے پاس ایک ایک تلوار تھی جو میان میں بند تھی۔ اس کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس سفر میں حضور کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

قریش کو جب نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع ملی تو ان کے دلوں میں وسوسوں اور اندیشوں کے طوفان امڈنے لگے۔ انہوں نے یہ خیال کیا کہ عمرہ تو محض بہانہ ہے۔ اصل مقصد مکہ پر قبضہ کرنا ہے۔ انہوں نے طے کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حضور جب عسفان کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً دو دن کی مسافت پر واقع ہے تو بنی کعب قبیلہ کا ایک آدمی ملا۔ حضور نے اس سے قریش مکہ کے بارے میں دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ انہیں آپ کی روانگی کی خبر پہنچ گئی ہے۔ وہ مکہ سے نکل کر ذوطویٰ کے مقام پر خیمہ زن ہو گئے ہیں۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہونے دیں گے نیز انہوں نے آپ کی پیش قدمی کو روکنے کے لیے دو صد شہسواروں کا دستہ دے کر خالد بن ولید کو کراع الغمیم کی طرف بھیج دیا ہے۔ یہ بستی عسفان سے صرف آٹھ میل کے فاصلہ پر تھی۔

یہ سن کر حضور نے فرمایا صد حیف! قریش کو جنگوں نے کھوکھلا کر دیا ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ضد سے باز نہیں آتے۔ کیا حرج تھا اگر وہ میرے درمیان اور دیگر عرب قبائل کے درمیان حائل نہ ہوتے۔ اگر عرب قبائل ہمارا خاتمہ کر دیتے تو ان کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ بخشتا تو وہ اپنی تعداد کی کثرت کے ساتھ اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر اس وقت بھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تو پھر مجھ سے جنگ کرتے، اس وقت وہ طاقتور ہوتے۔ آخر میں حضور نے فرمایا: فما تظن قریش! فو اللہ لا ازال اجاھد علی الذی بعثنی اللہ بہ حتی یظھرہ اللہ او تنفرد ھذہ السالفۃ۔ ترجمہ: قریش کیا سوچ رہے ہیں! بخدا میں اس وقت تک اس دین کے لیے جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غالب کر دے یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

حضور نے جنگ و قتال سے بچنے کے لیے یہ مناسب سمجھا کہ اس مشہور راستہ کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کر کے مکہ پہنچیں۔ حضور نے پوچھا تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو کسی غیر معروف راستے سے ہمیں مکہ لے جائے۔ ایک شخص نے حامی بھری:

چنانچہ ایک نہایت ہی کٹھن اور دشوار گزار راستہ پر چل کر حضور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے یہ جگہ حرم شریف کی سرحد پر واقع ہے۔ اس طرح خالد کے گھوڑ سوار دستہ سے ٹکراؤ ٹل گیا اور قریش کی یہ تدبیر ناکام ہو گئی کہ مسلمانوں کو راستہ میں ہی الجھا دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو حضور کی ناقہ قصویٰ بیٹھ گئی۔ لوگوں نے خیال کیا کہ تھکاوٹ کی وجہ سے بیٹھ گئی ہے۔ نبی کریم نے فرمایا: انما حبسها حابس الفیل عن مکة "اسے اس ذات نے آگے بڑھنے سے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا" حضور نے حکم دیا کہ یہیں فروکش ہو جاؤ۔ لوگوں نے عرض کی!

"یا رسول اللہ! یہاں تو پانی کی ایک بوند نہیں۔ سارے کنوئیں خشک پڑے ہیں۔ یہاں لشکر اسلام نے قیام کیا تو پانی کی نایابی کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔" حبیب کبریا نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور ایک صحابی کو حکم دیا کہ کسی کنوئیں میں اتر جائے اور یہ تیر اس میں گاڑ دے۔ انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ تیر گاڑنے کی دیر تھی کہ پانی جوش مار کر ابلنا شروع ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کنواں پانی سے بھر گیا۔

قریش بضد تھے کہ وہ کسی قیمت پر حضور کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ حضور کی خواہش تھی کہ جنگ نہ ہونے پائے اور سارے معاملات حسن و خوبی سے طے پا جائیں۔ اسی اثنا میں بُدَیل بن وَرقاء، جو بنی خزاعہ قبیلہ کا سردار تھا، اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں آیا اور حضور سے یہاں آمد کا مقصد پوچھا۔ حضور نے اسے بتایا کہ ہم حج کے ارادہ سے نکلے ہیں۔ بیت اللہ شریف کی زیارت کا شوق ہمیں کشاں کشاں یہاں لے آیا ہے۔ جنگ کرنے کا ہمارا قطعاً کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی بہانے سے مکہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ احرام کی دو چادریں ہمارے زیب تن ہیں۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں۔ کیا تم یہ باور کر سکتے ہو کہ کیسے ممکن ہے کہ ہم تمہارے ساتھ اتنی مسافت طے کر کے لڑنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ بدیل کا اطمینان ہو گیا۔ چنانچہ وہ اہل مکہ کے پاس گیا اور انہیں جا کر کہا کہ مسلمان صرف کعبہ کی زیارت اور طواف کے لیے آئے ہیں۔ جنگ کرنے کا ان کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں۔ تم ان کا راستہ نہ روکو۔ قریش نے اسے ڈانٹ دیا اور صاف کہا کہ تم بدو لوگ ان باریکیوں کو نہیں سمجھتے ہم کسی قیمت پر مسلمانوں کو شہر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

چند قبائل جنہیں احابیش کہا جاتا تھا مکہ کے نواح میں آباد تھے۔ قریش کے ساتھ ان کا دوستانہ معاہدہ تھا۔ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل مکہ کو ان کی بڑی ضرورت تھی۔ یہ لوگ بلا کے تیر انداز اور جنگجو تھے۔ اہل مکہ نے ان کے سردار حُلیس بن علقمہ کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ مجبور کرے کہ حضور واپس چلے جائیں۔ ان کا خیال تھا کہ اگر حضور نے اس کی بات نہ مانی تو وہ برافروختہ ہو کر مسلمانوں کے خلاف اپنی پوری قوت استعمال کرے گا۔ حضور نے جب اسے اپنی لشکر گاہ کی طرف آتے دیکھا تو صحابہ کو ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کی قطاریں اس کے سامنے سے گزارو۔ حُلیس نے جب یہ منظر دیکھا تو بہت متاثر ہوا۔ حضور سے گفتگو کیے بغیر قریش کے پاس واپس آ گیا۔ اور جو کچھ دیکھا تھا وہ آ کر بیان کر دیا اور انہیں یقین دلایا کہ مسلمان جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے ہیں اور نہ مکہ پر قبضہ کرنے کا کوئی ارادہ ہے۔ اس کی بات سن کر قریش کے غیظ و غضب کی حد نہ رہی۔ اسے کہا او بدو! بیٹھ جاؤ تمہیں ان چیزوں کا کیا علم ہے۔ حُلیس غصہ سے بے قابو ہو گیا اور انہیں کہا کہ ہم نے تم کو

ساتھ اس لیے دوستی نہیں کی کہ زائرین کعبہ کا راستہ روکنے کے لیے تمہاری امداد کریں۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو میں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ قریش اس کی منت سماجت کرنے لگے کہ ذرا صبر سے کام لو ہمیں سوچنے کا موقع دو۔ اس کے بعد اہل مکہ نے عروہ بن مسعود ثقفی کو کہا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جا کر گفتگو کرے اور انہیں واپس چلے جانے پر آمادہ کرے۔ اپنے پہلے سفیروں کے ساتھ انہوں نے جو برتاؤ کیا تھا۔ وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ تم میرے ساتھ بھی ویسی سلوک کرو گے اس لیے میں یہ خدمت انجام دینے سے قاصر ہوں۔ قریش نے اسے یقین دلایا کہ اس کی شخصیت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کی دانائی اور فراست پر انہیں مکمل اعتماد ہے! چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور بڑی سلیقہ مندی سے گفتگو کا آغاز کیا کہنے لگا کہ آپ کی قوم کا مرکز ہے اگر آپ ان آوارہ منش لوگوں کی فوج اکٹھی کر کے اس پر حملہ کر کے اس کو ویران کر دیں گے اور یہاں کے باشندوں میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیں گے تو یہ داغ پھر کبھی نہیں مٹے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر میدان جنگ سے بھاگ جائیں گے۔ حضرت صدیق اکبر اس کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ آخری بات کہی تو آپ کو یارائے ضبط نہ رہا اور کڑک کر فرمایا اولات کے غلیظ چیتھڑے کو چوسنے والے! تم نے کیا کہا! کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ عروہ نے یہ سنا تو سخت برہم ہو گیا۔

عرب کے دستور کے مطابق عروہ اثنائے گفتگو کبھی کبھی اپنے ہاتھ سے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کو چھو لیتا۔ حضرت مغیرہ جو پاس کھڑے تھے اس کے ہاتھ کو سختی سے جھٹک دیتے۔ اگرچہ آپ عروہ کے ممنون احسان تھے کہ اس نے ان کی طرف سے تیرہ آدمیوں کا خون بہا ادا کیا تھا جو ان سے قبل از اسلام قتل ہوئے تھے۔

عروہ نے حضور سے تبادلہ خیال کیا اسے یقین ہو گیا کہ حضور کا مقصد نہ اہل مکہ سے جنگ کرنا ہے اور نہ مکہ پر قبضہ کرنا ہے بلکہ حضور اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ حج بیت اللہ کی غرض سے یہاں آئے ہیں؛ چنانچہ اسلامی کیمپ میں کچھ وقت گزارنے کے بعد جب وہ واپس گیا تو اس نے اہل مکہ کو اپنے مشاہدات کے نتیجہ سے آگاہ کیا اور انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں۔ انہیں حج و زیارت بیت اللہ سے نہ روکیں۔ وہ چند دن یہاں ٹھہر کر واپس مدینہ چلے جائیں گے۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا کہ وہ قیصر و کسریٰ اور کئی دوسرے بادشاہوں کے درباروں میں گیا ہے لیکن جاں نثاری اور عقیدت کے جو جذبات اس نے غلامان محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دلوں میں موجزن دیکھے ہیں ان کی نظیر اسے کہیں بھی نظر نہیں آئی۔ وہ اگر تھوکتے ہیں تو لعاب دہن کو تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے ہیں، اگر وہ وضو فرماتے ہیں تو وضو کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے بلکہ آگے بڑھ کر اسے اپنے چہروں اور اپنے سینوں پر مل لیتے ہیں۔ اگر کوئی کام کرنے کا اشارہ کرتے ہیں تو حکم بجا لانے میں سب ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے بیتاب ہو جاتے ہیں۔ میں نے اطاعت کیشی، جاں نثاری، خلوص اور محبت کے یہ دلکش مناظر کسی شاہی دربار میں نہیں دیکھے۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ مشکل وقت میں مسلمان اپنے نبی کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ میں نے حقیقت حال سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اب جو تم مناسب سمجھو کرو۔

قریش نے مسلمانوں کے خلاف جو روش اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ جزیرۂ عرب کے طول و عرض

میں اس کا ردِ عمل ان کے خلاف ہوگا، لوگ یہ سمجھنے لگیں گے کہ قریش کعبہ کے خادم نہیں ہیں بلکہ مالک ہیں، انہیں یہ اختیار ہے کہ جس کو چاہیں وہاں آنے دیں اور جس کو چاہیں وہاں آنے سے روک دیں۔ قریش کی کوشش تھی کہ اہلِ مکہ کے اذہان میں ان کے متعلق بے تاثر پیدا نہ ہو، یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ مسلمانوں پر برملا حملہ کرنے سے گریزاں تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ مسلمان مشتعل ہو کر جنگ کا آغاز کریں؛ چنانچہ انہوں نے بار بار ایسی حرکتیں کیں جس سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے۔ ایک دفعہ رات کی تاریکی میں ان کے چالیس پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے اور مسلمانوں پر پتھروں اور تیروں کی بارش شروع کر دی، مسلمانوں نے صبر و ضبط سے کام لے کر جنگ کو پھیلنے نہیں دیا بلکہ ان سب کو گرفتار کر کے حضور کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیا۔ رحمتِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی سے انتقام نہیں لیا بلکہ سب کو آزاد کر دیا۔ اس طرح قریش کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔ ایک روز مسلمان صبح کی نماز ادا کرنے میں مصروف تھے تنعیم[1] کی طرف سے ۸۰ آدمیوں کے ایک دستہ نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، مسلمانوں نے ان سب کو بھی گرفتار کر لیا لیکن سرورِ عالم نے ان کے لیے بھی عفوِ عام کا اعلان کر دیا، یوں قریش کی دوسری سازش بھی ناکام بنا دی گئی۔

حالات کوئی فیصلہ کن صورت اختیار نہیں کر رہے تھے۔ اہلِ مکہ نے جتنے سفیر بھیجے مسلمانوں کی حسنِ نیت کے بارے میں وہ خود تو مطمئن ہو کر آئے لیکن اہلِ مکہ کو مطمئن نہ کر سکے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو اپنا سفیر بنا کر اہلِ مکہ کی طرف بھیجا تاکہ یہ اپنی ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر و رسوخ کے باعث اہلِ مکہ کی غلط فہمیوں کو دور کر سکیں اور قریش کو اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ مسلمانوں کو زیارت و طوافِ کعبہ سے نہ روکیں۔

آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت ہو کر مکہ گئے۔ رؤسائے قریش سے ملاقات کی۔ صحیح صورتِ حال سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے کہا اے عثمان! تمہیں کعبہ کا طواف کرنے کی اجازت ہے۔ آپ نے جواب دیا: مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ يَطُفْ ۔

ترجمہ: جب تک اللہ تعالیٰ کا پیارا رسول خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرے گا، میں طواف نہیں کروں گا۔

آپ نے انہیں بتایا کہ ہم جنگ کرنے کی غرض سے نہیں آئے۔ ہم نے احرام باندھا ہوا ہے۔ قربانی کے جانور ہمارے ساتھ ہیں، اسلحہ ہمارے پاس نہیں۔ اگر ہمارا ارادہ مکہ پر قبضہ کرنے یا تم سے جنگ آزمائی کا ہوتا تو کیا ہم اس بے سروسامانی کی حالت میں یہاں آتے۔ آپ نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی کہ ہم یہاں چند روز قیام کرنے کے بعد واپس چلے جائیں گے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے قسم کھائی ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں نہیں آنے دیں گے۔ آپ اس وقت واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔ اہلِ مکہ نے حضرت عثمان کو اپنے پاس روک لیا تاکہ بات چیت کا سلسلہ جاری رہے۔

---

[1] یہ مکہ کے قریب حرم کی حدود سے باہر ایک مقام ہے۔ مکہ کے لوگ بالعموم عمرہ کرنے کی خاطر اسی مقام پر جا کر احرام باندھتے ہیں اور پھر واپس آ کر عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اسی اثنا میں یہ افواہ پھیل گئی کہ اہل مکہ نے حضرت عثمان کو شہید کر دیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کر دیا کہ جب تک عثمان کے خون کا بدلہ نہیں لے لیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ صحابہ کو حکم دیا کہ وہ جان کی بازی لگا دینے کے لیے بیعت کریں۔ سرورِ عالم ایک درخت کے نیچے جلوہ افروز ہیں۔ صحابہ کرام پروانوں کی طرح شوقِ شہادت سے سرشار بیعت کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ اپنے مرکز سے اڑھائی سو میل دور ہیں۔ ان کی تعداد صرف چودہ پندرہ سو ہے۔ جنگ کے لیے جس قسم کے اسلحہ اور سازو سامان کی ضرورت ہوتی ہے اس کا فقدان ہے۔ بادیہ نشین قبائل میں سے کوئی بھی ان کی مدد کرنے کے لیے تیار نہیں۔ دشمن اپنے علاقہ میں ہے۔ وہ مکہ کے سارے جنگجوؤں کو میدان میں لا سکتا ہے۔ ضرورت کے وقت دوست قبائل بھی ان کی کمک کو پہنچ سکتے ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے بھی وہ عشق اور ایمان کے تقاضوں سے بالا تر ہیں اور ان کو جنگ سے گریز کرنے کی جرأت بھی رکھتے ہیں۔ تاریخ سے بے نیاز ہو کر وہ اپنے ہادی و مرشد کے دستِ مبارک پر سر کٹانے اور جان دینے کی بیعت کر رہے ہیں۔ سرفروشی اور جاں نثاری کا یہ منظر چشمِ فلک نے کب دیکھا ہو گا۔ ان پاکبازوں کے اس عشق و وفا اور جذبۂ ایثار پر عالم بالا کے مکینوں کو بھی وجد آ گیا ہو گا۔ اسی حالت میں جبریل امین آئے اور خداوند کریم کا یہ پیغام سنا کر شمع جمالِ مصطفیٰ کے پروانوں کو یوں مژدہ جانفزا سنایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ۔

ترجمہ: "بیشک راضی ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مومنین سے جب وہ درخت کے نیچے آپ کے دستِ حق پرست پر سر دھڑ کی بازی لگانے کی بیعت کر رہے تھے"۔

یہ بیعت تاریخ اسلام میں بیعتِ رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ آج بھی اس کے تذکرہ سے ایمان کو جلا اور عشق کو نئی توانائیاں نصیب ہوتی ہیں۔

اس بیعت کی اطلاع جب اہل مکہ کو ملی تو ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ جس ہٹ دھرمی کا وہ اب تک مظاہرہ کرتے رہے تھے، اس کی تندی کافور ہو گئی۔ انہوں نے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے سہیل بن عمرو کو حضرت عثمان کے ہمراہ حضور نبی کریم کی خدمتِ اقدس میں بھیجا۔

گفت و شنید کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ آخرکار ایک معاہدہ صلح طے پایا جس کی اہم شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ فریقین دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور کوئی فریق خفیہ یا اعلانیہ ایسی حرکت نہ کرے گا جو امن و آشتی کو درہم برہم کر دے۔

۲۔ اس عرصہ میں اگر کوئی قریشی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مکہ سے بھاگ کر حضور کے پاس چلا جائیگا تو حضور اسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے مرتد ہو کر مکہ چلا جائیگا تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۳۔ عرب کے بادیہ نشین قبائل آزاد ہیں مسلمانوں یا کفار جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کیے بغیر امسال واپس چلے جائیں گے۔ البتہ آئندہ سال آکر وہ عمرہ ادا

کر سکیں گے۔ انہیں تین دن تک مکہ میں ٹھہرنے کی اجازت ہوگی۔ تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوگا اور تلوار بھی میان میں رہے گی۔

۵۔ اہل مکہ ان تین دنوں میں مکہ سے باہر چلے جائیں گے لیکن مسلمان جب واپس جائیں گے تو مکہ کے کسی شخص کو ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

مسلمانوں نے معاہدہ کی جب یہ شرائط سنیں تو ان پر رنج و اندوہ کا گویا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ حق و صداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دب کر صلح کریں۔ راہ حق میں جان دے دینا اور سر کٹا دینا انہیں ہرگز گراں نہ تھا لیکن یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صلح کر لیں۔ ہر شخص سینہ فگار تھا۔ جوانوں میں بے چینی اور بیقراری تھی۔ حتی کہ حضرت فاروق اعظم جیسا بالغ نظر بھی مضطربانہ حالت میں اپنے قلبی اضطراب کے اظہار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ایک اللہ تعالیٰ کا نبی تھا جس کی نگاہ نبوت ان خوش آئند نتائج اور عواقب کو دیکھ رہی تھی جو تکمیل کے بعد اس معاہدہ پر مرتب ہونے والے تھے اور ایک اس کے یار غار صدیق اکبر کی شخصیت تھی جس کے دل میں اطمینان اور سکون تھا۔ اسے یقین تھا کہ اللہ کا رسول جو کرتا ہے اپنے رب کے حکم سے کرتا ہے اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل میں بندوں کی بھلائی اور سرفرازی ہے۔

ابھی معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ کفار کے نمائندے سہیل بن عمرو کا لڑکا ابوجندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور جسے زنجیروں میں جکڑ دیا گیا تھا زنجیروں کو گھسیٹتا ہوا حدیبیہ کے میدان میں پہنچ گیا اور دادرسی کے لیے فریاد کی۔ حضور نے فرمایا ہم معاہدہ کر چکے ہیں، اس معاہدہ کو نہیں توڑ سکتے۔ تم صبر کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری خلاصی کی کوئی صورت پیدا فرما دے گا۔ اس چیز نے صحابہ کے زخمی جذبات پر نمک پاشی کا کام کیا۔ لیکن کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہیں احرام کھول دیا۔ اپنے قربانی کے جانوروں کو ذبح کیا۔ حضور کے سارے ساتھیوں نے اپنے آقا کے عمل کی اقتدا کرتے ہوئے احرام کھول دیے اور اپنے جانوروں کو ذبح کر دیا۔ اور یہیں سے یہ پیکران تسلیم و رضا مراجعت فرمائے مدینہ طیبہ ہوئے۔ راستہ میں جب کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے پچیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یا بقول بعض کراع الغمیم کے مقام پر پہنچے، یہ سورت مبارکہ نازل ہوئی جس کی پہلی آیت ؛ انا فتحنا لك فتحاً مبيناً نے اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ جس صلح سے تم کبیدہ خاطر ہو اور جن شرائط کے باعث تمہارے دل غمزدہ ہو گئے ہیں، یہ حقیقت میں فتح مبین ہے۔ چنانچہ چند سال میں ہی جب اس معاہدہ میں مضمر برکات کا ظہور ہوا تو ہر ایک کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ واقعی یہ صلح اسلام کے لیے اور ہادی اسلام کے مشن کی تکمیل کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے ایک عظیم الشان فتح تھی۔ کفار نے ان شرائط کو مان کر مسلمانوں کی آزاد حیثیت کو گویا تسلیم کر لیا تھا۔ وہ اب اپنی قوم سے بھٹکے ہوئے چند افراد کی ٹولی نہیں تھے، بلکہ ایک آزاد قوم تھے جن کی آزاد مملکت تھی جس کے اپنے مساویانہ حقوق تھے اور وہ لوگ جو ان کی اس حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے انہوں نے بھی آج اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا۔ نیز صلح ہو جانے کے بعد مکہ اور مدینہ کے درمیان حالت جنگ کی کیفیت اختتام پذیر ہو گئی۔ آنے جانے پر پابندیاں اٹھ گئی تھیں؛ چنانچہ تبلیغ اسلام کا کام اس

زور شور سے ہوا اور ایسی کامیابیاں حاصل ہوئیں کہ گذشتہ اُنیس سال کی جدوجہد ایک طرف اور صلح کے بعد دو سال کی جدوجہد ایک طرف۔ قبائل کے قبائل فوج در فوج مدینہ طیبہ کا رُخ کر رہے تھے اور حضور کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کر رہے تھے۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہیوں کی تعداد چودہ سو کے قریب تھی اور دو سال بعد جب فتح مکہ کے لیے حضور روانہ ہوئے تو دس ہزار کا لشکرِ جرار ہمراہ تھا۔

نیز امن قائم ہو جانے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ موقع مل گیا کہ جو علاقے اسلام کے زیر نگین ہو چکے ہیں انہیں اسلامی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا جائے اور اسلامی قانون کے نفاذ سے مسلم معاشرہ کو ایک نئی تہذیب اور تمدن کے سانچہ میں ڈھال دیا جائے۔

اس صلح کا یہ فائدہ بھی کچھ کم اہم نہیں کہ قریش کی جانب سے جب اطمینان ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شمالی عرب اور وسط عرب کی مخالف طاقتوں کو مسخر کرنے کے لیے خاص توجہ مبذول فرمائی۔ صلح حدیبیہ کے تین ماہ بعد یہودیوں کے اہم مراکز خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیماء اور تبوک پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور وسط عرب میں پھیلے ہوئے بادیہ نشین قبائل جو پہلے قریش کے حلیف تھے ایک ایک کر کے حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے یا حضور کی اطاعت قبول کر لی۔

صلح نامہ کی جو شرط مسلمانوں کے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بنی تھی وہ شرط دا تھی جس کی رُو سے اگر اہلِ مکہ کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینہ طیبہ میں چلا جاتا تو اس کو واپس کرنا ضروری تھا۔ اس کے برعکس اگر مسلمانوں کا کوئی آدمی بھاگ کر مکہ چلا جاتا تو مسلمان اسے واپس نہیں لے سکتے تھے لیکن قلیل عرصے کے بعد خود اہلِ مکہ کی درخواست پر یہ شرط معاہدہ سے خارج کر دی گئی۔ ہوا یوں کہ ابوبصیر جو اسلام لا چکا تھا اور جسے اہلِ مکہ نے اس جرم کی پاداش میں قید کر دیا تھا۔ قید سے بھاگ نکلا اور مدینہ طیبہ پہنچ گیا۔ کفار نے اسے واپس لانے کے لیے آدمی بھیجے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کا احترام کرتے ہوئے اسے واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ راستہ میں وہ پھر ان لوگوں کے قبضہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے، اور بحرِ احمر کے ساحل پر اس جگہ ڈیرا ڈال لیا جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گزرتے تھے۔ جب دوسرے مسلمانوں کو پتہ چلا جو مکہ میں قید و بند کی سختیاں جھیل رہے تھے تو وہ قید سے جان چھڑا کر ابوبصیر کے پاس جمع ہونے لگے یہاں تک کہ ستر آدمی وہاں جمع ہو گئے۔ قریش کا جو قافلہ ادھر سے گزرتا وہ اسے لوٹ لیتے۔ اور اگر کا دکا جو کافر ملتا اسے موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ اس صورتِ حال سے اہلِ مکہ بہت پریشان ہو گئے؛ چنانچہ اُنہوں نے اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ابوبصیر اور ان کے ساتھیوں کو اپنے پاس مدینہ بُلا لیں اور اس شرط کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس طرح انا فتحنا لک فتحا مبینا کی عملی تصویر اپنوں اور بیگانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اس سورت کے اس تاریخی پس منظر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اگر آپ اس کا مطالعہ کریں گے تو از بس مفید ہو گا۔

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الفتح مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — انتیس آیات اور چار رکوع

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝١ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ

بیشک ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے ۱ تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ۲ سب الزام جو آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے

۱ اگرچہ بعض روایات میں اس فتح مبین سے مراد فتح مکہ بیان کی گئی ہے اور بعض حضرات نے اس سے مراد فتح خیبر لی ہے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ چنانچہ امام زہری کہتے ہیں: لقد كان الحديبية اعظم الفتوح وذلك ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم جاء اليها فى الف واربعمائة فلما وقعت الصلح مشى الناس بعضهم فى بعض وعلموا وسمعوا عن الله تعالى فما اراد احد الاسلام الا تمكن منه فما مضت تلك السنتان الا والمسلمون قد جاءوا الى مكة فى عشرة آلاف (قرطبی)

ترجمہ: صلح حدیبیہ ایک عظیم الشان فتح تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس موقع پر صرف چودہ سو صحابہ حضور کے ہمرکاب تھے صلح کے بعد لوگوں نے آنا جانا شروع کر دیا۔ اس طرح انہیں اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں جاننے اور سننے کے مواقع میسر آئے۔ جس نے اسلام لانے کا ارادہ کیا وہ بآسانی اسلام لے آیا۔ صرف دو سال کے عرصہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ کو فتح کرنے کے لیے جب تشریف لائے تو دس ہزار جانباز حضور کے ہمرکاب تھے۔

۲ بظاہر اس آیت کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔ حضور کو غفران کا مژدہ سنایا۔ لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضور سے گناہوں کا صدور پہلے بھی ہوتا رہا اور بعد میں بھی ہوتا رہے گا (العیاذ باللہ)، حالانکہ اس عقیدہ پر امت کا اجماع ہے کہ جملہ انبیاء اور سید الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ حضور کے دامن عصمت پر گناہ کا کوئی داغ نہیں ہے۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لیے علمائے تفسیر نے متعدد جواب دیے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ یہاں گناہ سے مراد گناہ صغیرہ ہے۔

۲۔ یہاں گناہ سے مراد خلاف اولیٰ ہے اور حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِيْنَ کے قاعدہ کے مطابق خلاف اولیٰ کو گناہ کہا گیا ہے۔

۳۔ وہ فعل اگرچہ نہ گناہ صغیرہ ہے نہ خلاف اولیٰ لیکن حضور کی علو شان میں وہ شایاں نہ تھا اس لیے حضور کے مقام رفیع کے باعث اسے ذنب (گناہ) کہہ دیا گیا ہے۔

۴۔ بعض علماء نے غفر کا معنی بچا لینا اور محفوظ کر لینا کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ

اور معصوم رکھا ہے۔ اس حفاظت ربانی کے باعث نہ پہلے آپ سے کبھی کوئی گناہ سرزد ہوا اور نہ آئندہ کبھی کوئی گناہ سرزد ہوگا۔

۵۔ بعض علماء نے یہ توجیہ کی ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ مغفرت عامہ کی بشارت دے کر حضور کے قلب مبارک کو مطمئن کر دیا جائے۔ یعنی پہلے تو آپ سے کوئی غلطی سرزد ہی نہیں ہوئی، بالفرض اگر کوئی سہواً سرزد ہو گئی ہو تو بھی اس سے عفو و درگزر کا مژدہ سنایا جا رہا ہے تاکہ کسی قسم کی خلش یا سوء خاتمہ کا اندیشہ نہ رہے۔

یہ سارے جوابات اپنی اپنی جگہ نہایت اہم ہیں، لیکن کلام کے سیاق و سباق کو پیش نظر رکھا جائے تو ان میں سے کوئی مفہوم بیان چسپاں نہیں ہوتا۔ فتح مبین کی غرض و غایت یا اس کا نتیجہ اور انجام مغفرت بتایا گیا ہے، لیکن فتح اور مغفرت میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس لیے اس آیت میں مزید غور و خوض کی ضرورت ہے تاکہ آیات کا باہمی ربط بھی واضح ہو جائے اور عصمت نبوت پر بھی کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے۔

ذنب کے لفظ پر غور کیا جائے تو یہ مشکل آسان ہو جائے گی۔

ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے۔ گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو، لیکن اہل لغت لفظ ذنب کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو، بلکہ بسا اوقات بلاوجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کر دی جاتی ہے۔ اسی مادہ کے دو اور لفظ ہیں ذَنَبٌ اور ذَنُوْبٌ۔ ذَنَبٌ کا معنی دم ہے جو جانور کے جسم کے آخر میں چپکی ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے جسم کا حصہ نہیں، بلکہ باہر سے اس کے ساتھ چپکا دی گئی ہے۔ اور پانی نکالنے والے ڈول کو ذَنُوْبٌ کہتے ہیں جو رسی کے ایک سرے سے بندھا ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے ذَنْبٌ کا اطلاق الزام پر بھی ہو سکتا ہے جو کسی شخص کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے، خواہ اس نے اس کا ارتکاب نہ کیا ہو۔

قرآن کریم میں بھی ذَنْبٌ کا لفظ الزام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک روز موسیٰ علیہ السلام نے ایک اسرائیلی اور ایک قبطی کو باہم لڑتے دیکھا۔ قبطی، اسرائیلی کو زد و کوب کر رہا تھا۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کو دیکھا تو انہیں مدد کے لیے پکارا۔ آپ نے پہلے قبطی کو منع کیا کہ غریب اسرائیلی پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ جب وہ باز نہ آیا تو آپ نے اسے ایک مکا دے مارا جو اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوا۔ اپنے زیر دست ساتھی کی مدد کرنا، اس کے بچاؤ اور اپنے دفاع کے لیے حملہ آور کو مکا مارنا نہ شرعاً کوئی جرم ہے نہ عرف میں یہ فعل قبیح ہے، لیکن فرعون چونکہ آپ کا دشمن تھا اور انہیں حکومت کا باغی تصور کرتا تھا، اس نے آپ پر قتل کا الزام رکھا تھا اور اگر اس کا بس چلتا تو وہ آپ کو وہی سزا دیتا جو قتل عمد کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے دعوت حق دو، تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ۔ (۲۶: ۱۴)

ترجمہ: انہوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے، پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس آیت میں ذَنْبٌ سے مراد گناہ نہیں بلکہ الزام ہے۔ کیونکہ آپ نے اپنے اور اپنے امتی کے بچاؤ کے لیے یہ اقدام کیا تھا۔ آپ کا ارادہ اس کو قتل کرنے کا ہرگز نہ تھا اور نہ عام طور پر مُکا لگنے سے موت واقع ہوتی ہے۔

ان آیات کے سیاق و سباق کو مدِنظر رکھا جائے تو یہی معنی (الزام) یہاں موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

غَفْر کا معنی چھپا دینا، دُور کر دینا۔ مَا تَقَدَّمَ سے مراد ہجرت سے پہلے اور مَا تَاَخَّرَ سے مراد ہجرت کے بعد۔

یعنی اے حبیب! جو الزامات کفار آپ پر ہجرت سے پہلے عائد کیا کرتے تھے اور جو الزامات ہجرت کے بعد اب تک وہ لگاتے رہے ہیں، اس فتح مبین سے وہ سارے کے سارے نیست و نابود ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

پہلے ہم قرآن حکیم اور کتب حدیث سے ان الزامات کی چھان بین کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ وضاحت کریں گے کہ وہ الزامات اس فتح مبین سے کس طرح دُور ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے جو الزامات کفار کی طرف سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عائد کیے جاتے تھے، وہ یہ ہیں: یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے، یہ آدمیوں سے سُن سُن کر قرآن بنا لیتا ہے، اسے کوئی اور پڑھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہجرت کے بعد الزامات کی فہرست کچھ یوں ہے:

وہ کہتے یہ قوم میں اختلاف، انتشار پیدا کرنے والا ہے، اس نے جنگ کی آگ بھڑکا کر کر کا اجاڑ ڈالا ہے، بھائی کو بھائی سے، اولاد کو اپنے ماں باپ سے جدا کرنے والا ہے۔ اس نے ہمارے محفوظ تجارتی راستوں کو خطرناک بنا دیا ہے۔ ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر دیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس صلح سے پہلے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان حالتِ جنگ تھی۔ ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا، مل بیٹھنا، تبادلۂ خیال کرنا ناممکن تھا۔ حضور کے خلاف جو بہتان اہلِ غرض تراشتے، سادہ لوح عوام انہیں سچ تسلیم کر لیتے اور اسلام سے کھچے کھچے رہتے۔ مسلمان صرف مدینہ طیبہ میں محصور ہو کر رہ گئے تھے۔ ہجرت کے بعد مکہ میں ان کی آمد و رفت ممنوع قرار دے دی گئی تھی۔ مکہ کے سردار اپنے آدمی بھیج کر بادیہ نشین قبائل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جھوٹا پراپیگنڈہ کرتے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اور عداوت کی آگ بھڑکاتے رہتے۔ یوں عرصہ تک بدو قبائل میں تبلیغِ اسلام کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

حدیبیہ کے روز جو صلح ہوئی، اس کی مشہور دفعات آپ سورت کے تعارف میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اس معاہدے پر سرسری نظر ڈالنے سے کوئی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں نے بہت دب کر صلح کی ہے اور کفار اپنی من مانی شرائط منوانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے لشکرِ اسلام کو ان شرائط کا جب علم ہوا تو انہیں بہت گراں گزرا۔ حضرت

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝۲ وَّ

اور جو الزام ہجرت کے بعد لگائے گئے اور مکمل فرما دے اپنے انعام کو آپ پر ۳ے اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر ۴ے اور

يَنصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝۳ هُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے ۵ے وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہلِ ایمان کے

فاروقِ اعظم جیسی ہستی بھی بے تاب ہو گئی۔ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی بے چینی کا اظہار کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب نے ارشاد فرمایا: انا عبد اللہ ورسولہ لن اخالف امرہ ولن یضیعنی۔

ترجمہ: میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں ہونے دے گا۔

اور ایسا ہی ہوا کہ اس صلح کی وجہ سے فریقین میں جنگ بند ہو گئی۔ امن قائم ہو گیا۔ آمد و رفت کی پابندیاں ختم ہو گئیں۔ مسلمانوں کو ان الزامات کی تردید کا سنہری موقع مل گیا۔ شکوک و شبہات کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں۔ حقیقت اپنے حسن و جمال کے ساتھ آشکارا ہو گئی۔ غلط پراپیگنڈے کے باعث دلوں پر جو غبار جم گیا تھا وہ دور ہو گیا اور لوگ دھڑا دھڑ دینِ اسلام کو قبول کرنے لگے۔ چنانچہ اس واقعہ کے صرف دو سال بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کی مہم کے لیے روانہ ہوئے تو دس ہزار جانباز اور سرفروش غلاموں کا لشکرِ جرار ہمرکاب تھا۔

آپ ان آیات کو پھر پڑھیے، حقیقتِ حال روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

۳ے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فتحِ مبین سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ اپنے پے در پے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب! ہم نے اپنی نعمتوں کی انتہا کر دی۔ دین کو مکمل کر دیا۔ اسلام کی عظمت کا ڈنکا آفاقِ عالم میں بج رہا ہے۔ اس کے غلبہ کو دشمنوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ باعلاء الدین وانتشارہ فی البلاد وغیر ذلک مما افاضہ تعالیٰ علیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من النعم الدینیۃ والدنیویۃ

یعنی یہ تکمیلِ نعمت عبارت ہے دین کی سربلندی اور دور دراز ممالک میں اس کے پھیل جانے سے۔ اس کے علاوہ جو دینی اور دنیوی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پر نازل کیں وہ سب اس میں داخل ہیں۔

۴ے فرائضِ رسالت کی ادائیگی اور احکامِ شریعت کی تنفیذ کوئی معمولی کام نہیں۔ اس میں سرِ مو کوتاہی بھی ناقابلِ برداشت سنگین نتائج کا باعث بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے حبیب! ہم نے آپ کو ان کٹھن، دشوار اور پیچیدہ راہوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے خود ابتدا سے رہنمائی فرمائی ہے کہ کوئی مشکل راہ میں حائل نہیں ہو سکتی کوئی اشکال باعثِ اضطراب نہیں ہو سکتا۔ علامہ آلوسی نے یہی تشریح کی ہے۔ ای فی تبلیغ الرسالۃ واقامۃ الحدود (روح المعانی)

۵ے ان انعاماتِ خصوصی کے آخر میں فرمایا وینصرک اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی نصرت فرمائے گا کہ حضور ہمیشہ

الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ

دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں

غالب رہیں گے اور کسی قسم کی کمزوری رونما نہ ہوگی۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے۔ سابقہ آیات میں مذکورہ تمام افعال کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن لفظ لیغفر کے بعد لفظ اللہ کو ظاہراً ذکر کیا۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ مغفرت کا تعلق عالم آخرت کے ساتھ ہے اور نصرت و غلبہ کا تعلق دنیا کے ساتھ گویا فرمایا اے محبوب! تیری دنیا اور تیری آخرت کے تمام امور ہمارے سپرد ہیں۔ نہ اس دنیا میں آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت ہے اور نہ عقبیٰ کے بارے میں کسی اندیشہ کی ضرورت ہے۔ ان اللہ عز وجل ھو المتصرف فی امرک فی الدنیا والآخرۃ (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے دنیوی اور اخروی تمام امور کا متصرف ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کی معیت میں مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں اس سورت کی پہلی آیتیں نازل ہوئیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے محبوب تر اور عزیز تر ہے۔ حضور نے وہ آیت پڑھ کر سنائی۔ جب زبان نبوت سے لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر کے کلمات طیبات ادا ہوئے تو صحابہ خوشی سے بے تاب ہو گئے۔ مبارکباد پیش کرنے لگے۔ عرض کی ھنیئا لک یا رسول اللہ۔ اے اللہ تعالیٰ کے رسول! مبارک ہو مبارک۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کو تو بتا دیا جو معاملہ وہ آپ سے فرمانے والا ہے۔ وما ذا لنا یا رسول اللہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

سکینہ۔ اس اطمینان اور تسلی کو کہتے ہیں جس سے دل کو قرار آجائے اور ہر قسم کے قلق اور تشویش کا قلع قمع ہو جائے۔ صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ سے جو پریشانی اور تشویش تھی اور جس کے باعث ان کے دل بے چین اور بے قرار تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے مضطرب اور بے چین دلوں میں سکون و طمانیت کا نور اتار دیا۔ وہ اضطراب جس میں وہ بری طرح گرفتار تھے وہ اطمینان سے بدل گیا۔

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ مہم جن مراحل سے گزری، ہر مرحلہ بڑا صبر آزما اور بہت کٹھن تھا۔ حالات کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ عقل و فہم پر نظم و ضبط کے بند ٹوٹ سکتے تھے۔ جب زائرین حرم کا یہ قافلہ روانہ ہوا تو منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ موت کے منہ میں کودنے جا رہے ہیں۔ تھوڑی سی تعداد اور وہ بھی غیر مسلح۔ ان کا بچ کر واپس آنا ممکن نہیں۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاں نثاروں نے اس کی قطعاً پروا نہ کی۔ راستہ میں جب یہ اطلاع ملی کہ کفار اعلان کر چکے ہیں کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور وہ جنگ کی مکمل تیاری کر چکے ہیں پھر بھی مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا نہ ہوا بلکہ بڑی دلیری سے آگے بڑھتے گئے۔ پھر جب حضرت عثمان کی شہادت کی افواہ گرم ہوئی اور بیعت رضوان کی دعوت دی گئی اس وقت بھی ان کا جذبہ جاں نثاری دیدنی تھا۔ آگے بڑھ بڑھ کر بیعت کر رہے تھے اور اس عہد کو نبھانے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ اور جب صلح کی

وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے تاکہ داخل کر دے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ایسے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ

باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور دور فرما دے ان سے ان کی

سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ

برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور تاکہ عذاب میں مبتلا کرے منافق مردوں

شرائط طے پاگئیں جو بادی النظر میں کفار مکہ کی فتح اور مسلمانوں کی ہار دکھائی دیتی تھیں تو اس وقت بھی حضورؐ کی قیادت پر انہیں پورا پورا اعتماد اور بھروسہ تھا کر تسلیم خم کر دیا۔ ان تمام مرحلوں میں نظم و ضبط کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ بیک وقت خوف و ہراس، اشتعال و انتقام یعنی اور ہوس کے تھپیڑوں کے سامنے ثابت قدم رہنا صرف اسی گروہ سے متوقع ہو سکتا ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تسکین و اطمینان کی دولت سے مالا مال کر دیا ہو۔

ف اسی تسلیم و رضا جرأت و دلیری اور ہمت و استقامت جس کا مظاہرہ صحابہ نے قدم قدم پر کیا اس کا اجر انہیں یہ دیا گیا کہ ان کی قوت ایمان دو چند ہو گئی اور ان کے یقین کو پختگی نصیب ہوئی۔

ف زمین و آسمان کے سارے لشکر اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہیں۔ اس کا اشارہ ہوتے تو چشم زدن میں سارے طاغوتی قوتیں تہس نہس کر کے رکھ دی جاتیں۔ ان کو دم مارنے کی بھی مہلت نہ ملے لیکن اس کو محض اپنی قوت کا اظہار مطلوب نہیں۔ وہ تمام حالات کو اچھی طرح جانتا ہے ماضی، حال اور مستقبل سب اس کے سامنے عیاں ہیں اور اس کے سارے کام حکمت کے مطابق ہوتے ہیں۔ یہ صلح اس لیے نہیں کی گئی کہ کفار طاقتور تھے اور مسلمان کمزور اور ان کی ٹکر نہیں لے سکتے تھے بلکہ اس صلح میں گوناگوں حکمتیں ہیں جو اپنے اپنے موقع پر نمایاں ہوں گی۔

ف اس کا تعلق انزل کے ساتھ ہے یعنی مسلمانوں پر سکینہ کا نزول اس لیے ہوا کہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو ان انعامات سے نوازا جائے جن کا بیان اس آیت میں کیا گیا ہے۔

ف یکفر کا معنی تغطیہا۔ کسی چیز کو ڈھانپ دینا کسی چیز پر اس طرح پردہ ڈال دینا کہ کسی کو اس کے وجود کا پتہ ہی نہ چلے۔ علامہ آلوسی اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ای یغطیہا ولا یظہرہا والمراد یمحوہا سبحانہ ولا یؤاخذہم بہا۔ (روح المعانی) مقصد یہ ہے کہ اس سفر میں جو غلطیاں بشریت کے باعث ان سے سرزد ہوئی ہیں ان کے اعمال نامہ سے ان کو مٹا دیا جائے گا۔ ان کی خطائیں اور لغزشیں معاف کر دی جائیں گی۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ یہ کمال مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے نبی کا سوال الٹکیا ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں اور لغزشوں پر قلم عفو پھیر دے اور قیامت کے روز جب انسانی اعمال نامہ نمایاں ہوں گے تو فرشتے اس کے نامہ اعمال

وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ

اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَاَعَدَّ لَهُمْ

انہیں پر ہے بری گردش۔ شہ اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کر دیا ہے اور تیار کر رکھا ہے

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ

ان کے لیے جہنم۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور اللہ ہی کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۸

اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ بیشک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر سلے اور (ہمیشہ) خوشخبری سنانے والا اور بروقت ڈرانے والا۔

سے ایک مجرم بطور ثبوت پیش کر سکیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکیم فرمایا ہے اور اس سلسلہ حکیمہ کا اثر یہ تھا کہ اسلام کے وجود پر صرف بانی اور سر گرم پیروکار ہی تھے جو اس سطح پر ملک میں اپنے حسب تقاضا کے بعد آتے تھے۔

ٹ مدینہ میں منافق اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ اب مسلمان زندہ واپس نہیں آئیں گے کفار ان کا کچومر نکال کر رکھ دیں گے۔ کفار مکہ خوش تھے کہ پہلے تو نہیں اب ہے کہ انہوں نے حدیبیہ میں ان کا راستہ روک کر مسلمانوں کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے ان دونوں گروہوں کی یہ غلط فہمی بہت جلد دور ہو جائے گی کہ پیغمبر اسلام کا قدم عزت و غلبہ کی منزل کی طرف اٹھے گا اسلام کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمکے گا۔ جزیرہ عرب کے قبائل فوج در فوج اسلام کو قبول کریں گے۔ مکہ کے قریش مجبور ہو کر آئیں گے اور حضور سرور عالم و عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر طوق غلامی زیب گلو کریں گے اور اس غلامی پر فخر و ناز کریں گے۔ اسلام کی ترقی اور پیغمبر اسلام کی بے مثال کامیابی دیکھ کر منافقین پر سکتہ طاری ہو جائے گا۔ ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ جائے گی۔ ان کے دلوں سے غم و الم کے شعلے اٹھیں گے۔ تباہی و بربادی کا جو چکر وہ مسلمانوں کو دینا چاہتے تھے خود ان کو پیس کر رکھ دے گا۔

سلہ شاہد کا معنی گواہ ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے نیک اعمال اور برے اعمال پر گواہ ہیں۔ شاھدا علیھم باعمالھم من طاعۃ و معصیۃ شاھدا علیھم یوم القیامۃ فھو شاھد افعالھم الیوم والشھید علیھم یوم القیامۃ۔ (قرطبی) یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں اپنی امت کے نیک و بد اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور قیامت کے دن ان کے حق میں گواہی دیں گے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں تشہد علی امتک کقولہ تعالیٰ ویکون الرسول علیکم

لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَ

تاکہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تاکہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو ۱۲ اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور

أَصِيلًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

شام۔ (اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں ۱۳ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے

شہید (کشاف) یعنی حضور اپنی امت کے بارے میں گواہی دیں گے جس طرح ارشاد ہے۔ ویکون الرسول علیکم شہیدا۔ علامہ ثنائی لکھتے ہیں۔ ای شاهدا علی اعمال امتہ۔ اپنی امت کے اعمال کی گواہی دیں گے۔ علامہ آلوسی نے لکھتے ہیں۔ اخرج عبد بن حمید و ابن جریر عن قتادۃ ای شاهدا علی امتک وشاهدا علی الانبیاء علیہم السلام انہم قد بلغوا رسالات ربہم۔ عبد بن حمید اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ حضور اپنی امت پر گواہ ہیں اور سابقہ انبیاء کے بارے میں بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے تبلیغ کا حق ادا کیا۔ اس کی مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمایئے سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳، سورۂ النساء آیت ۴۱، الاحزاب آیت ۴۵۔

۱۱ علامہ راغب اصفہانی اس کلمہ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ التعزیر: النصرۃ مع التعظیم کسی کی نصرت و اعانت کرنا اور اس کے ساتھ اس کی تعظیم و تکریم کو بھی ملحوظ رکھنا (المفردات) علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ التعزیر: النصر باللسان والسیف۔ زبان اور تلوار سے کسی کی امداد کرنا (لسان العرب) عزرہ: فخمہ و عظمہ کسی کی تعظیم و تکریم کرنا۔ توقیر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ وقر الرجل: بجلہ والتوقیر التعظیم والترزین یعنی کسی کی تعظیم و احترام کرنا۔ یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ میرے پیارے رسول پر سچے دل سے ایمان بھی لاؤ اور اس کی نصرت و اعانت میں سر دھڑ کی بازی لگا دو۔ اس کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے جملہ مادی اور روحانی وسائل کو پیش کر دو اور اس کے ساتھ ساتھ میرے محبوب کے ادب و احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھو۔ یاد رہے کہ تم دین کی خدمت تو کرو لیکن بارگاہ نبوت کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت اور اسی طرح حضور کی تعظیم و تکریم یکساں اہمیت کی حامل ہیں۔

۱۲ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ تعزروہ اور توقروہ میں ضمیر منصوب کا مرجع حضور کی ذات والا صفات ہے۔ یہاں وقف تام ہے اور تسبحوہ سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور یہاں ضمیر منصوب کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو۔ بعض علماء نے تمام افعال میں ضمیر منصوب کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات کو قرار دیا ہے تاکہ تفریق ضمائر لازم نہ آئے۔ [illegible] علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ امام بغوی کا قول ہے کہ پہلے دو فعلوں میں ضمیر منصوب کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور تسبحوہ میں ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ [illegible] القرینۃ وعدم اللبس (مظہری) یعنی زمخشری نے اس قول کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس طرح انتشار ضمائر لازم آتا ہے اور ہم کہتے ہیں کہ جب قرینہ موجود ہو اور التباس کا احتمال معدوم ہو تو اس وقت انتشار ضمائر میں کوئی قباحت نہیں۔

۱۳ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ کے مقام پر خیمہ زن ہیں۔ کفار مکہ بضد ہیں کہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو عمرہ کرنے کے لیے مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار رسالت کے سفیر بن کر مکہ گئے ہوئے ہیں۔ اسی اثنا میں

اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا

ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہو گا۔ اور جس نے ایفا کیا اس عہد کو جو اس نے

یہ افواہ پھیل چکی ہے کہ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا ہے۔ اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضور کے ساتھی جنگ کے لیے تیار ہو کر نہیں گئے تھے۔ احرام کی دو چادریں اور قربانی کے جانور یہی ان کا زادِ سفر تھا لیکن یکایک ایسی صورتِ حال پیدا ہو گئی کہ کفار کی کثرت اور اسلحہ کے فقدان کی پروا کیے بغیر محض قوتِ ایمانی پر بھروسہ کرتے ہوئے باطل سے ٹکرانا ناگزیر ہو گیا۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوتے ہیں اور بیعت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ حضرت جابر کی روایت میں ہے بیعت اس بات پر تھی کہ جب تک ہمارے جسموں میں جان ہے جب تک بدن میں خون کا ایک قطرہ موجود ہے ہم میدانِ جنگ میں ڈٹے رہیں گے اور اہلِ مکہ کو اس خیانت اور سرکشی کی عبرتناک سزا دیں گے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم لوگ حبیبِ کبریا علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پر پروانہ وار ٹوٹ کر گر رہے ہیں اور اپنے آقا و مولا کے دستِ مبارک پر اپنا ہاتھ رکھ کر جانبازی اور سرفروشی کی بیعت کر رہے ہیں بالغرض چودہ سو ہمراہیوں میں سے کوئی ایک بھی اس سعادت سے محروم نہ رہا۔ البتہ جد بن قیس جو حقیقت میں منافق تھا اس نے بیعت نہ کی۔ بخدا گویا اب بھی وہ منظر نظر آ رہا ہے کہ وہ اپنی اونٹنی کے پیٹ کے ساتھ چمٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

حضور سرورِ عالمیان نے اپنے ان چودہ سو جاں نثاروں اور سرفروش جانبازوں کے بارے میں اپنی زبانِ حق ترجمان سے فرمایا انتم خیر اهل الارض الیوم اے اسلام کے جان نثار مجاہدو! آج روئے زمین پر تم سب سے بہتر لوگ ہو۔ حضرت جابر سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بھی منقول ہے: لا یدخل النار احد ممن بایع تحت الشجرة۔ جنہوں نے اس درخت کے نیچے میرے ساتھ بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں داخل نہیں ہو گا۔ (ابن کثیر)

ملا فتح اللہ کاشانی رحمہ اللہ اپنی تفسیر منہج الصادقین میں لکھتے ہیں: آنحضرت اصحاب را در تحت شجرہ جمع کردہ ایشاں را تجدید بیعت امر نمود و اصحاب برغبت تمام دست بدست پیغمبر نہادہ بیعت کردند کہ تا بہ موت طریقِ متابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرعی دارند و در ہیچ زمان طریقِ فرار سلوک ننمایند و بجہتِ کمال رغبت ایشاں بود کہ این بیعت مسمی شد بہ بیعتِ رضوان و در اخبار آمدہ کہ در شانِ ایشاں این آیہ نازل شدہ (منہج الصادقین، جلد ۸، صفحہ [illegible])

ترجمہ: آنحضرت نے صحابہ کو درخت کے نیچے جمع کیا اور انہیں از سرِ نو بیعت کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام انتہائی شوق و رغبت اور بڑی بے صبری سے آگے بڑھے اور حضور کے دستِ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اس بات پر بیعت کی کہ ہم مرتے دم تک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متابعت کے راستہ پر گامزن رہیں گے اور کسی وقت بھی راہِ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ صحابہ کرام کے بے پناہ اشتیاق اور کمال محبت کے باعث اس بیعت کا نام بیعتِ رضوان رکھا گیا اور ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ بیعت بظاہر اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ حق پرست پر ہو رہی ہے لیکن در حقیقت یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے

ساتھ تھی۔ اگرچہ بظاہر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہاتھ تھا لیکن درحقیقت وہ دستِ خداوندی تھا جس طرح حضور کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے۔ اسی طرح حضور سے بیعت اللہ سے بیعت اور حضور کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ فرمایا گیا ہے۔

علامہ اسمٰعیل حقی صوفیاء کی اصطلاح کے مطابق اس آیت کی یہ تشریح کرتے ہیں۔ وقال اهل الحقيقة هذه الآية كقوله تعالى من يطع الرسول فقد اطاع الله فان النبي عليه السلام قد فنى عن وجوده بالكلية المتحقق بالله في ذاته وصفاته وافعاله وكل ما صدر منه صدر من الله (روح البيان)

یعنی اہلِ حقیقت کہتے ہیں کہ یہ آیت بعینہٖ اس فرمانِ خداوندی کی طرح ہے کہ جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ذات و صفات سے فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو چکے تھے اس لیے جو عمل حضور سے صادر ہوتا وہ حقیقت اللہ سے صادر ہوتا۔

آج کل جو ہم کسی ولی کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اسی سنت کا اتباع ہے۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں۔ يقول الفقير ثبت بهذه الآية سنة المبايعة وتلقين الذكر من المشائخ الكبار وهم الذين جعلهم الله قطب الارشاد بان اوصلهم الى التجلي العيني بعد التجلي العلمي (روح البيان) یعنی فقیر کہتا ہے کہ اس آیت سے بیعت کی سنت اور مشائخ کبار سے اکتسابِ فیض ثابت ہوتا ہے۔ وہ مشائخ جنہیں اللہ تعالیٰ نے قطبِ ارشاد کے مقام پر فائز کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ علمی تجلی سے ترقی دے کر انہیں مشاہدہ کی تجلی تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

حضرت شداد بن اوس اور عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

قالوا كنا عند رسول الله عليه السلام فقال هل فيكم غريب يعني اهل الكتاب قلنا لا يا رسول الله فامر بغلق الباب فقال ارفعوا ايديكم فقولوا لا اله الا الله فرفعنا ايدينا ساعة ثم وضع رسول الله يده ثم قال الحمد لله اللهم انك بعثتني بهذه الكلمة وامرتني بها ووعدتني عليها الجنة وانك لا تخلف الميعاد ثم قال ابشروا فان الله تعالى غفر لكم۔

ترجمہ: ان دونوں نے کہا کہ ایک دن ہم بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کیا تم میں کوئی بیگانہ یعنی اہلِ کتاب، تو نہیں۔ ہم نے نفی میں جواب دیا۔ ارشاد ہوا دروازہ بند کر دو اور اپنے ہاتھ بلند کرو اور کہو لا الٰہ الا اللہ۔ ایک گھڑی ہم نے اپنے ہاتھوں کو بلند رکھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک نیچے کیا اور فرمایا الحمد للہ۔ اے اللہ تو نے مجھے اس کلمہ کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس کلمہ کا حکم دیا اور میرے ساتھ وعدہ فرمایا کہ جو اس کلمہ پر پکا رہے گا وہ جنت میں داخل ہوگا اور تو اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ پھر فرمایا اے فرزندانِ اسلام! تمہیں مژدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم سب کو معاف فرما دیا ہے۔

اس قسم کی متعدد صحیح روایات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اپنے غلاموں سے بیعت لیا کرتے تھے مستورات کو بھی اس شرف سے مشرف فرماتے لیکن ان کی بیعت کا طریقہ یہ تھا کہ پانی کا ایک پیالہ رکھ لیتے پہلے حضور اپنا دستِ مبارک رکھتے اس کے بعد ان کو اس پیالہ میں ہاتھ ڈالنے کا حکم دیتے۔ حضور نے کبھی کسی اجنبیہ کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔

عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٠ سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ

اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا ۱۴ عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے

مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ

چھوڑ دیے گئے تھے ۱۵ ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل و عیال نے پس آپ ہمارے لیے مغفرت طلب کریں وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے وہ

۱۴ اللہ تعالیٰ کے رسول کریم کے ساتھ بیعت کر کے جو بیعت توڑ دیتا ہے اس نے اپنے آپ کو نقصان پہنچایا اور جس نے اس بیعت کو پورا کیا اور اس عہد کو نبھایا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا کہ وہ جنت میں اقامت گزیں ہوں گے اور اس میں انہیں ایسی نعمتوں سے نوازا جائے گا جن کو کسی آنکھ نے آج تک دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی کے دل میں وہ کھٹکیں۔ مولیتنا ومالیکون فیہا ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔

جن نفوس قدسیہ نے اس درخت کے نیچے بیعت کی سعادت حاصل کی ان میں سے کسی نے اس بیعت کو نہیں توڑا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحت الشجرۃ علی الموت وعلی ان لا نفر فما نکث احد منا البیعۃ الا الجد بن قیس وکان منافقا اختبأ تحت ابط بعیرہ (کشاف) یعنی ہم نے اس درخت کے نیچے اس بات پر اللہ کے رسول سے بیعت کی کہ ہم جان دے دیں گے لیکن راہ فرار اختیار نہیں کریں گے۔ پس ہم میں سے کسی نے اس بیعت کو نہیں توڑا بجز جد بن قیس کے وہ منافق تھا اور جب مسلمان بیعت کر رہے تھے تو وہ اپنے اونٹ کی بغل میں چھپا ہوا تھا۔

۱۵ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب سفر مکہ کی تیاری شروع کی تو مدینہ طیبہ کے نواح میں جو قبائل جہینہ، مزینہ، غفار، اشجع، دیل اور اسلم آباد تھے جن کی اکثریت اسلام سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتی رہتی تھی ان کو دعوت دی گئی کہ وہ بھی اس سفر میں ہمراہ چلیں۔ یہ دوری اندیشہ تھا کہ کفار مکہ شرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ اگر مسلمانوں کی جمعیت زیادہ ہوگی تو وہ ماہ حرم کی خلاف ورزی سے باز رہیں گے۔ قبائل نے سوچا کہ اس سفر میں شرکت تو موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف ہے۔ ابھی کل کی بات ہے کہ احد کی جنگ میں … ہوئی … ان کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور ہو چکے ہیں اور مسلمان خندق کھود کر صرف دفاعی جنگ لڑ سکے ہیں۔ اگر مسلمان احرام کی حالت میں ان کے گھروں میں جا گھسیں گے تو وہ ان کی تکہ بوٹی کر ڈالیں گے۔ صرف قریش سے ہی مقابلہ ہوتا تو کوئی … دیگر قبائل جو ان کے ہمنوا ہیں وہ بھی قریش کی امداد کے لیے نکل آئیں گے۔ ان حالات میں یہ لوگ حضور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ تھے لیکن اس وقت انکار … سے ان کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی … اس لیے مصروفیت کا بہانہ … ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کو … سے سلامت نہیں آئیں گے …

منافقین کی خوشی کی انتہا نہیں تھی … ان کے جنگجو سب کو … کر دیں گے۔ اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے بجھ جائے گا لیکن جب ان کی توقعات … کے بالکل برعکس حضور علیہ السلام کا کارواں ایک حلیم و کریم … کے لیے … ان کی تباہی کی خبر سننے کے لیے وہ ہر لحظہ گوش برآواز

بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ

باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ؎ آپ (انہیں) فرمائیے کون ہے جو اختیار رکھتا ہو تمہارے لیے اللہ کے مقابلہ میں

شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا

کسی چیز کا اگر ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لیے کسی نفع کا ؎ بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے

تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱۱) بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ

پوری طرح باخبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کر لیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئیں گے پیغمبر اور ایمان والے

تھے وہ تو عافیت واپس آ رہے ہیں۔ انہوں نے اب طرح طرح کے بہانے سوچنے شروع کر دیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پہلے ہی مطلع فرما دیا کہ اے محبوب! جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو یہ بادیہ نشین اعراب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنی عدم شمولیت کے لیے طرح طرح کے عذر بیان کریں گے۔ وہ کہیں گے یا رسول اللہ! ہم دل وجان سے آپ کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار تھے لیکن ہمارے مال اور اہل وعیال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ کر سکے۔ انہیں یونہی چھوڑ کر چلے جانا قرین دانشمندی نہیں تھا۔ ہم اسی کشمکش میں بیٹھے رہے کہ ہم کہیں سفر پر چلے جائیں تو دشمن قبائل کہیں ہمارے مال مویشی ہانک کر نہ لے جائیں اور ہمارے بچوں اور عورتوں کی بے حرمتی نہ کریں۔ گو یہ بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ورنہ ہم دل وجان سے آپ پر فدا ہیں۔ پھر بھی ہم اس فروگذاشت پر بہت نادم ہیں۔ ہمارے لیے مغفرت کی دعا فرمائیے۔

؎ اگر ان کی عدم حاضری کی کوئی معقول وجہ ہوتی یا انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوتا اور انہیں پشیمانی اور قلق ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ وہ تو محض بہانہ سازی کر رہے ہیں۔ نہ ان کی عدم حاضری کی کوئی معقول وجہ تھی، نہ ان کو اپنی اس نازیبا حرکت پر کوئی ندامت تھی اور نہ ہی وہ حضور کی استغفار کو کوئی اہمیت دیتے تھے۔ وہ تو محض مصلحت سازی سے کام لے رہے تھے اور اپنی منافقت کو ایک دوسرے نقاب میں ظاہر کر رہے تھے۔ ایسے ناہنجاروں کے لیے نہ استغفار کی ضرورت ہے اور نہ اب مزید پردہ پوشی کی ضرورت ہے۔

؎ اے محبوب! آپ انہیں فرمائیے کہ تم مال وعیال کی حفاظت کا بہانہ بنا رہے ہو۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر تم سارے موجود گھر میں ہوتے اور کسی کو پیغام اجل آ جاتا تو کیا تم اس کو بچا سکتے؟ تمہاری موجودگی میں اگر کوئی وبا پھیل جاتی، مویشی مرنے لگتے تو تم کیا کر لیتے؟ تمہارے کھیتوں پر اگر اولے برسنے لگتے تو کیا تم ان پر چھتری تان کر ان کو بچا لیتے؟ نیز اگر تم سفر میں ہوتے، ہر طرف مصائب ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ کی رحمت وکرم کا دروازہ بند ہو جاتا؟ یہ سب تمہارے نفاق کی کرشمہ سازی ہے کہ تم ان گرانقدر سعادتوں سے محروم ہو گئے جو میرے ساتھیوں کو ارزانی ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے خوب واقف ہے۔ اس قسم کے حیلے بنا کر تم اپنے کفر ونفاق کو چھپا نہیں سکتے۔

إِلَىٰٓ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَٰلِكَ فِى قُلُوبِكُمْ وَظَنَنتُمْ ظَنَّ ٱلسَّوْءِ

اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی ۱۹ اور یہ بات خوشنما بنادی گئی تمہارے دلوں میں اور تم طرح طرح کے برے خیالات میں کھوئے رہے

وَكُنتُمْ قَوْمًۢا بُورًا ﴿١٢﴾ وَمَن لَّمْ يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ فَإِنَّآ أَعْتَدْنَا

اور درحقیقت تم ہلاک ہونے والی قوم ہو گئے ۲۰ اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر تو بے شک ہم نے ان تمام کافروں

لِلْكَٰفِرِينَ سَعِيرًا ﴿١٣﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ

کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٤﴾ سَيَقُولُ ٱلْمُخَلَّفُونَ

اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ کہیں گے جو پہلے سفر جہاد سے پیچھے رہ جانے

إِذَا ٱنطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ

والے جب تم روانہ ہو گے اموالِ غنیمت کی طرف تاکہ ان پر قبضہ کرو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ بدل دیں

۱۹ اس سفر میں ان کی عدم شمولیت کی اصل وجہ بیان کی جا رہی ہے۔

۲۰ وہ اپنی کم فہمی اور عاقبت نااندیشی کو دانشمندی قرار دے رہے تھے اور اس پر بڑے نازاں تھے کہ انہوں نے بڑا ذہن پایا جو اپنے آپ کو ان خطرات سے بچا لیا ہے جن میں مسلمان پھنسنے والے تھے۔ یہ سوچ انہیں بڑی حسین اور صحیح معلوم ہوتی تھی اور اس پر وہ دل ہی دل میں بڑے نازاں اور فرحاں تھے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہارے دلوں میں اسلام اور فرزندانِ اسلام کے لیے خیر سگالی کا ذرا بھی جذبہ ہوتا تو تمہیں مسلمانوں کی بے کسی پر ترس آتا، تم ان پر رحم کھاتے اور افسوس کرتے کہ یہ بیچارے کیسے اپنی جانیں گنوانے جا رہے ہیں، لیکن تمہارا تو یہ حال ہے کہ تم یہ خیال کر کے پھولے نہیں سماتے۔ تمہارے نزدیک اسلام اور اہلِ اسلام کی بربادی کا تصور ہی بڑا دلکش اور از حد پسندیدہ تھا۔

۲۱ حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو برباد کرنے والے وہ نہیں جنہوں نے حق کو قبول کیا اور اس کی سربلندی کے لیے سربکف میدان میں چلنے کے لیے ہر لمحہ بے قرار ہے بلکہ تم وہ بدبخت ہو جنہوں نے نورِ حق کو دیکھنے سے آنکھیں بند کر لیں۔ "بُور" مصدر ہے اس لیے یہ واحد، تثنیہ، جمع، مذکر، مؤنث سب کی صفت واقع ہو سکتا ہے۔

علامہ جوہری لفظ "بُور" کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ ۖ

اللہ کے حکم کو بدل دیں ۲۲ فرمائیے تم ہرگز ہمارے پیچھے نہیں آ سکتے یونہی فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

پھر وہ کہیں گے (کہ نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو ۲۳ (ان کا یہ خیال غلط ہے) در حقیقت وہ (احکام الٰہی کے اسرار کو) بہت کم سمجھتے ہیں ۲۴

البور: الرجل الفاسد الهالك الذی لا خیر فیه۔ یعنی بور اس شخص کو کہتے ہیں جو فاسد اور تباہ حال ہو جس میں نیکی اور بھلائی کا شائبہ تک نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابن الزبعری جب مشرف باسلام ہوا تو بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

یا رسول الملیک ان لسانی — راتق ما فتقت اذ انا بور

یعنی اے مالک کے رسول! جب میں گمراہ اور تباہ حال تھا اس وقت میری زبان نے جو چاک کیے اب میں ان کو سینا اور رفو کرنا چاہتا ہوں۔

یہ مونث کی صفت بھی واقع ہوتا ہے کہتے ہیں امرأة بور۔ تباہ حال عورت۔ جمع کے لیے بھی قوم بور ای ھلکی۔ یعنی اجڑی ہوئی قوم۔ اس کے بعد جوہری کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ بور جمع ہے۔ اس کا واحد بائر ہے۔ مثل حائل وحول۔ لیکن اخفش نے اس کی تردید کی ہے۔

۲۲ جہینہ، مزینہ اور دیگر قبائل جنہوں نے سفر حدیبیہ میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا تھا گذشتہ آیت میں ان کی اصل وجہ بتلا دی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایک اور ہونے والے واقعہ سے اپنے رسول کریم کو مطلع فرما رہے ہیں۔ اے حبیب! عنقریب جب تم ایک دوسرے جہاد پر روانہ ہونے لگو گے جہاں کامیابی کے امکانات بالکل روشن ہیں، خطرات کم اور مال غنیمت کے حصول کی توقع بہت زیادہ ہے۔ یہ منافق سیرت لوگ اس وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اپنے ایمانی جوش اور جذبہ جہاد کا اظہار زور شور سے کریں گے اور اس جہاد میں شرکت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ ان کا مقصد تائید اسلام نہیں ہوگا بلکہ محض اموال غنیمت کے حصول کے لیے اپنے جذبات جاں نثاری کا اظہار کریں گے۔ آپ انہیں صاف صاف بتا دیجئے کہ اس سفر جہاد میں تمہیں شرکت کی اجازت نہیں مل سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ اس جہاد میں صرف وہ لوگ شریک ہو سکتے ہیں جو بیعت رضوان سے مشرف ہوئے ہیں۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اپنے رب کے فیصلے کو بدل ڈالیں۔

۲۳ بجائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کریں اور خوشی سے اسے مان لیں ان کے دلوں میں چھپا ہوا نفاق نمودار ہو کر رہے گا اور بڑی ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے کہیں گے کہ ہمیں اللہ نے منع نہیں کیا بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ مسلمان ہم سے حسد کرتے ہیں۔ ہم سے جلتے ہیں۔ انہیں یہ گوارا نہیں کہ مال غنیمت میں سے ہمیں بھی کچھ حصہ ملے۔ سارا مال خود ہڑپ کرنا چاہتے ہیں۔

۲۴ بڑے احمق ہیں۔ جس طرح خود لالچی اور حریص ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ مسلمان بھی دولت کے پجاری ہیں۔ اسلام کا ہادی و مرشد رسول اللہ ﷺ دولت سمیٹنے کے لیے سب کچھ کر رہا ہے۔ گستاخ ان اندھوں کو کیا پتہ جس کی سیرت کا دامن آفتاب سے زیادہ روشن ہے، اس کے

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ

فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کرنے کی جو بڑی سخت جنگجو ہے

شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا

تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے ٢٥ پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا

حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾

اجر دے گا۔ اور اگر تم نے (اس وقت بھی) روگردانی کی جیسے پہلے تم نے روگردانی کی تھی تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے (اگر یہ شریک جہاد نہ ہوں)

بارے میں ایسی بدگمانی کا شکار ہیں۔

٢٥ مدینہ طیبہ کے گردونواح میں بسنے والے قبائل غزوہ خیبر میں شریک ہونے کے لیے بے حد بے تاب تھے۔ ان کی بے تابی کا سبب یہ نہ تھا کہ وہ اپنی گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرنا چاہتے تھے بلکہ ان کا مقصد یہ تھا کہ خیبر میں انہیں اموال غنیمت ملنے کی توقع تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ عجب نہیں کہ اب مسلمانوں کی تاب نہ لا سکیں، پہلے یہودیوں میں یہ ہمت کہاں کہ وہ مسلمانوں کو مغلوب کر سکیں۔ مسلمان اس مہم میں یقیناً فتح یاب ہوں گے۔ یہودیوں کے باغات، زرخیز زمینیں اور کئی پشتوں سے جمع کیا ہوا مال انہیں مفت ہاتھ آئے گا۔ علاوہ ازیں ان کا شمار بھی غازیانِ اسلام میں ہونے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ ان بدوی عربوں کو فرما دیجئے کہ گھبراؤ نہیں، کفر و اسلام کا یہ آخری معرکہ نہیں کہ اگر تم اس میں شریک نہ ہو سکے تو پھر تمہیں اپنی جانبازی اور سرفروشی کے جوہر دکھانے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ اس ستیزہ کارِ عالم میں یہ سلسلہ تا حشر جاری رہے گا۔ ایک بڑی طاقتور، جنگجو اور بہادر قوم سے عنقریب ٹکر ہونے والی ہے۔ اس وقت تمہیں دعوتِ جہاد دی جائے گی۔ اگر اس وقت تم نے اس دعوت پر لبیک کہی، میدانِ جہاد میں داد شجاعت دی اور اپنی جاں نثاری کا ثبوت پیش کیا تو تمہیں اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا، اور اگر اس وقت بھی تم نے اپنی روایتی بزدلی اور منافقت کے باعث روگردانی کی اور جہاد میں شریک ہونے سے گریز کیا تو پھر تم کو کسی دردناک عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دعوتِ جہاد ان قبائل کو کب دی گئی۔ وہ قوم جس کو قرآن نے اُولی بأس شدید یعنی طاقتور اور جنگجو قوم کا خطاب دیا ہے وہ کون سی قوم ہے۔ کتب تفاسیر میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ انسان ان کے مطالعہ سے پریشان ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سی روایت واقعہ کے مطابق ہے۔ لیکن اگر قرآن کریم کے الفاظ میں غور کیا جائے تو حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے اور کسی

شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ارشاد خداوندی ہے کہ تمہیں ایسی قوم کے ساتھ لڑنے کی دعوت دی جائے گی جو بڑی طاقتور جنگجو اور بہادر ہوگی۔ اس جنگ کا انجام بھی قرآن نے بتا دیا کہ تقاتلونہم او یسلمون یعنی تم ان سے جنگ کرکے انہیں خاک و خون میں ملا دو گے یا وہ اسلام قبول کر لیں گے یا تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دیں گے۔ ان تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے اب آپ روایات کا غیر جانبداری سے مطالعہ کریں۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ صحیح قول کون سا ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ خیبر کے بعد عہد رسالت میں کفر و اسلام کے درمیان مندرجہ ذیل معرکے ہوئے تھے: غزوۂ موتہ، فتح مکہ، جنگ حنین، طائف، غزوۂ تبوک۔ ان میں سے کوئی بھی اس آیت کا مصداق نہیں بن سکتا۔ غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ساتھ ٹکر ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد فقط تین ہزار تھی۔ رومیوں کی تعداد باختلاف روایات ایک لاکھ یا دو لاکھ تھی لیکن اس جنگ کا نتیجہ تقاتلونہم او یسلمون نہیں تھا بلکہ مسلمانوں کے تین جرنیل شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید نے لشکر کی قیادت سنبھالی۔ آپ کی جنگی مہارت، جنگی بصیرت اور بے مثال شجاعت کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کا لشکر جو لاکھوں رومیوں کے محاصرہ میں پھنس گیا تھا اور جس کے بچنے کی بظاہر کوئی امید نہ تھی حضرت خالدؓ اسے دشمن کے محاصرے سے نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ جنگ فیصلہ کن نہ تھی اسی لیے جب یہ لشکر مدینہ طیبہ واپس آیا تو صحابہ کرامؓ نے ان کا استقبال اس طرح نہ کیا جس طرح ایک فاتح لشکر کا کیا جاتا ہے بلکہ بعض نے تو انہیں یا فرارون کہہ کر پکارا لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بل انتم الکرارون۔

اس کے بعد فتح مکہ کے لیے روانگی کا وقت آیا۔ ایک لشکر جرار ہمرکاب تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں پہلے ہی خوشخبری دے دی تھی۔ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ آمنین محلقین رءوسکم ومقصرین لا تخافون یعنی آپ انشاء اللہ تعالیٰ مسجد حرام میں داخل ہوں گے امن کے ساتھ اور آپ کو قطعاً کوئی خوف نہ ہوگا۔ اس فرمان کے بعد یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حضور جنگ کے ارادہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ اتنے بڑے لشکر کو ساتھ لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ کفار پر ایسا رعب طاری ہو جائے کہ اگر کسی کے دل میں شرارت اور فتنہ انگیزی کا خیال ابھرے تو وہ اس کی ہمت نہ کر سکے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب اسلام کا لشکر ظفر موج اپنے ہادی و مرشد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیر قیادت مکہ میں داخل ہوا تو اکا دکا واقعات کے سوا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا اور جنگ کی نوبت ہی نہ آئی۔ کیا قریش کو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اولی باس شدید کا مصداق ہوں گے لیکن احد اور خصوصاً غزوۂ احزاب کے بعد ان کی یہ ہمت ختم ہو چکی تھی کہ وہ اسلام کے خلاف سینہ سپر ہو سکیں۔ اب تو وہ اپنی دیرینہ ہٹ دھرمی اور عداوت کو نباہ رہے تھے ورنہ ان کی طاقت کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ جب قریش کے حلیف بنو بکر نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حلیف بنو خزاعہ پر شب خون مار کر عہد شکنی کی تو ابو سفیان کی نیند اڑ گئی۔ انہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ اب مسلمان ہم سے انتقام لینے کے لیے چڑھائی کر دیں گے۔ چنانچہ ابو سفیان مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ بڑی منت سماجت اور خوشامد سے اس صلح نامہ کو برقرار رکھنے کی درخواستیں کرتا رہا۔ کئی صحابہ کرامؓ کی منت سماجت کی کہ بارگاہ رسالت میں اس کی سفارش کریں لیکن اسے بے نیل مرام واپس لوٹنا پڑا۔ اسی لیے فتح مکہ کے وقت قریش اور ان کے حلیف قطعاً اس قابل نہ تھے کہ قرآن کریم ان کے بارے میں اولی باس شدید کے الفاظ استعمال کرتے۔

ہوازن اور ثقیف نے بیشک اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا عزم کیا لیکن لشکر اسلام کے بارہ ہزار بہادروں کے سامنے ان دو تین ہزار آدمیوں کی کیا حقیقت تھی۔ جنگ حنین کی ابتدا میں جو واقعات رونما ہوئے جن کے باعث ہوازن کا پلہ بھاری نظر آتا ہے وہ میدان جنگ میں پیش نہیں آئے تھے بلکہ مسلمانوں کا لشکر بے خوفی سے ان کی وادی "اوطاس" کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے کمین گاہوں میں اپنے تیر انداز چھپا کر بٹھا دیئے تھے۔ بے خبری اور بے احتیاطی کی حالت میں جب لشکر اسلام کی چند ٹکڑیاں اس تنگ درہ سے گزر رہی تھیں تو انہوں نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی جس سے بھگدڑ مچ گئی لیکن جونہی حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق حضرت عباس نے اونچی آواز سے مسلمانوں کو پکارا یا معشر الانصار الذین آووا ونصروا یا معشر المہاجرین الذین بایعوا تحت الشجرة ان محمدا حي فهلموا۔ وادی کے کنارے سے لبیک لبیک کی صدائیں گونجنے لگیں سب بہادر دوڑتے چلے آئے اور لمحوں میں جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ ہوازن و ثقیف اپنی عورتوں بچوں اور مال مویشی کو پیچھے چھوڑ کر بھاگ گئے علامہ ابن خلدون کے قول کے مطابق صرف چار مسلمان شہید ہوئے۔

واستشهد من المسلمين يوم حنين اربعة ايمن ابن ام ايمن اخو اسامة لامه ويزيد بن زمعة ابن الاسود وسراقة بن حرث من بني العجلان وابو عامر الاشعري۔ (تاریخ ابن خلدون جلد ۲، صفحہ ۸۵)

ان حقائق کو سامنے رکھ کر آپ غزوہ حنین کا جائزہ لیں، آپ کا دل مان جائے گا کہ اس آیت میں جس جنگ کا ذکر ہے وہ یہ معمولی جھڑپ نہیں ہو سکتی۔

باقی رہا غزوہ تبوک تو اس کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ رومی لشکر کو ہمت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں کے سامنے صف آرا ہو سکیں۔ تقاتلونهم او يسلمون کا مضمون وہاں بھی نہیں پایا جاتا۔

ان غزوات کے بعد سب سے پہلے اسلام اور باطل کی جو خونریز لڑائی ہوئی وہی اس آیت کا مصداق ہو سکتی ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو مسیلمہ کذاب کے ساتھ لڑی گئی۔ جن لوگوں نے اس جنگ کے حالات پڑھے ہیں وہ اس کی شدت کا کچھ احساس کر سکتے ہیں۔ بڑے اختصار کے ساتھ اس خونریز معرکہ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ آپ کو پورا اطمینان ہو جائے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد عرب کے نو مسلم قبائل میں قبائلی عصبیت کا فتنہ جاگ اٹھا اور ارتداد کی آگ بھڑک اٹھی۔ کسی نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ کوئی خلافت اسلامیہ کی حاکمیت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض طالع آزما ایسے بھی تھے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ سب سے زیادہ خطرناک یہی فتنہ تھا۔ ان لوگوں میں سے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا مسیلمہ کی قوت اور اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تمام فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لیے موثر اقدامات شروع کر دیے۔ مسیلمہ کذاب کی روز افزوں قوت اسلام اور اسلامی مملکت کے لیے شدید ترین خطرہ بن کر ابھر رہی تھی۔ چند سالوں میں مسیلمہ کے اردگرد اس کا لاؤ لشکر اتنا بڑھ گیا اور قبیلہ بنو حنیفہ جمع ہو گیا جو اپنی جنگی مہارت اور شجاعت کے باعث عرب بھر میں مشہور تھا اور گرد کے دوسرے قبائل بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ قبائلی عصبیت نے ان کو اس قدر اندھا کر دیا تھا کہ مسیلمہ کو جھوٹا سمجھتے ہوئے بھی اس کی مدد کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ طلحہ النمری جو بنو نمر قبیلہ کا سردار تھا یمامہ میں آیا اس نے لوگوں سے پوچھا مسیلمہ کہاں ہے؟ مسیلمہ کے عقیدت مندوں نے جواب دیا کہ تم نام

لے کر مسیلمہ کا ذکر کرو کہ اس کو رسول اللہ کہو۔ طلیحہ نے جواب دیا جب تک میں اس کو دیکھ نہ لوں میں اس کو رسول نہیں کہوں گا۔ جب ملاقات ہوئی تو طلیحہ نے پوچھا کہ تمہارے پاس کون آتا ہے؟ مسیلمہ نے کہا رحمان۔ پھر اس نے دریافت کیا أفي نور أم ظلمة؟ روشنی میں یا تاریکی میں؟ مسیلمہ نے کہا تاریکی میں۔ طلیحہ نے جواب دیا اشهد انك كذاب وان محمدا عليه الصلوة والسلام صادق لكن كذاب ربيعة احب الينا من صادق مضر۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہے اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام سچے ہیں لیکن ربیعہ قبیلہ کا جھوٹا ہمیں مضر قبیلہ کے سچے سے زیادہ محبوب ہے۔

اس ایک واقعہ سے آپ قبائلی عصبیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے مسیلمہ کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ سارے علاقہ پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔ پہلے مسلمانوں کا لشکر عکرمہ ابن ابی جہل کی قیادت میں آیا لیکن ان کے شدید حملہ کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد شرحبیل ابن حسنہ نے مسیلمہ پر حملہ کیا لیکن انہیں بھی پسپا ہونا پڑا۔ حضرت صدیق اکبر نے حضرت خالد کو جنہیں حضور نے اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (سیف من سیوف اللہ) فرمایا تھا اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ اسلامی لشکر میں اکابر مہاجرین اور اجلہ انصار کی کثیر تعداد تھی۔ حفاظ قرآن کی بھی کافی تعداد تھی۔ چنانچہ عقربا کے کھلے میدان میں دونوں لشکر صف آرا ہوئے۔ مسیلمہ کے ہاں نفری سپاہیوں کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ اتنا بڑا لشکر اہل عرب نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سارے سپاہی فولادی زرہوں میں غرق تھے۔ اسلحہ کی فراوانی تھی۔ تاہم پرواہ کس کو تھی۔ جب جنگ شروع ہوئی جس کے نتیجہ پر اسلام کے مستقبل کا انحصار تھا تو مرتدین نے پہلا حملہ اس شدت سے کیا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ دشمن بڑھتے بڑھتے اس خیمہ تک جا پہنچا جہاں حضرت خالد کی اہلیہ تھیں۔ حضرت خالد کی جنگی بصیرت اور بے نظیر شجاعت کام آئی۔ حضرت خالد خود گھوڑے پر سوار ہوئے۔ یا محمداہ کا نعرہ لگایا اور مسیلمہ پر حملہ کر دیا۔ چند گھنٹوں کی خونریز لڑائی میں دشمن کے سات ہزار سے زیادہ سپاہی ہلاک ہو گئے۔ حضرت خالد نے جھپٹ کر مسیلمہ کے گرد حلقہ بنا کر کھڑے ہونے والے سپاہیوں پر پے در پے حملے کیے اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ اس اچانک اور بے پناہ حملے سے ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ انہوں نے مسیلمہ سے پوچھنا شروع کیا۔ این ما كنت تعدنا (جس نصرت کا تم ہم سے وعدہ کیا کرتے تھے وہ کہاں ہے؟) مسیلمہ نے کہا قاتلوا عن احسابکم (میری مدد کا انتظار کرنے کے بجائے اپنی خاندانی عزت و حمیت کے لیے جنگ کرو) یہ کہا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ محکم ابن طفیل نے جب اپنی قوم کی یہ رسوائی دیکھی اور انہیں شکست کے عالم میں میدان سے بھاگتے دیکھا تو پکارا یا بنو حنیفة الحديقة الحديقة۔ اے بنو حنیفہ باغ میں داخل ہو جاؤ۔ وہاں قریب ہی ایک وسیع باغ تھا جس کی چار دیواری بڑی مضبوط اور اونچی تھی اور اتنی وسعت تھی کہ سب اس میں چھپ سکتے تھے۔ وہاں جا کر انہوں نے پناہ لی۔ حضرت براء ابن مالک نے جب دیکھا کہ دشمن قلعہ نما باغ میں پناہ گزیں ہو گیا ہے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ مجھے اٹھا کر کسی طرح باغ کی دیوار پر چڑھا دو۔ انہوں نے منع کیا لیکن ان کا اصرار بیکار رہا۔ چنانچہ آپ کو دیوار پر پہنچا دیا گیا۔ وہاں پہنچ کر آپ نے بڑی پھرتی سے دروازے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ راستہ میں جو مرتد ملا اس کو تہ تیغ کرتے گئے یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچے اور اسے کھول دیا۔ مسلمان مجاہدین اندر داخل ہو گئے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی یہاں تک کہ وحشی (قاتل سیدنا حمزہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسیلمہ کو قتل کر دیا۔ جب اس کے لشکریوں کو

حَرَجٌ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

ذرا بھی تنگی اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ

نہریں اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا۔ یقیناً راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان

علم چھا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے سات ہزار کفار وہاں مارے گئے۔ دشمن کے مقتولوں کی مجموعی تعداد اکیس ہزار تھی۔ مسلمانوں کا بھی کچھ جانی نقصان ہوا بارہ سو کی تعداد میں جلیل القدر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ اس طرح حضرت ابوبکر صدیق کی عظیم قیادت حضرت خالد کی بے نظیر سپہ گری اور صحابہ کرام کی بے مثل شجاعت و بہادری نے فتنہ ارتداد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا۔

یہ وہ پہلا معرکہ ہے جو اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں اور ایک ایسی قوم کے درمیان ہوا جو اولی باس شدید تھی اور اس کا انجام بھی تقاتلونهم او یسلمون کے عین مطابق ہوا۔ حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

واللہ لقد کنا نقرأ هذه الآية فيما مضى ستدعون الى قوم اولى بأس شديد فلا نعلم من هم حتى دعانا ابو بكر الى قتال بنى حنيفة فعلمنا انهم هم

یعنی پہلے ہم یہ آیت پڑھا کرتے تھے لیکن ہمیں یہ علم نہ تھا کہ وہ جنگجو قوم کون سی ہے جس کے ساتھ ہمیں جنگ کی دعوت دی جائے گی۔ جب صدیق اکبر نے ہمیں بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ کرنے کی دعوت دی تو ہم جان گئے کہ یہی وہ قوم ہے جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

حدیبیہ میں کئی شخص ایسے بھی تھے جو نابینا یا لنگڑے یا بیمار تھے وہ مجبوری جہاد میں شریک نہ ہو سکے۔ انہوں نے جب مخلفین کے بارے میں یہ آیات سنیں تو بہت سہمے کہ مبادا ان کا شمار بھی کہیں ان کے زمرہ میں ہو۔ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ بتائیے یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول! ہمارا کیا بنے گا؟ ہم تو آپ کے اس سفر میں شریک نہ تھے۔ ان کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں حضور سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کرنے کی اہمیت کو بیان کیا گیا کہ اللہ کے رسول کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرنا کوئی معمولی بیعت نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ سے بیعت ہے۔ رسول کے ساتھ بیعت رسول کے خالق خدا ذوالجلال کے ساتھ بیعت ہے۔ گویا تم براہ راست اپنے رب کے ساتھ معاملہ کر رہے ہو کہ ایسے بے نیت سے بیعت کرنے والے بے پناہ گراں قدر انعامات و احسانات سے سرفراز فرمائے جانے کے مستحق ہیں ان کے دلوں میں صحیح ایمان کی روشنی ہے اور عشق رسول کی ... بندہ وہ ہے کہ تیری رضا میرا حاصل زندگی ہے اور اس کے حصول میں سر کٹانا میری معراج ہے۔

بیعت کرنے والے تربت ہو گئے ہیں لیکن اس کے بعد ... وہاں اس بات کی بھی تصریح کر دی کہ جو دل کے

تن دے گا اور اپنی بے قدری اور روسیاہی کا باعث بنے گا لیکن جس نے وفا کی وہ عہد جو اللہ سے باندھا تھا اور پھر اس کے تمام تقاضوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا جس اجر کو قرآن عظیم کہہ رہا ہے اس کی عظمت کا اندازہ کون لگا سکتا ہے

ان آیات میں ان مردانِ پاکباز، پاک طینت، باوفا کیش، عزم و وفا کے بلند اقبال سرفروشوں کا ذکر تحسین کے ساتھ کیا جا رہا ہے جنہوں نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی اور پھر اس کا حق ادا کر دیا ساتھ ہی اس جاں نثاری اور وفا شعاری کا جو صلہ بارگاہِ رب جلیل سے انہیں ارزانی ہوا اس کو بیان کر دیا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ اللہ کے حبیب کے غلام اس کے کتنے خوش قسمت اور کرم کے پروردہ، اسلام کے لشکر کے یہ جیالے سپاہی کس قسم کے لوگ تھے

سنہ ۶ ہجری ذی القعدہ کے مہینہ میں حضور سرور کائنات علیہ اطیب الصلوات واجمل التحیات اپنے چودہ سو جاں نثاروں کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے احرام باندھے ہوئے تھے۔ قربانی کے جانور ساتھ تھے۔ ذوالحلیفہ کے لیے ایک تلوار کے علاوہ کسی قسم کا اسلحہ ان کے پاس نہ تھا۔ اللہ کے بندوں کا یہ گروہ اللہ کے گھر کی زیارت کے شوق سے سرشار ہو کر مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اہل مکہ کو جب ان کی آمد کا علم ہوا تو انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی قیمت پر مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ ان کے پاس اپنا سفیر بھیج کر انہیں اپنی آمد کے مقصد سے آگاہ کریں اور ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیں کہ مسلمان مکہ پر قبضہ کرنے کی نیت سے آئے ہیں۔ اس نازک اور اہم مقصد کی تکمیل کے لیے نگاہ رسالت نے چودہ سو صحابہ میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔ آپ کے وہاں جانے کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ کفار مکہ نے آپ کو شہید کر دیا ہے۔ مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا۔ نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس نازک صورت حال میں ایک ایسا اقدام کیا جس سے دنیا جو کچھ سبق حاصل کر سکتی ہے کہ قوم کے جوش و خروش کو کس طرح تعمیری مقصد کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔ حضور ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہو گئے اور فرزندانِ اسلام کو دعوت دی کہ وہ اس بات پر بیعت کریں کہ جب تک خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لیں گے میدانِ جنگ سے نہیں ہٹیں گے۔ اس بیعت کی برکت سے مسلمانوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا اور جاں بازی کا ایسا بے پناہ جذبہ بیدار ہو گیا جس کو دنیائے کفر کے تمام لشکر مل کر بھی شکست نہیں دے سکتے تھے۔ اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے صلح کر لینے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ اس بیعت کی دوسری برکت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان وفا کیش بندوں اور اپنے محبوب کی شمع جمال کے پروانوں کے سروں پر اپنی رضا کا تاج سجا دیا

مبارک صد مبارک! اے اسلام کے سرکف مجاہدو! تمہارا رب تم پر راضی ہو گیا۔ مبارک صد مبارک! اے مکتب عشق کے شاگردو! تم اپنی زندگی کے امتحان میں کامیاب ہو گئے۔ مبارک صد مبارک! اے راہِ عشق کو اپنے حسنِ عمل اور خلوصِ نیت کے رنگین پھولوں سے آراستہ کرنے والو! قیامت تک آنے والے اربابِ وفا کی راہ میں تم نے ایسے چراغ روشن کر دیے ہیں جن کو کوئی آندھی بجھا نہ سکے گی۔ تمہاری جاں فروشی کے طفیل محبت کی دنیا آباد رہے گی۔ جادۂ حق کے مسافر تمہارے نقش قدم سے ابد تک اکتساب فیض کرتے رہیں گے

آیت کے ان نورانی کلمات میں غور کیجیے اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے۔ کس انداز سے فرما رہا ہے اور کن کے بارے میں فرما رہا ہے۔ لام تاکید، قد برائے تاکید، رضی ماضی کا صیغہ جو تحقیق اور وقوع پر دلالت کرتا ہے۔ اسم جلالت کو ظاہر ذکر کیا یعنی بلاشک و شبہ

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ

مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا ۳۲

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً

پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر ۳۳ اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی ۳۴ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں)

اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا ہے کن سے؟ للمومنین سے۔ اس کے بعد اس مقام کا ذکر ہے کہ یہ لوگ کس وقت؟ جب کہ حبیب آپ اس درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور آپ کے یہ غلام دیوانہ وار حاضر ہو کر آپ کے دست پاک پر سرفروشی، جاں بازی اور وفا شعاری کی بیعت کر رہے تھے۔

اہل محبت کی بات ہی نرالی ہے کہ جس ... انہوں نے صیغہ استعمال کیا اور یبایعون مضارع کا صیغہ ہے اس میں یہ ... کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور رضی ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور یبایعون مضارع ذکر کرنے میں لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی یہ ادا اتنی پیاری اور محبوب ہے کہ اسے ماضی کے حوالے نہیں کیا جا سکتا بیعت کا معاملہ اور وہ منظر اب بھی آنکھوں میں ہے کہ آپ بیٹھے ہیں آپ کے جاں نثار بڑی خوشی سے وارفتہ چلے آرہے ہیں اور بیعت کر رہے ہیں۔ یہ منظر اتنا سہانا ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ حاضر رہے گا کبھی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگا۔

۳۳ یعنی ہم ان کے دلوں کی کیفیت خلوص اور محبت کو خوب جانتے ہیں اور یہی چیز ہے جس نے ان کو ہماری خوشنودی کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ ایک شیعہ مفسر طبرسی اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں فعلم ما فی قلوبہم من الیقین والصبر والوفاء (مجمع البیان جلد ۹ صفحہ ۱۱۷) یعنی ان کے دلوں میں جو یقین، صبر اور وفا تھی اسے اللہ تعالیٰ نے جان لیا۔ ایک اور شیعہ مفسر ملا فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں فعلم ما فی قلوبہم آنچہ در دلہائے ایشاں است از خلوص نیت و صدق عزیمت در وفا و صدق و ثبات بر عہد حضرت (منہج الصادقین جلد ۸ صفحہ ۲۴۳) یعنی ان کے دلوں میں جو نیت کا خلوص اور عزیمت کی صداقت اور حضرت کی اطاعت کی وفا اور عہد پر ثابت قدمی کے جذبات تھے ان کو جان لیا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے بیعت رضوان میں شرکت کرنے والوں کا خلوص اور ایمان ثابت ہوگیا۔ جس کی تصدیق خود شیعہ علماء کو بھی کرنا پڑی۔ جن کے دلوں کے نور ایمان سے منور ہونے کی گواہی خود علیم بذات الصدور نے دی ہو کسی دوسرے کی شہادت کی قطعاً ضرورت نہیں۔

۳۴ اللہ تعالیٰ نے ان مخلص بندوں کو جن انعامات اور نوازشات سے نوازا ان جملوں میں ان کا ذکر ہو رہا ہے۔

پہلا احسان تو یہ فرمایا کہ ان کے دلوں کو سکون اور طمانیت سے معمور کر دیا۔ شاید کسی کے دل میں خیال گزرے کہ اس بیعت کا یہ مفہوم ہے کہ آپ کے ایک ایک غلام نے اس کا عہد کیا تھا کہ وہ آخری دم تک لڑیں گے اور پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ان کی تعداد تھوڑی تھی دشمن بڑا طاقتور تھا ہتھیار ان کے پاس نہ تھے ... ایسی حالت میں ان کے دلوں میں ... کی کیفیت طاری ہو سکتی ہے اس کا اظہار اس کا ازالہ اس آیت میں کر دیا گیا کہ ان کے حوصلوں اور ولولوں کو ثبات سے سرشار کر دیا۔ اس سے پہلے فانزل السکینۃ علیہم کی آیت سے ہو کتنا بڑا احسان ہے یہ انعام کن لوگوں کو دیا گیا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں یعنی جس درخت کے نیچے حبیب کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یہاں ... جملہ کا ذکر کیا گیا اور ... ولی الصلحاء ... (مجمع البیان جلد ۹ صفحہ ۱۱۷)

۳۵ دوسرا انعام ہے جس سے مخلصین کی اس جماعت کو سرفراز کیا گیا یعنی عنقریب ہم تمہیں دشمن کے مقابلہ میں فتح عطا فرمائیں گے اور تمہو

يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٩﴾ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً

جن کو وہ عنقریب حاصل کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بہت دانا ہے۔ وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا جنہیں تم لو گے

ترک کرنے کا جو صدمہ تمہیں پہنچا ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ جب کفر سرنگوں ہو گا اور اسلام کا پرچم لہرائے گا تو تمہارے رنجیدہ دل فرحت اور انبساط سے باغ باغ ہو جائیں گے۔

یہاں بھی اثابھم میں ضمیر مفعول کا مرجع یہی لوگ ہیں جنہوں نے بیعت الرضوان کا شرف حاصل کیا تھا۔

اس خوشخبری کا مصداق فتح خیبر ہے کیونکہ سفر حدیبیہ کے فوراً بعد یہی طاقتور یہودیوں کے قلعے اسلام کے ہاتھوں فتح ہوئے اور اسلام کو شاندار کامیابی نصیب ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو حکم دیا کہ اس سفر میں صرف وہی لوگ ہمرکابی کا شرف حاصل کریں گے جو حدیبیہ کے سفر میں ہمارے ساتھ تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے بھی فاثابھم کی ضمیر کا مرجع متعین ہو گیا۔

۲۰۔ یہ دوسرا انعام ہے جس سے ان خوش بختوں کو سرفراز فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی ہم انہیں مال غنیمت دیں گے اور بکثرت دیں گے جس سے ان کے افلاس کا خاتمہ ہو جائے گا۔ یہاں مال غنیمت جسے مغانم کثیرہ کہا گیا ہے خیبر سے حاصل ہونے والے منقولہ اور غیر منقولہ اموال و املاک ہیں۔

حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ جس صلح نامہ پر دستخط ہوئے اس کی مدت دس سال تھی۔ اس صلح سے اہل مکہ اور ان کے حلیف قبائل جو مکہ کے گرد و نواح اور جنوبی حجاز میں پھیلے ہوئے تھے ان کی طرف سے حملہ کا خدشہ ختم ہو گیا۔ اس طرح مدینہ طیبہ جو مسلسل کئی سال سے دشمنوں سے برسر پیکار تھا شب و روز ان کی یلغار کا کھٹکا لگا رہتا تھا اس سے سکون ملا تو فوراً ہی ضرورت محسوس ہوئی کہ دوسرے محاذ کی طرف توجہ دی جائے۔ یہ محاذ خیبر کے یہودیوں کا تھا۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کی عداوت میں یہ لوگ کفار مکہ سے دو قدم آگے تھے۔ ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ خیبر کی زرخیز وادی ان کی ملکیت تھی۔ وہاں انہوں نے اونچی چٹانوں پر متعدد قلعے اور گڑھیاں بنا رکھی تھیں جو دفاعی لحاظ سے بڑی مستحکم تھیں۔ بنی قریظہ اور بنو نضیر کی جلاوطنی نے ان کی عداوت کو اور بھڑکا دیا تھا۔ ان کے پاس افرادی طاقت کی کوئی کمی نہ تھی۔ خیبر کے قلعوں میں جنگجو بہادروں کی مجموعی تعداد دس ہزار تھی۔ انہوں نے مسلمانوں کے ابدی دشمنوں کو اپنے ساتھ ملا رکھا تھا۔ ان کے پاس خوراک کے اتنے ذخائر تھے جو محاصرہ کی صورت میں کئی ماہ تک ان کے کام آ سکتے تھے۔ عرب کے مشرک قبائل پر ان کا اثر و رسوخ بھی تھا۔ حجاز میں مختلف مقامات پر وادی القریٰ، تیماء میں جو یہودی قبائل آباد تھے وہ ان کے ساتھ مل کر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ قبیلہ غطفان سے بھی ان کے گہرے تعلقات تھے۔

ایسے خطرناک اور کینہ توز دشمن کی طرف سے صرف نظر یا انہیں حملہ کی تیاری کے لیے مزید مہلت دینا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی کے خلاف تھا۔ حضور نے خیبر پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی اور اس مہم میں شرکت کے لیے صرف ان بہادروں کو دعوت دی گئی جو حدیبیہ کے مقام پر بیعت رضوان سے مشرف ہوئے تھے۔ یہ سفر بڑی رازداری اور بڑی تیزی سے کیا گیا۔ ایک رات لشکر اسلام خیبر کی طرف رواں دواں تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عامر بن اکوع کو یاد فرمایا۔ انزل یا ابن الاکوع فحد لنا من ھناتك

اے اکوع کے فرزند! ذرا ہمیں اپنے اشعار یا اپنا کلام سناؤ وہ اترے اور انہوں نے بڑی خوش الحانی سے یہ اشعار پڑھے

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

بخدا اگر اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی نہ فرماتا تو ہم کو ہدایت نصیب نہ ہوتی اور نہ صدقہ دینے اور نماز پڑھنے کی توفیق میسر آتی۔

انا اذا قوم بغوا علینا وان ارادوا فتنۃ ابینا

ہم وہ جانباز ہیں کہ اگر کوئی قوم ہم پر سرکشی کرتی ہے اور ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتی ہے تو ہم اس کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیتے ہیں۔

فانزلن سکینۃ علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

الٰہی! ہم پر سکینہ نازل فرما اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔

ان کے یہ اشعار سن کر حضور بڑے خوش ہوئے اور فرمایا: یرحمک ربک اے عامر تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے۔ وجبت یا رسول اللہ لولا متعتنا به فقتل یوم خیبر شہیدا۔ اے اللہ کے پیارے رسول! آپ کے اس کلام پر شہادت واجب ہو گئی۔ کاش حضور کچھ مدت اور ہمیں ان سے مستفید ہونے دیتے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے غزوہ خیبر میں شہادت پائی۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خیبر ایک شہر کا نام ہے۔ وہاں ایک ہی قلعہ تھا جب وہ فتح ہو گیا تو خیبر پر مسلمانوں کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح صحابہ کرام نے خیبر کو سر کرنے میں جو جانبازیوں کا مظاہرہ کیا اور جس طرح داد شجاعت دی ان کا صحیح علم نہیں ہو سکتا میں قارئین کرام کی اجازت سے حقیقت حال ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا ہوں۔

خیبر ایک علاقہ کا نام ہے جس میں کئی آبادیاں، متعدد قلعے اور گڑھیاں تھیں۔ یہ علاقہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک کا نام "نطاۃ" ہے۔ یہ پہاڑی حصہ ہے۔ اس میں چٹانیں، اونچے نیچے ٹیلے اور پتھریلی زمین ہے۔ دوسرے کا نام "شق" ہے۔ یہ زرخیز زمین ہے یہاں واقع ہے اس کی آب و ہوا صحت کے لیے مضر ہے۔ "نطاۃ" کے مشہور قلعوں کے نام یہ ہیں: حصن ناعم، حصن الصعب، ابی حاز، حصن قلعہ زبیر۔ اور شق کے مشہور قلعوں کے نام یہ ہیں: سموان، نزار، قموص، وطیح اور سلالم۔

جب حضور خیبر کی وادی میں داخل ہونے لگے تو سب کو حکم دیا "قفوا" رک جاؤ۔ پھر یہ دعا مانگی:

اللھم رب السموات وما اظللن ورب الارضین وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین نسألك خير هذه القرية وخير اهلها ونعوذ بك من شرها وشر اهلها وشر ما فيها۔ اے اللہ! اے آسمانوں کے رب اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں اور اے زمینوں کے رب اور جسے وہ اٹھائے ہوئے ہیں، اے شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے، اے ہواؤں کے رب اور جن چیزوں کو وہ اڑا کر لے جاتی ہیں، میں اس گاؤں اور اس میں رہنے والوں کی بھلائی کی تجھ سے التجا کرتا ہوں اور اس گاؤں، اس میں رہنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ (ہر بستی میں داخل ہوتے وقت یہ دعا مانگا کرتے۔)

پھر وادی خیبر میں داخل ہوئے۔ صبح کا وقت تھا۔ یہودی حسب معمول روز مرہ کے کام کے لیے کدالیں، کسیاں اور ٹوکرے اٹھائے

ہوئے اپنے قلعوں سے باہر نکل کر کام کاج کے لیے جا رہے تھے لشکر اسلام کو وہاں دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ واللہ محمد والخمیس یعنی خدا کی قسم یہ محمد ہیں اور ان کا لشکر۔ یہ کہتے ہوئے وہ واپس بھاگے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک بلند کرتے ہوئے نعرہ لگایا: اللہ اکبر خربت خیبر انا اذا نزلنا بساحۃ قوم فساء صباح المنذرین۔ اللہ سب سے بڑا ہے خیبر اجڑ گیا ہم جب کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان کی صبح بڑی خطرناک ہوتی ہے۔

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے قلعہ ناعم کا محاصرہ کیا (ابن کثیر، ابن اثیر، ابن خلدون) بڑی شدید جنگ ہوئی۔ یہودیوں نے بڑی شجاعت سے مقابلہ کیا یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ لشکر اسلام کو فتح ہوئی اور قلعہ پر اسلام کا پرچم لہرا دیا گیا۔ طبرانی نے حضرت جابرؓ سے روایت کی ہے کہ حضور نے اس روز ارشاد فرمایا کہ دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور سلامتی طلب کرو۔ لیکن جب جنگ شروع ہو جائے تو پھر کوئی چارہ کار نہیں۔ فقولوا اللھم ربنا و ربھم نواصینا ونواصیھم بیدک انما تقتلھم انت ثم الزموا الارض جلوسا فاذا غشوکم فانھضوا وکبروا یعنی دشمن جب حملہ آور ہوں تو اس وقت کہو: اے اللہ! تو ہی ہمارا اور ان کا رب ہے۔ ہماری پیشانیاں اور ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ان کو قتل کرتا ہے یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ جاؤ، پھر جب دشمن تم پر حملہ بول دیں تو کھڑے ہو جاؤ اور زور سے نعرۂ تکبیر بلند کرو۔

قلعہ ناعم سر کرنے کے بعد قلعہ صعب کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ قلعہ بڑا مضبوط تھا۔ اس میں ان کے خوراک کے ذخائر تھے۔ اس کی حفاظت کا انہوں نے بڑا اہتمام کیا ہوا تھا۔ تین روز تک جنگ ہوتی رہی۔ دونوں فریق داد شجاعت دیتے رہے۔ مسلمانوں کے پاس خوراک کی شدید قلت تھی۔ حضرت حباب بن منذرؓ کو حضور نے پرچم عطا فرمایا۔ ان کو حکم دیا اور اپنے دستوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف روانہ کیا۔ یہود کی طرف سے یوشع نامی پہلوان میدان میں آیا اور دعوت مبارزت دی۔ حضرت حبابؓ نے ایک ہی وار میں اس کو ڈھیر کر دیا۔ پھر زیال نامی یہودی نکل کر آیا۔ عمارہ بن عقبہ الغفاری نے اس کا کام تمام کیا۔ آخر یہ قلعہ بھی فتح ہوا۔ اس میں جو، کھجور، گھی، شہد، زیتون، چربی وغیرہ کے اتنے ذخائر مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی فاقہ کشی کا خاتمہ ہوا۔

لیکن علامہ ابن اثیر اور ابن خلدون کے قول کے مطابق قلعہ قموص کا محاصرہ کیا گیا۔ یہ یہودیوں کے سردار ابی الحقیق کے بیٹوں کا قلعہ تھا۔ اس میں یہودیوں کی بہترین فوج تھی۔ آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ قلعہ کتنا مضبوط ہو گا۔ لیکن چند دن کی شدید جنگ کے بعد اس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

علامہ زرقانی کے قول کے مطابق قلعہ صعب کے بعد صحابہؓ نے قلعہ زبیر کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع تھا۔ تین دن گزر گئے یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ اس اثنا میں غزال نامی ایک یہودی حضور کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: اے ابا القاسم! اگر آپ مجھے امان دیں تو میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں کہ جس سے یہ مشکل حل ہو جائے گی۔ ویسے اگر آپ ایک مہینہ تک بھی اس کا محاصرہ کیے رہیں تو یہودیوں کو پرواہ تک نہ ہو گی۔ قلعہ میں زمین دوز سرنگیں ہیں رات کے وقت وہ ان سرنگوں سے نکل کر پانی بھر لاتے ہیں۔ اگر ان سرنگوں کو تباہ کر دیا جائے تو یہودی فوراً ہتھیار ڈال دیں گے۔ چنانچہ حضور نے ایسا ہی کیا۔ یہودی اب کھلے میدان میں نکل کر لڑنے پر تیار ہو گئے۔ سخت جنگ ہوئی۔ بہت سے صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش کیا اور یہودیوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی مدد سے حضور کو فتح نصیب

نطاۃ کے علاوہ کتیبہ آخری قلعہ تھا اس علاقہ سے فراغت ہوئی اَلشق کے علاقہ میں یہودیوں کے قلعوں کو سر کرنے کی طرف حضور متوجہ ہوئے سب سے پہلے قلعہ سموان کا محاصرہ کیا گیا فریقین نے اپنی اپنی شجاعت کے خوب جوہر دکھائے "عزول" نامی یہودی دعوت مبارزت دیتا ہوا میدان میں آیا حضرت حباب بن منذر نے آگے بڑھ کر اس کو جہنم رسید کیا۔ اس کے بعد ایک اور یہودی پہلوان نے مسلمانوں کو للکارا۔ حضرت ابو دجانہ نے اس کا کام تمام کیا۔ مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا قلعہ پر حملہ بول دیا اس کے آہنی دروازے کو توڑ کر مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت ابو دجانہ پیش پیش تھے ان کی تلوار یہود پر بجلی بن کر گر رہی تھی یہاں بھی مسلمانوں کو بہت سا قیمتی سامان، پارچہ اور خوراک کے ذخائر دستیاب ہوئے یہاں شکست کھانے کے بعد یہودی بھاگ کر اس علاقہ کے دوسرے قلعہ "قلعہ نزار" میں اپنے ساتھیوں سے جا ملے ایک کثیر جمعیت قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا عزم کر لیا۔ ان لوگوں نے لشکر اسلام پر سنگ باری اور تیر اندازی کی حد کر دی۔ کئی تیر حضور کے لباس کے ساتھ آ کر پیوست ہو گئے۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کنکریاں لیں اور انہیں اس قلعہ کی طرف پھینکا قلعہ کی دیواریں لرز گئیں۔ ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ ان کے حوصلے ٹوٹ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

ابن کثیر، ابن اثیر اور ابن خلدون کی روایات کے مطابق آخری قلعے جن پر مسلمانوں نے حملہ کیا وہ قموص اور سلالم کے قلعے تھے انہیں میں سے ایک قلعہ میں مرحب نامی ایک پہلوان تھا جس کی قوت بازو اور فنی مہارت کی دھوم سارے جزیرہ عرب میں مچی ہوئی تھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نامور صحابہ نے جب یہودیوں کے ان آخری مورچوں پر حملہ کیا تو انہوں نے بے جان کی بازی لگا دی کئی دن تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ ایک دن حضور نے حضرت صدیق اکبر کو لشکر کے ساتھ بھیجا دن بھر گھمسان کی جنگ ہوتی رہی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا شام کو یہ لشکر اپنی قیام گاہ پر واپس آ گیا۔ دوسرے روز حضرت فاروق اعظم کی قیادت میں لشکر نے اس قلعہ پر حملہ کیا شدید لڑائی ہوئی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ اما واللہ لاعطینها غدا رجلا یحب اللہ ورسوله ویحبه اللہ ورسوله یاخذها عنوة۔ بخدا کل میں یہ جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کا رسول محبت کرتا ہے۔ وہ اس قلعہ کو زبردستی یہودیوں سے چھین لے گا۔ صبح ہوئی حضور نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یاد فرمایا۔ عرض کی گئی ان کی آنکھیں دکھتی ہیں۔ فرمایا انہیں لے آؤ سلمہ گئے انہیں آپ کو ہاتھ سے پکڑ کر بارگاہ رسالت میں لے آئے۔ حضور نے پوچھا علی! کیا حال ہے؟ عرض کی آنکھیں دکھنے کی وجہ سے سخت درد ہے۔ کچھ نظر نہیں آتا۔ فرمایا میرے نزدیک آؤ۔ قریب ہو گئے تو حضور نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اپنا لعاب دہن مبارک ہتھیلیوں پر ملا اور علی کی آنکھوں پر لگا دیا۔ پھر کیا تھا درد غائب، آشوب چشم کافور۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اسلام کا پرچم شیر خدا کو مرحمت فرمایا اور اپنی دعاؤں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف رخصت کیا اور ہدایت فرمائی کہ ان کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا۔ اگر ایک شخص کو تمہاری وجہ سے ہدایت نصیب ہو گئی تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ آپ نے قلعہ کے قریب پہنچ کر ایک میدان میں جھنڈا گاڑ دیا۔ اس روز آپ نے سرخ لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا۔ قلعہ کی دیوار سے ایک یہودی نے جھانکا اور پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا علی ابن ابی طالب۔ اس نے قلعہ بند یہودیوں کو کہا اب تمہاری شکست یقینی ہے۔ "غلبتم یا معشر الیهود" مرحب مست ہاتھی کی طرح دندناتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا اس کے سر پر آہنی خود تھا اس کے جسم

پر چمک دار آہنی خود تھی۔ وہ یہ رجز پڑھ رہا تھا۔

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب

یعنی خیبر کے در و دیوار جانتے ہیں کہ میں مرحب ہوں۔ پوری طرح مسلح ہوں، بہادر ہوں، ماہر اور تجربہ کار ہوں۔
اس کی اس بڑ کو سن کر علی المرتضیٰ شیر خدا شیر کی طرح گرجے اور فرمایا۔

انا الذی سمتنی امی حیدرہ   اکیلکم بالسیف کیل السندرہ

لیث بغابات شدید قسورہ   رابی شیما

یعنی وہ ہوں جس کا نام اس کی ماں نے حیدر رکھا ہے، میں اپنی شمشیر تابدار کے ساتھ خوب ناپ تول کر دوں گا، میں جنگلوں کا شیر ہوں، بہت سخت، بہت نڈر۔

دونوں پہلوان ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ رعد کی طرح ان کے نعرے گونج رہے تھے، بجلی کی تیزی سے ایک دوسرے پر تلوار کے وار کر رہے تھے۔ آخر ذوالفقار حیدری اس قدر سرعت سے اس کے سر پر گری کہ ڈھال پاش پاش ہو گئی، خود کو کاٹتی، سر کو چیرتی، اس کے جسم تک اتر گئی اور اس کے دو ٹکڑے کرتی ہوئی زین تک نکل گئی۔ مرحب کا گرانڈیل جثہ دو ٹکڑے ہو کر خاک و خون میں تڑپ رہا تھا۔ اللہ اکبر۔ اسلام کے نعرہ تکبیر کی صدائیں بلند ہوئیں اور یہودیت کا یہ آخری حصار بھی ضرب حیدری سے مسمار ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جاں باز اور بہادر سپاہیوں کو ایسی شاندار فتح و ظفر مرحمت فرمائی تھی جنہوں نے خیبر کے ان مضبوط قلعوں کو ایک ایک کر کے فتح کیا اور ان پر اسلام کا پرچم لہرایا۔ ان قلعوں کے فتح ہونے سے ہر قسم کے اموال غنیمت کے ڈھیر لگ گئے۔ نقد جنس، سونا، چاندی، سازوسامان کا۔ جو سلاح جنگ دستیاب ہوا وہ بھی بے اندازہ تھا۔ خیبر کی زرخیز وادی جس میں نخلستان، سرسبز و شاداب باغات تھے اور لہلہاتے ہوئے کھیت تھے سب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو عطا فرمائے۔ اس طرح وہ وعدہ پورا ہوا جو اس آیت میں کیا گیا تھا۔ "ومغانم کثیرۃ یاخذونھا"۔

اب آپ اس آیت کو دوبارہ پڑھیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کتنا بلند مقام ہے جنہوں نے حدیبیہ کے میدان میں اپنے آقا و مولیٰ کے دست مبارک پر سرفروشی کی بیعت کی تھی۔ ان خوش نصیبوں کو چند ماہ کے اندر اندر ایک خطرناک دشمن پر فتح عطا فرمائی۔ مال غنیمت اتنا دیا جس کا انہوں نے کبھی تصور تک نہ کیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے خلوص اور ایمان کی خود گواہی دی اور ان کو اپنی خوشنودی کے مژدہ سے سرفراز فرمایا اور اپنی رضا کا ایسا زریں تاج ان کے سروں پر سجایا جس کی آب و تاب مہر و ماہ کو تا قیامت خیرہ کرتی رہے گی جس کی چمک دمک میں ہر انسان کو یہ پیغام ملتا رہے گا جنہوں نے اپنے رب کو راضی کر لیا، جن پر ان کا رب راضی ہو گیا۔ اگر کوئی بد باطن یکلم قلم ان سے بے پروا اعلان ہو سکے تو ہے لیکن ان کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو کرتا ہے۔ اس طرح وہ اپنا نامہ اعمال ہی سیاہ کرے گا۔ ان قدسی نفوس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

إن کنت عني یا منی القلب راضیا   أری کل من فوق البریۃ یبتسم

اے میرے دل کی مراد! اگر تو مجھ پر راضی ہو جائے تو مجھے یوں لگتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز میرے لیے مسکرا رہی ہے۔

تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ

اپنے وقت پر حاصل کرو گے تو جلدی دے دی تمہیں یہ (صلح) ۳۲ اور روک دیا ہے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے ۳۳ اور تاکہ ہو جائے یہ

اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا

(ایک) نشانی اہل ایمان کے لیے ۳۵ اور تاکہ ثابت قدم رکھے تمہیں صراطِ مستقیم پر ۳۶ اور کئی دوسری فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں

۳۲ سابقہ آیت میں اس فتح اور ان غنائم کا ذکر کیا جو جلد ہی ملنے والی تھیں۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ نوازشات کا یہ سلسلہ یہیں ختم نہیں ہوگا بلکہ جب تک تم اطاعت و خلوص کا مظاہرہ کرتے رہو گے بادلِ رحمت تم پر برستا ہی رہے گا۔ ہم آئندہ بھی کئی بے شمار غنیمتوں سے تمہیں مالا مال کرتے رہیں گے اور اس سے پیشتر کہ نوازشات کا یہ سلسلہ شروع ہو ہم نے تمہیں صلح حدیبیہ سے نوازا ہے جو تمہاری مستقبل کی کامرانیوں اور فتوحات کی تمہید ہے۔ اس آیت میں جن مغانم کا ذکر ہے حضرت ابن عباس اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد قیامت تک حاصل ہونے والی غنیمتیں ہیں۔ قال ابن عباس و مجاهد انها المغانم التي تكون الى يوم القيامة (القرطبی)۔

۳۳ اس جملہ میں ھٰذہ کا مشار الیہ صلح حدیبیہ ہے۔ قال ابن عباس عجل لكم صلح الحديبية۔ اور بعض نے ھٰذہ کا مشار الیہ غنائم خیبر کو بنایا ہے۔

۳۴ یہاں ایک اور احسان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم احرام باندھے ہوئے اور قربانی کے جانور ہانکتے ہوئے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حدیبیہ میں پہنچے تو کفار نے مزاحمت کا پکا ارادہ کر لیا۔ تم اپنے وطن سے اڑھائی تین سو میل دور تھے فوری طور پر کمک آ کر پہنچنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ کفار صرف تیرہ میل کی مسافت پر تھے۔ جو سامان چاہتے آسانی سے انہیں رسد مل سکتی تھی۔ جنگ نزدیک ہوتی ادھر مکہ کے قبائل بھی ان کے حلیف تھے۔ بظاہر حالات بڑے تشویشناک تھے۔ یہ رب کریم کا کرم فرمایا کہ ان کے دل ڈر گئے۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان پر ایسی دہشت اور رعب طاری ہوا کہ انہوں نے صلح کو غنیمت جانا اور انہیں ہمت نہ ہوئی کہ وہ تم سے جنگ کریں۔

آیت کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ طیبہ سے اپنے جاں نثار صحابہ کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو یہیں مکن تھا کہ یہودی مسلمانوں کے اہل و عیال پر حملہ کر دیتے اور خونریزی کا بازار گرم کر دیتے ان کے مال و متاع لوٹ لیتے۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہاری پریشانی کی حد نہ رہتی لیکن تمہارے مخلص بندوں کے پلال نے یہودیوں کو یہ ہمت نہ دی کہ ایسی حرکت کریں اور تمہارے لیے پریشانی کا باعث بنیں۔

۳۵ اس طرح جو انعامات رونما ہوئے قدم قدم پر نصرتِ خداوندی نے جس طرح تمہاری یاوری فرمائی اور تمہیں ہر طرح کی گزند سے سلامت رکھا اور تمہارے دشمنوں پر خوف اور رعب مسلط کر دیا یہ تمام باتیں بالکل صاف الفاظ میں اعلان کر رہی ہیں کہ تم حق پر ہو اور خدا تمہارے ساتھ ہے اور تمہارا دین اللہ کا دین ہے جس کی حفاظت اور کامیابی کا وہ ذمہ دار ہے اور تمہارا نبی کریم اس کا محبوب بندہ ہے جس کے ساتھ اس نے وہ وعدے ذکر کیے کا وعدہ فرمایا ہوا ہے ہر تنگ و تاریک رات کے بعد صبح کی روشنی کا ثبوت مہیا کر رہا ہے۔

۳۶ تم پر اس کی یہ مہربانیاں ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان نوازشات سے وہ تمہیں صراطِ مستقیم پر

عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۱﴾

سکتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں ۳۱ اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّ

اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کافر تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے کسی کو (دنیا بھر میں) اپنا دوست

لَا نَصِيْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ

اور نہ مددگار ۳۳ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے ۳۴ اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز

ثابت قدمی سے سوئے منزل بڑھتے چلے جانے کا عزم عطا فرمایا جاتا ہے۔

۳۱ اس آیت میں ان فتوحات کا مژدہ اور ان اموال غنیمت کے حصول کی بشارت ہے جن کا مسلمان ان دنوں تصور بھی نہ کر سکتے تھے۔ مغرب میں شام، فلسطین، مصر، شمال افریقہ، سپین اور مشرق میں عراق، ایران، افغانستان، برصغیر وغیرہ ممالک کی فتوحات مراد ہیں۔ قال ابن عباس ھی الفتوح التی فتحت علی المسلمین کارض فارس والروم وجمیع ما فتحه المسلمون (القرطبی)

اس آیت میں فتح مکہ کی خبر بھی دی گئی ہے۔ اس وقت یہ پیشین گوئی کون کر سکتا تھا کہ عنقریب مکہ پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا۔ کس کی عقل یہ سوچ سکتی تھی کہ عرب کے یہ بادیہ نشین چند سالوں میں مشرق و مغرب کی دو عظیم طاقتوں کو بیک وقت یوں کچل ڈالیں گے کہ پھر وہ سنبھل نہ سکیں گی اور ایک صدی کے اختتام سے پہلے معلوم دنیا کے تین تہائی حصوں میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ملکوتی دلنواز نغمے گونجنے لگیں گے۔

۳۲ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایسا کرنا تمہارے بس کی بات تو نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ باہر نہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بیان کیا۔ وقیل حفظها الله علیکم لیکون فتحها لکم یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ملکوں اور ان کے خزانوں کو محفوظ رکھا ہے تاکہ تم آکر انہیں فتح کرو۔ ان کے قلعے اور شہر تمہارے استقبال کے لیے اپنے دروازے کھول دیں، قیصر و کسریٰ کے خزانے سیم و زر اور جواہرات کے انبار ہیں وہ تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دیے جائیں۔

۳۳ آیت کا یہ فقرہ کتنا پرجلال، اثر انگیز اور حوصلہ پرور ہے۔

۳۴ یعنی اگر کفار مکہ تمہارے ساتھ جنگ کرتے تو انہیں ایسی رسوا کن شکست دی جاتی کہ میدان جنگ سے پیٹھ پھیر کر سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ جاتے اور اس شکست کے عالم میں کوئی بھی ان کا ساتھ نہ دیتا۔

۳۵ اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ آخر کار اپنے رسول اور اس کے مخلص ساتھیوں کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کرتا ہے۔ کفر و باطل کو شرمناک شکست ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے، تا ابد ایسا ہی رہے گا کوئی طاقت سنت الٰہی کو بدل نہیں سکتی۔

اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے ۴۴ (وادی)

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا

مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿٢٤﴾ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

تھے خوب دیکھ رہا تھا ۴۵ یہی وہ بدنصیب ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے

الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ

اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد

وَنِسَاۗءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔـوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ

اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے

۴۴ اگرچہ حدیبیہ کے مقام پر باقاعدہ لڑائی کی نوبت نہیں آئی لیکن کفار کے کئی جتھے اپنے بغض باطن سے مجبور ہو کر مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مکہ کے اسی تنومند شہ زور مسلح ہو کر جبل تنعیم سے اترے تاکہ بے خبری میں لشکر اسلام پر دھاوا بول دیں لیکن اس سے پیشتر کہ وہ ہم پر حملہ کرتے ہم نے ان کو اپنے محاصرہ میں لے لیا اور گرفتار کر لیا لیکن رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا۔ اسی طرح ایک دفعہ عکرمہ بن ابی جہل نے پانچ سو سواروں کو ساتھ لے کر لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور نے اپنے صحابہ کا ایک دستہ ان کی سرکوبی کے لیے بھیجا لیکن وہ دم دبا کر بھاگ نکلے اور مکہ کی گلیوں میں جا کر پناہ لی۔ اسی قسم کے کئی واقعات رونما ہوئے جن سے جنگ کے شعلے بھڑک سکتے تھے اور صلح کی کوششیں ناکام ہو سکتی تھیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی صورت حال پیدا ہونے دی کہ کفار کو بھی جرأت نہ ہوئی کہ وہ تم پر حملہ کر دیں اور تمہیں بھی یہ حوصلہ بخشا کہ تم ان اشتعال انگیزیوں سے برافروختہ ہو کر ان پر حملہ نہ کر دو۔

۴۵ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ ہم کفار مکہ کی کارستانیوں اور ان کے اعمال کو دیکھ رہے تھے بلکہ فرمایا جو کچھ تم کر رہے تھے۔ کیونکہ تم تمام اشتعال انگیزیوں کے باوجود ضبط سے کام لے رہے تھے۔ مکہ والے جیسے بھی تھے ان کو ہم نہیں دیکھ رہے تھے تمہارے کارنامے ہی اس قابل تھے کہ چشم رحمت ان پر التفات فرمائے۔ باقی رہے کفار کے کرتوت اور ان کی کارستانیاں تو وہ اتنی گھٹیا تھیں کہ نہ ذرا بھی توجہ کے قابل تھیں اور نہ قابل ذکر۔

مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا

ملامت بے علمی کے باعث تنگی (نہیں) تاکہ داخل کرے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہتا ہے ۔ ٤٥ اگر یہ (مسلمان) الگ ہو جاتے

لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٢٥﴾ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے ۔٤٦ جب جگہ دی کفار نے

٤٤ یہ ایک مسلمہ اصول تھا کہ جو شخص حج و عمرہ کی نیت سے مکہ کے قریب آتا اس کو روکا نہ جاتا۔ خواہ کسی بھی قبیلے سے تعلق رکھتا ہو کتنی ہی عداوت ہوتی۔ اس اصول پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انہیں اتنی عداوت تھی کہ اس مسلمہ اصول کو بھی انہوں نے پس پشت ڈال دیا اور مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روک دیا اور قربانی کے جو جانور مسلمان اپنے ہمراہ لائے تھے ان کے متعلق بھی اجازت نہ دی گئی کہ منیٰ میں لے جا کر انہیں ذبح کیا جائے۔ ان کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور شرمناک تھی ان سنگین جرائم کی پاداش میں چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا جاتا اور وہ کفر و شرک کے ان مقدس مرکزوں کو پیس کر رکھ دیتے لیکن مکہ کے اس اندھیر نگری میں چند ایسے مرد اور خواتین بھی تھیں جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ اپنی بے بسی کے باعث وہ اسلام ظاہر نہ کر سکتے تھے اور نہ وہاں سے ہجرت کر سکتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی ان کی پوری پہچان نہ تھی۔ اگر جنگ چھڑ جاتی تو وہ بھی روندے جاتے۔ جب تمہیں اپنے مسلمان بھائیوں کے یوں پس جانے کا علم ہوتا تو تم پر کوہِ الم ٹوٹ پڑتا۔ فتح کی خوشی غم میں بدل جاتی۔ کفار کو تم پر زبانِ طعن دراز کرتے کہ دیکھو یہ اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی قتل کرنے سے باز نہیں آتے۔ اس طرح تمہارے خلاف پراپیگنڈے کا طوفان برپا کر دیا جاتا۔ کفار کے خلاف جنگ کا اذن نہ دینے میں یہ ایک حکمت تھی۔

٤٥ جنگ سے باز رکھنے کی دوسری مصلحت یہ تھی کہ اہل مکہ میں بہت سے ایسے لوگ موجود تھے جو اگرچہ ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن ان میں حق پذیری کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ انہیں بروئے کار آنے کے لیے خوشگوار ماحول اور مناسب حالات کی ضرورت تھی۔ اگر اس وقت جنگ چھڑ جاتی تو ان کفار کے ساتھ جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی یہ لوگ بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے جاتے اور ہمیشہ کے لیے دوزخ کا ایندھن بن جاتے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ نہ چاہا کہ ان کی صلاحیتیں اور قابلیتیں برباد ہو جائیں۔ اس لیے جنگ کی نوبت نہیں آنے دی تاکہ ان لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار ہونے کا مزید موقع مل جائے اور وہ کفر سے اپنا ناطہ توڑ کر اپنے رب کریم سے عبودیت کا رشتہ جوڑ سکیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اس صلح کے بعد ہی حضرت خالد جیسا ابو سلیمان کا جرنیل، حضرت عمرو بن العاص جیسا ماہر سیاست دان، حضرت عثمان بن طلحہ کلید بردار کعبہ اور مکہ کے کئی جلیل القدر فرزند کشاں کشاں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور دولتِ ایمان سے مالا مال ہوئے۔

٤٦ اگر یہ مسلمان مرد اور یہ مسلمان عورتیں کفار سے الگ کی جا سکتیں اور ان کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم کفار کو اسی وقت ایسے المناک عذاب میں مبتلا کر دیتے کہ انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جاتا اور ان کے سارے نشے ہرن ہو جاتے۔ اس آیت سے علماء نے

فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰی

اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے

ایک مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ اگر کفار کسی قلعہ میں مورچہ لگا کر بیٹھ گئے ہوں اور ان کے ساتھ اس قلعہ میں چند مسلمان قیدی بھی ہوں تو کیا اسلامی لشکر کے لیے اس پر گولہ باری یا بمباری جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کفار کا لشکر مسلمان قیدیوں کو سامنے کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان سے ڈھال کا کام لینا چاہتا ہے تو کیا اس حالت میں ان پر فائرنگ جائز ہے یا نہیں؟ یا کفار کا کوئی بحری جہاز ہے جس میں کافر فوج کے علاوہ چند مسلمان بھی ہیں۔ کیا ایسے جہاز کو غرق کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

امام مالک اور ان کے ہم مسلک ایسی گولہ باری کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن امام اعظم ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب اس کی اجازت دیتے ہیں اور اس کی وجہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں ملت اسلامیہ کی بقا کا راز مضمر ہے۔ اگر لشکر اسلام چند مسلمان قیدیوں کی موجودگی کے باعث کفار کے ایسے قلعہ کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجا دے گا تو اس کا نتیجہ نکلے گا کہ کفار لشکر اسلام کو پسپا کر دیں گے اور اس کے بعد ان قیدیوں کو تہ تیغ کرنے میں پس و پیش نہیں کریں گے۔

علامہ قرطبیؒ جو خود مالکی ہیں، انہوں نے صراحتہً لکھا ہے کہ ان حالات میں مسلمان اسیروں کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا جنہیں کفار ڈھال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن اس اجازت کو انہوں نے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ آپ بھی ان کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

وذلک اذا کانت المصلحۃ ضروریۃ کلیۃ قطعیۃ (ترجمہ) مسلمان قیدیوں کی موجودگی کے باوجود جنگی کارروائیاں اس وقت جائز ہیں جبکہ تین شرطیں پائی جائیں۔ مسلمان قیدیوں کو گولی کا نشانہ بنائے بغیر دشمن کو شکست دینے کی اور کوئی صورت نہ ہو۔ ایسا کرنے سے ضروریات کا تحفظ وابستہ ہو۔ ایسا کرنے سے اسلام کی فتح قطعی اور یقینی ہو۔

لیکن یہاں یہ شرائط موجود نہیں اس لیے یہاں مسلمان قیدیوں کو ہلاک کرنا جائز نہیں۔ اس آیت کے چند کلمات تشریح طلب ہیں۔

اَلْهَدْیَ وَالْهَدِیُّ: اس میں دونوں لغتیں ہیں۔ وہ جانور جو کعبہ میں قربانی کے لیے پیش کیا جائے ما یُهْدٰی اِلَی الْکَعْبَةِ۔

مَعْکُوْفًا: یعنی محبوس۔ جسے کسی جگہ روک دیا جائے۔

مَحِلَّهٗ: مکانہ الذی یحل فیہ نحرہ۔ وہ جگہ جہاں اس کو ذبح کرنا حلال ہے یعنی حرم۔

تَطَئُوْهُمْ: الوطء والدوس عبارۃ عن الایقاع والابادۃ۔ یعنی روند ڈالنا، کچل دینا۔ برباد کر دینا۔

الْمَعَرَّةُ: العیب وهی مفعلۃ من العر۔ عیب، ننگ و عار۔

تَزَیَّلُوْا: تفرقوا وتمیز بعضهم عن بعض۔ جدا جدا ہونا۔ الگ الگ ہونا۔

۵۶ آیت میں حمیت جاہلیت اور دل نشین ملامت اور اختلاف کو بیان کیا گیا ہے جو کفار اور اہل ایمان کے طرز عمل میں تھا۔ پہلے حمیت کی تحقیق ذہن نشین کر لیجیے۔

علامہ قرطبیؒ حمیت کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الحمیۃ فعیلۃ وهی الانفۃ یقال حمیت عن کذا حمیۃ

وحَمِيَّةً اِذَا أَنِفْتَ مِنْهُ وَدَاخَلَكَ عَارٌ وَأَنَفَةٌ اَنْ تَفْعَلَهُ۔

الا ان بنى منهم مرعى مرغم کذى الانف يحمى انفه ان يكشما

یعنی حمیت کا وزن فعیلۃ ہے۔ اس کا معنی غرور والی اس چیز سے نفرت ہے۔ کہا جاتا ہے حمیت عن کذا یعنی میں نے اس کام سے اجتناب اختیار کیا کیونکہ اس کام کا کرنا میرے لیے باعث ننگ و عار تھا۔

علامہ ابن حیان لکھتے ہیں: کانت حمیۃ جاہلیۃ لانہا بغیر حجۃ وفی غیر موضعہا وانما ذلک محض تعصب۔

کفار کی حمیت کو حمیت جاہلیت اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی ضد بغیر کسی دلیل کے تھی، غیر محل میں تھی اور اس کی وجہ محض تعصب اور ہٹ دھرمی تھی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عمرہ سے باز رکھنا ان کے صدیوں سے مروجہ دستور اور مسلمہ اصول کے سراسر خلاف تھا۔ ان کے بڑے بڑے راہنما انہیں اس قبیح حرکت سے روکتے رہے تھے۔ انہیں یہ بھی علم تھا کہ حضور کا یہ سفر محض عمرہ کرنے کے لیے ہے۔ اس کے باوجود وہ ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ اسی کو قرآن کریم نے حمیت جاہلیت فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا: قتلوا ابناءنا واخواننا ثم يدخلون علينا في منازلنا واللات والعزى لا يدخلون ابدا۔ کہ ان مسلمانوں نے ہمارے بچوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ کیا اب ہم انہیں اپنے گھروں میں داخل ہونے کی اجازت دیں۔ لات و عزیٰ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

کفار کی بے جا ضد اور تعصب کا تو یہ حال ہے۔ ان کے برعکس میرے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کی کیفیت یہ ہے کہ انہیں گوارا کرنا پڑا جو بات کہنے کا حکم ملے جو ان کے جذبات کے خلاف اور ان کی خودداری کے سراسر منافی ہو، یا اللہ کا حکم ملتے ہی بکمال تسلیم و رضا جھک جاتے ہیں۔ دلوں میں اضطراب کی جو موجیں سر اٹھا رہی ہوتی ہیں، فوراً تھم جاتی ہیں۔ ان کا یہ اضطراب اس لیے نہیں کہ اپنی ذات یا اپنے نفع کے لیے تھا، بلکہ محض اسلام کے لیے اور نبی کریم کے لیے ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہر میدان میں ظاہراً اور باطناً اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔ ان کے محبوب کی عظمت کا ڈنکا بجے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت ہے تو وہ سب کا سب قدموں میں ڈھیر کرنے کے لیے بصد خوشی آمادہ ہیں۔ اگر ان کی جانوں کی ضرورت ہے تو وہ اپنے سر کٹانے کے لیے اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کے لیے آمادہ ہی نہیں بلکہ بیتاب ہیں۔ مکہ کے بت پرستوں کی ہٹ دھرمی کا یہ مظاہرہ ان کے لیے سوہان روح بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی اس کیفیت سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے اس کی تجلیاں ان کی ڈھارس بندھاتی رہتی ہیں۔ جب وہ ان کے دلوں میں ناموس اسلام اور ناموس رسالت کے لیے اضطراب و بے کلی کے طوفان اٹھتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ ان کے دلوں کو سکون و طمانیت سے لبریز کر دیتا ہے۔ ان کو بے تاب کرنے والی بے چینیاں سکینت میں بدل جاتی ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ دل جو عشق محبوب میں اضطراب و بے قراری کی لذت سے آشنا ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ دل جو محبوب کی چشم التفات و کرم کا مرکز ہیں۔ لطف و کرم کا یہ سلسلہ جاری رہے۔ لیکن اللہ کی رحمت کے سائے میں بے چینیاں بڑھتی جائیں گی۔ دل اس سے بیاہانے گا ہے۔ سو بار بیتاب کی طرح تڑپ رہا ہوگا جہاں غم ہجر میں آنکھیں اشکبار ہوں وہاں ابر رحمت برسنے لگتا ہے جہاں تشنگی ہو وہاں ساقی کے لطف کی ضرورت ہے۔

ع ۱۱ ۹

رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ

رسولِ مکرم پر اور اہلِ ایمان پر اور انہیں استقامت بخشی دی تقویٰ کے کلمہ پر شک اور وہ اس کے حقدار بھی تھے

بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۧ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ

اور اس کے اہل بھی تھے شک اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے شک یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو شرائط طے پائیں تھیں بظاہر کفار کی فتح اور اسلام کی کمزوری کی غماز تھیں اس لیے اہل ایمان کے دلوں کا مجروح ہونا قدرتی امر تھا۔ جمال نبوت جلال کبریائی کا [illegible] بنا ہوا تھا [illegible] کا اضطراب بھی بڑا شدید تھا حضرت فاروق اعظم جیسے [illegible] کیونکہ ان کو غیرت ایمانی اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی تھی لیکن جب اللہ کے رسول نے حکم دیا تو سب نے سر تسلیم خم کر دیا سب مطمئن ہو گئے۔

شک مجھ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد والزمہم کلمۃ التقویٰ کا مطلب کیا ہے۔ ان چند کلمات میں اختلاف کی جو تفصیل ہو گئی ہے کاش آپ اس پر غور کریں۔ الزم کے معنی کسی چیز کو کسی کے ساتھ چسپاں کر دینا کہ وہ اس سے جدا نہ ہو سکے۔ چنانچہ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں الزم الشیء ثبت و دام۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں الزمہ ایاہ فالتزمہ و رجل لزمۃ یلزم الشیء فلا یفارقہ یعنی کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ یوں چمٹا دینا کہ وہ اس سے الگ نہ کی جا سکے۔

قاموس میں ہے الزمہ ایاہ فالتزمہ وہو لزمۃ ای اذا لزم شیئا لا یفارقہ۔

کلمۃ التقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے حضرت علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کلمۃ التقویٰ سے مراد لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کیسے کرم و لطف کا مظاہرہ ہے۔ حق الذہب [illegible] یہ کلمہ ان کے دلوں میں یوں ثبت کر دیا گیا کہ اس کے نقش دوبارہ مٹ نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ثبات و دوام بخشے کہ کوئی طاقت اسے جدا نہ کر سکے۔

صحابہ کرام کے ایمان پر اتنا پختہ اعتماد کرنے کے بعد یہ کہنا کہ وہ بعد میں مرتد ہو گئے اللہ تعالیٰ کا احساس ہو رہا ہے کہ بات کتنی غلط ہے۔ [illegible] اس کی تحقیق کرنے کے بعد ہی ان کے متعلق کوئی رائے قائم کرنی چاہیے۔

شک اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی عزت و تکریم کو ہمیشہ کے لیے ثابت کرنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے وکانوا احق بہا واہلہا یعنی وہ اس کلمہ تقویٰ کے حقدار بھی تھے اور اس کے اہل بھی۔ ان کے حق میں یہ کلمہ [illegible] انہیں نے ظاہر کیا ہے جس خلوص سے حدیبیہ کے روز دست مبارک پر انہوں نے بیعت کی۔ یہ ایمان، بیعت اور اسلام کی خاطر ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے ان تمام چیزوں نے انہیں اس کا حقدار بنایا ہے کہ یہ کلمہ ان کو عطا کیا جائے۔ [illegible] اس کی وجہ سے تقویٰ کی صفت ان میں پیدا ہو گئی کہ انہیں یہ نوازشات کی گئیں۔ کیونکہ ان کے دل میں اسلام کی عظمت اور محبت ہے کہ وہ اس کی قدر کریں اور اس کے حصول کے لیے ہر قربانی دے سکیں۔

لفظ اہل عربی میں کسی چیز کے مستحق اور اہلیت کو ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے کسی کو اہل کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں اس کی صلاحیت موجود ہے۔

شک صحابہ کرام پر یہ نوازشات کسی اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی نیتوں اور ان کے خلوص کو خوب جانتا ہے اسی بنا پر اس نے انہیں ان کلمات کا مستحق

رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ بے شک تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا!

سے لیکن نہاں خانۂ دل میں جذبات و احساسات کا ابال ہے نا آشنا ہے، حالانکہ دور و قریب ذریعہ سے تمام واقعات اسی دن سنا دیے جاتے اور ملاقات کو روک دیا جاتا ہے لیکن مستقبل میں کیا ہوگا۔ کوئی کل کیا کرے گا۔ اس کا اسے پتہ نہیں۔ یوں اپنی آگاہی کی خامی اور علم کی نارسائی کے باعث اس نے صحابہ کرام کی دشمنی قربانیوں اور اطاعت شعاریوں اور زبانی دعووں سے متاثر ہو کر انہیں ان شاندار القابات اور ان بشارات سے نواز دیا ہو اور اس کے بعد ان لوگوں نے ایسی حرکتیں کی ہوں اور ایسے جرائم کا ارتکاب کیا ہو کہ وہ ان القابات و بشارات کے مستحق نہ رہے ہوں اور انہیں ان سعادتوں سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اس قسم کی ابلیسی تلبیسات اور شیطانی وساوس کا جواب اس آخری جملے نے خاتمہ کر دیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے کسی شخص کا حال یا کسی کا انجام کیا ہو گا۔ کسے آئندہ زمانے میں کیسے افعال صادر ہوں گے اور وہ مرنے سے پہلے کیا کیا حرکتیں کرے گا مخفی نہیں اور اس سب کچھ جاننے والے خدا نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وفاشعار صحابہ کو ان القابات، انعامات اور نوازشات سے سرفراز فرمایا ہے۔

قرآن کریم کا یہی حسن بیان ہے جس نے عرب کے فصحاء و بلغاء کو دنگ کر دیا تھا اس کی جامعیت کو اجاگر کیا ہے جس کے سامنے شعراء اور خطبا نے اپنے سر جھکا لیے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس تیر اعظم سے اکتساب نور کی توفیق بخشے آمین!

لہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شب خواب دیکھا کہ حضور اپنے صحابہ سمیت مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ہیں کعبہ شریف کا طواف کیا ہے اور سب نے عمرہ ادا کیے ہیں۔ صبح حضور رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خواب صحابہ کو سنایا ان دلوں جو مدت سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے تڑپ رہے تھے، یہ خواب سن کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ ماہ ذی قعدہ میں اللہ کے پاک بندوں کا کارواں روانہ ہوا۔ لبیک اللّٰھم لبیک کی روح پرور صداؤں سے دشت و جبل گونجنے لگے صحراؤں کی تنہائیوں میں بہار آ گئی۔ ذوق و شوق سے قدم اٹھتے ہیں اتنے میں مکہ سے پہلے سے اس لمحہ کی انتظار میں جب بیت اللہ نظر آئے گا جب مسلمان حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو وہ واقعات پیش آئے جن کا ذکر آپ پہلے پڑھ چکے ہیں چنانچہ صلح نامہ پر دستخط ہوئے اور مسلمانوں کو بیت اللہ کی زیارت کیے بغیر ہی واپس لوٹنا پڑا۔ حضرت فاروق اعظم نے تمام مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کی یا رسول اللہ! حضور نے ہمیں نہ فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کی زیارت کریں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ حضور نے جواب میں فرمایا بے شک لیکن کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ اسی سال یہ شرف حاصل کرو گے؟ حضرت عمر نے جواب دیا نہیں۔ حضور نے فرمایا تو پھر سن لو قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانک آتیہ ومطوف بہ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً تم بیت اللہ کے پاس آنے والے ہو اور اس کا طواف کرنے والے ہو۔ اس آیت کے نازل ہونے سے وہ خلش دور ہو گئی جس نے دلوں کو پریشان کر رکھا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی اور کئی تاکیدات کے ساتھ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو جو خواب دکھایا ہے وہ بالکل سچا ہے اس کے حق ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں۔

لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا کے جملہ میں صدق کو کس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں عرب جب

اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۭ فَعَلِمَ مَا لَمْ

امن و امان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے۔ نہیں ڈر کسی کا تمہیں نہ ہوگا ۵۲ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں

تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ

جانتے کہ اس نے مقرر فرما دی اس سے پہلے ایک فتح جو قریب ہے۔ وہ (خدا) وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو

کہتے ہیں صَدَقَہُ الْحَدِیْثَ تو اس کا معنی ہوتا ہے اَنْبَأَہٗ بِالصِّدْقِ یعنی اس نے اسے صحیح اور سچی بات سے آگاہ کیا۔ اسی طرح صدقت القوم کا معنی ہے قلت لھم صدقا یعنی میں نے ان سے سچی بات کہی ہے۔ اس تحقیق کے مطابق آیت کا یہ معنی ہوگا جو میں نے کیا ہے۔ یہ ترجمہ واضح اور ہر قسم کے تکلف سے پاک ہے۔

بعض حضرات نے یہ معنی بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اگرچہ لغت میں صدق اس معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے لیکن اس مقام پر یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ آیت حدیبیہ سے واپسی پر راستہ میں نازل ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر تو دوسرے سال پوری ہوئی جب کہ مکہ فتح ہوا۔ اس صورت میں یہاں تاویل کا سہارا لینا پڑے گا۔

۵۲ یہ فرمانے کے بعد کہ میرے رسول کرم نے جو خواب دیکھا ہے وہ میں نے ہی دکھایا ہے اور میں نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے۔ اس میں ادنیٰ شبہ کی بھی گنجائش نہیں۔ اب اس خواب کا ذکر ہے جو دکھایا گیا۔ آیت کا مفہوم واضح ہے۔ سادہ ترجمہ سے ہی اس کا مفہوم ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ البتہ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ کا فقرہ توجہ طلب ہے۔ اِنْ شک کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ اللہ کا کلام ہے اس میں شک کا کیا دخل۔ بحوالہ عرض ہے کہ یہاں اِنْ کا معنی اِذْ ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تم مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ اِنْ بمعنی اِذْ کا استعمال عام ہے۔ صاحب لسان لکھتے ہیں۔ وتجیء اِنْ بمعنی اِذْ ضرب قولہ اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مؤمنین المعنی اذ کنتم مؤمنین۔ یعنی اللہ سے ڈرو۔ باقی سود چھوڑ دو جبکہ تم ایمان لا چکے ہو۔ اس آیت میں بھی اِنْ کا معنی اِذْ ہے۔

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ کا فقرہ یہاں ذکر کرنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نبی کریم اور صحابہ کرامؓ کا اس سال مکہ نہ جانا اس لیے نہیں کہ کفار بہت طاقتور تھے اور مسلمان ان کی کثرت سے خائف ہو کر واپس چلے گئے، بلکہ اللہ کی مشیت یہی تھی کہ وہ واپس چلے جائیں کیونکہ اس میں وہ حکمتیں تھیں جن کو اللہ تعالیٰ تو جانتا تھا لیکن تم نہیں جانتے تھے۔

فعلم ما لم تعلموا سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔ جب یہ مصلحتیں پوری ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے حبیب کے قدوم میمنت لزوم سے مکہ کی پاکیزہ زمین کو مشرف فرمائے گا۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ اپنے بندوں کو یہ بتایا کہ تمہاری یہ کامیابی (فتح) ایسے لطف و کرم کی ہر حد پر موقوف ہے۔ تم میں یہ طاقت نہ تھی کہ تم ان خطرات کا مقابلہ کر سکو۔ چنانچہ علامہ آلوسیؒ اور دیگر مفسرین لکھتے ہیں۔ وعلیہ تعریض لان دخول المدخول من مشیئتہ تعالیٰ لا من جلادتھم وتدبیرھم (روح المعانی)

چنانچہ دوسرے سال سات ہجری ماہ ذی قعدہ میں حضور اپنے صحابہؓ کو ہمراہ لے کر عمرہ کی قضا کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لے

بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

(کتاب) ہدایت اور دینِ حق دے کر ۵۳ تاکہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر ۵۴ اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے۔

گئے۔ جب مسلمانوں کے گھر میں داخل ہونے کا وقت آیا تو کفر و باطل کے سرغنے گھر چھوڑ کر چلے گئے تاکہ وہ اس ایمان افروز منظر کو نہ دیکھیں۔ ان کے علاوہ جو نورانی منظر دیکھنے کے لیے گھر کے مرد، عورتیں، بچے راستوں میں، مکانوں کی چھتوں پر جہاں کسی کو جگہ ملی جم کر بیٹھ گئے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی ناقہ قصواء پر سوار ہیں۔ اسلام کے متوالوں کا جمگھٹا ہے۔ لبیك اللھم لبیك کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ مکہ کی وہ گلیاں جو مدتیں ہوئیں سالہا سال سے سونی پڑی تھیں، جو اللہ کا نام سننے کے لیے ترس گئی تھیں، جن فضاؤں کو کفر کی ظلمتوں نے لپیٹ رکھا تھا آج وہ پھر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نعروں سے گونج رہی ہیں۔

حج و عمرہ ادا کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مناسک سے فارغ ہونے کے بعد سر منڈائیں یا بال ترشوائیں لیکن سر منڈانے سے منڈانا افضل ہے۔ حضور نے حلق کرنے والوں کے لیے تین بار دعا فرمائی۔ اللھم اغفر للمحلقین۔ اے اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں کو بخش دے۔

۵۳ اس آیت طیبہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی شانِ کبریائی سے اپنے نبی کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام رفیع اور منصب جلیل کا ذکر فرمایا ہے کہ انہیں منصب رسالت پر فائز کرنے والا میں ہوں، میں نے ہی اس نبی کریم کو کتاب ہدایت عطا فرمائی ہے جس کے مقدر میں اس ظلمت کدہ عالم کو منور کرنا ہے۔ میں نے ہی اس کو ایسا جامع نظام حیات اور شریعت بیضا دے کر مبعوث فرمایا ہے جو افراط و تفریط کی گمراہیوں اور خرابیوں سے دور ہے جو گلشن انسانیت کے لیے پیغام بہار ہے۔ جب کہ میں نے اس منصب رفیع پر فائز کیا ہے تو کوئی طاقت اس کو اس شرف سے محروم نہیں کر سکتی۔ ساری دنیا مل کر بھی اس کی عظمت کا انکار کرے اس کی شان نہیں گھٹا سکتی۔ تم نے میرے محبوب کے اسم گرامی کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لکھنے پر اعتراض کیا۔ اس دستاویز سے تو تم نے مٹوا دیے لیکن اب مشرق و مغرب کے بلند کنگروں سے، حق کے ایوانوں اور اہل ایمان و محبت کے الواح قلب پر محمد رسول اللہ کے الفاظ ہمیشہ تابندہ و درخشندہ رہیں گے۔ وہاں سے تو تم نہیں مٹا سکتے۔

"رسولہ" میں اضافت خوب طلب ہے۔ سارے رسول اسی نے بھیجے ہیں لیکن اس رسول کو جو نسبت ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔ برق غضب بن کر باطل کو خاکستر کرنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ ابر رحمت بن کر پیاسی دنیا کو سیراب کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ فرمایا اسے ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ہدایت سے مراد قرآن، دین حق سے مراد شریعت۔ یا ہدایت سے مراد علم، دین سے مراد عمل۔ دین الحق میں اضافت موصوف الی الصفۃ ہے یعنی الدین الحق۔ ایسا دین جو حق ہے۔

۵۴ جو لوگ حضور نبی کریم کو مانتے ہیں وہ باطل سے مغلوب نہیں ہوں گے بلکہ میری آیات اپنی فطری توانائیوں سے ساری طاغوتی قوتوں کو سرنگوں کر دے گی۔ یہ فیصلہ ہو چکا ہے۔ یہ چھپ کر اور غاروں میں بیٹھ کر رہنے والوں کا دین نہیں، یہ کشاکش حیات سے بھاگ کر رہبانیت میں زندگی بسر کرنے والوں کا دین نہیں، کسی مصلحت کے پیش نظر باطل سے مفاہمت و مصالحت کر لینے والوں کا دین نہیں۔ یہ دین اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے جو گرجتے ہیں تو باطل کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ اولوالعزموں اور شاہینوں کا دین ہے کہ جب وہ پر کھولتا

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(ربانی عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں ۵۱؎ اور وہ سعادت مند جو آپ کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں ۵۲؎ آپس میں بے حد رحم دل ہیں ۵۳؎

ہوتے ہیں تو فضا کی پہنائیاں سمٹ کر رہ جاتی ہیں۔ یہاں بہادروں اور جواں مردوں کا ذکر ہے جو زندگی کی کشتی کو حوادثات کے طوفانوں میں کھینا جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ اس دین کو تمام مروجہ ادیان، مذاہب اور نظام ہائے حیات پر غلبہ بخشے گا۔ اس وعدہ کو پورا کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عہد رسالت میں ہی اسلام کا پرچم جزیرہ عرب پر لہرانے لگا جو کفر و شرک کا گڑھ تھا۔ خلافت راشدہ میں ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصوں پر اس کی عظمت کے ڈنکے بجنے لگے۔ شرق و غرب میں کلمۂ توحید کی صدائیں گونجنے لگیں۔ غالب آنے کا مطلب یہ ہے کہ یا لوگ اس کو قبول کر لیں گے یا اس کی برتری کو تسلیم کر لیں گے۔ مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں بھی ترکوں نے ہنگری کے میدانوں میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

آخر میں فرمایا کہ میں اپنے رسول کی رسالت کا بھی گواہ ہوں اور اس حقیقت کا بھی گواہ ہوں کہ وہ کتاب ہدایت اور دین برحق لے کر آیا ہے اور اس بات کا بھی ضامن ہوں کہ یہ دین سب ادیان پر غالب آ کر رہے گا۔ اور میری گواہی کے بعد ان سچائیوں کو ثابت کرنے کے لیے کسی دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں۔

۵۱؎ اس کی ترکیب میں دو مشہور قول ہیں۔ (۱) مُحَمَّدٌ مبتدا اور رَسُوْلُ اللّٰهِ اس کی خبر۔ (۲) ھُوَ مبتدا محذوف مُحَمَّدٌ موصوف۔ رسول اللہ صفت۔ یا عطف بیان۔ دونوں مل کر خبر۔

یہ جملہ مستانفہ ہے۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی ہے اور رسول اللہ کے الفاظ جملہ اوصاف جمیلہ اور فضائل حمیدہ پر مشتمل ہیں۔ وھو مشتمل علی کل وصف جمیل (ابن کثیر)

۵۲؎ یہاں سے اختتام سورت تک اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کی توصیف فرما رہا ہے۔ فرمایا کہ میرے رسول مکرم پر ایمان لانے والے اور اس کی صحبت سے فیض یاب ہونے والے کفار کے مقابلے میں بڑے بہادر، بڑے طاقتور ہیں۔ تیر کھا سکتے ہیں لیکن باطل کے سامنے سر جھکا نہیں سکتے۔ یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ دشمنانِ اسلام ان کو خرید لیں۔ یہ بزدل اور ڈرپوک نہیں کہ جبر و ستم سے ان کو اس راہ محبت سے برگشتہ کیا جائے۔ اشداء شدید کی جمع ہے اور لفظ شدت کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور نے لسان العرب اور علامہ زبیدی نے تاج العروس میں لکھا ہے۔

الشدۃ: النجدۃ وثبات القلب۔ والشدید: الشجاع۔ والقوی من الرجال والجمع اشداء (تاج العروس) یعنی شدت قوت اور دل کی پختگی کا نام ہے اور الشدید شجاع اور طاقتور مرد کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع اشداء ہے۔ اشداء کا جب تک یہ مفہوم ذہن نشین نہ ہو جائے کوئی تسلی نہیں ہوتی تو الٹا انسان اس بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اسلام کے یہ مخلص لوگ بڑے بے رحم اور سخت دل تھے اور کفار پر ظلم و ستم کرنے سے باز نہیں آتے تھے، حالانکہ آیت کا یہ مفہوم نہیں۔

کفار کے مقابلہ میں تو یہ فولاد کی چٹانیں ہیں جنہیں کوئی طوفان اپنی جگہ سے سر مو سرکا نہیں سکتا لیکن اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ

ان کا معاملہ بالکل دوسرا ہے۔ بڑے نرم، بڑے شفیق اور بڑے مہربان ہیں۔ ان کی باہمی رافت و رحمت کی کیفیت کو جس طرح اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ بیان کرنا ممکن نہیں۔

قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ۔

ترجمہ: یعنی مسلمانوں کی مثال باہمی محبت اور ایک دوسرے پر شفقت کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم، اگر اس کا کوئی عضو بیمار ہوتا ہے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اڑ جاتی ہے۔ دوسرا ارشاد گرامی ہے:

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا وَشَبَّكَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بَيْنَ اَصَابِعِهٖ

ترجمہ: مومن کا تعلق مومن کے ساتھ ایسا ہے جیسے دیوار کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو سہارا دیئے ہوئے ہوتا ہے۔ حضور نے یہ فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں ملایا۔ (بخاری)

ایک عرب شاعر نے بھی اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

حلیم اذا ما الحلم زین اهله ۔۔۔ علی انه عند العدو مهیب

کہ میرا ممدوح اس وقت تک سراپا حلم بنا رہتا ہے جب تک کہ حلم باعث زینت ہو لیکن دشمن کے مقابلہ میں وہ بڑا خوفناک ہے۔

ترجمان حقیقت کا ارشاد بھی سنیے۔

اگر رزمی تو شیر غاب بے باک ۔۔۔ اگر بزمی حریر و پرنیانی

اہل ایمان کی باہمی محبت اور وابستگی کا یہ عالم ہے کہ جب کبھی سامنے ہوتے ہیں تو اجنبیوں کی طرح پہلو بچا کر نکل نہیں جاتے بلکہ مصافحہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ وَتَصَافَحَا وَحَمِدَا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَاهُ غَفَرَ لَهُمَا۔ یعنی جب دو مسلمان ملیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کریں، اپنے رب کی تعریف کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو بخش دیتا ہے۔

اس موقع پر علامہ آلوسی کی اس عبارت کا مطالعہ بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ بلکہ کئی شبہات دور ہو جائیں گے۔

ولنا ما اعتاده الناس من بعد صلاتی الصبح والعصر فلا اصل له ولكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم محافظين عليها فى بعض الاحوال ومفرطين فى كثير منها لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التى ورد الشرع باصلها وجعل ذلك العز بن عبد السلام فى قواعده من البدع المباحة۔ (روح المعانی)

ترجمہ: یعنی ہمارے ہاں لوگوں کی عادت ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرتے ہیں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے۔ بعض حالات میں اس کی پابندی بلکہ اس میں غلو اس کو مسنون مصافحہ سے خارج نہیں کر دیتا۔ چنانچہ شیخ الاسلام عز بن عبد السلام نے اپنی کتاب "القواعد" میں اسے بدعت مباحہ شمار کیا ہے۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ

تو دیکھے گا انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے ۞ طلب کرتے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کو ۞ ان کی پہچان یہ ہے

فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ

کہ علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے ۞ یہ ان کے اوصاف تورات میں مذکور ہیں۔ نیز ان کی صفات

اس سے واضح ہو گیا کہ امت میں جو ایسے اعمال جن کی اصل تو سنت سے ثابت ہے ان کو کسی خاص وقت یا مقام یا انداز سے ادا کیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ بلکہ یہ بدعت حسنہ ہے کہ امت میں فساد و انتشار پیدا کرنا تو یہ بالکل شر ہی ہے۔ اذان کے بعد درود شریف، نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ اسی قسم کے مسائل ہیں۔

۞ اپنے رب کریم کی عبادت میں ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم ہے کہ جب بھی تم انہیں دیکھو گے انہیں اپنے رب کی عبادت میں مصروف پاؤ گے۔ کبھی وہ حالت رکوع میں جھکے سبحان ربی العظیم کا ورد کر رہے ہوں گے، کبھی اس کی بارگاہ قدس میں اپنی جبین نیاز رکھے سبحان ربی الاعلیٰ کہہ کر اپنی بندگی، اپنی نیازمندی اور اپنی عاجزی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اپنے مولا کریم کی بزرگی اور کبریائی کی گواہی دے رہے ہوں گے۔

رُكَّعًا، رَاكِعٌ کی جمع ہے۔ سُجَّدًا، سَاجِدٌ کی جمع ہے۔

۞ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ان کا شیر کی طرح گرجنا اور اپنے دینی بھائیوں کے لیے ان کی شفقت اور رحمت، شب و روز رکوع و سجود میں مصروف رہنا، ان تمام اعمال سے ان کی غرض کیا ہے، وہ چاہتے کیا ہیں؟ بتایا کہ دنیا اور دنیا کی دلبستگیوں کو تو انہوں نے اپنے دامن سے گرد و غبار کی طرح جھاڑ دیا ہے۔ وہ صرف اپنے خداوند کریم کے فضل کے طلب گار ہیں اور اس کی رضا و خوشنودی کے متمنی۔ اس کے سوا انہیں کسی چیز سے سروکار ہے اور نہ کوئی خواہش دامن گیر۔ خود سوچیے جس جماعت کے مقاصد جس کی تمنائیں اور آرزوئیں صرف اس ایک نقطہ پر مرکوز ہو جائیں، اس جماعت سے پاکیزہ تر، مبارک تر کوئی جماعت ہو سکتی ہے اور کیا ایسے افراد کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟

۞ سِیْمَا کا معنی علامت ہے۔ یعنی تمہیں ان کی اس جماعت کو پہچاننا مشکل نہیں۔ ان کے چہروں پر انوار ایمان کے جلوے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھنے والا دیکھتے ہی انہیں پہچان لیتا ہے کہ یہ آغوش نبوت کے پروردہ ہیں، یہ نگاہ رسالت کے فیض یافتہ ہیں۔ ان کے حسین اعمال کا نکھار اور ان کے قلب کی پاکیزگی اور روح کی طہارت وہاں کی بے ساختہ اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔

سِیْمَا سے مراد وہ گٹا نہیں جو عام طور پر پیشانی پر نمودار ہو جاتا ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو عبارت یوں ہوتی سِیْمَاهُمْ فِيْ جِبَاهِهِمْ۔ ان کی پیشانیوں پر نشانیاں۔ بلکہ اس سے مراد وہ نورانیت ہے جو ان کے چہروں پر نمایاں ہوتی ہے۔

علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ مجاہد سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس سِیْمَا سے مراد وہ نشان ہے جو پیشانی پر ظاہر ہو جاتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ بسا اوقات اونٹ کے گھٹنے کے برابر یہ نشان کسی شخص کے ماتھے پر ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہوتا ہے

فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی

انجیل میں بھی درج ہیں یہ شان ہے صحابہ کی ایک کھیتی کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر مضبوط کیا اس کو پھر وہ سخت ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا

عبدالعزیز کی سے منقول ہے کہ اس سے مراد عاجزی اور انکساری بھی نہیں بلکہ اس سے مراد نور ہے جو عبادت گزاروں اور شب زندہ داروں کے باطن سے ان کے چہروں پر چمکتا ہے خواہ وہ سیاہ رنگ اور حبشی کیوں نہ ہوں۔ لکنہ نور یظہر علی وجوہ العابدین یبدو من باطنھم علی ظاھرھم . . . . ولو کان زنجیا او حبشیا۔ (روح المعانی)

علامہ ابن کثیر نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے :

قال بعض السلف من کثرت صلوتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار کہ بعض بزرگوں نے فرمایا جو رات کے وقت بکثرت نماز پڑھتا ہے دن کے وقت اس کا چہرہ بڑا دلکش ہو جاتا ہے۔ حضرت جابرؓ سے یہی الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہیں لیکن ابن کثیر کہتے ہیں۔ والصحیح انہ موقوف وقال بعضھم ان الحسنۃ نور فی القلب وضیاء فی الوجہ وسعۃ فی الرزق ومحبۃ فی قلوب الناس۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ نیکی کرنے سے دل میں ایک نور، چہرے میں چمک، رزق میں فراخی اور لوگوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے ما اسر احد سریرۃ الا ابداھا اللہ تعالیٰ علی صفحات وجھہ وفلتات لسانہ یعنی جو شخص کوئی کام چھپ کر بڑی رازداری سے کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس کے چہرے اور اس کے کلام میں نمایاں کر دیتا ہے۔

حضرت امام مالک سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ جب نصاریٰ نے ان صحابہ کرام کو دیکھا جنہوں نے شام کا ملک فتح کیا تو وہ کہہ اٹھے۔ وَاللّٰهِ لَهٰٓؤُلَاءِ خَیْرٌ مِّنَ الْحَوَارِیِّیْنَ۔ خدا کی قسم یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔

مثل امام لغت جوہری مَثَلٌ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مثل الشیئ ایضا صفتہ (صحاح) یعنی مثل کے دوسرے معانی کے علاوہ ایک معنی یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی صفت و حالت کو مثل کہتے ہیں۔ قال ابن سیدہ ومنہ قولہ تعالیٰ مثل الجنۃ التی وعد المتقون . . . . وقال ابو اسحاق معناہ صفۃ الجنۃ۔ (تاج العروس و لسان) ابن سیدہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں بھی مثل کا معنی صفت ہے۔ ابو اسحاق سے بھی یہی معنی منقول ہے

اب آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ میرے رسول کے صحابہ کے یہ اوصاف اور صفات ہیں جو تورات اور انجیل میں مذکور ہیں۔ بعض نے ذٰلِکَ پر وقف کیا ہے ان کے نزدیک مثلھم فی الانجیل کا تعلق اگلے جملہ کزرع سے ہے۔ یعنی یہ تو وہ اوصاف ہیں جو تورات میں مذکور ہیں۔ انجیل میں ان کی جو صفت بیان کی گئی ہے اس کا ذکر کزرع اخرج سے ہو رہا ہے۔

اس آیت کے اس حصہ میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت ضروری ہے۔

زرع : جو فصل زمین سے اگتی ہے اسے زرع کہتے ہیں۔ الزرع نبات کل شیئ یحرث (لسان) یہاں مراد ایک بیل یا

عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

اپنے تنے پر اس کا یہ حال خوش کرتا ہے بونے والوں کو تاکہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان

اگنا ہی ہے جو پہلے نمودار ہوتی ہے۔ قال مقاتل هو نبت واحد۔ (قرطبی)

شطاه: فراخه واولاده (قرطبی)، والشطأ: فروخ الزرع (روح المعانی) جو کونپلیں پہلے کی جڑوں سے پھوٹتی ہیں۔

آزره: اعانه وقوّاه قال الحسن (روح المعانی) کسی چیز کی اعانت کرنا، اسے مضبوط و مستحکم بنانا۔ آزر کا فاعل شطأ اور ضمیر کا مرجع زرع ہے۔ یعنی وہ پہلی بالی تنہا اور کمزور تھی۔ اس کے پہلو میں اس کی جڑ سے جو اور بالیاں نکل آئی ہیں انہوں نے اسے مضبوط و مستحکم کر دیا ہے۔ استغلظ: موٹا ہو گیا یعنی وہ بالی جو پہلے نحیف اور کمزور تھی، کوئی بوجھ سہارنے کے قابل نہ تھی، ہوا کا معمولی جھونکا اسے ٹیڑھا کر دیتا تھا۔ اب اس کی کمزوری باقی نہیں رہی۔ وہ دبیز اور موٹی ہو گئی ہے۔ فاستوی: سیدھا کھڑا ہو جانا۔ سوق: جمع ساق، پنڈلی یعنی تنا۔

یعجب: خوش کرنا۔

اس لغوی تشریح کے بعد آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ یعنی ابتداء میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تنہا تھے۔ بعد میں صحابہ نے حضور کی دعوت کو قبول کیا اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اسلام ایک تناور اور مضبوط درخت بن گیا۔ مخالفت کی تند آندھیاں بھی اسے گزند نہیں پہنچا سکتیں۔

۷۱ اسلام کی کھیتی کو یوں ہرا بھرا دیکھ کر اور کشت ایمانی کو سرسبز و شاداب دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا رسول خوش ہے کہ اس کی مساعی بار آور ہوئیں، اس کی کوششیں کامیاب ہوئیں، بت پرست توحید کا علم بلند کرتے جا رہے ہیں، گھر گھر میں لا الٰہ الا اللہ کی صدائیں گونج رہی ہیں، استبداد اور تشدد کی جن زنجیروں میں انسان جکڑا ہوا تھا وہ ایک ایک کر کے ٹوٹ رہی ہیں۔ انسان نے اپنی جہالت اور کم فہمی کے باعث جتنے اور جس قسم کے بت گھڑے ہوئے تھے وہ ایک ایک کر کے پیوند زمین ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول یہ سہانا منظر دیکھ کر اور قدسی فرشتے اس بابرکت انقلاب کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہیں لیکن کفار کے گھروں میں صف ماتم بچھ گئی ہے۔ جو لوگ بڑے تکبر سے انسانیت کی تذلیل کیا کرتے تھے اور خوشی سے بغلیں بجایا کرتے تھے، اسلام کی کامیابی پر غصے کی شدت میں جل رہے ہیں، ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں، ان کے رنج و غضب کا عالم قابل دید ہے۔

۷۲ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے خلوص، محبت، جذبہ جانثاری، جادہ حق پر ان کی استقامت اور عزیمت کو دیکھ کر اس کا رسول تو مسرور ہے اور کفار اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر جل بھن جاتے ہیں۔ آج بھی صحابہ کرام سے محبت و عقیدت ایمان کی علامت ہے اور ان سے کینہ و عداوت، ان کی بدگوئی اور غیبت، ان کے حیرت انگیز کارناموں کا انکار وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں کھوٹ ہوتا ہے، جن کو اسلام کی ترقی سے ذہنی اذیت پہنچتی ہے، جو حضور کی شان رحمۃ للعالمینی کے فیض عام کی وسعتوں اور گہرائیوں کو سمجھنے کی تاب نہیں رکھتے۔ یہ لوگ ان پاکیزہ ہستیوں پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے ہیں جن کی تعریف سے قرآن کریم بھرا ہوا ہے، جن کے خلوص و ایمان کی صحت کا شاہد خود اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے۔

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٢٩﴾ ع

لائے اور نیک اعمال کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔ حکمتہ

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو علم تھا کہ ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا جن کے دلوں میں صحابہ کرام کا بغض و عناد ہوگا۔ اس لیے حضور نے پہلے ہی اپنی امت کو اس گروہ کی فتنہ انگیزیوں سے آگاہ کر دیا۔ چند احادیث آپ بھی سماعت فرمائیے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِيْ فَلَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيْفَهٗ (متفق علیہ)

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہا کرو۔ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے ایک پیمانہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا بلکہ نصف پیمانہ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ۔ اَللّٰهَ اللّٰهَ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا مِّنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّيْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِيْ اَبْغَضَهُمْ۔ وَمَنْ اٰذَاهُمْ فَقَدْ اٰذَانِيْ وَمَنْ اٰذَانِيْ فَقَدْ اٰذَى اللّٰهَ وَمَنْ اٰذَى اللّٰهَ فَيُوْشِكُ اَنْ يَّاْخُذَهٗ (ترمذی)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا ہدف نہ بنا لینا۔ جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور جو شخص ان سے بغض رکھتا ہے میرے بارے میں اس کے دل میں جو بغض ہے اس کی وجہ سے ان سے بغض رکھتا ہے۔ جس نے میرے صحابہ کو اذیت پہنچائی اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔ جس نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔

شیخ الطائفہ طوسی (شیعہ) اپنی تفسیر التبیان میں لکھتے ہیں۔ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ معناہ ليغيظ بالنبي واصحابه الكفار والمشركين۔ کفار اور مشرکین نبی اور اس کے صحابہ کو دیکھ کر غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہیں۔

جو لوگ کسی غلط فہمی کے باعث صحابہ کرام کے بارے میں سوء ظن میں مبتلا ہیں انہیں چاہیے کہ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کے جملہ میں غور کریں اور ان ارشادات رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غور سے پڑھیں۔

حکمتہ اس سورۂ طیبہ کی بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی تعریف و توصیف کی ہے۔ آخر میں وعد اللہ کے کلمات طیبات سے انہیں مغفرت اور اجر عظیم کا مژدہ جانفزا سنایا ہے۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ گروہ جو ان خصوصی التفاتات سے بہرہ ور ہوا لیکن بایں ہمہ اقبال مندی صاحب یہی وہ کمال ہے وہ جن کی سعی اور تگ و دو باطنی سے منکر کے ان دلائل کو مسترد کیا جاتا ہے۔ انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے دلوں میں اسلام سے عداوت کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں کہ وہ حق کو چھپانے اور حق کو قبول کرنے سے گریزاں ہیں۔ چنانچہ اس آیت سے بھی انہوں نے صحابہ کی تنقیص کا پہلو نکال لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس آیت میں "منھم" کا لفظ ہے

لو یہ من تبعیض ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ بیان مغفرت میں حاضر سب صحابہ کے ساتھ مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ نہیں بلکہ بعض کے ساتھ ہے۔ ایک حق پسند کے نزدیک یہ قول از قسم خرافات ہے۔ وہ اس سورت کی بہت سی آیات پر خط تنسیخ کھینچنا پڑے گا جن میں اللہ تعالیٰ نے ان سب کے دلوں کے خلوص کی گواہی دی ہے۔ ان سب پر اپنی جناب سے سکینہ و طمانیت کے نزول کی خبر دی ہے۔ ان سب کو اپنی رضا سے خورسند کیا ہے۔ آپ سورت کی آیات ۴۔ ۵۔ ۱۸۔ ۲۶ اور ۲۸ کا دوبارہ مطالعہ کریں۔ ان کی بے ثمرہ حالت آپ پر آشکارا ہو جائے گی۔

اگر من فقط تبعیض کے لیے ہوتا تو ان کا یہ اصرار بجا تھا۔ لیکن یہ لفظ چودہ مختلف معانی پر دلالت کرتا ہے۔ محل اور موقع کی مناسبت سے اس کا معنی متعین کیا جائے گا۔ صاحب تاج العروس لکھتے ہیں: ومن بالکسر حرف خفض یاتی علی اربعة عشر وجها الاول لابتداء الغاية ۔ ۔ ۔ والثانی للتبعیض والثالث لبیان الجنس الخ کہ من حرف جار ہے اس کے استعمال کی چودہ صورتیں ہیں ابتدا، تبعیض اور بیان وغیرہ۔

اس آیت میں منهم کا من تبعیض کے لیے ہے۔ جس طرح ننزل من القرآن ما هو شفاء میں من تبعیض کے لیے نہیں بیان کے لیے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بعض قرآن تو شفا ہے اور بعض شفا نہیں۔ اسی طرح فاجتنبوا الرجس من الاوثان میں من بیان کے لیے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بعض بتوں کی پرستش سے بچا جائے اور بعض کی پوجا کی جائے۔

خود شیعہ مفسرین نے بھی من کو بیانیہ کہا ہے۔ شیخ الطائفہ طوسی اپنی تفسیر التبیان میں لکھتے ہیں۔ منهم قیل انه بیان یخصهم بالوعد دون غیرهم۔ (جلد ۹ صفحہ [illegible]) مطبوعہ نجف اشرف یعنی من بیان کے لیے ہے۔ یہ وعدہ مغفرت اور اجر عظیم صرف صحابہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ نہیں۔ ملا فتح اللہ کاشانی اپنی تفسیر منہج الصادقین جلد ۹ صفحہ ۲۱۹ پر لکھتے ہیں: ومن از برائے بیان است از قبیل فاجتنبوا الرجس من الاوثان یعنی جس طرح "من الاوثان" میں من بیانیہ ہے اسی طرح یہاں بھی بیانیہ ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں عمرو بن حبیب کہتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کے ہاں تشریف فرما تھے ایک مسئلہ پر بحث شروع ہو گئی۔ ایک شخص نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے حضرت ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث پیش کی۔ دوسرے فریق نے اس حدیث کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا ہم ابوہریرہ کی روایات کو نہیں مانتے کیونکہ وہ متہم ہے۔ عمرو بن حبیب کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہارون بھی انہی کی طرف مائل ہے اور ان کی تائید کرنے لگا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور حضرت ابوہریرہ روایت احادیث میں ثقہ اور سچے ہیں۔ ہارون نے خشمناک نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں وہاں سے اٹھ کر گھر چلا آیا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ مجھے بتایا گیا کہ خلیفہ کا خاص ایلچی دروازے پر کھڑا ہے۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا اجب امیر المومنین اجابة مقتول وتحنط وتکفن۔ فوراً امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو۔ تجھے قتل کیا جائے گا اس لیے کفن پہن لو اور خوشبو لگا لو۔ میں نے بے ساختہ بارگاہ الٰہی میں عرض کی اے رب! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے نبی کے صحابی کا دفاع کیا ہے۔ اس طرح تیرے نبی کریم کی شان کو بلند کیا ہے۔ الٰہی! مجھے ہارون کے شر سے بچانا۔ یہ دعا مانگی اور ہارون کی طرف روانہ ہوا۔ وہ زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آستینیں چڑھا لی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور اس کے سامنے نطع (چمڑے کا ٹکڑا) بچھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بولا اے عمرو! میری بات کو آج تک کسی نے گستاخی سے کسی نے

رد نہیں کیا جس طرح تم نے کیا۔ عمیر نے کہا امیر المومنین! میں نے صرف اس بات کی تردید کی ہے جس سے شانِ رسالت پر حرف آتا
اور حضور کی لائی ہوئی شریعت کی توہین ہوتی تھی۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضور کے صحابہ جھوٹ بولا کرتے تھے تو شریعت باطل ہو جائے
گی۔ نماز، روزہ، طلاق، نکاح اور حدود کے بارے میں جتنے احکام ہیں سب مردود اور غیر مقبول ہو جائیں گے۔ عمیر کی یہ بات سن کر یوں معلوم
ہوا کہ ہارون کو ہوش آگیا۔ اس کا غصہ کافور ہو گیا اور کہنے لگا۔ احییتنی یا عمیر بن حبیب احیاک اللہ۔ اے عمیر بن حبیب
تُو نے مجھے ازسرِ نو زندہ کر دیا۔ اللہ تجھے سلامت رکھے۔ پھر دس ہزار دینار بطور انعام اسے دینے کا حکم دیا۔ (قرطبی)

آخر میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی پیش کر کے اس سورۂ پاک کا اختتام کرتا ہوں۔

روی عویم بن ساعدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله عزوجل اختارني واختار لي
اصحابي فجعل لي منهم وزراء واختانا واصهارا فمن سبّهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين ولا يقبل
الله منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا۔ (قرطبی)

عویم بن ساعدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب مخلوقات سے اللہ تعالیٰ نے مجھے چنا اور پھر
میرے لیے اصحاب کا انتخاب فرمایا۔ ان میں سے میرے لیے وزیر، داماد اور سسر بنائے۔ پس جس نے ان کو برا بھلا کہا پس اس پر اللہ تعالیٰ
کی، فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان سے کوئی معاوضہ اور کوئی بدلہ قبول نہ کرے گا۔

◎

اللّٰهم لك الحمد على جلالك وكبريائك ولك الشكر على ما اسبغت علي من توفيقاتك
ونعمائك اسألك فضلك ورضوانك واسألك بصفاتك الجميلة والجليلة واسمائك الحسنى
ان تصلي وتسلم وتبارك على سيد الانبياء وكهف الورى حبيبك ونبيك وصفيك سيدي
ومولائي وقرة عيني ونور قلبي ووسيلتي الى حضرتك محمد وعلى آله واصحابه ومن
تبعه واحبه الى يوم الدين فاطر السموات والارض انت وليّ في الدنيا والآخرة توفني مسلما
والحقني بالصالحين۔ رب اجعلني مقيم الصلوة ومن ذريتي ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفر لي
ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب۔

تعارف

سُورۃ الحُجرات

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام الحجرات ہے، یہ کلمہ آیت ۴ میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیتیں، تین سو سینتالیس کلمات اور ایک ہزار چار سو چھتر حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : حضرت حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور دیگر علما کے نزدیک یہ ساری سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس ؓ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ باقی آیات مدنی ہیں، صرف آیت ۱۳ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

آیت ۴ اس وقت نازل ہوئی جب بنی تمیم کا وفد شرف باریابی حاصل کرنے کے لیے مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ وفد نے حضور کی آمد کا انتظار نہ کیا۔ حجرے کے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دینے لگے کہ باہر آئیے، باہر آئیے۔ ان کو تنبیہ کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ کتب سیرت کے مطابق یہ وفد ۹ھ میں آیا تھا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی زندگی کے آخری دور میں نازل ہوئی۔ نیز آیت ۶ میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس کا تعلق ولید بن عُقبہ بن ابی مُعیط سے ہے اور وہ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا تھا۔

مضامین : اس سورۂ مبارکہ کی آیتوں کی تعداد اگرچہ صرف اٹھارہ ہے لیکن اس میں نہایت اہم موضوعات بیان کیے گئے ہیں جن پر اعتقاد، اخلاق، سیرت اور کردار کا محل تعمیر کیا جا سکتا ہے اور جن کی برکت سے معاشرے میں اُنس، محبت اور ایثار کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔

سب سے پہلے بارگاہِ رسالت کے ادب و احترام کے بارے میں حتمی احکام صادر فرمائے۔ صاف صاف بتا دیا کہ کان کھول کر سن لو، اگر تم نے گستاخانہ لہجے میں میرے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں اپنی آوازیں اونچی کیں تو عمر بھر کے اعمالِ صالحہ نیست و نابود ہو جائیں گے۔ میرا پیارا رسول آرام فرما ہو تو باہر کھڑے ہو کر آوازیں مت دو، بلکہ خاموشی سے انتظار کرو۔ جس وقت حضور تشریف لائیں، اُس وقت اپنی معروضات پیش کرو۔ مختلف طریقوں سے بارگاہِ نبوت کے ادب و احترام کا نقش لوحِ دل پر ثبت فرمایا تاکہ بھولے سے بھی کوئی مومن یہ گستاخی نہ کر بیٹھے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو بتایا کہ اتنے سادہ لوح بھی نہ بن جاؤ کہ جس کسی نے کوئی بات کہہ دی، فوراً اسے پلے باندھ لیا اور اس پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کر دیا۔ جب بھی کوئی غیر معتبر آدمی کوئی بات آکر بتائے تو پہلے خوب چھان بین کر لیا کرو، پھر کوئی قدم اٹھایا

کرو، ورنہ شدید ندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حضور کے صحابہ کے بارے میں صراحتہً اعلان کر دیا کہ ہم نے ایمان کو ان کا محبوب بنا دیا ہے اور ان کی آنکھوں میں اسے یوں آراستہ کر دیا ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کسی غیر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اس کے ساتھ ساتھ کفر و فسوق کی نفرت اور بغض ان کے دل میں یوں پیدا کر دیا ہے کہ وہ اس کی طرف مائل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جن نفوسِ قدسیہ کی حالت کلامِ الٰہی میں ان نورانی الفاظ سے بیان کی گئی ہو ان کے ایمان کے بارے میں شک کرنا اور ان کے دامنِ جلال پر کیچڑ اچھالنا بدبختی اور محرومی کی انتہا ہے۔

انسانی معاشرے میں تعلقات کا کشیدہ ہو جانا قطعاً بعید از امکان نہیں۔ اگر ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے اور اہلِ ایمان کے دو گروہ آپس میں دست و گریبان ہو جائیں تو دوسرے مسلمانوں کو خاموش تماشائی بننے کی اجازت نہیں، بلکہ انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے درمیان صلح کرا دیں اور اپنا پورا اثر و رسوخ بھی استعمال کریں۔ پھر بھی اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہ ہو تو اس کی امداد کریں جو حق پر ہے۔

آیت نمبر ۱۰ میں تصریح کر دی کہ مومن خواہ کسی گوشہ میں آباد ہو، کوئی بولی بولتا ہو، کسی بھی نسل سے متعلق ہو، جب وہ اس دین کو قبول کر لیتا ہے تو وہ اخوتِ اسلامی کے رشتے میں پرو دیا جاتا ہے۔ بیگانگی اور منافرت کے سارے حجابات یکسر اٹھ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسلامی معاشرے کو صحت مند بنیادوں پر استوار کر کے ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتا ہے اس لیے ان تمام باتوں سے سختی کے ساتھ روک دیا جو دلوں میں نفرت، حقارت، حسد اور عداوت کی تخم ریزی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنا، چغلی کھانا، ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرنا وغیرہا یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے دل ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اس لیے اہلِ ایمان کو حکم دیا کہ وہ ان چیزوں سے دور رہیں۔

آیت ۱۳ میں ان تمام باطل امتیازات کا قلع قمع کر دیا جو انسانی معاشرے کو رنگ، نسل، زبان، دولت وغیرہ کی بنیادوں پر متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ انہیں بتایا کہ تم سب آدم و حوا کی اولاد ہو اور تمہاری قدر و منزلت کا معیار دولت، حکومت وغیرہ نہیں بلکہ تمہارا تقویٰ ہے۔ جو زیادہ متقی ہو گا اللہ تعالیٰ کی جناب میں اسی کا مقام بلند ہو گا۔

یہ آیت اسلام کے معاشرے کی منشورِ اول ہے۔ جو باطل امتیازات آج بھی بڑی بڑی ترقی یافتہ قوموں کو آپس میں دست و گریباں کیے ہوئے ہیں، اسلام نے اس ایک حکم سے ان تمام کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا۔

آخر میں بتایا کہ اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں۔ جو لوگ اسلام کو قبول کرتے ہیں وہ اسلام پر کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے اس دینِ حق کو قبول کرنے کی انہیں توفیق عطا فرمائی۔

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحجرات مدنی ہے اور اس کی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا

اے ایمان والو! ۱ آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے ۲ اور ڈرتے رہا کرو

۱ امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلی سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم نبی معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام عالی اور شان رفیع بیان فرمائی کہ یہ وہ رسول ہے جس کی رسالت کے ہم گواہ ہیں۔ جس کے دین کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوگا اور جس کے غلام ان صفات جلیلہ سے موصوف ہیں جن کا ذکر غیر سابقہ آسمانی کتب میں بھی موجود ہے۔ اس سورت میں اس رسول ذیشان کی عزت وتکریم کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ادب واحترام کے انداز سکھائے جا رہے ہیں۔ چونکہ ادب ہی سے دلوں میں تعظیم ہوگی تو اس کے ہر حکم کی تعمیل کا جذبہ پیدا ہوگا۔ جب تعمیل حکم کی خوگر ہوگی تو محبت کی نعمت مرحمت فرمائی جائے گی اور جب محبوب خداوند ذوالجلال کے عشق کی شمع فروزاں ہوگی تو حریم کبریائی تک جانے والا راستہ منور ہو جائے گا۔

۲ ادب واحترام کے درس کا آغاز لَا تُقَدِّمُوْا سے فرمایا جا رہا ہے۔ علامہ ابن جریر لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے مرشد یا امام کے ارشاد کے بغیر خود ہی امر ونہی کے الفاظ میں جلدی کرے تو عرب کہتے ہیں کہ فلاں تقدم بین یدی امامہ۔ یعنی فلاں شخص اپنے امام کے آگے آگے چلتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس جملہ کی تفسیر ان الفاظ میں نقل کی ہے۔ عن ابن عباس لا تقولوا خلاف الکتاب والسنۃ۔ کہ کتاب وسنت کی خلاف ورزی مت کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کریم پر ایمان لانے کے بعد کسی کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے رب کریم اور اس کے رسول مکرم کے ارشاد کے علی الرغم کوئی بات کہے یا کوئی کام کرے۔ جب انسان اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا ہے تو وہ اس امر کا بھی اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ آج کے بعد اس کی خواہش، اس کی مرضی، اس کی مصلحت خدا اور اس کے رسول کے حکم پر بلا تأمل قربان کر دی جائے گی۔

یہ ارشاد فقط اہل ایمان کی شخصی اور انفرادی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں، سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کو بھی محیط ہے۔ نہ کسی فرد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے جو کتاب وسنت سے متصادم ہو اور نہ کسی عدالت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ احکام شرعیہ کے برعکس کوئی فیصلہ کرے۔

اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ① يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ

اللہ تعالیٰ سے بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

نبی کریم کی آواز سے ۲ اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح تم زور سے ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو

لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ کے مختصر کلمات میں معانی و مطالب کا بحر بیکراں موجزن ہے۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ لا تقدموا متعدی ہے لیکن اس کا مفعول مذکور نہیں۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کو ذکر کر دیا جاتا تو صرف اس کے بارے میں حکم کی خلاف ورزی ممنوع ہوتی۔ مفعول کو ذکر نہ کرکے بتایا کہ کوئی عمل، خواہ کوئی قول ہو، زندگی کے کسی شعبہ سے اس کا تعلق ہو، اس میں اقدام اس کے رسول کے ارشاد سے پیشتر مطلقاً ممنوع ہے۔ نیز اگر مفعول ذکر کیا جاتا تو سامع کی توجہ ادھر ہی مبذول ہو جاتی۔ اس کو ذکر نہ کرکے بتا دیا کہ تمہاری تمام تر توجہ لا تقدموا کے فرمان پر مرکوز ہونی چاہیے۔

زمخشری کہتے ہیں: احدهما ان یحذف لیتناول کل ما یقع فی النفس مما یقدم والثانی ان لا یقصد قصد مفعول ولا حذفه ويتوجه بالنهي الى نفس التقدمة۔ (کشاف)

۲ اس آیت طیبہ میں بھی بارگاہ رسالت کے آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سابقہ آیت میں بتایا کہ قول و عمل میں سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سبقت نہ کرو۔ اب گفتگو کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں وہاں شرف باریابی نصیب ہو اور ہمکلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو یہ خیال رہے کہ تمہاری آواز میرے محبوب کی آواز سے بلند نہ ہونے پائے۔ جب حاضر ہو تو ادب و احترام کی تصویر بن کر حاضری دو۔ اگر اس سلسلہ میں تم نے ذرا سی غفلت برتی اور بے پروائی سے کام لیا تو سارے اعمال حسنہ ہجرت، جہاد، جملہ ذخیرہ تمام کے تمام اکارت ہو جائیں گے۔ پہلی آیت میں بھی یایھا الذین امنوا سے خطاب ہو چکا تھا۔ یہاں خطاب کی چنداں ضرورت نہ تھی لیکن معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر دوبارہ اہل ایمان کو یایھا الذین امنوا سے خطاب کیا۔ انہیں جھنجھوڑا اور بتایا کہ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس پر زندگی بھر کی طاعتوں، نیکیوں اور حسنات کے مقبول و نامقبول ہونے کا انحصار ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت فاروق اعظم نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنا لیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا، میں تادم واپسیں حضور سے آہستہ آہستہ بات کیا کروں گا۔ جب کوئی وفد حضور سے ملاقات کے لیے مدینہ طیبہ پہنچتا تو حضرت صدیق اکبر ان کی طرف ایک ایسا آدمی بھیجتے جو انہیں حاضری کے آداب بتاتا اور اسے طریق ادب و احترام ملحوظ رکھنے کی تلقین کرتا۔ وارسل الیهم ابوبکر من یعلمهم کیف یسلمون ویامرهم

بالسکینة والوقار عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (روح المعانی)

صحابہ کرام جو پہلے ہی سراپا ادب واحترام تھے، اس آیت کے نزول کے بعد مزید محتاط ہوگئے حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قدرتی طور پر بلند آواز تھے، اس آیت کے نزول سے ان پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی۔ گھر میں بیٹھ رہے۔ دروازہ کو قفل لگا دیا اور دن رات زار و قطار رونا شروع کر دیا حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جب ایک دو روز ثابت کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ عرض کیا گیا کہ انہیں تو دن رات رونے سے کام ہے۔ دروازہ بند کر رکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلا بھیجا اور رونے کی وجہ پوچھی۔ غلام اطاعت شعار نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری آواز اونچی ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ میری عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی۔ اس دلنواز آقا نے تسلی دیتے ہوئے یہ مژدہ جانفزا سنایا۔ اما ترضی ان تعیش حمیدا وتقتل شھیدا وتدخل الجنۃ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ عرض کیا رضیت اپنے رب کریم کی اس نوازش بے پایاں پر یہ بندہ راضی ہے۔ (روح المعانی)

علامہ ابن قیم اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ جب مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر گھمسان کا رن پڑا تو مسلمانوں کے قدم ڈگمگانے لگے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے آپس میں کہا کہ عہد رسالت میں ـــــــ

تو ہم کفار سے اس طرح نہیں لڑا کرتے تھے۔ دونوں نے اپنے اپنے لیے گڑھا کھودا اور اس میں جم کر دشمن تیغ بے دریغ کی بوچھاڑ شروع کر دی حتیٰ کہ دونوں نے جام شہادت نوش کیا۔ اس روز حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک نفیس اور قیمتی زرہ پہن رکھی تھی۔ ایک شخص آپ کی نعش کے پاس سے گزرا تو اس نے وہ زرہ اتار لی اور جا کر چھپا دی۔ اسی شب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو خواب میں فرمایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں۔ خبردار! یہ خیال نہ کرنا کہ یہ محض خواب ہے اور اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ سنو! میں کل جب قتل ہوا تو ایک آدمی میرے پاس سے گزرا اور میری زرہ اتار لی۔ اس کی رہائش کھہار کے آخری کنارہ پر ہے۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے خیمے کے نزدیک ایک گھوڑا چر رہا ہے جس کے پاؤں میں ایک لمبی رسی بندھی ہے۔ اس شخص نے میری زرہ پر ایک دیگچہ الٹا رکھ دیا ہے۔ اس کے اوپر اونٹ کا کجاوہ ہے۔ تم صبح حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور انہیں کہو کہ میری زرہ اس شخص سے لے لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تم مدینہ طیبہ پہنچو تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ ثابت پر اتنا قرضہ ہے۔ وہ ادا کر دیں اور میرے فلاں فلاں غلام کو آزاد کر دیں۔

جب وہ شخص بیدار ہوا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ وہاں سے تلاش کر لی اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وصیت کو عملی جامہ پہنایا۔ (کتاب الروح)

جو خوش نصیبوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب ہو سکتا ہے ان کی رفعت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ

(اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں

اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو

٭۴ یہاں لام مقدر ہے اور یہ لام عاقبت کے لیے ہے۔ یعنی اگر تم سے آواز اونچا کرنے کی بے ادبی ہو گئی تو اس کا انجام یہ ہو گا کہ تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اولاً اور بالذات یہ خطاب صحابہ کرام کو ہو رہا ہے جن کا ایثار بے نظیر، جن کی قربانیاں بے مثال، جن کی عبادتیں خشوع و خضوع میں ڈوبی ہوئی تھیں، جو سراپا تسلیم و رضا تھے۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر تم نے میرے پیارے رسول کی جناب میں آواز بھی اونچی کی تو یہ ایسی گستاخی متصور ہو گی کہ تمہاری سب نیکیاں ملیامیٹ ہو جائیں گی۔ آج جو لوگ حضور کی شان میں بیباکانہ باتیں کرتے ہیں، حضور کے علم غیب پر معترض ہوتے ہیں اور ادب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھتے، اپنے علم پر، اپنی نیکیوں پر اور اپنے ایمان سنبھالے اپنے عملوں پر مغرور ہیں وہ اپنے انجام کے بارے میں خود سوچ لیں۔

یاد رکھو ع

ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

٭۵ اس جملہ میں گستاخوں کی اس محرومی و بد نصیبی کا بیان ہے اس کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ... لطیف و پارسائی کا طلسم اگر ٹوٹ نہ جائے تو بد بختی کی انتہا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تمہارے سارے اعمال غارت ہو جائیں گے، سب نیکیاں ملیامیٹ ہو جائیں گی اور تمہیں خبر تک نہ ہو گی۔ تم اس غلط فہمی کا شکار رہو گے کہ تم بڑے نمازی، بڑے غازی، بڑے صائم الدہر اور قائم اللیل ہو، مفسر ہو، واعظ آتش بیان ہو اور جنت تمہارا انتظار کر رہی ہے اور جب وہاں پہنچو گے تو اس وقت پتہ چلے گا کہ اعمال کا جو باغ تم نے لگایا تھا اسے تمہاری بے ادبی اور گستاخی کی باد صرصر نے خاک سیاہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس وقت کف افسوس ملو گے، سر پیٹو گے لیکن بے سود و لاحاصل۔

ع ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ جملہ حال ہے۔ اعمالکم میں ضمیر مخاطب ذوالحال ہے اور تشعرون کا مفعول محذوف ہے۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے فرمایا ہے کہ انسان جب روضۂ مقدسہ پر حاضری دینے کی سعادت سے بہرہ ور ہو تو وہاں بھی آواز اونچی نہ کرے۔ جہاں حدیث پاک کا درس ہو رہا ہو وہاں بھی آواز بلند نہ کرے۔ علمائے ربانیین کی خدمت میں حاضر ہو تو اس وقت بھی چلا چلا کر گفتگو نہ کرے اور اپنے پیر و مرشد سے بھی ادب و احترام ملحوظ رکھے۔

بارگاہ رسالت میں اگر کوئی اس طرح اونچا بولے گا جس سے خاطر عاطر کو اذیت پہنچے تو یہ منع ہے لیکن ضرورت کے وقت

لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۳ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ

تقویٰ کے لیے۔ انہی کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے ف بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو

بلند آواز سے بولنا منع نہیں۔ حضرت بلالؓ حضور کی موجودگی میں بلند آواز سے اذان پڑھتے تھے۔ جنگ میں بلند آواز سے نعرے لگائے جاتے۔ جنگ حنین میں حضور نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو بلائیں۔ حضرت حسانؓ حضور کی موجودگی میں بلند آواز سے اپنے قصائد سناتے تھے۔ الغرض نیت پر انحصار ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں۔ لیس المراد ما یقع الرفع والجهر فی حرب او مجادلة معاند او ارهاب عدو او نحو ذلک فانه مما لا بأس به (روح البیان)

اسی پر بلند آواز سے مل کر درود شریف یا کوئی نعت پڑھنے کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔

ف اب ان لوگوں پر اپنی عنایات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہیں۔ اس آیت کا مفہوم بیان کرنے سے پہلے اس کے دو لفظوں کی تشریح کرنا ضروری ہے۔

يَغُضُّوْنَ : غض البصر۔ آنکھیں نیچی کرنا۔ غض الصوت۔ آواز کو آہستہ کرنا۔

اِمْتَحَنَ : علامہ ابو عبداللہ قرطبی نے علمائے لغت و تفسیر کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔

قال الفراء : ای اخلصها للتقوى۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان باادب حضرات کے دلوں کو تقویٰ کے لیے خالص کر لیا ہے۔

قال الاخفش : اختصها۔ اخفش کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔ الامتحان افتعال من محنت الادیم محنا حتی اوسعته فمعنی امتحن الله قلوبهم للتقوى وسعها وشرحها للتقوى۔ یعنی امتحان باب افتعال ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چمڑے کو کشادہ کرنا۔ اس مفہوم کے پیش نظر آیت کا معنی ہوگا کہ ہم نے ان کے دلوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے لیے کشادہ اور وسیع کر دیا ہے۔ وہ تقویٰ کی راہ پر چلتے ہوئے کوئی گھٹن یا بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

علامہ زمخشریؒ اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے ایک اور نکتہ پیدا کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔ من قولک امتحن فلان لامر کذا وجرب له ودرب للنهوض به فهو مضطلع به غیر وان عنه (کشاف) یعنی جب کوئی شخص کسی چیز کا خوگر اور عادی بن جائے اور اسے اس کی خوب مشق کرا دی جائے تو عرب کہتے ہیں امتحن فلان لامر کذا۔ جب کوئی شخص مسلسل ریاضت اور مشق سے کسی چیز کا عادی بن جاتا ہے اس وقت وہ اس بار گراں کو آسانی سے اٹھا لیتا ہے اور اس میں کسی ضعف اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں کرتا۔

ان لغوی تحقیقات کے بعد اب اس آیت کو غور سے پڑھیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ میرے محبوب کا ادب ملحوظ رکھتے ہیں ہم ان پر تین خصوصی احسان فرماتے ہیں۔ پہلا احسان تو یہ ہے کہ ہم ان کے دلوں کو تقویٰ کا عادی بنا دیتے ہیں کہ اس بار گراں کے اٹھانے میں انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى

حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں شہ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ

دوسرا احسان یہ ہے کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو ہم بخش دیتے ہیں۔ تیسرا یہ کہ ہم انہیں اجر عظیم سے بہرہ ور فرمائیں گے۔ مغفرت اور اجر کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے اور اجر کو عظیم سے موصوف کر کے اس کی عظمت میں مبالغہ کیا گیا ہے کیونکہ وہ ایسا اجر ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔ وتنکیر مغفرة واجر للتعظیم ووصف الاجر بعظیم مبالغة فی عظمه وانه لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔ (روح المعانی)

شہ اسلام سے پہلے عرب کا خطہ جہالت وناشائستگی کا گہوارہ تھا گو جیسے مرکزی شہروں میں گنتی کے چند آدمیوں کے سوا ساری آبادی معمولی نوشت وخواند سے بھی قاصر تھی۔ تہذیب ومعاشرت کے آداب سے یہ لوگ بالکل کورے تھے۔ صحرا نشین بدوؤں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس آیت کریمہ میں بھی وہ آداب سکھائے جا رہے ہیں جن کا بارگاہ رسالت میں ملحوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

ایک دفعہ بنی تمیم کا وفد جو ستر اسی نفوس پر مشتمل تھا مدینہ طیبہ آیا۔ اس وفد میں زبرقان بن بدر، عطارد بن حاجب، اقرع بن حابس، قیس بن عاصم ان کے سردار بھی تھے۔ دوپہر کا وقت تھا سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حجرہ مبارک میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ ان لوگوں نے حضور کی آمد تک انتظار کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور باہر کھڑے ہو کر صدائیں لگانے لگے یا محمد اخرج علینا۔ حضور کا نام نامی لے کر کہنے لگے کہ ہمارے پاس باہر آئیے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے تو ان لوگوں نے شور کیا اور کہا یا محمد ان مدحنا زین وان شتمنا شین ونحن اکرم العرب۔ یعنی ہم جس کی مدح کرتے ہیں اسے مزین کر دیتے ہیں اور جس کی مذمت کرتے ہیں اس کو معیوب بنا دیتے ہیں۔ ہم تمام عربوں سے اشرف ہیں۔ حضور نے فرمایا کذبتم بل مدح اللہ تعالیٰ زین وشتمه شین واکرم منکم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراهیم

اے بنو تمیم تم نے غلط بیانی سے کام لیا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مدح باعث زینت ہے اور اس کی مذمت باعث تحقیر ہے اور تم سے اشرف حضرت یوسف ہیں۔ پھر انہوں نے کہا ہم مفاخرت کی غرض سے آئے ہیں۔ چنانچہ پہلے ان کا خطیب عطارد بن حاجب کھڑا ہوا اور اپنے قبیلے کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دیئے اور اپنی فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثابت بن قیس کو اس کا جواب دینے کا حکم دیا۔ خطیب نبوت کا یہ خطیب ارشاد سب لب کشا ہوا تو ان کے چھکے چھوٹ گئے اور سب سہم کر رہ گئے۔

اس کے بعد ان کا شاعر زبرقان بن بدر کھڑا ہوا اور اپنی قوم کی مدح میں ایک قصیدہ پڑھ ڈالا۔ حضور نے حضرت حسان کو اشارہ فرمایا حضرت حسان رضی اللہ عنہ اٹھے اور بنی تمیم کے مفاخر کی دھجیاں بکھیر دیں اور اسلام کی صداقت اور حضور کی عظمت کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ ان کا غرور خاک میں مل گیا۔ اقرع کو تسلیم کرنا پڑا کہ نہ ہمارا خطیب حضور کے خطیب کا ہم پلہ ہے اور نہ ہمارا شاعر دربار رسالت کے شاعر سے کوئی نسبت رکھتا ہے۔

تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

آپ باہر تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اے ایمان

اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا خصوصی کرم فرمایا اور ان کے دلوں کو اسلام کے لیے کشادہ کر دیا۔ سارے کے سارے مشرف با یمان ہوئے۔ رحمتِ عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انعام و اکرام سے انہیں مالا مال کر دیا۔

لفظ وراء کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔

الوراء من المواراة والاستتار وما استتر عنك فهو وراء خلفا كان او قداما یعنی وراء مواراۃ سے ہے۔ اس کا معنی چھپا اور پوشیدہ ہونا ہے۔ جو چیز تیری آنکھوں سے اوجھل ہو گی خواہ وہ پیچھے ہو یا سامنے اس کو وراء کہیں گے۔ بعض اہلِ لغت کے نزدیک وراء اضداد سے ہے۔

شہ ان کی اس غیر شائستہ حرکت پر سرزنش کے بعد اب انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان کے لیے بہتر یہ تھا کہ وہ حضور کا انتظار کرتے یہاں تک کہ نبی کریم قیلولہ کرنے کے بعد خود باہر تشریف لاتے۔ اس وقت وہ زیارت کی سعادت حاصل کرتے، اپنے احوال بھی بیان کرتے اور اس بحرِ جود و کرم سے سیراب بھی ہوتے۔

علامہ آلوسی رقمطراز ہیں کہ ان آیات میں بارگاہِ نبوت میں بے ادبی کی قباحت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ محاسنِ آداب کی بھی تعلیم دی جا رہی ہے۔ علمائے کرام نے ان آیات سے خوب استفادہ کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ جو جلیل القدر عالم تھے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی استاد کے دروازہ پر دستک نہیں دی بلکہ میں ان کا منتظر رہتا۔ جب وہ از خود تشریف لاتے تو ان سے استفادہ کرتا۔

قاسم ابن سنان کوفی سے بھی اسی قسم کا قول منقول ہے۔

حضرت ابن عباسؓ معارفِ قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے حضرت ابیؓ کے گھر جاتے تو ان کا دروازہ نہ کھٹکھٹاتے بلکہ باہر ہی ان کا انتظار کرتے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے معمول کے مطابق باہر نکلتے۔ حضرت ابیؓ کو یہ بات بڑی گراں گزری، کہا آپ نے دروازہ کیوں نہ کھٹکھٹایا کہ میں فوراً باہر آ جاتا اور آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔ آپ نے جواب میں کہا العالم فی قومه كالنبی فی امته وقد قال الله تعالى فی حق نبیه علیه الصلوة والسلام ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم لكان خيرا لهم۔ یعنی عالم اپنی قوم میں اس طرح ہے جس طرح نبی اپنی امت میں ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے ولو انهم صبروا الآیۃ

اس کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ بچپن میں پڑھا تھا اور عمر بھر اس کے مطابق اپنے اساتذہ کے ساتھ معاملہ کرتا رہا۔ الحمد للہ علی ما الفت ذلك الحق،

مغربی تہذیب کے برے اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شاگردوں کے دلوں سے اساتذہ کا احترام ختم ہو گیا ہے۔ ان کے ساتھ گستاخانہ گفتگو کی جاتی ہے۔ ان پر آوازے کسے جاتے ہیں۔ نقلیں اتاری جاتی ہیں پھر اس پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کی جاتی۔ ان

اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ

والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ

پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو ۶ اور خوب جان لو کہ تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما

فخر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح بزرگوں کا احترام، اپنے ماں باپ کی تعظیم و تکریم کا جذبہ بھی دم توڑتا جا رہا ہے آج کل کے ترقی یافتہ لوگوں کا معاشرہ انسانی معاشرہ سے زیادہ حیوانی معاشرہ کی تصویر پیش کرتا ہے۔

کیجئے! اسلام کے آداب معاشرت کو اپنائیے اور مکارم اخلاق سے اپنے آپ کو مزین و آراستہ کریں جن کی تعلیم ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے۔

حضور کا ارشاد ہے۔ من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ یعنی جو شخص چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا، وہ ہماری جماعت میں سے نہیں۔

۶ اس آیت کی شان نزول کے سلسلہ میں اکثر علمائے تفسیر نے یہ روایت ذکر کی ہے۔ بنو مصطلق کا سردار حارث ابن ابی الضرار بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور مشرف با اسلام ہوا۔ حضور نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو اس نے اسے بھی قبول کر لیا اور عرض کیا کہ میں واپس اپنے قبیلے کے پاس جا رہا ہوں۔ انہیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ جن لوگوں نے یہ دعوت قبول کی ان سے زکوٰۃ جمع (وصول) کروں گا۔ آپ فلاں وقت اپنا کوئی آدمی بھیج دیں جو جمع شدہ زکوٰۃ وصول کر لے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت مقررہ پر ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو بنی مصطلق کی طرف بھیجا تاکہ وہ زکوٰۃ وصول کرے۔ زمانہ جاہلیت میں ولید کے خاندان کا ایک قتل تھا۔ اسے اندیشہ ہوا کہ مبادا وہ اسے قتل کر دیں۔ وہ راستہ سے لوٹ آیا اور آکر خبر دی کہ انہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ وہ میرے قتل کے درپے ہو گئے تھے مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اس کی یہ بات سنی تو حضرت خالد کو ایک دستہ دے کر ان کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ پہلے حقیقت حال معلوم کرنا پھر کوئی کارروائی کرنا جلد بازی سے کام نہ لینا۔ امرہ ان یتثبت ولا یعجل (قرطبی)

حسب ارشاد حضرت خالد رات کے وقت وہاں پہنچے۔ عمران کے علاقے سے باہر پڑاؤ کیا اور اپنے جاسوس بھیجے تاکہ ان کے احوال پر آگاہی حاصل کریں۔ انہوں نے آکر گواہی دی کہ وہ اسلام پر پختہ ہیں۔ ہم نے ان کی اذانیں سنی ہیں اور ان کو باجماعت نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔ حضرت خالد صبح کے وقت ان کے ہاں گئے اور اپنے جاسوسوں کی فراہم کردہ اطلاعات کو درست پایا۔ حضرت خالد نے واپس آکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حقیقت حال عرض کر دی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی کریم اکثر فرمایا کرتے۔ التانی من اللہ والعجلة من الشیطان۔ سوچ سمجھ کر کام کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہے اور جلد بازی کرنا شیطان کی انگیخت ہے

اللّٰهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ

میں ہے۔ اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک

ہر سوسائٹی میں ایسے سفلہ مزاج لوگ ہوتے ہیں جن کا محبوب مشغلہ یہ ہے کہ اُڑانا اور غلط افواہیں پھیلانا ہوتا ہے۔ ایسی افواہیں خاندانوں، قبیلوں، بسا اوقات قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی سختی سے مسلمانوں کو یہ ہدایت فرما رہا ہے کہ خبردار اگر کوئی فاسق اور بدکار تمہارے پاس کوئی اہم خبر لے کر آئے تو اس کو فوراً قبول نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ بک رہا ہو اور تم اس کی جھوٹی خبر سے مشتعل ہو کر کوئی ایسی کارروائی کر بیٹھو جس پر خوفناک نتائج مرتب ہوں اور پھر تم ساری عمر فرطِ ندامت سے کفِ افسوس ملتے رہو۔ اس لیے جب کوئی خبر تمہارے کانوں تک پہنچے تو اس کو بے تحقیق تسلیم کر لینا قطعاً قرینِ دانش مندی نہیں۔ پہلے اچھی طرح اس کی چھان پھٹک کر لو اور پھر مناسب قدم اٹھاؤ۔ خیال رہے کہ یہاں النبأ کا لفظ مستعمل ہے اور عربی میں النبأ ہر عام خبر کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ایسی خبر جس سے دور رس نتائج نکل سکتے ہوں اس کو نبأ کہتے ہیں۔

علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ النبأ خبر ذو فائدة عظيمة (مفردات)

امام ابو بکر جصاص اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومقتضى الآية ايجاب التثبت في خبر الفاسق والنهي عن الاقدام على قبوله الا بعد التبين۔

یعنی اس آیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنا واجب ہے۔ جب تک حقیقتِ حال پوری طرح واضح نہ ہو جائے اس پر عمل کرنا ممنوع ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں اسی لیے ہم نے کہا ہے کہ جن امور کا حقوق کے ساتھ تعلق ہے، فاسق کی شہادت مردود ہوگی۔ روایتِ حدیث میں بھی اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کسی قانون، کسی شرعی حکم اور کسی انسان کے حق کے ثبوت کے لیے بھی اس کی خبر غیر معتبر اور غیر مقبول ہوگی۔ (احکام القرآن جصاص)

نادمین: علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ ندامت ایک خاص قسم کے غم کو کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ تم کسی بات پر غم زدہ ہو جس کا تجھ سے ارتکاب ہوا ہے اور جس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ کاش میں نے یہ کام نہ کیا ہوتا۔

الندم ضرب من الغم وهو ان تغتم على ما وقع منك تتمنى انه لم يقع۔ (کشاف)

لے ولید ابن عقبہ نے جب بنو مصطلق کے بارے میں یہ گمراہ کن رپورٹ آکر سنائی تو بعض صحابی مشتعل ہو گئے اور فرطِ جوش میں بنو مصطلق کے خلاف فوجی کارروائی کا مطالبہ زور شور سے شروع کر دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعض مصالح کے پیشِ نظر حضرت خالد کو ایک دستے کے ہمراہ روانہ فرمایا اور ساتھ ہی تنبیہ فرمائی کہ جلد بازی سے کام نہ لیں بلکہ تحقیق کے بعد مناسب اقدام کریں جس طرح آپ اس کو پڑھ چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان لوگوں کی اصلاح اور تربیت کا اہتمام فرمایا بلکہ جملہ اہلِ اسلام کو ایک واضح حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ انہیں بتا دیا کہ حبیبِ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ رسول تمہارے درمیان موجود ہے، وہ اپنے نورِ نبوت سے

الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَ

ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں ۱۵ اور ناپسند بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور

الْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ

نافرمانی کو۔ یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں ۱۶ یہ (سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے ۱۷

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۸﴾ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا

اور اللہ سب کچھ جاننے والا، بڑا دانا ہے ۱۸ اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں

ہر پیچیدہ گتھی کو سلجھا سکتا ہے تم سے کہیں زیادہ انجام و عواقب کا صحیح اور بروقت اندازہ لگا سکتا ہے اور تمہیں چاہیے کہ ان کے اشارۂ ابرو پر عمل پیرا رہو، جو حکم دیں اس کی تعمیل کرو۔

اگر تم اپنی بات منوانے پر اصرار کرو گے تو تم مشقت و ہلاکت میں پھنس جاؤ گے۔ ہو سکتا ہے کہ عجلت سے اٹھایا ہوا قدم تمہیں کسی عمیق گڑھے میں گرا دے۔

۱۵ بنو مصطلق کے خلاف ان لوگوں کا یہ غصہ اپنی ذات یا اپنے مفادات کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ محض ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت تھی۔ بنو مصطلق کے خلاف وہ اس لیے بھڑک اٹھے تھے کہ انہیں بتایا گیا تھا ان کے نبی مکرم کے قاصد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اس آیت کے اس جملہ میں بڑی وضاحت کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے کہ اپنے پیارے رسول کے جاں نثار صحابہ کے دلوں میں ایمان کی محبت میں نے پیدا کی ہے۔ ان حضرات کو ایمان کے حسن و زیبائی کا میں نے فریفتہ کر دیا ہے۔ کفر، نافرمانی اور سرکشی سے ان کے دلوں کو میں نے متنفر کر دیا ہے۔ اس لیے شیطان کی کوئی وسوسہ انگیزی انہیں راہ حق سے منحرف نہیں کر سکتی۔

۱۶ علامہ قرطبی راشدون کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الرشد الاستقامة علی طریق الحق مع تصلبه فیه من الرشادة وهی الصخرة .....

یعنی رشد جادۂ حق پر ایسی ثابت قدمی کو کہتے ہیں جس میں تصلب اور پختگی ہو۔ متذبذب کا وہاں نشان تک نہ ہو۔ یہ رشادۃ سے مشتق ہے جس کا معنی چٹان ہے۔

۱۷ یہ حَبَّبَ، زَیَّنَ، کَرَّہَ کا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے صحابہ کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا اور ان کی نگاہوں میں حسین و جمیل بنا دیا، ان کے دلوں کو کفر اور نافرمانی سے متنفر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا فضل فرمایا اور ان پر اپنی نعمت و احسان کی انتہا کر دی۔

۱۸ اللہ تعالیٰ کا یہ فضل اور نعمت ان پر بلاوجہ نہیں بلکہ وہ ان کے دلوں کے خلوص و نیاز کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس بات کے

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ

تو ان کے درمیان صلح کرادو ۵۱ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی

تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا

کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرادو ان کے درمیان

مستحق ہیں کہ ان پر یہ نوازش کی جائے۔ نیز وہ حکیم بھی ہے۔ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ ہر بستیوں کا ایک ایسا گروہ تیار ہو جائے جو تزکیہ و طہارت اور جذبہ ایثار و قربانی میں ممتاز ہو تاکہ اس پاکباز گروہ سے تبلیغ اسلام کا اہم کام لیا جائے اور دنیا کے جس گوشہ میں یہ اسلام کی دعوت لے کر پہنچیں ان کی دعوت کی صداقت کے لیے سب سے بڑی برہان ان کی اپنی سیرت اور کردار ہو۔

جو کم نگاہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کے بارے میں طرح طرح کے شبہات اور ظنون کا شکار ہیں، وہ قرآن کریم کی ان آیتوں پر بار بار غور کریں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔

۵۱ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے جزیرۂ عرب کی سرزمین تفرقوں اور جنگ و جدال کی سرزمین تھی۔ ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسرِ پیکار تھا۔ ہر ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کے درپے آزار تھا۔ کسی کی جان، مال اور آبرو محفوظ نہ تھی۔ اشہر حرام (حرمت والے مہینے) کے علاوہ سفر از حد خطرناک اور دشوار تھا۔ حضور کی آمد سے نقشہ ہی بدل گیا۔ عداوت و مخاصمت کی جگہ محبت و ایثار اور خلوص و مروت نے لے لی۔ قرآن کریم میں بے شمار آیتیں ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان گنت ارشادات ہیں جن میں مسلمانوں کو متحد رہنے، آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے کا احترام اور حقوق کا پاس رکھنے کے تاکیدی احکامات ہیں اور ایسی باتوں کو ایمان و اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے جن کے باعث آپس میں نفرت اور عداوت پیدا ہوتی ہے۔

چند احادیث پاک ملاحظہ ہوں۔ ① المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار کسی ظالم کے حوالہ کر سکتا ہے۔

② واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ۔ (بخاری شریف) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی امداد و اعانت میں لگا رہتا ہے۔

③ اذا دعا المسلم لاخیہ بظہر الغیب قال الملائکۃ آمین ولک بمثلہ۔ حضور نے فرمایا جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دعا تیرے حق میں بھی مقبول ہو۔

④ مثل المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالحمی والسھر۔ کہ مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک

دوسرے مسلمان کے غم میں ایسے ہی ہے جیسا ایک جسم ہے۔ جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔

⑤ المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا۔ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے۔

بایں ہمہ انسانی معاشرہ میں باہمی شکر رنجی کا پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔ نفسانی خواہشات، ناقص اطلاع اور بسا اوقات غلط فہمیوں کے باعث جنگ و جدال کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے، ہمارا طرز عمل کیسا ہونا چاہیے، اس آیت میں ان امور کو بڑے حسین و دلنشین پیرایہ میں سمو دیا گیا ہے۔

آیت کا ترجمہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس کے کلمات میں جو لطافتیں اور نزاکتیں ہیں ان پر نظر ڈال لیجیے۔ اس کے بعد تفصیلات کا ذکر ہوگا۔

امام رازی کہتے ہیں: إن "اشارة الى ندرة القتال" یعنی إن کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن و سنت نے مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی جو تعلیم دی ہے اس کے پیش نظر ایسا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے کہ فرزندان اسلام آپس میں لڑ پڑیں۔ طائفتان فرمایا فریقان نہیں فرمایا کیونکہ طائفہ، فریق سے کم افراد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر جنگ کی نوبت آئی تو ساری امت یا اس کی اکثریت خانہ جنگی میں شریک نہیں ہوگی۔ ایک مختصر سا گروہ ہی سلوک اعتدال سے بھٹک سکتا ہے اور اسلام کے واضح احکامات کو پس پشت ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ ان طائفتان من المؤمنین فرمایا، منکم نہیں فرمایا۔ اس میں بھی اس بات کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ تم جو لٹھ اٹھائے، تلواریں بے نیام کیے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہو، ذرا دیکھو تو سہی تم کون ہو۔ تم مومن ہو، اللہ کے بندے اور اس کے حبیب کے غلام ہو، بھلا یہ ناشائستہ حرکت تمہیں زیب دیتی ہے۔ ہرگز نہیں۔

نحو کا عام قاعدہ یہ ہے کہ إن اپنے فعل کے ساتھ مذکور رہے۔ یہاں إن اور اس کے فعل اقتتلوا کے درمیان طائفتان من المؤمنین کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ باہمی جنگ و قتال سے پہلے وہ اپنے مومن ہونے کی حیثیت پر غور کر لیں۔ اقتتلوا جمع کا صیغہ ذکر کیا، اقتتلتا تثنیہ نہیں فرمایا کیونکہ طائفہ میں جمع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اگر کبھی کبھار جنگ و جدال کی نوبت آ جائے تو یہ سلسلہ جاری نہیں رہتا بلکہ اہل رشد و صلاح فوراً مداخلت کر کے اس فتنہ کو فرو کر دیتے ہیں۔

اقتتلوا میں طائفتان کے معنی کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔ بینهما میں لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے تثنیہ کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ (تفسیر کبیر)

بغت۔ بغی سے ہے۔ اس کا معنی ہے طلب العلو بغير حق یعنی کسی حق کے بغیر برتری کا خواہاں ہونا۔

اب ذرا آیت کے معانی و مطالب کی طرف توجہ فرمائیے۔

مسلمانوں میں جنگ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر بدقسمتی سے ایسا ہو تو پھر اس ناگوار صورت حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ہمیں اس ارشاد خداوندی کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس باہمی جنگ و جدال کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر صورت کے لیے اپنا خصوصی

احکام ہیں۔ سب سے پہلے جس امر پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے تو قطع نظر اس کے کہ لڑنے والے کثیر التعداد ہیں یا مختصر سا گروہ ہے، یہ عوام کا حکومت سے ہے یا ایک قبیلہ کا دوسرے قبیلے سے یا ایک گروہ کا دوسرے گروہ سے، ان تمام صورتوں میں دوسرے مسلمانوں کو محض تماشائی بن کر بیٹھنے کی اجازت نہیں بلکہ انہیں اپنے اثر و رسوخ سے کام لیتے ہوئے اس فتنہ کو فرو کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اگر یہ لڑائی دو قبائل یا دو علاقوں کے درمیان ہے تو ان کے درمیان مصالحت اور اصلاح احوال کی اولین ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے تمام وسائل و اختیارات سے کام لے کر صورت حال پر قابو پالے اور اگر ارباب حکومت اس میں دلچسپی نہ لیں یا معاملہ ان تک پہنچایا نہ ہو تو پھر اہل محلہ یا علاقہ کے بااثر لوگوں کا فرض ہے کہ مصالحت کی مخلصانہ کوشش کریں۔

اگر ان کی مساعی صلح کرانے میں کامیاب ہو جائیں تو فبہا بصورت دیگر انہیں یہ چاہیے کہ دیکھیں دونوں میں سے غلطی پر کون ہے، زیادتی اور تعدی کا ارتکاب کس نے کیا ہے۔ جو مظلوم اور ستم رسیدہ ہو اس کی امداد کریں اپنا سارا وزن اس کے پلڑے میں ڈال دو۔ مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کے جو وسائل تمہارے پاس ہوں ان کو بروئے کار لاؤ، یہاں تک کہ ظالم گھٹنے ٹیک دے اور حقدار کو اس کا حق مل جائے۔ تمہارا غیر جانبدار بن کر مظلوم کو پٹتے ہوئے دیکھتے رہنا ہرگز جائز نہیں۔ اگر تم غیر جانبداری کی روش اختیار کرو گے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ تم ظلم و ستم کو چلنے پھولنے کا موقع دے رہے ہو، تم اتنے سنگدل اور بے رحم ہو کہ مظلوم کی آہ و فغاں سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔ اسلام اس قسم کی غیر جانبداری کا قائل نہیں اور نہ اپنے ماننے والوں کو ایسی بزدلی کی اجازت دیتا ہے۔ اس وقت قرآن کا واضح ارشاد ہے وَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي یعنی جو گروہ ظلم پر کمربستہ ہو اس کی راہ میں چٹان بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی گروہ حکومت سے متصادم ہوتا ہے، اگر یہ گروہ محض لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے ہی میدان میں آیا ہے تو یہ لوگ باغی قرار نہیں دیے جائیں گے بلکہ ان کے ساتھ عام مجرموں کا سا برتاؤ کیا جائے گا اور انہیں ان کے جرائم کے مطابق سزا دی جائے گی اور اگر وہ گروہ حکومت کا تختہ الٹنا چاہتا ہے اور اس کے ساتھ اتنی جمعیت اور قوت ہے کہ وہ ایسا کر سکتے ہیں تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ مل کر ان سے جنگ کریں اور ان کا قلع قمع کر دیں، لیکن ان کے ساتھ لڑائی شروع کرنے سے پہلے ان کو سمجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر ایسی حماقت کر رہے ہیں تو ان کی غلط فہمی دور کی جائے گی۔ اگر وہ کسی شبہ میں مبتلا ہیں تو ان کے ان شبہات کے ازالہ کی نہایت سنجیدگی سے کوشش کی جائے گی جس طرح خارجیوں سے جنگ کرنے سے پہلے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تھا اور آپ کی مساعی جمیلہ سے بہت سے لوگ اپنی ضد ترک کر کے لشکر اسلام میں شامل ہو گئے تھے۔ اگر افہام و تفہیم کی کوششیں بارآور نہ ہوں تو پھر ان کے ساتھ جنگ لازمی ہو جائے گی اور جب تک وہ ہتھیار نہ ڈال دیں اور اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے دست کش نہ ہو جائیں اس وقت تک ان کے ساتھ جنگ جاری رہے گی۔ ان سے کسی نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا جب وہ ہار مان لیں اور ہتھیار ڈال دیں تو اس کے بعد جو سلوک ان سے کیا جائے گا وہ اس حدیث شریف میں مذکور ہے جو امام ابوبکر الجصاص نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں نقل کی ہے۔

روی کوثر ابن حکیم عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن ام عبد کیف

حكم الله فيمن بغى من هذه الامة قال الله و رسوله اعلم قال لا يجهز على جريحها ولا يقتل اسيرها ولا يطلب هاربها۔

حضرت ابن عمر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعود سے پوچھا کہ اے ام عبد کے فرزند! اس امت میں سے کوئی بغاوت کرے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا اس باغی گروہ کے زخمی کو جان سے نہیں مارا جائے گا۔ ان سے جو قید ہو جائے قتل نہیں کیا جائے گا اور میدان جنگ سے جو بھاگ نکلے اس کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ باغیوں کے احکام کی تفصیل ہمیں سیدنا علی مرتضیٰ کے طریقہ کار سے ملتی ہے اور فقہاء نے اکثر احکام کا استنباط آپ ہی کے اسوۂ حسنہ سے کیا ہے۔

جنگ جمل میں جب آپ فتحیاب ہوئے اور مخالف گروہ کو شکست ہوئی تو حضرت نے فوراً اعلان فرمایا لا تقتلوا اسیرا ولا تجهزوا على جريح ومن القى السلاح فهو آمن۔ کسی قیدی کو قتل نہ کرو۔ کسی زخمی کو جان سے نہ مارو۔ جو ہتھیار پھینک دے اس کو امان ہے۔

اگر حاکم فاسق و فاجر ہے، احکام اسلامیہ کی کھلم کھلا نافرمانی کرتا ہے۔ اس کے خلاف مسلمانوں کی کوئی جماعت علم بغاوت بلند کرے، کیونکہ ان کا مقصد حکومت کے ظلم و ستم کا خاتمہ اور عدل و انصاف بحال کرنا ہے تو ان کے بارے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک بار خلیفہ بن جائے اور اس کی وجہ سے ملک میں امن و امان قائم ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت کرنا خواہ وہ ظالم اور فاسق ہی ہو، جائز نہیں۔ کیونکہ اس بغاوت سے اصلاح کی بجائے فساد کا اندیشہ زیادہ ہے۔ اس بغاوت سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھے گی، سارا ملک اس کی لپیٹ میں آ جائے گا۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہوگا، اموال لوٹے جائیں گے، آبادیاں ویران ہو جائیں گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ لوگ اس حکمران سے تعاون کریں تاکہ ملک کا وجود ہی خطرہ میں نہ پڑ جائے۔

لیکن بہت سے جلیل القدر علماء کا یہ فتویٰ ہے اور حضرت امام اعظم اس گروہ کے سرخیل ہیں کہ ظالم حکمران کے خلاف اگر صالحین کا کوئی گروہ اٹھ کھڑا ہو تو ان کی امداد کی جائے گی تاکہ وہ کامیاب ہو کر اس ظالم اور فاسق کو مسند اقتدار سے ہٹا سکیں اور ملک میں پھر از سر نو احکام شرعیہ کا نفاذ کر سکیں۔

باغیوں کے بارے میں چند اہم مسائل ذہن نشین کر لیں۔

ان کے قیدی اگر ضمانت دے دیں کہ وہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے تو انہیں رہا کر دیا جائے گا۔

اثنائے جنگ میں باغیوں نے جو جانی اور مالی نقصان کیا ہوگا، ہتھیار ڈالنے کے بعد ان سے اس کا کوئی قصاص یا تاوان وصول نہیں کیا جائے گا۔

باغیوں نے اگر کسی علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ، عشر اور دیگر محصولات کی رقوم وصول کیں تب اگر وہ علاقہ پھر اسلامی حکومت کے تسلط میں آ جائے تو وہاں کے باشندوں سے زکوٰۃ وغیرہ کا دوبارہ مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

عدل وانصاف سے اور انصاف کرو بےشک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بےشک اہل ایمان بھائی بھائی

اپنے مقبوضہ علاقوں میں باغیوں نے اگر عدالتیں قائم کیں اور وہاں مقدمات کے فیصلے ہوتے رہے۔ اگر قاضی عادل تھا اور اس نے شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے صادر کیے تو وہ برقرار رہیں گے اور اگر اس نے بددیانتی کی ہوگی اور احکام شرعیہ کی صریح خلاف ورزی کا مرتکب ہوا ہوگا تو اسلامی عدالت میں وہ مقدمہ دوبارہ دائر کیا جائے گا اور پہلا فیصلہ کالعدم قرار پائے گا۔

باہمی جنگ وجدال سے کوئی فریق دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا۔ بخاری شریف میں موجود ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت منبر پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کی طرف دیکھتے اور کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے۔ پھر فرمایا ان ابنی هذا سید ولعل الله تعالیٰ ان یصلح به بین فئتین عظیمتین من المسلمین۔

میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ حضورؐ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور آپ کے زمانہ خلافت میں امیر معاویہؓ کے ساتھ جو جنگ کا سلسلہ عرصہ سے جاری تھا وہ ختم ہوگیا اور مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح ہوگئی۔

حضرت امیر معاویہؓ اور ان کی جماعت کو بھی حضورؐ نے مسلمان قرار دیا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں نے آپ سے جمل اور صفین کی جنگیں لڑی ہیں کیا وہ مشرک ہوگئے ہیں؟ آپ نے فرمایا من الشرک فروا۔ ہرگز نہیں! وہ تو شرک سے بھاگ کر آئے تھے۔

پھر کہا گیا کیا وہ منافق ہوگئے ہیں۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ منافق تو وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں۔ اور یہ لوگ تو ذکر الٰہی دن رات کرتے تھے۔ پھر پوچھا گیا اگر وہ مشرک اور منافق نہیں تو کیا ہیں؟ امیر المومنین نے فرمایا اخواننا بغوا علینا یہ ہمارے اسلامی بھائی ہیں لیکن انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے۔

باغیوں کا مال، مال غنیمت متصور نہیں ہوگا۔ جنگ کے دوران میں اگر ان کے اسلحہ اور گھوڑوں کے استعمال کی ضرورت ہو تو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

یہ چند اہم احکام ہیں جنہیں اختصار سے یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

لفظ بالعدل بھی غور طلب ہے یعنی اگر صلح کراتے وقت عدل و انصاف سے کام نہیں لیا جاتا اور ظلم اور بے انصافی کی بنیاد پر صلح کرائی جائے گی تو وہ صلح پائیدار ثابت نہ ہوگی۔ مظلوم فریق مطمئن نہیں ہوگا اور اپنے حق کی بازیابی کے لیے موقع کا منتظر ہوگا۔ جب حالات اجازت دیں گے تو پھر فتنہ کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس لیے اسلام کسی ایسی صلح سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا جس کی بنیاد ظلم پر ہو اور جو ناپائیدار ہو۔

إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٠﴾

(بھائی) ہیں لہ پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے۔

لہ خانہ جنگی، باہمی قتال و جدال اور ان کے بارے میں احکام کا ذکر ہو چکا۔ اب پھر باہمی محبت و پیار اور الفت و ایثار کے جذبات کو بیدار کرنے کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ اہل ایمان آپس میں بھائی ہیں۔ ان کا نفع اور نقصان، ان کی خوشی اور غمی، ان کی فتح اور شکست سب ایک ہیں۔ یہ تھوڑی سی کشیدگی جو پیدا ہو گئی ہے بالکل عارضی نوعیت کی ہے۔ ان کے بہی خواہوں پر فرض ہے کہ مداخلت کر کے ان کے درمیان صلح کرا دیں تاکہ وہ پہلے کی طرح پھر شیر و شکر ہو جائیں۔

اخویکم کے لفظ میں کیا لطف ہے کہ یہ آپس میں لڑنے والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور تمہارے بھی بھائی ہیں۔ اجنبی اور بیگانے نہیں کہ ان کا انجام دشمنوں تک نہیں، اس لیے تم بے تعلق بنے رہو اور ان کا تماشا دیکھتے رہو۔ فوری مداخلت کرو اور ان میں صلح صفائی کرا دو۔

جب دو طاقتور گروہوں کے دست و گریبان ہونے کا وقت تھا اس وقت بھی حکم دیا کہ ان میں صلح کرا دو۔ یہاں جب دو فرد آپس میں جھگڑتے ہیں تو بھی حکم دیا کہ ان میں صلح کرا دو۔ لیکن پہلے صلح کے بعد واتقوا اللہ نہیں فرمایا گیا اور یہاں امر صلح کے بعد واتقوا اللہ کا اضافہ کیا گیا کیونکہ جب فتنہ عام ہو تو ہر شخص کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں میں بھی اس کے شعلوں کی لپیٹ میں نہ آ جاؤں۔ یہی خوف کا جذبہ بھی ہو تو انسان اپنی سلامتی کے لیے بھی اس آگ کو بجھانے کے درپے ہو جاتا ہے۔ لیکن جب معاملہ صرف دو آدمیوں تک محدود ہو تو کسی کو اپنے لپیٹ میں آنے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ ایسے حالات میں لوگ عام طور پر بے پروائی کرتے ہیں اور مصالحت کے لیے کوشش نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس طرح مسلمانوں کا اجتماعی امن و سکون اہم ہے اسی طرح چند افراد کی خوشی اور سلامتی بھی اسے از حد عزیز ہے۔ اس لیے یہاں اصلحوا کے حکم پر واتقوا اللہ کا اضافہ بھی کر دیا یعنی خدا سے ڈرو اور ان دو بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرا دو تاکہ ان کو بھی امن و امان نصیب ہو اور ان کے گھر والوں کو بھی آسودگی حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے تم اسی وقت مستحق ہو سکتے ہو جب امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایک دوسرے سے محبت و پیار کا مظاہرہ کرے۔

ایسی دل نشینی، ایسی شیرینی، ایسی شائستگی صرف اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہی پائی جا سکتی ہے۔ قرآن کا یہی وہ اسلوب ہے جس نے فصحائے عرب کو دم بخود کر دیا تھا۔ یہاں صاحب جوامع الکلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی بھی سماعت فرمائیے،

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم بافضل من درجة الصیام والصلوٰۃ والصدقة. قالوا بلی یا رسول اللہ قال اصلاح ذات البین وفساد ذات البین الحالقة۔

حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جس کا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

اے ایمان والو! نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا

ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں ۳۱ اور نہ

درجہ رکھتی ہے، نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ ضرور سرفراز فرمایئے۔ فرمایا وہ آپس میں صلح کرا دینا۔ ساتھ ہی بتایا کہ دو آدمیوں کے درمیان فساد کرانا ایمان کو مونڈ کر رکھ دیتا ہے۔

۳۱۔ پہلے ان احکام کا ذکر ہوا جن کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب مسلمان ایک دوسرے کے خلاف صفیں آراستہ کر لیں اور جنگ و قتال شروع ہو جائے۔ لیکن اسلام اصلاح احوال کی صرف اسی صورت کا قائل نہیں کہ پہلے حالات کو بگڑنے دیا جائے، مختلف عوامل کو کشیدگی پیدا کرنے اور جذبات کو مشتعل کرنے کی کھلی چھٹی دی جائے جب عداوت کے شعلے بھڑکنے لگیں اور خون کی ندیاں بہنے لگیں تو آگے بڑھ کر اس آگ کو بجھانے کی کامیاب یا ناکام کوشش کی جائے۔ اسلام اس سے بھی زیادہ ان محرکات کی بیخ کنی پر توجہ دیتا ہے اور ان اسباب و علل کے سامنے بند باندھتا ہے جو اس صورت حال کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ان آیات میں مسلمانوں کو تمام ایسی باتوں سے سختی سے روکا جا رہا ہے جن کے باعث اسلامی معاشرہ کا امن و سکون برباد ہوتا ہے، محبت و پیار کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور فضا خراب شروع ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ دیا کہ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔ مذاق اسی کا اڑایا جاتا ہے جس کی عزت اور احترام دل میں نہ ہو۔ جب آپ کسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو گویا آپ اس چیز کا اعلان کر رہے ہوتے ہیں کہ اس شخص کی میرے دل میں کوئی عزت نہیں۔ جب آپ اس کی عزت نہیں کرتے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ آپ کا احترام کرے۔ جب دلوں سے ایک دوسرے کے لیے عزت اور احترام کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے تو انسان عداوت و دشمنی کی گہری کھڈ کی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے۔ کوئی رکاوٹ ایسی نہیں ہوتی جو اسے اپنے انجام بد تک پہنچنے سے روک سکے۔ استہزاء کی کئی صورتیں ہیں۔

زبان سے مذاق کرنا، نقلیں اتار کر اس کا منہ چڑانا، اس کے لباس یا قد و گفتار پر ہنسنا سب ممنوع ہیں۔

یوں تو شریعت کے سارے احکام عموماً مرد و زن سب کے لیے ہوتے ہیں اور بطور تغلیب صیغہ مذکر کا ہی استعمال ہوتا ہے لیکن جو خرابی عورتوں میں بکثرت پائی جاتی ہے اس کو روکنے کے لیے عورتوں کو الگ مخاطب بنایا جاتا ہے۔ یہاں بھی عورتیں چونکہ دوسروں کا مذاق اڑانے اور ان پر پھبتی کسنے میں بڑی تیز رفتار ہوتی ہیں اس لیے یہاں ان کو اس ناروا حرکت سے باز رہنے کا الگ حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ بتا دی کہ جن کو تم حقیر سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتی ہو ممکن ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی شان تم سے کہیں زیادہ بلند ہو۔

تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ

عیب لگاؤ ایک دوسرے پر ٹ اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ ٹ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق

ٹ دوسرا حکم یہ دیا کہ لاتلمزوا انفسکم۔

لفظ لمز کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ اللمز: العیب فی الوجہ واصلہ الاشارۃ بالعین والراس والشفۃ مع کلام خفی۔

کسی کے منہ پر اس کی عیب جوئی کرنے کو اللمز کہتے ہیں۔ اصل میں آنکھ، سر کے اشارے یا زیر لب آہستہ سے کسی کی عیب چینی کی جائے تو کہتے ہیں لمز فلان۔ لاتلمزوا فرما کر بتا دیا کہ کسی طرح بھی تمہیں یہ اجازت نہیں کہ اپنے بھائی کے عیب گنواؤ اور اس کی خامیوں اور کمزوریوں کو اچھالتے رہو۔ علامہ راغب لکھتے ہیں اللمز تتبع المعاب۔ کسی کی کمزوریاں اور عیوب کا کھوج لگاتے رہنا۔ ہر آدمی میں کوئی نہ کوئی عیب ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کا عیب ظاہر ہو۔ اگر کوئی شخص اس کی خامیوں کا برملا اظہار کرتا ہے اور اس کے عیوب کے کھوج میں لگا رہتا ہے تو اس کا کبیدہ خاطر ہونا ایک فطری امر ہے اور قرآن حکیم اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن کا اسلوب ملاحظہ ہو۔ یہ نہیں کہا کہ تم ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کیا کرو بلکہ فرمایا لاتلمزوا انفسکم۔ یعنی تم اپنی عیب جوئی نہ کیا کرو۔ مقصد یہ ہے کہ جس کی برائیاں کرتے تم نہیں تھکتے وہ کوئی غیر تو نہیں۔ تمہارا بھائی ہے۔ اس کی بدنامی تمہاری بدنامی ہے۔ اس کی فضیحت ہوئی تو شرمندہ تم ہوگے۔ اس سے یہ مطلب بھی لیا جا سکتا ہے کہ جب تم کسی کی پردہ دری کرو گے تو وہ تمہارے عیوب و نقائص کو طشت از بام کرے گا۔ تم اس کی عیب جوئی نہ کرتے تو وہ تمہاری نہ کرتا۔ اب تمہیں جو خجالت ہو رہی ہے یہ تمہارے اپنے کرتوتوں کا ثمر ہے۔ اگر اپنی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتے ہو تو کسی کی عزت پر ہاتھ مت ڈالو۔

ٹ تیسرا حکم یہ دیا کہ لاتنابزوا بالالقاب۔

لفظ تنابزوا کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ النبز: اللقب۔ التنابز: التداعی بالالقاب وھو یکثر فیما کان ذما (لسان العرب)

یعنی کسی کو کسی لقب سے ملقب کرنے کو لغت میں نبز کہتے ہیں لیکن عموماً اس کا استعمال اس لقب کے لیے ہوتا ہے جس میں کسی کی مذمت ہو اور جسے وہ شخص ناپسند کرے۔ کسی اندھے کو اندھا اور لنگڑے کو لنگڑا کہنا بھی جائز نہیں۔ ہمیشہ ایسے اسماء اور القاب سے ایک دوسرے کو بلاؤ جس سے سننے والا خوش ہوتا ہو۔

بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾ يٰٓاَيُّهَا

کہلانا ٢١ اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے (اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں ٢٢ اے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے ٢٣ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں

٢١ بڑے پیارے انداز سے اپنے بندوں کو تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ تم اب میرے ہو چکے ہو، تمہیں اب ایسی کوئی نازیبا حرکت نہیں کرنی چاہیے جس کی وجہ سے تمہیں بدکار اور فاسق کہا جائے۔ اگر تم اسلام قبول نہ کرتے، میرے محبوب رسول پر ایمان نہ لاتے اور شتر بے مہار بنے رہتے، من مانیاں کرتے رہتے تو تم سے کسی کو شکایت نہ ہوتی۔ اب تم مشرف بہ اسلام ہو چکے ہو، لوگ بجا طور پر تم سے توقع رکھتے ہیں کہ تم خیر و صلاح کا عملی نمونہ پیش کرتے رہو گے، نیکی اور پارسائی تمہارا شعار رہے گا۔ غلامانِ مصطفےٰ کہلا کر اگر تم فسق و فجور سے اپنا دامن نہیں بچاتے تو یہ بڑی بے حیائی اور افسوس کی بات ہے۔ حضرت علامہ نے کیا خوب کہا ہے۔

گر نہ داری از محمد رنگ و بو
از زبانِ خود میالا نام او

یعنی اگر تمہاری سیرت اور کردار اپنے محبوب کے رنگ و بو سے بہرہ ور نہیں تو تمہیں قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ اپنی ناپاک زبان سے اس کا پاک نام لو۔

علامہ شہاب الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس جملہ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں۔ بئس الاسم الفسوق بعد الایمان فلا تفعلوا شیئا فتصیروا فیہ باسم الفسوق۔

اس جملہ کی مزید تشریح کرتے ہوئے علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں کہ یہاں اسم نہ تو لقب ہے نہ کنیت بلکہ اسم کا لفظ یہاں ذکر کے معنی میں مستعمل ہوا ہے جیسے کہتے ہیں۔ طار اسمہ فی الناس بالکرم ای ذکرہ۔ بئس کا فاعل الاسم ہے۔ فسوق مخصوص بالذم ہے۔ یہاں مضاف مقدر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ بئس الذکر ذکر الفسوق بعد الایمان جس کا معنی یہ ہے۔ بئس الذکر المرتفع للمؤمنین ان یذکروا بالفسوق بعد دخولهم الایمان۔ (روح البیان)

٢٢ آخر میں فرمایا جو شخص ان ناشائستہ حرکات سے تائب نہیں ہوتا وہ ظالم ہے۔ آیت کے اس جملہ سے علمائے کرام نے ہتکِ عزت کا مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو حکمِ قرآن کے مطابق اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی لیکن اس کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کسی کے حق میں ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے تو اس کے خلاف اسلامی عدالت میں ہتکِ عزت کا دعویٰ دائر کیا جا سکتا ہے اور قاضی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ایسے شخص پر اس کے مناسبِ حال تعزیر لگائے۔ روح البیان میں وہ الفاظ تفصیل سے مرقوم ہیں جن کے باعث تعزیر لگ سکتی ہے۔ ان میں خبیث، منافق اور یہودی کے الفاظ بھی ہیں جنہیں جاہل لوگ بڑی بے پروائی سے استعمال کیا کرتے ہیں۔

٢٣ اب مسلم معاشرہ کو مزید کئی شرانگیزیوں سے محفوظ کرنے کے لیے جو ہدایات دی جا رہی ہیں ان کا سلسلہ اس آیت سے شروع کیا جاتا ہے

وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ

اور نہ جاسوسی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو ؀ کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ

ہے۔ فرمایا کثرت ظن و گمان کرنے سے اجتناب کیا کرو۔ کیونکہ بعض ظن ایسے ہیں جو گناہ ہوتے ہیں۔ اگر تم ظن و گمان کے شیدائی ہی بن جاؤ تو ہو سکتا ہے تم ایسے گمان بھی کرنے لگو جو سراسر گناہ ہیں۔ ان کلمات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مطلقاً ظن سے نہیں روکا اور نہ ہر قسم کے ظن کو گناہ کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی ظن جائز ہیں۔ اسی لیے علمائے کرام نے ظن کی متعدد قسمیں ذکر کی ہیں۔

واجب، مستحب، مباح اور ممنوع۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے تین روز پہلے فرمایا لا یموتن احدکم الا وھو یحسن الظن باللہ عزوجل تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ دوسرا ارشاد نبوی ہے یقول اللہ انا عند ظن عبدی بی فلیظن ما شاء کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے ظن رکھتا ہے۔ اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔

مستحب کی مثال: مومن کے ساتھ جس کا ظاہری حال اچھا ہو حسن ظن کرنا مستحب ہے۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ہوں اس کے متعلق سوء ظن کرنا مباح ہے۔ لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔ اسی کے متعلق حضور کی حدیث ہے۔

اذا ظننتم فلا تحققوا یعنی اگر کسی کے بارے میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں مت لگ جاؤ۔ شریعت میں نصوص کے خلاف ظن و تخمین سے کام لینا ممنوع ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ آیت میں ظن سے مراد تہمت ہے۔ قال علماءنا فالظن ھنا وفی الآیۃ ھو التھمۃ۔ اور اس قول کی دلیل یا اس کی سند یہ پیش کی ہے کہ بعد میں ولا تجسسوا فرمایا ہے کیونکہ جب کسی پر تہمت لگتی ہے تو طبیعت چاہتی ہے اس کا سراغ لگایا جائے اور صحیح حالات پر آگاہی حاصل کی جائے۔

؀ یعنی کسی مسلمان کے عیبوں کا سراغ لگانا اور اس کے پوشیدہ حالات کو کریدنا ممنوع ہے۔ اس طرح اس کی پردہ دری ہوگی، حالانکہ ہمیں پردہ پوشی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے من ستر مسلما ستره الله يوم القيامة جو اس دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ابو برزہ الاسلمی فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یا معشر من آمن بلسانه ولم يدخل الايمان قلبه لا تغتابوا المسلمين ولا تتبعوا عوراتهم فانه من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه في بيته۔

یعنی اے وہ گروہ جو زبان سے تو ایمان لایا ہے لیکن ایمان اس کے دل میں ابھی داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو۔ ان کی پوشیدہ باتوں کا سراغ مت لگایا کرو۔ جو مسلمانوں کی پوشیدہ باتوں کا پیچھا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مخفی باتوں کا پیچھا

يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ

اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے

کہ کسی مسلمان کی مخفی باتوں کا پیچھا نہ کرے۔ تو وہ اس کو اپنے گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔ اسی طرح ارباب حکومت کو بھی بلا وجہ لوگوں کے مخفی رازوں اور پوشیدہ حالات کو معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔

انك ان اتبعت عورات الناس افسدتهم او كدت ان تفسدهم

یعنی اگر تم لوگوں کی پوشیدہ باتیں جاننے کے درپے ہو گے تو تم انہیں خراب کر کے چھوڑو گے۔ انسان کی پرائیویٹ زندگی کا اسلام میں جس قدر احترام ہے اس کا اندازہ آپ اس مشہور تاریخی واقعہ سے بخوبی لگا سکتے ہیں جو خرائطی نے ثور کندی کے واسطہ سے مکارم الاخلاق میں نقل کیا ہے۔ ایک رات حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگا رہے تھے۔ ایک گھر سے آپ کو ایک شخص کے گانے کی آواز آئی۔ دیوار پھاند کر آپ اندر داخل ہو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہے۔ اس کے پاس ایک عورت بیٹھی ہے۔ قریب ہی شراب رکھی ہے۔ حضرت عمر غصہ سے بیتاب ہو گئے اور فرمایا یا عدو الله اظننت ان الله يسترك وانت على معصية. اے اللہ کے دشمن! کیا تجھے یہ گمان تھا کہ تو نافرمانی بھی کرے گا اور اللہ تعالیٰ تیری پردہ پوشی بھی کرے گا۔ اس شخص نے کہا اے امیر المومنین! جلدی سے کام نہ لیں۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین نافرمانیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لا تجسسوا کسی کی جاسوسی نہ کیا کرو۔ آپ نے میری جاسوسی کی ہے۔ فرمان خداوندی ہے وأتوا البيوت من أبوابها گھروں میں دروازے سے داخل ہو۔ آپ دیوار پھاند کر داخل ہوئے ہیں۔ ارشاد ہے۔ لا تدخلوا بيوتا غير بيوتكم حتى تستأنسوا. داخل ہونے سے پہلے اہل خانہ سے اجازت لو اور آپ میری اجازت کے بغیر اندر آگئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر میں اب تم کو معاف کر دوں تو کیا تم آئندہ اس جرم کا ارتکاب نہ کرو گے۔ اس نے کہا ہاں۔ البتہ اگر کسی کی سرگرمیاں ملک و ملت کے خلاف ہوں اور کسی دشمن سے سازباز کر رہے ہوں یا کسی کو قتل کرنے کے مشورے کر رہے ہوں تو ایسے لوگوں کے احوال کی جانچ پڑتال کی جا سکتی ہے۔

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ۚ

غیبت کی تعریف حضور ﷺ نے بڑی وضاحت سے بیان فرمائی ہے۔ ایک روز حضور نے صحابہ سے دریافت کیا کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا الله ورسوله اعلم. اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ذكرك اخاك بما يكره. اپنے بھائی کا ایسا ذکر جسے وہ ناپسند کرے۔ عرض کی گئی اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہو تو بھی اس کا ذکر غیبت ہوگی۔ فرمایا اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے اور تو اس کا ذکر کرے تو تو نے غیبت کی اور اگر وہ بات اس میں نہیں جو تو کہہ رہا ہے تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔

۱۵۔ قرآن کریم نے لوگوں کو غیبت سے متنفر کرنے کے لیے ایک ایسی تشبیہ دی ہے جس سے کوئی سلیم الطبع غیبت کی طرف

یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کیا کوئی شخص اپنے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا اور انسان کی وہ چیز جو مرنے کے بعد ہو وہ بھی جو اس کا بھائی ہو اسی چیز کو ایک مرتبہ حضور نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ جب ماعزؓ نے اعتراف زنا کیا اور حضور نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا تو حضور نے سنا کہ دو آدمی آپس میں اس طرح کی گفتگو کر رہے ہیں کہ اس شخص کی طرف دیکھو جس کا گناہ اللہ تعالیٰ نے ڈھانپ دیا تھا مگر اس نے خود انکشاف کیا۔ پھر اسے اس طرح سنگسار کیا گیا جس طرح کتے کو کیا جاتا ہے۔ حضورؐ نے یہ بات سنی اور خاموش رہے پھر کچھ وقت حضورؐ چلتے رہے یہاں تک کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے۔ فرمایا فلاں فلاں آدمی کہاں ہیں؟ ان دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم حاضر ہیں۔ فرمایا اترو اور اس مردار گدھے کو کھاؤ۔ وہ کہنے لگے اے نبی اللہ اس مردار کو کون کھاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا فما نلتما من عرض اخیکما اشد من اکل منہ۔ والذی نفسی بیدہ انہ الآن لفی انہار الجنۃ ینغمس فیہا۔ یعنی تم مردہ گدھا کھانے سے نفرت کرتے ہو لیکن اپنے بھائی کی عزت پر جو تم نے حملہ کیا ہے وہ مردار کھانے سے بھی زیادہ بدتر ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ تو اس وقت جنت کی نہروں میں نہا رہا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ غیبت کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اگر کوئی شخص غیبت کر بیٹھے تو وہ توبہ کرے۔ اگر ہو سکے تو جس کی غیبت اس نے کی ہے اس سے بخشوا لے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی غیبت تم نے کی ہے اس کے لیے بکثرت مغفرت کی دعا مانگو۔

لیکن بعض صورتیں ایسی ہیں جہاں غیبت مباح ہو جاتی ہے۔ وہ فاسق جو اعلانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا ہے اس کے عیوب کا ذکر غیبت نہیں۔ حدیث شریف میں ہے من القی جلباب الحیاء فلا غیبۃ لہ۔ جو شخص حیا کی چادر اتار کر پھینک دے اس کی کوئی غیبت نہیں۔ دوسرا ارشاد ہے اذکروا الفاجر بما فیہ کی یحذرہ الناس۔ فاجر کی خرابیاں بیان کیا کرو تاکہ لوگ اس سے بچتے رہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اس شخص کی غیبت ممنوع ہے جو چھپ چھپ کر برائی کرتا ہے۔ اسی طرح بدعقیدہ عالم اور ظالم بادشاہ کے عیوب بیان کرنا بھی غیبت نہیں۔ اگر کوئی شخص قاضی کے پاس دعویٰ کرتا ہے اس ضمن میں اپنے خصم کے عیوب بیان کرتا ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ ہند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ ان ابا سفیان رجل شحیح لا یعطینی ما یکفینی انا وولدی فلنفق من غیر علمہ۔ ابو سفیان بخیل آدمی ہے مجھے اتنا نہیں دیتا جس سے میرا اور میرے بچوں کا گزر ہو سکے کیا میں اس کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتی ہوں۔ حضور نے فرمایا نعم فخذی۔ ہاں لے سکتی ہو۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے لصاحب الحق مقال۔ جس کا حق ہو اسے بات کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح رشتہ کے بارے میں اگر کوئی مشورہ کرے تو اسے صحیح صورت حال سے آگاہ کرنا چاہئے۔

فاطمہ بنت قیس کو جب اس کے خاوند نے طلاق دے دی تو معاویہؓ اور ابو جہمؓ نے پیغام بھیجا۔ مشورہ کرنے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا اما معاویۃ فصعلوک لا مال لہ واما ابو جہم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ۔

رَحِيمٌ ﴿١٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ

والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف

شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ

قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بےشک تم میں سے زیادہ عزت والا اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

یعنی معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا دور نہیں کرتا۔ یہ اس لیے تھا کہ فاطمہ بنت قیس کو دھوکا نہ ہو۔

دورِ جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرابیوں کے ساتھ ساتھ تفاخر کی بیماری میں بری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر، اشرف اور اعلیٰ خیال کرتے تھے۔ ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان ہی الگ تھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور اس کی فضاؤں میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یاد فرمایا اور حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور اذان دو۔ تعمیل ارشاد میں بلال رضی اللہ عنہ نے کعبہ کے اوپر چڑھ کر اذان دی تو شرفائے قریش پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ان کے دلی جذبات کا اندازہ اس مکالمے سے لگائیے جو آپس میں ہوا۔

عتاب ابن اسید بولا: اللہ کا شکر ہے میرا باپ یہ منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔ حارث ابن ہشام کہنے لگا: کیا اس کالے کوے کے بغیر محمد (ﷺ) کو اذان دینے کے لیے اور کوئی مؤذن نہیں ملا۔ سہیل ابن عمرو نے کہا: جیسے اللہ کی مرضی۔ ابوسفیان نے کہا: میں کچھ نہیں کہتا، اندیشہ ہے کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ تعالیٰ اس کو آگاہ کر دے۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس زعمِ باطل کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔

تفاخر کا یہ نظریہ فقط جاہل اور غیر مہذب عربوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ روئے زمین پر جو متمدن اور شائستہ قومیں آباد تھیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی صورت میں اس بیماری میں مبتلا تھیں۔ کہیں اپنی نسل اور قومیت پر فخر کیا جاتا تھا، کہیں ان کے وطنوں کی سرزمین ان کی بڑائی اور برتری کا باعث تھی، کہیں زبان و رنگ وجہ افتخار بنے ہوئے تھے۔ اس فاسد نظریہ نے مختلف قوموں کو متحارب گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ہر قوم اپنی نسلی شرافت اور اپنے خطۂ زمین کی عظمت کے باعث اپنا یہ حق سمجھتی تھی کہ وہ دوسرے ممالک کو تاخت و تاراج کرے، ان کی دولت کو لوٹے، ان کے باشندوں کو اپنا غلام بنائے اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے۔ اس شرانگیز نظریہ کے باعث جنگ و جدال کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا اور شرفِ انسانی کی قبا تہذیب و تمدن کے علمبرداروں کے ہاتھوں تار تار ہوتی رہی۔ یہ گمراہیاں صرف اس زمانہ میں ہی موجود نہ تھیں جسے دورِ مظلم کہا جاتا ہے بلکہ آج بھی ان کی ہلاکت آفرینیوں سے انسانیت کی جبین شرم کے مارے عرق آلود ہو رہی ہے۔ بھارت، جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ ہے، وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات پوری شدت کے ساتھ قائم ہیں۔ بھارت کے طول و عرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت نسلِ انسانی کے ہندوؤں کے مندروں میں جا کر پوجا پاٹ نہیں کر سکتے اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔ امریکہ میں بےشمار ایسے ہوٹل ہیں جن کے

اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا وَلَٰكِن

بیشک اللہ تعالیٰ علیم ہے اور خبیر ہے۔ اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں آپ فرمائیے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ

قُولُوا أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ۖ وَإِن تُطِيعُوا

ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا اور اگر تم سچے دل سے اطاعت کرو گے

سوائے عمل کے جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے: "نیٹو اینڈ ڈاگز (دیسی لوگ اور کتے) داخل نہیں ہو سکتے"۔ سفید فام باشندوں کے سکول اور کالج یکسر مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وطنیت، قوم، رنگ، نسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی اسی زور شور سے جاری ہے۔ اس مختصر سی آیت میں ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا جن پر مختلف قوموں نے اپنی برتری اور شرافت کے ایوان تعمیر کر رکھے تھے۔

فرمایا اے لوگو! تم ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہو۔ تمہاری نسل کا سلسلہ اسی ایک اصل سے جا کر ملتا ہے۔ تمہارا خالق بھی ایک ہے۔ تمہارا مادہ تخلیق بھی یکساں ہے۔ تمہاری پیدائش کا طریقہ بھی ایک جیسا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ تمہارا ایک دوسرے پر برتری کا دعویٰ کرو، یہ سراسر کم فہمی یا عناد کی وجہ سے ہے۔ اولاد آدم کا مختلف شعوب و قبائل میں بٹ جانا اس لیے نہیں کہ ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو حقیر سمجھے اور اپنے آپ کو اشرف و اعلیٰ خیال کرے بلکہ اس لیے ہے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو اور باہمی معاملات میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔

الشعوب: رؤوس القبائل مثل ربيعة، ومضر، والأوس، والخزرج.

شعوب کا واحد شعب ہے۔ وہ ایسے اصل کو کہتے ہیں جس سے کئی قبیلے نکلتے ہوں۔ ان کی ترتیب یوں ہے:

شعب، قبیلہ، فصیلہ، عمارہ، بطن اور فخذ

۲۲ے کسی خاندان میں پیدا ہونا، کسی زمین کا باشندہ ہونا اور چہرے کی کوئی خاص رنگت، اس میں انسان کی اپنی کوشش اور سعی کا کوئی دخل نہ تھا اس لیے قرآن کریم نے اس کو وجہ افتخار قرار نہیں دیا۔ البتہ ایک چیز ہے جس سے انسان کا مرتبہ دوسرے لوگوں سے بہت بلند اور اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اس میں انسان کی ذاتی کوشش کا بھی دخل ہے اور وہ ہے تقویٰ۔

تقویٰ کی بنا پر جو معزز و محترم ہوگا وہ لغزشوں سے کیسر پاک ہوگا اور ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنے ملک اور قوم کے لیے باعث خیر و برکت ہوگا بلکہ تمام نوع انسانی اس کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوتی ہے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر نہایت اثر انگیز الفاظ میں اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ چند ارشادات نبوی ملاحظہ فرمائیے:

فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر طواف کیا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اونٹنی کے بیٹھنے کے لیے بھی جگہ نہ تھی۔ حضور لوگوں کے ہاتھوں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ حضور نے خطبہ ارشاد فرمایا۔

اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ

اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں شئی بے شک اللہ تعالیٰ غفور

یاایھا الناس ان اللہ تعالیٰ قد اذھب عنکم عیبۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بآبائھا فالناس رجلان۔ رجل برتقی کریم علی اللہ تعالیٰ ورجل فاجر شقی ھین علی اللہ تعالیٰ۔ الناس کلھم بنو آدم وخلق اللہ آدم من تراب۔ (ترمذی شعب الایمان تفسیر)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے تم سے جاہلیت کی خامیاں دور کر دیں اور تکبر سے پاک کر دیا۔ اے لوگو! انسانوں کے بس دو ہی گروہ ہیں۔ ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے دوسرا بدکار بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ ورنہ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

یاایھا الناس، الا ان ربکم واحد۔ لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لاسود علی احمر ولا لاحمر علی اسود الا بالتقوٰی۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ الا ھل بلغت؟ قالوا بلیٰ یارسول اللہ قال فلیبلغ الشاھد الغائب۔ (بیہقی)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ نہ کسی کالے کو سرخ پر اور نہ کسی سرخ کو کالے پر برتری حاصل ہے بجز تقویٰ کے۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہوگا۔ کہو کیا میں نے اللہ کا حکم پہنچا دیا؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا یا رسول اللہ! بےشک آپ نے پہنچا دیا۔ فرمایا جو یہاں موجود ہیں وہ یہ حکم ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

کلکم بنو آدم وآدم خلق من تراب لینتھین قوم یفخرون بآبائھم او لیکونن اھون علی اللہ من الجعلان۔ (بزار)

ترجمہ: تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آ جائیں ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی حقیر و ذلیل ہوں گے۔

ان اللہ لا یسئلکم عن احسابکم ولا عن انسابکم یوم القیامۃ، ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ (تفسیر ابن جریر)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔ (مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔

قرآن کریم کی اس تعلیم اور نبی کریم کے ان ارشادات کا یہ اثر تھا کہ ایسی امت معرض وجود میں آگئی جن کے نزدیک عظمت و بزرگی کا معیار فقط تقویٰ اور پارسائی تھی باقی تمام جھوٹے امتیازات مٹ گئے۔ قومیات کے جملہ اسباب کا قلع قمع ہو گیا۔

شانِ نزول: قبیلہ بنو اسد کے لوگ ایک سال قحط کا شکار ہوئے۔ انہوں نے رسالت میں حاضر ہو کر زبان سے اسلام کا اقرار کیا لیکن ان

رَّحِيمٌ ۞ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا

رحیم ہے۔ (کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر اس میں کبھی شک نہیں کیا

وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں ۲۹ یہی لوگ

الصَّادِقُونَ ۞ قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ

راستباز ہیں۔ آپ فرمائیے کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے جو آسمانوں میں

کے دل نور ایمان سے محروم تھے۔ انہوں نے مدینہ کے راستوں کو غلاظت سے بھر دیا۔ وہ حضور کی خدمت میں آکر عرض کرتے کہ ہم اپنے اہل و عیال لے کر آپ کے پاس آگئے ہیں۔ دوسرے قبائل کی طرح ہم نے آپ کے ساتھ جنگ نہیں کی اس لیے آپ ہماری ضروریات پوری فرمائیے۔ اس طرح وہ حضور پر اپنا احسان جتلاتے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی قبائل مزینہ، جہینہ اور اسلم تھے جو احسان جتلانے کے لیے ایسی باتیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ انہیں بتائیں تمہارے دلوں نے ایمان قبول نہیں کیا۔ تم تو فقط دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لیے اور قتل و اسیری سے بچنے کے لیے مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنالو گے تو تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر دیا جائے گا۔

لاتہ : نقصہ، کسی چیز میں کمی کرنا۔

۲۸ اعراب بنی اسد اپنے آپ کو زبانی اقرار کے بعد مسلمان خیال کرتے تھے۔ اس آیت میں سچے مومن کی وضاحت کردی کہ ہر شخص جو اپنے آپ کو مسلمانوں کے گروہ میں شامل کرلے مومن کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کا دل ہر شک اور شبہ سے پاک ہو اور جب اسلام کی سربلندی کے لیے مال یا جان قربان کرنے کا موقع آئے تو وہ بلا تامل ہر چیز بخوشی قربان کردے۔

اس آیت سے بعض لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ قرآن کی اصطلاح میں ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ مومن وہ کہلاتا ہے جس کا دل نور ایمان سے منور ہو اور مسلمان اسے کہتے ہیں جو بظاہر مطیع اور فرمانبردار ہو اگرچہ اس کا دل یقین سے محروم ہو۔ یہ بہت کم فہمی کی دلیل ہے۔ قرآن کریم کی بیشتر آیتیں ہمارے اس خیال کی تردید کرتی ہیں۔

ارشاد ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ہے۔ ما کان ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما۔ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ یکسو اللہ کی طرف مائل ہونے والے مسلم تھے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ

اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام

اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ

لے آئے۔ فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ

هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ

تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی ؎ اگر تم اپنے ایمان کے دعوی میں سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے متعلق ارشاد ہے ؛

قل انی امرت ان اکون اول من اسلم۔

آپ فرمائیے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لے آؤں۔

؎ عرب کے بعض بادیہ نشین قبائل اسلام قبول کرتے اور پھر آکر احسان جتلاتے کہ دیکھو ہم نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے اور آپ کا دین قبول کر لیا ہے۔ ہم نے غیر مسلم قبائل سے اپنے دیرینہ تعلقات آپ کی خاطر کاٹ لیے ہیں۔ ہمیں اناج کی ضرورت ہے وہ دو۔ ہمارے پاس سواری کے لیے جانور نہیں ہیں وہ مہیا کرو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ تمہارا احسان نہیں کہ تم نے اسلام قبول کیا بلکہ یہ تو رب اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا کہ تمہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اگر وہ تمہیں قبول حق کی توفیق نہ بخشتا تو تم اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جاتے۔ کفر پر مرتے اور جہنم رسید ہوتے۔ احسان نہ جتلاؤ بلکہ اپنے رب کے اس فضل و کرم پر سجدہ ہائے شکر بجا لاؤ کہ آج تمہارا شمار غلامان مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء میں ہو رہا ہے۔

داناے شیراز علیہ الرحمۃ نے اس کی خوب تفسیر فرمائی ہے۔

شکر خدائے کن کہ موفق شدی بخیر	زانعام و فضل او نہ معطل گذاشتت
منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یعنی خداوند کریم کا شکر ادا کر کہ اس نے تجھے نیکی کی توفیق دی ہے۔

اور اس نے تجھے اپنے انعام و احسان سے محروم نہیں رکھا۔

یہ احسان مت جتلا کہ تو بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے۔

بلکہ اس کا احسان سمجھ کہ اس نے تجھے اپنی خدمت کا موقع دیا ہے۔

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸

زمین کے سب چھپے بھید معلوم ہیں خوب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو ۳۱؎

۳۱؎ اے پیارے! تیرا معاملہ اس خدا سے ہے جس کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کی بیکراں وسعتوں میں کوئی چیز ہو تو ایسی نہیں جو اس سے مخفی ہو۔ فرازِ عرش سے لے کر قعرِ زمین تک جب ہر چیز اس کے سامنے عیاں ہے تو تیرے دل کی حقیر سی دنیا کا کوئی گوشہ اس سے پوشیدہ رہ سکتا ہے؟ ایسے علیم و بصیر کے ساتھ معاملہ کی بنیاد مکر و نفاق پر رکھنا کتنے درجہ کی حماقت ہے۔ وہ اور خوش بخت وہ ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ جس کی زبان بھی اس کے ذکر میں مشغول اور اس کا دل بھی اس کی یاد سے معمور رہتا ہے۔ جس کا ہاتھ بھی اس کا فرمانبردار اور جس کی روح بھی اس کی بندگی پر نازاں اور شاداں رہتی ہے۔

اللهم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتی بيدك ماض فیّ حكمك و عدل فیّ قضاءك اسئلك بكل اسم هو لك سميت به نفسك وانزلته فی كتابك او علمته احدا من خلقك او استاثرت به فی علم عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذهاب همی وغمی۔

اللهم مننت على عبدك البائس المسكين بفتحه لخدمة كتابك المبين وتقبل منه انك انت السميع العليم۔

اللهم صل وسلم وبارك على حبيبك وصفيك ونبيك سيدی ومولائی محمد وعلى اله واصحابه من الصلوٰة ازكاها ومن التسليمات اسناها ومن البركات ارفعها وارزقنا حبه واتباعه وشفاعته واحشرنا تحت قدميه الطيبتين يا رب المشرقين والمغربين۔

تعارف
سُورۃ قٓ

نام: اس کا نام سورہ قٓ ہے جو پہلی آیت کا پہلا حرف ہے۔ اس کے تین رکوع اور پینتالیس آیات ہیں۔ یہ تین سو ستاون کلمات اور ایک ہزار چار سو چورانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول: اگرچہ کسی مستند روایت سے اس کا سالِ نزول متعین نہیں ہوتا، لیکن اس کے مضامین میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے درمیانی زمانے میں نازل ہوئیں جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھل کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تھی، سعادت مند روحیں دوڑ کر اس دعوت کو قبول کرنے لگی تھیں، مکہ کے کافرانہ معاشرے میں ایک ہلچل پیدا ہو گئی تھی اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناکام بنانے کے لیے طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیے تھے۔

مضامین: اہلِ عرب کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری دعوت ایسی تھی جس نے انہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا تھا، لیکن اس بات کو وہ ماننے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کر دیا جائے گا۔ ان کے پراگندہ اجزا اور منتشر ذروں کو پھر جوڑ دیا جائے گا۔ یہ چیز ان کے نزدیک ناممکن بھی تھی اور خلافِ عقل بھی، اس لیے وہ برملا کہتے تھے کہ ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ بے شک یہ کام از حد شاق اور انتہائی مشکل ہے، بکھرے ہوئے ذرے جنہیں ہوا کے جھونکے کہاں کہاں اڑا کر پھینک آئے، ان کو اکٹھا کرنا تمہارے بس کی بات نہیں، کیونکہ تمہارا علم ناتمام اور قدرت محدود ہے، لیکن اس ذات کے لیے اس میں ذرا بھی دشواری نہیں جس کا علم کائنات کے ذرے ذرے کو اور ہر آن وقوع پذیر ہونے والی معمولی تبدیلیوں کو بھی جانتا ہے، جس نے ان کا مکمل ریکارڈ تیار کر رکھا ہے۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں قدرت کو جاننا چاہتے ہو، تو عالمِ بالا کی بے پایاں اور وسیع پہنائیوں کو دیکھو، اور اگر اس کی کمالِ حکمت کا اندازہ لگانا چاہتے ہو، تو اس وسیع و عریض اور پیچیدہ عالم میں حیرت انگیز نظم و ضبط اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اس میں غور کرو، تمہیں یقین آ جائے گا کہ ایسی ہستی کے لیے انسان کو موت کی نیند سلانا اور پھر اس کو مٹ جانے کے بعد وقتِ مقررہ پر زندہ کر دینا قطعاً مشکل نہیں۔

جی چاہتا ہے کہ اختصار کے ساتھ عالمِ بالا کی بے کراں وسعتوں کا تذکرہ کر دوں تاکہ قدرتِ خداوندی کی عظمتوں کا قارئین کو کچھ تصور ہو جائے۔

جدید ماہرین فلکیات کی تحقیقات کے مطابق یہ نظام شمسی جس میں ہمارا کرۂ زمین بھی ہے یہ ایک کہکشاں کا حصہ ہے (GALAXY) اس ایک کہکشاں میں ایک لاکھ ملین[1] ستارے موجود ہیں۔ اس کہکشاں کا قطر دس لاکھ نوری سال ہے، اس کی موٹائی دس ہزار نوری سال ہے[2]۔ سورج کہکشاں کے مرکز سے تیس یا تیس ہزار نوری سال دور ہے۔ سائنسدان تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی وسعتوں کا اندازہ لگانا ان کے امکان سے خارج ہے۔ ابھی تک انہوں نے کائنات کے ایک حقیر سے حصہ کا مشاہدہ کیا ہے لیکن یہ مختصر حصہ بھی اتنا ہے کہ اگر کوئی شخص روشنی کی رفتار (ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ) سے سفر کرے تو اس کی سرحد تک پہنچنے کے لیے اسے چھ ہزار ملین سال درکار ہوں گے۔

یہ کہکشاں جس سے ہمارا تعلق ہے نسبتاً چھوٹی ہے۔ اس کے علاوہ ہزاروں ملین چھوٹی بڑی کہکشائیں ہیں۔ اس چھوٹی کی وسعت کا اندازہ لگائیے کہ زمین سے چاند دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، سورج زمین سے ساڑھے نو کروڑ میل دور ہے اس کا قطر آٹھ لاکھ چونسٹھ ہزار میل ہے اور وہ زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے۔

آسمان اور زمین کی وسعتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا تَبۡصِرَةً وَّذِكۡرٰى لِكُلِّ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ۔ کاش! وہ امت جو حامل قرآن ہے، وہ نوجوان جو خلائی مسئلے کا دم بھرتے ہیں، وہ اہل علم طلبہ اور اساتذہ خواب خرگوش سے بیدار ہوں، تحقیق و تجسس کو اپنا شعار بنائیں، اسرار قدرت کی نقاب کشائی میں سبقت فرمائیں تاکہ ثبوت دیں تو ملت اسلامیہ کا مقدر چمک اٹھے اور ادبار و انحطاط کا چکر ختم ہو جائے۔

منکرین قیامت کو تنبیہ فرمائی کہ جس سرکشی اور ہٹ دھرمی کا تم مظاہرہ کر رہے ہو اس سے پہلے جن قوموں نے یہی طریقہ اپنایا تھا انجام کار وہ تباہ کر دی گئیں۔ کیا تم بھی اپنا یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

اس حقیقت کی وضاحت بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے دور نہیں بلکہ ان کی شہ رگ سے بھی وہ زیادہ ان کے قریب ہے۔ کسی کی کوئی حرکت اللہ تعالیٰ سے مخفی ہے اور نہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے قابو سے باہر ہے۔ بلکہ ہر وقت دو فرشتے دائیں بائیں تمہارے ساتھ مقرر کر دیئے گئے ہیں جو تمہارے اقوال و اعمال کا ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔

سورت کے اختتام سے پہلے فرمایا اے حبیب! آپ ان لوگوں کی یاوہ گوئیوں اور بیہودہ سرائیوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں، بلکہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ صبح و شام ہر وقت میری یاد کرا اور میری تسبیح کرتے رہیں۔ یقیناً کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

1ـ ملین: دس لاکھ کو ایک ملین کہتے ہیں۔

2ـ نوری سال سمجھنے کے لیے یہ خیال فرمائیے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر طے کرتی ہے۔ اس کو ساٹھ سے ضرب دیجئے پھر حاصل ضرب کو ساٹھ سے پھر اس کو چوبیس سے ضرب دیں جو حاصل ضرب ہے وہ ایک نوری دن ہوگا پھر دن کو پورے تین سو پینسٹھ کے سال بنا لیجئے اس عرصہ میں جتنی مسافت طے ہوگی اسے ایک نوری سال کہیں گے ————

۱۸۶۰۰۰×۶۰×۶۰×۲۴ = ۱۶،۰۷،۰۴،۰۰،۰۰۰ یعنی سولہ ارب سات کروڑ چار لاکھ میل (ایک دن میں)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّ ثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ قٓ مکی ہے اور اس کی پنتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

قاف[1] قسم ہے قرآن مجید کی (کہ آپ اللہ کے رسول ہیں)[2] بلکہ (کفار) حیران ہوتے ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں

---

[1] یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اس سورت کا نام ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے حسنیٰ کی کنجی ہے جن کی ابتداء میں قاف ہے۔ مثلاً القدیر، القادر، القہار وغیرہ۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ والحق انه رمز بين الله ورسوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ حق یہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے جسے بعض راسخین فی العلم ہی جانتے ہیں۔

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں قال ابن عطاء اقسم الله بقوة قلب حبيبه محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حيث تحمل الخطاب والمشاهدة ولم يؤثر ذلك فيه لعلو حاله (روح البیان)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کے دل کی قوت کی قسم کھائی ہے کہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ بھی کیا اور شرف کلام بھی حاصل ہوا لیکن کلیم کی طرح ایک تجلی سے غش کھا کر نہیں گر پڑے۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ ق سے مراد ایک پہاڑ (کوہ قاف) ہے جو ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ زبرجد کا بنا ہوا ہے۔ آسمان کی نیلاہٹ اسی زبرجد کا عکس ہے وغیرہ وغیرہ۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ اسرائیلی خرافات ہیں جو مسلمانوں نے علماء اہل کتاب سے سن کر بلا تحقیق اپنی کتب میں لکھ دیں۔ بلکہ اہل کتاب میں سے بعض زندیق تھے انہوں نے ایسی روایتیں گھڑیں تاکہ لوگوں کو دین حق سے بدگمان کیا جائے۔

وعندی ان هذا وامثاله واشباهه من اختلاق بعض زنادقتهم۔ اس ضمن میں حضرت ابن عباس سے جو اثر منقول ہے اس کے بارے میں علامہ موصوف لکھتے ہیں لا يصح سنده عن ابن عباس کہ حضرت ابن عباس سے اس کی سند صحیح نہیں ہے۔ (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے بھی اس قول کی تردید کی ہے۔

[2] اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی قسم کھا رہا ہے کہ بیشک میرا محبوب میرا سچا رسول ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں کہ جب مجید قرآن کی صفت ہو تو اس کا معنی ہوگا الرفيع العالی، عالی شان، بلند مرتبہ۔ علامہ راغب لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کو مجید کہا جاتا ہے کہ وہ دینی اور

فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ۞ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ

سے تو کہنے لگے کفار کہ یہ تو بڑی عجیب و غریب بات ہے سے کیا جب ہم مر جائیں گے اور ہو جائیں گے مٹی

ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِیْدٌ ۞ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَ

(تو پھر زندہ کیے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بہت بعید ہے ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے کم کرتی ہے اور

عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِیْظٌ ۞ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ

ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو سب کچھ محفوظ رکھنے والی ہے بلکہ انہوں نے جھٹلا دیا حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس

اخروی کو شامل ہے اس لیے اسے مجید کہا گیا۔ یہ وصف ... لکثرۃ ما یتضمن من المکارم الدنیویۃ والاخرویۃ (مفردات راغب)

۲ ے چاہیے تو یہ تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے کہ اس نے ان کی طرف ایک راہبر بھیجا ہے اور مزید کرم یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کا ہم قوم اور ہم وطن ہے اور وہ اس کی سیرت و کردار سے پوری طرح آگاہ ہیں لیکن یہ عجیب الٹی کھوپڑی کے لوگ ہیں۔ انہیں اگر اعتراض ہے تو اس پر کہ ان میں سے ایک آدمی کو منصب نبوت پر کیوں فائز کر دیا گیا۔ اگر کسی ہادی کو آنا ہی تھا تو کسی غیر ملک سے آتا، بلکہ نوع انسانی کے بجائے جن یا فرشتہ ہوتا تا کہ وہ اس کی عظمت کو پہچان سکتے اور اس پر ایمان لاتے۔

۳ ے کفار کہتے کہ پہلے تو یہ بات ہی بڑی حیرت انگیز ہے کہ ایک انسان نبی ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ عقل کو پریشان کرنے والی بات یہ ہے جو وہ کہہ رہا ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ایسی بات ہے جو بعید از امکان ہے۔ اسے عقل تسلیم کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔ ایسی انہونی اور ناقابل فہم باتیں کرنے والا نبوت کا مدعی ہو، بڑی حیرت انگیز بات ہے اور ہم جیسے دانشوروں سے یہ توقع رکھے کہ ہم اس پر ایمان لائیں گے، یہ بات پہلی سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔

۴ ے وقوع قیامت پر انہیں اعتراض یہ تھا کہ جب مردہ کو زمین میں دفن کیا جاتا ہے تو زمین اس کے گوشت پوست اور ہڈیوں کو کھا جاتی ہے۔ پھر وہ مٹی خاک بن کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے ایسے منتشر ذرات کو یکجا کرنا ناممکن ہے۔ ان کے اس شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ زمین میت کے جس جس جزو کو کھاتی ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا مکمل علم ہے۔ بلکہ ہمارے پاس تو ایسی جامع کتاب ہے جس میں کائنات علوی و سفلی میں ہر لحظہ رونما ہونے والی ساری تبدیلیوں کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ تو وہ ذات جس کا علم ہر چیز کو اور اس میں رونما ہونے والے ہر تغیر کو محیط ہے اور وہ علیٰ کل شیء قدیر کی صفت سے موصوف ہے۔ اس کے لیے ذرات کو از سر نو زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔

اس آیت کے ضمن میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں: وثبت ان الانبیاء والاولیاء والشہداء لا تاکل الارض اجسادہم

فِيٓ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ ۝۵ اَفَلَمۡ يَنۡظُرُوۡۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ كَيۡفَ بَنَيۡنٰهَا وَ

اس وجہ سے وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں ۲ کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے

زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ۝۶ وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا

اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں ۳ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور گاڑ دیے اس پر

یعنی یہ ایک مسلمہ بات ہے کہ انبیاء، اولیاء اور شہداء کے جسموں کو زمین نہیں کھاتی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ ان کے جسموں کو کھائے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب "التذکرہ" میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

۲ وہ نبی کریم کی بعثت پر حیرت اور آپ کی تعلیمات کو فقط بعید از قیاس کہنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ انہوں نے تو اس حق کو سراسر جھوٹ کا پلندہ کہنے کی رٹ لگا رکھی ہے۔ کہتے ہیں (معاذ اللہ) یہ جھوٹا ہے، اس کی لائی ہوئی کتاب جھوٹی ہے، اس کے پیش کیے ہوئے عقائد غلط ہیں۔ لیکن تکذیب حق کے بعد کیا ان کے دلوں کو قرار نصیب ہے۔ کیا ان کے ذہنوں نے ان کی اس بات کو درست تسلیم کر لیا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! اس تکذیب کی وجہ سے تو ان کا ذہنی سکون برباد ہو گیا ہے۔ ان کے دل مضطرب اور بے چین ہیں۔ انہیں کسی پہلو قرار نہیں۔ کسی ایک بات پر ان کے قدم نہیں جمتے۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادوگر ہے۔ کبھی اسے شاعر کہتے ہیں، کبھی اسے دیوانہ بتلاتے ہیں اور کبھی اس پر افترا باز ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ واقعی جو حق کا انکار کرتا ہے اس سے سکون و قرار چھین لیا جاتا ہے عمر بھر قلق و اضطراب کی موجیں اسے تنکوں کی طرح اٹھا کر دائیں بائیں پھینکتی رہتی ہیں۔ آیت کے آخر میں مریج کا لفظ غور طلب ہے۔ علامہ قرطبی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اصل المرج: الاضطراب والقلق۔

۳ کفار تو مرنے کے بعد جی اٹھنے کے منکر تھے اور اس انکار پر انہیں شدید اصرار تھا۔ ان آیات میں ان کے اس انکار کی بیخ کنی کی جا رہی ہے۔ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا دعویٰ اگر کسی ایسی ہستی نے کیا ہوتا جو کمزور، بے بس اور ناتواں ہے تو اس دعویٰ کے انکار کا تمہیں حق پہنچتا تھا لیکن یہ دعویٰ جس ہستی نے کیا ہے، بلندیاں اور پستیاں سب اس کے زیر فرمان ہیں۔ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو تمہیں کیا نظر آ رہا ہے۔ نیلگوں بے کراں آسمان ہے جس میں مہر و ماہ اور ان گنت ستارے جگمگا رہے ہیں۔ انہیں بنے ہوئے لاکھوں سال گزر چکے ہیں۔ کیا ان میں بوسیدگی اور کہنگی کے کہیں کوئی آثار تمہیں نظر آتے ہیں۔ ان کے معمولات میں کبھی ایک لمحہ کا تقدم و تاخر ہوا ہے۔ جدید سائنسی آلات کے ذریعہ فضا میں جو نئے انکشافات ہو رہے ہیں ان کے مطالعہ سے عالم بالا کی وسعتوں کا تصور کر کے ہی انسان اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے۔

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍۙ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

بڑے بڑے پہاڑ ۸ اور اگائیں ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثار قدرت) بصیرت افروز اور یاد دہانی ہیں

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ

ہر اس بندہ کے لیے جو اپنے رب کی طرف مائل رہتا ہے ۹ اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی ۱۰ پس ہم نے اگائے اس سے

جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِۙ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌۙ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا

باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے تہ بہ تہ لگے ہوتے ہیں۔ بندوں کی

لِّلْعِبَادِۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ﴿۱۱﴾ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ

روزی کے لیے اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر کو۔ یونہی (روز حشر) ان کا نکلنا ہوگا ۱۱ جھٹلایا تھا ان سے پہلے

۸ ذرا اس کرۂ زمین کی طرف چشم ہوش سے دیکھو یہ کتنا وسیع اور کشادہ ہے۔ قدرت والے نے کس طرح اس کو دور دور تک پھیلا دیا ہے۔ کس شان سے اونچے اونچے پہاڑیاں نصب کر دیے ہیں۔ زمین کی مٹی میں روئیدگی کی بے پناہ قوت کس حکمت سے ودیعت کر دی ہے۔ ہر قسم کے درخت، پھل، پودے، پھول، اناج، جڑی بوٹیاں اپنی اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ اگر کائنات کی گتھیوں پر چلانا آپ تسلیم کر لیں تو پھر جس نے ذرے ذرے میں ایسے جلوے بنا رکھے ہیں اس کی قدرت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر ایسا قادر و قدیر مرنے کے بعد تمہیں زندہ کرنا چاہے تو کیا یہ بات ناممکن ہے۔ کیا یہ اتنی بعید ہے کہ اسے عقل کے خلاف کہا جائے۔ آیت کے چند الفاظ کی لغوی تحقیق ملاحظہ ہو۔ رواسی جمع ہے راسیہ کی اس کا معنی ہے پہاڑ۔ زوج کا معنی یہاں جوڑا نہیں بلکہ نوع ہے۔ ای من کل نوع من النبات۔ بھیج: تروتازہ، شگفتہ، دل کو لبھانے والا۔

۹ کائنات کی ہر چیز پکار پکار کر اپنے خالق کی عظمت و کبریائی کی شہادت دے رہی ہے لیکن یہ آواز فقط وہی لوگ سن سکتے ہیں جو آیاتِ قدرت میں غور و تدبر کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔

۱۰ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ تم وقوع قیامت کو بعید از قیاس کہتے ہو حالانکہ اس کا مشاہدہ تم بار بار اپنی آنکھوں سے کرتے ہو۔ قحط سالی کے دنوں میں گھاس، ہری بوٹیاں، پتے اور درخت سوکھ جاتے ہیں۔ اور یوں نظر آتا ہے کہ زندگی کا نشان تک باقی نہیں رہا لیکن جب بادل گھر کر آتے ہیں اور بارش برساتے ہیں تو ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا ہے۔ روئیدگی کی خفتہ صلاحیتیں یک دم بیدار ہو جاتی ہیں۔ ننھی ننھی کونپلیں، تروتازہ ٹہنیاں، ان پر مسکراتی ہوئی کلیاں اور مہکتے ہوئے پھول دل لبھانے لگتے ہیں۔ جس ذات نے ویرانے کو گلزار اور مردہ زمین کو شاداب مرغزار اور بے بہار کھیت کو لہلہاتا ہوا بنا دیا کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تمہیں مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے۔

۱۱ یہ ذکر ان قوموں کا ہے جن کا انجام ہو چکا ہے۔ ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح گزشتہ پاروں میں گزر چکی ہے۔

قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ

سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے۔ اور (جھٹلایا تھا) عاد اور فرعون اور قوم

لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ

لوط نے۔ نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے۔ ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس ان پر ہمارا (عذاب کا)

وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ

وعدہ ۱۳ تو کیا ہم پہلی بار مخلوق کو پیدا کر کے تھک گئے تھے؟ ۱۴ (ایسا نہیں) بلکہ یہ از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک

جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ

میں ہیں ۱۵ اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے۔

ع ۵ / ۱۵

۱۳ ان آیات میں جن قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے ان کے تفصیلی حالات پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دے رہے ہیں کہ پہلے بھی انبیاء کو ان کی امتوں نے جھٹلایا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی رسالت کی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے۔ مشکل ترین حالات میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ لہٰذا آپ بھی ان کفار کی تکذیب سے پریشان نہ ہوں اور اپنا فرض ادا کرنے میں مصروف رہیں۔

نیز کفار کو بھی متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ان قوموں کا انجام تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے تجارتی قافلے اکثر ان علاقوں سے گزرتے ہیں۔ کیا ان ویران کھنڈروں کو دیکھ کر تمہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ تم نے کبھی نہیں سوچا کہ یہ خوبصورت بستیاں کیوں اجڑ گئیں، ان عالی شان محلوں میں آج الو کیوں بول رہے ہیں؟ ذرا غور کرو یہ ان لوگوں کے ٹھکانے ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔ جب انبیاء نے انہیں اپنی قوم کو قیامت کے روز جواب دہی کا خوف دلا کر فسق و فجور اور فتنہ و فساد سے باز آنے کی تلقین کی تو انہوں نے بھی قیامت کے تصور کو غلط اور محال قرار دیا اور ہر قسم کے محاسبہ سے بے خوف ہو کر گناہوں کی زندگی بسر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ غضب الٰہی نے ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔ اے اہل مکہ! سوچنے سمجھنے کے لیے جو مہلت تمہیں دی گئی ہے اگر تم نے اسے ضائع کر دیا تو پھر ایسا عذاب آئے گا جو تمہیں بھی برباد کر دے گا۔

۱۴ اے اہل مکہ تم سمجھتے ہو کہ ان گنت اور بے شمار انسانوں کو دوبارہ زندہ کرنا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ کیا ہم آسمان و زمین کا یہ وسیع و عریض اور عجیب و غریب نظام پیدا کرنے کے بعد تھک گئے ہیں؟ اب ہم میں یہ سکت نہیں رہی کہ تمہیں دوبارہ زندہ کر سکیں؟ تم بچوں کی طرح کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

۱۵ وقوع قیامت پر ناقابل تردید دلائل پیش کیے جا چکے ہیں۔ کفار میں تو یہ سکت نہیں ہے کہ وہ ان کی تردید کر سکیں

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ

اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں ۱۵؎ جب اس کے اعمال کو لکھ لیتے ہیں دو لکھنے والے ایک

الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ

دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے ۱۶؎ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان

یہ جرأت ہے کہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور قیامت پر ایمان لے آئیں، کیونکہ اس طرح ان کی ساری بساط عیش و نشاط الٹ کر رہ جائے گی اور گناہ و لذت کی جس زندگی کے وہ خوگر ہو چکے ہیں اس سے دست کش ہونا پڑے گا اور اتنے بڑے انقلاب کے لیے وہ تیار نہیں اس لیے بیچ میں لٹک کر رہ گئے ہیں۔ نہ جائے رفتن نہ جائے ماندن والا معاملہ ہے۔

لبس: کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ لبس علیہ الامر۔ یہ کام اس پر ملتبس ہو گیا اور اس کے بارے میں آدمی شک و شبہ میں مبتلا ہو گیا۔

۱۵؎ ارشاد ہے کہ انسان کو ہم نے پیدا فرمایا ہے۔ اس کی خوبیاں اور کمزوریاں ہم پر عیاں ہیں۔ اس کا کوئی قول اور عمل ہم سے مخفی نہیں، حتیٰ کہ وہ وسوسے جو اس کے نہاں خانۂ دل میں پیدا ہوتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔ وہ خود اپنے بعض احوال سے بے خبر ہو سکتا ہے۔ اس کے نفس کے کئی گوشے اس کی اپنی نگاہ سے اوجھل ہو سکتے ہیں لیکن ہمارا علم اس کے ظاہر اور باطن پر محیط ہے۔ صد حیف کہ اتنے قرب کے باوجود وہ ہم سے بے خبر ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

دوست نزدیک تر از من بمن است — وایں عجب تر کہ من از وے دورم

چہ کنم باکہ توان گفت کہ او — در کنار من و من مہجورم

یعنی دوست مجھ سے بھی زیادہ میرے نزدیک ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ میں اس سے دور رہوں۔ میں کیا کروں اور کس سے یہ بات کہوں کہ محبوب تو میری آغوش میں ہے اور میں ہجر کی سختیاں برداشت کر رہا ہوں۔

علمائے ظاہر نے تو اس سے قرب علمی مراد لیا ہے لیکن اولیائے کرام نے اس قرب کی حقیقت کو جس طرح بیان فرمایا ہے وہ انہیں کا حصہ ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ یدرک ذلک القرب بنور الفراسة لا بالشاھد ولا بالاستدلال یعنی نور فراست ہی سے اس قرب کا ادراک کیا جا سکتا ہے، حواس ظاہری اور قوت عقل اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔

مزید تحقیق کے لیے اس مقام پر تفسیر مظہری کا مطالعہ فرمائیے۔

۱۶؎ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے جمیع احوال سے خود بخود آگاہ ہے لیکن اس نے اپنی حکمت کے پیش نظر اس انسان کے لیے دو

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿١٨﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ

(لکھنے کے لیے) تیار ہوتا ہے شلہ اور آپہنچی موت کی بے ہوشی سچ مچ۔ (اے انسان!) یہ ہے وہ جس سے

مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿١٩﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۖ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿٢٠﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ

تو دور بھاگا کرتا تھا شلہ اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی وعید کا دن ہوگا شلہ اور حاضر ہوگا ہر

فرشتے مقرر کردیے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کی دائیں جانب بیٹھا رہتا ہے اور دوسرا بائیں جانب۔ عبارت میں ذرا غور فرمائیے۔ عن الیمین اور عن الشمال جار مجرور ہیں اور قعید کے ساتھ متعلق ہیں اور قعید، المتلقیان کا بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی عن الیمین قعید وعن الشمال قعید لیکن آخری قعید پر اکتفا کیا گیا اور عن الیمین کے ساتھ قعید کی صراحت کی ضرورت نہ رہی۔

شلہ انسان جس وقت کوئی لفظ زبان سے بولتا ہے دونوں فرشتے فوراً اسے لکھ لیتے ہیں۔

رقیب، نگہداشت کرنے والا۔ عتید، الحاضر المهيا۔ یعنی جو ہر وقت حاضر اور مستعد ہو۔ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا کہ انسان کی کوئی بات اور اس کی کوئی حرکت ایسی نہیں جس پر وہ فرشتے مطلع نہ ہوں۔ اس سے جس قدر کا عمل جس وقت صادر ہوتا ہے، وہ فرشتے اسے فوراً ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ قیامت کے روز جب انسان پرسش اعمال کے لیے بارگاہ الٰہی میں حاضر کیا جائے گا تو سب کچھ جاننے کے باوجود اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس شخص کے دفتر عمل کو بطور دستاویزی ثبوت پیش کیا جائے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ایجاد نے ثابت کر دیا کہ انسان کی آواز کو ہو بہو محفوظ کرنے کے لیے قدرت نے ہر جگہ ٹیپ لگا دیے ہیں اور اس کی حرکات و سکنات کو بعینہٖ محفوظ رکھنے کے لیے قدرتی ٹیلی ویژن کیمرے ہر جگہ نصب ہیں۔ جب بھی اللہ تعالیٰ چاہے گا انسان کو خود اس کی آواز اور بعینہٖ اس کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرا دے گا اور اسے انکار کی ہمت نہ ہوگی۔ یہاں تک تو علم انسانی کی رسائی ہو چکی ہے لیکن فرشتے ہماری زندگی کے ایک ایک قول اور فعل کو جس خوبی اور دقت سے محفوظ کر رہے ہیں اس کا اندازہ کرنا اس دنیا میں ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ البتہ سائنس کے ان انکشافات کے بعد ملحد بیدین کو اب انکار کی ہمت نہیں رہی۔

شلہ موت کی سختی اور شدت کو سکرۃ الموت کہتے ہیں۔ یعنی جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے، اس پر جانکنی کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو اس وقت حقیقت حال عیاں ہو جاتی ہے۔ جو لوگ آج تک انکار اور نافرمانی کی روش پر گامزن رہے تھے وہ اپنی آنکھوں سے آنے والے حالات کا مشاہدہ کرنے لگتے ہیں اور دوزخ کے بھڑکتے ہوئے سرخ شعلے انہیں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ عالم آخرت جس سے تم دور رہتے رہے اور جس کو تسلیم کرنے سے تم گریز کرتے رہے۔ اب یہ حق اور سچ بن کر تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس وقت کیا تم اس کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔ حق سے مراد یہاں موت ہے۔ الحق هو الموت۔ ما دار خیرا وشرا وسعادة وشقاوة ومال حسنه وعدل۔

شلہ جونہی عالم برزخ میں گئے گا۔ پھر صور پھونکا جائے گا اس کی آواز سے ہر شخص چونک کر اپنی قبر سے نکلے گا اور میدان حشر

نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾ لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا

شخص اس طرح کہ اس کے ساتھ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا شلہ تحقیق (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے

فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ وَقَالَ قَرِينُهُ

پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے پردہ سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے ۲۲؎ اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا)

هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ

ساتھی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے ۲۳؎ جہنم میں جھونک دو ۲۴؎ ہر کافر سرکش کو۔ جو سختی سے روکنے والا تھا

میں کھڑا کر دیا جائے گا جو لوگ قیامت کا انکار کرتے رہے تھے۔ انہیں کہا جائے گا یہی وہ عذاب کا دن ہے جس سے ہم صدا بیا رتمہیں ڈرایا کرتے تھے اور تم بے پروائی سے ان کی بات سننے کے روادار نہ تھے اب بتاؤ قیامت برپا ہوئی ہے یا نہیں؟ خدا نے عالم نے تمہیں قبروں سے زندہ نکال کر میدانِ حشر میں لا کھڑا کیا ہے یا نہیں؟ اس روز کون ہوگا جو اس جیتی جاگتی حقیقت کا انکار کرسکے۔

۲۱؎ ہر شخص کے لیے دو فرشتے مقرر کیے جائیں گے۔ ایک اس کو پیچھے سے ہانک کر بارگاہِ خداوندی میں پیش کرے گا، دوسرا اس کا دفتر عمل لیے ساتھ ہوگا تاکہ اس کے اعمال کے بارے میں گواہی دے۔ یہ وہی دو فرشتے ہوں گے جو دنیوی زندگی میں اس کے ہم نشین رہے تھے اور اس کا دفتر عمل مرتب کرنے پر متعین کیے گئے تھے۔

۲۲؎ اسے کہا جائے گا کہیں صاحب دنیوی زندگی میں تو تم غافل بنے رہے اب بتاؤ چودہ طبق روشن ہوئے ہیں یا نہیں؟ تمہاری آنکھوں پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے وہ آج اٹھ گئے ہیں۔ آج تمہاری بینائی بڑی تیز ہوگئی ہے ہر حقیقت تمہیں صاف نظر آ رہی ہے۔

۲۳؎ حضرت حسن، قتادہ اور ضحاک کے نزدیک قرین سے مراد وہی فرشتہ ہے جو عمر بھر اس کے ساتھ رہا۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی نگہداشت میرے سپرد کی گئی تھی اور یہ ہے اس کا صحیفۂ عمل جو بڑی دیانت سے میں نے تیار کیا ہے جو فیصلہ مناسب ہو صادر فرمایا جائے۔ وقال مجاهد: اقول هذا الذي وكلت به من بني آدم قد احضرته وأحضرت ديوان عمله (قرطبی)

بعض علماء کی رائے ہے کہ قرین سے مراد شیطان ہے جو عمر بھر اس پر مسلط رہا۔

۲۴؎ ان فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اسے پکڑ کر جہنم رسید کر دو۔

قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہاں اَلْقِ (صیغہ واحد امر حاضر) ہونا چاہیے تھا۔ اَلْقِيَا تثنیہ کا صیغہ کیوں ذکر کیا۔ اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں۔

خلیل اور اخفش کہتے ہیں کہ فصحائے عرب واحد کے لیے بھی بسا اوقات تثنیہ کا لفظ استعمال کر لیتے ہیں۔ جس طرح ایک دوست

لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ۝ الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي

نیکی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا۔ جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس پھینک دو اس (بدبخت) کو

الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ۝ قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَٰكِن كَانَ فِي

عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی

کے لیے خلیلی کی بجائے خلیلیّ (تثنیہ) عام مروج ہے۔ امرؤ القیس اپنے ایک رفیق سفر کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل

اے میرے دوست ذرا ٹھہر جاؤ تاکہ ہم اپنے محبوب اور اس کی منزل کو یاد کر کے کچھ آنسو بہا لیں۔ قف کی بجائے قفا تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ القیا تثنیہ کا صیغہ نہیں بلکہ اصل میں امر بانون تاکید خفیفہ تھا اَلْقِیَنْ، اب یہ نون بدل کر الف ہو گیا۔ ایک توجیہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قرین سے مراد ایک نہیں بلکہ دو ساتھی ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی گزرا ہے اور قرین کا لفظ واحد کی طرح تثنیہ اور جمع کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

۲۲ کفار: سخت ناشکر گزار یا پرلے درجہ کا منکر۔

العنید: المعرض عن الحق و معرض عنہ۔ جو حق کو پہچاننے اور اس کے باوجود اس سے رو گردانی کرے۔ کفار و عنید کی مزید تشریح کی جا رہی ہے۔

مناع: مانع کا مبالغہ ہے۔ بکثرت روکنے والا اور سختی سے روکنے والا۔ خیر کا معنی اگر مال ہو تو مطلب یہ ہو گا بڑا کنجوس۔ خلق کے لیے بھی مال سے اس کی رضا کے لیے ایک حبہ، ایک قطرہ نہیں کرتا، کسی غریب پیاسے ترس کھاتا ہے اور نہ کسی نادار کش کے لیے اس کا دل پسیجتا ہے اور اگر خیر کا معنی نیکی اور اچھے کام ہوں تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ خود بھی نیک کام نہیں کرتا اور دوسروں کو بھی نیک کام کرنے سے سختی سے روکتا ہے اور بار بار روکتا ہے۔

معتد: حد سے تجاوز کرنے والا یعنی اس نے کبھی حق و انصاف کی حدود کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ اس کی گفتگو، اس کے کردار اور اس کے احکام میں سرکشی اور سرتابی کی جھلک صاف نمایاں ہے۔

مریب: جو خود کسی شک میں مبتلا ہو اس کو بھی مریب کہتے ہیں اور جو شخص دوسروں کی متاع یقین کو غارت کرنے کے درپے ہو اور وسوسہ اندازیوں سے اس کے خرمن ایمان میں آگ لگانے کے لیے کوشاں رہے اسے بھی مریب کہتے ہیں یہاں یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔

ضَلٰلٍۭ بَعِيۡدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخۡتَصِمُوۡا لَدَیَّ وَقَدۡ قَدَّمۡتُ اِلَيۡكُمۡ

گمراہی میں دور تک چلا گیا تھا ۵۵ ارشاد فرمائے گا مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو دھمکی سنا

بِالۡوَعِيۡدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ وَمَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ﴿۲۹﴾ يَوۡمَ ع ۲ ۱۶

چکا تھا ۵۶ میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں۔ (یاد کرو) وہ

نَقُوۡلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امۡتَلَاۡتِ وَتَقُوۡلُ هَلۡ مِنۡ مَّزِيۡدٍ ﴿۳۰﴾ وَاُزۡلِفَتِ

دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو بھر گئی ہو (جواب) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے ۵۷ اور نزدیک کر دی جائے گی

الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ ﴿۳۱﴾ هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ

جنت پرہیزگاروں کے لیے وہ ان سے دور نہیں ہوگی ۵۸ یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ہر اس شخص کیلیے جو اللہ کی طرف رجوع

۵۵ جب فرشتہ اس کا نامہ اعمال پیش کرے گا تو وہ کہے گا میرے رب! یہ سب کچھ ان فرشتوں کی کارستانی ہے انہوں نے جو چاہا میرے نامہ اعمال میں لکھ دیا ورنہ میں نے کبھی کوئی ناروا حرکت نہیں کی۔ وہ فرشتہ جواب میں عرض کرے گا۔ اور اگر قرین سے مراد وہ شیطان ہو جو اس کو ہر وقت گمراہ کرتا رہا، تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص کہے گا الٰہی! میرا کوئی قصور نہیں سب گناہ اس خبیث کا ہے اس نے مجھے راہ راست پر کبھی چلنے نہیں دیا۔ میں نے اس سے چھٹکارا پانے کی بڑی کوشش کی لیکن اس بدذات نے مجھے پچھاڑ دیا۔ اس لیے سزا مجھے نہیں اسے ملنی چاہیے۔ شیطان جواب دے گا کہ میں نے اس کو کبھی مجبور نہیں کیا تھا یہ حق کو چھوڑ کر باطل کے ساتھ چمٹا رہا، ہر وقت نافرمانی کرتا رہا۔ میں نے تو اسے غلط مشورہ دیا اور یہ دوڑتا چلا آیا اور گمراہی اختیار کرنے میں بڑا دور چلا گیا۔

۵۶ ارشاد ہوگا کہ اس روز تکرار مت کرو۔ تمہارے بارے میں جو فیصلہ ہو چکا۔ اب اس میں رد و بدل ممکن نہیں۔

۵۷ گنہگاروں کو جہنم سے خوف زدہ کرنے کے لیے بتایا جا رہا ہے کہ جہنم کوئی محدود اور تنگ سی جگہ نہیں کہ چند کروڑ لوگوں سے بھر جائے گی اور اس میں تمہارے لیے کوئی گنجائش نہ ہوگی۔ بتایا کہ وہ اتنی کشادہ اور فراخ ہے کہ تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے سب اس میں ہمارے حکم سے پھینک دیے جائیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کیا تو بھر گئی تو وہ جواب میں عرض کرے گی کچھ اور ہیں تو لائیے، میرے کنارے ابھی تک خالی پڑے ہیں۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ جہنم بھر جائے گی۔ جب اس سے دریافت کیا جائے گا کہ تو بھر گئی تو وہ گھبرا کر کہے گی الٰہی! ابھی اور مجرم باقی ہیں؟ میں تو کھچا کھچ بھر گئی ہوں۔ یہاں تو تل دھرنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔

۵۸ جہنمیوں کے ذکر کے بعد اب اپنے دوستوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جن لوگوں نے ہم سے ڈرتے ہوئے زندگی

بسر کی اور تمام عمر جادۂ احکام کی بجا آوری میں بسر کر دی ہے۔ قیامت کے دن ان کی عزت افزائی کا عجیب منظر ہوگا۔ انہیں جب جنت میں داخل ہونے کا اذن ملے گا تو جنت تک کا طویل فاصلہ طے کرنے کی انہیں زحمت نہیں دی جائے گی بلکہ جنت ان کے قدموں میں حاضر کر دی جائے گی۔ یہ نہیں فرمایا کہ انہیں جنت کے نزدیک کر دیا جائے گا بلکہ فرمایا جنت ان کے قریب کر دی جائے گی۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اطاعت و اتقیاء کی راہ پر گامزن رہنے والے جنت کے طالب نہیں کہ اس کے پیچھے بھاگے بھاگے پھریں بلکہ وہ مطلوب ہیں۔ جنت کی بہاریں سمٹ کر ان کے قدموں میں حاضر ہو جائیں گی۔

جس مادی دنیا میں ہم آج آباد ہیں اس میں زمان و مکان، قرب و بُعد اور سرعت و تاخیر کے جو مفہوم ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو چکے ہیں، قیامت کے دن یہ سارے تصورات بدل جائیں گے۔ وہاں ان سارے الفاظ کو نئے مفہوم پہنائے جائیں گے۔ اس کا ادراک اس دنیا میں رہتے ہوئے کرنا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ وہاں زمین و آسمان سے بڑی وسعتیں چشم زدن میں طے ہو جائیں گی۔ کوئی چیز دور سے بھی آ رہی ہوگی تو یوں معلوم ہوگا بالکل نزدیک سے آ رہی ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جو لوگ اس دنیا میں رہتے ہوئے خواہشات نفسانی کے زندان سے رستگاری حاصل کر لیتے ہیں، ان کا دل ذکر الٰہی سے سرشار ہو جاتا ہے اور ان کی آنکھ نور خداوندی سے بینا ہو جاتی ہے تو ان کے لیے بھی زمان و مکان کی یہ قیود باقی نہیں رہتیں۔ وہ مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے بھی نہاوند کے پہاڑوں میں لڑنے والے ساریہ کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

یہ نعمت جن کے لیے مخصوص کی گئی ہے ان کی دو صفتیں اوّاب اور حفیظ بیان کی جا رہی ہیں۔ اوّاب کہتے ہیں بکثرت رجوع کرنے والا۔ یعنی جب بھی اس سے کوئی لغزش سرزد ہوتی ہے تو فوراً ندامت و خجالت سے پانی پانی ہو جاتا ہے اور اللہ سے سچے دل سے توبہ کرتا ہے۔ جتنی بار اس کا قدم جادۂ حق سے پھسلے وہ فوراً تھام کر وہاں لوٹ آتا ہے۔ وہ سرکشی کی راہ اختیار کر کے وہ گناہ پر مُصر نہیں رہتا اور نہ مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے کہ میں نے سینکڑوں بار توبہ توڑی ہے اب میری توبہ کیسے قبول ہوگی بلکہ جہاں اسے اپنی لغزش پر ندامت ہے وہاں اسے اپنے رب کریم کی رحمتِ بے پایاں پر اتنا یقین ہے کہ جب بھی کوئی شرمسار ہو کر معافی مانگتا ہے تو اسے معافی دے دی جاتی ہے۔

شعبی اور مجاہد نے اوّاب کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے هو الذی یذکر ذنوبه فی الخلوة فیستغفر الله منها یعنی جو شخص تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور استغفار کرے۔

عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ ہم اوّاب اور حفیظ اسے کہا کرتے تھے جو اپنی مجلس سے جب اٹھے تو یہ کہے سبحان الله وبحمده اللّٰهم انی استغفرك مما اصبت من مجلسی هذا۔ الٰہی! اس نشست میں جو غلطی مجھ سے ہوئی ہے اس کے لیے میں مغفرت طلب کرتا ہوں۔

ابوبکر الوراق فرماتے ہیں هو المتوکل علی الله فی السراء والضراء۔ اوّاب وہ ہے جو خوشحالی اور تکلیف دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے۔ قاسم کا قول ہے هو الذی لا یشتغل الا بالله عزوجل۔ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی اور بات میں مشغول نہ ہو۔

حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝

کرنے والا (اپنی) نگہداشت کرنے والا ہے، جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے ۳۲ اور ایسا دل لیے ہوئے آیا جو پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا ۳۳

بِسَلٰمٍ ادْخُلُوْهَا ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا

داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے، یہ ہمیشگی کا دن ہے ۳۴ انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے اور ہمارے پاس اور

حفیظ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت قتادہ فرماتے ہیں حفیظ لما استودعه الله تعالى من حقه ونعمته وائتمنه عليه یعنی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پاسداری کرنے والا، اس کی گرانقدر نعمتوں کا شکر کرے اور جو قوتیں اور صلاحیتیں، جو وسائل و اختیارات اسے بطور امانت دیے گئے ہیں ان میں خیانت نہ کرے۔

بے شک یہی لوگ اس قابل ہیں کہ جنت ان کے قدموں میں حاضر کی جائے۔

۳۲ یہ جملہ یا تو اَوَّابٍ حَفِيْظٍ کا بدل ہے یا اس کی صفت ہے یعنی اواب کون ہے۔ بتایا وہ جو خائف رہتا ہے رحمٰن سے اس وقت بھی جب اسے کوئی آنکھ دیکھ نہ رہی ہو۔ یعنی في الخلوة حيث لا يراه أحد۔

یہاں رحمٰن کا اسم پاک ذکر کرنے میں خاص لطف ہے یعنی وہ بندہ جانتا ہے کہ اس کا خدا رحمٰن ہے اس کی رحمت کے سامنے اس کے بے شمار گناہوں کی کوئی وقعت نہیں۔ لیکن اپنے رب کی رحمانیت پر یقین محکم کے باوجود وہ گناہ اور نافرمانی کی طرف چشم تک نہیں رکھتا۔ اسے حیا آتی ہے کہ وہ اپنے کریم مالک کی نافرمانی کرے۔ تنہائی میں بھی شیطان اسے بہکا نہیں سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر مغرور ہو کر سرکشی نہیں کرتا۔ تخصيص الرحمن للاشعار بانهم مع علمهم بسعة رحمته لا يتجرؤن على معصيته

۳۳ یہ جملہ بھی اس کی صفت ہے کہ اس کے پہلو میں جو دل ہے وہ ہر وقت اپنے رب کی طرف مائل رہتا ہے۔ حادثات دہر اسے کتنا ہی پریشان کریں، مصائب و آلام کے پہاڑ اس پر کیوں نہ ٹوٹتے رہیں اس کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔ بندگی اور تسلیم و رضا کی جس لذت سے اسے آشنا کیا گیا ہے ہر وقت وہ اسی سے سرشار رہتا ہے۔ منيب، مخلص، مقبل على الطاعة یعنی پورے خلوص کے ساتھ اطاعت کی طرف متوجہ ہے۔

۳۴ ان سعادت مند خوش نصیبوں کو کہا جائے گا کہ جنت میں بڑے آرام سے داخل ہو جائیے، وہاں تمہیں کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہوگا یعنی سالمين من العذاب والهموم وزوال النعمة۔

سلام کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب تم جنت میں قدم رکھو گے تو تمہیں ہر طرف سے ایسے فرشتے مخاطب کرتے ہوں گے جو تمہیں السلام علیکم کے دعائیہ کلمات سے خوش آمدید کہیں گے بلکہ خود رب قدوس بھی اپنے ان البیلے عشاق کو سلامت رہو، سلامت رہو کی دعا دے رہا ہوگا یعنی اسے جنت کو حاصل کرنے والو اور اپنے وصال کے خیال میں منتظر رکھنے والو آؤ آج تمہیں اپنے محبوب حقیقی کے حرم ناز میں باریابی بخشا جا رہا ہے۔ اس کے جلوؤں کو دیکھو اور خوب سیر ہو کر دیکھو اور ہمیشہ دیکھتے رہو۔

مَزِيۡدٌ ۝ وَكَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ هُمۡ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا

ان کے لیے اس سے بھی زیادہ ہے ۳۵ اور کتنی ہی قومیں ان سے پہلے ہم نے برباد کر دیں جو قوت و شوکت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں

فَنَقَّبُوۡا فِى الۡبِلَادِ ؕ هَلۡ مِنۡ مَّحِيۡصٍ ۝ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَذِكۡرٰى

پس وہ گھومتے رہے شہروں میں کیا ملا انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ ۳۶ بے شک اس میں نصیحت ہے اس

یہ صبحِ وصال ابدی ہے۔ اب ہجر کی رات نہیں آئے گی۔ اب ایسا نہیں ہوگا کہ تم پر یہ کیفیت طاری ہو ؎

کشتہ ناکامیِ ہجر کا ہو کر دم وصال   خوف فراق سے تلخ ہے عیشِ بہار بھی

انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔

۳۵ ابرِ رحمت کی رِم جھم ملاحظہ ہو۔ اپنی کرم نوازیوں کا ذکر جاری ہے جن سے وہ اپنے بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ لیکن میری بخشش قلیل اور محدود نہیں ہوگی کہ جو کچھ وہ چاہیں گے ہم انہیں اتنا ہی دیں گے کیونکہ ان کا دامنِ طلب خواہ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو الطافِ خداوند کے سامنے وہ بڑا تنگ ہے۔ ان کا ظرفِ دل خواہ کتنا وسیع کیوں نہ ہو، بحرِ کرم کے سامنے اس کی کیا حقیقت ہے۔ فرمایا ہم صرف اتنا ہی نہیں دیں گے جتنا وہ مانگیں گے اور جتنا وہ چاہیں گے وہ بھی دیں گے اور اس کے علاوہ ہمارے پاس ان کے لیے اور بھی بہت کچھ موجود ہے۔ اب اس لدینا مزید کا کیا کوئی اندازہ لگا سکتا ہے۔ حضرت انس و جابر سے مروی ہے المزید النظر الی وجہ الله بلا کیف یعنی اس مزید سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کا دیدار ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان الله تعالیٰ يبعث يوم القيامة مناديا ينادي يسمعه اولهم واٰخرهم يا اهل الجنة ان الله وعدكم الحسنى وزيادة۔ الحسنى الجنة، والزيادة، النظر الى وجه الرحمٰن (مظہری) کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک منادی کرنے والا بھیجیں گے جو ندا دے گا جسے سب سنیں گے۔ اے جنتیو! اللہ نے تم سے الحسنیٰ اور زیادہ کا وعدہ فرمایا ہے۔ الحسنیٰ سے مراد جنت ہے اور الزیادۃ سے مراد رحمٰن کے چہرہ کی طرف نظر کرنا ہے۔

۳۶ اہلِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوت اور عسکری طاقت کے بل بوتے پر دوسرے ممالک پر لشکر کشی کی اور ان کو اپنا زیر نگیں بنا لیا۔ ہر جگہ ان کا ڈنکا بجتا تھا اور ان کا سکہ رواں تھا۔ وہ اپنی سرزمین کے معاشی وسائل کے علاوہ دیگر ممالک کے وسائلِ معیشت سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ ان کی آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا کرتی تھی لیکن یہ ساری قوتیں اور خوش حالیاں انہیں ہماری گرفت سے نہ بچا سکیں۔ اے اہلِ مکہ! تم کس بھروسے پر یہ نخرے کر رہے ہو۔ نَقَّبُوا کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفسر التنقيب فی البلاد بالتصرف فيها بالملك والقهر۔ یعنی کسی ملک کا مالک و فرمانروا بن کر اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کو عربی میں تنقیب فی البلاد کہتے ہیں۔ نقبوا فی البلاد

لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝۳۷ وَلَقَدْ خَلَقْنَا

کے لیے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر ۲۴ اور ہم نے پیدا فرمایا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝۳۸

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں ۲۵ اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں ۲۶

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ

پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور پاکی بیان کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور

کا یہی معنی ہے۔ سیر و سیاحت کے لیے کسی ملک میں جانا کاروبار اور تجارت کے لیے کسی ملک میں جگہ جگہ قیامت گھومنا یہ بھی اس لفظ کا مدلول ہو سکتا ہے۔

دولت مند لوگ جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے ملک کے معالجین کے علاج سے فائدہ نہیں ہوتا تو موت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے دور دراز ممالک میں جاتے ہیں۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں، لیکن جب موت کا مقررہ وقت آتا ہے تو کوئی ڈاکٹر اور حکیم انہیں نہیں بچا سکتا۔ لمن کان له قلب۔ قلب سے مراد عقل بینا ہے جو حقیقت کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ جو دل دیکھنے اور سمجھنے سے محروم ہو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور اس کو دل کہنا ہی صحیح نہیں۔

۲۴ یعنی جو وحی اسے سنائی جا رہی ہے اس کو بڑے غور سے کان لگا کر سنتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ جب وہ سن رہا ہوتا ہے تو اس کا دل حاضر ہوتا ہے۔ قال الزجاج ای وقلبه حاضر فیما یسمع۔ سفیان کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوتا کہ جب آیات الٰہی کی تلاوت کی جا رہی ہو اس وقت اس کا جسم تو موجود ہو لیکن دل غائب ہو۔

۲۵ چھ دنوں سے مراد یہ چوبیس گھنٹے کے دن نہیں بلکہ اس سے مختلف ادوار مراد ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

۲۶ اس میں یہود و نصاریٰ کے اس عقیدہ باطل کی تردید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں کائنات کی تخلیق کی اور ساتویں دن آرام کیا۔ گویا کائنات کی تخلیق سے اللہ تعالیٰ تھک گیا اور اسے آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ موجودہ تورات میں ہے "خداوند نے چھ دنوں میں آسمان اور زمین، دریا اور سب کچھ جو ان میں ہے بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔" (خروج ۲۰: ۱۱) اسی باب میں دوسری جگہ ہے "چھ دنوں میں خداوند نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔" (خروج ۳۱: ۱۷) انجیل میں ہے "خدا نے اپنے سارے کاموں کو پورا کر کے ساتویں دن آرام کیا۔" (عبرانیوں ۴: ۴)

قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾ وَاسْتَمِعْ يَوْمَ

غروبِ آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی ٣٦۔ اور کان کھول کر سنو ٣٧ اس

يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ

دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا ٣٨ جس دن سن رہے ہوں گے سب لوگ ایک ہولناک آواز بالیقین۔ وہ دن (قبروں سے)

يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ

نکلنے کا دن ہوگا۔ بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ جس روز زمین پھٹ جائے گی ٣٩

٣٦ حضرت ابن عباس سے مروی ہے الصلوٰۃ قبل الطلوع الفجر وقبل الغروب الظہر والعصر ومن اللیل العشاءان وادبار السجود النوافل بعد الفرائض۔ یعنی طلوع آفتاب سے قبل نماز سے مراد فجر ہے اور غروب سے قبل مراد ظہر اور عصر ہے اور من اللیل سے مغرب اور عشاء۔ ادبار السجود سے وہ نوافل مراد ہیں جو فرض نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ (روح المعانی)

ادبار السجود سے مراد وہ اذکار بھی ہیں جو فرض نماز کے بعد پڑھے جاتے ہیں اور جو احادیث صحیحہ میں بکثرت موجود ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ تینتیس مرتبہ الحمد للہ اور تینتیس مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہے اور آخر میں کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر تو اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (رواہ الشیخان)

٣٧ جو بات اب بتائی جا رہی ہے وہ بڑی اہم ہے اس لیے اس کے ذکر سے پہلے اِسْتَمِعْ کہہ کر سامعین کو متنبہ کر دیا کہ کان کھول کر سن لو کیا ہونے والا ہے۔

٣٨ اس روز منادی کرنے والا منادی کرے گا اور ہر شخص یوں محسوس کرے گا کہ یہ آواز کہیں دور سے نہیں آ رہی بلکہ بالکل قریب سے آ رہی ہے۔

٣٩ قبروں سے انسان کے نکلنے کا منظر بیان کیا جا رہا ہے کہ زمین اوپر سے پھٹ جائے گی اور وہ جھٹ پٹ قبروں سے نکلنا شروع ہو جائیں گے۔

سراعا جمع ہے سریع کی اور یہ یخرجون مقدر میں ھم ضمیر فاعل کا حال ہے جمع سریع حال من الضمیر المرفوع فی الفعل المقدر یعنی یخرجون سراعا (مظہری)

الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿٤٤﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ

ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے یہ حشر ہے جو ہمارے لیے بالکل آسان ہے ۴۱ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں

وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿٤٥﴾ ع ۳ ۱۷

اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں ۴۲ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو ڈرتا ہے میرے عذاب کی وعید سے ۴۳

۴۱ یہ ہے حشر کی کیفیت۔ یہ نہیں کہا کہ یہ آسان ہے بلکہ فرمایا یہ ہمارے لیے بالکل آسان ہے کیونکہ ہمارا علم اور ہماری قدرت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

۴۲ سالہا سال سے اللہ کا محبوب انہیں خواب غفلت سے بیدار کر رہا ہے۔ انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنا رہا ہے لیکن ان کی ہٹ دھرمی میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے جس سے حضور کو بڑا دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ تسلی دے رہے ہیں کہ اے حبیب! ہم ان کی گستاخیوں سے خوب واقف ہیں۔ ان کی باتوں کو خوب سن رہے ہیں۔ آپ رنجیدہ خاطر کیوں ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا کہ سختی اور تشدد سے کام لے کر آپ ان کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ اس کے بارے میں آپ جواب دہ نہیں۔

۴۳ اے میرے پیارے رسول! آپ قرآن کریم کی آیات سے ان کو یاد دہانی کراتے رہیے جو ہمارے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہی اس کو کان لگا کر سنیں گے، وہی اس کو سمجھیں گے اور انہی خوش نصیبوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوگی۔

○

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ
الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔
اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَىٰ حَبِيبِكَ الْمُصْطَفَىٰ نَبِيِّكَ الْمُرْتَضَىٰ وَعَلَىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ
تَبِعَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ
وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔

تعارف

سورۃ الذّاریات

نام : اس کا نام الذاریات ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع، ساٹھ آیتیں، تین سو ساٹھ کلمے، ایک ہزار دو سو اٹھائیس حروف ہیں۔

نزول : باتفاق علما، اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔

مضامین : عقیدۂ قیامت، اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ زندگی کا جو پروگرام اسلام پیش کرتا ہے اس پر صحیح طور پر عمل اسی وقت ہو سکتا ہے۔ اس کے فیوض و برکات سے انسان اسی وقت مستفیض ہو سکتا ہے جب قیامت پر اس کا یقین محکم ہو۔ اس لیے متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر یہ بتایا گیا کہ قیامت کی آمد کا وعدہ سچا ہے اور وہ دن ضرور آئے گا جب نیک و بد کو جزا و سزا ملے گی۔ کفار جو قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے پاس اس انکار کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے صرف قیاس آرائیاں ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہیں اور وہ ان قیاس آرائیوں سے اس لیے مطمئن ہیں کہ وہ عیش و عشرت کے نشے میں مدہوش ہیں۔ جب موت کا تلخ گھونٹ پئیں گے اس وقت خوفناک حقائق سے ان کی آنکھیں چار ہوں گی مگر اس وقت بجز حسرت و ندامت کچھ حاصل نہ ہو گا۔

پھر بتایا ان کے برعکس کچھ اور لوگ بھی ہیں جو ہر وقت اپنے رب کریم سے لرزاں ترساں رہتے ہیں۔ اس کے ارشادات کی تعمیل کرتے ہیں۔ ان کی راتیں اس کے ذکر میں گزرتی ہیں اور سحری کے وقت اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں پر مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں اور جو مال انہیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس میں سے غریبوں اور محروموں کو دیتے رہتے ہیں۔

دوسرے رکوع میں متقیوں کے سرتاج اور مقبولوں کے امام حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حالات بیان فرمائے اور پیرانہ سالی میں انہیں فرزند ارجمند کی ولادت کا مژدہ سنایا۔

اس کے بعد چند ایسی قوموں کا تذکرہ کیا جو فسق و فجور کی زندگی میں سرشار رہیں۔ اپنے نبیوں کی دعوت کو ٹھکراتی رہیں۔ اس سرکشی کی پاداش میں ان کا جو انجام ہوا وہ سب کے لیے باعث عبرت ہے۔

تیسرے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت بیان کرنے کے بعد بتایا کہ اسی کے دامن کرم میں پناہ لو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ پہلے بھی لوگوں نے اپنے انبیا کو ساحر اور مجنون کہا اور سرکش بنے رہے۔ اے محبوب! اگر یہ کفار آپ کے بارے میں ایسی نازیبا باتیں کرتے ہیں تو آپ ان سے رخ موڑ لیں اور نصیحت کرتے رہیں۔ اہل ایمان اس نصیحت سے

نفع حاصل کریں گے، بجز جن و انس کی تخلیق کی غایت بتادی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے احکام کی پابندی کریں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت نہیں۔ نہ وہ ان سے رزق مانگتا ہے نہ خوراک کا طلبگار ہے بلکہ ساری کائنات اُس کے دسترخوان کرم کی ریزہ چین ہے اور جو لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اُن کے لیے ہلاکت اور خرابی ہے۔

نیوڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۰-۳-۲۲

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ الذاریات مکی ہے اس کی ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ

قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیرنے والیاں ہیں پھر بوجھ اٹھانے والے بادلوں کی پھر آہستہ چلنے والی کشتیوں کی پھر تقسیم کرنے والوں کی ؎۱

؎۱ عرب کہتے ہیں ذرت الریح التراب، اطارتہ وفرقتہ۔ ہوا نے مٹی کو اڑایا اور اسے منتشر کر دیا۔ اسی سے الذاریات ہے معنی ہو گا اڑا کر بکھیرنے والیاں۔ وقر: بوجھ۔ الجاریات: چلنے والیاں۔ یسرا: آہستہ آہستہ نرم نرم۔ مقسمات: تقسیم کرنے والیاں۔

اس سورت کی ابتدا بڑی پرجلال ہے۔ پے درپے چار قسمیں کھائی گئی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وقوع قیامت کی اہمیت کفار کے ذہن نشین کی جائے اور اس کے بارے میں جو شکوک و شبہات ان کو پریشان کرتے رہتے ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔ یعنی جس چیز کے وقوع پذیر ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور قسم پر قسم کھا رہا ہے اس کے بارے میں تو کسی کو ادنیٰ سا تردد بھی نہیں ہونا چاہیے۔

ان آیات کی تفسیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ کے ارشاد کے بعد کسی کا قول کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ امیر المومنین نے ایک روز برسر منبر اعلان فرمایا کہ مجھ سے جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو ولن تسئلوا بعدی مثلی، پھر میرے جیسا بتانے والا تمہیں کوئی نہیں ملے گا۔ ابن الکوا نامی ایک شخص اٹھا۔ اس نے ان آیات کا مطلب دریافت کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا فالذاریات: الریاح کہ ذاریات سے مراد ہوائیں ہیں جو چیزوں کو اڑاتی اور بکھیرتی رہتی ہیں۔ حاملات سے مراد السحاب یعنی بادل ہیں جو پانی کی عظیم مقدار کو ذخائر کی صورت میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ الجاریات سے مراد الفلک یعنی کشتیاں ہیں جو سینکڑوں آدمیوں اور ہزاروں من سامان کو اٹھائے آہستہ آہستہ منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتی ہیں۔ المقسمات سے مراد الملٰئکۃ یعنی وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رزق اور نعمتوں کی تقسیم پر متعین ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ میں نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔

بعض علماء نے ان چاروں صفات کا مصداق ہواؤں کو بنایا ہے۔ اس میں یکسانیت تو بے شک ہے لیکن قسم کے تعدد سے کلام میں جو قوت اور جلال پیدا ہوتا ہے وہ قطعاً پیدا نہیں ہوتا اور یہاں یہی مقصود ہے۔

أَمْرًا ﴿٤﴾ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ﴿٥﴾ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿٦﴾ وَالسَّمَاءِ

بانٹنے والیاں ہیں۔ بے شک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے ۲ اور یقیناً جزا و سزا کا دن ضرور آ کر رہے گا ۳ قسم ہے آسمان

ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿٧﴾ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿٨﴾ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ

کی جس میں راستے ہیں ۴ بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو ۵ منہ پھیرتا ہے اس (قرآن) سے جس کو ازل سے

۲ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس دنیوی زندگی کے بارے میں تم سے باز پرس ہو گی اور تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ ہم بار بار قسم کھا کر تمہیں بتا رہے ہیں کہ یہ وعدہ سچا ہے۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

۳ اور بے شک جزا و سزا وقوع پذیر ہو کر رہے گی۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کو تسلیم کرنے پر اس لیے اتنا زور دیا ہے کہ جو پاکیزہ انسانی معاشرہ جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے بغیر ممکن نہیں۔ قانون کی گرفت اور کنٹرول کا دائرہ انسانی زندگی کے ایک محدود حصہ پر ہی بالادستی قائم کر سکتا ہے پھر اس قانون میں بھی ہیر پھیر کے بے شمار امکانات ہیں۔ انسان کی جلوت و خلوت اسی وقت نفس اور شیطان کی دست درازیوں اور ہنگامہ آرائیوں سے محفوظ رہ سکتی ہے جب اسے یقین ہو کہ قیامت کے روز اسے اس ذات کے سامنے جوابدہ ہونا ہے جو اس کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے اور جس سے اس کی کوئی بات مخفی نہیں۔

عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ انسان جسے عقل و فہم کی نعمت بخشی گئی ہے، جسے بے پناہ وسائل کا مالک بنا دیا گیا ہے، جسے اختیار و ترک کی پوری آزادی دی گئی ہے، اس سے اس کے تمام اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے، ورنہ ایک حیوان اور انسان میں کوئی تفاوت باقی نہیں رہے گا۔

۴ حُبُک جمع ہے اس کا واحد حِباک ہے۔ اس لفظ کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ وہ کپڑا جس کی بُنائی بڑی نفاست اور خوبصورتی سے کی گئی ہو۔ عرب کہتے ہیں حبک الثوب یحبکہ حبکا۔

حُبُک: ان لہروں کو بھی کہتے ہیں جو ہوا کے چلنے سے ریت یا ساکن پانی میں پیدا ہوتی ہیں۔ حبک کا معنی طرق: راستے بھی ہے اور حبک کہکشاں کو بھی کہتے ہیں نیز گھنگریالے بالوں میں جو سلوٹیں ہوتی ہیں انہیں بھی حبک کہا جاتا ہے (قرطبی)

اکثر علماء نے اس سے مراد طرائق یعنی راستے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آسمان کی قسم کھاتا ہے، یعنی وہ آسمان جس میں ستاروں کی مختلف قسم کی حرکات کے باعث ان گنت راستے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں جو مختلف اور متباین سمتوں میں جا رہے ہیں۔ کہکشاں کا معنی بھی مناسب ہے اس کے باعث آسمان کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور اس کے بارے میں جدید تحقیقات نے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں یعنی کہکشاں والے آسمان کی قسم۔

۵ اے کافرو! راستوں والے آسمان کی قسم، تمہاری کوئی رائے قطعی نہیں، تمہاری کوئی بات حتمی نہیں۔ حضور نبی اکرم کے بارے میں رائے زنی کرتے ہو تو کبھی کہتے ہو یہ جادوگر ہے، کبھی اسے کاہن اور مجنون کہتے ہو اور کبھی اس پر شاعر ہونے کی تہمت لگاتے ہو۔ اسی طرح

أُفِكَ ﴿٩﴾ قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿١١﴾

بھی پھیرا گیا جسے (ازل سے) پھیرا گیا ہے۔ ہلاک ہو جائیں اٹکل پچو باتیں بنانے والے۔ وہ جو غفلت کے نشہ میں بے خبر پڑے ہیں۔ شہ

قرآن کریم کے بارے میں بھی تمہاری کوئی متفقہ رائے نہیں۔ کبھی اسے سحر کہتے ہو اور کبھی اسے شعر کہتے ہو اور تم میں سے جو زیادہ منہ پھٹ ہیں وہ اس پُراز حکمت کتاب کو اساطیر الاولین (پہلوں کے افسانے) کہتے ہیں۔ جو شخص مرنے کے بعد قیامت کے بارے میں بھی تمہاری آراء کا تضاد حیرت انگیز ہے۔ تم میں اکثر تو اسے بعید از عقل کہتے ہیں۔ بعض تناسخ کے قائل ہیں۔ بغرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم ہوش و فہم سے کام نہیں لیتے۔ دلائل و براہین سے کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرتے بلکہ محض ظن و تخمین کی وادیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہو اور وہم و گمان پر اپنے مفروضات کی بنیادیں رکھتے ہو۔

سلے علامہ قرطبی لکھتے ہیں: أَفَكَهُ يَأْفِكُهُ إِفْكًا، أَيْ قَلَبَهُ وَصَرَفَهُ عَنِ الشَّيْءِ۔ کسی شے سے کسی کا منہ پھیر دینا۔

صاحب قاموس لکھتے ہیں رجل مأفوك: مصروف عن الحق الی الباطل۔ یعنی جو شخص حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف متوجہ ہو جائے اسے مأفوک کہتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص حق قبول کرنے سے منہ موڑ لیتا ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کی دستگیری نہیں کرتی اور اسے گمراہی کی ڈگر پر بھٹکنے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری کہتے ہیں ای یصرف عن الایمان بمحمد والقرآن من صرف۔ یعنی جو ذاتِ گرامی کرتا ہے اسے اللہ کے نبی اور قرآن پر ایمان لانے سے روک دیا جاتا ہے۔

شہ قتل کا معنی جان سے مار دینا ہے لیکن یہاں بددعا کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یعنی ان پر لعنت اور پھٹکار ہو۔ خرص۔ بغیر تحقیق کے محض قیاس و گمان سے کوئی بات کہہ دینے کو عربی میں خرص کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں پر لگے ہوئے پھل کے بارے میں صرف انداز سے جو شمار بتایا کرتا ہے اسے خرّاص کہتے ہیں۔ یہ مقصد یہ ہے کہ کفار حضور نبی کریم، قرآن پاک اور قیامت کے بارے میں جو جانت جانت کی بولیاں بول رہے ہیں یہ محض ان کی قیاس آرائیاں اور تکے بازیاں ہیں۔ جو لوگ زندگی کی انہی بنیادی حقیقتوں کے بارے میں محض قیاس آرائی پر اکتفا کرتے ہیں انہیں بڑی بھاری مکمل ناکامی اور روح فرسا مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خود سوچئے جس وقت ان لوگوں کو حشر کے میدان میں لا کھڑا کیا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ اپنی دنیوی زندگی کا حساب پیش کرو، تم نے جاری دی ہوئی توانائیوں کو کیسے استعمال کیا۔ ہماری بخشی ہوئی دولت کو کس طرح خرچ کیا، ہمارے احکام کی کہاں تک تعمیل کی۔ اس وقت ان لوگوں پر جو گزرے گی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اسی لیے قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ کے رعب دار الفاظ سے ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کی سعی فرمائی گئی ہے۔

شہ علامہ راغب اصفہانی غمرۃ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل الغمر: ازالة اثر الشيء ومنه قيل للماء الكثير الذي يزيل اثر مسيله غمر وغامر۔ والغمرة معظم الماء الساترة لمقرها وجعل مثلا للجهالة التي تغمر صاحبها۔ یعنی غمر کا اصل معنی کسی چیز کے اثر و نشان کو مٹا دینا ہے۔ کثیر پانی کو بھی غمر کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بہنے کی جگہ

يَسْـَٔلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ ٱلدِّينِ ﴿١٢﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى ٱلنَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٣﴾

وہ پوچھتے ہیں روزِ جزا کب آئے گا ۸ یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے ۹

ذُوقُوا۟ فِتْنَتَكُمْ هَٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٤﴾ إِنَّ ٱلْمُتَّقِينَ

اپنی سزا کا مزہ چکھو ۱۰ یہی ہے وہ جس کے لیے تم جلدی مچا رہے تھے۔ البتہ اللہ سے ڈرنے والے

فِى جَنَّٰتٍ وَعُيُونٍ ﴿١٥﴾ ءَاخِذِينَ مَآ ءَاتَىٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟

(اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے ۱۱ وصول کر رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا ۱۲ بے شک یہ لوگ

قَبْلَ ذَٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾ كَانُوا۟ قَلِيلًا مِّنَ ٱلَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾ وَ

اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے ۱۳ یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے ۱۴ اور

کو چھپا دیتا ہے کیونکہ جہالت بھی جاہل کو بالکل ڈھانپ دیتی ہے اور لوگوں کی آنکھوں سے اسے اوجھل کر دیتی ہے اس لیے اسے بھی غمرۃ کہا گیا ہے۔

۸ ان کا یہ سوال طلبِ علم کے لیے نہ تھا بلکہ بطور استہزا تھا۔

۱۵ اسی تہکم کا انہیں جواب بھی دیا گیا۔ عرب کہتے ہیں فتنت الذھب او الدرھم یعنی جب تو سونے کو پرکھنے کے لیے آگ میں جلاتا ہے تو کہا جاتا ہے فتنت الذھب۔ آیت میں یفتنون اسی معنی میں مستعمل ہے یعنی جس روز انہیں آگ میں تپایا جائے گا۔

۱۰ انہیں کہا جائے گا کہ اپنے کرتوتوں کا عذاب چکھو۔

۱۱ اشرار کے بعد ابرار کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد فرمایا جنت کے سدا بہار باغات میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے ان کی شاداب ٹہنیوں پر رنگ برنگ کے پھول کھل رہے ہوں گے۔ ان کی شاخیں لذیذ، رسیلے اور خوبصورت پھلوں سے لدی ہوں گی۔ وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے پھوٹ رہے ہوں گے اور اس ماحول کو مزید شگفتہ اور شاداب بنا رہے ہوں گے۔

۱۲ بڑا پُرلطف جملہ ہے۔ مولا کریم اپنے دستِ کرم سے خود انہیں نعمتیں عطا فرما رہے ہوں گے اور یہ بصد شکر و ہزار مسرت انہیں وصول کر رہے ہوں گے۔ اللہ اللہ! یہ روح پرور منظر، یہ ہمارے سرور اور لطف ہے اس کا اندازہ لگانا ہمارے لیے آسان نہیں۔

۱۳ ان نوازش ہائے بے پایاں کی حکمت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی دنیوی زندگی میں نیکوکار تھے۔ ان کے دامنِ حیات پر ریاکاری کا کوئی داغ نہیں۔ رعب و وجاہت کے لیے کرتے تھے۔ اس وقت ان کی محویت کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے اور اپنے محبوب کے حسن و جمال کے مشاہدہ میں مستغرق ہو جاتے۔

۱۴ ان کی دوسری خوبی یہ تھی کہ ان کی راتیں لہو و لعب کی نذر نہیں ہو جایا کرتی تھیں اور نہ یہ شام سے دن چڑھے تک غفلت کی

یاد الٰہی سے غفلت میں مست نہ پڑے رہتے تھے بلکہ تھوڑا سا آرام کرنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوتے اور باقی رات ذکر و عبادت میں بسر کر دیتے جب سحری کا وقت ہو جاتا تو یہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں کے احساس سے مضطرب ہو جاتے اور بارگاہ الٰہی میں اپنی تقصیرات پر مغفرت طلب کرتے۔ کیونکہ وہاں دل شکستہ ہی رحمت کا مستحق سمجھا جاتا ہے

در کوئے عشق شوکت شاہی نمی خرند — اقرار بندگی کن و دعوائے چاکری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلاموں کو سحری کے وقت اٹھ کر یاد الٰہی میں مشغول رہنے کی بڑے دلنشیں انداز میں ترغیب دی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینزل اللہ الی السماء الدنیا کل لیلۃ حین یبقی ثلث اللیل ویقول انا الملک من الذی یدعونی فاستجیب لہ، من الذی یسألنی فاعطیہ، من الذی یستغفرنی فاغفر لہ۔

یعنی جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ میں بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کروں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کے گناہ بخش دوں۔

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے اور اس کے بعد جو ذکر اور دعا حضور فرمایا کرتے تھے وہ پیش خدمت ہے خدا کرے کوئی صاحب دل اس کو یاد کر لے اور اسے اپنا وظیفہ بنا لے

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَیِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ
لَکَ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْھِنَّ وَلَکَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُکَ
الْحَقُّ وَلِقَاؤُکَ حَقٌّ وَقَوْلُکَ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِیُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ
وَالسَّاعَۃُ حَقٌّ اَللّٰھُمَّ لَکَ اَسْلَمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ
وَاِلَیْکَ اَنَبْتُ وَبِکَ خَاصَمْتُ وَاِلَیْکَ حَاکَمْتُ اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَیْکَ
الْمَصِیْرُ فَاغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَنْتَ
اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔

ترجمہ: اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کا قائم رکھنے والا ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو ہی آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے کا بادشاہ ہے۔ ساری تعریفیں تیرے لیے ہیں، تو حق ہے تیرا وعدہ حق ہے تیری بقا حق ہے تیرا فرمان حق ہے آگ حق ہے، سارے نبی حق ہیں اور تیرا حبیب محمد (علیہ السلام) حق ہے اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں نے اپنا سر تیرے آگے خم کر دیا ہے۔ میں تجھ پر ایمان لے آیا ہوں۔ تجھ پر میرا بھروسہ ہے۔ میں تیری طرف ہی دل سے مائل ہوں، میں تیری مدد سے ہی دشمن کا مقابلہ کرتا ہوں اور تجھے ہی اپنا حکم تسلیم کرتا ہوں۔ تو ہی سب کا رب ہے اور تیری طرف ہی ہم نے لوٹنا ہے اے اللہ! میرے گزشتہ گناہ بھی بخش دے اور آئندہ گناہ بھی معاف کر دے جو میں نے چھپ کر کیے ہیں اور جو میں نے اعلانیہ

بِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾

سحری کے وقت اپنی خطاؤں کی بخشش طلب کرتے تھے ۱۷ اور ان کے اموال میں حق تھا سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۱۸

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لیے ۱۹ اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں) ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتیں ۲۰

کیے ہیں اور میری وہ خطائیں بھی بخش دے جنہیں تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ تو ہی سب سے پہلے ہے تو ہی سب سے بعد میں ہے تیرے سوا کوئی خدا نہیں، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

۱۷ سحری کا وقت کس قدر بابرکت ہے اور جو لوگ اللہ کی جناب میں اس وقت حاضر ہو کر دامن طلب پھیلاتے ہیں ان پر کیسی کیسی نوازشات کی جاتی ہیں اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں یہ توفیق نصیب ہوئی ہو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

ہر گنج سعادت کہ خدا داد بحافظ — از یمن دعائے شب و ورد سحری بود

اور حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا ارشاد بھی سنئیے۔

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

۱۸ ان کی تیسری خوبی یہ تھی کہ اگر کوئی سائل ان کے در پر آجاتا تو وہ اسے مایوس اور تہی دست واپس نہ کرتے تھے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتا کہ فلاں شخص کسب معاش سے معذور ہے، مرض یا بڑھاپے یا کسی اور وجہ سے زندگی کی جدوجہد کی صلاحیت کھو چکا ہے یا ملازم پیشہ بیوہ ہے جس کا کوئی پرسانِ حال نہیں یا کسی گھر میں کوئی یتیم بچہ ہے تو وہ خود وہاں دوڑے ہوئے جاتے اور حسب مقدور ان کی خدمت بجا لاتے اور ایسا کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے نہ کسی پر احسان جتلاتے اور نہ کسی سے شکر گزاری کی تمنا کرتے۔

اکثر علماء کا یہی قول ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہے۔

۱۹ پہلے تو صرف یہ کہا گیا کہ اے کفار! ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ قیامت ضرور برپا ہو گی۔ اب ان کی توجہ تکوینی اور آفاقی دلائل کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے جو زبانِ حال سے شہادت دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچا ہے۔ فرمایا اس زمین، اس کی ساخت اور اس میں رونما ہونے والے عجیب و غریب تغیرات میں غور کرو، قدم قدم پر تمہیں ایسے آثار و نشانات ملیں گے جن کو اگر تم نے غور سے دیکھا تو حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

۲۰ انہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر ان کی نظر اتنی عمیق نہیں کہ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات کے پیچیدہ نظام کی باریکیوں اور نزاکتوں کو سمجھ سکیں تو وہ اپنی ذات ہی میں غور و فکر کریں کہ کس طرح ایک حقیر قطرہ سے اس کی آفرینش کا آغاز ہوتا ہے کس طرح یہ قطرہ مختلف تغیرات کی منزلیں طے کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک زندہ انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے پھر وہ ننھا نادان بچہ کس طرح آہستہ آہستہ پروان چڑھتا ہے یہاں تک کہ اس کی خوبیاں پرورش پا کر عروج کمال تک پہنچتی ہیں۔ حصولِ علم کے لیے جو ظاہری اور باطنی وسائل اسے بخشے گئے ہیں

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝٢٢ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے ۲۰ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ۝٢٣ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ

حق ہے ۲۱ بالکل اسی طرح جس طرح تم باتیں کرتے ہو۔ اے حبیب! کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ۲۲ ابراہیم علیہ السلام کے معزز

الْمُكْرَمِينَ ۝٢٤ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ۝٢٥

مہمانوں کی ۲۳ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام (دل میں سوچا) اجنبی لوگ ہیں ۲۴

عمل اور اختیار کی جس آزادی سے اسے نوازا گیا ہے اس کی نمو ایسی خواہ مخواہ بے خیال ہو سکے جو صلاحیتیں ودیعت کی گئی ہیں اگر ان تمام امور میں غور کیا جائے اور ان حقائق کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، حکمت بالغہ اور علم محیط پر یقین حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتی کہ ایسی ہستی اگر مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا چاہے تو کوئی مشکل نہیں۔

۲۰ یہاں رزق سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی انسان کو اپنی بقا اور اپنی ذہنی، جسمانی اور روحانی نشوونما کے لیے ضرورت ہوتی ہے فرمایا ہر قسم کی نعمتوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں۔ ہم سے مانگو ہم تمہاری جھولیاں بھر دیں گے۔

۲۱ پہلے مختلف چیزوں کی قسمیں کھائیں۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی ذات والا صفات کی قسم اٹھا کر فرما رہے ہیں کہ روز جزا حق ہے، وہ ضرور آئے گا۔ اس روز تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ یا قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اسے کسی انسان نے تصنیف نہیں کیا۔ انہ لحق میں ضمیر کا مرجع قرآن اور آخرت دونوں ہو سکتے ہیں۔

۲۲ یہاں سے قانون مکافات کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی دلائل کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے۔ اس رکوع میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ان متعدد قوموں کا ذکر ہے جو راہ راست سے بھٹک گئیں۔ ان کو ہدایت دینے کے لیے انبیائے کرام تشریف لائے۔ انہوں نے بڑی دلسوزی سے انہیں سمجھایا لیکن جب ان کی مخلصانہ کوششیں بھی رائیگاں ہو گئیں اور وہ لوگ گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے تو انجام کار مکافات عمل کا قانون حرکت میں آیا اور انہیں نیست و نابود کر کے رکھ دیا گیا۔ رکوع کی ابتدا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آپ کے معزز مہمانوں اور ایک فرزند ارجمند کی ولادت کی بشارت کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر بات اصل مقصد کی طرف پھیر دی گئی ہے۔

یہ واقعہ دوسرے مقامات پر گزر چکا ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ ہود ضیاء القرآن، سورۂ حجر ضیاء القرآن اور دیگر مقامات پر۔

۲۳ آپ کے پاس آنے والے مہمانوں کی تعداد یہاں سے نہیں بتائی گئی بلکہ ضیف (جمع) کی بجائے ضیف واحد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ ضیف مصدر ہے اور مصدر ایک، دو یا زیادہ کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

۲۴ ان کی شکل و صورت دیکھ کر دل ہی دل میں کہا یہ لوگ غریب الدیار اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کے لوگوں سے

رکوع ۱۸ — وقف لازم

فَرَاغَ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿٢٦﴾ فَقَرَّبَهُۥٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا

پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑا (بھون کر) لے آئے ۲۵ اور اسے ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں

تَأْكُلُونَ ﴿٢٧﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا۟ لَا تَخَفْ ۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَٰمٍ

نہیں ۲۶ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے ڈریئے نہیں ۲۷ اور انہوں نے بشارت دی آپ کو

عَلِيمٍ ﴿٢٨﴾ فَأَقْبَلَتِ ٱمْرَأَتُهُۥ فِى صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ

ایک صاحب علم بیٹے کی پس آگئی آپ کی زوجہ چلاتی ہوئی ہوکر ۲۸ اور حیرت سے ماتھا پیٹ لیا اپنا چہرہ اور بولی (میں) بڑھیا بانجھ (!)

عَقِيمٌ ﴿٢٩﴾ قَالُوا۟ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ ۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْحَكِيمُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٣٠﴾

پھر کیا میرے ہاں بچہ ہوگا؟ انہوں نے کہا ایسا ہی فرمایا ہے تیرے رب نے بیشک وہی دانا ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان کی وضع قطع بالکل مختلف نظر آرہی ہے۔

۲۵ راغ کا معنی ہے اِنسَلَّ خفیۃً فی سرعۃ۔ تیزی سے چپکے چپکے کھسک جانا۔ یعنی اپنے مہمانوں کو آرام سے بٹھایا، خود چپکے سے اٹھے اور ان کی ضیافت کے انتظام میں مصروف ہوگئے۔ جلدی جلدی ایک موٹا تازہ بچھڑا ذبح کیا۔ اس کو بھون کر ان کی خدمت میں پیش کردیا۔

۲۶ کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا ہے لیکن مہمان ہیں کہ کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ آپ نے فرمایا آپ لوگ کھانا تناول نہیں کریں گے؟ قبائلی زندگی میں ایک دستور تھا کہ اگر مہمان ضیافت قبول کر لیتا تو سمجھا جاتا کہ اس کا آنا خیر سے ہے لیکن اگر وہ کھانا تناول کرنے سے انکار کر دیتا تو سمجھ لیا جاتا کہ یہ کسی بری نیت سے یہاں آیا ہے۔ جب فرشتوں نے ہاتھ تک نہ بڑھائے تو آپ کو ان سے ایک گونہ خدشہ سا محسوس ہونے لگا۔ حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ نے دیکھا کہ وہ ہاتھ نہیں بڑھاتے تو آپ سمجھ گئے کہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتے لباس بشری میں آئے ہیں اور ان کا اس طرح لباس بشری میں آنا خطرہ سے خالی نہیں۔ عن ابن عباس انہ علیہ السلام وقع فی نفسہ انہم ملائکۃ ارسلوا للعذاب فخاف۔

۲۷ فرشتوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ ہراساں نہ ہوں، ہم تو آپ کو ایک فرزند ارجمند کی بشارت دینے حاضر ہوئے ہیں۔

۲۸ حضرت سارہ قریب ہی کہیں بیٹھی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ اس وقت آپ کی عمر نوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۰۰ سال سے متجاوز تھی۔ انہوں نے جب یہ سنا کہ ایک بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جا رہا ہے تو اپنے جذبات تحیر کو ضبط نہ کرسکیں اور جہاں حضرت ابراہیم فرشتوں سے مصروف گفتگو تھے وہاں آپہنچیں اور کہنے لگیں کہ آپ لوگ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں بڑی بوڑھی اور بانجھ،

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! ۳۱ وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو

میرے ہاں بچہ پیدا ہوگا، یہ کیونکر ممکن ہے۔ آیت میں دو لفظ تحقیق طلب ہیں۔ صرۃ اور فصکت۔

علامہ ابن منظور نے صرۃ کی تحقیق کرتے ہوئے کئی صفحات لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ قال الزجاج الصرة اشد الصياح تكون في الطائر والانسان وغيرهما یعنی زور سے چیخنے کو صرۃ کہتے ہیں خواہ وہ چیخ پرندہ کی ہو یا انسان کی۔ یعنی جب مائی صاحبہ نے بچہ کی ولادت کا مژدہ سنا تو ان کے تحیر کی کوئی حد نہ رہی۔ چیخ اور شور مچاتی وہاں آئیں۔ صرۃ کا معنی اصمعی اور ابن منظور نے جماعت کیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب آپ نے یہ بات سنی تو جو عورتیں اس وقت ان کی خدمت میں حاضر تھیں ان کو ساتھ لے کر آپ تشریف لے آئیں۔

آخر میں اصمعی نے اس لفظ کا ایک اور معنی بھی لکھا ہے چونکہ وہی مناسب حال ہے اس لیے میں نے اسی کو پسند کیا ہے اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ الصرة تقطيب الوجه من الكراهة۔ اظہار ناپسندیدگی کے لیے چہرہ پر بل ڈال کر تیوری چڑھانا۔ جب انسان ازحد متحیر ہوتا ہے اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتا ہے اور اس کا چہرہ بھی ہیئت متغیر ہو جاتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فصکت، عورتوں کی عام عادت ہوتی ہے کہ جب وہ حیرت زدہ ہوتی ہیں تو اپنے منہ پر طمانچہ مارتی ہیں۔ شوہر محترم کی عمر سو سال اور اپنی عمر نوے سال، اس پر یہ بشارت کہ تم بچہ جنو گی۔ اس پر مائی صاحبہ جتنا بھی اظہار حیرت کرتیں بجا تھا۔

بعض نادان لوگ فصکت وجہہا کے لفظ سے ماتم کرنے اور پیٹنے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں اور اسے حضرت سارہ کی سنت کہتے ہیں۔ وہ خود ہی فرمائیں کہ کیا انہیں حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اتنی ہی حیرت اور مسرت ہوئی ہے جس طرح حضرت سارہ کو فرزند کی بشارت سے ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہی ہے تو انہیں زور زور سے منہ پر طمانچے مارنے چاہئیں۔ نادان نہتوں کو پامال ہوتے دیکھ کر جتنا حیرت اور جس طرح مسرت کا اظہار کریں انہیں اس کا حق پہنچتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے امام پاک کو دھوکے سے کوفہ بلایا اور بڑی بے دردی کے ساتھ ان کو کنبہ سمیت تہ تیغ کیا۔ اگر ایسے نامبارک منصوبے کی کامیابی پر وہ خوش نہیں ہوں گے تو اور کون خوش ہوگا۔ لیکن وہ ایمان دار جن کے دل ساتھ ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں، جن کی آنکھیں اس حادثہ جانکاہ سے اشک بار رہتی ہیں وہ کس طرح خوشی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

خوشی اور حیرت کے موقع پر کسی عورت کا اپنے منہ پر یوں طمانچہ لگانا اور بے اور کسی کے غم میں اپنا منہ اور سینہ لہولہان کرنا اور ہے۔ اسلام جو صبر کا سبق دیتا ہے وہ ان مردانہ یا زنانہ ماتم کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا جنہوں نے اپنے رب کریم کا نام بلند کرنے کے لیے ایثار کیا ہو، اپنا گھر لٹایا ہو اور اپنے بھائی اور بیٹے ذبح کرائے ہوں۔ اسلام ان کو مردہ تسلیم ہی نہیں کرتا۔ ان کے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ ان کے بارے میں یہ گمان کرنا ہی سراسر غلط ہے کہ وہ مردہ ہیں۔

۳۱ اس گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد ان سے ان کے آنے کا مقصد دریافت کرتے ہیں۔ فرشتوں کا بشری لباس میں آنا کوئی معمول

مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿٣٣﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ

جو مجرم پیشہ ہے ۳۰ تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے سے بنے ہوئے پتھر (کنکر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب

رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣٤﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣٥﴾

کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لیے (نزول عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو ۳۱

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٦﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً

پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے۔ اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک

لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٣٧﴾ وَفِيْ مُوْسٰٓى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى

نشانی ان لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لیے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں ۳۲ اور (داستان) موسیٰ میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے انہیں بھیجا

بلکہ ضرور تھی اس لیے آپ نے پوچھا کوئی اہم مہم درپیش ہے جس کو سر کرنے کے لیے آپ تشریف لائے۔ الخطب کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: الخطب: الامر العظیم یکثر فیہ التخاطب (مفردات) یعنی وہ اہم کام جس کے بارے میں بکثرت تبادلہ خیال کیا جاتا ہے۔ منجد میں ہے الخطب: الشان، الامر، صغر او عظم۔ وغلب استعمالہ للامر العظیم المکروہ۔

یعنی ویسے تو الخطب ہر کام کو کہتے ہیں بڑا ہو یا چھوٹا۔ لیکن اس کا غالب استعمال کسی اہم لیکن ناخوشگوار کام کے لیے ہوتا ہے۔

۳۰ فرشتوں نے بتایا کہ وہ قوم لوط کو فنا کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ [illegible] میں ان کے لیے ایسے پتھر تیار کیے گئے ہیں جن پر خاص نشان لگا دیے گئے ہیں اور ہر پتھر ایک مجرم کی سرکوبی کے لیے مختص کر دیا گیا ہے۔ ہمیں حکم ملا ہے کہ ان نشان زدہ پتھروں کی ان مجرموں پر موسلا دھار بارش کر دیں۔ مسومۃ: جن پر نشان لگا دیا گیا ہو۔

۳۱ حضرت خلیل کے پوچھنے پر فرشتوں نے از خود یہ بتا دیا کہ آپ فکر نہ کریں حضرت لوط اور ان کے اہل خانہ پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ اس ساری بستی میں یہ ایک ہی خاندان ہے جس نے حق کا پرچم بلند کر رکھا اور باطل کو قبول کیا اور وہ اس سے مصالحت کی بجائے اس کو نیچا دکھانے کے لیے مسلسل جدوجہد کرتا رہا۔ سو ہم نے ان کو وہاں سے نکالنے کا پہلے ہی انتظام کر لیا ہے۔

آپ یہ جانتے ہیں کہ حضرت لوط، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے تھے۔

۳۲ بحر مردار (DEAD SEA) کا محل وقوع بتا رہا ہے کہ یہاں پہلے بڑے بڑے شہر آباد تھے جو بعد میں کسی زلزلہ کی وجہ سے زمین میں دھنس گئے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں: ۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو الکسان (بحیرہ کا جنوبی حصہ) پر بہت بڑا قبرستان ملا ہے جس میں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر

فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٣٩﴾

فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر ۴۳؎ پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ہے ۴۴؎

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿٤٠﴾ وَفِىْ عَادٍ اِذْ

تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا تھا ۴۵؎ اور (قوم) عاد (کی تباہی) میں بھی نشان عبرت ہے

موجود آبادی ہو گا اگر کسی ایسے شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو۔ اس سے یہی شبہ تقویت پاتا ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرہ میں غرق ہو چکا ہے۔ (تفہیم القرآن، سورۃ الذاریات)

مزید وضاحت کے لیے ضیاء القرآن، سورۃ اعراف آیات ۸۰ تا ۸۴ کا مطالعہ کیجیے۔

۴۳؎ اب بتایا جا رہا ہے کہ اے اہل مکہ! جس طرح تمہارے پاس ہمارا رسول اکرم دلائل و براہین کی روشنی لے کر آیا ہے اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو سلطان مبین (روشن دلیل) دے کر فرعون کی طرف بھیجا تھا تاکہ اس کو قبول حق کی دعوت دے لیکن فرعون نے اپنے لشکر جرار، اپنی بے پایاں طاقت اور اپنی ذاتی قوت کے بل بوتے پر ایک صاحب عظمت رسول کی بات ماننے سے منہ پھیر لیا پھر اس کا جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

۴۴؎ فتولی برکنہ کے الفاظ تحقیق طلب ہیں۔ رکن کا معنی ذاتی قوت بھی کیا گیا ہے اور اس سے مراد اس کا لشکر، اس کی فرمانبردار رعایا بھی لی جا سکتی ہے۔ "ب" مصاحبت کی بھی ہو سکتی ہے اور تعدیہ کی بھی۔ مصاحبت کی صورت میں معنی یہ ہو گا کہ اس نے اپنے لشکر، اپنے اعوان و انصار اور اپنی قوم سمیت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو سننے سے منہ پھیر لیا اور اگر "ب" تعدیہ کے لیے ہو تو اس سے مراد یہ ہو گی کہ اس نے اپنے لشکر جرار، اپنے اعوان و انصار یا اپنی ذاتی طاقت سے مغرور ہو کر موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ سے مروی ہے برکنہ ای بقوتہ۔ یعنی اس نے اپنی ذاتی قوت کے بل بوتے پر آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا یہ شخص یا تو جادوگر ہے اور یا اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اسے یہ خبر ہی نہیں کہ وہ کس کے دربار میں کھڑا ہے اور کیا بات کر رہا ہے۔

۴۵؎ جب یہ واقعہ رونما ہوا ہو گا کہ آناً فاناً فرعون اور اس کے لشکر جرار کی غرقابی کی خبر ارد گرد کے علاقوں میں پہنچ گئی ہو گی لیکن اس ظالم جابر پر کسی آنکھ نے آنسو تک نہ بہایا، کسی نے آہ یا افسوس تک نہ کیا، بلکہ سب کی زبان پر یہی ایک بات تھی کہ خس کم جہاں پاک۔ فرعون بڑا ظالم تھا اور اس کا یہی انجام ہونا تھا۔ وھو ملیم میں اسی امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی سب لوگ ملامت کرتے رہے اور برا بھلا کہتے رہے۔ ملیم کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب لسان العرب لکھتے ہیں۔ الام الرجل فھو ملیم اذا اتی ذنبا یلام علیہ۔ جب کوئی شخص ایسے گناہ کا ارتکاب کرے جو قابل ملامت ہو تو اس شخص کو ملیم کہتے ہیں۔

مبرد کہتے ہیں الام: صار ذا لائمۃ۔

أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ

جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی ۳۶ نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی

إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيمِ ﴿٤٢﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٤٣﴾

مگر اسے ریزہ ریزہ کر دیتی۔ اور (واقعہ) ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک ۳۷

فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ﴿٤٤﴾ فَمَا

پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو آلیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے اس حال کہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان

اسْتَطَاعُوا مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُنتَصِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن

میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی ۳۸ اور نہ وہ (ہم سے) انتقام لے سکتے تھے ۳۹ اور قوم نوح کا اس سے

۳۶ قوم عاد کا انجام بھی بڑا عبرتناک تھا۔ ان کی سرکشی کی جب حد ہو گئی اور ان کو راہ راست پر لانے کی ساری پیغمبرانہ مساعی ناکام ہو گئیں تو ان پر ایسی ہوا کا جھکڑ مسلط کر دیا گیا جو عقیم تھی۔ عقیم بانجھ عورت کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ ہوا ہے جو خیر و برکت سے یکسر خالی ہو۔ نہ بادلوں کو اٹھا کر لائے، نہ درختوں کو بار آور کرے، نہ اس میں رحمت کا کوئی شائبہ ہو۔ وھی التی لا تلقح سحابا ولا شجرا ولا رحمة فیھا ولا برکة ولا منفعة (قرطبی) دوسرے مقامات پر تصریح کی گئی ہے کہ یہ جھکڑ آٹھ دن اور سات رات تک مسلسل چلتا رہا اور جو چیز بھی اس کی لپیٹ میں آئی اسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا۔

۳۷ قوم ثمود نے جب نافرمانی اور سرکشی کی انتہا کر دی اور اس اونٹنی کی کونچیں بھی کاٹ ڈالیں جو بطور معجزہ ظاہر کی گئی تھی تو انہیں بتا دیا گیا کہ تمہاری بربادی میں صرف تین دن کی مہلت رہ گئی ہے۔ جی بھر کر داد عیش دے لو اور رنگ رلیاں کر لو لیکن انہیں پھر بھی ہوش نہ آیا۔ تین روز کے بعد ایک صاعقہ کی کڑک دار آواز پیدا ہوئی کہ مارے دہشت کے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور ان میں اتنی سکت بھی نہ رہی کہ وہ بیٹھے سے اٹھ سکیں۔

۳۸ عدم قیام کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ عذاب الٰہی کو برداشت نہ کر سکے۔ ای ما اطاقوا ان یستقلوا بعذاب اللہ وان یتحملوہ ویقوموا بہ۔

۳۹ اس کے دو معنی ہیں۔ المنتصر من عدوہ ای المنتقم والمنتصر علی خصمہ المستظھر۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ہم نے ان پر اپنا عذاب مسلط کیا وہ لوگ جنہیں اپنی طاقت کا بڑا گھمنڈ تھا ان میں یہ سکت نہ رہی کہ وہ ہم سے انتقام لے سکیں اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ہم پر غالب نہ ہو سکے یا اپنی قوت سے ہمارے بھیجے ہوئے عذاب کو ٹال نہ سکے۔

قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَالسَّمَاۗءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا

پہلے (ہی غرق کر دیا)، بے شک وہ لوگ بھی بڑے نافرمان تھے ۴۰ اور ہم نے آسمان کو (اپنی) قدرت کے ہاتھوں سے بنایا ۴۱ اور ہم

لَمُوْسِعُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ

ہی اس کو وسیع کرنے والے ہیں ۴۲ اور زمین کو ہم نے فرش کی طرح بچھایا، پس ہم کتنا اچھا فرش بچھانے والے ہیں ۴۳ اور ہم نے ہر چیز کے

۴۰ نوح علیہ السلام کی قوم کی داستان بھی بڑی عبرت افروز ہے۔ انہوں نے بھی فسق و فجور کو اپنا شعار بنا لیا تھا چنانچہ پانی کا طوفان آیا اور انہیں تنکوں کی طرح بہا لے گیا۔

۴۱ اس کا عطف قوم نوح پر ہے۔ یعنی پہلے ہم نے تمہیں اپنی قدرت کے تاریخی دلائل بتلائے ہیں۔ اب ذرا آفاقی دلائل سماعت فرمائیے۔ پہلے بتایا آسمان کو اس کی وسعت اور فراخی کے ساتھ ہم نے خود بنایا ہے۔ نہ اس کے بنانے میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کے بنانے میں ہمیں کسی سے کوئی مشورہ یا کوئی امداد لینے کی ضرورت پڑی۔ ہم نے خود محض اپنی قدرت اور اپنی حکمت سے اس کی تخلیق کی ہے۔ بايد اي بقوة عن ابن عباس (بحر)

۴۲ مُوْسِعُوْن، اوسع سے ہے۔ یہ متعدی اور لازم دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے۔ متعدی ہونے کی صورت میں اس جملہ کا یہ مفہوم ہوگا کہ ہم نے فضا کو بسیط اور کشادہ بنایا ہے۔ یہاں تک کہ زمین کا یہ طویل و عریض کرہ اس کے سامنے ایسا ہے جیسا دائرہ کے وسط میں ایک نقطہ اور لازمی ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم بڑی وسعت اور غنا کے مالک ہیں۔ ہماری قدرت بےکراں ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ اوسعه ووسعه، صيّره واسعا وقيل اوسع الرجل صار ذا سعة وغنى وقوله وانا لموسعون اي اغنياء وقادرون (لسان العرب)۔ ہم آپ نے سورۃ کا تعارف پڑھا ہوگا اس کے مطالعہ سے آپ کو اس کی یہ مقصد معلوم ہو گیا ہوگا۔ اب وقوع قیامت کا انکار کرنے والے سوچیں اور انصاف سے بتائیں کہ ایسی قدرت والے پر مردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل امر ہے۔

۴۳ یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ زمین جس پر تم آباد ہو اسے کس نے ایک آرام دہ فرش کی طرح بچھا دیا ہے اور اس میں تمہارے رزق اور ضرورت کے تمام اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ فنعم سے یہ بتایا کہ ہم نے صرف اسے بچھایا ہی نہیں بلکہ اس کو تمہارے لیے آرام دہ بنا دیا ہے۔ اس کے بچھانے میں جو خوبی اور حکمت ہے چشم بینا اسے دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ زرخیز ہموار اور وسیع میدان ہیں۔ مناسب مقامات پر دریا بہہ رہے ہیں۔ جگہ جگہ پہاڑ نصب کر دیئے گئے ہیں۔ زمین کی تہہ میں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے سمندر رواں ہیں۔ میدانی علاقوں میں زمین کھود کر پانی نکالا جاتا ہے لیکن پہاڑوں کی چوٹیوں پر بغیر کسی کے کھودے چشمے بہہ رہے ہیں۔ ہر قسم کا اناج، پھل اور سبزیاں اگ رہی ہیں۔ موسم میں از خود خوشگوار تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ لیل و نہار کی گردش کا سلسلہ جاری ہے۔ زمین کو سورج سے اتنی دوری اور اس ہیئت پر رکھ دیا گیا ہے کہ زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ محو خرام ناز ہے۔

آپ اس فرش زمین کو کسی نگاہ سے دیکھیں آپ کو اس کے بنانے والے کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اعتراف کرنا

خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٩﴾ فَفِرُّوا إِلَى اللَّهِ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ

جوڑے بنائے ۴۳ تاکہ تم غور و فکر کرو۔ پس دوڑو اللہ کی طرف (اس کی پناہ لینے کے لیے) ۴۵ بیشک میں تمہیں اس

مُّبِينٌ ﴿٥٠﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ إِنِّي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٥١﴾

کے غضب سے کھلا ڈرانے والا ہوں اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ۴۶ بیشک میں تمہیں اس کے غضب سے کھلا ڈرانے والا ہوں

پیدا کی ایسی ہستی اگر کہے کہ میں روزِ حشر زندہ کروں گا تو کون بھلا اس کا انکار کر سکتا ہے۔

۴۳ قدرت و حکمت کا ایک اور نشان پیش کیا جا رہا ہے کہ ہم نے ہر چیز جو پائی جاتی ہے اسے جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ باہم اختلاط سے افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہے۔ انسان اور حیوانات میں زوج زوج کا ہونا سب کو ہمیشہ سے معلوم ہے۔ نباتات کی دنیا میں بھی زوجیت کا یہ اصول جس وقت اور جس طرح سے کارفرما ہے اس کا پوری طرح اب انکشاف ہوا ہے۔ علمی تحقیقات کے قدم جب آگے بڑھیں گے تو جمادات وغیرہ میں بھی یہ اصولِ زوجیت کارفرما نظر آئے گا۔

ان کے علاوہ بھی تضادات اور تقابلات کی ایک دنیا آباد ہے۔ رات اور دن، شقاوت و سعادت، ہدایت و ضلالت، آسمان و زمین، سیاہی و سفیدی، صحت و مرض، کفر و ایمان۔ انسان کہاں تک گنتا جائے۔ قال مجاهد اشارة الى المتضادات والمتقابلات كالليل والنهار والشقاوة والسعادة والهدى والضلال والسماء والارض والسواد والبياض والصحة والمرض والكفر والايمان۔ (البحر المحيط)

۴۵ مقصد یہ ہے کہ انہیں ایمان قبول کرنے کی دعوت دی جائے لیکن یہاں ففروا کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے گویا بتایا جا رہا ہے کہ شیطان تمہارے پیچھے ہے۔ نہ معلوم کس وقت آکر تمہیں دبوچ لے، اس لیے جلدی کرو، بھاگو اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اللہ کی پناہ میں آجاؤ۔ جہاں پناہ مل جانے کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازیاں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں۔ ففروا عن كل شيء الى الله بالمحبة والاستغراق وامتثال الاوامر۔ یعنی ہر چیز سے منہ موڑ کر اس کی طرف بھاگو۔ اس راہ میں جو چیز حائل ہو اسے ٹھوکر سے پرے ہٹا دو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی تمہاری توجہ اور محبت کا مرکز بن جائے۔ اس کے ذکر اور اس کے انوار کے مشاہدہ میں ہمہ تن محو ہو اور اس کے ہر حکم کی تعمیل بڑے ذوق و شوق سے کرو۔

۴۶ اکثر علماء نے منه کی ضمیر کا مرجع عذاب اور غضب بتایا۔ یعنی میں تمہیں عذاب سے ڈرانے والا ہوں۔ لیکن علامہ حقی نے منه کا مرجع ذاتِ باری کو بنایا ہے۔ (روح البیان) یعنی میں بذات خود تمہارے پاس نہیں آگیا بلکہ کسی نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے، میں اللہ تعالیٰ کا فرستادہ ہوں۔ اس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے کہ میں تمہیں خواب غفلت سے بروقت بیدار کروں۔ مجھے یہ قول بہت پسند ہے۔

۴۷ یہاں تک آفاقی اور انفسی دلائل جو کہ تمہارے سامنے انبار لگا دیا گیا ہے ان سے جس طرح روزِ قیامت کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح یہ

كَذَٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ

اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا

مَجْنُونٌ ﴿٥٢﴾ أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنتَ

دیوانہ ۵۲ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں ۵۳ پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجیے آپ پر کوئی

بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ

الزام نہیں۔ اور آپ سمجھاتے رہیے بیشک سمجھانا اہل ایمان کے لیے فائدہ بخش ہے ۵۵ اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن

حقیقت بھی عیاں ہو گئی ہے کہ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ جب اس محیر العقول کارخانہ کائنات کا مالک اور مالک وہی ہے تو پھر اور کون ہے جس کے آستانہ پر سر نیاز جھکایا جائے یا اس کی عبادت کی جائے۔ اسی لیے یہاں واضح طور پر تنبیہ کر دی کہ خبردار اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو خدا اور معبود نہ بنانا، ورنہ ابدی عذاب میں مبتلا کر دیے جاؤ گے نجات کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ مجھے اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے کہ تمہیں بروقت خبردار کر دوں۔

۵۲ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! اہل عرب آپ کو کبھی ساحر کہتے ہیں اور کبھی دیوانہ کہتے ہیں۔ یہ کوئی نرالی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو بھی ہادی تشریف لائے ان کی قوم ناشناس نے ایسے ہی ناشائستہ کلمات سے انہیں نوازا ہے۔

۵۳ زمان و مکان کے واضح بُعد اور تفاوت کے باوجود ان کے افکار و اقوال میں یہ یکسانیت کہاں سے آگئی۔ ہر داعی حق کو ہر زمانہ میں ان الفاظ سے کیوں یاد کیا گیا ہے۔ کیا ایسا تو نہیں ہوا کہ اگلے پچھلوں کو وصیت کرتے گئے ہوں کہ ہم نے اپنے نبیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے اور ان کے لیے ایسے نام رکھے ہیں۔ یاد رکھنا اگر تمہارے پاس بھی کوئی نبی آئے تو تم بھی ہماری طرح اس کو ساحر اور مجنون کہنا۔

۵۴ پہلی بات کی تردید کر دی۔ فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بھی سرکش لوگ ہیں اور پہلے بھی سرکش اور نافرمان لوگ تھے۔ اسی سرکشی نے ان میں فکر و خیال کی یہ یکسانیت پیدا کر دی ہے۔ جب بھی کوئی خیر اندیش کسی سرکش کو اس کی سرکشی سے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے تو وہ اسے اپنی توہین تصور کرتا ہے حالانکہ نصیحت کرنے والا اس کی بھلائی کا متمنی ہے، لیکن ذاتی معاملات میں مداخلت برا محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنے ناصح مشفق کو دیوانہ یا ساحر کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۵۵ سرکشوں کی سرکشی سے آپ کو کیا خوف! اے محبوب! آپ اس کے لیے جواب دہ نہیں۔ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے آپ اپنے منصب جلیلہ کا فرض ادا کر چکے ہیں۔ کج طبع لوگ اگر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو ان کی قسمت۔ اہل ایمان کی اس سے کشت ایمان کو سیراب کر رہے ہیں اور تا قیامت سیراب کرتے رہیں گے۔ سورج کا کام چمکنا اور ہر سو نور افشانی کرنا ہے اگر اندھے

وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ

وانس کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں ۵۶ نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ یہ طلب کرتا ہوں کہ وہ

يُّطْعِمُوْنِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ

مجھے کھلائیں ۵۷ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو رزق دینے والا قوت والا اور زبردست ہے ۵۸ پس ان ظالموں کے لیے

ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ فَوَيْلٌ

عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں ۵۹ پس تباہی ہے

اس کی روشنی سے مستفیض نہیں ہو سکتے تو کیا ہوا؟ آنکھوں والے تو فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اندھوں کی وجہ سے سورج چمکنا چھوڑ دے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

۵۶؎ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس آیت کی تشریح یوں بیان فرمائی ہے۔ وما خلقت الجن والانس الا لآمرهم بالعبادة۔ یعنی میں نے جن وانس کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ میں انہیں حکم دوں کہ وہ میری عبادت کریں۔ انسان کو عقل و فہم، ارادہ و اختیار کی جو نعمتیں ارزانی کی گئی ہیں ان کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی جبین نیاز اس ذات کے سامنے جھکائے جس نے اسے پیدا فرمایا اور اپنے گوناگوں احسانات سے اسے مالا مال فرمایا۔ اب اگر وہ کسی اور کی عبادت کرنے لگے جو نہ اس کا خالق ہے اور نہ اس کا پروردگار ہے یا بالکل الحاد و دہریت کا راستہ اختیار کرلے تو گویا وہ اپنی فطرت سے جنگ آزما ہے اور اپنی طبع سلیم کو مسخ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

۵۷؎ میں ان سے رزق کا طلب گار نہیں اور نہ اس لیے ان کو اپنی عبادت کا حکم دے رہا ہوں کہ مجھے ان کے سجدوں اور ان کی طاعتوں کی حاجت ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں! اس میں ان کا ہی فائدہ ہے۔ میرے حضور میں جب وہ سر نیاز جھکائیں گے تو ان کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہو جائیں گی۔ حیوانی اور شیطانی ہتھکنڈوں سے ان کو چھٹکارا مل جائے گا۔ ان کا منصب بہت ارفع و بلند ہو گا۔ پر کرگس کا وہاں تک گزر نہیں، ہما کی وہاں تک رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے محروم رہتے ہیں، ساری عمر ان کا قدم حیوانی زندگی کے دائرہ سے ہی باہر نہیں نکلتا۔ انہیں انسانی عظمتوں اور اس کی صلاحیتوں کی بیکرانیوں کا علم ہی نہیں ہوتا۔ حیوانی زندگی کی لذتوں میں ہی وہ گم رہتے ہیں اور اپنی اصلاح کے تمام مواقع کو ضائع کر دیتے ہیں۔

۵۸؎ رزق دینے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی قوت والا اور مضبوط ہے۔ وہ کسی کا دست نگر نہیں۔ ہر چیز اپنے وجود اور بقا میں اس کے جود و کرم کی محتاج ہے۔

۵۹؎ ذنوب بڑے ڈول کو کہتے ہیں جس سے کنوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے۔ ڈول میں جتنا پانی آتا ہے وہ ڈول کھینچنے والے کا ہی حصہ ہوتا ہے۔ اس لیے ذنوب کا لفظ حصہ اور نصیب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ يَّوۡمِهِمُ الَّذِيۡ يُوۡعَدُوۡنَ ۝۶۰

ان کے لیے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے (۵۹)

کے لیے بھی عذاب کا ایک حصہ مقرر ہے۔ جس طرح اپنے اپنے وقت پر پہلی قوموں کے نافرمانوں کو اپنا اپنا حصہ ملا۔ ان لوگوں کو بھی مل کر رہے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے پیش نظر ان پر نزولِ عذاب کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے۔ یہ لوگ جلدبازی سے کام لے رہے ہیں۔ سوچنے اور سمجھنے کی جو مہلت انہیں دی گئی ہے اسے بھی بحث تکرار میں ضائع کر رہے ہیں۔ آپ انہیں فرمائیے کہ نزولِ عذاب کے لیے جلدی مت مچاؤ، عذاب آئے گا اور ضرور آئے گا لیکن اپنے مقررہ وقت پر۔ جب یہ عذاب آئے گا تو یہ ہزار بھاگیں گے، لیکن وہ ان کا پیچھا نہ چھوڑے گا۔

(۵۹) منکرینِ حق جو آفتابِ ہدایت کی ضیاپاشیوں کے باوجود اندھے بنے ہوئے ہیں اور کفر و الحاد کی راہ پر بھاگے چلے جا رہے ہیں، جب وہ دن طلوع ہوگا جو ان کی تباہی کے لیے متعین ہے تو اس روز ان بدبختوں کی حالت بڑی خوفناک ہوگی۔

○

اللّٰهم انت ربي واشهد بقلبي واقر بلساني سبحانه لا اله الا انت لا شريك لك لك الملك ولك الحمد وانك على كل شيء قدير لا حول ولا قوة الا بك لا ملجأ ولا منجا منك الا اليك انا عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصيتي بيدك واشهد بقلبي واقر بلساني بان سيدي ومولاي وحبيبي وقرة عيني محمدا عبدك ورسولك ونبيك وصفيك اللّٰهم صل عليه وعلى آله واصحابه واوليائه امته من الصلوات اطيبها ومن التسليمات ازكاها ومن التحيات اسناها ومن البركات اجلها كلما ذكرك وذكره الذاكرون وكلما غفل عن ذكرك وذكره الغافلون فاطر السموات والارض انت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔ آمین بحق طٰہٰ ویٰسین۔

○

تعارف
سُورۃ الطُّور

نام: اس سورت کا نام الطور ہے اور یہ اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں دو رکوع، انچاس آیتیں، تین سو بارہ کلمات اور ایک ہزار پانچ سو حروف ہیں۔

زمانۂ نزول: اس سورۂ مبارکہ کے مضامین، اسلوب و لہجہ اور طرزِ استدلال ان سابقہ سورتوں سے بہت یکسانیت رکھتے ہیں جن سے آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے زمانۂ نزول میں کوئی زیادہ بُعد نہیں۔

مضامین: کفار یہ سُن کر بہت سیخ پا ہوتے کہ قیامت آئے گی اور انہیں دوبارہ زندہ کر کے داورِ محشر کے سامنے پیش کیا جائے گا جہاں ان سے ان کی دنیوی زندگی کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ کفار اسے ناممکن اور خلافِ عقل کہنے کی رٹ لگا رکھتے تھے اور اعلانیہ کہہ رہے تھے کہ ہم قیامت پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ آغازِ سورت میں کئی اہم چیزوں کی قسمیں کھا کر اعلان کیا جا رہا ہے کہ قیامت آنے کی ضرور آئے گی۔ دنیا میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو قیامت کو برپا ہونے سے روک دے۔ اگر ایک حقیقت کو نہ مانا جائے تو وہ حقیقت بدل نہیں سکتی۔ تم اگر ایک سچائی کو تسلیم نہ کرو تو وہ سچائی جھوٹ میں تبدیل نہیں ہو جائے گی۔ تمہاری ناپسندیدگی، تمہارا تمرد و تعلّی خداوندی فیصلوں کو بدلنے کی قوت نہیں رکھتی۔ ذرا غور کرو اگر تم انکار ہی کرتے رہے اور یہاں سے چل دیے پھر اللہ کے فیصلے کے مطابق تمہیں میدانِ حشر میں لا کر کھڑا کر دیا گیا تو تمہارا کیا حال ہو گا؟ جس چیز سے مفر نہ ہو اس کو شرحِ صدر سے تسلیم کرنا ہی دانائی ہے۔

منکرین اور متقین کے ساتھ قیامت کے روز جو برتاؤ ہو گا، اس کی تفصیل بڑے دلنشین انداز میں بیان کی گئی ہے تاکہ انسان خود فیصلہ کر لے کہ وہ کس گروہ میں اپنا حشر پسند کرتا ہے۔

کُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (آیت ۲۱) فرما کر ایک اہم صداقت کی نشاندہی کر دی گئی کہ جیسا کرو گے ویسا ہی بھرو گے، جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ زیبا اور سیرتِ پاک اسلام کی صداقت کی ایسی روشن دلیل تھی جس کا ان کے پاس کوئی توڑ نہ تھا۔ وہ اس کی اثر انگیزی اور جلال کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے۔ اس لیے کسی ایک موقف پر ٹھہرے رہنا ان کے بس میں نہ تھا۔ کبھی کاہن کہتے، کبھی مجنون، کبھی شاعر ہونے کا الزام لگاتے اور کبھی کہتے یہ کتاب خدا کا کلام نہیں بلکہ ان کے ذہن کی اختراع ہے۔ ان الزامات کا بڑی خوبی سے رد کر دیا۔

کفار کو جب اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی جاتی تو بڑا ناک بھوں چڑھانے لگتے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ اس انکار کی وجہ کیا ہے؟ کیا تمہارا کوئی خالق نہیں؟ یا تم خود اپنے خالق ہو؟ یا زمین و آسمان کی آفرینش میں تمہارا کچھ حصہ ہے؟ جب ان سوالات

کا طالب نہیں ہے تو پھر اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سرِ نیاز خم کرنے میں تمہیں ہرگز تامل نہیں ہونا چاہیے۔

آخر میں اپنے حبیب پاک کو بتایا کہ یہ لوگ لاعلاج ہو چکے ہیں۔ ان کے دل کی آنکھ اندھی ہو چکی ہے۔ انہیں صداقت کا کتنا ہی بڑا معجزہ آپ دکھا دیں یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں ہم آپ سے بےخبر نہیں ہیں۔ آپ کو دشمنوں کے حوالے کر کے آپ سے لاتعلق نہیں ہو گئے۔ وَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ آپ ہماری آنکھوں میں بس رہے ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچائے۔ البتہ دو چیزیں آپ اپنے اوپر لازم کر لیں (١) اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کا مقابلہ صبر سے کریں (٢) ہماری تسبیح و تحمید کو اپنا وظیفہ بنا لیں۔ اس سے آپ کے دل کو تقویت ملے گی اور کسی قسم کا خوف و ہراس آپ کو پریشان نہ کر سکے گا۔

اپنے ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں دعوت و ارشاد کی راہ پر چلنے والے راہرو کا فرض ہے کہ وہ ان دو باتوں کا خوب خیال رکھے۔

سورۃ الطور مکیۃ وہی تسع و اربعون آیۃ و فیہا رکوعان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سورۃ طور مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ انچاس آیتیں اور دو رکوع

وَ الطُّوۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَ کِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۙ﴿۲﴾ فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّ الۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ۙ﴿۴﴾

قسم ہے کوہ طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔ کھلے ورق پر۔ اور قسم ہے بیت معمور کی۔

وَ السَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ۙ﴿۵﴾ وَ الۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾

اور بلند چھت کی۔ اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ ؎

؎ ابتدائی آیتوں میں جو تشریح طلب الفاظ ہیں پہلے ان کی تشریح کی جائے گی اس کے بعد ان آیات کے مطالب اور معانی بیان کیے جائیں گے۔ بعونہ و توفیقہ تعالیٰ۔

طور: سریانی لغت کا لفظ ہے۔ اس پہاڑ کو کہتے ہیں جو سرسبز و شاداب ہو۔ خشک پہاڑ کو طور نہیں کہتے۔ بعض نے اسے عربی لغت کا لفظ کہا ہے۔ لیکن اب طور اس پہاڑ کو کہا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کے شرف سے نوازا۔ انہیں نبوت سے سرفراز فرمایا۔ ید بیضاء اور عصا کے معجزات سے تیار کیا۔ اس وقت کی دنیا کے سب سے طاقتور اور ظالم حکمران کو دعوت حق دینے کے لیے بھیجا جو تعالیٰ کا دعویدار تھا جس نے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا جس کی سطوت و دبدبہ کے سامنے کوئی شخص دم مارنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

مسطور: لکھی ہوئی، مرتب کتاب۔

الرق: اس کا معنی ہے کھال، چمڑا۔ قدیم زمانہ میں جبکہ کاغذ سازی کی صنعت ابھی اپنے ابتدائی دور میں تھی حسب ضرورت پائیدار کاغذ نایاب تھا اس لیے دستور یہ تھا کہ کھال کو رگڑ رگڑ کر خوب باریک اور مصفّٰی بنا لیا جاتا۔ اس میں چمک سی پیدا ہو جایا کرتی، ایسی تیار شدہ کھال پر آسمانی صحائف، قیمتی دستاویزات اور شاہی فرامین لکھے جاتے۔

منشور: کھلی ہوئی جس کا پڑھنا آسان اور مطالعہ کرنے۔

البیت المعمور: اس کا لغوی معنی آباد گھر ہے جس میں خوب چہل پہل ہو۔ حضرت حسن بصری کے نزدیک یہاں اس سے مراد کعبہ شریف ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ہر وقت آباد رہتا ہے۔ کوئی طواف کر رہا ہے کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی دعا مانگ رہا ہے کوئی ذکر الٰہی میں مشغول ہے۔ رات دن میں کوئی ایسی گھڑی نہیں آتی جب وہ عبادت کرنے والوں سے خالی ہو۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جس طرح زمین میں کعبہ شریف ہے اسی طرح ہر آسمان میں وہاں کے مکینوں کے لیے ایک قبلہ گاہ ہے جو وہاں کے ذاکرین اور عابدین کا مرکز توجہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ساتویں آسمان پر جو کعبہ ہے وہ کعبہ شریف کے عین اوپر ہے۔ یہاں اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے کیونکہ صحیح بخاری

میں اس کو البیت المعمور فرمایا گیا ہے۔

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام فی السماء السابعۃ فاذا انا بابراھیم مسندا ظھرہ الی البیت المعمور واذا ھو یدخلہ کل یوم سبعون الف ملک لا یعودون الیہ۔ یعنی جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا، وہاں میری ملاقات حضرت ابراہیم سے ہوئی جو بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے بیٹھے تھے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ دوبارہ انہیں موقع نہیں ملتا۔ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ساتویں آسمان کے قبلہ کا نام بیت المعمور فرما دیا تو اس کے بعد کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

السقف المرفوع: اونچی بلند چھت۔ اس سے مراد آسمان ہے۔

والبحر المسجور: عربی زبان میں مسجور کے کئی معنی ہیں۔

(۱) المسجور الذی ذھب ماءہ۔ وہ چشمہ یا تالاب جس کا پانی خشک ہو جائے یا زمین میں جذب ہو جائے اسے مسجور کہتے ہیں۔

(۲) وہ تنور جسے ایندھن سے بھر دیا گیا ہو اور وہ خوب بھڑک رہا ہو اسے بھی التنور المسجور کہتے ہیں۔

(۳) مسجور جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور حرکت دے رہا ہو۔

(۴) حضرت ابن عباس سے مسجور کا معنی محبوس منقول ہے یعنی جس کا پانی ایک جگہ رکا ہے وہاں سے بہہ کر کہیں چلا جائے یہ خشک۔ وقوع قیامت کے وقت سمندروں کا پانی خشک ہو جائے گا اور قیامت کے روز لپٹ لگا دی جائے گی لیکن یہاں غالباً سمندر کی موجودہ حالت کی طرف اشارہ ہے۔ اس لیے یہاں اس کا تیسرا معنی مراد ہوگا یعنی قسم ہے اس سمندر کی جو پانی سے لبریز ہے یا جس کے پانی کو تغیر سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

دافع: دور کرنے والا، ٹالنے والا۔

پہلے پانچ قسمیں اٹھائی گئیں۔ ان کا مطلب جواب قسم ہے کہ ان پانچ عظیم الشان چیزوں کی قسم! تیرے رب کا عذاب آکر رہے گا کسی کی مجال نہیں کہ اس عذاب کو ٹال سکے یا روک سکے۔

کفار مکہ کو اپنی بہادری، اپنی قوت اور کثرت تعداد پر بڑا گھمنڈ تھا کہ شرافت کے باعث سارا جزیرہ عرب ان کا عقیدت مند تھا سالہا سال سے احترام کرتا تھا۔ اس بات نے ان کے غرور و پندار کو مزید پختہ کر دیا تھا۔ وہ دل میں یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ پہلے تو عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور مرنے کے بعد کوئی دوبارہ زندہ ہوگا، لیکن اگر ایسا ہو بھی گیا اور عذاب آ ہی گیا تو ہم اپنی قوت و شوکت اور اپنے حلیف قبائل کی امداد سے اسے آسانی سے روک لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس خام خیالی کا قلع قمع کر دیا کہ جو خدا تعالیٰ اپنے ایک بندے کو تنگ کرنے والوں جیسے متکبر فرمانرواؤں کی سرکوبی کر سکتا ہے جس خدا نے اپنے انبیاء و رسل پر جو کتابیں نازل کی ہیں اور سب میں یہ کہا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال بد کی سزا مل کر رہے گی۔ جس خدا کی عظمت و کبریائی کا اعتراف کرنے کے لیے اس کے حضور جبین نیاز جھکانے کے لیے بیت المعمور میں فرشتوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ جس نے آسمان کی یہ اونچی اور بلند چھت بنائی ہے اور وہ خدا جس کے امر کن سے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر سرحد پر جامد ہو کر رک گئے ہیں۔ ظالمو! تم کہتے ہو کہ ہم اپنے جتھے اور قوت کے بل پر عذاب کو روک دیں گے۔ نادانو! تمہاری کیا بساط ہے، جب اس نے تمہیں تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اس کے قہر و غضب سے کوئی چیز تمہیں نہیں بچا سکے گی۔

مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ﴿٨﴾ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿٩﴾ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿١٠﴾

اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا ۱؎ اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے ۲؎

فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿١٢﴾

پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۳؎ جو مشغلہ تفریح طبع کے لیے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں ۴؎

يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ﴿١٣﴾ هَٰذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا

اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا ۵؎ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم

۱؎ وقوع قیامت کے وقت کائنات میں جو اضطراب اور توڑ پھوڑ کا عالم ہوگا اس کو بڑے پرجلال انداز میں بیان فرمایا ہے۔ لفظ مور کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

قال اهل اللغة مار الشيء يمور مورا اي تحرك وجاء وذهب كما تتكفأ النخلة العيدانة اي الطويلة،

اہل لغت کہتے ہیں کبھی آگے بڑھے کبھی پیچھے ہٹے اور اسی طرح جھولے جس طرح تیز جھکڑ میں لمبی کھجور جھولتی ہے تو اس حالت کو بیان کرنے کے لیے مار یمور کے لفظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ وسیع و عریض آسمان جس کو اپنے مقام سے کبھی بال برابر سرکتے نہیں دیکھا گیا، کبھی اضطرابی حرکت اس میں رونما نہیں ہوئی وہ اس روز ایک معمولی اور ہلکی چیز کی مانند ڈول رہا ہوگا، جھول رہا ہوگا۔

۲؎ پہاڑ جو بڑے گہرے زمین میں گڑے ہوئے ہیں جنہیں آج تک اپنی جگہ سے کوئی ہلا نہیں سکا وقوع قیامت کے وقت وہ بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔ یوں معلوم ہوگا کہ کسی نے انہیں جڑ سے اکھیڑ پھینکا ہے اور وہ ہلکے پھلکے خیموں کی طرح اڑے چلے جا رہے ہیں۔ جب ان دونوں کی یہ حالت ہوگی تو باقی چیزوں کی کیا حالت ہوگی اس کا آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۳؎ جو لوگ آج اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں وہ دن ان کی تباہی اور بربادی کا دن ہوگا۔

۴؎ علامہ راغب خوض کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الخوض هو الشروع في الماء والمرور فيه ويستعار في الامور واكثر ما ورد في القرآن ورد فيما يذم الشروع فيه (مفردات)

یعنی خوض کا اصل معنی کسی پانی میں گھسنا اور اس میں سے گزرنا ہے۔ بطور استعارہ کسی کام شروع کرنے کو بھی کہتے ہیں لیکن قرآن کریم میں جہاں کہیں ایسے کام میں شروع ہونے کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کفار اسلام کے دعوے کی صداقت کے بارے میں بیہودہ خیالات کی تکرار کرتے رہتے ہیں اور ان سے محض دل بہلانے کے لیے محفل آرائی کرتے ہیں۔ کیونکہ تحقیق حق ان کے پیش نظر نہیں ہوتی بلکہ ان کا مقصد اس کا استہزا کرنا اور پھبتیاں کسنا ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی انہیں دھکے دے دے کر جہنم میں پھینکا جائے گا۔ دَعَّ يَدُعُّ دَعًّا معناه يدفعون الى جهنم بشدة۔

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا

جھٹلایا کرتے تھے ۔ ۷ کیا یہ (آگ) جادو کا کرشمہ ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آرہی ۔ ۸ اس میں داخل ہو کر جھلسو اب چاہو

اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

صبر کرو یا نہ کرو دونوں برابر ہیں تمہارے لیے ۔ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے ۱۰

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ

بے شک پرہیزگار (اس روز) باغات میں ہوں گے اور نعمتوں میں ۔ شاد ہوں گے ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے رب نے عطا کی ہوں گی ۱۱ اور

وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓــًٔـۢا بِمَا كُنْتُمْ

بچا لیا انہیں ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے ۱۲ (انہیں حکم ملے گا) کھاؤ اور پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم

۷ ادھر ان کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں پھینکا جا رہا ہوگا اور ساتھ ہی انہیں یہ کہا جا رہا ہوگا کہ یہ ہے وہ دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا اور تم اس کو جھٹلایا کرتے تھے اور اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

۸ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا تمہاری آنکھوں کے سامنے آگ دہک رہی ہے۔ سرخ سرخ شعلے اٹھ رہے ہیں یہ کوئی جادو کا شعبدہ نہیں کہ اس کی حقیقت کو تم دیکھ نہ سکو وہ صرف دکھائی دے رہی ہو۔ ذرا آگے تشریف لے چلو خود بخود یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی اور ہمارے نبی ذیشان نے اس کے بارے میں جو کچھ تمہیں بتایا تھا اس کی تصدیق تم خود کر لو گے۔ اے ظالمو! جہنم کے یہ دہکتے ہوئے انگارے، یہ بھڑکتے ہوئے شعلے تمہیں نظر ہی نہیں آرہے یا تم انہیں ہمارے جادو کی نظر بندی قرار دے رہے ہو۔

۹ یہ صلی یصلی صَلیٰ کا امر ہے۔ یہ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے آگ میں کسی چیز کو بھوننا اور گرم کرنا یا آگ میں کسی چیز کو جھونک دینا۔ داخل کر دینا۔ وقیل صلی النار: دخل فیھا واصلاھا غیرہ (المفردات) آیت میں دوسرا معنی زیادہ مناسب ہے۔

۱۰ اب جو چیخ پکار کرو بے سود ہے۔ اب تو تمہیں اپنے کرتوتوں کی سزا ہر حالت میں بھگتنی ہو گی۔

۱۱ اللہ تعالیٰ اپنے نیک اور پرہیزگار بندوں پر جو فضل و احسان فرمائے گا ان آیات میں اس کا بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا جن لوگوں نے ہماری رضا کے لیے نفس کی خواہشات اور دنیا کی حقیر لذات سے منہ پھیر کر تقویٰ کی روش اختیار کی ہم انہیں سدا بہار باغات میں ٹھہرائیں گے۔ اور ان پر گوناگوں نعمتوں کی برسات کریں گے اور ان کے دلوں کی دنیا میں مسرت و شادمانی کے چراغ روشن کر دیں گے۔ ہر لفظ کی معنویت توجہ طلب ہے۔ النعیم: النعمة الکثیرة۔ بہاراں نعمتیں۔ (المفردات)

۱۲ اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں بھی داخل فرمائے گا اور انہیں عذاب جہنم سے بھی بچائے گا۔ اس کے لطف و کرم کی کیا بات ہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٩﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿٢٠﴾

کیا کرتے تھے۔ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے [13]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو [14]

[12] مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے ورنہ انسانوں کے اعمال تو اس قابل نہیں کہ وہ دوزخ سے بچنے کی ضمانت بھی بن سکیں۔ ہم جو نیک اعمال کرتے ہیں ان میں بھی کئی طرح کی خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے قبول نہ فرمائے تو ان کی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ یہ تو محض اس کی مہربانی ہے کہ وہ ہمارے ناقص عملوں کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں جہنم سے بچا لے۔

[13] اپنے انعامات کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔ ان دو آیتوں کے چند کلمات کے معانی ملاحظہ فرمائیے:

کل ما یلحق فیہ مشقۃ و العب مخلصۃ المطروبات جس کے حصول میں تکلیف اور مشقت ہو اور جس کو کمانے کے بعد بہت خوشی کی کیفیت ہو یعنی بالآخر وہ خوشگوار نتائج پیدا کرے۔ متکئین تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا اس انداز کی نشست اطمینان اور فراغت کے وقت ہوتی ہے۔ سُرُرٌ سریر کی جمع ہے اس کا معنی ہے پلنگ یا تخت۔ مصفوفۃ صفوں کی صورت میں بچھے ہوئے۔ حور حوراء کی جمع ہے جو احور کی تانیث ہے۔ سفید گوری رنگت والی کو کہتے ہیں اور اس کو بھی جس کی آنکھوں کا سفید حصہ خوب سفید ہو اور سیاہ حصہ خوب سیاہ ہو۔ یہ آنکھوں کی خوبصورتی کی علامت ہے۔ اسی طرح عین، عیناء کی جمع ہے جو اعین کی تانیث ہے۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں نیل گائے کی آنکھوں کی طرح بڑی بڑی ہوں اور سیاہ ہوں۔

[14] ایک مزید انعام کا ذکر ہو رہا ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو سرفراز فرمائے گا۔ اگر ان کی اولاد بالایمان اس دنیا سے رخصت ہوئی ہے تو جنت میں وہ اپنے والدین کے ساتھ ملا دی جائے گی اگرچہ ان کے اعمال زیادہ اچھے نہ ہوں۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ الرعد آیت نمبر ۲۳ اور سورۃ المومن آیت نمبر ۸ میں بیان کیا جا چکا ہے کہ فرشتے اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے ہیں کہ "ان کے والدین، ان کی بیویاں اور ان کی اولاد کو ان کے طفیل مقامات رفیعہ پر فائز کیا جائے گا" لیکن وہاں ماں باپ کے نیک اور صالح ہونے کی قید ہے اور یہاں صرف ایمان کی شرط لگائی گئی ہے۔ نیز پہلی دو آیتوں میں جنت عدن میں داخل ہونے کا ذکر تھا، یہاں فرمایا کہ ہم ان کو ان کے حقیقی والدین کے ساتھ ملا دیں گے۔ وہ انہیں کے پاس ان کے مقامات رفیعہ میں ہمارے لطف و احسان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اپنے بچوں کو اپنے پاس خوش و خرم دیکھ کر ان کے پیارے بندوں کی آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرور ہوں گے۔

عن ابن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل لیرفع ذریۃ المومن معہ فی درجتہ فی الجنۃ وان کانوا لم یبلغوہا بعملہ لتقر بہم عینہ ثم قرء والذین اٰمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الاٰیۃ (قرطبی)

وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِیٍٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ (٢١)

اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ برابر ؂ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا ؂

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ (٢٢) يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا

اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں ایسے میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے ؂ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ وہاں رہنے کا مستحق نہ ہو اس لیے تاکہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر حضور نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (قرطبی)

علامہ زمخشری کہتے ہیں فیجمع اللہ لہم انواع السرور بسعادتہم فی انفسہم وبمزاوجۃ الحور العین وبمؤانسۃ الاخوان المؤمنین وباجتماع اولادہم ونسلہم بہم (کشاف) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے گونا گوں مسرتیں فراہم کرے گا۔ وہ بذات خود جنت کی نعمتوں سے سعادت آگیں ہوں گے حور عین کے ساتھ ان کا بیاہ ہوگا۔ اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ وہ دل بہلائیں گے۔ ان کی اولاد اور ان کی نسل کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

؂ والدین کو ان کی نیکو کار اولاد کے ساتھ ملانے کی ایک یہ صورت بھی ہو سکتی تھی کہ انہیں اپنی بلند منازل سے نیچے کر دیا جاتا۔ ان الفاظ سے اس احتمال کی تردید کر دی گئی ہے کہ ان کی حسنات میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کے ثواب میں کوئی نقصان ہوگا۔ ان نیکوکاروں کو تو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے ان کے دلوں کو مسرور کرنے کے لیے ان کی اولاد کو بلند درجات پر فائز فرمائے گا۔ لات (شالی بکرہ) اولات (مزید) دونوں ہم معنی ہیں یعنی نقصہ حقا (از مفردات) کسی کے حق میں کمی کرنا۔ علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ الاتہ من حقہ شیئا ای نقصہ۔ (الصحاح)

؂ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو عمل کی جو توفیق اور عقل و فہم کی جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ بطور قرض ہیں اور ان کے بدلہ میں بندے کا نفس اللہ تعالیٰ کے پاس بطور رہن ہے۔ اگر وہ قرض ادا کرے گا تو وہ رہن شدہ نفس اسے واپس دے دیا جائے گا ورنہ یہ قرض خواہ ضبط ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس قرض کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ انسان ان قوتوں اور نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرے اگر اس نے ایسا کیا تو وہ نفس اسے واپس مل جائے گا بصورت دیگر وہ گروی ہی رہے گا اور اس کو رہائی نصیب نہیں ہوگی۔

اس جملہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی اولاد نعمت ایمان ہی سے محروم ہو اور جس کی حیات کفر و شرک میں بسر ہوئی ہو وہ دوسرے کفار کی طرح دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ مغفرت، شفاعت اور اپنے پاکباز بزرگوں کے ساتھ الحاق کی شرط اوّل یہ ہے کہ انسان کو نعمت ایمان نصیب ہو۔ اگر ایمان ہی نصیب نہیں تو اس کی مغفرت ہوگی نہ شفاعت ہوگی اور نہ اس کے بزرگوں کی اطاعتیں اس کے کسی کام آسکیں گی۔

؂ اہل جنت کی خوشیوں اور لطف اندوزیوں کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ چلتے پھرتے ان کے دسترخوان پر ان کے

لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ

لیکن اس (کے پینے) سے نہ کوئی بیہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ ۱۷ اور خدمت بجا لانے کے لیے چکر لگاتے رہیں گے ان کے گرد ان کے غلام (ایسے حسین) گویا وہ چھپائے ہوئے

مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا

موتی ہوں گے ۱۸ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے ۱۹ کہیں گے ہم بھی اس سے

قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾

پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) ڈرتے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔

پسندیدہ پھل اور خوب گوشت بھن بھن کر لائے جائیں گے۔ یہ سب کچھ بار بار لایا جائے گا اگر وہ ختم ہوتے جائیں گے ادھر ساتھ ہی پھلوں سے بھری ہوئی طشتریاں اور لذیذ گوشت سے پر تھالیاں آتی جائیں گی جب تک ان کی مرضی ہوگی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

۱۷ جنت میں منعقد ہونے والی مجلس نشاط و سرور کی کتنی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ اہل جنت جب اپنی مجلس نشاط سجائیں گے، پری وش ساقی طلائی جاموں میں شراب طہور ڈال کر پیش کریں گے اور چھلکتے ہوئے جام جب گردش میں آئیں گے تو انس و محبت اور بے تکلفی کے عالم میں وہ ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کیا کریں گے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں سے جام چھین لیا کریں گے اور دوسرا اسے اپنے لئے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ یہ سب کچھ انتہائی محبت و ملاطفت سے ہوگا لیکن کیف و سرور کے اس عالم میں بھی وہ بیہودہ گوئی اور بیہودہ سرائی کے قریب تک نہیں جائیں گے کوئی ناشائستہ حرکت اور گناہ اس وقت بھی ان سے سرزد نہیں ہوگا۔ علامہ آلوسی نے کیا پیارے الفاظ سے اس آیت کی تفسیر کی ہے۔ ای یتجاذبون فیها ای الجنة هم وجلساؤهم تجاذب ملاعبة كما يفعل ذلك الندامى بينهم في الدنيا لشدة سرورهم۔ یعنی وہ لوگ اپنے ہمنشینوں سے از راہ محبت و ملاطفت پیالے چھینیں گے جس طرح اس دنیا میں مے خوار مے نوشی کے وقت مے خواری کیا کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں۔ المراد بالتنازع هنا التداول والتعاطي على طريق التجاذب يعني تجاذب الملاعبة لفرط السرور والمحبة وفيه نوع لذة (روح البیان) کاس اس پیالہ کو کہتے ہیں جو شراب سے بھرا ہوا ہو۔ خالی پیالہ کو کاس نہیں کہتے۔ لغو: بیہودگی، فضول گفتگو۔ تاثیم: جس کے ارتکاب سے گناہ لازم آئے۔

۱۸ وہ گویا اس شراب کے علاوہ اہل جنت کی خدمت کے لیے غلام بھی مقرر کیے جائیں گے جو ہر وقت ان کے ارد گرد گھومتے رہیں گے تاکہ ان کے ہر اشارہ ابرو کی فوراً تعمیل کر سکیں۔ وہ خدمت گار دنیا کے غلاموں کی طرح بدوضع، بدلباس اور بدشکل نہیں ہوں گے بلکہ بہت خوبصورت اور اجلے ستھرے ہوں گے، یوں محسوس ہوگا کہ وہ آبدار موتی ہیں جو ابھی تک صدف میں مستور رہے اور ابھی ابھی باہر نکلے ہیں۔

۱۹ جب سب بے تکلف دوست کسی دعوت میں شرکت کرتے ہیں تو کھانا کھا کر چلے نہیں جاتے بلکہ اس کے بعد مل بیٹھتے ہیں اور بالکل بے نیازی سے محبت و پیار کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہر ایک اپنی سرگزشت بیان کرتا ہے اور دوسرے کی سنتا ہے۔ جنت میں بھی کھانے پینے سے

إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ ۖ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿٢٨﴾ فَذَكِّرْ فَمَا أَنتَ بِنِعْمَتِ

بیشک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اسی سے دعا کیا کرتے تھے ۲۸؎ بیشک وہی بہت احسان کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے پس آپ نصیحت کرتے رہیے۔ آپ اپنے رب

رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿٢٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ

کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون ۲۹؎ کیا یہ (کفار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق

فارغ ہو کر اس طرح مل بیٹھیں گے سلسلہ گفتگو شروع ہوگا بطور جنت اور جنت کی نعمتوں کا ذکر ہوگا اس وقت وہ کہیں گے ہم نے اپنی دنیوی زندگی بہت ڈر ڈر کر گزاری ہمیں یہ اندیشہ لگا رہتا کہ کوئی قصور ہو جائے اور ہم اپنے رب کو ناراض کر بیٹھیں۔ گھر میں بھی جب اپنے اہل و عیال کے ساتھ مل بیٹھتے تو ہر قسم کا خوف اکثر و بیشتر ہماری گفتگو کا موضوع ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور اپنی کوتاہیوں کا احساس ہر وقت بے چین رکھتا۔ دیکھو ہمارے کریم و رحیم پروردگار نے ہم پر کتنا احسان فرمایا ہے کہ دنیا میں ہمیں شیطان کے فریب سے محفوظ رکھا اور یہاں ہمیں نعیم جنت میں پہنچایا اور ہمیں دوزخ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور اس کی گرم لو سے بھی بچا لیا۔

۲۸؎ ہم دنیا میں ہمیشہ اسی سے دعا کیا کرتے تھے کہ الٰہی ہمیں ہمیشہ راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ دیکھو اس رحیم و کریم نے ہم عاجز بندوں کی دعاؤں کو قبول فرما لیا اور ہمیں اپنے انعامات و احسانات سے سرفراز فرمایا۔ بیشک وہ بہت احسان کرنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

۲۹؎ اس رکوع میں کفار و مشرکین مکہ کے اقوال، ان کے اعمال اور ان کے نظریات پر اس طرح سخت تنقید کی جا رہی ہے اور ان کا محاسبہ کیا جا رہا ہے جس کے بعد انہیں اپنی الوہیت اور گمراہی کے بارے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا اور ان کے تعصب اور بے جا ہٹ دھرمی کے بغیر ان کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ وہ تمام اعتراضات، اشکالات اور غلط قسم کی توجیہات جن کا آسرا لے کر وہ حضور کی نبوت اور حضور کی تعلیمات کا انکار کرتے تھے ان تمام کا ابطال اس بھرپور روشن کی طرح عیاں کر دیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں لیکن کفار کے تکبر اور ان کے نظریات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور ان کو منکسر بناتے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ جنگ بدر کے اسیروں کی رہائی کے متعلق بات چیت کرنے کے لیے میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا اس وقت حضور مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورۃ الطور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب میں نے اس سورت کو سنا تو مجھے یوں محسوس ہوا گویا میرا دل پھٹ گیا ہے فکان ما صدع قلبی۔ بعد میں یہی بات میرے ایمان لانے کا باعث بنی۔ اب آپ بھی انتہائی توجہ کے ساتھ ان آیات کو پڑھیے اور ان کے مطالب کو سمجھنے کی صدق دل سے کوشش کیجیے۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتا ہے کہ لوگوں کو دعوت حق دینے کا جو فریضہ آپ کو سونپا گیا ہے آپ اس کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں۔

اس کے فوراً بعد کفار جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو بہتان لگاتے تھے ان کی تردید کر دی اور اس کی بطلان کو واضح کر دیا۔ یہ لوگ آپ کو کبھی کاہن کہتے ہیں اور کبھی مجنون۔ ان کا یہ قول خود اپنی تردید کر رہا ہے۔ ایک ہی شخص کاہن اور مجنون نہیں ہو سکتا۔ کاہن تو وہ

الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِیْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ

گردش زمانہ کا۔ آپ فرمائیے (بہت اچھا) تم انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی

شخص ہے جو اپنے اندر مافوق الفطرت بصیرت اور فراست کا مدعی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو غیب کی باتیں بتاتا ہے اور ان کے سربستہ رازوں کا انکشاف کرتا ہے۔ اس کا کلام مقفٰی اور مسجع ہوتا ہے۔ اس کا اسلوب اور اس کا لہجہ عام لوگوں سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل میں فتور واقع ہو جائے۔ جو غور و فکر کی صلاحیت سے محروم ہو جائے۔ اس کی باتیں بے ربط اور اس کے کام بے ہودہ ہوتے ہیں۔ تمہارے اس الزام کے ابطال کے لیے کسی خارجی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ وہ از خود اپنے ابطال کے لیے کافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے محبوب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ یہ اپنی زبان سے بکتے ہیں تو بکتے رہیں۔

۳۳ کفار جب یہ سوچتے کہ ہم کیسے بے سروپا الزامات لگا رہے ہیں، کوئی نہ کوئی کیا کہے گا، چنانچہ پھر پینترا بدلتے اور کہتے ہیں یہ شاعر ہے۔ حالانکہ ان سے بڑھ کر اس حقیقت سے اور کون واقف ہے کہ جو کلام بلاغت نظام یہ پیش کرتے ہیں اس کا شاعری کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ بہر حال وہ اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے یہ کہا کرتے یہ شاعر ہے۔ بہت جلد اس کی زندگی کا پیالہ لبریز ہو جائے گا اور اس کے بعد دنیا اسے اور اس کے اقوال کو فراموش کر دے گی جس طرح دوسرے کئی گراں قدر شعراء کا حال ہوا ہے اس لیے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو ہلکان مت کرو۔ بس انتظار کی چند گھڑیاں ہیں، انہیں گزار لو۔ معاملہ خود بخود رفع دفع ہو جائے گا۔ اس آیت میں ریب المنون کا لفظ غور طلب ہے۔ منون کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ اس کے شب و روز زندگی کو کاٹتے رہتے ہیں۔ ریب مصدر ہے۔ یہ کسی کو بے چین کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اس سے مراد حوادثات ہیں۔

والریب مصدر رابہ اذا اقلقہ اریدبہ حوادث الدھر وصروفہ لانھا تقلق النفوس، یعنی ریب ثلاثی کا مصدر ہے معنی ہے قلق و اضطراب میں مبتلا کر دینا۔ اس سے مراد زمانہ کے حوادثات اور لیل و نہار کی گردش ہے جو انسان کو پریشان کرتی رہتی ہے۔

۳۴ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے نبی! ان بے سروپا الزام باندھنے والوں سے کہو ٹھیک ہے، اچھی بات ہے، تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔ وقت خود ہی فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر تھا کون گمراہ، نیز کامیابیاں کس کے قدم چومتی ہیں اور عذاب الٰہی کس پر نازل ہوتا ہے۔

أَحْلَامُهُم بِهَٰذَآ ۚ أَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٣٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ ۚ بَل

کی عقلیں ان باتوں کا ۲۵ یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں ۲۶ کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے ۲۷

لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ إِن كَانُوا صَادِقِينَ ﴿٣٤﴾ أَمْ

درحقیقت وہ ایمان ہی نہیں لانا چاہتے ۲۸ (اگر ایسا ہے) تو لے آئیں کوئی کلام اس جیسا اگر وہ سچے ہیں ۲۹ کیا

۲۵ حضور کے بارے میں یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں تھے۔ کبھی کاہن کہتے، کبھی مجنون کہتے اور کبھی شاعری کا الزام لگاتے۔ ان کی نفی تو پہلے کر دی گئی ہے لیکن اب ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم جو کبھی کچھ کہتے ہو اور کبھی کچھ، یہ بتاؤ کیا تمہاری عقل اور دانش تمہیں ایسی متضاد باتیں کرنے کا حکم دیتی ہے۔

۲۶ اس جملہ سے اس کی نفی کر دی گئی کہ ان کی عقل تو ایسی متضاد باتوں کا انہیں حکم نہیں دیتی۔ بات دراصل یہ ہے کہ عقل کو تو انہوں نے پہلے ہی معطل کر دیا ہے۔ عقل و فہم سے تو انہوں نے کبھی کا رشتہ توڑ لیا ہے۔ یہ سرکش لوگ ہیں اور ان کی سرکشی ان کو حق سے بھٹکا کر باطل پر مصر کر رہی ہے اور سب حقیقتوں کو دیکھ لینے کے باوجود وہ انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔

ان الفاظ میں ان پر کتنی زبردست چوٹ ہے۔

۲۷ اسی طرح قرآن کریم کے بارے میں بھی ان کی آراء مختلف تھیں۔ ان کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ خود مسلسل کئی رات سوچتے رہتے ہیں اور خود فقرے گھڑ کر لوگوں کے سامنے آکر پڑھتے ہیں اور لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا ہے۔ تقوّله: ابتدعه كذبًا (منجد) اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ لینا۔

۲۸ اس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے اس قول کی صحت پر انہیں قطعاً یقین نہیں۔ وہ خود جانتے ہیں کہ وہ غلط بات کہہ رہے ہیں لیکن چونکہ انہوں نے طے کر رکھا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کوئی نہ کوئی بہانہ اپنے ایمان نہ لانے کا تلاش کر لیتے ہیں۔ اس طرح اپنے آپ کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اور لوگوں کو بھی اس غلط فہمی میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا انکار بے جا ضد پر موقوف نہیں بلکہ ان کے پاس ایسے دلائل ہیں جن پر اسلام کے بارے میں ان کے طرز عمل کا دارومدار ہے۔

۲۹ اور اگر وہ اپنے اس قول میں پختہ ہیں اور انہیں یقین ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ یہ کلام ان کا اپنا بنایا ہوا ہے تو پھر ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اس جیسا کوئی کلام پیش کر دیں اور بات ہی ختم ہو جائے۔ ان میں بڑے بڑے فصیح و بلیغ شاعر و خطیب ہیں۔ وہ کوشش کریں، باہمی مشورہ کریں اور چند سطریں اس رنگ کی پیش کر دیں۔ لیکن اگر جزیرۂ عرب کے تمام فصحاء و بلغاء اپنی انتہائی خواہش اور کوشش کے باوجود ایسا کلام پیش کرنے سے قاصر رہیں تو پھر انہیں اپنی ہٹ دھرمی سے باز آ جانا چاہیے۔

خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝۳۵ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝۳۶ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۝۳۷ أَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ ۖ فَلْيَأْتِ مُسْتَمِعُهُم

وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ ۳۵ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں ۳۶ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے ۳۷ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر (عالم غیب کی باتیں) سن لیا کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو لائے ان کا سننے والا

۳۵۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی تلقین فرمایا کرتے لیکن وہ ازراہ غرور اس فرمان کو پس پشت ڈال دیا کرتے۔ ان کے اس طرز عمل کے باعث ہی ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا وہ بغیر کسی خالق کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں یا انہوں نے اپنے آپ کی خود تخلیق کی ہے۔ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ ساری باتیں غلط ہیں اور انہیں بھی اعتراف ہے کہ نہ وہ خود بخود پیدا ہو گئے ہیں نہ انہوں نے اپنے آپ کو پیدا کیا ہے اور نہ زمین و آسمان کی آفرینش میں ان کا کوئی دخل ہے تو پھر ان کا اپنے خالق کی عبادت نہ کرنا اور اس کے حضور میں جبین نیاز نہ رکھنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

۳۶۔ اس سے اس حقیقی علت سے پردہ اٹھایا جس کی وجہ سے وہ عبادت نہیں کرتے۔ یعنی اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو جواب دیتے ہیں اللہ نے۔ اس زمین اور آسمان کا خالق کون ہے تو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہیں تو پھر اس کی عبادت سے انکار کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا یہ صرف زبان سے کہتے ہیں کہ اللہ ان کا خالق ہے۔ وہی زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے لیکن ان کے دلوں میں کوئی ایمان اور یقین نہیں ہے۔ ان کے نفاق کو کس طرح آشکارا فرما دیا۔

۳۷۔ ان کی ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا تھا تو مکہ اور طائف میں بڑے بڑے رئیس، دولت مند اور بااثر لوگ موجود تھے۔ ان میں سے کسی کو منتخب کیا ہوتا۔ یہ کیا تماشا ہے کہ نبی بنایا تو اس کو جس کے پاس نہ زمین نہ زر، نہ جاہ و جلال، نہ اعوان و انصار۔ کوئی حد ہے؟ ہم جیسے عالی نسب کو چھوڑ کر یہ انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہے۔

فرمایا نبوت تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی نعمت ہے۔ اس کی مرضی جس کو چاہے اس نعمت سے سرفراز فرمائے۔ ان کو یہ کہنے کا حق کس نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں اگر ان کے پاس ہوتیں اور تقسیم کرنے کا اختیار انہیں تفویض ہوتا تو کوئی بات بھی تھی۔ جب خزانے ان کے پاس ہی نہیں اور تقسیم کا کلی اختیار بھی ان کے دست قدرت میں نہیں ہے تو یہ کہاں سے آ گئے اللہ تعالیٰ کی عطا پر نکتہ چینی کرنے والے۔ مصیطرون کی تشریح کرتے ہوئے علامہ جوہری لکھتے ہیں۔ المصیطر المسلط علی الشیء لیشرف علیہ و یتعہد احوالہ (صحاح)۔ یعنی جو کسی چیز پر مسلط ہو اس کی نگہبانی کرے اور اس کے تمام حالات سے باخبر رہے اسے مصیطر کہتے ہیں۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا

تو لائے وہ (اپنا) کوئی روشن دلیل ۳۳؎ (ظالمو!) کیا اللہ کے لیے تو بیٹیاں اور تمہارے لیے بیٹے ۳۴؎ (میرے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

اجرت مانگتے ہیں پس وہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں ۳۵؎ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں ۳۶؎

۳۳؎ یہ لوگ نبی کی نبوت اور اس کی تعلیمات کا انکار کرتے ہیں۔ آخر اس انکار کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔ اگر ان کے پاس کوئی ایسا زینہ ہوتا جس کے ذریعہ وہ آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں قضا و قدر کے جو فیصلے ہوتے ہیں انہیں سن لیتے یا وہاں تک رسائی حاصل کر کے کسی چیز کے صحیح یا غلط ہونے کا انہیں علم ہو جاتا تو کوئی بات بھی تھی لیکن ان کے پاس تو آسمان پر چڑھنے کے لیے کوئی زینہ نہیں ہے۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں یہ سب ان کی اپنی قیاس آرائیاں ہیں اور ان کے وہم و گمان کی پیداوار ہیں۔ انہیں کیونکر یہ بات زیب دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے ارشادات کا انکار کریں جس کا علم یقینی ہے، جس کی دانش لازوال ہے اور جس کی فراست کی رسائی بہت دور تک ہے۔ اور اگر انہیں اس بات کا دعویٰ ہے کہ وہ آسمان تک پہنچ سکتے ہیں تو اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لیے کوئی روشن دلیل پیش کریں۔

۳۴؎ وہ کمبخت یہ بھی کہتے تھے کہ (معاذ اللہ) فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اگر وہ آسمان پر چڑھ کر فرشتوں کو دیکھ سکتے اور اپنے مشاہدہ کی بنا پر یہ بات کہتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ یہ تو نری اٹکل پچو آئیں بائیں شائیں ہے۔ ان کی یہ جسارت قابل تعجب ہے۔ بیٹے اپنے لیے ترجیحاً پسند کرتے ہیں۔ اگر ان کے ہاں لڑکی پیدا ہو جائے تو شرم کے مارے منہ نہیں دکھا سکتے۔ عجیب ذہنیت ہے ان کی۔ جسے اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں وہ اللہ کے سر پر ڈال دیتے ہیں۔ ان کی ساری باتیں بے ڈھنگی اور عقل و دانش کے سراسر خلاف ہیں۔

۳۵؎ اے میرے پیارے رسول! اگر آپ ان سے تبلیغ رسالت کے لیے کچھ طلب کرتے، یہ روز روز کے چندے مانگتے اور مختلف حیلوں بہانوں سے رقم فراہم کرنے کا مطالبہ کرتے اور ان سے اپنے وعظ و نصیحت کا معاوضہ طلب کرتے اور یہ لوگ ہر روز کی فرمائشوں سے تنگ آکر آپ سے منہ موڑ لیتے تو کوئی بات بھی ہوتی۔ آپ تو ان کی بہتری کے لیے کوشاں ہیں۔ اپنے دن کا آرام اور رات کی نیند اس غرض کے لیے قربان کر دی ہے کہ کسی طرح ان کا بجھا ہوا چراغ روشن ہو جائے۔ پھر یہ کیوں اتنے نڈھال ہوئے جا رہے ہیں کہ گویا انہیں سخت بوجھ تلے دبایا جا رہا ہے اور دم بلب ہو کر بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ مغرم، ما یلزم من المال علی کرہ (منجد) وہ مال جو جبراً ادا کرنا پڑے۔ مثقلون، اثقل سے ہے جس کا معنی ہے کسی پر بھاری بوجھ لاد دینا۔ اثقل، حملہ ثقیلا (منجد) مثقل، وہ شخص جس پر بھاری بوجھ لاد دیا گیا ہو۔

۳۶؎ کیا انہیں غیب کا علم ہے اور اس علم کے باعث وہ اللہ کے رسول کی نبوت کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تعلیمات کو جھٹلاتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ تھوڑی سی زحمت گوارا کریں اور اس مضمون کی ایک تحریر لکھ دیں تاکہ یہ تحریر بوقت ضرورت کام آئے

أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا وہ (اس رسول مکرم) کے خلاف کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے ۳۷ کیا ان کا کوئی اور خدا

إِلَٰهٌ غَيْرُ اللَّهِ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٣﴾ وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ

ہے اللہ کے سوا۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں ۳۸ اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی

السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾ فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ

ٹکڑے کو گرتا ہوا تو (ہٹ دھرمی سے) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہ در تہ ۳۹ پس انہیں (ان کی حالت پر) چھوڑ دیجیے یہاں تک کہ وہ اپنے اس

۳۷ ان کی ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ وہ دارالندوہ میں بیٹھتے اور باہمی مشورہ کرتے کہ کوئی ایسا منصوبہ تیار کیا جائے جس سے دین کی روز افزوں مقبولیت کو روکا جا سکے۔ ان کی یہ مجلسیں بکثرت منعقد ہوا کرتیں اور دن رات وہ اسی ادھیڑ بن میں لگے رہتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے کفار! کان کھول کر سن لو کہ میرے دین اور میرے رسول کے خلاف تمہاری کوئی سازش کامیاب نہ ہوگی بلکہ تمہاری یہ سازشیں انجام کار تمہارے لیے ہی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔

جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کرے اسے کوئی آندھی بجھا نہیں سکتی۔ جس دین کو غالب کرنے کا ذمہ اس نے لیا ہو دنیا کی کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ بے بس کوششیں جو تم کر رہے ہو تم کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو گے۔ علامہ قرطبی ھم المکیدون کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای المغلوبون المکید بہم: یعنی نبی رحمت کے خلاف مکر و فریب کے جو جال وہ بن رہے ہیں اس میں وہ خود ہی پھنسیں گے۔ جو گڑھا وہ مسلمانوں کے لیے کھود رہے ہیں اس میں وہ خود گریں گے اور ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔

۳۸ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اگر کوئی معبود برحق ہوتا تو بے شک اس کی عبادت کرتے۔ جب اس کے بغیر کوئی معبود ہے ہی نہیں تو اب اس کے بغیر کسی کی عبادت کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ جن چیزوں کو وہ خدا کا شریک سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام سے پاک ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

یہ پیراگراف جو مسلسل کئی آیات پر مشتمل ہے اس میں کفار کے تمام شبہات اور احتمالات کو دلائل و شواہد سے مسترد کر دیا گیا ہے اور ہر جگہ بتایا گیا ہے کہ باطل سے ان کے چمٹے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ سرکشی کو انہوں نے اپنا شعار بنا لیا ہے۔ ان میں ایمان اور ایقان کا فقدان ہے۔ اپنے موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جسے عقل سلیم قبول کر سکے۔

۳۹ آخر میں ان کی ہٹ دھرمی کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ اگر آسمان کا ٹکڑا کاٹ کر بھی ان کی ہدایت کے لیے نیچے پھینک دیا جائے تو وہ تسلیم نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ یہ بادل کی ایک گھٹا ہے جو اڈ کر ان کی طرف آ رہی ہے۔ سحاب مرکوم، رکم یرکم رکماً سے ماخوذ ہے۔ رکم کا معنی ہے کسی چیز کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر ڈھیر لگا دینا۔ جس طرح ریت کا ٹیلہ ہوتا ہے۔ رکم جمعہ وجعل بعضہ

الَّذِیۡ فِیۡہِ یُصۡعَقُوۡنَ ﴿۴۵﴾ یَوۡمَ لَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُمۡ کَیۡدُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا ہُمۡ

ملاقات کرلیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے ۔ جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد

یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ ذٰلِکَ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ

کی جائے گی۔ اور بیشک ظالموں کے لیے ایک اور عذاب ہے اس سے پہلے بھی لیکن ان میں سے اکثر

لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصۡبِرۡ لِحُکۡمِ رَبِّکَ فَاِنَّکَ بِاَعۡیُنِنَا وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ

(اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمایئے اپنے رب کے حکم پر ۴۲ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں ۴۳ اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے

فرق ہے۔ صعق یصعق کا معنی ہے کسی کا ہلاک ہو جانا جب سخت گرج اور کڑک سے ہوش اڑ جائے۔ علماء کرام کہتے ہیں۔

۴۱ اے حبیب! یہ متعصب لوگ حق کو ہرگز قبول نہیں کریں گے آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے جب موت کی ہچکی لگے گی پھر ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ ان کی تمام حیلہ سازیاں ان کے کسی کام نہ آئیں اور ان کے دوست اس مشکل لمحہ میں انہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے۔

یصعقون: صعق کے دو معنی ہیں۔ غُشِیَ علیہ وذهب عقله من صوت یسمعه کالهدة الشدیدة۔ بیہوش ہو جانا کسی زوردار آواز کو سن کر عقل کا مختل ہو جانا۔ اس کا دوسرا معنی مات یعنی مر جانا۔ اکثر علماء کا یہی خیال ہے یصعقون: یموتون۔

۴۲ بتایا جا رہا ہے کہ عذاب قیامت سے پہلے منکرین کو طرح طرح کے آلام و مصائب میں گرفتار کیا جائے گا لیکن اس سے بھی انہیں تنبیہ نہیں ہوگی بلکہ اپنی پرانی روش پر بدستور اڑے رہیں گے ایسے نابکار کی مثال ایک حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المنافق اذا مرض ثم اعفی کان کالبعیر عقله اهله ثم ارسلوه فلم یدر لم عقلوه ولم یدر لم ارسلوه (ابوداؤد۔ کتاب الجنائز)

کہ منافق جب بیمار ہوتا ہے اور پھر تندرست ہو جاتا ہے تو اس کی مثال ایک اونٹ کی سی ہے جسے گھر والوں نے پہلے باندھا اور پھر کھول دیا اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور اسے کھول کیوں دیا ہے۔

۴۳ جس قوم کو دعوت حق دینے کے لیے اے حبیب! آپ کو مبعوث فرمایا گیا ہے ان کے حالات سے آپ باخبر ہیں۔ وہ اکثر طرح طرح کی مخالفت اور سازش کے چراغ اسی سلسلے میں روشن کیے ہوئے ہیں، خود تدبر سے کام لینا ان کا معمول ہی نہیں ہر وقت آپ کو اذیت پہنچانے اور دین حق کی شمع گل کرنے کے لیے وہ آپس میں مشورے کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے آپ کو بھیجا ہے تاکہ ان کے بے نور سینوں کو آپ روشن کریں۔ ان دشمن حقیقت لوگوں کو گزشتہ سیرت بتاویں۔ ان کی ہٹ دھرمی کی خو کو کیسے جلد دیکھ لو تسلیم ہو۔ ان کو ایسا احساس دیں کہ حق قبول کرنے میں انہیں پھر کبھی تامل نہ ہو۔ یہ تنہا انقلاب برپا کرنا آسان نہیں۔ اس کے لیے آپ کو

بڑی محنت کرنی پڑے گی، بڑے مشکل مرحلے پیش آئیں گے، بڑی مصیبتیں برداشت کرنا ہوں گی۔ اس لیے آپ صبر واستقامت کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہیں اور اپنا فرض پوری دل سوزی سے انجام دیتے رہیں۔ ان کلمات میں آپ پر غور کیجئے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کی اذیت رسانی پر صبر کیجئے، بلکہ فرمایا کہ صبر کیجئے کیونکہ یہ آپ کے رب کا حکم ہے۔ اپنے مالک کے حکم کے باعث صبر کرنے میں جو لطف ہے اسے اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔

۴۸؎ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔ ہم خود آپ کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ کوئی دشمن آپ کو ناکام نہیں بنا سکتا۔

اہل معرفت علماء کہتے ہیں کہ اسی قسم کا جملہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا گیا۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (طٰہٰ آیت ۳۹) تاکہ آپ میری نگاہ کے سامنے تیار ہوں لیکن اس آیہ میں صیغہ واحد اور حرفِ جار علیٰ استعمال ہوا ہے جس کا معنی ہے میری ایک آنکھ کے سامنے، لیکن یہاں فرمایا بِاَعْيُنِنَا۔ حرفِ جار ب اور اعین جمع۔ یعنی ایک آنکھ نہیں بلکہ ہماری ساری آنکھوں میں۔ اسماعیل حقی لکھتے ہیں۔

ونحن نراك بجميع عيون الصفات والذات بنعت المحبة والعشق ننظر بها اليك شوقا اليك وحماية لك۔ یعنی ہم آپ کو دیکھتے ہیں اپنی ذات اور اپنی صفات کی تمام آنکھوں سے بڑے محبت بھرے انداز سے۔ ہم شوق سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں اور آپ کی نگہبانی کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی اس جملہ کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں:

ومن نظر بعين بصيرته علم من الآيتين الفرق بين الحبيب والكليم عليهما افضل الصلوة واكمل التسليم (روح المعانی)

یعنی جو شخص نگاہِ بصیرت سے ان دو آیتوں کا مطالعہ کرے گا اسے حبیب و کلیم کے درمیان جو فرق ہے وہ معلوم ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی قدس سرہ نے اپنے مریدوں کو صبح اور شام کے وقت یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ آپ بھی ان نورانی کلمات سے دستِ طلب پھیلائیں گے تو خداوند کریم اسے خالی واپس نہ کرے گا۔

اَللّٰهُمَّ احْرُسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَاحْفَظْنَا بِرُكْنِكَ الَّذِيْ لَا يُرَامُ وَارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَيْنَا فَلَا نَهْلِكُ وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرَجَاؤُنَا۔ (روح البیان)

ترجمہ: اے اللہ! ہماری اس آنکھ سے نگہبانی فرما جو سوتی نہیں ہے اور اس گوشہ میں ہماری حفاظت فرما جس کا کوئی برا قصد نہیں کر سکتا اور اپنی اس قدرت سے ہم پر رحم فرما جو تجھے ہم ناچیز بندوں پر حاصل ہے۔ جب تک تو ہمارا بھروسا اور ہماری امید ہے ہم ہلاک نہیں ہوں گے۔

حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

جب آپ اٹھتے ہیں۔ اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجیے اور اس وقت بھی جب ستارے غروب ہو رہے ہوتے ہیں۔

۴۳؎ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ جب یہ سیل تند چلتی ہے تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتے ہیں۔ جب آفت پر آفت اور مصیبت پر مصیبت ٹوٹتی ہے تو بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ اس لیے صبر کا حکم دینے کے بعد ہدایت فرمائی کہ اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح میں ہر وقت مشغول رہا کریں۔ ذکر الٰہی سے ہی ایسی قوت پیدا ہوتی ہے کہ انسان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں اور وہ اف تک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ صبر کی توفیق ان سعادت مندوں کو بخشتا ہے جو دن رات اس کے ذکر میں محو رہتے ہیں۔ فرمایا جب بھی آپ کھڑے ہوں تو اپنے رب کی حمد اور اس کی پاکی بیان کریں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے غلاموں کو یہی تلقین فرمایا کرتے۔ امام ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ جَلَسَ فِيْ مَجْلِسٍ فَكَثُرَ فِيْهِ لَغَطُهُ فَقَالَ قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ مِنْ مَجْلِسِهِ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور خوب گپیں ہانکتا ہے لیکن اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ کہتا ہے سبحانک اللھم الخ اللہ تعالیٰ اس مجلس میں جو گناہ اس سے ہوئے ہیں بخش دیتا ہے۔

اسی طرح اگر رات کو سوئے ہوئے انسان کی آنکھ کھل جائے تو اس وقت یہ تسبیح پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہ کہنے کے بعد جو مانگے گا وہ قبول ہو گی اور اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی یہ نماز بھی قبول ہو گی۔ (بخاری شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول مبارک تھا کہ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح سے کرتے۔

وادبار النجوم سے مراد نماز فجر ہے کیونکہ سورج کے طلوع ہونے کا وقت جب قریب آجاتا ہے تو ستاروں کی روشنی ماند پڑنے لگتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا رات بھر فرائض ادا کرنے کے بعد وہ یہاں سے منہ پھیر کر کہیں جا رہے ہیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ نماز صبح کے بعد ذکر بڑی بابرکت چیز ہے۔ اہل سنت کی مساجد میں نماز صبح کے بعد بڑے اہتمام اور بڑے شوق سے کلمہ شریف اور درود شریف کا ذکر دراصل اسی آیت کی تعمیل ہے۔

◎

وہبا اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی و ان اعمل صالحا ترضہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

سبحانک اللھم وبحمدک لیلا و نہارا، سرا و جہارا۔

والصلوٰۃ والسلام علی نور عرشک و عروس مملکتک کثیرا کثیرا۔

التحقیقات اللغویہ

لفظ	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ا		
اسوہ	۳۳	۴۲
اھل البیت	۳۳	۶۳
اکل	۳۴	۲۸
اثل	۳۴	۲۸
تؤفکون	۳۵	۹
اجاج	۳۵	۱۹
اساور	۳۵	۴۷
امام	۳۶	۱۲ الف
اِمّر	۴۳	۲۶
اٰسفونا	۴۳	۶۰
استبرق	۴۴	۴۰
افاک	۴۵	۶
اثیر	۴۵	۴
اَثَارۃ	۴۶	۵
آسِن	۴۷	۲۱
آذر	۴۸	۶۱
اقاب	۵۰	۴۸
اِفک	۵۱	۶
الآزفۃ	۳۰	۳۲
الاذلی	۳۰	۷۸
	-	-

لفظ	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ب		
باذن	۳۳	۴۱
تبرّج	۳۳	۶۱
بور	۳۵	۱۷
بحر	۳۵	۱۹
بَیض	۳۷	۱۴
مُبین	۴۳	۲
بالھم	۴۷	۳
بھیج	۵۰	۸
مبصرا	۲۰	۷۸
ت		
اتراب	۳۸	۵۳
تعسًا	۴۷	۱۴
توب	۴۰	۳
ث		
مثانی	۳۹	۳۲
اثخنتموھم	۴۷	۶
ج		
جلابیب	۳۳	۹۸

لفظ	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
مکیدون	۵۲	۳۷
اکنّہ	۴۱	۷
ل		
لغوب	۳۵	۴۷
ملیم	۳۷	۴۳
لطیف	۴۲	۳۷
ملوم	۵۱	۳۵
التناھم	۵۲	۱۵
یُلقاھا	۴۱	۵۶
یُلحدون	۴۱	۶۳
م		
مزّقتم	۳۴	۱۰
تماثیل	۳۴	۲۰
مواخر	۳۵	۲۲
مارد	۳۷	۵
ملأاعلٰی	۳۷	۵
المھل	۴۴	۳۷
مثل	۴۸	۶۰
امتحن	۴۹	۶
مجید	۵۰	۲
مریج	۵۰	۶
مورا	۵۲	۲
ممنون	۴۱	۱۲

لفظ	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
ن		
نبیّ	۳۳	۱
نحب	۳۳	۴۶
مِنسأتہ	۳۴	۲۳
تناوش	۳۴	۶۹
نصب	۳۸	۴۷
ینسلون	۳۶	۴۵
ننکسہٗ	۳۶	۶۰
ینزفون	۳۷	۱۶
انداد	۳۹	۲۰
ینتصرون	۴۲	۶۱
نقبوا	۵۰	۳۳
انذرتکم	۴۱	۲۶
ینزغنک	۴۱	۵۷
و		
وقرن	۳۳	۶۱
وجیھاً	۳۳	۱۰۹
واصب	۳۷	۵
یتوقّ	۳۹	۴۵
وصّی	۴۲	۷۶
اوزعنی	۴۶	۲۲
اولٰی	۴۷	۳۱
وقرا	۵۱	۱

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر		سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
موسعون	۵۱	۴۷	ھدینا	۴۱	۳۱
وقرًا	۵۱	۷	اھکزّ	۴۱	۶۲
یوزعون	۴۱	۳۳	**ی ـــــ**		
ہ ـــــ			یقطین	۳۷	۴۳
یھیج	۳۹	۲۹	یوم التّناد	۴۰	۴۹
الھدیٰ	۴۸	۳۶	ایّام	۴۵	۱۵

التحقیقات النحویہ

	سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر		سورۃ نمبر	حاشیہ نمبر
لایجاورونک الا قلیلا	۳۳	۱۰۲	تنزیل من الرحمٰن الرحیم	۴۱	۲
وما ارسلناک الا کافۃ للناس	۳۴	۴۸	قرآنا عربیا	۴۱	۳
الحمد للہ الذی	۳۴	۱	حفظًا	۴۱	۲۳
افمن زُیّن لہ سوء عملہ	۳۵	۱۳	ان الذین کفروا	۴۱	۶۲
لات حین مناص	۳۸	۴	اتخذوا من دون اللہ قربانا	۴۶	۳۹
قال فالحق والحق اقول	۳۸	۷۰	آلھۃ		
الا المودّۃ فی القربیٰ	۴۲	۴۲	ضرب الرقاب	۴۷	۵
انہ بُراء مما تعبدون	۴۳	۲۶	ھا انتم ھؤلاء	۴۷	۴۳
ام حسب الذین اجترحوا	۴۵	۳۸	ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون	۴۹	۵
السیئات			عن الیمین وعن الشمال قعید	۵۰	۱۶
واضلہ اللہ علی علم	۴۵	۳۱	القیا فی جھنم میں القیا کو تثنیہ	۵۰	۲۴
تنزیل الکتاب	۴۰	۲	ذکر کرنے کی وجہ		
ربنا وسعت کل شیء رحمۃ وعلما	۴۰	۱۵	وعنھم سراعا	۵۰	۴۰

اللہ جلّ مجدہٗ و عزّ شانہٗ

توحید

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک ہے۔	۳۴	۱
سب تعریفیں فاطر السمٰوٰت والارض کے لیے جس نے مختلف قوت کے فرشتے پیدا کیے۔	۳۳	۱
		۱
سب تعریفیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے	۳۷	۱۸۲
〃 〃 〃 〃	۴۵	۳۶
ساری برکتیں اللہ کے لیے جو رب العالمین ہے	۴۰	۶۴
ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے۔	۴۰	۶۵
〃 〃 〃 〃	۴۵	۳۶
اُس کے بغیر نہ کوئی خالق ہے نہ رازق	۳۳	۳
اُس کے بغیر کوئی معبود نہیں	۳۵	۳
〃 〃 〃 〃	۳۹	۶
اُس واحد و قہار کے سوا کوئی معبود نہیں	۳۸	۶۶
وہ اللہ ہی واحد و قہار ہے	۳۹	۴
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔	۴۴	۸
〃 〃 〃 〃	۴۷	۱۹
〃 〃 〃 〃	۴۰	۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۰	۶۲
〃 〃 〃 〃	۴۰	۶۵
〃 〃 〃 〃	۴۱	۶
تمہارا معبود ایک ہے	۳۷	۴
〃 〃 〃 〃	۴۱	۶
وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے	۳۷	۵
وہ مشارق کا رب ہے	۳۷	۵
وہ میرا رب ہے	۴۲	۱۰
آسمانوں اور زمین میں بڑائی اسی کے لیے ہے۔	۴۵	۳۷
اللہ ہی کارساز ہے	۴۲	۹
وہی تمہارا رب ہے	۳۹	۶
آسمانوں میں اور زمین میں وہی خدا ہے	۴۳	۸۴
خلوص کے ساتھ اسی کی عبادت کرو	۴۰	۱۴
وہی زندہ ہے	۴۰	۶۵
بت کسی ذرہ کے مالک نہیں	۳۴	۱
زمین و آسمان میں اُن کا کوئی حصہ نہیں	۳۴	۱
حاملینِ عرش اور دوسرے فرشتے اُس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں	۴۰	۷
حکم کا اختیار اللہ کے لیے جو علی کبیر ہے۔	۴۰	۱۲

دلائلِ توحید

	سورہ نمبر	آیت نمبر
کفار سے پوچھو رازق کون ہے کہیں گے اللہ	۳۴	۲۴
جو نعمت کسی کو دینا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے روکنا چاہے کوئی دے نہیں سکتا۔	۳۵	۲
ہوائیں، بادل، بارش اور مُردہ زمین کا زندہ ہونا۔	۳۵	۹
میٹھے پانی اور کھاری پانی کے ذخائر	۳۵	۱۲
تسخیر شمس و قمر، ساری بادشاہی اللہ کی ہے	۳۵	۱۳
بارش کا برسنا، مختلف رنگوں کے پھل، پہاڑوں کے مختلف رنگ کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سیاہ۔	۳۵	۲۷
انسانوں، چارپایوں اور جانوروں کے مختلف رنگ اور روپ۔	۳۵	۲۸
مُردہ زمین کو زندہ کرنا، اجناس اور پھلوں کا پیدا ہونا، چشموں کا جاری ہونا تاکہ تم کھاؤ اور ان سے مربے، اچار، چٹنیاں وغیرہ بناؤ۔	۳۶	۳۳، ۳۴، ۳۵
وہ ہر عیب سے پاک ہے جس نے زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا	۳۶	۳۶ مع حاشیہ
ٹائیرنکل کا اعتراض اور جواب	۳۶	حاشیہ آیت ۳۶
رات کا آنا، سورج کا چلنا عزیز و علیم کا مقرر کردہ ہے	۳۶	۳۷، ۳۸
چاند اور اس کی مختلف منزلیں	۳۶	۳۹

	سورہ نمبر	آیت نمبر
چاند کی منزلوں کے نام	۳۶	حاشیہ آیت بالا
نہ سورج چاند سے آگے نکل سکتا ہے اور نہ رات دن سے۔	۳۶	۴۰
سب سیارے اپنے اپنے فلک میں تیر رہے ہیں	۳۶	۴۰
سفینۂ نوح بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔	۳۶	۴۱ مع حاشیہ
سمندر اور دریا تمہارے لدے ہوئے جہازوں کو اٹھائے ہوئے ہیں یہ محض ہماری رحمت ہے	۳۶	۴۲، ۴۳، ۴۴
جانور بنائے سواری کے لیے انہیں مسخر کیا، ان کے گوشت کو خوراک بنایا اور دیگر فوائد	۳۶	۷۱، ۷۲، ۷۳
اس نے سبز درخت میں آگ رکھ دی	۳۶	۸۰
آسمانِ دنیا کو ستاروں سے آراستہ کیا	۳۷	۶
ہم نے آسمان و زمین کو باطل پیدا نہیں کیا۔	۳۸	۲۷
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا	۳۹ (۱)	۵ (۱)
گردشِ لیل و نہار، تسخیر شمس و قمر	۴۵ (۲)	۱۳ (۲)
	۳۹، ۴۴ (۳)	۳۵ (۳)
تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا	۳۹	۶
تمہاری خدمت کے لیے آٹھ قسم کے جانور پیدا کیے۔	۳۹	۶
شکم مادر کے تین اندھیروں میں تمہیں پیدا فرمایا	۳۹	۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مینہ کا برسنا، چشموں کا جاری ہونا، کھیتوں کا اگنا، پھر پکنا، اہل عقل کے لیے اس میں نصیحت ہے۔	۳۹	۲۱
آسمانوں اور زمین کی تخلیق، اس میں گوناگوں جانور اس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔	۴۲	۲۹
بحر جبار و شکور کے لیے کشتیوں، جہازوں کا سمندر کی لہروں میں نشانیاں ہیں	۴۲	۳۲،۳۳،۳۴ ۳۴
اس کی قدرت کی نشانیاں، آسمان سے رزق کا نزول	۴۰	۱۳
رات کو آرام کے لیے بنایا اور دن کو کام کے لیے روشن بنایا	۴۰	۶۱ مع حاشیہ
اس نے زمین کو تمہارے لیے قرار اور آسمان کو چھت بنایا، تمہیں حسین صورت دی، پاکیزہ رزق دیا۔	۴۰	۶۴
کھانے کے لیے اور سواری کے لیے جانور بنائے اور ان میں دیگر فوائد ہیں، کشتی پر تم سوار ہوتے ہو۔	۴۰	۸۰
اس کی قدرت کی دیگر نشانیاں	۴۰	۸۱
زمین کی تخلیق دو دن میں کی، اس میں پہاڑ بنائے، ہر قسم کی خوراک کا انتظام چار دن میں کیا۔	۴۱	۹،۱۰
دخان سے سات آسمان دو دن میں بنائے	۴۱	۱۱
ہر آسمان کو اس کے حسب حال وحی فرمائی	۴۱	۱۲
آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین کیا۔	۴۱	۱۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ذالک تقدیر العزیز العلیم	۴۱	۱۲
رات دن، سورج، چاند اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔	۴۱	۳۷
بنجر زمین پر مینہ کا برسنا، کھیتوں کا لہلہانا اس کی قدرت کے نشان ہیں	۴۱	۳۹
آفاق و انفس میں اللہ کی نشانیاں ہیں	۴۱	۵۳ مع حاشیہ
اس نے زمین کو گہوارہ بنایا اس میں راستے بنائے، وہ بارش برساتا ہے	۴۳	۱۰،۱۱ ۱۲
دیگر آیات قدرت، زمین و آسمان کی تخلیق		
تمہاری اپنی پیدائش، حیوانات، گردش لیل و نہار، بارش، ہوائیں سب اس کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں	۴۵	۳،۴ ۵
تسخیر بحر	۴۵	۱۲
تمہارے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز کو مسخر کر دیا	۴۵	۱۳
اہل فکر کے لیے ان میں اس کی قدرت کی آیات ہیں۔	۴۵	۱۳
آسمان کی طرف دیکھو اسے کیسا بنایا اور آراستہ کیا۔	۵۰	۶
زمین کو کیسے بچھایا، پہاڑ گاڑے، کیسے ہر قسم کی چیزیں اگائیں	۵۰	۷
ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے اس میں بصیرت افروزی اور یاد دہانی کا سامان ہے	۵۰	۸
بارش کا نزول، باغات، اجناس وغیرہ	۵۰	۹،۱۰،۱۱

	سورہ نمبر	آیت نمبر
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا	۵۰	۳۸
آسمان کو بنایا اور اسے وسعتیں بخشیں	۵۱	۴۷
زمین کا آرام دہ فرش بچھایا	۵۱	۴۸
ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور و فکر کرو	۵۱	۴۹

صفاتِ الٰہی

(الف) علم الٰہی

	سورہ نمبر	آیت نمبر
اللہ علیم حکیم ہے	۳۳	۱
"	۴۹	۸
اللہ لطیف خبیر ہے	۳۳	۳۴
جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے	۳۳	۲
"	۳۵	۸
"	۴۸	۱۱
"	۴۸	۲۴
وہ ہر چیز کو جانتا ہے	۳۳	۴۰
"	۴۹	۱۹
"	۳۳	۵۵
"	۳۴	۲
جو تمہارے دلوں میں ہے وہ جانتا ہے وہ علیم اور حلیم ہے	۳۳	۵۱
"	۳۵	۳۸
"	۳۹	۷

	سورہ نمبر	آیت نمبر
جو تمہارے دلوں میں ہے خدا جانتا ہے وہ علیم اور حلیم ہے	۴۲	۲۴
وہ تمہارے ظاہر و باطن ہر چیز کو جانتا ہے	۳۳	۵۴
"	۳۶	۷۶
علم قیامت اللہ کے پاس ہے	۳۳	۶۳
"	۴۳	۸۵
وہ عالم الغیب ہے	۳۴	۳
زمین و آسمان کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں	۱۰	۶
علام الغیوب ہے	۳۴	۴۸
ہر عورت اس کے علم سے حاملہ ہوتی ہے	۳۵	۱۱
عالم الغیب والشہادہ	۳۹	۴۶
وہ غیب السموات والارض کو جاننے والا ہے	۴۹	۱۸
الا لنعلم (علم الٰہی کی حقیقت)	۳۴	۲۱ مع حاشیہ
وہ فتاح علیم ہے	۳۴	۲۶
وہ علیم خبیر ہے	۴۹	۱
وہ سمیع قریب ہے	۳۴	۵۰
وہ خبیر بصیر ہے	۳۵	۳۱
وہ علیم قدیر ہے	۳۵	۴۴
وہ بکل خلق علیم ہے	۳۶	۷۹
"	۴۲	۱۲
"	۴۸	۲۶
وہ سمیع بصیر ہے	۴۲	۱۱
"	۴۰	۲۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
وہ سمیع بصیر ہے	۴۰	۵۶
وہ حکیم علیم ہے	۴۳	۸۴
〃 〃 〃 〃	۴۸	۴
〃 〃 〃 〃	۴۹	۸
وہ سمیع علیم ہے	۴۴	۶
〃 〃 〃 〃	۴۹	۱
عمر کی زیادتی اور کمی لوحِ محفوظ میں درج ہے	۳۵	۱۱
وہ بندوں کو اندازے سے رزق دیتا ہے	۴۲	۲۷
انہ بعبادہ خبیر بصیر		
وہ شہ رگ سے قریب ہے	۵۰	۱۶
دائیں بائیں دو فرشتے ہر شخص کی ہر بات لکھ رہے ہیں	۵۰	۱۷،۱۸
جو وہ کہتے ہیں ہم جانتے ہیں	۵۰	۴۵
وہ خائن آنکھ اور دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۴۰	۱۹
اُس کا علم محیط ہے	۴۱	۴۷
(ب) قوت و عزتِ خداوندی		
وہ قوی اور عزیز ہے	۳۳	۲۵
وہ عزیز اور حکیم ہے	۳۴	۲
〃 〃 〃 〃	۳۴	۲۷
〃 〃 〃 〃	۳۵	۲
〃 〃 〃 〃	۴۶	۲
جو عزت چاہتا ہے تو عزت اللہ کے پاس ہے	۳۵	۱۰

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُسے کوئی ہرا نہیں سکتا	۳۵	۴۴
وہ عزیز وہاب ہے	۳۸	۹
وہ عزیز غفار ہے	۳۸	۶۶
〃 〃 〃 〃	۳۹	۵
وہ عزیز حکیم ہے	۳۹	۱
وہ عزیز ذی انتقام ہے	۳۹	۳۷
اللہ عزیز حکیم ہے	۴۲	۳
وہ علی و عظیم ہے	۴۲	۴
وہ ولی حمید ہے	۴۲	۲۸
وہ عزیز حکیم ہے	۴۵	۳۷
〃 〃 〃 〃	۴۶	۲
〃 〃 〃 〃	۴۸	۷
〃 〃 〃 〃	۴۸	۱۹
〃 〃 〃 〃	۶۰	۷
اگر اللہ چاہتا تو کفار سے خود ہی بدلہ لیتا لیکن اس کی حکمت ہے وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے	۴۷	۴
وہ عزیز علیم ہے	۴۰	۲
(ج) رحمت و مغفرتِ الٰہی		
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۳۳	۵
〃 〃 〃 〃	۳۳	۲۴
〃 〃 〃 〃	۳۳	۵۰
〃 〃 〃 〃	۳۳	۵۹
〃 〃 〃 〃	۳۳	۷۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۴۲	۵
〃 〃 〃 〃 〃	۴۶	۸
〃 〃 〃 〃 〃	۴۸	۱۴
اللہ غفور رحیم ہے	۴۹	۵
〃 〃 〃 〃	۴۹	۱۴
وہ رحیم و غفور ہے	۳۴	۲
وہ عزیز غفور ہے	۳۵	۲۸
وہ غفور شکور ہے	۳۵	۳۰
〃 〃 〃 〃	۴۲	۲۳
وہ اپنے بندوں کے ساتھ لطیف ہے	۴۲	۱۹
اگر لوگوں کے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ گرفت کرتا تو کوئی جاندار زندہ نہ رہتا	۳۳	۴۵
لیکن اس نے ایک وقت مقرر فرما دیا	۳۵	۴۵
اس کی رحمت سے مت ناامید ہو	۳۹	۵۳
توبہ کا اسلامی فلسفہ	۳۹	حاشیہ آیت بالا
وقت سے پہلے توبہ کر لو	۳۹	۵۴
اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو فرشتے اہل زمین کے لیے مغفرت طلب نہ کرتے اور آسمان پھٹ جاتے	۴۲	۵
جو نیکی کرتا ہے اس کی نیکی کا حسن دوبالا کر دیا جاتا ہے	۴۲	۲۳
فانی الشیخ، فانی الرسول، فانی اللہ	۴۲	حاشیہ آیت بالا
اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے ان کی برائیوں کو معاف کر دیتا ہے	۴۲	۲۵
توبہ کی حقیقت اور شرائط	۴۲	حاشیہ آیت بالا

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مایوسی کے بعد بارش برساتا ہے	۴۲	۲۸
تمہاری تکالیف تمہارے اعمال کا نتیجہ ہیں۔ ویعفوا عن کثیر۔	۴۲	۳۰
تم سے ناراض ہو کر ہم قرآن سے تمہیں محروم نہیں کریں گے۔	۴۳	۵
وہ العزیز الرحیم ہے	۴۴	۴۲
اللہ تعالیٰ تواب رحیم ہے	۴۹	۱۲
وہ البر الرحیم ہے	۵۲	۲۸
گناہ بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا ہے	۴۰	۳
ذی الطول	۴۰	۳
آپ کا رب بخشش والا اور دردناک عذاب والا ہے۔	۴۱	۴۳
(د) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق و مالک ہے		
وہ آسمانوں اور زمین کا فاطر (پیدا کرنے والا) ہے	۳۴	۱
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۳۹	۴۶
انسان کو مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا فرماتا ہے	۳۵	۱۱
پھر جوڑا جوڑا بناتا ہے	۳۵	۱۱
ہر عورت اس کے علم سے حاملہ ہوتی ہے	۳۵	۱۱
ہر شے اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ ہر عیب سے پاک ہے۔	۳۶	۸۳
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا	۳۹	۵
〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃	۴۶	۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے	۳۹	۵
تم سب کو ایک نفس سے پیدا فرمایا	۳۹	۶
تمام شفاعت کا مالک اللہ ہے	۳۹	۴۴
آسمان اور زمین اور ملک اس کے قبضہ میں ہیں	۳۹	۴۴
وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا تمہیں جوڑا جوڑا بنانے والا بھی وہی ہے	۴۲	۱۱
ہر چیز کا خالق اللہ ہے	۳۹	۶۲
آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے قبضے میں ہیں	۴۲	۱۲
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۹	۶۳
آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اسی کا ہے	۴۲	۴
جس کو چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے تنگ روزی دیتا ہے	۴۲	۱۲
آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کے لیے ہے	۴۲	۴۹
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۲	۵۳
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۳	۸۵
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۸	۱۴
وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے	۴۴	۷
ہم نے زمین و آسمان کو کھیل کے طور پر پیدا نہیں کیا	۴۴	۳۸
ہم نے انہیں حق کے ساتھ پیدا کیا	۴۴	۳۹
آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ تعالیٰ کے ہیں	۴۸	۴
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۸	۷
ہم نے انسان کو پیدا فرمایا	۵۰	۱۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے نزدیک ہیں	۵۰	۱۶
ارض و سما کو چھ دن میں پیدا کیا پھر بھی تھکا نہیں	۵۰	۳۸
ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں	۵۰	۴۳
تمہارا رب وہی ہے جو ہر شئی کا خالق ہے	۴۰	۶۲
انسان کو پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر علقہ سے تخلیق کے مختلف مرحلوں سے گزار کر پھر بچپن، جوانی، بڑھاپا زندگی کی مختلف منزلوں میں اس کا سفر حیات جاری رکھا	۴۰	۶۷
(ہ) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے		
اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے	۳۳	۲۷
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۴	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۳۵	۱
۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	۴۱	۳۹
کسی پر جو رحمت کرنا چاہے کوئی روک نہیں سکتا جو روکنا چاہے کوئی دے نہیں سکتا	۳۵	۲
اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے	۳۳	۳۷
اللہ کا حکم مقرر تقدیر ہے	۳۳	۳۸
آپ کا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔	۳۴	۲۱
وہ علی کبیر ہے	۳۴	۲۳

	سورہ نمبر	آیت نمبر
میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کردیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے	۳۴	۳۹
	۳۹	۵۲
اگر چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور کوئی دُوسری قوم لے آئے	۳۵	۱۶
آسمانوں اور زمین کو سرکنے سے اُس نے روکا ہوا ہے	۳۵	۴۱
اُسے کوئی نیچا نہیں دکھا سکتا	۳۵	۴۴
ہم مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور اُن کے اعمال کو لکھتے ہیں	۳۶	۱۲
کُن فیکُون	۳۶	۸۲
بے شک تو بہت بخشنے والا ہے (الوھاب)	۳۸	۸۵
تسخیرِ شمس و قمر، یہ نظام ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے	۳۹	۵
موت اور نیند دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ رُوح کو قبض کر لیتا ہے	۳۹	۴۲
جسے چاہتا ہے فراخ روزی دیتا ہے جسے چاہتا ہے تنگ، تقسیمِ رزق میں بڑی حکمتیں ہیں	۳۹	۶۷
اللہ کی بے پایاں قدرت، زمین اور آسمان اُس کی دائیں مٹھی میں ہے	۳۹	۶۷
وُہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے	۴۲	۹
ہر چیز پیدا کرتا ہے اس آیت کی محققانہ تفسیر	۴۲	حاشیہ آیت ۱۱
جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے وُہ قوی عزیز ہے	۴۲	۱۹
وُہ باطل کو مٹاتا ہے حق کو غلبہ دیتا ہے	۴۲	۲۴
تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اُس کے بغیر تمہارا کوئی کارساز نہیں	۴۲	۳۱
وُہ علیم و قدیر ہے	۴۲	۵۰
وُہ شدید العقاب ہے	۴۰	۳
وُہ درجات بلند کرنے والا عرش کا مالک ہے	۴۰	۱۵
آج بادشاہی اللہ واحد قہار کی ہے	۴۰	۱۶
وُہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۴	۸
اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کو پیدا کر کے تھک نہیں گیا	۴۶	۳۳
وُہ مُردوں کو پھر زندہ کرے گا ــــــ	۴۶	۳۳ حاشیہ
بائیبل میں ہے وُہ تھک گیا اور اُس نے آرام کیا۔	۔	" "
جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے	۴۸	۱۴
اللہ رزاق ہے قوت والا ہے	۵۱	۵۸
وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے	۴۰	۶۸
(د) اللہ تعالیٰ کسے ہدایت دیتا ہے		
اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے لیے چن لیتا ہے اور جو صدقِ دل سے جھکتا ہے اُس کو ہدایت دیتا ہے	۴۲	۱۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
شانِ استغنا کی تشریح	۴۲	تا آیت نمبر ۱۲
ہم جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں	۴۲	۵۳
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۴۹	۹
(ذ) وُہ کِسے ہدایت نہیں دیتا اور محبت نہیں کرتا		
اللہ تعالیٰ جھوٹے اور ناشکرے کو ہدایت نہیں دیتا	۳۹	۳
جسے خدا گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۳۹	۲۳
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں	۴۲	۸
وُہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا	۴۲	۴۰
اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۴۶	۱۰
ہر متکبر سرکش کے دل پر وُہ مہر لگا دیتا ہے	۴۰	۳۵
(ح) وُہ ہر عیب سے پاک ہے		
وُہ وعدہ خلافی نہیں کرتا	۳۹	۲۰
زمین و آسمان اور عرش کا رب اُن کے بیان کردہ خرافات سے پاک ہے	۴۳	۸۲
آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا	۴۱	۴۶
کائنات کو پیدا کر کے ہم تھک نہیں گئے	۵۰	۱۵
ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے	۵۰	۲۹
ہمیں تھکاوٹ نہیں ہوتی	۵۰	۳۸
میں اُن سے رزق طلب نہیں کرتا	۵۱	۵۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
جن کو وُہ شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن سے پاک ہے	۵۲	۴۳
(ط) متفرق		
اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے	۳۳	۴
اللہ وکیل کافی ہے	۳۳	۳
	۳۳	۴۸
اللہ کی سنت میں تو تبدیلی نہیں پائے گا	۳۳	۶۲
پاکیزہ کلمے اُسی کی طرف بلند ہوتے ہیں اور عمل صالح اُس کے درجے کو بلند کرتے ہیں	۳۵	۱۰
لوگ محتاج ہیں اللہ غنی ہے	۳۵	۱۵
اللہ کی سنت میں تو تبدیلی نہیں پائے گا	۳۵	۴۳
جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں اس کی قوتیں کمزور کر دیتے ہیں	۳۶	۶۸
اگر سب بندوں کو اللہ تعالیٰ کشادہ روزی دیتا تو وُہ باغی بن جاتے لیکن وُہ اندازے سے رزق دیتا ہے	۴۲	۲۷
اللہ غنی ہے اور تم فقراء ہو	۴۷	۳۸
اللہ کی یہ سنت ہے کہ آخر کار حق غالب آتا ہے اور باطل شکست کھاتا ہے اِس سنت میں رد و بدل نہیں ہو سکتا	۴۸	۲۳
میرا فیصلہ میرے نزدیک بدلتا نہیں	۵۰	۲۹

سیدنا و مولینا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
(الف) نبوّت و رسالت		
نبوت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف	۳۳	۴۰ مع حاشیہ
رسولوں سے تبلیغ حق کا پختہ وعدہ لیا گیا	۳۳	۷
جو کام اللہ تعالیٰ نبی پر فرض کرے اس کو بجا لانا ضروری ہوتا ہے	۳۳	۳۸
حضورؐ کی کثرت ازواج پر یہود و نصاریٰ کا اعتراض اور اس کا جواب	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۳۸
انبیاء و رسل اللہ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے	۳۳	۳۹
حق آگیا باطل کی قوت کا خاتمہ ہوگیا	۳۴	۴۹
ہر امت میں ڈرانے والا بھیجا گیا ہے	۳۵	۲۴
قسم ہے قرآن کی آپ رسولوں میں سے ہیں	۳۶	۳
آپ سیدھی راہ پر ہیں	۳۶	۴
آپ کی بعثت کا مقصد	۳۶	۶
اللہ کے رسول ہی آخرکار فتح یاب ہوتے ہیں	۳۷	۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳
سب انبیاء نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السلام کو حکم ہے کہ دین کو قائم کریں	۴۲	۱۳
آپ کا فرض تبلیغ حق ہے آپ ان کے ذمہ دار نہیں۔	۴۲	۴۸

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
انبیاء پر نزول وحی اور خطاب الٰہی کے مختلف طریقے	۴۲	۵۱
حضورؐ کی رسالت کا اعلان	۴۸	۲۹
آپ نصیحت کیا کریں کیونکہ نصیحت کرنا مومنین کے لیے نفع مند ہے	۵۱	۵۵
آپ نصیحت کیا کریں اللہ کے احسان سے نہ کاہن ہیں نہ مجنون	۵۲	۲۹
کفار کا عتبہ کو تحقیق حق کے لیے بھیجنا قرآن کریم سن کر اس کا دنگ رہ جانا	۴۱	۱۴ حاشیہ
(ب) رحمت و خلق عظیم		
اپنی امت کے ساتھ حضورؐ کی جذبہ محبت	۳۳	۶ مع حاشیہ
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر اللہ کے ذمے	۳۴	۴۷
آپ بدکاروں کے لیے آزردہ خاطر نہ ہوں	۳۵	۸
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں	۳۸	۸۶
آپ بھی دین حق کی طرف دعوت حق دیجیے	۴۲	۱۵
عظیم آیت۔ اس میں دس احکام ہیں	۴۲	۱۵
کیا آپ بہروں اور اندھوں کو راہ دکھانا چاہتے ہیں	۴۳	۴۰
ہم ان منکرین کو جلد یا بدیر ضرور سزا دیں گے	۴۳	۴۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ابوجہل کا حضورؐ کو پتھر مارنے کے ارادہ سے آگے بڑھنا اور اُس کا انجام	۳۶	۸ مع حاشیہ
قرآن کی قسم حضورؐ سچے نبی ہیں	۳۸	۱ مع حاشیہ
حضورؐ کی حکومت کا دائرہ سلیمانی حکومت سے کہیں وسیع تھا	۳۸	آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ
جب حضرت سلیمانؑ کو یہ عطیہ دیا تو سید الرسل کو کیا نہ دیا ہوگا۔	۳۸	حاشیہ آیت نمبر ۳۹، ۴۰
میں ڈرانے والا ہوں	۳۸	۶۵
حضورؐ اول المسلمین ہیں	۳۹	۱۲
وہ آپ کو اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں کیا اللہ آپ کی مدد کے لیے کافی نہیں	۳۹	۳۶
میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا الا المودۃ فی القربیٰ (اس کی وضاحت)	۴۲	۲۳ مع حاشیہ
اعلانِ نبوت سے پہلے کیا حضورؐ کو کتاب و ایمان کا علم نہ تھا؟ تفصیلی بحث	۴۲	۵۲ مع حاشیہ
آپ صراط المستقیم کی طرف راہنمائی کرتے ہیں الخ	۴۲	۵۲/۵۳
بیشک آپ سیدھی راہ پر ہیں	۴۳	۴۳
قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے وجہ عزو شرف ہے	۴۳	۴۴
حضورؐ کے قول کی قسم (وقیلہ)	۴۳	۸۸
مزار پر انوار سید الابرار عرش سے افضل ہے	۴۴	حاشیہ آیت نمبر ۳
تبع ابو کرب کا مشرف باسلام ہونا، حضورؐ کی خدمت میں عریضہ کہ میں حضورؐ کے پہلے پہلے غلاموں سے ہوں بروز قیامت	۴۴	حاشیہ آیت نمبر ۳۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
فراموش نہ فرمائیے ابو ایوب انصاری کو وہ عریضہ پیش خدمت کرنا حضورؐ کا تبع کے ایمان کو قبول فرمانا اور شفاعت کا ذکر کرنا		
بارگاہِ رسالت میں فریاد شرک نہیں عین ایمان اور پاکانِ امت کا معمول ہے	۴۶	۵/۶ مع حواشی
میری رسالت کا خدا گواہ ہے	۴۶	۸
لا ادری ما یفعل بی ولا بکم الآیہ کی تشریح	۴۶	۹ مع حاشیہ
جنات بھی حضورؐ کے امتی ہیں۔ ان کا قرآن سننا، اس پر ایمان لانا، اپنی قوم میں واپس جا کر تبلیغ اسلام کرنا	۴۶	۲۹ تا ۳۲
حضرت سواد ابن قارب کا ایک جن کے کہنے پر ایمان لانا اور بارگاہِ رسالت میں یہ قصیدہ پیش کرنا وانک مامونٌ علی کل غائب	۴۶	۲۹ تا ۳۲ مع حواشی آیات مذکورہ
آپ صبر کیجیے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا	۴۶	۳۵
عصمتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (واستغفر لذنبک وللمؤمنین)	۴۷	۱۹ مع حاشیہ
ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی	۴۸	۱
عصمتِ نبوت (لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر)	۴۸	۲ مع حاشیہ
حضورؐ پر اللہ نے اپنی نعمت تمام کر دی	۴۸	۲
اور آپ کی زبردست مدد فرمائی	۴۸	۳
آپ کو شاہد مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا	۴۸	۸

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کی تعظیم اور توقیر کا حکم وتعزروہ وتوقروہ	۴۸	۹ مع حاشیہ
جو آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں	۴۸	۱۰
اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہوتا ہے	۴۸	۱۰
حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں سے اللہ راضی ہوگیا اور اُن پر دیگر انعامات	۴۸	۱۸
حضورؐ کا خواب کہ تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہوگے۔ اللہ نے وہ خواب سچا کر دکھایا۔	۴۸	۲۷
حضورؐ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ سارے ملتوں پر اس دین کو غلبہ دے	۴۸	۲۸
آپ ہماری قدرت کی آنکھوں میں بستے ہیں (فانک باعیننا)	۵۲	۴۸ مع حاشیہ
(د) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم		
ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا بلکہ ذکر اور قرآن سکھایا	۳۶	۶۹
شعر کی تشریح	۳۶	حاشیہ سلسلہ آیت ۶۹
ملاءِ اعلیٰ کا علم بتعلیم الٰہی		۶۹، ۷۰ مع حاشیہ
کیا حضورؐ کو اپنے انجام کا علم نہ تھا؟	۴۶	۹ مع حاشیہ
حضرت سواد ابن قارب کی شہادت	۴۶	حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
(وانک ملعونؐ علی کل غائب)	۴۶	آیت نمبر ۲۹
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین کا علم دے دیا گیا تھا	۴۷	۳۰
ثابتؓ ابن قیس کو سعادت، شہادت اور جنت کی بشارت	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۲
میرا یہ بیٹا سردار ہے یہ دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائے گا	۴۹	۹ مع حاشیہ
جن رسولوں کا ذکر قرآن میں نہیں اُن کا علم بھی دیا گیا	۴۰	۷۸ مع حاشیہ
(ہ) آداب نبوت		
حضورؐ کے حجروں میں جانے کے آداب	۳۳	۵۳
حضورؐ کے گھر سے کوئی چیز مانگنا ہو تو پردے کے باہر کھڑے ہو کر مانگو	۳۳	۵۳
جس طرح بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کو ستایا تھا اے ایمان والو میرے نبی مکرم کے ساتھ یہ سلوک مت کرو	۳۳	۶۹
حضورؐ کی تعظیم اور توقیر کا حکم (وتعزروہ وتوقروہ)	۴۸	۹
اللہ اور اس کے رسولؐ سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو	۴۹	۱
حضورؐ کے سامنے آواز تک بلند نہ کرو ورنہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں گے	۴۹	۲ مع حواشی
صحابہ کا ادب حضرت ثابت ابن قیس	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۲
بارگاہِ نبوت کا ادب ملحوظ رکھنے والوں کی شان	۴۹	۳

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اسلام لانے کا احسان اللہ پر مت جتلاؤ۔ یہ اس کا احسان ہے کہ	٤٩	١٧
اس نے تمھیں ہدایت دی	٤٩	١٧

انبیاء علیہم السلام

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے وحی نازل فرماتا ہے	٤٠	١٥
ہم اپنے رسولوں کی اور مومنین کی مدد کرتے ہیں	٤٠	٥١
بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں ہے بعض کا نہیں	٤٠	٧٨
نبی اذنِ الٰہی سے معجزہ پیش کرتا ہے	٤٠	٧٨
آدم علیہ السلام		
تخلیقِ آدم کیچڑ سے سے، نفخت فیہ من روحی کا شرف آدم کو حاصل ہوا	٣٨	٧٢
فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم	٣٨	٧٣،٧٢
ابلیس کا انکار اور تکبر کا اظہار کہ میں آدم سے بہتر ہوں	٣٨	٧٤،٧٣
		٧٦،٧٥
ابلیس کا راندہ جانا	٣٨	٧٨،٧٧
اس کا مہلت مانگنا اور مہلت کا ملنا	٣٨	٨١،٨٠،٧٩
شیطان کا چیلنج کہ تیری عزت کی قسم میں اولادِ آدم کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے	٣٨	٨٣،٨٢
اللہ تعالیٰ کا جواب	٣٨	٨٤،٨٥،٨٦
ابراہیم علیہ السلام		
حضرت ابراہیم نوح کی جماعت سے تھے	٣٧	٨٣
آپ کا قلب سلیم تھا	٣٧	٨٤
آپ کا اپنی قوم کو توحید کی دعوت دینا	٣٧	٨٥
قوم کا میلہ منانے کے لیے جانا۔ آپ کا بت خانہ میں بتوں کو دیکھ کر تفصیلی نظر	٣٧	٨٨تا٩٣
قوم کی میلے سے واپسی۔ پرجوش منظر آپ کے پاس دوڑے آئے	٣٧	٩٤
اُن کے غلط عقائد پر آپ کا برتاؤ	٣٧	٩٦،٩٥
ان کا آتش کدہ بھڑکانا اور آپ کا محفوظ رہنا	٣٧	٩٨،٩٧
آپ کا وہاں سے ہجرت کر جانا	٣٧	٩٩
بچے کے لیے دعا اور اس کی قبولیت	٣٧	١٠١،١٠٠
بچے کو ذبح کرنے کا حکم۔ باپ بیٹے کا جذبۂ تسلیم و رضا	٣٧	١٠٢تا١٠٥
بیٹا ذبیح کون تھا اسماعیل یا اسحاق علیہما السلام	٣٧	ملاحظہ آیت نمبر ١٠٢

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپ کا ذکرِ خیر ہمیشہ باقی رہے گا	۳۷	۱۰۸ تا ۱۱۱
حضرت اسحاقؑ کی بشارت	۳۷	۱۱۲
ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ بڑے طاقتور اور روشن دل تھے (اولی الایدی والابصار)	۳۸	۴۵
وہ ہمیشہ یادِ آخرت میں لگے رہتے	۳۸	۴۶
یہ چنے ہوئے پسندیدہ لوگ تھے	۳۸	۴۷
حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ آذر اور قوم کو وعظ	۴۳	۲۶، ۲۷ ۲۸
ابراہیمؑ کے پاس انسانی شکل میں فرشتوں کی آمد، آپ کا گوشت بھون کر پیش کرنا	۵۱	۲۴/۲۵ ۲۶
فرشتوں کا بیٹے کی بشارت دینا	۵۱	۲۸
حضرت سارہ کا اس پر متعجب ہونا،	۵۱	۲۹، ۳۰
فرشتوں کا جواب	۵۱	۳۰
کیا اس سے نام کا جواز ثابت ہوتا ہے؟	۵۱	حاشیہ آیت نمبر
فرشتوں کا بتانا کہ وہ قوم لوطؑ کو برباد کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں	۵۱	۳۱ تا ۳۷
الیاس علیہ السلام		
حضرت الیاسؑ رسول تھے	۳۷	۱۲۳
اپنی قوم کو دعوتِ توحید	۳۷	۱۲۴ تا ۱۲۶
قوم نے آپ کو جھٹلایا	۳۷	۱۲۷
ان کا ذکرِ خیر، ان پر سلام	۳۷	۱۲۸ تا ۱۳۲
اسحاق علیہ السلام		
آپ کی بشارت	۳۷	۱۱۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ہم نے آپ پر اور اسحٰق پر برکت دی	۳۷	۱۱۳
ان کی اولاد میں کچھ نیک ہیں اور کچھ ظالم	۳۷	۱۱۳
حضرت اسحاقؑ، آپ کی صفاتِ حمیدہ	۳۸	۴۵ تا ۴۷
اسماعیل علیہ السلام		
آپ کی ذبح کا بیان، اور واقعہ	۳۷	۱۰۲ تا ۱۰۵
کیا ذبیح آپ تھے، تحقیق	۳۷	حاشیہ آیت نمبر
آپ کا ذکر باقی رہے گا	۳۷	۱۰۸ تا ۱۱۱
آپ اخیار میں سے تھے	۳۸	۴۸
ایوب علیہ السلام		
آپ کی آزمائش، آپ کی دعا	۳۸	۴۱ تا ۴۲
آپ پر عنایات خداوندی	۳۸	۴۳
قسم کو پورا کرنے کا طریقہ	۳۸	۴۴
نعم العبد انہ اواب کا خطاب	۳۸	۴۴
داؤد علیہ السلام		
داؤد علیہ السلام کو فضیلت بخشی، پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ مل کر تسبیح کرتے لوہے کو نرم کر دیا	۳۴	۱۰
آپ کو زرہ بنانے کا فن سکھایا	۳۴	۱۱
زرہ سازی کے ساتھ ساتھ نیک کام کرنے کا حکم دیا	۳۴	۱۱
آپ بڑے طاقتور تھے	۳۸	۱۷
پہاڑ پرندے سب ان کے فرمانبردار تھے	۳۸	۱۸، ۱۹

	سورہ نمبر	آیت نمبر
لوط علیہ السلام		
آپ رسول تھے	۳۷	۱۳۳
آپ کی نجات اور منکرین کی تباہی	۳۷	۱۳۴ تا ۱۳۷
موسیٰ و ہارون علیہما السلام		
آپ پر قوم نے جو الزام لگایا اللہ نے اس سے آپ کو بری کر دیا	۳۳	۶۹
آپ اپنے رب کے ہاں بڑے معزز تھے	۳۳	۶۹
قوم کا آپ کے ساتھ معاندانہ رویہ، بحوالہ بائیبل	۳۳	حاشیہ آیت نمبر ۶۹
ہم نے موسیٰ و ہارون پر احسان فرمایا	۳۷	۱۱۴
انھیں اور ان کی قوم کو غلامی کے عذاب سے نجات دی	۳۷	۱۱۵، ۱۱۶
انھیں روشن کتاب دی	۳۷	۱۱۷، ۱۱۸
ان کے ذکر کو دوام بخشا	۳۷	۱۱۹ تا ۱۲۱
موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا تذکرہ	۴۳	۴۶
فرعون کا آپ کو ساحر کہنا	۴۳	۴۹ مع حاشیہ
فرعون کا اترانا کہ میں مصر کا مالک ہوں	۴۳	۵۱، ۵۲
یہ دریا اور نہریں میری ہیں اور موسیٰ مہین ہیں		۵۲
قوم فرعون کی گمراہی اور تباہی	۴۳	۵۴، ۵۵، ۵۶
آپ کا فرعون سے بنی اسرائیل کو آزاد کرنے کا مطالبہ اور سرکشی سے باز آنے	۴۴	۱۷، ۱۸
کی نصیحت		۱۹

	سورہ نمبر	آیت نمبر
میں تمھاری سنگ باری سے اپنے رب کی پناہ مانگتا ہوں	۴۴	۲۰، ۲۱، ۲۲
مصر سے ہجرت کا حکم، بحر احمر کو عبور کرنے کی ہدایت اور ان کے غرق ہونے کی خبر	۴۴	۲۳، ۲۴
فرعون کی غرقابی، اتنے باغات، محلات ڈھیرے چھوڑ کر چلے گئے	۴۴	۲۵ تا ۲۸
نہ ان پر آسمان رویا نہ زمین	۴۴	۲۹
ہم نے بنی اسرائیل کو متکبر فرعون سے نجات دی	۴۴	۳۰، ۳۱
بنی اسرائیل کو چن لیا	۴۴	۳۲، ۳۳
سلطان مبین کے ساتھ آپ کا فرعون کے	۵۱	۳۸، ۳۹
پاس جانا، اس کی روگردانی اور غرقابی		۴۰
حضرت موسیٰ کو دلائل کے ساتھ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف بھیجا گیا	۴۰	۲۳، ۲۴
فرعون ان کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتا	۴۰	۲۵
فرعون کا غیظ و غضب، یہ تمھارا دین بدل دے گا۔ یہ فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا دے گا۔	۴۰	۲۶
فرعونی دھمکی کے جواب میں آپ کا ارشاد (انی عذت بربی)	۴۰	۲۷
قوم فرعون کا مومن حضرت کلیم کا دفاع کرتا ہے اور انھیں بڑے موثر انداز میں نصیحت کرتا ہے	۴۰	۲۸ تا ۳۵
فرعون کی بے بسی	۴۰	۲۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
فرعون قوم کی توجہ حضرت موسیٰؑ سے ہٹانے کے لیے ہامان کو ایک بلند مینار تعمیر کرنے کا حکم دیتا ہے	۴۰	۴۷
مومن آلِ فرعون کا دُوسرا وعظ	۴۰	۳۸ تا ۴۴
اللہ نے اس مومن کو فرعون کے شر سے بچا لیا	۴۰	۴۵
فرعون کی تباہی، فرعونی صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں	۴۰	۴۶
موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی گئی لوگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا	۴۱	۴۵
نُوح علیہ السّلام		
حضرت نُوحؑ کی فریاد اور اس کی قبولیت	۳۷	۷۵، ۷۶
اُن کی اولاد کو باقی رکھا	۳۷	۷۷
اُن کا ذکرِ خیر ہمیشہ ہوتا رہے گا	۳۷	۷۸، ۷۹، ۸۰
اُن کے مخالفوں کو غرق کر دیا	۳۷	۸۱
آپ کی قوم بھی نافرمان تھی	۵۱	۴۶
ہُود علیہ السّلام		
حضرت ہودؑ کی قوم عاد کے حالات، احقاف کا محلِ وقوع	۴۶	۲۱ تا ۲۶
قوم کا آپ پر الزام کہ تم ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کرنا چاہتے ہو	۴۶	۲۲
ہم نے عاد کو زمین میں قوت بخشی تھی کان، آنکھیں اور دل دیئے لیکن سب بے سُود	۴۶	۲۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ان کی بربادی	۴۶	۲۴، ۲۵
آپ کی قوم عاد پر جھکڑ کا چلنا اور اُن کا ملیامیٹ ہو جانا	۵۱	۴۱، ۴۲
" " " " " " " " " "	۴۱	۱۵، ۱۶
یُونس علیہ السّلام		
حضرت یُونسؑ رسُولوں میں سے ہیں	۳۷	۱۳۹
آپ کا اپنی قوم سے بھاگ جانا	۳۷	۱۴۰
مچھلی کا آپ کو نگل جانا	۳۷	۱۴۲
پھر اس کا ساحل پر آپ کو اُگل دینا وغیرہ حالات	۳۷	۱۴۵ تا ۱۴۸
پھر قوم کے پاس واپسی اور اُن کا ایمان	۳۷	۱۴۷، ۱۴۸
بعض دُوسری قومیں		
قوم سبا کے حالات، ان کا آب پاشی کا بہترین نظام، ان کے ملک کی زرخیزی، ان کی نافرمانی، سیلِ عرم اور اُن کی بربادی	۳۴	۱۵، ۱۶، ۱۷ بمعہ حواشی
ان کی خوشحالی کے دَور میں شہری آبادیاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بسائیں	۳۴	۱۸
ان کی ناشکری اور تباہی	۳۴	۱۹
ابلیس نے اپنا ظن سچ کر دکھایا	۳۴	۲۰
اصحاب القریہ کے پاس رسُولوں کا آنا	۳۶	۱۳ تا ۱۹
اُن کا ایمان لانے سے انکار، رسُولوں پر الزام تراشی		

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کتنا ہے یہ بہرے علم کی برکت سے	۳۹	۴۹
شب بیدار ہر وقت ڈرنے والا اس کی رحمت کا امیدوار اور جاہل کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔	۳۹	۹
جو اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں وہی ہدایت میں ہیں، وہی دانشمند ہیں۔	۳۹	۱۸
جس کا سینہ اللہ اسلام کے لیے کھول دے تو وہ نورِ ہدایت پر ہے۔	۳۹	۲۲
جو ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنا بھلا کرتا ہے	۳۹	۴۱
جو گمراہ ہوتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے	۳۹	۴۱
اب فرصت ہے اچھے قول کی پیروی کرو ورنہ پچھتاؤ گے۔	۳۹	۵۵ تا ۵۹
اگر اسے راحت پہنچے تو پھولے نہیں سماتا تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے	۴۲	۴۸
زمین و آسمان کی ہر چیز تمہارے لیے مسخر کر دی	۴۵	۱۲،۱۳
اہل فکر کے لیے اس میں نشانیاں ہیں	۴۵	۱۳
جو اچھا عمل کرتا ہے وہ اپنے لیے کرتا ہے جو برا کرتا ہے اپنے لیے کرتا ہے	۴۵	۱۴
بدکاروں اور نیکوں کی زندگی اور موت یکساں نہیں	۴۵	۲۱
کیا اللہ ہدایت کا شاکر اور اعمال بد پر مفتخر اور خواہشات کا غلام یکساں ہیں	۴۷	۱۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ایک دوسرے کا تمسخر مت اڑاؤ	۴۹	۱۱
عیب نہ لگاؤ اور برے نام نہ دھرو	۴۹	۱۱
مسلمان ہو کر فاسق کہلانا بہت برا ہے	۴۹	۱۱
ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم	۴۹	۱۳
ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں (قرب کی حقیقت)	۵۰	۱۶
اس کے دائیں بائیں کاتب تیار بیٹھے ہیں	۵۰	۱۷،۱۸
قلب بینا اور کان لگا کر سننے والے کے لیے یہ تذکرہ ہے	۵۰	۳۷
انس و جان کی تخلیق عبادت کے لیے ہے	۵۱	۵۶
ہر شخص اپنے اعمال کا اسیر ہوگا	۵۲	۲۱
اندھا اور بینا، مومن صالح اور فاسق برابر نہیں ہیں	۴۰	۵۸
جو اچھا کام کرتا ہے اس میں اس کا اپنا بھلا ہے	۴۱	۴۶
جو برا کام کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہوگا۔	۴۱	۴۶
انسان بھلائی کی دعا کرنے سے نہیں تھکتا۔ اگر اسے تکلیف پہنچے تو مایوس ہو جاتا ہے	۴۱	۴۹
جب خوشحال ہوتا ہے تو اس کا ردِ عمل	۴۱	۵۰
رنج و مسرت میں انسان کی حالت	۴۱	۵۱

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں	۴۹	۹ مع حاشیہ
باغی گروہ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے	۴۹	۹
حضورؐ کا حکم، حضرت علیؓ کا عمل، اُن کے زخمیوں اور مقتولوں کے ساتھ برتاؤ	"	حاشیہ آیت نمبر ۹
کیا ظالم حکمران کے ساتھ جنگ جائز ہے	۴۹	حاشیہ آیت نمبر ۹
باغی گروہ کے قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے	۴۹	" " " "
حضرت امام حسنؓ کی مصالحت	۴۹	" " " "
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مخالفین کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ مشرک ہیں؟ کیا وہ منافق ہیں؟ آپ کا جواب	۴۹	" " " "
مسلمان بھائی بھائی ہیں ان میں صلح کراؤ	۴۹	۱۰
فرعونی سیاست جس نے حضرت موسیٰؑ پر فتنہ و فساد برپا کرنے کا الزام لگایا	۴۰	۲۶
بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلا کر اُن پر احسان کیا	۳۷	۱۱۵، ۱۱۶
فرعون نے آپ پر ساحر ہونے کا الزام لگایا	۴۳	۴۹ مع حاشیہ
فرعون کا غرور و تکبر	۴۳	۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴
حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے	۴۴	۱۷، ۱۸
فرعونی سیاست کا انجام تباہی و بربادی	۴۴	۲۵ تا ۲۸
اُن کی تباہی پر کسی کی آنکھ بھی غمناک نہیں ہوئی	۴۴	۲۹
فرعون نے بنی اسرائیل کی کثرت سے ڈر کر اُن کے بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔	۴۰	۲۵

شرک کا ابطال

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُن کے معبود ایک تنکے کے بھی مالک نہیں	۳۴	۲۷
بت گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں	۳۵	۱۳
اللہ کا کوئی شریک نہیں	۳۴	۲۷
نہ وہ پکار سنتے ہیں نہ جواب دے سکتے ہیں	۳۵	۱۴
قیامت کے دن اپنے پجاریوں کی پوجا کا انکار کریں گے	۳۵	۱۴
معبودانِ باطل اپنے پرستاروں کے دشمن ہوں گے	۴۶	۶
تمہارے معبودوں نے کیا بنایا ہے؟ دکھاؤ	۳۵	۴۰
باطل معبودوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ دکھاؤ	۴۶	۴
ایک مثال سے شرک کی قباحت	۳۹	۲۹
اگر پوچھا جائے زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے اللہ	۳۹	۳۸
اگر اُن سے پوچھا جائے کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہیں گے عزیز و علیم خدا	۴۳	۹
اگر اُن سے پوچھا جائے کہ انھیں کس نے پیدا کیا ہے تو کہیں گے اللہ نے	۴۳	۸۷
نہ تکلیف دُور کر سکیں نہ وہ انعام روک سکیں	۳۹	۳۸
تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کروں گا پھر دیکھو عذاب کس پر آتا ہے	۳۹	۴۰
اے جاہلو کیا تم غیرِ خدا کی عبادت کا [illegible]	۳۹	۶۴

شریعت

(الف) شریعت کی خصوصیات۔

عبادات

نماز، زکوٰۃ وصدقات

	سورہ نمبر	آیت نمبر
کا معاوضہ تمھیں دے گا	۳۴	۳۹
جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں ظاہر اور پوشیدہ ہمارے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں اُن کی تجارت میں گھاٹا نہیں۔	۳۵	۲۹
کافروں کو اگر خرچ کرنے کے بارے میں کہا جائے تو کہتے ہیں جن کو خدا نے نہیں دیا ہم انھیں کیوں دیں	۳۶	۴۷
اُن کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔	۵۱	۱۹
پردہ کے احکام		
عورت کے عنوان کے نیچے ملاحظہ فرمایئے		
حلال و حرام		
عورتوں کے لیے ریشم اور سونا حلال ہے	۴۳	۱۸
دیگر شرعی احکام		
متبنّٰی کے بارے میں زمانہ جاہلیت کا رواج جس میں قرآنی اصلاح	۳۳	۴، ۵
ہر شخص کی نسبت اُس کے باپ کی طرف کرو	۳۳	۵
اولوالارحام بعض بعض سے مقدم ہیں۔	۳۳	۶
ماں باپ سے حسنِ سلوک	۴۶	۱۵ اور حاشیہ

	سورہ نمبر	آیت نمبر
شیطان		
شیطان نے قومِ سبا کو گمراہ کرنے کا دعویٰ پورا کر دیا	۳۴	۲۰
شیطان کو لوگوں پر قابو حاصل نہیں ہوتا۔ وُہ صرف انھیں بہلاتا ہے اور یہ پھسل جاتے ہیں	۳۴	۲۱
شیطان تمہارا دشمن ہے اُسے دشمن ہی سمجھا کرو	۳۵	۶
وُہ اپنے گروہ کو جہنمی بنانے کے درپے رہتا ہے	۳۵	۶
شیطانوں کی شہابِ ثاقب سے خبر لی جاتی ہے۔ وُہ ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے۔	۳۷	۶ تا ۱۰
شیطان کا سجدہ نہ کرنا، درِ رحمت سے راندہ جانا، اللہ سے مُہلت طلب کرنا، مُہلت کا مل جانا، اس کا چیلنج	۳۸	۷۴ تا ۸۵
شیطان تمہارا دُشمن ہے تمھیں راہِ حق سے روک نہ دے۔	۴۳	۶۲
ہم نے بنی آدم کو تاکید کی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، وُہ تمہارا کھلا دُشمن ہے	۳۶	۶۰
اُس نے بڑی قوموں کو گمراہ کیا	۳۶	۶۲

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
بدکاروں پر ہم نے بُرے ساتھی مسلط کردیئے فقرینوا الخ	۴۱	۲۵
وہ انہیں سیدھے راستے سے روکتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ خیال کرتے ہیں	۴۳	۳۷
شیطان فریب دیتا ہے اور لمبی زندگی کی آس دلا کر گمراہ کر دیتا ہے	۴۷	۲۵
جو رحمان کے ذکر سے آنکھیں بند کرتا ہے ہم شیطان کو اس کا ساتھی مقرر کردیتے ہیں	۴۳	۳۶
صحابہؓ کرام اور اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم		
حضرت زیدؓ کے فراق میں ان کے والد حارث کی بے تابی، پُردرد اشعار ان کا مل جانا، آپ کا باپ کو چھوڑ کر حضورؐ کو اختیار کرنا	۳۳	۵ مع حاشیہ
غزوہ خندق کے وقت صحابہؓ کا جذبہ ایمان و تسلیم اور بڑھ گیا	۳۳	۲۲
ان جوانمردوں نے جان دے کر اپنی نذر پوری کردی بعض منتظر ہیں	۳۳	۲۳
صحابہ کرامؓ کی جانفروشیوں کے مناظر	۳۳	۲۳ کا حاشیہ
شیخینؓ کے ایمان کی دلیل	۳۳	آیت ۴۳ کا حاشیہ
حضرت سواد ابن قارب کا ایمان لانا اور قصیدہ پیش کرنا	۴۶	آیت ۲۹ کا حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُن کے گناہ مٹا دیئے گئے۔ ان کے حالات سنوار دیئے گئے	۴۷	۲
صلح حدیبیہ سے صحابہ کے دلوں کو تسکین اور قوت ایمان میں اضافہ	۴۸	۴
صحابہؓ پر مزید عنایات تکفیر سیّئات	۴۸	۵
بیعت رضوان کا پس منظر	۴۸	۱۰
شیعہ کتب سے بیعت رضوان کرنے والوں کے فضائل	۴۸	آیت ۱۰ کا حاشیہ
صحابہ کرامؓ کا جذبہ سرفروشی اور رضائے الٰہی کا تاج رضی اللہ الخ	۴۸	۱۸
صحابہؓ کے مومن برحق ہونے پر اللہ تعالیٰ کی گواہی	۴۸	۱۸
دیگر بشارتیں	۴۸	۱۸، ۱۹
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ اور اس کے غلاموں پر سکینہ اتارا	۴۸	۲۶ مع حاشیہ
اور انہیں حق تقویٰ بنایا (والزمھم کلمۃ التقوٰی وکانوا احق بھا واھلھا)	۴۸	۲۶ مع حاشیہ
صحابہ کرامؓ کے خصائل حمیدہ		
حضورؐ کی ہمراہی		
کفار پر سخت		
آپس میں رحیم وشفیق		
بکثرت رکوع و سجود کرنے والے	۴۸	۲۹
فضل الٰہی کے متلاشی		
چہروں پر نورِ عبادت		
تورات اور انجیل میں ان کی مثالیں		

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قرآن کو رسولؐ نے نہیں گھڑا	۴۶	۸
قرآن کتب سابقہ کا مصدق، محسنین کے لیے مژدہ اور بدکاروں کے لیے تنبیہ ہے	۴۶	۱۲
قرآن اگر خدا کا کلام نہیں تو اس جیسا بنا کر دکھاؤ	۵۲	۳۳، ۳۴
یہ کتاب عزیز و علیم کی نازل کردہ ہے	۴۰	۲
یہ رحمٰن و رحیم کی نازل کردہ ہے	۴۱	۲
یہ عزیز و حکیم نے نازل کی ہے	۴۵	۲
" " " " "	۴۶	۲
یہ عزیز و رحیم نے نازل کی ہے	۳۶	۵
یہ عزیز و حکیم خدا نے نازل کی ہے	۳۹	۱
یہ حکیم و حمید نے نازل کی ہے	۴۱	۴۲
اس کی آیتیں مفصل ہیں	۴۱	۳
یہ بشیر و نذیر ہے	۴۱	۴
جو اس میں تحریف کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں، انہیں سزا ملے گی۔	۴۱	۴۰
باطل اس کے نزدیک ذرا آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ اہل ایمان کے لیے ہدایت اور شفاء ہے	۴۱	۴۲
کفار کے لیے یہ مشتبہ ہے	۴۱	۴۴
دیگر آسمانی کتب		
انجیل۔ یہ کتاب منیر ہے	۳۵	۲۵
تورات۔ یہ ہدایت اور نصیحت ہے (ھدی و ذکری)	۴۰	۵۴

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
یہ امام و رحمت ہے	۴۶	۱۲
قیامت		
قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے	۳۳	۶۳
قیامت کب آئے گی۔ احادیث سے اس کی تفصیل	۳۶	۴۸ تا ۵۰ مع حاشیہ
قیامت ضرور آئے گی	۳۴	۳
قیامت یقیناً آئے گی	۴۰	۵۹
اس کی حکمت	۳۴	۵
انکار قیامت	۳۴	۷
دلیل قیامت		
مردہ زمین کو زندہ کرنا	۳۵	۹
کذالک النشور		
جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے نکل نکل کر اپنے رب کے پاس جانے لگیں گے	۳۶	۵۱
اس وقت پکاریں گے	۳۶	۵۲
اس روز کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا	۳۶	۵۴
بوسیدہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے پیدا فرمایا	۳۶	۷۸، ۷۹
دلائل قیامت	۳۶	۸۰، ۸۱
اس کی قدرت قاہرہ	۳۶	۸۲، ۸۳
صور پھونکا جائے گا سب غش کھا کر گر پڑیں گے الا ما شاء اللہ	۳۹	۶۸، ۶۹
منظر قیامت، دفتر عمل، نبی اور گواہ	۳۹	۶۹، ۷۰

	سورہ نمبر	آیت نمبر
کے پاس مال و اولاد انبیاء سے زیادہ ہے	۳۴	۳۵-۳۴
ان کے اس شبہ کا رد	۳۴	۳۶
اموال و اولاد قربِ الٰہی کا ذریعہ نہیں	۳۴	۳۷
اُن کا عقیدہ		
انکارِ قیامت	۳۴	۳
منکرین کو عذاب اور ضلال بعید	۳۴	۸-۷
کفار ملائکہ کی نہیں بلکہ جنات کی پوجا کرتے ہیں	۳۴	۴۱-۴۰
کفار کسی کو نفع و ضرر نہ پہنچا سکیں گے	۳۴	۴۲
بارگاہِ رسالت میں کفار کی گستاخی یہ ہمیں اپنے آباء کے دین سے روکتا ہے یہ کلام خود گھڑتا ہے۔ سحر مبین	۳۴	۴۴-۴۳
پہلے کفار نے بھی ایسا ہی کیا اور برباد ہوئے	۳۴	۴۵
ان کو غور و فکر کی دعوت	۳۴	۴۶
روزِ قیامت کفار کی حالت	۳۴	۵۱ تا ۵۴
کفار نے آپؐ سے پہلے انبیاء کی تکذیب کی	۳۵	۴
کفار کے لیے اُن کے بُرے اعمال مزین کر دیے گئے	۳۵	۸
کفار مکر کرتے ہیں لیکن اُن کا مکر تباہ ہو کر رہے گا	۳۵	۱۰
کفار نے اپنے انبیاء کا پہلے بھی انکار کیا اور تباہ ہوگئے	۳۵	۲۶-۲۵
اُن کا حالِ زار۔ موت آنے کی عذاب میں تخفیف	۳۵	۳۷-۳۶
جھوٹا اور بدکار آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑاتا ہے اس کا انجام	۴۵	۷ تا ۱۱
اللہ کی آیتوں میں کفار ہی جھگڑا کرتے ہیں	۴۰	۴
ان کی آمد و رفت، جاہ و جلال انہیں دھوکہ میں نہ ڈالے	۴۰	۴
پہلے کفار کا بھی یہی وتیرہ تھا ان کا انجام	۴۰	۶-۵
روزِ حشر کفار کو سرزنش	۴۰	۱۰
اُن کا اعترافِ جرم۔ اظہارِ ندامت	۴۰	۱۲-۱۱
پہلی کافر قومیں طاقت اور آثار میں ان سے زیادہ تھیں لیکن برباد ہوگئیں	۴۰	۲۲-۲۱
اس کی وجہ	۴۰	۸۳-۸۲،۸۲
فرعونی غرق ہوئے۔ صبح و شام آگ پر پیش کیے جاتے ہیں۔ قیامت کے روز اشد العذاب میں داخل کیے جائیں گے	۴۰	۴۶
دوزخ میں اُن کا آپس میں تکرار	۴۰	۴۸-۴۷
دوزخ کے داروغوں کی منت سماجت اور اُن کا جواب	۴۰	۵۰-۴۹
موسیٰؑ کو ہدایت عطا فرمائی	۴۰	۵۳
ایسی کتاب دی جو ھدی و ذکری لاولی الالباب ہے	۴۰	۵۴
کفار محض ہوسِ اقتدار کے لیے ایمان نہیں لاتے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوں گے	۴۰	۵۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اللہ کی کتاب اور رسولوں کو جھٹلانے والوں کا ہولناک انجام	۴۰	۶۹ تا ۷۶
حالتِ یاس میں ایمان منظور نہیں	۴۰	۸۵
کفار کہتے ہیں ہمارے دل غلافوں میں ہیں ... ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے	۴۱	۵
مشرکین جو زکوۃ نہیں دیتے ان کے لیے ہلاکت ہے	۴۱	۶ تا ۷
وہ کہتے اللہ چاہتا تو فرشتے ہماری طرف رسول بنا کر بھیجتا	۴۱	۱۴
عقبہ کی ہٹ دھرمی	۴۱	۱۳ مع حاشیہ
قوم عاد نے ناحق تکبر کیا اور ہلاک ہو گئے	۴۱	۱۵
قوم ثمود نے ہدایت پر گمراہی کو پسند کیا	۴۱	۱۷-۱۸
روزِ حشر کفار گروہوں میں بانٹ دیئے جائیں گے	۴۱	۱۵
اُن کے کان، آنکھیں اور جلود یعنی چمڑے اُن کے خلاف گواہی دیں گے	۴۱	۲۰ تا ۲۲
قرآن مت سنو اس میں شور مچاؤ	۴۱	۲۶
انکارِ آیات کی سزا	۴۱	۲۷-۲۸
کفار اُن لوگوں کو روندنا چاہیں گے جنہوں نے اُنہیں گمراہ کیا	۴۱	۲۹
جھوٹا اور بدکار آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑاتا ہے اس کا انجام	۴۵	۷ تا ۱۱
جو اپنی خواہش کو اپنا خدا بناتا ہے اور جان بوجھ کر گمراہ ہوتا ہے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا	۴۵	۲۳
وہ صرف دنیوی زندگی کے قائل ہیں کہتے ہیں ہمیں دہر ہلاک کر دے	۴۵	۲۴
کفار قرآن کو سحر کہتے ہیں	۴۶	۷
کفار کہتے اگر یہ دین سچا ہوتا تو یہ لوگ اسے قبول کرنے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے	۴۶	۱۱
روزِ حشر کفار کو کہا جائے گا جو اچھے عمدہ کام تم نے کیے اُن کا اجر تم دنیوی زندگی میں لے چکے ہو	۴۶	۲۰
کفار خود حق قبول کرتے ہیں نہ دوسروں کو بھی روکتے ہیں	۴۷	۱
کفار کی بربادی	۴۷	۱۰
کفار عیش و عشرت اور ڈنگروں کی طرح کھانے میں مصروف ہیں	۴۷	۱۲
کفر کی حالت میں مرنے والوں کی بخشش نہیں ہو گی	۴۷	۳۴
کفار کے دلوں میں حمیتِ جاہلیہ	۴۸	۲۶
انہیں اعتراض ہے کہ رسول ان میں سے کیوں آیا	۵۰	۲
کفار خیر سے منع کرنے والے، حد سے بڑھنے والے، شک میں گرفتار وغیرہ	۵۰	۲۵، ۲۶
قرآن کریم کے بارے میں کفار کا باہمی اختلاف	۵۱	۷-۸
قیامت کا انکار اور عذاب	۵۱	۱۱ تا ۱۴
وہ حضور کو کبھی کاہن، کبھی مجنوں اور کبھی شاعر کہتے ہیں	۵۲	۲۹-۳۰
یہ اللہ کی عبادت کیوں نہیں کرتے	۵۲	۳۵-۳۶

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
کبھی تمہیں کوئی کیوں نہ بنایا	۵۲	۳۷
اللہ کے لیے بچیاں، ان کے لیے بیٹے	۵۲	۳۹
ان کے اطوار		
کفار پہلے قسمیں کھایا کرتے کہ اگر ان کے پاس کوئی رسول آیا تو وہ اس پر ضرور ایمان لائیں گے لیکن جب آیا تو تکبر کرنے لگے	۳۵	۴۳-۴۲
مجرموں کو الگ کر دیا جائے گا۔ ان کو سرزنش	۳۶	۶۷-۵۹
ان کے لبوں پر مہریں، ان کے ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے	۳۶	۶۵
اگر ہم چاہتے تو ان کو اندھا کر دیتے۔ ان کے چہرے مسخ کر دیتے	۳۶	۶۷-۶۶
انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے خدا بنائے	۳۶	۷۴
کہتے بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا اس کا جواب	۳۶	۷۹
نصیحت قبول نہیں کرتے، آیات کا تمسخر اڑاتے ہیں، قرآن کو سحر کہتے ہیں قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا رد	۳۷	۱۳ تا ۱۹
قیامت کے روز ان کی حالت	۳۷	۲۰ تا ۲۶
ایک دوسرے پر الزام تراشی	۳۷	۲۷ تا ۳۳
جب ان کو کہا جاتا کلا الٰہ الا اللہ تو تکبر کرتے اور کہتے ہم ایک شاعر اور	۳۷	۳۶-۳۵

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
مجنوں کے لیے اپنے خداؤں کو چھوڑنے والے نہیں	۳۷	۳۶-۳۵
زقوم کے ذکر پر کفار کا مذاق	۳۷	۶۲ مع حاشیہ
وہ اپنے گمراہ باپ دادا کے نقش قدم پر چلتے ہیں	۳۷	۷۰-۶۹
کیا اللہ کے لیے بیٹیاں اور ان کے لیے بیٹے	۳۷	۱۴۹تا۱۵۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساحر و کذاب کہتے	۳۸	۴
بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا۔ یہ عجیب و غریب بات ہے	۳۸	۵
اپنے عقیدہ شرک پر پکا رہنے کی تاکید	۳۸	۶
کہتے عقیدۂ توحید من گھڑت ہے	۳۸	۷
ہم رئیسوں کو چھوڑ کر یتیم عبد المطلب کو نبی بنانے میں کیا تک ہے	۳۸	۸
کیا آپ کے رب کے خزانے وہ بانٹ رہے ہیں	۳۹	۹
پہلی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو جھٹلایا اور تباہ ہوئیں	۳۸	۱۲-۱۳،۱۴
کفار فوری نزول عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں	۳۸	۱۶
سرکشوں کا انجام، دوزخ، کھولتا پانی، پیپ، آپس میں تو تو میں میں	۳۸	۵۵ تا ۶۰، ۶۱
جن کو ہم شریر اور ذلیل (مسلمان) کہا کرتے تھے وہ آج نظر نہیں آرہے	۳۸	۶۲ تا ۶۴
ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ	۳۹	۳ مع حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
زُلفیٰ اس کی تشریح، ناروا الزام اور اس کا ازالہ	۳۹	۳ حاشیہ
مشرک کھلے گھاٹے میں ہیں۔ ان کے اُوپر نیچے آگ ہی آگ ہو گی	۳۹	۱۵-۱۶
تکذیب کرنے والوں کا حشر	۳۹	۲۴-۲۵،۲۶
ان کا عبرتناک انجام		
بڑا ظالم وُہ ہے جو اللہ پر جُھوٹ باندھتا ہے اور قرآن کو جُھٹلاتا ہے	۳۹	۳۲
جب صرف اللہ کا ذِکر کیا جاتا ہے تو کڑھنے لگتے ہیں اور جب بتوں کا ذِکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں	۳۹	۴۵
ایک ناروا الزام اور اس کا رد	۳۹	حاشیہ آیت ۴۳
کفار دُنیا بھر کی دولت سے فدیہ ادا کرنا چاہیں گے حقیقت سے پردہ اس روز اُٹھے گا	۳۹	۴۷-۴۸
جب ہم اسے کوئی نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرے علم و ہُنر کا ثمر ہے	۳۹	۴۹ تا ۵۲
روزِ قیامت کفار کے مُنہ کالے ہوں گے۔	۳۹	۶۰
کفار کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا		
فرشتوں سے ان کی بات چیت	۳۹	۷۱-۷۲
کفار نے بتوں کو اپنا کارساز بنا لیا ہے	۴۲	۹
جو لوگ حجت بازی کرتے ہیں ان کا انجام	۴۲	۱۶
کفار قیامت کے لیے جلدی مچاتے ہیں	۴۲	۱۷
دُنیا کے طلبگار کو صرف دُنیا ملے گی	۴۲	۲۰ حاشیہ

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
ظالموں کے لیے عذابِ الیم	۴۲	۲۱
ظالم اپنے کرتوتوں کے باعث لرزاں ہوں گے	۴۲	۲۲
گمراہوں اور ظالموں کی حالتِ زار	۴۲	۴۴،۴۵،۴۶
منکرین کا انبیاء کے ساتھ سلوک اور اُس کا انجام	۴۳	۶،۷-۸
کفار اللہ کی اولاد مانتے	۴۳	۱۵
خُدا کے لیے بیٹیاں اور اپنے لیے بیٹے	۴۳	۱۶
اگر اسے بچی کی پیدائش کی خبر دی جاتے تو رنگ فق ہو جاتے	۴۳	۱۷-۱۸
جب فرشتوں کو بیٹیاں بنایا تو کیا یہ لوگ دیکھ رہے تھے	۴۳	۱۹
کفار کی بہانہ سازی کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم بتوں کی عبادت نہ کرتے	۴۳	۲۰
وُہ اندھی تقلید کے خوگر ہیں	۴۳	۲۱،۲۲،۲۳
سب کے گمراہ ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو ہم کفار کے گھر سونے اور چاندی کے بنا دیتے	۴۳	۳۳، ۳۴، ۳۵
جو اللہ کے ذِکر سے اندھا بنتا ہے ہم اُس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں	۴۳	۳۶
قیامت کے روز اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے	۴۳	۳۸
مجرمین کی حالتِ زار	۴۳	۷۴ تا ۷۸
انھیں کھیلنے کودنے دو	۴۳	۸۳
وُہ شک میں کھیل رہے ہیں	۴۴	۹

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
قحط سالی کا عذاب بدخانِ مبین	۴۴	۱۰-۱۱
عذاب معاف کرنے کی دعا وقتی طور پر منظور پھر عذاب الیم	۴۴	۱۲-۱۳
حضورؐ کو معلم اور مجنون کہنا	۴۴	۱۴
کفار کا دردناک انجام	۴۴	۴۳ تا ۵۰
مومنین و متقین		
غزوۂ خندق کی روشنی میں اہلِ ایمان کا کردار	۳۳	۲۲
تکالیف کے وقت ان کا جذبۂ ایمان فزوں تر ہو جاتا ہے۔ ان کی جانفشانیاں اور اجر	۳۳	۲۲،۲۳،۲۴ مع حواشی
اہلِ ایمان مرد و زن کی صفات	۳۳	۳۵
اللہ کا ذکر کرنے والوں کی شان	۳۳	۳۵ مع تتمہ
اہلِ ایمان کو کثرتِ ذکر اور تسبیح کا حکم	۳۳	۴۱-۴۲
اللہ تعالیٰ مومنین پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس کے فرشتے ان کے لیے دعائیں مانگتے ہیں	۳۳	۴۳
انھیں سلامت رہنے کی دعا اور اجرِ کریم ملے گا	۳۳	۴۴
مومنین کو فضلِ کبیر کی بشارت	۳۳	۴۷
مومنین کے لیے مغفرت اور رزقِ کریم	۳۴	۴
جنھیں اذن ہوگا وہ شفاعت کریں گے	۳۴	۲۳
اموال و اولاد نہیں بلکہ ایمان اور	۳۴	۳۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
عملِ صالح قربِ الٰہی کا ذریعہ ہیں	۳۴	۳۷
جو لوگ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں۔ اللہ کے رزق سے خرچ کرتے ہیں، ان کی تجارت نفع والی ہے	۳۵	۲۹
ان کو ان کا پورا اجر بھی ملے گا اور اپنے فضل سے مزید بھی	۳۵	۳۰
نیکیوں میں سبقت لے جانے والوں کو جناتِ عدن اور دیگر نعمتیں	۳۵	۳۳
وہ اللہ کی حمد کریں گے	۳۵	۳۴-۳۵
دعوت و نصیحت کا فائدہ اللہ سے ڈرنے والوں کو ہوتا ہے	۳۶	۱۱
مومن کی زندگی اور موت	۳۶	۲۰ تا ۲۷
اہلِ جنت کی لطف اندوزیاں مع اُن کی بیویاں، سلام کا پیغام، مفسرانہ بیانی کی تفسیر	۳۶	۵۵،۵۶، ۵۷
اللہ کے مخلص بندوں پر انعامات کی بارش	۳۷	۴۰ تا ۴۹
اہلِ جنت کا ایک منکرِ قیامت ساتھی کو یاد کرنا اور وہاں سے اس دوزخی سے بات چیت	۳۷	۵۰ تا ۵۷
اہلِ جنت کو پھر موت نہیں آئے گی۔ یہی فضلِ عظیم ہے	۳۷	۵۸ تا ۶۱
پرہیزگاروں پر نوازشات (جناتِ عدن، پھل، شرابِ طہور اور حوریں)	۳۸	۴۹ تا ۵۴
بندۂ مومن رات بھر جاگتا ہے پھر ڈرتا ہے	۳۹	۹

مضمون	سورۃ نمبر	آیت نمبر
اُس کی رحمت کی آس لگائے رہتا ہے	۳۹	۹
وُہ اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے		
صابروں کو بغیر حساب اجر ملے گا	۳۹	۱۰
جو دُنیا میں اچھے کام کرتے ہیں اُنھیں اچھا صلہ ملے گا	۳۹	۱۰
اہلِ ایمان کو مژدہ	۳۹	۱۷-۱۸
قرآن سُن کر اُن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں	۳۹	۲۰
ان کے دِل نرم ہو جاتے ہیں	۳۹	۲۳
حضورؐ پر ایمان لانے والوں کی شان	۳۹	۳۳، ۳۴، ۳۵
متقیوں کو نجات ملے گی۔ کوئی تکلیف نہ ہوگی	۳۹	۶۱
متقیوں کو جنت کی طرف لے جائیں گے وہاں ان کی عزت افزائیاں	۳۹	۷۳-۷۴
اہلِ ایمان قیامت سے خوفزدہ رہتے ہیں	۴۲	۱۸
جو آخرت کا طلبگار ہے اس پر مہربانی	۴۲	۲۰ مع حاشیہ
نیکوں پر فضلِ کبیر	۴۲	۲۲-۲۳
اہلِ ایمان کی دُعائیں قبول فرماتا ہے ویزیدھم من فضلہ	۴۲	۲۶
اہلِ ایمان کے لیے خیرٌ و ابقٰی	۴۲	۳۶، ۳۷، ۴۰
اہلِ ایمان کی صفات	۴۲	۳۸
جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو بدلہ لیتے ہیں	۴۲	۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲ مع حاشیہ
لیکن بخش دینا افضل ہے من عزم الامور	۴۲	۴۳
آخرت متقین کے لیے ہے	۴۳	۳۵
قیامت کے روز بجز پرہیزگاروں کے سب دوست دشمن ہوں گے (الاخلاء یومئذٍ)	۴۳	۶۷ مع حاشیہ
انھیں اُس روز خوف و حزن نہ ہوگا	۴۳	۶۸-۶۹
دیگر انعامات	۴۳	۷۰ تا ۷۳
جن پر اللہ رحم فرمائے گا ان کی دوستی کام آئے گی	۴۴	۴۲
متقین پر نوازشات	۴۴	۵۱ تا ۵۷
اہلِ ایمان کے لیے زمین و آسمان میں اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں	۴۵	۳
تمھاری پیدائش، حیوانات، گردشِ لیل و نہار یہ نشانیاں ہیں	۴۵	۴ - ۵
جو اللہ کو رب مانتے ہیں پھر استقامت اختیار کرتے ہیں انھیں نہ خوف اور نہ حزن ہوگا و دیگر انعامات	۴۶	۱۳
جو اللہ کے محبوبؐ پر ایمان لائے اُن کے گناہ مٹا دیئے، ان کے حالات کو درست کر دیا۔ اللہ اہلِ ایمان کا مددگار ہے کفار کا کوئی مددگار نہیں	۴۷	۱۱
اہلِ ایمان جنت میں	۴۷	۱۲
اہلِ ایمان کے لیے جنت جس میں شہد و شراب کی نہریں	۴۷	۱۵
جو ہدایت پر ہیں ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیا جاتا ہے تقویٰ بخشا جاتا ہے	۴۷	۱۷

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
آپس میں تفرقہ نہ ڈالو	۴۲	۱۳ مع حاشیہ
تفرقہ بازی کی وجہ بغی بینھم	۴۲	۱۴
جاہلوں کی طرح خواہشاتِ نفس کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے	۴۵	۱۹-۱۸

	سورۃ نمبر	آیت نمبر
(اہلِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ) مذاق مت کرو عیب چینی مت کرو۔ بُرے القاب سے مت بلاؤ	۴۹	۱۱
ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو	۴۹	۱۲ مع حواشی
اللہ کے ساتھ کسی کو خدا نہ بناؤ	۵۱	۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ

ضیاء القرآن

جلد پنجم

پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) سجادہ نشین بھیرہ

ضیاء القرآن پبلیکیشنز
گنج بخش روڈ ○ لاہور

مطبع ــــــــــ تخلیق مرکز پرنٹرز لاہور

کتابت ــــــــــ اقبال اختر۔ عبدالرحمٰن ناصر۔ خوشی محمد ناصر

متن ــــــــــ بشریہ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ کراچی

فوٹوگرافی ــــــــــ حاجی رحیم بخش (الیف۔آر۔ پروسیسنگ)

تعداد ــــــــــ تین ہزار

تاریخ طباعت ــــــــــ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ

ناشر ــــــــــ ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور

فہرست مضامین

تعارف سورۃ النجم

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام النجم ہے جو اس کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں تین رکوع باسٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمے اور ۱۴۰۵ حروف ہیں۔
زمانۂ نزول : حضرات حسن بصری، عکرمہ، عطاء، جابر اور دیگر علماء کے نزدیک یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کے مدنی ہونے کا قول محض غلط ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے : ہی اول سورۃ اعلنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ۔ یعنی یہ پہلی سورۃ ہے جس کو حضورؐ نے مکہ مکرمہ میں علانیہ مجمع عام میں پڑھ کر سنایا۔ جب آخری آیت کی تلاوت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ ریز ہوئے تو سامعین پر محویت کا ایسا عالم طاری تھا کہ مومن اور مشرک جتنے سب سجدے میں گر گئے۔ ان لوگوں میں وہ کافر بھی تھے جو قرآن سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے لیکن جب حضورؐ نے حرم شریف میں اس کی تلاوت شروع کی تو اس کے اسلوب بلیغ نے ان کو یوں وارفتہ کر دیا کہ مخالفت کے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے اور وہ اس کو سنتے ہی محو ہو گئے۔

سورۃ والنجم کے سال نزول کے بارے میں بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ یہ بعثت نبوت کے پانچویں سال ماہ رمضان میں نازل ہوئی۔ اس کی دلیل انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ یہ سورۃ جب نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں مجمع عام میں اس کی تلاوت فرمائی اور جب اس کی آخری آیت تلاوت کی فاسجدوا للہ واعبدوا تو حضورؐ نے بھی سجدہ کیا اور اس محفل میں مسلمان اور کافر جتنے حاضرین تھے سب سربسجود ہو گئے۔ اس سے یہ بات عام ہو گئی کہ تمام اہل مکہ مشرف باسلام ہو گئے ہیں۔ یہاں تک کہ یہ افواہ حبشہ میں ہجرت کر کے جانے والے مسلمانوں تک بھی جا پہنچی جو ماہ رجب میں ہجرت کر کے وہاں پہنچے تھے ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ ان میں سے بعض تو حبشہ میں ہی سکونت پذیر رہے لیکن بعض نے فیصلہ کیا کہ جب اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں تو ظلم و ستم کا دور ختم ہو گیا ہوگا۔ اس لیے جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بجائے ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ چنانچہ وہ ماہ شوال میں مکہ پہنچے لیکن یہاں وہی کفر و شرک کی ظلمت چھائی ہوئی تھی اور مسلمانوں پر حسب سابق ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اب ان لوگوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ مشرکین میں سے کسی کی پناہ لے کر مکہ میں داخل ہوں یا اس طرح چوری چھپے اپنے شہر میں داخل ہوں کہ کسی کافر کو ان کی واپسی کی خبر تک نہ ہو۔ اس واقعہ سے ان مصنفین نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ نبوت کے پانچویں سال ماہ شوال سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے ماہ رمضان کو اس کے نزول کا مہینہ متعین کیا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ استدلال کئی وجوہ سے ناقابل تسلیم ہے۔
اس سورت کے مضامین اس قول کی تردید کرتے ہیں کہ اس کا نزول بعثت کے پانچویں سال میں ہوا کیونکہ اس کی ابتدائی آیات میں معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے خصوصاً عند سدرۃ المنتہی عندھا جنۃ الماویٰ یہ وہ آیتیں ہیں جو قطعی دلالت

کرتے ہیں کہ اس سورت کے ابتدائی حصہ میں ان احوال کا بیان ہے جو سفرِ معراج میں پیش آئے کیونکہ علیٰ اختلاف الروایات وہاں جبرئیل امین کا دیدار ہوا یا رویتِ باری کا شرف حاصل ہوا، جو بوقتِ حصول بسدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر ہوئی اور سدرۃ المنتہیٰ پر حضور کی معراج [uncertain reading] کی رات میں تشریف آوری ہوئی ہے اس سے پہلے نہیں ہوئی اور معراج کے بارے میں محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال یا ڈیڑھ سال قبل وقوع پذیر ہوا۔ اس لیے وہ سورت جس میں ایسا واقعہ مذکور ہے جو نبوت کے دسویں یا گیارہویں سال رونما ہوا۔ اس سورت کا نزول نبوت کے پانچویں سال میں کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔ دوسری وجہ جو اس قول کی تردید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ علامہ ابن ہشام نے اپنی سیرت کی شہرۂ آفاق کتاب میں مہاجرینِ حبشہ کے حالات کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حتیٰ کہ تمام مہاجرین کے اسماء اور ان کے قبائل کے نام بھی بالترتیب درج کیے ہیں۔ وہ آخر میں لکھتے ہیں وبلغ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الذین خرجوا الی ارض الحبشۃ اسلام اھل مکۃ فاقبلوا لما بلغھم من ذلک حتی اذا دنوا من مکۃ بلغھم ان ما کانوا تحدثوا بہ من اسلام اھل مکۃ کان باطلا۔ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۳۸۸ ج ۱)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ اصحاب جو سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے انہیں یہ اطلاع ملی کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر وہ واپس لوٹے لیکن جب وہ مکہ کے نزدیک پہنچے تو انہیں معلوم ہوا کہ اہل مکہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع جھوٹی تھی۔

اس روایت میں نہ تو علامہ موصوف نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور نے سورۃ النجم کی تلاوت کی اور اسے سن کر تمام کفار نے سجدہ کیا اس وجہ سے یہ افواہ مہاجرینِ حبشہ کو ملی تھی اور نہ انہوں نے مہاجرین کی واپسی کے لیے نبوت کے پانچویں سال کے ماہ شوال کو متعین کیا ہے۔ اگر یہ روایت قابلِ اعتنا ہوتی تو علامہ موصوف جیسے مؤرخ جو تمام تفصیلات کا احاطہ کیا کرتا ہے ان دونوں چیزوں کا تذکرہ بھی ضرور کرتے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے ہجرتِ حبشہ کا مفصل حال نقل کیا ہے اس میں بھی واپسی کے بارے میں سورۃ النجم کے نزول کا کوئی ذکر نہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب سورۃ النجم نازل ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں ایک مجمع عام کے سامنے اس کی تلاوت کی اور آیتِ سجدہ کی تلاوت کے بعد حضور نے خود بھی سجدہ کیا اور تمام حاضرین نے جن میں مسلمان کافر جن و انس سب شامل تھے۔ اس روایت میں نہ حبشہ کے مہاجرین کی واپسی کا ذکر ہے اور نہ پانچویں سال کا تذکرہ ہے۔

امام مسلم، ابوداؤد، نسائی اور دیگر مستند محدثین نے اسی طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ وہ روایت جس میں سورۃ النجم کی تلاوت اور تمام حاضرین کے سربسجود ہونے کے ساتھ ساتھ مہاجرینِ حبشہ کی واپسی کا بھی تذکرہ ہے اس میں تلک الغرانیق العلیٰ والے من گھڑت الفاظ پڑھنے کا بیان بھی ہے جس کی علماء محققین نے شدت سے تکذیب بھی کی ہے اور عقلی و نقلی دلائل سے اس کی تردید بھی کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے سورۂ حج کی آیت ۵۲ کا حاشیہ ضیاء القرآن جلد سوم صفحہ ۲۲۳ تا ۲۲۶۔

اس لیے وہ روایت قطعاً اس قابل نہیں کہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے سورۃ النجم کے نزول کے لیے نبوت کا پانچواں سال متعین کیا جائے۔

بیشک حبشہ میں یہ افواہ پہنچی تھی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی جو اس روایت میں بیان کی گئی ہے بلکہ اس کا باعث یہ امر تھا کہ اہل مکہ سے ترکِ وطن کے بعد دو ایسی ہستیاں مشرف باسلام ہو گئی تھیں جن کی قوت، شجاعت اور ہیبت سے سارا کفر خائف اور لرزاں رہتا تھا یعنی

حضرت سیدنا حمزہ اور حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تھا ۔ ان کے مشرف باسلام ہونے سے مسلمانوں کی بے بسی و بیکسی کا خاتمہ ہو گیا تھا اب وہ کھلے بندوں حرم کعبہ میں عبادت کیا کرتے اور با جماعت نماز ادا کرتے ۔ اس خوش کن تبدیلی کے باعث یہ افواہ مکہ کے قبائل میں پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں ادھر یا حبشہ کے مہاجرین نے بھی یہ خبر سنی نیز حبشہ میں بھی نجاشی کے خلاف شورش برپا ہونے لگی تھی حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے خلاف آئے دن بغاوتیں شروع ہو گئی تھیں ۔ ان وجوہات کے باعث مسلمانوں نے مکہ واپس آنے کا عزم کیا لیکن جب وہ مکہ پہنچے ، تو یہاں حالات ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھے اسلئے ان میں سے جو وہاں کسی کی پناہ لیکر آرام کی زندگی بسر کر سکتے تھے وہ وہیں رک گئے اور اکثر حبشہ واپس چلے گئے ۔ شیخ محمد ابو زہرہ مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت کی کتاب خاتم النبیین میں اس افواہ کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے جو قرین قیاس ہے کہ عمرو بن عاص جب نجاشی کو اس بات پر برانگیختہ کرنے میں ناکام رہا کہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکل جانے کا حکم دیدے تو انہیں اپنی یہ ناکامی بہت گراں گزری انہوں نے یہ چال چلی کہ اس خبر کو حبشہ میں اپنے کارندوں کے ذریعے مشہور کر دیا کہ اہل مکہ مسلمان ہو گئے ہیں ان کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مسلمان خود بخود اپنے وطن واپس چلے آئیں گے اور ہم ان کو دوبارہ پکڑ لیں گے اور ظلم و ستم سے جس طرح چاہیں گے ان کا کچومر نکال دیں گے ۔
بہرحال اس افواہ کے مشہور ہونے کی کوئی اور وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وجہ ہرگز نہیں ہو سکتی جو اس روایت پر اعتماد کرنے والے مصنفین نے ذکر کی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب ۔

مضامین : اس سورت میں سب سے پہلے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے جو کفار حضور علیہ السلام پر عائد کیا کرتے تھے کبھی کہتے یہ راہ راست سے بھٹک گئے ہیں یہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں اپنی ساری قوم کی تکذیب کرتے ہیں خود ہی کلام گھڑ کر سناتے ہیں اسے خود گھڑ کر لاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ۔ پہلی آیتوں میں قسم اٹھا کر ان الزامات کی تردید فرمائی ۔ ما ضل صاحبکم وما غوی ...... الخ ۔ ساتھ ہی یہ بتا دیا کہ نہ خود ان آیتوں کو گھڑتے ہیں اور نہ سنی سنائی باتیں کرتے ہیں بلکہ جو آیات انہیں یہ کلام بلاغت نظام سناتی ہے اسکا انہوں نے دیدار بھی کیا ہے ۔ بات شنید تک محدود نہیں بلکہ دید تک جا پہنچی ہے اسلئے کفار کا اس کلام کے بارے میں الجھنا اور شکوک و شبہات میں مبتلا ہونا بے سود ہے ۔ اس کے بعد کفار کو خطاب فرمایا کہ تم جن لات و منات اور عزیٰ سے چمٹے ہوئے ہو ان کی بنیاد وہم و گمان پر ہے ان کی حقیقت ثابت کرنے کیلئے نہ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے ۔ تم اپنے نفس کی خواہشات کے اسیر ہو ... ان باتوں ... کی ضرورت محسوس ہی نہیں کی ۔ تم خود سوچو کیا ... تمہارے کہنے سے حق باطل بن جائیگا اور تمہارے انکار سے حق مٹ جائیگا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم نفس کی اندھی پیروی کو ترک کر دو اور چشم حقیقت شناس سے حق کے رخ زیبا کو دیکھو اور پہچانو ۔
اسکے باوجود کفار اپنے آپ کو ہدایت یافتہ یقین کرتے تھے ۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ ان کی راہ سے ہٹ گئے ہیں وہ گمراہ ہیں ۔ بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو بہتر جانتا ہے کہ کون کس حال میں ہے ؟ کون گم کردہ راہ ہے ؟ اور کس کے دل کو نور ہدایت سے منور کر دیا گیا ہے ؟
بعد ازاں چند ایسے احکام کا ذکر کیا جو قرآن کریم کے نزول سے ہزاروں سال پہلے نازل ہونے والے صحیفوں میں مندرج تھے جو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے تاکہ جنہیں ابراہیمی نسبت پر فخر و ناز ہے انہیں معلوم ہو جائے کہ نبی کریم کوئی نیا دین اور زندگی کے لیے کوئی انوکھا نظام لے کر نہیں آئے بلکہ یہ انہی سچائیوں کی دعوت دے رہے ہیں جن کی دعوت پہلے انبیاء دیتے رہے ہیں خصوصاً حضرت ابراہیم خلیل جن کی تم اولاد ہو جن کے تعمیر کردہ کعبے کی مجاوری کے باعث تم جہاں جاتے ہو لوگ فرط عقیدت سے تمہاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں ۔

آخر میں تنبیہ فرمائی کہ ان سچائیوں کا انکار کرنے والے تم پہلے لوگ نہیں ہو تم سے پیشتر بھی کئی بدنصیب قوموں نے ان کو ماننے سے انکار کیا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تباہ کر دی گئیں۔ اگر تمہارا بھی یہی وتیرہ رہا تو سن لو اس کا نتیجہ بھی مختلف نہ ہوگا۔ اس نصیحت پر اس سورت کا اختتام ہوا۔ آج کہ اے منکرین باز آجاؤ! کلام الٰہی سن کر تم خود بخود ہنستے ہو اور ٹھٹھے لگاتے ہو بڑی بے پرواہی سے گزر جاتے ہو۔ یہ ضلالت کی گھڑیاں تم پر چھا گئی ہیں۔ پھر واویلا کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا تمہاری نجات اسی میں ہے کہ تم ابھی اور اسی وقت اپنے خالق و مالک کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤ اور اس کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَسِتُّوْنَ آيَةً

سورۃ النجم مکی ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۶۲ آیات اور تین رکوع ہیں

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

قسم ہے اس تابندہ ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ نہیں بھٹکا تمہارا (ہم نشین) راہ حق سے اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی

۱؎ آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔ نجم ۔ مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں یا النجم ذکر کر کے اس سے ثریا مجموعہ مراد لیا گیا۔ اہل عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنی لیے جا سکتے ہیں۔ ھَوٰی ۔ یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے باب علم یعلم ۔ ھَوِیَ یَھْوٰی۔ اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔ ھَوًی ۔ اَحَبَّهٗ ۔ دوسرا باب ضرب یضرب ۔ ھَوٰی یَھْوِیْ جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ دو متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے نیچے گرنا اور اوپر چڑھنا۔ چنانچہ ھوی الشیئ ای سقط من علو الی اسفل او ارتفع وصعد۔ جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں ھوی الشیئ اور جب کوئی چیز نیچے سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں ھوی الشیئ ۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا۔ نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھُوِیًّا اور چڑھنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ھَوٰی یَھْوِیْ ھَوِیًّا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی کا علم ہوتا ہے فضا کو اپنی تابانی سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحراؤں کا مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کر سکتا اس لیے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا غروب ہو رہا ہو کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ھو النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج و یجوز علی ھذا ان یراد بھویہ صعودہ و عروجہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی منقطع الاین۔ (روح المعانی)

یعنی النجم سے مراد ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء ہے۔ اِذَا ھَوٰی سے مراد حضور کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا ہے۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اذا ھوی سے یہ مراد لیا جانا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔

قرآن کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہوا اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔ قیل اراد بہ القران النجم المنزل قدرا فقدرا۔

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہل نظر پر عیاں ہے۔

۲؎ یہ جواب قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے ملاحظہ فرمایئے آیت میں صاحبکم سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝ عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ

خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے۔ جو بڑے دانا ہیں۔

کی ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی ساتھی اور مالک بھی ہے کہتے ہیں صاحب البیت، گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت کثرت سے ہو۔ لا یقال الا لمن کثرت ملازمتہ (مفردات) علامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الضلال العدول عن الطریق المستقیم ویضادہ الھدایۃ ویقال الضلال لکل عدول عن المنھج عمدا کان او سھوا یسیرا کان او کثیرا (مفردات) یعنی صراط مستقیم سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے۔ بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر ہو، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو، اس کو ضلال کہتے ہیں اور غیّ غوی کا مصدر ہے، غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الغی جھل من اعتقاد فاسد۔ (مفردات) یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں: الغوایۃ ھی الخطاء فی الاعتقاد خاصۃ والضلال اعم منھا یتناول الخطاء فی الاقوال والافعال والاخلاق والعقائد۔ (روح البیان) یعنی غلط عقیدہ کو غوایہ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

حضور رحمت عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں، اپنی قوم کو ضلالت میں ڈال دیا ہے ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق تاروں نے ستاروں کی قسم کھائی ہے اور ان کے الزامات کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، فعل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں ہے ان کے عقیدے میں کوئی غلطی اور کجی نہیں ہے اور صاحبکم فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی کہ یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیار غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دعویٰ شروع کر دیا ہے تم ان کے بچپن سے ان کے عنفوان شباب تک ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا ان کا عہد شباب اسی ماحول میں اور تمہارے درمیان اس شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے سماجی تقریبات اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ، پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح درخشاں ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی کتنا دلنشیں، جچا تلا اور مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت سے ووجدک ضالاً فھدی کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں ضال کا معنی گمراہ نہیں بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی ہے۔ تحقیق سورۃ الضحیٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔

۴ے یہ آیت نکتہ مزید نمایاں کر رہی ہے یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہش نفس سے لب کشائی بھی نہیں کرتے۔ ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

۵ے ھُوَ کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں تو یہ جو کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سنا رہے ہیں وہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا: یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے بعینہ وہ اسی

طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں اس میں سرمو تبدیلی ناممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھُوَ کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول تو من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہو اسے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے اس آیت کے پیش نظر حضور کے اجتہاد کا انکار کیا ہے یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور جو بات بطور اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: ان اللہ اذا سوغ له علیه الصلوٰۃ والسلام الاجتهاد كان الاجتهاد وما يستند اليه وحيا لا نطقا عن الهوى (روح المعانی)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں میں ہر وہ چیز جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنتا لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض اصحاب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیتے ہو حالانکہ حضور انسان ہیں کبھی غصہ میں بھی کوئی بات فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجہ بیان کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا خَرَجَ مِنِّي إِلَّا الْحَقُّ۔ اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔ اس مسئلہ پر مزید تحقیق کے لیے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف سنت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

ف اس آیت سے لے کر لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات کی نص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے اور ایسے ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہو سکتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی اپنی بساط اور تحقیق کی روشنی میں ہر کسی کو حق پہنچتا ہے کہ ان دونوں اقوال میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں لیکن یہ حق ہرگز نہیں کہ دوسرے مسلک کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہاں ہم پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کریں گے ان شاء اللہ اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کر لیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک شَدِيْدُ الْقُوٰى سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں یعنی جبرئیل امین نے حضور کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے شدید القوی ہونے میں کس کو کیسے شک ہو سکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جاتے، جو وحی کے بار گراں کا متحمل ہو، جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا، پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کر کے پھینک دیا، ایسی ہستی کی قوت و طاقت کا کیا کہنا

فَاسْتَوٰى ۙ﴿۶﴾ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۭ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ

پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا ۶ اور وہ سب سے اونچے کنارہ پر تھا ۷ پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا ۸ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ

۵ مِرَّۃٍ: اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ اصلہ من شدۃ فتل الحبل (قرطبی) اسی لیے ذو مرۃ کا معنی ذو قوۃ یعنی طاقتور اور زور آور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے حکیم اور دانا کو بھی ذو مرۃ کہتے ہیں۔ وقال قطرب: تقول العرب لکل جزل الرای حصیف العقل ذو مرۃ (قرطبی)

شدید القوٰی سے حضرت جبریل کی جسمانی قوت کا بیان ہے اور ذو مرۃ سے ان کی دانشمندی اور عقلمندی کا ذکر ہے۔ جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی اس کی دانشمندی اور فرزانگی کے بارے میں کیسے شک ہو سکتا ہے۔

۶ فاستوٰی کا فاعل بھی جبریل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے فاستقام علی صورتہ الحقیقیۃ التی خلقہ اللہ تعالیٰ علیہا۔ یعنی جبریل امین اپنی حقیقی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی اصلی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں مشرقی افق پر جبریل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کے مشرقی و غربی کنارے بھر گئے۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبریل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا۔

فاستوٰی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوی القرآن فی صدرہ۔ یعنی جو قرآن جبریل نے آپ کو سکھایا وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

۷ ھُوَ کا مرجع بھی جبریل امین ہیں۔ الافق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اَلْاَعْلٰی: بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبریل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

۸ دَنَا اور تَدَلّٰی دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبریل امین ہیں۔ دنٰی کا معنی ہے قریب ہونا اور تدلّٰی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کو کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے کے ہاتھ میں ہو تو کہتے ہیں اَدْلٰی دَلْوًا۔ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ الدوالی: الثمر المعلق کعناقید العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہو اس کے بارے میں بھی کہتے ہیں: دَلّٰی یُدَلِّیْ رِجْلَیْہِ مِنَ السَّرِیْرِ (روح المعانی)

علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التدلی: النزول الی الشیء حتی یقرب منہ۔ اس صورت میں آیت

قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ﴿۹﴾ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ

اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا [۱۳] پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی [۱۴] نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا

مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾

(چشم مصطفیٰ نے) [۱۵] کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا [۱۶] اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا [۱۷]

کا مفہوم ہوگا کہ جبریل جو اپنی اصلی شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت افق اعلیٰ پر نمودار ہوئے تھے وہ حضور کے نزدیک آئے اور اونچائی کی بلندی سے نزول کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

۱۳؎ جبریل امین رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہو گئے اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔ قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین، قوس یعنی کمان کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لیے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ پھر ان ملی ہوئی کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہوں گے۔

بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیے جانے لگے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبریل رسول کریم کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ او ادنیٰ کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغائرت باقی رہتی ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ آیت میں اَوْ تشکیک کے لیے نہیں بلکہ بَلْ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وارسلنٰہ الیٰ مائۃ الف او یزیدون یعنی بل یزیدون (مظہری)

۱۴؎ اَوْحٰى کا فاعل بھی جبریل ہے۔ عبدہٖ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے یعنی جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اَوْحٰى کا فاعل تو جبریل اور دوسرے اَوْحٰى کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبریل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبریل پر وحی کی تھی۔

۱۵؎ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبریل امین کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبریل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب نہیں۔ نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آئے۔ بعض اوقات ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے دوچار ہونا پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے لیکن دل اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے۔ آنکھیں جبریل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبریل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس [۱۸] اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے [۱۹] جب سدرہ پر

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ

چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا [۲۰] نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفےٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی [۲۱] یقیناً انہوں نے اپنے

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھا ہے۔ جس طرح ان کو جناب الٰہی سے نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے۔ اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے، جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں، جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے، ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ جیسے اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے، چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

[۱۷] تمارون۔ المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ من المراء وھو المجادلۃ یعنی اے کفار! تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

[۱۸] تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

[۱۹] دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی۔ سدرۃ: عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ منتہیٰ: آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ ہو گا کہ بیری کا وہ درخت جو ساری جہان کی آخری سرحد ہے۔ اس کے بارے میں کتاب و سنت میں جو کچھ ہے ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دینی یا دنیوی مفاد ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں یا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

[۲۰] ماویٰ: اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے، آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے، علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں، جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

[۲۱] یعنی جن انوار و تجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لیے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر و بیان سے ماوراء ہے، اسی طرح فہم و ادراک کی رسائی سے بھی بالاتر

ہے۔ اس دلآویز منظر کی تصویر کشی اس سے بہتر شکل میں نہیں کی جا سکتی جو ان الفاظ میں کی گئی ہے اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى۔

۱؎ علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں۔ الزیغ: المیل وقد زاغ یزیغ وزاغ البصر ای کل (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا، ادھر ادھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ ادھر ادھر دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں، درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں، بلکہ جی بھر کر ان جلووں کا دیدار کیا۔

وما طغٰی سے اپنے حبیب کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغی کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغی یطغی ویطغو ای جاوز الحد (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتب فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادہ کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتب فکر کے علمائے اسلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علمہ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ شدید القوی اور ذو مرۃ اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا مالک ہے اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح الرحمٰن علم القرآن میں صراحۃً مذکور ہے۔

فاستوی کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کر گئے ہوئے لامکاں میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں نیاز مند ہو کر فتدلی (سجدہ ریز ہو گئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا کمان کی دو نوکیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی نازل فرمائی۔ اس حریم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ ہوا ہے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کیا تم جھگڑا کرتے ہو اس چیز پر جو دیکھا تو انہیں دیکھا۔ یعنی یہ ہے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دیدار شرف سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس گروہ تفسیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ جبریل کی جبریل سے ملاقات کو اس اہتمام اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبریل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف آمیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبد کامل کی اپنے معبود برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے نیاز ہے جلوہ افروزی ہے اور دوسری طرف حسن ہے شان محبوبیت ہے اور شان بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور کی ملاقات جبریل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے لیکن حضور کے لیے باعث ہزار سعادت و وجہ فضیلت فقط اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو

ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدانی اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ کر لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے بلکہ اس خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو قرآن کے معیار فصاحت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تو بھی احادیث صحیحہ میں واقعات معراج کا بیان ہے وہ اس مفہوم کی تائید کے لیے کافی ہیں۔ ہم یہاں تعدد احادیث نقل کرنے پر اکتفا کریں گے اور ان کا بھی صرف وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

امام مسلم اپنی صحیح میں ایک مفصل حدیث روایت کرتے ہیں جس کا وہ حصہ درج ذیل ہے جس کا ہمارے مدعا سے تعلق ہے۔

"............ ثم عرج بنا الی السماء السابعة فاستفتح جبریل فقیل من هذا قال جبریل قیل ومن معك قال محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قیل وقد بعث الیه قال قد بعث الیه ففتح لنا فاذا انا بابراهیم علیه الصلوٰة والسلام مسنداً ظهره الی البیت المعمور واذا هو یدخله كل یوم سبعون الف ملك لا یعودون الیه ثم ذهب بی الی السدرة المنتهیٰ فاذا ورقها كآذان الفیلة واذا ثمرها كالقلال قال فلما غشیها من امر الله ما غشی تغیرت وما احد من خلق الله یستطیع ان ینعتها من حسنها فاوحی الی ما اوحی ففرض علی خمسین صلوٰة فی كل یوم ولیلة فنزلت الی موسیٰ علیه السلام فقال ما فرض ربك علی امتك قلت خمسین صلوٰة قال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف فان امتك لا یطیقون ذلك فانی قد بلوت بنی اسرائیل وخبرتهم قال فرجعت الی ربی فقلت یا رب خفف علی امتی فحط عنی خمساً فرجعت الی موسیٰ وقلت حط عنی خمساً قال ان امتك لا یطیقون ذلك فارجع الی ربك فاسئله التخفیف قال فلم ازل ارجع بین ربی وبین موسیٰ علیه السلام حتی قال یا محمد انهن خمس صلوات كل یوم ولیلة لكل صلوٰة عشر فذلك خمسون صلوٰة ومن هم بحسنة فلم یعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشراً ومن هم بسیئة فلم یعملها لم تكتب شیئاً فان عملها كتبت سیئة واحدة قال فنزلت حتی انتهیت الی موسیٰ علیه السلام فاخبرته فقال ارجع الی ربك فاسئله التخفیف وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم فقلت قد رجعت الی ربی حتی استحییت منه"

(مسلم شریف جلد اول ص ۹۱)

"............ پھر مجھے اور جبرئیل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبرئیل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبرئیل نے کہا محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبرئیل نے کہا ہاں۔ پس دروازہ کھولا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور

مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا تو وہ اتنا خوبصورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمائیے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا اپنے رب کی طرف واپس جائیے اور تخفیف کی التجا کیجیے آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے تو بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے میرے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں . . . . . . چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں اگرچہ پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لیے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں نیچے آ کر موسیٰ کے پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے اور تخفیف کے لیے عرض کیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں اب مجھے شرم آتی ہے۔"

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لیے عرج بنا جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس سے آگے جبرئیل کی پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا۔ اس لیے ذھب بی میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فاوحی الی ما اوحی اور فاوحی الی عبدہ ما اوحی میں جو یکسانیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر فرض کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے تو وہ بارگاہ الٰہی میں واپس لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت و جلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔ دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی ما کذب الفؤاد ما رای . . . ولقد راٰہ نزلۃ اخری ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نور بر نور۔ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھوں گا لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔

قربان جائے انسان اللہ تعالیٰ کے محبوب کی بندہ نوازیوں پر اور قربان جائے انسان اس کے رب کریم کی بندہ نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی تو پہلے پچاس فرض

کہنے میں کونسی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے احسان کا قائل کرنا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہو رہا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بار گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے علاوہ یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لیے التجا کی تو ایک بار ہی پچاس نمازیں کیوں نہ معاف کر دی گئیں؟ اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے، میں دیتا جاؤں، وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے اس سے بھر کر لطف اندوز نہیں ہو سکا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ان نمازوں کو ادا نہ کر سکے۔ اس دن سے امت شکر گزار ہے کہ وہ جو پیش کرتے ہیں پانچ ہیں اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہو گی۔ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری حصے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آئیے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبي الصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابراهيم قال ابن شهاب واخبرني ابن حزم ان ابن عباس وابا حبة الانصاري يقولان قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم عرج بي حتى ظهرت لمستوى اسمع فيه صريف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ففرض الله على امتي خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام فقال موسى ماذا فرض ربك على امتك قال قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لي موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربي فوضع شطرها الخ

(مسلم شریف ص ۹۳ مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ترجمہ "۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حضور فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبریل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری کہا کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر وہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جائیے آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا ۔ ۔ ۔ الخ"

ان خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھیے کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبریل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبریل واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القویٰ سے لے کر ما زاغ البصر و ما طغیٰ تک کی آیات کو جبریل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال و واقعات پر جو زبان رسالت

سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم۔

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ہمنوا اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا۔ لیکن حضرت ابن عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہمنواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آئیے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے کیونکہ انبیا کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱۔ عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ و فی قولہ ما کذب الفؤاد ما رایٰ وفی قولہ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ۔ رایٰ جبریل علیہ السلام لہ ستمائۃ جناح۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبریل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔

۲۔ ما کذب الفؤاد ما رایٰ، قال ابن مسعود رایٰ رسول اللہ جبریل فی حلۃ من رفرف قد ملا ما بین السماء والارض۔ (رواہ الترمذی)

ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کو ایک ریشمی مخملی پوشاک میں دیکھا کہ آپ نے آسمان و زمین کے مابین خلا کو پر کر دیا۔

۳۔ وللترمذی والبخاری فی قولہ تعالیٰ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ۔ قال ابن مسعود رایٰ رفرفا اخضر سد افق السماء۔

ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رایٰ الآیۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔

۴۔ عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفۃ فسالہ عن شیء فکبر حتی جاوبتہ الجبال فقال ابن عباس انا بنو ہاشم فقال کعب ان اللہ قسم رؤیتہ وکلامہ بین محمد و موسیٰ۔ وکلم موسیٰ

مرتین ورآہ محمد مرتین. قال مسروق فدخلت علی عائشة فقلت هل رای محمد ربه فقالت لقد تکلمت بشیء قف له شعری قلت رویدا ثم قرأت لقد رای من آیات ربه الکبری فقالت این یذهب بك انما هو جبرئیل من اخبرك ان محمدا رای ربه ...... فقد اعظم الفریة ولکنه رای جبرئیل ولم یره فی صورته الا مرتین. مرة عند سدرة المنتهی ومرة فی اجیاد قد سد الافق (رواہ الترمذی)

ترجمہ: شعبی کہتے ہیں عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے یعنی کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں۔ تو کعب نے کہا: گویا یہ حضرت ابن عباس کے سوال کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ علیہما السلام۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم! ذرا ٹھہریے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رای الخ تو آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو۔ اس سے مراد تو جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے۔ بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں: عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشة فقالت یا ابا عائشة ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد اعظم علی الله الفریة قلت ما هن قالت من زعم ان محمدا رای ربه فقد اعظم علی الله الفریة قال وکنت متکئا فجلست فقلت یا ام المؤمنین انظرینی ولا تعجلینی الم یقل الله تعالی ولقد رآه بالافق المبین ولقد رآه نزلة اخری فقالت انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فقال انما هو جبرئیل علیه السلام لم اره علی صورته التی خلق علیها غیر هاتین المرتین رایته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بین السماء والارض فقالت اولم تسمع ان الله عزوجل یقول لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار وهو اللطیف الخبیر. اولم تسمع ان الله یقول وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا. الآیة (مسلم)

ترجمہ: مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے فرمایا اے مسروق (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے ام المومنین! میری طرف دیکھیے۔ جلدی نہ کیجیے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے

نہیں فرمایا۔ ولقد رآہ بالافق المبین کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا آپ نے جواب دیا اس امت سے میں پہلی ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ . . . . . اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وما کان لبشر الآیۃ کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔ (مسلم)

۵۔ روی الشیخان قال مسروق قلت لعائشۃ این قولہ ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی قالت ذاک جبرئیل کان یاتیہ فی صورۃ رجل وانہ اتاہ فی ھذہ المرۃ فی صورتہ التی ھی صورتہ فسد الافق۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل ملاحظہ فرمایئے جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱۔ عن ابن عباس ما کذب الفؤاد ما رای ولقد راٰہ نزلۃ اخری قال راٰہ بفؤادہ مرتین (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں قال ابن عباس رای محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ربہ قال عکرمۃ قلت الیس اللہ یقول لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار قال ویحک ذاک اذا تجلی بنورہ الذی ھو نورہ وقد رای ربہ مرتین۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا عکرمہ آپ کے شاگرد کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم پر سمجھے نہیں یہ اس وقت ہے جبکہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بابن عباس کرد و پرسید کہ ھل رای محمد ربہ؟ پس جواب گفت رادپس ابن عمر تسلیم نمود و تلقی بقبول کرد و رد و انکار نکرد۔ (اشعۃ اللمعات جلد چہارم صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد و انکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایات نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمہ باسناد قوی عن انس قال رأی محمد ربہ و بہ قال سائر اصحاب ابن عباس وکعب الاحبار والزھری وصاحبہ معمر۔

ترجمہ: ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔

۳۔ اخرج النسائی باسناد صحیح وصححہ الحاکم ایضا من طریق عکرمۃ عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلۃ لابراھیم والکلام لموسیٰ والرؤیۃ لمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے تھے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لیے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لیے اور دیدار کی سعادت محمد رسول اللہ کے لیے ہے۔

۴۔ امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں، قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھل رأیت ربک قال نور انی اراہ۔ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے۔ نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ، دوسرا نُوْرَانِیٌّ اَرَاہُ۔ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا، ابوذر کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے، میں نے اسے دیکھا۔

۵۔ مسلم کے اسی صفحہ پر ایک روایت ہے، عن عبد اللہ بن شقیق قال قلت لابی ذر لو رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لسألتہ فقال عن ای شیء کنت تسألہ قال کنت اسألہ ھل رأیت ربک قال ابوذر قد سألتہ فقال رأیت نورا کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔

۶۔ حکی عبد الرزاق عن معمر عن الحسن انہ حلف ان محمدا رأی ربہ (عمدۃ القاری بحث ۱۹۵ جلد ۱۱) کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا۔

۷۔ واخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن زبیر اثباتھا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے میں لکھا، وروی الخلال فی کتاب السنۃ عن المروزی قلت لاحمد انھم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رأی ربہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شیء یدفع قولھا۔ قال

بقول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم رأيت ربي قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اكبر من قولها. (فتح الباری صفحہ ۴۹۳ جلد ۸)

ترجمہ: مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین یہ کہا کرتی تھیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا حضور کے اس ارشاد کے ساتھ (رأیت ربی) کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا، حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کیے جاتے ہیں۔ ان میں بعض صحابہ مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

واذا صحت الروايات عن ابن عباس في اثبات الرؤية وجب المصير الى اثباتها فانها ليست مما يدرك بالعقل ويؤخذ بالظن وانما يتلقى بالسماع ولا يستجيز احد ان يظن بابن عباس انه تكلم في هذه المسألة بالظن والاجتهاد ثم ان ابن عباس اثبت شيئا نفاه غيره والمثبت مقدم على النافي.

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا ہے تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں، دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الحاصل ان الراجح عند اكثر العلماء ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأى ربه بعيني رأسه ليلة الاسراء .... وهذا مما لا ينبغي ان يتشكك فيه. کہ حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں اسی کے اگلے صفحہ پر حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے ولقد رآه بالافق المبين اور ولقد رآه نزلة اخرى کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور نے فرمایا وہ جبریل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے ولقد رآه بالافق المبين کے بارے میں حضور

سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے کیونکہ یہ آیت سورۂ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرئیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے وانہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین۔ یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے تھے اسے افق مبین کہا گیا ہے لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ ھو بالافق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو تمام آفاق سے بلند تر ہو یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اسی لیے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر و تشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں :

وانا اقول برؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم ربہ سبحانہ وبدنوہ سبحانہ علی الوجہ اللائق (روح المعانی)

اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب میں فرماتے :

راٰہ راٰہ حتی ینقطع نفسہ (روح المعانی)

ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلہ پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقمطراز ہیں :

ولکنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشرف برؤیتہ تعالیٰ ومن علیہ بجمالہ وکرمہ وتفضل علیہ بنوالہ و افاض علیہ من افضالہ فرآٰہ کما یلیق بہ جل مجدہ وتعالیٰ شانہ مرتین الا انہ راٰہ کما یرٰی الحبیب الی الحبیب والعبد الی مولاہ لا یستطیع ان یکف عنہ نظرہ ولا ہو یستطیع ان یشخص الیہ بصرہ وہو قولہ تعالیٰ ما زاغ البصر وما طغٰی (فیض الباری شرح البخاری)

ترجمہ : حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل و احسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا جس طرح امام احمد نے فرمایا ہے لیکن دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ تو آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر نظر دیدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے ما زاغ البصر وما طغٰی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔ والحمد للہ علی ذٰلک۔

أٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿١٨﴾ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ

رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں ۱۳ بھلا کافرو! کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں ۱۴ اور منات کے بارے میں جو

۱۳ آیات کبریٰ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والمراد بالآیات العجائب الملکوتیة التی رآها فی لیلة المعراج فی مسیره وعوده من البراق والسموات والانبیاء والملائکة والسدرة المنتهی وجنة المأوی. (تفسیر مظہری)

یعنی آیات کبریٰ سے مراد عالم ملکوت کی وہ عجیب و غریب چیزیں ہیں جن کا مشاہدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سفر معراج پر جاتے ہوئے اور واپسی کے دوران میں کیا جیسے براق، سمٰوات، انبیاء، فرشتے، سدرۃ المنتہیٰ، جنت الماویٰ وغیرہ۔

پھر علامہ مذکور فرماتے ہیں اگرچہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی بہت بڑی نشانی ہے ان اشیاء کو آیات کبریٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کے ساتھ جن مخصوص تجلیات کا تعلق ہے اور اللہ کی رحمتوں اور برکات کا نزول جس کثرت سے ان پر ہوتا ہے وہ کسی دوسری آیت کو نصیب نہیں۔

۱۴ خداوند ذوالجلال کی صفات کمال کے بیان کے بعد اب مشرکین کو زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ یہ بے انصافی کی بات ہے کہ اس حی و قیوم، قادر و حکیم خدا کو چھوڑ کر تم بے جان بتوں کی پوجا پاٹ میں اپنی عمریں برباد کر رہے ہو۔ اگرچہ کفار عرب بے شمار بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے تین سو ساٹھ بت تو صرف کعبہ میں رکھے ہوئے تھے مگر یہاں ان تین دیویوں کا نام لے کر ان کا ذکر کیا جن کی جزیرہ عرب میں بڑی کثرت سے پرستش ہوتی تھی۔ قربانی کے جانور لا کر ان کے لیے ذبح کیے جاتے تھے اور نذرانے کے نذر کیے جاتے تھے۔

پہلے ہم ان بتوں کی وجہ تسمیہ، ان کے مخصوص مقامات، اور جو قبائل ان کے خاص طور پر معتقد تھے ان کا ذکر کریں گے بعد میں آیات کی تشریح کی جائے گی۔

لات: قتادہ کہتے ہیں کہ لات قبیلہ ثقیف کا بت تھا جس کا استھان طائف میں تھا۔ اس شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

وفرت ثقیف الی لاتها ... بمنقلب الخائب الخاسر

یعنی بنو ثقیف خائب اور خاسر ہو کر بھاگتے ہوئے اپنے لات کے پاس لوٹ آئے۔

بنو ثقیف اس کے بڑے معتقد تھے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ کو گرانے کے قصد سے کعبہ جاتے ہوئے طائف سے گزرا تو انہوں نے اسے رہبر بہم پہنچائے اور دیگر سہولتیں بہم پہنچائیں تاکہ وہ ان کے معبود لات کے استھان کو منہدم نہ کرے۔

لات کے اشتقاق کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک "ت" اس کا حرف اصلی ہے۔ اس کے اصل حروف ل ی ت یا ل و ت ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا اصل لوی یلوی ہے جس کا معنی جھکنا اور مڑنا ہے کیونکہ اس کے

پرستار اس کے ارد گرد چکر لگایا کرتے اور جھک جھک کر اس کو سجدے کیا کرتے، آداب بجا لایا کرتے۔ اس لیے اس کو لات کہا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ لتّ یلتّ سے ماخوذ ہے جس کا معنی ستو میں گھی وغیرہ ڈال کر تیار کرنا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لیے ستو اسی طرح تیار کیا کرتا تھا۔ اس کے مر جانے کے بعد جس چٹان پر بیٹھ کر وہ یہ کام کیا کرتا تھا اس کی پرستش شروع ہو گئی۔ کہتے ہیں یہ شخص طائف کا رہنے والا تھا۔

لیکن مجھے ان تمام توجیہات سے علامہ راغب کی تحقیق زیادہ پسند ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واصل اللات الله فحذفوا منه الهاء وادخلوا التاء فيه وانثوه تنبيها على قصوره عن الله وجعلوه مختصا لما يتقرب به الى الله تعالى في زعمهم (مفردات)

ترجمہ: اس کا اصل اللہ ہے۔ ھ کو حذف کر دیا اور اس کے آخر میں تا داخل کر دی گئی تاکہ یہ مونث بن جائے اور اس چیز پر دلالت کرے کہ اس کا درجہ اللہ سے کم ہے۔ وہ اپنے گمان میں اسے تقرب الی اللہ کا ذریعہ خیال کیا کرتے تھے۔

عُزّٰی: اس کا مذکر اعزّ ہے یہ اعزّٰی کی تانیث ہے۔ سوق عکاظ کے قریب وادی نخلہ میں حراض نامی ایک بستی تھی عزّٰی کا مندر اسی جگہ تھا۔ بنو غطفان اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک یہ بنو شیبان کی دیوی تھی جو بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ قریش اور دوسرے قبائل اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ قربانی کے جانور یہاں لا کر ذبح کرتے اور نذرانے چڑھاتے۔ تمام دوسرے بتوں سے زیادہ اس کی عزت و تکریم کی جاتی۔

منات: اس کا مندر قُدَید کے مقام پر تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے ایک آبادی ہے۔ یثرب کے اوس و خزرج کے علاوہ بنو خزاعہ بھی اس کے بہت معتقد تھے۔ کعبہ کی طرح اس کا حج بھی کیا جاتا۔ قربانی کے جانور بھی اس کے لیے ذبح کیے جاتے۔ حج کعبہ سے فارغ ہونے کے بعد جو لوگ اس کا حج کرنا چاہتے وہ وہیں سے لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے قدید کی طرف چل پڑتے۔

اگرچہ ان بتوں کے مخصوص مندر مختلف مقامات پر تھے جس طرح آپ پڑھ آئے ہیں۔ لیکن ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ انہی ناموں کے بت کعبہ میں بھی رکھے ہوئے تھے اور دوسرے بتوں کے ساتھ ان کی وہاں بھی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ علامہ ابو حیان اندلسی نے بحر محیط میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ اُحد کے میدان میں ابو سفیان نے جو فخریہ نعرات کیے تھے ان میں لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکم کہا تھا۔ کہ ہمارے لیے تو عزّٰی دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزّٰی نہیں نیز افرأیتم میں خطاب کی ضمیر کا مرجع قریش کو کہیں۔

قال ابو عبيدة كانت بالكعبة ايضا واستظهر ابو حيان انها ثلاثتها كانت فيها. قال: لان المخاطب في قوله افرأيتم قريش. (روح المعانی)

ان بتوں کی پوجا کرنے والوں کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے (معاذ اللہ) اللہ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت جنیات کا مسکن ہیں اور یہ جنیات بھی اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کا یہ خیال تھا کہ یہ بت فرشتوں کے ہیکل ہیں اور یہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (نعوذ باللہ)

الْأُخْرَىٰ ﴿٢٠﴾ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾

تیسری ہے۔ کیا تمہارے لیے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظلم والی ہے سلطٰن

إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ

نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے

بحسن ذالک؛

ان باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے:

پہلا کلمہ افرأیتم ہے۔ اس پر غور کیجیے ہمزہ استفہام انکار کے لیے ہے فا تعقیب کے لیے ہے۔

فالمعنی اعقیب ما سمعتم من آثار کمال عظمۃ اللہ فی ملکہ وملکوتہ وجلالہ وجبروتہ واحکام قدرتہ ونفاذ امرہ فی الملأ الاعلی وتحت الثری وما بینہما رأیتم ہذہ الاصنام مع غایۃ حقارتہا بنات لہ تعالیٰ۔ (روح المعانی وغیرہ)

یعنی ملک وملکوت میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال وجبروت، اس کی محکم قدرت اور آسمان وزمین میں اس کے احکام کی تنفیذ کے آثار دیکھنے سننے کے بعد کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حقیر وذلیل بت اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ تم خود سوچو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت اور نادانی ہو سکتی ہے۔

بعض کتب تفسیر میں یہاں ایک روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ)

تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔

یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وغیرہ وغیرہ۔

یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور بہت گھٹیا ہے۔ اس پر مکمل بحث ضیاء القرآن سورۂ حج کی آیت ۵۲ کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے۔ اپنے لیے تو تم لڑکے پسند کرتے ہو اگر کسی کے گھر بیٹی پیدا ہو جائے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور جو خالق کائنات ہے جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے جو بے نیاز اور برتر ہے اس کے لیے تم نے بیٹیاں ہی تجویز کر رکھی ہیں۔

تلک اذا قسمۃ ضیزی۔ نحو ولغت کے امام الکسائی لفظ ضیزی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یقال ضاز یضیز ضیزا وضاز یضوز ضوزا وضاز یضاز ضازا اذا ظلم وتعدی وبخس انتقص قال امرؤ القیس ؎

ضازت بنو اسد بحکمہم … اذ یجعلون الرأس کالذنب

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ

ان کے بارے میں کوئی سند ۲۲؎ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں ۲۳؎

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾

حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت ۲۴؎ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔

یہ مادہ تین باب پر آتا ہے ضَرَبَ یَضْرِبُ، نَصَرَ یَنْصُرُ اور سَمِعَ یَسْمَعُ۔ اس کا معنی ہے ظلم کرنا، زیادتی کرنا، کسی کے حصہ میں کمی کرنا۔ امرؤ القیس کہتا ہے: "بنو اسد نے اپنا فیصلہ کرتے ہوئے بڑی زیادتی کی جبکہ انہوں نے سر کو دم کی مانند بنا دیا ہے۔" (قرطبی)

ضیزیٰ کا اصل وزن فُعلیٰ ہے مثل طوبیٰ اور حبلیٰ۔ لیکن یٰ کی وجہ سے اس کے ماقبل کو کسرہ دے دیا۔

یعنی تمہاری یہ تقسیم عدل و انصاف سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتی۔ عقل و خرد بھی اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ تم بڑے دانا اور زیرک ہو، بڑے عادل اور منصف ہو لیکن تمہاری زبان سے ایسی باتیں نکلتی ہیں جن کو سن کر عقل سلیم سر پیٹ لیتی ہے اور عقل سر دھنتی ہے۔

۲۲؎ یہ دیویاں، یہ دیوتا جن کو تم اپنا معبود اور مسجود تصور کیے ہوئے ہو ان میں الوہیت کا نام و نشان تک نہیں۔ یہ تمہارے من گھڑت نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے بغیر کسی معقول دلیل کے تجویز کیے ہیں۔ اگر تمہارے پاس کوئی اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی سند موجود ہے تو ہمیں بھی دکھاؤ۔

۲۳؎ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی نوشتہ ہے جس سے معلوم ہو کہ ان پتھر کے اصنام میں الوہیت کی ادنیٰ سی کوئی جھلک بھی پائی جاتی ہے نہ عقل سلیم اس کو ماننے کے لیے تیار ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے ان بتوں کو اپنا خدا بنالے جو ان کے کسی کاریگر نے کسی دھات سے ان کی آنکھوں کے سامنے گھڑے ہیں یا کسی ماہر سنگتراش نے کسی پتھر سے تراشے ہیں جو نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ چل پھر سکتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر یہ کفار جو دنیا کے معاملات میں بڑے زیرک ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ یہ سب کچھ ان کے ظن و تخمین کی گل کاریاں ہیں اور ان کے نفوس کی خواہشات ہیں جن کی وہ پیروی کر رہے ہیں۔ ایسی چیزوں کو معبود ماننے پر انہیں کوئی اعتراض نہیں جو کچھ نذر و نیاز لے کر ان کے خیال کے مطابق ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں اور اگر بفرض محال قیامت قائم ہو جائے تو ان کی شفاعت کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ایسے خداؤں کو وہ ماننے کے لیے تیار ہیں اور ان کے لیے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے تیار ہیں، لیکن ایسے خدا کو ماننا جو احکام صادر کرے، ایسے احکام جو ان کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچانے کا سبب بن سکتے ہیں، ایسے احکام جو ان کی بساط عیش و طرب کو الٹنے کا موجب بن سکتے ہیں، جو ان کی آزادی پر قدغن لگا دیتے ہیں، ایسے خدا کی خدائی کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

حقیقت میں وہ ان بتوں کے پجاری نہیں بلکہ خواہشات نفس کے پرستار ہیں۔ ایسے لوگوں سے یہ توقع عبث ہے

ع ۲

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ

پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا ۲۵؎ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت

شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

کسی کام نہیں آسکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے ۲۶؎

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔

کہ وہ عقل و خرد سے صحیح کام لیں گے اور اللہ کے رسولوں کی دعوت کو غور سے سنیں گے۔

۲۴؎ یتبعون کی ضمیر سے حال ہے یعنی اللہ کی طرف سے ان کی رہنمائی کے لیے ایسا رسول کامل تشریف لے آیا ہے جو اپنے نورانی ارشادات سے ان کے دلوں کی تاریک دنیا کو منور کر رہا ہے۔ ان کے پاس قرآن جیسی کامل کتاب بھی ہے، لیکن یہ بدنصیب اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے اور رذیل خواہشات کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔ آیت میں الھدیٰ سے مراد یا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔

۲۵؎ آیت میں الانسان سے مراد کافر ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان کفار نے ان بتوں سے جو طرح طرح کی توقعات وابستہ کر رکھی ہیں کہ یہ بت ان کو رزق دیں گے، اولاد دیں گے اور اگر بالفرض قیامت برپا ہوئی تو وہ ان کو خدا کے عذاب سے چھڑا لیں گے، یہ محض فریب اور دھوکہ ہے ان کی یہ توقعات کبھی پوری نہیں ہوں گی۔ یا الانسان سے مراد عام انسان بھی لیا جا سکتا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ بات نہیں ہوا کرتی کہ انسان جو چاہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے۔ کچھ امیدیں بر آتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہو رہا ہے اس کے اذن سے ہو رہا ہے اور عالم آخرت میں جو کچھ ہوگا اس کے حکم سے ہوگا۔ دونوں جہانوں کی بادشاہی اسی کے لیے مخصوص ہے۔

۲۶؎ کفار کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی یہ دیویاں اور دیوتا قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے اور عذاب جہنم سے انہیں بچا لیں گے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ ان بے جان بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے کہ وہ ہماری جناب میں ان مشرکوں کی شفاعت کے لیے لب کشائی کی جرأت کر سکیں، فرشتے جو نورانی مخلوق ہیں اور ہر وقت ہماری عبادت اور اطاعت میں مشغول رہتے ہیں ان کی بھی یہ مجال نہیں کہ جس کی چاہیں خود بخود شفاعت کریں اور اس کو بخشوا کر جنت میں پہنچا دیں بلکہ فرشتے بھی اس وقت شفاعت کریں گے جب ہم انہیں اس

وَمَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي

حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ٢٧ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام

مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿٢٨﴾ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّىٰ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا

نہیں آسکتا ٢٨ پس آپ رخ انور پھیر لیجیے اس بدنصیب سے جس نے منہ موڑ لیا ہے ہمارے ذکر سے اور نہیں چاہا اس نے بجز

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٢٩﴾ ذَٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ

دنیوی زندگی کی ٢٩ یہ ہے ان کا مبلغ علم ٣٠ بیشک آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے جو

کی اجازت دیں گے اور فقط ان کے لیے شفاعت کریں گے جو شفاعت کے اہل ہوں جن بدبختوں کی موت کفر پر ہوگی وہ تو اس قابل ہی نہیں کہ ان کی شفاعت کی جائے شفاعت تو گنہگار اہل ایمان کے لیے ہے۔ جب فرشتے بھی کفر و شرک پر مرنے والوں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو یہ بت تمہاری نجات کا سبب کیونکر بن سکتے ہیں؟

٢٧ جو لوگ فرشتوں کو مونث خیال کرتے ہیں اور انہیں خدا کی بیٹیاں بنائے ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی پوجا پاٹ میں لگے رہتے ہیں اور ان سے طرح طرح کی توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں ان کی ان لغزشوں اور غلطیوں کا ایک ہی سبب ہے کہ وہ قیامت کے وقوع پر ایمان نہیں رکھتے' اس لیے ان میں ذمہ داری کا احساس بالکل ختم ہو گیا ہے۔ کسی چیز کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اسے ماننے کی کوئی ٹھوس دلیل ہے یا اگر کسی چیز کا انکار کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ کسی اللہ کے نبی نے انہیں انکار کا حکم دیا ہے یا ان کی عقل سلیم نے اس کے انکار کا فیصلہ کیا ہے' بلکہ جب جو جی میں آئے کسی چیز کو مان لیا اور جب چاہا کسی چیز کا انکار کر دیا۔ احساس ذمہ داری کا فقدان عجیب سے عجیب نے اصول ہے تعقل و تدبر سے کام لینا چھوڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی دلیل اور تحقیق کے انہوں نے فرشتوں کو مونث بنا ڈالا ہے اور پھر اللہ پر خدا کی بیٹیاں ہونے کی تہمت لگا دی ہے۔

٢٨ حقیقی علم کا سرچشمہ تو نبی کی ذات ہوتی ہے جسے بارگاہ الٰہی سے براہ راست علم و عرفان کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے' نبی کی ذات سے تو انہیں بیر ہے۔ وحی کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے کی تو انہیں توفیق ہی نہیں۔ ان کے پاس لے دے کے ظن و تخمین کے گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر وہ وہم و گمان کے ریگزاروں میں خاک اڑاتے پھرتے ہیں' اس لیے زندگی کی بنیادی سچائیوں تک یہ رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور بھاگ دوڑ میں عمر برباد کر لیتے ہیں اور انہیں حقیقت کا سراغ نہیں ملتا۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کے طائر فکر کی پرواز بڑی اونچی ہے۔ ان کی جھولی چمکتے موتیوں سے بھری ہوئی ہے حالانکہ ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔

ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

بھٹک گیا اس کی راہ سے اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے ہدایت پائی ۳۱ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو

اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا

ان کی نیکیوں کا ۳۳ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر

۲۹ آیت میں ذکر سے مراد قرآن مجید بھی ہو سکتا ہے۔ حضور کے مواعظ حسنہ اور نصائح جلیلہ بھی اور مطلق ذکر الٰہی بھی۔
مطلب یہ ہے کہ جن کے سامنے ہماری کتاب کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں لیکن وہ ان کی طرف التفات نہیں کرتے۔ میرا رسول انہیں وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کے سننے کے لیے بھی وہ تیار نہیں ہوتے۔ جہاں جہاں میرے بندے میرے ذکر کی شمع روشن کیے ہوتے ہیں، وہاں سے بھی وہ دور بھاگتے ہیں۔ نیز دنیوی زندگی کی لذتوں اور زیب و آرائش میں وہ یوں کھوئے ہوئے ہیں کہ عاقبت کے بارے میں اصولی طور پر غور و فکر کرنے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی۔ رات دن دولت سمیٹنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اے حبیب! اس قماش کے لوگ ہرگز اس لائق نہیں کہ آپ ان کے لیے متفکر ہوں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔ انہیں بادیہ ضلالت میں دھکے کھانے دیجیے۔ اگر خواب غفلت میں پڑے رہنے کا یہ لوگ تہیہ کر چکے ہیں تو انہیں مت روکیے۔ جب اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھیں گے تو خود بخود ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

۳۰ ان کے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ ان کی عقل کی آنکھ دنیوی لذتوں کے سوا کچھ دیکھ ہی نہیں سکتی۔ اس کے علاوہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتے۔ ان کوتاہ بینوں اور کم نظروں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجیے۔

۳۱ جو لوگ کفر و شرک کے مرتکب ہیں اور اس کے باوجود دعویٰ کرتے ہیں کہ وہی راہ حق پر گامزن ہیں، جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہی درست ہے، جس منزل پر وہ پہنچنے کے لیے کوشاں ہیں انسانی زندگی کی صحیح منزل وہی ہے اور جنہوں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے انہیں مارا پیٹا جاتا ہے۔ طرح طرح کے دکھ پہنچائے جاتے ہیں لیکن اے حبیب! وہ تیرا دامن چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں، ان اہل حق کو یہ لوگ نادان اور گم کردہ راہ سمجھتے ہیں۔ یہ سراسر ان کی نادانی ہے اور ان کی بھول ہے۔ کون گمراہ ہے، کون ہدایت یافتہ ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جو سب سے زیادہ علم والا ہے اور اسی کا فیصلہ صحیح اور آخری ہوگا۔

۳۲ وہ ذات پاک جو گمراہ اور ہدایت یافتہ کو جانتی ہے، جس کی بادشاہی کا پرچم آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی پستیوں میں لہرا رہا ہے، اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بدکاروں کو ان کی بدکاریوں کی سزا دے اور نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں

اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ

شاذو نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے ۳۳ وہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں پیدا کیا

کی جزا ہے۔

۳۳ے یہ آیت الذین احسنوا کا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا صفت ہے۔ یہاں مضارع کا صیغہ اس لیے بیان کیا گیا ہے تاکہ اجتناب کے تجدد اور استمرار پر دلالت کرے۔ وہ ہمیشہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہتے ہیں۔

گناہ کبیرہ اور فاحشہ کے مفہوم کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں جن میں سے چند پیش کیے جاتے ہیں:

کبائر الاثم سے مراد شرک ہے کیونکہ یہ تمام کبیرہ گناہوں سے بڑا اور گھناؤنا گناہ ہے اور فاحشہ سے مراد زنا ہے جو بے حیائی کی انتہا ہے۔

مقاتل کہتے ہیں ہر گناہ جس کی سزا آتش جہنم ہے وہ کبیرہ ہے اور جس کی سزا کوئی شرعی حد ہے وہ فاحشہ ہے۔

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں۔ صحیحین کی اس حدیث سے بھی آپ کے ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے:

اجتنبوا السبع الموبقات الاشراک باللہ تعالیٰ والسحر وقتل النفس التی حرم اللہ تعالیٰ الا بالحق واکل مال الیتیم واکل الربو والتولی یوم الزحف وقذف المحصنات الغافلات المومنات۔

ترجمہ: سات برباد کرنے والی چیزوں سے اجتناب کیا کرو۔ شرک باللہ، جادو، قتل بے گناہ، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدان جنگ سے بھاگنا، پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔

گناہ کبیرہ کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ کسی میں ان کی تعداد پانچ، کسی میں سات، کسی میں نو اور کسی میں پچیس مذکور ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس سے کتاب و سنت کی صریح نص سے منع کیا گیا ہو یا اس کے لیے کوئی حد شرعی مقرر ہو یا جس کی سزا جہنم بتائی گئی ہو یا جس کے مرتکب کو لعنت کا مستحق قرار دیا گیا ہو یا جس پر غضب کے نزول کی خبر دی گئی ہو۔ ایسی تمام باتیں کبیرہ گناہ ہیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے گناہ ہیں انہیں گناہ صغیرہ کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اور شریعت کے کسی فرمان کا استخفاف اور تحقیر کا شمار بھی کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔

اللمم کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: اللمم مقاربۃ المعصیۃ ویعبر بہ عن الصغیرۃ ویقال فلان یفعل کذا لمما ای حینا بعد حین (مفردات)

یعنی معصیت کے قریب ہونے کو لمم کہتے ہیں۔ گناہ صغیرہ کو بھی لمم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نیز جو کام گاہے گاہے کیا جائے اس کو بھی لمم کہتے ہیں۔

قال ابو اسحٰق الزجاج: اصل اللمم والالمام ما یعملہ الانسان المرۃ بعد المرۃ ولا یتعمق فیہ ولا یقیم علیہ یقال

الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ

پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي تَوَلَّىٰ ﴿٣٣﴾ وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَ

وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے ۳۴ کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی ۳۵ اور تھوڑا سا مال دیا پھر

الممت به اذا زرته وانصرفت عنه (قرطبی)

یعنی زجاج کہتے ہیں کہ لمم اور المام اس کلام کو کہتے ہیں جو کبھی کبھی کیا جائے اور اس میں تعمق نہ کیا جائے اور اس پر ہمیشگی نہ کی جائے۔ جب تو کسی آدمی کی ملاقات کے لیے جائے اور مل کر فوراً واپس چلا جائے تو کہتے ہیں الممت به۔

عرب شاعر کا ایک شعر بھی اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے:

الممت خیفت ثم قامت فودعت   فلما تولت کادت النفس تزهق

ترجمہ: وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی، اس نے سلام کیا پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے الوداع کہا۔ جب اس نے پیٹھ پھیری تو قریب تھا کہ روح پرواز کر جائے۔

آیت کے ان کلمات کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ بڑے بڑے گناہوں سے گریزاں رہتے ہیں، بے حیائی کے کاموں سے دور بھاگتے ہیں، الا یہ کہ کبھی کبھی ان سے کوئی غلطی صادر ہو جاتی ہے تو فوراً اس سے دامن کش ہو جاتے ہیں۔ اے محبوب! آپ کا رب انہیں اپنی مغفرت کے وسیع دامن میں پناہ دے گا۔ بے شک آپ کے رب کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔

۳۴ بعض کم ظرف لوگ اپنی نیکیوں پر اترانے لگتے ہیں، اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے قصے جھوم جھوم کر بیان کرتے ہیں۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔ یہ خود نمائی اور خودستائی ان کے سارے اعمال حسنہ کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ اس لیے منع فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر اپنے تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کی عادت ترک کر دو کیونکہ تمہارا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے جو تمہارے ظاہر اور باطن کو خوب جانتا ہے۔ صرف آج سے ہی نہیں بلکہ اس وقت سے جب تمہارا نطفہ رحم مادر میں قرار پانے کے بعد اپنی تکمیل کے مرحلے طے کر رہا تھا بلکہ اس سے بھی ہزاروں سال پہلے جب تمہارے باپ آدم کا خمیر مٹی سے تیار کیا جا رہا تھا اور تمہارا ہیولیٰ اس کی پشت میں ودیعت کیا جا رہا تھا۔ جو خدا تمہیں ابتدائے آفرینش سے جانتا ہے اس کے سامنے شیخی بگھارنا تمہیں زیب نہیں دیتا۔ وہ خود جانتا ہے کہ تم میں سے متقی اور پرہیزگار کون ہے اور فسق و فجور کی آلائشوں سے کون آلودہ ہے۔ تمہارے بتانے کی اسے حاجت نہیں۔ اگر وہ تمہاری لغزشوں پر فوری گرفت نہیں کرتا یا تمہارے جرائم کا پردہ فاش نہیں کرتا تو یہ محض اس کا لطف و کرم ہے۔ اس میں تمہاری پاکبازی کا کوئی دخل نہیں۔

۳۵ بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت ولید ابن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولید حضور علیہ الصلوٰۃ

وَأَكْدٰى ۝ أَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِيْ

کنجوس بن گیا ۳۴ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے ۳۵ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو

والسلام کی خدمت عالیہ میں اکثر حاضر ہوتا اور آیات قرآنی سنا کرتا جنہیں سن کر وہ بے اختیار کہہ اٹھتا کہ بخدا یہ کلام بڑا سرسبز ہے اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ اس کی رونق و شگفتگی دل موہ لینے والی ہے۔ نہ یہ جادو ہے اور نہ شعر۔

اس کے احباب اور رشتہ داروں کو جب ان باتوں کا پتہ چلا تو انہیں یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ کہیں وہ اسلام قبول کرنے کا برملا اعلان نہ کر دے، چنانچہ اس کا ایک بے تکلف دوست اس کے پاس آیا اور اسے بڑی لعنت ملامت کی کہ تم نے اپنے باپ دادا اور اپنے بڑوں کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے اور ایک نیا دین اختیار کر رہے ہو۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے عذاب قیامت سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ اس دوست نے کہا کہ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم اتنا مال مجھے دے دو تو قیامت کے روز میں تمہارے حصے کا عذاب بھی اپنے سر پر اٹھا لوں گا۔ چنانچہ ولید نے اسلام لانے کا ارادہ ترک کر دیا اور جس مال کا وعدہ اس ضامن سے کیا تھا اس میں سے کچھ تو اسے دے دیا باقی دینے سے مکر گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کو فرماتے ہیں کہ کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے حق قبول کرنے سے منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے ضامن کو پورا معاوضہ بھی نہ دیا۔ یہ شخص کتنا احمق ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ روز حساب کوئی شخص اس کے حصے کا عذاب برداشت کرے گا اس کے ساتھ ساتھ یہ کتنا بڑا بخیل ہے کہ جتنا مال دے کر اپنی جان بخشی کروانے کا اس نے سودا کیا تھا وہ بھی اس نے پورا ادا نہیں کیا۔ حماقت اور بخل دونوں عیب اس میں پائے جاتے ہیں۔

۳۴ے اکدی، علامہ راغب لکھتے ہیں الکدیۃ صلابۃ فی الارض یقال حفر فاکدی اذا وصل الی کدیۃ و استعیر ذلک للطالب المخفق والمعطی المقل (مفردات)

ترجمہ: زمین کھودتے ہوئے اگر سخت پتھر آجائے تو عرب کہتے ہیں حفر فاکدی یعنی اس نے زمین کھودی اور نیچے سے چٹان نکل آئی۔ بطور استعارہ ناکام طلبگار اور تھوڑا دینے والے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے ہیں، اکدی، بخل او قل خیرہ او قلل عطاءہ۔ بخل کرنا، نیکی کی بھلائی کا کم ہونا، کسی کی عطا کا قلیل ہونا۔ المنجد میں ہے اکدی اکداء، بخل فی العطاء۔ اس نے دینے میں بخل سے کام لیا۔

۳۵ے یعنی اس نے جو یہ خیال کر لیا کہ فلاں شخص قیامت کے روز اس کی رقم کے بدلے میں اس کا عذاب اپنے سر لے گا کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے جس کے باعث اس کو اپنی اس سودا بازی کے درست ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔

صُحُفِ مُوْسٰى ﴿٣٦﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿٣٧﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں جنہوں نے پوری طرح احکام بجا لائے۔ ۳۸؎ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں

اُخْرٰى ﴿٣٨﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ

اٹھائے گا ۳۹؎ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۴۰؎ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد

۳۷؎ اگر اس نے سابقہ آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا ہوتا تو اسے اپنی اس غلط اندیشی کا علم ہو جاتا۔ صحف، صحیفہ کی جمع ہے صحف موسیٰ سے مراد تورات ہے جو متعدد اسفار پر مشتمل ہے جو محرف شکل میں آج بھی موجود ہے۔ صحف ابراہیم سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت اس کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ اس کے اہم مضامین کے بارے میں قرآن کریم نے ہی کچھ بتایا ہے۔ صحف ابراہیم کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ایک اس مقام پر، دوسرا سورۃ الاعلیٰ کی آخری آیت میں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان دو مقامات پر ان تعلیمات کا اشارۃً ذکر کر دیا جو ان میں مندرج تھیں۔

۳۸؎ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ قانون رائج تھا کہ اگر ایک شخص کسی کو قتل کرتا تو قاتل کی سزا اس کے باپ اس کے بیٹے، اس کے بھائی اور اس کی بیوی یا اس کے غلام کو بھی دی جاتی۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر قتل کر دیا جاتا۔

قال البغوی عن عکرمۃ عن ابن عباس قال کانوا قبل ابراھیم علیہ السلام یاخذون الرجل بذنب غیرہ وکان الرجل لیقتل بقتل ابیہ وابنہ واخیہ وامرأتہ وعبدہ۔

جب آپ مبعوث ہوئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا۔

الا تزر وازرۃ وزر اخری کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔ یہاں اس ظالمانہ قانون کا قلع قمع ہوا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ کسی سابق رسول کی شریعت کا یہ مسئلہ تھا بلکہ یہ ان کے دور جاہلیت کا ایک دستور تھا جو صدیوں سے ان میں چلا آ رہا تھا اور کبھی کسی نے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں یہ دستور تھا کہ اگر کسی غریب قبیلے کا غلام یا عورت طاقتور قبیلے کے کسی فرد کو قتل کر دیتی تو طاقتور قبیلہ بطور قصاص اس قاتل غلام یا عورت کو قتل کر کے مطمئن نہ ہوتا بلکہ عورت کے بدلے ان کے کسی مرد اور غلام کے بجائے ان کے کسی آزاد مرد کو قتل کیا جاتا۔ الحر بالحر والعبد بالعبد الخ نازل ہوئی تو جاہلیت کے اس ظالمانہ دستور کا خاتمہ ہوا۔

بظاہر بعض آیتیں اور حدیثیں اس آیت سے متعارض معلوم ہوتی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے من سن سنۃ سیئۃ فلہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ۔ اخرجہ احمد ومسلم من حدیث جریر ابن عبداللہ۔

یعنی امام احمد اور مسلم نے جریر بن عبداللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص بُرا طریقہ رائج کرتا ہے اس پر اس کا بوجھ بھی لادا جائے گا اور قیامت تک جو لوگ اس طریقے کو اختیار کریں گے، ان کا بوجھ بھی اس پر لادا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے گناہ کا بوجھ بھی کسی پر لاد دیا جاتا ہے، حالانکہ آیت اس کی نفی کرتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ یہ شخص قیامت تک آنے والے بدکاروں کی بدکاری کا سبب بنا ہے، اس لیے وہ ان بدکاریوں میں شریک ہے اسی کی سزا اسے ملے گی۔ یہ نہیں کہ ان بدکاروں کو کوئی سزا نہ دی جائے گی اور ان سب کی سزا اس شخص کو دی جائے گی۔

دوسری حدیث ہے جس کے راوی ابن عمر ہیں: اذا انزل اللہ بقوم عذابا اصاب العذاب من کان فیہم ثم بعثوا علی اعمالہم (متفق علیہ)

یعنی جب کسی قوم پر اللہ تعالیٰ عذاب نازل کرتا ہے تو اس قوم کے تمام افراد (نیک و بد) اس عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں پھر قیامت کے دن وہ اپنے اعمال کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔

اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ عذاب ان لوگوں پر بھی نازل ہوتا ہے جو مجرم نہیں ہوتے، حالانکہ آیت اس کی تردید کرتی ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے جو لوگ ان جرائم کا ارتکاب نہیں کیا کرتے تھے، لیکن مجرموں کو منع بھی نہیں کرتے تھے بلکہ خاموشی سے ان گناہوں کو دیکھتے رہتے تھے، ان کی یہ خاموشی ان کا گناہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس عذاب میں مبتلا کیے گئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث جو سنن اربعہ میں مروی ہے اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جب لوگ ظالم کو دیکھتے ہیں اور ظلم سے اس کا ہاتھ نہیں پکڑ لیتے تو ان پر بھی عذاب نازل ہوگا۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں بتایا گیا ہے کہ جب انسان فوت ہوتا ہے اور اس کے رشتہ دار ماتم کرتے ہیں تو ان کے ماتم کرنے کے گناہ کا عذاب اس میت کو دیا جاتا ہے۔ یہ حدیث بھی اس آیت کے منافی ہے۔ اس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ میت کو اس وقت عذاب ہوگا جب یا تو وہ وصیت کر جائے کہ مجھ پر ماتم کرنا یا اسے معلوم تھا کہ اس کے گھر والے اس کے مرنے پر ماتم کریں گے اور اس نے ان کو منع نہیں کیا۔ اب یہ عذاب اس کے اپنے گناہ کا ہوگا۔

بہر حال اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں جو یہ حکم نازل ہوا تھا شریعت محمدیہ میں بھی باقی ہے۔ کسی کے گناہ کے بدلے میں کسی دوسرے کو سزا نہیں دی جائے گی ہر شخص اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔

ش… یہ حکم صحف موسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام میں بھی موجود تھا اور شریعت اسلامیہ میں بھی یہ قانون باقی ہے، لیکن بعض کج فہموں نے اس آیت کو ایسے معانی پہنائے ہیں جس سے متعدد دوسری آیات کی تردید یا تکذیب ہوتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اطمینان سے ان باطل معانی کا جائزہ لینا چاہیے اور اس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ یہ طریقہ کسی طرح بھی مستحسن نہیں کہ ایک آیت کی ایسی من مانی تشریح کی جائے جس سے متعدد آیات کی تغلیط ہوتی ہو۔

اشتراکی ذہنیت رکھنے والے جو محنت کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں

کہ ہر انسان صرف اسی چیز کا حقدار ہے جو اس نے اپنی محنت اور کوشش سے حاصل کی ہو اور اپنے اس نظریہ کو قرآن کریم کی اس آیت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ہمیں ان سے کسی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق جس نظریہ کو چاہے اپنائے، ہمیں اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اپنے من گھڑت نظریات کو قرآن کی طرف منسوب کرنا ایک ایسی زیادتی ہے جس پر خاموش رہنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔ ہم ان صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن کریم کی متعدد آیات میں میراث کے احکام مذکور نہیں۔ باپ کے مرنے کے بعد اولاد کو جو جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ ورثہ میں ملتی ہے کیا اس میں ان کی محنت اور کوشش کا کوئی دخل تھا۔ ایسی جائیداد کا قرآن نے انہیں کامل مالک ٹھہرایا ہے۔ خصوصاً بچیاں یا شیر خوار بچے جنہوں نے کسی طرح بھی اس جائیداد کے بنانے میں کوئی حصہ نہیں لیا، وہ بھی وارث ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ زکوٰۃ، صدقات جب کوئی شخص کسی مستحق کو دیتا ہے تو مستحق اس کا کامل مالک بن جاتا ہے۔ اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے، حالانکہ اس نے اس مال کے کمانے میں ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ کیا اس آیت کا یہ خود ساختہ مفہوم اختیار کر کے کیا یہ لوگ ان صدہا آیات پر قلم تنسیخ پھیر دیں گے جن میں میراث، وصیت، زکوٰۃ، صدقات اور ہبہ کے احکام مذکور ہیں۔

ان اشتراکی اذہان کے علاوہ ایک اور فرقہ گزرا ہے جو تاریخ اسلام میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ کسی کے عمل کا ثواب کسی دوسرے انسان کو نہیں پہنچ سکتا۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کا اجر ملے گا جو اس نے خود کیے ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی اس آیت میں تصریح کی گئی ہے کہ لیس للانسان الا ما سعی۔

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر کسی کا عمل کسی کے لیے نفع بخش نہیں ہے تو قرآن کریم کی متعدد آیات میں مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور متعدد آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتے مسلمانوں کے گناہوں کی بخشش کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ کئی ایسی آیتیں ہیں جن میں انبیائے کرام نے اپنے والدین، اپنی اولاد اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بخشش کی دعائیں مانگی ہیں۔ اگر استغفار اور دعائے مغفرت کا کوئی نفع نہیں پہنچتا تو پھر ان لاحاصل کاموں میں انبیاء اور ملائکہ کیوں وقت ضائع کرتے رہے اور ہمیں مسلمان بھائیوں کے لیے دعائے مغفرت کا کیوں حکم دیا گیا ہے۔ ساری امت مسلمہ نماز جنازہ ادا کرتی ہے۔ اس میں کسی فرقہ کی تخصیص نہیں۔ یہ نماز جنازہ بھی دعائے مغفرت ہے۔ اگر یہ بے سود اور لاحاصل ہے تو اس تکلف کو بجا لانے کا اسلام نے کیوں حکم دیا۔ معتزلہ کے اس مفہوم کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو قرآن کریم کی کثیر التعداد آیتیں بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اس لیے امت کا اجماع اس بات پر ہے کہ ہم اپنے اعمال کا ثواب اپنے والدین یا دوسرے مومنین کو پہنچا سکتے ہیں اور اس سے انہیں فائدہ بھی پہنچتا ہے۔ اصولی طور پر تو تمام علمائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔ تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

عبادات کی تین قسمیں ہیں۔ خالص بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن۔ خالص مالی عبادات جیسے صدقات وغیرہ۔ مالی اور بدنی عبادات کا مرکب جیسے حج وغیرہ۔

امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ خالص بدنی عبادات کا ثواب دوسرے کو نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ عبادات کی دوسری دو قسموں کا ثواب دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔ لیکن احناف کا مسلک یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا

ہے خواہ اس نیک عمل کا تعلق عبادت کی کسی قسم سے ہو نماز، روزہ، تلاوت قرآن، ذکر، صدقہ، حج، عمرہ، جو نیک عمل بھی وہ کرے اس کے بارے میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کر سکتا ہے الٰہی اس کا ثواب فلاں شخص کو پہنچا۔ اس بارے میں اتنی کثرت سے صحیح احادیث موجود ہیں کہ کوئی مسلمان ان کے انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔

یہاں ہم ان میں سے چند احادیث ہدیۂ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

۱۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عملہ الا من ثلاث صدقۃ جاریۃ وعلم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے بجز تین اعمال کے کہ ان کا سلسلہ منقطع نہیں ہوتا۔ صدقۂ جاریہ، ایسا علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔

پہلے دو کام تو ایسے ہیں جن میں اس شخص کا بھی کچھ عمل دخل ہے لیکن لڑکے کی دعا لڑکے کا اپنا فعل ہے۔ اس سے بھی میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرفع الدرجۃ للعبد الصالح فی الجنۃ فیقول یا رب انّٰی لی ھٰذہ فیقول باستغفار ولدک لک۔ (رواہ طبرانی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جنت میں کسی عبد صالح کے درجے کو بلند فرماتا ہے۔ وہ بندہ پوچھتا ہے یا رب! میرا درجہ کیسے بلند ہوا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تیرے لڑکے نے تیرے لیے استغفار کی اس کی برکت سے تیرا درجہ بلند ہوا۔

۳۔ عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی قبرہ الا شبہ الغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب وام او ولد او صدیق ثقۃ واذا الحقتہ کانت احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیۃ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ (رواہ بیہقی والدیلمی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے کی طرح ہوتی ہے جو فریاد کر رہا ہوتا ہے اور اس چیز کا منتظر ہوتا ہے کہ اس کے باپ اس کی ماں یا لڑکے یا با اعتماد دوست کی دعا اسے پہنچے اور جب وہ دعا اسے پہنچتی ہے تو اس کی قدر و منزلت اس کے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعاؤں کی برکت سے قبروں پر رحمت کے پہاڑ بھیجتا ہے اور مردے جو ہیں ان کے لیے دوستوں کا تحفہ یہ ہے کہ وہ ان کے لیے دعائے مغفرت کیا کریں۔

۴۔ عن عائشۃ ان رجلا قال یا رسول اللہ ان امی افتلتت نفسھا ولم توص واظنھا لو تکلمت تصدقت فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا قال نعم۔ (متفق علیہ)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری ماں اچانک فوت ہو گئی اور کوئی وصیت نہ کر سکی میرا خیال ہے اگر اسے

بلانے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ دیتیں۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے اس کا اجر ملے گا؟ حضور نے فرمایا بے شک۔

۵۔ عن ابن عباس ان سعد بن عبادہ توفیت امہ وھو غائب عنھا فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ان امی ماتت وانا غائب فھل ینفعھا ان تصدقت عنھا قال نعم قال انی اشھدک ان حائطی صدقۃ عنھا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سعد ابن عبادہ کی والدہ نے وفات پائی تو آپ موجود نہ تھے۔ جب واپس آئے تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی یا رسول اللہ! میری والدہ نے میری غیر حاضری میں وفات پائی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ دوں تو کیا اسے کوئی نفع پہنچے گا؟ تو حضور نے فرمایا ہاں پہنچے گا۔ انہوں نے عرض کی حضور آپ گواہ رہیں میں نے اپنا باغ اس کی طرف سے صدقہ کیا۔

۶۔ عن انس سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من اھل بیت یموت منھم میت فیتصدقون عنہ بعد موتہ الا اھداھا لہ جبرئیل علی طبق من نور ثم یقف علی شفیر القبر فیقول یا صاحب القبر العمیق ھذہ ھدیۃ اھداھا الیک اھلک فاقبلھا فیدخل علیہ فیفرح بھا ویستبشر ویحزن جیرانہ الذین لا یھدی الیھم شیء۔ (رواہ طبرانی فی الاوسط)

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی شخص کسی گھر سے فوت ہوتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو جبرئیل امین نور کے تھال پر اسے رکھتے ہیں پھر اس کی قبر کے دہانے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں اے گہری قبر کے رہنے والے! یہ ہدیہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تیری طرف بھیجا ہے اسے قبول کر۔ اس کی خوشی اور مسرت کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے پڑوسی جن کی طرف کوئی ہدیہ نہیں بھیجا گیا وہ غمناک ہوتے ہیں۔

۷۔ عن انس قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان ابی مات ولم یحج حجۃ الاسلام فقال ارأیت لو کان علی ابیک دین کنت تقضیہ عنہ قال نعم قال فانہ دین علیہ فاقضہ۔ (رواہ بزاز والطبرانی بسند حسن)

حضرت انس فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرا باپ فوت ہو گیا ہے اور اس نے حج نہیں کیا۔ حضور نے فرمایا یہ بتاؤ اگر تیرے باپ پر قرض ہوتا تو کیا تو اسے ادا کرتا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ہاں ادا کرتا۔ حضور نے فرمایا یہ حج بھی اس پر قرض ہے۔ اس کو ادا کرو۔

۸۔ عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احد عشر مرۃ ووھب اجرہ للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات۔ (رواہ ابو محمد السمرقندی)

ابو محمد سمرقندی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ جو شخص قبرستان میں سے گزرے اور گیارہ مرتبہ قل شریف پڑھ کر اہل قبرستان کو بخشے تو جتنے لوگ وہاں دفن ہوں گے ان کی تعداد کے برابر اسے ثواب ملے گا۔

۹۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الکتاب وقل ھو اللہ احد والھکم التکاثر ثم قال انی جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاھل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ (رواہ ابوالقاسم سعد بن علی)

ابوالقاسم سعد ابن علی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ فاتحہ، قل شریف اور الہاکم التکاثر پڑھے پھر کہے کہ الٰہی میں نے تیرے کلام سے جو پڑھا ہے اس کا ثواب اس مقبرے کے مومن مردوں اور عورتوں کو بخشتا ہوں، تو یہ لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی شفاعت کریں گے۔

۱۰۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من دخل المقابر فقرأ سورۃ یٰس خفف اللہ عنھم وکان لہ بعدد من فیھا حسنات (اخرجہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ)

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہوتا ہے اور سورۂ یٰس پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل قبور پر تخفیف کر دیتا ہے۔

کثیر التعداد احادیث میں سے یہ چند مرفوع احادیث ہیں جو اوپر نقل کی گئی ہیں۔ صحابۂ کرام کا بھی اسی پر تعامل تھا۔
حضرت امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد آپ کو ایصال ثواب کرنے کے لیے غلام آزاد کیا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن وفات پا گئے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے غلام آزاد کیا اور فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ وفات کے بعد یہ چیز انہیں نفع پہنچائے گی۔
مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وفات پانے والوں کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: قال الحافظ شمس الدین ابن عبد الواحد مازالوا فی کل مصر یجتمعون ویقرؤن لموتاھم من غیر نکیر فکان ذلک اجماعا۔

ترجمہ: حافظ شمس الدین ابن عبدالواحد کہتے ہیں ہر شہر میں مسلمانوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اپنے فوت شدگان کے لیے قرآن کریم کی قرأت کرتے ہیں اور کبھی کسی عالم نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا اس بات کا اجماع ہے۔

۱۱۔ اخرج الخلال عن الشعبی کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن القرآن۔
امام شعبی سے مروی ہے کہ انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی آدمی فوت ہوتا تو وہ اس کی قبر پر جایا کرتے اور وہاں قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے۔

۱۲۔ وفی الاحیاء عن احمد ابن حنبل قال اذا دخلتم من مقابر فاقرؤا بفاتحۃ الکتاب والمعوذتین وقل ھو اللہ احد واجعلوا ذلک لاھل المقابر فانہ یصل الیھم۔

امام احمد بن حنبل نے فرمایا جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور تینوں آخری قل پڑھو پھر اس کا ثواب

يُرٰى ﴿٤٠﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿٤١﴾ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿٤٢﴾ وَ

نظر آجائے گا ۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے ۔ اور

قبرستان والوں کو پہنچاؤ، وہ انہیں پہنچے گا۔

جب اس کثرت سے ایصال ثواب کے بارے میں احادیث موجود ہیں تو پھر اس کا انکار کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا، لیکن آیت کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔

حضرت ابن عباس کا ارشاد ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم۔

یعنی جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرتی رہی تو ہم درجات اور مراتب میں ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آباؤ اجداد کی نیکیاں اولاد کے مراتب کو بلند کر دیتی ہیں۔ بعض نے اس آیت کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں الانسان سے مراد کافر ہے کہ کافر کو کسی کی نیکیاں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو الجھن خود بخود دور ہو جاتی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب سے صرف اس شخص کو نفع پہنچتا ہے جو ایمان کی حالت میں فوت ہوا ہو جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اسے قطعاً کوئی نفع نہیں پہنچتا، تو معلوم ہوا کہ یہ سارے اعمال صالحین کا ثواب ایک مومن کو پہنچایا جاتا ہے درحقیقت اس کے ایمان کے درخت کا پھل ہیں اور ایمان کا درخت اس شخص کی اپنی سعی کا نتیجہ ہے تو گویا یہ ساری چیزیں اس کی ذاتی کوشش میں شمار ہوں گی یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کے درخت کی اعمال صالحہ سے آبیاری کرتے رہتے ہیں اور گناہوں کی ژالہ باری سے اس کو بچائے رکھتے ہیں تو اس پر پھل بھی زیادہ لگتا ہے اور لوگ کثرت سے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اولیائے کرام کے مزارات پر فاتحہ پڑھنے والوں کا ہجوم اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ان مقبول ترین بندوں نے ایمان کا جو درخت لگایا اور عمر بھر اپنے گریہ سحری سے اسے سینچتے رہے اس کی بہار اور اس کا جوبن قابل دید ہے۔

ارشاد ربانی ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا۔

کہ کلمہ طیبہ کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں پاتال تک چلی گئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ درخت ہر لحظہ پھل دے رہا ہے۔

اس مسئلہ کے دیگر مباحث ضیاء القرآن سورہ النحل کی آیت ۱۰۵ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(نوٹ: اس آیت کی تشریح میں ایصال ثواب کے بارے میں جو احادیث درج کی گئی ہیں اور جو آثار نقل کیے گئے ہیں وہ تفسیر مظہری سے ماخوذ ہیں۔)

۴۱ ہر انسان اپنی زندگی کے لمحات کو کن مقاصد کے لیے صرف کر رہا ہے اور اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں ان کے

أَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَىٰ ﴿٤٣﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَمَاتَ وَأَحْيَا ﴿٤٤﴾ وَأَنَّهُ خَلَقَ

یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے ۴۳ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں

حصول کے لیے وقف ہے۔ قیامت کے روز ان کی پوری طرح جانچ پڑتال کی جائے گی اور اس کے مقاصد اور اس کی نیت کے مطابق اس کی جدوجہد کے نتائج برآمد ہوں گے۔ اس لیے تم اپنے اعمال کا خود احتساب کیا کرو تاکہ قیامت کے روز تمہیں ندامت اور شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۴۰ ہر شخص کو اس کے اعمال اور اس کی مساعی کی پوری پوری جزا دی جائے گی۔ اگر وہ زندگی بھر نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگا رہا، کبھی اپنے رب کی یاد اور عبادت کا اسے خیال نہ آیا تو اس کا بدلہ لے گا اور جو شخص اپنے کریم پروردگار کی رضا حاصل کرنے کے لیے مصروف رہا، مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر تسلیم و رضا کی راہ پر قدم بڑھاتا رہا تو اس کی جو پذیرائی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۱ ہر چیز کو روز حشر اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ کوئی شخص کہیں چھپ نہیں سکے گا اور کوئی شخص کہیں بھاگ کر روپوش نہیں ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس کا دوسرا مفہوم بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ منتہیٰ مصدر میمی ہے۔ اس کا معنی انتہاء ہے یعنی فکر انسانی حقائق اشیاء کے میدان میں گرم سیر رہتا ہے لیکن جب حریم ذات کے سرحد تک جا پہنچتا ہے تو پھر رک جاتا ہے۔ اس سے آگے قدم بڑھانے کی اسے مجال نہیں ہوتی۔

وقيل المعنى بانه عزوجل منتهى الافكار فلا تزال الافكار تسير في بيداء حقائق الاشياء وماهياتها والاحاطة بما فيها حتى اذا وصلت الى حريم ذات الله عزوجل وحقائق صفاته وقفت وحرنت ولا تتعدى سيرها۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس قول کی تصدیق کرتی ہے:

قال مر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على قوم يتفكرون في الله فقال تفكروا في الخلق ولا تفكروا في الخالق فانكم لن تقدروه۔ (ابن ماجه)

یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک دفعہ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو ذات الٰہی میں غور و فکر کر رہے تھے تو حضور نے انہیں ارشاد فرمایا مخلوق میں تو بے شک غور و فکر کیا کرو لیکن ذات خالق کو اپنی سوچ کا موضوع مت بناؤ کیونکہ یہ چیز تمہاری طاقت اور قدرت سے ماوراء ہے۔

حضرت ابوذر سے بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث منقول ہے:

قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وسلم تفكروا في خلق الله ولا تفكروا في الله فتهلكوا۔ (روح المعاني)

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ کی مخلوق میں تو غور و فکر کیا کرو لیکن اس کی ذات میں تفکر نہ کیا کرو ورنہ

الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٤٥﴾ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿٤٦﴾ وَأَنَّ عَلَيْهِ

دونوں قسمیں نر اور مادہ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکائی جاتی ہے۔ اور یہ کہ اسی اللہ تعالیٰ کے ذمہ

النَّشْأَةَ الْأُخْرَىٰ ﴿٤٧﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ ﴿٤٨﴾ وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ

ہے دوسری بار پیدا فرمانا ۴۴ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے ۴۵ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا

الشِّعْرَىٰ ﴿٤٩﴾ وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿٥٠﴾ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ ﴿٥١﴾ وَقَوْمَ

رب ہے ۴۶ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عاد اولیٰ (قوم ہود) کو ۴۷ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا۔ اور (ہلاک کیا) قوم

ہلاک ہو جاؤ گے۔

۴۳ چاہے تو کسی کو خوش کر کے ہنسائے اور چاہے تو کسی کو غم و اندوہ میں مبتلا کر کے اسے رُلائے۔ مسرتیں اور غم اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ عقل مندی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اسی کی بندگی کا قلادہ گلے میں ڈال کر اس کے دربار میں حاضر ہو جاؤ۔ اسی سے خوشی کی بھیک مانگو اور حزن و ملال سے اسی کی پناہ طلب کرو۔ اس کے در کو چھوڑ کر ادھر ادھر خوشیوں کی تلاش میں بھٹکتے پھرنا محض جہالت اور نادانی ہے۔

۴۴ موت و حیات بھی اسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ منی کی بوند ایک جیسی ہوتی ہے۔ وہ اپنی حکمت سے کسی سے نر پیدا کرتا ہے اور کسی سے مادہ۔ جو خالق اتنی طاقت اور قوت کا مالک ہے اس کے لیے قطعاً یہ امر مشکل نہیں کہ وہ قیامت کے روز تمام بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کر کے ان میں نئی زندگی پھونک دے۔

۴۵ اللہ تعالیٰ کی ایک دوسری شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔ مال و دولت کے خزانے بھی اسی کے قبضہ میں ہیں۔ چاہے تو کسی کو مالا مال کر دے اور اسے بے حساب رزق عطا فرمائے اور چاہے تو کسی کو مفلس اور کنگال کر دے۔ وہ پائی پائی کے لیے ترستا ہے اور اسے وہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہ اس کی حکمت کے کرشمے ہیں۔ مال و دولت میں جو اسرار پنہاں ہیں ان کی حقیقت سے وہی خوب واقف ہے۔ اقنیٰ کے کئی اور معانی بھی بتلائے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک اس کا وہی معنی بہت زیادہ مناسب ہے جو میں نے بیان کیا ہے۔

۴۶ ایک نہایت روشن ستارہ ہے جو جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ اس کو شعریٰ کہتے ہیں۔ شعریٰ نام کے دو ستارے ہیں ایک کو شعریٰ عبور اور دوسرے کو شعریٰ غمیصاء کہتے ہیں۔ اساطیر عرب میں ہے کہ یہ دونوں سہیل ستارہ کی بہنیں ہیں۔ بعض عربی خرافات میں یوں مذکور ہے کہ سہیل اور شعریٰ دونوں میاں بیوی تھے۔ سہیل جنوب کی طرف ڈھل آیا اور یمانی ہو گیا۔ شعریٰ اس کی بیوی کہکشاں کو عبور کر کے اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی اس لیے اسے الشعری العبور کہتے ہیں اور دوسری یہیں رک گئی اس لیے اس کو الشعری الغمیصاء کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا نام کلب الجبار بھی ہے کیونکہ برج جوزاء جسے جبار کہا جاتا ہے اس کے پیچھے پیچھے کتے کی طرح چلتا ہے۔

نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ۝ وَالْمُؤْتَفِكَةَ

نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) الٹی بستی کو بھی

أَهْوَىٰ ۝ فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ۝ هَٰذَا

دے پٹخا [۴۹] پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا [۵۰] پس (اے سننے والے) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا۔ یہ

اگرچہ اللہ تعالیٰ تمام ستاروں کا رب ہے لیکن اسے خصوصیت سے رب الشعریٰ کہا گیا ہے کیونکہ بقول سدی حمیر اور خزاعہ کے قبیلے اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ سب سے پہلے جس نے اس کی عبادت شروع کی اس کا نام ابو کبشہ ہے۔ عرب کے دوسرے قبائل اگرچہ اس کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس کی عزت و تکریم کرنے میں سب شریک تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شعریٰ کائنات میں بہت موثر کردار ادا کرتا ہے۔

شعریٰ ستارے کے انگریزی میں کئی نام ہیں۔ اسے SIRIUS، DOG STAR اور CANIS MAJORIS بھی کہا جاتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں SIRIUS کے عنوان کے ضمن میں جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ یہ ستارہ مجموعہ نجوم میں روشن ترین ستارہ ہے۔ سورج سے بھی اس کی روشنی اکیس گنا زیادہ ہے اور حجم میں بھی یہ سورج سے بڑا ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت بھی کافی زیادہ ہے۔ زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ اعشاریہ چھ (۸.۶) نوری سال ہے۔ قدیم مصری اس کو بہت مقدس مانتے تھے کیونکہ جس موسم میں یہ طلوع ہوتا اس وقت دریائے نیل میں سیلاب کی آمد ہوتی۔ تمام علاقہ سیراب ہو کر سرسبز و شاداب ہو جاتا۔ مصریوں کا عرصہ دراز تک یہی عقیدہ رہا کہ شعریٰ ستارے کے طلوع کے باعث مصر میں خوشحالی کا دور دورہ ہوتا ہے اس لیے وہ اسے ہر قسم کی سرسبزیوں اور شادابیوں کا خالق یقین کرتے تھے اور اس کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا۔ جلد ۲۰)

ہو سکتا ہے کہ اہل عرب میں اس کی عبادت کا تصور مصر ہی سے آیا ہو۔

[۴۷] عاد اولیٰ سے مراد عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد ہے۔ اسے اولیٰ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد سب سے پہلے اس قبیلے پر غضب نازل ہوا۔ ان کی طرف ہود علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا لیکن جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زور دار جھکڑ بھیجا جس نے ان کو برباد کر کے رکھ دیا۔ ان میں سے فقط وہی لوگ بچے جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے۔ انہیں کی اولاد کو عاد اخریٰ کہا جاتا ہے۔

ثمود یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی اور قوم نوح جب ان کی نافرمانیاں اور عصیاں شعاریاں انتہا کو پہنچ گئیں تو ان کو بھی تباہ و برباد کر دیا گیا۔

[۴۹] اس سے مراد وہ بستی ہے قوم لوط علیہ السلام ہیں جنہیں جبرئیل نے اکھیڑ کر اوپر اٹھایا اور اوندھا کر کے ان کو زمین پر دے مارا گیا۔ اس کا مادہ اِفْک ہے عرب کہتے ہیں اَفَکَہٗ اَیْ قَلَبَہٗ و صرفہ یعنی جب کسی چیز کو الٹ پلٹ کر پھینک دیا۔ ائتفک

نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۞ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۞ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ

ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے ۲۲؎ قریب آنے والی قریب آگئی ۲۳؎ اللہ کے سوا اسے کوئی

اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۞ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۞ وَتَضْحَكُوْنَ وَ

ظاہر کرنے والا نہیں ۲۴؎ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو ۲۵؎ اور (بے فکروں کی طرح) ہنس رہے ہو اور

بھم ای انقلبت وصار عالیہا سافلہا۔

اَھْوٰی: ای خسف بھم وصرعہا۔ یعنی پہلے اٹھایا اور پھر زور سے اوندھا پھینک دیا کہ وہ زمین میں دھنس جائے۔

۲۰؎ قوم لوط کی بستیاں زمین میں دھنس گئیں اور بحر مردار کا پانی ان پر چھا گیا اور ان کو موجوں نے ڈھانپ لیا۔ ابھی تک بحر مردار کے پانی میں یہ بستیاں ڈوبی ہوئی ہیں۔ سمندر کا پانی ان پر چھایا ہوا ہے۔

۲۱؎ تتماری: تشکک وتجادل (مظہری) تتماری کے دو معنی ہیں۔ کسی چیز میں شک کرنا اور جھگڑا کرنا۔ سامعین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ عاد و ثمود، قوم نوح کیوں غضب الٰہی کی چکی میں پیس کر رکھ دی گئیں۔ ان کا یہی تو جرم تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں میں شک کرتے تھے۔ انہیں یہ یقین نہ تھا کہ ان انعامات سے انہیں ان کے رب نے سرفراز کیا ہے۔ بلکہ وہ بتوں کو بھی اس میں شریک سمجھتے تھے اور جب ان کے انبیاء انہیں اس غلط فہمی سے نجات کا راستہ بتاتے تو یہ ان سے جھگڑتے۔ ان کو جھٹلاتے اور طرح طرح کی الزام تراشیاں کرتے۔ ان کا مذاق اڑاتے۔ دیکھئے کیسی سزا پا گئے۔ اے سننے والے! کیا تو بھی یہی روش اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر ایسے دردناک عذاب اور عبرتناک انجام کے لیے تمہیں بھی تیار ہو جانا چاہیے۔

جن انبیاء اور اقوام کا یہاں ذکر ہوا ہے ان سب کا تعلق ابراہیم علیہ السلام کے ماقبل زمانے سے ہے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہاں تک جو مضامین بیان ہوئے ہیں وہ صحف ابراہیم میں ہوں اور انہیں بھی یہاں ذکر کر دیا گیا ہو کیونکہ ان میں ہدایت کا جو درس ہے وہ امت قرآن کے لیے بھی اسی طرح مفید ہے جس طرح اصحاب ابراہیم کے لیے مفید تھا۔

۲۲؎ ھذا کے مشار الیہ کے بارے میں تین قول ہیں۔ (۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلام بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہیں۔ (۲) قرآن کریم یعنی یہ قرآن بھی پہلی آسمانی کتابوں کی طرح ڈرانے والا ہے۔ (۳) یہ واقعات جو تمہیں سنائے گئے ہیں گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات ہیں۔

۲۳؎ علامہ جوہری صحاح میں ازف کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اَزِفَ التَّرَحُّلُ یَأْزَفُ اَزَفًا: دَنَا وَاَفِدَ۔ کسی کے وقت کا قریب ہونا بتایا جا رہا ہے کہ قیامت لحظہ بلحظہ قریب سے قریب تر ہو رہی ہے۔ تمہاری موت کی گھڑی بھی نزدیک آتی جا رہی ہے اور تمہیں معلوم بھی نہیں کہ کس لمحہ تمہاری زندگی کا چراغ بجھ جائے گا۔ اس لیے لیت و لعل میں قیمتی وقت ضائع نہ کرو اور اپنی نجات کا بندوبست کر لو۔ ایسا نہ ہو کہ مہلت کی گھڑیاں اچانک ختم ہو جائیں اور پھر تمہیں کف افسوس ملنا پڑے۔

لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

روتے نہیں ہو ۶۰ اور تم نے کھیل تماشا بنا رکھا ہے ۶۱ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کی عبادت کیا کرو ۶۲

۵۸ کشف کا معنی ظاہر کرنا کسی چھپی ہوئی چیز سے پردہ ہٹا دینا یعنی قیامت کو ظاہر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا اس کو آشکارا کردے گا اور برپا ہو جائے گی۔ علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں ای لیس لہا من دون اللہ من یؤخرہا او یقدمہا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کوئی مؤخر کر سکتا ہے اور نہ مقدم کر سکتا ہے۔

۵۹ یہاں تعجب سے مراد وہ تعجب ہے جو کسی چیز کو ناقابل تسلیم خیال کرتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ کفار کو سرزنش کی جا رہی ہے کہ میرا رسول ایسی کتاب لے کر تمہارے پاس تشریف لایا ہے جس کی ہر آیت سے ہدایت کے انوار پھوٹ رہے ہیں تمہیں تو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس پر ایمان لے آنا چاہیے تھا لیکن تم اس کی ہدایات پر اظہار حیرت و تعجب کر رہے ہو۔ گویا یہ کوئی ایسی باتیں ہیں جو تمہارے لیے تسلیم کرنے کے قابل ہی نہیں۔

۶۰ تمہیں تو چاہیے تھا کہ گزشتہ برباد ہونے والی قوموں کے حالات پڑھ کر تم خوف الٰہی سے روتے اور اپنی گزشتہ غلطیوں پر آنسوؤں کے دریا بہا دیتے۔ لیکن تم بے حیاؤں کی طرح ہنس رہے ہو۔

۶۱ علامہ راغب سمد کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ السامد اللاہی الرافع راسہ۔ جو شخص غفلت کے باعث سر اٹھا کر چلا جا رہا ہو اسے سامد کہتے ہیں۔ علامہ قرطبی نے اس کے کئی اور معانی بیان کیے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے اس کا معنی لاہون معرضون کیا ہے یعنی غفلت سے منہ موڑنے والے۔ عکرمہ نے آپ سے یہ معنی بھی نقل کیا ہے وہو الغناء بلغۃ حمیر۔ گانے بجانے کو سمود کہتے ہیں۔ حضور جب انہیں قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو وہ گانے بجانے میں مشغول ہو جاتے تاکہ یہ پاک کلام انہیں سنائی نہ دے مبادا اس کی تاثیر سے وہ اپنے باطل عقائد کو چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

قال الضحاک سامدون شامخون متکبرون وفی الصحاح سمد سمودا رفع راسہ تکبرا۔

۶۲ یہ سورۃ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حرم کعبہ میں تشریف لے کر مجمع عام میں پڑھ کر سنائی سارے حاضرین پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ آیت پڑھی تو سجدہ میں گر گئے۔ سامعین جن میں کفار اور مشرکین کی بھی بہت بڑی تعداد تھی سب کے سب سجدہ ریز ہو گئے۔ امیہ بن خلف بھی وہاں موجود تھا اس نے نیچے سے مٹی اٹھا لی اسے ہتھیلی پر رکھا اور اسی پر ماتھا رکھ دیا کہنے لگا میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

کفار کی خر مستیوں اور غفلت شعاریوں کو بیان کرنے کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا کہ تم عجز و نیاز سے اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ ریز ہو جاؤ۔ تمام باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اسی وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہے۔ یہی معراج انسانیت ہے ——— یہی وہ سب سے اونچی چوٹی ہے جس پر رسائی حاصل کرنے سے انسان اپنی منزل مراد پر پہنچ جاتا ہے۔

یہ آیت سجدہ ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور اکثر اہل علم کے نزدیک اس آیت کی تلاوت کرنے والے اور اسے سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ امام مالک کے نزدیک یہاں سجدہ واجب نہیں۔ اگر اپنی مرضی سے کرلے تو ٹھیک ہے۔ امام مالک جب یہ آیت تلاوت کرتے تو خود سجدہ کیا کرتے۔

احناف کے پاس اس سجدے کے وجوب کی کئی دلیلیں ہیں۔ ایک تو یہی روایت جو ابھی مذکور ہوئی کہ حرم شریف میں حضور نے اس سورۃ کی تلاوت فرمائی اور خود بھی سجدہ کیا اور سامعین بھی سجدہ ریز ہوگئے۔

اس کے علاوہ موطا میں امام مالک نے حضرت عمر کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ آپ نے صبح کی نماز میں سورہ النجم پڑھی پھر سجدۂ تلاوت کیا پھر اٹھے اور سورۃ زلزال پڑھی پھر رکوع کیا۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

قد فرغت من تسوید هذه السطور بعد الساعة الثامنة صباح یوم الجمعة المبارك۔

وانا مستجیر فی بعض مدن [illegible] ٦ مایو سنة ١٩٧٧م

وتمنی التی احب من اعماق قلبی ان تکون کلمة اللہ ھی العلیا وکلمة الذین کفروا السفلی۔

ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما۔

تعارف

القمر

نام: پہلی آیت میں القمر کا ذکر ہے یہی اس کا نام ہے۔ اس میں تین رکوع، پچپن آیتیں، تین سو بیالیس کلمے اور ایک ہزار چار سو تئیس حروف ہیں۔

نزول: اس کے نزول کے بارے میں یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی جب انشقاق قمر کا معجزہ رونما ہوا اور یہ معجزہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پانچ سال پہلے منیٰ کے میدان میں ظہور پذیر ہوا۔

مضامین: آئے روز وہ ایسے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے جن کو دیکھنے کے بعد کوئی سلیم الطبع انسان حضور کی رسالت کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عقل کے اندھے ان کو جادو کہہ کر ٹال دیا کرتے۔ آخر کار ایک رات ان کی فرمائش پر شق قمر کا معجزہ دکھایا گیا۔ مکہ کے سارے باشندے منیٰ کے کھلے میدان میں حاضر تھے۔ آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے انگلی کا اشارہ کیا۔ اشارہ کرنے کی دیر تھی کہ چاند کا کرہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوا کہ اس کا ایک حصہ پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا ہے۔ پھر وہ آناً فاناً جڑ گیا۔ کفار یہ دیکھ کر تصویر حیرت بن گئے اُن کے پاس حضور کی رسالت کے انکار کا اب کوئی عذر باقی نہ رہا۔ اتنے میں ابوجہل بولا کہ محمد بڑا زبردست جادوگر ہے اس کا جادو آسمان پر بھی اثر کرتا ہے۔

اُن کے اس طرح انکار سے حقیقت تو مسخ نہیں کی جا سکتی۔ آخر انہوں نے اس چیز کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تھا کہ اتنا بڑا کرہ جو ان کی زمین سے کئی گنا بڑا ہے پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا اگر یہ کرہ پھٹ سکتا ہے تو دوسرے کرے کیوں پھٹ نہیں سکتے۔ یہی تو قیامت ہے جس کا وہ انکار کیا کرتے ہیں۔ بتا دیا کہ اُن کے انکار کی وجہ کوئی عقلی استدلال نہیں بلکہ یہ لوگ محض اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور چونکہ ان کا عشرت پسند نفس یہ چاہتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے اس لیے یہ قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ ان بدنصیبوں کو اس وقت ہوش آئے گا جب قیامت کے دن فرشتے ان کو ہانک کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جا رہے ہوں گے۔ اس کے بعد ان کے سامنے چند گزشتہ قوموں کے احوال بیان کیے گئے کہ کس طرح انہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا۔ اُن کی دعوت کا مذاق اڑایا۔ اپنی ظاہری قوت کے باعث ظلم و تشدد اور فسق و فجور کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہو گئی تو عذاب خداوندی آیا اور ان کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

ہر قوم کے حالات ذکر کرنے کے بعد ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر کی آیت کو دہرایا گیا جس سے قارئین کو تنبیہ کی گئی کہ قرآن کوئی معموں کی کتاب نہیں جس کو سمجھنا ان کے بس سے باہر ہو یہ تو ایک کھلی اور واضح کتاب ہے جو شخص بھی خلوص نیت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے اس کو سمجھنا آسان ہوگا۔

گزشتہ قوموں کی بربادی کے قصے بیان کرنے کے بعد کفار مکہ کو مخاطب کیا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں کہ تم جو کچھ کرتے رہو تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا؟ کیا تمہارے پاس اللہ کا لکھا ہوا کوئی وعدہ ہے کہ تم حرم خلیل میں اگر تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش کرتے رہو گے تو تمہیں معاف کر دیا جائے گا۔ اگر تمہیں اپنی جمعیت اور اپنے جنگجو بہادروں کی قوت پر ناز ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم اور تمہارے جیسے اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

ہم نے تمہارے تمام اعمال کو لکھ رکھا ہے۔ روز محشر تم اپنی غلط کاریوں اور کرتوتوں کا انکار نہیں کر سکو گے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ خَمْسٌ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ قمر مکی ہے اس کی ۵۵ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے آیات اور ۳ رکوع ہیں۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قیامت قریب آگئی ہے[1] اور چاند شق ہو گیا[2] اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں

[1] حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس اثنا میں سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا تو رحمت عالم نے فرمایا ما بقی من دنیاکم فیما مضی الا مثل ما بقی من ھذا الیوم فیما مضی یعنی دنیا کی مقررہ مدت میں سے اب اسی قدر وقت باقی ہے جتنا اس دن سے سورج غروب ہونے میں باقی ہے یعنی کافی زمانہ گزر گیا اب وقوع قیامت میں تھوڑی مدت باقی رہ گئی ہے۔ حضرت سہل ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا بعثت انا والساعۃ ھکذا واشار باصبعیہ السبابۃ والوسطی حضور نے اپنی دو انگلیوں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کیا اور فرمایا میری بعثت اور قیامت یوں ملی ہوئی ہیں۔ اس آیت میں بھی یہی بتایا کہ قیامت برپا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے جو وقت معین کیا ہے وہ اب قریب آلگا ہے۔ زیادہ عرصہ گزر چکا اب تھوڑا وقت باقی ہے۔

[2] تم لوگ وقوع قیامت کا انکار کرتے ہو تمہیں بڑا تعجب ہوتا ہے کہ کس طرح یہ سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اتنے پہاڑ، ستارے اتنی بڑی بڑی قوی ہیکل چیزیں کہاں جائیں گی۔ دیکھو چاند کو دو ٹکڑے ہوتے تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر چاند دو ٹکڑے ہو سکتا ہے تو باقی تمام چیزیں خواہ کتنی ہی بڑی ہوں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ بھی ٹوٹ پھوٹ سکتی ہیں۔

علامہ قرطبی نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک وفد مشرکین کا اکٹھے ہو کر حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے اگر آپ سچے ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھائیے۔ حضور نے فرمایا ان فعلت تؤمنون۔ اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ایمان لے آؤ گے وہ بولے ضرور۔ اس رات کو چودھویں تاریخ تھی۔ اللہ کے پیارے رسول نے اپنے رب سے عرض کی کہ کفار نے جو مطالبہ کیا ہے اسے پورا کرنے کی قوت دی جائے۔ چنانچہ چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مشرکین کا نام لے لے کر فرما رہے تھے یا فلان یا فلان اشھدوا اے فلاں اے فلاں اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو اور اس بات پر گواہ رہنا۔ تمہاری فرمائش پوری ہو گئی۔ حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ کفار نے جب اس عظیم معجزہ کو دیکھا تو ایمان لانے کے بجائے انہوں نے کہا ھذا من سحر ابن ابی کبشۃ۔ یہ ابی کبشہ کے بیٹے کی نظر بندی کا اثر ہے۔ اس نے تمہاری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔ چند دنوں تک باہر سے قافلے آنے والے ہیں۔ ہم ان سے پوچھیں گے۔ اس جادو کی حقیقت خود بخود کھل جائے گی۔ جب وہ قافلے آئے اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا فلاں رات کو چاند کو شق ہوتے تم نے دیکھا ہے۔ سب نے اس کی تصدیق کی لیکن اس کے باوجود کفار مکہ کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔

یہ معجزہ ہجرت سے پانچ سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ یہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بڑے جلیل القدر صحابہ نے اسے روایت کیا ہے جن میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ سیدنا علی مرتضیٰ، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر، ابن عباس وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: والاحادیث الصحیحۃ فی الانشقاق کثیرۃ۔ یعنی شق قمر کے بارے میں صحیح احادیث بکثرت ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نے انہیں متواتر بھی کہا ہے۔ شارح مواقف کی بھی یہی رائے ہے۔

امام تاج الدین سبکی ابن حاجب کی المختصر کی شرح میں لکھتے ہیں: الصحیح عندی ان انشقاق القمر متواتر منصوص علیہ فی القرآن مروی فی الصحیحین وغیرہما من طرق شتی بحیث لا یمتری فی تواترہ (روح المعانی) علامہ سبکی لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک انشقاق قمر متواتر ہے اور قرآن کریم کی نص سے ثابت ہے۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں اتنی سندوں سے مروی ہے کہ اس کے تواتر میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔

بعض قصہ گوؤں نے اس واقعہ پر مضحکہ خیز اضافے کیے ہیں کہ چاند حضور کے گریبان میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ علماء نے کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور یہ سراسر باطل ہے۔

کثرت اسناد صحیح احادیث کے باوجود بعض لوگ اس معجزہ کا انکار کرتے آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ واقعہ وقوع قیامت کے وقت ظہور پذیر ہوگا۔ انشق اگرچہ ماضی کا صیغہ ہے لیکن یہاں مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لغت عرب میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ ان کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا تو ساری دنیا میں اس کی دھوم مچ جاتی۔ اس زمانہ کے مؤرخ اپنی تاریخوں میں اس کا ذکر کرتے۔ علم نجوم کے ماہرین اپنی تصنیفات میں اس کو بطور یادگار نقل کرتے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ چونکہ یہ واقعہ رات کو ظہور پذیر ہوا تھا اس لیے جزیرہ عرب کے مغرب میں جو ممالک تھے وہاں اس وقت دن تھا لہٰذا وہاں تو دیکھے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نیز یہ واقعہ رات کو پیش آیا اور اچانک پیش آیا۔ لوگوں کو کیا خبر تھی کہ ایسا واقعہ رونما ہونے والا ہے تاکہ وہ بے تابی سے اس کا انتظار کرتے۔ رات کو دنیا سوئی ہوئی، کسی کو کیا خبر کہ آن کی آن میں کیا واقعہ رونما ہوگیا۔ اگر کوئی اس وقت جاگ بھی رہا ہو تو ممکن ہے وہ کسی اور کام میں مشغول ہو اور اس نے اس کی طرف توجہ ہی نہ کی ہو یا توجہ کی ہو اور اس نے دیکھا بھی ہو لیکن اسے پتہ ہی نہ ہو کہ کیا ہوا ہے اور پھر خاموش ہو گیا ہو۔ غرضیکہ بیسیوں احتمالات ہو سکتے ہیں۔ اتنے احتمالات کی موجودگی میں ہم صحیح روایات سے ثابت شدہ واقعہ کو کس طرح غلط کہہ سکتے ہیں۔

علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خطبات مدراس میں لکھتے ہیں کہ ان کو سنسکرت کی ایک پرانی کتاب ملی ہے جس میں لکھا ہے کہ مالابار کے راجہ نے اپنی آنکھوں سے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

بعض لوگ اس وجہ سے اس واقعہ کا انکار کرتے ہیں کہ اتنا بڑا کرہ پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جائے اور وہ دونوں ٹکڑے پھر جڑ جائیں یہ ناممکن ہے۔ لیکن جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں اسے ناممکن کہنا مشکل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کرہ کے اندر آتش فشاں مادہ ہو اور وہ اس طرح سے پھٹے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جائیں لیکن مرکز کی مقناطیسی قوت اتنی طاقتور ہو کہ وہ ان دونوں ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کر دے۔ ہمیں ان تکلفات کی تب ضرورت پیش آتی جب خود بخود چاند کے پھٹنے کا واقعہ رونما ہوتا۔ جب ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝۲ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳

یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ سے اور انہوں نے جھٹلایا (رسول خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی۔ اور ہر کام کے لیے ایک انجام ہے۔ ش

نے اپنے محبوب کی رسالت کی تصدیق کے لیے چاند کو دو ٹکڑے کیا تو اب کسی کو شک کی مجال نہیں رہتی کیونکہ جس قادر حکیم نے اس چاند کو بنایا ہے وہ اسے توڑ بھی سکتا ہے اور توڑ کر جوڑ بھی سکتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ انشقاق قمر وقوع پذیر قیامت کے وقت ہوگا قرآن کا سیاق و سباق ان کی اس توجیہ کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وان یروا آیۃ ولا جملہ صاف بتا رہا ہے کہ انہوں نے انشقاق قمر دیکھا —— جتنے عظیم الشان اور محیر العقول معجزہ کا مشاہدہ کیا —— لیکن پھر بھی ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ یہ کلام اسی وقت درست ہو سکتا ہے جبکہ انشقاق قمر ہو چکا ہو۔ واللہ علی کل شیء قدیر۔

سے انہوں نے اس معجزہ کا خود مطالبہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ معجزہ انہیں دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لائیں گے، لیکن جب یہ معجزہ ظہور پذیر ہوا تو ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔ الٹا کہنے لگے یہ ایک بڑا زبردست جادو ہے۔

مستمر کے دو معنی بتائے گئے ہیں۔ قال ابو العالیہ والضحاک: محکم قوی شدید وھو من المرۃ وھی القوۃ۔ ابو العالیہ اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مِرَّۃ جس کا معنی قوت ہے، سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے مضبوط طاقت ور۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جادو بڑا زور دار ہے۔ زمین پر ہی نہیں آسمانی چیزوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ لیکن قتادہ، مجاہد اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے ذاھب من قولھم مر الشیء واستمر اذا ذھب۔ قرطبی۔ اس کا معنی ہے گزر جانے والا۔ جب کوئی چیز آئے اور گزر جائے تو عرب کہتے ہیں مر الشیء واستمر۔

دوسری صورت میں اس جملہ کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنے دوستوں کو تسلی دینے لگے کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ایک سحر تھا گزر گیا پھر ٹھیک ہو گیا۔ یہ آنی فانی چیز تھی لوگ اس کو جلد ہی بھول جائیں گے۔ اپنے بتوں کی خدائی کو ایسے جادو سے کوئی خطرہ نہیں۔

سے اس سے پتہ چلتا ہے جب تک انسان ہٹ دھرمی کی روش کو ترک نہ کرے آشکارا معجزہ بھی اس کی ہدایت کا سبب نہیں بن سکتا۔ ہدایت ایسی چیز نہیں جو بلا طلب کسی پر ٹھونس دی جائے۔ یہ تو متاع عزیز ہے، صرف انہی کو بخشی جاتی ہے جو اس کے حصول کے لیے بیتاب ہوں۔

جب کفار ایمان لانے کے لیے تیار ہی نہ تھے تو انہیں نعمت ایمان سے آخر کیوں سرفراز کیا جاتا۔ انہوں نے تو دل میں یہ طے کر لیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ عقل کا چراغ انہوں نے گل کر دیا تھا اور غور و تدبر کا دروازہ انہوں نے سختی سے بند کر دیا تھا۔ ایسے لوگوں کو ہدایت نصیب ہو جائے یہ سنت الٰہی کے خلاف ہے۔ اس لیے انہوں نے اس کے باوجود اللہ کے رسول کی تکذیب کی اور وحی کی روشن آیات کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں لگ گئے۔

ش یعنی ہر کام کا کوئی نہ کوئی انجام ہے۔ جو ایمان لائے گا اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرے گا اس کا انجام یہ ہوگا کہ اُولٰئک ھم المفلحون کا تاج اس کے سر پر سجا دیا جائے گا اور جس شخص نے کفر و نافرمانی کو اختیار کیا، نفس و شیطان کا غلام بنا رہا اس کا

وَلَقَدْ جَآءَهُم مِّنَ الْأَنۢبَآءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا

اور یقیناً آچکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے شہ یہ خبریں سراسر حکمت ہیں پس نہ فائدہ دیا ان کو

تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾

نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا شہ پس آپ بھی ان سے رخ انور پھیر لیں جس روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف شہ

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ

(خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی شہ قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں

انجام یہ ہوگا اولئک ھم الخاسرون کے زمرہ میں اسے داخل کر دیا جائے گا۔ علامہ قرطبی نے اس کا معنی کیا ہے ای کل عمل عامل علیه للخیر مستقر باهله فی الجنة والشر مستقر باهله فی النار۔ یعنی ہر عمل اپنے عامل کو کسی خاص ٹھکانے پر پہنچائے گا۔ عمل خیر اس کو جنت میں لے جائے گا اور عمل شر دوزخ میں۔

لے ان کو راہ راست پر لانے کی یہ پہلی کوشش نہیں۔ گزشتہ گمراہ قوموں کے عبرتناک انجام سے انہیں بار بار خبردار کیا گیا ہے۔ یہ واقعات اتنے اثر انگیز تھے کہ اگر ان کے کان اور آنکھیں ہوتے تو انہیں کسی مزید تنبیہ کی ضرورت نہ رہتی۔

مزدجر: ازدجر مصدر سے ہے۔ اس کا معنی ہے طرده وصاح به۔ بلند آواز سے کسی کو کسی کام سے باز رکھنا اور جھڑکنا یعنی یہ واقعات انہیں سختی سے منع کر رہے تھے کہ تم گمراہی کی یہ روش چھوڑ دو۔

سے پہلی آیت میں جو ما ہے اس کا یہ بدل ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو ان کو باز رکھنے والی تھیں اور سراپا حکمت تھیں۔ بدل من ما فاعل جاء او خبر لمبتدا محذوف ای ھو۔ یا ھو مبتدائے محذوف کی یہ خبر ہے۔

شہ نذر یا نذیر کی جمع ہے۔ یعنی آپ سے پہلے بھی کئی انبیاء تشریف لائے تھے یا مصدر ہے اور اس کا معنی انذار ہے۔

شہ اے حبیب! آپ ان کے ایمان نہ لانے سے غمزدہ نہ ہوں بلکہ ان سے اپنا رخ انور پھیر لیں۔ انہیں خوب کھیل لینے دیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب انہیں ایک بلانے والا ایسی چیز کی طرف بلائے گا جو انتہائی ناگوار ہوگی۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: الداعی اسرافیل علیه السلام یقف علی صخرة بیت المقدس یقول ایتها العظام النخرة والجلود الممزقة والاشعار المتقطعة ان الله یامرکن ان تجتمعن لفصل الخطاب۔ (مظہری) یعنی اسرافیل علیہ السلام بیت المقدس کی چٹان پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو! اے پھٹے ہوئے چمڑو! اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم اکٹھے ہو جاؤ اور فیصلے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو جاؤ۔ نکر، فظیع خوفناک یعنی قیامت کا دن۔

شہ لفظ خشع کی تحقیق کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں خشع واختشع وتخشع رمی ببصره نحو الارض

مُّنتَشِرٌ ﴿٧﴾ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿٨﴾

ہیں۔ ڈرتے ڈرتے بھاگے جا رہے ہوں گے بلانے والے کی طرف سلہ کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے سلہ

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿٩﴾

جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انھوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا سلہ

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ ﴿١٠﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ

آخر کار اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہو گیا ہوں اب تو ان سے بدلہ لے سلہ پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش

ویقنع ہو خفض صوتہ۔ یعنی نظریں نیچی کر لینا، آنکھیں بند کر لینا اور آواز کا آہستہ ہو جانا۔ خُشَّعًا جمع ہے، اس کا واحد خاشع ہے۔ یخرجون میں ہم ضمیر کا حال ہے اس لیے منصوب ہے۔

سلہ ابن منظور لکھتے ہیں: هطع واهطع اقبل مسرعا خائفا لا یکون الا مع خوف (لسان العرب)۔ یعنی ڈرتے ہوئے تیزی سے کسی کی طرف جانا۔ هطع اس تیزی کو کہتے ہیں جس میں خوف بھی پایا جاتا ہو۔ مقصد یہ ہے کہ جب بلانے والا انھیں بلائے گا تو ان کی حالت یہ ہوگی کہ اس پکار پر سستی نہیں بلکہ تیزی سے لپکیں گے، خوف سے ان کا برا حال ہوگا، گھبراہٹ کے مارے وحشت سے چلے جا رہے ہوں گے۔ ان آیات میں ان کے قبروں سے نکلنے اور وہاں سے بھاگنے کی منظر کشی کی جا رہی ہے۔ یعنی جب وہ قبروں سے باہر نکلیں گے تو شرم سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی، ترساں و لرزاں بھاگے ہوئے بلانے والے کی طرف جا رہے ہوں گے۔ یوں معلوم ہوگا جیسے ٹڈیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ایک سمت میں اڑا چلا جا رہا ہے۔

سلہ اس وقت کفار کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا خوفناک اور ہولناک ہے۔ غیر: ای یوم شدید الهول عبوس قمطریر۔ لیکن اس روز قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کہنا بے سود ہوگا۔ اے کفار مکہ! وہ سخت دن آنے والا ہے اور ضرور آ کر رہے گا۔ اس وقت پچھتانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ آج ہی چشم بصیرت وا کرو، آج ہی میرے رسول کا کلام سن لو۔

سلہ یہاں سے چند گزشتہ قوموں کے عبرت ناک انجام کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ ان کے مفصل حالات مختلف مقامات پر پہلے گزر چکے ہیں۔ تفصیلات کے لیے ادھر رجوع کیا جائے۔ یہاں فقط مشکل کلمات کی تشریح یا کوئی نئی چیز مذکور ہوئی ہے تو اس کی وضاحت پر اکتفا کیا جائے گا۔ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم کو کفر و شرک اور بدکاریوں سے روکا تو ان کم بختوں نے صرف ان کو جھٹلایا ہی نہیں، صرف نہیں دیوانہ ہی نہیں کہا بلکہ ان کو بری طرح جھڑکتے اور دھمکیاں بھی دیتے کہ اگر تم نے اپنے وعظ کا سلسلہ بند نہ کیا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ ازدجر: ای انتهروه وزجروه وتوعدوه لئن لم تنته یا نوح لتکونن من المرجومین۔ انھوں نے انھیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح! اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔

سلہ نو سو سال سے زیادہ عرصہ آپ ان کو وعظ و نصیحت کرتے رہے، لیکن ان کی حالت اور بگڑتی گئی اور ان کی شرپسندی

مُنۡهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرۡنَا الۡاَرۡضَ عُيُوۡنًا فَالۡتَقَى الۡمَآءُ عَلٰۤى اَمۡرٍ قَدۡ

کے ساتھ اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لیے جو پہلے مقرر ہو چکا

قُدِرَ ۝ وَحَمَلۡنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلۡوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجۡرِىۡ بِاَعۡيُنِنَا ۚ جَزَآءً

تھا اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی کشتی پر وہ چلتی جاتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے

لِّمَنۡ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكۡنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۝ فَكَيۡفَ

یہ (طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا اور ہم نے باقی رکھا اس (واقعہ) کو (بطور) نشانی تو ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا سو کیسا (خوفناک)

كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِنۡ

تھا میرا عذاب اور (کیسے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے، تو ہے کوئی نصیحت قبول

اور زیادتی حد سے بڑھ گئی تو آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا الٰہی میں مغلوب ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما یا الٰہی انتقام لے۔

منہمر: المنصب المتدفق۔ موسلادھار اور بڑی قوت سے ابل کرنے لگا۔ زمین کی تہہ میں جو پانی کے سمندر پوشیدہ تھے انہیں حکم ملا وہ جگہ جگہ سے چشموں کی طرح بہہ نکلے۔

ادھر زمین اپنے پانی کے ذخائر کو انڈیل رہی تھی ادھر آسمان سے پانی کا سیلاب امڈا آ رہا تھا۔ دونوں پانی مل گئے تو سارا علاقہ زیر آب آ گیا اور نیچے اونچے مکانات بلند ٹیلے بلکہ پہاڑ بھی غرقاب ہو گئے اور اس مجرم قوم کو تباہ کرنے کا جو فیصلہ کیا گیا تھا وہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔

نوح علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق لکڑی کے لمبے لمبے تختے چیرے اور انہیں بڑے بڑے کیلوں اور مضبوط میخوں سے جوڑ کر کشتی تیار کی تھی اس میں آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوار ہو گئے۔

الواح جمع ہے لوح کی، لکڑی کے تختے۔ دسر: اس کا واحد دسار ہے اس کا معنی المسمار یعنی میخ یا کیل ہے۔

بے شک کشتی بڑی مضبوط تھی لیکن طوفان بڑا شدید تھا اور اس میں اٹھنے والی لہریں بڑی خطرناک تھیں۔ کشتی کا ان کی زد سے بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ فرمایا کشتی ہماری حفاظت میں چل رہی تھی۔ ہم خود اس کی نگہبانی فرما رہے تھے۔ اس لیے اسے کوئی خطرہ نہ تھا وہ [illegible] سے ان طوفانی موجوں میں خراماں خراماں تیرتی چلی جا رہی تھی۔

ہم نے اس طوفان کی یاد کو زندہ رکھا۔ نسلاً بعد نسل ایک دوسرے کو بتاتے گئے۔ واقعہ نگاروں نے اسے اپنی کتابوں میں تحریر کیا تاکہ آنے والے لوگ اس کو سن کر نصیحت قبول کریں۔ ترکناھا کی ضمیر واقعہ کی طرف ہے۔ یرید ھذہ الفعلۃ

مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا

کرنے والا؟ جھٹلایا عاد نے بھی (اپنے نبی کو) پس کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان

عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنزِعُ النَّاسَ

پر تند و تیز آندھی بھیج دی ایک دائمی نحوست کے دن میں ؎ وہ اکھاڑ کر پھینک رہی تھی لوگوں کو

كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَ

گویا وہ تنے ہیں اکھڑی ہوئی کھجوروں کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔

عبرۃ۔ قرطبی: بعض علماء نے اس جملہ کا یہ معنی کیا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں ابقاھا اللہ بباقردی من ارض الجزیرۃ عبرۃ وآیۃ۔ اللہ تعالیٰ نے اسے باقی رکھا اور وہ سرزمین جزیرہ کے باقردی علاقہ میں ہزاروں سال پڑی رہی یہاں تک کہ جب مسلمانوں نے اس علاقہ کو فتح کیا اس وقت بھی اس کے آثار باقی تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ؔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن ایک معمولی سی کتاب ہے جس کو ہر کس و ناکس اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ قرآن آسان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کرنے اور ہدایت پانے کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہے ہم اس کے لیے اس کتاب مقدس کو آسان کر دیتے ہیں۔ اس کی فہم کو نور فراست سے روشن کر دیتے ہیں۔ اس کے ذہن کو جلا اور اس کے فکر کو بالغ النظری بخش دیتے ہیں۔ یعنی جس کی اللہ تعالیٰ کا کتاب تو اشکار [illegible] ہے لیکن جو ہدایت پذیری کے لیے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اس کو [illegible] معلوم [illegible] کیا جاتا ہے اور قرآن کے الفاظ اس سے گفتگو ہی نہیں کرتے۔ اس کا ایک [illegible] بیان کیا گیا ہے کہ سمجھانے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ مجرم کو اس کے جرم کی سزا دی جائے۔ قتل کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے۔ اس وقت وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس نے برا کام کیا تھا۔ اس کی غلطی ہے لیکن اس کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈالا جا چکا ہے۔ یوں تو انسان اس طرح بھی سمجھ جاتا ہے اور خوب سمجھ جاتا ہے لیکن سمجھنے اور سمجھانے کا یہ انداز بڑا سخت اور بڑا تلخ ہے اور سمجھنے والے کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ سمجھانے کا دوسرا طریقہ یہ ہے جو قرآن نے اختیار کیا ہے۔ وہ لوگ جو گمراہیوں اور بدکاریوں میں اپنی عمر برباد کر رہے ہیں ان کے سامنے تصویر کھینچ دی جائے کہ اس فعل بد پر مترتب ہونے والا انجام کیا ہے۔ اس کو ہم کرنے والوں کو قبل از وقت آگاہ کر دیا جائے اور ان کے سامنے ایسے واقعات کے نقشے کھینچے جائیں جن سے انہیں یقین ہو جائے کہ اگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ ہر شخص خود فیصلہ کرے کہ قرآن کا انداز افہام و تفہیم آسان ہے یا عذاب کے شکنجہ میں جکڑے جانے کے بعد کسی کی آنکھ کھل جائے تو یہ آسان ہے۔

ؔ قوم عاد نے اپنے نبی کی دعوت کو مسترد کر دیا۔ آخر کار ان پر تیز جھکڑ کا عذاب بھیجا گیا۔ ہوا کے یہ تھپیڑے جب لگتے انہیں اٹھا اٹھا کر انہیں زمین پر پٹخ دیتے۔ ان کے لمبے تڑنگے بھاری بھرکم لاشے دیکھ کر یوں لگتا کہ یہ کھجور کے تنے ہیں جنہیں کسی تیز آندھی نے توڑ کر گرا دیا ہے

لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾

بیشک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

فَقَالُوا أَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ إِنَّا إِذًا لَّفِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿۲۴﴾ أَأُلْقِيَ

پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم ہی میں سے ہے وہ اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا اتاری گئی

الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُونَ غَدًا مَّنِ

نصیحت اس پر ہم سب میں سے؟ بلکہ وہ بڑا جھوٹا شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا

الْكَذَّابُ الْأَشِرُ ﴿۲۶﴾ إِنَّا مُرْسِلُو النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ

جھوٹا شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لیے پس اے صالح! ان کے انجام کا انتظار کرو

وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

اور صبر کرو اور انہیں آگاہ کر دیجیے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان، سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں ۲۲

اٹھا لے اور زمین پر پٹخنے والا ہے۔

فی یوم نحس مستمر علامہ سید محمود آلوسی نے یہاں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے بہت سی ایسی روایات اور اقوال نقل کیے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں دن مبارک ہے اور فلاں دن منحوس۔ فلاں دن یہ کام کرنا چاہیے اور فلاں دن یہ کام۔ آخر میں فرماتے ہیں اس قسم کی تمام روایات صحیح سند سے ثابت نہیں بلکہ بعض تو بالکل ساقط الاعتبار اور موضوع ہیں۔ ان کا آخری جملہ نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ وقصاری ما اقول ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن ولا دخل لی فی ذالک للوقت ولا تشیر۔ یعنی مختصر حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ وقت کا یا کسی اور چیز کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ پھر فرماتے ہیں نعم لبعض الاوقات شرف یتنکر کیوم الجمعۃ وشہر رمضان وغیر ذالک (روح المعانی) ہاں بعض اوقات برکت اور شرف والے ہوتے ہیں جیسے جمعہ کا دن یا رمضان کا مہینہ۔

۲۲ یہاں سے قوم ثمود کی تباہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب صالح علیہ السلام نے انہیں آکر توحید کی دعوت دی تو وہ آپ سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے اگر ہم اس کی بات کو مان لیں تو پھر ہم راہ راست سے بھٹک جائیں گے اور اندھوں کی طرح تباہی میں دیوانہ وار گریں گے۔ یہ کیسے آدمی ہماری طرح بشر ہے پھر ہماری قوم کا ایک فرد ہے اور اس کے ساتھ کوئی جتھہ بھی نہیں۔ ایسے شخص کو نبی مان لینا

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾

پس انہوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں پھر (دیکھو) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾

ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پس وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خار دار باڑھ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ

بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا

بِالنُّذُرِ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ نَّجَّيْنَاهُم بِسَحَرٍ ﴿٣٤﴾

ڈرانے والوں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے ان کو بچا لیا سحری کے وقت۔

نِّعْمَةً مِّنْ عِندِنَا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَن شَكَرَ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ أَنذَرَهُم

یہ خاص مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں (لوط علیہ السلام) نے ہماری گرفت

بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿٣٦﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ عَن ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا

سے پس انہوں نے شک کیا ان ڈرانے والوں کے بارے میں۔ ۳۳ اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو ان کے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو

[illegible]

[illegible]

سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں یہ واقعہ بتفصیل گزر چکا ہے۔ ضیاء القرآن جلد دوم ملاحظہ فرمائیے۔

۳۳ تماروا۔ جھگڑا کرنا اور شک کرنا۔ یہ دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ [illegible] فطمسنا۔ طمس کہتے ہیں کسی چیز کو [illegible]

أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٧﴾ وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ

(اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب

مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ

نازل ہوا۔ لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے

فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا ع ۱۸ / ۹

پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟ اور آئے آل فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے ۲۳ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری نشانیوں کو

فَأَخَذْنَاهُمْ أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾ أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم

پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کہ زبردست قوت والا پکڑتا ہے۔ کیا تمہاری قوم کے کافر بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لیے

بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾ سَيُهْزَمُ

معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں، یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہو گی

الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ

یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے ۲۴ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک

نام و نشان مٹا دیا۔ جب ان کی قوم کو پتہ چلا کہ چند خوش شکل نوجوان لوط علیہ السلام کے پاس آئے ہیں تو دوڑتے ہوئے آئے کہ پہلے بہت پہلے سے ان کو طلب کرنا چاہا کہ وہ ان نوجوانوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ بعد میں یہ مطالبہ ازحد بڑھ گیا تو قرآن کی آنکھوں کو سلب کر لیا گیا یا جبریل نے پھیر مارا اور ان کی آنکھوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا بلکہ چہرہ سپاٹ ہو گیا گویا یہاں کبھی کوئی آنکھ تھی ہی نہیں۔

لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کی تفصیل کے لیے دیکھئے۔ الفرقان جلد اول اور دوم میں و حاشیہ ملاحظہ فرمائیے۔

۲۳ یہی حال فرعون اور اس کی قوم کا بھی ہوا۔

۲۴ اے اہل عرب! تم سے پہلے جن قوموں نے انبیاء کی تکذیب کی ان کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا ان قوموں کا جس انجام سے دوچار ہونا پڑا وہ تم سن چکے ہو۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا آثار نظر نہیں آ رہا کہ تم اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو رہے ہو۔ کیا تم اس گھمنڈ میں ہو کہ تم کچھ بھی کرتے رہو تم سے باز پرس نہیں ہو گی۔ تمہاری اس خام خیالی کی آخر کیا وجہ ہے۔ کیا تمہارے کافر پہلے کافروں سے بہتر ہیں ان کا لحاظ

وقف لازم

وَأَمَرُّ ﴿٤٦﴾ إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿٤٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي

اور تلخ ہے۔ بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا

النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ

آگ میں منہ کے بل (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک

بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾ وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿٥٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا

اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے ۵۰ اور بے شک ہم نے ہلاک کر دیا

أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٥١﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾ وَ

جو گروہ تھے تمہارے ہم مشرب پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے۔ اور

کیا بچ جائے گا یا تم نے کسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عرب کے کفار کچھ بھی کرتے رہیں ہم انہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے یا تم اس زعم میں ہو کہ تم بڑے جتھے والے اور بہادر ہو۔ تمہاری جمعیت اور نفری بہت زیادہ ہے۔ پہلی قومیں تو بزدل اور کمزور تھیں اس لیے خدا کے غضب سے انہیں آ کر دبوچ لیا اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا۔ یہ تینوں باتیں سراسر غلط ہیں۔ عنقریب جب اسلام کے شیروں سے تمہارا مقابلہ ہو گا تمہارے لشکر کو بڑی عبرتناک شکست ہو گی اور تم وہاں سے دم دبا کر بھاگ نکلو گے۔ چنانچہ بدر کے میدان میں یہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں سمجھ نہ سکا کہ وہ کون سا لشکر ہے جو پسپا ہو کر بھاگے گا لیکن جب روز بدر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زرہ پہنے تیزی سے جھپٹتے دیکھا اور اپنے رب سے التجا کرتے سنا اللهم ان قريشا جاءتك تحادك وتحاد رسولك بفخرها وخيلائها فاخنهم الغداة ثم قال سيهزم الجمع ويولون الدبر فعرفت تأويلها۔ یا اللہ! یہ قریش ہیں جو تجھ سے اور تیرے رسول سے عداوت کا اظہار کرنے کے لیے بڑے فخر و غرور سے آئے ہیں۔ الٰہی! آج انہیں ہلاک کر دے۔ پھر حضور نے یہ آیت پڑھی سیھزم الجمع ویولون الدبر۔ اس وقت مجھے اس آیت کا مصداق معلوم ہوا۔ (قرطبی)

۵۰ ہم ایک بار ہی حکم دیں گے اور چشم زدن میں اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ لمح کہتے ہیں تیزی سے دیکھنا النظر بالعجلة۔ اشیاعکم، قرطبی لکھتے ہیں اشباهكم في الكفر من الامم الخالية۔ یعنی گزری ہوئی امتوں میں سے جو عقیدہ اور عمل میں تمہاری مثل تھے۔ مستطر: مکتوب۔

كُلُّ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّٰتٍ وَنَهَرٍ ﴿٥٤﴾

ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔ بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے ٥٤

فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾

بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے ٥٥

٥٤ آخر میں اپنے مقبول بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ وہ جنتوں میں باغوں اور محلوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جن کے نیچے پانی، شراب، دودھ اور صاف ستھرا اور تازہ شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور آیات کی رعایت کے پیش نظر لفظ واحد ذکر کیا ہے لیکن مراد جمع ہے۔

٥٥ مقعد: بیٹھنے کی جگہ۔ صدق: ہر چیز کا عمدہ پسندیدہ۔ یہاں موصوف صفت کی طرف مضاف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مدح المکان بالصدق فلا یقعد فیہ الا اھل الصدق۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس جگہ کو صفت صدق سے موصوف فرمایا ہے اس لیے وہاں اہل صدق ہی کو بیٹھنے کی جگہ ملے گی۔ اس نشست گاہ کو مقعد صدق اسی لیے فرمایا گیا ہے۔ وھو المقعد الذی یصدق اللہ تعالیٰ مواعید اولیاءہ بانہ یبیح عز وجل لھم النظر الی وجھہ الکریم (روح المعانی)۔ کیونکہ وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے ساتھ جو وعدے فرمائے ہیں وہ پورے فرمائے گا۔ اس وقت ان عاشقان دلفگار کو اذن عام ہوگا کہ اے آتش عشق میں جلنے والو! اے شوق دیدار میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے والو! محبوب ازل اپنے رخ زیبا سے پردہ اٹھا رہا ہے۔ آنکھیں اٹھاؤ اور سیر ہو کر شاہد رعنا کا دیدار کرو۔

علامہ قرطبی خالد بن معدان سے نقل کرتے ہیں ہمیں یہ خبر پہنچی کہ قیامت کے روز فرشتے مومنین کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے یا اولیاء اللہ انطلقوا۔ اے اللہ کے دوستو تشریف لے چلیے۔ وہ پوچھیں گے کدھر؟ فرشتے کہیں گے جنت کی طرف۔ اہل ایمان جواب دیں گے: انکم تذھبون بنا الی غیر بغیتنا۔ اے فرشتو! تم ہمیں ادھر تو نہیں لے جا رہے جو ہماری آرزو اور تمنا تھی۔ فرشتے پوچھیں گے تمہاری آرزو کیا تھی؟ فیقولون المقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ ہم تو قدرت والے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔ کچھ وقت گزرا تو مجھے خیال آیا کہ صبح ہو گئی ہے لیکن ابھی کافی رات ہے۔ وہاں میرے سوا کوئی نہ تھا چنانچہ میں سو گیا۔ میں نے اپنے پیچھے کوئی حرکت سنی تو میں گھبرا گیا۔ میں نے سنا کوئی کہہ رہا ہے: ایھا الممتلی قلبہ فرقا فلا تفرق وقل اللھم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون ثم سل ما بدالک۔ قال فما سالت اللہ شیئا الا استجاب لی۔ یعنی اے شخص جس کا دل خوف سے بھر گیا ہے مت گھبرا بلکہ یہ کہہ: اللھم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون۔ اے اللہ! تو بادشاہ ہے بڑی قدرت والا ہے جو کام تو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ یہ کہنے کے بعد جو تیرے جی میں آئے وہ مانگ۔ سعید کہتے ہیں جو کچھ میں اپنے رب سے مانگتا ہوں وہ مجھے عطا فرماتا ہے۔

یہ لکھنے کے بعد علامہ سید محمود آلوسی لکھتے ہیں: انا اقول ذلک۔ میں بھی کہتا ہوں۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ناچیز بندہ بھی عرض کرتا ہے:

اللھم انک ملیک مقتدر ما تشاء من امر یکون فاسعدنی فی الدارین وکن لی ولا تکن علی وانصرنی علی من بغی علی و اعذنی من ھم الدین وقھر الرجال وشماتۃ الاعداء وصل اللھم وسلم علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وامتہ والحمد للہ رب العالمین۔

تعارف

سورۃ الرحمٰن

نام: اس مبارک سورۃ کا پہلا کلمہ الرحمٰن ہے یہی اس کا نام ہے۔ نیز اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کی تجلیاں ہر سو جلوہ فرما ہیں۔ اس لیے اس سورت کے مضامین سے یہ نام بھی مناسبت رکھتا ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے اس کا نام "عروس القرآن" بھی مروی ہے۔

اس میں تین رکوع، چھتر یا اٹھتر آیتیں، تین سو اکیاون کلمے، ایک ہزار چھ سو چھتیس حروف ہیں۔

نزول: اگرچہ چند حضرات نے اسے مدنی سورتوں میں شمار کیا ہے لیکن اکثر علماء تفسیر کی یہی رائے ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اس کے مضامین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ روایات صحیحہ میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ علامہ قرطبی اس سورت کے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت عروہ ابن زبیر سے مروی ہے کہ ایک روز صحابہ کہنے لگے کہ قریش نے آج تک قرآن کو سنا نہیں، لیکن ویسے اس کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب جرأت کرکے اور بلند آواز سے ان کو قرآن حکیم سنائے تو کتنا اچھا ہو۔ حضرت ابن مسعود نے کہا یہ سعادت میں حاصل کروں گا۔ صحابہ نے کہا تمہارا سنانا مناسب نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں کمزور اور ضعیف سمجھ کر زدوکوب کریں۔ کسی ایسے آدمی کو یہ فریضہ انجام دینا چاہیے جس کا قبیلہ زبردست ہو تاکہ اس کے خوف سے کوئی کافر اس پر دست درازی نہ کرسکے۔ لیکن ابن مسعود نے ان کی ایک نہ سنی۔ آپ مقام ابراہیم کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے۔ اور اپنی شیریں آواز سے بلند آواز میں سورۃ الرحمٰن کی تلاوت شروع کردی۔ قریش جو اپنی اپنی مجلسیں جمائے بیٹھے تھے پہلے تو انہوں نے کوئی توجہ نہ دی، بعد میں جب انہیں پتہ چلا کہ یہ قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں تو اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کے قریب آکر انہیں مارنا شروع کیا۔ بڑی بیدردی سے انہیں پیٹا یہاں تک کہ ان کا چہرہ زخمی ہوگیا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس واقعہ سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔

نخلہ کے مقام پر جب جنات کا ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا تو اس وقت حضور نماز صبح میں اسی سورت کی تلاوت کر رہے تھے اور یہ واقعہ بھی ہجرت سے پہلے کی زندگی کا ہے۔ ان روایات صحیحہ کے بعد اس کے نزول کے بارے میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

مضامین : اسمائے حسنیٰ میں سے الرحمٰن کے ساتھ اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ الرحمٰن رحمت و لطف کی اُن وسعتوں اور بلندیوں کو شامل ہے جن کا تصور کرنا بھی ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہے۔ انسان کو اس نے پیدا فرمایا اس میں ایسی صلاحیتیں ودیعت کیں اور ایسی استعدادوں کی تخم ریزی کی جن میں سے بعض کا تعلق اس کی روحانی بالیدگی اور ارتقاء سے ہے اور بعض کا تعلق اس کی مادی زندگی کی نشوونما سے ہے۔

پہلے اس نعمت کو بیان کیا جس کا تعلق انسان کے قلب و روح سے ہے یعنی قرآن کریم کا علم اور اسکے لئے اظہار بیان کی قوت۔ اس کے بعد آسمانی اور زمینی اُن نعمتوں کا ذکر کیا جو انسان کی غذا اور اس کی صحت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس کے ضمن میں چند احکامات بھی ارشاد فرمائے ساتھ ساتھ اپنی شانِ کبریائی کا بھی تذکرہ کر دیا۔

نوع انسانی کے ساتھ ایک دوسری قوم کا ذکر بھی یہاں خصوصیت سے کیا گیا ہے جسے جن کہا جاتا ہے ان دونوں کے مادۂ تخلیق میں جو فرق ہے وہ بھی بتا دیا اور فبای الاء ربکما تکذبٰن کے بار بار تکرار سے اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ قرآن کے مخاطب صرف انسان ہی نہیں بلکہ جنات بھی ہیں اور جب وہ قرآن کے احکام پر عمل کرنے کے مکلف ہیں تو واضح ہو گیا کہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں اور حضور جن وانس دونوں کے نبی ہیں۔

دوسرے رکوع میں جن وانس میں سے جو سرکش افراد ہیں اُن کے انجام کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتا دیا اور آخری رکوع میں بڑے پر شکوہ انداز سے اُن انعامات اور احسانات کا تذکرہ کر دیا جو مولائے کریم جن وانس میں سے اپنے نیک اور فرماں بردار بندوں پر فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نافرمانی سے بچائے اور اپنے ہر قسم کے عذاب سے پناہ دے۔ اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی کی توفیق مرحمت فرمائے اور محبت کی دولت سے مالا مال کرے۔ اور اپنے اُن سعادت مند بندوں میں شامل کرے جن پر وہ راضی ہے۔ اللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ وَ اَنْتَ اَکْرَمُ الْمَسْئُوْلِیْن بِجَاہِ حَبِیْبِکَ رَحْمَۃٍ لِلْعَالَمِیْن۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۳۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الرحمٰن مدنی ہے اس میں الله کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۷۸ آیات اور ۳ رکوع ہیں

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝۴

رحمٰن نے[1] اپنے حبیب کو سکھایا ہے قرآن[2]۔ پیدا فرمایا انسان (کامل) کو[3]۔ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔

۱۔ اس سورۂ مبارکہ میں ان تمام روحانی اور جسمانی، دنیوی اور اخروی نعمتوں کا ذکر تفصیل سے ہو رہا ہے جن سے جن و انس کو ابتدائے آفرینش سے سرفراز فرمایا گیا، سرفراز فرمایا جا رہا ہے یا عالم آخرت میں سرفراز فرمایا جائے گا۔ اس لیے اس کی ابتدا الرحمٰن سے ہوئی جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ از حد مہربان، بہت ہی رحمت فرمانے والا، جس کا دسترخوانِ جود و کرم اتنا کشادہ ہے کہ مومن و کافر، مطیع و عاصی، اپنے اور بیگانے کسی نہ کسی صورت میں مستفید ہو رہے ہیں اور جس کا دامنِ رحمت اتنا وسیع ہے کہ خطا پیشہ نادانی ہی نہیں بلکہ اترانے والا بھی سب اس کے سایۂ عاطفت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔

حضرت امام غزالی الرحمٰن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الرحمٰن: العطوف على العباد بالايجاد اولا وبالهداية الى الايمان واسباب السعادة ثانيا والاسعاد بالآخرة ثالثا والانعام بالنظر الى وجهه الكريم رابعا۔

یعنی الرحمٰن اپنے بندوں پر از حد لطف و عنایت فرمانے والا۔ اس کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ پیدا فرمایا۔ دوسرا لطف یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد وادیٔ ضلالت میں آوارہ بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا بلکہ حق کی طرف رہنمائی فرمائی اور اسباب سعادت سے بہرہ ور فرمایا۔ تیسری بندہ نوازی یہ کرے گا کہ یوم حشر ان کی مغفرت فرمائے گا اور نہایت رحمت کا ظہور اس وقت ہوگا جب عاشقانِ زار کو، محبانِ دلفگار کو، مشتاقانِ دیدار کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمائے گا۔

نیز کفار کے ایک سوال کا جواب بھی ہے۔ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں الرحمٰن سنا تو کہنے لگے۔ الرحمٰن کون ہے؟ ہم تو اس کو نہیں جانتے۔ بتایا کہ الرحمٰن وہ ہے جس کی شانِ رفیع تم اس سورۂ مبارکہ میں سنو گے۔

۲۔ اپنے بے شمار انعامات میں سے سب سے پہلے تعلیم قرآن کا ذکر کیا کیونکہ یہی وہ آفتاب ہے کہ جب مطلعِ حیات پر طلوع ہوتا ہے تو زندگی کی شبِ دیجور صبحِ سعادت سے آشنا ہوتی ہے۔ انسان جب اس کی ہدایات کو خضرِ راہ بناتا ہے تو شرفِ انسانی کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ یہی وہ صحیفۂ رشد و ہدایت ہے کہ بچھڑے ہوئے انسان کا رشتہ اپنے خالق کریم سے جوڑ دیتا ہے۔

عَلَّمَ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے یعنی کس کو سکھایا اور کیا سکھایا۔ یہاں دوسرا مفعول تو ذکر کر دیا کہ قرآن کی تعلیم دی لیکن پہلا مفعول کہ کس کو تعلیم دی مذکور نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مفعول اتنا عیاں ہے کہ عدمِ ذکر کے باوجود کسی کو اس کے بارے میں تردد نہیں ہو سکتا اور وہ ہے ذاتِ پاک محمد مصطفیٰ حبیبِ کبریا علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء۔ حضور کے سوا علومِ قرآنیہ

سے جتنا کچھ حصہ کسی کو ملا ہے وہ سب حضورؐ کے واسطے اور حضورؐ کے طفیل ملا ہے۔

ذرا غور فرمائیے۔ معلم محمد ابن عبداللہ روحی وقلبی فداہ ہے اور معلم خود تعالیٰ عزّ وجل ہے۔ شاگرد کی کیا شان ہے اور استاد عالم الغیب والشہادۃ ہے اور پڑھایا کیا جا رہا ہے؟ قرآن۔ . . . کون سا قرآن؟ جو سراپا رحمت ہے، جو مجسم ہدایت ہے۔ جو نور علیٰ نور ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ھٰذا بیان للناس وھدی وموعظۃ للمتقین۔ جس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (کوئی خشک وتر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر اس کتاب مبین میں موجود نہ ہو) اس تعلیم سے جو بحر بے پایاں کنار اس صدر مشروح میں موجزن ہوا اس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

خلیفۃ اللہ فی الارض آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا علّم آدم الاسماء کلھا اور خلیفۃ اللہ فی العالم کے بارے میں فرمایا علّم القرآن۔ . . .

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

سے اس سے نسبت بیان کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہاں انسان سے مراد نوع انسانی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ الانسان سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ قال ابن عباس ایضا وابن کیسان الانسان ھٰھنا یراد بہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (قرطبی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: جاز ان یقال خلق الانسان یعنی محمدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علمہ البیان یعنی القرآن فیہ بیان ما کان وما یکون من الازل الی الابد یعنی یہ درست ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور علمہ البیان سے قرآن مراد ہو جس میں ما کان وما یکون جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہونے والا ہے ازل سے ابد تک کا بیان ہے۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں فعلی ھٰذہ الجملتان الاخیرتان بیان وتفصیل للاولٰی لھٰذا لم یورد العاطف بینھا وکلھا اخبار متعاقبۃ للرحمٰن۔ یعنی جب الانسان سے حضورؐ کی ذات والا صفات مراد ہو اور علمہ البیان سے بھی حضورؐ کو بیان کی تعلیم ہو تو یہ دونوں آیتیں پہلی آیت کی تفصیل ہوں گی یعنی جس کو قرآن کا علم دیا ہے اسی انسان کی پیدائش اور اسی کو بیان سکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ الرحمٰن مبتدا ہے اور یہ تینوں یکے بعد دیگرے اس کی خبریں۔ علامہ خازن، علامہ بغوی اور دیگر مفسرین نے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔

خلق الانسان میں الانسان سے مراد اگر نوع انسانی ہو اور علمہ البیان میں بھی اسی کو بیان کی تعلیم کا ذکر ہو تو یہ شبہ بھی الرحمٰن کی شانِ رحمانیت کا روشن ظہور ہے۔ لیکن آپ خود بتائیے الانسان سے مراد اگر وہ باعث تخلیق کائنات، فخر آدم و بنی آدم ہو جسے خداوند کریم نے رحمۃ للعالمین کے دلنواز لقب سے مشرف فرمایا ہے اور علمہ البیان سے مراد بیان حقیقت اور اظہار اسرار کی وہ بے پناہ صلاحیت ہو جو شانِ نبوت کا خاصہ ہے تو شانِ رحمانیت کی ضیا باریوں کا کیا عالم ہو گا۔

یہی بتانا تھا کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول اور برگزیدہ بندے کو قرآن سکھایا اور خود ہی اسے بیانِ قرآن کی تعلیم دی۔ ۔۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝۶ وَالسَّمَآءَ

سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں ۴ اور (آسمان کے) تارے اور زمین کے درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں ۵ اور آسمان اسی

رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝۷ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝۸ وَاَقِيْمُوا

نے بلند کیا ۶ اور میزان (عدل) قائم کی ۷ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور وزن کو

قرآن جس نے خود کو ... ہے اور اس کا بیان خود ... ہے قرآن بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور اس کا بیان بھی اسی نے سکھایا ہے جو شخص آیاتِ قرآنی کو وہ معانی پہناتا ہے جو سنتِ نبوی کے خلاف ہیں تو وہ صرف سنت کا انکار نہیں کر رہا بلکہ قرآن کے بیان خداوندی سے روگردانی کر رہا ہے۔

۴ اس صورت کے ذکر کے بعد جس سے عالم روحانیت کے در و بام جگمگا رہے ہیں اب اس شمس و قمر کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے ہماری یہ مادی دنیا اکتسابِ نور کر رہی ہے۔ فرمایا کہ سورج اور چاند مقررہ حساب کے مطابق حرکت کر رہے ہیں۔ یہ منزلیں اور بروج ان کے لیے مقرر ہیں ان سے تجاوز نہیں کرتے ہیں اور نہ گردش اپنے مدار میں معروف سیر ہیں۔ کیا مجال کہ سرِ مو ادھر ادھر ہو جائیں یا ان کی سیر کی رفتار میں تقدیم و تاخیر ہو۔ قال ابن عباس وقتادة انهما یجریان بحساب فی منازل لا یعدوانها ولا یحیدان عنها۔ اسی نظام کی پابندی کے باعث وقت پر موسم بدلتے ہیں۔ مقررہ وقت پر ان کا طلوع ہوتا ہے ... ہر روز مقررہ وقت پر ان کا طلوع و غروب ہوتا ہے اسی لیے تم ماہ و سال کا حساب کر سکتے ہو۔ اگر اس نظام میں ذرا سا خلل بھی آ جائے تو ساری کائنات چشم زدن میں درہم برہم ہو جائے۔ نظامِ شمسی میں جو باقاعدگی اور نظم و ضبط ہے کیا یہ اللہ کی شانِ رحمانیت کا ظہور نہیں ہے؟ یقیناً ہے۔

۵ شجر اس درخت کو کہتے ہیں جس کا تنا ہو اور نجم ان جڑی بوٹیوں کو کہتے ہیں جن کا تنا نہ ہو جیسے ترکاریاں، بیلیں وغیرہ۔ النجم ما لا ساق له والشجر ما له ساق۔

سجود سے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا ہے۔ اصل السجود فی اللغة الاستسلام والانقیاد لله عزوجل یعنی قضا کے آگے تسلیم کرنا۔ جس طرح ایک ضابطہ پر سختی سے کاربند ہیں اسی طرح ہماری زمین کے درخت اور ننھی منی جڑی بوٹیاں بھی قانونِ الٰہی کی پابند ہیں۔ اگر النجم سے مراد ستارے لیے جائیں تو یہ بھی درست ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔

۶ آسمان کو اللہ تعالیٰ نے ہی بلند کیا ہے۔ نہ یہ کسی ہیجان کے باعث خود بخود معرضِ وجود میں آیا ہے اور نہ کسی اور دیوی دیوتا نے اس کی تخلیق کی ہے۔ اس کی موجودہ ساخت میں بھی اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت جلوہ نما ہے۔

۷ علامہ آلوسی اس جملہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ای شرع العدل وامر به یعنی اللہ تعالیٰ نے ہی عدل کا قانون بنایا اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اسی عدل کے باعث نظامِ کائنات بایں حسن و خوبی قائم ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے بالعدل قامت السموات والارض۔ اور یہاں عدل کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کو اس طرح پیدا کیا

الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿٩﴾ وَالْأَرْضَ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ﴿١٠﴾

ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو اور اس نے زمین کو پیدا کیا ہے مخلوق کے لیے

ہے جو اس کے مناسب تھی۔ ان کی بقا اور نشوونما کے لیے ایسے وسائل مہیا کر دیے ہیں جن کی انہیں ضرورت تھی۔ مجاہد، ابن جریر طبری اور اکثر علماء سے وضع المیزان کا یہی مفہوم منقول ہے۔ کئی علماء نے یہاں المیزان سے ترازو مراد لیا ہے یعنی جس نے آسمان کو بلند بنایا اسی نے ترازو بھی بنایا ہے تاکہ لین دین میں عدل و انصاف ملحوظ رہے۔

جب تم ایک ایسی کائنات میں بستے ہو جہاں عدل و انصاف کی فرمانروائی ہے اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ چیز قانون اور ضابطہ کی پابند ہے تو اے اولاد آدم! تم پر بھی ضروری ہے کہ اپنے قول و عمل میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو۔

علامہ راغب اصفہانی نے وزن کے لفظ کے تحت اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ ھذا اشارۃ الی مراعاۃ المعدلۃ فی جمیع ما یتحراہ من الافعال والاقوال۔ مجاہد اور دیگر علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ معنی بتایا ہے کہ وزن کرو تو انصاف کے ساتھ۔ نہ دیتے وقت کم تولو اور نہ لیتے وقت زیادہ تولو۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں کاروبار میں دیانت کا سبق دیا ہے اور ان ہدایات پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ بھی اس کی شان رحمانیت کا ایک مظہر ہے۔ جس معاشرہ میں لین دین میں دیانت داری ختم ہو جاتی ہے۔ بددیانتی اور لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہو جاتا ہے وہ معاشرہ زیادہ دیر تک پھل پھول نہیں سکتا۔ وہ ایسے اخلاقی اور معاشی بحرانوں میں پھنس جاتا ہے جن سے اس کا بچ نکلنا ممکن نہیں رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے ہمیں اس راہ پر قدم اٹھانے سے روک دیا جو بربادی کی راہ ہے۔

علامہ راغب وضعھا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الوضع ھنا الایجاد والخلق یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ اس میں ہر جاندار آرام اور سکون سے اپنی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ ہوا، روشنی، پانی، آگ، اشیاء خوردنی، آسائش و آرام کے دیگر لوازمات یہاں فراہم کر دیے گئے ہیں تاکہ ہر چیز اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکے اور اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔ الانام: قال ابن عباس وغیرہ الحیوان کلہ۔ وقال الحسن الانس والجن۔ ابن عباس فرماتے ہیں ہر جاندار کو انام کہتے ہیں۔

بعض لوگ اشتراکیت کی عینک سے قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اور بے بیچارے اس کی آیات سے اشتراکی تعلیمات ثابت کرتے ہیں۔ یہاں بھی انہوں نے ٹھوکر کھائی۔ انہوں نے لغت عرب کے ساتھ زیادتی کرتے ہوئے انام کو انسان کا مترادف قرار دیا اور کہا کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین سب انسانوں کے لیے مشترک ہے اور چونکہ ہر ملک کی حکومت وہاں کے باشندوں کی نمائندہ ہوتی ہے اس لیے زمین کی ملکیت کے حقوق صرف حکومت کو حاصل ہیں۔ اس طرح یہ لوگ قرآن کی آیت پر زیادتی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں شرماتے۔ انام سے مراد انسان، حیوان، چرند، پرند، درند، غرض سب جاندار چیزیں ہیں۔

فِيهَا فَاكِهَةٌ ۠ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ

اس میں گوناگوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی ۱۱ اور اناج بھی بھوسہ والا

وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ

اور خوشبودار پھول ۱۲ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۳ پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی

۱۱ اکمام، جمع ہے کِمّ کی۔ اس سے مراد وہ غلاف ہے جو قدرت الٰہیہ پھلوں پر چڑھا دیتی ہے تاکہ ان کی رس اور ان کا نرم گودا ضائع نہ ہو جائے۔ موسمی تغیرات اس کو خراب نہ کر دیں۔ مکھیاں اور مچھر اس کو گندا نہ بنا دیں۔ جس مولائے کریم نے تمہاری خوراک کے تدریجی اسباب کو اتنی خوبصورتی سے مہیا کر دیا ہے اور ان کو ہر طرح کے بیرونی مضر اثرات سے بچا رکھا ہے تاکہ جب تیرے منہ میں کھجور کا دانہ یا گندم کی کوئی قاش پہنچے تو وہ بالکل پاک صاف اور تازہ ہو۔ کیا اس کی شانِ رحمانیت کا تم انکار کر سکتے ہو۔

۱۲ الحَبّ: اناج کے دانے۔ العصف: گندم اور جَو کے پودے کے پتے جو بھوسہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ الرَّیحان: طرح طرح کے خوشبودار پھول یعنی جو اناج اس نے پیدا کیے ہیں ان کا کچھ حصہ تمہارے کھانے کے کام آتا ہے۔ ان کا کچھ حصہ تمہارے جانوروں کی خوراک بنتا ہے اور کہیں رنگ برنگے پھول کھلے ہیں جو تمہاری افسردہ طبیعت کو تازگی اور شگفتگی بخشتے ہیں۔ الغرض جدھر بھی تم دیکھو اور جو چیز بھی دیکھو اس کی رحمت کے جلوے تمہیں نظر آئیں گے۔

۱۳ آلاء، جمع ہے۔ اس کا واحد اَلَی، اِلَی، اِلْیٌ اور اِلْوٌ ہے۔ اس کا معنی ہے النعمۃ یعنی نعمت (لسان العرب)

سورۃ کے آغاز سے لے کر یہاں تک بڑی بڑی عظیم الشان نعمتوں کو شمار کیا۔ ان میں ایسی نعمتیں بھی ہیں جن پر ہماری روحانی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے۔ بعض وہ ہیں جن سے ہماری یہ دنیوی زندگی طرح طرح کی راحتوں اور آسائشوں سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ بعض وہ ہیں جن میں ہماری ہر خوشی اور مسرت کا دخل ہے۔ نیز عدل و انصاف کے بارے میں ایسے احکام بھی ہیں جن سے ہمیں امن و سکون میسر آ سکتا ہے۔ ان نعمتوں کے ذکر کر لینے کے بعد اب جنوں اور انسانوں کو کہا جا رہا ہے کہ تم ہماری ان بے شمار نعمتوں میں سے کس کس کا انکار کرو گے۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے پوری سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم بالکل گم سم ہو کر بیٹھے رہے۔ تم سے تو جنوں نے بہتر جواب دیا۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا (فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ) تو وہ جواب میں کہتے وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ اے ہمارے رب ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لیے ہیں۔

ہم پر ضروری ہے کہ جب ہم یہ سورۃ سنیں اور جب بھی یہ آیت پڑھی جائے تو اس کے جواب میں ہم بھی یہ کہیں۔

صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ

مٹی سے ٹھیکری کی مانند [۱۳] اور پیدا کیا جانّ [۱۴] کو آگ کے خالص شعلے سے [۱۵] پس (اے جن و انس!)

[۱۳] یہاں انسان سے مراد بالاتفاق آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ہی کی تخلیق بلاواسطہ صلصال سے ہوئی۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر کیا گیا ہے۔

پہلے مٹی (تراب) لی گئی۔ پھر اس میں پانی ملا کر گارا تیار کیا گیا جسے طین کہا گیا۔ پھر وہ گارا کچھ عرصہ یونہی پڑا رہا یہاں تک کہ اس میں چکناہٹ اور لیس پیدا ہوگئی۔ اسے طین لازب فرمایا گیا۔ اسی طرح کچھ عرصہ وہ گارا اور پڑا رہا تو اس میں بدبو پیدا ہوگئی اور اس کی رنگت سیاہی مائل ہوگئی۔ اسے حمأ مسنون کہا گیا۔ پھر وہ لیس دار اور بدبودار گارا خشک ہوگیا اور وہ یوں بجنے لگا جس طرح پکا ہوا ٹھیکرا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کو بشریت کا جامہ پہنایا گیا۔ پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی گئی۔ اب وہ آدم خاص کی عظمت و شان کے آگے ملائکہ سجدہ ریز ہوگئے۔

قرآن کریم میں ان تدریجات کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ (آل عمران ۵۹) ۔ بَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ (السجدہ ۷) إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ (الصّٰفّٰت ۱۱) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ (الحجر ۲۶) خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

کیونکہ ان آیات میں تخلیق آدم کے مختلف مدارج کو بیان کیا گیا ہے اس لیے ان میں کوئی تضاد نہیں۔ پھر تخلیق آدم کے بعد نسل انسانی کی تخلیق ایک قطرۂ آب سے ہوئی جو رحم مادر میں قرار پکڑ کر مختلف مرحلے طے کرتا ہوا انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

[۱۴] جانّ جنوں کے پہلے باپ کا نام ہے۔ جس طرح آدم علیہ السلام کی تخلیق مٹی سے ہوئی اسی طرح جانّ کی تخلیق خالص آگ سے ہوئی۔ پھر جنوں کی نسل کو چلانے کے لیے توالد و تناسل کا وہی نظام یہاں بھی جاری ہے جو انسانوں میں ہے۔ مارج کہتے ہیں خالص آگ کو جس میں دھوئیں کا نام و نشان نہ ہو۔ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں صراحت بتا دیا کہ انسان اور جن دو مختلف نوع ہیں۔ ایک کا اصل مٹی ہے اور دوسرے کا اصل آگ ہے۔ اب جو لوگ جنات کو الگ نوع تسلیم نہیں کرتے بلکہ نوع انسانی کے بعض افراد کو جن کہتے ہیں وہ قرآن کریم کی ان آیتوں کو پامال کر رہے ہیں۔

اس سے کئی اور مسائل بھی معلوم ہو جاتے ہیں کہ جس طرح انسان باشعور اور با اختیار ہونے کے باعث احکام شرعی کی بجاآوری کا مکلف ہے اسی طرح جنات بھی باشعور اور با اختیار ہیں اور احکام شرعیہ کی بجاآوری ان پر بھی ضروری ہے۔

نیز حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح بنی نوع انسان کی طرف نبی ہو کر تشریف لائے ہیں اسی طرح جنات کے لیے بھی نبی ہیں۔ نیز فبای آلاء ربکما تکذبٰن میں ضمیر تثنیہ کا مرجع جن و انس دونوں ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات مادے سے مجرد نہیں بلکہ انسان کے خاکی پیکر کی طرح ان کا آتشیں پیکر ہے۔ وفی الآیۃ رد علی من زعم ان الجن نفوس مجردۃ۔

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٦﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾ فَبِأَيِّ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۱۵؎ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے ۱۶؎ پس (بتلاؤ) اے جن وانس!

آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿١٨﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿١٩﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں

لَّا يَبْغِيَانِ ﴿٢٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢١﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ

گڈمڈ نہیں ہوتے ۱۷؎ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی

۱۵؎ اے انسان! تیری اصل مٹی ہے۔ دیکھ تیرے رب نے اس مشتِ خاک کو کتنا حسین پیکر بخشا ہے اور اس میں بےشمار خوبیاں پیدا کر دی ہیں۔ آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتے ہیں، زبان کلام کرتی ہے، دل تمام جسم میں خون پہنچاتا ہے۔ تیرے کاسۂ سر میں کیسے کیسے نادر آلات نصب کر دیئے ہیں۔ تیرے شکم میں نظام ہضم کیسی مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ یہی حال جنات کا ہے۔ ان کو بھی خصوصی اوصاف سے مالا مال کر دیا گیا ہے۔ اے جن وانس! تم بتاؤ کہ تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت پر ناشکری کرو گے۔

۱۶؎ موسم گرما کا مشرق اور ہے اور موسم سرما کا مشرق اور۔ اسی طرح دونوں کے مغرب بھی الگ الگ ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہر دن کا مشرق و مغرب الگ ہے۔ وہ مشرقین و مغربین کا ہی رب نہیں بلکہ وہ تو رب المشارق والمغارب ہے۔

خود ہی بتاؤ مشرقین

و مغربین میں کس کی خدائی کا پرچم لہرا رہا ہے اور کس کے حکم کے آگے ہر چیز سرافگندہ ہے۔ فبای آلاء ربکما تکذبن۔ اگر سال بھر ایک ہی مشرق اور ایک ہی مغرب ہوتا تو نہ موسم بدلتے اور نہ ہر موسم کے ساتھ مخصوص پھل، اناج اور دیگر چیزیں پیدا ہوتیں۔ تمہاری زراعت، تمہاری باغبانی بلکہ صنعت و حرفت کی ترقی کے امکانات بالکل محدود ہو کے رہ جاتے اور تمہاری راتیں بے کیف اور تمہارے دن اتنے بوجھل ہوتے کہ تم شاید زندگی کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکتے۔ بتاؤ تم اپنے رب کی کس نعمت کا انکار کرتے ہو۔

۱۷؎ جب آپ کسی جانور کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیں تو کہا جاتا ہے مرجت الدابۃ۔ اسی لیے چراگاہ کو عربی میں مرج و مروج کہتے ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں پانی میٹھے اور کھاری کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اپنی اپنی گزرگاہوں میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ کبھی کبھی آپس میں مل بھی جاتے ہیں لیکن ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ قدرت نے ان دونوں کے درمیان ایک ایسی رکاوٹ قائم کر دی ہے جو دکھائی نہیں دیتی لیکن مضبوط اتنی ہے کہ انہیں آپس میں گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔ میٹھا پانی الگ اور کڑوا الگ میلوں ایک ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مظفرآباد سے ہم نیلم ویلی کے لیے روانہ ہوئے۔ دومیل سے کا آخری سٹیشن شاید کاندہ گو ہم نے رات وہاں بسر کی اور شوقِ سیاحت میں

وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ

اور مرجان۔ ۲۱؎ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور اسی کے زیرِ فرمان ہیں وہ جہاز جو بلند ہیں

فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ كُلُّ مَنْ ع ۱ نصف 11

پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں ۲۲؎ پس اے جن وانس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۳؎ جو کچھ زمین پر ہے

فیصلہ کیا کہ یہاں سے پیدل سیر و سیاحت کرتے ہوئے جب تنزل پانی ملتے ہیں جہاں دو مختلف وادیوں سے دو نالے آتے ہوئے دیکھے۔ ایک کا رنگ نیلا تھا اور دوسرے کا رنگ سفید۔ وہ ایک جگہ آکر اکٹھے ہو جاتے ہیں اور کئی فرلانگ تک ہم اس کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ دونوں پانی یکجا بہنے کے باوجود آپس میں خلط ملط نہیں ہوتے۔ یہ بڑا روح افزا منظر ہے۔ سمندر میں سفر کرنے والے لوگوں نے عجیب عجیب انکشافات کیے ہیں کہ سمندر میں جہاں کھاری پانی ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اس کے عین وسط میں میٹھے پانی کے قطعات ہوتے ہیں۔ بحری سفر کرنے والے ان سے اپنے ذخائر بھر لیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن جلد سوم سورۃ فرقان) ۲۰؎ اے جن وانس! تم کہاں تک اپنے ربِ کریم کی نعمتوں کا انکار کرتے رہو گے اور اس کے کس کس انعام کی ناشکری کرو گے۔

۲۱؎ میٹھا اور کھاری پانی جہاں ملتا ہے وہاں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں جن کو تم زینت و آرائش کے لیے کام میں لاتے ہو۔ مختلف بیماریوں میں بطور دوا کام بھی آتے ہیں اور یوں ان سے طرح طرح کے تم فائدے اٹھاتے ہو۔ لؤلؤ: بڑا موتی۔ مرجان: مونگا اور چھوٹے موتی کو بھی مرجان کہتے ہیں۔

۲۲؎ جوار: السفن الكبار جمع جارية۔ یعنی بڑی کشتیاں۔ اس کا واحد جاریہ ہے۔ المنشآت: السفن المرفوعة الشرع۔ وہ کشتیاں جن کے بادبان بلند کر دیے جاتے ہیں۔ اعلام جمع ہے علم کی۔ اس کا معنی ہے پہاڑ یعنی سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دیکھو کس شان سے سینۂ آب پر یہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ سب اس خالقِ حقیقی کے تابع فرمان ہیں۔ اسی خالقِ حکیم نے پانی میں یہ خوبی پیدا کر دی ہے کہ وہ لاکھوں ٹن بوجھ اٹھائے رہتا ہے۔ اسی نے ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں جن سے کشتیاں اور جہاز بنتے ہیں۔ بھاری بھرکم ہونے کے باوجود ڈوبتے نہیں بلکہ تیرتے چلے جاتے ہیں اور اسی نے انسان کو وہ سمجھ عطا فرمائی جس سے اس نے جہاز سازی کی صنعت میں کمال حاصل کیا۔

۲۳؎ اللہ تعالیٰ اگر ایسی چیزیں پیدا نہ فرماتا جو پانی پر تیر سکتی ہیں یا پانی میں یہ صلاحیت نہ ہوتی کہ اس میں آسانی سے جہاز رانی ہو سکے بلکہ ہوا کی طرح ہر چیز اس میں دھنسی چلی جاتی تو کیا دور دراز ملکوں میں جن کے درمیان بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل جیسے سمندر حائل ہیں تمہاری آمد و رفت ممکن ہو سکتی یا تم ایک ملک کی مصنوعات اور خوردنی اجناس دوسرے ملک میں لے جا سکتے؟ کیا یہ سب اس کی رحمت کے کرشمے نہیں۔ اے جن وانس! چشمِ ہوش کھولو۔ اپنے خالق و مالک کو پہچانو اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ انکار اور ناشکری کی راہ پر کب تک چلتے رہو گے۔

عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ

فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے ۲۲ پس (اے جن و انس!)

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ

تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۳ مانگتے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے ۲۴ ہر روز وہ ایک نئی

هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ

شان سے تجلی فرماتا ہے ۲۵ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ہم عنقریب فارغ ہو جائیں گے تمہاری طرف

۲۲ اگر کسی کو عزت و جاہ حاصل ہو، اگر کسی کے پاس دولت و ثروت کی فراوانی ہو، اگر اسے کسی صوبہ یا علاقہ میں اقتدار و اختیار مل جائے تو اسے اکڑنا نہیں چاہیے، اپنے رب کریم کو بھول کر شیطان کے بہکاوے میں نہیں آنا چاہیے۔ اسے یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ وہ خود اور اس کا جاہ و حشم، اس زمین پر جو کچھ ہے، سب فانی ہے۔ سب نے فنا ہو جانا ہے۔ بقا اور دوام صرف ذوالجلال والاکرام کا حصہ ہے۔ وجہ: وجہ الباری تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الظوا بیا ذا الجلال والاکرام۔ یعنی دعا مانگتے وقت یا ذا الجلال والاکرام ضرور کہا کرو۔

۲۳ زندگی نعمت ہے تو فنا اور موت بھی نعمت ہے۔ ان سے پوچھیے جو کسی اذیت ناک بیماری میں مبتلا ہیں۔ رات کو قرار ہے نہ دن کو چین۔ ہر وقت درد سے تڑپتے رہتے ہیں۔ ان بوڑھوں سے پوچھیے جن کی لمبی عمر ان کے لیے وبال جان بن گئی۔ نہ آنکھیں دیکھتی ہیں، نہ زبان بولتی ہے، نہ پاؤں چلتے ہیں۔ دن بھر بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ معدہ کمزور، جگر بیکار اور دل بیمار ہے۔ دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے۔ انسان اپنے اہل و عیال کے لیے بھی ایک ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت بوجھ بن کر رہ گیا ہے۔ کیا ان کے لیے موت کی آغوش امید افزا اور راحت بخش نہیں؟ نیز موت تو وہ راستہ ہے جس پر چل کر انسان مصائب و آلام کی اس دنیا سے چھٹکارا حاصل کر کے عالم آخرت کی ابدی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اہل محبت کہتے ہیں الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب کہ موت ایک پل ہے جو یار کو یار سے ملاتا ہے۔

۲۴ زمین و آسمان میں جو چیز ہے نوری ہو یا خاکی، آبی ہو یا ناری، بڑی ہو یا چھوٹی، معزز ہو یا حقیر، بلا استثنا سب کے سب اس کے دربار گہر بار میں اپنے سوال کا دامن پھیلائے ہوئے ہیں اور اس کے جود و کرم پر آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بیمار صحت مانگ رہا ہے، بھوکا رزق مانگ رہا ہے۔ طالب علم گوہر علم کے لیے جھولی پھیلاتا ہے۔ دولت کے طالب کا سیم و زر مانگ رہے ہیں اور ارباب معرفت و اہل دل اس کی رضا مانگ رہے ہیں۔ کون ہے جو اس کا سائل نہیں اور کون ہے جو اس در کا گدا نہیں۔

۲۵ مخلوق کا تو یہ حال ہے اور خالق اپنی مخلوق کی احتیاجوں کو پورا کر رہا ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول فرما رہا ہے۔ کسی کو تاج سلطانی بخشا جا رہا ہے۔ کسی کو نعمت علم سے مالا مال کیا جا رہا ہے۔ کسی کے سینہ میں چراغ معرفت فروزاں کیا جا رہا ہے اور کسی کو اپنے عشق کی نعمت بخشی جا رہی

الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اے جن وانس کے لشکرو۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس!

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل جاؤ آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔

کوئی پیدا ہو رہا ہے کوئی مر رہا ہے کوئی بن رہا ہے کوئی بگڑ رہا ہے کہیں قحط کی چیرہ دستیاں ہیں اور کہیں ابر رحمت برس رہا ہے۔ کسی کو نوازا جا رہا ہے اور کسی کو اس کی پیہم ناشکر گزاریوں کے باعث اپنی نعمتوں سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہر روز اس کی شان کا ظہور ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کسی بادشاہ نے اپنے وزیر سے اس آیت کا مفہوم پوچھا۔ وہ نہ بتا سکا اور کل تک کی مہلت طلب کی اور بڑا افسردہ اور پژمردہ گھر آیا۔ اس کا ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس نے پوچھا میرے آقا آپ پریشان کیوں ہیں؟ اس نے پریشانی کی وجہ بتائی۔ غلام نے کہا آپ مجھے سلطان کے پاس لے چلیں میں اسے اس آیت کا مفہوم بتاؤں گا۔

وہ غلام جب سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گویا ہوا۔ ایھا الامیر! شانہ ان یولج اللیل فی النھار ویولج النھار فی اللیل ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویشفی سقیما ویسقم سلیما ویبتلی معافا ویعافی مبتلا ویعز ذلیلا ویذل عزیزا ویفقر غنیا ویغنی فقیرا۔

یعنی اے بادشاہ! اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ وہ بیمار کو صحت یاب اور صحت یاب کو بیمار کرتا ہے آرام و عافیت والے کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے اور جو مصیبت میں مبتلا ہے اس کو آرام و سکون عطا فرماتا ہے۔ وہ ذلیل کو عزت بخشتا ہے اور عزت والے کو ذلیل کرتا ہے۔ وہ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی بناتا ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر اسے قلمدانِ وزارت سونپ دیا۔ غلام نے کہا یا مولائی ھذا من شان اللہ تعالیٰ میرے آقا یہ بھی میرے اللہ تعالیٰ کی ایک شان ہے۔

عبداللہ ابن طاہر نے حسین بن فضل کو بلایا اور کہا کہ یہ بات صحیح ہے کہ ان القلم جف بما ھو کائن الی یوم القیامۃ کہ قیامت تک جو کچھ وقوع پذیر ہونے والا ہے وہ لکھا جا چکا ہے اور قلم اب خشک ہو چکا ہے یعنی اب مزید کچھ نہیں لکھا جانے گا تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے کل یوم ھو فی شان۔ حسین نے برجستہ جواب دیا فانھا شئون یبدیھا لا شئون یبتدیھا یعنی شان سے مراد ازل میں طے شدہ فیصلوں کا اظہار اور نفاذ ہے نہ کہ نئے فیصلوں کا آغاز۔

لے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بہت مصروف ہے بڑی کٹھن مہمات درپیش ہیں بڑے اہم معاملات تصفیہ طلب ہیں۔ تم سے نپٹنے کے لیے اس کے پاس وقت نہیں۔ جب ان مہمات سے فراغت ہو گی تو پھر تم سے باز پرس فرمائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات اس سے برتر ہے کہ کوئی کام اسے یوں مشغول کر دے کہ وہ دوسرے کام کرنے سے معذور

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ يُرْسَلُ

(نکل) نہیں سکتے بجز سلطان کے۔ اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا

ہو جائے۔ یہاں فرغ بمعنی قصد مستعمل ہوا ہے چنانچہ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ سنفرغ لکم ایها الثقلان قال ابن الاعرابی ای سنعمد لکم واحتج بقول جریر فرغت الی العبد المقید فی الحجل قال معنی فرغت قصدت وفی حدیث ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه افرغ الی اضیافك ای اعمد واقصد (لسان العرب) کہ سنفرغ کا معنی توجہ کرنا قصد کرنا ہے۔ جریر کے مصرعہ میں فرغت بمعنی قصدت ہے اور حضرت صدیق کے اس قول افرغ الی اضیافك کا معنی ہے اپنے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو۔ نیز عرب جب کسی کو دھمکی دیتے ہیں تو کہتے ہیں اذا افرغ الیك ای اقصد الیك کہ میں اب تیری طرف متوجہ ہوں گا اور تیری خبر لوں گا۔ اور ثقلان سے مراد جن و انس ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ یہ دونوں گناہوں سے بوجھل ہونے کی وجہ سے انہیں ثقلان کہا گیا ہے۔ لانهما مثقلان بالذنوب۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ابھی تو ہم نے تمہیں غور و فکر کرنے سوچنے اور اپنی اصلاح کر لینے کی مہلت دی ہوئی ہے تم گناہ کرتے ہو نافرمانی کرتے ہو ہم درگزر کر دیتے ہیں۔ لیکن جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی اور دار العمل سے تم دار الجزاء میں پہنچ جاؤ گے اس وقت ہم تمہاری طرف متوجہ ہوں گے پھر دیکھیں گے کون بچ نکلتا ہے جو سرتابی کی جرأت کرتا ہے۔

۲۷؎ جنات کو اپنی قوت و طاقت پر بڑا گھمنڈ ہے اس لیے یہاں ان کا ذکر صراحت سے کیا اور انسانوں سے پہلے کیا۔ یعنی اگر تم غلط فہمی میں مبتلا ہو کہ تمہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا یا اگر تمہیں پکڑنے کے لیے کوئی فرشتہ آیا تو تم کنی کترا کر دوسری طرف نکل جاؤ گے اور ہماری دسترس سے باہر چلے جاؤ گے تو اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ تم زمین و آسمان سے نکل کر کہیں نہیں جا سکتے جب حشر کے میدان میں تمہیں کھڑا کیا جائے گا تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے تمہارے ارد گرد گھیرا ڈال لیں گے۔ کیا ان سات گھیروں کو توڑ کر تم نکل کر کہیں جا سکو گے۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس گھیرے کو توڑنے کے لیے تو سلطان (قوت و طاقت) چاہیے۔ تم نحیف و ناتواں کب یہ حلقہ توڑ سکتے ہو۔

عارف باللہ مولانا پانی پتی فرماتے ہیں بسلطان سے مراد (بسلطانی) میری قوت ہے یعنی ویسے تو زمین و آسمان کے دائرہ کو توڑ کر نکلنا ممکن نہیں البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہو جائے تو وہ ان حد بندیوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ کما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفذ بجسده ليلة المعراج من السموات السبع الى سدرة المنتهى والعروج بنفسه من دائرة الامكان الى مدارج القرب بحول الله وقوته (مظہری)

یعنی جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج اپنے جسم اطہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اور صرف دائرہ امکان سے مدارج قرب تک نفوذ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے کیا ہے۔

عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّن نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنتَصِرَانِ ﴿٣٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

تم پر آگ کا شعلہ اور دھواں ۱۸ پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کرسکو گے ۱۹ پس اپنے رب

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٦﴾ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾

کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ۲۰ پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا ۲۱

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں

وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ

نہ پوچھا جائے گا ۲۲ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پہچان لیے جائیں گے مجرم

۱۸ اگر اس روز تم نے بھاگنے کی کوشش کی تو تم پر آگ کا خالص شعلہ اور کالا دھواں چھوڑا جائے گا۔ وہ اسی قدم پر تمہیں مجبور کر کے رکھ دے گا۔ شواظ: اللهب الذی لا دخان فیه۔ وہ شعلہ جس میں دھوئیں کا نام و نشان نہ ہو۔

نحاس: الدخان الذی لا لهب فیه۔ وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ نحاس کا دوسرا معنی پگھلا ہوا تانبا بھی ہے۔

۱۹ پھر تم اپنا دفاع بھی نہ کرسکو گے یا تم ایک دوسرے کی مدد نہ کرسکو گے۔ نہ جن انسانوں کی، نہ انسان جنوں کی۔

۲۰ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ اس نے بدکاروں کو بروقت ان کے انجام بد سے خبردار کر دیا تاکہ اگر وہ بچنا چاہیں تو بروقت توبہ کر لیں۔

۲۱ وقوع قیامت کے وقت آسمان کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ وردة: گلاب کا پھول جس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ الدهان: رنگا ہوا سرخ چمڑا۔

۲۲ یعنی جس شخص نے گناہ کیا ہے اسی سے باز پرس ہوگی۔ کسی اور انسان یا جن کو اس کا جواب دہ قرار نہیں دیا جائے گا۔ قال ابو العالیه لا یسئل غیر المجرم عن ذنب المجرم۔

اس آیت کا یہ معنی بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ ضرورت نہیں ہوگی کہ وہ مجرم سے پوچھے کہ اس نے یہ جرم کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی جانتا ہے بلکہ اس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔

بِسِيمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں سے اور پاؤں سے ٭ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں

تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ

کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم

بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾ وَلِمَنْ خَافَ

اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو انتہا کو پہنچا ہوگا ٭ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور جو شخص ڈرتا ہے

مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿٤٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَا أَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾

اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اس کے لیے دو باغ ہیں ٭ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ گھنی شاخوں والے ہوں گے

وقف لازم ۔ منزل ٧ ۔ ع ٣ / ١٢

٤١ فرشتے دور سے دیکھ کر ہی مجرم کو پہچان لیں گے۔ ان کے چہرے سیاہ اور ان کی آنکھیں خوف سے نیلی ہوں گی۔ انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔

٤٤ جحیم اور حمیم کے درمیان سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ جہنم کے دہکتے انگاروں اور لپکتے ہوئے شعلوں سے تنگ آ جائیں گے اور پیاس کی شدت کے باعث پانی پانی کہیں گے تو انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا۔ شدید پیاس کے باعث اسے ہونٹوں کے قریب لے جائیں گے تو اس کی حدت ہونٹوں کو جلا کر رکھ دے گی۔ آنٍ: ماء بالغ من الحرارة اقصاها۔ وہ پانی جو انتہا درجہ گرم ہو۔

٤٦ یہاں مقام اگر اسم ظرف ہو تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ لوگ جو اس جگہ سے ہر وقت خائف و لرزاں رہتے ہیں جہاں کھڑا کر کے ان سے حساب لیا جائے گا اور اگر اسے مصدر میمی بنایا جائے تو پھر اس کے دو مفہوم ہوں گے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ہر وقت اس بات سے خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کا رب ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ ان کے افعال و اقوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ڈرتے ہیں کہ کوئی ایسی بھول نہ ہو جائے جس کے باعث ان کا رب ان سے ناراض ہو جائے۔ دوسرا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ لوگ جو اپنے رب کی جناب میں کھڑا ہونے سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں۔

علماء سے منقول ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک روز قیامت کے بارے میں سوچنے لگے میزان، جنت و دوزخ وغیرہ واقعات پر غور کرتے کرتے لرز اٹھے اور کہنے لگے اے کاش میں چارہ ہوتا کوئی جانور آ کر مجھے چر لیتا، اور میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ ہول قیامت اور اللہ تعالیٰ کے جلال کا خیال کر کے بے قرار ہو گئے تھے۔ اس وقت یہ آیتیں اتریں کہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کو

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٩﴾ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ ﴿٥٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغوں میں دو چشمے جاری ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی

رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥١﴾ فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ ﴿٥٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ

کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں باغوں میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ پس اے جن وانس! اپنے

اللہ تعالیٰ ایک نہیں کئی کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔

جنت سے یہاں اس کا لغوی معنی باغ مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ڈرتے زندگی بسر کرتے رہے انہیں جنات عدن میں دو دو باغ عطا فرمائے جائیں گے۔ ایک وہ جس میں ان کا رہائشی محل ہو گا جہاں وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہیں گے۔ دوسرا وہ جہاں ان کی بام نشست ہو گی۔ دوست احباب سے ملاقاتیں ہوں گی نشاط و طرب کی محفلیں منعقد ہوں گی اور يتنازعون فيها كاسا لا لغو فيها ولا تاثيم کا دلکش سماں ہو گا۔

علامہ بغوی نے ایک بڑی پیاری حدیث نقل کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل الا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة۔

جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں بلکہ رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔

٤٨ یہاں سے ان دو باغوں کی توصیف شروع ہے۔ ان دونوں باغوں کے درخت بڑے شاندار ہوں گے ان شاخوں پر سبز پتے۔ ان میں خوبصورت پھول اور لذیذ پھل بڑی بہار دکھا رہے ہوں گے۔

ذکر کے لیے ذَوَاتَا استعمال ہوتا ہے جو اصل میں ذَوَيَا ہے۔ مونث کے لیے ذات جو اصل میں ذوات ہے۔ تخفیف کے لیے واؤ گرا دی اور ذَوَا اور ذات ہو گیا۔ تو اس سے تثنیہ بنا کر اپنے اصل کی طرف لوٹا دیتے ہیں۔ ذات کا جب تثنیہ بنایا گیا تو ذواتا ہو گیا۔ افنان جمع ہے۔ اس کا واحد فنن ہے جس کا معنی ہے شاخ۔ لیکن بعض نے افنان کو فن کی جمع کہا ہے۔ اس وقت افنان کا معنی ہو گا الوان الفاكهة وانواع الاشجار والثمار۔ یعنی وہ جنت ایسے ہوں گے جن میں رنگ برنگے پھل قسم قسم کے درخت بکثرت ہوں گے۔ ہر باغ میں چشمے جاری ہوں گے۔ پانی کی فراوانی ہو گی۔

٥٢ ہر پھل کی دو قسمیں ہوں گی۔ ایک وہ جسے تم جانتے ہو۔ اسے دیکھا بھی ہو گا چکھا بھی ہو گا لیکن اسی پھل کی ایک قسم جو جنت میں ہی پائی جاتی ہے تمہارے لیے بالکل نئی ہو گی۔

رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّكِـِٔيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ

رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر تافتہ کے ہوں گے ۵۹

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ فِيْهِنَّ

اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا ۶۰ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِاَيِّ

نیچی نگاہ والی (حوریں) ہوں گی جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے ۶۱ پس تم

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِاَيِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ (حوریں) گویا یاقوت اور مرجان ہیں ۶۲ پس تم

۵۹ وہ لوگ جنہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنی ساری عمریں گزار دی تھیں، یہاں بڑے مطمئن اور پرسکون ہوں گے۔ بستر کے جن کا استر تافتہ کا ہوگا۔ ان پر بے فکر چپ اور گداز ہوگا یہ لوگ ان پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہر کلفت اور ہر اندیشہ سے بے نیاز۔ بطائن: بطانۃ کی جمع ہے۔ اس کپڑے کو کہتے ہیں جو اندر کی طرف لگا ہو۔ استبرق: ریشم کا موٹا کپڑا، دیباج، تافتہ۔

۶۰ جنا اسم ہے یعنی وہ پھل جو چنا جاتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ وہاں پھلدار درختوں کے خوشے یوں جھکے ہوں گے کہ ان کو توڑنا بالکل آسان ہوگا۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حالت میں بھی آپ ان سے لطف اندوز ہونا چاہیں گے وہ بالکل آپ کے منہ کے قریب جھک آئیں گے۔

۶۱ ان باغات میں جو محلات اور مکانات ان جنتیوں کے لیے بنائے گئے ان میں ایسی عورتیں ہوں گی جو شرم و حیا کا پیکر ہوں گی۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوں گی۔ وہ اپنے شوہروں کے بغیر کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کریں گی۔ باشرم و باحیا ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اتنی پاکدامن اور عفت مآب ہوں گی کہ آج تک انہیں کسی جن یا انس نے چھوا تک نہ ہوگا۔

۶۲ ان کے چہرے یاقوت کی طرح سرخ ہوں گے اور ان کے بدن مرجان کی طرح سفید اور شفاف ہوں گے۔

آپ ذرا غور فرمائیں ان کے ظاہری حسن و جمال کے ذکر سے پہلے قرآن کریم نے ان کی شان عفت و حیا کا ذکر فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا حقیقی جمال اور اس کی سچی دلربائی اس کی پاکدامنی اور اس کی آنکھوں کا شرمیلا پن ہے۔

حیا نہ ہو تو … گھر میں اسباب گھر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ نہ ہو تو وہ خضرۃ الدمن ہے یعنی کوڑے کے ڈھیر پر اگا ہوا سبزہ۔ اس کی طرف گدھے تو لپک کر جا سکتے ہیں انسان اس کو اپنا

أَلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِاَیِّ

اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے ٥٤ پس اپنے رب

گز ڈالو بنا کر زور سے چنگھاڑتے رہیں، لیکن ایک شریف النفس اور بااخلاق آدمی کو تو اس سے بو آئے گی۔ اس کی سڑاند سے اس کا دماغ پھٹنے لگے گا۔

دنیا میں بھی امت مصطفویہ کی بہو بیٹیوں کو عفت و حیا کے زیور سے آراستہ ہونا چاہیے۔

یہ قصرات الطرف کون ہوں گی؟ وہ نیک سیرت بیویاں جو دنیا میں اللہ کے نیک بندوں کے نکاح میں تھیں وہی جنت میں ان کے محلات کی زینت بنیں گی۔ ان کے علاوہ وہ اچھی عورتیں بھی دی جائیں گی نیز وہ مسلمان عورتیں جو کسی کے نکاح میں نہ تھیں یا جن کے خاوند جہنم رسید کیے گئے ان کو بھی جنتی مردوں کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا یہی حال مومن جنوں اور باایمان جنیوں کے ساتھ بھی ہوگا۔

علامہ قرطبی متعت الاول کھنے کے بعد فرماتے ہیں۔ والذی یغلب علی الظن ان الانسیۃ یعطی من الانسیات والعبد والجنی یعطی من الجنیات والحور (روح المعانی)

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ دنیا کی بیویاں افضل ہوں گی یا جنت کی حوریں، حضور نے فرمایا نساء دنیا افضل من الحور العین کفضل الظھارۃ علی البطانۃ۔ یعنی دنیا کی عورتیں جنتی حوروں سے افضل ہوں گی جس طرح ابرہ استر سے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ حضور نے فرمایا بصلواتھن وصیامھن وعبادتھن اپنی نمازوں، اپنے روزوں اور اپنی عبادات کے باعث وہ افضل ہوں گی۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو نورانی بنائے گا۔ ان کے جسم ریشم سے نرم، ان کے چہرے سفید، ان کے لباس سبز اور ان کے زیورات سونے کی طرح زرد۔ ان کی انگوٹھیاں موتیوں کی اور ان کی کنگھیاں سونے کی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نہال ہو کر کہیں گی۔ الا نحن الخالدات فلا نموت ابدا۔ الا ونحن الناعمات فلا نبأس ابدا طوبی لمن کنا لہ وکان لنا۔ کان کھول کر سنو! ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں۔ ہمیں موت نہیں آئے گی۔ سن لو! ہم نازک اندام ہیں اور خوبصورت ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ جس کے حصے میں ہم آئیں گی اور وہ ہمارے حصے میں آئے گا۔

٥٤ یعنی جس نے بندہ ہوتے ہوئے اپنے بندگی کے حقوق کو حسن و خوبی سے انجام دیا کیا خلاق عالم اپنی شان بندہ نوازی میں کوئی کمی باقی رہنے دے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی کی نیکی کو ضائع نہ کرے گا اور اس کا اجر دینے میں بخل سے کام نہ لے گا۔

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا ھل تدرون ماقال ربکم۔ تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا یقول ھل جزاء من انعمت علیہ بالتوحید الا الجنۃ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمت توحید سے

ٱلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾ وَمِن دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا

والو تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں ٦٣ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَآمَّتَانِ ﴿٦٤﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٥﴾ فِيهِمَا

جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب ٦٤ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں

عَيْنَانِ نَضَّاخَتَانِ ﴿٦٦﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٧﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ

دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے

وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿٦٨﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٩﴾ فِيهِنَّ خَيْرَاتٌ

اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت

حِسَانٌ ﴿٧٠﴾ فَبِأَيِّ ءَالَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧١﴾ حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾

والیاں ہوں گی ٦٥ پس اے جن و انس! تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں پردہ دار خیموں میں ٦٦

سرفراز فرمایا گیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے۔

٦٣ جن دو باغوں کا ذکر پہلے ہوا ان سے کم درجے کے دو باغ اور ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ انہیں کو شرف نصیب ہو کر یہ دو باغ بھی مرحمت فرمائے جائیں گے اور بعض کا یہ خیال ہے کہ پہلے جن دو باغوں کا ذکر ہوا وہ سابقین و مقربین کے لیے ہیں اور یہ دو باغ جو ان سے کم درجے کے ہیں اہل الیمین کے لیے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

٦٤ یعنی یہ دو باغ بھی بڑے سرسبز و شاداب ہوں گے۔ مدھام اس سبزہ کو کہتے ہیں جو سیاہی مائل ہو۔ ان باغوں میں چشمے ہوں گے جن سے پانی پھوٹ پھوٹ کر بہہ رہا ہو گا۔ النضخ: فوران الماء۔ پانی کا زور سے ابلنا۔

٦٥ ان میں بھی عورتیں ہوں گی۔ اخلاق کے اعتبار سے بھی بے مثال اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر۔ خیرات: خیرات الاخلاق حسان الوجوہ یعنی جن کے اخلاق بہترین اور چہرے خوبصورت ہوں گے۔

٦٦ حور جمع ہے۔ اس کا واحد حوراء ہے۔ ھی الشدیدۃ بیاض العین والشدیدۃ سواد سوادھا یعنی جس کی آنکھ کا سیاہ حصہ بہت زیادہ سیاہ ہو اور سفید حصہ بہت ہی زیادہ سفید ہو۔ مقصورات فی الخیام فرما کر ان کے باحیا اور باشرم ہونے کا ذکر فرما دیا کہ وہ آوارہ پھرنے والیاں نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے خیموں میں جلوہ افروز رہتی ہیں۔ ان کے ظاہری اور باطنی

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٣ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ

پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور

لَا جَآنٌّ ۝٧٤ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٥ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ

نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر

خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ۝٧٦ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝٧٧

جو از حد نفیس، بہت خوبصورت ہوگی ۸۳ پس اے انسانو اور جنو! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے

حسن و جمال سے ان کے خیموں کا گوشہ گوشہ معطر اور منور ہے۔ ان کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت سے معمور رہتی ہے۔

۸۳۔ رفرف کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ سبز رنگ کی ریشمی چادر جو بستر پر بچھائی جاتی ہے اور تکیہ جس پر ٹیک لگائی جاتی ہے۔ الرفرف ضرب من بسط وقیل الوسائد (کشاف) اور علامہ قرطبی نے رفرف کے بہت سے معانی بیان کیے ہیں۔ ایک معنی یہ بھی لکھا ہے وقد قیل ان الرفرف شیء اذا استوی علیه صاحبه رفرف به واهوی به کالمرجاح یمینا وشمالا ورفعا وخفضا یتلذذ مع انیسه۔ رفرف ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس پر جب انسان بیٹھتا ہے تو کبھی وہ اوپر جاتی ہے کبھی نیچے کبھی دائیں کبھی بائیں۔ وہ جنتی اپنی مونس و ہمدم کے ساتھ بیٹھا لطف اندوز ہو رہا ہوگا۔ لطف و مسرت کے لحاظ سے یہ معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

عبقری: ثیاب منقوشة تبسط۔ چھپا دار نقش و نگار والا قالین۔ ایسا قالین خود ہی بڑا خوبصورت ہوتا ہے لیکن اس کی خوبصورتی اور نفاست کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حسان، بہت خوبصورت فرمایا ہے۔

علامہ جوہری اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں العبقر موضع تزعم العرب انه من ارض الجن ثم نسبوا الیه کل شیء تعجبوا من حذقه او جودة صنعته وقوته (صحاح) یعنی عبقر ایک موضع کا نام ہے جس کے بارے میں عرب کا گمان ہے کہ وہ جنات کی سرزمین ہے۔ پھر ہر چیز جس کی ذہانت و مہارت یا اس کی بناوٹ کی عمدگی اور نفاست یا اس کی قوت دیکھ کر وہ متعجب ہوتے ہیں تو اس کو عبقر کی طرف منسوب کر کے عبقری کہہ دیتے ہیں۔

سوچیے اگر یہ چند روزہ زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں انسان گزار دے اور اس کے بدلے میں ان عدیم النظیر اور لازوال روحانی اور جسمانی لذتوں اور مسرتوں سے اسے نوازا جائے تو یہ بڑا نفع والا سودا ہے۔ کتنا خوش بخت ہے وہ جس نے زندگی کو اس کاروبار میں صرف کیا۔ اس سورۂ پاک میں الرحمٰن کی شان رحمانیت کے آپ نے کتنے دل موہ لینے والے نظارے دیکھے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے اپنے محبوب رحمۃ للعالمین کے طفیل اس روسیاہ کو اس کے ان بے

ع ۳

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

اے حبیب! بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام، بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا۔ شکلہ

کہ اس کی رفیقۂ حیات کو اور اہل و عیال اور دوست احباب کو اپنی اس تجلی اور سرمدی نعمتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین ثم آمین!

صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

شکلہ اس سورت کا آغاز کتنا دل آویز تھا اور اس کا اختتام کتنا نغمہ ریز اور نشاط انگیز ہے۔ فرمایا بڑا بابرکت ہے اے محبوب! تیرے رب کا نام پاک کتنا برکت والا ہے تیرے اس پروردگار کا نام جو بڑی عظمت والا اور بڑے احسان فرمانے والا ہے۔

اللّٰھم تبارک اسمک وتعالٰی جدک وجل ثناءک ولا الٰہ غیرک۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی حبیبک وحبیبک وصفیک ونبیک قائد الانبیاء وسید الورٰی وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الکرام وعلینا وعلی سائر امتہ معہ یا رب العالمین یا ذا الجلال والاکرام۔ آمین ثم آمین۔

تعارف

سُورۃ الواقعہ

نام : اس کی پہلی آیت میں "الواقعہ" کا کلمہ ہے یہی اس کا نام ہے۔ اس سورۃ میں تین رکوع، چھیانوے آیتیں تین سو اٹھتر کلمے اور ایک ہزار سات سو تین حروف ہیں۔

نزول : حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطاء کے نزدیک یہ تمام کی تمام مکہ میں نازل ہوئی۔ البتہ حضرت ابن عباس کا ایک قول یہ ہے کہ اس کی چند آیات مدنی ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ یہ تمام کی تمام مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

علامہ سیوطی نے "الاتقان" میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے ترتیب نزول یہ نقل کی ہے پہلے سورۃ طٰہٰ پھر الواقعہ اور اس کے بعد "الشعراء"

حضرت فاروق اعظم سنہ نبوی میں ایمان لائے۔ یہ سورۃ اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی کیونکہ جب آپ نے اپنی بہنوئی اور بہن کو زد و کوب کیا اور آپ کی بہن کا سر پھٹ گیا اور اس کا خون بہنے لگا۔ اس سے آپ کا دل بہت متاثر ہوا۔ آپ نے کہا مجھے وہ کتاب دکھاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ فرمانے لگیں، "اے عمر! تم مشرک ہو اور مشرک ناپاک ہوتا ہے۔ ذٰلِکَ لَا یَمَسُّهَا اِلَّا الطَّاهِر۔ اور اس صحیفہ کو صرف پاک ہی ہاتھ لگا سکتا ہے" یہ جملہ اسی سورت کی ایک آیت لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (۷۹) میں مذکور ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت حضرت عمر کے ایمان لانے سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

مضامین : جس زمانہ کے ساتھ اس سورت کے نزول کا تعلق ہے اس وقت صرف تین باتیں زیر بحث تھیں توحید، قرآن اور قیامت۔

وقوع قیامت کے بارے میں ان کا انکار از بس شدید تھا، وہ اسے محال اور خلاف عقل یقین کرتے تھے اس لیے وہ سورتیں جو اس زمانہ میں نازل ہوئیں ان میں قیامت کے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اس سورۃ کا آغاز وقوع قیامت کے ذکر سے ہو رہا ہے پھر بتایا کہ اس روز نوع انسانی تین گروہوں میں بانٹ دی جائے گی۔ دائیں طرف والے، بائیں طرف والے اور سبقت لے جانے والے۔

پہلے رکوع میں بڑی تفصیل سے السابقون اور اصحاب الیمین کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ دوسرے رکوع میں

(اصحاب الشمال (بائیں طرف والے) کی خستہ حالی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ جسے پڑھ کر دل پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔

آیت نمبر ۵۷ سے دوسرے رکوع کے اختتام تک اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کے دلائل ایسے رنگ میں پیش کیے گئے ہیں جن کو تسلیم کرنے سے وہ بھی گریز نہیں کر سکتے۔

آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے پر دلائل پیش کیے گئے ہیں: مواقع النجوم کی قسم اٹھا کر سامعین کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس طرح نظام بے مثال پایا جاتا ہے اور ہم رنگی کا مشاہدہ تم کر اپنی دنیا میں کر رہے ہو اسی طرح کا بے مثل نظم و نسق اور ہر آیت کی دوسری آیت سے وابستگی تمہیں قرآن حکیم میں بھی نظر آئے گی۔ لیکن اس کے معانی اور حقائق تک رسائی ہر شخص کا نصیب نہیں۔ وہ لوگ جن کا دل پاک، نگاہ پاک اور نیت پاک ہوتی ہے وہی اس بحر حقائق کے لیے اپنے رُخ زیبا سے نقاب سرکاتی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس چشمۂ شیریں سے سیراب ہوتے، اپنی پیاس بجھاتے، اپنے گلستانِ حیات کی آبیاری کرتے تم نے اسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے اور روز و شب جھٹلاتے ہی رہتے ہو کیا تمہارا مقدر ہی صرف انکار اور تکذیب ہی ہے۔ صد حیف (تمہاری اس نادانی پر)

آیات: ۸۲ تا ۸۶ میں انہیں موت کی یاد دلا کر جھنجھوڑ دیا کہ کب تک بدمست و مخمور رہو گے؟ کیا اس وقت تک بے شعور پڑے رہو گے جب فرشتۂ اجل آکر تمہاری شہ رگ پر اپنا آہنی ہاتھ رکھ دے؟

سورت کے اختتام سے پہلے پھر گزشتہ تین طبقوں کے حالات کو بالاختصار دہرا دیا۔

خصوصیت: اس سورۃ کی ایک خصوصیت کے بیان میں چند احادیث مذکور ہیں۔ قارئین کے لیے ان کا مطالعہ خیر و برکت کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیے انہیں یہاں درج کر رہا ہوں۔

۱۔ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا (البیہقی وغیرہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ پڑھتا ہے اسے فاقہ ہرگز نہیں آئے گا۔

۲۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرأ سورۃ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا (ابن عساکر)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھتا ہے، اسے کبھی فاقہ نہ ہو گا۔

۳۔ عن انس رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال سورۃ الواقعۃ سورۃ الغنی فاقرؤھا وعلموھا اولادکم (ابن مردویہ)

ترجمہ: حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سورۃ الواقعہ دولت و ثروت کی

سورۃ ہے۔ اسے خود بھی پڑھا کرو اور اسے اپنی اولاد کو بھی تعلیم دو۔

عن انس عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علموا نساءکم سورۃ الواقعہ فانہا سورۃ الغنی والعلی۔ حکاہا من الدر المنثور۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے گھر کی مستورات کو یہ سکھاؤ (یعنی یاد کرادو) کیونکہ یہ دولت و ثروت کی سورۃ ہے۔

علامہ قرطبی نے یہاں ایک بڑا دلچسپ مکالمہ نقل کیا ہے جو حضرت عثمان اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ہوا۔ حضرت ابن مسعود جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے تو حضرت عثمان ان کی بیمار پرسی کے لیے ان کے ہاں تشریف لے آئے اور پوچھا:

"ما تشتکی؟" آپ کو کیا بیماری ہے؟

آپ نے کہا: "ذنوبی" مجھے اپنے گناہوں کی بیماری ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "فما تشتھی؟" آپ کیا چاہتے ہیں؟

انہوں نے جواب دیا: "رحمۃ ربی" میں اپنے رب کی رحمت چاہتا ہوں۔

پھر آپ نے کہا: "افلا ندعو لک طبیباً؟" کیا ہم آپ کے لیے کوئی حکیم نہ بلائیں؟

انہوں نے کہا: "الطبیب امرضنی" حکیم نے ہی مجھے بیمار کیا ہے۔

پھر حضرت عثمان نے پوچھا: "افلا نامر لک بعطائک؟" کیا ہم آپ کو آپ کا ماہانہ عطیہ ادا کرنے کا حکم نہ دیں؟

آپ نے کہا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: "آپ کی وفات کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا۔"

حضرت عبداللہ ابن مسعود نے جواب میں کہا: "کیا آپ کو یہ فکر ہے کہ میری وفات کے بعد میری بچیاں بھوک اور افلاس کا شکار ہوں گی، ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ ہر رات کو سورۃ واقعہ پڑھا کریں اور میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات کو سورۃ واقعہ کی تلاوت کرتا ہے اسے کبھی بھی بھوک اور افلاس سے واسطہ نہیں پڑے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتٌّ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الواقعہ مکی ہے اور اس میں ۹۶ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳

جب قیامت برپا ہو جائے گی [1] نہیں ہوگا جب یہ برپا ہو گی اس کو جھٹلانے والا [2] کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی [3]

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً

جب زمین تھرتھر کانپنے لگی [4] اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھرے

[1] قرآن کریم میں قیامت کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ الصاخۃ، الطامۃ، الازفۃ۔ اسی طرح اس کا ایک نام الواقعۃ بھی ہے کیونکہ یہ ضرور وقوع پذیر ہوگی کسی میں یہ طاقت نہیں ہوگی کہ اسے روک سکے اس لیے اسے الواقعۃ کہا گیا ہے۔

[2] زبان عرب میں کاذبۃ کا یہ معنی بتایا ہے ای لا یردھا شیء یعنی کوئی چیز اس کو روک نہیں سکتی کسی میں ایسی طاقت نہیں ہے جو اسے وقوع پذیر ہونے سے روک سکے۔

قرطبی نے بھی اس کا یہی مفہوم ذکر کیا ہے۔ لیس لوقعتھا احد یکذب بھا یعنی جب یہ وقوع پذیر ہو جائے گی تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکے گا۔ کسی میں یہ جرأت نہ ہوگی کہ اس کے واقع ہونے کو جھٹلا سکے۔ اس کا ایک اور معنی بھی بتایا گیا ہے۔ ان قیامھا جدّ لا ھزل فیہ۔ یعنی قیامت کا وقوع پذیر ہونا کوئی مذاق نہیں بلکہ یہ پکی بات ہے۔

کفار قیامت کا انکار کیا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ مرنے کے بعد جی اٹھنا ناممکن ہے۔ وہ ہرگز اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ یہ زمین، یہ فلک، یہ پہاڑ، یہ تارے سب کچھ درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لیے قرآن کریم نے حتمی انداز میں یہ بتا دیا کہ تم لاکھ انکار کرو قیامت ضرور برپا ہوگی۔ تم سب مل کر بھی اسے روکنا چاہو تو اسے روک نہیں سکو گے۔ تم آج انکار کر رہے ہو کل جب اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے تو تم اس کو جھٹلا نہیں سکو گے۔

[3] حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں خفضت اعداء اللہ فی النار ورفعت اولیاء اللہ فی الجنۃ یعنی قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں گرا کر پست کر دے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سربلند و سرفراز کرے گی۔

[4] حضرت ابن عباس فرماتے ہیں الرجۃ: الحرکۃ الشدیدۃ۔ شدید حرکت۔ مفسرین لکھتے ہیں۔ ترتج کما یرتج

مُنۢبَثًّا ۝٦ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝٧ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ

جائیں گے ف اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے ف پس ایک گروہ دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا ۔ کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ

الْمَيْمَنَةِ ۝٨ وَاَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝٩ وَالسّٰبِقُوْنَ

والوں کی ۔ اور دوسرا گروہ بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا ۔ کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا ۔ اور تیسرا گروہ (نیکیوں میں) آگے بڑھنے

السّٰبِقُوْنَ ۝١٠ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝١١ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝١٢ ثُلَّةٌ مِّنَ

والوں کا ہوگا اور (جنت میں بھی) آگے ہی آگے ہوں گے ۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں ۔ عیش و سرور کے باغوں میں ۔ ایک بڑی جماعت

العصف للھد حتی یتھدم کل ما علیھا یعنی جس طرح چھلنی میں ہلایا جاتا ہے کبھی اوپر اٹھتا ہے کبھی نیچے جھکتا ہے ۔ اسی طرح زمین بھی اضطراراً جھولے کی طرح جھولے گی یہاں تک کہ اس کے اوپر جو کچھ ہے مکانات ، درخت ، پہاڑ سب گر پڑیں گے اور ٹوٹ کر بکھر جائیں گے ۔

ف کسی چیز کا ٹوٹ پھوٹ جانا ، ریزہ ریزہ ہو جانا ۔ بست الشیئ اذا فتتہ قال الفراء صارت دقیقا ۔ فراء کہتے ہیں کسی چیز کا یوں پس کر آٹے کی طرح باریک ہو جانا ۔

روشن دان سے جب دھوپ اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں غبار کے جو ذرے اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں ان کو ھباء کہتے ہیں ۔ منبث ، منتشر ، پراگندہ ۔

ف الزواج کا معنی یہاں اصناف ہے ۔ جب کسی چیز کے مقابلے میں دوسری چیز ذکر کی جائے تو اسے زوج کہتے ہیں ۔ ای اصنافا کل صنف یکون او یذکر مع صنف آخر زوج (مظہری)

اس روز لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا پہلا گروہ اصحب المیمنۃ ، دوسرا اصحب المشئمۃ اور تیسرا السابقون ۔

میمنۃ : یا تو یمین سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے دایاں ہاتھ کیونکہ ان نیک بختوں کو دائیں ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں لے جائیں گے یا ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں جانب تھیں اس لیے انہیں اصحاب المیمنۃ کہا گیا ہے ۔ یا یہ یمن سے ماخوذ ہے جس کا معنی یمن و برکت والا ۔ کیونکہ ان کی ساری زندگی اپنے رب کریم کی بندگی میں بسر ہوئی ۔ اسی کی یاد میں ان کے رات دن کٹتے تھے ۔ اس کو راضی کرنے کے لیے وہ جدوجہد کرتے رہے ۔ ایسے لوگوں سے بڑھ کر یمن و برکت والا کون ہو سکتا ہے ۔ اس لیے اصحاب المیمنۃ کہا گیا ۔

اصحاب المشئمۃ : اس کی وجہ تسمیہ میں بھی مختلف اقوال ہیں ۔ یا تو یہ شؤمی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے بایاں ہاتھ کیونکہ

الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ﴿١٥﴾ مُّتَّكِئِينَ

پہلوں سے شہ ۔ اور قلیل تعداد پچھلوں سے شہ ۔ ان تختوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے تکیہ لگائے ہوئے

عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ﴿١٦﴾ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ

ہوں گے ان پر آمنے سامنے ۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے ساغر ہاتھوں میں لیے

ان بدبختوں کے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا یا ان کے عریضہ گناہوں کا پلندہ ان کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا یا اس لیے کہ ان کی روحیں آدم علیہ السلام کے بائیں ہاتھ تھیں اس لیے اصحاب المشئمہ کہا گیا یا یہ شوم سے ماخوذ ہے جس کا معنی نحوست اور بدبختی ہے۔ بےشک ہمارے ان لوگوں نے اپنی ساری عمر نافرمانی اور غفلت میں بسر کی ان سے بڑا منحوس اور بدبخت کون ہو سکتا ہے۔

اب ذرا اصحاب المیمنۃ کی ترکیب پر غور فرمائیے۔ اصحاب المیمنۃ مبتدا ہے۔ ما مبتدائے ثانی اصحاب المیمنۃ خبر۔ جملہ اپنی خبر سے مل کر خبر ہوا مبتدائے اول کی۔ ما استفہامیہ برائے تعجب ہے یعنی وہ کیا ہیں! اصحاب الیمین کی عظمت شان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ یہی کیفیت اصحاب المشئمۃ کی بھی ہے۔

السابقون ، آخر میں تیسری قسم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی ان کے مدارج عالیہ اور ان پر جو فضل و کرم کیا جانے والا ہے اس کو بھی بیان کر دیا۔ السابقون کا معنی ہے سبقت لے جانے والے۔ اس سے مراد وہ ازلی سعادت مند ہیں جنہیں جب دعوت حق دی گئی تو انہوں نے اسے فوراً قبول کر لیا۔ جب بھی انہیں کسی کار خیر کی طرف بلایا گیا یہ اپنے ساتھیوں سے چار قدم آگے ہی دکھائی دیئے دین کی سربلندی کے لیے اگر ان کے مال کی ضرورت پڑی تو سب کچھ لا کر قدموں میں ڈھیر کر دیا۔ اگر جان کی ضرورت ہوئی تو بصد مسرت سر بکف میدان میں حاضر ہو گئے۔ غرضیکہ نیکی اور بھلائی کے ہر کام میں یہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ ان کی تعریف رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان کلمات سے فرمائی ہے۔

انہ قال السابقون الذین اذا اعطوا الحق قبلوہ واذا سئلوہ بذلوہ وحکموا للناس کحکمہم لانفسہم

یعنی جب ان کے سامنے حق پیش کیا گیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ جب مال اور جان کی قربانی دینے کو کہا گیا تو انہوں نے ہر چیز پیش کر دی اور جب وہ حکومت کی مسند پر بیٹھے تو لوگوں کے ساتھ انہوں نے وہی سلوک کیا جو وہ اپنے لیے پسند کرتے تھے۔

السابقون مبتدا ہے اور دوسرا السابقون اس کی تاکید اور اولئک المقربون اس کی خبر ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلا السابقون مبتدا اور الف لام جنسی اور دوسرا خبر ہے اور الف لام عہد ذہنی ہے۔ اولئک المقربون جملہ مستانفہ ہے اور ملٰئکتہم کا جواب ہے۔

شہ یعنی امت کے اولین دور میں ایسے جانبازوں اور سرفروشوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی اور بعد میں آنے والے ادوار میں ان کی تعداد گھٹتی جائے گی۔

وَأَبَارِيقَ ۙ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝

آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَ

اور میوے جن کو وہ پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور

حُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا

حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں۔ (یہ) ایسے موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

معلوم ہوا کہ عہد نبوت میں جن لوگوں نے اس منبع فیض سے کسب فیض کیا اور اس آفتاب ہدایت سے اپنے دل کی دنیا کو منور کیا، جنہوں نے اس وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کی جبکہ اسلام قبول کرنا مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ جنہوں نے اللہ کے رسول کے لیے اپنے گھر بار، وطن اور عیال کو چھوڑ دیا اور جب کبھی جہاد کے نقارہ پر چوٹ لگی وہ کفن بردوش حاضر ہو گئے۔ یہ اس طائفہ سعیدہ کے متعلق ہی ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا بے پایاں نزول ہوتا ہے۔

افسوس ہے ان کم فہم لوگوں پر جو اپنی تنگ نظری و تعصب کے باعث ان پاکبازوں پر زبان درازی کرتے ہیں جن کی توصیف و ثنا سے قرآن کریم بھرا پڑا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں: لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔ اے لوگو! میرے صحابہ کو سب و شتم مت کرو۔ اگر تم کوہ احد کے برابر سونا بھی خرچ کرو تو ان کے ایک مد یا نصف مد کے برابر بھی نہیں ہو سکتا۔

ف بعد کے زمانہ میں ایسے سعادت مندوں کی تعداد گھٹتی جائے گی۔ انہیں اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے بجائے اپنی دنیوی زندگی کو پرکشش اور آرام دہ بنانے کی فکر زیادہ ہوگی۔

ف آیات نمبر ۱۵ تا ۲۴ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح پر اکتفا کیا جائے گا۔

موضونۃ: مضفرۃ بالذھب والجواھر۔ یعنی ایسے پلنگ جو سونے کی کڑیوں سے بنے ہوتے ہوں گے اور جگہ جگہ موتی اور جواہر سے انہیں مرصع کیا گیا ہوگا۔ متقابلین: ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے ہوں گے۔ ولدان: غلمان۔ مخلدون: ایک ہی کیفیت پر ہمیشہ رہیں گے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں کبر سنی اور بڑھاپے کے آثار ظاہر نہیں ہوں گے۔ یہ وہ بچے ہوں گے جن کے ماں باپ شرف باسلام نہ ہوئے اور بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ ان کو اہل جنت کا خادم بنا دیا جائے گا۔ سب اہل ایمان کے کم سن بچے تو اپنے والدین کے ساتھ مقامات رفیعہ میں رکھے جائیں گے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اکواب: جمع کوب کی، بمعنی بے دستہ پیالہ۔ اباریق: جمع ابریق کی، آفتابہ۔ کاس: شراب سے بھرا ہوا پیالہ۔ صداع: سر درد۔ نزف: مدہوشی۔

يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا

کرتے رہے تھے۔ بہشت میں وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں سلمہ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی

سَلَامًا ﴿٢٦﴾ وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾ فِي سِدْرٍ

آواز آئے گی سلمہ اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی سلمہ بے خار

مَخْضُودٍ ﴿٢٨﴾ وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ ﴿٢٩﴾ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ ﴿٣٠﴾ وَمَاءٍ مَسْكُوبٍ ﴿٣١﴾

بیریوں میں اور تہ بہ تہ کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور بہتے پانی کے آبشاروں میں

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾

اور پھلوں کی بہتات میں جو نہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے تختوں پر

سلمہ اہل جنت کو یہ شرف بھی بخشا جائے گا کہ وہاں کوئی ایسی گفتگو ان کے لیے باعث خلش نہ ہوگی جو لغو اور بیہودہ ہو اور نہ ہی وہاں کذب بیانی، غیبت، گلہ، سب وشتم پر مشتمل کوئی گفتگو ہوگی جو سراسر گناہ ہے۔

سلمہ ان کی گفتگو خیر ہی خیر ہوگی۔ وہ اس طرح کی بات چیت کریں گے جس سے باہمی محبت و پیار میں اضافہ ہو۔ فضا کیف و سرور سے معمور ہو جائے۔ دلوں کے کھنچے کھنچے رہنے، بیگانگی اور وحشت کا نام تک نہ ہوگا۔

قیلاً: یسمعون کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور سلاماً: یقولون محذوف کا مفعول ہے۔ سلاماً سے مراد خیر ہے یعنی اچھی باتیں۔ قیلاً منصوب بیسمعون، وسلاماً سلاماً منصوبان بالقول ای انھم یقولون الخیر۔

سلمہ یہاں سے ان نوازشات و انعامات کا ذکر شروع ہو رہا ہے جن سے اصحاب الیمین کو نوازا جائے گا۔ آیات نمبر ۲۷ تا ۴۰ کا مضمون واضح ہے۔ صرف مشکل الفاظ کی تشریح کی جائے گی۔

سدر: بیری کا درخت۔ مخضود: جس پر کانٹے نہ ہوں۔ بیری کی ایسی قسمیں بھی ہیں جن کا پھل بڑا شیریں اور خوشبودار ہوتا ہے۔ پھر جو بیری جنت میں ہوگی اس کی نفاست اور عمدگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ طلح: کیلا۔ منضود: نیچے اوپر تہ بہ تہ یعنی پھلوں کی گچھیاں نیچے تک لدی ہوں گی۔ ظل ممدود: وہ سایہ جو دور تک پھیلا ہوا ہو۔ جنت میں ایسے درخت بھی ہوں گے کہ اگر ایک ہی درخت کے سایہ میں ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو وہ ختم نہ ہوگا۔

ماء مسکوب: ایسا پانی جو ہمیشہ بہتا رہے۔ مقطوعۃ: جنت کے پھل موسمی نہیں ہوں گے کہ سال میں ایک مرتبہ وہ درخت پر نظر آئیں اور سال کے باقی حصے وہ پھلوں سے خالی رہیں، بلکہ وہ درخت ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔

إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا أَتْرَابًا ﴿٣٧﴾

ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے ۳۱ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں، دل و جان سے پیار کرنے والیاں، ہم عمر۔

لِّأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿٤٠﴾

یہ سب نعمتیں اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہو گی ۳۲

جونہی آپ ایک پھل توڑیں گے اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہو گا۔

دوسری تاویل ان میں یہ ہو گی کہ ان کو توڑنے میں کوئی دقت یا رکاوٹ نہ ہو گی۔ جب آپ کا جی چاہے گا اونچی ٹہنیوں پر لگے ہوئے خوشے آپ کے ہونٹوں کے قریب ہو جائیں گے۔

۳۱ یہاں اہل جنت کی نیک بیویوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ان کی خلقت بالکل نئی ہو گی۔ اگرچہ دنیا میں وہ بوڑھی بدشکل تھیں، مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی ہو گئی تھیں لیکن جب جنت میں داخل ہوں گی تو بھرپور جوانی ہو گی، جسم حسن و رعنائی ہوں گی اور کنواری بنا کر انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عرض کرنے پر حضور نے فرمایا یا ام سلمہ۔ هن اللواتي قبضن في الدنيا عجائز شمطا عمشا رمصا جعلهن الله بعد الكبر اترابا على ميلاد واحد في الاستواء۔ اے ام سلمہ ان سے مراد وہی بیویاں ہیں جو مرتے وقت وہ بالکل بوڑھی تھیں، ان کے بال سفید تھے، ان کی بینائی کمزور تھی، آنکھیں پلکیں بہتی تھیں لیکن جب وہ جنت میں داخل ہوں گی تو ساری ہم عمر ہوں گی۔

عُرُبًا، ان کی دو صفتیں بعد بیان کی ہیں۔

عرب، اس کا واحد عروب ہے۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں فالعروبة تبين محبتها لزوجها بشكل وغنج وحسن كلام۔ یعنی وہ عورت جو ناز و ادا اور خوش گفتاری سے اپنی محبت کا اظہار اپنے خاوند سے کرے۔ یہ صفت کی ایسی صفت ہے جس میں اس کی نسوانیت کی ساری خوبیاں سمٹ آتی ہیں۔ حسین و جمیل بھی ہو، ناز و ادا والی بھی ہو، شیریں گفتار بھی ہو اور خوش گفتار بھی ہو اور اپنے خاوند کو دل سے چاہنے والی بھی ہو اور اپنی چاہت کو چھپانے والی نہ ہو بلکہ اس کا اظہار کرنے والی ہو۔

صاحب لسان العرب اس لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں المرأة الضحاكة وقيل هي المتحببة الى زوجها والمظهرة له وقيل هي العاشقة له۔ اتراب، ہم عمر۔

۳۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا هم جميعا من امتي یعنی اس امت کا اول و آخر مراد ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی اور ان میں سے اسی صفیں امت محمدیہ کی ہوں گی۔ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام

امام بخاری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم باہر تشریف لائے

وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے ۔ کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی ۔ شعلہ لپیٹ جھلسنی اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَّ ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ

اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے ۔ نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ ۔ بے شک یہ لوگ پہلے

ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ﴿۴۵﴾ۚۖ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ﴿۴۶﴾ۚ

بہت خوش حال تھے ف۴ اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر ۔

فرمایا آج میرے سامنے ساری امتیں پیش کی گئیں۔ ایسے نبی بھی میرے سامنے سے گزرے جن کے ساتھ صرف ایک امتی تھا کسی کے ساتھ دو اور بعض کے ساتھ ایک گروہ اور بعض ایسے نبی تھے جن کے ساتھ ایک امتی بھی نہ تھا۔ پھر میں نے ایک جم غفیر دیکھا جس نے آسمان کے کنارے کو گھیر لیا تھا۔ کہا گیا یا رسول اللہ یہ آپ کی امت ہے۔ مع ھؤلاء سبعون الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب۔ ان میں ستر ہزار آپ کے وہ غلام ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ کے ایک صحابی جن کا نام عکاشہ ابن محصن تھا آگے بڑھے اور عرض کیا امنہم انا یا رسول اللہ! اے اللہ کے رسول کیا میں ان میں سے ہوں؟ فقال نعم فرمایا ہاں تو ان میں سے ہے۔ ثم قام آخر فقال امنہم انا؟ فقال سبقک بہا عکاشۃ۔ پھر ایک اور اٹھا اور عرض کیا کیا میں ان میں سے ہوں۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہمارا حشر بھی اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں کرے اور ہم گنہگاروں کو شفیع المذنبین کی شفاعت نصیب کرے۔ آمین ثم آمین!

ف۱ یہاں سے ان بدنصیبوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جنہیں قیامت کے روز ان کے اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

ف۲ ان الفاظ کی تشریح ملاحظہ ہو۔ سموم: جھلسا دینے والی لو۔ حمیم: سخت کھولتا ہوا پانی۔ یحموم: الدخان حممہ اسود شدید السواد۔ جہنم کا سخت سیاہ دھواں۔ لا کریم: ما لا خیر فیہ۔ جس میں ان کے لیے کوئی آرام اور سکون نہ ہوگا۔

ف۳ قاعدہ ہے کہ جب انسان کو گرم لو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے تو وہ پیاس محسوس کرتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کی تلاش کرتا ہے اور گھنے سائے کی طرف بھاگتا ہے لیکن یہ بدبخت جب آتش جہنم میں جھونکے جائیں گے اور پیاس کی شدت سے تلملانے لگیں گے تو انہیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے بجائے کھولتا ہوا پانی ملے گا اور جب کسی گھنے سائے میں پناہ لینا چاہیں گے تو آتش جہنم سے اٹھنے والے سیاہ دھوئیں کے سایہ کے اور کوئی سایہ انہیں نصیب نہ ہوگا۔ اب خود ہی ان کی حالت زار کا اندازہ لگا لیجیے۔

ف۴ وہ اس ہولناک انجام سے کیوں دوچار ہوئے۔ اس کی وجوہات بیان کی جا رہی ہیں۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ مترف

وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہی باقی رہ جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ

لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۴۸﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

زندہ کیے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی؟ آپ فرما دیجیے: بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔

لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا

سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے پہچانے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے

الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿۵۲﴾ فَمَالِـُٔوْنَ

والو، اے جھٹلانے والو! کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے

مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿۵۴﴾ فَشٰرِبُوْنَ

اس سے اپنے پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے

تھے۔ المترف: المتنعم، المتوسع في ملاذ الدنيا وشهواتها (لسان العرب) یعنی ان کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔ دنیا کی لذتوں اور نفس کی خواہشوں میں وہ اپنا سارا وقت ضائع کرتے تھے۔ انہیں نہ کبھی خدا یاد آیا اور نہ ان کے دلوں میں کبھی حاجت مند لوگوں کی امداد کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ ساری عمر عیش و عشرت میں بسر کر دی۔ ان کی تباہی کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ شرک پر مُصر تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی توحید کے روشن دلائل بار بار سمجھائے گئے لیکن وہ اپنے عقیدۂ شرک پر اڑے رہے۔ حنث عظیم کہتے ہیں بڑا گناہ، اس سے مراد شرک ہے۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ قیامت کے منکر تھے۔ ان وجوہات کے باعث انہیں یہ دردناک سزا بھگتنی پڑے گی۔

الھیم: اس کا واحد اھیم ہے اور اس کی مؤنث ھیماء۔ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پیاس کی ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جتنا پانی پی جائے اس کی پیاس نہ بجھے۔ الابل العطاش التي لا تروى بداء يصيبها۔ ضحاک اور اخفش نے اس کا ایک اور معنی بتایا ہے۔ ھیم الارض السھلة ذات الرمل۔ ریتلی زمین جسے جتنا سیراب کیا جائے وہ خشک ہی رہتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو بھوک اتنا ستائے گی کہ یہ زقوم کا بدبودار اور کڑوا درخت کھانے پر مجبور ہو جائیں گے اور پیاس کی شدت کا یہ عالم ہو گا کہ پینے کے لیے انہیں کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس سے ہونٹ اور منہ جل جائے گا۔ انتڑیاں کٹ کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی لیکن وہ اس کھولتے ہوئے پانی کو پیاسے اونٹ کی طرح پیتے چلے جائیں گے۔

شُرْبَ الْهِيمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُونَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ

جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن۔ ۵۷ ہم نے ہی پیدا کیا ہے تمہیں پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے ۵۸ بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو ۵۹ ذرا سچ سچ بتاؤ کیا تم اس کو (انسان) بنا کر پیدا کرتے

۵۶ یہ لوگ آج تو رنگ برنگ کے لذیذ کھانے کھاتے ہیں، بھرے دستر خوان پر طرح طرح کے کھانے چنے جاتے ہیں۔ کبھی انہوں نے یہ بھی سوچا ہے کہ قیامت کے دن ان پر کیا بیتے گی۔ انہیں کھانے کے لیے کیا ملے گا اور پینے کے لیے کیا دیا جائے گا۔

۵۷ مشرکین اور منکرین قیامت کو طرح طرح کے دلائل پیش کر کے سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ شرک سے باز آجائیں۔ توحید باری پر ایمان لے آئیں اور یقین کر لیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو ضرور بالضرور برپا کرے گا۔

یہاں سے پہلی دلیل شروع ہوتی ہے کہ تم خوب جانتے ہو کہ تم عدم محض تھے ہم نے تم کو نیست سے ہست کیا۔ اگر ہم تم کو عدم سے موجود کر سکتے ہیں تو تمہارے مرنے کے بعد تم کو از سر نو پیدا کر دینا ہمارے لیے کیا مشکل ہے۔ جو مشکل ابتدا ہوا کرتی ہے، اعادہ مشکل نہیں ہوا کرتا۔

۵۹ تخلیق کی پیچیدگیوں میں انسان کا اتنا دخل ہے کہ وہ منی کا قطرہ شکم مادر میں ٹپکا دے۔ انسان کا مادہ تولید ایسے اَن گنت نہایت باریک جرثوموں پر مشتمل ہوتا ہے جن میں مادہ کے بیضے سے ملنے اور عمل تخلیق سرانجام پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ بارہا کروڑوں جرثومے ضائع ہو جاتے ہیں اور عمل تخلیق رونما نہیں ہوتا۔ کس کا دست قدرت ان بے شمار جرثوموں میں سے ایک جرثومہ کا انتخاب کرتا ہے اور پھر اس کو عورت کے بیضے سے جا کر ملا دیتا ہے۔ پھر رحم کے ایک تنگ و تاریک گوشہ میں اس کو قرار بخشتا ہے۔ پھر اس میں آہستہ آہستہ شکل کو دنگ کر دینے والے تغیرات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں زندگی کی بتی روشن ہو جاتی ہے۔ پھر اس میں مختلف اعضاء نمودار ہونے لگتے ہیں۔ اس کے دل و دماغ میں صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ایک سمندر سمو دیا جاتا ہے۔ وہی قطرہ بے جان جرثومہ نو ماہ کے بعد جب باہر قدم رکھتا ہے تو اس کا گول مٹول پیارا سا چہرہ اور اس کے خد و خال دلوں کو موہ لیتے ہیں۔ اے کفار! سچ سچ بتاؤ، اس قطرہ آب کو یہ روپ، یہ رنگ کس نے مرحمت فرمایا۔ یہ چمکتی ہوئی آنکھیں، یہ ہونٹ، یہ زبان، یہ ناک، یہ کان اور دیگر معنوی خوبیاں کس کا انعام ہیں۔ کیا اس میں بچے کے باپ کا یا اس کی ماں کا کوئی عمل دخل ہے۔ کیا تمہارے ان بے بس اور بے خبر خیالی خداؤں نے ان میں کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ کیا اندھی فطرت کے حیطۂ امکان میں یہ بات ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس خداوند ذوالجلال کا انکار کیا جائے یا اس کے ساتھ کسی دیوی دیوتا کو شریک کیا جائے۔ پھر ذرا اس پر بھی غور کرو کہ جس خدا کی قدرت و حکمت کا یہ عالم ہے کیا مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے مشکل ہے؟

أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ

یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے)

بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا

عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو

لَا تَعْلَمُونَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ۝

تم نہیں جانتے اور تمہیں اپنی پہلی پیدائش کا علم ہے پھر تم اس میں کیوں غور و خوض نہیں کرتے

ہم نے ہی تم کو نیست سے ہست کیا ہے۔ ہم نے ہی تمہارے لیے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے۔ تمہاری پیدائش اور موت دونوں ہمارے قبضہ میں ہیں۔ اگر تم میرے احکام کی خلاف ورزی کرو یا میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

جب ہم چاہیں گے قیامت کے روز تمہیں پھر زندہ کر دیں گے۔ کوئی ایسی طاقت نہیں جو ہمیں ایسا کرنے سے روک دے۔ مسبوقین: مغلوبین۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے اگر ہم تم کو فنا کر دیں اور تمہاری جگہ تمہاری نسل اور لوگ لے آئیں تو ہم ایسا کرنے کی پوری قدرت رکھتے ہیں۔

اور ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ تمہاری خلقت کو بالکل بدل دیں۔ تمہارا قد و قامت، تمہاری رنگت، تمہارے خدوخال یکسر مختلف ہوں۔ جو صلاحیتیں اب تمہارے اندر موجود ہیں ان کے برعکس اور صلاحیتیں تمہیں ودیعت کر دیں۔ اب بھی ہم نے اپنی مرضی سے جیسا چاہا تشکیل فرما دیا اور اگر ہم تمہاری موجودہ حالت میں رد و بدل کرنا چاہیں تو ہمیں کوئی روک نہیں سکتا۔

نیک لوگ اگر اس دنیوی زندگی میں خوبصورت نہ تھے لیکن قیامت کے دن ان کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ ان کے حسن کا نکھار دلوں کو لبھا رہا ہوگا اور گناہگاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ انہیں دیکھ کر طبیعت میں وحشت پیدا ہوگی۔

تم اپنی پہلی پیدائش کے بارے میں تو جانتے ہو کہ کس طرح ایک حقیر قطرہ سے تمہارا آغاز ہوا اور کس طرح تمہیں مرتبہ کمال تک پہنچایا گیا۔ اگر تم ذرا غور و تدبر کرو گے تو تمہیں یہ باور کرنے میں ذرا تردد نہ ہوگا کہ تمہارا خالق تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾

کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو ٣٣ ذرا یہ تو بتاؤ کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔

لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾

اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پس سارا دن تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ ٣٤ (کہتے ہوئے) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾ ءَأَنتُمْ

بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے غور سے دیکھا ہے پانی کو جو تم پیتے ہو ٣٥ ذرا یہ تو بتاؤ کیا تم

أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ

نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری

٣٣ توحید باری اور وقوع قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمہیں تفصیلی علم ہے تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ زمین میں ہل چلاؤ اور اس میں بیج ڈالو۔ اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں کیا اس میں تمہارا بھی کوئی دخل ہے۔ پھر ان کے لیے جتنی حرارت، خنکی، روشنی، ہوا، رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے، ان کو مناسب مقداروں اور بروقت کون مہیا کرتا ہے کیا تمہارے بتوں، دیوی دیوتاؤں میں یہ قدرت ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیوں کرتے ہو جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتا ہے، اس کو پھر ایک نئی آن اور نیا بنا دیتی ہے کیا اس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطا فرما دے۔

٣٤ اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لیے چارہ کا کام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کے لیے کافی روپیہ خرچ کیا تھا۔ اعلیٰ قسم کے بیج مہنگے داموں خریدا تھا۔ کھاد فراہم کی تھی۔ آب پاشی کے لیے بڑے مصارف برداشت کیے تھے۔ تمہیں یہ توقع تھی کہ بڑی آمدنی ہوگی لیکن خرچ بھی پلے نہ پڑا۔ اس وقت تم حسرت و یاس سے کف افسوس ملتے رہو گے اور کہو گے ہائے افسوس! ہماری لاگت بھی ضائع ہو گئی۔ افسوس! ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔

تفکھون: تتندمون (لسان العرب) یعنی نادم ہو گے

٣٥ انسان صرف بھوک ہی محسوس نہیں کرتا اسے پیاس بھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمہاری خوراک کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی کی فراہمی بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے۔ ذرا غور کرو جو پانی تم کنوؤں، چشموں، دریاؤں سے پیتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے۔ یہی کہ بادل گھر کر آتے ہیں، بارش برستی ہے۔ کچھ پانی دریاؤں میں بہنے لگتا ہے کچھ مقدار

أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾ أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ﴿٧١﴾ ءَأَنتُمْ

بنا دیتے کھاری ۴۶ پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے ۴۷ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو ۴۸ کیا تم نے

أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَ

اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اسے نصیحت اور

تالابوں میں بھر جاتا ہے اور اس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور تہہ زمین پانی کے ذخائر جمع ہو جاتے ہیں جن کو مختلف طریقوں سے تم کشید کرتے ہو۔ الغرض ہر قسم کے پانی کا اصل سرچشمہ بارش ہے۔ بھلا بتاؤ اس میں کسی غیر کی کوئی مداخلت ہے بے طلب بھرے ہوئے سمندر کس نے بنائے ہیں۔ سورج کی حرارت جو ان پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہے وہ کس کی ہے۔ پھر ہوائیں کس کے حکم سے ان بخارات کو اٹھا کر مناسب بلندی پر پہنچا دیتی ہیں۔ وہ برودت جو ان بخارات کو پانی میں تبدیل کر دیتی ہے وہ کون پیدا کرتا ہے۔ پھر کس کے حکم سے بادل ایک مقررہ مقدار میں بارش برساتے ہیں۔ جب یہ ساری کاروائی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو رہی ہے تو پھر اس کا انکار یا کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔

۴۶ اجاج سخت کڑوے کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہاں اپنی ایک اور حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ بارش ان بخارات سے بنتی ہے جو سمندروں کے پانی سے اٹھتے ہیں۔ سمندروں کا پانی کھاری نمکین ہوتا ہے نیز اس میں ایک خاص قسم کی بدبو بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب بارش برستی ہے تو اس کے پانی میں نہ سمندر کا کھارا پن پایا جاتا ہے اور نہ اس بدبو کا کہیں نام و نشان ہوتا ہے۔ میٹھا اور شفاف آب زلال ان بادلوں سے ٹپکتا ہے۔ ذرا سوچو سورج کی کرنوں کو کس نے یہ سلیقہ سکھایا کہ جب پانی کشید کرو تو اس کی نمکینی اور بدبو کو مت کشید کرو صرف خالص پانی کے اجزاء کو بخارات میں تبدیل کرنا۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو جہاں بارش کا کھاری پانی برستا وہاں ساری زمین شور اور ناقابل کاشت ہو جاتی۔ میٹھے پانی کے جو ذخیرے پہلے سے موجود تھے وہ بھی استعمال کے قابل نہ رہتے تو انسانی زندگی کا کیا حال ہوتا۔ آن کی آن میں زندگی کے آثار مٹ جاتے۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

۴۷ کفران نعمت تمہیں زیب نہیں دیتا۔ اپنے رب کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں مزید مالامال کرے۔

۴۸ انسانی تمدن کی ترقی اور معاشرہ کی بہبود میں آگ کو جتنا دخل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اس سے گرمی حاصل کی جاتی ہے اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اس سے طرح طرح کے کھانے پکائے جاتے ہیں۔ صنعت و حرفت میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اگر آگ کا وجود نہ ہوتا تو زندگی کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توجہ اس کمال قدرت کی طرف مبذول کرا رہا ہے۔

عرب میں دو درخت تھے ایک کا نام مرخ تھا اور دوسرے کا نام عفار۔ مرخ کو اوپر اور عفار کو نیچے رکھ کر جب رگڑا جاتا تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکتے جن سے آگ نکلتی تھی۔ اوپر والی لکڑی مرخ کو زند کہا جاتا اور نیچے والی لکڑی عفار کو زندہ کہا جاتا۔ اس درخت سے مراد وہ سارے درخت بھی ہو سکتے ہیں جو ایندھن کا کام دیتے ہیں۔

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾

فائدہ مند مسافروں کے لیے ۳۰؎ تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی ۳۱؎ بس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں ۳۲؎ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا۔

۳۰؎ قوا ایسی زمین کو کہتے ہیں جو بنجر اجاڑ ہو اور آبادی سے بہت دور ہو۔ المقوی هي الأرض القفر الخالية البعيدة من العمران۔ اقوی کا معنی ہے ایسی بنجر اجاڑ زمین میں فروکش ہونا۔ اسی لیے مسافر کو مقوی کہتے ہیں کیونکہ بسا اوقات سفر میں انہیں ایسے مقامات پر فروکش ہونا پڑتا ہے جہاں پانی وغیرہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اگرچہ آگ مقیم اور مسافر سب کے لیے مفید ہے لیکن ایک مسافر کے لیے اس کی افادیت بہت زیادہ ہے۔ نیز وادی ریگزاروں میں جب آگ جلتی ہے تو اس کی روشنی میلوں تک دکھائی دیتی ہے۔ کئی راہگیر جن کی کوئی جائے پناہ نہیں ہوتی آبادی کے اس نشان کو دیکھ کر وہاں آجاتے ہیں۔ عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ رات کے وقت اپنے ڈیروں پر اونچی جگہ الاؤ روشن کر دیتے تھے۔ بھولے بھٹکے مسافر وہاں آجاتے اور وہ ان کی خاطر مدارات کرتے۔ عرب کا ایک شاعر اپنی سخاوت کا اظہار اس طرح کرتا ہے۔

وما اخمدت نار لنا دون طارق

ولا ذمنا في النازلين نزيل

یعنی آدھی رات کو آنے والا مسافر ہماری آگ کو بجھا ہوا نہیں پاتا اور ہمارے مہمان ہماری مذمت نہیں کیا کرتے۔

۳۱؎ اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو جس کی قدرت، حکمت، رحمت اور علم کے گوناگوں شواہد پیش کیے گئے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ہر قسم کے نقص، ضعف اور عیب سے پاک ہے۔

۳۲؎ یہاں "لا" نفی کے لیے نہیں بلکہ تاکید کے لیے زائد کیا گیا ہے جس طرح لئلا یعلم اهل الكتب میں لا زائدہ تاکید ہے۔ اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ لام قسم کے لیے ہے۔ اس میں اشباع کی وجہ سے الف بڑھ گیا جیسے اعوذ باللہ من العقراب —
مواقع، موقع کی جمع ہے۔ قتادہ کا ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات ہیں کیونکہ ان کے غروب سے ہی اللہ تعالیٰ کی توحید اور ان اجرام سماوی کے فانی ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور قتادہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ مواقع النجوم سے مراد ان کی منزلیں اور ان کی مداریں ہیں۔ انتهاء منازلها ومجاريها۔

بعض علماء نے مواقع النجوم کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ نجوم سے مراد صحابہ کرام اور مواقع سے مراد ان کی سجدہ گاہیں ہیں جہاں وہ اپنے رب کے حضور میں سربسجود رہا کرتے تھے۔ بعض کے نزدیک مواقع سے مراد ان کی قربانگاہیں ہیں جہاں وہ جہاد اکبر یا جہاد اصغر میں جام شہادت نوش کرنے کے بعد استراحت فرما ہیں۔ ملا جیون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں او النجوم

فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ

ایک کتاب میں جو محفوظ ہے۔ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین

الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ

کی طرف سے ۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو۔ اور (اس کی بجائے) اس کی برکتوں سے اپنا

نجوم الصحابۃ جو القرآن کے حاملین اور ... علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں وقیل النجوم الصحابۃ والعلماء الهادون وبمواقعهم القبور۔ (روح البیان)

قسم اس بات پر اٹھائی جا رہی ہے کہ یہ کتاب جادو، شعر اور اساطیر کی طرح نہیں جیسے کفار گمان کرتے ہیں بلکہ یہ کتاب کریم ہے۔ اسے کریم کہنے کی متعدد وجوہات ہیں: کریم عند اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ بڑی مکرم و معظم ہے۔ وقیل کریم لانہ یدل علی مکارم الاخلاق ومعالی الامور وشرائف الافعال۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ مکارم اخلاق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اعلیٰ مقاصد کی طرف دلالت کرتی ہے اور پسندیدہ افعال پر ابھارتی ہے۔ وقیل کریم لانہ من عند کریم بواسطۃ الکرام الی اکرم الخلق۔ یہ کریم ہے کیونکہ یہ رب کریم کی طرف سے آئی ہے کرامت والے فرشتے اسے لے کر نازل ہوئے ہیں اور اکرم الخلق پر نازل ہوئی ہے۔ کتاب مکنون: لوح محفوظ۔

یہاں لا اگرچہ نافیہ ہے لیکن نہی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ اس عزت والی کتاب کو طہارت کی حالت میں ہی چھونا چاہیے۔ فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت نہ اسے چھو سکتی ہے اور نہ اسے پڑھ سکتی ہے اور کوئی شخص بے وضو ہو تو پڑھ سکتا ہے لیکن مصحف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا البتہ اگر اس کے اوپر کوئی غلاف ہے تو پھر ہاتھ لگا سکتا ہے۔ بچے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کے لیے باوضو ہونا ضروری نہیں۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اس کے لطائف و معارف، اسرار و رموز اور شواہد حقیقت تک رسائی کی سعادت ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوتی۔ جب آپ کو یہ صرف ان نفوس قدسیہ کا حصہ ہے جن کا ظاہر و باطن، جن کا دل اور ذہن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہے۔ اس صورت میں لا نفی کا ہوگا۔

قرآن کریم کی صفات جلیلہ ذکر کرنے کے بعد کفار کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اے کفار! تمہاری طرف ایسی جلیل القدر کتاب نازل کی گئی ہے اور تم اسے اہمیت ہی کوئی نہیں دیتے۔ اس کے روشن دلائل سنتے ہو اور آیات بینات دیکھتے ہو لیکن اس کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں مدھنون ای متہاونون۔

وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ﴿۸۳﴾ وَأَنتُمْ

یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے ۸۲؎ پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت

حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾

وہاں بیٹھے دیکھ رہے ہوتے ہو ۸۳؎ اور ہم اس وقت بہ نسبت تمہارے مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے ۸۴؎

فَلَوْلَا إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُونَهَا إِن كُنتُمْ

پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے مرنے والے کی روح

صَادِقِينَ ﴿۸۷﴾ فَأَمَّا إِن كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۸۸﴾ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ

اگر تم سچے ہو ۸۵؎ پس وہ مرنے والا اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور

۸۲؎ چاہیے تو یہ تھا کہ اس نعمت عظمیٰ سے جی بھر کر فائدہ اٹھاتے۔ اپنے دلوں کو نور معرفت سے منور کرتے۔ زندگی کا ہر لمحہ اس کے ارشادات کے مطابق بسر کرتے لیکن تمہاری بدقسمتی کی کوئی حد نہیں کہ اس احسان عظیم سے تم نے یہی حصہ لیا کہ تم نے اس کا انکار کر دیا۔ خوش نصیب لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں سے جھولیاں بھر بھر کر لے گئے اور تم کفر و انکار کی دلدل میں پھنسے رہے۔

۸۳؎ تمہیں اپنی قوت اور جوانی، اپنی سطوت اور سلطانی اور دولت کی فراوانی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اسی لیے تو میرے رسول کی باتوں کو توجہ سے نہیں سنتے اور میرے اس کلام پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ ان کا یہ گھمنڈ سراسر بے جا ہے۔ ذرا وہ بتائیں کہ ان کا کوئی پیارا دم توڑ رہا ہو، وہ خود اس کے پاس بیٹھے ہوں، کیا ان میں یہ سکت ہے کہ وہ آگے بڑھ کر نکلتی ہوئی روح کو بدن میں داخل کر دیں۔ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

انسان کی بے بسی کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہے کہ وہ اپنے لخت جگر کو بھی موت کے پنجے سے چھڑا نہیں سکتا۔

۸۴؎ اگرچہ تم سرہانے بیٹھے ہو، اگرچہ تم نے اسے اپنی گود میں اٹھا رکھا ہے لیکن جو قرب ہمیں اس سے حاصل ہے وہ تمہیں میسر نہیں۔ ہم اپنی قدرت، علم اور ربوبیت کے اعتبار سے اس سے بہت زیادہ قریب ہیں لیکن تم اس قرب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔

۸۵؎ آیت میں غیر مدینین کا لفظ قابل غور ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں۔ المدین، العبد والمدینۃ: الامۃ المملوکۃ کانهما اذلهما العمل۔

یعنی دین کا معنی سرافگندی اور تابعداری ہے۔ غلام کو مدین اور کنیز کو مدینہ کہتے ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے مالک کے

وَجَنَّتُ نَعِيمٍ ۝ وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِينِ ۝ فَسَلٰمٌ

سرور والی جنت ہوگی۔ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے) کہا جائے گا

لَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ الْيَمِينِ ۝ وَأَمَّآ إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ

تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں

الضَّآلِّينَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيمٍ ۝ وَتَصْلِيَةُ جَحِيمٍ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ

سے ہوگا۔ تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا ہے بھڑکتے شعلوں میں۔ بیشک (جو بیان ہوا) یہ

حَقُّ الْيَقِينِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ۝

یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے۔

حکم کے سامنے سرافگندہ ہوتے ہیں اور اس کے حکم سے انہیں سرتابی کی مجال نہیں ہوتی۔ اس کے بعد علامہ ابن منظور لکھتے ہیں وقول تعالٰی فلولا ان کنتم غیر مدینین قال الفراء غیر مدینین ای غیر مملوکین۔ اس آیت میں فراء کہتے ہیں کہ غیر مدینین کا معنی ہے غیر مملوکین یعنی اگر تم کسی کے زیر فرمان اور تابع حکم نہیں بلکہ اپنی مرضی کے مالک ہو جو جی میں آئے وہ کر گزرتے ہو تو پھر جب کسی کی جان حلق میں آجاتی ہے تو اپنے اختیار اور قدرت سے واپس کیوں نہیں لوٹا دیتے۔ تمہاری اتنی آرزو ہے کہ تمہارا پیارا زندہ رہے۔ تم نے اس کی صحت کے لیے بڑے جتن کیے ہیں۔ قابل ترین طبیبوں سے علاج کرایا ہے۔ اس کے باوجود تم اپنے پیارے کو بچا نہیں سکے تم سے زیادہ بے کس و بے بس اور کون ہو سکتا ہے۔ قدرت کا مالک اللہ تعالٰی ہے، جو چاہے کر سکتا ہے۔

اس کے بعد تینوں گروہوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر وہ مقربین کے زمرہ میں سے ہے تو اس کا اعزاز و اکرام اس طرح کیا جائے گا۔ اگر وہ اصحاب الیمین میں سے ہے تو اس کی پذیرائی یوں ہوگی اور اگر وہ اللہ تعالٰی کی آیتوں کو جھٹلانے والوں اور گمراہوں میں سے ہے تو اس کی درگت یوں بنے گی۔ یہ جو کچھ تمہیں بتایا جا رہا ہے یہ حق ہے، یہ سچ ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

اے حبیب! اپنے عظمت والے رب کی پاکی بیان کرو۔ اس کی صفت ربوبیت کا یہی تقاضا ہے۔ جس طرح اس کی عظمت و کبریائی کا بیان تو کر سکتا ہے اس طرح اور کوئی نہیں کر سکتا۔ حضرت داؤد کی تسبیح سن کر تو صرف پرندے اور وحوش اللہ تعالٰی کی تسبیح کرنے لگے تھے۔ اے حبیب! جب آپ اپنے رب جلیل کی تسبیح بیان کریں گے تو آسمانوں کی بلندیاں اور زمین

کی پتیاں، سمندروں کی وسعتیں اور فضاؤں کی بیکرانیاں اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی تحمید و تمجید، اس کی تسبیح و تہلیل سے گونج اٹھیں گی۔

سُبحانَ ربيَ العظيم سُبحانَ ربيَ الأعلى۔
لا إلٰهَ إلّا أنتَ سُبحانَكَ إنّي كنتُ من الظّالمين۔
سُبحانَ اللهِ والحمدُ للهِ ولا إلٰهَ إلّا اللهُ واللهُ أكبر لا إلٰهَ إلّا اللهُ وحدَهُ لا شريكَ لهُ لهُ الملكُ
ولهُ الحمدُ وهو على كلِّ شيءٍ قدير۔
اللّٰهمّ إنّي عبدُكَ وابنُ عبدِكَ وابنُ أمتِكَ ناصيتي بيدِكَ ماضٍ فيَّ حكمُكَ عدلٌ فيَّ قضاؤُكَ
أسألُكَ بكلِّ اسمٍ هو لكَ سمّيتَ بهِ نفسَكَ أو أنزلتَهُ في كتابِكَ أو علّمتَهُ أحدًا من خلقِكَ أو استأثرتَ
بهِ في علمِ الغيبِ عندَكَ أن تجعلَ القرآنَ العظيمَ ربيعَ قلبي ونورَ صدري وجلاءَ حزني وذهابَ
همّي وغمّي بجاهِ حبيبِكَ المصطفى ورسولِكَ المرتضى ونبيِّكَ المجتبى الذي علّمنا هذا الدعاءَ اللّٰهمّ
صلِّ وسلِّمْ وباركْ عليهِ وعلى آلهِ وأصحابهِ من الصلواتِ أزكاها ومن التسليماتِ أسناها ومن البركاتِ
أوفاها إلى يومِ الدّينِ يا ذا الجلالِ والإكرام۔

تعارف

سُورۃ الحدید

نام : اس سورت کی پچیسویں آیت میں "وانزلنا الحدید" کا جملہ ہے۔ اسی سے اس کا نام الحدید رکھا گیا ہے۔ اس میں چار رکوع، انتیس آیتیں، پانچ سو چوالیس کلمے، دو ہزار چار سو چھہتر حروف ہیں۔

نزول : باتفاق علماء یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احد اور صلح حدیبیہ کے درمیانی عرصہ میں ہوا جب کہ اسلام اور کفر کی جنگ بڑے نازک اور فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی۔ بدر اور احد کی جنگیں مسلمانوں اور صرف کفار مکہ کے درمیان ہوئی تھیں۔ دیگر عرب قبائل جو مکہ کے دور و نزدیک آباد تھے وہ ان دو جنگوں میں شریک نہیں تھے۔ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ کشمکش مکہ کے باشندوں کے دو گروہوں تک محدود ہے، اس میں انہیں دخل دینے کی ضرورت نہیں۔ اہل مکہ بھی یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ بے سہارا اور غریب الدیار مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ان کے اپنے نبرد آزما جوان کافی ہیں۔ انہیں کسی دوسرے قبیلہ سے امداد و اعانت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدر کی غیر متوقع شکست فاش نے ان کی آنکھیں کھول دیں۔ اس کا انتقام لینے کے لیے کفار مکہ نے جس مہم کا پروگرام بنایا تھا اس میں انہوں نے اپنے تمام مادی وسائل اور افرادی قوت کو جھونک دیا۔ ابوسفیان جو اس جرار لشکر کا سالار تھا جس کی تعداد تین ہزار تھی، اسے یقین تھا کہ اس کا لشکر مسلمانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ جب احد پہاڑ کی ترائی میں اس کا مقابلہ مٹھی بھر مسلمانوں سے ہوا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ مسلمانوں نے پہلے ہلہ میں ہی ان کو میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اگر مسلمانوں کے تیر اندازوں کے دستہ سے غلطی سرزد نہ ہوتی تو جنگ احد کا نتیجہ ان کے لیے بدر سے کہیں زیادہ حوصلہ شکن اور تباہ کن ہوتا۔ ابوسفیان اگرچہ اپنے لشکر کو بچا لانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن اپنی مکمل فتح اور مسلمانوں کو کلیۃً مٹا دینے کے جو ارادے لے کر وہ گیا تھا اس میں اسے بری طرح ناکامی ہوئی۔ اب اہل مکہ کو پتہ چل گیا کہ وہ جلاوطن مسلمانوں سے تنہا نہیں لڑ سکتے۔ اس لیے انہوں نے مختلف قبائل کے پاس اپنے وفد بھیجے اور اپنے بتوں کی دہائی دے کر انہیں مسلمانوں کے خلاف امداد کی دعوت دی۔

مسلمانوں کے لیے صورت حال اب مزید خطرناک اور پریشان کن ہو گئی۔ اب انہیں اپنے بچاؤ اور اپنی جان سے عزیز تر اسلام کی بقا کے لیے پہلے سے بھی کہیں زیادہ جانی اور مالی قربانیاں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ اب ان کے مد مقابل صرف اہل مکہ نہ تھے بلکہ ان کی جنگ جزیرہ عرب کے سارے مشرک قبیلوں سے چھڑ گئی تھی۔

ان حالات میں یہ سورت نازل ہوئی۔ اس میں انہیں کوئی حکم دینے سے پہلے خداوند قدوس کی صفات کمال اور شان کبریائی سے متعارف کرایا۔ پھر انہیں اسلام کی سربلندی کے لیے بڑی فیاضی سے اپنے مال خرچ کرنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بات بھی سمجھا دی کہ یہ مال و متاع جو آج تمہارے پاس ہے کل کسی اور کی ملکیت تھا کیا معلوم دو روز بعد یہ تم سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ تم اس کے حقیقی مالک نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جو حقیقی مالک ہے تم اس کے نائب ہو۔ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اگر اس مال کو خرچ کرنے کا موقع آئے تو اسے غنیمت جانو۔ تمہیں اس کا بڑا اجر ملے گا۔

آیت نمبر ۱۰ میں بتا دیا کہ حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے۔ اسلام کے دشمن ہمیشہ اسی طرح گرجتے اور غراتے نہیں رہیں گے مسلمانوں کی کمزوری کی کیفیت بھی عارضی ہے۔ اللہ کے فضل سے حالات بدل جائیں گے۔ باطل کی قوت کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ کفر کے سرغنے مسلمانوں کا نام جپ کر جینے لگیں گے۔ اس وقت اسلام کو تمہاری مالی اعانت کی اتنی ضرورت نہیں رہے گی جتنی آج ہے۔ اس وقت جو تم خرچ کرو گے اس کا جو تمہیں اجر ملے گا بعد کے حالات میں تمہیں اتنا اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے نیکی کی تیزی سے بدلنے والے حالات سے فائدہ اٹھاؤ جو بن آتا ہے خرچ کر ڈالو ایسی قیمتی گھڑیاں شاید تمہیں پھر ہاتھ نہ آئیں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھا دیا کہ جو تم خرچ کر رہے ہو وہ ضائع نہیں ہو رہا بلکہ یوں سمجھو کہ تم اللہ کو قرض دے رہے ہو وہ کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس کے علاوہ تم بہت بڑے اجر کے مستحق قرار پاؤ گے قیامت کے روز ایسے ہی فدا کار اہل ایمان کے آگے آگے اور دائیں طرف نور ہی نور ہوگا اور انہیں فردوس بریں میں داخل ہونے کی خوشخبریاں دی جائیں گی۔

اس کے بعد منافقوں کے بارے میں بتایا کہ یہ بظاہر مسلمان بننے کے دعویدار تھے لیکن اللہ کی راہ میں نہ جان لڑانے کا جذبہ ان کے دل میں تھا اور نہ دولت خرچ کرنے کا شوق۔ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہوں گے۔ اہل ایمان سے نور کی ایک کرن کی بھیک مانگیں گے لیکن ان کی یہ التجا مسترد کر دی جائے گی۔

آیت نمبر ۱۶ سے اہل ایمان کو ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی جا رہی ہے اور ان کی غفلت کیشی پر انہیں جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ تم بھی اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا جن پر کتاب نازل ہوئی پہلے تو وہ بڑی سرگرمی سے اس پر عمل پیرا ہوئے لیکن وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہو گئے۔

اس حقیقت سے بھی آگاہ کر دیا کہ ہر شخص صدیقین اور شہداء کے زمرہ میں داخل نہیں ہو جاتا بلکہ پہلے ایمان کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ جانی و مالی قربانیاں پیش کرنی پڑتی ہیں تب یہ شرف نصیب ہوتا ہے۔

اہل نفاق اور اہل ایمان کے درمیان زندگی کے بارے میں جو بنیادی تفاوت ہے اس کو بڑے مؤثر انداز میں بتایا۔ اور ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کر دی کہ تمہاری جدوجہد کا مقصد مغفرت اور جنت کا حصول ہونا چاہیے۔

ایک اور حقیقت سے بھی اپنے بندوں کو خبردار کر دیا کہ سب کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے جو تمہیں ملنا ہے اور جو تمہیں ملنا اس کے بارے میں ازلی فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اس لیے اگر کوئی نعمت ملے تو خوشی سے بے قابو نہ ہو جایا کرو اور اگر کوئی

تکلیف پہنچے تو افسردہ اور مایوس نہ ہو جایا کرو۔ لوگوں کی رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو رسول مبعوث فرمائے ہیں، اُن کے بارے میں بتا دیا کہ انھیں روشن دلیلیں مرحمت فرمائیں۔ اپنی آسمانی کتاب سے نوازا۔ عدل کا ترازو بھی عطا کیا تاکہ وہ ہر حقدار کو اس کا جائز حصہ پورا پورا ادا کریں۔ ان عطیات کے علاوہ لوہا نازل کیا تاکہ اس سے سرکشوں کی سرکوبی کی جا سکے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی امداد کے لیے سربکف میدانِ جہاد میں قدم رکھتا ہے۔

آخری رکوع میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا کہ تم سے پہلے انبیاء تشریف لائے اور لوگوں کو دعوتِ حق پہنچائی۔ اُن کے بعض اُمتیوں نے اطاعت کا حق ادا کیا اور بعض اس سعادت سے محروم رہے۔ اب تمہاری باری ہے، دیکھنا تم اس میں بازی ہار نہ جانا۔ ایمان کی شمع کو ہر طوفان میں روشن رکھنا۔ تقویٰ کو اپنا شعار بنانا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نور مرحمت فرمائے گا جس کی روشنی میں تم شاہراہِ حیات پر بے خوف و خطر بڑھتے چلے جاؤ گے۔ نیز تمہارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

اہلِ کتاب کا یہ خیال سراسر بے حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے وہ اجارہ دار ہیں۔ نہیں! اس کے فضل و کرم کے خزانے اس کے اپنے ہاتھ میں ہیں جس کو چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔ تم بھی اس ذو الفضل العظیم کے سامنے دامن پھیلاؤ پھر دیکھو اس کی نوازشات کی بارش کیسے برستی ہے؟

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۱-۵-۷۷

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ الحدید مدنی ہے اس کی — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — آیات ۲۹ اور رکوع ۴ ہیں

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱ لَهٗ مُلْكُ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے [1] اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے [2] اسی کے لیے ہے بادشاہی

[1] تسبیح کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو تمام ایسی چیزوں سے منزہ اور پاک کہنا جو اس کی شایان شان نہیں۔ انسان کا اعتقاد بھی ہو وہ اپنے قول سے بھی اس کا اقرار کرے اور اس کا عمل بھی اس کی شہادت دے رہا ہو۔ التسبيح على المشهور تنزيه الله تعالى اعتقادا وقولا وعملا عما لا يليق بجنابه سبحانه (روح المعانی)

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ ان کا خالق اور مالک ہر نقص اور ہر عیب سے پاک ہے۔ ان میں سے ذوی العقول کی شہادت تو قولاً ہے۔ فرشتے، انسان اور جنات کہہ رہے ہیں سبحان اللہ، سبحان اللہ۔۔۔ البتہ غیر ذوی العقول اپنی زبان حال سے اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت و کبریائی بیان کر رہے ہیں۔ لیکن زجاج کا قول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی زبان سے قولاً اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے ورنہ اس آیت کا کیا معنی ہو گا وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ یعنی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے لیکن تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اگر زبان حال سے تسبیح مراد ہو تو پھر اس کے ادراک نہ کرنے کا کوئی مطلب نہیں۔ اسی طرح قرآن کریم میں حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں زمزمہ سنج ہوا کرتے تھے تو پہاڑوں کے پتھر اور سنگریزے بھی ان کے ساتھ مل کر اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرتے تھے۔ یہ خصوصیت تب ہی پائی جا سکتی ہے جب وہ زبان قال سے تسبیح کریں۔

علامہ آلوسی اسی رائے کو پسند کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

نفس ناطقہ اور ادراک انسان کی ہی خصوصیت نہیں بلکہ جمادات اور نباتات کو بھی ان کے حسب حال یہ نعمتیں بخشی گئی ہیں۔

وهو مبني على ثبوت النفوس الناطقة والادراك لسائر الحيوانات والنباتات على ما يليق بكل (روح المعانی)

صوفیائے کرام کا مسلک بھی یہی ہے۔

یہاں سورۃ حدید نیز سورۃ الحشر اور الصف کی ابتداء سَبَّحَ صیغہ ماضی سے کی گئی ہے لیکن سورۃ جمعہ اور تغابن کا افتتاح يُسَبِّحُ صیغہ مضارع سے کیا گیا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کسی زمانے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ پہلے بھی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کر رہی تھی، اب بھی ایسا ہی ہو رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو گا۔

[2] کائنات کا ذرہ ذرہ آشنا اس کی پاکی کیوں بیان نہ کرے۔ اس کی حمد کے گیت کیوں نہ گائے۔ ایک وہی تو ہے جو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔ خبر اور مبتدا دونوں کو معرفہ ذکر کر کے حصر کی طرف اشارہ کر دیا۔ عزیز: اس قادر اور زبردست کو کہتے ہیں جس کا کوئی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۲ هُوَ

آسمانوں اور زمین کی ۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ؎ وہی

الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۳ هُوَ

اوّل ، وہی آخر ، وہی ظاہر ، وہی باطن ۔ اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ؎ وہی

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت

الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ

حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے

مقابلہ کر سکے جس کے فرمان کو کوئی ٹال سکے۔ العزیز القادر الغالب الذی لا یرد ولا یمانعہ شیئ۔ اس کی قدرت مطلقہ کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز کو جس شکل و صورت جس قد و قامت اور جن مقاصد کی انجام دہی کے لیے پیدا فرمایا اس میں آج تک کسی قسم کا رد و بدل نہیں ہو سکا۔ انا کل شیئ خلقنٰہ بقدر کے جلوے ہر چھوٹی بڑی چیز میں نظر آ رہے ہیں۔ لیکن یہ قوت، یہ بے کراں قدرت اندھی نہیں ہے کہ ترنگ میں آئی تو جس چیز کو چاہا نیست و نابود کر دیا۔ جس کو چاہا رسوا کر دیا۔ موج میں آئے تو کسی ناجائز مستحق کو عزت و سرفرازی بخش دی۔ نہیں، اللہ تعالیٰ عزیز ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے۔ اس کا کوئی کام، اس کا کوئی حکم، اس کا کوئی فیصلہ حکمت کے بغیر نہیں اور اسی میں اس گلشن کائنات کی بقا اور تر و تازہ رہنے کا راز مضمر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ساتھ قادر و توانا ہونے کے باوجود رحمت و رافت کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ غلط کاروں سے فوراً انتقام لینے کی جلدی میں نہیں ہوتا بلکہ ان کے ساتھ بڑے تحمل اور کرم کا سلوک کرتا ہے۔ تمام عمر سرکشی اختیار کرنے والا بھی اگر اس کے در رحمت پر آ کر گر پڑتا ہے تو وہ اس کو اپنے دامن رحمت میں ضرور جگہ دے دیتا ہے۔

؎ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور ان میں حکومت و فرمانروائی بھی اسی کی ہے۔ فنا اور بقا اسی کے اختیار میں ہے۔ ہر چیز اس کے فرمان کے سامنے بے چون و چرا سرافگندہ ہے۔

؎ اس آیت کی تشریح خود حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی۔ یہ وہ دعا ہے جو حضور بستر راحت پر لیٹے ہوئے اکثر مانگا کرتے تھے۔ قرض کی ادائیگی اور بھوک سے نجات کے لیے یہ دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیں۔ رات کو اگر سوتے ہوئے آنکھ کھل جائے تو یہ دعا مانگ لیں۔

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یقول وھو مضطجع

مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ۖ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے [۳] اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں تم ہو [۴] اور اللہ تعالیٰ جو کچھ

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۞ لَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

تم کرتے ہو اسے خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ فَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوٰى وَمُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْفُرْقَانِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْءٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْاٰخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَاَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ اِقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَاَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ

اے اللہ! اے آسمانوں اور زمین کے رب! اے عرش عظیم کے رب! اے ہمارے رب! اے ہر چیز کے رب! اے دانے اور گٹھلی کو چیرنے والے! اے تورات، انجیل اور فرقان کو نازل فرمانے والے! میں تجھ سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس کی پیشانی تو نے پکڑی ہوئی ہے۔ اے اللہ! تو اول ہے پس تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں۔ تو آخر ہے پس تیرے بعد کوئی چیز نہیں۔ تو ظاہر ہے پس تجھ سے برتر اور کوئی نہیں۔ تو باطن ہے، تجھ سے مخفی اور کوئی نہیں۔ ہمارا قرض ادا فرما دے اور ہمیں فقر وافلاس سے غنی کر دے۔

انت الباطن فلیس دونك شیء کا مطلب ہے کہ تیری کنہ اور حقیقت پر کوئی آگاہی حاصل نہیں کر سکتا۔

[۲] وھو الذی خلق السمٰوٰت الخ کی تشریح متعدد مقامات پر پہلے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

[۳] یعلم مایلج: یہاں سے خالق ارض وسما کے علم محیط کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ صرف کلیات کا جاننے والا نہیں بلکہ جزئیات کا بھی عالم ہے۔ صرف بڑی بڑی چیزوں سے باخبر نہیں بلکہ حقیر سے حقیر، باریک سے باریک چیز سے بھی آگاہ ہے۔ جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے بیج ہو، بارش کا کوئی قطرہ ہو، ویسے کوئی چیز اس میں چھپا دی جائے کسی مردہ کو اس میں دفن کیا جائے، ویسے کوئی چیز گل سڑ کر اس میں تحلیل ہو جائے۔ وہ ان تمام چیزوں سے باخبر ہے۔ اسی طرح زمین سے جو چیز نکلتی ہے پانی کا چشمہ ہو، زمین سے اگنے والے درخت ہوں، کھیت ہوں، معدنیات ہوں، قدرتی گیس ہو، پٹرول ہو، وہ نباتات ہوں، الغرض جو چیز زمین سے نکلتی ہے اس پر بھی وہ مطلع ہے۔ اسی طرح آسمان سے جو چیز اترتی ہے فرشتے ہوں، وحی ہو، احکام الٰہی ہوں، رزق ہو، بارش ہو، غرضیکہ جو چیز اوپر سے نیچے نازل ہوتی ہے وہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں نیچے سے عالم بالا کی طرف صعود کرتی ہیں ملائکہ ہوں، اعمال حسنہ ہوں، اہل ایمان کی دعائیں ہوں، کچھ بھی ہو ان کا بھی اسے کامل علم ہے۔

[۴] وہ ذرہ ذرہ پر جلوہ فرما ہے اور تم سے کبھی الگ اور بے تعلق نہیں ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ اپنے علم اور قدرت سے تمہارا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ صوفیائے معیت سے ایسی معیت مراد لی ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی معیۃ غیر متکیفۃ۔

الْأُمُوْرُ ۝ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۚ وَهُوَ

جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں اور وہ

عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ

خوب جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے۔ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے

علامہ اسماعیل حقی نے یہاں بڑی پیاری بات لکھی ہے۔ اہل ذوق کی تسکین قلب کے لیے نقل کر رہا ہوں۔ في التأويلات النجمية وهو معكم لا بالمعية المفهومة للعوام والخواص أيضاً۔

این معیت می نگنجد در بیان ۔۔۔ نے زمان دارد خبر زو نے مکان

بل بالمعية المعروفة بالذوق الكشفي الشهودي أي أنا معكم بحسب مراتب شهودكم إن كنتم في مشهد الفعل فأنا معكم بالفعل الذاتي سالأ تقدم ولا تأخر عنكم۔ (اس کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ اہل دل خود ہی سمجھ لیں)

۷ یہی ایمان لانے کی دعوت ان لوگوں کو دی جا رہی ہے جو نعمت ایمان سے محروم ہیں اور کبھی ان لوگوں کو بھی دعوت ایمان دی جاتی ہے جو ایمان تو لے آئے ہوتے ہیں لیکن ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اسلام کو سربلند کرنے کے لیے اگر کسی مالی اور جانی قربانی کی انہیں دعوت دی جاتی ہے تو وہ شوق اور آمادگی ان میں نظر نہیں آتی جو ایمان کا تقاضا ہے۔ یہ آیات غزوۂ تبوک کے موقع پر ایسے ہی لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ یہ غزوہ عرب کے کسی قبیلے کے خلاف نہ تھا، نہ کفار قریش کے خلاف تھا بلکہ رومی سلطنت کے خلاف تھا جو مدینہ پر حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو ملیامیٹ کر دینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ تیس ہزار کا لشکر جرار لے کر حضور پیش قدمی کرتے ہوئے رومی علاقہ میں تبوک کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوئے تھے۔ ایسی مہم کو سرانجام دینے کے لیے جتنے سرمایہ کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور دیگر صحابہ نے ایثار و فیاضی کے ایسے ایسے مظاہرے کیے کہ انہیں پڑھ کر آج بھی ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان تو تھے مگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ان کے لیے بڑا جان جوکھوں کا کام تھا۔ ان کو برانگیختہ کرنے کے لیے انہیں پھر دعوت ایمان دی جا رہی ہے اور جو عہد وہ پہلے کر چکے ہیں وہ یاد دلایا جا رہا ہے تاکہ آزمائش کے اس وقت میں وہ ناکام نہ ہو جائیں۔

علامہ ابوحیان الاندلسی لکھتے ہیں: امر تعالیٰ عبادہ المومنین بالثبات علی الایمان ولوامه والنفقة في سبيل الله۔ قال الضحاك نزلت في غزوة تبوك۔ (البحر المحیط)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کریں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔

مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۷

جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے ۞

۞ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ انداز بیان ایسا ہے کہ انسان میں معمولی شعور بھی ہو تو وہ جو کچھ اس کے پاس ہے سب کچھ لٹانے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد ہے وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه۔ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مال آج تمہارے قبضہ میں ہے تم اس کے حقیقی مالک نہیں ہو۔ اس کا حقیقی مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اس نے تم پر اپنا فضل و کرم فرمایا اور ان تمام چیزوں میں تمہیں اپنا نائب اور خلیفہ مقرر کر دیا۔ حقیقی مالک وہ ہے۔ تم اس کے خلیفہ ہو۔ اب یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ مالک حکم دے اور نائب اس کی بجا آوری میں پس و پیش کرے۔

یہاں یہ ارشاد ہے کہ جن اموال میں اس نے تمہیں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے جب وہ ارشاد فرمائے تو تو اس مال کو خرچ کرو، تمہیں جنت میں اس کی خوشنودی حاصل ہو جائے گی۔ ای جعلكم سبحانه خلفاء عنه عزوجل في التصرف فيه من غير ان تملكوه حقيقة۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے یہ مکان، یہ زمین، یہ جائیدادیں کسی اور کے تصرف میں تھے۔ وہ انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب یہ چیزیں تمہارے قبضہ اور تصرف میں ہیں لیکن تم نے بھی ایک روز یہاں سے رخت سفر باندھنا ہے۔ اس وقت یہ چیزیں کسی اور کے تصرف میں چلی جائیں گی۔ جتنے عرصہ کے لیے تمہیں ان چیزوں کا مالک بنایا گیا ہے تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں اس طرح خرچ کرو کہ تمہارا پروردگار تم پر راضی ہو جائے۔ جب یہ چیزیں تمہارے قبضہ سے نکل جائیں گی تو پھر کچھ نہ کر سکو گے۔ او جعلكم خلفاء عن من كان قبلكم فيما كان بايديهم فانتقل لكم۔ (روح المعانی)

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ انداز میں یہی سبق اپنے صحابہ کو خوب ذہن نشین کرا دیا تھا۔ مطرف اپنے باپ عبداللہ سے ذکر کرتے ہیں رضی اللہ عنہما۔ قال اتيت الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو يقول الهكم التكاثر يقول ابن آدم مالي مالي وهل لك من مالك الا ما اكلت فافنيت او لبست فابليت او تصدقت فامضيت وما سوى ذلك فذاهب وتاركه للناس (مسلم) عبداللہ کہتے ہیں میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور فرما رہے تھے الهكم التكاثر تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان! تیرے مال میں سے تیرا حصہ کچھ نہیں بجز اس کے جو تو نے کھا لیا اور ختم کر دیا یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لیے بطور زاد بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دنبہ ذبح کیا۔ اس کا ایک بازو رکھ لیا اور باقی سب مسکینوں میں بانٹ دیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاشانہ اقدس میں تشریف لائے تو پوچھا کوئی چیز اس سے بچی بھی ہے۔ ام المومنین نے عرض کی ما بقي منها الا كتفها۔ باقی سب ختم ہو گیا ہے صرف ایک بازو بچا ہے۔ اس مرشد کامل نے ارشاد فرمایا بقي كلها غير كتفها

وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَ

آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اس کا رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر ۱

قَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ

اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو ۲ وہی ہے جو نازل فرماتا ہے اپنے (حبیب)

عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ

بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے

بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۹﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ

ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی

اے عاشقو! جو تم نے راہ خدا میں دیا وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گیا۔ تمہارا صرف وہ مال ضائع ہو گا جو تم نے اپنے لیے رکھا ہے۔ یہ تھا وہ ذہن جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیار فرمایا تھا۔

۱ علامہ ابو حیان لکھتے ہیں یہ استفہام زجر و توبیخ کے لیے ہے۔ ای کیف لا تثبتون علی الایمان۔ تم کیوں ایمان پر ثابت قدم نہیں رہتے حالانکہ اللہ کا رسول تمہیں اس کی طرف بار بار بلا رہا ہے اور تمہیں دلائل اور براہین سے سمجھا رہا ہے۔ انسان زبان سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اگر اس شخص کے دل کی حالت وہ صدق و یقین کا مظاہرہ کرنے سے قاصر رہے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا ایمان ناقص ہے۔ اسے چاہیے کہ اپنے ایمان کو مستحکم بنانے کا جو زریں موقع اسے نصیب ہوا اس سے پورا فائدہ اٹھائے اور اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا کہ حبیب اللہ کا حبیب دعوت دے رہا ہو۔ اس کے نور افشاں بیان سے شک و بدگمانی کی تاریکیاں چھٹ رہی ہیں حق اپنی پوری تابانیوں سے جلوہ نما ہے۔ جس نے اس زریں موقع سے فائدہ نہ اٹھایا اس سے بڑھ کر بدنصیب کون ہو گا۔

۲ جب تم نے اسلام قبول کیا تھا اس وقت میرے رسول نے تم سے پختہ وعدہ لیا تھا۔ کیا وہ تمہیں یاد نہیں رہا۔ ایسے پختہ وعدہ کے بعد بھی تم قدم قدم پر تذبذب کا مظاہرہ کرتے ہو۔ کچھ تو ہوش کرو۔ اس میثاق کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں بھی ہے واذکروا نعمۃ اللہ علیکم و میثاقہ الذی واثقکم بہ اذ قلتم سمعنا واطعنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت تم پر کی ہے اور اس پختہ عہد کو یاد کرو جو تم نے اس کے ساتھ کیا جب تم نے کہا تھا ہم نے تیرا حکم سنا اور ہم نے تیری اطاعت کی۔ حضرت عبادہ ابن صامت نے اس میثاق کی تفصیل سے ذکر کیا ہے جو بیعت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیا کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں بایعنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی النشاط والکسل وعلی النفقۃ فی العسر والیسر وعلی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

آسمانوں اور زمین کا وارث ہے ف۱۱ تم میں سے کوئی برابری نہیں کرسکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ

مال خرچ کیا اور جنگ کی ف۱۲ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا

وعلی ان نقول فی اللہ تعالیٰ ولا نخاف لومۃ لائم۔ (مسلم، امام احمد)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم حضور کے ہر فرمان کی تعمیل کریں گے نشاط کی کیفیت ہو یا کسل مندی کی حالت۔ ہم اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں گے خواہ ہم تنگ دست ہوں یا خوش حال۔ ہم نیکی کا حکم دیں گے برائی سے منع کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچی بات کہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خائف نہ ہوں گے۔

ف۱۱ اس آیت میں پھر اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جارہی ہے کہ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور اس بات کی قطعاً پروا نہ کرو کہ تمہاری اولاد کا کیا بنے گا۔ تمہاری زندگی کی ضروریات کیسے پوری ہوں گی۔ تمہارا معاملہ اپنے رب کریم کے ساتھ ہے۔ زمین و آسمان کے سارے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔ ہر چیز کا مالک وہ ہے وہ غنی ہے۔ اس کی غیرت ہرگز یہ برداشت نہیں کرتی کہ اس کی راہ میں گھر بار لٹانے والا کسی غیر کا دست نگر ہو۔ وہ خود غیب سے اسے اس طرح فراواں رزق دیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

ف۱۲ یہاں ایک فقرہ محذوف ہے۔ عبارت یوں ہونی چاہیے تھی۔ لا یستوی من انفق من قبل الفتح وقاتل ومن انفق من بعد الفتح وقاتل۔ یعنی برابر نہیں ہوسکتا وہ شخص جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جنگ کی اور جس نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جنگ کی۔ لیکن یہ مضمون چونکہ بالکل واضح تھا اس لیے اس فقرہ کو حذف کر دیا۔ فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ بعض نے صلح حدیبیہ مراد لیا ہے۔ فتح سے پہلے حالات بڑے نازک اور حوصلہ شکن تھے۔ ہر لحظہ یہ خطرہ تھا کہ کفر کا سیلاب آئے گا اور گلشن اسلام کو بہا کر لے جائے گا۔ ان تشویشناک اور غیر یقینی حالات میں جن لوگوں نے دل کھول کر اپنے مال خرچ کیے اور ذوق و شوق سے اپنی جانیں قربان کیں ان کے پیش نظر فقط اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا تھی۔ کسی قسم کی مالی یا سیاسی منفعت کا کوئی امکان نہ تھا نیز اس وقت قربانیوں کی ضرورت شدید تھی اور قربانی دینے والے چند لوگ تھے۔ فتح مکہ کے بعد حالات یکسر پلٹ گئے۔ اب اسلام ایک سیاسی قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا اس کے جاں نثاروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اس کے دشمنوں کی قوت گھٹتی جارہی تھی۔ مالی وسائل میں بھی قابل قدر اضافہ ہو رہا تھا۔ اس لیے جن لوگوں نے بے بسی کے عالم میں اپنے مالک کو راضی کرنے کے لیے اور دین حق کو سربلند کرنے کے لیے اپنے مال بھی خرچ کیے اور جانیں بھی پیش کیں، بعد میں آنے والے ان کے برابر نہیں ہوسکتے۔

اس آیت میں ان مہاجرین و انصار کے متعلق زبان قدرت یہ اعلان فرما رہی ہے۔ اولٰئک اعظم درجۃ۔ ان کا درجہ

وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۰ ع ۱ ۱۷

اور جنگ کی بعد میں تو سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے ۱۳

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ

کون ہے جو دے (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضِ حسنہ ۱۴ تاکہ اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھائے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ)

بڑھا دیتا ہے۔ ان کا مقام بڑا بلند ہے۔ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قربانیاں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ خود ان کی توصیف فرما رہا ہے۔ قرآن ان کی عظمت کی گواہی دے رہا ہے۔ اب جو لوگ ان پاک لوگوں کی عظمت شان کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ الٹا ان پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، وہ خدا سوچیں اور خود ہی بتائیں کہ ان صحابہ کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق ہے یا ان کا فیصلہ۔ ہم خدا کی بات مانیں، قرآن کی شہادت کو سچ سمجھیں یا ان کی بات کو۔ یہاں پر علمائے تفسیر نے ایک بڑا ایمان افروز واقعہ لکھا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق بھی وہاں بیٹھے تھے۔ آپ نے عباء پہنی ہوئی تھی اور اس کو آگے باندھا ہوا تھا۔ جبریل امین آئے اور عرض کی یا نبی اللہ مالی اری ابابکر علیہ عباء قد خللها فی صدره بخلال۔ اے اللہ کے نبی یہ کیا بات ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں ابوبکر نے ایسی عباء پہنی ہوئی ہے جسے سامنے سے کانٹوں سے بند کیا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا اس نے اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر کو پہنچائیں اور ان سے پوچھیں کیا وہ اس فقر و تنگدستی پر خوش ہیں یا ناراض۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو سلام پہنچایا اور یہ سوال پوچھا۔ اس پیکر تسلیم و رضا نے کتنا پیارا جواب دیا۔ عرض کیا اأسخط علی ربی، انی عن ربی لراض، انی عن ربی لراض، انی عن ربی لراض۔ یعنی میں اپنے رب پر کیسے ناراض ہو سکتا ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں تجھ پر راضی ہوں جس طرح تو مجھ پر راضی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رو پڑے۔ حضرت جبریل نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، تمام حاملین عرش اس قسم کی عبائیں پہنے ہوئے ہیں اور اسی طرح سے خلال کیے ہوئے ہیں جس طرح کہ آپ کے اس یار نے کیا ہے۔ (قرطبی و دیگر کتب تفسیر)

۱۳ یہ فرما کر اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا کہ فتح مکہ کے بعد جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں مالی اور جانی قربانیاں دیں، وہ رائیگاں ہرگز نہیں بلکہ انہیں بھی اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ ان کو بھی مدارج عالیہ پر فائز کرے گا۔ خلوص نیت کے مطابق ان کے اعمال کا انہیں ثواب ملے گا۔ کسی کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی۔ واللہ بما تعملون خبیر فرما کر قیامت تک آنے والے مخلصین کی دل جوئی فرما دی۔

۱۴ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ایک نئے انداز سے دی جا رہی ہے۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جو مال تم

أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١١﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَىٰ نُورُهُم بَيْنَ

اسے شاندار اجر بھی ملے گا شلہ جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ تیزی سے چل رہا ہو گا ان کا نور ان کے

أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی (انہیں کہا جائے گا) مژدہ ہو تمہیں آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾ يَوْمَ يَقُولُ

نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے شلہ جس روز کہیں گے

خرچ کرو گے اس کی حیثیت قرض کی ہوگی۔ جسے قرض دیا جاتا ہے اس پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اس کو واپس ادا کرے۔ اسی طرح راہ خدا میں جو تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ قرض ہو گا۔ وہ اسے ضرور لوٹائے گا۔ یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے۔ اللہ تعالیٰ کو مطلق قرض دینے کی ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ قرضہ حسنہ دینے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور قرضہ حسنہ تب ہو گا جب اس میں بقول علامہ آلوسی مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں۔ حلال مال ہو، اعلیٰ درجہ کی چیز ہو، خود بھی اس کی اشد ضرورت ہو، پوشیدہ طور پر دے، احسان نہ جتائے، اذیت نہ پہنچائے، مقصد رضائے الٰہی ہو، جتنا بھی خرچ کرے اسے تھوڑا خیال کرے۔ ان آیات کو سن کر صحابہ کرام پر کیا اثر ہوتا تھا اس کا اندازہ آپ اس ایک واقعہ سے لگا سکتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو الدحداح حاضر خدمت ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ حضور نے فرمایا ہاں۔ وہ بولے اپنا دست مبارک مجھے دکھائیے۔ انہوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور گزارش کی میں نے اپنا باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیا۔ اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ان کی بیوی اور بچے اسی میں رہائش پذیر تھے۔ حضرت ابو الدحداح یہ کہنے کے بعد اپنے باغ کی طرف آئے اور باہر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی اے ام دحداح! اس نے جواب دیا لبیک۔ فرمایا اخرجی قد اقرضتہ ربی عز وجل۔ اس باغ سے بال بچے کو لے کر نکل آؤ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔ اس نیک بخت بیوی نے جب یہ سنا تو پکار اٹھیں۔ ربح بیعک یا ابا الدحداح۔ اے دحداح کے باپ تم نے بڑا نفع والا سودا کیا ہے۔ خود بھی باہر نکل آئیں۔ اپنے بال بچے اور ساز و سامان کو بھی وہاں سے نکال دیا۔ مکتب حق و دانش کے یہی وہ طلبہ تھے جن پر ان کے استاد کو بھی ناز تھا اور ان کے خالق کو بھی ناز تھا۔ ان کے کارناموں کے باعث انسانیت کا سر آج بھی اونچا ہے۔

شلہ جو تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اس کے علاوہ اجر عظیم بھی۔

شلہ اہل ایمان قبروں سے نکل کر جب حشر کے میدان میں تشریف لائیں گے تو ان کی عجیب شان ہوگی۔ ان کے آگے

الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ

منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کریں تمہارے نور سے۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ

انہیں کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور وہاں (نور) تلاش کرو۔ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان

بھی نور ہوگا۔ ان کے دائیں جانب بھی نور ہوگا۔ یہ نور ہر شخص کی قوت ایمان اور اعمال حسنہ کے مطابق ہوگا۔ اس دنیا میں جس قدر کسی نے ایمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا ہوگا، جس قدر اس نے نیکیاں کی ہوں گی اسی نسبت سے اس کا نور ضوفشاں ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ بعض مومن ایسے ہوں گے جن کے نور سے مدینہ اور عدن کی طویل مسافت جگمگا رہی ہوگی۔ بعض کے نور سے مدینہ اور صنعاء کا درمیانی علاقہ روشن ہو رہا ہوگا۔ بعض کا نور اس سے کم ہوگا اور بعض کے نور سے صرف ان کے قدم رکھنے کی جگہ روشن ہوگی۔

ان من المومنين من يضئ نوره كما بين المدينة وعدن ابين المدينة وصنعاء ودون ذلك حتى يكون منهم من لا يضئ نوره الا موضع قدميه۔ (قرطبی)

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ صرف آگے اور دائیں طرف نور ہوگا اور بائیں طرف اور پیچھے اندھیرا ہوگا بلکہ مقصد یہ ہے کہ نور تو آگے اور دائیں طرف ہوگا لیکن اس کی روشنی چاروں طرف ہوگی۔

حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور سب سے پہلے مجھے ہی سجدہ سے سر اٹھانے کا اذن ملے گا۔ میں آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھوں گا اور ساری امتوں سے اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! امتوں کے اس ہجوم میں حضور اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے۔ فرمایا اعرفهم محجلون من اثر الوضوء ولا يكون لاحد من الامم غيرهم واعرفهم يعطون كتبهم بايمانهم واعرفهم بسيماهم في وجوههم واعرفهم بنورهم يسعى بين ايديهم۔ یعنی میں ان کو پہچان لوں گا کہ ان کے ہاتھ اور پاؤں وضو کے اثر سے چمک رہے ہوں گے۔ یہ چیز کسی دوسری امت میں نہ پائی جائے گی۔ میں انہیں پہچان لوں گا کیونکہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ میں ان کو اس نشانی سے پہچان لوں گا جو ان کے چہروں میں ہوگی۔ میں انہیں اس نور سے پہچان لوں گا جو ان کے سامنے ضوفشانی کر رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم غریبوں پر بھی یہ کرم فرمائے۔ آمین۔

بشریٰکم: فرشتے آگے بڑھ کر انہیں جنت کا مژدہ سنائیں گے۔

بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾

یک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا ۲۲

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ

منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے ۲۳ وہ کہیں گے بیشک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور

وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَ

(ہماری) تباہی کا انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ کا فرمان آپہنچا اور

غَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ

دھوکہ دیا تمہیں اللہ کے بارے میں شیطان دغاباز نے ۲۴ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ

۲۲ منافق مرد اور منافق عورتیں جو اس دنیا میں اپنے آپ کو بڑے زیرک اور چالاک سمجھتے ہیں قیامت کے روز ان کی حالت دیدنی ہوگی۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا، نجات کے سارے راستے بند۔ اس سراسیمگی اور بے چارگی کے عالم میں وہ اہل ایمان کو کہیں گے ذرا اپنی روشنی میں ہمیں بھی آنے دو۔ ذرا اپنا نورانی چہرہ ہماری طرف بھی کرو شاید اس تاریکی سے ہم رستگاری حاصل کر سکیں۔ انہیں کہا جائے گا پیچھے لوٹ کر جاؤ اور وہاں سے نور تلاش کرو۔ جب وہ پیچھے مڑیں گے تو ان کے درمیان اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی جائے گی اس کے دروازوں کی اندرونی جانب جو جنت کی طرف ہوگی وہ رحمت والی ہوگی اور باہر والی جانب جو دوزخ کی طرف ہوگی وہ عذاب والی ہوگی۔

۲۳ جب دیوار کھڑی کر دی جائے گی تو اہل جنت منافقوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں گے تو وہ زور زور سے انہیں پکاریں گے اے بندگان خدا اے غلامان مصطفیٰ! کیا دنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے۔ ہم تو آپس میں بڑے گہرے دوست بھی تھے باہمی رشتہ داریاں بھی تھیں۔ آج ہم سے تم نے یوں منہ موڑ لیا جیسے کبھی شناسائی ہی نہ تھی۔

۲۴ اہل ایمان انہیں جواب دیں گے بیشک تم بظاہر ہمارے ساتھ تھے لیکن ہمیں خوب علم ہے کہ تمہارے باطن میں کیا پنہاں تھا۔ یہاں منافقین کی ان خصلتوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ان کلمات میں تدبر سے غور کریں اور پھر اپنا جائزہ لیں کہ کہیں منافقین کی کوئی خصلت ہم میں تو نہیں پائی جاتی۔

پہلی بات جو منافقین کو کہی جائے گی وہ یہ ہے فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ۔ علامہ راغب اس کا معنی کرتے ہیں اوقعتموها في بلية وعذاب یعنی تم نے اپنے نفسوں کو ہلاکت اور عذاب میں پھینک دیا۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں استهلكتموها فتنة۔

الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ مَأْوَاكُمُ النَّارُ ۖ هِيَ مَوْلَاكُمْ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٥﴾

کفار سے۔ تم (سب) کا ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَن تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ

کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لیے کہ جھک جائیں ان کے دل یادِ الٰہی کے لیے اور اس سچے کلام

تم نے اپنے آپ کو فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں بے باکانہ استعمال کیا۔ منافقین و شیاطین اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے۔ اسلام پر جب بھی کوئی کٹھن گھڑی آئی تو انہوں نے اسلام کی مشکلات میں اضافہ کرنے میں اپنے سارے وسائل صرف کر دیے۔ ۔ ۔ دوسری بات جو انہیں کہی جائے گی وہ یہ ہے وتربصتم یعنی کفر و اسلام کی کشمکش جب عروج پر تھی تمہارا فرض تھا کہ تم نتائج سے بے پروا ہو کر اپنی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دیتے۔ توحید و رسالت کی جو شہادت تم نے زبان سے دی تھی تم پر لازم تھا کہ اپنے عمل سے اس کو سچا کر دکھاتے لیکن تم انتظار کرتے رہے کہ دیکھیں اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ پانسہ کس کے حق میں پلٹتا ہے۔ عشق اور مصلحت بینی، ایمان اور موقع پرستی دو متضاد چیزیں ہیں۔ تربص کا ایک معنی ذخیرہ اندوزی بھی کیا گیا ہے۔ لسان العرب میں ہے المتربص: المحتکر۔ علامہ جوہری بھی کہتے ہیں المتربص: المحتکر (صحاح) ذخیرہ اندوزی کرنے والا اس انتظار میں رہتا ہے کہ جب جنس بازار میں نایاب ہو جائے اور اس کا نرخ بڑھ جائے اس وقت وہ اسے فروخت کرے۔

تیسرا نقص جس میں وہ ملوث تھے وہ ارتبتم سے بیان کیا گیا یعنی ساری عمر تم شک میں مبتلا رہے۔ اسلام قبول کرنے سے جو یقین اور اذعان دل میں پیدا ہو جاتا ہے اس سے تم محروم تھے۔ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں، کیا قرآن واقعی اللہ کا کلام ہے، کیا قرآن کی یہ بات سچی ہے کہ اللہ کی راہ میں جو لوگ جان دے دیتے ہیں وہ مر جانے کے باوجود مردہ نہیں بلکہ زندہ جاوید ہیں، اسلام کی سربلندی کے لیے مال خرچ کرنے سے انسان مفلس و نادار نہیں ہوتا بلکہ تونگر و غنی بن جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں تھیں جنہیں تم شک کی نظر سے دیکھتے رہے اور اسی شک کے باعث تم اس عزیمت سے محروم رہے جو بندہ مومن کی خصوصیت ہے۔ آخر میں انہیں بتایا کہ جھوٹی امیدوں اور کھوکھلی توقعات نے تمہیں ہمیشہ دھوکا میں رکھا۔ شیطان بھی تمہیں گناہوں پر اکساتا رہا۔ اس کی طفل تسلیوں سے تم یوں مگن رہے کہ اپنی اصلاح کا تمہیں کبھی خیال ہی نہ آیا۔ یہاں تک کہ موت نے تمہارا رشتہ حیات کاٹ کر رکھ دیا۔ غرور سے مراد شیطان ہے۔

۱۵ یعنی کفار اور منافقین دونوں ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لیے دونوں کی سزا کی نوعیت یکساں ہے۔ نہ ان کے لیے بخشش ہے نہ ان کے لیے مغفرت۔ ھی مولکم کا معنی ھی اولی بکم یعنی تمہارے لیے آگ ہی مناسب مقام ہے۔

مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ

کے لیے جو اترا ہے لکه اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی

لکه یأن۔ اس کے دو مادے ہیں اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ انی یانی اور آن یئین۔ دونوں کا معنی قریب ہونا ہے۔ قریب ہونا، نزدیک ہونا۔

جب تک دل میں کمال عجز و نیاز پیدا نہ ہو نہ ایمان کا لطف آتا ہے نہ عبادات میں مزہ آتا ہے۔ جب تک دل اس احساس سے لبریز نہ ہو کہ کہاں خالق ارض و سما اور کہاں یہ مشت خاک بندہ حقیر تو اس کی شان کبریائی اور اس کی عظمت و جلال پر جب نگاہیں جم کر رہ جاتی ہیں اس وقت نہ اپنی ذات نظر آتی ہے نہ اپنی حسنات۔ اس وقت دل میں درد محبت اٹھتا ہے۔ اسی وقت آنکھیں اشکبار ہوتی ہیں۔ یہی وہ گھڑی ہوتی ہے جب اس پر احسان کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔

صحابہ کرام کی نمازیں، ان کی عبادتیں، ان کی تلاوتیں ہمیشہ اس رنگ میں رنگی ہوئی ہوتی تھیں۔ اس ارشاد سے اسی نعمت کے حصول کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ اس آیت کی تاثیر سے کئی گم کردہ راہ، راہ ہدایت پر گامزن ہو گئے۔ کئی غفلت میں ڈوبے ہوئے ذکر و فکر کی لذتوں سے آشنا ہو گئے اور کئی ہجر و فراق کے شکار مژدہ وصال سے مسرور ہو گئے۔ حضرت فضیل ابن عیاض علماء و صوفیاء دونوں گروہوں کے سرخیل ہیں۔ ان کی تقدیر کو اسی آیت نے بدل دیا۔ جوانی کے ایام میں ایک عورت کے دام عشق میں اسیر ہو گئے۔ بڑی مشکل سے اس نے ایک رات ملاقات کی اجازت دی۔ وقت مقررہ پر وہ شوق سے وارفتہ قدم اٹھائے ادھر جا رہے تھے کہ کہیں سے یہ صدا فردوس گوش بنی۔ کوئی پڑھ رہا تھا۔ الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ۔ یہ سننا تھا ان کے قدم رک گئے۔ سارا وجود کا جو طوفان امڈ آیا تھا وہ سہم گیا۔ اسی وقت واپس مڑ گئے اور سچے دل سے توبہ کی اور مقام ولایت پر فائز ہوئے۔

احمد بن ابی الحواری کہتے ہیں میں بصرہ کی ایک سڑک پر جا رہا تھا کہ میں نے ایک خوفناک چیخ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو ایک شخص کو بے ہوش گرا ہوا پایا۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ کوئی شخص یہ آیت پڑھ رہا تھا الم یأن الخ۔ اس آدمی نے جب یہ آیت سنی تو غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ ہم ابھی یہ باتیں کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہوش میں آ گیا اور یہ اشعار پڑھنے لگا۔

اما آن للھجران ان یتصرما — وللغصن غصن البان ان یتبسما

وللعاشق الصب الذی ذاب وانحنی — الم یأن ان یبکی علیہ ویرحما

یعنی کیا ابھی ہجر کے خاتمہ کا وقت نہیں آیا۔ کیا ابھی وہ گھڑی نہیں آئی کہ شاخ بان کی ٹہنی مسکرانے لگے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ عاشق صب جو گھل گیا ہے اور جھک گیا ہے اس پر رحم کیا جائے۔ یہ اشعار پڑھے، پھر غش کھا کر گرا اور محبوب حقیقی کے وصال سے مشرف ہو گیا۔

اسی لیے مرشد اپنے مرید کو ایسا وظیفہ تلقین کرتا ہے جس سے دل میں گداز پیدا ہو۔ دل کی سختی دور ہو جائے۔ انسان اپنی

عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿١٦﴾ اعْلَمُوا أَنَّ

مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی ۲۲؎ خوب جان لو!

اللَّهَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ

اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لیے اپنی نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُونَ ﴿١٧﴾ إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا

سمجھو ۲۳؎ بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض

حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَ

حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لیے (ان کا مال) اور ان کے لیے فیاضانہ اجر ہو گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے

عاجزی اور اپنے محبوب حقیقی کی عظمت اور جلالت شان سے پوری طرح آگاہ ہو جائے تاکہ بارگاہ صمدیت سے جب انوار و تجلیات، الطاف و احسانات کی بارش ہوتی ہے تو اسے وہ اپنا کمال یا استحقاق نہ سمجھے بلکہ اسے محض اپنے مولائے کریم کا لطف و احسان یقین کرے یہی کمال بندگی ہے۔ یہی معراج عبدیت ہے۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین میں سالکین راہ کو اسی کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۲؎ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے جن لوگوں نے بلاواسطہ فیضان حاصل کیا تھا ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو گیا تھا لیکن جب عرصہ دراز گزر گیا، عہد رسالت کے برکات اور اثرات آہستہ آہستہ ماند پڑتے گئے تو بعد میں آنے والے لوگوں کے دل سخت ہو گئے فسق و فجور کی طرف طبیعت راغب ہو گئی۔ اپنے انبیاء کی اتباع و اقتداء کو ذوق اور بے بنیاد خیالات کی وجہ سے انہوں نے ترک کر دیا اور گناہوں کی رنگین دنیا میں کھو کر رہ گئے۔

۲۳؎ خوب جان لو اللہ تعالیٰ مردہ زمینوں پر ابر رحمت برساتا ہے اور انہیں زندہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح دلوں کی بنجر زمینوں پر جب کسی اللہ کے مقبول بندے کی نظر رحمت پڑتی ہے تو وہاں بھی ذکر و عبادت کے گلستان آباد ہو جاتے ہیں، یاد الٰہی کے پھول کھلنے لگتے ہیں اور انوار کی کلیاں مسکرانے لگتی ہیں۔ ؎

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ

رسولوں پر۔ وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں۔ ان کے لیے (مخصوص)

اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو

الْجَحِيْمِ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّ

دوزخی ہیں۔ خوب جان لو کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور

تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ

آپس میں (حسب و نسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا ہے ۲۳ اس کی مثال ایسی ہے جیسے

۲
۱۸

۲۳۔ لوگ دنیوی زندگی پر اس قدر فریفتہ ہیں کہ انہیں اپنی عاقبت سنوارنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ وہ اس کے لیے بڑی بڑی تکلیف بخوشی برداشت کرتے ہیں۔ اس کے لیے تو ان کی خوشی دل سے ہر بدی کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔ اس آیت میں ان کی اس کم ظرفی اور کم عقلی پر انہیں متنبہ فرمایا جا رہا ہے۔ دنیوی زندگی کے دامن میں جو رنگینیاں کھلتی ہیں، ان میں سے ایک ایک کا ذکر کر دیا اور پھر انسان کو جھنجھوڑا اور اس سے دریافت کیا کہ ان کمزوریوں میں سے کوئی ایسی قیمتی ہے کہ اسے انسان کی زندگی کا ماحصل قرار دیا جا سکے۔ اگر نہیں تو پھر قرین دانش مندی یہ ہے کہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرے۔ فرمایا دنیوی زندگی عبارت ہے لہو و لعب سے جو بچوں کا کام ہے۔ زینت و آرائش سے جو عورتوں کا شیوہ ہے۔ تفاخر و تکاثر سے جس میں احمق اور نادان ہی اپنے آپ کو مشغول رکھ سکتا ہے۔

اے بندہ مومن تیری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح لہو و لعب میں برباد مت کر۔ تیری ذات خود بڑی ہی حسین و جمیل ہے۔ تجھے ان عارضی آرائشوں کی کیا ضرورت ہے۔

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

تجھے اپنے آباء و اجداد اور اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا زیب نہیں دیتا۔ تجھے ہر وقت اپنے اعمال حسنہ میں اضافہ کی طرف متوجہ رہنا چاہیے تاکہ تیرے حسن عمل سے تیری ذات ہی نہیں، تیری بستی ہی نہیں بلکہ تیرا سارا ملک اور بنی نوع انسانی اس سے فیض یاب ہوتے رہیں۔ دولت کے انبار اور اولاد کی کثرت انسان کی عزت میں اضافہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہی معزز و مکرم ہے جس کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہو۔ اس کے علاوہ یہ ساری چیزیں فانی ہیں۔ چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُونُ حُطَامًا

بھلی لگتی ہے اور نشوونما کسانوں کو اس کی شادابی پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو دیکھتا ہے اسے کہ زرد ہو گئی ہے پھر ہو جاتی ہے ریزہ ریزہ ۲۵

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٌ وَ

اور (نافرمانوں کے لیے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور (فرمانبرداروں کے لیے) افضل بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی ۲۶

مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿٢٠﴾ سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن

اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر نرا دھوکہ ۲۷ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت

انسان کو چاہیے کہ اپنے عمل سے ایسے چراغ روشن کرے جن سے وہ اندھیری رات منور ہو جائے۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی پیاری حدیث ہے۔ ارشاد ہے۔ من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ کہ مسلمان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر غیر ضروری چیز کو نظر انداز کرتا چلا جائے۔

۲۵ دنیوی زندگی کی حقیقت کو ایک مثال کے ذریعہ واضح کیا جا رہا ہے۔ بارش برستی ہے تو کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں۔ ان کی سرسبزی اور شادابی کو دیکھ کر ان کا مالک خوشی سے پھولے نہیں سماتا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کی تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ کھیتی سوکھنے لگتی ہے پھر اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ جب عہد شباب کا آغاز ہوتا ہے تو انسان کا چہرہ دلکش، جسم قوت و توانائی سے بھرپور، انگ انگ سے زندگی پھوٹ پھوٹ کر باہر نکل رہی ہوتی ہے جب جوانی ڈھلنے کی طرف بڑھتی ہے تو رنگت بدل جاتی ہے۔ چہرے پر جھریاں نمودار ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ پاؤں میں خارا شگافی کی قوت باقی نہیں رہتی۔ دل میں شیر افگنی کے ولولے سرد پڑ جاتے ہیں۔ آخر کار ضعف کی وجہ سے بستر پر پہلو بدلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موت کا جھونکا اس کے چراغ زیست کو ہمیشہ کے لیے بجھا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے سارے ٹھاٹھ باٹھ، عزت و احتشام اور کروفر کا جنازہ اٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی میں اگر وہ رنج و الم میں بیقرار رہا تو اس کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔

۲۶ لیکن آخرت کی خوشیاں بھی ابدی ہیں اور رنج و غم بھی ہمیشہ رہنے والا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو دنیوی زندگی کی فانی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کش ہو کر اپنی اخروی زندگی کو ہمیشہ باقی رہنے والی خوشیوں اور مسرتوں سے مالا مال کر لیتے ہیں اور کتنے بدبخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی عارضی خوشیوں کے بدلے اپنے لیے جہنم میں ابدی ٹھکانا بنا لیا۔

۲۷ جو لوگ دنیا کی نعمتوں سے اپنی آخرت کو نہیں سنوارتے ان کے لیے دنیا کے سازو سامان میں دھوکا اور فریب کے سوا کچھ نہیں۔

رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ

کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ہے

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ

ان کے لیے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر یہ اللہ کا فضل وکرم ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي

اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے ۲۸؎ نہیں آتی کوئی مصیبت زمین

الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ

پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا

بے شک یہ بات اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ (ہم نے تمہیں) اس لیے بتا دیا ہے تاکہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترایا کرو

بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِۨ ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ

اس چیز پر جو تمہیں اس نے عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو ۲۹؎ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں

۲۸؎ دنیا کے طلب گاروں کے درمیان مقابلہ کی دوڑ جاری ہے۔ ہر ایک دوسرے سے اس میدان میں آگے نکل جانے کا خواہاں ہے۔ دوسروں سے زیادہ مال جمع کرنے، اپنے قصر کو زیادہ سے زیادہ عالیشان اور آراستہ کرنے میں محو ہے۔ اے آخرت کے طلب گارو! تم اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے کے لیے دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ وسیع و عریض جنت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے آراستہ کر رکھا ہے اس کی بہاریں تمہارے لیے چشم براہ ہیں۔ وہاں کی حوریں پھولوں کے گجرے پہنے تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ کوشش کرنا تمہارا کام ہے منزل مقصود تک پہنچانا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر موقوف ہے۔ جو سچے دل سے اس کی طلب میں کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور خلوص سے اس کی خوشنودی کے طلبگار بنتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں مایوس نہیں کرتی۔ اس کا فضل عظیم ہے اس کی نعمتیں بے کراں ہیں۔

۲۹؎ عام انسانوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب مصیبتیں انہیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں تو وہ دل شکستہ اور مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی قسمت کو کوستے ہیں، گردش روزگار کو گالیاں سناتے ہیں اور حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں، لیکن جب حالات سازگار ہوتے ہیں

وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۗ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ

اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز، ہر تعریف

الْحَمِيدُ ﴿٢٤﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

کا مستحق ہے ۳۸ یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب

وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ

اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا لوہا کہ اس میں بڑی قوت

کاروبار میں نفع ہو کھیتی باڑی اور باغات سے خوب آمدنی ہو تو پھر خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ یہ سب ان کے طالع ارجمند کی برکت ہے۔ وہ خود بڑے زیرک اور معاملہ فہم ہیں۔ کاروبار و زراعت کے اسرار و رموز پر انہیں کامل دسترس حاصل ہے۔ یہ ساری کامیابیاں ان کی اپنی ذہانت اور روشن ضمیری کا نتیجہ ہیں۔

یہ دونوں حالتیں انسان کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔

ان آیات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو مصیبت تم پر آتی ہے اس سے کوئی مفر نہ تھا کیونکہ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے یہ تقدیر میں لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھو اور جو نعمتیں تمہیں بخشی گئی ہیں وہ بھی تمہارے پیدا ہونے سے پہلے تمہاری تقدیر میں رقم ہو گئی تھیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو تاکہ وہ اپنے احسانات سے تمہیں ہمیشہ بہرہ ور رکھے۔ مختال: اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنے جاہ و منصب یا مال و دولت پر گھمنڈ کرے۔

۳۸ اس سورت کی ابتدا سے اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلائی جا رہی ہے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں کھوٹ تھا۔ وہ اسلام کے لیے اپنا مال خرچ کرنا گھاٹے کا سودا خیال کرتے تھے۔ صرف خود ہی بخل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی کہتے تھے کہ تم کیوں ایک ایسے مقصد کے لیے اپنے خون پسینے کا کمایا ہوا مال پانی کی طرح خرچ کرتے ہو جس کا مستقبل ظلمت سے لبریز ہے۔ تمہیں اپنے بال بچے کا بھی خیال کرنا چاہیے۔ تمہاری اپنی بھی سینکڑوں ضرورتیں ہیں۔ آخر یہ کہاں کی عقل مندی ہے کہ جب بھی تمہیں مال خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو اپنے گھر کا سارا اثاثہ اٹھا کر ان کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو خود بھی بخیل ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا سبق دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی قطعاً پروا نہیں۔ یہ اپنی دولت اپنے پاس رکھیں۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور حمید ہے۔ وہ اپنے بھرے ہوئے خزانوں سے اپنے حبیب کی امداد فرمائے گا اور اسلام کی ضرورتوں کو پورا کرے گا۔

شَدِيدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ

ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں لوگوں کے لیے نیز اس لیے تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے

۵۲ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑی وضاحت سے انبیاء کی بعثت کے مقاصد کو ذکر فرمایا ہے۔ پہلے فرمایا کہ ہم جن رسولوں کو دعوت حق پہنچانے کے لیے مبعوث فرماتے ہیں انہیں ایسے روشن معجزات عطا کیے جاتے ہیں جن سے ہر کس و ناکس پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ خود بخود مدعی بن کر نہیں آ گئے بلکہ انہیں بھیجنے والے نے بھیجا ہے۔ عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے جو یہ کوششیں کر رہے ہیں یہ ان کا خود ساختہ پروگرام نہیں بلکہ یہ پروگرام اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تجویز فرمایا ہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ہم انہیں اس دعوت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اور اس انقلاب کو پوری طرح برپا کرنے کے لیے چند خصوصی نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔ کتاب، میزان اور حدید۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کتاب سے مراد وہ وحی ہے جو ہر پیغمبر پر نازل ہوتی ہے جس میں عقائد صحیحہ اور اعمال حسنہ کی پوری تفصیل موجود ہوتی ہے۔ الکتاب هو النقل الصحیح۔ اور میزان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عدل ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔ وهو الحق الذی تشهد به العقول الصحیحة المستقیمة المخالفة للآراء السقیمة۔ یعنی اس سے وہ حق مراد ہے جس پر عقل صحیح اور فہم سلیم گواہی دیتی ہے۔ جو بعض افکار کے مخالف ہوا کرتا ہے اور حدید سے مراد وہ قوت ہے جو مکذبین حق اور معاندین کو کج روی سے باز رکھنے کے کام آتی ہے۔ ای رادع لمن ابی الحق وعانده بعد قیام الحجة علیه (ابن کثیر)

اور ان چیزوں کی غرض و غایت یہ بیان کر دی لیقوم الناس بالقسط کہ لوگ عدل اور انصاف پر قائم ہو جائیں۔

کسی معاشرہ میں عدل کے قیام کی یہی صورت ہے کہ حقوق اللہ بھی پوری طرح ادا کیے جائیں، یعنی اس کی توحید کا اقرار کیا جائے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی عبادت میں کوتاہی نہ کی جائے۔ زندگی گزارنے کے لیے جو اصول اس نے مقرر فرمائے ہیں ان کی بجا آوری میں غفلت نہ برتی جائے۔ اسی طرح حقوق العباد کا بھی پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ کسی کا حق تلف نہ کیا جائے۔ کسی پر زیادتی نہ کی جائے۔ کسی کے جان، مال اور آبرو پر دست درازی نہ کی جائے۔ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر عدل و انصاف کو بروئے کار لایا جائے اور اگر باہمی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا تصفیہ اس میزان یعنی عقل سلیم کے مطابق کیا جائے جسے حق و باطل میں امتیاز کی صلاحیت بخشی گئی ہو اور اگر حق و انصاف کے سامنے کوئی شخص سر تسلیم خم نہیں کرتا، روشن اور واضح دلائل و براہین کے بعد بھی باطل سے چمٹا رہتا ہے اور حق کو نیچا دکھانے کے لیے کوشاں رہتا ہے تو اس وقت اس کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسل کو لوہے کا ڈنڈا بھی عطا فرمایا ہے جس کی ایک ضرب اچھے اچھے بدباطنوں کا دماغ درست کر سکتی ہے۔ اللہ کا رسول صرف حق سنانے کے لیے نہیں آتا بلکہ حق کو پھیلانا اور اس کی بالادستی کو قائم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہوتا ہے لیظهره علی الدین کله کی شان کا وہ مظہر بن کر آتا ہے۔ ابتداء میں وہ مخالفین کی سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ جب وہ دور اس کے پیش نظر ایک ہی مقصد ہوتا ہے کہ حق واضح ہو جائے۔ حق کی حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ اس کے لیے اسے وہ بار بار قرآن بھی ٹھہرانا پڑتا ہے شعب ابی طالب

ع ۱۳ ۴

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢٥﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زور آور (اور) سب پر غالب ہے ۳۳ اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی

ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ ۖ فَمِنْهُم مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٦﴾

ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ

پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل

الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً

عطا فرمائی۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت ۳۵

میں بھی کئی سال بسر کرنے پڑتے ہیں۔ طائف کی سڑکوں پر بھی لوگوں کی سنگباری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب وہ حق کو الم نشرح کرنے کا فریضہ انجام دے چکتا ہے اور اتمام حجت کر چکتا ہے تو پھر بدر، خندق، خیبر کے معرکوں میں وہ اپنی تلوار کو بے نیام کرتا ہے تاکہ ہٹ دھرم لوگوں کا سر غرور خاک میں مل جائے اور حق کا بول بالا ہو جائے۔

لوہے کے متعلق فرمایا اس میں جنگی قوت بھی ہے اور اس کے علاوہ انسانی معاشرہ کو بام عروج پر پہنچانے میں بھی اس کو بڑا دخل ہے۔

۳۳ اس جگہ لیعلم کا معنی یہ ہو رہا ہے یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے اور یا اس علم سے مراد وہ علم ہے جس پر جزا و سزا کا دارومدار ہے۔ ویسے تو اللہ تعالیٰ کو کائنات کے پیدا کرنے سے پہلے ہی کائنات کا تفصیلی علم ہے اسے اپنے تمام بندوں کے بارے میں یہ علم ہے کہ جب وہ پیدا ہوگا تو کیا اچھا یا برا عمل کرے گا لیکن اس علم ازلی پر انسان کو جزا یا سزا نہیں دی جاتی بلکہ جب انسان پیدا ہو جاتا ہے اور عقل و بلوغ کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو جو نیک یا بد کام وہ کرتا ہے اس کے مطابق وہ جزا یا سزا کا مستحق قرار پاتا ہے جب وہ ایسے کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے۔ لیعلم اللہ میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔ مختلف مقامات پر پہلے بھی اس لفظ کی تشریح گزر چکی ہے۔

۳۴ قفا: گردن کے پچھلے حصے کو قفا کہتے ہیں۔ اسی سے فعل تقفیہ ہے جس کا معنی ہے پیچھے پیچھے چلنا۔ آثار اس راستے کو کہتے ہیں جس سے آگے جانے والوں کا سراغ ملتا ہے۔ یقال للطريق المستدل به على من تقدم آثار (مفردات)

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ

اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اسے اختیار کیا تھا

اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ

پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا تاہم ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لائے تھے ان کے حسن عمل اور حسن نیت کا اجر

ارشاد ہے ان انبیاء کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ انہیں انجیل جیسی کتاب مرحمت فرمائی۔ آپ چونکہ سراپا رأفت و شفقت تھے اس لیے ان کے سچے پیروکاروں میں بھی یہ صفات نمایاں طور پر موجود تھیں۔

اگلے جملہ سے ایک نہایت اہم مضمون شروع ہوتا ہے جس میں کلیسا کی ساری تاریخ سمو دی گئی ہے اس لیے اس کو سمجھنے کے لیے خصوصی توجہ اور محنت کی ضرورت ہے۔ پہلے تو ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ اس آیت کا صحیح ترجمہ کیا ہے۔ پھر لفظ رہبانیت کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کریں گے۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ رہبانیت کی ابتدا کس نے کی اور کن حالات میں ہوئی۔ بعد ازیں اس میں جو طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں اور جس طرح رہبانیت سے سارا عیسائی معاشرہ اور کلیسائی نظام متاثر ہوا اس کا ذکر کیا جائے گا۔

اس جملہ کے ترجمہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ (۱) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا تھا۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اختیار کیا تھا۔" اس صورت میں الّا کا تعلق ابتدعوھا کے ساتھ ہو رہا ہے۔

(۲) "اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر یہ کہ وہ ہماری رضا کے طلب گار ہیں۔" اس صورت میں مستثنیٰ متصل ہوگی اور پہلی صورت میں مستثنیٰ منقطع ہوگی۔

رہبانیت میں دو لغتیں ہیں: رَہْبَانِیَّت (رے پر زبر) اور رُہْبَانِیَّت (رے پر پیش)۔ پہلی صورت میں یہ رَہْبَت سے ماخوذ ہوگا جس کا معنی خوف اور ڈر ہے اور دوسری صورت میں یہ رُہْبَان جو راہب کی جمع ہے، کی طرف منسوب ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہے وہ مسلک اور وہ طرز حیات جس کی بنیاد خوف اور ڈر پر ہے۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا ان لوگوں کا مسلک اور طرز زندگی جو ہر وقت ڈرنے والے اور خوفزدہ رہنے والے ہیں۔ علامہ راغب لکھتے ہیں۔ والرھبانیۃ غلو فی تحمل التعبد من فرط الرھبۃ (مفردات) یعنی فرط خوف سے عبادات و ریاضات میں حد درجہ غلو کرنا۔ علامہ پانی پتی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں وھی المبالغۃ فی العبادۃ والریاضۃ والانقطاع عن الناس وترک الشھوات حتی المباحۃ منھا (مظہری) یعنی عبادت و ریاضت میں مبالغہ، لوگوں سے قطع تعلق، جائز اور مباح خواہشات کو بھی ترک کر دینا۔ علامہ ابن منظور نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ التخلی من اشغال الدنیا وترک ملاذھا والزھد فیھا والعزلۃ عن اھلھا وتعمد مشاقھا حتی ان منھم من کان یخصی نفسہ ویضع السلسلۃ فی عنقہ وغیر ذلک من انواع التعذیب (لسان العرب) یعنی دنیا کے مشاغل

کو ترک کر دیا، اس کی لذتوں کو نظر انداز کر دیا، اہلِ دنیا سے عزلت گزین ہو گئے، اپنے آپ کو طرح طرح کی مشقتوں میں مبتلا کر دیا۔ ان میں سے بعض لوگ اپنے آپ کو خصی کر لیا کرتے تھے اور بعض اپنے گلے میں زنجیریں ڈال لیا کرتے تھے اور اپنے آپ کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیتے تھے۔ اب یہ عرض کرنا ہے کہ رہبانیت کی ابتدا کن حالات میں ہوئی اور کن لوگوں نے کی۔ ہمارے پاس صحیح حدیث موجود ہے جس سے حقیقتِ حال کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال كنت رديف النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم على حمار فقال يا ابن أم عبد هل تدري من أين اتخذت بنو إسرائيل الرهبانية فقلت الله ورسوله أعلم قال ظهرت عليهم الجبابرة بعد عيسى عليه السلام يعملون بالمعاصي فغضب أهل الإيمان فقاتلوهم فهزم أهل الإيمان ثلاث مرات فلم يبق منهم إلا القليل فقالوا إن ظهرنا لهؤلاء أفنونا ولم يبق للدين أحد يدعو إليه فقالوا تعالوا نتفرق في الأرض إلى أن يبعث الله النبي الذي وعدنا به عيسى عليه السلام يعنون محمدا صلى الله تعالى عليه وآله وسلم فتفرقوا في غيران الجبال وأحدثوا رهبانية فمنهم من تمسك بدينه ومنهم من كفر ثم تلا هذه الآية۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں گدھے پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے سوار تھا حضور نے فرمایا اے ام عبد کے فرزند! کیا تم جانتے ہو کہ بنی اسرائیل نے رہبانیت کو کہاں سے اختیار کیا۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل پر جابر لوگ غالب آگئے اور انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ اہل ایمان نے غیرتِ ایمانی سے ان کے خلاف جہاد کیا۔ ان کے ساتھ جنگ کی لیکن تینوں مرتبہ انہیں شکست ہوئی اور صرف چند لوگ زندہ بچے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ اگر ہم نے پھر ان کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ہم سب کو فنا کر کے رکھ دیں گے اور ایک شخص بھی ایسا نہیں بچے گا جو دینِ حق کی طرف لوگوں کو بلائے۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم زمین میں منتشر ہو جائیں۔ یہاں تک کہ وہ نبی کریم تشریف لائے جس کی آمد کا وعدہ عیسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا۔ پس وہ پہاڑوں کی غاروں میں منتشر ہو گئے اور انہوں نے رہبانیت کا آغاز کیا۔ ان میں سے کچھ لوگ تو اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑے رہے اور بعض نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت پاک تلاوت فرمائی۔

اس طرح اللہ کے بندے اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر گوشہ نشین ہو گئے اور اپنی ساری زندگی عبادت و ریاضت میں بسر کر دی۔ اس عزلت گزینی سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی تھا۔

اس حدیث پاک سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جبر و تشدد کے ان اوقات میں ان کا یہ ایک اضطراری عمل تھا۔ ان کے ذہن میں قطعاً یہ بات نہ تھی کہ دنیا اور اہلِ دنیا سے کنارہ کشی دینِ عیسوی کی روحِ رواں ہے۔ اس کے بغیر انسان روحانی ترقی کر سکتا ہے اور نہ اسے قربِ الٰہی کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے مجبوراً ظالم بادشاہوں کے ظلم و ستم سے اپنے آپ کو اور اپنے ایمان کو بچانے کے لیے مجبوراً یہ قدم اٹھایا تھا لیکن بعد میں آنے والوں نے اسی کو دین بنا لیا اور جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس میں اختراعات کا اضافہ ہوتا گیا۔ لوگوں نے اپنے اوپر تشدد اور پابندیوں کا اتنا بوجھ لاد دیا کہ زندگی وبالِ جان ہو گئی۔ کلیسا کے منافقانہ نظام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اپنی جائز خواہشات کا گلا گھونٹا۔ ازدواجی زندگی کو خیرباد کہی۔ یہاں تک کہ جو شخص کسی سے محبت

کو انجام دینے پر مقرر ہوتا اس کے لیے شادی شدہ ہونا بڑا عیب شمار ہوتا۔ غیر شادی شدہ آدمی اگر کلیسا کا عہدیدار بنتا تو اس کا شادی کرنا خارج از بحث تھا لیکن جو لوگ پہلے سے شادی شدہ تھے ان پر لازمی تھا کہ وہ اپنی بیوی سے ازدواجی تعلقات منقطع کر دیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی شادی نہ کرنے پر طرح طرح سے ترغیب دی جاتی۔ سینٹ جیروم جیسا مشہور مسیحی عالم کہتا ہے کہ جو عورت مسیح کی خاطر راہبہ بن کر ساری عمر کنواری رہتی ہے وہ مسیح کی دلہن ہے اور اس عورت کی ماں کو خدا یعنی مسیح کی ساس ہونے کا شرف حاصل ہے۔

ماں باپ، بھائی بہن اور اولاد سے بھی قطع تعلق روحانی مدارج طے کرنے کے لیے شرط اول تھی۔ جو لوگ رہبانیت اختیار کرتے وہ عمر بھر اپنے اہل و عیال اور ماں باپ سے الگ تھلگ رہتے۔ ایسے واقعات بھی تاریخ میں درج ہیں جنہیں پڑھ کر دل کڑھتا ہے اور رہبانیت کے اس سنگدلانہ طرز حیات پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ ایک دردناک واقعہ آپ بھی سن لیجیے:

سینٹ سیمون (۳۹۰ء ۔ ۴۵۹ء) اپنے ماں باپ کو تڑپتا چھوڑ کر کسی دیر میں راہب بن گیا۔ ماں باپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ نہ چلا۔ باپ تڑپتے تڑپتے جدائی میں راہی ملک عدم ہوا۔ ماں تڑپنے اور رونے کے لیے باقی رہ گئی۔ اس پر ستائیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا جب اس سینٹ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو ماں کو اپنے بیٹے کی قیام گاہ کا پتہ چلا۔ وہ بڑی ضعیفہ راہ کی مشقتیں برداشت کرتی ہوئی وہاں پہنچی۔ اس کی خانقاہ میں عورتوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی۔ اس لیے اسے کسی نے اندر نہ جانے دیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہلا بھیجا کہ میں تیری فرقت کی ماری ماں ہوں، صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتی ہوں۔ یا مجھے اندر آنے کی اجازت دے یا خود باہر آ کر مجھے اپنے مکھڑے کی ایک جھلک دکھا۔ لیکن اس سنگدل بیٹے نے اپنی تڑپتی بلکتی ماں پر ذرا ترس نہ کھایا اور ملنے سے صاف انکار کر دیا۔ تین دن اور تین رات وہ بیچاری دروازے پر پڑی منتیں کرتی رہی۔ آخر اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس وقت سینٹ صاحب تشریف لائے اور اپنی ماں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ اسے یہ خیال نہ آیا کہ جو بیٹا اپنی ماں کے بارے میں اس قدر سنگدل اور بے رحم ہے اس کی دعا کہیں رحمت کی مستحق نہیں۔

اس کے علاوہ اپنے نفس کو اذیت پہنچانے کا ذوق بڑھنے لگا۔ انہوں نے عجیب عجیب اختراعیں کیں۔ کسی نے اپنے آپ کو زنجیروں و سلاسل میں جکڑ دیا۔ کسی نے بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد لیا۔ کسی نے اپنے اوپر نیند حرام کر لی۔ چنانچہ اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسی پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا۔ چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔ یہ تحریک پھر اس زور سے چلی کہ عیسائی دنیا میں ایسی خانقاہوں کی بھرمار ہو گئی جہاں راہب مرد اور راہبہ خواتین اکٹھی ہو گئیں۔

انسانی فطرت کے تقاضوں سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ عارضی فتوحات تو حاصل کی جا سکتی ہیں لیکن کلیۃً ان کی بیخ کنی ناممکن ہے۔ بلکہ جب ان کے دبے ہوئے جذبات سیلاب کی طرح امڈ آتے ہیں تو سارے بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہی حال کلیسا کے خانقاہی نظام کا ہوا۔ بڑے بڑے پوپ اور سینٹ دولت و ثروت میں اپنے وقت کے تاجداروں کو بھی مات کر گئے۔ جن محلات میں وہ رہائش پذیر تھے ان کے سامنے شاہی ایوانوں کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ وہ خانقاہیں جو کنواری راہبات کے لیے مختص تھیں۔ حرام کاری کے اڈوں میں تبدیل ہو گئیں۔ ان کی فصیلوں کے نیچے نوزائیدہ بچوں کی لاشیں اکثر پڑی ہوئی دکھائی دیتیں۔ کلیسا کی تاریخ کا یہ بڑا اندوہناک اور شرمناک باب ہے جو ان کے اپنے مؤرخین نے لکھا ہے۔

انہی بدعنوانیوں اور بدکاریوں کو قرآن حکیم میں فما رعوها حق رعايتها کے ایک جملہ میں بیان کر دیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ انہوں نے رہبانیت کو طلب ریاست کے لیے بطور ذریعہ استعمال کیا اور اس طرح لوگوں کے مال ہڑپ کرنے لگے۔

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ترغیب دی، خواہشات نفس کی پیروی سے روکا۔ دولت کی محبت اور دنیوی آسائشوں میں غرق ہو جانے سے منع کیا، لیکن اس کے لیے ترک دنیا اور نفس کشی کا وہ طریقہ اپنے ماننے والوں کو نہیں سکھایا جو عیسائیت کے نظام رہبانیت کا خاصہ ہے۔ اسلام نے شادی کی اجازت دی ہے۔ اس نے کھیتی باڑی، تجارت اور صنعت کا شوق دلایا ہے۔ پاک صاف رہنے کی تلقین کی ہے۔ ماں باپ، بہن بھائی اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی لازم قرار دی ہے۔ بلکہ اس نے ہر شخص پر ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اپنے نفس کا حق بھی ادا کرے اور ایسی مشقتوں میں مبتلا نہ ہو جو مضر صحت ہوں۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے:

لا تشددوا على أنفسكم فيشدد الله عليكم فإن قوما شددوا فشدد الله عليهم فتلك بقاياهم في الصوامع والديار. (ابو داود)

یعنی اپنے نفسوں پر سختی نہ کیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تم پر سختی کرے گا۔ ایک قوم نے اپنے اوپر سختی کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔

راہب خانوں اور خانقاہوں میں ان کے باقی ماندہ لوگ موجود ہیں۔ انہیں دیکھ لو۔

ایک دفعہ چند صحابہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں شادی نہیں کروں گا۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سنیں تو ارشاد فرمایا:

أما والله إني لأخشاكم لله وأتقاكم له لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني. (بخاری و مسلم)

"خدا کی قسم! تم سب سے زیادہ میں اللہ سے ڈرنے والا ہوں، سب سے بڑھ کر پرہیزگار ہوں۔ میرا معمول یہ ہے کہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ راتوں کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جس نے میری اس سنت سے منہ موڑا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور کے ہمراہ سفر پر گئے۔ ہمارا ایک ساتھی ایک غار کے قریب سے گزرا جس میں پانی کا چشمہ تھا۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ اس غار میں اگر گوشہ نشینی اختیار کرے تو پینے کے لیے پانی بھی موجود ہے کھانے کے لیے سبزیاں کافی ہیں۔ دنیا سے بے تعلق ہو کر اپنا سارا وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں بسر کرے گا۔ کہنے لگا میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا ارادہ عرض کرتا ہوں۔ اگر حضور نے اجازت مرحمت فرمائی تو ایسا کروں گا اور اگر اجازت نہ ملی تو نہیں۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

إني لم أبعث باليهودية ولا بالنصرانية ولكني بعثت بالحنيفية السمحة والذي نفس محمد بيده لغدوة

وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٢٧﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا

اور ان میں سے اکثر نافرمان تھے ٤٨ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور سچے دل سے ایمان لے آؤ

بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِن رَّحْمَتِهِ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ

اس کے رسول (مقبول) پر، اللہ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لیے ایک نور جس کی روشنی میں تم

بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾ لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ

چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ٤٩ (ہم نے یہ حقیقت تمہیں اس لیے بتائی) تاکہ جان لیں اہل کتاب

او روحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها ولمقام احدكم في الصف الاوّل خير من صلاته ستين سنة (مسند احمد حنبل)

ترجمہ: مجھے یہودیت اور نصرانیت کے ساتھ مبعوث نہیں کیا گیا۔ بلکہ ملت حنیفی سمحہ کے ساتھ بھیجا گیا ہوں جس میں آسانی اور فراخی ہے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے ایک صبح یا ایک شام راہ خدا میں جہاد دنیا اور مافیہا سے افضل ہے اور تمہارا مجاہدین کی صف اول میں کھڑا ہونا ساٹھ سال کی نفل نماز سے بہتر ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم ان لكل امة رهبانية ورهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله (القرطبی)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے رہبانیت ہے اور میری امت کی رہبانیت راہ خدا میں جہاد ہے۔ نصاریٰ نے ترک الوطن اور جابروں سے اپنی جان اور اپنا ایمان بچانے کے لیے جنگلوں اور پہاڑوں کی راہ لی لیکن غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب الصلوٰۃ واذکی الثناء کے لیے یہ طریقہ کار روا نہیں۔ باطل کے سامنے سینہ سپر ہونا، سیف و سنان، قلم و زبان سے معرکہ جہد گرم رکھنا اور اس حالت میں جان دے دینا اسلامی رہبانیت کا کمال ہے۔

٤٨ جن لوگوں نے خلوص نیت سے رہبانیت کو اختیار کیا۔ پھر اس کے تقاضوں کو پورا کیا اللہ تعالیٰ انہیں ان کے خلوص نیت اور حسن عمل کے مطابق اجر عطا فرمائے گا لیکن ان میں سے اکثر لوگ ایسے تھے جنہوں نے ترک دنیا کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنایا، راہ اعتدال سے بھٹک گئے اور فسق و فجور کی غلاظتوں میں ڈوب گئے۔

٤٩ علمائے تفسیر نے اس آیت کے دو مفہوم بیان کیے ہیں: اول اہل کتاب میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے سچے دین پر قائم تھے انہیں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہیں پہلے انبیاء پر ایمان لانے کی سعادت حاصل ہے۔ اب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بھی ایمان لے آؤ جن پر ایمان لانے کی تاکید تمہارے انبیاء نے کی ہے اور جن کی آمد کی بشارتوں سے تمہاری آسمانی کتب بھری پڑی ہیں۔ اور پھر اسی سچے دل سے ایمان لاؤ تو تمہیں اس کی رحمت سے دوہرا حصہ ملے گا۔ قرآن کریم جو سراپا نور ہے اس کے انوار سے تمہاری

أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ

کہ ان کا کوئی دسترس نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ۴۳ اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت

اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾

میں ہے وہ عطا کرتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۴۴

دنیا اور آخرت جگمگانے لگے گی۔ تمہارے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۴۳ اہل کتاب اس وہم میں مبتلا تھے کہ وہ حضرت موسیٰ جیسے جلیل القدر رسول اور کلیم کے امتی ہیں۔ انہیں اس نبی عربی کی اطاعت اور اس پر ایمان لانے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ساری رحمتیں اور انعامات انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ ان عرب کے بدوؤں کا رحمت الٰہی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ایمان والو! تقویٰ کو اپنا شعار بنا لو۔ میرے پیارے رسول پر ایمان لانے کا حق ادا کر دو اور اس کی غلامی پر فخر و ناز کرو تاکہ میں تم پر اپنی عنایات اور انعامات کی بارش کر دوں جنہیں دیکھ کر اہل کتاب کو پتہ چل جائے کہ میری رحمت کے خزانے پر ان کا کوئی قابو نہیں۔ میں جس کو چاہوں جتنا چاہوں عطا فرماتا ہوں۔ لئلا یعلم میں لا زائد ہے۔ معنی ہے لیعلم۔ قال ابن جریر لان العرب تجعل لا صلۃ فی کل کلام دخل فی اولہ او آخرہ جحد غیر مصرح۔ یعنی وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو وہاں "لا" بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔

۴۴ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور جود و عطا کی کوئی انتہا نہیں۔ نہ اس کے خزانے ختم ہوتے ہیں نہ اس کے ہاتھ تھکتے ہیں۔ لینے والے کا حوصلہ بلند، ظرف وسیع اور دامن کشادہ ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی سخاوتیں بھی لا محدود ہوتی ہیں۔

○

اللّٰھم یا ذا الفضل العظیم والجود العمیم ھذا الفقیر المسکین حاضر علی باب رحمتک ماد یدیہ الی جنابک متوجها مستغفرا ملتجیا معترفا بتقصیرہ وذنوبہ وخطیئاتہ وسیئاتہ التی لا تحصی اللھم اغفرلی جمیع سیئاتی اللھم ارحمنی واسترنی فی الدنیا والآخرۃ وایدنی بروح القدس وتخلقنی باخلاق حبیبک یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔ اللھم یا رب صل وسلم وبارک علی نبیک المکرم ورسولک المعظم وصفیک الاکرم شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اسناھا ومن البرکات انماھا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

تعارف

سُورہ المجادلہ

نام : اس کے دو نام ہیں اَلْمُجَادَلَۃ یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے بحث و تکرار۔ دوسرا نام اَلْمُجَادِلَۃ جو اسی باب کا اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے بحث و تکرار کرنے والی۔ اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو تہتر کلمے اور سترہ سو باسٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ھ) کے بعد ہوا۔ سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورت میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول : حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچا زاد اوس بن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں۔ حضرت اوس جب بوڑھے ہو گئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑا پن آ گیا۔ بات بات پر وہ الجھنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَہْرِ اُمِّیْ" (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ) زمانۂ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے۔ خولہ یہ سن کر از حد پریشان ہوئیں۔ بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کے بکھرنے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آ کر اپنے بارے میں دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی۔ میرے بچوں کا کیا بنے گا میرا بنا بنایا گھر اجڑ جائے گا۔ حضور یہی جواب فرماتے رہے یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہو گئے۔

قرآن کریم میں ان کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے۔ ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رکنے کے لیے کہا۔ آپ فوراً رک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے۔ اس کی باتیں سننے کے لیے اس کی طرف اپنا سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں۔ ایک شخص نے عرض کیا :

" امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔" آپ نے فرمایا" اے کم فہم! تم جانتے

پھر یہ کون ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا۔

مضامین: ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ پانچویں اور چھٹی آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے انہیں خبردار کر دیا گیا کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سن رہا ہوتا ہے اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔ وہ یقین رکھیں کہ اپنی ان ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔ اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے لیے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور و فکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آ جائے تو سکڑ جاؤ اور اس کو اپنے پہلو میں جگہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ اسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو اور یا وہ محروم واپس چلا جائے۔ نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں۔ اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہوگی۔ اسی طرح کی کئی اور رسمیں جو عہد جاہلیت میں ان کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں انہیں ان کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے دونوں گروہوں کے حالات اور ان کی خصوصیات بھی بیان کر دیں تاکہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ المجادلہ مدنی ہے اور اس کی ۲۲ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور ساتھ ہی شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے

اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

(اپنے درد و غم کا) اور اللہ تعالیٰ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ تعالیٰ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے۔

۱؎ اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ انت علی کظھر امی۔ تو میرے لیے اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی۔ رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا۔ اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہؓ کے بھائی اوس بن صامتؓ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا۔ غصہ سے کہہ دیا انت علی کظھر امی۔ زبان سے تو کہہ بیٹھے لیکن لگے پچھتانے۔ خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بخت بیوی نے جواب دیا۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں جوان تھی۔ صاحب مال تھی میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا۔ میں بوڑھی ہو گئی۔ میرے گھر والے بھی فوت ہو گئے۔ مال بھی خرچ ہو گیا اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا۔ وہ بار بار یہی عرض کرتی رہی اور حضور یہی جواب دیتے رہے۔ ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت

الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے ۲؎ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری

ہیں ان کے یہ الفاظ درج ہیں: "اپنے فاقہ اور وحشت حال کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کر دیتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوک سے مر جائیں گے۔" بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں۔ بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یا خولۃ ابشری اے خولہ مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرما دیا۔ جاؤ اپنے خاوند کو بلا لاؤ۔ اوس حاضر ہوئے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو۔ عرض کیا میرے پاس کوئی غلام نہیں۔ فرمایا پھر دو ماہ متواتر روزے رکھو۔ عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے۔ میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں۔ ارشاد ہوا پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ عرض کرنے لگے آقا! میں بہت غریب و نادار ہوں۔ حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں۔ اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے۔ انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا۔ اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہو گئیں۔ قد سمع اللہ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے۔ آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا۔ حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنے لگیں۔ کہا اے عمر! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عمیر کہا جاتا تھا۔ پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المومنین کہنے لگے ہیں۔ پس اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو۔ جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی فرض رہ نہ جائے۔ جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت سنتے رہے۔ جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا اے امیر المومنین اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا بخدا اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا۔ صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا۔ کیا تم نہیں جانتے یہ بڑھیا کون ہے۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سنے اور عمر نہ سنے؟

۲؎ اس آیت میں اس طریقہ کار کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ قول بے ہودہ اور بری حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ

بات اور جھوٹ ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے ۲ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں

مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ

اپنی عورتوں سے ۳ پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (ان کے ذمہ) غلام آزاد کرنا ہے اس سے

اپنی ماں کہنا شروع کر دے۔ کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی ماں بن سکتی ہے۔ ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصہ سے اس کی بیوی کا شرف حاصل ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں اب اگر اس عورت کو اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ فرمایا ایسی بات ایک تو فی نفسہٖ بری اور ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے، دوسرا سراسر جھوٹ ہے۔ جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

۲ چاہیے تو یہ تھا کہ اسے اس بیہودہ گوئی پر سخت سزا دی جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا اور اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے۔ اس لیے اس کریم نے عفو و درگزر سے کام لیا اور جو جرم قابل بخشش نہ تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

۳ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شریعت کی اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے انت علی کظہر امی۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے۔ اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں تفصیلات کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے۔

① اگر کسی شخص نے ماں کی پشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارہ ظہار لازم ہوگا۔

② اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پشت یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابدی طور پر حرام ہیں مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو بھی ظہار ہوگا۔

③ اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی ہیں تو یہ بھی ظہار ہوگا۔ مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

④ مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

⑤ اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

⑥ عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت تو یہ ظہار نہیں ہوگا کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے البتہ عورت

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے

خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ

آگاہ ہے۔ ۹ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے اس سے

کا یہ قول قسم ہوگی گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مخالفت نہیں کرے گی اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

⑦ اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد صورت یہ لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے۔ اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کر لوں تو ھو علی کظھر ابی۔ وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت۔ لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہو گئیں۔ مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے کیونکہ اس نے یہ بات اس وقت کی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا۔ اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو کفارہ نہ ہوتا بلکہ یمین ہوتی اور انہیں کفارۂ یمین ادا کرنا پڑتا۔

⑧ جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں، صریح اور کنایہ۔ صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے۔ اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابدی طور پر کسی وجہ سے قرابت حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے۔ اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار کہے کہ میرا مقصد ظہار نہ تھا تو قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جن کا ذکر ہوا ہیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا۔ اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

۹ یعنی ایک مرتبہ تو اس نے ایسی بات زبان سے نکالی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لیے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان میں سے ہٹا دے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود کفارہ ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ

قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں شہ اور جو اس پر بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو شہ

ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَ

یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں شہ اور

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کر لے تو وہ گنہگار ہوگا اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن کفارہ ایک ہی اسے ادا کرنا پڑے گا۔ ثم یعودون لما قالوا کا یہ مفہوم جو علماء ظاہریہ نے بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ یہ قول بالاتفاق مردود ہے۔

شہ تحریر رقبة: یہاں سے کفارہ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبہ آزاد کرے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت بڑا ہو یا چھوٹا۔ قبل ان یتماسا سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں توعظون به کا معنی علامہ قرطبی نے تؤمرون به کیا ہے یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے۔ اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تزجرون به کیا ہے یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جا رہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

شہ لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگاتار دو ماہ روزے رکھے۔ اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے۔ اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے۔ روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہ رمضان، عید الفطر اور ایام تشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے اور وہ بیمار ہو گیا یا اسے سفر پیش آ گیا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سر نو روزے شروع کرے۔

شہ لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر بھی قادر نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو اور اتنا عرصہ لگاتار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا۔ درمیان میں اس سے پھر بے احتیاطی ہو جائے گی۔

شہ یہاں لتؤمنوا سے مراد لتصدقوا یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے۔ اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے ای ذلک لتکونوا مطیعین للہ تعالیٰ واقفین عند حدوده لا تتعدوها

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ

منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے ۔ بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے

رَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ

رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کیے گئے وہ مخالفین جو ان سے پہلے تھے اور بے شک ہم نے

تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ۔ اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

ف یہاں کافرین سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: الذین لا یقبلون احکام اللہ تعالیٰ ولا یمتنعون عن المحرمات ویتجاوزون عن حدوده

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: الذین یتعدونها ولا یعملون بها واطلاق الكافر على متعدى الحدود للتغليظ بزجره ونظير ذلك قوله تعالى ومن كفر فان الله غنى عن العالمين (روح المعانی)

یعنی جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور ان پر عمل نہیں کرتے ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تاکہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے۔ جس طرح ومن کفر میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ف یحادون کا مصدر محادۃ ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: المحاداة: المعاداة والمخالفة والمنازعة وهو مفاعلة من الحد كأن كل واحد منهما يجاوز حده الى الآخر (لسان العرب)

یعنی محادۃ کا معنی عداوت کرنا، مخالفت کرنا اور جھگڑا کرنا ہے۔ اس کا اصل ماخذ حد ہے کیونکہ دونوں اپنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسرے کی حد میں مداخلت کرنا چاہتے ہیں اس لیے اسے محادۃ کہا جاتا ہے۔

اس تشریح کی روشنی میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی زندگی کی حدود کو پھاند کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حدود میں مداخلت بے جا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ قانون سازی کا جو حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اللہ کے بندوں کے لیے خود قوانین وضع کرنا شروع کر دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر اس آیت طیبہ میں کیا جا رہا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر ان الفاظ سے کی ہے: او یضعون او یختارون حدودا غیر حدوده تعالیٰ ورسوله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وضع کردہ حدود اور قوانین کے برعکس اپنی طرف سے حدود و قوانین وضع کرتے ہیں۔ ان کا حکم اس آیت میں بتایا جا رہا ہے۔ علامہ آلوسی نے شیخ الاسلام سعد اللہ چلپی کا قول نقل کیا ہے وہ بھی قابل غور ہے: وعلى هذا ففيه وعيد عظيم للملوك وامراء السوء الذين وضعوا امورا خلاف ما حده الشرع وسموها السياسة والقانون والله تعالى المستعان على ما يصفون۔ یعنی اس آیت میں ایسے بادشاہوں اور برے حکام کے لیے

اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۚ﴿۵﴾ یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ

نازل کی ہیں روشن آیتیں۔ اور کفار کے لیے رسوا کن عذاب ہے ۱۲ یاد کرو جس روز اللہ تعالیٰ ان

وعید شدید ہے جو شریعت کی حدود کے برعکس کوئی قوانین وضع کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہیں۔

علامہ آلوسی نے یہاں اس مسئلہ کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے اور بتایا ہے کہ حکومت کو کن کن قانون سازی کا کہاں کہاں اختیار ہے اور کہاں اختیار نہیں ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ امید ہے فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

فوجوں کی تربیت، انہیں جنگی مشقیں کرانا، انہیں ہر قسم کا اسلحہ مہیا کرنا جس سے دشمن پر غلبہ پانے کے امکانات روشن ہوں، جنگ کے لیے منصوبہ بندی، میدان جنگ میں فوجوں کی نقل و حرکت کے ضابطے۔ ان تمام امور میں حکام وقت کو کلی اختیارات حاصل ہیں۔ مسلمانوں کے لیے جو بہتر اور مفید ہو اس کے لیے تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح مناسب مقامات پر قلعوں کو تعمیر کرنا، شہروں کی حفاظت کے لیے تجاویز سوچنا بھی حکام کا کام ہے۔ وہ جرائم جن کی سزا شریعت میں مقرر نہیں ان کے لیے مناسب سزائیں مقرر کرنا بھی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ حکومت کو ان جرائم کے لیے ایسی مؤثر سزائیں مقرر کرنی چاہئیں جن سے جرائم کا سدباب ہو سکے لیکن ان تعزیرات کا اتنا سخت کرنا بھی درست نہیں جو بسا اوقات قتل سے بھی زیادہ دردناک اور اذیت رساں ہوں۔

اسی طرح کاروبار اور لین دین کے لیے ایسے قواعد و ضوابط مرتب کرنا جن سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ آتی ہو، درست ہے لیکن کوئی ایسا ضابطہ بنانا جس سے کسی شرعی حکم کی صراحتاً خلاف ورزی لازم آئے ہرگز جائز نہیں جیسے سود کے جواز کا قول کرنا اور اس کے تحفظ معاشی اور صنعتی ترقی کو محال سمجھنا یہ سب حرام ہے۔

بیت المال اور اراضی کے بارے میں جو احکام صحیح روایات سے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں ان کی خلاف ورزی کسی صورت میں بھی جائز نہیں لیکن جو احکام خلفاء کرام نے اپنے اجتہاد سے وضع کیے اگر زمانہ کے حالات کے پیش نظر ان کے بارے میں ایسے احکام وضع کیے جائیں جن میں لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت ہو اور ان میں عوام کا فائدہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن خلفاء کے اجتہادی احکام کے بجائے ایسے جدید قوانین مرتب کرنا جن میں لوگوں کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے یہ کسی طرح جائز نہیں۔

وہ حدود جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیں۔ بدکاری اور دیگر جرائم کے بارے میں جو سزائیں مقرر کی ہیں ان میں کسی قسم کا رد و بدل روا نہیں ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اسلامی قوانین کو ناقص سمجھتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا ہے اور جدید وضع کردہ قوانین کو ان سے بہتر اور زیادہ مفید گردانتا ہے اس کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

۱۱ ان آیتوں کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ ان کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے گا۔ انہیں منہ کے بل گرا دیا جائے گا جس طرح ان سے پہلے جو سرکش قومیں گزری ہیں ان کو ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا تھا۔

الکبت: صرع الشیء لوجهه۔ کسی چیز کو منہ کے بل گرا دینا۔ یہ ذلت و رسوائی کی انتہا ہے۔

۱۲ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات کا انکار کرتے ہیں، ان کو حق تسلیم نہیں کرتے۔ یہ خیال ہے کہ جلد اور

اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ

سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا ع

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے ؂۱۳ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں

اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰی

مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس

مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ

سے کم ہیں اور نہ زیادہ ہیں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر

یُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ

وہ انہیں آگاہ کرے گا جو کرتوت وہ کرتے رہے قیامت کے دن ؂۱۴ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب

تارک میں فرق ہے ترک احکام سے انسان گنہگار ضرور ہو جاتا ہے لیکن کافر نہیں ہوتا۔ البتہ اگر احکام الٰہیہ کا انکار کرے اور ان کی حقانیت کو تسلیم نہ کرے تو یقیناً کافر ہے۔

۱۳؎ کفار اور منکرین احکام الٰہی کا جو انکار کرتے ہیں اور ان کی خلاف ورزیاں کرتے ہیں شاید ان کی نظروں میں یہ غیر اہم باتیں ہوں جن کو محفوظ نہیں رکھا جاتا اور فراموش کر دیا جاتا ہے لیکن یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان تمام حرکتوں کو گن گن کر محفوظ کیا ہوا ہے جو یہ لوگ فراموش کر چکے ہیں۔ قیامت کے دن جب انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ان کے ایک ایک کرتوت پر انہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

۱۴؎ منافقین اسلام کی روز افزوں ترقی سے بڑے ہراساں رہا کرتے تھے ان میں یہ ہمت تو نہ تھی کہ کھل کر مسلمانوں کی مخالفت کریں لیکن ان کا خبث باطن انہیں اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور منصوبے بنانے میں مصروف رکھا کرتا تھا جہاں کہیں چند

عَلِيمٌ ۞ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ ثُمَّ يَعُودُونَ

جاننے والا ہے۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر وہ بار بار وہی کرتے ہیں

لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے

الرَّسُولِ وَإِذَا جَاءُوكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَ

بارے میں[۱] اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا[۲]

يَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ

اور وہ کہا کرتے ہیں اپنے دلوں میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں

۱۔ یہ منافق بڑی رازداری سے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لیے ان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو متزلزل کرنے اور ان کی صفوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کے لیے سرگوشیاں شروع کر دیتے تھے اور یہ خیال کرتے کہ ان سرگوشیوں کی کسی کو خبر نہیں اور ان کی سازشوں پر کوئی آگاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اس غلط فہمی پر متنبہ فرما رہا ہے کہ تم سراسر غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہاری تعداد کتنی ہی ہو، میں تمہیں دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ تمہاری سرگوشیوں کو خوب سن رہا ہوتا ہوں۔ قیامت کے روز تمہاری ایک ایک شرارت پر تمہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔

نجویٰ: اسم مصدر مشتق من النجوۃ وھی ما ارتفع من الارض فان السر صار مرفوعا الی الذھن لا یتیسر لکل احد ان یطلع علیہ (مظہری) یعنی نجویٰ اسم مصدر ہے۔ یہ نجوۃ سے مشتق ہے اور نجوۃ اونچی جگہ کو کہتے ہیں جہاں ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ چونکہ راز کی بات بھی دوسروں کی دسترس سے بلند ہوتی ہے اس لیے نجویٰ کہا گیا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: النجویٰ والنجی: السر والنجو۔ السر بین اثنین یقال نجوتہ نجوا ای ساررتہ۔ یعنی دو آدمیوں کے مابین راز سے بات کرنے کو نجویٰ کہتے ہیں۔

۲۔ یہود اور منافقین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو الگ بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگتے۔ اس اثناء میں مسلمانوں کی طرف بار بار دیکھتے اور اشارے کرتے۔ ان کا مقصد یہ ہوتا کہ مسلمان یہ خیال کریں گے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں مشورے کر رہے ہیں ان کے خلاف منصوبے بنا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے اس طریقے سے بڑی وحشت ہوتی۔ چنانچہ صحابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی بار بار شکایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو ایسا کرنے سے روکا لیکن وہ پھر بھی ان حرکتوں سے باز نہ آئے۔ ان کی سرگوشیوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ جہاں کہیں دو چار مل بیٹھتے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مشورے ہونے لگتے۔

۳۔ یہودی جب خدمت اقدس میں حاضر ہوتے تو اس طرح سلام عرض نہ کرتے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کو

جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

جہنم اس میں یہ داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے ۱۸ اے ایمان والو!

اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ

جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول کریم کی نافرمانی

الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ

کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو ۱۹ اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی بارگاہ میں تمہیں

سلام فرمایا ہے یا جس طرح اس سے اہل ایمان کو دربار نبوی میں حاضری کے آداب سکھائے گئے لیکن ان کی خبث باطنی اور تہذیب و شائستگی کے حدود سے یہ باہر نکل جاتے اور بجائے سلامتی کی دعا عرض کرنے کے السام علیک کہتے۔ (السام کا معنی موت ہے) اور ان الفاظ کا تلفظ اس طرح کرتے کہ عام آدمی ان کی خباثت پر خبردار نہ ہوتا۔ ایک دن وہ حضور کی بارگاہ میں آئے اور کہا السام علیک یا ابا القاسم حضور نے حسب معمول ارشاد فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی سن رہی تھیں۔ انہوں نے غضب سے فرمایا السام علیکم ولعنکم اللہ وغضب علیکم۔ اے بندرو اور سورو! تم پر موت، اللہ کی پھٹکار اور غضب ہو۔ حضور نے فرمایا مهلاً یا عائشۃ علیک بالرفق وایاک والعنف والفحش۔ اے عائشہ ٹھہرو نرمی سے پیش آؤ، سختی اور بدکلامی نہ کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے غور نہیں فرمایا کہ انہوں نے کیا کہا ہے۔ فرمایا میں نے جواب میں کہہ دیا وعلیکم (اور تم پر بھی موت آئے)

۱۸ یہودی پہلے تو بدزبانی اور گستاخی کرتے پھر ایک دوسرے سے یہ کہتے کہ اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ یہ نبی نہیں اگر نبی ہوتے اور ہم ایسی گستاخی کرتے تو خدا کا عذاب فوراً ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ ہم ایسی گستاخیاں کرتے ہیں اور ہمارا کوئی بال بیکا نہیں ہوتا، کبھی ہمارا سر درد بھی نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں۔ انہیں کہا جا رہا ہے کہ ان گستاخیوں کی پاداش میں تمہارا ٹھکانا جہنم بنا دیا گیا ہے۔ تمہیں پکڑ کر اس میں دھکیل دیا جائے گا۔ ہمیشہ اس میں جلتے رہو گے اور تڑپتے رہو گے۔ جو میرے محبوب کے گستاخ ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ اس میں نہ ایک لمحہ آرام ملے گا اور نہ اس سے باہر نکلنے کی کوئی امید ہو گی۔

۱۹ ایسی سرگوشیاں ممنوع ہیں جن میں کسی گناہ کے بارے میں مشورے ہوں۔ لوگوں کو اذیت پہنچانے کے لیے تجویزیں سوچی جائیں یا اللہ کے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کے لیے سکیمیں تیار کی جائیں۔ مسلمانوں کو کسی ایسی میٹنگ میں شریک نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر کسی نیک کام کے لیے، کسی خیرات کے لیے باہم مل کر صلاح مشورہ کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ

جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں تاکہ وہ غمزدہ کر دے

اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ

توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو ۱۶؎ اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ آنے والوں کے لیے

تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ

جگہ کشادہ کر دو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لیے کشادگی فرمائے گا ۱۷؎ اور جب کہا جائے کہ

۱۶؎ اس قسم کی سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں اور ان کا مقصد مسلمانوں کو خوف زدہ اور ہراساں کرنا ہوتا ہے۔ اپنے بندوں کو بتایا کہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں اور سازشیں تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتیں۔ اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہود اور منافقین کے چاہنے سے تمہارا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔ اس لیے ایسی باتوں سے تمہیں پریشان نہیں ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔

حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے غلاموں کو آداب مجلس کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا کان ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الواحد۔ کہ تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے آدمی کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو۔ (صحیحین) دوسری حدیث جو ابن مسعودؓ سے مروی ہے اس میں اس کی حکمت بھی بتا دی۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کنتم ثلاثۃ فلا یتناجی اثنان دون الآخر حتی تختلطوا بالناس من اجل ان یحزنہ۔ حضور نے فرمایا کہ جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو سرگوشی نہ کرنے لگ جاؤ۔ اس طرح وہ آدمی آزردہ خاطر ہوگا۔ وہ یہ خیال کرے گا کہ مجھے بیگانہ خیال کیا جا رہا ہے یا ان کی نظروں میں میری کوئی عزت نہیں۔ اور اگر اس آدمی کے پاس اور آدمی آ کر بیٹھ جائیں تو پھر ان دو کی سرگوشی منع نہیں کیونکہ اب وہ آزردہ نہ ہوگا۔

۱۷؎ اس آیت میں بھی مسلمانوں کو مل بیٹھنے کے ایسے آداب سکھائے جا رہے ہیں جن پر عمل کرنے سے باہمی محبت بڑھے اور ایک دوسرے کا احترام پیدا ہو۔ فرمایا اگر مجلس میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور باہر سے دوسرے حضرات آ جائیں تو پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ آنے والوں کی پروا نہ کریں اور اس بات کا انہیں خیال ہی نہ آئے کہ انہیں بیٹھنے

انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو بلند فرمادے گا اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱ يٰٓاَيُّهَا

درجات بلند فرمادے گا ۲۲ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔ اے

کے لیے جگہ تنگ ہو جاتی ہیں بلکہ ان پر ضروری ہے کہ وہ انہیں عزت سے بٹھائیں اور اگر جگہ بہت زیادہ ہو پھر بھی انہیں چاہیے کہ جتنا سکڑ سکتے ہیں سکڑیں اور آنے والوں کے لیے جگہ نکالیں۔ فرمایا اگر تم اپنے بھائیوں کے لیے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرو گے اور ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنا دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے رزق کو کشادہ کرے گا بلکہ دنیا و آخرت میں تمہیں فراخی اور کشادگی نصیب فرمائے گا۔

جو لوگ پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے ان کو یہ تعلیم دی کہ وہ آنے والوں کے لیے جگہ کشادہ کریں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنے والوں کو بھی یہ ہدایت فرمائی کہ وہ ایسا نہ کریں کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اٹھا دیں اور ان کی جگہ خود بیٹھ جائیں۔ ارشاد نبوی ہے لا یقیم الرجل الرجل من مجلسه ثم یجلس فیه۔ اسی طرح اگر مسجد میں کوئی شخص بیٹھا ہو تو کسی کو اجازت نہیں کہ اسے اٹھا کر خود اس کی جگہ بیٹھ جائے۔ اگر کسی شخص نے کسی آدمی کو بھیجا کہ تم پہلے جا کر میرے لیے ایک نشست محفوظ کر لو اور وہاں بیٹھ جاؤ۔ جب وہ شخص وہاں جائے تو وہ اس آدمی کو اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی جائے نماز بھیج دی کہ پہلی صف میں اس کے لیے بچھا دی جائے تو یہ درست ہے جس وقت بھی وہ آئے جائے نماز پر بیٹھ سکتا ہے۔ (قرطبی)

تفسحوا، ای توسعوا۔

۲۱؎ جب حاضرین مجلس کو کہا جائے کہ اب آپ تشریف لے جائیں تو انہیں فوراً چلے جانا چاہیے، ورنہ اہل خانہ یا منتظمین مجلس کو بڑی کوفت ہو گی۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کو اپنے گھر میں مدعو فرماتے تو کھانا کھا لینے کے بعد بھی بار بار کے باوجود کئی لوگ وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتے۔ ان کی یہ تمنا ہوتی کہ سب سے آخر میں جائیں تاکہ آقا دو عالم سے مصافحہ کریں۔ انہیں بتایا گیا کہ تمہاری محبت بجا لیکن حضور کے آرام کا بھی تمہیں خیال رکھنا چاہیے نیز حضور کی دیگر مصروفیات بھی ہیں۔ ان کے لیے بھی تمہیں مہلت دینی چاہیے۔

۲۲؎ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی مراتب اور بلند درجات کا معیار ایمان اور علم ہے۔ ایک ایمان دار شخص جاہل مطلق کیوں نہ ہو، کافر فیلسوف سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔

علامہ مرحوم فرماتے ہیں —

قطرۂ آبِ وضوئے قنبرے   بہتر از خون ... قیصرے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول اکرم سے تو سرگوشی سے پہلے

نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ

صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لیے بہتر ہے اور دلوں کو پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت)

تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ

نہ پاؤ تو بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی

نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

سے پہلے صدقہ دینا چاہیے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے اور اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی

یعنی جو جتنا علم کا قدر دان تھا اس کے دل میں علماء کی قدر و توقیر دوسروں سے زیادہ عزت والا ہے۔
اس طرح صاحب علم جاہل سے افضل ہے خواہ وہ جاہل بڑا جاگیردار اور دولت مند کیوں نہ ہو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
علماء صحابہ کو خواہ وہ عمر میں چھوٹے ہی کیوں نہ ہوتے بہت بڑے منصب پر تعینات کرتے۔ ان کو اپنے قریب بٹھاتے اور ان کی عزت افزائی فرماتے۔
احادیث میں بھی علماء کی بڑی شان بیان کی گئی ہے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءہ الموت وھو یطلب العلم لیحیی بہ الاسلام فبینہ وبین
النبیین درجۃ۔
حضورؐ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کر رہا ہو تاکہ وہ اس علم سے اسلام کو زندہ کرے۔ اسی اثناء میں اسے موت آ جائے تو اس کے درمیان
اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا۔
دوسری حدیث میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا:
یشفع یوم القیامۃ ثلاثۃ الانبیاء ثم العلماء ثم الشہداء۔
قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ
تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اختیار دیا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ آپ نے علم کو پسند کیا
اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے آپ کو بادشاہی اور مال بھی عطا فرمائے۔
۲۳؎ حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کا شان نزول بیان فرماتے ہیں:

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ؕ

پس اب تم نماز صحیح ادا کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی۔

وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ان (منافقوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنالیا ایسی

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُونَ

قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا ۲۴۔ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے یہ جان بوجھ کر جھوٹی

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جب انہوں نے عرض و معروض کا سلسلہ دراز کیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ غرباء کو اپنی عرض پیش کرنے کا موقع کم ملنے لگا تو عرض پیش کرنے والوں کو عرض پیش کرنے سے پہلے صدقہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا اور اس حکم پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمل کیا۔ ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کیے۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

① وفا کیا ہے؟ — فرمایا توحید اور توحید کی شہادت دینا۔

② عرض کیا فساد کیا ہے؟ — فرمایا کفر و شرک۔

③ عرض کیا حق کیا ہے؟ — فرمایا اسلام، قرآن اور ولایت جب تجھے ملے۔

④ عرض کیا حیلہ (یعنی تدبیر) کیا ہے؟ — فرمایا ترک حیلہ۔

⑤ عرض کیا مجھ پر کیا لازم ہے؟ — فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت۔

⑥ عرض کیا اللہ تعالیٰ سے کیسے دعا مانگوں؟ — فرمایا صدق و یقین کے ساتھ۔

⑦ عرض کیا کیا مانگوں؟ — فرمایا عافیت۔ ایک روایت میں عاقبت کا لفظ ہے۔

⑧ عرض کیا اپنی نجات کے لیے کیا کروں؟ — فرمایا حلال کھا اور سچ بول۔

⑨ عرض کیا سرور کیا ہے؟ — فرمایا جنت۔

⑩ عرض کیا راحت کیا ہے؟ — فرمایا اللہ کا دیدار۔

جب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سوالوں سے فارغ ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور رخصت نازل ہوئی اور سوائے حضرت علی مرتضیٰ کے اور کسی کو اس پر عمل کرنے کا وقت نہیں ملا۔

۲۴ے منافقین اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ اسلام روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ اس کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ مال غنیمت کی ریل پیل ہونے والی ہے۔ دنیاوی منفعت کے حصول کے لیے وہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے تھے لیکن ان کی

عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں ۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥﴾ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً

بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے ۔ انھوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال

فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٦﴾ لَنْ

پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے سو ان کے لیے رسوا کن عذاب ہے ۔ ہرگز نفع

تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ

نہیں پہنچائیں گے انھیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے ۔ یہ لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا

جہنمی ہیں ۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ۔ ٣٤ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا

دل سے ہمدردیاں یہودیوں کے ساتھ تھیں اور وہ انہیں کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان بدبختوں نے ایک ایسی قوم سے دوستی قائم کر رکھی ہے جن پر خدا کا غضب ہے۔ نہ یہ مسلمانوں میں داخل ہیں اور نہ یہودیوں میں۔ حدیث شریف میں ہے۔ مثل المنافق مثل الشاة العائرة بين غنمين لا تدري ايهما تتبع۔ یعنی منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو ریوڑوں میں سرگرداں پھر رہی ہو۔ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اسے کس ریوڑ کے پیچھے جانا ہے۔

ایک روز سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے حجرہ شریفہ میں تشریف فرما تھے چند صحابہ بھی حاضر تھے۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ يدخل عليكم رجل قلبه قلب جبار وينظر بعين شيطان۔ ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا جس کا دل بڑا سخت ہے اور جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن نبتل بھی آ گیا جس کی آنکھیں نیلی، قد چھوٹا اور داڑھی پتلی تھی۔ حضور نے فرمایا تو اور تیرے ساتھی کیوں گالیاں دیتے رہتے ہیں۔ اس نے قسم کھائی کہ اس نے کبھی گالی نہیں دی۔ اس کے ساتھی آئے انھوں نے بھی قسمیں کھائیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں۔

٣٤ جھوٹی قسموں کو اپنی ڈھال بنا کر وہ اپنے آپ کو بھی بچا رہے تھے اور اس آڑ میں وہ لوگوں کو اسلام سے نفرت دلاتے اور اسلام کے خلاف گھڑ گھڑ کر باتیں کرتے اور اس طرح ان کے اسلام قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہو جاتے۔ ان

فَيَحْلِفُونَ لَهُ كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ

تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر (قائم)

شَيْءٍ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٨﴾ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ

ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں ٢٧ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے

فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ

اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ خبردار! شیطان کا ٹولہ ہی

الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے ٢٨ بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی

کے انجام سے ان کو باخبر کر دیا۔

٢٧ جھوٹ ان کی نس نس میں رچ بس گیا تھا۔ انہیں جھوٹ بولتے ہوئے ذرا شرم نہیں آتی تھی۔ وہ بار بار جان بوجھ کر جھوٹ بولتے۔ نہ ان کی زبان لڑکھڑاتی، نہ ان کا دل انہیں ملامت کرتا۔ وہ ستم ظریفی یہ کرتے کہ اپنی جھوٹی بات کو سچا ثابت کرنے کے لیے دھڑا دھڑ جھوٹی قسمیں کھانے لگتے۔ جھوٹ اب ان کی فطرت ثانیہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر ہوں گے تو وہاں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہیں آئیں گے اور جھوٹی قسموں کا تانتا باندھ دیں گے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ۔ تو اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے ہم ہرگز مشرک نہ تھے اور دل ہی دل میں بڑے مطمئن ہوں گے کہ اس طرح جھوٹ بول کر اور جھوٹی قسمیں کھا کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی دھوکہ دے لیا ہے اور اپنے آپ کو اس کی گرفت سے بچا لیا ہے۔ اب انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ پرلے درجے کے جھوٹے ہیں۔

٢٨ منافقین ایسی بیہودہ حرکتیں کیوں کرتے ہیں، وہ ایسی جھوٹی قسمیں کیوں کھاتے ہیں جن کا جھوٹ اظہر من الشمس ہوتا ہے؟ اس کے متعلق فرمایا کہ ان کی عقل و ہوش پر شیطان نے پوری طرح تسلط جما لیا ہے۔ وہ خود سوچنے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جدھر وہ ظالم انہیں لے جاتا ہے اور جس راہ پر وہ انہیں چلاتا ہے آنکھیں بند کیے ہوئے وہ اسی پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ ای غلب علی عقولھم بوسوستہ وتزیینہ حتی اتبعوہ فانساھم۔ اب حالت یہ ہے کہ انہیں ذکر الٰہی کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے رب کی یاد کو ہی فراموش کر دیا ہے۔ وہ اب شیطانی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں اور جو شیطان کا چیلا بن جاتا ہے وہ ایسی ناشائستہ حرکتیں نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا۔ وہ یاد رکھیں کہ انجام کار انہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے گا۔ نفع تو کجا اصل سرمایہ بھی غارت ہو جائے گا۔

أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿٢٠﴾ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ

وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے ۲۸ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٢١﴾ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

بیشک اللہ تعالیٰ بڑا قوی (اور) زبردست ہے ۲۹ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر

الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ

(پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں

أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي

یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں ۳۰ یہ وہ لوگ ہیں کہ نقش کر دیا ہے اللہ نے

---

۲۸ ان کے بارے میں پہلے فرمایا کُبِتُوا یعنی یہ لوگ منہ کے بل گرا دیئے جائیں گے۔ یہاں ان بدبختوں کے بارے میں فرمایا اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّیْنَ یعنی ان کا شمار ذلیل ترین مخلوق میں ہوتا ہے۔ ان سے زیادہ ذلیل اور حقیر کوئی چیز نہیں ہے۔ ای من جملۃ الاذلاء لا اری اذل منہم۔ (قرطبی)

۲۹ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ کا دین اور اس کے رسول ہر میدان میں ضرور غالب ہوں گے۔ تیغ و سنان کی جنگ ہو یا حجت و برہان کا معرکہ کامیابی کا سہرا اہل حق کے سر ہی باندھا جائے گا۔

۳۰ اس آیت میں بڑی صراحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو یہ ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی محبت پائی جائے۔ جس طرح پاک اور پلید پانی ایک برتن میں اکٹھے نہیں رہ سکتے اسی طرح نور ایمان اور دشمنان اسلام کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ جو شخص ایمان کا مدعی ہے اور کفار و منافقین کے ساتھ بھی دوستی کے تعلقات رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو فریب دے رہا ہے۔ اللہ کا بندہ اللہ اور رسول کریم کے دشمنوں سے خواہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لیتا ہے۔ ان میں سے چند قریبی رشتوں کا صراحۃً ذکر فرما دیا۔ اولاد کو اپنے والدین سے محبت بھی ہوتی ہے اور ان کا ادب اور لحاظ بھی ہوتا ہے لیکن اگر باپ دین کا دشمن ہو تو بیٹا اس کی پروا نہیں کرتا۔ اسی طرح باقی رشتے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ جب غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بدر و احد کے میدانوں میں اپنے قریبی رشتہ داروں کے سامنے صف آرا ہوئے تو جو بھی ان کا مد مقابل بنا انہوں نے بلا تامل اس کو خاک و خون میں ملا دیا۔

قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے ۳۱؎ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے

حضرت ابو عبیدہ جب میدان بدر میں گئے تو ان کا باپ عبداللہ ان کے سامنے آیا۔ آپ نے اپنی تلوار کے وار سے اس کا سر قلم کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ نے شان رسالت میں کچھ گستاخی کی تو آپ نے اسے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ منہ کے بل زمین پر گرا۔ حضور نے پوچھا تو ابوبکر نے عرض کیا میرے آقا اگر اس وقت میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اسے قتل کر دیتا۔

بعد میں حضرت ابو قحافہ مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

بدر کے دن صدیق اکبر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو للکارا اور حضور سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہوئے عرض کیا دعنی أكن في الرعلة الأولى میرے آقا مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں شہداء کے پہلے گروہ میں داخل ہو جاؤں۔ حبیب کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء نے فرمایا متعنا بنفسك يا ابابكر ما تعلم انك عندي بمنزلة سمعي وبصري۔

اے ابوبکر ہمیں اپنی ذات سے فائدہ اٹھانے دو۔ تو نہیں جانتا کہ تو میرے نزدیک میرے کان اور میری آنکھ کی طرح ہے۔

اسی طرح حضرت مصعب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو احد کے روز قتل کیا۔ بدر کی جنگ میں ایک انصاری نے ان کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے سختی سے باندھ رہا تھا تو حضرت مصعب نے دیکھ لیا اور پکار کر کہا اس کو خوب کس کر باندھنا۔ اس کی ماں بڑی مالدار ہے گراں قدر فدیہ ادا کرے گی۔ ابو عزیز نے کہا مصعب! تم بھائی ہو کر ایسی بات کہہ رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا تیرا میرا بھائی چارہ ختم۔ اب یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمہیں باندھ رہا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو قتل کیا اور سیدنا علی، سیدنا حمزہ، سیدنا عبیدہ نے اپنے قریبی رشتہ داروں عتبہ، شیبہ اور ولید کو تہ تیغ کیا۔ شمع نبوت کے پروانوں نے عملی نمونہ پیش کیا اور دنیا کو بتا دیا کہ ان کے دلوں میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور بس۔

۳۱؎ یہی وہ خوش نصیب اور ارجمند حضرات ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش کر دیا ہے۔ یہ نقش مٹ سکتا ہے نہ دھندلا پڑ سکتا ہے اور ان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی جناب سے روح سے تقویت بخشی ہے۔ روح کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بالروح نور القلب وهو نور يقذفه الله تعالى في قلب من يشاء من عباده تحصل به الطمأنينة: یعنی روح سے مراد وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے دل میں چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔ اس نور سے اس کو

ع ۳

وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٢٢

اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سنتے ہو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے۔ ۲۲؎

طمانیت وتسکین نصیب ہوتی ہے۔ وروح المعانی کیونکہ اس کی وجہ سے پاکیزہ وابدی زندگی نصیب ہوتی ہے اس لیے اسے بطور مجاز روح فرمایا گیا۔

۲۲؎ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے ان بندوں پر بڑا احسان تھا کہ اس نے ان کے قلب پر ایمان نقش کر دیا پھر ان کے دل میں روح نازل کیا جس سے ان کو طمانیت اور استقامت نصیب ہوئی۔ اسی کی برکت سے حق کے امتحان میں وہ کامیاب نکلے۔ اب ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے ان وفا شعار سرفروشوں کو نوازا جائے گا۔ مژدہ جنت سنانے کے بعد فرمایا یہ وہ بلند اقبال اور فیروز بخت ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اپنے اللہ سے راضی ہو گئے۔ اب اس کی حقیقت کو ان خوش نصیب کے بغیر کون سمجھ سکتا ہے یا اس کی قدر و منزلت کو پہچان سکتا ہے جن پر یہ عنایت خاص فرمائی گئی۔ آخر میں انہیں یہ خوشخبری بھی سنا دی کہ تم ہمارے ہو اور دنیا و آخرت کی کامیابی کا تاج صرف ان کو پہنایا جاتا ہے جو ہمارے ہوتے ہیں۔

◎

اللّٰهم لك الحمد والشكر ولك المجد والكبرياء اللّٰهم انت كريم وباب رحمتك مفتوح اكتب الايمان على قلبي وايدني بروح منك وادخلني في جناتك التي تجري من تحتها الانهار وارض عني وارضني بفضلك وادخلني في حزبك الا ان حزبك هم المفلحون.

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين اللّٰهم صل وسلم وبارك على حبيبك ومحبوبك ونبيك وصفيك سيدنا ومولانا محمد وعلى آله الطيبين الطاهرين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وسائر الصحابة والتابعين واولياء امته الكاملين وعلمائه الصالحين وعلينا معهم اجمعين ياذا الجلال والاكرام.

○

تعارف

سورۃ الحشر

نام: اس سورت مبارکہ کا نام الحشر ہے۔ یہ لفظ دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اس میں تین رکوع، چوبیس آیتیں، ۴۴۵ کلمے ایک ہزار نو سو تیرہ حروف ہیں۔

زمانہ نزول: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس سورت میں غزوہ بنی نضیر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے اس سورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اُنزلت فی بنی نضیر یعنی یہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم) انہیں سے دوسری روایت یوں ہے کہ میں نے اس سورت کے بارے میں حضرت ابن عباس سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا "سورۃ بنی نضیر" یعنی اس سورت کا نام ہی بنی نضیر ہے۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ اس سورت کا نزول اور غزوہ بنی نضیر کس سال میں ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ جنگ بدر کے چھ ماہ بعد غزوہ بنی نضیر وقوع پذیر ہوا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ غزوہ ماہ ربیع الاول سنہ ۴ ہجری میں پیش آیا۔ اس سے پہلے بئر معونہ کا المناک حادثہ رونما ہو چکا تھا۔ بلاذری، ابن ہشام اور ابن سعد نے اسی قول کی تصدیق کی ہے۔

یہود یثرب میں

اس غزوہ کے پس منظر کو سمجھنے کے لیے ہمیں دیکھنا ہے کہ یہود جن کا اصلی وطن فلسطین تھا وہ حجاز کے اس دور افتادہ علاقہ میں کب اور کن حالات میں پہنچے۔ کتب تاریخ کے مطالعہ سے تین چیزیں سامنے آتی ہیں جن کی روشنی میں یثرب میں یہود کی آمد کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔

(۱) علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے اور دیگر عربی مراجع سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یثرب شہر کو آباد کرنے والے عمالقہ تھے جس شخص نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اس کا نام یثرب بن مہلائیل بن عوص بن عملیق تھا۔ گویا یہ شہر اپنے بسانے والے کے نام سے ہی مشہور ہو گیا۔ عمالقہ کا کام فتنہ و فساد برپا کرنا، راہزنی، قزاقی اور بدمعاشی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت یوشع کی قیادت میں بنی اسرائیل کا ایک لشکر عمالقہ کی بیخ کنی کے لیے یثرب روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں۔ یوشع نے اپنی اسرائیلی فوج کے ساتھ یثرب پر حملہ کیا ان کو شکست فاش دی اور اس نسل کے جتنے آدمی تھے سب کو تہ تیغ کر دیا۔ صرف ان کے بادشاہ شمیذع بن ہوبر کا ایک نوجوان لڑکا جو بے حد خوبصورت تھا اسے انہوں نے زندہ چھوڑ دیا تاکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اس کے بارے میں فیصلہ کریں۔ جب یہ فاتح لشکر اپنے وطن کی طرف لوٹا تو اس کے پہنچنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما گئے۔ وہاں کے یہودیوں کو جب پتہ چلا کہ یوشع نے عمالقہ کے بادشاہ کے لڑکے کو قتل نہیں کیا

تو وہ بخت نصر پر برہم ہو گئے اور ان پر موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی کا الزام لگایا اور انہیں اپنے علاقہ میں سکونت کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں نے یہ سوچا کہ بجائے اس کے کہ ہم ادھر اُدھر مارے مارے پھریں کیوں نہ اس شہر میں جا کر آباد ہو جائیں جس کو انہوں نے ابھی ابھی فتح کیا ہے۔ چنانچہ وہ یثرب واپس آ گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ یہ پہلا یہودی گروہ ہے جو یہاں آ کر آباد ہوا۔

۲۔ بخت نصر نے جب یروشلم پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہیکل سلیمانی کو گرا کر پیوند زمین کر دیا۔ بہت سے یہودیوں کو بے دریغ قتل کر دیا اور بے شمار لوگوں کو جنگی قیدی بنا کر اپنے ہمراہ لے گیا اس وقت یہودیوں کے چند قبائل یثرب میں آ کر آباد ہو گئے۔ یاد رہے کہ بخت نصر نے ۵۸۶ قبل مسیح کو یروشلم پر حملہ کیا تھا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: "ومن ذلك الزمان (زمان بخت نصر) تفرقت بنو اسرائيل في البلاد فنزلت طائفة منهم الحجاز وطائفة يثرب وطائفة وادي القرىٰ وذهبت شرذمة منهم الى مصر۔ (البدایہ والنہایہ ص ۳۱ ج ۲)

ترجمہ: یعنی بخت نصر کے حملے کے زمانہ میں بنو اسرائیل مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ ان میں سے ایک طائفہ حجاز میں، ایک یثرب میں، ایک وادی القریٰ میں جا کر اقامت گزیں ہو گیا اور ایک چھوٹا سا گروہ مصر چلا گیا۔

۳۔ جب رومیوں نے شام، فلسطین اور دیگر علاقوں پر قبضہ کیا اور یہودی آبادیوں کو ویرانوں میں بدل دیا، ان کے مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کر لیا اس ہنگامہ میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل وہاں سے جان بچا کر بھاگ آئے اور یثرب میں اقامت اختیار کر لی۔ ابن خلدون لکھتے ہیں: "وظهر الروم على بني اسرائيل بالشام فقتلوهم وسبوا وخرج بنو نضير وبنو قريظة وبنو بهدل هاربين الى الحجاز وتبعهم الروم فهلكوا عطشا۔" جلد دوم ص ۲۸۶

ترجمہ: "جب رومی بنی اسرائیل پر ملک شام میں غالب آ گئے تو انہوں نے انہیں قتل کیا۔ انہیں گرفتار کیا۔ ان حالات میں بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنی بہدل حجاز کی طرف بھاگ آئے۔ رومیوں نے ان کا تعاقب کیا لیکن عرب کی صحرا کی دھوپ برداشت نہ کر سکے اور پیاس کی شدت سے ہلاک ہو گئے۔"

ڈاکٹر احمد امین نے فجر الاسلام میں اسی قول کی تائید کی ہے۔ (ص ۲۳، ۲۴)

یہ تین اقوال کتب تاریخ میں پائے جاتے ہیں، ان میں سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط کہنا بلاوجہ تکلف ہے کیونکہ ان تینوں اقوال میں کوئی تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے یوشع اور ان کے ساتھی یثرب میں آ کر آباد ہوئے ہوں۔ پھر جب ۵۸۶ ق م میں بخت نصر نے یروشلم کو آ کر تباہ و برباد کر دیا تو اس وقت یہودیوں کے چند قبائل بھاگ نکلے اور حجاز کے مختلف علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے ہوں۔ تیماء، فدک، خیبر، وادی القریٰ کے سرسبز علاقے انہوں نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کر لیے ہوں، پھر جب رومیوں نے آ کر شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا اور یہودیوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہوں تو اس وقت یہ تین قبیلے کسی طرح جان بچا کر حجاز کی طرف بھاگ آئے ہوں اور یثرب میں جہاں پہلے سے ان کے دینی بھائی رہائش پذیر تھے وہاں بس گئے ہوں۔ جب قومیں ہجرت کرتی ہیں تو اس کے تمام افراد یکبارگی نقل مکانی نہیں کیا کرتے کسی حادثہ کے وقت ان میں سے

بعض ترک وطن میں پیش قدمی کرتے ہیں۔ جب کوئی اور اُفتاد پڑتی ہے تو بعض دوسرے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں اپنے وطن کو خیر باد کہتے ہیں۔ پھر کسی نئی قیامت کے برپا ہونے پر باقیماندہ لوگ بھی کوچ کر جاتے ہیں۔ یہی حال یہودیوں کی ہجرت کا ہے جو مختلف مقامات اور مختلف حالات میں وقوع پذیر ہوئی۔

اوس اور خزرج جن کو بعد میں انصار اسلام بننے کا شرف حاصل ہوا اور اسی لقب سے مشہور عالم ہوئے۔ ان کا اصل وطن یمن تھا اور ان کا تعلق یمن کے ایک مشہور قبیلہ بنی ازد سے تھا یمن کے خوشحال ملک میں عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے انعامات کی ناشکری کی پاداش میں وہ تباہ کن سیلاب آیا جس نے سدِ مآرب کے پرخچے اڑا دیے تو سارا یمن تباہ و برباد ہو گیا جس کا تفصیلی تذکرہ آپ سورۂ سبا کے حواشی میں ضیاء القرآن جلد چہارم میں پڑھ آئے ہوں گے۔ جو لوگ اس طوفان کی زد میں آگئے وہ تو لقمۂ اجل بن گئے لیکن جو لوگ بچ گئے ان کے باغات، ان کی زرعی زمینیں، ان کے قصور و محلات سب تباہ و برباد ہو گئے انہوں نے بھی اسی میں سلامتی سمجھی کہ یہاں سے نقل مکانی کر کے کسی ایسے گوشہ میں رہائش اختیار کریں جہاں وہ امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ انہی میں سے ازد کا قبیلہ بھی تھا۔ ابن خلدون لکھتے ہیں:

نزلت ازد شنوءۃ الشام بالسراۃ خزاعۃ ببطن مر ونزلت غسان بصری وارض الشام

ونزلت ازد عمان الطائف ونزلت الاوس والخزرج بیثرب (ص ۵۹۶ - ج ۲)

ترجمہ: یعنی سیل العرم کے بعد ازد یمن سے نکلے ان کا ایک حصہ ازد شنوءہ شام سراۃ میں جا کر آباد ہوا۔ خزاعہ بطن مر میں غسان بصریٰ میں اور سرزمین شام میں اور ازد عمان، طائف میں، اوس اور خزرج یثرب میں جا کر اقامت گزیں ہوئے۔

اوس و خزرج نے یثرب کی نواحی آبادیوں اور اردگرد کے گاؤں میں سکونت اختیار کی لیکن ازد نے کب ہجرت کی اور وہ تباہ کن سیلاب کب آیا۔ جس نے اس سنگین چٹانوں سے بنے ہوئے بند کو درہم برہم کر دیا اس کے بارے میں کتب تاریخ میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ سد مآرب میں پہلا زبردست شگاف ولادت مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا۔ اگرچہ سارا ڈیم برباد نہیں ہوا تھا لیکن یہ شگاف اتنا ہولناک تھا کہ اب اس بند کی پختگی پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس لیے لوگوں نے وہاں سے ترک وطن کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جرجی زیدان العرب قبل الاسلام میں لکھتے ہیں:

وتفرقت قبائل الازد وغیرھا فی جزیرۃ العرب بسبب ذلک بان ذلک وقع حوالی تاریخ المیلاد۔

یعنی سب سے پہلے شگاف مسیح علیہ السلام کے قریبی زمانہ میں ہوا جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور انہوں نے نقل مکانی کر کے محفوظ مقامات پر آباد ہونا شروع کر دیا۔

اس قول کے مطابق اوس و خزرج پہلی صدی عیسوی میں یثرب میں جا کر آباد ہوئے۔

(۲) ڈاکٹر احمد امین فجر الاسلام میں سنہ ۳۰۰ء میں اوس و خزرج کی آمد یثرب میں ثابت کرتے ہیں۔

(۳) بعض کا خیال ہے کہ سیلاب عظیم جس نے بند کو ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیا وہ ۴۴۷ء عیسوی یا ۴۵۰ء عیسوی میں آیا۔ اس تیسرے قول کے مطابق یثرب میں اوس و خزرج کی آمد پانچویں صدی کے نصف آخر میں ہو گی۔

یہ تو ممکن ہے کہ سیلاب عظیم سنہ [illegible]ء میں آیا ہو لیکن اس سے پہلے قرنوں کی تردید نہیں ہو سکتی۔ ممکن ہے کہ ابتدا میں کوئی شگاف پڑے ہوں اور اس ڈیم میں ذخیرہ شدہ پانی بہہ گیا ہو۔ لیکن اس سے ڈیم کلیتاً تباہ نہ ہوا اور سیلاب کے اختتام پر حکومت وقت نے اس کی مرمت کروا دی ہو اور اس طرح ڈیم کسی نہ کسی طرح باقی رہا ہو۔

اوس و خزرج اپنے اہل و عیال کے ساتھ جب یثرب پہنچے تو وہاں یہودی صدیوں سے آباد تھے۔ بازار اور منڈیاں ان کے قبضہ میں تھیں۔ زرعی زمینوں اور باغات کے وہ مالک تھے۔ سیاسی لحاظ سے بھی ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ جو عرب قبائل وہاں آباد تھے ان کی کوئی سیاسی حیثیت نہ تھی، وہ یہودیوں کے زیر فرمان اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اوس و خزرج یثرب کی نواحی بستیوں یا اردگرد کے گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ابتدا میں انہوں نے یہود کی پناہ لی اور ان کی بالادستی کو تسلیم کیا کچھ عرصہ تک حالات ایسے ہی رہے۔ اس اثنا میں اوس و خزرج کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ ان کی جمعیت میں کافی اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان میں ایک مرد میدان مالک بن عجلان پیدا ہوا۔ جب اس نے اپنے قبیلے کی قیادت سنبھالی تو اس نے یہود کے تسلط سے اپنے قبیلہ کو رہائی دلانے کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔ اس وقت ان کا ایک بھائی بند ابوجبیلہ شام میں غسان کے علاقہ کا فرمانروا تھا۔ اس کا قبیلہ بھی سیل عرم کے باعث یمن سے ترک سکونت کر کے شام میں جا کر آباد ہو گیا تھا۔ مالک اس کی خدمت میں پہنچا، اپنی اور اپنی قوم کی خستہ حالی اور غربت و افلاس کا شکوہ کیا نیز یہودیوں کی بالادستی سے بھی اسے مطلع کیا۔ ابوجبیلہ نے کہا کہ جس طرح ہم نے اہل غسان پر غلبہ حاصل کر لیا ہے تم نے یثرب کے یہودیوں کو اپنا زیرنگین کیوں نہیں بنایا۔ اس نے مالک سے وعدہ کیا کہ عنقریب وہ تمہاری امداد کے لیے آئے گا تم تیار رہنا۔ مالک ابوجبیلہ سے پختہ وعدہ لینے کے بعد واپس یثرب آیا اور اپنی قوم کو حقیقت حال سے خبردار کیا۔ انہیں کہا کہ وہ ہر وقت چوکس رہیں۔ کچھ عرصہ بعد ابوجبیلہ ایک لشکر جرار لے کر اپنے بھائیوں کی امداد کے لیے یثرب کی طرف روانہ ہوا۔ ذی حرض کے مقام پر پہنچ کر اس نے قیام کیا اور اوس و خزرج کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے قاصد روانہ کیا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ یہودی اس کی آمد کے بارے میں سن کر اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند نہ ہو جائیں۔ اس نے یہودیوں کو خصوصی دعوت بھیجی کہ وہ آ کر اس سے شرف ملاقات حاصل کریں۔ چنانچہ یہودی اپنے نوکروں چاکروں سمیت وہاں پہنچے۔ جب وہ اس کی حویلی میں داخل ہو گئے تو اس نے اپنے لشکریوں کو کہا کہ ان سب کو تہ تیغ کر دو، کوئی بھی بچنے نہ پائے۔ پھر اس نے اوس و خزرج کے نوجوانوں کو کہا اگر اب بھی تم نے اس علاقہ پر قبضہ نہ کیا تو میں تم تمام کو نذر آتش کر دوں گا۔ یہ کہہ کر خود شام کی طرف لوٹ آیا۔ اس طرح یہودیوں کا غلبہ ختم ہوا اور اوس و خزرج کو سیاسی برتری حاصل ہو گئی اور ان کی قوت و شوکت کے سامنے یہود کو سر جھکانا پڑا۔ (ابن خلدون ص ۵۹۱، ج ۲)

اس وقت یہودیوں کے تین مشہور قبیلے وہاں آباد تھے۔ بنو قینقاع، بنی نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع، زرگری، آہنگری اور برتن سازی کا کام کیا کرتے تھے۔ انہیں بنی خزرج کی پناہ حاصل تھی نیز ان کی دوسرے یہودی قبیلوں بنی نضیر اور بنو قریظہ سے سخت ان بن تھی۔ اس لیے وہ یثرب کے شہر میں رہتے تھے اور کوئی ان سے مزاحمت نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس قتل عام کے بعد بنی نضیر اور بنی قریظہ نے سلامتی اسی میں سمجھی کہ وہ یثرب شہر کے اندر رہنے کے بجائے باہر اپنی بستیاں قائم کریں تاکہ وہ آزادی

کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں۔ بے شک اب اقتدار اور سیاسی قوت کے مالک اوس و خزرج تھے لیکن یہود کا اثر و نفوذ بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ سودی کاروبار میں بڑے چست و چالاک تھے۔ لوگوں کو قرض دیتے اور بھاری شرح پر سود وصول کرتے اور سود در سود کا چکر تو ایسا تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ اس چکر میں پھنس جاتا عمر بھر نکلنے کی صورت پیدا نہ ہوتی۔ کاروبار، منڈیاں اور بازار سب یہودیوں کے تصرف میں تھے اس لیے مالی لحاظ سے ان کا گہرا اثر تھا۔

کچھ عرصہ تک اوس اور خزرج کے قبائل میں اتحاد و اتفاق رہا۔ اس کی برکت سے وہ خوشحال کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن آخر کار اُن میں باہمی رنجشیں اور منافرت کے آثار رونما ہونے لگے۔ یہودی تو ان لمحات کے لیے ترس رہے تھے۔ فوراً انہوں نے دو برادر قبائل کے درمیان افتراق و انتشار کی خلیج کو وسیع تر کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ ان کے مالی مفادات کا تقاضا تو یہی تھا کہ وہ بجائے امن زندگی بسر کریں کبھی دولت اور فساد میں حصہ نہ لیں لیکن ان دو قبیلوں کے اختلاف میں انہیں اپنی موت نظر آتی تھی۔ وہ ان کو آپس میں لڑانا بے حد ضروری سمجھتے تھے اور اس کے لیے وہ مالی بحران کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنے کے لیے تیار تھے۔ چنانچہ جب اوس و خزرج میں جنگ ہوتی تو ہر یہودی قبیلہ اپنے حلیف کے ساتھ مل کر اپنے بھائیوں کے ساتھ لڑنے سے باز نہ آتا۔ یہ حالات تھے جب اسلام کی کرنیں آہستہ آہستہ یثرب کی تاریک فضا کو منور کرنے لگیں۔ کچھ عرصہ بعد حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے یثرب میں تشریف لے آئے۔ یہودی اپنی مذہبی کتابوں کے مطالعہ کے باعث اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک نبی آخر الزمان تشریف لانے والا ہے۔ اس کی آمد سے ان کے مصائب کی شب تار بھی صبح آشنا ہو گی۔ جب تبع نے یثرب کی بستی کو برباد کرنے کا عزم کیا تو وہ یہودی علما ہی تھے جنہوں نے اسے یہ کہہ کر اس اقدام سے روکا کہ تم اس بستی پر کبھی غلبہ نہیں پا سکتے۔ اس نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ یہ نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے اس پر کوئی جابر غالب نہیں آ سکتا۔ انہیں کے بتانے پر تبع نے اسلام قبول کیا تھا جس کی تفصیل آپ ضیاء القرآن جلد چہارم ص ۴۴۰۔۴۴۴ سورہ دخان آیت ۳۷ کے حواشی میں ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔

نیز جس وقت انہیں کسی کا فر حملہ آور سے نبرد آزما ہونا پڑتا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں حضور نبی کریم کے وسیلہ سے فتح کی دعا مانگا کرتے۔ (بقرہ ص ۸۹، جلد اول ضیاء القرآن)

اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضور کے استقبال کرنے والوں میں یہ بھی پیش پیش تھے۔ رحمت عالم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر وہاں امن و امان کی فضا برقرار رکھنے کے لیے معاہدات کا سلسلہ شروع کیا۔ سب سے پہلے انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تاکہ پرائے نام قسم کی اجنبیت کا احساس بھی باقی نہ رہے تمام مسلمان محبت و الفت کے رنگ میں رنگے جائیں۔ مدینہ طیبہ میں دوسری جمعیت یہود کی تھی، اگرچہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود حضور نے ان کے ساتھ دوستی کا معاہدہ مساوی بنیادوں پر کیا۔ معاہدہ کی دفعات کا مطالعہ کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ان کو مذہبی آزادی، معاشرتی اور معاشی مساوی حیثیت بھروا فر دیا تھا۔ اس معاہدہ کی چند دفعات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"وان الیہود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین۔ وان یہود بنی عوف امۃ مع المؤمنین للیہود دینہم وللمسلمین دینہم موالیہم وانفسہم الا من ظلم واثم فانہ لا یوتغ الا نفسہ واہل بیتہ ...... وان علی الیہود نفقتہم وعلی المسلمین نفقتہم وان بینہم النصر علی من حارب اہل ہذہ الصحیفۃ وان یثرب حرام جوفہا لاہل ہذہ الصحیفۃ (ابن ہشام ص ۱۲۲ ج ۲)

ترجمہ: یہودی اور مسلمان اپنے اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے جب تک وہ مل کر جنگ کریں گے اور بنی عوف کے یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک گروہ ہیں۔ یہودیوں کے لیے ان کا دین، مسلمانوں کے لیے ان کا دین، سوائے اس شخص کے جو ظلم کرتا ہے اور گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پس وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو برباد کرتا ہے یہود پر اپنے مصارف کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں پر اپنے مصارف کی۔ اس معاہدہ میں شریک ہونے والے لوگوں کے ساتھ جو شخص جنگ کرے گا یہ ایک دوسرے کی اس کے مقابلہ میں امداد کریں گے اور ان کے درمیان ایک دوسرے کے لیے خلوص و خیر خواہی لازمی ہے۔ گناہ سے اجتناب ضروری ہے اور یثرب کے اندر کسی قسم کا فتنہ و فساد کرنا شرکائے معاہدہ کے لیے حرام ہے۔"

جن منصفانہ بلکہ فیاضانہ شرائط پر یہ معاہدہ طے ہوا تھا توقع تو یہی تھی کہ اس معاہدہ کے جملہ شرکا صدق دل سے اس کی پابندی کریں گے۔ مہاجر و انصار ہر وقت اس معاہدہ کی شرائط کو پیش نظر رکھتے لیکن یہودیوں نے کچھ عرصہ بعد اس معاہدہ کی اہمیت کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا جس کی متعدد وجوہات تھیں۔

۱۔ انہوں نے مسلمانوں کے استقبال میں گرمجوشی سے اس لیے حصہ لیا تھا کہ ان کا گمان تھا کہ یہ لٹے پٹے مہاجرین کی مالی حالت ازحد خستہ ہے۔ ان کے ممنون احسان ہو کر رہیں گے اور یہ ان نوارد مسلمانوں کی طرح طرح کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے انہیں آلہ کار بنائیں گے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں میں جو ذہنی انقلاب برپا کیا ہے اس نے ان کو بالکل ایک نئے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ان کا سر اطاعت صرف اپنے رب اپنے ہادی و مرشد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں جھک سکتا ہے کسی اور قوت کے سامنے ان کی گردن خم نہیں ہو سکتی۔ ان کا ایک اپنا تشخص ہے جو انہیں ازحد عزیز ہے۔ وہ کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔ اس چیز نے یہودیوں کو مسلمانوں سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ اوس و خزرج جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے نبی رحمت کے طفیل آپس میں بھائی بھائی بنتے جا رہے ہیں۔ انہیں اس اتحاد میں اپنے منصوبوں کی ناکامی کا خدشہ نظر آنے لگا نیز شریعت اسلامیہ کے وہ احکام جن کا تعلق معاشی، اخلاقی زندگی سے تھا وہ سراسر ان کے مفادات سے ٹکراتے تھے۔

اسلام سود سے بڑی سختی سے منع کرتا ہے بلکہ سود خوروں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کی دھمکی دیتا ہے اور یہودیوں کی ساری خوشحالی کا دارومدار سود خوری پر تھا وہ کب یہ گوارا کر سکتے تھے کہ ایک ایسی منظم جماعت وجود میں

آجائے جو طاقت میں آنے کے بعد زور یا زر سُودی کاروبار کی بیخ کنی کیلئے ختم کر دیے۔ کم تولنا، کم ناپنا، خریدار کی سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھانا اسلام نے قطعاً حرام قرار دیا تھا لیکن ان کی تجارت کا فروغ نفع اندوزی کے ان ناجائز ذرائع پر تھا چنانچہ مسلمانوں سے جن توقعات اُنہوں نے وابستہ کر رکھی تھیں ان کے پُورے ہونے کی اُمید نہ رہی۔ نیز اِن کا وجود ان کی معاشی خوشحالی اور اخلاقی آوارگی کے لیے پیام مرگ تھا۔ اس لیے وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے جب وہ اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہوں۔

بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اہل مکہ کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے شعلے تیزی سے بھڑکنے لگے۔ کعب بن اشرف جو بنی نضیر کا سردار تھا وہ چپکے سے مکہ آیا اور میدان بدر میں ان کے مقتولوں کی تعزیت کے بعد ان کے پسماندگان کو مسلمانوں سے انتقام لینے پر بھڑکایا اور بڑے پُرجوش قصیدے کہے جن میں مرنے والوں کا مرثیہ بھی تھا اور مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کی ترغیب بھی تھی۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد ہوا جس میں مسلمانوں کا کافی جانی نقصان ہوا۔ اس کے معاً بعد بئر معونہ کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ ان چیزوں نے یہودیوں کے حوصلوں کو تقویت دی اور وہ معاہدہ کی شرائط کو پورا کرنے میں پہلے سے بے پرواہی کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان کے شعراء مسلم خواتین کا نام لے کر عشقیہ غزلیں لکھا کرتے۔ اگر کوئی مسلمان خاتون ان کے محلے میں جا نکلتی تو اس کی توہین کرنے سے بھی باز نہ آتے۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو مقتولوں کی دیت ادا کرنے کے بارے میں بنی نضیر کے پاس گئے۔ اُنہوں نے آپ کو دیوار کے قریب بٹھایا اور در پردہ یہ سازش کی کہ ان میں سے ایک آدمی اُوپر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر لڑھکا دے۔ اس قسم کے نازیبا واقعات تھے جو یکے بعد دیگرے پیش آرہے تھے۔ چنانچہ بنی نضیر کی بیخ کنی کے لیے فیصلہ کن اقدام ناگزیر ہو گیا ورنہ یہ مار آستین کسی وقت بھی کوئی نقصان عظیم پہنچا سکتے تھے۔ اس سورۂ مبارکہ میں اسی غزوہ کا ذکر ہے۔ اس کی تفصیلات آپ آیات کی تفسیر کے ضمن میں ملاحظہ کریں گے۔

مضامین: اس سورت میں جو اہم مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ اب اختصار کے ساتھ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

سورت کا آغاز اس حقیقت کے بیان سے ہو رہا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہی ہے اور اس کی پاکی بیان کر رہی ہے کیونکہ وہی بڑی عزت والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دانائی اور حکمت کو ثابت کرنے کے لیے بنی نضیر کے انجام کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ دیکھو ان کے قلعے کتنے مستحکم تھے، ان کی گڑھیاں کتنی مضبوط تھیں۔ ان کے پاس جنگ کے کتنے ذخائر تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں مرعوب کر دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے شاندار گھروں کو برباد کرنے لگے اور بغیر جنگ کیے ہوئے اپنے صدہا سال کے وطن عزیز کو چھوڑنے پر رضامند ہو گئے۔ یہ بھی بتایا کہ انہیں یہ سزا اس لیے دی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے تھے اور جو بھی یہ وتیرہ اختیار کرے گا اس کو اسی قسم کے انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔ (۲) اس کے بعد بتایا کہ دشمن کو شکست دینے کے لیے جنگی تدابیر ناگزیر ہیں اور جنگی ضرورتوں کے لیے دشمن کے پھل دار درختوں کو کاٹنا مباح ہے۔

(۳) مال فئے کی تقسیم کا حکم بتایا نیز آیت ۷ میں اسلامی نظام معاشیات کے اہم ستون کا ذکر کر دیا کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً

بین الاغنیاء منکم"۔

اس کے بعد اپنے محبوب کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا۔ پھر مہاجرین وانصار کی تعریف کرکے انکی عزت افزائی فرمائی۔

دوسرے رکوع میں منافقین کی رذیل حرکات پر انہیں سرزنش کی کہ بظاہر تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہا کرتے ہیں لیکن درحقیقت وہ کفر کے دلدادہ ہیں اور اسلام کے دشمن۔ جب حضور نے بنی نضیر کو الٹی میٹم دیا کہ اتنے روز میں مدینے سے نکل جاؤ تو عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے ان کو کہلا بھیجا کہ ہمت نہ ہارنا ہم دو ہزار کا لشکر لے کر تمہاری مدد کے لیے آجاویں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ یہ منافقین جھوٹ بولتے ہیں۔ اگر جنگ چھڑ گئی تو یہ یہود کا کبھی ساتھ نہیں دیں گے۔

آخری رکوع میں دوسرے مضامین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کا ذکر فرمایا جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں اتنے اسماء حسنیٰ اور کہیں یکجا نہیں۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ الحشر مدنی ہے اور اس میں ۲۴ آیتیں اور ۳ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب دانا ہے [۱]

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ

وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے

دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

گھروں سے پہلی بار جلاوطن کرنے کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ

مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ

انہیں ان کے قلعے بچا لیں گے اللہ (کے قہر) سے [۲] پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں

[۱] اس سورت میں مدینہ کی نوخیز اسلامی ریاست کو ایک عظیم قوت سے نجات ملنے کا ذکر ہو رہا ہے اور نجات بھی ان حالات میں جبکہ بظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا اور نجات اس طرح کہ مسلمانوں کو کوئی جانی نقصان نہ ہوا اور اس کا قبیلہ جو بڑا مستحکم تھا مسلمانوں کو دشمن جانتا تھا وہ خود جلاوطنی کے لیے تیار ہو گیا۔ مسلمان ان کے مکانات ان کے سرسبز و شاداب باغات اور زرخیز زمینوں کے مالک بن گئے جس سے ان کی مالی حالت بہت حد تک سدھر گئی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا ورنہ مسلمان کسی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ اپنے زور بازو سے ان کو یہاں سے باہر نکال دیں۔ اس لیے اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ذکر سے کی گئی ہے تاکہ قیامت تک آنے والے مسلمان اس کو محض اپنے رب کا فضل و احسان یقین کریں اور اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔

[۲] اس آیت میں جن کفار اہل کتاب کا ذکر ہے ان سے مراد یہود کا قبیلہ بنی نضیر ہے۔ مدینہ طیبہ کے مضافات میں ان کی الگ بستی تھی انہوں نے اپنے گھروں کو قلعہ نما بنایا ہوا تھا۔ کئی گڑھیاں تعمیر کر رکھی تھیں اور سامان جنگ کے ذخیرے اکٹھے کر رکھے تھے تاکہ کسی حملہ کی صورت

يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُم

خیال بھی نہ کیا تھا اور (اللہ نے) ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب ۳؎ چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو

بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ ﴿٢﴾

اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے ۴؎ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو! ۵؎

اپنا دفاع کر سکیں۔ بنی نضیر کو بھی انہیں پر ناز تھا۔ انہوں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ مٹھی بھر مسلمان ان پر غالب آسکتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ اس معاہدہ کا بہت کم احترام کیا کرتے جو اُن کے درمیان اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان طے پا چکا تھا۔ جب بھی انہیں موقع ملتا معاہدہ کی خلاف ورزی سے باز نہ آتے۔

ایک روز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک جھگڑے کا تصفیہ کرانے کے لیے ان کے محلہ میں تشریف لے گئے انہوں نے دیوار کے قریب حضور کی نشست گاہ بنائی۔ جب حضور تشریف فرما ہوئے اور گفتگو میں مصروف ہو گئے تو انہوں نے طے شدہ منصوبہ کے مطابق ایک نابکار کو بھیجا کہ اوپر سے بھاری پتھر حضور پر لڑھکا دے۔ اس طرح وہ اس شمع نور کو گل کرنا چاہتے تھے جس کو ابد تک فروزاں رکھنے کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اٹھایا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کے ناپاک ارادہ سے آگاہ فرما دیا۔ حضور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اس طرح ان کی یہ غداری اور سازش ناکام ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں معاہدہ کی مسلسل خلاف ورزی اور غداری کی پاداش میں دس دن کے اندر مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ عبد اللہ بن ابی منافق نے انہیں کہلا بھیجا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں مت گھبراؤ اور اس الٹی میٹم کو مسترد کر دو۔ انہیں اپنے مضبوط قلعوں، اپنی جنگی مہارت اور شجاعت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ عبد اللہ کے پیغام نے انہیں مزید تقویت پہنچائی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ایسا خوف و ہراس پیدا کر دیا اور انہیں ایسا مرعوب کر دیا کہ ابھی الٹی میٹم کی مدت ختم ہونے میں چار دن باقی تھے کہ انہوں نے ہتھیار ڈال دیے اور مدینہ سے جلاوطنی قبول کر لی۔ اپنے آراستہ و پیراستہ مکانات اور شاداب باغوں اور زرخیز زمینوں کو چھوڑ کر چلے جانا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ وہ یہاں صدیوں سے آباد تھے۔ منڈیوں اور بازاروں پر ان کا قبضہ تھا۔ ان کے پاس مضبوط قلعے بھی تھے۔ مال کی بہتات تھی۔ منقولہ وغیر منقولہ جائیداد سے دستبردار ہو جانا ان کی مرعوبیت کی انتہا تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو معجزات عطا فرمائے تھے ان میں ایک معجزہ رعب تھا۔

۳؎ اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کا خیال تو یہ تھا کہ جنگ ہوگی اور وہ مسلمانوں کو مار بھگائیں گے۔ یہ تو انہوں نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ لڑے بغیر سب کچھ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔

۴؎ انہوں نے عرض کیا کہ اسلحہ کے بغیر جتنا سامان وہ اونٹوں پر لے جا سکتے ہیں ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے۔ حضور کریم النفس نے ان کی یہ درخواست قبول فرما لی۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں کا سارا سامان اٹھا کر لے گئے بلکہ ان کے مکانوں میں جو قیمتی لکڑی لگی ہوئی تھی اس کو لے جانے کے لیے انہوں نے مکانوں کی چھتیں ادھیڑ دیں۔ کواڑ، کھڑکیاں، الماریاں غرضیکہ جو چیز وہ اکھیڑ کر لے جا سکتے تھے

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ؕ

اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلا وطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں [۳]

وہ بھول گئے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے شیش محلوں کو برباد کر دیا۔ جب وہ اپنے آراستہ و پیراستہ شبستانوں کو خود کھنڈر بنا بیٹھے ہوں گے تو ان کے دلوں پر کیا بیت رہی ہوگی اور ان کے چلے جانے کے بعد جب مسلمان وہاں پہنچے تو باقی ماندہ کھنڈرات کو انہوں نے منہدم کر دیا ہوگا تاکہ رہنے بسنے کے لیے نئے مکانات تعمیر کر سکیں۔

آیت زیر تفسیر میں لِاَوَّلِ الْحَشْرِ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ حشر کا معنی ہے متفرق چیزوں کو جمع کرنا، منتشر افراد کو اکٹھا کرنا۔ قیامت کو حشر کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت تمام انسان جو دور دراز ملکوں میں بکھرے ہوئے تھے ان کو یکجا کر دیا جائے گا۔ آیت میں حشر سے مراد کیا ہے، علماء کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ اس سے مراد بنی نضیر کی مدینہ طیبہ سے جلاوطنی ہے کیونکہ مرد و زن، خورد و کلاں شیخ و شاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا پھر مدینہ طیبہ سے انہیں نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ ابن قتیبہ نے غریب القرآن میں اس کا یہی مفہوم لکھا ہے۔ وهو الجلاء۔ یہاں اوّل کی قید سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ان کی پہلی جلا وطنی ہے۔ دوسری جلا وطنی بھی ہوگی اور یہ عہد فاروقی میں ہوئی جب انہیں خیبر سے شام کی طرف جلا وطن کیا گیا۔ ان کا آخری حشر قیامت کے دن ہوگا۔ وہاں سے وہ سیدھے جہنم رسید ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حشر سے مراد اسلامی فوج کا ان کے محاصرہ کے لیے جمع ہونا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جب مسلمانوں نے یہود کے خلاف پہلی مرتبہ لشکر کشی کی تو یہ بزدل جنگ کیے بغیر اپنا صدیوں کا وطن چھوڑ کر چلے گئے۔ (روح المعانی)

[۳] حکم ہے کہ اس سارے واقعہ کا دقت نظر سے مطالعہ کرو، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جب کوئی فرد، کوئی قبیلہ، کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کے رسول کرم کے مقابلے پر ڈٹ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بزدلی پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے پاس اسلحہ کے انبار کیوں نہ ہوں، ان کے مورچے کتنے ہی مستحکم کیوں نہ ہوں، کوئی چیز بھی انہیں شکست سے نہیں بچا سکتی۔

[۳] یہ تو اچھا ہوا کہ وہ جلا وطنی پر آمادہ ہو گئے۔ اگر وہ جنگ کرتے تو انجام بڑا ہولناک ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے شیروں کی تلواریں جب بے نیام ہوتیں تو ان امراؤں میں سے کوئی بھی جان بچا کر نہ جا سکتا۔ سب تہ تیغ کر دیے جاتے۔ ان کا ساز و سامان اور زیورات و جواہرات سب ان سے چھین لیے جاتے۔ انہوں نے جلا وطنی قبول کر کے اپنے آپ کو بچا لیا۔ لیکن آخرت میں جہنم کا ایندھن تو انہیں بننا ہی پڑے گا۔ وطن سے نکال دینے کے لیے دو لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ اخراج اور جلاء۔ لیکن ان میں دو طرح کا فرق ہے۔ اگر کسی کو بال بچے سمیت ملک بدر کر دیا جائے تو اس کو جلاء کہتے ہیں۔ اخراج کا لفظ اس وقت بھی استعمال ہوتا ہے جب کسی کو تنہا ملک بدر کیا جائے نیز جلا کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جبکہ ایک جتھا اور جماعت کو ملک سے نکالا جائے لیکن اخراج کا لفظ جماعت اور فرد واحد کے ملک بدر کرنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝٣ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ

اور ان کے لیے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لیے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ

وَرَسُولَهُ ۖ وَمَن يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝٤

اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ ؎

مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا

جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر ؎

فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝٥ وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ

تو یہ دونوں باتیں اللہ کے اذن سے تھیں تاکہ وہ رسوا کرے نافرمانوں کو ؎ اور جو مال پلٹا دیے اللہ نے اپنے رسول کی طرف

؎ یعنی جو افتاد ان پر پڑی اور بستے بستے گھروں سے انہیں کان پکڑ کر باہر نکال دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے اور نافرمانی کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ جو بھی اس جرم کا ارتکاب کرے گا اس کا انجام ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی شدید سزا دیتا ہے کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہتا۔

؎ مسلمانوں نے جب ان کی آبادی کا محاصرہ کر لیا تو اس کے ارد گرد کا علاقہ کھجور کے باغات سے پٹا پڑا تھا۔ ان کے قلعوں کے نزدیک ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں مسلمان صفیں آراستہ کر کے ان پر حملہ کر سکیں۔ اس لیے بعض مقامات پر کھجور کے درخت کاٹ دیے گئے اور جو درخت لڑائی میں حارج نہ تھے ان کو باقی رہنے دیا گیا۔ منافقین اور یہودیوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا کہ دیکھو لوگوں کو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے ہیں اور خود یہ بے چینی پھلدار درختوں کو اس بے دردی سے کاٹ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو بھی تشویش ہوئی کہ کہیں ان کا یہ فعل فساد فی الارض میں تو داخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن درختوں کو تم نے کاٹا ہے اور جن کو باقی رہنے دیا ہے تم پر کوئی گرفت نہیں۔ تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

اس آیت سے فقہاء نے یہ مسئلے اخذ کیے ہیں: مسلمانوں کا لشکر اگر کفار کے علاقہ میں داخل ہو اور انہیں اپنی جنگی ضروریات کے لیے درختوں کو کاٹنا پڑے یا کوئی مکان گرانا پڑے یا کوئی پل توڑنا پڑے یا کسی نہر کو کاٹنا پڑے تو انہیں شرعاً اس کی اجازت ہے۔ لیکن بلاضرورت توڑ پھوڑ کی اجازت نہیں۔ ایسا کرنا فساد فی الارض میں داخل ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے جب اسلامی لشکر کو غزوہ موتہ کی طرف روانہ کیا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا۔ فصلوں کو خراب نہ کرنا اور بستیوں کو نہ اجاڑنا۔ البتہ جنگی ضروریات کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ

ان سے (لے کر) تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ لیکن

ف۹ یعنی ان درختوں کو کاٹنا اور ان کو یونہی سلامت رکھنا دونوں کا مقصد یہ تھا کہ یہودی دشمنوں کی تذلیل ہو۔ کاٹنے میں ان کی تذلیل کی یہ صورت ہے کہ جن باغات کو انہوں نے شوق سے لگایا بڑی محنت سے ان کو پروان چڑھایا اب مسلمان ان کو کاٹ رہے ہیں۔ یہودی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن بے بس ہیں دم نہیں مار سکتے اور وہ درخت جو باقی رہ گئے ہیں ان میں ان کی تذلیل کا پہلو یہ ہے کہ وہ ان باغات کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کے بجائے ان کے دشمن ان پر قابض ہوں گے۔ اگر ان کا بس چلے تو ایک درخت بھی کھڑا رہنے نہ دیں سب کو کاٹ دیں۔ جلا کر راکھ کر دیں لیکن وہ مجبور ہیں ہرے بھرے باغات کو چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ان کو ایک پتا توڑنے اور ایک شاخ کاٹنے کی بھی اجازت نہیں۔ دونوں صورتوں میں ان کی ذلت و رسوائی اظہر من الشمس ہے۔

ف۱۰ یہود بنی نضیر اپنی غداری اور عہد شکنی کی پاداش میں مدینہ طیبہ چھوڑ کر خیبر وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اجازت دے دی کہ اسلحہ کے سوا جو سامان وہ اونٹوں پر لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ اس کے بعد بھی بہت کچھ بچ گیا تھا اموال منقولہ کے علاوہ جو مکانات بھی کئی کئی منزلہ بچ گئے تھے باغات اور زرخیز زرعی اراضی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو لوٹا دی ہیں یعنی اموال منقولہ و غیر منقولہ سب اللہ تعالیٰ کے حبیب کے تصرف میں ہیں۔ ان پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو کسی زحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ نہ انہوں نے گھوڑوں اونٹوں پر سوار ہو کر حملہ کیا نہ جنگ و قتال کی نوبت آئی اس لیے ان اموال اور اراضی میں کسی کا کوئی حق نہیں۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے رسول کی ملکیت ہے۔ جس طرح حضور چاہیں اسے صرف کر سکتے ہیں۔

آیت میں اَفَآءَ کا لفظ قابل غور ہے۔ افاء کا معنی ہے کسی چیز کو لوٹا دینا۔ واپس کر دینا۔ سایہ کو بھی فیئ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی پلٹ کر واپس آتا ہے۔ یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا کہ ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس کے حقدار اس کے فرمانبردار بندے ہیں۔ اصل میں ہر چیز انہی کی ملکیت ہے۔ نافرمان لوگ جو بعض چیزوں پر قبضہ جما لیتے ہیں یہ ان کا قبضہ مخالفانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے ان چیزوں کو غاصب لوگوں سے لے کر ان کے اصل حقداروں تک پہنچا دیتا ہے۔ یہاں بھی بنی نضیر کے جو املاک رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے ہیں وہ حقیقتاً یہودیوں کے نہ تھے۔ انہوں نے انہیں غصب کیا ہوا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان کے غاصبانہ قبضہ کو ختم کر کے اپنے رسول کو واپس دے دیئے ہیں جو ان کے حقیقی حقدار تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفیہ اشعار بانها كانت حرية بان تكون له صلى الله تعالى عليه وسلم وانما وقعت في ايديهم بغير حق فارجعها الله تعالى الى مستحقها (روح المعانی)۔ علامہ ابوبکر ابن العربی نے احکام القرآن میں بھی اسی حقیقت کو بیان کیا ہے اور یہاں افاء کا لفظ استعمال کرنے کی یہی حکمت ذکر کی ہے۔

اوجف، وجیف سے ہے۔ اس کا معنی ہے سرعت سیر تیز رفتاری۔ اَوْجَفْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ حملہ کرتے وقت سواریاں

اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے [۱۱]

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے [۱۲] تو وہ اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے

گھوڑے دوڑانا۔ جشم کہتے ہیں اَوْجَفْتُم: اَتْعَبْتُم۔ تم کا دیا یعنی دوڑاتے ہو۔ اور کو سوار کرتے ہیں۔ اس کا واحد راحلہ ہے۔ اس کے اپنے مادہ سے اس کا واحد نہیں۔ راکب صرف اونٹ کے سوار کو کہتے ہیں گھوڑ سوار کو فارس کہا جاتا ہے۔

[۱۱] اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ اپنے رسولوں کو کفار کے اموال و املاک پر تسلط ارزانی فرماتا ہے۔ اسی سنت الٰہیہ کے مطابق حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بنو نضیر جیسے بہادر اور جنگجو قبیلہ کے املاک کا بغیر جنگ کے مالک بنا دیا۔ بے شک ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ جس کو چاہے دے دے اور جس سے چاہے لے لے۔

[۱۲] اس آیت کو واو عاطفہ کے ذریعے کلام سابق پر معطوف نہیں کیا کیونکہ جہاں عطف آتا ہے وہاں مغایرت ہوتی ہے یہاں کیونکہ پہلی آیت کا ہی تفصیلی بیان ہے اس لیے یہ گویا دونوں ایک ہیں۔ یہاں عطف کی ضرورت نہیں۔ امام رازی کا ارشاد ہے لم يدخل العاطف على هذه الجملة لانها بيان للاولى وهي منها وغير اجنبية عنها (تفسیر کبیر)

یہ پہلا موقع تھا کہ جنگ کیے بغیر کفار کے اموال اور زرعی املاک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے۔ یہ اس سلسلہ کا آغاز تھا اس نے ابھی بہت پھیلنا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان املاک کی تقسیم اور ان کے حقداروں کا تفصیل سے ذکر کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اللہ کے حکم کی تعمیل میں کوئی تردد نہ ہو۔

تفصیل میں جانے سے پہلے ابتداء بحث میں چند چیزیں ذہن نشین کر لیں۔

کفار کے جو املاک مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو کفار کو میدان جنگ میں شکست دینے کے بعد ان کے املاک پر قبضہ کیا ہو یا بغیر لڑے کفار نے ہار مان لی اور مسلمان ان کے علاقوں کے مالک بن گئے۔ پہلی قسم کے املاک کو غنیمت کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو فئی۔ پہلی قسم کا ذکر جب قرآن کریم نے کیا تو ان کے حصول کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی فرمایا واعلموا انما غنمتم الآیۃ۔ دوسری قسم میں چونکہ کسی کی کوشش کا دخل نہیں ہوتا اس لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ما افاء اللہ علی رسولہ۔

اس واضح فرق کی وجہ سے ان املاک کے احکام اور مصارف بھی مختلف ہیں۔ مال غنیمت کے بارے میں تو فرمایا اس کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جائیں گے اور پانچواں حصہ درج ذیل مصارف میں خرچ ہوگا۔ ارشاد ربانی ہے وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ (انفال آیت ۴۱)

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے ١٢

لیکن اموال فئی میں سے کوئی حصہ بطور حق مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا جائے گا بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے کا سارا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تقسیم فرمائیں گے۔

فئی سے حاصل ہونے والے منقولہ اور غیر منقولہ سب اموال کا حکم یکساں ہے۔ لیکن غنیمت سے حاصل ہونے والے اموال میں فرق ہے۔ وہ منقول اموال جو میدان جنگ اور حالت جنگ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں وہ اموال غنیمت ہیں اور ان کے احکام مندرجہ بالا آیت میں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن غیر منقولہ املاک مثلاً مکانات، زمین، باغات، قلعے وغیرہ یہ سب فئی ہوں گے۔ اسی طرح اگر جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد جو منقولہ اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں ان کا حکم بھی فئی کا ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں خیبر اور مکہ مکرمہ قوت بازو سے فتح ہوا یہاں کی زمینوں اور سکنی جائیداد پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ منقولہ املاک تو غانمین میں آیت کے مطابق تقسیم کر دی گئیں لیکن دونوں مقامات پر اراضی تقسیم نہیں کی گئیں۔ خیبر سے حاصل ہونے والی اراضی کو نصف نصف کر دیا گیا۔ نصف زمینیں غازیوں میں تقسیم کی گئیں۔ بقیہ نصف بیت المال کے لیے مختص کر دیا گیا اور مکہ کی تمام اراضی ان کے مالکوں کے پاس ہی رہنے دی گئیں۔ حضور کے اس تعامل سے ثابت ہوا کہ وہ ممالک جو لشکر کشی سے فتح ہوں ان کی اراضی غنیمت نہیں ہیں۔ اسی سنت نبوی کے مطابق حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ فاتح عراق و ایران کو خط لکھا

فَانْظُرْ مَا اَجْلَبُوْا بِهٖ عَلَيْكَ فِي الْعَسْكَرِ مِنْ كُرَاعٍ اَوْ مَالٍ فَاقْسِمْهُ بَيْنَ مَنْ حَضَرَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَاتْرُكِ الْاَرْضِيْنَ وَالْاَنْهَارَ لِعُمَّالِهَا لِيَكُوْنَ ذٰلِكَ فِيْ اَعْطِيَاتِ الْمُسْلِمِيْنَ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ٢٤ - کتاب الاموال لابی عبید ص ٥٩)

یعنی جو اموال منقولہ آپ کے پاس جمع ہوں ان کو مسلمانوں میں بانٹ دو اور زمینوں اور نہروں کو وہاں کے کاشتکاروں کے پاس چھوڑ دو تاکہ اس آمدنی سے مسلمانوں کو عطیات دیے جائیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جو کچھ دشمنوں کے لشکر سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو سامان، اسلحہ اور جانور وہ اپنے کیمپ میں چھوڑ گئے وہ مال غنیمت ہوں گے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جو چیز حاصل ہوگی وہ مال غنیمت نہیں ہوگی بلکہ فئی ہوگی۔ (کتاب الاموال ص ٢٥٤)

١٢ مال فئی اور مال غنیمت میں جو فرق ہے وہ آپ نے سمجھ لیا۔ اب اموال فئی کے حقدار کون کون ہیں ان کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیے:

پہلا حقدار اللہ اور اس کا رسول ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بطور تبرک اور حضور کی رفعت شان ظاہر کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ کما روی عن ابن عباس و حسن بن محمد بن حنفیہ افتتاح کلام للتیمن والتبرک وفیہ تعظیم لشان الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (روح المعانی) لیکن ابو العالیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مستقل علیحدہ حصہ ہے جو بیت اللہ شریف پر خرچ

کیا جائے گا۔ وہاں ضرورت شدید تر ہو دیگر مصارف اس کا مصرف ہوں گے لیکن یہ درست نہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ منقول ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ تعالیٰ علی رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاصۃ فکان ینفق علی اھلہ منھا نفقۃ سنۃ ثم یجعل ما بقی فی السلاح والکراع عدۃ فی سبیل اللہ۔ رواہ البخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی (روح المعانی)

یعنی بنی نضیر کے اموال بغیر لشکر کشی کے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو عطا فرمائے تھے پس یہ حضور کے لیے مخصوص تھے حضور اس کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کے لیے ایک سال کا خرچ رکھ لیتے بقیہ آمدنی جہاد کے لیے اسلحہ وغیرہ کی فراہمی کے لیے خرچ کرتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد اس حصہ کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ حضور کا جو خلیفہ ہو گا یہ حصہ اس کو دیا جائے گا کیونکہ حضور کریم کو یہ حصہ بحیثیت امام اور حاکم کے ملا کرتا تھا بحیثیت رسول کے نہیں بلکہ اسی طرح امیر کا حصہ ہوتا ہے۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ یہ حصہ بیت المال میں داخل ہو گا تاکہ اسے حضور کے مشن کی تکمیل کے لیے صرف کیا جائے۔ علماء شافعیہ میں سے اکثر کی یہی رائے ہے۔

دوسرے حقدار حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔ ان سے مراد بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ عبد شمس اور نوفل کی اولاد اگرچہ رشتہ میں یکساں ہے لیکن حضور نے فرمایا نحن وبنو المطلب شیء واحد وشبک بین اصابعہ (یعنی ہم (بنو ہاشم) اور بنی مطلب ایک ہی ہیں۔ پھر حضور نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا۔ کیونکہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں بنو مطلب، بنو ہاشم کے ساتھ رہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم کے غنی اور فقیر، مرد اور عورتیں، چھوٹے اور بڑے سب حقدار ہیں۔ امام مزنی، ابو ابراہیم ثوری کا بھی یہی قول ہے کہ اس میں مرد، عورت، قریبی اور دور کا رشتہ دار، غنی اور فقیر یکساں ہیں کیونکہ آیت مطلق ہے۔ (روح المعانی)

امام مالک کہتے ہیں الامر مفوض الی الامام ان شاء قسم بینھم وان شاء اعطی بعضھم دون بعض وان شاء اعطی غیرھم ان کان امرھم اھم من امرھم۔

یعنی اس حصہ کی تقسیم امام کی صوابدید پر ہے چاہے تو بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد میں اس مد کی آمدنی کو تقسیم کر دے چاہے تو ان میں سے جو زیادہ ضرورت مند ہیں ان کو دے اور جنہیں ضرورت نہیں ان کو نہ دے اور چاہے تو ان کے علاوہ دوسرے افراد کو دے جن کی ضرورت ان کی ضرورت سے کہیں اشد ہے۔

۳: یتامیٰ۔ امت کے یتیموں کو بھی بلا امتیاز اس مد سے حصہ دیا جائے گا۔

۴: مساکین بھی اس کے مستحق ہیں۔

۵: ابن السبیل۔ مسافر جن کا زاد راہ ختم ہو گیا ہو اور وہ امداد کے مستحق ہوں۔

امام شافعی اور ائمہ ثلاثہ میں ایک اور قابل ذکر اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اموال فئی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا چار حصے خلیفہ وقت اپنی صوابدید سے مصالح مسلمین پر خرچ کرے گا اور پانچواں حصہ ان پانچ حقداروں میں برابر تقسیم ہو گا لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک فئی کا سارا مال مصالح مسلمین کے لیے ہے۔ حکومت وقت جہاں مناسب سمجھے اپنی صوابدید کے مطابق خرچ کر سکتی ہے۔

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ

تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان ﷺ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں

ﷺ اسلام سے پہلے اس قسم کے اموال کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے قبیلہ کا سردار یا لشکر کا سپہ سالار چوتھا حصہ لے لیتا جسے مرباع کہا جاتا۔ اگر بقیہ مال سے اسے کوئی چیز پسند آتی وہ بھی لے لیتا۔ باقی مال دولت مند اور بااثر لوگ آپس میں بانٹ لیتے اور غریبوں کو برائے نام کوئی چیز دے دی جاتی۔ ابتدا میں مسلمانوں نے بھی اسی دستور کے مطابق عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس مال سے چہارم لے لیں۔ باقی مال ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس بے انصافی کو کیسے گوارا فرماتے، چنانچہ اموال غنیمت کی تقسیم کا الگ طریقہ مقرر فرمایا اور اموال فئی کی تقسیم کے لیے الگ طریقہ تجویز کیا اور اس تقسیم کا بنیادی اصول یہ طے پایا کہ ان اموال کو اس طرح تقسیم نہ کرو کہ صرف امراء اور دولت مند طبقوں میں ہی یہ مال گردش کرتا رہے اور غریب بیچارے حسرت سے ان کا منہ دیکھتے رہیں۔ صاف طور پر حکم دیا کہ اللہ کے نزدیک یہی چیز پسندیدہ ہے کہ وسائل معیشت کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ غریب، امیر سب یکساں فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ اصول صرف اموال غنیمت و فئی کی تقسیم میں ہی اسلام نے ملحوظ نہیں رکھا بلکہ اسلامی نظام حیات کی یہ روح رواں ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ کوئی وسائل سمٹ کر ایک مخصوص طبقے میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ان کا پھیلاؤ زیادہ سے زیادہ وسیع ہو۔ اس نے تمام ایسی پابندیاں لگا دی ہیں جن سے سرمایہ سمٹنے کے عمل کو روکا جا سکتا ہے اور اس کے دائرہ اثر کو وسیع سے وسیع تر کیا جا سکتا ہے۔ وہ پابندیاں جو سرمایہ کو سمٹنے سے روکتی ہیں یہاں ان پر ایک سرسری نظر ڈالی جاتی ہے:

کسب معاش کے وسائل کو دو حصوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ حلال اور حرام۔ حرام میں تمام ایسے وسائل ذکر کیے ہیں کہ جن کے ذریعہ محنت کے بغیر، خطرات کا مقابلہ کیے بغیر، بڑی آسانی سے دولت ہاتھ لگ جاتی ہے۔ سود، جوا، سٹہ، ذخیرہ اندوزی، اسمگلنگ، چور بازاری، رشوت کا شمار انہی حرام وسائل میں ہوتا ہے۔ بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ آج جس جگہ آپ کو دولت کی بے پناہ ریل پیل نظر آتی ہے وہاں ان ممنوع وسائل معاش میں سے ایک آدھ کی کارفرمائی ضرور ہے۔ آج پاکستان میں بائیس خاندانوں کا رونا رویا جاتا ہے۔ ماہرین اقتصادیات خود بتاتے ہیں اگر یہاں سود ممنوع ہوتا اور بڑے بڑے بینک آسان شرح سود پر انہیں قرض نہ دیتے تو کیا یہ بائیس خاندان سارے ملک کا سرمایہ سمیٹ سکتے تھے۔ سب کچھ کمانے والا اگر زکوٰۃ دینے کی رسم اسلام کو پسند نہیں، وہ پہلے سے وہ راہ بند کر دیتا ہے جہاں سے ناجائز کے داخلے کا امکان ہو۔

اگر پاکستان میں معاشی لوٹ مار کے ذرائع کو ختم کر دیا جائے تو چند ماہ میں آپ کو لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً کی برکتوں کا احساس ہونے لگے۔ حلال وسائل سے جو دولت کمائی جاتی ہے وہ مقدار میں اس قدر تکلیف دہ نہیں ہوتی۔ پھر بھی اس کا بہاؤ فقراء اور عوام کی طرف کرنے کے لیے اسلام نے موثر تدابیر اختیار کی ہیں۔ زکوٰۃ، عشر، صدقات اور ان کے علاوہ نظام وراثت، زندگی بھر کی کمائی کو کس طرح بانٹ دیتا ہے کہ ہر ایک کو حصہ مل جاتا ہے اور کسی پر گراں بھی نہیں گزرتا۔

الغرض یہ عہد اسلامی نظام معاشیات کا ستون ہے۔ جب تک ماہرین دیگر فرسودہ اور ناکارہ نظریات اپنانے کے بجائے اگر یکسوئی

الرَّسُولُ فَخُذُوهُ ۚ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ

وہ لے لو اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ ف۱۵ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لیے ہے جنہیں

أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ

(جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا

اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ

فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز

الصَّادِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ

لوگ ہیں ف۱۶ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دارِ ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں مہاجرین کی آمد سے پہلے ف۱۷

نے اسلام کے نظامِ مالیات کو کہیں زیادہ دیانت داری اور اخلاص سے اس کو عملی جامہ پہنائیں تو کمیونزم اور کیپٹلزم کے ویرانوں میں بھٹکتی ہوئی دنیا ان کی ممنون ہوگی۔

اصل مصیبت یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں زمامِ اقتدار ہے ان کے دل نورِ ایمان سے خالی ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے جس ذوق اور یقین کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے۔ ضرورت صرف ایسے یقین کی ہے جو تمام مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہونے کی ہمت رکھتا ہو۔ ضرورت اس ایمان کی ہے جس کے چراغ کو کوئی آندھی نہ بجھا سکے۔ جو گھپ اندھیروں کو بقعۂ نور اور رشکِ صد طور بنانے کی اہلیت رکھتا ہو۔

ف۱۵ صرف غنائم کے اموال تقسیم کرنے کے بارے میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں احکامِ رسالت کی پابندی کیجیے۔ انہیں سر آنکھوں پر رکھیے۔ اسی میں تمہاری فلاح ہے۔

اس آیت میں اگر غور کیا جائے تو منکرینِ سنت کی بیخ کنی کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔

ف۱۶ علامہ زمخشری کے نزدیک للفقراء المهاجرین بدل ہے اور لذی القربیٰ الآیۃ سے بدل منہ ہے اور امام شافعی کے نزدیک بدل ہے لليتامى والمساكين وابن السبيل سے۔

کیا مہاجرین کے استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط ہے یا نہیں۔ اکثر علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ شرط نہیں۔ بلکہ بیان حال کے لیے یہ قید بڑھا دی گئی ہے۔ علامہ پانی پتی نے یہ مسئلہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ وعندی الذین شیتوا مطلق عطف علی الفقراء وصف الفقر لیس شرطاً لاستحقاقهم ۔ ۔ ۔ ۔ وانما ذکر وصف الفقر للمهاجرين جريا على الغالب لان اكثر المهاجرين كانوا فقراء (مظہری) یعنی میرے نزدیک استحقاق کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں کیونکہ اس وقت مہاجرین کی غالب اکثریت فقیر تھی اس لیے بیان واقعہ کے لیے یہ قید ذکر کر دی۔ اپنے اس موقف کی دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ لانعقاد هذا الاجماع على ان مال الفئ هو للمسلمين كافة غنيهم وفقيرهم يصرف في مصالحهم۔ یہ شرط یہ بات اس لیے کہی ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ مال فئ تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ غنی اور فقیر کی کوئی تخصیص نہیں۔ سب کے مصالح میں اسے خرچ کیا جائے گا۔

وہ لوگ جنہیں اسلام لانے کے جرم میں ہر طرح کی اذیتیں دے کر گھروں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا تھا ان کا وقت بڑی عسرت سے گزر رہا تھا۔ ان کی مستقل آباد کاری کا ابھی انتظام نہ ہو سکا تھا جب بنی نضیر کے اموال واملاک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم کو عطا فرمائے تو ان لوگوں کو بھی ان کا مستحق قرار دیا گیا اس طرح پہلی دفعہ ان لوگوں کی مستقل آباد کاری کے لیے اہتمام کیا گیا۔

ملے یہ عطف نسبتہً اور اس کا معطوف علیہ للفقراء المهاجرين ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اموال فئ کے حقدار صرف مہاجرین ہی نہیں بلکہ وہ لوگ بھی ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا جا رہا ہے اور یہ انصار ہیں جنہوں نے اسلام کی صدا پر لبیک کہی کہ ان کا نام ہی انصار یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار پڑ گیا قیامت تک وہ اسی نام سے یاد کیے جائیں گے۔ اس پاک گروہ کا ذکر مولا کریم نے جس محبت بھرے انداز سے کیا ہے وہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔

مدینہ کے مسلمانوں یا انصار کے الفاظ سے ان کا ذکر شروع نہیں فرمایا بلکہ ارشاد ہے والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم۔ تبوؤا کے معنی ہیں نزل بالمکان (لسان العرب) کہیں اترنا اور وہاں اقامت گزیں ہونا۔ الدار سے مراد دار الاسلام مدینہ طیبہ ہے یعنی جو لوگ مہاجرین کی آمد سے پہلے یہاں آباد تھے۔ والايمان ایک دوسرے فعل کا مفعول ہے۔ ای اخلصوا الایمان۔ یعنی یہ گروہ لوگ جو یہاں مقیم ہیں اور ایمان میں مخلص ہیں۔ عربی زبان میں ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ دو چیزوں سے پہلے ایک فعل ذکر کیا جاتا ہے جس کا تعلق ان دو میں سے ایک چیز کے ساتھ ہوتا ہے اور دوسری چیز کے لیے مناسب حال فعل مقدر مان لیا جاتا ہے جیسے علفتها تبنا وماء باردا میں نے اس کو چارہ ڈالا بھوسا اور ٹھنڈا پانی۔ بھوسہ تو علفتها کا مفعول بن سکتا ہے لیکن ٹھنڈا پانی چارا تو نہیں کہلایا جائے۔ اس کے لیے تو پلانے کا فعل ہونا چاہیے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اصل یوں ہے: علفتها تبنا واسقيتها ماء باردا۔ میں نے اسے بھوسہ کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا۔ اسی طرح عرب کہتے ہیں متقلدا سيفا ورمحا کہ وہ تلوار اور نیزہ حمائل کیے ہوئے میدان جنگ میں گیا۔ تلوار تو حمائل کی جاتی ہے لیکن نیزہ تو گلے میں نہیں لٹکایا جا سکتا۔ وہ کاندھے پر رکھا جاتا ہے یا ہاتھ میں پکڑا جاتا ہے۔ اس لیے اصل عبارت یوں ہو گی متقلدا سيفا واعتقل رمحا۔

علامہ ابن منظور نے اس کی ایک بڑی پرلطف توجیہ کی ہے۔ کہتے ہیں جعل الايمان محلا لهم یعنی ایمان کو ان کے لیے ٹھہرنے کی جگہ بنا دیا گیا۔ جس طرح کوئی شخص اپنے مکان میں رہائش اختیار کرتا ہے اسی طرح ان اللہ کے بندوں نے ایمان کو اپنا مسکن بنا لیا ہے

يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ۱۵ اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی

حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ

خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جاتی ہے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر ۱۶ اگرچہ خود انہیں اس چیز کی

اور انہوں نے اس دین کے ذریعے عزت پائی ہے۔ اس صورت میں بالایمان فعل مذکور کا ہی مفعول ہوگا۔

علامہ ابو حیان اندلسی نے ایک اور توجیہ ابن عطیہ سے نقل کی ہے کہ واؤ یہاں معیت کے معنی میں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے
قال ابن عطیه المعنی تبوؤا الدار مع الایمان معا یعنی وہ مدینہ طیبہ میں بھی اقامت پذیر ہیں اور ایمان کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔
ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے ایمان میں ان کی پختگی اور خلوص کا ذکر فرمایا۔

من قبلهم کا تعلق تبوؤا سے ہے۔ یعنی مہاجرین کے آنے سے پہلے انصار مدینہ میں رہائش پذیر تھے۔

۱۵ ان کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والے مہاجرین سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ ان کی محبت کا عملی ثبوت ان کے ہر اقدام سے ملتا ہے جب لٹے پٹے خانماں برباد مہاجر وہاں پہنچے تو انصار نے اپنے گھروں کے دروازے ان کے لیے کھول دیے۔ اپنی زمینوں اور باغات میں ان کو حصہ دار بنا دیا جن کی ایک سے زائد بیویاں تھیں انہوں نے یہ پیشکش بھی کی کہ اگر وہ چاہیں تو اپنی بیویوں کو بھی طلاق دے دیں تاکہ عدت گزارنے کے بعد مہاجر ان سے نکاح کر سکیں۔ ایسی محبت اور اخلاص کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ صرف غلامان محبوب رب العالمین کی ہی خصوصیت ہے۔

۱۶ مہاجرین کے ساتھ انصار کی محبت اور خلوص کی ایک روشن دلیل پیش کی جا رہی ہے پہلے آپ ذرا لفظی ترجمہ پر غور کیجیے۔ فرمایا کہ وہ اپنے دلوں میں حاجت ہی نہیں پاتے جو مہاجرین کو دیا گیا۔ لفظ حاجت کی تشریح کرتے ہوئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں کل ما یجد الانسان فی صدرہ مما یحتاج الیه فهو حاجة۔ یعنی اموال فیٔ جو مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے انصار اپنے دلوں میں ان کی حاجت ہی محسوس نہیں کرتے۔ گویا یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کی انہیں ضرورت ہی نہیں۔ ان کے حصول کی ان کے دلوں میں خواہش ہی نہیں۔ استغنا کا یہ کتنا اونچا مقام ہے۔ علامہ راغب کہتے ہیں الحاجة الی الشیٔ الفقر الیه مع محبته۔ یعنی کسی چیز کی حاجت کا معنی یہ ہے کہ اس سے محبت بھی ہو اور اس کی ضرورت بھی ہو۔ وقیل الحاج ضرب من الشوك۔ ایک قسم کا کانٹا ہے جسے حاج کہتے ہیں۔ یعنی اس تقسیم سے ان کے دلوں میں قطعاً کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی جو وہ اس کانٹے کی چبھن محسوس کرتے ہیں۔

جب بنی نضیر کے اموال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبضہ و تصرف میں آ گئے تو حضور نے ثابت بن قیس بن شماس کو یاد فرمایا۔ انہیں حکم دیا کہ اپنی قوم کو بلا لاؤ۔ انہوں نے عرض کی اپنے قبیلہ خزرج کے لوگوں کو بلا لاؤں یا سب انصار کو؟ فرمایا سب کو۔ جب اوس و خزرج حاضر ہو گئے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر انصار کی ان قربانیوں کا ذکر فرمایا جو

انصار نے مہاجرین کے لیے دیں۔ پھر فرمایا اگر تم چاہو تو تمہارے اموال اور فئی کے اموال سب یکجا کر دیے جائیں۔ پھر ان سب کو مہاجرین و انصار میں تقسیم کر دیا جائے اور اگر تمہاری مرضی ہو تو تمہارے مکانات اور زمینیں جو تم نے مہاجرین کو دے رکھی ہیں وہ تمہیں واپس کر دی جائیں اور بنی نضیر کے اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے جائیں۔

بارک اللہ! کیا روح پرور منظر ہو گا۔ کیا لطف برس رہا ہو گا اس محفل پر۔ حضور کا ارشاد سن کر سعد بن زرارہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ! بل تقسمہ بین المھاجرین ویکونوا فی دورنا کما کانوا۔ یا رسول اللہ! ہمارے مال ان کے پاس ہی رہنے دیجیے اور بنی نضیر کے سب اموال بھی ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجیے۔ سب انصار نے ان کی تائید کرتے ہوئے عرض کیا رضینا و سلمنا یا رسول اللہ! ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔ ہم اس پر خوش ہیں۔ اس ایثار کو دیکھ کر اللہ کے محبوب کا دل خوش ہو گیا۔ زبان اقدس سے دعا فرمائی۔ اللھم ارحم الانصار۔ الٰہی وہ لوگ جن کے ان بے لوث مددگاروں پر اپنی خصوصی رحمت فرما۔ چنانچہ انصار کے مشورہ سے یہ تمام اموال مہاجرین میں تقسیم کر دیے گئے۔ انصار میں سے صرف تین آدمیوں کو جو بہت نادار تھے حصہ ملا۔ ابو دجانہ، سہل بن حنیف۔ ان کے علاوہ مشہور یہودی سردار ابن ابی الحقیق کی تلوار حضرت سعد بن معاذ کو عطا فرمائی گئی۔ نظیر ہی کہاں! استغنا یہ شاہانہ بے نیازی! غلامانِ حبیب کبریا علیہ اجمل الصلوٰۃ واطیب الثناء کا ہی حصہ ہے۔ جمالِ یار نے جن کے دلوں اور آنکھوں سب کو سیراب کر دیا تھا۔

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل

کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ان کے کمال استغنا کی توصیف اسی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ ارشاد ہوتا ہے: ویؤثرون علی انفسھم الخ۔ یہ نہیں کہ مالی طور پر وہ خوشحال تھے ہر چیز کی ان کے پاس بہتات تھی اس لیے وہ اموال کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ درحقیقت وہ خود ضرورت مند تھے۔ ان کی مالی حالت بھی قابل رحم تھی لیکن وہ اپنی ضرورت پر اپنے مہاجر بھائیوں کی ضرورت کو ترجیح دیتے تھے۔ حضور نے اپنی نگاہ کرم سے سارے اسلامی معاشرے کو ہی اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایک روز ایک شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا حضرت بھوکا ہوں۔ حضور نے ازواج مطہرات سے پوچھا وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحابہ کو فرمایا کون ہے جو آج رات اس کی میزبانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ انصار میں سے ایک آدمی اٹھا عرض کی یہ سعادت میں حاصل کروں گا اور اس نو وارد کو اپنے گھر لے گیا۔ اپنی بیوی سے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان ہے۔ اس کی خدمت میں بخل نہ کرنا۔ اس نے کہا بخدا میرے پاس تو بچوں کے کھانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ انصاری نے کہا بچوں کو بہلا کر سلا دینا۔ جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو دیا بجھا دینا۔ آج رات ہم بھوکے گزار لیں گے۔ جب کھانا تیار ہوا تو بچوں کو سلا دیا گیا۔ وہ نیک خاتون دیے کو درست کرنے کے بہانے اٹھی اور دیا بجھا دیا۔ ایک ہی دستر خوان پر سب بیٹھ گئے۔ میاں بیوی اس طرح ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھا رہے ہیں۔ مہمان کو احساس بھی نہ ہونے دیا کہ انہوں نے کھانا نہیں کھایا۔ رات بھوکے گزار دی۔ صبح بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا لقد عجب اللہ او ضحک من فلان و فلانۃ۔ فلاں شخص اور اس کی زوجہ نے جو کام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند کیا

خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ

شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔ ٢٠

جیسا اللہ تعالیٰ اس پر چلتے ہیں۔

اس طرح ایک دفعہ کسی آدمی نے بکری کا سر ایک صحابی کو بطور تحفہ بھیجا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میرے فلاں بھائی کا کنبہ بڑا ہے اس کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے چنانچہ اس کی طرف وہ سر بھیج دیا۔ اس نے تیسرے کے پاس جس نے چوتھے کے پاس۔ یہاں تک کہ دو گھروں سے پھر کر پہلے آدمی کے پاس واپس پہنچ گیا۔

جنگ یرموک میں جب اسلام کے فتح مند لشکر دشمن کو پامال کر کے میدان جنگ سے لوٹ رہے تھے۔ ایک جگہ عکرمہ بن عکرمہ، ابوجہل کا بیٹا شدید زخموں سے چور پڑا تھا۔ پانی پلانے کے لیے پیالہ آگے بڑھایا گیا تو پاس سے العطش العطش کی آواز آئی عکرمہ نے اشارہ کیا پہلے یہ پانی میرے بھائی کے پاس جائے اس کے پاس گئے تو کسی اور نے العطش کی صدا بلند کی اس نے کہا پہلے اس کو پلاؤ۔ پانی پلانے والا وہاں پہنچا تو وہ جام شہادت سے اپنی پیاس بجھا چکا تھا اور اسی طرح دوسرا اور جب عکرمہ کے پاس آیا تو وہ بھی جنت الفردوس کو سدھار چکے تھے۔ (ابن کثیر)

یہ قرآنی تعلیمات کا اعجاز تھا اور حضور کی نگاہ کرم کا فیض تھا۔

٢٠۔ الشُّحُّ: البخل وقیل ھو البخل مع الحرص، وقیل البخل بالمال والشح بالمال والمعروف۔ یعنی شح کا معنی بخل ہے۔ بعض نے کہا بخل اور حرص کے مجموعہ کو شح کہتے ہیں۔ بعض نے کہا مال میں کنجوسی کو بخل کہتے ہیں۔ مال اور کوئی نیک کام کرنے میں کنجوسی کو شح کہتے ہیں۔

آخر میں ایک اصولی بات بتا دی کہ جس کو شح سے بچا لیا گیا وہی فلاح پانے والا ہے۔

عن جابر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ایاکم والظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامة واتقوا الشح فان الشح اھلک من کان قبلکم۔

یعنی حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا ظلم سے بچو کیونکہ ظلم قیامت کے دن تہ در تہ اندھیروں کی صورت میں نمودار ہوگا اور شح سے بچو کیونکہ تم سے پہلے جو قومیں تھیں ان کو اسی بخل نے ہلاک کر دیا۔

ایک دوسری حدیث پاک میں ہے ایاکم والشح فانه اھلک من کان قبلکم امرھم بالظلم فظلموا وامرھم بالفجور ففجروا وامرھم بالقطیعة فقطعوا۔

یعنی شح سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اس نے جو قومیں تم سے پہلے تھیں ان کو ہلاک کر دیا۔ وہ اس طرح کہ جب بخل نے ان کو ظلم کرنے کا حکم دیا تو وہ ظلم کرنے لگے جب انہیں فسق و فجور کا حکم دیا تو وہ اس کا ارتکاب کرنے لگے اور جب انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع رحمی اختیار کر لی۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ

اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے ۲۱؎ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور

آخر میں ایک اور حدیث بھی سن لیجیے۔ عن انس بن مالک عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال بری من الشح من ادی الزکاۃ وقری الضیف واعطی فی النائبۃ۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے زکوٰۃ ادا کی، مہمان کی ضیافت کی، ناگہانی مصیبت میں کسی کی امداد کی اس نے شح سے رہائی حاصل کر لی۔

قرآن کریم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو شح سے بچ جائے کیونکہ انسان کا از خود اس بیماری سے بچنا بہت مشکل ہے۔ بلکہ فرمایا جس کو شح سے بچا لیا گیا یعنی جس پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اس مذموم خصلت سے بچا لیا وہی بچ سکتا ہے۔

۲۱؎ اس کا عطف للفقراء المهاجرين پر ہے۔ اس آیت سے بتا دیا کہ اموال فئی میں مہاجرین وانصار کے علاوہ یہ لوگ بھی حصہ دار ہیں جو مسلمان تا قیامت تک آئیں گے۔

یہ آیتیں اسلامی بیت المال کی آمدنی کے ذرائع، ان کی حیثیت اور ان کے مصارف متعین کرنے میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ اس لیے ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں عظیم الشان فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کے بارے میں جو بشارتیں دی تھیں وہ عملی صورت میں نمودار ہونے لگیں۔ اس وقت ان وسیع و عریض اراضی کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ بعض صحابہ کرام جن میں عبدالرحمن بن عوف، زبیر اور بلال رضی اللہ عنہم پیش پیش تھے انہوں نے امیر المومنین سے مطالبہ کیا کہ ان اراضی کو ان کے کسانوں سمیت خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا جائے۔ فاروق اعظم کو یہ رائے پسند نہ آئی۔ آپ نے حضرت سیدنا علی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے یہ رائے دی کہ دعهم يكونوا مادة للمسلمين (کتاب الخراج لابی یوسف) یعنی زمینوں کو ان کے کاشتکاروں سمیت رہنے دیجیے تاکہ عام مسلمانوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ بنی رہیں۔ حضرت معاذ بن جبل کی بھی یہی رائے تھی کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے ورنہ یہ وسیع و عریض زرعی زمینیں ان چند فاتحین کی اولاد میں محصور ہو کر رہ جائیں گی۔ عام مسلمانوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا بندوبست پھر کیسے ہو سکے گا (کتاب الاموال ص ۵۹، فتح الباری جلد ۶ ص ...)

چنانچہ امیر المومنین نے مجلس شوریٰ طلب کی اور اس کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا۔ یہ بحث دو تین دن تک جاری رہی۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت ابن عمر اور دیگر حضرات حضرت عمر سے متفق تھے لیکن دوسرے لوگ ابھی مطمئن نہ تھے۔ ایک رات امیر المومنین اسی مسئلہ میں غور و فکر کر رہے تھے کہ آپ کے خیال میں سورۂ حشر کی یہ آیتیں آ گئیں۔ صبح جب شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا تو آپ اٹھے اور آپ نے فرمایا مجھے کتاب اللہ سے دلیل مل گئی ہے جو اس بارے میں فیصلہ کن ہے۔ پھر آپ نے یہی آیات ما افاء الله سے ربنا انك رءوف رحيم تک تلاوت کیں اور ان سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان املاک میں صرف ان

کے لوگوں کا ہی حصہ نہیں بلکہ بعد میں آنے والوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ شریک کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ان مفتوحہ اراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے کچھ نہ چھوڑیں نیز آپ نے آیت کے اس جملے سے بھی استدلال کیا کے لا یکون دولۃ (احکام القرآن جصاص) اگر انہیں تقسیم کر دیا گیا تو یہ اموال دولت مندوں کے ایک طبقہ میں ہی چکر لگاتے رہیں گے آپ کی یہ تقریر سن کر تقسیم کا مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے اور اسی رائے پر اجماع ہو گیا۔

امیر المومنین نے حضرت عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو زمین کی پیمائش اور درجہ بندی کے لیے روانہ کیا اور ان کی رپورٹ کے مطابق ان اراضی پر خراج مقرر کیا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ اگرچہ حجاز کے صحرائی باشندے تھے جہاں اس قسم کی اراضی کا فقدان ہے لیکن انہوں نے سواد عراق کی اراضی کی جو درجہ بندی کی وہ اس قدر درست ثابت ہوئی کہ عرصہ دراز تک اس پر نظر ثانی کی ضرورت نہ پڑی۔ صحرا نشینوں کو یہ علم کہاں سے نصیب ہوا کہ مفتوحہ اراضی کی اس طرح درجہ بندی کر سکیں جو وہاں کے ماہرین زراعت سے بھی ممکن نہ تھی۔ اس کے بغیر اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ سب نگاہ نبوت کا فیضان تھا۔ کسی کو جرنیل بنا دیا کسی کو مالیات کا ماہر بنا دیا کسی کو اراضی کی حیثیت متعین کرنے کی استعداد بخش دی۔ بے ساختہ یہ کہنا پڑتا ہے۔

حسن کی تیرے خیرات سب کو ملی ——— پھول کو رنگ دیا سرو کو بانکپن (حضرت قمر سیالوی)

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں فدل ذلک علی ان الغانمین لا یستحقون ملک الارضین ولا رقاب اھلھا (احکام القرآن للجصاص)

اس سے معلوم ہو گیا کہ زمین اور اس پر کھیتی باڑی کرنے والے کاشتکار مجاہدین میں تقسیم نہیں کیے جائیں گے۔ عہد نبوت میں اس قسم کی اراضی کے بارے میں جو رویہ اختیار کیا گیا اس کے بارے میں جصاص لکھتے ہیں، فحصل بدلالۃ الآیۃ واجماع السلف والسنۃ تخییر الامام فی قسمۃ الارضین او ترکھا ملکا لاھلھا ووضع الخراج۔

اس آیت، اجماع امت اور سنت سے ثابت ہوا کہ اراضی کی تقسیم کا مسئلہ امام وقت کی صوابدید پر موقوف ہے۔ چاہے تو پہلے مالکان کے قبضہ میں ہی رہنے دے اور ان پر خراج عائد کر دے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زمین کی تقسیم کے بارے میں علما کا اختلاف ہے۔ وقال مالک للامام ان یوقفھا لمصالح المسلمین وقال ابو حنیفۃ الامام مخیر بین ان یقسمھا او یجعلھا وقفا لمصالح المسلمین وقال الشافعی لیس للامام حبسھا عنھم بغیر رضاھم۔ یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ امام کو حق پہنچتا ہے کہ ان اراضی کو مسلمانوں کے مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے انہیں تقسیم کر دے اور چاہے تو مسلمانوں کے مفادات کے لیے وقف کر دے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ مجاہدین کی خوشنودی کے بغیر امام از خود ان اراضی کو وقف نہیں کر سکتا۔

لیکن خیبر وغیرہ کی اراضی کے بارے میں حضور کا عمل اور عہد فاروقی میں تمام صحابہ کا اجماع احناف کے مسلک کی تائید کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بیان کیا جاتا ہے جس میں آپ نے ہر قسم کے اموال کے مصارف کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ نے یہ آیت پڑھی انما الصدقات للفقراء تا علیم حکیم۔ فرمایا اموال صدقہ کے مصرف یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی واعلموا انما غنمتم من شیء تا ابن السبیل۔ فرمایا مال غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کی ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری تا والذین جاءو من بعدھم الآیۃ۔ فرمایا اس آیت نے تمام مسلمانوں کو گھیر لیا ہے۔ اگر میں زندہ

لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا

ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں

رہا آئندہ سال پھر ہوا ہے کہ اس کا حصہ وہاں پہنچے گا جہاں وہ اپنے ذاتی گھر جا رہا ہے۔ یہ حصہ لینے میں اس کو کسی مشقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ (تفسیر احمدیہ اور دیگر کتب)

اس بحث کے آخر میں علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ وہ اموال جن پر ائمہ اور حکام کو تصرف و اطلاق کا حق ہے ان کی تین قسمیں ہیں

① جو اموال مسلمانوں کے دلوں اور ان کے اموال کو پاک کرنے کے لیے ان سے لیے جاتے ہیں جیسے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ۔

② وہ اموال جو کفار سے قتال کے بعد مسلمانوں کو حاصل ہوں انہیں غنائم کہا جاتا ہے۔

③ اموال فئی جو جنگ اور لشکر کشی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ ان میں یہ اموال بھی شامل ہیں:

ا: صلح سے جو سامان، مکانات اور اراضی کفار چھوڑ کر چلے جائیں جیسے اموال بنی نضیر۔

ب: جزیہ جو اسلامی ریاست کی غیر مسلم رعایا پر لگایا جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے کے بعد وہ جنگی خدمات سے مستثنیٰ قرار دے دیے جاتے ہیں۔

ج: خراج جو مقرر (عنوۃ یا صلحاً) اراضی پر لگایا جاتا ہے۔

د: وہ کسٹم ڈیوٹی جو کافر تاجروں سے وصول کی جاتی ہے جب وہ اسلامی ریاست میں داخل ہوتے ہیں۔

ھ: وہ مال و جائیداد جنہیں چھوڑ کر مشرکین بھاگ جائیں۔

و: وہ اموال جن کے کافر مالک مر جائیں اور اپنے پیچھے کوئی وارث چھوڑ کر نہ جائیں۔ (قرطبی جلد ۱۸، صفحہ ۱۱)

علامہ کاشانی نے چند اموال کا اور اضافہ کیا ہے:

ز: زر صلح جو کسی علاقہ کے لوگوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں سے امان حاصل کرنے کے لیے ادا کرنا قبول کر لیا ہو۔

ح: وہ اراضی جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی۔

ط: سابق حکمران خاندانوں کی جاگیریں۔

ی: سابق حکومتوں کے املاک۔

ک: بنی تغلب کی زکوٰۃ۔ (بدائع الصنائع جلد ۷، صفحہ ۱۱۶)

ان اموال کے مصرف کے بارے میں امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام مالک کی رائے یہ ہے لا یخمس بل جمیعہ لمصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر والجسور وکفایۃ القضاۃ والمحتسبین والعمال والعلماء منہم۔ کذا فی الھدایۃ۔ (مظہری ج ۹ صفحہ ۲۴۹)

یعنی ان اموال کا خمس نہیں نکالا جائے گا بلکہ تمام کے تمام عام مسلمانوں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں گے جس طرح سرحد

غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى

بغض اہل ایمان کے لیے اے ہمارے رب! بیشک تو رؤف رحیم ہے ۲۲ کیا آپ نے منافقوں

الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ

کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب

الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ

میں سے کہ اگر تمہیں یہاں سے نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات

أَحَدًا أَبَدًا وَإِن قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ

ہرگز نہیں مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل

کی حفاظت، بیلوں کی تیمار، کاشت وغیرہ دیگر لازمی امور ان کے ہاتھوں وغیرہ کو تھما دیں۔

۲۲ یہ بعد میں آنے والے جنہیں اصحاب نبی کا اعتبار دیا گیا ہے ان کے حصول میں ان کا کوئی عمل دخل نہ تھا یہ مہاجرین اور انصار کی قربانیوں کا پھل کھا رہے ہیں۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ ان کو اپنی نیک دعاؤں میں یاد رکھیں۔

انسان کی بدبختی ہے کہ اپنی زندگی ان پاک ہستیوں کی غیبت میں ضائع کرے جن کی تعریف و توصیف سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ عمرو بن شرحبیل کا یہ قول بڑا عبرت آموز ہے۔ کہتے ہیں کہ رافضی یہود و نصاریٰ سے بھی ایک قدم آگے ہیں۔ اگر یہود سے پوچھا جائے کہ تمہاری ملت میں سب سے افضل کون ہے تو وہ جواب دیں گے اصحاب موسیٰ۔ عیسائیوں سے یہی سوال پوچھا جائے تو وہ کہیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، لیکن اگر رافضیوں سے پوچھا جائے کہ خیر شر اهل ملتکم؟ تمہاری ملت میں سب سے بدترین لوگ کون ہیں تو یہ بدبخت کہیں گے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ ان کے لیے دعائیں مانگو، اپنے دلوں کو سابقہ مسلمانوں کے بغض سے پاک رکھو لیکن رافضیوں کی زندگی کا مدعا یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں ان نفوس قدسیہ کے بارے میں نفرت و عناد پیدا کریں جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ استغفر اللہ العظیم۔

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہو گیا کہ پچھلوں کو پہلوں کے لیے مغفرت کی دعا کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے گناہ بخشے جاتے ہیں اور ان کے مدارج بلند ہوتے ہیں۔

لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۱﴾ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا

جھوٹ بول رہے ہیں۔ (سنو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ اور اگر ان سے جنگ کی گئی

لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (بفرض محال) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ۲۳

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

بے شک تمہارا (اے فرزندان اسلام) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف سما ہوا ہے ۲۴ یہ اس لیے کہ

قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ

وہ ناسمجھ لوگ ہیں ۲۵ یہ سب جمع ہو کر کبھی کھلے میدان میں تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند

اَوْ مِنْ وَّرَاۗءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ

بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر ۲۶ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے۔ تم انہیں متحد

۲۳ جب حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور بنی نضیر کے درمیان کشیدگی شدت اختیار کر گئی اور کسی وقت بھی جنگ چھڑ جانے کا امکان تھا اس وقت وہاں کے منافقوں نے جن کے سرغنہ عبداللہ بن ابی اور ابن قوقل تھے کہلا بھیجا کہ مسلمانوں سے ڈرو نہیں۔ ان کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ۔ تم اکیلے نہیں ہو، ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ ضرورت پڑی تو ہم دو ہزار مسلح بہادروں کا لشکر لے کر تمہارے ساتھ آ ملیں گے۔ تمہیں جلاوطن ہونے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کو ماننے سے صاف انکار کر دو۔ اگر مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو ہم تمہارا ساتھ نہیں چھوڑیں گے ہم تمہارے ساتھ اس شہر کو چھوڑ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتا دیا کہ یہ منافق جھوٹ بک رہے ہیں۔ اگر جنگ شروع ہوئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اگر بنی نضیر کو یہاں سے نکل جانا پڑا تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔ بفرض محال اگر ان بزدلوں نے میدان میں آنے کی جسارت کی تو انہیں دیکھتے ہی بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ بعینہٖ اسی طرح ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

۲۴ اللہ تعالیٰ کے خوف سے تو ان کے دل خالی ہیں لیکن تمہاری ہیبت سے وہ تھر تھر کانپ رہے ہیں۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے جو مالک اور قادر ہے لیکن یہ پرلے درجے کے بے وقوف ہیں۔

۲۵ اگر ان کے ساتھ کہیں جنگ کی نوبت آ جائے تو کھلے میدان میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت ہرگز نہیں کریں گے

جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٤﴾

خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں ۲۳ یہ اس لیے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ۲۴

كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَ

یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں ۲۵ اور

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۲۶ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے

اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو

۲۲ اپنی گڑھیوں میں قلعہ بند ہو کر یا دیواروں کے پیچھے چھپ کر لڑنا ایک اور بات ہے لیکن آمنے سامنے جا لڑیں تو اور بات ہے۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی ہمت ان بیچاروں میں کہاں سے آئے گی۔ جرأت تو پیدا ہوتی ہے حق سے، زندگی سے موت اس وقت عزیز معلوم ہوتی ہے جب حق کے لیے مرنے کا موقع آئے یا کوئی بلند نصب العین سامنے ہو۔ یہاں تو زیادہ سے زیادہ جیتے رہنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی نہیں۔ یہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیسے میدان میں آ سکتے ہیں۔

۲۳ ان کی ایک اور پوشیدہ کمزوری سے مسلمانوں کو خبردار کر دیا کہ بظاہر تو یہ متفق اور متحد دکھائی دیتے ہیں لیکن حقیقت ایسی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت کے بغیر ان کے سامنے کوئی قدر مشترک نہیں۔ وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا چراغ بجھ جائے۔ ان کے اقتدار، ان کے مادی مفادات کو مسلمانوں کی ترقی سے جو خطرہ ہے وہ ٹل جائے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں جو انہیں متحد رکھ سکے۔ ایک دوسرے کے خلاف ان کے دلوں میں حسد و عداوت کا جوالا مکھی دہک رہا ہے۔

۲۴ اس کی وجہ یہ بتا دی کہ عقل و دانش سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۵ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی مخالفت میں کمربستہ ہو جاتے ہیں ان کا انجام بڑا عبرتناک ہوتا ہے۔ ابھی ابھی بدر میں تم قریش کی نخوت کو پامال ہوتے دیکھ چکے ہو۔ بنی قینقاع کا جو حشر ہوا وہ تمہیں بھولا نہ ہوگا۔ تمہارے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔

الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ

رب العالمین سے ٢٩۔ پس انجام ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا یہ ہوا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ رہتے ہوئے

وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔ اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے بیشک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ

جو تم کرتے رہتے ہو ٣٠۔ اور ان بدنصیبوں کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو

٢٩۔ شیطان کا یہی کام ہے کہ وہ پہلے دوست اور خیر خواہ کے روپ میں آتا ہے اور انسان جب اس کے جال میں پھنس جاتا ہے تو وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر رفو چکر ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا۔ کئی لوگوں نے ابوجہل کو مشورہ دیا کہ جس قافلہ کی حفاظت کے لیے ہم گھر سے نکلے تھے وہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے اب اس لشکر کشی کا کوئی مقصد نہیں۔ ہمیں واپس چلے جانا چاہیے لیکن شیطان ایک نجدی سردار کے لباس میں نمودار ہوا اور یہ کہہ کر انہیں اکسایا لا غالب لکم الیوم من الناس انی جار لکم۔ آج کوئی بھی تم پر غالب نہیں آ سکتا میں تمہارا پشت پناہ ہوں لیکن جب دونوں لشکر ٹکرائے تو یہ کہتا ہوا دم دبا کر بھاگ گیا انی بریء منکم انی اری ما لا ترون انی اخاف اللہ رب العالمین۔ اے ابوجہل اور اس کے ساتھیو! میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے۔

شیطان کا ہمیشہ سے یہی دستور رہا ہے۔ یہی حالت ان منافقین اور بنی نضیر کی تھی۔ پہلے وہ بنی نضیر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے تھے لیکن وقت پڑا تو ان سے منہ پھیر لیا۔

٣٠۔ یہود کے غدر اور عہد شکنی کی سزا اور منافقین کے مکر و نفاق کے ذکر کے بعد اب ایمان والوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے اور انہیں نصیحت کی جا رہی ہے کہ اے فرزندان اسلام! تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ ہوشیار! الٹی راہ پر قدم نہ اٹھے جس سمت تمہارا رب تمہیں بلا رہا ہے اور اس کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی نہ ہو۔ نیز یہ بھی تاکید فرمائی کہ ہر شخص اپنا محاسبہ کرتا رہے کہ اس نے اپنی عاقبت کے لیے کیا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ جو شخص آج کی خوشیوں میں یوں کھو جائے کہ اسے کل کا ہوش نہ رہے وہ دانا نہیں نادان ہے۔ تم ایسا نہ کرنا تم اللہ تعالیٰ کے حبیب کے غلام ہو۔ قیامت کے روز تمہاری شان نرالی ہونی چاہیے۔ تمہاری زندگی کے گرد نور کا ہالہ ہو۔

أَنفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ

خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں ۳۱ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی

وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾ لَوْ أَنزَلْنَا

اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں اگر ہم نے اتارا ہوتا

هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ

اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف

اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾

سے۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ غوروفکر کریں ۳۲

اس نورانی پالسی کے اندر تم جو دھویں کہ پھرتے کا راز پوشیدہ ہے وہ عجب غفلت ہے۔ دوبارہ پھر تقویٰ کی تاکید فرمادی اور بتا دیا کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو تمہارا خدا وند ذوالجلال اس سے خوب باخبر ہے۔

۳۱؎ بڑی ہی اہم حقیقت کی طرف بڑے ہی دلنشیں پیرایہ میں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ بتایا جو خدا کو فراموش کر دیتا ہے وہ صرف خدا فراموش ہی نہیں ہوتا وہ خود فراموش بھی بن جاتا ہے اسے اپنے نفع و نقصان کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کام اس کے لیے مفید ہوگا۔ اس کی فارغ البالی کا سبب بنے گا۔ اس کی عزت کو چار چاند لگنے لگا۔ اس کے اقتدار کو مستحکم بنائے گا در حقیقت وہ کام اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی سینکڑوں نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل عام جاری رکھا تاکہ کوئی ایسا بچہ جنم نہ لے سکے جو کل اس کے قصر اقتدار کو مسمار کر دے لیکن یہی اقدام اس کی غیر مقبولیت کا سبب بنا۔ بنی اسرائیل بھی ہمیشہ کے لیے اس سے متنفر ہو گئے۔ اپنی قوم میں بھی اس کی حیثیت ایک ظالم قاتل کی ہو گئی ابوجہل ابولہب اس لیے اسلام میں داخل نہ ہوئے کہ ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ وہ اب قوم کے سردار ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ ان کی یہی دانشمندی ان کی بربادی کا باعث بن گئی۔ مہر نگاہ آپ کو یہ نکتہ کار فرما نظر آئے گا کہ جو شخص خدا فراموش ہوتا ہے وہ خود فراموش بھی ہوتا ہے۔ اپنا خیر اندیش بھی وہی ہوتا ہے جو اپنے رب کے ذکر کی شمع کو روشن رکھتا ہے کس عمدگی سے ذکر الٰہی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

۳۲؎ یعنی پہاڑ کو اگر عقل و فہم عطا کیا جاتا اور پھر قرآن اس پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت و جلال سے سر تسلیم خم کر دیتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ انسان جو ایک مشت خاک ہے اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے کلام کے مواعظ میں غور نہ کرے اور اس

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِۚ هُوَ

اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ۴۳؎ جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا ۴۴؎ وہی

الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْمَلِكُ

بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ،

الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ

نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ۴۵؎

چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہو۔

۴۳؎ ان آخری آیات میں بڑے ربط کے ساتھ صفات جلیلہ حمیدہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی جس خداوند کی عبادت، اطاعت اور فرمانبرداری کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے وہ خدا کن کن صفات کمال سے متصف ہے۔ سب سے پہلے اس کی شان توحید بیان کی گئی۔ وہی خدا ہے، وہی معبود ہے۔ اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں جو خدائی کے تخت پر جلوہ فرما ہو۔ کوئی ایسی ہستی ہے ہی نہیں جو عبادت و پرستش کے لائق ہو۔ اگر کسی چیز میں کوئی کمال یا کمالات پائے جاتے ہیں تو اس میں نقائص و عیوب کی بھی کمی نہیں۔ اگر کوئی اور نقص نہ ہو تو اس نقص سے تو اس کے سوا کوئی بھی منزہ نہیں کہ وہ ممکن ہے۔ یعنی پہلے نہیں تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور پھر نہیں ہوگا۔

۴۴؎ صفت توحید بیان کرنے کے بعد اس کی صفت علم کا ذکر فرمایا کہ اس کا علم محدود اور ناقص نہیں بلکہ وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو تم سے مخفی ہوتی ہیں اور ان کو بھی جانتا ہے جو ظاہر ہیں۔ ماضی بھی اس کے سامنے ہے، مستقبل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ اس کی رحمت بے انداز ہے۔ دنیا و آخرت میں اپنا اور بیگانہ سب اس کے خوان نعمت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

۴۵؎ دیگر صفات بیان کرنے سے پہلے ایک بار پھر اس کی توحید کا ذکر کیا۔ یہاں جو صفات مذکور ہیں اختصار کے ساتھ ان کی لغوی تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔

الملک: بادشاہ۔ جو چاہے کرے اور اس کے فعل پر کسی کو مجال اعتراض نہ ہو۔

القدوس: المنزہ عن کل نقص والطاهر من کل عیب۔ جو ہر نقص سے منزہ اور ہر عیب سے پاک ہو۔

السلام: ای ذو سلامة من النقائص۔ یعنی ہر قسم کی خامیوں سے محفوظ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آفات و مصائب سے بچاتا ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ

پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں ۲۳ وہی اللہ ہے سب کا خالق سب کو پیدا کرنے والا ۳۳ سب کی صورت بنانے والا ۳۳ اسی کے لیے ہیں سب اچھے نام

المومن: ای المصدق لرسلہ باظہار معجزاتہ علیہم۔ یعنی اپنے انبیاء سے معجزات کا اظہار کر کے ان کی رسالت کی تصدیق فرمانے والا یا اپنے دوستوں کو عذاب سے امن دینے والا۔

المہیمن: الشاہد، گواہ۔ اور اس کو بھی کہتے ہیں جو کسی کو خوف سے امان دے۔ اس کا اصل مؤیمن ہے۔ دوسرا ہمزہ یاء سے اور پہلا ہمزہ ہ سے بدل دیا گیا۔ اس طرح مہیمن ہو گیا۔ (الجمل)

العزیز: زبردست، سب پر غالب۔

الجبار: المصلح امور خلقہ المتصرف فیہم بما فیہ صلاحہم۔ یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا جس میں ان کی فلاح اور بہبود ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ جبر سے مشتق ہو گا جس کا معنی اصلاح ہے۔ ٹوٹی ہوئی ہڈی پر پٹی باندھ کر اسے درست کرنے کو بھی جبر کہتے ہیں۔ جبرت العظم فجبر۔ اس کا معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ جس کی سطوت کو برداشت نہ کیا جا سکے۔ الذی لا تطاق سطوتہ۔ قال ابن عباس ہو العظیم۔

المتکبر: جس کی عظمت و کبریائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تکبر عمدہ صفت ہے لیکن مخلوق کے لیے مذمت کا سبب ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ فی الصحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال خبرا عن ربہ تبارک و تعالیٰ انہ قال الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری ومن نازعنی فی واحد منہما قصمتہ وقذفتہ فی النار۔

ترجمہ: حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے۔ جو ان کو اوڑھنے کی کوشش کرے گا میں اس کی کمر توڑ دوں گا اور اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔

۲۳ یعنی اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو ان صفات و کمالات سے متصف ہے جن کو ان احمقوں نے خدا کا شریک بنا رکھا ہے کیا ان میں یہ خوبیاں پائی جاتی ہیں یا ان میں سے کوئی ایک خوبی پائی جاتی ہے۔ جب ان کمالات کا ان میں شائبہ تک نہیں تو ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اسی لیے آخر میں فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان معبودان باطل سے پاک ہے جنہیں یہ نادان اس کا شریک بناتے ہیں۔

۳۳ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔

خالق: اندازہ کرنے والا اور باری اس اندازے اور تجویز کو عملی جامہ پہنانے والا۔ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کائنات کی ہر ہر چیز کا منصوبہ بھی بناتا ہے تجویز بھی کرتا ہے اندازے بھی مقرر کرتا ہے اس لیے وہ خالق ہوا اور ان اندازوں کے مطابق انہیں پیدا بھی کرتا ہے اس لیے وہ باری بھی ہوا۔

۳۳ المصور: تصویر بنانے والا۔ یعنی جس طرح چاہتا ہے اس قسم کی شکل عطا فرما دیتا ہے کسی کو خوبصورت کسی کو بدصورت۔

الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۴﴾ ع

خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ۵۲؎ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے ۵۳؎

کسی کو کیسے کسی کو کیسے۔ انگشت بدنداں ہیں لیکن کسی کی شکل کسی کے ساتھ ہو بہو نہیں ملتی۔ ہر جاندار نے مالک انسان کے لیے الگ نقشہ علیحدہ علیحدہ خد و خال بنا دینا اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۵۲؎ یہاں اس کے خوبصورت اور پیارے ناموں میں سے چند اسماء ذکر کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ سارے خوبصورت نام اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ ہر چیز اسی کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔

۵۳؎ وہی عزیز ہے وہی حکیم ہے۔ قوت و حکمت کا یہ امتزاج کتنا حسین اور معنی خیز ہے۔

یا من له الاسماء الحسنی نسئلك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته في كتابك او علمته احدا من خلقك او استأثرت به في علم الغيب عندك ان تجعل القرآن العظيم ربيع قلبي ونور صدري وجلاء حزني وذهاب همي وغمي۔

اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا وحبيبنا وقرة عيوننا وراحة خواطرنا محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعه باحسان الى يوم الدين۔

تعارف

سُورَۃ المُمتحنہ

نام : اس سورت کا نام اس کی آیت نمبر ۱۰ کے کلمہ فامتحنوھن سے ماخوذ ہے۔ اسے مُمتحِنَہ اور مُمتحَنَہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا امتحان لینے والی سورت، اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا وہ عورت جس کا امتحان لیا گیا ہے۔ یہ دو رکوع، تیرہ آیتوں، تین سو اڑتالیس کلمات اور ایک ہزار پانچ سو دس حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس سورت میں جو واقعات مذکور ہیں اُن سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں یہ سورت نازل ہوئی۔

مضامین : حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی مہم پر جانے کا ارادہ فرماتے تو اس کو صیغۂ راز میں رکھتے تاکہ دشمن قبل از وقت مطلع ہوکر اپنے دفاع کی تیاری مکمل نہ کرلے۔ اذن الٰہی کے مطابق جب فتح مکہ کے لیے تیاری شروع کی گئی تو حسب معمول نہایت رازداری سے کام لیا گیا تاکہ کفار مکہ اس منصوبہ پر آگاہ ہوکر کوئی جوابی کارروائی نہ کرسکیں۔ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سنگین غلطی سرزد ہوئی۔ ان کے بال بچے مکہ میں تھے۔ وہاں ان کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہ تھا جو اُن کا پرسان حال ہوتا۔ انہوں نے خفیہ طور پر مکہ کے ایک سردار کو خط لکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ سے اُسے آگاہ کیا تاکہ وہ اس احسان کے بدلے اُن کے بال بچوں کا خیال رکھے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ تو آیات کی تشریح کے ضمن میں آئے گا۔ یہاں فقط اتنا اشارہ کرنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سخت تنبیہ فرمائی کہ ایمان لانے کے بعد کفار کے ساتھ تمہارا یارانہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے۔ تم اپنی صاف دلی کے باعث انہیں بھی اپنے جیسا خیال کرتے ہو حالانکہ کفر نے ان کو ان صفات عالیہ سے محروم کردیا ہے جن کی تم اُن سے توقع رکھتے ہو۔ ان کے سینوں میں تمہارے خلاف بغض و عناد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ اگر تم نے احتیاط سے کام نہ لیا تو تم خود بھی نقصان اٹھاؤ گے اور مسلمانوں کو بھی طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا کردو گے۔ اگر وہ تم پر غالب آگئے تو تم پر ذرہ برابر رحم نہیں کریں گے اور ہر ممکن ذریعہ سے تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے جب اُن کے قریبی رشتہ داروں نے اُن کی دعوت توحید کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو آپ نے اُن سے مکمل بائیکاٹ کردیا۔ تمہیں بھی چاہیے کہ اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔

یہاں ایک نکتہ کی وضاحت کردی گئی کہ قطع تعلق فقط اُن کفار کے ساتھ ہے جو تم سے برسرپیکار ہیں۔ جنہوں نے

تمہیں جلاوطن کر دیا ہے لیکن جو کافر تمہارے خلاف جارحیت کے مرتکب نہیں ہیں اُن سے اپنے مکمل بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا جا رہا۔

صلح حدیبیہ کے بعد ایک نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ معاہدہ صلح میں یہ طے پایا تھا کہ اگر کوئی مسلمان مرد آج کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے گا تو اسے واپس کر دیا جائیگا۔ لیکن عورتوں کے بارے میں کوئی صراحت نہ تھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد کئی عورتیں جو مسلمان ہو چکی تھیں وہ اپنے کافر شوہروں کو مکہ میں چھوڑ کر مدینہ طیبہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ شرائط صلح کی رُو سے کیا انہیں بھی واپس کر دینا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب کوئی عورت ہجرت کر کے تمہارے پاس آ جائے تو تم اس کے ایمان کا جائزہ لو۔ اگر وہ سچے دل سے ایمان لائی ہو تو اسے ہرگز واپس نہ کرو کیونکہ آج سے کوئی مومن عورت کسی مشرک کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کئی مسلمان مرد اپنی کافر بیویاں مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ اُن کے بارے میں بھی بتا دیا کہ کافر عورتیں بھی مسلمانوں کے عقدِ نکاح میں باقی نہیں رہیں گی۔ وہ اب آزاد ہیں جس سے چاہیں شادی رچائیں ان کے بارے میں تفصیلی احکام آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

مکہ کرمہ فتح ہونے والا تھا۔ وہ دن طلوع ہونے کے قریب تھا جب مردوں کی طرح عورتیں گروہ در گروہ اسلام قبول کریں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو قبل از وقت بتا دیا کہ جب مشرک عورتیں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوں تو ان اُمور پر ان کی بیعت لی جائے۔

نیوڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۳-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ الممتحنہ مدنی ہے اور اس میں ١٣ آیتیں اور ٢ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنا) جگری دوست ١؎

١؎ ان آیات کی شانِ نزول حضرت صدر الافاضل قدس سرہ کے جامع الفاظ میں سماعت فرمائیے:

بنی ہاشم کے خاندان کی ایک باندی سارہ مدینہ طیبہ میں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئی جبکہ حضور فتح مکہ کا سامان فرما رہے تھے۔ حضور نے اس سے فرمایا کیا تو مسلمان ہو کر آئی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا ہجرت کر کے آئی ہے؟ عرض کیا نہیں۔ فرمایا پھر کیوں آئی؟ اس نے کہا محتاجی سے تنگ ہو کر۔ بنی عبدالمطلب نے اس کی امداد کی، کپڑے بنائے، سامان دیا۔ حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے ملے۔ اس کو دس دینار دیے، ایک چادر دی اور ایک خط اہل مکہ کے پاس اس کی معرفت بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم پر حملہ کا ارادہ رکھتے ہیں، تم سے اپنے بچاؤ کی جو تدبیر ہو سکے کرو۔ سارہ یہ خط لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس کی خبر دی۔ حضور نے اپنے چند اصحاب کو جن میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے گھوڑوں پر روانہ کیا اور فرمایا مقام روضہ خاخ پر تمہیں ایک مسافر عورت ملے گی، اس کے پاس حاطب ابن ابی بلتعہ کا خط ہے جو اہل مکہ کے نام لکھا گیا ہے۔ وہ خط اس سے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ اگر انکار کرے تو اس کی گردن مار دو۔ یہ حضرات روانہ ہوئے اور عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پایا جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اس سے خط مانگا وہ مکر گئی اور قسم کھا گئی۔ صحابہ نے واپسی کا قصد کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بقسم کہا کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر خلافِ واقع ہو ہی نہیں سکتی اور تلوار کھینچ کر عورت سے فرمایا یا خط نکال یا گردن رکھ۔ جب اس نے دیکھا کہ حضرت بالکل قتل کرنے کو تیار ہیں تو اپنے جوڑے میں سے خط نکالا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ اے حاطب! اس کا کیا باعث؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جب سے ایمان لایا کبھی میں نے کفر نہیں کیا اور جب سے حضور کی نیاز مندی میسر آئی کبھی حضور کی خیانت نہیں کی اور جب سے اہل مکہ کو چھوڑا کبھی ان کی محبت نہ آئی لیکن واقعہ یہ ہے کہ میں قریش میں رہتا تھا اور ان کی قوم سے نہ تھا۔ میرے سوا اور جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ مکرمہ میں رشتہ دار ہیں جو ان کے گھر بار کی نگرانی کرتے ہیں۔ مجھے اپنے گھر والوں کا اندیشہ تھا اس لیے میں نے یہ چاہا کہ اہل مکہ پر کچھ احسان رکھ دوں تاکہ وہ میرے

گھر والوں کو دوست نہیں اور دین میں یقین سے جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر عذاب نازل فرمانے والا ہے میرا یہ خط انہیں بچا نہ سکے گا۔
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا یہ عذر قبول فرمایا اور ان کی تصدیق کی۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن مار دوں۔
حضور نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ! اللہ تعالیٰ خبردار ہے جب ہی اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کے آنسو جاری ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (قرآن العرفان)

اگرچہ یہ آیتیں حضرت حاطبؓ کے متعلق نازل ہوئیں لیکن ان میں روئے سخن صرف انہی کی طرف نہیں بلکہ ساری ملت اسلامیہ کو مخاطب بنایا گیا ہے۔ سب کو نصیحت کی جا رہی ہے ایسی غلطی کے ارتکاب سے روکا جا رہا ہے جس سے اسلام اور اہل اسلام کے مفاد کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو خواہ اس کی نیت کچھ بھی ہو۔

ان آیت کے ضمن میں قاضی ابن عربی الاندلسی نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں چند فقہی مسائل لکھے ہیں جن کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱۔ اگر کوئی مسلمان اسلامی حکومت کے سربستہ راز دشمن تک پہنچائے تو اس کا یہ فعل اگرچہ سنگین جرم اور کبیرہ گناہ ہے لیکن وہ اس سے دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہو جاتا بشرطیکہ اس کے ایمان میں کوئی تزلزل نہ ہو۔ اگر اس طرح کفر لازم آتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حاطبؓ کو از سر نو مسلمان ہونے کا حکم فرماتے۔

۲۔ کیا ایسا مسلمان واجب القتل ہے؟ امام مالک، ابن قاسم اور اشہب فرماتے ہیں کہ امام جو سزا مناسب سمجھے دے سکتا ہے۔ عبدالملک کہتے ہیں کہ اگر یہ چیز اس کی عادت بن جائے تو اسے قتل کر دیا جائے گا کیونکہ وہ جاسوس ہے اور امام مالک جاسوس کے قتل کا قول دیتے ہیں اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اس نے مسلمانوں کو ضرر پہنچایا اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ وهو صحيح لاضراره بالمسلمين وسعيه بالفساد في الارض۔

حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ غلطی صرف ایک بار صادر ہوئی تھی اس لیے معاف کر دیا گیا۔

۳۔ اگر جاسوس کافر ہو تو امام اوزاعی کہتے ہیں کہ ذمی کا فرض جاسوسی کرکے اپنا معاہدہ توڑ دیا اور حربی جاسوس کو قتل کرنا جائز ہے۔ مسلمان اور ذمی جاسوس کو سخت سزا دی جائے گی لیکن اگر وہ بار بار ایسا کریں گے اور مسلمانوں کے خلاف دشمن کی مدد کریں گے تو انہیں بھی قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔

یہاں سے ایک اور مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے جس کی آج کل اشد ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر وطن دشمنی کا یا کوئی اور الزام عائد کیا جائے تو ایسے شخص کو اس وقت تک سزا نہیں دی جا سکتی جب تک اس کی تحقیق نہ کر لی جائے اور ملزم کو اپنی صفائی کا موقع نہ دیا جائے۔ محض الزام اور شک پر کسی کو سزا دینا اسلامی قانون میں ہرگز جائز نہیں۔ جب حضرت حاطبؓ کا خط پکڑا گیا تو انہیں صفائی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور ان کے اس بیان کو جس کی تائید دیگر قرائن و شواہد سے ہو رہی تھی تسلیم کر لیا گیا۔

حضرت حاطبؓ جیسے یہ جرم سرزد ہوا تھا ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تو اس کی ابتدا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ

تم ان سے اظہار محبت کرتے ہو ان سے [۲] حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں اس دین حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ

انہوں نے نکالا ہے رسول (کریم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے)، محض اس لیے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر

ہے کی گئی حضرت حاطب نے جب یہ آیت سنی تو ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ ان کی اس غلطی کی وجہ سے ان کو مسلمانوں کی جماعت سے خارج نہیں کر دیا گیا صرف سرزنش اور عتاب پر اکتفا کیا گیا ہے اور عتاب اسی کو کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ ؎

اعاتب ذا المودۃ من صدیق	اذا ما رابنی منہ اجتناب
فاذا ذھب العتاب فلیس ود	ویبقی الود ما بقی العتاب

یعنی میں اس دوست کو ہی عتاب کرتا ہوں جس سے محبت ہو۔ جب مجھے یہ شک گزرے کہ وہ مجھ سے اجتناب کر رہا ہے۔

جہاں عتاب نہ ہو وہاں محبت نہیں ہوتی۔ جب تک عتاب کا سلسلہ باقی ہے محبت بھی باقی ہے۔

اس آیت میں چند فقرے اور چند الفاظ توجہ طلب ہیں:

عدو اگرچہ واحد ہے لیکن اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ زمخشری کہتے ہیں والعدو: فعول من عدا کعفو من عفا ولکونہ علی زنۃ المصدر اوقع علی الجمع ایقاعہ علی الواحد۔ (کشاف)

یعنی یہ مصدر کے وزن پر ہے اس لیے یہ جمع اور واحد دونوں معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

[۲] تلقون الیھم بالمودۃ کا مفہوم کیا ہے اور کلام سابق سے اس کا ربط کیا ہے؟

ربط کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) لا تتخذوا کی ضمیر کا حال ہے۔ (۲) اولیاء کی صفت ہے۔ (۳) یہ کلام مستانف ہے۔ یہ نیا جملہ ہے۔ پہلے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بالمودۃ کی باء زائدہ برائے تقریب بھی ہو سکتی ہے اور سببیہ بھی ہو سکتی ہے۔

پہلی صورت میں القاء بالمودۃ کا معنی اظہار المودۃ ہوگا۔ (روح المعانی) یعنی تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو۔

دوسری صورت میں یہ باء تعدیہ کے لیے ہوگی اور مودۃ، تلقون کا مفعول ہوگا۔ اس کا معنی وہی ہوگا جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اگر باء سببیت کے لیے ہے تو اس وقت تلقون کا مفعول محذوف ماننا پڑے گا۔ عبارت یہ ہوگی۔ تلقون الیھم اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسبب المودۃ التی بینکم وبینھم (کشاف) یہاں القاء، ارسال کے معنی میں ہوگا۔ یعنی تم رسول اللہ کی خبریں ان کو بھیجتے

كُنتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي

اگر جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لیے (تو انہیں دوست مت بناؤ)

تُسِرُّونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا

تم خفیہ راز داری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو

أَعْلَنتُمْ ۚ وَمَن يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ①

تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہ راست سے

کو بھیجتے ہو اس محبت کی وجہ سے جو تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ہے۔

۹؎ ان کنتم خرجتم الخ یہ شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف ہے اور کلام سابق لا تتخذوا اس پر دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے کے لیے نکلے ہو اور اس کی رضا کے طلب گار ہو تو کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔

۱۰؎ تسرون الیہم الخ یہ تلقون سے بدل بھی ہو سکتا ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کو کلام مستانف قرار دیا جائے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ای تفضون الیہم بمودتکم سرا یعنی تم انہیں اپنی محبت اور دوستی کا چپکے چپکے یقین دلاتے ہو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ تسرون الیہم اسرار رسول اللہ بسبب المودۃ (کشاف) کہ تم باہمی دوستی کی وجہ سے حضور کے راز ان تک پہنچاتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہاری ساری حرکتوں کو خوب جانتا ہے۔ تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو اس علیم و خبیر سے نہیں چھپا سکتے۔

آیت کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اے ایمان والو! جو لوگ میرے دین کے دشمن ہیں اور جو لوگ تمہارے بھی دشمن ہیں ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ تم ان سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہو حالانکہ وہ اس دین حق کا انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس اللہ کا رسول لے کر آیا ہے۔ اور ان کی عداوت کی اس سے بڑی روشن دلیل تمہیں اور کیا چاہیے کہ انہوں نے اللہ کے محبوب نبی کو بھی گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور تمہیں بھی جلا وطن کر دیا۔ تم نے ان کا کوئی قصور نہیں کیا تھا۔ تم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی تھی۔ ان کی نظروں میں تمہارا اللہ پر ایمان لانا ایک ایسا گناہ ہے جو ناقابل عفو نہیں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے میدان میں آئے ہو اور اس کی خوشنودی کے جویا ہو تو تمہیں اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ تم انہیں اپنا دوست مت بناؤ۔ تم میں سے بعض لوگ خفیہ طور پر کفار کو اپنی دوستی اور خیر خواہی کا یقین دلاتے ہیں کیا انہیں یہ بات بھول جاتی ہے کہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے ہے اور اللہ تعالیٰ چھپی اور ظاہر ہر چیز کو بخوبی جانتا ہے۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کسی نے ایسی غلطی کی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا اور اپنی منزل سے بھٹک گیا۔

إِن يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ

وَأَلْسِنَتَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢﴾ لَن تَنفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ

اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ آرزو کرتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر بن جاؤ ؎ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار

وَلَا أَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا

اور نہ تمہاری اولاد روز قیامت۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ جو

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣﴾ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ

تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ؎ بے شک تمہارے لیے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم

؎ علامہ آلوسی کہتے ہیں ان یثقفوکم ای ان یظفروا بکم۔ یعنی اگر وہ تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں۔
اس آیت میں حاطب اور ان کی روش اختیار کرنے والوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ کفار تم پر غالب آجائیں اور تم پر قابو پالیں تو اپنی عداوت اور بربریت کا مظاہرہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ وہ ہاتھوں سے تمہیں تہ تیغ کرنے میں دریغ نہ کریں گے اور زبان سے تم پر گالیوں کی بوچھاڑ کریں گے۔ تم پر طرح طرح کے بہتان تراشیں گے۔ تم سادہ لوح لوگ ہو۔ ان کے دلوں میں تو تمہارے لیے عداوت و حسد کا آتش فشاں دہک رہا ہے اور تمہیں خبر تک نہیں۔ وہ صرف تمہارے مال اور تمہاری جان کے دشمن نہیں بلکہ ان کا بس چلے تو آنکھ جھپکنے میں تمہارے ایمان کی متاع عزیز کو تاخت و تاراج کر ڈالیں۔ تمہارے ایمان کے چراغ کو گل کر دیں اور پھر کفر کے اندھیروں میں تمہیں تا ابد ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ دیں۔ ہاں! اب جو اہل ایمان کے دشمنوں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر بے خبر رہنے کی حماقت ہے۔ بندہ مومن کو ایسے دشمنوں سے ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے۔

؎ حضرت حاطب کو بال بچے کی محبت نے اس حرکت پر اکسایا تھا۔ بتایا کہ قیامت کے دن یہ رشتہ دار اور اولاد کسی کام نہ آئے گی۔ ہر شخص کو اپنے کفر کی سزا خود بھگتنی پڑے گی۔ یفصل بینکم یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا کہ تم ایک دوسرے سے بھاگنے ہی میں اپنی سلامتی سمجھو گے۔ اسی چیز کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا گیا ہے۔

یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ و بنیہ۔

یعنی اس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا

اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں جب انہوں نے برملا کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ

سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں شہ اور ظاہر ہو گئی ہے ہمارے اور تمہارے درمیان

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا

ہمیشہ کے لیے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر شہ مگر

کے اپنے قریبی رشتہ داروں سے، اپنے بیوی بچوں سے قطع تعلق کرنا آسان کام نہیں لیکن ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والو! ایمان کو بچانے کے لیے ماں باپ سے، بہن بھائی سے، بیوی بچوں سے بھی اگر قطع تعلق کرنا پڑے تو ذرا نہ گھبراؤ۔ سارے رشتے توڑ دو۔ سارے بندھن کاٹ ڈالو جو تمہارے ایمان میں رخنہ اندازی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور ان کے وفا شعار ساتھیوں اور ساتھیوں کی مثال پیش کی کہ دیکھو انہوں نے اپنے خداوند کریم کو راضی کرنے کے لیے کس طرح ان تعلقات کو پس پشت ڈال دیا اور کس جرأت سے برملا اعلان کر دیا کہ ہمارا اور تمہارا اب کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہمارا تمہارے معبودوں سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ بے شک حکومت واقتدار تمہارے پاس ہے۔ جاگیریں اور زمینیں تمہارے قبضہ میں ہیں اور دولت وثروت کے انبار تمہارے ہاں لگے ہیں لیکن تمہاری حیثیت ہماری نظروں میں خس وخاشاک سے بھی کم ہے۔ ہمیں تمہاری اور تمہارے جاہ وجلال کی ذرا پروا نہیں۔

یہاں کفرنا بکم کا ایک معنی تو یہ ہے کہ ہم تمہارے بھی منکر ہیں اور تمہارے خداؤں کو بھی تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ طاغوت سے کفر ضرور کرتا ہے یعنی معبودان باطل کا انکار ضرور کرتا ہے۔ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى یعنی جو شخص طاغوت سے انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اس نے درحقیقت مضبوط سہارا پکڑ لیا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں۔

لیکن کفرنا بکم کا ایک دوسرا مفہوم بھی علمائے تفسیر نے ذکر کیا ہے۔ علامہ آلوسی کی عبارت ملاحظہ ہو: والكفر به مجاز او كناية عن عدم الاعتداد اشكانه قيل انا لا نعتد بشأنكم ولا بشأن الهتكم وما انتم عندنا على شيء۔

یعنی بطور مجاز یا کنایہ کفر سے مراد یہاں عدم اعتداد ہے۔ گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں خاطر میں نہیں لاتے، نہ ہم تمہارے خداؤں کی پروا کرتے ہیں۔ ہماری نگاہوں میں تمہاری ذرہ بھر کوئی وقعت نہیں۔

شہ ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اے ہماری قوم کے کافرو! ہم نے تم سے قریبی تعلقات

قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ

ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اور میں مالک نہیں تمہارے لیے

مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ

اللہ کے سامنے کسی چیز کا۔ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی

الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا

ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا تختۂ مشق کافروں کے لیے اور ہمیں بخش دے

رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ

اے ہمارے رب! بے شک تو ہی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ بے شک تمہارے لیے ان میں خوبصورت

سابقہ دوستیاں، بھائی چارے ہم ان سب کو یک قلم منسوخ کرتے ہیں۔ جب تک اسلام کو قبول نہیں کرو گے ہم تمہارے دشمن رہیں گے۔ تمہیں تباہ کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے۔ ہم سے سب سے پہلے پیار اور محبت کی توقع نہ رکھو۔ اگر تم راہ راست پر آجاؤ اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرلو تو ہم دوبارہ شیر و شکر ہو جائیں گے۔

۵؎ پہلے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی اور ان کا طرز عمل تمہارے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ اس کی تمہیں اقتدا کرنی چاہیے۔ یہاں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بات ایسی ہے جس کی تمہیں اقتدا نہیں کرنی چاہیے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی مغفرت کے لیے دعا مانگی۔ تمہیں ایسا کرنا جائز نہیں۔ آپ نے بھی اپنے باپ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تو شرک سے باز نہ آیا تو میں تیرا کچھ بھلا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ انما ادفع عنک من عذاب اللہ شیئا ان اشرکت بہ۔ (قرطبی)

۶؎ حضرت ابراہیم اور آپ کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے قطع تعلق کرنے کے بعد اللہ عزوجل کی جناب میں دست بدعا ہو کر عرض کیا کہ الٰہی! ہم نے سارے سہارے ختم کر دیے۔ اب ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پر ہے۔ دنیا بھر سے منہ موڑ کر ہم نے اپنا رخ اب تیری طرف کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم نے ایک روز تیرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

۷؎ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ اے اللہ کفار کو ہم پر مسلط نہ فرما۔ ای لا تسلطہم علینا قالہ ابن عباس۔ فالفتنۃ مصدر بمعنی المفعول۔ اس صورت میں فتنہ جو مصدر ہے اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ اس فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کفار غالب آجائیں اور ان کا یہ غلبہ انہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر دے کہ وہ حق پر ہیں اس لیے ان کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ کفر و شرک اور فسق و فجور جس پر وہ کاربند ہیں یہی حق اور ہدایت ہے۔ نیز کفر کے غلبہ سے اس فتنہ کا بھی اندیشہ ہے کہ بعض ضعیف الایمان

أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن

نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو

يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝٦ عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ

روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی غنی ہے سب خوبیوں سراہا ۱۲ یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا

بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ

تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لیے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٧ لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۱۳ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے

لوگ اس کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل بنا لیں اور یوں تو وہ ہمیں اور بھی فتنہ ہے کہ مسلمان کسی عذاب اور تکلیف سے دل برداشتہ ہو کر کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھیں جو اسلام کے بلند و بالا معیار کے لیے بدنما داغ بن جائے۔ الغرض قرآن کے یہ الفاظ اتنے جامع ہیں کہ فتنہ کی جتنی امکانی شکلیں ہیں ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور حبیب خدا انہی کلمات سے اپنے رب کے حضور دعا مانگتے ہیں تو وہ گویا اپنے آپ کو اور دوسرے لوگوں کو تمام فتنوں سے بچانے کے لیے التجا کر رہا ہوتا ہے۔ بالتفصیل دیکھیے ضیاء القرآن جلد دوم سورہ یونس آیت ۸۵۔

۱۲ اس پاکیزہ اور بہترین نمونہ سے وہی استفادہ کر سکتا ہے جو یقین رکھتا ہے کہ قیامت کا دن آئے گا اور اسے اس کی قبر سے اٹھا کر عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا جہاں اس سے گزشتہ زندگی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔ وہی ایسے نمونوں کی قدر کرتا ہے، وہی ان پاکبازوں کے نقش قدم کو خضر راہ بناتا ہے۔

۱۳ اہل ایمان نے اپنے تعلقات اور رشتے کفار سے منقطع کر دیے۔ اسلام کے لیے اگر ان کے سر قلم کرنے کی بھی نوبت آئی تو انہیں اس میں ذرا تامل نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل ایمان کو یہ مژدہ سنایا کہ عنقریب یہ لوگ اسلام قبول کر لیں گے اور کفر کی جو خلیج تمہارے اور ان کے درمیان حائل ہے وہ بھر جائے گی۔ پھر تم آپس میں شیر و شکر ہو جاؤ گے۔ اسلام کو سربلند رکھنے کی جو لگن آج تمہارے دلوں کو بے قرار کر رہی ہے یہی تڑپ انہیں بھی بخش دی جائے گی۔ تم شانہ بشانہ کھڑے ہو کر باطل کا سر غرور خاک میں ملانے کے لیے جہاد کرو گے۔ سابقہ محبت اور پیار نئے روپ میں ظاہر ہوگا اور یہ روپ ہر لحاظ سے پہلے روپ سے زیادہ توانا اور دلکش ہوگا۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ فتح مکہ کے بعد کفار عرب فوج در فوج مشرف بہ اسلام ہوئے اور تعلقات کے دیرینہ رشتے پھر سے استوار ہو گئے۔

يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن

دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انھوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ

تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ إِنَّمَا

احسان کرو سلوک اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم

اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے

مِّن دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَن تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَن

گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ اور جو

ف١٣ پہلی آیت میں کفار کو دوست بنانے سے روک دیا۔ اس کی وجہ بھی بتا دی کہ انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کو اور بے قصور مسلمانوں کو اپنے وطن اور اپنے گھر بار سے نکال دیا۔ اس آیت میں ان کفار سے حسن سلوک کی اجازت دی جا رہی ہے جنہوں نے مسلمانوں سے نہ جنگ کی اور نہ انہیں جلاوطن کیا۔

حضرت صدیق اکبر کی ایک بیوی قتیلہ نامی تھی جس کو آپ نے قبل از اسلام طلاق دے دی تھی۔ اس کے بطن سے آپ کی صاحبزادی حضرت اسماء تھیں۔ ہجرت کے بعد وہ اپنی بیٹی کے لیے چند تحفے تحائف لے کر مدینہ آئی۔ حضرت اسماء نے اسے گھر آنے سے روک دیا اور تحائف قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ کا ذکر انہوں نے بارگاہ رسالت میں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسماء کو اجازت دی کہ وہ اپنی ماں کو گھر میں آنے دے، اس کے تحائف قبول کرے اور اس کے ساتھ احسان و مروت کا برتاؤ کرے۔

ف١٤ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار نے تمہارے خلاف جنگ نہیں لڑی اور نہ انہوں نے تمہیں کوئی اذیت پہنچائی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی ان کے ساتھ نیکی اور احسان کا رویہ اختیار کرو۔ اگر تم محارب کافروں کی طرح ان مصالح کافروں کے ساتھ بھی جور و تشدد کرو گے تو یہ عدل و انصاف کے خلاف ہو گا۔ اس کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ایسے کفار کے ساتھ تو انصاف کرو جنہوں نے تم پر زیادتی نہیں کی اور جنہوں نے تم پر زیادتی کی ہے ان پر تمہیں ظلم کرنے کی اجازت ہے۔ اسلام کسی کے ساتھ کسی حالت میں ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔

علامہ ابن عربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں کہ تقسطوا کا معنی یہ ہے کہ ایسے کفار کو بطور تبرع اور حسن سلوک اپنے اموال کا کچھ حصہ دو تاکہ ان کی دلجوئی ہو جائے۔ یہاں تقسطوا سے مراد عدل نہیں کیونکہ عدل تو مسلمان پر ہر حالت میں واجب ہے خواہ مقابلہ جنگجو کفار سے ہو خواہ ایسے کفار سے جنہوں نے جنگ نہیں کی۔ ان کی عبارت ملاحظہ ہو۔ قولہ تعالیٰ تقسطوا الیھم ای تعطوھم قسطا

يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ⑨ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں ١٦ اے ایمان والو! جب

جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ

آجائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے ١٧ تو ان کی جانچ پڑتال کر لو ١٨ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔

من اموالکم ولیس بریبہ من العدل فان العدل ولیصیبہ من تبل ولی من لم یقاتل (احکام القرآن)

١٦ جو لوگ ایسے دشمنانِ جان و ایمان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔ ان کی یہ حرکت ان کی قوم اور خود ان کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگی۔ وہ اپنے بھولپن کے باعث ان کے شر سے مطمئن ہو جائیں گے اور وہ ان کو غافل پا کر ایسا دھکا دیں گے کہ پھر اٹھ نہیں سکیں گے۔ بلاشبہ ایسا شخص بڑا ظالم ہے۔

١٧ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو معاہدہ طے پایا تھا اس میں کفار مکہ کی طرف سے ان کے نمائندے سہیل ابن عمرو نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اگر کفار کا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ آجائے تو کفار اس کو مکہ واپس لے جا سکتے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان کفار کے پاس آجائے تو مسلمان اس کو واپس لینے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

چنانچہ ابوبصیر جو اہل مکہ کے مظالم سے بہت تنگ تھے مدینہ طیبہ میں پہنچ گئے لیکن اس معاہدے کا پاس کرتے ہوئے حضور نے انہیں واپس کر دیا۔ بعد ازاں مسلمان عورتیں بھی ترکِ وطن کر کے مدینہ طیبہ آنے لگیں۔ عتبہ ابن ابی معیط جو اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھا اس کی لختِ جگر ام کلثوم کشاں کشاں مدینہ پہنچیں۔ اس کے علاوہ سبیعہ بنت الحارث اور امیمہ بنت بشر اپنے ازدواجی بندھنوں کو توڑتی ہوئی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئیں اور یہ سلسلہ چل نکلا۔ انہیں واپس لانے کے لیے کسی کا بھائی کسی کا خاوند کسی کا کوئی مدینہ طیبہ پہنچے۔ اس پیچیدہ مسئلہ کو حل کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آجائیں تو تم ان کی جانچ پڑتال کر کے تسلی کر لو۔ اگر ان کے آنے کا مقصد صرف ایمان کا تحفظ ہے تو انہیں واپس نہ کرو۔

اکثر لوگ اس حکم کے بارے میں بڑی الجھن محسوس کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں جب معاہدہ طے پا گیا تھا تو پھر ان عورتوں کو واپس نہ کرنا اس کی صریح خلاف ورزی تھی۔ حالانکہ اسلام عہد شکنی کو کسی قیمت پر روا نہیں رکھتا۔ اس کا جواب صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت میں صراحۃً مذکور ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الشروط کے باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ میں یہ الفاظ روایت کیے ہیں جو سہیل ابن عمرو نے لکھوائے تھے۔ علی انہ لا یاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ علینا۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی مرد آپ کے پاس آئے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا اس عبارت میں رجل کا لفظ صراحۃً موجود ہے جس کا معنی ہے مرد۔

فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى ٱلْكُفَّارِ

پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو ۱۹

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَءَاتُوهُم مَّآ أَنفَقُوا۟

نہ وہ حلال ہیں کفار کے لیے اور نہ وہ کفار حلال ہیں مومنات کے لیے ۲۰ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کیے ۲۱

اللہ تعالیٰ کی حکمت ملاحظہ ہو کہ اس نے کفار کے نمائندہ کی زبان سے ایسے الفاظ نکلوائے جن کی وجہ سے مہاجر خواتین کا مسئلہ کسی بحث و تکرار، فسخ و تاویل کا محتاج ہوئے بغیر حل ہو گیا۔ جب کفار نے ان مسلم خواتین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاہدہ کے اصل الفاظ ان کے سامنے دہرا دیے جن کو سن کر کفار کو سانپ سونگھ گیا اور لاجواب ہو کر انہیں واپس جانا پڑا۔ معاہدہ کی نص اس ارشاد ربانی کی تصدیق کر رہی ہے اور آیت میں اسی مسئلہ کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

۱۸ یعنی مدینہ طیبہ ان عورتوں کی پناہ گاہ نہیں کہ جو عورت اپنے خاوند سے دل برداشتہ ہو جائے یا کسی اور وجہ سے تنگ دل ہونا چاہے تو وہ سیدھی یہاں چلی آئے اور مسلمان اس کو اپنی حفاظت میں لے لیں۔ اسلام کے نزدیک یہ حرکت سخت قبیح اور ناروا ہے۔ اس لیے حکم دیا گیا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو ایماندار کہتے اور ہجرت کر کے تمہارے پاس چلی آئے تو تم پہلے اس کو اپنے اندر شامل نہ کرو بلکہ اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لو۔ اگر تمہیں اطمینان ہو جائے کہ یہ عورت صرف اپنے دین و ایمان کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر آئی ہے تو اس کو کفار کے حوالے مت کرو اور اگر اس کی آمد کی غرض و غایت اس کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو پھر اسے واپس کر دو۔ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتحان کا طریقہ مذکور ہے جس سے ساری حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

جب کوئی عورت مکہ سے مدینہ آتی تو حضور اس سے اس طرح قسم لیتے:

باللہ الذی لا الٰہ الا ھو ما خرجت من بغض زوج۔ اس اللہ کی قسم جس کے بغیر اور کوئی خدا نہیں میں اپنے خاوند سے بغض و عداوت کی وجہ سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت رغبۃ عن ارض الی ارض۔ خدا کی قسم میں پہلی جگہ سے دل برداشتہ ہو کر اس نئی جگہ نہیں آئی۔

باللہ ما خرجت التماس الدنیا۔ خدا کی قسم میں دنیا کی طلب کے لیے گھر سے نہیں نکلی۔

باللہ ما خرجت الا حبا للہ ورسولہ۔ بخدا میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے باعث اپنا وطن چھوڑ کر آئی ہوں۔

۱۹ یہ طریقہ ظن غالب اور حصول اطمینان ہے کیونکہ جانچنے والے کے لیے کسی کے دل کی حالت پر یقینی آگاہی حاصل کرنا ممکن نہیں۔

۲۰ ایسی عورتوں کو کفار کے حوالے نہ کرنے کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ مومن عورتیں کافروں کے لیے حلال نہیں اور نہ کافر

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ

اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کرلو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا

اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو اپنے نکاح میں کافر عورتوں کو ۔ اور طلب کرلو جو تم نے ان پر خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں

مَا أَنْفَقُوا ۚ ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ ۖ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا

مرد اہل ایمان دار خواتین کے لیے حلال ہیں۔

اس آیت کے نزول سے پہلے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان باہمی ازدواج جائز تھا۔ مسلمان عورتیں کفار کے ساتھ نکاح کرتیں اور مسلمان مرد کافر عورتوں سے شادی کرتے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں اس معاشرہ میں موجود تھیں۔ لیکن اس آیت نے باہمی ازدواج کا دروازہ بند کر دیا کہ کوئی مسلمان مرد اہل کتاب کے علاوہ کسی کافر عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت کسی کافر سے خواہ وہ اہل کتاب سے ہی کیوں نہ ہو نکاح نہیں کر سکتی۔

۲۱؎ یہاں ایک نیا حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائیں تو حکومت اسلامیہ پر لازم ہے کہ ان کے شوہروں نے جو مہر انہیں دیا تھا وہ بیت المال سے انہیں واپس کر دیا جائے اور پھر اگر وہ عورتیں کسی مسلمان کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہے۔ اب نئے شادی رچانے والے کو وہ اسے مہر ادا کرے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس وقت وہ عورت دار الاسلام میں ہجرت کر کے پہنچے گی اسی وقت اس کا سابقہ نکاح کالعدم قرار دے دیا جائے گا اور اسی وقت وہ جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ عدت گزارنے کی کوئی ضرورت نہیں لیکن مقاربت کے لیے استبراء ضروری ہے۔ یعنی یقین کر لیا جائے کہ اس کا رحم پہلے خاوند سے مشغول نہیں ہے۔ اس کے لیے ایک حیض کا آجانا کافی ہے۔ اگر وہ عورت حاملہ ہو تب بھی اس کے ساتھ نکاح جائز ہے لیکن اس کے ساتھ مقاربت تب کر سکتا ہے جب وہ بچہ جن چکے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک اس عورت کو بھی شرعی عدت گزارنی پڑے گی۔ اگر غیر حاملہ ہو تو تین حیض اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل۔ اس کے بعد وہ کسی سے نکاح پڑھا سکتی ہے۔

۲۲؎ یہاں سے مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے کہ آج سے پہلے جو کافر عورتیں تمہارے نکاح میں تھیں انہیں مت روکے رکھو بلکہ انہیں آزاد کر دو۔ چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد جن مسلمانوں کے گھروں میں ایسی عورتیں تھیں ان کو طلاق دے دی گئی۔ حضرت عمر کی دو کافر بیویاں تھیں جو مکہ میں رہ گئی تھیں۔ امیر المومنین نے ان دونوں کو طلاق دے دی۔

حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ

بڑا دانا ہے ٢٣ اور اگر جاتی رہے تم سے کوئی عورت تمہاری بیویوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آجائے

فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اگر کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آجائے تو جن کی بیویاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں انہیں اتنا معاوضہ ادا کرو جتنا انہوں نے دیا تھا ٢٤ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے

الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ

جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اے نبی مکرم جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں

يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَن لَّا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ

تاکہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ

نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے

بعصم جمع ہے عصمت کی۔ اس سے مراد نکاح ہے۔ کوافر جمع ہے کافرہ کی۔ یعنی کافرہ عورتوں کے ساتھ جو تمہارے نکاح ہیں ان کو پہلے سے نہ رکھو بلکہ ان عورتوں کو آزاد کر دو۔ وہ اس قابل نہیں کہ تمہاری بیویاں بن سکیں۔

٢٤ پہلے فرمایا تھا کہ جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دار الاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری جو بیویاں دار الکفر میں رہ گئی ہیں تم نے انہیں جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہ اللہ جو علیم و حکیم ہے۔ وہ حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے۔ اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

٢٥ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں رہ جائے۔ تو عدل و انصاف کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتہ ازدواج منقطع ہو گیا ہے لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مال غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کر دیں۔ اس کے بعد بقیہ مال غنیمت حسب قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مال فئی سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے اسے کفار کی طرف نہ لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔

أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ

ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں ۲۵ تو (اے حبیب!) انہیں بیعت فرما لیا کرو

آیت میں فعاقبتم کا کلمہ عقاب سے مشتق نہیں جس کا معنی سزا ہے بلکہ عقبۃ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے نوبت یا باری۔ اسی کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔ من العقبة لا من العقاب وهي في الاصل النوبة في ركوب احد الرفيقين على دابة لهما۔ (روح المعانی) علامہ آلوسی اس آیت کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ وحاصل المعنى ان لحق احد من ازواجكم بالكفار او فاتكم شيء من مهورهن ولزمكم اداء المهر كما لزم الكفار (روح المعانی)

۲۵ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور ہزارہا لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگے تو کئی عورتیں بھی بیعت کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت کے ساتھ بیعت لیتے وقت مصافحہ نہ کیا۔ کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا۔ کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالے میں اپنا دست مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ ڈالنے کا حکم دیا۔ کبھی کپڑا دست مبارک پر رکھ کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور پر بیعت لی گئی ان میں سر فہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائیں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا باعث عزت و فخر تھا نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آکر اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے جب اس میں جان پڑ چکی ہو۔ جب جان پڑ جائے تو زندہ یا مردہ دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے۔ شریعت اسلامیہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے۔ پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

کسی کے ناجائز بچے کو ایک کر اپنے گھر میں ڈال لینا اور پھر یہ ڈھنڈورا پیٹنا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا۔ یہ تمام صورتیں اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ چھٹی بات یہ ہے جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا جا رہا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہائے اسلام نے فی معروف کی قید سے یہ استنباط کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کے کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے۔ اسی طرح کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ فی معروف کی قید یہاں اس لیے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں۔ حضور کا ہر ارشاد، ہر حکم، وہ حق ہوگا، وہ سچ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور

کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید محض اس لیے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت کے لیے معروف شرط ہے جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں، تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابو بکر جصاص لکھتے ہیں وقد علم اللہ ان نبیہ لا یامر الا بمعروف وانما شرط النھی عن عصیانہ انما امرھن بالمعروف لئلا یترخص احد فی طاعۃ السلاطین اذا لم تکن طاعۃ اللہ تعالیٰ (کتاب الاحکام) یعنی اللہ جانتا ہے کہ اس کا نبی کریم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا لیکن یہاں معروف کی شرط اس لیے لگائی تاکہ کوئی شخص بادشاہوں کے ایسے احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔

جب افضل البشر کی اطاعت کے لیے معروف کی شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہو جاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی۔ ہر چھوٹا اور بڑا قانون کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہو گا کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لیے وجہ جواز پیدا کرتا رہے۔

اس مقام پر مفسرین نے ہند زوجہ ابو سفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے آپ بھی سماعت فرمائیے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کے لیے حاضر ہوئیں تو ہند بھی لباس بدل کر منہ کو چھپائے ہوئے حاضر ہوئی۔ اسے یہ خوف تھا کہ حضور اس کو پہچان نہ لیں۔ حضور نے ان عورتوں سے فرمایا میں اس شرط پر تمہیں بیعت کرتا ہوں کہ تم یہ وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی۔

ہند چپ نہ رہ سکی کہنے لگی کہ جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوتی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور یقینی ہے۔ پھر حضور نے فرمایا دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی۔ ہند بول اٹھی میں ابو سفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی معلوم نہیں وہ میرے لیے حلال ہے یا نہیں۔ ابو سفیان پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا کہ آج تک جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لیے حلال ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر مسکرا پڑے اور اس کو پہچان لیا۔ فرمایا تو ہند دختر عتبہ ہے؟ کہنے لگی نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفی اللہ عنک۔ میں ہند ہی ہوں، جو گزر چکا ہے اسے اللہ کے نبی! اسے معاف فرما دیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضور نے فرمایا تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی۔ ہند بولی کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ پھر حضور نے فرمایا چوتھی شرط یہ ہے کہ تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔ ہند کی رگ ظرافت پھر پھڑکی۔ کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کر دیا اب ان کے بچوں کے لیے آپ ہم کو نصیحت کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے اور حضور کے لب مبارک پر بھی تبسم آشکارا ہوا۔ حضور نے فرمایا پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی۔ اس نے کہا بیشک بہتان تراشی قبیح حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارم اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔ پھر حضور نے فرمایا یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں تمہیں حکم دوں گا اس کی تم بجا آوری کرو گی۔ ہند بولی کہ ہم آپ کے قدموں میں حاضر ہوئی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضور کے کسی حکم کی سرتابی کریں گی۔

وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت طلب کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ٣٦ اے ایمان

اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ

والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس

الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝١٣

ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں ٣٧

پڑھا تو کہنے لگے کہ یہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں وکان ھذا امتحاناً دون غیرھا من النساء فکان ام حبیبۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع انھا حدیثۃ عھد بجاھلیۃ۔ کہ ہند کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ تھی نیز اس کی ساری زندگی جاہلیت کی گود میں گزری تھی۔ ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

٣٦ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ جو عورتیں ان شرائط کو قبول کر لیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہو جائیں تو آپ ان کو بیعت فرما لیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جن میں شرک وکفر سرفہرست ہیں بخش دے گا اور ان کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

٣٧ آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا۔ ارشاد فرمایا اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر اللہ کا غضب نازل ہو چکا ہے ان کو اپنا دوست مت بناؤ۔ آخرت میں کسی ثواب اور کسی خیر کی انہیں امید نہیں وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور ناامید ہیں۔

اصحٰب القبور سے پہلے مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی وہ کفار جو مر کر قبروں میں دفن کیے جا چکے ہیں کیونکہ ان کی موت کفر پر ہوئی اس لیے اب ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں۔ وہ اپنی بخشش کے بارے میں مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ علامہ محمود آلوسی نے اس کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ای الذین ھم اصحاب القبور ای الکفار الموتیٰ۔ جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کافر اپنی نجات سے مایوس ہو چکے ہیں۔

وکون من بیانیۃ مروی عن مجاھد وابن جبیر وابن زید وھو اختیار ابن عطیۃ

(روح المعانی)

یعنی مجاہد، ابن جبیر، ابن زید سے مروی ہے کہ یہاں جن بیان ہے۔ ابن عطیہ کے نزدیک یہی قول پسندیدہ ہے۔

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم انبیاء اللہ وآخر رسل اللہ سیدنا محمد الذی بعث الی الاسود والاحمر کافۃ للناس بشیرا ونذیرا وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ۔

تعارف
سُورہ الصَّفّ

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام الصف ہے۔ یہ کلمہ اس کی چوتھی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں دو رکوع، چودہ آیتیں دو سو اکیس کلمات اور نو سو حروف ہیں۔

نزول : یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : مکی زندگی کی مشکلات کی الگ نوعیت تھی۔ مدنی زندگی میں جن مشکلات کا مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑ رہا تھا ان کی نوعیت جدا تھی۔ یہاں مسلمانوں کو اذن جہاد مل گیا اور کفار کے ساتھ کھلم کھلا ٹکراؤ کے عہد کا آغاز ہو گیا اب ایسے جانبازوں اور بہادر مجاہدوں کی ضرورت تھی جن کے قول و عمل میں مکمل ہم آہنگی ہو جو کچھ وہ اپنی زبان سے کہیں ٹھیک ٹھیک اس پر عمل کر کے دکھائیں۔ جن لوگوں کے قول و عمل میں تضاد ہوتا ہے وہ اپنی قوم کے لیے ہرگز باعث شرف نہیں ہوا کرتے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہاں تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ ایسی باتیں نہ کیا کریں جن پر وہ عمل نہیں کر سکتے۔ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے بلکہ اس کی ناراضگی اور اس کے غضب کا باعث ہے۔

ساتھ ہی بتا دیا کہ کفار سے جب لڑنے کے لیے میدانِ جہاد کا رُخ کرو تو صفیں باندھ لو اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ تاکہ کفر و طاغوت کے طوفان اس سے ٹکرا ٹکرا کر واپس لوٹ جائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے لیکن ان کی قوم نے ان کی قدر نہ پہچانی بلکہ جی بھر کر انھیں ستایا اور جھٹلایا۔ مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ وہ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں۔

آیت نمبر ۸۔۹ میں اسلام کے مکمل غلبہ کی بشارت دے دی کہ آندھیاں کتنی تند و تیز کیوں نہ ہوں، اللہ کے روشن کیے ہوئے اس چراغ کو نہیں بجھا سکتیں۔ جو پیغام ہدایت اور دینِ حق اللہ کا محبوب لے کر آیا ہے وہ سارے ادیان پر غالب ہو گا۔ زمین کے گوشہ گوشہ میں اس کا ڈنکا بجے گا۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو ایسے کاروبار سے آگاہ کیا جس میں نفع ہی نفع ہے وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے مالی اور جانی جہاد کرو۔ اس کے عوض جنت کی ابدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی فتح و نصرت سے تمھیں سرفراز کیا جائے گا۔

آخری آیت میں اہلِ ایمان کو دعوت دی کہ وہ آگے بڑھیں اور اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لیے اپنے آپ کو پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا اور وہ کامیاب و کامران ہوں گے۔

سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الصّف مدنی ہے اور اس کی ۱۴ آیتیں ہیں اور اس میں ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

اللہ کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب

الْحَكِيْمُ ۝١ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝٢

بڑا دانا ہے ۱؎ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو ۲؎

۱؎ اس آیت کی تشریح کئی بار پہلے گزر چکی ہے۔ اس آیت سے اس سورت کا آغاز کرنے میں یہ حکمت ہے کہ سابقہ سورت کے آخر میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی مدد کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ کوئی نادان اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی امداد کا محتاج ہے اور اگر بندے اپنی جانیں اور اپنے مال قربان نہیں کریں گے تو خدا کی خدائی میں فرق پڑ جائے گا۔ ابتداء میں ہی اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ وہ تو عزیز و حکیم ہے۔ آسمان اور زمین کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے۔ اس کی عظمت کے گیت گا رہی ہے۔ تمہیں جہاد کا جو حکم اس نے دیا ہے اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔ حق کا بول بالا ہوگا تو تمہاری جانیں تمہارے مال تمہاری آبروئیں محفوظ ہو جائیں گی کوئی طوفان تمہارے ایمان کے چراغ کو نہ بجھا سکے گا اور اگر تم نے جہاد میں بزدلی کا مظاہرہ کیا اور باطل کو غلبہ نصیب ہو گیا تو ساری زمین میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ہر انسان کا سکھ چین اٹھ جائے گا۔ حق کا نظام عدل و احسان برپا کرنے کے لیے تمہیں اسی لیے دعوت دی جا رہی ہے اور طاغوتی قوتوں کے مقابلہ میں جان کی بازی لگانے کا تمہیں شوق دلایا جا رہا ہے۔ اگر تم سوچو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ اس میں سراسر تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔

۲؎ کئی لوگوں کا یہ دستور تھا کہ جب اکٹھے بیٹھتے تو بڑی لافیں مارتے اور کہتے اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو ہم اس پر عمل کرتے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیتے۔ جب جہاد کے بارے میں حکم نازل ہوا اور اُحد کا معرکہ پیش آیا تو بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے میدان میں نہ ٹھہر سکے۔ اس آیت سے اس قسم کے لوگوں کو عار دلائی جا رہی ہے اور مسلمانوں کو تربیت دی جا رہی ہے کہ نیکی کی دعوت جو بڑے جوش و خروش سے وہ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں خود بھی اس پر عمل کر کے دکھائیں تاکہ سننے والوں کو ان کی بات کا یقین آجائے۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ③ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو ③ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے

الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ④

ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں ④

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ كُلَّمَا قُرِضَتْ وَفَتْ قُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰؤُلَاءِ خُطَبَاءُ اُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ وَلَا يَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَا يَعْمَلُوْنَ۔ (قرطبی)

ترجمہ: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شب معراج میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ جب ہونٹوں کو کاٹا جاتا تو وہ پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل! یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے خطباء ہیں جو کہتے ہیں اور کرتے نہیں۔ جو کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے۔

نفسیاتی طور پر بھی یہ مشاہدہ ہے کہ جو قوم صرف باتیں بنانے اور لمبے چوڑے وعدے کرنے کی عادی ہو جاتی ہے وہ عمل کے میدان میں کسی نمایاں کارکردگی کا اظہار نہیں کر سکتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ جو زبان سے کہے اس پر خود عمل کر کے لوگوں کو دکھائے۔

۲؎ پہلے مضمون کو ہی ایک دوسرے انداز سے دہرا دیا۔ اہل لغت اَلْمَقْتُ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلْمَقْتُ اَشَدُّ الْاِبْغَاضِ۔ اَلْمَقْتُ بُغْضٌ مِنْ اَمْرٍ قَبِيْحٍ رَكِبَهُ۔ یعنی شدید ترین بغض، خصوصاً وہ بغض جو کسی قبیح حرکت کے باعث ہو۔ اہل ایمان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم ایسی باتیں کرو گے جن پر خود عمل نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر از حد ناراض ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات سخت ناپسند ہے کہ اپنے آپ کو اس کا بندہ کہلانے والے لوگوں کو تو نیکی کی دعوت دیں اور خود اس پر عمل نہ کریں۔

۳؎ اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ قتل و غارت اور خونریزی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اس نے جب بھی جنگ کی اجازت دی ہے وہاں چند شرائط بھی عائد کی ہیں جن کا پایا جانا از حد ضروری ہے۔ سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ فی سبیل اللہ ہو یعنی اس کا مقصد حق کو سربلند کرنا اور باطل کی سرکوبی کرنا ہو، نیکی کی قوتوں کو آزاد کرانا اور برائی اور اس کے علمبرداروں کو پامال کرنا ہو۔ جس قوم کے سامنے اتنا عظیم اور اعلیٰ مقصد ہو وہ اگر متحد و منظم ہو کر باطل کی قوتوں سے نبرد آزما ہوگی تو وہ قوتیں اسے چیر کر رکھ دیں گی۔ اس قوم کی شکست صرف اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ بلند نظریات جن پر ساری انسانیت کی فلاح کا انحصار ہے وہ شکست کھا جائیں گے اور یہ اتنا بڑا المیہ ہو گا کہ اس کی تلافی کے لیے مدت مدید درکار ہو گی۔

اس لیے اس آیت میں وضاحت سے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ صرف ان باہمت جانفروشوں سے محبت اور پیار کرتا ہے جن کی جنگ کی غرض و غایت محض حق کا بول بالا ہو اور جب وہ کسی میدان کارزار میں معرکہ آرا ہوں تو ان میں انتشار اور افتراق کا نام و نشان تک نہ

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ

اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف

أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ

اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں ۵؎ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا ۶؎ اور اللہ تعالیٰ

جو بڑے منظم ہو کر وہ دشمن کی طرف بڑھیں اور ان کی منظم پیش قدمی کو دیکھ کر دیکھنے والے باور کر لیں کہ یہ غیر منظم افراد کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مضبوط اور مستحکم دیوار ہے جس میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر یکجان کر دیا گیا ہے۔

۵؎ موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے واسطہ پڑا تھا اس کے کردار اور سیرت کے متعدد خدوخال سے مختلف مقامات پر آپ آگاہ ہو چکے ہیں۔ جن کو پڑھتے ہوئے اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اذیت رسانی ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اپنے نبی کو طرح طرح کی فرمائشیں کر کے ان کو دق کرنا ان کا مشغلہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی غلامی سے انہیں نکالنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اس وقت بھی آپ کی قوم آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی۔ لیکن جب وہ بحر احمر کو سلامتی سے عبور کر کے ساحل پر پہنچے اور اپنی آنکھوں سے فرعون کے لشکر کو غرق ہوتے ہوئے دیکھ لیا تو پھر بھی ان کے عناد میں کوئی کمی نہ آئی۔ ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر انہوں نے فرمائش کی کہ اے موسیٰ ہمارے لیے ایسے خدا بنا دیں جیسے ان کے خدا ہیں۔ جب آپ طور پر تشریف لے گئے تو سامری کی پھسلاہٹ میں آ کر انہوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ اس کے علاوہ کلیم اللہ پر طرح طرح کے الزام تراشے۔ تورات کے صفحات ان گستاخیوں سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے انہیں فرمایا اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور پھر بھی تم میری دلآزاری سے باز نہیں آتے۔ تمہارے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

۶؎ اللہ تعالیٰ نے عقل و فہم کی جو صلاحیتیں انہیں بخشی تھیں جب انہوں نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور دانستہ راہ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے راستہ پر چلتے رہے۔ وہ روشن معجزات جو حضرت کلیم نے انہیں دکھائے تھے وہ بھی ان کی اصلاح کے لیے مؤثر ثابت نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ جو فرد یا قوم راہ ضلالت پر اپنے جوش و خروش سے گامزن رہتی ہے آخر کار وہ اس منزل پر پہنچ جاتی ہے جب اس سے حق پذیری کی صلاحیتیں سلب کر لی جاتی ہیں۔ وہ آنکھ جو نور حق کو دیکھ سکتی ہے اور جو دل پہچان سکتا ہے وہ اندھا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تشریف لاتے ہیں۔ ضلالت و ہدایت کو دلائل و شواہد سے آشکارا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہر شخص آزاد ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ان دو میں سے ایک کا انتخاب کر لے۔ جو ہدایت قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی توفیقات سے سرفراز کرتا ہے۔ وہ راہ کی دشواریوں کا مقابلہ کرتے ہوئے فلاح و کامرانی کی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور جو ضلالت سے چمٹے رہنا پسند کرتا ہے اس کی منت نہیں کی جاتی کہ جناب والا ایسا نہ کرو۔ انہیں اسی حال میں چھوڑ دیا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا زَاغُوا أَيْ عَدَلُوا عَنِ الْحَقِّ وَلَمْ يَسْتَقِيمُوا عَنِ الْوَعِيْدِ. أَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ أَيْ صَرَفَهَا عَنْ قَبُولِ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۵ اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ

اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں

يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ

تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے ۶ اور مژدہ سنانے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام نامی

الحق والمیل الی الصواب۔

یعنی جب انہوں نے حق سے انحراف کیا اور اذیت رسانی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی قبولِ حق سے ان کے منہ پھیر دیے۔

۵ ایسے فاسق و فاجر لوگ جو جان بوجھ کر گمراہی کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ دستور نہیں کہ وہ انہیں ہدایت جیسی گراں بہا نعمت زبردستی ارزانی فرما دے۔

۶ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین ارشادات بیان کیے گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ان یہودی گستاخوں کی بھی تردید ہو گئی جو آپ پر اور آپ کی پاکباز والدہ پر گستاخانہ بہتان لگاتے ہیں۔ الیکم کے لفظ سے آپ نے یہ بتا دیا کہ مجھے صرف تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ میری رسالت کا دائرہ بنی اسرائیل تک محدود ہے۔ آپ کے ان الفاظ پر عیسائی مشنریوں کو بھی غور کرنا چاہیے جو عیسائیت کا پرچار ہر جگہ کرتے پھرتے ہیں۔ قرآن کریم کے اس فرمان کی تائید انجیل سے بھی ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴: اس نے جواب میں کہا میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

اسی انجیل متی کے باب ۱۰ کی آیت ۶ سے ہر قسم کا اشتباہ دور ہو جاتا ہے۔

پہلی آیات میں ان بارہ رسولوں کے نام بتائے گئے ہیں جن کو آپ نے تبلیغ و اشاعت کے لیے بھیجا اور ان کو یہ حکم دے کر کہا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"

جب حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں اور رسولوں کو غیروں کے پاس جانے سے روک دیا ہے اور اپنی تبلیغی اور اعجازی سرگرمیوں کو بنی اسرائیل کے خاندان میں محدود کر دیا ہے تو اب کسی عیسائی مبلغ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو عیسائیت کی دعوت دے۔

أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُم بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٦﴾

احمد ہوگا ؎ پس جب وہ احمد آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے ؎

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کے لیے نہیں آیا بلکہ ان پر جو آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام سچے رسول تھے اور تورات خدا کی سچی کتاب ہے۔ تمام رسول کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہوتے ہیں اس لیے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ ایک دوسرے کی تکذیب کریں۔ ان کا کام تو سب کی تصدیق کرنا ہوتا ہے۔

؎ تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں تمہیں ایک بڑی اہم خبر سناتا ہوں۔ وہ یہ کہ میرے بعد ایک جلیل القدر، عظیم المرتبت رسول تشریف لائے گا جس کا اسم گرامی اور نام نامی احمد ہوگا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

یہاں چند سوالات جواب طلب ہیں :

۱ — کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمد ہے ؟

۲ — کیا اس بشارت سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے ؟

۳ — کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت موجود ہے ؟

۴ — کیا وہ شخص جس کا نام غلام احمد ہے وہ اس پیشین گوئی کا مصداق بن سکتا ہے ؟

پہلے سوال کے بارے میں گزارش ہے

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو اسمائے گرامی صحیح احادیث سے ثابت ہیں ان میں یہ اسم مبارک بھی ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِي۔ (مالک، بخاری، مسلم وغیرہا)

یعنی حضور نے فرمایا میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ میں احمد ہوں۔ میں الحاشر ہوں۔ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔

صحابہ کرام میں حضور کا یہ اسم گرامی معروف و مستعمل تھا۔ حضرت حسان یہی نام لے کر بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں

صَلَّى الْإِلٰهُ وَمَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهِ — وَالطَّيِّبُونَ عَلَى الْمُبَارَكِ أَحْمَدِ

ترجمہ : اللہ تعالیٰ، حاملین عرش اور تمام پاکیزہ لوگ اس مبارک ہستی پر درود و سلام بھیجیں جس کا اسم گرامی احمد ہے۔

احمد کا معنی ہے أَحْمَدُ الْحَامِدِينَ لِرَبِّهِ : تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد کرنے والا۔ اپنے رب کی حمد کی کثرت کی برکت سے ہی آپ محمد بنے ہیں۔ فَالْمُحَمَّدُ هُوَ الَّذِي حُمِدَ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ۔ یعنی جس کی بار بار حمد کی جارہی ہو وہ محمد ہے۔ نہ اپنے رب کی حمد و ثنا کرنے میں آپ کا کوئی مثیل ہے، کوئی فرشتہ، کوئی رسول، کوئی نبی اپنے خداوند کی ستائش اور ثنا گستری میں اس مقام پر نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے جس مقام پر اللہ تعالیٰ کا یہ پیارا حبیب فائز ہے۔ اسی طرح مخلوق میں سے جتنی حمد اور جتنی ستائش اس حبیب مکرم کی ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی کسی اور کو نصیب نہیں۔ جن و انس اس کے ثنا خواں ہیں، حور و ملک

اس کی توصیف میں رطب اللسان ہیں اور خود خدا بھی اس کی مدح فرما رہا ہے۔ صرف اس فانی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عالم آخرت میں بھی حضور کی شان نرالی ہوگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس شانِ محمدیت کی تابانیوں کا صحیح اندازہ اس وقت ہوگا جب دستِ مبارک میں لوائے حمد تھامے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ حبیب مقامِ محمود پر جلوہ فرما ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا یہ انداز بھی نرالا ہے کہ حضور سے پہلے کبھی کسی شخص نے اپنے فرزند کا نام احمد نہیں رکھا تاکہ اس بشارت کے مصداق کے بارے میں ذرا سا شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ لیکن جب اس اسم کو ذاتِ پاک مصطفوی سے نسبت ہوگئی تو یہ نام اس قدر مقبول ہوا کہ اب اس نام کے لوگوں کا شمار نہیں ہو سکتا۔

حضور سے پہلے کیونکہ بعثتِ محمدی کا چرچا عام تھا۔ یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک نبی آنے والا ہے جس کا نام محمد ہوگا اس لیے بعض والدین نے اپنے بچوں کے نام محمد تجویز کیے کہ شاید یہ سعادت ان کے حصہ میں آ جائے۔ حضور سے پہلے سات ایسے آدمی ملتے ہیں جن کا نام محمد ہے لیکن ان میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے اپنے پیارے بندے کے ان دونوں ناموں کو ہر اشتباہ اور التباس سے بالاتر رکھا۔

دوسرے سوال کے متعلق عرض ہے

کہ بے شک اس بشارت کا مصداق صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ کیونکہ انہوں نے یاتی من بعدی میرے بعد آئے گا اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی نے بھی رسالت کا دعویٰ نہیں کیا۔ دوسری نشانی ذکر کی کہ ان کا نام احمد ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف ہے کہ حضور سے پہلے کسی نبی یا رسول کا اسم گرامی احمد نہ تھا نہ کسی فرد بشر کا نام بھی احمد تھا کیونکہ حضرت عیسیٰ کے بعد صرف آپ نے ہی رسالت کا دعویٰ فرمایا اور صرف آپ کا اسم گرامی ہی احمد تھا اس لیے اس بارے میں ذرا شک نہ رہا کہ اس بشارت کا مصداق حضور نبی کی ذاتِ گرامی ہے۔

رہا تیسرا سوال کہ کیا موجودہ انجیل میں یہ بشارت بعینہٖ موجود ہے ؟ تو اس کے لیے ذرا تفصیل درکار ہے۔

اس وقت عیسائیوں کے پاس چار انجیلیں ہیں جن کو مستند قرار دیا گیا ہے۔ انجیل متی، انجیل مرقس، انجیل لوقا، انجیل یوحنا۔

ان میں سے کوئی انجیل بھی بعثت سے پہلے مدون شدہ نہیں ہوئی۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے یہ الفاظ غور طلب ہیں:

ITS EXACT DATE AND ITS EXACT PLACE OF ORIGIN ARE UNCERTAIN, BUT IT APPEARS TO DATE FROM THE LATER YEARS OF THE 1ST CENTURY (P.533, VOL 3)

ترجمہ: اس کی متعین تاریخ اور اس کے معرض وجود میں آنے کا صحیح مقام غیر یقینی ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق پہلی صدی کے آخری سالوں سے ہے۔ [جلد سوم ص۵۳۳]

اس کے چند سطر بعد اسی کالم میں رقمطراز ہیں:

WE HAVE NO CERTAIN KNOWLEDGE AS TO HOW OR WHERE THE FOURFOLD GOSPEL CANON CAME TO BE FORMED

ترجمہ: ہمارے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے کہ یہ چار مستند انجیلیں کیسے اور کہاں معرض وجود میں آئیں۔

پھر جن لوگوں نے انہیں مرتب کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ میں سے نہ تھے بلکہ اس وقت انہوں نے نصرانیت کو قبول ہی نہیں کیا تھا اور نہ ان مرتب کرنے والوں نے ان لوگوں کا نام بتایا ہے جن کے واسطے سے ان تک یہ اناجیل پہنچی ہیں۔ آپ خود سوچیے کہ ستر سال تک جو کتاب مرتب نہیں ہوئی اور اس طویل عرصہ کے بعد جن لوگوں نے اسے مرتب کیا انہوں نے یہ بتلانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ کن لوگوں سے انہیں یہ چیز ملی ہے تاکہ ان کے بارے میں جانچ پڑتال کی جا سکے تو ایسے مجموعوں پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

اس پر طرفہ یہ ہے کہ وہ اصل نسخے جو سریانی زبان میں لکھے گئے تھے وہ سرے سے غائب ہیں ان کا سراغ تک نہیں ملتا کہ ان تراجم کا اصل کے ساتھ موازنہ کیا جا سکے۔ سریانی اناجیل کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں کیا گیا لیکن ان تراجم کا بھی کوئی اصل نسخہ دستیاب نہیں۔ اناجیل کا جو سب سے قدیم یونانی ترجمہ ملتا ہے وہ چوتھی صدی کا ہے اور اس پر مزید ستم یہ ہے کہ عیسائی علماء اناجیل میں تحریف کو ہرگز قبیح نہیں سمجھتے تھے۔ اگر وہ کسی چیز کا اضافہ کرنا مناسب خیال کرتے تو بے جھجک کر لیتے۔

جہاں صورت حال یہ ہو وہاں آپ آسانی سے نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اناجیل کیا سے کیا بن گئی ہوں گی اور ان میں کس حد تک تصرفات روا رکھے گئے ہوں گے اس لیے اگر ان انجیلوں میں یہ بشارات نہ ملتے تو قرآن پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ تحریف و بگاڑ کے سیلاب کے باوجود جو صدیوں جاری رہا، اب بھی بڑی صریح عبارتیں موجود ہیں جن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے بارے میں پیشین گوئیاں کی گئی ہیں جن کا تذکرہ ضیاء القرآن میں مختلف مقامات پر آپ پڑھ آئے ہوں گے یہاں بطور نمونہ چند چیزیں عرض ہیں:

۱۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔ (انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵-۱۶)

مددگار کے لفظ پر بائبل کے حاشیہ میں پارکلیط یا شفیع بھی تحریر ہے۔

۲۔ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰)

۳۔ لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔ (یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶-۲۷)

یہاں بھی مددگار کے لفظ پر حاشیہ میں پارکلیط یا شفیع مرقوم ہے۔

۴۔ لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائے گا۔ (یوحنا باب ۱۶ آیت ۷-۸)

۵۔ اس باب کی تیرہویں اور چودھویں آیات ملاحظہ فرمائیں:

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کوئی آنے والا ہے جس کی آمد کی خبر حضرت عیسیٰ بار بار اپنے امتیوں کو دے رہے ہیں۔ اس آنے والے کی جن صفات و خصوصیات کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے، ان کا مصداق بجز ذات پاک حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگر از راہ تعصب کوئی شخص مصر ہو کہ مجھے انجیل میں حضور کا اسم گرامی دکھائیے تو اس کے بارے میں گزارش ہے کہ جیسے آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ انجیل اسی میں نازل ہوئی۔ لیکن چاروں انجیلیں جو شائع اور اس کے بعد مدون ہوئیں وہ یونانی زبان میں تھیں اور ایسے لوگوں نے جمع کیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بلاواسطہ شاگرد نہ تھے۔ لازمی طور پر انہوں نے یہ اناجیل ان عیسائیوں سے ان کی اصل زبان سریانی میں سنی ہوں گی اور سریانی سے انہیں یونانی کے قالب میں ڈھالا ہو گا۔ بدقسمتی سے جو یونانی تراجم پہلی صدی عیسوی کے آخری حصے میں مدون ہوئے تھے ان کے اصل نسخے بھی نایاب ہیں اور جو یونانی تراجم دستیاب ہیں ان کا تعلق چوتھی صدی عیسوی سے ہے۔ یونانی زبان سے اناجیل کے ترجمے لاطینی زبان میں کیے گئے۔ ان لاطینی ترجموں سے یورپ اور ایشیا کی دوسری زبانوں میں یہ کتب منتقل ہوئیں۔ ترجمہ در ترجمہ کے اس عمل سے اس انجیل میں جو رد و بدل اور تحریف و ترمیم پذیر ہوئی ہو گی وہ محتاج بیان نہیں۔ اگر ان تراجم میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی نہ ملے تو قطعاً تعجب کی بات نہیں۔

فلسطین وغیرہ ممالک جب مسلمانوں نے فتح کیے تو اس وقت وہاں کے لوگوں کی زبان بدستور سریانی تھی اور اسلامی فتح کے تقریباً تین سو سال تک یہی سریانی وہاں کی علاقائی زبان کی حیثیت سے باقی رہی۔ اتنے عرصے کے بعد عربی نے کہیں جا کر اپنا تسلط جمایا اور وہاں کے باشندوں کی مادری زبان بنی۔ فتح کے بعد مسلمان علما کی آمد و رفت اس علاقے میں شروع ہو گئی۔ عیسائی علما سے ان کے تعلقات قائم ہوئے اور وہ ان سے بلاواسطہ سریانی زبان میں استفادہ کرتے رہے۔ اس طرح اناجیل کے بارے میں علمائے اسلام کو جو معلومات ملیں وہ براہ راست ان کتب سے حاصل ہوئیں جو اصل سے زیادہ قریب تھیں۔ وہ انہیں سریانی سے بلاواسطہ عربی میں حاصل ہوئیں، نیز ترجمہ در ترجمہ کے جو حجابات عیسائیوں کو پیش آئے مسلمان علما کو ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ اس لیے جب ہم سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کرتے ہیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یاد رہے کہ علامہ ابن ہشام نے جن کی وفات ۲۱۳ھ میں ہوئی، محمد بن اسحاق سے جن کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی اپنے استاد ابو محمد البکائی العامری کے واسطے نقل کی ہے۔ بکائی کی وفات کا سال ۱۸۳ھ ہے۔ انجیل یوحنا کے باب ۱۵ کی آیت ۲۶ کا عربی متن یوں ہے:

"فلو قد جاء المنحمنا هذا الذي يرسله الله اليكم من عند الرب روح القدس هذا الذي من عند الرب خرج فهو شهيد علي وانتم ايضا لانكم قديما كنتم معي في هذا. قلت لكم لكي ما تشكوا." (ابن ہشام جلد اول صفحہ ۲۵۱)

اس کے بعد لکھتے ہیں: المنحمنا بالسريانية محمد صلى الله عليه وسلم وهو بالرومية البرقليطس.

یعنی منحمنا سریانی لفظ ہے۔ اس کا معنی محمد ہے۔ رومی زبان میں اس کا ترجمہ برقلیطس کیا گیا ہے۔

برقلیطس کا اصل یونانی لفظ اگر PERICLYTOS ہو پھر تو معاملہ صاف ہے۔ اس کا معنی ہے تعریف کیا گیا اور محمد کا بھی یہی معنی ہے لیکن اگر

اس کا عبرانی ہے PARACLETUS تو اگرچہ دونوں لفظوں کے تلفظ میں تو بڑی مشابہت ہے لیکن اس کا معنی پہلے لفظ سے مختلف ہے۔ خود انجیل کے مترجمین کو اس کا ترجمہ کرنے میں بڑی دقت پیش آئی ہے۔ اردو کی بائبل کے متن میں اس کا ترجمہ "مددگار" کیا گیا ہے اور حاشیہ پر وکیل یا شفیع مرقوم ہے۔ کسی نے اس کا ترجمہ CONSOLATION تسلی دینے والا، کسی نے TEACHER استاد اور کسی نے ADVOCATE کیا ہے۔

کیا خبر کہ الفاظ کا یہ ہیر پھیر عیسائی علماء کے حواس کا کرشمہ ہو اور اسی وجہ سے وہ خود بھی پریشانی کا شکار ہوگئے ہوں۔

یہ صورت حال تو اس وقت ہے جبکہ ان چار انجیلوں پر اعتماد کیا جائے لیکن صدیوں کی گمنامی سے یہ نو غیب سے ایک انجیل ظہور میں آئی ہے جس کو انجیل برنا باس کہتے ہیں۔ اس کے مطالعہ سے بڑے بڑے پیچیدہ عقدے حل ہوجاتے ہیں اور شکوک و شبہات کا غبار خود بخود چھٹ جاتا ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیسیوں ایسے بشارات موجود ہیں جن میں نام لے کر حضور کی آمد کی بشارت دی گئی ہے اور بار بار اپنے متبعین کو حضور کا دامن رحمت مضبوطی سے تھام لینے کے تاکیدی احکام دیئے گئے ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم وہ ایمان افروز عبارات آپ کے سامنے پیش کریں پہلے برنا باس اور اس کی انجیل کے بارے میں کچھ وضاحتیں ضروری ہیں تاکہ کوئی شخص بلاوجہ اور نامعقول اعتراض کر کے آپ کو پریشان نہ کر سکے۔

برنا باس قبرص کا باشندہ تھا۔ اس کا پہلا مذہب یہودیت تھا۔ اس کا نام JOSES تھا۔ لیکن دین عیسوی کی اشاعت اور ترقی کے لیے اس نے سرگرمی بڑی لگن سے کی تو حواری اس کو برنا باس کے نام سے پکارنے لگے جس کا معنی ہے ناصح نصیحت کا فرزند۔ برنا باس بڑا ہی جاذب قلب و نظر شخصیت کا مالک تھا۔ حضرت مسیح کی صحبت کا شرف اسے نصیب ہوا۔ اس نے اسے اپنے حلقہ میں بڑا اہم مقام عطا کر دیا تھا۔

ابتدا میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار بالخصوص آپ کو یہود سے الگ کوئی امت تصور نہیں کیا کرتے تھے نہ ان کی علیحدہ عبادت گاہیں تھیں لیکن یہودی انہیں ایک مشکوک نظر سے دیکھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت، آپ کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کا تعلق ان کے پہلے ماننے والوں کے نزدیک قطعاً جز نزاع نہ تھا۔ سب آپ کو انسان اور اللہ کا برگزیدہ بندہ سمجھتے تھے۔ اس وقت کے عیسائی یہودیوں سے بڑھ کر توحید پرست تھے۔ یہاں تک کہ سینٹ پال نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ اس طرح عیسائیت میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا جس کے نظریات اور معتقدات کا منبع انجیل اور حضرت مسیح کے اقوال نہ تھے بلکہ اس کی ذاتی سوچ بچار کا نتیجہ تھے۔ پال یہودی تھا طرسوس کا باشندہ تھا۔ کافی عرصہ روم میں رہا۔ ان کے فلسفہ اور مشرکانہ معتقدات سے وہ بہت متاثر ہوا۔ عیسائیت کو اس نے اسی مشرکانہ سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جو عوام کو بہت پسند تھا لیکن حضرت عیسیٰ کے حواری اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اپنے مذہب کی ترقی اور اشاعت کے لیے برنا باس اور سینٹ پال کچھ عرصہ ایک ساتھ کام کرتے رہے لیکن دن بدن اختلافات کی خلیج بڑھتی گئی۔ پال نے حلال و حرام کے بارے میں موسوی احکام کو بالائے طاق رکھ دیا نیز ختنہ کی سنت ابراہیمی کو بھی نظر انداز کر دیا۔ برنا باس کے لیے اس کے ساتھ مل کر کام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ دونوں علیحدہ ہو گئے۔ پال کو عوام الناس کی تائید کے علاوہ حکومت کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔ اس لیے اس کے پھیلائے ہوئے عقائد کو لوگوں نے دھڑا دھڑ قبول کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح برنا باس اور اس کے ساتھی پس منظر میں چلے گئے۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی عیسوی تک برنا باس کے ہم عقیدہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے جو خدا کی باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک اکیلے واحد و قادر مطلق کی حیثیت سے عبادت کرتے تھے۔ اس وقت انطاکیہ کے بشپ پال کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں بلکہ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ انطاکیہ کا دوسرا بشپ جس کا نام LUCIAN تھا اور جو تقویٰ اور علم میں بڑی شہرت کا مالک تھا وہ بھی تثلیث کے عقیدہ کا سخت مخالف تھا۔ اس نے انجیل سے ایسی عبارتیں نکال دیں جن سے تثلیث ثابت ہوتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ جملے بعد میں بڑھائے گئے۔ اس کو ۳۱۲ء میں شہید کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے شاگرد ARIUS نے توحید کا پرچم بلند کیا۔ اسے کئی بار کلیسا کے منصب پر بھی فائز کیا گیا اور کئی بار معزول کیا گیا۔ لیکن اس نے اپنا مشن جاری رکھا۔ کلیسا کی مخالفت کرنا آسان کام نہ تھا لیکن ARIUS نے ان مشرکانہ عقائد کی ڈٹ کر مخالفت کی اور لوگ جوق در جوق اس کے نظریات کو قبول کرتے چلے گئے۔

اس اثنا میں دو ایسے واقعات رونما ہوئے جنہوں نے یورپ کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ شاہ قسطنطین جس نے یورپ کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا تھا اس نے عیسائیت قبول کیے بغیر عیسائیت کی امداد شروع کر دی لیکن عیسائی فرقوں کے باہمی اختلافات نے اسے سراسیمہ کر دیا۔ شاہی محل میں بھی یہ نظریاتی کشمکش زوروں پر تھی۔ ملکہ تو پولس کے نظریات کی حامل تھی جبکہ بادشاہ کی بہن ایریس کی معتقد تھی۔ بادشاہ کے پیش نظر تو صرف ملک میں امن وامان کا قیام تھا اور اس کی صرف یہی صورت تھی کہ سب فرقے ایک کلیسا کو قبول کر لیں۔ ایریس اور بشپ الیگزینڈر کی مخالفت روز بروز شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ بادشاہ کے لیے مداخلت ناگزیر ہو گئی۔ چنانچہ ۳۲۵ء میں نیقیا کے مقام پر ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا جو کئی مہینے تک اس کے اجلاس ہوتے رہے لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ بادشاہ نے اس وقت اپنی خاطر کلیسا کی حمایت حاصل کرنا ضروری سمجھا۔ اس لیے اس نے ایریس کو جلا وطن کر دیا۔ اس طرح توحید کے بجائے تثلیث کا عقیدہ ملک کا سرکاری مذہب بن گیا۔ کلیسا کی منظور شدہ انجیل کے بغیر کسی انجیل کو اپنے پاس رکھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ دو سو سے زائد مختلف انجیلوں کے نسخے نذر آتش کر دیے گئے۔ شہنشاہ قسطنطین کو یہ بات ناپسند ہوئی۔ اس کی کوشش سے ۳۳۶ء میں ایریس کو واپس بلایا گیا۔ جب وہ ناگہاں انداز میں قسطنطنیہ میں داخل ہو رہا تھا اس کی موت واقع ہو گئی۔ بادشاہ نے اسے قتل عمد قرار دیا۔ اس جرم کی پاداش میں سکندریہ کے بشپ کو دو ساتھیوں کے ساتھ جلا وطن کر دیا اور خود ایریس کے ایک معتقد بشپ کے ہاتھ پر عیسائیت قبول کر لی۔

توحید سرکاری مذہب قرار پایا۔ ۳۸۱ء میں انطاکیہ میں ایک کانفرنس ہوئی اور توحید کو عیسائی مذہب کا بنیادی عقیدہ قرار دیا گیا۔ چنانچہ ۴۰۵ء میں سینٹ جیروم ST. JEROME نے لکھا کہ ایریس کا مذہب ملک کے تمام باشندوں نے قبول کر لیا۔ پوپ ہونوریس HONORIUS جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہم عصر تھا، وہ بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا۔ ۶۳۸ء میں اس نے وفات پائی لیکن ۶۸۰ء میں پھر تثلیث کے حق میں ایک اجتماع قسطنطنیہ میں پھر اجلاس ہوا جس میں پوپ ہونوریس کو ملعون اور مرتد قرار دیا گیا اور اس کے نظریات کو مسترد کر دیا گیا۔ اگرچہ آج عیسائی دنیا تثلیث کو ایک مسلمہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کرتی ہے۔ اس کے باوجود ان میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہیں لیکن اس کے اظہار سے کتراتے ہیں۔

برنباس کی انجیل ۳۲۵ء تک مستند انجیل تسلیم کی جاتی رہی۔ ایرانیس IRENAEUS نے جب سینٹ پال کے مشرکانہ عقائد کے خلاف مہم شروع کی تو اس نے برنباس کی انجیل سے بکثرت استدلال کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو صدیوں میں یہ انجیل مستند تسلیم کی جاتی تھی اور اپنے دین کے بنیادی مسائل ثابت کرنے کے لیے اس کی عبارتوں کو بطور حجت پیش کیا جاتا تھا۔ لیکن ۳۲۵ء میں جو کانفرنس نیقیا میں ہوئی اس میں یہ طے پایا کہ عبرانی زبان میں جتنی انجیلیں موجود ہیں ان سب کو ضائع کر دیا جائے جس کے پاس یہ انجیل ملے اس کی گردن اڑا دی جائے۔

۴۹۲ء میں پوپ نے انجیل برنباس کا نسخہ حاصل کیا اور اپنی پرائیویٹ لائبریری میں اسے محفوظ کر لیا۔ زینو بادشاہ کی حکمرانی کے چوتھے سال برنباس کی قبر کھودی گئی۔ اس انجیل کا ایک نسخہ جو اس نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اس کے سینے پر رکھا ہوا ملا۔ پوپ SIXTUS (۱۵۸۵-۹۰ء) کا ایک دوست تھا جس کا نام فرامارینو FRAMARINO تھا۔ اسے پوپ کی ذاتی لائبریری میں اس کا وہ نسخہ ملا۔ فرامارینو کو اس سے بڑی دلچسپی تھی۔ کیونکہ اس نے ارینیس کی تحریروں کا مطالعہ کیا تھا جس میں اس نے برنباس کی انجیل کے بکثرت حوالے دیئے تھے۔ اطالوی زبان میں لکھا ہوا یہ نسخہ مختلف لوگوں سے ہوتا ہوا ایمسٹرڈم AMSTERDAM کی ایک مشہور و معروف ہستی کے پاس پہنچا۔ یہاں سے پرشیا کے بادشاہ کے مشیر جے۔ ایف۔ کریمر کو ملا۔ اس سے سیوائے کے ایک علم دوست شہزادے یوجین EUGENE نے ۱۷۱۳ء میں حاصل کیا۔ ۱۷۳۸ء میں شہزادے کی پوری لائبریری کے ساتھ یہ نسخہ بھی وائنا پہنچا۔ اب بھی یہ نسخہ وہاں محفوظ ہے۔

ٹولینڈ TOLAND نے اپنی تصنیف MISCELLANEOUS WORKS میں جو اس کی وفات کے بعد ۱۷۴۷ء میں شائع ہوئی کی جلد اول صفحہ ۳۸۰ پر ذکر کیا کہ انجیل برنباس کا مکمل نسخہ اب بھی موجود ہے۔ اسی کتاب کے چودھویں باب میں لکھا ہے کہ ۴۹۲ء میں ایک حکم کے ذریعے اس انجیل کو ان کتب میں شامل کیا گیا جن کو کلیسا نے ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اس سے پہلے ۴۶۵ء میں پوپ انوسینٹ (POPE INNOCENT) نے بھی اسی قسم کا حکم جاری کیا تھا۔ نیز ۳۸۲ء میں مغربی کلیسا نے متفقہ طور پر اس پر بندش عائد کی تھی۔

مسٹر اور مسز ریگ RAGG نے ۱۹۰۷ء میں ایک اطالوی نسخے سے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو اب ہمارے سامنے ہے۔ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس نے اسے چھاپا۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے اسے شائع کیا۔ جب اس کا انگریزی ترجمہ چھپ کر بازار میں آیا تو اس کے سارے نسخے پراسرار طریقہ پر بازار سے غائب کر دیئے گئے۔ صرف دو نسخے محفوظ رہے۔ ایک برٹش میوزیم میں اور دوسرا واشنگٹن کی کانگرس لائبریری میں۔ پیش نظر انگریزی ترجمہ پاکستان کے ایک پبلشر نے ایک دوست کی وساطت سے واشنگٹن کی کانگرس لائبریری سے حاصل کیا ہے۔

برنباس کے حالات اور اس کی انجیل کی تاریخ کو قدرے شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تاکہ ناظرین کرام کو معلومات کا پوری طرح علم ہو جائے اور اس الزام کی قلعی کھل جائے جو بعض عیسائی حلقوں کی طرف سے لگایا جاتا ہے کہ اس انجیل کا مصنف کوئی ایسا شخص ہے جو عیسائیت سے مرتد ہو کر مسلمان ہوا اور دجل و تزویر سے ایک کتاب تصنیف کر کے اسے برنباس کی طرف منسوب کر دیا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سو سال پہلے کلیسا نے اس کتاب کو ممنوعہ کتب میں شامل کر دیا تھا اور اس شخص کو واجب القتل قرار دیا تھا جس کے پاس یہ کتاب پائی جائے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو بشارتیں اس میں بکثرت موجود ہیں، کلیسا کے غیظ و غضب کا اگر سبب نہ تھیں لیکن ان کے علاوہ اس میں کچھ ایسی تعلیمات تھیں جو سینٹ پال کے پیش کردہ عیسائی مذہب کی بیخ کنی کرتی تھیں۔ اس لیے کلیسا کو یہ آخری اقدام کرنا پڑا۔ قدم قدم پر اس میں عقیدہ تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو زوردار دلائل سے بڑے حسین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خود حضرت مسیح کے ارشادات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ آپ نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ اس کے بندے اور رسول تھے۔ کلیسا کے نزدیک یہ باتیں ناقابل برداشت تھیں، اس لیے انہوں نے اس کو اپنی مقدس کتب کی فہرست سے خارج کر دیا۔

برنباس نے اپنے رسول کی تعلیمات کو بلا کم و کاست بیان کیا۔ اسی طرح حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں حضرت عیسیٰ نے ایک بار نہیں بیسیوں بار دی تھیں ان کا اس میں مندرج ہونا بھی قدرتی امر ہے۔ چنانچہ ان بے شمار بشارات میں سے صرف چند پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ ان کا مطالعہ کیجئے اور اپنے ایمان کو تازہ کیجئے اور انہی کی روشنی میں اس آیت کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرمائیے۔

انجیل برنباس کے باب ۷۲ کا یہ حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

"BUT AFTER ME SHALL COME THE SPLENDOUR OF ALL THE PROPHETS AND HOLY ONES, AND SHALL SHED LIGHT UPON THE DARKNESS OF ALL THAT THE PROPHETS HAVE SAID BECAUSE HE IS THE MESSENGER OF GOD."

"لیکن میرے بعد وہ ہستی تشریف لائے گی جو تمام نبیوں اور قدسیوں کی شان ہے۔ آپ ان سب باتوں پر جو انبیاء نے کہی ہیں روشنی ڈالیں گے کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

2. FOR I AM NOT WORTHY TO UNLOOSE THE TIES OF THE HOSEN OR THE LATCHETS OF THE SHOES OF THE MESSENGER OF THE GOD WHOM YE CALL "MESSIAH" WHO WAS MADE BEFORE ME, AND SHALL COME AFTER ME, AND SHALL BRING THE WORDS OF TRUTH, SO THAT HIS FAITH SHALL HAVE NO END.

"میں جس ہستی کی آمد کا ذکر کر رہا ہوں اس اللہ کے رسول کی جوتیوں کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں جس کو تم مسیح کہتے ہو۔ جو اس کی تخلیق مجھ سے پہلے ہوئی اور تشریف میرے بعد لائے گا۔ وہ سچائی کے کلمات لائے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔" (باب ۴۲)

"I AM INDEED SENT TO THE HOUSE OF ISRAEL AS A PROPHET OF SALVATION, BUT AFTER ME SHALL COME THE MESSIAH SENT OF GOD TO ALL THE WORLD, FOR WHOM GOD HATH MADE THE WORLD AND THEN THROUGH ALL THE WORLD WILL GOD BE WORSHIPPED, AND MERCY RECEIVED."

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: بے شک میں تو فقط اسرائیل کے گھرانے کی نجات کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں لیکن میرے بعد مسیح تشریف لائے گا جسے اللہ تعالیٰ سارے جہان کے لیے مبعوث فرمائے گا۔ اسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات تخلیق کی ہے اور اس کی کوششوں کے باعث ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی پرستش کی جائے گی اور اس کی رحمت نصیب ہوگی۔" (باب ۸۲)

آپ پریشان ہیں کہ لوگوں نے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا ہے۔ رومی گورنر اور بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم روم کے شہنشاہ سے ایک ایسا فرمان جاری کروائیں گے جس میں سب کو آپ کے متعلق ایسی باتیں کہنے سے روک دیا جائے گا۔ ان کے جواب میں آپ فرماتے ہیں مجھے تمہاری ان باتوں سے اطمینان حاصل نہیں ہوا۔

"BUT MY CONSOLATION IS IN THE COMING OF MESSENGER WHO SHALL DESTROY EVERY FALSE OPINION OF ME, AND HIS FAITH SHALL SPREAD AND SHALL TAKE HOLD OF THE WHOLE WORLD, FOR SO HATH GOD PROMISED TO ABRAHAM OUR FATHER."

"بلکہ میرا اطمینان تو اس رسول کی تشریف آوری سے ہوگا جو میرے بارے میں تمام جھوٹے نظریات کو نیست و نابود کر دے گا۔ اس کا دین پھیلے گا اور سارے جہان کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ ابراہیم سے اسی طرح کا وعدہ کیا ہے۔"

اس کے بعد پادری نے ایک اور سوال پوچھا کہ کیا اس رسول کی آمد کے بعد اور نبی بھی آئیں گے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا:

"THERE SHALL NOT COME AFTER HIM TRUE PROPHETS SENT BY GOD, BUT THERE SHALL COME A GREAT DEAL OF FALSE PROPHETS, WHEREAT I SORROW. FOR SATAN SHALL RAISE THEM UP."

"یعنی آپ کے بعد اللہ کا بھیجا ہوا کوئی سچا نبی نہیں آئے گا، البتہ کثیر تعداد میں جھوٹے نبی آئیں گے جنہیں شیطان کھڑا کرے گا۔"

اس پادری نے دوسرا سوال کیا: اس مسیحا کا نام کیا ہوگا اور کن علامات سے اس کی آمد کا پتہ چلے گا؟ اس کے جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"THE NAME OF THE MESSIAH IS ADMIRABLE, FOR GOD HIMSELF GAVE HIM THE NAME WHEN HAD CREATED HIS SOUL, AND PLACED IT IN A CELESTIAL SPLENDOUR. GOD SAID, "WAIT MUHAMMAD FOR THY SAKE I WILL TO CREATE PARADISE, THE WORLD, AND A GREAT MULTITUDE OF CREATURES"
.... I SHALL SEND THEE INTO THE WORLD I SHALL SEND THEE AS MY MESSENGER OF SALVATION AND THY WORD SHALL BE TRUE, IN SO MUCH THAT HEAVAN AND EARTH SHALL FAIL, BUT THY FAITH SHALL NEVER FAIL."
"MUHAMMAD IS HIS BLESSED NAME."

"مسیحا کا نام قابل تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب ان کی روح مبارک کو پیدا کیا اور آسمانی آب و تاب میں رکھا تو خود ان کا نام رکھا۔ اللہ نے فرمایا: اے محمد! انتظار کرو میں نے صرف تیری خاطر جنت کو پیدا کیا ہے، ساری دنیا کو پیدا کیا ہے اور بے شمار مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو تمہیں نجات دہندہ رسول بنا کر بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی۔ آسمان اور زمین فنا ہو سکتے ہیں لیکن تیرا دین کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔"

آپ نے کہا کہ محمد اس کا بابرکت نام ہے۔

پھر تمام سامعین چیخ چیخ کر یہ کہتے ہوئے فریاد کرنی شروع کی:

"O GOD SEND US THY MESSENGER. O MUHAMMAD, COME QUICKLY FOR THE SALVATION OF THE WORLD."

"اے خدا! اپنے رسول کو ہماری طرف بھیج، یا رسول اللہ! دنیا کی نجات کے لیے جلدی تشریف لے آئیے۔" (باب ۹۷)

٥۔ حضرت مسیح اپنے حواری برنباس سے اپنے آخری حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میرے قتل کی سازش کی جائے گی چند ٹکوں کے عوض مجھے میرا ایک حواری گرفتار کرائے گا لیکن وہ مجھے پھانسی نہیں دے سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے زمین سے اٹھا لے گا اور جس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے اس کو میرے بجائے سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعَىٰ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جا رہا ہے

إِلَى الْإِسْلَامِ ۚ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝ يُرِيدُونَ

اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں

فرماتے ہیں:

I SHALL ABIDE IN THAT DISHONOUR FOR A LONG TIME IN THE WORLD. BUT WHEN MOHAMMAD SHALL COME, THE SACRED MESSENGER OF GOD, THAT INFAMI SHALL BE TAKEN AWAY. AND THIS SHALL GOD DO, BECAUSE I HAVE CONFESSED THE TRUTH OF THE MESSIAH, WHO SHALL GIVE ME THIS REWARD, THAT I SHALL BE KNOWN TO BE ALIVE AND TO BE A STRANGER TO THAT DEATH OF INFAMI.

"طویل عرصہ تک لوگ مجھے بدنام کرتے رہیں گے لیکن جب محمد تشریف لائیں گے جو خدا کے مقدس رسول ہیں تب میری یہ بدنامی ختم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ یوں کرے گا کیونکہ میں اس مسیحا کی صداقت کا اعتراف کر چکا ہوں۔ وہ مجھے یہ انعام دے گا کہ لوگ مجھے زندہ جانتے ہوں گے اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس رسوا کن موت سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔" (باب ۱۱۲)

آپ نے متعدد مقامات پر اس بات کی تصریح کی ہے کہ وہ ذی شان رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔ اس مقام کی تنگ دامانی اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ میں ان تمام حوالوں کو آپ کی خدمت میں پیش کروں۔ امید ہے اگر بنظر انصاف آپ ان اقتباسات کا مطالعہ کریں گے تو حقیقت کا روئے زیبا یقیناً بے نقاب ہو جائے گا۔

رہا آخری سوال کہ جس شخص کا نام غلام احمد ہے وہ اس آیت کا مصداق ہو سکتا ہے اور اسے احمد قرار دیا جا سکتا ہے؟

اس کے بارے میں اتنا ہی سمجھ لیں کہ ایک شخص جس کا نام عبداللہ ہو وہ اپنے نام سے عبد حذف کر کے اگر اللہ نہیں کہلا سکتا تو اسی طرح غلام احمد نامی شخص غلام کا لفظ کاٹ کر اپنے آپ کو احمد کہلانے لگا تو اس سے بڑھ کر قرآن کی کوئی تحریف نہیں ہو سکتی۔

سلہ پس جب وہ رسول جس کا نام نامی احمد ہے، حضرت مسیح کی پیشین گوئی کے مطابق تشریف لے آیا اور روشن معجزات سے اپنی صداقت کو آشکارا کر دیا تو ان لوگوں کو ایمان لانے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور معجزات نبوت کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ

کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند

الْكَافِرُونَ ﴿٨﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

کریں اس کو کافر[۱۱] وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٩﴾ يَا أَيُّهَا

تاکہ وہ غالب کر دے اسے سب دینوں پر[۱۲] خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک۔ اے

[۱۱] کفار سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ اسلام کا یہ روشن چراغ بجھ جائے لیکن وہ کان کھول کر سن لیں کہ ان کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ یہ نور حق اپنے شباب اور کمال کو پہنچے گا۔ اس کی تجلیات سے ہر وادی و دشت و جبل چمک اٹھیں گے اور اللہ تعالیٰ کا یہ آخری پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے گا۔ کافروں کو بے شک اسلام کی ترقی سخت ناپسند ہے۔ وہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا دیں گے لیکن انہیں بجز حسرت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ آیت کسی ایسے موقع پر نازل نہیں ہوئی جب اسلام کے پرچم تلے لشکر جرار جمع ہو چکے تھے، مسلمانوں کی دھاک لوگوں کے دلوں پر بیٹھ چکی تھی، مخالفت کی آندھیاں تھم گئی تھیں اور اسلام کی کامیابی کے آثار ہر شخص کو دکھائی دینے لگے تھے بلکہ یہ آیت غزوۂ احد کے بعد نازل ہوئی جبکہ مسلمانوں کو بڑی شدید مشکلات کا سامنا تھا۔ میدان جنگ میں ان کا بڑا جانی نقصان ہوا تھا۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت مصعبؓ جیسے عظیم المرتبت مجاہد جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ قریب و جوار میں بسنے والے چند قبائل کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب باقی نہ رہا تھا۔ ان ناگفتہ بہ اور غیر یقینی حالات میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سب دنیا نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان حرف بحرف پورا ہوا۔

[۱۲] اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کا ذکر فرما رہا ہے کہ میں وہ قادر و حکیم ہوں جس نے ساری دنیا کی رہبری کے لیے ایک رسول بھیجا۔ اس کو نور ہدایت کا امین اور حق کا علمبردار بنایا اور اس لیے مبعوث فرمایا تاکہ اس کے لائے ہوئے دین کو غلبہ عطا فرماؤں۔ چنانچہ عالم میں اس کا ڈنکا بجے۔ اس کے مجاہد میدان کارزار میں باطل کے پرستاروں کو تیغ و سناں سے مغلوب کر رہے ہوں۔ اس کے علماء دلیل و برہان سے شرک کے علمبرداروں کو شکست دے رہے ہوں اور اسلامی معاشرے کی پاکیزہ تمدن، اپنی نورانی تہذیب، اپنے منصفانہ نظام معیشت اور اخلاق حسنہ کے باعث اسلام کی برتری اور فتح مندی کا پرچم لہرا رہا ہو۔

اسلام چھپ چھپ کر وقت گزارنے کے لیے یا باطل سے مصالحت کر کے زندہ رہنے کے لیے نہیں آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے شیروں کا دین ہے۔ یہ شمع حق کے پروانوں کا دین ہے۔ سارا کفر و شرک اگر اپنی قوتوں کو یکجا بھی کر لے تب بھی وہ ان کو پسپا نہیں کر سکتا۔ ان کو پسپا نہیں کر سکتا۔

الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ

اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچالے تمہیں دردناک عذاب

أَلِيمٍ ﴿١٠﴾ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ

سے ۱۳ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ

اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے

۱۳؎ دوسرے لوگ بھی تجارت کرتے ہیں۔ اس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ بسا اوقات تو سرمایہ تک برباد ہو جاتا ہے۔ اگر نفع ہو تو بھی ہوگا تو دولت کی فراوانی اور اسباب عیش و آرام مہیا ہو جائیں گے لیکن ایک تجارت وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو باخبر کر رہا ہے اور اس میں حصہ لینے کی ترغیب دے رہا ہے اور اس تجارت کی چند خصوصیات ہیں۔ اس میں نفع ہی نفع ہے نقصان کا ذرا احتمال نہیں۔ اس کا نفع عارضی اور فانی نہیں بلکہ ابدی اور سرمدی ہے۔ اس کے فوائد سے اس کا تاجر صرف قیامت کے روز ہی بہرہ ور نہ ہوگا بلکہ اس دنیا میں بھی اس کا نفع اسے ملے گا اور نفع بھی یہ ہے کہ جس میدان میں قدم رکھے گا تنہا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت اس کے ہمراہ ہوگی اور فتح و کامرانی اس کے قدم چومے گی۔ جہاں بھی وہ جائے گا ہر چیز اس کے آگے دست بستہ حاضر ہوگی۔ پہاڑ اس کی ٹھوکر سے اور سمندر اس کی ضرب سے راستہ چھوڑ دیں گے۔ اور وہ تجارت یہ ہے کہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے اموال اور اپنی جانیں اپنے رب کے راستہ میں قربان کر دو۔ بتایا کہ مال کو بچا بچا کر رکھنے میں تمہارا نفع نہیں بلکہ اس کی رضا کے لیے گھر بار لٹا دینا تمہارے لیے سود مند ہے۔ جان کو حفاظت رکھنے میں تمہاری سلامتی نہیں۔ تمہاری سلامتی اس میں ہے کہ اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دو اور اپنا سر قربان کر دو۔ تمہیں حیات جاوید بخش دی جائے گی۔ موت تمہارا دامن چھو تک نہ سکے گی۔

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی (علامہ اقبال)

دنیوی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کی مہربانی سے فتح و کامرانی بہت بڑی چیز ہے۔ بہر حال آخرت کی سرفرازی

الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾

نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ

اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے وہ بھی ملے گی، یعنی اللہ کی جانب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!)

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ

مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجیے۔ اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ ۱۳ جس طرح کہا تھا

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ

عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے

الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ

جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ بنی

اس سے بھی اعلیٰ و افضل ہے اس لیے اس کے ذکر کو مقدم کیا۔

۱۳ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ نہ اس کا کوئی کام ہماری اعانت کا محتاج ہے۔ جو لوگ دین کی سربلندی کے لیے کوشاں رہتے ہیں وہ گوناگوں برکات سے اپنی زندگی کو مالا مال کرتے ہیں اور محض اپنا اور اپنی آئندہ نسلوں کا بھلا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ ان کے جذبۂ اخلاص کی قدر فرماتے ہوئے ان کو انصار اللہ کے معزز لقب سے سرفراز فرماتا ہے۔ یہ اس کی کمال مہربانی، شانِ بندہ پروری اور ذرہ نوازی ہے۔

حواریون: جمع ہے اس کا واحد حواری جو حوار سے مشتق ہے۔ حوار سفیدی کو کہتے ہیں۔ دھوبی کو عربی میں حواری کہتے ہیں کیونکہ وہ میلے کپڑوں کو پاک اور اجلا کرتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی شاگرد دھوبی تھے اس لیے انہیں حواریون کہا گیا۔ بعد میں پر خلوص دوست اور وفادار ساتھی کو حواری کہا جانے لگا۔

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں۔ التحویر: التبییض۔ والحواریون: القصارون لتبییضھم لانھم کانوا قصارین ثم غلب حتی صار کل ناصر و کل حمیم حواریا (لسان العرب)

إِسْرَآءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ

اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔ پھر ہم نے مدد کی جو ایمان لائے دشمنوں کے

عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٤﴾

مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے ف۱۵

ف۱۵ جب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ کہہ کر دعوت حق دی تو سلیم الطبع لوگ لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوئے اور شرف بایمان ہوئے لیکن بنی اسرائیل کے ہٹ دھرم اور عنادی لوگ آپ کے دشمن اور کفر پر آمادہ ہو گئے تو وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ایمان دار گروہ کی امداد فرمائی اور ان کو غلبہ اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔

اللّٰہم اجعلنا من انصار نبیک المصطفیٰ ورسولک المجتبیٰ علیہ و علی آلہ افضل الصلوٰۃ واجمل الثناء۔ وایّدنا علی جمیع اعداء دینک لیصبح بتائیدک ونصرتک ظاہرا علی الادیان کلہا انک علی کل شیء قدیر

تعارف

سورۃ الجمعۃ

نام : اس سورۃ کی آیت نمبر ۹ میں "الجمعۃ" کا کلمہ ہے۔ اسی کو اس سورۃ کا نام تجویز فرمایا گیا۔ اس میں دو رکوع، گیارہ آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور سات سو بیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : حضرات ابن عباس، ابن زبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ بلکہ جمہور اُمت کے نزدیک اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو صحیح بخاری میں ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں اُس روز بارگاہِ نبوت میں حاضر تھا جس روز سورۂ جمعہ نازل ہوئی اور سب کو علم ہے کہ حضرت ابوہریرہ صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے اور غزوۂ خیبر ۷ھ میں ہوا۔ ابن ہشام کے نزدیک محرم کا مہینہ تھا اور ابن سعد کے نزدیک جمادی الاولیٰ کا۔

نیز اس کے مضامین بھی اس کے مدنی ہونے کی تائید کرتے ہیں۔ اس میں یہودیوں کو خطاب کیا گیا ہے نیز جمعہ ادا کرنے کا تاکیدی حکم بھی ہے اور ان دونوں کا تعلق مدنی عہد سے ہے۔

مضامین : اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اس کی صفاتِ حمیدہ کے بیان سے اس سورۃ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رفیع کے ذکر کے بعد اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے محامد و کمالات بیان فرمائے ہیں۔ انہیں کا ذکر کر کے یہود کے اس زعم باطل کی تردید فرما دی جو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ نبوت فقط اسرائیل کے خانوادہ کی جاگیر ہے۔ کوئی غیر اسرائیلی نبی نہیں بن سکتا۔ بتا دیا کہ نبوت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور وہ قادر و مختار ہے جس کو چاہے اپنے فضل سے سرفراز فرما دے۔ نہ کوئی اُس کو ایسا کرنے سے منع کر سکتا ہے اور نہ کسی کو اس کی اس عطا پر معترض ہونے کا اختیار ہے اُس نے اپنی مہربانی سے اُمیّین میں ایسا جلیل القدر، رفیع الشان رسول مبعوث فرمایا جس کی خیرات و برکات کا بیان ذکر خیر ہو رہا ہے۔ جو آیاتِ ربّانی پڑھ کر سناتا ہے یہ وہ مینارہ ہے جس سے تا ابد رشد و ہدایت کی شعاعیں نکلتی رہیں گی۔ اس کا فیضانِ نگاہ اُس کے زمانے تک محدود نہیں بلکہ فیضان کا یہ چشمہ قیامت تک جاری رہے گا۔ جو خوش نصیب اس کی بارگاہ میں دامنِ طلب پھیلائے گا، بامراد واپس آئے گا۔

مشرکین عرب کے علاوہ یہودی بھی اسلام کی عداوت میں پیش پیش تھے۔ وہ ہر وقت اسی اُدھیڑ بن میں مصروف رہتے کہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ کی چٹانیں کھڑی کر دیں۔ بلکہ اُن کا بس چلے تو باعثِ ایجادِ عالم محبوبِ ربّ العالمین

صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع حیات کو ہی گل کردیں۔ ان کے بارے میں بتا دیا کہ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ موسیٰ کلیم اللہ کی امت ہیں۔ ان کے پاس تورات جیسا آسمانی صحیفہ موجود ہے لیکن صد حیف انہیں اس سے استفادہ کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس کی آیتیں بیچ کر متاع دنیا جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ان کی مثال اس گدھے کی ہے جس پر قیمتی علمی کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو لیکن اسے یہ خبر نہ ہو کہ اس میں علم و حکمت کے کتنے قیمتی موتی موجود ہیں۔

ایک اور غلط فہمی بھی ان کی بدنصیبی کا باعث تھی۔ وہ اپنے آپ کو اللہ کا لاڈلا خیال کرتے تھے کسی غیر اسرائیلی کا اتباع ان کے نزدیک ان کی توہین اور ہتک کا باعث تھا۔ بتا دیا کہ تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔ دل کی گہرائیوں میں تم بھی اسے غلط سمجھتے ہو ورنہ تم موت سے نہ ڈرتے۔ تمہارے خیال کے مطابق تو چاہیے تھا کہ تم موت کے خواہاں ہوتے تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلوں کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا۔ تمہاری بزدلی کا تو یہ عالم ہے کہ غیر جب مستحکم قلعے اور جنگی ہتھیاروں کے انبار بھی تمہیں مرد میدان بننے کی جرأت نہ بخش سکے۔

دوسرے رکوع کے مدنی ہونے میں تو کسی کو کلام نہیں لیکن بعض علماء کی یہ تحقیق ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد ہوا جب کہ مسلمانوں کو اجتماعی عبادتوں کی تربیت دینے کی ضرورت تھی۔ یہاں مسلمانوں کو نماز جمعہ کے آداب سکھائے جا رہے ہیں اور تاکید کی جا رہی ہے کہ جب اللہ کا حبیب خطبہ ارشاد فرما رہا ہو تو کسی دنیوی مقصد کے حصول کی خاطر وہاں سے اٹھ کر چلے نہ جایا کرو۔ البتہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کسب معاش کے لیے اللہ کی زمین میں پھیل جاؤ اور ہر حالت میں کثرت سے اپنے اللہ کریم کا ذکر کیا کرو۔

سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الجمعہ مدنی ہے اور اس کی ۱۱ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ

اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے۔ جو بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے،

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ وہی (اللہ) ہے جس نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسول انہیں میں سے

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔

۱۔ اس سے پہلی سورت میں سَبَّحَ ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے یہاں یُسَبِّحُ مضارع کا صیغہ ذکر ہوا جو حال و مستقبل دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اس کی تسبیح زمانی حدود کی پابند نہیں۔ ازل سے کائنات کی ہر چیز اس کی تسبیح کر رہی ہے اور ابد تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اپنی استعداد، اپنی مخصوص زندگی اور شعور کے مطابق اس کی تسبیح بیان کرنے میں مشغول ہے۔

اس کے بعد چند اسمائے حسنیٰ ذکر کر دیئے گئے تاکہ اس ہمہ گیر تسبیح کی وجہ بتا دی جائے۔ وہ کائنات کا حقیقی بادشاہ اور فرمانروا ہے جہاں ہستی ہے وہاں وہی داور ہے سارا دربار اسی کی سلطانی کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ قدوس ہے، ہر نقص سے پاک، بالکل پاک۔ نہ وہاں عجز کا شائبہ ہے نہ وہاں ظلم و تعدی کا احتمال ہے۔ وہ عزیز ہے، اس کا فیصلہ اٹل ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اسے ٹال سکے یا مسترد کر سکے۔ وہ ان جملہ صفات کمال سے متصف ہونے کے باوجود حکیم ہے۔ اس کے سارے کام مبنی بر حکمت، مبنی بر صواب ہیں۔

اس آیت کے بعد محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لیے اپنی صفات جمال و جلال کو پہلے بیان کر دیا تاکہ کوئی کم فہم اس رسول کی شان رحمۃ للعالمینی کی وسعتوں کا انکار نہ کر سکے کیونکہ اس کو بھیجنے والا وہ خداوند جل و علا ہے جس کی صفات کا یہ عالم ہے۔

إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ وَّآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا

اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ۲؎ اور دوسرے لوگوں کو بھی ان میں سے تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے جو

۲؎ اسی خداوند عالم نے جو ان صفات جمیلہ وجلیلہ سے متصف ہے ان امیوں میں سے ایک گرامی منزلت رسول مبعوث فرمایا۔ رسولاً منہم کی تشریح کرتے ہوئے علامہ نسفی نے لکھا ہے ای من جملتھم امیاً مثلھم (مظہری۔ روح المعانی وغیرہ) یعنی حضور انہی میں سے تھے انہی کی طرح امی تھے۔

لفظ امی کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں والامی الذی لا یکتب قال الزجاج الامی الذی علی خلقۃ الامۃ لم یتعلم الکتاب فھو علی جبلتہ وقیل للعرب الامیون لان الکتابۃ کانت فیھم عزیزۃ او عدیمۃ۔ یعنی امی وہ ہے جو لکھ نہ سکے۔ زجاج کہتے ہیں کہ امی اس کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائش کے وقت کی حالت پر ہو۔ جس نے لکھنا نہ سیکھا ہو۔ اہل عرب کو بھی امیین کہا جاتا کیونکہ ان میں لکھنا نادر یا معدوم تھا۔

علامہ سید محمود آلوسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ کسی کے سینہ کو علوم و معارف سے لبریز کرنا چاہے تو اسے تحصیل علم کے مروجہ طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی اشارۃ الی عظیم قدرتہ عز وجل وان افاضۃ العلوم لا تتوقف علی الاسباب العادیۃ۔ اسی کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں۔ آپ کی ولی بھی ہو سکتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی روح ہر قسم کی آلائشوں سے پاک ہو جاتی ہے تو اس کے دل پر انوار الٰہیہ کا القا کیا جاتا ہے اور انہی انوار سے وہ علوم ربانیہ اور معارف لدنیہ کا ادراک کر سکتا ہے۔ ومن انقطع الی اللہ عز وجل وخلصت روحہ افیض علی القلب ما تولی الھیۃ تجلت بھا بادرۃ العلوم الربانیۃ والمعارف اللدنیۃ۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے۔ لم یحتج الیہ من کان القلم الاعلی یخدمہ واللوح المحفوظ مصحفہ ومنظرہ۔ وعدم کتابتہ مع علمہ بھا معجزۃ باھرۃ علیہ السلام۔

یعنی قلم اعلیٰ جس کا خادم ہو اور لوح محفوظ جس کی نگاہوں میں ہو اسے نوشت وخواند کی کیا ضرورت۔ اور جاننے کے باوجود نہ لکھنا یہ بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روشن معجزہ ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے۔

یتیمی ام الکتاب پرورد شس — لقب امی ازاں خدا کرد شس

ادب تعلیم ناگرفتہ بہ بر — ہر ذرا اسرار لوح دادہ خبر

بر خط اوست انس ودیاں را سر — کہ نخواندست خط ازاں چہ خطر

ترجمہ: ام الکتاب (قرآن شریف) کے فیض نے چونکہ آپ کی پرورش کی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب امی رکھا ہے۔ اگرچہ آپ نے علم سیکھنے کی تختی اپنی بغل میں نہیں دبائی لیکن لوح محفوظ کے تمام رازوں سے خبر دی ہے۔ انس وجن نے حضور کے خط پر اپنے سر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر ظاہری خط نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امی مبعوث کرنے میں یہی حکمت ہے کہ کوئی شخص حضور پر یہ الزام نہ لگا سکے کہ جو حکیمانہ کلمات اور پاکیزہ تعلیمات آپ سکھاتے ہیں وہ کسی کی کتابوں کے طویل اور عمیق مطالعہ کا نتیجہ ہے۔

جب اہل نظر یہ دیکھیں گے کہ اس ہستی نے کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، کبھی نہ کچھ لکھا اور نہ کچھ پڑھا پھر جو حکیمانہ کلام آپ سناتے ہیں یہ آپ کا کلام نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے۔

حضور کی رسالت کے فرائض کو اس آیت میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تاکہ وہ دلوں میں اترتی چلی جائیں۔ صرف ان آیات کی تلاوت پر ہی بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں اس کی مشکل ابحاث کے اسرار و معارف سے آگاہ بھی کریں۔ صرف تلاوت آیات اور تعلیم کتاب و حکمت سے ہی فریضہ رسالت ادا نہیں ہو جاتا بلکہ اپنی نگاہ و صحبت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک اور مطہر کر دیں۔

رسالت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واطیب السلام کی شان کا پتہ اسی وقت چلتا ہے جب انسان اس معاشرہ پر نظر ڈالتا ہے جو حضور کے قدوم میمنت لزوم سے مشرف ہوا۔ وہ لوگ پہلے کن گمراہیوں میں بھٹک رہے تھے لیکن حضور کے فیض نظر سے دیکھو اب عرب کے حقیر ذرے آفتاب و مہتاب بن کر چمکنے لگے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔ ؎

نسخہ بود کہ ما از اثر حکمت او   واقف از سرّ نہاں خانۂ تقدیر شدیم

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یتلوا علیہم سے اس استعداد کی طرف اشارہ کیا گیا جو بارگاہ الٰہی سے صحابہ کو نصیب ہوا اور ویزکیہم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرمایا جو صحبت کی برکت سے انہیں میسر آیا۔ اولیائے کرام اپنے مریدوں پر اسی سنت نبوی کے مطابق انوار کا القا کرتے ہیں جس سے ان کے دل اور ان کے نفوس پاک اور طاہر بن جاتے ہیں۔

علامہ مذکور فیضان نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ومع ھذا لا انکر برکۃ کل من الامرین التوجہ والرابطۃ وقد شاھدت ذلک من فضل اللہ عزوجل۔ مرشد کامل کی توجہ اور تعلق خاطر کی برکت کا میں انکار نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔ (روح المعانی)

بعض یہود نے اس آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف امیین یعنی اہل عرب کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے لیکن یہ استدلال سراسر باطل ہے۔ اگر قرآن کریم میں الی الامیین ہوتا تو ان کے قول میں کچھ وزن ہوتا یہاں تو فی الامیین کے لفظ ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ حضور کی بعثت امیین میں ہوئی۔ لیکن آپ کی بعثت ان امیین تک محدود نہ تھی جس طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر تصریح کر دی گئی ہے۔ کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں والمذکور فی الآیۃ قومہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وجنس الذین بعث فیہم واما المبعوث الیہم لم یتعرض لتعیینہ نفیا او اثباتا وقد تعرض لاثباتہ فی آیات اخر۔ (روح المعانی)

نیز اس آیت کے متصل جو آیت ہے اس نے اس ضعیف احتمال کی بیخ کنی کر دی ہے۔

يَلْحَقُوا بِهِمْ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣﴾ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ

ابھی ان سے آکر نہیں ملے ۳؎ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے ۔ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے

مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤﴾ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا

جسے چاہتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے ۵؎ ان کی مثال جنہیں تورات کا

التَّوْرَاةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۚ بِئْسَ

حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے بھاری کتابیں اٹھا رکھی ہوں ۶؎ اس سے بھی زیادہ بری

۳؎ پہلے ذرا اس کے اعراب ملاحظہ فرما لیجیے۔ اگر اس کا عطف علیہ امیین بنایا جائے تو اس صورت میں یہ فی کا مجرور ہوگا اور اگر اس کا عطف علیہ یعلمہم کی ضمیر مفعول ہو تو اس صورت میں منصوب ہوگا یعنی یعلمہم ویعلم الآخرین الکتاب والحکمۃ یعنی حضور ان کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور ان کے دلوں کو پاک کرتے ہیں جو قیامت تک حضور کے دین پاک کو قبول کریں گے وہ فیض نبوت سے فیضیاب ہوتے رہیں گے صحابہ کرام بلاواسطہ اور دوسرے بالواسطہ اور یہ فیض رسالت ابد تک جاری رہے گی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اشارۃ الی عدم انقطاع فیضہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن امتہ الی یوم القیامۃ وقد قالوا بعدم انقطاع فیض الولی ایضاً بعد انتقالہ من دار الکثافۃ والفناء الی دار التجرد والبقاء۔ یعنی اس سے یہ پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اپنی امت سے تا قیامت منقطع نہیں ہوگا اور صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ ولی کا فیض بھی جاری رہتا ہے دنیا کی طرف سے انتقال کرنے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا۔

۴؎ آخر میں پھر بتایا کہ جس رب کریم نے اپنے حبیب مصطفیٰ کو قیامت تک آنے والوں کے لیے منبع فیض اور مصدر رشد و ہدایت بنایا ہے جس نے اپنے محبوب کی ردائے رحمت کو اتنا وسیع کیا ہے کہ عالمین اس کے زیر سایہ ہیں وہ العزیز اور الحکیم ہے۔ ہے کوئی جو اس العزیز کے سامنے دم مار سکے ہے کوئی جو اس الحکیم کے فیصلہ میں عیب نکال سکے۔

۵؎ اس مقام پر اس آیت کا نازل ہونا اپنے اندر معانی و اسرار کا ایک جہان سمیٹے ہوئے ہے۔ کوئی رب ہے صاحب فضل عظیم پروردگار کے جود و کرم اور فضل و عطا کی بیکرانیوں کا اندازہ وہی خوش نصیب لگا سکتے ہیں جنہیں مقام محمدی کا عرفان بخشا گیا ہے۔ اللھم صل علی حبیبک و حبیبک صاحب لواء الحمد صاحب المقام المحمود وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اللھم ارزقنا حبہ و اتباعہ واحشرنا فی زمرتہ یا ارحم الراحمین یا ذا الجلال والاکرام۔

۶؎ اس آیت میں ان یہودیوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں تورات جیسی عظیم کتاب کا حامل بنایا گیا تھا۔ وہ ان کثیر التعداد پیشگوئیوں سے آگاہ تھے جن میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا ذکر تھا اور حضور پر ایمان لانے کی بار بار تاکید کی گئی تھی۔ اس کے باوجود وہ حضور پر ایمان لانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ کسی ایسے نبی کو ماننے کے لیے تیار نہیں جو اسرائیلی نہ ہو خواہ وہ خدا کا فرستادہ ہو۔

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی

الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ

رہنمائی نہیں کرتا شہ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست

لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

اور وہ کبھی بھی اس کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں سے آگے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِىْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ

جانتا ہے ظالموں کو شہ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی

فرمایا یہ لوگ گدھے کی مانند ہیں جس پر بڑی بڑی کتابیں لادی ہوئی ہیں لیکن وہ ان سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہا ہو۔ حملوا التوراۃ ای کلفوا العمل بما فیہا عن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ تورات پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ قال الجرجانی وھو من الحمالۃ ای الکفالۃ۔ جرجانی کہتے ہیں حملوا حمالۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی کفالت یعنی ذمہ داری ہے۔ یعنی ان پر عمل کرنے کی ذمہ داری ان کو سونپی گئی تھی۔ ثم لم یحملوھا ای لم یعملوا بھا۔ یعنی انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اسفارا۔ اس کا واحد سفر ہے۔ وھو الکتاب الکبیر یعنی ضخیم کتاب کو سفر کہتے ہیں۔

شہ یعنی جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی وہ گدھوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ گدھے علم اور سمجھ سے بے بہرہ ہیں اور یہ لوگ علم و فہم رکھتے ہوئے بھی آیات ربانی کو جھٹلا رہے ہیں۔ ومعناہ انھم کذبوا علی اللہ تعالیٰ کان فی غایۃ الخسر والفساد۔ (رازی)

شہ یہودی بڑے طمطراق سے یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ ہم خدا کے بیٹے اور لاڈلے ہیں نیز کہتے لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا یعنی جنت میں صرف وہی داخل ہو سکے گا جو یہودی ہے۔ اس آیت میں ان کی قلعی کھولی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ لو تمنوا الموت ما بقی علی ظھرھا یھودی الا مات۔ اس ذات کی قسم

ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ

پھر لوٹایا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپی اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم

تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ

کیا کرتے تھے اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ

الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ

کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لیے بہتر ہے

جس کی قدرت میں میری جان ہے اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہتا۔

اس آیت میں حضور کا معجزہ بھی ہے۔ خبر دے دی کہ وہ موت کی تمنا کبھی نہ کریں گے اور واقعی وہ مرنے کی تمنا نہیں کر سکے۔

ان کا مرنا موت کی تمنا پر موقوف نہیں، وہ ہزار اس سے بھاگیں، وہ لاکھ اس سے بچنے کی کوشش کریں انہیں ضرور بالضرور لامحالہ ایک روز موت کا پیالہ پینا ہی پڑے گا۔

اس رکوع میں نماز جمعہ کے احکام اور آداب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یہاں مخاطب صرف فرزندان اسلام ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! جب تم نماز جمعہ کی اذان سنو تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو اور اسی وقت خرید و فروخت بند کر دو۔ نودی سے مراد جمعہ کی اذان ہے اور احناف کے نزدیک پہلی اذان ہے جو خطبہ سے کچھ دیر پہلے دی جاتی ہے۔ اسعوا کا معنی دوڑنا یا بھاگنا نہیں ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاگ کر نماز میں شرکت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ثوب بالصلوٰۃ فلا تاتوھا وانتم تسعون ولکن ائتوھا وعلیکم السکینۃ والوقار فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا یعنی سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا نماز کی اقامت سنو تو بھاگ کر نہ آؤ بلکہ بڑے سکون اور وقار کے ساتھ نماز کی طرف آؤ۔ جو رکعتیں مل جائیں وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جو فوت ہو جائیں انہیں سلام کے بعد پورا کرو۔

اس لیے علماء نے سعی کا معنی یہ کیا ہے اخلاص النیۃ والعمل یعنی ارادہ کر لو اور وہاں جانے کی تیاری شروع کر دو۔

صرف خرید و فروخت کو ختم کرنے یا بند کرنے کا حکم نہیں بلکہ تمام وہ مشاغل جو جمعہ کی حاضری میں رکاوٹ بن سکیں تمام کو ترک کرنا ضروری ہے اور خرید و فروخت کا خصوصی ذکر اس لیے ہوا کہ جمعہ کے روز لوگ باہر سے قصبات اور دیہات کے لیے اپنا سامان بھی لاتے اور شہر سے اپنی ضروریات خرید کر بھی لے جاتے۔ ملحقہ بستیوں کے لوگوں کے آنے کی وجہ سے جمعہ کے دن بڑی چہل پہل ہو جاتی اور خرید و فروخت کا بازار خوب گرم ہو جاتا اس لیے خصوصیت سے وذروا البیع کا حکم فرمایا گیا۔

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي

اگر تم حقیقت کو جانتے ہو ۱۲ پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ

۱۲ یعنی خرید و فروخت اور دیگر مشاغل کو پس پشت ڈال کر مکمل تیاری سے نماز جمعہ میں حاضری تمہارے لیے تمام چیزوں سے زیادہ سود مند اور نفع بخش ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ، اس کی ابتدا اور جمعہ کے بارے میں چند ضروری مسائل بالاختصار ذکر کر دیے جاتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں اس دن کو عروبہ کہا جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضور کے جد امجد کعب بن لؤی اس روز قریش کو اکٹھا کر کے خطبہ دیا کرتے تھے اور انہیں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی خوشخبری سنایا کرتے اور انہیں تاکید کرتے کہ حضور پر ایمان لائیں اور حضور کی نصرت میں غفلت سے کام نہ لیں۔ ان کا ایک شعر بڑا مشہور ہے۔

یا لیتنی شاھد انجوی دعوتہ اذا قریش تبغ الحق خذلانا

کاش میں حضور کی دعوت کے وقت حاضر ہوتا جب قریش حق کو ناکام بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے۔ حضرت کعب نے ہی اس دن کا نام یوم الجمعہ رکھا لیکن اس نام کو شہرت نہ ہوئی۔ اہل عرب اسے یوم العروبہ ہی کہتے رہے۔ کعب بن لؤی اور حضور کی بعثت کے درمیان پانچ سو ساٹھ سال کا فاصلہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تشریف آوری سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کو تبلیغ کیلئے یثرب روانہ کیا تھا۔ ان کی مساعی جمیلہ سے یثرب کے کافی لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہفتہ میں یہودی ایک دن یوم سبت مل کر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ اتوار کو اجتماع کرتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہفتہ میں کوئی دن مقرر کریں۔ اس روز سب جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی عبادت کریں اور اس کا شکر ادا کریں۔ انہوں نے اپنے اس اجتماع کے لیے عروبہ کا دن منتخب کیا۔ چنانچہ اس روز یثرب کے سارے مسلمان اکٹھے ہوئے اور حضرت اسعد ابن زرارہ نے خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ تھا جو ادا کیا گیا۔ حضرت کعب ابن مالک جب جمعہ کی اذان سنتے تو دعا مانگتے کہ اللہ اسعد پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ چنانچہ ان مسلمانوں کی ایمانی بصیرت نے دو چیزوں کی طرف ان کی رہنمائی کی۔ ایک یہ کہ انہیں ہفتہ میں ایک روز عبادت، ذکر اور شکر کے لیے مخصوص کرنا چاہیے۔ دوسری یہ کہ وہ دن ہفتہ اور اتوار نہیں ہونا چاہیے بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور روز مقرر کرنا چاہیے تاکہ ہماری ملی انفرادیت برقرار اور نمایاں ہو۔ یہ فیصلہ انہوں نے از روئے اجتہاد کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اجتہاد پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اسی وقت سے اس دن کا نام عروبہ سے یوم الجمعہ ہو گیا اور اسی نام کو عمومی قبولیت عام اور شہرت دوام حاصل ہو گئی۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے تو چند روز یثرب کی نواحی بستی قبا میں قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ سوموار، منگل، بدھ، جمعرات آپ یہیں رہے اور جمعہ کے روز یہاں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اسے مدینہ طیبہ بننے کا شرف عطا فرمائیں۔ بنی سالم بن عوف کی وادی میں پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہیں توقف فرمایا۔ خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ یہ پہلا جمعہ ہے جو حضور رحمت دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ادا کیا۔

چند مسائل

جمعہ فرض عین ہے۔ اس کی فرضیت کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ قرآن کریم کی یہ آیت جمعہ کی فرضیت کی محکم دلیل ہے۔ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو سب کاروبار فوراً چھوڑ دو اور تیزی سے اس کو ادا کرنے کے لیے روانہ ہو جاؤ۔

سعی کا حکم اور خرید و فروخت چھوڑ دینے کا امر اس کی فرضیت پر واضح دلالت کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ بکثرت احادیث موجود ہیں جن سے اس کی فرضیت کا پتہ چلتا ہے۔ عن ابی عمر و ابی هريرة قالا سمعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول على اعواد منبره لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات او ليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين۔ رواہ مسلم

حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر بیٹھے ہوئے یہ فرماتے سنا جو لوگ جمعہ ترک کرتے ہیں وہ اس سے ضرور باز آجائیں ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافل ہو جائیں گے۔

عن ابی الجعد الضمري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من ترك ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز جمعہ کو معمولی اور حقیر سمجھتے ہوئے تین جمعے ترک کیے اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

عن جابر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة الا مريض او مسافر او امرأة او صبي او مملوك فمن استغنى بلهو او تجارة استغنى الله عنه۔ والله غني حميد۔ دارقطنی

حضرت جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ فرض ہے سوائے مریض، مسافر، عورت، نابالغ اور غلام کے۔ جو شخص کسی لہو و لعب یا تجارت کے باعث اس سے بے پروائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے پروائی کرے گا اور اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

علامہ پانی پتی یہ احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں فاجمع العلماء المعتبرين على انه فرض على الاعيان وغلط من قال انها فرض كفاية (مظہری)

ان تمام علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ہر شخص پر جمعہ فرض ہے اور جس نے اس کو فرض کفایہ کہا ہے وہ بالکل غلط ہے۔

مسئلہ: جن لوگوں پر جمعہ فرض نہیں ہے اگر وہ پڑھیں گے تو ہو جائے گا۔ نابینا شخص جس کو پکڑ کر مسجد تک لے جانے والا کوئی نہ ہو اس کا شمار بھی بیماروں میں ہے۔ اس پر جمعہ فرض نہیں۔

مسئلہ: اس پر سب کا اتفاق ہے کہ صحرا میں جمعہ جائز نہیں اور جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے۔ اس کے بعد اب ان میں علماء کا اختلاف ہے کہ جمعہ کس مقام پر فرض ہے اور جمعہ کی جماعت میں کتنے لوگوں کی شرکت ضروری ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا قول یہ ہے کہ ایسا گاؤں جہاں چالیس آزاد عاقل بالغ مرد مستقل طور پر اقامت گزیں ہوں وہاں جمعہ کی اقامت واجب ہے

اور ان کے نزدیک جماعت میں ایسے بڑے چالیس آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ وہ قریہ جس میں مکانات متصل ہوں وہاں مسجد بھی ہو اور بازار بھی ہو وہاں جمعہ واجب ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصر جامع کے بغیر جمعہ صحیح نہیں اور مصر جامع کی یہ تعریف کی گئی ہے المصر هو كل بلد فيها سكك واسواق ولها رساتيق ووال ينصف المظلوم من الظالم وعالم يرجع اليه في الحوادث وقيل ما لا يسع اكبر مساجده اهله ۔ یعنی مصر اس شہر کو کہتے ہیں جس میں گلی کوچے ہوں بازار ہوں اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی آبادیاں ہوں، وہاں ایک والی ہو جو ظالم سے مظلوم کی داد رسی کرے یا وہاں ایسا عالم ہو جو ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے بعضوں نے مصر کی یہ تعریف کی ہے کہ وہاں کی ساری آبادی وہاں کی مسجد میں نہ سما سکے۔

مسئلہ: مصر کے کسی حصہ میں جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے اور وہ کھلا میدان جو اس شہر سے ملحق ہو وہاں بھی جمعہ جائز ہے۔ امام صاحب اس کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں صرف مسجد نبوی میں جمعہ ادا ہوتا تھا اور گرد جو آبادیاں تھیں وہاں کے لوگ مدینہ آکر پڑھتے تھے۔ اگر دیہات میں جمعہ جائز ہوتا تو اہل قبا وہیں جمعہ ادا کرتے۔ مسجد نبوی کے علاوہ سب سے پہلے جہاں جمعہ قائم کیا گیا اس کے متعلق امام بخاری لکھتے ہیں۔ بجواثى قرية بالبحرين کہ پہلا جمعہ جواثی میں پڑھا گیا جو بحرین میں ایک قریہ ہے۔ اس سے ہر گاؤں میں جمعہ کے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قریہ کا استعمال مصر پر بھی ہوتا رہتا ہے۔ لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم یہاں مکہ اور طائف کو قریہ کہا گیا ہے حالانکہ طائف کے مصر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں نیز جواثی کوئی ایسی بستی نہ تھا جس پر مصر کی تعریف نہ صادق آتی ہو۔ علامہ جوہری نے الصحاح میں لکھا ہے ان جواثى حصن بالبحرين کہ بحرین میں ایک قلعہ ہے جس کا نام جواثی ہے۔ اور جہاں قلعہ ہوتا ہے وہاں حاکم بھی ہوتا ہے اور عالم بھی۔ وفي المبسوط انها مدينة بالبحرين۔

امام ابو یوسف، امام محمد، اوزاعی کے نزدیک امام سمیت تین آدمیوں کا جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب کے نزدیک امام سمیت چار آدمیوں کا ہونا ضروری ہے۔

مسئلہ: امام صاحب کے نزدیک والی کا ہونا یا اس کا اذن جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے اور امام مالک، شافعی اور امام احمد کے نزدیک شرط نہیں۔

مسئلہ: امام صاحب کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لیے اذن شرط ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کسی گاؤں میں مقیم ہے کیا اس پر واجب ہے کہ وہ شہر میں جا کر جمعہ ادا کرے؟ امام صاحب اور امام محمد کے نزدیک اس پر شہر میں آکر جمعہ ادا کرنا واجب نہیں۔ البتہ امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر اس گاؤں تک شہر کے مؤذن کی آواز پہنچتی ہے تو اس پر جمعہ فرض ہے ورنہ نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔

مسئلہ: امام شمس الائمہ سرخسی کہتے ہیں کہ حضرت امام صاحب کے مذہب کے مطابق ایک شہر میں متعدد مقامات پر نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں وبہ نأخذ ہمارا اسی پر عمل ہے لیکن یہ خیال رہے کہ بلا ضرورت ہر جگہ جمعہ کی نماز ادا کرنا اس حکمت کے منافی ہے جس کے لیے جمعہ جاری کیا گیا تھا۔ قال السرخسی الصحيح من مذهب ابي حنيفة جواز اقامتها في مصر

والعدد فی مسجدین اواکثر وقال ابن ھمام وبہ ناخذ۔

مسئلہ: علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اگر لوگوں پر جمعہ کی شرائط کا پایا جانا مشتبہ ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ نماز جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھیں اور اس کی نیت یوں کریں۔ آخری ظہر جس کا وقت میں نے پایا ہے اور ابھی تک ادا نہیں کیا اس کو ادا کر رہا ہوں۔ اگر وہاں جمعہ کی شرائط فی الواقع پائی جاتی ہوں گی تو یہ نفل ہو جائیں گی اور اگر کوئی شرط مفقود ہوگی تو یہ ظہر کے قائم مقام ہو جائیں گی۔ قال ابن ھمام اذا اشتبہ علی الناس وجود شرائط الجمعۃ ینبغی ان یصلی اربعا بعد الجمعۃ ینوی بھا اٰخر فرض ظہر ادرکت وقتہ ولم اؤدہ بعد۔

مسئلہ: انعقاد جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے۔ خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوسکتا۔ خطبہ میں پانچ چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ حمد باری تعالیٰ، درود و سلام، تقویٰ کی وصیت، تلاوت قرآن اور اہل ایمان کے لیے دعا۔

خطبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا ذکر سب ذکر الٰہی میں داخل ہیں لیکن ان ظالم بادشاہوں یا امراء کا ذکر، ان کے القاب اور ان کی ستائش اور ان کی مدح کا اللہ کے ذکر کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اما ذکر الظلمۃ والقابھم والثناء علیھم والمدح لھم فھو بعید من ذکر اللہ بمراحل معاذ اللہ۔

مسئلہ: اگر امام کے سلام پھیرنے سے پہلے کوئی آدمی شریک ہو جائے گا تو وہ اٹھ کر دو رکعت ہی پڑھے گا۔ امام صاحب کے نزدیک اس کی نماز جمعہ ادا ہو جائے گی۔ بعض ائمہ فقہ کے نزدیک اگر تو جمعہ کی ایک رکعت امام کے ساتھ پالے گا تو اس کی نماز جمعہ ہوگی ورنہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے گا۔

چند چیزیں نماز جمعہ کے لیے مسنون ہیں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے کرنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔ جمعہ کے روز غسل کرے۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم الی الجمعۃ فلیغتسل۔ (متفق علیہ) جب کوئی شخص نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آئے تو غسل کرے۔ سنتے یا اجلے ہوئے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا مسنون ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل یوم الجمعۃ واستاک ومس من طیب ان کان عندہ ولبس من احسن ثیابہ ثم خرج حتی یاتی المسجد فلم یتخط رقاب الناس ثم رکع ما شاء اللہ ان یرکع وانصت اذا خرج الامام کانت کفارۃ لما بینھا وبین الجمعۃ التی قبلھا۔ (ابو داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے، مسواک کرے، اگر اس کے پاس خوشبو ہو تو وہ لگائے اور اچھا لباس پہنے پھر گھر سے نکل کر مسجد کی طرف آئے پھر لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتا ہوا آگے نہ جائے اور پھر اللہ کی توفیق سے نفل پڑھتا رہے اور جب امام خطبہ دینے کے لیے آئے تو خاموشی سے بیٹھ جائے تو اس کا یہ عمل کفارہ بن جائے گا ان گناہوں اور غلطیوں کا جو گزشتہ جمعہ سے اس جمعہ تک اس سے سرزد ہوئی ہیں۔

جمعہ کے دن کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث مذکور ہیں۔ ان میں سے چند آپ بھی سماعت فرمایئے۔ عن اوس بن اوس قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق آدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علی من الصلوٰۃ فان صلٰوتکم معروضۃ علی قالوا یا رسول اللہ وکیف تعرض صلٰوتنا علیک وقد

الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا

زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے ١٣ اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ

ارمت قال ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ رواہ ابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔

اوس بن اوس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی دن وفات پائی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا درود حضور پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ خاک میں مل چکے ہوں گے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

اس ارشاد سے حضور نے صحابہ کی اس غلط فہمی کی اصلاح کر دی۔ ایک دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشہود تشہدہ الملائکۃ۔ وان احدا لم یصل علیّ الا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منہا۔ قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔ فنبی اللہ حی یرزق۔ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جمعہ کے دن کثرت سے مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن کثرت سے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جب بھی کوئی شخص مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کے فارغ ہونے سے پہلے وہ درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا وفات کے بعد بھی؟ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجساد کو حرام کر دیا ہے پس اللہ کا نبی اپنے مزار میں زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے۔ اور حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات فوت ہوتا ہے قبر کے فتنے سے اللہ پاک اسے محفوظ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ مزید مسائل کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع کریں۔

١٣ ارشاد ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ یہ حکم وجوب کے لیے نہیں بلکہ اباحت کے لیے ہے کیونکہ جمعہ کی اذان کے بعد کاروبار سے منع کر دیا گیا تھا اب اس کی اجازت دی گئی ہے اور کئی سلف صالحین کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس حکم کی تعمیل میں بازار کا چکر لگایا کرتے تھے تاکہ اس حکم کی تعمیل ہو جائے۔

١٤ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو صرف نماز تک محدود نہیں رکھنا چاہیے بلکہ جب بھی موقع ملے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے۔ آپ کوئی کام کر رہے ہوں اس وقت بھی آپ کو اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو تر و تازہ رکھنا چاہیے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝١٠ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا

تاکہ تم فلاح پاؤ ۱۵ اور بعض لوگوں نے جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف

وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب! انہیں) فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں کھیل تماشا سے اور

التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۝١١ ع ۲ ۱۲

تجارت سے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے ۱۶

۱۵ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کے ذکر کی کثرت سے ہی فلاح دارین نصیب ہو سکتی ہے۔

۱۶ اس آیت میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا جو ہجرت کے فوراً بعد پیش آیا تھا اور اس کے ذکر سے مسلمانوں کی تربیت فرما دی کہ آئندہ ان سے ایسی حرکت ہرگز سرزد نہ ہو۔

مدینہ طیبہ میں سخت قحط پڑا۔ اشیائے خورونی نایاب اور گراں ہو گئیں۔ لوگ اس سلسلہ میں بہت پریشان ہو گئے۔ اچانک جمعہ کے روز جبکہ حضور خطبہ ارشاد فرما رہے تھے دحیہ کلبی اپنا قافلہ سامان تجارت لے کر شام سے مدینہ طیبہ پہنچا (ابھی یہ مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع اہل شہر کو دینے کے لیے ڈھول بجانے شروع کر دیے۔ جب حاضرین مسجد نے ڈھولوں کی آوازیں سنیں اور دحیہ کی واپسی کا علم ہوا تو اس اندیشہ سے کہ اگر وہ نماز میں مشغول رہے تو سامان خورد و نوش دوسرے لوگ خرید لیں گے اس لیے وہ فوراً وہاں پہنچے اور حضور کی خدمت میں صرف بارہ آدمی رہ گئے جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی مرتضیٰ شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کی یہ حرکت سخت ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ اس میں ان کو اس حرکت کی قباحت کی طرف متوجہ کیا گیا اور انہیں آئندہ اس سے باز رہنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاس نعمتوں کے جو خزانے ہیں وہ اس لہو و لعب اور اس تجارت سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ رزق کے خزانے اس کے دست قدرت میں ہیں۔ تمہیں اپنا رزق اسی سے طلب کرنا چاہیے۔

آخر میں ایک اعتراض اور اس کے جواب کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

شیعہ کی طرف سے صحابہ کرام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے لہو و تجارت کے لیے نماز جمعہ ترک کر دی اور اس حال میں مسجد سے نکل کر چلے گئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں دین و آخرت سے دنیا اور سامان رزق کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ اسی لیے تو وہ حضور کو مسجد میں کھڑے چھوڑ کر چلے گئے۔

اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اکابر صحابہ جن میں خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ تھے وہ سب حاضر رہے — چنانچہ باقی رہنے والوں میں ان کے اسماء صراحت سے درج ہیں۔ نیز یہ واقعہ ہجرت کے ابتدا بالکل ابتدائی دور کا ہے جبکہ لوگوں کو صحبت نبوی سے

فیض یاب ہونے کا موقع بہت کم ملا تھا۔ اور یہ کمال تو حضور کی چشم کرم کا تھا کہ ان کے دلوں میں بجز اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور کسی قسم کی حسرت باقی نہ رہی تھی۔ اس مقام تک پہنچنے کے لیے تربیت کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے وقت درکار تھا۔ اس اثنا میں ان سے لغزش کے صدور کا قوی امکان تھا۔ جب کبھی ان سے ایسی لغزش ہوئی فوراً اس پر انہیں متنبہ کر دیا گیا اور ان کی اصلاح کر دی گئی۔

اس حکیمانہ تربیت اور فیض صحبت نے وہ اثر دکھایا کہ انہوں نے جانبازی اور سرفروشی کے میدان میں ایسے عدیم المثال کارنامے سرانجام دیے کہ آسمان کے ستارے، عالم بالا کے ملائک اور بہشت بریں کی بہاریں بجوم آئیں۔ سروش غیب نے انہیں لقد رضی اللہ عن المؤمنین کا مژدہ جانفزا سنایا۔ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا کی ایمان افروز نوید فردوس گوش بنی۔ اس سے بڑھ کر بے انصافی اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک شخص کے طالب العلمی کے زمانہ کی کوتاہیاں بیان کر کے اس کی علمی برتری اور اخلاقی فضیلت پر زبان طعن دراز کی جائے۔ یہ کس نے کہا ہے کہ صحابہ کرام اس اصلاحی تربیت سے پہلے بھی ہر صفت سے موصوف تھے۔ یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ آغوش نبوت کی برکتوں کے بغیر ہی ان میں للہیت وایثار خلوص اور تقویٰ کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ یہ سب کمالات قرآن کریم اور حامل کتاب مبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کیمیا اثر کا نتیجہ ہیں۔

فاللّٰهم لك الحمد ولك الشكر انك حميد مجيد.

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين.

اللّٰهم صل وسلم وبارك على سيد المرسلين شفيع المذنبين رحمة للعالمين سيدي ومولاي وحبيبي محمد وآله واصحابه ومن تبعه الى يوم الدين يا ارحم الراحمين.

تعارف

سُورۃ المُنافِقون

نام : پہلی آیت کی ابتداء میں المنافقون کا لفظ ہے ۔ نیز اس سورۃ میں منافقین کے احوال ہی بیان کیے گئے ہیں ۔ اس لیے اس کا نام المنافقون رکھا گیا ۔ اس میں دو رکوع گیارہ آیتیں ، ایک سو اسی کلمے اور نو سو ستر حروف ہیں ۔

نزول : غزوہ بنی مصطلق سنہ ۶ ہجری میں واقع ہوا ۔ یہ سورت ایک ایسے حادثہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اس وقت پیش آیا جب مسلمان اس غزوہ میں فتح یاب ہونے کے بعد مریسیع نامی ایک کنوئیں پر ٹھہرے ہوئے تھے ۔ اس لیے اس سورت کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال جنگ سے واپسی کے سفر میں یا مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے فوراً بعد اس کا نزول ہوا ۔

فتنۂ نفاق کا تاریخی جائزہ : اس واقعہ کے اسباب وعلل کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ہمیں فتنۂ نفاق کی تاریخ کا مطالعہ کرنا پڑے گا ۔ تب ہی ہم اس واقعہ کی سنگینی کا صحیح اندازہ لگا سکتے ہیں ۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ یثرب میں دو قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے ۔ ان میں دیرینہ رنجشیں اور رقابتیں تھیں جو معمولی بات پر جنگ کے شعلوں میں بدل جاتیں اور جب ایک مرتبہ جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے تو پھر برسوں بجھنے کا نام نہ لیتے ۔ مسلسل خانہ جنگی کے باعث دونوں قبیلے کمزور ہو گئے تھے ، صلح و امن سے زندگی بسر کرنے کی خواہش ان کے دلوں میں چٹکیاں لینے لگی تھی ۔ لیکن ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جو دونوں قبیلوں کے لیے قابل قبول ہو ۔ آخرکار عبداللہ ابن ابی جو خزرجی تھا ۔ وہ ایک ایسے قائد کی حیثیت سے ابھرا جس کی قیادت پر دونوں قبیلے متفق ہو گئے ۔ اس کی تاجپوشی کی رسم ادا ہونے والی تھی ۔ اس کے لیے تاج تیار کرنے کا حکم بھی دیا جا چکا تھا ۔ اس اثنا میں یثرب کی فضا میں اسلام کے اثرات بڑی قوت سے نمودار ہونے لگے ۔ عقبہ اولیٰ میں چند یثربی مشرف باسلام ہوئے ۔ واپس آ کر انہوں نے بڑی گرمجوشی سے اسلام کی تبلیغ شروع کی ۔ دوسرے سال اسی موقع پر دونوں قبیلوں کے بہتر افراد مکہ پہنچے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی ۔ ان میں سے حضرت عباس ابن عبادہ بن نضلہ انصاری بھی تھے ۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ابھی بیعت نہ کی جائے ۔ عبداللہ بن ابی کو بھی اس میں شریک کر لیا جائے تاکہ اتحاد و تعاون کی جو فضا یثرب میں بڑی مدت کے بعد پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی بدمزگی رونما نہ ہو لیکن دوسرے ساتھیوں نے ان کی اس تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی اور سب نے شرف بیعت حاصل کر لیا ۔ جب یہ قافلہ واپس یثرب پہنچا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے حواریوں کو اس کا علم ہوا تو ان کے غم و غصہ کی کوئی حد نہ رہی ۔

اُسے یقین ہو گیا کہ اس کی تاجپوشی کی رسم اب کبھی ادا نہ ہو گی۔ یہاں کے مسلمان جن میں اوس و خزرج کے رؤسا بھی شامل تھے، حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو اپنا رئیس بنانا ہرگز پسند نہ کریں گے۔ معاہدہ کے مطابق مکہ سے ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی کچھ عرصہ کے بعد ہجرت کر کے یثرب تشریف لے گئے۔ حضور کے قدم رنجہ فرمانے سے یثرب مدینۃ النبی بن گیا۔ عبداللہ اور اس کے ہمراز ساتھیوں نے جب اپنے آقا کے ساتھ مسلمانوں کی والہانہ محبت کو دیکھا تو انہوں نے اپنا بھلا اسی میں سمجھا کہ وہ بھی مسلمانوں میں شامل ہو جائیں۔ ظاہری طور پر انہوں نے کلمہ شہادت بھی پڑھ لیا۔ نمازوں میں بھی حاضر ہوتے۔ با دلِ نخواستہ زکوٰۃ بھی دیا کرتے لیکن حضور اور اسلام کے بارے میں بغض و عناد کے جذبات شدت اختیار کرتے گئے۔ وہ اس تاک میں رہتے کہ مسلمانوں میں کوئی فتنہ کھڑا کر کے ان کی جمعیت کو منتشر و پراگندہ کر دیں اور دوبارہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ اوس و خزرج دونوں قبیلے حضور سے مایوس ہو کر عبداللہ ابن ابی کو اپنا قائد و رئیس تسلیم کر لیں۔ لیکن عبداللہ تھا بڑا عیار، جب بھی اسے موقع ملتا وہ اپنی جھوٹی عقیدت کو بڑے زوردار الفاظ سے ظاہر کرتا۔ تاکہ اس کے دل کا کھوٹ لوگوں پر عیاں نہ ہونے پائے۔ اس نے یہ معمول بنا رکھا تھا کہ جمعہ کے روز جب مدینہ اور مضافات کے تمام مسلمان اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے جمع ہوتے تو یہ بھرے مجمع میں اٹھ کر اعلان کرتا۔ بھائیو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ لوگ دل و جان سے ان کی تائید کریں۔ ان کے ارشادات گوشِ ہوش سے سنا کریں اور جو حکم دیں اس کی تعمیل کیا کریں۔ اس کے باوجود بسا اوقات اس کے دل میں چھپا ہوا بغض آشکارا ہو جاتا۔ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں اس سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس نے بڑی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے سعد ابن عبادہ کو بلا کر شکایت کی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص قابلِ رحم ہے۔ حضور کی آمد سے پہلے اس کے لیے تاج بن رہا تھا اور رسمِ تاجپوشی کی تقریب منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضور کے آنے سے اس کے سارے خواب پریشان ہو گئے اور اس کے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ یہ تو سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج اور تخت چھین لیا ہے۔ اس لیے اس سے نرمی کا برتاؤ ہی بہتر ہے۔

جنگِ بدر کے بعد یہودی قبیلہ بنی قینقاع نے عہد شکنی کی تو حضور نے ان کی گوشمالی کے لیے ان پر چڑھائی کا ارادہ فرمایا۔ یہ منافق اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکا اور ان کی حمایت کے لیے تیار ہو گیا اور حضور کی زرہ کے دامن کو پکڑ کے کھینچ کر کہنے لگا۔ یہ قبیلہ سات سو جنگجو مردوں پر مشتمل ہے۔ یہ میرے حلیف ہیں۔ میرے اشارہ پر سربکف میدان میں آ کودتے ہیں۔ کیا آپ میرے حلیفوں کو ایک دن میں ہی قتل کر دینا چاہتے ہیں۔

جنگِ احد کا معرکہ مسلمانوں کے لیے انتہائی کرب و اضطراب کا باعث تھا۔ کفار تین ہزار کا لشکرِ جرار لے کر مدینہ طیبہ پر دھاوا بولنے کے ارادہ سے بڑھتے آ رہے تھے۔ مسلمان مجاہدین کی تعداد صرف ایک ہزار تھی۔ مدینہ کی چھوٹی سی بستی سے اس سے زیادہ جنگجو افراد کا ملنا ممکن نہ تھا۔ ان میں سے تین سو عبداللہ ابن ابی کے حواری تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک منزل کے

کرکے میدانِ اُحد کی طرف روانہ ہوئے تو عبداللہ اپنے تین سو حواریوں سمیت الگ ہوگیا اور مدینہ واپس لوٹ آیا۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں پر کیا گزری ہوگی۔ پہلے ہی مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں بہت کم تھی عین لڑائی کے وقت تین سو ساتھیوں کا الگ ہو جانا مسلمانوں کے صبر و شکیب کی بڑی سخت آزمائش تھی لیکن اس ظالم کو ایسی بے وفائی سے ذرا شرم نہ آئی۔

اس کا نفاق جس کو وہ اب تک بڑی ہوشیاری اور عیاری سے چھپائے ہوئے تھا مسلمانوں پر ظاہر ہوگیا۔ جنگِ اُحد کے بعد نمازِ جمعہ کے لیے لوگ مسجد میں جمع ہوئے تو حسبِ معمول اس نے وہی گھسے پٹے جملے دہرانے چاہے جو ہر جمعہ کو وہ دہرایا کرتا تھا تو ایک مسلمان نے اُسے جھڑک کر کہا: کم بخت بیٹھ جاؤ تمہیں ایسی باتیں اب زیب نہیں دیتیں۔ اس نے اس چیز کو اپنی توہین خیال کیا اور بڑبڑاتا ہوا لوگوں کے سروں سے پھلانگتا ہوا مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازہ پر بعض انصار نے اُسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اُسے نصیحت کی کہ ابھی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لو۔ وہ بگڑ کر بولا کہ میں ان سے معافی مانگنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں۔ (ابن ہشام)

غزوہ بنی نضیر کے بارے میں آپ سورۂ حشر کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں۔ اس موقع پر بھی اس کا نفاق کھل کر سامنے آگیا۔ بنی نضیر کی عہد شکنی اور غداری کی سزا دینے کے لیے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا تو اس خبیث نے انہیں کہلا بھیجا کہ گھبراؤ نہیں میں اور میرے ساتھی تمہارے ساتھ شانہ بشانہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا مقابلہ کریں گے اور مسلمانوں کو چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اور اگر تمہیں شکست ہوئی اور تمہیں یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا تو تم ہی مدینہ کو نہیں چھوڑو گے ہم بھی تمہارے ساتھ مدینہ سے چلے جائیں گے۔ ان کی اس سازش سے یہود کے حوصلے کتنے بلند ہوگئے ہوں گے اور مسلمانوں کو کتنی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہوگا اس کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا۔ اس طرح ان کی منافقت کا بھانڈا بیچ راستے میں پھوڑ ڈالا۔

اگرچہ حضور علیہ السلام اور سارے مسلمانوں پر ان لوگوں کی منافقت ظاہر ہو چکی تھی لیکن مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو کھلے بندوں اسلام سے خارج کرنے کا اعلان نہ کیا جائے۔ بیرونی دشمنوں سے جنگوں کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے مدینہ کے اندر ایک نئے محاذ پر جنگ کا آغاز مناسب نہ تھا۔ نیز عبداللہ کے حواریوں میں اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے ذی اثر لوگ کافی تعداد میں تھے۔ ان حالات میں ان سے لڑائی بڑے خلفشار کا باعث بن سکتی تھی۔ دوسری طرف عبداللہ اور اس کے ساتھی بھی اس پوزیشن میں نہ تھے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اعلانیہ جنگ کر سکیں۔ انہوں نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں سے ہر طرح کا مفاد بھی حاصل کرسکتے تھے اور انہیں مناسب موقع پر مؤثر طریقہ سے گزند بھی پہنچا سکتے تھے۔

یہی حالات تھے جب غزوہ بنی مصطلق کی نوبت پیش آئی اور دوسرے اہلِ ایمان کے ساتھ عبداللہ اور اس کی پارٹی کے لوگوں کو بھی شرکت کا موقع مل گیا۔ اس سفر کے دوران میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے مسلمانوں پر دو ایسے مہلک

کیسے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم مسلمانوں کی دستگیری نہ فرماتا تو مسلمان ان مہلک واروں سے جانبر نہ ہو سکتے۔ ایک واقعہ افک ہے جس کے متعلق آپ سورۂ نور میں پڑھ چکے ہوں گے۔ دوسرا یہ واقعہ جس کی تفصیل اب پیش خدمت کی جا رہی ہے۔

بنو مصطلق کا قبیلہ قدید کی سمت میں ساحل سمندر کے قریب آباد تھا۔ حضور کو اطلاع ملی کہ اس کا سردار حارث ابن ابی ضرار اپنے قبیلے کے جنگجو بہادروں کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھا کر رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید ابن حارثہ اور بقول ابن ہشام ابوذر غفاری کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا اور خود بنی مصطلق کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔ مریسیع کے کنوئیں کے قریب دونوں لشکروں میں سخت لڑائی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بنو مصطلق شکست کھا کر وہاں سے بھاگے بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

فتح کے بعد حضور نے چند روز اسی جگہ پر قیام فرمایا تاکہ مسلمان مجاہد جنگ کی تھکاوٹ کو دور کر لیں اور واپسی کے سفر سے پہلے تازہ دم ہو جائیں۔ اسی اثنا میں ایک خطرناک واقعہ رونما ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جہجاہ ابن مسعود غفاری کو بطور خدمت گار اپنے ہمراہ لے گئے تھے تاکہ آپ کے گھوڑے کی دیکھ بھال کرے۔ جہجاہ کنوئیں پر پانی لینے کے لیے گئے تو ان کا ایک شخص سنان بن وبرہ الجہنی سے پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا۔ بات بڑھ گئی اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔ جہجاہ کی ایک ضرب سے سنان کو زخم آ گیا اور خون بہنے لگا۔ اس نے زمانۂ جاہلیت کے دستور کے مطابق زور سے پکارا "یا معشر الانصار" (اے انصار میری مدد کو پہنچو) چونکہ اس کا قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ جہجاہ نے اپنے بچاؤ کے لیے "یا معشر المہاجرین" (اے مہاجرین میری مدد کو پہنچو) کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں طرف سے لوگ ہتھیار لیے ہوئے اپنے اپنے ساتھی کی مدد کو پہنچ گئے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں جنگ چھڑ جاتی اور بنی مصطلق پر انہیں جو فتح حاصل ہوئی تھی وہ شکست میں بدل جاتی۔ حضور اپنے خیمہ سے جلدی جلدی تشریف لے آئے اور دونوں فریقوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"ما بال دعوی الجاهلية ؟ ما لكم ولدعوة الجاهلية دعوها فانها منتنة ۔"

"یہ تم نے جاہلیت کے نعرے لگانے کیسے شروع کر دیے ہیں۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جاہلیت کی پکار بڑی بری بات ہے۔ یہ بڑی گندی چیز ہے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مداخلت سے فتنہ و فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلے سرد ہو گئے۔ سنان نے جہجاہ کو معاف کر دیا اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ منافقین تو اس واقعہ سے بہت خوش تھے۔ یکایک یہ آگ بجھ گئی، تو ان کے دلوں میں حسد کی جو چنگاریاں سلگ رہی تھیں وہ بھڑک اٹھیں۔ ایک ایک کر کے عبداللہ کے پاس پہنچے اور اس پر برس پڑے کہ تو نے اس موقع پر ہماری کوئی امداد نہیں کی۔ اگر تو ذرا بھی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتا تو آج ہم ان بھکمنگوں کا کچومر نکال دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اب ان کے طرفدار بن گئے ہو، اور ہماری وہ توقعات جو ہم نے تم سے وابستہ کر رکھی تھیں ان پر تم نے پانی پھیر دیا ہے۔ وہ نابکار پہلے ہی غصہ سے بھرا بیٹھا تھا۔ ان کا یہ طعنہ سن کر وہ پھٹ پڑا اور کہنے لگا یہ سب تمہارے اعمال کا پھل ہے اب اسے چکھو۔ تم نے ان مہاجروں کو آنکھوں پر بٹھایا۔ ان کے لیے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیے، اگے قدموں

میں دولت کے ڈھیر لگا دیے۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں تو ہمیں گھورنے لگے ہیں۔ تمہاری مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کسی نے کہا ہے: "سمّن کلبک یأکلک" (اپنے کتے کو پال کر موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹنے لگے)۔ اگر تم ان کو اپنا بچا کھچا کھانا دینا بند کر دو تو تھوڑے دنوں میں ان کے دماغ درست ہو جائیں اور بھوک سے تنگ آکر (حضور کا نام لے کر کہنے لگا) اس کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ مجھے مدینہ واپس جانے دو پھر تم تماشا دیکھنا۔

"اِنّا واللہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منها الاذل"

اگر ہم مدینہ واپس پہنچ گئے تو بخدا عزت والا وہاں سے ذلیل کو نکال دے گا۔

الاعز سے اس نے اپنے آپ کو مراد لیا اور لفظ صریح لفظ (اذل) سے حضور کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت زید ابن ارقم بھی اس مجلس میں موجود تھے یارائے ضبط نہ رہا، گرج کر بولے:

انت واللہ الذلیل القلیل المبغض فی قومک ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم فی عز من الرحمن ومودۃ من المسلمین (بخدا تو ذلیل ہے تو قلیل ہے تو اپنی قوم میں مبغوض ہے اور ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند رحمن نے عزتیں بخشی ہیں اور اہل ایمان ان سے والہانہ محبت کرتے ہیں)۔

ابن ابی بولا خاموش ہو جاؤ میں تو یوں ہی مذاق کر رہا تھا۔ حضرت زید غصے سے کانپتے ہوئے بارگاہ رسالت میں پہنچے اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضور کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ رخِ انور کا رنگ بدل گیا۔ بات ٹالنے کے لیے حضور نے فرمایا اے نوجوان! شاید تم اس کے بارے میں غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔ شاید تمہیں شبہ ہوا ہو۔ شاید تیرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہو۔ ہر بار زید نے عرض کیا: واللہ یا رسول اللہ (خدا کی قسم اے اللہ کے رسول) میں صحیح عرض کر رہا ہوں۔ سارے لشکر میں یہ بات پھیل گئی۔ انصار کے ایک گروہ نے بھی زید کو ملامت کرنا شروع کی کہ تم نے خواہ مخواہ ہمارے سردار پر الزام لگایا اور اسے بدنام کیا ہے۔ حضرت زید نے کہا بخدا جو میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے وہی بتایا ہے۔

حضرت عمر کو علم ہوا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کیا میرے آقا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ اگر میرا اس کو قتل کرنا مصلحت کے خلاف ہے تو خود انصار میں سے معاذ بن جبل یا عباد بن بشر یا سعد بن معاذ یا محمد ابن مسلمہ کو حکم فرمائیے کہ وہ اس کا سر قلم کر دیں۔ اللہ کے محبوب نے فرمایا "ایسا نہ کرو۔ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے"۔ اس کے بعد حضور نے فوراً کوچ کا حکم دیا اور تیس گھنٹے تک لگاتار سفر جاری رہا۔ نہ رات کو آرام نہ دن کو قیلولہ۔ لوگ تھک کر چور ہو گئے۔ جب حضور نے ایک جگہ قیام فرمایا تو لوگ سواریوں سے اترتے ہی زمین پر لیٹ گئے اور گہری نیند سو گئے۔ مقصد یہ تھا کہ مریسیع کے کنویں پر جو سانحہ ہوا تھا لوگوں کی توجہ اس طرف سے ہٹ جائے۔ راستے میں حضرت اُسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بے وقت سفر کا سبب کیا ہے؟ پہلے تو حضور کا یہ معمول نہ تھا۔ ارشاد فرمایا "تمہیں علم نہیں کہ عبداللہ بن ابی نے کیا گل کھلایا ہے"۔ انہوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا تو حضور نے اس منافق کی زبان سے

نکلا ہوا جملہ دہرا دیا۔ وہ بصد ادب عرض پرداز ہوئے یا رسول اللہ خدا کی قسم عزت والے تو آپ ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ آپ جب چاہیں اُسے نکال سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس بات کا چرچا سارے لشکر میں ہو گیا۔ تمام انصار کو بھی اس کی گستاخی کا علم ہو گیا۔ اُن کے مخلص کی حد تک پہنچی بعض لوگوں نے ازراہِ خیر خواہی عبد اللہ کو کہا جاؤ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لو حضور کریم تیری خطا بخش دیں گے۔ وہ بے حیا خبث سے بولا "تم نے کہا ان پر ایمان لے آؤ میں ایمان لے آیا۔ تم نے کہا کہ اپنے مال کی زکوٰۃ دو میں نے تمہاری یہ بات بھی مان لی اور زکوٰۃ دے دیا۔ اب بس یہ کسر رہ گئی ہے کہ میں محمد کو سجدہ کروں"۔ اس کا یہ گستاخانہ جواب سن کر سارے مجاہدین غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ اور سب کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ جب یہ لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہونے لگا تو عبد اللہ ابن ابی کا لڑکا (اُن کا نام بھی عبد اللہ تھا) تلوار کو بے نیام کر کے اپنے باپ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا اور بولا، اے باپ تم نے کہا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت ذلت والے کو نکال دے گا۔ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ عزت والا کون ہے اور ذلیل کون ہے۔ خدا کی قسم تم اس وقت تک مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمہیں اجازت نہ دیں۔

اپنے بیٹے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر عبد اللہ چلا اُٹھا اے خزرج کے لوگو ذرا دیکھو میرا بیٹا مجھے مدینہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ یہ خبر جب نبی کریم کو ملی تو حضور نے فرمایا "عبد اللہ سے کہو کہ اپنے باپ کو گھر آنے سے نہ روکے" عبد اللہ نے کہا اگر میرے آقا کا یہ حکم ہے تو اب میں اپنے باپ کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دیتا ہوں۔

اس وقت حضور نے حضرت عمر کو فرمایا "اے عمر اگر تم اس وقت اس کو قتل کر دیتے تو انصار کے کئی لوگ ناراض ہو جاتے آج اگر میں چاہوں تو اسے قتل کیا جا سکتا ہے اور اس پر کوئی معترض بھی نہ ہو گا" حضرت عمر نے عرض کیا۔ خدا کی قسم اب مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ کے رسول کی بات میری بات سے بہت زیادہ مبنی بر حکمت تھی۔

یہ حالات تھے جن میں اس سورۂ پاک کا نزول ہوا۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھ کر اگر آپ سورت کا مطالعہ کریں گے تو اس کے مندرجات سمجھنے میں آپ کو بہت مدد ملے گی۔

سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المنافقون مدنی ہے اور اس میں گیارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ

(اے نبی مکرم!) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی

يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ①

جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں [1]

[1] علامہ ابن منظور لفظ منافق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وسمی المنافق منافقا للنفق وهو السرب فی الارض وقیل انما سمی منافقا لانه نافق کالیربوع وهو دخوله نافقاءه وله جحر آخر یقال له القاصعاء ـــــ وهو یدخل فی النافقاء ویخرج من القاصعاء او یدخل فی القاصعاء ویخرج من النافقاء (لسان العرب)

یعنی منافق، نفق سے ماخوذ ہے جس کا معنی سرنگ ہے اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لومڑی اپنی بل کے دو منہ رکھتی ہے ایک کا نام نافقاء اور دوسرے کا نام قاصعاء ہے۔ ایک طرف سے وہ داخل ہوتی ہے جب کوئی شکاری اس طرف سے اس کا تعاقب کرتا ہے تو دوسری طرف سے نکل جاتی ہے اور اگر دوسری جانب سے اس کا کوئی تعاقب کرتا ہے تو پہلے سوراخ سے نکل جاتی ہے کیونکہ اس کی بل کی ایک طرف کا نام نافقاء ہے اس لیے منافق ماخوذ ہے اس کے بھی دو منہ ہوتے ہیں۔ ایک کفر جو اس کے دل میں ہے دوسرا ایمان جو اس کی زبان پر ہے۔ اگر کفر سے اسے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے لگتا ہے اور اگر اسلام کے باعث اسے کوئی تکلیف پہنچ رہی ہو تو فوراً اپنے کافر ہونے کا اعلان کر دیتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں تو دو ہی قسم کے لوگ تھے کافر اور مومن۔ منافقین کا وہاں کوئی وجود نہ تھا کیونکہ وہاں ظاہری غلبہ کفار کو حاصل تھا اسلام لانا تو اپنے آپ کو طرح طرح کی پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر لینے کے مترادف تھا۔ کسی کو کیا پڑی تھی کہ ایسا دین قبول کر کے اپنے آپ کو گوناگوں اذیتوں اور رسوائیوں کا ہدف بنا لے جس دین پر اسے ایمان نہیں۔ اس وقت تو صرف وہی مردان وفاکیش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کے زمرے میں اپنے آپ کو شامل کر لیتے تھے جو سچے دل سے اسلام کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے اور اس کے لیے ہر قسم کے مصائب و آلام کو خوشی سے برداشت کر لینے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے لیکن مدینہ طیبہ میں حالات بالکل مختلف

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّهُمْ سَاءَ

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے ۔ بے شک یہ لوگ بہت برے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ

کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں ۔ (ان کا) یہ طریق کار اس لیے ہے کہ وہ پہلے ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے

تھے۔ یہاں اوس و خزرج کے بیشتر افراد کے مشرف باسلام ہونے اور مہاجرین کے وہاں آکر آباد ہو جانے کے بعد اسلام ایک عظیم قوت کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ ادنیٰ شعور رکھنے والا بھی اس کے مستقبل کے بارے میں حسن ظن سے کام لے سکتا تھا۔ اس لیے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے دل میں اگرچہ کفر کوٹ کوٹ کر بھرا تھا لیکن اپنی مصلحت بینی کے باعث وہ بظاہر اسلام سے اپنا رابطہ قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ اگر اسلام کو غلبہ نصیب ہو تو وہ بھی اس میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ باوجود ہزار کوشش کے دل کا کفر کسی نہ کسی شکل میں ان کی زبان پر آ ہی جاتا تھا اور ان کے نفاق کا پردہ فاش ہو جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس حقیقت سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ فرما رہا ہے کہ اے حبیب! یہ منافق جب تیری خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو بڑے جوش و خروش سے آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اے حبیب! اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ واقعی اس کے رسول ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ زبان سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ان کے دل اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ یاد رکھو کہ آپ کی رسالت تو حق ہے لیکن ان کی شہادت جھوٹی ہے کیونکہ ان کے دل اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

۱؎ جھوٹا شخص جانتا ہے کہ لوگ میری بات نہیں مانیں گے اپنے آپ کو سچا ظاہر کرنے کے لیے وہ ضرورت بلا ضرورت قسمیں اٹھاتا ہے۔ یہی حالت ان منافقین کی بھی تھی۔ ہر بات پر قسمیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو پکے اور سچے مومن ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہوا ہے۔ وہ اس کی آڑ میں دو طرح کے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسلمان ان سے وہی سلوک روا رکھیں جو اہل ایمان کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ان کے مال اور جان کی حفاظت کی جائے۔ مال غنیمت سے انہیں حصہ ملتا رہے اور کسی طرح سے ان کی نقاب کشائی نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ جب کوئی شخص ان سے اس بارے میں مشورہ طلب کرتا ہے تو اسے اسلام سے یہ کہہ کر متنفر کرتے ہیں کہ ہم تو خود بڑے شوق سے اس دین میں شامل ہوئے تھے، کئی سال گزر چکے ہیں، ہمیں تو آج تک اس میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی۔ ہم تو خود بڑے دل برداشتہ ہیں۔ خبردار! تم اس جال میں نہ پھنس جانا۔ اس طرح ان قسموں کی آڑ میں شکار کھیلتے۔

صَدُّوا لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ خود رکتے ہیں اور اسلام سے منہ موڑتے ہیں یا لوگوں کو اسلام سے باز رکھتے ہیں۔

۲؎ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسلامی برادری میں شامل کرنے کے لیے ظاہری

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝۳ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ

دلوں پر مہر لگ گئی تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے

وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۖ

اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے ۵ درحقیقت وہ ایسے ہیں گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار کے ساتھ ٹکا دی گئی ہوں

کے قائل ہو جاتے ہیں لیکن جب اپنے شیطانوں کے پاس جاتے ہیں تو پھر کفر کرنے لگتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (۲: ۱۴)

۴ اسی منافقت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان سے حق پذیری کی استعداد چھین لی اور ان کے دل کی وہ آنکھ ہی اندھی کر دی جو نور حق کو دیکھ سکتی ہے اور دیکھ کر پہچان سکتی ہے۔ بے شک یہ دیدۂ حق شناس اللہ تعالیٰ کی گراں بہا نعمت ہے اور اس کی یہ سنت ہے کہ جو لوگ اس کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور ناشکری کرتے ہیں ان سے وہ نعمتیں واپس لے لی جاتی ہیں۔ آیت کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے دلوں پر پہلے ہی مہر لگا دی گئی تھی اس لیے وہ حق کو قبول نہ کر سکے اور کفر سے چمٹے رہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ انہیں حق قبول کرنے کی صلاحیت بخشی گئی تھی لیکن جب وہ جان بوجھ کر حق سے روگردانی کرتے رہے تو انہیں اس صلاحیت سے محروم کر دیا گیا۔

۵ عبداللہ بن ابی، جد بن قیس اور معتب بن قشیر شکل و صورت کے اعتبار سے بڑے خوبصورت تھے۔ نگاہیں ان کے چہروں پر جم کر رہ جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ بلا کے باتونی اور چرب زبان تھے۔ ان کی گفتگو سن کر انسان عش عش کر اٹھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے جسموں کو دیکھا جائے تو بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی گفتگو سنی جائے تو اس میں بڑی جاذبیت اور اثر ہوتا ہے۔ لیکن اگر ان کی حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ محض خوش نما ہیں۔ باہر سے خوبصورت اندر سے کھوکھلے۔ اخلاقی کمالات تو کجا ان میں تو انسانی خوبیوں کا نام و نشان تک نہیں۔ قرآن کریم نے ان کو خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ سے تشبیہ دے کر ان کی لغویت کو عیاں کر دیا۔ خشب کا معنی لکڑی۔ مسندۃ کا معنی جسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا گیا ہو۔ جب تک لکڑی کارآمد ہوتی ہے اسے شہتیر، کڑی یا کواڑ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ صرف بے کار لکڑی کو دیوار کے ساتھ کھڑا کیا جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ آگ جلانے کے کام آ سکتی ہے۔

يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ

گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے شہ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہیے شہ ہلاک کرے انہیں

اللَّهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ

اللہ تعالیٰ شہ کیسے سرگرداں پھر رہے ہیں۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تاکہ اللہ کا رسول تمہارے لیے مغفرت طلب

اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿٥﴾

کرے تو (انکار سے) اپنے سروں کو جھٹک دیتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ دعا فرمانے سے رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے شہ

شہ ان کی بزدلی کا بیان ہو رہا ہے۔ مدینہ کے کسی سمت میں کوئی آواز کسی وجہ سے بلند ہو ان کے دل دھڑکنے لگتے ہیں وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی اسلام دشمنی کسی وجہ سے بے نقاب ہو گئی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تہ تیغ کرنے کا حکم صادر فرما دیا ہے۔

شہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ منافق اسلام کے اور آپ کے حقیقی دشمن ہیں۔ ان سے محتاط رہیے۔ گویا دشمن سے محتاط اور ہوشیار رہنا قرآن کریم کی تعلیم ہے۔ ایسے منافق اور دھوکے باز کی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والا دشمن کے دام فریب میں پھنستا رہے۔

شہ یہ بددعائیہ فقرہ ہے جس میں ان کی مذمت کی ہے اور زجر و توبیخ بھی۔ کلمۃ ذم و توبیخ۔ یؤفکون تقدم یصرفون عن الحق والحسن، معناہ یصرفون عن الرشد۔ یعنی حق سے روگردانی کرتے اور راہ ہدایت سے منہ موڑنے کا ارتکاب کرتے ہیں۔ انّٰی بمعنی کیف۔ اظہار تعجب کے لیے ہے کہ ان روشن دلیلوں کے باوجود وہ حق سے روگرداں ہیں آفتاب ہدایت کے طلوع ہونے کے بعد بھی وہ اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں۔

شہ منافقوں کی ایک اور علامت بتائی جا رہی ہے۔ حالات نے ان کے نفاق کا پردہ جب چاک کر دیا اور لوگوں کو ان کے خبث باطن پر آگاہی ہو گئی تو ان کے دوستوں نے انہیں کہا کہ تم ساری عمر کفر کرتے رہے۔ نفاق کا ارتکاب اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلاتے رہے۔ اسلام کو نقصان پہنچانے میں تم نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اب تو تمہارا نفاق ظاہر ہو گیا ہے چلو بارگاہ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر معافی مانگو۔ حضور تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہاری عاقبت سنور جائے گی۔ قسمت اچھی ہوتی، بخت بیدار ہوتا، تو رحمت للعالمین کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ نبی رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کی مغفرت کے لیے دعا مانگتے۔ تو اللہ تعالیٰ ضرور کرم فرماتا اور ان کے گذشتہ ماضی پر قلم عفو پھیر دیتا۔ لیکن ان ازلی بدبختوں نے جب اپنے دوستوں کا یہ مشورہ سنا تو بہت خفا ہوئے اور غصہ سے سروں کو گھمانا شروع کر دیا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے گناہوں کی آمرزش کے لیے ان کے پاس آ کر کسی قیمت پر نہیں جائیں گے۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۗ لَنْ يَّغْفِرَ

یکساں ہے ان کے لیے کہ آپ طلب مغفرت کریں ان کے لیے یا طلب مغفرت نہ کریں ان کے لیے ہرگز نہ بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں

علامہ قرطبی نے ایک بڑی بصیرت افروز بات لکھی ہے کہ عبد اللہ بن اُبی کو جب اس کے قبیلہ والوں نے سمجھایا کہ اب بھی حاضرِ خدمت ہو کر معافی مانگ لو۔ حضور تیری بخشش کے لیے دعا فرمائیں گے۔ تیری شقاوت، سعادت سے بدل جائے گی۔ تو اس نے ازراہِ کبر و نخوت نفی میں سر ہلایا اور کہنے لگا۔ امرتمونی ان اؤمن فقد آمنت ولن اعطي زكاة مالي فقد اعطيت فما بقي الا ان اسجد لمحمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یعنی تم نے مجھے ایمان لانے کا حکم دیا تو میں ایمان لے آیا۔ تم نے مجھے اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے زکوٰۃ بھی ادا کر دی۔ اب ایک یہی بات باقی ہے کہ میں محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو سجدہ کروں۔ یہ میں نہیں کروں گا۔ اس روایت میں آپ غور کریں۔ منافق کا ذہن کس طرح غلط راہ پر چلتا ہے۔ اس کی سوچ میں کس قدر بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ بارگاہِ نبوت میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب سے اپنی مغفرت کی دعا کرانے میں اس کو صریح شرک نظر آنے لگتا ہے۔ وہ اپنے اعمال نماز، زکوٰۃ وغیرہ پر بڑا نازاں رہتا ہے اور یہ ضرورت محسوس نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے درِ کرم پر حاضر ہو کر اس کی رحمت سے اپنے دامن کو لبریز کرے۔ اس زمانہ میں بھی ہمیں ایسے لوگ نظر آتے ہیں جنہیں بارگاہِ رسالت میں حاضری شرک یا بدعت معلوم ہوتی ہے۔ خود بھی اس سعادت سے بہرہ ور نہیں ہوتے اور دوسروں کو بھی محروم رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں اور اسی کو اپنے موحد ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں۔ وہ ذرا اس آیت کریمہ اور اس روایت میں غور کریں کہیں ان کا رویہ منافقین کے رویہ سے مشابہت تو نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے خیالوں سے بچائے۔ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائے۔ حضور کی دعا کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخشے اور ہمیں دونوں جہانوں کی سعادتوں سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

اسے حمد جس نے تجھ کو سراپا کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

۱۔ یہ منافق محض زبان پر تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہیں۔ یہ قدم قدم پر اپنے خبثِ باطن کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور آپ کے دین کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کے جال بنتے رہتے ہیں اور آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے روکتے ہیں۔ وہ پرلے درجے کے فاسق ہیں اور ایسے فساق کے لیے آپ بھی اگر مغفرت کی دعا مانگیں گے تو ہم انہیں نہیں بخشیں گے۔ جو تیرے دربار میں حاضر ہونے سے انکار کرے وہ بخشا جائے، یہ میرے قانون کے خلاف ہے۔ میں حد سے تجاوز کرنے والوں کو ہدایت کی نعمت نہیں بخشا کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت اور رافت کا تقاضا یہی تھا کہ کوئی بھی گمراہ نہ رہے، کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم نہ رہے۔ اسی لیے حضور اپنی جان کے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے لیے بھی دعا فرمایا کرتے: اللھم اھد قومي فانھم لا يعلمون۔ الٰہی! میری قوم کو ہدایت دے، وہ نادان ہیں۔ حضور پر سچے دل سے ایمان لانے والے جب اپنے آقا و مولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بصد ادب و نیاز حاضر ہوتے ہیں اور اپنے عمر بھر کے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا کی التجا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت

اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ

نہ بخشے گا انہیں بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی وہ لوگ ہیں

يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰي مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ

جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ بھوک سے تنگ آکر تتر بتر ہو جائیں اللہ

جوش میں آجاتی ہے اور انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جاتا ہے لوجدوا اللہ توابا رحیما یعنی اے ساری عمر اپنی جانوں پر ظلم توڑنے والو! تم میرے محبوب کے در کرم پر حاضر ہو گئے ہو اور اس نے تمہاری مغفرت کے لیے درخواست کی ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو تم توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحمت کرنے والا پاؤ گے۔

الٰہی! ہمیں ان بدبختوں میں سے نہ کر جو تیرے پیارے رسول کی بارگاہ میں طلب استغفار کے لیے حاضر نہیں ہوتے بلکہ اس کو کفر و شرک کہتے پھرتے ہیں یا الٰہ العالمین! ہمیں ان خوش نصیبوں میں کر جن کے دل نور ایمان سے منور ہیں جو تیرے حبیب کی بارگاہ میں حاضری کو اپنے لیے باعث ہزار سعادت یقین کرتے ہیں۔ آمین ثم آمین!

۱۱ یہ بدبخت منافق اپنے قبیلہ والوں، اپنی برادری والوں اور اپنے چیلوں کو کہتے ہیں کہ حضور کے ارد گرد مفلس قلاش لوگوں کا جو جمگھٹا تمہیں دکھائی دیتا ہے یہ تمہارے ٹکڑوں پر پل رہا ہے۔ تم آج اگر ان کی روٹی بند کر دو اور چندہ دینے سے باز آجاؤ تو یہ بھوک سے تنگ آکر خود بخود تتر بتر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے منافقو! اگر میرے رسول کے رزاق تم ہو اور میرے رسول کے ان نیاز مند غلاموں کے رزاق تم ہو تو زمین و آسمان کے سارے خزانے میرے ہیں۔ جب میں ان کا ہوں اور وہ میرے ہو گئے ہیں تو میں انہیں تمہارا محتاج نہیں ہونے دوں گا۔ تم اپنے چندے اور اپنی امداد بند کر کے دیکھ لو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں انہیں کس طرح اپنے بے پایاں خزانوں سے مالا مال کرتا ہوں۔ اس آیت کی وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل واقعہ ملاحظہ فرمائیے!

بنو مصطلق کے قبیلہ نے مریسیع نامی چشمہ پر اقامت گزین تھے۔ مدینہ طیبہ میں اطلاع پہنچی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کریں، بلکہ خود پیش قدمی فرماتے ہوئے ان پر دھاوا بول دیا جس میں انہیں بری طرح شکست ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح مبین اور مال غنیمت بکثرت دستیاب ہوا۔ اسی اثنا میں ایک ناخوشگوار واقعہ رونما ہوا۔ حضرت فاروق اعظم کا خادم جہجاہ اور عبداللہ بن ابی کا حلیف سنان اس چشمہ پر آگئے۔ دونوں میں پانی لینے پر تلخ کلامی ہوئی۔ معاملہ نے طول پکڑا۔ سنان نے انصار کو پکارا، جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا۔ قریب تھا کہ باہمی قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا، حضور تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ ما بال دعوى الجاهلية دعوها فانها منتنة ولينصر الرجل اخاه ظالما كان او مظلوما ان كان ظالما فلينهه فانه له نصر وان كان مظلوما فلينصره۔

ترجمہ: تم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لیے کیوں بلاتے ہو۔ اس طرح کی للکار کو ترک کر دو۔

اس میں سراسر فتنہ ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ظالم کی مدد کا تو یہ طریقہ ہے کہ اس کو ظلم سے روکا جائے اور مظلوم کی مدد کا یہ طریقہ ہے کہ اس کی اعانت کرو تاکہ اس کی دادرسی ہو جائے۔

نبی کریم کی تشریف آوری سے یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے حلیف سنان کو جہجاہ نے طمانچہ مارا تھا۔ اپنی جماعت میں جب وہ آکر بیٹھا تو غصے سے اس کے نتھنے پھولے ہوئے تھے۔ کہنے لگا ہم نے ان لوگوں کو پناہ دی۔ ان کی خورد و نوش کا سارا انتظام کیا آج یہ ہم پر دھونس جمانے لگے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مثل مشہور ہے کہ سمن کلبک یاکلک۔ تم اپنے کتے کو موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے تم ان کا کھانا بند کر دو۔ ان پر آئندہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ کرو۔ ان کا دماغ خود بخود درست ہو جائے گا اور بھوک سے تنگ آکر یہ منتشر ہو جائیں گے۔ پھر کہنے لگا ہمیں ذرا سفر سے واپس مدینہ چلے لینے دو۔ پھر جو طاقتور اور معزز ہے یعنی وہ خود وہ کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ زید بن ارقم ایک نوجوان بھی وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ اگرچہ ابن ابی کی پارٹی کا آدمی تھا لیکن یہ بکواس سن کر اس سے ضبط نہ ہو سکا کہنے لگے اے ابن ابی بخدا تو ذلیل و خوار ہے۔ اپنی قوم میں تیری کوئی وقعت نہیں۔ خداوند رحمن نے ساری عزتیں اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بخشی ہیں اور مسلمان آپ کے عشق میں وارفتہ ہیں۔ تیری اس بیہودہ گفتگو کے بعد میری تیری دوستی ختم۔ عبداللہ نے زید کو کہا برخوردار چپ رہو میں تو صرف دل لگی کر رہا تھا۔

زید بن ارقم نے اپنے چچا کو ساری بات بتا دی۔ انہوں نے حضور کے گوش گزار کر دیا۔ حضور نے ابن ابی کو بلا کر پوچھا تو صاف مکر گیا اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ میں نے ہرگز ایسی بات نہیں کی۔ زید نے جھوٹ بولا ہے اور اپنی طرف سے یہ سارا قصہ گھڑ کر پیش کیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے درگزر فرمایا۔ زید کہتے ہیں مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ اس صدمہ سے میں نڈھال ہو گیا۔ امام ترمذی کے الفاظ میں بقیہ واقعہ سنیے:

زید کہتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کے ہمراہ تھا لیکن اپنی ندامت سے میرا سر جھکا ہوا تھا۔ پیچھے سے دلنواز آقا تشریف لائے محبت سے میرا کان مروڑا اور میری طرف تبسم انور کر کے چل دیے۔ اس عنایت خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔ اذ اتانی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعرک اذنی وضحک فی وجھی فما کان یسرنی ان لی بھا الخلد فی الدنیا۔

حضرت ابوبکر پیچھے سے آئے پوچھا کہ حضور نے کیا ارشاد فرمایا۔ میں نے ساری بات بتائی تو صدیق اکبر نے فرمایا ابشر مبارک باد۔ پھر حضرت عمر آپہنچے۔ واقعہ سن کر انہوں نے بھی بشارت دی۔ جب رات گزر گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسرے روز صبح سورہ المنافقون کی تلاوت فرمائی۔ قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

جب عبداللہ بن ابی کی یہ گفتگو حضور کی خدمت میں بیان کی گئی حضرت فاروق اعظم بھی وہاں حاضر تھے۔ عرض کیا دعنی اضرب عنقہ مجھے اجازت فرمائیے میں اس مردود کی گردن اڑا دوں۔ حضور نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ تمام اہل ایمان خصوصاً کارپردازان حکومت کے لیے بڑا سبق آموز ہے۔ فرمایا فکیف یا عمر اذا تحدث الناس ان محمدا یقتل اصحابہ۔ اے عمر! میں اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ دیکھو اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ

اور اللہ کے لیے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو)

لَا یَفْقَهُوْنَ ۝۷ یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ

سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت

الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ

والے وہاں سے ذلیلوں کو ۱۲ حالانکہ ساری عزت تو صرف اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے اور اہل ایمان کے لیے

لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۸ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ ع

ہے مگر منافقوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ۱۳ اے ایمان والو! نہ غافل کر دیں

اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ

تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے ۱۴ اور جنہوں نے ایسا کیا

۱۲ آیت کے اس حصہ میں فرمایا گیا کہ کفار و منافقین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز و محترم خیال کریں۔ حقیقی عزت کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس کے ماننے والے جن کو اللہ تعالیٰ نے عزت و کرامت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے۔ کفار و منافقین جو کفر و نفاق کی ذلتوں میں گرفتار ہیں بزدلی کے باعث کھل کر سامنے نہیں آسکتے۔ بھولے انہیں کہتے ہیں باز نہیں آتے۔ عمل سے وہ نبی اللہ کے لیے اپنے نظریات کا صاف صاف اظہار کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے دامنِ شفقت میں آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود جب موقع ملے تو انہیں ڈسنے سے باز نہیں آتے۔ جن لوگوں کا یہ کردار ہو کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز اور محترم کہیں۔ انسانی عزت مال و جاہ سے نہیں، نسلی برتری اور لباس میں بھی نہیں۔ انسان کی عزت و وقار کا راز تو اس کے بلند کردار، اس کی بے داغ سیرت اور مکارم اخلاق میں مضمر ہے جس سے یہ لوگ کوسوں دور ہیں۔

۱۳ لیکن اس حقیقت کا منافقوں کو علم نہیں۔ وہ تنگ نظر اسی کو عزت سمجھتے ہیں کہ انہیں پہننے کے لیے خوبصورت لباس، کھانے کے لیے لذیذ کھانے اور رہنے کے لیے شاندار محلات حاصل ہوں وہی محترم و مکرم ہیں۔

۱۴ فرزندانِ اسلام کو منافقین کے طریقہ کار سے اجتناب کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ انہی لوگوں کو تو ان کے اموال نے اور ان کی اولاد نے اپنے خالق کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ اے مسلمانو! تم ایسا نہ کرنا۔ جس شخص کو دنیا کی دلچسپیاں اپنے پروردگار کی بندگی اور اطاعت

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٩ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ

تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور خرچ کرو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ

اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ

آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لیے کیوں

قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١٠ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ

مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ و خیرات کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا ١٧ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا

نَفْسًا اِذَا جَاۗءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١١ ع

کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جاتا ہے ١٨ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو ١٩

رکوع ٢

سے محروم کر دیتی ہیں وہ انسان سراسر خسارے اور گھاٹے میں ہے حقیقی نفع حاصل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اپنی فانی زندگی کے لمحات اپنے رب کی یاد اور اپنے پیارے رسول کی غلامی اور محبت میں بسر کر دیتے ہیں۔

١٧ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں انہیں اس کی راہ میں خرچ کرو اور خرچ کرنے میں لیت و لعل اور تاخیر سے کام نہ لو ایسا نہ ہو کہ موت کا وقت آ جائے اور کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ اس وقت تمہاری آنکھیں کھلیں اور اس طویل سفر کے لیے کوئی زاد راہ نہ پا کر تمہیں احساس ہونے لگے تم واویلا کرو اور التجائیں کرو کہ ایک مرتبہ موت ٹل جائے تھوڑا سا وقت مل جائے تاکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جی بھر کر اپنا مال لٹاؤں اور اعمال صالحہ کر کے نیک بندوں میں شامل ہو جاؤں پھر موت آ جائے تو میں بصد مسرت پیغام اجل کو قبول کر لوں گا۔

١٨ سنت اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ جب کسی کی موت کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اس میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کی جاتی۔ جب تم جانتے ہو کہ موت نے بہر حال آنا ہے تو فوز و فلاح اور عقلمندی یہی ہے کہ آج ہی سے اس کے لیے تیاری شروع کر دو۔

١٩ کسی کا کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔ خلوت اور جلوت سب اس کے نزدیک یکساں اور عیاں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ خَبِيْرٌ بِمَا نَعْمَلُ فَوَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَّاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَاَوْلِيَاۗءِ اُمَّتِهٖ وَعُلَمَاۗءِ مِلَّتِهٖ وَسَاۗئِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ وَيَا اَكْرَمَ الْاَكْرَمِيْنَ يَا ذَا الطَّوْلِ وَالْاِكْرَامِ۔

تعارف

سُورَۃ التغابُن

نام : اس سورت کی آیت نمبر ۹ میں التغابن کا کلمہ ہے یہی اس کا نام تجویز کیا گیا۔ اس میں دو رکوع، اٹھارہ آیتیں، دو سو اکتالیس کلمے، ایک ہزار ستر حروف ہیں۔

نزول : اکثر علما کا قول یہ ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ ابن الزبیر سے بھی یہی مروی ہے۔ اگرچہ بعض مفسرین اسے مکی کہتے ہیں لیکن پہلا قول راجح ہے۔

مضامین : پہلی چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات جلیلہ کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ان صفات کا جو تعلق کائنات کی تخلیق خصوصاً انسان کی تخلیق سے ہے اُسے ساتھ ساتھ واضح کر دیا گیا۔ بتایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی پاکی بیان کر رہی ہے۔ بلندیوں اور پستیوں میں اسی کی حکمرانی ہے۔ ہر قسم کی تعریف کا وہی حقدار ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ انسان کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ بعض خوش نصیب وہ ہیں جنہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور اس کی وحدانیت پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کے انعامات پر اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور بعض ایسے بدنصیب ہیں جو اس سعادت سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔

حمد الٰہی کے بعد گزشتہ زمانوں کے کفار کا حال بیان کیا کہ انہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک کر دیے گئے۔ اے لوگو! تم ان سے عبرت پکڑو اور ایسی راہ اختیار نہ کرو جس کا انجام تباہی ہو۔

آیت نمبر ۱۴ اور ۱۵ میں اہل ایمان کو ایک اہم خطرے سے متنبہ کر دیا تاکہ وہ اس سے بچتے رہیں۔ بیوی اور اولاد کی محبت انسان کے لیے بہت بڑی آزمائش ہے۔ لوگ اپنی بیویوں کو خوش کرنے اور اپنی اولاد کو خوشحال دیکھنے کے جنون میں کیا کچھ نہیں کر گزرتے۔ ہر شخص یہ سمجھے کہ اس کی حسین و جمیل بیوی جس کی ایک ادا پر وہ سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہے یا اس کی پیاری اولاد جس کو خوش و خرم دیکھنے کا وہ از حد متمنی ہے۔ اگر اس نے فرزندوزن کے لیے خدا کی نافرمانی کی تو اس کی عاقبت برباد ہو جائے گی۔ یہ بیوی یہ بچے کسی کام نہ آئیں گے۔ اس وقت اسے پتہ چلے گا کہ یہ اس کے دشمن تھے۔ تم اب چوکنے رہو اور ان کی ناجائز نازبرداری سے اجتناب کرو۔ تاکہ تمہیں قیامت کے روز پچھتانا نہ پڑے۔

آخر میں یہ ہدایت فرما دی کہ جہاں تک تمہارے امکان میں ہے تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بناؤ۔ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں فیاضی سے کام لو۔ اس کا تمہیں اتنا اجر ملے گا جس کا ابھی تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ التغابن مدنی ہے اور اس میں اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ

اللہ ہی کی تسبیح کرتی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے ۔۱ اسی کی حکومت ہے اور

لَهُ الْحَمْدُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اسی کے لیے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ۔۲ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں ۔۳ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔

۱ اس سورت میں جو معارف و مطالب بیان کیے گئے ہیں ان کا آغاز اس آیت سے زیادہ موزوں نہیں ہو سکتا تھا۔ کائنات کی تخلیق، اس میں تمام اور منفرد توحید کی صلاحیتوں کا ودیعت کیا جانا، اس کی صحت کا حسین و جمیل ہونا، آسمانوں اور زمین کا اور ان میں جو کچھ ہے اس کا حق کے ساتھ پیدا کیا جانا، یہ ساری چیزیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ان کا خالق تمام صفات کمال سے متصف ہے اور ہر عیب و نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔ بلندیوں، پستیوں میں حقیقی فرمانروائی اسی کی ہے۔ ہر خوبی اور ہر کمال جہاں کہیں ہو کسی رنگ میں ہو وہ اسی کا ہے یا اس کا بخشا ہوا ہے اس لیے ہر حمد کا وہی مستحق ہے۔

۲ جب ہر چیز ممکن ہے اس کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف یکساں ہے تو اس کی قدرت کی نسبت بھی ہر چیز سے مساوی ہوگی۔

۳ جبر و قدر کے نظریات نے عرصہ تک لوگوں کو پریشان رکھا۔ اس افراط و تفریط کے درمیان اہل سنت نے راہ اعتدال اختیار کی۔ نہ ہم انسان کو جمادات کی طرح مجبور محض سمجھتے ہیں اور نہ اسے مختار مطلق مانتے ہیں کہ جو چاہے وہ کرے اور جو اس کی مرضی ہو وہی ہو جائے۔ اس کا اور اس کی جملہ صلاحیتوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ انہی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا، اچھے یا برے انداز سے ان کو استعمال کرنا یہ انسان کا فعل اور کسب ہے۔ اسی کسب کے باعث وہ جزا و سزا کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ تم میں بعض

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا ۳؎

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

اور اسی کی طرف سب نے لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ سب جانتا ہے

بسیار کرنے والا؟ تم میں گوناگوں صلاحیتیں پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر کسی نے اس نعمت وجود کو پہچانا، اس کا اعتراف کیا اور اپنے منعم کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی توحید کو تسلیم کیا۔ کسی نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور نفس و شیطان کے بہکائے ہوئے راستہ پر گامزن رہا اور اپنے رب کا انکار کرتا رہا۔ انسان کو احسن کی صلاحیتوں کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے لیکن انہیں صحیح یا غلط انداز سے استعمال کرنا انسان کا فعل ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ زجاج نے کہا ھی احسن الاقوال کہ یہ رائے تمام آراء سے بہتر ہے۔

۳؎ آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کرنے کا مطلب متعدد مقامات پر بیان کیا جا چکا ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھیے کہ ہر چیز کو رب کریم نے اس طرح بنایا جس طرح اسے بنایا جانا چاہیے تھا تاکہ وہ اپنی تخلیق کے مقاصد کو صحیح طریقہ سے انجام دے سکے۔ کائنات کی کسی چھوٹی یا بڑی چیز میں آپ غور کریں آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسے ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ چیونٹی کا ننھا سا جسم اس کی باریک ٹانگیں اور اس کے جسم کی ساخت ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسی ہے۔ ہاتھی کا یہ بھاری بھرکم جثہ، اس کی موٹی موٹی مضبوط ٹانگیں، اس کے بڑے بڑے کان، اس کی لمبی سونڈ بالکل ایسی ہی ہونی چاہیے تھی جیسے ہمیں نظر آ رہی ہے۔ جتنی بھی جو خوبیاں ہیں یا ان کی کچھ خصوصیتیں ہیں ان میں رد و بدل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بنایا ہے جیسے بنایا ہے وہی حق اور درست ہے۔ اس میں رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی بڑے سے بڑا انجینئر تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی تخلیق کے شاہکار حضرت انسان کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا کہ دیکھو ہم نے اسے بنایا اور کتنا خوبصورت بنایا۔ اس کا قد زیبا، اس کے ہاتھ اور اس کے بازو کتنے متناسب ہیں۔ اگر پانچ کے بجائے ہاتھ میں سات انگلیاں ہوتیں یا چار ہوتیں تو کیا وہ کام اس خوبی سے انجام دے سکتے جیسے اب دے رہے ہیں۔ پھر انسان کے چہرے کی طرف دیکھو، آنکھیں، کان، ناک، منہ کتنے قرینے سے بنائے گئے ہیں۔ ان میں سے کسی کو آگے پیچھے یا اوپر نیچے کر کے تصور کرو کتنی بدنما اور بھیانک صورت رونما ہو جائے گی۔ پھر صرف اس کا ظاہر ہی حسن و دلکشی کا مرقع نہیں بلکہ اس کا باطن بھی گوناگوں خوبیوں کا مخزن ہے۔ اس مشت خاک میں فضا کو مسخر کرنے، سمندروں کو کھنگال دینے کی قوتیں کس نے ودیعت کی ہیں؟ اسے نیک و بد کے درمیان تمیز کی استعداد کس نے بخشی ہے؟ وہ ہمت بلند جس کے ذریعہ سے وہ مادی دنیا کی زنجیروں کو توڑ کر سدرۃ المنتہیٰ پر اپنا آشیانہ بناتا ہے وہ کس کا عطیہ ہے۔ اس کو ارادہ و عمل کی گوناگوں آزادی دے کر پھر اس کی جانچ پڑتال کا کیا جامع اہتمام کر دیا گیا ہے۔

کوئی لاکھ دور بھاگے، کوئی لاکھ سرکشی کرے، کوئی اپنی خودی کے خمار میں کتنا سرمست رہے آخر کار سب نے اسی کے دربار میں لوٹ کر جانا ہے۔

مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ④

جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؗ فَذَاقُوْا وَبَالَ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر)

اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑤ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ

کا وبال اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ یہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس

۔ اس کی بے پایاں قدرت میں اس کی حکمت کے جلوے قدم قدم پر نظارہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا است کا منظر پیش کرتے ہیں۔ یہاں اس کے علم کی گہرائی اور وسعت کا اندازہ بھی ممکن نہیں۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی حقیر سے حقیر چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔ اگر اس کی خلاقی کے ہاں یکسر دانے کا علم نہ ہو جو زمین کے تاریک شکم میں بو دیا جاتا ہے تو وہ اگ کیسے بالیدہ ہو، اس پر پھول کیسے آئیں اور وہ پک کر تیار کیسے ہو۔

انسان کا مقام ساری مخلوقات میں اعلیٰ و ارفع ہے اس لیے اس کا ذکر بطور خاص خصوصیت سے کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جاننے والا اے انسان تجھے بھی جانتا ہے اور کوئی فعل اس سے مخفی نہیں تو بند دروازوں کے پیچھے چھپ کر بھی کوئی کام کرے تب بھی اس کو اس کا علم ہے۔ بلکہ جو خیال تیرے نہاں خانہ دل میں ابھی کروٹیں لے رہا ہے اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ اس لیے سرکشی کا انداز ترک کر دو۔ اطاعت و انقیاد کو اپنا شعار بنا لو۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور دونوں جہانوں کی فلاح کا راز پوشیدہ ہے۔

قرآن کریم میں جابجا مقام پر انسان کو یہ احساس دلایا ہے کہ تو اشرف المخلوقات ہے۔ جو شکل و صورت تجھے دی گئی ہے وہ بھی بے نظیر ہے۔ جو فہم و شعور تجھے بخشا گیا ہے اس کی بھی مثال نہیں۔ فعل و ترک کی جو آزادی تجھے دی گئی ہے کسی اور مخلوق کو نہیں دی گئی۔ اب تیرا بھی فرض ہے کہ اپنے کریم رب کو پہچان، اپنی زندگی کو اس کے احکام کے سانچے میں ڈھال۔ اس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ اس سے وہ مقصد پورے ہو جائیں گے۔ تیرا خدا بھی راضی ہو جائے گا اور تیری شخصیت کو بھی چار چاند لگ جائیں گے اور تو اپنے مقصد حیات کو بھی احسن طریقہ سے انجام دے سکے گا۔

۔ جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہ پہچانا اور اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے بجائے سرکشی کی راہ پر چل نکلے اور کفر و شرک اور فسق و فجور کے خارزاروں میں پھنس کر رہ گئے ان کے دردناک انجام کی خبریں زبان زد عام ہیں۔ تم نے بارہا سنی ہوں گی۔

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا

ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا

وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ

اور اللہ تعالیٰ بھی ان سے بے نیاز ہوگیا ف۵ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا ہے۔ گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ

لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ

زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمائیے کیوں نہیں مجھے میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا جائے گا ف۶ پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔

وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ

اور یہ اللہ کے لیے بالکل آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے

ف۵ ان کی گمراہی کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ ہم نے ان کو عقل و فہم بھی عطا کیا۔ مزید کرم یہ فرمایا کہ ان کی طرف اپنے رسول مبعوث کیے جو انہیں راہ حق دکھائیں اور ان پیغمبروں کو معجزے بھی دیے تاکہ وہ ان کو پہچان سکیں لیکن ان احمقوں نے یہ کہہ کر ان کی دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا کہ ہم اپنے جیسے انسانوں کا اتباع نہیں کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی طرف سے بے پرواہی اختیار کرلی اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کی ضرورت ہے۔ وہ بندوں کے سجدوں اور عبادتوں کا محتاج نہیں۔ اس کی کوئی بھی تعریف نہ کرے پھر بھی وہ غنی اور حمید ہے۔

ف۶ کفار کو اس بات پر یقین تھا کہ قیامت ہرگز نہیں آئے گی۔ بھلا آ سکتی ہی نہیں۔ اس لیے وہ بڑے دھڑلے سے کہتے تھے لن یبعثوا۔ انہیں قبروں سے زندہ کرکے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ ان کے اس بے بنیاد دعوے کے رد میں ان کے انداز گفتگو لن یبعثوا سے بھی صدہا گنا پرزور انداز میں وقوع قیامت کے بارے میں اعلان فرمانے کا اپنے رسول کو حکم دیا۔ اے حبیب! آپ فرمائیے کافرو! تمہارا یہ خیال سراسر باطل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا۔ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ تمہاری زندگی کا سارا دفتر عمل تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا اور تم میں یہ طاقت نہ ہوگی کہ تم کسی ایک بات کا بھی انکار کرو۔ ایسا کرنا میرے رب کے لیے قطعاً دشوار نہیں۔ جس طرح اس نے کائنات کی تخلیق کے وقت فرمایا کن اور یہ سارا جہان اپنی بوقلمونیوں کے ساتھ نیست سے ہست ہوگیا۔ اسی طرح اس وقت بھی اس کا ایک اشارہ ہوگا تم سر جھکائے قبروں سے نکل کھڑے ہوگے۔ تمہارے لیے تو ان بکھرے ہوئے ذروں کو یکجا کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے لیکن میں تو اپنے رب کی بات کر رہا ہوں جو علیٰ کل شیء قدیر ہے۔

أَنْزَلْنَا ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے ۹ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن ۱۰

ذَٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۗ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكَفِّرْ

یہی ہار جیت کے ظہور کا دن ہے ۱۱ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا

۹ کفر و انکار انسان کو جن ہلاکتوں سے دوچار کر دیتا ہے پہلے ان کا ذکر کیا، پھر قیامت کے وقوع پذیر ہونے کا حتمی اعلان کیا۔ اب ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری سلامتی اور بہتری اسی میں ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور قرآن کریم جو سراسر نور ہدایت ہے اس کو اللہ کا سچا کلام تسلیم کر لو یہی نور تمہاری زندگی کے گوشے گوشے کو منور کر دے گا۔ اسی کی چمک سے تمہارے تصورات کے ظلمت کدہ میں اجالا ہو جائے گا حق اور باطل میں تم آسانی امتیاز کر سکو گے۔ تمہاری معاشی خوشحالی، تمہاری اخلاقی برتری اور تمہاری روحانی ترقی کی منزل کی طرف بھی نور تمہاری رہنمائی کرے گا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وھو القرآن فانہ باعجازہ بین بنفسہ مبین لغیرہ کما ان النور کذلک (روح المعانی) یعنی یہاں نور سے مراد قرآن کریم ہے کیونکہ وہ اپنے اعجاز بیان کے باعث خود بھی روشن ہے اور دوسرے حقائق کو بھی آشکارا کرنے والا ہے۔

۱۰ یَوْمَ۔ لَتُنَبَّؤُنَّ کا ظرف ہے اس لیے منصوب ہے۔ قیامت کو یوم الجمع اکٹھے ہونے یا اکٹھے کیے جانے کا دن کہا گیا ہے کیونکہ ابتدائے آفرینش سے قیام قیامت تک ساری مخلوق وہاں جمع ہوگی تاکہ ان سے ان کے اعمال کا حساب لیا جائے۔

۱۱ فرمایا یوم الجمع یعنی جمع ہونے کا دن ہی حقیقت میں یوم التغابن ہوگا۔ علامہ راغب نے اختصار کے ساتھ بڑی جامع اور واضح تشریح کی ہے۔ لکھتے ہیں الغبن ان تبخس صاحبک فی معاملۃ بینک وبینہ بضرب من الاخفاء (مفردات) یعنی پوشیدہ طور پر اپنے ساتھی کو باہمی معاملہ میں نقصان پہنچانے کو غبن کہتے ہیں۔ اگر یہ نقصان مال ہو تو اس کا ماضی غَبَنَ مفتوح العین ہوگا اور اگر اس کی رائے اور فہم میں ہو تو غَبِنَ مکسور العین ہوگا۔ قیامت کو یوم التغابن کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عمر بھر جن تجارتی کاروبار میں وہ بہترین معروف رہے۔ اس دن ان کے نتائج کھل کر ان کے سامنے آجائیں گے اور انہیں علم ہو جائے گا کہ انہوں نے کتنے گھاٹے کا سودا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے انہوں نے اپنے آپ کو نعیم جنت سے محروم کیا اور نفس و شیطان کی پیروی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا ایندھن بنا لیا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ باب تفاعل ہے، اس میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کی شرکت ضروری ہے اس لیے انہوں نے یوم التغابن کی تشریح یوں کی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو انہیں اپنے محلات کے علاوہ ان لوگوں کے محلات بھی مرحمت فرما دیے جائیں گے جنہوں نے غلط روی کے باعث اپنے آپ کو جہنم کا سزاوار بنا لیا۔ اور جہنمی جب دوزخ میں پھینکے جائیں گے تو انہیں اپنے ٹھکانوں کے علاوہ ان لوگوں کے ٹھکانے بھی دے دیے جائیں گے جو راہ راست پر گامزن ہونے کے باعث دوزخ کے عذاب

نجات پا گئے گویا اس روز دوزخی اور جنتی آپس میں لین دین کریں گے۔ اہل جنت اپنے دوزخ کے ٹھکانے جہنمیوں کو دے دیں گے اور ان کے عوض جنت میں دوزخیوں کے لیے جو ایوان آراستہ کیے گئے تھے وہ انہیں مل جائیں گے۔ اس روز دوزخی آسانی یہ فیصلہ کر سکیں گے کہ زندگی کے میدان میں کون جیتا اور کون ہارا۔ اس کاروبار میں انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا۔

بخاری شریف کی روایت سے بھی اس کی تفصیل ہوتی ہے۔ حضور نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ لَوْ أَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَدْخُلُ النَّارَ إِلَّا أُرِيَ مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ أَحْسَنَ لِيَزْدَادَ حَسْرَةً۔ یعنی ہر جنتی جب جنت میں داخل ہوگا تو اسے جہنم میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ بدکار ہوتا تو اس کو ملتی۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مزید شکر ادا کرے اور دوزخی کو جنت میں اس کی وہ جگہ دکھائی جائے گی جو اگر وہ نیک ہوتا تو اس کو ملتی تاکہ اس کی حسرت میں مزید اضافہ ہو۔

صحیح مسلم اور ترمذی کی ایک حدیث بھی مطالعہ فرمایئے تاکہ آپ کو پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان کس طرح عدل فرمائے گا۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ وَيَاْتِيْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: ایک روز رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کون ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم تو اس کو مفلس کہتے ہیں جس کے پاس درہم اور ساز و سامان نہ ہو۔ فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہے جو روز حشر آئے گا۔ اس کے ساتھ اس کی نمازیں، اس کے روزے اور اس کی زکوٰۃ ہوگی نیز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس نے دنیا میں کسی کو گالی نکالی ہوگی، کسی پر بہتان باندھا ہوگا، کسی کا ناحق مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا پیٹا ہوگا۔ ان مظلوموں کی داد رسی کرنے کے لیے اس کی نیکیاں ان لوگوں میں بانٹی جائیں گی اور اگر مظلوموں کی حق رسی سے پہلے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا تو مظلوموں کے گناہ لے کر اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے اور پھر اسے دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک اور نصیحت آموز ارشاد بھی سنتے جایئے۔

قال من كان عنده مظلمة لاخيه فليتحلله منها فانه ليس ثم دينار ولا درهم ان كان له عمل صالح اخذ منه بقدر مظلمته وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه (بخاری شریف)

ترجمہ: یعنی اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہے تو اس دنیا میں ہی وہ اسے معاف کرالے کیونکہ قیامت کے روز دینار و درہم نہیں ہوں گے۔ اگر اس ظالم نے کچھ نیک اعمال کیے ہوں گے تو وہ لے کر اس مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس صالح اعمال کا ذخیرہ نہ ہوگا تو مظلوم کے گناہ اس کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اس سے اس کے گناہوں کو اللہ اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَبِئْسَ

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے ١٣ اور وہ بہت بری

وہ لوگ جو تلاش زر میں آج دیوانے بنے پھرتے ہیں، حلال و حرام، جائز و ناجائز کی تمیز بھی نہیں کرتے، جو لوگ اپنے کارخانوں کی آمدنی اور اپنی تجوریوں سے زیادہ دھوکہ انہیں کو کچھ نہیں سمجھتے، جو آج اپنے کروفر میں ایسے مست ہیں کہ انہیں راہ حق پر ایک قدم چلنا بھی گوارا نہیں، انہیں اگر فرصت ملے تو وہ یوم التغابن کا بھی تصور کریں۔ جب انہیں خالق کائنات کے حضور لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوگا۔ اس روز انہیں پتہ چلے گا کہ جس کاروبار کو بڑا نفع بخش سمجھ رہے تھے، وہ درحقیقت سراسر گھاٹے کا کاروبار تھا۔

علامہ ابن منظور نے حضرت حسن بصری سے تغابن کا ایک اور مفہوم نقل کیا ہے۔

سُئِلَ الحسن عن قوله تعالى ذلك يوم التغابن فقال غبن أهل الجنة أهل النار أي استنقصوا عقولهم باختيارهم الكفر على الايمان (لسان العرب) یعنی حضرت حسن بصری سے یوم التغابن کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا اس روز اہل جنت دوزخیوں کے فہم و خرد کی تنقیص کریں گے کہ تم لوگ کتنے احمق تھے، تم نے ایمان کو چھوڑ دیا اور کفر کو اختیار کر لیا۔ تمہاری وہ عقل جس پر تمہیں بڑا ناز تھا حقیقت کا سمجھ نہ سکی کہ فانی کے بدلے باقی کو بیچ دیا۔ اس صورت میں تغابن بمعنی تنقیص ہے۔ یعنی ایک دوسرے کی عقل کو ناقص کہنا۔

١٢ یوم التغابن کے ذکر کے بعد پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ جو شخص ایمان لائے گا اور ایمان کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اعمال حسنہ سرانجام دے گا، اللہ تعالیٰ اس کی سابقہ خطائیں دور کر دے گا۔ اس کے نامہ اعمال میں کوئی ایسا نقص نہیں رہنے دے گا جس سے قیامت کے دن اس پر فرد جرم عائد کی جائے اور اس کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔ علامہ جوہری تکفیر کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔ التكفير في المعاصي كالإحباط في الثواب (صحاح) اعمال صالحہ کا ثواب ضائع ہو جائے تو اس کے لیے حبط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور گزشتہ گناہ کالعدم کر دیے جائیں تو اس کے لیے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

١٣ لیکن جو بدبخت ان نصیحتوں کے باوجود کفر پر اڑا رہے اور آیات ربانی کی تکذیب کرتے رہے ان کا دردناک انجام بھی بتا دیا تاکہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔

الْمَصِيرُ ۝ مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَمَن

پلٹنے کی جگہ ہے۔ نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے ١٣ اور جو شخص

١٣ یہ دنیا دارالمحن ہے۔ مصائب و آلام سے کسی کو مفر نہیں۔ بیماری، صدمے، تجارت و زراعت میں خسارہ، کسی عزیز ترین مقصد میں انتہائی مساعی کے باوجود ناکامی۔ یہ ایسے حالات ہیں جن سے کم و بیش ہر شخص کو واسطہ پڑتا ہے۔ لیکن آلام و مصائب کے ہجوم میں ہر شخص کا ردعمل یکساں نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جن کا خدا کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا وہ اپنے آپ کو ان حالات میں ایک بے بس تنکا محسوس کرتے ہیں جسے ہوا کے جھونکے بھی ادھر سے اُدھر پھینکتے رہتے ہیں۔ اس وقت جس ذہنی پستی اور اخلاقی انحطاط کا یہ لوگ مظاہرہ کرتے ہیں اسے دیکھ کر شرافت کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے اور آنکھیں فرطِ ندامت سے جھک جاتی ہیں۔ لیکن جن کو خدا پر ایمان ہوتا ہے اور ایمان بھی ایسا مستحکم اور استوار کہ جس میں تذبذب اور لچک نہیں ہوتی۔ ان کی شان اس وقت دیدنی ہوتی ہے۔ شیروں کے نرغے میں بھی وہ مسکراتے رہتے ہیں۔ بے رحم طوفانوں میں بھی ان کے یقین کی شمع فروزاں رہتی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ بے آسرا نہیں۔ خدا کی ذات ان کا آسرا ہے اور یہ بہت بڑا آسرا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ ان کے پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اگر اس نے انہیں کسی آزمائش میں مبتلا کیا ہے تو یہ اس کا ظلم یا بے انصافی نہیں یا اپنے قہر و جبر کا مظاہرہ نہیں بلکہ اس کا تقاضا ہوا اور اس کی بے نیازی نہیں بلکہ اس میں ان کی بہتری اور بھلائی ہے۔ جس میں مصلحت ہے۔ اس طرح ان کے دل مضطرب اور بے چین نہیں ہوتے۔ کٹھن منزل کی اس پُرخار وادی کو بڑے صبر و تحمل اور شکر و رضا کے ساتھ طے کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایمان باللہ میں کس بلا کی قوت ہے؟ اس قوت کے بل بوتے پر انسان کس طرح ثابت قدمی اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتا ہے اس کے لئے آپ فرعون کے ساحروں کے رویہ پر نظر ڈالیے۔ فرعون انہیں دھمکیاں دے رہا ہے اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا دوں گا۔ تمہیں سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ ظالم ایسا کر کے رہے گا۔ لیکن وہ ایمان جو ان کے دلوں میں پیدا ہو گیا تھا وہ انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔ ان میں لغزش تک نہ آنے دیتا۔ وہ بھرے دربار میں یہ اعلان کرتے ہیں فَاقْضِ مَآ أَنتَ قَاضٍ ۔ اے فرعون! جو تیرا جی چاہے کر گزر۔ ہم اس نعمت ایمان کو ہرگز اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیں گے۔

جب انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر یقین راسخ نصیب ہو جاتا ہے تو ان ناگوار حالات میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر و رضا اور تسلیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ میں اسی خصوصی عنایت کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں علامہ ابن کثیر نے ایک حدیث لکھی ہے جو صحیحین سے منقول ہے۔ آپ بھی اسے غور سے پڑھیے اور اسے یاد رکھیے تاکہ زندگی کا کوئی دن جب ملال زاروں اور حزن زاروں سے نکل کر خار زاروں اور اداس ویرانوں سے گزرنے لگے تو آپ کے چہرہ پر اس وقت بھی طمانیت کا نور جھلک رہا ہو۔ تمہارے دل میں اضطراب و پریشانی کی کوئی علامت موجود نہ ہو۔ آپ کے آقا و مولا، مرشد برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ عجبًا للمؤمن لا يقضي الله له قضاء الا كان خيرا له إن اصابته ضراء صبر فكان خيرا له وإن اصابته سراء فشكر فكان خيرا له وليس ذلك لاحد الا للمؤمن۔

يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُ ۚ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١﴾ وَأَطِيعُوا

اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۲۱ اور اطاعت کرو

اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ

اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی ۲۲ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو (اس میں) ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام)

الْمُبِينُ ﴿١٢﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٣﴾

پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ بس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ایمان والوں کو ۲۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ

اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں

ترجمہ: یعنی مومن کی بھی عجیب حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لیے مخصوص ہے۔

۲۱ یہ فرما کر اہل ایمان کو تسلی دے دی کہ تمہارا واسطہ اس خدا سے نہیں جس کو تمہاری حالت کی خبر نہ ہو۔ تم اس کے لیے ہلکان ہوتے رہو، نقصان پر نقصان اٹھاتے رہو، تکلیف پر تکلیف جھیلتے رہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ اس کے بندے اس کی راہ میں کن کن مشکلات سے دوچار ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ اس کی راہ میں جو کانٹا تمہیں چبھتا ہے، گرم ریت کا جو ذرہ تمہارے جسم کو چھو کر گزر جاتا ہے اسے اس کا بھی علم ہے۔ اس کا بھی وہ تمہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ تمہارا دشمن کتنا ہی بڑا ہو اور کتنا ہی مکار ہو جب اس کی مدد آئے گی تو دشمن کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ صبر کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو۔ اس کی رحمت پر بھروسہ رکھو۔ حالات کا رخ پھرنے میں دیر نہیں لگتی۔ کس پیارے انداز سے اپنے مخلص دلفگار بندوں کی دلجوئی فرمائی جا رہی ہے۔

۲۲ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اگر تم نے خوشی و آرام کے دنوں میں اس کو بھلا دیا یا غم و اندوہ کی تاریک راتوں میں اس کی رحمت سے مایوس ہو کر بے راہ روی اختیار کر لی تو یاد رکھو اس کا نقصان تمہیں ہی ہوگا۔ ہمارے رسول کی تو یہی ذمہ داری تھی کہ وہ تمہیں حق کا پیغام پہنچا دے۔ اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔

۲۳ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان اور اس پر توکل بندۂ مومن کا طرۂ امتیاز ہے۔

فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

پس ہوشیار رہو ان سے ۱۸ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور

رَّحِيمٌ ﴿١٤﴾ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِندَهُ أَجْرٌ

رحیم ہے ۱۹ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہیں ۲۰ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر

عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنفِقُوا

عظیم ہے ۲۱ پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے ۲۲ اور (اس کا فرمان) غور سے سنو اور (دل سے) مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

۱۸ راہ حق کے مسافر کے لیے وہ لمحے بڑے خطرناک ہوتے ہیں جب اس کی محبوب بیوی یا پیاری اولاد سنگ راہ بن کر سامنے آکھڑی ہوتی ہے۔ جب ایمان کے تقاضوں اور ان کے مطالبات میں تصادم شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے نازک لمحوں میں اپنے بندوں کی رہنمائی فرما رہا ہے۔ انہیں یہ بتا رہا ہے کہ بے شک تیری بیوی تیری راحت جان کی ضامن ہے اگرچہ تیری اولاد تیری آنکھوں کا نور اور دل کا سرور ہے لیکن اگر یہ تجھے راہ راست سے بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر وہ تیرے دوست نہیں بلکہ تیری عاقبت کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔ تجھے اپنے مالک کی بغاوت پر اکساتے ہیں ان کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی محبت میں پھنس کر اپنی متاع ایمان لٹا بیٹھو۔ یہ خسارہ ناقابل برداشت ہو گا۔

۱۹ ان کی کھلی عداوت کے باوجود ان کے ساتھ حسن سلوک اور عفو و درگزر کا درس دیا جا رہا ہے۔ یہ وسیع الظرفی اور تسامح اسلام کے بغیر آپ کو کسی اور دین میں نہیں ملے گی۔

۲۰ مال اور اولاد کی محبت اگر یاد حق سے غافل نہ ہونے دے تو یہ ایک بہت بڑا انعام ہے۔ مومن کو چاہیے کہ ان کی محبت میں ایسا مستغرق نہ ہو جائے کہ یاد حق میں غفلت اور احکام شریعت کی پابندی میں تساہل ہونے لگے۔

مال اور اولاد اس لحاظ سے بھی آزمائش ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو مال عطا فرماتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہ اس کو کس طرح خرچ کرتا ہے اور جب اولاد بخشتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ اپنی اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت میں اپنی ذمہ داری کس حد تک پوری کرتے ہیں ان کو انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے متصف کرنے کی کہاں تک کوشش کرتے ہیں ... وہ اس آزمائش میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں صرف وہی ماں باپ کامیاب ہیں جو اپنی اولاد کو ... بنا دیتے ہیں۔

۲۱ اگر تم نے اپنے مال اور اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے انجام دے دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر بڑے فضل و احسان کی بارش کی جائے گی اور تمہاری اس عملی شکر گزاری کو فراواں انعامات سے نوازا جائے گا۔

۲۲ سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۲ میں ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے

خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾

یہ بہتر ہے تمہارے لیے ۲۳ اور جنہیں بچا لیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۲۴

إِن تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ

اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لیے اور بخش دے گا تمہیں ۲۵ اور اللہ تعالیٰ

شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

بڑا قدردان اور بہت حلم والا ہے ۲۶ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب بڑا دانا ہے ۲۷

طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہاں ارشاد فرمایا کہ اپنے اللہ سے ڈرو جتنا تمہارا مقدور ہے جتنا تمہارے امکان میں ہے۔ اسی اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں: واشارة الى الفرق بين الابرار والمقربين في حال التقوى فقوله فاتقوا الله ما استطعتم ناظر الى الابرار وقوله تعالى اتقوا الله حق تقاته ناظر الى المقربين فان حالهم الخروج عن الوجود المجازي بالكلية وهو حق التقوى۔

یعنی ابرار اور مقربین کے تقویٰ میں جو فرق ہے اس کی طرف اشارہ کیا۔ اس آیت میں ابرار کی حالت کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور پہلی آیت میں مقربین کے احوال کو ملحوظ رکھا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے وجود مجازی سے یکسر دستکش ہو جاتے ہیں اور یہی تقویٰ کا منتہائے کمال ہے۔

ہر شخص اولوالعزم نہیں ہو سکتا، ہر شخص میں وہ صلاحیتیں نہیں پائی جاتیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اکابر صحابہ اور اکابر اولیاء کرام کو مشرف فرمایا۔ اس لیے سب کے لیے تقویٰ کا معیار یہ مقرر فرما دیا کہ جتنی تمہاری استطاعت ہے جتنی ہمت ہے، تم اللہ سے ڈرو۔ اگر تم اتنا تقویٰ اختیار کرو تو مزید اعلیٰ تقویٰ کی توفیق وہ جب چاہے گا اپنی جناب سے تمہیں عطا فرمائے گا۔

۲۳ مزید ہدایات دی جا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے نبی کے ارشادات پوری توجہ سے سنو۔ ان کے احکام کو بجا لاؤ اور اس کی راہ میں اس کے دیے ہوئے مال سے خرچ کرتے رہو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔ خیرًا فعل مقدر کی خبر ہے۔ یعنی تم ایسا کیا کرو ایسا کرنا تمہارے لیے بہتر ہے۔ یکن خیرا لکم۔

۲۴ اس کی تشریح سورۂ حشر کی آیت ۹ میں گزر چکی ہے۔

۲۵ اخلاص اور خوشی سے اللہ تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے جو شخص اپنا مال خرچ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ گویا قرض ہوگا اور وہ اسے کئی گنا کر کے دیتا ہے گا۔ ایک کا دس، پھر سات سو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اس کے گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے۔

۲۶ شکور کا معنی ہے قدردان، بندہ تھوڑا سا کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بے حساب اسے اجر عطا فرماتا

ہے۔ واللہ شکور یعنی انہ کثیر الصنائع علی عبدہ۔

حلیم: یعنی تم گناہ کرتے ہو وہ فوراً ہی پکڑ نہیں لیتا۔ اس کے حلم کا اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔

[۱۸] اس کا علم کامل ہے کوئی چیز اس کے علم سے پنہاں نہیں۔ اس کی قدرت عظیم ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ کو ٹال سکے اور اس کی قضا کو مسترد کر سکے۔ مہربان اور قادر مطلق ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں اس کے ہر فیصلہ میں اس کی حکمت کے جلوے نظر آ رہے ہیں۔

اللھم انت عالم الغیب والشھادۃ وانک انت العزیز الحکیم فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

اللھم صل من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اطیبھا ومن التحیات اسناھا علی حبیبک ومحبوبک ونبیک ورسولک سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۃ الطّلاق

نام : اس سورۃ میں طلاق کے مسائل مذکور ہیں، اس لیے اس کا نام "الطلاق" تجویز ہوا۔ اس میں دو رکوع ۱۲ آیتیں دو سو انچاس کلمے اور ایک ہزار ساٹھ حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : یہ سورت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ سورت بقرہ کی وہ آیات جن میں طلاق عدت کے احکام بیان ہوئے ہیں، ان آیات کے بعد یہ سورۃ نازل ہوئی۔

مضامین : عہد جاہلیت کا عرب معاشرہ از اوّل تا آخر بگڑ چکا تھا۔ غلط رسم و رواج کی پابندی نے ان کی خانگی زندگی کو باہمی اعتماد اور سچی خوشیوں سے محروم کر دیا تھا۔ نکاح، طلاق، عدت، نفقہ، رضاعت اور دوسرے مسائل جن کا عائلی زندگی سے گہرا تعلق ہے ہر قسم کی معقولیت سے عاری تھے۔ اسلام نے یک لخت پہلے نظام کو درہم برہم کر کے نہیں رکھ دیا بلکہ اس کی اصلاح کے لیے تدریجی اقدامات کیے تاکہ مقصد بھی پورا ہو جائے اور عجلت میں کی گئی اصلاحات سے جو مشکلات اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان سے بھی کم سے کم سابقہ پڑے۔

پہلے شوہر اپنی بیوی کو ان گنت طلاقیں دے سکتا تھا اور عدت گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا کرتا جس سے عورت کی زندگی اس کے لیے عذاب بن گئی تھی۔ سورۃ بقرہ کی آیت دو سو انتیس (۲۲۹) میں بتا دیا کہ شوہر زیادہ سے زیادہ تین طلاقیں دے سکتا ہے، اس کے بعد وہ رجوع نہیں کر سکتا۔

البقرہ کی آیت دو سو اٹھائیس (۲۲۸) میں مطلقہ عورت کی عدت بتا دی کہ تین حیض ہے۔ اسی آیت میں یہ بھی بتا دیا کہ رجعی طلاق کی صورت میں عدت ختم ہونے سے پہلے خاوند رجوع کر سکتا ہے اور تجدید نکاح کی بھی ضرورت نہیں۔

البقرہ کی آیت دو سو تیس (۲۳۰) میں طلاق مغلظہ کی صورت میں دوبارہ نکاح کا حکم بیان کر دیا اور اسی سورت کی آیت دو سو چونتیس (۲۳۴) میں اس عورت کی عدت بتا دی جس کا خاوند فوت ہو جائے۔

عائلی زندگی سے متعلق ایک حکم سورۃ الاحزاب کی آیت انچاس (۴۹) میں بیان کر دیا کہ اگر نکاح کے بعد دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو پھر مطلقہ کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں، وہ اسی وقت نکاح کر سکتی ہے۔

لیکن عائلی زندگی سے متعلق کئی مسائل ایسے رہ گئے تھے جن کے جوابات مطلوب تھے کئی دیگر اشکالات کے بارے میں وضاحت کی ضرورت تھی تاکہ عمل کرنے والا منشائے الٰہی کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ اس سورت کو نازل فرما کر اس تعلق کو

پُر کر دیا۔ نیز طلاق جس کی اجازت اسلام نے صرف ناگزیر حالات میں دی ہے جب کہ میاں بیوی کے مل کر رہنے کا کوئی امکان نہ ہو اور اسے ابغض المباحات قرار دیا ہے۔ اس کے لیے ایسی پابندی لگا دی کہ اگر اس کو پیش نظر رکھا جائے تو طلاق کا وقوع بہت ہی کم ہو جائے۔

پہلے اُس مطلقہ مدخولہ کی عدت بیان کی گئی تھی جسے حیض آتا ہو یہاں اُن مدخولہ عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ جنہیں حیض آنا ابھی شروع ہی نہ ہوا ہو یا وہ عمر کے اس حصہ میں پہنچ گئی ہوں جب حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔

حاملہ عورت کو اگر خاوند طلاق دے دے یا اس کا خاوند فوت ہو جائے تو اُسے کتنی عدت گزارنی ہوگی؟ اس مسئلہ کی بھی یہاں تصریح کر دی۔

مطلقہ جب عدت گزار رہی ہو تو اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟ شیر خوار بچہ کی رضاعت کا انتظام اور اس کے اخراجات کون برداشت کرے گا؟ ان تمام مسائل کو یہاں تفصیلاً ذکر کر دیا۔

اس سورت کا ایک اور پہلو آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اس میں اہم اور دور رس نتائج کے حامل قوانین بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے باوجود قرآن کریم کی انفرادیت قائم ہے۔ یہ صرف قوانین کی کتاب نہیں جو متعدد دفعات پر مشتمل ہو اور جن سے سرتابی کرنے والا مختلف سزاؤں کا مستوجب قرار پاتا ہو بلکہ اس میں جگہ جگہ ان احکام کی بجا آوری کی ترغیب دینے کے لیے ایسے جملوں کا اضافہ کیا گیا ہے جنہیں پڑھ کر ان پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ ان احکام کی پابندی تقویٰ ہے اور جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی راہیں کھول دیتا ہے اور اسے یوں رزق دیتا ہے جس کا اُسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

انسان جب ان آیات میں غور و فکر کرتا ہے اور اُسے پتہ چلتا ہے کہ ان احکام پر عمل کرنے سے اُس کا رب کریم اُس پر راضی ہو جائے گا، تو پھر بڑی خوشدلی سے ان احکام کو بجا لاتا ہے خواہ اُسے کتنا مالی خسارہ بھی برداشت کرنا پڑے یہی قرآن کریم کی وہ خصوصیت ہے جو اسے قوانین کا مجموعہ ہونے کے باوجود قوانین کی دیگر کتب سے ممتاز کرتی ہے۔

دوسرے رکوع میں بتا دیا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرتے ہیں اُن کا انجام بڑا دردناک ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کے رسول کی لائی ہوئی ہدایات پر عمل کرتے ہیں انہیں ہر قسم کے اندھیروں سے نکال کر ایسی جگہ پہنچا دیا جاتا ہے جہاں حق کا آفتاب ضوفشانی کر رہا ہوتا ہے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۷-۴-۷۷

سورۃ الطلاق مدنیۃ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　آیاتہا ۱۲ رکوعاتہا ۲

سورۃ الطلاق مدنی ہے　اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔　اس کی بارہ آیات اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا

اے نبی (مکرم! مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ۱؎ اور شمار کرو

۱؎ اگرچہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب سے مشرف فرمایا جا رہا ہے لیکن حکم ساری امت کے لیے ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے یایھا النبی قل لامتک اذا طلقتم۔ یعنی اے نبی! آپ اپنی امت کو حکم دیں کہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کریں۔ اپنے سردار قوم کو جو حکم دیا جاتا ہے اس قوم کے افراد از خود اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے کہ آیت میں طلاق دینے کا ذکر ہے جو ایک ناپسندیدہ فعل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کو خطاب فرمانے کے بعد طلاق دینے کی نسبت حضور کی طرف نہیں کی بلکہ امت کی طرف کی ہے۔ ذرا غور کریں کہ رب العزت اپنے محبوب کی شان رفیع کا کس طرح پاس کرتا ہے۔ لما فیہ الطلاق من الکراھۃ فلم یخاطب بہ تعظیما (روح المعانی) یعنی کیونکہ طلاق میں ایک گونہ کراہت ہے اس لیے اپنے محبوب کی رفعت شان کا لحاظ رکھتے ہوئے اس سے خطاب نہیں فرمایا۔

اذا طلقتم: المعنی اذا اردتم تطلیقھن۔ اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ جب تم طلاق دینے کا ارادہ کرو تو تم پر مندرجہ ذیل ہدایات کی پابندی ضروری ہے۔ تنزیل للمشارف الی الفعل منزلۃ الشارع فیہ۔ (روح المعانی) جو کام کو عنقریب شروع کرنے والا ہے اس کو اس شخص کی مانند خیال کر لیا جس نے کام شروع کر لیا ہے۔

۲؎ اسلام کے نزدیک رشتہ ازدواج بڑا مقدس رشتہ ہے۔ صحت مند بنیادوں پر قائم یہ مستحکم ہو گا تو خاندان اور معاشرہ دونوں آنائی سرگرمیوں سے مالامال ہوں گے اور خوشحالی کی فضا میں نشوونما پائیں گے۔ اسلام اس بات کا بڑا حریص ہے کہ اس رشتہ کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔ اس رشتہ پر صرف میاں بیوی کی خوشی اور آبادی موقوف نہیں بلکہ ان کی معصوم اولاد، فریقین کے قریبی رشتہ دار بلکہ سارے خاندان کا مفاد وابستہ ہے۔ اس لیے اسلام پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ رشتہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن بعض حالات میں یہ تعلق وبال جان بن جاتا ہے۔ دونوں کی بھلائی اسی میں ہوتی ہے کہ انہیں اس قید سے رہائی مل جائے۔ ان ناگزیر حالات میں اسلام نے اس کو ختم کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی ان کی راہ نجات ہے۔ ارشاد نبوت ہے ان من ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ یعنی حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: تزوجوا ولا تطلقوا فان الطلاق یھتز منہ العرش۔ شادی کیا کرو اور طلاق نہ دیا کرو کیونکہ طلاق سے اللہ تعالیٰ کا عرش لرز جاتا ہے۔ اس لیے اسلام نے طلاق کا جو قانون تجویز کیا ہے اس میں اس امر کو پوری طرح خیال رکھا گیا ہے کہ طلاق دینے والا جلد بازی میں طلاق نہ دے۔ کوئی وقتی رنجش یا عارضی نفرت اس کا باعث نہ ہو۔ طلاق دینے والا سوچ سمجھ کر اس کے نتائج و عواقب کو مدنظر رکھتے ہوئے طلاق دے۔ چنانچہ اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ

جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو تو اس کی عدت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے نیز ایسے طہر میں بھی طلاق نہ دی جائے جس میں مباشرت ہو چکی ہو کیونکہ ان دونوں طریقوں سے عدت میں طوالت ہو جائے گی اور مطلقہ کو تکلیف برداشت کرنا ہوگی۔ کیونکہ اگر اس نے حالت حیض میں طلاق دی تو وہ حیض تو عدت میں شمار نہیں ہوگا۔ اس حیض کے علاوہ تین مزید حیضوں کا اسے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی طرح اگر ایسے طہر میں اس نے طلاق دی جس میں مباشرت ہوئی ہو تو اس سے مرد و زن دونوں کو خبر نہیں کہ اس مباشرت سے حمل قرار پایا ہے یا نہیں۔ اس سے بھی عدت میں گڑبڑ ہوگی اور عورت کو ناروا زحمت اٹھانا پڑے گی۔ اس لیے مسنون طریقہ طلاق دینے کا یہ ہے کہ طلاق ایسے طہر میں دی جائے جس میں عورت سے مقاربت نہ ہوئی ہو۔ حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں مباشرت کی گئی ہو گناہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کی خدمت عالیہ میں یہ واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ عبداللہ اس طلاق سے رجوع کرے یہاں تک کہ اس کی بیوی پاک ہو جائے۔ طہر کے بعد پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو۔ اب اگر وہ اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے تو مباشرت سے پہلے طلاق دے۔ حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں: فلیطلقها طاهرا قبل ان یمسها فتلك العدة التی امر بها الله عزوجل یعنی حالت طہر میں مباشرت سے پہلے طلاق دے اور یہی وہ عدت ہے جس کی پابندی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ (بخاری شریف)

اس پابندی میں کئی اور حکمتیں بھی ہیں۔ حیض کی حالت میں عورت مرد کے لیے مرغوب خاطر نہیں ہوتی۔ وہ اپنی مشاغل کی طرف سے بھی بے اعتنائی برتتا ہے۔ ان دنوں اس کی طبیعت بھی مضمحل اور منقبض ہوتی ہے۔ اس لیے اگر اس حالت میں مرد طلاق دے دے تو توقع ہے کہ یہ عارضی سبب رنجش طلاق دینے میں محرک ہوا اور جب یہ ایام گزر جائیں تو پھر اس کو اپنے کیے پر ندامت ہو۔ اور ایسا طہر جس میں وہ مقاربت کر چکا ہو اس میں بھی عورت کی طرف کشش کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اگر طلاق دینا ہی ہو تو ایسی حالت میں طلاق دو جبکہ رغبت اور کشش اپنے عروج پر ہو۔ ایسی حالت میں اگر تم طلاق دو گے تو سو مرتبہ پہلے سوچو گے اور تب یہ اقدام کرو گے۔ اس طرح تمہارا طلاق دینا حقیقی اسباب پر مبنی ہوگا۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے فقہائے کرام نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔ ① سنی یعنی سنت کے مطابق اور ② بدعی۔ احناف نے سنی طلاق کی پھر دو قسمیں ذکر کی ہیں۔ ① احسن اور ② حسن۔ احسن طلاق تو یہ ہے کہ ایسے طہر میں جس میں اس سے مباشرت نہیں کی ایک مرتبہ طلاق دے اور پھر انقضائے عدت تک دوسری طلاق نہ دے۔ عدت پوری ہونے کے بعد سابقہ نکاح ٹوٹ جائے گا لیکن تجدید نکاح کا دروازہ کھلا ہوگا۔ طلاق حسن اس کو کہتے ہیں کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے۔ ایک حیض گزرنے کے بعد جب وہ پاک ہو تو اسے دوسری طلاق دے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس کے علاوہ طلاق کی ساری صورتیں طلاق بدعی شمار ہوں گی۔ اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اگرچہ بعض اکابر سے مروی ہے کہ ایسی طلاق واقع نہ ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وقت کے لحاظ سے طلاق سنی اور بدعی ہوتی ہے عدد کے لحاظ سے نہیں یعنی ایسے طہر میں جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو طلاق دینا سنی ہے۔ خواہ ایک طلاق دے، تین طلاقیں دے پھر بھی وہ سنی رہے گی لیکن اگر اس وقت

الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۖ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا

عدت کو ۲؎ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ۳؎ مت نکالو انہیں ان کے گھروں سے ۴؎ اور نہ

میں طلاق دے۔ امام شافعی کے نزدیک وہ طلاق بدعی ہوگی۔ حنابلہ کے نزدیک طلاق کا سنت طریقہ یہ ہے کہ ایسے طہر میں ایک طلاق دے جس میں مباشرت نہ کی گئی ہو۔ اس کے بعد کوئی طلاق نہ دے یہاں تک کہ عدت ختم ہو جائے۔ اس کے علاوہ سب طلاقیں بدعی ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اس عورت کی طلاق کی تفصیل ہے جو عورت باقاعدہ مدخولہ ہو اور سن ایاس کو نہ پہنچی ہوئی ہو اور جس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔ جس عورت سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو یا جو حاملہ ہے یا سن ایاس کو پہنچ چکی ہے اور حیض کا آنا ہمیشہ کے لیے منقطع ہو چکا ہے یا نابالغہ ہے۔ ان عورتوں کی طلاق اور عدت کے احکام اپنے اپنے مقام پر مذکور ہیں۔

۲؎ عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں۔ ایام عدت میں عورت کا نفقہ اور مکان مرد کے ذمہ ہے۔ ایام عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے۔ عدت گزارنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ سابقہ خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے۔ اگر اس کو معمولی بات سمجھ لیا گیا اس کی ابتدا اور انتہا کا پوری طرح خیال نہ رکھا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔ عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکے گی جب تک عدت کی ابتدا اور انتہا کا صحیح علم نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو بڑی احتیاط کے ساتھ شمار کرو۔ یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں عورتیں بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ دونوں کے حقوق و فرائض کے مفادات کا اسی پر دارومدار ہے۔

۳؎ کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہو سکتے اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

۴؎ مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے بعد اپنی بیویوں کو ان کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں۔ ان کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگدلی ہے جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد کے ذمہ ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے از خود نکل نہ جائے بلکہ ایام عدت وہاں ہی پورے کرے۔ اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لعل اللہ یحدث ... الآیۃ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک گھر میں رہیں گے تو یہ ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ محبت سے بدل جائے۔ وقتی جوش میں آ کر اس نے جو اقدام کیا تھا اس پر وہ نظر ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت تک بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے۔ بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

وہ خود نکلیں بجز اس صورت کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا؎ اور یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں

اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ لَا تَدْرِيْ

ہیں؎ اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ

کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے پھر جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو

① وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دے دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو۔ البتہ بیوہ عورت کو ضروری کام کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں آکر بسر کرے۔

② اگر طلاق رجعی ہے تو پھر پردہ اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کرے تاکہ دلوں کی کدورت دور ہو جائے۔

③ اگر طلاق بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں وہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

④ اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

؎ ہاں عورت اگر جرم بدکاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری چکاری سے باز نہیں آتی یا بڑی بدزبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور لڑائی جھگڑا کرتی رہتی ہے یا ایسے ہی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اسے اپنے گھر سے نکال سکتا ہے۔ یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں۔ فهذه المعاني كلها يحتملها اللفظ وجائز ان يكون جميعها مرادًا۔ آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص)

؎ تنبیہ فرمادی کہ یہ مسائل ایسے نہیں کہ جن پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہو بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں۔ تمہارے لیے اطمینان و سکون کا باعث ہیں۔ جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔

فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ

تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کر لو دو

عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ

معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ

ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر۔ اور جو ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لیے

شوہر کو اگر ایک طلاق رجعی یا دو طلاقیں دے تو اسے رجوع کرنے کا حق ہے۔ بعض لوگ جو اس حق کو ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں وہ بظاہر رجوع کر لیتے ہیں لیکن ان کا ارادہ اسے آباد کرنے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کی عدت کی میعاد کو لمبا کر کے اس کو اذیت پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لیے یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ عدت ختم ہونے سے پہلے تم یہ فیصلہ کر لو کہ کیا تم اس کو اپنی رفیقہ حیات بنا کر اپنے پاس رکھنا چاہتے ہو یا اس کو آباد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ پہلی صورت میں تمہیں اجازت ہے کہ تم رجوع کر لو اور حسب سابق اس کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرو اور اسے اپنی اہلیہ بنا کر رکھو اور اگر تمہارا ارادہ نہیں تب تمہیں اس کو تنگ کرنے کے لیے رجوع مت کرو بلکہ اس کو بھلائی اور عمدگی سے جدائی کا انداز بھی خیر سگالی کا ہو نہ کہ فریقین ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہوں، طعن و تشنیع کے تیر چلا رہے ہوں۔ مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا۔ جب تم اسے جدا کرو تو اس کی دلجوئی کرو، اس کی مالی امداد کرو، ضروریات زندگی اس کو مہیا کر دو۔ اس طرح اس کے غم و غصہ کا زور کچھ ٹوٹ جاتا ہے کہ موافقت کی صورت میں احسان و مروت ہر کوئی کرتا ہے لیکن عدم موافقت اور قطع تعلقات کے وقت بھی دلجوئی اور مروت کی تلقین اسی دین رحمت کی خصوصیت ہے اور اس کے ماننے والوں کا شیوہ ہے۔

اپنی بیوی کو طلاق دو یا رجوع کرو دونوں صورتوں میں گواہ مقرر کر لینے چاہئیں تاکہ اگر کسی وقت فریقین میں تنازع پیدا ہو جائے اور معاملہ عدالت تک پہنچے تو شہادت کی روشنی میں قاضی صحیح فیصلہ کر سکے۔ یہ حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے۔ ائمہ اربعہ کا یہ متفقہ قول ہے کہ طلاق اور رجعت پر گواہ مقرر کرنا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر بغیر گواہوں کے کسی نے طلاق دی تو وہ طلاق معتبر ہوگی یا اگر اس نے بغیر گواہوں کے رجوع کر لیا تو وہ رجوع بھی شرعاً معتبر ہوگا۔ البتہ گواہ بنانا افضل ہے اور تمہارے لیے بہتر ہے۔ اختلاف و نزاع کے سدباب کا یہ بڑا موثر طریقہ ہے۔ یہاں گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے جیسے اس آیت میں ہے واشهدوا اذا تبايعتم الآیۃ کہ جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ بنا لیا کرو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر تم نے گواہوں کی عدم موجودگی میں خرید و فروخت کی تو وہ ناجائز ہوگی بلکہ مقصد یہ ہے کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم خرید و فروخت کے وقت گواہ بنا لیا کرو تاکہ اگر کبھی کوئی تنازعہ پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

مَخْرَجًا ۝۲ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۗ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ

نجات کا راستہ ۱۰؎ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ

۱۰؎ طلاق، عدت، نفقہ، سکنیٰ وغیرہ جو احکام یہاں بیان کیے گئے ہیں ان کی پابندی میں خوف خدا کو جو اپنا شعار بنانے گا اور خلوص نیت سے ان کی پیروی کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان مشکلات سے نجات کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور پیدا کر دے گا۔ یہ قاعدہ صرف ان احکام کی بجا آوری کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام ہے۔ جو شخص تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیتا ہے کسی قسم کے دباؤ میں آ کر ارشادات خداوندی سے سر مو انحراف نہیں کرتا، بڑی استقامت اور جوانمردی سے اوامر و نواہی کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نجات کے اسباب یقیناً پیدا کر دیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق مہیا کرتا ہے جہاں سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ہماری حالت بھی عجیب ہے۔ عام حالات میں تو احکام شرعی کی ہم کچھ نہ کچھ پاسداری کر لیتے ہیں لیکن جب ہم کسی مشکل میں پھنس جاتے ہیں تو اس سے نکلنے کے لیے جائز و ناجائز حرکات کے ارتکاب میں ذرا تامل نہیں کرتے۔ تنگدستی و افلاس کی گرفت سخت ہو جائے تو رشوت، چوری، لوٹ کھسوٹ اور ذخیرہ اندوزی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ کسی مقدمہ میں پھنس جائیں تو اس میں کامیاب ہونے کے لیے جھوٹی گواہی سے کام چلا لیتے ہیں۔ دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو جھوٹ اور مکر و فریب سے گلو خلاصی کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔ درحقیقت یہ سب نفس کا فریب اور شیطان کا دھوکہ ہے۔ ایسا کرنے سے مشکلیں کم نہیں ہوتیں بلکہ بڑھتی ہیں۔ مطلع حیات مزید ابر آلود ہو جاتا ہے، ناکامیاں اور رسوائیاں انسان کا مقدر بن جایا کرتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم نے مشکلات سے نجات پانے اور مصائب کے نرغے سے رہائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ وہ یہ کہ اپنے دل میں خوف خدا پیدا کر لو۔ جن کاموں سے اس نے روکا ہے بچو۔ ان کے قریب مت پھٹکو۔ جن احکام کی بجا آوری کا اس نے حکم دیا ہے ان کی پوری طرح پابندی کرو۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں صدق دل سے مشغول ہو جاؤ، تم دیکھو گے کہ اس کا دست کرم کس طرح آگے بڑھ کر تمہاری چارہ سازی کرتا ہے۔ اس کی چشم رحمت کس طرح تمہاری بگڑی بنا دیتی ہے۔ وہ اپنے خزانوں کے منہ تمہارے لیے کس طرح کھول دیتا ہے۔ اس آیت طیبہ میں بندہ مومن کو اس کی حقیقی نجات، حقیقی کامرانی اور سچی خوشی کا راستہ دکھایا گیا ہے۔ کاش ہم کان کھول کر سنیں، دلوں میں اسے جگہ دیں اور بصدق دل اس پر عمل کریں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قال جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یتلو علی ھذہ الآیۃ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ حتی فرغ من الآیۃ ثم قال یا اباذر لو ان الناس کلھم اخذوا بھا لکفتھم۔ (ابن کثیر)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے یہ آیت سناتے رہے اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا اے ابوذر! اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لیے کافی ہو جائے۔

علامہ قرطبی اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ عوف بن مالک اشجعی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لڑکے کو دشمنوں نے قید کر لیا ہے اور اس کی ماں اس کی جدائی میں سخت بے چین ہے۔ مجھے حضور کیا فرماتے ہیں۔

عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ

کرتا ہے تو اس کے لیے وہ کافی ہے ۱۱؎ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے ۱۲؎ مقرر کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ اتق اللہ واصبر وامرک وایاھا ان تستکثرا من قول لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو۔ نیز تجھے اور تیری بیوی کو حکم دیتا ہوں کہ تم کثرت سے لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کیا کرو۔ ارشاد نبوی سن کر وہ اپنے گھر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو سارا ماجرا آ کر بتایا۔ وہ نیک بخت کہنے لگی: نعم ما امرنا بہ۔ حضور نے جس چیز کا ہمیں حکم دیا ہے وہ بہت ہی اچھا ہے۔ پھر ان دونوں میاں بیوی نے بکثرت ورد شروع کر دیا۔ چنانچہ اس کی برکت سے دشمن ان کے بیٹے کی طرف سے غافل ہو گئے اور وہ ان کی غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلا اور ان کی بھیڑ بکریاں ہانکتا ہوا بخیر و عافیت اپنے ماں باپ کے پاس پہنچ گیا۔

علامہ پانی پتی نے اپنی تفسیر مظہری میں اس آیت کے ضمن میں حل مشکلات کے لیے ایک وظیفہ لکھا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی اور دنیوی منافع کے حصول اور دینی اور دنیوی مشکلات کے حل کے لیے یہ وظیفہ بتایا کہ ہر روز پانچ سو مرتبہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ پڑھے۔ اول و آخر ایک ایک سو مرتبہ درود پاک پڑھے۔

۱۱؎ یعنی جو شخص اپنا کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ توکل کا معنی عمل سے لاتعلق ہو جانا ہے اور اسباب سے قطع نظر کرنا ہے۔ توکل کا یہ مقصد نہیں بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ اسباب بجا لائے لیکن نتائج کے ظہور کے لیے اسباب پر اعتماد نہ کرے۔ صرف اپنے رب پر بھروسہ کرے۔ بے عملی اور جدوجہد سے بیزاری کا اسلام کے نظریۂ توکل سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

① گر توکل می کنی در کار کن　　کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

② رمز الکاسب حبیب اللہ شنو　　از توکل در سبب کاہل مشو

ترجمہ: ① یعنی اگر تو توکل کا دعویٰ کرتا ہے تو کام میں مشغول رہ۔ پہلے تخم ریزی کر پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر۔

② اس حدیث میں جو رمز ہے اس کو سن (الکاسب حبیب اللہ) کسب کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔ توکل کی وجہ سے اسباب کے فراہم کرنے میں سستی مت کر۔

بلکہ سلف صالحین تو تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اتجروا واکتسبوا فانکم فی زمان اذا احتاج احدکم کان اول ما یاکل دینہ۔ ترجمہ: کاروبار کرو اور رزق حلال کماؤ کیونکہ تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جب کوئی شخص محتاج ہو جاتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی متاع دین و ایمان کو بیچنا شروع کر دیتا ہے۔

۱۲؎ اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے۔ کوئی چیز اس کے ارادے کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

شَیْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ

لیے ایک اندازہ۔ اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ۱۳ اگر

۱۳ وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، ان کی عدت کے احکام سورۃ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جا رہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو۔ ان کی تین قسمیں ہیں۔ ① وہ عورتیں جو سن یاس کو پہنچ چکی ہوں یعنی جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے ساٹھ سال کی عمر کو سن یاس کہا ہے۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ ② وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو شروع نہیں ہوا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ ③ جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے۔ یعنی طلاق کے بعد تین ماہ گزارے۔ اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آ رہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا ہو، ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرات عثمان، علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے یہاں تک کہ سن یاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عرصہ میں اس کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے۔ اگر اس اثنا میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ظاہر ہوں تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے۔ یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تین چاند شمار ہوں گے۔ انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے تیس دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک ایک مہینہ تیس کا شمار ہوگا۔ اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔

یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے۔ لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آئسہ ہو یا جوان ہو۔

یہ آیت اگرچہ عام ہے مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔ (تفسیرات احمدی، مظہری، احکام القرآن جصاص)

ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ

تمہیں شبہ ہو کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور

الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ

حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے ۱۳ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ

۱۳ اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جا رہی ہے۔ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہو گی۔ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضع حمل بتائی گئی ہے۔ اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہو گی اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضع حمل ہو گی۔ لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی، حضرت ابن عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے ابعد الاجلین عدت ہو گی یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہو گیا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدت حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو پھر وضع حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہو گی۔

لیکن حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہو گی گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہو گی جو حاملہ نہ ہو اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ اس کی عدت وضع حمل تک ہو گی۔ اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے مؤطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اس مسئلہ پر حضرت ابن عباس اور عبد الرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابو سلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابن عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابو سلمہ وضع حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابو سلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کے غلام کریب کو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا وہ حاملہ تھیں۔ چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سبیعہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور نے فرمایا اب تو حلال ہو گئی جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سبیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہو گی تب تم نکاح کر سکتی ہو۔ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو۔ اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے۔ ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ

اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے ۱۲؎ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے۔ اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے

اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ۝ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ

اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور روز قیامت بڑھا دے گا اس کے اجر کو۔ انہیں ٹھہراؤ جہاں تم

حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا

خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں

عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ

تنگ کرو ۱۳؎ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو یہاں تک

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

۱۲؎ یہاں پھر تنبیہ فرما دی کہ ان ارشادات خداوندی کی تعمیل میں غفلت نہ برتنا اور اس سے ڈرتے رہنا۔ اگر تم نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا لیا تو وہ تمہاری مشکلات کو آسان فرمادے گا اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو مٹا دے گا اور اس کو قیامت کے دن اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

۱۳؎ جو عورتیں عدت گزار رہی ہوتی ہیں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔ خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ نہیں، خاوند نے اسے طلاق رجعی دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ نہیں، خاوند نے اسے طلاق مغلظہ دی ہے اور وہ حاملہ بھی ہے۔ اس میں سب ائمہ متفق ہیں کہ اگر عورت طلاق رجعی کی عدت گزار رہی ہے تو نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے خواہ وہ حاملہ ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح جو عورت طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے اور حاملہ بھی ہے تو اس کا نفقہ اور سکنیٰ بھی مرد کے ذمہ ہوگا۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ عورت غیر حاملہ ہے اور طلاق مغلظہ کی عدت گزار رہی ہے کیا اس صورت میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں خاوند کے ذمہ ہوں گے یا صرف سکنیٰ خاوند کے ذمہ ہوگا یا خاوند نفقہ اور سکنیٰ دونوں سے بری الذمہ ہوگا؟ حضرت سیدنا عمر، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کا قول یہ ہے کہ اس عورت کے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کی ذمہ داری مرد پر ہوگی اور احناف کا بھی یہی مسلک ہے۔

حضرت سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، امام مالک، امام شافعی کا قول یہ ہے کہ اس کا سکنیٰ تو مرد کے ذمہ ہے لیکن نفقہ اس

سکنیٰ لازم نہیں۔

تیسرا گروہ جن کے سرخیل امام حسن بصری اور عطاء ہیں ان کے نزدیک ایسی عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ نہیں۔

احادیث صحیحہ سے پہلے مسلک کی ہی تائید ہوتی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا المطلقۃ ثلاثا لها السکنیٰ والنفقۃ (دار قطنی) جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں عدت کے دوران اس کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہوگا۔ اس سے بھی زیادہ صحیح اور قوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ ارشاد ہے جو حضرت فاروق اعظم سے مروی ہے۔ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لها السکنیٰ والنفقۃ۔ حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کو سکنیٰ اور نفقہ مہیا کیا جائے گا۔

ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ ہمیں غور کرنا چاہیے کہ جن عورتوں کو عدت میں نفقہ دیا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ کیا اس لیے کہ وہ حاملہ ہیں؟ ایسا تو نہیں کیونکہ مطلقہ رجعیہ غیر حاملہ کو سب کے نزدیک نفقہ دیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے کہ بعض مصلحتوں کے پیش نظر وہ عورتیں اپنے سابقہ خاوندوں کے گھروں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اس لیے ان کا نفقہ خاوند پر لازم ہے۔ تو یہ علت مطلقہ مغلظہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس لیے جب نفقہ کی علت موجود ہے تو نفقہ خاوند کو ادا کرنا پڑے گا۔

جن حضرات نے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا انکار کیا ہے یا صرف نفقہ کا انکار کیا ہے وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ کہتی تھیں کہ مجھے خاوند نے طلاق مغلظہ دی تھی اور حضور نے مجھے نہ نفقہ دیا تھا اور نہ سکنیٰ۔ لیکن یہ حدیث ایسی ہے جس پر صحابہ کرام نے عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم کے سامنے جب یہ روایت پیش کی گئی تو آپ نے ان الفاظ سے اس کو رد کر دیا لسنا بتارکی آیۃ فی کتاب اللہ وقول رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقول امراۃ لعلها اوهمت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول لها السکنیٰ والنفقۃ۔

یعنی ہم آیت قرآنی اور فرمان نبوی کو ایک عورت کے قول سے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ شاید وہ کسی وہم میں مبتلا ہوئی ہو۔ میں نے رسول کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مطلقہ مغلظہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ہیں۔

حضرت عائشہ، اسامہ و فاطمہ بنت قیس کے دوسرے شوہر جب وہ یہ حدیث بیان کرتیں تو سخت ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔

البتہ ایک بات ابھی تک تحقیق طلب رہ گئی ہے کہ اگر مطلقہ غیر حاملہ کے لیے بھی نفقہ ہے تو پھر وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن میں حمل کو نفقہ کے لیے بطور شرط کیوں ذکر کیا گیا۔

علامہ جصاص لکھتے ہیں کہ چونکہ حمل کی مدت طویل بھی ہو سکتی ہے۔ خاوند اتنی مدت کے لیے اس عورت کو خرچہ دینے پر خوشی خوشی رضامند نہیں ہوتا جس سے اس کی نفرت کا یہ عالم ہے کہ اس نے اس کو حالت حمل میں طلاق دے دی ہے۔ اس لیے اس آیت میں مزید تاکید فرما دی کہ مدت مختصر ہو یا طویل ہر حالت میں ایام عدت کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔

اس عورت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ حاملہ ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص نے فقہاء کے متعدد اقوال لکھے ہیں جنہیں بالاختصار یہاں نقل کر رہا ہوں۔

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا

کہ وہ جنم دیں بچہ۔ پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہاری خاطر (بچہ کو) تو تم انہیں ان کی اجرت دو ۱ اور (اجرت کے) بارے میں

ا۔ حضرات ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، شریح، ابو العالیہ، شعبی اور ابراہیم رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ شوہر نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس سے اس کو نفقہ ادا کیا جائے گا۔

ب۔ حضرات جابر، ابن زبیر، حسن، ابن المسیب اور عطا رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس کا نفقہ اس کے اپنے ذمہ ہے خاوند کے مال سے اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہ قول بھی منقول ہے۔

۳۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ شوہر کے مال سے جس طرح اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے عورت کا نفقہ بھی ادا کیا جائے گا۔

۴۔ امام مالک کے نزدیک اس کے لیے نفقہ نہیں البتہ سکنیٰ ہے۔

۵۔ امام شافعی سے دو قول مروی ہیں ① اسے نفقہ اور سکنیٰ دونوں دیئے جائیں گے ② نہ اسے نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ۔

۶۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ خاوند کے مال سے نہ نفقہ کا حق رکھتی ہے اور نہ سکنیٰ کا کیونکہ خاوند کی وفات کے بعد اس کا ملک ختم ہو گیا یہ سارا مال اب وارثوں کا ہے۔ عورت بھی اس کی وارث ہے اس لیے اپنے حصہ وراثت سے وہ اپنے اخراجات پورے کرے گی۔

لے جب عدت گزارنے والی حاملہ بچہ جنے گی تو عدت ختم ہو جائے گی۔ اب وہ اپنے پہلے خاوند سے بالکل اجنبی ہو گئی۔ بچہ کو دودھ پلانا اور اس کو پالنا ماں کی نہیں باپ کی ذمہ داری ہے۔ اب تو نکاح کا رشتہ بھی ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے باپ بچے کی ماں کو مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کو ضرور دودھ پلائے۔ ماں کا دل چاہے تو یہ خدمت انجام دے اور دل نہ چاہے تو انکار کر دے۔ البتہ اگر بچہ ماں کے علاوہ کسی اور کا دودھ پیتا ہی نہیں یا کوئی دوسری دودھ پلانے والی ملتی ہی نہیں تو پھر ماں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ضرور دودھ پلائے کیونکہ بچے کے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے۔ اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے تو خاوند پر لازم ہے کہ وہ اسے مناسب معاوضہ ادا کرے۔ اس کا معاوضہ باہمی مشورہ سے طے کیا جا سکتا ہے۔ خاوند کو چاہیے کہ وہ بخل سے کام نہ لے اور اپنی حیثیت کے مطابق فراخ دلی سے معاوضہ ادا کرے۔ اسی طرح ماں کے لیے بھی مستحسن ہے کہ وہ مالی تنگ خاوند کو زیادہ اجرت دینے پر مجبور نہ کرے۔

یہ مسئلہ زیر غور ہے کہ بے شک عورت پر بچے کی رضاعت کی ذمہ داری نہیں لیکن اگر وہ دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے درآں حالیکہ وہ خاوند کے نکاح میں ہے یا ایام عدت گزار رہی ہے تو وہ رضاعت کا معاوضہ طلب نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر عدت گزر چکی ہے تو وہ معاوضہ کی مستحق ہوگی۔

بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ ۚ وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾

آپس میں مشورہ کرلیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کر سکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے ۱۸

لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ

خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق

فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ

تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے ۱۹ اللہ تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔

سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ

عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی عطا کرے گا ۲۰ کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی

۱۸ علامہ ابن منظور تعاسر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب خرید و فروخت کرنے میں بائع اور مشتری کسی بات پر متفق نہ ہو سکیں تو اہل عرب کہتے ہیں تعاسر البیعان. لم یتفقا. اسی طرح میاں بیوی بھی اگر کسی متفقہ فیصلہ پر نہ پہنچیں اور کشمکش باقی رہے تو کہا جاتا ہے تعاسر الزوجان. (لسان العرب) اس تشریح کے مطابق فان تعاسرتم کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر اجرت کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا خاوند کم دینا چاہتا ہے یا ماں زیادہ کا مطالبہ کر رہی ہے تو پھر کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ صاحب قاموس اس لفظ کے یہی معنی لکھتے ہیں. تعسر علی الامر وتعاسر واستعسر اشتد والتوی۔ یعنی جب کوئی کام سخت پیچیدہ ہو جائے اور الجھ جائے تو عرب کہتے ہیں. تعاسر علی الامر۔

مسئلہ: اگر ماں اتنی ہی اجرت کا مطالبہ کرتی ہے جتنا خاوند کسی اجنبیہ کو دے رہا ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

۱۹ باپ کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ اگر وہ خوشحال ہے تو فراخ دلی سے اپنے بچے کی رضاعت کا معاوضہ ادا کرے۔ بخل یا کنجوسی سے کام نہ لے۔ لیکن اگر وہ مفلس ہے تو پھر حسب توفیق جو دے گا وہی کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

۲۰ یعنی اگر کسی وقت غربت اور تنگ دستی کا سامنا کرنا پڑے تو گھبراؤ نہیں بلکہ محنت کرو، صبر کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ تمہیں بہت جلد خوشحال اور متمول کر دے۔

عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا

اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں کے فرمان سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا ۲۱ اور ہم نے

عَذَابًا نُكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا

انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا اور ان کے کام کا انجام

خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي

خسارہ تھا ۲۲ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے سخت عذاب ۲۳ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے

الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَسُولًا

دانشمندو! ۲۴ جو ایمان لائے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول

۲۱ بہت سے ایسے احکام ذکر ہو چکے ہیں جن کا تعلق مسلمانوں کی ازدواجی زندگیوں سے ہے۔ مناسب طور پر ان احکام کی بجا آوری کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ اب بڑے کھلے الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنی پسند اور ناپسند کو احکام الٰہیہ پر مقدم رکھا، اپنی نفسانی خواہشات کو ترجیح دی اور ارشادات الٰہیہ کو پس پشت ڈال دیا تو اس کا انجام بڑا عبرتناک ہوگا۔ ذرا ان قوموں کی تاریخ پڑھو اور ان برباد شدہ شہروں اور بستیوں کی درد بھری داستانیں سنو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے منہ موڑا۔ جنہوں نے تمرد و سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ان سے بڑی شدید باز پرس کی اور ان پر ایسا عذاب نازل کیا جس نے ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۲۲ اس دنیا میں ہی ان کو ان کے کرتوتوں اور بد اعمالیوں کا مزہ چکھا دیا گیا۔ انہوں نے جیتے جی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ سرکشی کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کا انجام کتنا خوفناک تھا۔ وہ تو اپنی عیاریوں اور فریب بازیوں سے بڑی خوش فہمیوں کا شکار بنے بیٹھے تھے لیکن یہ سب ان کی حماقت اور نادانی تھی۔ انجام کار انہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہوا۔ انہیں ایسا خسارہ ہوا جس کی تلافی کی کوئی صورت ہی نہیں۔

۲۳ اس رسوائی اور ذلت سے تو انہیں دنیا میں دوچار ہونا پڑا۔ روز حشر جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے تو اپنے لیے ایسا دردناک عذاب تیار پائیں گے جس کا ابھی وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔

۲۴ اس سرزنش کے بعد اہل خرد کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ الذین امنوا فرما کر اس حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ دانا لوگ وہ نہیں جو علوم و فنون میں ماہر ہوں، بڑے چالباز اور سیاستدان ہوں، بلکہ حقیقی دانشمند تو وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان کا چراغ فروزاں ہے۔

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں ٢٦ تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور

الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ

نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف ٢٧ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل

صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

کرتا ہے ٢٨ تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد

٢٥ ذِکْرًا اور رَسُولًا کا باہمی تعلق کیا ہے؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ رسولاً سے پہلے "و أرسل" مقدر ہے اور ذکر سے مراد قرآن ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف قرآن نازل کیا اور اپنا رسول بھیجا اور علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ذکر سے مراد ہی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور رسولاً اس کا بدل ہے۔ ذکرا هو النبی صلی الله تعالی علیه وسلم عبّر به عنه لمواظبته علیه الصلوٰة والسلام علی تلاوة القرآن الذی هو ذکر او لکونه [illegible]۔

٢٦ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ رسول جو سراپا ذکر ہے تمہاری طرف اس لیے مبعوث فرمایا ہے کہ اہل ایمان کو اور نیک عمل کرنے والوں کو طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور تاباں تک پہنچائیں۔

٢٧ اس سیاق میں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عائلی قانون اور ازدواجی زندگی کے بارے میں ضوابط حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو عطا فرمائے ہیں ان کی برکت سے یہ امت گمراہی کے ان اندھیروں سے نکل کر ہدایت کی روشنی میں پہنچ گئی ہے جن اندھیروں میں ابھی تک اقوام عالم بھٹکتی پھر رہی ہیں۔ آپ کو فرصت ملے تو آپ اسلام کے عائلی قوانین کا دنیا بھر کی اقوام کے جدید و قدیم عائلی قوانین سے موازنہ کریں۔ آپ کو اس قول کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم شرح صدر سے ان قوانین کو اپنائیں جو ہماری بہتری اور بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف نازل کیے ہیں۔

٢٨ یہ بتلانے کے بعد کہ پیارے رسول اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لا رہا ہے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ بڑی مہربانی کا سلوک ہوگا۔ انہیں ان باغات میں بسایا جائے گا جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی ندیاں بہ رہی ہیں۔ وہاں ان کا قیام عارضی نہیں ابدی ہوگا۔ وہاں سے ان کو نکالا نہیں جائے گا۔

أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَ

رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا۔ اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور

مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ

زمین کو بھی انہی کی مانند ۲۸ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان ۲۹ تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿١٢﴾ ع ۲ ۱۸

کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے۔

۲۸ اس سورت کا اختتام اس آیت سے ہو رہا ہے۔ جس میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے سات آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اسی طرح زمین کی بھی تخلیق کی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی شان کبریائی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کی عظمت اور بڑائی پر گواہی دے رہا ہے۔

ومن الارض مثلهن میں مماثلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں:

① آسمان بھی سات پیدا فرمائے اور زمینیں بھی سات پیدا فرمائیں۔

② یعنی جس طرح آسمانوں کی اس نے تخلیق کی ہے اسی طرح زمین کی بھی اس نے تخلیق کی ہے۔ اگر زمینوں کی تعداد بھی سات مان لی جائے تو امام رازی نے کہا ہے کہ سات زمینوں سے مراد وہ سات بر اعظم ہیں جنہیں بہت سے سمندر ایک دوسرے سے جدا کیے ہوئے ہیں، یا سات زمینوں سے مراد سات کرے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

اس مقام پر بعض مفسرین نے حضرت ابن عباس سے ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ نے کہا:

فی کل ارض آدم کآدمکم ونوح کنوح ونبی کنبیکم۔ اس کے متعلق علامہ ابی الحیان اندلسی بحر محیط میں لکھتے ہیں وعن ابن عباس من رواية الواقدی الکذاب وهذا حدیث لا شك فی وضعه۔ یہ قول واقدی نے ابن عباس سے منسوب کیا ہے اور واقدی کذاب ہے اور یہ وہ حدیث ہے جس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

۲۹ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے لاتعلق نہیں ہو گیا بلکہ ہر لحظہ اس کے احکام و اوامر کائنات میں نازل ہو رہے ہیں اور ہر جگہ انہیں کی تعمیل ہو رہی ہے۔ موت و حیات، غنیٰ و فقر، عزت و ذلت، بناؤ اور بگاڑ غرضیکہ جو تغیرات اور انقلابات آپ بلندیوں اور پستیوں میں مشاہدہ کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حسن تدبیر کی جلوہ نمائی ہے۔ ای تجری امر اللہ تعالیٰ وقضاءه وقدره عز وجل بینهن۔ (روح المعانی) اگر تم ان میں غور و فکر کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے۔ اور تمہیں یقین ہو جائے گا کہ اس کا علم کائنات ارضی و سماوی کے ذرہ ذرہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بے شک وہی ذات ہے

اور یہی معبود برحق اور معبود برحق ہونے کے لائق ہے، جس کی قدرت بھی بے پایاں ہے اور جس کا علم بھی بے کراں ہے۔ یہ بت جن کی مشرکین پوجا کرتے ہیں اور انہیں اپنا کارساز حقیقی خیال کرتے ہیں، عاجز ہیں، ان میں کچھ طاقت نہیں، جاہل ہیں، انہیں کسی چیز کی خبر نہیں۔ بھلا ان کو اپنا خدا اور معبود تسلیم کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔

فتبارك الله رب العالمين الذي لا إله إلا هو لا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم
والصلاة والسلام على حبيبنا الأكرم وشفيعنا المعظم سيدنا محمد سيد المرسلين
وإمام المتقين وخاتم النبيين وعلى آله وصحبه أجمعين۔
ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم۔

تعارف

سورۃ التحریم

نام: اس سورت کا نام "التحریم" ہے۔ جو پہلی آیت کے کلمہ "لِمَ تُحَرِّمُ" سے ماخوذ ہے۔ اس کی بارہ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد ۲۴۷ اور حروف کی تعداد ۱۰۶۰ (ایک ہزار ساٹھ) ہے۔

نزول: یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ سال نزول سنہ ۷ھ یا سنہ ۸ھ ہے کیونکہ حضرت حاطب سات ہجری میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت نامہ لے کر مقوقس والی اسکندریہ کے پاس گئے۔ اس نے ماریہ قبطیہ اور ایک مصری خاتون سیرین نامی کو بطور ہدیہ حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ماریہ کو شرف زوجیت بخشا۔ انکے بطن سے سنہ ۸ھ کے آخری ماہ میں حضرت ابراہیم تولد ہوئے کیونکہ اس سورت کا اس واقعہ سے بھی تعلق ہے اس لیے سنہ نزول سنہ ۷ھ یا سنہ ۸ھ ہی بنتا ہے۔

مضامین: (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر ایک حلال چیز سے اجتناب کرنے کی قسم کھالی (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) اگر وہ پابندی برقرار رہتی تو حضور کو تکلیف ہوتی۔ نیز امت کے لوگ ایسا کرنے کو سنت نبوی سمجھ لیتے اور اپنے اوپر ناروا پابندیاں عائد کرنے کو اعمال صالحہ میں شمار کرنے لگتے۔ اسی طرح اسلامی معاشرہ رفتہ رفتہ خود پیدا کردہ مشکلات اور محرومیوں کے دلدل میں پھنس کر رہ جاتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ قسم کا کفارہ ادا کر دیں اور اس پابندی سے رستگاری حاصل کریں۔ آپ کی اور آپ کی امت کی تکلیف اور مشقت رحمت الٰہی کو گوارا نہیں۔

یہاں تحریم سے مراد شرعی تحریم نہیں کہ کسی حلال چیز کو انسان حرام اعتقاد کرنے لگے بلکہ کسی چیز کے استعمال سے اجتناب احتراز مراد ہے۔ تفصیل آیت کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۲) ازواج مطہرات کے دلوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جو بے پناہ محبت تھی وہ بعض اوقات رقابت کے جذبہ کو مہمیز کا دیتی اور ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی جو حضور کے لیے خاصی پریشان کن ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ازواج مطہرات کی تادیب فرمائی کہ وہ آئندہ ایسی کوئی حرکت نہ کریں جو حضور کے خاطر عاطر پر بار ہو۔ خواہ اس کا محرک تمہارا والہانہ جذبۂ محبت ہی کیوں نہ ہو۔ تمہاری محبت کو خود سر نہیں ہونا چاہیے بلکہ رضائے حبیب کا حلقہ بگوش ہونا چاہیے۔ تمہارے جذبات شوق کے تقاضے کچھ ہوں انہیں ہر حال میں میرے نبی کی پسند اور ناپسند کا پابند ہونا چاہیے۔

(۳) ایک زوجہ محترمہ افشاء راز کر بیٹھیں۔ انہیں سرزنش فرمادی۔ اس سے امت کی خواتین کو بھی سبق مل گیا کہ وہ بھی اپنے

شوہروں کے رازوں کو محفوظ رکھا کریں ورنہ ان کی معمولی سی غفلت ان کے لیے، ان کے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گھر والیوں کی اصلاح کے بعد اب غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ خود بھی دوزخ کا ایندھن بننے سے بچیں اور اپنے اہل وعیال کی بھی ایسی صحیح تربیت کریں کہ وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ گویا ماں باپ پر فرض کر دیا کہ وہ اپنے بچوں کے اخلاق کی کڑی نگرانی کریں۔

(۵) انسانوں سے گناہوں اور خطاؤں کا صدور ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے توبۃً نصوحاً یعنی خالص توبہ کرنے کی تلقین فرمائی تاکہ ہمارا دامنِ عمل ان بدنما داغوں سے پاک ہو جائے۔

(۶) آخر میں دو مثالیں ذکر فرمائیں، ایک کفار کے لیے اور ایک اہل ایمان کے لیے، تاکہ دونوں گروہوں کو اپنی حیثیت کا پورا علم ہو جائے۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔ ایمان اور محبتِ الٰہی کمزور سے کمزور انسان کو کس طرح ناقابلِ تسخیر بنا دیتی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لیے حضرت آسیہ کا تذکرہ فرمایا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی پاکدامنی کا ذکر کر کے مسلم خواتین کو ترغیب دلائی کہ وہ بھی اپنے گوہرِ عصمت کی حفاظت کریں۔ اسے کسی قیمت پر بے آب نہ ہونے دیں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے انہیں بھی کسی نیک بخت اور نامور فرزند کی ماں بننے کا شرف بخش دے۔

سُوۡرَةُ التَّحۡرِيۡمِ مَدَنِيَّةٌ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اِثۡنَتَا عَشۡرَةَ اٰيَةً وَّفِيۡهَا رُكُوۡعَانِ

سورۃ التحریم مدنی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی آیات ۱۲ رکوع ۲

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِىۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ؕ

اے نبی مکرم! آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے کیا آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ ۱

۱۔ اس سے پہلی سورت میں اہل ایمان کی ازدواجی زندگی سے متعلق احکام وہدایات کا ذکر ہوا۔ اس سورت میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی کے کچھ حالات بیان ہوئے ہیں تاکہ امت اپنے نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کر سکے۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں دو روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ پہلے میں اس روایت کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جسے امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی صحیحین میں نقل کیا ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ نماز عصر کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور تھوڑا تھوڑا وقت ہر رفیقۂ حیات کے پاس تشریف رکھتے۔ ایک دفعہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے شہد تحفۃً بھیجا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب ان کے کاشانۂ اقدس میں رونق افروز ہوتے تو وہ بڑے اہتمام سے شہد پیش کرتیں۔ حضور کو طبعی طور پر شہد بہت پسند تھا۔ اس لیے شوق سے نوش فرماتے۔ اس طرح حضرت زینب کے ہاں معمول سے زیادہ قیام ہوتا۔ حضرت زینب کی اس سعادت کی وجہ تھی انہیں اللہ کے محبوب اور اپنے سرتاج کے رخ زیبا کے دیدار کا موقع زیادہ ملتا۔ لیکن دوسری امہات المومنین کے حصے سے پہلے وقت صرف ہوتے۔ ان کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی۔ محبت جتنی زیادہ ہوتی ہے رقابت کا جذبہ اتنا ہی قوی ہوتا ہے۔ آخر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ضبط نہ ہو سکا۔ انہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت زینب کے پاس سے فارغ ہو کر ان میں سے جس کے ہاں آئیں وہ یہ کہے کہ حضور! آپ کے دہن مبارک سے مغافیر کی بو آرہی ہے کیا حضور نے مغافیر تناول فرمایا ہے۔ (مغافیر عرفط درخت کی گوند کو کہتے ہیں جس میں خفیف سی ناگوار بو ہوتی ہے) انہیں علم تھا کہ حضور اپنی نفاست مزاج کے باعث بدبو کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا میں نے مغافیر تو نہیں کھایا۔ البتہ زینب کے ہاں شہد نوش کیا ہے۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهٗ فَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِیْ بِذٰلِكِ اَحَدًا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف ممالک کے سربراہوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت نامے بھیجے تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کا گرامی نامہ لے کر اسکندریہ کے والی مقوقس کے پاس گئے اس نے قاصد کی بڑی تکریم کی اور جب وہ واپس روانہ ہونے لگے تو مقوقس نے ایک عریضہ بھی حضور کی خدمت میں ارسال کیا اور دو اعلیٰ خاندان کی لڑکیاں بھی بھیجیں جن میں سے ایک کا نام سیرین اور دوسری کا نام ماریہ (MARY) تھا۔ حضرت حاطب کی تبلیغ و تلقین سے دونوں

نے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے سیرین نامی لڑکی حضرت حسان ؓ بن ثابت کو مرحمت فرما دی اور ماریہ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت کا شرف بخشا۔ انہیں کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ میں حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے جو بعد میں ۱۸ ماہ کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ ایک روز ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری تھی۔ حضورؐ سے اجازت لے کر وہ اپنے والد محترم سے ملنے چلی گئیں۔ وہیں حضرت ماریہؓ آ گئیں اور تخلیہ میں حضورؐ کے ساتھ رہیں۔ باہر کا دروازہ بند تھا۔ حضرت حفصہؓ بھی واپس آ گئیں اور باہر بیٹھی انتظار کرنے لگیں۔ جب حضورؐ نے دروازہ کھولا اور حضرت حفصہؓ نے ماریہؓ کو اپنے حجرے میں دیکھا تو انہیں سخت ناگوار گزرا اور یوں شکوہ کرنے لگیں۔ میری باری، میرا حجرہ، میرا بستر اور ماریہ۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے حقیر سمجھتے ہیں اس لیے آپ نے ایسا کیا۔ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جاں نثار زوجہ کی خفگی اور پریشانی برداشت نہ کر سکے اور قسم کھائی کہ آئندہ ماریہ سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے اور حضرت حفصہ کو تاکید فرمائی کہ وہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔

واقعے یہ دو ہیں لیکن روایات میں بڑا اختلاف اور تعارض ہے کہیں کسی کا نام ہے کہیں کسی کا۔ اس لیے ان واقعات کی مختلف روایتیں نقل کرنے کے بعد امام ابن جریر طبری اپنی تفسیر میں اپنی رائے ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں:

والصواب من القول في ذلك ان يقال ان الذي حرمه النبي صلى الله عليه وسلم على نفسه شيئ كان الله قد احله له۔ یعنی میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اوپر ایک ایسی چیز کو حرام کر دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا تھا۔

قال الامام النووي في شرح مسلم الصحيح ان الآية في قصة العسل لا في قصة ماريه المروية في غير الصحيحين ولم تأت قصة ماريه في طريق صحيح۔ صحیح مسلم کی شرح میں امام نووی کہتے ہیں کہ درست بات یہ ہے کہ آیت شہد کے قصہ میں نازل ہوئی اور ماریہؓ کے واقعہ میں نازل نہیں ہوئی جیسا غیر صحیحین میں مذکور ہے اور ماریہ کا واقعہ کسی صحیح سند سے مروی نہیں۔

یہ آپ سن چکے۔ آیئے اب کلمات طیبہ میں غور و فکر کریں۔

زمخشری معتزلی اور اس کے پیروکاروں نے یہاں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں اور ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن عصمت پر حرف آتا ہے۔ آپ علماء اہل سنت کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حق فہمی اور محبت مصطفوی کی دولت فراواں سے مالا مال فرمایا ہے۔

علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر "البحر المحیط" میں تحریر فرماتے ہیں۔ یا ایھا النبی نداء اقبال وتشریف یعنی اللہ تعالیٰ نے یا ایھا النبی سے خطاب فرما کر اپنے حبیب کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے اور شرف نداء سے سرفراز فرمایا ہے۔ لم تحرم سؤال تلطف۔ یعنی ازراہ لطف و محبت دریافت کیا ہے کہ اے حبیب! آپ نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا قرینہ یہ ہے کہ پہلے بڑے احترام سے خطاب فرمایا پھر سوال کیا۔ جس طرح عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ میں ہے۔ پھر فرماتے ہیں تحریم سے مراد تحریم شرعی نہیں یعنی جس طرح وحی الٰہی سے کسی چیز کو جو پہلے حلال تھی حرام کر دیا جاتا ہے اور اس کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہ حرام ہے۔ بلکہ یہاں تحریم سے مراد امتناع ہے یعنی کسی چیز کے استعمال سے رک جانا۔ جیسے کوئی شخص کسی حلال اور مباح چیز کے استعمال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھتا ہے اور کہتا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ

اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے ۲ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لیے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ)

امتناع کسی کی دلجوئی کے لیے ہوتا ہے جس کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں کہ ہم زمخشری کی عبارت نقل کرنے سے دانستہ گریز کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ایسی باتیں لکھی ہیں جو منصب نبوت کے لائق نہیں۔

علامہ آلوسی نے بھی تحریم کا مفہوم امتناع ہی بیان کیا ہے۔ والمراد بالتحریم الامتناع (روح المعانی) مطلب یہ ہے کہ آپ ایک حلال چیز کو استعمال کرنے سے کیوں اجتناب کرتے ہیں۔

۲ علامہ سید آلوسی اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فیہ تعظیم لشانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان ترک الاولیٰ بالنسبۃ الی مقامہ السامی الکریم یعد کالذنب وان لم یکن فی نفسہ کذلک۔ یعنی اگرچہ آپ نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا زیادہ سے زیادہ اولیٰ کا ترک ہوا لیکن آپ کے حال اور کریم مقام کے لیے یہ بھی مناسب نہ تھا لیکن ہم غفور ہیں ہم نے معاف کر دیا۔ مزید فرماتے ہیں کہ آیت میں جو عتاب ہے وہ کسی ناراضگی کی وجہ سے نہیں بلکہ مزید اعتنا کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ادا کا خیال ہے۔ اسے یہ گوارا نہیں کہ آپ منصب نبوت پر اولیٰ سے فروتر رہیں۔ زمخشری کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا قدم حسب عادت یہاں بھی پھسل گیا ہے۔ اس نے تحریم سے مراد شرعی تحریم لی ہے جو گناہ ہے اور غفور رحیم سے اس گناہ کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔ آلوسی لکھتے ہیں کہ ابن منیر نے یہاں زمخشری کے خوب بخیے ادھیڑے ہیں۔ وما ملخصہ ان ما اطلقہ فی حقہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تقوّل وافتراء والنبی علیہ الصلوٰۃ والسلام منہ براء۔ ابن منیر کی تنقید کا ماحصل یہ ہے کہ زمخشری نے حضور کے حق میں جو کچھ کہا ہے وہ اس کا اپنا گھڑا ہوا افترا ہے اور حضور کی ذات اقدس اس سے بری ہے۔ کیونکہ حلال کی تحریم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی حلال چیز کو حرام اعتقاد کر لیا جائے۔ یہ ممنوع ہے بلکہ کفر ہے اور نبی معصوم سے اس کا صدور ممکن نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ حلال کو حلال ہی سمجھا جائے لیکن اس کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ ایسا کرنا مباح اور حلال ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تحریم کی یہی صورت تھی۔ وانما عاتبہ اللہ تعالیٰ علیہ رفقاً بہ وتنویہاً بقدرہ واجلالاً لمنصبہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان یراعی مرضاۃ ازواجہ بما یشق علیہ جریاً علی ما الف من لطف اللہ تعالیٰ بہ۔ ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کے عتاب کی وجہ یہ ہے کہ حضور نے اپنی ازواج کی خوشنودی کے لیے اپنے اوپر پابندی عائد کی جس سے حضور کو تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ہرگز گوارا نہیں کہ اس کے محبوب کو تکلیف پہنچے۔ اس لیے فرمایا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ کو اپنی ازواج کی خوشنودی مطلوب ہے تو مجھے آپ کا آرام اور آپ کی راحت مرغوب ہے۔ ایسی ناروا پابندیوں کی اجازت میں آپ کو کیونکر دے سکتا ہوں۔

یہاں اس امر کو ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یورپ کے کئی متعصب مستشرقین نے حضرت ماریہ قبطیہ کے واقعہ کی آڑ لے کر شان رسالت میں بڑی گستاخیاں کی ہیں اور ان کی تحریروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام سے ان کی عداوت

وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى

اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے ۳ اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ اور جب راز داری سے فرمائی تھی ایک بات نبی کریم نے

نے ان کو اندھا اور بہرہ کر دیا ہے۔ نہ صدائے حق کو وہ سن سکتے ہیں اور نہ نور حق انہیں دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ماریہ کوئی اجنبی عورت نہ تھیں جن سے خلوت شرع اور عقل کی نظر میں حرام ہوتی۔ وہ حضور کی ازواج مطہرات میں سے ایک تھیں۔ مقوقس والی اسکندریہ نے انہیں حضور کی خدمت میں بھیجا تھا۔ حضور نے انہیں آزاد فرمایا اور اپنی زوجیت کا شرف بخشا تھا۔ خاوند کا اپنی بیوی سے خلوت کرنا کسی قانون، کسی شریعت اور کسی نظام حیات میں قبیح نہیں۔ اس کو غلط رنگ میں پیش کرنا علم اور دیانت کا منہ چڑانا ہے اور اس کے ساتھ اپنی تنگ نظری پر مہر ثبت کرنا ہے۔ یہ اور یک نے لوگ تھے جن کے دلوں میں اسلام کے متعلق گوناگوں عداوتیں تھیں لیکن تعجب بلکہ ندامت اس وقت ہوتی ہے جبکہ کئی مدعیان علم منبروں پر کھڑے ہو کر اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے شان رسالت کا پہلو نکالتے ہیں۔ کبھی حضور کے فقدان علم پر انگشت نمائی کی جاتی ہے۔ یہ دیکھو فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ کبھی حضور کی شان کا انکار کیا جاتا ہے یہ دیکھو حضور حلال کو حرام نہیں کر سکتے معلوم ہوا کہ حضور کو کوئی اختیار نہیں۔ اپنی امت کا تو کیا اپنے غلاموں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کج فہمی سے بچائے۔ وہ اتنا بھی نہیں جانتے یا جانتے ہیں تو دانستہ اغماض کرتے ہیں کہ اللہ کا رسول اس لیے مبعوث نہیں کیا جاتا کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو از خود حرام کرے۔ یہ منصب ہے بلکہ کفر ہے۔ یہاں تحریم سے مراد کسی حلال چیز کو حلال اعتقاد کرتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا ہے۔ جس کی تفصیل آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اور شہد کو حرام کرنا اس لیے نہیں کہ آپ کو علم نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ تو قرآن کریم نے بتا دی تبتغی مرضات ازواجک کہ آپ اپنی ازواج مطہرات کی دلجوئی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی وجہ کو پس پشت ڈال کر اپنی طرف سے عدم علم کو اس کا سبب قرار دینا ایک مومن کو تو ہرگز زیب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ جب حق فہمی کی صلاحیت سلب کر لیتا ہے تو اسی قسم کے دلخراش الفاظ انسان کی زبان سے نکلتے ہیں۔ اللھم انا نعوذ بک من سخطک و سخط نبیک الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳ تَحِلَّةَ کا وزن تفعلۃ ہے۔ یہ باب تفعیل کا دوسرا مصدر ہے جیسے کَرَّمَ سے تکریم اور تکرمۃ۔ تحلّل سے تحلیل اور تحلۃ دونوں وزن آتے ہیں۔ یہ بھی حَلَّلَ تحلیلاً کا دوسرا مصدر ہے۔ علامہ راغب نے قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم کا یہ معنی لکھا ہے ای بین ما تنحل بہ عقدۃ ایمانکم من الکفارۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے وہ چیز بیان کر دی جس سے تمہاری قسموں کی گرہ کھل جاتی ہے یعنی کفارہ یعنی قسم کا کفارہ۔ گویا تم نے قسم کھا کر جو گرہ ڈال لی تھی اس کے کھولنے کا طریقہ تمہیں بتا دیا کہ کفارہ ادا کرو اور پابندی سے آزاد ہو جاؤ۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو یہ کہتا ہے کہ میں نے تجھے حرام کیا تو اس پر کیا اثر مرتب ہوگا؟ اس میں فقہاء کے متعدد اقوال ہیں۔ میں یہاں صرف حضرت امام اعظم کا قول نقل کروں گا۔

علامہ ابوبکر جصاص احکام القرآن میں رقمطراز ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حرام کہتا ہے تو وہ قسم ہوگی گویا اس نے یوں کہا واللہ لا اقربک یعنی بخدا میں تمہارے قریب نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں وہ مولی ہوگا۔ اور اگر اس نے یہ الفاظ کہے اور طلاق کی نیت کی تو وہ طلاق ہوگی۔ اگر ایک طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی اور اگر تین کی نیت کی تو طلاق مغلظہ۔

بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ

رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی سو جب اس نے وہ دوسری کو راز بتا دیا اور اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ

عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا

ٹ یہ وہ بات کیا تھی جو حضور نے رازداری سے اپنی ایک رفیقہ حیات کو بتائی تھی اور منع فرمایا تھا کہ کسی دوسری سے وہ اس کا ذکر کرے۔ جن علماء نے حدیث عسل کو ان آیات کے نزول کا سبب تسلیم کیا ہے ان کے نزدیک وہ راز یہ تھا کہ حضور نے فرمایا میں پھر نہیں کھاؤں گا اور تم یہ کسی کو نہ بتانا کہ میں نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی ہے۔ اور جن علماء کے نزدیک اس کی شان نزول ماریہ قبطیہ کا واقعہ ہے تو انہوں نے اس راز سے یہ مراد لیا ہے کہ وہ کسی کو نہ بتائیں گی کہ حضور نے ماریہ سے آئندہ مقاربت نہ کرنے کا حلف اٹھایا ہے۔

اگر علامہ ابن جریر کے قول کو ترجیح دی جائے تو کسی راز کے تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہمارے لیے اتنا سمجھنا ہی کافی ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو حضور نے اپنی ایک زوجہ کو بتائی اور تنبیہ تاکید کر دی کہ کسی دوسری کو اس کا پتہ نہ چلے لیکن وہ اس راز کو افشا کر بیٹھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو آگاہ کر دیا کہ آپ کی اہلیہ نے وہ راز فاش کر دیا ہے۔ حضور نے جب اس کو بتایا کہ اس نے یہ راز ظاہر کر دیا ہے تو وہ حیران رہ گئیں اور خیال کیا کہ شاید دوسری بیوی نے بتایا ہوگا۔ پوچھا حضور آپ کو کس نے آگاہ کیا ہے کہ میں نے یہ راز فاش کر دیا؟ حضور نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے خبر دی ہے جو سب کچھ جاننے والا اور ہر راز سے باخبر ہے۔

بعض روایات میں منقول ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت ماریہ کے بارے میں حضرت حفصہ کو ملول اور رنجیدہ پایا تو ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد ابو بکر اور ان کے بعد تمہارے والد عمر خلیفہ ہوں گے۔ یہ وہ راز تھا جو حضرت حفصہ چھپا نہ سکیں اور حضرت عائشہ سے بھی اس کا ذکر کر دیا۔ چند روایات ملاحظہ ہوں:

(۱-۲) اخرج ابن مردویہ عن ابن عباس وابن ابی حاتم عن مجاھد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم أسر الی حفصة تحریم ماریة وان ابا بکر وعمر یلیان الناس بعدہ۔ ترجمہ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے اور حضرت ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رازداری سے یہ بات کہی کہ ماریہ مجھ پر حرام ہے اور میرے بعد ابو بکر و عمر لوگوں کے والی ہوں گے۔

(۳) ابن مردویہ نے متعدد طریقوں سے حضرت سیدنا علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے کہ ان دونوں حضرات نے فرمایا۔ ان امارة ابی بکر وعمر لفی کتاب اللہ۔ واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثا قال لحفصة ابوک وابو عائشة والیا الناس بعدی فایاک ان تخبری احدا۔ ترجمہ: ابو بکر اور عمر کی خلافت تو کتاب اللہ میں موجود ہے۔ واذ اسر النبی الخ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے حضرت حفصہ کو فرمایا کہ تیرا باپ اور عائشہ کا باپ میرے بعد لوگوں کے امیر ہوں گے خبردار! یہ کسی کو نہ بتانا۔

(۴-۵) واخرج ابو نعیم فی فضائل الصحابة عن الضحاک انه قال فی الآیة اسر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الی حفصة

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى

آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم و خبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کر لو تو

اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ

مناسب ہے کیونکہ تمہارے دل (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ آپ

ان الخلیفۃ من بعدی ابوبکر ومن بعد ابی بکر عمر۔

(۲) واخرج ابن ابی حاتم نحوہ، ترجمہ: ابونعیم نے فضائل الصحابہ میں ضحاک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اس آیت کا راز یہ ہے کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے اور ان کے بعد عمر۔

ابن ابی حاتم نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

یہ تو اہل سنت کی کتب کے حوالے تھے۔ شیعہ کے جلیل القدر علماء نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ چنانچہ علامہ طبرسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں زجاج سے روایت کرتے ہیں۔ قال لما حرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ماریۃ القبطیۃ اخبرات بملک من بعدی ابوبکر وعمر فعرفہا بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابابکر وعمر یملکان من بعدی وقریبا من ذلک ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ ابن العطاء المکی عن ابی جعفر الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ترجمہ: جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماریہ قبطیہ کو حرام کیا تو یہ بھی بتایا کہ آپ کے بعد ابوبکر اور عمر والی ہوں گے اور اسی کے ہم معنی وہ روایت بھی ہے جو عیاشی نے عبد اللہ ابن العطاء کے واسطے سے حضرت امام باقر سے روایت کی ہے۔

یہاں ایک بات توجہ طلب ہے۔

قرآن کریم میں صراحت سے اس راز کو بیان نہیں کیا گیا لیکن راز کے افشا ہونے اور اس پر افشا کرنے والی کو سرزنش کی تفصیل مذکور موجود ہے۔ اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے اہل خانہ سے راز کی بات کہنا درست ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس کو رازدار بنایا جائے وہ اس راز کی پوری پوری نگہداشت کرے۔ خصوصاً ان لوگوں کے اہل خانہ جو اہم ملکی اور ملی امانت کی نگہداشت کے لیے مقرر ہیں۔ اگر ان کی بیویاں یا دوسرے مقرب ان کے رازوں کی حفاظت نہیں کریں گے بلکہ افشا کر دیا کریں گے تو دشمن ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا سکتا ہے اور انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ے تتوبا کا فاعل حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب حضرت فاروق اعظمؓ سے اس آیت کا مصداق پوچھا تو آپ نے ان ہی دو کا نام لیا۔ توبہ کی وجہ بتا دی فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ صغی کا معنی ہے مائل ہو جانا، جھک جانا۔ جب ستارے ڈوبنے لگتے ہیں تو عرب کہتے ہیں۔ صغت النجوم۔ آیت کا مطلب ہوگا کہ تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں۔ کس طرف مائل ہو گئے ہیں؟ اس کی تشریح علامہ آلوسی نے یوں بیان کی ہے۔ مالت عن الواجب من مخالفتہ ﷺ بحب ما یحبہ وکراھۃ ما

مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ

کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے

ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا

والے ہیں کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرمائے جو بہتر ہوں

یکرہ فالی مخالفتہ۔ تم پر واجب تو یہ تھا کہ ہر بات میں حضور کی موافقت کرتیں۔ جو چیز حضور کو پسند ہوتی تم بھی اس کو پسند کرتیں اور جو چیز حضور کو ناپسند ہوتی تم بھی اسے ناپسند کرتیں لیکن تم نے ایسا نہ کیا۔ تمہارے لیے یہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ اس لیے اس فروگزاشت سے جتنی جلدی توبہ کر لو گی تمہارے لیے اتنا ہی بہتر ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں زاغت (جس کا معنی ٹیڑھا ہو جانا کج ہونا ہے) کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ صغت کا لفظ استعمال کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل کج ہو گئے ہیں یا ٹیڑھے ہو گئے ہیں یا سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں یا کسی طرح مناسب نہیں۔

ش یہ تظاہر باب تفاعل کا صیغہ ہے۔ اصل تتظاھرا ہے۔ ایک تا کو حذف کر دیا تظاھرا ہو گیا۔ اس کا معنی ہے تعاونا یعنی ایک دوسرے کی اعانت کرنا، پشت پناہی کرنا۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے میرے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانے پر اتفاق کر لیا تو تم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گی کیونکہ آپ کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، فرشتوں کا سردار جبریل اور نیک بخت اہل ایمان آپ کے مددگار ہیں۔ ان کے علاوہ فرشتوں کے غول کے غول آپ کی اعانت کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ جس کی مدد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہو جس کی نصرت و تائید کرنے والے ایسے جلیل القدر لوگ ہوں اسے بھلا کوئی ضرر کیونکر پہنچا سکتا ہے۔ یہاں مولیٰ کا معنی ناصر ہے اور تمام کے لیے یہی معنی درست ہے ولا مانع من ان یکون المولیٰ بالجمیع بمعنی الناصر لا یخفی (روح المعانی) یعنی اللہ تعالیٰ بھی حضور کا مددگار ہے، جبریل اور صالح المؤمنین بھی حضور کے مددگار ہیں۔ صالح بظاہر واحد ہے لیکن اس سے مراد جنس ہے جس کا قلیل اور کثیر سب پر اطلاق ہوتا ہے۔ بعض کا یہ قول ہے کہ اصل میں صالحون جمع تھا اضافت کی وجہ سے نون گر گیا۔ صالحوا المؤمنین ہو گیا لیکن یہاں واؤ کا تلفظ نہیں کیا جاتا اس لیے کاتبان قرآن نے واؤ کی کتابت بھی ترک کر دی اور صالح المؤمنین لکھنے پر اکتفا کیا۔ اس قسم کے شواہد قرآن کریم میں بکثرت موجود ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱ میں ویدع الانسان لکھا ہے۔ اصل میں ویدعو ہے لیکن چونکہ واؤ کا تلفظ نہیں اس لیے کتابت بھی ترک کر دی گئی۔

ش صاحب تاج العروس لکھتے ہیں ظہیر کا معنی ہے المعین الواحد والجمع فیہ سواء وانما لم یجمع ظہیر لان فعیلا و فعولا قد یستوی فیہما المذکر والمؤنث والجمع کما قال عزوجل انا رسول رب العالمین ـــــ والملئکۃ بعد ذلک ظہیر (تاج العروس) یعنی ظہیر بروزن فعیل اس کا معنی ہے مددگار۔ واحد اور جمع کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ظہیر کو جمع ذکر نہیں کیا کیونکہ فعیل اور فعول کبھی کبھی مذکر اور مؤنث اور جمع سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں جیسے انا رسول رب العالمین، رسول تثنیہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ کہنے والے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام ہیں لیکن رسول کا وزن فعول ہونے کی وجہ سے تثنیہ پر بھی دلالت کرتا ہے اور ظہیر فعیل

مِّنكُنَّ مُسْلِمَاتٍ مُّؤْمِنَاتٍ قَانِتَاتٍ تَائِبَاتٍ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ

بہتر ہوں گی تم سے، پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار،

ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ

بیوہ بھی ہوں گی اور کنواریاں بھی ۵ اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو

نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ

اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے ۶ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں

کے وزن کے باعث جمع پر بھی دلالت کرتا ہے۔

۵ ازواج مطہرات کو تادیب کی جا رہی ہے کہ بے شک تمہاری بڑی شان ہے تم معزز خاندانوں کی چشم و چراغ ہو لیکن اگر تم نے میرے نبی کریم کی خوشنودی حاصل نہ کی اور تمہاری کسی غلطی سے ناراض ہو کر آپ نے تمہیں اپنے شرف زوجیت سے محروم کر دیا تو انہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ ہم ان کی زوجیت کے لیے ایسی بیبیاں فراہم کر دیں گے جو تم سے بہتر ہوں گی اور ان تمام خوبیوں سے بدرجہ اتم موصوف ہوں گی جن کا نبی آخر الزمان کی ازواج مطہرات میں پایا جانا ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ کے معانی تو واضح ہیں۔ سائحات کا معنی عام طور پر صائمات کیا جاتا ہے یعنی روزہ رکھنے والیاں۔ لیکن اس کا دوسرا معنی مہاجرات بھی کیا گیا ہے کیونکہ سائح سیاحت سے ہے اور اسلام میں سیاحت صرف ہجرت ہی ہے۔ قال ابن زید لیس فی الاسلام سیاحۃ الا الھجرۃ۔

ثَیِّبَۃ: اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پہلے شادی ہو چکی ہو اور بعد میں اسے طلاق دے دی گئی ہو یا اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔

۶ اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں۔ لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے۔ حضرت عمر کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ نقی انفسنا فکیف لنا باھلینا۔ اے اللہ کے رسول اپنے آپ کو تو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آگیا۔ ہم اپنے اہل و عیال کو کیونکر دوزخ سے بچا سکتے ہیں۔ فقال تنھونھم عما نھاکم اللہ وتامرونھم بما امر اللہ۔ فرمایا تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجا لانے کا اس نے حکم دیا ہے تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجا لائیں۔

مقاتل کہتے ہیں ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی اولاد کو، اپنی بیوی اور اپنے غلام کو عذاب جہنم سے بچانے کی کوشش کرے۔ علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے۔ وعلینا تعلیم اولادنا واھلینا الدین والخیر وما لا یستغنی عنہ من الادب یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں، اچھائی سکھائیں اور وہ ادب جس کے بغیر چارہ نہیں اس کی تعلیم دیں۔

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے ۝ اے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے حق الولد علی الوالد ان یحسن اسمہ ویعلمہ الکتابۃ ویزوجہ اذا بلغ یعنی باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے۔ جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے۔

دوسرا فرمان نبوی ہے ما نحل والد ولدا افضل من ادب حسن کسی باپ نے اپنے بچے کو حسن ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔

دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو جانا چاہیے۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے تا دم واپسیں وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عمر بھر راہ حق سے بھٹکتی رہا کرتی ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا۔ مُرُوا ابناءکم بالصلوٰۃ لسبع واضربوھم لعشر وفرقوا بینھم فی المضاجع۔ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر پڑھاؤ اور اسی عمر میں ان کی خوابگاہیں جدا کر دو۔

کاش ہم اس فرمان خداوندی اور ان ارشادات نبوی کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ رہے۔ آج جبکہ ہمارے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم و تربیت کا کوئی موثر اور معقول اہتمام نہیں بلکہ یہ درسگاہیں لادینی لٹریچر اور طرح طرح کی برائیوں کے اڈے بن گئی ہیں، جب معاشرہ کی روش تیزی سے بدل رہی ہے جو کسی نازیبا حرکت پر آتش زیر پا ہو جایا کرتی تھی اور ایسا کرنے والے کے خلاف احتجاج کی ایک تیز و تند لہر ابھرتی تھی آج جب سینما اور ٹی وی کے مخرب اخلاق پروگرام دن رات ہماری نسل کو بے حیائی اور بداخلاقی کے سیلاب میں بہا لیے جا رہے ہیں اس وجہ سے اب ماں باپ کی ذمہ داریاں دوچند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں۔ اور اس سے بھی اہم یہ کہ اپنے حسن عمل اور اچھے نمونہ سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کر دیں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث الحاد کی بچھڑی ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا صحن بھی مسخر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

[1] اس آگ پر فرشتوں کو بطور داروغہ مقرر کیا گیا ہے۔ وہ فرشتے بڑے تند خو اور سخت مزاج ہیں کسی کی گریہ وزاری ان کے دل کو متاثر نہیں کر سکتی۔ وہ بڑے قوی اور توانا ہیں۔ کوئی ان کی گرفت سے بھاگ نہیں سکتا۔ ان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا ہے، نہایت مستعدی سے تعمیل حکم میں سرگرم رہتے ہیں، یہ مجال نہیں کہ وہ اللہ کی نافرمانی کر سکیں۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۷

کفــــارو! آج بہانے نہ بناؤ ۱۱ تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ

اے ایمــــان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو ۱۲ امید ہے تمہارا رب

۱۱ اے کفار! قیامت کے دن بہانہ سازی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور معذرت پیش کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس دن تمہیں ان کرتوتوں کی سزا مل کر رہے گی جو منع کرنے کے باوجود تم کرتے رہے اور کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت کو تم نے قبول نہ کیا بلکہ ان کے درپے آزار رہے۔

۱۲ اس آیت میں اہل ایمان کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر اس سے پہلے جہالت، کم فہمی یا بشری کمزوری کی وجہ سے تم سے غلطیاں سرزد ہوتی رہی ہیں اور وقت ضائع کرتے رہے، تو اب اللہ تعالیٰ کے حضور میں صدق دل سے توبہ کرو تاکہ تمہارا رحیم و کریم خدا تمہارے گناہوں کے بدنما داغوں کو اپنے دامن کرم میں یوں چھپا لے کہ کسی کو ان کا اتہ پتہ بھی معلوم نہ ہو سکے۔ روز محشر فرشتے بھی تمہارے نامہ اعمال سے کوئی ایسی چیز پیش نہ کر سکیں جو تمہاری رسوائی کا باعث بنے۔ توبہ کرنے کے ساتھ توبہ کی قسم بھی بتلا دی۔ فرمایا توبہ کرو تو توبۃ نصوحا کرو۔

توبۃ نصوحا کی تشریح میں علماء کرام کے کم و بیش بیس تیس اقوال منقول ہیں ان میں سے چند پیش خدمت ہیں اور آپ کے لیے انہیں کفایت ہے۔

(۱) وہ شہد جس کو موم اور دیگر آلائشوں سے پاک کر دیا گیا ہو اسے عسل ناصح (شہد خالص) کہتے ہیں۔ اگر نصوحا اس سے ماخوذ ہو تو مقصد یہ ہوگا کہ تمہاری توبہ نفاق، ریا اور دیگر باطل کی آلائشوں سے پاک ہونی چاہیے۔

(۲) پھٹے ہوئے کپڑے کو سوئی کی سلائی سے رفو کرنا نصاحۃ الثوب کہلاتا ہے۔ اگر نصوحا کا یہ ماخذ ہو تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح گناہوں سے تم نے اپنے ایمان کا لباس تار تار کر دیا ہے اور اپنے تقویٰ کے پیرہن میں چاک ڈال دیئے ہیں اب ایسی توبہ کرو کہ وہ چاک رفو ہو جائیں اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہے۔

(۳) نصوحا کی اصل نصیحت ہے۔ اس وقت اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسی توبہ کرو کہ اس کے آثار تم میں نمایاں ہو جائیں۔ تم میں نمودار ہونے والی خوشگوار تبدیلی کو دیکھ کر دوسرے گناہگار بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں اور وہ بھی اپنی غفلت و عصیاں سے تائب ہو کر زندگی کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ یہ تشریح لغوی معانی کے اعتبار سے ہے۔ اب زبان نبوت سے اس کا مفہوم سنیئے:

حضرت معاذ بن جبل نے عرض کیا یا رسول اللہ ما التوبۃ النصوح۔ اے نبی عالم! توبہ نصوح کس کو کہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا

ان یندم العبد علی الذنب الذی اصاب فیعتذر الی اللہ تعالی ثم لا یعود الیہ کما لا یعود اللبن الی الضرع۔ یعنی جو گناہ بندے سے

اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

دور کردے گا تم سے تمہاری برائیاں ۱۳ اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں بہتی ہیں

سے سرزد ہو اس پر نادم اور شرمسار ہو، بارگاہ الٰہی میں مغفرت طلب کرے۔ جس طرح دودھ تھنوں میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتا پھر اس سے یہ گناہ صادر نہ ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں سچی توبہ وہ ہے جس میں تین چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اس گناہ کو ترک کر دے (۲) جو گناہ کر چکا ہے اس پر دل میں ندامت اور شرمندگی محسوس کرے۔ (۳) پختہ عزم کرے کہ پھر یہ گناہ نہیں کرے گا۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک اعرابی کو سنا کہ وہ کہہ رہا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ یا اللہ میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔ فرمایا اے اعرابی! یہ تو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ عرض کیا فرمائیے سچوں کی توبہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس توبہ میں یہ چھ چیزیں پائی جائیں وہ سچوں کی توبہ ہوتی ہے ① جو گناہ پہلے ہو چکے ہیں ان پر ندامت ② جو فرائض ادا نہیں ہوئے ان کی قضا۔ ③ کسی کا حق غصب کیا ہے تو لوٹا دے ④ جس کے ساتھ زیادتی یا جھگڑا کیا ہے اس سے معافی لے لے۔ ⑤ پختہ عزم کرے کہ آئندہ گناہ نہیں کرے گا ⑥ جس طرح پہلے تو نے اپنے نفس کو بدکاریوں سے فربہ کیا ہے اب اطاعت الٰہی میں اس کو گلا دے۔

یہ سچوں کی توبہ ہے یہ کاملین کی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توبہ کی توفیق ارزانی فرمائے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

توبہ چوں باشد پشیماں آمدن — بر در حق نو مسلماں آمدن

خستہ از سر گرفتن باشب بانہ — با حقیقت مدعی گردن باز ہانہ

یاد رہے کہ گناہ ہو جانے پر کسی ندامت یعنی افسوس اس لیے کہ جسم کمزور ہو گیا، صحت تباہ ہو گئی، مال برباد ہو گیا، عزت خاک میں مل گئی اگر کوئی شخص ان وجوہات سے اپنے گناہوں پر نادم ہوتا ہے تو اسے توبہ نہیں کہا جائے گا۔ توبہ اس وقت ہو گی جب اسے اس بات پر ندامت ہو کہ اس نے اپنے رب کریم کی حکم عدولی کی ہے اپنے نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے پروردگار کو ناراض کر دیا ہے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ایسا کر کے اس نے اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہے۔

۱۳ یعنی اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ تمہارے گناہوں کو اپنے دامن کرم سے ڈھانپ لے اور اس طرح ڈھانپ دے کہ ان کا سراغ ہی نہ ملے۔ علامہ راغب اصفہانی کَفَّرَ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں اَلتَّكْفِيْرُ سَتْرُهٗ وَتَغْطِيَتُهٗ حَتّٰى يَصِيْرَ بِمَنْزِلَةِ مَا لَمْ يُعْمَلْ یعنی کسی گناہ کو یوں ڈھانپ دینا اور اس پر ایسا پردہ ڈال دینا کہ وہ ایسا ہو جائے جیسے یہ کیا ہی نہ تھا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ باب تفعیل ہے اور باب تفعیل کبھی مجرد کے معنی کے ازالہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے مَرِضَ کا معنی بیمار ہونا اور مَرَّضَ تمریضًا تیمارداری کرنا، بیماری کو دور کرنا۔ قَذِيَتْ کا معنی ہے آنکھ میں تنکا پڑ جانا۔ قَذَّيْتُهٗ کا معنی ہے تنکا نکال دینا۔ یہاں بھی کَفَّرَ کا معنی اگر یہ لیا جائے کہ کفر یا کفران کا ازالہ کر دیا تو بھی درست ہے۔ تاج العروس میں ازہری کا یہ قول منقول ہے

الْأَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ نُورُهُمْ

نہریں جن کی، اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ۱۲؎ ان کا نور

يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا

ایمان دوڑتا ہو گا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب ۱۳؎ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرما دے

وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ

ہمارے لیے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں، بے شک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اے نبی (مکرم)! جہاد کیجئے کفار اور

اصل الکفر تغطیۃ الشئ تغطیۃ تستھلکہ، کسی چیز کو ایسا ڈھانپ دینا کہ اس کا نام و نشان ہی باقی نہ رہے۔

جوہری فرماتے ہیں کہ اگر ثواب ساقط ہو جائے تو اس کے لیے احباط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور اگر گناہ معاف کر دیے جائیں تو ان کے لیے تکفیر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ التکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب (الصحاح)

۱۲؎ کفار کو اپنی ثروت اور اپنی سرداری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب وہ اہل حق کی غربت اور بے بسی کو دیکھتے تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جس طرح آج ہم معزز اور سرفراز ہیں اور یہ لوگ کمزور اور بے نوا ہیں، بفرض قیامت آ بھی گئی جیسا کہ یہ کہتے ہیں تو وہاں بھی یہی حالات ہوں گے۔ ہماری عزت افزائیاں ہوں گی، ہم پر انعام و اکرام کی بارش ہو گی اور یہ مسلمان اس دن بھی اسی کس مپرسی کے عالم میں ہوں گے۔ اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ قیامت کا دن ہمارے محبوب مکرم اور ان کے غلاموں کی عزت و سرفرازی کا دن ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی شان کو بلند کرے گا۔ مقام محمود پر آپ جلوہ افروز ہوں گے۔ لواء الحمد آپ کے دست مبارک میں ہو گا۔ جملہ انبیاء آپ کے ظل عاطفت میں پناہ لیے ہوں گے اور وہ مسلمان جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ان کی شان بھی نرالی ہو گی۔ بارگاہ الٰہی سے انہیں گرانقدر انعامات بخشے جائیں گے۔ انہیں اذن ملے گا کہ اپنے ماں باپ، بیویوں، بچے بچیوں، بھائی بہنوں اور دوست و احباب کی شفاعت کریں۔ اللہ تعالیٰ اس دن اپنے نبی کو اور اس کے غلاموں کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ یہ کفار کی غلط فہمیاں ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

۱۳؎ اہل ایمان میدان حشر میں بالکل ممتاز ہوں گے۔ ان کے آگے ان کا نور ایمان چمک رہا ہو گا۔ ان کی دائیں جانب بھی روشنی ہی روشنی ہو گی اور دوسرے لوگ اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے ہوں گے۔ مومن عرض کریں گے کہ اے رب! ہمارے نور کو اور تابانی بخش۔ ایسا نہ ہو کہ راستے میں بجھ جائے۔ ابھی جنت کا جو سفر ہمیں درپیش ہے اس میں یہ شمع روشن رہے۔ یہ چراغ جلتا رہے۔ ہمیں بخش دے۔ بے پایاں رحمتوں کے باوجود ان کے عجز و نیاز کا یہ عالم ہو گا۔ اہل حق کی یہی امتیازی شان ہے۔

الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ

منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو ۱۳؎ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ لوٹ کر

الْمَصِيْرُ ﴿٩﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ

آنے کی بہت بری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لیے نوح کی بیوی اور

امْرَاَتَ لُوْطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ

لوط کی بیوی کی مثال ۱۴؎ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں

۱۳؎ حکم ہو رہا ہے کہ اے میرے نبی! کفار و منافقین سے جہاد جاری رکھو۔ کبھی شمشیر و سناں سے، کبھی نوکِ قلم اور قوتِ بیان سے، کبھی میدانِ کارزار میں، کبھی افکار و نظریات کی بزم میں۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ مخالفت کے طوفانوں میں بھی حق کا چراغ روشن رہے۔ تمہاری جانفرسائیاں اور مسلسل قربانیاں باطل کا تعاقب کرتی رہیں۔ تمہاری شدت اور سختی سے کفر پر لرزہ طاری رہے۔ لوگوں کو حلم اور نرمی کی تلقین کی جاتی ہے لیکن حضور کا حلم اور شانِ رحمت اتنی عمیق ہے کہ حضور کو وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ کا حکم دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد دوم سورۂ توبہ آیت ۷۳ کا حاشیہ۔

۱۴؎ مشرکین مکہ کہا کرتے تھے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار اور ہمسائے ہیں۔ ہمیں ایمان لانے اور جان جوکھوں میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر قیامت آ بھی گئی تو حضور ہماری شفاعت کر لیں گے اور کفر کے باوجود ہم بخش دیے جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے یہ مثال دی کہ بیوی کا اپنے خاوند سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق ہوتا ہے۔ دنیوی اعتبار سے دونوں کی خوشی اور غم، دونوں کی راحت اور تکلیف، دونوں کی خوشحالی اور محرومی یکساں ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تعلق بھی اس وقت تک بے معنی ہے جب تک بیوی رشتۂ اسلام میں منسلک نہ ہو۔ یہ سمجھانے کے لیے کسی ولی، کسی عالم، کسی بزرگ کی بیوی کی مثال پیش نہیں کی بلکہ جلیل القدر انبیاء کی بیویوں کی مثال پیش کی ہے۔ ایک حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی اور دوسری حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی۔ ان کے دلوں میں نفاق اور کفر تھا۔ وہ اپنے نامدار شوہروں کی رسالت پر ایمان نہ رکھتی تھیں بلکہ ان کا مذاق اڑاتی تھیں۔ ان کی خیانت کیا تھی؟ یہی اور ان کا دل نور کو نہ پا سکا۔ اس لیے چونکہ وہ کافر تھیں، ایمان سے محروم تھیں، ان کا پیغمبروں کی بیویاں ہونا انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچا سکا اور انہیں دوسرے جہنمیوں کے ساتھ جہنم رسید کر دیا گیا۔ اے کفار مکہ! تم یہ غلط فہمی اپنے دلوں سے نکال دو۔ جب تک تم کفر و شرک سے توبہ کر کے ایمان سے بہرہ ور نہ ہو گے کسی کی شفاعت تمہارے کام نہیں آئے گی۔ بلکہ تمہارے لیے شفاعت کرنے کی کسی کو اجازت ہی نہ ہو گی۔ متعدد مقامات پر تفصیلاً بتایا جا چکا ہے کہ شفاعت مومن گنہگاروں کے لیے ہے۔ کفار و مشرکین اور منافقین کے لیے نہیں۔ بکثرت ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن سے صراحۃً پتہ چلتا ہے کہ حضور سرورِ عالم شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں

فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ

نے ان دونوں سے خیانت کی شلہ پس وہ دونوں نبی ان کے شوہر اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل

مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ

ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ۔ اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لیے فرعون کی بیوی کی مثال

فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ

پیش فرمائی شلہ جب کہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے

گے حضور کی امت کے اولیاء، شہداء اور علماء بھی شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت کو قبول فرمائے گا۔

شلہ یعنی حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔ ان کی خیانت کی نوعیت یہ تھی کہ دل کی کافر تھیں۔ دلوں میں نفاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ حضرت نوح کی بیوی آپ کو مجنوں اور دیوانہ کہتی اور نادانوں کو بہکاتی۔ حضرت لوط کی بیوی آپ کے دشمنوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا تو انہیں اطلاع کر دیتی اور وہ بدبخت دندناتے ہوئے حضرت لوط کے مہمانوں پر دھاوا بول دیتے۔

خیانت سے مراد بدکاری نہیں کیونکہ کسی نبی کی بیوی اس عیب سے ہمیشہ پاک ہوتی ہے۔

شلہ فرعون کی بیوی کا نام آسیہ بنت مزاحم تھا۔ بچپن میں حضرت موسیٰ کا صندوق انہی نے نکلوایا تھا اور حضرت موسیٰ کی پرورش کا اہتمام کیا تھا بعد میں آپ کے معجزات کو دیکھ کر مسلمان ہو گئی تھیں اور ہمیشہ فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کی طرف داری کیا کرتی تھیں۔ آخر فرعون کو پتہ چل گیا کہ آسیہ اسے خدا نہیں تسلیم کرتی اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا چکی ہے اور موسیٰ کے خدا کی پرستار ہو گئی ہے۔ چنانچہ اس ظالم نے آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دیں اور سخت چلچلاتی دھوپ میں ڈال دیا۔ لیکن آپ کی استقامت اور پامردی کا یہ عالم تھا کہ اس وقت بھی مسکرا رہی تھیں۔ فرعون نے جب انہیں مسکراتا دیکھا تو کہنے لگا کہ تو پاگل اور دیوانی ہو گئی ہے۔ اس حالت میں یہ مسکرانا صاف بتاتا ہے کہ تیرا دماغ چل گیا ہے اور حواس کھو بیٹھی ہے۔ الٰہی! میرے لیے اپنے جوار قرب میں ایک محل تیار فرما۔ فرعون سے اور اس کے برے عملوں سے مجھے نجات دے اور اس کی باطل پرستیوں کی نحوست سے مجھے بچا اور اس ظالم قوم سے اپنی پناہ میں لے۔ کتنی مبارک تھی وہ عورت جس نے ایمان کو اپنا سب کچھ سمجھا۔ احادیث میں آیا ہے کہ حضرت آسیہ کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑی گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جنت کے محل کو منکشف کر دیا جس سے ان کی ساری تکلیفیں دور ہو گئیں اور اپنے رب کے اس لطف و کرم کو دیکھ کر وہ مسکرانے لگیں۔ دعا میں عِنْدَكَ کا کلمہ آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ اہل محبت جنت کے طلب گار نہیں ہوتے۔ ان کے جنتی محلات، بہشت کے خوش نما باغات اور آرام و آسائش کی نعمتوں کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں پاتیں۔ وہ تو صرف اپنے محبوب حقیقی کے دیدار کے متمنی ہوا کرتے ہیں۔ وہ جنت جو انہیں کچھ دلدار سے دور کر دے ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتی۔ وہ تو اپنے محبوب کے سائے دیدار پر دونوں جہانوں کی ہزاروں جنتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ عِنْدَكَ: اپنے پاس اپنے قرب بالکل قریب۔ شوق کی یہ بے تابیاں اور جذب کی یہ مستیاں

مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۱ وَمَرْيَمَ

فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور بچالے مجھے اس ستم پیشہ قوم سے ۔ اور دوسری مثال،

ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

مریم دختر عمران کی ہے ۲۰ جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝۱۲ ع ۲

اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی۔

عشق کی سرفروشی کا عنوان یہی ادا ان پہ صداقت بڑی آشنا ہوتے ہیں جن کو محبت کے بادۂ گلفام کا کوئی جام پلایا جاتا ہے۔

حسن کی لذت کشائے نہ پہچانے کرم ۔ عشق کی لذت تب تک ہے جب تک ہے دم

عندک کا معنی کیا گیا ہے فی اعلیٰ درجات المقربین۔ بعض نے عندک کا معنی یہ کیا ہے۔ محض اپنے فضل سے بغیر کسی استحقاق کے مجھ پر کرم فرما۔ دعا میں بیتا فی الجنۃ سے عندک کو مقدم کیا ہے۔ معرفت الٰہی ہے یہاں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

۲۰ آخر میں حضرت مریم دختر عمران علیہا السلام کے ذکر مبارک سے اس سورہ کا اختتام کیا۔ مریم جو ایک پارسا والدین کی بیٹی تھی جنہوں نے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ عمر بھر سب لوگوں سے الگ ایک حجرہ میں ذکر و فکر میں مشغول رہی جس کی نگرانی اللہ کے پیارے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد تھی۔ اسے کنوارے پن میں حاملہ کر دیا گیا۔ یہ ایک کٹھن امتحان تھا۔ ایک کنواری کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے طوفان برپا کر دیا۔ طعن و تشنیع کے تیروں کی ہر طرف سے بارش برسنے لگی۔ لیکن اللہ کی یہ بندی ایک پیکر تسلیم و رضا بنی اپنے رب کی مشیت کو پورا ہوتے دیکھتی رہی۔ ایسی آزمائش میں پورا اترنا مریم کا ہی کام تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب مقدسہ میں اس کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ فرمایا وہ بڑی عفیفہ تھی۔ اس نے اپنے گوہر عصمت کی پوری پوری حفاظت کی۔ ہم نے اپنی طرف سے ایک خاص روح اس میں پھونک دی جو عیسیٰ بن مریم کے پیکر میں نمودار ہوئی علیہ وعلیٰ امہ الصلوٰۃ والسلام۔ اس نے اللہ تعالیٰ کے تمام ارشادات اور تمام نازل شدہ آسمانی کتب کی تصدیق کی اور اس کا شمار ان خوش نصیب لوگوں کے زمرہ میں ہے جو ہمیشہ اپنے رب کی عبادت و طاعت میں سرگرم رہتے ہیں۔

فنفخنا فیہ من روحنا کی تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن جلد اول سورۃ النساء کی آیت ۱۷۱ کے حواشی۔

○

الحمد للہ رب العٰلمین الذی بتوفیقہ تتم الطاعات والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبنا وشفیعنا محمد الذی بجاہہ تقبل الطاعات وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن تبعہ الیٰ یوم الدین۔ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاٰخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین۔

تعارف

سُورَۃُ المُلک

نام : پہلی آیت میں "الملک" کا کلمہ ہے اسی کو اس کا عنوان مقرر کر دیا گیا۔ اس کی ۳۰ آیتیں ہیں۔ یہ تین سو تیس کلموں اور ایک ہزار تین سو تیرہ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس کے مضامین سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ نبوت کے آغاز میں اس کا نزول ہوا۔ اس زمانہ میں نازل شدہ دوسری سورتوں کی طرح یہاں بھی انسان کو بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید اور کبریائی کے عقلی دلائل بڑے موثر انداز میں پیش کیے جا رہے ہیں۔ متعدد سوالات اٹھا کر ان کے جوابات کی ذمہ داری لوگوں کے فہم سلیم کے سپرد کر دی گئی ہے۔ غور و تدبر کے نئے افق اس کے سامنے کشادہ کر دیے گئے ہیں اور خداداد قوتوں سے کام لینے کی دعوت دی گئی ہے۔

مضامین : اس سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے ذکر سے کی جا رہی ہے اور اس کا ذکر تو زبانِ قدرت سے ہو رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسے ہی زیب دیتا ہے کہ اپنی حمد و ثنا کرے۔

یہ بتا کر کہ حیات و موت کا تسلسل اللہ تعالیٰ نے قائم کیا ہے فوراً انسان کی توجہ اس کی حکمت کی طرف مبذول کر دی کہ اس سے مقصد صرف تمہارا امتحان ہے کہ تم میں سے کون اپنی زندگی اچھے بلکہ اچھے سے اچھے کاموں کے لیے وقف کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت و حکمت کے ثبوت کے لیے اپنی کائنات کو پیش کیا اور دنیا بھر کے نقادوں کو بار بار دعوت دی کہ اس میں کوئی عیب تلاش کریں یا اس سے بہتر کوئی اور نقشہ تجویز کر کے دکھائیں جب کسی کو جرأت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی کسی چیز پر انگشت نمائی کر سکے۔ اس سے بہتر تو کجا اس کا مقابل بھی پیش کرنے سے ساری دنیا کے ماہرین عاجز ہیں۔ تو پھر نادان نہ بنو اپنے سروں کو اس کے سامنے جھکا دو۔ اس کی وحدانیت اور اس کی تمام صفات کمال پر ایمان لے آؤ۔ ورنہ انجام بڑا اندوہناک ہو گا۔ ایسے دوزخ میں پھینک دیے جاؤ گے جس کے شعلے غیظ و غضب سے گرج رہے ہوں گے اس وقت تم اپنی غلطیوں کا اعتراف کرو گے، لیکن اس وقت اعترافِ جرم کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

اسی ضمن میں بتا دیا کہ سب انسان حق ناشناس نہیں۔ کچھ وہ بھی ہیں جو اپنے رب کو بن دیکھے مانتے ہیں اور اس کی ناراضگی سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے گناہ بھی بخش دیے جائیں گے اور انہیں اجر کبیر عطا فرمایا جائے گا۔

اس کے بعد اپنی قدرت کی کئی اور نشانیوں کو ذکر کیا۔ پھر انہیں جھنجھوڑا کہ اگر تم نے انکار کی یہ روش نہ بدلی، تو

اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی مشکل نہیں کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا پتھر برسا کر تمہیں فنا کر دے۔

حسب عادت بطور استہزاء انہوں نے وقوع قیامت کے بارے میں سوال کیا۔ اس کا جواب دیا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جب اس کا مقررہ وقت آ جائے گا اور وہ برپا ہوگی تو اس وقت تمہارے چہرے مسخ ہو جائیں گے۔

آخر میں ان سے ایک اہم سوال کر کے جس کا ان کی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا تعلق ہے ان کے معبودوں کی بے بسی کو آشکارا کر دیا تاکہ وہ غور کریں اور سمجھیں اور اپنے قادر مطلق پروردگار کی جناب پاک میں جبین نیاز جھکا دیں اور اس کے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر کے سعادت دارین کے مستحق ہو جائیں۔

آخر میں چند احادیث لکھ رہا ہوں جن میں اس سورت کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے۔ خدا کرے قارئین کرام انہیں غور سے پڑھیں اور ان سے فائدہ اٹھائیں۔

۱۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے:

قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسَبُ اَنَّهٗ قَبْرٌ فَاِذَا قَبْرُ اِنْسَانٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْمُلْكِ حَتّٰى خَتَمَهَا فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (اخرجه الترمذی وغیرہ)

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے اپنا خیمہ ایک قبر پر نصب کیا اسے یہ علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے۔ پس اچانک انہوں نے سنا کہ کوئی آدمی سورۂ ملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اس سورت کو ختم کیا۔ وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا عرض کیا۔ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کے عذاب کو روکنے والی ہے۔ یہ سورت اپنے قاری کو عذاب قبر سے نجات دلانے والی ہے۔

۲۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ سُوْرَةً مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا هِيَ اِلَّا ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ تبارک الذی اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک سورت ہے جس کی صرف تیس آیتیں ہیں۔ اس نے ایک آدمی کے لیے شفاعت کی یہاں تک کہ اسے بخش دیا گیا۔ (ابوداؤد، ترمذی وغیرہما)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ كُلَّ لَيْلَةٍ لَا يَدَعُهُمَا فِيْ سَفَرٍ وَلَا حَضَرٍ۔

یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر رات سفر و حضر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک پڑھا کرتے۔

۴۔ حضرت ابن عباسؓ نے ایک شخص کو کہا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا تحفہ نہ دوں جس سے تم خوش ہو جاؤ۔ اس نے

عرض کی بڑی مہربانی۔ آپ نے فرمایا:

اقرأ تبارك الذي بيده الملك وعلمها أهلك وجميع ولدك وصبيان بيتك وجيرانك فإنها المنجية والمجادلة يوم القيامة عند ربها لقارئها۔

آپ نے فرمایا کہ سورہ ملک پڑھا کرو، اپنی بیوی کو بھی سکھاؤ، اپنی ساری اولاد، اپنے گھر کے بچوں اور اپنے پڑوسیوں کو بھی سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دینے والی ہے۔ یہ قیامت کے دن اپنے رب کے حضور میں اپنے قاری کے لیے جھگڑا کرے گی اور اسے عذاب سے بچائے گی۔

۵۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے:

لوددت أنها في قلب كل انسان من أمتي۔

میں اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ میری اُمت کے ہر مرد و زن کو یہ سورت یاد ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی تلاوت کی، اس کے معانی و اثرات سے بہرہ ور ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الملک مکی ہے، اس کی ۳۰ آیتیں اور ۲ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱﴾

بڑی برکت والا ہے[۱] وہ جس کے قبضہ میں ساری کائنات کی بادشاہی ہے[۲] اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے[۳]

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے[۴]

۱۔ تبارک کا مادہ برکت ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں البرکۃ ثبوت الخیر الالٰہی فی الشیء ... یعنی برکت کا معنی ہے خیر کا ثابت رہنا اور زیادہ ہونا۔ اسی سے تبارک مشتق ہے۔ یہ باب تفاعل ہے جو مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ علامہ بیضاوی نے تبارک اللہ کا مفہوم بیان کرتے ہیں تقدس و تعالیٰ ... تعالٰی بذاتہٖ عن کل ما سواہ ... وہ پاک ہے ... اس کے سوا یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی ... اپنے ترجمہ میں ... اہتمام ... کی کوشش کی ہے۔

اس کا دوسرا معنی کثرت خیر اور دوام خیر بھی کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تبارک الذی کا مفہوم یہ ہوگا ... تکاثر ما یفیض منہ سبحانہ علی مخلوقاتہ من فنون الخیرات ... اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر گوناگوں خیرات و برکات کی بارش اس کثرت سے کرتا ہے کہ اس کا شمار ممکن نہیں ...

ان اقوال سے تبارک کا ... اللہ جل مجدہ کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ الفرقان آیت ۱ کا حاشیہ۔

۲۔ یعنی بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات کی سلطانی اور فرمانروائی ہے۔ ... عالم امر ہو یا عالم خلق ... ہر طرح کی مخلوقات، ہر قسم کے شئون، حالات، واقعات سب اسی کے تصرف میں ہیں، فرش سے عرش تک، تحت الثریٰ سے ... ازل سے ابد تک اسی کی بادشاہی کا سکہ چل رہا ہے۔ ید کا معنی یہ جسمانی ہاتھ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے پاک ہے۔ اس کا معنی قبضہ و تصرف ہے اور ہم اپنی زبان میں ... کے معنی میں ... استعمال کرتے رہتے ہیں۔ الملک پر الف لام جنس ... مطلب یہ ہے کہ ہر طرح کی سلطانی، ہر جگہ کی بادشاہی، ہر چیز پر تصرف اسی کو حاصل ہے۔

۳۔ پہلے ... یعنی ... وہ ذات ... قدرت ... کوئی ... اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہے۔

۴۔ یہ آیت ... پہلی ... ممکن ... ہے ... الملک ... اس کے دلائل ...

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝٢ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ

اور وہی ہے عزت والا بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر تلے ف٥

مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ

تمہیں نظر نہیں آئے گا خدائے رحمن کی آفرینش میں کوئی تفاوت۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھو، کیا

مطلع یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے فرمایا کہ موت اور حیات کا سلسلہ قائم کرنے والا خدا تعالیٰ ہے۔ اسی کے حکم سے کوئی چیز معرض وجود میں آتی ہے اور اسی کے حکم سے نیست و نابود ہوتی ہے۔ کوئی چیز خود بخود موجود نہیں ہو سکتی ہے اور نہ از خود معدوم ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان کر دی کہ اس سے مقصد تمہارا امتحان لینا ہے کہ تم میں سے کس کا طرز عمل قابل تعریف ہے جب ہم نے تمہیں بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، پھر اس نظام کائنات میں تمہیں اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور تمہاری رہنمائی کے لیے انبیاء و رسل کو مبعوث فرمایا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کون تم میں سے اپنی خواہشات اور آرزوں کو اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے قربان کرتے ہو اور دولت اور اقتدار، جوانی اور صحت کا نشہ تمہیں بدمست کر دیتا ہے اور تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اپنی ہر قیمتی چیز یا اپنا وقت عزیز قربان کرتے ہو۔

احسن عملا اگر آیت کے صرف اس حصہ میں غور کرنے کے لیے تو کم از کم احسن عملا ہی اس کی ہدایت پذیری کے لیے کافی ہے۔ اس کے دل میں یہ احساس پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا اس کے لیے امتحان گاہ ہے۔ یہ حیات مستعار اس کے لیے امتحان کی مدت ہے اور امتحان وہ لے رہا ہے جو ظاہر و باطن، خفی و جلی، غیب و شہادت کا جاننے والا ہے۔ اگر یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر کیا مجال کہ انسان کا ہر لمحہ سے اپنا حیات ضائع کرے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس حقیقت کی طرف بڑے دلنشیں انداز میں متوجہ فرمایا۔ ایک ارشاد گرامی آپ بھی سن لیں۔ ایک مرتبہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ان الفاظ سے نصیحت فرمائی۔ خذ من صحتك لسقمك ومن شبابك لهرمك ومن فراغك لشغلك ومن حياتك لموتك فانك لا تدري ما اسمك غدا۔ ترجمہ: "اپنی صحت کی حالت میں بیماری کے لیے، اپنی جوانی کی حالت میں بڑھاپے کے لیے، اپنے فرصت کے اوقات میں مشغولیت کے لیے اور جب تک زندگی کی شمع روشن ہے موت کے لیے ذخیرہ جمع کر لو۔ تو نہیں جانتا کہ کل تیرا کیا نام ہوگا۔"

ف٥ اس کی ترکیب میں تین قول ہیں۔ (١) یہ ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ (٢) یا الغفور کی صفت ہے۔ (٣) یا پہلے موصول کا بدل ہے۔ طباقا کا معنی ہے بعضها فوق بعض۔ ایک دوسرے کے اوپر تہ در تہ۔ اس کے منصوب ہونے کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا سبع کی صفت ہے اور کیونکہ مصدر ہے اس لیے جمع کی صفت واقع ہو سکتی ہے۔ یا خلق کا مفعول یا حال ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کی قدرت کاملہ اور جمال کا کرشمہ آپ کو آسمانوں کی تخلیق میں صاف نظر آ رہا ہے۔ سات آسمان بنائے ہیں جو اوپر تلے بکھری ہوئی صورت میں نہیں بلکہ ایسی عمدگی سے انہیں ترتیب دی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر تہ بتہ نظر آتے ہیں۔

تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈالو لوٹ آئے گی تیری طرف

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ

تیری نگاہ ناکام ہو کر اور اس حالت میں کہ وہ تھکی ماندی ہوگی سلہ اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے سلہ

سلہ پہلی آیات کے قادر و توانا اور علیم و خبیر ہونے کی دلیل بیان فرمائی جا رہی ہے کہ جو کچھ ہم نے پیدا کیا ہے آسمان، زمین، پہاڑ، ہر قسم کے بے جان اور جاندار مخلوق، سب کو دیکھو۔ غور سے دیکھو، نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار دیکھو اور بتاؤ تمہیں اس میں کوئی نقص، کوئی عیب، کوئی رخنہ، کوئی شگاف یا بے ترتیبی نظر آتی ہے؟ تم جو ہر جگہ نقص کی تلاش میں سرگرداں رہو تمہاری نگاہیں تھک کر چور ہو جائیں گی لیکن تمہیں کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیابی نصیب نہ ہوگی۔ جو چیز جہاں بنائی ہے جیسا بنایا ہے اس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ آسمان کی اتنی بلندی اور اتنا پھیلاؤ نہیں ہونا چاہیے تھا اور اس کی فضا میں جو اربوں ستارے جگمگا رہے ہیں ان کی ترتیب درست نہیں ہے یا جس طرح زمین کو بنایا گیا ہے اس میں رد و بدل کی گنجائش ہے۔ ان بڑی بڑی چیزوں کو رہنے دو، خود اپنے انسانی پیکر میں غور کر دو اور اس کے نقشہ میں کوئی ترمیم پیش کرو۔ چہرہ پر کس سمت آنکھیں، ہونٹ، دانت، زبان اور جو کچھ بنایا ہے اس میں کوئی تبدیلی کر کے دکھاؤ۔ اگر کوئی ترمیم کوئی تجویز کوئی رد و بدل ممکن نہیں ہے تو جو بنایا ہے وہی حرف آخر ہے تو پھر تمہیں ضد نہیں کرنی چاہیے بلکہ سچے دل سے مان لینا چاہیے کہ بیشک واللہ علیٰ کل شیء قدیر۔

ان آیات کے چند الفاظ : مِنْ تَفٰوُتٍ۔ بے ڈھنگا پن، بے ترتیبی۔ تفاوت، اعوجاج، اختلاف۔ فطور: شگاف، رخنہ۔ کرتین اگرچہ یہ تثنیہ کا صیغہ ہے لیکن یہاں تکثیر کے لیے ہے یعنی بار بار۔ التثنیۃ للتکثیر ای کرۃ بعد کرۃ کقولہم لبیک وسعدیک یعنی عالم، ابن کثیر مرۃ بعد مرۃ۔ فہنا التکثیر (قرطبی)۔ خاسئا، قال ابن عباس الخاسی الذی لم یر ما یہوی۔ یعنی جس کو وہ چاہتا تھا وہ نظر نہیں آیا۔ حسیر: قد بلغ غایۃ الاعیاء۔ حسیر کی تھکاوٹ اور درماندگی۔ (قرطبی)

سلہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک اور دلیل پیش کی جا رہی ہے۔ الدنیا، الدنو سے مشتق ہے جس کا معنی قریب تر ہے۔ یہ السماء کی صفت ہے۔ وہ آسمان جو زمین کے قریب تر ہے یعنی آسمان اول۔ مصابیح: مصباح کی جمع ہے چراغ۔ مطلب یہ ہے کہ ذرا آنکھ اٹھا کر اوپر دیکھو کروڑوں اربوں ستارے تمہیں یوں نظر آئیں گے گویا انہیں گنبد نیلوفری میں بڑے سلیقہ اور مہارت سے آویزاں کر دیا گیا ہے۔ ان سے رات کے اندھیروں میں تم روشنی بھی حاصل کرتے ہو اور لق و دق صحراؤں اور بے کراں سمندروں میں سفر کرتے ہو تو ان کے ذریعہ ہی تم اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہو۔ مزید برآں ان کی وجہ سے جو حسن و رعنائی اس کائنات کو نصیب ہے اس کا تو اندازہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ذرا تصور کرو اگر فضا میں کوئی چاند، کوئی تارا، کوئی کہکشاں، رات کے وقت نظر نہ آتی تو یہ منظر کتنا ہولناک اور ڈراؤنا ہوتا۔ وہ خوش نصیب ہے جس کی نگاہ تخلیقات کے گوشہ گوشہ میں حسن و جمال کے نقش و نگار دیکھتی ہے اور جس کی زبان سے بے ساختہ نکلتا ہے تبارک اللہ احسن الخالقین۔

وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝٥

اور بنایا ہے انھیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ ۔ۭ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لیے دہکتی آگ کا عذاب ۔ۭ

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝٦

اور جنھوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لیے عذاب جہنم ہے۔ اور جہنم بڑی بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِىَ تَفُوْرُ ۝٧ تَكَادُ تَمَيَّزُ

جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی دھاڑ سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہو گی ۔ۭ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا ابھی غضب سے

ۭ رُجُوم جمع ہے اس کا واحد رَجْم ہے جو مصدر ہے لیکن اس کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس سے مارا جاتا ہے۔ اسی استعمال کے
باعث ستاروں کو رجوم یعنی پتھر کہا گیا ہے۔ پہلے بتایا کہ ستارے چراغوں کی طرح روشنی پھیلاتے ہیں اور مسافروں کی رہنمائی کرتے ہیں اس
جملہ میں ان کا ایک دوسرا فائدہ بتایا گیا کہ ان سے شیطانوں پر سنگباری کی جاتی ہے تاکہ وہ ملاء اعلیٰ کی باتیں نہ سن سکیں۔ علماء کرام نے
صراحت کی ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہی ستارے اپنی جگہ سے اکھڑ کر شیاطین پر ٹوٹ پڑتے ہیں بلکہ ان سے جو شہاب اور شعلے پیدا ہوتے
ہیں وہ شیاطین پر برسائے جاتے ہیں۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں [illegible] علامہ قرطبی لکھتے ہیں
[illegible] (قرطبی) دونوں عبارتوں کا مطلب یہ
ہے کہ ستارے اپنی جگہ سے نہیں گرتے بلکہ ان سے ایک شعلہ سا علیحدہ ہوتا ہے جو ان شیاطین پر پھینکا جاتا ہے۔ اس شعلہ کی جدائی سے ستاروں کی روشنی
کی کمی نہیں آتی اور ستاروں کی صورت میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ امام فخرالدین رازی نے بھی اس چیز کو وضاحت سے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

وجعلنٰھا رجوما کا ایک اور مفہوم بھی ذکر کیا گیا ہے کہ شیاطین سے مراد شیاطین انس ہیں جو ستاروں کی حرکات و سکنات کو دیکھ کر
مستقبل کے بارے میں پیش گوئیاں کرتے ہیں اور غیب دانی کا دعویٰ کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور رجوم سے مراد ظنون
ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم نے ان ستاروں کو پیدا کیا اور نجومیوں کے لیے ظنون و گمان کا ایک سبب بنا دیا۔ الوجہ الثانی انا جعلناھا ظنونا
ورجوما بالغیب لشیاطین الانس وھم الاحکامیون من المنجمین۔ (رازی) مزید تشریح کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۸ کا حاشیہ

ۭ ہر کافر کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو یا شیطان۔

ۭ اب وہ منظر بیان کیا جا رہا ہے جب کفار کو دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ فرمایا اس وقت جہنم کی آگ بھڑک رہی ہو گی۔ اس کے شعلے
جوش مار رہے ہوں گے۔ اس سے ایک شدید ہولناک اور مکروہ شور اٹھ رہا ہو گا۔ دیکھنے والے کو یوں محسوس ہو گا گویا دوزخ کے شعلے اور بھڑکتے ہوئے
انگارے غصے سے بیتاب ہو رہے ہیں اور شدت غضب سے ان کا پیٹ پھٹا جاتا ہے۔ آگ کا عذاب ویسے ہی ناقابل برداشت ہے لیکن اس کی اذیت کتنی
ہولناک ہو گی جب اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں اور جوش مارتے ہوئے انگاروں کا یہ حال ہو کہ ان سے خوفناک شور بلند ہو رہا ہو تو پھر اس کے عذاب

مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ

کے پھٹا جا رہا ہے۔ جب بھی اس میں کوئی گروہ پھینکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا

نَذِيرٌ ۝ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ

نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو صاف صاف کہہ دیا

اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ۝ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا

کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو)

کی اذیت ناکی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور کون ہے جو یہ چاہتا ہو کہ ان کے چنگل میں پھنسنے کا خطرہ مول لے۔

چند الفاظ کی تشریح: الشھیق: اقبح الاصوات مثل انجاح الزفیر والشھیق من اصوات المکروبین قال والزفیر من شدید الانین وکبیرہ۔ والشھیق: الانین الشدید المرتفع جدًا۔ سخت لمبی اور بلند آواز کو شھیق کہتے ہیں۔ زجاج کہتے ہیں عذاب میں مبتلا لوگوں سے جو آوازیں نکلتی ہیں ان کو وہ شھیق سے تعبیر کرتے ہیں۔ سخت غم کے باعث [illegible] زفیر کہتے ہیں اور جو فریاد سخت اور بہت اونچی ہو اس کو شھیق کہا جاتا ہے۔ تغور: تغلی کغلیان المرجل۔ ہانڈی کی طرح ابلنا، جوش مارنا۔ تمیز: ای تتشقق، پھٹ جانا، پارہ پارہ ہونا۔

سلہ دوزخ کے محافظ فرشتے اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لیے یہ سوال ان سے نہیں پوچھیں گے بلکہ اس سے مقصد ان کی سرزنش اور توبیخ ہوگا۔ اس وقت وہ بدنصیب تسلیم کریں گے کہ یہ ہولناک عذاب ہماری حماقت اور غلط کاریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں سمجھانے کے لیے اور گمراہی کی راہ کو چھوڑ کر ہدایت کی شاہراہ پر چلنے کے لیے پورا اہتمام فرمایا تھا۔ پے در پے رسول مبعوث فرمائے۔ ان انبیاء و رسل نے اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچایا۔ ہمیں بے شمار عظیم معجزات سے اپنی دعوت کی سچائی کو ثابت کیا۔ دلائل و براہین سے ہمارے شکوک و شبہات کو دور کیا لیکن صد حیف ہم اس دعوت کو قبول کرنے سے محروم رہے۔ اپنی شقاوت اور بدبختی کے باعث ہم ان کا تمسخر اڑاتے رہے۔ بڑی بے حیائی سے انہیں دو ٹوک کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی وحی نازل نہیں کی۔ یہ سب کچھ تم اپنے پاس سے گھڑ کر پیش کرتے ہو۔ ہم نے انہیں کہا کہ غیور تم ہمیں گمراہ کہتے ہو، ہم تو بڑے زیرک اور ذی فہم لوگ ہیں۔ اپنی زندگی کے لیے جو راستہ ہم نے تجویز کیا ہے وہ غلط راستہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو یہ دولت کی ریل پیل، ہمارے یہ قصور و محلات، ہمارا یہ جاہ و طمطراق کیا ہمارے ہدایت یافتہ ہونے کے ناقابل تردید دلائل نہیں ہیں۔ گمراہ ہم نہیں بلکہ گمراہ تم ہو جن کے مقدر میں بھوک ہے، افلاس ہے، محرومیاں ہیں اور رسوائیاں ہیں جن کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہو۔

نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۰﴾ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ

سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے ۱۲ پس (اس روز) وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے ۱۳

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿۱۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ

تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر ۱۴ بیشک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ۱۵

۱۲؎ لیکن آج حقیقت آشکارا ہو گئی کہ گمراہ وہ نہ تھے جو اپنے رب پر ایمان رکھتے تھے خود بھی حق پر تھے اور ہمیں بھی راہ حق پر چلنے کی دعوت دیا کرتے تھے گمراہ، بدبخت اور شقی تو ہم تھے کہ جان بوجھ کر ان کا انکار کرتے رہے۔ ان کے روشن معجزات دیکھ کر بھی مدہوش بنے رہے۔ ان کے دلنواز مواعظ کو سن کر بھی حق کی طرف مائل نہ ہوئے۔ کاش ہم ان کے ارشادات کو گوش ہوش سے سنتے اور ان کی دعوت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تو آج ہماری یہ درگت نہ بنتی اور اس کربناک انجام سے دوچار نہ کیے جاتے۔

سمع کو عقل پر مقدم کیا تاکہ دلائل سمعیہ کی اولیت کا احساس ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ عقل بغیر دلائل سمعیہ کی تائید کے قابل اعتماد نہیں نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عقل سلیم نقل صحیح کے مخالف نہیں ہوا کرتی بلکہ ان میں یکسانیت ہوا کرتی ہے۔

۱۳؎ جہنم کے محافظوں کے اس سوال کا مقصد یہی تھا کہ وہ اپنے جرموں کا اعتراف اپنی زبان سے کر لیں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ ان پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کی گئی انہیں بلاوجہ اس عذاب الیم میں جھونک نہیں دیا گیا۔

۱۴؎ مفعول مطلق ہے اس کا فعل محذوف ہے۔ فاسحقهم الله سحقا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت و عنایت سے دور کر دیا اور راندۂ درگاہ بنا دیے گئے۔

۱۵؎ بدنصیبوں اور ازلی محروموں کے عبرتناک احوال بیان ہو چکے۔ اس آیت میں سعادت مند اور خوش نصیب بندوں کا قسمت، اجر اور جو صلہ ہے اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہاں ان کی ایک خاص صفت بیان کی کہ یہ لوگ اپنے رب کو دیکھے بغیر اس سے ہر حالت میں لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ یہی نام ہے تقویٰ جس کی بدولت ان کا کوئی قول، کوئی معاملہ ہو یا اجتماعی مسئلہ، ان کا بنیادی مفاد وابستہ ہو یا ان کی عزت و آبرو کا سوال ہو، ہر حالت میں وہ اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ کوئی ایسا بول اپنی زبان سے نہیں نکالتے، کوئی قدم اس راہ پر نہیں اٹھاتے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا اندیشہ ہو۔ آپ سوچیے جس بندے کے دل میں اپنے رب کا خوف اس حد تک گھر کر چکا ہو کیا وہ کسی کی عزت و آبرو، جان و مال پر دست درازی کر سکتا ہے؟ کیا ہیرا پھیری اور ظلم کا صدور اس سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں۔ انسان کی اصلاح اور تربیت کا موثر طریقہ جو قرآن کریم نے اختیار کیا ہے وہ یہی ہے کہ بندے کے دل میں اس کے خالق و مالک کی خشیت پیدا کر دی جائے۔ اس کے شعور میں یہ چراغ روشن ہو جائے تو اس کی عمل کی دنیا میں کوئی تاریک گوشہ باقی ہی نہیں رہتا جس میں چھپ کر وہ کوئی گناہ کر سکے۔ وہ چاہے بھی تو گناہ نہیں کر سکتا۔ آپ اللہ تعالیٰ کے کسی بندے میں اس کا خوف پیدا کر دیں پھر بے شک اسے آزاد چھوڑ دیں اور یقین رکھیں کہ اس کی ساری توانائیاں، اس کے سارے وسائل، اس کی جملہ صلاحیتیں خیر کو فروغ دینے اور شر کا قلع قمع کرنے کے لیے وقف رہیں گی۔ اس کے نفوذ کا علاقہ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۲﴾ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ

ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے [۲۱] تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بیشک

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ

وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے [۲۲] (بھلا) کیا وہی نہیں جانتا (دلوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے [۲۳] اور وہ باریک بین

جتنا صحیح ہو گا اتنا ہی لوگوں کے اطمینان، مسرت و خوش حالی میں اضافہ ہو گا، جتنا ہی وہ ناقص ہو گا باطل کو ترقی ہو گی عدل کو شکست ہو گی اسی لیے اللہ تعالیٰ کے حبیب اور برگزیدہ بندے اور اس کی ساری کائنات کے محبوب آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا رأس الحکمۃ مخافۃ اللہ اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہے۔

فلسفی یہ منوانے کی کوشش کرتا ہے کہ لوگوں کو محاسن اخلاق کا گرویدہ بنانے اور حق کی بالادستی قائم کرنے کے لیے اس کی معلومات میں عقل اور منطق ہی کافی ہیں۔ خود محاسن اخلاق سے بے بہرہ اور تقویٰ سے کوسوں دور ہے۔ وہ دوسروں کی رہنمائی کیسے کر سکتا ہے جو نظریات ہر لمحہ بدلتے رہتے ہیں ان میں اتنی سکت کہاں کہ ذاتی اغراض اور عیش و عشرت کی ہوس کا مقابلہ کر سکیں۔ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لیے فقط قانون پر بھی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو قانون ساز انسان ہی غلطی کر سکتے ہیں، اس کو ہر وقت بدلا جا سکتا ہے، اس کو نافذ کرنے والے اس کے نفاذ میں غافل ہو سکتے ہیں، انہیں فریب دیا جا سکتا ہے، انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے۔ اصلاح اعمال کے لیے ان پر کلی اعتماد ہی کرنا عقلمندی نہیں۔ مزید برآں یہ ہے کہ قانون کی عملداری انسانی زندگی کے ایک محدود حلقہ تک ہے۔ انسانی زندگی کے بیشتر گوشے ایسے ہیں جہاں قانون کا کوئی پاسبان قدم نہیں رکھ سکتا۔ جہاں اس کا ہاتھ پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اس لیے اگر آپ سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرہ میں نیکی کی بالادستی ہو اور برائی کا قلع قمع ہو تو اس کا یہی ایک کامل اور موثر طریقہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے وامّا من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوٰی (النازعات: ۴۰-۴۱) یعنی جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو جنت اس کا ٹھکانا ہو گی۔

[۲۱] اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کو دو انعاموں سے نوازا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ اگر بشری کمزوری کے باعث ان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور جو نیک اعمال وہ کرتے ہیں ان پر انہیں اجر کبیر مرحمت فرمایا جاتا ہے۔ علامہ پانی پتی کبیر کی تشریح کرتے ہیں بعض بالنسبۃ الیہ کل ما یختص بالبال من اللذۃ۔ یعنی دل میں جس لذت و سرور کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ بھی اس کے اجر کے سامنے ہیچ ہو گا۔

[۲۲] کوئی چھپ کر بات کرے یا بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کے سامنے سب یکساں ہیں۔ وہ سب کو جانتا ہے۔ بلکہ تمہارے دل کے نہاں خانوں میں جو خیالات و افکار اٹھتے یا پلتے رہتے ہیں ان سے بھی وہ آگاہ ہے۔ اہل ایمان اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن کفار اسے تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔

[۲۳] اس آیت سے کفار کی اس غلط فہمی کا ازالہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کارستانیوں پر مطلع نہیں۔ فرمایا کائنات کی ہر چیز کا جب وہ خالق ہے ہر چیز کی سب حالات مختلف صلاحیتیں، خاصیتیں اور اثرات اس نے ودیعت کیے ہیں تو یہ کیسے مان لیا جائے کہ وہ بے خبر

الْخَبِيرُ ﴿١٤﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا

ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس چلو پھرو اس کے راستوں پر

وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۖ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ ﴿١٥﴾ أَأَمِنتُم مَّن فِي السَّمَاءِ أَن

اور کھاؤ اس کے دیئے ہوئے رزق سے[19] اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے[20] کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ

ہو۔ بندہ جو کچھ کر رہا ہے اس کی وہی ذات لاعلم ہو جس نے اسے پیدا کیا ہے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتی۔ پھر یہ سوچو کہ وہ اللطیف ہے۔ باریک سے باریک بات کو بھی جانتا ہے۔ وہ الخبیر ہے۔ ہر چیز سے وہ باخبر ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ جس کی یہ شان ہو اور یہ صفات ہوں وہ اپنی مخلوق کے احوال سے کیونکر بے خبر ہو سکتا ہے۔

۱۹ے فرمانبردار، مطیع۔ جس پر آسانی اور سہولت سے سواری کی جا سکے عرب اسے ناقۃ ذلول کہتے ہیں۔ اس آیت میں ذلول کو زمین کی صفت ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو اس طرح بنایا ہے کہ انسان اس پر آسانی اور سہولت کے ساتھ چل سکتا ہے۔ نہ تو ساری سخت پتھریلی ہے اور نہ دلدل ہے کہ اس پر چلنا دشوار ہو جائے۔ اس خالق کریم نے ان گنت مصلحتوں کے باعث زمین پر جگہ جگہ پہاڑوں کے سلسلے کھڑے کر دیے ہیں۔ ان کی بلندیاں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، لیکن مناسب مقامات پر ایسے درّے بنا دیے ہیں جہاں سے انسانوں کے قافلے اور مویشیوں کے گلے آسانی سے گزر سکتے ہیں۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ اس رب کریم نے ہر جگہ تمہارے رزق کا سامان بھی مہیا کر دیا ہے۔ جہاں سے گزرو گے اس کے لطف وکرم کا وسیع دسترخوان بچھا پاؤ گے جس میں کھانے کی رنگا رنگ خوش ذائقہ چیزیں ہوں گی۔ بتاؤ تم اس کی کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ اگر ساری زمین دلدل ہوتی تو کیا تم اس میں سے آسانی سے گزر سکتے۔ اگر اس نے اپنی رحمت و قدرت سے گزرگاہیں نہ بنائی ہوتیں اور تمہیں ان کی برف پوش چوٹیوں کو عبور کر کے آنا جانا پڑتا تو تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔ ریگزاروں میں دریا بہہ رہے ہیں، تپتے ہوئے علاقوں میں بھی پانی کے زیر زمین ذخائر موجود ہیں۔ جب بلند پہاڑوں پر تم جاتے ہو تو وہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کے چشمے تمہاری تشنہ لبی کا مداوا کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں۔ اگر وہاں تمہیں کنواں کھود کر پانی نکالنا پڑتا تو تمہیں دن کو تارے نظر آنے لگتے۔ الغرض اسی کے لطف وکرم کے بغیر تم جادۂ زیست پر ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے۔ کیسے جاہل ہیں جو اس کی وحدانیت کا انکار کرتے ہیں۔ ذلول: سہل، مناکب: منکب کی جمع ہے۔ منکب کندھے کو کہتے ہیں۔ یہاں پہاڑوں کے وہ کنارے مراد ہیں جہاں قدرتی درّے بنے ہوتے ہیں۔

۲۰ے یاد رکھو یہ دنیا اور اس کا مال و متاع سب فانی ہے۔ ایک روز ختم ہو جائے گا اور یقیناً آئے گا جب تم اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش کیے جاؤ گے اور تم سے حساب لیا جائے گا۔ کیا تم نے اس روز کے لیے کچھ تیاری کر لی ہے۔

يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ

وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے ۲۱؎ اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ

کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ اور بے شک

۲۱؎ پہلے اپنے الطاف و احسانات کا ذکر کر کے انہیں طاعت و عبادت کی طرف راغب کیا گیا اب اپنے قہر و جلال سے انہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ یعنی تم جو اس بیہودہ دلیری سے کفر و شرک پر اڑے ہوئے ہو اور بے حیائی سے فسق و فجور کا بازار گرم کیے ہوئے ہو تمہیں کبھی یہ خوف نہیں آیا کہ آسمانوں کا خالق اگر تمہاری ان حرکتوں کے باعث ناراض ہو گیا اور اس نے تمہیں زمین میں غرق کر دیا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔ زمین تھر تھر کانپ رہی ہوگی، تم زمین کی گہرائیوں میں غائب ہوتے چلے جا رہے ہو گے۔ حواس گم ہوں گے، آنکھیں کھلی ہوں گی اور اس سے قبل کہ تمہاری بربادی کے حتمی احکام صادر ہو جائیں تلافی مافات کر لو۔ تمہیں کیفر کردار تک پہنچانا کون سا مشکل کام ہے۔ اگر تیز جھکڑ چلنے لگیں اور تم پر سنگریزے برسنے لگیں تو تمہاری بستیاں اس طرح ملیامیٹ ہو جائیں گی کہ تمہارا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ یہ تنبیہ جتنی تمہاری اوقات ہے اور تم نے جو تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیء قدیر کی شان جلالت کی ناقدری اور ظلم و تعدی کی ہے۔ تم نے خود فکر کے سامنے پردے کیوں گرا دیے ہیں۔

تمور: مار یمور مورا و تمورا۔ زمین کا ایک طرف جھکنا اور تھر تھرانا۔ جہاں کہیں زلزلہ آیا ہو وہاں کے لوگوں سے پوچھو کہ جب بھونچال آتا ہے تو زمین اور اس پر پہاڑ اور عمارتیں کس طرح لرزتی اور کانپتی ہیں۔ حاصب: ریح شدیدۃ تحمل التراب والحصباء۔ ایسی تند ہوا جو گرد و غبار اور سنگریزوں کو اپنے ساتھ اڑا لے جاتی ہے۔

ان دو آیتوں میں مَّنْ فِي السَّمَآءِ کے کلمات مذکور ہیں جن کا لفظی معنی یہ ہے کہ "جو آسمان میں ہے"۔ کیا ان آیات سے کوئی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں مقیم ہے؟ اگر ایسا نہیں تو پھر ان کلمات کا مفہوم کیا ہوگا؟ گزارش ہے کہ یہ آیتیں متشابہات میں سے ہیں یعنی ان کے الفاظ کا ظاہری معنی مراد نہیں ہوتا۔ اس لیے آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کے مقیم ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ آسمانوں کو اس نے پیدا کیا ہے۔ یہ سب حادث ہیں۔ جب یہ نہیں تھے تو وہ کہاں تھا؟ نیز اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات سے منزہ ہے۔ وہ کسی ایک جگہ یا ایک جہت میں قیام پذیر نہیں بلکہ وہ ہر جگہ ہے۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ جدھر بھی تم رخ کرو گے وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہوگی ——— اس لیے ایسی آیات کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں:

① ایک اسلاف کرام کا ② دوسرا متاخرین کا۔ متاخرین ایسی آیات کی تاویل کرتے ہیں۔ ان کا ایسا محمل بیان کرتے ہیں جو آیات محکمات سے بھی موافقت رکھتا ہو اور شان خداوندی کے بھی شایاں ہو۔ لیکن اسلاف اس کی تاویل نہیں کرتے۔ الفاظ کا جو ظاہر ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں۔ متاخرین کے نزدیک مَنْ فِي السَّمَآءِ کی یہ تاویل ہوگی کہ وہ فرشتے جنہیں احکام الٰہی کی تنفیذ کا کام سپرد کیا گیا ہے وہ آسمانوں میں ہیں۔ مَنْ فِي السَّمَآءِ سے مراد یہ فرشتے ہیں۔ دوسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ جس کا قبضہ و اقتدار اور احکام

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿١٨﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ

اور ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کیسا تھا میرا غضب کتنا سخت تھا ٢٢ کیا انہوں نے پرندوں کو (نہیں دیکھا) اپنے اوپر اڑتے

الٰہی کا مخزن آسمانوں میں ہے۔ لیکن سلف صالحین ایسی تاویلیں نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں مَنْ فِی السَّمَآءِ کا حق ہے کہ جو آسمان میں ہے اور اس سے مراد بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لیکن وہ آسمان میں کس طرح ہے؟ جس طرح کوئی مکان میں یا مظروف ظرف میں۔ وہ کہتے ہیں ہم اس کا یقین نہیں کر سکتے۔ وہ ہے آسمان میں لیکن اس طرح ہے جس طرح اس کی شانِ تنزیہ کے شایاں ہے۔ اہلِ تحقیق نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ نیز یہ بھی ایک طبعی بات ہے کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، اس سے کوئی سوال کرتے ہیں تو بے ساختہ ہماری نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں، زمین کی طرف نہیں جاتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی ذات عظمت، بلندی اور کبریائی سے موصوف ہے۔ اس لیے ذکر کے وقت آسمان کی طرف آنکھوں کا اٹھ جانا ایک فطری امر ہے۔ شاید اسی لیے مَنْ فِی السَّمَآءِ فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ و رسولہ الکریم اعلم بالصواب۔

ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حبشی لونڈی لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر کے بری الذمہ ہو سکتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لونڈی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضور نے پھر پوچھا اور میں کون ہوں۔ اس نے پہلے حضور کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ یہ مومنہ ہے۔

٢٢۔ یعنی تم سے پہلے لوگ جنہوں نے کفر و شرک اختیار کیا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کو اپنا شعار بنایا ہے۔ تاکہ تمہارے انجام کے بارے میں شک و شبہ کی گنجائش رہے۔ یہ کوئی نئی جماعت ظہور پذیر ہوئی ہے جن کے انداز نرالے ہیں۔ دیکھیے ان کا انجام کیا ہوا ہے۔ یوں نہیں ہے بلکہ تمہارے جیسے نابکار پہلے بھی گزرے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کے فطری انجام سے دوچار ہو چکے ہیں۔ تم بابل و نینوا کے شکستہ کھنڈروں سے پوچھو کہ تمہارے بسنے والوں پر کیا بیتی؟ تم موئنجو داڑو اور ہڑپہ سے برآمد ہونے والی ٹوٹی پھوٹی دیواروں سے پوچھو کہ تمہارے مکینوں پر کیا افتاد پڑی۔ اتنی عظیم ثقافت اور اتنے اعلیٰ تمدن کے باوجود انہیں لوحِ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح کیوں مٹا دیا گیا۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ ہمارے بسنے والوں نے اپنے خالقِ حقیقی سے منہ موڑ لیا تھا۔ انہوں نے حق کا انکار کیا تھا۔ ظلم و طغیان اور فسق و فجور کو انہوں نے اختیار کر لیا تھا۔ خدا کا غضب ان پر نازل ہوا اور وہ نیست و نابود کر دیے گئے۔

ہم بار بار قوموں کی ان ندامت فرسا داستانوں میں اگر عبرت کا پہلو تمہیں نظر آتا ہے تو عبرت حاصل کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی تمہاری سرکشیوں اور نافرمانیوں کی پاداش میں تہس نہس کر دیا جائے۔ کیفَ نَذِیْرِ اصل میں کیفَ نَذِیْرِیْ اور کیفَ نَکِیْرِ اصل میں کیفَ نَکِیْرِیْ تھا۔

فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ

کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں، نہیں روکے ہوئے ہے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے ٢٣ بیشک وہ ہر چیز کو خوب

بَصِيْرٌ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ

دیکھنے والا ہے ٢٤ بتلاؤ تو، کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خدائے) رحمن کے

الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ

علاوہ ٢٥ بے شک منکرین دھوکا میں مبتلا ہیں۔ کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے

اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا

اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے ٢٦ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں ٢٧ کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا

٢٣ اب اپنی قدرت کی ایک ایسی نشانی کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جس کا مشاہدہ ہر شخص دن میں کئی کئی بار کرتا ہے۔ پرندے ہوا میں اڑ رہے ہوتے ہیں، اثنائے پرواز وہ کبھی اپنے پروں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی ان کو سکیڑ لیتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ ان پرندوں کو اڑنے کے لیے موزوں پر کس نے دیئے ہیں اور ان کو اڑنے کا ڈھنگ کس نے سکھایا ہے۔ ہوا میں اگر ایک چھٹانک وزنی روڑا پھینکا جائے تو وہ چشم زدن میں نیچے گر پڑتا ہے۔ اس ہوا میں یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے کہ کئی سیر وزنی پرندہ اس میں پہروں مصروف پرواز رہتا ہے اور گرتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کون ہے جس نے یہ سارے انتظامات کر دیئے ہیں۔ انسان کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر بنا دیا۔ صٰٓفّٰتٍ: یا بسطن اجنحتھن فی الجو عند طیرانھا یعنی اثنائے پرواز فضا میں پرندوں کا اپنے پروں کو پھیلا دینا۔ یقبضن: یضممنھا الی جنوبھن یعنی اپنے پروں کو پہلوؤں کے ساتھ سکیڑ لینا۔

٢٤ وہ صرف پرندوں کی رکھوالی نہیں کرتا، کائنات کی ہر چیز اس کی نگاہ میں ہے اور وہ ان کی نگہبانی کر رہا ہے۔

٢٥ یعنی وہ لوگ جو اتنی فراوانی کی داد دے بیٹھے ہیں کیا ان کے پاس کوئی ایسی فوج ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا عذاب ان پر نازل ہو تو وہ ان کی مدد کے لیے آگے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟ ہرگز نہیں۔ یہ کفار تو شیطان کے دام فریب میں پھنس چکے ہیں، اتنی سی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ دنیا میں ایسی کوئی طاقت نہیں جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

٢٦ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ اپنے رزق کے سلسلے کو بند کر لے تو انہیں ایک دانہ بھی دستیاب نہ ہو اور بھوک سے بلک بلک کر تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔ یہ حقیقت اتنی واضح ہے لیکن افسوس یہ لوگ اپنی سرکشی اور حق سے گریز کرنے میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔

٢٧ مشکل الفاظ کی تشریح۔ عُتُوّ: طغیان یعنی سرکشی۔ نفور من الحق: حق سے نفرت، بیزاری۔ نَفَرُوْا: تفرقوا، منتشر ہو گئے۔ کسی چیز سے بدک جانا۔

عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٢٢

چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے ۲۸

قُلْ هُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۗ

آپ فرمائیے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے ۲۹

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝٢٣ قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَ

لیکن تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو ۳۰ آپ فرمائیے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے ۳۱ زمین میں اور روز حشر

کسی چیز سے چھوٹ جانا۔

۲۸ کافر کی حالت کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جا رہی ہے جو سر اوندھا کیے کسی راستہ پر چل رہا ہے۔ نہ دائیں دیکھتا ہے اور نہ بائیں اور نہ سامنے اس کی نگاہ پڑتی ہے۔ کسی وقت بھی وہ شخص کسی چیز سے ٹکرا کر اپنا حلیہ بگاڑ سکتا ہے۔ دائیں بائیں کسی گڑھے میں گر کر اپنی ہڈی پسلی توڑ سکتا ہے۔ ایسے شخص کا منزل مقصود تک پہنچنا بعید از امکان ہے۔ اور مومن کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو سیدھا ہو کر سر اٹھائے چل رہا ہے۔ دور دور تک آگے بھی اسے صاف نظر آ رہا ہے اور دائیں بائیں ہر طرف بھی دیکھ رہا ہے۔ ایسا شخص جب چلتا ہے تو راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے۔ راہ میں کوئی گڑھا ہو کوئی درخت ہو کوئی اور چیز حائل ہو تو وہ اس سے بچ کر نکل سکتا ہے۔ دائیں بائیں سے اگر اس پر کوئی بلا پہنچے تو وہ اس سے اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ ایسے شخص کا اپنی منزل پر پہنچنا یقینی ہے۔ اب تم خود فیصلہ کر لو کہ صحیح راہ پر کون گامزن ہے۔ کتنی پیاری، واضح اور دلنشیں مثال ہے۔

۲۹ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ اسی طرح انسان کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے لیکن اسے چند مزید صلاحیتیں ارزانی فرمائی ہیں جو اور کسی کو نہیں بخشی گئیں۔ اسے ایسے کان دیئے ہیں جن سے وہ دعوت حق کو سن سکتا ہے۔ اسے ایسی آنکھیں بخشی ہیں جن سے وہ قدرت حق کو دیکھ سکتا ہے۔ مزید براں اسے ایسا دل عطا فرمایا ہے جو ان دلائل و بینات میں غور و تدبر کر سکتا ہے اور حق و باطل میں تمیز کر سکتا ہے۔ پھر اسے اختیار ہے کہ اپنی مرضی سے حق کو قبول کرے اور باطل کو مسترد کر دے۔ جس مخلوق کو ایسی صلاحیتیں بخشی گئی ہوں وہ اگر انہیں ایسے مسئلے کے سمجھنے میں استعمال نہ کرے جس پر اس کی ابدی فلاح کا انحصار ہے تو یہ بڑی افسوس کی بات ہے۔

۳۰ یعنی یا تو بہت کم ایسے انسان ہیں جو ان نعمتوں کو صحیح طور پر استعمال کر کے شکر گزاری کا حق ادا کرتے ہیں۔

۳۱ ذرأ کے دو معنی ہیں: پیدا کرنا اور پھیلا دینا۔ دونوں درست ہیں۔

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٥﴾

تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ اور کفار (ازراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو ٤٢

قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٦﴾ فَلَمَّا رَأَوْهُ

آپ فرمائیے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں ٤٣ پھر جس وقت لے قریب

زُلْفَةً سِيئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَٰذَا الَّذِي كُنتُم

آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار

بِهِ تَدَّعُونَ ﴿٢٧﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَن مَّعِيَ أَوْ

مطالبہ کرتے تھے ٤٤ آپ فرمائیے بھلا یہ تو بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں کو ہلاک کر دے یا

٤٢ کفار بار بار پوچھتے تھے کہ بتاؤ قیامت کب برپا ہوگی لیکن ان کے پوچھنے کا مقصد یہ نہ تھا کہ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ قیامت کس سال کس تاریخ کو کتنے بجے قائم ہونے والی ہے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ اب تک جو وہ قیامت پر ایمان لانے سے گریزاں ہیں اس کی محض یہ وجہ ہے کہ انہیں سال اور تاریخ نہیں بتائی گئی۔ ان کی یہ غرض نہ تھی بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لیے وہ یہ سوال کیا کرتے تھے کہ صدیاں گزر گئیں جو پیغمبر بھی آیا وہ اپنی قوم کو قیامت سے ڈراتا رہا۔ ابھی تک وہ آئی نہیں اور اگر آپ بھی اس کے لیے کوئی حتمی تاریخ مقرر نہیں کر سکتے تو ہم یہ باور کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ یہ محض گپ ہے جو گھڑ لی گئی ہے جو سادہ لوح عوام کا استحصال کرنے کے لیے مذہبی لیڈر ہمیشہ سے استعمال کرتے رہے ہیں۔ اگر قیامت کو آنا ہوتا تو وہ کب کی آ چکی ہوتی۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو آپ یقیناً اس کی معین تاریخ بتا دیتے۔ ان کے یہ خیالات محض ان کی حماقت کا آئینہ دار تھا۔ جس حادثہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جب تک وہ گھڑی نہ آ جائے قیامت کیسے برپا ہو سکتی ہے۔

٤٣ اس کا علم اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔ مجھے تو اس لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں قبل از وقت خبردار کر دوں تاکہ تم توبہ کر لو اور قیامت کے دن رسوائی کے عذاب سے اور آتش جہنم سے بچ جاؤ۔ علم قیامت کے بارے میں متعدد مقامات پر بحث گزر چکی ہے۔

٤٤ آج تم قیامت کے لیے جلدی مچا رہے ہو۔ جب وہ برپا ہوگی تو تمہاری حالت دیدنی ہوگی۔ اس کے خوف سے چہرے بگڑ جائیں گے۔ رخساروں کی سرخی غائب ہو جائے گی۔ ہونٹ لٹکنے لگیں گے۔ زبان باہر نکل آئے گی۔ آنکھیں اندر دھنس جائیں گی۔ حواس باختہ ہوں گے واقعی اوسان کھو بیٹھو گے۔ اس وقت تمہارے پاس آ کر پوچھا جائے گا کہ تم اس پر ایمان لاؤ گے لیکن اب ایمان لے بھی آئے تو اس وقت کا ایمان بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا۔ اس وقت تمہیں کہا جائے گا یہ ہے وہ قیامت جس کا تم بڑی شدت اور اصرار سے مطالبہ کیا کرتے تھے۔

رَحِمَنَا فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ

ہم پر رحم فرمائے تو کون بچائے گا کافروں کو دردناک عذاب سے ۲۸ فرمائیے وہ (میرا خالق)

الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ

بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کون کھلی

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ

گمراہی میں گرفتار ہے ۲۹ آپ پوچھیے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں

يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

چشمہ صاف پانی کون لا دے گا؟ ۳۰

۲۸ یعنی ہمارے ساتھ تو جو ہوگا تم اس کی فکر نہ کرو، تم اپنی خیر مناؤ۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے تم بچ نہیں سکتے۔ جب اس نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہیں کون اگر حمایت دے گا؟ تمہارا سارا وقت ہم پر زبان طعن دراز کرنے میں گزر جاتا ہے۔ شب و روز تم ہم پر تنقید کے تیر برساتے رہتے ہو۔ کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانک لیا کرو اور اپنے انجام کے بارے میں بھی سوچ لیا کرو۔

۲۹ ہم تو اپنے پروردگار پر جو رحمٰن ہے، صدق دل سے ایمان لے آئے ہیں۔ اسی پر ہمارا بھروسہ ہے کہ اس دنیا میں بھی وہ ہمیں کامیاب و کامران فرمائے گا، دین کا بول بالا ہوگا اور باطل پسپا ہوگا اور آخرت میں بھی وہ اپنی رحمت اور رافت سے نوازے گا۔ تم بتاؤ جس کا رحمٰن اور رحیم خدا پر ایمان ہے اور اسی پر بھروسہ ہے، تمہارا انجام کیا ہوگا؟ تمہارے یہ بے جان بت تمہارے کیا کام آئیں گے۔ اب تم ہی فیصلہ کرو کہ گمراہ کون ہے۔ خدائے واحد پر ایمان لانے والے یا اس کا انکار کر کے بتوں کو خدا بنانے والے۔ اس قادر و توانا پر توکل کرنے والے یا دست ساختہ لات و منات پر تکیہ رکھنے والے۔

۳۰ غور بمعنی غائر۔ یعنی پانی کا زمین میں اتنا گہرا چلا جانا کہ ڈول بھی وہاں تک نہ پہنچ سکیں۔ ای ذا ماءٍ غائرٍ۔ پانی کی وجہ سے ہی سارے حجاز میں قلت تھی۔ دو تین چشمے تھے یا بارش کا پانی کہیں کہیں حوضوں میں اکٹھا کر لیا جاتا تھا۔ انہی پر ان کی گزر اوقات ہوتی تھی۔ اگر بارش کچھ عرصہ نہ ہوتی اور وہ حوض خشک ہو جاتے تو ان کی جان پر بن آتی۔ آخری آیت میں ان کی دکھتی رگ کو چھیڑا گیا ہے۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ جن کو تم اپنا معبود اور خدا سمجھے بیٹھے ہو کیا ان میں اتنی طاقت ہے کہ اگر تمہارے یہ دو چار چشمے خشک ہو جائیں یا ان کا پانی بہت نیچے چلا جائے تو وہ ان کو دوبارہ جاری کر سکیں۔ اگر ان میں یہ قوت نہیں اور تمہیں بھی تسلیم ہے کہ نہیں تو پھر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس ذات اقدس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں زندگی بخشی اور تمہیں زندہ رہنے کے لیے بن مانگے ساری ضروریات مہیا کیں،

پانی جس کے بغیر تم اور تمہارے سارے مویشی زندہ نہیں رہ سکتے' اس کو تم سے پہلے انتظام فرمایا ایسے کریم و حکیم اور رحیم پروردگار پر تم ایمان نہیں لاتے۔ اس کے حضور میں تمہارے سر نہیں جھکتے اور ان پتھر کے بے جان بتوں اور اپنے جیسے عاجز انسانوں سے ہر وقت چمٹے رہتے ہو' کبھی ان کو سجدہ کرتے ہو' کبھی ان کا طواف کرتے ہو۔ اشرف المخلوقات انسان ہو کر تمہاری یہ حرکتیں بڑی افسوسناک ہیں۔

یاد رکھو! کہ پانی کے یہ چشمے اس رحمان نے جاری کیے ہیں جو تمہارا رب ہے۔ اسی نے بارش برسا کر تمہارے حوضوں کو پانی سے لبریز کر دیا ہے۔ اگر یہ حوض خشک ہو جائیں یا ان چشموں کا پانی زمین میں جذب ہو جائے تو اسی میں اور صرف اسی میں یہ قدرت ہے کہ وہ چشمے دوبارہ ان چشموں کو از سر نو جاری کرے جن سے ٹھنڈا اور شفا بخش پانی کثرت سے بہنے لگے۔

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب یہ آیت پڑھے تو ساتھ یہ کہے اللہ رب العالمین۔ تاکہ سوال کا صحیح جواب آجائے۔

○

الحمد لله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔
والصلوٰة والسلام على حبيبه المصطفىٰ ورسوله المرتضىٰ سيد الخلق محمد المبعوث
رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه ومن اتبعهم باحسانه الى يوم الدين۔
فاطر السمٰوٰت والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

○

تعارف

سورہ القلم

نام : یہ سورت دو ناموں سے زیادہ مشہور ہے۔ سورۃ "ن" اور "القلم"۔ یہ دو رکوعوں، باون آیتوں، تین سو کلمات اور ایک ہزار دو سو چھپن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : باتفاق علماء اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔

مضامین : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و ارشاد کا سلسلہ بڑی گرمجوشی سے شروع کر دیا ہے۔ قرآن کریم کی جو سورتیں یا آیات نازل ہوتی ہیں حضور اپنے کیف آگیں لہجہ میں اس کی تلاوت کرتے ہیں اور لوگوں کو سناتے ہیں۔ احکامِ الٰہیہ کی خود بھی پابندی فرماتے ہیں اور دامنِ رحمت سے جو وابستہ ہو جاتا ہے وہ بھی سرخوشی سے ان پر عمل پیرا ہو جاتا ہے۔ بلاد مکہ میں کفر کا اُٹھتا ہے ظلم و ستم کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اللہ کے بندے اپنے اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر بڑی جانفروشی سے گامزن ہیں۔ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس والہانہ جوش و خروش کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن جاتے ہیں اور آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے، اس کا دماغ ناکارہ ہو گیا ہے۔ سود و زیاں میں تمیز کی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر کفار کے ان الزامات کی تردید کرتے ہیں کہ میرا محبوب دیوانہ نہیں ہے بلکہ اخلاق عالیہ کی ان رفعتوں پر فائز ہے جہاں کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی جس کا کردار اتنا بلند ہو، جس کی سیرت اتنی بے داغ اور جس کے اعمال سراپا نور ہوں بھلا اس کو مجنون کہنا کس طرح روا ہے؟

اس کے بعد فرمایا کہ یہ بے عیب وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ مداہنت سے کام لیں اور مصالحت کا رویہ اختیار کریں تو وہ بھی آپ کے ساتھ سختی کا سلوک ترک کر دیں لیکن آپ کا یہ شیوہ ہی نہیں۔ یہ لوگ جو اپنے معاشرے کے رؤسا ہیں اپنے شہر کے چودھری سمجھے جاتے ہیں۔ ذرا ان کے اعمال پر تو نظر ڈالو ہر قسم کی اخلاقی برائیوں کے وہاں ڈھیر لگے ہوئے ہیں نیکی کی کوئی کرن بھی تو وہاں نظر نہیں آتی تیرے جیسا مرقعِ دلبری و زیبائی بھلا ان کی پیروی کیسے کر سکتا ہے۔ جس دولت و ثروت اور جاہ و منصب پر یہ اتراتے ہیں تیرے رب کی جناب میں تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔

پھر مادہ پرستانہ اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی ایسی صحیح تصویر کھینچ کر رکھ دی کہ جسے دیکھ کر طبیعت میں ایسی ذہنیت سے خود بخود نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو شخص دولت کی فراوانی کے باوجود کسی غریب کو ایک حبہ تک دینے سے گریزاں ہو اس سے برا انسان اور کون ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ متقی لوگوں کے لیے جنت ہے اور ان کے ساتھ جو معاملہ

کیا جائیگا وہ اس سے بالکل الگ ہوگا جو معاملہ مجرموں کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ خواب غفلت میں بے سدھ پڑے رہنے والوں کو بتا دیا کہ اب وقت ہے جبین نیاز اپنے پروردگار کے حضور جھکا لو ورنہ قیامت کے دن تم چاہو گے کہ سجدہ کرسکو لیکن ہزار کوشش کے باوجود تم ایسا نہیں کرسکو گے۔ تمہاری پشت اور گردن اکڑ جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آخر میں اپنے حبیب کو تسلی دے رہا ہے کہ یہ سرکش ہمیشہ دندناتے نہ پھریں گے۔ ہم انہیں یوں بربادی کے گڑھے میں دھکیل دیں گے کہ انہیں خبر تک نہ ہوگی۔

آخر میں حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمادی گئی۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۱۹-۳-۷۷

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ اِثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ آيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ القلم مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۝١ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝٢

نٓ، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں ۱ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں ۲

۱ نٓ: حروف مقطعات میں سے ہے۔ ان کے بارے میں تحقیق پہلے گزر چکی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کے درمیان راز ہیں اور اولیائے کاملین کو ان کا علم بارگاہ رسالت سے ارزانی ہوتا ہے۔

یہاں ایک اور توجیہ بھی قابل غور ہے جو سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے۔ وہ اپنی کتاب التعریفات میں لکھتے ہیں: النون هو العلم الاجمالي يريد به الدواة فان الحروف التي هي صور العلم موجودة في مدادها اجمالا وفي قوله تعالى ن والقلم هو العلم الاجمالي في الحضرة الاحدية والقلم حضرة التفصيل۔

النون سے مراد دوات ہے جو علم اجمالی سے عبارت ہے کیونکہ حروف جو علم کی صورتیں ہیں اجمالی طور پر اس میں موجود ہیں اور ن والقلم میں نون سے مراد علم اجمالی ہے جو حضرت احدیت میں ہے اور القلم تفصیل کا مرتبہ ہے۔ واؤ قسم کے لیے ہے۔ القلم سے بعض حضرات نے وہ قلم مراد لیا ہے جس نے امر الٰہی سے تقدیر عالم کو لوح محفوظ پر تحریر کیا جس کی حقیقت سے اللہ تعالیٰ ہی آگاہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ قلم سے مراد جنس قلم ہے اور اسی کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ علوم و فنون، نظریات و افکار کی تعلیم اور اشاعت میں بے شک زبان کی قوت بیانیہ کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کی افادیت زمان و مکان کی حد بندیوں میں محصور ہے۔ قلم ایک ایسا آلہ ہے جو زمان و مکان کی مسافتوں کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ گزشتہ صدیوں کے علوم و فنون سے ملت حاضرہ کو مستفیض کرتا ہے اور دور دراز علاقوں میں بیٹھے ہوئے اصحاب علم و عرفان کے افکار و نظریات کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچاتا ہے۔

قرآن حکیم جو علم و حکمت کی برتری کا علمبردار ہے جس نے آدم خاکی کی عظمت کا راز اس بات کو قرار دیا ہے کہ اس کا سینہ علوم و فنون کا گنجینہ تھا کوئی مخلوق حتیٰ کہ نوری فرشتے بھی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اس لیے قرآن کریم نے قلم کو جو علم کی نشر و اشاعت کا موثر اور وسیع تر ذریعہ ہے اس کی جلالت شان کو ظاہر کرنے کے لیے اس کی قسم کھائی تاکہ اس قرآن کریم کے ماننے والے آیات کتاب حکمت و دانش کے کھولنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس کے حصول کے لیے تم جدوجہد سے آگاہ رہو اور دنیا کے گوشہ گوشہ کو اس کی روشنی سے منور کرنے کے لیے اپنی ہر امکانی کوشش کریں۔ صرف قلم کی قسم کھا کر اس کی عزت افزائی نہیں کی گئی بلکہ وما یسطرون فرما کر قلم کے ان جواہر پاروں کی بھی قسم کھائی گئی ہے جو اہل قلم سے صفحہ قرطاس کی زینت بنتے ہیں۔ اس طرح ان کی شان کو بھی دوبالا کر دیا۔

۲ یہ جواب قسم ہے۔ کفار و مشرکین حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جنون کا بہتان لگاتے تھے۔ ان کے اس بیہودہ الزام کی تردید بڑے والہانہ انداز سے کی جا رہی ہے۔ پہلے قسم کھائی ہے قلم اور ما یسطرون کی۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جس ذات پاک کے بارے میں یہ الزام تراشی کرتے ہیں وہ تو ایسی محبوب صفات ہستی ہے کہ قلم کو اس کی تعریف و ثنا سے فرصت نہ ملے گی وہ تو ہر دن ہی تحریری طور پر دنیا کے

وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝۳ وَإِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝۴

اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا ۳؎ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں ۴؎

لیے باعث عزو افتخار ہوں گی جن میں اس محبوب دلربا کا ذکر پاک ہوگا۔ اس پر تو اس کے رب نے فضل و کرم فرمایا ہے۔ اس کے لئے تو ہے زیبا کہ وہ کہ آنکھیں بند تھیں ہوتی ہیں اس کی حکمت بھری باتیں سن کر دلوں کے ویرانوں میں بہار آجاتی ہے۔ بخت اس کی صحبت میں پل بھر بیٹھیں تو ان کو ابدی سعادت کا تاج پہنا دیا جاتا ہے۔ اس کے نام مبارک پر جو لوگ اپنا سر کٹا دیتے ہیں انہیں حیات سرمدی سے سرفراز کیا جاتا ہے شہادت کے منصب عالی پر فائز کیا جاتا ہے۔ ہر سچائی اور صداقت کے لیے اس کا قول و فعل شاہد عادل تسلیم کیا جاتا ہے۔ خود سوچو جس کا خلق عظیم ہو، جس کا علم بیکراں ہو، جس کا شجر حکمت سدا بہار ہو، جس کی برکات بے شمار اور خوبیاں لاتعداد ہوں جس کی فصاحت و بلاغت کا دنیا بھر میں کوئی جواب ہی نہ ہو کیا اس کو مجنون کہنا [illegible] جو اس [illegible] زبان درازی کر کے مجنون کہتا ہے اس سے بڑا دیوانہ اور [illegible] پاگل کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔

حضرت علامہ عارف ربانی سید اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا ایک دوسرا مفہوم ذکر کرتے ہیں:

وفی التاویلات النجمیة ما انت بنعمة ربک بمستور عما کان من الازل وما یکون الی الابد۔ لان الجن هو الستر وما سمی الجن جنا الا لاستتاره عن الانس بل انت عالم بما کان وبما یکون وبما هو کائن علی ما قال علیه السلام فوضع کفه علی کتفی فوجدت برد انامله بین ثدیی فعلمت ما کان وما یکون۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مجنون کا معنی مستور ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے اے حبیب! اللہ تعالیٰ کی نعمت سے آپ پر جو ازل میں ہو چکا یا ابد تک ہونے والا ہے وہ مستور اور پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ مجنون، جن سے ہے اور اس کا معنی پردہ ہے اور جن کو جن اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ انسانوں کی آنکھوں سے چھپا رہتا ہے۔ بلکہ آپ جو کچھ ہو چکا اس سے بھی واقف ہیں اور جو ہوگا اس سے بھی خبردار ہیں اور حضور کے اس علم کمال پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں پایا۔ پس میں نے ماکان و مایکون کو جان لیا۔

یہ اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اس کی سند کے بارے میں لکھا ہے حسن صحیح فسألت محمد بن اسماعیل البخاری عن هذا الحدیث فقال هذا حدیث صحیح۔ امام ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۃ النمل آیت [illegible]

۳؎ اے حبیب! نبوت کے اس بارگراں کو جس خوبی سے آپ نے اٹھایا ہے، میرے دین کی تبلیغ و اشاعت میں جس استقامت اور عزیمت کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے، میری مخلوق کے قلوب و اذہان کو میرے نور توحید سے جس طرح آپ نے روشن کیا ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ یہ آفتاب صداقت ابد تک درخشاں و تاباں رہے گا۔ توحید کے یہ دل نشیں نغمے بلند ہوتے ہی رہیں گے۔ قیامت تک آنے والے انسان اس سے فیضیاب ہوں گے۔ اس لیے آپ کا اجر بھی ہمیشہ جاری رہے گا، یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ممنون، مقطوع۔ کٹ جانا، [illegible] ہونا۔

۴؎ خالق کی زبان اپنی تخلیق کے شاہکار کی توصیف فرما رہی ہے۔ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کے لیے آپ کو ذرا [illegible]

کام لیا ہوگا۔ اس آیت کا ہر کلمہ اپنے اندر معانی و معارف کا ایک دفینہ لیے ہوئے ہے۔ اس لیے ہر کلمہ کو دقتِ نظر سے مطالعہ کرنا پڑے گا تاکہ شانِ لطف تمہارے دل پر اس سرکار کے جمالِ جہاں آرا کی ایک جھلک نصیب ہو جائے۔

پہلے یہ سمجھیے کہ خُلق کس کو کہتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَفْسَانِيَّةٌ يَسْهُلُ عَلَى الْمُتَّصِفِ بِهَا الْإِتْيَانُ بِالْأَفْعَالِ الْجَمِيلَةِ۔ یعنی خلق نفس کے اس ملکہ اور راسخ استعداد کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے لیے افعالِ جمیلہ اور خصائلِ حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔ (کبیر)

پھر فرماتے ہیں کسی کا اچھے اور خوبصورت فعل کا کرنا الگ چیز ہے لیکن اس کو سہولت اور آسانی سے کرنا الگ چیز ہے۔ کوئی کام خلق اسی وقت کہلائے گا جب اس کے کرنے میں تکلف سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ یعنی جس طرح آنکھ بے تکلف دیکھتی ہے، کان بے تکلف سنتے ہیں، زبان بے تکلف بولتی ہے اسی طرح سخاوت، فیاضی، حیا، عفو، درگزر وغیرہ تجھ سے کسی تردد اور توقف کے بغیر صادر ہوتے رہیں تو اس وقت ان امور کو تیرے اخلاق شمار کیا جائے گا۔

عظیم: بہت بڑا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: اِذْ لَا يُدْرِكُ شَأْوَهُ أَحَدٌ مِنَ الْخَلْقِ۔ مخلوق میں سے جس کی عظمت و رفعت کی حد کو کوئی نہ پا سکے اسے عظیم کہتے ہیں۔

علیٰ استعلاء کے لیے ہے یعنی کسی کو سواری بنا لینا، اس پر چھا جانا اور قابو پالینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ آیت یوں نہیں ہے وَاِنَّكَ لَذُو خُلُقٍ عَظِيمٍ بلکہ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اخلاقِ حمیدہ اور افعالِ پسندیدہ پر حضور کو قبضہ ہے۔ یہ سب زیر فرمان ہیں۔ یہ سب مرکب ہیں، حضور ان کے راکب اور شہسوار ہیں۔ اس لیے حضور کو ان امور کے لیے کسی تکلف اور بناوٹ کی ضرورت نہیں۔ آئینۂ ذاتِ محمدی سے صفاتِ حمیدہ اور کمالاتِ احمدیہ کی کرنیں خود بخود پھوٹتی رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حکم دیا قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ اے حبیب! آپ اعلان کر دیں کہ میں تم لوگوں سے کسی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ میں تکلف اور بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ فرما کر یہ بتایا کہ حضور کی ذات تمام کمالات کی جامع ہے۔ وہ کمالات جو پہلے نبیوں اور رسولوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے وہ مجموعی طور پر اپنی تمام جلوہ سامانیوں اور اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ اس ذاتِ اقدس و اطہر میں موجود ہیں۔ نوح کی غیرت، ابراہیم کا اخلاص، موسیٰ کا صدق، اسماعیل کا صبر، یعقوب کا توکل، سلیمان کی شان علیہم الصلوٰۃ والسلام سب یہاں جمع ہیں۔

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

امام شرف الدین بوصیری نے اپنے مخصوص انداز میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

فَاقَ النَّبِيِّينَ فِي خَلْقٍ وَفِي خُلُقٍ　　وَلَمْ يُدَانُوهُ فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمِ
فَإِنَّهُ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا　　يُظْهِرْنَ أَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری شکل و صورت اور سیرت و اخلاق کے لحاظ سے تمام انبیاء سے بڑھ کر ہیں۔ کوئی نبی آپ کے مقامِ علم اور شانِ کرم کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ حضور کی ذات بزرگی کا آفتاب ہے۔ سارے انبیاء آپ کے ستارے ہیں اور وہ ستارے ہیں جو دنیا کے اندھیروں میں آپ کے انوار و تجلیات کو ظاہر کرتے رہے ہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے خلق مصطفوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مختصر اور جامع جواب دیا کان خلقہ القرآن۔ حضور کا خلق قرآن تھا یعنی جن محاسن اوصاف اور مکارم اخلاق کو اپنانے کا قرآن نے حکم دیا ہے حضور ان سے کمال درجہ متصف تھے اور جن لغو باتوں اور فضول کاموں سے بچنے کی ترغیب دی ہے حضور ان سے پوری طرح منزہ و مبرا تھے۔ ایک دوسرے شخص نے جب یہی سوال کیا تو ام المومنین نے فرمایا سورۂ المومنون کی پہلی دس آیتیں پڑھ لو انہی میں حضور کے خلق کی صحیح تصویر ہے۔

محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ فرماتے ہیں: "ہیچ خلقی بزرگ تر از خلق محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام نبودہ چہ از مشیت خود دست باز داشتہ و خود را کلی با حق گزاشتہ"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلق سے کسی کا خلق اعلیٰ نہیں کیونکہ حضور اپنی مرضی اور مشیت سے دستکش ہو گئے اور اپنے آپ کو کلیۃً حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

امام قشیری کا ارشاد ہے: "نہ از بلا منحرف شد و نہ از عطا منصرف گشت" (روح البیان) یعنی نہ آلام و مصائب کے باعث شاہد حقیقی سے منہ موڑا اور نہ جود و عطا سے دامن بھر لینے کے بعد اس سے بے رخی برتی۔

حضرت جنید کی رائے ملاحظہ ہو: سمی خلقہ عظیما لانہ لم تکن لہ ھمۃ سوی اللہ تعالیٰ (قرطبی) حضور کے خلق کو عظیم اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حضور کی کوئی خواہش نہ تھی۔

حضرت حسان نے کیا خوب ترجمانی کی ہے۔

لہ ھمم لا منتہی لکبارھا وھمتہ الصغری اجل من الدھر

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمتیں اور حوصلے بے شمار ہیں۔ جو ان میں سے بڑے حوصلے ہیں ان کی تو حد ہی نہیں حضور کی چھوٹی سے چھوٹی ہمت اور حوصلہ زمانہ سے بزرگ تر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور اس کا ادب سکھانا بہت خوب تھا۔

جب اس حبیب کریم کا مؤدب، مربی اور معلم خود رب العالمین ہو تو پھر اس تعلیم و ارشاد کے حسین ادب، حسن تربیت اور کمال علم کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے لگاتار دس سال حضور کی خدمت کی۔ حضور نے مجھے کبھی اف نہیں کہا۔ جو کام میں نے کیا اس کے متعلق کبھی نہیں فرمایا کہ تو نے کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ میں نے کسی اطلس یا ریشم کو حضور کی ہتھیلیوں سے زیادہ نرم نہیں پایا۔ کوئی مشک کوئی عطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پسینے سے زیادہ خوشبودار میں نے نہیں سونگھا۔

شاہ خوباں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف خود ہی سراپا کمال، سراپا جمال بن کر نہیں رہے اور تصویر تجمل نہیں بنے رہے بلکہ اپنے نیازمندوں کو بھی ان خوبیوں سے مالا مال کر دیا۔ ان کی ایسی تربیت فرمائی کہ آنے والی نسل انسانی کے لیے وہ ایک دلکش نمونہ بن گئے۔ بے شمار شواہد تاریخ میں ہیں سے

صرف چند ایک بھی لیجئے جن میں صحابہ کرام کو اخلاقِ حسنہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

(۱) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اتق اللہ حیثما کنت واتبع السیئۃ الحسنۃ تمحہا وخالق الناس بخلق حسن۔ (ترمذی، حسن صحیح)

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے فوراً بعد نیکی کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن خلق سے پیش آیا کرو۔

(۲) عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال ما من شیء اثقل فی میزان المؤمن یوم القیامۃ من خلق حسن وان اللہ تعالیٰ لیبغض الفاحش البذیء۔ فرمایا قیامت کے دن مومن کے میزان میں حسن خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔

(۳) وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یقول ما من شیء یوضع فی المیزان اثقل من حسن الخلق وان صاحب حسن الخلق لیبلغ بہ درجۃ صاحب الصلوٰۃ والصوم۔ فرمایا میزان میں کوئی ایسی چیز نہیں رکھی جائے گی جو حسن خلق سے زیادہ وزنی ہوگی اور اچھے اخلاق کا مالک اپنے حسن خلق کے باعث نماز پڑھنے والے روزہ رکھنے والے کے مرتبہ کو پا لیتا ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث خصوصی توجہ سے پڑھیے:

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان من احبکم الی واقربکم منی مجلسا یوم القیامۃ احاسنکم اخلاقا ... وقال ان ابغضکم الی وابعدکم منی مجلسا یوم القیامۃ الثرثارون والمتشدقون والمتفیہقون قالوا یا رسول اللہ قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفیہقون قال المتکبرون۔

ترجمہ: حضرت جابر سے مروی ہے حضور نے فرمایا میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محبوب اور روز قیامت تم میں مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ پھر فرمایا میرے نزدیک تم میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن تم میں سے مجھ سے سب سے زیادہ دور بیہودہ باتیں کرنے والے، زبان دراز اور متکبر ہوں گے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ! پہلے دو لفظوں کا مطلب جانتے ہیں آپ بتائیں تیسرے لفظ کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا متکبر لوگ۔

روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلق کی تین سو ساٹھ صورتیں ہیں جس شخص میں توحید کے ساتھ ان میں سے ایک صورت بھی پائی گئی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ قال ابوبکر رضی اللہ عنہ ہل فی منہا یا رسول اللہ؟ صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ! ان میں سے کوئی چیز مجھ میں بھی پائی جاتی ہے؟ قال کلہا فیک یا ابابکر و احبہا الی اللہ السخاء۔ حضور نے فرمایا اے ابوبکر تم میں حسن خلق کی سب صورتیں موجود ہیں اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخاوت بہت محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہمیں بھی اخلاقِ حسنہ کی نعمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین!

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَييِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے دیوانہ/مجنون کون ہے بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ فَلَا تُطِعِ

ان کو جو اس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں پس آپ بات نہ مانیں

الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ

(ان) جھٹلانے والوں کی۔ وہ آرزو کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور نہ بات مانیے کسی جھوٹی قسمیں

حضرت ابن عباسؓ اس آیت کا معنی بیان کرتے ہیں فستعلم ویعلمون یوم القیامۃ یعنی آج تم حق کی پرواہ نہیں کرتے ہو۔ حقیقت سے بے پرواہ اس وقت اٹھے گا جب حشر برپا ہوگا اس روز تمہیں پتہ چلے گا کہ دیوانہ کون تھا۔ خدا کو وحدہ لاشریک ماننے والا، اس کے احکام کی تعمیل کرنے والا، اس سے ہر وقت ڈرنے والا، یا بتوں کی پوجا کرنے والے، نفس امارہ کی فرمانبرداری کرنے والے، قیامت کا انکار کرنے والے۔

المفتون، المجنون الذی فتنه الشیطان یعنی وہ دیوانہ جس کو شیطان نے گمراہ کر دیا ہو۔

آپ کا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ راہ حق سے کون منحرف ہو گیا اور صراط مستقیم پر سست روی سے کون قدم بڑھاتا ہوا منزل کی طرف جا رہا ہے۔ نہ اسے اپنے آرام کا خیال ہے، نہ اسے لوگوں کی مخالفت کا اندیشہ ہے، نہ مصائب و آلام سے گھبراتا ہے، نہ طویل سفر اور بعید منزل سے دل برداشتہ ہوتا ہے۔ جب دونوں فریقوں کے حالات سے وہ واقف ہے تو وہ ان کو مناسب حال جزا بھی دے گا۔

علامہ جوہری لکھتے ہیں ادھن، ودھن ای تصنع یعنی مداہنت کی۔ الادھان، التلیین لمن لا ینبغی له التلیین۔ یعنی اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا جو ایسے برتاؤ کے قابل نہ ہو۔

کفار کی آرزو تھی کہ اگر آپ دعوت حق اور رد شرک میں کچھ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی آپ کی مخالفت میں سختی ترک کر دیں گے۔ چنانچہ ان نادانوں نے نبی برحق کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ آؤ اس آئے روز کی مخالفت کو چھوڑ دیں، باہم مصالحت کر لیں۔ چند روز آپ ہمارے خداؤں کی پرستش کیا کریں اور چند روز ہم آپ کے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کیا کریں گے۔ اسلام اس دورنگی کو کب برداشت کر سکتا ہے۔ اس سے صاف منع کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ

کھانے والے ذلیل شخص کی [7] جو بہت نکتہ چین، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا

أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴿١٣﴾ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾

بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بد اصل ہے [8] یہ غرور و سرکشی اس لیے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے [9]

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ءَايَٰتُنَا قَالَ أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾ سَنَسِمُهُۥ عَلَى

جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ [10] ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر

ٱلْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾ إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟

داغ لگائیں گے [11] ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو [12] جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ

[7] ان آیات میں دس عیوب شمار کیے گئے ہیں۔ عام لوگوں میں ان عیوب میں سے دو چار کا پایا جانا تو ممکن ہے لیکن سب میں ان تمام عیوب کا بیک وقت پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے لکھا ہے کہ ان آیات میں ایک خاص شخص کا ذکر ہو رہا ہے جس میں یہ تمام نقائص بدرجہ اتم موجود تھے۔ وہ شخص کون تھا، اس سلسلہ میں تین کافروں کا نام لیا جاتا ہے۔ ولید بن مغیرہ، اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق۔ اکثر کے نزدیک ولید بن مغیرہ مراد ہے۔

مشکل الفاظ کے معانی: حَلَّافٍ: کثیر الحلف بالباطل۔ کثرت سے جھوٹی قسمیں کھانے والا۔ مَهِينٍ: ذلیل، حقیر، رذیل آدمی۔ هَمَّازٍ: الطعان والعیاب۔ عیب جو، نکتہ چیں۔ مَشَّآءٍۭ بِنَمِيمٍ: جو چغلی کھانے کے لیے بکثرت چلتا پھرتا ہے۔ مُعْتَدٍ: متجاوز الحد۔ حد سے تجاوز کرنے والا۔ اَثِيمٍ: کثیر الاثم۔ بہت گنہگار۔ عُتُلٍّ: الجافی الغلیظ۔ اکھڑ مزاج۔ زَنِيمٍ: الملصق بالقوم الدعی۔ یعنی جو اس قوم سے نہ ہو لیکن زبردستی اسے ان میں شامل کیا گیا ہو۔

[9] دیکھیے اس رذیل شخص کی رعونت اور سرکشی۔ یہ سب کچھ اس لیے تھی کہ اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی تھی اور اس کے بہت سے بیٹے تھے اور جب اسے میرا رسول میری آیتیں سناتا ہے تو بڑی بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ پہلے لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ تو اپنی بزم عیش و طرب کو گرم کرنے کے لیے یہ صاحب خواہ مخواہ افسانے سنانے لگتے ہیں۔

[11] ہم عنقریب اس کی سونڈ یعنی ناک پر داغ لگائیں گے۔ ہر دیکھنے والا اس داغ کو دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ یہ شریر بدبخت و شقاوت یہ صاحب ہیں۔ چنانچہ جنگ بدر میں اس کی تھوتھنی پر تلوار کا ایک نشان لگا جو آخر دم تک رہا۔

[12] رؤسائے قریش اور سرداران مکہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور عداوت میں پیش پیش تھے ان کے بعض

میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انہیں فراواں دولت بخشی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے اہل عرب ان کی دل سے عزت کرتے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہ لوگ ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے، ہمارے نبی کی دعوت کو قبول کرتے لیکن یہ لوگ اس آزمائش میں پورے نہ اترے۔ اس امتحان میں ناکام ہوگئے۔ انہوں نے سرکشی کرنا شروع کر دیا۔ ہمارے نبی پر طرح طرح کے آوازے کسنے لگے۔ ہمارے کلام کو اساطیر الاولین کہا۔ ان سے پہلے بھی کئی قومیں گزری ہیں۔ جب ہم نے اپنے انعامات سے ان کی آزمائش کی اور وہ آزمائش میں ناکام ہوگئے تو ہم نے ان سے وہ نعمتیں یکایک سلب کر لیں اور وہ ہمیشہ کے لیے قعر ذلت میں گرا دیے گئے۔ اگر مکہ کے یہ رئیس باز نہ آئے تو ان کا انجام بھی سابقہ ناشکروں کا سا ہوگا۔ چنانچہ ایک ایسی ہی جماعت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یمن میں صنعاء کے قریب ایک نیک آدمی رہتا تھا۔ اس نے اپنی زمین میں باغ لگا رکھا تھا۔ اس باغ سے یہ بڑی دیانت داری سے غریبوں، مسکینوں کی خدمت کیا کرتا۔ وہ فوت ہوگیا اور اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑ گیا۔ بدقسمتی سے ان کے ذہن مادیت گزیدہ تھے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ والد صاحب کے زمانے میں مال بافراط تھا اور اخراجات بہت قلیل تھے۔ اب ہم تین ہیں۔ ہمارا کنبہ بال بچوں والا ہے۔ اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں۔ آمدنی وہی سابقہ ہے۔ اب اس کے بغیر چارہ نہیں کہ خیرات و صدقات کا جو دروازہ ہمارے والد صاحب نے کھول رکھا تھا اسے بند کر دیا جائے۔ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی ان مفت خوروں میں نہ لٹائی جائے۔ ورنہ افلاس و غربت کی دلدل میں پھنس جائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ معمول بنا لیا کہ فصل بہت سویرے اندھیرے میں برداشت کرتے جبکہ کسی سائل کے آنے کا کوئی امکان ہی نہیں ہوتا تھا۔

ایک دفعہ ان کے باغ کا پھل پک کر تیار ہوگیا۔ انہوں نے اس کو کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ رات کو مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ منہ اندھیرے جائیں گے اور سویرے سویرے پھل توڑ لیں گے۔ انہوں نے انشاء اللہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ جن کی آنکھ پہلے کھلی انہوں نے سونے والوں کو جگایا اور جلدی جلدی اپنے باغ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں چپکے چپکے ایک دوسرے کو تاکید کرنے لگے کہ دیکھو آج تمہارے باغ میں کوئی غریب مسکین داخل نہ ہونے پائے۔ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ کرتے ہیں۔ مفت میں جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں بڑا نقصان ہوتا ہے۔ جب باغ کے قریب پہنچے تو وہاں کا منظر ہی اور تھا۔ ہرے بھرے درختوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ٹہنیوں کے بجائے سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دیے جیسے کسی نے باغ کو جلا کر راکھ کر دیا ہو۔ پہلے تو کچھ ٹھٹکے۔ خیال گزرا ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں۔ لیکن جب غور سے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ ہائے ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ ہمارا باغ برباد ہوگیا۔ ان میں سے جو بھائی سب سے سیانا تھا اس نے کہا کہ میں تو تمہیں بار بار نصیحت کرتا تھا کہ اللہ عزوجل کی حمد و تسبیح کرو، اس کے دیے ہوئے رزق میں سے غریبوں اور مسکینوں کو خوشی خوشی ان کا حق دو، لیکن تم نے میری ایک نہ مانی۔ اب بھگتو اپنے کیے کا مزا۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ تمہارے غلط مشورے نے ہمیں اس انجام سے دوچار کیا ہے۔

ان آیات کے وضاحت طلب کلمات: لایستثنون، انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ طائف سے مراد عذاب الٰہی ہے جو رات رات آیا اور ان کے ہرے بھرے باغ کو خاکستر سیاہ کر گیا۔ صریم کے کئی معنی مذکور ہیں۔ الصریم: اللیل، للصریح عن النہار۔ کٹی ہوئی فصل کا گٹھا۔ صریم: الرماد الاسود۔ سیاہ راکھ۔ ریت کا وہ ڈھیر جسے الگ کر دیا گیا ہو۔

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ

ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے ۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس پھیرا لگایا اس باغ پر ایک پھیر لگانے والا

مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا

آپ کے رب کی طرف سے درآں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (اللہ کا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے

مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

کو پکارا صبح سویرے ۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔

فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَافَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُم

سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر

مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا عَلَىٰ حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا

کوئی مسکین ۔ اور تڑکے چلے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں ؎۱۲ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (یقیناً) ہم

لَضَالُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل

راستہ بھول گئے۔ نہیں بلکہ ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں نے تمہیں

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٩﴾

کہا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بیشک ہم ہی ظالم تھے۔

؎۱۲ اس کی تشریح قابل طلب ہے۔ حرد کا معنی قصد ارادہ ہے۔ یعنی انہوں نے یہی ارادہ کیا تھا کہ آج کسی غریب کو باغ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور باغ کا پھل کاٹ لیں گے۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ جو ارادہ اور قصد ہم نے کیا ہے ہم اس کو عملی جامہ پہنانے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اَوْسَطُهُمْ کا معنی یا تو بیچ والا ہے یا اَعْقَلُهُمْ، ان میں سب سے زیادہ زیرک اور عقلمند۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا

پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم

كُنَّا طَاغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا

ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم اب اپنے رب کی طرف

رَاغِبُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا

رجوع کرنے والے ہیں ۳۱ دیکھ لیا ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے ۳۲ کاش! یہ لوگ

يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٣٤﴾

اس حقیقت کو جانتے۔ بے شک پرہیزگاروں کے لیے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿٣٥﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿٣٦﴾

کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسے فیصلے کرتے ہو ۳۳

۳۱ جب انہوں نے اپنے باغ کی یہ حالت دیکھی تو غفلت کی پٹی آنکھوں سے اتر گئی۔ انہیں یقین آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے سے نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے انسان اپنی تباہی کا سامان کرتا ہے۔ چنانچہ وہ صدق دل سے توبہ کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہوئے۔ اس کریم نے ان کی توقع سے بھی زیادہ اور بہت جلد انہیں اس کا نعم البدل عطا فرمایا۔

۳۲ کذلک: جتنا بڑے خطرے کی خبر ہے۔ یعنی جو شکر نہیں کرتے دنیا میں ہم ان کو یوں سزا دیتے ہیں۔ کفران نعمت پر جو عذاب انہیں قیامت کے دن ملے گا اس کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۳۳ کفار اہل ایمان کو کہا کرتے کہ تم ہمیں قیامت سے خواہ مخواہ ڈرایا کرتے ہو۔ پہلے تو قیامت کا آنا ہی عقلاً محال ہے اور اگر بالفرض قیامت آ بھی گئی تو اس سے تم کو ڈرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے انعامات، دولت، عزت، شہرت، اولاد وغیرہ سے ہمیں یہاں نوازا ہے وہاں بھی ہمیں ہی اپنی رحمتوں سے سرفراز کرے گا اور جس طرح تم یہاں محرومی اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے ہو قیامت کے روز بھی تمہارا یہی حال ہوگا۔ ان کے اس زعم باطل کی تردید کی جا رہی ہے۔ تمہارا یہ خیال سراسر جہالت اور حماقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تو نہیں کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز نہ کرے کہ جو لوگ ساری عمر اس سے وابستہ رہے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے انہیں تو وہ اپنی مہربانیوں سے محروم کر دے اور وہ سنگدل فاجروں کو ان کے کفر اور کفران نعمت کی یہ جزا دے کہ انہیں جنت میں داخل کر دے۔

أَمْ لَكُمْ كِتَٰبٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿٣٧﴾ إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ ﴿٣٨﴾ أَمْ

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ کیا

لَكُمْ أَيْمَٰنٌ عَلَيْنَا بَٰلِغَةٌ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۙ إِنَّ لَكُمْ لَمَا

تمہارے لیے قسمیں ہم پر لازم ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم

تَحْكُمُونَ ﴿٣٩﴾ سَلْهُمْ أَيُّهُم بِذَٰلِكَ زَعِيمٌ ﴿٤٠﴾ أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ

حکم کرو گے۔ ان سے پوچھیے ان میں سے کون ان دعووں کا کفیل ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں۔

فَلْيَأْتُوا۟ بِشُرَكَآئِهِمْ إِن كَانُوا۟ صَٰدِقِينَ ﴿٤١﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَن

اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں۔ جس روز پردہ اٹھایا جائے گا

سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى ٱلسُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٤٢﴾ خَٰشِعَةً

ایک ساق سے اور ان نابکاروں کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔ ذلت سے جھکی ہوں گی

کے ہاں انصاف ہے، وہ عادل اور دانا و بصیر نہیں۔ کیا تمہاری عقل نے تمہیں اس گمان کی تصدیق کرنی ہے کہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے نامعقول فیصلے تم کر رہے ہو۔

ــ تمہارے پاس کوئی عقلی دلیل تو ہے نہیں جس سے اس زعم باطل کی تصدیق ہو سکے۔ تمہارے پاس اگر کوئی نقلی دلیل ہے تو وہ پیش کرو۔ کیا کسی آسمانی کتاب کا حوالہ پیش کر سکتے ہو جس میں لکھا ہو کہ فرمانبرداروں اور سرکشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جائے گا یا اس کتاب میں کہیں یہ لکھا ہوا دکھاؤ کہ جو چاہو گے تمہیں صرف وہی چیزیں ملیں گی جو تم پسند کرو گے۔ جب تمہارے پاس نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی تو پھر تم کس بنا پر اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہو۔

ــ ابھی یہ احتمال باقی تھا کہ وہ کہیں کہ ہمارے ساتھ خدا کے عہد و پیمان ہو چکے ہیں کہ وہ ہمیں کوئی عذاب نہ دے گا۔ اس احتمال کو بھی یہ فرما کر ختم کر دیا کہ اگر کوئی ایسا باہمی معاہدہ طے پا چکا ہے تو کوئی ضامن پیش کرو یا گواہ لاؤ جن کے روبرو یہ معاہدہ ہوا۔ الزعیم الکفیل والضمین۔ کفیل اور ضامن۔ شرکاء ای شہداء۔ گواہ۔ (قرطبی)

ــ جب کوئی سخت تکلیف دہ اور مصیبت کا وقت آ جاتا ہے تو اہل عرب یہ محاورہ استعمال کرتے ہیں جب گھمسان کی لڑائی شروع ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں۔ شمرت الحرب عن ساقہا۔ جنگ نے اپنی پنڈلی سے تہبند اوپر اٹھایا۔ [illegible]

أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی۔ حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف

وَهُمْ سَالِمُونَ ۝ فَذَرْنِي وَمَنْ يُكَذِّبُ بِهَٰذَا الْحَدِيثِ ۖ

جبکہ وہ صحیح سلامت تھے ۴۱ پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے ۴۲

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ

ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوگا ۴۳ اور میں نے مہلت دے رکھی ہے انہیں بیشک

قد كشفت عن ساقها فشدوا ... وجدت الحرب بكم فجدوا

اے بہادرو! لڑائی نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی ہے (یعنی بہت شدت اختیار کر لی ہے) اپنی کمر کس لو، جنگ زوروں پر ہے اب تم بھی سنجیدگی سے داد شجاعت دو۔ جس سال قحط انتہا کو پہنچ جائے اس کا ذکر یوں کرتے ہیں قد کشفت عن ساقها یہ اس سال کی بات ہے جس نے اپنی پنڈلی ننگی کر دی۔ اس محاورہ کے مطابق آیت کا معنی ہوگا روز قیامت جب حالات بڑے تکلیف دہ اور ہولناک ہو جائیں گے اور ہر شخص جلال خداوندی سے لرزہ براندام ہوگا چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں گی، دل خوف سے دھڑک رہے ہوں گے۔ اس وقت لوگوں کے ایمان یا کفر، خلوص یا نفاق کو آشکارا کرنے کے لیے انہیں حکم دیا جائے گا کہ آؤ سب اپنے رب کو سجدہ کرو۔ جن کے دلوں میں ایمان اور اخلاص ہوگا وہ فوراً سربسجود ہو جائیں گے لیکن کافر اور منافق بہت زور لگائیں گے کہ سجدہ کریں اور خوش نصیبوں میں شامل ہو جائیں لیکن ان کی کمر اکڑ جائے گی۔ بڑی کوشش کے باوجود سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اس رسوائی پر آنکھیں جھک جائیں گی سب کے سامنے ان کے کفر و نفاق کو ظاہر کر دیا گیا۔ ان کے کھوکھلے دعووں کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔ ذلت و رسوائی کی گرد ان کے چہروں پر پڑ رہی ہوگی۔

۴۱ آج وہ سجدہ کرنے سے کیوں محروم کر دیئے گئے، اس کی وجہ بتا دی کہ جب دنیا میں وہ صحیح و سالم تھے انہیں کہا گیا کہ سجدہ کرو، لیکن سجدہ کی توفیق نہ ہوئی، اسی حکم عدولی کی پاداش میں آج ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کر لی گئی ہے۔

۴۲ اے حبیب! آپ انہیں میرے حوالے کر دیجئے میں ان سے نپٹ لوں گا۔ آپ کو ان کے بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔

۴۳ بسا اوقات انسان غلطی کرتا ہے تو اسے کسی تکلیف میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے اس کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور وہ توبہ کر لیتا ہے لیکن بعض بدکاروں کے ساتھ عجیب طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔ وہ جتنے گناہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کی جناب میں جتنی گستاخیاں اور بے ادبیاں کرتے ہیں، ان کی دولت، ان کی شہرت، ان کی عزت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ کمبخت اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں یہ عین صواب ہے۔ یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو موت کا جام پلا دیتا ہے۔ اس وقت ان کی آنکھیں کھلتی ہیں کہ ہائے افسوس وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ مجرموں اور نابکاروں کے ساتھ اس قسم کے سلوک کو قرآن کریم نے استدراج کہا ہے۔

كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾

میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے ٦٢ کیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان کے بوجھ سے دبے جاتے ہیں۔

أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں ٦٣ پس انتظار فرمائیے اپنے رب کے حکم کا اور

لَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَن

نہ ہو جائیے مچھلی والے کی مانند ٦٤ جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا ٦٥ اگر اس کی

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت سہل تستری فرماتے ہیں۔ نُمِدُّهُمْ بِالنِّعَمِ وَنُنْسِيهِمُ الشُّكْرَ یعنی ہم ان پر پے در پے نعمتیں کرتے ہیں اور شکر کرنا انہیں فراموش کرا دیتے ہیں۔ ابو روق کہتے ہیں کلما احدثوا خطیئة جددنا لهم نعمة وانسیناهم الاستغفار جب وہ کوئی نئی خطا کرتے ہیں ہم ان کو نئی نعمت بخش دیتے ہیں اور استغفار کی توفیق سلب کر لیتے ہیں۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا یا رب کم اعصیک وانت لا تعاقبنی۔ یا اللہ میں تیری کتنی نافرمانی کرتا ہوں اور تو مجھے سزا نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کو وحی کی کہ اس سے کہو کہ میں نے تو تمہیں کئی سزائیں دی ہیں لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں۔ الم اجمد عینیک وقساوة قلبک استدراج منی بک۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تیری آنکھوں کو آنسوؤں سے محروم کر دیا اور تیرے دل کو سخت بنا دیا یہ بڑا عذاب ہے اور میری طرف سے استدراج ہے۔

٦٢ یعنی اس کے باوجود یہ لوگ اگر پھلتے پھولتے رہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم انہیں پسند کرتے ہیں اور ہم ان سے خوش ہیں یا یہ بات ہے کہ یہ ہمارے قابو سے باہر ہیں اور ہم ان کو سزا نہیں دے سکتے۔ درحقیقت ہم نے انہیں کچھ عرصہ کے لیے ڈھیل دے رکھی ہے کہ جو جی میں آئے کر لو۔ جب ہم پکڑیں گے تو ان کی کیا مجال کہ کہیں بھاگ سکیں۔ اس وقت پتہ چلے گا کہ کس بھاؤ بکتی ہے۔

٦٣ بظاہر خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے لیکن مقصود ان منکرین کو متنبہ کرنا ہے کہ تم میرے رسول کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے بڑی کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتے ہو۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نبی تم سے کچھ مانگتا ہے جس کی وجہ سے تم بوجھل ہوئے جاتے ہو یا تمہارے پاس غیب سے کوئی اطلاع آتی ہے کہ یہ نبی خدا کا فرستادہ نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو پھر تمہارے بدکنے اور بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟

٦٤ کفار کی ایذا رسانیوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں کہ آپ صبر کریں اور اپنے رب کے فیصلہ کا انتظار کریں۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ ان منکرین کے ساتھ کس وقت کس قسم کا سلوک کرنا چاہیے۔ آپ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جائیں کہ جنہوں نے ہمارے حکم کا انتظار کیے بغیر اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان پر عذاب نازل ہونے میں عجلت کی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ یونس آیت ۹۸ کا حاشیہ، سورۂ انبیاء کی آیات ۸۷، ۸۸ کے حواشی، الصافات آیات ۱۳۹ تا ۱۴۸ کے حواشی۔

٦٥ جب یونس علیہ السلام کو مچھلی نے نگل لیا تو وہاں آپ نے اپنے رب کے حضور میں فریاد کی۔ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ

تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾

چارہ سازی نہ کرتا ان کی ان کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں اس حال میں کہ اس کی مذمت کی جاتی ۳۶

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ

پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے ۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ

كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ

کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن ۵۲ اور وہ کہتے ہیں کہ

اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔

۳۶ اگر اللہ تعالیٰ ان کی اس دعا کو قبول نہ فرماتا اور اس کی شان رحمت ان کی چارہ سازی نہ کرتی جب ان کو مچھلی نے چٹیل میدان میں اگل دیا تو ان کی یہ کیفیت ہوتی کہ لوگ ان پر الزام لگاتے اور ملامت کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری کی اور ان کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو اب وہ قابل الزام اور لائق مذمت نہ رہے۔ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ یعنی جب ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈالا تو وہ بیمار تھے لیکن مذموم نہیں تھے۔

۵۲ کفار کے دلوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بغض و عناد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب آپ ان کے سامنے قرآن کریم پڑھ کر سناتے تو جل بھن جاتے اور ایسی خشمناک نظروں سے گھور گھور کر دیکھتے یوں محسوس ہوتا کہ اگر ان کا بس چلے تو آپ کو پچھاڑ دیں اور آپ کی طبیعت کو بگاڑ دیں۔ ان کی اسی ناپسندیدہ ادا کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ علامہ زمخشری لیزلقونک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں یعنی انہم من شدة تحدیقہم ونظرہم الیک شزرا بعیون العداوة والبغضاء یکادون یزلون قدمک او یہلکونک من قولہم نظر الی نظرا یکاد یصرعنی ویکاد یأکلنی۔ یعنی عداوت اور بغض بھری آنکھوں سے حضور کی طرف ٹکٹکی باندھ کر اور گھور گھور کر دیکھتے گویا وہ حضور کو اپنی جگہ سے پھسلا دینا چاہتے ہیں یا ہلاک کر دینا چاہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں کہ فلاں نے میری طرف اس طرح دیکھا کہ گویا اس کا بس چلتا تو وہ مجھے گرا دیتا یا کھا جاتا۔ اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ آپ کو اپنی نظر بد سے تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔

بنی اسد قبیلہ میں کئی آدمی تھے جن کی نظر بد بڑی خطرناک تھی۔ اگر وہ کسی شخص کو یا کسی جانور کو ہلاک کرنا چاہتے تو تین دن فاقہ کرتے اور پھر اس چیز کے پاس آ کر کہتے کہ کتنی خوبصورت اور عمدہ چیز ہے۔ ایسی چیز تو آج تک ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔ اتنا کہنے کی دیر ہوتی کہ وہ چیز تڑپنے لگتی اور تھوڑی دیر کے بعد دم توڑ دیتی۔ اگر کوئی موٹی تازہ گائے یا اونٹنی ان کے پاس سے گزرتی اور اس کو وہ نظر بد لگاتے تو اسی وقت اپنی لونڈی کو کہتے کہ ٹوکری اٹھاؤ اور پیسے لو اور اس گائے کا گوشت خرید لاؤ۔ تھوڑی دیر بعد پتہ چلتا کہ وہ جانور ذبح کر دیا گیا ہے۔ قریش نے بنی اسد میں سے کسی ایسے نظر باز

إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ۝ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝

یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عزت و شرف ش۲۵

کی خدمات حاصل کیں اور انہیں اس امر کے لیے مقرر کیا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نظر بد سے گزند پہنچائیں لیکن جس کا نگہبان خداوند عزت ہو یہ شکست خوردہ اسے کیا اذیت پہنچا سکتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے یہاں متعدد احادیث لکھی ہیں جن سے ثابت کیا ہے کہ نظر بد کا اثر ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے دونوں نواسوں سیدنا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔ أعیذکما بکلمات اللہ التامات من کل شیطان وهامة ومن کل عین لامة۔

حضور نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم اپنے دونوں صاحبزادوں اسحاق اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کو یہ پڑھ کر دم کیا کرتے۔ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس کو نظر بد سے تکلیف پہنچے یہ آیت پڑھ کر اسے دم کیا جائے۔

۲۵۔ کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجنون کہتے تھے۔ ان کے اس الزام کی ابتدا میں بھی تردید کی اور آخری آیت میں بھی اس کا بطلان کیا جا رہا ہے کہ میرا رسول تو سارے جہانوں کے لیے سراپا نصیحت اور باعث عزت و شرف ہے۔ اسے مجنون کہنے کی کون جرأت کر سکتا ہے۔ اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ اس کی باتیں سن کر دلوں میں اس کی محبت کی شمع فروزاں ہو جاتی ہے۔ وقیل الضمیر لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکونہ مذکرا وشرفا للعالمین لا ریب فیہ (روح المعانی)۔ بعض کے نزدیک ھو کا مرجع قرآن کریم ہے اور اس کے ذکر ہونے میں بھی کوئی کلام نہیں۔

○

اللّٰھم لک الحمد ولک الشکر علی ما وفقتنی لتفسیر وترجمۃ ھذا الکتاب المجید رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

اللّٰھم صل وسلم علی حبیبک ونبیک وصفیک ونجیک محمد المبعوث رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الاکرمین ومن تبعہ واحبہ الی یوم الدین۔

○

تعارف

سورہ الحاقہ

نام : اس سورت کا نام الحاقہ ہے۔ اس میں دو رکوع، باون آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار چار سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے مسند امام احمد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے اسلام لانے سے پہلے کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ میں ایک روز اس نیت سے گھر سے نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جا کر پریشان کروں گا اور جس طرح بن پڑا اُن کا دل دکھاؤں گا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے حضور حرم میں داخل ہو چکے تھے اور نماز کی نیت باندھ لی تھی۔ یہ جاننے کے لیے کہ آپ کیا پڑھتے ہیں میں قریب آ کر کھڑا ہو گیا اُس وقت حضور سورہ الحاقہ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میں اس کلام بلاغت نظام کو سن کر حیران و ششدر ہوتا جا رہا تھا۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ بخدا آپ بڑے باکمال شاعر ہیں۔ اسی وقت حضور نے یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ (یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو) میرے دل میں گزرا کہ کاہن ہیں میرے دل کے خیالات پر آگاہ ہو گئے ہیں۔ فوراً حضور نے یہ آیت پڑھی: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (یہ کسی کاہن کا قول بھی نہیں تم بہت کم غور کرتے ہو) حضرت عمر کہتے ہیں یہ سورت سن کر اسلام میرے دل کے رگ و ریشہ میں سما گیا۔

اس روایت سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہ سورت مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی جب کہ حضرت عمر ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ اس سورت کے سننے سے آپ کے دل میں اسلام کی عظمت کا پہلا نقش ثبت ہوا، جو رفتہ رفتہ پختہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بہن اور بہنوئی کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس نے تمام پردے چاک کر دیے اور آپ ایمان قبول کرنے کے لیے کشاں کشاں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔

ع گاہ بہ حیلہ می برد گاہ بہ زور می کشد (اقبال)

مضامین : حلف اُٹھا کر بیان کیا کہ قیامت ضرور واقع ہو گی۔ ساتھ ہی ثمود، عاد اور فرعون کا تذکرہ فرما دیا جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے عمر بھر سرکشی اور طغیانی کا راستہ اختیار کیے رہے جس کا نتیجہ انکی عبرتناک تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عقیدۂ قیامت افراد اور اقوام کی اصلاح میں کتنا مؤثر کردار انجام دیتا ہے۔

آیات ۱۳ تا ۱۷ میں قیامت کے روز برپا ہونے والے ہولناک حادثات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ آیت ۱۸ سے

لے کر آیت ۳۷ تک میں یہ بتایا کہ جو لوگ یہ ایمان رکھتے تھے کہ ایک دن وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے اور ان کا محاسبہ ہوگا۔ اُن کو اس روز ان کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان کی بڑی عزت و تکریم کی جائے گی۔ اور جو لوگ وقوعِ قیامت کے منکر تھے اور ساری عمر ہر قسم کی بازپرس سے بے نیاز ہو کر داد عیش دیتے رہے۔ اُن کا نامۂ عمل اُن کے بائیں ہاتھ میں پکڑائیں گے۔ اس وقت اُن کی حسرت اور ندامت قابلِ دید ہوگی۔ اور ان کے ساتھ جو خوفناک برتاؤ کیا جائے گا اس کا ذکر سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دوسرے رکوع میں یہ بتایا کہ قرآن کریم کسی شاعر کی فنی مہارت اور قادر الکلامی کا کرشمہ نہیں اور نہ کسی کاہن کی تک بندی اور ہرزہ سرائی کا نتیجہ ہے بلکہ اس کو رب العالمین نے اپنے رسول کریم پر نازل فرمایا ہے۔ میرے رسول کی یہ مجال نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دے۔ اگر وہ اس سنگین جرم کا ارتکاب کرے گا تو اس وقت اس کی رگِ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی۔

سنٹرل جیل سرگودھا

۱۷-۳-۷۷

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ الحاقہ مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں ٥٢ آیات، ٢ رکوع ہیں

اَلْحَاقَّةُ ۝١ مَا الْحَاقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

وہ ہو کر رہنے والی ساعت[1] کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی[2] اور اے مخاطب! تم کیا سمجھو کہ ہو کر رہنے والی کیا ہے[3] جھٹلایا ثمود اور

وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ

عاد نے کھڑکھڑا دینے والی کو[4] پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے[5] اور رہے عاد

[1] اس سے مراد قیامت ہے۔ یہ حق سے اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ حق کا معنی ہے کسی چیز کا متحقق ہو جانا، پایا جانا۔ قیامت کو الحاقہ کہنے کی متعدد وجوہات ہیں۔ یا تو اس لیے کہ اس کا وقوع پذیر ہونا ایک مسلمہ صداقت اور اٹل حقیقت ہے جس میں قطعاً کوئی شک نہیں۔ یا اس لیے کہ اس میں تمام مخفی باتوں کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ یا اس لیے کہ اس روز سزا و جزا کا تحقق ہوگا۔ (مظہری)

[2] جب اہل عرب کسی اہم چیز کا ذکر کرنا چاہتے ہیں تو بسا اوقات مخاطب سے کچھ سوال پوچھتے ہیں تاکہ وہ ہوشیار ہو جائے اور دھیان سے بات کو سنے۔ الاستفہام لتفخیم شانہا (مظہری)

[3] یہ سوال قیامت کی ہولناکی کا تصور ذہن نشین کرانے کے لیے پوچھا جا رہا ہے کہ قیامت اتنی ہولناک اور خوفناک ہوگی کہ تمہاری عقلیں اس کی ہولناکی کو سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ یہ ان کی رسائی سے بالاتر ہے۔

[4] یہ بتانے سے پہلے کہ جب یہ ہو کر رہنے والی گھڑی برپا ہوگی اس وقت کیا حالات ہوں گے، مختلف اقوام کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے گا، اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ قیامت پر ایمان انسان کی فلاح کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ انسان کی اصلاح کا دارومدار اسی کو صدق دل سے ماننے پر ہے۔ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاتے ہیں، اس کی یاد میں بڑے ذوق و شوق سے محو رہتے ہیں۔ جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے نزدیک یہ ایک افسانہ ہے اور عیش و عشرت کو ہی حیات کی آخری منزل سمجھتے ہیں۔ وہ قدم قدم پر پھسلتے ہیں، ہر جرم کر گزرتے ہیں، نفس امارہ کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتے ہیں۔ اس کا نتیجہ خدا کا غضب اور اس کا انجام کلی تباہی ہے۔ عاد و ثمود کی بربادی کا ذکر کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے تھے اس لیے راہ راست سے بھٹک گئے۔

القارعۃ: اس سے مراد بھی قیامت ہے۔ قرع کا معنی ہے ایک سخت چیز کو دوسری چیز سے کھٹکھٹانا۔ القرع: ضرب الشیء الصلب بشیء مثلہ۔ کیونکہ جب قیامت برپا ہوگی تو تمام کائنات درہم برہم کر دی جائے گی، ستارے آپس میں ٹکرائیں گے اور ان کے ٹکرانے سے ہولناک آوازیں پیدا ہوں گی، اس لیے اس دن کو القارعۃ کہہ دیا۔ قیامت کے کئی نام ہیں: الطامۃ، الصاخۃ، الواقعۃ، القارعۃ وغیرہ۔ یہ نام قیامت کی مختلف صفات اور کیفیات پر دلالت کرتے ہیں۔

[5] ثمود اور عاد پر تفصیلی حواشی ضیاء القرآن سورۃ الاعراف نیز ضیاء القرآن سورۃ ہود اور الشعراء میں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے ثمود کی ہلاکت کا ذکر

فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر لگاتار سات راتیں

وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ

اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو اس دوران کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا وہ

کہہ بتایا کہ قوم ثمود کو طاغیۃ سے ہلاک کیا گیا۔ یہ طغی سے مشتق ہے جس کا معنی ہے حد سے تجاوز کرنا۔ اس کی جو چیخ بھی تھی وہ شدت اور سختی میں تمام حدوں سے آگے نکل ہوئی تھی۔ اسی لیے مختلف مقامات پر صیحۃ، رجفۃ، زلزلہ، صاعقۃ وغیرہ الفاظ ذکر ہیں جو اس کی مختلف حالتوں کو بیان کرتے ہیں ان میں باہم تضاد نہیں۔

قوم عاد کو جس آندھی سے ہلاک کیا گیا اس آندھی کی تین صفات ذکر کی گئی ہیں۔ یعنی صرصر، عاتیہ اور حسوما سے موصوف کیا گیا ہے۔ ان الفاظ کے معانی پر غور فرمائیے تاکہ اس عذاب کی ہولناکیوں کا آپ کچھ اندازہ کر سکیں۔ صرصر، قال الزمخشری: شدید البرد۔ وقیل شدید الصوت۔ لسان العرب میں لکھتے ہیں اس کا معنی سخت ٹھنڈی ہوا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ ہوا جس میں بہت شور ہو۔ عاتیۃ، عتا عتوا استکبر وجاوز الحد۔ یعنی عاتیۃ۔ عاتیہ اسم فاعل ہے اس کا معنی ہے تکبر کرنا، حد سے تجاوز کرنا۔ حسوما، امام راغب کہتے ہیں الحسم: ازالۃ اثر الشیء یقال قطعہ فحسمہ ای ازال مادتہ۔ وقولہ حسوما قیل حاسما اثرھم وقیل حاسما خبرھم (مفردات) یعنی کسی چیز کا نام و نشان مٹا دینا۔ کسی کے مادہ کو نابود کر دینا۔ آیت میں اس کا یہ معنی ہے کہ اس آندھی نے ان کا نام و نشان مٹا دیا یا ان کی خبر کے حروف کو کاٹ دیا۔ مقصد یہ ہے کہ یہ جو عذاب الٰہی آندھی کی صورت میں نازل ہوا وہ حد درجہ ٹھنڈی تھی، اس میں حد سے بڑھی ہوئی تندی اور سرکشی تھی جس نے ان کے تناور درختوں کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دیا، ان کے پختہ مکانات کی بنیادیں اکھیڑ دیں اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہنے دیا۔ یہ سلسلہ ایک پہر، ایک دن نہیں رہا بلکہ پوری سات راتیں اور آٹھ دن آندھی کا قہر جاری رہا۔ ایک لمحہ کے لیے بھی نہ تھمی اور نہ اس کی تندی میں کمی آئی۔ ذرا سوچئے اگر ہمیں ساٹھ میل کی رفتار سے ایک گھنٹہ طوفان چلے تو کیا تباہی مچتی ہے اور جہاں ایک سو سے زیادہ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تیز سے تیز آندھی چلی ہوگی کیا وہاں زندگی کا نشان تک بھی باقی رہ جائے گا۔ وہ سخت تند اور قد و قامت میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے تھے جب ہوا کے تیز جھونکوں نے ان کے لمبے تڑنگے جسموں کو زمین پر دے مارا ہوگا تو انہوں نے ان کا خون اور جسم کی ہڈیاں بھی چاٹ لی ہوں گی اور ان کے جسم کھجور کے بوسیدہ کھوکھلے تنوں کی طرح ادھر بکھرے پڑے ہوں گے۔

صاحب لسان العرب نے حسوما کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے التوالی۔ وقال ابن سیدہ اراد المتوالیۃ فی الشر خاصۃ۔ یعنی حسوما کا معنی ہے لگاتار، مسلسل۔ ابن سیدہ کہتے ہیں وہ تسلسل جو برے اور شر انگیز کاموں میں ہو اس کو حسوما کہتے ہیں۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو پھر حسوما کا تعلق لیالی اور ایام سے ہوگا۔ یعنی یہ تندی اور شدت سے مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی۔

أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرَىٰ لَهُم مِّن بَاقِيَةٍ ۝٨ وَجَاءَ

تنے ہیں کھجور کے کھوکھلے ک ۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد ک اور

فِرْعَوْنُ وَمَن قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكَاتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُولَ

فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا شہ پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب

رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ

کے رسول کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سخت گرفت سے ف ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتی میں

ک یعنی ان کی نسل ہی ختم کر ڈالی گئی۔ سب کو کیفر کردار تک پہنچا کر موت کی نیند سلا دیا گیا۔ کیا تمہیں ان کی نسل کا ایک فرد بھی کہیں نظر آتا ہے۔

شہ اس آیت میں دو لفظ تشریح طلب ہیں۔ المؤتفکات اور الخاطئۃ۔ المؤتفکات جمع ہے۔ اس کا واحد مؤتفکۃ ہے جس کا معنی المنقلبۃ یعنی الٹ جانے والی۔ جب کوئی بستی الٹ دی جائے تو عرب کہتے ہیں ائتفکت البلدۃ باھلھا ای انقلبت۔ اور اسی مادہ سے الافک ہے جس کا معنی جھوٹ ہے کیونکہ جھوٹ بھی حقیقت کو الٹ دیتا ہے۔ اس سے مراد قوم لوط کی پانچ بستیاں ہیں جن کے نام یہ ہیں: سدوم، عمورا، ادمہ، صبویم، صوغر۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو ان پر آگ اور گندھک کا مینہ برسایا، زمین سے اوپر اٹھا کر الٹ دیا اور ان کو ڈھانپ لیا۔ پھر یہ علاقہ پانی میں تحلیل ہو کر ایک جھیل کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ اسی کو آج بحیرہ مردار یا بحیرہ لوط کہتے ہیں۔ اسی کی تہہ میں ان کی وہ ملعون بستیاں دبی پڑی ہیں جن پر مسلسل سات دن اور آٹھ راتیں آندھی چلتی رہی۔

الخاطئۃ، اگر خطأ ثلاثی مجرد ہو تو پھر اس کا معنی ہے جان بوجھ کر غلطی کرنا اور اگر اس کا باب افعال بنایا جائے تو اس کا معنی ہے بھولے سے غلطی کرنا۔ قیل خطئ اذا تعمد واخطأ اذا لم یتعمد۔ اسی لیے کہتے ہیں المخطئ اسے کہا جاتا ہے جو نیکی کا ارادہ کرے لیکن اس سے غلطی ہو جائے اور خاطی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر نامناسب بات کا ارتکاب کرے۔ الخاطئۃ یہ کبیرہ ہے اس لیے اس کا معنی گناہ ہوگا۔ قرطبی کہتے ہیں الخاطئۃ: الذنب العظیم، بہت بڑا گناہ۔

آیت کا معنی یہ ہوا کہ جب فرعون اور اس سے پہلے گزری ہوئی قوموں نے اور ان الٹائے ہوئے شہروں کے مکینوں نے جان بوجھ کر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا تو ہم نے ان پر اپنا عذاب بھیجا۔

ف مذکورہ بالا اقوام کی طرف اللہ تعالیٰ نے جو رسول بھیجے ان لوگوں نے ان کی نافرمانی کی۔ ان کی مخلصانہ نصیحتوں کی پروا نہ کی تھی یہ شوخ چشم۔ جب مہلت کی مقررہ مدت ختم ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک شدید عذاب جو اپنی شدت میں بہت بڑھا ہوا تھا نازل کیا اور ان کو تباہ کر دیا۔

رابیۃ: زائدۃ شدیدۃ، بڑھنے والا زیادہ۔ ای شدیدۃ زائدۃ فی الشدۃ۔ (قرطبی)

فِي الْجَارِيَةِ ﴿١١﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿١٢﴾

میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لیے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان ۱۰

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿١٣﴾ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَ

پھر جب پھونک ماری جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں

الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾

کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا ۱۱ تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٦﴾ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ

اور آسمان پھٹ پڑے گا کیونکہ وہ اس دن بالکل بودا ہوگا ۱۲ اور فرشتے اس کے کناروں پر مستعد

أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٧﴾

کھڑے ہوں گے ۱۳ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا ۱۴

۱۰ اس واقعہ سے مراد یہی طوفان نوح کا واقعہ ہے جس میں منکرین تو غرق ہو گئے لیکن جو مٹھی بھر حضرت نوح پر ایمان لائے تھے وہ کشتی میں سوار ہو کر صحیح سلامت بچ گئے۔ اگرچہ اس کشتی میں سوار ہونے والے ایک ہی تھے جو مخاطب ہیں لیکن ان کے اجداد کو بچا کر اللہ تعالیٰ نے صرف ان پر احسان نہیں کیا بلکہ ان کی نسلوں پر بھی جو بعد میں آنے والی تھیں ان پر بھی احسان فرمایا کہ اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو یہ کہاں سے پیدا ہوتے۔

۱۱ جب قیامت برپا ہوگی اور نظام عالم درہم برہم ہونے لگے گا اس کا ذکر ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ زمین اور اس میں گڑے ہوئے پہاڑوں کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر کے ہموار کر دیا جائے گا کوئی بلندی کوئی پستی کوئی ٹیلا کوئی گڑھا باقی نہ رہے گا۔ دکّۃ کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ مختار الصحاح میں ہے دکّ سوّی صعودہا و ہبوطہا یعنی زمین کی بلندیوں اور پستیوں کو ہموار کر دینا۔

۱۲ آسمان پھٹ جائے گا اس کی بندش کے ضابطے ڈھیلے پڑ جائیں گے اس کی مضبوطی ختم ہو جائے گی الواھیۃ بالیۃ متداعیۃ ... یعنی کسی چیز کا بوسیدہ ہو کر گر پڑنا جیسے اس کے اجزاء ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں اور کوئی چیز انہیں جوڑے نہ رکھ سکے۔

۱۳ فرشتے جو اپنے اپنے مقام پر اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں آسمان کے پھٹنے کے وقت اس کے کناروں پر ہوں گے جب آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا تو وہ کناروں پر سمٹ جائیں گے اور مستعد کھڑے ہو جائیں گے۔

۱۴ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر تشریف فرما ہوگا اور فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٨﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ

وہ دن جب تم پیش کیے جاؤ گے تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا۔ پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامۂ عمل

بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ﴿١٩﴾ إِنِّي ظَنَنتُ أَنِّي

دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرطِ مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامۂ عمل ۱۹ مجھے یقین تھا کہ میں

مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾

اپنے حساب کو پہنچوں گا ۲۰ پس وہ خوش نصیب پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنت میں۔

غرض یہ کہ وہ کسی مکان میں سمائے۔ عرش کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لیے ہے کہ اس نسبت سے عرش کی شان بلند ہو نیز یہ مقام اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات کی جلوہ گاہ ہے۔ اضافة العرش الی اللہ تعالیٰ للتعظیم ولاختصاصہ بتجل مخصوص۔

کائنات علوی و سفلی میں جس قسم کے تصرفات ہو رہے ہیں یعنی تدبیروں کا ظہور ہو رہا ہے ان سب کا مرکزی مقام یہی ہے جسے عرش کہا جاتا ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے فرائض جہانبانی اپنے تخت پر بیٹھ کر انجام دیتا ہے اسی طرح عالم وجود میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کا منبع اور مصدر یہ مقام ہے۔ اس لیے اسے عرش یعنی تختِ الٰہی کہا گیا ہے۔

آٹھ فرشتے اس کے عرش کو اٹھائے ہوئے ہوں گے ان کے قد و قامت، ان کے جسم، ان کی شکل و صورت کی تفصیلات پایانِ لانے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی۔ اس لیے ہم ان کی تفصیلات طے کرنے میں وقت ضائع نہیں کرتے جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے فرمایا وہ حق ہے۔ جو ہماری عقل کی گرفت سے بلند ہے ہم ان کو اس ذات کے علم کے سپرد کرتے ہیں جو علیم و خبیر ہے۔

۱۹ صالحین اور ابرار کو ان کا صحیفۂ عمل دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ یہ گویا اس امر کی علامت ہوگی کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ اس وقت ان کی مسرت و شادمانی کا کوئی اندازہ نہ لگا سکے گا۔ وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے اور اپنے احباب اور اعزہ کو دعوت دیں گے کہ وہ ان کا صحیفۂ عمل خود پڑھ لیں کتنا نیک عمل ہو جائے۔

ھاؤم اسم فعل ہے خُذُوا (لو پکڑو) کے معنی میں ہے۔ کتابیہ۔ حسابیہ۔ سلطانیہ وغیرہ کے آخر میں ھا سکتہ کے لیے ہے۔ وقف کریں گے تو پڑھیں گے۔ وصل کی حالت میں اس کی قرأت ساقط ہو جائے گی۔

۲۰ ظننت کا معنی علمت ہے یعنی میں خوب جانتا تھا۔ اپنے علم کو ازراہ تواضع ظن کہا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کسی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم کا دعویٰ کرے۔ استعمال الظن بمعنی العلم لتحقق ذی الجلال علوم الغیوب۔ عالیۃ ای عالیۃ المرتبۃ۔

یعنی وہ جنت جس کی شان بڑی ارفع ہوگی۔ قطوفها دانية یعنی اس کے خوشے اونچے نہیں ہوں گے کہ ان کی دسترس سے باہر ہوں یا ان کو توڑنے میں انہیں زحمت اٹھانا پڑے بلکہ نیچے جھکے ہوں گے۔ کھڑے، بیٹھے، لیٹے جس حال میں وہ ہوں گے ان کو تناول کر سکیں گے۔

قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي

جس کے خوشے جھکے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) کھاؤ اور پیو مزے سے یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیجے

الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ

بیتے ہوئے دنوں میں۔ ۲۲ اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں وہ کہے گا اے

يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾ يَا لَيْتَهَا

کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش

كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّي

موت نے ہی میرا قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی

سُلْطَانِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِي

ختم ہو گئی۔ ۲۸ (حکم ہوگا) اسے پکڑو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ پھر

۲۲ سلف اس چیز کو کہتے ہیں جو پہلے بھیجی گئی ہو۔ السلف: المتقدم من الشیء یعنی جو اعمال صالحہ یہاں پہنچنے سے پہلے تم نے دنیا میں کر لیے تھے۔

۲۸ لیکن جس شخص کو اس کا نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ تڑپ اٹھے گا اور واویلا شروع کر دے گا کیونکہ اس کے اعمال قبیح اور برے ہوں گے ... کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا۔ کاش! مجھے اپنے حساب کی خبر ہی نہ ہوتی۔ جو موت مجھے آئی تھی وہی میرا قصہ تمام کر دیتی اور دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔ کہاں گئے میری دولت کے انبار، کہاں گئی میری حکومت و سلطانی، کہاں مر گئے میرے درباری۔ آج کوئی بھی میرے کام نہیں آیا۔ سلطانی کے معنی تسلط یعنی میرا رعب اور اقتدار۔ سلطان کا ایک معنی دلیل اور برہان بھی ہے۔ اگر یہاں یہی معنی مقصود ہو تو آیت کا مطلب ہوگا کہ دنیا میں میری حجت بازیاں مسلم تھیں۔ جس مسئلہ پر میرا ذہن دلائل کے انبار لگا دیا کرتا تھا۔ میری زبان قینچی کی طرح تیز چلتی تھی۔ آج تو میرا ذہن ماؤف ہو گیا ہے۔ میری زبان گنگ ہو گئی ہے مجھے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہیں سوجھتی۔

سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿٣٢﴾ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ

ستر گز لمبی زنجیر میں اس کو جکڑ دو ۳۱ بے شک یہ بدبخت ایمان نہیں لایا تھا

بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿٣٣﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ

اللہ پر جو بزرگ و برتر ہے۔ اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی ۳۲ پس

لَهُ الْيَوْمَ هَاهُنَا حَمِيمٌ ﴿٣٥﴾ وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ﴿٣٦﴾

آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز بہتی پیپ کے ۳۳

لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿٣٧﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٨﴾ وَمَا

ع ۱

جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطاکاروں کے۔ پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو اور جنہیں

لَا تُبْصِرُونَ ﴿٣٩﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿٤٠﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ

تم نہیں دیکھتے ۳۴ بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔

۳۱ فرشتوں کو حکم ملے گا کہ اس کو پکڑو۔ اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور اسے جہنم میں پھینک دو اور وہاں اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ جس کا طول کوئی اب بھی پہچانا گیا ہے۔

۳۲ بتایا جا رہا ہے کہ وہ مجرموں کی پاداش میں اسے جو عذاب کی سزا دی جا رہی ہے۔ ایک تو یہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان نہیں لایا تھا دوسرا یہ کہ بڑا کنجوس اور سنگدل تھا۔ خود تو اپنے گھر سے کسی کو کھانا کھلانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوئی مزید یہاں تک کہ کبھی کسی دوسرے کو بھی کسی غریب کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دی۔ صورت کچھ ایسی نہیں تھا کہ وہ کسی کو کھلا رہا ہوتا۔ وعن بعض السلف افضل الکفر باللہ تعالیٰ واشنع الشنائع البخل وقسوۃ القلب۔ قرآن کریم انسان کی مادی اور روحانی ضروریات کی طرف یکساں توجہ دیتا ہے۔ اس نے جہاں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی عبادت کرنے کی تاکید کی ہے وہاں فقراء و مساکین کی ضروریات زندگی کو بہم پہنچانے کا بھی تاکیدی حکم دیا ہے۔

۳۳ غسلین: صدید اهل النار۔ وہ پیپ جو دوزخیوں کے زخموں سے رس رس کر ایک جگہ جمع ہوتی رہے گی وہ غریب جب بھوک سے بلبلا اٹھیں گے اور کھانے کے لیے کوئی چیز طلب کریں گے تو انہیں یہ پیپ کھانے کو دی جائے گی۔ اس روز ان کا کوئی ہمدرد اور دوست نہیں ہوگا۔

۳۴ کفار کو اس بات کا شدت سے انکار کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود گھڑ کر یا کسی سے سن کر ہمیں یہ کلام سناتے ہیں کیونکہ اس کلام کی فصاحت و بلاغت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے کبھی

قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿٤٢﴾

لیکن تم بہت کم ایمان لاتے ہو ۴۳ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم غور کرتے ہو۔

تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کی طرف سے۔ اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری

الْأَقَاوِيلِ ﴿٤٤﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿٤٥﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿٤٦﴾

طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل ۴۴

آپ کو شاعر کہتے اور کبھی کاہن۔ ان کے ان الزامات کی تردید قسم کھا کر کی جا رہی ہے۔ فرمایا جو چیزیں تم کو نظر آتی ہیں جن کا تم مشاہدہ کرتے ہو ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں اور جو چیزیں تمہیں نظر نہیں آتیں ان کی بھی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ یعنی ہر چیز کی قسم اٹھاتا ہوں خواہ اس کا تعلق عالم شہادت سے ہو یا عالم غیب سے۔ یہ قرآن نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کا بلکہ ایک معزز و محترم رسول کا قول ہے۔ رسول کریم سے مراد حضور کی ذات مقدسہ ہے۔ یہاں نام نہیں لیا بلکہ صفت رسالت کو ذکر کیا تاکہ پتہ چل جائے کہ آپ کی حیثیت پیغامبر کی ہے اور ہر امانت دار پیغامبر اپنا مقصد اپنی طرف سے گھڑ کر کوئی پیغام نہیں دیتا بلکہ جس نے اسے بھیجا ہے اس کا پیغام آگے پہنچاتا ہے۔ اس لیے تمہارا یہ اصرار کہ آپ اپنی طرف سے شعر گھڑ کر لوگوں کو سناتے ہیں بیجا تعصب اور ناروا ہٹ دھرمی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد وضاحت فرما دی کہ تنزیل من رب العالمین یعنی رب العالمین کا کلام ہے کیونکہ حضور اپنی زبان مبارک سے اسے پڑھتے تھے اس لیے اسے حضور کا قول کہا گیا۔

۴۳ اس آیت کے آخر میں قلیلا ما تؤمنون اور اگلی آیت کے آخر میں قلیلا ما تذکرون فرما کر اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس رسول کریم میں اور شاعر اور کاہن میں کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں جس کے باعث تم اس غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔ تم اس چکر میں اس لیے پڑے ہو کہ تم ایمان نہیں لاتے اور تم نے کبھی غور و فکر سے کام نہیں لیا۔ اگر تم میرے نبی کریم کی طویل زندگی کے لمحوں اور پیش پا افتادہ شاعروں کا مطالعہ کرو، ان کی پاکیزہ معصوم زندگی اور بابرکت سرگرمیوں کا جائزہ لو تو پھر تم کبھی انہیں شاعر نہ کہو جن کے پاس سوائے الفاظ کی تک بندی کے کچھ نہیں۔ پھر تم کبھی انہیں کاہن نہ کہو جن کا سارا دھندا کذب بیانی اور ہیرا پھیری کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ اگر ایمان کی کوئی ہلکی سی شمع روشن ہو جاتی اور دل و دماغ کی دنیا میں ایمان کی صبح طلوع ہو جاتی تو پھر تم جہالت سے یہ نہ کہتے کہ یہ کسی شاعر یا کاہن کا کلام ہے۔

۴۴ اس آیت میں مقام نبوت کی نزاکت اور گراں قدر ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے۔ یعنی جس کی نبوت کو ہم معجزات اور دلائل سے ثابت کر دیں وہ ہرگز ہرگز اپنے رب کے کلام میں اپنی طرف سے کوئی حرف نہیں گھڑتا۔ بفرض محال اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرے تو یہ کوئی معمولی جرم نہیں جس کا نوٹس نہ لیا جائے جس سے اغماض برتا جائے بلکہ یہ تو اتنا بڑا گناہ اور سنگین جرم ہے کہ اگر اسے گوارا کر لیا جائے تو بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کسی کو نبی کی بات پر وثوق اور اعتماد ہی نہیں رہے گا اس لیے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ

پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا ۴۷ اور بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے

بجز جیسا حال اگر ہمارا کوئی فرستادہ ایسی حرکت کرے۔ تو ادنیٰ توقف کے بغیر ہمارے انتقام کی تلوار بے نیام ہو جائے گی اور اس کا دامن ... اس کی رگ دل کاٹ کر رکھ دی جائے گی تاکہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ اگر کوئی خدا کا بھیجا ہوا نبی بھی ایسی قبیح حرکت کرے تو عذاب الٰہی اس کو ایک لحظہ بھی مہلت نہیں دیتا، فوراً اسے ذلت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

الوتین: عرق فی القلب اذا انقطع مات صاحبہ (لسان العرب) عرق یتعلق بہ القلب اذا انقطع مات صاحبہ (مفردات)

دل کی اس رگ کو وتین کہتے ہیں کہ اگر وہ کٹ جائے تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ جو جھوٹے مدعی نبوت کے پیروکار ہیں جب کٹ جاتے ہیں تو انہیں ... مفتوحات، اس آیت سے مرزا قادیانی کے سچا ہونے پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر مرزا سچا نبی نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتیں منسوب کرتا تو اس ارشاد الٰہی کے مطابق اس کی رگ دل کاٹ دی جاتی اور اسے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں کیا گیا اس لیے ثابت ہوا کہ وہ سچا نبی تھا۔ اگر عقل کے ناخن لے کر اس آیت میں غور کیا جائے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سزا اس جھوٹے شخص کے لیے نہیں جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو بلکہ اس کے لیے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واقعی نبی بنا کر بھیجا ہو پھر معجزات اور دلائل قطعیہ سے اس کی نبوت کی صداقت کو ثابت کیا ہو۔ اگر ایسا نبی کوئی غلط بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے گا تو اس کو یہ سزا ملے گی۔ اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے۔ مرزا صاحب پہلے شخص تو نہیں جنہوں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہو۔ اس سے پہلے بھی کئی طالع آزما لوگوں نے نبوت کا سوانگ رچایا۔ کیا مرزا صاحب اور ان کے حواری یہ سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی رگ جان کاٹ کر انہیں ہلاک کر دیا گیا؟ اگر ان کے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہوا تو کیا ان کی نبوت کی دلیل بن سکتی ہے؟ بلکہ کئی لوگ تو خدا بننے کا بھی دعویٰ کر چکے ہیں اور بڑے ٹھاٹھ سے انہوں نے اپنی زندگیاں گزاری ہیں۔ فرعون وغیرہ بیسیوں مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔

غیرت خداوندی اپنے مقربین سے اس قسم کی غلطی کو برداشت نہیں کر سکتی جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جاتا البتہ اس کے جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے دیگر دلائل سے کام لیا جاتا ہے جن سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ جھوٹا ہے۔ تَقَوَّلَ: افتعل وتکلف وتصنع فی القول۔ یعنی بزبان خود بنانا، گھڑنا اور جھوٹ کہنا۔ ولو تکلف بعض الاقاویل المفتراۃ ... یمین سے مراد یا تو قوت و قدرت ہے۔ اس صورت میں آیت یوں ہوگی لاخذنا بالیمین یعنی ایسے مفتری کو ہم پوری قوت سے پکڑ لیں گے اور اگر یمین کا معنی دایاں ہاتھ لیا جائے تو پھر آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم اس مفتری کا دایاں ہاتھ پکڑ لیں گے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے پھر اس کی رگ جان کاٹ دیں گے۔

۴۷؎ جب ایسے مفتری کو ہم یہ عبرتناک سزا دینے لگیں تو تم میں سے کسی کو یہ ہمت و جرات نہیں ہوگی کہ آگے بڑھے اور اسے ہمارے غضب سے بچا لے۔

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٨﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنكُم مُّكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ

پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ بات باعث حسرت ہوگی

عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿٥١﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٥٢﴾

کفار کے لیے۔ اور بے شک یہ یقینًا حق ہے ۵۱ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے ۵۲

۵۱ یہاں حق صفت ہے جسے موصوف الیقین کی طرف مضاف کیا گیا ہے یعنی انہ الیقین الحق یعنی یہ یقین سراسر حق ہے جس میں باطل کی ذرا ملاوٹ تک نہیں۔

۵۲ اے حبیب! اپنے رب کی پاکی بیان کیا کرو جس نے آپ کو ان لامحدود انعامات سے سرفراز فرمایا ہے۔ تمام انبیاء و رسل کا آپ کو سردار بنایا ہے۔ آپ کے سر پر ختم نبوت کا تاج سجایا ہے۔ آپ کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے اور آپ کو ہر عیب اور نقص سے محفوظ رکھا ہے۔ جس رب نے آپ پر اتنے بڑے احسانات فرمائے ہیں وہ واقعی عظیم ہے۔ اس کی تسبیح کرنا، اس کی حمد کرنا، اس کا شکر بجا لانا آپ پر فرض ہے۔

اس ارشاد ربانی کی تعمیل میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی گزری اور بڑے شوق سے مشغول رہا کرتے۔ ساری ساری رات کھڑے ہو کر رب قدوس کی حمد و تسبیح کیا کرتے یہاں تک کہ کھڑے کھڑے پاؤں مبارک متورم ہو جایا کرتے۔ جب عرض کیا جاتا تو فرمایا کرتے افلا اکون عبدا شکورا۔

○

سبحان ربي العظيم، سبحان ربي الاعلى، سبحان الله الملك الصمد، لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير۔

والصلوة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المرتضى وعلى آله قادة الورى واصحابه نجوم الهدى ومن تبعهم الى يوم الدين۔

فاطر السموات والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

○

تعارف

سورۃ المعارج

نام : اس سورت کی تیسری آیت میں المعارج کا کلمہ ہے اسی کو اس سورت کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس میں دو رکوع، چوالیس آیتیں، دو سو چوبیس کلمات، نو سو انتیس حروف ہیں۔

زمانہ نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : اہل مکہ قیامت کے برپا ہونے کو ناممکن اور محال سمجھتے تھے اور جب بار بار انہیں قیامت سے ڈرایا جاتا تو وہ از راہ استہزاء کہتے کہ حضور دولہ سے آپ نے قیامت آئے گی، قیامت آئے گی کی رٹ لگا رکھی ہے اسے لے کیوں نہیں آتے تاکہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ قیامت کیسی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس بیہودہ ذہنیت کی اصلاح فرما رہے ہیں کہ اے اہل مکہ! قیامت آئے گی ضرور آئے گی، دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی لیکن وقوع قیامت کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ ادھر آپ نے فرمائش کی اور ادھر وقوع قیامت کا عمل شروع ہو گیا بلکہ یہ تو ایک بڑا ہولناک سانحہ ہوگا۔ آسمان، پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس کی ہولناکی اور دہشت سے ہر شخص تھر تھر کانپ رہا ہوگا۔ دوست بھائی، بیوی بچے، ماں باپ سب فراموش ہو جائیں گے۔ ہر کسی کو اپنے نفس کی پڑی ہوگی۔ اس لیے تم نادانی نہ کرو۔ قیامت تمہارے کہنے پر نہیں آئے گی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو وقت مقرر کر دیا ہے جب وہ وقت آئے گا تو قیامت خود بخود برپا ہو جائے گی۔

(۲) اسلامی نظام عبادات اور نظام اخلاق، انسان کی خامیوں اور کوتاہیوں کو جس حیرت انگیز طریقہ سے دور کرتا ہے اس کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بڑا بے صبرا اور حریص ہے۔ جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بلبلا اٹھتا ہے جب اسے نعمت دی جاتی ہے تو وہ کنجوس بن جاتا ہے۔ خود سوچیے جس انسان میں یہ عیب ہوں وہ قطعاً قابل احترام نہیں لیکن نماز، زکوٰۃ، قیامت پر ایمان، عفت و عصمت، امانت میں دیانت اور عہد کی پاسداری وغیرہ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے انسان کی خامیاں دور ہو جاتی ہیں اور اس کے نقائص کی اصلاح ہو جاتی ہے جو انسانیت کے دامن پر بدنما داغ کی حیثیت رکھتے ہیں ایسے انسان میں انسانیت کا وہ عکس جمیل نظر آنے لگتا ہے جس کی وجہ سے یہ مسجود ملائکہ بنا اور اسے خلافت ارضی کی مسند پر متمکن کیا گیا۔

(۳) پھر فرمایا یہ کفار کس بات پر فخر و ناز کرتے ہیں ان کے اعمال بد کے باعث اگر ہم ان کو نیست و نابود کر دیں گے تو دنیا غیر آباد نہیں ہو جائے گی بلکہ ان کے قائم مقام ہم ایسے لوگ پیدا کر دیں گے جو اپنے حسن عمل سے عروس کائنات کے گیسوؤں کو سنوارنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے ۔۔۔۔ آخر میں پھر وقوع قیامت کے یقینی ہونے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔

سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المعارج مکی ہے، یہ چوالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَاَلَ سَآئِلٌ ۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾

مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے گا۔ وہ جس کے لیے تیار ہے کفار کے لیے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ۱

۱۔ سَأَلَ کے دو معنی ہیں۔ پوچھنا، دریافت کرنا اور طلب کرنا، مانگنا۔ اگر پہلا معنی لیا جائے تو آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایک پوچھنے والے پوچھتے ہیں کہ جس عذاب کا آپ بڑی شدت سے ذکر کرتے رہتے ہیں وہ کن لوگوں پر نازل ہوگا؟ ان کے اس سوال کا جواب دیا گیا کہ وہ کفار پر نازل ہوگا اور جب نازل ہوگا تو کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا۔

اگر سائل کا دوسرا معنی لیا جائے تو پھر اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ نضر بن حارث نے ایک دفعہ خانہ کعبہ کے پاس کھڑے ہو کر یہ دعا مانگی: اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ الٰہی! اگر جو کچھ یہ ہمیں بتاتے ہیں حق ہے اور تیری طرف سے نازل ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا ہم پر کوئی دوسرا دردناک عذاب نازل کر۔ اس آیت میں اس نابکار کی اس احمقانہ دعا کا ذکر ہے کہ وہ ہم سے دعائیں مانگتا ہے کہ اس پر عذاب نازل کیا جائے۔ وہ سن لے کہ جس عذاب کے لیے اس نے دعا مانگی ہے وہ بالکل تیار ہے۔ اسے اور اس کے ہمنوا کافروں کو ضرور اس کا مزہ چکھنا پڑے گا اور اس وقت دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی لیکن ابھی نہیں۔ ابھی تو میرا محبوب تمہارے درمیان تشریف فرما ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہم عذاب نازل نہیں کریں گے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ میرے رسول کو یہاں سے چلے جانے دو پھر دیکھو تمہاری کیسی خبر لی جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے تشریف لے گئے تو دوسرے سال ہی بدر کی جنگ ہوئی اور اسے بڑی طرح قتل کر دیا گیا۔ اور بڑا عذاب تو قیامت کے دن ملے گا۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سوال کرنے والے نے ہم سے یہ سوال کیا ہے کہ ہم اس پر عذاب اتاریں اور اس کو اس کے کفر و شرک کا مزہ چکھائیں۔ لِلْكٰفِرِيْنَ الخ سے اس سائل کا جواب ہے اور للکافرین کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: هُوَ اَيْ ذٰلِكَ الْعَذَابُ الْمَسْئُوْلُ عَنْهُ مُهَيَّاٌ وَّمُعَدٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْا۔ (تفسیر المظہری) یعنی جس عذاب کے لیے اس نے دعائیں اور التجائیں کی ہیں وہ بالکل تیار ہے، وہ ضرور اسے چکھایا جائے گا لیکن اپنے وقت پر، جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ اور جب وہ مقررہ گھڑی آ جائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت اس عذاب کو ٹال نہ سکے گی۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ

جو اللہ کی طرف سے ہے جو مالک ہے سیڑھیوں کا ۔ ۲ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں ۳

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا

یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے ۴ پس (اے حبیب!) صبر کیجیے جو بہت

۲ یہ عذاب نازل کرنے والا کوئی کمزور اور ضعیف شخص نہ ہوگا جس کو وہ نیچا دکھا سکتے ہیں بلکہ یہ عذاب اللہ جل مجدہ کی طرف سے ہوگا جو اللہ تعالیٰ جمیع معارج کا مالک ہے۔

معارج: معرج سے ہے۔ عروج کا معنی بلند ہونا، اونچا ہونا ہے۔ اس سے اسم آلہ معراج اور معرج ہے۔ ان کی جمع معارج اور معاریج ہے۔ ان کا معنی ہے سیڑھیاں، زینے جن کے ذریعے انسان اوپر چڑھتا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں معارج سے مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ بھی زینوں کی طرح ہیں۔ ہر ایک دوسرے کے اوپر ہے۔ قال ابن مسعود ذی المعارج ای ذی السموات یا معارج سے مراد وہ مراتب و مدارج ہیں جو فرشتوں کو عطا کیے گئے ہیں یا جب معارج کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس سے مراد وہ شان اور وہ عظمت ہے جو اس کی ذات اقدس کے شایاں ہے۔

۳ الروح سے مراد جبریل امین ہیں۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ الروح سے مراد روح انسانی ہے جس کا تعلق عالم امر سے ہے اور انبیاء و اولیاء کی ارواح مقدسہ دوری اور غفلت کی پستیوں سے پرواز کر کے رب ذوالجلال کے حریم قرب میں نشیمن بنایا کرتی ہیں۔ المراد بالروح روح البشر الذی ہو من عالم الامر فان ارواح البشر من الاولیاء والانبیاء تعرج من حضیض البعد والغفلۃ الی معارج القرب والحضور۔ (مظہری)

۴ اس کا تعلق واقع کے ساتھ ہے یعنی جس عذاب کے نزول کے بارے میں وہ دریافت کر رہے ہیں وہ ایسے دن میں واقع ہوگا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عن یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ما اطول ہذا الیوم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے رسول کریم سے پوچھا گیا کہ وہ دن تو بہت طویل ہوگا جس کا طول پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔

فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام والذی نفسی بیدہ انہ لیخفف علی المؤمن حتی یکون اخف علیہ من صلوٰۃ مکتوبۃ یصلیہا فی الدنیا۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے یہ دن مومن کے لیے بڑا مختصر کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ جو وقت فرض نماز کے ادا کرنے میں لگتا ہے اس سے بھی اسے مختصر معلوم ہوگا۔

اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ وقت کی مقدار ایک ہوتی ہے لیکن کسی کے لیے وہ وقت ایک لمحہ کی طرح گزر جاتا ہے اور کسی کے لیے وہ

وقت بڑا طویل ہوتا ہے۔ قیامت کا دن تو دن ہوگا لیکن اہل ایمان کو وہ بڑا مختصر معلوم ہوگا اور بعض مجرموں کو وہ ہزار سال کے برابر محسوس ہوگا اور جو مدت جتنی زیادہ ہوں گے انہیں پچاس ہزار سال جتنا لمبا معلوم ہوگا۔ علامہ آلوسی نے عرب کے شاعر کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے۔

من قصر الليل اذا زرتني   اشكو وتشكين من الطول

جس رات تو مجھے ملاقات کا شرف بخشتی ہے تو میں تو شکوہ کرتا ہوں کہ یہ رات نہایت مختصر تھی اور تو اس کے طویل ہونے کی شکایت کرتی ہے۔

بعض نے تو اس سے مراد لیا ہے پچاس ہزار سال ہی ہیں اور بعض کی رائے ہے کہ پچاس ہزار کا عدد مقصود نہیں بلکہ محض اس کی طوالت کو بیان کرنا ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہی قول منقول ہے۔

تعرج الملائكة کی ایک اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد قیامت کا دن نہیں بلکہ اب بھی فرشتے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں اور وہاں سے احکام اور ہدایات حاصل کرتے ہیں اور نہایت قلیل وقت میں ان کی تنفیذ کے لیے اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ مسافت جو وہ پل بھر میں طے کرتے ہیں اتنی طویل ہے کہ اگر انسان اپنی طبعی رفتار سے چلنا شروع کرے تو پچاس ہزار سال منزل تک پہنچتے پہنچتے لگ جائیں۔

قال محمد بن اسحاق لو سار ابن آدم من الدنيا الى موضع العرش سيرا لطيقه لسار خمسين الف سنة (مظہری)

علامہ پانی پتی اس کے بعد لکھتے ہیں:

ومن مهمات المسائل الصوفية العلية ان مقام القلب الذي يحصل للصوفي بالجذب من الله تعالى بتوسط النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والمشائخ اولياء والصعود الذي يحصل بالعبادات والرياضات من غير جذب من الشيخ فانما يحصل له في زمان كان مقداره خمسين الف سنة واذا المريد قد يتأهل ببقائه بل ببقاء الدنيا الى الف مدة تظهر ان الوصول الى الله تعالى من غير جذب منه تعالى بتوسط احد من المشائخ كما هو المعتاد بدون التوسط ثم يحصل كما يكون لبعض الاولياء من الافراد محال والله المستعان۔

ترجمہ: اس لیے صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ فنائے قلب کا مقام صوفی کو صرف اللہ تعالیٰ کی کشش اور جذب سے حاصل ہوتا ہے اور یہ جذب و کشش حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مشائخ کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص شیخ کامل کی توجہ کے بغیر صرف عبادت اور ریاضت سے اس مقام تک پہنچنا چاہتا ہے تو اس کے لیے پچاس ہزار سال کا عرصہ درکار ہے اور اتنی عمر کسی کی نہیں ہوسکتی۔ اس سے یہ بات آشکارا ہوگئی کہ پیر کامل کی توجہ کے بغیر کسی کا اس مقام پر فائز ہونا محال ہے۔ واللہ المستعان (مظہری)

جَمِيلًا ﴿٥﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿٦﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿٧﴾ يَوْمَ تَكُونُ

خوبصورت ہے ۵ کفار کو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ لیکن ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں ۶ اس روز آسمان

السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ

پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہو گا ۸ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے ۹ اور کوئی جگری دوست کسی

حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ

جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا ۱۰ دکھا دیے جائیں گے ایک دوسرے کو ۱۱ مجرم آرزو کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا

۵ کفار کی اس قسم کی باتیں محض بطور استہزاء اور حضور کے دل رحیم کو ملال دینے کے لیے ہوتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حبیب! ان نادانوں کو بیہودہ سوال کرنے دیجئے۔ آپ ان کی پروا نہ کریں اور ملول و رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ صبر سے کام لیں اور صبر بھی وہ جو صبر جمیل ہے کہ مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں لیکن زبان پر شکوہ نہ ہو۔ لبوں پر حرف شکایت نہ آئے۔ صبر جمیل کا مفہوم حضرت ابن عباس سے یہی بیان کیا گیا ہے۔ لا یشکو فیہ الی غیر اللہ تعالیٰ (روح المعانی)

۶ کفار عذاب قیامت کو بعید خیال کرتے ہیں یعنی قیامت کا وقوع بہت دور ہے۔ اس کی تاریخ کا ابھی کسی کو علم نہیں۔ اور بعید کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ وہ اسے ناممکن اور محال سمجھتے ہیں۔ جب قیامت کا وقوع ان کے نزدیک خلاف عقل اور ناممکن ہے تو عذاب بھی محال و ناممکن ہو گا۔ ای بعیدا عن الامکان (روح المعانی) عن الامکان اذ یستبعدون العقل ... لیکن ہم اسے بالکل قریب دیکھ رہے ہیں۔ اس کا واقع ہونا یقینی ہے ... جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہے خواہ دیر سے آئے۔

۸ مُہل کہتے ہیں پگھلی ہوئی دھات کو، تانبہ ہو یا چاندی ہو۔ المذاب من النحاس وغیرہ من الفلزات۔ اس کا دوسرا معنی تیل کی تلچھٹ بھی ہے۔ دُردِیُّ الزَّیت۔
اس روز آسمان کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اس کے رنگوں کے اختلاف کو مختلف مقامات پر مختلف الفاظ میں بیان کیا گیا۔

۹ العِھن، وہ اون جو مختلف رنگوں سے رنگی ہوئی ہو۔ الصوف المصبوغ الوانا۔ کیونکہ پہاڑوں کے رنگ گوناگوں ہوتے ہیں اس لیے ان کو عِہن سے تشبیہ دی گئی ہے۔ الحمیم: القریب الذی تھتم بامرہ لصدیقہ۔ ہر دوست کو حمیم نہیں کہتے بلکہ جگری دوست جس کا ہر لحظہ خیال رہتا ہے۔ اس کی کسی حالت سے آپ بے پروائی اور بے تعلقی اختیار نہیں کر سکتے۔

۱۱ یہ نہیں کہ وہ اس لیے ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے کہ انہیں پتہ نہ چلے گا کہ ان کے جانی دوست پر کیا بیت رہی ہے بلکہ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ آنکھوں کے سامنے درگت بن رہی ہو گی لیکن ہر شخص اپنے بارے میں اتنا متفکر ہو گا کہ

عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿۱۱﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿۱۲﴾ وَفَصِيلَتِهِ

آج کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنے بیٹوں کو ۔ اپنی بیوی کو ۔ اپنے بھائی کو ۔ اپنے خاندان کو جو ہر مشکل میں

الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۱۳﴾ وَمَن فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنجِيهِ ﴿۱۴﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا

اسے پناہ دیتا تھا اور (بس چلے تو) جتنے (لوگ) زمین میں ہیں سب کو (دے ڈالے) پھر یہ (فدیہ) اس کو بچا لے لیکن ایسا ہرگز نہ ہوگا ۹ بے شک وہ شعلے والی

لَظَىٰ ﴿۱۵﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوَىٰ ﴿۱۶﴾ تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ

آگ بھڑک رہی ہوگی ۱۰ اتار دے گی گوشت پوست کو ۱۱ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا ۱۲ اور مال جمع کرتا رہا پھر

فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱۹﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ

اسے سنبھال سنبھال کر رکھتا رہا۔ بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے ۱۳ جب اسے تکلیف پہنچے تو

کسی کو دوسرے سے پرسشِ حال کا ہوش ہی نہیں ہوگا۔

۸ بلکہ اس دن ہر مجرم یہ آرزو کرے گا کہ کاش اس کی کوئی صورت بن جائے کہ اسے نجات مل جائے اور اس مقصد کے لیے اگر اسے اپنا بیٹا، بیوی، بھائی اور اپنا خاندان بھی فدیہ کے طور پر دینا پڑے تو دے دے گا۔

۹ لیکن کسی کو وہ اپنے بدلے قربانی کا بکرا نہ بنا سکے گا۔

۱۰ اِنَّهَا کی ضمیر کا مرجع آگ بھی ہو سکتی ہے اور جہنم بھی۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسی آگ ہوگی جس میں شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ جہنم جس کی آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔

۱۱ شویٰ جمع ہے۔ اس کا واحد شواۃ ہے۔ سر کی کھال کو بھی کہتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں، دونوں پاؤں اور دیگر اطرافِ جسم جن پر ضرب لگنے سے انسان کی موت واقع نہیں ہوتی ان کو بھی شویٰ کہا جاتا ہے اور انسان کی ساری ظاہری کھال کو بھی شویٰ کہتے ہیں۔ یقال الشواۃ ظاہر الجلد کلہ۔ (تاج العروس) علامہ قرطبی نے ضحاک سے نزاعۃ للشوی کا یہ معنی بھی لکھا ہے تفری اللحم والجلد عن العظم حتی لا تترک منہ شیئا۔ یعنی آگ انسان کے گوشت اور پوست کو ہڈیوں سے اُدھیڑ دے گی۔

۱۲ آگ ان لوگوں کو بلاتے ہوئے کہے گی۔ اِلَيَّ يَا مُشْرِكُ، اِلَيَّ يَا مُنَافِقُ۔ اے مشرک! کہاں بھاگے جا رہے ہو، ادھر آؤ۔ اے منافق! کہاں بھاگے جا رہے ہو ادھر آؤ۔

۱۳ یہ چند آیات ۱۹ تا ۳۵ آپ کی خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ یہاں بڑی وضاحت سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ اسلام نے عبادات کا جو نظام اپنے ماننے والوں کے لیے تجویز کیا ہے وہ محض پوجا پاٹ اور بے مقصد رسومات نہیں بلکہ انسان کی

اصلاح اور تربیت سے دُور کا واسطہ بھی نہ ہو۔ بلکہ یہ وہ انقلاب آفرین پروگرام ہے جو انسان کی صرف تربیت ہی نہیں کرتا بلکہ اس کی سرشت تک جو عیوب اور کمزوریاں ہیں، ان کا بھی قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کو ایسی خوبیوں اور کمالات سے مزین کرتا ہے کہ وہ اپنے لیے، اپنے خاندان کے لیے، اپنی قوم کے لیے اور اپنے ملک کے لیے باعث صد عز و افتخار بن جاتا ہے۔ اس کے دم سے حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ ایسا دل فگاریوں سے دکھی انسانیت کے تمام مصائب میں کمی آجاتی ہے۔ وہ جدھر نکلتا ہے خیر و برکت بکھیرتا گزر جاتا ہے۔ مسرتوں کے پھول کھل جاتے ہیں۔ خوش حالی کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔ بے کسوں اور بے بسوں کو نئی زندگی، نئی امنگ مل جاتی ہے۔ آئیے! ذرا ان نورانی آیتوں میں غور کریں اور ان کے دامن میں رحمتوں، برکتوں کے جو خزانے سمٹے ہوئے ہیں ان کا مشاہدہ کریں۔

پہلے مشکل الفاظ کی تشریح کیجئے: ھَلُوْعًا: الحریص علی ما لا یحل له. قال مقاتل: ضیق القلب. قال عطیۃ عن ابن عباس تفسیرہ ما بعدہ۔ یعنی وہ حریص جو حلال و حرام کی تمیز کیے بغیر مال سمیٹنے لگ جائے ہلوع کہتے ہیں۔ مقاتل کہتے ہیں کہ اس کا معنی تنگ دل ہے۔ عطیہ نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی بعد کی دو آیتوں میں بتا دیا گیا ہے۔

جَزُوْعًا: جزع سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عند الصبر: قلیل الصبر۔ یعنی بہت گھبرا جانے والا۔

مَنُوْعًا: الضنین الممسك. سخت کنجوس، سخت بخیل۔

اب ان تین آیات کو دوبارہ پڑھیے۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی سرشت میں تین عیب ہیں۔ ایک تو وہ حریص اور کم ظرف ہے۔ ایسی چیزوں کو بھی ہڑپ کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے جو اس کے لیے حلال نہیں ہوتیں۔ اس کی کوششیں ہر قیمت پر دولت سمیٹنے کے لیے وقف رہتی ہیں۔ خواہ وہ رشوت سے ملے، لوٹ کھسوٹ سے ملے، چوری و راہزنی سے ملے، قوم کی نازک اجتماعی مشکل کو کیش کر کے ملے یا قوم و وطن سے غداری کر کے ملے وہ باز نہیں آتا۔ ایسے لالچی کو عربی میں ھَلُوْع کہا جاتا ہے۔ دوسرا نقص اس میں یہ ہے کہ وہ جزوع ہے، بہت گھبرا جانے والا، جب مصائب کی گھٹا اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہوتی ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، اوسان خطا ہو جاتے ہیں، امید کی کوئی کرن اس کو نظر نہیں آتی۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ وہ سخت کنجوس، سخت بخیل ہے۔ کسی ملی یا قومی مقصد کے لیے کسی نادار و فقیر کی امداد کے لیے ایک دمڑی بھی خرچ نہیں کرتا۔

اب خود سوچیے کہ جس شخص میں حرص اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہو کہ وہ حلال و حرام کی تمیز سے بھی کام نہ لے، جو مصیبت کے وقت اپنے اوسان خطا کر بیٹھے اور مایوس ہو کر اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دے یا جب وہ دولت مند اور مالدار ہو تو کنجوس، مکھی چوس بن جائے تو کیا ایسے شخص کا وجود اپنے ملک و قوم کے لیے باعث ننگ و عار نہیں ہوتا۔ اس سے اس کی بستی والے بھی نفرت کرتے ہیں، اس کے گھر والے بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے لیے بھی وبال بن جاتا ہے۔

ایسی فطری کمزوریوں کا بندہ جب اسلام کی تعلیمات کو اپنا لیتا ہے، جب اس کے ارشادات پر عمل پیرا ہو جاتا ہے، جب اپنی زندگی کے روز و شب کو قرآن کریم کے سپرد کیے ہوتے اس کتاب ہدیٰ کے مطابق ڈھال لیتا ہے تو اس کی کایا پلٹ جاتی ہے، وہ حریص نہیں رہتا، قانع ہو جاتا ہے، اس کا دل غنی ہو جاتا ہے، اس کی آنکھیں سیر ہو جاتی ہیں۔ مصائب کے تند و تیز طوفان جب اس سے آکر ٹکراتے ہیں تو استقلال کی چٹان کی مانند مضبوط پاتے ہیں۔ ان حالات میں اس کی امید کا چراغ اور زیادہ ضیا بار ہو جاتا ہے۔ بڑے حوادث سے وہ گھبراتا نہیں بلکہ اس

جَزُوۡعًا ﴿۲۰﴾ وَّ اِذَا مَسَّہُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِیۡنَ

سخت گھبرا جانے والا اور جب اسے دولت ملے تو بے حد بخیل بجز ان نمازیوں کے ۲۲ جو

ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ دَآئِمُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ

اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ

مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُصَدِّقُوۡنَ بِیَوۡمِ

حق ہے سائل کے لیے اور محروم کے لیے ۲۳ اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ

وقت اس کی خفتہ توانائیاں انگڑائیاں لینے لگتی ہیں۔ وہ ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے شیروں کی طرح ان پر جھپٹتا ہے۔ اور جب اس پر خوشحالی کا دور آتا ہے تو وہ محتاجوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ کر ان کی امداد کرتا ہے۔ وہ کسی کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔ جب تک وہ کسی کی تکلیف کو دور نہ کرے اسے چین نہیں آتا۔

یہ وہ تبدیلی ہے جو اسلام کے بخشے ہوئے نظام حیات پر عمل کرنے سے انسان میں رونما ہوتی ہے۔ ہماری شومئ قسمت ملاحظہ ہو کہ آج کا مسلمان اس بابرکت پروگرام کو اپنے لیے ایک ناقابل برداشت بوجھ، ایک ناروا پابندی اور ایک غیر دلچسپ مصروفیت گردانتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ فطری کمزوریاں جن کا ذکر ہو چکا ہے اور دنیا کی محبت نے ہمارے قلب و نظر پر اپنا قبضہ جما لیا ہے۔

اب آئیے! اس نظام عمل کا مطالعہ کریں جو ہمارے خالق و مالک نے ان آیات میں ہمیں عطا فرمایا ہے۔

۲۲ ان کمزوریوں سے وہ لوگ نجات پا لیتے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور نماز ادا کرتے وقت صمیم قلب سے رب کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ دائیں بائیں ان کی نظر نہیں اٹھتی۔ یا اس کیفیت میں ڈوبے رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے حضور میں حاضر ہیں، ان کی حرکات و سکنات بلکہ دل کے احساسات کو بھی وہ دیکھ رہا ہے۔ انما الصلوٰۃ من یلتزم دوام الخشوع۔ ابوالخیر کہتے ہیں کہ ہم نے عقبہ بن عامر سے دریافت کیا کیا اس آیت میں دائمون کا معنی پابندی سے نماز ادا کرنا ہے۔ انہوں نے کہا یہ معنی نہیں بلکہ اس کا مطلب کسی طرف التفات نہ کرنا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ اپنی نگاہ اپنی سجدہ گاہ پر مرکوز رکھے۔ حضور نے حضرت انس کو فرمایا یا انس اجعل بصرک حیث تسجد۔ اے انس اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جہاں تم سجدہ کرتے ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ نظر کو اپنی سجدہ کی جگہ پر مرکوز رکھنے سے حضور قلب حاصل ہوتا ہے اور خطرات سے نجات ملتی ہے۔

۲۳ وہ مال کو اپنی ذات کے لیے مخصوص نہیں کرتے بلکہ انہوں نے اس میں ایک خاص حصہ مقرر کر رکھا ہے جو وہ سائلوں اور محروموں کو دیتے ہیں۔ سائل سے مراد مانگنے والا۔ محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود ضرورت مند ہونے کے کسی سے مانگ نہ سکتا ہو اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کر سکتا ہو۔ یعنی ان لوگوں کو ایسے لوگوں کی تلاش رہتی ہے جو حالات کے اندھیروں میں ان کے گھر جاتے

الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُم مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝

جزا کی [۱۷] اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں [۱۸]

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ

بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں [۱۹] اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت

حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ

کرنے والے ہیں [۲۰] بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر

غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے

الْعَادُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝

بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں [۲۱]

ہیں اور لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر ان کی امداد کرتے ہیں۔

[۱۷] یہ لوگ اس زندگی کو آخری زندگی خیال نہیں کرتے بلکہ ان کا ایمان ہے کہ قیامت کے روز انہیں دوبارہ زندہ کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا اور ان سے ان کے اعمال کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

[۱۸] وہ نیکیاں کرتے ہیں لیکن ان پر نازاں نہیں ہوتے۔ ہر وقت اپنی کوتاہیوں کا احساس کر کے اپنے رب کی ناراضگی سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

[۱۹] وہ جانتے ہیں کہ ان کے رب کے عذاب کو کوئی دور نہیں کر سکتا۔ غیر مامون کا ایک اور معنی بھی کیا گیا ہے ای لا ینبغی لاحد ان یامن عقابہ عز و جل۔ یعنی وہ کتنے ہی نیکوکار بن جائیں وہ اپنے آپ کو اپنے رب کے عذاب سے امن میں نہیں سمجھتے بلکہ اس کی بے نیازی سے ہر لحظہ ڈرتے رہتے ہیں۔

[۲۰] جو اپنے دامن عفت پر داغ نہیں پڑنے دیتے۔ جو اپنے گوہر عصمت کی پوری طرح حفاظت کرتے ہیں۔

[۲۱] جو امانتیں ان کے سپرد کی جاتی ہیں وہ ان میں خیانت نہیں کرتے۔ امانتوں سے مراد یہاں ہر قسم کی امانتیں ہیں۔ ہمارے اعضا، ہمارے ہوش و حواس، ہماری عقل اور ہماری زندگی سب خدا کی امانتیں ہیں۔ ان کو اس کے حکم کے مطابق صرف کرنا دیانتداری ہے اور ان کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرنا بددیانتی اور خیانت ہے۔ اگر حکومت نے کوئی ذمہ داری کسی کو سونپی ہے تو اس کو نہایت دیانتداری سے سرانجام

وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ

اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر ثابت قدم رہتے ہیں ۲۲ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی

يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۵﴾ فَمَالِ الَّذِينَ

حفاظت کرتے ہیں ۲۳ یہی لوگ مکرم (و محترم) ہوں گے جنتوں میں ۲۴ پس ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ

كَفَرُوا قِبَلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ ﴿۳۷﴾

آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آرہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے ۲۵

أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا

کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (وہ ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں داخل کیا جائے ۲۶ ہرگز نہیں۔

کے مطابق انجام دینا بھی اسی میں داخل ہے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرے گا تو وہ خائن ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے کوئی زیور کوئی سامان بطور حفاظت اس کے پاس رکھا ہے تو اس کی نگہبانی کرنا اور حسب طلب اس کو بخوشی واپس کر دینا، یہ بھی اسی میں داخل ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا وہ بھی بددیانت اور خائن ہوگا۔

عہد میں ہر وہ معاہدہ شامل ہے خواہ اپنے رب سے کیا ہو یا کسی دوسرے انسان سے اس کا ایفا بھی ازحد ضروری ہے۔

۲۲ یعنی جو گواہیاں ان کے ذمہ ہیں انہیں پوری سچائی سے ادا کرتے ہیں۔ کسی کا خوف، کوئی لالچ، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت انہیں سچی گواہی دینے سے باز نہیں رکھتی۔

۲۳ جو لوگ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، اطمینان سے ادا کرتے ہیں، بے وقت نہیں پڑھتے۔

۲۴ ان خوبیوں سے جو لوگ آراستہ ہیں ان میں وہ فطری کمزوریاں باقی نہیں رہتیں، ان کا وجود سب کے لیے باعث رحمت و برکت بن جاتا ہے انہیں خصائل حمیدہ کے باعث وہ جنت میں داخل ہوں گے اور وہاں ان کو بڑی عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

۲۵ کفار جب حضور کریم کو کہیں بیٹھے ہوئے دیکھتے تو دائیں بائیں سے جتھے کے جتھے بھاگے چلے آتے اور ٹکٹکی باندھ کر حضور کو دیکھنے لگتے لیکن ان کی یہ سرگرمی دعوت حق سننے کے لیے نہیں بلکہ مذاق اور دل لگی اڑانے کے لیے ہوا کرتی۔ حضور کے ارد گرد جمع ہو کر طرح طرح کے آوازے کستے اور پھبتیاں کستے۔

مُهْطِعِينَ ای مسرعين مقبلين عليك یعنی آپ کی طرف متوجہ ہو کر بڑی تیزی سے آ رہے ہیں۔ عِزِينَ جماعات متفرقة۔ ٹولیاں ٹولیاں گروہ گروہ

۲۶ ادھر گروہ جمع ہو کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اگر یہ شخص اور اس کے ساتھی مسلمان جنت میں گئے تو ہم ان سے کہیں پہلے جنت کی روشوں پر خرام

إِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ

ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں ۲۷؎ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ

إِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ

ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں ۲۸؎ اور ہم ایسا کرنے

بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ

سے عاجز نہیں ۲۹؎ سو آپ چھوڑ دیجیے انہیں کہ وہ فضول باتوں میں لگے رہیں اور کھیل کود میں یہاں تک کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن

ہوں گے اگر ان کو اللہ تعالیٰ نے کسی نعمت سے نوازا تو ہم پر وہ اپنی نعمتوں کا مینہ برسائے گا۔ ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ نہ تم ایمان لائے اور نہ نیک عمل کیے، اس پر یہ خوش فہمیاں کہ تمہیں جنت میں داخل کیا جائے گا۔ ع

این خیال است و محال است و جنوں

۲۷؎ ان کا خمیر کسی الگ مادہ سے نہیں اٹھایا گیا جس کے باعث انہیں ایمان و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کا حق پہنچتا ہے۔ ایک ہی مادہ ہے جس سے سب کی تخلیق ہوئی ہے غریب و امیر، رذیل و شریف سب مساوی ہیں۔ اگر دوسرے لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کے لیے ایمان و عمل کی ضرورت ہے تو تم کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں۔

آیت کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کس چیز سے تخلیق کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے سامنے اکڑ جاتے ہیں حالانکہ انہیں خوب علم ہے کہ ان کو ایک قطرہ آب سے پیدا کیا گیا ہے۔

۲۸؎ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو شاید یہ غلط فہمی ہے کہ دنیا کی رونق اور آبادی ان کے دم قدم سے ہے۔ اگر یہ نہ ہوں تو گلستان ہستی ویران ہو جائے، اس پر خزاں کا عالم طاری ہو جائے۔ فرمایا کہ ہم اپنی ذات کی قسم کھاتے ہیں جو مشارق و مغارب کا پروردگار ہے کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہیں تباہ و برباد کر دیں اور تم سے کہیں زیادہ بہتر کسی قوم کو تمہارا جانشین بنا دیں جو قوت میں زیادہ، ذہانت میں ... علم اور عمل کی دولت سے مالا مال ہو، میری وحدانیت پر ایمان رکھتی ہو اور میرے حبیب رسول مکرم سے دلی محبت رکھتی ہو، جن کے خوش عقیدہ اور نیک عمل کی برکت سے ہر طرف بہار ہی بہار آ جائے۔

مشارق، مشرق کی جمع ہے، مغارب، مغرب کی جمع ہے۔ کیونکہ ہر روز طلوع کا مشرق و مغرب بدلتا رہتا ہے اس لیے جمع کے صیغے استعمال کیے۔

۲۹؎ مسبوقین اس کو کہتے ہیں جس کو کوئی تعاقب میں پیچھے چھوڑ کر خود آگے نکل جائے۔ یہ عجز و کمزوری کی علامت ہے۔ فرمایا ہم عاجز و کمزور نہیں۔

الَّذِي يُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا

سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ۳۱؎ اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ دوڑے

كَأَنَّهُمْ إِلَىٰ نُصُبٍ يُوفِضُونَ ۝ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ

جارہے ہیں جیسے استھانوں کی طرف دوڑے جارہے ہیں ۳۲؎ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں چھا رہی ہوگی ان پر

ع ۲ ذِلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ۝

ذلت ۳۳؎ یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا۔

۳۱؎ اے حبیب! آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ انتہائی خلوص کے ساتھ ان کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے کی کوشش فرمائی۔ یہ پھر بھی باطل سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں تو آپ فکر مند اور رنجیدہ کیوں ہوں۔ ان کو چھوڑیئے! اپنی خرافات میں غرق رہیں اور اپنی زندگی کی قیمتی ساعتیں کھیل کود میں برباد کرتے رہیں یہاں تک کہ موت کا فرشتہ ان کو اس جہان سے روانگی کا اعلان کر دے اور پھر انہیں قیامت کے روز قبروں سے نکال کر اپنا حساب دینے کے لیے حاضر کر دے۔

۳۲؎ روز قیامت قبروں سے ان کے نکلنے کا منظر بیان ہو رہا ہے۔ جب صور پھونکا جائے گا تو قبروں سے نکل کر اٹھ کھڑے ہوں گے۔ مجال نہیں ہوگی کہ ذرا توقف بھی کریں۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر تیزی سے اپنی منزل کی طرف دوڑتے نظر آئیں گے یوں معلوم ہوگا گویا اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف [illegible] دوڑے جا رہے ہیں۔ [illegible]

۳۳؎ آج جو بڑے مغرور و متکبر بنے پھرتے ہیں ان کا یہ حال ہوگا کہ شرم و ندامت کے مارے آنکھیں جھکی ہوں گی اور چہروں پر رسوائی اور ذلت کی [illegible] کا عالم۔

الٰہی! [illegible]
تیرے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام [illegible]
کی سعادت نصیب ہو۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید رحمۃ للعالمین وعلی آلہ الطاہرین وصحبہ المکرمین ومن احبہ وتبعہ الی یوم الدین۔

تعارف

سُورۂ نوح

نام : اس سورت کا نام نوح ہے۔ کیونکہ اس میں نوح علیہ السلام کی مساعی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی آیات کی تعداد ۲۸ ہے۔ یہ دو سو چوبیس کلمات اور نو سو ننانوے حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : یہ بھی ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو تباہ کرنے سے پہلے اس کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوئی نذیر بھیجا جاتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ یونہی بے خبری میں کسی کو ہلاک نہیں کر دیا جاتا۔

نوح علیہ السلام کی دعوت کے تین ستون ہیں۔ ۱۔ اللہ وحدہ کی عبادت۔ ۲۔ تقویٰ اور پرہیزگاری۔ ۳۔ اپنے نبی کی اطاعت۔ انہی اصولوں پر تمام اقوام عالم کی فلاح دارین کا انحصار ہے۔

نوح علیہ السلام نے جس خوبصورتی سے اپنے فرائض نبوت کو ادا کیا اس کی تفصیلات آپ آیات ۵ تا ۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ آپ نے بطرف آخرت کی نجات کا راستہ ہی اپنی قوم کو نہیں دکھایا بلکہ ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم میری دعوت کو قبول کر لو گے تو تم دنیا میں بھی خوشحال ہو جاؤ گے۔ تمہارے بنجر بیابانوں میں باغات لہلہانے لگیں گے تمہارے خشک نالوں میں نہریں رواں ہو جائیں گی۔ تمہیں اولاد نرینہ بکثرت دی جائے گی۔ بروقت بارشیں ہوا کریں گی۔ قحط اور خشک سالی کا جو خوف ہر وقت تمہارے اعصاب پر سوار رہتا ہے اس سے نجات مل جائے گی۔

پھر آپ نے اپنی قوم کے رئیسوں کی عیاریوں کا ذکر کیا کہ وہ خود بھی اس دین کو قبول نہیں کرتے اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اس دین کی تعلیمات ان کے مفاد سے ٹکراتی تھیں وہ کیسے زکوٰۃ دیں عیش و نشاط سے وہ کیسے دستکش ہو جائیں میخواری اور رقص وسرود کو کس طرح درہم برہم کر دیں۔ لیکن وہ غریبوں اور عوام کو بھی نوح علیہ السلام کے نزدیک نہیں آنے دیتے تھے اور اس کے لیے بڑی بڑی عیاریاں اور مکر کرتے تھے۔ ان کے خیر اندیش اور ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحتیں کرتے کہ اے عوام! اے طاقت و قوت کے حقیقی سرچشمو! اے ملک کے اصل حکمرانو! اس نوح سے بچنا! اس کے دام میں نہ آنا یہ تمہیں تمہارے دیوتاؤں سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ خبردار ایسا ہرگز نہ کرنا ہم صرف تمہاری خیرخواہی کے لیے تمہیں مشورہ دے رہے ہیں۔ یہ ڈرامہ ہر زمانے میں کھیلا جاتا رہا ہے۔ اور جنہوں نے پھنسنا ہو وہ پھنستے رہتے ہیں۔

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک شب و روز جلوت و خلوت میں ان کو دعوت حق دیتے رہے۔ یہ حوصلہ اور

اتنا صبر پیغمبر ہی کو نصیب ہوتا ہے لیکن جب ان پر کوئی اثر نہ ہوا، تو آپ نے بددعا کی کہ الٰہی! ان سب کو غرق کر دے اور ان میں سے کسی کو زندہ نہ رہنے دے۔

آخر میں اپنے لیے اور اپنوں کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور سب کی بخشش کے لیے دامن پھیلاتے ہیں۔

سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا ۲ آيَاتُهَا ۲۸

سورہ نوح مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ

بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف ۱؎ (اور فرمایا) اے نوح! بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے

أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾

پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذاب الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! بے شک میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں ۲؎

۱؎ تورات کی کتاب پیدائش باب پانچ آیات ۳ تا ۲۹ میں حضرت نوح علیہ السلام کے احوال درج ہیں۔ اس میں آپ کا نسب نامہ درج ہے:

نوح بن لمک بن متوشلح بن حنوک بن یارد بن محلائیل بن قینان بن انوس بن سیت بن آدم۔

اس طرح آپ حضرت آدم سے دسویں پشت میں ہیں۔ علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے بھی حضرت نوح کو دسویں پشت میں شمار کیا ہے اور آپ کے آباء کے ناموں میں برائے نام فرق ہے۔ نوح بن لامک بن متوشلخ بن اخنوخ وهو ادريس بن يرد بن مهلائيل بن قينان بن انوش بن شيث بن آدم عليهم السلام۔ قال وهب كلهم مؤمنون۔ وہب کہتے ہیں کہ یہ تمام کے تمام مومن تھے۔

فتنہ و فساد کی ابتدا تو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد میں ہو چکی تھی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں نفاق پھیل گیا۔ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت نوح کے عہد تک شرک و کفر، ظلم و ستم اور بدکاریوں کی انتہا ہو گئی۔ دل اتنے سخت ہو گئے، مزاج اتنے بگڑ گئے، عقلیں اتنی مسخ ہو گئیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دس بیس پچاس سال نہیں، ساڑھے نو سو سال تک انہیں صبح و شام سمجھایا، خلوتوں اور جلوتوں میں انہیں دعوت حق دی لیکن گنتی کے چند گنے چنے افراد کے سوا کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ ان کا عناد اور بڑھ گیا۔

حضرت نوح، آپ کی تبلیغی مساعی، قوم کی معاندانہ روش کا ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں۔ یہ ساری سورت آپ کے حالات پر مشتمل ہے۔ خود فرماتے ہیں جتنی بھی تدبیریں ہو سکتی تھیں اصلاح کی کوششیں کیں ناکام ہوتی رہیں۔ پہلی آیت میں نوح علیہ السلام کو ان کے فریضہ نبوت سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ آپ اٹھیے اور اپنی قوم کے پاس تشریف لے جائیے اور انہیں بتائیے کہ ان کی بد اعمالیاں اور کفر و شرک کے باعث وہ عذاب الٰہی کے سزاوار ہو گئے ہیں لیکن ابھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ اب بھی اگر وہ آنکھیں کھولیں اور اپنی غلط روش سے باز آجائیں تو ان کی بخشش کی امید کی جا سکتی ہے۔

۲؎ میں تمہیں عام فہم الفاظ میں اور کھلے کھلے انداز میں ڈرانے والا بن کر آیا ہوں تاکہ تم ہوشیار ہو جاؤ اور توبہ کرو۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ

کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو ۳ وہ بخش دے گا تمہارے لیے تمہارے گناہ ۴

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ

اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقرر وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جا سکتا ۵

لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾

کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے ۶ نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کو بھی اور دن کو بھی ۷

۳ میری دعوت کے تین بنیادی اصول ہیں۔ (۱) کفر و شرک چھوڑ دو۔ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو۔ اس سے تمہارے عقائد درست ہو جائیں گے۔ توہمات اور وسوسوں سے تمہاری عقل کو نجات مل جائے گی اور جب نور توحید چمکے گا تو تمہارا سینہ وادی ایمن بن جائے گا۔ (۲) میری دعوت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ تم تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ۔ جب تم متقی اور پارسا بن جاؤ گے تو فسق و فجور کی غلاظتوں سے تمہارا دامن پاک ہو جائے گا۔ ظلم و ستم، لوٹ کھسوٹ، جھوٹ اور غیبت، خود غرضی اور بے دردی کا تمہارے معاشرے میں نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ خود سوچو اس طرح تمہارے معاشرے میں کتنی خوش آئند تبدیلی رونما ہو گی۔ (۳) میری دعوت کا تیسرا اصول یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ تمہارے رب نے مجھے مرشد و رہنما بنا کر بھیجا ہے۔ میں تمہیں سیدھی راہ پر لے چلوں گا اور منزل مراد تک پہنچا دوں گا۔ جب تم مجھے اپنا رہنما اور پیشوا تسلیم کر لو گے تو تم میں انتشار اور طوائف الملوکی کے بجائے تنظیم اور اتحاد پیدا ہو جائے گا۔ تم ایک منظم اور متحد ملت کی طرح شان و شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکو گے۔

۴ میری دعوت کو قبول کرنے کا پہلا ثمر یہ ہو گا کہ تمہارے سابقہ سارے گناہ بخش دیے جائیں گے اور ان گناہوں کے باعث جو عذاب مقدر ہو چکا تھا تم پر نازل ہوا چاہتا تھا وہ ٹل جائے گا اور تمہاری مہلت کو لمبا کر دیا جائے گا۔

۵ جب کوئی قوم اپنے نبی کی دعوت کو ٹھکرا دیتی ہے اور اسے غور و فکر کرنے کے لیے جو مہلت دی گئی ہو وہ ختم ہو جاتی ہے اور مشیت ایزدی اس قوم کو نابود کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیتی ہے تو پھر کوئی طاقت اس فیصلہ کو مؤخر نہیں کر سکتی۔

۶ اگر یہ حقیقت تم پر آشکارا ہو جائے تو تم مہلت کے ان قیمتی لمحات کو ضائع نہ کرو بلکہ فوراً توبہ کر لو۔

۷ نوح علیہ السلام منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو برا بھلا کہا جاتا۔ طعن و تشنیع کے تیر برسائے جاتے۔ افترا و بہتان کے طوفان اٹھائے جاتے۔ حتیٰ کہ آپ کو مار مار کر لہولہان کر دیا جاتا۔ آپ بے ہوش ہو جاتے تو آپ کو کسی مکان میں بند کر دیا جاتا۔ لیکن اس ظلم و جفا کے باوجود پیکر اخلاص ہر وقت ان نابکاروں کی اصلاح میں لگا رہتا۔ بارگاہ الٰہی میں ان کے لیے دعائیں مانگتا رہتا۔ آپ ان کو شب و روز تبلیغ بھی کرتے۔ عام اجتماعوں میں بلند آواز سے انہیں وعظ فرماتے۔ جب وہ اپنی خلوت گاہوں میں بیٹھے ہوتے تو آپ وہاں جا کر رازدارانہ طور پر ان کو سمجھاتے۔ ان کو گمراہیاں چھوڑنے کی تلقین کرتے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ دس بیس سال نہیں، نو صدیاں بیت

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۶ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ

تو میری دعوت کے باعث ان کے فرار (و نفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تاکہ تو ان کو بخش دے

جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا

تو ہر بار انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں [2] اور اپنے اوپر لپیٹ لیے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر)

وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸ ثُمَّ اِنِّيْٓ

اور پرلے درجے کے مست تکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں میں

اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ

کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں تلقین کی۔ پس میں نے کہا (اے لوگو!) مغفرت طلب کرو اپنے رب سے

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱ وَّيُمْدِدْكُمْ

بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلادھار بارش [3] اور مدد فرمائے گا تمہاری

گئیں ان میں حق پذیری کے آثار نمایاں ہونے کے بجائے ان کی ہٹ اور تعصب میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا گیا جب آپ ان کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تو آپ کے پیش نظر یہ ہوتا کہ وہ ایمان لا کر اپنے گناہوں کی بخشش حاصل کریں لیکن ان کو سمجھانے میں دن رات ایک کر دینے کی کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا آپ ان کو حق کی طرف کھینچتے اتنا ہی وہ اس سے دور بھاگتے اور ان کی نفرت میں اضافہ ہوتا۔

[2] جب میں ان کو وعظ کرنے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں تاکہ میری آواز ہی انہیں سنائی نہ دے اور اپنے آپ کو اپنے کپڑوں سے ڈھانپ لیتے ہیں تاکہ میری شکل ہی نہ دیکھ سکیں یا منہ پر چادر ڈال کر گزر جاتے ہیں تاکہ میں ان کو پہچان کر ان کو تلقین نہ کروں۔ الٰہی! یہ کفر پر ڈٹ کر رہ گئے ہیں۔ انہوں نے بارہا کھلے لفظوں میں کہا ہے کہ تم خواہ مخواہ اپنا دماغ کھپا رہے ہو، لاکھ دلائل پیش کرو، ہم کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔

ان کا رویہ اپنے رسول کے ساتھ انتہائی متکبرانہ تھا۔ وہ کہتے ہم آپ کو اپنا پیشوا کیسے تسلیم کر لیں کیونکہ ادنیٰ قسم کے لوگ آپ کے مریدین ہیں کسی قابل شخصیت نے آپ کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر آپ کی بات میں کوئی وزن ہوتا تو آپ کا ساتھ دیتے، ان کنگلوں کے پاس بیٹھنا بھی ہماری توہین ہے۔ اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ (الشعراء: ۱۱۱)

[3] میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اگر تم سچے دل سے توبہ کرو گے اللہ کی طرف تو تمہاری آخرت ہی نہیں سنورے گی بلکہ دنیا بھی سنور جائے گی۔

بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾

اموال اور فرزندوں سے ۱۱ اور بنا دے گا تمہارے لیے باغات اور بنا دے گا تمہارے لیے نہریں۔

مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت و جلال کی ۱۲ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے ۱۳ کیا تم نے

بروقت بارشیں برسیں گی۔ قحط سالی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے گا ...

۱۱ صرف آسمانی بارش ہی نہیں ہوگی بلکہ تمہیں خوبصورت، تندرست، توانا اور ذہین بیٹے عطا کرے گا۔ مال و دولت میں بھی برکت ہوگی ... سرسبز و شاداب باغات لگیں گے ... نہریں بہنے لگیں گی ...

سورہ مائدہ کی آیت ۶۶، اعراف کی آیت ۹۶، سورہ ہود کی آیت ۵۲ اور آیت ۵۲ اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں کہ جو قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آ جاتی ہے اور اپنے گناہوں پر نادم ہو کر استغفار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی مالی حالت بھی بہتر بنا دیتا ہے۔ امام شعبی سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور صرف استغفار کیا اور واپس چلے آئے اور زور دار بارش برسنے لگی۔ صحابہ نے کہا کہ آپ نے نماز استسقاء تو پڑھی نہیں پھر بارش کیسے ہو گئی۔ آپ نے جواب دیا لقد طلبت المطر بمجاديح السماء التي يستنزل بها المطر ثم قرأ استغفروا ربكم۔ میں نے بارش آسمان کے ان ستاروں کے ذریعہ طلب کی ہے جس کے باعث بارش اترا کرتی ہے۔ پھر یہ آیتیں پڑھیں۔ معلوم ہوا کہ استغفار بھی نزول بارش کا ذریعہ ہے۔

قرطبی لکھتے ہیں کہ امام حسن بصری کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اسے فرمایا استغفر اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔ ایک اور آدمی آیا اس نے تنگدستی کی شکایت کی۔ اسے بھی یہی جواب دیا۔ تیسرا آدمی آیا اس نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی۔ اسے بھی یہی جواب دیا۔ ایک اور آدمی آیا اس نے عرض کیا میرا باغ خشک ہو گیا ہے، اسے بھی یہی جواب دیا۔ ربیع بن صبیح کہتے ہیں کہ مختلف لوگوں نے مختلف ضرورتیں پیش کیں اور آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا۔ حسن بصری نے کہا کہ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ نوح میں فرمایا ہے استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا ويمددكم باموال وبنين ويجعل لكم جنت ويجعل لكم انهارا (قرطبی)

۱۲ جب اس بات کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ انہیں سرزنش فرمانے لگے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اگر کوئی بڑا آدمی تمہارے پاس آئے تو تم احترام سے سلام کرتے ہو، اگر کسی علاقے کا کوئی سردار آ جائے تو اس کی تعظیم و احترام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ہی ایک ایسی ذات ہے جس کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں، جس کی تمہیں کوئی پروا نہیں ... ابن عباس نے ما لکم لا تعلمون لله عظمة۔ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی تم پروا نہیں کرتے۔ قطرب کہتے ہیں کہ حجازی لغت میں اس کا یہی معنی ہے۔ ترجو ای ... ومنه قولهم لم ارج، لم ابال (قرطبی)۔ وقار: عظمت۔

۱۳ اطوار کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں کئی مرحلوں سے گزارا اور پھر اس شکل و صورت میں آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ قال ابن عباس

تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ

نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ ۱۳؎ اور بنایا ہے چاند کو

فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ

ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو درخشاں چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے

الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ وَاللّٰهُ

عجب طرح اگایا ہے ۱۴؎ پھر لوٹائے گا تمہیں اس میں اور (اسی) سے تمہیں دوبارہ نکالے گا۔ اور اللہ نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾

ہی زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو ۱۵؎

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَ

نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی ۱۶؎ اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور

اطوارًا یعنی نطفۃ ثم علقۃ ثم مضغۃ الی کمال الخلق۔ (طبری، الاتقان، خلق) اور بعض نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے کہ پہلے تم بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بوڑھے ہو گیا پھر ضعیف ہو کر مر گئے۔ وقیل اطوارا صبیًا ثم شابًا ثم شیخًا وضعیفًا۔ اطوار کا ایک یہ معنی بھی بتایا گیا ہے۔ مختلف الالوان والاقسام کوئی سفید کوئی سیاہ کوئی خوبصورت کوئی بدصورت کوئی غنی کوئی فقیر۔ (قرطبی) وقیل اطوارا ای انواعا صحیحا وسقیما وبصیرا وضریرا وغنیا وفقیرا۔ (قرطبی)

۱۳؎ انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی قدرت، حکمت اور ربوبیت کے جو آثار جلوہ فرما ہوتے ہیں ان کے ذکر کے بعد اب کائنات کی طرف متوجہ کیا۔ فرمایا تم دیکھو سات آسمانوں کو کیسے تہ بہ تہ بنایا۔ نے والے چاند کو دیکھو، تیرہ گھپ اندھیرے میں آفتاب عالمتاب کو دیکھو۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے اس کے بعد بھی کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

۱۴؎ انسان کی تخلیق، موت اور بعثت کی طرف متوجہ کیا۔

۱۵؎ اللہ تعالیٰ کے ایک اور احسان کا ذکر فرمایا کہ رب کریم نے زمین کو تمہارے لیے فرش کی طرح بچھا دیا ہے اور اس میں بڑے کشادہ راستے بنا دیے ہیں جن پر چل کر تم آرام سے منزل تک پہنچ سکتے ہو۔ سُبُل، سبیل کی جمع ہے اور فجاج، فج کی۔ الطریق الواسعۃ وقیل الفج المسلک بین الجبلین۔ یعنی اس کا معنی کشادہ راستہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ کو فج کہتے ہیں۔

۱۶؎ الٰہی! جسے تو نے ان کا رسول اور ہادی بنا کر بھیجا تھا۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ کسی چون و چرا کے بغیر میری اطاعت کرتے اور دنیا

وَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَ مَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَ قَالُوْا لَا تَذَرُنَّ

اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر و فریب کیے ؎ اور رئیسوں نے کہا اے لوگو! (ہرگز) نہ

اٰلِهَتَكُمْ وَ لَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّ لَا سُوَاعًا ۙ۬ وَّ لَا يَغُوْثَ وَ يَعُوْقَ وَ

ہرگز چھوڑنا اپنے معبودوں کو ؎ اور (خاص طور پر) نہ چھوڑنا وَدّ اور سواع کو (مت چھوڑنا) اور نہ یغوث ، یعوق اور

اور آخرت کی سعادتوں سے اپنا دامن بھرتے لیکن انہوں نے میری (نوح کی) نافرمانی کی اور ایسے بدبخت اور بدکار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنا لیا جو مال اور اولاد کی کثرت کے باعث تکبر سے بدمست ہو چکے تھے اور رات دن عیش و عشرت میں بسر کرتے اور اپنے گناہوں کو دن بدن بڑھاتے چلے جاتے تھے۔

؎ یہ رئیس لوگ خود ہی گمراہ اور بدکار نہ تھے بلکہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے کہ عوام بھی حضرت نوح سے برگشتہ رہیں اور ان کے دین کو قبول نہ کریں۔ انہیں یہ کھٹکا دامنگیر تھا کہ اگر عوام نے حضرت نوح کے دین کو قبول کر لیا تو ان کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔ ان کمزوروں اور ضعیفوں کا اگر شعور بیدار ہو گیا اور خدا کے ساتھ ان کا رابطہ قائم ہو گیا تو وہ ان کی غلامی کا طوق اتار کر دور پھینک دیں گے۔ اس خطرے کے سدباب کے لیے وہ ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتے۔ ایسی ایسی چالیں چلتے کہ بھولے بھالے سادہ لوگ ان میں پھنس جاتے۔ کبھی کہتے نوح ہماری طرح کا ہی ایک بشر ہے اس پر کیسے وحی نازل ہو گی (الاعراف: ۶۳)۔ کبھی کہتے اس کے مرید رذیل قسم کے لوگ ہیں کوئی کام کا آدمی ان کے ہاں نظر نہیں آتا۔ کیا قوم کے بڑے بڑے رئیس، تاجر اور زمیندار سب احمق ہیں اور یہی گنتی کے لوگ ہی اتنے سیانے واقع ہوئے ہیں کہ انہوں نے اس کی دعوت کو قبول کر لیا (ہود: ۲۷)۔ کبھی کہتے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو نبی بنانا ہوتا تو کسی معصوم فرشتے کو بناتا (الزخرف: ۲۴)۔ کبھی کہتے کہ نوح نے نبوت کا دعویٰ محض اپنی ریاست قائم کرنے کے لیے اور تمہارا لیڈر بننے کے لیے کیا (المؤمنون: ۲۴)۔ اور اس قسم کی کئی بے سروپا باتیں وہ بڑے جوش و خروش سے کیا کرتے تھے اور اکثر لوگ ان کے اس دام فریب میں پھنس جاتے۔ کُبّار اور کِبار اور کبیر ہم معنی ہیں۔ وقیل کُبّار اشد مبالغۃ۔ (قرطبی)

؎ بڑے ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحت کرتے کہ کہیں نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ خصوصاً جو بڑے بڑے بت ہیں ان کی بندگی پر تو یقین رکھنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

؎ وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر۔ نوح علیہ السلام کے عہد کے یہ پانچ بڑے بت تھے جن کی پرستش بڑے دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صدیاں اپنی قوم کو سمجھایا کہ یہ بے جان بت کیونکر خدا بن سکتے ہیں لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ اس کا تفصیلی ذکر آپ پہلے بھی کئی مقامات پر پڑھ چکے ہیں اور اس سورت میں بھی یہ مضمون ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ان بتوں کی حقیقت کیا تھی۔ عقل انسانی نے کیوں انہیں معبود تسلیم کر لیا۔ صنم پرستی کا رواج اہل تحقیق کے نزدیک دو طریقوں سے ہوا۔ پہلا طریقہ صابئین نے اختیار کیا۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اجرام سماوی ستارے، چاند، سورج بھی عاقل اور ذی روح ہیں

ان کا تعلق اس عالم دنیا سے بھی ہے اور اسی تعلق کی بنا پر یہاں سارے تغیرات ولادت، موت، صحت، بیماری، فتح، شکست، عزت، ذلت وغیرہ رونما ہوتے ہیں جب ان کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا تو وہ ان کی عبادت کی طرف راغب ہوئے لیکن یہ اجرام ان کی رسائی سے بالا تھے ان میں سے بیشتر ان کی آنکھوں سے اوجھل تھے اس لیے انہوں نے ان کے ناموں پر بت بنا کر سامنے رکھ لیے تاکہ ان کے ذکر و تصور کی وہاں تک رسائی ہو سکے چنانچہ اس طرح بت معرض وجود میں آئے اور پھر ان کی عبادت شروع ہو گئی۔ مذاہب باطلہ میں سے سب سے قدیم مذہب انہی صابئین کا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پانچ بت جن کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں ہوتی تھی بعض ستاروں کے نام ہوں یا دوسروں کے ناموں پر یہ اصنام تراشے گئے ہوں۔ نسر تو ایک ستارے کا نام ہے۔ ایک کو نسر الواقع اور دوسرے کو النسر الطائر کہتے ہیں۔ آشوری جو نوح علیہ السلام کے بعد آئے ان کے ایک معبود کا نام نسروخ یعنی نسر عظیم تھا۔ اس کا ایک ہیکل ان کے دارالحکومت نینوا میں بھی تھا جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔

اصنام پرستی کی دوسری وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان میں بعض ایسے لوگ پائے جاتے تھے جو کرامت، شجاعت، قوت، علم یا اخلاق حسنہ میں عام لوگوں کی سطح سے بہت اونچے تھے تو عوام اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے کہ ان میں تدریجاً الوہی خصوصیات پیدا ہو گئی ہیں اس لیے ان سے یہ مافوق البشر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مرنے کے بعد ان کے مجسمے تراش لیے اور ان کی عبادت کرنے لگے۔

کتب تفسیر میں ایسی روایات بھی مذکور ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پانچ بیٹے تھے۔ ود، سواع وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار۔ جب یہ انتقال کر گئے تو لوگوں پر ان کی جدائی بڑی شاق گزری۔ انہیں ان کی موت کا از حد صدمہ پہنچا۔ کیونکہ یہ لوگ انہیں بار بار اللہ تعالیٰ کی یاد اور نیکی کی دعوت دیتے تھے خود بھی سراپا نیکی و عبادت تھے۔ ان کے نورانی چہروں کو دیکھ کر اور ان کی صحبت میں بیٹھ کر انہیں خدا کی یاد آتی تھی چنانچہ کسی کے مشورہ سے بعض نے کہا ہے کہ مشورہ دینے والا ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے پاس آیا تھا۔ انہوں نے ان کی تصویریں بنا لیں تاکہ ان کی شبیہوں کو دیکھ کر دلوں کو سکون ملے اور اللہ تعالیٰ کی یاد کا جذبہ بیدار ہو۔ جب تک پہلی نسلیں رہیں تو یہی حالت برقرار رہی لیکن جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے رفتہ رفتہ اصل مقصد کو بھلا دیا اور شیاطین جن و انس کے اغوا کرنے پر انہیں اپنا معبود سمجھ لیا اور ان کی عبادت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا غضب طوفان کی صورت میں نمودار ہوا اور انہیں اور ان کے بتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا۔

اس طوفان سے صرف وہی لوگ بچے جو آپ کے سفینہ میں سوار تھے اور جو توحید پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ جب پھر کافی عرصہ گزر گیا تو سابقہ گمراہیاں دوبارہ عود کرنے لگیں، حتیٰ کہ بت پرستی کی رسم بد بھی شروع ہو گئی۔ بعد میں آنے والی نسلوں نے اپنے آباؤ اجداد سے یہ تو سن رکھا تھا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے پانچ مشہور دیوتا تھے جن کے یہ نام تھے۔ ان لوگوں نے اپنے جذبہ مذہب پرستی کی تسکین کے لیے نئے بت تراشے اور انہیں ان پرانے دیوتاؤں کے ناموں سے موسوم کر دیا۔

عرب میں سب سے پہلے بت پرستی کا آغاز کرنے والا عمرو بن لحی بن قمعہ تھا۔ یہ ان لوگوں سے متاثر ہوا اس نے تین صد پچاس سال کی طویل عمر پائی۔ کعبہ کی تولیت پانچ سو سال تک اس کے اور اس کی اولاد کے پاس رہی۔ اور اس نے بت پرستی کو رواج دینے میں اپنی پوری کوششیں صرف کر دیں۔ کعبۃ اللہ جس کو حضرت خلیل علیہ السلام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا تھا اسی بیت

نَسْرًا ۞ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۞ ۲۴

نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی!) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے ۱۹

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ

اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا ۲۰ پھر انہیں آگ میں داخل کر دیا گیا ۲۱ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لیے

کے زمانہ میں بت خانہ بنا عرب کے مختلف قبائل کے ہاں یہی بت تھے انہیں میں یہی بت بھی جن کو بڑی شہرت ملی ود نامی قابل تھی [illegible] بت بھی تھے جن کے نام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر تھے۔

چنانچہ بنی کلب کے بت کا نام ود تھا جس کا مسکن دومۃ الجندل میں تھا۔ قریش کا بھی ایک بت تھا جس کو وہ ود کہا کرتے تھے۔ یہ ممکن ہے کہ یہ وہی بنی کلب والا بت ہو اور اس کا تلفظ وُدّ واو مضموم سے کرتے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے یہ ان کا نیا بت ہو اور اسی کے مقابلہ کے لیے انہوں نے بنایا ہو۔

سواع: یہ بھی ایک بت کا نام تھا جو پہلے ہذیل کے پاس تھا اور وہاں سے منتقل ہو کر قبیلہ ہمدان کے پاس آیا۔ وہ رہاط کے مقام پر نصب تھا۔ لوگ دور دراز سے اس کا حج کرنے آتے۔ یغوث: یہ مراد کا بت تھا ان کے پاس سے پھر بنی غطیف کے پاس آیا۔ اس کا استھان جرف سبا میں تھا۔ یعوق بنی کنانہ کا بت تھا۔ اور نسر حمیر کے قبیلہ کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ ان کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان سب کی شکلیں انسانی نہیں بلکہ مختلف تھیں۔ ود کا بت آدمی کی ہیکل کا تھا۔ سواع ایک عورت کا مجسمہ تھا۔ یغوث کی شکل شیر کی تھی۔ یعوق گھوڑے کا ہم شکل تھا اور نسر عقاب کی صورت پر تھا اور سب مختلف دھاتوں کے بنے ہوئے تھے۔

علم الاصنام (اصنام کی تاریخ) خرافات کا پلندہ ہے۔ توہمات و تخیلات کا مجموعہ جتنا اس کو کھنگالنے کی کوشش کی جائے گی یہ الجھتا چلا جاتا ہے۔ قارئین کے ذوق تجسس کی تسکین ہو جائے تو شاید یہ چند سطور ہی لکھ دیں۔

۱۹ یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول کا تتمہ ہے۔ عرض کر رہے ہیں کہ الٰہی! ان گمراہ رئیسوں نے تیرے ان گنت بندوں کو برباد کر دیا اور سادہ لوح لوگوں کو گمراہی کے گڑھے میں بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر لے گئے ہیں۔ الٰہی! ان ظالموں کی گمراہی میں اور اضافہ کر تاکہ یہ سخت سے سخت ترین عذاب کے مستحق قرار پائیں اور انہیں اپنی بدعملیوں، سرکشیوں اور شرارتوں کی خوب خوب سزا ملے۔

۲۰ ان کی خطاؤں کے باعث ان کو غرق کر دیا گیا۔ اگرچہ ان کے گناہوں کی فہرست بڑی لمبی ہے لیکن سر فہرست شرک ہے یہی ان کا وہ گناہ تھا جس کے باعث وہ دوسرے گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے اور انبیاء و صالحین نے ان کو باہر نکالنے کی جس قدر مساعی کیں انہوں نے ان کی بہت حوصلہ شکنی سے انہیں ناکام بنا دیا۔

۲۱ اُدْخِلُوْا پر فاء کا عطف ہے جس میں ترتیب اور تعقیب پائی جاتی ہے یعنی پہلے کام کے بعد فوراً اس کے بعد دوسرا ہوا تو یہ فاء استعمال ہوتی ہے۔ یعنی ان کے غرق ہونے کے بعد فوراً بلا تاخیر ان کو آگ میں داخل کر دیا گیا۔ اسی سے اہل سنت عذاب قبر پر استدلال

مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ

اللہ کے سوا کوئی مددگار ؎ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر

مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَ

کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا ؎ اگر تو نے ان میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور

لَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَ

نہیں جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار، سخت ناشکر گزار ہوگی ؎ میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو

کہتے ہیں کیونکہ اگر یہ بتانا مقصود ہوتا کہ قیامت کے روز ان کو داخل جہنم کیا جائے گا تو فادخلوا کے بجائے ثم ادخلوا ہوتا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں۔ ہی منار البرزخ والمراد عذاب القبر۔ ومن مات فی ماء او نار او اکلتہ السباع او الطیر مثلا اصابہ ما یصیب المقبور من العذاب۔ یعنی اس آگ سے مراد برزخ کی آگ ہے۔ مقصود عذاب قبر ہے۔ جو شخص پانی میں ڈوب جائے، آگ میں جل جائے یا اسے درندے یا پرندے نوچ کھائیں تو اس کو بھی وہی عذاب ہوتا ہے جو اس شخص کو جو قبر میں مدفون کر دیا جاتا ہے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں۔ وہ برزخ کی زندگی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ انہوں نے اس آیت کی تاویلیں کی ہیں۔ علامہ پانی پتی نے اس مقام پر ان کا رد کیا ہے اور عذاب قبر کے اثبات کے لیے متعدد احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک پیش خدمت ہے:

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی صلوٰۃ الا تعوذ من عذاب القبر۔ میں نے جب بھی حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا حضور نماز کے بعد عذاب قبر سے ضرور پناہ مانگتے۔ (متفق علیہ)

؎ جب اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو گھیر لیا تو کوئی نہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ان کی امداد کرتا اور انہیں عذاب کے چنگل سے رہائی دیتا۔

؎ الارض سے مراد آپ کی قوم کی سرزمین ہے۔ ای ارض قومہ (مظہری) آپ نے بددعا کی الٰہی! سب کو ہلاک کر دے۔ ان میں سے کسی کو زندہ باقی نہ رہنے دے۔

؎ معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام باعلام الٰہی یہ بھی جانتے تھے کہ اب ان کی نسلوں میں کوئی بھی مومن پیدا نہ ہوگا۔ سب فاسق، فاجر، مشرک و کافر پیدا ہوں گے۔

لِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا

اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے سب مومن مردوں اور عورتوں کو ؀ اور کفار کی

تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۟

کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے۔

؀ آفرین اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اپنے عقیدت مندوں کے لیے بلکہ سب اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین. وتب علینا انک انت التواب الرحیم. وصل وسلم علی سید الوری امام الانبیاء شفیع المذنبین وعلی آلہ وصحبہ ومن احبہ وعزرہ ونصرہ وتبعہ الی یوم الدین.

تعارف

سورۃ الجن

نام : اس سورۂ پاک میں جنات کے احوال کا بیان ہے نیز اس کی پہلی آیت میں "الجن" کا لفظ بھی مذکور ہے اس لیے اس کا نام "الجن" تجویز ہوا ہے۔

نزول : اس بات پر سب علماء متفق ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن نبی کی زندگی کے کس دور میں نازل ہوئی اس کا تعین مشکل ہے! البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نزول نبی کی زندگی کے ابتدائی دور میں ہوا۔ اس روایت کا ماحصل یہ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ کی غرض سے اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا جب جنات کا آسمان کی طرف پرواز کرنا بند ہو گیا تھا۔ وہ آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتے تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے۔ انہوں نے اس کا ذکر اپنی قوم کے سرداروں سے کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے یہ ماجرا ابلیس سے آکر کہا۔ وہ بولا ضرور کوئی ایسا حادثہ رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے آسمان کی طرف تمہارا عروج روک دیا گیا ہے۔ اس لیے زمین کے مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ۔ زمین کا گوشہ گوشہ چھان ڈالو اور اس حادثہ کا سراغ لگاؤ۔ جنات کا وہ گروہ جو تہامہ کے علاقہ میں چکر لگانے کے لیے آیا تھا انہوں نے نخلہ کے مقام پر حضور کو صبح کی نماز ادا کرتے پایا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے جب کلام الٰہی سنا تو کہنے لگے بخدا یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اور جو سنا تھا انہیں جا کر بتایا اور اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے حبیب کو جنات کی آمد اور ان کے دیگر احوال کے بارے میں آگاہ کیا۔

اس روایت میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکی دور کی ابتدا میں ہی یہ واقعہ پذیر ہوا کیونکہ جنات کی آسمان کی طرف پرواز نزول وحی کے ساتھ ہی بند کر دی گئی تھی۔

حضرت ابن عباس سے ایک دوسری روایت بھی ہے جس میں طائف سے واپسی کے وقت نخلہ میں قیام اور جنات کی حاضری کا بیان ہے۔ طائف کا سفر سنہ نبوی میں پیش آیا۔ اس سفر میں حضور کے ہمراہ صرف زید بن حارثہ تھے۔ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ آیات قرآنی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ اس سورت میں جن جنات کا ذکر ہے وہ مشرک اور

بے دین تھے اور جن کا ذکر سورۂ احقاف میں ہے۔ وہ انبیاء اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنے والے تھے۔

کتب احادیث میں جنات کی حاضری کے بارے میں متعدد روایات ہیں۔ محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ جنات چھ مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا تذکرہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں: "ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا کی۔ مسجد سے باہر تشریف لے آئے، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے یہاں تک کہ ہم ایک مقام پر پہنچے تو حضور نے مجھے ایک جگہ پر بٹھایا اور میرے اردگرد ایک خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ تم اس سے باہر ہرگز نہ نکلنا۔ چنانچہ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کئی لوگ میرے پاس سے گزرتے رہے۔ حضور سحری کے وقت تک واپس تشریف نہ لائے۔ پھر مجھے طرح طرح کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہاں تک کہ حضور تشریف لے آئے۔ میں نے عرض کیا: میرے آقا رات بھر آپ کہاں تشریف فرما رہے ہیں؟ فرمایا: مجھے آج جنات کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ میں نے پوچھا کیا یہ آوازیں کیسی تھیں؟ فرمایا یہ ان جنوں کی آوازیں تھیں۔ وہ مجھے الوداع کہہ رہے تھے اور سلام عرض کر رہے تھے۔"

جنات کی حقیقت

جن جمع ہے اس کا واحد جنی ہے جس طرح "روم" کا واحد "رومی" ہے۔ اس لفظ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اصل الجن ستر الشیء عن الحاسۃ (کسی چیز کے حواس سے پوشیدہ ہونے کو جن کہتے ہیں) انہوں نے اس مادہ سے کئی مشتقات کا بھی ذکر کیا ہے ان سب میں یہ معنی موجود ہے۔ ماں کے شکم میں جو حمل ہوتا ہے اس کو جنین کہتے ہیں۔ دل کو "جنان" کہتے ہیں جو سینے میں پوشیدہ ہوتا ہے "مجنۃ" ڈھال کو کہتے ہیں جو انسان کو دشمن کے وار سے چھپا لیتی ہے۔ اس لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد علامہ مذکور لکھتے ہیں:

ان الروحانیین ثلاثۃ اخیار وھم الملائکۃ واشرار وھم الشیاطین واوساط فیھم اخیار واشرار وھم الجن (مفردات)

ترجمہ: "روحانی مخلوق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہیں وہ فرشتے ہیں۔ دوسری قسم ان کی ہے جو سراسر شر ہی شر ہیں، وہ شیاطین ہیں۔ تیسری قسم وہ ہے جن میں کچھ نیک اور کچھ شریر ہوتے ہیں وہ جن ہیں۔"

علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے جنات کی حقیقت کے بارے میں اہل سنت کی تحقیقات کا خلاصہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

الجن اجسام ذات ارواح کالحیوان عاقلۃ کالانسان خفیۃ عن اعین الناس ولذا سمیت جنا خلقت من النار کما خلق آدم من طین ..... تتصف بالذکورۃ والانوثۃ وتتوالد والظاھر ان الشیاطین منھم بخلاف الملائکۃ فانھم لا یتصفون بالذکورۃ ولا بالانوثۃ ووجود الجن والشیاطین والملائکۃ ثابت بالشرع وانکرہ الفلاسفۃ (تفسیر مظہری)

ترجمہ: "جن اجسام ہیں ان میں ارواح ہوتی ہیں جس طرح حیوان۔ یہ انسان کی طرح عقلمند ہوتے ہیں۔ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں اسی لیے انہیں جن کہا جاتا ہے۔ ان کی تخلیق آگ سے کی گئی ہے جیسے آدم کی مٹی سے۔ ان میں نر و مادہ بھی ہیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوتی ہے لیکن فرشتے نر و مادہ نہیں ہوتے۔ جنات،

شیاطین اور ملائکہ کا وجود شریعت سے ثابت ہے، لیکن فلاسفر ان کا انکار کرتے ہیں؟

ہمارے متجددین جنات کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جنات کے بارے میں جو قصے اور واقعات زبان زد عوام ہیں۔ یہ سب توہمات کی کارستانی ہے۔ قرآن کریم میں جن کا لفظ جو مذکور ہے ان کے نزدیک اُس سے مراد کوئی علیحدہ مخلوق نہیں بلکہ انسانوں کے اُن گروہوں کو جن کہا گیا ہے جو جنگلوں، صحراؤں اور پہاڑوں میں آباد ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ ویرانوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں کیونکہ عام آبادیوں میں وہ دکھائی نہیں دیتے اور نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں جن کہا گیا ہے اور یہی جن کا لغوی مفہوم ہے یا جنات سے وہ انسان مُراد ہیں جو کھل کر قرآن کریم سننے کی جرأت نہیں کرتے تھے بلکہ لوگوں کی نگاہوں سے چُھپ چُھپ کر قرآن کریم سُننے کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔

بہتر ہے کہ ہم اس نزاع کے تصفیہ کے لیے قرآن کریم کو ہی اپنا حکم تسلیم کریں۔ اگر قرآن کریم کی آیات سے یہ پتہ چلے کہ جن انسانوں کے ہی بعض گروہ ہیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہ کرنا چاہیے اور اگر قرآن کریم کی متعدد آیات اُن کے علیحدہ مخلوق ہونے کی شہادت دیں تو ہمیں انکار کی جرأت نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن کریم میں جنات کا ذکر ایک بار نہیں بار بار آیا ہے۔ اُن مقامات کا آپ مطالعہ فرمائیں حقیقت خود بخود کھل کر سامنے آجائے گی۔ سب سے پہلے سورۃ الرحمٰن کی آیتیں پڑھیے: خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ۝

ترجمہ: "انسان کو ٹھیکری کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنوں کو آگ کے شعلہ سے پیدا کیا گیا ہے"

اگر جن نوع انسانی کے بعض افراد ہی ہوتے تو ان کی تخلیق بھی مٹی سے ہوئی ہوتی حالانکہ قرآن بتاتا ہے کہ جنات کی پیدائش آگ کے شعلے سے ہوئی جب دونوں کا مادۂ تخلیق جدا جدا ہے تو پھر جنات کو نوع انسانی کے افراد کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے اس چیز کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جن وانس کی تخلیق کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (ہم نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔)

اگر جن انسانوں کے ہی کسی مخصوص گروہ کا نام ہوتا تو پھر ان کو یہاں الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ انسانوں کے متعدد گروہ ہیں۔ اُن میں سے اور کسی کا ذکر نہ کرنا صرف جنگلوں اور پہاڑوں میں بسنے والوں کا علیحدہ ذکر کرنا کسی طرح بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

آیات قرآنی سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات کی تخلیق انسان سے بہت پہلے ہوئی تھی۔ شیطان جنوں کا ہی ایک فرد تھا جو آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت موجود تھا۔ اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے باعث راندۂ درگاہ بن گیا تھا۔ اس کے بارے میں ارشاد ہے: "كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ"۔ (شیطان جنوں میں سے تھا، پھر اُس نے اپنے رب کی نافرمانی اختیار کرلی)، تو جن جو نوع انسانی کے باپ آدم علیہ السلام سے پہلے موجود تھے، انہیں ان کی اولاد کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ جنات کی ایک اور خصوصیت بیان کی گئی ہے جو انسانوں میں نہیں پائی جاتی۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جنات نوع انسانی کے افراد نہیں بلکہ جدا مخلوق ہیں۔ ارشاد ہے: "إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ"

ترجمہ: شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

کثیر التعداد آیات میں سے صرف چند پیش کی گئی ہیں۔ اگر آپ غیر جانبداری سے ان کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ انسانوں کی طرح جن بھی ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ صرف اس لیے ان کا انکار کہ یہ ہمیں نظر نہیں آتے اپنے اندر کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔ کیا ہم اپنے حواس کو اتنا ہمہ گیر خیال کرتے ہیں کہ انہوں نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے لیا اور جو چیز ان حواس سے ثابت نہ ہو وہ موجود ہی نہیں۔ اس طرح تو ہمیں پھر بہت سی چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ روح فرشتے، نزول وحی وغیرہ وغیرہ یہ سب چیزیں ہمارے حواس سے ماوراء ہیں اور کون ایسا مسلمان ہے جو ان کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرے۔

مضامین: پہلے رکوع میں جنات کے اس خاص گروہ کے حالات بیان ہوئے ہیں جسے نخلہ کے مقام پر حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے قرآن کریم سننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور اس کی وجہ سے جو انقلاب ان کے افکار و نظریات میں رونما ہوا تھا اور جس جرأت سے انہوں نے اپنے ایمان لانے کا تذکرہ کیا تھا اس کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے رکوع کی ابتداء سے عقیدۂ توحید کا اعلان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظریۂ توحید کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کفار کا ذکر ہے جو خدا اور رسول کی نافرمانی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ قیامت کے دن ان کی حالت بڑی قابل رحم ہوگی۔

آخر میں اس حقیقت کو بیان فرما دیا کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے مخصوص ہے جب تک وہ کسی کو غیب کا علم نہ دیں اسے کوئی جان نہیں سکتا۔ اور یہ علم غیب جنوں، ساحروں اور کاہنوں کو نہیں تعلیم کیا جاتا۔ یہ نعمت فقط ان رسولوں کو مرحمت فرمائی جاتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اس شرف کے لیے چن لیا کرتا ہے۔

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الجن مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — ۲۸ آیتیں اور دو رکوع ہیں

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا

آپ فرمائیے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ غور سے سنا قرآن کو جنوں کی ایک جماعت نے سو انہوں نے جا کر دوسروں کو بتایا کہ

۱؎ رسول الثقلین نبی الحرمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ انس کے بھی نبی تھے جنات نے کئی مرتبہ بارگاہ اقدس میں حاضری دی۔ علامہ پانی پتی، علامہ سید آلوسی، علامہ قرطبی اور دیگر مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ جنات نے حضور سے چھ بار ملاقات کی۔ اس لیے احادیث میں تعارض نہیں جس طرح بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور ان میں سے بعض نے گھبرا کر جنات کے وجود ہی کا انکار کر دیا ہے۔ بلکہ مختلف احادیث میں مختلف ملاقاتوں کے احوال مذکور ہیں۔ ان احادیث میں نہ تضاد ہے اور نہ تعارض اور پریشان ہونے کی کوئی وجہ۔

پہلی حاضری وہ ہے جس کا ذکر ان آیات میں کیا گیا ہے۔ صحیح روایات کے مطابق یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چند صحابہ کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف جا رہے تھے یہ مکہ سے دو رات کی مسافت پر ہے۔ یہاں زمانہ جاہلیت میں میلہ لگا کرتا، خرید و فروخت ہوتی اور دور دور کے سامنے قبائل وہاں جمع ہوتے۔ نخلہ کے مقام پر صبح کا وقت ہو گیا۔ حضور صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے اور سورۃ اقرأ یا سورۃ طٰہٰ کی تلاوت ہو رہی تھی کہ جنات کے ایک گروہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی آواز جب انہوں نے سنی تو وہاں رک گئے۔ بڑی خاموشی اور توجہ سے سماعت کرتے رہے۔ اس کلام پاک کے سننے سے ان کے دل کی دنیا بدل گئی۔ ظلمت کے پردے چاک ہو گئے اور انوار ایمان سے ان کے سینے روشن ہو گئے۔ دولت ایمان سے مالا مال ہو کر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بھی بتایا کہ ہمارے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ ہم نے کفر و شرک سے توبہ کر لی ہے۔ تمہارے لیے بھی یہی بہتر ہے کہ تم جن گمراہیوں میں مبتلا ہو ان سے فوراً توبہ کا اعلان کرو اور اس رسول مکرم کی دعوت کو قبول کر لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان جنات کی آمد، قرآن کریم کو غور سے سننے اور پھر اپنے قبیلہ میں جا کر تمام ماجرا بیان کرنے کے سارے حالات بذریعہ وحی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دیے اور حکم دیا کہ آپ سب لوگوں میں اس کا اعلان کریں۔

۲؎ صرف کسی آواز کے سننے کو عربی میں سمع کہتے ہیں اور استماع کا معنی غور اور توجہ سے سننا ہے اور اسی غور و توجہ سے سننے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کو ہدایت نصیب ہو گئی۔ اس کلام پاک کا یہی اعجاز ہے کہ جو اسے توجہ سے پڑھتا یا سنتا ہے اس کی تاثیر اس کے دل میں اثر کر جاتی ہے اور وہ ہدایت پا جاتا ہے۔

نفر کا لفظ عام طور پر تین سے دس تک کے گروہ کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

قُرْاٰنًا عَجَبًا ﴿۱﴾ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ

ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ۱؎ جو دکھاتا ہے ہدایت کی راہ ہم دل سے اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو

اَحَدًا ﴿۲﴾ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾

اپنے رب کا۔ اور بے شک اونچی ہے ہمارے رب کی شان ۲؎ نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔

وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ﴿۴﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ

اور یہ (بھی) کہ ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں بکتے رہتے ۳؎ اور ہم تو یہ خیال کیے بیٹھے تھے کہ

۱؎ جنات جب واپس اپنے قبیلہ میں پہنچے تو انہیں بتایا کہ ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ ہم تو اس سے اتنے متاثر ہوئے ہیں کہ فورًا اس پر ایمان لے آئے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز کبھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

عجبًا مصدر ہے بمعنی عجیب، اس میں مبالغہ ہے یعنی یہ کلام اتنا عجیب و غریب ہے کہ ہم نے آج تک ایسا نہیں سنا۔ فصاحت و بلاغت میں کمال ہے، تبلیغ حق کا کیسا دلربا انداز ہے، الفاظ ہیں کہ جیسے چشموں کی روانی ہو اور معانی ہیں کہ آسمان کی بلندی، ظاہر کرنے والا ہم نہیں جانتے کون ہے لیکن یہ ایسا ہے کہ خود بخود دل کھینچے چلے جاتے ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنات پہلے مشرک تھے، مشرک قوموں کی طرح انہوں نے بھی کئی خدا بنا رکھے تھے اور کبھی کسی کو اللہ کا بیٹا بنا رکھا تھا۔ قرآن سننے سے جب نور ایمان ان کے دلوں میں چمکا تو انہوں نے ان تمام خرافات کو پرے پھینک دیا۔

سورۃ الاحقاف میں بھی جنات کا ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ کے پیرو تھے اور اہل کتاب تھے۔ اس لیے وہ واقعہ اس واقعہ سے جدا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ جنات میں بھی بعض مومن ہوتے ہیں اور بعض کافر ——— اور انسانوں کی طرح یہ بھی مکلف ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اپنے زمانہ کے نبی کی اطاعت کریں اور اس کے لائے ہوئے دین کی پوری پوری اطاعت کریں۔ نیز یہ کہ ان میں سے نبی مبعوث نہیں کیے جاتے بلکہ وہ انسانوں کے نبیوں کے ہی پیروکار ہوتے ہیں۔

۲؎ جَدّ کا معنی ہے عظمت و جلال۔ یعنی ہمارے رب کی عظمت اور اس کا جلال بڑا عالی اور ارفع ہے، کوئی اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ وقیل مُلکہ و سلطانہ۔ یعنی جَدّ کا معنی اس کی حکومت اور بادشاہی۔

۳؎ سَفِیہ کا معنی ہے بیوقوف، احمق۔ اس سے وہ سرکش جن مراد ہیں جو راہ حق سے بھٹک گئے اور کفر و گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

الشطط: الافراط فی الظلم . . . وھو غلو بالشطط عن الجور۔ لقد قلنا اذًا شططا ای قولًا بعیدًا عن الحق۔

یعنی شطط کا اصل معنی حد سے بڑھ جانا ہے۔ یہ لفظ ذکر کر کے یہ معنی لیا جاتا ہے ایسی بات جو حق سے بعید ہو، ایسی بات کو بھی قولًا شططًا کہتے ہیں۔

تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ

انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے ۵ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ

الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ وَّاَنَّهُمْ

لیتے تھے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو ۶ اور ان

مطلب یہ ہے کہ ہم میں سے جو جن گمراہ اور سرکش ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہمیں سراسر جھوٹی اور بےبنیاد باتیں بتلاتے رہے ہیں۔

۵ اپنی گزشتہ گمراہی پر معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہمیں کیا خبر تھی، ہم نے اپنا پیشوا بنائے رکھا اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے رہے، ہمیں ان کے بارے میں غلط خیالی نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں بھی منسوب کرتے ہیں۔ اسی حسن ظن کے باعث آج تک ہم بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں یہ پتہ چل جاتا کہ انسانوں اور جنوں میں ایسے بدقول اور گستاخ افراد بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں تو ہم ہرگز اتنے عرصہ تک ان لوگوں کی پیروی نہ کرتے اور اپنی گزشتہ عمر برباد نہ کرتے۔

۶ عہد جاہلیت میں اہل عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کسی ویران اور سنسان وادی میں انہیں رات بسر کرنا پڑتی اور انہیں یہ خوف ہوتا کہ کوئی چیز انہیں گزند پہنچائے گی تو سونے سے پہلے بلند آواز سے وہ یہ کہتے یا عزیز الوادی اعوذ بک من السفہاء الذین فی طاعتک۔ اے اس وادی کے سردار! میں تجھ سے ان احمقوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے تابعدار ہیں۔ جنات جب یہ سنتے تو ان کے غرور کی کوئی حد نہ رہتی اور کہتے سدنا الجن والانس کہ ہم جنوں اور انسانوں سب کے سردار بن گئے ہیں۔

آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ رھقا، قال المجاھد طغیانا وقال مقاتل غیا۔ سرکشی اور گمراہی۔

علامہ پانی پتی نے اسی آیت کے ضمن میں ایک واقعہ تحریر کیا ہے آپ بھی سن لیجیے:

بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام رافع بن عمیر تھا وہ اپنے اسلام لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں سفر کر رہا تھا۔ مجھے نیند آگئی میں نے اونٹنی بٹھائی اور سونے سے پہلے جاہلیت کے دستور کے مطابق میں نے بلند آواز سے کہا اعوذ بعظیم ھذا الوادی من الجن۔ جنات کے شر سے میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر میں سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں نیزہ ہے اور وہ اس سے میری اونٹنی کو ذبح کرنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ میں مطمئن ہو گیا۔ دوسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا میری بار جب سویا اور اسی طرح سے گھبرا کر اٹھ بیٹھا تو اب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میری اونٹنی تھر تھر کانپ رہی ہے۔ کوئی آدمی ہاتھ میں نیزہ لیے کھڑا ہے۔ ایک بوڑھے آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ اس اثنا میں تین جنگلی بیل دوڑتے ہوئے ادھر آنکلے۔ اس بوڑھے نے کہا کہ میری پناہ لینے والے اس انسان کی اونٹنی کے عوض تم ایک وحشی بیل پکڑ لو۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ جب کبھی ایسی وادی میں رات گزارنے کا اتفاق ہو تو کسی جن کی پناہ نہ لیا کرو بلکہ یہ کہا کرو اعوذ باللہ رب محمد من ھول ھذا الوادی۔ کہ میں اللہ تعالیٰ سے جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا رب ہے اس وادی کے خوف سے پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے پوچھا محمد کون ہیں؟ اس شیخ نے کہا محمد نبی عربی لا شرقی ولا غربی کہ محمد صلی اللہ

ظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿۷﴾ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ

انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے تھے کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا اور یہ کہ ہم نے ٹٹولا آسمان کو

فَوَجَدْنَاهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهُبًا ﴿۸﴾ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ

تو ہم نے اسے سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا ۸؎ اور پہلے تو ہم بیٹھا کرتے تھے

مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۖ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا ﴿۹﴾

اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے مگر اب جو سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں۔

تعالیٰ علیہ وسلم نبی عربی ہیں۔ ان کا شرق سے کوئی تعلق ہے نہ مغرب سے۔ ہم نے پوچھا وہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے بتایا یثرب میں جہاں کھجوروں کے بکثرت نخلستان ہیں۔ صبح ہوتی اور تیز سواری پر ہم نے مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ہمیں دیکھا تو پیشتر اس کے کہ ہم کچھ عرض کرتے ہم سے پہلے جو سرگزشت ہم پر بیتی تھی سب کا ذکر فرما دیا اس کے بعد اسلام کی دعوت دی تو ہم نے اسلام قبول کیا۔ (زمخشری)

۸؎ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا اور جنات پہلے تو کوئی نہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان پر ہونے والی گفتگو سن سکتے تھے لیکن اب ان کے لیے ایسا ممکن نہ رہا۔ اب جو جن بھی آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتے تو شہابوں کا مینہ ان پر برسنے لگتا جس کے باعث ان کا اوپر جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اس اچانک تبدیلی سے وہ بہت حیرت زدہ ہوئے اور اس کی وجہ معلوم کرنے کے لیے متعدد وفد تشکیل دیے گئے کہ زمین کے گوشہ گوشہ میں گشت لگائیں اور اس کی وجہ معلوم کریں۔ انہی میں سے ایک گروہ جو تہامہ کے علاقے کی چھان بین کے لیے مقرر ہوا تھا نخلہ کے پاس سے اس وقت گزرا جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز صبح میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ وہاں ہی استماع قرآن کا واقعہ پیش آیا۔

اسی کا ذکر اب ان آیات میں کیا جا رہا ہے۔ جن کہتے ہیں کہ جب ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو ہم نے دیکھا کہ جگہ جگہ پہرے دار کھڑے ہیں اور شہابوں کے آتشیں گولے ان کا تعاقب کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اب اگر کسی جن نے کوئی بات سننے کی کوشش کی تو یہ آتشیں شہاب اس کو جلا کر راکھ کر دیں گے۔

یہاں کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ شہابوں کے ٹوٹنے کا سلسلہ تو بعثت نبوی سے پہلے بھی تھا بعثت کے بعد کون سا ایسا نیا حادثہ پیش آیا جس کی وجہ سے جنات کا آسمان کی طرف جانا ناممکن ہو گیا۔ اس کا یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ پہلے بھی شہاب تھے لیکن اتنی کثرت سے نہ تھے جنات کو موقع مل جاتا کہیں نہ کہیں بیٹھ کر کوئی نہ کوئی بات سن لیا کرتے لیکن اب انتظامات سخت کر دیے گئے اور اب قطعی طور پر جنات کا اوپر جانا بند ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ اس امر کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ جو اس نے فرمایا ہے وہ حق ہے۔ ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں لیکن وہ کون سے شہاب ہیں ان کے ذریعے جنات کی کیسے سرکوبی کی جاتی ہے اس کی حقیقت سے ہم آگاہ نہیں ہو سکتا ہے مستقبل قریب

وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ

اور ہم نہیں سمجھتے (یہ) اس کی کیا وجہ ہے، آیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے رہنے والوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو

رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿۱۰﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا

ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے ۱۰ اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے ہم بھی تو

طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ

کئی راستوں پر گامزن ہیں ۱۱ اور یہ کہ اب ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ

نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْ

بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں ۱۲ اور یہ کہ جونہی ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان

میں کوئی علمی تحقیق اس راز پر ان کا اظہار کرتے جس طرح کی گمراہی میں مبتلا ہو کر بے نقاب ہو چکے ہیں۔

۱۰ یہ جو یہ انتظامات دیکھے کہ جنات اس کی وجہ معلوم کرنے کے درپے ہوئے تو کہنے لگے کہ آیا اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کے انتظام ہو رہے ہیں۔ اس پروگرام کو صیغہ راز میں رکھنے کے لیے یہ سارے انتظامات کیے گئے ہیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی نبی مبعوث فرمانے والا ہے تاکہ ان خلاف جنت انسانوں کو ہدایت کی راہ دکھائے۔ ان اسباب میں سے ہی کوئی سبب ہے۔

۱۱ وہ کہتے ہیں ہم سب جن ایک حیثیت سے بہتر نہیں اور نہ ہی سیرت و اخلاق میں ہم یکساں ہیں۔ بعض ہم میں سے صالح اور نیک ہیں جو کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے کسی کا نقصان نہیں کرتے اور بعض فتنہ پرور، شرارتی اور فسادی ہیں۔ پھر ہمارے مذہب بھی الگ الگ ہیں۔ بعض اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے انبیاء اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کافر ہیں۔ علاوہ ازیں بعض طریقہ کی ادائیگی دین میں بھی قِدَدًا کی ۔ ای متفرقة مختلفة۔ جدا جدا۔ الگ الگ۔ ہمارے راستے یا مذاہب الگ الگ ہیں۔

۱۲ پہلے ہم اپنے سفہاء کے فریب میں آ کر گمراہ ہو گئے تھے لیکن قرآن سننے کے بعد اب ہماری آنکھیں کھل گئی ہیں اور ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ نہ ہم زمین میں اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ یہ ممکن ہے کہ ہم یہاں سے کہیں بھاگ جائیں اور اس طرح اس کے قابو سے نکل جائیں۔ اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن سننے سے پہلے ہی ہمارا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت اور قدرت والا ہے ہم اسے عاجز نہیں کر سکتے اور شاید اسی عقیدہ کی برکت سے ہمیں آسانی سے ہدایت قبول کرنا نصیب ہوئی اور جب ہم نے قرآن کا حقیقت افروز پیغام سنا تو شک و شبہ کے سارے بادل چھٹ گئے۔

بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

لاتا ہے اپنے رب پر تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا ۱۲ اور بے شک ہم میں سے کچھ فرمانبردار ہیں اور

الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ

کچھ ظالم ۱۳ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی ۱۴ اور جو حق سے منحرف ہو گئے

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ

ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے

مَّاۗءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ

کثیر پانی سے ۱۵ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس عطا سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا

۱۲ اپنے اہل قبیلہ کو اپنی سرگزشت سنانے کے بعد انہیں یقین دلاتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب پر ایمان لائے گا اس کی نہ حق تلفی ہو گی اور نہ اس پر ظلم و زیادتی ہو گی۔ حق تلفی کا مطلب تو یہ ہے کہ جتنی نیکی کا کرے گا اسے پورا پورا اجر ملے گا اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی نیکیوں کی جزا اس سے کم ہی دی جائے یا اسے ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے۔ وہاں تو اصلی انصاف ہے اور مزید برآں فضل و احسان ہے۔

۱۳ قسط (بکسر قاف) عدل اور جور دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور اقسط مزید فیہ صرف عدل کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے مجرد میں معنی کا تعین سیاق و سباق سے ہو گا یہاں قاسطون کا تقابل المسلمون سے ہے اس لیے یہاں قاسط کا معنی ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والا ہو گا۔

۱۴ بعض کے نزدیک آخر جملہ بھی جنات کا قول ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ومنا القاسطون پر جنات کا کلام ختم ہو گیا فَمَنْ اَسْلَمَ سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو خطاب فرما رہا ہے۔

تحرّوا، توخّوا وقصدوا، تلاش کرنا، قصد کرنا۔

۱۵ اگر یہ جن و انس اسلام کے صراط مستقیم پر استقامت و پامردی سے گامزن رہیں تو انہیں دنیا میں بھی خوشحال کر دیا جائے گا۔ انہیں رزق فراخ دیا جائے گا ماء غدقا یعنی کثیر مقدار میں بارش کے ذریعہ سیراب کیے جائیں گے کھیت لہلہانے لگیں گے ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آئے گا۔

یہ مضمون بھی آپ سورۃ نوح میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یہ مال و دولت کی فراوانی بھی ان کی ایک آزمائش ہو گی کہ آیا وہ اس نعمت کا شکریہ ادا کرتے ہیں یا نہیں۔

عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾

اسے سخت عذاب میں ؁ اور یہ کہ سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی ؁

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾

اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا خاص بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں ؁

؁ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے گا اس کو شدید عذاب میں داخل کیا جائے گا۔ سلکہ واسلکہ: ادخلہ۔ صعدا شدیدا۔ یعنی سخت عذاب۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس پر کفار کو چڑھنے کا حکم دیا جائے گا لیکن اس کے ہاتھ رکھنے کی وجہ سے ان کے قدم اور ہاتھ پگھل جائیں گے۔ نعوذ باللہ من عذاب القبر ومن عذاب جہنم شدیدہ وخفیفہ۔

؁ کفار قریش نے بیت اللہ شریف کو بت کدہ بنا رکھا تھا اور مسجد حرام میں کھلم کھلا بتوں کی پوجا ہوتی اور شرکیہ اعمال کیے جاتے۔ ارشاد ہے کہ یہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ ان میں تو صرف اسی کی عبادت اور اسی کا ذکر ہونا چاہیے نہ کہ شرک۔ اس سے بڑا بھی کوئی ظلم ہو سکتا ہے جو تم روا رکھے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت تو کسی جگہ بھی جائز نہیں اور ہر حال میں حرام اور ممنوع فعل کا ارتکاب اللہ تعالیٰ کے گھر میں کرتے ہو۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر جو صرف اسی کی عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے کسی غیر کی عبادت کی یہاں ہرگز اجازت نہیں۔ اس لیے شدید تنبیہ فرما دی۔ (روح المعانی)

اس لیے علمائے کرام نے مسجد کے آداب کو ملحوظ رکھنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ اس میں خرید و فروخت کرنا، دنیاوی گفتگو کرنا، گمشدہ چیز کے بارے میں اعلانات کرنا منع ہے۔ نیز ایسے اشعار پڑھنا جو شرافت سے گرے ہوئے ہوں منع ہے۔

بعض لوگ مسجد میں حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعت شریف پڑھنے کو بھی ناجائز کہتے ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ہم ان کی توجہ ان مستند احادیث کی طرف مبذول کراتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے حضور نبی کریم کے حکم سے منبر رکھا جاتا تھا اور اس پر کھڑے ہو کر آپ بارگاہ رسالت میں اپنے مدحیہ اور فخریہ قصائد پڑھا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ کئی دیگر شعراء مثلاً حضرت کعب بن زہیر، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ مسجد نبوی میں حضور کے سامنے اپنے نعتیہ قصائد پیش کرتے، حضور خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

بالآخر ان حضرات کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور کی نعت پڑھنا غیر اللہ کی عبادت نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کی تعریف در حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے جس نے اپنے محبوب کو ان بے شمار کمالات سے متصف کر کے مبعوث فرمایا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ مساجد سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا ساری زمین میرے لیے مسجد بنا دی گئی ہے۔ بعض علماء نے مساجد سے مراد اعضاء سجدہ لیے ہیں یعنی وہ اعضاء جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے۔

؁ عبد اللہ سے مراد حضور کی ذات اقدس ہے۔ عزت افزائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور کو رسول یا نبی کے بجائے عبد اللہ کے

قُلْ إِنَّمَآ أَدْعُوا رَبِّي وَلَآ أُشْرِكُ بِهِٓ أَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ إِنِّي لَآ أَمْلِكُ

آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے واشگاف میں نہیں اختیار رکھتا تمہیں نقصان

لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ ۙ

پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا

خطاب سے نوازا ہے۔

آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب حضور کے مقام پر اللہ کا حبیب بندہ نماز میں مصروف تھا اور ان جنات کا ادھر سے گزر ہوا تو اللہ تعالیٰ کے اس بندے کو دیکھ کر قرآن کی دل آویز تلاوت کو سن کر اس کے خشوع و خضوع اور اس کے صحابہ کی اطاعت و اقتداء کو دیکھ کر ان کے دلوں میں ایک کشش پیدا ہوئی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ فرط شوق سے حضور پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ ایسا دلنواز اور ذوق پرور منظر انہوں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ یہ محویت، یہ استغراق، یہ آداب، یہ انکسار ان کے لیے بالکل انوکھی چیزیں تھیں۔ یا اس آیت میں جن و انس کے کفار و مشرکین کا ذکر ہے کہ جب وہ حضور کو اپنے رب کی عبادت میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز دیکھتے تو ان کا غصہ اور بڑھ جاتا۔ ان کے حسد کی آگ بھڑک اٹھتی اور ان کا جی چاہتا کہ ان پر ٹوٹ پڑیں اور ہدایت کی اس شمع کو گل کر دیں۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ روشن رکھے اسے کون بجھا سکتا ہے۔ کاد الجن والانس یکونون مجتمعین لابطال الحق و یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواہہم ویأبی اللہ الا ان یتم نورہ۔ (مظہری)

۲۱؎ آپ فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر میں تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتا ہوں اور نہ راہ ہدایت پر گامزن کر سکتا ہوں۔ حقیقی نفع و نقصان پہنچانے کا اسی کو اختیار ہے۔ کسی کو ہدایت دینا یا کسی کو محروم کر دینا اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ بے شک یہ بالکل صحیح عقیدہ ہے اس میں کسی کلمہ گو کو شبہ نہیں ہو سکتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ وہ اس عطا دادہ اختیار کے باعث لوگوں کے لیے رشد و ہدایت کا باعث بن سکتا ہے اور اس کی گستاخی کے باعث بڑے بڑے اہل ثروت و اقتدار ملیامیٹ ہو جاتے ہیں۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامہ گرامی نامہ کسریٰ کے پاس پہنچا اور اس نے از راہ گستاخی اس گرامی نامہ کو چاک کر دیا تو حضور نے فرمایا مَزَّقَ كِتَابِي مَزَّقَ اللَّهُ مُلْكَهُ اس نے میرے والا نامہ کو چاک نہیں کیا بلکہ اپنی مملکت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔

۲۲؎ مشرکین مکہ نے ایک دفعہ آکر کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ دیں تو ہم سب آپ کے محافظ بن جائیں گے کسی دشمن کی مجال نہیں ہوگی کہ آپ کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے۔ ان کی اس بیہودہ پیش کش کا اس طرح تذکرہ لینے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اے محبوب! آپ فرما دیجیے کہ اگر میں تمہارا کہنا مان لوں اور اپنے رب کی نافرمانی کروں تو اس کے غضب سے مجھے کوئی نہیں بچا سکتا۔ تم چند بے حیثیت لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ سارے جہان کے لشکر جمع ہو جائیں تب بھی مجھے نہیں بچا سکتے اور میرے لیے اس کی بارگاہ کے بغیر اور کہیں پناہ نہیں۔ مُلْتَحَدًا ای ملتجأً الجأ الیہ۔ (قرطبی)

وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۲۲ إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ۚ

اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں جائے پناہ۔ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات ۲۱؎

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا

پس اب جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ نافرمان ہمیشہ رہیں گے

أَبَدًا ۝۲۳ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ

تا ابد ۲۲؎ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے وہ عذاب جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا

نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ۝۲۴ قُلْ إِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ

مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے ۲۳؎ آپ فرمائیے میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا

يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ۝۲۵ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ

یا مقرر کر دی ہے اس کے لیے میرے رب نے طویل مدت ۲۴؎ (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر

۲۱؎ میرا فریضہ یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچا دوں اور اس کے احکامات سے آگاہ کر دوں۔ ان کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ یہ میری ذمہ داری نہیں ہے۔

۲۲؎ جو دین کے بنیادی اصولوں میں سے کسی کا انکار کرے گا اور اس پر ایمان نہیں لائے گا اس کے لیے دوزخ کا ابدی عذاب ہے۔

۲۳؎ اب تو تم اپنے آپ کو بڑا طاقتور اور زور آور سمجھتے ہو تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ جس وقت تم نے اپنے حلیف قبائل کو مدد کے لیے پکارا تو جم غفیر ہماری مدد کو آ جائے گا۔ لیکن یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں۔ جب عذاب کی مقررہ گھڑی آ پہنچے گی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس وقت تمہیں ٹھیک ٹھیک پتہ چل جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور بے بس ہیں اور کس کے معاونوں کی تعداد بالکل قلیل ہے۔

۲۴؎ یہاں درایت کی نفی کی جا رہی ہے اور درایت مطلق علم کو نہیں کہتے بلکہ وہ علم جو حیلہ اور غور و تدبر سے حاصل ہو۔ علامہ راغب اصفہانی اس کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الدرایۃ المعرفۃ المدرکۃ بضرب من الختل یقال دریتہ و دریت بہ درية نحو فطنت و شعرت .... والدرایۃ لا تستعمل فی اللہ تعالیٰ وقول الشاعر لا ھم لا أدری وأنت الداری فمن تعجرف اجلاف العرب ...

أَحَدًا ﴿٢٦﴾ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ

کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرما لیا ہو غیب کی تعلیم کے لیے ۲۲؎ تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے

(ترجمہ) درایت اس معرفت کو کہتے ہیں جو کسی حیلہ سے حاصل ہو۔ عرب کہتے ہیں دریتہ و دریت بہ۔ اس کا معنی عقل سے سمجھنا اور شعور کرنا ہے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا اور کسی شاعر کا مصرعہ کہ لا ادراک اللہ! میں درایت نہیں کرتا اور تو درایت کرنے والا ہے۔ یہ گنوار اعرابی کی بات ہے۔

اسی طرح علامہ زبیدی تعریف کرتے ہیں کہ درایت علم سے اخص ہے اور اس کا معنی کسی حیلہ سے کسی چیز کو جاننا۔ اسی لیے اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر نہیں کیا جاتا اور راجز کا یہ مصرعہ لاھم لا ادری وانت الداری یہ اعرابی کی بات ہے۔ قال شیخنا صریحہ اتحاد العلم والدرایۃ وصرح غیرہ بان الدرایۃ اخص من العلم او علم یکتسب من الحیل ولذا لا یطلق علی اللہ تعالیٰ۔ (تاج العروس) اور چونکہ قیامت کا علم امور غیبیہ میں سے ہے اس لیے انسان اپنے عقل و فہم، غور و فکر یا کسی حیلہ سے اس پر اطلاع نہیں پا سکتا۔ اس پر مطلع ہونے کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بتا دے۔ چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: فھو غیب لا اعلم منہ الا ما یعرفنیہ اللہ۔ یعنی غیب ہے اور میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتا مگر جتنا اللہ تعالیٰ مجھے سکھا دے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الاعراف آیت ۱۸۷ کا حاشیہ۔

۲۲؎ غیب کسے کہتے ہیں، اس کی تصریح کئی مقامات پر گزر چکی ہے۔ البتہ شیخ عبد القادر مغربی نے اس لفظ کی جو تعریف کی ہے وہ بڑی واضح ہے۔ لکھتے ہیں:

والغیب ما غاب عنا معشر البشر مما لا نھتدی الیہ بشیء من حواسنا ومشاعرنا او بشیء من قوانا ادراکنا واستنتاج عقولنا۔

یعنی جو چیز انسانوں سے پوشیدہ اور مخفی ہو اور ہم اپنے حواس اور شعور کی قوتوں سے یا فراست سے یا قیاس سے یا عقل کے ذریعے اس تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اسے غیب کہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ جو چیزیں ان ذرائع میں سے کسی ایک سے دریافت ہو سکے وہ غیب نہیں۔

عالم الغیب خبر ہے اور اس کی مبتدا ھو محذوف ہے۔ یعنی ھو عالم الغیب۔ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں۔ اس لیے حصر کا معنی بھی پایا جائے گا یعنی وہی غیب کو جاننے والا ہے۔ اس سے پتہ چل گیا کہ کوئی انسان خواہ وہ کتنا ذہین و فطین ہو، اس کے علم و عرفان کا پایہ کتنا بلند ہو، اس کے درجات کتنے ہی رفیع ہوں، وہ غیب نہیں جان سکتا۔ نہ اپنے حواس سے، نہ قوت شعور سے، نہ فراست سے، نہ قیاس سے اور نہ عقل سے۔ بجز اس کے کہ خداوند عالم جو عالم الغیب ہے، وہ خود اس کو اس نعمت سے سرفراز فرما دے۔ یہ بھی بتا دیا کہ علم غیب کے دروازے ہر ایرے غیرے کے لیے کھلے نہیں بلکہ صرف ان رسولوں کو اس نعمت سے نوازا جاتا ہے جن کو وہ چن لیا کرتا ہے۔ یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مطلب جو اس آیت سے بغیر کسی تکلف کے سمجھ آتا ہے۔ چنانچہ علامہ بغوی لکھتے ہیں:

الا من یصطفیہ لرسالتہ فیظھرہ علی ما یشاء من الغیب۔ (معالم التنزیل) کہ اللہ تعالیٰ جس کو اپنی رسالت کے لیے

بخش دیتا ہے اس کو جس غیب پر چاہتا ہے آگاہ کر دیتا ہے۔ علامہ خازن لکھتے ہیں الا من یصطفیه لرسالته ونبوته فیظهره علی ما یشاء من الغیب (خازن)۔ علامہ قرطبی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے: ثم استثنی من ارتضاه من الرسل فاودعهم ما شاء من غیبه بطریق الوحی الیهم (قرطبی) یعنی پھر ان رسولوں کو جن کو اس نے چن لیا ہے مستثنیٰ کر دیا پس ان کو جتنا چاہا اپنے غیب کا علم بذریعہ وحی عطا فرمایا۔ ابو حیان اندلسی (بحر المحیط) الا من ارتضی من رسول استثناء من احد ای فانه یظهره علی ما یشاء من ذلک۔ یعنی من احد سے استثناء کیا گیا یعنی رسول مرتضیٰ کو جتنے غیب پر وہ چاہتا ہے مطلع کر دیتا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس، قتادہ اور ابن زید سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی ہے: الا من ارتضی من رسول فانه یصطفیهم ویطلعهم علی ما یشاء من الغیب۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے اور انہیں غیب میں سے جتنا چاہتا ہے اس پر آگاہ کر دیتا ہے۔

علامہ زمخشری معتزلی ہیں۔ اپنے عقیدہ اعتزال کے مطابق اس آیت سے انہوں نے اولیائے کرام کی کرامات کی نفی کی ہے لیکن انبیاء کے لیے علم غیب کا انکار انہوں نے بھی نہیں کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ آیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسولوں کو غیب پر آگاہ کرتا ہے۔ اولیاء خواہ وہ مرتبہ ارتضیٰ پر بھی فائز ہوں لیکن وہ رسول نہیں ہیں۔ اس لیے انہیں غیب کا علم نہیں ہو سکتا۔ اس کا آسان اور واضح جواب تو یہ ہے کہ اولیائے کرام کے سامنے علوم بارگاہ مصطفوی کا عطیہ ہوتے ہیں۔ یہ اسی بحر علم کے چند قطرے ہیں جو رب کریم نے اپنے رسول کریم کو عنایت فرمایا ہے۔ لہٰذا ان پر وہ کوئی شبہ نہیں جو اس آیت کے منافی ہو۔

علامہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ انبیاء و رسل کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن اولیاء کا علم انبیاء کے علم کی طرح قطعی اور یقینی نہیں ہوتا۔

اولیائے کرام کے علوم لدنیہ کے بارے میں جس طرح آپ نے قلم اٹھایا ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔ اہل ذوق تفسیر مظہری کا اس مقام پر مطالعہ کریں۔

بعض حضرات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جن علوم غیبیہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو آگاہ کیا ہے وہ فقط علوم شرعیہ ہیں۔ وہ اس طرح رسول کریم سے علوم تکوینیہ کی نفی کرنا چاہتے ہیں۔ میری گزارش یہ ہے کہ ان حضرات نے کیا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کا ارشاد الٰہی نہیں پڑھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو سب کے سب اسماء سکھا دیئے۔ جب آدم علیہ السلام کی یہ شان ہے جو زمین میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہیں اور سارے جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں ان کے علوم و معارف کا کوئی کیسے اندازہ لگا سکتا ہے۔ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ ہم آیات کو وہ معانی نہ پہنائیں جن کو ان کے کلمات قبول نہیں کرتے اور سیدھی اور صاف بات جو قرآن نے فرمائی ہے اس کو صدق دل سے تسلیم کریں کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام غیبوں کو جاننے والا ہے اور اپنے ان علوم غیبیہ پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اپنے رسولوں کے، ان کو جتنا چاہتا ہے علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے۔ یہ جتنا کتنا ہے اس کو اللہ تعالیٰ جس نے دیا ہے اور اس کا رسول جس نے لیا ہے وہی بہتر جانتے ہیں۔ ہم جیسے بیان سے قاصر ہیں۔ حضور کے علوم کی وسعت کا کچھ اندازہ ان احادیث صحیحہ سے ہوتا ہے جن سے کتب احادیث بھری پڑی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۂ آل عمران آیت ۱۷۹، سورۂ النحل آیت ۸۹ کا حاشیہ اور دیگر مقامات۔

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ

آگے اور اس کے پیچھے محافظ لگا دیتا ہے ۲۶ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں ۲۷

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۲

اور حقیقت پہلے ہی یہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اس نے شمار کر رکھا ہے ۲۸

۲۶ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت کے لیے اس کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے مقرر کر دیے ہیں تاکہ ان علوم کی پوری طرح حفاظت کی جا سکے۔

۲۷ اور تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھ لے کہ فرشتوں نے اس کے پیغامات نبیوں کے توسط سے اس کے رسول کو پہنچا دیے ہیں۔ تفسیر یہ سب کچھ بھی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہے تاکہ ... اور ... سے قبول۔

۲۸ ربوبیت کے شایانِ شان ایک تعلیم ہے اور ختم کے پیچھے ہر قسم کی مخلوق ہے، جاندار، زمین، آسمان، جن، انسان ہر چیز کو اس نے گن رکھا ہے۔ ہر چیز اس کے علم اور قبضہ قدرت میں ہے۔

○

سبحان ذي الملك والملكوت سبحان ذي العزة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحي الذي لا يموت. وصلى الله تعالى على عبده المرتضى ورسوله المجتبى ونبيه المصطفى وعلى آله مصابيح الدجى وأصحابه نجوم الهدى وبارك وسلم. ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم وتب علينا إنك أنت التواب الرحيم۔

○

تعارف

سُورَةُ الْمُزَّمِّل

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "المزمل" ہے۔ اس میں دو رکوع، بیس آیتیں، دو سو اکیاسی کلمات اور آٹھ سو اڑتیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے زمانۂ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ یہ ساری سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر کا یہی قول ہے لیکن بعض علما کی یہ رائے ہے کہ اس کا پہلا رکوع تو مکی ہے، لیکن دوسرا رکوع مدینہ طیبہ میں نازل ہوا تھا۔ اس نے حضرت ابن عباس سے یہی قول نقل کیا ہے۔ آیات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں کیونکہ دوسرے رکوع میں جہاد فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ کا ذکر ہے۔ یہ دونوں حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوئے کیونکہ مکہ میں تو جہاد کا تصور تک بھی نہ تھا۔ اور اس پر بھی سب علما کا اتفاق ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مدینہ طیبہ میں نازل ہوا اس لیے حضرت ابن عباس کا قول ہی قرین قیاس ہے۔

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سحر خیزی کی تلقین فرمائی ہے کہ آپ رات کا نصف حصہ یا اس سے کم و بیش مصروف عبادت رہا کریں کیونکہ رات کی خاموش گھڑیوں میں تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی سے روح کی توانائیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس وقت کی عبادت سے اسرار الٰہیہ پر مطلع ہونے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر جو فرائض عائد کیے گئے ہیں، ان سے خندہ پیشانی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کی قوت اور ہمت پیدا ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے : اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ (میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا)۔ تادیب و تربیت خداوندی کا یہ بھی ایک حصہ ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کو بھی سحری کے وقت جاگنے کی ترغیب دلایا کرتے تھے۔ صحابہ کرام بڑے ذوق و شوق سے سحری کے وقت بیدار ہوتے اور مصروف عبادت رہا کرتے۔ انہی ارشادات نبوی کے طفیل اولیائے امت اور صالحین سحری کے وقت جاگ کر اپنے رب کے ذکر اور اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ علامہ نے خوب کہا ہے :

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

"رب المشرق والمغرب" (آیات ۹ تا ۱۴) فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریاں

کو ادا کرنے کے راستے میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ اے حبیب! آپ ان سے مت گھبرائیے۔ اپنے رب کو اپنا کارساز بنا لیجیے۔ آپ کا رب وہ ہے جو مشرق اور مغرب کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ مخالفین اگر اذیت رسانی پر اتر آئیں تو آپ صبر کی ڈھال پر ان کا ہر وار روکیے۔ ہم خود ان سے نبٹ لیں گے۔ جب ہم نے عذاب کے شکنجے میں ان کو کسا تو ان کے سارے نشے ہرن ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ (آیت ۱۵ تا ۱۹) سے کفارِ مکہ کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہیں فرعون کے حسرت ناک انجام سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ اس نے اور اس کی قوم نے ہمارے رسول موسیٰ کلیم اللہ کو جھٹلایا تھا اور اس کو ستانے کی حد کر دی تھی۔ انہیں بھی اپنی قوت اور شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ لیکن جب ہمارے غضب کی بجلی ان پر کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔

دوسرے رکوع میں نمازِ تہجد میں تخفیف فرما دی گئی۔ نصف شب جاگ کر عبادت کرنا عام لوگوں کے لیے از حد دشوار ہے۔ ان میں کئی بیمار، کئی مسافر اور کئی جہاد میں مصروف ہوتے ہیں۔ دن بھر کی تھکاوٹ ان کو چور چور کر دیتی ہے۔ اس لیے ان کے لیے نرمی فرما دی کہ جتنی دیر وہ آسانی سے تلاوت و عبادت کر سکیں اتنا ہی کافی ہے۔ فرض نمازوں کی سختی سے پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے میں سستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اگر تمہیں اپنا مال خرچ کرنا پڑے تو بخل سے کام نہ لیا کرو بلکہ بڑی فیاضی اور دریا دلی سے خرچ کیا کرو۔ اللہ کی راہ میں جو تم خرچ کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گا۔ وہ تو گویا تم اپنے رب کو قرض دے رہے ہو۔ اللہ قیامت کے دن یہ قرض کئی گنا بڑھا کر تمہیں واپس کرے گا۔ اس دن تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کر کے تم نے کتنے بڑے نفع کا سودا کیا تھا۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ فرما کر اس خطرہ سے بھی آگاہ کیا کہ کہیں تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے رب سے اپنی لغزشوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہا کرو۔ وہ غفور رحیم تمہاری لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور تمہارے اعمالِ حسنہ کو شرفِ قبولیت بخشے گا۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ عِشْرُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ مزمل مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اس میں بیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ

اے چادر لپیٹنے والے[1] رات کو نماز کے لیے قیام فرمایا کیجیے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیجیے اس سے

[1] اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں اَلْمُتَزَمِّلُ ہے ۔ تزمّل باب تفعّل کا مصدر ہے جس کا معنی ہے تَلَفَّفَ یعنی اپنے اوپر چادر یا کوئی کپڑا لپیٹ لینا۔

اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ یٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ میں خطاب حبیب کریم علیہ افضل التحیۃ والتسلیم کو ہے۔ البتہ اس خطاب سے نوازنے کا سبب کیا ہے؟ اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے اور جمہور کا بھی یہی مذہب ہے کہ جب غار حرا میں جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ کا فرمانِ الٰہی سنایا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے خوف اور دہشت سی طاری ہو گئی اور جسم لرزنے لگا۔ اسی حالت میں حضور اپنے گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ۔ مجھے چادر اوڑھا دو مجھے چادر اوڑھا دو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب چادر لپیٹ چکے تو جبرئیل فوراً حاضر ہوئے اور یٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کے خطاب سے وحی کا آغاز کیا۔

عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کے ساتھ لطف و محبت کا اظہار کرنا ہو تو جس حالت میں وہ ہو اسی سے نام مشتق کر کے اس کو خطاب کرتے ہیں۔ حضرت حذیفہ ایک دفعہ سو رہے تھے۔ اسی اثنا میں سوتے ہوئے کروٹ کروٹ بدلنے سے ان کا کپڑا اترا ہوا اور فرمایا قُمْ يَا نَوْمَانُ اے سونے والے جاگ! ایک بار حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ عنہا و علیہا اطیب التحیات سے کسی بات پر رنجیدہ ہو کر مسجد کے فرش پر آ کر لیٹ گئے۔ حضور آپ کو تلاش کرنے کے لیے تشریف لائے تو فرمایا قُمْ يَا اَبَا تُرَابٍ اے مٹی کے باپ اٹھو! حضرت ابوہریرہ کا لقب ایک مرتبہ ابو ھریرہ یعنی بلی کا باپ فرمایا وہ اسی خطاب سے مشہور ہو گئے اور جو نام ان کا باپ نے تجویز کیا تھا وہ متروک ہو گیا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں فناداہ علیہ السلام تانیسا له وملاطفة علی عادة العرب ۔ ۔ ۔ کما یفعل المحب بمحبوبه۔ اہل عرب کے دستور کے مطابق آپ کو انس و ملاطفت پر مبنی خطاب فرمایا ۔ ۔ ۔ جو حقیقت محب اپنے پیارے محبوب سے کرتا ہے۔

علامہ ابن جریر نے اس خطاب کی دو وجہیں لکھی ہیں ① عن قتادة وصف بانه متزمل في ثيابه متاهب للصلوٰة قتادہ کہتے ہیں کہ حضور کپڑے پہن کر نماز کے لیے تیار ہو گئے تھے اس لیے یٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ فرمایا یعنی کپڑے پہن کر میری عبادت کے لیے تیار ہونے والے! ② عکرمہ کہتے ہیں کہ یہ زَمْل سے مشتق ہے۔ اس کا معنی بوجھ ہے۔ عرب کہتے ہیں ازدمل: فلاں نے وہ بوجھ اٹھا لیا۔ اب اس کا معنی یہ ہو گا اے نبوت کے بار گراں کو اٹھانے والے!

علامہ آلوسی مندرجہ بالا اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ زمخشری معتزلی نے لکھا ہے کہ اس خطاب سے حضور کو عتاب کیا جا رہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں کی طرح جن کے سامنے کوئی مقصد نہیں ہوتا چادر لپیٹ کر سو رہے ہیں۔ اٹھو اور اپنا فریضۂ نبوت ادا کرو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہ کلام گستاخانہ ہے اور اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ بعض لوگوں نے زمخشری کی طرف سے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آپ فرماتے ہیں:

مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿٤﴾ إِنَّا سَنُلْقِي

اس سے بھی تھوڑا سا کم۔ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے قرآن کریم کو۔ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے

ولا یخفی انہ لا یندفع بہ سوء ادب الزمخشری فی تعبیرہ فانہ تعالیٰ وان کان لہ ان یخاطب حبیبہ بما شاء لکنا نحن لا نجری علی ما عاملہ سبحانہ بہ بل یلزمنا الادب والتعظیم لجنابہ الکریم۔ (روح المعانی)

قائل کی اس توجیہ سے زمخشری کی تعبیر میں جو گستاخی کا پہلو ہے اس کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ جیسے چاہے اپنے حبیب کو خطاب فرمائے، ہم پر لازم ہے کہ ہم بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو ہر طرح ملحوظ رکھیں۔

عارف کامل حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ ترجمہ کیا ہے: اے آنکہ بستہ بیا پیغمبری۔ رسالت کی خلعت فاخرہ زیب تن فرمانے والے۔

۲ اے محبوب! ساری رات کی بجائے تھوڑے حصہ میں نماز ادا فرمایئے۔

پہلے آپ اس جملہ کی ترکیب ذہن نشین کر لیں تو اس کا معنی سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔

اللیل مستثنیٰ منہ، الا حرف استثنا، قلیلا مستثنیٰ۔ نصفہ، قلیلا کا بدل ہے۔ اس کی ضمیر کا مرجع اللیل ہے۔ اس بدل نے قلیل کے ابہام کو دور کر دیا۔ او حرف عطف، انقص و منہ کی ضمیر کا مرجع اللیل اور نصف دونوں ہو سکتے ہیں۔ قلیلا کا تعلق انقص سے ہے یعنی نقصا قلیلا۔

قم اللیل سے تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ ساری رات نماز پڑھتے پڑھتے گزار دیجیے لیکن الا قلیلا فرما کر اس خیال کی نفی کر دی۔ فرمایا کچھ تھوڑا سا وقت آرام بھی فرمایئے۔ اب تھوڑے کی مقدار بتائی یعنی نصف رات۔ لیکن نصف شب میں اگر تھوڑی سی کمی یا تھوڑی سی زیادتی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اختیار دے دیا کہ چاہے نصف رات آرام فرمائیں یا نصف سے کچھ کم یا نصف سے کچھ زیادہ۔ آپ کو اختیار ہے۔

۳ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: الترتیل التنضید والتنسیق وحسن النظام ومنہ ثغر رتل اذا کان حسن التنضید۔ یعنی ترتیل کا معنی ہے کسی چیز کو خوبصورتی سے منظم اور مرتب کرنا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسے ثغر رتل کہتے ہیں۔ یعنی کوئی دانت ایک دوسرے پر چڑھا ہوا نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں۔ اس مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سمجھ کر پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔ اس آیت کی جامع اور دل نشین تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے۔ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو ارشاد فرمایا: بینہ تبیینا ولا تنثرہ نثر الدقل ولا تھذہ ھذ الشعر، قفوا عند عجائبہ وحرکوا بہ القلوب ولا یکن ھم احدکم آخر السورۃ۔ (روح المعانی) آپ نے فرمایا کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس طرح تم جلدی جلدی ردی کھجوریں پھینکتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ اور اپنے دل کو اس کی تاثیر سے متحرک کرو۔ تمہیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کا فکر نہ ہو۔

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَّأَقْوَمُ

آپ پر ایک بھاری کلام سکہ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے شہ اور بات کو

سکہ عنقریب آپ پر ایک گراں قدر کلام نازل ہونے والا ہے جس میں اوامر و نواہی، احکام اور ہدایات کا ایک طویل سلسلہ ہو گا اس پر عمل کرنا اور دوسرے لوگوں سے اس پر عمل کرانا بڑی بھاری ذمہ داری ہے۔ اس کے بوجھ کا اندازہ لگانا آسان کام نہیں۔ اگر پہاڑوں پر بھی یہ کلام نازل ہو تو وہ اس کی دہشت اور جلال سے ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول آیات کے وقت عجیب کیفیت طاری ہوتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ولقد رأیتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ وان جبینہ لیتفصد عرقا۔ یعنی میں نے حضور کو اس حالت میں دیکھا جب سخت سردی کے دن میں وحی نازل ہوتی تو جب وحی کا نزول ختم ہوتا تو حضور کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپکتے۔

کلام الٰہی کے ثقیل ہونے کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر اوقات خلوتوں میں ذکر الٰہی اور مشاہدہ انوار و تجلیات میں مستغرق رہتے۔ اس طرح دل کو بڑی خوشی اور اطمینان نصیب ہوتا۔ مقام نبوت پر فائز کر کے حضور کو مخلوق کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا گیا۔ توجہ کی سمت میں یہ تبدیلی حضور پر بڑی گراں تھی۔ ارشاد و تکمیل کا اور جہاد کا یہ مشغلہ خلوت سے الگ رہ کر ہوتا ہے لیکن صوفی کے لیے رجوع الی الخلق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا ہے کہ نبی کی شان ولایت اس کی شان نبوت سے ارفع ہوتی ہے کیونکہ پہلی حالت میں ساری توجہ محبوب حقیقی کی طرف ہوتی ہے اور دوسری حالت میں توجہ کا مرکز مخلوق ہوتی ہے۔ لیکن حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قول باطل ہے۔ بل النبوۃ مطلقا افضل من الولایۃ وھو مبنی عند الصوفیۃ عن السیر فی الذات والولایۃ عن السیر فی الصفات وشتان ما بینھما یعنی نبوت ہر حالت میں ولایت سے افضل ہے کیونکہ صوفیہ کی اصطلاح میں نبوت سیر فی الذات کا نام ہے اور ولایت سیر فی الصفات کا۔ اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (مظہری)

شہ ناشئۃ، وزن کے موافق تو اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے لیکن یہ مصدر ہے جس طرح عافیۃ بمعنی عفو ہے۔ نشأۃ اللیل کا معنی حضرت صدیقہ نے یہ بتایا ہے قیام اللیل بعد النوم۔ سونے کے بعد رات کو اٹھنا۔ ابن کیسان کہتے ہیں ھو القیام من آخر اللیل یعنی رات کے آخری حصہ میں قیام کرنا۔ اشد وطأ، وطی کہتے ہیں پاؤں سے کسی کو روندنا۔ مقصد یہ کہ رات کو خواب راحت سے بیدار ہونا، نرم اور گرم بستر سے اٹھ کر وضو کرنا، نماز پڑھنا، ذکر اذکار کرنا نفس کے لیے بہت گراں ہے۔ اس لیے جو شخص شب بیداری اور سحر خیزی کو اپنی عادت بنا لیتا ہے وہ گویا سرکش نفس کی سرکوبی کر رہا ہے اور اس کے غرور و نخوت کو پاؤں تلے روند رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے چند روز تو نفس اس کو ناگوار سمجھتا ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس کو زبردستی مجبور کر دیا جائے تو اونگھنے لگتا ہے۔ نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا۔ کم ہمت سالک یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس نماز سے کیا فائدہ جس میں خشوع نہ ہو، نفس کے اس فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ لیکن باہمت لوگ نفس کی ان چالوں میں نہیں آتے۔ وہ اس کی ان حرکتوں کے باوجود سحر گاہی کی مشق جاری رکھتے ہیں۔ چند روز بعد جب ان کا سرکش نفس سدھ جاتا ہے تو گھوڑے کی طرح ان کے اشارے پر عمل کرنے لگتا ہے تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا کہ نفس کے غرور کو کچلنے کے لیے اور

قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ

درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں ۔ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور

اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے یہ نسخہ بڑا کارگر ہے۔ شب بیداری سے خوب اللہ تعالیٰ چند دنوں میں بے دم ہو جائے گا اور اس کی فتنہ سامانیاں باقی نہیں رہیں گی۔ علامہ بوصیری نے کیا خوب کہا ہے:

والنفس کالطفل ان تہملہ شب علی ۔ حب الرضاع وان تفطمہ ینفطم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ اگر تم اس کا دودھ چھڑانے کی پرواہ نہیں کرو گے تو اس کا دودھ پینا جاری رہے گا اور اگر تم اس کا دودھ چھڑا دو تو چند روز شور مچانے کے بعد وہ خود ہی اس کا دودھ چھوڑ دے گا۔

شب بیداری کا ایک اثر تو یہ ہوا اس کی دوسری تاثیر اقوم قیلا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اقوم کا معنی اعدل، یعنی بالکل سیدھا، بہت ہی صحیح۔ کوئی گوشہ نہیں جس میں کوئی خم نہیں۔ قیلا، تلاوت کا معنی ہے یعنی اس وقت قرآن کریم کی تلاوت نہایت صحیح طریقہ پر ہوتی ہے۔ نہ شور و شغب ہوتا ہے اور نہ کسی اور کام کی جلدی ہوتی ہے۔ فضا میں سکون ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے اس پاک کلام کی تلاوت کرنے کا خاص لطف اندوز ہوتا ہے۔

۱۔ سبح کا معنی ہے تیرنا۔ ... آپ کو دن کے وقت بڑی مصروفیتیں ہیں ... تبلیغ احکام ... مسائل ... نماز تہجد ... اور تلاوت قرآن کے لیے بہت موزوں ہے۔

ان آیات میں نماز تہجد کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ... ارشادات سے ... شب بیداری کی ... فضیلت ... چند ارشادات نبویہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

① عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ ومن یستغفرنی فاغفر لہ۔ ترجمہ: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جب رات کا آخری حصہ رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار آسمان دنیا پر ... فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا مانگے میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے سوال کرے میں اس کو دوں، کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے میں اس کو بخش دوں۔

② عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بقیام اللیل فانہ دأب الصالحین قبلکم وھو قربۃ لکم الی ربکم ومکفرۃ للسیئات۔ رواہ الترمذی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم رات کو جاگا کرو ضروری ہے۔ پہلے زمانے کے نیک لوگوں کا یہ دستور ہے رات کو جاگنا اللہ کے قرب کا ذریعہ ہے اور گناہوں کو ملیامیٹ کرنے والا ہے۔

③ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلاثۃ یضحک اللہ الیہم الرجل اذا قام باللیل یصلی والقوم اذا صفوا فی الصلوۃ والقوم اذا صفوا فی قتال العدو۔ رواہ البغوی۔ حضور نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستا ہے (۱) وہ شخص جو رات کے وقت نماز تہجد پڑھتا ہے (۲) وہ لوگ جو نماز کے لیے صف بستہ ہیں (۳) وہ لوگ جو میدان جہاد میں اپنی صفیں درست کرتے ہیں۔

۲۔ اس کا عطف قم اللیل پر ہے یعنی رات کو قیام کیا کرو، نماز تہجد میں شب بیداری کیا کرو اور ذکر الٰہی رات دن ہمیشہ کیا کرو۔

تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو ۔ وہ مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں

لیکن یہ مقام حاصل نہیں ہوتا جب تک دل پاکیزہ نہ ہو اور حق تو یہ ہے کہ صرف دل کا ذکر ہی حقیقی ذکر ہے کیونکہ ذکر کا حقیقی معنی ہے طرد الغفلۃ غفلت کو دور بھگا دینا اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ دل ذاکر ہو۔ کیونکہ زبان بسا اوقات ذکر کرتی ہے لیکن دل غافل ہوتا ہے ایسے ذکر کو ذکر کہنا بڑی زیادتی ہے۔

تبتل کا مفہوم علامہ آلوسی یوں بیان کرتے ہیں۔ انقطع الیہ تعالیٰ بالعبادۃ وجرد نفسک عما سواہ عز وجل واستغرق فی مراقبتہ سبحانہ۔ یعنی ہر طرف سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنے نفس کو ما سوا کے خیال سے پاک کر کے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے مراقبہ میں مستغرق رہو۔

قاعدہ کے مطابق مصدر مطلق فعل کے باب سے تبتلاً ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ تبتل اور تبتیل دونوں کے معنی ایک ہیں اس لیے باب تفعیل کا مصدر ذکر کر دیا تاکہ قرآن کی رعایت ہو جائے۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان دنیا سے قطع تعلق کر لے۔ گھر بار سے منہ موڑ لے اہل و عیال کا خیال نہ کرے۔ اس قسم کے تبتل کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد نبوی ہے لا رہبانیۃ فی الاسلام کہ اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ حضور نے ایک بار ارشاد فرمایا: ان لنفسک علیک حقا ولزوجک علیک حقا ولضیفک علیک حقا کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے اہل و عیال کا بھی تجھ پر حق ہے تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی طلب نہ رہے۔ صوفیائے کرام کا قول ہے کہ جس راہ کے ہم مسافر ہیں اس پر دو قدم چلنے ہی سے منزل آ جاتی ہے۔

الخطوۃ الاولیٰ الانقطاع عن الخلق والثانیۃ الوصول الی الحق۔ پہلا قدم مخلوق سے قطع تعلق اور دوسرا قدم وصل الی الحق۔ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ ذرا مزید غور فرمائیے حکم دیا گیا ہے کہ اپنے رب کا نام یاد کرو۔ واذکر ربک نہیں کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری رسائی اس کے اسمائے حسنیٰ کے ذکر تک ہے اس کی ذات کا ذکر تو بڑی دور کی منزل ہے۔ دوام ذکر سے دوام حقیقی مراد نہیں بلکہ دوام عرفی ہے یعنی الاکثار بقدر الطاقۃ البشریۃ۔ انسانی طاقت کے مطابق کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ ایسا ذکر انسان کو تبتل کی منزل تک پہنچانے کا وسیلہ بن جاتا ہے بشرطیکہ جذب الٰہی دستگیری فرمائے یا شیخ کامل کی کشش نصیب ہو جائے۔ وکذلک ینتہی الی التبتل وسیلۃ الیہ بشرط الاجتذاب من اللہ تعالیٰ او بجذب من الشیخ۔ (مظہری)

حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں: در ایں معنی کہ ایں سلوک نفی ما سوی اللہ گویند و ایں معنی بکثرت ذکر حاصل شود بعنایت الٰہی و بصحبت شیخ کامل و مکمل۔

بے عنایات حق و خاصان حق ۔۔۔ گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ویک نظر مبارک شیخ کامل بصحبت یکدم بہتر از صد چلہ و تصفیہ و تجلیہ و ریاضت کہ یکدم بہ از عبادت ظاہر ہزار سال باید

فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝٩ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا

پس بنا لیجئے اسی کو اپنا کارساز ف اور صبر کیجئے ان کی (دل آزار) باتوں پر اور دل سے الگ ہو جائیے ان سے بڑی

جَمِيْلًا ۝١٠ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝١١

خوبصورتی سے ف آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں ف

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۝١٢ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٣

بے شک ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے ف اور ایسا کھانا جو گلے میں پھنس جانے والا ہے اور دردناک عذاب ہے۔

ترجمہ: اس معنی کو کہ ان الفاظ تصوف ماسوی اللہ کی نفی کہتے ہیں اور یہ معنی کثرت ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور عنایت ازلی و رحمت الٰہی کی ضرورت اس کا سبب بنتی ہے۔

اللہ کی عنایت اور مقام بان کی حمایت کے بغیر اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اس کا ہر عمل ریا ہوتا ہے۔

یہ تبتل محبوب حق اور مجذوب عشق ہوتا ہے اس کی ایک نظر سے وہ منزل حاصل ہوتی ہے جو طرح طرح کی ظاہری مجاہدات سے حاصل نہیں ہوتی۔ العطر جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلين۔ الٰہی ہمیں اپنی کشش سے وہ عطا ہو جو تیری شان کرم کے شایاں ہے۔

ف وہ مشرق کا بھی مالک ہے اور مغرب کا بھی مالک ہے۔ ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ ہر کام اسی کی مرضی سے طے پاتا ہے۔ وہی معبود برحق ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بس اسے ہی اپنا کارساز بنا لو اپنے سارے کام اپنے سارے احوال اپنی ساری ضرورتیں اسی کے سپرد کر دو اور یقین رکھو کہ وہ کارسازی فرمائے گا اور دین و دنیا میں تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔

ف وہ دل جلانے کے لیے بیہودہ اور دل آزار باتیں کرتے رہتے۔ کبھی شاعر، ساحر، مجنون جیسے گندے اور ناروا الفاظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے استعمال کرتے۔ ان کا محبوب ان سے ملول ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے محبوب یہ جو بکتے ہیں انہیں بکنے دو ان کی طرف سے رخ انور پھیر لو ان کی گستاخیوں اور اذیت رسانیوں کا انتقام لینے کا خیال بھی قلب پر نہ آنے دو۔ آپ نے اپنے سب کام میرے سپرد کر دیے ہیں۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں میں خود ان سے نپٹ لوں گا۔ ہجراً جمیلاً کا یہی مطلب ہے کہ ان سے الجھنا ان کے منہ لگنا اور ان سے انتقام لینا آپ کو زیب نہیں دیتا۔

ف اے محبوب! آپ نے مجھ پر توکل کر لیا اور مجھے اپنا کارساز بنا لیا۔ اب آپ کو فکر کی ضرورت نہیں چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت جلد ہی اولی النعمۃ میدان بدر میں ذلیل و رسوا کر کے قتل کر دیے گئے۔

ف انکال: نکل کی جمع ہے۔ وہ بھاری بیڑیاں جو پاؤں میں ڈالی جاتی ہیں اور انسان چل پھر نہیں سکتا۔ النکل: القید الشدید۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿١٤﴾

جس روز زمین لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے ۱۳

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ

(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر ۱۴ جیسے ہم نے فرعون کی طرف

فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿١٥﴾ فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا

(موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے

وَبِيلًا ﴿١٦﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ

پکڑ لیا ۱۵ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا

شِيبًا ﴿١٧﴾ السَّمَاءُ مُنفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿١٨﴾ إِنَّ هَٰذِهِ

(اور) آسمان پھٹ جائے گا اس دن کی ہولناکی سے ۱۶ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (نصیحت آمیز آیات)

وہو ما تتبع الرجل من الرمل۔ فانقشت یا انصب الملیٰ ... یعنی جو پیر کے نیچے سے کھسک جائے جیسے ... وغیرہ۔

۱۳ قیامت کے بعض احوال بیان کیے جا رہے ہیں ... کتاب الجبال ... ریت کا ٹیلہ ...

اس ریت کا ڈھیر ہو جائے گا ... ہوا کے جھونکے سے پانی کی طرح بہنے لگتا ہے۔

۱۴ اہل مکہ کے سامنے فرعون کا ذکر کیا جا رہا ہے جس کی شان و شوکت اور فرعونیت کے قصے وہ اپنے بڑوں سے سنتے چلے آئے تھے انہیں

فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو قیامت کے روز تمہارے کفر و ایمان پر گواہی دے گا۔ شاہداً ای یشہد یوم القیامۃ بما صدر

منکم من الکفر والعصیان۔ ... جو کفر ... قیامت کے روز اس کی گواہی دے گا۔ جس طرح ہم نے ... رسول

رسول بھیجا ہے اسی طرح ہم نے فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا۔

۱۵ تمہاری طرح فرعون نے بھی حضرت موسیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ہم نے اس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اگر تم نے بھی ہمارے رسول کی

بات نہ مانی تو پھر اس قسم کے انجام کے لیے تیار رہنا۔ وبیلا، شدید اور سخت۔ ہر وہ چیز جو ... اسے ... وبیل کہتے ہیں ...

... وبیل کہتے ہیں۔ اخذاً وبیلا، ثقیلاً شدیداً۔

۱۶ اگر تم کفر سے باز نہ آئے اور اسی کفر و ضلالت پر مصر رہے ... اس دن جو اتنا ہولناک ... بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٩﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ

نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ

أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ

آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان میں سے

مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَنْ لَنْ

جو آپ کے ساتھ ہیں (وہ بھی ایسا ہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی اندازہ کرتا ہے رات اور دن کا۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم

آسمان جیسی مضبوط چیز بھی شق ہوجائے گی تو اس دن عذاب الٰہی سے تم کیونکر بچ سکو گے۔

مثلہ یہ آیات جو آج ہمارا رسول تمہیں پڑھ کر سنا رہا ہے یہ تمہارے لیے یاددہانی ہے تاکہ تم خواب غفلت سے آنکھیں کھولو اور جس کا جی چاہے وہ اس راستہ پر گامزن ہوجائے جو اس کے پروردگار کی رضا اور معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی حسی فاصلہ یا ظاہری پردہ تو ہے نہیں کہ کسی راستہ پر چل کر اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان جو حجاب حائل ہے وہ غفلت کی وجہ سے ہے، وہ غفلت کا حجاب ہے۔ اس حجاب غفلت کو دور کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ ہر وقت اس کو یاد کیا جائے اس کے ذکر کو اپنا معمول بنا لیا جائے۔ ذکر سے ہی یہ حجاب اٹھتا ہے۔ اس ذکر سے ہی بندے کو اپنے رب کی معیت اور اس کا قرب نصیب ہوتا ہے اور اسی محبت و عشق کے فیض سے اس کی عظمت و کبریائی کے نورانی پردے اٹھتے ہیں اور محبت صادق فرط محبت سے عظمت کو اٹھا ہوا جمال قرب الٰہی جو سالک کا شرف حاصل کرتا ہے۔ کشف تلک الحجب یتیسر بالتذکیر فان التذکیر یزیل الغفلۃ ویستوجب الصحبۃ مع المحبۃ کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المرء مع من احب المحبۃ یفضی بالمحب الی المحبوب بحیث لا تستترہ سرادقات العظمۃ والکبریاء (مظہری)

ترجمہ: ان پردوں کا اٹھنا صرف ذکر الٰہی سے ہی آسان ہوتا ہے کیونکہ ذکر سے غفلت زائل ہوتی ہے۔ محبت پیدا ہوتی ہے معیت نصیب ہوتی ہے جیسے حضور کا ارشاد رسالت ہے ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ پس محبت محب کو اپنے محبوب کے قریب پہنچا دیتی ہے عظمت و کبریائی کے پردے اس وقت اس کو روک نہیں سکتے۔

مثلہ قیام اللیل کا حکم نازل ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نصف شب یا اس سے کچھ کم یا کچھ زیادہ نماز تہجد ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا فرض ہوگیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ابتداء میں نماز تہجد تمام مسلمانوں پر فرض تھی اور بعض کا خیال ہے کہ نماز تہجد صرف حضور پر فرض تھی لیکن جب مسلمانوں نے اپنے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصف شب تک عبادت میں مصروف دیکھا تو ان کے دلوں میں بھی اپنے رسول کے اتباع کا شوق پیدا ہوا اور وہ بھی اپنے ہادی کے ساتھ اپنے مالک کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔ کبھی نصف رات کا وہ ...

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ

اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو وہ یہ بھی

اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ

جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں

يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزق حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے ۔

اندازہ نہیں لگا سکتے تھے اس لیے بسا اوقات وہ ساری رات نماز پڑھتے رہتے یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج گئے اور چہروں کی رنگت زرد پڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف کر دی کہ اب نصف رات جاگنے کی پابندی نہیں۔ جتنا تم آسانی سے جاگ سکتے ہو اور جتنا با سانی قرآن کریم پڑھ سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

یہ آیت پہلے حکم کے کتنے عرصہ بعد نازل ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ آٹھ ماہ، سولہ ماہ، ایک سال اور دس سال کی روایات منقول ہیں۔ آخری روایت سعید بن جبیر سے مروی ہے۔ امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اسی کا ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ مسلمانوں پر نصف شب کا قیام دس سال کی طویل مدت تک فرض رہا ہو اور اس کے بعد تخفیف کی گئی ہو۔

بعض نے تو اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ تم اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اس وقت گھڑی وغیرہ نہ تھی جس سے بالیقین پتہ چل جاتا کہ تہائی یا آدھی رات گزر گئی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی فرما دی اور بعض نے لن تحصوہ کا معنی لن تطیقوا کیا ہے کہ تم ہمیشہ اتنی دیر قیام کی طاقت نہیں رکھتے۔ تم اس حکم کو نباہ نہ سکو گے۔ میرے نزدیک یہ دوسرا معنی اس مقام سے زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہاں بیماری، سفر وغیرہ ان عوارض کا ذکر ہو رہا ہے جن کے باعث نصف رات تک جاگنا از حد مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے عوارض ہیں جن سے ہر شخص کو کم و بیش واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اگر نصف رات تک جاگنا فرض ہوتا اور ان وجوہات کی بنا پر لوگ ایسا نہ کر سکتے تو وہ نافرمان و گنہگار ہوتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم پر آسانی اور تخفیف کر دی ہے۔ اب جتنا آسانی سے جاگ سکتے ہو اور آسانی سے تلاوت کر سکتے ہو اتنا ہی کافی ہے۔

یہاں پہلے حکم میں تخفیف کی علت بیان کی جا رہی ہے کہ انسان ہمیشہ صحت و تندرستی سے بہرہ ور نہیں رہتا کبھی وہ بیمار بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی اسے رزق حلال کی تلاش میں اور علم کے حصول میں سفر بھی کرنا پڑتا ہے۔ کبھی میدان جہاد میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں داد شجاعت بھی دینا پڑتی ہے۔ ان حالات میں سحر خیزی کی یہ پابندی بڑی مشکل ہے اس لیے نصف رات جاگنے کی جو پابندی تم پر کی گئی تھی اب جتنا تم آسانی سے جاگ سکو اتنا ہی کافی ہے۔

اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو ۲۱؎ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو ۲۲؎

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں رزق حلال کے لیے جدوجہد کا مقام بڑا ارفع ہے کہ اس کو مجاہدین کے ساتھ شمار کیا گیا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں: سوّى الله تعالى في هذه الآية بين درجة المجاهدين والمكتسبين المال الحلال للنفقة على نفسه وعياله والإحسان والإفضال، فكان هذا دليلا على أن كسب المال بمنزلة الجهاد۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اور رزق حلال کمانے والوں کے درجہ کو برابر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسب حلال بھی جہاد ہے۔

احادیث طیبہ میں اس حقیقت کو بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے:

روى إبراهيم عن علقمة قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ما من جالب يجلب طعاما من بلد إلى بلد فيبيعه بسعر يومه إلا كانت منزلته عند الله منزلة الشهداء ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وآخرون يضربون في الأرض الآية۔ یعنی جو شخص ایک شہر سے دوسرے شہر میں غلہ لاتا ہے اور اس دن کے بھاؤ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے تو اس کا مرتبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء کے مرتبہ کے برابر ہے۔ پھر حضور نے یہ آیت طیبہ پڑھی۔ علامہ قرطبی ایک واقعہ لکھتے ہیں:

"واسط شہر میں ایک تاجر رہتا تھا اس نے اپنا گندم سے بھرا ہوا ایک جہاز بصرہ کی طرف بھیجا اور اپنے وہاں کے ایجنٹ کو لکھا کہ جس روز یہ جہاز بصرہ میں پہنچے اسی روز اس کو فروخت کر دو اور اگلے دن کے لیے اسے رکھ نہ رکھو۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس روز وہ جہاز پہنچا گندم کا بھاؤ گرا ہوا تھا۔ غلہ کے تاجروں نے اس ایجنٹ کو کہا کہ اگر تم ایک ہفتہ انتظار کرو تو تمہیں کئی گنا نفع زیادہ ملے گا۔ چنانچہ اس ایجنٹ نے ایک ہفتہ اس گندم کو فروخت نہ کیا۔ ان ایام میں بھاؤ تیز ہو گیا اور اس نے کئی گنا زیادہ نفع کمایا۔ اس نے اپنے مالک کو اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس تاجر نے اس کو لکھا: يا هذا إنا كنا قنعنا بربح يسير مع سلامة ديننا وقد جنيت علينا جناية فإذا أتاك كتابي هذا فخذ المال وتصدق به على فقراء البصرة وليتني أنجو من الاحتكار كفافا لا علي ولا لي۔

اے فلاں! اگر ہمارا دین سلامت رہے تو ہمیں تھوڑا نفع ہی کافی ہے۔ تو نے ہم پر بڑی زیادتی کی ہے جس وقت میرا یہ خط تمہیں ملے تو سارا مال بصرہ کے فقراء میں تقسیم کر دو۔ اس غلہ کی ذخیرہ اندوزی کا جو جرم کیا گیا ہے اس کے مواخذہ سے بچ نکلوں یہی کافی ہے مجھے اس مال کے صدقہ کرنے سے مزید ثواب کی کوئی آرزو نہیں۔

۲۱؎ اس مقدار کا تعین ہر شخص کے اپنے حالات پر ہے۔ ویسے بعض نے پچاس آیتیں اور بعض نے سو آیات لکھی ہیں۔

۲۲؎ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ آیت نماز پنجگانہ اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد نازل ہوئی تو پھر نماز سے مراد پانچ فرض نمازیں اور زکوٰۃ سے مراد فرض زکوٰۃ ہوگی اور اگر نماز و زکوٰۃ کی فرضیت سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ہے تو پھر الصلوٰۃ سے مراد وہی نماز ہوگی جو اس وقت

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ

اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو ۲۳ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لیے ۲۴ تو

خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا

اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا ۲۵ اور مغفرت طلب کیا کرو

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

اللہ تعالیٰ سے ۲۶ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

ادائی جا چکی تھی اور زکوٰۃ سے اس کا الگ ہونا ضروری ہے تو مراد ہوگا یعنی صدقۃ التطوع (نفلی صدقات)۔

۲۳ قرض حسن کا مطلب یہ ہے کہ پاک مال سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنا۔ ما قصد به وجه الله تعالى خالصا من المال الطيب۔

۲۴ ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر جس میں بالائی ملوا دیا۔ اسی اثنا میں ایک مسکین آیا۔ آپ نے وہ حلوا اٹھا کر اس مسکین کو دے دیا۔ اہل مجلس میں سے کسی نے کہا امیر المؤمنین! اس لذیذ حلوے کی قدر بیچارا مسکین کیا جان سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا لیکن رب المساکین یعنی مساکین کا رب تو جانتا ہے کہ کیا ہے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا کہ تم میں سے کون ہے جس کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم سب کو اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے۔ حضور نے فرمایا سوچ لو کیا کہہ رہے ہو۔ سب نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں اپنا مال وارث کے مال سے زیادہ پیارا ہے۔ حضور نے فرمایا نہیں تم سب کو اپنے مال سے وارث کا مال زیادہ محبوب ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ کیسے؟ قال انما مال احدكم ما قدم ومال وارثه ما اخر۔ رواہ البغوی والطبری۔ تمہارا مال تو وہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر کے اپنے سے پہلے بھیج رہے ہو اور وارث کا مال وہ ہے جو تم اپنے پاس رکھتے ہو۔

۲۵ خَيْرًا اور اَعْظَمَ، تَجِدُوْهُ کے مفعول ثانی ہیں، اس لیے منصوب ہیں۔ هُوَ ضمیر فصل ہے اس کا کوئی اعراب نہیں اور لفظ تاکید ہے۔

۲۶ اس سے پہلے بدنی اور مالی عبادات اور اعمال صالحہ کا ذکر کیا گیا۔ یہ ممکن تھا کہ کوئی کوتاہ اندیش اپنے اعمال پر غرور و ناز کرنے لگے اس لیے آخر میں ہدایت فرما دی کہ اپنے اعمال صالحہ اور نیکیوں پر بھروسہ مت کرو۔ تمہارے اعمال کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں نقص و عیب سے خالی نہیں اور اگر خالی ہوں بھی تو بارگاہ خداوندی کی عظمتوں اور رفعتوں کے شایان شان نہیں۔ اس لیے تمہاری شان یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی کوتاہیوں

اور خامیوں پر ندامت ہونی چاہیے اور ہر وقت ان کے لیے مغفرت طلب کرنے میں ہمیں کوشاں رہنا چاہیے۔ اپنی نجات اور بخشش کی امید فقط اس کی رحمت اور مغفرت پر ہونی چاہیے۔ بے شک وہ بہت مغفرت فرمانے والا اور ہر وقت اپنے بندوں کے حال زار پر رحمت فرمانے والا ہے۔

○

اللّٰهم إني ظلمت نفسي ظلما كثيرا ولا يغفر الذنوب إلا أنت فاغفر لي منك مغفرة وارحمني إنك أنت الغفور الرحيم۔ رب ارحمهما كما ربياني صغيرا۔ واعف عنا واغفر لنا وارحمنا أنت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين۔

اللّٰهم صل وسلم وبارك على المزمل المدثر حبيبك الأكرم سيدنا ومولانا محمد المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وأصحابه ومن تبعه و اتبعه إلى يوم الدين۔

○

تعارف

سورۃ المدثر

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام المدثر ہے۔ اس میں دو رکوع چھپن آیتیں، دو سو چھپن کلمات اور ایک ہزار دس حروف ہیں۔

نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن ساری سورت بیک وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ مختلف اوقات میں ان کے مناسب حال آیتیں نازل ہوئیں۔

مضامین : پہلی سات آیتوں کے بارے میں بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ نزول وحی کا آغاز ان آیات سے ہوا۔ لیکن محققین کے نزدیک یہی بات مسلّم ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقراء کی آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لیے نزول وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ یہ دن حضور کے لیے بڑے کرب و اضطراب کے دن تھے طبیعت ہر وقت بے چین رہتی۔ ایک روز حضور غار حرا میں حسب معمول عبادت سے فارغ ہو کر گھر واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ اچانک ان کی نگاہ پاک پر آپ کو وہی فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا جو پہلی وحی لے کر آیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر طبیعت میں ہراس پیدا ہوا گھر پہنچ کر فرمایا : دَثِّرُوْنِیْ ، دَثِّرُوْنِیْ (مجھے لحاف اُڑھاؤ، مجھے لحاف اُڑھاؤ) حضور لحاف اوڑھ کر لیٹ گئے اسی حالت میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں فرائض نبوت کی ادائیگی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ پہلی وحی سے صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ آپ کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا اور اس وحی سے فرائض نبوت سے آگاہ کیا اور ان کی ادائیگی کے لیے کمربستہ ہونے کی تلقین فرمائی۔

آیات گیارہ تا چھبیس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل آیات کی تشریح کے ضمن میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان آیات میں ولید ابن مغیرہ کا نام لیے بغیر اس کے اطوار بد کا ذکر کر دیا گیا کہ اس کا دل تو حضور کو سچا رسول اور قرآن کریم کو کلام الٰہی مانتا ہے لیکن اپنی قوم کی ناراضگی کے خوف سے وہ اس کا برملا اظہار نہیں کرتا اور اپنی سرداری کو برقرار رکھنے کے لیے وہ حضور پر افترا پردازی سے باز نہیں آتا۔ یہ حضور کو ساحر اور آیات قرآنی کو سحر کہتا ہے۔ اس کو بتا دیا کہ اسے دوزخ کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اس کے شعلے اس کو جھلس کر رکھ دیں گے، نہ وہ زندوں میں شمار ہو گا نہ مُردوں میں۔

آیت ۲۰ سے رکوع کے اختتام تک دوزخ کے بعض حالات پر روشنی ڈالی۔ دوسرے رکوع میں بھی دوزخ اور

دوزخیوں کے حالات کا تذکرہ ہے۔ آپ کی خصوصی توجہ کے لائق وہ سوال و جواب ہے جو اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے درمیان ہوگا۔ جنتی اُن سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس لیے جہنم میں گھسیٹ دیا گیا۔ وہ جواب دیں گے ہمارے دو جرائم ہیں سے دو بڑے جرم یہ تھے کہ ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور ہم غریبوں کو کھانا نہیں کھلایا کرتے تھے۔ غور فرمائیے قرآن کریم غریب اور حاجت مند طبقہ کی مادی ضرورتوں کی فراہمی کو اسلامی معاشرہ اور اس کے خوشحال افراد کی کتنی بڑی ذمہ داری خیال کرتا ہے۔ جو شخص اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اُس کا جرم اتنا ہی سنگین ہے جتنا اس شخص کا جو اپنے رب قدوس کو سجدہ نہیں کرتا۔ جس دین میں غریب پروری کو اتنا اہم مقام دیا گیا ہو اُس کے نام لیواؤں کو اپنے معاشرہ سے غربت و افلاس کی بیخ کنی کے لیے مارکس اور لینن کے اشتراکی فلسفہ کی قطعاً ضرورت نہیں اگر ضرورت ہے تو فقط اس بات کی کہ ہم آیاتِ قرآن کی سرسری تلاوت نہ کیا کریں بلکہ اس کی گہرائیوں میں اُتریں۔ اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور پھر ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اپنے سارے وسائل کام میں لے آئیں۔

فَمَا لَهُمْ آیت ۴۹ سے کفار کے خبثِ طبع کا ذکر فرمادیا کہ اگر انہیں اللہ کا کلام سنایا جاتا ہے تو وہ اس سے یوں بدکتے ہیں اور ڈر کر یوں دُور بھاگتے ہیں جیسے جنگلی گدھے شیر سے ڈر کر بھاگتے ہوں۔ حالانکہ یہ کتاب سراپا نصیحت ہے۔ اس میں ان لوگوں کی فوز و فلاح کا سامان ہے۔ انہیں تو چاہیے تھا کہ ذوق و شوق سے اس کو سنتے، خلوصِ قلب سے اس کو قبول کرتے اور اس کی روشنی میں جادۂ زیست کے نشیب و فراز کو طے کرتے ہوئے منزلِ مقصود تک جا پہنچتے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا
۲۱۔۴۔۷۷

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المدثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چھپن آیات اور دو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾

اے چادر لپیٹنے والے ۱؎ اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجیے۔ اور اپنے لباس کو پاک رکھیے۔

۱؎ وہ لباس جو جسم کو مس کرتا ہے اسے عربی میں شعار کہتے ہیں اور اس کے اوپر جو چادر، کمبل وغیرہ پہنا جاتا ہے اسے دثار کہتے ہیں۔ مدثر دثار سے ہی مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے چادر یا کمبل میں اپنے آپ کو لپیٹنے والے۔

اس کی شان نزول کے بارے میں مذکور ہے کہ غار حرا میں جبرئیل امین جب پہلی مرتبہ وحی لے کر حاضر ہوئے تو اس کے بعد کچھ عرصہ تک نزول وحی کا سلسلہ بند رہا۔ اسے فترۃ الوحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بڑے قلق و اضطراب کی کیفیت طاری رہی۔ کلام الٰہی میں جو چاشنی اور مٹھاس ہے کان اب اس سے آشنا ہو چکے تھے اس کو دوبارہ سننے کے لیے سخت بے تاب تھے۔ وہ لطف و کرم پھر سکوت، وہ بھی اتنا طویل۔ بعض اوقات یہ کیفیت بڑی شدید ہو جاتی۔ دل بے چین، نگاہیں بے تاب اور آنکھیں مشتاق۔ آخر جوش رحمت کو آیا اور سلسلہ وحی شروع ہوا۔ اس کی حالت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک روز میں چلا جا رہا تھا کہ آسمان کی طرف سے ایک آواز سنائی دی میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان ایک زریں کرسی پر بیٹھا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہوا۔ گھر واپس لوٹ آیا۔ میں نے کہا۔ زملونی زملونی۔ فدثرونی۔ تو انہوں نے چادر یا کمبل مجھ پر ڈال دیا۔ اس وقت جبرئیل امین آگئے اور یہ پیغام خداوندی مجھ کو سنایا۔

اس خطاب میں بھی اسی لطف و عنایت اور محبت و پیار کا اظہار ہے جس کا ذکر آپ پہلے بھی المزمل میں پڑھ آئے ہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں۔ معنی یایھا المدثر ای المدثر بالنبوۃ و اثقالھا۔ اے نبوت اور اس کے بار گراں کو اٹھانے والے۔ صوفیائے کرام نے اس خطاب سے جو معنی سمجھا ہے علامہ آلوسی کے الفاظ میں ساعت فرمائیے۔

قال بعض السادۃ ای یایھا الساتر لحقیقتہ المحمدیۃ بدثار الصورۃ الآدمیۃ او یایھا الغائب عن انظار الخلیقۃ فلا یعرفک سوی اللہ تعالیٰ علی الحقیقۃ۔

ترجمہ: اقلیم معرفت کے بعض سرداروں نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اے انسانی شکل و صورت سے حقیقت محمدیہ کو چھپانے والے یا لوگوں کی نگاہوں سے اپنے آپ کو مستور رکھنے والے کہ تیری حقیقت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

اس کے بعد علامہ موصوف نے چند اشعار لکھے ہیں۔ ان میں سے قصیدہ بردہ کے دو شعر آپ بھی سن لیجیے۔

۱۔ وکیف یدرک فی الدنیا حقیقتہ — قوم نیام تسلوا عنہ بالحلم

۲۔ فمبلغ العلم فیہ انہ بشر — وانہ خیر خلق اللہ کلھم

(۱) اس دنیا میں سوئی ہوئی قوم جو محض خیالات سے اپنے دلوں کو بہلا رہی ہے حضور کی حقیقت کو کیسے پہچان سکتی ہے۔

(۲) علم کی انتہا یہ ہے کہ آپ بشر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوقات میں سب سے بہتر ہیں۔

قرآن کریم کے معانی کا سمندر ناپیدا کنار ہے۔ اس کی تہہ تک کون پہنچ سکتا ہے۔ اس کے اسرار و معارف کے موتی ان گنت ہیں۔ ان کا شمار کون کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وحبیبہ الاکرم۔

۲۔ آغاز نبوت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو جو ہدایات دیں یا جن احکام اور ارشادات سے نوازا اس سے بہتر کوئی لائحہ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ یایہا المدثر کے لطیف اور پیارے خطاب کے بعد حکم ہوا کہ اٹھیے! کاہلی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ عزم اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اٹھیے۔ آپ کے گردو پیش بسنے والی مخلوق غفلت کی نیند سوئی پڑی ہے۔ ان کو خبردار کر دیجیے کہ انہیں کفر اور اپنی بدبختی پر اصرار سے عذاب الٰہی نازل ہونے ہی والا ہے۔ اگر اپنی خیر چاہتے ہیں تو اس عذاب سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ دعوت حق کو قبول کریں اور اس پر گامزن ہو جائیں۔

۳۔ اس دعوت اور تنذیر کے مخاطب اگرچہ کافۃ للناس ہیں لیکن اولین مخاطب اہل مکہ اور قریش تھے جو صدیوں سے شرک کو قبول کیے ہوئے تھے۔ مشرکانہ عقیدے ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس چکے تھے۔ مزید برآں انہیں اپنی برتری کا ایسا احساس تھا کہ وہ کسی کو خاطر میں ہی نہ لاتے تھے۔ سب سے بڑے معزز، سب سے زیادہ عقل مند، نسب کے لحاظ سے اشراف وہ خود تھے۔ مزید برآں یہ کہ وہ کعبہ کے مجاور تھے۔ مذہبی رسوم اور دین کے جملہ حقوق انہی کے نام محفوظ تھے۔ اس لیے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا یا دعوت حق دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ان کے دلوں کی تبدیلی اور سنگلاخ زمین میں ایمان کی تخم ریزی بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرماتے ہیں کہ اپنے رب کی بڑائی کا عقیدہ بھی دل میں رکھو اور اسی کا اعلان بھی کرو۔ جب آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا ہے تو پھر دوسرے بڑوں کی آپ کو پروا نہیں رہے گی۔ ٹھیک ہے یہ لوگ بڑے بنے ہوئے ہیں لیکن ان کی بڑائی چند سیکنڈوں اور چند دنوں کی ہے اور آپ کے رب کی بڑائی کا پرچم بحر و بر، دشت و جبل، عرش و فرش ہر جگہ لہرا رہا ہے اور ابد تک لہراتا رہے گا۔ آپ ان فانی بڑوں کی پروا مت کریں۔ ان کا جتھا اگر آپ کے راستوں میں رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دے تو آپ کا رب جو حقیقی بڑا ہے وہ انہیں رائی بنا کر اڑا دے گا۔ دل میں اس کی کبریائی کا عقیدہ اور زبان سے اس کی کبریائی کا اعلان یہی تو وہ فریضہ ہے جو آپ نے ادا کرنا ہے۔ اللہ اکبر سے نماز کا افتتاح اسی آیت سے ماخوذ ہے۔

۴۔ آپ کو نبوت کے منصب رفیع پر فائز کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی کبریائی کے اعلان کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ آپ کے منصب کا جمال اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ آپ میلے کچیلے ہوں یا آپ کے کپڑے گندے یا ناپاک ہوں۔ جس طرح آپ کی زندگی کا ہر گوشہ صاف ستھرا ہے اسی طرح آپ کا لباس بھی اجلا، صاف اور پاک ہونا چاہیے۔ اس کا دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ اپنے اخلاق کو بھی پاک رکھیے۔ آپ کے دامن عصمت پر کسی قسم کا کوئی دھبہ لگنے نہ پائے۔ دشمنان حق کو انگشت نمائی کا کوئی موقع نہ دیجیے کہ ان کے اعتراضات طالبان حق کے لیے رکاوٹ نہ بن جائیں۔ لغت عرب میں پاکدامن آدمی کے لیے طاہر الذیل اور نقی الثوب کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ پاکدامن ہے اور اس کا لباس ہر داغ سے پاک ہے۔ فقہا نے اسی آیت سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ نماز کے لیے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اور جب کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے تو نمازی کا اپنا جسم اور وہ جگہ جہاں وہ نماز ادا کر رہا ہے اس کا پاک ہونا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷

اور (ہر قسم کی) پلیدی سے (حسبِ سابق) دور رہیے ۵ اور کسی پر احسان نہ کیجیے زیادہ لینے کی نیت سے ۶ اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجیے ۷

۵ عقیدہ اور عمل کی ہر ظاہری اور باطنی نجاست سے حسبِ سابق احتراز کرنے کی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ ایک مبلغ کا کلام اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود ان برائیوں سے مجتنب نہ ہو۔ نیز یاد رہے کہ تمام گناہ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کا باعث بنتے ہیں جن میں سب سے بڑا گناہ بتوں کی پرستش ہے، ان سے کنارہ کش رہیے ورنہ لوگ آپ پر طعن دراز کریں گے اور تبلیغ کی کوششیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوں گی۔

قرطبی لکھتے ہیں الرُّجز اور الرِّجز دو لغتیں ہیں، معنی ایک ہی ہے۔ لغتان مثل الذِّکر والذُّکر۔ ابوالعالیہ، ربیع اور کسائی کہتے ہیں: الرُّجز بالضم الصنم وبالکسر النجاسة والمعصية۔ یعنی رُجز بت کو کہتے ہیں اور رِجز پلیدی اور گناہ کو کہتے ہیں۔ کسائی کہتے ہیں بالضم الوثن وبالکسر العذاب۔ (قرطبی) رُجز کا معنی بت اور رِجز کا معنی عذاب۔

۶ کیا ہی پیاری نصیحت ہے، کتنے اعلیٰ اور بلند اخلاق کی تعلیم ہے۔ عام طور پر کسی کے ساتھ جب احسان اور بھلائی کی جاتی ہے تو یہ توقع ہوتی ہے کہ جب وقت آئے گا تو یہ بھی اس سے بڑھ کر احسان کرے گا۔ لوگ وہاں ہی ایک روپیہ خرچ کرتے ہیں جہاں کم از کم دو کی بازیافت کی امید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہیں کہ ہدایت کا جو احسان آپ ان پر فرما رہے ہیں، معرفتِ الٰہی کی جو دولت آپ انہیں عطا فرما رہے ہیں یہ بڑی بیش قیمت چیز ہے۔ لیکن بھولے سے بھی یہ خیال آپ کے دل میں کبھی نہ آنا چاہیے کہ آپ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہونے والے اس احسانِ عظیم کا معاوضہ آپ کو دیں گے۔ آپ محض اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضا کے لیے یہ کام کریں اور کسی انسان سے اس کے معاوضہ کی قطعاً توقع نہ رکھیں۔ آپ کا رب خود آپ کو اس کا اجرِ عظیم اور اجرِ غیر ممنون عطا فرمائے گا۔ ہر قسم کے لالچ یا منفعت سے بے نیاز ہو کر آپ دعوتِ حق کا فریضہ انجام دیں۔

اس آیت کا ایک اور مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی عبادت، اس کے دین کی تبلیغ اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کو زیادہ اور کثیر سمجھ کر اس پر احسان نہ جتائیں بلکہ جتنا بھی آپ جدوجہد کریں اس کو قلیل اور حقیر ہی سمجھیں۔

قال الحسن لا تمنن علی اللہ بعملک فتستکثرہ۔

۷ اس دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں جو تکلیفیں پیش آئیں، جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑے ان پر صبر کیجیے اور صبر بھی محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی کے لیے۔

ان آیاتِ طیبات میں جو ہدایات مذکور ہیں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ حضور پہلے ان کے خلاف عمل پیرا تھے اور حضور کی اصلاح کے لیے یہ ہدایات نازل کی گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فطرتِ زکیہ اور طبیعتِ سعیدہ پہلے ہی مکارمِ اخلاق سے متصف تھی۔ ہر قسم کی خامیوں اور عیوب سے حضور کا دامن پاک تھا۔ یہ احکام یاد دہانی کے لیے ہیں کہ جب محمل آپ ان پر کاربند ہیں یا قیامت تک آنے والے مبلغین اور علمائے ربانیین کے لیے یہ ایک منشور مقرر کر دیا گیا کہ اگر نبوت کی وراثت سے کچھ حصہ لینا چاہتے ہو تو ان اصولوں پر مضبوطی سے کاربند رہو۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى

پھر جب صور پھونکا جائے گا [۱] تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار

الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾ وَجَعَلْتُ

پر آسان نہ ہوگا۔ آپ چھوڑ دیجیے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے [۲] اور دے

لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَمَهَّدتُّ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾

دیا ہے اسے مال کثیر۔ اور بیٹے جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا اسے ہر قسم کا سامان [۳]

[۱] ای نفخ فی الصور۔ جب قیام قیامت کے لیے صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کفار کے لیے بڑا سخت ہوگا۔ ان کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی، ان کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔ ان کی ساری آسیں اور امیدیں ٹوٹ جائیں گی۔ الناقور، فاعول کا وزن ہے۔ وہ آلہ جس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اس آلہ کی حقیقت، شکل و صورت سے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا اور نہ اس کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔

[۲] یہاں سے ولید بن مغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار فرما رہے ہیں۔ اس قسم کا کلام غصہ اور غضب کے اظہار کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس غضب شدید کی وجہ آیت ۱۸ سے شروع ہو رہی ہے۔ یہاں صرف اس کی احسان فراموشی اور کفران نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وحیدا کے بارے میں دو قول ہیں۔ یا تو خَلَقْتُ کی ضمیر فاعل کا حال ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ میں نے کسی مدد کے بغیر اس کو پیدا کیا ہے۔ مجھے اس کو ہلاک کرنے کے لیے کسی دوسرے کی اعانت کی ضرورت نہیں۔ یا یہ مفعول کی ضمیر محذوف خلقتہ کا حال ہوگا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اس کو میں نے اس حالت میں پیدا کیا ہے کہ وہ تنہا تھا۔ نہ اس کے پاس مال تھا، نہ دولت، نہ زمین، نہ جائداد، نہ اس کے پاس کوئی بیٹا تھا اور نہ کوئی ملازم۔ اب ہم نے اس پر یہ احسان فرمایا۔ اس کو اتنا مال دے دیا جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ دس یا بروایتے بارہ بیٹے جو کسب رزق سے مستغنی ہیں۔ تجارت و کاروبار کے لیے انہیں دور دراز ملکوں کی خاک چھاننا نہیں پڑتی۔ کھیتی باڑی میں سارا سارا دن مصروف نہیں رہتے بلکہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے ہیں۔

شہود کا معنی معروف و مشہور بھی کیا گیا ہے یعنی باپ کی طرح نامور اور معزز ہیں۔ لوگ اپنی حاجات میں ان کے پاس بھی حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

[۳] اس کا مفہوم علامہ پانی پتی کے الفاظ میں یوں ہے: ای بسطت له الرياسة والجاه العريض۔ یعنی میں نے اس کے لیے ریاست و سرداری اور عزت و وجاہت کے اسباب فراہم کر دیے ہیں اور کوئی شخص اس کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اس کو ہر قوم سے ریحانۃ قریش، قریش کا گلدستہ کہا کرتے اور یہ اپنے آپ کو وحید بن وحید، یگانہ فرزند یگانہ کے مغرورانہ الفاظ سے ملقب کیا کرتا۔

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾ سَأُرْهِقُهُ

پھر یہ توقع رکھتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں [11] ہرگز نہیں [12] وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ

صَعُودًا ﴿١٧﴾ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قُتِلَ

کٹھن چڑھائی چڑھے [13] اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی [14] مارا جائے اس نے کیسی بات طے کی۔ پھر مارا جائے کیسی

[11] اتنے عظیم احسانات کے باوجود اسے شکر کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے مخاصمت اور عناد اس کا شغل بن کر رہ گیا ہے۔ بایں ہمہ مزید نعمتوں کا طالب ہے۔

[12] ہرگز نہیں۔ اب اس کے لیے انعام و اکرام کے دروازے بند کیے جا رہے ہیں اور عذاب و عتاب کے دروازے کھولے جا رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ولید کا کاروبار ماند پڑ گیا۔ زراعت و تجارت کی ترقی رک گئی جو بالآخر تباہی کا پیش خیمہ بنے گا۔

[13] ارھق: مشقت میں ڈالنا۔ صعود: چڑھائی۔ ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ اس پہاڑ پر چڑھے۔ آرام و آسائش کی زندگی کا دور ختم ہو گیا۔ اب ذلت و خواری، محرومی و تنگدستی کی زندگی بسر کرنا پڑے گی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جہنم میں ایک آتشیں پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ ایسے بدبخت کو اس پر چڑھنے کا حکم دیا جائے گا۔ جان ہو گھل رہی ہو گی، جب وہ چوٹی کے قریب پہنچے گا تو اس کا پاؤں پھسل جائے گا اور دھڑام سے نیچے گرے گا۔ پھر اسے دوبارہ اوپر چڑھنے کا حکم ملے گا۔ اسے ہول اٹھانا ہو گی۔ قال ابن عباس: صعودا مشقة من العذاب لا راحة له فيه۔ یعنی حضرت ابن عباس نے اس کا معنی بتایا کہ ہم اسے ایسے عذاب کی مشقتوں میں مبتلا کریں گے جس میں اسے کوئی آرام نصیب نہیں ہو گا۔

[14] یہاں سے اس غضب شدید کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ آیات کی تشریح سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہ واقعہ سن لیں جس کا ان آیات میں ذکر ہو رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی دعوت کا آغاز کیے ابھی چند ماہ ہی گزرے تھے کہ حج کا موسم آ گیا۔ اس موقع پر ہر سال عرب کے اطراف و اکناف سے لوگ یہاں جمع ہوتے تھے۔ اپنے اپنے رسم و رواج کے مطابق پوجا پاٹ کیا کرتے تھے۔ اہل مکہ کو اب یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ ابھی تک تو ان کی دعوت کو شکست دینے میں جو کسی کے جی میں آیا کہہ دیا۔ اب بیرونی قبائل کے لوگ آ رہے ہیں۔ وہ اس نئے داعی کے بارے میں ضرور پوچھیں گے۔ اگر ہم سب نے کوئی متفقہ جواب نہ دیا تو وہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ اس لیے انہوں نے سوچا کہ ایک میٹنگ بلائی جائے اور اس میں طے کر لیا جائے کہ بیرونی لوگ اگر ان کے بارے میں پوچھیں تو انہیں کیا متفقہ جواب دیا جائے۔ چنانچہ دار الندوہ میں ان کا اجتماع ہوا۔ ولید نے ہی گفتگو کا آغاز کیا اور لوگوں کو اس مجلس کے انعقاد کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا۔ اس نے کہا کہ ہمیں چاہیے کہ ہم سب ایک بات پر متفق ہو جائیں اور جو شخص بھی ان کے بارے میں پوچھے سب ایک ہی جواب دیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کاہن کا لفظ تجویز کیا۔ ولید بولا بخدا وہ کاہن نہیں ہیں۔ کاہنوں کے بے جوڑ اور بے ربط فقرے میں نے بہت سنے ہیں۔ قرآن کو بھلا ان سے کیا نسبت۔ دوسرے لوگ کہنے لگے کہ انہیں مجنون کہنا چاہیے۔ ولید نے اس کی بھی تردید کی اور کہا کہ اگر تم نے ایسی بیہودہ بات کی تو لوگ تمہارا مذاق اڑائیں گے۔ چند لوگوں نے کہا کہ ان کے لیے مناسب لفظ شاعر ہے۔ ولید نے رد کیا کہنے لگا کہ تم شعر کی

كَيْفَ قَدَّرَ ۝٢٠ ثُمَّ نَظَرَ ۝٢١ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝٢٢ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝٢٣

کیسی بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا۔ پھر منہ بسورا اور ترش رو ہو گیا ۳۵ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔

تمام اصناف سے واقف ہو۔ کیا قرآن کی کسی آیت پر ان میں سے کسی صنف کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ جو لوگ جب بھی گفتگو میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ کہنے لگے اور کوئی نقصان کے لیے مندرج ہیں بالجملہ تمہیں نہیں الجھن ان سے ساحر کہہ سکتے ہیں۔ ولید نے کہا دوستو! جادوگروں کی پھونک زنی اور ناپاک گرہ اور کہیں سے کلام اطلاق کرے اس تیسیں وہ کیا کیسے کوئی نسبت ہو سکتی ہے۔ وان ونوں میں سے کوئی لفظ بھی اگر تم نے استعمال کیا تو پورا امکان تم پر بدگمان ہو جائیں گے اور اسے جھوٹی تہمت خیال کریں گے۔ پھر کہنے لگا واللہ ان لقولہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمغدق وانہ لیعلو ولا یعلیٰ علیہ۔ بخدا اس کلام میں بڑی شیرینی ہے اس کی ہر بات پر بہت رونق ہے اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہو سکتا۔ ولید نے یہ کہا مجلس سے اٹھا اور گھر چلا گیا۔ مجمع میں شور مچ گیا کہ ولید بے دین ہو گیا۔ ابوجہل نے کہا تم فکر نہ کرو میں مشکل حل کرتا ہوں۔ چنانچہ بڑی افسردہ شکل بنا کر اس کے پاس گیا۔ ولید نے پوچھا تیری کیا بات ہے بڑے غمگین نظر آتے ہو۔ ابوجہل نے کہا اب تم بوڑھے ہو گئے ہو تیرا کیا کیا ہے۔ قریش کے لوگ تیرے لیے گھر سے چندہ جمع کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ولید بے دین ہو گیا ہے اس لیے حضور کا کلام گراں لگے کر اس کی طرف اور ابوبکر کی طرف آنا جانا ہے تاکہ وہ اس کی مالی امداد کریں کہ وہ فرقت سے خود مشغول ہو گیا۔ کہنے لگا لات و عزیٰ کی قسم! میں سب جانتے ہیں عظیم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر کے ٹکڑوں کا محتاج نہیں ہوں گا لیکن ان کے بارے میں جو الفاظ تم کہتے ہو وہ غلط ہیں۔ پھر بڑے غور سے سوچنے لگا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا بڑی گہری فکر میں غوطہ زن ہے کہ آپ کے لیے کوئی موزوں لفظ تلاش کر رہا ہے۔ کافی دیر تک اسی حالت میں رہا آخرکار کہنے لگا کہ ہم اسے ساحر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس نے بھائی کو بھائی سے بیٹے کو باپ سے جدا کر دیا ہے۔

اب ذرا ان آیات کو غور سے پڑھو ایسے شخص کی ذہنی کشمکش کی کتنی سچی تصویر اپنے اندر ایک اعجازی شان رکھتی ہے۔

وہ اس بات سے تو خود بخوبی آگاہ ہے کہ یہ کلام کس کا ہے کہ کون سا لفظ تجویز کیا جائے کاہن، شاعر، مجنون یا ساحر۔ طویل غور و خوض کے بعد اس نے طے کیا کہ انہیں ساحر کہنا درست ہے۔ ایسی سمجھ اور ایسی عقل پر کیا کہا جائے کہ کتاب کی تعریف کیے بغیر نہ رہا جائے اور صاحب کتاب کے مکارم اخلاق کو تسلیم کرنے کے باوجود ایسا الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

۳۵ معلوم ہوتا ہے اس کا اپنا ضمیر بھی اس کو ملامت کر رہا ہے۔ وہ انتہائی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے اور اس کے آثار اس کے چہرے پر صاف نمایاں ہو رہے ہیں۔

آخری اعلان سے پہلے ایک مرتبہ پھر دوسرے سے مجمع پر نگاہ ڈالتا ہے۔ پھر اس کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ منہ بسور کے پیچھے کو لٹنے بنا لیتا ہے۔ پھر نہایت تکبر سے منہ پھیر لیتا ہے اور کہتا ہے۔ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ یہ جادو ہے اور اس کتاب کا نام جادو ہے پہلوں کو منتقل کرتے آئے ہیں کہ یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ اسی کا اعادہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ ہر زمانہ کے جادوگر اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم دیتے آئے ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان کو بھی کسی نے جادو کے یہ چیزیں سکھائی ہیں اور گھر گھر میں جو افتراق پیدا ہو گیا ہے یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے۔

فَقَالَ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ إِنْ هَٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَأُصْلِيهِ

پھر کہنے لگا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم

سَقَرَ ﴿٢٦﴾ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾

میں جھونکوں گا۔ اور آپ کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے۔ وہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی ہے آدمی کی کھال کو۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾ وَمَا جَعَلْنَآ أَصْحَٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلَٰٓئِكَةً

اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔ اور ہم نے نہیں مقرر کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے

۲۱ اس پر ہم نے اتنے احسانات کیے۔ بہت بیٹے، بے اندازہ دولت، دنیوی عزت و سرداری بخشی اور اتنی لمبی عمر طولانی اور یہ بھی طرح جانتا ہے کہ نہ آپ ساحر ہیں اور نہ یہ کلام سحر ہے لیکن محض اپنی جھوٹی نام و نمود کے لیے اور چند روزہ سرداری کے لیے وہ ایسا پاک الزام اللہ کے نبی مکرم پر لگاتا ہے۔ اس لیے اسے بتا دیا کہ ہم عنقریب اسے دوزخ کا ایندھن بنا دیں گے۔

۲۲ نہ تو اسے زندہ رہنے دیتی ہے اور نہ اس کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ جل کر کوئلہ ہوتے ہیں اور پھر عذاب بھگتنے کے لیے زندہ کیے جاتے ہیں۔

۲۳ لواحۃ ھو تلویح الجسم وتغییرہ الی سواد، یعنی جلد کی رنگت سیاہی مائل کر دینے والی ہے۔ بشر جمع ہے بشرۃ کی۔ اس کا معنی انسانی جلد ہے۔

۲۴ ہم نے اس کشادہ اور وسیع دوزخ کی حفاظت کے لیے انیس داروغے مقرر کیے ہیں۔ کفار نے جب یہ آیت سنی تو بڑے زور سے قہقہے لگانے لگے۔ کہنے لگے یہ ہیں بیچارے اس نبی کے خدا کی فوج۔ ہم تو سمجھے تھے بے شمار لشکر ہوگا جو جہنم کو چاروں طرف سے گھیرے کھڑا ہوگا اور ان کی گرفت سے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ کل انیس! کیا حقیقت ہے ان انیس کی! کفار کی مجلس کا یہی بات موضوع بحث بنی ہوئی تھی۔ ہر شخص اپنے اپنے انداز سے گفتگو کر کے نکتہ آفرینیاں کر رہا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا وہ تو اکیلے ہیں کیا اس نبی کے خدا کی فوج صرف انیس سپاہیوں پر مشتمل ہے۔ کیا تم دس دس مل کر بھی ایک ایک کو پکڑ کر اس کا کچومر نہیں نکال سکو گے۔ ابوالاشد بن اسید الجمحی جو اپنے قبیلہ بنی جمح کا نامور پہلوان تھا وہیں موجود تھا۔ کہنے لگا ابوجہل تم بڑی سادگی۔ ان میں سے سترہ کو تو میں اکیلا کافی ہوں۔ باقی رہے دو تو آپ سب مل کر ان دو کو سنبھال لینا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اے بے وقوفو! یہ تمہاری مانند جیتے جاگتے گوشت پوست کے آدمی نہیں کہ دس دس مل کر ان کا کچومر نکال دو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جن کی قوت و طاقت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کچھ غلط فہمی ہے تو عاد و ثمود اور سدوم و عمورہ سے پوچھو۔ وہ تمہیں ان کی قوت کے بارے میں بتائیں گے۔

۲۵ جہنم کے داروغوں کی تعداد بیان کرنے میں کیا حکمت ہے؟ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سن کر کفار نے اودھم مچا دیا اور ان کے

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ

اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنھوں نے کفر کیا تاکہ یقین کرلیں

أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ

اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں

أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہیں وہ جن کے دلوں میں روگ ہے

رسول کریم نے تنقید و استہزا بنایا۔ اس لیے اس کی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ جن کے دلوں میں کفر بھرا ہوا ہے اور وہ کسی مصلحت کے باعث ظاہر نہیں کرتے ہیں ان کا کفر بھی کھل کر سامنے آجائے نیز یہ کہ اہل کتاب کو بھی یقین آجائے کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اور اپنے رب کا فرمان ہی سنا رہا ہے اور مسلمان جو پہلے ہی نور ایمان سے مشرف ہیں۔ وہ یہ حل بھی بحیثیت شرح صدر کے ساتھ اس عدد کو تسلیم کریں گے۔ اس طرح ان کے ایمان اور قوت ایمانی دونوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے ایمان میں اضافہ کی بات تو واضح ہے لیکن اہل کتاب کو اس سے کیسے یقین آگیا؟ اس کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں بھی ان کی یہی تعداد مذکور ہے۔ اس پر یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ کتب اہل کتاب کی ورق گردانی کے باوجود کہیں نہیں ملا کہ ان کے نزدیک بھی دوزخ کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ اس بارے میں عرض ہے کہ اہل کتاب کی کتب میں تحریف و تبدیل کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔ ہو سکتا ہے یہ عدد بھی تحریف کی زد میں آگیا ہو۔ اب آپ کو ملا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر انیس کا عدد ان کی کتب میں پایا بھی جائے تو اس سے بھی ان کے یقین میں اضافہ کی کوئی صورت نہیں۔ وہ تو الٹا یہ کہیں گے کہ آپ نے یہودی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اس کے لیے گزارش ہے کہ تمام اہل کتاب تو ہٹ دھرم اور متعصب نہیں۔ ان میں کئی حق پسند بھی تو ہوں گے۔ وہ تو یہ جانتے ہیں کہ اس نبی کریم نے عبرانی کتب کا مطالعہ تو کجا ان کی زبان سے بھی شناسائی تک نہیں۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ عبرانی کتب سے اخذ کر کے قرآن مرتب کر رہے ہوں۔ باقی رہے متعصب تو ایسے لوگوں کے حصہ میں ہدایت کبھی نہیں آئی ان کا کیا ذکر۔

بعض علماء نے ان کے یقین میں اضافہ کی یہ توجیہ کی ہے کہ ان کے صحائف میں بھی ایسی چیزیں بکثرت موجود ہیں جن کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے ان کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ وہ لوگ بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عدد بھی عالم آخرت کے حقائق میں سے ایک حقیقت ہے۔ اگر اس کی صحیح سمجھ نہ آسکے کہ اتنے وسیع جہنم اور اتنی بے شمار مخلوق کی حفاظت کے لیے انیس فرشتے کیسے کافی ہو سکتے ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف قرآن میں ہو اور ان کی کتابیں اس سے خالی ہوں۔

ایک تیسری توجیہ بھی کی گئی ہے کہ اہل کتاب نے دیکھا کہ یہ تعداد سن کر کفار نے بہت ادھم مچایا کہ اللات والعزیٰ۔ لیکن حضور نے ان کی اس مخالفت اور استہزاء کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسی وثوق سے قرآن کا پیغام پہنچایا تو انھیں یقین آگیا کہ مخالفت کے طوفانوں میں حق بات کا اعلان کرنے والا

وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

اور کفار (کہیں) کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے ۲۱؎ یونہی اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے ۲۲؎ اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بجز اس کے ۲۳؎

ع ۱۵

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾

اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت انسانوں کے لیے۔ ہاں ہاں! چاند کی قسم ۲۴؎ اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے

صرف انیس پر انحصار ہے، تمام آدمی کے لیے بس یہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۱؎ جن کے دلوں میں شک کا روگ ہے اور وہ جن کے دلوں میں کفر سمایا ہوا ہے وہ کہتے ہیں اس تعداد کو بیان نہ کیا جاتا تو کیا گھٹ جاتا۔ اس کو ذکر کر کے حالات کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ اس قسم کی باتیں وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ایمان کا نور نصیب نہیں ہوتا۔

اس مرض سے مراد نفاق اصطلاحی نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ میں نفاق پیدا ہوا تھا۔ اس سے مراد شک ہے، اور مکہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو کفر اور کفریات پر دل سے یقین نہ رکھتے تھے۔ وہاں ایسے لوگوں کی بھی کثیر تعداد موجود تھی جنہوں نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا تھا لیکن اسلامی دعوت کے بارے میں وہ تذبذب میں مبتلا تھے۔ کیونکہ ایسا ممکن ہے، کہ یہ کہتے ہیں غلط ہے۔ اس آیت کو محض اس لیے مدنی کہنا کہ اس میں مرض کا لفظ موجود ہے سراسر تکلف ہے۔

۲۲؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو گمراہ کر دیتا ہے اور مجبور کر کے کسی کو ہدایت دے دیتا ہے ورنہ جزا و سزا کا نظام، نیکی و بدی کی تمیز، میزان، ثواب و عقاب جو اسلام کے بنیادی ارکان ہیں سب منہدم ہو کر رہ جائیں گے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل و فہم، غور و فکر کی جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں اس کے بعد اسے آزادی دی کہ چاہے تو وہ انہیں نیکی کے لیے استعمال کرے چاہے گمراہی پر استعمال کرے۔ اگر کوئی شخص ان قوتوں کو ہدایت پذیری کے لیے خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخش دیتا ہے۔ ایک نیکی والے کو جبراً گمراہی کے گڑھے میں پھینک نہیں دیا جاتا۔ اور اگر وہ دانستہ سمجھ بوجھ کر گمراہی کا انتخاب کرتا ہے تو قدرت اسے مجبور نہیں کرتی کہ چوہدری صاحب! للہ ہدایت قبول فرمائیے۔

۲۳؎ اللہ تعالیٰ کے لشکروں کو اس کے بغیر کوئی جان نہیں سکتا۔ یہ سمجھنا ابوجہل کی جہالت ہے کہ خالق السمٰوات والارض کے لشکروں کی تعداد کو گن لیا ہے۔

۲۴؎ اس کا معنی کیا گیا ہے حقاً للقسم یعنی ہاں ہاں قمر کی قسم! اس وقت کلا پر وقف نہ ہوگا اور اگر کلا کو ان کے زعم باطل کے رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہو تو پھر کلا پر وقف کریں گے۔ معنی ہوگا کہ جیسا تم گمان کیے بیٹھے ہو کہ قیامت نہیں آئے گی جیسا کہ تمہارا خیال ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ

اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے ۲۵؎ ڈرانے والی ہے انسانوں کے لیے ۲۶؎ ان کے لیے

شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾

جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں ۲۷؎ ہر نفس اپنے کیے کے بدلے میں گروی ہے ۲۸؎

إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾

سوائے اصحاب یمین کے ۲۹؎ جو جنتوں میں ہوں گے۔ اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے ۳۰؎

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ چاند کی قسم! قیامت ضرور آئے گی۔

چاند کی قسم کے بعد رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر رہی ہو۔ بعض اہل لغت نے دَبَرَ اور اَدْبَرَ کا ایک ہی معنی کیا ہے لیکن بعض نے فرق کیا ہے جب رات پیٹھ پھیر رہی ہو اس کو اَدْبَرَ کہتے ہیں اور جب رات پیٹھ پھیر کر چلی جائے تو دَبَرَ کہتے ہیں۔

۲۵؎ الکُبَر جمع ہے کُبْریٰ کی جو اکبر کی مؤنث ہے۔ اس کا مطلب ہے والکبر ہی العظائم من العقوبات یعنی قیامت کا آنا بڑی آفتوں میں سے ایک بڑی آفت ہے۔

۲۶؎ یہاں صفت مشبہ نہیں کہ اس کا معنی ڈرانے والا ہو بلکہ یہ مصدر ہے قال الخلیل النذیر مصدر کالنکیر ولذالک یوصف به المونث۔ خلیل نے کہا ہے کہ نکیر کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کا معنی ڈراوا ہے ایسی چیز جس سے ڈرایا جاتا ہے۔ وقال الحسن واللہ ما انذر الخلائق بشیء ادہیٰ منها۔ حسن بصری فرماتے ہیں انسان کے لیے اس سے بڑا ڈراوا اور کوئی نہیں ہے جس سے اس کو خوفزدہ کیا جائے۔

۲۷؎ اب تمہاری مرضی کہ تم میں سے کون نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے اور کون برائیوں میں پھنس کر پیچھے رہ جاتا ہے۔

۲۸؎ آیت میں رَہِیْنَۃٌ۔ رَہِیْنٌ کی تانیث نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب فعیل مفعول کے معنی میں ہو تو مذکر و مؤنث دونوں کے لیے رہین صفت آتی ہے۔ اگر رہینۃ بمعنی مرہونۃ ہوتا تو یہاں اس کو مؤنث ذکر کرنے کی حاجت نہ ہوتی۔ بلکہ یہ شتیمۃ کی طرح مصدر ہے اس کا معنی رہن گروی۔ والمعنی کل نفس بما کسبت من السیئات بکفرها محبوسة فی النار ابدا۔

۲۹؎ ان سے کون لوگ مراد ہیں اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ مومنین کے چھوٹے بچے، وہ لوگ جن کو ان کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ایک پسندیدہ قول یہ ہے کہ وہ لوگ جو اپنے اعمال اور نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اپنے رب کے فضل و احسان پر چشم امید لگائے بیٹھے ہیں۔

۳۰؎ آیت میں یتساءلون کا معنی یسألون ہے۔ یعنی اہل جنت دوزخیوں سے پوچھیں گے تمہیں کس جرم کی پاداش میں جہنم کے دردناک عذاب میں مبتلا کیا گیا؟ وہ جواب دیں گے ہمارے وہ قصور تھے جن کی ہم سزا بھگت رہے ہیں۔ ہم اپنے رب کریم کو سجدہ نہیں کرتے

مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ

کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو

نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ

کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم بیہودہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ بیہودہ سرائی میں لگے رہتے۔ اور ہم جھٹلایا کرتے تھے

بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

روز جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آ لیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے

الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ

والوں کی شفاعت [۳۱] پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ

تھے۔ اکٹھے رہتے تھے۔ کبھی بھول کر بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ جس کریم کے کرم کے صدقے زندگی عزت و آرام سے گزر رہی ہے اسے سجدہ بھی کرنا چاہیے اس کی عبادت بھی ضروری ہے اور دوسرا عمل یہ ہے کہ خود تو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھا لیتے تھے لیکن غریبوں مسکینوں کی ضرورت کی طرف توجہ ہی نہ دیتے تھے وہ ہمارے پڑوس میں کئی کئی روز بھوکے رہتے۔ ہم نے کبھی ان کی پروا نہ کی۔

یہاں بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نماز جو تمام عبادات سے اعلیٰ و ارفع ہے اس کا ترک اور فقراء و مساکین کی ضروریات زندگی سے غفلت برتنے والا کس قدر عذاب و سزا کے مستحق ہیں۔ اسلام انسان کی معاشی ضروریات کے اہم مسائل کا کتنا خیال رکھتا ہے۔

[۳۱] جس کی موت کفر پر ہوئی ہو اس کی کوئی شفاعت نہ کر سکے گا۔ کسی کو اس کی شفاعت کی اجازت ہی نہ ہوگی۔ شفاعت کن لوگوں کے لیے ہے۔ اس موضوع پر پہلے لکھا جا چکا ہے۔

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: وقد انعقد الاجماع علی جواز الشفاعۃ لکل مومن . . . وانکر الشفاعۃ اھل الھوی من المعتزلۃ والخوارج وغیرھم قبحھم اللہ تعالی۔ وقد تواترت فی ذلک الاحادیث تواترا معنویا۔ کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ ہر مومن کے لیے شفاعت جائز ہے۔ البتہ معتزلہ، خوارج اور ان کے علاوہ دیگر اہل ہوا نے شفاعت کا انکار کیا ہے خدا ان کو تباہ کرے۔ حالانکہ احادیث شفاعت اتنی کثرت سے ہیں کہ تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ یہ حدیث زید بن ارقم اور تیرہ دیگر صحابہ سے مروی ہے۔ شفاعتی یوم القیامۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا قیامت کے روز میری شفاعت حق ہے جو شخص شفاعت پر اعتقاد نہیں رکھتا وہ شفاعت کا مستحق نہ ہوگا۔ (فتح القدیر)

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ

بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں۔ جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے ۳۲ بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے

مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾

کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں ۳۳ ایسا ہرگز نہیں ہوگا، در اصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں ۳۴

كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ

ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے مگر یہ کہ

يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

اللہ تعالیٰ چاہے ۳۵ وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے ۳۶

۳۲ ویسے تو ہر جانور کو قدرت نے ایسی حس دی ہے کہ وہ ہر خطرے کو بھانپ لیتا ہے اور وہ حفاظت کی تدبیر کر لیتا ہے لیکن ان تمام جانوروں میں گدھے کی شان نرالی ہے۔ جب وہ شیر کو دیکھ لیتا ہے یا اس کی بو سونگھ لیتا ہے تو بدحواس ہو جاتا ہے اور وحشت کی حالت میں بھاگ نکلتا ہے۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی مثال ایسے گدھوں سے دی ہے جو شیر کی آہٹ پا کر دم دبا کر بھاگ نکلا ہو۔ حُمُر، حمار کی جمع ہے۔ کال ابن عباس: اراد الحمر الوحشیۃ، یعنی جنگلی گدھے۔ قسورۃ شیر کو کہتے ہیں۔ ان تیر اندازوں کو بھی قسورہ کہا جاتا ہے جو شکار کھیلنے کے لیے نکلتے ہیں۔ القسورۃ: الرماۃ والصیادون۔ یہ جمع ہے۔ اس کا واحد قسور ہے۔

۳۳ کفار مکہ اپنے ایمان لانے کے لیے کئی کئی شرطیں پیش کرتے تھے۔ کبھی کہتے ہمارے ان صحراؤں میں سرسبز کھیت اور شاداب باغات لہلہانے لگیں، یہاں نہریں جاری ہو جائیں۔ کبھی کہتے آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور ایک کتاب لے کر آئیں۔ حقیقت کے متلاشیوں کی کمی نہیں ہوتی۔ ان کے احمقانہ مطالبات میں سے ایک مطالبہ یہاں ذکر کیا جا رہا ہے۔ وہ کہتے اس نبوی دعوت کو قبول کرنے کے لیے ہم تیار نہیں۔ اگر ہم سب رئیسوں اور سرداروں کے نام علیحدہ علیحدہ آسمان سے خط آ جائیں جن میں ہمیں مسلمان ہونے کی دعوت دی گئی ہو تب ہم ایمان لانے کے بارے میں غور کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو کیا پروا کہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہے۔ اسلام کے بغیر وہ گمراہی کی تاریکی سے نہیں نکل سکتے۔ اس شمع جمال پر پروانوں کی کوئی کمی نہیں۔

۳۴ ان کے ان نامعقول مطالبات کی وجہ یہ نہیں جو بیان ہو رہی ہے۔ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ ان کا آخرت پر ایمان نہیں۔ اس لیے یہ ایسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں۔ اگر انہیں یقین ہوتا کہ مرنے کے بعد انہیں پھر زندہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے انہیں پیش کیا جائے گا اور ان سے ان کے عقائد و اعمال کے بارے میں باز پرس ہوگی تو وہ کبھی ایسی باتیں نہ کرتے۔

۵۴ے قرآن کریم تو پند و نصیحت ہے۔ یہ غافلوں کو خبردار کرنے کے لیے نازل ہوا ہے۔ ڈنڈے کے زور سے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا اس کا مقصد نہیں۔ جس کا جی چاہے اس سے نصیحت قبول کرے اور اپنی ابدی سعادت کا اہتمام کرے لیکن یہ سعادت اسی کو مل سکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے نوازنا چاہے۔ محض علم، فہم اور تجربہ کافی نہیں۔

۵۶ے آخر میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو اس بات کی مستحق ہے کہ بندہ اس سے ڈرتا رہے خلوت ہو یا جلوت۔ ایسے کاموں سے احتراز کرے جن سے اس نے منع فرمایا ہے اور اس کے احکامات کو بجا لانے میں کسی حالت میں بھی غفلت نہ کرے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ یہی اس کی شان ہے کہ جب کوئی بدکار اور روسیاہ اس کی بارگاہ میں معافی مانگنے کے لیے حاضر ہو تو اس کو معاف فرما دے۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے۔ اس کی بخشش عام ہے۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا کشادہ ہے۔

○

اللھم انت اھل التقوی واھل المغفرۃ وانت اکرم المسئولین ان توفقنی ان اکون من عبادک المتقین وارجوک ان تغفر لی ولوالدی وللمؤمنین والمؤمنات انک انت الغفور الرحیم۔

اللھم صل من صلواتک اجمعھا وسلم من تسلیماتک اکملھا ومن تحیاتک احسنھا علی حبیبک ونبیک وصفیک سید الوری سیدنا ومولانا محمد وعلی اھلہ واصحابہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

○

تعارف

سُورۃ القیامۃ

نام : اس سورۃ کے دو نام مذکور ہیں۔ سورۃ "لا اُقسم" اور سورۃ "القیامۃ"۔ اس میں دو رکوع، چالیس آیتیں، ایک سو ننانوے کلمے اور چھ سو باون حروف ہیں۔

نزول : علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورۃ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق مکی عہد کے ابتدائی دور سے ہے۔

مضامین : قیامت کے بارے میں کفار و مشرکین جن شکوک و شبہات میں بری طرح گرفتار تھے کئی قسمیں کھا کر ان کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کہ جس چیز کو تم محال سمجھ رہے ہو ہمارے لیے وہ بالکل آسان ہے۔ اس کے بعد قیامت کے ہولناک احوال کا ذکر کیا گیا اور غافل انسانوں کی بے بسی اور بے کسی کی تصویر کھینچ دی گئی۔

ابتدا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نزولِ وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ اس بات کا احساس بے چین رکھتا کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے۔ اس لیے جب جبرائیل امین کلامِ الٰہی کی وحی کرتے تو حضور جلدی جلدی ساتھ ساتھ اس کو دہراتے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو ہمیشہ کے لیے دور کر دیا۔ فرمایا : اے حبیب! وحی کو آپ کے لوحِ قلب پر ثبت کر دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اس کے معانی اور مطالب کا سمجھانا، اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہوا ہے۔ آپ اس بارے میں ہرگز متفکر نہ ہوا کریں۔

اس اطمینان دہی کے بعد بتایا کہ قیامت کے روز اللہ کے نیک بندے جب حاضر ہوں گے تو ان کے چہرے گلاب کے پھول کی طرح شگفتہ ہوں گے اُن کی مشتاق نگاہیں انوارِ الٰہی کے دیدار میں مستغرق ہوں گی۔ لیکن بدکار لوگ جب وہاں پکڑ کر لائے جائیں گے تو ان کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی۔ خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے۔ پھر ایسے لوگوں کی موت کا منظر پیش فرمایا۔ دوسرے رکوع میں نام لیے بغیر مکہ کے ایک مغرور اور خود سر رئیس، ابوجہل کے اطوار و احوال بیان فرمائے اور اس کو اس کے قطعی انجام سے آگاہ کر دیا، تاکہ عبرت پکڑنے والے عبرت پکڑ سکیں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱ - ۳ - ۷۷

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ٤٠ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۃ القیامہ مکی ہے اس میں ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ چالیس آیات اور دو رکوع ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ

میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی ۱ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) ۲ کیا انسان یہ خیال

الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ

کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو ۳ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست

۱ علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ ابو اللیث سمرقندی کا قول ہے اجمع المفسرون ان معنی لا اقسم، اقسم۔ سب مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لا اقسم کا معنی ہے میں قسم کھاتا ہوں۔ لیکن لا کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لا زائدہ ہے اور کلام کو مزین و آراستہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ اہل عرب کے ہاں یہ استعمال عام ہے۔ بعض نے کہا کہ لا ان کے انکار قیامت کا رد ہے۔ عرب جب کہتے ہیں لا واللہ لا افعل۔ فلا رد لکلام تقدم ومعنی ونانئد تعالی تکید القسم فی الرد۔ یعنی قسم سے پہلے کلام کا ابطال مقصود ہوتا ہے اور پھر قسم اٹھائی جاتی ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ قسم مؤکد ہو جاتی ہے۔

۲ دوسری قسم نفس لوامہ کی کھائی جا رہی ہے۔ حسن بصری کے نزدیک نفس لوامہ مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ نفس جب سرکشی کر رہا ہو اور گناہوں میں جرأت اور بے باکی سے کام لے رہا ہو تو اس کو نفس امارہ کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر وقت برے کاموں کا حکم کرتا رہتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کی یاد میں کوشاں رہتا ہے تو مولا کریم کی خصوصی توجہ اور غیب سے اس پر ایسے حقائق منکشف ہو جاتے ہیں اس پر وہ غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اپنے آپ کو ملامت کرتا رہتا ہے۔ اس نفس کو نفس لوامہ کہتے ہیں اور جب وہ پوری طرح قطع تعلق کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔

یہاں دو قسمیں کھائی گئیں۔ لیکن مقسم بہ محذوف ہے یعنی لتبعثن کہ تم ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔

۳ ہر وہ انسان جو قیامت پر یقین نہیں رکھتا اس قسم کے وسوسوں میں پھنسا رہتا ہے۔ وہ جب یہ سوچتا ہے کہ لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں سال گزر چکے ہیں۔ ان کی قبروں کے نشان تک مٹ چکے ہیں۔ ان کی ہڈیاں گل سڑ کر مٹی میں مل گئیں اور اس مٹی کے ذرے ہوا کے جھونکے سے کئی بار الٹ پلٹ کر چکے اور کہیں کا کہیں اڑا کر پھینک دئے۔ دشت و جبل کی پہنائیوں میں بکھرے ہوئے ان ذروں کا اکٹھا ہو جانا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر کئی انسان تو ایسے تھے جو سمندر میں غرق ہو گئے اور مچھلیوں کا نوالہ بن گئے۔ کئی لاشوں کو گدھ اور دوسرے پرندے چٹ کر گئے۔ کئی کو آگ نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ان سب کا جمع ہونا، پھر ان کو پہلی حالت میں لوٹ کر دینا انسان یہ باتیں محال اور ناممکن سمجھتا ہے۔ وہ اپنے گھر کے گھونسلے سے رونا ہے اور آخر اسی نتیجہ پر پہنچتے کہ قیامت کا برپا ہونا محض گپ ہے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

بَنَانَهُ ۝ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ۝ يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمُ

کر دیں۔ بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ وہ (از راہ تمسخر) پوچھتا ہے قیامت کب

ہو سکتا ہے الانسان سے مراد کوئی خاص انسان ہو جیسے روایات میں مذکور ہے کہ اس سے عدی بن ربیعہ مراد ہے۔ وہ ایک روز حضور کے پاس آیا اور قیامت کے بارے میں پوچھنے لگا۔ حضور نے اس کو بتایا قیامت ضرور ہوگی۔ ہر انسان کو اس کی نیکی بدی کا پورا بدلہ اس دنیا میں نہیں مل سکتا اور نہ اس کو اس کی نیکیوں کی پوری جزا یہاں ملتی ہے۔ انسان کے باشعور اور باضمیر ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ ایسا دن آئے جب عمل کا نتیجہ دکھایا جائے۔ ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ملے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو پوری کوشش سے سمجھایا۔ آخر وہ کہنے لگا لو عاینت ذلک الیوم لم اصدقک یا محمد ولم اومن بہ۔ اگر میں قیامت کو برپا ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لوں تب بھی میں آپ کی تصدیق نہیں کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا۔ بعض نے کہا ہے الانسان سے مراد ابو جہل ہے۔ بہر حال عدی ہو یا ابو جہل ان کے یہ مخصوص نظریات نہ تھے بلکہ ان تمام لوگوں کے خیالات و نظریات کے ترجمان تھے جو قیامت کے منکر ہیں۔ ان منکرین سے ایک سوال کیا جا رہا ہے اور سوال ایسا ہے کہ اس کا جواب اسی میں مضمر ہے۔ یعنی اگر کہیں یہ دعویٰ ہوتا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کوئی انسان جمع کرے گا تو تمہارا اعتراض بجا تھا۔ اگر یہ کہا گیا کہ منتشر ذرات خود بخود جمع ہو جائیں گے تب بھی تمہاری حیرت بجا تھی۔ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ میں نے تو تمہیں بار بار یہ بتایا ہے کہ اللہ جو خالق ہے اور جس کی قدرت بے نہایت ہے جس نے پہلی بار تمہارے اجزا کو ترتیب دیا اور تمہیں جیسا چاہا پیدا کر دیا وہ بھی ان بکھرے ہوئے ذروں کو جمع کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس کا انکار تو وہ مشرک بھی نہیں کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق مانتے ہیں۔

ک تمہارے بڑے بڑے اعضاء انسانی جیسے ہڈیاں وغیرہ ان کو بنانا تو کجا، ہم تو ایسا قادر مطلق ہے کہ تمہارے ہاتھ پیروں کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں اور ان کے چھوٹے چھوٹے پوروں کو بھی جوڑ کر درست کر کے انہیں پہلی حالت پر لا سکتا ہے۔ بڑی چیزوں کو پہلی حالت پر لانا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔

ل ان کی بحث قیامت پر ایمان لانے کی طرف کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ان کے دل میں یہ صاف ستھری بات کو قبول کرنے سے کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس کی وجہ اس آیت میں ذکر کر دی کہ اصل بات یہ ہے کہ فسق و فجور سے محبت و رغبت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکی ہے۔ اپنے سے کمزوروں پر ظلم و ستم، نفس کی حرص کی اتباع ان کی فطرت بن چکی ہے کہ اب وہ اس سے باز آنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اگر قیامت کے دن پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کے سامنے اعمال پر ان کا محاسبہ ہوگا تو ساری دنیا کی لذتیں، عیاشی و شراب کی محفلیں ختم ہو کر رہ جائیں ان کی اخلاق باختگی اور بے راہروی جس میں ان کی ساری تفریحیں اور مسرتیں مرکوز ہیں سب ختم ہو جائیں۔ بہتر یہی سمجھا کہ پہلے انہیں یہ دیکھنا پڑے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا کرنے والے کا کیا حال ہے۔ یہ پابندیاں ان سے نہیں اٹھائی جاتیں۔ اس لیے وہ اس عقیدہ کے نزدیک ہی نہیں جاتے جو ان کی بزم نشاط کو اجاڑ کر رکھ دے اور ان کو کسی ضابطہ اخلاق کا پابند بنا دے۔

الْقِيٰمَةِ ۝٦ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝٧ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝٨ وَجُمِعَ الشَّمْسُ

آئے گی قیامت ؟ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور جمع کر دیئے جائیں گے سورج اور

وَالْقَمَرُ ۝٩ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝١٠ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝١١

چاند کہ بے نور ہو جائیں گے۔ اس روز کہے گا یہ انسان کہ کہاں ہے بھاگنے کی جگہ ہرگز نہیں۔ وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ ۝١٢ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ

صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو

وَاَخَّرَ ۝١٣ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝١٤ وَّلَوْ اَلْقٰى

واپس پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود ہی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ زبان سے ہزار بہانے

٤ یہ سوال بھی تمسخر اڑانے کے لیے ہے جو ان کا معمول تھا۔

٥ قیامت کے ساتھ مذاق کرنے والوں کے سامنے قیامت کا ہولناک منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ وہ معنی مروی ہیں۔ ہولناکی
ہولناکیوں کو دیکھ کر دہشت اور خوف کے مارے آنکھیں چندھیا جائیں گی۔ برق یبرق العین ہو تو اس کا معنی لمع تلألؤ، چمکا اور برق
(بکسر العین) ہو تو اس کا معنی دھش و تحیر لم یطرف۔ دہشت اور حیرت کے مارے اسے کچھ نظر نہ آیا۔

٦ جب قیامت برپا ہوگی تو ابتدائی مرحلوں میں یہ سارا نظام کائنات درہم برہم ہو جائے گا۔ چاند بے نور ہو جائے گا، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں
گے۔ جمع کا مطلب یا تو یہ ہے کہ دونوں بے نور ہونے میں یکساں ہو جائیں گے اور یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کشش کا قانون جو اس عالم میں
کارفرما ہے اور نظام شمسی کے کواکب و سیارات اپنے اپنے مقام پر کشش کے ساتھ موجود ہیں یہ ختم ہو جائے گا اور چاند سورج کے ساتھ جا ملے
گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

٧ یہ انسان جو آج نخوت و غرور سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم نہیں کرتا، جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت اس پر
عیاں ہوگا کہ وہ آج کس راہ راست سے بھٹک رہا ہے۔ وہ زور زور سے چلائے گا کہ کوئی پناہ کی جگہ ہو تو بتاؤ، میں بھی جا کر پناہ لوں لیکن اس
روز اسے کوئی پناہ نہیں ملے گی۔ الوزر فی اللغۃ ما یلتجأ الیہ من حصن او جبل او غیرھما (قرطبی) وہ قلعہ یا پہاڑ یا غار جہاں انسان جا کر
پناہ گزیں ہو سکے اسے لغت میں وزر کہتے ہیں۔ المستقر المنتہی۔ آخرکار ٹھہرنے کی جگہ۔

٨ بما قدم و اخر کی بہترین تفسیر وہ ہے جو ابن عباس یا ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔ ای بما اسلف من عمل
سیئ او صالح او اخر من سنۃ سیئۃ او صالحۃ یعمل بھا بعدہ (قرطبی) یعنی جو برا یا نیک کام اس نے اپنے سے پہلے بھیجا ہے

مَعَاذِيْرَهٗ ﴿١٥﴾ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ

بہانے گھڑے ۔ (اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو ۔ بلاشبہ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینۂ مبارک میں) جمع کرنا

اور اَخَّرَ سے مراد وہ بُرا یا اچھا طریقہ ہے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آیا اور جس پر لوگ عمل کرتے رہے۔ اَخَّرَ سے مراد بعض نے یہ لیا ہے کہ ایسے کام جن کا فیض جاری رہے۔ اس کے مرنے کے بعد بھی ان کاموں کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سبع یجری للعبد اجرھن وھو فی قبرہ بعد موتہ من علّم علما او اجری نھرا او حفر بئرا او غرس نخلا او بنی مسجدا او ورّث مصحفا او ترک ولدا یستغفر لہ بعد موتہ ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات کام ایسے ہیں جن کا اجر بندے کو اس کے مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا درآں حالیکہ وہ اپنی قبر میں ہوگا ۔ (۱) جس نے علم پڑھایا۔ (۲) جس نے کوئی نہر جاری کی۔ (۳) جس نے کنواں کھدوایا۔ (۴) جس نے درخت لگایا۔ (۵) جس نے مسجد بنائی۔ (۶) یا قرآن کا نسخہ پیچھے چھوڑا۔ (۷) یا ایسی اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد اس کے لیے مغفرت طلب کرتی رہی۔

بصیرۃ کا معنی ہے شاہد، گواہ۔ معاذیر، اگر معذار کی جمع ہو تو اس کا معنی ہوگا پردے اور اگر یہ عذر سے ماخوذ ہو تو پھر اس کا معنی ہوگا حیلے بہانے۔ ان دونوں جملوں میں ایک راز سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے کہ انسان جو برائیاں کرتا ہے ان کا اسے بخوبی علم ہوتا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنی راست گفتاری، راست روی، تقویٰ اور دیانت داری کو ثابت کرنے کے لیے وہ لاکھ پاپڑ بیلے، ہزاروں جتن کرے۔ ممکن ہے لوگ اس کی بات کو مان بھی لیں۔ ممکن ہے عدالت بھی اس کی حیلہ سازیوں کے باعث اسے بری قرار دے دے لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کے سامنے بھی اپنے آپ کو بے گناہ اور معصوم ثابت کر سکتا ہے۔ اس کا شعور تو اس وقت بھی اسے لعن طعن کر رہا ہوتا ہے جب وہ اپنے عیوب کو ڈھکنے کا بھرم رکھنے کے لیے جھوٹ کے کئی پاپڑ بیل رہا ہوتا ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا ضمیر مطمئن ہو کہ اس نے کوئی جرم نہیں کیا، اس کا دامن کسی آلودگی سے میلا نہیں۔ اگر یوسف صدیق علیہ السلام کی طرح تیرا دامن پاک ہے تو پھر سارا مصر یک زبان ہو کر تجھ پر الزام لگاتا رہے تیری نیند میں خلل نہ ہوگا تیرے دل کی دنیا میں اطمینان کا نور برس رہا ہوگا۔ لیکن اگر ساری دنیا تجھے پاکباز کہتی ہو اور تیرا دل تجھے خائن گردانتا ہو پھر تجھے سکون اور اطمینان نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہاں قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس روز انسان کو اس کے اعمال نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیا جائے گا تاکہ عدل و انصاف کے ظاہری تقاضے بھی پورے ہو جائیں ورنہ ہر انسان پر اس کے اعمال آشکارا ہیں۔ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ہر حیلے بہانے تراشا کرے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

نبوت کی نازک اور گراں ذمہ داریوں کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو از حد احساس تھا۔ جب وحی نازل ہوتی تو حضور پوری طرح متوجہ ہوتے اور جبرئیل امین جونہی اللہ تعالیٰ کے کلام کی قرأت شروع کرتے حضور بھی اسے جلدی جلدی سے تلاوت کرتے مبادا کوئی لفظ رہ جائے بیک وقت تین کام۔ سراپا توجہ ہو کر سننا، پھر اسی وقت اس کی تلاوت کرنا اور اس کے مفہوم کو سمجھنا، بڑا توجہ طلب اور تکلیف دہ کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب کی یہ تکلیف گوارا نہ ہوئی۔ اس زحمت سے بچانے کے لیے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اس سیاق و سباق میں یہ آیات شاید کسی کو بے ربط معلوم ہوں لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ یہ وہ مقام ہے جہاں انہیں ہونا چاہیے۔ حضور

وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾

اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا ۱۳؎

معمول اگرچہ ابتدا سے یہی تھا کہ آپ سننے، سمجھنے اور یاد رکھنے کی بیک وقت کوشش فرماتے جس سے یقیناً طبیعت پر بوجھ پڑتا، لیکن یہاں قیامت کا، قیامت کے منکرین اور قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ مضمون کی اہمیت کے پیشِ نظر حضورؐ نے اپنے سہ گونہ عمل میں مزید کوشش فرمائی ہوگی۔ جب اس طریقۂ کار کی گرانی کو حضورؐ شدت سے برداشت فرما رہے تھے۔ وہی بہترین موقع تھا کہ اس شدت سے رہائی کا مژدہ سنایا جاتا۔ اس مژدہ کو سنانے کے بعد سلسلۂ کلام دوبارہ شروع ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ سہ گونہ زحمت کی ضرورت نہیں۔ جب جبریل ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہوں تو اس وقت آپ صرف دھیان سے سنتے جائیں اور یہ فکر نہ کریں کہ کلام کا کوئی حصہ فراموش ہو جائے گا یا کوئی حکم پوری طرح سمجھا نہ جائے گا، یہ فکر دل سے نکال دیں۔ یہ دونوں کام ہم نے اپنے ذمہ لے لئے ہیں۔ جب جبریل وحی کا القا کر چکیں گے تو اس کا ایک ایک کلمہ بلکہ ایک ایک حرف آپ کے حافظہ میں نقش ہو جائے گا۔ اس سارے کلام کو ہم آپ کے سینۂ مبارک میں جمع کر دیں گے اور پھر ہر آیت کا، آیت کے ہر کلمہ کا مقصد اور مفہوم آپ کو سمجھا دینا یہ بھی ہمارا کام ہے۔

۱۳؎ ان چار آیتوں نے فتنۂ انکارِ سنت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دی ہے۔ منکرینِ سنت کے زبردست اعتراضات کا قلع قمع کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآن کو خداوندِ عالم کا کلام سمجھتا ہے اس کے لیے نجات کا راستہ کشادہ ہو جاتا ہے۔

منکرینِ حدیث کا بنیادی اعتراض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پر صرف قرآنِ کریم نازل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی وحی حضور پر نہیں اتری۔ قرآن کی جو تفسیر یا احکامِ قرآنی کی جو تفصیل ہمیں کتبِ احادیث میں ملتی ہے یہ حضور کی ذاتی رائے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخصوص حالات اور معاشرتی تقاضوں کی روشنی میں قرآن کو جس طرح سمجھا لوگوں کو بتا دیا۔ اب جبکہ چودہ صدیاں بیت چکی ہیں، انسانیت کا کارواں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ عصری تقاضے یکسر بدل گئے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں قرآنِ کریم کو ایک مخصوص زمانہ کی فضا میں سمجھے ہوئے مفہوم کا زندانی بنا دینا قرآن پر بڑا ظلم ہے اور ملتِ اسلامیہ کی اس سے بڑی دشمنی کوئی نہیں ہو سکتی کہ اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں قرآنِ کریم کی اس تفسیر کی پابندی لازمی قرار دی جائے اور اس طرح قوم کی ترقی کے سامنے رکاوٹوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے جائیں۔

قرآنِ کریم کی ایک چھوٹی سی آیت نے اعتراضات کے اس طومار کو نیست و نابود کر دیا۔ فرمایا ثم ان علینا بیانہٗ۔ کہ جو کلام آپ پر نازل کیا جا رہا ہے اس کا یاد کرا دینا، اس کو آپ کے سینۂ پرنور میں جمع کر دینا بھی ہمارا کام ہے اور اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے ——— یعنی قرآنِ کریم کے احکامات، ارشادات کے مفہوم اور مدعا کو پوری طرح سمجھا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ یہ آپ کی صوابدید یا اجتہاد پر موقوف نہیں بلکہ ہم نے جو عالم الغیب والشہادہ ہیں، ماضی، حال، مستقبل کے زمانوں اور آن کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں کے خالق ہیں، ہم نے خود انہیں کھول کر آپ کو سکھایا ہے۔ جب قرآن اور قرآن کا بیان دونوں مُنزّل من اللہ ہیں تو دونوں کا اتّباع ہر مومن پر لازم ہوگا اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ایک کو تو واجب العمل قرار دے اور دوسرے کو ساقط العمل۔

منکرینِ سنّت نے ان علینا بیانہٗ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک حکم جو ایک جگہ قرآن میں مجملاً مذکور ہے دوسری آیت میں اس کی

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ

ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو ١٤ کئی چہرے اس روز تر و

نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُ

ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے ١٥ اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں

تفصیل درج کر دی گئی ہے اور یہی وہ بیانِ قرآن ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کو وہ تفسیر القرآن بالقرآن کی بھاری بھرکم اور رعب دار اصطلا سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم بصد ادب ان کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ سارے قرآن سے حج کرنے کا طریقہ ہی ہمیں سمجھا دیں۔ ہم ان کی فہمی کی داد دیں گے۔ اگر وہ حضرات سنت کی روشنی کے بغیر حج ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کریں گے تو نہ انہیں نویں ذی الحجہ کا تعین ملے گا، نہ طو کا طریقہ، نہ احرام کی تفصیلات، نہ دیگر ارکانِ حج کا انہیں صحیح علم ہو گا۔ ان کے اجتہاد کے مطابق ملتِ اسلامیہ کا یہ بین الاقوامی اجتماع انتشا اختلاف کی نذر ہو جائے گا۔

حج سے بھی زیادہ اہم عبادت نماز ہے۔ آپ نماز کے بارے میں قرآن کریم کی سب آیتوں کو چن کر جمع کر لیں، پھر عربی لغات کی سا کتب جو آپ کو دستیاب ہو سکتی ہیں وہ بھی فراہم کر لیں۔ مزید برآں عربی زبان کے ماہرین کی ایک جماعت کو بھی پاس بٹھالیں اور ہمیں ا الصلوٰۃ کا معنی سمجھا دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس حکم کی تعمیل ہم سے کس صورت میں چاہتا ہے۔ آپ برسوں مغز ماری کرتے رہیں سنتِ نبو مدد کے بغیر آپ آیت کے ان دو لفظوں کا معنی نہیں بتا سکتے، چہ جائیکہ سارے قرآن کو سمجھنے کا آپ دعویٰ کریں۔

قرآن اور بیانِ قرآن (یعنی سنتِ نبوی) اس آیت کے مطابق سب مُنَزَّل من اللہ ہیں۔ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ عمل کرنا چاہتے تو آپ کو دونوں پر عمل کرنا ہو گا۔ اگر آپ بیانِ قرآن کو نظر انداز کر دیں گے تو آپ کے لیے ممکن ہی نہ ہو گا کہ آپ قرآن کا اس طرح اتباع کریں جس طر اس کے نازل کرنے والے کا منشا ہے۔

اس موضوع پر فقیر کی تالیف سنتِ خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مطالعہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لیے مفید ثابت ہو گا ا بفضلہٖ تعالیٰ سارے شبہات دور ہو جائیں گے۔

١٤ عقیدۂ قیامت سے ان کے بدکنے اور برافروختہ ہونے کی حقیقی وجہ کو پھر دہرایا جا رہا ہے کہ تم دنیائے فانی کی لذت میں مگن ہو ا سے تمہاری وابستگی، عشق کا درجہ حاصل کر چکی ہے اور اس اندھی محبت نے تم کو یومِ آخرت سے بالکل غافل کر دیا ہے۔

١٥ مغضوبین اور محرومین کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مندوں کی طرف توجہ مبذول کرائی جا رہی ہے جو ساری عمر اپنے رب کی محبت اور یاد میں سرشار رہے ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے محبوبِ کریم کے عشق سے رنگین رہا اور ان کا ایک ایک سانس کے لائے ہوئے دینِ حنیف کی سربلندی کے لیے وقف رہا۔ فرمایا کئی ایسے چہرے ہوں گے جن کے حسن و جمال، تر و تازگی و شگفتگی کو د آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور وہ اپنے رب کے مشاہدۂ دیدار میں مستغرق ہو جائیں گے۔

اہلِ سنّت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ دارِ آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو اپنے دیدار سے مشرّف فرمائیں گے۔ لیکن معتزلہ، خوارج اور دیگر بدعتی فرقے اس بات کا انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ رؤیت کے لیے جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ذاتِ باری ان سے مبرّا ہے اس لیے رؤیت کا تحقّق ناممکن ہے۔ وہ کہتے ہیں رؤیت کے لیے دیکھنے والے کا بینا ہونا، جس کو دیکھا جا رہا ہے اس کا محسوس ہونا، کسی جہت میں پایا جانا، نہ زیادہ نزدیک اور نہ زیادہ دُور ہونا ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ جہت سے، محسوس ہونے سے، دُوری اور نزدیکی سے پاک ہے تو اس کی رؤیت کیسے متحقّق ہو سکتی ہے۔

اہلِ سنّت اس کا جواب دیتے ہیں کہ تم عالمِ آخرت کے حقائق کو عالمِ دنیا پر قیاس کر رہے ہو جو سراسر نادانی ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ رؤیت متحقّق ہوگی اور ان شرائط کے پائے جانے کے بغیر متحقّق ہوگی۔ کیف، جہت اور ثبوتِ مسافت کے تکلّفات کے بغیر آنکھیں ربِ رحیم کا دیدار کریں گی۔ نیز کثیر احادیث سے جو مجموعی طور پر حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، رؤیتِ خداوندی کا ثبوت ملتا ہے۔ اتنی کثیر احادیث کا انکار کیونکر ممکن ہے۔

صحیحین کی حدیث ہے جو جریر البجلی سے منقول ہے: قال کنا جلوسًا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا نظر الی القمر لیلۃ البدر فقال انکم سترون ربکم کما ترون ھٰذا القمر لیلۃ البدر لا تضامون فی رؤیتہ

ترجمہ: ہم حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک حضورؐ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چودھویں کے چاند کو دیکھ رہے ہو۔

زید ابن حارثہ کہتے ہیں کہ حضور یہ دعا مانگا کرتے: اللّٰھم انی اسئلک برد العیش بعد الموت ولذۃ النظر علی وجھک والشوق الی لقائک۔ الٰہی! میں تجھ سے موت کے بعد آرام دہ زندگی کا سوال کرتا ہوں۔ مجھے اپنے رُخِ انور کو دیکھنے کی لذّت عطا فرما اور اپنی ملاقات کا شوق بخش!

اہلِ جنّت جب لذّتِ دیدار سے محظوظ ہوں گے تو جنّت کی کسی اور نعمت کی طرف وہ توجہ ہی نہ کریں گے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اھل الجنۃ فی نعیمھم اذ سطع علیھم نور فرفعوا رؤسھم فاذا الرب تبارک وتعالیٰ قد اشرف علیھم من فوقھم وقال السلام علیکم یا اھل الجنۃ وذٰلک قولہ تعالیٰ سلام قولًا من رب رحیم۔ قال فینظر الیھم وینظرون الیہ ولا یلتفتون بشیئ من النعیم ما داموا ینظرون الیہ حتی یحجب عنھم ویبقیٰ نورہ وبرکتہ فی دیارھم رواہ ابن ماجہ والدارقطنی۔ (مظہری)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے مروی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اہلِ جنت اپنی نعمتوں سے لُطف اندوز ہو رہے ہوں گے کہ اچانک ایک نور چمکے گا۔ وہ اپنے سروں کو اٹھائیں گے، پس وہ دیکھیں گے کہ ان کا رب تبارک وتعالیٰ ان کی طرف توجہ فرما ہے اور انہیں سلام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف دیکھے گا اور وہ بندے مشاہدۂ جمالِ الٰہی میں یوں مستغرق ہوں گے کہ جنت کی نعمتوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی انہیں گوارا نہ ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر حجابِ عظمت ڈال لیں گے۔ اس کا نور اور اس کی برکت ان میں باقی رہے گی۔

اَنۡ یُّفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیۡلَ مَ

کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا ۱۶ ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک ۱۷ اور کہا جائے گا ہے کوئی جھا

رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الۡفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَ الۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾ اِ

پھونک کرنے والا۔ اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آپہنچی اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے ۱۸

رَبِّكَ یَوۡمَئِذِ الۡمَسَاقُ ﴿۳۰﴾ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی ﴿۳۱﴾ وَ لٰكِ

اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے۔ (اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی ۱۹ بلکہ اس نے (ح

ع ۱ ۱۷

۱۶ باسرۃ: کالحۃ عابسۃ شدید العبوس۔ سیاہ، بڑے ترش رُو۔ الفاقرۃ: الداھیۃ والامر العظیم۔ یقال فقرتہ الفاقرۃ

ای کثرت فقار ظھرہ۔ یعنی بہت بڑی مصیبت، ہولناک حادثہ، جو ریڑھ کی ہڈی کو توڑ ڈالے۔

۱۷ اے کفار! جو دنیوی زندگی کی خوشیوں، نعمتوں اور فائدوں کو آخرت کی ابدی سعادت پر ترجیح دے رہے ہو، یہ فعل ہرگز معقول نہ

اس کے بعد موت کا منظر پیش کیا جا رہا ہے۔ ہنسلی کی ہڈی کو التراقی کہا جاتا ہے۔ یعنی جب رُوح گلے کی ہنسلی تک پہنچ جائے گی، حکیم، طبیب

آس توڑ دیں گے، گھر والے اس کی جان بچانے کے لیے جھاڑ پھونک والے کو تلاش کر رہے ہوں گے کہ شاید اس کے کسی چھو منتر سے اس کی

جان بچ جائے لیکن مرنے والے کو معلوم ہوگا کہ جہانِ فانی سے اس کے کوچ کا وقت آپہنچا ہے اور یہ بیماری جس کے شکنجہ میں وہ کسا ہوا ہے

فراق وجدائی کا پیغام لے کر آئی ہے۔

۱۸ یا تو کمزوری کی وجہ سے پنڈلی، پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے اور آیت میں اسی حالت کو بیان کیا گیا ہے، یا محاورہ عرب کے

مطابق کہا گیا ہے کہ اس وقت جان بڑی مصیبت میں پھنسی ہوگی۔ دنیوی زندگی کے آخری لمحوں کی شدت، اخروی زندگی کے ابتدائی لمحوں کی شدت سے

مل جائے گی۔ فاتصلت الشدۃ بالشدۃ شدۃ آخر الدنیا بشدۃ اول الاخرۃ۔

۱۹ ابوجہل جو منکرینِ نبوت اور منکرینِ قیامت کا سربراہ اور نمائندہ تھا اس کا ذکر ہو رہا ہے اور اس کے ہم مسلک جو ان عیوب میں

اس کے برابر کے شریک ہیں ان کے کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ فرمایا نہ اس نے قرآن کی تصدیق کی اور نہ اس نے اپنے پروردگار کے حضور کبھی نماز

ادا کی، بلکہ ان کا یہ ہر روز کا معمول بن گیا ہے کہ جب حضورؐ قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے ہوتے ہیں تو یہ دوسرے کفار کی طرح اس مجلس میں آبیٹھتا ہے

اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے۔ پھر بڑے حقارت آمیز انداز سے منہ موڑنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم تو خیال کر رہے تھے کہ بڑی حکیمانہ

باتیں ہوں گی، یہاں آکر وقت ہی برباد کیا۔ سوائے من گھڑت قصوں کے ان کے کلام میں اور کیا رکھا ہے۔ چلو چلیں۔ وقت نہ ضائع

کریں۔

كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾

جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔ پھر گیا گھر کی طرف اکڑتا ہوا ۲۰ تیری خرابی آگئی اب آگئی ۲۱

ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾

پھر تیری خرابی آگئی اب آگئی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا ۲۲

۲۰ وہاں سے بڑبڑاتا ہوا اٹھتا ہے اور گھر روانہ ہوتا ہے، لیکن اس کی رفتار عام قسم کی رفتار نہیں ہوتی۔ اس میں غرور ہے نخوت ہے، بے پروائی ہے، بے نیازی ہے۔ غرور تو اس بات پر کہ اس نے آج محفل میں خوب باتیں کیں، ان کے کلام کے خوب بخیے ادھیڑے، عبارت آرائی کا اثر جو سامعین کو مسحور کر رہا تھا اس کو توڑ کر رکھ دیا اور بے پروائی اس لیے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کی دال نہیں گلے گی۔ چند روز تک اگر یہ ان کی محفل میں حاضر ہوتا رہا تو کوئی بھی ان کے نزدیک نہیں آئے گا، ان کی محفل سونی ہو جائے گی۔ التمطی: التبختر ومد الیدین فی المشی۔ یقال التمطی ماخوذ من المطیطة وھو الماء الخاثر فی اسفل الحوض۔ یعنی تمطی کا معنی ہے نخوت و غرور سے ہاتھ پھیلا پھیلا کر چلنا۔ ایسی چال غرور اور بے نیازی دونوں پر دلالت کرتی ہے۔

۲۱ علمائے لغت کہتے ہیں کہ اس میں دھمکی اور تہدید ہے۔ یعنی تیری مہلت کی مدت ختم ہونے والی ہے، تیری بربادی کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ معناہ التوعد والتھدد۔ ای الشر اقترب الیک۔ ثعلب نے اس کا معنی یہ بتایا ہے دنوت من الھلکة۔ تو ہلاکت کے قریب آگیا۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو تو ناپسند کرتا تھا، وہ اب تیرے قریب آگئی ہے۔ اب تو اس سے بچ کر نہیں نکل سکتا۔ قال الاصمعی اولی لک: قاربک ماتکرہ ای نزل بک یا اباجھل ماتکرہ۔

قتادہ سے منقول ہے کہ ابوجہل ایک روز بڑی متکبرانہ چال چلتا آرہا تھا۔ فخر دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ہاتھ پکڑا، اس کو جھنجھوڑا اور پھر فرمایا: اَولٰی لک فاولٰی ثم اولٰی لک فاولٰی۔ وہ بدبخت کہنے لگا کہ آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ آپ اور آپ کا رب، میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان جتنے لوگ آباد ہیں میں ان سب سے زیادہ معزز ہوں۔ جب بدر کا دن آیا تو وہ مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا۔ لا یُعبد اللہ بعد ھٰذا الیوم ابدا۔ آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہرگز پرستش نہیں کی جائے گی۔ اس وقت وہ بات پوری ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمائی تھی۔ وہ قتل کر دیا گیا اور اس کی عزت و سرداری سب خاک میں مل گئی۔

علامہ قرطبی نے اس کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے انت اولی واجدر بھذا العذاب۔ کہ تو اس عذاب کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ علامہ ابن کثیر نے خوب نکتہ آفرینی کی ہے۔ فرماتے ہیں: ای یحق لک ان تمشی ھٰکذا وقد کفرت بخالقک وبارئک: یعنی تو جو اپنے خالق اور اپنے پروردگار کو ماننے سے انکار کرتا ہے، تیرے لیے یہی چال موزوں ہے۔ تجھے یوں فخر و غرور سے ڈھلک ڈھلک کر چلنا ہی زیب دیتا ہے۔

۲۲ وہ اونٹ جو کسی چرواہے کے بغیر ہی چرنے کے لیے چھوڑ دیا جائے اسے اِبلٌ سُدًی کہتے ہیں۔ اِبل سُدًی ترعی بلا راع۔ (قرطبی) علامہ ابن منظور نے سُدًی کا معنی لکھا ہے۔ السُدٰی: المھمل ای یُترک مھملاً غیر مامور وغیر منھی۔ (لسان العرب) یعنی ایسی چیز

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَـ

کیا وہ (ابتدا میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحمِ مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے ۲۳ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بـ

فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾ اَلَـ

اور اعضا درست کیے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت ۲۴ کیا وہ (ذ

ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ۲ ع ۱۸

والا) اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو پھر زندہ کر دے ؟

جس کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے، نہ اس کو کوئی کام کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ اس کو کسی چیز سے منع کیا جائے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ انسا... جس کو ہم نے اشرف المخلوقات بنایا، اسے گوناگوں صلاحیتیں بخشیں، اس کو بالکل نظر انداز کر دینا حکمتِ الٰہیہ کے خلاف ہے۔ اگر یہ لوگ... کر رہے ہیں کہ انسان کو مہمل اور بیکار سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے گا، اس کی رہنمائی کے لیے دنیا میں اسے کوئی ضابطۂ حیات نہیں دیا جائے گا... قبروں سے اٹھا کر انہیں بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا۔ جو لوگ یہ سمجھ رہے ہیں وہ سخت نادان ہیں۔ انسان جیسی عظیم المرتبت مخلوق کو حکمتِ خدا... کیسے نظر انداز کر سکتی ہے۔

علامہ ابن کثیر اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ای لیس یُترك فی ھٰذا الدنیا مھملًا لا یُؤمر ولا یُنھٰی ولا یُترك فی قـ... سُدًی لا یُبعث بل ھو مأمور منھی فی الدنیا محشورٌ الی اللّٰہ تعالٰی فی الدار الاٰخرۃ۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ انسان کو دنیا... چھوڑ دیا جائے، نہ اسے کسی چیز کا حکم کیا جائے اور نہ اسے کسی چیز سے روکا جائے۔ اسی طرح اسے قبر میں بھی مہمل نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ اس دنیا میں اسے... احکام بجا لانے کا حکم بھی دیا گیا ہے اور بعض امور سے اسے روکا بھی گیا ہے اور قیامت کے دن اسے زندہ کر کے اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر... کیا جائے گا۔

۲۳ النطفۃ: الماء القلیل۔ (قرطبی) یعنی پانی کا قطرہ۔ پہلے قیامت کے قیام کی حکمت کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اب اس کے وقو... ناممکن کہنے والوں کی غلط فہمی دور کی جا رہی ہے کہ کائنات کی دوسری حیران کن چیزوں کو تم رہنے دو۔ ذرا اپنی تخلیق پر غور کرو۔ یہ عقدہ خود بخود کھل جائے... کہ جو قادرِ مطلق ایک قطرۂ آب سے تمہیں پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ وہ بوند جو رحمِ مادر میں ٹپکی اسی... تمہارا یہ قدِ رعنا، چاند سا مکھڑا، یہ گلاب کو شرمانے والے رخسار، یہ غزالی آنکھیں، یہ عقل و خرد، ظاہری اور باطنی حواس کی پیچیدہ مشینری، یہ مضبوط ہا... یہ لمبے لمبے ہاتھ، یہ چوڑا چکلا سینہ، سب اسی سے بنے ہیں۔ تم طاقتور خوردبینوں سے اس کا تجزیہ کرو۔ کیا تمہیں ان متنوع اعضا اور گوناگوں قوتوں... کہیں سراغ ملتا ہے۔ جو ذاتِ مقدس اس بوند میں یہ گلکاریاں کر سکتی ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا بالکل آسان ہے۔

۲۴ ذرا غور کرو تاریک رحم میں ایک بوند ٹپکی پھر اس کا منہ بند ہو گیا۔ اس کے بعد انسانی تخلیق جن پیچیدہ مرحلوں سے گزری ا...

اعضا اس میں پیدا ہو گئے ان میں موزوں قوتیں مقرر کر دی گئیں پھر انسان کو کامل الاعضاء بنا کر اس تاریک کوٹھری سے نکالا اور اس بزم کائنات میں کھڑا کر دیا۔ پھر کسی کو باپ بننے کی اور کسی کو ماں بننے کی صلاحیتیں رکھ دیں۔ وہ قوتیں جو قدرت کے غیر مرئی ہاتھوں نے اس ننھے جسم میں ودیعت کی تھیں وہ اس دنیا میں آ کر ہر جانب پھیلنے لگیں اور انسان اپنی پیہم کوششوں کے باعث آج چاند کی سطح پر اپنی عظمت کے پرچم گاڑ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا شاہکار خود حضرت انسان ہے کیا اتنی قدرت والا خدا اس بات پر قدرت نہیں رکھتا کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى

اے اللہ! تو ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔ تو مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

الٰہی! ہمارے مردہ دلوں کو بھی نعمت حیات سے بخش! ہمارے سینوں میں بھی اپنے ذکر کی شمع روشن کر دے۔ اللّٰھم اعنا علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔ وصل وسلم وبارک علی شمس الضحی بدر الدجی سیدنا ومولانا محمد المصطفی وآلہ الکرام واصحابہ الاتقیاء ومن احبہ واتبعہ الی یوم القیام۔

○

تعارف

سُورۃ الدّھر

نام: اس کو سورۃ الدہر اور سورۃ الانسان کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے اور نام بھی ہیں لیکن وہ زیادہ مشہور نہیں۔ یہ دو رکوعوں اکتیس آیتوں، دو سو چالیس کلموں اور ایک ہزار چوّن حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: اس کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے۔ "بحر المحیط" میں ہے کہ یہ جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ اور کلبی کی رائے ہے کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آیت ۲۴ کے کہ وہ مکی ہے۔ (روح المعانی)

مضامین: انسان جو آج اپنے بازو کی قوت، ساز و سامان اور مال و دولت پر نازاں ہے اور اپنے خالق کو بھول چکا ہے اسے بتایا جا رہا ہے کہ تو ہمیشہ سے ایسا نہ تھا بلکہ تجھے نیست سے ہست کیا گیا ہے اور تمہیں بخشش و کرم کی جو قوتیں عطا کی گئی ہیں ان کا مقصد تمہاری آزمائش ہے کہ کیا تم اللہ کے شکر گزار بندے بننا چاہتے ہو یا کفرانِ نعمت کر کے نافرمانوں کے گروہ میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ پھر ان انعامات کا ذکر فرمایا جو شکر گزار بندوں پر کیے جائیں گے۔

وہ دور خود بینی اور خود غرضی کا دور تھا۔ دوسروں کی خستہ حالی کو دیکھ کر رحمت و شفقت کے بجائے نفرت و حقارت کے جذبات اُمڈ آیا کرتے تھے۔ ایسے زمانے میں ان لوگوں کی توصیف فرمائی جا رہی ہے جو مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو محض اللہ کی رضا کے لیے کھانا کھلایا کرتے تھے۔ پھر ان نوازشات کا ذکر فرمایا جن سے ایسے لوگوں کو نوازا جائے گا۔ آخری رکوع میں پھر اپنے محبوب کو بتا دیا کہ یہ کتاب مقدس ہم نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ اس کی تبلیغ میں جو تکلیف آئے اس پر صبر کیجیے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہیے تاکہ روحانی قوتیں نشوونما پائیں اور حوصلے بلند رہیں۔

اس کے بعد دنیا پرستوں کے حالات بیان کیے اور ان کی کوتاہ نظری پر انہیں تنبیہ کی کہ وہ فانی زندگی کی لذتوں میں مگن رہے اور آخرت کی ابدی راحتوں کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ آخر میں بتایا کہ یہ کتاب پند و موعظت ہے اب جس کی مرضی ہے وہ اس کی نصیحتوں پر عمل کرے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۱-۴-۷۷

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اِحْدٰى وَثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

سورۃ الدہر مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ اکتیس آیات اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ۝۱

بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا ۱

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا ۢ بَصِيْرًا

بلاشبہ ہم نے پیدا فرمایا انسان کو ایک مخلوط نطفہ سے ۲ تاکہ ہم اس کو آزمائیں ۳ پس بنا دیا اس کو سننے والا دیکھنے والا

۱۔ یہاں ھَلْ استفہام کے لیے نہیں بلکہ بمعنی قَدْ ہے۔ یعنی ضرور انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھا۔

حِیْن: الزمان المطلق۔ طویل ہو یا مختصر۔ الدھر: فی الاصل اسم لمدۃ العالم من مبدأ وجودہ الی انقضائہ۔ وجود عالم کی ابتدا سے لے کر انتہا تک کے عرصہ کو دھر کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

ان الفاظ کا مفہوم سمجھ لینے کے بعد اب آیت کا معنی سمجھیے۔ ارشاد ہے کہ دنیا کی لمبی عمر میں ایک وقت ہر شخص پر ایسا گزرا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ پیدا ہونے سے پہلے تو بیچارہ معدوم تھا اس کے ذکر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ ماں کے رحم میں قرار پکڑتا تب بھی کسی کو کیا خبر تھی کہ اس حضرت کی کس نوعیت ہے۔ کس آب و تاب اور کس قدر و قیمت کا موتی پرورش پا رہا ہے اور جب وہ پیدا ہوا تو کمزور سا بچہ، نہ چل سکتے نہ بول سکتے۔ بہر حال ہر شخص پر کوئی نہ کوئی ایسا دور گزر چکا ہے جبکہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ آج اگر وہ شہرہ آفاق بن گیا ہے، آج اگر وہ لشکر جرار کا سپہ سالار ہے، آج اگر دولت و ثروت کے انبار اس کے قدموں میں لگے ہیں تو اس کو مغرور ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کو فراموش نہیں کر دینا چاہیے بلکہ ہر لحظہ اپنی اصلیت پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

۲۔ اب انسان کی پیدائش کی حقیقت بیان کی جارہی ہے۔ آیت میں غور کرنے سے پہلے دو لفظوں کی تشریح سمجھ لیں۔ نُطْفَة:
الماء القلیل یبقی فی الدلو۔ وقیل ھی الماء الصافی (لسان العرب) وہ پانی کے چند قطرے جو ڈول میں رہ جاتے ہیں۔ صاف ستھرے پانی کو بھی نطفہ کہتے ہیں۔ مرد کے مادہ منویہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اَمْشَاج: یہ جمع ہے اس کا واحد مَشِیْج ہے جیسے یتیم کی جمع ایتام۔ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ مرد و عورت کے پانی کے خلط ملط ہونے کو مشیج کہتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مرد کا پانی جو عورت کے پانی کے ساتھ مل جاتا ہے اسے مشیج کہا جاتا ہے۔ ابن سکیت کہتے ہیں: الامشاج: الاخلاط یرید اختلاط النطفۃ وھی ممتزجۃ من انواع ولذلک یولد الانسان ذا طبائع مختلفۃ۔ (لسان العرب) امشاج ان عناصر کو کہتے ہیں جن سے نطفہ کا قوام تیار ہوتا ہے کیونکہ یہ مختلف اجزاء سے مرتب ہوتا ہے۔ عناصر کے اسی تنوع کے باعث انسان کی طبائع میں اختلاف اور صلاحیتوں میں تفاوت ہوتا ہے۔

نطفہ واحد ہے۔ اس کی صفت بھی واحد ہونا چاہیے تھی۔ اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ امشاج جمع نہیں واحد ہے اور جماعے

بَصِيرًا ﴿۲﴾ إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿۳﴾ إِنَّا أَعْتَدْنَا

ہے اس کو سننے والا دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھا دیا ہے (اپنا) راستہ۔ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش۔ بے شک ہم نے

لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿۴﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ

تیار کر رکھی ہیں کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور دہکتی آگ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے

كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا

جام میں سے جس میں آمیزش ہوگی کافور کی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے (جام) پئیں گے اور جہاں چاہیں گے

مشیج کی جمع کہتے ہیں جیسے اعشار، بُرمۃ اعشار۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ لفظ اگرچہ واحد ہے لیکن یہ متعدد عناصر سے مرکب ہے اس لیے اس کے اجزا کا اعتبار کرتے ہوئے صفت جمع ذکر کر دی گئی۔

۲؎ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے انسان کو گونا گوں خوبیوں اور قوتوں سے آراستہ کر کے اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم اسے آزمائیں کہ آیا وہ ہمیں پہچانتا ہے یا نہیں، پہچان کر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔ ای نختبرہ۔ (قرطبی) نبتلیہ کا دوسرا مفہوم یہ بتایا گیا ہے کہ ہم اسے اوامر و نواہی کا مکلف کر سکیں۔ عقل، ارادہ اور اختیار کی جو قوتیں اسے دی گئی ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا بوجھ اٹھا سکے۔

۳؎ اسی لیے ہم نے اسے سمیع اور بصیر کی قوتیں بخشی ہیں۔ سمیعا: صرف سننے والا نہیں بلکہ دعوت حق کو سننے والا۔ بصیرا: صرف دیکھنے والا نہیں بلکہ دلائل قدرت کو دیکھنے والا۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے اس کو یہ صلاحیتیں عطا فرما دی ہیں۔ اب اس کی مرضی کہ وہ ان سے کام لیتا ہے یا انہیں بیکار چھوڑ دیتا ہے۔

۴؎ ہم نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنی کتابوں کے ذریعے اسے بتا دیا کہ یہ سیدھا راستہ ہے اور یہ ٹیڑھا راستہ۔ یہ ہدایت ہے یہ گمراہی ہے۔

۵؎ ہم نے اسے ہر قسم کی صلاحیتیں بخشیں، پیغمبروں کے ذریعے حق و باطل کی پہچان کرا دی، اس کے بعد ارادہ اور عمل کی آزادی بھی عطا فرما دی تاکہ ہم دیکھیں کہ کون اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت ہوتا ہے۔ شکر کرنے والا، ہمیں یاد کرنے والا، ہمارے احکام کی تعمیل کرنے والا یا احسانات و انعامات پر ناشکری کرنے والا، بغاوت اور سرکشی کی روش اختیار کرنے والا، نفس امارہ کے ہاتھ اپنی باگ دوڑ دے کر فسق و فجور کے گرداب میں غوطے کھانے والا۔

۶؎ جنہوں نے دوسری روش اختیار کی اور کفر و انکار کا طریقہ اپنایا تو ان کی گردنوں کو جکڑنے کے لیے وہ آتشیں زنجیریں ہیں جن میں انہیں جکڑا جائے گا، وہ آتشیں طوق جو ان کے گلے میں ڈالے جائیں گے اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ جس میں انہیں جھونک دیا جائے گا، ہر چیز تیار ہے۔ جب یہ بدنصیب وہاں پہنچیں گے تو انہیں ایک لمحہ بھی انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ عذاب کے یہ سامان فوراً طوق و سلاسل لے کر حاضر ہو جائیں گے۔

۷؎ ابرار کے ساتھ جو نوازش اور قدر افزائی کی جائے گی اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ چند الفاظ کی تشریح پہلے سن لیں۔ الابرار: جمع ہے اس کا واحد بَرّ ہے جو بِرّ سے مشتق ہے۔ بِرّ نیکی کرنے اور صدق و اخلاص کو کہتے ہیں۔ بعض نے ابرار کا واحد بارّ بتایا ہے لیکن بارّ کی جمع

تَفْجِيرًا ۝ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝

لے جا سکیں گے ۹ جو پورا کرتے ہیں اپنی نذریں ۱۰ اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوا ہوگا ۱۱

مشتق ہوتی ہے۔ بعض اس کو کہتے ہیں جو اپنی زندگی اپنے رب کی فرمانبرداری میں گزارے۔ ھو من امتثل امر الله۔ یعنی مومن صادق۔ کاس: اس پیالے کو کہتے ہیں جس میں شراب بھری ہو۔ ولا تسمی الکاس کاسا الا وفیھا الشراب۔ (صحاح)

مزاج: ملاوٹ، آمیزش۔ کافور: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کافور ملا ہوگا بلکہ خود تصریح فرما دی کہ کافور جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہو سکتی ہے کہ کافور کی طرح اس چشمہ کے پانی کی رنگت سفید براق ہوگی۔ اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوگی اور اس سے کافور کی مہک آ رہی ہوگی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جنت میں تشریف فرما ہوں گے تو انہیں شراب طہور کے جام بھر بھر کر پلائے جائیں گے اور اس میں جو پانی ملایا جائے گا وہ اس چشمہ کا ہوگا جس کی رنگت، خوشبو اور ٹھنڈک کافور کی مانند ہوگی۔

۹ ایسا نہیں ہوگا کہ اہل جنت کو جب پانی کی ضرورت ہو تو انہیں اپنے بالاخانوں سے نیچے اترنا پڑے۔ انہیں مشکیزے یا گھڑے بھر کر لانے کی زحمت ہو بلکہ جدھر وہ اشارہ کریں گے اس چشمہ کا پانی اس طرف بہتا چلا جائے گا۔ بلندی یا پستی یا کوئی گڑھا اور وادی اس پانی کے رواں ہونے میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔

۱۰ ابرار کو جن اعمال حسنہ اور اخلاق حمیدہ کے باعث ان نوازشات سے مالا مال کیا جا رہا ہے اب تفصیل سے ان کو بیان ہو رہا ہے۔ فرمایا ایک تو ان کا یہ معمول تھا کہ جو نذر مانتے تھے اس کو پورا کیا کرتے تھے۔ النذر کی تشریح کرتے ہوئے علمائے کرام لکھتے ہیں۔ النذر ھو ایجاب المکلف علی نفسہ من الطاعات ما لم یوجبہ الشرع علیہ۔ یعنی کسی مکلف عاقل بالغ مومن کا اپنے اوپر کسی ایسی نیکی اور عبادت کو واجب کر لینا کہ اگر وہ خود اسے اپنے اوپر لازم نہ کرے تو شرعاً اس پر لازم نہ ہو۔ اس کی تفصیلی بحث کا یہ مقام نہیں۔ اس کے لیے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ قتادہ نے النذر کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں بما فرض الله علیھم من الصلوٰۃ والزکاۃ والصوم والحج والعمرۃ وغیرھا من الواجبات۔ یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور ان کے علاوہ دیگر واجبات کو وہ پابندی سے ادا کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے اور جن نیکیوں اور اعمال کو انہوں نے خود اپنے اوپر لازم کر لیا ہے ان کو بھی پابندی سے بجا لاتے ہیں۔

۱۱ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ ہر وقت قیامت سے خائف رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ دن ضرور آئے گا۔ اس کی سختیاں اور ہولناکیاں چار سو پھیل جائیں گی۔ دور دور تک کہیں گوشۂ عافیت نظر نہیں آئے گا۔

مستطیرا: فاشیا وصف الشدۃ مستدا (قرطبی)

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا

اور جو کھانا کھلاتے ہیں ؎۱۰ اللہ کی محبت میں ؎۱۱ مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم

؎۱۰ ان کی تیسری خوبی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث اس کی حاجت مند مخلوق کی ضرورتوں کو اپنی ضرورتوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی فہرست اگرچہ طویل ہے۔ ان میں سے تین اہم اقسام کا ذکر کر دیا۔ اگر کوئی بھوکا، کوئی یتیم یا کوئی قیدی ان کے دروازے پر آ کر دستک دے تو وہ اسے دھتکارتے نہیں بلکہ اس کو کھانا کھلا کر رخصت کرتے ہیں۔

مکہ کے مادہ پرستانہ ماحول میں اس قسم کے فقیر پرور کتنی قدر کے مستحق ہوں گے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ غریبوں اور مسکینوں سے ان کی نفرت اظہر من الشمس تھی۔ حضور کے پاس اگر غریب لوگ بیٹھے ہوتے تو مشرکین اس محفل میں بیٹھنا اپنے لیے باعث ننگ سمجھتے۔ جو لوگ اس قسم کے غرباء و فقراء پر احسان کیا کرتے اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی کر رہا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو تاکہ اسلامی معاشرہ میں کوئی مسکین، کوئی یتیم اور کوئی اسیر ایسا نہ ہو جو رات کو بھوکا سوئے۔

بعض مفسرین نے ایک واقعہ کو ان آیات کی شان نزول بتایا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ایک مرتبہ حضرات حسنین کریمین بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر صحابہ عیادت کے لیے گئے۔ کسی نے یہ تجویز پیش کی اے علی! آپ نذر کیوں نہیں مانتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان بچوں کو صحت دی تو آپ نذر کو پورا کریں گے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے تین روزے رکھنے کی منت مانی۔ اسی طرح حضرت سیدۃ النساء اور آپ کی کنیز فضہ نے بھی تین روزے رکھنے کی نذر مانی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرات حسنین کو شفا بخشی۔ اب نذر کے ایفا کا وقت آ گیا۔ کاشانہ حیدری میں روزہ کے افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ چنانچہ آپ شمعون یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور تین صاع جو بطور قرض یا بعوض اجرت لے آئے۔ صبح کو سب نے روزہ رکھا۔ حضرت سیدہ نے ایک صاع جو پیسا اور اس کی پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کی نماز کے بعد حضرت علی واپس تشریف لائے تو سب اہل خانہ کھانا تناول کرنے کے لیے بیٹھے۔ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی اور کہا میں مسکین ہوں، بھوکا ہوں۔ آپ نے سب روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں اور خود سادہ پانی پی کر سو گئے۔ دوسرے روز افطار کے وقت کھانا کھانے بیٹھے تو دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ آواز آئی یتیم ہوں بھوکا ہوں۔ پھر پانچوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دی گئیں۔ تیسرے روز پھر روزہ رکھا گیا، جب کھانا کھانے بیٹھے تو ایک سائل نے آواز دی اسیر ہوں بھوکا ہوں۔ چنانچہ سارا کھانا اس کو دے دیا گیا۔ تین دن اور تین رات کے مسلسل فاقے سے بچوں کی کمزوری کی یہ حالت ہو گئی کہ چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ انہیں لے کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے۔ حضور سب کو لے کر حضرت سیدہ کے گھر تشریف لائے۔ دیکھا کہ فرط نقاہت سے حضرت سیدہ بھی ایک کونے میں گری پڑی ہیں۔ حضور سخت پریشان ہوئے۔ اسی وقت جبریل سورۃ الدھر کی یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔

لیکن اہل تحقیق نے اس روایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روایت اور درایت دونوں اعتبار سے یہ درست نہیں۔ علامہ قرطبی نے بڑی تفصیل سے اس پر جرح و تنقید کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ایک تہائی آٹا سے ایک روٹی بنا کر دے دی جاتی اور باقی چار روٹیاں پانچوں حضرات کھا لیتے۔ اسی طرح دوسرے روز اور تیسرے روز ایک سائل کو پانچوں روٹیاں دے دینے میں کوئی معقولیت نظر نہیں

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ

تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں

مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾ فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ

اپنے رب سے اس دن کے لیے جو بڑا ترش رو اور سخت ہے ۱۴ پس بچا لے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے

آل نبی معصوم بچے ویسے ہی مکلف نہیں اور بیکہ ابھی ابھی وہ بیماری سے شفایاب ہوئے ہیں ان کو لگاتار تین دن تک روزہ رکھنے کی اجازت دینا شرعاً جائز نہیں۔ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا اس کو کیسے روا رکھ سکتی تھیں۔ نیز یہ کہ اسلام نے جنگی قیدیوں کی خاطر تواضع کا حکم دیا ہے۔ ان کے کھانے پینے اور لباس کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے۔ عہد جاہلیت کے قیدیوں کی طرح انہیں بھیک مانگ کر پیٹ بھرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اسی لیے قرطبی لکھتے ہیں فهذا حديث مزوق مزيف۔ یہ حدیث من گھڑت اور ضعیف ہے۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں قال الحكيم الترمذي فهذا حديث مفتعل لا يروج الا على احمق جاهل واورده ابن الجوزي في الموضوعات حکیم ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کو صرف احمق اور جاہل آدمی ہی قبول کر سکتا ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوع احادیث میں شمار کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس کے موضوع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے اہل بیت کو جن کمالات، خصائل حمیدہ اور اعمال رشیدہ سے مشرف فرمایا ہے، جن مراتب عالیہ اور مقامات رفیعہ پر سرفراز کیا ہے انہیں اس قسم کی خلاف عقل روایات کے سہارے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان آیات کے اولین مصداق خاندان نبوت کے یہ حضرات ہیں۔ جن لوگوں نے ان نفوس قدسیہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا ہے ان پر مخفی نہیں کہ خاندان نبوت نے ساری زندگی اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضرورتوں کو فوقیت دی۔ خود تکلیف برداشت کی لیکن دوسروں کو خوش و خرم رکھا۔ اگرچہ یہ واقعہ نہیں ہوا تب بھی ان آیات کے اولین مصداق یہی حضرات ہیں۔

۱۳ حبہ کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں دو قول ہیں۔ (۱) اس کا مرجع طعام ہے یعنی انہیں خود کھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو نظر انداز کر کے دوسروں کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یعنی یہ کام وہ محض اللہ تعالیٰ کی محبت میں کرتے ہیں۔ انما نطعمکم لوجہ اللہ اسی کی تائید کرتی ہے۔ یعنی اپنے قول یا اپنے طرز عمل سے ان پر یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ اس خدمت کا وہ ان سے کوئی معاوضہ نہیں مانگیں گے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ وہ ان کا شکریہ ادا کریں اور لوگوں کے سامنے ان کی سخاوت کا تذکرہ کریں۔ انہوں نے یہ کام محض اپنے رب کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔

۱۴ وہ کہتے ہیں کہ ہم آج اپنے رب کریم کو راضی کر لینا چاہتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایک بہت سخت دن آنے والا ہے جس کی ہولناکیوں کا تصور کر کے ہمارے دل آج بھی لرز رہے ہیں۔ اگر ہم نے اپنے رب کو خوش کر لیا تو ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے روز ہمیں کوئی خطرہ نہ ہوگا

وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾

اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور ۱۵ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس ۱۶

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾

وہاں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ سخت سردی

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَيُطَافُ

اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میوے ان کے جھکے ہوئے ہوں گے نہایت جھکے ہوئے ہوں گے۔ اور گردش میں لائے جائیں گے

عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَا۠

ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس۔ وہ (شیشے) بھی ہوں گے

عبوس: اس شخص کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر بل پڑے ہوں اور اس کے چہرے سے غصہ اور وحشت برس رہی ہو۔ القمطریر: الشدید، بہت سخت، بہت کرخت، ہولناک منظر والا جس پر اس کی ہولناکی چھا جائے۔

۱۵ جن لوگوں کی یہ صفات ہوں گی اللہ تعالیٰ انہیں ہول قیامت سے محفوظ رکھے گا۔ ولقٰہم ای اعطاہم۔ ان کے چہرے پھولوں کی طرح ترو تازہ ہوں گے اور ان کے دل شاداں و فرحاں ہوں گے۔

۱۶ مومن کی ساری زندگی صبر سے عبارت ہے۔ احکام الٰہی کی بجا آوری پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، آلام و مصائب پر صبر، قضا و قدر پر صبر۔ دشمنانِ اسلام کے سامنے معرکہ کارزار میں صبر اور جنگ جیتنے کے بعد اپنے اقتدار و اختیار کے صحیح استعمال کرنے پر صبر۔ الغرض مومن کی زندگی کا کوئی گوشہ بھی تو ایسا نہیں جہاں صبر کا سلسلہ منقطع ہوتا ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہے کہ اہل ایمان نے زندگی کا سفر جس صبر و استقامت سے طے کیا، نفس کے سرکش گھوڑے کو جس عزم سے قابو میں رکھا، آج ان تمام کاموں کا انہیں صلہ ملے گا۔

یہاں سے آخر تک آیات میں ان الطاف و عنایات کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عالم آخرت میں سرفراز فرمائے گا۔ آیات کے مشکل الفاظ کی وضاحت کر دی جاتی ہے مطلب سمجھنا مشکل نہیں۔ ارائک جمع ہے، اس کا واحد اریکۃ ہے۔ اس مسہری پلنگ کو کہا جاتا ہے جو زیبائش کے لیے بچھایا جاتا ہے۔ ای السریر المحجلۃ۔ زمہریر: شدۃ البرد، سخت ٹھنڈک۔ دانیۃ: دنا یدنو سے اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے قریب، نزدیک۔ ذللت تذلیلا: ذللت ثمارہا و جعلت سہل التناول۔ کہ انگور کے گچھوں کو نیچے لٹکا دیا جائے گا اور جنتی بڑی آسانی سے انہیں توڑ سکیں گے۔ آنیۃ: جمع ہے اناء کی، ظرف، برتن۔ اکواب: کوب کی جمع ہے۔ وہ پیالہ یا پیالی جس کے ساتھ کنڈا نہ ہو۔ کانت قواریر من فضۃ کا مفہوم حضرت ابن عباس نے ان الفاظ میں بیان کیا

مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کی قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازے سے بھرا ہوگا ؎ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں ایسی شراب کے جام جس میں زنجبیل کی

زَنجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

آمیزش ہوگی۔ یہ زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے ؎ اور پھرا کرتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک

مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ

ہی حالت پر رہیں گے ؎ جب تم انہیں دیکھو تو یوں سمجھو گویا یہ موتی ہیں جو بکھیر دیے گئے ہیں۔ اور جب بھی تم وہاں دیکھو گے

رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَ

تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی ؎ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا بنا ہوا اور

ہے۔ آیت من فضة قدروها تقدیرا ... القواریر۔ یعنی یہ سارے برتن تو چاندی کے بنے ہوں گے لیکن ان میں چمک آبگینے کی سی ہوگی کہ خیال گزرے گا کہ شیشہ اور بلور ہے حالانکہ انہیں چاندی سے بنایا گیا ہے۔ پہلا قواریر کلام کے اسم اکواب کا حال ہے، دوسرا قواریر بدل ہے پہلے قواریر کا۔

؎ یعنی ساقی گری کی خدمت پر جو غلمان مقرر ہوں گے وہ بھی بڑے سلیقہ شعار اور مزاج شناس ہوں گے۔ ہر ایک کے جام میں اتنی مقدار میں شراب ڈالیں گے جتنی پینے والا چاہے گا۔ جتنی اس کی خواہش ہوگی، بالکل اتنی دے رہے ہوں گے، جس کو چند گھونٹ کی خواہش ہوگی ... اور جو زیادہ پینا چاہتا ہو اسے چند قطروں پر نہ ٹرخا دیں، جن کی دلداری اور عزت افزائی مقصود ہے وہ ان کی خواہشات کا پورا پورا احترام کریں گے۔

؎ ایک دوسری قسم کی شراب کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، ساتھ ہی بتا دیا کہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے جسے سلسبیل بھی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب شراب میں سونٹھ ملا کر پیتے تھے ... جنت میں ایک چشمہ ہے اس کا نام ... لیکن اس کے ذائقہ کی کیا ہی بات ہوگی۔

؎ یعنی لڑکے ہر وقت ان کی خدمت بجا لانے کے لیے اور ان کے احکام کی تعمیل کے لیے ان کے آگے پیچھے پھرتی سے دوڑ رہے ہوں گے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شکل و صورت اور ان کے رنگ روپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی اور جب وہ جنت کے ہزاروں اہل جنت کی خدمت میں ادھر ادھر جا رہے ہوں گے تو یوں معلوم ہوگا گویا موتیوں کی لڑی ٹوٹ گئی ہے اور اس کے تابدار دانے ادھر ادھر لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔

؎ ثم ظرف اشارہ الی المکان یعنی بہ الجنة ... وہاں تم جدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھو گے نعمتیں ہی نعمتیں نظر آئیں گی اور ایک وسیع مملکت ہوگی جو خداوند کریم نے اپنے ایک ایک بندے کو عطا کی ہے ...

اِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا

اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے ۲۱ اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ

طَهُوْرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

شراب ۲۲ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں ۲۳

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ

ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کرکے کلام نازل کیا ۲۴ اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور

الدیباج الغلیظ ، موٹا ریشمی کپڑا۔

۲۱ انہیں چاندی کے کنگن پہنائے گئے ہوں گے۔ ایک مقام پہ پہلے گزر چکا ہے کہ انہوں نے سونے کے کنگن پہن رکھے ہیں۔ ان میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ ان کے پاس سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کنگن ہوں گے۔ جب ان کا جی چاہے گا سونے کے اور جب جی چاہے گا چاندی کے کنگن پہن لیں گے یا انہوں نے دونوں قسم کے کنگن پہن رکھے ہوں گے۔

۲۲ دو قسم کی شرابوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ایک وہ جس میں کافور کے چشمے کا پانی ملا ہو گا۔ دوسری وہ جس میں زنجبیل کے چشمے کا پانی ملا ہو گا۔ اب تیسری قسم کی شراب کا ذکر ہے لیکن اس میں وہ خصوصیتیں نہیں جو پہلی دو قسموں میں تھیں یعنی پانی ملا ہوا۔ اس شراب کو شراب طہور کہا گیا ہے۔ نیز اس کو پلانے والا خود رب العالمین ہے۔ اسی لیے حضرت یعقوب چرخی لکھتے ہیں:

"سابقین و مقربان حضرت حق جل جلالہ از زیر عرش قدح ہائے شراب طہور بستانند و تشنگان راز و جندہ و ساقیان را غلمان و جنت چوں از شراب بہشتی بگرند مست ذوالجلال گردند مر ایشاں را تحقیقا بہشت شوند بہ بہشت حق تعالیٰ را زیارت کنند ۔۔۔ اللھم ارزقنا واجعلنا بکرمک من المقربین۔" (تفسیر چرخی)

یعنی سابقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے نیچے سے شراب طہور کے بھرے ہوئے پیالے عطا فرمائے گا۔ دوسرے لوگوں کو فرشتے پلائیں گے اور عام لوگوں کے ساقی غلمان ہوں گے۔ جب وہ بہشت کے شراب پئیں گے تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں مست ہو جائیں گے۔ یہ دوں کو الست دیں گے۔ بہشت میں پہنچیں گے جنت میں حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ الٰہی! ہمیں بھی محض اپنے لطف و کرم سے مقربین میں شامل فرما۔

۲۳ یہ فرشتوں یا حوروں کی طرف سے کہا جائے گا کہ تمہارے ان مخلصانہ اعمال کی جزا ہے اور تمہیں مبارک ہو کہ اس کریم و رحیم نے محض اپنے رحم و کرم سے تمہارے ناقص اعمال کو قبول فرما لیا ہے۔ ایک بندے کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا اور کیا مقام ہو گا جب اسے یہ مژدہ سنایا جائے گا۔

۲۴ کفار کی طرف سے بہ اصرار حضور کو خیر کے فن کا امام بنا دیا تھا۔ جب اور کوئی اعتراض کارگر ثابت نہ ہوا تو کہنے لگے کہ یہ قرآن کو یہ بہت کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے حالانکہ ان کا اپنا اختراع کردہ ہے۔ اگر خدا کی طرف سے ہوتا تو سارے کا سارا یکبارگی نازل ہو جاتا۔

لَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

کہنا نہ مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا ۲۵ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی ۲۶

وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۝ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ

اور رات کے کچھ حصہ میں بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کا طویل وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت

الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَ

کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو ۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور

شَدَدْنَا أَسْرَهُمْ ۖ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ۝ إِنَّ هَٰذِهِ

ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں ۲۷ اور جب ہم چاہیں گے ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں ۲۸ بے شک یہ ایک

موسیٰ علیہ السلام کو تورات ایک مرتبہ دی گئی تھی۔ یہ چونکہ تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے ہیں اس لیے جتنا گھڑتے ہیں اسے آکر سنا دیتے ہیں کبھی کم کبھی زیادہ۔ ان کے اس الزام کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے اپنی حکمت کے مطابق اس کو بتدریج نازل کیا۔ چنانچہ حالات و واقعات کے حسب حال اور حسب ضرورت نازل کرنے میں بے شمار حکمتیں ہیں۔

۲۵ اے حبیب! آپ کو اپنے رب کا جو حکم ملے اس کی پابندی کرتے رہیے کسی کی مخالفت کی ہرگز پروا نہ کیجیے۔ یہ بدکار اور احسان فراموش آپ کو اگر اپنے فرائض سے منحرف کرنا چاہیں تو آپ ان کا کہنا ہرگز نہ مانیں۔

۲۶ مومن کی طاقت کا سرچشمہ اور اس کی قوت کا راز ذکر الٰہی میں پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اپنے نبی کریم کو صبر کی تلقین فرمانے کے بعد اب ذکر کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے۔ وہ شخص جو اپنے رب کا ذکر کثرت سے کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جاتی ہے اور جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہو جائے [illegible] بکرۃ سے مراد نماز فجر ہے اور اصیل زوال سے غروب کے وقت تک کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ظہر اور عصر کی نماز اور من اللیل سے مغرب و عشاء کی نماز اور وسبحہ لیلا طویلا سے تہجد کی نماز مراد ہے۔

۲۷ اسر کا معنی ہے ایک چیز کو دوسری کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دینا۔ شدت اسر کا معنی ہے انسان کے مختلف اعضا کو ایک دوسرے کے ساتھ پٹھوں، ریشوں اور رگوں کے ذریعے [illegible] اس کے باوجود ایک دوسرے سے [illegible] اگر انسان اسی ایک بات پر غور کرے تو شکوک و شبہات کے تاریک بادل چھٹ جائیں گے۔

۲۸ اس کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ہلاک کر دیں، نیست و نابود کر دیں اور ان کی جگہ کوئی نئی قوم پیدا کر دیں۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ان کے چہروں کی رنگت اور خد و خال کو مسخ کر دیں [illegible] کہ دیکھنے والے اسے پہچان ہی نہ سکیں۔

تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ إِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ إِلَّآ

نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ ۲۹ اور (تمہارے چاہنے سے) تم کچھ نہیں چاہ سکتے مگر

أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۳۰﴾ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اس کے کہ اللہ خود چاہے ۳۰ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے ۳۱ جس کو چاہتا ہے اپنے دامن رحمت

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَالظّٰلِمِيْنَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۳۱﴾

میں داخل کر لیتا ہے ۳۲ اور ظالموں کے لیے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب۔

۲۹ یہ قرآن ایک نصیحت ہے جس کا جی چاہے اس نصیحت کو قبول کرے۔ ہدایت کی اس روشنی میں سفر طے کرتا ہوا قرب و رضا کی منزل تک پہنچ جائے اور جس کا جی چاہے خواب غفلت میں پڑا رہے۔

۳۰ یہ بات بتا دی کہ صرف تمہاری خواہش اور ارادہ سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک میری مشیت تمہاری سعادت مندی کا فیصلہ نہ کرے اس وقت تک تمہاری کوششیں اور اعمال تمہاری بہبود کا سبب نہیں بن سکتے۔ جب توفیق الٰہی دستگیری فرماتی ہے تو ذرہ آفتاب نظر آتا ہے، قطرہ سمندر بن جاتا ہے، دل میں شوق کا طوفان امڈنے لگتا ہے، طلب کی ساری مشکلیں سہل ہو جاتی ہیں اور محبوب الٰہی کی بارگاہ عالیہ تک پہنچ کر ہی دم لیتا ہے۔

۳۱ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس بندے کے دل میں طلب صادق ہے اور کس کے دل میں اضطراب ہے کہ کب اپنا جلوہ دکھائے اور کب آنکھیں اس جمال جہاں آرا سے روشن کرے۔ وہ حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

۳۲ جس کو چاہتا ہے گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کے نور سے منور کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے ہجر و فراق کی تاریکیوں سے رہائی بخش کر اپنے وصال کی دولت سے شاد کام کر دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے غفلت کی نیند سے بیدار کر کے اپنی یاد کی نعمت سے مالامال کر دیتا ہے۔

○

اللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّيْ لَكَ الْمُلْكُ تَفْعَلُ مَا تَشَاءُ بِيَدِكَ نَاصِيَتِيْ كُنْ لِيْ رَؤُوْفًا رَحِيْمًا، فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيِّيْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَاحْشُرْنِيْ تَحْتَ لِوَاءِ حَبِيْبِكَ الْمُكَرَّمِ وَرَسُوْلِكَ الْمُعَظَّمِ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

○

تعارف

سورۃ المرسلت

نام: اس کا نام المرسلت ہے جو اس سورۃ کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں دو رکوع، پچاس آیتیں، ایک سو اسی کلمے اور آٹھ سو سولہ حروف ہیں۔

نزول: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: متعدد چیزوں کی قسمیں کھا کر ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ پھر قیامت برپا ہونے کے ہولناک منظر کو بیان کیا گیا ہے۔ آیات نمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ میں ایک سنتِ الٰہی ذکر کی گئی ہے کہ جو شخص راہِ راست کو چھوڑ کر بادیۂ ضلالت میں بھٹکتا ہے۔ فسق و فجور کے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اس کی مخلوق پر ظلم اور تشدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہلاک و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد انسان کی تخلیق پھر اس کی بقا اور نشوونما کے لیے جن اسباب و وسائل کی ضرورت ہے ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اور آیت انتیس سے لے کر آخر تک کفار کے ساتھ روزِ حشر جو معاملہ کیا جائے گا اس کو بیان فرما دیا۔ ساتھ ہی آیت نمبر اکتالیس تا چوالیس میں متقین پر جو عنایات اور نوازشات کی جائیں گی وہ بتا دیں تاکہ لوگ دونوں گروہوں میں سے جس گروہ میں شامل ہونا چاہیں سوچ سمجھ کر شامل ہوں۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۲۲ ۔ ۴ ۔ ۷۷

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ خَمْسُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ المرسلات مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — پچاس آیات اور دو رکوع ہیں۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳

ان ہواؤں کی قسم جو پے درپے بھیجی جاتی ہیں[1] پھر ان ہواؤں کی قسم جو تند و تیز ہیں اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝۴ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶ اِنَّمَا

پھر ان کی جو بادلوں کو جدا جدا کر دینے والی ہیں پھر ان کی قسم جو دلوں میں ذکر الٰہی ڈالنے والی ہیں حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔ بے شک جس

تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹

بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے[2]

[1] صدر الافاضل حضرت مولانا محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی فرماتے ہیں:

ان آیتوں میں جو قسمیں مذکور ہیں ان پانچوں صفات کے موصوفات کا ظاہر میں ذکر نہیں۔ اس لیے مفسرین نے ان کی تفسیر میں بہت وجوہ ذکر کیے ہیں۔ بعض نے یہ پانچوں صفتیں ہواؤں کی قرار دی ہیں۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ بعض نے ملائکہ کی، بعض نے آیات قرآنی کی، بعض نے نفوس کاملہ انبیاء کی جو تکمیل کے لیے ابدان کی طرف بھیجے جاتے ہیں پھر ریاضتوں کے جھونکوں سے ماسوائے حق کو اڑا دیتے ہیں پھر تمام اعضاء میں اس کا اثر پھیلاتے ہیں پھر حق و باطل میں تفریق کرتے ہیں اور ذات الٰہی کے سوا ہر شے کو ہلاک دیکھتے ہیں پھر ذکر کا القاء کرتے ہیں اس طرح کہ دلوں میں [illegible] اور ایک وجہ یہ ذکر کی ہے کہ پہلی تین قسموں سے ہوائیں مراد ہیں اور باقی دو سے فرشتے۔ اس تفسیر پر معنی یہ ہیں کہ قسم ان ہواؤں کی جو لگاتار بھیجی جاتی ہیں پھر زور سے جھکڑ کی طرح چلتی ہیں ان سے مراد عذاب کی ہوائیں ہیں اور ناشرات سے مراد وہ رحمت کی ہوائیں جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ اس کے بعد جو صفتیں مذکور ہیں وہ قول دیگر پر صفات ملائکہ کی ہیں۔ ان کے علاوہ [illegible] سے جو بات ذکر کی گئی ہے۔ (خزائن العرفان)

[2] جب قیامت برپا ہوگی تو کائنات کا سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا۔ ان گنت ستارے جو روشن چراغوں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں سب بے نور ہو جائیں گے۔ یہ آسمان کی نیلگوں چھت جس میں ہزاروں سال گزرنے کے باوجود بوسیدگی اور شکستگی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہوئی اس میں شگاف اور دراڑیں پڑ جائیں گی اور یہ فلک بوس پہاڑ جن کے تذکرے زبان زد خلق ہیں، غبار بن کر بکھر جائیں گے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ مختلف اوقات میں اور مختلف امتوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول اپنی اپنی امتوں پر گواہی دینے کے لیے وقت مقرر پر اکٹھے ہو جائیں گے۔

وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ﴿١١﴾ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿١٢﴾

اور جب پہاڑ (دھنک) بنا کر اڑا دیے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا (تو قیامت آجائے گی) کس دن کے لیے یہ ملتوی کیا گیا ہے؟ ۶

لِيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿١٣﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿١٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

فیصلے کے دن کے لیے۔ اور (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٥﴾ أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ

جھٹلانے والوں کے لیے ۷ کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے ۸ پھر ہم ان کے پیچھے بھیج دیں گے بعد

اس ہولناک منظر کے ذکر سے مقصود ان لوگوں کو اس دن سے ڈرانا ہے جو خواب غفلت میں پڑے ہوئے اپنی زندگی کے قیمتی لمحوں کو برباد کر رہے ہیں۔

۶ یہ مذکورہ بالا واقعات کب رونما ہوں گے؟ اس کے لیے کون سی تاریخ اور کون سا دن مقرر کیا گیا ہے۔ بتایا کہ ان کے لیے یوم الفصل کی تاریخ مقرر ہے۔ اے سننے والے! تم یوم الفصل کی حقیقت کو کیا سمجھ سکتے ہو۔ یہ وہ دن ہوگا جب تمام تنازعات تمام جھگڑوں اور سارے اختلافات کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

۷ اس روز بڑی تباہی اور ہلاکت کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑے گا جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں، جو وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں اور اسے ناممکن یقین کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں مشکل الفاظ کی تشریح:

طُمِسَت: ذهب نورها، يقال طمس الشيء اذا ذهب اثره۔ یعنی طمس یطمس طموساً سے ہے۔ طُمِسَت کا مطلب یہ ہوگا کہ ستاروں کا نور جاتا رہے گا یا ان کی روشنی ختم ہو جائے گی جس سے وہ بے نور ہو جائیں گے۔ النسف: تفريق الاجزاء وحتى تذروها الرياح۔ کسی چیز کو ریزہ ریزہ کر کے ہوا میں اڑا دینا کہ اس کے اجزاء الگ الگ ہو جائیں۔ فُرِجَت: شُقّت فصارت بها فروج۔ کسی چیز کا پھٹ جانا، اس میں دراڑیں اور شگاف پڑ جانا۔ ویل: مصدر بمعنى حلول الشر والهلاك۔ یہ مصدر ہے اور اس کا معنی ہے تباہی اور ہلاکت نازل ہو گئی۔

۸ اہل مکہ جو بڑی شدت سے وقوع قیامت کا انکار کیا کرتے تھے انہیں بتایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کے انجام پر غور کریں اور اس کی وجہ تلاش کریں تو انہیں قیامت پر ایمان لانے میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ عاد، ثمود، قوم نوح، قوم فرعون جیسی طاقتور قومیں دنیا میں کسی سے کم نہ تھیں۔ دولت و ثروت کے جو انبار ان کے پاس تھے ان کے پاس لشکر جرار تھے ان کے سیاسی تدبر کا اور جنگی تجربہ کا ... ان کے پاس ... اپنے زمانے کے معیار کے مطابق وہ علوم و فنون میں کسی قوم سے پیچھے نہ تھے ان کی ... معاشرت بھی ... لیکن اگر ان چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان قوموں کو تب ... عزت و اقبال سے زندگی بسر کرنا چاہیے تھی ان کے

الْآخِرِينَ ﴿١٧﴾ كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

پیچھے آنے والوں کو۔ گنہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہو گی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿١٩﴾ أَلَمْ نَخْلُقكُّم مِّن مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِي

جھٹلانے والوں کے لیے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک

قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿٢١﴾ إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَادِرُونَ ﴿٢٣﴾

محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ۔ ایک معین مدت تک ۔ پھر ہم نے ایک اندازہ مقرر فرمایا پس ہم کیا خوب اندازہ فرمانے والے ہیں

اقتدار کو دوام نصیب ہو گا لیکن اہل بصیرت جانتے ہیں کہ انہیں کس طرح تباہ کر دیا گیا۔ آخر کس وجہ سے انہیں تباہ کیا گیا؟ یہ ممکن ہے کہ ان کے کمال یا ان کی ہنر مندی میں کمی ہو۔ ان کے اخلاق بہت بگڑے ہوئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے کمزوروں پر ظلم و ستم ڈھانا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ عیش و عشرت میں بے دریغ دولت لٹاتے تھے اور معصوم انسانوں کو بڑی بے دردی سے لوٹتے تھے۔ [illegible] کہ ان کے ہلاک ہونے کا سبب یہی تھا کہ انہیں اپنے محاسبہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔ اگر انہیں یہ خیال ہوتا کہ ایک دن انہیں اپنے سب کئے دھرے کا حساب دینا ہے تو وہ فسق و فجور میں غرق نہ ہو جاتے۔ روز حساب سے بے فکر ہو کر وہ فسق و فجور کی دلدل میں دھنستے چلے گئے یہاں تک کہ ان کی بداعمالیوں کے طبعی نتائج اس دنیا میں ہی ظاہر ہو گئے اور انہیں تباہ و برباد کر دیا گیا۔ اے اہل مکہ! اگر تم بھی اسی قسم کے ہولناک انجام سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو اپنی اس روش کو ترک کر دو اور اگر تم اپنے آپ کو تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے تو روز قیامت پر ایمان لاؤ اور محاسبہ کے تصور سے ہی تمہارے بگڑے ہوئے دماغ درست ہو سکتے ہیں۔

لے اپنی قدرت و حکمت کے ان شاہکار کرشموں کا ذکر کر کے وقوع قیامت کے امکان کی طرف انہیں متوجہ کیا جا رہا ہے۔ فی قرار مکین کے کلمات خوب ہیں۔ رحم مادر میں جب نطفہ قرار پکڑتا ہے تو اس کی حفاظت کے کتنے مکمل اور بے شمار انتظامات کیے جاتے ہیں کہ وہ تمام تغیرات کے نازک ترین مرحلوں سے بخیر و خوبی گزرتا رہتا ہے۔ [illegible] ماں اپنے گھر کے کام کاج میں معروف رہتی ہے بلکہ مشقت کے کام بھی کیا کرتی ہے لیکن کسی غیر معمولی حادثہ کے سوا حمل کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ایسے خوفناک بوجھ کو بھی اٹھائے رکھتی ہے۔ اسے حرکت کرنے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوتی۔ ان امور پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا یقین ہو جاتا ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جو خالق حکیم اور قادر مطلق یہ سب کچھ کر سکتا ہے اس کے لیے قیامت کا برپا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

۲ اس عورت کے رحم میں اس کے بچے کی پرورش کی مدت جاننے کے لیے ابھی سائنس نے بھی کوئی آلہ ایجاد نہیں کیا۔

۳ یعنی ہم نے اس کے جسم میں تمام اعضاء کا اندازہ کر لیا جلد و ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ ساتھ ہی اس کا کام سے

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٤﴾ أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ ك کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی۔

أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ وَأَسْقَيْنَاكُم

زندوں اور مردوں کو۔ ك اور ہم نے بنا دیے اس میں بہت اونچے اونچے پہاڑ ك اور ہم نے پلایا تمہیں

بشریہ کے ان مراحل کا اندازہ کر لیا گیا ہے۔ عن ابن مسعود قال حدثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهو الصادق المصدوق ان خلق احدكم يجمع في بطن امه اربعين يوما نطفة ثم يكون علقة مثل ذلك ثم يكون مضغة مثل ذلك ثم يبعث الله ملكا باربع كلمات فيكتب عمله واجله ورزقه وشقي او سعيد ثم ينفخ فيه الروح. (متفق عليه)

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا جو سچے ہیں اور آپ کی تصدیق کی گئی ہے کہ تم میں سے ہر ایک کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ چالیس دن تک وہ اپنی ماں کے شکم میں نطفہ کی صورت میں رہتا ہے۔ پھر اتنی مدت وہ لوتھڑے کی شکل میں رہتا ہے پھر اتنی مدت وہ گوشت کا ٹکڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ چار باتوں کے ساتھ ایک فرشتہ کو مبعوث کرتے ہیں۔ اس وقت اس کا عمل، اس کی موت کا دن، اس کا رزق اور یہ بات کہ وہ بدبخت ہے یا نیک بخت لکھ دیا جاتا ہے پھر اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

ك جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس شاہکار کو دیکھتے ہیں اور پھر اس کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور قیامت کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے قیامت کے دن تباہی و بربادی کے سوا اور کیا ہوگا۔

ك اے قیامت کا انکار کرنے والو! ہماری قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا مشاہدہ کرو۔ دیکھو زمین کو ہم نے اس طرح پیدا فرمایا ہے کہ کیا زندہ اور کیا مردہ مخلوق اس کے دامن میں سمائی ہوئی ہے۔ ہر قسم کے جانداروں کے لیے ان کے مزاج کے مطابق رزق کا اہتمام یہیں سے ہوتا ہے۔ گوشت خوروں کے لیے گوشت، سبزی خوروں کے لیے طرح طرح کے چارے، سبزیاں، ترکاریاں، ہزاروں قسم کے پھل پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر انسان کی اپنی بے تدبیریاں اور حرص و ہوا کا دخل نہ ہو تو یہاں کسی کو خوراک کی قلت کی شکایت نہ رہے۔ چھوٹے چھوٹے کاشانوں اور سربفلک عمارتوں کی تعمیر کے لیے جس قسم کے سامان کی ضرورت ہو وہ بآسانی دستیاب ہو سکتا ہے۔ جب یہاں سے اپنی زندگی کے مقررہ دن پورے کر کے کوئی رخصت ہوتا ہے تو یہی زمین جو اس کا بوجھ اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے تھی اپنا سینہ چیر کر اسے اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔

ك ہماری حکمت کا مزید نظارہ کرنا چاہو تو ان فلک بوس پہاڑوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو ان کے پہلوؤں میں قیمتی معدنیات کے انبار لگے ہیں کہیں تانبہ ہے، کہیں کوئلہ، کہیں المونیم ہے، کہیں چاندی، کہیں سونا ہے اور کہیں فولاد۔ ان کی برف سے سدا سفید رہنے والی چوٹیاں، تمہارے لیے میٹھے اور ٹھنڈے پانی کی بہم رسانی کے مرکز ہیں۔ چشمے ابل رہے ہیں، ندیاں بہہ رہی ہیں اور دریا رواں دواں ہیں۔ پہاڑوں کے دامن میں قد آور درخت اگتے ہیں جو مکان بنانے کے کام آتے ہیں۔ ان میں ان گنت جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں جو تمہارے امراض کے لیے اکسیر

مَآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى

میٹھا پانی پلایا ۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۲۹ (انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ)

مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ

کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۳۰ چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں

شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ

والا ہے ۔ جو نہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپیٹ سے ۔ وہ (آگ) تو پھینکے گی (ایسے بڑے بڑے) انگارے

محروم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ ملکوں کی قدرتی حد بندیاں، دوسروں کے تسلط میں ان کو غیر معمولی دخل ہے۔ دشمنوں میں ان کا منصب کس کس کی قسمت کو بگاڑ سکتے ہیں۔ پھر ہماری رحمت کا یہ پہلو بھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ رہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر یہ پانی برف بن کر جمع رہتا ہے۔ وہاں سے یہ ندیاں بہہ کر نیچے آتی ہیں، میدانوں میں بھی دریا اور نہریں رواں ہیں اور جہاں یہ نہیں وہاں کنوئیں کھود کر ٹیوب ویل نصب کر کے تم پانی کے زیر زمین خزانے سے سیراب ہو سکتے ہو۔

۳۰ اگر ان کھلی دلیلوں کے باوجود تم قیامت کا انکار کرتے رہو تو یاد رکھو تم پر ایسی تباہی نازل ہوگی کہ تم خود برباد ہو گئے اس کے مستحق ہو گئے۔ ...... کوئی چیز لپیٹ لی جائے سمیٹ لیا جائے تم سے کفات کہتے ہیں۔ ......

فُراتًا: عذبًا شیریں۔

۳۱ جب قیامت برپا ہوگی اور وہ منظر سامنے ہوگا کہ کسی صاحب عقل سلیم کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہے گی۔ اس وقت منکرین قیامت کو حکم دیا جائے گا چلو اس جہنم کی طرف جس کا تم انکار کیا کرتے تھے چلو اس سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں ...... سایہ کا ذکر ہے جب کسی کو تپش سے نجات مل جائے۔ بظاہر اس سے معلوم ہوتا ہے حقیقت میں یہ دھواں ہوگا بہت بڑا دھواں ہے۔ اگر کوئی بھاگ کر اس کے نیچے پناہ لینا چاہے گا تو اسے پتہ چل جائے گا کہ اس کی کوئی چھاؤں نہیں ہے اس کے نیچے کھڑے ہونے سے کوئی ٹھنڈک محسوس نہیں ہوگی۔ تنور سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو آپ دیکھیں تو پہلے وہ ایک ستون کی طرح اٹھتا ہے جب وہ فضا میں بلند ہوتا ہے تو اس کی کئی شاخیں الگ الگ بنتی ہیں۔ دوزخ سے جو دھواں اٹھے گا اس کی تین شاخیں ہوں گی۔

كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

جیسے محل۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں ۳۰؎ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ۳۱؎

هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾

یہ وہ دن ہوگا جس میں وہ بول نہ سکیں گے ۳۲؎ اور نہ انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ عذر پیش کریں ۳۳؎

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾ هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ

تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے ۳۴؎ بدلے کا روز، یہ فیصلہ کا دن ہے جس میں ہم نے تمہیں اور

وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِن كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اگلوں کو جمع کر دیا ہے ۳۵؎ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو ۳۶؎ تباہی ہوگی اس روز

۳۰؎ یہاں آخرت میں جہنم کی ہولناکی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اس کی آگ سے جو شرارے اٹھیں گے وہ اتنے بڑے بڑے ہوں گے جیسے کوئی شاہی محل ہو۔ بلکہ جیسے جھکڑ چلیں گے ان کے شرارے اونچے ہوں گے اور ان کی رنگت زرد ہوگی، دیکھنے والا یہ سمجھے گا جیسے زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار جنگل میں پھیل گئی ہو۔ پہلے ان کے حجم کا ذکر کیا اب ان کی زرد رنگت کی کیفیت بیان کی۔ بعض نے صفر کا معنی سیاہ بھی کیا ہے۔

۳۱؎ جنہوں نے اتنے خوفناک دن اور ایسے دردناک عذاب کو دنیا میں تسلیم نہ کیا بلکہ اس کا انکار کرتے رہے اور اس کا مذاق اڑاتے رہے وہ خود ہی بتائیں کہ قیامت کے روز ان کے حصہ میں تباہی، رسوائی اور ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

۳۲؎ اس روز ان مکذبین کا کیا حال ہوگا۔ فرط خوف کے باعث زبانیں گنگ ہو جائیں گی۔ قوت گویائی سلب ہو جائے گی۔ جو وقت قینچی کی طرح تیز چلنے والی زبانیں ایک لفظ بھی نہ بول سکیں گی۔

۳۳؎ دنیا میں یہ بہانہ سازی کے فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے جب کہیں پھنس جاتے کوئی نہ کوئی ایسا عذر تراشتے کہ ان کی گلو خلاصی ہو جاتی۔ ان کو اپنی اس قابلیت پر بڑا ناز تھا اور اسی چیز نے انہیں بدکاریوں پر دلیر کر دیا تھا۔ دنیا میں تو بے شک ان کی یہ مہارت مسلم تھی لیکن قیامت کے دن ان کے لبوں پر مہر لگا دی جائے گی اور انہیں کسی قسم کا عذر بہانہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۳۴؎ جب وہ اس طرح پھنسے ہوں گے تو ان کی تباہی و بربادی میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔

۳۵؎ انہیں کہا جائے گا یہ کوئی بازار نہیں، یہ [illegible] کا میلہ نہیں، یہ [illegible] اور [illegible] تمہارے لیڈر [illegible] کر جو کسی [illegible] آنے [illegible] جاتے۔ یہ حشر [illegible] کے آخری فیصلہ کا دن ہے۔ یہاں کسی بدکار [illegible] کو [illegible] کی اجازت

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ

جھٹلانے والوں کے لیے۔ ۲۱؎ بے شک پرہیزگار اللہ کی رحمت کے سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (وہاں) پھلوں میں ہوں گے

مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا

جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾ كُلُوا

یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو۔ ۲۲؎ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ ۲۳؎ (اے منکرو!) اب

نہیں مل سکتی۔

۱۹؎ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب ان پر فرد جرم ثابت ہو جائے گا۔ فرشتوں کے لکھے ہوئے صحیفے بلکہ ان کے اپنے ہاتھ پاؤں ان پر گواہی دے چکے ہوں گے۔ اس سے پہلے تو وہ بڑے بڑے سوالات اٹھائیں گے۔ کبھی کہیں گے ہم دنیا میں دن بھر کے لیے گئے اور واپس بلا لیے گئے۔ اس قلیل مدت میں ہم کیا کرتے۔ کبھی کہیں گے کہ ہمارے پاس آپ کا بھیجا ہوا کوئی رسول نہیں گیا اور نہ کسی نے ہم کو خواب غفلت سے جگایا ہے اور بعض گناہ اور بدکاریاں تو اپنے آپ کو بالکل معصوم ہی ظاہر کریں گے کہ ہم نے زندگی بھر کوئی نافرمانی نہیں کی۔ کوئی حکم عدولی نہیں کی۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن جب دلائل سے ان کا مجرم ہونا ثابت ہو جائے گا اس وقت ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔

۲۰؎ تمہیں چالاکی اور عیاری پر بڑا گھمنڈ تھا۔ دنیا میں تم اپنے دشمنوں کے خلاف بڑی خطرناک چالیں چلا کرتے تھے۔ اے بڑے عیارو! بڑے چالبازو! اگر تمہاری پٹاری میں کوئی مکر، کوئی چال ہو تو اسے باہر نکال لاؤ اور اسے ہمارے خلاف استعمال کرو۔ ہم بھی تو دیکھیں تمہیں اس فن میں کتنا کمال حاصل ہے۔ یقیناً اس وقت انہیں جان کے لالے پڑے ہوں گے۔ بھڑکتے ہوئے دوزخ کو سامنے دیکھ کر ان پر جو جانکنی کی کیفیت طاری ہوگی بجز خاموشی کے کوئی چارہ نہ ہوگا۔

۲۱؎ اس دن جھٹلانے والوں کے حصہ میں جو ہلاکت و تباہی ہوگی وہ آج کیوں اس تباہی سے بچنے کے لیے فکر نہیں کرتے۔

۲۲؎ مجرموں کے ساتھ تو یہ سلوک ہوگا لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گزاری، اس کے احکام کی پابندی کرتے رہے، قیامت کے خوف سے ہمیشہ ان کے دل لرزتے رہے۔ ان پاکباز اور نیک بخت لوگوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا اب اس کا بیان ہو رہا ہے۔

۲۳؎ اہل جنت کے ذکر کے بعد اس جملے کو دہرانے میں کیا حکمت ہے، علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حیث نال اعداءهم هذا الثواب العظیم وهم بقوا فی العذاب الالیم۔ یعنی ان کے دشمن جن کو زندگی بھر وہ ستاتے رہے ہیں ان پر لطف و کرم ہو رہا ہے اور یہ

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾

کھا لو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو۔ ۲۴ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ

اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے ۲۵ تباہی ہوگی اس روز

لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾ ع ۲ ۲۲

جھٹلانے والوں کے لیے ۲۶ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے؟ ۲۷

طرح طرح کی انگشت نمائیاں کرتے رہتے۔ ان کو حقیر و نادان سمجھتے تھے۔ وہ آج اپنے پروردگار کے پاس ہر قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ فرشتے، غلمان اور حوریں ان کی ناز برداریاں کر رہی ہیں اور یہ جو بڑے معزز اور محترم بنے ہوئے تھے، آج اس ذلت میں گرفتار ہیں۔

۲۴ سورت کے اختتام سے پہلے منکرین قیامت کو پھر جھنجھوڑا جا رہا ہے کہ طرح طرح کے لذیذ کھانے خوب سیر ہو کر کھا لو، تیری حویلیاں اور کوٹھیاں جو تمہیں حاصل ہیں اور جو عیش و عشرت کا سامان تمہیں میسر ہے اس سے بھی جی بھر کر لطف اٹھا لو، یہ مہلت چند روزہ ہے۔ درحقیقت تم بدترین مجرم ہو۔ صرف مہلت کی مدت گزرنے اور مقررہ گھڑی آنے کا انتظار ہے۔ تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔

۲۵ یعنی کفار کو جب کہا جاتا ہے کہ سرکشی اور نافرمانی کی روش ترک کرو اور اپنے رب کے حضور میں تواضع و انکساری اختیار کرو، اس کے احکام کے سامنے اپنی اکڑی ہوئی گردنیں جھکا دو۔ اس کے رسول کے فرمان کو قبول کر لو اور نمازیں پڑھا کرو تو انہیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ نماز کو ادا کرنے کے لیے ان کے دل میں شوق پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ارکعوا سے مراد پوری نماز ادا کرنا ہے۔ نماز کو رکوع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی ثقیف کو جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور نماز کا طریقہ بتایا تو کہنے لگے کہ ہم ایسی نماز نہ پڑھیں جس میں یہ رکوع اور سجود ہو۔ ہم جیسوں کے لیے یوں جھکنا اور پھر زمین پر منہ کے بل گر پڑنا بڑے عیب کی بات ہے تو رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لا خیر فی دین لیس فیہ رکوع ولا سجود۔ اس دین میں کوئی خوبی نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں رکوع و سجود نہیں۔ وہ مسلمان جو اپنے رب کو سجدہ نہیں کرتے، رکوع نہیں کرتے، نماز ادا نہیں کرتے اور پھر مسلمان ہونے کے مدعی بھی ہیں اور اسی اسلام پر خوش بھی ہیں، وہ اپنے انجام کے بارے میں غور سوچیں۔

۲۶ جن لوگوں کی پیشانیوں کو اپنے رب کی جناب میں سجدہ کرنے اور جھکنے کی سعادت نصیب نہیں ہوئی، بار بار کہنے کے باوجود وہ اس شرف سے محروم رہے، ان کے لیے روز قیامت بجز ویل و ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

۲۶ ؎ اگر وہ عقل و خرد سے کام لیتے اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے تو قرآن کریم کے چشمہ صافی و شیریں سے وہ اپنی تشنہ لبی کا درماں کر لیتے۔ اس آفتاب ہدایت کے انوار سے وہ اپنی زندگی کی جلوتوں اور خلوتوں کو روشن کر لیتے، لیکن ان بدنصیبوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس کے بعد اس سے زیادہ موثر، اس سے زیادہ شیریں، اس سے زیادہ حقیقت افروز کتاب انہیں کہاں نصیب ہوگی کہ وہ اس پر ایمان لے آئیں گے۔ وہ ازلی بدبخت ہیں۔ ان کی قسمت میں ہدایت کی نعمت ہے ہی نہیں۔

○

اللهم إياك نعبد ولك نصلي ونسجد وإليك نسعى ونحفد ونرجو رحمتك ونخشى
عذابك إن عذابك بالكفار ملحق. اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا وحبيبنا وشفيعنا
مُحَمَّدٍ ﷺ
المبعوث رحمة للعالمين وعلى آله وأصحابه ومن أحبه واتبعه إلى يوم الدين. رب أوزعني
أن أشكر نعمتك التي أنعمت علي وعلى والدي وأن أعمل صالحا ترضاه وأصلح لي في ذريتي إني تبت
إليك وإني من المسلمين. فاطر السموات والأرض أنت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما
وألحقني بالصالحين.

○

تعارف

سُورَةُ النبأ

نام: اس سورت مبارکہ کا نام النبأ ہے جو دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اس کے علاوہ اسے سورۂ عم، سورت عم یتساءلون اور التساؤل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دو رکوعوں اور چالیس یا اکتالیس آیتوں پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد ۱۷۳ اور حروف کی تعداد ۹۷۰ ہے۔

نزول: باتفاق علماء یہ عہد نبوت کی ابتدا میں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات عربوں اور اہل مکہ کے لیے حیرت انگیز تھی۔ وہ لوگ حضور کی باتیں سنتے اور حضور کے اعمال کا مشاہدہ کرتے۔ قرآن پر عجیب قسم کی سرمستی طاری ہو جاتی۔ سب سے زیادہ جس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا وہ نبی کریم کا یہ ارشاد تھا کہ اس جہانِ رنگ و بو کے بعد ایک اور جہان بھی ہے۔ اس چند روزہ زندگی کے بعد ایک ایسی زندگی بھی ہے جس کی انتہا نہیں۔ قیامت کے دن انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو قبروں سے نکال کر رب کائنات کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہاں ان سے ان کے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ ان کی عقل جس کی دقیقہ سنجی پر انہیں بڑا گھمنڈ تھا اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی۔ بیسیوں صدیوں کی پہنائیوں میں ان کی مشتِ غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کون جمع کرے گا اور پھر ان میں روح کیسے پھونکی جائے گی۔ وہ اس مسئلہ پر شب و روز غور کرتے۔ آپس میں بحث و تمحیص کرتے ان کی مجلسوں میں اس موضوع پر بڑے گرم مذاکرے ہوتے لیکن وہ کسی صورت میں وقوع قیامت کو ماننے کے لیے اپنے آپ کو تیار نہ پاتے۔ اس ماننے میں ایک نفسیاتی جھجک بھی سد راہ بنی ہوئی تھی۔ اگر وہ وقوع قیامت کو تسلیم کرتے ہیں تو ان کی زندگی کا سارا نقشہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس معاشرہ میں انہیں لوٹ کھسوٹ کی جو آزادی میسر تھی، عیش و طرب کی محفلیں جن میں سرخ اور مست جوانیاں ساری ساری رات محوِ رقص رہا کرتیں، بادۂ ارغوانی کے بلوریں جام مصروفِ گردش رہتے۔ جہاں کسی ضرورت مند کا استحصال مباح تھا۔ جہاں قرض خواہ اپنے مقروض سے من مانی شرح پر سود لیا کرتا تھا۔ اگر وہ روزِ حساب پر ایمان لاتے ہیں تو ان کو تمام لغویات سے دست کش ہونا پڑتا ہے جس کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ اس سنگِ گراں کو ان کی راہ سے ہٹانے کے لیے قرآن کریم میں متعدد بار بڑے زور شور سے بڑے زوردار دلائل پیش کیے گئے ہیں۔

اس سورۂ مبارکہ میں بھی یہی موضوع زیر بحث ہے۔

پہلے تو دو ٹوک الفاظ میں یہ بتا دیا کہ تمہارے انکار سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ تم خود اپنی آنکھوں سے

اس کا مشاہدہ کرو گے اور اس کا اعتراف بھی کرو گے لیکن اُس وقت تمہارا قیامت پر ایمان لانا تمہیں جہنم سے بچا نہ سکے گا۔

پھر اُن کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ ان کے منتشر ذرّوں کو کیسے جمع کیا جائے گا۔ بتایا کہ ان ذرّوں کو جمع کرنے والا وہ قادرِ مطلق اور حکیم و علیم خدا ہے جس کی قدرت اور حکمت کے جلوے قدم قدم پر اس کی کبریائی کی گواہی دے رہے ہیں جو ایسے محیر العقول کام سرانجام دے سکتا ہے اس کے لیے تمہیں از سرِ نو زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اس کے بعد قیامت برپا کرنے کی حکمت بتائی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان ساری عمر لوگوں پر ظلم و ستم کرتا رہے غریبوں کو لوٹتا رہے، دادِ عیش دیتا رہے، اپنے خالق کی نافرمانی کرتا رہے اور دوسرا شخص ساری عمر بنی نوعِ انسان کی خدمت کرتا رہے، دکھیوں کی غمگساری، محتاجوں کی امداد، یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی کرتا رہے۔ اپنے ربِّ کریم کی اطاعت سے سرِ مو انحراف نہ کرے۔ ان دو شخصوں کے عملوں میں اتنے سنگین تفاوت کے باوجود اس کا انجام یکساں رہے۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کیا ہو سکتی ہے۔ بتا دیا کہ قیامت برپا کرنے میں حکمتِ الٰہی یہ ہے کہ بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے اور نیکوں کو ان کی نیکی کا اجرِ عظیم مرحمت فرمایا جائے۔

آخر میں اُس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا جس میں اکثر کفار مبتلا تھے۔ وہ کہا کرتے کہ اگر قیامت آ بھی گئی تو اُس روز بھی اللہ کی نعمتیں ہمیں ہی ملیں گی۔ ہمیں جو عزت اور سرفرازی اس دنیا میں نصیب ہے، قیامت کے دن بھی یہ ہمیں نصیب ہوگی۔ ہمارے بے شمار خدام اور وفادار غلام اس وقت ہمارے اردگرد حلقہ زن ہوں گے۔ اگر کسی فرشتے نے ہماری طرف دستِ تعدی دراز کیا تو ہمارے دو عزیز جوان سال اور بہادر بیٹے اُن کو مزا چکھا دیں گے اور یہ ہمارے بت جن کی ہم پرستش کرتے ہیں قیامت کے دن ہماری شفاعت کریں گے۔ اس لیے ہمیں دوزخ کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ان کو آگاہ کر دیا کہ اس قسم کی تمام خیالیوں کو اپنے دل سے نکال دو۔ وہاں کسی کی مجال نہ ہوگی کہ دم مار سکے۔ شفاعت کے لیے وہی زبان کھول سکے گا جس کو رحمٰن و رحیم نے منصبِ شفاعت پر سرفراز کیا ہوگا۔ تمہارے یہ بت اُس روز خود دوزخ کا ایندھن بنیں گے، تمہاری نجات کا انھیں کب خیال ہوگا۔ آخر میں تنبیہ فرما دی کہ آج راہِ حق اختیار کر لو، اس فرصت کو غنیمت جانو ورنہ قیامت کے روز تمہاری حالت اتنی ناگفتہ بہ ہوگی کہ تم اپنی زندگی سے بے زار ہو گے اور بصد حسرت یہ کہہ رہے ہو گے۔ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ۝ (کاش کہ میں مٹی ہو جاتا)۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۶-۴-۷۷

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۃ النبأ مکی ہے اور یہ چالیس آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ اس بڑی اہم خبر کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔ جس میں وہ اختلاف

مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ

کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ جان لیں گے۔ پھر یقیناً وہ جان لیں گے کہ قیامت برحق ہے۔ کیا ہم نے نہیں

---

۱ ؎ یہ سورت ان سورتوں میں سے ایک ہے جو اعلانِ نبوت اور آغازِ بعثت کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس ہمہ گیر انقلاب کے داعی بن کر تشریف لائے تھے اس کی کامیابی کا انحصار عقیدۂ قیامت پر تھا اور اسی عقیدہ کو تسلیم کرنا کفار مکہ کے لیے از حد مشکل تھا۔ اس لیے اس سورت میں بھی قیامت کے بارے میں کفار کی غلط فہمیوں کو دور کیا جا رہا ہے۔ انسان کے سامنے اپنی قدرت کاملہ کے ایسے دلائل پیش کیے جا رہے ہیں کہ اگر وہ تعصب سے بلند ہو کر ان میں غور کریں تو انہیں وقوعِ قیامت پر یقین آ جائے اور اس کے متعلق جو کسی تشکیک میں ہیں وہ ان پر آشکارا ہو جائیں۔

عَمَّ اصل میں عن ما تھا۔ ما استفہامیہ پر جب حرف جار داخل ہو تو تخفیف کے لیے الف کو گرا دیتے ہیں جیسے لِمَ، بِمَ، فِیمَ، عَمَّ۔ نیز اس طرح ما استفہامیہ اور تعجبیہ بھی آتا ہے۔ پوچھا جا رہا ہے کہ یہ لوگ سر جوڑ کر کس اہم موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہتے ہیں، کس چیز کے بارے میں یہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔ دوسری آیت میں خود بتا دیا کہ یہ بحث و تمحیص، یہ چہ میگوئیاں ایک بڑی اہم خبر کے بارے میں ہو رہی ہیں۔

علامہ راغب لکھتے ہیں: النَّبَأُ خَبَرٌ ذُوْ فَائِدَةٍ عَظِيْمَةٍ۔ نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جس میں بہت بڑا فائدہ ہو (المفردات)۔ اس کو پھر عظیم کی صفت سے موصوف کیا یعنی یہ خبر معمولی قسم کی نہیں جس کا جاننا نہ جاننا برابر ہو بلکہ اس خبر کا بہت بڑا مقام ہے اور یہ اپنی ذات میں بہت ہی بڑی اہم ہے۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس سے مراد قیامت کے وقوع کی خبر ہے۔

۲ ؎ فرمایا کہ ان کی چہ میگوئیوں اور بحث و تمحیص کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس کے بارے میں وہ متفق الرائے نہیں ہیں بلکہ جماعت جماعت کی بولیاں الگ الگ ہیں۔ اس کے بارے میں ان کی آراء کے اختلاف کی کوئی حد نہیں۔ بعض لوگ وقوعِ قیامت کا سرے سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کے

نزدیک یہ عالم قدیم ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ نیلگوں آسمان، اس میں آویزاں اور یہ چمکتے دمکتے ستارے، یہ شمس و قمر، یہ چاند، یہ فلک بوس پہاڑ، یہ مختلف عناصر، یہ سب چیزیں ہمیشہ ہمیشہ یونہی برقرار رہیں گی۔ ان کے عدم ہو جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور ان کو درہم برہم کر دینا کوئی ناممکنہ فعل ہے۔ اس لیے قیامت کے بارے میں جو کچھ بتایا جا رہا ہے یہ سب من گھڑت باتیں ہیں۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ ہماری صرف یہی دنیوی زندگی ہے، اس کے بعد اور کوئی زندگی نہیں۔ وہ کہتے ہیں ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین (الانعام آیت ۲۹) بس ہماری یہی دنیوی زندگی ہے اور ہمیں دوبارہ زندہ کر کے ہرگز نہیں اٹھایا جائے گا۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک یہ ہے وہ کہا کرتے، من یحیی العظام وھی رمیم۔ جب ہماری ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور مٹی میں مل جائیں گی ان ذرات کے جمع کرنے اور انہیں دوبارہ الٹ پلٹ کر کے کھو دیں گے تو پھر ان بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کرنا قطعاً ناممکن ہے اور بعض لوگ قیامت کو ناممکن تو خیال نہیں کرتے تھے لیکن انہیں یہ یقین نہ تھا کہ قیامت ضرور برپا ہو گی۔ وہ کوئی کیفیت میں مبتلا تھے۔ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔

اور بعض اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ پہلے تو قیامت برپا نہ ہو گی اور اگر بفرض محال برپا ہو بھی گئی تو اس روز بھی اللہ تعالیٰ اپنے لطف و احسان سے ہمیں ہی سرفراز کرے گا۔ یہ لوگ جو آج ثروت کے نشہ میں بہکے ہوئے ہیں ان کا اس روز بھی کوئی بال بیکا نہ ہو گا۔ ان میں سے کئی ایسے لوگ بھی تھے جنہیں علمائے نصاریٰ کے پاس آنحضرت ﷺ کے اسم گرامی اور احوال کی باتوں سے متاثر ہو کر وہ جسمانی بعثت کے قائل نہ تھے لیکن روحانی بعثت کو وہ تسلیم کرتے تھے اور بعض تناسخ کے قائل تھے کہ روح اپنے نیک و بد اعمال کے بعد جسم بدلتی رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔

سے ان دو آیتوں میں کلا کا لفظ تحقیق طلب ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی نے اپنی کتاب البرہان فی علوم القرآن میں اس کی خوب تحقیق کی ہے وہیں سے استفادہ کرتے ہوئے چند سطور ہدیہ ناظرین ہیں۔

سیبویہ کے نزدیک کلا حرف ردع اور زجر ہے۔

صفار کہتے ہیں یہ اسم ہے جو کسی کلام کو مسترد کرنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے قال اصحاب موسیٰ انا لمدرکون قال کلا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔ آپ نے ان کے اس کلام کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کلا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ نحویوں میں بعض کا موقف یہ ہے کہ کلا ہمیشہ ردع اور زجر پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کبھی یہ حقا کے معنی میں ہوتا ہے۔ جب یہ پتہ چل گیا کہ کلا ردع اور رد کے لیے استعمال ہوتا ہے یا حقا کے معنی میں مستعمل ہے تو علامہ زرکشی کہتے ہیں کہ اگر وقف کلا پر ہو تو اس وقت ردع اور رد کے معنی میں ہو گا اور کلا سے پہلے وقف ہو اور کلا سے اگلے جملے کی ابتدا ہو تو اس وقت یہ حقا کے معنی میں ہو گا۔ ان دو آیتوں میں کلا سے پہلی آیت پوری ہو رہی ہے اور وقف اس سے پہلے ہے اس لیے یہاں حقا کے معنی میں ہو گا۔ ومن نظر الی المعنیین فیقف علیھا اذا کانت بمعنی الردع ویبتدئ بھا اذا کانت بمعنی التحقیق وھو اولی (البرہان)۔ یہ اختلاف صرف اولیت میں ہے اگر اسے ردع اور رد کے معنی میں لیا جائے تو بھی غلط نہ ہو گا۔ زرکشی اس ترکیب کے متعلق لکھتے ہیں۔ وکذا کلا بمعنی حقا عند الکسائی فتوجہ لبھا للتاکید فتکون فی موضع المصدر ویکون موضعھا نصبا علی المصدر والعامل محذوف ای احقاقا (البرہان) یعنی کسائی کے نزدیک کلا حقا کے معنی میں ہو گا اور اس سے پہلے کی تمام ہو گی اس کا مقصد بعد میں آنے والے کلام کی تاکید کرنا ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ مصدر کا مفعول مطلق ہو گا اور منصوب ہو گا۔

الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا

بنا دیا زمین کو بچھونا ۶ اور پہاڑوں کو میخیں ۷ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا ۸ اور ہم نے بنا دیا ہے

نے علامہ زرکشی کی تحقیق کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

علامہ قرطبی نے بھی کلا کا معنی حقاً ذکر کیا ہے ای حقاً لیعلمون۔ (قرطبی)

سَیَعْلَمُوْنَ کا مفعول مذکور نہیں لیکن سیاق کلام سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی چیز ہے جس کے متعلق وہ چہ میگوئیاں کر رہے ہیں اور جسے پہلے بتایا گیا ہے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد قیامت ہے۔

۶ منکرین قیامت سے پوچھا جا رہا ہے کہ کیا ہم نے اس کرۂ ارض کو تمہارے لیے بچھونے کی طرح آرام دہ نہیں بنا دیا۔ تمہاری بقا، تمہاری نشوونما اور آرام و آسائش کے لیے جو چیزیں مطلوب تھیں وہ سب کی سب بڑی فیاضی سے تمہارے لیے مہیا کر دی گئی ہیں۔ مثلاً پھیلے ہوئے سرسبز میدان، ان میں لہلہاتے ہوئے کھیت، سرسبز باغات، ابلتے ہوئے چشمے، بہتے ہوئے ندی نالے اور دریا کس نے بہا دیے ہیں۔ جس علیم و قدیر نے تمہیں زندہ و سلامت رکھنے کے لیے کمال حکمت سے ہر چیز فراہم کر دی ہے کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے۔

۷ ذرا ان سلسلہ ہائے کوہ کی طرف دیکھو، یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میخ کی طرح انہیں زمین میں گاڑ دیا گیا ہے تاکہ اس کے وزن سے کرۂ زمین کی مضطربانہ حرکت رک جائے۔ اس کے علاوہ ان پہاڑوں میں تمہارے لیے ان گنت فوائد و منافع ہیں۔ جو ذات اتنے بڑے بڑے پہاڑ پیدا کرنے پر قادر ہے اس کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ وہ بالشت بھر کے انسان کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتی کتنا بڑا دھوکہ ہے۔

۸ اگر تمہاری نظر آفاق پر نہیں جاتی، زمین اور فلک بوس پہاڑوں میں اس کی حکمت کے جلووں کو دیکھ کر، تو آؤ اپنی ذات میں غور کرو۔ اس نے تم سب کو مرد ہی پیدا نہیں کیا اور نہ سب کو عورتیں بنایا۔ تم خود سوچو مرد و زن دونوں کی تخلیق اسی نطفۂ آب سے ہوتی ہے۔ ایک ہی جسم میں نشوونما پاتے ہیں۔ خوراک بھی دونوں کی یکساں ہے لیکن کسی کو لڑکا بنا دیا اور کسی کو لڑکی۔ ایک باپ بننے کے قابل ہے دوسری ماں بننے کے قابل ہے۔ جسے باپ بننا ہے اس کو تمام ایسے آلات، قوتیں اور صلاحیتیں بخش دی ہیں جن کے باعث وہ باپ بننے کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے۔ جس کو ماں بننا ہے وہ ماں بننے کی تمام جسمانی و نفسیاتی صلاحیتوں سے بہرہ ور ہے۔ اگر تمہیں جوڑا جوڑا نہ بنایا جاتا تو افزائش نسل کیسے ہوتی۔ اگر تم جوڑا جوڑا پیدا نہ کیے جاتے تو زندگی کا یہ کٹھن سفر کیف و رنگ سے محروم ہوتا۔ جس ذات پاک نے نسل انسانی کو مرد و زن میں تقسیم کر کے ان کی تمام جنسی ضروریات کا اہتمام کیا ہے اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا قطعاً مشکل نہیں۔

نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪﴿۱۱﴾

تمہاری نیند کو باعثِ آرام ۹؎ نیز ہم نے بنایا رات کو پردہ پوش ۱۰؎ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنایا ۱۱؎

۹؎ اگر ان باریکیوں میں جھانکنے کی تمہیں فرصت نہیں تو اپنی نیند اور بیداری کی دو مختلف حالتوں میں غور کرو۔ جب بیداری کی حالت میں تم ذہنی یا جسمانی مشقت کرتے ہو تم تھک کر چور ہو جاتے ہو۔ تم میں مزید کام کرنے کی سکت باقی نہیں رہتی۔ اچانک نیند تمہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ کچھ وقت کے لیے تم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے ہو۔ جملہ تفکرات اور اندیشوں سے تمہیں نجات مل جاتی ہے۔ کچھ دیر سو لینے کے بعد جب تم بیدار ہوتے ہو تو ہر قسم کی ذہنی اور جسمانی تھکاوٹ کافور ہو چکی ہوتی ہے۔ جوش و نشاط کی کیفیت عود کر آتی ہے اور تم از سرِ نو جاندار زندگی کا آغاز کر دیتے ہو۔

سنو! ہم نے ہی تمہارے لیے نیند کو آرام و راحت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اگر ہم تمہیں نیند کی راحت سے محروم کر دیں تو یہ زندگی تمہارے لیے موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ بن جائے اور دنیا کی ساری لذتیں ہیچ ہو جائیں۔ یہ میری قدرت ہے جس نے نیند جسے تم موت کی بہن کہا کرتے ہو اسی کو ہم نے قوت و نشاط کا سرچشمہ بنا دیا ہے۔ جس کی قدرت کا یہ عالم ہے کیا اس کے لیے تمہیں دوبارہ زندہ کرنا ناممکن ہے۔ کچھ تو انصاف سے کام لو۔

لفظ سُبات کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں: وجعلنا نومکم سباتا ای قطعا للعمل واصل السبت القطع۔ اور لغت میں سبت کا معنی کسی چیز کے تسلسل کا منقطع ہو جانا۔ جب انسان کو نیند آتی ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور وہ بے حس و حرکت پڑا پاؤں دراز ہو جاتا ہے۔ لیکن جوہری نے صحاح میں لکھا ہے السبات النوم واصلہ الراحۃ منہ قولہ تعالیٰ وجعلنا نومکم سباتا۔ یعنی سبات کا اصلی معنی راحت و سکون ہے اور اس آیت میں سبات اسی معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

۱۰؎ ذرا شب و روز کے اس تسلسل پر غور کرو۔ رات آتی ہے ساری کائنات پر اندھیرے کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں لپٹ کر رہ جاتی ہے۔ جو کام دن کے اجالے میں تم نہیں کر سکتے وہ رات کی گھپ تاریکی میں تم بلاتکلف انجام دے سکتے ہو۔ دن بھر کے تھکے ماندے جب تم گھر واپس آتے ہو۔ اپنے بال بچوں کے ساتھ رات بسر کرتے ہو۔ تمہیں رات کے تاریک سناٹوں میں جو آرام ملتا ہے اور جو میٹھی نیند تم سوتے ہو وہ آرام اور میٹھی نیند دن کے اجالے میں کہاں نصیب ہوتی ہے۔ شیطان اور نفس کے پرستار رات کو اپنے عشرت کدوں کی رونق بڑھاتے ہیں اور خداوند رحمٰن کے بندے رات کا تخلیہ پاتے ہیں جب ساری دنیا سوئی ہے اور اپنے معبود بے نیاز سے اپنے نالہائے جگر گداز سے اور اپنی اشکباریوں سے اپنے گزشتہ غفلت پر اظہار ندامت کرتے ہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہوتی کہ کس نے کیسی رات گزاری ہے۔ رات کو ایسا لباس اور مکمل پردہ ہم نے بنایا ہے۔

۱۱؎ معاشا ای سببا للمعاش (مظہری) رات کے برعکس جب دن چڑھتا ہے اور سورج نکل آتا ہے ہر چیز نظر آنے لگتی ہے۔ ہر چیز میں جان پڑ جاتی ہے۔ زندگی کی لہر ہر ذرے میں حرکت کرنے لگتی ہے۔ بازار کھل جاتے ہیں۔ منڈیوں میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے۔ کاشتکار اپنے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں۔ غرضیکہ مختلف طریقوں سے کسبِ معاش کے لیے جدوجہد اور تگ و دو کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا

اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان ۱۲؎ اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا ۱۳؎ اور ہم نے برسایا

مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ

بادلوں سے موسلا دھار پانی ۱۴؎ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزی نیز گھنے

۱۲؎ ہماری قدرت اور صنعت کاری کی شان ملاحظہ کیجئے ہم نے سات آسمانوں کی اس بلند چھت کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھو۔ ہزارہا برس بیت چکے ہیں اس سائبان کو تنے ہوئے لیکن شکست و ریخت کا کوئی نشان اس میں نظر آتا ہے۔ کہیں کوئی شگاف کوئی علامت کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ ینقلب الیک البصر خاسئا وھو حسیر۔ بار بار دیکھو … کوئی علامت … ان کو اتنا مضبوط بنایا گیا ہے کہ بے شمار ستارے اس میں محو گردش ہیں لیکن کسی کی مجال نہیں کہ اپنے مدار سے سرمو سرک سکے … جو وقت اس کے لیے مقرر ہے اس میں ایک لمحہ کی تاخیر … ہماری قدرت و طاقت … ہے۔

۱۳؎ سراج سے مراد سورج ہے۔ اس کو وہّاج کی صفت سے موصوف کیا۔ الوھاج وھو مفرط النور والحرارۃ۔ … حرارت کا منبع ہو … مجمع النور والحرارۃ … وہ ایک … ہے … روشنی اور حرارت دونوں زندگی کا سرچشمہ ہیں … کائنات کی یہ ساری … نور و حرارت دونوں کا سرچشمہ … اگر … صرف نور ہوتا یا صرف حرارت ہوتی تو زندگی نام کی کوئی چیز یہاں نہ پائی جاتی۔

اس سورج کے بارے میں … اللہ تعالیٰ کے … زمین کے حجم سے … لاکھ … زمین سے اس کا فاصلہ ۹ کروڑ … لاکھ میل ہے … اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ … ڈگری … ہے … دانشمندوں کو حیران کر دیا ہے۔

زمین سے … کے باوجود وہ مناسب مقدار میں روشنی … جس کے باعث اس کی … روشنی ہے اور مناسب مقدار میں حرارت بھی … زندگی کا … زمین سے … مناسب … اس کے طلوع و غروب کا انتظام، موسموں کا تغیر و تبدل … ہر چیز پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ … اس کو مناسب … رکھنے والا اس کے نظم طلوع و غروب کا … قادر مطلق ہی ہے جو حکیم بھی ہے اور علیم بھی۔

۱۴؎ معصرات … معصرات سے مراد وہ … بادل … اور بارش برسنے … ان بادلوں کو کہتے ہیں … قال الفراء المعصرات السحاب

أَلْفَافًا ﴿١٦﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ

باغات گھنے۔ بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے ۱۳۔ جس روز صور پھونکا جائے گا تو

یتحلب بالمطر ولم یمطر۔ ثجاجا: منصبا بکثرة۔ پانی کا زور سے گرنا، موسلا دھار بارش۔

۱۲۔ ان بادلوں سے بارشوں کا موسلا دھار برسنا بے مقصد اور عبث نہیں بلکہ اس لیے ہے تاکہ ہم انسانوں کے لیے طرح طرح کا اناج، حیوانات کے لیے ہر قسم کا چارہ اگاتے ہیں اور اس کے پانی سے گنجان باغات ہرے بھرے ہو جاتے ہیں جن کی شاخیں باہم پیوست، اور رنگ برنگ کے پھل تمہارے کام و دہن کی ضیافت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں جن کا تذکرہ یہاں کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے شاہکار ہیں جو اس کی حکمت بالغہ اور علم محیط کی گواہی دے رہی ہیں جس کی قدرت کے عجائب اور جس کی حکمت کے جلوے تم دیکھ رہے ہو۔ خود انصاف سے بتاؤ کہ کیا وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ نیز اس کی ہر قدرت بلکہ اس کی بے پایاں حکمت کے جلوے جابجا نظر آ رہے ہیں جس کا ہر کام حکمت پر مبنی ہے کیا تم اس کے بارے میں یہ باور کر سکتے ہو کہ اس نے انسان کو بے مقصد پیدا کیا۔ انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، غور و فکر کی استعداد بخشی، عقل اور ارادہ کی آزادی مرحمت فرمائی، اپنی کائنات کو مسخر کر کے اس کی تمام نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرتا رہا۔ کسی نے اپنی قوتوں کو دوسروں کی خدمت کے لیے صرف کیا، علم و حکمت کے کارواں کی قیادت کی، زندگی کے سنسان صحراؤں میں نیکیوں کے خیابان آباد کیے اور شاہراہ حیات پر ہر قدم پوری ہوشیاری سے اٹھایا اور آخر دم تک اس نے اپنے پروردگار کی بندگی میں گزار دی۔

اور بعض لوگ انسانیت کے لیے ننگ ثابت ہوئے، گلشن ہستی کو ویرانیوں اور بربادیوں کے شعلوں سے جہنم کدہ بنا دیا۔ اپنی سفاکیوں اور خون آشامیوں سے بے گناہوں کے معصوم خون سے ہولی کھیلتے رہے۔ نہ انہوں نے اپنے خالق کو پہچانا اور نہ اپنے معبود کی بندگی اختیار کی اور نیکی کے جتنے چراغ ان کی زد میں آئے انہیں گل کر کے رہے اور اسی طرح اپنی زندگی کو برباد کر دیا۔ آپ خود سوچیں کہ اگر ان دونوں کو دوبارہ زندہ کر کے جزا و سزا نہ دی جائے تو اس سے بڑا ظلم بھی کوئی اور ہو سکتا ہے۔ کیا تم اس اندھیر گردی کی اپنے رب سے جو رحیم بھی ہے اور کریم بھی، توقع رکھ سکتے ہو؟ اس کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے نیک بندوں کو وہ زندہ کرے تاکہ انہیں ابدی نعمتوں سے سرفراز کرے تاکہ انہیں اپنے اعمال کا اچھا صلہ نصیب ہو اور بدکاروں اور ظالموں کو دوبارہ زندہ کر کے قعر جہنم میں جھونک دے تاکہ انہیں اپنی ستم رانیوں اور بدکاریوں کی پوری پوری سزا ملے۔ یہ دنیا دار العمل ہے اور وہ عمل جس پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو وہ فضول اور عبث ہے۔ اس دار العمل میں انسان کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا نہیں مل سکتی۔ خود بتائیے کہ جو شخص حق کی سربلندی کے لیے، اپنے وطن اور قوم کی آزادی کے حصول کے لیے قتل ہو جاتا ہے اس کو اس دنیا میں اس کا کیا اجر ملا۔ کیا آپ اس عمل کو اتنا اہل سمجھتے ہیں کہ اس کا اسے کوئی اجر نہ ملنا چاہیے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حکمت اس امر کی متقاضی ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں نتائج ظاہر ہونے والے ہوں۔ دنیا کے بعد ایک اور جہان ہو جہاں ہر شخص کو اپنے نیک یا برے اعمال کی پوری پوری جزا ملے۔

۱۳۔ کفار از راہ مذاق کہا کرتے تھے کہ جس قیامت کی آمد کے بارے میں اتنا شور مچایا جا رہا ہے اسے کہو کہ وہ برپا ہو جائے۔ ہم بھی تو اپنی

فَتَأْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿٢١﴾ لِّلطّٰغِيْنَ

تم چلے آؤ گے فوج در فوج ۱۵ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا ۱۶ اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے ۱۷ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے ۱۸ (یعنی) سرکشوں کا

آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو آپ کہہ رہے تھے وہ سچ ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت کا برپا ہونا کوئی کھیل تماشا تو ہے نہیں کہ جب کسی نے کہا اسی وقت اس کی نمائش شروع ہو گئی۔ یہ تو ایک نہایت سنگین معاملہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے۔ تم ہزار پاپڑ بیلو، وقت مقررہ سے پہلے ایک لمحہ بھی یہ برپا نہ ہوگی اور جب اس کا وقت آجائے گا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہ سکے گی۔ تمہارا بھلا اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کی بات پر یقین کر لو اور اس دن کے لیے تیاری شروع کر دو تاکہ اس روز تمہیں پچھتانا نہ پڑے۔

۱۵ آج تو تم اس کا انکار کر رہے ہو لیکن جب صور پھونکا جائے گا تو زمین کے جس دور دراز گوشے میں تم مدفون ہو گے یا جہاں جہاں تمہارے ذرے بکھرے پڑے ہوں گے سب جمع ہو جائیں گے اور فوج در فوج کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوں گے۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ چادر تان کر سویا رہے، کسی غار میں چھپ جائے یا کہیں بھاگ کر چلا جائے۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس روز گروہ بندی نسل، زبان یا وطن کی بنیادوں پر نہ ہوگی بلکہ نیک و بد اعمال کی اساس پر ہوگی۔ مشرق و مغرب کے سود خور حرام خور ایک صف میں اکٹھے ہوں گے۔ عرب و عجم کے ظالم و سفاک ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اشتراکی اور سرمایہ دار گروپ میں بٹنے والے سارے زانی اور فاجر ایک مقام پر جمع ہوں گے اور سب ایک ساتھ بارگاہ رب العزت میں حاضر کیے جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی بھی الگ الگ گروہ بندیاں ہوں گی۔ مجاہد اور شہید ایک جگہ، علماء ربانیین ایک جگہ، اولیاء کاملین ایک جگہ جمع کیے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم ناچیز بندوں کا حشر بھی اس گروہ کے ساتھ کرے جن کے دلوں میں اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی شمع فروزاں ہے۔ آمین ثم آمین۔

۱۶ روز حشر کی کیفیت پہلے بیان ہوئی۔ قیامت کے ابتدائی مرحلوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اس روز یہ مضبوط آسمان جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا یوں معلوم ہوگا جیسے ہر جگہ دروازے ہی دروازے ہیں۔ آلام و مصائب کا طوفان کسی رکاوٹ کے بغیر ان سے امڈا آ رہا ہے۔

۱۷ یہ جمے ہوئے پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے۔ ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیں گے۔ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ علامہ قرطبی نے سرابا کا معنی تو یہ کیا ہے: جس طرح سراب کو دیکھنے والا اسے پانی سمجھ کر اس کی طرف بڑھتا ہے جب قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ہوتا۔ سُيِّرَتْ کا معنی ہے جڑوں سے اکھڑ جانا اور اپنی جگہ سے ہٹ جانا۔ ای ذہبت کما ان السراب کذلک یظنه الرائی ماء ولیس بماء۔ وقیل سُيِّرَتْ نُسِفَتْ من اصولها وقیل اُزیلت عن مواضعها۔ (قرطبی)

۱۸ منکرین قیامت کو جس عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اب اس کا ذکر ہو رہا ہے۔ علامہ جوہری لفظ مرصاد کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے

مَآبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾

ٹھکانا ہے ۲۱ وہ رہیں گے اس میں مدتوں ۲۲ وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی ۔

ہیں کہ جو شخص کسی کی گھات میں بیٹھا ہوا اس کا انتظار کر رہا ہو اسی کو گھات میں تیار ہو کر بیٹھنے کو مرصد کہتے ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں کہ اگر کوئی پرانا کمین بچھنے کے لیے بالکل تیار ہو کر بیٹھ جائے تو اسے کہا جائے گا رصدتہ ۔ ابن احمد رضا

یہ لکھنے کے بعد علامہ قرطبی اس آیت کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

تُعِدُّ لَهُمْ مُرْصِدَةً مُتَرَصِّدَةً اَیْ مُتَطَلِّعَةً لِمَنْ یَاتِیْہَا یعنی جہنم گویا تیار ہو کر بڑی بے تابی سے آنے والوں کے لیے گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔

مرصاد کا معنی راستہ رہگزر بھی بتایا گیا ہے۔ اس وقت آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزر جائیں گے جو اس میں گرنے والے ہیں گر پڑیں گے اور متقی سلامتی سے اسے عبور کر لیں گے جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت گزر رہی ہوگی تو حضور پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر فرما رہے ہوں گے رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ الٰہی! میرے امتی کو سلامتی سے گزار دے۔ (مظہری)

علامہ قرطبی نے مرصاد کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے: فالمرصاد مفعال من ابنیۃ المبالغۃ فکانہ یکثر من جہنم انتظار الکفار۔ یعنی مرصاد کا وزن مفعال ہے۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ جہنم کفار کا بڑی شدت اور بے تابی سے انتظار کر رہا ہوگا۔

۲۱ طاغی کا معنی سرکش۔ کفر بھی سرکشی ہے اور بدکاری بھی سرکشی ہے۔ اس لیے طاغین کا لفظ کفار کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور گنہگار مسلمانوں کے لیے بھی۔ مَآب، مرجع، منزل جہاں گھوم پھر کر انسان لوٹ کر آتا ہے۔

۲۲ احقاب، حُقُب اور حُقْب کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے دہر۔ احقاب کا معنی ہے مدتیں۔ فراء جو لغت عرب اور نحو کے امام ہیں وہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حقب اسی سال کی مدت کو کہتے ہیں۔ ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے اور آخرت کا ہر دن ایک ہزار دنیوی سالوں کے برابر ہوگا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ جب یہ طویل مدت گزر جائے گی تو جہنمی دوزخ سے رہائی پا لیں گے کیونکہ یہاں احقاب کی تعداد بیان نہیں کی گئی یعنی یہاں دس احقاب کہا گیا ہوتا تو یقیناً بھی جاتی کہ جب یہ دس سال وہ وہاں گزار لیں گے۔ یہاں احقاب کی تعداد مذکور نہیں۔ اس لیے آیت کا معنی یہ ہے کہ انہم یلبثون فیہا احقابا کلما مضی حقب تبعہ حقب آخر۔ وہ اس میں مدتوں قرنہا قرن وہاں رہیں گے جب ایک قرن ختم ہو جائے گی تو اس کے بعد دوسرا قرن شروع ہو جائے گا پھر تیسرا، پھر چوتھا اور یہ سلسلہ ابدالآباد تک جاری رہے گا۔ اس لیے کفار کے جہنم سے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لغت عرب کے ایک امام کی اس تشریح کے بعد کسی کج فہمی میں مبتلا ہونا سراسر نادانی ہے۔ خصوصاً جب قرآن کریم میں جو تصریحات پیش کی گئی ہیں کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بعض مقامات پر صرف خالدین پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ابدا کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مفہوم بیان کرنا جو دوسری کثیر آیات کے خلاف ہو کسی مومن کو زیب نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ﴿٢٥﴾ جَزَاءً وِفَاقًا ﴿٢٦﴾ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ

بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے ۲۱ (ان کے گناہوں کی) پوری پوری سزا۔ یہ (لوگ) روز حساب کی توقع ہی نہیں

حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا ۲۲ حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ رکھا تھا۔

فَذُوقُوا فَلَن نَّزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾

پس چکھو (اپنے کیے کا مزا) تو اب ہم تمہارے لیے کچھ نہیں بڑھائیں گے مگر عذاب ۲۳ بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی (ہی کامیابی) ہے

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

(ان کے لیے) باغات اور انگور (کی بیلیں) ہیں۔ اور نوجوان ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتا ہوا جام ۲۴

ع ۲

والطویل غیر المحدود۔ یعنی ایام جو قطرب نے کہا ہے کہ حقب سے یہاں مدت مراد ہے جس کی کوئی حد نہ ہو۔

۲۱ حمیم: کھولتا ہوا پانی۔ غساق: پیپ جو ان کے زخموں سے نکلتی ہے۔ غساق: صدید اهل النار وقیحهم۔

۲۲ انہیں ایسی سزا دی جائے گی جو ان کے اعمال کے مطابق ہو گی۔ جزاء فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ اس لیے منصوب ہے۔ ای جوزوا جزاءً وفاقا لاعمالهم۔ وكذابا: کذاب باب تفعیل کے مصادر کا ایک وزن ہے۔ وهو احد مصادر المتعدی لانه مصدره قیاسی علی تفعیل مثل تکلیم وعلی فعال مثل کذاب وعلی تفعلة مثل توصیة وعلی مفعل مثل ممزق۔ باب تفعیل کے مصدر کے یہ چار وزن ہیں۔ ان میں ایک فعال ہے۔

۲۳ یعنی تم ہمیشہ تکلیف میں رہو گے اور تمہیں کوئی خوشی نصیب نہیں ہو گی، تمہارا ہر عمل لکھا ہوا ہے۔ کوئی گناہ چھوٹا یا بڑا ایسا نہیں جو تم سے سرزد ہوا ہو اور ہمارے فرشتوں نے اس کو لکھ نہ لیا ہو۔ وہ سارا ریکارڈ قیامت کے دن تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

۲۴ اب ان لوگوں پر اپنے لطف و کرم کا ذکر ہو رہا ہے جو روز قیامت پر ایمان رکھتے تھے اور خداوند ذوالجلال کے روبرو پیشی اور حاضری کا خوف ان کو ہر گناہ سے باز رکھتا تھا۔ مفاز: مصدر میمی ہے، فوز و نجات۔ کامیابی و نجات کی جگہ۔ یہ کامیابی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ حدائق: حدیقۃ وہ باغ جس کے اردگرد چار دیواری تعمیر کر دی گئی ہو۔ اعناب: انگور۔ کواعب: کاعب کی جمع، نوخیز نوجوان۔ دھاق: مملوّ، لبریز، چھلکتا ہوا۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

نہ سنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام ۲۵

رَّبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ

جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے جو بے حد مہربان ہے انہیں طاقت نہ ہوگی کہ بغیر اجازت اس سے

خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَّا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا

بات بھی کر سکیں ۲۶ جس روز روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے ۲۷ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس

۲۵ آپ کے رب کی طرف سے ان متقین کو یہ بدلے ملیں گے یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوگا ورنہ یہ تو ادنیٰ عمل تھا جو انہوں نے کیا
اگرچہ ملنے والی نعمتیں بے حساب ہیں، انہیں اتنا کافی ہے سب اور جنہیں پایا ہے۔ یہ انعام و اکرام کہ جو ان کے اعمال صالحہ کے عوض میں ہے اس
لیے اسے جزاء کہا گیا کیونکہ اس میں اس کا فضل و احسان جلوہ نما ہے اس لیے اسے عطاء کہا گیا ہے۔ پھر عطاء کی صفت حساب ذکر کی
گئی۔ قاموس میں اس کا معنی کثیر بتایا ہے حسابا ای کثیرا، لسان العرب: عطاء حسابا ای کثیرا وافیا۔ کہتے ہیں احسب جب کسی کو کوئی چیز اتنی مقدار
میں دی جائے کہ وہ خود کہہ اٹھے بس بس مجھے اتنا کافی ہے تو اہل عرب یہ کہتے ہیں احسبت فلانا۔ یعنی میں نے اسے بہت عطا کیا یہاں تک کہ
اس کو حسب کہا۔ دوسرا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنا کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہے عطا اس کے مطابق ہوگی۔ بعض کو ایک کے بدلے دس بعض کو
ایک کے بدلے سات سو اور بعض کو بے حد و حساب دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ انما یوفی الصابرون اجرہم بغیر حساب۔ ہر شخص کو
اس کے خلوص نیت اور عمل کی کیفیت کے مطابق اجر ملے گا (قرطبی)

جزاء من ربک کے الفاظ اہل محبت کے لیے اپنے اندر خصوصی کشش رکھتے ہیں۔ جب دوزخیوں کی سزا کا ذکر ہوا تو صرف جزاء
وفاقا فرمایا گیا اور جب اہل جنت پر اپنے جود و کرم کی بارش فرمانے کا موقع آیا تو اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور اپنی شان ربوبیت کی نسبت
اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف فرمائی۔ رب کے ساتھ کاف... صفت ربوبیت کا یہ خصوصی تعلق ذات پاک مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا
سے ہے وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ نہ عرش کو نہ کرسی کو نہ جبریل کو نہ خلیل کو۔

۲۶ یہ بدل ہے۔ اس کا مبدل منہ ربک ہے اور الرحمٰن دوسرا بدل ہے۔ تفخیم و تعظیم کے لیے۔ اس بدل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی عظمت شان اور بھی ظاہر ہو رہی ہے جو کسی پر مخفی نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔ ولیس ادل علی ما قیل الی ما روی فی کتب الصوفیۃ عن الحدیث
القدسی لولاک لما خلقت الافلاک۔ اس میں صوفیاء کی روایت کردہ اس حدیث قدسی کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے حبیب! اگر تو نہ ہوتا
تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ الرحمٰن یہ بھی بدل ہے یا صفت۔

۲۷ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے زبان نہ کھول سکے گا کسی میں دم مارنے کی ہمت نہ ہوگی۔ کفار و منکرین آج جس پر زبان دراز

مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ

سوائے اس کے جسے رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے ۳۰ یہ دن برحق ہے۔ سو جس کا جی

بیٹھے ہوئے ہیں اور نہ روزِ قیامت کا ہی خیال رکھیں۔

۲۸ روح سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل امین ہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام بارگاہِ خداوندی ذوالجلال میں دست بستہ کھڑے ہوں گے اور خوف سے کانپ رہے ہوں گے اور ان کی زبان پر یہ جاری ہوگا: سبحانک لا الٰہ الا انت ما عبدناک حق عبادتک۔ جبریل کے علاوہ دوسرے ملائکہ بھی صف بستہ حاضر ہوں گے۔

۲۹ جلالِ خداوندی کچھ یوں عالم پر ہوگا کہ سب چپ سادھ لیں گے۔ کسی میں طلبِ شفاعت کی ہمت دکھائی نہ دے گی۔ وہ مقبولین جن کو اذن ملے گا وہ اپنے رب کے حضور گزارشات اور اپنی التجائیں پیش کر رہے ہوں گے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیثِ شفاعت بڑی تفصیل سے نقل کی ہے جس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے:

"کل لوگ سب کے سب گرمی کی شدت سے تڑپ رہے ہوں گے اور پسینوں میں شرابور ہوں گے۔ کوئی ٹخنوں تک پسینے میں ہوگا، کوئی گھٹنوں تک، کوئی کمر تک، کوئی گردن تک پسینے میں ڈوبا ہوگا۔ آخر سب آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت کے لیے درخواست کریں گے۔ آپ اپنی معذرت بیان کریں گے۔ چنانچہ مختلف انبیاء کے پاس باری باری حاضر ہوں گے لیکن مایوس ہو کر لوٹیں گے۔ آخر عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب جائیں گے تو آپ جواب دیں گے کہ میں خود تو شفاعت کی جرأت نہیں کر سکتا البتہ تمہیں ایک ایسی ہستی کا پتہ بتاتا ہوں جس کے پاس سے کوئی سائل نامراد واپس نہیں لوٹتا۔ وہ سب کے یار و غمگسار محمد مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ اطیب التحیۃ والثناء کی طرف جانے کا حکم دیں گے۔ جب ہر در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد مخلوق شکستہ خاطر ہو کر دل و جان سے اس بارگاہ میں شفاعت کی درخواست کرے گی۔ ان درخواست کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہوں گے جو آج بڑے طمطراق سے شفاعتِ مصطفیٰ کا انکار کرتے ہیں اور اگر انکار نہیں کر سکتے تو اس کی ایسی تاویلیں کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایسی خود ساختہ شرائط لگا دیتے ہیں کہ شفاعتِ مصطفیٰ کا تصور ہی نہیں رہتا۔ وہ لوگ بھی اس روز حاضر ہوں گے۔ حضور سرورِ عالم سب کی فریاد سن کر فرمائیں گے انا لھا، انا لھا۔ ہاں میں تمہاری شفاعت کروں گا۔ ہاں مجھے یہ منصب عطا ہے کہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ چنانچہ حضور عرشِ الٰہی کے قریب جا کر سجدہ ریز ہو جائیں گے اور اپنے پروردگار کی حمد و ستائش کریں گے۔ عرش سے ندا آئے گی یا محمد ارفع رأسک وسل تعط واشفع تشفع۔ اے محبوب سر اٹھاؤ، مانگو جو مانگتے ہو میں دیتا ہوں، تم شفاعت کرو میں تمہاری شفاعت قبول کرتا ہوں۔ اور پھر شفاعت کے بعد حضور مقامِ محمود پر جلوہ گستر ہوں گے۔ لواء الحمد حضور کے دست مبارک میں ہوگا اور آدم علیہ السلام اور سب انبیاء اس کے سائے تلے جمع ہو جائیں گے۔"

اللھم صل علیٰ شفیع الامم، اللھم سلم علیٰ صاحب المقام المحمود، اللھم بارک علیٰ حامل لواء الحمد من الصلوات ازکاھا ومن التسلیمات اسناھا ومن البرکات اعلاھا وعلیٰ آلہ واصحابہ وعلینا معھم اجمعین۔ اللھم ارزقنا شفاعتہ واحشرنا تحت لواء الحمد۔ اللھم آمین یا رب العالمین۔

شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ

چاہے بنا لے اپنے رب کے جوار رحمت میں اپنا ٹھکانا ۔ ۳۰ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے ۔ اس دن

يَنظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

دیکھے گا ہر شخص وہ اعمال جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا ۔ ۳۱

۳۰ آخر میں پھر بتا دیا کہ اس دن کا آنا برحق ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ جس کا جی چاہے آج اس راستہ پر چل کھڑا ہو جو اس کو اس کے رب کی طرف لے جاتا ہے۔ مآبا: مرجعا و مصیرا۔

۳۱ کفار کے اعمال کا کچا چٹھا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ اس وقت سامنے سے نقشے بدل رہے ہوں گے سارے جانور مٹی میں تبدیل ہو جائیں گے تو یہ بصد حسرت و یاس کہے گا کاش! میں بھی مٹی ہو گیا ہوتا اور مجھے یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا۔

بعض علماء نے الکافر سے مراد ابلیس لیا ہے۔ اس روز جب اولاد آدم کے نیکوکاروں کی عزت افزائی دیکھے گا تو کہے گا کاش! مجھے آگ سے پیدا نہ کیا جاتا اور اس کی وجہ سے مغرور ہو کر میں گمراہ نہ ہوتا۔ کاش! میری تخلیق مٹی سے ہوتی۔ میں اپنے رب کے حضور عجز و انکسار کا اظہار کرتا اور آج اس رسوائی سے دوچار نہ ہوتا۔

○

سبحان ذي الملك والملكوت سبحان ذي العزة والهيبة والكبرياء والجبروت سبحان الملك الحي الذي لا يموت سبوح قدوس ربنا ورب الملائكة والروح لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين فاطر السموات والأرض أنت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما وألحقني بالصالحين ولا تحرمني لذة صحبتك الكريم في الدنيا والآخرة. اللهم صل وسلم وبارك على خاتم النبيين قائد الغر المحجلين وعلى آله الطاهرين وأصحابه المكرمين وعلى سائر أمته أجمعين.

○

تعارف

سُورَةُ النّٰزِعٰت

نام : اس سورۃ کا نام 'النازعات' ہے۔ یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کے علاوہ اس کو 'الساہرۃ' اور 'الطامۃ' بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں دو رکوع، چھیالیس آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد ایک سو ترانوے اور حروف کی تعداد سات سو ترپن ہے۔

نزول : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا نزول سورۃ "النبأ" کے معاً بعد ہوا۔ گویا یہ بھی عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

مضامین : کفار کسی قیمت پر وقوع قیامت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ ان کی اسی الجھن کو دور کرنے کے لیے اس سورت میں بھی خصوصی توجہ مبذول فرمائی گئی ہے۔

اہم تکوینی فرائض کی انجام دہی پر مامور ذی شان فرشتے مقربین ان کی قسم اٹھا کر فرمایا کہ قیامت ضرور برپا ہوگی۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ دنیا بھر کے کفار و مشرکین اگر اس کا انکار بھی کرتے رہیں اور اس کے ناممکن ہونے کا فتویٰ بھی صادر کرتے رہیں اور اس کے وقوع پر اپنی تحکمانہ اور بیزاری کا اظہار بھی کرتے رہیں تب بھی قیامت برپا ہو کر رہے گی۔ خداوند ذوالجلال کا یہ اعلان وقوع قیامت کی جملہ دلیلوں سے قوی اور ناقابل تردید ہے۔ بات اسی پر ختم کر دی جاتی تو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہ تھی لیکن اس کے بعد ان کے اس اعتراض کو بھی پیش کر دیا جو وہ بڑی شد و مد سے کیا کرتے تھے کہ بھلا یہ ہڈیاں جب بوسیدہ اور خستہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور ہوا کے تیز جھونکے ان کو زمین کے گوشہ گوشہ میں بکھیر دیں گے۔ ان ذروں کو پھر یکجا کرنا اور ان میں روح پھونکنا قطعاً ممکن نہیں۔ اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ جس چیز کو تم ناممکن تصور کر رہے ہو، اس کے لیے تو صرف ہمارے ایک جھڑکنے کی ضرورت ہے۔ سب قبروں سے نکل کر میدان حشر میں کھڑے ہو جائیں گے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے یہ درست ہے۔ تم ان بکھرے ہوئے ذروں کے مقام کو نہیں جانتے یہ درست ہے۔ تم ان میں از سر نو روح نہیں پھونک سکتے یہ درست ہے لیکن کیا خالق کائنات بھی ایسا نہیں کر سکتا؟ کچھ تو سوچو کچھ تو عقل سے کام لو۔

پھر انہیں بتایا گیا کہ ان سے پہلے بھی اس قسم کے سرکش لوگ گزرے ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ انہیں اپنی قوت اور سلطنت پر بڑا ناز تھا لیکن جب غضب الٰہی کی بجلی کوندی تو ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ فرعون کو لے لو، تم سب جانتے ہو اس نے میری مخلوق پر جو مظالم کیے، میرے کلیم کے خلاف جو محاذ آرائی کی اس کا

انجام تمہیں خوب معلوم ہے۔ اگر تم اپنے آپ کو اس عبرت ناک انجام سے بچانا چاہتے ہو تو فرعونی روش کو ترک کر دو۔ میرے حبیب کی نافرمانی چھوڑ دو۔ جو دعوت وہ پاک نہاد تمہیں دے رہا ہے اس کو بطیب خاطر قبول کرو۔ ورنہ تم بھی جان لو میں تمہیں ان ذرہ ذرہ کا حساب دوں گا۔

اس کے بعد پھر اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے شواہد پیش کیے اور لوگوں کو دعوت دی کہ چشم بصیرت کھولیں اور خود فیصلہ کریں کہ جو ذات ان امور پر قادر ہے۔ اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا ذرا مشکل نہیں۔ ساتھ ہی وقوع قیامت میں جو حکمت ہے اس کا ذکر فرمایا۔

کفار بار بار یہ پوچھتے کہ اگر قیامت آنی ہے تو آپ ذرا اس کی تاریخ تو بتا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب اس کی تاریخ بیان کرنا آپ کے فرائض میں سے نہیں اور حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ یہ خبر سینہ راز میں رہے۔ آپ کا بس اتنا ہی فرض ہے کہ آپ انہیں ڈراتے رہیں تاکہ یہ لوگ اپنی بروقت اصلاح کر لیں۔

بھیرہ شریف جیل سرگودھا

۹-۳-۷۷

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورہ النازعات مکی ہے اس کی چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝۱ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝۲ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳

قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں[1] اور بند کھول کر آسانی سے (جان) نکالنے والے ہیں[2] اور تیزی سے تیرنے والے ہیں[3]

[1] اس سورت کا آغاز بھی پانچ قسموں کا ذکر کر کے کیا گیا ہے لیکن یہاں بھی قسم کھا کر بجائے ان کے اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ پانچ کون سی چیزیں ہیں جن کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ یہاں صرف ایک قول پر اکتفا کیا جائے گا۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ فرشتوں کی صفات ہیں۔ اس قول کے مطابق آیات کا مفہوم یہ ہوگا کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو جسموں میں غوطہ لگا کر بڑی سختی اور شدت سے روحوں کو باہر نکالتے ہیں۔ النزع: جذب بالشدة۔ سختی سے کسی چیز کے کھینچنے کو نزع کہا جاتا ہے اور جب اس پر غرقًا کا اضافہ کر دیا جائے تو پھر اس شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اي اغراقًا في النزع من اقاصي الاجساد ومن انامل اليدين (یعنی جسم کے دور دراز حصوں میں ڈوب کر روح کھینچنا) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو قبض کرتے ہیں کیونکہ جب موت آتی ہے تو کافر کی روح جسم سے نکلنے سے انکار کرتی ہے۔ فرشتے اس کے رگ و ریشہ میں گھس کر اسے کھینچ نکالتے ہیں۔

[2] النشط: الاخراج برفق وسهولة۔ کسی چیز کو نرمی اور آسانی سے باہر نکالنے کو عربی میں نشط کہتے ہیں۔ جیسے کنوئیں سے پانی کا ڈول نکالا جاتا ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روح کو قبض کرتے ہیں۔ وہ روح پہلے ہی محبوب حقیقی کے وصال کے لیے بے تاب ہوتی ہے اور اس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہوتی ہے جب قفس جسم سے اسے آزادی ملے۔ چنانچہ فرشتوں کو مومن کی روح قبض کرنے کے لیے کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اشارہ ملتے ہی وہ بدن کی تنگ کوٹھڑی سے فوراً باہر نکل آتی ہے۔

[3] سبح کا معنی ہے پانی میں تیرنا، تیز رفتار گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ان روحوں کو لے کر فضائے عالم میں تیرتے ہوئے بڑی برق رفتاری سے بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیتے ہیں۔ یا وہ فرشتے ہیں جو احکام کی تعمیل میں آناً فاناً شرق سے غرب تک تیرتے ہوئے پہنچ جاتے ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝٤ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝٥ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝٦

پھر تعمیل ارشاد میں بجد و جہد سبقت سے بڑھنے والے ہیں سکے پھر ہر امر کا انتظام کرنے والے ہیں شہ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی سکے

سکے یہ وہ فرشتے ہیں جو احکام خداوندی کے بجالانے میں ذرا سستی نہیں کرتے بلکہ دوڑ دوڑ کر ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں یعنی تعمیل ارشاد و بجا آوری میں بڑی گرمجوشی اور مستعدی کا اظہار کرتے ہیں۔

شہ یعنی جو کچھ فرائض کی انجام دہی ان کو سونپی گئی ہے ان کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے ہیں اس کارخانۂ قدرت میں موت و حیات صحت و بیماری بارش و خشک سالی ہوائیں بادل آندھیاں اور دوسرے مختلف تکوینیات اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مختلف فرشتوں کو تفویض کیے ہوئے ہیں حضرت ابن عباس سے مروی ہے ملائکۃ تکون مقبلات بامر احوال الارض فی الریاح والامطار وغیر ذلک کہ زمین کے مختلف احوال کی تدبیر مثلاً ہوائیں بارشیں وغیرہ مختلف فرشتوں کو سونپی گئی ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن سابط سے منقول ہے کہ امور دنیا کی تدبیر چار فرشتوں کے سپرد ہے جبریل میکائیل عزرائیل اور اسرافیل ہواؤں اور لشکروں کا انتظام جبریل کے ذمہ ہے بارشوں اور کھیتی باڑی کے کام میکائیل کے سپرد ہیں بحکم ربی مردوں کی قبض کی عزرائیل کی ذمہ داری ہے اور اسرافیل تمام احکام ان تک پہنچاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفات نفوس کاملہ اور ارواح کاملہ کی ہیں اور انہی کی قسم اٹھائی گئی ہے۔ نازعات سے مراد ان کا جسموں سے اپنا تعلق منقطع کرنا ہے۔ پھر جسم کے گھونسلے سے پرواز ہو کر انہوں نے نشاطات الٰہیہ اور قرب خداوندی کی منزلیں طے کی ہیں اس سے جدائی انہیں شاق گزرتی ہے عالم ملکوت کی طرف عروج کرنے کا جب انہیں حکم ملتا ہے تو ان کی خوشی و نشاط کی حد نہیں رہتی شاداں و فرحاں وہاں سے وہ روانہ ہوتے ہیں۔ فضائے بسیط میں تیرتے ہوئے وہ حظائر قدس کی طرف تیزی سے پرواز کرتے ہیں۔ اپنے شرف و تقرب و معانی کے باعث انہیں المدبرات کے زمرے میں شامل کر لیا جاتا ہے تدبیر کا یہ مقام پالینے کے باعث دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو ان سے ایسے آثار و احوال ظاہر ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔

یہ بیان کرنے کے بعد علامہ آلوسی لکھتے ہیں ولا شک فی انہ یحصل لزائرہم مدد روحانی ببرکتہم وکثیرا ما تحل عقد الامور باہل التوسل الی اللہ تعالیٰ بحرمتہم (روح المعانی) یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص ان کی زیارت کے لیے جاتا ہے ان کی برکت سے اسے روحانی مدد نصیب ہوتی ہے اور اکثر مشکل امور کی گرہیں اللہ تعالیٰ کی جناب میں ان کی حرمت کے وسیلے سے کھل جایا کرتی ہیں۔

یہ پانچ قسمیں کھائی گئی ہیں لیکن جواب قسم محذوف ہے یعنی لَتُبْعَثُنَّ کہ تمہیں ضرور دوبارہ زندہ کرکے اٹھایا جائے گا۔

سکے ترجف: اضطرب و تحرک شدیدا قال ابو اسحاق الرجفۃ الزلزلۃ ترجف۔ تحرک حرکۃ شدیدۃ (لسان العرب) کسی چیز کے تھرتھرانے کو رجفت کہتے ہیں۔ ابو اسحاق کا کہنا ہے کہ رجفت سے مراد زلزلہ ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں المراد بہا الاجرام الساکنۃ التی تشتد حرکتہا حینئذ کالارض والجبال (روح المعانی) یعنی راجفہ سے مراد وہ تمام ساکن چیزیں ہیں جو اس وقت زور زور سے کانپنے لگیں گی جیسے زمین پہاڑ وغیرہ یعنی جب نفخۂ اولیٰ ہوگا اور نظام کائنات کے درہم برہم ہونے کا حکم صادر ہوگا کوئی چیز ...

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝٧ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ۝٨ أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝٩

اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا ۔ کتنے ہی دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے ۔ ان کی آنکھیں (نظریں) جھکی ہوئی ہوں گی ۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ۝١٠ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا

کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں ۔ (یعنی جب) ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں

نَّخِرَةً ۝١١ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝١٢ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ۝١٣

گے ۔ کہتے ہیں یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی ۔ (جبکہ یہ واپسی کے لیے) فقط ایک جھڑکی کافی ہے۔

کے جھٹکوں سے زمین، پہاڑ، ٹیلے، نباتات اور ان کے اوپر درخت سب ٹوٹ پھوٹ گئے ہوں گے۔

[illegible] رادفہ [illegible] عالم الارواح [illegible] آسمان [illegible]
[illegible] وقیل النجوم الثابتة [illegible]

بعض علماء کے نزدیک [illegible]

[illegible] تضطرب القلوب [illegible] من شدۃ الفزع [illegible]
ان کی آنکھیں [illegible]

یہ حال کافروں [illegible] اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس روز ہر طرح کے خوف سے محفوظ ہوں گے۔ ان کے دل مطمئن ہوں گے [illegible]
[illegible] لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (الانبیاء: ۱۰۳)
[illegible]

[illegible] رجع فلان فی حافرته ای طریقته التی جاء
فیها [illegible]

ان آیات [illegible] قیامت [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] نَخِرَةٌ من نخر العظم [illegible] الریح [illegible]
(روح المعانی) [illegible]

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿١٤﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿١٥﴾ إِذْ نَادَاهُ

پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے ۱۱ (اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے

رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾

انہیں طُویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا ۱۲ (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔

فَقُلْ هَلْ لَكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾

پس اس سے دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے اور (کیا تو چاہتا ہے کہ) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو اس سے ڈرنے لگے ۱۳

نخرہ کا ترجمہ ہے بوسیدہ۔ ایسی ہڈیوں کو عظام نخرۃ کہتے ہیں۔

۱۰ کہنے لگے اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہمیں تو خسارہ ہی خسارہ ہو گا، کیونکہ ہم ساری عمر اس کی آمد کو جھٹلاتے رہے اس کے لیے ہم نے کوئی عمل ہی نہیں کیا، کوئی تیاری ہی نہیں کی۔ یہ بات ان کی یہ گفتگو بطور استہزا تھی۔

۱۱ تم وقوع قیامت کو محال سمجھ رہے ہو اور بوسیدہ ہڈیوں اور بکھرے ہوئے ذروں کو اکٹھا کرنا اور ان کو زندہ کرنا تمہیں بڑا مشکل نظر آ رہا ہے۔ ایسا کرنا بے شک تمہاری دسترس سے باہر ہے لیکن ہمارے لیے یہ کوئی مشکل نہیں، صرف ایک جھڑک اور ڈانٹ کی دیر ہے۔ بحر و بر، شرق و غرب میں منتشر ذرے جمع ہو جائیں گے اور تم زندہ ہو کر حساب دینے کے لیے فوراً ہمارے روبرو ایک صاف چٹیل کھلے میدان میں کھڑے کر دیے جاؤ گے۔ الساھرۃ: ای الارض البیضاء۔ (قرطبی)

۱۲ قیامت کا ذکر ہو رہا ہے کہ اچانک رخِ سخن فرعون کی طرف پھر گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار مکہ انکار قیامت پر تلے بیٹھے تھے کسی دلیل سے وہ متاثر نہیں ہو رہے تھے۔ اس لیے ان کے سامنے ایک ایسے شخص کا دردناک انجام پیش کیا جا رہا ہے جو قیامت کا منکر تھا اور اسی وجہ سے وہ سرکشی و طغیان میں حد سے گزر گیا تھا۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اے میرے رسول کے ساتھ گستاخی کرنے والو! اور اس کی باتوں کا انکار کرنے والو! تم سے پہلے فرعون جیسے مطلق العنان حکمران نے میرے رسول موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اسی طرح کا سلوک کیا تھا۔ وہ بھی ان کی تکذیب کرتا اور قیامت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ اس کا جو انجام ہوا تم نے بارہا سنا ہے۔ کیا تم اپنے لیے اسی قسم کا انجام پسند کرتے ہو۔ نیز اس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دے رہا ہے کہ آپ ان کفار کے انکار اور ان کی ہٹ دھرمی پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ جس طرح ہم نے موسیٰ کو کامیاب کیا اور ان کے دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیا، اسی طرح ہم آپ کے دین کا بول بالا کریں گے اور آپ کی نبوت کا پرچم ہر جگہ لہرا دیں گے۔ طُویٰ اس وادی کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

۱۳ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون نے بڑا اودھم مچا رکھا ہے۔ اس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ رعایا کو اس نے مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے اور ان کے مفادات کو آپس میں متصادم کر دیا ہے تاکہ وہ متحد ہو کر اس کے ظلم کے خلاف علمِ بغاوت بلند نہ کر سکیں۔ کمزوروں

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾

پس آپ نے دکھائی اسے بڑی نشانی۔ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ ۲۲؎ پھر پیٹھ پھیر کر واپس ہو گیا فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو کر

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ

پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار پکڑ لیا اسے اللہ نے آخرت اور

الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ

دنیا کے دردناک عذاب میں ۲۵؎ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے ۲۶؎ کیا تم

پڑا۔ اس کے مظالم کی حد ہو گئی ہے۔ معرفت الٰہی سے محروم ہی نہیں بلکہ اس نے خدا بننے کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ آپ اس کے پاس جائیں اور اسے سمجھائیں کہ اس مشت خاک کو یہ غرور زیبا نہیں۔ اگر تو چاہے تو میں تجھے رذائل سے پاک ہونے کا طریقہ سکھا سکتا ہوں۔ اگر تیری مرضی ہو تو اس راہ پر تجھے چلا سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کی راہ ہے۔ اس طرح تیرے دل سے غرور و پندار دور ہو جائے گا اور تیرے دل میں اپنے خدا کا خوف پیدا ہو جائے گا اور جب اس کا خوف پیدا ہو گیا تو یہ ساری سرکشیاں ختم ہو جائیں گی اور تو راہ راست پر گامزن ہو جائے گا۔

۲۰؎ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے اسے دعوت حق دی اور اپنی صداقت پر دلیل پیش کی۔ اپنا عصا اس کے سامنے زمین پر پھینکا تو وہ اژدہا بن کر پھنکارنے لگا۔ لیکن اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی وہ آپ کی تکذیب سے باز نہ آیا اور کہنے لگا یہ سب جادو کا کرشمہ ہی ہے۔

۲۲؎ پھر اس نے آپ کی طرف سے منہ موڑ لیا اور آپ کے اس معجزہ کا توڑ پیش کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا مصر کے گوشے گوشے سے ماہر جادوگروں کو اکٹھا کیا اور ان کو بڑے بڑے انعامات کا لالچ دیا۔ وہ لوگ جنہیں اپنے فن پر بڑا ناز تھا بڑے کر و فر سے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے اور انہوں نے اپنی رسیاں پھینکیں تو وہ سانپ بن کر لہرانے لگیں۔ یہ دیکھ کر اس کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا اور اس نے اعلان کر دیا کہ میں ہی تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آیا اور اسے دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کر دیا۔

دنیا کے عذاب سے مراد ذلت و رسوائی کی وہ شکست ہے جو اسے مجمع عام میں اٹھانی پڑی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن کر ان سانپوں کی طرف لپکا اور انہیں نگل گیا۔ صرف یہی شکست فرعون کو نہیں ہوئی بلکہ جن ساحروں کو وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے لایا تھا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔ فرعونیت کو جو ہزیمت اور رسوائی اس میدان میں ہوئی اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور قیامت کے دن تو اس کے ساتھ جو برتاؤ ہوگا اس کا آج تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

۲۶؎ فرعون کی اس ہزیمت اور تباہی میں ہر اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہے اور جو دل اس نعمت سے بے بہرہ ہیں وہ کسی قیمت پر ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ ان کی آنکھ صرف اس وقت کھلے گی جب قہر کا عذاب انہیں چاروں طرف سے گھیرے گا اور اس کے غضب کی بجلیاں گر کر انہیں بھسم کر دیں گی۔

اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَ

پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کو۔ اس نے اسے بنایا ١٨ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا ١٩ اور

اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾

تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو ٢٠ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا ٢١

١٨ دلائل قیامت کا سلسلہ جو درمیان میں منقطع کر دیا گیا تھا اسے پھر شروع کیا جا رہا ہے۔ ذرا غور کرو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ تم چند بالشت قد و قامت کے مالک ہو اور یہ آسمان جس کی پہنائیوں اور وسعتوں کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ پھر اس میں ان گنت تارے اور کہکشاں ہیں جن کا محیر العقول اور لامتناہی سلسلہ ان سب کو کس نے پیدا کیا ہے۔ اگر تم عقل و انصاف سے بالکل محروم نہیں ہو گئے ہو تو تم بآسانی سمجھ سکتے ہو کہ جو علیم و قادر خلاق ہے اس کے لیے تمہیں پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

١٩ آسمان کی تخلیق میں اپنی قدرت کے کرشموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ سَمْک کا معنی سقف یعنی چھت کی ہے یعنی آسمان کو ہم نے بہت اونچا کیا اور سمک ارتفاع اور بلندی کو بھی کہتے ہیں یعنی اس کی بلندی اتنی اور وسعت اتنی ہے کہ تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس نے آسمان کی بلندی کو اتنا اونچا کر دیا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ پھر اس کی ساخت اور بناوٹ کو اس طرح درست کر دیا ہے کہ اس میں کوئی جھول کوئی شکن اور کوئی شگاف نہیں۔

٢٠ رات کی سیاہی اور دن کی ضیا کو آسمان کی طرف منسوب کیا کیونکہ اس کا تعلق آفتاب کے طلوع و غروب سے ہے جو اجرام سماوی میں سے ہے۔ اغطش لیلہا ای جعلہ مظلما۔

٢١ دحا الارض یدحوھا دحوا: بسطھا۔ زمین کو بچھا دینا۔ پھیلا دینا۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ کی اور نشانی بتاتے ہیں کہ میں نے ہی اس زمین کو تمہارے لیے بچھایا ہے اور اسے وسیع اور کشادہ کر دیا ہے تاکہ ان گنت مخلوقات اس پر اپنی زندگی بسر کر سکے۔

اس مقام پر یہ شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت سے تو پتہ چلتا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق اور تسویہ کے بعد کی گئی۔ حالانکہ سورۂ بقرہ کی آیت ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء اور سورۂ فصلت میں یہ صراحت مذکور ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمان کو اس کے بعد پیدا کیا گیا۔ علمائے کرام نے اس کے متعدد جواب دیے ہیں۔ بعض نے فرمایا ہے کہ زمین کو پہلے پیدا کیا گیا اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی لیکن زمین کو انسانی زندگی کے قابل بنانا اور اس میں ضروریات زندگی کا مہیا کرنا آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا اور یہاں دحو زمین سے یہی مراد ہے۔ لیکن اس جواب کو دوسرے حضرات نے پسند نہیں کیا کیونکہ سابقہ آیات میں صراحت موجود ہے۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا تمہارے لیے زمین میں ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ اس لیے دوسرے حضرات نے اس کا یہ جواب فرمایا ہے کہ زمین میں زندگی کی ضروریات کی بہم رسانی کی صلاحیت اور استعداد تو پہلے ہی رکھ دی گئی تھی لیکن اس کا بالفعل ظہور اس وقت ہوا جب آسمان بنا، اس میں سورج جو منبع حرارت ہے اس کو پیدا کیا گیا۔ اس کی حرارت اور کرنوں کی تاثیر سے مختلف چیزیں پیدا ہونے لگیں۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ یہاں بعد ذلک

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ

نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لیے

وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ

اور تمہارے مویشیوں کے لیے ۲۲؎ پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت ۲۳؎ اس دن انسان یاد کرے گا جو

الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾

دوڑ دھوپ اس نے کی تھی ۲۴؎ اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے ۲۵؎ پس جس نے سرکشی کی ہو گی

سے تخلیق کی بعدیت مراد نہیں بلکہ ترتیب کی بعدیت ہے لیکن اس کی جو تفسیر حضرت ابن عباس سے منقول ہے وہ بڑی واضح ہے کہ اس کے بعد کسی تاویل کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ آپ فرماتے ہیں بعد ذالک اس جگہ مع ذالک کے معنی میں ہے جس طرح عتل بعد ذالک زنیم میں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیز لکھتے ہیں: از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول است کہ بعد ذالک دریں جا بمعنی مع ذالک است چنانچہ در آیت عتل بعد ذالک زنیم۔ یہ مجاز ہے اور اس کے ساتھ تقویہ پا لیا ہے۔

۲۲؎ پانی کے میٹھے چشمے جاری کر دیے۔ اس میں طرح طرح کی سبزیاں اور ترکاریاں اور چارہ پیدا ہونے لگا جس سے تم اپنی ضروریات بھی پوری کرتے ہو اور تمہارے مویشیوں کا بھی چارہ ملتا ہے جن کے گوشت اور دودھ کی خوراک کا سامان بھی مہیا ہوتا ہے۔ تو جو قادر مطلق ان تمام کاموں کو بڑی حکمت سے انجام دے رہا ہے اس کے بارے میں تمہیں شک ہے کہ وہ قیامت کے دن تمہیں پھر کر زندہ کر سکے گا۔

ہماری آسائش اور نشو و نما کے لیے حیران کن حکمت سے چیزیں زمین کے شکم سے نکالی ہیں اس میں آسمان کی بلندی، سورج اور چاند کی کرنوں کے اثرات اور سلسلہ ہائے کوہ اور زمین کی زرخیزی سب چیزوں کا جو حصہ ہے وہ اہل دانش سے مخفی نہیں۔ کائنات کے مختلف اجزاء میں اگر موجودہ نظم و نسق کو بدل دیا جائے تو یہ چیزیں ناپید ہو کر رہ جائیں گی۔

۲۳؎ اب ہولناکیوں والی قیامت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ الطامۃ: اعظم الدواھی۔ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت کو الطامۃ کہتے ہیں۔ جو چیز اپنی مقدار یا تعداد کی کثرت کے باعث دوسری چیزوں پر چھا جائے اسے الطامۃ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں جاء السیل فطم الرکیۃ سیلاب آیا اور اس نے تمام کنوؤں اور گڑھوں کو لبریز کر دیا۔ جری الوادی فطم علی القری وادی میں پانی کا ریلا آیا اور اس نے تمام حوض لبریز کر دیے۔ قیامت کی مصیبت دوسری تمام مصیبتوں سے بڑی اور ہولناک ہے۔ اسی لیے اس کو طامہ کہا گیا اور ساتھ ہی کبریٰ کا اضافہ کر کے یہ بتا دیا گیا کہ اس کی ہولناکی میں کوئی شک نہیں ہے۔

۲۴؎ اس وقت انسان کی نگاہوں کے سامنے اس کی زندگی کا نامہ کھل جائے گا۔ وہ اعمال جو اس کو بالکل بھول گئے تھے ایک ایک کر کے نمایاں ہو کر سامنے ابھر آئیں گے۔ اگر اس نے اپنی عمر نیکی میں بسر کی ہو گی تو اس کی خوشی کی انتہا نہ ہو گی اور اگر بد اعمالیوں میں عمر برباد کی ہو گی

وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۗ وَاَمَّا مَنْ

اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو ۔ تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانا ہوگا ٣٥ اور جو

خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ

ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور روکا ہوگا اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے ۔ یقیناً جنت ہی

هِيَ الْمَاْوٰى ؕ يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ فِيْمَ اَنْتَ

اس کا ٹھکانا ہوگا ٣٦ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی ۔ آپ کو اس کے بیان

آیا تھا۔ اس روز اس کا سارا ریکارڈ ہوگا یعنی کہ اس کے سامنے اس کے صحیفۂ اعمال کھول کر رکھ دیے جائیں گے۔ جو باتیں اس کو فراموش ہو گئی تھیں وہ بھی یاد آنے لگیں گی۔

٣٤ جس جہنم کا وہ آج تک مذاق اڑاتا تھا وہ اس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کر دی جائے گی۔

٣٥ اس وقت اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹ جائے گی۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہوگا جنہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑ دیا اور دنیوی زندگی کے آرام و آسائش کو ابدی زندگی کے آرام و آسائش پر ترجیح دی۔ ان کی ساری جدوجہد دولت کے حصول، شہرت اور ناموری حاصل کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کے شب و روز انہی کی ادھیڑ بن میں گزرتے تھے یہ کہ وہ اس دنیا میں ٹھاٹھ سے رہیں اور اچھے منصب پر فائز ہوں۔ اپنی اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے وہاں سرخروئی حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی وقت نہ تھا اور کبھی اس کے بارے میں انہوں نے سوچنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ فرمایا ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جن نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے وہ لگے رہے وہ فانی تھیں۔ چند روز ان کی عظمت کا ڈنکا بجا اور پھر ہمیشہ کے لیے فنا کی وادیوں میں گم ہو گئے۔

٣٦ اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہوگا جو ہر وقت اس بات سے ڈرتے رہتے تھے کہ انہیں ایک دن اپنے رب کے حضور کھڑا ہونا ہے۔ انہوں نے اپنے نفس کے گھوڑے کو کبھی بے لگام نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے شریعت کی قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے کی اسے ہرگز اجازت نہیں دی۔ وہ اس کو ان خواہشات سے جو احکام الٰہی سے متصادم تھیں، سختی سے باز رکھا کرتے تھے۔ ان کی جنت کی بہاریں ان کے لیے چشم براہ ہیں۔ نہریں اور خوشبودار پھولوں کے تختے ہیں جو ان کا انتظار کر رہے ہیں۔

صاحب تاج العروس ہوٰی کا معنی کرتے ہیں المحبۃ یعنی کسی چیز کی محبت۔ ملا علی قاری اسی طرف مائل ہونا جائز ہو۔

علامہ سید اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ الہوٰی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الہوٰی الاخذ بالہوی والسقوط من علو یعنی بلندی سے پستی کی طرف گرنا اور وحکنا۔ فرماتے ہیں ہوٰی کو ہوٰی اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کو دنیا میں ہر مصیبت میں پھنسا دیتی ہے اور آخرت میں ہاویۃ یعنی جہنم میں گرا دیتی ہے۔ قیل سمی بہ لانہ یھوی بصاحبہ فی الدنیا الی کل داھیۃ وفی الآخرۃ الی الھاویۃ۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہوائے نفس کے ترک کرنے کو ترجیح

مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿٤٣﴾ إِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿٤٤﴾ إِنَّمَآ أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿٤٥﴾

کہ تمہیں اسے بتانے سے کیا تعلق ۴۳؎ آپ کے رب ہی کی طرف اس کی انتہا ہے ۴۴؎ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو ۴۵؎

سب سے نیچے والا درجہ یہ ہے کہ احکامِ شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب کیا جائے اور اصحاب کرام کے حق میں خواہش کی مخالفت سے مراد یہ ہے کہ
یہ ہے کہ انسان کسی گناہ کا ارادہ کرے اور پھر قیامت کی حاضری کے خوف سے اس سے رک جائے اور مشتبہ چیزوں سے بھی پرہیز کرے۔ حضرت ابوالفضل
رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس
کی مخالفت کرتا رہے۔ وجدت طريقا اقرب طرق الى الله بعبادة مخالفة النفس فرماتے ہیں کہ نفس کی خواہش نہ ماننا یہ ایک جہاد حق
ہی کی مجاہدہ ہے انسان کا اپنے سب سے بڑا دشمن ہے اور یہی کمال کے باعث ہیں اور نفس ہی کے جذبات کو دبا کر انسان کو بڑا کرتا ہے۔
شیخ ابوزکریا کہتے ہیں: والحصن الحصين من نظم الامام: التثبت بذيل شيخ كامل فانه يلقي به ولا يفعل شيئا الا بامره و
اجازته یعنی نفس کی دست درازیوں اور غلبہ خواہش سے بچنے کا محفوظ ترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے شیخ کامل کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رکھے
اس کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کرے۔

حضرت یعقوب چرخی نے اپنے شیخ خواجہ نقشبند سے پوچھا کہ اگر کسی کو ایسا شیخ کامل نصیب نہ ہو تو وہ کیا کرے تو آپ نے فرمایا کہ وہ کثرت
سے استغفار پڑھا کرے یا ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ یہ استغفار پڑھے: استغفر الله الذي لا اله الا هو الحي القيوم واتوب اليه۔

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث پاک کی خوشبو لیجیے۔ قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ثلاث مهلكات
هوى متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسه وهي اشدهن۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی
ہیں۔ نفس کی وہ خواہش جس کی پیروی کی جائے۔ بخل اور کنجوسی جس کی اطاعت کی جائے اور خود پسندی کہ انسان اپنے نفس کو بہتر سمجھنے لگے۔ فرمایا یہ تیسری چیز
سب سے زیادہ ہلاکت خیز ہے۔

۴۳؎ جب کفار کو قیامت کے متعلق بتایا جاتا تو وہ یہ پوچھنا شروع کر دیتے کہ بتائیے قیامت کس تاریخ کو برپا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں
اے میرے محبوب! آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ قیامت کے دن کا تعین کر کے انہیں بتائیں بلکہ آپ کی تشریف آوری کا مقصد یہ ہے کہ
آپ انہیں خواب غفلت سے بیدار کریں۔ انہیں دعوت حق سنائیں تاکہ آپ کی دعوت کو قبول کر کے اور آپ کے ارشادات پر عمل کر کے قیامت
کے دن یہ سرخروئی حاصل کر سکیں اور ان کا فائدہ اسی میں ہے۔ اگر ان کو قیامت کی تاریخ بتا بھی دی جائے تو اس سے انہیں کیا فائدہ۔ یہ لوگ بے مقصد
باتوں میں اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں اور وہ امور جن میں ان کا نفع ہی نفع ہے ان کی طرف یہ متوجہ نہیں ہوتے۔ بعض نے فیم پر وقف کیا ہے اور
انت من ذکراها ان کے سوال کا جواب ہے کہ آپ اس قیامت کی علامتوں میں سے اور اس کی نشانیوں میں سے ایک ہیں۔

۴۴؎ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب وہ چاہے گا قیامت برپا ہو جائے گی۔

۴۵؎ آپ کو اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آپ ان کے لیے قیامت کی تاریخ کا تعین فرمائیں بلکہ آپ کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوٓا۟ إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَىٰهَا ﴿٤٦﴾

گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے (تو انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح ۔

لوگوں کو بروقت خبردار کر دیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں۔

آج تو انہیں دنیا کی زندگی بڑی طویل معلوم ہوتی ہے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ جو چیز اتنے لمبے عرصہ میں وقوع پذیر نہیں ہوئی اس کے بعد اس کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہی نہیں۔ اس کا انتظار کرنا عبث اور بے سود ہے۔ مگر جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت انہیں اپنی پوری (دنیوی) زندگی بڑی مختصر معلوم ہوگی۔ اس وقت وہ حسرت بھرے وقت کا شکوہ کریں گے کہ ہم تو گھڑی بھر کے لیے دنیا میں ٹھہرے تھے اور پھر واپس بلا لیے گئے۔ ہمارا قیام تو اتنی دیر رہا جتنی دیر میں صبح یا شام کا وقت ہوتا ہے۔ ہمیں بھلائی کرنے کی مہلت ہی نہیں ملی۔ ہمیں سوچ بچار کا وقت ہی نہیں دیا گیا۔ اتنے قلیل وقت میں ہم اس حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے تھے۔

○

اللّٰھم اجعلنا من السعداء الذین خافوا مقام ربھم ونھوا النفس عن الھوی وارزقنا اتباع حبیبک الکریم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

○

تعارف

سُورۃ عَبَسَ

نام : اس سورت کا نام عَبَسَ ہے جو اس سورت کا پہلا کلمہ ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیالیس آیتیں، ایک سو تیس کلمات اور پانچ سو تینتیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے خالہ زاد بھائی تھے اور اُن خوش نصیبوں میں سے تھے جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہوتا ہے، نابینا تھے۔ ایک روز بارگاہ رسالت میں شیبہ، عتبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ ابن خلف، ولید ابن مغیرہ، عباس ابن عبدالمطلب اور دیگر رؤسائے قریش حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑی دلسوزی اور محبت سے انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی سعی فرما رہے تھے۔ "حریص علیکم" کی شان اپنے پورے جوبن پر تھی۔ دریں اثنا عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے۔ نابینا ہونے کی وجہ سے محفل کا رنگ نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے اپنے شوقِ فراواں سے مجبور ہو کر آتے ہی عرض کی "یا رسول اللہ علمنی مما علمك الله" (اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا اس میں سے مجھے بھی سکھائیے)

یہ مداخلت بیجا حضور کو بہت ناگوار گزری اور ناگواری کے آثار نمایاں ہوئے۔ آداب مجلس کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جو سلسلہ کلام پہلے شروع ہے وہ ختم ہو جائے تو نئی بات چھیڑی جائے۔ یہاں تو حضور تبلیغ کا نہایت اہم ترین فریضہ ادا کرنے میں مصروف تھے عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس بے شمار مواقع تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ کی دلجوئی کرتے ہوئے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ اس بارگاہ میں شکستہ دلوں اور دوختہ جگروں کی جو قدر و منزلت ہے وہ کسی اور کی نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے۔ قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ سے خطاب فرمایا ہے۔ وہاں محبت و پیار اور دلجوئی کی حد کر دی گئی ہے لیکن ان مقامات کے برعکس یہاں اسلوب بیان میں بڑا جلال ہے۔ انداز خطاب میں تندی کا پہلو غالب ہے۔ بظاہر غلطی حضرت عبداللہ کی ہے کہ انہوں نے مجلس نبوت کے ادب کا پاس نہ رکھا نیز حضور کسی اپنے ذاتی کام میں مصروف نہ تھے بلکہ "بلغ ما انزل الیك" کے حکم کی تعمیل میں مشغول تھے چاہیے تو یہ تھا کہ عبداللہ کو سرزنش کی جاتی کہ انہوں نے فرائض نبوت کی ادائیگی میں مداخلت کیوں کی ہے لیکن ان کے بجائے اپنے

محبوب کریم کو تنبیہ فرمادی کہ آپ نے ناگواری کا اظہار کیوں کیا اور اس سے بے رخی کیوں برتی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔

آیات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا تند لہجہ اختیار کرکے رؤساء کے مکہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ کرنا مقصود ہے جس میں وہ بری طرح مبتلا تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مسلمان ہونے سے اسلام کو چار چاند لگ جائیں گے پیغمبر اسلام کی عزت اور توقیر میں اضافہ ہوگا۔ انہیں اسلام کی چنداں ضرورت نہیں اس لیے جس محفل میں وہ موجود ہوں کسی دوسرے شخص کو وہ خود اقتا نہیں سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں ان کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا کہ یہاں تو اس کو پذیرائی بخشی جاتی ہے جو خلوص اور طلب صادق لے کر حاضر ہوتا ہے۔ خواہ وہ مفلس و کنگال ہی کیوں نہ ہو جس شخص کو اپنی دولت اور جاہ و منصب پر گھمنڈ ہے جس کے دل میں جذبۂ صادق نہیں اس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں، انہیں اسلام کی ضرورت ہے تاکہ اس کی برکتوں اور ضیا پاشیوں سے ان کا تاریک مستقبل درخشاں ہو جائے۔ اسلام کو ان کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اگر وہ اس سے فیض یاب نہ ہوں گے تو کئی دوسرے خوش نصیب اس چشمۂ شیریں سے آکر سیراب ہوں گے۔ قیامت تک آنے والے رئیسوں، دولتمندوں، خاقانوں اور قیصروں کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا۔ آیات کے لہجہ میں یہ تندی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر اختیار کی گئی۔

جو لوگ ان آیات سے سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرتبۂ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں وہ پرلے درجے کے کم فہم ہی نہیں بلکہ اہل نفاق کا شیوہ تھا۔ علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ ایک امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قرأت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا۔ چونکہ وہ حضور کے مرتبۂ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تاکہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لیے نگاہ فاروقی میں وہ مرتد تھا۔ اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے (روح البیان) ایسے مقامات پر انسان کو سنبھل کر قدم اٹھانا چاہیے مبادا ایمان کی متاع گم ہو جائے۔

آیت نمبر ۱۷ سے ایک نیا مضمون شروع ہو رہا ہے۔ انسان کی ناشکری کی کیفیت بیان کی جا رہی ہے کہ جس رب کریم نے اس کو پیدا کیا اور اس کے ظاہری اعضاء اور باطنی قوتوں میں موزونیت کا خیال رکھا۔ پھر اس کی خوراک کا سامان مہیا فرما دیا اس کو کبھی خیال نہ آیا کہ وہ اپنے کریم پروردگار کا شکریہ ادا کرے۔ اس سے بڑھ کر اور بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے۔

آیت نمبر ۳۳ سے آخر تک احوال قیامت کی طرف متوجہ کر دیا تاکہ انسان آج ہی اس امتحان کے لیے تیاری شروع کر دے۔

نیو ڈسٹرکٹ جیل سرگودھا

۶۶-۴-۲۳

سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اثْنَتَانِ وَاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَفِيْهَا رُكُوْعٌ وَاحِدٌ كَذَا الخ

سورۂ عبس مکی ہے اس کی بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝۱ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۝۲ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝۳

چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا[1] اس وجہ سے کہ ان کے پاس ایک اندھا آیا اور آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا ۳

[1] ایک مرتبہ بارگاہ رسالت میں رؤسائے قریش عتبہ، شیبہ پسران ربیعہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، ولید بن مغیرہ حاضر تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں دعوت اسلام دے رہے تھے کہ اچانک عبداللہ ابن ام مکتوم آ گئے اور کوئی مجلس کی ساعت کیے بغیر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اقرئنی وعلمنی مما علمک اللہ۔ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی وہ سکھائیے اور مجھے پڑھ کر سنائیے۔ ان کا یوں اچانک مخل ہونا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گوارا نہ ہوا، ناگواری کے آثار چہرہ مبارک پر نمایاں ہونے لگے اور پیشانی پر شکن پڑ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

امام فخر الدین رازی یہاں ایک سوال اٹھاتے ہیں پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے جو آنکھوں سے معذور تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت اسلام دیتے ہوئے سنا تو انہوں نے قطع کلام کرتے ہوئے اپنی بات چھیڑ دی نیز ایک کافر کو دعوت اسلام دینا ایک مسلمان کو قرآن کی تعلیم سے مقدم ہے نیز بارگاہ رسالت کے جو آداب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو سکھائے تھے وہ تو یہ تھے کہ علانیہ یا انداز میں حجروں سے باہر کھڑے ہو کر حضور کو نہ بلائیں بلکہ حضور کی آمد کا انتظار کریں۔ پھر اس محفل میں تو انہیں سراپا ادب بن کر خاموش رہنا چاہیے تھا یہاں تک کہ حضور تبلیغ سے فارغ ہو لیتے اور پھر اپنی گزارش کرتے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر عتاب حضرت عبداللہ کو ہونا چاہیے تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عتاب کرنے میں کیا حکمت ہے۔

رازی لکھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں بجا ہیں اور عتاب کی اس کے باوجود کوئی حکمت ضرور ہے وہ یہ کہ جو لوگ اس وقت حاضر تھے وہ مکہ کے سردار اور دولت مند لوگ تھے انہیں اپنی امارت و برتری کا احساس بڑی شدت سے تھا اور اس پر انہیں گھمنڈ بھی تھا۔ ان کی موجودگی میں اپنے کسی نیازمند کے ساتھ یہ بے اعتنائی عام لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر سکتی تھی کہ یہ بے رخی تبلیغ میں انہماک کی وجہ سے نہیں برتی گئی بلکہ محض ان لوگوں کی دولت و ثروت اور ان کی ریاست کی وجہ سے ان کی پاسداری کی گئی ہے اور عبداللہ کو محض اس لیے نظر انداز کیا گیا ہے کہ وہ غریب نادار آدمی ہے۔ اور جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہی غریب نوازی کے لیے ہو جس کا منصب ہی یہی ہو کہ کمزوروں اور غریبوں کی دلجوئی کرے اس لیے اس کو عتاب فرمایا گیا تاکہ کسی کو بدگمانی کی گنجائش نہ رہے کی عزت افزائی کے لیے ہو اس سے کسی ایسی بات کا صدور جس سے اس کے منصب جلیل کے خلاف کوئی شبہ پیدا ہو سکے اللہ تعالیٰ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔

عبداللہ بن ام مکتوم کے دل نیازمند پر صدہا شب و روز قربان کیے جا سکتے ہیں۔ بارگاہ نبوت کے ان درویشوں اور فقیروں کی دلربائی و عشوہ کے سامنے دنیا بھر کے رئیسوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

قطرۂ آب وضوئے قنبرے
خوب تر از خون ناب قیصرے

قنبر کے وضو کے پانی کا قطرہ قیصر کے خون ناب سے قدر و قیمت میں کہیں فزوں تر ہے۔

لیکن اس عتاب میں بھی لطف و کرم اور پیار کے جلوے رقص فرما رہے ہیں۔ عتاب کرتے ہوئے عبست و تولیت خطاب کے صیغے استعمال نہیں کیے بلکہ غیاب کے صیغہ میں عتاب کیا گیا ہے کیونکہ بصورت خطاب عتاب خاطر عاطر پر بہت گراں گزرتا۔

ان آیات کے نزول کے بعد نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں جب حضرت عبداللہ حاضر ہوتے تو حضور فرماتے مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی۔ خوش آمدید اسے جس کے باعث میرے رب نے مجھے عتاب فرمایا۔ پھر پوچھتے ھل لک من حاجۃ۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔ کسی مہم کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب بیرون مدینہ تشریف لے جاتے تو مدینہ میں اپنا کسی کو نائب بنا جاتے۔ حضرت عبداللہ کو یہ شرف دو بار حاصل ہوا۔

۱۔ حضرت عبداللہ کو نابینا کہنے میں ان کی تحقیر مقصود نہیں بلکہ ان کی طرف سے معذرت پیش کی جا رہی ہے۔ یعنی وہ نابینا شخص تھا، نہ محفل کو دیکھ سکا نہ حاضرین کو پہچان سکا اور جاتے ہی پوچھا کہ آپ اس قدر مصروف ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ الفہری ہے۔ بنی عامر بن لؤی کے قبیلہ سے ہیں۔ سابقین قریش تھے۔ ام مکتوم ان کی دادی تھیں لیکن اکثر نے ام مکتوم کو ان کی والدہ لکھا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

۲۔ حضرت عبداللہ کی بات پر توجہ نہ دینا بظاہر معمولی بات نظر آتی ہے لیکن وہ رؤسا جن کی طرف آپ ہمہ تن متوجہ تھے ان میں سے کسی کے دل میں طلب حق کا جذبہ نہ تھا۔ انہیں تو اپنی دولت کا گھمنڈ اور اپنے تئیں عقل ہمہ دان پندار تھا۔ وہ آپ کی دعوت کو سمجھنے اور سمجھ کر اس کو قبول کرنے کی نیت سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ کی خصوصی توجہ کے باعث وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے کہ اسلام کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ اگر انہوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اسلام کی ترقی رک جائے گی اور اس کی کامیابی کے امکانات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ ان نادانوں نے اس حقیقت کو نہ سمجھا کہ پیاسوں کو مسیحائی کی ضرورت ہے جو آب حیات کا چشمہ ہو، پیاسا چشموں کا محتاج ہوا کرتا ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ نیز بہت ممکن ہے کہ آپ کی ان کی طرف توجہ دیکھ کر وہ اپنے دل میں اسلام اور داعیٔ اسلام کے بارے میں اس قسم کے تصورات کو جگہ دیں اور یہ درویش جو پہلے ہی حق کی شمع اپنے سینہ میں فروزاں کر چکا تھا اور حضور کی غلامی سے عہد وفا باندھ چکا تھا، ان اندھی محرومیوں کے ساتھ جو کوشش ہو رہی تھی انہیں اس کا کوئی فائدہ پہنچنے والا نہ تھا البتہ اس سے جو آپ کی ملاطفت ... صدیق دل سے اس پر عمل کرتا۔ اس کا دل رنجیدہ ہو کر اور زیادہ مشتاق اور نیازمند ہو جاتا۔

أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾ فَأَنتَ لَهُ

یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتا اسے یہ نصیحت کے لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا ۔ آپ اس کی طرف تو

تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ يَسْعَىٰ ﴿٨﴾

توجہ کرتے ہیں اور آپ پر کوئی الزام نہیں اگر وہ درست نہ ہو ۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا ۔

وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾ فَمَن

اور وہ ڈر بھی رہا ہے تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں لے ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے ۔ سو جس کا

ک یا آپ سے جو کلام الٰہی سنتے وہ اس میں مزید غور و فکر کرتا اس سے نصیحت قبول کرتا۔ آپ کی یاددہانی اس کے لیے بڑی نفع بخش ہوتی۔ دعوت اسلام اگرچہ عام ہے لیکن اس سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو اس میں غور و فکر کرے۔

ل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سراپا رأفت و رحمت تھے۔ حضور کی یہ آرزو تھی کہ کوئی بھی نعمت ایمان سے محروم نہ رہے اس لیے پوری دلسوزی سے ہر ایک کو اس کے جواب سے عبداللہ ... کی کیفیت کو قرآن نے حضور علیہ السلام کے کلمات سے بیان کیا ہے لیکن ان کی استعداد یکساں نہ تھی۔ ان کے نظریات و افکار میں بڑا تفاوت تھا کچھ لوگ ایسے تھے جن کے دلوں میں حق کی تلاش کا ذوق موجود تھا اور وہ حضور کی ذات اقدس کو ہی ایسا چشمہ فیض سمجھتے تھے جہاں سے ان کے ذوق کی تشنگی بجھ سکتی تھی۔ اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ اگر ان اہل باطل کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی جائے اور حق کے متلاشیوں کی طرف سے بے اعتنائی برتی جائے تو اس دعوت کی ترقی میں غیر معمولی رکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی تادیب و تربیت خود فرماتے ہیں اور ارشاد ہے کہ وہ شخص جو اس دعوت کی طرف سے بے نیازی کا مظاہرہ کیے ہوئے ہے آپ اس کی طرف تو بہت توجہ فرماتے ہیں حالانکہ اگر وہ مسلمان نہ ہو تو آپ کی بلا سے۔ نہ آپ پر اس کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری ہے اور نہ آپ کو اس کے کفر سے کوئی ضرر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ طالب حق جو پیغام حق سننے کے لیے سخت بے تاب ہے فرط شوق سے آپ کے قدموں میں دوڑا ہوا چلا آیا ہے اور اس کے دل میں خدا کا خوف ہے آپ اس کی طرف سے کیوں بے اعتنائی برتیں۔ اے میرے حبیب! آپ کریں یہ بات مناسب نہیں دیتی۔ شمع ہدایت پر پروانہ وار گرنے والوں کی طرف سے بے رخی آپ کے شایان شان نہیں۔

شَآءَ ذَكَرَهُ ﴿١٢﴾ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿١٣﴾ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِأَيْدِي

جو چاہے اسے قبول کرے ۔ (یہ) ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں ۔ جو بلند مرتبہ ہیں پاکیزہ ہیں ۔ ایسے کاتبوں کے

سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾ قُتِلَ الْإِنسَانُ مَآ أَكْفَرَهُ ﴿١٧﴾ مِنْ أَيِّ

ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں ۔ ہلاکت ہو (ناشکرے) انسان پر وہ کتنا احسان فراموش ہے ۔ کس چیز سے

شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿١٨﴾ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ﴿١٩﴾ ثُمَّ السَّبِيلَ

اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ۔ ایک بوند سے ۔ اسے پیدا کیا پھر اس کے ہر عضو کا اندازہ مقرر کیا ۔ پھر زندگی کی راہ اس پر

اگر وقف کلا پر ہو تو اس کا معنی سوچ رہے ہوں گے یعنی ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہیے اور اگر کلا پر وقف نہ ہو تو یہ حقا کے معنی میں ہے
یعنی یقیناً یہ آیات مبارکہ ایک تذکرہ ہیں ۔ جس کا جی چاہے ان سے نصیحت قبول کرے اور ان بدنصیب رؤسا کا جی چاہے ان سے اعراض
کرے ۔ ان لوگوں کو فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس دعوت کی حاجت ہے ۔ اس دعوت کو ان کی ضرورت نہیں ۔
قرآن کریم کی عظمت شان کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ نہ صرف معزز اور باعزت صحیفوں میں محفوظ کر دیا ہے جن کی شان یہ ہے کہ وہ
بلند و بالا ہیں بلکہ ہر آلائش سے پاک ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز اضافہ کرے یا اس میں باطل کو لا سکے ۔
سفرة سافر کی جمع ہے اس کا معنی ہے ظاہر کرنے والا ۔ کاتب کو بھی سافر کہتے ہیں کہ وہ اپنی تحریر سے اپنے
مافی الضمیر کو ظاہر کرتا ہے ۔
یہاں ان معزز فرشتوں کی تعریف کی جا رہی ہے جنہوں نے ان پاکیزہ صحیفوں میں کلام الٰہی کو تحریر کیا ہے کہ وہ بڑے بزرگ ہیں ان سے توقع
نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی طرف سے اضافہ کر دیں یا کمی کر دیں اور وہ نیکوکار ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں غفلت و سستی ان کے
لیے ممکن نہیں ہے ۔
مجاہد کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی قتل الانسان کے الفاظ آئے ہیں وہاں انسان سے مراد کافر ہے ۔ یعنی یہ انسان جو بڑے بڑے
احسانات سے بہرہ ور ہوا ہے لیکن ان کا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ کفران نعمت کی روش اختیار کر لیتا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے بندگی کے بجائے فخر و
تکبر کرنے لگتا ہے ۔ اس کی وجہ ان کے پاس مال و دولت کی کثرت ہے اس کا اسے بہت زعم ہے ۔ ما اکفرہ
اظہار تعجب کے لیے آیا ہے ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور کے درویشوں اور غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے
اور ان کی مجلس میں بیٹھنا اپنی ہتک خیال کرتے تھے ۔
اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی اصلیت پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے جب یہ دنیا میں آئے تو کیا ان کی کوئی حیثیت تھی ان کے غرور کا کیا حال تھا
پہلے کتنے کم ظرف تھے یہ لوگ کیا یہ نہیں جانتے کہ ان کو کس حقیر چیز سے پیدا کیا گیا ہے اور ان کا مآل کیا ہے

يَسَّرَهُ ﴿٢٠﴾ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿٢١﴾ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَهُ ﴿٢٢﴾ كَلَّا لَمَّا

آسان کر دی (۲۰) پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچایا (۲۱) پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا (۲۲) یقیناً وہ بجا نہیں لایا جو اللہ

يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿٢٣﴾ فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَىٰ طَعَامِهِ ﴿٢٤﴾ أَنَّا صَبَبْنَا

نے اسے حکم دیا تھا (۲۳) پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو (۲۴) بیشک ہم نے برسایا

جس نے اس کے اعضاء کی ساخت، شکل و صورت کا تعین [illegible] ان کے [illegible] اور اس کی قسمت [illegible] کے بارے

میں آخری فیصلہ صادر فرمایا۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اس کے مفہوم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ [illegible]

[illegible] جب سے اس دنیا میں پیدا کیا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] جب تک اس کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] حیات و موت کے بارے میں [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

الْمَاءَ صَبًّا ﴿٢٥﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿٢٦﴾ فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبًّا ﴿٢٧﴾

سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح چیرا زمین کو۔ پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ

وَعِنَبًا وَقَضْبًا ﴿٢٨﴾ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿٢٩﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿٣٠﴾ وَفَاكِهَةً

اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور طرح طرح کے پھل

وَأَبًّا ﴿٣١﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٢﴾ فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾

اور گھاس۔ سامانِ زیست تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے ۲۱ پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا ۲۲

اس کا اپنا بھلا ہی ہے۔

۲۱ انسان کے احوالِ معاد کو ذکر کرنے کے بعد اب اس کے طلبِ معاش کا ذکر ہو رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور بے شمار نوازشات کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں ان کی طرف انسان کو متوجہ کیا جا رہا ہے۔ یعنی تم اپنے دسترخوان پر چنے ہوئے رنگا رنگ کے کھانوں کو ہڑپ کر جاتے ہو اور یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو پیدا کیا ہے۔ بارش برستی ہے۔ جو بیج زمین کا سینہ شق کر کے تہ میں دبا پڑا تھا وہ کونپل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر یہ ننھی ننھی کونپلیں نشو و نما پاتے ہیں۔ کہیں گندم کے کھیت لہلہاتے ہیں۔ کہیں انواع و اقسام کے شیریں پھل تیار کیے جا رہے ہیں۔ کہیں انگور کی بیلیں زمین پر پھیلی ہوئی نشوونما پا رہی ہیں۔ کہیں تمہارے جانوروں کے لیے چارہ اگ رہا ہے۔ زیتون اور کھجور کے درخت کہیں بہار دکھا رہے ہیں۔ کہیں شاداب اور گھنے باغات ہیں جن کے درختوں کی ٹہنیاں رنگا رنگ پھولوں اور پھلوں سے لدی ہوئی ہیں۔ کہیں گھاس اگ رہی ہے جو تمہارے جانوروں کے کام آتی ہے۔ اس طرح ہم نے اپنی رحمت و قدرت سے تمہارے لیے اور تمہارے حیوانات کے لیے سامانِ زیست فراہم کیا ہے۔

مشکل الفاظ کی تشریح: صب: پانی کو اوپر سے انڈیلنا۔ شقاً: زمین کو پھاڑنا اس کا چیرنا۔ حبا سے مراد ہر قسم کا اناج ہے گندم، جو، دال وغیرہ جس کا ذخیرہ کیا جاتا ہے۔ ای الحبوب وادخارہا... قضبا: قضب کا معنی کاٹنا ہے۔ سبزی کو بھی کاٹنے کے بعد پھر اگ آتا ہے۔ اس کو بھی قضب کہتے ہیں اور وہ ترکاریاں جن کو اوپر سے کاٹا جاتا ہے اور ان کی جڑیں پھر پھوٹ آتی ہیں ان کو بھی قضب کہا جاتا ہے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ھو القت والعلف ... سمی بذلک لانہ یقضب ای یقطع بعد ظہورہ مرۃ بعد اخریٰ ... التی تقطع فینبت اصلہا (قرطبی)

غُلْبًا: بڑے درخت جو بہت موٹے ہوں۔ ہر گھنے باغ کو حدیقۃ غلباء کہتے ہیں۔ شیر کو اغلب کہا جاتا ہے کیونکہ اس کی گردن موٹی اور بھاری ہوتی ہے۔ حدیقۃ غلباء کا معنی ہے گھنا اور سدا بہار باغ جس کے درخت بہت بھاری بھرکم ہوتے ہیں جن کی شاخیں باہم پیوست ہوتی ہیں۔ اَبًّا: ھو ما تاکلہ البہائم من العشب ... وہ چارہ یا وہ گھاس جو جانوروں کے کھانے کے کام آتا ہے۔

۲۲ ذکرِ معاش کے بعد پھر ذکرِ معاد ہو رہا ہے تاکہ لوگ اس کے لیے تیار ہو جائیں اور اس طویل سفر کے لیے اعمالِ صالحہ کا زادِ راہ فراہم کریں۔

الصَّاخَّة: خلیل اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الصاخۃ صیحۃ تصخ الاذن صخا ای تصمہا بشدۃ وقعتہا (قرطبی) یعنی صاخۃ اس

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَ

اس دن آدمی سب بھاگے گا اپنے سب بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور

بَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ

اپنے بیٹوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کردے گی شلہ کتنے ہی چہرے

يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ

اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش خوش ولہ اور کتنے منہ

يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ

اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر

ع ۱ ۱۲

الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

فاجر لوگ ہوں گے ثلہ

کہ صاخہ اس آواز کو کہتے ہیں جس کی شدت سے کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ اس سے مراد نفخۂ ثانیہ ہے جبکہ سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

شلہ اس دن ہر ایک پر نفسی نفسی کا عالم ہوگا کسی کو دوسرے کی ہوش نہ ہوگی ہر ایک اپنی مصیبت میں پھنسا ہوگا۔

ولہ اس دن لوگ دو طرح کے ہوں گے کچھ ایسے ہوں گے جن کے چہرے چمک رہے ہوں گے خوشی سے ہنس رہے ہوں گے اور ان کے چہروں پر مسرت و فرحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ انہیں کوئی اندیشہ نہ ہوگا یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوگی۔

ثلہ لیکن وہ بدنصیب جنہوں نے سرکشی اور سرتابی کی تھی ان کے چہروں پر گرد اڑ رہی ہوگی اور ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ساری عمر کفر کرتے رہے اور فسق و فجور میں مبتلا رہے۔

اللّٰهم ربنا انت الرحمٰن الرحيم اجعل وجوهنا يومئذ مسفرة ضاحكة مستبشرة. انت اهل التقوى و اهل المغفرة بجاه حبيبك الكريم و رسولك المعظم الذي ارسلته رحمة للعالمين و البسته تاج الشفاعة للمذنبين المستحقين و ابعثه مقاما محمودا يغبطه فيه الاولون والآخرون وصل وسلم وبارك عليه وعلى آله واصحابه ومن احبه و اتبعه الى يوم الدين يا اكرم الاكرمين ويا ارحم الراحمين. فاطر السموات والارض انت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين.

تعارف

سُورۃُ التکویر

نام : پہلی آیت میں کُوِّرَت باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ مذکور ہے جس کا مصدر تکویر ہے یہی اس سورۃ کا نام ہے۔

زمانۂ نزول : آیات کا اسلوب گواہی دے رہا ہے کہ یہ آغازِ رسالت کے عہد میں نازل ہوئی نیز جن دو مسئلوں قیامت اور رسالت کو یہاں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

مضامین : قیامت اور رسالت کے بارے میں ہی یہاں دلائل و شواہد ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ قیامت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ ہے جب یہ موجودہ نظامِ کائنات درہم برہم کر دیا جائے گا۔ نہ جہاں گیر تجلی ریزی رہے گی نہ مہر و ماہ کی تابانیاں رہیں گی اور نہ ان گنت ستارے چمکتے رہیں گے۔ فلک بوس پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر ہواؤں میں غبار کی طرح اُڑنے لگیں گے۔ چرند و پرند کی حالت دیدنی ہوگی۔ اس کے بعد اس کے دوسرے مرحلے کا ذکر فرمایا گیا جب دوسری مرتبہ صُور پھونکا جائے گا ہر چیز اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی اور سب کو بارگاہِ خداوندِ ذوالجلال میں محاسبہ کے لیے پیش کر دیا جائے گا۔ ایک طرف آنکھوں کے سامنے دوزخ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ دوسری طرف جنت اپنی تمام زینت اور آرائش کے ساتھ بندگانِ خدا کے لیے چشم براہ ہوگی۔

ذکرِ قیامت کے بعد رسالت کا تذکرہ فرمایا پہلے متعدد قسمیں کھائیں پھر بتایا کہ حاملِ قرآن اللہ کا رسول ہے۔ یہ کلام جو وہ تمہیں پڑھ کر سناتا ہے۔ یہ نہ اس نے خود تالیف کیا ہے اور نہ کسی نے اُسے لکھایا اور پڑھایا ہے بلکہ ایک معزز و محترم فرشتہ جس کی امانت و دیانت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ وہ فرشتہ اللہ کی جانب سے لے کر آیا ہے۔

اے نادانو! اس چشمۂ شیریں کو چھوڑ کر تم سراب کے پیچھے کیوں دوڑے جا رہے ہو۔ ذرا ہوش سے کام لو اپنی عاقبت برباد نہ کرو۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

٦ - ٣٠ - ٧٧

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ تِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ التکویر مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی ۲۹ آیات ہیں۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ

(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا ۱؎ اور جب ستارے بکھر جائیں گے ۲؎ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا

سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ

جائے گا ۳؎ اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی ۴؎ اور جب وحشی جانور اکٹھے کر دیئے جائیں گے ۵؎ اور

۱؎ وقوع قیامت کے وقت جو ہولناک تغیرات رونما ہوں گے ان کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ لوگ خواب غفلت سے آنکھیں کھولیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تاکہ اس روز انہیں اپنے اعمال پر پریشانی اور پشیمانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

نظام شمسی میں آفتاب کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں۔ جب یہ چمکتا ہے تو اس کی کرنیں اندھیروں میں ڈوبی ہوئی دنیا کو منور کر دیتی ہیں۔ اس کی حرارت سے زمین تنور کی طرح تپ جاتی ہے لیکن اس روز اس کی نور افشانی کو ختم کر دیا جائے گا۔ اسے لپیٹ دیا جائے گا۔ اس کی تیز رفتار شعاعوں کو زنجیر پہنا دیا جائے گا اور جب یہ لیمپ بے نور ہو جائے گا تو اس وقت جو اندھیرا چھائے گا وہ کس قدر گہرا اور کتنا ہیبت ناک ہو گا اس کا صرف تصور ہی روح فرسا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی لمبی دستار کو سر کے اردگرد لپیٹ لیتا ہے تو عرب کہتے ہیں كَوَّرَ الْعِمَامَةَ عَلٰى رَأْسِهٖ۔ اسی سے تکویر باب تفعیل ہے۔

۲؎ سورج کے بے نور ہونے کی حالت کا بیان تھا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ انکدر و انسقط وانقض۔ وانکدرت النجوم انتثرت۔ وہ ان گنت ستارے جو ہر ایک اپنے اپنے مدار میں رواں دواں ہیں ان کی گردش کا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا اور وہ اپنی جگہ سے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ بعض نے انکدرت کا معنی کیا ہے بے نور ہو جانا یعنی ستاروں کی چمک دمک ختم ہو جائے گی۔

۳؎ اور پہاڑ جو مضبوطی سے زمین میں گڑے ہوئے ہیں انہیں اکھیڑ دیا جائے گا اور وہ بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور آخر کار دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔

۴؎ عشار: دس ماہ کی گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے وضع حمل میں تھوڑے دن باقی ہوں۔ ایسی اونٹنی اہل عرب کے ہاں نہایت عزیز ہوتی تھی اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال پوری توجہ سے کرتے تھے لیکن قیامت کے روز لوگوں کی حالت ایسی ہو گی کہ ان کی قیمتی چیزوں کی بھی کوئی پرسان حال نہ ہو گا۔ ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی ہو گی۔

۵؎ صرف انسان ہی پریشان نہ ہوں گے بلکہ جنگلی جانور بھی انسان کی آواز سے بدکتے اور اس کے سائے سے دور بھاگتے ہیں وہ بھی جنگل

إِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ

جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے ۔ اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی ۔ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے

سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا

پوچھا جائے گا ۔ کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی ۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے ۔ اور جب

ہوا ان پہاڑوں اور گھونسلوں میں آ گھسیں گے۔ نہ کوئی گھاس کی فکر رہے گی نہ شکار کی، نہ کوئی سانپ کسی کو کاٹے گا اور نہ کوئی شیر کسی بکری کو پھاڑ کھانے کی جرأت کرے گا۔ سب ڈر اور دہشت سے ایک جگہ جمع ہوں گے۔

سے سمندروں میں اس وقت پانی کی بجائے آگ کے شعلے نظر آ رہے ہوں گے۔ پہلی دفعہ سننے والوں کو اس پر تعجب ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اگر پانی کے اجزائے ترکیبی پر غور کیا جائے تو تعجب اس پر نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے آگ بھڑک اٹھی۔ تعجب تو اس پر ہونا چاہیے کہ پانی شعلے سے آگ بجھ جاتی ہے۔ پانی دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب ہے۔ ان میں سے ایک گیس بھڑکنے والی ہے اور دوسری بھڑکانے والی ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کو اکٹھا کیا جائے تو آگ کی شدت دو چند ہو جاتی لیکن حکیم مطلق نے ان کے مرکب کو پانی کی شکل دے دی اور اس میں آگ بجھانے کی تاثیر رکھ دی۔ قیامت کے دن جب دوسرے تغیرات رونما ہوں گے اور تمام تعلقات توڑ دیے جائیں گے، سورج، ستارے اور پہاڑ گرا دیے جائیں گے، پانی کے اس مرکب کا بھی یہ ترکیبی رشتہ توڑ دیا جائے گا۔ آکسیجن اور ہائیڈروجن اپنی اصل حالت پر لوٹ آئیں گی اور ان کے بھڑکنے سے سمندروں میں پانی کی بجائے آگ کے شعلے بھڑکتے ہوں گے۔ سبحان من لا تنتہی حکمتہ ولا یحاط بآثار قدرتہ۔

سے اس کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اعمال و اخلاق کے مطابق انسانوں کی گروہ بندی کر دی جائے گی۔ متقیوں کا ایک گروہ ہوگا، اصحاب یمین کا ایک علیحدہ گروہ ہوگا اور اصحاب شمال کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔

؎ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز

قال الحسن: الحق کل امرئ بشیعتہ۔ اور عکرمہ سے اس آیت کی تفسیر منقول ہے: یقرن الارواح بالاجساد۔ یعنی قیامت کے دن روحوں کو جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (قرطبی)

سے عہد جاہلیت میں کئی قبیح اور سنگدلانہ رسمیں مروج تھیں جنہیں وہ بڑے فخر و مسرت سے انجام دیا کرتے تھے۔ انہی ظالمانہ رسوم سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اس پر وہ پشیمان ہونے کے بجائے وہ فخر و مباہات کا اظہار کیا کرتے تھے۔ اس ظالمانہ حرکت کے آغاز کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ایک دفعہ بنو تمیم پر ان کے دشمنوں نے شب خون مارا اور قبیلہ کے ایک سردار کی بیٹی کو وہ اٹھا کر لے گئے۔ جب دونوں قبیلوں کے درمیان صلح ہو گئی تو اس لڑکی کو واپس کر دیا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گھر چلی جائے۔ اس نے اس شخص کے پاس جانا پسند کیا۔ اس کے باپ کو بڑا غصہ آیا اور اس نے اپنے قبیلے میں یہ رسم جاری کر دی کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہو تو اس کو زندہ زمین میں دبا دیا جائے تاکہ آئندہ ان کی عزت پر حرف نہ آئے۔ آہستہ آہستہ یہ

قبائل میں بھی یہ رواج مشروعیت اختیار کر گیا اور اس کی کئی وجوہات تھیں۔ ① عام اہل عرب کی معاشی حالت بڑی خستہ ہوا کرتی تھی بچیوں کو پالنا پوسنا کرنا پھر ان کی شادی کرنا وہ اپنے لیے ناقابل برداشت بوجھ محسوس کرتے تھے اس لیے ان کو بچپن ہی میں ٹھکانے لگا دیا کرتے تھے۔ قبائل میں باہمی کشت و خون روزمرہ کا معمول تھا۔ لڑنے کے جوان ہی کسی قبیلہ کی طاقت ہوتے تھے لڑکیاں نہ لڑائیوں میں بھی شرکت کر سکتیں اور دشمن کو ان کی دست برد سے بچانے کے لیے بھی انہیں کافی تگ و دو کرنا پڑتی۔ اس لیے وہ ان کو زندہ رکھنا اپنے لیے وبال جان سمجھتے ② ان کی جاہلانہ نخوت بھی اس کا ایک سبب تھی۔ وہ کسی کو اپنا داماد بنانا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ اس سے بچنے کا یہی آسان طریقہ تھا کہ بچی کو زندہ دفنا دیا جائے اور کوئی ان کا داماد بنے۔

وجوہات اگرچہ مختلف اور متعدد تھیں لیکن یہ ظالمانہ رسم عرب کے جاہلی معاشرے میں چپے چپے پر پھیل گئی تھی۔ عام طور پر اسے کوئی عیب اور جرم نہ سمجھا جاتا۔ باپ اپنی اولاد کا مالک کل ہے چاہے اسے زندہ رکھے چاہے قتل کر دے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اس سنگ دل معاشرہ میں بھی خال خال ایسے لوگ موجود تھے جو معصوم بچیوں کی بے کسی پر خون کے آنسو بہاتے اور ان سے جتنا بھی بن آتا اس سے دریغ نہ کرتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا زاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل کو جب پتہ چلتا کہ فلاں کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور وہ اس کو زندہ دفن کرنا چاہتا ہے تو وہ فوراً اس کے پاس جاتے اور اس بچی کی پرورش اور اس کی شادی وغیرہ کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس طرح اس معصوم کی جان بچا لیتے۔

مشہور شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ بن ناجیہ المجاشعی کا بھی یہی معمول تھا۔ علامہ آلوسی نے طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں بھی ایک کام کیا ہے کیا اس کا بھی اجر ملے گا؟ میں نے تین سو ساٹھ بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا اور ہر ایک کے عوض دو دو گابھن اونٹنیاں اور ایک ایک اونٹ بطور فدیہ ان کے باپوں کو دیا ہے۔ اس عمل کا کوئی اجر ملے گا؟ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لک اجرہ اذ منّ اللہ علیک بالاسلام۔ نبی رحمت نے فرمایا اس عمل کا اجر تجھے مل گیا اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اسلام لانے کی توفیق مرحمت فرمائی اور دولت ایمان سے تجھے سرفراز کر دیا۔ (روح المعانی)

چنانچہ فرزدق اپنے دادا کے اس کارنامے پر فخر کیا کرتا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے۔

ومنا الذی منع الوائدات　　　فاحیا الوئید فلم یوأد

میرا دادا وہ ہے جس نے زندہ درگور کرنے والوں کو روکا۔ اس طرح ان بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچا کر زندگی بخش دی۔

لیکن اس ظالمانہ رسم کا پوری طرح قلع قمع اس وقت ہوا جب اللہ تعالیٰ کا محبوب رحمۃ للعالمین بن کر تشریف لایا اور بیٹی کو وہ شان بخش دی کہ وہ باعث رحمت سمجھی جانے لگی۔ بیٹیاں والدین کے لیے جہنم سے آڑ ہیں۔ حضور نے اپنے دلآویز ارشادات سے اس غلط فہمی کو اہل عرب کے دلوں سے نکال دیا کہ بیٹیاں ناگوار بوجھ ہیں یا خاندان کی ذلت و رسوائی کا سبب ہیں۔ چند ارشادات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں تا کہ آپ کے دل میں اپنی بچیوں کی قدر و منزلت پیدا ہو۔

① مَنِ ابْتُلِیَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَیْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔ جو شخص ان بچیوں کا باپ بننے سے آزمایا گیا اور اس نے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا تو وہ اس کے لیے آتش جہنم سے پردہ ثابت ہوں گی۔ (بخاری و مسلم)

② امام مسلم کی روایت ہے من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامة انا وھو ھکذا وضم اصابعہ۔ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح اکٹھے ہوں گے یہ فرمایا اور اپنی انگلیوں کو باہم پیوست کر دیا۔

③ ابوداؤد کی حدیث ہے من کانت لہ انثی فلم یئدھا ولم یھنھا ولم یؤثر ولدہ علیھا ادخلہ اللہ الجنة۔ جس کی ایک بچی ہو وہ اسے زندہ درگور بھی نہ کرے اس کی توہین بھی نہ کرے اپنے بیٹے کو اس پر فوقیت بھی نہ دے تو اس امر کے بدلے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

آخر میں تعلیم نبوی کی ہمہ گیری کا اندازہ کرنے کے لیے آپ یہ حدیث پاک پڑھیں:

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قال لسراقة بن جعشم الا ادلک علی اعظم الصدقة او من اعظم الصدقة قال بلی یا رسول اللہ! قال ابنتک المردودة الیک لیس لھا کاسب غیرک۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑے صدقہ کا راستہ نہ بتاؤں؟ عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! فرمایا تیری وہ بچی جو طلاق پاکر یا بیوہ ہو کر تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا اس کے لیے کمانے والا کوئی نہ ہو۔

کتب تفسیر و احادیث میں سے صرف چند احادیث یہاں ذکر کی گئی ہیں حضور کے اس قسم کے ارشادات اور اپنی دختران عالی مرتبت کے ساتھ آپ کا نہایت درجہ پیار اور مشفقانہ برتاؤ ان کی تمام غلط فہمیوں کو دور کرنے کا باعث بنا جن کے باعث بچیوں کے متعلق صرف اہل عرب کے نظریات میں ہی انقلاب نہیں آیا بلکہ دنیا بھر میں بچیوں کی قدر و منزلت بلند ہو گئی۔

اب ذرا آیت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔

یہ نہیں فرمایا کہ اس کے قاتل والد یا باپ سے پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بچی کو کیوں زندہ درگور کیا بلکہ فرمایا کہ اس بچی سے پوچھا جائے گا کیونکہ یہ باپ جس نے اپنی بے گناہ بچی پر ایسا ظلم کیا ہے اتنا ذلیل و رذیل ہے۔ یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ اس کو خطاب کیا جائے اسے منہ لگایا جائے۔ اظہار لکمال الغیظ والسخط لوائدھا واسقاط لہ عن درجة الخطاب والمبالغة فی تبکیتہ (روح المعانی) یعنی اس انداز سے اپنے غصہ اور ناراضگی کی انتہا کا اظہار کیا گیا۔ اس کو خطاب کیے جانے کے درجہ سے بھی گرا دیا گیا اور اس کو رسوا کرنے میں مبالغہ سے کام لیا گیا۔

نیز ظاہر ہے اگر اس کے ظلم کے بارے میں پوچھا جائے تو اس کے لیے کئی حیلے بہانے تراشنے ممکن ہیں۔ اس لیے مناسب یہی تھا کہ مظلوم سے پوچھا جائے کہ وہ اپنے ظلم و الم کی داستان بیان کرے۔

اس میں ایک اور حکمت بھی ہے وہ یہ کہ دنیا میں کئی مظلوم ہوتے ہیں جنہیں قتل کر دیا جاتا ہے لیکن ان کا انتقام لینے کے لیے کوئی زندہ نہیں رہتا یا کم از کم ان کی مظلومیت پر نوحہ کرنے والے موجود ہوتے ہیں لیکن یہ ایسی مظلوم تھی جس پر ظلم اس کے ماں باپ نے کیا۔ اس کی مظلومیت پر کسی نے صدائے احتجاج بھی بلند نہ کی بلکہ اس کو جوانمردی کا کارنامہ سمجھا گیا اور اس کے قاتل پر تحسین و آفرین کے پھول نچھاور کیے گئے۔ اسے غیرت مند اور اپنے خاندان کی ناموس کے پاسبان کا خطاب دیا گیا۔ مظلومیت میں اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ اس معصوم ستم رسیدہ بچی کی طرف جب آج اس کا ہمدرد اور غمگسار کوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ ہی اس کی داد رسی کرے گا۔

اس سوال میں قیامت کے برپا ہونے کی حکمت کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ تم خود سوچو کہ اگر قیامت برپا نہ ہو تو کیا اس مظلوم کی داد رسی کوئی کرے گا

السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾

آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی ف۱۱ اور جب جہنم دہکا دی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ

(تو اس روز) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے ف۱۲ پس میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے

الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ

والے (اور) چھپ جانے والے تاروں کی ف۱۳ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے ف۱۴ اور صبح کی جب وہ سانس لے ف۱۵ کہ یہ قرآن ایک

صورت ہو سکتی ہے ایسے ظالم کو سزا دینا لازمی ہے اگر ایسا ظلم روا رکھا جائے اور مظلوم کو اس کا حق نہ دیا جائے تو اس سے بڑھ کر اندھیر گردی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عدل ہے، انصاف ہے، اندھیر گردی اور بے جا ظلم نہیں۔

ف۱۱ قیامت کے دوسرے واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔ کُشِطَتْ کے معنی ہیں کسی کی کھال ادھیڑ لینا۔ فاصل الکشط السلخ یعنی آج انسان جب نیلگوں فضا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو اس کے جلال و جمال کو دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ لیکن اس روز جب اس کی کھال اتار لی جائے گی تو جلال و جمال سب فنا ہو جائے گا اور اس کے پیچھے سے وحشت برسنے لگے گی۔

ف۱۲ اس وقت غفلت کے سارے پردے اٹھ جائیں گے۔ ہر شخص کو اپنا اعمال نامہ مل جائے گا اور اسے اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ اس نے اپنی زندگی میں کیا کھویا کیا پایا؟ اس کے اعمال نیک و بد اپنے سامنے نظر آنے لگیں گے۔

یہاں تک سورت کا ایک مضمون اختتام پذیر ہوا۔ اس کے بعد دوسرا مضمون شروع ہوتا ہے اور وہ ہے حضور کی رسالت کا بیان۔

ف۱۳ پہلے خنس، جوار، الکنس کا لغوی معنی ذہن نشین کر لیں۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں الخنس جمع خانس من الخنوس وھو الانقباض والاختفاء۔ خنس کا واحد خانس ہے یہ خنوس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی سمٹ جانا اور چھپ جانا ہے۔ الجواری جمع جاریۃ من الجری وھو المر السریع۔ جواری کا واحد جاریۃ ہے یہ جری سے مشتق ہے۔ اس کا معنی تیزی سے گزرنا۔

الکنس جمع کانس وکانسۃ من کنس الوحش اذا دخل کناسہ۔ کنس کا واحد کانس اور کانسۃ ہے۔ یہ کنس الوحش سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے کہ جنگلی جانور اپنے ٹھکانے میں داخل ہو گیا۔ اب ان الفاظ سے کیا مراد ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تمام ستارے مراد ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ دن کے وقت آنکھوں سے چھپ جاتے ہیں اس لیے انہیں خنس کہا اور رات کے وقت اپنی اپنی جگہ پر نمودار ہو جاتے ہیں اس لیے انہیں کنس کہا۔ ابن ابی حاتم نے سیدنا علی مرتضیٰ سے یہ قول بھی نقل کیا ہے انہ قال ھی خمسۃ انجم زحل وعطارد والمشتری والمریخ والزھرۃ۔ کہ آپ نے فرمایا ان سے پانچ ستارے مراد ہیں۔ ان کو نجوم متحیرہ کہتے ہیں

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿١٩﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ﴿٢٠﴾

معزز قاصد کا لایا ہوا قول ہے ۱۹؎ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔

مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿٢١﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ

وہاں (فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے ۲۰؎ اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں ۲۱؎ اور بلاشبہ اس نے اس

بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ

کو دیکھا ہے روشن کنارے پر ۲۲؎ اور وہ غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں ۲۳؎ اور یہ (قرآن)

کیونکہ ان کی رفتار کا حال یکساں نہیں ہوتا بلکہ مختلف ہوتا ہے کبھی تو انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سمت کی طرف جا رہے ہیں پھر وہ اس کے برعکس دوسری سمت کی طرف لوٹتے ہیں کبھی وہ متحرک ہوتے ہیں اور کبھی وہ ٹھہرے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اس صورت میں خنس کا معنی ہوگا لوٹنے پیچھے ہٹنے والا ہوگا اور کنس کا معنی اختفاء ہا فی مغیبہا اس کا اپنے مغیب میں چھپ جانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

۱۷؎ عسعس کے دو معنی کیے گئے ہیں اقبل بظلامہ او ادبر اندھیرے کا پھیر جانا جیسے رات کے اختتام کے وقت ہوتا ہے اور اندھیرے کا آجانا جیسے ابتدائے شب میں ہوتا ہے یہ دونوں معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہیں پہلی صورت میں معنی ہوگا رات جب پیٹھ پھیرے اور دوسری صورت میں معنی ہوگا رات جب چھا جائے۔

۱۸؎ تنفس: جب صبح سانس لے یعنی جب اس کی روشنی پھیلنے لگے۔ زمخشری کہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب صبح طلوع ہوتی ہے تو نسیم صبح چلنے لگتی ہے۔

۱۹؎ یہ پانچ قسمیں کھانے کے بعد فرمایا تمہارا یہ کہنا سراسر باطل ہے کہ یہ قرآن حضور خود گھڑتے ہیں یا کسی انسان سے سیکھ کر لوگوں کو سناتے ہیں بلکہ یہ وہ کلام ہے جو ایک محترم قاصد لے کر آیا ہے۔ اس سے مراد جبریل امین ہے۔ ان کی چند صفات بیان کیں کہ وہ بڑے طاقتور ہیں، مالک عرش کی جناب میں ان کا مرتبہ بڑا بلند ہے اور تمام فرشتے ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ان کی امانت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جب لانے والا ان صفات عالیہ سے متصف ہو اور ان پر ایسے غیر مشتبہ ہو تو کون یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس کلام میں کوئی کمی بیشی کی ہوگی۔

۲۱؎ لانے والے کی شان بیان کرنے کے بعد اب اس ذات اقدس کا ذکر ہو رہا ہے جس کے پاس جبریل یہ کلام لے کر آیا فرمایا وہ کوئی اجنبی شخص نہیں جس کی گزشتہ زندگی سے تم بے خبر ہو جس کی سیرت و کردار کا تمہیں تجربہ نہ ہو۔ اعلان نبوت سے پہلے چالیس سال کا عرصہ انہوں نے تمہارے ساتھ بسر کیا ہے۔ زندگی کی مختلف منزلیں انہوں نے تمہاری آنکھوں کے سامنے طے کی ہیں۔ تم ان کی دیانت، پاکبازی، اولوالعزمی اور دانائی کے خود گواہ ہو۔ تم ہوش و حواس میں ہوتے ہوئے ان کو مجنون کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔

بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝٢٥ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝٢٦ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

کسی شیطان مردود کا قول نہیں [illegible] پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو [illegible] نہیں ہے یہ مگر نصیحت

لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٢٧ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝٢٨ وَمَا تَشَآءُوْنَ

سب اہل جہان کے لیے [illegible] (یعنی) ہدایت اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے

[illegible] یعنی جو فرشتہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا ہے وہ ان کا جانا پہچانا ہے۔ انہوں نے دن کی روشنی میں آسمان کے افق پر اس کو ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس لیے انہیں اس کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جسے معزز فرشتہ کس طرح پہنچاتے ہیں کہ ان پر نازل ہوتا ہے۔

[illegible] تمہارا انہیں کاہن کہنا سراسر زیادتی ہے۔ کاہن کے پاس تو غیب کا علم ہوتا ہی نہیں۔ اور جو کچھ تھوڑا بہت اٹکل پچو اور تخمین کی بنا پر وہ کچھ جانتا ہے اس کو بتانے کے لیے تیار نہیں ہوتا جب تک اس کی مٹھی گرم نہ کی جائے۔ اور اس کا شوق پورا نہ کیا جائے۔ وہ تو کچھ بتاتا ہی نہیں۔ اور یہاں تو یہ حال ہے کہ علوم غیبیہ کے خزانے بھرے پڑے ہیں جو بے دریغ لٹائے جا رہے ہیں۔ وہ معارف الٰہیہ جن سے ان کا سینہ معمور ہے وہ تجلیات ربانی جو آپ کے قلب منیر پر ہر لحظہ نازل ہوتی ہیں انہیں بیان کرنے میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے۔ بلکہ ان کے علوم و معارف کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور ہر تشنہ لب کو اپنی طرف بلا رہا ہے کیا اس پر بھی تم انہیں کاہن کہہ سکتے ہو۔

مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت پر جو تفسیری حاشیہ لکھا ہے وہ حضور کے علم غیب پر اعتراض کرنے والوں کے لیے باعث ہدایت ہو سکتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"یعنی یہ پیغمبر ہر قسم کے غیوب کی خبر دیتا ہے۔ ماضی سے متعلق ہوں یا مستقبل سے یا اللہ کے اسماء و صفات سے یا احکام شرعیہ سے یا مذاہب کی حقیقت و بطلان سے یا جنت و دوزخ کے احوال سے یا واقعات بعد الموت سے اور ان چیزوں کے بتلانے میں ذرا بخل نہیں کرتا۔" (تفسیر عثمانی، الضنین، البخیل۔ بخیل اور کنجوس)

[illegible] یعنی اس کلام میں توحید کی دعوت ہے۔ کفر و شرک سے احتراز کا حکم ہے۔ اخلاق حسنہ کی تاکید ہے۔ شیطان کو کیا پڑی ہے کہ وہ لوگوں کو توحید کی طرف بلائے۔ کفر و شرک اور صفات رذیلہ سے اجتناب کی تاکید کرے۔ یہ کلام تو اپنے مقاصد کے اعتبار سے تمہاری اس غلط فہمی کی پر زور تردید کر رہا ہے۔

[illegible] اس چشمہ صافی کو چھوڑ کر سراب کی طرف بھاگ کر جانا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اس نور ہدایت کی تابانیوں سے منہ موڑ کر گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہنا تمہارے جیسے دانش مندوں کو زیب نہیں دیتا۔

[illegible] جس طرح اس کو نازل کرنے والا رب العالمین ہے اور وہ ہستی جس پر یہ نازل ہو رہا ہے وہ رحمۃ للعالمین ہے اسی طرح یہ کتاب بھی ذکر للعالمین ہے۔ زمان و مکان کی حد بندیوں سے آزاد ہے۔ تمام بنی نوع انسان کے لیے قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا پیغام ہے

إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ رَبُّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿۲۹﴾

بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے ۲۹

آفتاب سے بڑھ کر ان سے مستفید وہی ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ خواہش ہو کہ وہ راہ راست پر گامزن ہو۔

۲۹۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تم از خود اس کی خواہش بھی نہیں کر سکتے جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے۔ ظلم و غرور کے سائے چاروں طرف چھائے رہتے ہیں، راہ راست پر ایک قدم بھی نہیں اٹھ سکتا اور جب اس کی نظر لطف چارہ سازی کرتی ہے تو سب حجاب اٹھ جاتے ہیں، ساری رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں اور انسان پوری یکسوئی کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

○

ما شاء الا ان يشاء الله رب العالمين ولا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم يا حي يا قيوم برحمتك استغيث لا تكلني الى نفسي طرفة عين واصلح لي شاني كله

اللهم صل وسلم وبارك على حبيبك المصطفى ونبيك المرتضى سيد الثقلين افضل الصلوات واجمل التسليمات واكمل التحيات وعلى آله ذوي الدرجات واصحابه اولي الطاعات وعلينا معهم يا ارحم الراحمين

○

تعارف

سُورۃ الانفطار

نام : اس کی پہلی آیت میں "اِنفَطَرَت" کا کلمہ ہے جس کا مصدر "انفطار" ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ اس میں ایک رکوع اُنیس آیتیں، اسی کلمے اور تین سو تیس حروف ہیں۔

نزول : یہ بھی مکی دور کے آغاز میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

مضامین : وقوعِ قیامت کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد بتا دیا کہ اس روز غیب کے سارے پردے چاک ہو جائیں گے۔ حقیقت اپنی صحیح صورت میں نمایاں ہو جائے گی۔ ہر شخص کو خود بخود اپنے کارناموں کے بارے میں پتہ چل جائے گا کہ وہ دُنیا میں کیا کرتا رہا؟ نیکی یا بدی کا جو بیج وہ بو گیا تھا اس کے اچھے یا بُرے کیا نتائج مرتب ہوئے؟

پھر انسان کو کہا جا رہا ہے کہ اے انسان جس رب کریم نے تجھے اپنے لطف و کرم کی آغوش میں پالا اور بے پایاں احسانات سے نوازا، تم اس کی ناشکری کر رہے ہو۔ تم یہ سمجھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ فراموش کر دیا جائے گا اور روزِ محشر اس کا کوئی باضابطہ ثبوت پیش نہ کیا جا سکے گا۔ یہ تمہاری غلط فہمی ہے ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بلکہ ہم نے معتبر فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تیرے ہر فعل اور تیرے ہر جملہ کو ضبطِ تحریر میں لا رہے ہیں۔ اس قابلِ وثوق ریکارڈ کے مطابق نیکوں کو اُن کی نیکی کا اجر اور مجرموں کو اُن کی بُرائی کی سزا ملے گی۔

نزیل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْانْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الانفطار مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں انیس آیات ہیں

إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ

جب آسمان پھٹ جائے گا | اور جب ستارے بکھر جائیں گے | اور جب سمندر بہنے

فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ

لگیں گے | اور جب قبریں زیر و زبر کر دی جائیں گی ۱؎ | (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو اعمال اس نے آگے بھیجے تھے اور

أَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ

جو اثرات وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا ۲؎ اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں ۳؎ جس نے تجھے

۱؎ قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آسمان پھٹ جائے گا ابھی یہ دکھائی دیتا ہے اور یہ خوشنما ستارے بکھر جائیں گے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔ سمندر جو آج ساکن ہیں وہ ساحلوں کی طرف بہتے نظر آئیں گے، درمیانی بند جو ایک سمندر کو دوسرے سمندر میں خلط ملط نہیں ہونے دیتے وہ ٹوٹ جائیں گے اور سمندروں کا پانی بہنا شروع ہو جائے گا۔ قبروں کو الٹ پلٹ کر بکھیر دیا جائے گا۔ ان میں جو لوگ دفن ہیں وہ باہر نکل آئیں گے۔ اس وقت ہر انسان پر اس کے نیک و بد اعمال کی حقیقت آشکارا ہو گی۔ مشکل الفاظ کی تشریح: انفطار: پھٹ جانا۔ انتثار: بکھر جانا۔ تفجیر: بہنا۔ بعثرۃ: زیر و زبر ہونا۔

۲؎ اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے یعنی جو اعمال، عبادات، صدقات اس نے آج کے دن کے لیے پہلے بھیج دیئے تھے ان کا اسے پتہ چل جائے گا اور جن نیک کاموں کی اس نے بنیاد رکھی تھی اس کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد جو نیک نتائج ان پر مرتب ہوتے رہے سب اس کے سامنے آ جائیں گے۔ اسی طرح جن برے کاموں کی اس نے طرح ڈالی تھی ان سے جو برائی پھیلی، اخلاق و کردار میں جو بگاڑ پیدا ہوا اس کا بوجھ بھی اس کی گردن پر لاد دیا جائے گا۔

اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جن احکام الٰہیہ کی اس نے تعمیل کی اور جن کی بجا آوری سے وہ پیچھے رہ گیا ان سب کا اس کو علم ہو جائے گا۔ اس کا یہ بھی مطلب بتایا گیا ہے کہ جو کام اس نے ابتدائی زندگی میں کیے اور جو بعد میں کیے سب کے سب اس کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے۔

۳؎ کتنے پیارے انداز میں غافل انسان کو جھنجھوڑا جا رہا ہے کس محبت بھرے لہجے سے اس کو خواب غفلت سے جگایا جا رہا ہے۔ ارشاد ہے اے انسان! تیرا پروردگار جو کریم ہے جس کے لطف و عنایت کی آغوش میں تو پل کر جوان ہوا ہے۔ جس کے انعام و احسان کا دستر خوان ہر وقت تیرے لیے بچھا رہتا ہے جس کی رحمت و رأفت کے دروازے تیرے لیے کشادہ ہیں، اس سے تجھے کس نے دور کر دیا ہے کس چیز نے

خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝٧ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۝٥

جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے عناصر کو معتدل بنایا ۔ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۝٩ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝١٠ كِرَامًا

ہرگز نہیں بلکہ تم جھٹلاتے ہو روز جزا کو ۔ حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں ۔ جو معزز ہیں (اعمال) لکھنے

كَاتِبِيْنَ ۝١١ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝١٢ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝١٣ وَّ

والے ہیں ۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو ۔ بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے ۔ اور

اے مغرور یہ کیسی بات ہے کہ تو نے اس کے مخالف طرز عبادت اختیار کر لیا ہے۔ شریف لوگ کریم ہستی کی کیا قدر کیا کرتے ہیں۔ کیا تیرے نزدیک احسان کا بدلہ سرکشی اور بغاوت ہے حالانکہ انسانیت یہ ہے کہ اگر کوئی کسی پر مہربانی کرے تو اسے اس کا شکرگزار ہونا چاہیے۔ کیا تو ناشکری کرنے والے کو پسند کرے گا۔

ف اس کریم نے تجھ پر کیا کیا نوازشات فرمائی ہیں اگر تجھے پیدا نہ کرتا یا تیری ساخت کو بگاڑ دیتا یا تیرے عناصر ترکیبی میں اعتدال کو ملحوظ نہ رکھتا تو تیرا کیا حال ہوتا۔ اس کی حکمت و کمال کی یہ شان ہے کہ تجھے پیدا کیا تجھے کامل اعضا بخشے ان میں مناسبت کا پورا پورا لحاظ رکھا۔ پھر تیری جسمانی، ذہنی اور نفسیاتی ساخت کو ہر قسم کے اختلال سے پاک کر کے پایہ تکمیل تک پہنچایا اور تو ہے کہ اس کی طرف سے غافل ہے اس کے ذکر اور اس کے شکر کی تجھے فرصت ہی نہیں ملتی اور اس کی نافرمانی تیرے لیے بڑی لذیذ ہوتی ہے۔

ف اصل بات یہ ہے کہ تجھے روز جزا پر یقین نہیں ورنہ تجھے یقین ہوتا کہ ایک دن وہ آنے والا ہے جب تو اپنے خالق کریم کے حضور پیش کیا جائے گا اور تجھ سے تیرے اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا تو تو بغاوت و سرکشی کی یہ روش ہرگز اختیار نہ کرتا۔ تیری غفلت اور بے پروائی کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ ذمہ داری کا احساس اور جواب دہی کا خوف تمہیں شتر بے مہار کی طرح زندگی بسر کرنے کی قطعاً اجازت نہ دیتا۔ ہر کام کرنے سے پہلے تو سو بار سوچتا کہ ایسا کرنے سے روز حشر مجھے اپنے پروردگار کے حضور شرمندگی تو نہ ہوگی۔

ف تمہارے انکار قیامت کے باوجود اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اس روز کے لیے پورے انتظامات کر رہے ہیں۔ تمہیں خبر ہونی چاہیے کہ ہم نے ایسے فرشتے مقرر کر دیے ہیں جو تمہارے جملہ اعمال کی یادداشت تیار کر رہے ہیں۔ جو اسی کام کے لیے معین کیے گئے ہیں۔ معمولی قسم کے اہلکار نہیں بلکہ بڑے بزرگ اور صاحب عزت ہیں۔ انہیں رشوت دی جا سکتی ہے نہ انہیں مرعوب کیا جا سکتا ہے اور وہ تمہارے اعمال کو ضبط تحریر میں لانے میں کوئی کوتاہی کرتے ہیں نہ ان کی کسی سے ذاتی عداوت ہے اور نہ عداوت، جو کچھ تم کرتے ہو بلا کم و کاست وہ حرف بحرف لکھ رہے ہیں۔

ف ان کا علم اور حافظہ انسان کی معلومات ناقص نہیں۔ تمہارا ہر بات، تمہارا ہر کام بلکہ اس کے پیچھے جو نیت ہے جو جذبات اور خواہشیں ہیں وہ ان سے بھی باخبر ہیں۔ تم خود غور کرو کہ ایسے باخبر، جانبدار، دیانتدار اور ہر بات سے باخبر یہ تمہارے اعمال کا جو ریکارڈ تیار کریں گے ان کو تم کیسے جھٹلا

إِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز۔ اور وہ اس سے غائب

بِغَائِبِينَ ﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ

نہ ہو سکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روز جزا کیا ہے۔ پھر آپ کو کیا علم کہ روز جزا

الدِّينِ ﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾ ع ١

کیا ہے۔ یہ وہ دن ہوگا جس روز کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا شہ

جھٹلاؤ گے۔

شہ قیامت کے دن کوئی معمولی دن نہیں ہوگا۔ اس دن سارے جھوٹے بادشاہوں کی بادشاہیاں ختم ہو جائیں گی۔ کوئی فرعون کوئی نمرود سر اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ کی حکمرانی ہوگی اور اسی کا فرمان نافذ ہوگا۔ کسی کی مجال نہ ہوگی کہ اس کی مرضی کے خلاف دم مار سکے یا اس کے فیصلہ کو رد کر سکے۔ اس کے اذن کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔

○

مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم
غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔

اللھم صل وسلم وبارک علی سید الاولین والآخرین امام الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد
المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی آلہ الطیبین واصحابہ الاکرمین وعلینا معھم اجمعین الی یوم الدین۔

○

تعارف

سورۃ المطففین

نام: اس سورۂ پاک کا نام المطففین ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھتیس آیتیں، ایک سو انہتر کلمات اور سات سو تیس حروف ہیں۔

نزول: حضرت ابن مسعود، ضحاک اور ان کے ہم خیال لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن حضرت ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے فوراً بعد مدینہ طیبہ میں ہوا۔ وہاں ایک تاجر تھا جس کا نام ابوجہینہ تھا۔ اس نے دو قسم کے باٹ رکھے ہوئے تھے۔ جب کوئی جنس خریدتا تو اس کے لیے اور باٹ استعمال کرتا اور جب فروخت کرتا تو اس کے لیے دوسرے باٹ۔ لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ اس کا نزول حالتِ سفر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہوا۔

مضامین: اصلاحِ معاشرہ کے لیے آخرت پر ایمان جو موثر کردار انجام دیتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں۔ جو لوگ روزِ جزا پر پختہ یقین رکھتے ہیں ان کی بظاہر نگرانی نہ بھی کی جائے تو وہ راستی اور دیانتداری کی راہ پر ثابت قدمی سے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی لالچ اور کوئی خوف انہیں جادۂ حق سے سرِمو منحرف نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ معاشرہ جس کے افراد قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان میں طرح طرح کی خرابیاں بڑی آسانی سے راہ پا لیتی ہیں۔ تھوڑا سا خوف اور تھوڑا سا لالچ انہیں راہِ راست سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ اہلِ مکہ چونکہ عام طور پر تجارت پیشہ تھے اس لیے لین دین میں ڈنڈی مارنا ان کے ہاں عام مروج تھا۔ اس کی خرابی صرف یہی نہیں تھی کہ دوسرے کی حق تلفی ہوتی تھی بلکہ انجام کار ایسا کرنے والے کی تجارت کا بھی ستیاناس ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے کفار کو وقوعِ قیامت کی ضرورت اور حکمت پر غور کرنے کے لیے اس سورت میں دعوت دی جا رہی ہے۔ اس کی ابتدا "ویل للمطففین" سے کی اور انہیں بتایا کہ اگر وہ اس خسیس حرکت سے اپنی کاروباری سرگرمیوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو اس کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ قیامت پر ایمان لے آئیں۔ اس صورت میں کسی کی جرأت نہ ہوگی کہ اس بددیانتی کا ارتکاب کرے۔
اس کے بعد یہ بتایا کہ قیامت تو بہرحال برپا ہوگی لیکن جو لوگ اس کے برپا ہونے کا یقین نہیں رکھتے تھے وہ ساری عمر بدکاری اور دھوکہ بازی میں برباد کر کے آئے۔ آج وہ اس کی سزا بھگتیں گے جو بڑی دردناک ہوگی لیکن جن لوگوں نے قیامت کے وقوع کو تسلیم کر لیا اور اس روزِ جزا کے ہراندیشہ سے ساری عمر ڈرتے رہے اور کبھی بھولے سے بھی غلط راستے پر قدم نہ رکھا، قیامت کے روز ان کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا دلکش منظر بھی پیش کر دیا۔

آخر میں کفار کی ایک خصیص حرکت کا تذکرہ کر دیا گیا کہ وہ خود ساری خرابیوں کا مجسمہ ہیں۔ اپنی غلاظتوں کو دیکھ کر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ اہل حق کو وہ بڑی حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے ہیں کنکھیوں سے اشارے کرتے ہیں۔ اللہ والوں کی تذلیل کے بعد جب گھر لوٹتے ہیں تو بڑے شاداں و فرحاں۔ گویا کوئی بڑا معرکہ سر کر کے آئے ہیں۔ خود بادیہ ضلالت میں بھٹک رہے ہیں اور گمراہی کا الزام اُن پاک طینت لوگوں پر لگاتے ہیں جن پر انسانیت فخر کرتی ہے اور دین حق کو بجا طور پر ناز ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷۷-۴-۶

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ سِتٌّ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ المطففین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چھتیس آیات ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴿١﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿٢﴾

بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے۔[1] جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔

[1] اہل لغت کہتے ہیں مُطَفِّفٌ: طفیف سے ماخوذ ہے بمعنی القلیل۔ اس کا معنی قلیل ہے۔ تطفیف کرنے والے کو اس لیے مطفف کہا جاتا ہے کہ وہ حق دار کو اس کا پورا حق نہیں دیتا بلکہ اس میں کمی کر دیتا ہے۔ علامہ زمخشری نے اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے: لانه لا يكاد يسرق في المكيال والميزان الا الشيء الطفيف الخفيف۔ کیونکہ پیمانہ کو جھٹک کر یا ترازو میں ڈنڈی مار کر منوں کے حساب سے تو نہیں چرایا جا سکتا، تھوڑا ہی ناحق لیتا ہے اس لیے اسے مُطَفِّف کہا۔

دور جاہلیت میں صرف عقائد ہی میں بگاڑ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ معاملات اور کاروبار میں بھی بددیانتی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ قرآن کریم نے صرف عقیدے کی اصلاح پر ہی زور نہیں دیا بلکہ معاملات میں بھی دیانت و امانت کی بڑی تلقین کی ہے۔ اہل مکہ جن کا پیشہ ہی تجارت تھا ان کے ہاں اس قسم کی خرابیاں بہت شدت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کاروباری بددیانتی سے باز آنے کی جب نصیحت کی گئی اس کے لیے بڑا پرجلال انداز اختیار فرمایا کہ ویل للمطففین الخ یعنی ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔ لفظ ویل کا استعمال مختلف معانی میں ہوا ہے۔ قيل الويل شدة الشر۔ وقيل الحزن والهلاك۔ آخرت میں تو اس کی جو سزا ملے گی وہ ملے گی اس دنیا میں بھی اس کے برے اثرات کاروبار کو تباہ کر کے رکھ دیں گے۔ جب لوگوں کو اس کی بددیانتی کا پتہ چلے گا تو کوئی گاہک اس کی دکان کا رخ نہ کرے گا اور یہ سارا دھندا چوپٹ ہو جائے گا۔ انجام کار ذلت و نکبت اس کا مقدر بن جائے گی۔ صرف وہی تاجر کامیاب ہوتا ہے جس کی دیانت داری پر لوگوں کو پورا اعتماد ہو۔ صرف اخروی کامیابی ہی نہیں تمہاری دنیوی فلاح کا انحصار بھی اسی پر ہے کہ تم ان خیانتوں کو ترک کر دو۔ قرآن کریم میں جا بجا اس فعل شنیع سے باز آنے کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی تباہی کا سبب اسی قسم کی بے اعتدالیاں بیان کیا گیا ہے کہ انہیں ان کی بددیانتی کی پاداش میں برباد کر دیا گیا۔

اس قسم کے جرائم کی پوری سزا تو قیامت کو ہی ملے گی لیکن ان کے برے اثرات اس دنیا میں بھی ظاہر ہوتے رہتے ہیں بشرطیکہ سمجھنے والا ہو اور ان کی اہمیت اتنی سنگین ہوتی ہے کہ انسان کو ان میں ہی مہمات نظر آنے لگتے ہیں۔ ایک حدیث پاک ملاحظہ فرمائیے:

قال ابن عباس قال النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم خمس بخمس ما نقض قوم العهد الا سلط الله عليهم عدوهم ولا حكموا بغير ما انزل الله الا فشا فيهم الفقر وما ظهرت الفاحشة فيهم الا فشا فيهم الطاعون وما طففوا الكيل الا منعوا النبات واخذوا بالسنين ولا منعوا الزكاة الا حبس الله عنهم القطر (طبرانی عن ابن عباس)

ترجمہ: حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: پانچ چیزوں پر پانچ سزائیں ملتی ہیں۔ جو قوم عہد شکنی کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس پر اس کے دشمن مسلط کر دیتا ہے۔ جو قوم احکام الٰہی کے خلاف فیصلہ کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو تنگ دست کر دیتا ہے۔ جس قوم میں

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝٣ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُم

اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو ان کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں

مَّبْعُوثُونَ ۝٤ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ۝٥ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٦

قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لیے سلہ جس دن لوگ جواب دہی کے لیے کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ۝٧ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سِجِّينٌ ۝٨

[illegible] بدکاروں کا نامۂ اعمال سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجین کیا ہے۔

كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝٩ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝١٠ الَّذِينَ يُكَذِّبُونَ

وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی سلہ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔ جو جھٹلاتے ہیں

بے کاری عام ہو جاتی ہے۔ اس طرح ملک کا معاشی توازن بگڑ جاتا ہے اور جو قوم اپنے ناپ تول میں کمی کرتی ہے وہاں زرعی پیداوار میں برکت ختم ہو جاتی اور قحط سالی پھیل جاتی ہے جو قوم زکوٰۃ نہیں دیتی اللہ تعالیٰ ان پر بارش نازل نہیں کرتا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگ اس عادت کا بری طرح شکار تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو توبہ کی اور آج تک اہل مدینہ [illegible]

سلہ ان کفار کے دلوں میں روز قیامت کی بازپرس کا کوئی خوف نہیں۔ اگر اس بات کا یقین ہوتا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب اگلے پچھلے سب لوگ بارگاہ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے اور ان سے ان کے اعمال کی باز پرس ہوگی تو یہ لوگ اس طرح بے خوف ہو کر اس جرم کا ارتکاب نہ کرتے۔

سلہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ قیامت تو مرنے کے بعد برپا ہوگی۔ اس وقت تک کسے یاد رہے گا کہ کس نے کیا کیا اور وہ بھی کہیں ان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ وہ نوشتے ایسے ہیں جو کبھی مٹ نہیں سکیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جا رہا ہے کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ہے جس کا نام سجین ہے۔ جب یہ مر جائیں گے اور ان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو ان کے تمام اعمال اس رجسٹر میں محفوظ کر دیے جائیں گے۔ اس لیے ان کے کرتوتوں کے فراموش ہونے یا ان صحائف کے بوسیدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سجین کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن جب خود قرآن نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ اس کتاب کا نام ہے جس میں ان کے اعمال سب لکھ کر محفوظ کر دیے جائیں گے تو پھر مزید چھان بین کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے ان آیات میں سجین سے وہ دیوان مراد ہے جہاں اہل جہنم کے اعمال اور ان کے اعمال نامے درج ہوں گے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سجین ایک جگہ کا نام ہے جہاں دوزخیوں کی روحیں محبوس

يَوْمِ الدِّينِ ﴿١١﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿١٢﴾ إِذَا

روز جزا کو ۔ اور نہیں جھٹلاتا اسے مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے ۔ جب

تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ

پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں ۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے

عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٤﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ

ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے ۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفی الکشف لو قیل انہ یکون السجین علما للکتاب وعلم الموضع فیما بعد جمعا بین ظاھر الآیۃ و ظاھر الاخبار۔ الکشف میں ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا نام بھی سجین ہو اور اس مقام کا نام بھی سجین ہو جہاں یہ کتاب رکھی جاتی ہے تاکہ آیت اور اخبار میں کسی قسم کا تعارض نہ رہے۔ (روح المعانی)

۱۴؎ علامہ ابن منظور رین کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں الرین الصدأ الذی یعلو السیف والمرآۃ والرین کالصدأ یغشی القلب وقال الحسن ھو الذنب علی الذنب حتی یسود القلب۔ (لسان العرب) یعنی رین اس زنگ کو کہتے ہیں جو تلوار یا آئینہ کو لگ جاتا ہے۔ جو غبار دل کو ڈھانپ لیتا ہے اس کو بھی رین کہتے ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں پے در پے گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس سیاہی کو رین کہتے ہیں۔ اس کی وضاحت حدیث شریف میں بھی آئی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال ان العبد اذا اذنب ذنبا نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبہ وان عاد زادت حتی تعلو قلبہ فذلک الران الذی ذکرہ اللہ تعالیٰ فی القرآن بل ران علی قلوبھم الخ۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے، اس گناہ سے باز آ جائے اور استغفار کرے تو دل صاف ہو جاتا ہے۔ اگر بار بار گناہ کرتا ہے تو وہ داغ بڑھتے جاتے ہیں یہاں تک کہ سارے دل کو گھیر لیتے ہیں۔ یہی وہ رین ہے جس کا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

جس طرح نیک اعمال کے نتیجہ میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ آئینہ دل شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بدکاریوں اور نافرمانیوں کے باعث دل کا آئینہ گرد آلود ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چمک بالکل ناپید ہو جاتی ہے۔ ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ ان سرکشوں کا آئینہ دل زنگ آلود ہو گیا ہے۔ ان کی فطرت سلیمہ مسخ ہو چکی ہے۔ اسی لیے یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹی کہانیاں اور بے سروپا افسانے خیال کرتے ہیں اور بعث کا انکار کر رہے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے یہ گناہوں کی دلدل میں دھنستے چلے جا رہے ہیں۔

لَمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا الَّذِیْ

روک دیئے جائیں گے ؎ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے

كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ﴿۱۸﴾ وَ

جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے ۔ یہ حق ہے نیک کاروں کا صحیفۂ عمل علیین میں ہوگا ۔ اور

مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

تمہیں کیا معلوم کہ علیون کیا ہے ؎ وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (جس کی حفاظت کے لیے) مقرب (فرشتے) اس پر حاضر ہیں ۔

؎ ان نافرمانوں کو دیدار الٰہی کی نعمت عظمیٰ سے اس دن محروم کر دیا جائے گا۔ ان کے بداعمال ان کے گناہ حجاب بن کر درمیان میں حائل ہو جائیں گے اور اولیاء اللہ جب لذت دیدار سے شاد کام ہو رہے ہوں گے تو یہ بدنصیب ان حجابات کے پیچھے سرگرداں ہو رہے ہوں گے اور اپنی قسمت کو کوس رہے ہوں گے۔

؎ جس دیوان میں ابرار و صالحین کے اعمال حسنہ کو محفوظ کر لیا جاتا ہے اس کا نام علیین ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ علیین سبز رنگ کی زبرجد کی ایک تختی ہے جو عرش کے ساتھ معلق ہوگی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے۔ اس مقام پر علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے ایک بحث لکھی ہے جس کا خلاصہ ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ شہداء اور مومنین کی ارواح جنت کے سبز رنگ پرندوں میں ہوں گی اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ مومن کی روح اس کے جسم کے ساتھ قبر میں باقی رہتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں مروی ہے کہ شب اسریٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ احادیث میں اس تعارض کا کیا جواب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان متعارض احادیث کی تطبیق اس طرح ہے کہ مومنین کی ارواح کا مستقر (اصلی محل) تو علیین میں ہے جیسا کہ آیت کا ارشاد ہے اور کفار کی ارواح کا ٹھکانا سجین میں ہے۔ ومع ذلك لكل روح منها اتصال بجسده في قبره ولا يدرك كنهه الا الله وبهذا الاتصال يسمع سلام الزائر ويجيب للمنكر والنكير ونحو ذلك - یعنی اس کے باوجود ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ اپنی قبر میں ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اسی تعلق کی وجہ سے میت اپنے زائر کے سلام کو سنتی ہے اور منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتی ہے اسی طرح دوسرے احوال جو کتاب و سنت سے ثابت ہیں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جبریل کا اصلی مقام تو آسمانوں میں ہے لیکن وہاں ہوتے ہوئے وہ بارگاہ رسالت کے اس قدر نزدیک ہوتا کہ اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیتا۔

علیین کے اعراب کے بارے میں فراء کا قول یہاں نقل کیجیے۔ قال الفراء هو اسم موضوع على صفة الجمع ولا واحد له من لفظه كقولك عشرون وثلاثون - یعنی یہ اسم ہے جو جمع کے معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے اپنے لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي

بیشک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے۔ تختوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے ؎ آپ پہچان لیں گے

وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ

ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب ؎ اس کی مہر

مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِن

کستوری کی ہوگی۔ اور اسی کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے ؎ اس میں تسنیم کی

تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

آمیزش ہوگی ؎ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے۔ بیشک جو لوگ جرم کیا کرتے تھے

جیسے عشرون، ثلاثون۔ حالت رفعی میں علیون اور نصبی و جری میں علیین ہوگا۔

؎ ابرار و صالحین کے ساتھ جو لطف و کرم فرمایا جائے گا اس کا بیان ہو رہا ہے۔

؎ رحیق، پاکیزہ اور صاف شراب کو کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا ہے الرحیق، الخمر العتیقة البیضاء الصافیة من الغش النیرة (قرطبی) یعنی پرانی شراب جس کا رنگ سفید ہو جو ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک اور چمکدار ہو اسے رحیق کہتے ہیں۔ ختامه مسك۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن مٹکوں میں یہ شراب رکھی ہوئی ہوگی ان کے منہ بند ہوں گے اور مہریں کستوری کی لگی ہوں گی تاکہ کوئی دوسرا آدمی ان کو ہاتھ نہ لگا سکے جب بندگان خاص وہاں تشریف لے جائیں گے تو ان کے سامنے وہ سربمہر مٹکے کھولے جائیں گے اور خوبصورت نقرئی جاموں میں ڈال کر یہ شراب انہیں پیش کی جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ ختم کا معنی آخر ہوتا ہے یعنی اس میں خالص کستوری ملی ہوگی۔ دنیا کی شرابوں کی طرح اس سے بدبو نہیں آئے گی اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس شراب کا آخری گھونٹ پئیں گے تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ اس میں مشک گھول دی گئی ہے اور تادیر یہی مہک انہیں محسوس ہوتی رہے گی۔

؎ تنافس: تسابق۔ (لسان) یعنی اگر کسی چیز کے حصول میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہو تو یہ نعمت اس قابل ہے کہ اس کی طرف تم ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ وفی ذلك فلیتبادر المتبادرون (قرطبی)

؎ اس شراب میں تسنیم کے چشمہ کا پانی ملایا جائے گا۔ جنت کی تمام شرابوں سے اعلیٰ درجہ کی شراب ہوگی یہ شراب عام نہ بہتی ہوگی بلکہ بلوریں پیمانوں میں بند ہوگی جو کستوری سے سربمہر ہوں گی۔ ان میں جنتیوں کے ذوق کے لیے چشمے تسنیم کا پانی ملا دیا جائے گا اور اس چشمہ شیریں کا پانی ہر ایک کو پینا نصیب نہیں ہوگا صرف مقربین کے لیے

كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾

وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے ۲۹؎ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے

وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا

اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ

یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ۳۰؎ حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے ۳۱؎ پس آج

الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٣٥﴾

وہ ایمان والے کفار پر ہنس رہے ہیں جب کہ وہ مسندوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں ۳۲؎

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾ ع ۸

کیوں پھر بدلہ مل گیا کفار کو اپنے کرتوتوں کا، جو وہ کیا کرتے تھے۔

مقصود ہی ہوگا۔

۲۹؎ اب ان مجرموں کی مسخرہ بازیوں اور خست طبعی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اہل ایمان کو دیکھ کر ان کا مسخر اڑاتے اور ایک دوسرے کو آنکھیں مار مار کر اشارہ بازی کرتے ہیں۔ جب مسلمانوں کی دل آزاری کر لیتے اور ان پر پھبتیاں کسنے کے بعد یہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو دل لگیاں کرتے جاتے ہیں گویا کوئی بڑا قلعہ فتح کر کے گھر لوٹ رہے ہیں۔ یتغامزون: یغمز بعضہم بعضا ویشیرون بأعینہم (قرطبی)

۳۰؎ مسلمانوں کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو راہ راست سے بھٹک گئے ہیں۔ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے خانہ ساز معبودوں سے قطع تعلق کر چکے ہیں۔

۳۱؎ اللہ تعالیٰ ان کی اس کمینہ حرکت پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ تمہیں ان لوگوں کی کیا فکر ہے تم ان کے بارے میں کیوں ہر وقت چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہو کیا تم ان کے نگران ہو؟ کیا تم پر ان کو راہ راست پر چلانے کی ذمہ داری عائد ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ اپنے انجام کا خیال کرو۔ ان درویشوں کو خواہ مخواہ کیوں تنگ کرتے ہو۔ ان کا دل دکھانے سے تمہیں کیا ملے گا۔

۳۲؎ جب قیامت کا دن آئے گا اس روز کفار روئیں گے اپنی بربادیوں پر آہ و فغاں کریں گے اور میرے محبوب کے یہ

پہلے اپنی اہانت و ذلت و فلاکت پر ہنس رہے ہوں گے۔ اپنے زرنگار پلنگوں پر بیٹھے ہوئے کفار کی تباہ حالیوں کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اس وقت سب کو پتہ چل جائے گا کہ مشرکین نے جو کرتوت کیے تھے ان کا کس طرح انہیں پورا پورا بدلہ مل رہا ہے۔

○

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله و
اصحابه اجمعين۔
ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔

○

تعارف

سُورۃ اِنشقاق

نام : اس سورت کا نام "الانشقاق" ہے جو "انشقت" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع، ۲۵ آیتیں، ایک سو سات کلمات، چار سو تیس حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : ابتدائی آیات میں اُن ہولناک حادثات کا تذکرہ ہے جو وقوعِ قیامت کے وقت رونما ہوں گے۔ پھر انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ اُسے چاروناچار ہر حالت میں اپنے رب کے حضور میں پیش کیا جائے گا۔ اس روز تمام اولادِ آدم دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہوگی۔ ایک گروہ وہ ہوگا جن کو از راہِ بشارت اُن کا صحیفۂ عمل اُن کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ اس وقت اُن کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔ دُوسرا وہ گروہ ہوگا جن کو اُن کا نامۂ عمل پس پشت دیا جائے گا۔ اُن کی خستہ حالی اور رنج واندوہ کا اندازہ لگانا ناممکن ہے۔ اس لیے ہر شخص کو آج یہ فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس زمرہ کے ساتھ اپنا حشر چاہتا ہے۔ یہ فیصلہ کرتے ہوئے اُسے بار بار غور وفکر کرنا چاہیے کیونکہ جو فیصلہ سوچ سمجھ کر اپنے اختیار سے اپنے بارے میں تم کرو گے روزِ حشر اُسی کے مطابق تمہارے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا۔

آخر میں کئی قسمیں کھانے کے بعد انہیں بتایا جا رہا ہے کہ انہیں ان مرحلوں سے یکے بعد دیگرے ضرور گزرنا ہوگا۔ حیرت ہے اُن لوگوں پر جو یہ جاننے کے بعد ایمان نہیں لاتے۔ اور جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ سرِ نیاز خدا کی بارگاہِ جلال میں نہیں جھکا دیتے۔ اُن کا انجام بڑا دردناک ہوگا۔ روزِ حشر فقط اہلِ ایمان ہی ایسے اجر سے نوازے جائیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷-۴-۷۷

سورۃ الانشقاق مکیۃ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ھی خمس و عشرون آیۃ

سورۃ الانشقاق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی پچیس آیات ہیں۔

إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ وَإِذَا الْأَرْضُ

(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا¹ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان² اور اس پر فرض بھی یہی ہے³ اور جب زمین

مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَأَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾

پھیلا دی جائے گی⁴ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی⁵ اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے

يٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيهِ ﴿۶﴾ فَأَمَّا مَنْ

اے انسان! تو مشقت سے کوشش کر رہا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک اسی طرح تیری اس سے ملاقات ہو کر رہنی ہے⁶ پس جس کو

۱۔ قیامت کے برپا ہونے کی پہلی علامت بیان کی جا رہی ہے۔ یعنی یاد کرو جب آسمان پھٹ جائے گا۔ آسمان پھٹنے کی وجہ یہ نہ ہوگی کہ وہ پرانا ہو کر بوسیدہ ہو جائے گا اس لیے اس میں جگہ جگہ شگاف پڑ جائیں گے۔ نہیں بلکہ اس کو اپنے رب کا حکم ملے گا کہ پھٹ جا تو وہ پارہ پارہ ہو جائے گا۔ آسمان کا یہ فرض ہے کہ اپنے خالق کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔

۲۔ اَذِنَتْ کا معنی ہے کان لگا کر سننا اور جو بات کان لگا کر سنی جائے اس کے مطابق عمل بھی کیا جاتا ہے اس لیے اَذِنَتْ کا معنی اطاعت و انقیاد کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حکم سنتے ہی فوراً اس کی تعمیل کرے گا۔

۳۔ یہ بھی بتایا کہ آسمان نے تعمیل ارشاد کر کے کوئی احسان نہیں کیا کوئی حیرت انگیز بات نہیں کی۔ بلکہ ہر مخلوق کی طرح اس کا بھی یہی فرض ہے کہ وہ بے چون و چرا اپنے خالق کے حکم کے سامنے سر اطاعت خم کر دے۔

۴۔ جس اطاعت و انقیاد کا مظاہرہ آسمان کرے گا اسی طرح زمین بھی حکم الٰہی بجا لائے گی۔ جب اسے حکم ملے گا کہ پھیل جا، ہموار ہو جا تو اس میں کوئی نشیب و فراز باقی نہ رہے گا، اونچے اونچے پہاڑ ریت کے ڈھیروں کی طرح بکھر کر رہ جائیں گے، سمندروں کی گہرائیاں بھر جائیں گی اور یہ ایک وسیع ہموار میدان بن جائے گا جہاں سب جن و انس دست بستہ حاضر کیے جائیں گے۔

۵۔ اس کے شکم میں جتنے لوگ اس وقت تک مدفون ہوں گے اور جو خزانے اپنی تہوں میں اس نے سمیٹ رکھے ہوں گے، حکم الٰہی ملتے ہی زمین ان سب کو اگل دے گی۔

۶۔ کدح: کدح یکدح کدحا و کدّح سعی و کدّ فی العمل لنفسہ۔ قال ابو اسحاق الکدح فی اللغۃ السعی والحرص والدؤوب فی العمل فی باب الدنیا والآخرۃ (لسان العرب) کسی چیز کے حصول کے لیے بڑی محنت و مشقت کرنا الکدح کہلاتا ہے۔ ابو حیان کہتے ہیں کہ الکدح ...

اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّيَنْقَلِبُ

دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسان حساب لیا جائے گا اور وہ واپس لوٹے گا

اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ

اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔ اور جس بدنصیب کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا

یہ ہے کہ انسان دنیا و آخرت کے سلسلہ میں کسی کام کی کوشش کرتا ہے اور اسے حاصل کرنے کی خواہش میں جو اس کی یہ کوشش لگاتار جاری رہے اسے سب ... کر کے کدح کہتے ہیں۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تو خواہ طالب دنیا ہو یا طالب عقبیٰ، دونوں صورتوں میں تو بڑی جانفشانی سے اپنے کاموں کی انجام دہی کوشاں رہتا ہے۔ ہر قسم کی صعوبت کو برداشت کرتا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ تیرے رب سے تیری ملاقات کا وقت یعنی تیری موت کا وقت آ جائے۔ اس وقت تیری یہ جدوجہد ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اپنے اعمال شاقہ کا پھل کھانے کا وقت آ جاتا ہے۔ فملاقیہ تو گویا یہی انسان کی وہ عمل ... کر رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں انک جاہد مجتہد الی عملک من خیر و شر طول حیاتک الی لقاء ربک ای الموت فملاقیہ لا محالۃ عقیب ذلک۔ (روح المعانی) یعنی تو اپنے اچھے یا برے اعمال کی انجام دہی میں محنت و مشقت سے کام لیتا جا رہا ہے یہاں تک کہ اپنے رب سے تیری ملاقات کا یعنی تیری موت کا وقت آ پہنچتا ہے۔

شہ ہر شخص روز قیامت بارگاہ خداوندی میں پیش کیا جائے گا۔ جنہوں نے اپنی زندگی اس کی یاد اور اس کی عبادت میں گزاری ہو گی وہ جب پیش ہوں گے تو ان کا نامہ عمل ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا اور ان سے بڑا آسان حساب لیا جائے گا زیادہ چھان بین نہیں کی جائے گی۔ ان کے اعمال حسنہ کے باعث ان کے اعمال سیئہ سے صرف نظر کر لیا جائے گی اور یہ لوگ جلدی فارغ ہو کر شاداں و فرحاں اپنے گھر والوں کے پاس واپس پہنچیں گے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لیس احد یحاسب الا ھلک۔ جس سے حساب لیا جائے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ پر قربان جاؤں کیا یہ اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا فاما من اوتی کتابہ بیمینہ قال ذلک العرض یعرضون ومن نوقش الحساب ھلک۔ یعنی یہ تو سرسری پیشی ہو گی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال جواب شروع ہو گیا وہ تو مارا گیا۔

اللہ تعالیٰ شفیع المذنبین کے طفیل ہمارا نامہ عمل ہمارے دائیں ہاتھ میں دے اور ہم سے آسان حساب لے۔ آمین ثم آمین!

شہ لوگ ... کے وہ دائیں ہاتھ میں اپنا اعمال نامہ لینے سے شرمائیں گے اور اپنا ہاتھ پیچھے کر لیں گے لیکن فرشتے کب چھوڑنے والے ہیں۔ وہ ان کے بائیں ہاتھوں میں ان کی پیٹھ کی طرف سے زبردستی تھما دیں گے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ ان کے دونوں ہاتھ ان کی پیٹھ پیچھے باندھ دیے جائیں گے اس لیے اس حالت میں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھوں میں تھما دیے جائیں گے۔

يَدْعُوا ثُبُورًا ﴿١١﴾ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴿١٢﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٣﴾

(تو) پکارے گا ہائے موت ہائے موت اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں ۔ بیشک یہ دنیا میں اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا

إِنَّهُ ظَنَّ أَن لَّن يَحُورَ ﴿١٤﴾ بَلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١٥﴾

وہ خیال کرتا تھا کہ وہ واپس اللہ کے حضور لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں! اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔

ع ۱۷

فَلَا أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١٧﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١٨﴾

پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی ۔ اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹ لیتی ہے ۔ اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے ۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ﴿١٩﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ

تمہیں ضرور (ایک منزل) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے ۔ سو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ۔ اور جب ان کے سامنے

۹۔ اس وقت اس کی چیخ و پکار اور واویلا یوں تشنیل ہوگا ... ہائے موت! آکر مجھے لے جا۔ یہ جملہ ... جہنم ... يا ثبوراه ... والثبور الهلاك ... جامع لانواع المكاره (روح المعانی) ثبور کا معنی ہلاکت ہے۔ ہر قسم کی مکروہ اور ناپسندیدہ چیزوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد موت ہے کیونکہ یہ سب سے زیادہ مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

۱۰۔ اس کی یہ حالت کیوں ہوگی۔ وجہ بتائی جا رہی ہے کہ وہ دنیا میں بےفکرا رہتا تھا۔ خود بھی عیش کرتا رہا اور اپنے اہل و عیال کو بھی عیش کراتا رہا۔ کبھی اس کو بھولے سے بھی یہ خیال نہ آیا کہ اسے ایک روز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور اپنی نعمتوں اور اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ اس کی عیش و عشرت کا یہ نتیجہ ہے جو آپ اس کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔

۱۱۔ تین چیزوں کی قسم کھانے کے بعد فرمایا کہ تم منزل بمنزل آگے بڑھتے چلے جاؤ گے۔ رحمِ مادر سے تم دنیا میں آئے۔ بچپن سے جوانی، جوانی سے بڑھاپا، صحت سے بیماری، قوت سے ضعف، خوشحالی سے بدحالی، ان مرحلوں کو طے کرتے ہوئے قبر میں آ گئے۔ پھر قیامت کی ان ہولناکیوں سے گزرتے ہوئے، پھر نہ معلوم کن کن حالتوں سے گزرتے ہوئے تم اپنے اصلی مستقر اور آخری ٹھکانے پر پہنچو گے۔

۱۲۔ ان تغیرات کا ہم اپنی ذات میں اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی وسیع کائنات میں ہر لحظہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر بھی قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔ وقوعِ قیامت میں جو حکمتیں اور انسانی اصلاح کے جو اثرات ہیں ان کو تسلیم نہیں کرتے۔ بڑے تعجب کی بات ہے۔

عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾ بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾

قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے ؎۲۱ بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں ؎۲۲

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو باتیں یہ دلوں میں چھپا رہے ہیں ؎۲۳ پس آپ انہیں خوشخبری سنا دیجئے دردناک عذاب کی ؎۲۴ البتہ جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾

ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا ؎۲۵

؎۲۱ اور تعجب ہے کہ قرآن کریم کی آیتیں جن کی تاثیر سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں اور جو انسانی فطرت پر اپنا اثر ڈالتی ہیں جب وہ ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں لیکن کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔ آیتیں سن کر ان کے سر اللہ رب العزت کے حضور سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

؎۲۲ متاثر ہونا یا سجدے میں سر جھکانا تو ایک طرف، یہ ظالم ان کو الٹا جھٹلانا شروع کر دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں یہ جادو ہے، کبھی کہتے ہیں یہ ان کا خود ساختہ کلام ہے، کبھی کہتے ہیں ان کو کسی نے سکھایا ہے۔ ہر بیہودہ بات جو ان کے منہ میں آتی ہے کہنے لگتے ہیں۔ والعیاذ باللہ۔

؎۲۳ یوعون، یجمعون فی الصدور من التکذیب والعداوۃ۔ قال مجاہد بما یکتمون (قرطبی)۔ یعنی جو کفر و عداوت ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ یہ مت سمجھیں کہ جو کچھ یہ چھپا رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر ہے، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

؎۲۴ یہ بطور تہکم ہے۔ ان بدبختوں کو آپ دردناک عذاب کی بشارت دیں۔

؎۲۵ ان کا تو یہ حشر ہوگا لیکن جو لوگ سچے دل سے ایمان لے آئے اور ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیک اعمال کرتے رہے انہیں اجر ملے گا، اجر بھی ایسا جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ ابد الآباد تک ان پر نوازشات و انعامات کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اپنے رب کریم کے لطف و کرم سے ہمیشہ ہمیشہ بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے۔

○

اللھم لک الحمد ولک الشکر ومنک التوفیق اللھم تقبل منا ما تحب وترضیٰ وتقبل منا ما تکلمنا و فتح لنا سبیل الدعاء رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبنا وشفیعنا وطبیب قلوبنا وشفاء ارواحنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔

○

تعارف

سُورَۃُ البُرُوج

نام: اس سورت کا نام "البروج" ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بائیس آیتیں، ایک سو نو کلمات اور چار سو پینسٹھ حروف ہیں۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب اہل ایمان پر کفار کا ظلم و تشدد پورے شباب پر تھا۔ انہوں نے خون، قبیلہ اور ہمسائیگی کے تمام تعلقات کو نظر انداز کر دیا تھا اور ان کے بس میں جتنی قوت تھی اسے مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں صرف کر رہے تھے۔

مضامین: اصحاب الاخدود کون تھے؟ جن اہل ایمان کو انہوں نے انگاروں سے بھری ہوئی خندقوں میں پھینکا تھا وہ کس علاقہ کے باشندے تھے؟ اور یہ کس زمانہ کا واقعہ ہے؟ یہ تفاصیل آپ کو اس سورت کی تشریح کے ضمن میں ملیں گی۔
یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کفر اور باطل نعمت ہدایت سے محروم ہونے کے باعث جوہر انسانیت سے بھی عاری ہو جاتا ہے۔ رحمت و شفقت کا کوئی جذبہ اس کے دل میں باقی نہیں رہتا۔ کمزور اور بے بس حق پرستوں پر کفار بھوکے ہوئے وحشی درندوں کی طرح جھپٹتے ہیں۔ زندہ انسانوں کو بھڑکتے ہوئے شعلوں میں دھکے دے کر گرانا اور ان کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر خوشی سے رقص کرنا ان کا معمول ہوا کرتا ہے لیکن جبر و تشدد کی انسانیت سوز قہرمانیوں میں اہل حق کی استقامت اور ثابت قدمی بھی اپنے اندر جو حسن اور دلفریبی رکھتی ہے اس کی بھی نظیر نہیں ملتی۔ وہ مظالم کی چکی میں پس رہے ہوتے ہیں، وہ تنوروں کے شعلوں میں کیسے جا رہے ہوتے ہیں لیکن ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں سے کوئی آنسو نہیں ٹپکتا۔ وہ آہ کرتے ہیں نہ فریاد۔ اپنے مولائے کریم کی خوشنودی کے حصول کو وہ اپنی مسرتوں اور سعادتوں کی معراج یقین کرتے ہیں۔
اس واقعہ کو بیان کرنے سے مدعا یہ ہے کہ مسلمان بھی ظلم و ستم کے اس دور میں عالی ہمتی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں۔ وہ یقین رکھیں کہ کفر کا طلسم بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ طاغوتی قوتیں سرنگوں ہو جائیں گی۔ مخالفت کے طوفان تھم جائیں گے۔ اسلام کو فتح مبین حاصل ہو گی۔ ابوجہل اور ابولہب سے پہلے بھی کئی فرعون اور ثمودی گزرے ہیں لیکن وہ اپنی موت آپ مر گئے اور حق کا پرچم لہراتا رہا اور قیامت تک لہراتا رہے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۷-۳-۷۷

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اِثْنَتَانِ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البروج مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں بائیس آیات ہیں

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳

قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے ۱؎ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ۲؎ اور حاضر ہونے والے کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوا جاتا ہے ۳؎

۱؎ اس سورت کا آغاز چند قسموں سے کیا گیا ہے اور جس بات پر یہ قسمیں کھائی جا رہی ہیں وہ یہ ہے کہ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ یعنی جن لوگوں نے اہل حق کو آگ کی خندقوں میں جلایا وہ ہلاک ہوئے۔ ہر طرف باطل کا غلبہ ہو، ہر طرف کفر اور شرک کا اندھیرا چھا جائے، ایسا کرنے والے برباد ہو گئے۔ ان کا ظلم و استبداد بھی ڈوب گیا، ان کی سلطنت خاک میں مل گئی، ان کے محلات کھنڈرات بن گئے، ان کے نگینوں کے تخت چھوٹ گئے۔ حق کا بول بالا ہے۔ صداقت کا آفتاب اب بھی ضوفشاں ہے۔ حق کی شمع پر پروانے جلتے رہے اور انسانیت کا سر فخر سے بلند ہوتا رہا۔ [illegible] ایمان کا پرچم لہراتا رہا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تسلی ہے جو حق کی خاطر ظلم و ستم برداشت کر رہے ہیں کہ جب [illegible] کوئی طاقت ان کے عزم کو متزلزل نہیں کر سکتی، حق کا پرچم ہمیشہ بلند رہے گا۔

علمائے ہیئت کہتے ہیں کہ اجرام سماویہ کی گردش کے راستے کو بارہ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ کو برج کہتے ہیں اور ہر برج کے ستاروں کی ایک خاص شکل ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے برجوں کے نام مقرر کر رکھے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے ضیاء القرآن سورۃ الحجر آیت ۱۶ کے حواشی۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان ہمیشہ تجربہ کرتا رہا اور ستاروں کی گردش سے نتائج اخذ کرتا رہا۔ کتاب و سنت سے [illegible] ملاحظہ فرمائیں ضیاء القرآن سورۃ الانبیاء آیت ۳۳۔

جدید سائنس کی تحقیقات نے قرآنی نظریہ کو تسلیم کر لیا ہے [illegible] بروج سے مراد وہ عظیم الشان ستارے ہیں جو اپنی روشنی کے باعث بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ وقیل البروج عظام الکواکب سمیت بروجا لظہورہا کما قال الحسن ومجاہد وقتادۃ (مظہری)

۲؎ اس سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کا بار بار وعدہ کیا گیا ہے۔

۳؎ شاہد اور مشہود کے بارے میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں۔ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے، مشہود سے یوم عرفہ۔ شاہد سے مراد حضور نبی کریم ہیں اور مشہود سے مراد قیامت کا دن۔ شاہد سے مراد انبیائے کرام اور مشہود سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ شاہد سے مراد اللہ تعالیٰ، فرشتے، کراماً کاتبین، انبیائے کرام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جملہ اہل ایمان اور مشہود سے مراد کلمہ توحید اور دین اسلام کی تمام صداقتیں ہیں جن کی ان سب نے گواہی دی ہے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا

مارے گئے کھائی کھودنے والے ۔ (یعنی) اس آگ (کی کھائی) والے جس میں بہت ایندھن تھا ۔ جب وہ اس (کے کنارے) پر

۴۔ یہ جواب قسم ہے۔ الاخدود: الشق العظيم المستطيل في الارض كالخندق۔ زمین میں کھودا ہوا بڑا اور مستطیل گڑھا جو خندق کی طرح کھودا گیا ہو۔ اصحاب الاخدود کون لوگ تھے؟ ان کے بارے میں متعدد روایات مذکور ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ عقائد کے اختلاف کی بنیاد پر خون کے دریا بہا دیے جایا کرتے تھے۔ آبادیوں کی آبادیوں کو بے دریغ تہ تیغ کر دیا جاتا تھا۔ خصوصاً یہودیت و عیسائیت کی تاریخ اس قسم کے خونریز واقعات سے بھری پڑی ہے۔ اس لیے ہر جگہ اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہتے تھے۔ ان آیات میں کسی خصوص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بارے میں سب سے زیادہ قابل وثوق وہ روایت ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ اس کا ترجمہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر خزائن العرفان سے پیش کرتا ہوں:

"مروی ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا جب اس کا جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس ایک لڑکا بھیج دے جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا مقرر کر دیا۔ وہ جادو سیکھنے لگا۔ راہ میں ایک راہب رہتا تھا۔ اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کا کلام اس کے دل میں جگہ کر گیا۔ اب آتے جاتے اس نے راہب کی صحبت اختیار کر لی۔ ایک روز راستہ میں ایک مہیب جانور ملا۔ لڑکے نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر دعا کی کہ یارب اگر راہب تجھے پیارا ہو تو میرے پتھر سے اس جانور کو ہلاک کر دے۔ وہ جانور اس کے پتھر سے مر گیا۔ اس کے بعد لڑکا مستجاب الدعوات ہوا اور اس کی دعا سے اندھے اور کوڑھی اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک مصاحب اندھا ہو گیا تھا۔ لڑکے نے دعا کی وہ اچھا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا اور بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس نے کہا تجھے کس نے اچھا کیا؟ کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا میرے سوا اور بھی کوئی رب ہے؟ پھر اس پر سختیاں شروع کیں یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتا دیا لڑکے پر سختیاں کیں یہاں تک کہ اس نے راہب کا پتہ بتا دیا۔ راہب پر سختیاں کیں اور اس سے کہا اپنا دین ترک کر۔ اس نے انکار کیا تو اس کے سر پر آرا رکھ کر چیر ڈالا۔ پھر مصاحب کو چیر ڈالا۔ پھر لڑکے کو حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے۔ سپاہی اس کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ اس نے دعا کی پہاڑ میں زلزلہ آیا۔ سب گر کر ہلاک ہو گئے لڑکا صحیح سلامت چلا آیا۔ بادشاہ نے کہا ساتھی کیا ہوئے؟ کہا سب کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ پھر بادشاہ نے لڑکے کو سمندر میں غرق کرنے کے لیے بھیجا۔ لڑکے نے دعا کی کشتی ڈوب گئی۔ تمام شاہی آدمی ڈوب گئے لڑکا صحیح سلامت بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے کہا وہ آدمی کیا ہوئے؟ کہا سب کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا۔ تو مجھے قتل نہیں کر سکتا جب تک وہ کام نہ کرے جو میں بتاؤں۔ کہا وہ کیا؟ لڑکے نے کہا ایک میدان میں سب لوگوں کو جمع کر اور مجھے کھجور کے تنے پر سولی دے پھر میرے ترکش سے تیر نکال کر بسم اللہ رب الغلام (اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) کہہ کر مار۔ ایسا کرے گا تو مجھے قتل کر سکے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا اور واصل بحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس سے بادشاہ کو اور زیادہ صدمہ ہوا اور اس نے ایک خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلائی اور حکم دیا کہ جو دین سے نہ پھرے اسے اس آگ میں ڈال دو۔ لوگ ڈالے گئے یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کی گود میں بچہ تھا وہ ذرا جھجکی بچے نے کہا اے ماں! صبر کر نہ جھجک۔ تو سچے دین پر ہے۔ وہ بچہ اور ماں بھی آگ میں ڈال دیے گئے۔" یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلم نے اس کی تخریج کی۔ اس سے اولیاء کی کرامتیں ثابت ہوتی ہیں۔ آیت میں اسی واقعہ

قُعُوْدٌ ۙ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۭ ﴿۷﴾ وَمَا

بیٹھے تھے۔ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے ۷ اور نہیں

نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ ﴿۸﴾ الَّذِيْ

ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب سب خوبیوں سراہا ہے۔ ۸ جس کے

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۭ ﴿۹﴾

قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے ۹ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ

بےشک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے

کا ذکر ہے۔ (خزائن العرفان)

۶ اخدود وہ مہلک شق۔ اللہ جل شانہ نے ذات الوقود میں بڑی ہیبت ناک آگ کی شدت کی ہیبت کا بیان ہے یعنی آگ جل رہی تھی اور اس میں لکڑیاں بڑی وافر مقدار میں ڈالا جا رہا تھا۔

۷ ان کی سنگدلی کا یہ عالم تھا کہ ان کے بھائی بند ان کے ہم قوم ان کے ہم وطن بڑی بے دردی سے آگ میں دھکیلے جا رہے تھے اور یہ پاس بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔

۸ کس جرم میں ان کو یہ سزا دی جا رہی تھی؟ کونسا قصور ان سے سرزد ہوا تھا جس کا انتقام ان سے لیا جا رہا تھا؟ ان کی کونسی ایسی حرکت تھی جو انہیں از حد ناگوار اور ناپسند تھی اور وہ اس سے برافروختہ ہو کر ہیجان کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے؟ بتایا جا رہا ہے کہ ان پاکبازوں کا اس کے سوا کوئی جرم نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے تھے اور اس کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ یہ جابر مغرور بادشاہ فرعون صفت حکمرانوں کو خدا ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق و مالک سمجھتے تھے جو سب پر غالب ہے اور جو تمام صفاتِ کمال سے موصوف ہے۔

۹ جس کی حکمرانی کا سکہ آسمانوں اور زمین میں چل رہا ہے۔ کائنات ارضی و سماوی میں کوئی پتہ کوئی ذرہ اس کے حکم کے بغیر جنبش نہیں کر سکتا۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کا اسے علم نہ ہو۔

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿١٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَ

جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے ۹ جو لوگ ایمان لے آئے اور

عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَٰلِكَ

نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی

الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿١١﴾ إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿١٢﴾ إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَ

بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی گرفت بہت سخت ہے ۱۰ بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی

يُعِيدُ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿١٤﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿١٥﴾ فَعَّالٌ

دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا بہت محبت کرنے والا ہے ۱۱ عرش کا مالک ہے ۱۲ بڑی شان والا۔ کرتا ہے

لِمَا يُرِيدُ ﴿١٦﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿١٧﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿١٨﴾

جو کچھ چاہتا ہے ۱۳ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی ۱۴

۹ جو ظالم اپنی طاقت کے نشہ میں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو اذیت پہنچاتے ہیں اور پھر ان غیر انسانی حرکتوں سے تائب بھی نہیں ہوتے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی یہ خود سری گوارا کر لی جائے گی۔ قدرت کا قانون مکافات ان کے معاملہ میں بے اثر ہو کر رہ جائے گا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ انہیں وہ ذلت کی سزا ملے گی اور جلائے جانے کا وہ عذاب جو انہوں نے اہل ایمان کے لیے تجویز کیا تھا بعینہٖ اسی قسم کے عذاب میں انہیں مبتلا کیا جائے گا اگرچہ دونوں عذابوں کی نوعیت میں بُعد المشرقین ہوگا۔

۱۰ ظالم کے لیے آپ کے رب کی گرفت بڑی سخت ہے اس کا ہر کام پُر از حکمت ہوتا ہے۔ وہ نمرود، فرعون اور ثمود جیسے حکمرانوں کی طرح فوراً پکڑ نہیں لیتا۔ ہر کام کے لیے اس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو پھر یوں سخت پکڑتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ اس کے عذاب سے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔ کوئی بچا نہیں سکتا۔ سارے کروفر دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

۱۱ حضور کے صحابہ کرام کو یہ نوید مسرت سنائی جا رہی ہے کہ جس نے پہلے پیدا کیا تمہیں دوبارہ زندہ بھی وہی کرے گا۔ اس کی مغفرت کا دامن بڑا وسیع ہے۔ اس کو اپنے فرمانبردار بندوں سے بڑی محبت ہے اور بے اندازہ پیار ہے۔ اس کی غیرت انہیں ایذا پہنچانے والوں کو زیادہ دیر مہلت نہیں دے گی۔

۱۲ وہ عرش کا مالک ہے۔ ساری بزرگیاں، ساری عظمتیں، ساری شانیں اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے بے بس

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝١٩ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ۝٢٠

بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

ع ۱ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝٢١ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝٢٢

بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے ۲۱ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے ۲۲

کہ جس چیز کا ارادہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

۲۰ اے میرے حبیب! سرکشی اور بغاوت کا علم بلند کرنے والے صرف یہی لوگ نہیں۔ ان سے پہلے فرعون و ثمود اور ان کے جرار لشکر اپنی جاہ و جلال دکھا چکے ہیں۔ خدا کی مخلوق پر جور و ستم کی انتہا کر چکے ہیں۔ خدا کی زمین کو بے گناہوں کے خون سے رنگین بنا چکے ہیں۔ لیکن وہ سب تباہ ہو چکے۔ سب کا نام و نشان مٹ گیا۔ وہ لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ ان سے طاقتور اور کوئی نہیں ان کا گھیراؤ نہیں کیا جا سکتا لیکن وہ خداوند عالم اور اس کی طاقتوں کو بھلائے ہوئے تھے۔

۲۱ اس قرآن حکیم کی آیات کو تم معمولی نہ سمجھو ان میں جو کچھ ہے اس کو حرز جان بناؤ۔ شاہراہ ہدایت پر چلنے کی توفیق تمہیں ان کی برکت سے نصیب ہوگی۔ یہ محض کوئی ایسی کتاب نہیں جو کسی انسان کی ذہنی کاوش کا نتیجہ ہو۔ یہ بڑی عظمت والی اور اونچی شان والی کتاب ہے۔ اس کے سارے مندرجات حق ہیں۔ یقینی ہیں ہر شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔

۲۲ یہ ایسی لوح میں مکتوب ہے جو ہر تحریف و تبدیل اور کمی بیشی سے قطعاً محفوظ ہے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعہ باحسان وتمسک بحبلہ اجمعین الیٰ یوم الدین۔

رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علیّ وعلیٰ والدیّ وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمین۔

تعارف

سُوْرَةُ الطَّارِق

نام : اس سورۂ پاک کا نام "الطارق" ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اس میں ایک رکوع، سترہ آیتیں، اکسٹھ کلمے، دو سو انتالیس حروف ہیں۔

نزول : اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں بھی وقوعِ قیامت پر دلائل پیش کیے جا رہے ہیں لیکن ان کے بیان سے پہلے قسمیں اٹھا کر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اسے آوارہ نہیں چھوڑ دیا گیا کہ اس کے دل میں جو آئے کرتا رہے اور اسے کسی بازپرس کا اندیشہ نہ ہو کیونکہ یہ حکمتِ الٰہی کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو گوناگوں صلاحیتوں سے مالامال کر کے پیدا کیا ہے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ ان بخشی ہوئی نعمتوں کو کس طرح استعمال کرتا ہے۔ اس کے محافظ بھی مقرر کر دیے ہیں۔

قیامت کے منکرین کو بتایا جا رہا ہے کہ میری قدرت کا انکار کرنے سے پہلے ذرا اپنی پیدائش پر غور کرو۔ تمہارا مادۂ تخلیق پانی کی ایک بوند ہے۔ تمہاری چشمِ نرگسیں، چاند کی مانند چمکتا ہوا تمہارا چہرہ، تمہاری خوبصورت پیشانی، موتیوں کی طرح دمکتے ہوئے دانت، یہ قامتِ زیبا سب اسی ایک بوند سے نمودار ہوئی ہے۔ پھر جسمانی قوتیں، ذہنی اور روحانی استعداد بھی اسی میں بڑی خوش اسلوبی سے مخفی ہوئی تھیں۔ جس کی قدرت کا یہ حیرت انگیز شاہکار تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے کیا وہ تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ کیا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یاد رکھو اگر تم راہِ راست اختیار نہیں کرو گے تو اس دن تمہیں کوئی ایسا دوست اور مددگار نہیں ملے گا جو خداوندِ قہار کے عذاب سے تمہیں چھڑا سکے۔

سورت کے اختتام سے پہلے صاف طور پر بتا دیا کہ اہلِ مکہ اسلام کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں میں مصروف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی بے خبر نہیں۔ وہ ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنی قدرت سے ان کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا کر رکھ دے گا۔ یہ کروفر، یہ شان و شوکت جو انہیں بدمست کیے ہوئے ہے چند روزہ ہے۔ غور و تدبر کے لیے جو مہلت انہیں دی گئی ہے وہ جب اختتام پذیر ہوگی تو پھر غضبِ الٰہی کی بجلی کوندے گی اور انہیں خاکِ سیاہ بنا کر رکھ دے گی۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲۲-۴-۷۰

سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ سَبْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الطارق مکی ہے۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں سترہ آیات ہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور آپ کو کیا معلوم رات کو آنے والا کیا ہے۔ وہ ایک تارا ہے نہایت تاباں [1]

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾

کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو [2]۔ سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے [3]

[1] الطارق، طرق سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے کوٹنا، کھٹکھٹانا۔ رات کے وقت آنے والے مہمان کو طارق اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سوئے ہوئے میزبان کو جگانے کے لیے اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ ستارے کو بھی طارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صرف رات کے وقت نمودار ہوتا ہے۔ یہاں الطارق سے مراد ستارہ ہے کیونکہ اگلی آیت میں اس کی تشریح کر دی گئی ہے۔ الثاقب، ثقب سوراخ کرنے کو کہتے ہیں۔ اندھیرے میں روشنی کی کرن ایسے دکھائی دیتی ہے گویا اس نے اندھیرے کی دیوار میں سوراخ کر دیا ہے۔ اس لیے ستارا جو نہایت چمکدار ہو اور جس کی تیز روشنی تاریکی کو چیرتی ہوئی دور سے نظر آئے اسے النجم الثاقب کہتے ہیں۔ اس سے مراد کوئی خصوص تارا نہیں بلکہ جنس ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ صبح کے وقت نمودار ہونے والے ستارے کو الطارق کہتے ہیں کیونکہ وہ صبح کا پیغامبر بن کر طلوع ہوتا ہے اس لیے اس کی بڑی شان ہوتی ہے۔ ہند زوجہ ابوسفیان احد کی جنگ میں یہ شعر پڑھا کرتی تھی

نحن بنات طارق . نمشی علی النمارق

اس میں طارق سے مراد ستارہ صبح ہے۔ وہ کہتی ہے ہم ستاروں جیسے باپوں کی بیٹیاں ہیں، نرم و گداز قالینوں پر چلتی ہیں۔

[2] آسمان اور چمکدار ستارے کی قسم کھانے کے بعد جواب قسم ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں جس پر نگہبان مقرر نہ ہو۔ تم اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو اور کبھی یہ خیال نہ کرو کہ ہم نے تمہیں پیدا کر کے یونہی بے لگام چھوڑ دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم نے تمہاری نگہداشت کا پورا انتظام کر دیا ہے تاکہ تم اپنی منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے کہیں گر نہ پڑو۔ ناگہانی حادثات تمہیں پیس کر نہ رکھ دیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کی حفاظت کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر ہیں جو ایسے حادثات و مصائب سے اس کی پاسبانی کرتے ہیں جو اس کی تقدیر میں نہیں۔ . . اگر انسان کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو شیاطین اور دوسرے انسان تو کجا مکھیاں اس کی تکا بوٹی کر کے رکھ دیں۔

غیر شعوری نگہداشت اور ایسی ناگہانی آفات سے جو ہر لحظہ منڈلا رہی ہیں ان میں سے انسان کا بچ کر نکل جانا معجزہ سے کم نہیں۔ ہر انسان نے اپنی زندگی میں بارہا تجربہ کیا ہو گا کہ کوئی غیبی طاقت اس کی حفاظت کر رہی ہے۔ زہریلا سانپ اس کے پاؤں کے نیچے سے نکل گیا ہے ورنہ اسے ڈس لیتا، جس بلندی سے وہ گرا ہے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹ جاتی۔ . . . اس سے اس کا بچ جانا محال تھا۔ . . .

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝٦ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝٧

اسے پیدا کیا گیا ہے اُچھلتے پانی سے جو (مرد و زن کی) پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے

بیان کیا گیا ہے کہ انسان آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا۔ جو چاہے کرتا پھرے۔ اس کا کوئی محاسبہ نہ ہوگا بلکہ اس کے تمام اعمال کو محفوظ کیا جا رہا ہے۔ مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن سورۂ رعد آیت ۱۱۔

لَمَّا کا میم اگر مشدد ہو تو یہ اِلَّا کے معنی میں ہوگا اور اِنْ نافیہ ہوگا اور میم مخفف ہو تو اِنْ اصل میں اِنَّ ہوگا۔ اس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگا اور مَا زائدہ ہوگا۔ (مظہری۔ قرطبی)

۳ے جب انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بچشم ہوش مشاہدہ کرتا ہے تو روزِ قیامت کا اسے یقین ہو جاتا ہے۔ اسی لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ ہر انسان اپنی آفرینش کی ابتدا میں غور کرے۔

۴ے صُلب کہتے ہیں ریڑھ کی ہڈی کو۔ تَرَائِب: تَرِيبَة کی جمع ہے۔ هي موضع القلادة من الصدر۔ (قرطبی عن ابن عباس) گلے کا ہار سینہ پر جس جگہ لٹکتا ہے اس کو ترائب کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ مادۂ منویہ مرد کی پشت اور عورت کے سینہ کے درمیان سے نکلتا ہے لیکن دوسرے مفسرین جن کے سرخیل حسن بصری ہیں وہ کہتے ہیں وقال الحسن المعنى يخرج من صلب الرجل وترائب الرجل ومن صلب المرأة وترائب المرأة۔ (قرطبی) یعنی یہ مادہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے اسی طرح عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ یہی قول طبی تحقیقات کے مطابق ہے۔

اس آیت پر بعض ملحدین نے اعتراض کیا ہے کہ مادہ منویہ کے خروج کا کیا مطلب ہے۔ اگر خروج کا مطلب اس کا جسم سے باہر خارج ہونا ہو تو یہ بالبداہت غلط ہے کیونکہ منی کا خروج یہاں سے نہیں ہوتا۔ اگر خروج کا معنی اس کا وہ مخرج ہے جہاں وہ جمع ہوتا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کا ذخیرہ الحوصلة المنوية، خصیتین میں ہے نہ کہ پشت وغیرہ۔ اگر خروج کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی یہاں تیار ہوتے ہیں تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ اس کے بنانے میں سب سے زیادہ حصہ دماغ کا ہے نہ کہ صلب و ترائب کا۔

جن لوگوں نے ان جدید نظریات کا مطالعہ کیا ہے ان کے نزدیک معترضین کا یہ اعتراض ان کی جہالت اور ان کے الحاد کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے بین الصلب والترائب کے مختصر اور جامع الفاظ سے حقیقت کی جس طرح ترجمانی کی ہے اس سے بہتر ناممکن ہے۔ جسم میں کوئی ایک عضو ایسا نہیں جو تنہا اس مادہ تولید کو بناتا ہو۔ بلکہ تمام اعضائے رئیسہ کے اشتراک سے یہ مادہ تیار ہوتا ہے۔ دماغ، دل اور جگر کا حصہ اس میں نمایاں اور سب سے زیادہ ہے۔ دل اور جگر کا مقام تو ظاہر ہے بین الصلب والترائب ہے۔ باقی رہا دماغ تو ریڑھ کی ہڈی میں نخاع وہ سفید رنگ کی تار جو دماغ سے گردن سے گزرتی ہوئی ریڑھ کی ہڈی کے ساتھ ساتھ مہروں سے ہوتی ہوئی آخر تک پہنچتی ہے۔ اس مادہ کی تیاری میں جو حصہ لیتا ہے یہ اس کے اصل عناصر تیار کر کے خصیتین میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے نکل کر نالیوں کے ذریعے سے باہر نکلتے ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی نے اس حقیقت کو ان ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

[illegible] الاعضاء القوى النفسانية والطبيعية والحيوانية [illegible] الفضل على ما هو عليه [illegible]

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿٨﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿٩﴾ فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ

بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے ۔ جس دن کہ جانچے جائیں گے سب راز ۔ پس نہ اس میں زور ہو گا اور نہ

وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿١١﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿١٢﴾

کوئی دوسرا مددگار ہو گا ۔ قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے

لا يبعد ... ان ... [illegible] ... من بين الصلب والترائب عبارة مختصرة جامعة ... [illegible] ... والصلب النخاع يشتمل على الدماغ. (روح المعاني)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ریڑھ کی ہڈی کا رشتہ، دماغ، قلب اور جگر کی قوتیں سب اس مادہ کو اس کی تکوین بنانے میں ایک دوسرے کی اعانت کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ انسان کا مبدا بن جاتا ہے۔ من بین الصلب والترائب کی مختصر اور جامع عبارت اس امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ ترائب قلب اور جگر کو شامل ہے اور صلب سے وہ ریڑھ کی ہڈی کا رشتہ مراد ہے جس کے ذریعے دماغ اس کی تیاری میں حصہ لیتا ہے۔

علاوہ ازیں اور تحقیقات بھی ہو چکی ہیں ... [illegible] ... مرکز ریڑھ کی ہڈی اور ترائب کے درمیان واقع ہے اور دماغ سے اعصابی رو جب اس مرکز کو پہنچتی ہے تب اس مرکز کی تحریک سے ... [illegible] ... نکلتا ہے۔ قرآن کریم کا بیان علم طب کی جدید تحقیقات کے عین مطابق ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی نے بھی اپنی تفاسیر میں اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

۵ ۔ ایسی قدرت والی ہستی کے لیے انسان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا مشکل نہیں۔

۶ ۔ تبلی کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ تبلی: تظہر یعنی اس روز تمام راز ظاہر ہو جائیں گے کوئی بات پوشیدہ نہ رہے گی۔ دوسرا معنی تبلی: تمتحن و تختبر (قرطبی) ان کو پرکھا جائے گا، کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر دیا جائے گا۔ جن اسرار کو فاش کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے ان میں وہ باتیں بھی ہیں جن کو صرف کرنے والا جانتا تھا لیکن دوسرے لوگوں کو اس کا علم نہ تھا یا علم تو تھا لیکن اس کے پس پردہ جو نیت کارفرما تھی وہ صیغہ راز میں رہی اور بعض راز ایسے ہیں جن کا کرنے والے کو بھی دنیا میں علم نہ ہو سکا۔ یعنی جو کام اس نے کیے تھے ان کے نتائج کیسے نکلے اور ان نتائج کے اثرات کہاں تک اور کب تک مرتب ہوتے رہے۔ یہ ساری باتیں اس روز کھول کر سامنے رکھ دی جائیں گی۔

۷ ۔ نہ تو اس کے بازوؤں میں اتنا زور ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے اور نہ اس کے دوست احباب اس کی مدد کو آ سکیں گے اور اس کو عذاب الٰہی سے چھڑا کر لے جا سکیں گے۔

۸ ۔ رجع کا معنی لوٹنا ہے۔ یہاں اس سے مراد بارش ہے کیونکہ یہ لوٹ لوٹ کر آتی ہے، بار بار برستی ہے۔ یہ نہیں کہ ایک

إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿١٣﴾ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿١٤﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿١٥﴾

بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے ۱۳ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں ۱۴

وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿١٦﴾ فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿١٧﴾

اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں۔ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت دیجئے انہیں کچھ وقت ڈھیل دیں ۱۶

[illegible] پھر جب اسے مناسب درجہ کی ٹھنڈک پہنچتی ہے تو الٹ کر پانی بن جاتا ہے اور بارش کی صورت میں برسنے لگتا ہے۔

صدع: شگاف کو کہتے ہیں۔ جب کاشتکار زمین میں بیج ڈالتا ہے تو زمین [illegible] کر دیتی ہے۔ جب بیج اگتا ہے تو اس سطح میں سوراخ کر کے باہر نکلتا ہے۔

۱۳ ان حقیقتوں کی قسم جن کا تم ہر روز مشاہدہ کرتے ہو [illegible] کہ جس طرح تم ان کا انکار نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن میں ایسے روشن حقائق کا مجموعہ ہے جن کا انکار کسی ہوشمند انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ قول فیصل ہے۔ اس کا ہر فیصلہ قطعی اور اٹل ہے۔ جس چیز کو اس نے حق کہہ دیا وہ حق ہے جس کو اس نے باطل کہہ دیا وہ باطل ہے۔ زمانہ کے تغیرات حالات کے تقاضے قرآنی حقائق کو الٹ پلٹ نہیں سکتے [illegible]

۱۴ کفار اسلام کو ترک کرنے کے لیے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو [illegible] ہر وقت سازشیں کرتے رہتے تھے [illegible]
[illegible]
یہی حال اس کی دیگر سازشوں کا ہوا۔

۱۵ کس طرح اپنے محبوب کی دلجوئی کی جا رہی ہے کہ آپ ان [illegible]
[illegible]

۱۶ [illegible]
[illegible]

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی نبی المرسلین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقہوا قولی۔

تعارف

سُورہ الاعلیٰ

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "الاعلیٰ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، بہتر کلمات اور دو سو اکہتر حروف ہیں۔

نزول : جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے لیکن علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔ انہوں نے امام بخاریؒ اور دیگر محدثین سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے راوی حضرت براء بن عازبؓ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے ہجرت کر کے مصعب بن عمیرؓ اور ابن اُم مکتومؓ مدینہ تشریف لائے اور یہیں قرآن کریم کی تعلیم دینی شروع کی۔ ان کے بعد عمار، بلال اور سعد رضی اللہ عنہم یہاں پہنچے۔ پھر حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ یہاں آئے۔ ان کے بعد رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرزمین یثرب کو اپنے قدوم سے سرفراز کیا۔ میں نے اہل مدینہ کو جتنا اس دن شاداں و فرحاں دیکھا ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچے اور بچیاں کہہ رہے تھے: "یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے ہاں تشریف لے آئے ہیں۔" اس وقت میں نے یہ سورت پڑھی ہوئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کے ہجرت کرنے سے پہلے ہی یہ نازل ہو چکی تھی۔

مضامین : اس سورت کا آغاز اس حکم سے ہو رہا ہے کہ اپنے رب الاعلیٰ کی تسبیح بیان کرو یعنی وہ ہر نقص، ہر ضعف اور نا توانی سے پاک ہے۔ جس کی ذات قدرت و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ آسمان، آفتاب و ماہتاب، فضا کی پہنائیاں، پہاڑوں کی بلندیاں، سمندروں کی بے قراریاں اسی نے پیدا فرمائی ہیں۔ ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کی تخلیق بے ہنگم اور بے جوڑ نہیں بلکہ ہر چیز کو اس نے ایک اندازے اور سلیقہ کے مطابق پیدا فرمایا ہے اور ہر چیز کو اپنے طبعی فرائض انجام دینے کے لیے ظاہری اور باطنی قوتیں اور ان قوتوں سے کام لینے کے لیے آلات و جوارح بھی مرحمت فرمائے ہیں۔ اس نے ہر چیز کی جسمانی خوراک کا بھی مناسب انتظام فرمایا ہے اور ان کی اخلاقی اور روحانی بالیدگی کے لیے یہ صحیفۂ رشد و ہدایت نازل کیا ہے اور اس کے ہر کلمہ کو آپ کی لوح قلب پر یوں ثبت کر دیا ہے کہ اب اس کے بھول جانے کا امکان تک بھی نہیں۔

اس کے بعد اپنے حبیب کو فرمایا کہ آپ کا کام نصیحت کرنا ہے جس کے دل میں حق پذیری کی صلاحیت ہو گی وہ اسے بصد ذوق و شوق قبول کر لے گا، لیکن جو ازلی بدبخت ہے وہ اس سے روٹھ جائے گا۔ اور اس انکار کی اسے جو سزا ملے گی بڑی اذیت ناک ہو گی۔

آخری آیات میں بتا دیا کہ دارین کی کامیابی کا تاج فقط اس شخص کے سر کی زینت بنتا ہے جو فکری اور عملی گمراہیوں سے اپنا دامن بچاتا ہے اور ذکر الٰہی میں شب و روز مصروف رہتا ہے۔ یہ ایک ابدی حقیقت ہے جسے قرآن کریم میں بھی بیان کر دیا گیا ہے اور اس سے پہلے جو آسمانی صحیفے انبیائے سابقین پر نازل ہوئے اُن میں بھی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا تھا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲ - ۳ - ۷۷

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الاعلیٰ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں انیس آیات ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿١﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٢﴾ وَالَّذِيْ

پاکی بیان کیجئے[1] اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا[2] پھر ٹھیک ٹھیک بنایا[3] اور جس نے

قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿٣﴾ وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿٤﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿٥﴾

(ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر راہ دکھائی[4] اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا[5] پھر اسے بنا دیا کوڑا سیاہی مائل۔

ا؎ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے پروردگار کی پاکی بیان کیا کرو۔ یعنی اپنے دل میں بھی [illegible] اور اپنی زبان سے بھی اس کا اعتراف کرو کہ میرا پروردگار ہر عیب اور نقص سے پاک ہے [illegible]
اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کے کئی طریقے ہیں [illegible]
[illegible]
[illegible]

٢؎ ربک فرما کر اللہ تعالیٰ نے [illegible]
[illegible]
[illegible]

٣؎ [illegible]
[illegible]

٤؎ [illegible]
[illegible]

٥؎ ہر چیز کی تخلیق کا مقصد بھی متعین کر دیا ہے [illegible]
[illegible]

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا

ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ اسے نہ بھولیں گے ۔ بجز اس کے جو اللہ چاہے ۔ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور ۔

سے قبل از وقت طے کر دیے گئے ہیں۔ تخلیق عزوجل نے ہر ایک اور ہر ایک کی طرف متوجہ کیا کہ ... کسی چیز کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ نہیں دیا گیا بلکہ ان کی بقا اور نشوونما کے لیے جن جسمانی اور ذہنی طاقتوں کی ضرورت تھی جو بیرونی اسباب و وسائل درکار تھے سب کے سب ہر چیز کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق مہیا کر دیے گئے۔ یہ ہدایت کائنات کی ہر چیز کو دی گئی ہے۔ نباتات میں غور فرمائیے اگر گندم کا بیج اس موسم میں کاشت کیا جائے جو اس کی کاشت کے لیے موزوں ترین ہے تو کتنا خوشنما پودا نکلتا ہے اور اس کے خوشے کتنے عجیب ہیں دانوں سے کس طرح بھرے جاتے ہیں۔ اور اگر کسی دوسرے موسم میں کاشت کیا جائے تو وہ اگتا ہی نہیں، زمین کتنی زرخیز ہو اس میں کتنی کھاد ڈالی گئی ہو اس میں کتنی بار آبپاشی کی گئی ہو سب بے سود ہے۔ اس سے بھی زیادہ اس فطری ہدایت کے جلوے حیوانی زندگی میں نظر آئیں گے۔ اگر آپ ایک بطخ کا انڈا ایک مرغی کے نیچے رکھ دیں۔ دونوں سے ایک وقت بچے نکلیں گے آپ ان کے سامنے پانی کا برتن رکھیں تو بطخ کا بچہ فوراً اس میں کود جائے گا اور مرغی کا بچہ دور بھاگ جائے گا۔

حضرت انسان تو ایک عجوبہ ہے۔ اس کی تخلیق کا ہر پہلو عجیب ہے۔ اس کی جسمانی زندگی کو برقرار رکھنے والے اعضا معدہ، جگر، دل، پھیپھڑے، گردے، جسم کے تمام سسٹم اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کو ان کی نگہداشت کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آپ کے ارادے کا بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح زندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لیے آپ کو ظاہری حواس کے ساتھ ساتھ باطنی حواس اور ان سے بھی اعلیٰ چیز روح عطا فرمایا اور جہاں یہ قوتیں تھک کر بیٹھ جاتی ہیں اور آپ کی راہنمائی سے قاصر ہو جاتی ہیں اور آپ کو بھٹکنے لگتی ہیں تو اس وقت بارگاہ الٰہی سے نبی نبوت سے سرفراز فرما کر تشریف لاتے ہیں اور شرک و بدعت کے اندھیروں کو دور کر دیتے ہیں۔ ان کی حیات آفرین تعلیمات شیطان کی ساری فریب کاریوں اور عیاریوں کو بے اثر کر دیتی ہیں۔ پھر ان کی ہدایت فرمائی اور ہدایت پذیری کے ان گنت درجات ہیں اور ہر مقام و مرتبہ کہ جب اللہ تعالیٰ کا دست لطف و کرم اپنے بندے کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے اور اس کو منزل مراد پر پہنچا دیتا ہے۔ سبحانک لا نحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی العظیم۔

ك مرعیٰ: چارہ، وہ گھاس جسے جانور چرتے ہیں۔ غُثَاءً: وہ خشک گھاس پھوس جو سیلاب بہا کر لے جاتا ہے۔ اَحْوٰى: سیاہ، جس کی سبزی و شادابی رخصت ہو جاتی ہے جس کی رنگت سیاہ ہو جاتی ہے۔

ك حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت ہے کہ آپ کو حفظ قرآن کی نعمت بے محنت عطا ہوگی اور یہ آپ کا معجزہ ہے کہ اتنی بڑی کتاب عظیم بغیر محنت و مشقت اور بغیر تکرار و دور کے آپ کو حفظ ہو گئی۔ (خزائن العرفان)

ك مفسرین نے فرمایا کہ یہ استثنا واقع نہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ آپ کچھ بھولیں۔ (خزائن العرفان)

يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹

چھپی ہوئی ہے۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے اس آسان (شریعت) پر عمل ۹ پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو ۱۰

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِيْ يَصْلَى

سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہو گا ۱۱ اور دور رہے گا اس سے بدبخت ۔ جو (بالآخر) جھونکا جائے گا بڑی

النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ

آگ میں داخل ہو گا ۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا ۔ بے شک اس نے فلاح پائی

مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ

جس نے اپنے آپ کو پاک کیا ۱۲ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۔ البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح

۹ حقیقت میں شریعت اسلامیہ کو بجا طور پر بڑا آسان کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے قوانین فطرت انسانی کے عین مطابق ہیں۔ اس کی صلاحیتوں کی نشوونما میں بڑے ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں لیکن بعض لوگ جن کے مزاج بگڑ چکے ہیں انہیں اس راہ پر قدم اٹھانا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر بڑا احسان ہے کہ وہ اس آسان دین کو قبول کرنا آسان بنا دے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لیے اس پر کاربند ہونا آسان بنا دیا ہے۔ اسی لیے حضرت صدیقہ سے جب حضور کے اخلاق حسنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ

۱۰ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعوت حق میں ہر لحظہ مشغول رہتے۔ وہ لوگ جو تعصب اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا کرتے تھے انہیں بھی حضور بڑے خلوص اور دلسوزی سے تبلیغ فرماتے اور جب وہ انکار کرتے تو حضور کو دکھ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب! بے شک لوگوں کو نصیحت کرتے رہیے۔ لیکن جنہیں اس نصیحت سے کوئی نفع پہنچنے کی امید ہو۔ اور جن کے دل پتھر کی طرح سخت ہیں ان پر خواہ مخواہ جگر خون نہ کیجیے۔

۱۱ یعنی بتا دیا کہ جس کے دل میں خدا کا خوف ہے، روز جزا کا ڈر ہے، وہ تو ضرور نصیحت قبول کرے گا بلکہ وہ خود ہر وقت اسی کوشش میں رہتا ہے کہ اسے ایسی باتیں بتائی جائیں جن پر عمل کر کے وہ قیامت کے روز سرخرو ہو سکتا ہے۔ لیکن جو ازلی بدبخت ہے شقاوت جس کا مقدر بن چکی ہے اسے اگر آپ دعوت دیں گے تو وہ اسے قبول نہ کرے گا اور اسی کو اس عذاب میں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے مبتلا کیا جائے گا۔

۱۲ اوپر کی آیت میں سعید اور شقی کا ذکر ہوا تھا اب اس پر مزید روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ فرمایا وہ شخص جو اپنے آپ کو شرک و کفر کی

الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَّأَبْقٰى ﴿۱۷﴾ إِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ

حیات دنیوی کو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ پہلے صحیفوں میں لکھا

آلودگیوں سے بھی پاک کرتا ہے چنانچہ پہلے ایمان عمل کر فسق و فجور نافرمانی و سرکشی سے پاک اور نہیں ہو سکتا پھر اپنے رب کی یاد میں ہر وقت مشغول رہتا ہے اور نماز پنجگانہ میں ہرگز سستی نہیں کرتا۔ اسی کے سر پر دارین کی کامیابی کا تاج سجایا جائے گا۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں کہ فصلّی کا ایک معنی دعا بھی کیا گیا ہے یعنی جو شخص دعا مانگنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے۔ آپ بھی دعا کے آداب کے سلسلہ میں چند حدیثیں یہاں لکھی جاتی ہیں جن سے وہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

① حضرت فضالہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ایک مرتبہ تشریف فرما تھے۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے نماز ادا کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا اللّٰھم اغفرلی وارحمنی۔ اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا عجلت ایھا المصلی۔ اے نمازی تو نے بڑی جلدی سے کام لیا ہے۔ اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ وصل علی ثم ادعہ۔ کہ جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کر جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔ پھر مجھ پر درود پڑھ، پھر دعا مانگ۔ اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد کی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ حضور نے فرمایا ایھا المصلی ادع تجب۔ (رواہ الترمذی) اے نمازی! اب دعا مانگ۔ تیری دعا قبول کی جائے گی۔

② حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور حضور کی خدمت میں حضرت ابوبکر و عمر بھی حاضر تھے۔ جب میں نماز پڑھ چکا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر اپنے لیے دعا مانگی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا سل تعطہ۔ سل تعطہ (رواہ الترمذی) مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔ مانگ! اب تجھے دیا جائے گا۔

③ حضرت یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر کے بعد لکھتے ہیں: بخاطر این فقیر می آید واللہ تعالیٰ اعلم کہ درین آیت اشارت است بمنازل سلوک۔ اول توبہ است و تزکیہ نفس است بازالہ صفات مذمومہ و اکتساب صفات حمیدہ۔ دوم: مداومت بر ذکر لسانی و قلبی و زبدی و سری تا برسد بمشاہدات۔ قد افلح من تزکی اشارت باول است وذکر اسم ربہ اشارت بدوم۔ فصلی اشارت بسوم چہ صلوٰۃ معراج مومن است۔ وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ اشارت بدین است۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ترجمہ: اس فقیر کے دل میں یہ بات آتی ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے کہ ان آیات میں منازل سلوک کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلی منزل توبہ اور تزکیہ کی ہے کہ انسان صفات ذمیمہ سے توبہ کرے اور ان سے اپنے آپ کو پاک کرے اور صفات حمیدہ کو اختیار کرے۔ دوسری منزل یہ ہے کہ زبانی، قلبی، ذہنی اور سری ذکر پر مداومت کرے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ کی منزل آتی ہے۔ قد افلح من تزکی سے پہلی، ذکر اسم ربہ سے دوسری اور فصلّی سے تیسری منزل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نماز کو مومن کی معراج فرمایا گیا ہے اور حضور کا ارشاد گرامی ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الْأُولَىٰ ﴿١٨﴾ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿١٩﴾

پہلے ـ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں ـ

ع ۱

۱۸ ـ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم تزکیہ نفس کی طرف متوجہ ہوتے، ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور نماز ادا کرتے رہتے لیکن تم اخروی زندگی پر دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ ہر وقت تم اسی کوشش میں لگے رہتے ہو کہ یہ چند دن کمال آرام و فارغ البالی سے بسر کرو۔ یوم آخرت کے بارے میں تم نے سوچنے کی زحمت ہی کبھی گوارا نہیں کی۔ حالانکہ آخرت کی راحتیں اور مسرتیں کہیں زیادہ بہتر ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

○

اللهم وفقنا ان نؤثر الحيوة الآخرة على الحيوة الدنيا ونكثر من التزكي ونذكر اسمك ونصلي لنفلح في الدنيا والآخرة. اللهم صل وسلم وبارك على عبدك المصطفى ورسولك المرتضى ونبيك المجتبى سيدنا ومولانا وحبيبنا محمد وعلى آله شموس الفضل وعلى آله مصابيح الهدى واصحابه نجوم الرشد لمن اقتدى بهم من الصلوات افضلها ومن التسليمات اطيبها ومن البركات ازكاها ومن التحيات اسناها. رب اغفر لي ولوالدي وللمؤمنين يوم يقوم الحساب.

○

تعارف

سُورۃ الغاشیہ

نام : اس سورت کا نام "الغاشیہ" ہے۔ اس میں ایک رکوع، چھبیس آیتیں، بانوے کلمات ۳۸۱ حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : رسالت کے مکی دور میں سارا زور تین باتوں کو ذہن نشین کرانے پر دیا گیا۔

توحید۔ رسالت۔ آخرت۔

یہاں قیامت کا ذکر بڑے اچھوتے انداز سے ایک سوال کی صورت میں کیا جا رہا ہے۔ اے مخاطب! کیا تو نے ایک ایسی چیز کے بارے میں کچھ سنا ہے جو ساری کائنات پر چھا جائے گی۔ بلندیوں اور پستیوں میں کوئی چیز اس سے بچ نہ سکے گی۔ یہی روز قیامت ہے۔ اس روز بنی نوع انسان کو فقط دو گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک گروہ ان بدنصیبوں کا ہوگا جنہوں نے اللہ کے رسولوں کی دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔ اس روز ان کی جو درگت بنے گی اس کا ایسا مؤثر ذکر کیا گیا ہے کہ اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس نے اپنے رسولوں کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا۔ بڑی مضبوطی سے ان کے دامن کو تھام لیا۔ ہجوم مصائب میں بھی ان کے پاؤں نہ ڈگمگائے۔ اس روز ان کی جس طرح عزت افزائی کی جائے گی اس کا روح پرور نقشہ کھینچ دیا۔

اس تذکرہ کے بعد اب اہل عرب کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے علم و حکمت پر اب بھی وہ ایمان نہیں لائے تو ذرا ان چار چیزوں کی تخلیق پر غور کریں جن کا مشاہدہ سفر و حضر میں وہ ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ ذرا اونٹ کی طرف دیکھو جو بے آب و گیاہ میدانوں اور لق و دق وسیع ریگستانوں کو عبور کرتا ہے۔ اس کے پاؤں نہ وہ طول سفر سے تھکتا ہے اور نہ پیاس کی شدت اسے درماندہ کرتی ہے۔ تمہیں اور تمہارے بوجھ کو اٹھائے ہوئے مستانہ وار وہ منزل کی طرف بڑھا چلا جاتا ہے۔ کیا اس کی ساخت، اس کی قوت برداشت، بھوک اور پیاس کے باوجود اس کی بے پناہ توانائی اس بات کی گواہی نہیں دے رہی کہ جس نے اس کو پیدا کیا ہے اس کی قدرت اور اس کی حکمت بے مثل اور بے نظیر ہے۔ ذرا سر اوپر اٹھاؤ اور جزیرہ عرب کے اس نیلگوں آسمان پر نظر ڈالو۔ اس کی وسعت، اس کی بلندی، اس کی دل موہ لینے والی رنگت، پھر دن کے وقت اس میں چمکتا دمکتا سورج اور رات کے وقت ستاروں کی ان گنت آویزاں قندیلیں دیکھ کر تمہیں یقین نہیں آتا کہ یہ ایسے خالق کی تخلیق ہے جس کی قدرت اور حکمت لاجواب ہے۔ یہ سلسلہ کوہ جو تمہیں ہر طرف

پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے پتھر اور اس کی چٹانیں، اس کی اونچی چوٹیاں اور پست وادیاں اپنی آفرینش میں جو افادیت رکھتی ہیں کیا تم اس کا انکار کر سکتے ہو؟ یہ فرشِ زمین جو حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہے جو اپنی تہوں میں تمہارے لیے بے شمار خزانے سمیٹے ہوئے ہے کیا تمہیں غور و فکر کی دعوت نہیں دے رہا ہے۔

آخر میں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ آپ کا کام فقط ان کو نصیحت کرنا ہے۔ یہ فریضۂ نبوت آپ بڑی دلسوزی اور حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو آپ اس پر دلگیر کیوں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان نابکاروں سے خود نپٹ لے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۸ - ۴ - ۷۷

سُورَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — وَهِيَ سِتٌّ وَعِشْرُونَ آيَةً

سورۃ الغاشیہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی چھبیس آیات ہیں۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾ عَامِلَةٌ

کیا پہنچی ہے آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر ۱ـ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے ۲ـ مشقت میں

نَاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقَىٰ مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ﴿٥﴾ لَيْسَ

مبتلا تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمے سے ۳ـ انہیں

۱ـ غاشیہ کا معنی ہے چھا جانے والی۔ اس سے مراد قیامت ہے کیونکہ جنوں اور انسانوں میں کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس پر قیامت کی ہولناکیوں کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔ ساری مخلوقات اس سے پریشان ہوگی۔ قرطبی نے کہا ہے کہ یہاں ہل استفہامیہ نہیں بلکہ بمعنی قد ہے یعنی آپ کے پاس اس کی خبر پہنچ گئی ہے۔

۲ـ قیامت کے روز قومیت، وطن یا زبان کی بنیاد پر تقسیم کی یہ ساری حد بندیاں ختم ہو جائیں گی۔ ساری اولاد آدم دو حصوں میں بانٹ دی جائے گی۔ ایک وہ جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی نافرمانی اور شرارت میں برباد کی ہوگی۔ دوسرے وہ جو اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہوں گے۔ پہلی قسم کے لوگوں کی اس روز یہ حالت ہوگی کہ چہروں پر ذلت و رسوائی برس رہی ہوگی۔ عاملة: وہ دوزخ میں بڑی مشقت جھیل رہے ہوں گے۔ وزنی طوق ان کے گلے میں پڑے ہوں گے۔ ستر ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ آگ کی تپش الگ ہوگی۔ ناصبة: تھکے ماندے۔ انسان تھوڑی دیر بھی مشقت میں مبتلا ہو تو وہ تھک جاتا ہے۔ یہاں تو مشقتیں بھی جان لیوا ہوں گی اور یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس وقت انسان کی درماندگی اور تھکاوٹ کی جو کیفیت ہوگی اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

عاملة ناصبة کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔ یعنی اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام کو تو قبول نہیں کرتے لیکن ریاضات و مجاہدات میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ راہب اور جوگی قسم کے لوگ اپنی جانوں پر ایسی سختیاں برداشت کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے لیکن ان کا عقیدہ غلط ہے اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ دین کو انہوں نے قبول نہیں کیا۔ اس لیے ان کی یہ ساری محنتیں اور شب بیداریاں رائیگاں جائیں گی۔ اسی طرح جو لوگ مختلف علوم و فنون میں کمال حاصل کرنے کے لیے رات دن محنت شاقہ کرتے رہتے ہیں۔ بڑے بڑے سائنسدان اور انجینیر ساری ساری رات بلکہ مسلسل کئی کئی ہفتے دماغی کاوش کرتے رہتے ہیں۔ ایمان کے بغیر ان کی یہ ساری جانکاہیاں ان کے کسی کام نہ آئیں گی۔

۳ـ آنیة کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں آن الحمیم، انتهى حرّه ومنه قوله تعالىٰ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ اى متناهية فى شدة الحر (لسان) یعنی حرارت کا انتہائی شدت اختیار کر لینا۔ کفار زنجیروں میں جکڑے ہوں گے، آگ میں جھلس رہے ہوں گے، پیاس کی شدت ہوگی اور پینے کو ایسے چشمے کا پانی جو انتہائی گرم ہوگا کھول رہا ہوگا۔

لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ ﴿٦﴾ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ ﴿٧﴾

کوئی کھانا نہیں ملے گا بجز خار دار جھاڑ کے ؎ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا ؎

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾

کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے ؎ اپنی کوششوں پر خوش ہوں گے عالیشان جنت میں۔

لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ

نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت

مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾ وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ وَزَرَابِيُّ

بچھے ہوں گے اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے اور قیمتی قالین

؎ اور جب بھوک ستائے گی تو کھانے کے لیے خار دار جھاڑ کا تھال پیش کیا جائے گا۔ قال عکرمۃ ومجاھد الضریع نبت ذو شوک لاصق بالارض تسمیہ قریش الشبرق اذا کان رطبا فاذا یبس فھو الضریع (قرطبی) یعنی عکرمہ اور مجاہد کہتے ہیں کہ ضریع ایک کانٹوں والی بوٹی ہے جو زمین سے چمٹی رہتی ہے۔ جب وہ ہری ہو تو قریش اسے شبرق کہتے ہیں اور جب سوکھ جائے تو اسے ضریع کہا جاتا ہے۔

؎ ضریع کا لفظ ان کی خوراک کی حقیقت بیان کرنے کے لیے کافی تھا۔ مزید یہ بتا کر کہ اس کے کھانے سے نہ جسم فربہ ہوگا اور نہ بھوک کی شدت میں کوئی تخفیف ہوگی، اس کی ناپسندیدگی کے بارے میں بتلا دیا۔

؎ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔

ناعمۃ: یعنی ان کے چہروں پر مسرت و راحت کے آثار نمایاں ہوں گے۔ لسعیھا: جو کوشش وہ زندگی بھر کرتے رہے ہوں گے ان کی جگہ [illegible] آج جن انعامات سے انہیں نوازا جائے گا انہیں دیکھ کر ان کی خوشی کی کوئی حد نہ رہے گی۔ فردوس بریں میں ان کی اقامت گاہیں ہوں گی۔ کوئی ایسی بات وہ نہیں سنیں گے جو انہیں ناگوار ہو۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے جا بجا بہہ رہے ہوں گے۔ ان کے بیٹھنے کے لیے اونچے اونچے تخت بچھے ہوں گے۔ قرینے سے ساغر اور پیالے پاس رکھے ہوں گے۔ نمارق: نمرقۃ کی جمع ہے۔ اس کا معنی ہے چھوٹے چھوٹے تکیے اور وہ گدے جو کجاووں کے اوپر ڈالے جاتے ہیں ان کو بھی نمارق کہتے ہیں۔ زرابی: اس کا واحد زربیۃ ہے۔ قالین، چاندنی جو فرش پر بچھائی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کی جنت میں جو خاطر مدارات ہوگی ان کے آرام و آسائش کے جو سامان مہیا کیے جائیں گے انہیں جو شرف و عزت بخشا جائے گا اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ یہ سب ان لوگوں کے لیے ہے جو اللہ و رسول کی سچائی پر ایمان رکھتے ہیں، اپنا سب کچھ چھوڑ کر جان دے کر بھی اللہ تعالیٰ کو

مَبْثُوثَةٌ ﴿١٦﴾ أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ

بچھے ہوں گے۔ کیا یہ لوگ غور سے اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے عجیب طرح پیدا کیا گیا ہے ف۱ اور آسمان کی طرف نہیں

كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾ وَإِلَى الْأَرْضِ

دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے ف۲ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف

كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَّسْتَ عَلَيْهِم

کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیے، آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے ف۳ آپ ان کو جبر سے منوانے والے

داخل کرنا پڑے تو انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

ف۱ کفار کو جو اپنی قدرت کے شواہد میں غور وفکر کی دعوت دی جا رہی ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کی گئی کیونکہ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ ان کی سواری اور خوراک کا ذریعہ تھا۔ یہ لوگ ہر وقت اس کے ساتھ رہتے تھے۔ اس لیے انہیں اس کی تخلیق میں جو حکمتیں ہیں ان میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی۔

یہ اتنا بڑا جانور ہے لیکن ایک چھوٹا سا بچہ اس کی نکیل پکڑ لے تو جدھر چاہے لے جائے، یہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ وہ بیٹھ کر بوجھ لدواتا ہے پھر اٹھنے کا اشارہ کرے تو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ بوجھ لاد کر اٹھا لیتا ہے۔ ریگستان میں جہاں پانی کی شدید قلت ہے اس لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے ایسا پیدا کیا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اسے بار بار پانی نہیں پینا پڑتا۔ دس دس دن تک پانی پیے بغیر گزارہ کر سکتا ہے۔ وہ جڑی بوٹیاں جو دوسرے جانور نہیں کھاتے یہ انہیں کھا کر اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ سارے جانوروں کی تمام خوبیاں اس میں پائی جاتی ہیں۔ بعض جانور دودھ دیتے ہیں، بعض بوجھ اٹھاتے ہیں، کوئی سواری کے کام آتا ہے، کسی کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ اونٹ ایسا جانور ہے جو دودھ بھی دیتا ہے، بوجھ بھی اٹھاتا ہے، سواری کے کام بھی آتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ سواری کے دوسرے جانوروں پر جب کوئی سوار ہوتا ہے تو وہ بیٹھتے نہیں بلکہ کھڑے رہتے ہیں اور سواری کے وقت بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی گردن لمبی ہے، اس کے پاؤں میں نرم گدیلے ہیں، اس کے سینہ کے نیچے ایک گدی بنی ہوئی ہے۔ الغرض اس کی ہر چیز میں آپ غور کریں گے آپ کو اس میں رب کی حکمتوں کے ان گنت جلوے نظر آئیں گے۔

ف۲ پھر آسمان کی بلندی، پہاڑوں کے جم کر کھڑا ہونے اور زمین کے بچھائے جانے پر غور کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

ف۳ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں کہ آپ کا کام ان کو نصیحت کرنا ہے، ان کو خواب غفلت سے جگانا ہے۔ آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیے، اس کے باوجود اگر یہ ہدایت قبول نہ کریں تو آپ فکر مند کیوں ہوں۔ ہم نے آپ کو ان کا داروغہ نہیں مقرر کیا کہ اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ سے باز پرس ہو۔ صحاح اور لسان العرب میں مسیطر کا یہی معنی کیا گیا ہے۔ المسیطر والمسیطر،

بِمُصَيْطِرٍ ۝ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ

آ… حیں ہیں ۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب

الْأَكْبَرَ ۝ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ۝

دے گا ۔ بے شک انہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر یقیناً ہمارے ذمہ ان کا حساب لینا ہے ۔

المسلط علی الشیء لیشرف علیه ویتعهد احواله ویکتب عمله ۔ یعنی وہ شخص جس کو کسی پر مسلط کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی نگرانی کرے اس کے احوال کی خبر رکھے اور اس کے اعمال کو لکھتا رہے اسے مسیطر کہتے ہیں ۔

ف جو بدبخت آپ کی طرف سے منہ پھیرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت سزا دے گا ۔

○

اللهم إنك عفو تحب العفو فاعف عنا يا أكرم المسئولين ويا أرحم الراحمين واحشرنا في عبادك
المقربين وصل وسلم وبارك على حبيب الفقراء والمساكين وخاتم الأنبياء والمرسلين وعلى آله و
أصحابه وسائر أمته إلى يوم الدين ۔

تعارف

سُورۃ الفجر

نام : اس سورت کا نام "الفجر" ہے۔ اس میں ایک رکوع، اُنتیس یا تیس آیتیں، ایک سو اکتالیس کلمے اور پانچ سو ستانوے حروف ہیں۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول اس وقت ہوا جب کفار نے مسلمانوں پر بے پناہ مشق ستم شروع کر دی تھی۔ وہ انہیں جبراً پھر کفر کی طرف لوٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے اس سورت کا نزول ہوا۔

مضامین : ابتدا میں کفار نے اسلام کی دلوں کو مسخر کر لینے والی قوت کا صحیح اندازہ نہ لگایا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آواز رگوں سے عقائد کی پختگی سے ٹکرا ٹکرا کر خود ہی اپنا سر پھوڑ لے گی اور معاملہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن جب اس دعوت کے داعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی تابانیاں تعصب وہٹ دھرمی کی سنگین فصیلوں میں شگاف پیدا کرنے لگیں اور کفر و شرک کے بلند و بالا ستون گرنے لگے تو اہل مکہ نے مزید رواداری اور چشم پوشی کا رویہ ترک کر دیا اور لنگوٹے کس کر اسلام کے سیل رواں کو روکنے کے لیے میدان میں نکل آئے اور ہر اس شخص پر ظلم و ستم کی حد کر دیتے جو اسلام قبول کر لیتا۔

اللہ تعالیٰ اپنے سرفروش اور جانثار بندوں کی حوصلہ افزائی فرما رہا ہے اور انہیں بتا رہا ہے کہ کفار کی یہ سنگدلانہ حرکات نرالی نہیں۔ آج سے پہلے بھی ایسا ہوتا آیا ہے۔ بڑے بڑے جابر اور طاقتور قبائل نے اور سنگدل حکمرانوں نے اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لا کر اہل حق کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوششیں کیں۔ لیکن عذاب خداوندی نے ان کو نیست و نابود کر دیا۔ اگر مکہ کے ان رئیسوں نے اپنی یہ ظالمانہ روش نہ چھوڑی تو ان کا انجام بھی ایسا ہی المناک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کے ہر قسم کے اعمال کو قریب سے غور سے دیکھ رہا ہے اور مناسب وقت پر ان کو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

یہاں ایک نظریہ کا بطلان کر دیا جس میں اکثر خدا فراموش قومیں اور افراد پہلے بھی مبتلا تھے اور اب بھی مبتلا ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اگر انسان خوشحال اور با وقار زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا منظور نظر ہے۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کو خدا کی پسندیدگی کی سند حاصل ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں اور جو شخص کسمپرسی اور افلاس کی زندگی گزار رہا ہے وہ خدا کی نظروں میں گرا ہوا ہے۔ اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ بتا دیا کہ یہ نظریہ سراسر باطل ہے۔ مال کی فراوانی اور مال کی قلت الٰہی آزمائش کے دو رُخ ہیں۔ وہ اپنے بندوں کو قارون کی دولت اور فرعون کا جاہ و جلال دے کر

آزماتا ہے اور کبھی فقر و فاقہ کی سختیوں سے دو چار کرکے ان کو پرکھتا ہے جس نے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کیا، اور مصائب میں صبر کا دامن نہ چھوڑا وہ دربار خداوندی میں سرخرو اور کامیاب ہے۔ اے اپنی ثروت کی کثرت اور اپنی ریاست و امارت پر فخر کرنے والے! کبھی تو نے اپنے اعمال کی طرف دیکھنے کی زحمت گوارا کی ہے۔ نہ یتیم کا احترام، نہ غریب سے ہمدردی، مال و دولت سمیٹنے کے بغیر اور کوئی مقصد ہی پیش نظر نہیں۔ جائز و ناجائز ذرائع میں بھی امتیاز روا نہیں رکھتے ہو۔ یاد رکھو! قیامت کا دن آنے والا ہے اس وقت تمہاری چشم ہوش کھلے گی لیکن بے سود۔ البتہ وہ پاک نہاد قدسی صفات لوگ جو ذکر الٰہی سے اپنے قلب کی تسکین کا اہتمام کرتے رہے جب وہ اس دار فانی سے رخصت ہوں گے تو انہیں رضائے الٰہی کے مژدہ سے خورسند کیا جائے گا۔ اللّٰھم اجعلنا منھم۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً

سورۃ الفجر مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ | اس کی تیس آیات ہیں

وَالْفَجْرِ ﴿١﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿٢﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾

قسم ہے صبح کی۱ اور ان (مقدس) دس راتوں کی اور قسم ہے جفت اور طاق (چیزوں) کی اور رات کی جب گزرنے لگے۲

۱۔ دعوتِ اسلامیہ کے مکہ کے مشرکوں کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت اس وقت دو چیزوں تک محدود تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور روز جزا پر ایمان۔ وہ لوگ وقوع قیامت پر طرح طرح کے اعتراضات کیا کرتے اور اسے محال اور خلاف عقل گمان کرتے۔ ان کے شکوک کے ازالہ کے لیے دیگر متعدد مقامات کی طرح اس سورت کا آغاز بھی چند قسموں کو کھا کر کیا جا رہا ہے۔ یہاں پانچ چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ انسان اگر ان میں غور و تدبر کرے تو قیامت کے بارے میں اس کے تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ اس کا وقوع ممکن بلکہ عین حکمت معلوم ہونے لگے گا۔

فرمایا قسم ہے فجر کی۔ اس فجر کے بارے میں متعدد اقوال ہیں کہ کونسی فجر مراد ہے۔ لیکن اولیٰ یہی ہے کہ اسے کسی فجر سے مخصوص نہ کیا جائے بلکہ ہر صبح مراد ہو جو طلوع ہوتی ہے تو رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ ہر طرف سپیدۂ سحر پھیل جاتا ہے۔ پرندے، چرندے، انسان جو آرام و سکون سے اپنی آماجگاہوں میں رات بسر کر رہے ہوتے ہیں اب اپنے اپنے معمولات اور فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا قسم ہے دس راتوں کی جو بڑی شان والی ہیں۔ تنکیر تعظیم شان کے لیے ہے۔ اس سے مراد کون سی راتیں ہیں۔ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں، رمضان کی آخری دس راتیں، محرم کی پہلی دس راتیں۔ علماء سے تینوں قول منقول ہیں۔

اس کے بعد فرمایا قسم ہے شفع (جفت) کی اور وتر (طاق) کی۔ اس کے مصداق کے بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ شفع سے مراد مخلوق اور وتر سے مراد خالق۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عطیہ، مجاہد اور دیگر جلیل القدر علماء تفسیر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی تشریح یوں کی ہے۔ ساری مخلوق دو دو ہے۔ کفر و ایمان، ہدایت و ضلالت، سعادت و شقاوت، لیل و نہار، زمین و آسمان، بحر و بر، شمس و قمر، جن و انس، نور و ظلمت، زندگی اور موت، عزت و ذلت، علم و جہالت وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی ذات، شانوں اور صفات میں یکتا ہے اور طاق ہے۔ وہاں زندگی ہے موت نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، علم ہے جہالت نہیں، قوت ہے ضعف نہیں۔ اس کی ذات بھی یکتا، اس کی تمام صفات بھی یکتا۔

بعض نے شفع سے مراد وہ نمازیں لی ہیں جن کی رکعتیں دو یا چار ہوں اور وتر سے وہ نمازیں جن کی رکعتیں طاق ہیں جیسے نماز مغرب اور وتر۔

۲۔ یسر: اذا سری وذھب۔ یعنی جب رات رخصت ہونے لگتی ہے اور صبح کے طلوع کا وقت قریب آجاتا ہے۔

ان تمام قسموں کا جواب لَتُبْعَثُنَّ محذوف ہے۔ یعنی تمہیں ضرور زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ یہ ساری چیزیں جن کی قسم کھائی گئی ہے اور اتنا عرصہ سے ساتھ رونما ہوتی رہتی ہیں وہ اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ یہ کسی اندھی بہری فطرت کی کارستانی نہیں بلکہ ایک قادر، حکیم اور علیم ذات کا ارادہ

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾

یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لیے ۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد سے

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ

ارم کے ساتھ جو لمبے لمبے ستونوں والے تھے ۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل دنیا کے ملکوں میں ۔ اور ثمود کے ساتھ کیا کیا

کو معرضِ وجود میں لاتا ہے۔ جس کی قدرت کا یہ عالم ہو اس کے لیے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً مشکل نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکیمانہ ہے تو وہ حضرتِ انسان کو اتنی قوتوں سے بہرہ ور کرنے کے بعد اس کو یونہی چھوڑ نہیں دیگا کہ وہ ان سے پوچھے ہی نہیں کہ اس نے عطا کی ہوئی قوتوں اور نعمتوں کو کس طرح استعمال کیا ہے۔ یہ بات بھی اس کی حکمت کے سراسر منافی ہے کہ جن لوگوں نے اس کی دی ہوئی قوتوں کو صحیح استعمال کیا اس سے اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا ہو گا اور مخلوقِ خستہ کی آبادی کی ان کو کوئی اجر نہ ملے اور جنہوں نے ان نعمتوں پر ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی تباہی و بربادی کے لیے انہیں استعمال کیا اور فسق و فجور کی داغ بیل ڈالی ان کو ان کے کرتوتوں کی کوئی سزا نہ دی جائے۔

۳ ۔ فرمایا جو لوگ عقل والے ہیں ان کے لیے تو یہی آیتیں اور ساری قسمیں کے بعد روزِ جزا کا یقین آجائے گا اور اس کے بعد انہیں مزید کسی قسم کی ضرورت نہیں رہے گی اور جو لوگ عقل سے محروم ہیں ان کے سامنے جتنی بھی قسمیں کھائی جائیں وہ ان سے کوئی ہدایت قبول نہیں کریں گے۔ عقل کو حجر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ غلط کاموں سے روکتی ہے۔ نفس کا سرکش گھوڑا جب آگے بڑھنے لگے تو اس کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

۴ ۔ اہل مکہ کو دعوتِ حق کو قبول کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے گذشتہ زمانے کی ان قوموں کی داستانیں بطورِ عبرت سنائی جا رہی ہیں۔ جو قوت و شوکت میں اپنے اپنے زمانہ میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ لیکن جب وہ بغاوت و سرکشی کی راہ پر گامزن ہوئیں اپنے جرائم اور اعمال بد کے باعث صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئیں۔ اہل مکہ ان اقوام کے ناموں اور ان کے عبرتناک انجام سے اچھی طرح روشناس تھے۔

عاد کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہے کہ عاد نام کی دو قومیں تھیں ایک کو عاد اولیٰ اور دوسرے کو عاد ثانی کہتے ہیں۔ عاد اولیٰ کا نسب نامہ یہ تھا۔ عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح ۔ اسی عاد کی اولاد قوم عاد کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہود علیہ السلام انہی کی طرف مبعوث ہوئے تھے ۔ انہوں نے ان کی دعوت کو مسترد کر دیا اس لیے تباہ کر دیے گئے ۔ اس قبیلہ کے جو لوگ اس عذاب سے بچ گئے تھے اور پھر ان کی نسل بڑھی وہ بھی قوم عاد ہی کہلائی۔ دونوں میں امتیاز کرنے کے لیے پہلی قوم کو عاد اولیٰ یا عاد ارم کہا جاتا ہے اور دوسری کو عاد اخریٰ۔

۵ ۔ علامہ جوہری نے عماد کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے۔ العماد الابنية الرفيعة واحده عمادة ۔ وقال الشاعر عمرو بن كلثوم

ونحن اذا عماد الحي خرت   على الاحفاض نمنع من يلينا

وتقول طويل العماد اذا كان منزله معلما لزائريه. (الصحاح) بلند عمارات قصور اور محلات کو عماد کہتے ہیں۔ عمرو بن کلثوم شاعر کا شعر ہے کہ ہم جب کسی قوم کا ستون گر جاتا ہے تو ہم ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ جس کا اونچا مکان اس کے زائرین کو دور سے معلوم ہو جائے تو

الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿١٠﴾ الَّذِيْنَ

جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں ۵؎ اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا ۶؎ جنہوں نے

طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿١١﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿١٢﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ

سرکشی کی تھی اپنے اپنے ملکوں میں۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا ۷؎۔ پس آپ کے رب نے ان پر

سَوْطَ عَذَابٍ ﴿١٣﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا

عذاب کا کوڑا برسایا ۸؎ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے۔ مگر انسان (کا بھی عجیب حال) ہے کہ جب

عرب کہتے ہیں فلان طویل العماد۔

۴؎ یہ قد و قامت میں بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز تھے اور جسمانی قوت و طاقت میں بھی اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

۵؎ قوم ثمود سنگ تراشی کے فن میں بڑی مہارت رکھتی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کی چٹانوں کو کھود کر اور کاٹ کر اپنے لیے رہائش گاہیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ انہیں ان کی پائیداری اور پختگی پر بڑا ناز تھا۔ انہیں یقین تھا کہ کوئی زلزلہ، کوئی سیلاب، کوئی جھکڑ ان کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ وادی القریٰ میں اب بھی ان کے تراشے ہوئے مکانات دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں جس مہارت سے انہوں نے ان سخت چٹانوں کو کاٹا، پھر جس خوبصورتی سے دروازوں پر بیل بوٹے بنائے ہیں انہیں دیکھ کر اس فن میں ان کی مہارت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

۶؎ عاد و ثمود یہ دونوں قومیں جزیرہ نما عرب کی بسنے والی تھیں۔ اہل عرب ان سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی تباہی کی داستانیں پشت در پشت اپنے آباء و اجداد سے سنتے آ رہے تھے۔ فرعون اگرچہ مصر کا فرمانروا تھا لیکن بنی اسرائیل کے ساتھ اہل عرب کا میل جول تھا۔ انہوں نے اس کے مظالم اور پھر اس کی غرقابی کے قصے بھی انہیں سنا رکھے تھے۔ اس لیے فرعون کا ذکر ان کے نزدیک اجنبی بات نہ تھا۔

فرعون کو ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔ اوتاد وتد کی جمع ہے۔ خیمے کی میخوں کو وتد کہتے ہیں اور لکڑی کی کھونٹیاں جن کے ساتھ خیموں کی رسیاں باندھی جاتی ہیں ان کو بھی وتد کہتے ہیں۔ فرعون کا بہت بڑا لشکر تھا۔ جب وہ چڑھائی کرتا تو لشکر کے خیموں کو نصب کرنے کے لیے کیلوں کا ایک ذخیرہ ان کے ہمراہ ہوتا۔ یا جن لوگوں پر ان کا عتاب نازل ہوتا ان کو زمین پر لٹا کر ان کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی میخیں گاڑ دی جاتیں۔ اس لیے اسے ذی الاوتاد کہا گیا ہے۔

۷؎ ان قوموں کی تباہی کی وجہ بتا دی کہ انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ ظلم و ستم کی حد کر دی۔ کسی کی آبرو، کسی کی جان، کسی کی جائیداد محفوظ نہ رہی۔ جس طرح چاہتے زیر دستوں کو لوٹ لیتے۔ ان کی عصمتوں کو تار تار کر دیتے اور ان کے خون کے دریا بہا دیتے اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ انہیں روز حساب کا کوئی خوف نہ تھا۔ جب ان کے مظالم کی حد ہو گئی، ان کے انبیاء ان کی اصلاح سے مایوس ہو گئے، ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی امید نہ رہی تو عذاب الٰہی کا کوڑا ان پر موسلا دھار برسا کہ ان کی ناک میں دم کر دیا گیا۔ ان کی متکبر گردنوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ ان کی بستیاں عبرت

ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ ؕ وَاَمَّآ

آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾ ۚ كَلَّا

اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا [۱۳] ایسا نہیں ہے [۱۴]

سنانے کے لیے ان کے قصور و محلات کے شکستہ کھنڈرات باقی رہ گئے۔

اے اہل مکہ! تم بھی قیامت کا انکار کرتے ہو، اسی لیے تم اپنی بداخلاقیوں اور روش سے باز نہیں آتے۔ ان گزری ہوئی قوموں کی تباہی میں تمہارے لیے عبرت کے سروسامان ہیں۔ اگر تم بھی اپنی اصلاح نہیں کرتے تو اسی انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔

۱۳ بعض لوگوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے۔ رہنے کے لیے عالیشان اور پرشکوہ مکانات ہوتے ہیں۔ اولاد کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ معاشرہ میں بھی انہیں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے برعکس بعض لوگ مفلس اور تنگ دست ہوتے ہیں اور کئی قسم کی محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا طرز عمل یکساں نہیں ہوتا۔ مادہ پرست ذہنیت کے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ خوش حالی اور قدر و عزت اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں وہ بڑے معزز و محترم ہیں۔ اس لیے ان پر نوازشات کی بارش ہو رہی ہے اور جب وہ تنگ دستی اور غربت کا شکار ہوتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی نگاہ کرم سے محروم کر دیا ہے جبھی ان کے ساتھ ایسا سلوک ہو رہا ہے۔ فصل کاشت کرتے ہیں تو اگتی نہیں۔ باغات ہیں تو وہ پھلتے نہیں۔ تجارت ہے تو روبہ تنزل۔ ایسے لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور ناراضگی کا دارومدار دولت کی کمی بیشی پر ہے۔ لیکن وہ لوگ جن کے دلوں میں یاد اللہ تعالیٰ پر یقین ہے اور شریعت اسلامیہ کی سچائی پر جن کو پختہ ایمان ہے ان کی سوچ کا انداز بالکل الگ ہوتا ہے۔ وہ دونوں حالتوں کو امتحان سمجھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ وہ دونوں قسم کے امتحانوں میں کامیاب ہوں۔ اگر ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے اور علاقہ میں ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو اس پر وہ مغرور نہیں ہوتے بلکہ شکر ادا کرتے ہیں۔ اپنے مال و منال اور اثر و رسوخ کو اس کی مخلوق کی خدمت میں صرف کرتے ہیں۔ غریبوں کا دامن بھر دیتے ہیں۔ کمزوروں اور ضعیفوں پر اگر کوئی ظلم کرنے لگے تو سینہ سپر ہو کر آگے آ جاتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کی بیخ کنی کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور اگر فقر و غربت کا دور آتا ہے تو صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے لیے حرام ذرائع اختیار نہیں کرتے۔ اس طرح افلاس میں بھی انہیں اپنے علیم و حکیم پروردگار کی بیسیوں حکمتیں نظر آتی ہیں۔

قرآن کریم کی ان آیات میں ان دونوں حالتوں کو ابتلا و آزمائش سے تعبیر کیا گیا ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ دولت کی قلت و کثرت اللہ تعالیٰ کی رضا و ناراضگی کا معیار نہیں بلکہ ان دونوں صورتوں میں جو طرز عمل آپ اختیار کریں گے اسی کے باعث آپ اپنے رب کی خوشنودی یا غضب کے مستحق ہوں گے۔

۱۴ ان نادانوں کے اس نظریہ کا ابطال کر دیا۔ دولت اس کے فضل کی نشانی نہیں اور افلاس اس کی تحقیر کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾

بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے ۱۱ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو ایک دوسرے کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ۱۲

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّآ

اور ہڑپ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال ۱۳ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو ۱۴ یقیناً

الغنى يفضله ولا الفقر يهوله ۔ وَالْيَقِيْنُ نبی رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی وضاحت سے اس حقیقت کو بیان فرمایا یقول اللہ عز وجل كلا انى لا اكرم من اكرمت بكثرة الدنيا ولا اهين من اهنت بقلتها انما اكرم من اكرمت بطاعتى واهين من اهنت بمعصيتى

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس کی عزت کرتا ہوں کثرت دنیا کی وجہ سے نہیں اور جس کو ذلیل کرتا ہوں افلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ میں اپنی اطاعت کی وجہ سے کسی کو سرفراز کرتا ہوں اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے کسی کو ذلیل و خوار کرتا ہوں۔

۱۱ ان کی مادہ پرستانہ ذہنیت ان کو یتیم و غریب پر رحمت و شفقت کے جذبہ سے محروم کر دیتی ہے۔ وہ ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ ہی نہیں پھیرتے بلکہ ان کو نحوست کی علامت خیال کرتے ہیں اور ان کے سامنے سے ہی دور ہٹ جاتے ہیں حتیٰ کہ قریبی رشتہ دار بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔

۱۲ ان کی بے دردی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ان کے پڑوس میں کئی لوگ فاقہ کشی کر رہے ہوتے ہیں لیکن یہ اپنی عیش رانیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ انہیں کبھی ان مسکینوں کی تکلیف کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ نہ خود ان کی طرف دست تعاون دراز کرتے ہیں نہ دیگر خوشحال لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں۔ انسان کا دل ہمدردی کے جذبات سے خالی ہو جائے تو اس کی تنگ دلی کی یہی کیفیت ہوتی ہے۔

۱۳ میراث ہی نہیں بلکہ جب کوئی قریبی رشتہ دار مر جاتا ہے تو اس کی ساری جائیداد تم خود ہی سمیٹ لینا چاہتے ہو۔ نہ اس کی بیوی کو کچھ دیتے ہو نہ اس کی بچیوں کو۔ اگر کچھ مال ہے تو مرنے والے کے یتیم بچوں کو تم بالکل محروم کر دیتے ہو۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں وكانوا لا يورثون النساء ولا الصبيان ويأكلون نصيبهم مع نصيبهم۔ مشرکین عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے کچھ نہ دیتے تھے بلکہ ان کے حصہ کو بھی اپنے حصہ کے ساتھ ملا کر ہڑپ کر جاتے تھے۔

لَمًّا: جمعا واصل اللم فى كلام العرب الجمع يقال لممت الشيء الفمه لما. ترجمہ: لمّا کا معنی ہے جمع کرنا۔ کلام عرب میں لم کا مادہ اسی مفہوم پر دلالت کرتا ہے۔ جب تم کسی چیز کو جمع کر لو اور سمیٹ لو تو کہتے ہیں لممت الشيء الفمه لما۔

۱۴ مال کی محبت تمہارے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی ہے۔ تم حلال و حرام کی تمیز بھی نہیں کرتے۔ جس طرح بن پڑے دولت اکٹھی کرنے میں مصروف رہتے ہو۔ الجم: الكثير۔ بہت زیادہ۔ رشوت، سود، لوٹ، ذخیرہ اندوزی و قزاقی۔ غرض جس طریقہ سے بھی مال ملے تم اس پر ٹوٹ پڑتے ہو۔ اگر انسان غور کرے تو مال کی یہی محبت بڑی بڑی خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر لوگوں کے دلوں سے اس کی بے جا محبت ختم ہو جائے تو جرائم کا ارتکاب بہت حد تک ختم ہو جائے اور استحصال کی کوئی صورت بھی باقی نہ رہے۔

إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے

وَجِايْءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ

اور سامنے لائی جائے گی اس دن جہنم، اس روز انسان کو سمجھ آئے گی مگر کہاں اس سمجھنے کا

الذِّكْرَىٰ ﴿٢٣﴾ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

کیا فائدہ۔ ۱۵؎ اس دن کہے گا کاش! میں نے کچھ آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے ۱۶؎ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح

عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿٢٥﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿٢٦﴾ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ

کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے جکڑنے کی طرح کوئی جکڑ سکے گا ۱۷؎ اے نفس

الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِي

مطمئن ۱۸؎ واپس چل اپنے رب کی طرف ۱۹؎ اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ۲۰؎ پس شامل ہو جا

یہ طریقہ کار صرف زمانہ جاہلیت کے ساتھ ہی مخصوص نہیں۔ آج بھی اکثر لوگ جن کو اسلام کے بتائے ہوئے نظریہ پر پورا یقین نہیں وہ سب اسی چکر میں سرگرداں ہیں۔ اس کے بغیر نجات کی کوئی راہ نہیں کہ لوگوں کے سامنے اسلام کا نظریہ حیات مدلل اور دلنشین اسلوب میں پیش کیا جائے تاکہ وہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے سرابوں سے منہ پھیر کر قرآن کے چشمہ صافی و شیریں کی طرف متوجہ ہوں۔

۱۶؎ جب قیامت برپا ہوگی اور نیا نظام عالم برسرکار آجائے گا اس وقت ان غافل انسانوں کی آنکھ کھلے گی۔ اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے جو بتایا تھا وہی حق تھا۔ جو قرآن نے دعوت دی تھی اسی میں ان کی فلاح و بہبود کا راز مضمر تھا لیکن اس روز ان کا یہ سمجھنا ان کے کسی کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

۱۷؎ اس روز انسان کف افسوس ملے گا اور کہے گا کاش! میں نے آج کے دن کے لیے اس ختم نہ ہونے والی زندگی کے لیے کچھ توشہ فراہم کیا ہوتا۔ کاش! آج میں تہی دامن نہ ہوتا۔

۱۸؎ اس روز اللہ تعالیٰ کی گرفت بڑی سخت ہوگی اور سرکشوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

۱۹؎ کفار و مشرکین کے حسرت ناک انجام کے ذکر کے بعد اب اپنے مقبول اور محبوب بندوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

پہلے آپ یہ سمجھیے کہ نفس مطمئنہ کسے کہتے ہیں۔ علامہ پانی پتی فرماتے ہیں جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون اور قرار حاصل ہوتا ہے اسی طرح جس

ع ۱ ۱۴

فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝

میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں ٢٢

شخص کو اللہ تعالیٰ کی یاد میں سکون و اطمینان نصیب ہو اسے نفس مطمئنہ کہیں گے۔ لکھتے ہیں کہ اس اطمینان کا اس وقت تک تصور نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان سے صفات مذمومہ دور نہ ہو جائیں۔ اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہوتیں جب تک انسان اللہ تعالیٰ کی صفات جمیلہ کی تجلیات سے بہرہ ور نہ ہو۔ ان میں وہ فنا ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ اس کو بقا نصیب ہوتا ہے۔ اس وقت انسان کو ایمان حقیقی نصیب ہوتا ہے اور اسی وقت اسے اطمینان کی دولت ارزانی ہوتی ہے۔

علامہ اسماعیل حقی لکھتے ہیں کہ تردد و شک اور اضطراب کے بعد جو سکون قلب ہو اسے اطمینان کہتے ہیں اور نفس کو یہ سکون تب میسر آتا ہے جب وہ یقین، معرفت اور شہود کی اعلیٰ منزل پر فائز ہو جاتا ہے اور یہ مقام ذکر الٰہی کی کثرت اور دوام سے حاصل ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ جب انسان اس مقام پر فائز ہوتا ہے تو ہر قسم کی بے قراری ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اسے زوال کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔

علامہ سید شریف جرجانی نے نفس مطمئنہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

النفس المطمئنة هي التي تنورت بنور القلب حتى تخلت عن صفاتها الذميمة وتخلقت بالاخلاق الحميدة یعنی نفس مطمئنہ وہ ہے جو نور قلب سے منور ہو گیا ہے یہاں تک کہ اس کی مذموم صفات فنا ہو جاتی ہیں اور وہ اخلاق حمیدہ سے مزین و آراستہ ہو جاتا ہے۔

٢٠ ایسے نفس مطمئنہ کو اپنے خطاب دلنواز سے یوں مشرف کیا جائے گا کہ واپس آ اپنے رب کے پاس۔ یعنی وہ خصوصی مقام جہاں وہ اپنے بندوں کو اپنی خصوصی عنایات سے سرفراز کرتا ہے۔ تو اس کی محبت میں آنسو بہاتا رہا تھا، اس کے عشق کی آگ میں جلتا رہا اور اس کے فراق میں تڑپتا رہا ہے۔ اب فراق کی طویل رات ختم ہو رہی ہے۔ نور یار سے مشرق و مغرب جگمگا رہے ہیں۔ اٹھ اپنے بے تاب دل اور بے قرار نگاہوں سمیت حاضر ہو جا۔

٢١ اور کس شان سے آ۔ اس کیفیت میں کہ اپنے اعمال پر نازاں ہو کر نہیں، ڈرتے ہوئے نہیں گھبراتے ہوئے نہیں۔ اس خیال سے پریشان ہو کر نہیں کہ جس رب کو راضی کرنے کے لیے تو نے اپنی زندگی وقف کی وہ راضی بھی ہوا یا نہیں۔ ان خدشات کو ان وسوسوں کو دل سے نکال کر باہر پھینک دو۔ حریم قدس میں اس شان سے آؤ کہ تم اپنے رب کریم سے بھی راضی اور وہ بندہ نواز بھی تجھ سے راضی۔ کیا بات ہے کیا کرم ہے کتنی بلند قسمت ہے اس خاکسار بندے کی جس پر یہ عنایت ہو گی۔

٢٢ میرے وہ بندے جن پر شیطان کا کوئی مکر کارگر نہ ہوا۔ جو عمر بھر میرے بنے رہے اور میری خاطر سب جہان سے منہ موڑے رہے میری بندگی کے بغیر جن کا اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ اے نفس مطمئنہ! تو ان میں داخل ہو جا اور میری وہ جنت جو میری ذاتی اور صفاتی تجلیات کے لیے مظہر ہے اس میں تشریف لے چل۔ [illegible] الخواص [illegible] الجنات [illegible] السنية (روح البیان) یعنی یہاں دو سعادتوں کا ذکر ہے۔ ایک خاصان بارگاہ خداوندی کی رفاقت۔ یہ بڑی عالی سعادت ہے۔ دوسری اس کی جنت میں داخلہ یہ بڑی سعادت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے رب سے اسی روحانی سعادت کے بارے میں التجا کی تھی فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ (یوسف آیت ۱۰۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی یہی دعا مانگی تھی۔

یہ بشارت کس وقت دی جائے گی۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ روز محشر جب یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت انہیں یہ مژدہ جانفزا سنایا جائے گا۔ بعض کی رائے ہے کہ مرتے وقت یہ بشارت دی جائے گی۔ لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ ھذا یقال لھا عند الاحتضار وفی یوم القیامۃ ایضا۔ یعنی دونوں وقت اسے یہ خوش خبری دی جائے گی۔

یہاں ایک روایت بھی قابل توجہ ہے۔ قال عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اذا توفی العبد المؤمن ارسل اللہ ملکین الیہ بتحفۃ من الجنۃ فیقال لھا اخرجی یایتھا النفس المطمئنۃ الی روح وریحان وربک عنک راض۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن فوت ہونے لگتا ہے اللہ تعالیٰ دو فرشتوں کو اس کی طرف بھیجتا ہے۔ وہ اسے کہتے ہیں اے نفس مطمئنہ! اس جسد خاکی سے نکل اور راحت و آرام اور گل پوش وادیوں کی طرف چل اور اپنے پروردگار کی طرف چل جو تجھ سے راضی ہے۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں حاضر تھے عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ما احسن ھذا۔ اے اللہ کے رسول! یہ کتنی پیاری بشارت ہے۔ فقال اما انہ سیقال لک ھذا۔ حضور نے فرمایا اے ابو بکر جب تم اس دنیا سے رخصت ہو گے تو تمہیں بھی یہ بشارت دی جائے گی۔ (ابن کثیر)

علامہ ابن کثیر نے حافظ ابن عساکر کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا مانگنے کی تلقین فرمائی۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل قل اللھم انی اسألک نفسا بک مطمئنۃ تؤمن بلقائک وترضی بقضائک وتقنع بعطائک۔ اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے نفس مطمئنہ کا سوال کرتا ہوں جو تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، جو تیری قضا پر راضی ہو اور جو تیری عطا پر قانع ہو۔

○

الحمد للہ رب العالمین واجمل الصلوات واحسن التسلیمات واکمل البرکات واطیب التحیات علی صاحب المقام المحمود والحوض المورود سیدنا محمد خاتم النبیین ورحمۃ للعالمین وعلی آلہ الطیبین الطاہرین وازواجہ الطاہرات امہات المؤمنین وعلی سائر الصحابۃ والتابعین واولیاء امتہ الکاملین وعلماء ملتہ الربانیین وعلینا معھم الی یوم الدین اللھم انا نسألک نفسا بک مطمئنۃ تؤمن بلقائک وترضی بقضائک وتقنع بعطائک

○

تعارف

سُورۃ البَلد

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام البلد ہے۔ یہ لفظ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس میں ایک رکوع، بیس آیتیں، بیاسی کلمے، تین سو بیس حروف ہیں۔

نزول : یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رئیسوں سے گفتگو کی اور ان کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا تھا۔

مضامین : قسم کھا کر انہیں بتا دیا گیا کہ تمہارا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ تم اتنے طاقتور ہو کہ تم پر کسی کا قابو نہیں۔ تم فضول باتوں میں اور محض نمود کے لیے اپنا سرمایہ پانی کی طرح بہاتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جس نے تمہیں یہ رزق عطا فرمایا ہے وہ تمہارے اس غلط استعمال سے آگاہ نہیں۔

اسلام دین فطرت ہے۔ وہ انسان کے جسمانی اور روحانی دونوں فطری تقاضوں کی تکمیل پر یکساں توجہ مبذول کرتا ہے۔ نہ وہ انسان کو مادی لذتوں میں کھو جانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ان سے کلیتاً قطع تعلق کر کے صرف روحانی لطافتوں میں کھو جانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس سورت میں اُن اعضاء اور جوارح کا ذکر کرنے کے بعد جو انسان کو اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مرحمت فرمائے گئے ہیں، اُسے تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تجھے محاسبہ کی قوت بھی ارزانی کی گئی ہے اس سے کام لیتے ہوئے تمہارا فرض ہے کہ اخلاق حسنہ کی بلندیوں کو سر کرنے کے لیے سرگرم رہو۔ اس مقصد کے لیے جو اعمال ناگزیر ہیں ان کا ذکر بھی کر دیا۔ غلاموں کو آزاد کرنا۔ قحط سالی کے دنوں میں فاقہ زدہ لوگوں کی خوراک کا اہتمام کرنا۔ یتیموں اور مسکینوں پر شفقت کرنا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کے چراغ کو روشن رکھنا۔ خود صبر کرنا اور دوسروں کو صبر اور ہمدردی کی تلقین کرنا۔ یہ وہ اعمال ہیں جن کے لیے انسان اپنی منزل پا لیتا ہے لیکن جو غریبوں کی مادی ضروریات کو استطاعت کے باوجود پورا کرنے کی طرف مائل نہیں ہوتا وہ جہنم کا ایندھن بنے گا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ البلد مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں بیس آیات ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ② وَوَالِدٍ

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی۔ درآں حالیکہ آپ بھی رہتے ہیں اس شہر میں۔ اور قسم کھاتا ہوں

وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ اَنْ

باپ کی اور اولاد کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لیے) پیدا کیا ہے۔ کیا یہ خیال کرتا ہے کہ

۱ لا زائدہ ہے اور قسم کو مؤکد کرنے کے لیے ذکر ہوا ہے۔

البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ یہاں شہر مکہ کی اس حیثیت سے قسم اٹھائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حبیب محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والثناء اس میں تشریف فرما ہے۔ یہ شہر اگرچہ گوناگوں خوبیوں سے متصف ہے لیکن اس مکین کی شان کی وجہ سے جو عزت و شرف اس کو حاصل ہوا ہے اس کی شان ہی نرالی ہے۔

وانت حل ۔۔۔ واؤ حالیہ ہے، مقسم بہ البلد کا۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں اقسم اللہ سبحانہ بمکۃ مقیدا بحلولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فیہا اظہارا لمزید فضلہا واشعارا بان شرف المکان بشرف اہلہ (روح المعانی)۔ وانت حل کے دو مفہوم اور بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کفار کی اذیت رسانیوں پر اظہار تعجب کیا جا رہا ہے کہ دیکھو تو اس شہر کو یہ لوگ امن کا شہر قرار دیتے ہیں، نہ وہاں کسی جانور کو ستاتے ہیں نہ اس کے درختوں اور گھاس کو کاٹتے ہیں، ان کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لے لے تو وہ اس پر بھی دست درازی نہیں کرتے لیکن اسی حرم میں ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے کو اپنے لیے حلال سمجھ رکھا ہے اور حضور کو تکلیف دینے سے وہ لوگ باز نہیں آتے۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لیے یہ شہر حلال کر دیا گیا ہے۔ آپ کسی کو اگر قتل کریں یا اس کو سزا دیں آپ اس کے مجاز ہیں۔

۲ والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں اور ما ولد سے مراد آپ کی ساری اولاد ہے۔ اس کی تفسیر میں بھی متعدد اقوال ہیں۔

۳ یہ جواب قسم ہے یعنی ہم نے انسان کی تخلیق اس لیے نہیں کی کہ وہ آرام و آسائش کی زندگی بسر کرکے بزم عالم سے رخصت ہو جائے بلکہ اس کی زندگی کا سفینہ طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے بنایا گیا ہے۔ خطرات و مصائب اور اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جب اس کا گل وجود ابھی رحم مادر میں نمو پذیر ہوتا ہے اس وقت سے ہی طرح طرح کے خطرات اس کے گرد منڈلانے لگتے ہیں۔ ہر لحظہ اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔ جب وہ اس دنیا میں قدم رکھتا ہے تو بیماریاں، ناکامیاں، محرومیاں اور منافقین کی منافقتیں، نفس شیطانی کی ریشہ دوانیاں قدم قدم پر اس کا راستہ روکے کھڑی ہوتی ہیں اور اس کی زندگی کے کاروان کو انہی دشوار گزار گھاٹیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

لَنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶

اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا ـــه کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا ـــه

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸ وَلِسَانًا

کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا ـــه کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں ـــه اور ایک زبان

انسان کی زندگی کا مقصد مصیبتوں اور تکلیفوں سے نبرد آزما ہونا ہے گویا یہ جو قوا اس میں مضمر ہیں امکانی قوتیں اور صلاحیتیں کبھی نشوونما نہ پا سکیں اور یہ قطرہ کبھی دُرِّ شہوار نہ بن سکے۔ تکلیف، المشقۃ والشدۃ، النجد المرتفع اور نشیب کو کبد کہتے ہیں۔

ـــه اس کے باوجود کہ حوادث و آلام نے اسے چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے اس کے گھمنڈ کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے بالاتر کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس سے باز پرس کر سکے یا جس کے حکم کے سامنے سر جھکانے پر مجبور ہو۔ یہ محض اس کی کم فہمی ہے اس کی بے بسی کی تو یہ کیفیت ہے کہ حوادث کا ایک ریلا اس کا کچھ نہ کچھ کر کے رکھ دے اور اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔

ـــه لُبَدًا، لُبْدَۃ کی جمع ہے۔ وہ چیز جس کو ڈھیر والی صورت میں جمع کیا جائے۔

دنیا دار لوگ اپنی شہرت کی نمائش کے لیے بڑی بے دردی سے روپیہ پانی کی طرح بہا دیتے ہیں۔ کبھی کوٹھیاں اور محلات تعمیر کر کے اپنی دولت مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کبھی کاروں کی خرید کر کے اپنی ریا و نمائش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے امراء اور افسروں کی ضیافتیں کی جاتی ہیں۔ شادی بیاہ کے مواقع پر لاکھوں روپے اڑا دیے جاتے ہیں اور اس چیز کو یہ لوگ اپنے لیے فخر و مباہات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس پر شیخیں مارتے ہیں کہ ہم نے ڈھیروں مال خرچ کر دیا ہم نے روپیہ پانی کی طرح بہا دیا۔

ـــه اس آیت سے ان کی اس حرکت کی مذمت کی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اور جس طرح اپنی دولت لٹاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ان حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور ان سے اس فضول خرچی کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ تمہارے پڑوس میں بسنے والے غریب اور مسکین ضروریات زندگی کے لیے ترستے تھے اور تم لوگ اپنی نام و نمود کے لیے دولت کو لٹاتے رہے۔ تمہیں یہ خیال نہ آیا کہ یہ دولت تمہیں اللہ نے دی ہے اور تم پر یہ فرض تھا کہ تم اس کے حکم کے مطابق اس کو صرف کرتے اور غریبوں اور مسکینوں کی، یتیموں اور بیواؤں کی ضروریات بہم پہنچاتے۔

ـــه یہاں ان نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اس ناشکر گزار انسان کو عطا کی گئی ہیں۔ اگر وہ ان کی قدر پہچانتا اور ان سے صحیح کام لیتا تو یوں آنکھیں پھیر کر سرکشی کی راہ اختیار نہ کرتا۔ فرمایا ہم نے اس کو دو آنکھیں دی ہیں جن سے وہ اپنے معاشرے کے نشیب و فراز کو پہچان سکتا ہے ضرورت مند لوگوں کی کسمپرسی اور حالت کو دیکھ سکتا ہے نیز اس سے کئی لوگوں کے حالات کو پہچان سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے ان کی امداد کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو زبان دی ہے اور اس کو دو ہونٹ عطا فرمائے ہیں جن کی مدد سے وہ اپنے مافی الضمیر

وَشَفَتَيْنِ ﴿٩﴾ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿١٠﴾ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ وَمَآ

اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے دکھا دیے اسے دونوں نمایاں راستے۔ پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی) دشوار گھاٹی میں۔ اور

أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿١٣﴾ أَوْ إِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ

کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ (وہ ہے) غلامی سے گردن چھڑانا ہے۔ یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن

مَسْغَبَةٍ ﴿١٤﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿١٥﴾ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿١٦﴾ ثُمَّ

(قحط سالی) میں۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے۔ یا خاک نشین مسکین کو۔ پھر

صحیح اظہار کرسکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو نیکی کی دعوت دے سکتا ہے۔ غربا و مساکین کی امداد پر انہیں برانگیختہ کرسکتا ہے۔

؎ النجد: الطریق فی ارتفاع۔ بلندی پر جو راستہ ہو اس کو نجد کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے صرف انسان کو ظاہری اور باطنی ہی صلاحیتیں نہیں عطا فرمائیں بلکہ اپنے نبیوں کے ذریعہ اس کے سامنے نیکی اور برائی کے راستوں کو واضح کر دیا ہے۔ اسے ارادہ و اختیار کی آزادی دی ہے کہ اب جس راستے کو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اس پر گامزن ہو جائے۔ حضرت قتادہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے: یایہا الناس انما ھما النجدان نجد الخیر ونجد الشر فلم تجعل نجد الشر احب الیک من نجد الخیر (قرطبی) اے لوگو! یہ دو راستے ہیں۔ ایک بھلائی کا راستہ، ایک برائی کا راستہ۔ پس تم کیوں برائی کے راستے کو نیکی کے راستے سے زیادہ پسند کرتے ہو۔

؎ اقتحم کا معنی ہے بلا سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں پھینک دینا۔ الاقتحام الرمی بالنفس فی شیء من غیر رویۃ۔ جب گھوڑا اپنے سوار کو منہ کے بل گرا دے تو عرب کہتے ہیں تقحم الفرس بفارسہ تقحیما اذا رماہ۔ العقبۃ: المرقی الصعب من الجبال، الطریق فی اعلی الجبال۔ (المنجد) دشوار گزار پہاڑی راستہ۔ وہ راستہ جو پہاڑ کی چوٹی کی طرف جاتا ہو۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیے گئے تھے تو وہ اس راستے پر چلتے جو بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس پر چلنا دشوار ہے لیکن جس منزل کی طرف وہ جاتا ہے وہ منزل انسان کی عظمتوں کے شایان شان ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے ہر قسم کی مشقت کو بطیب خاطر انہیں قبول کرنا چاہیے تھا لیکن محنت کوشی سے ان کی سہل انگار طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ نشیب کی طرف جاتے ہیں۔ وہ بلندیوں کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہیں۔

؎ یہاں سے اس کٹھن راستے کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے جو انسان کے شایان شان ہے۔ فرمایا کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ کسی غلام کو آزاد کرانے کے لیے اپنا مال خرچ کرتے۔ کسی رشتہ دار یتیم کو قحط سالی کے دنوں میں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کرتے یا ایسے مسکین کی طرف دست تعاون دراز کرتے جس کو تنگدستی نے خاک نشین بنا دیا ہے۔ یہ گھاٹی ان امور میں مال خرچ کرنے سے ان کی شرافت کا

كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا

وہ ایمان والوں سے ہو ۱۷؎ جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت

دیکھا جاتا۔ اسی طرح اگرچہ آپ کی دولت کی نمائش لوگوں کی آنکھیں خیرہ کر دے لیکن ضرورت مندوں کی امداد کر کے، ایک انسان کو غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر کے وہ ایسا کام کرتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر ہے۔

چند مشکل الفاظ: مَسْغَبَةٍ: مصدر میمی ہے۔ سغب سے۔ ابو حیان لکھتے ہیں کہ عام بھوک کو سغبہ کہتے ہیں۔ امام راغب نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے: ھو الجوع مع التعب۔ بھوک اور تھکن دونوں کے مجموعے کو سغب کہتے ہیں۔ یعنی ایسے دنوں میں کھانا کھلانا جب ہر طرف قحط کا دور دورہ ہو، غلہ اور اجناس بازار میں کمیاب ہوں اور ان کی قیمت گراں ہو جائے۔ ایسی حالت میں اپنے رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا بڑا نیک عمل ہے۔ ہر یتیم کی امداد کرنا اگرچہ کار ثواب ہے لیکن رشتہ دار یتیم کی اعانت سے دگنا ثواب ملتا ہے کیونکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں یکجا ہو جاتی ہیں۔ مسکینا ذا متربة: متربة بھی مصدر میمی ہے۔ یعنی جب وہ اتنا محتاج ہو جائے کہ مٹی کے ساتھ مل جائے۔

یہاں تین چیزیں ذکر کی گئیں: (۱) عام قحط سالی اور تنگدستی اجناس کی گرانی کے وقت کھانا کھلانا۔ (۲) اپنے قریبی رشتہ دار یتیم کو کھانا کھلانا (۳) اور ایسے مسکین کو کھانا کھلانا جو خاک نشین ہو۔ اس عمل کو قرآن نے عقبہ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب غلہ اجناس کی فراوانی ہو اور ہر چیز سستے داموں خریدی جا سکے اس وقت کسی کو کھانا کھلانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس وقت ہوتا ہے جبکہ غلہ اجناس گراں اور نایاب ہوں اور انسان کو اپنی غذا کی بھی فکر لاحق ہو۔ نیز قریبی رشتہ دار کو اگر کھانا کھلایا جائے تو لوگوں کی نگاہوں میں یہ کوئی قابل قدر چیز نہیں ہوگی۔ ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ اپنے یتیم رشتہ دار کو کھانا کھلایا ہے کسی غیر کو تو نہیں کھلایا۔ اس لیے اس سے وہ شہرت حاصل نہیں ہوتی جو آج کل دینا کے پیش نظر ہوتی ہے۔ نیز وہ لوگ جن کا پیشہ ہی گداگری ہے ان کو اگر آپ کچھ دیں گے تو وہ جگہ جگہ آپ کی فیاضی اور سخاوت کا چرچا کریں گے لیکن وہ مسکین جس میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں، جسے سوال کرنے کی عادت بھی نہیں، جس میں اتنی ہمت بھی نہیں کہ وہ کسی کے سامنے حرف مدعا زبان پر لا سکے، ایسے شخص کی جب آپ امداد کریں گے تو وہ اس کو قبول کرے گا، دل سے آپ کا شکر گزار بھی ہوگا لیکن اس میں اتنی ہمت ہی نہیں کہ وہ لوگوں کے سامنے آپ کی سخاوت کے گن گاتا پھرے۔ اس لیے ایسے لوگوں پر اپنی ضرورت کے وقت اپنی دولت خرچ کرنا صرف ان لوگوں کا ہی کام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے متمنی ہیں۔ دنیا میں شہرت حاصل کرنے کے خواہش مند لوگ یہاں مال خرچ نہیں کر سکتے۔ وہ تو وہیں کریں گے جہاں ان کی سخاوت کے گن گائے جائیں گے۔

۱۷؎ یعنی ان تمام اعمال کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو کیونکہ کوئی عمل بھی ایمان کے بغیر مقبول نہیں۔ فان شرط قبول الطاعة الایمان باللہ۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا کا معنی علامہ قرطبی نے یہ کیا ہے: ای فعل هذه الاشياء وهو مؤمن۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں ثُمَّ بمعنی واو ہے۔

بِالْمَرْحَمَةِ ﴿١٧﴾ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

کرتے ہیں رحمت کی یہی لوگ داہنی طرف والے ہیں اور جنہوں نے انکار کیا

بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾ ع

ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں طرف والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی

آیت کے ان دو جملوں میں اسلامی معاشرے کی دو خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں کہ ان میں سے ہر فرد دوسرے کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ خود تو وہ صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہے لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ چاہتا ہے کہ امت کا ہر فرد صبر کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے اور دوسری خصوصیت یہ ہے کہ وتواصوا بالمرحمۃ۔ وہ سنگ دل نہیں ہیں، وہ ایک دوسرے کی تکلیفوں سے بے نیاز نہیں ہیں بلکہ اگر مشرق کے بھائی کے پاؤں میں کانٹا چبھتا ہے تو مغرب میں بسنے والا مسلمان بے تاب ہو جاتا ہے۔ ان کا باہمی رشتہ رحمت و شفقت کا ہے۔ آپ خود سوچیے کہ جو قوم ان دو خصوصیتوں سے متصف ہوگی وہ حق کا بول بالا کرنے کے لیے کتنا زبردست کردار ادا کر سکتی ہے۔ انفرادی نیکی بھی نیکی ہے، انفرادی خوبیاں بھی خوبیاں ہیں لیکن جب تک ان میں اجتماعی اور معاشرتی رنگ پیدا نہ ہو وہ انسانیت کی تقدیر کو نہیں بدل سکتیں، وہ اس ظلمت کدۂ عالم کو ہدایت کے نور سے منور نہیں کر سکتیں۔ اس لیے اسلام نے مسلمانوں کو انفرادی طور پر نیک، صالح، متقی اور صابر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی تاکید کی ہے کہ وہ اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اسی رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کریں۔

یعنی یہ لوگ جن کے سینوں میں ایمان کا چراغ فروزاں ہے اور جو مذکورہ بالا صفات سے بھی متصف ہیں یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کو ان کے اعمال نامے قیامت کے روز دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔

جو بدنصیب ان خوبیوں سے محروم ہیں ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے۔ مؤصدۃ: ای مطبقۃ مغلقۃ۔ جب دروازے کو بالکل بند کر دیا جائے تو اہل عرب کہتے ہیں اوصدت الباب ای اغلقتہ۔ یعنی ان کو آگ میں پھینک دیا جائے گا اور دروازے بند کر دیے جائیں گے۔ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے گی۔ اعاذنا اللہ منہا۔

اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک وموتا فی بلد حبیبک

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

تعارف
سُورۃ الشمس

نام : اس کا پہلا کلمہ الشمس ہی اس کا نام ہے۔ اس میں ایک رکوع، پندرہ آیتیں، چوّن کلمات اور دو سو چھیالیس (۲۴۶) حروف ہیں۔

نزول : یہ باتفاق علما مکہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : متعدد قسمیں اٹھانے کے بعد انسان کو اس حقیقت سے خبردار کیا کہ حکیم خالق نے اس کو پیدا فرمایا ہے اس کو گوناگوں قابلیتیں عطا کی ہیں اور ان کو استعمال میں لانے کے لیے اعضاء سے نوازا ہے۔ اس نے اس کی فطرت میں نیک و بد اور خیر و شر میں امتیاز کی تخم ریزی کر دی ہے۔ جو شخص اس بیج کی مناسب نگہداشت کرتا ہے۔ اس کی نشو و نما پر پوری توجہ دیتا ہے۔ وہ کامیاب و کامران ہے۔ لیکن جو شخص اپنے لاشعور سے ابھرنے والی آواز کو در خور اعتنا نہیں سمجھتا کسی برائی کے اقدام پر اس کے نہاں خانۂ دل میں جو ہلچل برپا ہوتی ہے اس کی پروا نہیں کرتا اور اپنے نفس کی خواہشات کے سیلاب میں تنکوں کی طرح بہتا چلا جاتا ہے، وہ دونوں جہانوں میں خائب و خاسر ہوگا۔ سورج کے اجالے میں بھی وہ اندھوں کی طرح بھٹکتا پھرتا ہے۔ قوم ثمود کا تذکرہ تم بار بار سن چکے ہو۔ ان کے نبی نے ان کے مطالبہ کے مطابق معجزہ دکھایا۔ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ چٹان پھٹی اور اس سے ایک جیتی جاگتی اونٹنی نمودار ہو گئی لیکن ان کے دل کی آنکھیں اندھی تھیں انہیں پھر بھی ہدایت نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ ان کے ایک بدبخت انسان نے اس ناقہ کی کونچیں کاٹ کر اللہ کے غضب کو چیلنج کیا۔ خود بھی برباد ہوا اور اپنی ساری قوم کو بھی برباد کر ڈالا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

سورۃ الشمس مکیۃ ۹۱ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وھی خمس عشرۃ آیۃ

سورۃ الشمس مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی پندرہ آیات ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰىهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝۳

قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی[1] قسم ہے چاند کی جب وہ اس کے پیچھے آئے[2] جب غروب آفتاب کے بعد نکلے اور قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کر دے[3]

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝۵ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۝۶

اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے[4] اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی[5] اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی[6]

---

[1] اس سورت کا آغاز متعدد قسموں سے کیا جا رہا ہے تاکہ قاری پوری توجہ اور انہماک سے اس کو سنے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرے اور یہی حقیقت کہ اتنی قسمیں کھا کر بیان کیا گیا ہے اس کی اہمیت کا پورا پورا احساس اس کے دل میں پیدا ہو۔ لغت عرب کے امام مبرد نے ضحیٰ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا اصل الضح ہے جس کا معنی ہے آفتاب کی روشنی۔ الضح کی دوسری حاء کو الف سے بدل دیا گیا قال المبرد اصل الضحی من الضح وھو نور الشمس والالف مقلوبۃ من الحاء الثانیۃ۔ (قرطبی)

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے ضحاھا کا یہ معنی نقل کیا ہے عن ابن عباس وضحاھا قال یجعل فیھا الضوء ویجعلھا حارۃ۔ یعنی ضحی سے سورج کی روشنی اور حرارت دونوں مراد ہیں۔

[2] تیسری قسم چاند کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کے غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتا ہے قمری مہینہ کے ابتدائی پندرہ دنوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ادھر سورج غروب ہوتا ہے ادھر چاند نمودار ہو جاتا ہے اور آخری نصف میں چاند پہلے طلوع ہوتا ہے سورج اس کے بعد نمودار ہوتا ہے۔

[3] چوتھی قسم دن کی کھائی جا رہی ہے جب وہ سورج کو روشن کر دیتا ہے۔ یعنی دن جیسے چڑھتا جاتا ہے سورج کی روشنی بھی زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ جلاھا کی ضمیر منصوب کا مرجع سورج بھی ہو سکتا ہے جس طرح ذکر ہوا اور اس کا مرجع امور غیر مذکورہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے زمین، دنیا، ظلمت وغیرہ۔ اس وقت معنی ہوگا قسم ہے دن کی جب وہ ساری زمین کو روشن کر دیتا ہے۔

[4] گویا جب رات آتی ہے تو سورج کا چہرہ اپنی سیاہ چادر میں لپیٹ لیتی ہے۔ زمین کا جو حصہ پہلے سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا وہاں رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے۔

[5] ان آیات میں ما مصدریہ بھی ہو سکتا ہے اور ما بمعنی من بھی ہو سکتا ہے۔ امام حسن بصری، مجاہد اور طبری کا پسندیدہ قول یہ ہے کہ ما بمعنی من ہے۔ ترجمہ اسی کے مطابق کیا گیا ہے۔ باقی رہا یہ شبہ کہ ما کا استعمال بے جان مخلوق اور غیر ذوی العقول اشیاء کے لیے ہوتا ہے یہاں ما سے اللہ تعالیٰ کی ذات کیسے مراد لی جا سکتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ما بکثرت من کے معنی

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝۷ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝۸ قَدْ

قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا، پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پرہیزگاری کو شعور یقیناً فلاح

میں استعمال ہوا ہے جیسے فانکحوا ما طاب لکم من النساء ۔۔۔ ولا انتم عابدون ما اعبد۔

۶ طحٰی اور دحٰی دونوں ہم معنی ہیں یعنی بسطہا من کل جانب۔ یعنی اسے ہر طرف سے کشادہ کر دیا ہے اور پھیلا دیا ہے۔

۷ انسان کی ظاہری ساخت، اس کے ظاہری و باطنی حواس، اس میں غور و فکر اور فہم و استنباط کی صلاحیتیں جو اللہ حکیم نے بڑی خوبصورتی اور سلیقہ سے اس میں ودیعت فرمائی ہیں ان کمالات کی طرف اشارہ ہے۔

۸ علامہ ابن منظور الہام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اللھم: الابتلاع والتھام الشیء واللھم لھما: ابتلعہ مرۃ۔ یعنی کسی چیز کو نگل جانا۔ الالہام اسی سے مشتق ہے۔ والالہام ما یلقی فی الروع۔ یعنی کسی چیز کو دل میں ڈال دینا۔ الالہام ان یلقی اللہ فی النفس امرا یبعثہ علی الفعل او الترک۔ لسان العرب۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا نفس میں ایسا خیال پیدا کر دینا جس کے باعث وہ کسی کام کو کرے یا ترک کر دے۔

علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الالہام: القاء الشیء فی الروع ویختص ذلک بما کان من جہۃ اللہ تعالیٰ وجہۃ الملأ الاعلیٰ۔ (المفردات) یعنی الہام کسی چیز کے دل میں ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور الہام اس خیال کے لیے مخصوص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا ملأ اعلیٰ کی طرف سے ہو۔

آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو نیک و بد، حق و باطل اور صحیح و غلط میں تمیز کرنے کا شعور عطا فرمایا ہے۔ وہ ان دونوں چیزوں میں پوری طرح امتیاز کر سکتا ہے۔ اس کا یہ مفہوم بھی بتایا گیا ہے کہ انسان میں نیکی کرنے اور برائی کرنے کی دونوں صلاحیتیں ودیعت ہیں۔ اب اس کی مرضی کہ وہ نیکی کو پسند کرتا ہے یا برائی کو اختیار کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں بھی اس مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وھدینہ النجدین۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر قرآن کریم نے یہ تصریح کی ہے۔ انا ھدینہ السبیل اما شاکرا واما کفورا۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے قال تلا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ونفس وما سوھا فالہمہا فجورہا وتقوھا قال اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیہا ومولاھا۔ (قرطبی) حضور نے اس آیت کو پڑھا اور اس کے بعد یہ دعا مانگی۔ الٰہی! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اور اس کو پاک فرما، تو بہترین پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

حضرت زید بن ارقم سے مروی ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسَلِ وَالْھَرَمِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔

اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِیْ تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکَّاھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَعِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَدَعْوَۃٍ لَّا یُسْتَجَابُ لَھَا۔

حضرت زید فرمایا کرتے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے اور ہم تم کو یہ دعا سکھاتے ہیں۔

أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿١٠﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

با مراد ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا (۸) اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا (۹) جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے رسول کو)

بِطَغْوٰهَآ ﴿١١﴾ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقٰهَا ﴿١٢﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ

اپنی سرکشی کے باعث۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت (۱۰) تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار) رہو

(مسند احمد، ابن کثیر)

ترجمہ: الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں عاجز ہونے سے، سستی سے، بڑھاپے سے، بزدلی سے، بخل سے اور عذاب قبر سے۔

الٰہی میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر، اس کو پاک کر، تو بہترین پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا مالک اور مددگار ہے۔

الٰہی! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو، ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔

(۸) یہ ہے وہ حقیقت جس کو واضح کرنے کے لیے اتنی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ فرمایا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا وہ دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے اسے گناہوں کی خاک میں دبا دیا وہ خائب و خاسر رہا۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں التزكية الانماء والاعلاء والتدسية النقص والاخفاء۔

جو شخص اپنے آپ کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اپنے آپ کو اخلاق حسنہ سے آراستہ کرتا ہے اس کی فطرت سلیمہ نشوونما پاتی ہے، اس کی قوت و توانائی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے اندر ایسا عزم اور ہمت محسوس کرتا ہے کہ وہ مشکل سے مشکل کام کر لینے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو عبور کرنے کی طاقت اس میں پیدا ہو جاتی ہے، ثابت قدمی سے نیکی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ اس کی زندگی کا دامن اعمال حسنہ اور دعوت کے ثمرات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ اس کی روحانی قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور آخر کار وہ اس منزل پر فائز ہو جاتا ہے جس کے بارے میں حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے۔ کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ... اس کی بینائی بن جاتا ہے اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے الخ۔ جب اس کی ظاہری زندگی رحمتوں اور برکتوں کا سرچشمہ ہوتی ہے تو آخرت میں اس کی جو عزت افزائی ہوگی اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔

(۹) اس کے برعکس جس نے اپنے نفس کی صلاحیتوں کا گلا گھونٹ دیا، جس نے گناہوں کے ڈھیر کے نیچے اسے دبا کر چھپا دیا اور اس کی قوتوں کو غلط استعمال کر کے ناشکری کی انتہا کر دی، وہ شخص اپنی بدنصیبی اور محرومی کا جتنا بھی ماتم کرے کم ہے۔ قال اهل اللغة الاصل دسسها من التدسيس وهو اخفاء الشيء في الشيء فابدلت سينه ياء كما يقال تقضى البازي والاصل تقضض البازي

اہل لغت کہتے ہیں کہ دسّٰہا اصل میں دسّسہا تھا۔ یہ تدسیس سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ اس کے آخری سین کو یا سے بدل دیا۔ جس طرح تقضی البازی اصل میں تقضض البازی تھا۔ آخری ضاد کو یا کر دیا۔

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے۔ لیکن پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے

رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾

رب نے ان کے گناہ عظیم کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا اور کوئی اندیشہ نہیں اللہ کو ان کے (تباہی کے) انجام کا

بدل دیا۔

؎١١ انسانی تاریخ سے ایک مثال پیش کر کے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ جن لوگوں نے اپنے نفسوں کو گناہوں کی مٹی کے نیچے دبا دیا وہ خائب و خاسر ہوئے۔ قوم ثمود کے حالات سے اہل عرب بے خبر نہ تھے۔ قرآن حکیم کی متعدد سورتوں میں قوم ثمود کا ذکر ہو گیا تھا اس کی تفصیلات سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھے۔ تجارتی سفروں میں ہر سال انہیں ان کے ویران کھنڈروں سے ہو کر گزرنا پڑتا جہاں کبھی قوم ثمود بڑے کروفر سے آباد تھی۔ اہل مکہ کو ان کی غلط روش سے باز رکھنے کے لیے ان کی توجہ قوم ثمود کے عبرت ناک انجام کی طرف مبذول کرائی جا رہی ہے۔ انہوں نے بھی اپنے نبی کو جھٹلایا تھا۔ اونٹنی جو ان کی خواہش کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام نے بطور معجزہ پیش کی تھی اور ان کو اچھی طرح متنبہ کیا تھا کہ خبردار! اس اونٹنی کو ہرگز اذیت نہ پہنچانا۔ ایک دن کنوئیں سے سارا پانی یہ پیئے گی دوسرا دن اس اونٹنی کے لیے مخصوص کر دو۔ اس میں ردوبدل کی کوشش ہرگز نہ کرنا ورنہ خدا کا عذاب تمہیں تہس نہس کر کے رکھ دے گا۔ لیکن غرور و نخوت کی جو شراب انہوں نے پی رکھی تھی اس نے انہیں سرکش و نافرمان بنا رکھا تھا۔ اسی سرکشی کے باعث انہوں نے اپنے نبی کی ہدایات کی ذرا پروا نہ کی۔ بلکہ ان کو جھٹلانا شروع کر دیا اور اس ناقہ کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا۔ جس شخص نے یہ ظلم ڈھایا اس کا نام قدار بن سالف تھا جو سارے ثمودیوں میں سے زیادہ شریر، مفسد، بدکار اور بدبخت الشقی تھا۔ لیکن اسے ساری قوم کی تائید حاصل تھی اس لیے ساری قوم کو سزا ملی۔ مشکوٰۃ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ سے پوچھا اتدری من اشقی الاولین اے علی! کیا تم جانتے ہو کہ پہلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے فرمایا اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا۔ پھر دریافت فرمایا اتدری من اشقی الآخرین کہ بعد میں آنے والوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہے؟ حضرت علی نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قاتلک۔ تیرا قاتل سب سے زیادہ بدبخت ہے۔

؎١٢ ناقۃ اللہ منصوب ہے جس طرح کہتے ہیں الاسد الاسد۔ اس کا فعل محذوف ہے ای احذروا ناقۃ اللہ۔

؎١٣ علامہ قرطبی دمدم کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں الدمدمۃ الھلاک باستئصال فدمدم علیھم ای اھلکھم فجعلھم تحت التراب۔ کسی چیز کو اکھیڑ کر ملیا میٹ کر دینا کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے یعنی ان کو نیست و نابود کر دیا گیا ان کا نام و نشان تک بھی باقی نہ رہا۔

کہ قوم ثمود اپنے عہد عروج میں بڑی نامور قوم تھی۔ دیگر قبائل و اقوام کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے یقیناً انہوں نے باہمی معاہدہ کر رکھا ہوگا کہ اگر کسی قوم پر کوئی آفت و مصیبت آئے تو سب مل کر مقابلہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ثمود جیسی قوم کو تباہ و برباد کر دینے کے نتائج کا مجھے کوئی خوف نہیں۔ ان کے کسی حلیف قبیلہ یا دوست قوم کی یہ مجال نہیں کہ ہم سے ان کی بربادی کا انتقام لے سکے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام خدشات سے بالاتر ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ وہ جس کو تباہ و برباد کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين

اللهم صل على حبيبك الكريم وعلى آله واصحابه ومن تبعه وبارك وسلم

تعارف

سُورۃُ الّیل

نام : اس سورت کا نام "الّیل" ہے۔ جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، اکیس آیتیں، اکہتّر کلمے اور تین سو دس حروف ہیں

نزول : یہ مکّہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں دیگر اہم نکات کے علاوہ ایک نفسیاتی راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنا لیتا ہے۔ اس کے لیے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے لیے تو اطاعت و تقویٰ کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خاردار ہوتا ہے لیکن وہ شخص اس پر یوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اس کے راستے میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہو جاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں جو درحقیقت ان کی بربادی، بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کے لیے بڑی دریا دلی سے اپنی دولت لٹاتے رہتے ہیں، جوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی نہ انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ خجالت۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دینا ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہوا ہے لیکن اس کو قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ جو چاہے اپنی خوشی سے راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اور جو چاہے ہلاکت کے گڑھے میں گر جائے۔ اس کو صلہ ویسا ہی ملے گا جیسا اس نے اپنی مرضی سے عمل کیے تھے۔ اللہ کے بندے اپنا مال ضرورتمندوں میں رات کی تاریکی میں چھپ چھپ کر بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد کسی کے سابقہ احسان کا بدلہ چکانا نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے ربِ اعلیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں مبارک ہو۔ کہ گوہرِ مقصود انہیں بخش دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُورَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ ٩٢ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدٰى وَّ عِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ لیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی اکیس آیتیں ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز کو چھپا لے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر

وَالْاُنْثٰٓى ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾

اور مادہ کو ۱؎ بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں ۲؎ پس جس نے (راہ خدا میں اپنا مال) دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا

۱؎ اس سورت کا آغاز بھی متعدد قسمیں کھا کر کیا گیا ہے۔

۲؎ یہ ان قسموں کا جواب ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے ہر طرف کفر و شرک اور جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ جتنی فکری بلند چوٹیاں سب کی سب تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سب اہل عرب ایک ہی ڈگر پر رواں دواں تھے۔ لیکن حضور کی بعثت نے عرب کے معاشرے کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات، ان کے جذبات اور اعمال ایک دوسرے سے یوں مختلف تھے جیسے زمین آسمان سے، بلکہ اس سے بھی زیادہ بُعد تھا۔ ہر کوئی اپنی دُھن میں مگن اور اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جس طرح رات اور دن، نر اور مادہ الگ الگ ہیں، ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور اپنے الگ الگ نتائج ہیں، اسی طرح ان دو گروہوں کے اعمال کی نوعیت بھی جداجدا ہے۔ ان میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں۔ ایک گروہ نے خالق و مالک کی بندگی کا اختیار کیا ہے، جو تن من دھن سے اس کے احکام کی بجا آوری میں کوشاں ہے اور اس کی رضا کا جویا ہے اور دوسرا گروہ معبودان باطل کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہے، اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ عارضی لذتوں اور فانی جاہ و جلال کے حصول کے علاوہ اس کے پیش نظر اور کوئی منزل نہیں۔ اس بنیادی تفاوت کے باوجود ان دو گروہوں کی جدوجہد یکساں نہیں ہو سکتی اور اس پر ایک جیسے نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے: الناس غادیان فمبتاع نفسہ فمعتقہا، وبائع نفسہ فموبقہا۔ (قرطبی) لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر اس کو آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جس طرح مرضیٰ، مریض کی جمع ہے، یعنی متفرق اور منتشر۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان سعیکم لشتیت ہوتا تاکہ اسم اور خبر دونوں واحد ہوتے لیکن سعی سے مراد جدوجہد کی گئی ہے جو متعدد اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اگرچہ سعی لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔ اس کے اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی خبر شتّٰی جمع ذکر کی گئی۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی ۵ــه تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راستہ ۶ــه اور جس نے بخل کیا

۵ــه ان دو گروہوں کی جدوجہد کے چند اہم پہلو ذکر کر کے ان کے مابین بُعد اور تفاوت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس سعادت مند گروہ کی جدوجہد اور سعی پیہم کے اہم پہلوؤں کو ذکر فرمایا جس گروہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، حضور کے دست حق پرست پر بایں طور کہ اسلام کی بیعت کی اور یہ قیمت یا اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو سربلند کرنے اور سربلند رکھنے کا عزم کیا، فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے اس کی رضا، اس کے دین کی سربلندی اور امت کے ضرورتمند بندوں کی اعانت کے لیے اپنا مال بصد مسرت خرچ کرتے ہیں۔ اس کو وہ نقصان نہیں سمجھتے، اس کو تاوان اور چٹی خیال نہیں کرتے بلکہ رب کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو مال بھی بخشا اور اپنے رستے میں اسے خرچ کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بڑے سرگرم ہیں، منہیات اور محرمات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن اچھی چیزوں کی انہیں تعلیم دی ہے ان کی وہ تصدیق کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ باتیں سراسر حق ہیں۔

۶ــه یہ جملہ توجہ طلب ہے۔ فرمایا جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لیے وہ راہ آسان کر دیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ اپنی منزل سے انہیں ایسا عشق ہو جاتا ہے، جو کام کسی اور عشق سے کیا جائے وہ بظاہر کتنا مشکل کیوں نہ ہو جذبۂ عشق کی برکت سے وہ دشوار نہیں ہوتا۔ اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔ ہر مشکل گھاٹی اس کو ایک نئی لذت سے آشنا کر دیتی ہے۔ نماز اس کے لیے بوجھ نہیں رہتی بلکہ اس کی روح کی غذا بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں آتا۔ عبادات کی ادائیگی میں اسے گرانی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ فرحت و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق تو اتنا ہے کہ سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور جب اس کی رضا کے لیے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوق و سرور و شوق فرشتوں کو بھی محو حیرت کر رہا ہے۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمایئے:

علامہ آلوسی فَسَنُيَسِّرُهٗ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل التیسیر من الیسر بمعنی السہولۃ۔ لکن أرید التہیئۃ و الاعداد للامر۔ یعنی تیسیر، یُسر سے باب تفعیل کا مصدر ہے، اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے لیکن یہاں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا۔ عرب جب گھوڑے پر زین ڈال دیں اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں یَسَّرَ الفرس للرکوب اذا اسرجہا والجمہا۔

علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں اس کا یہی مفہوم بتایا ہے اور متعدد احادیث بطور استشہاد پیش کی ہیں، ان میں سے ایک

وَاسْتَغْنٰى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿٩﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿١٠﴾

اور بے پروا بنا رہا ۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا ۔ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے مشکل راہ ۔

آپ بھی سن لیجیے۔

قال الحدیث: اعملوا وسددوا وقاربوا فكل ميسر لما خلق له ۔ (او كما قال) یعنی حضور نے فرمایا کہ نیک اعمال کرو، راست روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ ہر شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کی استعداد اس میں رکھ دی گئی ہے چنانچہ علامہ آلوسی اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں: فسنهيئه للخصلة التي تؤدي الى يسر وراحة كدخول الجنة ومباديه یعنی ہم اس میں اس خصلت کی استعداد پیدا کر دیتے ہیں جو اسے آسانی اور راحت کی طرف لے جاتی ہے جس طرح دخول جنت اور اس کے لوازمات وغیرہ۔ یسریٰ، صفت مونث ہے لیکن اس کا موصوف محذوف ہے۔ اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، بعض اوقات دخول جنت سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان امور کو آسان اور سہل فرمایا گیا ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان ان کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو ابدی راحت و آرام نصیب ہو جاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے جو کام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو اس کا کرنا مشکل نہیں ہوتا بلکہ انسان بڑی سہولت سے اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مشکل کام تو وہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ تو اسے ہر وقت اپنی فطرت سے جنگ کرنا پڑتی ہے اپنے جذبات سے برسر پیکار ہونا پڑتا ہے اور اپنے مزاج کی مخالفت کرنا پڑتی ہے اور یہ کام واقعی بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے۔

علامہ جوہری نے اس کا معنی توفیق کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اس میں انسانی نفسیات کا ایک عجیب مسئلہ بھی حل کر دیا گیا۔ بتا دیا گیا کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس میں مزید نیک اعمال کرنے کی قوت اور ہمت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب وہ راستی پر گامزن ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قرب کے بلند سے بلند تر منزل پر متمکن ہونے کا شوق مرحمت فرما دیتا ہے جس کے باعث نیک اعمال اس کے لیے بالکل آسان ہو جاتے ہیں۔

ف اہل سعادت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب اہل شقاوت کی قبیح عادات اور ان پر مرتب ہونے والے برے نتائج و اثرات کا بیان ہو رہا ہے۔

ان کی ایک خصلت یہ ہے کہ راہ حق میں ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے بڑی مصیبت ہے۔ ویسے اپنی نام و نمود کے لیے وہ بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اپنی بزم عیش و طرب سجانے کے لیے وہ پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے، دعوت اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے اگر ان کی دولت کی ضرورت ہو تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک پائی خرچ کرنے کی توفیق بھی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کی ساری تگ و دو دنیوی شہرت، ناموری حاصل کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے انجام کو بالکل بھلا دیا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کا خیال تک بھی کبھی ان کے دل میں نہیں گزرتا گویا وہ اس سے بے نیاز ہیں۔ انہیں

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ کرم پر ہے رہنمائی کرنا۔

اپنے فعل کی ضرورت ہے نہ اپنے نیک انجام کی کوئی آرزو ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ وہ دولت سمیٹ لیں یا دنیا میں کوئی اونچا منصب انہیں مل جائے تو گویا انہوں نے اپنا گوہر مقصود پا لیا۔ ان کی تیسری خصلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جن اچھی اور عمدہ باتوں کی انہیں تعلیم دیتا ہے جن ابدی صداقتوں اور اللہ تعالیٰ کی سچائیوں سے انہیں آگاہ کرتا ہے وہ ان کی سچائی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو جھٹلاتے ہیں، ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ عادتیں اور خصلتیں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ان کی بے ہودہ اور ان پاکبازوں کی جدوجہد کیونکر یکساں ہو سکتی ہیں۔ اور ان کے نتائج ایک جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جن کی یہ عادات ہوں، جن کا یہ طریقہ کار ہو ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں ان کرتوتوں کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے جو انہیں کشاں کشاں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہیں نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے گندگی کے کیڑوں کی طرح فسق و فجور کی غلاظتوں میں وہ بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی اور بدکاری سے ان کا لگاؤ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد تک ان کی راہ میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اپنی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اپنی بیوی کے کانوں کی بالیاں اتار کر بھی وہ دختِ رز سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ چوری کی ایسی لت انہیں پڑ جاتی ہے کہ کوئی سزا انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ ہر وہ بدی جو ان کی تباہی کا باعث ہے اس پر وہ جان سے فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی لاکھ سمجھائے وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

عُسریٰ صفت مؤنث ہے اس کا موصوف بھی محذوف ہے۔ اعمال سیئہ، یا اخلاق ذمیمہ سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان کو مشکل کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی انتہا ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی انہیں عُسریٰ کہا گیا کہ ان کرتوتوں کے کرتے وقت اسے اپنی فطرت سے، اپنے مزاج سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ قدم قدم پر اس کی فطرت سلیمہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس کو بری طرح ملامت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا گناہوں میں مگن رہنا کٹھن اور دشوار کام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان فرمایا گیا۔ سورۃ انعام کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۔ ترجمہ: "اور جس خوش نصیب کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے کشادہ فرما دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس بد نصیب کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کر دے تو بنا دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بہت تنگ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف۔" (الانعام: ۱۲۵)

جس مال کی محبت میں آج وہ دیوانہ ہو رہا ہے۔ جائز و ناجائز، حرام و حلال کے درمیان امتیاز بھی نہیں کرتا۔ جب اسے ہلاکت خیز گڑھے جہنم میں پھینکا جائے گا تو یہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت وہ بہت چاہے گا کہ اس کی ساری دنیا اسے مل جائے تو اس کے بدلے

وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿۱۳﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿۱۴﴾

یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں ۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے ۔

لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۶﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے دین کریم کو جھٹلایا اور (اس سے) روگردانی کی ۔ اور دور رکھا جائے گا اس سے

الْأَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ

وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے دل کو پاک کرنے کے لیے ۔ اور اس پر کسی کا کوئی

مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿۱۹﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۰﴾

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو ۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے ۔

زر و دولت سے اپنی تجوریاں اس نے بھر رکھی تھیں اور جو سونا چاندی اور ہیرے کے ٹکڑے سب اپنے لیے جمع کیے اور اس کی بیان کردہ کوئی جائے گی لیکن اس روز اس کی کوئی پیشکش قبول نہ ہوگی ۔ اس کی سب فریادیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی اس کی ساری پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جائے گا ۔ اِذَا تَرَدّٰی ای سَقَطَ فِی جَہَنَّمَ ۔

سیدھی راہ دکھانا ہمارا کام ہے اور اس راہ پر چلنا انسان کا کام ہے ۔ حق و باطل کو الگ الگ کر دینا ہمارا کام ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنا اس کا کام ہے ۔

جب ہم نے بروقت تمہیں خبردار کر دیا ہے اس کے باوجود جو حق اختیار نہیں کرتا اور غلط راستے پر چل کر سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے تو اس سے زیادہ بدبخت اور شقی کون ہو سکتا ہے ۔ یہاں اشقیٰ سے مراد امیہ بن خلف اور اس کے قبیل کے وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے دانستہ دعوتِ حق کو جھٹلایا اور محض عناد اور تعصب کی بنا پر باطل پر اڑے رہے ۔

ایک طرف اشقیٰ ہے جس کا طریقہ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے ۔ اس کے بالمقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے ۔ جو دعوتِ حق کو کامیاب کرنے کے لیے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے ۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا ہے ان کے انجام میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے ۔

اتقیٰ وہ ہے جو اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لیے نہیں کسی کی نیکی کا بدلہ چکانے یا حسن سلوک کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے نہیں اس کی نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے ۔ اس کے پیش نظر صرف ایک ہی مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی متاع جان و دل کو قربان کرنے کے لیے تیار ہے ۔ وہ مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے ۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہو گا ۲۱

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والے سب نفوس قدسیہ حسنات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر کے عمل میں ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت نو مسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کرتے رہے۔ جب سفر ہجرت میں سید المرسلین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لیے جب بھی سرمایہ کی ضرورت ہوئی تو آپ نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور نے دریافت کیا کہ ابوبکر! اپنے گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑ آئے ہو تو عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ آیا ہوں۔

ان آیات کے شان نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا آپ پر غشی طاری تھی۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر احد احد جاری تھا۔ اس اثنا میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ہوا فرمایا احد ینجیک۔ جس احد کا نام لے رہے ہو وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضور نے صدیق اکبر سے بلال کی کیفیت بیان کی، وہ تاب نہ لاسکے، حضور کے فرمانے کی دیر تھی گئے اسی وقت گھر گئے اور رطل سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تم بلال کو بیچنا چاہتے ہو؟ وہ اس نے اسی میں بیچ دیا۔ آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابو قحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور ضعیف غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو اگر تم طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرو تو وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آئیں گے۔ آپ نے فرمایا ای ابت انما ارید ما عند اللہ۔ (ابن کثیر) ابا جان میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

۲۱۔ یرضیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق اکبر دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر راضی ہو جائے گا جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے رب کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔

○

اللّٰھم لک ربنا نحن نطلب رضاک فارض عنا برحمتک وبکرمک انک رؤف رحیم۔ وصلی وسلم
وبارک علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

○

تعارف

سورۂ والضحیٰ

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام والضحیٰ ہے جس سے اس سورت کا آغاز فرمایا جا رہا ہے۔ اس میں ایک رکوع، گیارہ آیتیں، چالیس کلمے اور ایک سو بہتر حروف ہیں۔

شانِ نزول: کتب تفاسیر میں اس کی شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایات درج ہیں میرے نزدیک روایت اور درایت کے نقطۂ نظر سے جو قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے وہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر درِ منثور میں ذکر کیا ہے جو پیشِ خدمت ہے:

اخرج احمد وعبد بن حميد والبخاري ومسلم والترمذي والنسائي
وابن جرير والطبراني والبيهقي وابو نعيم معا في الدلائل عن جندب البجلي
قال اشتكى النبي صلى الله عليه وسلم فلم يقم ليلتين او ثلاثا فاتته
امرأة فقالت يا محمد ما ارى شيطانك الا قد تركك لم يقربك
ليلتين او ثلاثا فانزل الله والضحى والليل اذا سجى الخ (در منثور)

ترجمہ: "جندب البجلی سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت مبارکہ درست نہ رہی۔ چنانچہ حضور دو یا تین راتیں شب خیزی نہ فرما سکے۔ ایک گستاخ عورت آئی اور حضور کا نام لے کر کہنے لگی کہ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ ہم نے دو تین رات سے اسے تمہارے قریب آتے نہیں دیکھا۔
اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی۔"

مضامین: اس کے مضامین کے بارے میں تو آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں گے یہاں مختصراً یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ ان آیات میں ان عنایات بے پایاں اور احسانات عظیم کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے جو رحمٰن و رحیم رب العالمین نے اپنے محبوب ترین بندے اور رؤف و رحیم رسول پر فرمائیں۔ بعد ازاں اس رحمت للعالمین کو اپنی مخلوق پر ابر رحمت بن کر برسنے کے جو سلیقے اور آداب سکھائے ان کا ذکر ہو رہا ہے۔ دینے والے کی شان کریمی کی کوئی حد نہیں تو لینے والے کے ظرف اور داماں کی وسعت بھی تصورِ انسانی کی حدود سے ماوراء ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ اِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ الضحیٰ مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالضُّحٰى ① وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③ وَ

قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہیں چھوڑا آپ کو آپ کے رب نے اور نہ ہی وہ ناراض ہوا۔ اور

لے آیات کی تشریح سے پہلے اس کی شان نزول لکھ دی جائے تو اس سورت کا مفہوم سمجھنے میں آسانی ہو گی۔ شیخین کی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم طبیعت ناساز ہونے کے باعث دو یا تین رات کے وقت بیدار ہو کر مصروف عبادت نہ ہو سکے تو ابولہب کی بیوی ام جمیل جس کا مکان حضور کے مکان سے متصل تھا کہنے لگی یا محمد انی لارجو ان یکون شیطانک قد ترکک لم اره قربک منذ لیلتین او ثلاث۔ میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے۔ دو تین رات سے میں نے اس کو تمہارے نزدیک آتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بکواس کے جواب میں یہ سورۃ پاک نازل فرمائی۔

دوسری روایت یہ مذکور ہے کہ ابتدائے بعثت میں کچھ عرصہ نزول وحی کا سلسلہ جاری نہ رہا اور یہ عرصہ بارہ یا پندرہ یا پچیس یا چالیس دن تک باختلاف روایت برقرار رہا۔ حضور کی طبیعت مبارک پر بہت گراں گزرا۔ وہ کان جو کلام الٰہی سننے کے عادی ہو چکے تھے وہ دل جو ارشادات ربانی کا خوگر ہو چکا تھا اس کے لیے یہ ہجر ناقابل برداشت تھی۔ نیز کفار نے بھی طعنہ زنی شروع کر دی کہ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا ہے۔ اس لیے وحی کا نزول رک گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کے ان خرافات کی تردید فرمائی اور اپنے محبوب کریم کو یہ تسلی دی کہ آپ پریشان نہ ہوں جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی ہے اسی طرح نزول وحی کا بسا اوقات انقطاع بھی بڑی بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔

جب سورج پوری آب و تاب سے چاشت کے وقت چمکنے لگتا ہے اس وقت کو الضحیٰ کہتے ہیں۔ اس کی لغوی تحقیق سورۃ الشمس میں گزر چکی ہے۔ لیکن علامہ قرطبی اور کئی دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ الضحیٰ کو ظلمات کے مقابلہ میں ذکر کیا جائے کہ اس وقت سے مراد سارا دن ہوتا ہے جیسے سورۃ اعراف میں ہے۔ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآىِٕمُوْنَ۔ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ۔

ترجمہ: کیا بستی کے باشندے اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آئے جب وہ سو رہے ہوں یا کیا بستی کے باشندے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن کے وقت آئے جبکہ وہ کھیل رہے ہوں۔

یہاں ضحیٰ سے مراد چاشت کا وقت نہیں بلکہ سارا دن ہے۔

والضحیٰ کے بعد واللیل اذا سجیٰ ہے اس لیے یہاں بھی یہی بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اس سے مراد سارا دن ہو۔ لسان العرب میں ہے جب رات خوب تاریک ہو جائے اور ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لے تو عرب کہتے ہیں سجی اللیل۔ سجی اللیل اذا اظلم ورکد فی

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵

یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بدرجہا بہتر ہے ۳ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ۵

طوله كما يقال بحر ساج وليل ساج. سمندر پرسکون ہے اور رات پرسکون ہے۔

حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ ضحیٰ سے مراد وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور رات سے مراد شب معراج ہے۔ (قرطبی)

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر عزیزی کی چند سطور اہل شوق و محبت کے مطالعہ کے لیے نقل کر رہا ہوں:

"بعضے از مفسرین چنیں گفتہ اند کہ مراد از ضحیٰ روز ولادت مبارک است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومراد از لیل شب معراج است و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور سینہ مبارک است صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم واز لیل موئے سیاہ کہ دریا ہمچو شب است۔ و بعضے گویند کہ مراد از ضحیٰ نور علم است کہ آنجناب را داده بودند و بسبب آں پردہ ہائے عالم غیب منجلی و منکشف گشتند ومراد از شب خلق عفو است کہ عیب امت را پوشید۔ و بعضے گویند کہ مراد از روز علانیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم است یعنی احوال ظاہرہ آنجناب است کہ خلق بر آں مطلع شدہ ومراد از شب سر آنجناب یعنی احوال باطنہ کہ غیر از علام الغیوب کسے بر آں مطلع نیست۔"

ترجمہ: بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ضحیٰ سے مراد حضور کی ولادت باسعادت کا دن اور لیل سے شب معراج مراد ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ ضحیٰ سے مراد حضور کا نور سینہ ہے اور لیل سے زلف عنبریں اور بعض نے فرمایا کہ ضحیٰ سے مراد نور علم ہے جو آنجناب کو دیا گیا تھا جس کے سبب عالم غیب کے تمام پردے اٹھ گئے اور منکشف ہو گئے اور لیل سے مراد حضور کا عفو و درگزر کا خلق ہے جس نے امت کے عیبوں کو ڈھانپ دیا۔ بعض علما کا ارشاد ہے کہ دن سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری احوال ہیں جن سے مخلوق آگاہ ہے اور رات سے مراد حضور کے احوال باطنی ہیں جن کو علام الغیوب کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

۳ ۔ روشن دن اور تاریک اور پرسکون رات کی قسم کھا کر کفار کے اعتراضات اور مطاعن کی تردید فرمائی اور تسلی دی اپنے حبیب کو یوں تسلی دی کہ اے محبوب! آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے بلکہ وحی کے نزول میں بھی اس کی حکمت تھی اور اس کے انقطاع میں بھی کئی حکمتیں مضمر ہیں۔

۴ ۔ فرمایا بلکہ آپ پر آپ کے رب کے لطف و کرم اور انعام و احسان کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر آنے والی ساعت گزری ہوئی ساعت سے، ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی گھڑی سے، ہر آنے والی حالت گزشتہ حالت سے اعلیٰ و ارفع اور بہتر و برتر ہوگی۔ اس ایک جملہ سے کفار کے طعن و تشنیع اور الزام تراشیوں کا سدباب بھی ہو گیا اور اسلام کے درخشاں مستقبل کے بارے میں نوید جانفزا بھی سنا دی۔

دعوت اسلام کے ابتدائی دور کا تصور کیجیے جس میں یہ سورت نازل ہوئی۔ گنتی کے چند افراد نے اس دین حق کو قبول کیا تھا۔ باقی تمام اہل مکہ حضور کے خون کے پیاسے تھے۔ انہوں نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ اسلام کے چراغ کو بجھا کر رہیں گے۔ توحید کا یہ گلشن جو مصطفیٰ نے لگایا ہے

تب اس کا ایک ایک پردہ اٹھ جائے گا اور پھر چمکیں گے۔ اس وقت کون یہ خیال کر سکتا تھا کہ یہ دین چند سالوں میں اتنی ترقی کر جائے گا کہ سارا جزیرۂ عرب اس کے قدموں میں جھک جائے گا۔ اس نبی کریم کو اللہ تعالیٰ وہ عزت و سرور اور شان محبوبی عطا فرمائے گا کہ آج جو خون کے پیاسے ہیں کل شانہ ابرو پر اپنی جانیں قربان کرنا سعادت سمجھیں گے اور حضور کے وضو کا پانی نیچے نہیں گرنے دیں گے، اس کو اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیں گے۔

قال ابن عباس أُرِيَ النبي صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما يفتح الله على امته بعده فسر بذلك فنزل جبرئيل بقوله وللآخرة خير لك من الاولى۔ یعنی حضور کے بعد امت جو فتوحات کرے گی وہ سب کی سب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دکھائی گئیں جسے دیکھ کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ اسی وقت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے وللآخرة خير لك من الاولى۔ یعنی ہماری نوازشات صرف ان فتوحات ہی میں منحصر نہیں بلکہ آپ کی ہر آنے والی شان پہلی شان سے اعلیٰ و بالا ہوگی۔

ف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اشاعت و ترقی کے لیے ہر وقت فکرمند رہا کرتے تھے۔ دین حق کی سربلندی کے لیے حضور نے اپنا تن من دھن قربان کر دیا۔ آپ ہر طرح کی کوششیں کر کے بھی ایک لمحہ بھی اس سے فارغ نہ ہوتے۔ اپنی امت کی بخشش و مغفرت کا خیال ہر وقت مضطرب رکھتا تھا۔ ان تمام تفکرات اور خطرات کو یہ فرما کر دور کر دیا کہ آپ کا رب اپنے لطف و کرم کا آپ پر وہ مینہ برسائے گا کہ آپ کا قلب مبارک خورسند و مسرور ہو جائے گا۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: وهو عدة كريمة شاملة لما اعطاه الله تعالى عز وجل في الدنيا من كمال النفس وعلوم الاولين والآخرين وظهور الامر واعلاء الدين بالفتوح الواقعة في عصره صلى الله تعالى عليه وسلم وفي ايام خلفائه عليه الصلوة والسلام وغيرهم من الملوك الاسلامية وفشو الدعوة والاسلام في مشارق الارض ومغاربها ولما ادخر عز وجل له عليه الصلوة والسلام في الآخرة من الكرامات التي لا يعلمها الا هو جل جلاله وعم نواله۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا کریمانہ وعدہ ہے جو ان تمام عطیات کو شامل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضور کو دنیا میں سرفراز فرمایا یعنی کمال نفس، اولین و آخرین کے علوم، اسلام کا غلبہ، دین کی سربلندی، ان فتوحات کے باعث جو عہد رسالت میں ہوئیں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئیں یا دوسرے مسلمان بادشاہوں نے حاصل کیں اور اسلام کا دنیا کے مشارق و مغارب میں پھیل جانا نیز یہ وعدہ ان عنایات اور عزت افزائیوں کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم کے لیے آخرت کے لیے محفوظ رکھی ہیں جن کی حقیقت اور نہایت کو اللہ تعالیٰ کے بغیر اور کوئی نہیں جان سکتا۔

علامہ آلوسی نے یہاں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے۔

حرب بن شریح کہتے ہیں کہ میں نے امام مذکور سے پوچھا کہ جس شفاعت کا ذکر اہل عراق کیا کرتے ہیں کیا یہ حق ہے؟ تو آپ نے فرمایا بخدا حق ہے۔ مجھے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی: ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال اشفع لامتي حتى ينادي ربي أرضيت يا محمد فاقول نعم يا رب رضيت۔

حضرت سیدنا علی سے مروی ہے کہ حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں اپنی امت کے لیے شفاعت کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا رب مجھے ندا کرے گا اور پوچھے گا اے محمد کیا آپ راضی ہو گئے ہیں عرض کروں گا اے میرے پروردگار میں راضی ہو گیا۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ وَ

کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور

اس کے بعد امام باقر رضی اللہ عنہ نے اس شخص سے کہا کہ اے اہل عراق! تم یہ کہتے ہو کہ قرآن کریم کی سب سے امید افزا آیت یہ ہے یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں کہ کتاب الٰہی میں سب سے زیادہ امید افزا آیت یہ ہے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث نقل کی ہے: عن ابن عمرو ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تلا قول اللہ تعالیٰ فی ابراہیم علیہ السلام فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وقول عیسیٰ علیہ السلام اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ الآیۃ فرفع یدیہ وقال اللّٰهم امتی امتی وبکی۔ فقال اللہ تعالیٰ یا جبریل اذهب الی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقل له انا سنرضیك فی امتك ولا نسوءك۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ یعنی جس نے میری پیروی کی وہ میرے گروہ سے ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی جس میں عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ یعنی اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں۔ پھر اپنے دونوں مبارک ہاتھوں کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کی الٰہی میری امت میری امت۔ پھر حضور زار و قطار رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ میرے حبیب کے پاس جاؤ اور ان سے جا کر یہ پیغام پہنچاؤ کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور کبھی آپ کو پریشان نہیں کریں گے۔

یہاں رب کی اضافت اس ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع حضور کی ذات ہے۔ اس میں لطف و محبت کا جو اظہار کیا گیا ہے وہ ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔

اس لطف و کرم جس سے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم کو نوازنے والا ہے اس کے ذکر کے بعد اب ان انعامات و احسانات کو بیان فرمایا جا رہا ہے جن سے آپ کو اس سے پہلے سرفراز کیا جا چکا ہے تاکہ قلب مبارک کو تسکین و مسرت کا باعث ہو۔ اس لیے اس جملہ کو الگ مستقلاً ذکر کیا گیا۔

اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شکم مادر میں ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ اٹھ گیا۔ پیدا ہوئے تو یتیم تھے، لیکن والدہ ماجدہ نے اپنی آغوش محبت میں بڑے پیار سے پروان چڑھایا۔ عمر شریف چھ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ بھی داغ مفارقت دے گئیں۔ آپ کی پرورش کی سعادت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے سنبھالی۔ آٹھ سال کی عمر میں یہ مشفق و مربی بھی داغ مفارقت دے گئے۔ یہ سعادت حضور کے شفیق اور مہربان چچا جناب ابو طالب کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے تادم واپسیں اس خدمت کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ ایسے کئی مواقع آئے کہ اپنے لخت جگر پر سو جان سے قربان ہوتے تھے مگر دادا اپنے حقیقی فرزند پر ترجیح دیتے تھے اور یہی محبت بھری نگاہیں اپنے فوت شدہ بھائی کے فرزند کے لیے چچا کی بھی تھیں۔ یہ حال تھا کہ بچپن سے ہی یہ اطوار سعادت و نجابت و شرافت کے آثار ظاہر ہو گئے تھے۔ اس نے دادا اور چچا کی محبت میں کئی گنا اضافہ کر دیا۔

حضور کی معصومانہ اداؤں اور پاکیزہ اطوار اور نجابت و سعادت کے ان آثار جو ہر سو نمایاں ہو رہے تھے انہوں نے حضور کی محبت میں اتنا اضافہ کر دیا تھا اور آپ کی قدر و منزلت کو ان حضرات کی نگاہوں میں اتنا بلند فرما دیا تھا جو اور کسی بچے کو نصیب نہیں ہو سکتی اور یہ سارا لطف و عنایت اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی تھی اس لیے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی کہ ہم نے اپنی خاص مہربانی سے ان کے دلوں میں حضور کی محبت اور ادب و احترام اور قدر و منزلت پیدا فرما دی۔

علامہ قرطبی نے مجاہد سے ایک اور تفسیر نقل کی ہے قال مجاہد هو من قول العرب درة يتيمة۔ کہ یہاں یتیم سے مراد وہ موتی ہے جو بڑا آب و تاب والا اور قدر و قیمت میں بے مثال ہو۔ علامہ آلوسی کہتے ہیں والمعنی الم يجدك واحدا عديم النظير بجميع صفاتك فآواك اليه و جعلك في حق مصطفاك کہ تجھے یتیم پا کر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری مخلوقات میں یگانہ اور عدیم النظیر پایا بصد امکان کہ آپ جیسا کوئی آج تک نصیب نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوش رحمت میں آپ کو پناہ دی۔ (روح المعانی)

ے اس آیت کے ترجمہ میں بہت سے مترجمین نے بڑی طرح ٹھوکر کھائی ہے اس لیے اس کی اچھی طرح سے تحقیق کر لینی چاہیئے۔ ضالاً ضلالت سے اسم فاعل ہے۔ عام طور پر ضلالت کا یہ مفہوم لیا جاتا ہے راہ راست سے بھٹک جانا، گمراہ ہونا، عقیدہ و عمل میں غلط راستہ اختیار کرنا۔ علمائے اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضور سرور عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اعلان نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی عقیدہ اور عمل کی ہر لغزش سے معصوم تھے۔ حضور نے اس شرک زدہ ماحول میں پرورش پائی لیکن ایک لمحہ کے لیے بھی شرک نہیں کیا۔ زمانہ جاہلیت کی لغویات سے حضور کا دامن ہمیشہ محفوظ رہا۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ عرب معاشرہ جس قسم کی فکری اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھا حضور علیہ السلام ان سے ہمیشہ بالکل منزہ اور مبرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی سابقہ زندگی کو آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (میں نے تمہارے درمیان اس سے پہلے ایک عمر گزاری ہے کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے)۔ سورہ النجم کی اس آیت میں مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ میں بھی حضور سے عقیدہ اور عمل کی گمراہی کی نفی کی گئی ہے۔ ان آیات کی موجودگی میں اور تاریخ کی ان شہادتوں کے باوجود یہاں ضالاً کا معنی گمراہ یا بھٹکا ہوا کرنا بڑی ضلالت ہے والعیاذ باللہ۔

علمائے تفسیر نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سے اقوال بیان کیے ہیں ان میں سے چند آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

① ضلالت کا لفظ غفلت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى (طٰہٰ: ۵۲) ای لا یغفل۔ میرا رب کسی چیز سے غافل نہیں ہوتا اور کسی چیز کو فراموش نہیں کرتا۔ مذکورہ آیت میں ضالاً بمعنی غافل مستعمل ہوا ہے یعنی آپ قرآن اور احکام شرعیہ کو پہلے نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کا علم بھی بخشا اور احکام شرعیہ کی تفصیلات سے بھی آگاہ فرمایا۔ ای غافلا عن معانی القرآن والشرائع فهداك الله الى القرآن وشرائع الاسلام۔ ضحاک، شہر بن حوشب وغیرہ سے یہی قول منقول ہے۔ (قرطبی)

② جب پانی دودھ میں ملا دیا جائے اور پانی دودھ کی رنگت وغیرہ میں غائب ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ضل الماء فی اللبن کہ پانی دودھ میں غائب ہو گیا۔ اس استعمال کے مطابق آیت کا معنی ہو گا کہ مغمورا بین الکفار بمکۃ فقواک اللہ تعالیٰ حتی اظہر دینہ:

دکھیں یعنی آپ کو ان کی کمان کے درمیان گھرے ہوئے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت عطا فرمائی اور آپ نے اس کے دین کو غالب کیا۔

(۳) ایسا درخت جو کسی بے آب و گیاہ صحرا میں تنہا کھڑا ہو اور مسافر اس کے ذریعہ اپنی منزل کا سراغ لگائیں اس کو بھی عربی میں الضالۃ کہتے ہیں۔ العرب تسمی الشجرۃ الفریدۃ فی الفلاۃ ضالۃ۔ اس مفہوم کے اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جزیرہ عرب ایک سنسان ریگستان تھا جس میں کوئی ایسا درخت نہ تھا جس پر ایمان اور عرفان کا پھل لگا ہوا ہو۔ صرف آپ کی ذات بابرکات تھی جو اس صحرا میں ایک پھلدار درخت کی مانند تھی پس ہم نے آپ کے ذریعہ سے مخلوق کو ہدایت بخشی۔ وکانت شجرۃ فریدۃ فی مفازۃ الجہل فوجدتک ضالا فہدیت بک الخلق۔

(۴) کبھی قوم کے سردار کو خطاب کیا جاتا ہے لیکن اصل مخاطب قوم ہوتی ہے۔ یہاں بھی یہی معنی ہے۔ ای وجد قومک ضالین فہداہم بک۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کو گمراہ پایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کو ہدایت بخشی۔ علامہ ابو حیان اندلسی اپنی تفسیر بحر میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ ایک رات خواب میں میں نے اس آیت کی تفسیر پر غور کیا تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے ووجد رہطک ضالا فہداہ بک۔ پھر میں نے کہا کہ جس طرح واسئل القریۃ اصل میں واسئل اہل القریۃ ہے اور اہل جو مضاف ہے محذوف ہے اسی طرح یہاں بھی رہط مضاف محذوف ہے۔ (البحر المحیط)

(۵) حضرت جنید قدس سرہ سے منقول ہے کہ ضالا کا معنی متحیرا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا تو اس کے بیان کی تعلیم فرما دی۔

(۶) امام رازی کہتے ہیں کہ الضلال بمعنی المحبۃ کما فی قولہ تعالیٰ انک لفی ضلالک القدیم۔ یعنی یہاں ضلال سے مراد محبت ہے جس طرح سورہ یوسف کی اس آیت میں ہے۔ تو اس آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں وارفتہ پایا تو ایسی شریعت سے بہرہ ور فرمایا جس کے ذریعہ آپ اپنے محبوب حقیقی کا قرب حاصل کر سکیں گے۔ علامہ اسماعیل حقی نے اس قول کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

قال بعض الصوفیۃ ... محبا عاشقا متغرقا فی الحب والعشق . . . فہداک . . . الی وصل محبوبک حتی کنت قریبا منہ

یعنی بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت اور اپنے عشق میں از خود رفتہ پایا اور آپ کو اپنے محبوب کے وصال کی طرف رہنمائی کی یہاں تک کہ آپ قاب قوسین او ادنیٰ کے مقام پر فائز ہوئے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کے ضمن میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام طفولیت میں اپنے دادا جان سے الگ ہو کر مکہ کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ حضرت عبد المطلب نے بہت تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے جس سے آپ کی بے چینی بہت بڑھ گئی اور غلاف کعبہ کو پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں فریاد کرنی شروع کر دی۔ حضور کسی گھاٹی میں گھوم رہے تھے۔ اسی اثنا میں ابو جہل اپنی اونٹنی پر سوار اپنے ریوڑ کو ہانک کر لا رہا تھا۔ اس نے جب حضور کو دیکھا تو اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور حضور کو اپنے پیچھے بٹھایا اور خود آگے بیٹھا اور اونٹنی کو اٹھنے کا اشارہ کیا لیکن اونٹنی نے اٹھنے کا نام ہی نہ لیا۔ جب بڑی کوشش کے باوجود اس نے جنبش نہ کی تو ابو جہل حیران رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اونٹنی کو قوت گویائی بخشی اور اس نے کہا یا احمق ہو الامام فکیف یکون خلف المقتدی۔ اے بیوقوف! یہ امام ہیں اور امام مقتدی کے پیچھے کیسے بیٹھ سکتا ہے۔ جب اس نے آپ کو اٹھا کر آگے بٹھایا تو اونٹنی اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ذریعہ اپنی ماں تک پہنچایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کے فرعون ابو جہل کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے دادا عبد المطلب تک پہنچایا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا

اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا ۸ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجیے ۹ اور جو

۸۔ عائل کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ (۱) المفتقر تنگ دست۔ (۲) ذو عیال۔ اہل وعیال والا۔ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عیال دار پایا دیکھو ساری امت حضور کی عیال ہے۔ تو غنی کر دیا یا آپ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ ظاہری غنی کی صورت یہ تھی کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی جان، اپنا سارا مال حاضر کر دیا اور اپنے تمام رشتہ داروں کی موجودگی میں یہ اعلان کر دیا کہ یہ مال اب میرا نہیں بلکہ ان کا ہے۔ چاہے تو اسے تقسیم کر دیں چاہیں اپنے پاس رکھیں۔ ام المومنین کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنا سارا مال ومتاع حضور کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ لیکن حقیقی غنی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا۔ قلب مبارک کو غنی کر دیا اور زمین کے سارے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرما دیں اور کائنات کی ہر چیز کو آپ کا فرمان پذیر فرما دیا۔ ایک دن حضور کاشانہ اقدس میں تشریف لائے مسلسل فاقہ کشی کے باعث شکم مبارک کمر کے ساتھ پیوست ہو گیا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ بے تاب ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ شکم مبارک کو بوسہ دیا اور عرض کی یا رسول اللہ اپنے رب سے اتنا تو مانگیے کہ ان فاقوں کی نوبت نہ آئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اے عائشہ اگر میں چاہوں تو یہ سامنے پہاڑ سونے کے بن کر میرے ساتھ چلنا شروع کر دیں۔ لو شئت لسارت معی جبال الذھب۔ حضور کا یہ فقر اضطراری نہ تھا بلکہ اختیاری تھا اسی لیے عارف سلطان سعدی نے خوب لکھا ہے۔

گزید فقر کہ از بانِ رسالت کسب آبرو
بمشت خاک ندادے جہانِ سلطانی

یعنی حضور نے فقر کو پسند فرمایا کیونکہ جس کو کسب آبرو کی سرمدی بخشی گئی ہو وہ مشت خاک پر حکومت کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔

۹۔ آپ یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے آغوش لطف وکرم کو آپ کے لیے کاشانہ بنا دیا۔ اب دنیا بھر کے یتیموں کے لیے آپ کے سینہ پاک میں شفقت ومحبت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے۔ کسی یتیم پر ظلم کرنا، اسے دھتکار دینا، اس پر غصہ ہونا یا اس سے بے اعتنائی کرنا آپ کو ہرگز زیبا نہیں۔ اس آیت پر آپ نے اپنی امت کو یتیم پروری کی بڑی تاکید فرمائی۔ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنی سنگدلی کی شکایت کی۔ حضور نے فرمایا اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا دل نرم ہو جائے تو یتیم کے سر پر دست شفقت پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔ بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انا وکافل الیتیم فی الجنۃ ھکذا واشار بالسبابۃ والوسطی۔ کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ساتھ ہوں گے، پھر اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ان الیتیم اذا بکی اھتز لبکائه عرش الرحمٰن کہ جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے سے رحمٰن کا عرش لرزنے لگتا ہے۔

السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

مانگنے والے کو مت جھڑکیے [۱۰] اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا خوب ذکر فرمایا کیجیے [۱۱]

۱۰ سائلوں سے برافروختہ وہ ہوتا ہے جس کو اپنے سرمایہ کے ختم ہو جانے یا کم ہو جانے کا اندیشہ ہو ۔ جب آپ کے رب نے آپ کو غنی کر دیا ہے اور خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں تو آپ کسی سائل کو کیوں جھڑکیں یا سائلوں کی کثرت سے تنگ دل کیوں ہوں ۔ آپ کو آپ کے رب نے بے شمار و بے حساب نعمتیں عطا فرمائی ہیں ۔ آپ انہیں سائلوں کی استعداد کے مطابق بانٹتے رہیں تو آپ کے در پر سے کوئی سائل خالی نہ جائے ۔

سیرت کی کتب ایسے ان گنت واقعات سے بھری پڑی ہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جود و کرم کا اندازہ ہوتا ہے ۔ جو سائل در اقدس پر حاضر ہوا اس کی جھولی گوہر مراد سے بھر دی گئی اور آج بھی کشور ہستی کے لیے اسی داتا کی سخاوت کا دور دورہ ہے ۔ کوئی آئے جو چاہے مانگے اسے خالی واپس نہیں کیا جاتا ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے کیا خوب لکھا ہے : " معلوم می شود کہ ہمہ کار بدست ہمت و کرامت او است ہر چہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد " (اشعۃ اللمعات اول صفحہ ۳۹۶)

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری ٭ بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن

یعنی معلوم ہوتا ہے کہ سب کے سب معاملات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست ہمت و کرامت کے سپرد ہیں ۔ جو چاہتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں ۔

امام بخاری نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نے کبھی کسی سائل کے جواب میں " لا " نہیں فرمایا ۔

ما قال لا قط الا فی تشہدہ ٭ لولا التشہد کانت لاءہ نعم

یعنی حضور نے لا کبھی نہیں کہا سوائے کلمہ شہادت کے ۔ اگر کلمہ شہادت نہ ہوتا تو حضور کی " نہ " بھی ہاں ہوتی ۔

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ بحرین سے نوے ہزار درہم آئے ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چٹائی بچھا کر ان کا ڈھیر لگا دیا ۔ نماز ادا کرنے کے بعد ان کو بانٹنا شروع کیا اور ٹھیک ایک درہم بھی باقی نہ رہا جب سب درہم بانٹ دیئے گئے تو ایک سائل آگیا ۔ حضور نے فرمایا اب تو کوئی چیز باقی نہیں رہی البتہ تم کسی دکاندار کے پاس چلے جاؤ اور جس چیز کی ضرورت ہے اس سے ادھار لے لو ، وہ میرے نام لکھ دے میں اس کی قیمت ادا کر دوں گا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت تھے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ آپ اتنی زحمت کیوں گوارا کرتے ہیں کہ قرض لے کر سائل کو دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مکلف تو نہیں کیا ۔ حضور کو یہ بات پسند نہ آئی اور رخ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو گئے ۔ ایک انصاری بھی اس وقت بارگاہ اقدس میں حاضر تھا اس نے عرض کیا انفق ولا تخش من ذی العرش اقلالا ۔ اے اللہ کے پیارے رسول ! بے دریغ خرچ فرمایا کیجیے اور عرش والے پروردگار سے قلت کا خوف مت کیجیے ۔ یہ سن کر حضور خوشی سے تبسم فرمانے لگے رخ پر نور پھول کی طرح شگفتہ ہو گیا ۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اسی طرح امر فرمودہ اند یعنی میرے رب نے مجھے یہی حکم دیا ہے ۔ (تفسیر عزیزی)

لائے اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر جو فضل و کرم فرمائے اس کا ذکر اور اس کا اظہار بھی شکر ہے۔ والتحدث بنعم الله و الاعتراف بها شکر. (قرطبی)

اس آیت میں نعمت سے مراد کونسی نعمت ہے؟ علامہ آلوسی فرماتے ہیں: والظاهر ان المراد بالنعمة ما افاضه الله تعالیٰ علی نبیه صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم من فنون النعم اللتی من جملتها ما تقدم (روح المعانی) یعنی اس نعمت سے مراد وہ گوناگوں نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ارزانی فرمائیں جن میں سے چند وہ ہیں جن کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے۔

چنانچہ سرور کون و مکاں، فخر زمین و زماں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان انعامات کا ذکر و اظہار اکثر فرمایا کرتے تھے جن سے آپ کے رب کریم نے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ بے شمار احادیث میں سے صرف ایک حدیث سن لیجئے، ایمان تازہ ہو جائے گا۔

عن ابی سعید قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وآله وسلم انا سید ولد آدم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائی وانا اول من تنشق عنه الارض ولا فخر. (مشکوٰۃ شریف رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس روز حمد کا پرچم میرے دست مبارک میں ہوگا۔ یہ بات میں فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ حقیقت کا اظہار ہے۔ اس دن تمام نبی آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جتنے ہیں سب کے سب میرے پرچم کے نیچے ہوں گے اور قیامت کے دن سب سے پہلے زمین سے میں باہر آؤں گا۔ یہ بات فخریہ نہیں کہہ رہا بلکہ اظہار حقیقت ہے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر لکھتے ہیں:

ومن هذا القبیل مقال الشیخ محی الدین عبد القادر رضی الله عنه:

وکل ولی له قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

وقوله: قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله.

یعنی حضرت شیخ محی الدین عبد القادر گیلانی رضی اللہ عنہ کے ارشادات اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہر ولی کا ایک اپنا مقام ہوتا ہے اور میں حضور کے نقش قدم پر چلتا ہوں جو کمالات صوری اور معنوی کے بدر منیر ہیں۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔

اسی طرح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مدارج قرب کا جو ذکر کیا ہے اور اپنے آپ کو مجدد اور قیوم کہا ہے یہ اقوال بھی اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

فمن انکر علی امثال هذه الرجال فی مثل هذه المقال فکانه انکر هذه الآیة الکریمة من الله ذی الجلال.

جو شخص ان اکابر رجال کے ان ارشادات کا انکار کرتا ہے اور زبان طعن دراز کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی اس آیت کا انکار کرتا ہے۔ (مظہری)

ہر نعمت کا شکر واجب ہے اور شکر کا طریقہ یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم کی رضا میں صرف کیا جائے۔ نعمت مال کا شکر یہ ہے

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خلوص نیت کے ساتھ اسے خرچ کرے۔ صحت کی نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ فرائض کو ادا کرے اور گناہوں سے اجتناب کرے۔ علم و عرفان کی نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ جاہلوں کو علم سکھائے اور گم کردہ راہوں کو راہ راست پر گامزن کرے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس سورت کا ایک مجرب تعویذ ذکر فرمایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :

"اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو اس سورت کو انسان سات بار پڑھے اور اپنے سر کے ارد گرد انگشت شہادت پھیرائے جب سات بار پڑھ چکے تو کہے اصبحت فی امان اللہ و اصبحت فی جوار اللہ۔ امسیت فی امان اللہ و امسیت فی جوار اللہ۔ ضائع و گم نشود۔ ان شاء اللہ بجاست" (تفسیر عزیزی)

○

الحمد للہ علی حسن توفیقہ

والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا محمد المبعوث رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

فاطر السمٰوٰت والارض انت ولینا فی الدنیا والآخرۃ توفنا مسلما والحقنا بالصالحین۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم۔

○

تعارف

سُورۃ الانشراح

نام : اس سورۂ مبارکہ کا نام "الانشراح" ہے جو "الم نشرح" سے باب "انفعال" کا مصدر ہے۔ اس میں ایک رکوع آٹھ آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو تین حروف ہیں۔

نزول : اس کا نزول بھی مکہ مکرمہ میں سورۂ "والضحٰی" کے مابعد ہوا۔

مضامین : نبوت کا بارِ امانت کوئی معمولی بوجھ نہ تھا یہ وہ کوہِ گراں تھا جسے آسمانوں اور پہاڑوں نے بھی اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی تھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو مکہ کی ساری فضا سلگنے لگ گئی۔ لوگوں کے اطوار بدل گئے۔ ہر چہرہ پر نفرت، ہر آنکھ میں عناد کے شعلے ناچنے لگے۔ ان سراسر ناموافق حالات میں قلبِ نبوت کے لیے راحت و سکون کا اگر کوئی پیغام ہو سکتا تھا تو وہ اس کے کریم پروردگار کا ہی ارشاد ہو سکتا تھا۔ چنانچہ جبرائیل امین حاضر ہوئے اور یہ سورت اپنے ملکوتی اور پیارے ہونٹوں سے تلاوت کر کے سنائی۔ ہر آیت میں ایک عظیم احسان کا مژدہ، ہر آیت میں دلجوئی اور بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ جن سے اپنوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں تعلق رشتے توڑ لیے تھے جن کی شمعِ حیات کو بجھانے کے لیے تند آندھیاں امنڈ رہی تھیں اس کو یہ بشارت دی جا رہی ہے کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "اے حبیب پاک ہم نے آپ کے ذکر کو بلند فرما دیا ہے۔" عرب کے ریگزاروں میں ہی نہیں دنیا کے مشرق و مغرب میں ہی نہیں بلکہ فرازِ عرش پر بھی تیرے ذکر کی صدائیں گونجیں گی۔ بہار کا سماں ہو گا۔ جہاں جہاں خالقِ کائنات کا ذکر ہو گا وہاں وہاں باعثِ تخلیقِ کائنات کے ذکر کے زمزمے بھی فضا میں گونجیں گے۔

تنہا یہ کالی رات سحر آشنا ہونے ہی والی ہے مصائب کی گھنگھور گھٹائیں عنقریب چھٹنے والی ہیں۔ وہ دن عنقریب طلوع ہونے والا ہے جب اہلِ نظر تیری راہ میں آنکھیں بچھائیں گے اہلِ دل سو جان سے تیری خاکِ راہ پر تصدق ہوں گے۔ آپ کا کام یہ ہے کہ جوں ہی فریضۂ تبلیغ سے کچھ فراغت ملے تو یادِ الٰہی میں مشغول ہو جایا کریں یہی زندگی کی منزلِ مراد ہے اور اسی منزلِ مراد سے زندگی کی رعنائیاں دلفریبیاں نصیب ہوتی ہیں اور اسی کے فیض سے زندگی کا دامن سچی مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی جو نعمت اور مدحت ان چند آیات میں فرمائی ہے۔ دنیا ہمیشہ کے لئے اس سے دریوزہ گری کرتے رہیں گے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِرَاحِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ الانشراح مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس کی آٹھ آیتیں ہیں

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿١﴾ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿٢﴾ الَّذِيْٓ

کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا [1] اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ [2] جس نے

[1] علامہ راغب اصفہانی الشرح کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اصل الشرح بسط اللحم ونحوه يقال شرحت اللحم وشرحته ومنه شرح الصدر اي بسطه بنور الهي وسكينة من جهة الله وروح منه۔ (المفردات) یعنی گوشت کاٹنے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کو الشرح کہتے ہیں۔ اسی سے شرح صدر ماخوذ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نور الٰہی سے سینہ کا کشادہ ہو جانا اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سکینت و طمانیت کا حاصل ہو جانا اور اس کی طرف سے دل میں مسرت و راحت کا شعور پیدا ہو جانا۔

علامہ سید محمود آلوسی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ الشرح اصل میں کشادگی اور فراخی کا مفہوم ادا کرتا ہے کسی الجھی ہوئی اور مشکل بات کی تشریح کرنے کو بھی شرح کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ شرح کے لفظ کا استعمال دلی مسرت اور قلبی خوشی کے لیے بھی ہوتا ہے آخر میں لکھتے ہیں: وقد يراد به تأنيس النفس بحيث لا تضيق ولا تتأثر بحيث تكون مهيأة لتلقي المعلومات والملكات وعرشا لتوارد التجليات ومنفسحا لسلوك الواردات فلا يشغلها شأن عن شأن ويستوي عندها ما كان وما يكون والحال۔ یعنی شرح صدر کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ نفس کو وہ تربیت دی جائے اور اس طرح آراستہ کیا جائے کہ وہ معلومات کے حصول کے لیے میدان بن جائے۔ ملکات کے تسلسل کے لیے ساحل بن جائے اور گوناگوں تجلیات کے لیے عرش بن جائے۔ جب کسی کی یہ کیفیت ہو جائے تو اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کر سکتی۔ اس کے نزدیک مستقبل، حال اور ماضی سب یکساں ہو جاتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: والانسب بمقام الامتنان هنا ارادة هذا المعنى الاخير۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان کا ذکر فرما رہا ہے اس لیے یہاں شرح صدر کا یہی آخری معنی زیادہ مناسب ہے۔

اس تحقیق کے بعد آیت کی تشریح یوں ارشاد فرماتے ہیں:

فالمعنى الم نفسح صدرك حتى حوى عالمي الغيب والشهادة وجمع بين ملكتي الاستفادة والافادة فما صدك الملابسة بالعلائق الجسمانية عن اقتباس انوار الملكات الروحانية وما عاقك التعلق بمصالح الخلق عن الاستغراق في شؤون الحق۔ (روح المعانی)

یعنی آیت کا معنی یہ ہے کہ کیا ہم نے آپ کے سینہ کو کشادہ نہیں کر دیا کہ غیب و شہادت کے دونوں جہان اس میں سما گئے ہیں۔ استفادہ اور افادہ کی دونوں صلاحیتیں جمع ہو گئی ہیں۔ علائق جسمانیہ کے ساتھ آپ کی وابستگی ملکات روحانیہ کے انوار کے حصول میں رکاوٹ نہیں۔ خلق کی بہبودی کے ساتھ آپ کا تعلق معرفت الٰہی میں استغراق سے رکاوٹ نہیں۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی تفسیر بیان کی ہے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"اس میں علوم و معارف کے سمندر اتار دیئے اور لوازم نبوت اور فرائض رسالت برداشت کرنے کو بڑا وسیع حوصلہ دیا۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علوم و معارف عطا فرمائے امام بوصیری نے قصیدہ بردہ میں یوں بیان کیا ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا ۔۔ وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

ترجمہ: یعنی دنیا اور آخرت دونوں آپ کی جود و کرم کے مظاہر ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے۔

علامہ علی قاری حنفی اس شعر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علمهما انما يكون سطرا من سطور علمه ونهرا من بحور علمه۔ کہ لوح و قلم کا علم آپ کے علم کے دفتر کی ایک سطر ہے اور آپ کے علم کے سمندروں کی ایک نہر ہے۔ (شرح قصیدہ بردہ، ملا علی قاری، طبع کتب خانہ [illegible])

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ساری زندگی اس آیت کی آئینہ دار ہے۔ حضور نے جس ایثار و حوصلہ اور اولوالعزمی سے فرائض نبوت کو ادا کیا، جس صبر اور شکر کے ساتھ اس راہ میں آنے والی مشکلات کو برداشت کیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شرح صدر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ساری زندگی کے ہر ہر لمحہ کو اپنے علم کے لحاظ سے متاثر کیا اس کو بھی شرح صدر کی برکت کے بغیر ادا کیا جا سکتا ہے۔

اس آیت کے ضمن میں کئی مفسرین نے شق صدر کی روایات بھی ذکر کی ہیں لیکن علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وحمل الشرح في الاية على شق الصدر ضعيف عند المحققين کہ یہاں جو شرح صدر کا ذکر ہے اس سے شق صدر مراد لینا محققین کے نزدیک ضعیف ہے۔ البتہ شق صدر کا ثبوت احادیث نبوی سے ہوتا ہے۔

اس آیت میں غور کرنے سے کلیم اور حبیب کے درمیان فرق بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ دونوں کو شرح صدر بخشا گیا لیکن کلیم کو مانگنے پر اور حبیب کو بن مانگے۔ پھر دونوں کے شرح صدر میں بھی زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔

۲۔ یہ دو آیتیں غور طلب ہیں۔ پہلے مشکل الفاظ کی تشریح ملاحظہ فرمائیے:

الوزر: الحمل الثقيل۔ بھاری بوجھ۔ اَنْقَضَ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: انقض: اثقل ظهره۔ ایسا بوجھ جو پیٹھ کو بوجھل کر دے۔

صاحب قاموس نے لفظ انقض کا ایک اور معنی تحریر کیا ہے یعنی کسی چیز کا آواز دینا۔ قال ابن عرفة: اي اثقله حتى جعله نقضا اي مهزولا وهو الذي اتعبه السفر والعمل ونقض لحمه (تاج العروس) یعنی اس بوجھ نے آپ کی پشت کو چٹخا دیا یعنی لاغر کر دیا کیونکہ جسم سفر اور متواتر کام کرنے سے گوشت سے خالی ہو جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "آں بار گراں کہ شکستہ بود پشت ترا" یعنی وہ بوجھ جس نے آپ کی پشت کو بوجھل بنا دیا تھا۔ میں نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ ویسے لغت عرب میں جب اونٹ کی پشت پر زیادہ بوجھ لاد دیا جائے

اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ

بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔ اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۵ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ

تو اس کی پسلیوں سے ایک قسم کی کڑکڑ کی آواز نکلتی ہے۔ اسے ہی انقض کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وہ بھاری بوجھ کیا تھا جو حضور کو گراں بار کر رہا تھا اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے اٹھا لیا۔ علمائے تفسیر نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ ان میں سے دو قول بہت پسندیدہ ہیں:

① اپنی قوم کو کفر و گمراہی میں دیکھ کر خاطر عاطر کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ ان کا بے جان بتوں کو پوجنا، فسق و فجور میں غرق رہنا، قمار بازی اور شراب نوشی میں بے باکی، عصبیت و دولت کی بنا پر اکڑنا، غریبوں پر ظلم ڈھانا، ان کے حقوق غصب کرنا، باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت، ان کی اخلاقی پستی، ان کی معاشی بدحالی، ان کی سیاسی ابتری، ان تمام چیزوں کو دیکھ کر حضور کو بہت دکھ ہوتا اور اس صورت حال کو کیسے بدلا جائے، اس کے لیے دل ہر وقت مضطرب رہتا ——— اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز کیا اور قرآن کریم جیسا صحیفہ رشد و ہدایت عطا فرمایا۔ دین اسلام جیسا جامع اور مکمل نظام حیات مرحمت فرمایا جس سے یہ بوجھ اتر گیا۔ منزل کا تعین بھی ہو گیا اور اس منزل کی طرف لے جانے والا راستہ بھی نور نبوت سے روشن ہو گیا۔

② یا اس بوجھ سے بار نبوت و رسالت مراد ہے۔ ایسے لوگ جو صدہا سال سے جہالت، باطل پرستی اور بداخلاقی میں مشغول تھے جن کی گھٹی میں اخلاق آوارگی کی زندگی رچی ہوئی تھی، ظلم و ستم، لوٹ مار جن کے نزدیک فخر و مباہات کا باعث تھی، ان کو ان پستیوں سے نکال کر توحید، اخلاق حسنہ، نظم و ضبط کی بلندیوں پر لے جانا اور انسانیت کا تاج ان کے سروں پر رکھنا ایسا کام تھا، اس راستہ میں مشکلات کے فلک بوس پہاڑ سینہ تانے کھڑے تھے اور ناکامیوں کی مہیب غاریں منہ کھولے ہوئے نگل جانے کے لیے بے تاب تھیں۔ اس فرض کی ادائیگی کا احساس دل کو ہر وقت بے چین رکھتا۔ ان کا تعصب، عناد، باطل سے چمٹے رہنے پر ان کا احمقانہ اصرار، اس بے چینی میں مزید اضافہ کر دیتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے شرح صدر کی دولت سے مالا مال فرما کر اس بوجھ کو ہلکا کر دیا۔ طبیعت سے وہ قلق و اضطراب کی جگہ صبر و عزیمت نے لے لی۔ اپنی قوم کی بے اعتنائی اور ان کی ایذا رسانی پر دل گرفتہ ہونے کے بجائے ہمت و حوصلہ پیدا ہو گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تشریح اپنے مخصوص انداز میں فرمائی ہے اور خوب فرمائی ہے:

"آپ کی ہمت عالی اور پیدائشی استعداد جن کمالات و مقامات پر پہنچنے کا تقاضا کرتی تھی قلب مبارک کو جسمانی ترکیب یا نفسانی تشویشات کی وجہ سے ان پر قادر ہونا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جب سینہ کھول دیا اور حوصلہ کشادہ کر دیا تو وہ دشواریاں جاتی رہیں اور سب بوجھ ہلکا ہو گیا۔"

۵۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اتانی جبرئیل علیہ السلام فقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ تعالیٰ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی۔

یعنی حضرت جبرئیل میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا رب کریم پوچھتا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ کے ذکر کو کس طرح بلند کیا؟ میں نے جواب دیا اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے رفع ذکر کی کیفیت یہ ہے کہ جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں آپ کا بھی میرے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: وای رفع مثل ان قرن اسمه علیه الصلوٰۃ والسلام باسمه عزوجل فی کلمتی الشهادة وجعل طاعته طاعته وصلی علیه فی ملائکته وامر المؤمنین بالصلوٰۃ علیه وخاطبه بالالقاب کیا ایها المدثر یا ایها المزمل ویا ایها النبی یا ایها الرسول وذکره سبحانه فی کتب الاولین واخذ علی الانبیاء علیهم السلام واممهم ان یؤمنوا به صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر رفع ذکر کیا ہو سکتا ہے کہ کلمۂ شہادت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے محبوب کا نام لایا۔ حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ ملائکہ کے ساتھ آپ پر درود بھیجا اور مومنوں کو درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور جب بھی خطاب کیا معزز القاب سے مخاطب فرمایا جیسے یا ایها المدثر، یا ایها المزمل۔ پہلے آسمانی صحیفوں میں بھی آپ کا ذکر خیر فرمایا۔ تمام انبیاء اور ان کی امتوں سے عہد لیا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں۔ آج دنیا کا کون سا گوشہ ایسا ہے جہاں روز و شب میں پانچ بار حضور کی رسالت کا اعلان نہ ہو رہا ہو۔

حضور کے سوانح پر اپنوں اور بیگانوں نے جتنی کتابیں لکھی ہیں دنیا کے کسی نبی، مصلح، فاتح اور سلطان کے بارے میں نہیں لکھی گئیں۔ بے شمار اہل ایمان نے حضور کریم کے ذکر پاک کو خوب تر کرنے کے لیے اپنی زندگیاں، اپنی علمی توانائیاں، ذہنی صلاحیتیں، اپنا مال اور اپنے وسائل وقف کیے ہیں۔ کسی دوسرے کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کے اخلاق نے شرق و غرب میں انسانیت کو جو تحفہ عطا فرمایا ہے اس کی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔ کیفیت یہ ہے کہ اس دور میں بھی آپ کے دین کی تبلیغ اور آپ کی سنت کے احیاء کی کوششیں بڑے خلوص سے کی جا رہی ہیں۔ آپ کا نام پاک لے کر، آپ کا ذکر خیر کر کے اور آپ کے محاسن بیان کر کے دلوں کو جو سرور و فرحت نصیب ہوتی ہے اس کا جواب نہیں۔ اپنے تو رہے ایک طرف، بیگانوں اور متعصب مخالفوں کو بھی بارگاہ رسالت میں خراج عقیدت پیش کرنے کے بغیر چارہ نہ رہا۔

اگر آپ اس حقیقت کو پیش نظر رکھیں جن حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور پھر اس آیت کو پڑھیں تو اس کے پڑھنے کا لطف دوچند ہو جائے گا۔ ساری دنیا مخالفت پہ تلی ہوئی ہے، مکہ کے سردار اور عوام حق و صداقت کی آواز کو دبانے کے درپے ہیں۔ جس جگہ سے گزرتے ہیں وہاں مخالفت کے زہر بکھیرے جاتے ہیں اور کانٹے بچھائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ ریز ہوتے ہیں تو سجدے ہوتے ہوئے اونٹ کی اوجھ اٹھا کر گردن مبارک پر ڈال دی جاتی ہے۔ ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کون یہ تصور کر سکتا تھا کہ ان کا ذکر پاک دنیا کے گوشہ گوشہ میں بلند ہوگا، ان کے دین کی روشنی سے مشرق و مغرب کا ہر گوشہ منور ہوگا اور کروڑوں انسان ان کے نام پر جان دینے کو اپنے لیے باعث صد فخر تصور کریں گے۔ لیکن جو وعدہ مولا کریم نے اپنے برگزیدہ بندے اور محبوب رسول کے ساتھ کیا وہ پورا کر دیا اور قیامت تک ذکر محمدی کا آفتاب ضوفشانیاں کرتا رہے گا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا خوب فرمایا ہے۔ ؎

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَ

آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۔ سو جب آپ (فرائض نبوت) سے فارغ ہوں تو (عبادت میں) محنت کیا کیجئے

۵؎ کفار مسلمانوں کو طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم نادار اور مفلس ہو، تم گنتی میں تھوڑے اور ناتواں ہو، ہم تمہیں پیس کر رکھ دیں گے ہم تمہارا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ جو شخص اسلام کو قبول کرتا اس کو ہر قسم کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا۔ [illegible] حبیب [illegible] اس کی [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے حبیب ان دشواریوں اور تکلیفوں سے پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ہوتی ہے ہر دشواری کے بعد آسانی ہوتی ہے [illegible] جن سے آپ کے ساتھی [illegible] دوچار ہیں [illegible] جن کے باعث بیگانے تو کیا اپنے بھی [illegible] کرتے ہیں ختم ہو جائیں گی اور عزت و اقبال، خوش حالی اور فارغ البالی کا ایک خوشگوار دور شروع ہوگا۔

۶؎ یعنی جب آپ ایک عبادت سے فارغ ہو جائیں تو اس عبادت کی توفیق پر شکر ادا کرنے کے لیے دوسری عبادت شروع کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں [illegible] ان کا شکر ادا [illegible] کیا اور جن نعمتوں سے مستقبل میں سرفراز کرنا تھا ان کا وعدہ کیا اور اس کے بعد حکم دیا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی عبادت میں مشغول ہوا کرو۔

علامہ ابن جریر طبری نے حضرت ابن عباس سے اس آیہ کا مفہوم نقل کیا ہے عن ابن عباس انه قال اذا فرغت من الصلاۃ فانصب في الدعاء یعنی جب آپ نماز ادا کرنے سے فارغ ہو جائیں تو آپ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگنا شروع کر دیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ بندہ مومن کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کے سارے اوقات یاد الٰہی میں مستغرق رہیں یا دنیا کے ضروری کاروبار سے جو نہی فرصت ملے فوراً ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ بندہ مومن کا بیکار بیٹھنا [illegible] [illegible] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا [illegible] ارشاد نقل کیا ہے [illegible] خوبصورت [illegible] کہ جہاں اگر آپ کی نظر پڑتی ہے

اِنِّیْ لَاَکْرَہُ اَنْ اَرٰی اَحَدَکُمْ سَبَهْلَلًا لَا فِیْ عَمَلِ دُنْیَا وَلَا فِیْ عَمَلِ آخِرَۃٍ (روح المعانی)

یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو بیکار بیٹھے ہوئے دیکھوں نہ تو دنیا کا کوئی کام کر رہا ہے اور نہ ہی آخرت کو سنوار رہا ہے۔

آپ نے فارغ کے ساتھ [illegible] کو ذرا اور [illegible] فرمایا ہے اور ضمیر [illegible] کی تشریح میں [illegible] [illegible] دنیا کی فکر نہ عاقبت کا اندیشہ۔ [illegible] [illegible] [illegible] جن کی برکت سے امت مسلمہ نے چند سالوں میں مشرق اور مغرب میں [illegible] کر دیے تھے۔ جس سبب [illegible] ہم اپنا قیمتی وقت برباد کرتے ہیں جس [illegible] سے ہم اپنے [illegible] آنسو بہتے لگتے ہیں۔

اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیے

ہمارے نوجوان جن کے دلوں میں اپنی ملت کا درد ہے جو اپنی قوم کے مستقبل کو درخشاں دیکھنا چاہتے ہیں جو موجودہ پستی اور انحطاط پر شکوہ سنج نظر آتے ہیں کاش! وہ حضرت فاروق اعظم کے اس ارشاد کو بلکہ اپنے رب کریم کے اس فرمان واجب الاذعان کو اپنی زندگی کا شعار (MOTTO) بنا لیں۔ جب بھی ایک فرض کی ادائیگی سے فارغ ہوں دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے کمر ہمت باندھ لیں۔

فانصب کا لفظ بھی توجہ طلب ہے۔ نصب ایسا کام کرنا جس کے کرنے سے تھکاوٹ ہو جائے اور یہ ظاہر ہے کہ معمولی نوعیت کے کاموں سے تو تھکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔ وہ کام جو اولوالعزم سرانجام دیا کرتے ہیں وہ نتیجہ ہیں بڑی محنت اور ریاضت سے میسر آیا کرتی ہیں وہ ذوالعزم ہی ان کا اہتمام کر سکتے ہیں جن کے لیے ہر روز نئی جگر پاشیوں اور شب بیداریوں کی ضرورت پڑتی ہے ایسے کاموں کے کرنے کی ہی تلقین کی جا رہی ہے۔ اگر کوئی کام مشکل ہو تو ہو کے بڑی مشکل اور آسان کاموں میں الجھ کر ہی نہیں رکنا بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آسان کاموں کے کرنے میں وقت ضائع مت کریں۔ ایسے کاموں کے لیے تو بہت سی قومیں ہیں۔ ان کے لیے تو محنت اور دشوار کام ہیں۔

جنگ بدر کے بارے میں فرمایا کہ تم تو چاہتے تھے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ ہو جس کے پاس ہتھیار اور حرب کے آلات نہ تھے لیکن ہم نے چاہا کہ تمہارا مقابلہ کفر و باطل کی ایسی بڑی قوت سے کرا دیں تاکہ حق کا بول بالا ہو اور باطل کو رسوائی اور ذلت نصیب ہو۔

ارشاد الٰہی ہے: وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (الانفال: ۷)

اے حبیب! آپ اپنے رب کی طرف ہی راغب ہو جائیں۔ اسی کی وہ ذات ہے جو تیرا رب ہے جس نے اس منصب عالی اور مقام بلند پر فائز ہونے کے لیے آپ کی تربیت فرمائی ہے۔ اگرچہ وہ سارے جہانوں کا رب ہے لیکن اس کی شان ربوبیت کا جو خصوصی تعلق تیرے ساتھ ہے وہ کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ تو اس کو چھوڑ کر کسی غیر کی جانب کیا نگاہ اٹھانی۔

○

اللّٰهم انت ربنا ورب حبيبنا المصطفى عليه اطيب التحية واجمل الثناء نسئلك ان تفيض آلاء النبي الصافية وتشرح صدورنا بها كما شرحت على نبيك صدره وترفع ذكرنا بذكر نبيك احسن الرفع. انت المولى وبيدك ازمة التوفيق اياك نعبد واياك نستعين۔

○

تعارف

سُورہ التین

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام التین ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چونتیس کلمے، ایک سو پانچ حروف ہیں۔

نزول: جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ مدنی ہے لیکن یہ درست نہیں کیونکہ "هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ" یہ امن والا شہر سے بلا اختلاف مکہ مکرمہ مراد ہے۔ هٰذَا کا اشارہ اس کی طرف اس وقت ہی درست ہو سکتا ہے جب کہ اس کا نزول یہاں ہوا ہو۔ مدنی صورت میں مکہ کا ذکر هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ سے کسی طرح مناسب نہیں۔

مضامین: بعض ان مقامات کی قسمیں کھا کر اس سورت کا آغاز کیا گیا ہے جن کا تعلق اولوالعزم رسولوں میں سے کسی کے ساتھ ہے۔ پھر بتایا کہ ہم نے انسان کی آفرینش اس انداز سے کی ہے کہ صوری اور معنوی اعتبار سے یہ احسن الخلق اور اکمل الخلق ہے۔ انسانی عظمت کا تصور جو قرآن کریم نے پیش کیا ہے دنیا کا کوئی فلسفی، نفسیات کا کوئی ماہر، عمرانیات کا کوئی استاد، حیاتیات کا کوئی معلم اس کی گرد راہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن نے عظمت انسان کا جو نظریہ پیش کیا ہے جب اس کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو یوں لگتا ہے کہ سب مدعیان دانش نادان بچوں کی طرح ٹامک ٹوئیاں مارتے نظر آتے ہیں۔

انسان کو احسن تقویم کے لقب سے سرفراز فرمانے کے بعد اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ نوع انسانی کے بعض افراد اپنے مقام رفیع کے تقاضوں کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور نفس کے سفلی جذبات کی تسکین کے درپے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے آپ کو ایسی پستیوں میں گرا لیتے ہیں جن سے مزید کسی پستی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ وہ لوگ جو خود شناس ہیں، اپنی خداداد عظمتوں کے قدردان ہیں، ایمان اور عمل صالح سے اپنے دامن حیات کو معمور رکھتے ہیں ان کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی پایاں پذیر نہ ہوگا۔

اس حقیقت کے بیان کرنے کے بعد قیامت کی ضرورت اور اس کے برپا کرنے میں جو حکمت ہے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے تو اس کے عدل و انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ ایک دن ایسا آئے جب ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا ملے۔ اگر ساری عمر پھول کھلانے والا اور ہر سمت میں چراغ روشن کرنے والا اور ساری عمر کانٹے بونے والا اور اندھیر نگری برپا کرنے والا ایک ہی انجام سے دوچار ہوں تو اس سے بڑی اندھیر نگری اور کیا ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی ذی ہوش اس ذات سے جو احکم الحاکمین ہے اس اندھیر نگری کی توقع رکھ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ التین مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں آٹھ آیات ہیں

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿١﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿٢﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿٣﴾

قسم ہے انجیر اور زیتون کی ۱؎ اور قسم ہے طور سینا کی ۲؎ اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی ۳؎

۱؎ اس سورت کا افتتاح چار چیزوں کی قسمیں کھا کر کیا جا رہا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ ہم ان کو ذہن نشین کر لیں پھر اس سورت کو سمجھیں کیونکہ ان کی وضاحت سے اہم حقائق بیان کیے جانے والے ہیں۔

تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟ علمائے تفسیر کے اس بارے میں متعدد اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس، حسن، مجاہد وغیرہم کا قول یہ ہے کہ تین سے مراد انجیر ہے اور زیتون سے مراد زیتون کا مشہور و معروف درخت ہے جس سے تیل نکالا جاتا ہے۔ انجیر کا پھل اور زیتون کا درخت اور اس کا تیل بے شمار فوائد اور خوبیوں کے مالک ہیں اس لیے ان کی قسم کھائی۔ حضرت ابن عباس سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین اس مسجد کا نام ہے جو حضرت نوح علیہ السلام نے جودی پہاڑ پر تعمیر کی تھی اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ قتادہ کی رائے یہ ہے کہ تین اس پہاڑ کا نام ہے جس پر دمشق کا شہر آباد ہے اور زیتون اس پہاڑ کا نام ہے جس پر بیت المقدس کا شہر آباد ہے اور قول بھی ہیں جو کہ یہاں بخوف طوالت حذف ہیں۔ منابت التين والزيتون یعنی وہ علاقہ جہاں انجیر اور زیتون کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ علامہ قرطبی کی رائے یہ ہے کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض علماء نے قتادہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

علامہ آلوسی کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اقسام ببقاع مبارکۃ شریفۃ علی مذھب الاکثرین (روح المعانی) یعنی ان مبارک مقامات کی قسمیں اٹھائی گئی ہیں۔ اکثر علماء کی یہی رائے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲؎ وہ پہاڑ جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا۔ اس کا نام طور سینین ہے۔ اسے طور سینا اور طور سینا بھی کہتے ہیں۔

۳؎ اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا شرف محتاج بیان نہیں۔ اس کا سنگ بنیاد اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند جلیل حضرت اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھا۔ اس شہر کے پر امن ہونے کی دعا بھی آپ نے ہی مانگی۔ رب اجعل ھذا البلد امنا۔ اس دعا کی قبولیت کا یہ عالم تھا کہ جس وقت سارا جزیرہ عرب غارت گری، خونریزی اور لوٹ مار کا میدان بنا ہوا تھا اس وقت بھی مکہ مکرمہ فتنہ و فساد کی آگ سے محفوظ تھا۔ کسی کے باپ کا قاتل بھی اگر حرم میں پناہ لیتا تو اس کو کچھ نہ کہا جاتا۔ اگر جنگل میں کوئی چیتا ہرن کا شکار کرنے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑتا اور ہرن حدود حرم میں داخل ہو جاتا تو چیتا اس کا پیچھا چھوڑ کر واپس چلا جاتا۔ یہاں کے درختوں اور گھاس تک کو کوئی نہیں کاٹتا تھا۔ کعبہ مقدسہ کی تعمیر سے اس شہر کو مزید شرف نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس خطہ پر یہ کرم فرمایا کہ اپنے محبوب صلی اللہ

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ

بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے عمدہ شکل و صورت کے اعتبار سے بہترین اعتدال پر ۲؎ پھر ہم نے لوٹا دیا اسے پست ترین

تعالیٰ علیہ وسلم کی جائے ولادت بنایا اور حضور نے نبوت کا اعلان بھی یہیں سے کیا جس کے باعث مکہ کی عظمت کو چار چاند لگ گئے۔ طور کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت کی وجہ سے عزت نصیب ہوئی۔ یہیں آپ کو تجلیِ ربانی اور شرفِ ہم کلامی سے مشرف کیا گیا۔ یہیں الواحِ تورات مرحمت ہوئیں۔ دمشق حضرت مسیح علیہ السلام کا مسکن و ماویٰ تھا اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز تھا اور بیت المقدس کو بے شمار انبیاء و رسل سے نسبت کا شرف حاصل ہوا۔ اسی لیے ان بابرکت مقامات کی قسمیں اٹھائی گئیں جہاں ایسے نفوسِ قدسیہ کی ولادت یا سکونت ہوئی جو انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام نبوت و رسالت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ان سے بڑھ کر انسان کی اور عظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

۲؎ یہ جواب قسم ہے۔ یقیناً ہم نے انسان کو شکل و صورت، قد و قامت، عقل و ذہانت اور قوتِ علمی و عملی کی بہترین صلاحیتوں سے متصف کر کے پیدا فرمایا ہے۔ ابن العربی لکھتے ہیں ولیس للہ تعالیٰ خلق احسن من الانسان فان اللہ خلقہ حیا عالما قادرا مریدا متکلما سمیعا بصیرا مدبرا حکیما (قرطبی) کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے زیادہ خوبصورت کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے ان عظیم صفات سے متصف فرمایا یعنی عالم، بااختیار، با ارادہ، متکلم، سننے والا، دیکھنے والا، مدبر اور حکیم۔

اگر انسان کو نظرِ غائر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ صوری اور معنوی حسن و کمال میں کوئی چیز بھی انسان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ گرانڈیل ہاتھی، جنگلی اژدہے اور بپھرے ہوئے درندے، ہوائی اور آبی مخلوقات سب کی سب انسان کے سامنے سرافگندہ ہیں اور اس کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتیں۔ گرانڈیل ہاتھی سے ایک ننھا بچہ جس طرح چاہتا ہے کام لیتا ہے۔ ایک سات سال کا بچہ اونٹوں کی ایک قطار کو مہار پکڑ کر جدھر چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ شہ زور تند و تیز گھوڑے پر جب انسان سوار ہوتا ہے تو وہ اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔ قوانینِ فطرت کی پوشیدہ قوتوں کو مسخر کر کے ان سے اپنی مرضی کے کام لے رہا ہے۔ عقل و فکر و نظر کی انتہا کو پہنچ کر آج اس نے چاند اور مریخ پر کمندیں ڈال دی ہیں۔ کائنات کی کوئی چیز اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس کے علم و عرفان کی رفعت کا یہ عالم ہے کہ نوری فرشتے بھی اس کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اس کی قامت راست اور اعضاء کی ساخت بھی بے نظیر ہے۔ ہر جانور اپنی خوراک کھانے کے لیے اپنا سر نیچے جھکاتا ہے لیکن انسان کو اس کے لیے سر جھکانا نہیں پڑتا بلکہ اس کے ہاتھ لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیتے ہیں۔ اس کے حسن کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے بے ساختہ فتبارک اللہ احسن الخالقین کا نعرہ بلند ہونے لگتا ہے۔ علامہ قرطبی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی کو اپنی بیوی کے ساتھ شدید محبت تھی۔ ایک دن اس نے اس سے کہا انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر۔ اگر تو چاند سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تو تجھے تین طلاق۔ اس نے جب اپنے خاوند کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو فوراً اٹھ کر اندر چلی گئی اور اس سے پردہ کر لیا اور کہا کہ تو نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ اب ہمارا ازدواجی تعلق منقطع ہو گیا۔ عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات بسر کی۔ صبح سویرے خلیفہ منصور کے پاس پہنچا اور اس واقعہ کی اطلاع دی اور بڑی گھبراہٹ اور ندامت کا اظہار کیا۔ خلیفہ نے فقہاء کو اپنے دربار میں بلایا اور ان سے فتویٰ پوچھا۔ جتنے فقہاء تھے سب نے کہا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے لیکن امام ابو حنیفہ کے شاگردوں سے ایک شخص خاموش بیٹھا رہا۔ منصور نے پوچھا آپ کیوں چپ

سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ

حالت کی طرف سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے نہ ختم ہونے

میں کہیں کوئی بات نہیں کرتے تو وہ شخص گویا ہوا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ اے امیر المومنین! اس ارشاد الٰہی کے مطابق انسان سب چیزوں سے زیادہ حسین ہے اور کوئی چیز اس سے زیادہ حسین نہیں ہے۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا کہ اس شخص نے جو کہا ہے درست کہا ہے تم اپنی بیوی کے ساتھ رہ سکتے ہو اور اس کی بیوی کو بھی کہلا بھیجا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اسے چاہیے کہ اپنے خاوند کے گھر آ جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان باطنی اور ظاہری صورت کے حال میں بناوٹ کی درستی میں اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے زیادہ حسین و جمیل ہے۔ فلاسفہ نے اسی وجہ سے انسان کو عالم اصغر کہا ہے۔

ف: لیکن جو انسان ان نعمتوں کی قدر نہیں کرتا اور اپنی [illegible] صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتا ہے جو عقل و فہم کے سامنے چراغ گل کر دیتا ہے اور صرف اپنے نفس کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے، اپنے خالق و رازق کی فرمانبرداری سے منہ موڑ لیتا ہے، اس کے رسول کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیتا ہے تو [illegible] اس جرم کی سزا اسے بڑی سخت دی جاتی ہے۔ وہ بے شعور اور بے عقل حیوانوں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ [illegible] کسی بھلے آدمی سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اپنے ہاتھوں سے گڑھا کھود کر وہ اپنی بچیوں کو زندہ اس میں دفن کر دیتا ہے۔ وہ اپنے سگے بھائی کا گلا کاٹتے ہوئے بھی نہیں شرماتا۔ محض اقتدار کے لیے وہ اپنی قوم اور وطن سے غداری کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ خود سوچیے وہ شخص جو اپنے قومی [illegible] ذخائر کو چند ٹکوں کے لالچ میں دشمن ممالک کو [illegible] ہے، [illegible] کی شاہراہوں، بازاروں اور [illegible] کی [illegible] جو عصمت کو [illegible] کرتا ہے [illegible] کیا وہ [illegible] جو [illegible] سے بدتر نہیں؟ ایسے شخص سے انسانیت کی خلعت فاخرہ [illegible] جاتی ہے۔ اس کے سر سے اشرف المخلوقات ہونے کا تاج اتار لیا جاتا ہے۔ معاشرے کی نگاہوں میں وہ حقیر و ذلیل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسانوں کے لیے دوزخ کے طبقات میں سے وہ طبقہ مخصوص کیا جائے گا جو پست ترین ہو گا۔

دیکھیے قرآن حکیم، انسانی حیثیت کو کس طرح نمایاں کرتا ہے، انسانی شرف کا واسطہ دے کر خوابیدہ انسانوں کو خواب غفلت سے کس طرح جھنجھوڑتا ہے، انسان کے احساس عظمت کو گرما کر گناہوں کی دلدل سے نکل آنے کی جو دعوت دیتا ہے اس کا اسلوب کتنا اثر آفریں ہے۔

غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٦﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ ﴿٧﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحٰكِمِينَ ﴿٨﴾

والا اجر ہے ۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں ۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم ۔

ف ۔ فرمایا جو لوگ اپنی انسانیت کی لاج رکھتے ہیں، اس کے دامن شرف پر کوئی داغ نہیں لگنے دیتے، اپنے خالق کے ذکر کی شمع روشن رکھتے ہیں، اس کے احکام کی بجا آوری میں سرگرم رہتے ہیں، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق انہیں رات دن بے چین رکھتا ہے، یعنی وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے کمالات سے موصوف ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ایسا اجر عطا فرمائے گا جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ جب تک وہ اس دنیا میں زندہ رہیں گے ان پر ان کے رب کی رحمت نازل ہوتی رہے گی۔ جب یہاں سے رخت سفر باندھیں گے تو انہیں ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کی نوید جانفزا سنائی جائے گی۔ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے تو لاخوف علیہم ولاهم یحزنون کی شان ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہی ہوگی اور جب فردوس بریں میں قدم رکھیں گے تو سلام قولا من رب رحیم سے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ انہوں نے تو کچھ مدت اپنے رب کی بندگی میں گزاری لیکن ان کا رب جن نعمتوں سے انہیں نوازے گا وہ پایاں ناپذیر ہوں گی۔

ف ۔ اس آیت کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں ان میں سے مجھے وہ مفہوم زیادہ پسند ہے جو علامہ قرطبی نے قتادہ اور فراء سے نقل کیا ہے۔ قال قتادة والفراء المعنی فمن یکذبک ایها الرسول بعد هذا البیان بالدین واختاره الطبری۔ یعنی قیامت کے برپا ہونے اور اس روز نیک و بد کو جزا و سزا دینے کا جو عقیدہ آپ نے پیش کیا ہے کون عقلمند اس کی تکذیب کر سکتا ہے۔ یہ کہنے کی جرأت کس میں ہے کہ جس شخص نے ساری عمر احکام الٰہی کی بجا آوری میں گزاری، جس نے اپنے آرام و آسائش کو بنی نوع انسان کے آرام و آسائش کے لیے وقف کر دیا، جس نے نور حق پھیلانے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں، اس کو اس کی عمر بھر کی مساعی کا کوئی اجر نہ ملے اور جو اپنے کرتوتوں کے باعث اسفل السافلین تک جا پہنچا اس کو کوئی سزا نہ ملے؟

ف ۔ اگر کسی چھوٹے سے خطہ کا کوئی حاکم ہو تو ہم اس سے عدل و انصاف کی توقع رکھتے ہیں۔ اگر وہ ظلم و ستم پر اتر آئے تو ہم اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اگر عدالت اجازت دے تو اس کا تاج و تخت بھی چھین لیتے ہیں۔ تو پھر بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے بڑا حاکم اور کون ہے، جس کی حکومت سے بڑی حکومت کس کی ہے، جس کی مملکت سے بچ نکلنا کہاں ممکن ہے، کیا ہم اس کے بارے میں یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ ظالم کو کچھ نہیں کہے گا اور مظلوم کی داد رسی نہیں کرے گا، ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم اس سورت کی تلاوت ختم کرو تو کہو بلیٰ وانا علیٰ ذٰلک من الشاهدین۔ ہمیں بھی اس کی تلاوت کے بعد یہ کلمات پڑھنے چاہئیں۔ [illegible]

فاطر السموٰت والارض انت ولی فی الدنیا والآخرة توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔ والصلوٰة والسلام علی رحمة للعالمین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

تعارف

سُورہ اِقرأ

نام: اس کو سورۃ "العلق" اور سورۃ "اقرأ" دونوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ "العلق" دوسری آیت میں مذکور ہے۔ اور "اقرأ" سے اس کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس میں ایک رکوع، انیس آیتیں، بانوے کلمے اور دو سو اسی حروف ہیں۔

نزول: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد جن میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کے اسماء سرفہرست ہیں اور بے شمار علمائے تفسیر کا یہ قول ہے کہ نزول قرآن کا آغاز اسی سورت کی پہلی پانچ آیتوں سے ہوا۔ بقیہ آیات بعد میں نازل ہوئیں۔

مضامین: جس طرح اُوپر بتایا گیا ہے یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلی پانچ آیتیں جبریل امین لے کر پہلی مرتبہ غار حرا میں تشریف لائے اور پہلی وحی آکر تعلیم کی جن کی تفصیل آپ آیات کی تشریح کے ضمن میں مطالعہ کریں گے۔

سورت کا دوسرا حصہ بعد میں اس وقت نازل ہوا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حرم شریف میں نماز پڑھنی شروع کی۔ حضور کا اندازِ عبادت اہلِ مکہ کے لیے بالکل انوکھا تھا۔ لوگ دیکھ کر حیران ہوتے اور گزر جاتے لیکن ابوجہل جو جہالت اور ضد میں اپنی مثال آپ تھا، وہ اس اندازِ عبادت کو دیکھ کر ضبط نہ کر سکا اور دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کی حماقت اور حرماں نصیبی پر ناراضگی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هِيَ تِسْعَ عَشْرَةَ اٰيَةً

سورۃ العلق مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں انیس آیات ہیں

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲

آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا ۱؎ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے ۲؎

۱؎ مفسرین کا تقریباً اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے پہلے یہی بعثت کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے صحیح روایت وہ ہے جس کی راویہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ جسے امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں روایت کیا ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حضرت ام المؤمنین کہتی ہیں کہ وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ جو خواب آپ رات کو دیکھتے دن کو اس کی تعبیر صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتی۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر حضور کے دل میں خلوت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ مکہ سے تین میل کی مسافت پر ایک غار ہے جسے غار حرا کہتے ہیں جس کی لمبائی چار گز اور چوڑائی پونے دو گز ہے۔ حضور اس غار میں تشریف لے جاتے۔ چند روز وہاں قیام فرماتے اور مشغول عبادت رہتے۔ پھر گھر لوٹ آتے اور کچھ وقت گھر بسر کرنے کے بعد کھانے پینے کی کچھ چیزیں ساتھ لے کر پھر انہی تنہائیوں میں آکر مصروف عبادت ہوجاتے۔ کافی مدت یہی دستور رہا۔ ایک رات آپ اسی غار میں مصروف ذکر و فکر تھے کہ جبرئیل امین آئے اور کہا اِقْرَاْ۔ آپ پڑھیے۔ حضور نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ جبرئیل نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے بھینچا جس سے آپ کو کافی تکلیف پہنچی۔ پھر جبرئیل نے کہا اقرأ آپ نے اب بھی وہی جواب دیا۔ جبرئیل نے دوسری بار پھر سینے سے لگا کر خوب بھینچا اور کہا اقرأ۔ حضور نے پھر بھی وہی جواب دیا۔ جبرئیل نے تیسری بار زور سے سینے سے لگا کر بھینچا اور کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک۔ حضور نے یہ پانچ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ اس اچانک واقعہ سے حضور پر خوف طاری ہوگیا۔ گھر لوٹے۔ دہشت سے دل کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہ کو فرمایا زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ انہوں نے کپڑا ڈال دیا۔ جب دہشت دور ہوگئی اور کچھ سکون ہوا تو آپ نے سارا ماجرا حضرت خدیجہ سے بیان کیا اور فرمایا مجھے تو اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ آپ کی وفا شعار رفیقۂ حیات نے تسلی دیتے ہوئے جواباً عرض کیا کہ ایسا اندیشہ آپ ہرگز نہ کریں بخدا آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ صلہ رحمی آپ کا شیوہ ہے۔ لوگوں کا بوجھ آپ برداشت کرتے ہیں۔ ناداروں کی امداد کرتے ہیں۔ مہمان کی خاطر تواضع آپ کا شعار ہے۔ مصیبت کے وقت لوگوں کی امداد کرنا آپ کا طریقہ ہے۔ پھر حضرت خدیجہ آپ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کا چچا زاد بھائی تھا اور زمانہ جاہلیت میں عیسائی مذہب اختیار کر چکا تھا۔ انجیل کو عبرانی زبان سے عربی زبان میں لکھا کرتا تھا۔ اب وہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا اور بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہ نے ورقہ سے کہا اے میرے چچا کے بیٹے! ذرا اپنے بھتیجے کی بات سنو۔ ورقہ نے کہا بتایئے آپ نے کیا دیکھا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ورقہ نے سن کر کہا کہ آپ پر وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) نازل ہوا ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا کرتا تھا۔ کاش! میں اس وقت طاقتور ہوتا۔ کاش! میں اس

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے ۳ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے ۴ اس نے سکھایا انسان کو

وقت زندہ ہوتا جس وقت آپ کی قوم آپ کو جلاوطن کرے گی۔ حضور نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے۔ ورقہ نے کہا بیشک جو بھی وہ چیز لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو اسے اذیت دی گئی۔ اگر اس وقت میں زندہ ہوا تو آپ کی بھرپور امداد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ جلد انتقال کر گئے۔

حکم ہو رہا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھنا شروع کیجئے۔ پہلی آیت میں رب، ربوبیت کی اضافت اس ضمیر کی طرف کی جس کا مرجع آپ ہیں۔ اس میں جو لطف ہے وہ اہل ذوق پر مخفی نہیں۔ نیز اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ بعثت سے پہلے بھی حضور کو اپنے رب کا عرفان حاصل تھا اسی لیے تو یہ کلمات استعمال ہوئے۔ اگر عرفان نصیب نہ ہوتا تو پہلے رب کی پہچان کرائی جاتی اس کے بعد اس کا نام لے کر پڑھنے کا حکم دیا جاتا۔ جو کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ یہاں خَلَقَ کا مفعول کل شیء محذوف ہے۔

۲ انسان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کا شاہکار ہے اس لیے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ انسان کی آفرینش کی ابتدا جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے کی گئی۔ ایک حقیر لوتھڑے سے اس سراپا کمال و جمال انسان کا پیدا کرنا اس کی شان کبریائی اور عظمت کی روشن دلیل ہے۔ نیز انسان کو بھی اس کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تاکہ وہ گھمنڈ اور غرور کا شکار ہو کر اپنے خالق کا انکار اور اس کے احکام سے سرتابی نہ شروع کر دے۔

۳ حضور نے جبرئیل کو تین بار جواب دیا کہ ما انا بقاری۔ آخر میں جبرئیل نے عرض کیا کہ اقرأ باسم ربك الذی خلق کہ آپ پڑھیے اور یہ فکر نہ کیجئے کہ میں جیسے پڑھنا نہیں جانتا کیونکر پڑھوں۔ یہ کوئی عذر نہیں۔ آپ خود تو نہیں پڑھ رہے آپ اپنے رب کا نام لے کر پڑھ رہے ہیں اور اس کی شان کریمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جب وہ پڑھنے کا حکم دے اور آپ اس کا نام لے کر پڑھنا شروع کریں تو پھر آپ کو علوم و معارف سے سیراب کر دینا اس کا کام ہے۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا۔ یاء اکرم ربک کی خبر ہے یا اس کی صفت۔ کریم کے بجائے اکرم فرمایا تاکہ مزید مبالغہ ہو۔ ای الذی لہ الکمال فی الکرم علی کل کریم حیث ینعم بلا عوض [illegible] یعنی اکرم کریم سے بھی زیادہ مبالغہ ہے اور اکرم اس کو کہتے ہیں جو بلا غرض انعام کرے اور اتنا دیتا ہے کہ کم و کیف کا شمار نہ ہو سکے۔

۴ اس کی شان کریمی کا ایک جلوہ یہ ہے کہ اس نے قلم کو تعلیم کا واسطہ بنا دیا۔ علم کی نشر و اشاعت میں قلم کا جو حصہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ قدیم زمانہ کے علماء و فضلاء کے علوم کو اگر قلم کے ذریعے صفحۂ قرطاس پر تحریر نہ کر دیا جاتا تو صدہا سال بعد آج ہم ان سے کیونکر استفادہ کر سکتے۔ اگر قلم کا واسطہ نہ ہوتا تو آج زمین کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے فضلاء کی تحقیقات اور نگارشات سے دور بسنے والے کیونکر مستفید ہو سکتے۔ یہ قلم ہی کی برکت ہے کہ علم کا کارواں آج ان دشوار گزار منزلوں پر خیمہ زن ہے اور مزید بلندیوں کو مسخر کرنے کا عزم لیے ہوئے ہے اور جب تک قلم کا فیض جاری رہے گا علوم و فنون میں ترقی اور اضافہ ہوتا رہے گا۔

وہ جس طرح قلم کے ذریعہ سے علوم و معارف کی دولت سے اپنے بندوں کو مالا مال کرتا ہے وہ جب چاہتا ہے تو قلم

مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ۝ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ ۝

جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ہاں ہاں! بےشک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰٓ ۝ أَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا

(اے غافل) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اس کو جو منع کرتا ہے۔ ایک بندے کو جب

کے سوا کوئی نہیں سکھا سکتا۔ اور جو قلم کے سہارے علم حاصل کرتا ہے اسے بھی وہی سکھاتا ہے۔ بغیر کسی واسطہ کے اس کا علم کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ کما علمہ سبحانہ القرآن بواسطۃ الکتابۃ بالقلم وعلمک ما لم تعلم۔

اسے انسان کو جو کچھ سکھایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہی سکھایا ہے۔ سارے علوم و فنون، اسرار و معارف، اکتشافات و ایجادات اس کے عطا کردہ ہیں۔ جتنا چاہتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو علم الاسماء اسی نے تعلیم کیا۔ انبیائے کرام کے سینوں کو رشد و ہدایت کے انوار سے اسی نے منور کیا۔ سابقہ آیت میں علم کا فعل ذکر کیا مفعول ذکر نہیں کیا۔ یہاں فعل اور مفعول دونوں ذکر کیے تاکہ اس کی قدرت کے کمال پر دلالت کریں۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والآیۃ مشعرۃ بانہ تعالیٰ یعلمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من العلوم ما لا یحیط بہ العقول ما لا یعلم۔ اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے علوم سکھائے گا جن کا احاطہ عقلیں نہیں کر سکتیں۔ (روح المعانی)

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: یحتمل ان یکون المراد بالانسان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔۔۔ فانہ سبحانہ علم نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بتلک الکلمات الثلاث علوم الاولین والآخرین۔ (مظہری) یعنی ممکن ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے ان تین جملوں سے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے علوم سکھا دیے۔

سے یہ آیات پہلی پانچ آیات کے نزول کے کافی دنوں بعد نازل ہوئیں۔ پہلے تو بتایا کہ فطرت انسانی کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ جب اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جاتی ہے اور ایک طاقتور جتھا اس کا طرفدار بن جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اپنے رب سے بھی مستغنی سمجھنے لگتا ہے گویا اس نے اپنے زور سے سب کچھ حاصل کر لیا۔ اب اسے اس کی امداد و اعانت کی کوئی ضرورت نہیں اور جب یہ کیفیت ہو جاتی ہے تو وہ سرکشی اختیار کر لیتا ہے۔ نعمت اللہ تعالیٰ کے کفران کی ابتدا ہوتی ہے اور وہ اس کے بھیجے ہوئے رسول کے ارشادات کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اس کے کان اس پر دھرے نہیں رہتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ ہفت کشور کا سلطان بھی بن جائے اگر دنیا بھر کی دولت بھی اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جائے تو پھر بھی وہ ایک بے بس انسان ہے۔ جب اس کی موت کا وقت آئے گا تو فرشتہ اجل اس کی گردن دبوچ کر لے جائے گا اور آخرکار اسے اپنے پروردگار کے دربار میں جوابدہی کے لیے پیش ہونا پڑے گا۔ اس وقت اس کو اپنی ناتوانی اور بے بسی کا احساس ہوگا۔

شے اس میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ابوجہل نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر میں

صَلّٰى ﴿١٠﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿١١﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾

نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھیے تو اگر وہ ہدایت پر ہو شہ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا)

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾

آپ نے دیکھا کیا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ

خبردار اگر وہ باز نہ آیا اپنی روش سے، تو ہم ضرور گھسیٹیں گے اس کو پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور)

نے پھر حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو بخدا وہ حضور کی گردن کو روند دے گا اور آپ کے منہ کو خاک آلود کر دے گا۔ لیطأن علی رقبته ولیعفرن وجهه۔ ایک دن اس نے حضور کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھا تاکہ اپنی قسم پوری کرے۔ جب بالکل نزدیک پہنچا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ پیچھے ہٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کسی چیز کو پرے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پوچھا کیا ہوا؟ کیوں پیچھے ہٹ آئے ہو؟ کہنے لگا جب میں نزدیک پہنچا تو مجھے ان کے درمیان اور اپنے درمیان ایک خندق دکھائی دی جو آگ سے بھری ہوئی ہے اور اس سے خوفناک شعلے اٹھ رہے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اگر وہ میرے نزدیک آنے کی جرأت کرتا تو فرشتے اس کا انگ انگ جدا کر دیتے۔ اسی وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

شہ اگر ابوجہل ہدایت قبول کر لیتا اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتا اور تقویٰ اختیار کرتا تو اس کے لیے کتنا اچھا ہوتا۔ اب جب اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ میرے نبی کریم کی تکذیب کی اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے روگردانی کی ہے تو کیا اب وہ عذاب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟ کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کے سب کرتوتوں کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور اس کا یہ طریقہ جس کا یہ مرتکب ہے اس کے ناہنجاروں کو شدید عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

ان آیات کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے۔

یہاں أَرَأَيْتَ کا کلمہ تین مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ دوسرے أَرَأَيْتَ میں ضمیر خطاب کا مرجع ابوجہل ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے ابوجہل تو جس بندے کو نماز سے منع کرتا ہے اگر وہ ہدایت پر ہو اور لوگوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دے رہا ہو تو پھر تیرا کیا انجام ہوگا؟ وہ ہدایت یافتہ انسان جو تقویٰ کا درس دینے میں کوشاں ہو اس کو ایسے نیک کام سے منع کرنے والا کیا غضب الٰہی سے بچ سکتا ہے؟

خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ

خطا کار ہے۔ پس وہ بلالے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے)، ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔ ہاں مسلمان!

لہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک روز مقام ابراہیم پر نماز ادا کر رہے تھے کہ ابوجہل کا وہاں سے گزر ہوا اور گستاخانہ لہجے میں کہنے لگا کیا میں نے تمہیں نماز پڑھنے سے روکا نہیں۔ تم پھر وہی کام کر رہے ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بڑا کڑوا جواب دیا۔ ابوجہل بولا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو مجھے کیونکر دھمکی دے سکتا ہے۔ اعوان و انصار کی اتنی جمعیت میرے پاس ہے جن کی ساری وادی میں، اور کسی رئیس کے پاس نہیں۔ ایک آواز دوں تو ساری وادی میں تل دھرنے کے لیے بھی جگہ نہ رہے۔ اس وقت جبرئیل یہ آیات لے کر نازل ہوئے جن میں بتایا گیا کہ اگر یہ باز نہ آیا اپنی گستاخیوں سے اور تو ہم اس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر زمین پر گھسیٹیں گے۔ اس پیشانی لوگوں کی نظروں میں تو کسی ایک رئیس کی پیشانی ہے جو قریش کے ایک نامور سردار کی پیشانی ہے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک ایسے شخص کی پیشانی ہے جو جھوٹا ہے، جو خطا کار ہے۔ ایسے شخص کی پیشانی اس قابل ہے کہ اسے مٹی میں ترب کر رگڑا جائے اور اسے خاک مذلت پر گھسیٹا جائے۔ اگر وہ اپنے ہم نشینوں، دوستوں اور مددگاروں کو بلائے گا تو ہم جہنم کے فرشتوں کو حکم دیں گے کہ اس نابکار کی اور اس کے اعوان و انصار کی گوشمالی کر دیں۔

زبانیۃ : ملائکۃ العذاب ، ہو فی الاصل الشرط ، ای اعوان الولاۃ وہی ملائکۃ العذاب ، سموا بذلک لدفعہم زبانیہ : عذاب کے فرشتوں کو کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنی پولیس ہے جو افسروں کی اعانت پر مقرر ہوتی ہیں۔ ملائکہ عذاب کو زبانیہ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ مجرموں کو دھکے دے کر جہنم میں پھینکیں گے۔

ان آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں ان کی تشریح بھی سن لیجیے:

لَنَسْفَعًا : اصل میں لَنَسْفَعَنْ ہے جو مضارع جمع متکلم کے آخر میں نون تاکید خفیفہ ہے۔ لیکن قرآن کے رسم الخط کا اتباع کرتے ہوئے اسے لَنَسْفَعًا کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ یہ سفع سے ماخوذ ہے۔ قال المبرد: السفع الجذب بشدۃ۔ کسی چیز کو زور کے ساتھ کھینچنا۔ وقیل السفع الضرب، ای لنلطمنہ۔ وقیل ہو ماخوذ من سفعتہ النار والشمس اذا غیرت وجہہ الی حال تسوید۔ آگ اور دھوپ کی وجہ سے جب کسی کے چہرے کی رنگت سیاہی مائل ہو جائے۔

ناصیۃ : شعر مقدم الراس پیشانی پر جو بال ہوتے ہیں انہیں ناصیہ کہتے ہیں۔ یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر اس کے منہ پر تھپیڑ رسید کریں گے اور اسے گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیں گے۔ ناصیہ کا معنی تو پیشانی کے بال ہے لیکن اس سے مراد پورا شخص ہی ہوتا ہے۔ اسی صورت میں کاذبۃ خاطئۃ کا معنی یہ ہو گا کہ یہ بد نہاد سراسر جھوٹا اور خطا کار ہے۔

نادیہ : اہل مجلسہ وعشیرتہ ، انسان کے ہم نشینوں اور اس کے قبیلہ والوں کو نادی کہتے ہیں۔

زبانیۃ : یہ جمع ہے اس کے واحد کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ کسائی کا قول ہے کہ اس کا واحد زبنی ہے۔ اخفش کی رائے ہے کہ اس کا واحد زابن ہے۔ ابوعبیدہ کہتے ہیں زبنیۃ ہے۔ بعض نے زبانی بتایا ہے۔ بعض علمائے لغت کے نزدیک یہ اسم جمع ہے

كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۩ ﴿۱۹﴾

اس کی ایک نہ سنیے۔ بلکہ (اے حبیب!) سجدہ کیجیے اور (ہم سے) قریب تر ہو جائیے۱۰

لمبا لیل اور عبا نبید۔ جن کی گرفت بہت سخت ہو اہل عرب انہیں زبانیہ کہتے ہیں۔ قال الشاعر:

مطاعیم فی المقصوی مطاعین فی الوغیٰ زبانیۃ غلب عظام حلومها

ترجمہ: وہ لوگوں کو خوب کھانا کھلانے والے ہیں اور جنگ میں ان کی نیزہ زنی بہت سخت ہے ان کی گرفت بہت شدید ہے ان کی گردنیں موٹی ہیں اور ان کی عقلیں بہت بڑی ہیں۔ آیت میں زبانیہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اپنی جسامت کے لحاظ سے بڑے گرانڈیل اور طاقت کے اعتبار سے بڑے سخت اور کرخت ہیں۔

ـــــہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہیں کہ اس بدبخت بدکار کی بات مت مانیے۔ یہ اگر نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے تو اس کی پروا نہ کیجیے آپ اپنے پروردگار کی جناب میں ہمیشہ سجدے کرتے رہیے اور کثرت سجود سے اس کا قرب حاصل کرتے رہیے۔

حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ مجھے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے نصیحت فرمائی۔ علیک بکثرۃ السجود فانک لا تسجد للہ تعالیٰ سجدۃ الا رفعک اللہ بہا درجۃ وحط عنک بہا خطیئۃ۔

اے ثوبان! کثرت سے سجدہ کیا کرو کیونکہ جب تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ہر سجدے کے ساتھ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیری ایک خطا معاف کرے گا۔

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد کہ بندہ اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم جب یہ آیت پڑھتے تو سجدۂ تلاوت ادا فرماتے۔

○

اللھم وفقنا ان نسجد لک ونقترب الیک یا ارحم الراحمین وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔

○

تعارف

سورۃ القدر

نام: اس کا نام القدر ہے۔ اس میں ایک رکوع اور پانچ آیتیں، تیس کلمے اور ایک سو بارہ حروف ہیں۔

نزول: علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین رقمطراز ہیں کہ سورت کے نزول کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں۔ ابوحیان اندلسی اپنی تفسیر بحر محیط میں لکھتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ علامہ واحدی کا قول ہے، یہ مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی لیکن اکثر علماء تفسیر کا یہی قول ہے کہ یہ مکی ہے۔ پہلے قول کی تائید میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں وہ سند کے اعتبار سے قابل اعتبار نہیں نیز سورت کا مضمون بھی دوسرے قول کی تائید کرتا ہے۔ اس سے پہلی سورت میں نزول قرآن کا ذکر تھا اس سورت میں اس رات کی قدر و منزلت بیان کی گئی ہے جسے یہ اعزاز نصیب ہوا۔

مضمون: قدر کا معنی تقدیر اور قسمت بھی ہے اور عزت و منزلت بھی۔ یہاں دونوں معنے لیے جا سکتے ہیں۔ بتایا کہ یہ معمولی رات نہیں بلکہ وہ رات ہے جس میں اللہ کے اس کلام معجز نظام کے نزول کی ابتدا ہوئی جو قسمت اور تقدیر کو بدلنے والا ہے کسی ایک شخص یا قبیلے یا ملک کی نہیں بلکہ نوع انسانی کے ان تمام افراد کی جو اس کو قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیتے ہیں۔ پھر اس میں کسی زمانہ کی تخصیص بھی نہیں۔ جس طرح اس رسول کی رسالت تمام زمانوں سے ورا ہے۔ اسی طرح اس کا لایا ہوا کلام بھی ان زمانی حدود سے ناآشنا ہے۔ یا اس سے اس رات کی قدر و منزلت بیان فرمائی جا رہی ہے جس رات کی تاریکیوں میں یہ صحیفہ رشد و ہدایت نازل ہوا اور اس ذات اقدس و اطہر کو منصب نبوت پر فائز کیا گیا۔ بتا دیا کہ اس رات کی خیرات و برکات ہزار ماہ کی عبادت سے برتر ہیں۔ ساری رات فرشتوں کی آمد اور رحمتوں کے نزول کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور سلامتی کی بشارتیں دی جاتی رہتی ہیں۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۰-۴-۷۷

سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — هِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورۃ القدر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں پانچ آیتیں ہیں

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝١ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝٢ لَيْلَةُ

بیشک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں [1] اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب

الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝٣ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا

قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے [2] اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں [3]

[1] اگرچہ یہاں قرآن مجید کا صراحۃً ذکر نہیں لیکن انزلنا کی ضمیر منصوب کا مرجع بالاتفاق قرآن مجید ہی ہے۔ فرمایا قرآن کسی فرشتہ یا کسی انسان کا کلام نہیں ہے، نہ اس میں سے کسی ایک سطر یا جملہ کی تصنیف ہے۔ اس کو اتارنے والے ہم ہیں، یہ ہمارا کلام ہے۔ اس میں کسی غیر کے اختراع کا کوئی دخل نہیں۔ اور ہم نے اس کو اس رات میں اتارا ہے جو قدر و منزلت کے اعتبار سے بے مثل رات ہے۔ … تقدیر ساز ہے جس کی برکت سے … نہیں ہوا بلکہ ساری انسانیت کا بخت خفتہ بیدار ہو گیا۔ اس رات میں ایسی کتاب نازل ہوئی جس نے … انسان کو … اور اپنے خالق کا عرفان عطا فرمایا۔

امام زہری فرماتے ہیں … سمیت بہا العظمۃ والشرف۔ ۔ ۔ ۔ … عنہ اللہ (مظہری)، علامہ قرطبی نے اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے قیل سمیت بذالک لانہ انزل فیہا کتابا ذا قدر علی رسول ذی قدر علی امۃ ذات قدر یعنی اسے شب قدر اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک بڑی قدر و منزلت والی کتاب بڑی قدر و منزلت والے رسول پر اور بڑی قدر و منزلت والی امت کے لیے نازل فرمائی۔ اس کی شان نزول یہ بیان کی گئی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کی عمروں کو مختصر پایا اور خیال ہوا کہ وہ مختصر عمر پانے کے باعث … نہیں کر سکیں گے جو پہلی امتوں نے اپنی طویل عمروں میں کیے ہیں۔ فاعطاہ اللہ لیلۃ القدر خیر من الف شہر (مظہری) تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔

[2] جو تحفہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مرحمت فرمایا اب اس کی جلالت شان کا بیان ہو رہا ہے۔ … کیا تم … جانتے ہو لیلۃ القدر کیا ہے … ایک رات ایک ہزار ماہ سے بھی افضل ہے۔ یہ برتری اور افضلیت کس اعتبار سے ہے؟ اکثر مفسرین کا یہ قول ہے العمل فیہا خیر من العمل فی الف شہر لیس فیہا لیلۃ القدر کہ اس ایک رات میں جو عمل کیا جاتا ہے وہ ایک ہزار ماہ کے عمل سے بہتر ہے جس میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ علامہ قرطبی نے … ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ … لیلۃ … اس رات میں … ایک ہزار مہینے … اور … انسان کی … کے لیے … اس ایک رات میں … ہزار مہینوں … سے بھی بہتر

اور افضل ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ رات کس مہینہ کی ہے اور کس تاریخ کو آتی ہے؟ مہینہ کا فیصلہ تو خود قرآن کریم نے کر دیا کہ قرآن کا نزول رمضان میں ہوا۔ ثابت ہو گیا کہ یہ رات ماہ رمضان ہی کی کوئی رات ہے۔ تاریخ کے تعین کے بارے میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ چالیس کے قریب اقوال مذکور ہیں۔ لیکن صحیح حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ تحروا لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر من رمضان۔ کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں رات لیلۃ القدر ہے۔ حضرت ابی بن کعب تو اس پر قسم بھی کھایا کرتے تھے۔

اس کو متعین نہ فرمانے میں بھی کئی حکمتیں ہیں تاکہ مسلمان اس رات کی تلاش میں زیادہ شب بیداری کریں اور کم از کم پانچ طاق راتیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور عبادت میں گزاریں۔ اگر رات متعین کر دی جاتی تو لوگ صرف اس رات کو ہی جاگتے اور عبادت کرتے۔ نیز اس رات کو اگر مقرر کر دیا جاتا تو جو اس رات ذکر و عبادت میں گزارتے وہ تو رحمت کے مستحق قرار پاتے لیکن جو گناہوں میں صرف کرنے والے ہیں سنگین سزاؤں میں مبتلا کیے جاتے کیونکہ انہوں نے شب قدر کو پہچانتے ہوئے اسے خدا کی نافرمانی میں ضائع کیا۔ اس لیے رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ اسے مستور رکھا جائے تاکہ اگر کوئی بدنصیب بےخبری میں اس رات کو گناہوں کی بھینٹ چڑھا دیتا ہے تو اسے گناہ ایک عام رات کا ملے اور جاگنے والے زیادہ راتیں جاگتے رہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جو رات اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں بسر ہوتی ہے اہل عشق کے لیے وہی لیلۃ القدر ہے۔ عاشق ربانی عرفان خان قدس سرہ کا یہ شعر کتنا پیارا ہے :

وکل اللیالی لیلۃ القدر ان دنت　　کما کل ایام اللقاء یوم جمعۃ

ترجمہ: اگر محبوب کا قرب نصیب ہو جائے تو ساری راتیں لیلۃ القدر ہیں جس طرح اس کی ملاقات کا ہر دن جمعہ کا مبارک دن ہے۔

۳۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا کانت لیلۃ القدر نزل جبرئیل فی کبکبۃ من الملائکۃ یصلون علی کل عبد قائم او قاعد یذکر اللہ عزوجل۔ یعنی لیلۃ القدر کو جبرئیل فرشتوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں اور ملائکہ کا یہ گروہ ہر اس بندے کے لیے دعائے مغفرت اور التجائے رحمت کرتا ہے جو کھڑے ہوئے یا بیٹھے ہوئے اللہ عزوجل کے ذکر میں مشغول ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان سے مصافحہ بھی کرتے ہیں۔

کتنا خوش نصیب اور بلند اقبال ہے وہ بندہ جو اس رات کو اپنے پروردگار کی یاد میں بسر کرتا ہے۔ جبرئیل اور فرشتے اس کے ساتھ مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کرنے کے لیے آسمان سے اتر کر اس کے پاس آتے ہیں اور اس کی مغفرت و بخشش کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔

حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف کے آخری عشرہ کے لیے خصوصی اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل العشر شد مئزرہ واحیا لیلہ وایقظ اہلہ۔ (متفق علیہ) یعنی رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب یہ آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ تہبند کس کر باندھ لیتے۔ راتوں کو ذکر الٰہی سے زندہ کرتے اور اپنے اہل و عیال کو بھی عبادت

بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

اپنے رب کے حکم سے ۳ ہر امر (خیر) کے لیے ۴ یہ سراسر امن و سلامتی ہے۔ یہ رہتی ہے طلوع فجر تک ۵

کے لیے جھکتے تھے۔

حضرت عائشہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جتنا مجاہدہ اس آخری عشرہ میں فرماتے کسی دوسرے وقت میں ایسا مجاہدہ نہ کرتے۔

اس آخری عشرہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف بھی بیٹھا کرتے تھے اور یہ معمول آخر تک جاری رہا اور اپنے غلاموں کو بھی اعتکاف بیٹھنے کی ترغیب دلاتے۔ حضور کے وصال کے بعد امہات المومنین بھی اپنے آقا کی اس سنت پر پابندی سے عمل کیا کرتیں۔

۳ آیت میں الروح سے مراد جبرئیل امین ہے۔ ان کی جلالت شان کے پیش نظر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ الروح فرشتوں کی ایک صنف ہے جو عام فرشتوں سے زیادہ لطیف ہے۔ جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے عام فرشتے اس صنف کو اس کی حد درجہ لطافت کے باعث نہیں دیکھ سکتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ الروح کا معنی رحمت ہے۔ یعنی فرشتوں کا وہ گروہ جو جبرئیل کی قیادت میں اس رات زمین پر اترتا ہے اپنے ساتھ رحمت خداوندی کے بے اندازہ خزانے لے کر آتا ہے۔

۴ یعنی فرشتوں کا یہ نزول اور بے مقصد نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور اس کے مشارق و مغارب کا چکر لگاؤ جہاں کہیں میرے محبوب کا کوئی امتی میری یاد کی شمع روشن کر کے بیٹھا ہے اس کے پاس پہنچو اور اس کو ہماری طرف سے نوید رحمت سناؤ اس سے مصافحہ کرو اور اس کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگو۔ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کے محبوب کی اور اس کے طفیل کیا شان ہے اس کے غلاموں کی۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اس مقام پر لکھتے ہیں: "بعض فرود می آیند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام علیین دراں شب برائے ملاقات اہل کمال و اقتباس انوار اعمال بنی آدم و تلذذ بادراک کیفیات کہ در نفوس ایشاں بہ نسبت محبوب و معبود حاصل شدہ است۔"

ترجمہ: یعنی آسمان سے اس رات فرشتے اترتے ہیں اور علیین سے روحیں نازل ہوتی ہیں تاکہ اہل کمال انسانوں کے ساتھ ملاقات کریں اور ان کے اعمال کے انوار سے روشنی حاصل کریں اور اپنے محبوب اور معبود کی محبت کا جو جذبہ ان کے سینوں میں جوش مار رہا ہے اس کی لذت سے بہرہ ور ہوں۔

۵ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کل امر سے مراد تمام امور ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک سال تک فیصلہ کر دیا ہے۔

۶ یعنی یہ رات امن و سلامتی کی رات ہے۔ نفس و شیطان کی وسوسہ اندازیاں عابدوں کو پریشان نہیں کرتیں بلکہ جمعیت خاطر کے ساتھ وہ اپنے رب سے لو لگائے رہتے ہیں اور اس کے ذکر سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں اور یہ روح پرور اور ایمان افروز کیفیت رات بھر صبح کے طلوع ہونے تک جاری رہتی ہے۔ بعض علماء نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ "ملائکہ و ارواح دراں شب بر ہر مومن سلام می گویند و با اہل کمال مصافحہ می نمایند پس ایں آیت بیان کیفیت ملاقات و مصاحبت بعد از بیان نزول است۔"

یعنی فرشتوں کے زمین پر اترنے کے بیان کے بعد اب ان کی ملاقات کی کیفیت ذکر کی جا رہی ہے کہ وہ اس رات کو تمام اہل ایمان کو سلام پیش کرتے ہیں اور اہل کمال سے مصافحہ کرتے ہیں۔ (عزیزی)

اس رات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ بڑی سرگرمی سے اس رات کی تلاش کرے۔ غفلت اور کاہلی سے کام نہ لے۔ ذوق و شوق سے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں کو بیدار رہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے گزارے۔ جب دعا مانگے تو ایسی جامع دعا مانگے کہ پھر کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ لیلۃ القدر نصیب ہو تو کیا دعا مانگوں؟ حضور نے فرمایا یوں دعا کرو۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ

اے اللہ تعالیٰ تو بہت درگزر فرمانے والا ہے اور درگزر کو پسند کرتا ہے میرے گناہوں سے بھی درگزر فرما دے۔

اس رات کے بارے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رہے۔

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

یعنی جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور حصول ثواب کے لیے قیام کرتا ہے اس کے پچھلے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

واعف عنا واغفر لنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين

اللهم صل وسلم وبارك على خاتم الانبياء وسيد المرسلين شفيع المذنبين

رحمة للعالمين وعلى آله واصحابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين

تعارف

سُورَةُ البَيِّنَة

نام : اس کا نام سورۃ "البیّنۃ" اور سورت "لم یکن" بھی بتائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چورانوے کلمے اور تین سو ننانوے حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ علامہ ابوحیان اندلسی کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے۔ ان کے برعکس ابن الزبیر، عطاء، ابن یسار اور ابن عطیہ کی رائے ہے کہ یہ مدنی ہے۔ اسی کو ہی جمہور کا قول کہا گیا ہے۔ ایک صحیح روایت سے اس دوسرے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ امام احمد، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی حبۃ البدری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو جبرائیل نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ابی ابن کعب کو پڑھ کر سنائیں۔ حضور نے ابی کو جب یہ بات بتائی تو انہوں نے بڑی حیرت سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اس بندے کو وہاں بھی یاد فرمایا جاتا ہے؟ حضور نے فرمایا: بے شک۔ ابی اپنی یہ عزت افزائی دیکھ کر رو پڑے۔ علامہ آلوسی یہ روایت لکھنے کے بعد فرماتے ہیں "ھذا ھو الاصح" یعنی زیادہ صحیح یہ ہے۔ مشرکین کے ساتھ اہل کتاب کا ذکر بھی اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

مضامین : سورۃ "العلق" میں نزول کتاب، "القدر" میں اس رات کی قدر و منزلت اور اس سورت میں رسالت کی ضرورت کو بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مشرک اور اہل کتاب اس وقت تک اپنے باطل عقائد سے دستبردار نہیں ہوں گے جب تک ایسا رسول تشریف نہ لے آئے جس کی ذات اور جس کا کردار اس کی دعوت کی صداقت کی روشن دلیل ہو۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب کا راہ حق سے انحراف اس وجہ سے نہ تھا کہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ نہیں آیا تھا یا ان کی طرف کوئی رسول مبعوث نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ یہ لوگ محض ذاتی اغراض اور شخصی مفادوں کی وجہ سے حق کو چھوڑ گئے۔

پھر اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ سب نبی اور رسول ایک ہی دین کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیے جاتے رہے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پورے خلوص اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز کی اقامت اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم رہو۔ جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہ کیا اور اس پر عمل کرنے سے گریزاں رہے وہ بدترین خلائق ہیں لیکن جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا اور خلوص سے اس کی ہدایات پر عمل پیرا رہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ و ارفع ہیں۔ جنت کی جاوداں بہاروں میں انہیں بطور مہمانِ گرامی بسایا جا رہا ہے کیونکہ وہ اپنے رب سے ڈرتے رہے۔ جس طرح انہوں نے زندگی گزاری اس کے عوض انہیں اس منصب پر فائز کیا جائے گا جہاں خداوند ذوالجلال ان سے اور وہ اپنے خداوند کریم سے راضی ہوں گے۔

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانِيْ اٰيَاتٍ

سورۃ البینہ مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں آٹھ آیات ہیں

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ

جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے)

مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا

الگ ہونے والے نہ تھے یہاں تک کہ آتی ان کے پاس روشن دلیل ۱؎ یعنی ایک رسول اللہ کی طرف سے جو پڑھ کر سنائے

۱؎ رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کے باشندے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے ایک گروہ وہ تھا جو سرے سے کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ ان کے پاس کوئی آسمانی صحیفہ تھا۔ ان میں سے کوئی بتوں کی پوجا میں مگن تھا کوئی کواکب کی عبادت میں کھویا ہوا اور کوئی آگ کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا۔ ان کے عقائد میں شدید اختلافات کے باوجود شرک قدر مشترک تھا۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کسی نبی کے امتی ہونے کے دعویدار تھے۔ ان کے پاس کوئی نہ کوئی آسمانی کتاب بھی تھی لیکن مرور زمانہ سے وہ یکسر گمراہیوں میں پھنس چکے تھے۔ ان کے آسمانی صحیفے تحریف کی نذر ہو چکے تھے۔ ان کے اعمال و عقائد میں واضح بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ انبیاء کی تعلیمات سے انہوں نے منہ موڑ لیا تھا اور خود ساختہ نظریات کو اپنا دین بنا لیا تھا۔ ان کا بگاڑ اس حد تک پہنچ چکا تھا کہ کوئی حضرت عزیر کو فرزند خداوندی کہتا اور کوئی مسیح کو خدا کا بیٹا یقین کرتا تھا۔ اگرچہ شرک میں یہ لوگ بھی دیگر مشرکین سے پیچھے نہ تھے لیکن قرآن کریم نے ان دو گروہوں کو ہمیشہ الگ الگ ناموں سے یاد کیا ہے۔ پہلے گروہ کو مشرک کہا گیا اور دوسرے گروہ کو اہل کتاب۔ اس لیے کہ دوسرا گروہ دعویٰ تو یہی کرتا تھا کہ آپ کو ایک ایسے دین کا پیروکار کہلاتا ہے جو بنیادی طور پر دین توحید ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے انہیں مشرکین کے لفظ سے یاد نہیں کیا۔ شرعی احکام میں بھی اس فرق کو ملحوظ رکھا گیا۔ مشرکین کا ذبیحہ بھی حرام اور ان کی عورتوں کے ساتھ شادی بھی قطعاً ممنوع۔ اس کے برعکس اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی بھی اجازت ہے اور ان کا ذبیحہ بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں اور شریعت کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ذبح کریں۔

اس آیت میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں کفر و شرک اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اب دوسرے درجہ کی کوشش انہیں اس دلدل سے نہیں نکال سکتی۔ کوئی عالم، کوئی زاہد، کوئی مصلح اب ان کو راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ جن تاریکیوں نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے کوئی معمولی روشنی اس محاصرہ کو نہیں توڑ سکتی۔ ان کی ہدایت کے لیے تو کسی ایسی قوی اور تابندہ دلیل کی ضرورت ہے جس کی کرنیں تاریکیوں کا سینہ چاک کر کے رکھ دیں۔ شکوک و شبہات کے غبار کو یکسر نابود کر دیں۔ طلوع آفتاب سے جس طرح زمین کا گوشہ گوشہ چمک اٹھتا ہے، ہدایت کا کوئی ایسا آفتاب طلوع ہو جو ان کے قلب و اذہان کے گوشے گوشے کو منور کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

مُنْفَكِّيْنَ: الانفكاك سے ہے یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے الگ ہو جانا، جدا ہو جانا۔ البینۃ: روشن دلیل جو حق کو واضح کر دے۔

صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿٢﴾ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿٣﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا

پاک صحیفے ۲ جن میں لکھی ہوئی ہیں درست (باتیں) ۳ اور نہیں متفرق ہوئے اہل

الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿٤﴾ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا

کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل ۴ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر

۲ اس دوسری آیت میں بتا دیا کہ وہ البینۃ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر فائز کر کے گمراہوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا۔ جیسے قال الزجاج رسول رفع علی البدل من البینۃ (قرطبی)۔ یعنی رسول مرفوع ہے کیونکہ یہ البینۃ کا بدل ہے۔

یہ رسول روشنی اور ہدایت کا منبع ہے جس کی تابندہ شعاعوں سے عالم انسانیت کے نشیب و فراز جگمگا رہے ہیں۔ کیوں نہیں جبکہ وہ ایسی کتاب کی تلاوت فرماتا ہے جو ہر قسم کے نقص اور عیب سے پاک ہے۔ دوسری مذہبی کتابوں کی طرح اس میں تحریف و تصنیف سے گھڑی ہوئی کوئی بات نہیں۔ عقل سلیم کا منہ چڑانے والی کوئی حکایت نہیں۔ اخلاق فاضلہ کی طرف بلانے والی کوئی دعوت نہیں ہے جس سے وہ پاک ہے، ہر نقص سے وہ منزہ ہے۔

۳ اس کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صحف الٰہیہ کے احکام و ہدایات ہیں جو سراسر حق اور درست ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ آیت میں کتب سے مراد احکام ہیں۔ ای الکتب ھنا بمعنی الاحکام (قرطبی) وقیمۃ ای مستقیمۃ مستویۃ محکمۃ (قرطبی) یعنی راست، درست اور مستحکم۔ حضور کی ذات اقدس بجائے خود انسانی کمالات کی معجزہ تھی۔ حضور کے اخلاق، سیرت اور اعمال ہر گوشہ سے اس قدر پاک تھے کہ قریب سے دیکھنے سے حضور کی صداقت کا یقین دل میں پیدا ہو جاتا تھا۔ نیز جو کتاب مقدس آپ پڑھ کر سنایا کرتے اس کا ہر جملہ سراپا اعجاز تھا۔ نظام حیات اس کتاب نے انسانیت کو بخشا وہ اپنی افادیت، اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ جب ہدایت کے یہ سب سامان بہم ہو جائیں تو پھر ہدایت پذیری میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں ہونی چاہیے کہ کوئی انسان اس کی بابرکت سرچشمہ فیض سے سیراب ہونے سے محروم رہ جائے۔

۴ یہ وہ اصلاح ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر ہے۔ حضور کی بعثت سے پہلے اپنے دین کا ٹھیکیدار یقین کرتا تھا۔ باقی تمام فرقے اس کے نزدیک گمراہ اور بے راہ رو تھے۔ وہ ان سے نفرت کرتے اور دوزخ کا ایندھن سمجھتے تھے۔ مذہبی جنگ و جدال کا سلسلہ جاری تھا جس کو مرتب فساد دوسروں پر قابو پا کر گھٹنوں کے بل گرا دینا ان کے نزدیک دین کی خدمت تھی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تفرقہ بازیاں اور تشتت و افتراق جہالت اور بے علمی کا نتیجہ نہیں بلکہ ان لوگوں نے اس وقت تفرقہ بازی کی آگ بھڑکائی جب حق کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا گیا تھا۔ دلائل و براہین نے حق و باطل کو جدا جدا کر دیا تھا۔ محض اپنے ذاتی مفادات اور جھوٹی انا کی قربانی گوارا نہ کرنے والوں نے اس اتحاد و یکجہتی کی نعمت کو ٹھکرا دیا۔ بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ یہاں بھی البینۃ سے مراد حضور کی ذات بابرکات ہے۔ حضور کی تشریف آوری سے

لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز

وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ ف۲ اور یہی نہایت سچا دین ہے ف۳ بے شک جنہوں نے کفر کیا

پہلے تمام اہل کتاب حضور کے لیے چشم براہ تھے۔ بڑی بے چینی سے انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ جب کفار کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے تھے تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا وسیلہ پکڑ کر دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ ہادی برحق تشریف لے آیا تو ان کے تیور بدل گئے۔ حسد و عناد کے شعلے بھڑک اٹھے اور حضور پر ایمان لانے سے صاف جواب دے دیا۔ انکار کر دیا۔ اپنی آسمانی کتب میں آخر الزمان نبی کی بیان کردہ نشانیاں حضور میں مشاہدہ کر لینے کے باوجود حضور کو جھٹلانے پر کمر بستہ ہو گئے۔ وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ (البقرہ ۸۹) (مظہری، قرطبی وغیرہما) اہل کتاب حضور کے وسیلے سے کفار پر فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئے تو انہوں نے پہچان کر حضور کے ساتھ کفر کرنا شروع کر دیا۔

ف۲ وہ قومیں جو آج گمراہی اور شرک میں مبتلا ہیں ان میں سے کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس کو اس کے نبی یا رسول نے اللہ تعالیٰ کی آرمیدہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہو اور غیر اللہ کی عبادت کو حلال ٹھہرایا ہو۔ ان انبیاء نے انہیں یہی تلقین کی کہ اپنے عقائد کو شرک و کفر کی ہر آلائش سے پاک صاف رکھیں۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے عقیدے پر پختہ طور سے جم جائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس عقیدہ توحید کی انہیں دعوت دی ہے یہ کوئی نئی دعوت نہیں۔ پہلے انبیاء و رسل نے بھی انہیں اسی امر کی دعوت دی تھی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی تاکید فرمائی۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر جو شخص صرف حق کی طرف متوجہ ہو جائے اسے حنیف کہتے ہیں۔ حنفاء اسی کی جمع ہے یعنی انہیں یہی بتایا گیا کہ ان کے گرد و پیش باطل اپنی مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ ہر باطل سے منہ موڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ حق کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ عقیدے کی اصلاح کے ساتھ ساتھ انہیں عبادات، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کا بھی بار بار حکم دیا گیا۔ دانائی اور راست بازی کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ حضور کی دعوت کو قبول کر لیں اور اس ہادی برحق کے نقش پا کو اپنا خضر راہ بنالیں۔

ف۳ یہی دین سچا اور صحیح دین ہو سکتا ہے جس میں اصلاح عقائد اور اصلاح اعمال کا جامع نظام موجود ہو۔ اسلام کے علاوہ کہیں بھی انہیں عقائد و اعمال کا ایسا حسین امتزاج نظر نہیں آئے گا۔ القیمۃ کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ القیمۃ صفت ہے۔ اس کا موصوف الملۃ مقدر ہے۔ عبارت یوں ہے ذلک دین الملۃ القیمۃ۔ یعنی ایک راست رو ملت کا دین ہے۔ دوسرا قول یہ ہے جو زیادہ واضح اور پسندیدہ ہے القیمۃ کے آخر میں تا تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے جیسے علامۃ۔ اور دین جو موصوف ہے۔ اس کو صفت کی طرف مضاف کر دیا گیا۔ القیمۃ التی لا عوج فیہا۔ جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ یعنی اور شریعت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ہادی ایسا دین ہے جس میں کوئی کجی نہیں کوئی خامی نہیں کوئی کمی نہیں۔

أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ أُولٰٓئِكَ

اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ

هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

بدترین مخلوق ہیں ٹ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے،

أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ

وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں ٹ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا ؕ رَضِيَ

رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے ٹ اللہ تعالیٰ ان

ٹ آفتاب ہدایت ضوفشاں ہے، صحیفۂ رشد و ہدایت ان کے سامنے ایسا نظام حیات پیش کر رہا ہے جو ان کی جسمانی اور روحانی نشوونما اور ان کی دنیوی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔ جو لوگ اب بھی اس کا انکار کرتے ہیں [illegible] سے کچھ نہیں سیکھتے وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ وہ اسی لائق ہیں کہ انہیں دوزخ کا ایندھن بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں، یہ لوگ کسی رعایت اور رحم کے مستحق نہیں۔

ٹ ان کے برعکس جو لوگ راستے کی صعوبتوں کو خاطر میں نہیں لاتے، آگے بڑھ کر اس رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آتے ہیں اور آپ کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہو جاتے ہیں [illegible] انسانیت کی آبرو ہیں [illegible] کوئی چیز ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ ان کا دل پاک، نگاہیں پاک، نیت پاک [illegible] عزم بلند [illegible] ہوا کو [illegible] نوری فرشتہ بھی وہاں پہنچ نہیں سکتا۔

ٹ بہشت کے سدا بہار باغات، انہی کے لیے ہیں۔ وہاں بہنے والی ندیاں انہی کے شوق دید میں گرم سیر ہیں۔ وہاں کا ہر پھول مہک، ان کی محبت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ وہ وہاں رہیں گے، تا ابد وہاں رہیں گے۔ جنت کی ساری رونقیں ان کے دم قدم سے ہیں۔ یہ وہاں نہ رہیں تو شگفتگیاں، افسردگیوں میں بدل جائیں، بہاریں بھی روٹھ جائیں۔

اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

سے راضی اور وہ اُس سے راضی ہو گئے یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا رہا

لہ جنت اور اس کی فرحت انگیز ابدی مسرتوں سے بھی ایک اعلیٰ ترین انعام انہیں بخشا جائے گا اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر راضی ہو جائے گا۔ یہ رضا و خوشنودی یکطرفہ نہیں، دو طرفہ ہوگی۔ ان کا پروردگار ان کی محبت اور نیازمندی کو دیکھ کر ان پر راضی ہو جائے گا اور وہ نیازمند اپنے کریم رب کی بے پایاں عنایات سے بہرہ ور ہو کر اس سے راضی ہو جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کو پکاریں گے یا اهل الجنة۔ وہ جواب عرض کریں گے لبيك ربنا وسعديك والخير كله في يديك۔ اے ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، ساری سعادتیں اور بھلائیاں تیرے دست قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے کہ اب تم راضی ہو؟ وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! ہم تجھ پر راضی کیوں نہ ہوں جبکہ تو نے ہمیں ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا ہے جو کسی مخلوق کو نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں اس سے بھی ایک اعلیٰ انعام تمہیں عطا نہ کروں؟ وہ کہیں گے الٰہی! اس سے افضل اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میں تمہیں اپنی رضا اور خوشنودی سے اس طرح سرفراز کر دوں گا کہ اس کے بعد میری ناراضگی کا تمہیں کوئی اندیشہ نہ رہے۔ (متفق علیہ)

لہ یہ مقام بلند اور منصب رفیع ہر ایک کو نہیں بخشا جاتا۔ جھوٹی آرزوئیں کرنے والوں کو اس پر فائز نہیں کیا جاتا، یہ شرف ان سعادت مندوں کا حصہ ہے جو زندگی بھر اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اس کی حکم عدولی کی انہیں جرأت ہی نہیں ہوتی۔ اگر بھول سے لغزش ہو جائے تو خوف اور ندامت کے باعث مدتوں آنسوؤں کے دریا بہاتے ہیں۔ ان لوگوں کو محبت کی خلعت فاخرہ پہنائی جاتی ہے۔

جہاں تمام آتش سراپا نازش کی گر دو نیاز گم بس دل کی دوری باشد و ہمدرد کے نا

○

اللهم اجعلنا منهم ومعهم وانت اكرم المسئولين۔ فاطر السموات والارض انت ولي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين۔

مسکیں کرم عرضے کند، اے یجنت مشتاق آرزو کش
گر من ازیں شان نیستم درکار ایشان کن مرا

اللهم صل وسلم وبارك على حبيبك الاكرم ومحبوبك المكرم صاحب الوجه الجميل والقد الاسيل والطرف الكحيل وعلى آله واصحابه واولياء امته وعلمائها وعلى سائر محبيه الى يوم الدين۔

شاعر سے معذرت کے ساتھ۔ اصل الفاظ یہ ہیں: مسکیں حسن سے گوید الخ

تعارف

سورۃ الزلزال

نام : اسے سورۃ "اذا زلزلت" اور سورۃ "زلزال" بھی کہتے ہیں۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، ۳۵ کلمے اور ایک سو اٹھائیس حروف ہیں۔

نزول : اس کے نزول کے بارے میں بھی علماء کے دو قول ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور عطاء کے نزدیک یہ مکی ہے۔ قتادہ اور مقاتل نے اسے مدنی بتایا ہے لیکن سورت کے مضامین میں غور کیا جائے تو پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔

مضامین : خدا فراموش انسان بڑی بے باکی اور بے حیائی سے زمین کے گوشے گوشے کو اپنے گناہوں سے داغ دار کرتا رہتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ یہ درخت، یہ پتھر، یہ خاک کے ذرے گونگے بہرے ہیں۔ انہیں اس کے کرتوتوں کا احساس تک نہیں۔ لیکن یہ اس کی نادانی ہے۔ جب قیامت کے جھٹکوں سے کرۂ زمین پھٹ جائے گا، اس میں چھپی ہوئی سب چیزیں آشکارا ہو جائیں گی۔ اس وقت زمین کے وہ درخت جن کی گھنی چھاؤں میں وہ داد عیش دیتا رہا اور وہ چٹانیں جن کی اوٹ میں وہ گناہوں کی ترمیں آلودہ کرتا رہا وہ چشم دید گواہوں کی طرح گویا ہو جائیں گے اور اس کے اعمال کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیں گے۔ اس وقت اس کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سود!

اس وقت لوگ گروہ در گروہ پیش کیے جائیں گے۔ ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کا اجر اسے ملے گا۔ اسی طرح ہر شخص کی ہر چھوٹی بڑی برائی کا نتیجہ بھی اسے دیکھنا پڑے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا
۲۲-۴-۱۰

سُوْرَةُ الزَّلْزَلَةِ مَدَنِيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — وَهِيَ ثَمَانِ اٰيَاتٍ

سورۃ الزلزال مدنی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس کی آٹھ آیتیں ہیں

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②

جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے ۱ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو ۲

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④ بِاَنَّ

اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا اسے کیا ہو گیا ۳ اس روز وہ بیان کرے گی اپنے سارے حالات ۴ کیونکہ

۱ زوردار جھٹکے جو بار بار آئیں انہیں زلزال کہا جاتا ہے۔ علامہ راغب لکھتے ہیں الزلزلة: الاضطراب وتكرير حروف لفظه تنبيه على تكرير معنى الزلل۔ زلزلت، یعنی زلزال، مضطرب ہونے کو کہتے ہیں اور حروف کا تکرار جھٹکوں کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ زلزالها تاکید اور شدت و کثرت کے اظہار کے لیے ہے یعنی جب زمین لگاتار جھٹکوں کے باعث پوری قوت کے ساتھ تھرتھرانے لگے گی۔

بعض علما کے نزدیک اس سے مراد وہ زلزلہ ہے جو وقوع قیامت سے پہلے وقت آئے گا۔ اس کے باعث پہاڑ، لمبے لمبے درخت اور بڑے بڑے محلات اور مضبوط قلعے ریزہ ریزہ ہو کر پیوند زمین ہو جائیں گے اور بعض کا خیال ہے کہ نفخہ ثانیہ کے وقت زمین تھرتھرانے لگی یعنی اس دوسرے زلزلہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ بعد والی آیت اس کو ترجیح دیتی ہے۔

۲ نفخہ ثانیہ کے وقت جب زلزلہ آئے گا تو زمین کے بطن میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اسے نکال کر باہر پھینک دے گی۔ سارے مُردے جو اس میں دفن ہوتے رہے وہ جس حالت میں ہوں گے، باہر نکل آئیں گے۔ اگر ان کے ذرے منتشر ہو کر زمین کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہوں گے تو ان کو بھی یکجا کر دیا جائے گا۔ جو معدنیات، جتنے خزانے اور دفائن اس میں مستور ہوں گے، سب ظاہر ہو جائیں گے۔

۳ انسان سے مراد یہاں وہ انسان ہے جو قیامت کا شدت سے انکار کیا کرتا تھا۔ صدہا دلائل سن لینے کے باوجود اس کا دل اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ جب وہ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھے گا تو حیران و ششدر رہ جائے گا۔ فرط حیرت سے پوچھے گا یہ کیا ہو رہا ہے۔ سورۃ یٰسین میں ہے مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا یعنی ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا ہے۔ اہل ایمان جنہیں وقوع قیامت کا یقین تھا وہ جب دیکھیں گے کہ مُردے زندہ ہو کر قبروں سے نکل رہے ہیں ان کا علم الیقین اب عین الیقین کے درجہ تک پہنچ جائے گا وہ کہیں گے هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ یعنی یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے بالکل سچ فرمایا تھا۔

۴ اس وقت زمین اپنی سرگزشت کھول کر بیان کرے گی کہ گزشتہ دنیا میں جو حالات اور واقعات اس پر رونما ہوئے تھے کیونکہ

کام اس پر کیے گئے، جن گناہوں کا اس پر ارتکاب کیا گیا سب کے سب یہ زمین بیان کرے گی۔ ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر صحابہ سے پوچھا جانتے ہو وہ خبریں کیا ہوں گی؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ ورسولہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ قال فان اخبارها ان تشهد على كل عبد او امة بما عمل على ظهرها۔ (ترمذی، نسائی) زمین ہر بندے اور ہر بندی کے متعلق گواہی دے گی کہ اس نے سطح زمین پر کیا کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام کو ہدایت فرمایا کہ تحفظوا من الارض فانها امكم وانه ليس من احد عامل عليها خيرا او شرا الا وهي مخبرة۔ کہ زمین سے اپنی حفاظت کیا کرو یہ تمہاری ماں ہے۔ جو کام بھی اس پر کوئی شخص کرے گا یہ اس کی اطلاع دے دے گی۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ آپ بیت المال کا سب روپیہ پیسہ حق داروں میں تقسیم کر دیتے جب وہ خالی ہو جاتا تو اس میں دو نفل ادا کرتے اور پھر فرماتے اے بیت المال تم قیامت کے روز گواہی دینا کہ میں نے تمہیں حق کے ساتھ بھرا اور حق کے ساتھ خالی کر دیا۔

آج سے کچھ عرصہ قبل جب یہ آیات تلاوت کی جاتیں تو کئی دانشور قسم کے لوگ ان کی مختلف تاویلات کرتے۔ زمین بےچاری زمین کو کیا پتہ کہ اس پر کیا ہو رہا ہے [illegible] اعمال کی جو دنیا آباد رہی ان کا سراغ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ اس قسم کے شکوک انہیں پریشان کیا کرتے لیکن سائنس کی حیرت انگیز ایجادات نے ان سب سوالات کا تسلی بخش جواب ہم تک پہنچا دیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیپ ریکارڈر کی ایجاد نے ان تمام شکوک کا ازالہ کر دیا۔ جب ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے والی آواز آن واحد میں دنیا کے گوشے گوشے میں سنی جا سکتی ہے اور محفوظ کی جا سکتی ہے۔ جب ٹیلی ویژن اسٹیشن پر پیش کیا جانے والا پروگرام اپنی تفصیلات کے ساتھ دور دراز تک دیکھا جا سکتا ہے۔ مکانوں کی دیواریں، تصویروں کی تفصیلیں اور اونچے پہاڑ اور گھنے جنگلات ان تمام کو دیکھنے میں مانع نہیں ہو سکتے۔ جب ٹیپ ریکارڈر کے ذریعے ہر آواز کو اس کے لب و لہجہ اور زیر و بم کے ساتھ محفوظ کیا جا سکتا ہے بلکہ جب کوئی چاہے اسے بار بار سن سکتا ہے اگر [illegible] اندھیرے میں تصویر کھینچ سکتی ہے تو اب اس بات میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ زمین کا ذرہ ذرہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ہماری کارستانیوں کو دیکھ رہا ہے اور اس کا ریکارڈ مرتب کر رہا ہے۔ قیامت کے روز ہماری زندگی کی پوری فلم تفصیل سے ہمیں دکھا دی جائے گی پھر کس میں یہ ہمت ہوگی کہ وہ ان چیزوں کا انکار کرے؟

قرآن کریم نے بڑی صراحت سے ان انتظامات کا ذکر کیا ہے جو قدرت کی طرف سے روز حساب کے فیصلوں کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق کرنے کے لیے کیے گئے ہیں۔ کراماً کاتبین ہر آن ہر آدمی کے نیک و بد اعمال کا تحریری ریکارڈ تیار کر رہے ہیں۔ ہمارے اعضاء قیامت کے دن بطور گواہ کی حیثیت سے پیش کیے جائیں گے۔ ارشاد ہے الیوم نختم علی افواههم وتکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم بما کانوا یکسبون۔ (یٰس) کہ آج ہم ان کے لبوں پر مہر لگا دیں گے ان کے ہاتھ ہمارے ساتھ گفتگو کریں گے اور ان کے پاؤں ان پر گواہی دیں گے۔ اگر پھر بھی کسی نے اپنی غلطی کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو اس کے سامنے اس کے ٹیپ ریکارڈ اور اس کی زندگی کی فلم پیش کر دی جائے گی۔

رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا

آپ کے رب نے اسے (ایسا کرنے کا) حکم دیا ہوگا۔ اس روز لوگ (اپنی قبروں سے) گروہ در گروہ نکلیں گے تاکہ انہیں دکھائے جائیں

اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ

ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے

يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا۔

۵؎ زمین کے شکم سے مردوں کو زندہ کر کے نکالنا یا زمین کا اپنی سرگزشت کو مِن وعَن بیان کرنا از خود نہ ہوگا بلکہ اسے اللہ تعالیٰ ایسا کرنے کا حکم دے گا۔

۶؎ دو لفظ ہیں وارد اور صادر۔ وارد کہتے ہیں پانی پر آنے والا اور صادر کہتے ہیں لوٹ کر آنے والا۔ آیت کے دو مفہوم بیان کیے گئے ہیں کہ لوگ حساب دینے کے بعد جب لوٹیں گے تو وہ مختلف ٹولیوں میں بٹے ہوں گے۔ نیک نیکوں کے ساتھ، نمازی نمازیوں کے ساتھ، غازی غازیوں کے ساتھ اور شہید شہیدوں کے ساتھ۔ اسی طرح چور چوروں کے ساتھ، گناہگار گناہگاروں کے ساتھ، قاتل قاتلوں کے ساتھ۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب قبروں سے نکل کر بارگاہِ الٰہی میں حساب کتاب کے لیے جا رہے ہوں گے تو اس وقت وہ جدا جدا ہو کر جائیں گے۔

۷؎ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ انسان ایک ذمہ دار مخلوق ہے۔ جو کچھ یا جو کام یہ کرتا ہے اس کے لیے جواب دہ ہے۔ فرمایا افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم یہ سمجھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا۔ دوسری جگہ ہے ان السمع والبصر والفؤاد کل اولٰئک کان عنہ مسئولا کہ تمہارے کان، آنکھیں اور تمہارا دل سب سے باز پرس کی جائے گی۔ اسی حقیقت کو یہاں بھی ایک نئے اسلوب میں بیان کیا جا رہا ہے کہ برے بھلے اعمال حسنہ یا افعال سیئہ کا تو کیا پوچھنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں تو یہ اصول طے پا چکا ہے کہ اگر ذرہ کے برابر کوئی نیکی کرے گا تو اسے معمولی سمجھ کر ضائع نہیں کر دیا جائے گا بلکہ اس کو خوب حفاظت سے رکھا جائے گا اور جس نے وہ نیکی کی تھی اس کو دکھا دیا جائے گا۔ اسی طرح چھوٹے سے چھوٹے معمولی گناہ کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا جائے گا اور اسے بدکار کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اگر عقل سلیم ہو اور انسان غور اور سنجیدگی سے انہی آیات کو پڑھے تو اس کی ہدایت کے لیے مزید کسی وعظ و نصیحت کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک اعرابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کچھ وعظ فرمائیے۔ حضور نے یہی سورت پڑھ کر اسے سنادی۔ سن کر کہنے لگا والذی بعثک بالحق لا ازید علیہا ابدا کہ آپ کے رب کی قسم! مجھے اب اس سے زیادہ وعظ کی ضرورت نہیں، یہ کہا اور رخصت لے کر واپس جانے لگا۔ حضور نے دوبار فرمایا یہ شخص کامیاب ہو کر جا رہا ہے۔

بسا اوقات انسان چھوٹی نیکی کو حقیر سمجھ کر اسے نظرانداز کر دیتا ہے۔ بسا اوقات انسان صغیرہ گناہوں کی پروا نہیں کرتا انہیں معمولی خیال کر کے ان کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ دونوں کو تنبیہ کر دی کہ ذرہ کے برابر نیکی کرو گے تو اس کا بھی اجر ملے گا۔ ذرہ کے برابر برائی کرو گے تو اس کی بھی سزا ملے گی۔ اس لیے نہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر اس کو ترک کرو اور نہ کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر اس کا ارتکاب کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ارشادات خاص توجہ کے مستحق ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب ولا یقبل اللہ تعالیٰ الا الطیب۔ فان اللہ یتقبلها بیمینه ثم یربیها لصاحبها کما یربی احدکم فلوہ حتی تکون مثل الجبل (متفق علیہ)

ترجمہ: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسب حلال سے ایک کھجور بھی صدقہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول کر کے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھر اس کی نشوونما کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ کی طرح بڑا ہو جاتا ہے۔ حضور نے حضرت ابوہریرہ کو ارشاد فرمایا کہ کسی نیکی کو حقیر مت سمجھا کرو اور کچھ بھی نہ ہو تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملا کرو۔

یہاں ایک چھوٹی سی الجھن ہے کہ جب یہ اصول تسلیم کر لیا گیا کہ ہر شخص کو اس کی ذرہ برابر نیکی کا اجر اور ذرہ برابر بدی کی سزا ملے گی تو کیا کفار نے جو نیک کام کیے ہیں انہیں قیامت کے دن ان کا ثواب ملے گا؟ یا نیک لوگوں نے جو گناہ کیے ہیں انہیں ان کی سزا بھگتنی ہوگی؟ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ کفار کے نیک اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بے وضو نماز ادا کرے۔ ان کے اعمال صالحہ کی قبولیت کے لیے ایمان شرط تھا، شرط کے مفقود ہونے کے باعث ان اعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ کفار کو ان کے نیک اعمال کی جزا اس دنیا میں دے دی جاتی ہے۔ عزت، شہرت، اولاد، دولت کی کثرت ان صورتوں میں ان کا حساب چکا دیا جاتا ہے۔ قیامت پر ان کا ایمان نہ تھا، نہ انہوں نے اس نیت سے نیکیاں کی تھیں کہ انہیں اس روز اس کا ثواب ملے گا۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس کی موت کفر پر ہوگی، خلود جہنم سے تو اس کو کوئی نیکی نہیں بچا سکے گی البتہ ان کے اعمال کا اثر عذاب کی شدت میں تخفیف کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

وہ مومن جن سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوں گی تو ان کے بارے میں فرمایا کہ جس شخص نے توبہ کر لی اس کی خطائیں بخش دی جائیں گی۔ نامۂ اعمال سے بھی انہیں محو کر دیا جائے گا۔ فرشتوں کو بھی یاد نہ رہے گا کہ انہوں نے کیا جرم کیے تھے یا ان کی لغزشوں کی سزا انہیں دنیا میں بیماری، غربت اور ناکامی کی شکل میں دے دی جائے گی۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر خدمت اقدس میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے۔ یہ بات سن کر کھانا چھوڑ دیا۔ عرض کیا کیا ہم اپنے تمام نیک و بد اعمال کو دیکھیں گے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ما رأيت مما تكره فهو مثاقيل ذر الشر ويدخر لكم مثاقيل ذر الخير حتى تعطوه يوم القيامة. (قرطبی) اس دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہاری خطاؤں کا نتیجہ ہے اور تمہاری نیکیاں محفوظ رکھی جائیں گی اور قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی

○

ربنا الهم ربنا نسئلك ان تغفرلنا وترحمنا انك ارحم الراحمين بجاه حبيبك ونبيك وصفيك محمد وعلى آله وصحبه ومن تبعه باحسان الى يوم الدين

○

تعارف

سُورَۃُ العٰدیٰت

نام: اس سورۂ مبارکہ کا نام "العٰدیٰت" ہے جو اس کا پہلا لفظ ہے۔ یہ ایک رکوع، گیارہ آیتوں، چالیس کلمات اور ایک سو ترسٹھ حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: اس کے بارے میں دو قول ہیں بعض علماء کے نزدیک یہ مکی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے اور بعض علماء اسے مدنی کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں ہی مروی ہے۔

مضامین: متعدد قسمیں کھا کر چند حقائق کی نقاب کشائی کی جا رہی ہے۔ پہلے تو یہ بتایا کہ انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے۔ بستا رہتا اس کی زمین پر ہے، سانس اس کی ہوا میں لیتا ہے۔ اس کے دسترخوانِ نعمت کا ریزہ چین ہے۔ اس کے باوجود نہ اس کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی عبادت و اطاعت کو اپنا وظیفۂ حیات جانتا ہے۔ یہ ایک کھلی حقیقت ہے جس پر اس کے اپنے اعمال و اطوار بطور گواہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔ کسی دوسرے گواہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی مزید ثبوت درکار ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ دولت کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ وہ اس کو حاصل کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی ہوس میں دیوانوں کی طرح شب و روز سرگرداں رہتا ہے۔ اس کی عقل و فہم پر جتنا افسوس کیا جائے اتنا کم ہے۔ اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ اس کا خالق اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ اس کے سینے کے راز بھی اس پر عیاں ہیں، قیامت کے دن اسے اس ربِ کائنات کے سامنے پیش ہونا ہے جو اس کے جملہ حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲۶-۴-۱۰

سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰتِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَهِیَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً

سورۃ العادیات مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں گیارہ آیات ہیں

وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ ہانپتے ہیں۔ پھر (اپنے سموں سے) آگ کی چنگاریاں نکالتے ہیں ٹاپ مار کر۔ پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ

پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ پھر اسی وقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ ۱؎ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا

۱؎ آیات میں جو مشکل الفاظ ہیں پہلے ان کی وضاحت کی جائے گی اور اس کے بعد ان کا مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔

العادیات: الجاریات بسرعۃ۔ بڑی تیزی سے دوڑنے والیاں۔ الضبح: تصویت جہیر عند العدو الشدید لیس بصہیل ولا رغاء ولا نباح۔ وہ آواز جو تیز دوڑتے وقت گھوڑے کے سینے سے نکلتی ہے یہ آواز ہنہنانے وغیرہ سے بالکل جدا ہوتی ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں والجمہور علی انہ قسم بخیل الغزاۃ فی سبیل اللہ تعالیٰ التی تعدو۔ کہ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والے غازیوں کے گھوڑوں کی قسم کھائی جا رہی ہے جو تیزی سے دوڑتے ہیں۔

موریات: من الایراء اخراج النار۔ والقدح: ہو الضرب والصک المعروف یقال قدح فاوری اذا اخرج النار۔ چقماق سے آگ نکالنے کو ایراء کہتے ہیں۔ قدح: دو سخت چیزوں کا آپس میں ٹکرانا جس سے چنگاریاں نکلیں۔ یہاں مجاہدین کے گھوڑوں کی دوسری صفت بیان کی جا رہی ہے کہ اپنے سم جب وہ سخت پتھریلی زمین پر مارتے ہیں تو اس سے چنگاریاں جھڑنے لگتی ہیں۔ ان چنگاریوں کو اہل عرب نار الحباحب کہتے ہیں۔ حباحب ایک بخیل آدمی کا نام تھا۔ وہ کھانا پکانے کے لیے اس وقت آگ جلاتا جب سب لوگ کھانا پکا کر سو جاتے اور کسی مسافر کے آنے کا خوف نہ رہتا۔ اس وقت بھی وہ آگ کو زیادہ روشن نہ کرتا بلکہ بڑی مدھم رکھتا۔ اگر کسی مسافر کی آہٹ سنتا تو اس کو بھی بجھا دیتا۔ ایسی آگ جس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکے نار الحباحب کہتے ہیں۔ گھوڑوں کے سموں سے جو آگ نکلتی ہے اسی وجہ سے اس کو بھی اسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

المغیرات: الغارۃ علی العدو، ہجوم علیہ بغتۃ بخیل۔ کسی پر اچانک حملہ کر دینا۔ حملہ آور لشکر صبح کے وقت دشمن پر دھاوا بولتے تھے تاکہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں۔ وہ وقت آرام و سکون کا ہوتا ہے اور دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانے کا بہترین موقع ہوتا ہے نیز روشنی کے اجالے میں خوب دیکھ کر نشانہ باندھا جا سکتا ہے۔

النقع: غبار کو کہتے ہیں۔ اثرن: غبار اڑایا اور گرد پھیلائی۔ جمع: جتھہ، انبوہ، لشکر۔ حملہ آور جب حملہ کرتے ہیں تو وہ دشمن کی صفوں میں داخل ہو کر ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

مشکل الفاظ کی تحقیق کے بعد آیات کے مفہوم پر غور فرمائیے۔

لَكَنُوْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۚ

بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے ٢ اور وہ اس پر خود گواہ ہے ٣ اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے ٤

اس سورت کا آغاز میں قسم کھائی گئی ہے اور قسم مجاہدین کے ان گھوڑوں کی کھائی جا رہی ہے جو ان خوبیوں سے متصف ہوتے ہیں۔ تیز رفتاری سے جب دوڑتے ہیں تو ان کے سینوں سے ایک خاص قسم کی آواز نکلتی ہے جو دشمن کو مرعوب کرنے میں بڑی مؤثر ہوتی ہے۔ وہ اپنے سواری پر جب پتھریلی زمین پر دوڑتے ہیں تو آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتی ہیں۔ وہ صبح سویرے دشمن پر یلغار کرتے ہیں اور ان کی وجہ سے ساری فضا گرد و غبار سے اٹ جاتی ہے۔ وہ بے خوف و خطر دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتے ہیں۔

حافظ ابو بکر ابن العربی احکام القرآن میں لکھتے ہیں: اقسم سبحانہ بمحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فقال یٰس والقرآن الحکیم واقسم بحیاته فقال لعمرك انهم لفي سكرتهم يعمهون واقسم بخيله وصهيلها وغبارها وقدح حوافرها النار من الحجر۔ (احکام القرآن)

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور کی ذات کی بھی قسم اٹھائی یٰسٓ والقرآن الحکیم میں۔ حضور کی حیاتِ طیبہ کی بھی قسم اٹھائی جس طرح لعمرک الآیۃ اور حضور کے گھوڑوں کی، ان کے ہنہنانے کی، ان کی اڑائی ہوئی غبار کی اور ان کے سُموں سے جو آگ نکلتی ہے اس کی بھی قسم اٹھائی۔

ان آیات میں اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہاں گھوڑوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ عادیات، موریات، مغیرات وغیرہ لیکن ان کا لفظ بیان نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ ہر زمانے کے غازیوں کی سواریوں کی اللہ تعالیٰ قسم اٹھاتا ہے جن میں یہ صفات پائی جائیں۔ اس زمانے میں مجاہد گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کیا کرتے تھے اور ان گھوڑوں میں یہ صفات پائی جاتی تھیں۔ آج گھوڑوں کی جگہ ٹینکوں نے لے لی ہے اور یہ تمام صفات بدرجہ اتم ان میں بھی پائی جاتی ہیں۔ وہ جب تیزی سے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تو ان سے ایک خاص قسم کی گڑگڑاہٹ نکلتی ہے۔ وہ آگ بھی اگلتے ہیں، جہاں سے گزرتے ہیں گرد و غبار بھی اڑاتے ہیں، دشمنوں کے مورچوں میں بھی گھس جاتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان چیزوں کی قسم ہے تو کچھ بعید نہ ہوگا اور مستقبل قریب میں کوئی اور اسلحہ تیار ہو جائے جو ٹینکوں کی جگہ لے لے اور اس میں یہ خوبیاں پائی جائیں تو ان کا اطلاق اس جدید اسلحہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

٢ یہ جوابِ قسم ہے کہ انسان اپنے رب کے احسانات اور نوازشات پر سخت ناشکری کا اظہار کرنے والا ہے۔ اس کے لبوں پر ہمیشہ شکوہ رہتا ہے۔ ہزاروں نعمتوں کے باوجود اگر اس کی کوئی ایک تمنا پوری نہ ہو تو شکایات کا دفتر کھول دیتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں الکنود: جحود لنعم اللہ تعالیٰ۔ کنود کا معنی کفور ہے یعنی ناشکرا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا۔ حسن بصری کہتے ہیں یذکر المصائب وینسی النعم کہ مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ الکنود: الذی ینفق نعم اللہ فی معاصی اللہ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں خرچ کرے اس کو کنود کہتے ہیں۔ اس

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ ﴿٩﴾ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے ۴ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں پوشیدہ ہے ۵

لیے اس زمین کو بھی کنود کہتے ہیں جو بنجر اور کاشت کے قابل نہ ہو۔ ومنہ الارض الکنود التی لا تنبت شیئا۔

۲؎ اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے کہ انسان ناشکر گزار ہے، کسی غیر معمولی غور و خوض کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اپنے اطوار و اعمال اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں۔

۳؎ خیر سے مراد یہاں مال و دولت ہے اور یہاں دولت سے انسان کی محبت اظہر من الشمس ہے۔ گناہوں کا یہ سیل بے پناہ، مظالم کی یہ آندھیاں، غریبوں اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خونریز تصادم، سب کے پس پردہ دولت کی یہی بے پناہ محبت اور لالچ کارفرما ہے۔ دوست، دوست کو لوٹ رہا ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے، انسان، انسان کے درپے آزار ہے۔ یہ سب کچھ دولت کے لالچ کے باعث ہو رہا ہے۔ تمام تعلقات، تمام دوستیاں، تمام رشتہ داریاں، دولت کے طلسم ہوشربا کے سامنے بے معنی ہو کر رہ جاتی ہیں۔ انسان کا عمل اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ اس کو حقیقی ہوس، سیم و زر کی ہے اس کے دل میں حقیقی چاہت، دولت و ثروت کی ہے آخرت اور کسی چیز کی نہیں۔ اس کے حصول کے لیے جان توڑ محنتیں کرتا ہے اپنے وطن کو چھوڑتا ہے اپنی آسائش سے دست کش ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اپنی عزت و آبرو کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے اور اپنی زندگی کو طرح طرح کے خطرات سے دوچار کر دیتا ہے اس کی اور کوئی مثال نہیں ملتی۔

۴؎ یہ شخص جو دولت کے جنون میں تمام اقدار کو بڑی بے دردی سے پامال کر رہا ہے، اپنے رب کو بھی بھولے ہوئے ہے اور اس کی مخلوق کو بھی طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا رہا ہے کیا اس نادان کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب اسے قبر سے نکال کر محشر کے میدان میں کھڑا کر دیا جائے گا اور اس سے اس کی دنیوی زندگی کے بارے میں سختی سے بازپرس کی جائے گی۔

۵؎ قال ابن عباس حُصِّلَ ای ابرز۔ یعنی اس کا معنی ظاہر کرنا ہے۔ قیامت کے دن صرف اس کے ظاہری اعمال کی ہی جانچ پڑتال نہیں ہوگی بلکہ اس کے ارادوں، نیتوں اور اس کے قلبی جذبات اور باطنی کیفیات سب کی سب آشکارا کر دی جائیں گی اور ہر ایک کو پرکھا جائے گا کہ اس نے جو کچھ کیا اس کے پس منظر میں کون سے جذبات کارفرما تھے۔ کس نیت سے اس نے یہ سارے کام کیے اس کے وہ گھناؤنے مقاصد جن پر اس نے حسین بیان کے ریشمی غلاف چڑھا رکھے تھے سب ظاہر کر دیے جائیں گے۔ نہاں خانہ دل میں کوئی چیز باقی نہیں رہے گی۔ اگرچہ دنیوی عدالتیں بھی مجرم کی نیت اور ارادے کو اہمیت دیتی ہیں لیکن ان کے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں جس کے ذریعے وہ اس نازک ذمہ داری کو پورے وثوق کے ساتھ انجام دے سکیں۔ یہ کام صرف عدالت الٰہیہ میں ہی صحیح طور پر انجام پا سکتا ہے اس لیے اسی عدالت کے فیصلے سراسر حق ہوں گے۔ عدل و انصاف کے ادنیٰ سے ادنیٰ اور نازک سے نازک تقاضوں کو بھی پورا کیا جائے گا۔

ع ۱ ۱۱ ۲۵

إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا ۔ ؎

؎ اگرچہ اللہ تعالیٰ آج بھی ان کے حالات سے پوری طرح واقف ہے لیکن اس روز کی آگاہی اور باخبری کی کیفیت بالکل جداگانہ ہوگی۔ ای عالم لا یخفی علیہ منہم خافیۃ۔ وھو عالم بہم فی ذلک الیوم وفی غیرہ ولکن المعنی انہ یجازیہم فی ذلک الیوم۔

○

اللھم انا نشھد انک تعلم بما فی صدورنا ونشھد انک عفو کریم تحب العفو فاعف عنا یا غفور یا رؤف یا رحیم۔ اللھم صل وسلم وبارک علی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔
ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

○

تعارف

سُورۃ القارعۃ

نام : اس سورۃ کا نام القارعۃ ہے۔ اس میں ایک رکوع، آٹھ آیتیں، چھتیس کلمے اور ایک سو باون حروف ہیں۔

نزول : باتفاقِ علماء یہ مکی سورت ہے۔

مضامین : پہلے قیامت کے بارے میں استفسار کر کے لوگوں کو چونکا کر دیا۔ اس کے بعد ان لرزہ خیز حالات کو بیان کیا جو روزِ قیامت رونما ہوں گے۔ لوگ پروانوں کی طرح مدہوش بکھرے پڑے ہوں گے۔ پہاڑ دھنی ہوئی رنگین اُون کی طرح فضا میں اڑ رہے ہوں گے۔

پھر ارشاد فرمایا: سُن لو! جس شخص کی نیکیوں کا پلڑا اس روز بھاری ہوگا فقط اُسے ہی خوش و خرم زندگی نصیب ہوگی لیکن جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا وہ "ہاویہ" میں پھینک دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۲۲-۴-۱۰

سُوْرَۃُ الْقَارِعَۃِ مَکِّیَّۃٌ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَھِیَ اِحْدٰی عَشْرَۃَ اٰیَۃً

سورۃ القارعہ مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں گیارہ آیات ہیں

اَلْقَارِعَۃُ ۝۱ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْقَارِعَۃُ ۝۳ یَوْمَ

دل دہلا دینے والی کڑک۔ یہ زہرہ گداز کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم یہ کڑک کیا ہے؟ ۱ جس دن

یَکُوْنُ النَّاسُ کَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴ وَتَکُوْنُ الْجِبَالُ کَالْعِہْنِ

لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے ۲ اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی

الْمَنْفُوْشِ ۝۵ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ ۝۶ فَہُوَ فِیْ عِیْشَۃٍ

مانند ہوں گے ۳ پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے ۴ تو وہ دل پسند عیش و عشرت

۱ ۔ دو چیزوں کا آپس میں شدت سے اس طرح ٹکرانا کہ خوفناک آواز پیدا ہو۔ اسے عربی میں القرع کہتے ہیں۔ القرع: ھو الضرب بشدۃ بحیث یحصل منہ صوت شدید (روح المعانی)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: واھل اللغۃ یقولون تقول العرب قرعتھم القارعۃ وفقرتھم الفاقرۃ اذا وقع بھم امر فظیع۔ یعنی علماء لغت کہتے ہیں کہ جب کوئی قوم کسی حادثہ کا شکار ہو جائے یا کسی عظیم مصیبت میں مبتلا ہو تو عرب کہتے ہیں قرعتھم القارعۃ وفقرتھم الفاقرۃ۔ اس سے مراد وقوع قیامت کا وقت ہے جب دل دہلا دینے والی آوازیں پیدا ہوں گی جب اجرام فلکی آپس میں ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، جب فلک بوس پہاڑ ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس وقت جو زہرہ گداز کڑک اور دھماکا پیدا ہو گا اس کا اندازہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کسی بڑی توپ کو داغا جائے تو کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ آپ اس وقت کا تصور کیجیے جب عطارد اور مشتری، زحل اور مریخ جیسے سیارات باہم ٹکرائیں گے تو کتنا خوفناک دھماکا پیدا ہو گا۔ ما القارعۃ اور ما ادراک ما القارعۃ، اس کڑک کی زہرہ گدازیوں کو بطور استفہام ذکر کیا جا رہا ہے۔

۲ ۔ وقوع قیامت کے پہلے مرحلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس وقت کے ہولناک واقعات سے انسان ہوش و حواس کھو بیٹھے گا، وہاں کوئی آواز پر قرار نہ رہے گا۔ جس طرح بکھرے ہوئے پروانے سراسیمگی کی حالت میں ادھر ادھر گرتے پڑتے ہیں اسی طرح حضرت انسان کی بھی حالت ہو گی۔ کوئی ہوش باقی نہ رہے گا، کوئی وہاں گرا پڑا ہو گا، انسان کا فرد فرد سب کا فرد ہو جائے گا۔ المبثوث: المتفرق المنتشر یعنی بکھرا ہوا پراگندہ۔

۳ ۔ رنگدار اون کو العہن کہتے ہیں۔ العھن: الصوف المصبوغ۔ منفوش: دھنی ہوئی۔ یعنی پہاڑ اپنی جگہ سے اکھڑ جائیں گے اور دھنی ہوئی

رَّاضِيَةٍ ۝٧ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۝٨ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝٩

میں ہوگا ۔ اور جس کے نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے ۸ تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا ۔

رنگدار صوف کی طرح ہوا میں اڑتے پھریں گے۔

۷ موازین جمع ہے۔ اس کے واحد کے بارے میں دو قول ہیں۔ یہ موزون کی جمع ہے یا میزان کی۔ پہلی صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ جس کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ دوسری صورت میں معنی ہوگا جس کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے۔ عیشة راضیة ای عیشة مرضیة یہاں راضیہ بمعنی مرضیہ ہے یعنی پسندیدہ زندگی جس کو زندگی بسر کرنے والا دل سے پسند کرے الفاعل بمعنی المفعول ای عیشة مرضیة۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے ان کو ایسی زندگی بخشی جائے گی جس میں آرام و آسائش کے سارے سامان مہیا ہوں گے۔ جن پر وہاں کے باشندے مطمئن ہوں گے۔ وہ زندگی گزارنے والا اس زندگی سے مطمئن اور مسرور ہوگا اور توقع سے بہت زیادہ پاکر شاداں و فرحاں ہوگا۔

۸ لیکن جن بدبختوں کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے کفر و نفاق کی وجہ سے ان کے وہ اعمال جو بظاہر بڑے نیک اور صالح تھے بیکار ہو جائیں گے ان کا کوئی وزن نہ ہوگا ان بدنصیبوں کا ٹھکانا ہاویہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انه لیأتی الرجل العظیم السمین یوم القیامة لا یزن عند اللہ جناح بعوضة ثم قرأ فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا۔ قیامت کے دن ایک موٹا تازہ آدمی پیش کیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر جتنا بھی اس کا وزن نہ ہوگا۔ پھر یہ آیت پڑھی فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا کہ قیامت کے دن ان کا کوئی وزن نہیں ہوگا۔ الهاویة، دوزخ کے طبقات میں سے ایک طبقہ کا نام ہے جو اتنا گہرا ہوگا کہ اس کی گہرائی کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہوگا (مظہری)

لیکن یہ معاملہ سب کو پیش نہیں آئے گا بعض خوش نصیب ہوں گے جنہیں بلا حساب جنت میں داخلے کی اجازت مل جائے گی اور بعض ایسے مجرم ہوں گے جن کے چہروں سے ہی ان کے جرم کا پتہ چل جائے گا اور انہیں ان کی پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔ یعرف المجرمون بسیماهم فیؤخذ بالنواصی والاقدام۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ترازو نصب کیے جائیں گے، پھر اہل صلوٰۃ کو لایا جائے گا وہاں ترازو ان پر ان کا اجر دیا جائے گا۔ اسی طرح حجاج کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائے گا۔ لیکن جب اہل بلاء کی باری آئے گی تو نہ ترازو نصب کیا جائے گا نہ ان کے اعمال نامے کھولے جائیں گے بلکہ ان پر اپنی رحمتوں کی بغیر حساب بارش کی جائے گی جس طرح قرآن کریم میں ہے انما یوفی الصابرون اجرهم بغیر حساب کہ صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔

علامہ پانی پتی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں [illegible] فهذا ایضا [illegible] المشائخ الصوفیة [illegible] بالبلاء کرضاهم بالعطاء (مظہری)

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝١٠ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝١١

اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ ہے[1]

شاید اس بات سے مراد اللہ تعالیٰ کے عاشق اور محب ہیں جو اس کی نازل کی ہوئی مصیبتوں پر بھی اسی طرح راضی رہتے ہیں جس طرح اس کی نعمتوں پر وہ راضی ہوتے ہیں۔

[1] وہ آگ جو حرارت اور تپش میں تمام حدود سے تجاوز کر گئی ہو۔ ذات حمی بلغت النہایۃ فی الحرارۃ

ربنا قنا عذاب النار انک انت الغفار

واحشرنا مع الابرار انک انت الستار

اللہم صل علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

تعارف

سُورۃ التکاثر

نام : اس سورت کا نام التکاثر ہے یہ لفظ پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور آٹھ آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد اٹھائیس اور حروف کی تعداد ایک سو بیس ہے۔

زمانۂ نزول : اگرچہ بعض روایات میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک اس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہی ہوا۔ یہی قول قرین صحت ہے۔

اس کے شان نزول کے بارے میں تفسیر جریری میں یہ روایت مذکور ہے کہ قریش کے دو قبیلوں بنی عبد مناف اور بنی سہم کے درمیان اس بحث کا آغاز ہوا کہ ان دونوں میں سے اعلیٰ و ارفع کون ہے۔ چنانچہ اپنے حریف پر اپنی فوقیت اور برتری ثابت کرنے کے لیے ہر قبیلہ نے اپنے اموال، اپنی جائیدادیں اور اپنے افراد کی کثرت تعداد کو پیش کیا یہاں تک کہ جو لوگ اس روز سے پہلے مر چکے تھے ان کی قبروں کا بھی شمار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرما کر ان کی اس احمقانہ معرکہ آرائی کی حقیقت کو آشکارا کر دیا۔

مضامین : اس سورت میں بڑی وضاحت سے ان لوگوں کی نادانی اور کم ہمتی کا پردہ چاک کیا گیا ہے جو ایسی چیزوں پر فخر کرتے ہیں جو فانی ہیں۔ ان چیزوں کو اپنے لیے باعث عزو افتخار شمار کرتے ہیں جو مقام انسانیت سے فروتر ہے۔ انہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے انجام سے آنکھیں بند کیے ہوئے دولت کے انبار سمیٹنے میں از حد مصروف ہو۔ تمہیں اتنی فرصت بھی نہیں کہ اپنے مستقبل کے بارے میں غور و فکر کر سکو لیکن یاد رکھو جب تمہیں موت کا پیالہ پلا دیا جائے گا تو اس وقت تمہاری بند آنکھیں کھلیں گی اور مستور حقیقتیں عیاں ہو جائیں گی۔ تمہیں جہنم کی وادی پر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اس وقت تم پچھتاؤ گے، کف افسوس ملو گے لیکن سب بے سود۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں شرمندگی اور ندامت نہ ہو تو اب آنکھیں کھولو، ہوش میں آؤ۔ اور فانی لذتوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو میں اپنی صلاحیتوں کو وقف کر دو۔ یہ مال و دولت، یہ فرزند و زن، یہ عہدہ و جاہ جس نے تمہیں بدمست کر دیا ہے اور منعم حقیقی کی یاد کا چراغ بھی تم نے گل کر دیا ہے۔ یہ تمہیں اس لیے تو نہیں دی گئی تھیں کہ تم سرکش بن جاؤ اور اپنے پروردگار کے خلاف علم بغاوت بلند کرو۔ عقلمندی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم احسان شناس بنتے اور ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے رب کریم کا شکر بھی ادا کرتے۔ یاد رکھو قیامت کے دن جب تم داور محشر کے سامنے پیش کیے جاؤ گے تو تم سے ان تمام نعمتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی اور تمہیں اس کا جواب دینا ہو گا۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

سورۃ التکاثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں آٹھ آیات ہیں

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے ؎۱ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے ؎۲ ہاں ہاں تم جلد جان لو گے ؎۳

؎۱ علامہ راغب لکھتے ہیں اللھو ما یشغل الانسان عما یعنیہ ویھمہ (مفردات) یعنی جو چیز انسان کو مفید اور اہم امور سے غافل کر دے اسے لہو کہتے ہیں۔

التکاثر: اس کے دو معنی کیے گئے ہیں۔ مال جمع کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا۔ دوم مال و دولت کی کثرت پر فخر کرنا۔

جو لوگ زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی دوڑ میں لگے ہوتے ہیں ان کو بڑی اہم اور ضروری چیزیں بھی فراموش ہو جاتی ہیں۔ دولت سمیٹنے کی ہوس جنون کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت نہ انہیں حلال و حرام کی تمیز رہتی ہے نہ دوست یا آشنا اور نہ قریب و عزیز کا دھیان رہتا ہے ان کے لیے ایک منٹ کی فرصت بھی غنیمت ہوتی ہے۔ بس ایک ہی خیال ان پر مسلط ہو جاتا ہے کہ جیسے بھی بن پڑے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لی جائے خواہ اس کے لیے انہیں ملک و قوم سے خیانت کرنی پڑے، اپنے فرض کی ادائیگی میں بددیانتی کے جرائم سرزد ہوتے ہیں تو ہوتے رہا کریں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بدنصیب لوگ خوف خدا اور آخرت کو ہی بھول نہیں جاتے بلکہ وہ اپنے وجود کے تقاضوں کو بھی فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں دولت اپنی عزت اپنی شہرت سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں اور اکثر یہ بازی ہار جاتے ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لو ان لابن آدم وادیا من ذھب احب ان یکون لہ وادیان ولن یملأ فاہ الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب (بخاری) اگر کسی شخص کے پاس سونے سے بھری ہوئی ایک وادی ہو تو اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے پاس ایک کے بجائے سونے سے بھری ہوئی دو وادیاں ہوتیں۔ اس کے منہ کو صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے نظر کرم فرماتا ہے۔ دوسری حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قناعت و بے نیازی کی بڑی دلنشین تلقین فرمائی ہے۔ مطرف عن ابیہ اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وھو یقرأ الھٰکم التکاثر الآیۃ قال یقول ابن آدم مالی مالی۔ وھل لک یا ابن آدم من مالک الا ما اکلت فافنیت او لبست فابلیت او تصدقت فامضیت وما سوی ذلک فذاھب وتارکہ للناس (مسلم) مطرف کہتے ہیں کہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا حضور اس وقت الھٰکم التکاثر پڑھ رہے تھے۔ فرمایا کہ انسان میرا مال میرا مال کہتا ہے۔ اے فرزند آدم کیا تمہارا مال کچھ ہے سوائے اس کے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اس کا ثواب آگے بھیج دیا۔ قیامت کے دن کام آئے، اس کے سوا جو کچھ ہے تو اسے لوگوں کے لیے چھوڑ کر چلا جائے گا۔

تکاثر کا دوسرا معنی لیا جائے تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ الھاکم ایھا الناس المباھاۃ بکثرۃ المال والعدد عن طاعۃ ربکم وعما ینجیکم من سخط علیکم۔ یعنی اے لوگو! تم مال و دولت کی بنا پر فخر کرتے ہو، اس چیز نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے۔

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٤ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۝٥

پھر ہاں! انہیں (ہرگز نہیں) تمہیں عنقریب (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)۔ ۵؎

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ۝٦ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ۝٧ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ

تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو۔ پھر آخرت میں تم (دوزخ کو) یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے ۶؎ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے

اس چیز سے بے پرواہ کر دیا ہے جو تمہیں اس کی ناراضگی سے بچا سکتی ہے۔ تم اسی تفاخر میں اتنے مصروف رہتے ہو کہ تمہیں اپنے خالق کی عبادت کی بھی فرصت نہیں ملتی اور نہ تمہارے پاس ایسے کام کرنے کے لیے وقت ہے جن کے باعث اس کے غضب سے اپنے آپ کو بچا سکو۔

۲؎ تم اسی دوڑ دھوپ میں مست رہتے ہو یہاں تک کہ حیات مستعار کا سورج غروب ہو جاتا ہے۔ موت کا فرشتہ آکر تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے قبر کی آغوش میں سلا دیے جاتے ہو۔ جو شخص مر جائے اہل عرب کہتے ہیں قد زار قبرہ۔ گویا زیارت قبر کا لفظ قبر میں دفن ہونے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

۳؎ کلا زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی جو نادانی کا رویہ تم نے اختیار کیا ہوا ہے یہ ہرگز درست نہیں۔ اگر تم اس سے باز نہ آئے اور اس بیہودہ شغل سے دستبردار نہ ہوئے اور ذکر الٰہی اور احکام الٰہیہ کی بجاآوری کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور اسی غفلت کی حالت میں موت آگئی تو اس وقت تمہیں معلوم ہو گا کہ تم کتنے غلط کار تھے اور کتنے خسارے کے کاروبار میں مصروف رہے۔ لیکن اس وقت آنکھیں کھلیں بھی تو کیا فائدہ؟ جب فرصت کی گھڑیاں تم نے برباد کر دیں۔

۴؎ وعید بعد وعید۔ دوبارہ دھمکی دی جا رہی ہے اور کلا سے مراد تاکید اور تغلیظ ہے۔ لیکن حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ پہلی وعید سے مراد عذاب قبر ہے اور دوسری وعید سے مراد عذاب آخرت ہے۔ دونوں حالتوں کو الگ الگ بیان کیا گیا ہے تکرار نہیں۔

۵؎ یہ بھی زجر و توبیخ کے لیے ہے یعنی اگر تم کو اس بات کا یقینی علم ہوتا تو تم فانی لذتوں، ناپائیدار عزتوں اور دولت و ثروت کے لیے اپنے اوقات کا قیمتی خزانہ اس بے دردی سے نہ لٹاتے۔ تمہارا ہر سانس، ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، ابدی نعمتوں اور لازوال راحتوں کے حصول کے لیے وقف رہتا۔ لو تعلمون کا جواب محذوف ہے لما الہاکم التکاثر۔ علم الیقین کا معنی ہے ان علما کعلم الامر المتیقن (مظہری) یعنی ایسا علم جو کسی یقینی بات کا ہوتا ہے۔

۶؎ قیامت کے دن تم جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ مومن بھی اسے دیکھیں گے اور کفار بھی لیکن دونوں کے دیکھنے میں بڑا فرق ہو گا۔ فھی للکفار دار وللمومنین ممر۔ کفار کے لیے یہ گھر ہو گا۔ وہ یہیں ٹھہریں گے اور مومنوں کے لیے گزرگاہ۔ کئی بجلی کی سرعت کے ساتھ گزر جائیں گے، کوئی ہوا کی تیزی سے اور کوئی پرندوں کی طرح، اپنے اپنے درجات کے مطابق ان کے گزرنے کی رفتار ہو گی۔

ع ۲۷

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ﴿٨﴾

اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں ۸؎

۸؎ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ روایت لکھی ہے۔ اس کے مطالعہ سے اس آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور ابوبکر و عمر سے ملاقات ہوئی۔ حضور نے فرمایا اس وقت تم دونوں اپنے گھروں سے باہر کیسے آئے ہو۔ دونوں نے عرض کی الجوع یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے پیارے رسول! سخت بھوک لگی ہے۔ حضور نے فرمایا بخدا میں بھی اسی وجہ سے باہر نکلا ہوں۔ حضور دونوں کو ہمراہ لے کر ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے۔ (دوسری روایت میں ان کا نام مالک بن التیہان درج ہے) لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے جب حضور کو دیکھا تو آگے بڑھ کر بڑی خوشی سے خوش آمدید کہا۔ حضور نے پوچھا تمہارا شوہر کہاں ہے؟ اس نے عرض کیا ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد انصاری آگئے۔ جب حضور کو اور حضور کے ساتھیوں کو دیکھا تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔ کہنے لگے الحمد للہ ما احد الیوم اکرم اضیافا منی۔ الحمد للہ آج روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے پاس میرے مہمانوں سے زیادہ عزت والے مہمان آئے ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے باغ کی طرف چلا گیا اور کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر لے آیا جس میں پختہ، نیم پختہ اور تر کھجوریں تھیں۔ خدمت اقدس میں رکھا اور تناول فرمانے کی التجا کی۔ پھر اس نے چھری پکڑی۔ حضور نے فرمایا ایاک والحلوب۔ شیردار بکری کو ذبح نہ کرنا۔ پس اس نے ایک بکری ذبح کی اور ان معزز مہمانوں نے اس کا گوشت بھی تناول فرمایا اور کھجوریں بھی کھائیں اور ٹھنڈا میٹھا پانی بھی پیا۔ جب سیر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دونوں یاروں سے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ روز قیامت تم سے ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ فاقے نے تم کو اپنے گھروں سے نکالا اور تم ان نعمتوں سے شاد کام ہو کر اب واپس جا رہے ہو۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر جو انعام فرماتے وہ اس کا شکر ادا کرنے کی کوشش کریں اور اس بات کو کبھی فراموش نہ کریں کہ ان کے بارے میں ان سے باز پرس ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی بے شمار نعمتوں سے بہرہ ور فرماتے اور ہمیں ان کا شکر ادا کرنے کی بھی توفیق مرحمت فرمائے تاکہ جب قیامت کے روز باز پرس ہو تو ہمیں ندامت نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

تعارف

سُورَۃ وَالعصر

نام: اس سورت کا نام العصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چودہ اور حروف کی تعداد اڑسٹھ ہے۔

زمانۂ نزول: جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کا اسلوبِ بیان اسی قول کی تائید کرتا ہے۔

شانِ نزول: حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا شانِ نزول یہ بتایا ہے کہ کلدہ بن اسید جس کی کنیت ابو الاسدین تھی۔ عہدِ جاہلیت میں حضرت ابوبکر سے اس کا بڑا یارانہ تھا۔ حضرت ابوبکر مشرف باسلام ہوئے تو یہ تاسف کرتا ہوا آپ کو سمجھانے آیا۔ کہنے لگا کہ اے ابوبکر! تمہاری قابلیت اور دانشمندی ہر شک و شبہ سے بالاتر تھی۔ کاروبار میں بھی تمہارا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اپنی تاجرانہ مہارت کے باعث تمہارا ہر سودا نفع بخش ہوا کرتا تھا۔ بایں فہم و دانش تم نے اپنے آباء و اجداد کا طریقہ چھوڑ دیا۔ لات و عزیٰ کی عبادت ترک کر دی اور ان کی شفاعت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا۔ تم سے ایسی نادانی کی توقع ہرگز نہ تھی۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ آپ نے اس کو جواب دیا کہ جو شخص حق کو قبول کر لیتا ہے اور ثابت قدمی سے راہِ راست پر گامزن رہتا ہے، وہ زیاں کار نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس سے حضرت صدیق کے قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ (تفسیر عزیزی)

مضامین: یہ تین آیات ہیں یا اسرار و معارف کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر ہیں جن کا کنارا ناپید ہے اور انکی گہرائی بے اندازہ ہے۔ عبارت کے ایجاز کو دیکھ کر فصحاء عرب تصویرِ حیرت بن گئے اور معانی کے شانِ اعجاز کو دیکھ کر عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے کہ ان کی ملاقات مسیلمہ کذاب سے ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں مسیلمہ نے پوچھا کہ بتاؤ اس عرصہ میں تمہارے صاحب پر کیا نازل ہوا ہے۔ عمرو نے کہا بڑی مختصر اور انتہائی بلیغ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کون سی؟ انہوں نے یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ چند لمحے اس نے توقف کیا، پھر کہا اسی قسم کی سورت مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے اور یوں پڑھنے لگا:

"یا وَبَرُ یا وَبَرُ وانما انت اذنان و صدر وسائرک حفر نقر۔"

پھر داد طلب نگاہوں سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھنے لگا اور پوچھا بتاؤ کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اے مسیلمہ تجھے خوب علم ہے کہ میں تجھے پرلے درجہ کا جھوٹا جانتا ہوں۔ وَبَر بلی کی شکل کا ایک جانور ہے جس کے دونوں کان اور

سینہ بہت بڑے ہوتے ہیں اور اس کا بقیہ جسم بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے چاہا قرآن کریم کی اس نورانی سورت کا ایسے خرافات سے مقابلہ کرے۔ بھلا قرآن کی آیات کے مقابلہ میں اس ہذیان سرائی کی کیا وقعت ہو سکتی تھی۔ اہل ایمان تو کجا ایک ایسا شخص جو ابھی کفر و شرک کی آلائشوں سے آلودہ ہے اس کا ذوق سلیم بھی اس مجموعہ خرافات کو مسترد کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

صحابہ کرام کو اس سورت کی معنویت اور جامعیت کا بڑا احساس تھا! چنانچہ طبرانی نے عبیداللہ بن حفص سے روایت کیا ہے کہ جب کبھی دو صحابی ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو رخصت ہونے سے پہلے ایک صاحب یہ سورت پڑھ کر سناتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل بجا کہا ہے:

لو تدبر الناس هذه السورة لوسعتهم۔ یعنی اگر لوگ اس ایک سورت میں ہی غور و تدبر کریں تو ان کی فلاح دارین کے لیے یہ ایک سورت ہی کافی ہے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ العصر مکی ہے | اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے | اس کی تین آیات ہیں

وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ۝٢ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

قسم ہے زمانہ کی ۱؎ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے ۲؎ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لائے اور نیک

۱؎ اس سورت کا آغاز العصر کی قسم کھا کر کیا جا رہا ہے۔ عصر کا معنی زمانہ بھی ہے اور عصر دن کے اس حصے کو بھی کہتے ہیں جو ظہر اور مغرب کی نمازوں کے درمیان نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سورت میں جو حقیقت بیان کی جا رہی ہے اس کی صداقت پر سب سے بڑا گواہ خود زمانہ ہے۔

آپ انسانی تاریخ کے کسی دور کا مطالعہ کریں آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے جو اس مختصر سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ جو افراد اور قومیں ان مذکورہ چار صفات سے متصف نہیں ہوتیں وہ خائب و خاسر ہوتی ہیں۔ نمرود اور فرعون کو دیکھو، قوم نوح اور قوم ثمود کے حالات کا مطالعہ کرو، ہر جگہ اس حقیقت کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہے۔ نمرود اپنے وقت کا بہت بڑا بادشاہ تھا۔ ساری رعایا اس کی فرمانبردار تھی۔ ملک کی ساری دولت اس کے قبضہ میں تھی۔ اس کے شاہی خزانے سونے چاندی اور دیگر جواہرات سے بھرے ہوئے تھے۔ فوج بھی اپنے بادشاہ کے ساتھ وفا کے جذبہ سے سرشار تھی۔ یہی حال فرعون کا تھا۔ ان دونوں میں اگر کسی چیز کی کمی تھی تو صرف یہ کہ وہ دونوں ان صفات جلیلہ سے محروم تھے جو انسانی فوز و فلاح کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوا۔ ایک مطلق العنان بادشاہ و فرمانروا کو ایک حقیر مچھر نے ہلاک کر دیا۔ دوسرے کو سمندر کی موجیں خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ ان کے حسرتناک انجام پر ایک آنکھ بھی اشکبار نہ ہوئی۔ ایک دل بھی سوگوار نہ ہوا۔ بلکہ فما بکت علیہم السماء والارض۔ ان بدبختوں کی تباہی و بربادی پر چشم فلک سے کوئی آنسو نہ ٹپکا اور نہ ہی زمین کی آنکھیں اشکبار ہوئیں۔ قوم نوح کو جب طوفان کی مہیب موجوں نے گھیر لیا اور وہ سب کے سب غرق ہو گئے تو ان ظالموں کی بربادی پر کائنات نے صرف یہی کہا فبعداً للقوم الظالمین۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ والعصر سے مراد وہ عصر سعادت ہے جب یہ جہان حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود مسعود سے منور ہوا۔ ویسے تو ہر زمانہ اس سورت میں بیان کردہ مضامین کی حقانیت کا گواہ ہے لیکن جیسی کامل، ناقابل تردید شہادت عہد مصطفوی نے دی ہے اس کی کوئی نظیر نہیں مل سکتی۔ جن لوگوں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا وہ اپنی امارتوں، ریاستوں اور گوناگوں دیگر خصوصیتوں کے باوجود نیست و نابود ہو گئے۔ انسانیت نے ان کو فراموش کر دیا اور جن کی کچھ یاد باقی ہے ان کا نام گالی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لیکن جن خوش نصیبوں نے اس ہادی برحق کی دعوت کو قبول کر لیا اس کی غلامی کی سعادت سے بہرہ ور ہونے کے باعث ان چاروں خوبیوں سے اپنی زندگی کا دامن بھر لیا وہ انسانیت کی آبرو بن گئے، چشم گیتی کا نور، گلشن ہستی کی بہار اور فرزند آدم کا فخر بن گئے۔ ان کا نام زبان پر آتے ہی فرط تعظیم سے سر جھک جاتا ہے اور دل کی دنیا میں نور پھیل جاتا ہے۔ ان کے ذکر سے طاغوتی طاقتوں پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صدیوں کا گرد و غبار ان کے نقوش پا کو محو

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳ ع ۱ ۲۸

عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔

بنانے والے کارواں انسانیت کی قیادت کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنی قربانیوں اور مخلصانہ عمل سے انسان کے سر افتخار کو بلند کر دیا ہے۔

اس لیے اگر والعصر سے عہد رسالت مراد لیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔

۲۔ زندگی کے اس کارواں میں بڑا سرمایہ وقت ہے جو اس سے بیش قیمت اور عزیز القدر کوئی دوسرا سرمایہ نہیں۔ جو لوگ اس گراں مایہ متاع کو ضائع کر دیتے ہیں، عیش و عشرت میں برباد کرتے ہیں، یا ابدی حقائق کے بجائے زوال پذیر اور فانی چیزوں کے حصول میں صرف کرتے ہیں وہ کاروبار زیست سے نفع کیا خاک حاصل کریں گے انھوں نے تو اپنی پونجی ہی ڈبو دی ہے۔ اس سے بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ نفع کے بجائے نقصان اٹھایا اور نقد وقت بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے کہ دوبارہ زیست کا آغاز شروع کرنے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ آپ نے دیکھیں اس مسافر کی حالت قابل رحم ہے جو منزل کی طرف چلنے کے بجائے بھٹک رہا ہو، سورج ڈوب چکا ہو، رات کی تاریکی چاروں طرف پھیل رہی ہو۔

۳۔ البتہ نوع انسانی میں سے وہ خوش قسمت افراد جن میں یہ چند مندرجہ ذیل خوبیاں پائی جاتی ہیں حقیقی فلاح کا تاج انھی کے سر پر سجایا جاتا ہے۔

پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ وہ صدق دل سے اپنے رب کریم پر ایمان لائیں نیز اس کے ہر رسول پر جو اس نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے جس نبی کو مبعوث فرمایا ہے اس کی تصدیق کریں اور اس نبی نے انسان کے سامنے جو نظام حیات پیش کیا ہے اس کو تہہ دل سے قبول کریں۔

دوسری صفت یہ ہے کہ اپنی زبان سے جس قلبی ایقان کا انھوں نے اظہار کیا ہے، میدان عمل میں ان کے اعمال کا ہر قدم اس کی تصدیق کرے۔

۴۔ جہاں تک ان کی انفرادی کامیابی کا تعلق ہے وہ ان دو صفتوں کے پائے جانے سے حاصل ہو گئی لیکن اسلام چراغ روشن کرے کہ جو اپنے ماحول کی تاریکیوں کو بھی اجالا کر دے، وہ دریا بنیں جو ان بے آب و گیاہ صحراؤں اور چٹیل میدانوں کو سیراب کر کے رشک فردوس بنا دے۔ اس لیے فرمایا تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے حلقہ اثر میں حق کی پذیرائی اور اس کی بالادستی قائم کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے اور یہ کوشش اس وقت تک بارآور نہیں ہو سکتی جب تک یہ خود اور اس کی محنت سے حق کو قبول کرنے والے اس راہ کی صعوبتوں کو جواں مردی سے برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کریں۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ ایک دوسرے کو صبر و استقامت کا درس دیتے رہیں۔ ایک صاحب کلام میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کر کے دوسروں کے لیے دلکش نمونہ پیش کرتے رہیں۔ یہ صبر کامیابی کی اہم اور بنیادی شرط ہے۔ اس سے مراد فقط یہی نہیں کہ جب کوئی تکلیف آئے تو آپ گھبرائیں نہیں، بلکہ اس کے علاوہ نیکیاں کرنے پر صبر، گناہوں سے اجتناب پر صبر، احکام شرعیہ کی پابندی پر صبر، باطل کے دباؤ کے مقابلہ میں صبر، جب یہ ساری صفات ایک انسان میں آجاتی ہیں تو پھر ان صفات سے متصف ہونے والا …

یہ پرچم ہمیشہ سربلند رہے گا۔ کوئی طوفان اس کو سرنگوں نہ کر سکے گا۔ کوئی آندھی اس کی روشن کی ہوئی شمع کو بجھا نہ سکے گی۔ آپ ان خوش نصیب انسانوں کی سعادت مندی کا اندازہ لگائیں جن کی عرق ریزیاں، جگر کاویاں اور شب بیداریاں کے باعث حق کو قوت و غلبہ نصیب ہوا اور جن کی سرفروشی اور جذبۂ ایثار و خلوص نے ایسی شمعیں روشن کر دی ہیں جن سے وہ راستہ جگمگا رہا ہے جو انسان کو اپنی حقیقی اور بلند منزل کی طرف لے جانے والا ہے۔

یہاں تواصوا کا استعمال اور اس کا تکرار بڑا غور طلب ہے۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں اوصی الرجل ووصاہ: عہد الیہ (لسان العرب) یعنی کسی شخص کو کسی دوسرے کو کسی کام کی تاکید کرنا۔ علامہ راغب اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں الوصیۃ: التقدم الی الغیر بما یعمل بہ مقترنا بوعظ من قولہم ارض واصیۃ متصلۃ النبات (المفردات) کسی کو پند و موعظت سے کوئی کام کرنے پر آمادہ کرنا یا تاکید کرنا۔ اس کے علاوہ اس میں تسلسل کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ وہ زمین جس میں مسلسل گھاس اگی ہوئی ہو اور سلسلہ منقطع نہ ہو اسے ارض واصیۃ کہتے ہیں۔ جوہری نے صحاح میں اور زبیدی نے تاج العروس میں اس کی یہی تشریح کی ہے۔

اس تحقیق کی روشنی میں آیت کے اس جملہ کا مفہوم یہ ہوگا کہ حق کو قبول کرنے اور اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا سامنا کرتے وقت صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین و تاکید کی جا رہی ہے۔ ان کے آباؤ اجداد نے ان کو ان امور کے بارے میں جو وصیت کی ہے وہ اپنی آنے والی نسلوں کو اس کی وصیت کرتے رہیں۔

کیونکہ حق کو قبول کرنا اور اس راہ میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا دونوں باتیں نہایت اہم ہیں اس لیے تواصوا کو مکرر ذکر کیا تاکہ ہر ایک کی مستقل وصیت کو پیش نظر رکھے۔

○

تم بحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

○

تعارف

سُورۃ الھمزہ

نام : اس سورت کا نام الھمزہ ہے جو اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ ایک رکوع اور نو آیات پر مشتمل ہے۔
اس کے تیس کلمات اور ایک سو تیس حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : کفار مکہ یوں تو سب کے سب حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغض و عناد رکھتے تھے لیکن ان میں چند ایسے بدباطن بھی تھے جو جھوٹے الزامات لگانے اور بہتان تراشی میں پیش پیش تھے۔ ان کی کیفیت بھی یکساں نہ تھی۔ کچھ ایسے تھے جو پس پشت ترغیب و عیب جوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے لیکن روبرو کوئی ناروا بات کہنے کی وہ جسارت نہ کرتے۔ بعض بدبخت اور بے حیا ایسے بھی تھے جو منہ پر بھی طعن و تشنیع سے باز نہ آتے۔ اخنس بن شریق ان کا سرغنہ تھا۔ انہی لوگوں کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی۔

بتایا جا رہا ہے کہ چاندنی کی چاندنی سے روشن تر، قطرہ ہائے شبنم سے پاکیزہ تر، گلاب کی پتی سے بھی زیادہ لطیف سیرت طیبہ پر جو لوگ نازیبا الزام لگاتے ہیں ان کا انجام کار دردناک ہے۔ ان کے دلوں میں دولت کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ مال جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ درہم و دنانیر کو گننا اور بار بار گننا ان کی مرغوب تفریح ہے۔ خود تو مکھی کی طرح دنیا کی غلاظتوں پر بھنبھناتے ہیں اور بے ادبیاں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس محبوب کی ذات اطہر پر جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہے۔

وہ صرف دولت کے پجاری اور پرلے درجے کے کنجوس ہی نہیں بلکہ عقل و فہم سے بھی بے بہرہ ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دولت کی فراوانی انہیں موت کے چنگل سے چھڑا لے گی۔ کوئی بیماری ان کے قریب نہیں آئے گی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہیں گے حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ان سے پہلے جو ان سے بھی کئی گنا زیادہ دولت مند لوگ تھے وہ خاک میں مل کر خاک نہ ہو چکے ہوتے۔ کیا یہ لوگ آج ان کا کوئی نام و نشان دکھا سکتے ہیں؟ ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے انجام کے بارے میں بھی وضاحت فرما دی تاکہ کوئی شخص کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ جس شخص کی تمنا ہے کہ وہ ایسے المناک انجام سے دوچار نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ آج ہی سلامتی اور ہدایت کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعُ اٰيٰتٍ

سورۃ الھمزہ مکی ہے اور اس کی نو آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝۱ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝۲

ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو روبرو طعنے دیتا ہو (اور) پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرتا ہو۔[۱] جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔[۲]

۱؎ یہاں دو لفظ ھمزۃ، لمزۃ استعمال ہوئے ہیں۔ علمائے لغت نے ان کی تشریح کرتے ہوئے متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ قال ابن عباس ھم المشاؤون بالنمیمۃ المفرقون بین الاحبۃ۔ الباغون للبراء العیب ومعناھما واحد۔ یعنی یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں، ہر چغلی کھانے والے، دوستوں میں جدائی اور تفرقہ ڈالنے والے، بے قصور اور بے عیب انسان میں نقص نکالنے والے کو ہمزہ اور لمزہ کہتے ہیں۔

مقاتل کا قول یہ ہے الھمزۃ الذی یعیبک فی الوجہ واللمزۃ الذی یعیبک فی الغیبۃ۔ یعنی جو روبرو طعنہ زنی کرے اسے ہمزہ اور جو پس پشت عیب جوئی کرے اسے لمزہ کہتے ہیں۔ ابو العالیہ اور حسن نے ان کا معنی برعکس کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی اقوال مذکور ہیں۔ ان سب سے پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ اتنے قریب المعنی ہیں کہ اہل لغت کے لیے ان کا الگ الگ معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا۔

کفار میں یہ کمزوری عام تھی، جہاں کسی غریب اور کمزور سے آمنا سامنا ہوا تو اس کے منہ پر اسے برا بھلا کہتے کیونکہ انہیں اس کی طرف سے کسی مزاحمت یا جوابی کارروائی کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا اور جہاں کوئی با اثر اور با اقتدار آدمی ہوا اس کے سامنے اس کی تعریفیں کرنے لگے، اس کی خوشامد میں چند جملے بھی بول لیے اور جب وہ چلا گیا تو اس کی غیبت کرنا شروع کر دی۔ یہ ایسا ہے، ویسا ہے، اس میں یہ عیب ہے، اس میں فلاں کمزوری ہے۔ آج بھی اکثر لوگ اس اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

۲؎ دوسرے لوگوں پر زبان طعن دراز کرنے کی عادت اس میں اس لیے ہے کیونکہ وہ مال دار اور دولت مند ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے آپ کو بڑا آدمی سمجھنے لگا ہے اور دوسرے لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھتا ہے۔ لیکن دولت مند ہونے کے باوجود بڑا کنجوس ہے۔ گن گن کر بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتا ہے۔ ایک درہم بھی خرچ کرنے کی اسے ہمت نہیں ہوتی۔ بعض علماء نے عددہ کا معنی اعدہ کیا ہے، یعنی اس نے آنے والے مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے مال جمع کر رکھا ہے۔ وجعلہ عدۃ للنوازل۔

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝٣ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝٤ وَ

وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لازوال بنا دیا ہے ۳ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا ۴ اور

مَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝٥ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝٦ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى

تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے ۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی ۶ جو دلوں تک جا

الْأَفْئِدَةِ ۝٧ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝٨ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝٩

پہنچتی ہے ۷ بیشک وہ ان پر بند کر دی جائے گی ۸ اس حال میں کہ شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے ۹

۳ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اگر اس کی دولت اس کے پاس رہی تو موت کا فرشتہ اس کے قریب نہیں پھٹکے گا۔ اسی کروفر کے ساتھ یہ ہمیشہ زندہ رہے گا۔

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ مال اس کے پاس ہمیشہ رہے گا۔ کبھی فنا نہ ہوگا کبھی ختم نہ ہوگا۔

۴ نبذ کی تشریح کرتے ہوئے علامہ راغب لکھتے ہیں النبذ القاء الشیء وطرحہ لقلۃ الاعتداد بہ۔ کسی چیز کو حقیر سمجھتے ہوئے پھینک دینا۔ کہتے ہیں نبذت النعل الخلق میں نے پرانی جوتی اتار کر پھینک دی۔

ایسے بدنیت کو دوزخ میں پھینکنے کا ذکر کرتے وقت ایسا لفظ استعمال فرمایا جو اس مفہوم کو ادا کرنے کے ساتھ اس کی تحقیر و تذلیل کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے۔

یعنی آج وہ اپنے آپ کو بڑا محترم اور سردار تصور کرتا ہے' معاشرے میں اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے' دولت کی کثرت کے باعث لوگوں کے دلوں پر اس کا رعب بیٹھا ہوا ہے' اس لیے وہ اپنے آپ کو کوئی بڑی چیز سمجھنے لگا ہے' لیکن خداوند کریم کے نزدیک وہ پرانی جوتی سے بھی زیادہ حقیر ہے۔

حطمہ۔ حطم سے ہے۔ اس کا لغوی معنی توڑ دینا ہے۔ ڈاٹنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ یہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہوگی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی آن واحد میں اس کو پیس کر رکھ دے گی' اس کے پرخچے اڑا دے گی۔

۶ اس حطمہ کی مزید تشریح کر دی۔ یہ وہ آگ ہے جسے اللہ نے جلایا ہے جو ہمیشہ بھڑکتی رہے گی کبھی نہیں بجھے گی۔

۷ جس کی آنچ دلوں تک پہنچ جائے گی' اس کی سوزش اور تپش سے دل بھن کر کباب ہو جائیں گے۔

۸ جب کسی دروازے کے کواڑوں کو بھینچ کر بند کر دیا جائے اور کنڈی لگا دی جائے اور ان کے دوبارہ کھلنے کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو تو عرب کہتے ہیں آصدت الباب۔ اسی سے مؤصدۃ اسم مفعول ہے۔ یعنی ان نابکاروں کو حطمہ میں ڈال دیا جائے گا اس کے دروازے بڑی مضبوطی سے مقفل کر دیے جائیں گے۔ وہ انہیں کوئی کھول نہ سکے گا اور وہ اس عذاب الیم سے ان کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

عمد: عمود کی جمع ہے یعنی ستون۔ ممددۃ: طویل لمبے۔ یعنی اس آگ کے شعلے لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں بلند ہوں گے، وہ بجھیں گے اور ان کے درد والم میں کوئی تخفیف ہوگی۔

○

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین واصلح لی شانی کلہ وقنا ربنا عذاب النار وتوفنا مع الابرار۔ وصل وسلم وبارک علی النبی المختار الاتقی وآلہ الاطہار۔

تعارف

سُورۃ الفیل

نام : اس سورہ مبارکہ کا نام الفیل ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور چھیانوے حروف ہیں۔

زمانۂ نزول : مکہ مکرمہ میں عہد نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔

تاریخی پس منظر : اس سورت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے اس کو پوری طرح سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس واقعہ کی تفصیلات کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے۔ صرف اسی طرح ہم اس سورت کے مقصدِ نزول سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

نقشہ پر نظر ڈالنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ بحر احمر کے دائیں طرف یمن کا ملک ہے اور اس کے متقابل دوسری طرف براعظم افریقہ کا ملک حبشہ ہے جسے ایتھوپیا یا ابی سینیا بھی کہا جاتا ہے۔ علم انساب کے ماہرین کا خیال ہے کہ حبش کے باشندے اصل یمن کی قوم سبا کے ہی افراد تھے جنہوں نے یمن کی خوشحالی کے دور میں یمن سے نقل مکانی کر کے ابی سینیا کے ساحل پر اپنی تجارتی منڈیاں اور مراکز قائم کر لیے تھے۔ زیادہ دیر تک وہ اپنی انفرادیت قائم نہ رکھ سکے۔ افریقہ کے اصلی باشندوں کے ساتھ ان کے شادی بیاہ کا سلسلہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ نہ وہ خالص سبائی رہے اور نہ خالص افریقی بلکہ ایک مخلوط قوم بن گئے۔ اسی لیے ان کو حبش کہا جاتا ہے جس کا معنی اختلاط و امتزاج ہے۔ گویا سبا کی قوم دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک حصہ اپنے اصلی وطن یمن میں اقامت پذیر رہا، انہیں سبائے حمیر کہا جاتا ہے اور جو لوگ ترک وطن کر کے یہاں آ کر آباد ہو گئے انہیں سبائے حبش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

یمن کے اصلی باشندے ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ مختلف ستاروں کے لیے انہوں نے بڑے بڑے معبد بنوا رکھے تھے، لیکن اس زمانہ میں افریقہ قیصر روم کے قبضہ میں تھا۔ رومی عیسائی تھے۔ ان کے حکومتی اثر اور سرگرم تبلیغی کوششوں کے باعث عیسائیت کو یہاں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حبشہ کے باشندے بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی اکثریت نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا۔ یمن میں بھی عیسائی مبلغین کی کوششوں سے نجران کے علاقہ میں عیسائیت نے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا۔ ذونواس حمیر کا آخری بادشاہ عیسائیت کے فروغ سے آتش زیر پا ہو گیا اور اس نے گڑھے کھدوائے، ان میں آگ جلائی اور ان عیسائیوں کو آگ میں پھینک کر جلا دیا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آپ ابھی ابھی سورۃ البروج میں پڑھ چکے ہوں گے۔ یہ کیا ایک عیسائی امیر دوس بن ثعلبان جو بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس فریادی ہوا۔ نجاشی نے قیصر روم سے مشورہ کیا اور یمن پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ چند عیسائی جو بچ گئے تھے وہ قیصر کے پاس

قسطنطنیہ پہنچے اور وہاں جاکر اپنے بھائیوں کی داستانِ الم بیان کی قیصر نے نجاشی کو یمن پر حملہ کرنے اور ان مقتولین کا انتقام لینے کی ہدایت کی، چنانچہ حبشی لشکر یمن پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا قیصر نے اپنا بحری بیڑہ فراہم کیا تاکہ یہ لشکرِ جرار اس کے ذریعہ بحر احمر کو عبور کرے۔ قیصر نے یہ رویہ کیوں اختیار کیا؟ اس فیاضانہ اعانت کا محرک کیا صرف مذہبی جذبہ تھا۔ بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ محض بہانہ تھا۔ اصل مقصد یہ تھا کہ اس تجارتی شاہراہ پر اپنی گرفت مضبوط کی جائے جس کے ذریعے مشرقی ممالک کا قیمتی سامانِ تجارت مغربی ممالک تک پہنچتا ہے۔ اس سے پیشتر اس شاہراہ پر اہلِ عرب کی اجارہ داری تھی اور انہی کے اَنگنت اونٹوں پر مشتمل قافلے اس سامان کو بحیرہ عرب کی بندرگاہ سے اٹھا کر بحیرہ روم کے ساحل تک پہنچایا کرتے تھے۔ کئی صدیوں سے رومی للچائی ہوئی نظروں سے اس شاہراہ کو دیکھتے تھے اور محض کسی بہانہ کی تلاش میں تھے۔ جو عرصہ سے رومیوں اور ایرانیوں میں جنگ شروع تھی اور بحالتِ جنگ میں اس راستہ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ممکن ہے قیصر کے اس اقدام کے محرک یہ دونوں سبب ہوں۔

الغرض جب حبشی لشکر حملہ آور ہوا تو شاہِ یمن ذونواس نے عدن اور حضرموت کے ساحل پر اس کا استقبال کیا اور اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ حبشی دشمن واپس آئے اور انہوں نے پھر بڑے زور شور سے دوبارہ حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اب کی دفعہ ذونواس ان کے حملے کی تاب نہ لاسکا اس کا جری لشکر بری طرح شکست سے دوچار ہوا۔ ذونواس نے راہِ فرار اختیار کی اور اپنا گھوڑا ایک دریا میں ڈال دیا لیکن وہیں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا نائب ذوجدن مقابلہ کے لیے بڑھا لیکن وہ بھی مارا گیا۔ ذویزن نے حبشی فوج کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام ہوا۔ اس طرح ۵۲۵ عیسوی میں سارا یمن حبشیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ عرب مؤرخین کے نزدیک اس حبشی لشکر کے سالار کا نام ارباط تھا۔ شاہ نجاشی نے اسی کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ لیکن یونانی مؤرخ اس سالار کا نام اسمیفیس بتاتے ہیں اور اس وقت کے نجاشی کا نام 'ایلاسبس' لکھتے ہیں۔

عربی روایات کے مطابق ارباط نے تقریباً ۲۰ سال تک یمن پر حکومت کی۔ اس کے بعد حبشی فوج نے ایک فوجی افسر ابرہہ کی قیادت میں اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ ارباط مارا گیا اور ابرہہ یمن کا والی بن بیٹھا۔ سال کا تعین مشکل ہے البتہ ایک کتبہ جو ابرہہ کا نصب کردہ ہے اس پر ۶۵۷ یمنی سال مرقوم ہے جو ۵۴۳ء کے مطابق ہے۔

نجاشی نے ابرہہ کی بغاوت اور ارباط کے قتل کی خبر سنی تو بہت غضبناک ہوا۔ قسم اٹھائی کہ وہ خاکِ یمن کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالے گا اور ابرہہ کا خون بہائے گا۔ ابرہہ نے ایک شیشی میں اپنا خون بھرا اور یمن کی کچھ مٹی ایک خریطہ میں بند کی۔ دونوں کو بادشاہ کے پاس بھیجا اور لکھا کہ میں آپ کا حلقہ بگوش غلام ہوں۔ آپ نے جو حلف اٹھایا ہے اس کو پورا کرنے کے لیے اپنا خون اور یمن کی مٹی بھیج رہا ہوں۔ آپ اس مٹی کو اپنے پاؤں سے روند ڈالیے اور میرا خون جو شیشی میں ہے اسکو زمین پر بہا دیجیے۔ ابرہہ کی اس پیشکش سے نجاشی بہت خوش ہوا اور اسے یمن کا والی برقرار رکھا۔

جب ابرہہ کو کچھ اطمینان ہوا تو اس نے یمن میں عیسائیت کی تبلیغ کے لیے تحریک شروع کر دی۔ بڑے بڑے شہروں

میں گرجے تعمیر کیے اور یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک بہت بڑا عظیم الشان گرجا تعمیر کیا جس کو عرب القلیس یا القلیس کہتے ہیں یہ لفظ کلیسا کا معرب ہے۔ اس کی زیب و زینت و آرائش پر دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ان تمام کوششوں اور اقدامات کے باوجود عیسائیت کی اشاعت میں اسے حسب منشا کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اس کے سامنے ایک ایسی رکاوٹ تھی جس نے اس کی کوششوں کو تقریباً بے اثر بنا دیا۔ مکہ مکرمہ میں جو کعبہ حضرت خلیل اور اسماعیل علیہم السلام نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر کیا تھا ہر عربی باشندے کو اس سے قلبی اور فطری عقیدت تھی، وہ کسی قیمت پر اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا تھا عیسائیت قبول کرنے کا فوری نتیجہ اس رشتہ کا انقطاع تھا جس کے لیے اہل عرب بالکل تیار نہ تھے۔

ابرہہ نے اس رکاوٹ کو اپنے راستے سے ہٹانے کا عزم کر لیا۔ اس نے عرب کے تمام علاقوں میں منادی کرا دی کہ میں نے تمہارے لیے ایک بہت خوبصورت کعبہ بنایا ہے تم وادی غیر ذی زرع میں واقع ان گھڑے سیاہی مائل پتھروں کے بنے ہوئے کعبہ کے بجائے یہاں آکر اپنا حج کیا کرو جو صنعاء کی جنت نظیر وادی میں انسانی فن تعمیر کا ایک شاہکار ہے۔ لیکن اس کی یہ دعوت صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ لوگ اس کے ہر طرح کے پراپیگنڈے کے باوجود تپتے ہوئے صحرا بے آب و گیاہ، ریگستانوں کو مستانہ وار عبور کرتے ہوئے مکہ کریمہ حاضر ہوتے اور کعبہ مشرفہ کا طواف کر کے سکون دل حاصل کرتے۔ اس چیز نے ابرہہ کو اور مشتعل کر دیا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس گھر کو گرا کر نیست و نابود کر دے گا۔ ان حالات میں ایک اور واقعہ رونما ہوا جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ کہتے ہیں بنی کنانہ کے کسی شخص نے رات کو اس کلیسا میں جا کر قضائے حاجت کر دی بعض کی رائے ہے کہ چند عرب نوجوانوں نے اس کلیسا کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی لیکن مقاتل بن سلیمان کی رائے یہ ہے کہ چند مسافر رات بسر کرنے کے لیے اس گرجا کے پڑوس میں اترے۔ انہوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی۔ آندھی آگئی اور کوئی چنگاری اڑ کر اس گرجے میں جا پہنچی جس سے وہاں آگ بھڑک اٹھی۔ ابرہہ یہ سن کر برافروختہ ہو گیا اور اس نے مکہ پر فوری چڑھائی کا عزم کر لیا۔ چند روز میں ایک لشکر جرار کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہو گیا اس کا سالار اعلیٰ خود ابرہہ تھا۔ جزیرۂ عرب میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ خود یمنی امراء و سرداروں نے کعبہ مقدسہ کو بچانے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ یمن کے ایک رئیس ذونفر نے اپنی قوم اور دیگر قبائل عرب کو ابرہہ کا مقابلہ کرنے کے لیے للکارا۔ اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے بیشمار لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن ذونفر کے لشکر نے شکست کھائی اور یہ خود گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا جب اس کا گزر بلاد خثعم سے ہوا تو بنی خثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے اس کا مقابلہ کیا۔ بنی خثعم کے دونوں قبیلے شہران اور ناہس اس کے ساتھ تھے لیکن انہیں بھی شکست کا منہ دیکھنا پڑا نفیل گرفتار کر لیا گیا۔ ابرہہ نے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن پھر اسے معاف کر دیا۔ اس نے اس کو بھی ساتھ لیا تاکہ بلاد حجاز میں وہ اس کا دلیل کارواں بن سکے۔

جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو اہل طائف کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ابرہہ ان کے مندر کو منہدم نہ کر دے جس میں ان کے معبود لات کا بت نصب تھا۔ چنانچہ وہاں کے رؤسا ابرہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے بتایا کہ ہمارا یہ معبد وہ نہیں جس کو گرانے کا تم نے قصد کیا ہے بلکہ وہ آگے مکہ میں ہے اور ہم اس سلسلہ میں آپ کی ہر خدمت بجا لانے کے لیے

تیار ہیں۔ چنانچہ ابرہہ نے ان کو اطمینان دلایا، ان کی عزت و تکریم کی۔ انہوں نے ابو رغال کو اس کے ہمراہ بھیجا تاکہ وہ راستہ بتائے اور کعبہ کی نشاندہی کرے۔ جب ابرہہ اپنے لشکر جرار کو ساتھ لیے مکہ کے نزدیک وادی مغمس میں خیمہ زن ہوا تو اس کے لشکریوں نے مار دھاڑ شروع کر دی۔ بھیڑ بکریاں اور اونٹ جو چیزان کے ہاتھ چڑھی ہانک کر وہ اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ اس لوٹ کے مال میں حضرت عبدالمطلب کے دو صد اونٹ بھی تھے۔

ابرہہ نے حمیر قبیلہ کے حناطہ نامی ایک شخص کو مکہ بھیجا تاکہ وہاں کے لوگوں کو یہ بتائے کہ ابرہہ ان سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ خانہ کعبہ کو گرانے آیا ہے۔ اگر اہل مکہ نے مزاحمت نہ کی تو انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا لیکن اگر انہوں نے مزاحمت کی کوشش کی تو پھر نتائج کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ حناطہ مکہ گیا۔ اس نے لوگوں سے پوچھا تمہاری بستی کا سردار کون ہے۔ انہوں نے حضرت عبدالمطلب کا نام لیا۔ اس نے آپ سے ملاقات کی اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا کہ ابرہہ سے جنگ کرنے کا نہ ہمارا ارادہ ہے اور نہ ہم میں اس کی ہمت ہے۔ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل کا حرم ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو خود اس کی حفاظت کرے گا ورنہ جیسے اس کی مرضی۔ حناطہ نے آپ کو ساتھ چلنے کے لیے کہا تاکہ آپ اس کے ہمراہ ابرہہ کے پاس تشریف لے جائیں۔ آپ کی بارعب شخصیت اور نورانی چہرہ دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ تخت سے نیچے اتر آیا اور آپ کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا۔ ترجمان کے ذریعے اس نے پوچھا کوئی ارشاد؟ آپ نے کہا میری درخواست تو یہ ہے کہ تمہارے لشکری میرے دو صد اونٹ ہانک کر لے آئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیے جائیں۔ ابرہہ اس غیر متوقع جواب سے بہت حیران ہوا۔ کہنے لگا جب میں نے آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا میرے دل میں آپ کا از حد احترام پیدا ہو گیا لیکن آپ کی یہ حقیر درخواست سن کر احترام کا جذبہ ناپید ہو گیا۔ آپ کو اپنے اونٹوں کا تو اتنا خیال ہے اور کعبہ کا ذرا خیال نہیں جس کی وجہ سے تمہاری عزت کی جاتی ہے۔ آپ نے بڑا دلی سے جواب دیا: إِنِّي أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ۔ یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں ان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا اب اس گھر کو میری تاخت و تاراج سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ حضرت عبدالمطلب واپس آ گئے اور قریش کو حکم دیا سب مکہ سے کوچ کر جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جائیں تاکہ حبشی لشکر ان کو تہس نہس کر کے نہ رکھ دے۔ آخر میں آپ اپنی قوم کے رئیسوں کو ساتھ لے کر کعبہ کے پاس آئے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا کریں کہ وہ انہیں اور کعبہ کو ابرہہ کی دست برد سے بچائے۔ کعبہ کے دروازہ کے کنڈا کو پکڑ کر عبدالمطلب نے بڑے عجز و نیاز سے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

لَاهُمَّ إِنَّ الْمَرْءَ يَمْنَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ

اے اللہ! ہر شخص اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ أَبَدًا مِحَالَكْ

کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آ جائے۔

إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْلَتَنَا فَأَمْرٌ مَا بَدَا لَكْ

(اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تیری مرضی ہو ایسا کر)

ابن جریر نے عبدالمطلب کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں جو اس موقع پر دعا مانگتے ہوئے انہوں نے ارتجالاً کہے :

یَا رَبِّ لَا اَرْجُو لَھُمْ سِوَاکَا　　　یَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْھُمْ حِمَاکَا

(اے میرے پروردگار تیرے بغیر ان کے مقابلہ کی کسی سے توقع نہیں رکھتا اے میرے پروردگار ان کی دستبرد سے اپنے حرم کی حفاظت فرما)

اِنَّ عَدُوَّ الْبَیْتِ مَنْ عَادَاکَا　　　اِمْنَعْھُمْ اَنْ یُّخْرِبُوْا قُرَاکَا

(اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے ان کو روک دے کہ وہ تیری بستی کو ویران نہ کریں۔)

دعا سے فارغ ہوئے تو سب کو ساتھ لے کر پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ ابرہہ نے صبح سویرے مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اس کے لشکر میں تقریباً بارہ جنگی ہاتھیوں کا دستہ تھا۔ سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا جب اس ہاتھی کو مکہ کی طرف پیشقدمی کے لیے ہانکا گیا تو وہ زمین پر بیٹھ گیا۔ فیلبانوں نے اس سے چلنے کے لیے کچوکے دیے اور تبر سے لت ماری لیکن وہ اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا اگر کسی اور سمت اسے چلنے کا اشارہ کیا جاتا تو بغیر کسی توقف کے وہ چلنے لگتا۔ نفیل بن حبیب بنی خثعم کا سردار جو اب تک ابرہہ کے ہمراہ تھا بھاگ کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ انہی حالات میں فضا میں چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول در غول نمودار ہوئے ہر ایک نے ایک سنگریزہ اپنی چونچ میں اور ایک ایک اپنے دونوں پنجوں میں پکڑا ہوا تھا ـــــ ان سنگریزوں کی مقدار چنے یا مسور کے دانہ کے برابر تھی۔ ہر سوار پر ایک ایک پرندہ ایک کنکر مارتا تھا جو اس کے فولادی خود، آہنی زرہ اور اس کے جسم کو چیرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا تھا۔ لشکر کا اکثر حصہ تو وہیں تباہ و برباد ہو گیا۔ ایک مختصر تعداد جن میں ابرہہ بھی تھا وہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی لیکن ان کے جسموں میں اتنی زبردست خارش پیدا ہو گئی کہ وہ ہر وقت کھجلاتے رہتے۔ کھجلانے سے زخم نمودار ہو گئے۔ زخموں سے پیپ اور لہو بہنے لگا۔ گوشت گل سڑ کر نیچے گرنے لگا۔ کئی راستہ میں ہی ہلاک ہو گئے۔ ابرہہ صنعاء پہنچ گیا لیکن اس کی حالت یہ تھی کہ سارا جسم ناسور بنا ہوا تھا اور وہ ہیکل تن کڑیل جوان چوزے کی مانند دبلا پتلا ہو گیا تھا۔ یہ ضعف بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کا سینہ شق ہو گیا اور اس نے دم توڑ دیا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی وہ دشمن جسے اپنی قوت اور لشکر کی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا اس کو چھوٹے چھوٹے پرندوں کی سنگباری سے فنا و برباد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنی کنانہ کے سردار نفر کے ہاتھوں اسے موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ اگر چاہتا تو بنی خثعم کے سردار نفیل کو اس کی بربادی کا باعث بنا دیتا لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ دشمن کو حرم خلیل تک پیشقدمی کرنے کی مہلت دے اور تمام لوگوں کے سامنے اپنی قوت قاہرہ کا مظاہرہ کرے تاکہ قیامت تک کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ اس سال کو اہل عرب عام الفیل کہتے ہیں۔

یہ واقعہ سنہ ۵۷۰ عیسوی میں رونما ہوا۔ محرم کا مہینہ تھا۔ اسی سال ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں کعبہ مقدسہ کو بتوں کی نجاستوں سے پاک کرنے والے، اس کے در و دیوار کو نور توحید سے منور کرنے والے اور اس کو ذکر الٰہی کے نغموں سے آباد کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حبیب لبیب اور ساری مخلوق کے ہادی و مرشد محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

سورۃ الفیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں پانچ آیتیں ہیں

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝۱ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ

کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ۱؎ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر و فریب کو

۱؎ یہ حیرت انگیز واقعہ کس سال میں ظہور پذیر ہوا؟ اس کے بارے میں متعدد اقوال ہیں، لیکن صحیح قول وہ ہے جو ابن عباس اور دیگر محققین علماء سے منقول ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے تقریباً پچاس دن پہلے یہ واقعہ رونما ہوا یعنی ماہ محرم کی سترہ تاریخ تھی اور بارہ ربیع الاول کو سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رونق افروز عالم گیتی ہوئے۔ ارشاد نبوی ہے ولدت عام الفیل۔ کہ میری ولادت عام الفیل میں ہوئی۔

ابرہہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں عقیدۃً نصرانی تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور انجیل کو ماننے والے تھے۔ اہل مکہ اس وقت مذہب شرک پر تھے اور تین سو ساٹھ بت کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تھے۔ چاہیے یہ تھا کہ ان مشرکوں اور بت پرستوں کے مقابلہ میں ابرہہ کی مدد کی جاتی اور کعبہ کو بسم کرنے والوں کو عبرتناک سزا ملتی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ اب کعبہ کو آباد کرنے والے اس کو نور توحید سے منور کرنے والے کی آمد کا وقت قریب تھا، ہر گھڑی بیتابی بڑھ رہی تھی۔ جیسا کہ آیات میں حضرت عیسیٰ اور ان کی امت کے عیسیٰ کی پیشین گوئی سے ظاہر ہے۔ اس لیے حبیب کے لحاظ سے مشرکین کا اور ابرہہ میں کوئی فرق نہ تھا تو محض پاس خاطر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی ولادت کے سال میں اہل مکہ پر اپنا فضل و کرم فرمایا جس کا شکریہ وہ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ علامہ پانی پتی لکھتے ہیں: کانت قصۃ الفیل توطیۃ لنبوتہ ومقدمۃ لظہورہ وبعثتہ۔ یعنی اس قصہ کا وقوع حضور کی آمد سے پہلے بطور تمہید کے تھا۔

آیت میں استفہام اظہار تعجب و حیرت کے لیے ہے۔ الم تر کا معنی جاننا، مطلع ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ الم تر ما فعل ربک کے بجائے الم تر کیف فعل ربک فرمایا گیا ہے۔ یعنی آپ کے رب نے کیسا سلوک کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس واقعہ کا ظہور ایسی صورت میں ہوا کہ اس کا ہر پہلو انسان کو محو حیرت کر دیتا ہے۔ اس واقعہ کی تفصیلات اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، علم محیط اور کعبہ کی عظمت و شرف کی گواہی دے رہی ہیں۔

۲؎ ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل تھا لیکن اس میں ایک ہاتھیوں کا دستہ بھی تھا جس میں نو یا تیرہ ہاتھی شریک تھے۔ یہ دستہ لشکر کے آگے آگے جھوم جھوم کر چلا جا رہا تھا۔ اہل مکہ بلکہ اہل عرب نے نہ کبھی ایسی فوج دیکھی تھی اور نہ اس ساز و سامان اور اسلحہ کا انہوں نے کبھی تصور کیا تھا۔ ہاتھی اہل عرب کے لیے بالکل ایک نئی چیز تھی۔ اس خصوصیت کے باعث اس سارے لشکر کو اصحاب الفیل کہا گیا۔ چند غیرت مند قبائل نے ابرہہ کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ مکہ والے بے بسی اور بے چارگی کی حالت میں کعبہ کو چھوڑ کر ارد گرد پہاڑوں میں جا چھپے۔ کعبہ کو گرانے میں بظاہر کوئی رکاوٹ نظر نہ آتی تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کو جس طرح بچایا اور اصحاب فیل کو

فِيْ تَضْلِيْلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ﴿۳﴾ تَرْمِيْهِمْ

ناکام نہیں بنا دیا ـــ ۲ اور (وہ یوں کہ) اس نے بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے غول کے غول ـــ ۳ جو برساتے تھے

بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾

ان پر کنکر کی پتھریاں ـــ ۴ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ ـــ ۵

رسول کی ادنیٰ درجہ کی عزت و حرمت کا نشہ جس طرح لوگوں کے دلوں پر چھایا تھا عقل انسانی اس کو دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے۔ انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جس ذات کا یہ گھر ہے اس کی قدرت بے پناہ، اس کی حکمتیں بیکراں اور اس کی تدبیریں لاجواب ہیں۔ جس بات کا وہ ارادہ فرماتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

۲ـــ اہل لغت نے کید کے دوسرے معانی کے ساتھ ساتھ اس کا یہ معنی بھی ذکر کیا ہے۔ الکید: التدبیر بباطل او بحق۔ (لسان العرب) یعنی کسی اچھے یا برے، غلط یا صحیح کام کے کرنے کے لیے تدبیر کرنا۔ یہاں اس کا یہی معنی مراد ہے۔ ابرہہ کی فوج کشی پوشیدہ اور خفیہ نہ تھی۔ اس کے عزائم اور مقاصد بھی کوئی راز نہ تھے۔ اس نے لشکر کشی کی ابتدا سے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہاں کید کا معنی خفیہ تدبیر یا مکر کرنا درست معلوم نہیں ہوتا۔ تضلیل کہتے ہیں کسی تدبیر کو ناکام بنا دینا، کسی سعی کو رائیگاں اور بے نتیجہ کر دینا، کسی جدوجہد کو اکارت کر دینا۔

ابرہہ نے کعبہ مقدسہ کو گرانے کا عزم کیا۔ اس عزم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے پوری تدبیر کی۔ لشکر جس کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی، ان میں بڑے بڑے ہاتھی اور عمدہ ہتھیار تھے۔ اس لشکر پر اتنے بڑے عظیم لشکر سے حملہ تو درکنار اس بات کا تصور تک نہ تھا کہ وہ ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اس کو یقین تھا کہ وہ شکست کھائے بغیر اس مکان کو ختم کر دینا چاہتا تھا، پھر جنگل اور پہاڑوں میں جا چھپیں گے۔ یہ سادہ تدبیر صاف صاف بتا رہی تھی کہ وہ چاہتے اس ارادے کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے منصوبے میں ناکامی کا ایک فیصد شبہ بھی دل میں نہ آنے دیا اور اس کے خلاف تدبیر کر کے اپنے تمام جنگجو بہادروں کو جمع کر لیتے تو اس لشکر کا خیر مقدم نہیں کر سکتے تھے۔ ابرہہ نے جو تدبیر کی اس میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی تھی لیکن اے محبوب! آپ کے پروردگار کی حکمت نے اس کی ساری تدبیروں کو ناکام بنا دیا، اس کی ساری چالوں کو خاک میں ملا دیا۔ کسی کوشش و تدبیر کو ناکام بنانے کو عربی میں تضلیل کہتے ہیں۔

۳ـــ ان کے اس حملہ کو پسپا کرنے کے لیے رب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے کس انوکھی کارروائی کی اس کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے کہ اس لشکر کو جو ہزاروں پر مشتمل تھا، جس کے آگے آگے ہاتھی جھومتے ہوئے مست چلے آ رہے تھے، سوار اور پیادے لشکر جرار کی صورت میں پہاڑ کی طرح ڈٹے ہوئے تھے۔ ایسے لشکر کو تباہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کسی غیر معمولی طاقت کے استعمال کی ضرورت نہیں۔ اپنے مختلف قسم کے ان گنت لشکروں میں سے اس نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے چند دستے بھیج دیئے جو اشارہ ملتے ہی ساحل سمندر کی طرف سے اڑتے ہوئے آئے اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں کی سنگباری سے اس لشکر کا بھرکس نکال دیا۔ علامہ قرطبی لفظ ابابیل کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ابابیل، قال العکبری هو جمع لا واحد له وقیل واحده ابّول وقیل ابّیل وقیل مختلفة متفرقة تجیء من کل ناحیة من ههنا ومن ههنا.
قال النحاس فهذه الاقوال متفقة وحقیقة المعنی انها جماعات عظام۔ (قرطبی)

یعنی عکبری کہتے ہیں کہ ابابیل کا معنی جمع ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی مختلف ٹکڑیاں ہیں کہ یکے بعد دیگرے آ رہی ہیں۔ بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ہر طرف سے ادھر ادھر سے مختلف جھنڈ نمودار ہو گئے۔ نحاس کہتے ہیں کہ ان مختلف اقوال کا مفہوم ایک ہی ہے۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ پرندوں کی بڑی بڑی جماعتیں یکایک ہر طرف سے نمودار ہو گئیں۔

ان پرندوں کو فوراً اصحاب فیل سے مسلح کر کے بھیجا گیا تھا۔ ان کا اسلحہ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے عبارت تھا۔ وہ سنگریزے ایسے تھے جیسے آتش جہنم میں پکایا گیا تھا۔ اپنی ٹھیٹیوں میں یہ جو چیز پھینک کر آتے ہیں اس کی تباہ کاری کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو ان پرندوں نے اٹھائے ہوئے تھے وہ تو جہنم کی بھٹی میں تیار ہوئے تھے۔ ان کا حجم چھوٹا مسور کے دانے کے برابر تھا، لیکن ان کی قوت کا اندازہ فقط اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جس پر گرتے ہیں کہ صرف یہ کنکر جس پر ہم بم برسانے کا حکم دیا گیا تھا۔ ایک ایک پر اس شخص کا نام لکھا تھا جس پر وہ گرنا تھا اور وہ ہم اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے تھے۔ وہ ادھر ہوتے ہوتے آئے اور واحد میں لشکر پر چھا گئے اور حسب حکم ایک ایک سنگریزہ ایک ایک سوار پر پھینکا۔ مسور کے دانہ کے برابر وہ ان کے خود کو توڑتا ہوا ان کے سر میں گھس جاتا اور ان کے جسموں کو کاٹتا ہوا ان کی سواری کے جانوروں کو چیرتا ہوا زمین میں دھنس جاتا۔ لشکر میں طلاطم برپا ہو گیا۔ بچ نکلنے کا امکان ہی ختم ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں کے اثرات سرایت کر گئے۔ فوراً پھنسیاں پھوڑے نمودار ہونے لگے اور ان سے پیپ اور خون بہنے لگا۔ درد کی شدت ناقابل برداشت تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گوشت گل سڑ کر گرنے لگا۔ اس ناگہانی مصیبت نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ فوجی نظم و ضبط کی پابندی کا کس کو ہوش تک نہ رہا۔ جدھر کسی کے سینگ سمائے چل پڑا۔ فوجی نظم و ضبط سے بے نیاز ہو کر ہر ایک کی طرف بھاگ رہی تھی۔ اب بدنظمی کا شکار تھی۔ ہر کوئی جو مرنے کا خدشہ اٹھائے بھاگا جا رہا تھا۔ لشکر کا بیشتر حصہ تو وہاں ہی تباہ و برباد ہو گیا۔ چند لوگ صنعاء پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی حالت بھی ناگفتہ بہ تھی۔ جسم پھوڑوں سے بھرے ہوئے، ہر پھوڑے سے پیپ کا دریا رواں، ابرہہ کے اعضاء کٹتا جا رہا تھا۔ اس کی بو وطن سے صنعاء کی فضا وحشت ناک ہو گئی تھی۔ ان لوگوں میں ابرہہ بھی تھا۔ وہ مرد جاہت، غرور، جاہ و جلال اور قوت و طاقت کا مجسمہ اب گل سڑ کر ایک چوزے کی مانند ہو گیا۔ جس کا گوشت آہستہ آہستہ گرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ گیا اور اس طرح کعبہ کے گرانے کا ارادہ کرنے والے اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

ان لوگوں کو اپنے دارالسلطنت صنعاء میں زندہ پہنچانے میں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ صرف اہل مکہ ہی نہیں بلکہ یمن والے بھی اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ جو لوگ ایسی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں غضب الٰہی ان کو کس طرح تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

۵ ان کی خستہ حالی اور تباہی کی کتنی صحیح اور موثر تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ عصف کہتے ہیں گندم، جو، مکئی وغیرہ کے پتوں کو۔ جانور جن کو چارہ کے طور پر کھا لیا ہو۔ جب کوئی جانور چارہ کھاتا ہے تو پہلے وہ اسے اپنے دانتوں سے چبا کر ریزہ ریزہ کرتا ہے۔ وہ چبائے ہوئے پتے معدے میں جا کر ہضم کا مرحلہ طے کرتے ہیں یا اسے گوبر بنا کر باہر پھینکتے ہیں۔ خود سوچو ان پتوں کی حالت کتنی خستہ اور تباہ ہوتی ہے؟ یہی حالت ان کی بھی ہو گئی تھی۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محض اپنی سمجھ کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ واقعہ جیسے قرآن نے بیان کیا ہے ناقابل تسلیم ہے۔

اس لیے وہ اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ طیر سے مراد پرندے نہیں بلکہ وبال ہے اور حجارۃ سے مراد چیچک بلکہ مصیبت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کہیں سے پرندوں کی ٹکڑیاں نمودار نہیں ہوئی تھیں نہ ان کی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے تھے اور نہ انہوں نے سنگباری کی جس سے اس لشکر کو تہس نہس کیا۔ بلکہ اس لشکر میں زہریلے چیچک کی وبا پھوٹ پڑی اور اس کی وجہ سے وہ لشکر تباہ ہو گیا۔

اگر ان کی اس بیہودہ تاویل کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ وبا اس لشکر تک ہی کیوں محدود رہی؟ وہاں کی مقامی آبادی اس سے کیوں محفوظ رہی؟ یہ ایک سوال ہے جس کا جواب یہ لوگ نہیں بتا سکتے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ کوئی شخص اس وقت اس بات سے مراد یہی آیت قرآنی کی من مانی تاویلیں کرتا یا اغیار کی خوشنودی کے لیے اسلام رد و بدل کرنا چھوڑ دے اور حقیقت قبول کرنے سے تو یہ بہت بڑی زوال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خطاؤں کو معاف فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے جب اپنی قدرت کاملہ سے حملہ آوروں کو تباہ و برباد کر کے اپنے گھر کو بچا لیا تو حضرت عبدالمطلب نے ان الفاظ سے اپنے رب کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا:

أنت منعت الحبش والأفيالا — وقد رعوا بمكة الأجبالا

وقد خشينا منهم القتالا — وكل أمر لهم معضالا

شكرا وحمدا لك ذا الجلالا

ترجمہ: تو نے حبشی لشکر اور ہاتھیوں سے ہماری حفاظت کی اور وہ لوگ جنہوں نے مکہ کے پہاڑوں پر اپنے جانوروں کو چرایا تھا۔ ہمیں یہ اندیشہ تھا کہ وہ ہم سے برسرِ پیکار ہوں گے۔ اے شان و عظمت والے! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں اور ہم تیری ثنا کرتے ہیں۔

جیسے کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ایک شخص کے سردار نفیل بن حبیب کو ابرہہ نے اپنے ہمراہ لیا تھا تاکہ وہ بلاد خثعم کے راستوں سے آگاہ کرے۔ جب ابرہہ کا لشکر کعبہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہوا تو وہ وہاں سے کھسک کر ایک بلند پہاڑ کی چوٹی پر روپوش تھے۔ اس نے جب پرندوں کو سنگباری کرتے ہوئے دیکھا اور ابرہہ کے لشکر کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

ردينة لو رأيت ولا تريه — لدى جنب المحصب ما رأينا

اے ردینہ (اس کی بیوی کا نام)! کاش تو اس منظر کو دیکھتی جو ہم نے وادی محصب کے قریب دیکھا تھا۔

إذاً لعذرتني وحمدت أمري — ولم تأسي على ما فات بينا

تب تو مجھے معذور سمجھتی اور میرے کام کی تعریف کرتی اور جو چیز فوت ہو گئی ہے اس پر تو افسوس نہ کرتی۔

حمدت الله إذ أبصرت طيرا — وخفت حجارة تلقى علينا

جب میں نے پرندوں کے جھنڈ کو دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور جب پتھر برسنے لگے تو میں خوفزدہ ہو گیا۔

فكل القوم تسأل عن نفيل — كأن علي للحبشان دينا

ابرہہ کی فوج کا ہر سپاہی پوچھتا تھا کہ نفیل کہاں ہے؟ تاکہ وہ ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کا راستہ دکھائے۔ وہ مجھ سے یوں استفسار کر رہے تھے گویا ان حبشیوں کا کوئی قرض میرے ذمہ واجب الادا تھا۔

ان اشعار سے ہمارے تجدد پسند مفسرین کے مفروضے کی تکذیب ہوتی ہے۔

اس واقعہ کا ایک خوش آئند اثر یہ ہوا کہ سارے عرب کا اعتقاد ان بتوں سے اٹھ گیا اور تمام اللہ رب العزت کی بارگاہ بے کس پناہ میں اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے بڑی عاجزی سے فریاد کرنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ اثر ان پر سات سال تک باقی رہا اور وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے رہے۔

اس سورت میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ! تم میرے حبیب کی دعوت توحید کو کیوں بے رخی سے ٹھکرا رہے ہو اور ان بتوں کی الوہیت کے نظریہ سے دست بردار ہونے کے لیے کیوں تیار نہیں ہو۔ کیا تمہیں عام الفیل کا وہ واقعہ بھول گیا جس روز تمہیں اس لشکر جرار سے کس نے نجات دی تھی۔ کس نے ان ہاتھیوں سے جو بت کدوں کے مجاوروں کے تحفظ کے لیے تھے، کس کے حکم سے ان پرندوں نے سنگباری کر کے تمہارے دشمن کو تہس نہس کر دیا تھا؟ اس نے خانہ کعبہ کو بچا لیا اور اسی کو گرنے سے حفاظت قرآنی میں سے تمہاری عزتیں اور عظمتیں وابستہ ہیں۔

سبحان ذی الملک والملکوت

سبحان ذی العزۃ والعظمۃ والکبریاء والجبروت

لا غالب الا انت۔ انک انت العزیز الحکیم

اللھم زد بیتک عزا وشرفا وصل وسلم علی رسولک الذی ارسلتہ بالھدی

ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

تعارف

سُورۃ قریش

نام : اس سورہ پاک کا نام قریش ہے یہ کلمہ اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ اس کا ایک رکوع اور چار آیتیں ہیں۔ اس کے کلمات کی تعداد سترہ اور حروف کی تعداد تہتر ہے۔

زمانۂ نزول : اگرچہ ضحاک اور کلبی کی رائے میں یہ سورت مدنی ہے لیکن جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا نزول مکہ مکرمہ میں سورۃ الفیل کے بعد جلد ہی ہوا۔ مضمون کی یگانگت اور کلمات کا باہمی تعلق بھی اسی قول کی تائید کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض حضرات نے انہیں دو علیحدہ علیحدہ سورتوں کے بجائے ایک سورت ہی شمار کیا ہے لیکن حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے جو نسخے کتابت کرائے تھے ان میں ان دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ مرقوم ہے جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ دو الگ الگ سورتیں ہیں۔

مضامین : اس میں قریش پر اپنے عظیم احسانات کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے اور ان احسانات کو یاد دلانے کے بعد انہیں اپنے رب کریم کی عبادت کی دعوت دی جا رہی ہے۔

قریش عرب کا ایک مشہور اور معزز ترین قبیلہ ہے۔ اس کا اطلاق نضر کی اولاد پر ہوتا ہے جس کا نسب نامہ یہ ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔ بعض علماء کے نزدیک نضر کے پوتے فہر بن مالک کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے لیکن پہلا قول صحیح ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے بھی اسی قول کی تصدیق ہوتی ہے۔ ارشاد ہے: اِنَّا وُلْدُ نضر بن كنانة لَا نَقْفُو اُمَّنَا وَلَا نَنْتَفِي مِن اَبِينَا (قرطبی)۔ یعنی ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں نہ ہم اپنی ماؤں کو متہم کرتے ہیں اور نہ اپنے باپوں سے اپنے نسب کی نفی کرتے ہیں یعنی ہمیں اپنی ماؤں کی عفت پاکی اور اپنے باپوں کی شرافت و بزرگی دونوں پر ناز ہے۔ دوسرا ارشاد ہے (واثلہ بن اسقع راوی ہیں): قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیل سے کنانہ کو چنا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو۔

ان احادیث سے بھی معلوم ہوا کہ کنانہ کے بیٹے نضر کی اولاد قریش کہلاتی۔

کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی اولاد کا شمار قریش میں نہیں ہوتا۔

وجہ تسمیہ: قبیلہ قریش کی وجہ تسمیہ کیا ہے اس کے بارے میں متعدد اقوال منقول ہیں۔

۱۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی التجمع والالتئام ہے۔ کسی کا منتشر ومتفرق ہو جانے کے بعد اکٹھا اور مجتمع ہو جانا۔ قریش کا قبیلہ پہلے سارے عرب میں منتشر تھا قصی بن کلاب نے انہیں مکہ مکرمہ میں یکجا کیا اور حرم کے پڑوس میں آباد کیا۔ شاعر کہتا ہے:

ابونا قصی کان یدعی مجمعا — بہ جمع اللہ القبائل من فہر

ہمارا باپ قصی ہے جسے مجمع کہا جاتا ہے فہر کی اولاد کے قبائل کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ جمع کیا۔

۲۔ یہ تقرش سے ماخوذ ہے جس کا معنی تکسب ہے۔ کیونکہ قریش تجارت پیشہ تھے اور اس طرح اپنا رزق خود کمایا کرتے تھے، اس لیے انہیں قریش کہا گیا۔

۳۔ قرش کا ایک اور معنی تفتیش اور تلاش ہے۔ اس قبیلہ کا یہ شیوہ تھا کہ حاجیوں کی ضروریات و مشکلات کے بارے میں تجسس کیا کرتے تھے اور جب انہیں پتہ چلتا تو ان ضروریات کو پورا کرنے اور ان مشکلات کو دور کرنے کی حتی الامکان سعی بلیغ کرتے۔ اس لیے ان کو قریش کہا گیا۔

۴۔ یہ قول حضرت ابن عباس سے منقول ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابن عباس سے قریش کی وجہ تسمیہ دریافت کی۔ آپ نے فرمایا: لدابۃ فی البحر من اقوی دوابہ یقال لہا القرش تاکل ولا تؤکل وتعلو ولا تعلی:

سمندری جانوروں میں سے ایک بڑے طاقتور جانور کو قرش کہتے ہیں جو دوسرے جانوروں کو ہڑپ کر جاتا ہے لیکن اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ مقابلہ میں وہ ہمیشہ غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

علامہ ابو عبداللہ قرطبی اپنی شہرۂ آفاق تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں لکھتے ہیں: عبد مناف کے چار فرزند تھے۔ ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل۔ چاروں بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ہر ایک نے اپنے پڑوسی بادشاہوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے تھے اور انہوں نے ان کو یہ مراعات دے رکھی تھیں کہ یہ لوگ ان کے ملکوں میں ہر طرح کا کاروبار کر سکتے ہیں اور جس شخص کے پاس ان کا دیا ہوا امان نامہ ہوگا اسے بھی یہ رعایت حاصل تھی۔ ہاشم کے تعلقات شام کے بادشاہ سے تھے۔ عبد شمس نے حبشہ، مطلب نے یمن، نوفل نے فارس کے بادشاہوں سے اپنے لیے اور اپنی قوم کے لیے مراعات حاصل کر لی تھیں۔

قریش نے تجارت کے پیشہ کو کن حالات میں اختیار کیا اس کے بارے میں بھی علامہ قرطبی نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔ قصی نے قریش کو حرم کعبہ کے پڑوس میں لا کر آباد تو کر دیا لیکن یہاں کھیتی باڑی کا کوئی امکان نہ تھا۔ نہ پانی دستیاب تھا اور نہ زمین قابل کاشت تھی۔ ان کی معیشت کا سارا انحصار ان نذرانوں اور عطیات پر تھا جو ایام حج میں جزیرہ عرب کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حاجی پیش کیا کرتے تھے۔ جب قریش کا کوئی خاندان مفلس اور کنگال ہو جاتا اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچتی تو اس کے افراد ایک مقررہ جگہ پر چلے جاتے اور وہاں ایک خیمہ نصب کر لیتے اور اس کے اندر داخل ہو جاتے یہاں تک کہ موت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی

عبدمناف کا بلند اقبال فرزند جن کا نام عمرو تھا اور جو ہاشم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ان کا ایک بیٹا تھا جس کا نام اسد تھا۔ بنی مخزوم کے قبیلے کے ایک لڑکے سے اسد کا دوستانہ تھا۔ اس کے خاندان کو جب بھوک نے اپنے نرغے میں لے لیا اور انھوں نے حسب دستور فیصلہ کیا کہ کل وہ مقررہ جگہ پر خیمہ نصب کر کے اس میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ موت ان کا قصہ تمام کر دے۔ اپنے دوست کی یہ بات سن کر اسد کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ماں نے اسد کو اس کے مخزومی دوست کے خاندان کے لیے چربی اور آٹا کی وافر مقدار دی۔ چنانچہ چند روز کے بعد جب وہ راشن ختم ہو گیا اور نوبت فاقہ کشی پر آپہنچی۔ اس نے اپنے دوست اسد کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اسد روتا ہوا اسی وقت اپنے باپ عمرو ہاشم کے پاس آیا اور ساری داستان بیان کی۔ عمرو یہ سن کر از حد متاثر ہوا۔ انھوں نے اپنے قبیلے کا اجلاس عام طلب کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا کہ تم نے ایک ایسا طریقہ اختیار کر لیا ہے جس سے تمھاری تعداد گھٹتی چلی جا رہی ہے اور دوسرے عرب قبائل کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم کمزور اور ذلیل ہو جاؤ گے اور دوسرے قبائل تم پر غلبہ پالیں گے حالانکہ تم اللہ کے حرم کے باشندے ہو اور اولاد آدم میں سب سے زیادہ معزز و محترم ہو۔ باقی تمام لوگ تمھارے پیروکار ہیں۔ یہ موت کے خیمے میں داخلے کی رسم تمھیں فنا کر کے رکھ دے گی۔ سامعین نے کہا آپ حکم دیں ہم آپ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہیں۔ ہاشم نے کہا پہلے اسد کے دوست کے والدین کو اس ہلاکت سے چھڑا لیں۔ چنانچہ اسی وقت ان کے لیے خورد و نوش کا اہتمام کر دیا گیا پھر ہاشم نے خود اونٹ بھیڑ بکریاں ذبح کیں۔ ان کے شوربے میں روٹی کو تر کر کے ثرید بنائی اور لوگوں کو خوب کھانا کھلایا اسی وجہ سے عمرو کا لقب ہاشم مشہور ہوا۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:

عمرو الذی هشم الثرید لقومه — ورجال مكة مسنتون عجاف

یعنی عمرو وہ ہے جس نے اپنی قوم کی ضیافت کے لیے شوربے میں روٹی کو تر کیا، حالانکہ مکہ کے دوسرے لوگ بری طرح قحط کا شکار تھے اور مسلسل فاقوں سے لاغر و کمزور ہو گئے تھے۔

اس کے بعد ہاشم نے اپنے قبیلے کے ہر خاندان کو تجارت کرنے کی ترغیب دی۔ ہر خاندان سال میں دو تجارتی سفر اختیار کیا کرتا۔ سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف۔ ان کے قافلے بحر احمر کی مشرقی بندرگاہوں سے مشرقی ممالک کا آیا ہوا مال اٹھا اور اسے شام اور مصر تک پہنچاتے پھر اسی طرح شام سے مال اٹھاتے اور یمن کی بندرگاہوں پر پہنچاتے۔

اس کاروبار اور تجارت سے انہیں جتنا نفع حاصل ہوتا وہ امیر و غریب آپس میں برابر تقسیم کر لیتے۔ اس طرح تجارت کے نفع کی مساویانہ تقسیم سے چند سالوں میں سارے قریش کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی۔ یہاں تک کہ دولت و ثروت میں عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کا ہمسر نہ تھا۔ اس شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

والخالطون فقيرهم بغنيهم — حتى يصير فقيرهم كالكافي

یعنی ہم (قریش) وہ لوگ ہیں کہ غریب کو امیر کے ساتھ حصہ دار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ فقیر بھی کسی کا محتاج نہیں رہتا۔

وہ اسی حالت میں تھے کہ اسلام کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا۔

مقصد: مکہ کے معزز قبیلہ قریش کو اپنے احسانات کی یاددلائی جارہی ہے۔ پھر انہیں یہ سمجھایا جارہا ہے کہ اس خانہ کعبہ پر ابرہہ نے حملہ کیا تو اس کی حفاظت تمہارے ان بتوں نے نہیں کی بلکہ رب العالمین نے پرندوں کی ایک ٹکڑی بھیج کر ابرہہ کے لشکر جرار کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور اس گھر کی حفاظت فرمائی۔

تجارت کا راستہ کھول کر تمہارے لیے خوشحالی اور فارغ البالی کا سامان بھی اللہ تعالیٰ نے فراہم کیا۔ لوگوں کے دلوں میں تمہارا اس قدر احترام پیدا کر دیا جس کے باعث تم بڑے امن و سکون سے جہاں چاہو جا سکتے ہو۔ تمہارے کاروان تجارت کی طرف کوئی میلی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ جس نے تمہیں ان انعامات سے بہرہ ور فرمایا ہے وہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

◎

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ مَّكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ القریش مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں چار آیتیں ہیں

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ﴿١﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ﴿٢﴾

اس لیے کہ انس دلایا قریش کو۔ ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی ہے الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی کے موسم میں ۲

۱ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش پر گوناگوں بے شمار احسانات فرمائے ہیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ اس کے شکر گزار رہتے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتے لیکن وہ اپنی حماقت سے اس کی عبادت و بندگی چھوڑ کر بتوں کی پوجا میں مصروف رہتے۔ اگر وہ سب احسانات انہیں یاد نہیں ہیں اور ان کا شکر ادا کرنے کا احساس ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتا تو اس احسان کو تو فراموش نہ کریں کہ اس وادی غیر ذی زرع میں جہاں رزق و روزی کا کوئی ذریعہ نہ تھا، جہاں اناج کا ایک دانہ نہیں اگتا، جہاں ان کی قوت لایموت کا کوئی سامان نہ تھا اور جہاں زندگی کا گزارہ مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی روزی رسانی کا یہ انتظام فرمایا کہ ان کے دلوں میں تجارت کی الفت پیدا فرما دی۔ جاڑے اور گرمی کے موسموں میں یہ الگ الگ ملکوں میں کاروبار کرنے کے لیے جاتے ہیں اور انہیں کوئی تعرض نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ اس بے آب و گیاہ وادی میں دنیا بھر کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔ کیا ان کو لازم نہیں کہ اس رب کی عبادت کریں جس نے ان پر یہ احسان فرمایا اور کسی غیر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

علامہ زمخشری لکھتے ہیں کہ لِاِيْلٰفِ پر جو لام ہے وہ فَلْيَعْبُدُوْا سے متعلق ہے۔ علامہ قرطبی نے بھی اسی کی ترجیح دی ہے۔ کہتے ہیں ای فلیعبدوا رب هذا البیت لایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف للامتیار۔ یعنی انہیں چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں کیونکہ اس نے ان کے دلوں میں سردیوں اور گرمیوں کے تجارتی سفروں کی الفت و محبت پیدا کی۔

۲ جس طرح تفصیل سے سورۃ کے تعارف میں بیان کیا جا چکا ہے قریش تجارت پیشہ تھے۔ دو موسموں میں یہ تجارتی سفر کرتے۔ جزیرہ عرب کے جنوبی سرے پر یمن کی بندرگاہوں پر ہندوستان اور مشرقی افریقہ کے دوسرے ممالک کی مصنوعات وغیرہ جو آتیں انہیں خریدتے اور اونٹوں پر لاد کر شمال کے علاقہ شام میں لے جا کر فروخت کرتے۔ اسی طرح گرمی کے موسم میں شام و فلسطین کے ٹھنڈے علاقوں میں جاتے۔ وہاں سے مغربی دنیا کی درآمدات و مصنوعات خرید کر یمن میں لے جا کر فروخت کرتے۔ جو خرید و فروخت کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ باربرداری کے ذریعے اجرت کماتے۔ یمن اور شام کے درمیان ایک وسیع صحرا ہے۔ یہ لوگ ہی اس کے نشیب و فراز سے واقف تھے۔ اس راستے کو عبور کرنا اس زمانے میں کچھ آسان نہ تھا۔ عرب میں کوئی متحدہ حکومت نہ تھی، افراتفری کا دور دورہ تھا۔ تجارتی قافلوں کو قدم قدم پر ڈاکوؤں اور رہزنوں سے واسطہ پڑتا تھا لیکن قریش کو ان تمام خطرات اور دشواریوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ عرب کا کوئی قبیلہ ان کے قافلوں کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا تھا اور ان کا جان و مال ہر جگہ محفوظ رہتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان تھا کہ اپنے گھر کی برکت سے جزیرہ عرب کے تمام قبائل کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے قریش کے لیے مسخر کر دیا تھا۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ﴿٣﴾ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ

پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی ۳ جس نے انہیں رزق دیا ہے کہ فاقہ سے نجات بخشی ۴

وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ﴿٤﴾

اور امن عطا فرمایا انہیں (ہر قسم کے) خوف سے ۵

۳ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی رزق رسانی کا ایسا عمدہ انتظام فرما دیا ہے تو انہیں چاہیے کہ اب اسی ذات کی عبادت کریں جو اس کعبہ کا مالک ہے۔ جس نے ابھی چند سال پہلے ابرہہ کی یلغار سے اس کی حفاظت کی اور حملہ آوروں کو ایسی عبرت ناک سزا دی کہ اب آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کر سکے گا۔

۴ یہاں بنجر بیابان ہے کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ اگر ان کی مالی حالت ناگفتہ بہ رہتی۔ بلا فاقہ کشی کی نوبت بھی آجاتی لیکن اس نے اپنی حکمت سے ان کے دلوں میں کاروبار کی رغبت پیدا کر کے ان کو خوشحال بنا دیا۔

۵ جزیرہ عرب میں ہر وقت بدامنی کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ قتل و غارت کی آگ لگی ہوئی تھی۔ عام شاہراہوں پر لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہتا۔ کسی مسافر کا سلامتی سے واپس گھر پہنچنا ایک معجزہ تصور کیا جاتا۔ ہر قبیلہ اپنی جگہ خوف زدہ رہتا۔ قصبوں اور دیہات میں بھی ہر وقت قزاقوں کے حملوں کا دھڑکا لگا رہتا۔ لیکن قریش خانہ کعبہ کی برکت سے جہاں جاتے ان کی عزت کی جاتی۔ ان پر دست درازی کی کسی کو جرأت نہ ہوتی۔ یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کا احترام پیدا کیا تھا اور اس کی محض یہ وجہ تھی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں۔

○

ایاک نعبد و ایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم

وصل وسلم وبارک علی حبیبک الکریم محمد رسول اللہ و اصحابہ ومن تبعہم الی یوم الدین

تعارف

سُورَةُ الماعون

نام : اس سورت کی آخری آیت میں الماعون کا کلمہ مستعمل ہے۔ یہی اس سورت کا عنوان ہے۔ اس کی سات آیتیں اور ایک رکوع ہے پچیس کلمات اور ایک سو پچیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول : عطا وجابر کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی یہی ہے لیکن جمہور نے اسے مکی سورتوں میں شمار کیا ہے۔

مضامین : اس سورت میں ان لوگوں کے اخلاق و کردار کی تصویر کشی کی گئی ہے جو روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس فانی زندگی کو ہی انسانی زندگی خیال کرتے ہیں اور اسی کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ اور پرلطف بنانے کی دھن میں مگن رہتے ہیں۔ خود سر ایسے جو معاشرہ در بدر ہونے والے خستہ حال یتیموں کو دھکے دے کر اپنے ہاں سے نکال دیتا ہے۔ جو غریب نانِ شبینہ کا نہ خود رحم کھاتا ہے اور نہ دوسرے لوگوں کو ان کی اعانت کی ترغیب دیتا ہے۔ از خود تو اس سے انسانی ہمدردی کے جذبہ کا اظہار نہیں ہوتا لیکن اگر کوئی چار و ناچار اس سے بھلائی کر بیٹھا ہے تو ریا و نمود نے اس کو غارت کر دیا ہے۔ نیکی کی توفیق سے وہ اس قدر محروم ہے کہ کسی کے لیے کوئی بڑا ایثار تو رہا ایک طرف اس سے تو معمولی نیکی بھی سرزد نہیں ہوتی۔ وہ روزمرہ کے استعمال میں لائی جانے والی چیزیں بھی اپنے دوستوں اور پڑوسیوں کو استعمال کے لیے نہیں دیتا۔ جس شخص کا کردار یہ ہو اس سے زیادہ بدبخت کون ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کا ہم پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ذلت و رسوائی اور نحوست کے اس گڑھے سے نکلنے اور بلندیوں پر آشیاں بنانے کا درس دیا۔

سُورَةُ الْمَاعُونِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — وَهِيَ سَبْعُ آيَاتٍ

سورۃ الماعون مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے — اس میں سات آیات ہیں

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾

کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے روزِ جزا کو ۱؎ — پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دیتا ہے یتیم کو ۲؎

وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾

اور نہیں برانگیختہ کرتا ہے دوسروں کو مسکین کو کھانا کھلانے پر ۳؎ — پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے

۱؎ استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے۔ رأیت سے آنکھوں سے دیکھنا بھی مراد ہو سکتا ہے اور کسی کو جاننے اور پہچاننے کے لیے بھی یہ مستعمل ہوتا ہے۔

الدین کے دو معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔ الدین سے مراد دینِ اسلام ہو۔ یعنی کیا تم اس شخص کے حالات کو جانتے ہو جو دینِ حق کی تکذیب کرتا ہے۔ اور اگر دین سے مراد روزِ جزا ہو تو پھر معنی ہو گا کہ جو شخص روزِ جزا پر ایمان نہیں رکھتا کیا تم نے اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگایا؟

۲؎ یہاں فذلک جزائیہ ہے جملہ شرطیہ محذوف ہے یہ جملہ اس کی جزاء ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ هل عرفت الذی یکذب بالجزاء او بالاسلام ان لم تعرفه فذلک الذی۔ یعنی جو روزِ جزا یا دینِ اسلام کا منکر ہے۔ اگر تم اس کی حالت کو جانتے ہو تو خیر اور اگر نہیں جانتے تو اب جان لو کہ اس کی اخلاقی پستی کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی یتیم اس کے پاس رحمت و شفقت کا خواستگار بن کر آتا ہے تو اس کو اس کی خستہ حالی پر ذرا ترس نہیں آتا۔ اس کی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اس کا دل نہیں پسیجتا بلکہ تمسخر اور حقارت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا ہے اور دھکے دے کر اس کو اپنے دروازے سے نکال دیتا ہے۔ دَعَّ یعنی الدفع ہے یعنی دھکے دے کر نکالنا۔ اس کا دوسرا معنی کسی کو کسی کے حق سے محروم کر دینا ہے۔ ای یدفعه عن حقه (قرطبی) [illegible] یتیم کے ساتھ اس کے اس سنگدلانہ برتاؤ کی کیا وجہ ہے؟

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ انہیں اس سنگدلی پر معاشرہ کی طرف سے کسی ردِ عمل کا کوئی اندیشہ نہیں۔ انہیں یقین ہے کہ یتیم بچوں سے ان کا حق چھین لینے کے خلاف کوئی صدائے احتجاج بلند نہ ہو گی اور ان سنگدلانہ حرکتوں کے باعث ان کی ساکھ میں کمی واقع نہ ہو گی۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قیامت پر انہیں یقین نہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس یتیم کے ساتھ کوئی احسان کیا تو یہ بیچارہ بے سہارا کس بھی نہیں اس کا کیا معاوضہ دے گا۔ جہاں وہ کسی غرض کے پورا ہونے کی امید ہو وہاں اپنا مال خرچ کرنا پسند [illegible] خیال کرتے ہیں۔ اگر انہیں قیامت پر یقین ہوتا تو وہ اس امید پر اس بچے کے ساتھ احسان و مروت کا سلوک کرتے کہ اگرچہ یہاں تو بچہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکے گا جب قیامت برپا ہو گی تو اللہ تعالیٰ کی جناب سے اس کو اس کا کئی گنا بدلہ ملے گا۔

۳؎ قیامت پر ایمان نہ رکھنے والے انسانی ہمدردی کے جذبہ سے کس طرح محروم ہو گئے ہیں۔ فرمایا کہ وہ خود تو ان یتیموں کی

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَاۗءُوْنَ ۝

جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں ۵؎ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں ۶؎

کچھ امداد کر سکنے کی گنجائش نہ تھی یا بخل نے ہاتھ پکڑ لیے لیکن دوسرے لوگوں کو تو ان محتاج لوگوں کی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ترغیب دے سکتے تھے۔ یہ بد نصیب اس سے بھی گریز کرتا ہے کہ کوئی غریب ان کے نزدیک امداد و اعانت کا مستحق نہیں۔ انہوں نے ایک خود ساختہ ضابطہ بنا رکھا ہے۔ کہتے ہیں انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ (۳۶: ۴۷) یعنی اگر اس غریب کو فارغ البالی کا مناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں کس چیز کی کمی تھی۔ وہ خود اس کو ضروریات زندگی مہیا فرما دیتا۔ جب اس نے اسے مفلس و کنگال رہنے دیا ہے تو ہم اپنے گستاخ کیوں نہیں کہ ایسے شخص کی امداد کر کے مشیت خداوندی کا مقابلہ کریں۔

ان آیات میں غور فرمائیے۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب معاشرہ کے بے سہارا اور ضرورت مند افراد کی امداد اور ان کو ضروریات زندگی فراہم کرنے کو کتنی اہمیت دیتی ہے۔ جو لوگ اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے وہ کتنے گناہگار ہیں اور ان کے دلوں میں کتنی سنگدلی اور تنگ دلی پائی جاتی ہے۔

۵؎ اس کا ترجمہ طعام المسکین بنا یا ہے یعنی ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ لیکن دوسرے علماء نے طعام سے مراد کھانا دینا لیا ہے۔ اگرچہ وہ کھانا اس شخص کی ملکیت سے ہی نکلتا ہے جو اپنے ہاتھوں سے غریبوں کو دے رہا ہے۔ لیکن یہاں اس کی اضافت مسکین کی طرف کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ دراصل یہ اس مسکین کا حق ہے۔ گویا دینے والے کی ملکیت نہیں بلکہ لینے والا ہی اس کا مالک ہے۔ دینے والا دے کر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ اس کی چیز اسی کو دے رہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: طعام المسکین کانہ مالک لما یعطی له وفیه اشارة الی عدم الامتنان (روح المعانی)

۶؎ یعنی پہلی دو آیات میں جن حرکات کا ذکر کیا تھا ان کا حال تو آپ نے سن لیا۔ اب ذرا ان منافقین کا حال بھی سن لیجئے جنہوں نے بظاہر تو اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کر رکھا ہے لیکن ان کے دلوں میں قیامت پر ایمان نہیں۔ اسی لیے نماز کے بارے میں ان کی غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ساھون، غافلون۔ یعنی نماز کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ نماز ادا ہو گئی تو ہو گئی نہ ہوئی تو انہیں کوئی ڈر نہیں۔ اگر نماز پڑھتے ہیں تو کسی ثواب کے امیدوار نہیں ہوتے اور اگر نہیں پڑھتے تو کسی عذاب کا اندیشہ نہیں ہوتا۔ اگر لوگوں میں گھر گئے تو نماز پڑھ لی۔ تنہا ہوئے تو جی میں آیا تو پڑھ لی ورنہ نہیں۔ اگر پڑھتے ہیں تو صحیح وقت پر ادا نہیں کرتے۔ یونہی بیٹھے گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور جب وقت ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے تو جلدی سے اٹھتے ہیں اور چار ٹھونگیں مار کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ نماز جس خشوع و خضوع کی متقاضی ہے اس کی انہیں ہوا تک نہیں لگی ہوتی۔ کھڑے تو نماز میں ہوتے ہیں لیکن دل اکتا رہا ہوتا ہے۔ پڑھتے ہیں یہ عبادت وہ گویا الٹی کی مصیبت سے کسی طرح جان چھڑا رہے ہوتے ہیں۔ غفلت کا یہ سب کیسے ہیں۔ یہ مرض کو چاہیے کہ ان تمام سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ علامہ نے بڑی پیاری بات کی ہے۔ فرماتے ہیں الحمد للہ الذی قال عن صلاتھم ساھون ولم یقل فی صلاتھم یعنی اللہ کا شکر ہے کہ عن صلاتھم فرمایا۔ فی صلاتھم نہیں فرمایا۔ ورنہ شاید ہی کوئی نمازی اس وعید سے محفوظ رہتا۔ ہر مسلمان کو اکثر نماز میں سہو و نسیان سے کبھی نہ کبھی سابقہ پڑتا رہتا ہے۔ اس کی تلافی کے لیے سجدہ سہو کا حکم ہو گیا۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷

اور (مانگنے پر) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز ۷

۶ نماز کے معاملہ میں غافل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ریاکار بھی ہیں۔ کوئی کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں کرتے۔ خلوص نیت سے یکسر محروم ہیں۔ جو نیکی کرتے ہیں اس خیال سے کرتے ہیں کہ لوگ انہیں نیک کہیں گے۔ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت پیدا ہو جائے گی۔ انہیں شہرت و ناموری حاصل ہوگی اور اس طرح وہ دنیوی منفعتیں اور مفادات آسانی سے حاصل کر سکیں گے۔

۷ ماعون کے متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت سیدنا علی، ابن عباس، محمد بن حنفیہ کی رائے میں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے لیکن علمائے تفسیر کی کثیر جماعت نے اس کا معنی روزمرہ استعمال کی چیزیں بتایا ہے جو ہر پڑوسی بوقت ضرورت اپنے پڑوسی سے عاریۃً لے لیتا ہے اور اپنی ضرورت پوری کر کے مالک کو واپس کر دیتا ہے جیسے ہنڈیا، ڈول، کلہاڑا، چھاج وغیرہ وغیرہ۔

منکرین قیامت کی اخلاقی پستی، منافقین کی عبادات سے بے اعتنائی، ان پر ریاکاری اور اپنے ہمسائیوں، عزیزوں، دوستوں، قریبی رشتہ داروں سے عام ضرورت کی چیزوں کو روکنے کی قبیح عادت کا ذکر کر کے مسلمانوں کو ان سے اجتناب کی تلقین کی۔ بتایا یہ خصلتیں ان لوگوں کی ہی ہو سکتی ہیں جو دین کو نہیں مانتے۔ جن کے دلوں میں نفاق کی غلاظت ہے۔ تم لوگ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر یقین رکھتے ہو۔ تمہیں تو اپنے دامن کو ان آلائشوں سے ہرگز آلودہ نہیں ہونے دینا چاہیے ورنہ تم میں اور ان لوگوں میں وجہ امتیاز کیا رہ جائے گی۔ خلوق اعمال کس طرح پہنچا جائے گا۔

○

لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین۔

یا رب صل وسلم علی من خلقہ عظیم واسوتہ حسنۃ وشمائلہ سنیۃ وعلی آلہ واصحابہ وحبیہ الی یوم البعث۔

تعارف

سُورۃ الکوثر

نام : اس سورہ طیبہ کا نام الکوثر ہے جو اس کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے دس کلمات اور بیالیس حروف ہیں۔

نزول : علامہ جلال الدین سیوطی نے اس سورت کے نزول کے بارے میں دو قول لکھے ہیں۔ ایک حضرت انس کا قول ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سورت کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا اور ان کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم حضور کی خدمت میں حاضر تھے اچانک نزول وحی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضور کا سر مبارک جھک گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تبسم فرماتے ہوئے اپنے سر کو اٹھایا لوگوں نے تبسم کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابھی مجھ پر یہ سورت نازل فرمائی ہے۔ پھر الکوثر کی تلاوت کی لیکن ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، ام المومنین عائشہ صدیقہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورت مکہ کرمہ میں نازل ہوئی۔ ان اکابر صحابہ کے قول کو بہرحال حضرت انس کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور ان کی اس روایت کی توجیہ یوں بیان کی جاسکتی ہے کہ کئی سورتیں ایسی ہیں جن کا نزول متعدد بار ہوا ہو سکتا ہے یہ سورت اس محفل میں کسی خاص حکمت کے پیش نظر دوسری بار نازل کی گئی ہو۔ اس کی تائید حضرت انس کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جسے امام مسلم اور ترمذی و دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

حضور نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے وہاں ایک نہر دیکھی۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے نصب تھے میں نے جب اس کے پانی میں ہاتھ مارا تو اس سے خالص کستوری کی مہک اٹھنے لگی۔ اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا ھذا الکوثر الذی اعطاکہ اللہ۔ یعنی یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔ معراج تو مکہ میں ہوئی، اسی رات کو الکوثر کے عطا فرمائے جانے کا مژدہ ملا، اس لیے اس کی اطلاع بھی مکہ میں ہی دی گئی ہوگی۔ چنانچہ سیوطی لکھتے ہیں : المشھور عند اھل التفاسیر والمغازی انہ ھذہ السورۃ مکیۃ (درمنثور) یعنی علماء تفسیر اور مغازی کے نزدیک یہی بات زیادہ مشہور ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اس کا انداز بیان بھی مکی سورتوں سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔

شان نزول : ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تولد ہوئے۔ ایک صاحبزادے کا نام نامی قاسم اور دوسرے کا اسم گرامی عبداللہ تھا۔

ان کا لقب طیب اور طاہر بھی ہے۔ اعلانِ نبوت سے پہلے یہاں کے باشندے حضور کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہوں نے آپ کی ذات سے بڑی حسین توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ آپ کی سیرت و کردار سے وہ اتنے متاثر تھے کہ آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

حضور نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر جب قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا کی دعوت دی تو اہل مکہ کے تیور بدل گئے۔ دلوں میں نفرت، حقارت اور عداوت کے جذبات امڈ آئے۔ انہیں حضور کی ہر بات سے چڑ ہو گئی۔ ہر وہ حادثہ جس سے نبی کریم کے خاطر عاطر کو دکھ پہنچتا ان کے لیے وہ مسرت و شادمانی کا باعث بنتا چنانچہ جب دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کمسنی میں وفات پا گئے تو ان جانکاہ حادثوں پر اہل مکہ کو ذرا بھی رنج نہ ہوا بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیانے بجائے۔ ان کے اعتقادات، ان کے رسم و رواج اور ان کے تمدن و معاشرہ کو اسلام سے جس سنگین قسم کا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اس کی شدت میں کمی آ گئی۔ انہوں نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو بہلانا شروع کر دیا کہ جب ان کی شمع زیست بجھے گی تو ان کا یہ لایا ہوا دین بھی دم توڑ دے گا۔ بیٹا تو کوئی ہے نہیں جو اس سلسلہ کو جاری رکھ سکے۔

ابتر: اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کا کوئی فرزند نہ ہو۔ قریش کے گستاخ یہی لفظ اللہ تعالیٰ کے محبوب کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ ابولہب حقیقی چچا تھا، لیکن بغض و عناد کی یہ حالت تھی کہ جب حضور کے دوسرے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو اس کی خوشی کی حد نہ رہی۔ دوڑا ہوا مشرکین کے پاس گیا اور ان کو یہ مژدہ جانفزا سنایا بَتِرَ محمد اللیلۃ۔ یعنی آج رات محمد کی نسل منقطع ہو گئی ہے۔ عاص بن وائل بھی کہا کرتا تھا: ان محمدا ابتر لا ابن لہ یقوم مقامہ بعدہ فاذا مات انقطع ذکرہ واسترحتم منہ۔ یعنی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتر ہیں، ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین بنے جب یہ فوت ہو جائیں گے تو ان کا ذکر مٹ جائے گا اور اس وقت تمہیں راحت و آرام کا سانس لینا نصیب ہو گا۔

اس قسم کی دل آزاریاں جب تہذیب و شائستگی کی ساری حدود کو توڑ گئیں، ان کے طعن و تشنیع کے تیروں سے صبر کا دامن تار تار ہونے لگا۔ اس وقت اللہ کریم نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی جس میں انتہائی مختصر اور بعد مؤثر انداز میں ان بے حد و بے حساب خیرات و برکات کا مژدہ سنایا گیا جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک بنا دیا تھا جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ بتا دیا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے محبوب کا ذکر مٹ جائے گا۔ ان کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ میرے پیارے رسول کا چشمۂ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ دنیا اس سے ہمیشہ ہمیشہ سیراب ہوتی رہے گی۔ اہل دل اس کی بارگاہِ جمال میں اپنی عقیدت و محبت کے رنگین پھول پیش کرتے رہیں گے۔ ارباب ذوق و شوق بزم عالم کو اس کے ذکر خیر سے آباد رکھیں گے۔ درود و سلام کی نورانی صدائیں ہر لحظہ گلشن ہستی کے لیے مژدۂ بہار سناتی رہیں گی جب تک میری کبریائی کا پرچم فرش و عرش پر لہرا رہا ہے اس وقت تک میرے پیارے رسول کا ذکر ہوتا رہے گا۔ یہ شمع جس کو میں نے خود روشن کیا ہے۔ تند و تیز طوفانوں کے باوجود ہمیشہ نور افشاں رہے گی۔

نام تو وہ مٹے گا، نام و نشان تو اس کا مٹے گا۔ جڑ تو اس کی کٹے گی جس کے دل میں میرے نبی کریم کی عداوت ہو گی۔ سلام

کی چودہ صد سالہ تاریخ اس ارشادِ خداوندی کی تصدیق و توثیق کر رہی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا بلکہ ان لوگوں نے خود دیکھا کہ چند سال بعد وہ دل وجان سے اس کے خادم اور پیروکار بن گئے تھے۔ وہ ذات اقدس واطہر جس نے ایک تاریک شب میں مکہ سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں ہجرت کی تھی جس کا رفیق سفر صدیق اکبر کے بغیر اور کوئی نہ تھا؛ چند سال بعد وہ دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی سمت بڑھا تو مکہ نے اپنے بند دروازے اس کے استقبال کے لیے کھول دیے اور قریش کے سامنے سردار گردنیں جھکائے ہوئے اس کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو گئے۔

ایک نکتہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ قرآن کریم میں جس جس موقع پر حضور رحمت للعالمین کی شان رفیع کا بیان ہوا ہے ان تمام آیات میں ایک بات قدر مشترک ہے وہ یہ کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد اپنے حبیب کی شان بیان کی ہے۔ مثلاً سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً۔ وما ارسلناک الا رحمة للعالمین۔ اسی طرح یہاں بھی انا اعطینٰک الکوثر۔ اس کی حکمت کیا ہے؟ جہاں تک اس ناقص کی فہم نارسا کی رسائی ہے مجھے تو اس میں دو حکمتیں جلوہ کناں نظر آتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ حضور کے بے اندازہ کمالات کو دیکھ کر حضور کو خدا نہ سمجھنے لگیں۔ بتا دیا کہ یہ کمالات ان کے ذاتی نہیں، بلکہ میں جو رب السموات والارض ہوں، میں نے انہیں ارزانی فرمائے ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کوئی کم نظر حضور کے کمالات کا انکار نہ کر سکے کیونکہ یہ سب کمالات خود اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں جو علیم بھی ہے حکیم بھی ہے اور قدیر بھی ہے۔ جو کمالات رسالت کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی قدرت وحکمت اور اس کی صفت جود وعطا کا انکار کرتا ہے۔

الحمد للہ الذی اعطی نبینا من المواھب السنیة مالا تحصی والمحامد الجلیلة مالا تعد۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

سورۃ الکوثر مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں تین آیات ہیں

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾ إِنَّ

بیشک ہم نے آپ کو جو کچھ عطا کیا بے حد و بے حساب عطا کیا ۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیا کریں بلاشبہ

۱۔ حضور رحمت عالمیان شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محامد و کمالات کے ذکر کا جو سلسلہ سورۃ الضحیٰ سے شروع ہوا ہے وہ ابھی جاری ہے۔ ان تمام سورتوں میں مختلف انداز سے اللہ تعالیٰ نے ان انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جو اس نے اپنے حبیب لبیب پر اور اس کے طفیل اس کی امت پر فرمائے ہیں۔ اس سورت میں ان تمام عنایات کو الکوثر کے ایک کلمہ میں سمو کر رکھ دیا گیا۔ چشم حق بیں اس حسین کلمہ کے ایک ایک جلوے کو دیکھتی ہے اور سرشار ہوتی ہے۔ اس یک رنگی میں رعنائی کی دلفریبیاں اور دلربائیاں ہیں کہ کوئی بے دل اس حسین سرمدی کی دلنوازیوں پر قربان ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک ایک ادا جان پرور ہے۔ اس کا ایک ایک انداز روح افزا اور ایمان افروز ہے۔ جب اپنے حبیب کی شان بیان کر رہی ہے تو یہاں اسلوب بھی بڑا نرالا اختیار کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا إِنَّا۔ ہم نے۔ جمع کی ضمیر استعمال ہوئی۔ جمع کا صیغہ کبھی کثرت اور تعدد پر دلالت کرتا ہے اور کبھی عظمت و شان کے اظہار کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہی مقصد ہے۔ یعنی ہم جو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں، ہم جو غنی ہیں، ہم جن کے خزانے لازوال اور بخشش بے حساب ہیں، ہم جن کے جود و کرم کا وسیع دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا ہے اور ہر کسی کے لیے عطائے عام ہے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جو چیز ہم عطا فرمائیں اسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

یہاں آتینا کے بجائے اعطینا مذکور ہے۔ ان دونوں کے مفہوم میں بڑا فرق ہے۔ اعطی کے لفظ کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور رقمطراز ہیں:

الاعطاء والمعاطات جميعاً: المناولة وتعاطا تعاطاه الشيء، وعطوت الشيء تناولته باليد: یعنی اپنے ہاتھ سے کوئی چیز کسی کے حوالے کر دینا۔ (لسان العرب)

اس تحقیق کی رو سے آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے الکوثر آپ کے حوالے کر دیا، آپ کو اس کا مالک بنا دیا۔

علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اس آیت میں کئی فوائد ہیں۔ منها التصدير بان ومنها الجمع المفيد للتعظيم ومنها لفظ الاعطاء دون الايتاء وفي الاعطاء دليل التمليك دون الايتاء ومنها صيغة الماضي الدالة على التحقيق. (نیشاپوری)

ترجمہ: اس آیت کی ابتداء إنَّ سے کی گئی ہے جو تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ضمیر جمع ذکر کی گئی ہے جو تعظیم کا مفہوم دیتی ہے۔ نیز یہاں اعطاء کا لفظ استعمال ہوا ہے ایتاء کا نہیں اور اعطاء میں تملیک پائی جاتی ہے جبکہ ایتاء میں یہ معنی نہیں پایا جاتا۔ پھر یہاں ماضی کا صیغہ ذکر کیا جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ کام ہو گیا۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں وفی اسناد الاعطاء الیہ دون الایتاء لشارۃ الی ان ذلک اعطاء علی جھۃ التملیک۔ یہاں اعطاء کا اسناد ضمیر متکلم کی طرف کیا گیا ہے ایتاء کا نہیں۔ اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو کوثر کا مالک بنا دیا ہے۔ کیا شان ہے دینے والے کی اور کیا مقام رفعت و عظمت ہے لینے والے کا۔

اب ذرا الکوثر کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ اس میں فضائل و مکارم کے کتنے سمندر سمو دیئے گئے ہیں۔

۱۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں الکوثر: فوعل من الکثرۃ صیغۃ مبالغۃ الشیء الکثیر کثرۃ مفرطۃ۔ کوثر کثرت سے ماخوذ ہے اس کا وزن فوعل ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے کسی چیز کا اتنا کثیر ہونا کہ اس کا اندازہ نہ لگایا جا سکے۔

۲۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں والعرب تسمی کل شیء کثیر فی العدد والقدر والخطر کوثرا۔ یعنی جو چیز تعداد میں، قدر و قیمت میں اور اپنی اہمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ یہاں ایک چیز بڑی غور طلب ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت دونوں کا ذکر ہوتے ہیں لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ الکوثر جو صفت ہے وہ مذکور ہے لیکن اس کا موصوف مذکور نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ علماء فرماتے ہیں اگر ایک چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو کوثر یعنی بے حساب عطا کی ہوتی تو اس کو ذکر کر دیا جاتا۔ اگر چند چیزیں ہوتیں تو ان کے بیان کا تکلف کیا جاتا ــــ یہاں تو حالت یہ ہے کہ جو عطا فرمایا بے حد و بے حساب عطا فرمایا۔ کس کا ذکر کیا جاتا اور کس کا ذکر چھوڑا جاتا اس لیے صفت ذکر کر دی اور موصوف کو قاری کے ذہن پر چھوڑ دیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ اے حبیب! ہم نے آپ کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ سب بے حساب ہیں۔ علم، حلم، جود و کرم، عفو و درگزر الغرض جن محاسن سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو سرفراز فرمایا وہ ایک سمندر ہے بے کنار جس کی حد کوئی نہیں پا سکتا۔

علمائے تفسیر نے الکوثر کی تفسیر میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ چند آپ بھی سماعت فرمائیے:

۱۔ کوثر سے مراد جنت کی وہ نہر ہے جس سے جنت کی ساری نہریں نکلتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عطا فرمائی ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الکوثر نہر فی الجنۃ حافتاہ من ذھب ومجراہ علی الدر والیاقوت تربتہ اطیب من المسک وماؤہ احلی من العسل وابیض من الثلج۔

ترجمہ: یعنی حضور نے فرمایا کوثر جنت کی ایک نہر ہے جس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں۔ موتیوں اور یاقوت کا فرش بچھا ہوا ہے اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ شفاف ہے۔

۲۔ اس حوض کا نام ہے جو میدان حشر میں ہو گا جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب فرمائیں گے جس کے کناروں پر پیالے اتنی کثرت سے رکھے ہوں گے جتنے آسمان پر ستارے ہیں تاکہ وہ حبیب پاک کسی پیاسے کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس حوض کے بارے میں احادیث متواتر ذکر ہیں اور علماء نے یہ بھی لکھا ہے۔ وان علی ارکانہا الاربعۃ خلفاء الاربعۃ۔ اس کے چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ تشریف فرما ہوں گے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض رکھے گا اسے حوض کوثر سے ایک گھونٹ بھی نہیں ملے گا۔

۳۔ النبوۃ: انبیاء تو حضور سے پہلے بھی تشریف لاتے رہے لیکن نبوت محمدیہ کے فیوض و برکات کی کثرت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ بعثت کا دامن ساری نوع انسانیت کو سمیٹے ہوئے ہے بلکہ آپ ساری کائنات کے نبی ہیں۔ آپ کا عہد رسالت زمان و مکان کی حدود سے

آشنا نہیں۔

۴۔ کوثر سے مراد قرآن کریم ہے۔ انبیاء سابقین کو بھی صحائف اور کتابیں دی گئی تھیں لیکن جو جامعیت اور ابدیت اس کی تعلیمات میں ہے اس کی نظیر کہاں۔ علوم و معارف کے جو خزینے اس صحیفہ رشد و ہدایت میں مستور ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ انسانی زندگی کے کسی گوشے میں جس طرح اس کتاب مبین کا لمعہ ضیا پاشیاں کر رہا ہے وہ کسی بصیرت والے سے مخفی نہیں۔

۵۔ اس سے مراد دین اسلام ہے۔

۶۔ اس سے مراد صحابہ کرام کی کثرت ہے۔ جتنے صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے کسی دوسرے نبی اور رسول کو اتنے صحابہ نصیب نہ ہوئے۔

۷۔ اس سے مراد رفعت ذکر ہے۔ ساری کائنات کی بلندیاں اور پستیاں گواہ ہیں جس طرح اس نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر مبارک کا ڈنکا بج رہا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

۸۔ قال جعفر الصادق علیہ وعلی آبائہ الکرام السلام۔ نور فی قلبک دلک علی اللہ تعالیٰ وقطعک عما سواہ۔ یعنی امام جعفر صادق کے نزدیک کوثر سے مراد حضور کے دل کا وہ نور ہے جس نے آپ کی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کی اور ما سوا سے ہر قسم کا رشتہ منقطع کر دیا۔

۹۔ مقام محمود۔ روز محشر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت عامہ فرمائیں گے۔

۱۰۔ حضرت ابن عباس نے الکوثر کی تفسیر یوں کی ہے الخیر الکثیر۔ یعنی خیر کثیر۔

حضرت سعید بن جبیر نے عرض کیا کہ لوگ تو کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو آپ نے فرمایا وہ بھی اس خیر کثیر میں سے ایک ہے۔ ھو من الخیر الکثیر۔

علامہ آلوسی کوثر کے بارے میں متعدد اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔ والاظہر ان جمیع نعم اللہ داخلۃ فی الکوثر ظاہرۃ وباطنۃ۔ فمن الظاہر خیرات الدنیا والآخرۃ ومن الباطنۃ العلوم اللدنیۃ الحاصلۃ بالفیض الالٰہی بغیر اکتساب۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری ظاہری و باطنی نعمتیں کوثر میں داخل ہیں۔ ظاہری نعمتوں سے مراد دنیا و آخرت کی بھلائیاں ہیں اور باطنی نعمتوں سے مراد وہ علوم لدنیہ ہیں جو بغیر کسب کے محض فیضان الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

علامہ قرطبی نے بھی اسی سے ملتی جلتی تشریح کی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں انہ الخیر الکثیر والنعم الدنیویۃ والاخرویۃ من الفضائل والفواضل . . . . وفیہ اشارۃ الی ان ما صح من الاحادیث من تفسیرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایاہ بالنہر من باب التمثیل والتنصیص لنکتۃ۔ یعنی کوثر سے مراد خیر کثیر ہے اور دنیوی و اخروی نعمتیں جن میں فضیلتیں اور فضائل سب شامل ہیں۔ اس میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ احادیث میں کوثر کا معنی نہر بتایا گیا ہے یہ بطور تمثیل ہے۔

۲؎ پہلی آیت میں بے پایاں عنایات سے اپنے حبیب کو سرفراز کرنے کا ذکر فرمایا۔ اب ان انعامات و احسانات کا شکر ادا کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہے اے حبیب! اپنے رب کے لیے نماز پڑھا کرو اور اسی کی خاطر قربانی دیا کرو۔ کم فہم لوگ کھاتے اللہ تعالیٰ کے دستر خوان سے ہیں، پلتے اس کی رحمت کے گہوارے میں ہیں، خود اور ان کے گھر اس کے لطف و کرم سے پلتے ہیں لیکن گیت غیروں کے گاتے ہیں، عبادت باطل معبودوں کی کرتے ہیں، قربانیاں بتوں کے نام پر دیتے ہیں۔ اے میرے محبوب! آپ ان کی روش کو اختیار نہ کرنا۔ یہ

شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝

یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشان ہوگا ۳

سب سے بڑی ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے۔

اس عبدِ منیب اور حبیبِ لبیب کی تعمیلِ ارشاد کی یہ حالت تھی کہ ساری ساری رات کھڑے رہ کر نماز ادا فرماتے رہتے یہاں تک کہ پاؤں میں سوج آجاتی تھی۔ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضور تو مغفور و معصوم ہیں پھر اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں فرمایا افلا اکون عبداً شکوراً۔ کیا میں اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں پر اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ ساری عمر یہی عبادت و ذکر الٰہی میں بسر ہوئی۔ روز و شب کا ایک لمحہ بھی غفلت میں نہ گزرتا تھا۔ جس نبی کریم، ہادیٔ معظم کی ساری زندگی سجود و رکوع اور خشوع و خضوع میں گزری اس کی امت اگر اپنے رب کے ذکر سے محروم ہو جائے، ان کی پیشانیوں پر اگر سجدوں کے نشان چمک رہے ہوں انہیں اگر نماز کی سعادت نصیب نہ ہو تو اس سے بڑی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔

۳؎ شانی، مبغض، جس کے دل میں بغض و عداوت ہو تو اس کو شانی کہتے ہیں۔ ابتر: بتر سے ہے اور بتر کا معنی القطع۔ کسی چیز کو کاٹ دینا۔ اہل لغت کے نزدیک وہ مرد جس کا فرزند نہ ہو اسے ابتر کہتے ہیں۔ وہ چوپایہ جس کی دم نہ ہو اسے بھی ابتر کہتے ہیں۔ ہر وہ کام جس کا کوئی اثر باقی نہ رہے اس کو بھی ابتر کہتے ہیں۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ اولاد پیدا ہوئی۔ قاسم، پھر زینب، پھر عبداللہ، پھر ام کلثوم، پھر فاطمہ، پھر رقیہ۔ صلی اللہ علیہم وعلیہم اجمعین۔ پہلے قاسم کا انتقال ہوا پھر عبداللہ جن کا لقب طیب و طاہر ہے، دونوں بچے شیر خوارگی میں فوت ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلانِ نبوت کے بعد تو سارے مکہ والے دشمن بن گئے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے دونوں فرزند فوت ہو گئے ہیں اب صرف صاحبزادیاں ہی ہیں تو انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ عاص بن وائل کہنے لگا قد انقطع نسلہ یعنی اب تو ان کی نسل منقطع ہو گئی یہ ابتر ہو گیا ہے۔

کفار جب اسلام کی روز افزوں ترقی کو دیکھتے تو اپنا دل بہلانے کے لیے کہتے کہ فکر کی کوئی بات نہیں یہ چند روزہ کھیل ہے ان کا کوئی بیٹا نہیں جو ان کے بعد اس مشن کو جاری رکھ سکے۔ یہ چند سال کے مہمان ہیں۔ جب یہاں سے رخصت ہوں گے تو ان کا یہ دین بھی درہم برہم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایک آیت سے ان کی گستاخیوں کا منہ توڑ جواب دیا۔ ان کی خوش فہمیوں کا خاتمہ کر دیا۔ فرمایا جو میرے محبوب کا دشمن ہوگا جو اس کے دین کا بدخواہ ہوگا جو اس کے نظامِ شریعت سے پرخاش رکھے گا وہ مٹ جائے گا اس کی قوم اسے بھول جائے گی۔ تاریخ اسے فراموش کر دے گی۔ اس کا کوئی نام لینے والا نہیں ہوگا۔ اس کی اولاد میں اس کا نام لینا چھوڑ دے گی۔ اس کی طرف ہر قسم کی نسبت ان کے لیے باعثِ ننگ و عار بن جائے گی اور میرے محبوب کی یہ شان ہے کہ اس کا ہر امتی خواہ وہ کسی قبیلہ کا فرد ہو، کسی ملک کا رہنے والا ہو، کوئی زبان بولنے والا ہو میرے محبوب کریم کے ذکرِ پاک کی شمع ہر وقت روشن رکھے گا۔ دوسرے لوگوں کی نسل ان کے بیٹوں سے چلتی ہے۔ لیکن میں اپنے حبیب کی نسل ان کی لختِ جگر، قرۃ العین، زہرا بتول، خاتونِ جنت سیدہ طاہرہ

ذریت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے چلاؤں گا اور اس نسل میں اتنی برکت دوں گا کہ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں یہ نسل پھیل جائے گی۔ یہ سورت اپنے اختصار و ایجاز کے باوصف فصاحت و بلاغت کا وہ مرقع جمیل ہے کہ فصحائے عرب، بلغائے حجاز کو بھی اسے پڑھ کر کہنا پڑا۔ ما ھذا کلام البشر۔ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

○

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا رسول اللہ الذی اعطاہ ربہ الکوثر۔ کلما ذکرہ الذاکرون وغفل عن ذکرہ الغافلون۔ اللھم ارزقنا حبہ واتباعہ واحشرنا فی زمرتہ تحت لوائہ واغفر لنا ولوالدینا وذریتنا بشفاعتہ یا رب العٰلمین یا اکرم المسئولین۔

○

تعارف

سُورَۃُ الکافرون

نام : اس سورت کا نام الکافرون ہے۔ اس کی آیتیں چھ اور ایک رکوع ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد چھبیس اور حروف کی تعداد چورانوے ہے۔

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حضور نے مجمع عام میں جا کر اس کی تلاوت کی۔

مقاصد نزول : باطل بڑا عیار ہے۔ حق سے نبرد آزما ہونے کے لیے وہ طرح طرح کے بھیس بدل کر آیا کرتا ہے۔ کسی قسم کا حربہ استعمال کرنے میں اسے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ بسا اوقات وہ اپنے موقف میں بھی بے حد لچک پیدا کر لیا کرتا ہے۔ اس کا مقصد صرف اتنا ہوتا ہے کہ حق، حق نہ رہے۔ باطل تو ہر حال میں باطل ہے کسی چیز کی ملاوٹ اس کے بطلان پر اثر انداز نہیں ہو سکتی بلکہ جو پاک چیز اس میں ملے گی وہ بھی پلید ہو جائے گی۔ وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہے کہ حق صرف اس وقت تک حق ہے جب تک یہ ہر قسم کی ملاوٹ اور آمیزش سے پاک ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب دعوت توحید کا آغاز کیا تو ابتدا میں کفار نے اس کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا، لیکن سعادت مند روحیں اس کی طرف جب کھنچ کھنچ کر جانے لگیں انہیں اپنے ماحول میں تبدیلی کے کچھ آثار دکھائی دینے لگے تو انہوں نے اس دعوت کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ انہوں نے سوچا کہ ہمارے پاس بے پناہ وسائل ہیں۔ اس لیے اس حق کو خریدنے کے لیے ہم بڑی سے بڑی قیمت ادا کر سکتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابو طالب کی معرفت سودا بازی کا آغاز ہوا۔ کفار کے ایک وفد نے جناب ابو طالب سے ملاقات کی اور آ کر کہا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے بتوں کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے وہ ہمارے لیے ناقابل برداشت ہیں۔ آپ قوم کے سردار ہیں ہمارے دلوں میں آپ کا از حد احترام ہے۔ اسی وجہ سے ہم آپ کے بھتیجے کی باتیں سن کر اب تک خاموش رہے ہیں لیکن اب پیمانہ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو کہیں کہ اگر اس کو مال و دولت کی خواہش ہے تو ہم سونے چاندی کا ڈھیر اس کے قدموں میں لگانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر اس کو حاکم بننے کا شوق ہے تو ہم متفقہ طور پر اس کو اپنا رئیس اعلیٰ تسلیم کرنے پر رضامند ہیں اور اگر کوئی رشتہ مطلوب ہے تو وہ صرف اشارہ کر دیں ہم فخر و مسرت کے ساتھ وہ رشتہ پیش کر دیں گے۔

طالع آزما لوگ جو مذہب و دین کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے بطور زینہ استعمال کرتے ہیں انہی چیزوں میں سے کوئی چیز ان کا مقصد ہوا کرتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب ان کی یہ پیشکش سنی تو فرمایا کہ وہ نادان مجھے پہچان نہیں سکے۔

میرے دائیں ہاتھ پر اگر وہ سورج لاکر رکھ دیں اور بائیں ہاتھ پر چاند لاکر رکھ دیں تو بھی میں اپنے رب کی توحید کی تبلیغ میں رائی برابر بھی سستی نہیں کروں گا۔

جب اس سودابازی میں ناکام ہوئے تو انہوں نے ایک اور چال چلی۔ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب اور امیہ بن خلف وغیرہ سارے اکٹھے ہو کر ایک روز حضور کے پاس آئے۔ کہنے لگے آپ کی تبلیغ اور دعوت سے قوم میں انتشار و افتراق پھیل رہا ہے یہ کسی اچھے مستقبل کا پیش خیمہ نہیں۔ اگر ہمارے اور آپ کے درمیان انتشار کی یہ خلیج یونہی وسیع ہوتی چلی گئی تو ایک دن ایسا آئے گا جب ہماری قوت کا جنازہ نکل جائے گا۔ اور دشمن قبائل ہم پر حملہ بول کر ہمیں ختم کر کے رکھ دیں گے۔ اس صورتِ حال سے ہم بہت پریشان ہیں۔ آؤ ایک ایسی تجویز پر متفق ہو جائیں کہ آپ کی بات بھی رہ جائے اور قوم کی یکجہتی اور اتحاد بھی برقرار رہے۔ اس کے لیے انہوں نے یہ تجویز پیش کی۔ ایک سال ہم سب مل کر آپ کے خدا کی عبادت کیا کریں اور دوسرے سال آپ ہمارے ساتھ مل کر ہمارے معبودوں کی پرستش کیا کریں۔ یہ تجویز سن کر نبی کرم نے فرمایا: معاذ اللّٰہ ان اشرک باللّٰہ غیرہ۔ میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس کے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراؤں۔ اس وقت یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی جس نے ان کی ساری امیدوں کو خاک میں ملا دیا اور انہیں ہمیشہ کے لیے مایوس کر دیا کہ وہ اپنی حیلہ سازیوں سے حق کو اپنے دامِ فریب میں پھانس سکتے ہیں چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حرم میں تشریف لے گئے کفر و شرک کے سارے سرغنے وہاں جمع تھے مجمع عام میں بڑی جرأت کے ساتھ حضور نے یہ سورت پڑھ کر انہیں سنائی تاکہ ان کے دل میں پھر اس قسم کے فاسد خیال پیدا ہونے کا امکان ہی ختم ہو جائے

سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ وَھِیَ سِتُّ اٰیٰتٍ

سورۃ الکافرون مکی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ ۔ اس کی چھ آیات ہیں

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ② وَلَاۤ اَنْتُمْ

آپ فرما دیجیے اے کافرو! سلہ میں پرستش نہیں کیا کرتا ان بتوں کی جن کی تم پرستش کرتے ہو سلہ اور نہ ہی تم عبادت

ک وہ لوگ اگرچہ کفر و شرک میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے لیکن اپنے آپ کو کافر کہتے اور نہ یہ پسند کرتے کہ ان کو کافر کہا جائے۔ حضور کو یہاں انہیں یٰایھا الکافرون سے مخاطب کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا اعلان کر دیا کہ مجھے تمہارا کوئی ڈر نہیں۔ میرے دل میں تمہارے لیے کوئی عزت و احترام نہیں اور نہ ہی میں کسی مداہنت کے پیش نظر تمہارے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا روا رکھتا ہوں جس سے اس قسم کا شبہ تک بھی پیدا ہو۔ میرے نزدیک تم کافر ہو اور میں اسی لفظ سے تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ نیز کافرون کہہ کر اس امر کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میری تمہاری کوئی ذاتی مخاصمت نہیں۔ میری اور تمہاری عداوت کی وجہ یہ نہیں کہ میرے اور تمہارے دنیاوی مفادات میں تصادم ہے۔ میں نے تو فقط اس لیے تم سے قطع تعلق کر لیا ہے کہ تم نے کفر کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اگر تم کفر کو ترک کر دو اور ایمان قبول کر لو تو میری اور تمہاری دشمنی محبت و اخوت میں بدل جائے گی۔ میں تمہیں اپنے سینے سے لگا لوں گا اور ہم سب توحید کے پرچم کے نیچے متحد و متفق ہو جائیں گے۔

سلہ ان آیات کا ترجمہ تو واضح ہے۔ بظاہر ان میں تکرار نظر آتا ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ پہلی دو آیتیں مستقبل سے متعلق ہیں اور پچھلی دو آیتیں ماضی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان الفاظ میں فرمایا کہ نہ میں نے زمانہ ماضی میں کبھی تمہارے معبودان باطل کی پرستش کی اور نہ آئندہ کبھی تم مجھ سے اس کی توقع کر سکتے ہو۔ تم یہ چاہتے ہو کہ میں ایک سال تمہارے معبودوں کی پرستش کروں اور ایک سال تم میرے خداوند حقیقی کی عبادت کرو۔ کان کھول کر سن لو ایک سال تو بڑا لمبا عرصہ ہے میں تو ایک لمحے کے لیے بھی تمہارے ان جھوٹے خداؤں کی عبادت نہیں کروں گا۔ میرا سر جھکے گا تو صرف اپنے پروردگار کے سامنے جو وحدہ لاشریک ہے۔ میری جبین نیاز سجدہ ریز ہو گی تو صرف اپنے اس خداوند قدوس کی بارگاہ اقدس میں جو کائنات کی ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ مجھے پیدا بھی اسی نے کیا ہے۔ مجھے نبوت و رسالت کا تاج بھی اسی نے بخشا ہے۔ میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اس کے علاوہ کسی غیر کو اپنا معبود و مسجود بناؤں۔ چنانچہ علامہ زمخشری لکھتے ہیں لا اعبد ارید بہ العبادۃ فیما یستقبل لان لا لا تدخل الا علی مضارع فی معنی الاستقبال۔ یعنی مضارع پر لا داخل ہے اور اس صورت میں مستقبل کی نفی کرتا ہے۔

ان آیات کی تفسیر میں مندرجہ ترجمہ کے علاوہ متعدد اقوال بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ چوتھی آیت دوسری آیت کی تاکید کر رہی ہے۔ کیونکہ دوسری آیت جملہ فعلیہ ہے جو تجدد و حدوث پر دلالت کرتا ہے اور چوتھی جملہ اسمیہ ہے جو ثبات اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے۔ چوتھی آیت سے دوسری آیت کو مؤکد کر دیا۔ تیسری آیت کی تاکید پانچویں آیت کر رہی ہے کیونکہ الفاظ

عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝٣ وَلَآ أَنَا۠ عَابِدٌ مَّا عَبَدتُّمْ ۝٤ وَلَآ أَنتُمْ

کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں سلہ اور نہ ہی میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو سکہ اور نہ تم اس

عَـٰبِدُونَ مَآ أَعْبُدُ ۝٥ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِىَ دِينِ ۝٦

کی عبادت کرنے والے جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں شہ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین ہے

بالکل یکساں ہیں۔ کلامِ عرب میں اس قسم کی تاکید تکرار و دفعوں میں کثیر الاستعمال ہے، چنانچہ ایک شعر ہے ؎

فنق الغراب ببين ليلى غدوة ۔۔۔ كم كم وكم بفراق ليلى ينعق

کہ جدائی کا کوا صبح کے وقت لیلیٰ کی جدائی کی خبر دینے کے لیے بولا وہ کب تک کب تک اور کب تک لیلیٰ کے فراق پر چلاتا رہے گا۔

اس تکرار کا مدعا یہ ہے کہ کفار کو ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہئے کہ مسلمان ان کے کفر کو ایک لمحہ کے لیے بھی قبول نہیں کریں گے، نیز ان کے بارے میں بتا دیا کہ وہ کبھی مسلمان نہیں ہوں گے۔ وفائدة هذا التوكيد قطع اطماع الكفار وتحقيق الاخبار بموافاتهم على الكفر وانهم لا يسلمون ابدًا (مجمع)

لہ الکافرون سے کچھ کفار قریش کے چند سربراہ مراد ہیں جن کی قسمت میں ایمان لانے کی سعادت نہ تھی اس لیے ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جس طرح آج میں اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرتا ہوں تم کبھی اس کی عبادت نہ کرو گے کیونکہ تم اس قدر متعصب ہو کہ تم نے غور و فکر کے سارے دروازے بند کر لیے ہیں، عقل و فہم کی قوتوں کو تم نے بالکل بیکار بنا دیا ہے۔

کہ زمخشری کہتے ہیں کہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے کہ میں نے آج تک کسی معبود باطل کی عبادت نہیں کی جن کے سامنے تم اپنی پیشانیوں کو گھساتے رہتے ہو اور ناک رگڑتے رہتے ہو۔ یعنی لم تعهد منى عبادة صنم في الجاهلية فكيف ترجى منى في الاسلام (کشاف) نبوت کے اعلان سے پہلے جب میرا دامن کفر و شرک کی ہر آلائش سے پاک رہا ہے تو اب جبکہ میں نے اپنی نبوت کا اعلان بھی کر دیا ہے اور میرے خدا تعالیٰ نے میرے سینے کو نور نبوت سے روشن اور منور کر دیا ہے شک و شبہ کا شائبہ تک بھی باقی نہیں رہا۔ اس وقت اگر تم مجھ سے شرک کی توقع کرو تو تم سے بڑا بیوقوف دنیا میں اور کوئی نہیں۔

شہ اسی طرح تم نے گزشتہ زمانے میں کبھی اس معبود برحق کی عبادت نہیں کی جس کی عبادت کا شرف مجھے حاصل رہا۔

کہا جاتا ہے کہ ما کا لفظ عام طور پر غیر ذوی العقول اور بے جان چیزوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے ما اعبد کی جگہ من اعبد ہوتا تو زیادہ بہتر تھا۔ اس کے کئی جواب دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلی دو آیتوں میں ما الذی کے معنی میں مستعمل ہے اور دوسری دو آیتوں میں ما مصدریہ ہے۔ ای اعبد عبادتكم ولا تعبدون عبادتى یعنی جس طرح تم عبادت کرتے ہو میں عبادت نہیں کرتا اور جس طرح میں عبادت کرتا ہوں اس طرح تم عبادت نہیں کرتے۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ

ما یہاں ذات پر دلالت کرنے کے لیے نہیں بلکہ صفت پر دلالت کر رہا ہے۔ کانہ قال لا اعبد الباطل ولا تعبدون الحق۔

حق و باطل میں آمیزش کا میں قائل نہیں۔ مجھے ایسے اتحاد کی بھی ضرورت نہیں جو باطل کے ساتھ مصالحت پر موقوف ہو۔ بے شک تم اپنے کفر پر ڈٹے رہو، میری خاطر تم اس کفر میں توحید کا پیوند نہ لگاؤ۔ ان دونوں میں کوئی جوڑ نہیں۔ ان میں کوئی مناسبت نہیں۔ اس طرح میں تمہارے فریب میں آ کر توحید کو گندہ ہرگز نہیں کروں گا کیونکہ اس صورت میں توحید، توحید نہ رہے گی۔ حق کا نور پھیلانے کے لیے مجھے مبعوث کیا گیا ہے۔ اگر میں تمہاری بات مان لوں تو حق، باطل بن جائے گا۔

تم اپنے حال میں مست رہو، میں اپنے حق پر ثابت قدم رہتا ہوں۔ حق و باطل کا یہ معرکہ اپنے منطقی نتیجہ پر پہنچ کر رہے گا۔ تم دیکھو گے کہ چند بدنصیبوں کے سوا سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر لے گا۔

لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وصفیہ محمد وعلی

آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

تعارف

سُورۃُ النصر

نام: اس سورہ مبارکہ کے کئی نام ہیں۔ اسے سورۃ تودیع یعنی الوداعی سورت بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں اس امر کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اللہ کا حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض نبوت کو بحسن وخوبی انجام دینے کے بعد اپنے رب کے حضور میں مراجعت فرما ہونے سے پہلے اپنے جاں نثار غلاموں کو الوداع کہہ رہا ہے۔

اسے سورت فتح بھی کہتے ہیں لیکن اس کا مشہور ترین نام النصر ہے جو پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

یہ ایک رکوع اور تین آیات پر مشتمل ہے۔ اس کے کلمات کی تعداد انیس ہے اور حروف کی اناسی۔

زمانۂ نزول: ہجرت کے بعد جو سورتیں نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے خواہ ان کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا ہو یا اثنائے سفر مدینہ سے باہر کسی دوسرے مقام پر۔ ہجرت کے بعد جو سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اسے بھی مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی لیکن ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس لیے اسے مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آخری مکمل سورت ہے جو سرور عالمیان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

اس سورت کے نزول کے وقت کے بارے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی۔ یہ وہ ساعت سعید ہے کہ چند سال پہلے جو ہستی یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئی تھی اور اس کے ساتھ صرف ایک جاں نثار ابوبکر تھا، آج وہ دس ہزار کے لشکر جرار کو ہمراہ لیے مکہ میں داخل ہو رہی ہے۔ اہل مکہ نے اتنا بڑا لشکر آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا رسالہ ہے۔ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہیں۔ جسموں پر آہنی زرہیں اور سروں پر فولادی خود چمک رہے ہیں۔ جوش وخروش کا عجیب عالم ہے۔ جب یہ فوج ظفر موج وادی بطحا سے گزرتی ہے تو زمین ان کے قدموں کے نیچے لرز جاتی ہے۔ ایک عجیب روح پرور منظر ہے۔ کفر کے سارے دفاعی مورچے پیوند خاک ہو چکے ہیں۔ مخالفت کے طوفان سرد ہو گئے ہیں۔ ہر شخص کو اپنے انجام کی فکر نے حواس باختہ کر دیا ہے لیکن اس لشکر کے سپہ سالار نے تاکیدی ہدایات جاری کر دی ہیں کہ خون خرابہ سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ کسی پر دست درازی نہ کی جائے۔ تلواریں میانوں میں، تیر ترکشوں میں، کمانیں کندھوں سے آویزاں رہیں۔ اس وقت تک کوئی تلوار بے نیام نہ ہو جب تک کفر والوں کی طرف سے پہل نہ ہو۔ اعلان عام کر دیا گیا ہے کہ جو حرم میں پناہ لے گا، جو گھر کے کواڑ بند کر دے گا، بلکہ جو ابوسفیان کی حویلی میں داخل ہو جائے گا سب کو امان ہے۔

مکہ کا فاتح اگر کوئی بادشاہ ہوتا، کوئی ڈکٹیٹر ہوتا، کوئی فوجی جرنیل ہوتا تو آج مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جاتی، قتل عام کا حکم دے دیا جاتا۔ گلی کوچوں میں کشتوں کے پشتے لگ جاتے، خون کے دریا بہنے لگتے۔ ہر سو آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوتے، لیکن ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی تو آج نہیں ہو رہی۔ کیونکہ آج کا فاتح محمد رسول اللہ ہے۔ آج کا فاتح رحمۃ للعالمین کی خلعت فاخرہ پہنے ہوئے ہے۔ آج کا فاتح قیامت تک فاتح بن کر داخل ہونے والوں کے لیے اپنا اسوۂ حسنہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ حضور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہیں۔ سر غرور سے تنا ہوا نہیں۔ گردن غرور سے اکڑی ہوئی نہیں، بلکہ سر جھکا ہوا ہے اتنا جھکا ہوا کہ پالان کے سامنے والی لکڑی کو چھو رہا ہے۔ چشم مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے۔ ہونٹوں پر اپنے خدائے کریم کی عظمت و کبریائی کے کلمات ہیں۔ دل اپنے رؤف و رحیم پروردگار کے الطاف بے پایاں پر شکر گزار ہے۔ ہر لحاظ و انداز سے ہر نگاہ و نظر پر رحمت ہے۔ ہر قدم ناز پر اُمیدوں اور آرزوؤں کے گلشن آباد ہو رہے ہیں۔ اس وقت جبریل امین یہ مبارک سورت لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہیں اور فتح و کامرانی کی تقریب منانے کا الٰہی منشور پیش کر دیتے ہیں۔

دیگر روایات کے مطابق یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ منیٰ کا میدان قدسی صفات بندوں کے پُرنور چہروں اور ضیا بار پیشانیوں کے باعث بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ تہلیل و تسبیح کی دلنواز صدائیں ہر گوشہ سے بلند ہو رہی ہیں۔ شرک و بت پرستی کے وطن میں آج توحید کا بابرکت پرچم نصب کیا جا رہا ہے۔ سارا جزیرۂ عرب اسلام قبول کر چکا ہے۔ عناد و فساد کی آخری چنگاری بھی بجھ گئی ہے۔ انسانیت کا ہادی برحق اور مرشد کامل اپنے خالق کا محبوب بندہ اور برگزیدہ رسول اپنی ناقہ پر سوار ہو کر اپنا تاریخ ساز خطبہ ارشاد فرما رہا ہے۔ جس میں بین الاقوامی قانون، بین الاقوامی اخلاقی ضابطوں اور فلاح دارین کے اصول بیان کر دیا ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوتی ہے جس میں فتح و کامرانی کی حالت میں جن آداب کی پابندی ضروری ہے ان کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

ہر میدان میں اسلام کی عظمت کے پرچم لہرانے کی اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے! اور ہر حالت میں ہمیں ان آداب کی پابندی کی ہمت بخشے جو اس نے اُمت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ واجمل التحیہ کے لیے مقرر فرمائے ہیں۔

آمین بجاہ طٰہٰ ویٰس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُ اٰيٰتٍ

سورہ النصر مدنی ہے اور اس کی تین آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ① وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ

جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج

اللّٰهِ اَفْوَاجًا ② فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ③

در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے ۱ اور اس سے مغفرت طلب کیجیے بیشک وہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے

۱۔ پہلی آیت میں یہ بتا دیا کہ اگر تکمیل فرض کی سعادت حاصل ہو، کسی مہم میں کامیابی نصیب ہو تو اے بندگانِ خدا! بھولے سے بھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس کامیابی میں تمہاری قابلیت، تمہاری بہادری، تمہاری ہوشیاری کا بھی دخل ہے۔ بلکہ یہ یقین رکھنا کہ یہ سب بندہ نواز خدا کی نصرت اور تائید کی برکت ہے۔ میری یہ کامیابی اس کی امداد کی مرہونِ منت ہے۔ اگر تم اسے اپنی قابلیت کا نتیجہ خیال کرو گے تو تمہارے دل میں غرور پیدا ہو جائے گا اور مغرور لوگوں سے ایسی ایسی نادانیاں سرزد ہوتی ہیں کہ ان کی کامیابی شکست سے بھی زیادہ ان کے لیے رسوا کن ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول اور پیارے بندے محمد مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثناء کو فرماتا ہے کہ جب میری مدد آپ کی پشت پناہی کے لیے پہنچ جائے اور میری مہربانی سے فتح نصیب ہو جائے اور جو لوگ اب تک شمعِ اسلام کو بجھانے کے لیے طوفان بپا کرتے رہے وہ اس پر پروانوں کی طرح نثار ہونے لگیں اور فوج در فوج اس دین کو قبول کرنے لگیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ آپ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کریں۔

فتح مکہ کے بعد نو ہجری میں جزیرہ عرب کے دور دراز گوشوں سے قبائل آتے اور وفود بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے لگے اور حضور کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس کثرت سے لوگوں کے اسلام قبول کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کثرت سے فرمایا کرتے۔

خود سوچیے جس قوم کو دشمن پر مکمل فتح بھی مدہوش اور بدمست نہ کر سکے وہ کتنی عالی ظرف قوم ہے۔ اس کا وجود انسانیت کے لیے منبع خیر و سعادت ہے۔ جب تک اس کا آفتاب اقبال چمکتا رہے گا ظلم و استبداد کی تاریکیاں انسانیت کے نزدیک آنے

کی جرأت نہ کر سکیں گی۔

۲۔ اس جملے سے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رسول کی استغفار کا حکم دے رہا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غلاموں کے لیے استغفار ان کے نبی کی سنت بن جائے اور کوئی شخص طلب مغفرت میں تذبذب محسوس نہ کرے۔ علمائے تفسیر نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اپنی امت کے گناہوں کے لیے اپنے رب سے بخشش کی التجا کیجیے۔ آپ کے ہاتھ استغفار کے لیے جب اٹھیں گے تو وہ خالی واپس نہیں کیے جائیں گے۔ چنانچہ علامہ ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: اَیِ اسْتَغْفِرْ لِاُمَّتِكَ۔ (تفسیر مظہری) یعنی اے حبیب! آپ اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کیجیے۔ یہی الفاظ علامہ قرطبی نے بھی تحریر کیے ہیں۔ وَقِیْلَ اسْتَغْفِرْ لِاُمَّتِكَ۔ (قرطبی)

اس مفہوم کو حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص انداز میں یوں لکھا ہے:

"چوں عارف بمرتبہ تکمیل رسید و از ہر گروہ مردم تابع او شدند و استعدادات آں ہا در نقصان و کمال تفاوت فاحش دارد، لاجرم او را می باید کہ برائے تکمیل ناقصاں طلب آمرزش نماید تا آں ہمہ نقصانات جبلیہ استعداد یا تباع او در روز محشر مجبر بکمال استقلال او گردد۔"

ترجمہ: جب عارف ایسے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ دوسروں کو با کمال بنا سکتا ہے تو اس کے مریدوں میں ہر قسم کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں جن کی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بہت تفاوت ہوتا ہے کوئی بالکل ناقص اور کوئی کامل مکمل۔ اس وقت عارف کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تاکہ اس کے ناقص مرید بھی مرتبہ کمال پر فائز ہو جائیں اور عارف کی اس دعائے مغفرت کے باعث جبلی استعداد میں جو خامی تھی وہ پوری ہو جائے۔

۳۔ اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ جب کوئی نادم اور بدکار اس کے در کرم پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے اور اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا معنی شاہ صاحب موصوف نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"مرتبہ او تعالیٰ بجمیع رجوع می کند و رجوع ناقصاں و تکمیل رحمت ہی فرماید پس از شے بعید نیست کہ اتباع ترا بطفیل تو کامل سازد۔" یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نگاہ لطف سے ناقصوں کی طرف توجہ فرماتا ہے اور ان کے نقص کو کمال سے بدل دیتا ہے۔ اے اللہ کے رسول! اس کی رحمت سے ذرا بعید نہیں کہ وہ آپ کے طفیل آپ کے ناقص امتیوں کو مرتبہ کمال پر فائز فرمائے۔

○

اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ بِجَاهِ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ الرَّؤُوْفِ الرَّحِيْمِ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ وَاَجْمَلُ التَّسْلِيْمِ

○

تعارف

سورۃ اللھب

نام: اس سورت کا نام اللھب ہے۔ اس میں ایک رکوع، پانچ آیتیں، بیس کلمات اور اسّی حروف ہیں۔
نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول کے بارے میں اس سورت کا حاشیہ ۱ ملاحظہ فرمائیے۔

یہاں صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ قرآن کریم میں نام لے کر ابولہب کا ذکر کیوں کیا گیا، حالانکہ مکہ، مدینہ اور دیگر قبائل عرب میں حضور کے دشمنوں اور دین کے بدخواہوں کی کمی نہ تھی۔ ان کی اذیت رسانیاں، دل آزاریاں اور اسلام کو بحیثیت دین ناکام کرنے کی کوششیں ابولہب کی سازشوں سے کسی طرح کم نہ تھیں۔ پھر اس کی کیا خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا نام لے کر اس کی گوشمالی کی گئی۔

جہاں محبت کی توقع ہو وہاں سے اگر نفرت و عداوت کا لاوا پھوٹ نکلے، جہاں سے تائید و اعانت کی امید ہو وہاں سے مخاصمت کا طوفان اٹھنے لگے تو یقیناً یہ چیز بڑی تکلیف دہ ہوتی ہے۔ ابولہب حضور کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت عبداللہ اور ابولہب دونوں حقیقی بھائی تھے۔ اس سے بجا طور پر یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اپنے سگے بھائی کے یتیم بیٹے کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہوگا اور اس کی تائید و نصرت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرے گا۔ نیز وہ بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں ہادی برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اس میں ہر قسم کی مرکزیت قبیلہ کو حاصل تھی۔ قبیلہ کے ہر فرد کی امداد کرنا اس قبیلہ کے سردار کی اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری تھی۔ اگر وہ فرد ظالم بھی ہوتا تو مظلوم کی مدد کے بجائے قبیلے کے سارے افراد اپنے ظالم بھائی کی مدد کرنا ضروری سمجھتے۔ ابولہب بنی ہاشم کا رئیس تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہاشمی تھے۔ اس کا یہ فرض اولین تھا کہ وہ اپنے خاندان کے ایک باکمال فرد کی دعوت کو قبول کرتا اور دعوت کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیتا۔

خونی اور خاندانی قریبی تعلقات کے علاوہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا پڑوسی تھا۔ دونوں مکانوں میں صرف ایک دیوار حائل تھی۔ پڑوسی کا حق دنیا کے ہر معاشرہ میں مسلّم ہے۔ نیز ہمسائیگی کے باعث وہ حضور کے ذاتی اور عائلی ایسے حالات کو بھی جانتا تھا جن سے عموماً دوسرے لوگ واقف نہیں ہوتے۔ ایسی پاکیزہ زندگی، ایسی من موہنی سیرت، ایسے بے داغ کردار کا مشاہدہ وہ شب و روز کرتا اور پھر بھی اس مرقع زیبائی و رعنائی پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ آتا تھا۔ پھر جس شدت اور خست سے وہ اپنی عداوت کا مظاہرہ کیا کرتا، اس کی بھی نظیر مشکل سے ہی ملے گی۔ حضور اپنے گھر میں جب مصروف عبادت ہوتے تو وہ مردہ جانوروں کے بدبودار اوجھ اور گلی سڑی آنتیں اٹھا کر لاتا اور حضور پر پھینک دیتا۔ گھر کے آنگن میں

کوڑا کرکٹ ڈالتا اور جہاں بیٹھا کرتے وہاں غلاظت پھینکتا اس کا روزمرہ کا معمول تھا۔ صرف اسی پر بس نہیں، اس کی بدبخت بیوی امارت و وجاہت کے باوصف خود جنگل میں جاتی اور خاردار ٹہنیاں چنتی، ان کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور رات کے وقت حضور کی راہ میں ڈال دیتی تاکہ آخر شب جب حضور حرم کی طرف تشریف لے جائیں تو آپ کے نرم و نازک پاؤں میں کوئی کانٹا ہی چبھ جائے۔

اعلان نبوت سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں اس کے دو بیٹوں، عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئی تھیں۔ جب سرور عالم نے اسلام کی تبلیغ شروع کی تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ اگر تم ان کی بیٹیوں کو طلاق نہیں دو گے تو ہمارا تمہارا بول چال لین دین، آنا جانا قطعاً بند ہو جائے گا۔ تم میرا منہ بھی نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ دونوں نے حضور کی صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ البتہ عتیبہ نے اپنے خبث باطن کا کچھ زیادہ ہی مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا میں والنجم اذا ھوی کے رب کا کفر کرتا ہوں۔ اس ناپاک نے حضور پر تھوکنے کی جسارت کی جو لوٹ کر اسی کے قبیح منہ پر آپڑی۔ حضور کی زبان سے نکلا الٰہی اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس نابکار پر مقرر فرما دے۔ چنانچہ ایک سفر میں ایک شیر نے اسے پھاڑ ڈالا لیکن نہ اس کا ناپاک خون پیا اور نہ اس کے پلید گوشت کو کھایا۔ اس واقعہ کی تفصیل آپ سورۃ النجم کے حواشی میں پڑھ چکے ہوں گے۔

ابولہب کی بدباطنی کا ایک اور واقعہ سنیے۔ نبوت کے ساتویں سال کفار مکہ نے حضور کے ساتھ اور حضور کے سارے خاندان بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ساتھ مکمل بائیکاٹ کا اعلان کیا تو بنی ہاشم اور بنی مطلب کے وہ افراد بھی جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا محض قبائلی عصبیت کے باعث شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے لیکن ابولہب نے ہاشمی ہوتے ہوئے حضور کی مخالفت کی اور اس بائیکاٹ میں کفار مکہ کا ساتھ دیا۔

دین اسلام اور رسول اسلام سے اس کا بغض و عناد اتنا شدید تھا کہ وہ ہر وقت حضور کے پیچھے لگا رہتا اور حضور کی تکذیب کرتا۔ حضور کا یہ معمول تھا کہ جہاں کہیں تجارتی بازار لگتے یا لوگوں کا اجتماع ہوتا وہاں تشریف لے جاتے اور حاضرین کو توحید کی دعوت دیتے۔ یہ کمبخت ہر ایسے موقع پر پہنچ جاتا اور چلا چلا کر لوگوں کو کہتا کہ اے لوگو! یہ میرا بھتیجا ہے یہ دیوانہ ہو گیا ہے اس کے قریب مت جانا، اس کی بات ہرگز نہ سننا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ الغرض اس سے اسلام کی تائید و نصرت کی جتنی توقع وابستہ کی جا سکتی تھی وہ ان کے برعکس اتنی شدت سے ہی اسلام کی مخالفت میں سرگرم رہا کرتا۔ عداوت و مخالفت میں اس کا بڑا نمایاں کردار تھا جو ایک انفرادی حیثیت کا مالک تھا۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کا نام لے کر لعنت کی بوچھاڑ کی گئی۔ ابولہب اس کی کنیت تھی اور اسی سے وہ زیادہ مشہور تھا۔ عبدالعزیٰ اس کا نام تھا۔ یہ ناپاک نام اس قابل نہ تھا کہ اس کو قرآن میں ذکر کیا جاتا۔ اس لیے اس کے نام کے بجائے اس کی کنیت ابولہب ذکر کی گئی تاکہ لوگوں کو اس کے دوزخی ہونے کا بھی پتہ چل جائے۔

اس سورت کے مطالعہ سے اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بارگاہ رسالت میں معمولی سی گستاخی سے جبین قدرت پر کس طرح شکن پڑ جاتے ہیں، غضب خداوندی کے شعلے کس طرح بھڑکنے لگتے ہیں۔ اس بدنصیب نے تو ایک انگلی اٹھا کر

اشارہ کیا اور نازیبا الفاظ کہے۔ اس کے جواب میں رحمتِ عالم نے تو اسی حلم اور عفو و درگزر کا ثبوت دیا جو آپ کی شایانِ شان تھا لیکن غیرتِ خداوندی جوش میں آگئی اور تبت یدا ابی لھب فرما کر ہر بے ادب اور ہر گستاخ کو صاف صاف بتا دیا کہ اگر تم سے کوئی ایسا لفظ یا فعل صادر ہوا جس سے میرے حبیب کی شان میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلے تو یاد رکھو غضبِ الٰہی کی بجلی کوندے گی اور تمہیں جلا کر خاکستر کر دے گی۔ حضرت بخاری نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

سورہ اللہب مکی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲

ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا ۱ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا ۲

۱ تبّ کا لفظ خسران، گمراہی اور بربادی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے تو معنی تبّت خسرت وقیل خابت وقیل ضلت (قرطبی)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔ اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کے لیے حضور صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور یا صباحاہ بلند آواز سے کہا۔ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی ناگہانی آفت آجاتی اور لوگوں کو امداد کے لیے بلانا مقصود ہوتا تو یا صباحاہ کے الفاظ سے پکارتے۔ لوگوں نے جب یہ ندا سنی تو بھاگتے ہوئے صفا کی پہاڑی کے دامن میں آپہنچے اور جو خود حاضر ہونے سے قاصر تھے انہوں نے حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے اپنے نمائندے بھیجے۔ جب سارے قریش قبیلے جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے دشمن کا گھڑ سوار دستہ تم پر حملہ کرنے کے لیے بڑھا آ رہا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان جواب دیا بے شک ہم آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آج تک آپ کی زبان سے سچ ہی سنا ہے۔ حضور نے فرمایا میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اگر تم شرک سے باز نہ آئے تو خدا کا عذاب تمہیں نیست و نابود کر دے گا۔ ابولہب جو حضور کا چچا تھا اس نے اپنی انگلی سے اشارہ کیا اور گستاخی کرتے ہوئے بولا تَبًّا لَكَ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا۔ اللہ تعالیٰ کو اس گستاخ کی گستاخی اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سخت ناگوار گزری اور اپنی غضب ناکی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں یعنی ہاتھوں کی ایک انگلی بے ادبی کے لیے اٹھی ہے وہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں، انہیں کبھی اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہو یہی مدعا ہے۔ وَتَبَّ فرمایا کہ وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا اس کا جسم ریزہ ریزہ کر دیا گیا اور جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا اسے پورا ہونے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ بزدلی کے باعث بدر کی جنگ میں یہ شریک نہ ہوا۔ لیکن بدر کی جیت اور شکست پر ابھی صرف ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ اس کے جسم پر ایک پھوڑا نکلا جسے العدسہ کہتے ہیں۔ چند دنوں میں اس کے سارے جسم پر پھیل گیا۔ ہر جگہ سے بدبودار پیپ بہنے لگی۔ گوشت گل گل کر گرنے لگا۔ اس کے بیٹوں نے جب دیکھا کہ اسے ایک متعدی بیماری لگ گئی ہے تو انہوں نے اس کو اپنے گھر سے باہر نکال دیا اور تڑپ تڑپ کر اس نے جان دے دی۔ سب ... اس کی نعش کو ٹھکانے

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝

عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں ۴؎ اور اس کی جورو بھی ۵؎ بدبخت ایندھن اٹھانے والی ۶؎

نکالنے کے لیے کوئی عزیز اس کے قریب نہ گیا۔ تین دن تک اس کی لاش پڑی رہی جب اس کے تعفن اور بدبو سے لوگ تنگ آگئے اور اس کے بیٹوں کو لعنت ملامت شروع ہوگئی تب انہوں نے چند حبشی غلاموں کو اس کی لاش ٹھکانے لگانے پر مقرر کیا۔ انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور لکڑیوں سے اس کی لاش کو دھکیل کر اس گڑھے میں پھینک دیا اور اوپر سے مٹی ڈال دی۔ اتنے بڑے قوم کے سردار اور مکہ کے چوٹی کے رئیسوں میں سے ایک رئیس کا یہ حشر اللہ تعالیٰ کے غضب ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اولاد اپنے باپ کو یوں کسمپرسی کے عالم میں نہیں چھوڑا کرتی مرنے کے بعد اس کی لاش کو یوں گلتے سڑتے نہیں دیکھ سکتی لیکن جب اللہ تعالیٰ کا غضب آتا ہے تو اولاد کے دل میں محبت یا ظاہرداری کے جذبات بھی ختم ہو جاتے ہیں اور اس کا وہی حشر ہوتا ہے جو اس گستاخ بارگاہ نبوت کا ہوا۔ سارے اہل مکہ نے دیکھا کہ مصطفیٰ کریم نے اپنے رب کی طرف سے جو پیشگوئی کی تھی وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ نعوذ باللہ من غضبہ ومن غضب رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

بعض علما کا خیال ہے کہ تَبَّتْ یہ جملہ خبریہ ہے اور تَبَّ بھی جملہ خبریہ اور اس سے مراد تاکید ہے۔ لیکن علامہ قرطبی نے فرّاء کا قول نقل کیا ہے کہ تَبَّتْ يَدَا یہ بددعا ہے اور تَبَّ جملہ خبریہ ہے پہلے فرمایا ایسا ہو جائے پھر بتا دیا ایسا ہو گیا۔ قال الفراء الاول دعاء والثانی خبر (قرطبی) علامہ پانی پتی بھی یہی فرماتے ہیں۔ الجملۃ الاولی دعائیۃ والثانیۃ اخباریۃ۔ (مظہری)

ابولہب کا نام عبد العزیٰ تھا اپنے حسن وجمال اور چمکتے ہوئے چہرے کی وجہ سے اس نے اپنی کنیت ابولہب رکھی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی کنیت ذکر کی اور اس کا نام ذکر نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اپنے نام سے زیادہ اپنی کنیت سے مشہور تھا اور دوسری وجہ یہ کہ عبد العزیٰ (عزیٰ کا بندہ) یہ نام اس قابل نہ تھا کہ اسے قرآن کریم میں ذکر کیا جاتا۔

۳؎ یہ مکہ کے چند دولتمند لوگوں میں سے ایک تھا اس کے پاس آٹھ سیر سے زیادہ سونے کی ڈلیاں تھیں اس کے علاوہ دیگر جائیداد، سامان اور مویشی اس کے پاس تھے اور صاحب اولاد بھی تھا۔ اس کے کئی لڑکے تھے جو اس کی موجودگی میں پل پوسے جوان ہوئے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسے پکڑا اور ایک زہریلا پھوڑا اس کے جسم پر نمودار ہوا تو سارے کنبہ والے، خادم، بھائی رشتہ دار حتی کہ اس کے اپنے فرزند بھی اس کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اس دنیا میں اس نے دیکھ لیا کہ جس دولت کی کثرت پر وہ غرور کیا کرتا تھا جن بیٹوں پر اس کو بڑا ناز تھا مصیبت کے وقت وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر چلے گئے اور اس کے کام نہ آئے۔ مَا كَسَبَ کا معنی بعض علما نے اولاد کیا ہے۔

۴؎ آج جو میرے محبوب کی جناب میں گستاخی کر رہا ہے بے ادبی سے انگلی کا اشارہ کرتا ہے اور بڑی ڈینگیں مارتا ہے تھوڑی دیر کے بعد یہ اس گستاخی کا مزہ چکھائیں گے اور اسے ایسی آگ میں جھونکیں گے جس میں شعلے اٹھ رہے ہوں گے۔

۵؎ اس کی بیوی کا نام اَروی تھا اور کنیت اُمِّ جمیل تھی یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور بھینگی تھی اور اس کے دل میں حضور کی عداوت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اسلام دشمنی میں یہ اپنے بدبخت خاوند سے کسی طرح پیچھے نہ تھی۔ اس کا مشغلہ یہ تھا کہ دن کے وقت جنگل میں نکل جاتی، خاردار ٹہنیاں چنتی رہتی اور گٹھا باندھ کر اٹھا لاتی اور رات کے وقت اس راستے میں ان کانٹوں کو بچھا دیتی جس سے گزر کر اللہ کا حبیب اپنے گھر تشریف

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿٥﴾

اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔ ٦

کی جناب میں سجدہ ریز ہونے کے لیے حرم کی طرف تشریف لے جاتا۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو یہ سن کر آگ بگولا ہوگئی اور اپنی مٹھیوں میں سنگریزے بھر کر حضور کی تلاش میں نکلی کہ جہاں ملیں گے ان پتھروں سے خبر لوں گی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کعبہ کے پاس بیٹھے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق حاضر خدمت تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق نے جب اسے آتے ہوئے دیکھا تو عرض کی۔ یا رسول اللہ! اگر آپ الگ ہو جائیں تو بہتر ہے اور یہ ضرور کوئی خباثت کرے گی۔ حضور نے ارشاد فرمایا وہ مجھے نہ دیکھ سکے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ قریب آکر حضور کو نہ دیکھ سکی اور بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی۔ ارشاد فرمایا جس آگ میں اس کا گستاخ خاوند جلایا جائے گا اسی آگ میں وہ بھی جھونکی جائے گی۔

ف حطب ایندھن کو کہتے ہیں۔ جلانے کی لکڑی۔ حمالة: اٹھانے والی۔ ان الفاظ سے اس کے اس عمل کو بیان کیا گیا ہے جس پر وہ عمل پیرا رہی۔

حمالة الحطب کا ایک اور مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے جو شخص لوگوں کے درمیان چغل خوری کرے اس کے بارے میں کہتے ہیں فلان یحطب علی فلان اذا ورّش علیه۔ جب کوئی شخص لوگوں کے درمیان چغلیاں کھاتے اور مخالفت کی آگ کو بھڑکاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ایسے شخص کی حدیث پاک میں بڑی مذمت کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: لا یدخل الجنة نمام۔ کوئی چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں قحط پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہمراہ تین دن تک بارش کی دعا کرتے رہے لیکن ایک بوند بھی نہ گری۔ تو آپ نے عرض کی: الٰہی عبادك ـــ الٰہی یہ تیرے بندے ہیں، اگر تو رحم نہیں فرمائے گا تو کون رحم کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ میں نہ تمہاری دعا قبول کروں گا اور نہ تمہارے ساتھیوں کی کیونکہ ان میں ایک ایسا آدمی ہے جو چغل خور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یارب العالمین! وہ کون ہے تاکہ ہم اسے اپنی صفوں سے نکال دیں۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ! میں تمہیں چغل خوری سے روکتا ہوں میں خود اس شخص کی چغلی کیسے کھا سکتا ہوں۔ چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی پھر انہوں نے بارش کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ چغل خوری کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کا قول ہے: ثلاث تهد العمل الصالح ويفطرن الصائم وينقضن الوضوء، الغيبة والنميمة والكذب۔ یعنی تین ایسی چیزیں ہیں جو نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں، روزہ توڑ دیتی ہیں اور وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ غیبت، چغلی اور جھوٹ۔

اس کی ترکیب کے بارے میں متعدد اقوال ہیں لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس کی نصب مذمت کی وجہ سے ہے۔ حمالة الحطب بالنصب علی الذم کانها اشتهرت بذلك فجاءت الصفة للذم لا للتخصيص۔ یعنی اپنی اس صفت کی وجہ سے وہ مشہور و معروف تھی اس لیے یہ صفت اس کی تخصیص کے لیے نہیں بلکہ اس کی مذمت کے لیے ہے۔

٦ جید: گردن۔ حبل: رسی۔ مسد: مونج۔ ام جمیل کے بارے میں خصوصی طور پر یہ الفاظ استعمال کرنے میں

یہ راز ہے کہ وہ مکہ کے رئیس اعظم کی بیوی تھی۔ اس کے گلے میں جواہرات کا گراں بہا ہار تھا اور وہ کہتی تھی واللات والعزیٰ لانفقنھا فی عداوۃ محمد۔ کہ لات و عزیٰ کی قسم میں موتیوں کے اس بیش قیمت ہار کو فروخت کر کے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی عداوت میں خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسی آرائش والی گردن میں جس میں آج یہ قیمتی ہار ہے ہم مونج کی رسی ڈال کر اسے جہنم میں گھسیٹیں گے جو سخت ذلیل ہوگی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ حسب معمول خاردار لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھائے ہوئے آ رہی تھی وہ گٹھا مونج کی رسی میں بندھا ہوا تھا۔ وہ ایک پتھر پر آرام کرنے کے لیے بیٹھ گئی۔ وہ گٹھا پیچھے ہٹ گیا اور رسی اس کے گلے میں حائل ہو گئی جس سے اس کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گئی۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

اللّٰھم انا نعوذ بک من سوء الادب فی حضرۃ المصطفیٰ
و نعوذ بک بجلالہ عندک من سخطک و سخط نبیک و
حبیبک واجعلنا من خدامہ المتادبین فی جنابہ
المتمسکین بسنتہ المقتدین بآثارہ المنیرۃ علیہ و
علی آلہ من الصلوات اطیبھا و من التسلیمات ازکٰھا

۵ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ

تعارف

سُورۃ الاخلاص

نام : اس سورۂ مبارکہ کے بہت سے نام ہیں جو اس کی عظمتِ شان اور مقامِ رفیع پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

سُورۃ توحید : کیونکہ اس میں عقیدۂ توحید کو بڑی جامعیت اور دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

سُورۃ نجات : اس کے ذریعہ انسان کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ نیز عذابِ جہنم سے بھی رستگاری کا ذریعہ ہے۔

سُورۃ مقشقشۃ : تقشقش کہتے ہیں بیماری سے شفایاب ہو جانا۔ اس سُورت کے ذریعے کیونکہ کفر و شرک کے مرض سے شفا نصیب ہوتی ہے اسی لیے اسے مقشقشہ کہا گیا۔

سُورۃ الاساس : کیونکہ ایمان و عمل کا قصرِ رفیع توحید کی بنیادوں پر تعمیر ہوتا ہے۔ اس کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ عمل بھی بےمعنی اور بےسُود ہے۔

سُورۃ المانعہ : یہ اپنے قاری کو عذابِ دوزخ سے بچالیتی ہے۔

سُورۃ النور : اس کی ضیاء پاشیوں سے مومن کے دونوں جہاں روشن ہو جاتے ہیں۔ اس کے ذہن اور اس کے دل دونوں میں اُجالا ہو جاتا ہے۔

سورۃ الامان : اس سُورت پر ایمان رکھنے والے کو خداوند ذوالجلال کے قہر و غضب سے امان مل جاتی ہے۔

سورۃ الاخلاص : اس سورت کے متعدد ناموں میں سے یہ اس کا مشہور ترین نام ہے کیونکہ توحید خالص کا مضمون پُوری فصاحت سے اس میں مذکور ہے گویا یہ نام اس سورت کے لیے بطور علامت مستعمل نہیں ہُوا بلکہ اس کے مضامین و مطالب کا ایک جامع عنوان ہے۔

اس کی آیات کی تعداد چار اور بروایت پانچ۔ یہ پندرہ کلمات اور ۴۷ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانۂ نزول : اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ سُورت مکۂ مکرمہ میں نازل ہُوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ طیبہ میں۔ کتب حدیث میں دونوں قسم کی روایات موجود ہیں۔ بعض سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مکۂ مکرمہ میں ہوا۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں یہ سورت نازل ہُوئی۔ چلئے ہم وہ احادیث آپ کے

سامنے پیش کرتے ہیں جن سے اس کے مکی ہونے کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ عن ابی العالیہ عن ابی بن کعب ان المشرکین قالوا للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا محمد انسب لنا ربک فانزل اللہ تعالیٰ قل ھو اللہ احد الآیۃ (رواہ احمد)

ترجمہ: ابو العالیہ ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ مشرکین کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! جس رب پر ایمان لانے کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے تاکہ ہمیں اس کی پہچان ہو جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انکے جواب میں یہ سورت نازل فرمائی۔

۲۔ عن الشعبی عن جابر ان اعرابیا جاء الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال انسب لنا ربک فانزل اللہ قل ھو اللہ احد۔ الآیۃ۔

ترجمہ: شعبی، حضرت جابر سے نقل کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا، کہنے لگا اپنے رب کا نسب نامہ ہمیں سنائیے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔

۳۔ عن ابی وائل عن ابن مسعود قالت قریش لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انسب لنا ربک فنزلت ھذہ السورۃ

ترجمہ: ابی وائل حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں کہ قریش نے ایک وفد اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمائش کی کہ اپنے رب کا نسب نامہ تو ہمیں بتائیے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

ان تینوں روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ عرب کے مشرکوں اور قریش نے یہ سوال پوچھا اور انہیں کو یہ جواب دیا گیا۔

لیکن مندرجہ ذیل روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔

۱۔ عن ابن عباس ان الیہود جاءوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و منھم کعب بن الاشرف فقالوا یا محمد ھذا اللہ خلق الخلق فمن خلق اللہ فغضب نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فنزل جبرئیل فسکنہ وقال اخفض جناحک یا محمد فنزل قل ھو اللہ احد الآیۃ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ یہودیوں کا ایک گروہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ ان کے ساتھ کعب بن اشرف یہودی بھی تھا۔ انہوں نے کہا یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ازحد غضبناک ہو گئے۔ جبریل حاضر ہوئے تو حضور کو تسلی دی اور عرض کیا اپنے پروں کو نیچا کیجئے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔

۲۔ روی عطاء عن ابن عباس قال قدم وفد نجران فقالوا صف لنا ربک أمن زبرجد او یاقوت او ذھب او فضۃ۔ وقال ان ربی لیس من شیء لانہ خالق الاشیاء فنزلت قل ھو اللہ احد۔

ترجمہ: عطاء حضرت ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ جب نجران کے نصاریٰ کا وفد آیا تو انہوں نے حضور سے کہا کہ

اپنے رب کی حقیقت ہمیں بتائیے وہ زبرجد کا بنا ہوا ہے یا یاقوت کا بنا ہوا ہے یا سونے چاندی کا بنا ہوا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ میرا رب ان چیزوں میں سے نہیں، میرا رب ان تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ یہودیوں کا وفد بھی مدینہ طیبہ میں حاضر خدمت ہوا تھا اور نجران کے عیسائی بھی اسی مقام پر حاضری سے مشرف یاب ہوئے تھے۔ ان دو حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

اہلِ تحقیق نے روایات کے اس تعارض کو یوں ختم کیا کہ اس سورت کا نزول دوبارہ ہوا۔ ایک بار مکہ میں اور دوسری بار مدینہ میں۔ اس کی توجیہ یہ بھی کی جا سکتی ہے کہ یہ سورت نازل تو مکہ مکرمہ میں ہوئی لیکن جب اسی قسم کے سوالات یثرب کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں نے پوچھے تو ان کے جواب کے لیے اس سورت کی طرف توجہ مبذول کرائی۔ اسی کو نزولِ سورت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مضامین: اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفاتِ کاملہ کے بارے میں جس قسم کی غلط فہمیاں نوعِ انسانی کے کسی طبقہ میں پائی جاتی تھیں، ان تمام کا ازالہ اس سورت نازل کر کے کر دیا۔ بعض کہتے تھے کہ یہ عالم قدیم ہے۔ اس کا کوئی خالق اور صانع نہیں۔ اپنی محیر العقول وسعتوں اور بے مثل باہمی نظم و ضبط کے ساتھ یہ خود بخود معرضِ وجود میں آگیا ہے۔ یہ کہنے والے یونان کے قدیم فلسفی ہوں یا عصرِ حاضر کے ملحد دانشور ہوں، یورپ اور امریکہ کے ترقی یافتہ تمدن کے بانی ہوں یا وحشی قبائل، سب غلط کہتے ہیں۔ بنانے والا اس کائنات کا خالق ہے اور ہے بھی وہ وحدہٗ لا شریک۔ قل ہو اللہ احد۔

بعض قومیں ذاتِ خداوندی کو تسلیم کرتی تھیں لیکن اس کی صفاتِ کاملہ کا عرفان انہیں نصیب نہیں ہوا تھا، اس لیے اوہام و ظنون کی وادیوں میں صدیوں سے بھٹک رہی تھیں۔ ان آیات سے ان کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیا اور انہیں کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر معرفتِ الٰہی کی روشنی میں پہنچا دیا۔

یہی مسئلہ توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ تمام انبیاء و رسل یہی سبق لوگوں کو ذہن نشین کرانے کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کا مقصد وحید بھی یہی تھا۔

اس سورت کی چند مختصر آیات نے قدیم و جدید ہر قسم کی فکری گمراہیوں کا استیصال کر دیا۔

فضیلت و اہمیت: اس سورۂ پاک کی فضیلت و اہمیت اس کے مضمون سے عیاں ہے لیکن بطور تبرک زبانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اس کی عظمتِ شان کا تذکرہ سنیے۔

۱۔ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعث رجلا علی سریۃ فکان یقرأ لاصحابہ فی صلوتہ ویختم بقل ہو اللہ احد۔ فلما رجعوا ذکروا ذلک للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال سلوہ لای شیء یصنع ذلک فسألوہ فقال لانہا صفۃ الرحمن وانا احب ان اقرأ بہا فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اخبروہ ان اللہ تعالیٰ یحبہ (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک لشکر کا امیر بنا کر کسی مہم پر روانہ کیا۔

ان کا یہ معمول تھا کہ جب وہ جماعت کراتے ہر رکعت کی قرأت کے اختتام پر سورۂ اخلاص تلاوت کرتے۔ واپسی پر لشکریوں نے اس بات کا تذکرہ بارگاہِ رسالت میں کیا۔ حضور نے فرمایا تم اس سے پوچھو وہ ایسا کیوں کیا کرتا ہے۔ اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا: اس سورت میں خداوند رحمٰن کی صفت ہے اس لیے میں اس کی تلاوت کو محبوب رکھتا ہوں۔ نبی کریم نے فرمایا اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس کو محبوب رکھتا ہے۔

۲۔ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رجل من الانصار یؤمھم فی مسجد قباء فکان کلما افتتح سورۃ یقرأ بھا لھم فی الصلوۃ مما یقرأ بہ افتتح بقل ھو اللہ احد حتی یفرغ منھا ثم کان یقرأ سورۃ اخری معھا۔ ... وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا فلان ما یمنعک ان تفعل ما یأمرک بہ اصحابک وما حملک علی لزوم ھذہ السورۃ فی کل رکعۃ قال انی احبھا قال حبک ایاھا ادخلک الجنۃ (بخاری)

ترجمہ: حضرت انس سے مروی ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا میں انصار کی امامت کیا کرتے تھے۔ ان کا یہ دستور تھا کہ وہ سورت پڑھنے سے پہلے سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے۔ ان کے مقتدیوں نے انھیں کہا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں یا سورہ اخلاص پڑھا کیجیے یا کوئی دوسری سورت۔ انھوں نے کہا میں تو ایسا ہی کروں گا۔ اب آپ کی مرضی ہو تو جماعت کرائیے اور اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو کسی دوسرے کو اپنا امام مقرر کر لیجیے۔ ان کی نیکی اور پارسائی کی وجہ سے لوگ کسی دوسرے کو امام مقرر کرنا پسند نہ کرتے تھے چنانچہ اس کا تذکرہ حضور کی خدمتِ اقدس میں کیا گیا۔ حضور نے فرمایا تمہارے مقتدی جس طرح کہتے ہیں تم ایسا کیوں نہیں کرتے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اس سورت سے بڑا پیار ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا اس کی محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا ہے۔

اگرچہ یہ سورت صرف چار آیات پر مشتمل ہے لیکن اپنی عظمتِ شان کے باعث اس کو ایک بار پڑھنے سے دس پاروں کی تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔

۱۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احشدوا فانی ساقرأ علیکم ثلث القرآن فحشد من حشد ثم خرج فقرأ قل ھو اللہ احد الخ ثم دخل ... فقال انی قلت سأقرأ علیکم ثلث القرآن الا وانھا تعدل ثلث القرآن۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک روز صحابہ کو حکم دیا کہ اکٹھے ہو جاؤ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا چنانچہ لوگ جمع ہو گئے۔ حضور تشریف لائے۔ سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔ لوگ کہنے لگے حضور نے تو فرمایا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا اور آپ صرف ایک سورت سنا کر تشریف لے گئے ہیں۔ حضور نے واپس آ کر فرمایا کہ میں نے تمہیں یہی کہا تھا کہ میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا۔ کان کھول کر سن لو یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۲۔ عن ابی سعید قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاصحابہ ایعجز احدکم ان یقرأ ثلث القرآن فی لیلۃ

فشق ذالک علیہم وقالوا اینا یطیق ذالک یا رسول اللہ فقال اللہ الواحد الصمد ثلث القرآن ۔

ترجمہ: ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کو فرمایا کیا تم ایک تہائی قرآن ہر رات تلاوت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا قل ھو اللہ احد۔ الخ قرآن کی ایک تہائی ہے۔

اس سورت کو قرآن کریم کی ایک تہائی کہنے کی کئی وجوہات علماء نے ذکر کی ہیں جن میں بہتر یہ ہے کہ قرآن میں تین چیزوں پر پوری توجہ صرف کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان، رسالت پر ایمان اور روز قیامت پر ایمان۔ اس سورت میں توحید کا ذکر کیا گیا ہے جو ان تین چیزوں میں سے ایک ہے اس لئے اسے قرآن کی ایک تہائی فرمایا گیا۔

اس بابرکت سورت کے واسطے سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جب دامن طلب پھیلایا جاتا ہے، وہ کریم اسے خالی واپس نہیں کرتا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المسجد فاذا رجل یصلی یدعو یقول اللھم انی اسألک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ فقال والذی نفسی بیدہ لقد سألہ باسمہ الاعظم الذی اذا سئل بہ اعطی واذا دعی بہ اجاب۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ میں حضور کریم کی معیت میں مسجد میں داخل ہوا وہاں ایک شخص نماز پڑھ کر دعا مانگ رہا تھا اور عرض کر رہا تھا: اللھم انی اسألک بانی اشھد ان لا الٰہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد یہ سن کر حضور نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس شخص نے اپنے رب سے اس کے اسم اعظم کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے جب بھی اس کے وسیلہ سے سوال کیا جاتا ہے وہ عطا فرماتا ہے اور جب بھی دعا کی جاتی ہے وہ قبول کرتا ہے۔

روی انہ دخل المسجد فسمع رجلا یدعو ویقول اسألک یا اللہ یا احد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد فقال غفر لک غفر لک غفر لک ثلاث مرات (تفسیر کبیر)

ترجمہ: ایک دفعہ حضور مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک شخص کو یوں دعا کرتے ہوئے سنا۔ وہ عرض کر رہا تھا: اسألک یا اللہ یا احد یا صمد یا من لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ یہ سن کر حضور نے تین مرتبہ فرمایا اے شخص تجھے بخش دیا گیا اے شخص تجھے بخش دیا گیا۔ اے شخص تجھے بخش دیا گیا۔

روی انہ کان جبریل علیہ السلام مع الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا اقبل ابو ذر الغفاری۔ قال جبریل ھذا ابو ذر قد اقبل وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام او تعرفونہ قال ھو اشھر عندنا منہ عندکم۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام بماذا نال ھذہ الفضیلۃ قال لصغرہ فی نفسہ وکثرۃ قرأتہ قل ھو اللہ احد۔ (تفسیر کبیر)

ترجمہ: ایک دفعہ حضرت جبریل بارگاہ رسالت میں حاضر تھے کہ ابوذر غفاری آ گئے۔ جبریل نے عرض کی یہ ابوذر ہیں جو آ رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا کیا تم ملائکہ ابوذر کو پہچانتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ وہ یہاں سے زیادہ ہمارے

بارگاہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے۔ انہوں نے عرض کی ایک تو یہ اپنے آپ کو اپنے دل میں چھوٹا سمجھتے ہیں، دوسرا قل ھو اللہ احد کی کثرت سے قرأت کرتے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ الانصاری القرطبی اپنی تفسیر میں اس مقام پر ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آپ بھی سنئیے اور اس پر عمل کیجیے:

وعن سھل بن سعد الساعدی قال شکا رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الفقر وضیق المعیشۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخلت البیت فسلم ان کان فیہ احد وان لم یکن فیہ احد فسلم علیّ واقرأ قل ھو اللہ احد مرۃ واحدۃ ففعل الرجل فادرّ اللہ علیہ الرزق حتی افاض علی جیرانہ۔

(القرطبی)

ترجمہ: سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں اپنے فقر اور تنگدستی کی شکایت کی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو اگر وہاں کوئی موجود ہو تو اس کو سلام کرو اگر کوئی موجود نہ ہو تو مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھو۔ اس آدمی نے حسب ہدایت عمل کیا اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا وافر رزق عطا فرمایا کہ وہ اپنے پڑوسیوں کو بھی مستفید کرنے لگا۔

قاضی عیاض شفا شریف میں ان مقامات کا ذکر کرتے ہوئے جہاں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ والسلام بھیجنا مستحب ہے رقمطراز ہیں:

وقال عمرو بن دینار فی قولہ فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی انفسکم قال ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ترجمہ: عمرو بن دینار جو امام حدیث ہیں اور صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے احادیث روایت کی ہیں، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے ضمن میں فاذا دخلتم (الایۃ) لکھتے ہیں جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے آپ پر سلام بھیجو۔ ابن دینار کہتے ہیں اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہو السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ علی قاری شرح شفا میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ای لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اھل الاسلام

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح مبارک اہل اسلام کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے اس لیے حضور پر سلام عرض کرنا چاہیے۔ (شرح شفا۔ قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۱۱۸)

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

سورۃ الاخلاص مکی ہے اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اس کی چار آیات ہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ③

(اے حبیب!) فرما دیجیے وہ اللہ ہے یکتا ۱؎ اللہ صمد ہے ۲؎ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا ۳؎

۱؎ اگر آپ اقوام عالم کے مذہبی عقائد کا مطالعہ کریں تو آپ ششدر ہو کر رہ جائیں گے۔ خالق کائنات کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں سن کر آپ کا دماغ چکرانے لگے گا اور دل ڈوبنے لگے گا۔ بعض نے تو کسی خدا کو ماننے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ جہانِ رنگ و بو، اتفاقاً محض بطورِ حادثہ پیدا ہو گیا ہے۔ کسی کی حکمت، کسی کے علم، کسی کی قدرت کا اس میں ذرا دخل نہیں۔ یہ چرخِ نیلوفری، یہ کرۂ زمین، اس میں فلک بوس پہاڑ، ان میں اُبلتے ہوئے چشمے، رواں دواں ندیاں، ان کے دامن میں رنگین مہکتے پھول اور چبھتے ہوئے کانٹے، شبنم کے قطرے، اور سمندروں کی بیکرانیاں خود بخود ظہور پذیر ہو گئیں۔ نیلگوں فضا میں اَن گنت ستاروں کے چراغ خود ہی روشن ہو گئے، آفتاب و ماہتاب کی تابانیاں کسی خالق کی ندرتِ تخلیق کا کرشمہ نہیں۔

بعض اقوام ایک خدا کی قائل تھیں، مگر ایسا خالق جو علم و حکمت اور قوتِ تدبیر سے یکسر عاری ہے۔ بعض نے دو اور بعض نے اَن گنت خدا بنا ڈالے، ان خداؤں کے معاشقوں کی داستانیں بڑی اخلاق سوز ہیں۔ ان میں رقابت کی آگ بھی بھڑکی، انہوں نے ایک دوسرے کی بیویوں کو اغوا تک کیا، ان سے بدمعاشی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کے درمیان خونریز جنگیں بھی ہوئیں۔ ان کی اولاد بھی پیدا ہوئی۔ غرضیکہ اس سلسلے میں بدتمیزی کا وہ طوفان برپا ہے کہ الامان والحفیظ۔

لطف یہ ہے کہ ان خرافات کو ماننے والے، ان پر ایمان رکھنے والے، بڑے جوش و خروش سے ان کا پرچار کرنے والے، معمولی قسم کے آدمی نہ تھے۔ ان میں فلاسفر بھی تھے، منطقی بھی، ان میں چوٹی کے سائنس دان بھی تھے اور ریاضی دان بھی، کشورِ فصاحت کے تاجدار بھی تھے اور نغز گو شاعر بھی، دانش وروں، عقل و فہم کے مجسموں، مذہبی رہنماؤں اور سیاسی قائدوں اور بے نظیر فاتحوں کا ایک جمِ غفیر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہند، چین، روم، یونان اور مصر، جہاں تہذیب و تمدن کے چراغ روشن تھے، یہ کیفیت وہاں کی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا حبیب، توحید کا علمبردار، دعوتِ حق کا مبلغ اعظم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جس ملک میں تشریف لائے، وہاں تو سونے، تانبے، فولاد، پتھر اور لکڑی کے بے شمار خداؤں کی خدائی کا ڈنکا بج رہا تھا۔ جب اس ہادیٔ برحق نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر قولوا لا الٰہ الا اللہ کا اعلان کیا تو لوگوں کے ذہنوں میں کھلبلی مچ گئی۔ سوالات و استفسارات کا ایک سیلاب اُمڈ آیا۔ فرمائشوں پر فرمائشیں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا انسب لنا ربك۔ ذرا اپنے رب کا نسب نامہ تو بیان فرمائیے۔ کوئی کہنے لگا: آپ کا رب کس چیز کا بنا ہوا ہے؟ لوہے کا، مٹی کا، پتھر کا، تانبے کا، سونے کا؟ دنیا کی ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مادہ ہے، آخر آپ کے رب کا کیا مادہ ہے؟ کوئی بے تابی سے پوچھ رہا تھا کہ آپ کے رب کی خوراک کیا ہے؟ جس نے تنہا اپنے کاندھوں پر کائنات کی تخلیق اور تدبیر کا بارِ گراں

اٹھایا ہوا ہے، وہ مکھا تا گیا ہے جو ان کے ذہنوں کی تنگ دامانی اور ان کے افکار کی عجیب و غریب سوالات کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی۔ اس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سورۂ مبارکہ نازل کی اور اس کی چند آیتوں میں گمراہی کی اگنت صورتوں کا قلع قمع کر دیا۔ ارشاد ہے۔ قُلْ اے حبیب کامل! سب سے بڑی سچائی کا اعلان اپنی زبان سے فرما تاکہ کسی کو مجال انکار نہ رہے۔

بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بھی بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حجابات بھی اگنت ہیں۔ کہیں حسن، کہیں قوت، کہیں علم، کہیں دولت، کہیں اقتدار و حکومت اور کہیں جنگی فتوحات کے نقاب حق کے نور کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اٹھا سکتا ہے اور نقابوں کو وہی الٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔ اے حبیب! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکر رعنا بنا کر بھیجا ہے۔ اٹھیے اور اپنی صدائے دلنواز سے نخوت و پندار کے ان بتوں کو ریزہ ریزہ کر دیجیے۔ فرعون نے کہ مصر کی حکمرانی سے اپنی الوہیت اور انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کیا تھا۔ تجھے آج ہم نے وہ سلطانی عطا فرمائی ہے کہ تیری انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس بے مثال سلطانی کے باوجود اگر تو کہے گا کہ لا الٰہ الا اللہ تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہو گی کہ وہ اپنی الوہیت کا اعلان کر سکے۔ ہم نے تجھے وہ شان دلربا عطا فرمائی ہے کہ سب نبی سب رسول اس کی جلالت شان کو دیکھ کر ششدر ہیں۔ جب تو کہے گا لا الٰہ الا اللہ کہ میں باوجود کمال خدا نہیں، بلکہ بندہ ہوں، تو کسی کو یہ حق نہ پہنچے گا کہ وہ کسی نبی یا رسول کو خدا یقین کرے۔ تیرے علم کا یہ حال ہے کہ مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ کا علم عطا ہے۔ تیری نگاہ پر سارا اسرار و معارف کی گنجینوں کی کنجیاں ہیں۔ جب اس علم بے پایاں کے باوجود تو کہے گا کہ میں خدا نہیں، بلکہ اس کا بندہ ہوں۔ حبیب تیری زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اعلان ہو گا تو کسی علامۂ دہر اور فاضل اجل کو جرأت نہ ہو گی کہ اپنی خدائی کا دم بھر سکے۔

آپ کے جد امجد سیدنا خلیل نے اپنے وقت کی گمراہی کو اپنی ضرب کلیمی سے ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ اے فرزند خلیل! اٹھیے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی کاری ضرب سے افکار و نظریات کے بت کدوں کو پاش پاش کر دیجیے تاکہ اس کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ تیرے خدا کے بغیر بھی کوئی اور خدا ہے۔ تیرے رب کے بغیر بھی اس جہان کا کوئی رب ہے۔ تیرے عزتوں والے، شانوں والے، قوتوں والے، حکمت والے، علم والے اور مہربان پروردگار کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے۔ تیرے لبوں سے حق کی صدا نکلی کہ زمین کی وسعتیں، فضا کی پہنائیاں، آسمان کی رفعتیں، عرش کی بلندیاں اس صدائے حق سے گونج اٹھیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے جو چاہا، وہ پورا ہو کر رہا۔ بطحا کی سنسان وادی سے اٹھنے والی یہ دلنشیں آواز سارے جہان کی فضاؤں پر غالب آ گئی۔ دین اسلام کا آفتاب یوں طلوع ہوا کہ مذاہب باطلہ کے چراغ بے نور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق، آدم کی اولاد کو اپنے خالق و مالک کا صحیح عرفان نصیب ہو گیا۔ حکم ہوا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یعنی آپ ان پوچھنے والوں کو بتا دیجیے کہ جس معبود کی طرف میں تمہیں بلا رہا ہوں، جس کی حریم ناز تک میں تمہیں لے جانا چاہتا ہوں، وہ تمہارے اپنے بنائے ہوئے بتوں کی طرح پتھر، تانبے، لکڑی کا بنایا ہوا نہیں ہے، وہ اللہ ہے جو احد ہے، جو یکتا ہے۔ احد، اس ایک کو کہتے ہیں جس کا دوسرا نہ ہو، نہ ذات میں، نہ صفات میں، نہ کمالات میں۔ اس اعلان نے ان سونے چاندی، لوہے، تانبے، پتھر، لکڑی کے بنے ہوئے جو معبود صدیوں سے حرم کعبہ کی مسند پر بیٹھے تھے کو فرش خاک پر گرا دیا ان کے

ع ۱/۴

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے ۴

بل زمین پر اوندھے گر پڑے۔

۲۔ الصمد کی تشریح علماء نے اپنے اپنے ذوق اور انداز فکر کے مطابق کی ہے، اس لیے کتب تفسیر میں انگنت اقوال مرقوم ہیں۔ تعبیریں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن مفہوم سب کا ایک ہے۔ علامہ پانی پتی ان سب اقوال کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں: وعندی معناہ الحقیقی المقصود قال فی القاموس، الصمد: القصد . . . . لان المقصود علی الاطلاق من یحتاج کل ما عداہ الیہ ولا یحتاج ھو الی غیرہ فی شیئ من الاشیاء (مظہری) یعنی میرے نزدیک الصمد کا حقیقی معنی المقصود ہے۔ قاموس میں ہے صمد: قصد کرنا اور جو مقصود علی الاطلاق ہوا کرتا ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہوا کرتی ہے اور کسی بات میں وہ کسی کا محتاج نہیں ہوا کرتا اسی لیے صوفیائے کرام نے لا الٰہ الا اللہ کا معنی لا مقصود الا اللہ بتایا ہے۔ سعد بن جبیر فرماتے ہیں۔ الصمد: السیّد ھو المقصود الیہ فی الرغائب، المستغاث بہ عند المصائب۔ صمد، سب کا آقا، سب کا سردار، انعامات حاصل کرنے کے لیے جس کے دربار کا قصد کیا جائے اور طوفانِ مصائب میں جس کی جناب میں فریاد کی جائے۔

۳۔ صرف جاہل اور غیر متمدن اقوام ہی اللہ تعالیٰ کی اولاد تسلیم نہیں کرتی تھیں، بلکہ اس گمراہی میں وہ قومیں بھی بُری طرح مبتلا تھیں جو انبیاء و رسل پر ایمان لے آئی تھیں اور جن کے پاس آسمانی کتب موجود تھیں۔ اگر عرب کے جاہل مشرک، فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے، تو یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت اور تورات کے حامل حضرت عُزیر علیہ السلام کو خدا کا فرزند کہتے اور عیسائی یسوع مسیح پسر مریم کو بڑے طمطراق سے اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا کرتے۔ اس آیت نے ان کے ان باطل تصورات کو مٹا کر رکھ دیا۔ فرمایا نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ یہ تو فانی اور حادث اشیاء کی خصوصیتیں ہیں۔ میرا پروردگار لم یزل، لا یزال ہے، فنا و حدوث سے منزّہ اور پاک ہے، انسانوں کی طرح وہ بیٹوں کا محتاج نہیں، ساری مخلوق چھوٹی اور بڑی، عزیز اور حقیر، جس کے سامنے بندگی کا پٹہ گلے میں ڈالے، سر جھکائے کھڑی ہو اس کو کیا ضرورت ہے کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

۴۔ کفو کہتے ہیں ہمسر کو، جو قدرت، علم، حکمت اور دیگر صفات میں ہم پلّہ اور ہم پایہ ہو۔ اس جہان میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو کسی پہلو، کسی جہت اور کسی انداز سے اللہ تعالیٰ کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ سب اس کے بندے ہیں، اس کی مخلوق ہیں، اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اس کے ہر حکم کے سامنے طوعًا یا کرہًا سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعضے از علماء گفتہ اند کہ شرکت گاہے در عدد می باشد آں را بلفظ احد نفی فرمود، وگاہے در مرتبہ و منصب می باشد و آں را بلفظ صمد نفی فرمود وگاہے در نسب می باشد وآں را بلفظ لم یلد و لم یولد نفی فرمود وگاہے در کار و تاثیر می باشد وآں را ولم یکن لہ کفوًا احد نفی فرمود وہمیں جہت ایں سورت را سورتِ اخلاص می گویند۔ (تفسیر عزیزی)

ترجمہ: علماء لکھتے ہیں کہ شرک کبھی عدد میں ہوتا ہے "احد" کہہ کر اس کی نفی فرما دی۔ کبھی مرتبہ و منصب میں ہوتا ہے "صمد" کہہ کر اس کا ابطال کر دیا۔ کبھی نسب میں ہوتا ہے "لم یلد ولم یولد" سے اس کا ابطال کر دیا اور کبھی کسی کام کرنے اور اثر اندازی میں ہوتا ہے اس کی تردید "لم یکن له کفوا احد" سے کر دی۔ توحید کے اسی جامع مضمون کے باعث اس سورت کو سورۃ اخلاص کہا جاتا ہے۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير. واشهد هو الله احد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد. واشهد ان سيدنا ومولانا وحبيبنا وحبيب ربنا محمدا رسول الله. اللهم صل من الصلوات اطيبها وسلم من التسليمات ازكاها وبارك من البركات اسناها على حبيبي وشفيعي وقرة عيني وسرور قلبي عبدك ونبيك محمد وعلى آله الطيبين الطاهرين وعلى ازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر الصحابة والتابعين وعلى اولياء امته الكاملين وعلى علماء شريعته الربانيين وعلينا معهم اجمعين. فاطر السموات والارض انت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني بالصالحين آمين بجاه طه ويس صلى الله عليه وسلم

تعارف

سُورۃ الفلق والنّاس

نام: پہلی سورت کا نام "الفلق"، اور دوسری کا "الناس" ہے۔ دونوں سورتوں کا نزول بھی یک وقت ہوا، مفہوم، معنی اور مقصد کے اعتبار سے بھی ان میں اس قدر اتصال ہے کہ انہیں الگ الگ کرنا بہت دشوار ہے۔ اس لیے "المعوذتین" کے ایک نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ ان کے الگ الگ تعارف لکھنے کے بجائے ایک ہی تعارف پر اکتفا کروں گا۔

پہلی سورۃ "الفلق" ایک رکوع، پانچ آیتوں، تئیس کلموں اور چوہتر حروف پر مشتمل ہے اور دوسری سورت "الناس" میں ایک رکوع، چھ آیات، بیس کلمے اور اناسی حروف ہیں۔

نزول: اس بات پر تو سب متفق ہیں کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں لیکن کہاں نازل ہوئیں؟ اس میں دو قول ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ، عطاءؒ، عکرمہ اور جابر رضی اللہ عنہم کی یہ رائے ہے کہ ان کا نزول مکہ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے لیکن قتادہ، ابو العالیہ اور ابن عباس کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ یہ دونوں سورتیں مدنی ہیں۔ بعض مفسرین نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے لیکن احادیث مرفوعہ دوسرے قول کی تائید کرتی ہیں، اس لیے مرفوع حدیث کے مقابلہ میں کسی کے قول کو ترجیح دینا بہت مشکل ہے۔ ایک مرفوع حدیث جسے مسلم، ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ نے حضرت عقبہ بن عامر سے یوں روایت کیا ہے۔ عقبہ کہتے ہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: الم تر آیات انزلت اللیلۃ لم یر مثلھن اعوذ برب الفلق، اعوذ برب الناس یعنی تمہیں خبر ہے اللہ تعالیٰ نے آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جن کی پہلے مثال نظر نہیں آتی۔ وہ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس ہیں۔

عقبہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ ان کو حضور کا یہ ارشاد کہ "آج رات مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثال پہلے نظر نہیں آتی" یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان سورتوں کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا۔ دوسری حدیث جو اس قول کی تائید کرتی ہے، وہ ہے جس میں ان کے شان نزول کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس حدیث کی تخریج بغوی، نسفی، بیہقی، ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ شراح حدیث میں سے حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی نے اپنے اسفار جلیلہ میں لکھا ہے کہ سات ہجری میں جب ایک یہودی لبید بن اعصم نے جادو کیا۔ جس کی تفصیل آگے بیان ہو رہی ہے۔ اس وقت اس جادو کے اثرات کو کالعدم کرنے کے لیے یہ دو سورتیں نازل ہوئیں۔ ان ائمہ حدیث کی تحقیق کے بعد اور حضرت عقبہ کی مرفوع روایت کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے ان سورتوں کے مکی ہونے پر اصرار کرنا اور

ان صریح روایات کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ ان واقعات پر ان سورتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی جو پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں بہرحال میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔ جہاں تک میری کم علمی اور تحقیق کا تعلق ہے میں تو اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔

چند مباحث : یہاں چند ایسے اُلجھے ہوئے مباحث ہیں۔ جن سے دامن بچا کر آگے نکل جانا کسی طرح درست نہیں۔ ان سورتوں کے تعارف کے ضمن میں ان مباحث کا تذکرہ اور ان سے جو شبہات جنم لیتے ہیں اُن کا ازالہ از بس ضروری ہے اس لیے قارئین کرام سے ان مباحث کے تذکرہ کی اجازت طلب کرتا ہوں۔

بحث اوّل : کیا یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کا جزو ہیں اور قرآن کریم کی دُوسری سورتوں کی طرح ان کا جزوِ قرآن ہونا قطعی الثبوت ہے؟

یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن کی سُورتوں میں شمار نہیں کیا کرتے تھے اور جو مصحف انہوں نے مرتب کیا تھا اُس میں بھی یہ سُورتیں موجود نہ تھیں۔ علامہ سیوطی نے صراحۃً لکھا ہے۔

اخرج احمد والبزار والطبرانی وابن مردویہ من طرق صحیحۃ عن ابن مسعود انہ کان یحک المعوذتین من المصحف ویقول لا تخلطوا القرآن بما لیس منہ انھما لیستا من کتاب اللہ انما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یتعوذ بھما وکان ابن مسعود لا یقرء بھما (الدر المنثور)

ترجمہ : امام احمد بزار، طبرانی، ابن مردویہ نے صحیح طریقوں سے حضرت ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ وہ معوذتین کو مصحف سے محو کر دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے قرآن کے ساتھ ایسی چیزیں خلط ملط نہ کرو جو اس میں سے نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ان دو سورتوں کے ساتھ فقط پناہ مانگنے کا حکم دیا تھا نیز حضرت ابن مسعود ان سورتوں کی تلاوت نماز میں نہیں کیا کرتے۔ (الدر المنثور)

اس میں تو کلام نہیں یہ سب اخبار آحاد ہیں۔ علماء اصول حدیث نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اخبار آحاد کی صحت کے لیے صرف راویوں کی عدالت اور ثقاہت کا ذکر ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخبار آحاد کا درایت کے معیار پر پُورا اترنا بھی لازمی ہے اور اُن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ روایت بداہت عقل کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس قاعدہ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان روایات کو بنیاد بنا کر انکار کی عمارت استوار کرنا قرین دانشمندی نہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان صحابہ میں سے نہ تھے جنہیں ساری عمر میں ایک آدھ بار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو یا دُنیاوی مصروفیتوں کے باعث بارگاہِ نبوت میں کبھی حاضری کی سعادت مل جاتی ہو اور کبھی نہ ملتی ہو بلکہ آپ ان خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو ہمیشہ خدمتِ عالیہ میں حاضر باش رہا کرتے تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صُفّہ میں تھا جو اکثر اوقات مسجد نبوی میں پڑے رہتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت، خدمت میں حاضری، ارشادِ رسالت کو سننا، اُن کو یاد رکھنا۔ قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوتیں ان کو حفظ کرنا۔ ان کی زندگی کی ساری سرگرمیاں انہی چند باتوں میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ وہ تقریباً ہر نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے۔ عقبہ ابن عامر جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں آیا

لاتے تھے انہیں قرآن سورتوں کے بارے میں علم ہو کہ یہ قرآن کا حصہ ہیں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ جو ہجرت سے پہلے حلقہ بگوش اسلام سے مشرف ہو چکے تھے اور شاذ و نادر ہی کبھی غیر حاضر ہوتے ہوں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا ان سورتوں کو نماز میں تلاوت فرمایا۔ صدہا صحابہ نے اپنے کانوں سے اسے سُنا۔ یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے ہمہ وقت حاضر باش ہر نماز حضور کی اقتدا میں پڑھنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ قرآن کی سورتیں ہیں یا نہیں؟ بڑی تعجب خیز بات ہے۔

اس لیے یہ روایات جو سب کی سب آحاد ہیں، ان کی بنا پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خیال اور خیال بھی ایسا جس سے فقط ابن مسعود پر ہی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے کفار و ملحدین کو مجلہ قرآن کریم کے بارے میں زبان طعن دراز کرنے کی سند مل جاتی ہے کم از کم میرے فہم سے یہ بات بالاتر ہے۔

یہ روایت جو ابن قتیبہ نے نقل کی ہے کہ عبد اللہ ابن مسعود اپنے مصحف میں معوذتین کو نہ لکھا کرتے تھے کیونکہ سنا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دو سورتیں پڑھ کر سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کو دم فرماتے ہیں اور یہ دوسرے دموں کی طرح ایک دم ہی ہے۔ یہ بات بھی کسی طرح قابل تسلیم نہیں کیونکہ قرآن کریم سراپا اعجاز ہے جس کی مثال لانا کسی ایک فرد کسی انسانی جماعت بلکہ فصحاء و بلغاء کے کسی مجمع علمی سے بھی ممکن نہیں۔ اس میں اور دوسرے دموں میں کیوں کر التباس پیدا ہو سکتا ہے خصوصاً ابن مسعود جیسی شخصیت کو جو فصیح اللسان، لغت عربی کے ماہر اسالیب کلام اور انداز گفتگو کے عارف تھے۔ مزید برآں جسے افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان صحبت نے کندن بنا دیا تھا اُن کا اس اشتباہ میں مبتلا ہونا ناممکن ہے۔ خود علامہ سیوطی نے طبرانی سے ایک حدیث بیان کی ہے:

اخرج الطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لقد انزل علی آیات لم ینزل علی مثلهن المعوذتین ۔ والدر المنثور

ترجمہ: طبرانی نے اوسط میں سند حسن سے حضرت ابن مسعود سے یہ ارشاد رسالت نقل کیا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں جن کی مثل مجھ پر نازل نہیں ہوئی اور وہ معوذتین ہیں۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابن مسعود کو ان آیات کے نزول کے بارے میں آگاہ فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے آپ کا یہی خیال ہو کہ یہ محض جھاڑ پھونک کے لیے چند کلمے نازل ہوئے ہیں اور قرآن کا جزو نہیں ہیں لیکن حضور کا یہ ارشاد سننے کے بعد اگر ان کے بارے میں انہیں کوئی شک تھا بھی تو وہ دور ہو گیا اور آپ نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا۔

یہ الگ بات ہے کہ کسی کے دل میں صحابہ کو غلط کار ثابت کرنے کا اتنا زیادہ شوق ہو کہ وہ ان تمام واضح حقائق کو بھی آسانی نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو۔ جس طرح صاحب تفہیم القرآن نے اس مقام پر اظہار خیال کیا ہے اگر ان بھی لیا جائے کہ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں یہ سورتیں مرقوم نہ تھیں، اس لیے وہ ان کو قرآن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ تو عرض ہے کہ ان کے مصحف میں تو سورۃ فاتحہ بھی مرقوم نہ تھی۔ کیا اس کا آپ یہ مطلب لیں گے کہ وہ اسے بھی قرآن کی سورت شمار نہ کرتے تھے

جس کو وہ ہر نماز کی ہر رکعت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قراءت فرماتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ان سورتوں کے نہ لکھنے کی معقول وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان کی بکثرت تلاوت کی جاتی تھی اس لیے انہیں لوگ بر زبان تھیں انہیں قطعاً یہ وہم تک بھی نہ تھا کہ وہ انہیں فراموش ہو جائیں گی۔ یہ مصحف آپ نے اپنی سہولت کے لیے مرتب کیا تھا۔ ان سورتوں کے لکھنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہ کی اس لیے نہ لکھیں۔

مختلف کتب میں اسی قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ ہر قاری کے پاس نہ اتنی استعداد ہوتی ہے اور نہ اتنی فرصت کہ وہ ان روایات کی تحقیق کر سکے۔ اس لیے عام لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ان تمام اعتراضات اور شبہات کو دور کرنے کے لیے اس ایک اصول کو آپ خوب ذہن نشین کر لیں کہ قرآن کریم کس کو کہتے ہیں؟ قرآن کریم وہ ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا اور پھر بذریعہ تواتر نقل کیا یعنی ہر نسل تابعین نے انہی تواتر سے سنا یوں ہی سلسلہ وار وہ ہم تک منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کرام نے بالاتفاق حضرت زید ابن ثابت کے مدون کردہ نسخہ کے مطابق ایک نسخہ تیار کیا اور اس کی متعدد نقول اپنی نگرانی میں تیار کر کے مملکت اسلامیہ کے مختلف امصار کی طرف روانہ کیں تاکہ عرب و عجم میں اسی کے مطابق تلاوت کی جائے اور عمل کیا جائے۔ اس لیے قرآن کریم صرف اسی مصحف مبارک کا نام ہے۔ اس کے خلاف آپ کو جو روایت نظر آئے یا وہ سند کی وجہ سے ساقط الاعتبار ہو گی یا وہ خبر واحد ہو گی یا کسی کا اپنا ذاتی قول ہو گا۔ الغرض کلام اللہ وہی ہے جو اس مصحف عثمانی کے مطابق ہے جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور اس وقت سے لیکر آج تک اس میں نہ کسی لفظ کی کمی بیشی ہوئی نہ کسی آیت میں تقدیم و تاخیر ہوئی نہ کلمات کی ترتیب میں کوئی تغیر رونما ہوا۔

بحث دوم: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کیا جادو کیا گیا؟ اور ذات اقدس واطہر پر اس کا اثر کیا ظاہر ہوا؟

اس کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے میں قارئین کرام کے سامنے ان تمام روایات کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جو مختلف کتب میں باختلاف الفاظ منقول ہیں۔ اس کے بعد ان اعتراضات کا ذکر کروں گا جو قدیم اور جدید معتزلیوں نے وارد کیے ہیں۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اہل سنت کے موقف کو بیان کروں گا۔

"یثرب کے یہودیوں کو روز اول سے ہی جو بلا وجہ عداوت اور حسد حضور کی ذات اقدس کے ساتھ تھا اس کی تفصیلات کئی مقامات پر آپ پڑھ چکے ہیں۔ جیسے جیسے اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی شان کو بلند کرتا، فتوحات کے دروازے کھلتے جاتے، ایسے ایسے ہی ان کی عداوت کے شعلے بھڑکنے لگتے۔ سنہ ۷ھ میں جب حدیبیہ سے حضور بخیریت واپس تشریف لائے تو خیبر کے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ کے ایک مشہور جادوگر لبید ابن اعصم کے پاس آیا۔ بعض مورخین نے اسے یہودی کہا ہے لیکن یہ درحقیقت انصار کے ایک قبیلہ بنی زریق کا ایک فرد تھا۔ ممکن ہے اس نے یہودی مذہب اختیار کر لیا ہو۔ اس لیے اسے یہودی کہا گیا ہو۔ خیبر کے وفد نے آکر اس کے سامنے اپنی بپتا بیان کی اور کہا کہ مکہ کے اس قریشی نے یہاں آکر ہماری عزت خاک میں ملا دی ہے۔ ہم نے سیاسی طور پر ان کو ناکام بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، سازشیں کیں، منصوبے بنائے، مشترکہ قبائل کو ان کے خلاف بھڑکایا لیکن

ناکام رہے۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جتنے ماہر جادوگر تھے انھوں نے بھی بڑے جتن کیے بڑی زور آزمائی کی لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہمارے اس علاقہ میں تمہارے سحر کی دھوم مچی ہوئی ہے ہر طرف سے مایوس ہو کر ہم تیرے پاس آئے ہیں۔ اگر تو ہماری امداد کرے تو یہ مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ انھوں نے اس کی خدمت میں بھاری نذرانہ بھی پیش کیا، چنانچہ اس نے حامی بھرلی۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ کسی طرح ورغلا کر اس سے حضور کی کنگھی کا ایک ٹکڑا اور چند موئے مبارک حاصل کر لیے۔ اس نے اور اس کی بیٹیوں نے جو اس فن میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھیں، جادو کیا اور ان چیزوں کو نر کھجور کے خوشے کے غلاف میں رکھ کر بنی زریق کے ایک کنویں کی تہہ میں ایک بھاری پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس کنویں کا نام "ذروان یا ذی اروان" بتایا جاتا ہے۔ بعض نے اس کا نام "بئر اریس" بھی لکھا ہے۔

چھ ماہ گزرنے کے بعد معمولی معمولی اثر ظاہر ہونے لگا۔ آخری چالیس دن زیادہ تکلیف کے تھے۔ ان میں سے بھی آخری تین دن تکلیف اپنی نہایت کو پہنچ گئی۔ اس جادو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قسم کی تکلیف محسوس ہوتی تھی، اس کے بارے میں بھی تصریحات موجود ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یذوب ولا یدری ما وجعہ : یعنی حضور کی طبیعت گھٹنے لگی۔ نقاہت بڑھنے لگی لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہوتی۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں: حتی یخیل الیہ انہ فعل الشیء ولم یکن فعلہ (روح المعانی)

یعنی ایسا کام جو نہ کیا ہوتا اس کے بارے میں حضور کو خیال ہوتا کر لیا گیا ہے۔

کتب حدیث میں اس جادو کے اثرات کے بارے میں جتنی روایات ملتی ہیں، ان کا یہی نچوڑ ہے کہ جسمانی طور پر نقاہت کمزوری محسوس ہوتی لیکن ایسی کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی موجود نہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں کبھی بال برابر فرق آیا ہو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ نماز کے ارکان میں تقدیم و تاخیر سرزد ہوئی ہو یا تلاوتِ قرآن کے وقت نسیان طاری ہو گیا ہو یا مسلکِ اسلامیہ کی توضیح اور استحکام یا اسلام کی تبلیغ میں کوئی معمولی سا رخنہ بھی پیدا ہوا ہو۔

جب تکلیف زیادہ بڑھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ اسی رات حضور کو خواب میں حقیقتِ حال سے آگاہ فرما دیا گیا، چنانچہ حضور نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو بتایا کہ اے عائشہ میں نے اپنے رب سے جس بات کے بارے میں دریافت کیا تھا میرے خدا نے مجھے اس کے متعلق بتا دیا ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوا رات کو خواب میں دو آدمی میرے پاس آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کے نزدیک۔ (بعض روایات میں ہے کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے) ایک نے دوسرے سے پوچھا "انہیں کیا تکلیف ہے" دوسرے نے جواب دیا "انہیں جادو کیا گیا ہے" پوچھا "کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "لبید ابن الاعصم نے" پوچھا "کن چیزوں سے" بتایا "کنگھی کے ایک ٹکڑے اور چند بالوں کو نر کھجور کے خوشہ کے پردے میں رکھ کر" پوچھا "کہاں رکھا ہے؟" بتایا "ذی اروان کے کنویں کی تہہ میں ایک پتھر کے نیچے" پوچھا "اب کیا کرنا چاہیے" بتایا "اس کنویں کا سارا پانی نکال دیا جائے پھر اس

پتھر کے نیچے سے ان چیزوں کو نکالا جائے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فوراً حضرت سیدنا علی، عمار ابن یاسر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو اس مقصد کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے پانی نکال کر اس کنوئیں کو خشک کر دیا۔ اتنے میں حضور خود بھی وہاں تشریف لے گئے پتھر کو اٹھایا تو اس کے نیچے سے وہ غلاف نکلا۔ اسے کھولا تو اس کے اندر کنگھی کا ایک ٹکڑا، چند بال جو تانت کے ایک ٹکڑے میں بندھے ہوئے تھے اور اس تانت میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ اسی اثنا میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور یہ دو سورتیں پڑھ کر سنائیں اور عرض کیا کہ "آپ ان سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جائیں اور ایک ایک گرہ کھولتے جائیں اور ایک ایک سوئی نکالتے جائیں"۔ چنانچہ دونوں سورتوں کی گیارہ آیتیں پڑھی گئیں۔ ان کی تلاوت سے گیارہ گرہیں کھلیں اور ساری سوئیاں نکل گئیں۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت ہشاش بشاش ہو گئی اور جادو کا سارا اثر زائل ہو گیا۔

صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اجازت ہو تو اس خبیث کا سر قلم کر دیا جائے۔ حضرت سید عالم نے ارشاد فرمایا:

اما انا فقد شفانی اللہ واکرہ ان اثیر علی الناس شرا۔

ترجمہ: "مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا بخش دی ہے۔ میں اپنے لیے لوگوں میں فتنہ کی آگ بھڑکانا نہیں چاہتا"۔

سبحان اللہ! رحمت للعالمینی کی کیا شان ہے۔ اپنی ذات کے لیے اپنی جان کے دشمنوں سے بھی کبھی انتقام نہیں لیا۔ صلی اللہ علیک یا رسول اللہ۔ صلی اللہ علیک یا مقیل العثرات۔ صلی اللہ علیک یا صفوح عن الزلات و بارک وسلم۔

اس واقعہ کا خلاصہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ اب ذرا قدیم معتزلہ اور جدید عقلیت پسندوں کے اعتراضات کا مطالعہ فرمایئے۔ وہ ان تمام روایات کو ساقط الاعتبار، ناقابل اعتماد قرار دیتے ہوئے بیک قلم ان پر خط تنسیخ کھینچ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ان روایات کو صحیح تسلیم کیا جائے، تو اس سے منصب نبوت کی توہین ہوتی ہے بلکہ ہر قسم کی وحی اور شریعت کے جملہ احکام پر سے وثوق اٹھ جاتا ہے کیونکہ اگر ان روایات کے مطابق مان لیا جائے کہ حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اثر سے کوئی آیت ذہن سے اتر گئی ہو قرآنی آیت کے بجائے کسی خود ساختہ جملہ کو آیت قرآنی فرض کر لیا گیا ہو شریعت کا یہ قانون اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو بلکہ سحر کی فسوں کاری کا کرشمہ ہو نیز یہ روایات اس آیت کے بھی منافی ہیں "واللہ یعصمک من الناس" کہ لوگوں کی شرانگیزیوں سے اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ ہے: جب عصمت نبوت کی ذمہ داری خود اللہ رب العزت نے لی ہے تو پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ یہودیوں کے سحر کا حضور پر اثر ہو گیا ہو۔ عقل کے جدید اور قدیم پرستاروں کا نظریہ آپ نے پڑھ لیا۔ بات کا جس طرح انہوں نے بتنگڑ بنایا ہے اس کو بھی آپ نے دیکھ لیا۔

ان اعتراضات اور شکوک کے بارے میں اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک حیثیت نبوت اور دوسری حیثیت بشریت۔ عوارض بشری کا ورود ذات اقدس پر ہوتا رہتا تھا۔ بخار، درد، چوٹ لگنا، دندان مبارک کا شہید ہونا، طائف میں پنڈلیوں کا لہولہان ہونا اور احد میں جبین سعادت کا زخمی ہونا۔ یہ سب واقعات

تاریخ کے صفحات کی زینت ہیں۔ یہ لوگ بھی ان سے انکار کی جرأت نہیں کر سکتے اور ان عوارض سے حضور کی شان رسالت اور حیثیت نبوت پر قطعاً کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی جادو کا اثر حضور کی جسمانی صحت تک محدود تھا رسالت کا کوئی پہلو قطعاً اس سے متاثر نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا کہ اس جادو سے حضور کوئی آیت بھول جاتے یا الفاظ میں تقدیم و تاخیر کر دیتے یا قرآن میں اپنی طرف سے کوئی جملہ بڑھا دیتے یا نماز کے ارکان میں رد و بدل ہو جاتا تو اسلام کے بدخواہ اتنا شور و غل مچاتے۔ العیاذ والحفیظ! ابطال رسالت کے لیے انہیں ایک ایسا مسکت ہتھیار دستیاب ہو جاتا کہ اس کے بعد انہیں دعوت اسلامی کو ناکام کرنے کے لیے مزید کسی ہتھیار کی ضرورت نہ رہتی لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ کسی حدیث یا تاریخ کی کتاب میں مذکور نہیں۔ دشمنان اسلام نے آج تک جتنی کتابیں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں لکھی ہیں ان میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ درج نہیں۔ معلوم ہوا کہ لبید یہودی کے جادو کا اثر فقط اس حد تک ہوا کہ صحت گرامی متاثر ہوئی جس طرح علامہ سید قطب اور علامہ آلوسی کے حوالے نقل کیے جا چکے ہیں۔

رہی یہ بات کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ جادو سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا فقط نظر بندی کے طور پر چیز ہوتی کچھ ہے اور دکھائی کچھ دیتی ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے لیکن اس سے لوگوں کا متاثر ہونا ایک یقینی چیز ہے۔ ساحران فرعون کا تذکرہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے۔ نص قرآنی سے یہ چیز ثابت ہے کہ لوگ ان رسیوں کو سانپ خیال کرنے لگے۔ سانپوں کی طرح انہیں لہراتے ہوئے دیکھ کر وقتی طور پر موسیٰ علیہ السلام بھی خائف و ہراساں ہو گئے۔ قرآن کریم کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهَا تَسْعٰى ۔ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى.

ترجمہ: پس ان کی رسیاں اور سونٹیاں آپ کو یوں معلوم ہوتا کہ وہ دوڑ رہی ہیں۔ ان کے دل میں خوف پیدا ہوا۔ ہم نے کہا اے موسیٰ! مت ڈرو۔ تم ہی سربلند ہو۔

انہیں کے بارے میں سورہ طہٰ میں ہے: سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ : یعنی ان جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا تھا۔

بحث ششم: جھاڑ پھونک کے بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے؟

ایک بات پہلے ہی ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جھاڑ پھونک کا رواج ہر انسانی معاشرہ میں قدیم از منہ سے موجود ہے۔ اس مقصد کے لیے جو منتر، طلسم یا نقوش ان کے ہاں رائج ہوا کرتے تھے، ان کی دیویاں، دیوتاؤں کے نام، شیطانی قوتوں سے استمداد، آسمانی کواکب و سیارات سے استعانت وغیرہ عام تھا۔ نیز وہ ان چیزوں کو موثر حقیقی اور فاعل مستقل یقین کرتے تھے۔ اسلام نے شرک کو بیخ و بن سے اکھیڑ کر رکھ دیا۔ ان کے اس عقیدہ کے بطلان کو طشت از بام کر دیا کہ اللہ کے علاوہ کوئی دیوی، دیوتا، کوئی چاند تارا یا سورج موثر حقیقی ہو سکتا ہے۔ اس لیے یہ تو گمان ہی نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کسی ایسے منتر یا جھاڑ پھونک کی اجازت دے جس میں شرک یا مشرکیہ عقائد کا شائبہ تک بھی پایا جاتا ہو۔ اس لیے ایسے تمام منتر، طلسم، نقوش

تعویذات وغیرہ اسلام میں قطعاً حرام اور ممنوع ہیں۔ جن احادیث میں دم کرنے جھاڑ پھونک کرنے وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے ان مجمل احادیث سے اسی قسم کے شرکیہ اعمال مراد ہیں لیکن ایسا دم یا تعویذ جس میں اللہ تعالٰی کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم مبارک، کوئی آیت قرآنی یا سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے نکلا ہوا کوئی جملہ ہو یا جس نقش میں یا دم میں شرکیہ بات نہ ہو اس کا کرنا جائز ہے۔ حضور خود بھی اپنے آپ کو دم فرمایا کرتے اور صحابہ کرام پر بھی دم کرتے اور حسنین کریمین کو تو خصوصی دم فرمایا کرتے۔ عہد رسالت میں اور اس کے بعد صحابہ کا بھی یہ معمول تھا۔ اُس وقت سے لے کر اب تک پاکان امت کا بھی یہ دستور رہا ہے۔ آپ چند شواہد ملاحظہ فرمایئے!

سب سے پہلی دلیل قرآن دو سورتوں کا نزول ہے اور ان کے پڑھنے کی برکت سے جادو کی تاثیر کا ختم ہو جانا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ معمول تھا کہ ہر شب آرام کرنے سے پہلے آخری تینوں قل پڑھتے اپنے مبارک ہاتھوں پر دم فرماتے پھر اپنے سارے جسم پر انہیں پھیر لیتے۔ یہ معمول حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے۔ جو خود عینی شاہد ہیں۔ جن محدثین نے اس روایت کو اسانید صحیحہ سے نقل کیا ہے۔ اُن میں امام بخاری، امام مسلم، امام مالک، ابن ماجہ، ابو داؤد علیہم الرحمۃ جیسے اکابر ہیں۔

نیز امام بخاری، امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین کو یہ پڑھ کر دم فرمایا کرتے:

أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ

حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی نے ایک روز عرض کیا یا رسول اللہ! جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے شدید درد ہوتا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جان لیوا ثابت ہوگا۔ حضور نے فرمایا: درد کی جگہ پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو پھر تین بار بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ یہ پڑھتے ہوئے درد کی جگہ پر ہاتھ رکھو۔ أَعُوذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ۔

مسند امام احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ کی موجودگی میں بچھو نے ڈنگ مارا حضور نے مجھے دم فرمایا اور دست مبارک پھیرا۔

صحیح مسلم میں ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بیمار ہوئے عیادت کے لیے جبریل امین حاضر ہوئے پوچھا: جان عالم! کیا آپ بیمار ہوگئے؟ فرمایا ہاں۔ جبریل نے یہ پڑھ کر دم کیا:

بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنِ حَاسِدٍ، اَللهُ يَشْفِيكَ ۔ بِاسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ ۔ (ترجمہ) میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر سے۔ اللہ آپ کو شفا دے۔ میں اللہ کا نام لے کر آپ کو دم کرتا ہوں۔

مسند امام احمد میں اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ میں رونق افروز ہوئے میرے پاس شفاء نامی ایک خاتون بیٹھی تھی جو نملہ (ذباب) کا دم کیا کرتی تھی۔ حضور نے فرمایا شفاء یہ دم حفصہ کو بھی سکھا دو۔ خود شفاء بنت عبد اللہ کہتی ہیں کہ مجھے حضور نے فرمایا کہ تم نے حفصہ کو جس طرح لکھنا پڑھنا

سکھایا ہے مجھ کو دم بھی سکھا دو۔ (مسند امام احمد، ابو داؤد، نسائی)

صحیح مسلم میں عوف ابن مالک اشجعی کی یہ روایت مذکور ہے کہ ہم نے حضور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! ہم جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، اب اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ حضور نے فرمایا: جو پڑھ کر تم دم کیا کرتے تھے وہ مجھے سناؤ۔ جھاڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔"

حضرت جابر ابن عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھاڑ پھونک سے منع فرما دیا۔ پھر حضرت عمرو ابن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو یا سانپ کے کاٹے کو دم کیا کرتے تھے مگر حضور نے ان کاموں سے منع فرما دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ دم پڑھ کر سنایا۔ حضور نے فرمایا: اس میں تو میں کوئی مضائقہ نہیں پاتا۔ تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے وہ ضرور پہنچائے۔

(مسلم، مسند احمد، ابن ماجہ)

میں نے کثیر التعداد احادیث میں سے صرف چند احادیث پیش کی ہیں۔ طالب حق کے لیے اس میں کفایت ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ ہر چیز اسی وقت نفع پہنچاتی جب اذنِ الٰہی ہو۔ اس کے علاوہ کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔ اگر جڑی بوٹیاں، گولیاں، شربت، معجون اور ٹیکے اذنِ الٰہی سے صحت و عافیت کا سبب بن جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ، آیاتِ قرآنی اور فرمودات رسالت اذنِ الٰہی سے کیوں مؤثر نہیں ہو سکتے۔ آخر میں ایک بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا دم یا تعویذ پر نذرانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ اس کے لیے حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے استدلال کافی ہے جو امام بخاری، امام مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں منقول ہے۔ اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہم پر اپنے چند صحابہ کو بھیجا جن میں حضرت ابو سعید خدری بھی تھے۔ ان کا گزر ایک بستی سے ہوا جہاں ایک عرب قبیلہ سکونت پذیر تھا۔ انہوں نے اس قبیلہ سے اپنے لیے کھانے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے انہیں کوئی چیز دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بغیر کچھ کھائے رات بسر کی۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلے بچھو نے ڈنک مار دیا۔ جب اس کی تکلیف حد سے زیادہ بڑھی تو وہ لوگ مسلمانوں کے پاس آئے اور آکر کہا کہ ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹا ہے، وہ درد سے تلملا رہا ہے۔ اگر تم لوگوں کے پاس کوئی دوا ہو یا کوئی دم کر سکتا ہو تو وہ آکر اسے دم کرے۔ حضرت ابو سعید نے کہا کہ ہمارے پاس اس کا علاج تو ہے لیکن تم نے بڑی بے مروتی کا سلوک کیا ہے ہمیں کھانا تک نہیں دیا اس لیے جب تک تم ہمیں کچھ معاوضہ دینا طے نہ کرلو اس وقت تک ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر ہمارے سردار کو آرام آگیا تو ہم تمہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیں گے۔ حضرت ابو سعید گئے اور سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد اپنا لعاب دہن اس پر ملا۔ درد زائل ہو گیا اور ان کا سردار بالکل تندرست ہو گیا۔ قبیلہ والوں نے وعدہ کے مطابق ریوڑ جس میں تیس بکریاں تھیں مسلمانوں کو دیا۔

جب حضرت ابو سعید وہ ریوڑ لے کر مسلمانوں کے پاس واپس آئے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ جب تک حضور نبی کریم سے مسئلہ دریافت نہ کرلیں اس وقت تک ہمیں یہ بکریاں استعمال میں نہیں لانی چاہئیں۔ جب مہم سے فارغ ہو کے یہ حضرات مدینہ طیبہ واپس پہنچے تو سارا قصہ عرض خدمت کیا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ تمہیں یہ کس طرح پتہ چلا کہ یہ سورت پڑھ کر دم کیا جاتا ہے۔ بکریاں لے لو اور اس میں سے میرا حصہ بھی نکالو۔

اس روایت کے بعد اس مسئلہ پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔

موضوع ان سورتوں کی تشریح کے ضمن میں تمام چیزیں تفصیل سے بیان کردی گئی ہیں۔ یہاں آپ اتنا ہی خیال رکھیں کہ بندہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو اگر وہ حق کے لیے سرکف باطل کے سامنے میدان جہاد میں قدم رکھتا ہے تو ایک ذات ایسی ہے جس کے دامن میں اُسے پناہ مل سکتی ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ کبھی ہراساں اور مایوس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اور ان کلمات طیبات سے اس کی بارگاہ میں پناہ کے لیے عرض کرتا رہے۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء

کل مجھے اور میرے پانچ ساتھیوں کو رحیم بخش بھیاٹی مجسٹریٹ درجہ اوّل بھلوال نے چار ماہ قید با مشقت کی سزا سنائی۔ الحمدللہ۔

اللھم اغفرلکاتبہ

سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسُ اٰيٰتٍ

سورہ الفلق مدنی ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ

آپ عرض کیجیے میں پناہ لیتا ہوں سپیدۂ صبح کے پروردگار کی [۱] ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا [۲] اور (خصوصاً) رات کی

[۱] علامہ راغب عوذ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: العوذ: الالتجاء الی الغیر والتعلق بہ۔ کسی کی پناہ لینا اور اس کے ساتھ چمٹ جانا۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں: عاذ بہ یعوذ عوذا: لاذ بہ ولجأ الیہ واعتصم (لسان العرب) کسی کی پناہ لینا، کسی کا دامن مضبوطی سے پکڑ لینا۔

الفلق کا اصلی معنی ہے چیرنا اور پھاڑنا۔ اس آیت میں اس سے مراد صبح ہے جو رات کا سینہ چاک کر کے باہر نکلتی ہے۔
قرآن کریم کی یہ دو آخری سورتیں ہیں۔ انہیں معوذتین کہتے ہیں۔ اس کتاب مقدس میں انسان کا منشور حیات پیش کر دیا گیا۔ اس کی منزل متعین کر دی گئی جس کے بغیر اور کوئی منزل اس قابل نہیں کہ نوع انسانی کے کسی فرد یا کسی جماعت کی منزل بن سکے۔ یہ وہ بلند منزل ہے جس پر خیمہ زن ہونے کے لیے پرکشا ہونا اسی مسجود ملائک کو زیب دیتا ہے۔ لیکن اس منزل کی راہ مشکلات سے اٹی ہوئی ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹوں کے پہاڑ راستہ روکے کھڑے ہیں۔ کمین گاہوں میں اس کے دشمن اس کی تاک میں بیٹھے ہیں تاکہ جب موقع ملے وہ اس پر جھپٹ پڑیں۔ اس کی دشمن قوتیں ایسی بھی ہیں جو اس کی جسمانی صلاحیتوں کو فنا کرنے کے لیے تڑپ رہی ہیں۔ بعض ایسی ہیں جو اس کی متاع ایمان کو غارت کر دینا چاہتی ہیں۔ یہ مشت خاک بیک وقت ان تمام دشمنوں سے کیسے برسرپیکار ہو سکتا ہے اور کیونکر ان میں سے ہر ایک کو پچھاڑ سکتا ہے؟ اس لیے اس راہرو منزل شوق کو قرآن کریم ایک ایسی ہستی کی پناہ لینے کا درس دیتا ہے جو سب سے اعلیٰ سب سے بالا اور سب سے اقویٰ اور سب پر غالب ہے۔ وہ تیرے ظاہری اور باطنی دشمنوں کو جانتا ہے۔ وہ تیرے جسمانی اور روحانی اعداء کو پہچانتا ہے۔ تیرے خلاف ان کے کھلے منصوبوں اور خفیہ سازشوں سے اچھی طرح آگاہ ہے اور ان منصوبوں کو خاک میں ملانے اور ان کی سازشوں کو ناکام کرنے کی پوری پوری قوت رکھتا ہے۔ آؤ! اس کی پناہ لے لو، اس کے دامن کرم کو مضبوطی سے پکڑ لو، پھر بے خوف و خطر اپنی منزل کی طرف بڑھتے چلو۔ تم کس بلندی پر اپنا آشیانہ بناتے ہو، یہ تمہارے عزم اور ہمت پر منحصر ہے۔ خارجی اور داخلی مزاحمتوں سے اب کہیں رکنے کی ضرورت نہیں۔

اس سورت میں ان امور کا ذکر کیا گیا جو انسان کی جسمانی نشوونما، صحت و عافیت کے لیے خطرناک ہیں اور دوسری سورت میں

غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝٣ وَمِن شَرِّ النَّفَّٰثَٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝٤ وَ

تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے ۳ اور ان کے شر سے جو پھونکنے والیاں ہیں گرہوں میں ۴ اور

ان خطرات کا ذکر کیا گیا جو اس کے ایمان و ایقان کو اس سے چھین لینا چاہتے ہیں۔

اس سورت کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو حکم دیا اور حضور کے واسطے سے ہر غلام بارگاہ رسالت کو حکم دیا کہ کہو: میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی جس نے رات کی تاریکی کو صبح کے اجالے سے بدل دیا' رات کے سناٹے اور ویرانے کو دن کی رونقوں سے نواز دیا' جس نے رات کی وحشتوں کو دن کی دلچسپیوں میں تبدیل کر دیا' جو نامساعد حالات کو یوں تبدیل کر دیتا ہے وہ تیری بگڑی بھی بنا سکتا ہے' تیری امیدوں کی دنیا میں جو گھپ اندھیرا ہے اس کی نظر کرم سے وہ بھی کافور ہو سکتا ہے' اس کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہو کر فریاد تو کر پھر دیکھ کیا ہوتا ہے؟

۲ میں ہر چیز کی اذیت رسانی اور شر انگیزی سے پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ ہم نہ تمام چیزوں کو شمار کر سکتے ہیں اور نہ ہر چیز کی شرارتوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اپنے ناقص علم کے باعث ہم ایک چیز کو اپنے لیے بڑا کارآمد خیال کرتے ہیں۔ درحقیقت وہی چیز ہمارے لیے ضرر اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے' اس لیے تفصیلات کو چھوڑ دو اور یہ عرض کرو کہ جس چیز کا تو خالق ہے اس میں مضرت اور تکلیف کا جو پہلو ہے جسے تو خوب جانتا ہے اور جس کے دور کرنے پر تو قادر ہے' میں تجھ سے ہی اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

۳ الغاسق: اللیل المظلم، تاریک رات (قرطبی)۔ وقب: کسی چیز کا کسی چیز میں داخل ہو جانا' اس کے رگ و ریشے میں سما جانا۔

رات کی تاریکی کی شدت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جب اس کی ظلمت کائنات کی ہر چیز کو اپنے دامن میں لپیٹ لے' ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل جائے' یہ منظر بذات خود بڑا وحشت ناک اور کرب انگیز ہوتا ہے۔ نیز رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر چور چوری کرتا ہے' قاتل خونریزی کرتا ہے' آبروئیں اور عصمتیں اسی کی اوٹ میں لوٹی جاتی ہیں' شر انگیز ہر قسم کی جرأت سے بے خوف ہو کر شر انگیزی کی حد کر دیتے ہیں اور جس کو لوٹا جاتا ہے' وہ خود خواب غفلت میں بے سدھ پڑا ہوتا ہے۔ دشمن بے خبری میں اس کو اپنے نرغے میں لے لیتا ہے' اسے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ وہ مدد کے لیے اپنے کسی دوست کو پکار سکے' اس لیے رات کی تاریکی کے شر سے بالخصوص پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

۴ نفاثات: نفاثہ کی جمع ہے' یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نفث کا معنی ہے نفث الریق القلیل (تھوڑی سی تھوک پھینکنا)' لیکن علامہ ابن منظور کہتے ہیں کہ تھوڑی سی تھوک پھینکنے کو التفل کہا جاتا ہے۔ نفث اس سے بھی نیچے کا درجہ ہے جو پھونک مارنے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ (النفث اقل من التفل لان التفل لا یکون الا معہ شیء من الریق والنفث شبیہ النفخ۔ لسان العرب)

مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿٥﴾

(اور میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے ۵

عُقَد: عقدہ کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے گرہ۔ جادوگر جب جادو کرتے ہیں تو وہ منتر اور طلسم پڑھ کر ایک دھاگے میں گرہ ڈالتے ہیں اور اس پر پھونک مارتے ہیں۔ جس طرح پاک کلام کے پاکیزہ اثرات ہوتے ہیں اسی طرح ابلیسی منتروں اور شیطانی طلسموں کے تکلیف دہ نتائج ہوتے ہیں۔ سحر سے کسی چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے یا نہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے انسانی نفسیاتی طور پر ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ہاروت ماروت کے واقعہ میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ شیاطین لوگوں کو ایسا جادو سکھایا کرتے تھے مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ کہ اچھا بھلا بستا گھر اختلافات کی نذر ہو جاتا۔ میاں بیوی کی باہمی محبت و پیار، نفرت و عداوت سے بدل جاتی۔ ساحرانِ فرعون کے متعلق بھی قرآن کریم میں مذکور ہے کہ جب انہوں نے اپنے منتر پڑھ کر رسیوں پر پھونک ماری تو ہزارہا لوگ جو وہاں دریا میں موجود تھے ان سب کو یہی نظر آیا کہ وہ رسیاں سانپ بن گئی ہیں اور سانپ کی طرح لہرا رہی ہیں۔

کسی کو کیا خبر کہ کوئی خبیث الفطرت انسان اس کے لیے کیا کیا جادو کر رہا ہے اور چند کوڑیوں کے عوض کس طرح اس کے درپئے آزار ہے۔ اس لیے اس چیز کو بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا کہ الٰہی جو کوشش مجھے دکھ پہنچانے، میرے گھر کا سکون برباد کرنے، میری صحت کو بگاڑنے کے لیے ایسی ذلیل حرکتوں میں لگے رہتے ہیں میں تو ان کے شر سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اے میرے مولا! اے میرے نگہبان! مجھے اپنی پناہ میں لے لے اور ان کے شر سے مجھے بچا لے۔

جادوگری کا پیشہ اکثر و بیشتر عورتیں کیا کرتی تھیں، اس لیے نفّاثات مؤنث کا صیغہ استعمال کیا۔

حسد کی تشریح کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں: اَنْ تَتَمَنّٰى اَنْ تَتَحَوَّلَ اِلَيْكَ نِعْمَتُهٗ وَ فَضِيْلَتُهٗ اَوْ يُسْلَبَهُمَا هُوَ (لسان العرب) یعنی کسی کو خوشحالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا اور یہ آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس کے ہاتھ سے نکل کر مجھے مل جائے۔ اس کی عزت و فضیلت سے اس کے ہاتھ سے نکل جانے میں بہرہ ور ہوتا ——— اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہیں تو کم از کم اس سے چھین لی جائیں اور اس کو بھی ان سے محروم کر دیا جائے۔

یہ جذبہ انسان کی کم ظرفی اور خبثِ طبع پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ بات یہاں تک محدود نہیں رہتی۔ بسا اوقات یہ بڑے بڑے جور و ستم کا سبب بن جاتی ہے۔ جو انسان حسد کی آگ میں جل رہا ہوتا ہے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھا نہیں رہتا بلکہ ایسی تدبیریں سوچتا ہے ایسی سازشیں کرتا ہے۔ اس قسم کے گٹھ جوڑ کرتا ہے جس سے وہ اپنی ناپاک آرزو کو پورا کر سکے۔ اس سے ایسی ایسی مذموم حرکتیں سرزد ہوتی ہیں جو شرفِ انسانی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ قابیل نے ہابیل کو حسد کی وجہ سے ہی قتل کیا تھا۔ ابوجہل اور دیگر اکابر قریش یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور سچے نبی ہیں، محض حسد کی وجہ سے دینِ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے۔

جس انسان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی خصوصی کرم ہوتا ہے اس کے بدخواہ اکثر پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کی عزت کرتا ہے، ان کی

واویلا کرتا ہے، جہاں تک بن پڑے ان کی خدمت سے بھی گریز نہیں کرتا اس کے باوجود حاسدوں کے سینوں میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وہ بلا وجہ جلتے رہتے ہیں۔ انسان نہ تو خود ہر حاسد کو پہچان سکتا ہے اور نہ حاسدوں کے منصوبوں سے آگاہ ہو سکتا ہے اور اگر آگاہ ہو بھی جائے تو بسا اوقات ان کا تدارک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنے رب کریم کے دامن عاطفت میں پناہ لے لو۔ بے شک ان حاسدوں کی شر انگیزیوں سے وہی بچ سکتا ہے جسے اس کی پناہ حاصل ہو جائے۔

الٰہی! تیرا یہ زار و ناتواں، خفیف و بے نوا بندہ تیرے دامن لطف و کرم میں پناہ طلب کرتا ہے۔ تیری پناہ کے بغیر اس کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

اللھم صل وسلم وبارک علی سیدنا ومولٰنا محمد الحامد المحمود وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہ الٰی یوم الدین۔

سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

سورۃ الناس مدنی ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ② اِلٰهِ النَّاسِ ③

اے حبیب! آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی سب انسانوں کے بادشاہ کی سب انسانوں کے معبود کی ؎۱

؎۱ اس سے پہلی سورت میں ان مضرتوں اور شر انگیزیوں سے پناہ طلب کی گئی تھی جو انسان کے ظاہری حالات اور جسمانی ضروریات کو متاثر کرتی ہیں، اس لیے جس کی پناہ لینے کی تلقین کی گئی اس کا تعارف صرف رب الفلق (یعنی صبح کے پروردگار) سے کرانے پر اکتفا کیا گیا۔ اب ایمان اور ایقان کو جو خطرات درپیش ہیں، ان کی روحانی دنیا پر جن طوفانوں اور یورشوں کا اندیشہ ہے ان سے پناہ لینے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ متاعِ دین و ایمان یقیناً جسم اور جسمانی نعمتوں سے کہیں اہم اور بیش قیمت ہے، اس لیے جس ذاتِ پاک کے دامنِ عاطفت میں پناہ لینے کا حکم دیا جا رہا ہے اس کا تفصیلی تعارف کرا دیا گیا تاکہ ہر شخص اپنی ہمت اور ذہنی بالیدگی کے مطابق اس کی عظمت کا اعتراف کر سکے اور حسبِ حیثیت اسی ذوق و شوق سے اس کی پناہ لے۔

عام آدمی کی نگاہ فقط ان نعمتوں تک محدود رہتی ہے جو اس کی ظاہری نشوونما میں ممد و معاون ثابت ہوں۔ اگر اسے کھانا اچھا مل جائے، رہنے سہنے کے لیے آرام دِہ مکان میسر آجائے، الغرض اس کی روزمرہ کی ضروریات آسانی بلکہ فراوانی سے پوری ہوتی رہیں تو وہ مطمئن اور مسرور ہو جاتا ہے۔ معاشی حوائج کی سرحد سے آگے جھانکنے کی اس کو کبھی خواہش ہوتی ہے اور نہ اس میں ایسی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے رب الناس (لوگوں کا پروردگار) کے کلمات سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ تمہیں اسی ذات سے پناہ مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو تمہاری جملہ ضروریات کا کفیل ہے، جس کی مہربانی سے تمہاری زندگی محرومیوں اور مایوسیوں سے پاک ہو جائے گی تو وہ مطمئن ہو جاتے ہیں۔

لیکن تمام انسانوں کے حوصلے یہاں تک محدود نہیں ہوتے۔ بعض چاہتے ہیں کہ عدل و انصاف کی بالادستی ہو، کسی پر ظلم نہ کیا جائے، کسی کو اس کے جائز حقوق سے محروم نہ کیا جائے، اگر کوئی ظالم بننے کی کوشش کرے یا کسی کا حق غصب کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی تمام رعونتوں اور شوکتوں کو بالائے طاق رکھ کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں۔ یہ کام ایک با اختیار سلطان اور طاقتور حاکم ہی انجام دے سکتا ہے۔ اس لیے ان لوگوں کو بتایا کہ جس کی پناہ لینے کا تمہیں درس دیا جا رہا ہے وہ صرف تمہاری معاشی ضروریات کا کفیل ہی نہیں بلکہ وہ بادشاہ اور فرمانروا بھی ہے۔ اس کا حکم ہر وقت، ہر جگہ، ہر چیز پر نافذ ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ

بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے ۔ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے

کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے۔ وہ عادل اور منصف ہے۔ کسی پر جبر و تشدد اس کا شیوہ ہی نہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو ایسے عظیم سلطان کا تعارف مَلِكِ النَّاسِ کے کلمات سے کرایا گیا تاکہ ان کا اضطراب دُور ہو جائے۔

تیسرے اور اعلیٰ قسم کے وہ لوگ ہیں جو محض اس لیے اس سے محبت کا دم بھرتے ہیں، محض اس لیے اس کے دامن عاطفت کے سایہ کے طلب گار ہیں کہ وہ ان کا معبود ہے۔ وہ بھوک برداشت کر سکتے ہیں، وہ فقر و مسکینی پر راضی برضا رہ سکتے ہیں، وہ طاغوتی قوتوں کے ہر جبر و ستم کے سامنے خوشی سے اپنا سینہ تان سکتے ہیں، ان کے ہونٹ حرفِ شکایت سے بھی آشنا نہیں ہوتے، وہ فقط اس لیے اس سے پیار کرتے ہیں کہ وہ معبودِ برحق ہے، وہ ان کا خداوندِ کریم ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے اِلٰهِ النَّاسِ کے مبارک کلمے ذکر کیے گئے۔

جب انسان اللہ تعالیٰ کو اس کی ان تینوں صفات کمالیہ سے پہچان لیتا ہے تو وہ اسی کی جناب میں فریاد کرتا ہے کہ اے میرے پروردگار! اے ملکوت السموات والارض کے حقیقی فرمانروا! اے ہر جگر سوختہ اور دلِ خستہ کے عشق و مستی کے مرکز! مجھے ہر قسم کے شیاطین کی چیرہ دستیوں سے بچا۔ ان کی وسوسہ اندازیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت عطا فرما اور اس نحیف و نزار کی دستگیری کر اور اسے اس کی منزل تک پہنچا۔ جب یہ سعادت اسے حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی اولوالعزمی کی شان قابلِ دید ہوا کرتی ہے۔ حضرت ہاجرہ سے شیطان آ کر کہتا ہے، جانتی ہے ابراہیم تیرے لختِ جگر کو آج نہلا دھلا کر اسے ذبح کرنے کے لیے لے جا رہا ہے؟ ہاجرہ نے کہا: پاگل تو نہیں ہو گئے، کبھی باپ بھی اپنے بیٹے کو ذبح کیا کرتا ہے؟ پھر وہ باپ جس کو بڑھاپے میں یہ چاند سے حسین تر بچہ نصیب ہوا ہو۔ اس نے کہا اس کے خدا نے اسے حکم دیا ہے کہ اپنے بچے کو ذبح کر دے۔ یہ سن کر ہاجرہ نے بڑی بے نیازی سے کہا اگر میرے رب کا حکم ہے تو ایک اسماعیل کیا لاکھوں اسماعیل اس کی رضا کے لیے قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہاں لوگوں کی حالت ہوتی ہے جنہیں ربِّ کریم اپنی پناہ میں لے لیا کرتا ہے۔

۲؎ وسوسہ، حدیث نفس کو کہتے ہیں۔ وسواس: دل میں طرح طرح کے خیالات ڈالنے والا۔ خناس: پیچھے کھسک جانے والا، دبک جانے والا۔

جب کوئی شخص کسی کو اس کی افتادِ طبع کے خلاف کسی کام پر اکساتا ہے تو اس کا پہلا ردعمل بڑا شدید ہوتا ہے۔ وہ بڑی حقارت سے اس خیال کو جھٹک دیتا ہے۔ ہر وسوسہ انداز اصرار نہیں کرتا بلکہ پیچھے کھسک جاتا ہے۔ بظاہر پسپائی اختیار کر لیتا ہے پھر موقع ملنے پر وہی بات اس کے کانوں میں ڈالتا ہے۔ اگر وہ پھر بھی تیوری چڑھا لے تو وہ دبک جاتا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے آہستہ آہستہ اس کا ردعمل کمزور ہونے لگتا ہے، یہاں تک کہ وہ دن آ جاتا ہے کہ یہ شخص جس بات پر پہلی بار برافروختہ ہو گیا تھا اور خود لپک کر اس کی طرف بڑھتا ہے۔ شیطان کا یہی طریقہ ہے۔ وہ انسان کو گمراہ کرنے کی کوششوں سے تھکتا نہیں بلکہ انتھک کوشش

صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

لوگوں کے دلوں میں - خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے ۔

جاری رکھتا ہے کبھی حملہ کرتا ہے کبھی وقتی پسپائی اختیار کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بڑے سے بڑے زیرک انسان کو اگر اسے اپنے رب کی پناہ حاصل نہ ہو تو چاروں شانے چت گرا دیتا ہے۔ اس کی ان دونوں چالوں کو وسواس اور خناس کے الفاظ استعمال کرکے بیان کر دیا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب شیطان انسان کو ذکر الٰہی سے غافل پاتا ہے تو اس کے حملے شروع ہو جاتے ہیں اور جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کسی کونے میں چھپ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے کوئی چور نقب لگا رہا ہو اور کہیں سے روشنی نمودار ہو جائے تو وہ نقب لگانا بند کر دیتا ہے اور ایک بے جان پتھر کا روپ دھار لیتا ہے اور جب روشنی بجھ جاتی ہے تو پھر اپنا شغل شروع کر دیتا ہے۔

۳؎ اس کی وسوسہ اندازی بڑے ماہرانہ اور عیارانہ انداز سے ہوتی ہے چپکے سے وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ وہاں کی پرسکون فضا میں تلاطم برپا کر دیتا ہے۔ وسوسہ اندازی کا یہ دھندا جنوں اور انسانوں میں سے شریر نفوس دونوں کرتے ہیں۔ ایسے افراد کو قرآن کی اصطلاح میں شیاطین کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ بیشک بندے کو جب تک اللہ تعالیٰ کی پناہ نہ ملے اس کی متاع جان و ایمان کا محفوظ رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

الٰہی! تیرا یہ عاجز بندہ جس کا علم بھی ناقص، فہم بھی نارسا، ہمت بھی پست اور قوت مدافعت بھی نہ ہونے کے برابر ہے اسے اپنی پناہ میں لے لے۔

میرا ایمان، میرا یقین، میرا ذوق، میرا شوق، تیرے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کی ایک شمع آتی ہوئی شمع، سب تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ اپنی توفیق سے اپنی اس کتاب مقدس کی خدمت کی جو سعادت تو نے اس ذرہ ناچیز بندہ بےکس کو ارزانی فرمائی ہے اسے قبول فرما!

تیرے محبوب بندے حضرت غوث الاعظم سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہ کے یہ دو شعر یہ روسیاہ بھی خدمت عالی میں پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔

ایہد رکنی ضیم وانت ظہیری ۔۔۔ أأظلم فی الدنیا وانت نصیری

فعار علی حامی الحمی وھو قادر ۔۔۔ اذا ضاع فی البیدا عقال بعیری

الٰہی! اس ناچیز بندے پر رحم فرما۔ اسے نگاہ لطف وکرم سے ہمیشہ نواز! اس کی خطاؤں کو بخش دے۔ اس کے ماں باپ کو بخش دے! ان کے درجات کو بلند فرما! اس کے اہل و عیال کو بخش دے! اس کے احباب گرامی کو بخش دے۔ دار العلوم محمدیہ

غوثیہ کے اساتذہ، طلبہ اور اس کے معاونین کو بخش دے۔ ضیاء القرآن کو شرف قبول عطا فرما۔ اس کو اپنے بندوں کی ہدایت کا سبب بنا۔ اور مجھ خطاکار و روسیاہ کی بخشش کا سامان بنا!

الحمد لله رب العالمين الرحمن الرحيم مالك يوم الدين اياك نعبد و
اياك نستعين اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم
غير المغضوب عليهم ولا الضالين آمين۔

اللهم صل على حبيبك الاكرم ونبيك المعظم ورسولك المحتشم حبيبي
وقرة عيني وسرور قلبي ملجائي وملاذي في الدارين سيدي وسيد الخلائق
محمد منبع الجود والكرم من الصلوات اطيبها ومن التسليمات ازكاها
ومن البركات اسناها ومن التحيات اجملها وعلى آله الكرام واصحابه العظام و
من احبه واتبعه الى يوم الدين۔ اللهم اجعلنا من احباءه ومن خدام دينه وانصار
شريعته وارزقنا محبته واحشرنا في زمرته تحت لواء الحمد يا ارحم
الراحمين۔

رب اوزعني ان اشكر نعمتك التي انعمت علي وعلى والدي وان اعمل صالحا
ترضاه واصلح لي في ذريتي اني تبت اليك واني من المسلمين۔

فاطر السموات والارض انت وليي في الدنيا والآخرة توفني مسلما والحقني
بالصالحين۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدي وحبيبي
محمدا عبده ورسوله۔

سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔

لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم۔

اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار پر توکل کرتے ہوئے یہ نحیف و ضعیف مسافر جس منزل کی طرف ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ
بروز دوشنبہ ۱۹ فروری ۱۹۶۲ء روانہ ہوا تھا اپنے کریم و رحیم اور عزیز و حکیم پروردگار کی توفیق سے آج بتاریخ ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۹۹ھ
بروز جمعرات ۲۳ اگست ۱۹۷۹ء اس منزل پر اس ساعت سعید میں پہنچا جب مؤذن عصر کی اذان میں

اشهد ان محمدا رسول الله

کا پرزور اور جاں افروز اعلان کر رہا ہے۔ میں بھی اعلان کرتا ہوں:

اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ

اشہد ان محمدا رسول اللّٰہ

اللّٰھم صل وسلم وبارک علی طور التجلیات الاحسانیۃ ومھبط الانوار الرحمانیۃ

عبدک وحبیبک محمد

وعلی الہ واصحابہ ومن احبہ واتبعہ الی یوم الدین

عبدک المسکین

محمد کرم شاہ

تحقیقاتِ لغویہ

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
ا ـــــــ		
أثِر	۵۴	۲۱
آنام	۵۵	۱۰
الآء	۵۵	۱۳
المومن	۵۹	۳۵
آنٍ	۵۵	۳۳
اجاج	۵۶	۲۷
یأنِ	۵۷	۲۱
الامیین	۶۲	۲
یؤفکون	۶۳	۸
أنّی	۶۳	۸
مؤتفکٰت	۶۹	۸
ارائک	۷۶	۱۶
استبرق	۷۶	۲۰
اسرھم	۷۶	۲۷
أیّانَ	۸۰	۱۴
الأخدود	۸۵	۴
آنیۃ	۸۸	۳
ابابیل	۱۰۵	۴
احد	۱۱۲	۱
مؤتفکۃ	۵۳	۴۹
أزفت الآزفۃ	۵۳	۵۳

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
استبرق	۵۵	۳۸
ب ـــــــ		
تبوّؤا	۵۹	۱۷
باری	۵۹	۳۷
بطائن	۵۵	۳۸
بُسّت	۵۶	۵
منبثّا	۵۶	۵
تبارک	۶۷	۱
تبتّل	۷۳	۸
بشر	۷۴	۱۸
بَرِق	۷۵	۷
بصیرا	۷۵	۱۱
باسرۃ	۷۵	۱۴
ابرار	۷۶	۸
بعثرت	۸۱	۴
بیّنۃ	۹۸	۱
ابتر	۱۰۸	۳
ت ـــــــ		
مترفین	۵۶	۱۴
ترائب	۸۶	۴
متربۃ	۹۰	۱۰

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
مُختال	۵۷	۲۹
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ	۶۳	۵
خَاسِئًا	۶۷	۶
خُلُقٍ	۶۸	۴
د ـــــ		
دَنَا فَتَدَلّٰى	۵۳	۹
دُسُرٍ	۵۴	۱۹
الدِّهَانِ	۵۵	۳۱
مُدْهَامَّتَانِ	۵۵	۴۴
مُدْهِنُوْنَ	۵۶	۳۵
مَدِيْنِيْنَ	۵۶	۳۹
الدُّنْيَا	۶۷	۷
تُدْهِنُ	۶۸	۷
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ	۶۸	۲۱
دُكَّتَ	۶۹	۱۱
دَانِيَةٌ	۶۹	۱۴
اَدْرِیْ	۷۲	۲۳
مُدَّثِّرُ	۷۴	۱
الدَّهْرِ	۷۶	۱
دِهَاقًا	۷۸	۲۴
دَحٰهَا	۷۹	۳۱
دَسّٰهَا	۹۱	۱۰
دَمْدَمَ	۹۱	۱۳
يَدُعُّ	۱۰۷	۲

	سُورۃ	حاشیہ نمبر
ذ ـــــ		
ذَلُوْلًا	۶۷	۱۹
ذَرَأَ	۶۷	۳۱
ذَا غُصَّةٍ	۷۳	۱۲
ذُلِّلَتْ	۷۶	۱۴
ر ـــــ		
رَاوَدُوْهُ	۵۴	۲۴
الرَّحْمٰنُ	۵۵	۱
رَيْحَانٌ	۵۵	۱۲
رَفْرَفٍ	۵۵	۳۷
رُجَّتِ	۵۶	۴
تَرَبَّصْتُمْ	۵۷	۱۹
رَهْبَانِيَّةً	۵۷	۳۳
رِكَابٍ	۵۹	۱۰
رُجُوْمًا	۶۷	۸
رَابِيَةً	۶۹	۹
تَرْجُوْنَ	۷۱	۱۱
رَهَقًا	۷۲	۷
رَتِّلِ	۷۳	۳
الرُّجْزَ	۷۴	۵
سَأُرْهِقُهُ	۷۴	۱۳
رَهِيْنَةٌ	۷۴	۲۸
التَّرَاقِيَ	۷۵	۱۷
مِرْصَادًا	۷۸	۱۸
رَادِفَةُ	۷۹	۷

	سورة	حاشیہ نمبر
رین	۸۳	۴
رحیق	۸۳	۷
الروح	۹۷	۴
ز		
زاغ	۵۳	۱۸
مزدجر	۵۴	۶
ازدجر	۵۴	۱۲
زنیم	۶۸	۸
زعیم	۶۸	۱۷
المزمل	۷۳	۱
زمهریر	۷۶	۱۶
زرابی	۸۸	۶
زبانیة	۹۶	۹
زلزلت	۹۹	۱
زرتم	۱۰۲	۲
س		
سامدون	۵۳	۵۷
سُعُرٌ	۵۴	۲۱
سلطان	۵۵	۲۷
مسکوب	۵۶	۱۲
سموم	۵۶	۱۵
مسبوقین	۵۶	۲۱
سبّح	۵۷	۱
السلام	۵۹	۳۵
اسفار	۶۲	۶

	سورة	حاشیہ نمبر
سائحات	۶۶	۸
أسلفتم	۶۹	۱۷
یستمع	۷۲	۲
یسلکه	۷۲	۱۶
سبحًا	۷۳	۶
سُدًی	۷۵	۲۲
سندس	۷۶	۲۰
سباتًا	۷۸	۷
سرابًا	۷۸	۱۷
سیرت	۷۸	۱۷
السابقات	۷۹	۳
الساهرة	۷۹	۱۲
سمکها	۷۹	۱۹
سفرة	۸۰	۶
سجین	۸۳	۳
مسغبه	۹۰	۱۰
سجی	۹۳	۲
لنسفعًا	۹۶	۹
ش		
الشعری	۵۳	۴۷
شرب	۵۴	۲۱
اشیاعکم	۵۴	۲۵
شواظ	۵۵	۲۸
مشئمة	۵۶	۶
الشح	۵۹	۲۰

	سُورة	حاشیہ نمبر
شکور	۴۲	۲۶
شهیقا	۶۷	۱۰
شرکاء	۶۸	۱۷
الشوٰی	۷۰	۱۲
شطط	۷۲	۵
شٰمخٰت	۷۷	۱۳
شتّٰی	۹۲	۲
الم نشرح	۹۳	۱
شانئ	۱۰۸	۳
ص ـــــــ	.	
صاحب	۵۳	۲
المصور	۵۹	۳۷
صلصال	۵۵	۱۴
یصدّعون	۵۶	۹
صدّوا	۶۳	۳
صغت	۶۶	۵
صٰفّٰت	۶۷	۲۳
الصریم	۶۸	۱۱
صرصر	۶۹	۶
صبّا	۸۰	۱۶
الصاخة	۸۰	۱۷
المصیطر	۸۸	۹
ض ـــــــ		
ضلّ	۵۳	۲
ضیزٰی	۵۳	۲۱

	سُورة	حاشیہ نمبر
الضنین	۸۱	۱۷
ضریع	۸۸	۵
ضحٰی	۹۱	۱
ضحٰی	۹۳	۱
تضلیل	۱۰۵	۳
ط ـــــــ		
طغٰی	۵۳	۱۸
طمسنا	۵۴	۲۲
طلع	۵۶	۱۲
طباقا	۶۷	۵
طائف	۶۸	۱۱
طاغیة	۶۹	۵
اطوارا	۷۱	۱۲
طرائق	۷۲	۱۰
طمست	۷۷	۳
مستطیرا	۷۶	۱۱
الطامة	۷۹	۲۳
طارق	۸۶	۱
طغٰی	۹۱	۶
ظ ـــــــ		
یظاهرون	۵۸	۱
ظهیر	۶۶	۷
ع ـــــــ		
عسر	۵۴	۱۱
تعاطٰی	۵۴	۲۱

	سُورۃ	حاشیہ نمبر		سُورۃ	حاشیہ نمبر
لَفَتُونَا بِكُم	۹۰	۷	لبّوا	۷۶	۲۷
يكفّر	۶۶	۱۲	مُلْتَحَدًا	۷۲	۲۰
كَرّتين	۶۷	۶	لواحة	۷۳	۱۸
كُبّار	۷۱	۱۷	لوامة	۷۵	۲
كثيبًا	۷۳	۱۳	لقّی	۷۶	۱۵
الكُبَر	۷۴	۲۵	لِبَدًا	۸۹	۱۳
كِفَاتًا	۷۷	۱۲	لُبَدًا	۹۰	۵
كذّابًا	۷۸	۳	أَلْهَمَهَا	۹۱	۸
كِذَّابًا	۷۸	۲۲	لُمَزَة	۱۰۴	۱
كواعب	۷۸	۲۳	م		
كُوّرت	۸۱	۱	مِرَّة	۵۳	۶
انكدرت	۸۱	۲	تُمَارُونَهُ	۵۳	۱۳
كُشِطَت	۸۱	۹	تَمَارَی	۵۳	۵۱
الكُنَّس	۸۱	۱۱	مستمر	۵۴	۳
كادح	۸۴	۶	تماروا	۵۴	۲۲
الكبد	۹۰	۳	المزن	۵۶	۲۵
اكرم	۹۶	۳	مارج	۵۵	۱۵
كنود	۱۰۰	۲	مَرَج	۵۵	۱۸
التكاثر	۱۰۲	۱	مقتًا	۶۱	۳
كيد	۱۰۵	۳	تميّز	۶۷	۱۰
الكوثر	۱۰۸	۱	تمور	۶۷	۲۱
كُفُوًا	۱۱۲	۴	ممنون	۶۸	۳
ل			مهين	۶۸	۸
لمم	۵۳	۳۳	مشاء بنميم	۶۸	۸
الواح	۵۴	۱۶	المهل	۷۰	۷

بمنّه تعالیٰ و فضله تم الشروع العظیم والحمد للہ رب العالمین
والصلوٰۃ والسلام علی رحمۃ للعلمین وعلی اله واصحابه اجمعین

محمد کرم شاہ
دربار شریف بھیرہ

۱۵ صفر المظفر سنہ ۱۴۰۰ھ
۴ جنوری سنہ ۱۹۸۰ء

تحقیقاتِ نحویّہ

فہرست مطالب

اللہ جل مجدہ

سورۃ	آیت		سورۃ	آیت	
		توحید			**دلائل توحید**
۵۹	۲۲	اُس کے سوا اور کوئی خدا نہیں	۵۵	۵	شمس و قمر حساب کے مطابق گرم سیر ہیں
۵۹	۲۳	[نقطے]	۷۸	۱۳	سُورج کو روشنی اور گرمی کا منبع بنایا
۶۴	۱۳	[نقطے]	۵۵	۶	ستارے اور درخت اسی کو سجدہ کرتے ہیں
۷۳	۹	[نقطے]	۵۵	۷	اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور میزان عدل قائم کیا۔
۱۱۲	۱ تا آخر سورۃ	وہی ایک خدا ہے قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ	۶۴	۳	اُسی نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔
۵۷	۱	زمین و آسمان کی ہر چیز اُسی کی تسبیح کرتی ہے			
۵۹	۲۴	[نقطے]	۶۵	۱۲	وہی ساتوں آسمانوں اور زمین کا خالق ہے ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے
۶۱	۱	زمین و آسمان کی ہر چیز اُسی کی پاکی بیان کرتی ہے۔			
۶۲	۱	[نقطے]	۶۷	۳، ۴	آسمانوں کی ایسی تخلیق فرمائی کہ تلاش بسیار کے باوجود ان میں تمہیں کوئی عیب نظر نہیں آئے گا۔
۶۴	۱	[نقطے]			
۵۹	۲۲، ۲۳، ۲۴	اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ			
۶۷	۱	اُس کی ذات بڑی برکتوں والی ہے	۶۷	۵	آسمانوں کو ستاروں سے آراستہ کیا
۵۵	۲۷	اللہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ ذوالجلال والاکرام ہے۔	۶۷	۵	ستاروں کو رجوماً للشیاطین بنایا
۵۵	۲۶	اُس کے سوا ہر چیز فانی ہے	۶۷	۱۵	زمین کو اُسی نے نرم بنایا۔ تم اس کی سطح پر چلتے ہو اس کے خوانِ کرم سے اپنا رزق کھاتے ہو۔

	سُورۃ	آیت
کیا زمین سے پہلے آسمان کی تخلیق ہوئی	۷۹	۳۰ حاشیہ
آسمان، پہاڑ، زمین سب اس کی قدرت کی جلوہ گاہیں ہیں	۸۸	۱۸، ۱۹، ۲۰
اُسی نے زمین کو بچھونا بنایا اور پہاڑوں کو میخیں۔	۷۸	۶-۷
اُسی نے تمہارے اُوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔	۷۸	۱۲
قطرۂ آب سے اِنسان کو اللہ ہی نے پیدا کیا۔	۵۶	۵۷-۵۸ ۵۹
اُسی نے اِنسان کو حسین صُورت سے نوازا	۶۴	۳
اُسی نے اِنسان کو پیدا کیا اور اسے سمع بصر اور قلب کی نعمتیں بخشیں۔	۶۷	۲۳
اُسی نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا ہے اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے	۶۷	۲۴
اُسی نے اِنسان کو حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا۔	۷۷	۲۰ تا ۲۳
اِنسانی تخلیق میں قدرتِ الٰہی کی حکمتیں	۸۰	۱۸ تا ۲۲
اِنسان کی بقا اور نشو ونما کے لیے دسترخوانِ نعمت بچھا دیا	۸۰	۲۴ تا ۳۲
اِنسان کے مویشیوں کے لیے چارے کا انتظام فرمایا۔	۸۰	۳۲

	سُورۃ	آیت
زمین، پھل، اناج، بھوسہ، پھول اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۵۵	۱۰-۱۱-۱۲
کھیتوں کو وُہی اُگاتا ہے	۵۶	۶۳ تا ۶۷
میٹھا پانی وُہی برساتا ہے	۵۶	۶۸ تا ۷۰
آگ اسی نے پیدا فرمائی ہے	۵۶	۷۱-۷۲
اُس کی توحید کے متعدد تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
. . . .	۷۹	۲۷ تا ۳۳
دو دریاؤں کا پانی پہلوں ساتھ ساتھ بہتا چلا جاتا ہے لیکن برزخ کے باعث مل نہیں سکتا	۵۵	۱۹-۲۰
ان سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں	۵۵	۲۲ مع حاشیہ
بڑے سمندری جہاز سطحِ آب پر تیرتے چلے جاتے ہیں۔	۵۵	۲۴
ہر چیز اس کے درِ کرم پر سوالی ہے ہر روز وُہ نئی شان سے تجلی فرماتا ہے	۵۵	۲۹ مع حاشیہ
فضا میں پرندوں کی پرواز اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں	۶۷	۱۹
اُونٹ کی طرف دیکھو اُسے کیسا بنایا	۸۸	۱۷
اُسی نے اپنے رسُول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا۔	۶۱	۹
اُسی نے اُمّیوں میں ایک جلیل القدر رسُول مبعوث فرمایا۔	۶۲	۲

صفاتِ الٰہی

علمِ الٰہی

	سورۃ	آیت
ان کے سارے اعمال صحیفوں میں مرقوم ہیں	۵۴	۵۲
ہر چھوٹی بڑی چیز ان میں لکھی ہے	۵۴	۵۳
اللہ تعالیٰ مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتا ہے	۵۶	۸۵
وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے (وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)	۵۷	۳
"	۵۸	۷
"	۶۴	۱۱
"	۶۵	۱۲
زمین میں جو داخل ہوتا ہے اور جو نکلتا ہے آسمان سے جو نازل ہوتا ہے اور جو عروج کرتا ہے اُسے وہ جانتا ہے۔	۵۷	۴
وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے	۵۷	۴
جو تم کرتے ہو اُسے دیکھ رہا ہے	۵۷	۴
وہ سینے کے رازوں کو جاننے والا ہے	۵۷	۶
جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۷	۱۰
"	۶۳	۱۱
"	۵۸	۱۱
"	۵۸	۱۳

	سورۃ	آیت
جو تم کرتے ہو اُس سے باخبر ہے (بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ)	۵۹	۱۸
"	۶۴	۸
اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے	۵۸	۱
اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے کہ کون اس کے رسولوں کی امداد کرتا ہے	۵۷	۲۵
تمام اعمال کو گن رکھا ہے	۵۸	۶
وہ ہر چیز پر گواہ ہے	۵۸	۶
زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے	۵۸	۷
"	۶۴	۴
وہ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے	۶۴	۴
"	۸۷	۷
وہ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے	۶۴	۴
اگر وہ تین ہوں تو چوتھا وہ ہوتا ہے اگر وہ پانچ ہوں تو چھٹا وہ ہوتا ہے الخ	۵۸	۷
وہ غیب و شہادت کا جاننے والا ہے	۵۹	۲۲
"	۶۴	۱۸
جو تم کرتے ہو وہ دیکھ رہا ہے	۶۰	۳
"	۶۴	۲
"	۶۷	۱۹
وہ علیم و حکیم ہے	۶۰	۱۰
"	۶۶	۲

	سُورۃ	آیت
وُہ علیم و حکیم ہے	۷۶	۳۰
تم آہستہ بات کرو یا بلند آواز سے، وُہ دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے	۶۷	۱۳
وُہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے اور لطیف و خبیر ہے	۶۷	۱۴
جو گمراہ ہیں وُہ اُن کو بھی جانتا ہے اور جو ہدایت یافتہ ہیں وُہ اُن سے بھی واقف ہے	۵۳	۳۰
" " " " " " " " "	۶۸	۷
وُہ ظالموں کو خوب جانتا ہے	۶۲	۷
جب تم شکم مادر میں تھے اللہ اس وقت بھی تمھیں جانتا تھا	۵۳	۳۲
وُہ متقیوں کو بھی جانتا ہے	۵۳	۳۲
ان کا رب اس دن اُن سے خوب باخبر ہوگا	۱۰۰	۱۱

رحمت و مغفرتِ الٰہی

	سُورۃ	آیت
وُہ رحمٰن ہے۔ اُسی نے قرآن سکھایا	۵۵	۱-۲
اُس کی شانِ رحمانیت	۵۵	۱ کا حاشیہ
اُس کی نعمتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا	۵۵	۱۳
زمین و آسمان کی ہر چیز اُس کے در کرم پر سوالی ہے	۵۵	۲۹
ہر روز وُہ ایک نئی شان سے تجلّی فرماتا ہے	۵۵	۲۹
اس کا نام بڑی برکت والا، وُہ عظمت والا اِحسان فرمانے والا ہے	۵۵	۷۸
اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ رؤف رحیم ہے	۵۷	۹
یہ اللہ کا فضل ہے وُہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے	۵۷	۲۱
اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے	۵۷	۲۱
اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے	۵۷	۲۸
" " " " " "	۵۸	۱۲
" " " " " "	۶۰	۷
" " " " " "	۶۰	۱۲
فضل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۹
وُہ صاحبِ فضلِ عظیم ہے	۵۷	۲۹
" " " "	۶۲	۴
اللہ تعالیٰ عفو غفور ہے	۵۸	۲
وُہ رحمٰن رحیم	۵۹	۲۲
اللہ تعالیٰ غنی حمید ہے	۶۰	۶
اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے۔ اسی پر ہم نے توکل کیا ہے	۶۷	۲۹
انسان کی کمزوری کے پیشِ نظر شب بیداری میں تخفیف کر دی	۷۳	۲۰ مع حاشیہ
وُہ اہل التقویٰ اور اہل المغفرۃ ہے	۷۴	۵۶
آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے	۵۳	۳۲
وُہ غفور، وَدُود اور عرشِ مجید کا مالک ہے	۸۵	۱۴-۱۵
راہنمائی کرنا ہمارے ذمۂ کرم پر ہے	۹۲	۱۲

وُہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے

	سُورۃ	آیت
ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرمایا	۵۴	۴۹
" " " " " " "	۶۵	۳

	سُورۃ	آیت
وہ بادشاہ ہے۔ قادرِ مطلق ہے	۵۴	۵۵
انسان کو اسی نے پیدا فرمایا	۵۵	۳
قطرۂ آب سے انسان کی تخلیق اسی کا شاہکار ہے	۵۶	۵۷ تا ۵۹
انسان کو پیدا کیا اور اسے حسن و جمال کا مرقع بنادیا۔	۶۴	۳
اپنے رب کا نام لے کر پڑھیے جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے تخلیق کیا	۹۶	۱
جس نے قلم کو ذریعہ علم بنایا	۹۶	۴
انسان کو اس کا علم دیا جس کو وہ نہیں جانتا	۹۶	۵
اسی نے موت کو تمہارے لیے مقرر فرمایا	۵۶	۶۰
موت و حیات کا وہی خالق ہے	۵۷	۲
آسمانوں اور زمین میں اسی کی بادشاہی ہے	۵۷	۲-۵
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا	۵۷	۴
وہ الملک القدوس ہے	۵۹	۲۳
[illegible]	۶۲	۱
وہی خالق، باری اور مصور ہے	۵۹	۲۴
زمین و آسمان کے خزانے اسی کے ہیں	۶۳	۷
ملک اور حمد اسی کے لیے ہے	۶۴	۱
آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔	۶۴	۳
ساتوں آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا	۶۵	۱۲
اس کے احکام کا ان میں ہر وقت نزول ہوتا رہتا ہے	۶۵	۱۲

	سُورۃ	آیت
سب بادشاہی اسی کے دستِ قدرت میں ہے	۶۷	۱
سات آسمانوں کو اوپر تلے پیدا کیا۔	۶۷	۳
وہ مشرق و مغرب کا رب ہے اسے اپنا کارساز بنائیے۔	۷۳	۹
وہی پیدا کرنے والا وہی لوٹانے والا ہے	۸۵	۱۳
جو چاہتا ہے کرتا ہے (فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ)	۸۵	۱۶
ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا پھر اسے درست کیا۔ اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اسے راہِ راست دکھائی۔	۸۷	۲-۳
جانوروں کے لیے چارہ پیدا کیا	۸۷	۴-۵
اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہے	۹۵	۸
دنیا و آخرت سب اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے	۵۳	۲۵
زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی ہے	۵۳	۳۱
اسی نے نر اور مادہ کو منی سے پیدا کیا	۵۳	۴۵-۴۶
ہر چیز پر قادر ہے		
وہی ہنساتا وہی رلاتا ہے	۵۳	۴۳
وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے	۵۳	۴۴
وہی دوسری بار پیدا فرمائے گا	۵۳	۴۷
وہی غنی کرتا ہے وہی مفلس بناتا ہے	۵۳	۴۸
وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے	۵۳	۴۹ مع حاشیہ
اسی نے عاد، ثمود اور قوم نوح کو برباد کیا	۵۳	۵۰، ۵۱، ۵۲

	سورۃ	آیت
اس کا ہر حکم چشم زدن میں پورا ہو جاتا ہے	۵۴	۵۰
وہ ملیک مقتدر ہے	۵۴	۵۵
وہ عزیز و حکیم ہے	۵۷	۱
"	۵۹	۲۴
"	۶۱	۱
"	۶۲	۱
"	۶۲	۳
"	۶۴	۱۸
وہی زندہ کرتا ہے وہی مارتا ہے	۵۷	۲
ہر چیز پر قادر ہے	۵۷	۲
"	۶۴	۱
"	۶۶	۸
"	۶۷	۱
دن کو رات میں، رات کو دن میں داخل کرتا ہے	۵۷	۶
اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے	۵۷	۱۷
وہ قوی عزیز ہے	۵۷	۲۵
"	۵۸	۲۱
وہ چاہے تو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر دے	۶۰	۷
کفار کی کوششوں کے باوجود اللہ اس دین کو روشن رکھے گا (واللہ متم نورہ)	۶۱	۸
اس نے اپنے رسول کو دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ سب دینوں پر اس دین حق کو غالب کر دے	۶۱	۹

	سورۃ	آیت
ہم چاہیں تو ان سے بہتر قوم لا سکتے ہیں آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے	۷۰	۴۱
اللہ تعالیٰ کن سے محبت کرتا ہے		
اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے	۶۰	۸
ان مجاہدوں سے محبت کرتا ہے جو صف باندھ کر باطل سے جنگ کرتے ہیں	۶۱	۴
وہ کن سے محبت نہیں کرتا		
مغرور اور شیخی باز سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا	۵۷	۲۳
جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں ان سے بھی محبت نہیں کرتا	۵۷	۲۴
وہ کسے ہدایت نہیں دیتا		
جو حق سے روگردانی کرے اللہ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے	۵۷	۲۴
وہ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۵
"	۶۳	۶
وہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا	۶۱	۷
"	۶۲	۵
متفرق		
وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن ہے	۵۷	۳

	سُورۃ	آیت
وُہ غنی حمید ہے	۵۷	۲۴
. . . .	۶۲	۹
وُہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے	۶۲	۱۱
جب وقت آجاتا ہے تو اللہ تعالےٰ کسی کو ڈھیل نہیں دیتا	۶۳	۱۱

	سُورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ شکور حلیم ہے	۶۴	۱۷
قیامت کے روز دیدارِ الٰہی	۷۵	۲۳ مع حاشیہ
ذکرِ الٰہی سے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے	۷۴	۱۹ مع حاشیہ
سب نے لَوٹ کر ہماری طرف آنا ہے	۸۸	۲۵
سب کا حساب ہم خود لیں گے	۸۸	۲۶

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نبوت و رسالت

	سورة	آیت
اللہ تعالیٰ معجزات اور کتاب دے کر رسول مبعوث کرتا ہے تاکہ وہ عدل قائم کریں	۵۷	۲۵
اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہیں لوہے کا ڈنڈا (قوتِ مادی) بھی عطا فرماتا ہے	۵۷	۲۵ مع حاشیہ
آخرکار اللہ اور اس کے رسولوں کو ہی غلبہ حاصل ہوتا ہے	۵۸	۲۱
دینِ حق غالب ہونے کے لیے آیا ہے	۶۱	۹
نبی کریم کی بعثت کے مقاصد تلاوتِ آیات تزکیہ قلوب، تعلیم کتاب و حکمت	۶۲	۲
نبی اللہ زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں	۶۲	۹ کا حاشیہ
اگر نبی خود کلام گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے تو اس کی رگِ جان کاٹ دی جائے	۶۹	۴۶
ابتدائی احکام۔ اٹھیے، لوگوں کو ڈرائیے اور اللہ کی بڑائی بیان کیجیے۔	۷۴	۲ تا ۷
آپ لوگوں کو نصیحت کیا کریں۔ جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ سمجھ جائے گا۔ بدبخت دور رہ جائے گا	۸۸	۲۱۔۲۲
ماضل صاحبکم وماغوی	۵۳	۲
آپ اپنی مرضی سے بات ہی نہیں کرتے	۵۳	۳۔۴

رحمت و خلق عظیم

	سورة	آیت
حضرت اوس بن صامت پر ظہار کا کفارہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رافت و شفقت	۵۸	۱ مع حاشیہ
مسلمان عورتوں کے لیے استغفار کا حکم (واستغفرلھن)	۶۰	۱۲
حضرت حاطب سے لغزش اور حضور کا درگزر	۶۰	۱
فیضانِ نبوت فضلِ الٰہی ہے جس کو جاہتا ہے اُسے اس سے سرفراز فرماتا ہے	۶۲	۴
حضور اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتے ہیں	۶۵	۱۱
رحمت فراواں کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منافقین پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے (واغلظ علیھم)	۶۶	۹
حضور خلقِ عظیم کے مالک ہیں خلق کی تعریف اور دیگر مباحث اس آیت کے حاشیے میں ملاحظہ فرمائیں۔	۶۸	۴
کفار نے نزولِ عذاب کی دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب تک میرا حبیب تم میں ہے میں عذاب نازل نہیں کروں گا	۷۰	۱ کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
آپ صبرِ جمیل فرمائیے	۷۰	۵
اے حبیب! آپ کفار کی دل آزاریوں پر صبر فرمائیں	۷۳	۱۰ ـ ۱۱
حضورؐ کی شفاعت گنہگاروں کے لیے حق ہے۔ اس کا منکر اس سے محروم ہوگا	۷۴	۴۸ کا حاشیہ
فقراء سے حضورؐ کی محبت	۸۰	۱ تا ۱۰
اپنی اُمّت کی مغفرت کے لیے دُعائیں	۹۳	۵ مع حاشیہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پچاس دن پہلے ابرہہ کی لشکر کشی اور اُس کی تباہی کا واقعہ پیش آیا	۱۰۵	۱ تا ۵
قریش پر احسان کہ ان کے دلوں میں تجارت کی اُلفت پیدا کر دی اور انھیں فاقہ کشی سے خوشحالی بخشی اور قتل و فساد سے امان دی	۱۰۶	۱ تا ۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی اُمّت کے لیے استغفار کا حکم	۱۱۰	۳

شانِ مصطفیٰ

	سورۃ	آیت
معجزہ شق القمر، اس کا نقلی و عقلی ثبوت	۵۴	۱ مع حاشیہ
حضورؐ جن و انس کے نبی ہیں	۵۵	۱۵ کا حاشیہ
حضورؐ کا معراج پر تشریف لے جانا	۵۵	۳۳ کا حاشیہ
اپنے عظیم پروردگار کی آپ تسبیح بیان کیا کیجیے	۵۶	۹۶ حاشیہ
حضورؐ سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیا کرو	۵۸	۱۲
حضرت عیسیٰ نے حضورؐ کا نام (احمد) بتا کر آمد کی بشارت دی	۶۱	۶
نامِ نامی احمد کا مفہوم، تفصیلی حاشیہ	۶۱	۶ مع حاشیہ
کفار چراغِ مصطفوی کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن اللہ اسے روشن رکھے گا	۶۱	۸
اللہ نے اپنے رسولؐ کو نورِ ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو سب دینوں پر غلبہ حاصل ہو	۶۱	۹
فیضانِ نبوت، تلاوتِ آیات، تزکیہ قلوب، تعلیمِ کتاب و حکمت	۶۲	۲
قیامت تک آنے والے اُمّتی فیضانِ نبوت سے فیض یاب ہوتے رہیں گے (وآخرین منھم لما یلحقوا بھم)	۶۲	۳ مع حاشیہ
جمعہ کے روز کثرت درود شریف پڑھنے کا حکم اور عقیدہ حیات النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام	۶۲	۹ کا حاشیہ
عزت اللہ کے لیے، اس کے رسولؐ کے لیے اور مومنین کے لیے ہے	۶۳	۸
فی کل ارض آدم کآدم ونوح کنوح ونبی کنبیکم یہ حدیث موضوع ہے اس کا راوی کذاب ہے	۶۵	۱۲ کا حاشیہ
پیار بھی ہے اور عتاب بھی دونوں کی مٹھاس ناقابلِ بیان ہے (لِمَ تحرم ما احل اللہ لک)	۶۶	۱ مع حاشیہ
اس آیت کا شانِ نزول	۶۶	۱ حاشیہ
اللہ آپ کا مددگار ہے	۶۶	۱

	سورۃ	آیت
آپ کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کو ذریعۂ علم بنایا جس نے انسان کو علم سکھایا	۹۶	۳-۴-۵
حضور کی ولادت کے سال ابرہہ کو شکست دی اور کعبہ کی حفاظت فرمائی	۱۰۵	۱ تا ۵
ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا	۱۰۸	۱
کوثر کی تشریح اور اس کے مطالب	۱۰۸	۱ کا حاشیہ
فصل لربک سے حضور کی امتیازی شان کا بیان	۱۰۸	۲ کا حاشیہ
آپ کا دشمن ابتر ہے	۱۰۸	۳
حضور کے طفیل ناقص نعمتوں کی تکمیل	۱۱۰	۳
بارگاہِ رسالت کے گستاخ ابولہب اور اس کی بیوی کا دردناک انجام، گستاخوں پر غضبِ الٰہی	۱۱۱	۱ تا ۵
معراج شریف		
تابندہ ستارے (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی قسم	۵۳	۱
وہ وحی کے بغیر بولتے ہی نہیں	۵۳	۳-۴
آپ کو تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۵۳	۵-۶
دنیٰ فتدلیٰ کا مفہوم	۵۳	۸ کا حاشیہ
قاب قوسین او ادنیٰ کی تشریح	۵۳	۹
وحی فرمائی اپنے بندے کی طرف جو وحی فرمائی (جملہ علوم کا بیان)	۵۳	۱۰ مع حاشیہ
آنکھ نے جو دیکھا دل نے اس کی تصدیق فرمائی	۵۳	۱۱

	سورۃ	آیت
اس پر تمہارا جھگڑنا بے سود ہے	۵۳	۱۲
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دوبارہ دیکھا	۵۳	۱۳-۱۴-۱
- - - - - -		۱۵-۱۶
آنکھ نہ درماندہ ہوئی نہ حد سے بڑھی	۵۳	۱۷
کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیلۃ المعراج کو دیدارِ الٰہی کیا۔ مفصل بحث	۵۳	۱۷ کا حاشیہ
حضور نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں	۵۳	۱۸
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا علم		
اللہ تعالیٰ ہی نے حضور کو قرآن اور اس کا بیان سکھایا	۵۵	۲-۴
تعلیمِ الٰہی سے علوم کے سمندر موجزن ہو گئے	۵۵	۳ مع حاشیہ
بیان سے مراد علم ماکان و مایکون ہے	۵۵	۴ مع حاشیہ
حضرت عکاشہ ان ستر ہزار میں سے ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے (ارشادِ نبوی)	۵۵	۲۹ کا حاشیہ
حضور روزِ حشر اپنی امت کو پہچان لیں گے	۵۷	۱۲ کا حاشیہ
علمِ نبوت، تعلیمِ الٰہی	۶۲	۲ حاشیہ
ماکان و مایکون کا علم عطا ہوا	۶۸	۴ حاشیہ
قل ان ادری اقریب الآیۃ میں درایت کی نفی ہے۔ درایت کی تحقیق	۷۲	۲۵ حاشیہ
عالم الغیب فلا یظہر ۔ الآیۃ	۷۲	۲۶
غیب کی تحقیق۔ حضور کا علمِ غیب باعلام اللہ تعالیٰ ہے	۷۲	۲۶ حاشیہ
آپ غیب بتانے میں بخیل نہیں	۸۱	۲۴ مع حاشیہ

اسلام

	سُورۃ	آیت
اسلام		
صحابہ کرام کس طرح اور کن امور پر بیعت اسلام کیا کرتے تھے	۵۷	۸ کا حاشیہ
دلوں میں خشوع پیدا کرنے کی ضرورت	۵۷	۱۶ کا حاشیہ
اسلام میں رہبانیت کا مقام	۵۷	۲۷ کا حاشیہ
اسلام میں رہبانیت نہیں ہے	۷۳	۸
کفار اللہ کے نور (اسلام) کو بجھانا چاہتے ہیں لیکن یہ روشن رہے گا	۶۱	۸
توبہ نصوح کرنے کا حکم اور اس کے اثرات	۶۶	۸
اسلام کا نظام عبادات انسان کی فطری کمزوریوں کی اصلاح کر کے اس کی کایا پلٹ دیتا ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جاتا	۵۳	۳۸
لیس للانسان الا ما سعی۔ اس کا صحیح مفہوم، اس کی غلط تاویلیں اور ان کی تردید	۵۳	۳۹
ایصال ثواب کی تفصیلی بحث	۵۳	۳۹ کا حاشیہ
اسلامی اخلاق و آداب		
اپنی خودستائی مت کرو	۵۳	۳۲
ہر شخص کو اپنی جدوجہد کی پوری جزا ملتی ہے	۵۳	۴۰-۴۱

	سُورۃ	آیت
نیکی کے کاموں اور تقویٰ کے لیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹
مسلمانوں کو اللہ پر توکل کرنا چاہیے	۵۸	۱۰
مجلس میں کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھا کرو	۵۸	۱۱
جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو	۵۸	۱۱
جس کو بخل (شح) سے بچایا گیا اس نے فلاح پائی	۵۹	۹
" " " " " " " " "	۶۴	۱۶
وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں	۶۱	۱
یہ چیز اللہ کی ناراضگی کا باعث ہے	۶۱	۳
اللہ پر توکل اہل ایمان کا شیوہ ہے	۶۴	۱۳
خوشی میں شکر، مصیبت میں صبر مومن کا طرۂ امتیاز ہے	۶۴	۱۱ کا حاشیہ
عفو و درگزر سے اللہ کی رحمت ملتی ہے	۶۴	۱۴
جو اللہ پر توکل کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہے	۶۵	۳ مع حاشیہ
اولاد کی حسن تربیت کا حکم	۶۶	۶ کا حاشیہ
سحر خیزی کی ترغیب	۷۳	۷ کا حاشیہ
مسلمان تاجر ذخیرہ اندوزی سے اجتناب کریں	۷۳	۲۰ کا حاشیہ

انبیاء علیہم السلام

	سُورۃ	آیت
آپ کا کشتی میں سوار ہونا اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں روانہ ہونا	۵۴	۱۴-۱۳
ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا اور نبوت و کتاب سے اس کی نسل کو بھی سرفراز کیا	۵۷	۲۶
حضرت نوح کی بیوی۔ اس کی خیانت اور انجام	۶۶	۱۰
حضرت نوح کو ان کی قوم کی طرف ڈرانے کے لیے بھیجا گیا ہے	۷۱	۱
آپ کا نسب نامہ، آپ کے آبا سب مومن تھے	۷۱	۱ حاشیہ
آپ کا وعظ	۷۱	۴-۳-۲
بارگاہِ الٰہی میں آپ کی فریاد	۷۱	۷-۶-۵
" " " " " "	۷۱	۲۱
آپ کا وعظ، اس میں عقلی اور تکوینی دلائل	۷۱	۸ تا ۲۰
کفار کے لیے بد دعا کہ ان کا نام و نشان مٹا دے	۷۱	۲۶

	سُورۃ	آیت
ان پانچ بتوں کی تحقیق جن کی عبادت قوم نوح کیا کرتی تھی	۷۱	۲۳ مع حاشیہ
آپ کی اپنے لیے، اپنے والدین اور اہل ایمان کے لیے دعا	۷۱	۲۸
ہُود علیہ السلام		
قوم عاد نے آپ کو جھٹلایا	۵۴	۱۸
قوم عاد کا دردناک انجام	۵۴	۲۰-۱۹
عاد نے قیامت کو جھٹلایا	۶۹	۴
ان پر سات رات آٹھ دن آندھی چلتی رہی جس نے ان کو تباہ کر دیا	۶۹	۸-۷-۶
قوم عاد ارم ذات العماد۔ ان کا جو انجام ہوا کیا تم اسے جانتے ہو	۸۹	۸-۷-۶
یُونس علیہ السلام		
یونس علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم نے ان کی چارہ سازی کی۔ انہیں چن لیا اور نیکوں میں شامل کر لیا۔	۶۸	۴۸ تا ۵۰

انسان

اس کی عظمت کا قرآنی تصور

	سورۃ	آیت
فلطیاں سرسبز ہوتی رہتی ہیں	۸۲	۹
ہر شخص اپنے نیک یا بد اعمال کی انجام دہی میں کوشاں رہتا ہے۔ موت کے بعد اس کا پورا اجر یا سزا اسے ملتی ہے	۸۴	۶
ہر انسان کے لیے محافظ مقرر کر دیے گئے ہیں	۸۶	۴ تا ۱
انسان کی تخلیق اس پانی سے ہوتی ہے جو صلب اور ترائب کے درمیان میں سے نکلتا ہے	۸۶	۷،۶،۵
یخرج من بین الصلب والترائب کی تشریح	۸۶	۷ کا حاشیہ
انسان کو کبھی انعامات سے آزمایا جاتا ہے اور کبھی آلام و مصائب سے	۸۹	۱۶-۱۵
دولت کی کثرت اللہ کی رضا اور قلت اس کی ناراضگی کا معیار نہیں ہے	۸۹	۱۶ حاشیہ
انسان کو محنت و مشقت کی زندگی گزارنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے	۹۰	۴
انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات:- دو آنکھیں، زبان، دو ہونٹ، نیز نیکی کی دشوار گھاٹی میں اوپر چڑھنے کی ہدایت بخشی	۹۰	۸ تا ۱۱
انسان کے شایانِ شان افعال:- غلام کو آزاد کرنا، یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا	۹۰	۱۲ تا ۱۶
کئی قسمیں کھا کر فرمایا:-		

	سورۃ	آیت
جس نے اپنے نفس کو پاک کیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس کو آلودہ کیا نامراد ہو گیا۔	۹۱	۱ تا ۱۰
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ احسن تقویم کی تفصیلی بحث	۹۵	۱ تا ۵
انسان دولت کی محبت میں بہت سخت ہے۔ وہ بڑا ناشکرا ہے۔ ان دو باتوں کا وہ خود گواہ ہے	۱۰۰	۸-۶
سب انسان خسارے میں ہیں بجز ان کے جن میں یہ چار صفات ہوں: ایمان، عمل صالح، حق اور صبر کی وصیت	۱۰۳	۳-۲-۱
اوامر		
وزن کو انصاف کے ساتھ قائم رکھو	۵۵	۹
ہر معاملہ میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو	۵۵	۹ حاشیہ
اپنے عظیم پروردگار کی پاکی بیان کرو	۵۶	۷۴
. . . .	۵۶	۹۶
اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور ان مالوں سے خرچ کرو جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے	۵۷	۷
مغفرت اور جنت کی طرف تیزی سے آگے بڑھو	۵۷	۲۱
تقویٰ اختیار کرنے کا حکم، دوگنا رحمت اور نور کی نوید	۵۷	۲۸
نیکی اور تقویٰ کے لیے مشورے کیا کرو	۵۸	۹

جہاد

سیاسیات

مضمون	سُورۃ	آیت
اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اپنا دوست مت بناؤ	۶۰	۱
دشمن کی جاسوسی کرنے والے کا حکم	۶۰	حاشیہ آیت بالا
اگر کافر تم پر قابو پالیں تو تمہیں ہر طرح کی اذیت پہنچائیں	۶۰	۲
جو کفار تم سے برسرِ پیکار نہیں ان پر بے شک احسان کرو	۶۰	۸
البتہ جو کفار تم سے برسرِ پیکار ہیں تمہیں گھروں سے نکالا ہے ان کو دوست نہ بناؤ ورنہ ظالم بن جاؤ گے	۶۰	۹
جب دشمن پر مکمل فتح حاصل ہو جائے تو غرور و تکبر نہ کرو بلکہ اپنے رب کی حمد و تسبیح بیان کرو	۱۱۰	۲
شریعت اسلامیہ میں قانون سازی کا حق	۵۸	۵
سلاطین کو خلافِ شرع قانون بنانے کی اجازت نہیں	۵۸	۵ حاشیہ
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جائے گا	۵۳	۳۸

شرک اور اس کا ابطال

مضمون	سُورۃ	آیت
اللہ تعالیٰ پاک ہے ان سے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں	۵۹	۲۳
مساجد میں اللہ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو	۷۲	۱۸
میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا	۷۲	۲۰
اللہ کے اذن کے بغیر میں نہ ضرر پہنچا سکتا ہوں نہ فائدہ	۷۲	۲۱
مجھے اللہ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا	۷۲	۲۲
لات، عزیٰ اور منات بتوں کے تفصیلی حالات	۵۳	۱۹-۲۰ مع حواشی
اپنے لیے بیٹے، خدا کے لیے بری بیٹیاں، کتنی غلط تقسیم ہے	۵۳	۲۱-۲۲
یہ محض فرضی نام ہیں کوئی حقیقت نہیں	۵۳	۲۳
شرک کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ کبیرہ گناہوں کی تفصیل	۵۳	۳۲ مع حاشیہ

نوٹ: وہ تمام دلائل جو توحید کے ثبوت کے لیے قرآن کریم میں مذکور ہیں ان سے شرک کا ابطال بھی ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ

۱۔ شریعت اسلامیہ کی خصوصیات

مضمون	سُورۃ	آیت
جو قانون سازی کا حق اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں انہیں رسوا کر دیا جاتا ہے	۵۸	۵ مع حاشیہ
سلاطین کو خلافِ شرع قانون بنانے کی اجازت نہیں	۵۸	۵ حاشیہ
حکومت کو قانون سازی کا کہاں کہاں حق ہے	۵۸	۵ حاشیہ
تابع حکم اور منکر حکم میں فرق	۵۸	۱۲ حاشیہ

	سورۃ	آیت
جو اللہ کی حدوں کو توڑتا ہے وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہے	۶۵	۱
اسلامی نظام عبادات کی برکت سے انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے	۷۰	۱۹ تا ۳۵
کسی پر کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں لادا جائے گا	۵۳	۳۸
ہر شخص کو وہی ملتا ہے جس کے لیے وہ سعی کرتا ہے	۵۳	۳۸
۱۲۔ نماز		
نماز ادا کرنے کا حکم	۵۸	۱۳
نماز جمعہ کی فرضیت	۶۲	۹
دیگر متعلقہ مسائل	۶۲	حاشیہ آیت ۹
نماز پر دوام	۷۰	۲۳
صبح و شام ذکر الٰہی میں مشغول رہو	۷۶	۲۵-۲۶
۱۳۔ زکوٰۃ (صدقات)		
راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب	۵۷	۷ مع حاشیہ
جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے رہا ہے جس کے بدلے اسے کئی گنا ملے گا	۵۷	۱۱
صدقہ دینے والے مرد و زن۔ ان کو کئی گنا ملے گا	۵۷	۱۸
ان کے لیے اجر کبیر ہے	۵۷	۱۸
زکوٰۃ دینے کا حکم	۵۸	۱۳
ان کے اموال میں سائل و محروم کا حق ہے	۷۰	۲۴-۲۵
۱۴۔ جرائم و عقوبات		
دشمن کی جاسوسی کرنا	۶۰	۱ کا حاشیہ

	سورۃ	آیت
۵۔ ظہار		
اسلام میں ظہار کا پہلا واقعہ۔ اس کا حکم	۵۸	۱ مع حاشیہ
بیوی کو اپنی ماں کہنا بری بات ہے اور جھوٹ ہے	۵۸	۲
اس طرح وہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی	۵۸	۲
ظہار کی تعریف، ظہار کا کفارہ، تفصیلات	۵۸	۳ مع حواشی
۶۔ مہاجر عورت		
جب کوئی عورت ہجرت کر کے آئے تو اس کا امتحان لو اگر وہ دل سے ایمان لا چکی ہے تو اسے واپس نہ کرو	۶۰	۱۰
وہ اب کفار کے لیے حلال نہیں	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کے امتحان کا طریقہ	۶۰	حاشیہ آیت نمبر ۱۰
مومن اور کافر کے درمیان ازدواج کی ممانعت	۶۰	۱۰
مہاجر عورت کی عدت کا حکم	۶۰	آیت نمبر ۱۰ کا حاشیہ
ان کے ساتھ نکاح کا حکم	۶۰	۱۰
کافر عورتوں کو مسلمان بھی آزاد کریں	۶۰	۱۰
ان عورتوں کے مہر کا مسئلہ	۶۰	۱۰
۷۔ طلاق		
طلاق مباح ہے لیکن از حد ناپسندیدہ اسے ابغض الحلال کہا گیا ہے	۶۵	۱ کا حاشیہ
اس سے عرش کانپ جاتا ہے		

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام، اہل بیت عظام، امت مسلمہ

	سُورۃ	آیت
صحابہ کرام السابقون السابقون ہیں	۵۶	۱۰
یہی حضرات مقرب ہیں اور جنت نعیم میں ہیں	۵۶	۱۱-۱۲
ابتداء میں ان کی تعداد زیادہ بعد میں کم	۵۶	۱۳-۱۴
ان کی عزت افزائیاں	۵۶	۱۵ تا ۲۶
حضرت عکاشہ ان مقربین میں سے ہیں جن سے حساب نہیں لیا جائے گا	۵۶	۳۹ کا حاشیہ
صحابہ کی سجدہ گاہوں اور مزارات کی قسم	۵۶	۷۵ کا حاشیہ
جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے مال خرچ کیا اور جہاد کیا بعد میں آنے والے ان کے ہمسر نہیں ہو سکتے	۵۷	۱۰
ان کا درجہ بہت بڑا ہے (اولئک اعظم درجۃ)	۵۷	۱۰
فتح کے بعد خرچ کرنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو بھی ان کا اجر ملے گا	۵۷	۱۰
حضرت صدیق کا عباء کو کانٹوں سے گانٹھنا، رضائے الٰہی کی نوید، حاملین عرش کا یہی لباس زیب تن کرنا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت ابو دحداح کی شان میں یہ آیت اتری کہ انہوں نے باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دے دیا	۵۷	۱۱ حاشیہ
حضرت فاروق اعظم اس بڑھیا کی باتیں دیر تک کھڑے سنتے رہے	۵۸	۱ حاشیہ

	سُورۃ	آیت
سیدنا علی المرتضیٰ کے سوالات حضور کی بابت	۵۸	۱۲ حاشیہ
اہل ایمان دشمنان اسلام سے محبت نہیں کرتے خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے یا قریبی رشتہ دار	۵۸	۲۲
جنگ کے میدان میں صحابہ کا اپنے کافر رشتہ داروں کو قتل کرنا	۵۸	حاشیہ آیت ۲۲
ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا گیا ہے۔ روح منہ سے ان کی تائید، جنت کا مژدہ، اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی	۵۸	۲۲
یہی اللہ کا لشکر ہیں اور یہی غالب ہیں	۵۸	۲۲
حضرت صدیق نے پہلے جام شہادت نوش کرنے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ انت منی بمنزلۃ سمعی وبصری۔ تو میرے کانوں اور آنکھوں کی جگہ ہے	۵۸	حاشیہ آیت ۲۲
مہاجرین اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طالب ہیں	۵۹	۸
اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔ اولئک ھم الصادقون۔ یہی سچے ہیں	۵۹	۸
انصار کا اپنے مہاجر بھائیوں کے لیے ایثار	۵۹	۹

قرآن کریم

	سورۃ	آیت
نصیحت قبول کرنے والے کے لیے	۵۴	۱۷،۲۲،۳۲
قرآن آسان بنا دیا گیا ہے		۴۰
قرآن کریم رحمٰن نے سکھایا ہے	۵۵	۲
مواقع النجوم کی قسم کھا کر فرمایا یہ قرآن کریم ہے	۵۶	۷۷
اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں	۵۶	۷۹
اسے رب العالمین نے اتارا ہے	۵۶	۸۰
قرآنی آیات اپنے بندہ پر اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہیں تاکہ وہ اندھیروں میں بھٹکنے والوں کو نور کی طرف لے آئے	۵۷	۹
اگر قرآن کریم پہاڑ پر اترتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا	۵۹	۲۱
ایمان لاؤ قرآن پر جو نور ہے	۶۴	۸
قرآن کریم سب کے لیے وجہ عزت و شرف ہے	۶۸	۵۲
قرآن نہ کسی شاعر کا قول ہے نہ کسی کاہن کا	۶۹	۴۱-۴۲
بلکہ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے	۶۹	۴۳
اگر آپ خود گھڑ کر ہماری طرف منسوب کرتے تو رگ دل کاٹ دی جاتی	۶۹	۴۴-۴۵-۴۶
نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن یاد کرانا پھر اس کا مفہوم سمجھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے	۷۵	۱۶ تا ۱۹
قرآن نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کرے	۷۴	۵۴-۵۵

	سورۃ	آیت
یہ قرآن کریم نصیحت ہے	۷۶	۲۹
قرآن کریم نصیحت ہے جس کا جی چاہے نصیحت قبول کرے	۸۰	۱۱-۱۲
قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کرکے نازل فرمایا	۷۶	۲۳
شان قرآن	۸۰	۱۳ تا ۱۶
قرآن کریم کو ایک جلیل القدر فرشتہ لے کر آیا ہے	۸۱	۱۹-۲۰-۲۱
یہ ذکر للعالمین ہے	۸۱	۲۷
یہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں	۸۵	۲۱-۲۲
قرآن کریم قول فیصل ہے جس میں مذاق نہیں	۸۶	۱۱ تا ۱۴
قرآن کریم ہم نے لیلۃ القدر میں نازل کیا	۹۷	۱
لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے	۹۷	۲-۳
وجہ تسمیہ، یہ کس مہینہ کی کونسی رات ہے	۹۷	مع حواشی
اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں	۹۷	۴-۵

دیگر آسمانی کتب

	سورۃ	آیت
حضرت عیسیٰؑ نے تورات کی تصدیق کی	۶۱	۶
موجودہ اناجیل کی تدوین و ترتیب تفصیلات حواشی میں ملاحظہ فرمائیں	۶۱	۶ حاشیہ
برنباس کی شخصیت اور اس کی انجیل کی علمی اور تاریخی حیثیت پر تفصیلی بحث	۶۱	۶ حاشیہ
انجیل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی متعدد بشارتیں	۶۱	۶ حاشیہ

	سورۃ	آیت
صحفِ ابراہیم و موسیٰ میں بھی وہی ہدایات ہیں جو اس قرآن کریم میں ہیں کہ آخرت اس دنیا سے بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے	۸۷	۱۸-۱۹

قیامت

	سورۃ	آیت
قیامت بالکل قریب آگئی ہے	۵۴	۱ مع حاشیہ
اس کی دلیل	۵۴	۱
روزِ قیامت آسمان پھٹ جائے گا اور اس کا رنگ سرخ ہو جائے گا	۵۵	۳۷
اس کے گناہ کے بارے میں کسی جن و انس سے نہ پوچھا جائے گا۔ وہ خود ہی جواب دہ ہوگا	۵۵	۳۹
مجرموں کا حال	۵۵	۴۱ تا ۴۴
قیامت ضرور واقع ہوگی کوئی جھٹلا نہ سکے گا	۵۶	۱-۲
قیامت کسی کو ذلیل اور کسی کو سرفراز کرے گی	۵۶	۳
وقوعِ قیامت کا ہوشربا منظر	۵۶	۴-۵-۶
قیامت کے روز اول و آخر سب جمع کیے جائیں گے	۵۶	۴۹-۵۰
قیامت کے روز تمہیں پیدا کرنا مشکل نہیں	۵۶	۶۰-۶۱-۶۲
روزِ قیامت رشتہ دار اور اولاد کام نہ دے گی	۶۰	۳
کفار کا انکارِ قیامت اور اس کی پُر زور تردید	۶۴	۷
قیامت کو یوم تغابن کہنے کی وجہ	۶۴	۹
کفار پوچھتے ہیں قیامت کب آئے گی؟ آپ فرما دیجیے اس کا علم اللہ کے پاس ہے	۶۷	۲۵-۲۶
قربِ قیامت کے وقت کفار کی حالت	۶۷	۲۷
قیامت آکر رہے گی۔ (الحاقۃ)	۶۹	۱-۲-۳
قیامت پر ایمان اصلاح کا ضامن ہے	۶۹	حاشیہ آیت بالا
جب صور پھونکا جائے گا تو زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائے گا۔	۶۹	۱۳ تا ۱۶
فرشتے بہ اطراف کھڑے کر دیئے جائیں گے	۶۹	۱۷
آٹھ فرشتے عرشِ الٰہی کو اٹھائے کھڑے ہوں گے	۶۹	۱۷
قیامت کے روز آسمان اور پہاڑوں کی حالت	۷۰	۸-۹
کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کو نہیں پوچھے گا	۷۰	۱۰
وہ چاہے گا کہ اپنے بچوں، بیوی بلکہ سب کو بطور فدیہ دے دے اور خود چھوٹ جائے لیکن ناممکن	۷۰	۱۱ تا ۱۸
قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۵	۱-۲
انسان کا یہ خیال باطل ہے کہ وقوعِ قیامت ناممکن ہے	۷۵	۳-۴
قیامت کے انکار کی وجہ	۷۵	۵
وقوعِ قیامت کے وقت کا منظر	۷۵	۶ تا ۹
اس روز کفار کے لیے کوئی جائے پناہ نہ ہوگی	۷۵	۱۰-۱۱-۱۲
انسان کو اس کے اعمال سے آگاہ کیا جائے گا	۷۵	۱۳
انسان ہزار بہانے بنائے اسے حقیقتِ حال کا علم ہے	۷۵	۱۴-۱۵

	سُورۃ	آیت
اہلِ ایمان کے چہرے تر و تازہ ہوں گے	۷۵	۲۲۔۲۳
بدکاروں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوگی	۷۵	۲۴۔۲۵
جس نے اِنسان کو قطرۂ آب سے بنایا اُس کو دوبارہ زندہ بھی کر سکتا ہے	۷۵	۳۷ تا ۴۰
جب صُور پھونکا جائے گا تو کفار کے لیے وُہ بڑا سخت دِن ہوگا	۷۴	۸۔۹۔۱۰
دوزخ بہت بڑی آفت ہے	۷۴	۳۲ تا ۳۶
پانچ قسمیں کھا کر بتایا کہ قیامت ضرور آئے گی	۷۷	۱ تا ۷
قیامت کا ہولناک منظر	۷۷	۸ تا ۱۴
اُس روز جھٹلانے والوں کی تباہی ہوگی	۷۷	۱۵
جہنم کا ہولناک منظر	۷۷	۲۹ تا ۳۴
روزِ قیامت یوم الفصل ہے مجرموں سے قوتِ گویائی سلب کر لی جائے گی	۷۷	۳۵ تا ۳۶
قیامت کے بارے میں ان کے شکوک اور اُن کا رد	۷۸	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر تکوینی دلائل	۷۸	۶ تا ۱۶
وقوعِ قیامت کے لیے ایک وقت مقرر ہے	۷۸	۱۷
منظرِ قیامت	۷۸	۱۸ تا ۲۰
عذابِ قیامت	۷۸	۲۱ تا ۳۰
قیامت ضرور آئے گی	۷۹	۱ تا ۵
وقوعِ قیامت پر کفار کا اظہارِ حیرت	۷۹	۱۰ تا ۱۲
جب قیامت برپا ہوگی اِنسان کو اپنے	۷۹	۳۵

	سُورۃ	آیت
سارے اعمال یاد آجائیں گے	۷۹	۳۵
روزِ حشر اِنسان اپنے بھائی، ماں، باپ، بیوی اور بچوں سب سے بھاگے گا	۸۰	۳۴ تا ۳۶
کتنے چہرے خوش و خرم مسکراتے ہوں گے	۸۰	۳۸۔۳۹
کئی چہرے غبار آلود اور سیاہ ہوں گے	۸۰	۴۰۔۴۱
وقوعِ قیامت کا منظر	۸۰	۴۳
سُورج اور ستارے بے نُور، پہاڑ محوِ گردش، سمندر کے شعلے (اس کی وجہ)	۸۱	۱ تا ۶
زندہ درگور لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ اُسے کیوں زندہ درگور کیا گیا تھا	۸۱	۸
جو کچھ اُس نے کیا روزِ قیامت عیاں ہو جائے گا	۸۲	۱ تا ۵
کئی قسمیں کھا کر فرمایا قیامت ضرور آئے گی	۸۹	۱ تا ۵
جب قیامت برپا ہوگی اُس وقت اِنسان کی آنکھ کھلے گی لیکن بے سُود	۸۹	۲۱ تا ۲۴
وقوعِ قیامت کا منظر	۹۹	۱ تا ۵
روزِ قیامت لوگ گروہ در گروہ نکلیں گے۔ جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی اُسے اُس کا اجر ملے گا، جس نے ذرہ برابر گناہ کیا ہوگا اُسے اُس کی سزا ملے گی	۹۹	۶۔۷۔۸
سخت کھڑک، لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح اور پہاڑ اُون کی مانند ہوں گے	۱۰۱	۱ تا ۹
اُس روز جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وُہ خوش و خرم ہوگا	۱۰۱	۶

	سورۃ	آیت
جن کے پلڑے ہلکے ہوں گے وہ دوزخ میں ہوں گے	۱۰۱	۸ - ۹
قیامت کے منکر یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ سنگدلانہ سلوک کرتے ہیں، نماز میں سستی اور ریاکاری اُن کا شعار ہے	۱۰۷	۱ تا ۷

کفار و مشرکین

	سورۃ	آیت
ان کے عقائد		
ان کے اطوار		
عبرتناک انجام		
کفار معجزات دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے	۵۴	۲
وحی کی تکذیب، ہوائے نفس کی پیروی اُن کا شیوہ ہے	۵۴	۳
روزِ قیامت ان کی حالتِ زار	۵۴	۷ - ۸
کفار کس غلط فہمی میں مبتلا ہیں	۵۴	۴۳ - ۴۴
انہیں یقیناً شکست ہوگی	۵۴	۴۵
روزِ قیامت اُن کا حالِ زار	۵۴	۴۷ - ۴۸
اصحاب المشئمہ	۵۶	۹
ان کی حالتِ زار	۵۶	۴۱ تا ۴۴
اس کی وجہ	۵۶	۴۵ - ۴۶
وہ منکرینِ قیامت تھے	۵۶	۴۷
اس کی سزا	۵۶	۵۱ تا ۵۶
ان کی بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ ان کے حصے میں تکذیبِ قرآن کے سوا کچھ نہیں	۵۶	۸۱ - ۸۲

	سورۃ	آیت
مکذبین کا انجام	۵۶	۹۲-۹۳-۹۴
اے کفار! تمہارے ایمان نہ لانے کی وجہ کیا ہے؟	۵۷	۸
کفار کے لیے دردناک عذاب ہے	۵۸	۴
جو اللہ اور رسول کی حدوں کو توڑتے ہیں انہیں ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے	۵۸	۵
کفار کے لیے رسوا کن عذاب ہے	۵۸	۵
اگر کفار تم پر غلبہ پائیں تو تمہاری تکذیب کر دیں	۶۰	۲
بڑا ظالم ہے جو اللہ پر افترا باندھتا ہے	۶۱	۷
یہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن کامیاب نہ ہوں گے	۶۱	۸
کفار کو اپنے کفر کی سزا ملی	۶۴	۵
انہوں نے اللہ کے رسولوں کا انکار کیا انہوں نے منہ پھیرا اللہ بھی اُن سے بے نیاز ہو گیا	۶۴	۶
اللہ اور اس کے رسول کے نافرمانوں کو سخت سزا دی جائے گی	۶۵	۸
کفار کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا	۶۶	۷
کفار کے لیے جہنم	۶۷	۶
کفار کا دوزخ میں پھینکا جانا اور دیگر ہولناک مناظر	۶۷	۷-۸-۹
کفار کا اعتراف کہ ہم خطاکار تھے	۶۷	۱۰ - ۱۱
کفار اللہ کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے	۶۷	۱۶ - ۱۷
گزشتہ برباد شدہ قوموں سے عبرت حاصل کرو	۶۷	۱۸
کیا اُن کے پاس ایسا لشکر ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچا سکے؟	۶۷	۲۰

	سُورۃ	آیت
وُہ کہتا ہے کہ قرآن جادو ہے یہ جادوگر ہیں	۷۴	۲۳-۲۵
اس کو دوزخ میں پھینکا جائے گا	۷۴	۲۶ تا ۲۹
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۷۴	۴۸
کفار ان گدھوں کی طرح ہیں جو شیر کو دیکھ کر بھاگے جا رہے ہیں	۷۴	۴۹-۵۰ ، ۵۱
کفار ایمان لانے کے لیے شرطیں پیش کرتے ہیں	۷۴	۵۲
کفار کے لیے بھڑکتی آگ، طوق و سلاسل	۷۶	۴
یہ لوگ آجل نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کی نعمتوں کو نظر انداز کرتے ہیں	۷۶	۲۷
سرکشوں اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہو گا	۷۹	۳۷-۳۸ ، ۳۹
ناشکرا انسان ہلاک ہو گا	۸۰	۱۷
وُہ اپنی تخلیق پر غور کیوں نہیں کرتے	۸۰	۱۸ تا ۲۲
صرف سرکش اور بدکار ہی قیامت اور قرآن کا انکار کرتے ہیں	۸۳	۱۱،۱۲،۱۳
انہیں دیدارِ الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا	۸۳	۱۵
پھر انہیں جہنم رسید کر دیا جائے گا	۸۳	۱۶-۱۷
جس کتاب میں کفار کے اعمال ہوں گے اُسے سجین کہا جاتا ہے	۸۳	۷-۸
اہلِ ایمان کا مذاق اُڑانا ان کا دستور ہے	۸۳	۲۹ تا ۳۲
ان کا نامۂ عمل انہیں پس پشت دیا جائے گا	۸۴	۱۰
اس پر اس کا شور و غوغا	۸۴	۱۱،۱۲،۱۳،۱۴
اصحاب الاخدود تباہ ہو گئے، ان کے لیے ابدی عذاب	۸۵	۱ تا ۷

	سُورۃ	آیت
مسلمانوں پر ان کی ناراضگی کی صرف یہ وجہ تھی کہ وُہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے تھے	۸۵	۸-۹
کفار مکر و فریب کر رہے ہیں میں انہیں ناکام بنا دُوں گا	۸۶	۱۵
روزِ قیامت کفار کی حالتِ زار	۸۸	۱ تا ۷
بدبخت آگ میں جلیں گے	۹۲	۱۴،۱۵،۱۶
انسان جب اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرنے لگتا ہے	۹۶	۷-۸
ابوجہل کی گستاخانہ حرکت اور اس کو تنبیہ	۹۶	۹-۱۰
اگر وُہ ہدایت قبول کرتا تو کتنا اچھا ہوتا	۹۶	۱۱-۱۲
اگر وُہ ان گستاخیوں سے باز نہ آیا تو ہم اُس کو اس کی پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے	۹۶	۱۵ تا ۱۹
کفار و مشرکین کفر کو نہیں چھوڑیں گے۔		
کیا وُہ نہیں جانتے کہ قیامت کے روز قبروں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ اور سینے کے راز آشکار ہوں گے	۱۰۰	۹-۱۰
مال زیادہ کرنے کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا ہے	۱۰۱	۱ تا ۵
ہلاکت ہے طعنے دینے والوں کے لیے پس پشت عیب جوئی کرنے والوں کے لیے	۱۰۴	۱
جو مال جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے	۱۰۴	۲

	سورۃ	آیت
خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اُسے باقی بنا دے گا	۱۰۴	۳
اس کے لیے حطمہ ہے حطمہ کی توضیح	۱۰۴	۴ تا ۹
کعبہ پر ابرہہ کی لشکر کشی اور ابابیل سے اس کی بیخ کنی (تفصیلات)	۱۰۵	۱ تا ۵
کفار کو بتا دیا کہ نہ پہلے میں نے تمہارے بتوں کی پوجا کی نہ آئندہ کروں گا اسی طرح تم کو بھی میرے معبودِ برحق کی عبادت کی توفیق نصیب نہ ہوئی ہے نہ ہو گی	۱۰۹	۱ تا ۶
مشرکوں نے بتوں کے فرضی نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی کوئی سند نہیں	۵۳	۲۳
یہ محض ظن اور ہوائے نفس کی پیروی کرتے ہیں	۵۳	۲۳
کفار کے لیے شفاعت نہیں	۵۳	۲۶ مع حاشیہ
مشرکین فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں	۵۳	۲۷
یہ محض ظن کے پیروکار ہیں	۵۳	۲۸
اور ظن کوئی فائدہ نہیں دیتا	۵۳	۲۸
کفار کے اخلاق و اطوار	۵۳	۳۲،۳۳،۳۴

معاشیات

	سورۃ	آیت
تولنے میں زیادتی اور کمی کی ممانعت	۵۵	۸ تا ۹ مع حواشی
والارض وضعہا للانام سے اشتراکیت کا نظریہ ثابت کرنا غلط ہے	۵۵	۱۰ حاشیہ
دولت کی فراوانی کبھی سرکشی و طغیان کا باعث بھی بن جاتی ہے	۵۶	۴۵
جو اموال تمہارے پاس ہیں ان میں تم اللہ کے نائب ہو	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر کبیر ہے	۵۷	۷
جو لوگ راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں وہ اللہ کو قرضِ حسن دیتے ہیں	۵۷	۱۱
جو لوگ راہِ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اجر کبیر ہے	۵۷	۱۸
دنیوی زندگی لہو و لعب ہے۔ زینت، مال اور اولاد کی کثرت پر تفاخر ہے	۵۷	۲۰
اس کی مثال	۵۷	۲۰
ما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور	۵۷	۲۰
مالِ فئی کی تعریف اس کے مصارف مالِ غنیمت	۵۸	۶-۷ مع حواشی
اسلامی اقتصادیات کا زرّیں اصول کہ دولت اغنیاء ہی میں گھومتی نہ رہے	۵۸	۷
اسلامی بیت المال اس کے ذرائع آمدن اور مصارف تفصیلی بحث	۵۹	۷ مع حاشیہ
نمازِ جمعہ کے بعد کسبِ معاش کے لیے زمین میں پھیل جاؤ	۶۲	۱۰

	سورۃ	آیت
جو تقویٰ اختیار کرے گا اس کی برائیوں کو محو کر دیا جائے گا اور اسے بڑا اجر ملے گا۔	۶۵	۵
اہل ایمان ہی اہل خرد ہیں	۶۵	۱۰
جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور اجر کبیر ہے	۶۷	۱۲
متقین کے لیے جنت نعیم ہے	۶۸	۳۴
مسلمان اور کافر یکساں نہیں	۶۸	۳۵-۳۶
اہل ایمان کو ان کے نامہ ہائے عمل دائیں ہاتھوں میں دیے جائیں گے۔ ان کی خوشی	۶۹	۱۹ تا ۲۴
جذب الٰہی اور شیخ کامل کی توجہ کے بغیر فنائے قلب کے مقام تک رسائی ممکن نہیں	۷۰	۴ حاشیہ
شیخ کامل کی توجہ سے وہ مقام ملتا ہے جو ہزار سالہ عبادت و ریاضت سے نہیں ملتا	۷۳	۸ کا حاشیہ
ابرار کے لیے جنت کی نعمتیں	۷۶	۵-۶
ابرار کی صفات حمیدہ۔ وہ نذر پوری کرتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں۔	۷۶	۷
اللہ کی محبت کے لیے وہ مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں	۷۶	۸-۹-۱۰
اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے شر سے بچائے گا	۷۶	۱۱
دیگر انعامات	۷۶	۱۲ تا ۲۲

	سورۃ	آیت
متقین پر عنایات	۷۸	۳۱ تا ۳۳
مدبرات امر میں وہ شامل ہیں	۷۸	۵
ان کی قبور کی زیارت کی وجہ سے زائرین کی مشکلیں حل ہوتی ہیں	۷۸	۵ کا حاشیہ
اللہ کے مقبولوں کو روز قیامت کوئی حزن نہ ہوگا	۷۹	۹ حاشیہ
جو اللہ کی جناب میں حاضر ہونے سے ڈرتا رہا اور نفس کو سرکشی سے روکتا رہا اس کا مقام جنت ہے	۷۹	۴۰-۴۱
ہوائے نفس سے بچنے کا طریقہ۔ مرشد کامل کا دامن مضبوطی سے پکڑے۔	۷۹	۴۰ کا حاشیہ
جس کتاب میں ابرار کے اعمال محفوظ ہیں اس کا نام علیین ہے	۸۳	۱۸-۱۹-۲۰
علیین کی مزید تحقیق	۸۳	حاشیہ آیت بالا
ابرار پر مزید عنایات	۸۳	۲۲ تا ۲۸
ان کو نامۂ عمل دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور وہ خوشی خوشی واپس لوٹیں گے	۸۴	۷-۸-۹
اہل ایمان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے	۸۴	۲۵
جو تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اپنے رب کا ذکر کرتا ہے۔ نماز ادا کرتا ہے۔ وہ کامیاب ہوگا	۸۷	۱۴-۱۵
اہل ایمان کے شگفتہ چہرے اور دیگر بے شمار انعامات	۸۸	۸ تا ۱۶
نفس مطمئنہ کو بشارتیں (ارجعی الی ربک)	۸۹	۲۷-۲۸-۲۹-۳۰
متقی دوزخ کی آگ سے بچ جائیں گے	۹۲	۱۷ تا ۲۰

	سُورۃ	آیت
حضرت غوث اعظمؒ کا ارشاد وقدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ	۹۲	۱۱ حاشیہ
ایمان والوں کے لیے اجر غیر ممنون ہے	۹۵	۶ مع حاشیہ
اہل ایمان خیرالبریۃ ہیں انہیں جنت ملے گی	۹۸	۷ - ۸
اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی	۹۸	۸
یہ سعادت اُسے ملتی ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے	۹۸	۸
مرشد کامل کی توجہ سے مریدوں کے فطری نقائص اور خامیاں بھی دور ہو جاتی ہیں	۱۱۰	۳ کا حاشیہ

منافقین

	سُورۃ	آیت
روزِ قیامت منافق کہیں گے۔ اے اہل ایمان ہمیں بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ تاکہ تمہارے نورِ ایمان میں ہم بھی یہ فاصلہ طے کریں۔ ان کا جواب	۵۷	۱۳
منافق پکاریں گے کیا دُنیا میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے مسلمانوں کا جواب	۵۷	۱۴
آج ان سے اور کفار سے کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا	۵۷	۱۵
منافقین گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے لیے سرگوشیاں کرتے ہیں حالانکہ انہیں روکا گیا ہے	۵۸	۸
منافقین کی دلی ہمدردیاں کفار کے ساتھ ہیں	۵۸	۱۴ حاشیہ
وہ جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں	۵۸	۱۴
ان کے لیے شدید عذاب تیار ہے	۵۸	۱۵
اُنہوں نے قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اِس طرح وُہ لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں	۵۸	۱۶
ان کے مال اور ان کی اولاد انہیں عذاب الٰہی سے بچا نہ سکے گی	۵۸	۱۷
یہ قیامت کے دن بھی جھوٹی قسمیں کھائیں گے	۵۸	۱۸
شیطان نے ان پر تسلط جما رکھا ہے اور یادِ خدا سے انہیں غافل کر دیا ہے	۵۸	۱۹
یہی لوگ حزب الشیطان ہیں	۵۸	۱۹
منافقین نے بنی نضیر کو کہلا بھیجا کہ وُہ ہرگز مدینہ نہ چھوڑیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں تمہارے ساتھ مریں گے اکٹھے یہاں سے نکلیں گے	۵۹	۱۱
وُہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ وُہ پرلے درجے کے جھوٹے اور بزدل ہیں	۵۹	۱۲
منافقین اور یہود کی مثال ایسی ہے جیسے شیطان اور انسان	۵۹	۱۷-۱۶
منافق زبانی حضورؐ کی رسالت کی گواہی دیتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تکذیب فرماتا ہے	۶۳	۱
اپنی قسموں کو انہوں نے ڈھال بنا رکھا ہے	۶۳	۲
ان کے کرتوتوں کے باعث ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی	۶۳	۳
ان کے ظاہر خوشنما، باتیں بڑی دلچسپ۔ لیکن خود بے کار	۶۳	۴

سرٹیفکیٹ

میں نے اس قرآن مجید کو حرفاً حرفاً نہایت غور اور امعان نظر سے پڑھا ہے اور میں تصدیق کرتا ہوں کہ اس کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

ابوالفیض محمد عبد الکریم
خطیب جامع مسجد خانقاہ ڈوگراں
ضلع شیخوپورہ

[illegible]

ابو الفیض محمد عبد الکریم
ابو البرکات چشتی